



جلد دوم: تفسیر حلال و حرام



تفسیر کمالین

شرح اردو

تفسیر حلالین

شرح

حضرت مولانا محمد عظیم دیوبندی صاحب

استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

تفسیر

علامہ جلال الدین محلی و علامہ جلال الدین سیوطی

دارالانشاء

ادوکارا اسماعیل بیچل روڈ کراچی پاکستان 021-32213768



# تَفْسِيرُ کَمَالِیْنِ

شرح اُردو

# تَفْسِيرُ جَلَالِیْنِ

جلد ششم، ہفتم

پارہ ۲۵ تا پارہ ۳۰

بقیہ سورۃ فُصِّلَتْ (حَمَّ السَّجْدَةِ)

تا

سورۃ النَّاسِ

تَفْسِیْرُ

عَلَامَہ جَلَالُ الدِّیْنِ مَحَلِّی و عَلَامَہ جَلَالُ الدِّیْنِ سُبُوٹِی

شرح

حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحبِ ظہیر

استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

مکتبہ

دارالاشاعت

آؤ و بازار ایم ایس جٹ روڈ کراچی پاکستان 2213768

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر

پاکستان میں جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین ۶ جلد مترجم و شارح مولانا نعیم الدین اور کچھ پارے مولانا انظر شاہ صاحب کی تصنیف کردہ کے جملہ حقوق ملکیت اب پاکستان میں صرف خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی کو حاصل ہیں اور کوئی شخص یا ادارہ غیر قانونی طبع و فروخت کرنے کا مجاز نہیں۔ سینٹرل کاپی رائٹ رجسٹر ارنو بھی اطلاع دے دی گئی ہے لہذا اب جو شخص یا ادارہ بلا اجازت طبع یا فروخت کرتا پایا گیا اس کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ ناشر

انڈیا میں جملہ حقوق ملکیت وقار علی مانگ مکتبہ تھانوی دیوبند کے پاس رجسٹرڈ ہیں

خلیل اشرف عثمانی

باہتمام

ایڈیشن جنوری ۲۰۰۸ء

طباعت

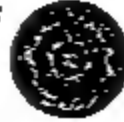
۶ جلد صفحات ۳۲۲۳

ضخامت

تصدیق نامہ

میں نے ”تفسیر کمالین شرح اردو تفسیر جلالین“ کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا جو کی نظر آئی اصلاح کر دی گئی۔ اب الحمد للہ اس میں کوئی غلطی نہیں انشاء اللہ۔

محمد شفیق (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ جامعہ بنوری نادان)  
نمبر جاریہ R ROAUQ 2002/338  
رجسٹرڈ پروف ریڈر محمد اوقاف سندھ



23/08/06

..... ملنے کے پتے .....

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

مکتبہ امدادیہ بی بی ہسپتال روڈ ملتان

کتب خاتہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ رحیم آباد۔ روڈ۔ الہند

مکتبہ اسلامیہ کامی بازار۔ ایبٹ آباد

مکتبہ المعارف محمد جنتی۔ پشاور

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437، ریب روڈ سیلہ کراچی

بیت العلم مقام بل اشرف الممدارن گلشن اقبال بلاک ۴ کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre  
119-121, Halli Well Road  
Bolton BL 3NF U.K.

Azhar Academy Ltd.  
At Continents (London) Ltd  
Cooks Road, London E15 2PW

یہ پاکستانی طبع شدہ ایڈیشن صرف انڈیا یا یسپورٹ نہیں کیا جاسکتا

# اجمالی فہرست

## جلد ششم و ہفتم پارہ نمبر ﴿۲۵ تا ۳۰﴾

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
			<b>پارہ الیہ یزد</b>
۴۳	توبہ و انابت پر بشارت		اللہ کا علم ذاتی دلیل توحید ہونے کے ساتھ دلیل قیامت بھی ہے
۴۴	دنیا میں نہ سب امیر ہیں نہ سب غریب	۴۴	انسان کی حرص و طمع لامحدود ہے
۴۹	شان نزول و روایات	۴۴	انسان کی خود فریبی
۴۹	نعمت و مصیبت دونوں حکمت الہی کے تحت ہیں	۴۵	یاس اور دعا میں کوئی منافات نہیں
۵۰	ایک اور شبہ اور اس کا جواب	۴۵	فرمانبردار اور نافرمان کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں
۵۰	تمام ایجادات کا سرچشمہ اللہ کی قدرت ہے	۴۵	ایک علمی اشکال کو جواب
۵۰	اخلاق فاضلہ	۴۶	فرشتوں میں جسم اور عقل ہوتا ہے
۵۱	مشورہ کے حدود	۴۴	استغفار کی برکت سے نظام عالم قائم ہے
۵۱	بدل کی حدود	۴۴	مکہ زمین کا نقطہ آغاز ہے
۵۱	معافی کی حدود	۴۵	دین و مذہب کا بنیادی پتھر
۵۶	پیغمبر کا کام سمجھنا ہے منوادی نہیں ہے	۴۵	دین و مذہب اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے
۵۶	اولاد کی تقسیم حصر عقلی پر اشکال کا جواب	۴۵	دنیا میں ہمیشہ دو طبقے رہے ہیں
۵۶	اللہ سے ہمکلام ہونے کی تین صورتیں	۴۵	غیر متزلزل عزم اور دنیا کی سب سے پرانی حقیقت
۵۷	فرشتہ کے ذریعہ وحی کی ایک اور شق	۴۶	اللہ کی میزان عدل و انصاف
۵۷	اولیاء کا فرشتوں سے ہمکلام ہونا	۴۶	خوف اور شوق دو طرح کے ہوتے ہیں
۵۸	وحی سے پہلے اور وحی کے بعد نبی کے ایمانی منازل	۴۷	یقینی وعدوں پر تو اطمینان نہیں مگر موبوم پر کامل اعتمال ہے
۶۵	قرآن کی خرابیاں اور خصوصیات	۴۲	انسانیت و قرابت کا لحاظ کر کے ہی ظلم سے باز آنا چاہئے
۶۵	جو خالق ہے وہی معبود ہے	۴۴	محبت اہل بیت و جزو ایمان ہے
۶۶	اللہ کی شان میں حد درجہ گستاخی	۴۳	چار مقدمات استدلال



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۱۰	ہر شخص اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے	۶۶	مجموعی اعتبار سے عورت مرد سے کمزور اور کم سمجھ ہوتی ہے
۱۱۰	ناز برداری سے انسان بگڑ جاتا ہے	۶۷	فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت
۱۱۰	نیک معاش اور بد معاش کا انجام	۶۷	مشرکین کی دلیل کا تار و پود
۱۱۳	مومن و کافر کی دنیا و آخرت یکساں نہیں ہو سکتی	۶۷	اندھی تقلید کے سوا مشرکین کے پاس کیا ہے؟
۱۱۶	عقل معاش معاد کیلئے کافی نہیں ہے	۷۳	قرآن کو جادو بتلانے والے
۱۱۷	انکار آخرت کی دلیل نہیں بلکہ وجود آخرت کی دلیل ہے	۷۳	ایک شبہ کا ازالہ
۱۱۷	اشکال کا جواب	۷۵	شبہ کا ازالہ
	پارہ حم	۷۵	شبہات کا جواب
۱۲۵	تحقیق و ترکیب	۷۵	ہدایت و گمراہی اللہ کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں
۱۲۶	ربط آیات	۸۱	فرعون کی ڈینگیں
۱۲۶	تشریح	۸۱	بھانت بھانت کی بولیا
۱۲۶	مشرکین کی حماقت	۸۲	حضرت عیسیٰ کی پیدائش اللہ کی قدرت کی نشانی ہے
۱۲۷	قرآن اور جادو میں فرق	۸۲	حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی حکمتیں
۱۲۷	نکتہ نادرہ و تحقیق لطیف	۸۳	حضرت عیسیٰ نے یہود کی اصلاح فرمائی
۱۲۸	ایک دقیق کا اشکال کا حل	۸۳	عیسائیوں کی چار ہمتیں
۱۲۸	ایک علمی تحقیق اہل	۸۸	اللہ کیلئے اولاد کا عقیدہ
۱۲۸	نہ نبی انوکھا اور نہ دعوت انوکھی ہے	۹۳	قرآن شب قدر میں نازل ہوا یا شب براءت میں
۱۲۹	پیغمبر آخر کی اطلاع پہلے سے چلی آ رہی ہے	۹۳	قسط کا عذاب
۱۲۹	شامد سے کیا مراد ہے	۹۵	دھوئیں کا عذاب
۱۳۰	اطراف سلوک	۹۵	سزا کے وقت توبہ بے فائدہ ہے
۱۳۲	تحقیق و ترکیب	۹۷	حضرت موسیٰ کا نعرہ آزادی
۱۳۳	شان نزول	۹۶	زمین و آسمان کا رونا
۱۳۳	تشریح	۱۰۱	تبع کون تھے؟
۱۳۳	پرانا جھوٹ نہیں بلکہ پرانا سچ ہے	۱۰۲	قیامت کا ہونا عقلی ہے یا نقلی
۱۳۵	دودھ پلانے کی مدت	۱۰۲	زقوم کی تحقیق
۱۳۵	چالیس سال پختہ کاری کا زمانہ ہوتا ہے	۱۰۸	شان نزول
۱۳۵	نادان اولاد کا رویہ	۱۰۹	قرآن سے زیادہ سچی بات کوئی ہے

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۵۶	علامات قیامت	۱۲۶	اطائف سلوک
۱۵۶	پیغمبر کا استغفار کرنا	۱۲۹	تحقیق و ترکیب
۱۵۷	اطائف سلوک	۱۳۴	رابط
۱۶۰	تحقیق و ترکیب	۱۳۲	شان نزول و روایات
۱۶۲	رابط	۱۳۲	تشریح
۱۶۲	شان نزول و روایات	۱۳۳	قوم عاد و ہود پر عذاب کا بادل
۱۶۳	تشریح	۱۳۳	انسان سے تو جنات ہی غنیمت نکلے
۱۶۳	جہاد کے فوائد و مصالح	۱۳۳	جنات کی نظر میں قرآن
۱۶۳	دلوں پر پانی	۱۳۳	اسلام لانے سے بچھلے گناہ و معاف ہو جاتے ہیں
۱۶۳	مخلص و منافق کی پہچان	۱۳۴	جنات جنت میں جائیں گے یا نہیں
۱۶۵	کفر و نفاق سے اللہ کا کچھ نقصان نہیں	۱۳۴	اولوالعزم پیغمبر کون ہوتے ہیں
۱۶۵	فرمانبرداری اور نافرمانی کے درجات	۱۳۴	اطائف سلوک
۱۶۵	حقیقہ شوافع کا اختلاف	۱۳۷	تحقیق و ترکیب
۱۶۶	بزدل مسلمان کا شیوہ نہیں ہے	۱۳۸	رابط
۱۶۶	دنیا اور آخرت کا موازنہ	۱۳۹	تشریح
۱۶۷	امام اعظم کی منقبت	۱۳۹	حق و باطل کی آویزش
۱۶۷	اطائف سلوک	۱۵۰	اسیران جنگ کی رہائی
۱۷۱	تحقیق و ترکیب	۱۵۰	جہاد کی حکمت عملی
۱۷۲	رابط	۱۵۰	اللہ کی مدد مسلمانوں کیلئے ہے
۱۷۳	شان نزول و روایات	۱۵۲	تحقیق و ترکیب
۱۷۵	تشریح	۱۵۴	رابط آیات
۱۷۵	فتح مبین	۱۵۴	شان نزول و روایات
۱۷۶	شاہانہ انعامات	۱۵۵	تشریح
۱۷۶	چار وعدے	۱۵۵	نیک و بد کیا برابر ہو سکتے ہیں
۱۷۷	فتح مکہ سب مغفرت ہے	۱۵۵	جنت کی نہریں
۱۷۷	فتح مکہ میں عورتیں	۱۵۶	دوزخیوں کا حال
۱۷۸	بیعت جہاد اور بیعت سلوک	۱۵۶	منافقین کا دوغلا پن

صفحہ نمبر	موضوعات	صفحہ نمبر	موضوعات
۲۰۱	ایک نفیس علمی بحث	۱۷۹	منافقین کے حیلے بہانے
۲۰۲	تعظیم نبوی کی ترغیب	۱۸۰	منافقین کا پوسٹ مارٹم
	حضور ﷺ کی محبت و تعظیم ہی مسلم قوم کی ترقی کیلئے نقطہ	۱۸۰	فتح خیبر
۲۰۲	عروج ہے	۱۸۱	ناپاک ذہن میں خیالات بھی ناپاک آتے ہیں
۲۰۲	انتہائی ادب کا تقاضہ	۱۸۱	لطائف سلوک
۲۰۳	بے تحقیق خبر پر عمل کرنے سے بڑی خرابیاں ہو جاتی ہیں	۱۸۵	تحقیق و ترکیب
۲۰۳	چند شبہات کا ازالہ	۱۸۹	تشریح
۲۰۳	خبر کی تحقیق کہاں ضروری ہے؟	۱۸۹	حدیبیہ فتح خیبر کا اور وہ فتح مکہ کا پیش خیمہ بنا
۲۰۳	رسول ﷺ کی اطاعت	۱۸۹	سنۃ اللہ
۲۰۵	اسلام ایک دوائی قانون ہے	۱۸۹	حدیبیہ کی صلح میں مصالح
۲۰۵	مسلمانوں کے جھگڑوں کا حل	۱۹۰	چند شبہات کا ازالہ
۲۰۵	مسلمانوں میں باہم ملاپ ضروری ہے	۱۹۱	شرکیں کی ہٹ دھرمی
۲۰۶	مسلمانوں کے اختلافات کرنے کے طریقے	۱۹۱	سچا خواب
۲۰۶	لطائف آیات	۱۹۱	حدیبیہ میں جنگ میں نہ ہونا ہی مصلحت تھا
۲۰۹	تحقیق و ترکیب	۱۹۲	دین متین اور فتح مبہن
۲۱۰	شان نزول	۱۹۲	صحابہ کرام کی شان
۲۱۱	ربط آیات	۱۹۲	مدح صحابہ اور خلفاء راشدین کا امتیاز
۲۱۱	محاسن اخلاق جماعتی نظام کے ضروری ہیں	۱۹۳	تورات و انجیل کی تائید
۲۱۲	کسی کو برے ناموں سے پکارنا دل آزاری کی بدترین قسم ہے	۱۹۳	رور و انفض
۲۱۲	اختلاف کی کہانیاں	۱۹۳	لطائف آیات
۲۱۲	مختلف قسم کے گمان اور ان کے احکام	۱۹۷	تحقیق و ترکیب
۲۱۳	تجسس، غیبت، بہتان کے احکام	۱۹۸	شان نزول
۲۱۳	مدار فضیلت خاندانی اونچ نیچ نہیں، بلکہ ایمان و عمل ہے	۱۹۹	ربط آیات
۲۱۵	اسلام ناز کی بجائے نیاز کو پسند کرتا ہے	۱۹۹	تشریح
۲۱۵	آنحضرت اور خود مسلمانوں کے باہمی حقوق کا خلاصہ	۱۹۹	آداب نبوی ﷺ
۲۱۵	لطائف آیات	۲۰۰	آداب نبوی ﷺ کی کیفیت
۲۲۳	ربط آیات	۲۰۰	گناہوں سے ایمان چلا جاتا ہے یا نہیں؟

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۵۲	انس و جن کی پیدائش عبادت کیلئے ہے	۲۲۳	تشریح
۲۵۲	عبادت سے اللہ کی غرض وابستہ نہیں	۲۲۴	قیامت ممکن بھی ہے اور واقعی بھی
۲۵۳	اطائف سلوک	۲۲۴	ضدی آدمی ہر سچی بات کا انکار کر دیتا ہے
۲۵۶	تحقیق و ترکیب	۲۲۴	آسمان نظر آتا ہے یا نہیں
۲۵۹	رابط آیات	۲۲۵	قیامت کے امکان کی دلیل
۲۵۹	شان نزول و روایات	۲۲۵	قیامت کے واقع ہونے کا بیان
۲۶۰	تشریح	۲۲۵	علم الہی اور کراماتیں دو نواں اعمال کے نگران ہیں
۲۶۰	مختلف قسموں کی مناسبت	۲۲۵	اللہ کے دربار میں شیطان اور انسان کی نوک جھونک
۲۶۰	دوزخ میں کفار کی حالت و احوال	۲۲۹	تحقیق و ترکیب
۲۶۱	جنتیوں کے مزے و ذریعہ کا مفہوم عام ہے	۲۳۰	روایات
۲۶۱	ذریعہ کا مفہوم عام ہے	۲۳۱	تشریح
۲۶۱	قانون فضل و عدل	۲۳۱	شبہات اور جوابات
۲۶۲	اطائف سلوک	۲۳۲	اطائف سلوک
۲۶۲	تحقیق و ترکیب	۲۳۶	تحقیق و ترکیب
۲۶۶	تشریح	۲۳۸	رابط آیات
۲۶۶	مستقبل فیصلہ کن ہوگا	۲۳۸	تشریح
۲۶۷	اللہ کے کام کی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے	۳۸	نظام عالم قیامت کی شہادت دے رہا ہے
۲۶۷	شرک کا بہترین اور عقلی رد	۲۳۹	سب کی روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے
۲۶۸	نبوت و رسالت عقلی نقلی دلیل کے آئینہ میں	۲۴۰	اطائف آیات
۲۶۹	دعوت و تبلیغ پر معاوضہ کی فرمائش		پارہ قال فما خطبکم
۲۶۹	علم غیب سے کیا مراد ہے	۲۴۸	تحقیق و ترکیب
۲۶۹	معاندین کیلئے فرمائش معجزات کا پورا کرنا مصلحت نہیں بلکہ	۲۴۹	منصہرین
	پورا نہ کرنا مصلحت ہے	۲۵۰	رابط آیات
۲۷۰	ضدی لوگوں کا علاج اللہ کے حوالہ کرنا ہے	۲۵۰	تشریح
۲۷۰	اطائف سلوک	۲۵۰	مجرمین کا انجام
۲۷۳	تحقیق و ترکیب	۲۵۱	اللہ کی کمال صناعت
۲۷۷	روایات	۲۵۱	دو شبہ اور ان کا جواب



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۹۱	آحضرت ﷺ کی آمد قیامت کی آمد کا مقدمہ ہے	۲۷۸	رابط آیات
۲۹۱	لطائف سلوک	۲۷۸	تشریح
۲۹۵	تحقیق و ترکیب	۲۷۸	انبیاء کرام نجوم ہدایت اور آنحضرت ﷺ آفتاب ہدایت ہیں
۲۹۶	رابط آیات	۲۷۸	ایک شبہ کا ازالہ
۲۹۷	شان نزول و روایات	۲۷۹	آنحضرت نے جبریل کو مکمل طور پر شناخت کر لیا
۲۹۷	تشریح	۲۷۹	آنحضرت نے آنکھ اور دل دونوں سے جبریل کو پہچان لیا
۲۹۸	آنحضرت ﷺ کے معجزات سب سے افضل ہیں	۲۸۰	ہٹ دھرم کی حد ہو گئی
۲۹۸	سورج سے زیادہ چاند میں تصرف ہوا	۲۸۰	چند شبہات کا ازالہ
۲۹۹	بطیموی نظریہ پر چاند کا شق	۲۸۱	کوئی حد ہے ان کے عروج کی
۲۹۹	فلکیات میں فرق و التیام	۲۸۱	دیدار الہی اور تجلیات ربانی
۲۹۹	پتھروں پر جو تک نہیں لگتی	۲۸۲	محمل میں ثبات کے بے جوڑ پیوند
۳۰۰	طوفان نوح	۲۸۲	کفر یہ کلمات کسی مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے
۳۰۰	قرآن آسان بھی ہے اور مشکل بھی	۲۸۳	کون سفارشی ہوں گے اور کن کیلئے سفارش ہوگی
۳۰۱	لطائف سلوک	۲۸۳	یہ آیت قیام و اجتہاد کے خلاف نہیں ہے
۳۰۳	تحقیق و ترکیب	۲۸۳	اعمال کی جزا و سزا
۳۰۵	رابط	۲۸۳	بڑے گناہوں سے بچنا اور معمولی غلطیوں سے درگزر
۳۰۵	تشریح	۲۸۳	نہ مایوسی کی گنجائش ہے اور نہ عجب کا موقعہ
۳۰۵	محررین کو جلد معلوم ہو جائے گا	۲۸۴	حقیقتہً متقی کون ہے
۳۰۵	لطائف سلوک	۲۸۵	ایک نادر علمی تحقیق
۳۰۷	تحقیق و ترکیب	۲۸۵	جب خاتمہ کا حال معلوم نہیں پھر خود پسندی
۳۰۸	رابط آیات	۲۸۵	لطائف سلوک
۳۰۸	روایات	۲۸۷	تحقیق و ترکیب
۳۰۹	تشریح	۲۸۹	رابط آیات
۳۰۹	کفار کی طاقت کا نشہ جلد ہی اتر گیا	۲۸۹	شان نزول و روایات
۳۱۶	انسان اور قرآن و بیان	۲۹۰	تشریح
۳۱۶	آسمان زمین اور اس کے درمیان کتنی ہی نعمتیں ہیں	۲۹۰	آسمانی صحیفوں کی تعلیم
۳۱۶	اللہ کے کام اور کلام دونوں میں تکرار ہے	۲۹۰	انسان کی طرح اس کی ضروریات بھی اللہ کے تصرف میں ہیں

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۵۴	اہل ایمان کا جواب	۳۱۷	بیشمار نعمتوں کا تعلق مشرق و مغرب سے ہے
۳۵۴	قرآن اور ذکر اللہ کا اثر	۳۱۸	میٹھے اور کھاری سمندر کی نعمتیں
۳۶۰	دنیا کی زندگی چار دن کی چاندنی	۳۱۸	سزائیں بھی ایک طرح کا انعام ہیں
۳۶۰	مایوسی اور ناز و نفوس بے جاں ہیں	۳۲۳	اول کے دو باغ خواص کے لئے ہوں گے
۳۶۱	کتاب کے ساتھ اللہ نے ترازو اور لوہا ہی اتار	۳۲۳	تخصیص کے قرآن و دلائل
۳۶۱	اسلام نرمی و ہبانیت سے روکتا ہے	۳۲۳	عام مؤمنین کیلئے دو باغ
۳۶۲	بدعت و رسوم میں فرق ہے	۳۳۲	اصحاب الیمین
۳۶۲	اہل کتاب ایمان لائیں تو دو ہر اثواب	۳۳۳	اصحاب الشمال
	<b>پارہ قد سمع اللہ</b>	۳۳۳	تحقیقی علمی
۳۷۷	ظہار کسے کہتے ہیں؟	۳۳۳	جنت کی مادی اور روحانی نعمتیں
۳۷۷	احکام ظہار	۳۳۴	مشکل کا حل
۳۷۷	کفار ظہار میں سرزنش کا پہلو	۳۳۴	دوزخیوں کا حال پتلا ہوگا
۳۷۸	آداب مجلس اور معاشرتی اصلاح	۳۴۰	سامنسی ایجادات قدرت کا انکار نہیں، بلکہ اظہار کر رہی ہیں
۳۷۸	مشورہ اور ارکان شوریٰ	۳۴۰	آفاقی دلائل قدرت
۳۷۸	غیر مسلم کے سلام کا جواب	۳۴۱	قرآن کلام الہی ہے
۳۷۹	سرگوشی کی حدود	۳۴۱	دنیا کا نظام محکم
۳۷۹	اہل مجلس کی رعایت	۳۴۱	باطنی نظام شمسی
۳۷۹	رسول اللہ سے خصوصی گفتگو اور اس سے پہلے خیرات کی مثالیں	۳۴۲	موت کا بھیانک منظر
۳۸۸	شان نزول و روایات	۳۴۲	دنیا کی سب سے بڑی سچائی قرآن کریم ہے
۳۸۹	قیاس و اعتبار کسے کہتے ہیں	۳۴۲	مغربین اصحاب الیمین اصحاب الشمال کا ذکر
۳۹۰	جہاد میں دشمن کے مال کو کیوں تلف کیا جاتا ہے	۳۵۲	علم الہی کا احاطہ
۳۹۰	مال فتنے اور غنیمت میں فرق ہے	۳۵۲	مال اللہ کا ہے اسی کی مرضی سے خرچ کرو
۳۹۰	مال فتنے اور غنیمت کے احکام	۳۵۲	ایمان فطرت کی پکار ہے
۳۹۱	مسلمانوں کا امام کا کمانہ اختیار رکھتا ہے تاکہ مالکانہ	۳۵۲	اللہ کی راہ میں مال لگانا
۳۹۱	حنفیہ کا مسلک	۳۵۳	ایمان کی تیز روشنی
۳۹۱	تفسیرات احمدیہ کی تحقیق اینق	۳۵۳	جنت و دوزخ کے درمیان اعراف
۳۹۲	فاروق اعظم کی رائے	۳۵۴	منافقین کی چیخ و پکار

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
	اللہ کے لئے مالک خرچ کرنے سے اللہ کا نہیں انسان	۳۹۲	حاصل کلام
۴۳۴	کافائدہ ہے	۳۹۶	آزمائش کے وقت منافقین کا پول کھل گیا
۴۳۹	شان نزول روایات	۳۹۷	مسلمانوں میں اختلاف کے باوجود مرکزی وحدت ہے جو کہ
۴۳۹	انسان عالم صغیر اور خلاصہ کائنات ہے		کفار میں نہیں ہے
۴۴۰	قناعت ہی سے بڑی دولت و سلطنت ہے	۴۰۲	شان نزول
۴۵۰	شان نزول روایات	۴۰۳	ابراہیم کے بہترین نمونہ ہونے کا مطلب
۴۵۱	احکام و طلاق و عدت	۴۰۳	مسلمانوں کا فتنہ بننا
۴۵۳	مذکورہ احکام کی علت	۴۰۹	شان نزول و روایات
۴۵۳	زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں	۴۱۰	امن پسند کفار سے رواداری برتنی چاہئے
۴۶۱	شان نزول روایات	۴۱۰	اسلام عورتوں بچوں، کمزوروں سے حدود و رعایت کرتا ہے
۴۶۳	قسم کا حکم	۴۱۱	شبہ کا جواب
۴۶۳	آنحضرت ﷺ کی مروت	۴۱۱	قتل اولاد اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا
۴۶۳	ان تنو بالی اللہ	۴۱۷	شان نزول
۴۶۴	گھریلو نازک پیچیدگیاں	۴۱۷	محض باتیں بنانا اور عمل سے جی چرانا کوئی وزن نہیں رکھتا
۴۶۴	تادرت تحقیق	۴۱۸	حضرت عیسیٰ کی تعییمات اور آنحضرت ﷺ کے
۴۶۵	انسان کا اپنا اصل چیز ہے اور نسبتاً بعد کی چیز ہے		متعلق بشارت
۴۶۵	اچھی بری عورتیں اپنے اعمال پر نظر رکھیں	۴۱۸	تمام انبیاء نے آنحضرت ﷺ کی بشارت سنائی
	پارہ تبرک الذی	۴۱۹	سب سے بڑے ظم
۴۷۸	فضائل و شان نزول	۴۲۳	شان نزول روایات
۴۷۸	آسمان موجود ہیں یا نہیں	۴۲۶	خاتم النبیین اور امام اعظم کے متعلق پیش گوئی
۴۸۰	نذر نے کا انجام	۴۲۷	علامات و ایت
۴۸۰	زمین پر تمہاری نہیں اللہ کی حکومت ہے	۴۲۷	شان عداوت
۴۸۰	پرندے زمین پر گرتے نہیں ہیں	۴۲۸	ذات و جمعہ کا حکم
۴۸۱	ایک موحداور مشرک کی چال الگ الگ ہے	۴۳۲	شان نزول
۴۸۱	مسلمان آبادیوں یا برباد کافروں کو کیا فائدہ؟	۴۳۳	جھوٹی قسموں کو آڑ بنانا
۴۸۹	شان نزول و روایات	۴۳۳	منافق پر لے درجے کا بزدل ہوتا ہے
۴۹۰	رسول اللہ ﷺ کو دیوانہ کہنے والے خود دیوانہ ہیں	۴۳۳	حقیقی عزت کا، ملک

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۲۹	اسلام کا دوسرے مذہب سے امتیاز	۴۹۰	رسول اللہ ﷺ کا خلق عظیم
۵۲۹	پیغمبر بھی دوسروں کی طرح اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے	۴۹۱	مذہب مذہب ہے لیکن ملاطفت و حکمت مستحسن ہے
۵۲۹	ابلاغ اور رسالت میں فرض	۴۹۱	ماں و دولت کی بجائے اعمال و اخلاق اہل حق توجہ ہونے چاہئیں
۵۲۹	علم غیب کی بحث	۴۹۲	نیا پرہیزگار اور گناہگار دونوں برابر ہو سکتے ہیں
۵۳۰	وحی کی حفاظت	۴۹۲	قیمت میں تجلی ساق
۵۳۸	شان نزول و روایات	۴۹۲	عبد نہ کرنے کی سزا
۵۳۹	وحی کا نقل	۴۹۳	حضرت یونس کا نم
۵۴۰	رات کا جائگنا و شوار بھی ہے اور آسان بھی	۴۹۳	حضرت یونس کو جہنمی نظروں سے دیکھنا یا نظر بد لگانا
۵۴۰	شب بیداری کی تیسری حکمت	۵۰۰	تافان قوموں پر عذاب الہی
۵۴۱	اللہ کے باغی بچ کر کہاں جاسکتے ہیں	۵۰۱	ایک شبہ کا ازالہ
۵۴۲	دشواری کے بعد آسانی	۵۰۱	دوزخیوں کی درگت
۵۵۱	شان نزول و روایات	۵۰۲	قرآن کیا ہے
۵۵۳	کپڑوں اور نفس کی صفائی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے	۵۰۲	دنیا میں ہمیشہ اچھوں کی کمی رہی ہے
۵۵۳	الہامی کی نیت کبھی نہیں بھرتی	۵۰۳	جہنم اور جہنمی کا فرق
۵۵۳	ولید پلید کی خباثتیں	۵۰۳	قرآنی حقائق کا سرچشمہ ہے
۵۵۴	قرآن کی ہر زمانے میں غیر معمولی تاثیر اس کے جادو ہونے	۵۰۹	قیمت کا دن کتنا بڑا ہوگا
	کی تردید کرتی ہے	۵۱۰	انسان جی کچی اور بے صبر ہے
۵۵۴	دوزخ میں انہیں فرشتے کیوں مقرر ہیں؟	۵۱۰	بروں کا بنا کر اللہ اچھوں کو کھڑا کر سکتا ہے
۵۵۵	دوزخ معمور انہیں فرشتوں کی حکمت	۵۱۶	مومن و کافروں کو اگر چہ موت آتی ہے مگر دونوں کے
۵۵۵	ایمان میں زیادتی و کمی	۵۱۷	ثمرات الگ الگ ہیں
۵۵۶	حاکمانہ جواب	۵۱۷	ایک شبہ کا ازالہ
۵۵۶	مقربین اور اصحاب الیمین	۵۱۷	دلائل قدرت
۵۵۷	کفار کیا فرعی احکام کے مکلف ہیں؟	۵۱۸	استدراج
۵۵۷	خن سازی بہانہ بازی	۵۲۷	شان نزول
۵۶۵	شان نزول و روایات	۵۲۷	انسان پہلے جنات سے ڈرا کرتے تھے
۵۶۵	قسموں کی مناسبت	۵۲۷	شبہات کا ازالہ
۵۶۶	اللہ کا کمال قدرت	۵۲۷	قرآن نازل ہونے کے بعد بھی لوگ دو طرح کے ہوں گے



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۶۰۳	بارش بے شمار نعمتوں کا مجموعہ ہے	۵۶۶	قیامت کے ڈر سے عیش میں کھندت پڑتی ہے
۶۰۳	دلائل قدرت قیامت کی دلیل ہیں	۵۶۶	نسان کی حالت توحید کی موت ہے
۶۰۴	قیامت عقلاً بھی ضروری ہے	۵۶۷	کلام الہی مربوط ہٹ
۶۰۴	قیامت میں مختلف کیفیات ظاہر ہوں گی	۵۶۷	نسان با طبع عجب پسند ہے
۶۰۴	کیا جنت کی طرح دوزخ بھی کبھی فنا نہیں ہوگی	۵۶۷	جائنتی کا ہولناک منظر
۶۰۵	کیا کفر و شرک محدود اور سزا محدود ہے	۵۶۸	قیامت کی عقلی دلیل
۶۰۵	کفر و شرک کا تعلق دل سے پھر حسی سزائیں کیوں؟	۵۶۷	انسان کی فطرت یکساں طور پر رہنما ہے
۶۰۶	جنتیوں کی عمر میں فرق کا نکتہ	۵۷۷	دنیا میں ابرار کا صلہ اور آخرت میں ان کی شان
۶۰۶	دنیا اور جنت کے لدا نڈ میں فرق	۵۷۷	جنت کی نعمتیں اور عیش و عشرت
	جنت کی نعمتوں میں فرق طبعی اسباب سے نہیں ہے بلکہ فضل	۵۷۷	قرآن پاک کا تھوڑا تھوڑا اثر ناسی حکمت و مصلحت ہے
۶۷۰	الہی سے ہوگا۔	۵۷۸	نسان کا ارادہ اللہ کے ارادے کے تابع ہے
۶۷۰	عروج سے کیا مراد ہے	۵۸۶	مختلف قسمیں اور ان کی مضمون قسم سے مناسبت
۶۸۰	شفاعت کے لئے دو شرطیں ضروری ہے	۵۸۶	قیامت کا ہولناک نقشہ
۶۸۰	قیامت کے قریب ہونے کا کیا مطلب ہے	۵۸۶	مقرر آیات کے ہر جگہ نئے معنی
۶۱۸	اللہ کی ایک جھڑکی	۵۸۷	مر کر جب زمین ہی ٹھکانا ہے تو پھر دوبارہ اسی سے اٹھانا کیوں
۶۱۹	قیامت کے ہونے میں آخر کیا تردد ہے		مشکل ہے
۶۱۹	امام راغب کی تحقیق ایک واضح مثال	۵۸۷	قیامت کی ہیبت و دہشت
۶۲۷	ایک واضح مثال	۵۸۸	دوزخیوں سے جنتیوں کا تقابل
۶۲۷	دوا اجتہاد		
۶۲۷	محققانہ کلام	۶۰۰	پارہ علم
۶۲۸	دعوت و تبلیغ کا ایک نکتہ	۶۰۰	قیامت کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں
۶۲۹	بغیر قرآن چھوٹنا جائز نہیں ہے	۶۰۰	قیامت جب حقیقت بن کر سامنے آئے گی
۶۲۹	قرآن خود معظم ہے وہ کسی کی تکریم کا محتاج نہیں	۶۰۱	ایک عمومی نکتہ
۶۲۹	قرآن کا ادبیانہ طرز کلام	۶۰۱	زمین کی حرکت و سکون
۶۳۰	مغرور انسان اپنے حقیقت پر ظر رکھے	۶۰۱	دنیاوی رشتے ناطے آخرت میں ایک حد تک ختم ہو جائیں گے
۶۳۰	انسان کی بے بسی	۶۰۲	دنیا میں سونے اور آخرت میں نہ سونے کی حکمت
۶۳۱	ہر چیز اللہ کے حکم کے آگے سرنگو ہے مگر انسان سرکش ہے	۶۰۲	جنت میں دن رات نہ ہونے کی حکمت
		۶۰۳	نظام شمسی میں قوت الہی

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۶۶۳	اللہ کے عدل و انصاف کا تقاضا	۶۳۶	انسان کی بقا کے لئے سامان زندگی
۶۶۵	قرآن کے ادب کا تقاضا	۶۳۶	قدرت کی کرشمہ سازی
۶۷۱	اچھائی کے سوال میں کوئی برائی نہ تھی	۶۳۸	زندگی چیزیں بھی تہہ بالہ ہو جائیں گی
۶۸۲	عالم کی ہر چیز نہایت حکمت و دانائی سے بنائی ہے	۶۳۹	قیامت کا دوسرا مرحلہ
۶۸۳	بہار اور خزاں کی کرشمہ سازیاں	۶۳۹	زندہ اور ٹوڑ کیوں کی پتا
۶۸۳	دعوت و تبلیغ کا ایک نکتہ	۶۳۹	ایک لڑکی کی دکھ بھری داستان
۶۸۳	اصل کامیابی کس کی ہے	۶۴۰	اسلام کی عظیم الشان برکات
۶۹۸	دوزخیوں کا حال	۶۴۱	قیامت کی ہولناکی کا نقشہ
۶۹۰	جنتیوں کا حال	۶۴۲	جبریل امین اور رسول کریم
۶۹۰	قدرت کی کرشمہ سازیاں	۶۴۲	رسال کریم نہ اپنے دشمن و دشمنین سے کہتے ہیں اور نہ وحی کے بیان کرنے پر بغل کرتے ہیں
۶۹۱	نصیحت کرنے میں تاثیر کا انتظار کرنا چاہئے	۶۴۳	قرآن کو شیطان کا کلام کیسے کہا جاسکتا ہے
۶۹۹	قیامت کے واقع ہونے پر تاریخ سے استدلال	۶۴۷	انسان کی خود فریبی
۶۹۹	عادل اور ارم ہون تھے؟	۶۴۷	انسان خود فریبی کا شکار
۷۰۰	سرکش قوموں کا انجام	۶۴۷	انسان کا سر اللہ کے آگے جھک جانا چاہئے تھا
۷۰۱	مال کی محبت ہی سب سے بڑا گنہگار ہے	۶۴۸	انسان کی ساری زندگی ریکارڈ ہو رہی ہے
۷۰۱	نفس مطمئنہ کیا ہے	۶۴۸	انسان کا حکم حامل فرشتوں کے سامنے رہتا ہے
۷۰۶	انسان کی دکھ بھری زندگی	۶۴۸	جنت اور اس کی بہار دائمی ہے
۷۰۷	انسان کی بڑی بھول	۶۵۵	لین دین میں برابری اور یکسانیت ہونی چاہئے
۷۰۷	انسان کی فضول خرچیاں	۶۵۶	تجربہ کیا ہے اور کہاں ہے؟
۷۰۷	دشوار گزار گھاٹی	۶۵۶	قرآن افسانے کی کتاب نہیں ہے
۷۱۲	برائی اچھائی کا الہام	۶۵۶	مطمئن کیا ہے اور کہاں ہے؟
۷۱۳	کون کامیاب ہے اور کون ناکام	۶۵۷	دوسروں پر ہنسے کا انجام بد
۷۱۳	کوئی چیز نیکی ہے اور کوئی بدی ہے	۶۵۷	ایک سبق آموز نصیحت
۷۱۴	ایک تاریخی نظیر	۶۶۳	پورا کرۂ زمین ہموار میدان ہو جائے گا
۷۱۴	فرمانی معجزہ	۶۶۳	انسان محنت کر کے اپنی عاقبت سنوارتا یا بگاڑتا رہتا ہے
۷۱۹	تین جامع بنیادیں	۶۶۴	نیلہں اور بدوں کے مختلف انجام
۷۲۰	راستہ آسان ہونے کا مطلب		

صفحہ نمبر	موضوعات	صفحہ نمبر	موضوعات
۷۶۰	زمین اپنے خزانے اور سب چیزیں قیامت کے دن اگلے گی	۷۲۱	امد کا نام اور نعام
۷۶۱	قیامت کے روز زمین عالمی خبریں نشر کرے گی	۷۲۶	قسم اور جواب قسم میں مناسبت
۷۶۲	بلحاظ اعمال لوگوں کی ولیاں بنا دی جائیں گی	۷۲۷	صالحات کے مدد و جزر کی مصالحت
۷۶۲	زندگی بھر کا کچا چٹھا سامنے آ جائے گا	۷۲۷	مفسور کھنچے پر انعامات الہی کی بارش
۷۶۵	انسان خود اپنی حالت پر گواہ ہے	۷۲۷	قیموں پر مہر ہوتا ہے نہ کہ قہر
۷۶۶	انسان پر تب حقیقت کھلے گی جب عالم حقائق سامنے آئے گا	۷۲۸	مازک مقام
۷۶۹	وزن اعمال	۷۲۸	ناداری کے بعد فنا
۷۷۲	فخر و مباحات کا انجام	۷۲۹	قیموں کا ٹھکانہ
۷۷۳	انسان دلائل سے آنکھیں بند کئے رہتا ہے	۷۲۹	سوال کا جواب تشفی بخش ہونا چاہئے
۷۷۴	نعمتیں کی پرستش سب سے ہوئی	۷۲۹	نعمتوں کی شکرگزاری
۷۷۶	زمانہ کیا ہے	۷۳۳	شرح صدر کا مطلب کیا ہے
۷۷۷	زندگی کا نفع نقصان	۷۳۳	وجہ اتارنے کا کیا مقصد
۷۷۷	زندگی خسراں سے بچانے کیلئے چار باتیں ضروری ہیں	۷۳۳	قدر خدا اور اسرار رسول
۷۷۸	اعمال صالحہ	۷۳۳	حضور کی شہرت و مقبولیت
۷۸۰	بد خصلت انسان کے لئے تباہی ہے	۷۳۳	مشکلیں تنی پڑیں کہ آسان ہو گئیں
۷۹۰	قریش کی تجارت اور اس کا پس منظر	۷۳۸	قیامت کا انکار باعث حیرت ہے
۷۹۱	جس گھر کی بدولت عزت و روزی اس کا حق ادا کرو	۷۳۹	شبہش و کائنات
۷۹۴	اخلاقی پستی کی انتہا	۷۴۵	خو، اقراء بھی اقراء کے قسم میں داخل
۷۹۴	بخل کی حد بندی نہیں بلکہ بطور تمثیل دو چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے	۷۴۶	اسباب علم
۷۹۴	نمازیوں پر نماز کار و بار	۷۴۶	مقام عبودیت سب سے عفا ہے
۷۹۵	نماز بے حضور	۷۴۷	نماز سب سے زیادہ قرب الہی کا ذریعہ ہے
۷۹۵	ریا کاری ایک طرح کا شرک ہے	۷۵۰	قرآن سب و رتقی مدت میں نازل ہوا
۷۹۶	کنجوس کے لئے مال و جان آن سے بھی زیادہ عزیز ہے	۷۵۱	شب قدر پر دو اشکال اور ان کا جواب
۷۹۹	کوثر کیا ہے؟	۷۵۵	بت پرست اور اہل کتاب میں نام اور احکام فرق
۸۰۰	گروہ پیش کے حالات	۷۵۵	مراتب آخر جہی مراتب ایمان کی طرح مختلف ہیں
۸۰۰	پیش گوئی پوری ہوئی	۷۵۵	اہل کتاب پر تمام بہت ہو چکا ہے
		۷۵۵	اہل ایمان کی بہت زین مخلوق ہونے کی وجہ

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۸۲۳	خدا تعالیٰ جاہلانہ خیالات سے پاک ہے	۸۰۰	چند سال میں عرب کی کا یہ پلٹ
۸۲۹	پناہ میں آنے کے دو طریقے	۸۰۵	اللہ کے سوا سب معبود باطل ہیں
۸۲۹	مخلوق کا شر	۸۰۶	کلام میں تاکید اگرچہ بلاغت ہے لیکن تائیس مبلغ ہے
۸۳۰	اللہ کے تمام خیر افعال خیر ہیں	۸۱۱	فتح سے عام مراد لینا زیادہ عمدہ ہے
۸۳۱	حضور ﷺ پر جادو کا اثر نبوت کے خلاف نہیں ہے	۸۱۱	اسد مہ کی فتح کا ایک اور پہلو
۸۳۲	جادو کے مقابلے میں وحی کے اثرات	۸۱۱	حضور کے استغفار کرنے کا مطلب
۸۳۲	پیغمبر نے کبھی اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا	۸۱۸	برے وقت پر نہ مال کام آتا ہے اور نہ اولاد
۸۳۲	کافر حضور ﷺ کو سحر زدہ کہتے تھے	۸۲۱	بی جمالو کا کردار
۸۳۳	جادو محض شعبہ بازی نہیں بلکہ اس کی تاثیر واقعی ہوتی ہے		خدا سونے چاندی وغیرہ سے نہیں بناوہ تو ان چیزوں کا بنانے
۸۳۳	بعض جادو کفر ہے اور بعض معصیت	۸۲۱	وال ہے
۸۳۳	جہاز پھونک پر اجرت کی اجازت	۸۲۱	اللہ کی احدیت اور واحدیت
۸۳۵	اعلیٰ درجہ کا توکل	۸۲۲	فرق باطلہ پر
۸۳۵	سورہ فاتحہ اور معوذتین میں مناسبت	۸۲۲	سمد کی جامع تفسیر
۸۵۳	غواہیت و ضلالت کا فرق	۸۲۳	خدا کے بارے میں قدیم تصورات





پارہ نمبر ﴿۲۵﴾

إِلَيْهِ يُرَدُّ



## فہرست پارہ ﴿الیہ یرد﴾

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۴۴	دنیا میں نہ سب امیر ہیں نہ سب غریب		پارہ الیہ یرد
۴۹	شان نزول و روایات		اللہ کا علم ذاتی دلیل توحید ہونے کے ساتھ دلیل قیامت بھی ہے
۴۹	نعمت و مصیبت دونوں حکمت الہی کے تحت ہیں	۴۴	انسان کی حرص و طمع لامحدود ہے
۵۰	ایک اور شبہ اور اس کا جواب	۴۴	انسان کی خود فریبی
۵۰	تمام ایجادات کا سرچشمہ اللہ کی قدرت ہے	۴۵	یاس اور دعا میں کوئی منافات نہیں
۵۰	اخلاق قاضیہ	۴۵	فرمانبردار اور نافرمان کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں
۵۱	مشورہ کے حدود	۴۶	ایک علمی اشکال کو جواب
۵۱	بدلہ کی حدود	۴۴	فرشتوں میں جسم اور عقل ہوتا ہے
۵۱	معافی کی حدود	۴۴	استغفار کی برکت سے نظام عالم قائم ہے
۵۶	پیغمبر کا کام سمجھانا ہے منوادی نہیں ہے	۴۵	مکہ زمین کا نقطہ آغاز ہے
۵۶	اولاد کی تقسیم حصر عقلی پر اشکال کا جواب	۴۵	دین و مذہب کا بنیادی پتھر
۵۶	اللہ سے ہمکلام ہونے کی تین صورتیں	۴۵	دین و مذہب اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے
۵۷	فرشتہ کے ذریعہ وحی کی ایک اور شق	۴۵	دنیا میں ہمیشہ دو طبقے رہے ہیں
۵۷	اولیاء کا فرشتوں سے ہمکلام ہونا	۴۶	غیر متوازن عزیمت اور دنیا کی سب سے پرانی حقیقت
۵۸	وحی سے پہلے اور وحی کے بعد نبی کے ایمانی منازل	۴۶	اللہ کی میزان عدل و انصاف
۶۵	قرآن کی خرابیاں اور خصوصیات	۴۷	خوف اور شوق دو طرح کے ہوتے ہیں
۶۵	جو خالق ہے وہی معبود ہے	۴۱	یقینی وعدہ پر تو اطمینان نہیں مگر موہوم پر کامل اعتمال ہے
۶۶	اللہ کی شان میں حد درجہ گستاخی	۴۲	انسانیت و قربت کالی ظکر کے ہی ظلم سے باز آنا چاہئے
۶۶	مجموعی اعتبار سے عورت مرد سے کمزور اور کم سمجھ ہوتی ہے	۴۲	محبت اہل بیت و جزو ایمان ہے
۶۷	فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت	۴۳	چار مقدمات استدلال
۶۷	مشرکین کی دلیل کا تار و پود	۴۳	توبہ و انابت پر بشارت
۶۷	انہمی تقلید کے سوا مشرکین کے پاس کیا ہے؟		
۷۴	قرآن کو جادو بتلانے والے		



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۹۷	حضرت موسیٰ کا نعرہ آزادی	۷۳	ایک شبہ کا ازالہ
۹۶	زمین و آسمان کا رونا	۷۵	شبہ کا ازالہ
۱۰۱	تج کون تھے؟	۷۵	شبہات کا جواب
۱۰۲	قیامت کا ہونا عقلی ہے یا نقلی	۷۵	ہدایت و گمراہی اللہ کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں
۱۰۲	زقوم کی تحقیق	۸۱	فرعون کی ڈانگیں
۱۰۸	شان نزول	۸۱	بھانت بھانت کی بولیا
۱۰۹	قرآن سے زیادہ سچی بات کوئی ہے	۸۲	حضرت عیسیٰ کی پیدائش اللہ کی قدرت کی نشانی ہے
۱۱۰	ہر شخص اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے	۸۲	حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی حکمتیں
۱۱۰	ناز برداری سے انسان بگڑ جاتا ہے	۸۳	حضرت عیسیٰ نے یہود کی اصلاح فرمائی
۱۱۰	نیک معاش اور بد معاش کا انجام	۸۳	جیسائیوں کی چار جماعتیں
۱۱۳	مومن و کافر کی دنیا و آخرت یکساں نہیں ہو سکتی	۸۸	اللہ کیلئے اولاد کا عقیدہ
۱۱۶	عقل معاش معاد کیلئے کافی نہیں ہے	۹۳	قرآن شب قدر میں نازل ہوا یا شب براءت میں
۱۱۷	انکار آخرت کی دلیل نہیں بلکہ وجود آخرت کی دلیل ہے	۹۳	قسط کا عذاب
۱۱۷	اشکال کا جواب	۹۵	دھونیں کا عذاب
		۹۵	سز کے وقت توبہ بے فائدہ ہے

## إِلَيْهِ يُرَدُّ

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ مَتَى تَكُونُ لَا يَعْلَمُهَا غَيْرُهُ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ وَمِنْ أَكْمَامِهَا أَوْ عِيَّتِهَا جَمْعُ كَيْفٍ يَكْسِرُ الْكَافِ الْأَبْعِلْمِيهِ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أَثْقَى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِيَ قَالُوا ااذْنِكْ أَيْ أَعْلَمْنَاكَ الْآنَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيدٍ ﴿٢٤﴾ أَيْ شَاهِدٍ بِأَنَّ لَكَ شَرِيكًَا وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَدْعُونَ يَعْبُدُونَ مِنْ قَبْلُ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْأَصْنَامِ وَظَنُّوا أَيْقَنُوا مَا لَهُمْ مِنْ مَّحِيصٍ ﴿٢٥﴾ مَهْرَبٍ مِنَ الْعَذَابِ وَالنَّفْيِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ وَقِيلَ جُمْلَةُ النَّفْيِ سُدَّتْ مَسَدَ الْمَفْعُولَيْنِ لَا يَسْتَمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ أَيْ لَا يَزَالُ يَسْأَلُ رَبَّهُ الْمَالَ وَالصِّحَّةَ وَغَيْرَهُمَا وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ الْفَقْرُ وَالشِّدَّةُ فَيَسْأَلُ قَنُوطَ ﴿٢٦﴾ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ وَهَذَا وَمَا نَعْدُهُ فِي الْكَافِرِينَ وَلَئِنْ لَمْ قَسَمِ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً غَنَى وَصِحَّةً مِمَّا مِنْهُ بَعْدَ ضَرَاءٍ شِدَّةٍ وَبَلَاءٍ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِي أَيْ بَعَمَلِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ لَمْ قَسَمِ رُجِعْتُ إِلَى رَبِّي إِنْ لِي عِنْدَهُ لِلْحُسْنَى أَيْ الْجَنَّةِ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٠﴾ شَدِيدٍ وَإِلَّامٌ فِي الْمَعْلُومِينَ لَمْ قَسَمِ وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ الْجَنَسِ أَعْرَضَ عَنِ الشُّكْرِ وَنَا بِجَانِبِهِ ثَنَى عَصْفَهُ مُتَبَخِّرًا وَفِي قِرَاءَةٍ بِتَقْدِيمِ الْهَمْزَةِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ﴿٥١﴾ كَثِيرٍ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ آيَ الْقُرْآنِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مِنْ آيٍ لَا أَحَدٌ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ خِلَافٍ بِعَيْلٍ ﴿٥٢﴾ عَنِ الْحَقِّ أَوْقَعَ هَذَا مَوْقِعَ مِنْكُمْ بَيَانًا لِحَالِهِمْ سُنْرِيهِمْ ائْتِنَا فِي الْأَفَاقِ أَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنَ النَّبَاتِ وَالْأَشْجَارِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ مِنْ لَطِيفِ الصَّنُوعَةِ وَتَدْيِيعِ الْحِكْمَةِ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ آيَ الْقُرْآنِ الْحَقُّ الْمُنَزَّلُ مِنَ اللَّهِ بِالْبُعْتِ وَالْحِسَابِ وَالْعِقَابِ فَيُعَاقَبُونَ عَلَى كُفْرِهِمْ بِهِ وَبِالْجَانِبِ بِهِ أَوْلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ فَاعِلٌ يَكْفِ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

۵۳ ﴿لَا يَكْفِيهِمْ فِي صِدْقِكَ إِلَّا رَبُّكَ لَا يَغِيبُ عَنْهُ شَيْءٌ مَا إِلَّا أَنَّهُمْ فِي مَرِئَةٍ  
نَسَبٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ لِأَنَّهُ تَعَالَىٰ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ﴾ ۵۴ عَلَّمَا وَقُدْرَهُ فَيُجَارِيهِمْ  
لُكْمُهُمْ

ترجمہ: قیامت کے علم کا حوالہ خدا ہی کی طرف دیا جاسکتا ہے (اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی؟) اور کوئی پھر (یک قرأت میں ثمرات ہے) اپنے خول سے باہر نہیں آتا (اکمام۔ کم بکسر الکاف کی جمع ہے۔ بمعنی برتن۔ اللہ ہی کے علم سے ہکتا ہے) اور نہ کسی عورت کو حمل رہتا ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے، مگر یہ سب اس کی اطلاع سے ہوتا ہے اور جس دن ان کو پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں، وہ نہیں گے کہ ہم آپ سے یہی عرض کرتے ہیں (اب درخواست گزار ہیں) کہ ہم میں سے کوئی بھی دعویدار نہیں ہے (یعنی آپ کے شریک ہونے کا کوئی مدعی نہیں ہے) اور وہ سب غائب (لاپتہ) ہو جائیں گے جن جن کو یہ لوگ پوجا کرتے تھے۔ پہلے سے (دنیا میں رہتے ہوئے یعنی بت) اور یہ لوگ سمجھ لیں گے (جان جائیں گے) کہ ان کے لئے کوئی بچاؤ کی صورت نہیں ہے (عذاب سے چھٹکارہ۔ بس ماعنا اور مالہم میں دونوں جملہ نفی لفظوں میں عمل نہیں کر رہی ہے اور بعض کے نزدیک حمد نفی دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے) انسان کا جی نہیں اکتاتا ترقی کی خواہش سے (یعنی ہمیشہ اللہ سے مال و دولت، صحت و تندرستی وغیرہ مانگتا ہی رہتا ہے) اور اگر اس کو کوئی تکلیف (فکر و تنگی) پہنچتی ہے تو ناامید اور ہراساں ہو جاتا ہے (اللہ کی رحمت سے مایوس، یہ اور اس کے بعد کی آیتیں کفار کے متعلق ہیں) اور اگر (لام قسمیہ ہے) ہم چکھا دیں (عنایت کر دیں) ہمزہ اپنی مہربانی (خوشحالی اور تندرستی) کا اس تکلیف (مصیبت اور تنگی) کے بعد جو اس پر واقع ہوئی تھی تو کہتے لگتا ہے کہ یہ تو میرے لئے (میرے کارناموں کی وجہ سے) ہونا ہی چاہئے تھا اور میں قیامت کو آنے والا خیال نہیں کرتا۔ اور اگر (لام قسمیہ ہے) میں اپنے رب کے پاس پہنچا یا بھی گیا تو میرے لئے وہاں سے بھی بہتری (جنت) ہے۔ سو ہم ان منکروں کو ان کے سب کرب و ضرر بتلا دیں گے اور ان کو سخت عذاب ہوگا (دونوں فعلوں میں لام قسمیہ ہے) اور جب ہم انسان کو (کوئی بھی آدمی ہو) نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ موز لیتا ہے (شکر بجالانے سے) اور کروٹ لے لیتا ہے (اتراتے ہوئے پہلو تہی کرنے لگتا ہے۔ ایک قرأت میں تلاء کی ہمزہ پہلے ہے) اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی (بکثرت) دعائیں کرنے لگتا ہے۔ آپ کہتے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ یہ (قرآن) اللہ کے یہاں سے اگر آیا ہو (جیسا کہ آنحضرت کا دعویٰ ہے) پھر تم اس کا انکار کرو تو ایسے شخص سے زیادہ کون غلطی میں ہوگا۔ (یعنی کوئی نہیں) جو مخالفت (اختلاف) میں پڑا ہو دور دراز کی (حق سے بعید۔ ممن ہو الخ بجائے منکم کے ہے ان کی حالت کا بیان ہے) ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھلائیں گے جہاں بھر کی (آسمانوں اور زمین کے گرد و نواح کی، جیسے: چاند، سورج، ستارے، گھاس پھوس، درخت) اور خود ان کی ذات میں بھی (یعنی بہترین صنعت اور عمدہ حکمت) یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ (یعنی قرآن) حق ہے (اللہ کی طرف سے قیامت، حساب، عذاب کا بیان لایا ہے۔ لہذا ان باتوں کے اور ان کو پیش کرنے والے کے انکار پر ان کو سزا ہوگی) کیا آپ کے پروردگار کی یہ بات کافی نہیں ہے (یکف کا فاعل بربک کا ہے) کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے (یہ حمد بربک کا بدل ہے۔ یعنی کیا آپ کے سچا ماننے کے لئے یہ بات ان کے لئے کافی نہیں کہ آپ کے رب سے کوئی چیز بھی غائب نہیں ہے) یاد رکھو کہ وہ لوگ شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں اپنے پروردگار کے روبرو جانے سے (قیامت کا انکار کرنے کی وجہ سے) یاد رکھو کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہر چیز کو احاطہ میں لئے ہوئے (بلحاظ علم و قدرت کے، لہذا ان کو ان کی سزا یقیناً دے گا)۔

تحقیق و ترکیب: ..... من ثمرة اکثر قراء کے نزدیک ثمرة ہے، لیکن نافع، ابن عامر اور حفص کے نزدیک ثمرات ہے۔  
یوم یسادی ای اذکر اذناک۔ یعنی آپ کو ہمارے دلوں کی یہ بات معلوم ہوگئی کہ ہم آپ کے لئے شریک نہیں مانتے  
اپنے دلوں کا حال جاننے کو اپنی طرف نسبت کر دیا کہ گویا ہم نے آپ کو یہ بتلایا، اس تو جیہہ کے بعد اب یہ اشکال نہیں رہتا کہ اللہ تو پہلے  
سے ہی جانتے ہیں۔ پھر ان کو بتلانا اعلام عالم ہے جو محال ہے اور الان کی قید سے اس طرف اشارہ ہے کہ انشاء مراد ہے اخبار مراد نہیں۔  
گویا یہ جملہ لفظ خبر ہے اور معنا انشائیہ۔

من شہید۔ تفسیر میں عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ہم اپنے شاہد ہونے کا انکار کرتے ہیں اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ بت  
چونکہ غائب ہو گئے، اس لئے ہم ان کے شاہد نہیں رہے اور بعض نے ان کو خود شرکاء کا قول کہا ہے یعنی شرکاء کہیں گے کہ ہم ان کافروں کے  
برسرق ہونے کی شہادت نہیں دے سکتے۔

مامنا من شہید اور مالہم من محیص دونوں جگہ مانا فیہ ہے اور یہ دونوں فعل آذنا اور ظنوا متعدی بدو مفعول ہیں۔ اس  
کے دونوں مفعول اور آذنا متعدی مدہ مفعول ہیں اور اس کے مفعول ثانی اور ثالث کے قائم مقام جملہ نفی ہے۔

لا یسأم الانسان۔ انسان اگر چہ جنس ہے، لیکن اکثریت میں کفار مراد ہیں۔ کیونکہ رحمت الہی سے مایوسی کفر ہے۔

فیوس قنوط۔ مایوسی بمعنی ناامیدی۔ یہ قلب کی صفت ہے اور چہرے وغیرہ پر اس کے آثار ظاہری کو قنوطیت کہا جاتا ہے۔

لیقولن۔ یہ جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف کے قائم مقام ہے۔

ہذا لی۔ لام استحقاقیہ ہے جس کو مفسر نے بعلمی سے ظاہر کیا ہے۔

واذا انعمنا الخ یہ انسان کی دوسری کوتاہی ہے کہ نعمت کی مستی میں منعم کو بھول جاتا ہے۔

ونا بجانبہ۔ ناء بروزن قال ہے۔ لیکن ابن عامر کی قرأت ابن ذکوان کی روایت سے یہ لفظ بروزن راہی ہے اور بتعدیہ

کے لئے اس لئے بعد جانبہ معنی ہو گئے۔

عریض۔ اہل عرب طویل و عریض بول کر کثیر کے معنی لیتے ہیں۔ اطلال فلان و اعرض فی الدعاء پس استعارہ تخیلیہ

ہو گیا کہ دعا کو مقداری چیز سے تشبیہ دی گئی اور چونکہ طول بہ نسبت عرض کے زیادہ ہوا کرتا ہے اس لئے کسی چیز کے عرض زیادہ ہونے سے  
اندازہ ہو سکتا ہے کہ طول کس قدر ہوگا۔

ارایتہم۔ استفہام انکاری ہے اس لئے مفسر نے لا احد کہا ہے۔

ممن هو فی شقاق۔ یہ عبارت بجائے منکم ہے۔ چنانچہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ موصول کو صلہ کی جگہ گمراہی زیادہ ہونے

کے لئے کہا گیا ہے۔

فی الافاق۔ افق کی جمع آفاق ہے۔ جیسے: عنق کی جمع اعناق ہے۔ افق آفاق جیسے: علم اعلام یہاں آیات آفاقہ

سے مراد حسی واقعات ہیں۔ جیسے: فتوحات اسلامیہ خواہ وہ اس آیت سے پہلے ہوں یا بعد میں اور سنن ربہم میں سین استقبالیہ اہداع  
دینے کے اعتبار سے ہے نہ کہ بلحاظ وقوع اور عالم کبیر کی آیات کے بعد عالم صغیر یعنی آیات انفسی کا ذکر ہے۔

اولم یکف۔ ہمزہ کا مدخول محذوف ہے واو عاطفہ ہے ای تحزن علی انکارہم و معارضتہم لک ولم یکف الخ

اس میں استفہام انکاری ہے اور با فاعل و مفعول پر زائد ہو سکتا ہے۔

انہ علی کل۔ یہ بدل الکل ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اتحزن علی کفرہم ولم یکفک شہادۃ ربک

لک و علیہم مفسر کی ۔ پرتقہ پر عبارت اس طرح ہوگی ۔ الم يعتبروا اولم يكفهم شهادة ربك لک بالصدق وعلیہم بالتكذيب لیکن دونوں کا مآل ایک ہی ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی صورت میں استفہام انکاری ہے اور دوسری صورت میں تاکید ہے اور پہلی صورت میں بدل الکل اور دوسری صورت میں بدل الاشتمال ہے ۔

میں لقا رہم۔ یعنی انکار قیامت زبانی ہے اور چونکہ یہ انکار محض ان کے گمان میں ہے جو دلیل کے خلاف ہے اس لئے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وہ دل سے قیامت کے جب منکر تھے پھر کیسے ان کو مبتلاء شک کہا گیا۔  
الاہ۔ اس میں آپ کو تسلی ہے۔

رابط آیات: .... پہلی آیات میں تو حید اور قرآن کے مخالفین کو یوم الوعید کی دھمکی دی گئی تھی۔

آگے آیت الیہ یرد الخ سے توحید و رسالت اور قرآن کے منکرین سے ملا جلا خطاب اور کلام ہو رہا ہے۔

﴿تشریح﴾: اللہ کا علم ذاتی دلیل توحید ہونے کے ساتھ دلیل قیامت بھی ہے۔ ۔۔۔ الیہ یرد بڑے سے بڑا پیغمبر یا فرشتہ بھی قیامت کی ٹھیک ٹھیک تعیین نہیں کر سکتا۔ اس کا صحیح ناپ تول صرف اللہ کو معلوم ہے۔ لیکن کسی چیز کے نہ جاننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز موجود ہی نہیں۔ اور ایک قیامت کے علم ہی کی تخصیص کیا۔ اللہ کی وسعت علم کا حال تو یہ ہے کہ کوئی کھجور اپنے گاہے سے اور کوئی دانہ اپنے خوشہ سے اور کوئی میوہ یا پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں آتا جس کی خبر خدا کو نہ ہو، اسی طرح جو بچہ عورت اور جانور کے پیٹ سے ہوتا ہے یا جنم جاتا ہے سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔ گویا اللہ کا علم ذاتی صفت کمال ہونے کی وجہ سے جہاں دلیل توحید ہے وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دنیا کے نتیجہ کے طور پر جو آخرت کا ظہور اور قیامت کا وقوع ہونے والا ہے اس کا وقت بھی اللہ ہی کو معلوم ہے۔ گویا علم کی صفت ذاتیہ کی نسبت تمام متعلقات کے ساتھ مساوی ہونے کی وجہ سے یہ علم قیامت کی دلیل بھی ہوئی۔

چنانچہ آگے قیمت کے ایک واقعہ کا ذکر ہے جس سے توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال بھی ہو رہا ہے۔ کفار سے پکار کے فرمایا جائے گا کہ کہیں ہیں میرے شریک، اب بلاؤنا کہاں ہیں؟ وہ عرض کریں گے ہم میں سے کوئی بھی اس کا بدعی نہیں ہے کہ اقبال جرم ہونے کی حیثیت سے اس جرم کا اعتراف کرنے کے لئے تیار ہو، گویا نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بول کر واقعہ کا انکار کریں گے۔

یا کہا جائے گا کہ چونکہ وہ عالم حقائق ہوگا انہیں اپنے عقیدے کی غلطی منکشف ہو جائے گی اور غلطی کا یہ اقرار ایک طرح سے اضطراری اقرار ہو گیا جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا یا اس سے نجات کی کچھ توقع کریں گے مگر لا حاصل اور بعض نے شہید کو شہد کے معنی میں لے کر یہ مطلب لیا ہے کہ ہم سے کوئی اس وقت ان شرکاء کو نہیں دیکھ رہا ہے کہاں غائب ہو گئے اور سمجھ جائیں گے جنہیں دنیا میں خدا کے شریک کی حیثیت سے پکارتے تھے۔ آج ان کا کہیں پتہ نہیں۔ وہ اپنے پرستاروں کی مدد کو نہیں آئے۔ بس جی اب خدا کی سزا سے بچنے کی کوئی سبیل نہیں۔ یہاں وما منا من شہید میں شرکاء کے حاضر ہونے کا انکار بظاہر آیت وقیل ادعوا شرکاءکم کے خلاف معصوم ہوتا ہے۔ مگر کہا جائے گا کہ وہ پکارنا فرط حیرت اور بدحواسی سے ہوگا، اعتقاد سے نہیں ہوگا اور یہ انکار حق واضح ہو جانے کے بعد ہوگا۔ اب وہ اعتقاد زائل ہو جائے گا چونکہ شرکاء نفرت نہیں کر سکیں گے اس لئے اس اقرار پر مجبور ہوں گے۔

انسان کی حرص و طمع لا محدود ہے:..... آگے آیت لایسئم الانسان سے کفر و شرک کی نحوست کا اثر طبیعت انسانی پر  
بین فرماتے ہیں کہ جو شخص توحید و ایمان سے بے بہرہ ہو جاتا ہے، اس کے عقائد، اخلاق، اعمال سب کا ستیاناس ہو جاتا ہے اور اس کی  
عجیب کیفیت ہو جاتی ہے۔ دنیا کی ذرا سی بھلائی پہنچتی ہے اور کچھ ذرا عیش و آرام نصیب ہو جاتا ہے تو مارے حرص کے چاہتے ہیں کہ ساری

دنیا کی بٹوریوں، اس کی طمع کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ اگر بس چلے تو ساری دنیا کی دولت سمیٹ کر اپنے گھر میں ڈال دے۔ لیکن پھر جہاں ذرا کوئی افتاد پڑی۔ تو پھر مایوس اور ناامید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی اور اللہ پر سے اعتماد اور بھروسہ یکسر اٹھ جاتا ہے اور ہمدن اسباب کی الٹ پیٹ میں کھو جاتا ہے۔ یہ اس کی انتہائی ناشکری اور اللہ کی بدگمانی اور مشیت الہی سے سخت ناگواری کا پہلو ہوتا ہے۔

پھر بالفرض اگر اس مایوسی کے بعد اللہ اپنی مہربانی سے اس کی مصیبت دور کر کے عیش و آرام سے ہمکنار کر دیتا ہے تو پھر اچانک اپنی سیاحت و قابلیت پر نظر چلی جاتی ہے اور کہہ اٹھتا ہے کہ میری تدبیر کا کرشمہ دیکھو کہ کیسی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے۔ اسی لائق ہوں۔ یہ میرے ہی ہنر کی دین ہے۔ اب نہ خدا کی مہربانی یاد آتی ہے اور نہ مایوسی کی وہ کیفیت رہتی ہے جو ابھی چند منٹ پہلے اس پر طاری تھی اور اس تازہ عیش میں یہاں تک پھولتا اور بھولتا ہے اور خوشی و مسرت کے اس نشہ میں اتنا مخمور ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت کا خطرہ نہیں رہتا اور سمجھ بیٹھتا ہے کہ اب تو ہمیشہ یہی حالت رہے گی اور ایسے میں قیامت کا نام سن لیتا ہے تو بدستی میں کہہ اٹھتا ہے کہ یہ سب واہیات ڈھکوسلے ہیں۔ قیامت و یامت کہیں نہیں ہے۔

انسان کی خود فریبی: ..... اور بالفرض اگر ایسا ہوا بھی تو یا ر لوگ وہاں بھی مزے اڑائیں گے، یہاں موج کی ہے، کیونکہ اگر اللہ کے نزدیک میں نالائق ہوتا تو یہیں کیوں آرام و عیش ملتی، اس لئے میرے تو وہاں بھی مزے ہی مزے ہوں گے۔ اس طرح قیامت کا انکار انتہائی کفر اور بر تقدیر فرض وہاں بھی اپنے لئے بہترائی کی امید، پر لے درجہ کی خود فریبی ہوگی۔

غرضیکہ کفر و شرک کے یہ نتائج و ثمرات ہیں اور قلب و نظر کا کھوٹ ہے۔ سو یہ لوگ یہاں جتنا چاہیں خوش ہو لیں، مگر وہاں پہنچ کر پتہ لگ جائے گا کہ کس طرح عمر بھر کے کروت سامنے آتے ہیں اور کیسی سخت سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

یاس اور دعا میں کوئی منافات نہیں: ..... آگے آیت واذا انعمنا الخ سے کفر و شرک کے آثار کا تہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس نالائق آدمی کی یہ کیفیت رہتی ہے کہ اللہ کی نعمتوں سے لذت اندوز ہوتے وقت تو محسن حقیقی کی شکر گزاری سے کنارہ کش ہو کر خود نعمت میں کھو جاتا ہے اور پھر جب کوئی آفت آنے لگتی ہے تو پھر بے شرمی سے اس خدا کی چوکھٹ پر سر رکھ دیتا ہے اور اس کے آگے ہاتھ پھیلا پھیلا کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگ جاتا ہے اور ذرا نہیں شرماتا کہ کس منہ سے اب اس کو پکاروں اور طرفہ یہ کہ اسباب سے مایوسی کے باوجود بھی ایسے میں بدحواسی اور پریشانی میں بے اختیار اسی کی طرف ہاتھ اٹھنے لگتے ہیں۔ گویا دل میں مایوسی مگر زبان پر اللہ کا نام ہوتا ہے۔

یاس و دعا میں جو بظاہر تعارض ہوتا ہے وہ اس تقریر سے صاف ہو گیا۔ کیونکہ یہ دعا التجاء الی اللہ کے طور پر نہیں ہوتی، بلکہ اضطراب اہوتی ہے۔ جیسے اکثر عشاق دنیا کو دیکھا کہ ناگوار باتوں کے پیش آنے پر ہائے ہلا چاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں ہائے اللہ! اب کیا کروں۔ ہائے اللہ! اب کیا ہوگا۔ گویا یہ ایک تکیہ کلام ہوتا ہے کہ اللہ کا نام زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ ایسے موقعوں پر بے ساختہ نکل ہی جاتا ہے۔ اس میں اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔ یا جیسے بچہ کی زبان پر کسی بھی آفت کے وقت ابا اماں کے نام آ جاتے ہیں، وہ اضطراب آ جاتے ہیں۔ تاہم اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کو پکارنا اور یاد کرنا فطرت انسانیت ہے، مگر افسوس! کہ ناشکرے اس پہلو پر بھی دھیان نہیں دیتے۔

فرماں بردار اور نافرمان کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں: ..... البتہ ایمان کے آثار، کفر و شرک کے آثار سے بالکل مختلف ہیں۔ مثلاً حرص اور طمع کا نہ ہونا، اسی طرح ضرر و نقصان کی صورت میں مایوسی اور جزع فزع نہ ہونا، علیٰ ہذا امن و عیش کے حالات

میں کفر و کفران نہ ہوتا۔

غرضیکہ انسان کی طبیعت کا عجیب و غریب نقشہ کھینچ کر اس کی کمزوریوں اور بیماریوں پر نہایت مؤثر انداز میں توجہ دلا کر آیت قل اراہم الع می قرآن اور پیغمبر قرآن کی طرف تملطف آمیز دعوت ہے کہ یہ کتاب جو تمہاری کمزوریوں سے آگاہ کرنے والی اور انجام کی طرف توجہ دلانے والی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے مان لو کہ خدا کی طرف سے ہے تم اس کو نہ مانو تو دیکھو کہ نقصان کس کا ہے؟ ایسی اعلیٰ نصیحتوں اور حکمتوں سے ہر یز کتاب کا یا تمہارا اپنا؟ کم از کم تمہیں اس امکانی پہلو پر ہی غور کر کے اپنے انجام کی فکر کرنی چاہئے تھی۔ مگر تم ہو کہ حق سے ایک دم دور ہوتے چلے جا رہے ہو اور نہیں دیکھتے کہ اس سے بڑھ کر نقصان اور خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے اور مقدم قطعی کے محتمل ہونے کی صورت میں اگر چہ تالی بھی محتمل ہوتی ہے مگر تالی کا ترتیب مقدم پر واجب ہے۔

ایک علمی اشکال کا جواب:..... پس عقلاً اضلال کے احتمال سے بچنا بھی واجب ہے اور وہ وقوف ہے قرآن کے تدبر پر۔ پس واجب کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے تدبر بھی واجب ہوا۔ اس لئے قرآن کا انکار جلدی سے نہ کر ڈالو بلکہ سوچ سمجھ سے کام لو، تاکہ تم پر حق واضح ہو جائے اور قرآن کی حقانیت پر دوسرے دلائل تو بجائے خود ہیں۔ ہم تو ان منکروں کو خود ان کی اپنی جانوں میں اور ان کے اردو پیش بلکہ سارے عالم میں اپنی قدرت کے وہ نمونے دکھلاتے ہیں، جن سے قرآن اور پیغمبر قرآن کی حقانیت و صداقت روز روشن کی طرح آنکھوں سے نظر آنے لگے اور اسباب ظاہری کے بالکل برخلاف قرآنی پیشگوئیاں واقعات کے مطابق ہو جائیں۔ پھر تو تم قرآن کو اللہ غیب دان کا کلام مانو گے۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آیت سے مراد قدرت کی عام نشانیاں ہوں، خواہ وہ انفسی ہوں یا آفاقی۔ جب کہ وہ ان سنن البیہ اور قوانین فطریہ کے موافق ہوں جو اس عالم تکوین میں کافر ماہیں اور چونکہ ان کا انکشاف دفعتاً نہیں ہوتا، بلکہ وقتاً فوقتاً درج ہوتا ہے۔ اس لئے سنسریہم فرمادیا اور اگر قرآن کی صداقت کوئی نہ بھی مانے تو اکیلے خدا کی گواہی کیا کم ہے، جو ہر چیز پر گواہ ہے ورنہ غور کرنے سے ہر چیز میں اس کی گواہی کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ ابھی تک اسی مغالطہ اور غلط فہمی میں پھنسے ہوئے ہیں کہ خدا کے پاس انہیں حاضر نہیں ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ ہر وقت، ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ کوئی چیز بھی ہو، مکانیات یا مکان۔ زمانیات یا زمان سب احاطہ وجود میں چونکہ داخل ہیں اور وجود حقیقی اللہ ہے۔ پس اللہ کے احاطہ سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہے۔ اور جس طرح زندہ رہتے ہوئے باہر نہیں ہیں اسی طرح فنا ہونے کے بعد بھی ممکنات اس کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں ہیں۔ محالات اور ممتنعات میں گفتگو نہیں ہے کہ وہ دائرہ سے باہر ہیں۔



## سُورَةُ الشُّورَى

سُورَةُ الشُّورَى مَكِّيَّةٌ إِلَّا قُلَّ لَا أَسْأَلُكُمْ آيَاتِ الْأَرْبَعِ ثَلَاثٌ وَخَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدٌ ﴿۱﴾ عَسَقَ ﴿۲﴾ اللَّهُ أَعْلَمَ بِمُرَادِهِ بِهِ كَذَلِكَ أَيْ مِثْلَ ذَلِكَ الْإِيحَاءِ يُوحَى إِلَيْكَ وَأَوْحَى إِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ اللَّهُ فَاعِلُ الْإِيحَاءِ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ﴿۳﴾ فَبِىْ صُنْعِهِ لَهُ مَا فِى السَّمَوَاتِ وَمَا فِى الْأَرْضِ مِنْكُمْ وَخَلَقًا وَعَبِيدًا وَهُوَ الْعَلِيُّ عَلَى خَلْقِهِ الْعَظِيمِ ﴿۴﴾ الْكَبِيرُ تَكَادُ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ بِالنُّونِ وَفِى قِرَاءَةِ بِالتَّاءِ وَالتَّشْدِيدِ مِنْ فَوْقِهِنَّ أَيْ تَنْشَقُّ كُلُّ وَاحِدَةٍ فَوْقَ الَّتِى تَلِيهَا مِنْ عَظَمَتِهِ تَعَالَى وَالْمَلَكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ أَيْ مُلَا يَسْبِيحُونَ لِلْحَمْدِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِى الْأَرْضِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الْوَلِيُّ الرَّحِيمُ ﴿۵﴾ بِهِمُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَيْ الْأَصْنَامِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَقِيقٌ مُحْصٍ عَلَيْهِمْ لِيُخَارِبَهُمْ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿۶﴾ تُحْصِلُ الْمَطْلُوبَ مِنْهُمْ مَا عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ وَكَذَلِكَ مِثْلَ ذَلِكَ الْإِيحَاءِ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِتُنْذِرَ تُخَوِّفُ أُمَّ الْقُرَى وَمَنْ حَوْلَهَا أَيْ أَهْلَ مَكَّةَ وَسَائِرَ النَّاسِ وَتُنْذِرَ النَّاسَ يَوْمَ الْجَمْعِ أَيْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تُجْمَعُ فِيهِ الْخَلْقُ لَا رَيْبَ شَكٍّ لِيهِ فَرِيقٌ مِنْهُمْ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِى السَّعِيرِ ﴿۷﴾ النَّارِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً أَيْ عَلَى دِينٍ وَاحِدٍ وَهُوَ الْإِسْلَامُ وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِى رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ الْكَافِرُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۸﴾ يَنْقُذُ عَنْهُمْ الْعَذَابَ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَيْ الْأَصْنَامِ أَوْلِيَاءَ أَمْ مُنْقِطَعَةٌ بِمَعْنَى بَلِ الَّتِى لِلْإِنْتِقَالِ وَهَمْزَةُ الْإِنْكَارِ أَيْ لَيْسَ الْمُتَّخِذُونَ أَوْلِيَاءَ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ أَيْ النَّاصِرُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْفَاءُ لِمَحَرِّدِ الْعَطْفِ وَهُوَ يُخَيِّمُ الْمَوْتِىَّ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

وَقَدْ قَدِيرٌ ۝۹۰ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ مَعَ الْكُفَّارِ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الدِّينِ وَغَيْرِهِ فَحُكْمُهُ مُرَدُّوْذٍ إِلَى اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
 بِفَصْلِ نِيكُمُ قُلْ لَهُمْ ذَلِكَمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝۹۱ أَرْجِعْ فَاطِرُ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ مَنَدُّهُمَا جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا حَيْثُ خَلَقَ حَوَاءً مِّنْ ضُلْعِ آدَمَ وَمِنَ الْأَنْعَامِ  
 أَزْوَاجًا دُكُورًا وَإِنَّا يَذَرُوكُم بِالْمُعْجَمَةِ يَخْلُقُكُمْ فِيهِ فِي الْجَعْلِ الْمَذْكُورِ أَيْ يَكْتَرِكُمْ سِوَهُ  
 بِالنَّوَالِدِ وَالضَّمِيرِ لِلنَّاسِ وَالْأَنْعَامِ بِالتَّغْلِيْبِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ الْكَافُ زَائِدَةٌ لِأَنَّهُ عَالِي لَامٍ لَّهُ  
 وَهُوَ السَّمِيعُ لِمَا يَقَالُ الْبَصِيرُ ۝۹۲ بِمَا يَفْعَلُ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَيْ مَفَاتِيحُ حَرَائِبِهِمَا  
 مِنَ الْمَطَرِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهِمَا يَسُطُّ الرِّزْقَ يُوسِّعُهُ لِمَنْ يَشَاءُ اِمْتِحَانًا وَيَقْدِرُ يُضَيِّقُهُ لِمَنْ يَشَاءُ اِتِّبَاءً  
 إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۹۳ شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا هُوَ أَوَّلُ أَنْبِيََاءِ الشَّرِيعَةِ وَالَّذِي  
 أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ هَذَا  
 هُوَ الْمَشْرُوعُ لِمُوصَى بِهِ وَالْمُوحَى إِلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ التَّوْحِيدُ كَبُرَ عَظَمَةُ عَلَى  
 الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ مِنَ التَّوْحِيدِ اللَّهُ يُجْتَبَى إِلَيْهِ إِلَى التَّوْحِيدِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ  
 يُنِيبُ ۝۹۴ يُقْبَلُ عَلَى طَاعَتِهِ وَمَا تَفَرَّقُوا أَيْ أَهْلُ الْأَدْيَانِ فِي الدِّينِ بَأَنَ وَحَدَّ بَعْضُ وَكَفَرَ بَعْضُ الْآمِنُ  
 بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِالتَّوْحِيدِ بَغْيًا مِنَ الْكَافِرِينَ بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ بِتَأْخِيرِ  
 الْحَرَاءِ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ بِتَعَذُّبِ الْكَافِرِينَ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا  
 الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهُمْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 مُرِيبٌ ۝۹۵ مَوْقِعُ الرِّيْبَةِ فَلِذَلِكَ التَّوْحِيدُ فَادْعُ يَا مُحَمَّدُ النَّاسَ وَاسْتَقِمْ عَلَيْهِ كَمَا أَمَرْتُ وَلَا تَتَّبِعْ  
 أَهْوَاءَهُمْ فِي تَرْكِهِ وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأَمَرْتُ لِأَعْدِلَ أَيْ بِأَنَ عَبْدٌ بَيْنَكُمْ فِي  
 الْحُكْمِ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ فَكُلُّ يُجَازَى بِعَمَلِهِ لَا حُجَّةَ خُصُومَةٍ بَيْنَنَا  
 وَبَيْنَكُمْ هَذَا قُلْ أَنْ يُؤْمَرَ بِالْجِهَادِ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا فِي الْمَعَادِ لِفَضْلِ الْقَضَاءِ وَإِلَيْهِ  
 الْمَصِيرُ ۝۹۶ الْمَرْجِعُ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي دِينِ اللَّهِ نَبِيٍّ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُ بِالْإِيمَانِ لظُهُورِ  
 مُعْجَرَتِهِ وَهُمْ الْيَهُودُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ بِإِطْلَاقِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝۹۷  
 اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِأَنْزَلِ وَالْمِيزَانَ وَالْعَدْلَ وَمَا يُدْرِيكَ يُعَلِّمُكَ لَعَلَّ  
 السَّاعَةَ أَيْ إِنِّيَابَهَا قَرِيبٌ ۝۹۸ وَلَعَلَّ مُتَعَلِّقٌ لِلْفِعْلِ عَنِ الْعَمَلِ أَوْ مَا بَعْدَهُ سُدَّ مُسَدُّ الْمَفْعُولِ يَسْتَعِجِلُ

بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا يَقُولُونَ مَتَىٰ تَأْتِي ظَنًّا مِنْهُمْ أَنَّهَا غَيْرُ آيَةٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ خَائِفُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ إِلَّا إِنَّ الَّذِينَ يُمارُونَ يُحَادِلُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿۱۸﴾  
اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ بِرِهِمْ وَفَاجِرِهِمْ حَيْثُ لَمْ يُهْلِكْهُمْ جُوعًا بِمَعَاصِيهِمْ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ مِنْ كُلِّ مَنْهُمْ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ عَلَىٰ مُرَادِهِ الْعَزِيزُ ﴿۱۹﴾ الْغَالِبُ عَلَىٰ أَمْرِهِ

ترجمہ: ..... یہ سورہ شوریٰ مکہ ہے۔ بجز آیت قل لا اسئلكم چار آیات کے۔ اس میں ۵۳ آیات ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم. حَمْدُ عَسَىٰ (اس کی حقیقی مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) اسی طرح (جیسے یہ وحی ہے) آپ پر وحی بھیجتا ہے (وحی بھیجی ہے) جو آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ اللہ نے (یہ قائل ہے ابعاء کا) جو (اپنے ملک میں) زبردست (کارگیری میں) حکمت والا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب اسی کے قبضہ میں ہیں۔ سب اسی کی مخلوق ہے، سب اسی کے بندے ہیں) اور (اپنی مخلوق میں) وہی سب سے برتر اور عظیم الشان (لائق تعظیم) ہے۔ کچھ بعید نہیں (تا اور یا کے ساتھ ہے) کہ آسمان پھٹ پڑیں (یتفطرون نون کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں تا اور تشدید کے ساتھ ہے) اپنے اوپر سے (یعنی ہر آسمان اوپر والا نیچے آسمانوں پر اللہ کی عظمت کی وجہ سے پھٹ کر گر پڑے) اور فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح و حمد کرتے رہتے ہیں (یعنی اس کی تسبیح و حمد پر مشتمل ہوتی ہے) اور اہل زمین (مسلمانوں) کے لئے معافی مانگتے رہتے ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی (اپنے دوستوں کو) معاف کرنے والا (اور ان پر) مہربان ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے (بت) کا رسا بنا رکھے ہیں، اللہ ان کی دیکھ بھال (نگرانی) کر رہا ہے (ان کو سزا دے گا) اور آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں دیا گیا ہے (کہ آپ ان کو مطلوب تک پہنچادیں اور آپ کا کام صرف تبلیغ کرتا ہے) اور اسی طرح (جیسے کہ یہ وحی ہے) ہم نے آپ پر قرآن عربی وحی کے ذریعہ اتارا ہے، تاکہ آپ ﷺ مکہ کے باشندوں کو ڈرائیں (خوف دلائیں) اور آس پاس کے رہنے والوں کو (یعنی مکہ اور تمام دنیا) اور (لوگوں کو) جمع ہونے کے دن سے ڈرائیں (یعنی قیامت کے دن سے جس میں ساری مخلوق جمع ہو جائے گی) جس میں ذرا تردد (شک) نہیں ہے (ان میں کا) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور وہ ایک گروہ دوزخ (کی آگ) میں ہوگا اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا (یعنی سب ایک ہی دین اسلام پر ہوتے) لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں (کافروں) کا کوئی مددگار نہیں (جو ان پر سے عذاب ہٹا سکے) یہاں لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے (بتوں کو) کا رسا قرار دے رکھا ہے (ام منقطعہ بمعنی بدل ہے انتقال کے لئے اور بمعنی ہمزہ انکاری ہے یعنی یہ بناوٹی چیزیں کارساز نہیں ہیں) سو اللہ ہی کارساز ہے (مسلمانوں کا مددگار، اور ہمساء محض عطف کے لئے ہے) وہی مردوں کو جھائے گا اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور جس جس بات (دین وغیرہ) میں اختلاف کرتے ہو (کافروں سے) اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد (حوالہ) ہوگا (قیامت کے روز وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔ آپ ان سے کہہ دیجئے) یہ اللہ میرا رب ہے میں اسی پر توکل رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع (توجہ) کرتا ہوں، وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (بنانے والا) ہے۔ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے بنائے (حواء کو آدم کی پسلی سے پیدا فرمایا) اور مویشیوں کے (نر و مادہ) جوڑے۔ تمہاری نسل چھاتا ہے (یدرء کم ذال کے ساتھ بمعنی یخلقکم) اس کے ذریعہ (مذکورہ طریقہ پر یعنی اسی سبب سے تمہیں پیدا کر کے تمہاری افزائش کردی اور ضمیر جمع مذکر انسانوں اور چوپاؤں کی طرح تغلیبا راجع ہے) کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے (اس میں کاف زائد ہے کیونکہ خدا کا کوئی مثل ہی نہیں ہے) اور وہی (ہر بات کا) سننے والا (ہر کام کا) دیکھنے والا ہے اسی کے اختیار میں ہیں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں

(یعنی بارش، پیداوار وغیرہ کے ذخیروں کی چابیاں) جس کو چاہتا ہے (آزمائشی طریقہ پر) زیادہ روزی دیتا ہے اور کم دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے) بطور آزمائش کے کم دیتا ہے) بلاشبہ وہ ہر چیز کا پورا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ہی مقرر کیا ہے۔ جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا (جو پہلی شریعت لانے والے پیغمبر تھے) اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے۔ اور جس کا ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا (یہی حکم شریعت، وصیت اور آنحضرت ﷺ کے وحی ہے یعنی توحید) مشرکین کو وہ بات بڑی گراں (ناگوار) گزرتی ہے جس کی صرف آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں (یعنی توحید) اللہ اپنی (توحید کی) طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص رجوع کرے (اس کی فراموشی کرے) اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے اور وہ لوگ باہم متفرق ہو گئے (یعنی اہل مذہب کے بعض نے توحید برقرار رکھی اور بعض نے کفر اختیار کر لیا) اس کے بعد کہ ان کے پاس علم (توحید) آچکا تھا۔ محض (کافروں کی) آپس کی ضد اضدی سے اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات (تاخیر عذاب کی) پہلے سے قرار پانہ چکی ہوتی ایک معین وقت (قیامت) تک کے لئے تو ان کا فیصلہ (دنیا ہی میں کافروں کی سزا کا) ہو چکا ہوتا اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ آپ (حضرت محمد ﷺ) کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جو تردد (شبہ) میں ڈالنے والا ہے۔ سو آپ اسی (توحید) کی طرف بلائے جائیں (اے محمد! لوگوں کو) اور (اس پر) جسے رہنے جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلئے (ان کو چھوڑ دینے کے متعلق) اور آپ سنا دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں، سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھ کو یہ حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان (فیصلہ کرنے میں) عدل (انصاف) رکھوں۔ اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے۔ ہمارے عمل ہمارے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہیں (یہ جہاد سے پہلے کا حکم ہے) اللہ ہم سب کو جمع کرے گا (قیامت کے روز فیصلہ کے لئے) اور اس کے پاس لوٹنا (واپس جانا) ہے اور جو لوگ اللہ کے (دین کے متعلق) جھگڑے نکالتے ہیں (اس کے پیغمبر کے ساتھ) اس کے بعد کہ اس کو قبول کر لیا گیا ہے (ایمان لا کر اس کے کھلے معجزہ کی وجہ سے اور جھگڑا ڈالنے والے یہود ہیں) ان لوگوں کی حجت ان کے پروردگار کے نزدیک (واہیات) ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اللہ ہی ہے جس نے کتاب (قرآن) کو نازل کیا ہے برحق (اس کا تعلق انزل کے ساتھ ہے) اور ترازو (انصاف) کو اتار دیا ہے اور آپ کو کیر خبر (پتہ) عجب نہیں کہ قیامت (کا آنا) قریب ہے (لعل نے فعل کو ظاہر عمل سے روک دیا۔ یہ کہا جائے کہ ان کے دونوں مفعول کے قائم مقام ہے) اس کا تقاضہ کرتے ہیں جو لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے (یہ گمان رکھتے ہوئے کہ قیامت نہیں آئے گی پوچھتے ہیں کہ کب آئے گی؟) اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے (خوف رکھتے ہیں) اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ یاد رکھو کہ جو قیامت کے متعلق جھگڑتے (لڑتے مارتے) ہیں وہ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے (نیک ہو یا بد۔ کسی کو بھی گندہ کی وجہ سے بھوکا نہیں مارتا) روزی دیتا ہے (ان میں سے ہر ایک کو) جس کو چاہتا ہے اور وہ (اپنے منصوبہ پر) قابو یافتہ زبردست ہے (اپنے کام میں غالب)۔

تحقیق و ترکیب: ... حَمَّ عَسَقَ۔ یہ دونوں لفظ اگر سورت کے دو نام ہیں تو دو آیتیں شمار ہوں گی اور دونوں کا الگ الگ مٹھن بھی اسی وجہ سے ہوگا اور دونوں مل کر ایک ہی نام اگر ہے تو پھر الگ الگ لکھنا اس لئے ہوگا کہ دوسرے حوامیم کے ساتھ موافقت رہے۔ کذلک۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ کاف منصوب ہے مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے ای یوحی ایحاء مثل ذلک الایحاء اور مضارع حکایت حال ماضیہ کے طریقہ پر ہے۔

یتفطرون۔ ایک قرأت یتفطرون اور دوسری قرأت یتفطرون بھی ہے۔

تکاد۔ کی دو قرأتیں مل کر چار قرأتیں نہیں، بلکہ تین قرأتیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ تکاد کے ساتھ تو یتفطرون کی دو صورتیں ہیں اور یکاد کی صورت میں صرف یتفطرون پڑھا جائے گا۔

من فوقھن۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ ضمیر سموات کی طرف راجع ہے۔ یعنی ہر اوپر والا آسمان نیچے آسمان پر ٹوٹ کر گر جائے اور سب ٹوٹ کر زمین پر آ رہیں۔ اس صورت میں زیادہ ہیبت و عظمت معلوم ہوتی ہے، لیکن بعض کی رائے میں ضمیر کفار و ارض کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔

یستغفرون۔ استغفار سے مراد یہاں شفاعت ہے اور من فی الارض سے مراد صرف مسلمان ہیں اور بعض کی رائے میں عام باشندگان سرزمین مراد ہیں۔ چنانچہ بیضاوی کا خیال بھی یہی ہے۔  
حفیظ۔ مکمل نگرانی اور چوکی کرنے والا۔

ام القریٰ۔ مکہ کو ام القریٰ۔ زمین کا وسط ہونے کی وجہ سے یا اول قطعہ یا اشرف بقعہ ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ مراد اہل مکہ ہیں اس معنی کر بھی ان کو امی کہہ سکتے ہیں۔

ومن حولہا۔ مکہ کے ارد گرد اور ارد گرد کے ارد گرد، پھر آگے اسی طرح سلسلہ چلا جائے تو سارا عالم مراد ہوگا۔ جس سے آپ کی عموم بعثت ثابت ہوئی اور یہاں چونکہ کفار مخاطب ہیں اس لئے صرف آپ کے وصف مذکور ہونے پر اکتفا کیا گیا ورنہ آپ بشیر بھی ہیں۔  
لاریب۔ مستانہ یا یوم الجمع سے حال ہے۔

فریق۔ مبتداء اور فی الجنبہ خبر ہے اور تفصیل کے موقع پر نکرہ مبتداء ہو سکتا ہے۔  
یحییٰ الموتی۔ یعنی مردہ کو جلا تا صرف اللہ کی شان ہے۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مردہ دلوں کو زندہ اور زندہ دلوں کو مردہ کر دینا بھی اس میں داخل ہے۔ اور واسطی فرماتے ہیں کہ دل تجلی الہی سے زندہ اور استعار سے مردہ ہو جاتے ہیں اور سہل فرماتے ہیں کہ بغیر موت کے حیات حاصل نہیں ہوتی۔ یعنی نفس کے اوصاف کو مارنے سے حیات حاصل ہوتی ہے۔  
ما اختلفتم ما شرطیہ یا موصولہ مبتداء ہے من شیء بیان ہے اور فحکمہ الخ خبر ہے۔

من انفسکم ای من جنسکم ازواجاً ای نساء

یذراء کم فیہ۔ اس میں فی اپنے ہی معنی پر ہے اور کم ضمیر انسان اور انعام دونوں کی طرف بطور تغلیب ہے۔ بقول زخشری یہ احکام ذات العلّٰیین میں سے ہے۔ یعنی حاضر و غائب میں حاضر کی تغلیب کر لی گئی ہے اور فیہ کی بجائے وہ کہنا چاہئے تھا۔ مگر اس تدبیر کو تشریف نسل کا منبع قرار دیا گیا ہے۔ جیسے ولکم فی القصاص حیاۃ میں فی لایا گیا ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ فی کو بمعنی بالیا جائے بمعنی سبب اور ضمیر فیہ جعل یا مخلوق کی طرف راجع کی جائے اور بعض نے ضمیر فیہ کو یطن یا رحم کی طرف راجع کیا ہے حکمانہ کو رہنے کی وجہ سے۔

لیس کمثلہ اس میں لفظ مثل مبالغہ کے لئے ایسے ہی ہے جیسے: لا یفعل مثلاً اور لا مثل لہ میں ہے۔ یعنی کنایہ ذات سے ہے، گویا جب مثل سے نفی کر دی گئی تو ذات سے نفی بدرجہ اولیٰ ہو گئی اور کاف تاکید کے لئے زیادہ ہے۔ اس سے اب شبہ نہیں ہو سکتا کہ آیت میں تو اللہ کے مثل کے مثل کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے اللہ کے مثل کی نفی نہیں ہوئی بلکہ اس کا ثبوت ہو رہا ہے۔ حالانکہ اللہ کا مثل محال ہے، لیکن مفسر نے جواب دے دیا کہ کاف زائد ہے، اس لئے مثل کی نفی ہو گئی۔ یہ تو جہ سب سے آسان ہے۔ ایک جواب یہ بھی

ہو سکتا ہے کہ لفظ مثل زائد ہے۔ لیکن اس میں دو خرابیاں لازم آئیں گے۔ ایک تو اسم کو زائد ماننا، دوسرے کاف کا ضمیر پر داخل ہونا جو شعر کے علاوہ جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ایک جواب یہ بھی ہے کہ مثل بمعنی صفت ہے۔ یعنی کوئی چیز اللہ کی صفت جیسی نہیں ہے۔ لیکن دقیق جواب یہ ہے کہ نہ کاف زائد مانا جائے اور نہ مثل بلکہ کلام بطور کنایہ ہو۔ اہل عرب مثل کو نفس کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے مثلک لا ینحل بالیس لاسخی ریداخ۔ پس معنی یہ ہوں گے کہ جب اللہ کے مماثل کا مماثل بھی نہیں تو خود اس کا مماثل کس طرح ممکن ہے۔

سوحا۔ اکابر انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا، جس کو مستقل دین اور شریعت دی گئی ہے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام چونکہ اول شارع ہیں، ان سے پہلے صرف توحید و رسالت اور معاشیات کی تعلیم تھی۔ حتیٰ کہ اختلاف لطن کے ساتھ حقیقی بہنوں سے شادی جائز تھی، کیونکہ ابھی تک دنیا ہی آباد نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے ابتداء آبادی سے متعلق احکام آئے اور جب آبادی بڑھ گئی تو پھر اللہ اور بندوں کے حقوق کا سوال کھڑا ہوا۔ اس لئے شرائع کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں مائیں، بیٹیاں، بہنیں حرام مروی گئیں اور دیانات و معاملات کے ابواب کھلے اور یہ سلسلہ ترقی پذیر ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ پیغمبر آخرا زمانہ ﷺ پر شرائع مکمل ہو گئیں۔

ان اقموا مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ ان تفسیر یہ ہے اور بقول کرنی ان مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے۔ محل رفع میں ہے، مبتداء محذوف کی خبر کی وجہ سے ای ہوا ان اقموا یا موصول سے بدل ہونے کی وجہ سے محل نصب میں اور اللہ سے بدل مان کر محل جر میں بھی مانا جاسکتا ہے۔

اللہ یحبہ۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ایک سالک ہوتا ہے جو اپنی محنت و مجاہدہ سے عشق کی گھائیاں طے کر کے منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔ ارشاد ہے والذین جاہدوا الخ اور ایک مجذوب ہوتا ہے جس میں منجانب اللہ جذب و کشش ہوتا ہے۔ وہ خود بخود اس کی طرف کھینچتا ہے۔ اس میں چونکہ شانِ استغنائیت و محبوبیت ہوتی ہے اس لئے یہ پہلے سے زیادہ عالی مرتبہ ہوتا ہے۔ الیہ میں الی بمعنی لام ہے۔

کما امرت۔ خواہ رخصت سے پہلے مرتبہ عزیمت مراد ہے۔ جیسے اتقوا اللہ حق تقاۃ۔ یا رخصت کے بعد سبھی احکام

مراد ہوں۔ جیسی فاتقوا اللہ ما استطعتم

لا عدل۔ لام بمعنی با ہے اور لام تعلیلیہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں امر کا صلہ مقدر ہوگا۔ ای امرت بالعدل لا عدل

بینکم اور لام زائد مانا جائے تو فامقدر ہوگا۔

والذین یحاجون۔ مبتداء اول ہے اور حجتہم مبتداء ثانی ہے جس کی خبر داحضة ہے اور جملہ کر پہلے مبتداء کی خبر ہے۔

والمیراں، میزان انصاف کا ذریعہ ہے۔ اس لئے انصاف کے معنی ہیں۔ میزان اتارنے کا مطلب حکم انصاف نازل کرنا

ہے اور بعض کی رائے ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت میزان اتاری گئی اور اوزان کی درستگی پر زور دیا گیا۔

قریب۔ موصوف مؤنث ہو تو صفت بھی مؤنث ہونی چاہئے۔ مفسر نے اس شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مضاف

محذوف ہے اور یہ جواب کہ قریب بروزن فعیل ہے۔ جس میں سب مذکر مؤنث برابر ہوتے ہیں صحیح نہیں۔ کیونکہ فعیل بمعنی فاعل ہے

جس میں دونوں برابر نہیں ہوتے اور خطیب نے یہ توجیہ کی ہے کہ ساعت اگرچہ مؤنث ہے، لیکن بمعنی وقت اور بمعنی بعث ہے۔ اس لئے

قریب لا نا صحیح ہو گیا۔ یا کہ قریب میں نسبت کے معنی لئے جائیں یعنی ذات قرب۔ ان سب صورتوں میں یہ استعمل درست ہو جائے گا۔

مفسر علام دوسری ترکیب یہ بتلا رہے ہیں کہ یدریک فعل متعدی ہے۔ جس کے تین مفعول ہیں۔ مفعول اول کسان ہے اور لعل

الساعة مفعول ثانی اور قریب مفعول ثالث ہے۔

لطیف۔ یہ صفت اگرچہ اللہ کے لئے عموم ثابت کر رہی ہے اور آگے وزن کی تخصیص بظاہر اس کے منافی معوم ہوتی ہے، لیکن

کہا جائے گا کہ رزق میں مرزوقین کی تخصیص مقصود نہیں، بلکہ حکمت کے مطابق توزیع و تقسیم کا اظہار پیش نظر ہے۔

رابط آیات: ..... سورۃ الشوریٰ۔ چونکہ وامرہم شوریٰ میں مشورہ کا استحسان معلوم ہوا۔ اس لئے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہو گئی۔ اس کے مضامین حسب ذیل ہیں۔

۱۔ توحید کا بیان اور شرک کا بطلان۔ جس کے ذیل میں صفات کمالیہ اور افعال حکمت کا تذکرہ بھی ہے۔

۲۔ رسالت کی بحث اور اس کے ذیل میں مضامین تسلی بھی ہیں۔

۳۔ بعث و جزا کا بیان اور عذاب میں جلدی مچانے کا جواب مذکور ہے۔

۴۔ دنیا میں انہماک کرنے کی مذمت اور طلب آخرت کی ترغیب ہے۔

۵۔ مسلمانوں کے حسن اعمال اور حسن مآل کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے بالمقابل کفار کی بد اعمالی اور بد مآل کا تذکرہ ہے اور یہ سب مضامین متداخل ہیں۔

اس سے پچھلی سورت کے ساتھ بھی ارتباط واضح ہو گیا ہے۔

روایات: ..... ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ لیس من نبی صاحب کتاب الا وقد اوحی حم عسقی۔ یعنی توحید و رسالت و

بعث یہ تینوں مضامین جو اس سورت کا محور ہیں وہی سب انبیاء کی مشترک دعوت ہے۔ نیز ابن عباسؓ یفطرون ای من الثقل فرماتے ہیں۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے آگے سب سے اول جبریل علیہ السلام سجدہ ریز ہوئے۔ پھر میکائیل علیہ السلام و اسرافیل علیہ السلام و عزرائیل علیہ السلام علی الترتیب اور ان کے بعد دوسرے فرشتے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ سجائے اور من انفسکم ازواجہ کے تحت بقول جمل۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ جمعہ کے روز زوال سے عصر تک ہوتا رہا۔ پھر بحسب منام حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے حوا کی تخلیق ہوئی اور حوا کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ انہیں زندہ انسان سے پیدا کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھا تو ان کی جانب کشش ہوئی، وہ ہاتھ بڑھانا ہی چاہتے تھے کہ فرشتوں نے روکا کہ پہلے ان کا مہر ادا کرو۔ پوچھا کہ مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ محمد ﷺ پر تین دفعہ صلوٰۃ و سلام۔

نیز مجہدؒ سے یذراء کم نسلاً بعد نسل منقول ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے نبی کہنے کی تائید میں حدیث بخاری ہے کہ شفاعت کے سلسلہ میں مخلوق حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کرے گی کہ سرزمین پر آپ رسول بن کر آئے تھے۔

کما امرت۔ اگر تھوکی اور عبادت کا اعلیٰ مرتبہ مراد لیا جائے تو حدیث شیعنی ہود و اخواتہا میں یہی معنی ہیں کہ آپ کو اس غم و فکر نے بوڑھا بنا دیا کہ میں حق ادا نہیں کر سکا۔

ولاتنح اھوائھم۔ روایات میں ہے کہ کفار نے خواہش کی تھی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کیجئے، ایک سال ہم آپ کے خدا کی پرستش کریں گے۔

والذین یحاجون۔ یہود کہا کرتے تھے کتابنا قبل کتابکم وینا قبل نبیکم فنحن خیر منکم۔

﴿تشریح﴾: ..... کذلک یوحی۔ حاصل یہ ہے کہ جس طرح اس صورت میں اعلیٰ مضامین آپ پر وحی کئے جا رہے ہیں،

اسی طرح دوسری سورتوں اور دوسرے انبیاء کے لئے بھی اللہ کی عادت و حکمت یہی رہی ہے۔ اللہ کی عظمت، شان کو ابراہیل زمین نہ



بائیں نہ مانیں تو اس سے یا فرق پڑتا ہے۔ آسمان پر فرشتے اس کثرت سے اس کو ماننے اور جاننے والے ہیں کہ آسمان ان کے بوجھ سے چڑچڑاتا اور پھٹ پڑنے کے قریب ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آسمان میں چار انگشت جگہ ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سر نہ سجود نہ ہو یا مد کے ذکر کی کثرت کی تاثیر سے یا خود اللہ کی عظمت و جلال سے آسمان کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

اور بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ کفار کے شرکیہ اور گستاخانہ کلمات سے کچھ بعید نہیں کہ آسمان کی بالائے سطح پھٹ پڑے۔ مگر اللہ کی شان عفو و رحمت کے اثر سے آسمانوں کا یہ نظام تھما ہوا ہے۔ اہل زمین کی گستاخیوں کے اثرات کم کرنے کے لئے آسمانی فرشتے خود ان کے حق میں استغفار کرتے رہتے ہیں۔

**فرشتوں میں جسم اور ثقل ہوتا ہے:** ..... فرشتوں کے بوجھ سے آسمانوں کا پھٹ پڑنا بتا رہا ہے کہ فرشتوں میں ثقل ہوتا ہے اور یہ کچھ مستبعد نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتوں کے لئے جسم ہونا تو نصوص سے ثابت ہے اور اجسام میں ثقل ہونا قیاساً بل تعجب نہیں۔

ربانیہ شہادت ثقل کی وجہ تو مرکز کی طرف ہوا آتی ہے اور فرشتوں کا میلان اجسام لطیفہ ہونے کی وجہ سے محیط کی جانب ہونا چاہئے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ دونوں باتیں ہی مسلم نہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی جسم کو اس میان کے خلاف پیدا کرے تو اس کی نفی کی یہ دلیل ہے۔ دوسرے لطیف اجسام کا میلان محیط کی جانب اس لئے ہے کہ وہ اس کا چیز ہے۔ پس اصل میان تو حیز کی طرف ہے اور چونکہ ہر آسمان کے فرشتوں کا حیز وہی آسمان ہے جس پر وہ رہتے ہیں۔ اس لئے اس طبعی قاعدہ کی بناء پر ان کا میان اسی آسمان کی طرف ہوگا اور فرشتے چونکہ آسمانوں کی بالائی سطح پر رہتے ہیں۔ پس اس میلان کا وزن اور اثر آسمانوں کے اوپر ہی ہوگا اور میان مرکز کی اصطلاح کی رو سے گو اس کو ثقل نہ کہا جائے مگر لغت کے لحاظ سے اس کو ثقل کہا جائے گا۔

**استغفار کی برکت سے نظام عالم قائم ہے:** ..... بہر حال فرشتوں کے استغفار کی برکت سے اللہ تبارک و تعالیٰ ایک وقت تک مہلت دے رہا ہے۔ ورنہ دنیا کا یہ سارا نظام چشم زدن میں درہم برہم ہو جانا چاہئے تھا۔ ویسے معمولی واقعات میں سزاؤں کا ہونا یا آخرت میں اصلی عذاب کا ہونا اس استغفار کے مفہوم سے خارج ہے۔ اس لئے کوئی اشکال نہیں رہتا۔ تاہم دنیا میں مغلضین و مہلت دینے سے یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمیشہ کے لئے بچ گئے۔

اللہ حمیظ علیہم۔ یعنی ان کے سب اعمال و احوال ہمارے یہاں محفوظ ہیں جو وقت پر کھول دیئے جائیں گے۔ آپ اس فکر میں نہ پڑیے کہ یہ مانتے کیوں نہیں، اور جب مانتے نہیں تو تباہ کیوں نہیں کر دیئے جاتے۔ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں، آپ تو پیغام پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔ یہ ہمارا کام ہے، ہم ان کا حساب کتاب وقت پر ضرور چکا دیں گے۔

**مکہ زمین کا نقطہ آغاز ہے:** ..... مکہ کو ام القریٰ۔ بڑا گاؤں فرمایا۔ اللہ کا گھر وہیں ہے جس کی وجہ سے وہاں عرب کا اجتماع رہتا ہے اور وہی روئے زمین کی پہلی عبادت گاہ ٹھہری۔ بلکہ زمین کا نقطہ آغاز بھی یہی جگہ ہے جہاں سے زمین پھیلنے شروع ہوئی۔ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی دعوت وہیں سے شروع ہوئی۔ پھر آس پاس عرب کے دوسرے خطوں میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اس سے آپ کی عموم بعثت ثابت ہوتی ہے۔ آپ کے پیغام کا حاصل یہ ہے کہ ایک روز ساری زندگی کا سب کتاب دین ہوگا۔ اس کا حساس و یقین پہلے سے ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ سارے انسان اپنے حالات کے لحاظ سے دو حصوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک حصہ جنتی ہوگا اور دوسرا دوزخی۔ اب تم خود سوچ لو کہ تمہیں کس طبقہ میں شامل ہونا ہے اور اس کے لئے کیا تیاری کرنی ہے۔ یوں تو بعد سب کو ایک راستہ پر لانا سنا تھا، لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ شان جمال و جلال نمایاں ہو اور ان کی صفات و کمالات میں ہر



اس لئے اپنے بندوں کے حالات میں فرق رکھا کہ کسی کو مورد الطاف و عنایات قرار دیا اور کسی کو مستحق تعذیب و سزا گردانا۔

دین و مذہب کا بنیادی پتھر: ..... وما اختلفتم میں عقائد و اعمال، احکام و معاملات میں جہاں کہیں بھی اختلاف پڑ جائے اس کا بہترین فیصلہ اللہ ہی کر سکتا ہے۔ بندہ کو چاہئے کہ بلاچوں و چرا اس کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ توحید جو اس ساری تعمیر کا بنیادی پتھر ہے، اس کو کسی کے کہنے سننے سے کس طرح بلایا جاسکتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہر معاملہ میں میرا سہارا وہی ہے، مجھے اسی پر بھروسہ کرنا ہے، کیونکہ سارا جہان اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ انسان کا وجود اور اس کی نسل کا سلسلہ اور مختلف جانوروں کے گلے سب اسی کی رحمت کا پرتو ہیں۔ اللہ کی ذات، صفات، کمالات و افعال اور احکام و فیصلے سب بے مثل ہیں۔ وہ مخلوق کی مماثلت و مشابہت سے بالکلیہ پاک صاف ہے۔ پھر اس تک رسائی کیسے ہو؟ صرف ایک ہی راستہ معرفت کا ہے کہ اس کے کاموں سے اس کے کمالات و صفات کا اندازہ کیا جائے اور کمالات و اوصاف ذات کی طرف رہنمائی کریں۔ چنانچہ تمام نعمتوں کے خزانے اور ان کی کنجیاں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ کم و بیش روزی کی تقسیم اس کی حکمت و مصلحت کے سراسر تابع ہے۔

دین و مذہب اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے: ..... بے شمار حسی نعمتوں کے ساتھ اللہ نے انسان پر ایک غیر معمولی انعام یہ بھی فرمایا کہ اس کی روحانی رہنمائی کے لئے سینکڑوں ہادی اور رہنماء، وقتاً فوقتاً بھیجے۔ سب سے پہلے شارع حضرت نوح علیہ السلام سے آخری پیغمبر آنحضرت ﷺ تک انسانیت کی ارتقائی مدارج کی رعایت سے مختلف انبیاء، شرايع و صحائف لے کر آتے رہے۔ جن میں سے پانچ تو اولوا اعزم پیغمبر کہلاتے ہیں۔ اور ان میں بھی تین تو ایسے رہے کہ ہر زمانہ میں ان کے نام ایوا بکثرت پائے گئے۔ حاصل یہ کہ دین سب کا قدرے مشترک ایک ہی رہا۔ صرف زمان و مکان کے لحاظ سے حسب مصالح کچھ فرق رہا اور دین کو قائم کرنے کے لئے کچھ طور طریق مختلف ہوئے۔ مگر اصل حقیقت سب جگہ محفوظ رہی اور سب انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کو سختی سے یہی ہدایت رہی کہ دین میں کسی طرح کی تفریق نہ ہونے دیں۔ تاہم دین کی متحدہ دعوت جس کی طرف آنحضرت ﷺ مشرکین کو بدارتے ہیں اور ان کے گلے نہیں اتر رہی ہے اور انہیں بالکل انوکھی دکھائی پڑ رہی ہے۔ حالانکہ اس سے پرانی اور متفق علیہ بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ مگر ان کی جہالت اور بد بختی کی حد ہو گئی۔

بات دراصل یہی ہے کہ ہدایت، دانائی اور سمجھ سب اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ جسے چاہے چن کر اپنی طرف کھینچ لے اور محض اپنی عنایت سے مقام قرب پر فائز کر دے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ اپنی صلاحیت و استعداد سے اللہ کی طرف جھکیں اور محنتیں کریں وہی ان کو کامیاب کرتا ہے اور اس طرح جذب و سلوک کی یہ دونوں منزلیں اپنی اپنی صلاحیت و قسمت کی رو سے خوش نصیب لوگ طے کرتے ہیں۔

دنیا میں ہمیشہ دو طبقے رہے ہیں: ..... وما تفرقوا۔ پھر بھی دین کی پختہ اور متفق علیہ بنیادوں میں جو لوگ رخنہ ڈالتے رہے ہیں، وہ کسی غلط فہمی یا شبہ کی بنیاد پر نہیں، کیونکہ اصول دین سے بڑھ کر معقول اور سچی حقیقتیں اور کوئی نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ محض ضد و عناد، غرور نفس، مال و دوست کی محبت، رسم و رواج کی پابندی نے انہیں فریب نفس میں مبتلا کر رکھا ہے۔ شروع میں یہ اختلاف فروئی رہے ہوں گے، مگر بڑھتے بڑھتے اصول تک نوبت جا پہنچی اور پھر جتنہ بندی ہو کر لوگوں نے اپنے اپنے مورچے بنا لئے۔ پھر بعد کی آنے والی نسلیں ضبط اور الجھنوں میں پھنس کر رہ گئیں اور شلوک و شبہات کی ایسی اونچی دیواریں کھڑی کر لیں کہ ان سے پھدائنگن دو بھر ہو گیا اور آخر کار یہ لوگ دین ہی کو خیر باد کہہ بیٹھے اور اسے ڈھکوسلہ سمجھنے لگے۔ اللہ چاہتا تو یہ سارے اختلاف رو نما ہی نہ ہوتے یا ہوتے تو دم کے دم ختم

کر دیئے جاتے، مگر مصیبت خداوندی اور مشیت ایزدی سے انہیں مہلت اور ڈھیل ملی اور عملی فیصلہ ایک معین وقت تک کے لئے متوی رکھنا سہے کر دیا گیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو دونوں فیصلہ اب بھی ممکن تھا۔

غیر متزلزل عزم اور دنیا کی سب سے پرانی حقیقت: ..... بہر حال آپ نہایت استقدال اور مضبوطی کے ساتھ اور غیر متزلزل عزم سے اس اجتماعی دین پر خود بھی جسے رہے اور دوسروں کو بھی قول و عمل سے مسلسل دعوت دیتے رہیں۔ آپ معاندین کی بالکل پرواہ نہ کریں، بلکہ صاف اعلان کر دیں کہ میں پچھلی کتابوں اور صد اقتوں کو جھٹلانے کے لئے نہیں، بلکہ سب کو تسخیم کرنے اور جمانے کے لئے آیا ہوں اور مجھے حکم ملا ہے کہ جو اختلاف تم نے ڈال رکھے ہیں، ان کا منصفانہ فیصلہ کروں اور احکام کی تبلیغ اور مقدمات نمٹانے میں انصاف و مساوات کا اصول قائم رکھوں اور سچائی جہاں بھی ملے اس کو قبول کر لوں اور خدا کی فرمانبرداری خود بھی کروں اور اس کا اطاعت گزار بندہ ہونا ثابت کروں اور تمہیں بھی اسی طرف لے چلوں۔ سب کا رب جب ایک ہے تو ہم سب کو اس کی خوشنودی حاصل کرنی چاہئے۔ تم اگر اس بات کو نہیں مانتے تو میری تمہاری الگ الگ راہ ہے۔ میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکا۔ آگے تم جانو، تمہارا کام جانے۔

ایک دوسرے کے عمل کے جوابدہ نہیں ہے۔ ہر ایک کو نتائج عمل کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اس کے بعد لڑنے جھگڑنے کی اور بات بھی کیا رہ جاتی ہے۔ اللہ کے دربار میں سب کو حاضر ہونا ہے، وہاں ہر ایک کے سامنے آ جائے گا کہ وہ دنیا سے کیا کیا کر رہا ہے۔ والدین یحاجون۔ یعنی دین کی سچائی اتنی کھلنے کے بعد بھی جو لوگ بدستور کٹ جتنی میں لگے رہیں اور وہی مرغی کی ایک ٹانگ ہانکتے رہیں، ان سے بحث و مباحثہ فضول ہے۔ انہیں خدا کے حوالہ کیجئے۔ وہ سخت غضب اور دردناک عذاب کے ساتھ خود مٹے گا۔

اللہ کی میزان عدل و انصاف: ..... اللہ الذی انزل۔ ایک ترازو تو وہ ہوتی ہے جس میں اجسام مٹتے ہیں۔ اور ایک ترازو وہ ہوتی ہے جس میں اعراض کا وزن ہوتا ہے۔ حرارت و برودت کی کمیت و کیفیت معلوم کر لی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ محبت و عداوت پر بات بھی ایجو د ہو گئے ہیں۔ جن سے جرائم کی تحقیقات میں بڑی مدد مل رہی ہے۔ لیکن ایک علمی اور اخلاقی ترازو بھی قدرت نے اتاری ہے۔ علمی ترازو انسانی عقل سلیم ہے اور اخلاقی ترازو عدل و انصاف ہیں۔ لیکن ان سب سے بڑی ایک ترازو دین حق کی ہے۔ جس میں خالق و مخلوق اور بندوں کے باہمی حقوق ٹھیک ٹھیک تلے ہیں، قیامت قائم ہونے پر اس کی مکمل شکل سامنے آ جائے گی۔ اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ اپنے اعمال و احوال کو کتاب اللہ کی کسوٹی پر کس کر اور دین حق کی ترازو میں تول کر دیکھ لیں۔ کیا معلوم قیامت کی گھڑی قریب ہی آگئی ہو۔ پہلے ہی کر لو جو کچھ کرنا ہے۔ پھر موقعہ نہیں رہے گا۔

حقوق العباد اگرچہ کتاب اللہ میں داخل ہیں۔ مگر میزان سے تعبیر کر کے ان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرنا ہے اور اس لئے بھی ہے کہ اس کی تصدیق سے کتاب کی طرف رغبت زیادہ ہوگی۔ کہ اس کے ماننے سے تو ہماری دنیوی مصالح کی حفاظت بھی رہے گی۔ ہاں! جن بوقیامت کا یقین نہیں وہ ہنسی ہی اڑاتے رہیں گے۔ ان کا کہنا تو یہی ہے کہ قیامت کہاں ہے؟ کب آئے گی؟ کیوں دیر ہے؟ جدی کیوں نہیں آتی؟ بتہ جن واللہ نے ایمان و ایقان سے بہرہ ور کیا ہے وہ اس ہولناک گھڑی کے تصور سے بھی کانپتے ہیں و خوب سمجھتے ہیں کہ یہ چیز ہونے والی ہے کسی کے مانے نہیں مل سکتی۔ اس لئے وہ اس کی تیاری میں بھی پورے طور پر لگے رہتے ہیں۔ مگر جس کو اس حقیقت کا یقین ہی نہیں وہ اس کی تیاری کیا خاک کرے گا۔ بلکہ جتنا مذاق اڑائے گا اتنا ہی گمراہی کی دلدل میں پھنست چلا جائے گا۔

خوف اور شوق دو طرح کے ہوتے ہیں: ..... خوف و شوق دو طرح کے ہوتے ہیں ایک خوف و شوق طبعی اضطراری دوسرے خوف و شوق اعتقادی اختیاری۔ یہ دونوں طرح جمع بھی ہو سکتے ہیں اور الگ الگ بھی پائے جاسکتے ہیں۔ یہاں آیت میں جس خوف کا ذکر ہے وہ اعتقادی خوف ہے جو دو اعتقادوں کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک قیامت قائم ہونے کا اعتقاد، دوسرے یہ اعتقاد کہ نہ معلوم میرے اعمال رد ہوتے ہیں یا قبول۔ لیکن اگر اس اعتقاد اور اختیاری خوف کیساتھ کسی کو موت یا قیامت کا شوق بھی غلبہ حال کے درجہ میں پہنچ جائے تو وہ طبعی اضطراری شوق، اعتقادی اختیاری خوف کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

اسی طرح قبر میں بھی مردہ کا رب اقم الساعة کی درخواست کرنا بھی باعث اشکال نہیں۔ کیونکہ برزخ میں زوال خوف کی یقینی بشارتیں سن کر اعمال کے رد ہو جانے کا کھٹکا نہیں رہتا۔ البتہ یہ خوف اور ڈر دنیا میں ہے اور یہ محبت امر عقیلی ہے۔

اللہ لطیف۔ یعنی باوجود مخالفین کی تکذیب و انکار کے اللہ کسی کی روزی بند نہیں کرتا۔ بلکہ جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔ دنیا میں دینا اصول مکافات و مجزات کی رو سے نہیں ہوتا۔ بلکہ قانون حکمت و مصلحت کے پیش نظر ہوتا ہے۔

اطاعک سلوک: اللہ یجتبیٰ۔ اس میں جذب و سلوک دوسریوں کی طرف اشارہ ہے اول لفظ سے اول کی طرف اور دوسرے لفظ سے دوسرے کی طرف۔

لنا اعمالنا۔ اس میں کسی کی اصلاح اور قبول حق سے مایوسی کے وقت کیا جواب ہونا چاہئے۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ غَمَمَهُ خَرْتُ الْآخِرَةَ أَيْ كَسَبَهَا وَهُوَ الثَّوَابُ نَزْدَلَهُ فِي حَرْثِهِ بِالتَّضْعِيفِ فِيهِ الْحَسَّةُ إِلَى عَشْرَةٍ وَآكْتَرُ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ خَرْتُ الدُّنْيَا نَوْتِهِ مِنْهَا لَا تَضْعِيفَ مَا قَسَمَ لَهُ وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ﴿٢٠﴾ أَمْ بَلْ لَهُمْ لُكْفَارٌ مَكَّةَ شُرَكَّوْا هُمْ شَيَاطِينُهُمْ شَرَعُوا أَيْ الشُّرَكَاءَ لَهُمْ لِلْكَفَّارِ مَنْ الدِّينِ اعْمَاسِدَ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ كَالشُّرَكِ وَانْكَارِ الْبَعْثِ وَلَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَضْلِ أَيْ الْقِصَّةُ الشَّاقَّةُ بَانَ الْحَرَاءُ فِي يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَقَضَى بَيْنَهُمْ وَبَيَّنَ الْمُؤْمِنِينَ بِالتَّعْذِيبِ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّ الظَّالِمِينَ الْكَافِرِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢١﴾ مَوْلَاهُمْ تَرَى الظَّالِمِينَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مُشْفِقِينَ خَائِفِينَ مِمَّا كَسَبُوا فِي الدُّنْيَا مِنَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يُجَازَوْا عَلَيْهَا وَهُوَ أَيْ الْحَزَاءُ عَلَيْهَا وَاقِعٌ بِهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا مُحَالَاةَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَتِ الْجَنَّةِ أَنْزَلَهَا بِالنِّسْبَةِ إِلَى مَنْ دُونَهُمْ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ وَنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٢٢﴾ ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ مِنَ الْبَشَارَةِ مُحَقَّقًا وَمُثَقَّلًا بِهِ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَيْ عَلَى تَبْلِيغِ الرِّسَالَةِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى سُبْحَانَ مَنْ يَقْطَعُ أَيْ لَكِنْ أَسْأَلُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا قَرَابَتِي الَّتِي هِيَ قَرَابَتُكُمْ أَيْضًا فَإِنَّ لَهُ فِي كَرِّ بَطْنِ بَنِي قُرَيْشٍ قَرَابَةً وَمَنْ يَقْتَرِبْ يَكْتَسِبْ حَسَنَةً طَاعَةً نَزْدَلَهُ فِيهَا حَسَنًا بِتَضْعِيفِهَا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

تَدْنُو بِ شُكُورٍ ﴿۲۳﴾ بِلِقَائِهِ فِضَاعُهُ أَمْ بَلْ يَقُولُونَ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا بِنِسْبَةِ الْقُرْآنِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فَإِنْ يَشَاءِ اللَّهُ يُخَيِّمُ بِرَبِّطٍ عَلَى قَلْبِكَ بِالصَّبْرِ عَلَى إِذَا هُمْ بِهَذَا الْقَوْلِ وَغَيْرِهِ وَقَدْ فَعَلَ وَيَمُحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ تَدْنُو قَالُوهُ وَيُحَقِّقُ الْحَقُّ يُشْتَبِهُ بِكَلِمَتِهِ الْمُنْزَلَةِ عَلَى نَبِيِّهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۲۴﴾ مَا فِي الصُّورِ وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ مِنْهُمْ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ الْمَتَابِ عَلَيْهَا وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۲۵﴾ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ وَاسْتَجِيبْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يُجِيبْنَهُمْ إِلَى مَا يَسْأَلُونَ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَمِيعَتْهُمْ لَبَغَوْا حَمِيْلُهُمْ أَيْ صَعَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنْزَلُ بِالتَّخْفِيفِ وَخَبَرَهُ مِنَ الْأَرْضِ بِسَقْدَرٍ مَا يَشَاءُ فَتُسْطَفَى بِبَعْضِ عِبَادِهِ دُونَ بَعْضٍ وَيَنْشَأُ عَنِ الْبَسْطِ الْبَغْيُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِي يُنْزِلُ الْغَيْثَ لِيُمْطَرَ مِنْ بَعْدِهِ مَا قَنَطُوا يُجْسُوا مِنْ تَرْوِيلِهِ وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ يَسْطُ مَضْرُةً وَهُوَ الْوَلِيُّ الْمُحْسِنُ سَمِعُوا مِنَ الْحَمِيلَةِ ﴿۲۸﴾ الْمَحْمُودُ عِنْدَهُمْ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَحَبْوُ مَا بَيْنَ مَرَفٍ وَنَسْرٍ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ هِيَ مَائِدَةٌ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ عَلَى جَمْعِهِمْ بِخَشَرٍ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ فِي الضَّمِيرِ تَغْلِيْبُ الْعَاقِلِ عَلَى غَيْرِهِ

۳۰

ترجمہ: جو شخص (اپنے عمل سے) آخرت کا طلب گار ہو (یعنی آخرت کے پھل، ثواب کا) ہم اس کو اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے (ایک نیکی کا دس گنا اور اس سے بڑھ کر صلہ) اور جو دنیا کی کھیتی کا جو یا ہوگا تو ہم اس کو کچھ اس میں سے دے دیں گے (اس کا مقررہ حصہ بغیر بڑھائے ہوئے) اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ کیا (ام بمعنی بل) ان (کفار مکہ) کے کچھ شریک (یعنی شیاطین) ہیں جنہوں نے (یعنی شرکاء نے) ان (کفار) کے لئے ایسا (کھوتا) مذہب مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی (جیسے شرک و قیامت کا انکار) اور اگر ایک فیصلہ کن بات نہ ہو چکی ہوتی (یعنی یہ طے شدہ تقدیر کہ اصل صلہ قیامت میں ملے گا) تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا (کہ غار کو دنیا ہی میں سزا دے کر ان کے اور مسلمانوں کے مابین فیصلہ کر دیا جاتا) اور ان ظالموں (کافروں) کو ضرور دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوگا۔ آپ بن ظالموں کو (قیامت میں) دیکھیں گے کہ ڈر رہے (خوف زدہ) ہوں گے اپنے اعمال سے (دنیا میں جو برائیاں کیں بن پر کہیں سزا ہو جائے) اور وہ (بدل) ان پر پڑ کر رہے گا (قیامت میں لامحالہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے (جو اپنے سے کمتر لوگوں کے مقابلہ میں برتر ہوں گے) وہ جس چیز کو چاہیں گے ان کے پروردگار کی طرف سے نہ ملے گی۔ یہی بڑا انعام ہے یہی ہے جس کی بشارت اللہ دے رہا ہے (یشیر بشارت سے ماخوذ ہے تخفیف و تشدید کے ساتھ) اپنے بندوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ آپ کہئے کہ میں تم سے (پیغام رسالت پہنچانے پر) اور کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کے تعلق کے (یہ استثناء منقطع ہے یعنی البتہ میں تم سے یہ چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت داری کا خیال رکھو جو ہمارے تمہارے درمیان باہمی قُوم ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی رشتہ داری قریش کی تمام شاخوں تک پھیلی ہوئی تھی) اور جو شخص کوئی نیکی (حاجت) کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کر دیں گے (ثواب بڑھا کر) بلاشبہ اللہ (گناہوں کا) بڑا بخشنے والا بڑا قادر دان ہے

(تھوڑے عمل کو بڑھا دیتا ہے) کیا (ام بمعنی بل) یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اللہ پر جھوٹ باندھ رکھا ہے (قرآن کی نسبت اللہ کی طرف سے) سو اللہ اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے (کفار کی اس گفتگو اور دوسری باتوں پر آپ کو صبر دے دے چنانچہ یہ ہو گیا) اور اللہ باطل کو (جو یہ بک رہے ہیں) مٹا دیا کرتا ہے اور حق کو اپنے احکام سے (جو اس نے اپنے پیغمبر پر اتارا ہے) ثابت کیا کرتا ہے بلاشبہ وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے (جو سینوں میں ہوتی ہیں) اور وہ ایسا ہے کہ (ان میں سے) اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہ گنہ گاروں کو (جن سے توبہ کر لی جائے) معاف فرما دیتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم یہ کرتے ہو (یسا اور تمہارے ساتھ ہے) اور وہ ان لوگوں کی عبادت قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے (جو دعائیں مانگتا ہے ان کو پورا کرتا ہے) اور اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اگر اللہ اپنے (سب) بندوں کے لئے روزی فراخ کر دیتا ہے تو (سب) شرارت پر اتر آتے دنیا میں لیکن اتارتا ہے (بسنو) تخفیف اور عدم تخفیف۔ ساتھ ہے مراد روزیاں ہیں (اندازہ سے جتن چاہتا ہے) چنانچہ اپنے بعض بندوں کے لئے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور بعض کے لئے نہیں اور کشادہ کرنے سے شرارت پھیلتی ہے) اور وہ اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے اور وہ ایسا ہے جو بارش (مینہ) برسانا ہے لوگوں کے (بارش سے ناامید) مایوس ہو جانے کے بعد اور اپنی رحمت (بارش) پھیلاتا ہے اور وہ کارساز (موتین کا محسن) قابل حمد ہے (ان کے اعتقاد میں) اور جملہ ان کی نشانیوں کے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرتا ہے (اور پیدا کرتا) ان جانداروں کا جو اس نے پھیلا رکھے (متفرق کر رکھے) میں آسمان و زمین میں (دابة، انسان وغیرہ جاندار چیزیں جو زمین پر چلتی پھرتی ہیں) اور وہ (مختر میں) ان کو جمع کر لینے پر بھی جب چاہے قادر ہے (جمعہم کی ضمیر میں ذی عقل مخلوق کو غیر ذی عقل پر غالب کر لیا ہے۔)

**تحقیق و ترکیب:** ... حوث۔ بقول بغوی بمعنی کسب اور بقول زمخشری بمعنی رفع۔ قاموس میں ہے کہ حث کسب، مال کے جمع کرنے اور کھیتی پیداوار کو کہتے ہیں مجازاً ثواب مراد ہے۔

بؤنہ منها۔ اتباع وہ مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور من تعضیہ ہے۔

ام لہم۔ ام منقطع بمعنی بل ہے اور ہمزہ تقریر یا توبیخ کے لئے ہے۔

شرعوا اس کی اسناد شیطانی و شرکاء کی طرف اسناد مجازی ہے سبب گمراہی ہونے کی وجہ سے۔

مما کسبوا مفسر نے ان سے مجازاً کہا کہ تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای من جزاء ما کسبوا۔

وہو واقع اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اشفاق اور خوف آئندہ خطرہ کی توقع کو کہا جاتا ہے۔ پھر واقع کیسے کہا گیا۔ جب کہ اول محتمل اور دوسرا یقینی ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ خطرہ کے دور ہونے کی توقع پر انسان اس کے دفعیہ کی کوشش کرتا ہے۔ مگر ناامیدی کی صورت میں محض ڈری ڈر رہ جاتا ہے۔ خطرہ ضرور واقع ہو کر رہتا ہے اس لئے کوشش ترک کر دی جاتی ہے۔

فی روضۃ الجنت، انزہا الخ۔ تفسیری عبارت سے اشارہ ہے کہ جنت میں مختلف مراتب ہوں گے۔ ایمان اور عمل صالح کے مجموعہ پر اعلیٰ مرتبہ اور ایمان بلا عمل پر ادنیٰ درجہ مرتب ہوگا۔

عند ربہم۔ عند مجازیہ ہے اور یشاؤن کا ظرف ہے۔

ذلک یہ مبتداء ہے الذی الخ خبر ہے مفسر نے بہ عائد محذوف نکال دیا ہے اور یہ موصولہ ہونے کی صورت میں ہے البتہ بقول یونسؑ ما مصدریہ کی صورت میں عائد کی ضرورت نہیں رہتی۔ ای ذلک تبشیر اللہ عباده۔ ابن عمرؓ، ابن کثیرؒ، حمزہؒ، علیؒ کے نزدیک تخفیف کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے۔

### الا المودة فی القربی:

مفسرین کے تین قول ہیں:-

۱۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قریش کے وسط خاندان سے تھے۔ جس کی شاخیں سب طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ آیت میں صدر رحمی اور قرابت داری کی رعایت کا واسطہ دیا گیا کہ اگر میری پیروی نہیں کر سکتے تو کم از کم خاندانی لحاظ ملاحظہ تو رکھو۔ اپنے نفع کی خاطر میرا نقصان تو گوارا نہ کرو۔

۲۔ ابن عباسؓ کا دوسرا قول یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ آئے تو آپ ﷺ کا کوئی سہارا نہیں تھا۔ حضرت انصارؓ نے جمع ہو کر آپ کے ساتھ کچھ حسن سلوک کیا اور کچھ رقم جمع کر کے پیش خدمت کی۔ مگر آپ ﷺ نے اپنی حوصلگی کی وجہ سے اس کو واپس کر دیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں انصارؓ کو خطاب ہے۔

۳۔ حسنؓ سے اس جملہ کے یہ معنی منقول ہیں کہ قرابت داری اور تعلقات کا اصل اور صحیح مصرف اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ دنیاوی غرض میں اس کا استعمال نہیں ہونا چاہئے۔

ای صلی قریبی پہی صورت میں قرابت بمعنی رحم سے ہے اور دوسری صورت میں بمعنی اقارب ہے اور تیسری صورت میں قریب و تقریب کے معنی میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اہل قرابت بعض کے نزدیک فاطمہؓ و علیؓ و حسینؓ ہیں اور بعض کے نزدیک آل علیؓ، آل عقیلؓ، آل جعفرؓ، آل عباسؓ ہیں۔ مفسر علامہؒ الا القربی کو استثناء منقطع کہہ رہے ہیں یعنی قل لا اسئلكم الگ ہے اور الا بمعنی لکن ہے اور قرابت سورۃ اجر ہے حقیقۃً اجر نہیں ہے۔

حسنة۔ بعض کے نزدیک قرابت رسول کی رعایت مراد ہے۔ یہ تو قیرا اگرچہ باعث فضیلت ہے۔ لیکن ظاہر حسنہ کو عام بینا ہے۔ شکور قدردان، توبہ قبول کرنے والا، توبہ کی توفیق دینے والا اور بعض کے نزدیک اللہ کی صفت میں اس غلطی کے معنی طاعت کی ہمت، ثواب کی توفیق دینا لئے ہیں۔

یختم علی قلبك۔ یعنی آپ ﷺ کے دل کو مضبوط کر دینا جس سے آپ ناگوار باتوں پر صبر کر سکیں۔ چنانچہ بقول مجاہد یہ وعدہ پورا ہو گیا۔

ویمح اللہ یہ مستقل جملہ ہے یختم پر عطف نہیں ہے۔ کیونکہ باطل کو مٹا دینے کا وعدہ مطلق ہے مشروط نہیں ہے اس لئے لفظ اللہ مکرر آیا گیا ہے۔

ویمحق پر رفع آیا ہے اور یمح میں یدع کی طرح واو گر گیا ہے۔

عن عبادہ۔ یعنی عن بمعنی من ہے۔

یستعجب مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس میں سین زائد ہے تاکید فعل کے لئے ہے جیسے تعظم استعظم۔

الغیث۔ قحط سالی کی وجہ سے چونکہ بارش کی طلب ہوتی ہے اس لئے بادل بارش کو غیث کہا جاتا ہے۔

فیہما من دابة۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ یہاں بھی تشبیہ سے مفرد مراد ہے۔ جیسے یخرج منهما اللؤلؤء میں ہے۔

چنانچہ دو اب صرف زمین میں ہوتے ہیں۔ جیسے کہ موتی صرف دریاے شور سے برآمد ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض نے معنی کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ کو قدرت ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں میں بھی دو اب پیدا کر دے۔ جیسے کہ موتی مونگا دریاے شیریں میں بھی نکلتے ہیں۔

ربط آیات: ..... پہلی آیات میں منکرین قیامت کی گواہی کا ذکر تھا۔ آیت من کان یرید سے انکار قیامت کی وجہ کا بیان ہے کہ وہ لوگ دنیا پر فریفتہ ہیں اور پھر اس فریفتگی کی برائی اور ان کا جواب ہے۔ بلکہ اس کے برعکس آخرت کی ترغیب کا ذکر ہے۔

اور چونکہ آیت شروع لکم الخ میں دین حق یعنی توحید وغیرہ شریعت الہیہ ہونا بیان کیا گیا تھا۔ اس لئے ام لہم شرکاء سے دین بطل کا غیر مشروع ہونا ارشاد فرما رہے ہیں۔

اسی طرح آیت والذین یحاجون میں منکرین کا مستحق عذاب ہونا اور مؤمنین کا مستحق ثواب ہونا بیان ہوا تھا۔ اور آیت من کان یرید میں دنیا کے فریب میں مبتلا ہونے والوں کا ثواب سے محروم ہونا اور مؤمنین کا مستحق ثواب ہونا صراحتہ بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے آگے بھی اسی کی تفصیل ہے اور اس مجموعی مضمون کے درمیان وحی کی حقانیت آیت قل لا اسئلكم سے بطور جملہ معترضہ ارشاد ہے۔

اسی طرح آیت ام یقولون افتزی سے پھر وحی، توحید و رسالت تینوں مقامین کا اعادہ ہے۔

آیت الا المودة فی القربی کے متعلق ابن عباسؓ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ سدی سے منقول ہے کہ یہ آل رسول کے متعلق نازل ہوئی۔ چنانچہ صاحب کشافؒ نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو آپ ﷺ سے پوچھا گیا۔ من قرابتک ہو لاء الذین وجبت علینا مودتہم؟ فقال علیؓ وفاطمة وابناءہا۔ اس سے ان حضرات کی خصوصی تعظیم ثابت ہوئی۔ حتیٰ کہ جاہل تو حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ سے بھی افضل ماننے لگے جو صحیح نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ظاہر آیت سے اس کے مصداق میں عموم ہی معلوم ہوتا ہے۔

هو الذی یقبل التوبة کے ذیل میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گنہگار حق تعالیٰ کی جناب میں دوبار ہاتھ اٹھا کر استجا کرے گا۔ مگر اس کی طرف التفات نہیں ہوگا۔ تیسری بار ارشاد ہوگا۔ قد استحیت من عبدی ولیس له رب غیری فقد غفرت له واستجیب۔

اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ ما من مسلم ینصب وجہہ للہ فی مسئلة الا اعطاه ایاہا اما ان یعجلہا له واما

ان یدخرہا له

بغوی نے اس سے روایت کی ہے۔ ان من عبادی من لا یصلحہ الا الغنی ولو افتقرتہ لا فسدت علیہ دینہ

وان منهم من لا یصلحہ الا الفقر ولو اغنیته لا فسدت علیہ دینہ۔

﴿تشریح﴾: ..... من کان یرید۔ یعنی دنیاوی عیش و دلیل مقبولیت نہیں ہے اور نہ آخرت کی کامرانی کا باعث ہے۔ بلکہ اصل ضابطہ اور دستور یہ ہے کہ جو شخص دنیا میں رہ کر آخرت کی کھیتی کا طالب ہوگا۔ یعنی ہر عمل میں اس کی نظر وہاں کے نتائج و ثمرات پر ہوگی۔ اس کے لئے آخرت کی نعمتیں ہوں گی اور بڑھ چڑھ کر ہوں گی۔ نیکیوں کا پھل دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زائد ہوگا اور دنیا میں ایمان و عمل کی برکت سے جو انعامات ملیں گے وہ مزید برآں ہیں۔ البتہ جس کی ساری جدوجہد صرف دنیا کے لئے ہوگی۔ اس کے لئے آخرت میں تو یقینی محرومی ہے ہی۔ لیکن دنیا میں بھی اس کے لئے کوئی حتمی وعدہ نہیں ہے۔ قسمت میں ہوگا مل جائے گا ورنہ نہیں۔

یقینی وعدوں پر تو اطمینان نہیں مگر موہوم پر کامل اعتماد ہے: ..... مگر لوگوں کا حال عجیب ہے کہ موہوم کے لئے تو جدوجہد یقینی اور یقین کے لئے محض تمنائیں اور خالی آرزوئیں۔ اللہ نے نبیوں کی زبانی آخرت کا راستہ بتلادیا۔ پھر آخر مشرکین نے اس



راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہیں یہاں سے نکالی ہیں۔ اللہ کے علاوہ اور کون ہے جس کو حلال حرام کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ دنیا میں کھول کھول کر حق ناحق کو بیان کر دیا گیا۔ مگر پھر بھی یہ نہیں مانتے تو عملی فیصلہ تو مقرر و وقت پر ہوگا۔ اس کا انتظار کریں سب ساری سامنے آ جائے گی۔ آج اگر نہیں ڈرتے تو اس وقت ڈریں گے مگر لا حاصل۔ اس سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

والدین امسوا البتہ جو ایمان دار نیکو کار ہوں گے۔ جنہوں نے دنیا میں ہر قسم کی صعوبتیں دین کی خاطر برداشت کیں۔ وہ آخرت کی جسمانی اور روحانی ہر قسم کی نعمتوں سے لذت آشنا ہوں گے۔ ان کی ہر تمنا ہر آرزو پوری کی جائے گی۔

ذلک الادی سے جو مضمون بشارت آ رہا ہے۔ چونکہ کفار پوری بات سننے سے پہلے ہی جھٹلا دینے کے خور تھے۔ اس لئے بشارت کا مضمون درمیان میں روک کر بطور جملہ معترضہ ان کو ایک دل گداز بات سنائی جا رہی ہے۔

انسانیت و قرابت کا لحاظ کر کے ہی ظلم سے باز آ جانا چاہئے۔ ..... قل لا اسئلكم یعنی جو پچھو آپ ان کی خاطر مشکلات اٹھا رہے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔ بلکہ صرف لوجہ اللہ تمہیں فلاح کا راستہ بتا رہا ہوں۔ تم سے اس پر کچھ بد نہ نہیں مانگتا۔ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ کم از کم خاندانی تعلقات کا لحاظ کرتے ہوئے بالکل بے مروتی پر تو نہ اتر آؤ۔ تم میری بات نہیں مانتے نہ مانو۔ میرا دین قبول نہیں کرتے نہ کرو، میری تائید و حمایت میں کھڑے نہیں ہوتے نہ سہی۔ لیکن قرابت داری کا خیال کر کے ظلم پر تو کمر نہ باندھو۔ ہر وقت کی ایذا رسانی سے باز آؤ۔ اتنی تو آزادی دو کہ اللہ کا پیغام پہنچے تار ہوں یا میں اتنی دوستی اور اتنی محبت و انصاف کا بھی حق دار نہیں ہوں۔ میری دشمنی اور عداوت میں جلد بازی سے کام نہ لو۔ بلکہ ٹھنڈے دل و دماغ سے میری پوری بات سن و اور اس کو عقل و دلیل کی میزان میں تول لو۔ اگر معقول ہو قبول کر لو۔ کچھ شبہات ہوں تو صاف کرو اور باغرض اگر غلط ہو تو مجھے سمجھ دو، راہ پر لے آؤ۔ غرض جو بات ہو وہ خیر خواہی اور خیر اندیشی سے ہو۔ یہ نہیں کہ بے سمجھے فوراً ہی بھڑک اٹھو۔ بلکہ سمجھنے پر بھی صاف سے باز نہ آؤ۔ آخر رشتہ داری کا کیا فائدہ، جب ایک دوسرے کے اتنا بھی کام نہ آئے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ خالی رشتہ داری پیش نظر ہے اور اس کے بعد ایمان مطلوب نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ لطیف طریقہ سے تدبیر کی طور پر یہ ایمان ہی کی طرف لے جانے کا راستہ ہے۔

محبت اہل بیت جزو ایمان ہے۔ ..... بعض حضرات نے مودت قربانی کے یہ معنی لئے ہیں۔ کہ میں تم سے صرف اس صدقہ کا خواہش مند ہوں کہ میرے خویش و اقارب کا خیال رکھو۔ اہل بیت کی محبت۔ یقیناً جزو ایمان اور محبت نبوی کا شاخسانہ مرد یکنہ یہ ہے کہ آیا یہ تفسیر۔ آیت کے شان نزول سیاق و سباق کے مناسب بھی ہے یا نہیں۔ نیز آنحضرت ﷺ کے شایان شان بھی ہے یا نہیں؟ اسی طرح بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی قرابت اور صلہ رحمی کا لحاظ اور خیال رکھو اور باہمی حقوق کی پاسداری کرو۔

اور بعض نے قربی سے مراد قرب خداوندی لیا ہے یعنی ہر کام میں اصل دھیان قرب خداوندی کا ہونا چاہئے کیونکہ محبت الہی ہی اصل وظیفہ ہے۔ تاہم راجح تفسیر پہلی ہی ہے۔

ومن یقترب الخ سے پھر وہی قانت مومنین کی بشارت کا تہ ارشاد ہے کہ جو شخص بھلائی اور نیکی کا راستہ اپناتا ہے اللہ بھی اس کی بھلائی کو بڑھا دیتا ہے کہ آخرت میں اس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا ہے اور دنیا میں بھی اسے اچھی قسمت ملتی ہے اور اس کی لغزشیں معاف کر دی جاتی ہیں۔



چار مقدمات استدلال :- ..... ام یقولون۔ کفار آپ پر جھوٹا دعوائے نبوت کر دینے کا الزام لگاتے ہیں۔ سوان کی یہ بکواس خود افتراء ہے چار مقدمات کی بنیاد پر۔

اول یہ کہ کسی خارق عادت معجزہ کا آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہونا نہ ہونا دونوں فی نفسہ ممکن ہوئے اور اللہ کی قدرت میں ہونے کے لحاظ سے اگرچہ برابر ہیں۔

دوسرے یہ کہ اللہ کی عادت لوگوں کو تبلیہ سے بچانے کے لئے یہ ہے کہ وہ سچے کے ہاتھ معجزہ ظاہر کر دیتا ہے اور جھوٹے کے ہاتھ پر ظاہر نہیں کرتا۔ پس آپ کا جھوٹا ہونا اس کو مستلزم ہے کہ آپ کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ لازم کا نہ ہونا ملزوم کے نہ ہونے کو مستلزم ہے۔

چوتھے یہ کہ آپ کی زبان سے معجزانہ کلام قرآن ظاہر ہوا ہے۔ پس لازم یعنی معجزہ کے نہ ہونے کی نفی ہوئی۔ اس لئے ملزوم یعنی جھوٹ کی بھی نفی ہو گئی۔ اس طرح آپ کا سچا اور مخالفین کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ ”اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے۔“ اور فرشتہ آپ کے قلوب پر یہ کلام معجز نہ اتار سکے۔ اور وحی کا سلسلہ بند ہو جائے۔

حاصل یہ ہے کہ پہلے مقدمہ کی رو سے اللہ کو یہ قدرت بروقت حاصل ہے کہ یہ معجزانہ کلام صادر نہ ہونے دے۔ اور دوسرے مقدمہ کی رو سے عادت الہیہ کے مطابق اللہ جھوٹے دعویٰ کو مٹا دیا کرتا ہے۔ جھوٹے کے ہاتھ پر خرق عادت ظاہر ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ احکام تنزیلیہ اور تکوینیہ سے نبوت کے سچے دعویٰ کو ثابت اور غالب کر دیا کرتا ہے۔ اور تیسرا مقدمہ بدیہی اور چوتھا مقدمہ بالکل مشہد ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ آپ سچے اور مخالفین جھوٹے ہیں۔ اس لئے محض ان بد بختوں کی ناقدری اور طعن و تشنیع کی وجہ سے فیضان کا یہ سلسلہ منقطع نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس کو جاری رکھے گا اور عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کر کے رہے گا۔ اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ دل پر اللہ نے مہر لگائی اور کون جھوٹا ہے اور اللہ سے ان کا کوئی حال قابلِ مخفی نہیں۔ حتیٰ کہ وہ دلی منصوبوں سے بھی واقف ہے۔ اس لئے وہ خود ان سے نبٹ لے گا۔

تکوینی احکام سے مراد عادت الہیہ ہے اور تنزیلی احکام سے مراد انفسی اور آفاقی دلائل و براہین ہیں۔ آیت کی اور تفسیریں بھی دی گئی ہیں۔ چنانچہ مفسر علام نے اس کو آنحضرت ﷺ کی تسلی پر محمول کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ میں صبر کا مادہ پیدا کر دے گا۔ جس سے آپ کا دل ایسا مضبوط ہو جائے کہ ان کی تکالیف کا اس پر اثر ظاہر نہ ہو۔ مگر سیاق و سباق کے مطابق وہی تقریر ہے جو عرض کی گئی ہے۔

توبہ و انابت پر بشارت :- ..... لیکن جو لوگ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں گے اور مخالفت کی بجائے توبہ و انابت کی راہ اپنائیں گے۔ آیت وہو الذی یقبل سے ان کو بشارت سنائی جا رہی ہے کہ نبی تو اپنا کام کر چکے اب آگے تمہارا کام ہے۔ جیسا کر دے تمہاری استعداد اور کام کے مطابق اللہ تعالیٰ آخرت میں معاملہ فرمائے گا۔ وہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور کتنی غلطیوں کو جاننے کے باوجود معاف فرمادیتا ہے اور جو ایماندار نیک بندے اس کی سنتے ہیں وہ بھی ان کی سنتا ہے اور اطاعت و عبادت کو قبول کر کے اجر و ثواب عام ضابطہ سے بڑھ چڑھ کر عنایت کرتا ہے۔ البتہ جو اپنے انکار و کفر پر مرتے دم تک ڈٹے رہیں ان کے لئے سخت ترین سزائیں بھی تیار ہیں۔

دنیا میں نہ سب امیر ہیں نہ سب غریب: ..... ولو بسط الله الرزق. اللہ کے خزانوں میں اگر چہ کسی چیز کی کمی نہیں۔ وہ چاہے تو سب کو بے اندازہ دولت دے کر غنی بنا دے۔ مگر دنیا کو جس نظام پر چلانا منظور ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ غنا و عداوت نہ کی جائے۔ بلکہ ہر ایک کو اس کی استعداد اور احوال کی رعایت سے جتنا مناسب ہو ناپ تول کر دیا جائے اور یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کس کے حق میں کیا صورت بہتر اور اصلاح ہے۔ کیونکہ سب حالات اسی کے سامنے ہیں۔

غنا کے عام نہ ہونے کی جس حکمت الہی کی طرف آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سرمایہ داری عام ہو جائے اور کہیں بھی فقر نہ رہے۔ تو کسی کو کسی کی احتیاج نہ رہے گی۔ اور ہر طرف بے نیازی ہی بے نیازی عام ہو جائے گی اور احتیاج ہی اس کی چیز ہے جو ہر ایک کو دوسرے سے جوڑے ہوئے ہے۔ کیونکہ لزوم عادی کے طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ کوئی نہ کوئی چیز ایسی ضرور ہوتی ہے۔ جو دوسرے کے پاس نہیں ہوتی۔ پس لامحالہ جس کے پاس چیز نہ ہوگی وہ اس کا محتاج ہوگا۔ جس کے پاس وہ چیز موجود ہے۔ اس احتیاج ہی کی بدولت ایک دوسرے سے وابستگی کا علاقہ رہے گا۔ لیکن اگر غنا اس طرح عام ہو جائے کہ کوئی کسی کا دستگیر نہ ہو تو کوئی کسی کی طرف جھکے گا نہیں۔ بلکہ ہر ایک دوسرے سے بے تعلق ہو کر رہ جائے گا۔ اور اجتماعیت کا سارا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا اور بغاوت عام ہو کر عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ لیکن بغاوت عامہ کی صورت غنا عام کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ اس کے برعکس اگر فقر عام ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کسی کے پاس کوئی چیز نہ رہے گی اس میں تکلیف تو سب کو ہو سکتی ہے مگر رغبت کسی کو نہ رہے گی جو جڑ ہے سارے فتنہ و فساد کی اور شاذ و نادر اگر کوئی چیز کسی کے پاس دوسرے کی رغبت کے لائق ہوگی بھی تو بہت کم ہوگی اس لئے بغاوت بھی کم ہوگی۔

بہر حال فقر و حاجت عام ہونے کی صورت میں بغاوت عام نہ ہوگی۔ اگرچہ دوسرے نقصانات ہو جائیں۔ مثلاً سب بجائے خود ہلاک ہو جائیں اور یہی حکمت ہے فقر کے عام نہ ہونے کی۔ لیکن یہاں جس ضرر کا بیان ہے وہ محض ہے غنا کے عام اور بسط عام کے ساتھ اور ہر چند کہ عام بغاوت کا انجام بھی وہی ہے۔ جو فقر عام کا نتیجہ ہے یعنی سب کا ہلاک ہو جانا۔ مگر مر جانا ہلاک ہوتا ہے بہ نسبت مارے جانے کے۔ اس لئے فقر عام کا نقصان بھی غنا عام کے نقصان سے کم ہوگا۔ اور ممکن ہے یہاں اسی لئے غنا کے عام نہ ہونے کی حکمت تو بیان کی گئی ہے اور فقر عام نہ ہونے کی حکمت سے تعرض نہیں کیا گیا۔

حاصل یہ ہے کہ نہ سرتا سر سرمایہ داری اور غنا کو عام کیا گیا اور نہ فقر و احتیاج کو بلکہ ملی جلی حالت رکھی۔ تاکہ ایک دوسرے کی وابستگی رہے اور صبر و شکر کا ذریعہ تعلق مع اللہ بھی رہے۔ لیکن یہ تمام تر تقریر عام طبائع کی موجودہ فطرت و روش کے لحاظ سے ہے۔ لیکن اگر طبائع تبدیل کر دی جائیں جیسے: امام مہدی کے زمانہ میں جب کہ برکت عام ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے کہ کوئی صدقہ قبول نہ کرے گا۔ یا جنت میں سب کے پاس نعمتیں ہی نعمتیں ہوں گی۔ مگر سلامتی طبع سے سب مگن رہیں گے۔ کوئی ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر عام طبائع نہ ہوں بلکہ مخصوص طبائع کے حضرات ہوں جیسے انبیاء و صلحاء تو وہاں اگرچہ بسط عام کی صورت میں بغاوت کا سبب موجود ہوگا۔ مگر ان کی سلامتی طبع مانع بھی ہوگی۔ اس لئے بغاوت مرتب نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ محض سبب کا ہونا ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ مانع کا نہ ہونا بھی ضروری ہے۔

انسان کی کوتاہ نظری کا حال تو یہ ہے کہ ذرا بارش میں دیر ہوئی تو بسا اوقات ایک دم مایوس ہو بیٹھتا ہے۔ حالانکہ اللہ اپنی حکمت و مصلحت سے باران رحمت نازل فرما دیتا ہے اور اپنی مہربانی کے آثار و برکات چاروں طرف پھیلا دیتا ہے۔ تاکہ بندوں پر ثابت ہو جائے کہ رزق کے اسباب جس کے قبضہ میں ہیں رزق بھی اسی کے قبضہ میں ہے اور جیسے وہ روزی ہر ایک کو ایک خاص انداز سے

عنایت فرماتا ہے۔ بارش بھی خاص انداز سے خاص اوقات میں برساتا ہے۔ کیونکہ سب کام اسی کے اختیار و حکمت سے ہوتے ہیں۔ سارے کمالات و خوبیوں کا سرچشمہ وہی ہے۔ رزق، اس کے اسباب اور ان اسباب کے اسباب خواہ وہ سماویہ ہوں یا زمینی اور اس کے آثار و نتائج سب اسی کی مخلوق ہیں۔ سرتاسر مایوسی تو شیوہ کفار ہے۔ البتہ ایک مومن کی نظر میں اسباب کا سلسلہ یا س انگیز ہو سکتا ہے۔

وہو الذی اس میں کلی حالت کا بیان نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی قرینہ کیت کا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ مایوسی سے پہلے بھی بارش ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ مایوسی ہو جانے کے بعد بھی نہیں ہوتی۔

وما بٹ فیہما۔ کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں پر بھی جانوروں کی قسم سے کوئی مخلوق پائی جاتی ہے۔ پس جس ذات نے مخلوق کو سارے عالم میں بکھیرا ہے وہی قیامت میں سب کو اکٹھا کرے گا اور جانوروں کے زمین و آسمان میں ہونے کی دوسری توجیہ وہ ہے جو مفسر نے بیان کی ہے یعنی مجموعہ میں تحقیق کے لئے ایک جزو میں بھی تحقیق کافی ہوتا ہے۔ ہر جزو میں تحقیق ضروری نہیں۔ یہ دونوں توجیہات تو دابہ کو حقیقی معنی لینے کی صورت میں تھیں۔ اگر مجازاً اذی روح مراد لی جائے تو ظاہر ہے کہ فرشتے بھی ذی روح ہوتے ہیں۔

لطا کف سلوک: ... ام لہم شرکاء اس میں شرک اور بدعت دونوں پر رد ہے۔

قل لا اسئلكم۔ سے معلوم ہوا کہ شیخ و مرشد کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے اعزاء و قرابتداروں سے محبت و تعلق ہو۔ کیونکہ جب شیخ سے محبت ہوگی تو اس کے اقارب سے قربت ہوگی۔

ترمذی میں حدیث مرفوع ہے۔ احبوا اہل بیٹی لہبی اور فرمایا۔ کہ ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی۔ فان یشاء اللہ یختم علی قلبک۔ یعنی بالفرض آپ کی زبان مبارک سے ناحق بات نکلے تو ہم آپ کے دل پر مہر کر دیں گے۔ شیخ شبلی نے جب امام سے نماز میں یہ آیت سنی۔ تو غلبہ حال میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہنے لگے۔ اچھے لوگوں سے اس طرح خطاب ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احوال سلب ہو جانے سے ہر وقت ڈرتا رہے۔

ولو بسط اللہ اسی طرح بعض اوقات سالک کے لئے بڑا مضر ہوتا ہے اور قبض مفید۔ تو اس کو مغموں نہیں ہونا چاہئے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ حِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِينَ مِنْ مُصِيبَةٍ بَلِيَّةٍ وَشِدَّةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ أَى كَسَبْتُمْ مِنَ الذُّنُوبِ وَغَيْرِهَا لَا يَدَى لِأَنَّ أَكْثَرَ الْأَفْعَالِ تَزَاوُلُ بِهَا وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ﴿۳۰﴾ مِنْهَا فَلَا يُجَارَى عَلَيْهِ وَهُوَ تَعَالَى أَكْرَمُ مِنْ أَنْ يُتَنَى الْحِزَاءُ فِي الْأَخِرَةِ وَأَمَّا غَيْرُ الْمُذْنِبِينَ فَمَا يُصِيبُهُمْ فِي الدُّنْيَا لِرَفْعِ دَرَجَاتِهِمْ فِي الْأَخِرَةِ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ اللَّهَ هَرَبًا فِي الْأَرْضِ فَتَقُوتُونَهُ وَمَالَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى غَيْرِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۳۱﴾ يَدْفَعُ عَذَابَهُ عَنْكُمْ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ الْشَّفَنُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ كَانَحْنَالُ فِي الْعَصَمِ إِنْ يَشَاءُ يُسَكِّنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ بِصُرُوفٍ رَوَاكِدَ ثَوَابِتٍ لَا تَجْرِي عَلَى ظَهْرِهِ إِنْ فِي ذَلِكَ لَايَةٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۳۳﴾ هُوَ الْمُؤْمِنُ يَصْبِرُ فِي الشَّدَةِ وَيَشْكُرُ فِي الرِّخَاءِ أَوْ يُوقِنُ عَطْفَ عَلَى يَسْكُنُ أَى يُغْرِقُهُنَّ بِعَصْفِ الرِّيحِ بِأَهْلِيهِنَّ بِمَا كَسَبُوا أَى أَهْلُهُنَّ مِنَ الذُّنُوبِ

وَيَعْفُ عَنْ كَثِيرٍ ۚ ۳۳۰ مِنْهَا فَلَا تَعْرِقُ أَهْلَهُ وَيَعْلَمُ بِالسُّرْفِ مُسْتَأْتَفٌ وَبِالْخُصْبِ مُعْصُوفٌ عَلَى عَدْلِ  
مُقَدَّرٍ أَيْ يُعْرِقُهُمْ لِيَسْتَقِيمَ مِنْهُمْ وَيَعْلَمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيصٍ ۳۳۱ مَهْرَبٌ مِنَ  
الْعَذَابِ وَحُمْلَةُ النَّفْسِ سُدَّتْ مُسَدًّا مَفْعُولِي يَعْلَمُ أَوِ النَّفْسِ مُعَلَّقٌ عَنِ الْعَمَلِ فَمَا أُوتِيتُمْ حَصَافَ  
نُفُوسٍ وَغَيْرِهِمْ مَنْ شَيْءٍ مِنْ آثَاتِ الدُّنْيَا فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا يَتَمَتَّعُ بِهِ فِيهَا ثُمَّ يَرْوُنَّ وَمَا عِنْدَ  
اللَّهِ مِنَ الثَّوَابِ خَيْرٌ وَأَبْقَى لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۳۳۲ وَيَعْطِفُ عَلَيْهِ وَالَّذِينَ  
يَجْتَنِبُونَ كَثِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشِ مُوجِبَاتِ الْحُدُودِ مِنْ عَطْفِ الْبَغْضِ عَلَى الْكُفْرِ وَإِذَا مَا غَضِبُوا  
هُمْ يَغْفِرُونَ ۳۳۳ يَتَحَاوَرُونَ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ أَجَابُوا إِلَى مَا دَعَاهُمْ إِلَيْهِ مِنَ التَّوْحِيدِ  
وَالْعَادَةِ وَاقَامُوا الصَّلَاةَ إِذَا مَوْهَا وَأَمَرَهُمْ الَّذِي يَنْذِرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ يُشَاوَرُونَ فِيهِ وَلَا يُعْجَنُونَ  
وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ غَصْنَاهُمْ يُفْقُونَ ۳۳۴ فِي طَاعَةِ اللَّهِ وَمَنْ ذَكَرَ صِنْفٌ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ  
نُصِبَهُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ۳۳۵ صِنْفٌ أَيْ يَنْتَقِمُونَ مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ بِمِثْلِ ظُلْمِهِ كَمَا قَالَ تَعَالَى وَجَزَاءُ أُولَئِكَ  
سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا سُمِّيَتِ الثَّانِيَّةُ سَيِّئَةً لِمُشَابَهَتِهَا لِلْأُولَى فِي الصُّورَةِ وَهَذَا طَاهِرٌ فِيمَا يَقْصُرُ فِيهِ مِنَ  
الْحَرَجِ قَالَ نَعَضُّهُمْ وَإِذَا قَالَ لَهُ أَخْرَاكَ اللَّهُ فَيُجِيبُهُ أَخْرَاكَ اللَّهُ فَمَنْ عَفَا عَنْ صَالِحِهِ وَاصْلَحَ حُودُ  
بِهِ وَبِهِ بِالْعَفْوِ عَنْهُ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ أَيْ أَنَّ اللَّهَ يَاجِرُهُ لَامُحَالَةَ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۳۳۶ أَيْ لَدَيْهِ  
سَاطِطٌ فَرَنْتُ عَنْهُمْ عِقَابُهُ وَلَمَنْ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ أَيْ ظَلَمَ الظَّالِمَ آيَةً فَأُولَئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ  
سَبِيلٍ ۳۳۷ مُوَاحِدَةٌ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ يُعْمَلُونَ فِي الْأَرْضِ  
بَغْيًا الْحَقُّ بِالْمَعَاصِي أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۳۳۸ مَوْلَهُ وَلَمَنْ صَبَرَ فَلَمْ يَنْتَصِرْ وَغَفَرَ تَحَاوَرُ إِنْ  
ذَلِكَ الصَّرَاحُ وَتَحَاوَرَ لَمَنْ عَزَمَ الْأُمُورَ ۳۳۹ أَيْ مُعَزَّو مَاتَهَا بِمَعْنَى الْمَطْلُوبَاتِ شَرْعًا

ترجمہ: ۳۳۰ اور تمہیں (مسلمانوں) جب مصیبت (بلا اور شدت) پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کی وجہ  
سے ہوتی ہے (یعنی تم نے جو گناہ کئے ہوئے ہیں اور اکثر کام چونکہ ہاتھ سے کئے جاتے ہیں اس لئے ہاتھوں ہی کی طرف نسبت کر دی)  
اور بہت سے کاموں سے تو وہ دور تر کر دیتا ہے (کہ ان پر دنیا میں سزا نہیں دیتا اور پھر آخرت میں ان پر سزا دینا اسکے کرم سے جید ہوگا۔  
اہمیت بے تصور وہ دنیا میں جو مصیبتیں پیش آتی ہیں ان سے ان کے اخروی درجات بلند کرنے مقصود ہوتے ہیں) اور (اے مشرکین!)  
تم (اللہ کو) زمین میں ہر انہیں سکتے (کہ اس سے بیچ نکلو) اور اللہ کے سوا (علاوہ) تمہارا کوئی بھی حافی و مددگار نہیں ہے (جو تمہیں اس کے  
عذاب سے بچ سکے) اور منجملہ اس کی نشانیوں کے جہاز (کشتیاں) ہیں سمندر میں پہاڑ جیسے (پہاڑ برابر بڑے وہ اُتر چکے تو ہوا کو ٹھہرا  
دے تو وہ کھڑے کے کھڑے (ٹھہرے ہوئے) رہ جائیں سطح سمندر پر، بے شک اس میں نشانیاں ہیں برصا برشا کر کے (مومن

مراد ہیں جو مصیبت میں صبر اور عیش میں شکر ادا کرتے ہیں) یا ان جہازوں کو تباہ کر دے (اس کا عطف یکس پر ہے یعنی ہواؤں کے جھکولوں سے جہازوں کو سواروں سمیت غرق کر دے) ان کے اعمال کی وجہ سے (سواروں کے گناہوں کے باعث) اور بہت سے لوگوں سے درگزر کر دے (ان کو غرق نہ کرے) اور معلوم ہونا چاہئے (یعلم رفع کے ساتھ مستانفہ ہے اور نصب کی صورت میں علت مقدر پر معطوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی یغرقہم لیتقم منهم ویعلم) ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں جھگڑا نکالتے رہتے ہیں کہ ان کے لئے بچاؤ نہیں (عذاب سے چھٹکارا۔ اور جملہ نفی یعلم کے دونوں مفعولوں کے بجائے ہے یا حرف نفی کا لفظوں میں عمل نہیں ہے) سو تمہیں (مسلمانوں اور دوسروں کو خطاب ہے) جو کچھ (دنیا کا ساز و سامان) دیا دلا یا گیا ہے وہ محض دنیاوی زندگی میں برتنے کے لئے ہے (نفع اٹھانے کے بعد سب فنا ہو جائے گا) اور جو اللہ کے یہاں (ثواب) ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور زیادہ پائیدار وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ایمان لے آئے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں (اگلے جملہ کا اس پر عطف ہے) اور جو کہ بچتے ہیں کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے (جن پر شرعی حدود واجب ہو جاتی ہے یہ بعض کا کل پر عطف ہے) اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف (درگزر) کر دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم مانا (توحید و عبادت کی دعوت کو قبول کریتے ہیں) اور نماز کے پابند ہیں (مستقل نمازی ہیں) اور ان کا ہر کام (جو انہیں درپیش ہوتا ہے) آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے (باہمی صالح مشورہ کرتے ہیں جدی بازی سے کام نہیں لیتے) اور ہم نے جو کچھ عطا کیا (دیا) ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں۔ جن لوگوں کا ذکر ہوا یہ ایک قسم ہے) اور جو نہ ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں (یہ دوسری قسم ہوئی۔ یعنی جو شخص ان پر نا انصافی کرتا ہے تو وہ اس سے اتنا ہی انتقام لیتے ہیں جیسا کہ آگے ارشاد ہے) اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی سے ہونا چاہئے (بدلہ کو برائی کہنا اس لئے ہے کہ صورت شکل میں پہلی برائی جیسا ہوتا ہے اور صورت یہ مشابہت ان زخموں میں ظاہر ہے جن میں قصاص کا حکم ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اگر کوئی اخراک اللہ کہے تو اس کے جواب اخراک اللہ کہنے کی اجازت ہے) پھر جو شخص معاف کر دے (ظالم کو) اور اصلاح کرے (معاف کرتے ہوئے باہمی محبت بجال کر لے) تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے (یعنی ضرور اللہ اس کو اجر عطا فرمائے گا) واقعی ظالموں سے اللہ کا تعلق نہیں ہے (یعنی ظلم کی ابتداء کرنے والے کہ وہ مستحق سزا ہو جاتے ہیں) اور جو اپنے اوپر (ظالم کا ظلم) ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے۔ سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام (اعتراض) نہیں الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور سرکشی پھیلاتے (کرتے) ہیں زمین میں ناحق (شرعاً غلط طریقہ پر) ایسوں کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے اور جو شخص صبر کر لے (بد نہ لے) اور معاف کر دے (درگزر کرے) یہ (صبر اور معافی) البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے (یعنی لائق عزیمت ہے اس معنی کرے شرعاً مطلوب ہے۔)

**تحقیق و ترکیب:** ... الجوار۔ بظاہر یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہاں موصوف محذوف ہوگا۔ حالانکہ جری ان صفات میں سے نہیں ہے جو موصوف کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔ اس لئے حذف محذوف جائز نہیں ہوگا۔ مفسر ملام نے اسی شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صفت پر اسمیت غالب آ جانے کی وجہ سے صفت قائم مقام موصوف کے نہیں ہوا کرتی۔ جیسے: ابرق، ابطح، اجرع میں ہے ورنہ موصوف کا حذف کرنا جائز ہوتا ہے۔ اس لئے جوار کی تفسیر سفن کے ساتھ ہے اور السفن الجاریہ نہیں کہا۔

**فیطلل** اصل معنی تویمضین النهار ہیں۔ لیکن بصرن کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ گویا دن رات میں کسی چیز کا ہونا مراد ہے۔

**صاشرشکور** ایمان کا نصف حصہ صبر ہے اور نصف شکر۔ دونوں مل کر ایمان کا مل ہوتا ہے۔

**یسوقھس** سکون رخ کی قید احرازی نہیں ہے اتفاقاً ہے کیونکہ شتی اور اسباب سے بھی غرق ہو سکتی ہے جیسے ٹوٹ جائے یا

پانی بھر جائے۔

مالہم من محیص۔ مالہم خبر مقدم اور من محیص مبتداء مؤخر ہے من زائد ہے دوسری صورت یہ ہے کہ افعال قلوب کی خاصیت کے اعتبار سے کہا جائے کہ مائتہ فیہ میں تعلق ہے یعنی لفظاً عمل معطل ہو گیا ہے۔ جس کے لئے شرط یہ ہے کہ استفہام اور نفی اور لام ابتداء سے پہلے ما ہو اور یعلم میں یہ شرط پائی جا رہی ہے۔

فما اوتیتہم اس میں ما شرطیہ محل نصب میں ہے اوتیتہم کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے اور مفعول اول ضمیر ہے جو قنم مقام فاعل کے ہے اور مفعول ثانی صدارت کا کلام کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے اور من شنی بیان ہے ماء کا۔

فمتاع۔ جواب شرط ہے ای ہو متاع اور ما عند اللہ مبتداء ہے اور خیر خبر ہے اور للذین متعلق ہے انقی کے۔  
یتوکلون توکل کا ایک درجہ تو واجب اور ضروری ہے کہ نفع بخش اور ضرر رسان صرف اللہ کو مانا جائے اور ایک درجہ خصوصیت اور کمال ایمان کا ہے کہ تمام امور اللہ کے حوالہ کر دیئے جائیں۔

والذین یحتسبون۔ اس کا عطف اگر للذین آمنوا پر ہے تب تو محل جر میں ہے ورنہ مدح کے اعتبار سے منصوب یہ مرفوع بھی ہو سکتا ہے۔

کبائر الاثم والفقواحش۔ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر شرعی وعید آئی ہو۔ اور فواحش جن پر حد شرعی قنم کی جائے یہ عطف خاص علی العام ہے۔

اذا ما غضبوا۔ یہ مبتداء خبر سے مل کر جزائے شرط ہے۔ ای ہم الاحقاء بالغفران عند الغضب

استجابوا۔ اس میں سین، تازائد ہیں۔

وامرہم شوری۔ شوری مصدر ہے جیسے بشری شرکت فی الراۃ کو کہتے ہیں۔ اصل میں شہد کی مکھیوں کا شہد زکا نا اور شہد جمع کرنا شوری کے معنی میں ہے۔

جزاء سینۃ سینۃ۔ برائی کا بدلہ اگرچہ فی الواقع برائی نہیں ہے مگر مشاکلت و مشابہت کی وجہ سے اس کو بطور استعارہ سینۃ کہہ دیا گیا۔ تمام وہ جنایات جن میں قصاص آتا ہے ان میں یہ آیت ظاہر ہے۔ البتہ مجاہد اور سدی برے بھلے الفاظ کو بھی اس میں داخل کرتے ہیں۔  
فمن عفی۔ یعنی چونکہ بدلہ میں پوری یکسانیت اور برابری ضروری ہے اور وہ نہایت مشکل ہے اس لئے عفو درگزر بہتر ہے۔ چنانچہ فانی نے یہی نکتہ ہے اور اصلاح بھی چونکہ تمہ عفو ہے اس لئے اس میں بھی ترغیب کا پہلو ہے۔

اجرہ علی اللہ۔ اس کو مبہم لانے میں مبالغہ ہے۔

الظالمین۔ حدیث میں ہے البادی اظلم چنانچہ بطور شرعی بدلہ کے ظلم نہیں ہوگا۔

لمن انتصر لام ابتداء یہ اور من شرطیہ ہے اور اولئک جواب شرط ہے یا من مبتداء ہے اور اولئک خبر ہے۔

بغیر الحق۔ لیکن اگر شرعی اجازت سے ہو تو پھر ناحق نہیں ہوگا۔

یبعون۔ یعنی کہ اگر اپنے معنی پر رکھا جائے تب تو بغیر الحق قید احترازی نہیں ہے اور یبعون کی اریعلمون کے معنی میں تجرید کر لی جائے تو پھر بعیر الحق تاکید ہوگا۔ ابوسعید قرشی کہتے ہیں کہ ناگوار یوں کو برداشت کرنا علامات اعتقاد میں سے ہے۔ جو شخص کسی حادثہ پر صبر کرے اور جزع نہ کرے اللہ اس سے راضی ہوگا۔ یہ بڑا عالی مقام ہے لیکن جو مصیبت پر شکوہ اور تنگی ظاہر کرے اللہ اس کو اس کے نفس کے حوالہ کر دیتا ہے اور وہ ہمیشہ شکایت میں مبتلا رہتا ہے۔

رابط آیات: آیت وما اصابکم الخ کا وہی ربط ہے جو آیات ولو بسط الله الخ میں گزر چکا ہے۔ ان آیات میں نعمت و مصیبت کی حکمت ارشاد فرمائی جا رہی ہے۔

آیت میں کان یزید میں دنیا کے فریب میں مبتلا ہونے کی برائی اور طلب آخرت کی ترغیب کا بیان تھا۔ آیات فما اوتیتم الخ میں اسی کی تائید کے لئے دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کا ذکر ہے اور عمدہ اعمال ذکر کر کے اس کی طلب کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اور آیت ”وبسط“ میں کمی رزق کی حکمت اور ما اصابکم اور یعلم الذین میں گنہ گروں کی شامت اور نقصان کا بیان تھا۔ آگے یہی دنیا کا فانی ہونا اور اعمال و طاعت کی فضیلت و برکت ارشاد فرمائی جا رہی ہے اور ان میں باہمی مناسبت ظاہر ہے۔

شان نزول و روایات:..... آیت والذین استجابوا الانصار کے بارہ میں نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو جب دعوت دی تو انہوں نے اس کو قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے بارہ نقیب مقرر فرمادئے۔ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے ہوا۔ وامرہم شوری۔ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے انصار مدینہ دینی کام باہمی مشوروں سے کیا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ اسی کی توصیف فرما رہے ہیں۔ آپ اگرچہ مشورہ کے محتاج نہیں تھے۔ لیکن صحابہؓ کی تالیف قلب کے لئے آپ کو حکم دیا گیا۔ بعض کے نزدیک آپ کے لئے یہ حکم وجوبی تھا اور بعض کے نزدیک استحبابی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ برابر اجتہادی امور میں مشورہ پر کاربند رہے۔

فمن عفا۔ حدیث میں ارشاد ہے قیامت میں منادی ہوگی۔ من کان له اجر علی الله فلیقم فلا یقوم الا من عفا۔ لمن عزم الامور۔ ابوسعید قرشیؓ فرماتے ہیں۔ الصبر علی المکارہ من علامات الانتباه فمن صبر علی مکروہ یصیبه ولم یجنزع اورثہ الله حال الرضا وهو اجل الاحوال ومن جنزع من المصیبات وشکی وکله الله تعالیٰ لرمی نفسه ثم لم تنفاه شکواہ۔

﴿تشریح﴾:..... نعمت و مصیبت دونوں حکمت الہی کے تحت ہیں:..... وما اصابکم الخ اسی طرح آیت ظہر الفساد فی السرائخ میں یہ ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ جس طرح نعمتیں ہماری خاص حکمت کی رو سے تقسیم ہوتی ہیں۔ اسی طرح مصائب بھی خاص اسباب اور ضوابط دونوں کے تحت آتی ہیں۔ کیف ما اتفق نہیں جیسے عام طور سے بیماریوں کے کچھ نہ کچھ اسباب ہوتے ہیں کھونا لگائی جائے تو ثابت ہوگا کہ ہر آفت کے پیچھے انسان کا اپنا ہاتھ ہوتا ہے اور ہر مصیبت کے نیچے سے خود اس کا اپنا کوئی نہ کوئی عمل ابھرتا ہے۔ گویا بادی النظر میں سرسری طور پر دکھائی نہ دے۔ بعض اوقات ماں کی بد پرہیزی بچہ کو بتانے مصیبت کر دیتی ہے۔ کبھی ایک شخص کی حماقت اور بے تدبیری سے پورے محلہ سارے شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک شخص کا قول و عمل بے ادقت پورے ملک بلکہ پوری دنیا کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیتا ہے۔

اور جس طرح مادی طور پر سبب قریب خود آدمی کی اپنی حرکت ہوتی ہے۔ اسی طرح روحانی اور باطنی آفت کا حال بھی سمجھنا چاہئے۔ انسان کے لئے ماضی کی غلطیاں مستقبل کے لئے سامان عبرت ہیں اور گرفت و مصیبت کا سلسلہ بھی بعض کوتاہیوں پر ہوتا ہے۔ اکثر غصیاں تو نظر انداز کر دی جاتی ہیں ورنہ تو ہر غلطی پر اگر پکڑ ہونے لگے تو کوئی تنفس باقی نہیں رہ سکتا۔



انبیاء و معصومین کے اس میں داخل نہیں۔ یہ خطاب بالغ گنہگاروں کو ہے اور مصیبت سے مراد بھی حقیقتہً مصیبت ہے ورنہ قیوم کا مقصد ایک سوال کے دو جواب ہیں۔

ایک اور شبہ اور اس کے دو جواب: ..... سوال یہ ہے کہ لفظ صا کے عموم سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر مصیبت گنہگاروں کی وجہ سے آتی ہے عام نہیں بلکہ صرف گنہگاروں کو خطاب ہے۔ اس لئے انبیاء و صلحاء کے متعلق شبہ نہیں رہا۔  
دوسرے جواب یہ نکل آیا۔ کہ انبیاء و اولیاء پر جو بلائیں آتی ہیں وہ صورۃً مصیبت ہوتی ہیں۔ مگر حقیقتہً مصیبت نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ ان کے حق میں نعمت بنتی ہیں۔ کیونکہ ان سے ان کے علوم و مدارج اور مراتب میں ترقی ہوتی ہے اور ان پر اسرار و حکم منکشف ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ان میں سرور رہتے ہیں۔ ان کی دلجمعی میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ وہ پریشان ہوتے ہیں۔  
اور وہ معصوم بچوں کی تکالیف یا تو اسباب تکوینی کے تحت ہوتی ہیں۔ جیسے جانوروں وغیرہ میں اور یا ان کا سبب ان کے بڑے ہوتے ہیں اور وہی بالواسطہ بتلائے مصیبت ہوتے ہیں۔

تمام ایسی ذات کا سرچشمہ اللہ کی قدرت ہے: ..... ومن ایاتہ الجوار۔ نزول قرآن کے وقت بادبانی بہار اور کستیوں کا رواج تھا۔ جن کا سارا مدار ہواؤں کے رحم و کرم پر تھا۔ کہ ہوا کا رخ صحیح رہا تو منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ورنہ سارا سفر کا عدم ہو جاتا تھا۔ اس لئے آیت میں ہواؤں کو قدرت الہی کے تابع بتلایا گیا۔ لیکن اس سے موجودہ دور کے داخلی اسٹیم اور جہاز، اسی طرح فضائی پرواز کے سلسلہ میں جہاز، راکٹ، میزائل پر شبہ نہ کیا جائے کہ وہ تو ہوا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ لہذا وہ اللہ کے محتاج نہیں ہیں۔ کیونکہ جو ب میں کہا جائے گا کہ گو وہ ہوا کے تابع نہیں مگر اسٹیم اور بھاپ کے تابع اور کل پرزوں کے تابع تو ہیں اور ۱۰۰ بھر محتاج قدرت ہیں۔ نتیجہً یہ ہے۔

رہا یہ کہ یہ سب کچھ تو مشینوں کے بل بوتے پر ہوتا ہے اور وہ انسان کی فٹ کی ہوئی ہے۔ اس میں قدرت کو داخل اس کا جو ب بھی یہی ہے کہ خود انسان، اس کا دل و دماغ، ہاتھ پاؤں سب اللہ کے بنائے ہوئے اور اس کے تابع ہیں۔ غرض کہ حاصل وہی رہا کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ سب مشینریاں اور کارخانے اللہ کے تابع ہیں۔ اور اگر ہوا کا مفہوم عام کر لیا جائے اسی طرح ہوا کے ٹھہرنے کے مفہوم کو بھی عام کر لیا جائے یعنی بخارات کا نہ چڑھنا تب بھی مشینری سے چلنے والی سب چیزیں بادبانی جہازوں کے حکم میں شامل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ اسٹیم بننے میں جہاں پانی کو دخل ہے وہیں ہوا اور بھاپ کا بھی دخل ہے۔ غرض کہ پانی اور ہوا سب اسی کے زیر فرمان ہیں۔ درہالی اور فضائی سفر میں موافق اور ناموافق دونوں قسم کے حالات سے واسطہ پڑتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ موافق حالات پر شکر اور ناموافق حالات پر صبر کرتا رہے وہ چاہے تو انسانی اعمال کی پاداش میں جہاز بھی تباہ کر سکتا ہے اور چاہے تو اسی تباہی کے وقت معاف بھی کر سکتا ہے۔ تاکہ بڑے بڑے جھگڑاؤ بھی دیکھ لیں کہ خدائی گرفت سے نکل بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔

اخلاق فاضلہ:۔ فَمَا اَوْفِیْکُمْ۔ میں اس فانی چند روزہ عیش پر انسان مغرور نہ ہو بلکہ یقین رکھے کہ ایمانداروں کو جو آخرت کا عیش ملے گا وہ دنیا کی چب دیک سے بہتر بھی ہے اور پائدار بھی۔ نہ اس میں کدورت ہوگی اور نہ زوال کا کھٹکا۔  
والذین یجتنون۔ ان آیات میں مختلف اعمال کا ذکر سے عقائد، فرائض، غیر فرائض اور سب پر باختلاف درجات جبر و ثواب مرتب ہے۔

کبائر الاثم۔ بڑے گناہ مراد ہیں جو قوتِ نظر یہ کی غلط کاری سے پیدا ہوتے ہیں۔ صلتِ عقائد بدعیہ۔ اور فواحش سے وہ گناہ



مراد ہیں جن میں قوت شہوانیہ کی بے اعتدالیوں کو دخل ہو اور قوت غضبیہ کی روک تھام ”واذا ما غضبوا“ میں کی گئی ہے۔

**مشورہ کے حدود:** .. وامرہم شورى۔ میں مہمات امور مراد ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کا معمول رہا۔ کہ

دین کا کام ہوتا یا دنیا کا، یا بھی مشورے سے انجام دیتے تھے۔ جنگی حالات اور مسائل و احکام میں بھی مشورے ہوتے تھے۔ نئی کہ خلافت راشدہ کی تو بنیاد ہی مشورے پر تھی۔ البتہ روزمرہ کے معمولی کاموں میں مشورہ کی حاجت نہیں۔ اسی طرح منصوص احکام میں مشورہ کی حاجت نہیں۔ امور خیر خواہ وہ فرائض ہوں یا واجبات وغیرہ ان میں مشورے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ”درکار خیر حاجت ائیرہ نیست“ یا امور شرعیہ جن کی صراحت ممانعت ہے ان میں بھی مشورہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

نیز احادیث میں آتا ہے کہ زیرک اور دانش مند صالح سے مشورہ لینا چاہئے ورنہ بیوقوف اور بدسیت و بدطینت اور بددیانت مشورہ بربادی کا موجب ہوگا۔ غرض کہ مشورہ کی بڑی قیمت اور اہمیت ہے۔ مشہور ہے کہ کوئی نہ ہو تو اپنے گھٹنے سے مشورہ لینا چاہئے۔

**بدلہ کی حدود:** .. ہم یتصرون۔ انتقام کی اجازت ہے۔ لیکن انتقام میں صورتہ مشاکلہ اس وقت جائز ہوئی جب کہ مصیبت نہ ہو ورنہ جائز نہیں جیسے حرام کاری کے بدلہ میں حرام کاری کرنا، چوری کے بدلہ میں چوری کرنا اور الفاظ یتصرون جزاء سینۃ سینۃ لمن انتصر میں بظاہر تکرار مضمون معلوم ہوتا ہے۔ لیکن منتصرین میں الفاظ کی حیثیت سے تعریف ہے اور جزاء سینۃ میں انتقام کا جائز ہونا پیش نظر ہے اور لمن انتصر میں انتقام کے حرام ہونے کی نفی کی جارہی ہے ان تینوں میں اگرچہ باہمی یہ ربط ہے کہ ہر پہلی بات سے پچھلی بات لازم آ رہی ہے۔ مگر مستقل طور پر تصریح کرنے سے بلاغت بھی آگئی اور تکرار بھی نہ رہا۔

**معافی کے حدود:** .. اسی طرح ”ہم یغفرون“ میں ایسے لوگوں کی تعریف ہے اور ”من عفا“ میں اس کا ثواب پیش نظر ہے اور من صر سے اس عمل کی تعریف کرنا ہے۔ اس لئے یہاں بھی تکرار نہیں ہے۔ معاف کرنے کے بھی کچھ اصول ہیں۔ مثلاً جہاں معاف کرنا مناسبت ہو معاف کرے۔ یہ معاف کرنا محمود ہے۔ ایک شخص کی غلطی پر غصہ آیا اس نے نہایت ندامت سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ معاف کیا جاسکتا ہے اور جہاں بدلہ لینا مصلحت ہو وہاں بدلہ لے سکتے ہیں۔ ایک شخص خواہ مخواہ چڑھتا ہی چلا جائے اور ظلم و جبر سے دبائے کی کوشش کرے یا اس کو جواب نہ دینے سے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے یا اس کو ڈھیل دینے میں دین کی اہانت اور دینداروں کی تذلیل ہوتی ہے تو بدلہ لینا مناسب ہے۔ مگر بقدر جرم و قصور اس سے زائد تعدی ہو جائے گی اور زیادتی اللہ کے یہاں کی حالت میں بھی پسندیدہ نہیں ہے۔

بہترین خصلت یہ ہے کہ حتی الامکان درگزر کرے۔ بشرطیکہ درگزر کرنے سے بات سنو رتی ہے۔ مظلوم ظالم سے بدلہ لے سکتا ہے مگر معاف کرنا افضل ہے۔ البتہ ابتداء زیادتی کرنا یا انتقام لینے میں حد سے بڑھنا یقیناً برا ہے۔ برائی کا بدلہ حقیقتہً تو برا نہیں اچھا ہے۔ مگر صورتہ برائی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے سینہ کہہ دیا۔ البتہ غصہ کو پی جانا اور تکلیفیں برداشت کر کے غنودہ درگزر کر دینا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ عدل و انصاف صبر و عفو کی اعلیٰ خوبیاں صرف اللہ کی توفیق سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس کی دشگیری کے بغیر کون انسان اخلاقی پستی سے نکل سکتا ہے۔

**لطف سلوک:** .. آیت اذا ما غضبوا سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غصہ کے وقت معاف کر دینا قابل تعریف ہے اور

والذین اذا اصابهم المصی الخ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ظلم کا برابر بدلہ لے سکتے ہیں۔ گویا یہ دونوں حالتیں اپنے اپنے موقع اور محل کے لحاظ سے محمود و مستحسن ہیں اور اہل اللہ کی نظر اپنی مصلحت کی بجائے دونوں موقعوں پر صاحب جنایت کی مصلحت پر ہوتی ہے۔

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيٍّ مَنْ بَعْدَهُ أَى أَحَدٍ يَلِي هِدَايَتَهُ بَعْدَ اضْطِلَالِ اللَّهِ أَيَّاهُ وَتَرَى الظَّالِمِينَ  
لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَى مَرَدٍّ إِلَى الدُّنْيَا مِنْ سَبِيلٍ ﴿۳۳﴾ طَرِيقٍ وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا  
أى اِسَارَ خَشَعِينَ خَائِفِينَ مُتَوَاضِعِينَ مِنَ الدَّلِيلِ يَنْظُرُونَ إِلَيْهَا مِنْ طَرَفٍ خَفِيٍّ ضَعِيفٍ الْمَضْرُوبِ مَسَارِقَهُ  
وَمَنْ يَنْدُبُهُ أَوْ يَمْعَى الْبَاءِ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخَسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَاهْلِيَهُمْ  
يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَنْحَلِيذُهُمْ فِي النَّارِ وَعَدَمُ وُصُولِهِمْ إِلَى الْحُورِ الْمُعَدَّةِ لَهُمْ فِي الْجَنَّةِ لَوَاسِمُوا وَالْمَوْضُوعُ  
حَرًّا إِنَّ الظَّالِمِينَ الْكَافِرِينَ فِي عَذَابٍ مُقِيمٍ ﴿۳۴﴾ دَائِمٍ هُوَ مِنْ مَقُولِ اللَّهِ تَعَالَى وَمَا كَانَ لَهُمْ  
مَنْ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى غَيْرِهِ يَدْفَعُ عَذَابَهُ عَنْهُمْ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ  
سَبِيلٍ ﴿۳۵﴾ طَرِيقٍ إِلَى الْحَقِّ فِي الدُّنْيَا وَإِلَى الْجَنَّةِ فِي الْآخِرَةِ اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ أَجِيبُوهُ بِالتَّوْحِيدِ  
وَالْعِبَادَةِ مَنْ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ لِأَمْرٍ دَلَّهِ مِنَ اللَّهِ أَى أَنَّهُ إِذَا أَتَى بِهِ لَا يَرُدُّهُ مَا لَكُمْ مِنْ  
مَلْجَأٍ تَنْجُوْنَ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ وَمَالَكُمْ مِنْ نَكِيرٍ ﴿۳۶﴾ انْكَارٍ لِدُنُوبِكُمْ فَإِنْ اُعْرَضُوا عَنْ الْإِجَابَةِ فَمَا  
أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا تَحْفَظُ أَعْمَالَهُمْ بَأَنَّ تُوَافِقُ الْمَطْلُوبَ مِنْهُمْ إِنْ مَا عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلْغُ وَهَد  
قَسَّ الْأَمْرَ بِالسَّجَادِ وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً نَعْمَةً كَالْغِنَى وَالصَّحَّةَ فَرِحَ بِهَا وَإِنْ تُصِيبَهُمْ  
الصَّامِرُ لِلْإِنْسَانِ بِاعْتِبَارِ الْجَنَسِ سَيِّئَةً بَلَاءٌ بِمَا قَدَّمْتُ أَيْدِيَهُمْ أَى قَدَّمُوهُ وَعَبَّرَ بِالْأَيْدَى لِأَنَّ  
كَثَرِ الْأَعْمَالِ تُرَاوَى بِهَا فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ ﴿۳۷﴾ لِلنَّعْمَةِ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ  
مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ مِنَ الْأَوْلَادِ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ﴿۳۸﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ أَى  
يَجْعَلُهُمْ ذُكْرًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا فَلَا يَلِدُ وَلَا يُولَدُ لَهُ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَخْلُقُ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾  
عَنِ مَا يَشَاءُ وَمَا كَانَ لِمَنْ لِيَشْرَ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُؤَخِّى إِلَيْهِ وَحْيًا فِي الْمَنَامِ أَوْ بِالْأَنَامِ أَوْ لَا مَنْ  
وَرَأَى حِجَابٍ بَأَنَّ يُسْمَعَ كَلَامُهُ وَلَا يَرَاهُ كَمَا وَقَعَ لِمُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْ إِلَّا أَنْ يُرْسِلَ رَسُولًا  
مَكَا كَحَارِثِ بْنِ قِيُوْحٍ إِلَى الْمُرْسَلِ إِلَيْهِ أَى يُكَلِّمُهُ بِأَذْنِهِ أَى اللَّهُ مَا يَشَاءُ اللَّهُ إِنَّهُ عَلَىٰ عَنِ  
صِفَاتِ الْمُحَدَّثِينَ حَكِيمٌ ﴿۴۰﴾ فِي صُنْعِهِ وَكَذَلِكَ أَى مِثْلَ إِسْحَابِنَا إِلَى غَيْرِكَ مِنَ الرُّسُلِ أَوْ حِينَئِذٍ  
إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ رُوحًا هُوَ الْقُرْآنُ بِهِ تُنْخَى الْقُلُوبُ مِنْ أَمْرِنَا الَّذِي تُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ كُنْتَ تَدْرِي  
عَرَفَ قَسَّ الْوَحْيِ إِلَيْكَ مَا الْكِتَابُ الْقُرْآنُ وَلَا الْإِيمَانُ أَى شَرَائِعُهُ وَتَعَالُمُهُ وَالْقَسَى مُعْتَقٌ لِنَفْعٍ عَنْ  
نَعْمٍ أَوْ مَا بَعْدَهُ سُدَّ مَسَدُ الْمَفْعُولِينَ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ أَى الرُّوحَ أَوْ الْكِتَابَ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ

مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي تَدْعُو بِالْمُؤْحَىٰ إِلَيْكَ إِلَىٰ صِرَاطٍ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۵۲﴾ دِيسِ الْإِسْلَامِ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مُلْكًا وَخَلْقًا وَعَيْنًا إِلَّا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿۵۳﴾ تَرْجَعُ

۵۳

ترجمہ: ..... اور اللہ جسے چاہے گمراہ کر دے تو اس کے بعد اس شخص کا کوئی چارہ ساز نہیں ہے (یعنی اللہ کے گمراہ کر دینے کے بعد کوئی ایسا نہیں جس کی ہدایت اسے نصیب ہو سکے) اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے جب کہ عذاب کا مشاہدہ ہوگا۔ بوس اٹھیں گے کہ کیا واپس جانے کی کوئی صورت ہے (دنیا میں) اور آپ ان کو اس حالت میں دیکھیں گے وہ دوزخ (کی آگ) کے سامنے جائیں گے جھکے ہوئے ہوں گے (خوفزدہ عاجزانہ) مارے ذلت کے دیکھتے ہوں گے (دوزخ کو) چپکے چپکے (چوری چھپے، اور من ابتدا یہ ہے۔ یا بمعنی نا ہے) اور اہل ایمان کہیں گے کہ پورے گھائے میں وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے روز خسارہ میں پڑے (بیشک جہنم میں رہنے اور جنت کی موعودہ حور سے محرومی کی وجہ سے ایمان نہ لانے کی صورت میں الذین خسروا خبر ہے ان کی) یہ درکھو کہ ظالم لوگ (کافر) دائمی عذاب میں رہیں گے (یہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے) اور ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے جو اللہ سے الگ ان کی مدد کریں (یعنی اللہ کے سوا کوئی ان کا عذاب رفع کر سکے) اور جس کو اللہ گمراہ کر ڈالے اس کے لئے کوئی رستہ ہی نہیں (دنیا میں تو حق کی راہ اور آخرت میں جنت کی راہ) تم اپنے پروردگار کا حکم مان لو (توحید و عبادت کو اختیار کر کے) اس دن (قیامت) کے آنے سے پہلے جو اللہ کی طرف سے ملے گا نہیں (آنے کے بعد لوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی) نہ تم کو کوئی پناہ ملے گی (جس کی پناہ میں تم جا سکو) اس روز اور نہ تمہاری نسبت کوئی انکار کرنے والا ہوگا (یعنی تمہارے گناہوں کا انکار کرنے والا) پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں۔ (ماننے سے) تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا (کہ آپ ان کے اعمال کے اس طرح ذمہ دار ہوں کہ وہ حکم کے مطابق ہوں) آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور ہم جب آدمی کو کچھ اپنی عنایت کا مزہ چکھ دیتے ہیں (جیسے خوشحالی اور تندرستی) تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے (ضمیر انسان کی طرف بلحاظ جنس کے راجع ہے) ان کے اعمال کے بدلہ میں جو اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں (پہلے۔ اور ہاتھوں سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر کام انہی سے ہوتے ہیں) تو آدمی ناشکری کرنے لگتا ہے (خدا کی نعمت کی) اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے (اولاد میں) بیٹیاں، بلا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو جمع کر دیتا ہے (یعنی ان کو پیدا کر دیتا ہے) بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے (یعنی نہ عورت جن سکتی ہے اور نہ مرد جنوا سکتا ہے) وہ بڑا جاننے والا (کہ کیا پیدا کرنا ہے) بڑی قدرت والا ہے (اپنے چاہنے پر) اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے ہم کلام ہو مگر یا تو (اس پر وحی اتارے) بطور وحی کے (خواب میں ہو یا بذریعہ الہام کے) یا پس پردہ (اس طرح کہ اس کا کلام سنے مگر اس کو دیکھے نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا) یا کسی فرشتہ کو بھیج دے (جیسے جبرائیل) کہ وہ پیغام پہنچا دے خدا کے حکم سے (فرشتہ پیغمبر کو پیغام پہنچا دے یعنی فرشتہ پیغمبر سے ہم کلام ہو) جو اللہ کو منظور ہو۔ بلاشبہ وہ بڑا عالی شان ہے (مخلوق کی صفات سے) بڑی حکمت والا ہے (اپنی کاریگری میں) اور اسی طرح (جیسے کہ ہم نے آپ کے عہد وہ اور پیغمبروں کو وحی کی ہے) ہم نے آپ کے پاس (اے محمد!) زندگی بھیجی ہے (قرآن جس سے دل زندہ ہوتے ہیں) یعنی اپنا حکم (جو آپ پر ہم نے وحی کیا ہے) آپ کو تو یہ خبر نہیں تھی (وحی آنے سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے) کہ کتاب (قرآن) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کیا چیز ہے (یعنی اس کے احکام اور ملامات۔ اور نفی نے فعل کو لفظاً عمل سے روک دیا ہے اور یا کہا جائے کہ فعل کے بعد کا جملہ دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے) اور لیکن ہم نے اس کو بنایا ہے (یعنی روح یا قرآن کو) نور جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستہ (دین

اسلام) کی مدد سے کر رہے ہیں (اپنی وحی کے مطابق دعوت دے رہے ہیں) یعنی اس خدا کے راستہ کی کہ آسمانوں و زمین میں جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے۔ اے مملوک مخلوق بندے ہیں (میا در کھوسب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے۔

تحقیقاً وتر کیسے۔ قرآنم۔ رویت بصریہ ہے اس لئے حال ہے اور خاشعین بھی حال ہے علیہا کی ضمیر نار کی طرف راجع ہے۔ مذہب سے مفہوم ہو رہا ہے۔

مس طرف گوشہ چشم اور بعض نے طرف کے معنی آنکھ لئے ہیں اور بعض اسی سے مصدر مراد لیتے ہیں کہا جاتا ہے۔ طرفت عیبہ تطرف غرض کہ خاتقانہ دیکھنا مراد ہے۔

یوم القیمۃ اگر یہ خسرو کا ظرف ہے تب تو یہ قول دنیا میں واقع ہے اور اگر بقال کا ظرف ہے۔ تو اس کا وقوع آخرت میں ہوگا اور اہل سے مراد حوریں ہیں یا دنیاوی بیویاں۔

الا ان الظالمین۔ بعض کے نزدیک یہ جملہ بھی انہی کے کلام کا تہہ ہے۔

استجیبوا مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اس میں سین طلب کا نہیں ہے۔

لا صرد۔ یعنی اللہ کا حکم اہل ہے۔

مالکم من مکبر۔ یا تو بقول مفسر گناہوں کے انکار کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ ہاتھ پاؤں خود گواہی دیں گے۔ اور یا اہل جنت کے لئے کوئی رک ٹوک نہ ہونا مراد ہے کہ انہیں کامل آزادی ہوگی۔ نکیر بمعنی منکر ہے جیسے الیم بمعنی مولم۔

فسد ارسال۔ یہ جملہ تعلیل ہے جواب محذوف کی ای فلا تحزن اولاً عتاب لک اولاً تکلف بشی لا ننا ما ارسالک الخ یعنی ہم نے آپ کو اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ ان کو شریعت کے مطابق چلنے پر مجبور کریں۔

ان عدیل۔ مفسر کا اس حکم کو منسوخ کہنا بلحاظ حصر ہے۔ ورنہ جہاد کی مشروعیت کے بعد بھی تبلیغ مامور بہ ہے۔

اذا اذفنا نعمت کا آنا چونکہ یقینی ہے اور مصیبت آنا محض محتمل ہے۔ اس فرق کو ظاہر کرنے کے لئے اول ادا پھر ان لیا گیا اور چونکہ تمام تر دنیاوی نعمتیں آخرت کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی مثل ہیں۔ اس لئے لفظ اذا استعمال فرمایا گیا۔

وان تصہم ضمیر جمع انسان کی طرف بلحاظ معنی ہے۔

بما قدمت یعنی مصیبت کا سبب معصیت ہوتی ہے اور نعمت کا سبب محض فضل الہی ہے۔

فان الانسان۔ اسم ظاہر بجائے ضمیر لایا گیا۔ دراصل ”فانه کفور“ ہونا چاہئے تھا اور ابوالبقاء ضمیر مقدرہ دتے ہیں۔ ای فان الانسان منہم اور بقول کرتی بظاہر یہ جملہ جواب شرط ہے۔ مگر حقیقتہً جواب مقدر کی علت ہے۔ ای ان تصہم سیئۃ نسی نعمۃ راساً و ذکر اللیۃ یہ مخصوص حالت اگرچہ صرف مجرمین کی ہوتی ہے لیکن جنس کی طرف اسناد غلبہ کی وجہ سے بطور مجرمانہ عقلی کے ہے انسان میں الف لام جنس کے لئے ہے عہد کے لئے نہیں ہے۔

لمن یشاء اناثا۔ ان چاروں احتمالات میں اناث کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ صرف اللہ کی مشیت چلتی ہے بندوں کی مشیت اگر چستی تو سب کی خواہش زریۃ اولاد کی ہوتی ہے اور اناثا کو نکرہ اور الذکور کو معرف لانے میں دونوں کے فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

اویسرو حہم۔ یہاں واؤ کی بجائے او کے ذریعہ عطف لانے میں یہ نکتہ ہے کہ تقسیم اول کی دو قسموں کے بعد تقسیم ثانی کی یہ

قسمیں ہیں۔ ای یہب الاناث مفردات و ذکوراً مفردات لمن یشاء اور مجتمعین ای حال کو نہم ذکر او اناثا

من یشاء عقیما۔ مرد و عورت دونوں میں یہ نقصان ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فلا یطہر عہد کے بانجھ ہونے کی طرف اشارہ ہے

اور تذکیر فظ من کے اعتبار سے ہے۔ اگرچہ ایک نسخہ میں لا تلد بھی ہے اور لا یولد لہ، مرد کے ناکارہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

چنانچہ مصیبت میں ہے کہ عقیقہ کا اطلاق مرد و عورت دونوں پر ہوتا ہے جدید سائنسی نظریہ یہ ہے کہ مادہ منویہ میں نر و مادہ دونوں قسم کے جراثیم

ہوتے ہیں۔ اختلاط نصف کے وقت ان زرمادہ جرثوموں کا اگر اختلاط ہو جاتا ہے تو تولید کی صورت ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ اور زرمادہ نیز ایک یا زائد بچوں کی تولید کا تعلق بھی انہی جرثوموں کے اختلاط سے وابستہ ہے۔ چنانچہ مشینوں میں رکھ کر تولیدی تجربات اس کے شہد ہیں۔ تاہم قرآن وحدیث کی نصوص ان نظریات کی تردید ہی ہیں اور نہ مخالف، آیات کی تفسیر نہ ان پر موقوف ہے اور نہ ان کی معارض۔

وحیا کے معنی الہام ہیں۔ بقول بیضاوی کلام خفی بحدریک بسرعة وحی ہلاتا ہے۔ امام راغب کہتے ہیں کلمہ اسبہ جو انبیاء و اولیاء کی طرف القا کیا جائے۔ جیسے حدیث میں ہے نفث فی دوعی۔ یا خواب مراد ہیں۔ جیسے حدیث میں روایا الانبیاء وحی ہے۔

مس وراء حجاب جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام الہی سنا اور یہ حجاب حس نہیں ہے جو اجسام کے لئے ہوتا ہے۔ بلکہ عدم رویت مراد ہے جو بندہ کا وصف ہے اللہ کا وصف نہیں ہے۔ گویا ناظر کے لئے حجاب مراد ہے جو سامع کو ہوتا ہے مگر رائی نہیں ہوتا۔ اوپر مسل۔ میں وحی بواسطہ فرشتہ مراد ہے۔

روحان جس طرح جسمانی روح، اجسام کے لئے منبع حیات ہوتی ہے۔ اسی طرح وحی و قرآن حیات روحانی ہیں اور جنس نے اس کے معنی جبرائیل لئے ہیں۔

ما الكتاب۔ بتقدیر المصنف ای جواب مالک کتاب ای جواب ہذا الا استفہام۔

ولا الا ایمان۔ ایمان تفصیلی مراد ہے۔ کیونکہ ایمانی ایمان تو آپ کو نبوت سے پہلے بھی حاصل تھا۔

نورا تشبیہا فرمایا ہے۔ لفظ جعلناہ سے بظاہر شبہ ہوسکتا ہے کہ قرآن مجہول ہے اور مجہول مخلوق ہوتا ہے حالانکہ حدیث میں ہے۔ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق۔ جواب یہ ہے کہ جعل بمعنی خلق نہیں ہے بلکہ بمعنی صیر ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو کسی حالت پر دینا۔ چنانچہ یہاں قرآن کو نور کر دینا اور ہدایت بنادینا اگلی آیت میں عربی زبان میں کر دینا مراد ہے کہ بجائے محلی زبان کے عربی زبان میں قرآن اتارا ہے اس لئے قرآن کو حادث کہنے والوں کا استدلال غلط ہو گیا۔

ام رازی نے اسی شبہ کا دوسرا جواب دیا ہے کہ اس سے کلام لفظی کا حادث ہونا معلوم ہوا۔ اس کو اہل سنت بھی تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ کلام اللہ کلام نفسی کے مرتبہ میں قدیم اور غیر مخلوق ہے۔

ربط آیات: پچھلی آیات میں طلب گاران آخرت کی خوش انجامی بیان ہوئی تھی۔ آیت ومن یصلل اللہ سے دنیا کے طلب گاروں کی بد انجامی بیان کی جارہی ہے۔ اس کے بعد ایمان نہ لانے پر عذاب قیامت کی وعید سن کر آیت استحبوا سے وعید آنے سے پہلے ہی ایمان کی تیاری کا حکم دیا جا رہا ہے اور ایمان نہ لانے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے۔

آگے شرک کی تردید اور توحید کی تاکید کی جارہی ہے۔ آیت اللہ ملئت السموات سے اللہ کا حق رکھ کر ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ توحید کے بعد رسالت کا درجہ ہے۔ اس سلسلہ میں کفار یہ شبہ کرتے تھے کہ اللہ یا فرشتے ہم سے بالمشافہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ محمد ﷺ ہم سے پیغمبر ہیں۔

اس کے جواب میں وما کان لبشر آیات نازل ہوئیں۔

﴿تشریح﴾: وتیری الظالمین۔ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر کفار وہی پرانی رٹ دہرائیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں واپس کر دیا جائے تو اس دفعہ بکے نیک بن کر آئیں گے اور ایک سہمے ہوئے مجرم کی طرح خوف ودہشت کے مارے گردن نیچی ہوگی اور شرمساری اور ندامت کی وجہ سے آنکھ نہیں اٹھے گی۔ اس منظر کو دیکھ کر بے ساختہ اہل ایمان کی زبان پر ہوگا کہ واہ صاحب واہ تم تو ڈوبے ہی مگر اپنے ساتھ اور متعلقین کو بھی لے ڈوبے۔ فرماتے ہیں وہاں کا عذاب دنیا کی طرح نہیں کہل جائے۔ وہ آکر رہے گا، اللہ جس کی

راہ مار دے اسے سمجھانے والا نہ دنیا میں کوئی ہے اور نہ عقیقی میں اس کی نجات ہے۔

وما لکم من مکبر۔ یعنی اللہ کے آگے مکر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہاں اوپر کے اور اجنبی سمجھ کر کوئی چھوڑ دے ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر موقع پر پہچان لئے جاؤ گے۔

پیغمبر کا کام سمجھانا ہے، منوا دینا نہیں ہے:..... فان اعرضوا۔ اتنے سمجھانے پر بھی اگر یہ راہ راست پر نہیں آتے۔ تو آپ پر یہ ذمہ داری نہیں کہ ضروری ان کو منوا کر چھوڑیں۔ آپ کا کام سمجھانا ہے وہ ہو رہا ہے اب نہ مانیں تو جا میں جہنم میں۔ آپ ان کی وجہ سے تمسکین نہ ہوں۔ ان کی دو حالتیں ایسی ہیں جن سے خواہشات نفسانی کے ساتھ ان کا تعلق اور اللہ سے بے تعلقی کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اللہ کا انعام ہونے کی صورت میں تو یہ اکثر نے اور اترانے لگتے ہیں۔ لیکن اپنے کثرت سے کوئی آفت آتی ہے تو یک لخت سری نعتیں بھول کر ناشکر بن جاتے ہیں۔ گویا کبھی ان پر اچھا وقت آیا ہی نہیں تھا۔ خلاصہ یہ کہ اچھی بری حالت میں اپنی حد پر نہیں رہتے۔ اس لئے نہ آپ اپنے ذمہ داری میں کوتاہی کا اندیشہ کیجئے اور نہ ان کی حالت سے توقع رکھئے۔ مسلمانوں کی حالت ان کے برعکس ہے کہ وہ نعمت پر شکر گزار اور مصیبت میں صبر دار رہتے ہیں۔ کسی حال میں اللہ سے بے تعلق نہیں ہوتے۔

اولاد کی تقسیم:..... لِّلّٰہِ مَلٰئِکَ السَّمٰوٰتِ۔ سارے عالم میں اسی کا تصرف اور حکم چلتا ہے۔ جس کو جو چاہے دے جو چاہے نہ دے۔ کوئی سرے سے اولاد ہی سے محروم، کسی کو بیٹیاں ہی بیٹیاں، کسی کو بیٹے ہی بیٹے، کسی کو دونوں جڑواں یا الگ الگ۔ غرض سب طرح اپنی کمال قدرت و عطا ظاہر کرتا ہے اور حکمت و مصلحت اسی کی چلتی ہے۔ وہ مالک حقیقی ہے۔ ہر شخص کے مناسب حالات سے واقف اور حکم و حکمت کے موافق تدبیر کرنے والا ہے۔ کسی کی کیا مجال کہ اس کے حکمت و ارادہ اور اس کی تقسیم پر حرف گیری کرے۔

حصر عقلی پر اشکال کا جواب:..... یوں تو تصرفات الہی، کائنات کے ذرہ ذرہ میں جاری و ساری ہیں۔ لیکن یہاں نزو مادہ کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ وہ ہمہ وقت نظروں کے سامنے ہے اور انسان کی قریبی حالت ہونے کی وجہ سے استدلال میں سہولت ہے۔ آیت میں چاروں قسمیں بطور حصر عقلی ہیں۔ حمل کر جانے کی صورت سے اس پر اشکال نہ کیا جائے۔ کیونکہ بچہ میں جان پڑنے سے پہلے اگر اسقاط ہوا ہے۔ تب تو من یشاء عقیما میں داخل ہے اور جان پڑ جانے کے بعد اگر بچہ گرا ہے تو دیکھا جائے گا کہ اعضاء بن چکے ہیں یا نہیں۔ اگر بن گئے ہیں تو نزو مادہ کا فیصلہ انہی کے اعتبار سے کیا جائے گا۔ البتہ بعض اعضاء بنے ہیں یا دونوں طرح کے اعضاء بن گئے ہیں۔ تو پھر واقعہ کے لحاظ سے یا تو بچہ ہوگا یا بچی۔ اگرچہ حسی طور پر اس کی تعین نہ کی جاسکے۔

وما کان لبشر میں کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے۔ لو لا انزل علینا الملائکۃ او نری رباً۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنی ساخت پر داخت اور موجودہ قوی کے لحاظ سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس دنیا میں براہ راست اللہ اس سے بالمشافہ کام کرے اور وہ اس کا تحمل بھی کر لے۔

اللہ سے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں:..... اس لئے اللہ نے کلام کرنے کی تین صورتیں رکھی ہیں۔ ایک یہ کہ براہ راست دل میں الہام کر دے یا خواب میں کچھ بتا دے یا دکھلا دے۔ انبیاء کے لئے قطعی صورت میں اور دوسروں کے لئے غیر قطعی صورت میں۔ دوسری صورت میں کلام پس پردہ ہوتا ہے یعنی سامعہ کلام سے تولذت اندوز ہوتی ہے۔ مگر آنکھیں جمال و مشاہدہ سے سرشار نہیں ہوتیں۔ جیسے حضرت موسیٰ سے کوہ طور پر یا آنحضرت ﷺ سے شب معراج میں کلام ہوا۔ فہم یختصم الا علی



اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ دوسری آیت میں و کلم اللہ موسیٰ تکلیما ہے اور حدیث میں ہے۔ قسم اللہ رویتہ و کلامہ بین موسیٰ و محمد علیہما السلام ان دونوں نصوص سے کلام کرنے کی خصوصیت حضرت موسیٰ سے معلوم ہوتی ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو اس قسم میں کیسے شریک کیا جاسکتا ہے؟

جواب یہ ہے ان دونوں نصوص میں کلام کی کسی خاص نوع کی تخصیص کی گئی ہے۔ جیسا کہ لفظ تکلیما اس کا قرینہ ہے وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن کلام وراء حجاب میں آنحضرت ﷺ بھی شریک ہیں۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

اس حجاب کا مطلب کسی جسم کا حائل ہونا نہیں ہے اور نہ یہ پردہ اللہ کی ذات اور نور کو چھپا سکتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی ضعف ادراک اللہ کی تجلی کے لئے رکاوٹ بنا ہوا ہے ورنہ اللہ کے نور کے کمال ظہور میں تو شہ بھر تھا نہیں ہے۔ سورج کی کمال روشنی کا تحمل دیکھنے والے کی آنکھوں کی خیرگی نہیں کر سکتی۔ اس لئے اس پر نگاہ نہیں ٹھہرتی اور سورج نظر نہیں آتا۔ پس یہاں قصور سورج کا نہیں بلکہ دیکھنے والے کا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے لئے بھی یہی حجاب بشریت تھا جو دیدار الہی کا مانع بنا۔ لیکن آخرت میں یہ ضعف قوت سے بدل جائے گا اور مانع دور ہو جائے گا۔ اس لئے دولت دیدار میرا سکے گی اور دیدار کا تحمل ہو جائے گا۔ فکشفنا عنک غطاء لک فبصر لک الیوم حدید۔ کفار کی نگاہیں جب طاقت ور ہو جائیں گی تو اہل ایمان کا کیا پوچھنا۔

غرض کلام کا یہ سننا بھی عام ہے انبیاء کے لئے قطعی اور اولیاء کے لئے غیر قطعی جیسے: علامہ شعرانی فاروق اعظم کے لئے کہتے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ کے واسطے سے اللہ کلام فرمائے گو فرشتہ نظر نہ آئے۔ مگر فرشتہ یا اس کی آواز کا ادراک قلب ہی کرے۔ جو اس ظاہرہ کا چنداں دخل نہ ہو۔ حدیث عائشہؓ یا تینی فی مثل صلصلة الجرس اور روایت بخاری کے الفاظ وہو اشدہ علی اور آیت نزل بہ الروح الامین۔ فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ میں اشارہ اسی قسم کی طرف ہے۔ یہ کیفیت چونکہ خود پیغمبر پر تمام تر گزرتی ہے اور اس کے وجود کے باہر کوئی ہستی علیحدہ نظر نہیں آتی اور نہ یہ کلام اس طرح ہوتا ہے۔ جیسے: ایک آدمی دوسرے سے کلام کرتا ہے کہ پاس بیٹھنے والے بھی سمجھ لیتے ہیں۔ اس لئے اس کو وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وحی میں اختفاء اور جلد اشارہ کے معنی ہیں۔

فرشتہ کے ذریعہ وحی کی ایک اور شق:..... فرشتہ کی معرفت وحی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مجسم فرشتہ نبی کے سامنے آجائے اور رو برو پیغام الہی اس طرح پہنچائے۔ جیسے: کوئی ایک دوسرے سے بات کرتا ہے جیسا کہ جبرائیل امین دو مرتبہ اپنی اصل شکل میں اور اکثر دجیہ کلبی کی شکل و صورت میں حضور ﷺ کے پاس آئے اور کبھی غیر معروف صورت میں بھی حاضر ہوئے اس وقت آنکھیں فرشتہ کو دیکھتیں اور کان آواز سنتے۔ بلکہ بعض اوقات پاس بیٹھنے والے بھی گفتگو سنتے اور سمجھتے تھے ممکن ہے حدیث عائشہؓ میں جو دو صورتیں بیان ہوئی ہیں یہ ان میں سے دوسری صورت ہو اور اس آیت کے آخری حصہ اویرسل رسول الخ میں یہی صورت مراد ہو۔ باقی حجاب والی صورت نادر الوقوع ہونے کی وجہ سے حدیث عائشہؓ میں ذکر نہیں کی گئی ہوگی۔

اولیاء کا فرشتوں سے ہم کلام ہونا:..... انبیاء کے علاوہ دوسروں کا فرشتوں سے ہم کلام ہونا جیسے حضرت مریم کے ساتھ ہوا۔ اور شیخ اکبرؒ کی رائے یہی ہے کہ اس میں قطعی اور ظنی دونوں قسمیں ہوں گی۔ اگرچہ ایہام کی وجہ سے ظنی کو وحی کہنا جائز نہیں ہے۔ اور آیت میں ایک ہی قسم قطعی مراد ہے، دوسری قسم ظنی سے تینوں قسموں کا حصر متاثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ مقسم میں صرف قطعی مراد لے لی جائے گی اور ظنی قسمیں دوسرے مستقل دلائل سے ثابت ہو جائیں گی۔

حاصل یہ کہ اللہ سے ہم کلام کی صرف یہ تین صورتیں ہیں اور ان تینوں کو کلام کہنا بطور عموم مجاز ہے بالمشافہ اللہ سے کلام یہ انسانی طاقت

سے باہر ہے۔ پھر ان نالائقوں کو اس بے جا فرمائش کا کیسے حوصلہ ہوا۔ حالانکہ ان میں تو کفر کی وجہ سے قطعی طریقہ کلام کی بھی یاقوت نہیں ہے۔ ممکن ہے معترضین یہ کہیں کہ اچھا بالمشافہ نہ سہی۔ انہی مقررہ طریقوں میں کسی ایک طریقہ سے ہم سے بات کر لی جائے۔ اس کا جواب اس آیت میں ارشاد ہے۔ قالوا لن نؤمن حتى نأتی مثل ما اتی رسل اللہ۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ اور کلام میں بشر کی تخصیص خاص اس لئے ہے۔ کہ گفتگو بشری کے بارے میں تھی۔ اور یہ ممکن ہے کہ فرشتوں کو مستثنیٰ کرنا مقصود ہو کہ ان سے بالمشافہ کلام نہ ملے گا۔ اس پر اگرچہ کوئی دلیل نہیں ہے۔

انہ علی حکیم۔ یہ جملہ پہلے مضمون کی علت ہے۔ علی تو مستثنیٰ منہ کی علت ہے۔ یعنی وہ اس قدر روشن شان ہے کہ بالمشافہ اس سے کلام کی طاقت کسی میں بحالت موجودہ نہیں ہے۔ تاوقتیکہ وہ طاقت نہ دے۔ اور حکیم مستثنیٰ کی علت ہے۔ یعنی اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ کلام کی بعض صورتیں تجویز کر دی جائیں۔ اور بحالت موجودہ کی قید اس لئے لگائی۔ کہ بعض اکابر معراج میں آنحضرت ﷺ سے بالمشافہ کلام مانتے ہیں۔ اسی طرح حدیث جابر میں فکلمہ کفاحاً کے الفاظ ہیں۔ یا جنت میں اہل جنت کو شرف ہم کلامی نصیب ہوگا۔ ان صورتوں میں حجاب ضعیف نہیں رہے گا۔

اور حدیث جابر میں جو یہ فرمایا ہے کہ اللہ نے کسی اور سے رو برو کلام نہیں فرمایا۔ تو مطلب یہ ہے کہ ایسے درجہ کے کسی اور شخص سے ہم کلامی نہیں ہوئی۔ اس سے ان سے بڑے درجہ کے لوگوں سے نفی نہیں ہوئی۔

وحی سے پہلے اور وحی کے بعد نبی کے ایمانی منازل: ..... وکذلک اوحینا۔ یعنی ہم اسی قاعدہ کے مطابق آپ کے پاس بھی وحی بھیج رہے ہیں اور اس کے وحی ہونے پر دلائل قائم ہیں۔ جن سے آپ کی نبوت ثابت ہے۔ معترضین کی فرمائش کے مطابق نبوت اس پر موقوف نہیں کہ ہم لوگوں سے بالمشافہ کہیں۔ کیونکہ جب باوجود صلاحیت کے آپ سے بالمشافہ کلام نہیں ہوسکتا۔ بلکہ مقررہ طریقوں سے ہوتا ہے تو پھر یہ کس شمار میں ہیں۔

بعض حضرات نے روح سے مراد فرشتہ یعنی جبرائیل امین لیا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ قرآن کو روح کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ مردہ دلوں کو زندگی بخشتا ہے اور جو تو میں روحانی اور اخلاقی موت مرچکی ہوتی ہیں۔ قرآن ان میں جان تازہ ڈال دیتا ہے۔ قرآن کا ہدایت کبریٰ ہونا اس سے واضح ہے کہ پیغمبر جو ایمان و عمل کا منبع اور مخزن ہوتا ہے۔ لیکن اس کی ساری تفصیلی بہار قرآن ہی کی بدولت ہے۔ اس سے پہلے آپ ان تفصیلات سے بے خبر تھے۔ اب آپ جس طرح اس پر خود کار بند ہیں دوسروں کو بھی سیدھی راہ بتلاتے رہتے ہیں۔ خواہ کوئی اس پر چلے یا نہ چلے۔ سیدھی راہ وہی ہے جس پر چل کر آدمی خدا تک پہنچتا ہے جو اس راہ سے بھٹکا۔ وہ خدا سے الگ ہوا۔ انسان کو چاہئے کہ شروع سے انجام پر نظر رکھے اور خدا تک پہنچنے کی راہ اختیار کرے۔

لطا کف سلوک: ..... وما کان لبشر۔ اس میں انبیاء کے علاوہ اوروں سے بھی اللہ کی ہم کلامی کی بعض خاص صورتوں کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ مفصل بیان گزر چکا ہے۔

وما کنت تدری سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر کمال اپنی ذات میں کمالات سے عاری ہے۔ سب کمالات عطیہ الہی ہیں۔ اور جس طرح اللہ کو عطا پر قدرت ہے۔ ان کے چھین لینے پر بھی قدرت ہے۔ اس لئے اپنے کسی کمال پر ہرگز ناز نہ کرے۔



## سُورَةُ الزُّخْرَفِ

سُورَةُ الزُّخْرَفِ مَكِّيَّةٌ وَقِيلَ إِلَّا وَ سُئِلَ مَنْ أَرْسَلْنَا آيَاتُهُ تَسْعَ وَتَمَانُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدُ اللَّهِ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ وَالْكِتَابِ الْقُرْآنِ الْمُبِينِ ﴿۱﴾ الْمُظْهِرِ طَرِيقَ الْهُدَى وَمَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ مِنَ الشَّرِيعَةِ إِنَّا جَعَلْنَاهُ أَوْحَدَنَا الْكِتَابَ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا بِلُغَةِ الْعَرَبِ لَعَلَّكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ تَعْقِلُونَ ﴿۲﴾ تَفْهَمُونَ مَعَانِيَهُ وَإِنَّهُ مُثَبَّتٌ فِي أَمِّ الْكِتَابِ أَصْلِ الْكِتَابِ أَيْ اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ لَدَيْنَا بَدَلُ عِنْدَنَا لَعَلِّي عَلَى الْكِتَابِ قَبْلَهُ حَكِيمٌ ﴿۳﴾ ذُو حِكْمَةٍ بَالِغَةٍ أَفَنَضْرِبُ نُمُوسَكَ عَنْكُمْ الذِّكْرَ الْقُرْآنَ صَفْحًا إِمْسَاكًا فَلَا تُؤْمِرُونَ وَلَا تَنْهَوْنَ لِأَجْلِ أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُسْرِفِينَ ﴿۴﴾ وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ فِي الْأَوَّلِينَ ﴿۵﴾ وَمَا كَانَ يَأْتِيهِمْ أَتَاهُمْ مِنْ نَبِيِّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۶﴾ كَاسْتَهْزَأَ قَوْمُكَ بِكَ وَهَذَا تَسْلِيَةٌ لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ مِنْ قَوْمِكَ بَطْشًا قُوَّةً وَمَضَى سَبَقُ فِي آيَاتٍ مِثْلَ الْأَوَّلِينَ ﴿۷﴾ صِفَتُهُمْ فِي الْإِهْلَاكِ فَعَاقِبَةُ قَوْمِكَ كَذَلِكَ وَلَئِنْ لَمْ نَقْسِمِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ حُدِثَ مِنْهُ نُورُ الرَّفْعِ لِتَوَالِي الثُّنَائِ وَوَاوِ الضَّمِيرِ لِالْتِقَاءِ السَّائِكِينَ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿۸﴾ اخْرُجُوا بِهِمْ أَيْ اللَّهُ ذُو الْعِزَّةِ وَالْعِلْمِ زَادَ تَعَالَى الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا فَرَأَسًا كَالْمَهْدِ لِلصَّبِيِّ وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا طَرُقًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۹﴾ إِلَى مَقَاصِدِكُمْ فِي أَسْفَارِكُمْ وَالَّذِي نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ أَيْ بِقَدَرِ حَاجَتِكُمْ إِلَيْهِ وَلَمْ يُرِلْهُ طُوفَانًا فَانْشَرْنَا أَحْيَيْنَا بِهِ بَلَدَةً مَيِّتَةً كَذَلِكَ أَيْ مِثْلَ هَذَا الْأَحْيَاءِ تُخْرِجُونَ ﴿۱۰﴾ مِنْ قُبُورِكُمْ أَحْيَاءً وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ الْأَصْنَافَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْكِ السُّفُنَ وَالْأَنْعَامَ كَالْإِبِلِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿۱۱﴾ حُدِثَ

عند حصہ اول مجبوراً فی الاول ای فیہ منصوب فی الثانی لتستروا لتسقروا علی ظهورہ ذکر الصمیر وجمع صہر ظراً اللفظ ما ومعاً ثم تذکروا نعمة ربکم اذا استویتم علیہ وتقولوا سبحن الذی سخر لنا هذا وما کنا له مقرنین ﴿۳۳﴾ مطیقین وانا الی ربنا لمنقلبون ﴿۳۴﴾ مصرفون وجعلوا له من عبادہ جزءاً اُحیث قالوا المملکة نبات اللہ لآل الولد حرء لولد و ۵۱۱ لمنکة من عدد مہ ان الانسان الغافل ذلک لکفور مبین ﴿۳۵﴾ یتین ظاہر الکفر ام بمعنی ہمرہ لا کار واقبول مصدر ای اتقولون اتخذ مما یخلق بنت لنفسیہ واصفکم اخلاصکم بالبیین ﴿۳۶﴾ الایہ من فاکم السبق فهو من جملة المنکر واذا بشر احدہم بما ضرب للرحمن مثلاً جعن لہ سہب سسہ نبات الیہ لآل الولد یتبہ الوالد المعنی اذا انجر احدہم بالبنت تولد لہ ظل صار وجہہ مسوداً معبراً تعیر معتمہ وهو کظیم ﴿۳۷﴾ ممتلی غماً فکیف ینسب البنات الیہ تعالی عن ذلک او ہمرہ الاکار وواو العطف لجملة ای یجعلون للہ من ینشوا ای یربی فی الحلیۃ الریۃ وهو فی الخصام غیر مبین ﴿۳۸﴾ مظهر الحجة لضعفہ عنہا بالاثوثة وجعلوا المملکة الذین ہم عباد الرحمن انا اشهدوا حصرنا خلقہم ستکتب شہادتہم بانہم انا و یستلون ﴿۳۹﴾ عنہا فی لآخرہ فترت عنہا العفات وقالوا لو شاء الرحمن ما عبدنہم ای المملکة فعادنا ایاہم بمنسبہ فہم راس نہا قد تعالی ما لہم بذلک المقول من الرضا بعبادتها من علم ان ما ہم الا یحرضون ﴿۴۰﴾ یکذبون فیہ فیرت علیہم العقاب بہ ام اتینہم کتاباً من قبلہ ای اقران عبادة غیر مہ فہم بہ مستمسکون ﴿۴۱﴾ ای لم یقع ذلک بل قالوا انا وجدنا آباءنا علی امۃ ملة وانا ماشون علی اثرہم مہتدون ﴿۴۲﴾ بہم وکانوا یعبدون غیر اللہ وكذلك ما ارسلنا من قبلك فی قریۃ من نذیر الا قال مترفوها متنعموھا مثل قول قومک انا وجدنا آباءنا علی امۃ ملة وانا علی اثرہم مقتدون ﴿۴۳﴾ متبعون قل لہم اتبعون ذلک ولو جئتکم باہدی مما وجدتم علیہ آباءکم قالوا انا بما ارسلتم بہ انت ومن قبلك کفرون ﴿۴۴﴾ قال تعالی نحو یقالہم فانقمنا منہم ای من المکذبین للرسل قبلك فانظر کیف کان عاقبۃ المکذبین ﴿۴۵﴾

سورہ زخرف کی ہے اور ایک روایت میں واسئل من ارسلنا کے علاوہ۔ تو اسی آیات میں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: ہم (اس کی قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے اس کتاب (قرآن) واضح کی (جو ہدایت کی راہوں اور ضروریات

ثابت کو ظاہر کر دینے والی ہے) کہ ہم نے اس کو کر دیا ہے (کتاب کو موجود) قرآن عربی زبان (نعت عرب) میں تائید (کلمہ والو) سمجھ سکو (اس کی مرادات) اور وہ (ثابت ہے) بنیادی (اصل) کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں ہمارے پاس (یہ بدل ہے بمعنی عسما) بلند رتبہ ہے (پچھلی کتابوں پر) حکمت بھری (انتہائی حکمت والی) ہے۔ کیا ہم تم سے ہٹالیں گے (ردک لیں گے) اس نصیحت (قرآن) کو (کہ نہ تمہیں کوئی حکم دیا جائے اور نہ تمہیں کسی چیز کی ممانعت کی جائے محض اس لئے) کہ تم حد سے گزرنے والے ہو اور کتنے پیغمبر ہم پچھلے لوگوں میں بھیجے رہے اور کوئی نبی ان کے پاس ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے ٹھٹھانہ کیا ہو (جیسے آپ کی قوم آپ کا ٹھٹھا کر رہی ہے۔ اس میں آنحضرت کو تسلی ہے) پھر ہم نے ان لوگوں کو غارت کر ڈالا جو ان (آپ کی قوم والوں) سے زیادہ زور آور (طاقت ور) تھے اور ہو چکی ہے (آیات میں گزر چکی ہے) پہلے لوگوں کی حالت (تباہی کی کیفیت، یہی انجام آپ کی قوم کا بھی ہو سکتا ہے) اور اگر (لام قسمیہ ہے) آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کی ہے؟ تو ضرور یہی کہیں گے (لیقولس میں نون رفع تو تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے اور واؤ ضمیر دوسرا کن جمع ہو جانے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے) کہ ان کو زبردست جاننے والے نے پیدا کیا ہے (یہاں تک ان کا جواب پورا ہو گیا۔ مراد اس سے اللہ ہے جو ذی عزت اور ذی علم ہے۔ گے حق تعالیٰ اضافہ فرما رہے ہیں) جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا (جیسے بچہ کے لئے جھولا اور پالنا ہوتا ہے) اور اس میں تمہارے لئے اس نے رستے بنائے۔ تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو (سفر میں جو تمہارے مقاصد ہوں) اور جس نے آسمان سے پانی ایک نذر سے برسایا (یعنی تمہاری ضرورتوں کے مطابق بارش ہوتی ہے۔ طوفانی صورت میں نہیں) پھر ہم نے اگایا (پیدا کر دی) اس کے ذریعہ مردہ زمین کو اسی طرح (یعنی اس جلانے کی طرح) تم نکالے جاؤ گے (اپنی قبروں سے زندہ کر کے) اور جس نے تمام اقسام (صنفیں) بنا دیں اور تمہاری وہ کشتیاں اور چوپائے (جیسے اونٹ) بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو (اس میں اختصار کے طور پر عکد کو حذف کر دیا گیا ہے اور وہ پہلے لفظ میں مجرور یعنی فیہ ہے اور دوسرے لفظ میں منصوب ہے) تاکہ تم اس کی پیٹھ پر جم کر (مضبوطی سے) بیٹھو، (ضمیر کو مذکر اور لفظ ظہر کو جمع لایا گیا۔ ہا کے لفظ اور معنی کی رعایت کرتے ہوئے) پھر جب تم اس پر بیٹھ چکو تو اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو اور یوں کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو ایسے (طاقت ور) نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے اور ہم کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور ان لوگوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا جزو ٹھہرا دیا (چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور بیٹا باپ کا جزو ہوتا ہی ہے۔ حالانکہ فرشتے خدا کے بندے ہیں) واقعی انسان (جس کا عقیدہ یہ ہو) صریحاً ناشکر ہے (جس کا کفر واضح ہے) کیا (ہمزہ انکار کے معنی میں ہے اور قول مقدر ہے یعنی اتقولون) خدا نے پسند کیس (اپنے لئے) بیٹیاں اور تمہارے لئے خاص (انتخاب) کئے بیٹے (جو تمہارے پہلے قول سے لازم آ رہا ہے۔ اس لئے یہ بات بھی قابل رد ہے) حالانکہ جب تم میں سے کسی کو خوشخبری دی جاتی ہے اس چیز کے ہونے کی جس کو خدا نے رحمان کے لئے نمونہ بنا رکھا ہے (اللہ کے لئے نیکوں کی تجویز کرنا نمونہ ماننا ہے کیونکہ اولاد باپ کا نمونہ ہوتی ہے حاصل یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے) تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق (غم کے مارے کالا) رہتا ہے اور دل ہی دل میں ٹڑھتا رہتا ہے (غم سے گھٹتا ہے، پھر خدا کی طرف نسبت کرنا کیسے ہے جب کہ وہ نفس اولاد ہی سے پاک ہے) کیا (ہمزہ انکار ہے اور واؤ جملہ کے عطف کے لئے ہے یعنی یہ جعلوں اللہ) جو کہ پرورش پائے (پلے) آرائش (زیب و زینت) میں اور مباحثہ میں قوت بیان نہ رکھے (صنف نازک ہونے کی وجہ سے دلیل کے اظہار میں کمزور ہو) اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے۔ کیا یہ لوگ موجد (حاض) تھے فرشتوں کی پیدائش کے وقت ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا ہے (کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں) اور ان سے باز پرس ہوگی (اس کے متعلق آخرت میں۔

چنانچہ س پر سزا ہوگی) اور وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر چاہتا اللہ تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے (یعنی فرشتوں کی، لہذا اہل افرشتوں کی بندگی کرنا اللہ کے ارادہ سے ہے تو اس کی مرضی سے بھی ہوا۔ فرماتے ہیں) اس کو اس کی (اپنے پرستش کرنے کو اللہ کی رضا مندی کی دلیل بہنا) کچھ تحقیق نہیں ہے یہ محض بے تحقیق بات ہے (غلط بات کہہ رہے ہیں لہذا اس کی سزا پائی گئی) کیا ہم نے ان کو اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب دے رکھی ہے (غیر اللہ کی پرستش کے متعلق) کہ یہ اس سے استدلال کرتے ہیں (یعنی ایسے نہیں ہوا) بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ و دوں کو ایک طریقہ (دستور) پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر راستہ چل رہے ہیں (چنانچہ پہلے نوک غیر اللہ کی پرستش کیا کرتے تھے) اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی ہستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا۔ مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا (مالداروں نے جیسے آپ کی قوم کے لوگ کہہ رہے ہیں) کہ ہم نے اپنے باپ و دوں کو ایک طریقہ (دستور) پر پایا ہے اور ہم بھی انہی کے پیچھے پیچھے (پیروی میں) چل رہے ہیں۔ ان کے پیغمبران سے بولے کہ کیا (پھر بھی تم پیروی کرتے رہو گے) اگرچہ میں اس سے بہتہ طریقہ تمہارے پاس لے کر آیا ہوں کہ جس پر تم نے اپنے باپ و دوں کو پایا ہو وہ کہنے لگے کہ جس پیغام و دے کرتھیں (اور تم سے کچھلوں) بھیج گیا ہے ہم اس کو مانتے ہی نہیں (حق تعالیٰ ان کو دھمکاتے ہوئے فرماتے ہیں) سو ہم نے ان سے انتقام لے لیا (جو آپ سے پہلے پیغمبروں کو جھٹلانے والے تھے) سو دیکھئے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟

**تحقیق و ترکیب:** ... المین۔ قرآن کا واضح ہونا بلحاظ معانی اولیہ کے ہے اور اصول دینیہ کے تربیتی تربیتی ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اسی حیثیت سے اس کو آسان اور سہل بھی کہا گیا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ احکام و مسائل فرعیہ جزئیہ کا استنباط بھی سہل ہے۔ تاکہ ہر شخص کو اجتہاد کا حق اور اجازت ہو جائے۔

اسا جعلناہ جیسا کہ ابھی گزرا کہ ان جیسے الفاظ معتزلہ خلق قرآن کے نظریہ پر استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں جعل بمعنی خلق نہیں۔ بلکہ بمعنی صیر ہے۔ کیونکہ سیاق کلام قرآن کی مخلوقیت کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ اس کی حریت بیان کرنے کے لئے ہے کہ اول مخیط کی رعایت سے اس زبان کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ لعلمکم تعقلون سے واضح ہے۔ اور ہر فرض اگر مخلوق ہونے پر ایسا بھی ہو تب بھی کلام عقلی کے مرتبہ میں مخلوق ہونا معلوم ہوگا۔ جس کے اہل سنت منکر نہیں ہیں۔ ابستہ حنا بلکہ کے خلاف ہوگا۔ بلکہ ام الكتاب کی تفسیر اگر علم الہی سے کی جائے تو آیت سے کلام نفسی کا قدیم ہونا ثابت ہو جائے گا۔

لدینا سے مراد مرتبہ صفات ہے جو ذات سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

لعلی کے معنی کونہ عالیا عن الحدوث اور حکیم کے معنی محکم کے ہیں اور قدیم ظاہر ہے کہ ناقابل تبدیل ہوتا ہے۔ بہر حال یہ دونوں مسئلے اگرچہ عقلی ہیں مگر اس سے نقل کی بھی تائید ہو رہی ہے۔

وانہ فی ام الكتاب۔ پہلے جواب قسم پر اس دوسرے جواب قسم کا عطف ہے اور مفسر نے مثبت سے جار مجرور کے خبراں ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور لعلی خبر تانی ہو جائے گی اور ام الكتاب سے مراد لوح محفوظ ہے وہی تمام کتب الہیہ کی بنیاد ہے۔ اور لدینا ام الكتاب سے بدل ہے اور قرآن ہر لحاظ سے دوسری کتب پر فائق ہے اس لئے اس کو علی کہا گیا۔ یہ دونوں الفاظ ان کی خبر ہیں۔

اضرب۔ استنبہا انکارنی ہے اور فامقدر کے لئے عاطفہ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ انہم ملک۔

ضرب اور ضرب کے معنی امسک کے ہیں۔ ضربت عنہ و اضربت عنہ کہہ کر چھوڑنے کے معنی لئے جاتے ہیں

اور زختر کی مجاز بعید مردی کے معنی لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ ضرب الغرائب من الحرص۔

صفحاً مفعول مطلق ہے معناه ضرب کا۔ کہا جاتا ہے۔ ضرب عن کذا و اضرب عنہ۔ اعراض کرنے کے معنی ہیں اور

فعل حال ہونے کی وجہ سے بھی منصوب مانا جاسکتا ہے بمعنی صافحین۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مفعول مطلق تاکید کے لئے ہو۔ مضمون جملہ کی اس صورت میں عامل محذوف ہوگا جیسے: صنع اللہ۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ مفعول نہ کہا جائے مفسر نے فلا تو مرون الخ سے قد وہی تفسیر نقل کی ہے۔ لیکن مجاہد و سدئی اس طرح تفسیر کر رہے ہیں۔ افترض انکم وتترککم فلا نعا قبکم علی کفرکم وکمہ ارسلنا۔ کم خبر یہ ہے ارسلنا کا مفعول مقدم ہے اور من نبی تمیز ہے اور فی الاولین متعلق ہے۔ یاتیہم۔ مفسر نے مضارع کو ماضی کے معنی میں ہونے کی طرف اشارہ ہے اور مضارع لانے میں اس صورت عجیبہ کا احتضار مقصود ہے۔

اشدہم۔ یہ صفت ہے محذوف کی جو فی الحقیقت مفعول ہے۔ ای اہلکنا قوما ہم المستہزون برسلمہم اشدہم ای من قومک بطشا۔ اس کو تمیز ماننا یہ نسبت حال ماننے کے زیادہ اچھا ہے۔

مثل الاولین قرآن میں گزشتہ تاریخی حالات جگہ جگہ بیان کیے ہیں۔ اس جملہ میں وعدہ و وعید دونوں آگئے۔ ولئن سالتہم۔ لام قسمیہ ليقولن جواب قسم ہے کہ جواب شرط کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ یونکہ قاعدہ یہی ہے کہ آخری جواب حذف کر دیا جاتا ہے۔

العزیز العلیم۔ یعنی کفار کا جواب اس پر ختم ہو گیا۔ اس لئے ابو حاتم اس پر وقف کرتے ہیں۔ کیونکہ اگلے جملوں میں بعثت کا اخبار ہے اور کفار کی طرف سے اس کا انکار تھا۔ اس لئے وہ جملے ان کے نہیں ہو سکتے۔ خلق الازواج۔ یعنی زون کے مشہور معنی مراد نہیں بلکہ بمعنی صنف ہے۔

ما ترکبون رکبت الدابة کہا جاتا ہے بقول زحشری تو کہو نہ کے معنی ہیں۔ یعنی متعدی بالواسطہ پر متعدی بلا واسطہ کی تغیب کر لی گئی ہے اور عامد محذوف ہونے کا مطلب من الفلک سے ہے۔

علی ظہورہ۔ لفظ ظہور جمع اور اس کے ساتھ ضمیر مفرد نہ کر لائی گئی ہے۔ لفظ ما کی لفظی و معنوی رعایت کرتے ہوئے۔ تم تذکروا۔ یعنی سواریاں نقل مکانی کے لئے ہوتی ہیں۔ لیکن اس سے نقل عظمیٰ کی طرف رہنمائی ہونی چاہئے۔ یعنی انقلاب ان اللہ۔ چنانچہ طووس فرماتے ہیں کہ مسلمان سوار ہونے کے وقت یہ الفاظ کہے اور یاد کرے کہ آخری وقت جنازہ پر سوار ہو کر اللہ کی طرف جائے گا۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ ہر قسم کی سواری پر یہ الفاظ پڑھنے چاہئیں اور بعض کے نزدیک یہ جانور کی سواری کے لئے مخصوص ہے۔ جیسا کہ وما کنا لہ مقرنین اس کا قرینہ ہے۔ کیونکہ سرکشی اور اطاعت جانوروں میں ہی ہو سکتی ہے نہ کہ کشتی، جہاز، موٹر، اسکوٹر، ٹرین، ہوائی جہاز وغیرہ میں۔ اس پر سواری کے وقت بسم اللہ مجہد ہا الخ پڑھنا چاہئے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان سوار یوں کا قابو سے باہر ہو جانا جانور سے بھی زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ الفاظ ہر طرح کی سوار یوں میں پڑھنے چاہئیں۔

اور گودیت میں صرف جانور کی سواری میں اس کا پڑھنا منقول ہے۔ لیکن اول تو اس زمانہ میں کشتی میں سوار ہونے کا کم اتفاق ہوتا ہوگا۔ دوسرے کشتی میں پڑھنے کی نفی بھی کہیں نہیں ہے۔ بلکہ سیاق و سباق سے متبادر یہی ہے کہ کشتی وغیرہ میں بھی پڑھے۔

وجعلوا لہ۔ اس کا عطف مضمون سابق پر ہوتا ہے۔ ای اعترفوا بخالقہ اللہ وجعلوا لہ الخ۔

حرء جعل کا مفعول اول ہے اور جعل سے مراد تصییر قوی ہے۔ ای حکموا اور سموا او اعتقدوا کے معنی میں جی ہو سکتا ہے۔ اور کفار سے اللہ کی جزیت کا اعتقاد اگرچہ صراحتاً نہیں منقول نہیں۔ مگر اس کے لئے اولاد ہونے کے قائل تھے اور وہ معنی

حقیقی کے لحاظ سے مستلزم جزئیت ہی ہے۔

واصفاکم۔ یعنی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنے سے بطور لازم یہ مفہوم لازم ہو رہا ہے کہ ان کے لئے صرف زینہ اولاد مخصوص ہے۔  
بما ضرب۔ ما موصولہ ہے ضرب بمعنی جعل ہے اس کا مفعول اول جو عائد بھی ہے محذوف ہے۔ ای صربہ۔ اور مثلاً  
مفعول ثانی ہے شبہا کہہ کر مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ مثال یہاں کہاوت کے مشہور معنی میں نہیں ہے بلکہ مشابہ کے معنی میں ہے۔  
او من ینشوء عام قراءت تو ینشاء فتح یا اور سکون نون کے ساتھ ہے اور ضمہ یا اور فتح نون اور شدید شین کے ساتھ ہے  
بصیغہ مجہول لیکن قراءت مشاذہ ضمہ یا کے ساتھ بحالت تخفیف ہے اور ینا شاء مثل یقاتل مجہول ہے۔  
غیر مین۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہ ابان متعدی سے ماخوذ ہے۔

وجعلوا الملائکۃ فرشتے جو اعلیٰ ترین بندے ہیں ان کے لئے انوشیت کی خسیس صفت ثابت کرنا غلط ہے۔ چنانچہ  
آنحضرت ﷺ نے جب ان سے پوچھا کہ تمہیں یہ کہاں سے پتہ چلا ہے؟ تو کہنے لگے باپ دادا سے ایسے ہی سنتے چھ آ رہے ہیں اور ہم  
اس کے شاہد ہیں کہ انہوں نے غلط بیانی نہیں کی ہوگی۔ اس پر مستکتب شہادتہم الفاظ نازل ہوئے۔

ما لہم بذلک من علم۔ یعنی مشیت الہی چونکہ فرشتوں کی پرستش نہ کرنے کی نہیں ہوئی۔ اس لئے کفار اس کو دلیل رضا مندی  
بنارہے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ دلیل بنانا غلط ہے۔ کیونکہ مشیت نام ہے ممکن کی دونوں جانبوں میں سے کسی ایک جانب کو ترجیح دینے کا خواہ وہ  
مأمور ہو یا ممنوع، مستحسن ہو یا غیر مستحسن۔ پھر مشیت کو دلیل بنانا کیسے صحیح ہوگا۔ معترزا اور اہل سنت کے نقطہ نظر میں بھی تقریباً یہی فرق ہے۔  
ام اتینا ہم۔ یعنی کسی چیز کا ثبوت یا مشاہدہ سے ہوا کرتا ہے اور یا نقل سے اور یہاں دونوں ہیں۔

من قبلہ۔ یعنی مرجع اس کا قرآن ہے یا رسول۔  
بل قالوا یعنی عقلی، نقلی اور عینی اور تینوں صورتیں ان کے پاس ثبوت کی نہیں لے دے کر صرف پرانی لکیر کے فقیر ہونا ہے۔  
سو اس کا حال آگے آ رہا ہے۔

علی امة بمعنی مقصد طریقہ ہے جیسے رحل بمعنی مرحول الیہ آتا ہے ایسے ہی امة بمعنی ملة ہے۔  
واما علی اثارہم۔ مفسر نے متعلق کے محذوف ہونے اور اس کے خبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔  
مہتدون۔ یہ خبر ثانی ہے اور بعض کی رائے ہے کہ علی اثارہم حال ہے فاعل مہتدون سے کائنات علی اثارہم۔  
ما ارسلنا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

اولو جنتکم۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ ہمزہ فعل مقدر پر داخل ہے اور واؤ حالیہ ہے۔  
اھدی بلا دلیل محض اندھی تقلید اگر چہ غلط اور گمراہی ہوتی ہے۔ مگر آیت میں اس کو ہدایت کہنا بطور ارشاء و عنان ہے۔ تاکہ  
یہ نرم روی مخی طب پر اثر انداز ہو جائے اور وہ نرم ہو جائے۔ اس طرح نصیحت کارگر اور مفید ہو جاتی ہے۔

رابط آیات: ..... اس سورت کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے:-

۱۔ توحید کا اثبات۔

۲۔ شرک کا ابطال۔

۳۔ اور بتوں کے جہنم رسید ہونے پر کفار کے اعتراض کی لغویت۔

۴۔ وحی و رسالت کا اثبات۔

- ۵۔ اور رسالت سے متعلق بعض شبہات کا جواب۔  
۶۔ اور آنحضرت ﷺ کی توسلی اور درگزر کرنے کا حکم۔  
۷۔ دنیا کی تحقیر۔

۸۔ اور نبوت کے استحقاق و اہلیت میں مال کا دخل نہ ہونا۔

۹۔ منکرین کے لئے تہدید۔

۱۰۔ حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام کے حالات جن سے توحید و رسالت کی تائید اور قائلین و منکرین قیامت کے لئے وعدہ و وعید کا بیان، نیز کچھ سورت کے خاتمہ اور اس سورت کے افتتاح میں رسالت کا مضمون مشترک ہے۔

﴿تشریح﴾: . . . والکذب المبین۔ یہاں قسم کا استعمال عرب کی عادت کے مطابق تاکید کلام کے لئے تو ہے ہی۔ لیکن خود جواب قسم کی دلیل بھی ہے۔ کیونکہ قرآن میں غور کرنے سے اس کا اعجاز ظاہر ہے اور وہ دلیل ہے اللہ کی طرف سے نازل ہونے کی۔ پس ایک ذات کی ایک صفت دوسری صفت کی دلیل ہے اور عربی زبان چونکہ اول مخاطبین کی مادری زبان ہے۔ ان کے ذریعہ سے دنیا کی قومیں اس کتاب کو سیکھیں گی۔ اس لئے اس سے قرآن کے خطاب عام پر اشکال نہ کیا جائے۔ اور لدینا شرف و خصوصیت کے اعتبار سے فرمایا۔ پس یہ قرب رقی ہے قرب مکانی نہیں ہے۔

قرآن کی خوبیاں اور خصوصیات: . . . . . انہ فی ام الكتاب الخ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم بھی دوسری کتب مادیہ کی طرح نزول سے پہلے لوح محفوظ میں لکھا گیا تھا اور وجہ اعجاز اور اسرار و حکم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے وہ نہایت بلند مرتبہ ہے اور تبدیل و تحریف سے محفوظ رہنے کی وجہ سے نہایت مستحکم ہے۔ اس کے دلائل نہایت مضبوط اور احکام غیر منسوخ ہیں۔ اس کا ہر حکم حکمت لئے ہوئے اور تمام مضامین اصداغ معاش و معاد کے سلسلہ میں اعلیٰ ترین ہدایات اور حکیمانہ خوبیوں سے لبریز ہیں اور ان تمام محاسن پر خود قرآن ہی اپنا مشاہد ہے۔

افصرب یعنی باوجود تمہاری شرارتوں کے کتاب الہی کا نزول اور دعوت و نصیحت کا سلسلہ بند نہیں کیا جائے گا۔ اول تو بہت سی سعید روئیں اس سے مستفید ہوں گی۔ دوسرے منکرین پر کامل طور سے اتمام حجت بھی کرنا ہے اس لئے اللہ کی رحمت و حکمت کا یہ سلسلہ موقوف نہیں ہوگا۔ چنانچہ پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا۔ ان کی تعلیمات کو جھٹلایا گیا۔ مگر اس کی وجہ سے پیغمبری کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اے منکرین! تم سے پہلے ان مذہبین کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ جو زور و قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھے جب وہ اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکے تو تم کس ہوا میں ہو؟

جو خالق ہے وہی معبود ہے: . . . . . ولئن سألتہم سے اللہ کی عظمت و قدرت اور کمال تعریف کا ذکر ہے اور تحقیق میں اس کا یگانہ ہونا اس کے ادہیت میں یگانہ ہونے کو مستلزم ہے۔ پس گویا اللہ کی الوہیت خود ان کے اقرار سے ثابت ہو گئی۔

خدا کے ان گنت انعامات میں سے زمین کا قابل رہائش بنا دینا ہے۔ اس میں اللہ نے راستہ بنا دینے سے جہاں آبادیاں ہیں انسان چل پھر کر ایک دوسرے سے مل سکیں اور تمدن کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ وہ بارشیں برساتا ہے تو وہ بھی بے اندازہ نہیں۔ بلکہ اپنے علم و حکمت کے مناسب اندازوں کے ساتھ۔ اور جس طرح اللہ ہر فصل پر مردہ زمینوں میں باران رحمت کے ذریعے زندگی کی بہار دکھاتا



رہتے۔ ان صرح مردوں میں جان ذال کربروں سے نکال کر آکرے گا۔

ان میں جتنی چیزوں کے جوڑے ہیں اور مخلوق ہیں، جتنی قسمیں ہیں اور تماثل یا متقابل انواع و اقسام ہیں سب اللہ ہی نے بنائی ہوئی ہیں۔ انسان سے زیادہ طاقت ور، قوی الجشہ جانوروں کو اس کے قابو میں کرنا اور مختلف سواریوں اور ان کے کل پرزوں کی ایجادات کا ہر انسان کے سر باندھنا یہ اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اللہ کی اس تسخیری نعمت کا اعتراف و شکرگزاری انسان پر لازم ہے اور یہ شکرگزاری انی طرح انسان کو اللہ کے آگے جھکا دیتی ہے۔ جیسے مصیبتوں میں صبر خدا کی طرف مڑنے پر انسان کو مجبور کرتا ہے۔

غرض کہ دنیا کے اس غرے سفر آخرت و یاد نرو۔ آنحضرت ﷺ سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے اور احوال دیش میں رہا کرتے اور اذکار بھی آتے ہیں۔

اللہ کی شان میں حد درجہ گستاخی: ..... وجعلوا لہ۔ یعنی افسوس کہ انسان اللہ کی صریح ناشکری پر اتر آیا۔ اس سے بڑھ کر ناشکری اور گستاخی اور کیا ہوگی کہ اس کے لئے اولاد تجویز کر بیٹھا جو عقلاً محال ہے۔ کیونکہ اولاد باپ کا جز ہوتی ہے۔ جس سے اللہ کا ذی اجزا یعنی مرتب ہونا اور حادث ہونا لازم آتا ہے۔ دوسرے اولاد ماں باپ کی ہم جنس ہوتی ہے۔ اگر ہم جنس نہ ہو تو عیب ہے اور خالق و مخلوق میں جنسیت ہو تو کیسے؟ تیسرے یہ کہ اولاد میں یہ لوگ لڑکیوں کو کم درجہ سمجھتے ہیں اور یوں بھی تو انے جسمانیہ اور عقلیہ لحاظ سے عموماً لڑکیوں سے کم ہی ہوتی ہیں۔

چنانچہ گویا اللہ کے لئے اولاد بھی گھٹیا قسم کی تجویز کی۔ کیا تمہیں شرم نہیں آئی کہ اپنے لئے تو بڑھیا اولاد پسند اور خدا کے لئے خنپا اولاد۔ جو متعدد عروہوں طرح غلط۔ جب کہ خود تمہارا حال یہ ہے کہ اگر تمہیں بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی جائے تو رے رتی اور غصہ کے پیشانی پر ہل پڑ جائیں اور یوں شرماء حضوری زبان سے کچھ نہ کہو۔ مگر دل ہی دل میں چیخ و ماتاب اٹھاتے رہو۔

مجموعی اعتبار سے عورت مرد سے کمزور اور کم سمجھ ہوتی ہے: ..... یہاں تک الزامی رد تھا۔ آگے اومس یستوءا سے تحقیقی رد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ گولڑ کی ہونانی نفسہ عار و ذلت کا باعث نہیں۔ جیسا کہ تم جہالت سے سمجھتے ہو۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ عوارض سے قطع نظر لڑکی اپنی اصل وضع کے اعتبار سے کمزور اور کم سمجھ ہوتی ہے۔ آخر یہ اس کی ناشکھی ہی تو ہے کہ عادتاً وہ رائیخ و زیبائش پسند ہوتی ہے۔ زیورات اور سجاوٹ ہی میں اس کی نشوونما ہوتی ہے جو دلیل ہے کم عقلی اور ضعف رائے کی۔ اور مباحثہ کے وقت قوت بیان یہ نہیں رکھتی۔ جو دلیل ہے قوت فکر یہ کے ضعف کی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ عورتیں ہمیشہ ادھوری بات کہتی ہیں یا گفتگو میں فضول اور زائد باتیں ملا دیتی ہیں۔ جن کا مطلب سے ادنیٰ تعلق نہیں ہوتا۔ اور مباحثہ کی تخصیص اس لئے کر دی کہ عادتاً اس میں زیادہ زور دکھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور جب ضرورت کے موقع پر بجز کلام ہے تو بدرجہ اولیٰ ضعیف ہوگا۔ غرض کہ ہر طویل گفتگو میں وہ بات اٹھا جاتی ہیں اور معمولی جملوں کا عمدہ طریقہ سے ادا کر دینا قوت گویائی کی دلیل نہیں ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فی زمانہ عورتیں ہر میدان میں ترقی کا ریکارڈ قائم کر رہی ہیں۔ لیکن قرآن کریم کا یہ بیان بجا۔ یک حقیقت ہے۔ کیونکہ اس تو عورتوں کی تمام تر ترقیات خود ان کے ماضی کے اعتبار سے ہیں۔ مردوں کے مقابلہ میں نہیں۔ بلکہ ان ترقیات کے باوجود مردوں کے مقابلہ میں اب بھی ان میں فاصلہ ماننا پڑے گا۔ اور بالغرض اگر کسی وقت یہ فاصلہ نہ بھی رہے یا معدوم ہو جائے تب بھی کلام الہی کی سیاقی پر شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ گفتگو عوارض سے قطع نظر محض اصل وضع کے متعلق ہے۔ لیکن عوارض کی رو سے جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ اگر یہ نسبت متاثر ہو جائے تو وہ عوارض کی بات ہوگی۔



ربا عورت کی طرف سے فی النہام کے جواب میں یہ کہنا کہ وہ عارض ملکیت ہے جو جائز نقصان ہے۔ سو اس عارض کا مؤثر ہونے کا ثبوت کرنا ہوگا ورنہ مطلق عارض کافی نہیں ہے۔

فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت: ..... وحملوا الملكة. اس میں تیسری ذہنی کا بیان ہے کہ فرشتوں کو عورتوں میں داخل کرنے کی بات کہنا یہ ان کا ایک اور جھوٹ ہے۔ کیونکہ فرشتے ہونے کے وقت یہ کہتے ہیں: لکھ رہے تھے۔ جو انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ مرد نہیں عورت ہیں۔ بہت اچھا ان کی یہ گمراہی دفتر اعمال میں لکھی جا رہی ہے۔ اللہ کی عدالت مالیہ میں پیشی کے وقت ان سے جرح ہوگی۔ کہ تم نے یہ کیوں کہا تھا۔ اور کہاں سے کہا تھا؟

بہر حال یہ دعویٰ بلا دلیل غلط ہے جھوٹ ہے۔ خاص کر عقائد میں۔ اب پھر جب اس کے ساتھ اور بھی مفاد ہوں تو کر یا اور نیم چڑھا ہے۔

مشرکین کی دلیل کا تار و پود: ..... یہاں تک تو فرشتوں کے اولاد اور بیٹیاں ہونے کے بارہ میں گفتگو تھی۔ اب آئے وقالوا سے ان کی معبودیت کے متعلق کلام ہے کہ ملاحظہ ہو یہ لوگ اپنی مشرکانہ حرکتوں کے جواز میں کیا عمدہ دلیل عقلی پیش کرتے ہیں۔ کہ ہمارے فرشتوں کی پرستش کرنا اگر اللہ کو ناپسند ہوتا وہ کیوں ہمیں کرنا دیتا۔ مگر جب اس نے رنے دیا تو معلوم ہوا کہ وہ راضی ہے۔

یہ بھی خوب رہی۔ اسی لئے فرمایا وما لہم بذلک من علم ان ہم الا یخرون یقیناً اس میں شبہ نہیں کہ کوئی کام اللہ کے چاہے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے اس کام کا پسندیدہ ہونا نہیں نکلتا۔ کیونکہ ایسا ہو تو پھر دنیا میں کوئی کام بھی برا نہیں رہے گا۔ ہر جھوٹا، خونخوار، ظلم، چور، اچکا، بد معاش ہر ایک یہی کہہ دے گا کہ اگر خدا کو یہ کام ناپسند تھا تو مجھے نہ کرنے دیتا۔ لیکن جب کرنے دیا تو اس کا پسندیدہ ہونا معلوم ہوا۔ اسی طرح عالم میں سب کچھ خیر محض ہی ہوگا۔ شر کا وجود ہی نہیں رہے گا۔ پھر محض نفیس شرک بھی اس دلیل کو اپنا کر یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس سے ہمارے طریقہ کا برحق ہونا بھی معلوم ہوا۔ پس یہ دلیل گویا مستلزم نقیضین ہو گئی کہ شرک حق بھی ہے اور ناحق بھی۔ اسی طرح تو حید حق بھی ہے اور ناحق بھی۔ یا یوں کہا جائے کہ تو حید و شرک دونوں حق بھی ہیں اور ناحق بھی۔ بہر حال مشیت اور رضا میں کوئی لازم عقلی معنی نہیں۔ بد معاش انکل پچو بات ہے۔

اندھی تقلید کے سوا مشرکین کے پاس کیا ہے: ..... ام ایسا ہم۔ یعنی ان کی عقلی دلیل کا تانا بانا تو معلوم ہو گیا۔ اب کیا کوئی عقلی گل افشانی کریں گے۔ کسی آسمانی کتاب یا صحیفہ میں شرک کا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہونا لکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نام کی کوئی بھی چیز ان کے پاس نہیں۔ اب لے دے کر سب سے بڑی دلیل پرانی ریت اور اپنے بڑوں کی اندھی تقلید رہ جاتی ہے۔ جو ہر زمانہ کے مشرک پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ جس کو دلیل تو کیا خلاف دلیل کہنا چاہئے۔

جس کے جواب میں پیغمبرانہ جواب یہی ہے کہ تمہارے باپ دادا کی راہ سے بھی اچھی راہ اگر تم کو بتائی جا رہی ہے تو کیا پھر بھی تم اسی پرانی لکیر کو پیٹتے رہو گے؟ مگر برا ہو ہٹ دھرمی کا جب انسان کی مت ماری جاتی ہے تو کتنی ہی عمدہ بات کہی جائے مگر ایک مان کر نہیں دیتا۔ چنانچہ جواب الجواب میں بد بخت لوگ کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہو ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے اور پرانا آباؤی طریقہ نہیں چھوڑ سکتے۔ (فوائد عثمانی)

و ذکر اذ قال انزلهم لایینه و قومیه انی برآء ای بریء مِمَّا تَعْبُدُونَ ۲۶ إِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ  
 حَقِیْقَةً قَالَهُ سَیِّدَیْنِ ۲۷ یُرْسِلْ نِیْلَیْ لَدِیْهِ وَ جَعَلَهَا ای کلمه التَّوْحِیدُ الْمُفْهِمَةُ مِنْ قَوْلِهِ نِیْلَیْ دَهَبٌ  
 نِیْلَیْ رِیِّ سَیِّدَیْنِ کَلِمَةً بَاقِیَةً فِی عَقِبِهِ دُرِّیَّتِهِ فَلَا یَزَالُ فِیْهِمْ مَنْ یُوحِیْدُ اللّٰهَ لَعَلَّهُمْ ای هَلْ مَکَّةَ  
 یَرْجِعُونَ ۲۸ عَسَیْهِمْ عَلَیْهِ اِلٰی دِیْنِ اِبْرَهِیْمَ اَبِیْهِمْ بَلْ مَتَّعْتُ هَؤُلَاءِ الْمُشْرِکِیْنَ وَاَبَآءَهُمْ وَ لَهُ  
 اَعْمَاحُیْهِمْ بِالْعَتَمَةِ حَتّٰی جَاءَهُمُ الْحَقُّ الْقُرْآنُ وَ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ۲۹ مُضِیْرٌ لَّهُمُ الْاِحْکَامُ شَرْعَةً وَ هُوَ  
 مُحَمَّدٌ صَدِیْقُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَ سَلَامٌ وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ الْقُرْآنُ قَالُوْا هَذَا سِحْرٌ وَاَنَا بِهٖ کَافِرُوْنَ ۳۰  
 وَ قَالُوْا لَوْلَا هَٰذَا نَزَّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقُرْیَتَیْنِ مِنْ اُمَّةٍ مِنْهُمَا عَظِیْمٌ ۳۱ ای یُوسُفُ بْنُ  
 اِسْمَاعِیْلَ بْنِ مَکَّةَ وَ شُرُوْدُ ۳۲ مَسْعُوْدٌ اَنْتَقَمَ بِالْعَنَافِ اَھُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَةً رَبِّکَ اَلَسَّوْهُ نَحْنُ قَسَمْنَا  
 بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیْوةِ الدُّنْیَا فَجَعَلْنَا بَعْضَهُمْ عَنَآءًا وَ بَعْضَهُمْ فَقِیْرًا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ سَیِّئًا  
 فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لَّیَسَّخَدَ بَعْضُهُمْ اِلَیْهِ بَعْضًا اَلْفَیْرِ سَخَرِیًّا مُّسَخَّرًا فِی الْعَمَلِ لَهَا الْاٰحِرَةُ وَ سَاءَ  
 نَسَبٌ وَ فِرَیْ کَسْرَ سَیِّئٍ وَ رَحِمْتُ رَبِّکَ ای اَلْحَمْدُ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُونَ ۳۳ فِی نَسَبٍ وَلَوْلَا اِنْ  
 یَّکُوْنُ السَّاسُ اُمَّةً وَ اَحَدَةً عَلٰی الْکُفْرِ لَجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرْ بِالرَّحْمٰنِ لَبِیُّوْتَهُمْ سَلَٰمًا مِّنْ سَمٰوٰتٍ سَقْفًا  
 مَّتَّحٍ لِّسَیْرِ وَ سَکُوْنِ الْغَافِ وَ بَضَمْنِمَا حَمْعًا مِّنْ فِضَّةٍ وَ مَعَارِجٍ کَاَلْاَنْدَرَجِ مِنْ فِضَّةٍ عَلَیْهَا  
 یُظْهَرُونَ ۳۴ یَعْبُدُوْنَ لِی السَّطْحَ وَ لِبِیُّوْتِهِمْ اَبْوَابًا مِنْ فِضَّةٍ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سُرُوْرًا مِّنْ فِضَّةٍ حَمِیْمٍ یَّرْمِیْنَ  
 عَلَیْهَا یَتَّکُوْنَ ۳۵ وَ زُخْرَفًا ذَهَبًا اَلْمَعْنٰی لَوْلَا خَوْفُ الْکُفْرِ عَلٰی اَلْمُؤْمِنِ مِنْ اَعْصَاءِ الْکَافِرِ مَا  
 ذَکَرْنَا اَعْصِیَاؤَ ذٰلِكَ لِنَعْلَمَ حَقْرَ الدُّنْیَا عِنْدَنَا وَ عَدَمَ خَضَعِیْ الْاٰحِرَةِ فِی السَّعِیْمِ وَاِنْ مُّحَقَّقٌ مِنْ سَعِیْمٍ کُلُّ  
 ذٰلِكَ لَمَّا بِالتَّحْقِیْفِ فَمَارِئِدَةٌ وَ بِالتَّشْدِیْدِ بِمَعْنٰی الْاَفَاکِ بَاقِیَةُ مَتَاعِ الْحَیْوةِ الدُّنْیَا یَتَمَتَّعُ بِهٖ فِیْهَا ثُمَّ  
 یَرْوُوْنَ وَ الْاٰحِرَةُ نَحْمٌ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۳۶ وَ مَنْ یَّعِشْ یَعْرِضْ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ اَلْقُرْآنُ  
 لَقِیْضٌ لِّسَبِّ لَهٗ شَیْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِیْنٌ ۳۷ لَا یُعَاوِظُهُ وَ اَنَّهُمْ ای الشَّیَاطِیْنِ لَیُضِلُّوْهُنَّ ای اَلْعَامَسَ  
 عَنْ السَّبِیْلِ صِرَافٌ مُّهْلِیْ وَ یُخَسِّبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۳۸ فِی الْجَمْعِ رِعَایَةُ مَعْنٰی مَنْ حَتّٰی اِذَا جَاءَنَا  
 اَلْعَامَسُ اَلْقُرْآنُ بِهٖ حَقِیْمَةٌ قَالَ لَیْ یَا نَفْسِیْ لَیْتَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ بَعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ ای مَا لَعَدَمَ اَسْ  
 سَمَرُوْهُ وَ یَعْرِیْ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ ۳۹ اَلَا لَیْ قَالِ تَعَالٰی وَلَنْ یُّنْفَعْکُمْ اَلْعَامَسُ نَفْسُکُمْ وَ بَدَنُکُمْ  
 الْیَوْمَ اِذْ ظَلَمْتُمْ ۴۰ ای تَبَسُّکُمْ صُلَمَکُمْ بِالْاَمْرَاکِ فِی الدُّنْیَا اَنَّکُمْ مِنْ اَلْعَامَسِ فِی الْعَذَابِ

مُشْتَرِكُونَ ۳۹۰ عِلَّةٌ يَتَفَدَّرُ عَلَيْهِمُ اللَّامُ نَعْدَمُ النَّفْعِ وَإِذَا بَدَأَ مِنَ الْيَوْمِ أَفْأَنْتَ تَسْمِعُ النُّصْمَ أَوْ تَهْدِي الْعُمَى وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۳۹۱ يَبَيِّنُ أَيْ قَوْمٍ لَا يُرِيدُونَ فِيمَا فِيهِ إِدْعَاءُ نَوَافِلٍ مُشْتَرِكَةٍ فِي الرِّئْدَةِ نَذْهَبَنَّ بِكَ بَأْسَ نُمَيْتِكَ قَبْلَ تَعْذِيبِهِمْ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ۳۹۲ فِي الْأَجْرَةِ أَوْ تُرِيكَ فِي حَبِيبِكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ بِهِ مِنَ الْعَذَابِ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ عَلَى عَذَابِهِمْ مُقْتَدِرُونَ ۳۹۳ قَادِرُونَ فَاسْتَمْسَكَ بِالَّذِي أَوْحَى إِلَيْكَ أَيُّ الْفُرَاقِ إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ ضَرِيحٍ مُسْتَقِيمٍ ۳۹۴ وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَنُفُوسٍ لَكَ وَلِقَوْمِكَ لِنُزُولِهِ بُلْغَتِهِمْ وَسَوْفَ تَسْأَلُونَ ۳۹۵ عَنِ الْقَامِ سَحْمَهُ وَنَسْأَلُ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مَنْ رُسُلِنَا أَجْعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ أَيْ غَيْرِهِ إِلَهَةً يُعْبَدُونَ ۳۹۶ فَسَلِّمْ عَلَى نَبِيِّ صَاحِبِهِ ۳۹۷ جَمَعَ بِهِ الرُّسُلُ نَبِيَّةَ الْأَسْرَاءِ وَقِيلَ الْمُرَادُ أَمَمٌ مِنْ نَبِيِّ أَهْلِ الْكُتَابِ وَلَمْ يَسْأَلْ عَلَى وَجْهِ مَنْ سَفُوحِي لَا أَسْمَرَ ذَمِّنَ الْأَمْرِ بِالسُّؤَالِ التَّقْرِيرُ لِمُشْرِكِي قُرَيْشٍ أَنَّ لَهُمْ نَبَاتَ رُسُلٍ مِنْ رَبِّهِمْ وَلَا كُنَاتَ بَعْدَهُ غَيْرَ لَبِّهِ

ترجمہ: . . . اور (یاد کیجئے) جب کہ ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں بیزار (بے تعلق) ہوں ان چیزوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو مگر ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا (بتایا) پھر وہی میری (دینی) رہنمائی کرتا ہے اور کہ گئے ابراہیم اس کو (یعنی کلمہ توحید کو جو ان کے قلوب اسی داہب الی ربی سہدین سے کچھ میں آ رہا ہے) ایک قائم رہنے والی بات اپنی اولاد (نسل) میں (چنانچہ کوئی نہ ہوئی ان کی نسل میں پرستار توحید رہتا ہے) تاکہ یہ لوگ (مکہ والے) بازر ہیں (اپنے موجودہ طریقہ سے اپنے آبائی دین ابراہیم کی طرف) بلکہ میں نے ان (مشرکین) کو اور ان کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا ہے (اور ان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کی) یہاں تک کہ ان کے پاس سچا قرآن اور صاف صاف بتلانے والا رسول آیا (جو شرعی احکام ان کو بتاتا ہے یعنی محمد ﷺ) اور جب ان کے پاس سچا قرآن پہنچا تو کہہ گئے یہ تو جادو ہے ہم اس کو نہیں مانتے اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے (کسی ایک میں) کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا (یعنی ولید بن مغیرہ پر مکہ میں یا عروہ بن مسعود ثقفی پر طائف میں) کیا یہ وہ آپ کے رب کی رحمت (نبوت) تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے تو ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے دنیاوی زندگی میں (کہ ان میں سے کسی کو ہم نے میر بنا دیا ورنہ کسی کو فقیر بنا دیا) اور ہم نے ایک کو (خوشحالی سے) دوسرے پر برتری دے رکھی ہے۔ تاکہ ایک (امیر) دوسرے (غریب) سے کام لیتا رہے (اجرت کے ذریعہ کام پر مجبور ہو سکے۔ مسخوری میں یا نسبت کے لئے ہے اور یہ لفظ کسرہ سین کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اور آپ پروردگار کی رحمت (جنت) بدرجہا اس سے بہتر ہے جس کو یہ (دنیا میں) سمیٹتے پھرتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ (کفر) پر ہو جادیں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ان کے لئے ان کے گھر کی (لعن میں من سے بدل ہے) چھتیں (سقف فتح سکون قاف کے ساتھ اور دونوں کے ضمہ کے ساتھ) چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی (سیڑھیاں بھی چاندی کی بنا دیتے) جن پر یہ چڑھا کرتے (چھت پر جانے کے لئے) اور ان کے گھروں کے دروازے بھی (چاندی کے) اور (ہم نے ان کے لئے بنائے) تخت بھی (چاندی کے) سو درجہ سریر کی ہے (جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کے بھی) حاصل یہ ہے کہ مذکورہ چیزوں

ہے۔ فرما دینے سے مومن کے کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ضرور کافروں کو یہ ساری چیزیں دے ڈالتے۔ یوں دنیا ہمارے لئے ایک جگہ ہے اور آخرت میں اس سے لئے بہشت کا حصہ نہیں ہے) اور یہ (ان شخصوں کے جو اس میں مبتلا تھے) سب جہنمی نہیں (لہذا تکلیف کے ساتھ رہنے سے تو مہلک ہوگا اور تشدید کی صورت میں بمعنی الا ہو مران نافیہ ہو جائے گا) صرف دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے (جس سے نفع اٹھانے کے بعد ختم ہو جائے گی) اور آخرت (جنت) آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں کے لئے ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ذریعہ (قرآن) سے اندھا بن جائے (منہ موڑ لے) ہم اس پر (اس وجہ سے) ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ سو اس کا ساتھی بن جاتا ہے (بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا) اور وہ (یعنی شیطان) ان (دنیا داروں) کو راہ (ہدایت) سے روکتے رہتے ہیں اور یہ لوگ سرخیال میں رہتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں (ضما ترمج لانے میں معنی مسن کی رعایت ہے) یہاں تک کہ جب ایسا شخص ہمارے پاس آئے گا (دنیا دار اپنے ساتھی کے ساتھ قیامت میں) تو کہے گا (اس ساتھی سے) کہ اے کاش! (یہاں تنبیہ کے لئے ہے) میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کے برابر فاصلہ ہوتا (یعنی جس قدر دوری مشرق اور مغرب کے درمیان ہوتی ہے) سو برابر اساتھی ہے (تو میرے سے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور ہرگز تمہارے کام نہ آئے گی یہ بات (دنیا دار تمہاری تمنا اور ندامت) آج جب کہ تم ظلم کر چکے تھے (یعنی یہاں ٹک کر رہنے کی وجہ سے آج تمہارا ظلم، سخت ہو چکا ہے) یقیناً تم سب (مع اپنے ساتھیوں کے) عذاب میں شریک ہو (اسکے الیہ بمعنی علت ہے عدم نفع کی تقدیر انعام اور ادب الیوم کا) سو کیا آپ ان بہروں کو نہ سستے ہیں یا نہ صوں و اور نہ وہیں جو وہیں کرتے ہیں راہ پر لا سکتے ہیں (یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لا میں گئے) پھر اگر (اھا میں ان شرطیہ کے نہ ہاں) اندہ میں (خاموش ہو گیا) مر آپ، اچھا نہیں (کہ ان پر عذاب آنے سے پہلے آپ کی وفات ہو جائے) تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں (آخرت میں) یا ابراہیم آپ کو (آپ کی زندگی ہی میں) دکھلا دیں جس (عذاب) کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔ تب بھی ہم کو ان (سے عذاب) پر ہر طرح کی قدرت (طاقت) ہے۔ سو آپ اس (قرآن) پر قائم رہئے جو آپ پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے۔ یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں اور یہ قرآن آپ کے لئے بڑے شرف کی چیز ہے اور آپ کی قوم کے لئے (ان کی مادری زبان میں اترنے کی وجہ سے) اور عنقریب تم پوچھے جاؤ گے (اس کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں) اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ہے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمن کے سوا (علاوہ) دوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی پرستش کی جائے (بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے یعنی واقعہ معراج میں سب پیغمبر اسی لئے جمع کئے گئے اور بعض کی رائے میں ان پیغمبروں کے متنی اہل کتاب مراد ہیں۔ تاہم دونوں صورتوں میں آنحضرت ﷺ نے کسی پیغمبر سے دریافت نہیں فرمایا۔ کیونکہ یہاں سب کے لئے کاٹھن، شریعتیں قریش پر یہ ثابت کرنا ہے کہ کوئی رسول اور کوئی کتاب غیر اللہ کی پرستش کے لئے نہیں آئی۔)

**تحقیق و ترکیب:** بسراء۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ بمعنی بری مصدر ہے جو صفت میں استعمال آیا۔ اس میں واحد، ثنایہ جمع، مذکر، مؤنث یکساں ہوتے ہیں۔

الا الہی استثناء کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ منقطع ہو۔ کیونکہ ابراہیم کی قوم مشرک نہیں بدو۔ یہ تھی۔ صرف بتوں کی پوجا کرتی تھی۔ دوسرے یہ کہ ان کو مشرک مانتے ہوئے استثناء متصل مانا جائے۔ کیونکہ شرک کی صورت میں اللہ کی عبادت کا عدم ہے۔ تیسرے کہ اللہ کی صفت کے لئے بمعنی غیر ہو اور مانکرہ موصوفہ رہے جیسا کہ زخشریٰ کی رائے ہے۔

و جعلہا ضمیر مستتر کا مرجع حضرت ابراہیم ہیں اور لعلہم یرجعون اللہ کا ارشاد ہے اور اس کو مفسر کے قول مقدر ادا کر کے کہا جائے گا۔ اور ہا ضمیر کا مرجع کلمہ تو حید ہے۔

نہیں خود قول مذکور بھی ہو سکتا ہے۔

سال متعت یہ احزاب تو بخ کے لئے ہے قوم کے اتباع نہ کرنے پر۔ اور اتم اشارہ سے مراد آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں شرکین ہیں۔

حتیٰ جاء ہم۔ 'کشاف وغیرہ میں اس کے تمتع کی غایت پر یہ اشکال کیا گیا ہے ان دونوں میں کوئی تناسب نہیں۔ بدہ۔ بعد و ما قبل من مخالفت کی اس میں رعایت نہیں ہے۔ جواب یہ ہے کہ دنیا کا وہ اشتغال مراد ہے جو شکر منعم سے اعتراض کا سبب ہو۔ وہ عبارت یوں ہوگی۔ اشعلوا بہ حتیٰ جاء ہم الحق اور نفس الامر میں یہ غایت صحیح ہے۔ کیونکہ یہ حالت قابل زجر ہے۔ بیان ان لوگوں کی سرکشی کے سبب اس کو برعکس کر دیا گیا۔ جیسا کہ دوسری آیت وما نفرق الذین اتوا الكتاب الا من بعد ما جاء نهم البیۃ میں ہے۔ وقالوا یہ لوگوں کی بہت پرانی گمراہی ہے۔ کہ نبوت و رسالت کو شریف ترین منصب سمجھتے ہوئے یہ خیال کیا کرتے ہیں۔ کہ اس کا استحقاق ایسا شخص ہونا چاہئے جو نیاوی لحاظ سے بس معزز اور مالدار ہو۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں دیکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔ اس لئے گئے اعتراض کرنے حالانکہ اللہ نے یہاں دوسرا معیار دیا ہے۔

اہم یقسمون استفہام انکار تو بخ کے لئے ہے۔ یعنی نبوت کے معاملہ میں تمہارے مشورہ اور اسے کا اخل نہیں۔ اللہ جس کے قلب و زن اور نفس و پاکیزہ اور نسب کو اعلیٰ دیکھتا ہے۔ اس کو یہ خلعت پہنا دیتا ہے۔

سحق قسمنا یعنی نبوت تو بڑی چیز ہے روزی رسائی جو اس سے کم درجہ ہے۔ ہم تو اس میں بھی ان کا اخل دخل نہیں رکھتے۔ جس کو چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں اور دنیا میں اونچ نیچ، مال و دولت کے اعتبار سے کرتے رہتے ہیں۔ یہ نہ مقبولیت کی علامت ہے اور نہ مردودیت کی بدنامی کمون کے مصالح کے پیش نظر ایسا کیا جاتا ہے۔

سخریا مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ سخری منسوب الی السخرة کے معنی میں ہے۔ زبردستی کام پر لگانا سحر یا بمعنی اجہا نہیں ہے۔

ولو لا ان منصرف مذهب ہے۔ ای لو لا خوف ان یکون الناس الخ یعنی اللہ کے لئے خوف کا لفظ چھوڑنا سب نہیں۔ اس لئے بیناوی کی تقریر بہتر ہے۔ ای لو لا ان یرغبوا فی الکفر اراد الکفار فی سعة وتنعم لحبہم الدنیا فیجتمعوا علیہ

سقفا بن شیہ اور ابو عمرو کے نزدیک فتح سین کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک ختمین کے ساتھ ہے۔ معارج معرج کی جمع ہے۔ میزبانی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ زمین کی پیڑیوں اور میزبانی کے فذوں پر چڑھنا ایسا ہوتا ہے۔ جیسے لنگڑا مرچن۔ ورحرفا جعل کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے اور بقول زخرفی من فصة کے محل پر مطف کرتے ہوئے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔ ای سقفا من فصة وذهب۔ زخرف کے معنی سونے کے ہیں۔ لیکن مجاز ازینت کے لئے بھی آتا ہے۔

وان کل۔ اکثر قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے۔ ان مخففہ ہے جس کا قرینہ امر ہے جو فارق ہوتا ہے مخففہ اور نافیہ میں اور ضم اور حمزہ کی قراءت تشدید کی ہے۔

ومن یعش کہا جاتا ہے۔ عشوف الی النار اعشوا عشرا۔ جب کہ ٹھیک ٹھیک منزل مقصود کی طرف چلا جاوے اور عشوف عشا کے معنی اعراض کرنے کے ہیں اور فتح شمین کے ساتھ اس کے معنی اندھے ہونے کے آتے ہیں عشی بعشی عشاء فہو عشی و امراء عشواء۔ (بغوی)

دکھو اللہ حسن۔ فُرُج کی اضافت رَحْمَن کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن سے اعراض کی وجہ سے اس ذات کی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے جو سرِ تاپِ رمت ہے پس رَحْمَن نے بھی جس کو ٹھکرا دیا۔ اس کے لئے کہاں پناہ گاہ ہو سکتی ہے۔

نَقِیْضُ لَہٗ۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ فہو معہ فی الدنیا والاخرۃ وبحلہ علی المعاصی۔

واہم۔ جنسِ شیطین چونکہ مراد ہے اس لئے ضمیریں جمع لائیں گئیں۔

ومن یعش۔ یہاں بھی تینوں ضمیریں ومن یعش کی طرف بلحاظ معنی جمع کے طور پر راجع ہیں۔ لیکن قضی کی رائے میں پہلی ضمیر عاشی کی طرف اور باقی ضمیریں شیطین کی طرف راجع ہیں۔ یعنی دنیا پرست یہ سمجھتا ہے کہ شیطین حق کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ ادا حاء ما۔ کافر کے مع شیطان کے حاضر ہونے پر ابن کثیر اور تافہ و ابن عامر و ابو بکر کی قراءت ادا جاء اننا تنبیہ کے ساتھ بھی الالست کر رہی ہے۔

بعد المشرقین۔ قمرین۔ شمسین، عمرین کی طرف تغلیب کر لی گئی ہے۔

لن ینفعکم۔ مفسر نے فاعل تنفع کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ان ظلمتم۔ اس پر یہ اشکال ہے کہ اذ طرف ہے بلحاظ ماضی کے دنیا میں پھر الیوم جس سے مراد قیامت ہے بدل کیے ہو سکتا ہے۔ لیکن منسرتے تیسین لکم الخ تفسیری عبارت سے اس کا ازالہ کر دیا کہ شرک تو دنیا میں کیا تھا۔ مگر اس کا ظلم ہونا قیامت میں واضح ہو گا۔ عاود ازیں یہ خبر اپنی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ اگرچہ وزن ماضی کا لایا گیا ہے۔ بلکہ مستقبل کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یقین ہوئے کی وجہ سے۔

انکم فی العذاب۔ بقول یہ علت لن ینفعکم کی فاعلیت کی وجہ سے محل رفع میں بھی ہو سکتا ہے ای لس ینفعکم اشتراککم فی العذاب پہلی ترکیب کی تائید ابن عامر کی قراءت سے ہوتی ہے۔ انکم کسرہ کے ساتھ ہے یعنی چونکہ نعر میں تم اور تمہارے قرین شریک رہے جو سبب عذاب ہے۔ لہذا عذاب میں بھی شریک رہو۔

افانت ہمزہ استفہامیہ ہے اور فا کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ ای انت ترد ان ینحصل ایماہم فانت تسمع الصم ای انت لا تسمعہم۔

فاما لدھن ای فان قبضناک قبل ان ینصرک عذابہم ونشفی بذلک صدرک و صدور المؤمنین فانما مہم مستقمون لا محالۃ فی الدنیا والاخرۃ۔ مفسر نے اگرچہ زختری کے اتباع میں محض عذاب آخرت پر اقتصار کیا ہے۔ جس کی تائید دوسری آیت او نتو فیک فالینا یرجعون سے بھی ہو رہی ہے۔ اور بغوی نے صرف عذاب دنیا پر اکتفاء کیا ہے۔ ای ینتقمون بالقتل بعدک لیکن بیضاوی نے دنیا اور آخرت دونوں کے عذاب کے لئے عام رکھا ہے۔

مقتدرون۔ یعنی ہم بروقت انتقام پر قادر ہیں۔ جیسا کہ بدر میں ہو چکا۔

فانتمسلک۔ ای دم علی التمسک یا آپ کی امت کو حکم ہے۔

وسئل۔ انبیاء علیہم السلام سے حقیقتاً سوال مقصود نہیں۔ بلکہ مجازاً ان کے مذاہب میں غور و خوض کرنا مراد ہے۔ کہ آیا کسی کے مذہب میں کبھی بھی بت پرستی اور شرک ہوا ہے یا نہیں؟ لیکن اس آیت میں اس کی تردید ہی اسکا واضح ثبوت ہے کہ کسی صحیح سماوی مذہب میں کبھی شرک نہیں ہوا۔ اس لئے کتب سابقہ اور ادیان سابقہ کے مطالعہ کی حاجت نہیں ہے۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک حقیقت دریافت کرنا مراد ہے۔ چنانچہ واقعہ معراج میں انبیاء سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات کے وقت سوال کرنے کی بات چیت چلی تھی۔

ربط آیات: . . . پچھلی آیات میں توحید کا بیان تھا۔ آیت واذا قال ابراهيم الخ سے اس کی تائید کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی زبانی توحید کی تقریف نقل کی گئی۔ جس سے تقلید آباء کے بہانہ کا جواب بھی ہو گیا۔ پھر ان کی اولاد میں اس کا نقل ہوتے چلا جانا اور آخر میں حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا اس قدیم دعوت کو لے کر مبعوث ہونا اور ان کی نبوت سے متعلق مشرکین کے اعتراض کا جواب ارشاد ہے۔

اس کے بعد منکرین کے کفر و ضلالت کا بیان ہے۔ جس سے آنحضرت ﷺ کو رنج و الم تھا۔ آیت ومن يعش الخ سے اس کا ازالہ و آپ کی تسلی کے لئے اس گمراہی کی علت کا بیان ہے۔ اسی سلسلہ میں مخالفین کو قیامت میں ندامت و خسارت کا ہونا اور عقوبت سے نہ بچ سنا اور یہ کہ ان کی ہدایت آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ نیز قرآن، اسلام، توحید کا نعمت اور برحق ہونا مذکور ہے۔ جس کو تسلی میں بڑا دخل ہے۔

ربط روایات: . . . وقالوا لا انزل الخ مشرکین نے ولید اور عروہ کے دو نام پیش کئے تو ان کے نزدیک نبی کے لئے گویا شرافت ضروری ہوئی۔ یہاں تک تو صحیح بات تھی۔ مگر شرافت کو مال داری میں منحصر کرنے میں ان سے غلطی ہوئی۔ مال کو معیار بنانا اصولاً غلط ہے۔ اگلی آیات میں اسی کی وضاحت فرمائی۔

نقیض له شیطانا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ نسلطه عليه فهو معه في الدنيا والاخرة ويحمله على المعاصي اد جاءنا۔ مراد پیش کنندہ ہے۔ چنانچہ ابن کثیر، تافع، ابن عامر، ابوبکر کی قراءت جاء انا بصیغہ تثنیہ اس کی مؤید ہے۔ جس میں پیش کنندہ اور اس کا قرین شیطان مراد ہے۔

واسئل۔ ابن عباسؓ سے اور زہریؓ، سعد بن جبیرؓ، ابن زیدؓ سے منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے ساتھ انبیاء کا اجتماع بیت المقدس میں نماز کے وقت سات صفوں پر مشتمل ہوا۔ اور جس میں چار صفوف انبیاء کی اور تین صفوف رسولوں کی تھیں۔ اسی طرح کہ حضرت ابراہیمؑ آنحضرت ﷺ کے پیچھے اور حضرت امام عیسیٰ و انیس، حضرت احق بائیس، پھر ان کے پیچھے حضرت موسیٰ اور دوسرے انبیاء تھے۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے فرمایا۔ ان ربی اوحی الی ان اسألکم هل ارسل احد منکم بدعوة الی عبادہ غیر اللہ فقالوا یا محمد انا نشهد انا ارسلنا اجمعین بدعوة واحدة ان لا اله الا الله وان ما یعدون من دونه باطل و اک حاتم النبیین و مید المرسلین قد استبان ذلک بامامتک ایانا و انه لا نبی بعدک الی یوم القیامة الا عیسیٰ بن مریم فانه مامر ان یتبع اثرک۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے عرض کیا۔ سل یا محمد من ارسلنا من قبلک۔ آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا۔ لا اسأل فقد اکتفیت اور بعض حضرات نے اہل کتاب سے پوچھنا مراد لیا ہے کہ وہی انبیاء سے سوال کے قائم مقام ہے۔

بخوئی نے ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے چنانچہ ابن مسعودؓ، ابی ابن کعبؓ کی قراءت واسأل الذی ارسلنا الیہم قبلک من رسلنا بھی اس کی مؤید ہے۔ مگر بہر صورت آپ نے کسی سے دریافت نہیں کیا۔ کیونکہ حقیقتہً سوال مراد نہیں تھا۔ بلکہ مشرکین کو یقین دلانا تھا۔ کہ کسی نبی کی تعلیم بھی شرک کی نہیں ہے۔ قرآنی بیانات ہی اس کے لئے کافی ہیں۔



﴿تشریح﴾: حضرت ابراہیم کا واقعہ نقل کر کے یہ تاثر دینا ہے کہ جو مشرکین تقلید آباء کو بہانہ بناتے ہیں۔ ان کو اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم کی تقلید کرنی چاہئے جنہوں نے ناحق بات پر اپنے آباء کی تقلید چھوڑ دی اور دنیا میں حق و صداقت کا جھنڈا گاڑ کر اپنی اولاد کو وصیت کر دی۔ کہ میرے بعد اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجنا۔ مجھے صرف ایک خدا سے علاقہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری منزل مقصود ہے جس پر مجھے وہ آخر تک لے چلے گا۔ میرے بعد یہی دلائل سن کر راہ حق کی طرف لوگ رجوع ہوتے رہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی وصیت کو لوگ بھول گئے اور ان کے مسلک کو چھوڑ بیٹھے۔ اللہ نے انہیں جو سامان عیش دیا۔ سب کی مستی اور غفلت میں پڑ گئے۔ حتیٰ کہ انہیں کے سبق کو یاد دلانے اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے اللہ نے انہیں کی اولاد میں یہ افاق بیغہ بھیجی۔ جس نے روشن درائل کے ساتھ پیغام حق سنایا۔ اللہ کے احکام سے صاف طور پر آگاہ کیا۔

قرآن کو جادو بتلانے والے: ..... مگر ناجاروں نے قرآن کو جادو بتلایا اور پیغمبر کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگے قرآن کو ترنا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے شخص کے اوپر اترتا۔ یہ کیا کہ بڑے بڑے دولت مندوں کو چھوڑ کر ایک کنگال شخص کو نبوت کے لئے منتخب کیا؟

فرمایا کہ نبوت و رسالت کیا تمہارے گھر کی چیز ہے جو اس کے انتخاب پر بحث کر رہے ہو۔ نبوت و رسالت کا شرف تو بہت بڑی چیز ہے۔ ہم تو دنیاوی جاہ و مال بھی کسی کی تجویز سے نہیں بانٹتے۔ جسے چاہا ہم نے غنی کر دیا۔ جسے چاہا فقیر بنا دیا۔ یک کو بشارت دولت دے دی۔ ایک کو کنگال کر دیا۔ کسی کو تابع، کسی کو متبوع بنا دیا۔ پھر مال و دولت تو کوئی معیار کمال اور مدار شرافت نہیں۔ وہ تو نہایت حقیر چیز ہے۔ نہ تو اس کا دیا جانا اللہ سے قربت و نزدیکی کی دلیل ہے اور نہ اس سے محروم ہونا دوری کا سبب ہے۔ اگر تم کو اپنی خاص مصداق نہ ہوتیں تو ہم کافروں کے مکانات کی چھتیں، دروازے، زینے، چوکھٹ اور تالے، تخت و چوکیاں سب ہی سونے چاندی کی بنا ڈالتے۔ لیکن اس صورت میں وگ یہ سمجھ بیٹھتے کہ یہ چیزیں کفر کے سبب سے اور کافروں ہی کو ملتی ہیں۔ اس لئے عموماً لوگ کفر کا راستہ اختیار کر لیتے اور یہ بات مصححت خداوندی کے خلاف ہوتی۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نزدیک اگر دنیا کی قدر و قیمت یک چھتر کے پرے برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیا جاتا۔ پس جو چیز اللہ کے نزدیک اس درجہ حقیر ہو اس کو نبوت کا معیار بنانا کہاں تک درست ہوگا۔ والاخرۃ عند ربک۔ یعنی دنیا کی بہار میں سب اچھے برے شریک ہیں۔ مگر آخرت کی نعمتیں متقیوں کے لئے مخصوص ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ: .. اور مشرکین کے لو لا انزل الخ کہنے سے شبہ نہ کیا جائے کہ ”بشریت اور نبوت“ میں منافات ہے۔ صل یہ ہے کہ ان کا ایک قول تو عقلی عقیدہ تھا اور ایک قول برہیل تنزل تھا۔ اور ”قربتین“ کی تخصیص اس لئے کی۔ کہ قرب و جوار میں اور کوئی شہر نہیں تھا۔ رہ گئے دیہات ان کو وہ اس قابل نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ سلیقہ میں کمی کے علاوہ مال و جاہ میں بھی شہریوں سے کم سمجھے جاتے تھے۔ اور اس آیت کے جوابی مضمون سے یہ نہ سمجھا جائے کہ انبیاء کرام میں دنیاوی وجاہت اور وقار کا غائب نہیں کیا جاتا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ بقدر ضرورت انبیاء میں وقعت و عزت کافی سمجھی جاتی ہے۔ یعنی عوام کی نظروں میں حقیر سمجھے نہ جائیں جو سبب بن جائے ان کی پیروی سے رکاوٹ کا۔

چنانچہ بخاری کی روایت قصہ ہرقل کے یہ الفاظ ہیں۔ کذلک الرسل تبعث فی نسب قومہا س سے زیادہ تر رفع محض ہے اور جس جاہ کی نہ مت آئی ہے اس سے یہی دوسرا مرتبہ ہے نہ کہ پہلا مرتبہ۔ کیونکہ ضروریات تو مطلوب ہوتی ہیں نہ کہ ممنوع۔

شبہ کا ازالہ: اور لولا ان یکون الناس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بہت سے لوگ تو بالیقین اب بھی یہی جانتے ہیں کہ کافر ہو جانے سے دنیا خوب مل سکتی ہے۔ مگر پھر بھی ان کو اگر کوئی قتل بھی کر دے تو تب بھی کسی قیمت پر کافر نہ ہوں گے۔

جواب یہ ہے کہ الناس سے تمام انسان مراد نہیں بلکہ اکثریت مراد ہے اور گو کفار عدی لحاظ سے اب بھی اکثر ہیں مگر مطلق اکثریت مراد نہیں۔ بلکہ قریب کل کے جو اکثریت ہو وہ مراد ہے۔ یعنی اس طرح کہ مسلمان فی نفسہ بھی قلیل ہوتے۔ سو الحمد للہ یہ بات نہیں ہے۔ پس اس پر کوئی شبہ نہیں رہا۔

ومن یعش الخ جو شخص سچی نصیحت اور یاد الہی سے کنارہ کشی کرتا ہے۔ اس پر شیطان خصوصی طور پر مسدود کر دیا جاتا ہے۔ جو اس کے دل میں ہر وقت وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور دوزخ میں داخل کرا کے چھوڑتا ہے اور شیاطین اس کی راہ روکتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان سے بیروکاروں کی عقیدیں ایسی مسخ ہو جاتی ہیں کہ بھٹکی ہوئی راہ ہی کو ٹھیک راستہ سمجھتے ہیں۔ نیکی بدی کی تمیز بھی ان میں نہیں رہتی۔ لیکن جب اللہ کے آگے پیشی ہوگی اس وقت حقیقت حال کھلے گی۔ اس وقت حسرت و غصہ کی تصویر بن کر گمراہ انسان پکاراٹھے گا کہ کاش میرے درتیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی تیرا ساتھ نہ ہوتا۔ کجخت اب تو دور ہو جا۔ انسان کا یہ برا ساتھی انسان بھی ہو سکتا ہے اور جن بھی۔

شبہات کا جواب: .. اور شیطان کی نسبت اگر یہ شبہ ہو کہ احادیث میں تو یہ ہے کہ ہر شخص پر ایک شیطان مسدود ہے۔ پھر ومن یعش الخ کی کیا تخصیص؟ جواب یہ ہے۔ کہ حدیث میں عام شیطان مراد ہے اور یہاں خاص قسم کا شیطان مراد ہے۔ جس پر گمراہی ضرور مرتب ہو جائے۔ نیز قرین سے مراد چونکہ ہر وقت کا ساتھی ہے جو خاص ہے کفار کے ساتھ۔ کیونکہ مومن کا شیطان ذکر اللہ کے وقت ہٹ جاتا ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ ومن یعش سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ حق و باطل دونوں جانتے تھے اور یہ حسابوں سے معوم ہوتا ہے کہ وہ باطل کو حق جانتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ اضطراراً تو حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھتے تھے۔ مگر جان بوجھ کر کچھ مصلحتوں کی خاطر باطل کو حق کہتے تھے اور باطل پر جیسے ہوئے تھے اور من گھڑت مصلحتوں کو ضروری اور ان کی ضرورت کو حق جانتے تھے۔ اور واقعی حق کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ جیسے اہل غرض ضدی لوگوں کا طریق ہوتا ہے اور حتیٰ اذا جاء امرنا پر اگر یہ شبہ ہو کہ یہ پیشی قیامت کے روز ہوگی۔ حالانکہ حق و باطل مرتے ہی منکشف ہو جائے گا۔ اور جواب یہ ہے کہ صرف آخرت کا مقدمہ مراد ہے۔ اس لئے وہ بھی قیامت ہی میں شمار ہے۔ قیامت صغریٰ، قیامت کبریٰ دونوں متحد ہیں۔

ولن ینفعکم الیوم۔ دنیا میں تو ایک دوسرے کو تکلیف میں دیکھ کر کچھ ڈھارس مل جاتی ہے اور کچھ مصیبت بلکی ہو جاتی ہے۔ مگر دوزخ میں سب عذاب کے شریکوں کو دیکھ کر یہ فائدہ بھی نہیں ہوگا۔ عذاب کی شدت ایسی ہوگی کہ ایسی معمولی باتوں سے کچھ کام نہیں چلے گا۔ بلکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر یہ کہے گا کہ اس نے مجھے عذاب میں ڈلوایا مگر خوب ہوا کہ خود بھی نہ بچا۔

ہدایت و گمراہی اللہ کے سوا کسی کے قبضہ میں نہیں: ..... افانت تسمع الخ یعنی اندھوں کو حق کا راستہ دکھلا دینا۔ بہروں کو حق کی آواز سنوا دینا، گمراہی میں بھٹکے ہوؤں کو اندھیرے سے نکال کر سیدھی سچی راہ پر چلا دینا یقیناً آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ خدا کے بس میں ہے۔ وہ چاہے تو آپ کی آواز میں تاثیر پیدا کر سکتا ہے اس لئے آپ اس غم میں نہ رہیں کہ یہ سب حق کو کیوں قبول نہیں کرتے۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کیجئے۔ وہی ان کے کئے کی ان کو سزا دے گا۔ خواہ آپ کے سامنے یا آپ کے بعد، کچھ بھی

ہو یہ ہمارے قوسے نکل نہیں سکتے اور نہ ہم ان کو چھوڑ سکتے ہیں۔ آپ کا کام تو وحی پر مضبوطی سے جمے رہنا اور اپنا فریضہ بدستور انجام دینے کا بنانا ہے۔ دنیا نہیں جائے مگر آپ بفضل الہی سیدھے راستے پر ہیں۔ جس سے ہال برابر ادھر ادھر ہونے کی ضرورت نہیں۔

وانہ لذكر لك الخ یعنی قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے خاص شرف و فضل کا موجب ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عزت و خوش نصیبی ہوگی۔ کہ اللہ کا آخری کلام اور انسانیت کی نجات و فلاح کا ابدی دستور العمل قومی زبان میں اترے۔ اور تم اس کے اول مخی طبع قرار پاؤ۔ آخرت میں اس نعمت کی پوچھ ہوگی۔ کہ اس نعمت کی کیا قدر و منزلت کی گئی؟ اور اس فضیلت و شرف کا کیا شکر دیا گیا ہے؟ پھر آپ کا راستہ کوئی نیا اور اجنبی نہیں ہے کہ لوگ بدکیں۔ بلکہ سابقہ انبیاء کی قدیمی راہ ہے اور اس کی تحقیق واقعہ معراج میں انبیاء سے مذاقات کے وقت ہو چکی ہے۔ اسی طرح مذہبی کتابوں کے مطالعہ اور دیگر ذرائع تحقیق و تفتیش سے بھی ہو سکتی ہے کہ شرک کی اجازت کسی بھی دین مادی میں نہیں ہوتی۔

لها نف سلوک: ..... وقالوا لولا انزل الخ منکرین اولیاء بھی اسی طرح ان کے نہیں شرف و باد نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ولایت کا انکار کر دیتے ہیں۔

ولولا ان يكون الناس الخ میں ترغیب ہے دنیا اور اس کی زینت و آرائش سے بچنے کی۔

ومن بعث الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر معصیت پر ظاہری سزا نہ بھی ہو تب بھی یہ ایک مستقل سزا ہے کہ برائیوں میں ترقی کرتا چل جاتا ہے۔ گویا یہ قبر بصورت مہر ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ أَيُّ الْقَبْطِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٦﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا الدَّالَّةِ عَلَىٰ رِسَالَتِهِ إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٣٧﴾ وَمَا نُرِيهِمْ

مِنْ آيَةٍ مِنْ نَتِ الْعَذَابِ كَالْطُّوفَانِ وَهُوَ مَاءٌ دَخَلَ بُيُوتَهُمْ وَوَصَلَ إِلَىٰ حُلُوقِ جَالِسِينَ سَعَاءَ يَوْمٍ وَالْجَرَادِ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتَيْهَا قَرِينَتَاهَا الَّتِي قَبْلَهَا وَأَخَذْنَهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٣٨﴾ عَر

كُفْرِهِمْ وَقَالُوا لِمُوسَىٰ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَا أَيُّهَا الشَّجَرُ أَيُّ أَعْنَانِ الْكَامِلِ لَا تَسْخَرْ عَسَىٰ لَهُمْ عَمَلٌ عَصِيَّةٌ أَدْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ مِنْ كَشْفِ الْعَذَابِ عَمَّا إِنَّ أَمَّا إِنَّا لَمُهْتَدُونَ ﴿٣٩﴾ نِي

مُؤْمِنُونَ فَلَمَّا كَشَفْنَا بِدُعَاءِ مُوسَىٰ عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿٤٠﴾ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ وَنُصْرَتَهُمْ عَلَىٰ كُفْرِهِمْ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ إِفْتَحَارًا فِي قَوْمِهِ قَالَ يَقُومُ الْيَسَّ لِي مُلْكٌ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ

نِي مِنَ النَّيْلِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي أَيُّ تَحْتَ قُصُورِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٤١﴾ عَظُمَتِي أَمْ تُنْصَرُونَ وَحَسْبُ مَا خَيْرٌ مِنْ هَذَا أَيُّ مُوسَىٰ الَّذِي هُوَ مَهِينٌ ضَعِيفٌ حَقِيرٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ﴿٤٢﴾ يَطْهَرُ كَلَامُهُ لِنَعْبِهِ

سَالِحُ جَمْرَةٍ لَنِي تَسْأَلُهَا فِي صِغَرِهِ فَلَوْلَا هَذَا أَلْقَىٰ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ صَادِقًا أَسَاوِرَهُ مِنْ ذَهَبٍ جَمْعُ سَوَارِهِ كَأَغْرَنَةِ جَمْعُ سَوَارٍ كَعَادَتِهِمْ فِيمَا يَسُودُونَهُ إِنْ يَلْبَسُوهُ أَسْوَرَةً ذَهَبٍ وَيَطُوقُوهُ طَوْقَ ذَهَبٍ أَوْ حَاءَ مَعَهُ

لہ نوٹ: مشہور قرأت میں لفظ "أَسَاوِرُهُ" کے بجائے "أَسْوَرَةٌ" ہے لیکن تفسیر جلالین کا اعتبار کرتے ہوئے لفظ "أَسَاوِرُهُ" ہی برقرار رکھا گیا ہے۔ ۱۰

الْمَلَائِكَةُ مُقَرَّنِينَ ﴿۵۳﴾ مُتَّابِعِينَ يَشْهَدُونَ بِصِدْقِهِ فَاسْتَحَفَّ اسْتَفْزَ فَرَعُونَ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ فِيمَا يَرِيدُ  
 مِّنْ كَذِبِ مُوسَى إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِيقِينَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّا آسَفُونَا انْغَصَبْنَا مِنْهُمْ فَاغْرَقْنَاهُمْ  
 أَجْمَعِينَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا جَمَعَ سَالِبٍ كَخَادِمٍ وَخَدِمٍ أَيْ سَابِقِينَ عِبْرَةً وَمَثَلًا لِالْآخِرِينَ ﴿۵۶﴾  
 لَعْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمَثُلُونَ لِحَبَابِهِمْ فَلَا يُقَدِّمُونَ عَلَى مِثْلِ أَعْقَالِهِمْ وَلَمَّا ضُرِبَ جُعِلَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا لِّمَنْ نَزَلَ  
 فِيهِ نِعَالِي إِيَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ رَصِينًا أَوْ تَكُونُ الْهَيْتَا مَعَ  
 عِيسَى لَا إِلَهَ غَدَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِذَا قَوْمُكَ الْمُشْرِكُونَ مِنْهُ مِنَ الْمِثْلِ يَصِدُّونَ ﴿۵۷﴾ يَصْحَوْنَ فَرَحًا مَا  
 سَمِعُوهُ وَقَالُوا هَ الْهَيْتَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ أَيْ عِيسَى فَنَرَضَى أَنْ تَكُونَ الْهَيْتَا مَعَهُ مَا ضَرَبُوهُ أَى الْمِثْلَ لَكَ  
 الْآجِدَلَا خُصُومَةً بِالْأَاطِلِ لِعِلْمِهِمْ أَنَّ مَا لِيغَيْرِ الْعَاقِلِ فَلَا يَتَنَاولُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ بَلْ هُمْ قَوْمٌ  
 خَصِمُونَ ﴿۵۸﴾ شَدِيدُ الْخُصُومَةِ إِنْ مَا هُوَ عِيسَى الْأَعْبَدُ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ بِالنَّبُوءَةِ وَجَعَلْنَاهُ وَجُودَةً مِنْ  
 غَيْرِ بَ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَآءِيلَ ﴿۵۹﴾ أَيْ كَالْمِثْلِ لِغَرَابِطِهِ يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى مَا يَشَاءُ  
 وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ بَذَلَكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلَفُونَ ﴿۶۰﴾ بِأَنْ تُهْلِكَكُمْ وَإِنَّهُ أَى عِيسَى  
 لَعَلَّهُ لِلْسَّاعَةِ نَعَمَ سُرُوبُهُ فَلَا تَمْتَرَنَّ بِهَا أَى تَشْكُرَنَّ فِيهَا حَذَفَ مِنْهُ نُونُ الرَّفْعِ لِلْجَزْمِ وَوَأَوْ لَصْمِيرٍ  
 لَا تَقْدَرُ سَاكِسٍ وَفِي لَهْمِ اتَّبِعُونَ عَلَى التَّوْحِيدِ هَذَا الَّذِي أَمْرُكُمْ بِهِ صِرَاطٌ طَرِيقٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا  
 يَصْدَنُّكُمْ بِصِرْفِكُمْ عَنْ دِينِ اللَّهِ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۶۲﴾ بَيِّنُ الْعَدَاوَةِ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَى  
 بِالْبَيِّنَاتِ الْمَعْجَرَاتِ وَالشَّرَائِعِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ بِالنُّبُوءَةِ وَشَرَائِعِ الْإِنْجِيلِ وَلَا بَيِّنَ لَكُمْ  
 بَعْضُ الَّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهِ مِنْ أَحْكَامِ التَّوْرَةِ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ وَغَيْرِهِ فَبَيَّنَ لَهُمْ أَمْرَ الدِّينِ فَاتَّقُوا اللَّهَ  
 وَأَطِيعُوا رَبَّكُمْ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۶۳﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ  
 مِنْ بَيْنِهِمْ فَبَيْنَهُمْ فَبَيْنَهُمْ هُوَ اللَّهُ أَوْ ابْنُ اللَّهِ أَوْ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ فَوَيْلٌ كَلِمَةً عَذَابٍ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا كَفَرُوا بِمَا  
 قَالُوا فَبَيْنَهُمْ فَبَيْنَهُمْ مِنْ عَذَابٍ يَوْمَ الْيَوْمِ ﴿۶۴﴾ مُؤَلِّمٌ هَلْ يَنْظُرُونَ أَى كُفَّارٍ مَكَّةَ أَى مَا يَنْتَظِرُونَ إِلَّا  
 السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ سَأً مِنَ السَّاعَةِ بَغْتَةً فَجَاءَتْ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۶۵﴾ بِوَقْتِ مَجِيئِهَا قَلِيلٌ الْآخِلَاءُ  
 عِيسَى لَمَعْنِيَةِ فِي الدُّنْيَا يَوْمَئِذٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿۶۶﴾  
 مُسْحَاسٍ فِي مَنَ عِيسَى صَاعَتِهِ فَإِنَّهُمْ أَصْدِقَاءُ

میں رب عا میں کی طرف سے پیغمبر ہوں۔ پھر جب موسیٰ ان کے پاس بھاری نشانیاں لے کر آئے (جو ان کے رسول ہونے پر دلائل کرنے والے تھے) تو وہ یکایک ان پر لگے ہنسنے اور ہم ان کو جو نشانی دکھلاتے تھے (عذاب کی نشانیوں میں سے مثلاً صوفی کا یہی ان کے گھروں میں داخل ہوا اور ایک ہفتہ تک بیٹھنے والوں کے گلے گلے آتا رہا۔ اسی طرح ٹڈیوں کا عذاب) تو وہ دوسری نشانی سے بڑھ کر ہوتی تھی (جو اس سے پہلے آچکی ہوتی) اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تا کہ وہ باز آجائیں (اپنے کفر سے) اور وہ وک بولے (عذاب آنے پر حضرت موسیٰ سے) اے جادوگر! (ماہر کامل کیونکہ جادو ان کی نظر میں سب سے بڑا علم تھا) اپنے پروردگار سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے (کہ اگر ہم ایمان لے آئیں تو ہم سے عذاب اٹھالیا جائے گا) ہم ضرور وپرا جائیں گے (ایمان لے آئیں گے) پھر جب ہم نے (موسیٰ کی دعا سے) ان سے وہ عذاب ہٹا لیا تب بھی انہوں نے عہد توڑ دیا (اپنے غر پر بدستور جئے رہے) و فرعون نے (فخریہ) اپنی قوم میں منادی کرائی، کہا اے میری قوم! کیا سلطنت مصر میری نہیں؟ و یہ (اریہ) نیل کی (نہریں میرے محل کے) پائیں میں بہہ رہی ہیں۔ کیا تم (میری عظمت کو) دیکھتے نہیں ہو (یاد دلہ رہے ہو) اس صورت میں تو (میں بہتر ہوں اس (موسیٰ) سے جو گھٹیا درجہ کا ہے) (کمزور حقیر ہے) اور قوت بیانیہ بھی نہیں رکھتا (قادر الکام۔ اس لکنت کی وجہ سے جو بچپن میں ان کی زبان میں چنگاری رکھنے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی) سو اس کے سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے (اگر وہ سچا تھا۔ اس اور جمع اسورہ کی جیسے اعرۃ اور اسورہ جمع ہے سوار کی۔ امراء اپنی عادت کے مطابق سونے کے کنگن اور ہار پہنا کرتے تھے) یا فرشتے اس کے جو میں پرے باندھ کر آئے ہوتے (اس کی سچائی کی تصدیق کرنے کے لئے) غرض (فرعون نے) اپنی قوم کو دبا لیا (مغلوب کر لیا) سو وہ اس کے آگے جھک گئے (موسیٰ کی تکذیب کے سلسلہ میں) وہ لوگ تھے ہی شرارت کے بھرے ہوئے۔ پھر جب ان لوگوں نے ہمیں غصہ دیا۔ (برہم کر دیا) تو ہم نے ان سے بدلہ لے لیا اور ان سب کو ڈبو دیا اور ہم نے ان کو افسانہ (سلف جمع صائف کی ہے جیسے خادم کی جمع خدمۃ) بتائی ہے۔ (یعنی مقدمہ عبرت) اور نمونہ بنادیا آئندہ آنے والوں کے لئے (بعد کے لوگ ان کے حالات سے سبق لے کر ایسے کام نہیں کریں گے) و جب بن مریم کے لئے ایک مضمون بیان کیا گیا (جب یہ آیت نازل ہوئی۔ وما تعبدون من دون الله حصب جهنم و مشرکین بولے کہ ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے معبود حضرت عیسیٰ کے ساتھ رکھے جائیں۔ کیونکہ ان کی بھی تو پرستش کی گئی ہے) تو یکایک آپ کی قوم کے لوگ (مشرکین) چلانے لگے (اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے) اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عیسیٰ اس لئے ہم راضی ہیں کہ ہمارے معبود ان کے ساتھ رہیں (ان لوگوں نے) (یہ بات) جو آپ سے بیان کی ہے تو محض جھگڑنے کی غرض سے ہے (خط بکواس ہے ورنہ یہ خوب جانتے ہیں کہ مسافر عاقل کے لئے آتا ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ اس میں سے ہی نہیں) بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو (بات کا ہنگام بنانے والے) عیسیٰ تو محض ایسے بندے ہیں جن پر ہم نے (نبوت دے کر) فضل کیا تھا۔ اور ان کو (بابا پیدا کر کے) بنی اسرائیل کے لئے نمونہ بنایا تھا (عجیب غریب مثال جس سے اللہ کی قدرت معلوم ہوتی ہے کہ جو وہ چاہتا ہے وہی ہو جاتا ہے) اور اگر ہم چاہتے تو (تمہاری بجائے) تم میں سے فرشتے پیدا کر دیتے کہ زمین پر وہ یکے بعد دیگرے رہا کرتے (ہم تمہیں ہلاک کر دیتے) و بروہ (عیسیٰ) قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں (ان کے نازل ہونے کے بعد قیامت آئے گی) تو تم لوگ اس میں تردد نہ کرو (تمہارے اصل میں تمہارے قانون رفع جزم کی وجہ سے اور واثقائے سائنس کی وجہ سے گر گیا ہے اس میں سکون یہاں ہے) اور (ان سے فرمایا) کہ تم میری پیروی کرو (توحید کے متعلق) یہ (جو میں تمہیں بتلا رہا ہوں) سیدھا راستہ (حریق) ہے اور تمہیں شیطان روکنے نہ پائے (اللہ کے دین سے برگشتہ نہ کر دے) بلاشبہ وہ تمہارا صریح (کھلا) دشمن ہے۔ اور عیسیٰ جب معجزات سے آئے (نشان و احکام) کہنے لگے تمہارے پاس سمجھ کی باتیں لے کر آیا ہوں (نبوت اور احکام انجیل) اور تا کہ بعض وہ باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم سے بیان کر دوں (یعنی تورات کے دین وغیرہ کے احکام بیان کر دوں) سو تم اللہ سے ڈرو اور میرے کہنا مانو۔ بلاشبہ اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ سو اسی کی عبادت کرو یہی ہے سیدھی راہ۔ سو مختلف گروہوں نے باہم اختلاف ڈال دیا (حضرت عیسیٰ کے متعلق کہ یہ وہ اللہ ہیں یا اس کے بیٹے ہیں یا منجملہ تین خداؤں کے ایک ہیں) سو ان ظالموں کے لئے (جو عیسیٰ کے متعلق فریاد کرتے

ہیں) بڑی خرابی ہے ایک پروردگار کے عذاب سے، یہ لوگ (کفار مکہ) نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر قیامت کا کہ وہ دفعۃً ان پر آ پڑے (ان تائبہم الساعة سے بدل ہے) اور ان کو (اس کے آنے کا پہلے سے) احساس بھی نہ ہو تمام دوست (دنیا میں گناہ کے ساتھی) اس روز (قیامت میں، اس کا تعلق اگلے جملہ سے ہے) ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے، بجز اللہ سے ڈرنے والوں کے (جو اللہ کی اطاعت میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ وہ آپس میں بچے دوست ہوں گے۔)

تحقیق وترکیب: . . . اذا هم منها. اذا مجاہتہ ہے۔

من اية. نوٹ: نشانیاں قوم موسیٰ کی مراد ہیں۔

الا ہی اکسر اضائی بڑائی بھی مراد ہو سکتی ہے اور فی نفسہ نشانیوں کا بڑا ہونا بھی ہو سکتا ہے۔

من اختها. جب دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں۔

یا ایہا الساحر. یہ نذاعظیم کے لئے ہے۔ ساحر سے مراد عالم ماہر ہے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ یہ مذمت کے سے نہیں ہے۔ اور یہ خود کو بڑا سمجھتے ہوئے اس طرز سے گفتگو کی بہ نیت تحقیر۔

بما عہد. ما موصول ہے لیکن بیضاویؒ نے ما مصدریہ مانا ہے اور عہد سے مراد نبوت ہے اور مستجاب الدعوات ہونا یا عذاب کا موقوف ہو جانا مراد ہے۔

وهذه الانهار. واو عاطفہ ہے یا حال ہے اور تجوی حال ہے یا خبر۔

ام انا حیر. ام متسلہ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ جس سے مقصود کسی چیز کی تعین ہوتی ہے۔

یکاد یبیس لثغہ کہتے ہیں کہ زبان سے سین کی بجائے ثناء اور اء کی بجائے غین نکلے یا لام یا یا نکلے یا کسی اور حرف کی بجائے اور حرف نکلے یا زبان حرف کی ادائیگی میں نہ اٹھ سکے اس میں نقل ہو۔

اساور سوار یروزن کتاب یا غراب ہے جمع اسورۃ اساور، اساورۃ آتی ہے۔

اسفرنا. اسف سے منقول ہے نصب تاک ہو جانا۔

فاغرفنا ہم. جس نیل پر فرعون فخر کرتا تھا آخر کار وہی اس کو لے ڈوبا۔ اور حضرت موسیٰ کو حقیر سمجھا مگر وہی غالب رہے۔

مثلاً. یعنی جو خدا بے باپ پیدا کر سکتا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

اذا قومک عبداللہ بن زبیری مراد ہے اور نام کی تصریح شاید اس لئے مناسب نہ سمجھی کہ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے۔

یصدن. شور مچانا۔

ء الہتسا. تحقیق ہمزتین اور بغیر الف درمیان میں لائے۔ ہمزہ ثانیہ کی تسہیل کے ساتھ دونوں قراءتیں مشہور ہیں اور قرأت شاذہ صرف ایک ہمزہ کے ساتھ اور اس کے بعد الف ہے اس صورت میں خبر ہوگی۔

الاعبد جواب کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پر تو اللہ کا انعام ہے ان کو عذاب کیسے ہوگا۔

لجعلنا منکم. من بدلہ ہے۔ جیسے: ارضیتم بالحیوة الدنیا من الاخرة۔

یحلفون انسانوں کی بجائے فرشتے زمین میں خلیفہ ہوں یا فرشتے باہم ایک دوسرے کے خلیفہ ہوں یا یہ مطلب ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا۔ اسی طرح انسانوں سے فرشتے بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ فرشتے اللہ کی اویاد میں ہیں۔

لعلہم للساعة علم سے مجازاً علاقہ مراد ہے اور ابن عباسؓ نے علم مبالغہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔

ولا یس لکم یہ عطف جملہ سے ہے۔ ای جئتکم بالحکمة لا بین لکم اور عام محذوف پر بھی عطف ہو سکتا ہے۔

ای حتکم لا ذکر کم ولا بین کذا الی کفار مکہ.

تختلفون فیہ. یعنی دنیا و دین کے مجموعی امور میں تم اختلاف کرتے ہو ان میں سے دین کو بتلانے کے لئے آیا ہوں۔  
 من بینہم. مفسر نے فرقہ یعقوبیہ، مرقوسیہ، ملاکیہ کے عقائد کی طرف علی الترتیب اشارہ کیا ہے اور ایک فرقہ عیسائیوں کا صحیح عقیدہ بھی تھا اور یہودی حضرت عیسیٰ کو ولد الزنا کہتے تھے۔  
 الا حلاء. مفسر کے مطابق اگر معصیت کی قید لگائی جائے تو پھر الا المتقون میں استثناء منقطع ہوگا اور مطلقا وقتی مرد ہو تو پھر استثناء متصل ہو جائے گا۔

ربط آیات: گذشتہ آیات میں کفار کے اس خیال کی بھی تردید تھی۔ کہ انبیاء کے لئے دنیاوی عرفی و جاہت و دوست ضروری ہے۔ چنانچہ آیات ولقد ارسلنا موسیٰ الخ اور ولما ضرب ابن مریم الخ میں اس کی تائید کی جا رہی ہے کہ یہ دونوں حضرات ہر چند کہ ان کے معیار کے مطابق نہیں تھے۔ مگر خدا کے فرستادہ تھے۔

شان نزول: تو حید کا اثبات اور شرک کا ابطال بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں خصوصیت سے پیش نظر ہے۔ کفار کے ایک معاندانہ شبہ کا جواب ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے قریش سے شرک کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ لیس احد یعد من دون اللہ فیہ حیر اس پر بعض لوگ بولے کہ اس عموم میں تو عیسیٰ بھی آتے ہیں کہ ان میں بھی خیریت نہیں۔ آخر عیسائی ان کی پرستش تو کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ ان کو نیک بندہ اور نبی مانتے ہیں۔ پس آپ کی ان دونوں باتوں میں تعارض ہو گیا۔ اس شبہ کے جواب میں بقول ابن عباس یہ آیات ولما ضرب ابن مریم نازل ہوئیں۔

حاصل اعتراض یہ ہوا کہ ہمارے معبودوں میں اگر خیر نہیں تو حضرت عیسیٰ میں بھی خیر نہیں ہوگی۔ حالانکہ آپ ان کو خیر پر مانتے ہیں۔ پس ہمارے معبودوں کو بھی خیر پر ماننا پڑے گا؟ اور مشرکین کا مقصد اس معارضہ سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک آنحضرت ﷺ کے ابطال شرک کا جواب اور دوسرے حضرت عیسیٰ کی معبودیت سے شرک کی صحت ثابت کرنا ہے۔

مشہور شان نزول یعنی ابن زبیری کا اعتراض جیسا کہ مفسر نے ذکر کیا اس لئے باعث اشکال ہے۔ کہ اس صورت میں آیت انکم وما تعبدون کا نزول مقدم ماننا پڑے گا۔ اور ولما ضرب ابن مریم کا نزول مؤخر۔ حالانکہ تفسیر اتقان میں سورہ زخرف کو سورہ انبیاء سے پہلے نازل ہونا بیان کیا گیا ہے۔ لیکن پہلی تقریر پر اشکال لازم نہیں آتا۔

تاہم مشہور شان نزول کی یہ توجیہ روایات ذیل قال ابن الزبیری اھذا لنا ولا لھتنا ام لجمیع الامم فقال رسول اللہ ہو لکم ولا لھتکم ولجمیع الامم فقال قد خصمتک ورب الکعبۃ الیست النصارى المسیح والیھود یعبدون عربوا وبنو مسیح یعبدون الملئکۃ فان کان ہذا فی النار فقد رضینا ان نکون نحن والھتہا معہم فسکت انتطار اللوحی فظنوا انہ الرمہ السحۃ فصحکوا وارتفعت اصواتہم فظنوا ان محمد اصر مغلوبا بھذا الجدال کی بناء پر کی جاسکتی ہے کہ سورہ زخرف اکثر آیات کے اعتبار سے سورہ انبیاء سے پہلے نازل ہوئی ہوگی۔ اور اگر انکم وما تعبدون کا نزول پہلے مان لیا جائے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مساک استعمال غیر ذوی العقول ہونے کی وجہ سے بت مراد ہیں۔ فرشتے اور حضرت عیسیٰ اس میں داخل نہیں ہیں۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ نے جواب کیوں نہیں دیا۔ کیونکہ آپ نے جواب ارشاد فرمایا تھا کہ بل ہم عبدو الشیاطین الی امرتھم بدلک



﴿تشریح﴾: فلما جاءهم بآياتنا. یعنی دوسرے دلائل برنگ عقوبت ہم نے ظاہر کئے۔ جن کا بیان آیتوں میں آیتوں میں لکھا ہے۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر پھر بھی ان کا مذاق اڑایا کہ یہ تو محض معمولی واقعات ہیں۔ قحط وغیرہ حوادث دنیا میں ہوتے ہی رہتے ہیں۔ حالانکہ مقامی قرائن سے ان کا عجیب اور خارق عادت ہونا معلوم تھا۔ مگر پھر بھی ایک سے ایک بڑھ کر نشانات کا مذاق اڑاتے رہے، یہ بطور محی و رہ کے فرمادیا۔ ورنہ سب نشانیاں بڑی تھیں۔ اور اگر تفصیل جزئی کا خیال کیا جائے تو حرفی صحت کی بجائے صحت عقلی کے اعتبار سے بھی کہنا صحیح ہوگا۔ وہ نشانات جن کا ذکر فارسلنا علیہم الطوفان والعجرات میں آچکا ہے۔ ایک طرف وہ دلائل نبوت تھے اور دوسری طرف نہ ماننے والوں کے لئے عقوبت و سزا بھی۔

وقالوا یا ایہا الساحر۔ ممکن ہے بعض نشانیاں جو صورت چھوٹی تھیں ان کو دیکھ کر انہی کی ہوا اور بڑی نشانیاں دیکھ کر گڑبڑ اڑانے لگے ہوں یا شروع میں سب کا مذاق اڑایا ہو اور بعد میں ان کے شدید و مدید ہونے پر منت خوشامد کرنے لگے ہوں۔ اور حضرت موسیٰ کو سا کر کہنا تو ہر کے معنی میں ہو اور یا بدحواسی میں زبان پر چڑھا ہوا لفظ منہ سے نکل گیا ہو۔

فرعون کی ڈینگیں: ... ونادی فرعون۔ اپنی کوتاہ نظری سے فرعون دنیاوی طمطراق کو لازمہ نبوت سمجھ بیٹھا اور حضرت موسیٰ کو بھی اس پیمانہ سے ناپناچا ہوا اپنے خوشامدیوں کے آگے ڈینگیں ماریں۔ کہ یہ دیکھ۔ مصر کی ساری باگ ڈور میرے ہاتھ میں ہے اور یہ نہریں میری بنائی ہوئی ہیں۔ جو دریائے نیل سے نکالی گئی تھیں اور موسیٰ کے پاس کیا دھرا ہے کہ تم لوگ اس کے آگے گردنیں جھکاؤ، نہ اس کے پاس روپیہ پیسہ، نہ حکومت و عزت اور نہ دوسرا کوئی ظاہری کمال حتیٰ کہ زبان بھی صاف نہیں کہ سلیقہ سے گفتگو کر سکے لیکن ہم خود بھی سونے کے کنگن پہنتے ہیں اور جس امیر، وزیر پر مہربان ہو جائیں اس کو بھی سونے کے کنگن پہنا دیتے ہیں اور فوج فرا بھی ہمارے اعزاز دیئے ہوئے امیر کبیر کے آگے صف بستہ کھڑی رہتی ہے۔ ایک یہ موسیٰ ہیں کہ ان کو یہ دونوں چیزیں حاصل نہیں۔ پھر کس برتے پر نبوت کا دعویدار ہے۔ غرض کہ اس طرح کی پُر فریب باتوں سے فرعون نے سب کو الو بنا دیا۔ اس کی قوم کے لوگ پہلے ہی سے نافرمان تھے۔ اب اونگھتے کوٹھیتے کا بہانہ ہو گیا۔ جب پانی سر سے گزر گیا تو خدائی انتقام حرکت میں آ گیا اور اسی نیل میں غرقاب کر دیا گیا جس پر اس کو نماز تھا۔ اب دنیا کے لئے یہ عظیم قوم محض ایک افسانہ عبرت بن کر رہ گئی۔

سلفاً یعنی خاص طور سے معتقدین کے لئے۔ یعنی ان کا قصہ بیان کر کے لوگ عبرت دلاتے ہیں کہ دیکھو متقدمین میں ایسے ایسے مجرمین ہوئے ہیں جن کا یہ حال ہوا ہے۔ اور فرعون کا لایکا دیبین کہنا یا تو نری غلط بیانی ہے اور اگر کچھ روانی میں کمی ہو گئی یا زبان میں چھبستگی کا کچھ شر رہ گیا ہو تو وہ منافی کمال نہیں۔ جس کو اس نے بڑھا چڑھا کر رنگ آمیزی کر کے بیان کیا ہے۔

بھانت بھانت کی بولیاں: ..... ولما ضرب ابن مريم۔ حضرت عیسیٰ کا جب ذکر آتا۔ تو مشرکین عرب قسم قسم کی آوازیں اٹھاتے تھے۔ شان نزول کے ذیل میں ان کے جن دو مقصودوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان آیات میں ان دونوں کا جواب ہے۔ پہلی بات کے جواب کا، حاصل یہ ہے کہ خیریت کی نفی میں جس سے شرک کا باطل کرنا مقصود ہے مقتضی ہے غیر اللہ کے معبود ہونے کو، لیکن مانع کی موجودگی میں مقتضی کا اثر نہیں رہا تھا اور حضرت عیسیٰ میں مانع موجود ہے۔

مراعتراض کے دوسرے حصہ کا جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی معبودیت اس لئے حجت ہے۔ کہ اس کا کوئی صحیح منشاء نہیں ہے۔ کیونکہ یہ خود حضرت عیسیٰ کے خلاف ہیں اور جن باتوں سے پرستش کرنے والوں کو اشتباہ یا مغالطہ ہو سکتا تھا ان کا جواب دے دیا۔ بہر حال حضور ﷺ کا منشاء انکم وما تعبدون سے وہ چیزیں تھیں جن کی لوگ پرستش کرتے ہیں۔ مگر وہ خود اس پرستش سے

لوگوں کو نہ روکتے ہیں اور نہ طلباء بیزاری کرتے ہیں۔ مگر کٹ جیتی کرنے والوں کا مقصد ہی حق کو رانا اور جھگڑے نکالنا ہوتا ہے۔  
کچھ اسی ایک مسئلہ میں نہیں بلکہ ہر سیدھی بات کو بھی جھگڑالو، ایچ پیچ میں ڈال دیتے ہیں اور دروازہ کارمہیں بھنٹیں لاکھڑی کر دیتے ہیں۔ بھلا کہاں شیاطین جو لوگوں سے پرستش کرا کر خوش ہوتے ہیں یا پتھر وغیرہ کی بے جان مورتیاں جو کفر و شرک سے کسی کو باز رکھنے پر اصل قادر نہیں اور کہاں حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیر جیسے پاک طینت جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا۔ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے کھڑا کیا۔ جنہیں خود بھی اپنی بندگی کا اقرار تھا۔ اور دوسروں کو بھی ہمیشہ اسی کی دعوت دیتے رہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔  
قرآن کریم کسی بندہ کو بھی خدائی کا درجہ نہیں دیتا۔ اس کا تمام تر زور ہی اس کے خلاف ہے اور نہ یہ کہ محض چند بیوقوفوں کے کسی کو معبود بنانے سے خدا کے ایک برگزیدہ مقبول بندے کو پتھروں یا شیروں کے برابر کر دے۔

**حضرت عیسیٰ کی پیدائش اللہ کی قدرت کی نشانی ہے:**..... رہا حضرت عیسیٰ کا بن باپ پیدا کرنا۔ سو اللہ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں۔ اللہ چاہے تو تمہاری نسل سے فرشتے پیدا کر دے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں فرشتوں کے سے آثار تھے لیکن اتنی سی بات سے کوئی شخص معبود نہیں بن جاتا۔ یا تمہاری جگہ آسمان سے فرشتوں کو لا کر اللہ زمین پر بسا دے، آباد کر دے۔ اسے سب کچھ قدرت ہے۔ ان ہو الا عبد سے دونوں باتوں کا جواب نکل آیا۔ پہلی بات کا تو اس طرح کہ حضرت عیسیٰ پر چونکہ اللہ کا انعام ہے اس لئے وہ خیریت سے خالی نہیں ہو سکتے۔ س مانع کے ہوتے ہوئے وہ مقتضی یعنی غیر اللہ کا معبود ہونا مؤثر نہیں ہوا۔ خیریت کی نفی میں۔ برخلاف شیاطین اور بتوں کے وہاں غیر مانع کے مقتضی موجود ہے۔ بلکہ شیاطین میں خیریت نہ ہونے کا ایک دوسرا مقتضی بھی موجود ہے یعنی ان کا کفر۔

خاصہ یہ کہ ان کے فرضی خداؤں کا خیریت پر نہ ہونا حضرت عیسیٰ کے خیریت پر نہ ہونے کو مستلزم نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خیریت پر ہونا ان کے معبودوں کے خیریت پر ہونے کو مستلزم نہیں۔

اسی طرح دوسری بات کا جواب بھی اس طرح نکل آیا کہ مطلق خیریت الوہیت کو مستلزم نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ باوجود منعم علیہ اور باخبر ہونے کے خدا کے بندے تھے۔ بلکہ ان کی خیریت کی بناء پر ہی ان پر اللہ کا انعام تھا۔ رہ گیا لوگوں کا ان کی پرستش کرنا، اس سے شرک کے صحیح ہونے پر استدلال اس لئے غلط ہے۔ کہ اس کا کوئی صحیح منشاء نہیں تھا۔ محض جہلاء کو ان کے بلا باپ پیدا ہونے سے اشتباہ ہو گیا۔ ورنہ صحیح افکار لوگ اس وقت بھی کسی مغالطہ میں نہیں پڑے تھے۔ سو فی نفسہ بغیر باپ پیدا کرنا بھی اس بد عقیدگی کا صحیح منشاء نہیں ہے۔

**حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی حکمتیں:**..... ایسی پیدائش مختلف حکمتوں کے پیش نظر ہوئی۔ مثلاً خدائی قدرت مطلقہ پر استدلال کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس سے پیدا ہونے والے کی الوہیت پر استدلال کرنا انتہائی عنادت و بلادت کی بات ہے۔ وہ تو انسانوں سے فرشتے بھی پیدا کر سکتا ہے اور پھر ان فرشتوں کی موت بھی انسانوں کی طرح ہو سکتی ہے اور یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہے۔ کیونکہ آدم و حوا کی پیدائش تو ان سے پہلے ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن فرشتوں کی پیدائش و وفات انسانوں کی طرح کبھی بھی نہیں ہوئی۔ مگر اللہ اس پر بھی قادر ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ کی یہ پیدائش منشاء عبادت نہیں ہو سکتی۔ علیٰ ہذا حضرت عیسیٰ کی اس طرح پیدائش میں دوسری حکمت یہ ہے کہ وہ قیامت کے یقینی ہونے کا ایک ذریعہ ہیں۔ یعنی حضرت عیسیٰ کی پیدائش خاص طور پر بنی اسرائیل کے لئے نشان قدرت تھی۔ کہ اللہ نے عجیب و غریب خوارق دکھلائے اور دوسری مرتبہ ان کا نذر۔ قیامت کا نشان ہوگا۔ وہ قریبی علامات قیامت ہیں۔ لوگ سمجھ جائیں گے کہ قیامت اب بالکل قریب آگئی ہے۔ نیز قیامت کو لوگ خلاف عادت ہونے کی وجہ سے ہی تو بعید سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت عیسیٰ کا دوبارہ دنیا میں آنا ہی تو خلاف عادت ہوگا۔ اس سے قیامت کا پکا یقین ہو جائے گا۔

مشرکین تو حید کی طرح چونکہ قیامت کے بھی منکر تھے۔ اس لئے اس دوسری حکمت میں جملہ معترضہ کے طور پر اس کی فہمائش اور تائید بھی ہو گئی۔ غرض کہ ان دونوں عقائد میں بلکہ جملہ عقائد و اعمال میں آنحضرت ﷺ کی پیروی کا حکم ہے کہ یہی سیدھی راہ ہے اس کے خلاف شیطانی راہ ہے جو انسان کا کھلا دشمن ہے۔

حضرت عیسیٰ نے یہودی اصلاح فرمائی: ..... ولما جاء عيسى. یہودیوں میں چونکہ سرکشی زیادہ تھی۔ ممکن ہے انہوں نے بعض حلال چیزوں کو حرام اور بعض حرام چیزوں کو حلال کر لیا ہو اور بعض احکام بحال رہنے دیئے ہوں۔ اس لئے حضرت عیسیٰ نے تشریف رکھ کر انہی محرف احکام کو بیان فرمایا ہو یا بقول حافظ ابن کثیر دنیاوی اور دینی احکام میں سے صرف دینی احکام کو بیان فرمایا ہو۔ جیسا کہ انبیاء کا عام طریقہ ہوتا ہے دنیاوی احکام سے تعرض نہیں کیا۔

ہذا صراط مستقیم۔ یہ تھا حضرت عیسیٰ کی تعلیم کا خلاصہ جس میں توحید و اطاعت پر زور دیا گیا ہے۔ اس لئے ان کے نام یسواؤں میں سے بعض نادانوں کے شرکانہ طرز عمل سے شرک کے صحیح ہونے پر استدلال کرنا ”مدعی ست گواہ چست“ کا مضمون ہوگا۔

عیسائیوں کی چار جماعتیں: ..... فاختلف الاحزاب۔ حضرت عیسیٰ کے بعد بنی اسرائیل میں اختلاف ہو گیا۔ یہودی ان کے منکر اور عیسائی ان کے قائل ہو گئے۔ پھر آگے چل کر عیسائیوں میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔ تین فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک حضرت عیسیٰ کو تین خداؤں میں سے ایک کہتا ہے۔ اور کوئی خدا کا بیٹا مانتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے۔ غرض کہ ان میں سے ایک بھی عیسوی تعلیم پر برقرار نہیں رہا۔ اتنی واضح تعلیم کے بعد جب یہ راہ راست پر نہیں آئے۔ تو بس معلوم ہوتا ہے کہ آپ قیامت کے بگل کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ اس روز کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آئے گا۔ سب دوستیاں اور محبتیں ختم ہو جائیں گی۔ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ بلکہ بری دوستی پر انسان بچھتا ہے گا۔ البتہ اللہ کے لئے دوستی یقیناً کام آئے گی۔

وَيُقَالُ لَهُمْ يَعْبادِ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٦٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا نَعْتُ لِعِبَادِي بِإِيتِنَا الْقُرْآنِ وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٦٩﴾ اَدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ مُبْتَدَأً وَأَزْوَاجُكُمْ زَوْجَاتُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٧٠﴾ تُسَرُّونَ وَتُكْرَمُونَ خَيْرُ الْمُبْتَدَأِ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ بِقِصَاصٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ حَمْعٌ كُؤُوبٌ وَهُوَ إِبَاءٌ لَا غُرُورَ لَهُ لِيَشْرَبَ الشَّارِبُ مِنْ حَيْثُ شَاءَ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ تَلَذُّذًا وَلَذَّةُ الْأَعْيُنِ نَصْرًا وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا أَىْ بَعْضُهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾ وَمَا يُؤْكَلُ يُخْلَفُ بَدَلَهُ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفْتَرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾ سَاكِنُونَ سَكُوتٌ يَاسٍ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يَمْلِكُ هُوَ خَازِنُ النَّارِ لِيَقْضِيَ عَلَيْنَا رَبُّكَ لِيُبَيِّنَ قَالَ نَعْدُ أَلْفَ سَنَةٍ أَنْتُمْ مَّا كُنْتُمْ فِي الْعَذَابِ دَائِمًا قَالَ تَعَالَى لَقَدْ جُنُكُمُ أَىْ أَهْلُ مَكَّةَ بِالْحَقِّ عَلَى لِسَانِ الرُّسُلِ وَلَكِنْ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَرِهُونَ ﴿٧٨﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَىْ كُفَّارُ مَكَّةَ

حُكْمًا اَمْرًا فِي كِتَابٍ مُّحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنَا مُبْرَمُونَ ﴿۷۹﴾ مُحْكَمُونَ كَيْدًا فِي هَلَاكِهِمْ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ مَا يُسِرُّونَ إِلَىٰ غَيْرِهِمْ وَمَا جَهَرُوا بِهِ سَمِعْنَا بِأُولَٰئِكَ فَلَمَّا لَمَسُوا نَجْوَاهُمْ إِذْ لَبَسُوا مَا بَيْنَهُمْ إِذْ جُمِعُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ فَاذْكُرُوا مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۸۰﴾ ذَلِكَ قُلُوبُ الَّذِينَ كَانُوا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا فَأَنَّا أَوَّلَ الْعَبِيدِينَ ﴿۸۱﴾ لِلْوَلَدِ لَكِنْ ثَبَتَ أَنْ لَا وَلَدَ لَهُ تَعَالَىٰ فَانْقَضَتْ عِبَادَتُهُ سُبْحَنَ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ الْكَرْسِيِّ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۸۲﴾ يَقُولُونَ مِنَ الْكُذْبِ بَشَرًا مِثْلَهُ بِرَبِّهِ فَذَرُهُمْ يَخُونُوا فِي بَاطِلِهِمْ وَيَلْعَبُوا فِي دُنْيَاهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَهُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَهُوَ الَّذِي هُوَ فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزِ وَإِسْقَاطِ الْأَوَّلِ وَتَسْهِيلِهَا كَيْبَاءُ مَعْبُودٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ وَكُلٌّ مِنَ الظَّارِفِينَ مُتَعَلِّقٌ بِمَا بَعْدَهُ وَهُوَ الْحَكِيمُ فِي تَدْبِيرِ حَقِّهِ الْعَلِيمُ ﴿۸۴﴾ بِمَصَالِحِهِمْ وَتَبَرَّكَ تَعَظُّمُ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ مَتَىٰ تَقُومُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۵﴾ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَعْذُونَ فِي كُفَّارٍ مِنْ دُونِهِ أَيْ اللَّهُ الشَّفَاعَةُ لِأَحَدٍ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ أَيْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۸۶﴾ يَقُولُ بِهِمْ مَا شَهِدُوا بِهِ بِأَلْسِنَتِهِمْ وَهُمْ عَيْسَىٰ وَعُزَيْرٌ وَالْمَلَائِكَةُ هَاتِهِمْ يَتَّبِعُونَ لِمُؤْمِسِينَ وَلَئِنْ لَمْ نَقْصِمْ سَأَلَتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ حُذِفَ مِنْهُ نُونُ الرَّفْعِ وَوَاوُ صَمِيرٌ فَإِنِّي يُؤْفَكُونَ ﴿۸۷﴾ يُصْرَفُونَ عَنْ عِبَادَةِ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَقِيلَ أَيْ قَوْلِ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَصَهُ عَلَى الْمَصْدَرِ بِفَعْلِهِ الْمُقَدَّرِ أَيْ وَقَالَ يَرْبُ إِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ قَالَ تَعَالَىٰ فَاصْفَحْ عَرَضَ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ مِنْكُمْ وَهَذَا قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَ بِقِتَالِهِمْ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۸۹﴾ بِالْيَاءِ وَنَاءٍ تَهْدِيدُهُمْ

فَعْلِهِ  
مُقَدَّرِ  
أَيْ  
قَوْلِ  
مُحَمَّدٍ  
النَّبِيِّ  
صَلَّى  
اللَّهُ  
عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ

ترجمہ : (اور ان متقیوں سے فرمایا جائے گا کہ) اے بندو! آج تم پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے۔ وہ بندے جو ایمان لائے (عبادی کی صفت ہے) ہماری آیات (قرآن) پر اور وہ فرمانبردار تھے۔ تم جنت میں داخل ہو جاؤ (انتم مبتداء ہے) اور تمہاری بیویاں خوش بخوش ہوں گی (مسرت اور اکرام کے ساتھ یہ خبر ہے مبتداء کی) پیش کئے جائیں گے ان کے پاس سونے کے پیارے (ہدیے) اور گلاس (اکواب کو ب کی جمع ہے ایسا برتن جس میں پکڑنے کا حصہ نہ ہو۔ تاکہ پانی پینے میں آزادی رہے) اور وہاں وہ چیزیں ہیں جن کو جی چاہے گا (مزے کے لئے) اور جن سے آنکھوں (نظر) کو لذت ہوگی اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہ جنت ہے جس کے مالک تم بنا دیئے گئے اپنے اعمال کے عوض۔ تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن میں سے (بعض کو) تم کھا رہے ہو (اور جو پھل کھاتے ہو اس کی جگہ دوسرا پھل پیدا ہو جاتا ہے) بے شک نافرمان ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے۔ ان سے بگاڑیں کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس (چپ یا س میں ڈوبے ہوئے پڑے رہیں گے) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ مگر یہ خود ہی ظالم تھے اور وہ پکاریں گے اے مالک! (داروندہ جہنم) تمہارا پروردگار ہمارا قصہ ہی ختم کر دے (ہمیں موت دے دے) وہ (بہ ارسال بعد جواب دے گا) کہ تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے (داما عذاب میں رہو گے حق تعالیٰ فرمائیں گے) ہم نے تمہارے پاس (کلمہ الو) سپاہین پہنچا دی (نبیہ

کے ذریعہ) مگر تم میں اکثر لوگ سچے دین سے نفرت رکھتے رہے۔ ہاں! کیا (مکہ کے کافروں نے) کوئی انتظام درست کیا (محمد ﷺ کے سنے سازش کے سلسلہ میں) سو ہم نے بھی ایک انتظام درست کر رکھا ہے (ان کی تباہی کا فیصلہ کر دیا ہے) ہاں کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سررمیوں کو (جو دوسروں سے چپکے چپکے اور آپس میں کھلم کھلا مشورے کرتے ہیں) سنتے نہیں، کیوں نہیں! (ہم ضرور سنتے ہیں) اور ہمارے جو فرشتے (محافظ) ان کے پاس ہیں وہ بھی لکھتے ہیں (یہ سب باتیں) آپ کہتے کہ اُنہر خدائے رحمن کے اولاد ہو (باغرض) تو سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا میں ہوں (مگر چونکہ یہ ثابت ہے کہ اس کی اولاد نہیں۔ اس لئے اس کی عبادت کا بھی کوئی سوا نہیں) آسمانوں اور زمین کا مالک جو کہ عرش (کری) کا بھی مالک ہے۔ ان باتوں سے منہ ہرے جو لوگ بیان کر رہے ہیں (اولاد جھوٹی نسبت اس کی طرف کر رہے ہیں) تو آپ ان کو اسی شغل (باطل) اور تفریح (دنیا) میں رہنے دیجئے۔ یہاں تک کہ ان کو اس دن سے سابقہ پڑے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے (کہ اس میں عذاب ہوگا یعنی روز قیامت) اور وہ بنی ذات ہے (وہ) جو آسمانوں میں بھی قابل عبادت ہے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور پہلی ہمزہ لڑا کر اور اس کی تسہیل کرتے ہوئے مثل یا کے یعنی معبود ہے) اور زمین بھی قابل عبادت ہے (فی السماء اور فی الارض دونوں طرف اللہ سے متعلق ہیں) اور وہ بنی بڑی خدمت والا ہے (مخلوق کی تدبیر میں) بڑا جاننے والا ہے (ان کی مصالحت کو) اور وہ ذات بڑی عالی شان ہے (باعظمت) ہے جس کے لئے آسمانوں کی اور زمین کی اور جو ان کے درمیان میں ہے مسطنت ثابت ہے اور اس کو قیامت کی خبر ہے (کہ کب آئے گی؟) اور تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (نسا اور یا کے ساتھ ہے) اور جن معبودوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں (کفار بندگی کرتے ہیں) اسی (اللہ) کے سوا وہ (کسی کے لئے) سفارش کا اختیار نہیں رکھیں گے۔ ہاں جن لوگوں نے حق کا اقرار کیا تھا (یعنی لا الہ الا اللہ کا) اور وہ تصدیق بھی کیا کرتے تھے (دل سے اگر چہ زبان سے نہ کہا ہو۔ جن سے حضرت عیسیٰ، حضرت عزیز اور فرشتے مراد ہیں۔ کیونکہ یہ سب مومنین کی سفارش کریں گے) اور اگر (ام قریہ ہے) آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تو یہی جواب دیں گے۔ کہ اللہ نے (لیقولن) سے نون رفع حذف کر دیا گیا ہے اور واؤ خبر حذف کر دیا گیا ہے (سو یہ وہ کدھرا لئے چلے جا رہے ہیں) اللہ کی عبادت سے روگردانی کر رہے ہیں (اور اس کے رسول کے کہنے کی) (یعنی حضرت ﷺ کے فرمانے کی اور قبیل مندر منسوب ہے فعل مقدر کی وجہ سے یعنی قال کے سبب) کہ اے میرے رب! یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان نہیں لاتے (حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) تو آپ ان سے بے درخ (بے توجہ) رہنے اور یوں کہہ دیجئے کہ تمہیں سلام ہو (یہ جہاد کی جازت سے پہلے کا حکم ہے) سوان کو بھی معلوم ہو جائے گا (یاء اور قاء کے ساتھ ان کے لئے تبدیہ ہے۔)

تحقیق و ترکیب: .. یا عباد۔ یہ نجا جنتیوں کی تشریف و مکریم کے لئے ہوگی۔ جس میں چار باتیں ہوں گی خوف کی غی، حزن کی نفی، جنت میں داخلہ، سرور کی بشارت، عاصم کی قرأت میں یا عبادی فتح یا کے ساتھ اور ابن کثیر و حفص وصل و وقف دونوں حالتوں میں حذف یا کرتے ہیں اور باقی قراء یائے ساکنہ پڑھتے ہیں۔ اور لا خوف میں عام قراءت رفع اور تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ابن کثیر غیر تنوین کے حذف مضاف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

الذین آمنوا عبادی کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب محل ہے، کیونکہ عبادی منادی مضاف ہے اور یاد حق کی وجہ سے منصوب ہے۔

تجبروں۔ یہ خبر ہے انتم مبتداء کی۔ اور ازوا حکم اگر معطوف ہے ضمیر اد خلوا پر اور فصل کی وجہ سے یہ عطف جائز ہے تو پھر تجبروں حال ہو جائے گا۔

بصحاف کسی کہتے ہیں کہ سب سے بڑے پاد یہ وجہ کہتے ہیں۔ اس سے کم کو فصیح کہتے ہیں۔ جس میں دس آدمی شکم سیر ہو جائے اور اس سے چھوٹے کو صحفہ کہتے ہیں جس میں پانچ آدمی سیر ہو جائیں۔ پھر اس سے چھوٹا میکا۔ ہوتا ہے جس میں دو تین آدمی پیٹ بھر لیں۔

اکواب۔ کو ب کہتے ہیں پیالہ کو جس میں پکڑنے کا حصہ نہ لگا ہو۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ. یہ مبتداء خبر ہے۔ اور یا جنت کو صفت اور ”التی اور تسموها“ کو خبر کہا جائے اور ”بما کنتم“ میں باسببہ ہے۔ حدیث میں جو لن یدخل احدکم الجنة بعملہ بل بروحۃ اللہ فرمایا گیا ہے۔ اس سے مراد مستقل سبب کی نفی ہے اور یہاں فی الجملہ عمل کو سبب کہا جا رہا ہے اور بعض نے یا ملا بستہ یا مقابلہ کے لئے مانی ہے اور بعض کے نزدیک دخول جنت تو فضل الہی سے ہوگا اور مراتب و درجات اعمال کے لحاظ سے ہوں گے۔ یا کہا جائے کہ عمل کا سبب ہونا بھی تو اللہ کی رحمت سے ہے۔

منہا تا کلون۔ من تبعیضہ ہے۔ کیونکہ تمام پھل کھائے جاتے ہیں۔ جنت کے پھل بارہ ماہی ہوں گے جو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ مبلسون۔ ابلاس کے معنی سکوت اور انقطاع حجت کے ہیں۔ شروع میں مایوس ہو کر جہنمی خاموش ہوں گے۔ لیکن بعد میں مجبور ہو کر پھر داروغہ جہنم کو پکاریں گے۔ ونا دوا یا مالک۔ بہر حال قیامت کے طویل وقفہ میں مختلف حالات میں پیش آئیں گے۔ لقد جنناکم۔ یہ مالک جہنم کے جواب کی وجہ سے بیان فرمائی گئی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کلام بھی مالک ہی کا ہو۔

اکثرکم بمعنی کلکم لان لاکثر حکم الكل۔

اہرموا ابرام کہتے ہیں ڈورا بنانا، بنانا لیکن مراد تدبیر اور مضبوطی ہے۔ ابرم الحبل۔ ڈبل کرنا۔

ان کان۔ یعنی بالفرض اگر اللہ کے اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کو ماننا اور لازم نہیں اس سے مزوم بھی نہیں۔ یہ قیاس استثنائی ہے۔ جس میں نقیض مقدم کا استثناء کیا گیا۔ جس کا نتیجہ نقیض تالی ہوتا ہے۔ یعنی چونکہ اس کے اولاد نہیں۔ اس سے اس کی عبادت کا بھی سوال نہیں۔ اس طرح ابلغ طریقہ پر اولاد کی نفی ہوگئی۔

رب السموات۔ یعنی اللہ خالق عالم ہے اس لئے جسم نہیں۔ اگر جسم ہوتا تو عالم کی تخلیق نہ کر سکتا اور جب جسم نہیں تو اس کے لئے اولاد کا بھی سوال نہیں ہوتا۔ کیونکہ والد و تاسل جسم کی شان ہے۔

فی السماء اور فی الارض کا مطلب ہے کہ عالم علوی، عالم سفلی سب کا معبود ہے۔ یہ دونوں لفظ ترکیب میں حال نہیں۔ بلکہ الہ کے متعلق ہیں۔

ترجعون۔ نافع، ابن عمر، ابن عاصم، ابن عامر کی قراءت نا کے ساتھ بطور التفات کے اور باقی قراء کے نزدیک یا کے ساتھ ہے۔ الا من شہد۔ یعنی فرشتے، حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر، صرف شفاعت کریں گے۔ اور وہ بھی صرف مومنین کی گویا شافعین بھی خاص ہیں۔ اور مشفوع نہ بھی مخصوص نہ بت سفارشی ہوں گے اور نہ کفار کے حق میں سفارش ہوگی۔

الذین یدعون۔ سے مراد اگر عام ہے۔ تو ”الا من شہد“ استثناء متصل ہے۔ اور اگر صرف بت مراد ہوں تو پھر استثناء منفصل ہوگا۔ مفسر کار جہان پہلے احتمال کی طرف ہے۔ یدعون صلہ ہے جس کا عائد محذوف ہے۔

وہم یعلمون۔ ضمیر ہم کا مرجع من ہے اور جمع کا لانا بلحاظ معنی من ہے۔ تفسیری عبارت ہم عیسیٰ الخ میں بھی یہی توجیہ ہوگی۔ ولئن سالتہم۔ ضمیر جمع سے مراد عابدین اور معبودین سب ہیں۔

لیقولن اللہ۔ جواب قسم ہے اور حسب قاعدہ جواب شرط محذوف ہے لفظ اللہ فاعل ہے۔ جیسے دوسری آیت لیقولن حلقہن العریز میں ہے۔ اس لئے مبتداء کہنے کی حاجت نہیں ہے۔

فانی یؤفکون۔ یعنی تنہا خالق مان کر تنہا معبود ماننے سے انکار باعث تعجب ہے۔

وقیلہ قیل بمعنی قول منصوب بناء بر مصدر ہے قول، قیل، قال، مقالة سب مصادر ہیں باہم مرادف۔ نداء اور اس کے بعد قیل کا معمول ہے۔

قیل سرہم ونحوہم پر عطف کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔ یا ”محل الساعة“ پر عطف کیا جائے۔ حمزہ اور عاصم اس کو جر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں ”الساعة“ پر عطف ہو جائے گا۔ دوسری ترکیب اس وقت واؤ قسمیہ کی بھی ہو سکتی ہے اور جواب قسم یا محذوف ہے۔ اسی لا فعلن بہم ما اریدیا ان هؤلاء قوم لا یؤمنون کو جواب قسم مانا جائے۔ (زخرفی)



اعرج، ابو قلابہ، مجاہد، حسنؒ اس کو مرفوع پڑھتے ہیں۔ ”علم الساعة“ پر عطف کرتے ہوئے مضاف مقدر مان کر ای و عندہ علم قبلہ۔ پھر حذف کر کے اس کو قائم مقام کر دیا گیا ہے۔ یا کہا جائے کہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور جملہ ”یا رب ان ھو لا الخ“ اس کی خبر ہے۔ یا خبر کو محذوف مانا جائے ”ای و قبلہ و کیت و کیت مسموع او متقبل“ مفسر علام، ”قول محمد“ کہہ کر مضاف مضاف الیہ دونوں کی تفسیر کر دی اور ”نصبہ“ کا مطلب نصب لام لام قبل ہے اور ضمیر پر رفع ہوگا۔

سلام۔ یہ سلام مشرکت ہے سلام تحیہ نہیں ہے۔ ترکیب میں یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ ای امری سلام منکم۔ اگر اس سے مراد کفار سے نزاعی گفتگو سے روکنا ہو تو پھر آیت کو منسوخ کر کے ماننے کی ضرورت نہیں۔

ربط آیات: ... آیت الا خلاء یومئذ میں قیامت کے روز کفار کی باہمی دشمنی سے متقین کے استثناء کا ذکر تھا آیت یا عبادی الخ سے انہی کی بشارت کا بیان ہے۔

پھر آگے آیت لقد جئناکم بالحق سے کفار کے جرائم کا تفصیلی اور سزا کا اجمالاً ذکر ہو رہا ہے۔ جرائم کا حاصل دو چیزیں ہیں۔ شرک اور رسول کی نافرمانی۔ جرم شرک کے سلسلہ میں اور عذاب کی تائید کے لئے توحید کے مضامین بھی آگئے اور رسول کی نافرمانی بلکہ دونوں مضامین کے تعلق سے بطور تسلی کفار سے بے تعلقی اور ان کے لئے شفاعت کا نہ ہونا تاکید عذاب کے لئے آگیا۔

روایات: ... مقتل کا بیان ہے کہ قیامت میں جب حق تعالیٰ یا عبادی الخ فرمائیں گے تو تمام اہل محشر سر اٹھ کر اوپر دیکھیں گے۔ فرمایا جائے گا ”الذین آمنوا الخ“ تو یہ سن کر دوسرے مذاہب والے گردنیں نیچی کر لیں گے۔

ابن جریرؒ نے محمد بن کعب قرظی سے روایت نقل کی ہے دو قریشی اور ایک ثقفی یا ایک قریشی اور دو ثقفی کافر کعبہ اور غلاف کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ زور سے باتیں کرنے سے اللہ سن لیتا ہے آہستہ باتیں کرو کہ وہ نہیں سن سکتا۔ اس پر آیت ام تحسبون انا لا نسمع الخ نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ... الذین آمنوا بآیتنا وکانوا مسلمین سے ایمان اور اسلام کا فرق معلوم ہوتا ہے اور اہل ایمان کے خوف و حزن نہ ہونے اور جنت میں داخل ہونے کی بشارت، نافرمان مسلمانوں کو عذاب و سزا ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ایمان اور یہ چیزیں کلیات مشککہ ہیں۔ ایمان اکمل کی صورت میں فوراً جنت میں داخل ہو جائے گا اور مطلق ایمان کی صورت میں مطلقاً جنت میں داخلہ کا استحقاق ہوگا جو اہل سنت کا مسلک ہے۔

اور تسموھا۔ یعنی جنت تمہارے باپ کی میراث تمہیں واپس مل گئی۔ جو تمہارے اعمال کا نتیجہ اور ثمرہ ہے جس کا حقیقی سبب اللہ کا فضل ہے۔ اعمال کی ظاہری سمیت بھی فضل الہی اور توفیق الہی کی محتاج ہے۔

منہانا کلون۔ جنت کے پھلوں کو چن چن کر کھاتے رہو۔ لیکن جنتیوں کے برخلاف دوزخیوں کو دائمی عذاب بھگتنا پڑے گا۔ جو نہ ہلکا ہوگا اور نہ ملوکی۔ دوزخی مایوس ہو جائیں گے۔ کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی۔

وما ظلمناھم۔ دنیا میں ہر طرح نرم گرم کر کے سمجھا دیا اور انبیاء کے ذریعہ تمام حجت کر دیا۔ کوئی معقول عذر نہیں چھوڑا۔ پھر بھی کوئی نہ مانے اور اپنی زیادتیوں سے باز نہ آئے تو اس صورت میں سزا کو کون نا انصافی کہہ سکتا ہے۔

ونادوا۔ دوزخی چھکارہ پانے سے مایوس ہو کر موت کی تمنا کریں گے۔ ہزار سال چلانے پر صرف یہ جواب ملے گا۔ کہ چلانے سے کوئی فائدہ نہیں چپ رہو۔ تمہاری اکثریت کا یہ حال تھا کہ تمہیں سچائی سے چڑھتی اور اندھوں کی طرح ناحق لوگوں کے پیچھے ہو لیتے تھے۔ اکثریت اس لئے کہہ کہ بعض لوگ علم الہی کے مطابق ایمان لانے والے تھے۔ یا یوں کہا جائے کہ بعض لوگ محض لوگوں کی دیکھ دیکھی ان کے پیچھے ہوئے۔ پہلی صورت میں اعتقادی نفرت مراد ہوگی اور دوسری صورت میں طبعی کراہت۔ بہر صورت اس حق



سے رہا، انی میں شرک اور معصیت رسول دونوں آگئے۔ جس کی تفصیل اہل ابرہہ سے بیان ہو رہی ہے۔ کہ ہر چند انہوں نے پیغمبر اسلام کے خلاف سازشیں، تدبیریں کیں۔ مگر اللہ کی مخفی تدبیر نے سب کا تار و پود بکھیر دیا اور سارے منصوبے دھڑے رہ گئے۔ جیسا کہ سورۃ انفال کی آیت اذیسکر بلات الذین میں گزر چکا ہے اللہ سب کے دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اور ان کے خفیہ مشورے بھی معلوم ہیں، اور انتظامی ضابطہ کے لحاظ سے ان کی مسل کی تیاری پر بھی فرشتوں کا عملہ لگا رہتا ہے۔ یہ ساری مسل قیامت میں پیش ہو جائے گی۔ اللہ کے بارے میں ان کا یہ گمان یا تو حقیقہ ہوگا۔ جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ یا کہا جائے کہ ان کی جرأت آمیز حرکتوں سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ اللہ کو ایسا سمجھتے ہیں۔ گویا حسابان سے مراد مجازی معنی ہیں۔ دوا دمیوں کے درمیان سرٹوشی کو ”سر“ اور دوسے زامد کے درمیان سرٹوشی کو ”نبوی“ کہا جاتا ہے۔

اللہ کے لئے اولاد کا عقیدہ:..... پیغمبر کی خلاف ورزی کے بعد آیت قل ان کان الخ سے شرک کا رد ہے۔ یعنی جس طرح تم فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہو۔ اسی طرح اگر بالفرض اللہ کے اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرتا۔ مگر سرے سے یہ بات ہی بے اصل و بے بنیاد ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مجھے تمہاری طرح حق بات ماننے سے انکار نہیں۔ یمن اولاد کا ثابت کرنا تمہارا کام ہے۔ اگر تم ثابت کر دو تو پھر میری عبادت کا سوال بھی ہو سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کے لئے اولاد محال ہے۔ اس لئے غیر اللہ کی پرستش بھی محال۔ پس اس میں شرک کے ابطال کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ چونکہ معبودیت وجود کے واجب ہونے کے خواص میں سے ہے۔ اس لئے اللہ کی اولاد کے لئے واجب الوجود ہونا بھی لازم ہوتا۔ جس کی وجہ سے اولاد مستحق عبادت ہوتی۔ لیکن اولاد کا واجب الوجود ہونا محال ہے۔ اس لئے استحقاق عبادت بھی ناممکن اور شرک محال۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ فرشتوں یا حضرت عیسیٰ و عزیر علیہم السلام کی پرستش واجب الوجود نہ ہونے کے باوجود ذری حماقت و جہالت ہے۔

اور بعض حضرات نے عابد کے معنی جاحد کے لئے ہیں۔ یعنی میں سب سے پہلے اس فاسد عقیدہ کا منکر ہوں۔ اور بعض کے نزدیک ان نافیہ ہے۔ یعنی رحمن کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ مگر یہ کچھ زیادہ مضبوط وجہ نہیں ہے اور بھی کچھ احتمالات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

فذرہم غفلت و حماقت کے نشہ میں جو کچھ یہ بک رہے ہیں اس پر توجہ نہ کیجئے۔ چند روزہ عیش پر اتر آئیں۔ آخر وہ دن بھی آنے والا ہے جس میں ان کی یہ سب خرمستیاں نکل جائیں گی اور ایک ایک گستاخی اور شرارت کا مزہ چکھایا جائے گا۔ چھوڑ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو نصیحت و ہدایت بھی نہ کی جائے۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ ان کی مخالفت سے رنجیدہ نہ ہو جنے اور ایمان نہ لانے پر مطمئن نہ ہو جنے۔ اسی کے ساتھ وظیفہ تبلیغ بدستور رکھئے اور ہر چند کہ نظر انداز کرنا موت تک ہوتا ہے۔ لیکن موت مقدم آخرت ہے اس لئے یوم موعود ہر دیا۔

وہو الذی۔ زمین، آسمان، ساری کائنات کا اکیلا مالک اور اس عالم کون و فساد میں با اختیار متصرف تنہا اللہ ہے۔ اس سے شرک کے جرم و شدید بتانا ہے اور یہ کہ اس کی سزا بھی انتہائی سخت ہوگی۔ کہ اللہ سے اوپر کوئی طاقت نہیں جو اس کے مجرم کو چھڑا سکے۔

الامس شہد۔ یعنی سفارش کرنے والے بھی اہل علم صالح ہوں گے اور جن کی سفارش ہوگی۔ وہ بھی اہل ایمان ہوں گے۔ نہ بت سفارش کے اہل اور نہ مشرک اس کے مستحق۔

فانی یو فکون۔ یعنی جب اللہ صرف خالق و مالک ہے۔ پھر دوسروں کی عبادت کیسی؟ گویا سارے مقدمات تسلیم مرنے کا کار۔ فاصصیح۔ یعنی نہ ان کے زیادہ پیچھے پڑے اور نہ تم کھائے، فریضہ تبلیغ انجام دیتے رہے اور ان کو اللہ کے حوالہ کیجئے۔ اور کہہ دیجئے کہ نہیں مانتے تو ہمارا اسلام۔

## سُورَةُ الدُّخَانِ

سُورَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَقِيلَ إِلَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ الْآيَةُ وَهِيَ سِتُّ أَوْ سَبْعٌ أَوْ تِسْعٌ وَخَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حَمْدٌ لِلَّهِ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ وَالْكِتَابِ الْقُرْآنِ الْمُبِينِ ﴿۱﴾ الْمُظْهِرِ لِلْحَلَالِ مِنَ الْحَرَامِ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ هِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ أَوْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ نَزَلَ فِيهَا مِنْ أُمِّ الْكِتَابِ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ﴿۲﴾ مُخَوِّفِينَ بِهِ فِيهَا أَى فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ أَوْ لَيْلَةِ نِصْفِ شَعْبَانَ يُفَرِّقُ يَمْضُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴿۳﴾ مُحْكَمٍ مِنَ الْأَرْزَاقِ وَالْأَحَالِ وَغَيْرِ هُمَا الَّتِي تَكُونُ فِي السَّنَةِ إِلَى مِثْلِ تِلْكَ اللَّيْلَةِ أَمْرًا فَرَقَ مَنْ عِنْدَنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۴﴾ الرُّسُلَ مُحَمَّدًا وَمَنْ قَبْلَهُ رَحْمَةً رَافَةً بِالْمُرْسَلِ إِلَيْهِمْ مَنْ رَبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْغَالِيهِمُ الْعَلِيمُ ﴿۵﴾ بِأَفْعَالِهِمْ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يُرْفَعُ رَبُّ حَسْرَتٍ ثَالِثٌ وَبِحِرَّةٍ نَدُّ مَنْ رَبِّكَ إِنْ كُنْتُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ مُوقِنِينَ ﴿۶﴾ بِأَنَّهُ تَعَالَى رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَايْقُنُوا بِأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿۷﴾ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْ أَنْبَاءٍ يَلْعَبُونَ ﴿۸﴾ اسْتَهْزَأَ بِكَ يَا مُحَمَّدٌ فَقَالَ اللَّهُمَّ اعْنِي عَلَيْهِمْ بِسَبْعِ كَسْبَعِ يُوسُفَ قَالَ تَعَالَى فَارْتَقِبْ لَهُمْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ﴿۹﴾ فَاجْذَبَتِ الْأَرْضُ وَاشْتَدَّتْ بِهِمُ الْجُوعُ إِلَى أَنْ رَأَوْا مِنْ شِدَّتِهِ كَهَيَاةِ الدُّخَانِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ يَغْشَى النَّاسَ فَقَالُوا هَذَا عَذَابٌ إِلِيمٌ ﴿۱۰﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾ مُصَدِّقُونَ بِنَبِيِّكَ قَالَ تَعَالَى أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى أَى لَا يَفْعُهُمُ الْإِيمَانُ عِنْدَ رُؤْيِ الْعَذَابِ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ﴿۱۲﴾ بَيِّنُ الرِّسَالَةِ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ آيِ يُعَلِّمُهُ الْقُرْآنَ بَشَرٌ مَجْنُونٌ ﴿۱۳﴾ إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابَ أَى الْجُوعَ عَنْكُمْ زَمَنًا قَلِيلًا فَكَشَفَ عَنْهُ

إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿۱۵﴾ إِلَىٰ كُفْرِكُمْ فَعَادُوا إِلَيْهِ أذْكُرْ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ هُوَ يَوْمٌ نَدِيرٌ  
 إِنَّا مُنْتَقِمُونَ ﴿۱۶﴾ مِنْهُمْ وَالْبَطْشُ الْآخِذُ بِقُوَّةٍ وَلَقَدْ فَتَنَّا بَلَوْنَا قِبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ مَعَهُ وَجَاءَهُمْ  
 رَسُولٌ هُوَ وَمُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَرِيمٌ ﴿۱۷﴾ عَلَى اللَّهِ تَعَالَىٰ أَنْ أَىٰ بَانَ أَدُّوَا إِلَىٰ مَا أَدْعُوكُمْ إِلَيْهِ مِنْ  
 الْإِيمَانِ أَىٰ أَظْهَرُوا إِيْمَانَكُمْ بِالطَّاعَةِ لِي يَا عِبَادَ اللَّهِ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۸﴾ عَلَىٰ مَا رُسْتُ بِهِ  
 وَأَنْ لَا تَعْلُوا تَتَجَبَّرُوا عَلَى اللَّهِ بِتَرْكِ طَاعَتِهِ إِنِّي أَتِيكُمْ بِسُلْطَنٍ بَرَهَانٍ مُّبِينٍ ﴿۱۹﴾ يَتَزَيَّرُ عَلَى رِسَالَتِي  
 فَتَوَعَّدُوهُ بِالرَّحْمِ فَقَالَ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُونِ ﴿۲۰﴾ بِالْحِجَارَةِ وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا لِي  
 تُضَيِّدْ قَوْمِي فَاعْتَرِلُونِ ﴿۲۱﴾ فَاتْرُكُوا أَدَىٰ فَلَمْ يَتْرُكُوهُ فَلَدَّ عَارِبَةً أَنْ أَىٰ بَانَ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿۲۲﴾  
 مُّشْرِكُونَ فَقَالَ تَعَالَىٰ فَاسْرِ بِقَطْعِ الْهَمْزَةِ وَوَصْلِهَا بِعِبَادِي بَنِي إِسْرَائِيلَ لِيَلَّا إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿۲۳﴾  
 يَتَّبِعُكُمْ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ إِذَا قَطَعْتَهُ أَنْتَ وَأَصْحَابُكَ رَهْوَاسًا كَمَا مُنْهَرَجًا حَتَّىٰ تَدْحُهُ  
 الْقَبْطُ إِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُونَ ﴿۲۴﴾ فَاطْمَأَنَّ بِذَلِكَ فَاعْرَقُوا كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّتِ بَسَاتِينٍ وَغِيُونَ ﴿۲۵﴾  
 تَجْرِي وَزُرُوعٌ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿۲۶﴾ مَجْلِسٍ حَسَنِ وَنَعْمَةٍ مُّتَّعَةٍ كَانُوا فِيهَا فَكِهِينَ ﴿۲۷﴾ نَاعِمِينَ  
 كَذَلِكَ حَرَّمْتُمْ أَيَّ الْأَمْرِ وَأَوْرَثْنَاهَا أَيَّ أَمْوَالِهِمْ قَوْمًا آخِرِينَ ﴿۲۸﴾ أَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَمَا بَكَتْ  
 عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِينَ يَبْكِي عَلَيْهِمْ بِمَوْتِهِمْ مُّصْلَاهُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَمَصْعَدُ  
 عَمَلِهِمْ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ﴿۲۹﴾ مُؤَخَّرِينَ لِلتَّوْبَةِ

ترجمہ: . . . سورۃ دخان مکیہ ہے اور بعض کے نزدیک آیت کاشفوا العذاب مکیہ نہیں۔ کل آیات ۵۶ تا ۵۷ یا ۵۹ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حَم (اس کی واقعی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے اس کتاب (قرآن) واضح کی (جو حلال و حرام بتانے والی ہے) کہ ہم نے اس کو ایک بابرکت رات میں اتارا ہے (شب قدر مراد ہے یا شب برأت جس میں قرآن پاک ساتویں آسمان دنیا پر نازل ہوا ہے) ہم آگاہ کرنے والے (ڈرانے والے) ہیں اس (شب قدر یا شب برأت) میں ہر حکمت والا معاملہ طے (فیصلہ) کیا جاتا ہے (روزی، موت وغیرہ کے۔ حالات جو اگلے سال کی اسی شب تک طے کیجے جاتے ہیں) ہماری پیشی سے حکم ہو کر۔ ہم پیغمبر بنانے والے ہیں (محمد ﷺ اور ان سے پہلے انبیاء کو) اپنی رحمت کی وجہ سے (جو پیغمبر کی قوموں پر ہوئی ہے) جو آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے وہ (ان کی باتوں کو) بڑا سننے والا (ان کے کاموں کو) بڑا جاننے والا ہے جو کہ مالک ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے درمیان میں ہے۔ (رب اگر مرفوع ہے تو تیسری خبر ہوگی اور مجرور ہونے کی صورت میں ربک کا بدل ہوگا) اگر تم (ملکہ و او) یقین مانا چاہو (کہ اللہ آسمان و زمین کا رب ہے تو یہ بھی یقین رکھو کہ محمد اس کے رسول ہیں) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی جان ڈالتا ہے اور وہی جان نکالتا ہے وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی۔ بلکہ یہ (قیامت کے معاملہ میں) شک میں ہیں، بیکار باتوں میں پڑے ہوئے ہیں (آنحضرت ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے قوم یوسف کی طرح قحط سالی کی بددعا فرمائی۔

جس کو حق تعالیٰ نے منظور فرمایا) سو آپ (ان کے لئے) انتظار کیجئے اس روز کا کہ آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو (چنانچہ زمین میں سوکھا پڑا اور فقر و فاقہ زیادہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس کی شدت سے زمین و آسمان کے درمیان دھوئیں کی طرح تر مرے نظر آنے لگے) جو سب لوگوں کو گھیر لے (تو کہنے لگے) یہ ایک دردناک سزا ہے اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس مصیبت کو دور کر دیجئے ہم ضرور ایمان لے آئیں گے (آپ کے پیغمبر کی تصدیق کریں گے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) ان کو نصیحت کب ہوتی ہے؟ یعنی عذاب آنے پر ایمان لانا مفید نہیں ہوتا) حالانکہ ان کے پاس کھلے طور پر رسول آیا (جن کی رسالت واضح ہے) پھر بھی یہ لوگ اس سے سرتابی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ یہ پڑھایا ہوا ہے (قرآن کسی انسان نے ان کو سکھلایا ہے) دیوانہ ہے، ہم (بھوک کے) عذاب کو بٹائیں گے کچھ روز (چنانچہ یہ عذاب ہٹ گیا) تم پھر اسی حالت پر (سابقہ کفر کی طرف) آ جاؤ گے (یاد کیجئے) جب ہم بڑی سخت پکڑ کریں گے (مراد جنگ بدر ہے) ہم بدلہ لے لیں گے (ان سے۔ اور بسطش کہتے ہیں سخت پکڑ کو) اور ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو (فرعون سمیت) آزمایا اور ان کے پاس ایک پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) تشریف لائے۔ جو (اللہ کے نزدیک) معزز تھے کہ میرے کہنے پر چلو (جس ایمان کی تمہیں دعوت دے رہا ہوں، امانت دار ہوں اس کو پورا کرو میری فرمانبرداری کر کے) اے اللہ کے بندو! میں تمہارے پاس رسول ہو کر آیا ہوں، امانت دار ہوں (پیغام پہنچانے میں) اور تم سرکشی (ظلم) نہ کرو اللہ پر (اس کی نافرمانی کر کے) میں تمہارے سامنے ایک واضح (کھلی) دلیل پیش کرتا ہوں (اپنی رسالت پر۔ اس پر مشرکین نے آپ پر پتھراؤ کرنے کی دھمکی دی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ) میں اپنے آپ کو اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی پناہ میں دیتا ہوں۔ اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے (میری تصدیق نہیں کرتے) تو تم مجھ سے الگ ہی رہو (میرے درپے آزار نہ ہو لیکن وہ بدستور درپے آزار رہے) تب موسیٰ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ بڑے سخت مجرم لوگ ہیں (مشرک ہیں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ کہ) تو اب لے کر چلے (لفظ ای ہمزہ قطعی کے ساتھ اور ہمزہ وصلی کے ساتھ ہے) میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو راتوں رات، بلاشبہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا (فرعون اور اس کا لشکر تمہارا پیچھا کریں گے) اور تم اس دریا کو چھوڑ دینا (جب آپ اور آپ کے ساتھی پار ہو جائیں گے) سکون کی حالت میں (کہ پانی میں راستے بنے رہیں تاکہ قطعی اس میں داخل ہو سکیں) ان کا سارا لشکر ڈبویا جائے گا (حضرت موسیٰ اس پر مطمئن ہو گئے اور لشکر فرعون غرقاب ہو گیا) ان لوگوں نے کتنے باغات چھوڑے اور چٹھے (رواں) اور کھیتیاں اور عمدہ مکانات (آراستہ مجلسیں) اور آرام کے سامان جن میں وہ خوش (گمن) رہا کرتے تھے، اسی طرح ہوا (یہ خبر ہے مبتداء محذوف الامر کی) اور ہم نے (ان کے اموال کا) وارث بنادیا دوسری قوم (بنی اسرائیل) کو سو نہ ان پر آسمان و زمین کو روٹا آیا (برخلاف مسلمانوں کے ان کی موت پر ان کے نماز پڑھنے کی جگہ زمین میں اور اعمال چڑھنے کی جگہ آسمان میں روتی ہے) اور نہ ان کو مہلت (توبہ کے لئے ڈھیل) دی گئی۔

**تحقیق و ترکیب:** ..... لیلۃ القدر۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ لیلۃ مبارکہ اور لیلۃ القدر کے درمیان اکتالیس راتیں ہیں۔ لیکن جمہور کے نزدیک لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ آیت انا انزلناہ فی لیلۃ القدر اور آیت شہر رمضان الذی الخ کی وجہ سے، کیونکہ اکثریت کے مطابق لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے۔ گویا اولیٰ نزول پورے قرآن کا شب قدر میں ہوا اور پھر بقدر ضرورت نزول کا سلسلہ تیس سال رہا۔ یا نزول وحی کی شروعات شب قدر سے ہوئی اور اختتام آخر عمر تک ہوا۔ اس رات کی دوسری بے شمار برکتوں میں سب سے بڑی برکت قرآن کا نزول ہے۔ لیلۃ مبارکہ کا مصداق شب برأت کو ماننا بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن کا رمضان میں نزول منصوص ہے اور وہ حدیث جس میں شب شعبان کو فیصلوں کی رات فرمایا گیا ہے مرسل ہے۔ جو نص قطعی کے معارض نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ عکرمہ اور ایک جماعت کی رائے شب برأت کے متعلق ہے۔ کیونکہ اس کو لیلۃ مبارکہ، لیلۃ برأت، لیلۃ رحمۃ، لیلۃ الصک فرمایا گیا

ہے۔ اور اس میں عبادت کی فضیلت آئی ہے۔

فیہا یفترق۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا لیلۃ کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان جملہ معتزضہ ہے۔ حسن، مجہذ، قنود فرماتے ہیں کہ اس رات میں پورے سال کا چارٹر تیار کر دیا جاتا ہے۔

امرا من عندنا انزلناہ کے قائل سے حال ہے یا مفعول سے حال ہے۔ ای انزلناہ امرین او ما مورانہ اور مفعول نہ بھی ہو سکتا ہے۔ انزلناہ یا منذرین یا یفترق سے اور یفترق کا معنی مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ اور ”من عندنا“ صفت ہو جائے گی ”لا امر“ کی۔ رحمة من ربک۔ یہ مفعول نہ ہے انزلناہ یا امر یا یفترق یا منذرین کا اور فعل مقدر کا مفعول مطلق بھی ہو سکتا ہے ای رحمتنا رحمة اور مرسلین کا مفعول بھی ہو سکتا ہے اور حال بھی اور امر کا بدل بھی بن سکتا ہے اور من ربک رحمة کے متعلق بتا جائے یا محذوف کے متعلق کر کے صفت بتادی جائے اور ”رحمة من ربک“ میں التفات ہے رحمة منا ہونا چاہئے تھا۔

موقنین۔ تفسیری عبارت میں ”فایقنوا“ جواب شرط کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے یہ جملہ معتزضہ ہو جائے گا اور لا الہ الا اللہ چوتھی خبر ہے۔

ربکم عام قراءت رفع کی ہے رب السموات سے بدل یا عطف بیان یا صفت ہونے کی وجہ سے اور ابن خلیض، ابن ابی الحق، ابو حیوۃ، حسن ”رب السموات“ سے بدل یا بیان یا صفت مان کر مجرور پڑھتے ہیں اور انطاکی بطور مدح منصوب پڑھتے ہیں۔

بل ہم فی شک۔ یہ محذوف سے اضراب ہے۔ ای موقنین بل ہم فی شک۔

یلعبون حال ہے لعب سے مراد فانی چیزوں میں مشغول ہو کر باقی رہنے والی نعمتوں سے روگردانی کرنا۔

دحان مبین۔ بعض کی رائے میں یہ قحط سالی آنحضرت ﷺ کے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے ہوئی۔ لیکن راجح یہ ہے کہ مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد ہوئی ہے۔ ابن مسعود کے نزدیک قریش کی قحط سالی مراد ہے لیکن ابن عباس، ابن عمر، حسن وغیرہ کے نزدیک اس دخان سے مراد وہ دخان ہے جو علامات قیامت میں سے ہے۔

اسی طرح واقعہ قحط سالی میں حقیقت دخان مراد نہیں۔ بلکہ ابن عباس، مقاتل، مجاہد، ابن مسعود کی رائے ہے کہ بھوک کی وجہ سے ضعف نظر مراد ہے۔ بھوک میں آنکھوں کے آگے ترمرے نظر آنے لگتے ہیں۔ لیکن ابن عمر ابو ہریرہ، زید بن علی، حسن کے نزدیک حقیقت دخان مراد ہے۔ لیکن اخیر زمانہ میں اس کا ظہور ہوگا۔ چالیس روز سارا عالم دھوئیں سے لبریز رہے گا۔ مومن تو صرف زکام کی کیفیت محسوس کرے گا۔ لیکن کافر مدہوش ہوں گے۔ یہ دھواں ان کے پیٹ میں گھس کر آنکھ، ناک، کان سے نکلے گا۔ اور ساری زمین بھٹی کی طرح ہو جائے گی۔

انسی لہم الذکری۔ حقیقی استفہام مراد نہیں بلکہ استبعاد مراد ہے۔ تفسیری عبارت لا ینفعہم الا یمان۔ اس وقت تو صحیح ہے۔ جب عذاب مہلک ہو۔ جیسا کہ تباہ شدہ قوموں کا حال ہوا۔ البتہ اس دھوئیں سے بلاکت نہیں ہوگی۔ اس لئے ایمان کا غیہ، غیانا مقبول ہونا مکمل تامل ہے۔ ال یہ کہ کہا جائے کہ اس وقت باب توبہ بند ہو جائے گا۔

وقالوا معلم۔ قبیلہ ثقیف کے عجمی غلام اس کے متعلق کہا کرتے تھے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو قرآن سکھاتا تھا اور دوسرے سانس میں حضور ﷺ کو دیوانہ مجنون بھی کہتے تھے کیا یہ دیوانگی نہیں ہے کہ ایسے عجیب و غریب کلام پیش کرنے والے کو مجنون کہا جائے۔

انا کاشفوا العذاب۔ یہ جواب ہے ان کی درخواست ربنا اکشف الخ کا بطور التفات کے ہے۔ مقصود تہدید و تنبیح ہے۔ درمیان میں جملہ معتزضہ ہے۔ اور قلیلاً کا مطلب مختصر مہلت ہے خواہ غزوہ بدر کے بعد یا بقیہ عمر تک۔

ولقد فتننا. آزمائش کبھی نعمت دے کر ہوتی ہے۔ جیسے: قوم فرعون کی آزمائش ہوئی اور کبھی مصیبت دے کر آزمائش ہوا کرتی ہے اور اس آزمائش میں فرعون بھی شریک رہا۔ بلکہ بدرجہ اولیٰ حضرت موسیٰ کو کریم فرمایا گیا۔ حق تعالیٰ کے یظ سے بمعنی عزت و وجہ بہت ہے اور مومنین کے اعتبار سے بمعنی شفیق و مہربان یا دونوں لحاظ سے بمعنی مکرم و مشرف ہے۔ کیونکہ شرف نسبی ان کو حاصل تھا اور بمعنی خصیت محمودہ بھی ہو سکتا ہے۔

ان ادوا مفسر نے ان مصدریہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور ”ادوا“ بمعنی طاعت و قبول دعوت ہے۔ بشرط یہ کہ ان مصدریہ کا امر پر داخل ہونا جائز ہو۔ ورنہ تفسیر یہ ہوگا۔ یعنی اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو۔ گویا ان کی آزادی کا مطالبہ تھا۔ کیونکہ فرعون نے ان کو غلام اور بیگار بنا رکھا تھا۔ اس صورت میں ”عباد اللہ“ سے مراد بنی اسرائیل ہوں گے۔ اور پہلی صورت میں عام مراد ہوں گے۔ اور مندی مضاف ماننا ہوگا۔ ترحمون، یائے زائد کے ساتھ جو رسم الخط میں لکھی نہیں جاتی۔ البتہ بلحاظ تلفظ بحالت وصل حذف اثبات دونوں جائز ہیں اور بحالت وقف صرف حذف ہے۔

فاسر نافع، ابن کثیر کے نزدیک ہمزہ وصل کے ساتھ ”سوی“ سے ہے۔ اسراء اور سوی دونوں لازم ہیں۔ ما کے ذریعہ متعدی ہوتے ہیں۔

واترل البحر۔ یعنی پارہ ہو جانے کے بعد دوبارہ دریا کے عصانہ ماریے۔ تاکہ پانی مل نہ جائے۔ بلکہ دریا کو بدستور رہنے دیجئے۔ دھوا۔ نہایت کشادہ، مبالغہ کے لئے کہا گیا۔ اس کے دو معنی ہیں ساکن اور کشادہ۔ مفسر نے دونوں کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور یہ کہ یہ اسم فاعل ہے۔ تاکہ اس کو دریا کا وصف قرار دیا جاسکے۔ جو مقتضی حالیہ ہے۔

ربط آیات: ... جس طرح پچھلی سورت رسالت و توحید کے مضمون سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوئی تھی۔ اس طرح سورہ دھان کی ابتداء انتہا بھی اسی مضمون سے ہے۔ درمیان منکرین کے لئے عذاب کی وعید ہے اور سابقہ تباہ شدہ اقوام کی حالت بطور نظیر کے پیش فرمائی گئی ہے۔

پھر آیت ان هؤلاء ليقولون سے منکرین قیامت کے خیالات نقل کر کے بعض قوموں کی ہلاکت سے دھمکایا گیا اور قیامت کی صحت وقوع و حکمت پر کلام فرمایا اور اس ذیل کے واقعات ذکر فرمائے گئے ہیں۔

روایات: . یوم تاتی السماء بدخان کے ذیل میں منقول ہے کہ فاقہ اور بھوک زیادہ بڑھی تو ابوسفیانؑ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔ یا محمد جنت تامر بصلۃ الرحم وان قومک قد هلكوا فادع الله ان یکشف عنهم۔ چنانچہ آپؐ نے دعا فرمائی۔ اس پر ایک ہفتہ مسلسل بارش ہوئی۔ جب وہ تکلیف کی حد تک پہنچ گئی تو ابوسفیانؑ نے پھر دوبارہ حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ دعا کرنے پر بارش رک گئی۔

فما بکت علیہم السماء۔ حضرت انسؓ سے مرفوع روایت ہے۔ ما من عبد الا وله فی السماء بابان باب یدخل فیہ عملہ و کلامہ و باب یدخل منه رزقہ فاذا مات فقداه و بکیا علیہ۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ ان المومن اذا مات بکی علیہ مصلاه من الارض و مصعد عملہ من السماء۔ شرح بن عبد العزیز کا ارشاد ہے۔ مامات مومن فی غربۃ غایت عنہ فیہا بواکیہ الا بکت علیہ السماء والارض حضرت عطاءؓ فرماتے ہیں۔ بکا السماء حمرة اطرافہا۔

سہی فرماتے ہیں کہ جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو آسمان رویا یعنی حزین و غمگین ہوا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ آسمان زمین کے رونے سے مراد مخلوق کا رونا اور رنجیدہ ہونا ہے۔

﴿تشریح﴾: قرآن پاک اور حق تعالیٰ کی تعظیم تو ان آیات سے ظاہر ہے پیغمبر کی عظمت انا کنا موسلین سے مفہوم ہو رہی ہے۔ اور موسلین کے مفعول ”رسولاً“ کو حذف کرنے سے اور رحمة من ربك میں اسم ظہرانے سے اس تعظیم کی اور تاکید ہوگئی اور قرآن کی قسم کی تحقیق سورۃ زخرف میں گزر چکی ہے۔ البتہ یہ قسم محض تنزیل کے اعتبار سے ہے۔ طرف یعنی لیلہ مبارکہ کی قید کے لحاظ سے نہیں۔ لیلہ مبارکہ کی تفسیر اکثر حضرات نے شب قدر کے ساتھ کی ہے۔ چنانچہ سعید بن جبیرؒ کا ارشاد ہے کہ پورا قرآن آسمان دنیا پر شب قدر میں نازل ہو گیا۔ اور پھر تھوڑا تھوڑا آپ ﷺ پر اترتا رہا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سال بھر کے حالات لوح محفوظ سے شب قدر میں نقل کر لئے جاتے ہیں۔ البتہ قرآن کی دوسری صفت تنزیل ہے۔ یعنی تھوڑا تھوڑا ۲۳۱ سال میں پورا ہوا۔ اور بعض نے شب برات مراد لی ہے۔ کیونکہ روایات میں سالانہ کارروائی کا اس رات میں فیصلہ ہوتا آیا ہے۔

قرآن شب قدر میں نازل ہوا یا شب برات میں؟..... لیکن خود قرآن میں چونکہ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر آچکا ہے اور کسی روایت میں قرآن کا نازل ہونا شب برات میں نہیں آیا۔ اس لئے دوسری تفسیر صحیح نہیں ہے اور شب برات میں واقعات کے فیصلہ سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ قرآن بھی اس میں نازل ہوا ہو۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ دونوں راتوں میں فیصلے ہوتے ہوں۔ یا ان فیصلوں کی تجویز تو شب برات میں ہو جاتی ہو۔ مگر ان کی تنفیذ شب قدر میں ہوتی ہو۔ چنانچہ روح المعانی میں ابن عباسؓ کا ایک قول بد اسند کے بھی نقل کیا گیا ہے۔ اور احتمال کے لئے باقاعدہ ثبوت کی حاجت نہیں۔

بہر حال فرشتے مناسب کاموں پر مامور ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام کے شایان شان وحی اور قرآن کا لانا رکھا گیا اللہ چونکہ سارے عالم کے حالات سے باخبر ہے اور ان کی پکار سنتا ہے۔ اس لئے سارا عالم جب گمراہی سے لبریز ہو گیا۔ تو رحمۃ ملعالمین کی شکل میں رحمت کبریٰ کا مظاہرہ فرمایا۔

ان کنتم موقنین۔ یعنی تم میں اگر یقین رکھنے کی صلاحیت ہے تو سب سے پہلے یقین رکھنے کی چیز اللہ کی ربوبیت عام ہے جس کے آثار ذرہ ذرہ میں ہویدا ہیں۔ جس کے قبضہ میں مارنا جلانا، زندگی موت کی باگ ڈور ہے اور سب اس کے زیر فرمان ہیں۔ کیا اس کے سوا بھی کسی کی بندگی اور طاعت ہو سکتی ہے؟ ان واضح نشانات اور روشن دلائل کا تقاضہ تو یہ تھا۔ کہ یہ لوگ فوراً اس حقیقت کو مان لیتے۔ مگر حیرت ہے کہ وہ تو حید وغیرہ جسے بنیادی اور سچے عقائد کے متعلق بھی شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں اور دنیا میں اتنے غرق ہیں کہ کبھی انہیں آخرت کا دھیان بھی نہیں آتا۔

قحط کا عذاب: ... اس کے بعد ”یوم تاتی السماء“ سے منکرین کے لئے وعید کا بیان ہے۔ روح المعانی کے مطابق قحط سماں دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مکہ میں، دوسری مرتبہ مدینہ میں۔ جس کا حقیقی سبب تو آنحضرت ﷺ کی بددعا تھی اور ظاہری سبب یہ ہوا کہ مکہ میں غمہ یمامہ سے آیا کرتا تھا۔ مگر ثمامہ رئیس یمامہ کے مسلمان ہو جانے پر مشرکین نے ان کو ملامت کی۔ تو انہوں نے یمامہ سے غمہ آنا بند کر دیا۔ آسمان سے تو بارش بند ہوئی تھی اب زمین سے غلہ بھی بند ہو گیا اور مکہ والے دانہ دانہ کو محتاج ہو گئے اور بھوک کے مارے آنکھوں کے سامنے تپے مرے آنے لگے۔ ابوسفیانؑ نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ کو خط لکھا اور حاضر ہو کر



دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا بھی فرمائی اور یمامہ سے دس ہزار کاغذ منگوا کر مفت غریبوں کو تقسیم کر دیا۔  
ابن مسعودؓ بڑے زور سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اس سے مراد قریش مکہ کو قحط سالی کی پیشگوئی ہے۔ جو مصری قحط کی طرح سات سال ان پر مسلط رہا۔ جس میں مردار، چمڑے، ہڈیاں تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ اس صورت میں الناس سے مراد اہل مکہ ہوں گے۔  
اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ یہ دھواں تو بھوک میں خیالی ہوتا ہے۔ پھر اس کو مبین کیسے فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ وہ دھواں واقعی تھا خیالی نہیں تھا۔ کیونکہ سوکھے میں گرد و غبار اور بخارات فضا میں پھیل جاتے ہیں۔ اور روح میں بعض عرب سے نقل کیا ہے کہ ”شر غالب“ کو وہ دخان کہتے ہیں۔ کیونکہ موزی چیز دھوئیں کی طرح تکلیف دہ ہوا کرتی ہے اس لئے تشبیہا قحط مراد لینے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔  
اور سماء سے مراد اوپر کی سمت ہے اور بخارات بلکہ بارش بھی اول اوپر ہوتی ہے پھر نیچے آتی ہے اس طرح بارش اور بخارات دونوں کا محل اول اوپر کی سمت ہوتی ہے۔

دھوئیں کا عذاب: ..... اور اس واقعہ کے پیش گوئی ہونے کا قرینہ ”فارقب“ ہے۔ کیونکہ یہ آیات ان واقعات کے ہونے سے پہلے نازل ہوئیں یوم تاتى السماء تو دخان کے واقعہ سے پہلے اور انا کاشفوا العذاب اس عذاب کے دور ہونے سے پہلے۔ اور بعض روایات میں جو آیت فارقب کا دخان واقع ہونے کے بعد نازل ہونا آیا ہے تو ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے اس وقت یہ آیت تلاوت فرمائی ہوگی مگر نازل پہلے ہو چکی ہوگی۔ راوی یہ سمجھے کہ اب تلاوت کے وقت نازل ہوئی ہے۔ یا کہا جائے کہ ”فانزل اللہ“ کے معنی یہ ہیں کہ ”فظهر ما انزل اللہ“ اور چونکہ یہ دھوئیں کا عذاب ہجرت کے بعد دور ہوا۔ اس لئے ”انا کاشفوا العذاب“ کا مدنی ہونا بقول بیضاوی صحیح ہے۔ اور فی نفسہ کی ہونا بھی باعث اشکال نہیں۔ کیونکہ یہ بھی پیشگوئی ہے۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے خواہ کتنے ہی پہلے ہو۔ البتہ درمنثور کی اس روایت سے کہ ”انا کاشفوا العذاب“ دخان دور ہونے کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی مدنییت رائج معلوم ہوتی ہے۔

ابن عباسؓ وغیرہ کہتے ہیں کہ دخان سے مراد قیامت کے قریب ایک عالمگیر دھواں اٹھے گا۔ نیک آدمی کے لئے تو زکام کی سی کیفیت ہوگی۔ مگر کافر و منافق کے دماغ میں گھس کر برا حال بنا دے گا۔ ممکن ہے اس تقدیر پر یہ دھواں آسمانوں کے اسی مادہ سے ہوگا۔ جس کا ذکر آیت ثم استوی الی السماء وہی دخان میں آیا ہے۔ گویا آسمان دھوئیں کی صورت میں تحلیل ہو کر پہلی حالت کی طرف واپس لگیں گے اور یہ اس کی ابتداء ہوگی۔

سزا کے وقت توبہ بے فائدہ ہے: ..... انی لهم التناوش۔ یعنی ہر چند کہ یہ لوگ توبہ تلا کر رہے ہیں کہ اب اس آفت سے نجات دے دیجئے۔ ہماری توبہ کہ پھر شرارت نہ کریں گے۔ بکے مسلمان بن کر رہیں گے۔ لیکن عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد یہ سارا رونا دھونا ہے۔ اب سمجھنے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ کہاں رہا۔ پیغمبروں کی کھلی نشانیوں اور واضح ہدایتوں کے وقت توبہ نے نہیں۔ اس وقت تو کہہ رہے تھے کہ یہ باؤلا ہے۔ کبھی کہتے کہ یہ کسی سے پڑھ پڑھا کر آیا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی تفسیر ہے۔

لیکن ابن مسعودؓ کی تفسیر پر دھوئیں کے دفعیہ کے لئے دعا کی درخواست مراد ہے۔ اس صورت میں بھی حاصل آیات یہ ہوگا۔ کہ یہ لوگ ان باتوں سے کہاں۔ نئے والے ہیں؟ آفتاب سے روشن آپ کی نبوت کو نہیں مانا۔ ایسے ضدی اور عنادی لوگوں سے سمجھنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے عذاب بھی ہٹالیں۔ پھر وہی حرکتیں کرنے لگیں گے یا بقول ابن مسعودؓ ہم کچھ عرصہ کے لئے عذاب ہٹائے لیتے ہیں۔ مگر وہی کریں گے جو کرتے آئے ہیں۔

یوم ببطش۔ بقول ابن عباس قیامت کی پکڑ و پھکڑ مراد ہے اور بقول ابن مسعود عذراۃ بدر میں جو ان کی درست بنی ہے وہ مراد ہے۔

حضرت موسیٰ کا نعرہ آزادی: ..... ان لا تعجلوا۔ یعنی اللہ کے بندوں کو اپنے فرعونیو! اپنا بندہ نہ بناؤ۔ بلکہ ان کو غلامی سے آزادی دے کر میرے حوالہ کر دو۔ حضرت موسیٰ نے عصا اور ید بیضا کے کھلے نشانات دکھلائے۔ مگر طاقت کے نشہ میں جو وہ ڈوب ہوئے ہوتے ہیں وہ حجت سے کہاں سمجھتے ہیں۔ وہ تو بس طاقت ہی کی زبان سمجھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ادھر لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت ڈرایا دھمکایا۔ مگر اہل حق طاقت کے آگے کہاں جھکتے ہیں۔ فرمایا: اللہ کی پناہ مجھے حاصل ہے۔ اس کی طاقت و حفاظت پر مجھے بھروسہ ہے۔ تاہم اگر تم میری بات نہیں مانتے تو کم از کم ستانے سے تو باز آؤ۔ اپنے جرم کو خواہ مخواہ سنگین کیوں بنا رہے ہو۔ مجھے اپنی قوم کو لے جانے دو۔ میری راہ نہ رو۔ آخر کار پھر اللہ سے دعا کی۔ کہ یہ باز آنے والے معلوم نہیں ہوتے۔ میرے ان کے درمیان بس فیصلہ فرما دیجئے۔ وہاں یہاں تھی حکم ہوا کہ چپکے سے راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے چلے جاؤ۔ لیکن یاد رکھنا صبح تمہاری تلاش میں پیچھا کیا جائے گا۔ سمندر سے پیاب ہونے کی صورت یہ کہ دریا پر عصا مار دینا۔ اس طرح پانی ادھر ادھر بہت کر تمہیں گزرنے کے لئے خشکی کا راستہ دے دے گا اور جب تم بخیریت پار ہو جاؤ تو دریا کو یوں ہی رہنے دینا دوبارہ عصا مت مارنا۔ اس کی فکر نہ کرنا کہ راستہ باقی نہ رہے۔ بلکہ پانی کو بدستور رہنے دینا تاکہ فرعون اور اس کی قوم ان ڈوبنے کی تدبیر کامیاب ہو جائے۔ وہی ہوا کہ دشمن کا سارا لشکر ڈوب کر قصہ پاک ہو گیا۔

کذلک و اورثناھا۔ اس سے متعلق کچھ ضروری تفصیل سورۃ اعراف و سورۃ شعراء میں گزر چکی ہے۔ تاہم حضرت حسن کی رائے ہے بنی اسرائیل دوبارہ پھر مصر واپس آ کر آباد ہوئے جیسا کہ ظاہر آیت سے مفہوم ہو رہا ہے۔ لیکن حضرت قتادہ اس واپسی کے منکر ہیں۔ جیسا کہ مشہور تاریخوں سے ثابت ہے۔ پہلی صورت میں تو وارث بنانے کے معنی ظاہر ہیں۔ لیکن دوسری صورت میں قدرت تصرف کے معنی ہوں گے جو واپسی پر موقوف نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ فرعونوں جیسا سامان و قوت بنی اسرائیل کو بھی مل گئی۔

زمین و آسمان کا روٹنا: ..... فما بکت۔ بیہوشی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ مومن کے مرنے پر چالیس روز تک زمین روتی ہے کہ افسوس یہ سعادت ہم سے چھن گئی۔ کافر کے پاں ایمان اور نیک عمل نہیں۔ پھر اس پر زمین و آسمان کیوں رومیں۔ بلکہ شاید خوش ہوتے ہوں گے کہ چلو اچھا ہوا پاپ کٹا۔

آیت میں جب رونے کے حقیقی معنی ہو سکتے ہیں اور ان کے لینے میں کوئی مانع بھی نہیں۔ کیونکہ بقدر ضرورت ہر چیز میں ادراک و شعور ان میں شئی الا یسبح بحمدہ نص سے ثابت ہے۔ بلکہ مذکور بالا روایات سے حقیقی معنی کی تصدیق اور ترجیح ثابت ہو رہی ہے۔ پس اب رونے کے مجازی معنی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً: یوں کہا جائے کہ بطور استعارہ تمثیلیہ کسی کی عظمت و شدت موت کو اس شخص کی موت سے تشبیہ دینی ہے۔ جس پر آسمان زمین کا رونا فرض کیا جائے۔ اس طرح نہ رونے کے مجازی معنی بھی نہیں لئے جائیں گے۔ کہ مثلاً اس کا وجود قابل لحاظ نہیں۔ بلکہ بے کار محض ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب معنی حقیقی رونے نہ رونے دونوں کے بن سکتے ہیں۔ پھر مجاز اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

لطانف سلوک: ..... انی عذت برہبی وربکم الخ۔ میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع و التجا کرنا اور مدعیان تصوف کی طرح اپنی قوت کا دعویٰ نہ کرنا اظہار عبدیت کے لئے ہے۔

وان لم تؤمنوا لہی فاعتزلون میں جس شخص کی اصلاح کی امید نہ ہو اس سے قطع تعلق کر لینے پر ہدایت ہو رہی ہے۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَآءَ يُلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٢٤﴾ قَتَلَ الْإِنثَاءَ وَاسْتَحْذَمَ النِّسَاءَ مِنْ فِرْعَوْنَ قَدْ  
تَدَنَّ مِنَ الْعَذَابِ بِتَقْدِيرٍ مُضَافٍ إِلَى عَذَابٍ وَقِيلَ خَالَ مِنَ الْعَذَابِ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٢٥﴾  
وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ إِلَى بَنِي إِسْرَآئِيلَ عَلَى عِلْمٍ مِنَّا بِخَالِهِمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٦﴾ أَيْ عَالَمِي رَمَاهُمْ أَيْ  
تَعْلَاةٍ وَاتَّيَهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاغٌ مُبِينٌ ﴿٢٧﴾ نِعْمَةٌ ظَاهِرَةٌ مِنْ قَلْبِ الْحَرِّ وَالسَّيِّئِ وَاسْتَلَوَى  
وَعَبْرَهَا إِنَّ هَؤُلَاءَ أَيْ كُفَّارٌ مَكَّةَ لَيَقُولُونَ ﴿٢٨﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا السَّمُوتُ الَّتِي نَعْلَمُهَا الْحَيَوَةُ إِلَّا مَوْتُنَا  
الْأُولَى أَيْ وَهِيَ نَصَفٌ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِينَ ﴿٢٩﴾ بِمَنْعُوْنِ أَحْيَاءَ بَعْدَ الْمَوْتِ فَاتُّوا بِإِبْرَآئِيلَ أَحْيَاءَ إِنْ  
كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٠﴾ أَنَا نَبِئْتُ بَعْدَ مَوْتِنَا أَيْ نَحْيَا قَالَ تَعَالَى أَهْمُ خَيْرٌ أَمْ قَوْمٌ تُبْعَثُ هُوَ مُسَيِّئٌ أَوْ رَجُلٌ  
صَاحِبٌ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْأَمَمِ أَهْلَكْنَاهُمْ لِكُفْرِهِمْ وَالْمَعْنَى لِيَسْأَلُوا أَقْوَى مِنْهُمْ فَأَهْلَكُوا إِنَّهُمْ  
كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣١﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَعِبِينَ ﴿٣٢﴾ سَخِلِقُ ذَلِكَ حَالٌ  
مَا خَلَقْنَاهُمَا وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ أَيْ مُحَقِّقِينَ فِي ذَلِكَ لِنَسْتَدِلَّ بِهِ عَلَى قُدْرَتِنَا وَوَحْدَانِيَّتِنَا وَغَيْرَ ذَلِكَ  
وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ أَيْ كُفَّارٌ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ إِنْ يَوْمَ الْفُضْلِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُفْضَلُ اللَّهُ فِيهِ تَبَنِي الْعِبَادِ  
مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٤﴾ لِلْعَذَابِ الدَّائِمِ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَى عَنْ مَوْلَى بَشَرِيَّةٍ أَوْ صَدَاقَةٍ أَيْ لَا يَنْفَعُ عَنْهُ  
شَيْئًا مِنَ الْعَذَابِ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٣٥﴾ يُمنَعُونَ مِنْهُ وَيَوْمَ يَدُلُّ مِنَ يَوْمِ الْفُضْلِ الْأَمَنُ رَحِمَ اللَّهُ وَهُوَ  
الْمُؤْمِنُونَ فَإِنَّهُ يَنْفَعُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ بِإِذْنِ اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْعَالِمُ فِي انْتِقَامِهِ مِنَ الْكُفَّارِ  
الرَّحِيمُ ﴿٣٦﴾ بِالْمُؤْمِنِينَ إِنْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿٣٧﴾ هِيَ مِنْ أَحْبَبِ الشَّجَرِ الْمُرِّيَّةِ يُسْتَهَا اللَّهُ فِي ۱۳  
الْجَحِيمِ طَعَامُ الْآثِمِ ﴿٣٨﴾ أَيْ أَبِي جَهَنَّمَ وَأَصْحَابِهِ ذَوِي الْإِثْمِ الْكَثِيرِ كَالْمُهْلِ ۱۴ أَيْ كَدَّرْدَى الرَّبِّ  
الْأَسْوَدُ حَبْرَتَانِ يَغْلَى فِي الْبُطُونِ ﴿٣٩﴾ بِالْفُوفِيَّةِ خَبْرُ ثَالِثٍ وَبِالشَّخْتَانِيَّةِ حَالٌ مِنَ الْمُهْلِ كَغَلِي  
الْحَمِيمِ ﴿٤٠﴾ الْمَاءُ الشَّدِيدُ الْحَرَارَةِ خَذُورُهُ يُقَالُ لِلزَّيْنَبِيَّةِ وَخَذُوا الْآثِمَ فَأَعْتَلُوهُ بِكُسْرِ التَّاءِ وَضَمِّهَا  
خَرُورُهُ غَلْظُهُ وَشِدَّةُ إِلَى سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤١﴾ وَسَطُ النَّارِ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ  
الْحَمِيمِ ﴿٤٢﴾ أَيْ مِنَ الْحَمِيمِ الَّذِي لَا يُفَارِقُهُ الْعَذَابُ فَهُوَ أَبْلَغُ مِمَّا مَعْنَى آيَةٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمْ  
الْحَمِيمُ وَيُقَالُ لَهُ ذُقْ أَيْ الْعَذَابُ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٣﴾ بِزَعَمِكَ وَقَوْلِكَ مَا بَيْنَ حَسْبِهَا  
عَزُّوَ الْكَرَمِ مَتَى وَيُقَالُ لَهُمْ إِنْ هَذَا الَّذِي تَرَوْنَ مِنَ الْعَذَابِ مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿٤٤﴾ فِيهِ تَشْكُوتُ إِنْ  
الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ مَجْدِسٍ آمِينَ ﴿٤٥﴾ يَوْمٌ فِيهِ الْخَوْفُ فِي جَنَّتِ سَنَابِلُ وَغَبُونُ ۱۵ يَلْبَسُونَ مِنَ  
سُنْدُسٍ وَاسْتَبْرَقٍ أَيْ مَارِقٍ مِنَ الْبَدَايِخِ وَمَا غَلِظَ مِنْهُ مُتَقَبِّلِينَ ﴿٤٦﴾ خَالَ أَيْ لَا يَصْرُ عَضُّهُمْ نَحْوِ

فَمَسْغُورٍ - سوزانہ اور افسردہ بنیں گے۔ كَذَلِكَ يُقَدَّرُ قَبْلَهُ الْاَمْرُ وَزَوْجُهُمْ مِنْ شَرِّوَيْحٍ اَوْ فَرَسٍ هُمْ  
 بِحُورٍ عَيْنٍ ﴿۵۳﴾ بِسَاءَ بَيْضٍ وَاَسْعَاتٍ الْاَعْيُنِ حَسَانُهَا يَدْعُونَ يَطْلُبُونَ الْخِذْمَ فِيهَا اِي لَحْمَهُ لَنْ يَأْتُوا  
 بِكُلِّ فَاكِهَةٍ مِّمَّا اَمِينٌ ﴿۵۵﴾ مِنْ اِنْقِطَاعِهَا وَمُضَرَّتِهَا وَمِنْ كُلِّ مَخَوْفٍ حَالٍ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا  
 الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُولَى اَيِ التِّي فِي الدُّنْيَا بَعْدَ حَيَاتِهِمْ فِيهَا قَالَ بَعْضُهُمْ لَأَسْمَعِيَ نَعْدَ وُوقَهُمْ  
 عَذَابُ الْجَحِيمِ ﴿۵۶﴾ فَضُلًا مَصْدَرٌ بِمَعْنَى تَفْضُلًا مَنصُوبٌ بِتَفْصِيلِ مُقَدَّرًا مِنْ رَبِّكَ ذَلِكَ هُوَ  
 الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ سَهْلًا لِّلْقُرْآنِ بِلِسَانِكَ بَلَّغْتِكَ لِنَفْهَمَهُ الْعَرَبُ مِنْكَ لَعَلَّهُمْ  
 يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۸﴾ يَتَّعِظُونَ فَيُؤْمِنُونَ لِكِنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ فَارْتَقِبْ اِنْتَظِرْ اِهْلَاكَهُمْ اِنَّهُمْ مَرْتَقِبُونَ ﴿۵۹﴾  
 هَلَاكِهِمْ وَهَذَا قَوْلُ نَزُولِ الْاَمْرِ بِجَهَادِهِمْ

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب (لڑکوں کے قتل اور لڑکیوں سے خدمت لینے) یعنی فرعون سے  
 نجات دے دی (جنس نے من فرعون کو مضاف مقدر مان کر من العذاب سے بدل مانا ہے اور بعض نے حال کہا ہے) واقعی وہ بڑا سخت  
 سزا، عذاب سے نکل جانے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے (بنی اسرائیل کو) برتری بخشی (ان کے حالات سے) پی واقفیت کی بنا پر دنیا  
 جہنم میں پر (یعنی اپنے زمانہ کے دانشوروں پر) اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلم کھلا انعام تھا (یعنی دریائے نیل کا پھٹ  
 جانا، من اسوی کا ترنا، اسی طرح کی اور کھلی نعمتیں) یہ لوگ (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ اخیر حالت بس یہی (یعنی دوبارہ موت کے بعد پھر زندہ  
 ہونا نہیں ہے) پہلی دفعہ کی موت تھی (یعنی وجود سے پہلے نطفہ کی حالت تھی) اور ہم دوبارہ زندہ نہ ہوں گے (دوسری موت کے بعد پھر زندہ  
 ہو کر نہیں ٹھہریں گے) سو ہمارے باپ دادوں کو (زندہ کر کے) لا موجود کرو اگر تم سچے ہو (اس بارہ میں کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ ٹھہرے  
 زندہ نہ ہونے جا میں گئے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) یہ لوگ زیادہ بڑھے ہوئے ہیں یا تیج (پیغمبر یا ولی) کی قوم اور جو (قومیں) ان سے پہلے ہو  
 گزری ہیں ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا (ان کے کفر کی وجہ سے) حاصل یہ ہے کہ اہل مکہ پہلے لوگوں سے زیادہ مضبوط نہیں۔ پھر بھی وہ ہلاک  
 ہو گئے) واقعہ یہ لوگ مجرم تھے اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے فضول پیدا نہیں کیا (لا عیس حال ہے) اور  
 ہم نے آسمانوں اور زمین (اور ان کے درمیان کی چیزوں) کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے (اس حقیقت کے پیش نظر کہ ان سے ہماری  
 قدرت وحدانیت وغیرہ پر استدلال کیا جاسکے) لیکن (مکہ کے کافروں میں) اکثر سمجھتے نہیں۔ بلاشبہ فیصلہ کا دن (قیامت کا روز جس میں  
 اللہ بندوں کا فیصلہ فرمائے گا) ان سب (کے دائمی عذاب) کا مقررہ وقت ہے جس دن کوئی تعلق والا کسی تعلق والے کے (حق یا دوستی کی  
 وجہ سے) یعنی کوئی مدافعت نہیں کر سکے گا) ذرا بھی کام نہیں آئے گا (عذاب سے بچاؤ کے لئے) اور نہ ان کی کچھ حمایت کی جائے گی (مدد  
 ہوں بیوم بد ہے بیوم الفصل کا) ہاں مگر جس پر اللہ رحم فرمائے (مومنین اللہ کی اجازت سے ایک دوسرے کی سفارش کریں گے) یقیناً  
 وہ زبردست ہے (کفار سے انتقام لینے میں غالب) مہربان ہے (مومنین کے لئے) بلاشبہ زقوم کا درخت (جو بدترین ٹر اور سخت تہامہ  
 میں سے ہوتا ہے۔ دوزخ میں اللہ پیدا فرمائے گا) بڑے مجرم کا کھانا ہوگا (ابو جہل اور اس کے یار دوستوں کے لئے جو بڑے پاپی تھے) جو تیل  
 کی پھٹ جیسا ہوگا (سیاہ تیل کی گاد کی طرح، یہ خبر ثانی ہے) وہ پیٹ میں ایسا کھولے گا (تغلی خبر ثالث ہے اور علی حال سے من  
 المہل ہے) جیسے گرم پانی (انہائی تیز) کھولتا ہے، اس کو پکڑو (دوزخ کے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان مجرموں کو گرفتار کرو) پھر ان کو ٹھینٹے  
 ہوئے (کہوتے) دوزخ کے ساتھ (نہایت سخت سے کھینچنا) دوزخ کے بیچوں بیچ (درمیان) تک لے جاؤ۔ پھر اس کے سر پر کھوتا ہو تکلیف  
 دہانی اندیل دو۔ (یعنی ایسا گرم پانی جو تکلیف دہ ہو۔ یہ الفاظ دوسری آیت یصب من فوق رؤسہم الحمم سے زیادہ بڑھے ہوئے



معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حضور ﷺ سے نہ سو سال پہلے ایمان لائے آئے تھے۔ یہ تبع الابرار کو کرب کہلاتے ہیں۔ ان کا نام اعدتوں۔ حضرات انصار اپنی نسبت ان کی طرف کرتے تھے۔ بیت اللہ پر غلاف سب سے اول انہوں نے ہی ڈالا تھا۔ مدینہ پر بھی انہوں نے چڑھائی کی تھی۔ مگر بس ان کو یہ معلوم ہوا کہ یہ آخری پیغمبر کی ہجرت گاہ ہوگی، تو واپس ہو گئے اور یہ شعر کہا۔

شهدت علی احمد انہ رسول من اللہ بادی النسم

فلو مد عمری الی عمرہ لکنت وزیر الہ وابن عم

ابن عباس تو ان کو نبی مانتے ہیں اور کعب کہتے ہیں یہ بادشاہ تھے۔ ان کی قوم میں کاہن اور اہل کتاب دونوں تھے۔ انہوں نے۔  
دونوں کو قربانی پیش کرنے کے لئے کہا۔ چنانچہ اہل کتاب کی قربانی قبول ہو گئی۔  
حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ تبع کو برا نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ وہ ایک صالح شخص تھے۔

سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے نعبۃ اللہ پر غلاف انہوں نے ڈالا ہے۔ کعب کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کی قوم کی برائی نہیں فرمائی۔ قریش چونکہ ان کے قریب تھے اور ان کو بڑا سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کی عبرت کے لئے قرآن نے یہ مثال تجویز کی۔  
اس میں اس آیت پر خیر یا کرتے تھے۔ کیونکہ اس میں ان کو قریش سے بہتر کہا ہے اور ان کو تبع اس لئے کہا کہ انہوں نے اپنے اشرسہ سمیت آفتاب صول ہونے کی سمت سفر کر کے مشرقی کنارہ کے قریب پہنچے یا بعد کے لوگوں نے بکثرت ان کا اتباع کیا۔

والدیس من قبلہم۔ قوم تبع پر اس کا عطف ہے یا یہ مبتداء ہے اور ”اہلکھم“ خبر ہے پہلی صورت میں اہلکھم  
مستأنف یا بعد کی ضمیر سے حال ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فعل مقدر کی وجہ سے حال ہے جس کی تفسیر اہلکھم ہے۔ اس وقت  
اہلکھم محل اعراب میں نہیں ہوگا۔

الا بالحق ما ملأست کے لئے۔ جار مجرور فاعل سے حال ہے اور مفسر نے اس کو باسبیہ مانا ہے سبیۃ غایۃ۔  
یوم الفصل۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اضافت بمعنی فی ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اضافت ہوا۔ طام ہے کیونکہ پہلی  
صورت میں ثانی اول کا ظرف ہونا چاہئے جیسے مکر الیل۔

لا یغنی اس میں پہلا مولیٰ فاعلیۃ کی بناء مرفوع ہے اور دوسرا مولیٰ مجرور ہے عطف کی وجہ سے اور شینا مفعول بہ ہے ولا  
ہم ضمیر جمع مولیٰ ثانی کی طرف ہے جو معنی جمع ہے اس سے کافر مراد ہے اور پہلے مولیٰ سے مومن مراد ہے۔ یعنی کوئی مومن کسی کافر کے  
کا نہیں آئے گا۔ واتفوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شینا کی طرح یہ مضمون ہے ”ولا ہم ینصرون“ اس کی تاکید ہے کہ  
رشتہ داری اور دوستی دونوں کا رشتہ نہیں ہوں گی۔

مولیٰ کے معنی آقا، غلام، چچا زاد بھائی، مددگار، تجارت، حلیف کے آئے ہیں۔  
شجرۃ الزقوم۔ اس کا تیل نہایت مفید ہے۔ ریح بارود، وجع المفاصل، بلغمی امراض، عرق النساء کے لئے عجیب و غریب  
ہے۔ اس کی جڑ کو ایچ کابی کہتے ہیں۔

المیل تیل کے نیچے جو خراب تلچھٹ ہوتا ہے۔

حدودہ۔ تفسیری عبارت میں عطف کے لئے اشارہ کر دیا۔

فاعتلوہ قوموں میں ہے عتلہ، یعتلہ، فاعتل۔ سختی سے گھسیٹنا۔

من عذاب الحمیمہ اگرچہ عذاب بننے والی چیز نہیں کہ اس کو اندیلا جائے مگر مبالغہ مقصود ہے۔

مقام امیں فعل بمعنی مفعول مکان کی صفت بلحاظ مکین الائی گئی ہے۔

کذلک۔ ای الامر کذلک یہ جملہ مقررہ ہے۔

روحانہ۔ نسبت احکام کی جگہ نہیں۔ اس لئے ترویج شرعی مراد نہیں۔ بلکہ بمعنی قرین مراد ہے۔ چنانچہ ترویج بمعنی عقد، ہاکے

ذریعہ متعدی نہیں ہوتا، بلکہ بنفسہ متعدی ہوا کرتا ہے۔ البتہ جو حضرات تزویج بمعنی عقد لیتے ہیں وہ بازائد کہتے ہیں یا بقول اخفش لغت ارد شواءۃ میں با کے ذریعہ بھی تعدیہ ہو سکتا ہے۔

بحور عین۔ حور، حوراء کی اوو عین عیناء کی جمع ہے۔

الا السموتۃ الا ولی۔ جنت میں موت کا ذاتہ نہیں ہوگا۔ پھر یہ کیسے فرمادیا؟ اس لئے بقول طبرانی کہا جائے گا کہ الا بمعنی بعد ہے۔ اس توجیہ سے اگرچہ اشکال صاف ہو جائے گا۔ لیکن الا بمعنی بعد آنا باعث تامل ہے۔ اس لئے بعض نے توجیہ کی کہ !! استثناء منقطع کے لئے ہے۔

فضلاً۔ مفعول نہ بھی ہو سکتا ہے۔

فارتقب اس کا اور مرتقبون کا مفعول محذوف ہے۔ اس ہدایت کے حکم جہاد سے پہلے ہونے کا مطلب نسخہ اصطلاحی نہیں ہے۔ کیونکہ سابق حکم کو دوسرے حکم سے بدلنے کو نسخہ کہا جاتا ہے۔

ربط آیات: ..... منکرین کی وعید کی تاکید کے لئے فرعون اور اس کی قوم کی تباہی کا ذکر ہے۔

آیت ان ھولاء سے منکرین قیامت کا انکار اور اس کا جرم اور مستحق عذاب ہونا اور بطور نظیر قوم تبع کا واقعہ اور قیامت کے امکان و صحت اور وقوع اور قیامت کی حکمت و ترجیح اور اجمالی واقعات کا تذکرہ ہے۔ پھر واقعات قیامت کی قدرے تفصیل ہے۔

روایات: ..... محمد بن اسحاق وغیرہ نے تبع کی کتاب کا یہ اقتباس پیش کیا ہے۔ اما بعد فانی امت بنزل علیک وانا علی دیک و سنتک و امت بربک و رب کل شی و امت بکل ماجاء من ربک من شرائع الا سلام فان ادرکت فیہا و سعت و ان لم ادرکک فاشفع لی و لا تنسنی یوم القیامۃ فانی من امتک الا ولین و بایعتک قبل مجیشک و انا علی ملتک و ملۃ ابیک ابراہیم علیہ السلام پھر اس تحریر کے آخر میں للہ الا مر من قبل و من بعد کی مہر ہے اور خط کے شروع میں الی محمد بن عبد اللہ بنی اللہ و رسولہ خاتم النبیین و رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

﴿تشریح﴾: ..... علی علم کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ بنی اسرائیل کی کمزوریاں اور کوتاہیاں ہمیں معلوم تھیں۔ مگر ہم نے اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر اس دور کے اور بعد کے لوگوں پر ان کو ایک خاص برتری بھی بخشی۔ مثلاً: یہی کہ اتنے انبیاء اور بادشاہ کسی دوسری قوم کو میسر نہیں آئے۔ بنی و سلوکی کا اترنا، بادل کا سایہ فگن رہنا وغیرہ۔

ان ھولاء۔ یہاں سے پھر روئے سخن قریش کی طرف ہو گیا جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کو کسی طرح نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے کہاں کا مشر، کیسا حساب؟ وہ پیغمبر اور مسلمانوں سے کہتے کہ اچھا ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو ذرا زندہ کر کے دکھا دو۔ تب ہم جانیں فرماتے ہیں بھلا یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور دوسری پچھلی قومیں، جب ہم نے ان مجرموں کو معاف نہیں کیا تو ان کی گستاخیاں کیسے برداشت کی جائیں گی۔ یہ بھی اپنے جرموں کی پاداش کو پہنچ کر رہیں گے۔

تبع کون تھے؟: ..... یمن کے اس بادشاہ کی قلمرو سب اور حضر موت علاقوں تک تھی۔ تبع بہت زمرے ہیں۔ یہ وہاں کے بادشاہوں کا لقب ہوتا تھا۔ اللہ جانے یہاں کون سا تبع مراد ہے۔ بہر حال اتنا ظاہر ہے کہ اس کی قوم صاحب قوت و جبروت تھی۔ ابن کثیر نے قوم سبامرادی ہے جس کا ذکر سورہ سبا میں گزرا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ اس کا نام اسعد تھا اور وہ اسلام لے آیا تھا اور اپنی قوم کو جو بت پرست تھی اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے سرکشی کی۔ ان پر ایک آگ آئی جس نے ان کا کام تمام کر دیا۔ بعض مسلمان ہوئے بعض ذمی بنے اور بعض کی رائے میں یہ تبع اول تھا۔ جو قبل مسیح گزرا ہے۔ کثرت اتباع کی وجہ سے یہ لقب پڑا۔ اس کے



بعد یمن کے بادشاہوں کا یہی نقب رہا ہے۔

**قیامت کا ہونا عقلی ہے یا نقلی:** وما خلقنا یعنی اتنا بڑا کارخانہ کوئی جیل تو نہیں۔ بڑی حکمت سے بنایا ہے۔

ایک دن اس کا نتیجہ نکل کر رہے گا اور وہی نتیجہ آخرت ہے۔ یمن دنیا کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ یعنی ان بڑے بڑے کروں کو دیکھ کر بھی نہیں سمجھتے کہ جو ستے بڑے جہان بنا سکتا ہے وہ دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔ یہ تو قیامت کے امکان و صحت پر استدلال عقلی ہوا۔

اسی طرح دلائل نقلیہ یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ جہان ہمارے فائدہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تاکہ نعمتوں سے مستمتع ہو کر رحمت و شکر بجا آئیں۔ جن پر کامل ثمرات ملیں۔ ورنہ ناسپاسی اور نافرمانی کی صورت میں خسرانِ کامل سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یہ سوئی آخرت کی حکمت اور یہی حکمت مقتضی ہے آخرت کے رجحان و جوہر کی۔ کیونکہ اگر مشیت الہی قیامت نہ ہونے کے لئے ہوتی تو پھر وہی حکمت ہوتی اور اسی کو ترجیح ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا وجود عقلی نہیں ہے پس مجازات کے واجب ہونے کا شبہ ساقط ہو گیا۔

ان یوم المصصل سے قیامت کے واقع ہونے کا پہلے اجمالی بیان ہے کہ سارے عالم کا حساب کتاب ایک وقت ہو جائے گا۔ اللہ کی رحمت ہی کام آئے گی۔ مگر کسی کی دیکھیری نہیں کر سکے گا۔

**زقوم کی تحقیق** ان شجرة الزقوم۔ یہ قیامت کا تفصیلی بیان ہے۔ زقوم سینڈھ کو کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کی مناسبت ان وجہ سے اس کو سینڈھ کہتے ہیں۔ ورنہ دوزخ کے سینڈھ کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ جنت و جہنم کی چیزوں کے ناموں میں محض شراک ہے۔ ورنہ کیفیت اور حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔

آج کل عرب میں زقوم کا پھل برشوی کہلاتا ہے۔ جو کھایا جاتا ہے۔ سوا اول تو ممکن ہے کہ یہ برشوی دوسری نوع کا پھل ہوتا ہو زقوم کے علاوہ۔ کیونکہ ہر زمانہ میں اصطلاحات بدلتی رہتی ہیں۔ اگر وہی نوع ہو تب بھی آیت میں چونکہ درخت کھانے کا ذکر فرمایا گیا ہے پھل کو نہیں فرمایا گیا۔ اس لئے آیت میں اشکال نہیں رہا۔ پھر زقوم کا کھانا دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ واقعہ کی آیت ہدایہ اللہ سے منہوم ہوتا ہے اور فاعتلوه کی فاعل کے ظاہر سے بھی یہی سمجھ میں آ رہا ہے۔ لیکن اگر دوزخ میں داخل ہونے کے بعد بھی یہ کھانا ہو۔ تو پھر فاعل رعایت کرتے ہوئے اس کا پہلے ہونا بلحاظ مساواة الجحیم کے ہوگا۔ یعنی زقوم کھانے کے وقت دوزخ میں تو ہو ہوگا۔ مگر وسط دوزخ میں نہیں ہوگا۔ زقوم کھلا کر پھر وسط دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا۔ جیسا کہ سورۃ صافات کی آیت ثلثمہ ان مرجعہم لا الی الجحیم سے معلوم ہو رہا ہے۔ اس لئے اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ زقوم کھلانے دوزخ سے باہر لے جانا ہوگا۔ پھر دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔ اس کا کچھ بیان سورۃ مؤمن میں بھی ہو چکا ہے۔

انک انت العزیز الکریم۔ یعنی دنیا میں بڑا بڑا تھا اب کہاں گئی وہ بڑائی۔ پہلے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا۔ یہی سمجھتا رہا کہ یوں ہی کھیلتے کودتے گزر جائے گی۔ آخر مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے، اب دیکھ لیا کہ وہ باتیں سچی نکلیں جو پیغمبروں نے بتائی تھیں۔ ان المتقین۔ مضرت کے بعد منفعت کا بیان ہے کہ جنت ہر قسم کے دائمی عیش و عشرت کی جگہ ہوگی۔ وہاں کبھی موت نہیں آئے گی۔ نہ عیش و فانی نہ عیش اٹھانے والے فانی، اس سے بڑھ کر اور کامیابی کیا کہ ہمیشہ کے لئے اللہ کی عنایات و الطاف میں مگن رہیں گے۔

فانتظر۔ یعنی یہ تو منتظر ہیں کہ آپ پر کوئی افتاد پڑے۔ لیکن آپ دیکھتے جائے کہ ان کا کیا حال بنتا ہے۔ آپ بیخ کے مدد وہ فکرات میں نہ پڑے۔ اور نہ ان کی مخالفت پر رنجیدہ ہوئے۔ صبر کیجئے اور انہیں خدا کے حوالے کیجئے وہ خود سمجھ لے گا۔

**طائف سلوک:** ولقد اخترنا ہم علی علم سے معلوم ہوا کہ جو اولیاء مرتبہ مرادیت پر فائز ہوتے ہیں۔ اللہ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ ان کو ان کے نفس کے حوالہ نہیں کرتا۔ وہ خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

ان شجرة الزقوم۔ روح المعانی میں بعض کا قول منقول ہے کہ دنیا کی حرص و طمع قیامت میں زقوم کی صورت میں متشکل ہوگی۔ مسند تمثیل کی یہ بھی ایک فرع ہے۔

## سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ الْاَقْلُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا الْاَيَّاتُ وَهِيَ سِتُّ اَوْ سَبْعٌ وَتَتُوْنُ اِيَّةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

حَمْدٌ ١٠ لِّلّٰهِ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهٖ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ الْقُرْاٰنِ مُبْتَدَاً مِّنَ اللّٰهِ خَبْرُهُ الْعَزِيْزُ فِيْ مَلِكِهِ الْحَكِيْمِ ٢١ فِى صُنْعِهِ اِنَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اٰى فِى خَلْقِهِنَّ لَاٰىتٍ ذٰلِكَ عَلَى قُدْرَةِ اللّٰهِ وَوَحْدِ اِيْتِهِ تَعَالٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ٣٠ وَفِى خَلْقِكُمْ اٰى خَلَقَ كُلَّ مِنْكُمْ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ عَلَقَهُ ثُمَّ مَضْغَةً اِلٰى اَنْ يَّصَارَ اِنْسَانًا وَحَقُّ مَا يَبْتَغِ يُمِرُّ فِى الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ هِىَ مَا يَدْبُ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْاَسْوَدِ وَالْبَيْضِ وَالْاَسْوَدِ وَالْبَيْضِ يُوْقِنُوْنَ ٣١ بِاٰتِئَاتٍ وَفِى اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ذَهَابُهُمَا وَمَجِيئُهُمَا وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِّزْقٍ مَّضْرٍ لَّأَنَّهُ سَبَبُ الرِّزْقِ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ نَفْسُهَا مَرَّةً حَيًّا وَمَرَّةً شَمَالًا وَمَرَّةً وَبَارِدَةً وَحَارَةً اٰى لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ٤٠ الدَّلِيْلُ فَيُؤْمِنُوْنَ بِتِلْكَ الْاٰىتِ الْمَذْكُوْرَةِ اٰى اللّٰهُ حُجَّتُهُ اِدْبَاعُهُ عَلَى وَحْدَانِيَّتِهِ نَتْلُوْهَا نَقْطُهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِتِلْكَ فَبَايَ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ فِى حَدِيْثِهِ وَهُوَ الْقُرْاٰنُ وَآيَتُهُ حَجَجُهُ يُؤْمِنُوْنَ ٥٠ اٰى كُفَّارٍ مَّكَّةَ اٰى لَا يُؤْمِنُوْنَ وَفِى قِرَاءَةِ اِلٰتِهِ وَبِلِى كَمَّةٌ عَذَابٍ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ كَذٰبٍ اٰى ٦٠ كَثِيْرٌ اِلَّا اَنْ يَّسْمَعَ اٰىتِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ تَتَلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ عَلَى كُفْرِهِ مُسْتَكْبِرًا مُّتَكَبِّرًا عَنِ الْاِيْمَانِ كَانَ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ٨٠ مُّؤْمِنٍ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا اٰى الْقُرْاٰنِ شَيْئًا اَتَّخَذَهَا هُزُوًا اٰى مَهْزُوًا بِهَا اَوْلٰٓئِكَ اٰى الْاَفَّاكُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ٩٠ دُوْا هٰٓئِلَةً مِّنْ وَّرَآئِهِمْ اٰى اَمَامِهِمْ لِأَنَّهُمْ فِى الدُّنْيَا جَهَنَّمُ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَا كَسَبُوْا مِنَ الْمَالِ وَالْفِعَالِ شَيْئًا وَلَا مَا اَتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰى الْاَصْنَامِ اَوْلِيَاءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ١٠٠ هٰذَا اٰى الْقُرْاٰنِ هٰذِىْ مِنَ الصَّلَاةِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ حَزَنٌ مِّنْ رَّجْوٍ اٰى عَذَابٍ اَلِيْمٍ ١١٠



حُكْمًا حُكْمُهُمْ هَذَا

ترجمہ: . . . سورۃ جاثیہ مکیہ ہے، بجز آیت قل للذین آمنوا الخ کے اس میں کل آیات ۳۶ یا ۳۷ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حم۔ (اس کی واقعی مراد اللہ کو معلوم ہے) یہ نازل کی ہوئی کتاب (قرآن مبتداء ہے) اللہ کی طرف سے (خبر) ہے جو (اپنے ملک میں) غالب (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین (کے بنانے) میں بہت سے دلائل ہیں (جو اللہ کی قدرت و وحدانیت پر رہنمائی کرنے والے ہیں) اہل ایمان کے لئے اور خود تمہارے پیدا کرنے میں (یعنی ہر انسان کو عام طور سے نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغہ بنا کر مکمل انسان بنا ڈالا) اور ان جانوروں کے پیدا کرنے میں (جن کو زمین میں پھیل رکھا ہے) جو چلتے پھرتے ہیں (زمین پر خواہ وہ انسان ہوں یا اور مخلوق) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو (یقین رکھتے ہیں اور یقین بعد دیگرے بن رات کے اختلاف (جانے آنے) میں اور اس روزی میں (مراد بائش ہے کیونکہ وہ رزق پیدا ہونے کا سبب ہوتی ہے) جس کو اللہ نے آسمان سے اتارا ہے پھر اس سے زمین کو تر و تازہ کیا زمین سوٹنے کے بعد اور ہواؤں کے لوٹ پھیر میں (کبھی جنوبی ہوا چھتی ہے کبھی شمالی، کبھی ٹھنڈی کبھی گرم) دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں (دلیل کو اور ایمان قبول کر لیتے ہیں) یہ (مذکورہ نشانیاں) اللہ کی آیتیں ہیں (اس کی وحدانیت پر رہنمائی کرنے والی جنتیں) جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں (بتلاتے ہیں) (سچ صحیح طریقہ پر) (تسلّسوا کے متعلق ہے) پھر کون سی بات پر اللہ کے بعد (یعنی اس کی بات قرآن کے بعد) اور اس کی آیتوں (جنتوں) نے بعد یہ لوگ ایمان لائیں گے (مراد کفار مکہ ہیں۔ یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور ایک قراءت میں تڑمسوں تاکہ ساتھ ہے) بڑی خرابی ہوگی (وہیل کلمہ عذاب ہے) ہر ایسے شخص کے لئے جو جھوٹا فرمان ہو (بڑا گنہگار) جو اللہ کی آیتیں (قرآن) سنتا ہے جب کہ وہ اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں پھر بھی وہ (کفر پر) اڑا رہتا ہے تکبر (ایمان سے روگردانی) کرتے ہوئے اس طرح جیسے اس نے ان کو سنائی نہیں۔ سو ایسے شخص کو دردناک (تکلیف دہ) عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے اور جب وہ ہماری (قرآن کی) آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے (اس کو مذاق بنالیتا ہے) ایسے (جھوٹے لپانیوں) کے لئے ذلت آمیز (آبروریز) عذاب ہے۔ ان کے آگے (یعنی سامنے کیوں کہ یہ لوگ دنیا میں تھے) دوزخ ہے اور نہ ان کے وہ چیزیں کام آئیں گی۔ جو (مال و اعمال) کمائے ذرا بھی اور نہ وہ جن کو انہوں نے اللہ کے سوا (بتوں کو) کارساز بنا رکھا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا۔ یہ (قرآن) سر تا سر (گمراہی سے) ہدایت ہے اور جو لوگ اس کی آیتوں کو نہیں مانتے۔ ان کے لئے سختی (عذاب) کا دردناک (تکلیف دہ) عذاب کا حصہ ہوگا، اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا کو مسخر بنایا، تاکہ اس کے حکم (اجازت) سے اس میں کشتیاں (جہاز) چھیں اور تاکہ تم اس کی روزی (کاروبار کے ذریعہ) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو اور جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں (سورج، چاند، ستارے، پانی وغیرہ) اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں (چوپائے، درخت، گھاس، نہریں وغیرہ۔ حاصل یہ کہ یہ سب کچھ لوگوں کے فائدہ کی خاطر پیدا کیا۔) ان سب کو (تاکید ہے) اپنی طرف سے مسخر بنایا (حال ہے یعنی اللہ ہی کی طرف سے یہ سب چیزیں انسان کے لئے مسخر ہوئی ہیں) بے شک ان باتوں میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو غور کرتے رہتے ہیں (پھر ایمان لے آتے ہیں) آپ ایمان لانے والوں سے فرما دیجئے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو یقین (خوف) نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کے معاملات کا (واقعات کا۔ یعنی کفار سے کچھ تمہیں تکالیف پہنچیں ان کو جانے دو۔ یہ جہاد سے پہلے کی بات ہے) تاکہ صلہ دے (اللہ۔ ایک قراءت میں محزی نوں کے ساتھ ہے) ایک قوم کو عمل کا (کفار کی اذیتوں پر چشم پوشی کرنے کا) جو شخص نیک کام کرتا ہے سو اپنے ذاتی نفع کے لئے (کرتا ہے) اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑتا ہے۔ پھر تمہیں اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے (جہاں

نیک و بد کو بد نہ مئے گا) اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (تورات) اور حکومت (لوگوں کے درمیان فیصلے) اور نبوت دی تھی (حضرت موسیٰ ہارون علیہما السلام بھی انہی میں ہوئے ہیں) اور ہم نے ان کو نفیس نفیس چیزیں (حلال جیسے من و سلوی) کھانے کو دی تھیں اور ہم نے ان کو جہان والوں (اس دور کے دانشوروں) پر فوقیت بخش دی تھی اور ہم نے ان کو دین کے بارے میں کھلی کھلی دلیل دی تھیں (حصان و حرام کے احکام اور آنحضرت ﷺ کی بعثت) سوانہوں نے (آنحضرت ﷺ کی بعثت کے متعلق) علم آنے کے بعد ہی باہم اختلاف کیا۔ پس کی ضد اضدی کی وجہ سے (حسد کے سبب جو ان میں عناد بڑھا) آپ کا رب قیامت کے روز ان کے درمیان ان باتوں کے متعلق فیصلہ کر دے گا جن میں باہم یہ اختلاف کیا کرتے تھے، پھر ہم نے (اے محمد!) آپ کو ایک خاص طریقہ پر دین کے کر دیا۔ سو آپ اسی پر چلتے رہئے اور ان لوگوں کی خواہش پر دھیان نہ دیجئے جو جہلا ہیں (غیر اللہ کی پرستش کے سلسلہ میں) یہ وہ آپ کے کام نہ آئیں گے (بچاؤ نہیں کر سکیں گے) اللہ کے مقابلہ میں ذرا بھی اور ظالم (کافر) ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ متقیوں (مومنوں) کا دوست ہے یہ (قرآن) عام لوگوں کے لئے دانش مند یوں کا ذریعہ ہے (ایسے اصول کا مجموعہ ہے جن سے احکام و حدود میں بصیرت ملتی ہے) اور ہدایت و رحمت ہے یقین دلانے والوں کے لئے (قیامت پر) کیا (ہمزہ نکاری ہے) یہ خیال کرتے ہیں جو برے برے کام (کفر و معاصی) کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا۔ ان سب کا مرنا جینا یکساں ہو جائے (سواء خبر ہے اور احیاء ہم مبتداء ہے اور مماتہم معطوف ہے اور یہ جملہ کاف سے بد ہے اور محیا ہم و مماتہم دونوں ضمیریں کفار کی طرف راجع ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ کیا ان کا خیال یہ ہے کہ ہم ان شریروں کو آخرت میں مومنین کے برابر بھلائی میں یکساں کر دیں گے یعنی دنیا میں جیسی عیش و عشرت کرتے تھے۔ یہاں بھی وہی حالت برقرار رہے گی۔ چنانچہ یہ لوگ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے لئے قیامت ہوئی تو ہمیں بھی مسلمانوں کی طرح بھلائی نصیب ہوگی۔ حق تعالیٰ بذریعہ ہمزہ انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں) یہ برا فیصلہ کرتے ہیں (یعنی واقعہ اس طرح نہیں ہوگا۔ بلکہ کفار دنیاوی عیش و عشرت کے برخلاف آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوں گے اور مسلمانوں کو آخرت میں ان نیک اعمال کا ثواب ملے گا جو انہوں نے دنیا میں رہ کر نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ ادا کی تھی۔ اس میں ما مصدر یہ ہے۔ یعنی ان کا یہ حکم لگانا غلط فیصلہ ہے۔)

**تحقیق و ترکیب:** ..... حم۔ اگر یہ سورت کا نام ہو تو مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور تنزیل الکتاب خبر ہوگی۔ لیکن اگر حروف کی تعداد مراد ہے تو پھر تنزیل الکتاب مبتداء اور من اللہ خبر ہوگی۔

ان فی السموات۔ ان تین آیات میں چھ دلائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ پہلی آیت کو لفظ مؤمنین پر دوسری کو یوقنون پر تیسری کو یعقلون پر ختم کیا گیا ہے۔ کیونکہ آسمان و زمین پر نظر کرنے سے صانع عالم پر ایمان پیدا ہوتا ہے اور خود اپنی ذات اور زمینی چیزوں پر نظر ڈالنے سے یقین پیدا ہوتا ہے، اور حوادث عالم پر نظر کرنے سے عقل میں کمال اور علم میں استحکام پیدا ہوتا ہے یا نفس کلام کے لئے مختلف الفاظ لائے گئے ہیں۔

لآیات للمؤمنین۔ تمام قراء کے نزدیک حالت نصی میں کسرہ ہے ان کا اسم ہونے کی وجہ سے۔ لیکن آیت ”لقوم یوقنون“ اور آیت ”لقوم یعقلون“ دونوں میں قراءت سب سے میں نصب اور رفع دونوں ہیں۔ رفع تو مبتداء ہونے کی وجہ سے اور فی خلقکم خبر ہے اور جملہ کا عطف ان فی السموات پر ہے۔ اگرچہ معطوف بغیر تاکید کے اور معطوف علیہ تاکید یہ ہے۔

دوسری صورت رفع کی یہ ہے کہ لفظ آیات کا اول آیات پر محلا عطف کیا جائے بغیر ان کے۔ اسی طرح نصب کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ لفظ آیات کا پہلی آیات پر اسم ان کی حیثیت سے عطف کیا جائے۔ اور فی خلقکم کا خبر ان پر ہو۔ ای وان فی



کے منسوخ ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ لیکن اگر ضدی لوگوں سے تعرض نہ کرنا مراد ہو تو پر منسوخ کہنے کی حاجت نہیں رہتی۔  
من عمل صالحاً. جملہ مستانہ ہے پہلے اجمال کی تفصیل ہے۔

والحکم. حکمت، فقہ، فیصلہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔

فضلناہم. فضیلت کلی مراد نہیں۔ بلکہ فضیلت جزئی ہے۔ اس لئے ان کے زمانہ کے ساتھ تخصیص کی حاجت نہیں رہتی۔  
عالمین. کی تفسیر عقلاء کی بجائے ثقلین کے ساتھ زیادہ انسب ہے۔

من الامر. بعض نے دین اور بعض نے آنحضرت ﷺ کی بعثت مراد لی ہے۔ مگر مفسر نے دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

جعلناک. کاف مفعول اول اور علی شریعہ مفعول ثانی ہے۔ شریعت کے معنی گھاٹ، ملت اور مذہب کے آتے ہیں

۱۰. یٰٰن الٰہی مراد ہے۔

هدا بصائر. مبتداء خبر ہے اور خبر کو جمع لانا اس لئے ہے کہ مبتداء مضمون آیات ہے۔

ام حسب الذین. ام بمعنی ہمزہ منقطعہ ہے اور منقطعہ میں کبھی بل اور ہمزہ دونوں مقدر ہوتے ہیں اور کبھی حرف بل مقدر ہوتا ہے اور کبھی صرف ہمزہ۔

سواء. رفع کی قراءت پر محیاہم و مما تہم کی خبر ہے۔ لیکن حمزہ علی، جفعس کی قراءت نصب کی ہے۔ بمعنی مسویا کاف سے بدل کل یا بدل اشتمال ہے یا حال ہے اور اس کے بعد قاعلیت کی وجہ سے مرفوع ہے اور جعل کا مفعول ثانی "کالذی اصوا" ہے۔ ای احسوا ان نجعلہم مثلہم فی حال استراء محیاہم و مما تہم لیس الامر کذلک۔ محیاہم و مما تہم کی ضمیریں کفار کی طرف راجع ہیں۔ لیکن اگر مومنین کی طرف راجع ہوں تو پھر جملہ ضمیر مفعول ثانی سے حال ہو جائے گا۔ ای احسبوا ان نجعل فی الاخرۃ فی خیر کالمومنین۔ حاصل یہ ہے کہ کفار نے دنیا میں تو مزے اڑائے ہیں۔ لیکن کیا یہ چاہتے ہیں کہ مومنین کی طرح آخرت میں بھی یہ مزے کریں۔ جیسا کہ یہ کہا کرتے تھے۔

ساء ما یحکمون. بقول ابن عطیہ ما مصدریہ ہے اور ساء افعال ذم میں سے ہے۔ ضمیر مبہم فاعل ہے تمیز محذوف ہے جیسا کہ رضی کی رائے آیت بنس مثل القوم الذین میں تمیز محذوف ہونے کے متعلق ہے۔ ای بنس مثلہ مثل القوم یہاں مخصوص بالمدمت "ما تکلمون" بتاویل مصدر ہے۔ ای ساء حکمہم هذا۔ لیکن قاضی ما موصوفہ مانتے ہیں۔ ای ساء شینہ حکموا بذلک۔ اول صورت میں ساء خبریہ ہے اور دوسری صورت میں انشائیہ ہوگا۔ لیکن فاعل مذکور ہونے کی صورت میں تمیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اگر تمیز مانی جائے۔ تو پھر فاعل کو مستتر ماننا پڑے گا۔ جو مصدریہ ہونے کے منافی ہے۔ اس لئے مفسر کی تقدیر عبارت اشکال سے خالی نہیں ہے۔

رابط آیات: ..... پچھلی سورت کے آخر میں قرآن کریم کا ذکر تھا۔ اسی مضمون سے اس سورت کو شروع کیا جا رہا ہے۔ اس سورت میں توحید و نبوت و معاد تین مضامین تو اصل ہیں۔ باقی مضامین انہی کی مناسبت سے آگئے ہیں۔

شان نزول: ..... یہ پوری سورت مکی ہے یا بقول ابن عباس "وقادہ علاوہ آیت قل للذین الخ کے مکی ہے اور صرف یہ آیت مدنی ہے۔

فاروق اعظم سے ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی الجہ پڑا۔ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر مرہ سب کے کنوئیں پر ابن ابی نے اپنے غلام پانی پینے بھیجا۔ وہ دیر میں واپس آیا تو ابن ابی نے دیر کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کنوئیں پر حضرت عمر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب تک



منور علیہ اور حضرت ابو بکرؓ کی مشکیں بھری نہیں گئیں کسی کو پانی نہیں لینے دیا اس پر ابن ابی بولا۔ کہ ان لوگوں کی مثال تو سمن کلک کلک ہے۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو آپ نے اس کو مار ڈالنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر اس آیت میں روک دیا گیا ہے۔

لیکن مومن ابن خیر ان نے نقل کیا ہے کہ جب آیت من ذالذی یقرض اللہ نازل ہوئی۔ تو فخاص یہودی بول۔ کہ محمد ﷺ مارب مفلس ہو گیا۔ حضرت عمرؓ اس کو مارنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ مگر آنحضرتؐ نے روک دیا۔ اور ابوالسعود اور قاضی کہتے ہیں کہ ایک غفاری نے گالی دی۔ جس پر فاروق اعظمؓ جھپٹ پڑے۔ پہلی صورت میں بھی کسی مشرک نے مکہ مکرمہ میں فاروق اعظمؓ کو گالیاں دیں۔ جس پر انہوں نے اس کو مار ڈالنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ. نضر بن الحارث نے کچھ نجی تاریخی کتابیں خرید کر لوگوں کو پرچانا چاہا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ لیکن الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جائے گا۔

ام حسب الذین. بقول کلبیؒ اس سے عتبہ، شیبہ دونوں ربیعہ کے بیٹے۔ ولید بن عتبہ مراد ہیں۔ اور الذین آمنوا سے نضر بن علی، حمزہ، عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ جب کہ انہوں نے بدر میں مشرکین کو قتل کر دیا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مشرکین سب قتل ہوئے تو کہنے لگے۔ کہ ہمیں آخرت میں مسلمانوں سے بہتر نعمتیں ملیں گی۔

﴿تشریح﴾: ..... حسم تنزیل. پہلی آیات سے قرآن عزیز کے کلام الہی ہونے کا بیان ہے۔ پھر آیت ان فی خلق السموات یعقلون تک توحید کا مضمون ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ زمین آسمان کی پیدائش اور ان کے محکم نظام میں غور کرنے سے صاف دکھائی دیتا ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا ضرور کوئی ہے جس نے کمال خوبی اور حکمت سے ان کو پیدا کیا اور لا محدود قدرت سے ان کی حفاظت کر رہا ہے۔

ایک بدوی نے کیا خوب کہا تھا۔ البعرة تدل علی البعیر والاقدام علی المسیر فکیف السماء ذات الابراج والارض ذات الاخراج لا تدلان علی اللطیف الخیر۔

ان آیات کے فواصل میں مومنین، یوقنون، یعقلون فرمانات حق کلام کے لئے ہے۔ یہ دلائل اگرچہ عقلی ہیں جیسا کہ لقوم یعقلون سے معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اہل ایمان و یقین سے مراد عام ہے خواہ بالقوة ہو یا بالفعل، طلب کے ذریعہ ہو یا حصول کے طریقہ پر عقلی دلیل میں بھی تو آخر طلب و نظر ہوتی ہے۔ توحید کے بعد آگے نبوت سے بحث ہے۔

قرآن سے زیادہ سچی بات کون سی ہے: ..... تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ. اللہ کے سوا دوسرا کون ہے جس کی بات ماننے کے قابل ہو۔ جب اس سچے اور بڑے مالک کی سیدھی صاف بات بھی کوئی بد نصیب نہ مانے تو آخر کس چیز کو قبول کرنے کا منتظر ہے وہ اپنی ضد اور غرور کی وجہ سے بات نہیں سنتا۔ حق بات سن کر اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا کچھ سنا ہی نہیں۔ پس جب وہ اللہ کی آیات سے یہ ابانت آمیز برتاؤ کرتا ہے تو اسے سخت اہانت آمیز سزا بھگتنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے جو آگے آرہی ہے۔ اس وقت مال و اولاد کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اللہ کے سوا جن کو مددگار کار ساز بنا رکھا تھا وہ کام آئیں گے۔ فی الحقیقت قرآن کریم ایک عظیم الشان صحیفہ ہدایت ہے جو ہر قسم کی برائی بھلائی سمجھانے کے لئے آیا ہے جو اس کو نہ مانے وہ ہولناک عذاب کے لئے آمادہ رہے۔ اللہ کی قدرت و طاقت کا کیا پوچھنا اس نے تو سمندر جیسی مخلوق کو مسخر کر دیا۔ جس میں انسان بے تکلفی سے جہاز اور کشتیاں لئے لئے پھرتا ہے۔ مگوں کی سیر و سیاحت، کاروبار، آبدار، قیمتی موتیوں کا نکالنا، مچھلیوں کا شکار، غرض ہر طرح کے منافع و فوائد حاصل کرتا ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ تم منعم حقیقی کو نہ

بھولو اور زبان و دل سے اس کے شکر گزار بنو اور یہی نہیں بندہ بندہ نے اپنی قدرت و قدرت سے ساری کائنات کو تمہاری خدمت پر لگا دیا۔ ر  
ن و منیت ہے کہ بڑی سے بڑی مخلوق کو انسان کے لئے بیگاری بنادیا۔ آدمی انہی اہمیان کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ اس کے بس کی بات  
نہیں۔ اللہ ہی نے اپنے فضل و کرم سے سب کچھ ہمارے لئے وقف کر دیا ہے پس ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنے خالق و مالک کی طاعت  
و عبادت میں لگیں۔ نعمتوں میں گم ہو کر منعم کو نہ بھول جائیں۔

آگے معاد کی جزاء و سزا کا ذکر ہے۔

پچھلی آیت ویل لکل افالک میں کفار کی شرارت و نہایت کا ذکر تھا۔ ممکن ہے ان شرارتوں پر مسلمانوں کو غصہ آجائے اس  
آیت قل للذین امنوا سے تسامح اور چشم پوشی کا حکم ہے۔

ہر شخص اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے۔ ایسا اللہ سے قیامت مر ہے۔ جس میں اچھے بروں کو ان

سے بدلہ ملے گا۔ آپ اور مسلمان ان کے بدلہ کی فکر نہ کریں۔ اللہ پر چھوڑ دیں۔ وہ ان کی شرارتوں کا بھی مزہ چکھ دے گا اور تمہارے  
صبر و تحمل کا بھی صدر دے گا۔ جو اچھائی برتا ہے اس کا فائدہ خود اسی کو ہوتا ہے۔ اللہ کو اس کی کیا ضرورت؟ اسی طرح جو برائی کرتا ہے وہ اپنے  
حق میں کانٹے اور تیغ بوتا ہے، کسی کی برائی کسی پر نہیں پڑتی۔ ہر شخص اپنے نتائج میں سے بندھا ہوا ہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

جو کام کرے یہ سمجھ کر کرے کہ اس کا نفع نقصان خود اسی کو پہنچ کر رہے گا۔ اور یہاں نہیں تو وہاں پہنچ کر سب بھدائی برائی مع  
نتائج کے سامنے آجائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس فرمانے سے جہاد کی نفی نہیں ہو رہی ہے کہ اس و منسوخ کہا جائے۔ بندہ مقصود ایسے انتقام  
سے روکنے ہے۔ جس کا منشاء محض تسکین جذبات ہو۔ اعلیٰ کلمۃ اللہ پیش نظر نہ ہو لیکن جہاد جس کا اصلی سبب احد کلمۃ اللہ ہوتا ہے ان کو  
روکا نہیں ہے۔ گو اس کے ضمن میں مبدا تسکین نیٹا بھی ہو جائے۔ آگے پھر نبوت و رسالت کی تائید ہے۔

ناز برداری سے انسان بگڑ جاتا ہے: ولقد اتینا بسی اسرائیل حکومت و سلطنت قوت و حقت اسی طرح

وایت، نبوت و رسالت غرض کہ ہر قسم کی مادی اور روحانی نعمتوں سے بنی اسرائیل کو نوازا۔ مگر اتنی ناز برداریوں سے بھی وہ راہ راست پر  
نہیں آئے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ بگڑتے چلے گئے۔ آپس کی پھوٹ کی وجہ سے بے شمار فرقوں میں بٹ گئے۔ جس سے ان کی قوت پارہ  
پارہ ہوتی چلی گئی۔ اگر دلیل و برہان کی روشنی میں حق و ناحق کا فیصلہ دنیا میں بھی ہوتا رہا۔ مگر بہت طبائع جو ہم جو نہیں ہوتی۔ ان کے لئے  
ایسا فیصلہ تسلی بخش نہیں ہوتا۔ ان کے لئے عملی فیصلہ کی ضرورت رہتی ہے اس لئے وہ قیامت میں کر دیا جائے گا۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ  
فرقہ بندیوں میں پڑنا ہوا پرستی اور نفس پروری کے سوا کچھ نہ تھا۔

ثم جعلناک یعنی ان اختلافات و کشمکش میں آپ کو راہ مستقیم پر قائم کر دیا۔ اسی پر آپ کی امت کا مزن رہے۔  
بھی بھول رہی تھیں تا انہوں کی بات نہ مانے اور جہلوں کی خواہشات پر نہ چلے کہ آپ ان کے رویہ سے تنگ آ کر دعوت و تبلیغ چھوڑ بیٹھیں یا  
مسلمان بھی اختلافات کے سلسلہ میں ان کے نقش قدم پر چل پڑیں ضرورت اس کی ہے کہ ان کی یہ خواہشیں ہمہ پامال بردی جائیں۔

هذا بصائر قرآن کریم حقیقت آمیز، بصیرت افروز کتاب ہے یوں تو سب کے لئے یہ دستر خوان نعمت چنا ہوا ہے۔ مگر جو  
نصیبہ و اس کی نعمتوں کو چھپے اور چھانے۔ وہی صحیح معنوں میں لذت اندوز ہو سکتا ہے۔

نیک معاش اور بد معاش کا انجام: ..... ام حسب الذین اللہ کی حکمت پر نظر کرتے ہوئے یہ کوئی عقلمند یہ مان سکتا  
ہے کہ ایک بد معاش اور نیک معاش دونوں کو اللہ برابر کر دے گا، دونوں کا انجام یکساں بنا دے گا؟ نہ یہ دونوں اس زندگی میں برابر ہو سکتے

ہیں اور نہ اس زندگی میں، دنیا میں مومن فرمانبرداری کی زندگی گزارتا ہے۔ جس سے اللہ راضی رہتا ہے وہ کافر و منافق کو کہاں نصیب۔ اسی طرح آخرت کی تمام نعمتیں مومن کے لئے مخصوص اور کافر و منافق کے لئے نکتہ و خسران کے سوا کیا ہے؟

غرض کہ یہ خیال بالکل مہمل اور یہ کہنا سراسر غلط کہ اللہ ٹیکوں بدوں کا مرتا جینا برابر کر دے گا۔ اس کے انصاف کا تقاضا ہے کہ دونوں کا نتیجہ الگ الگ ظاہر ہو، دنیا میں کسی مصلحت و حکمت سے وہ نتائج اگر فی الجملہ ظاہر ہوئے ہوں تو ان کا پوری طرح معائنہ اور مشاہدہ آخرت میں ہو جائے۔

اور اس آیت کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ مؤمنین کا مرتا جینا بایں معنی نہیں ہو سکتا کہ جس طرح دنیا میں یہ لذات سے لطف اندوز نہ ہو سکے۔ اسی طرح مرنے کے بعد بھی یہ محروم رہیں۔ اسی طرح کافروں کا مرتا جینا بھی بایں معنی یکساں نہیں ہو سکتا۔ کہ دنیا میں جیسے سزا سے بچے رہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی سزا سے مامون رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے انکار سے تو یہ لازم آتا ہے کہ فرمانبرداروں کو نہیں بھی ثمرہ نہ ملے اطاعت کا۔ اور مخالفین پر کہیں بھی مخالفت کا وبال نہ آئے۔ یہ بات اگرچہ عقلاً فی نفسہ ممکن ہے مگر حکمت کی رو سے ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل ملنا ضروری ہے اور دنیا میں اس کا وقوع نہیں ہوا۔ اس لئے آخرت کا ہونا تاگزیر اور ضروری ہے پس قیامت کا انکار کر کے جو یہ لوگ برابری کا حکم لگا رہے ہیں دوسرا سر غلط اور بے ہودہ ہے۔

لِطَائِفِ سُلُوكٍ: آیت قل للذین امنوا۔ میں بعض مکارم اخلاق کی تعلیم ہے۔

آیت ثم جعلنا علی شریعة۔ سے اتباع شریعت کی اہمیت ظاہر ہے جب صاحب شریعت کو شریعت کی پابندی کا حکم ہے تو دوسرے کس شہ میں ہیں۔ اس لئے خلاف شریعت ہوتے ہوئے دعوائے کمال کرنا کس قدر غلطی ہے۔

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِخَلْقٍ لِيَذُلَّ عَلَى قُدْرَتِهِ وَوَحْدَانِيَّتِهِ وَلِتُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ مِنَ الْمَعَاصِي وَالطَّاعَاتِ فَلَا يُسَاوِي الْكَافِرُ الْمُؤْمِنَ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۳۷﴾ اَفَرَأَيْتَ الْحَبْرِيَّ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ مَا يَهْوَاهُ مِنْ جَحْرِ بَعْدَ جَحْرٍ يَرَاهُ أَحْسَنَ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ مِنْهُ نَعَالِي أَيِّ عَالِمًا بِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الضَّلَالَةِ قَبْلَ خَلْقِهِ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ فَلَمْ يَسْمَعْ الْهُدَى وَكَمْ يَغْفِلُهُ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشْوَةً ظُلُمَةً فَلَمْ يَبْصُرِ الْهُدَى وَيَقْدِرُ هُنَا الْمَفْعُولُ الثَّانِي لَرَأَيْتَ أَيَّ اِيْهْتَدَى فَمَنْ يَهْدِيهِ مَنْ بَعْدَ اللَّهِ أَيَّ بَعْدِ اضْلَالِهِ إِيَّاهُ أَيَّ لَا يَهْتَدَى أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۳۸﴾ تَتَعَطَّوْنَ فِيهِ إِذْ غَامُ اخْدَى شَائِسٍ فِي الدَّابِ وَقَالُوا أَيُّ مُنْكَرُوا الْبُعْثِ مَا هِيَ أَيُّ الْحَيَاةِ إِلَّا حَيَاتُنَا الَّتِي فِي الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا أَيُّ يَمُوتُ نَعُصُّ وَيَخِينُ نَعُصُّ بَانَ يُؤْلَدُ وَامَّا يَهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ أَيُّ مَرُورُ زَمَانٍ قَالَ تَعَالَى وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ الْمَقُولِ مِنْ عِلْمٍ إِنْ مَا هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۳۹﴾ وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا مِنَ الْقُرْآنِ تَدَّانَةٌ عَلَى قُدْرَتِنَا عَلَى الْبُعْثِ بَيِّنَتْ وَأَصْحَابُ حَا مَا كَانَ حُجَّتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اتُّوَابَاتُنَا حَيَاءُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۰﴾ أَنَاتُ بَعَثْتُ قُلُوبَ اللَّهِ يُحْيِيكُمْ جِئْنَاكُمْ نَظْفًا ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ حَيَاءُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ شَكٍّ فِيهِ وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ وَهُمْ الْقَائِلُونَ مَا ذَكَرَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبَدِّلُ مَنْ يَّوْمَئِذٍ يَخْسِرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾  
 كَافِرُوْنَ اِی بظہرِ خسرانہم بِاَن یَصِرُّوْا اِلٰی النَّارِ وَتَرٰی كُلَّ اُمَّةٍ اِی اہلِ دُنٰی جاثیۃً عَلٰی اَرْكَاسِہُمْ  
 مُجْتَمِعَةً كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰی اِلٰی کِتٰبِہَا کِتَابِ اَعْمَالِہَا وَیُقَالُ لَہُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾  
 اِی حِرَآءُہُ ہٰذَا کِتٰبُنَا دِیُوَاۡنُ الْحَفَظَةِ یَسْطِقُ عَلَیْکُمْ بِالْحَقِّ اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ نُبِّثُ وَنَحْفَظُ مَا  
 کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْذٰلِہُمْ رَبُّہُمْ فِی رَحْمَتِہٖ حَتّٰی  
 ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴿۳۰﴾ اَلْبَیِّنُ الظّٰہِرُ وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْقَالُ لَہُمْ اَقْلَمُ تَکُنْ اِیْتٰی مُقَرَّرُ  
 تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَاسْتَکْبَرْتُمْ تَکْبَرْتُمْ وَکُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ کَافِرِیْنَ وَاِذَا قِیلَ لَکُمْ اِنَّہَا الْکُفٰرُ اِنْ  
 وَعَدَ اللّٰهُ بِالْبَعْثِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ بِالرَّفْعِ وَالنَّصَبِ لَا رَیْبَ شَکٍّ فِیْہَا قُلْتُمْ مَا نَذَرِیْ مَا السَّاعَةُ اِنْ  
 مَا نَظُنُّ اِلَّا ظَنًّا قَالِ الْمُبْرِدُ اَصْلُہُ اِنْ نَحْنُ اِلَّا نَظُنُّ ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُستَیْقِنِیْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّہَا اٰیۃٌ وَّ بَدَآ صَہْرُ  
 لَہُمْ فِی الْاٰخِرَةِ سَیَّاتٌ مَا عَمِلُوْا فِی الدُّنْیَا اِی جَزَآءُہَا وَحَاقَ نَزَلَ بِہُمْ مَا کَانُوْا بِہِ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾  
 اِی الْعَذَابُ وَقِیلَ الْیَوْمَ نَنْسِفُکُمْ نَتْرُکُکُمْ فِی النَّارِ کَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ہٰذَا اِی تَرٰکْتُمْ اَعْمَالَہُمْ  
 لِقَآئِہِ وَمَاوِنُکُمُ النَّارُ وَمَا لَکُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۳۴﴾ مَا نَعِیْنُ مِنْہَا ذٰلِکُمْ بِاَنَّکُمْ اَتَّخَذْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ  
 الْقُرَآنَ هُزُوًا وَغَرَّتْکُمُ الْحَیْوةُ الدُّنْیَا حَتّٰی قُلْتُمْ لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ فَاَلْیَوْمَ لَا یُخْرِجُوْنَ بِالْاَسْبَءِ  
 لِفَاعِلٍ وَّ اَلْمَفْعُوْلِ مِنْہَا مِنَ النَّارِ وَلَا هُمْ یُسْتَعْبَدُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِی لَا یُطَلَّبُ مِنْہُمْ اَنْ یَّرْصُوْا رَبُّہُمْ بِالْتَّوْبَةِ  
 وَ اَلطَّاعَةِ لِاِنَّہَا لَا تَنْفَعُ یَوْمَئِذٍ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ الْوَصْفُ بِالْحَمِیْلِ عَلٰی وُقَآءِ وَعْدِہِ فِی الْمُکَذِّبِیْنَ رَبِّ  
 السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۶﴾ خَالِقُ مَا ذِکَرَ وَالْعَالَمُ مَا سِوٰی اللّٰهِ وَحُمِیْعٌ لِاِخْتِلَافِ  
 اَنْوَاعِہِ وَرَبِّ سَدِّ وَلَہُ الْکِبْرِیَآءُ الْعَظْمٰةُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَالٌ اِی کَاثِبَةٌ فِیْہُمَا وَهُوَ الْعَزِیْزُ  
 اَلْحَکِیْمُ ﴿۳۷﴾ تَقَدَّمَ

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا (بالحق کا تعلق خلق سے ہے تاکہ اللہ کی قدرت و وحدانیت پر دست کرے) اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے (جو اس نے نافرمانی اور فرمانبرداری کے کام کئے۔ جس سے یہی نکلا کہ کافر و مومن برابر نہیں ہیں) اور ان پر ذرا ظلم روا نہیں رکھا جائے گا۔ سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی (مجھے بتائیے) جس نے اپنا معبود اپنی نفسانی خواہش کو بنا رکھا ہے (ایک پتھر کے بعد دوسرا پتھر اس سے اچھا ملتا ہے تو اسی کو خدا بن لیتا ہے) اور اللہ نے اس کو سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا ہے (یعنی اللہ کو اس کی پیدائش سے قبل پہلے ہی اس کا گمراہ ہونا معلوم تھا) اور اس کے کان اور دلوں پر مہر لگا دی ہے (اس کے نہ وہ ہدایت کو سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے) اور اس کی نگاہ پر پردہ ڈال دیا ہے (ظلمت کا اس لئے اس کو ہدایت نظر نہیں

آتی۔ در یہاں راہیت کا مشغول ثانی مقدر ہے یعنی بھتدی) سوائے شخص کو اللہ کے (گمراہ کر دینے کے) بعد کون ہدایت دے سکتا ہے؟ (کوئی ہدایت نہیں دے سکتا) کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے اور یہ لوگ (منکرین قیامت) یوں کہتے ہیں کہ ہمارے اس دنیاوی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے ہم مرتے جیتے ہیں (یعنی بعض مرتے ہیں اور بعض کو پیدا ہو کر زندگی ملتی ہے) اور ہمیں صرف زمانہ (کے نذر نے) سے موت آتی ہے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) حالانکہ ان کے پاس اس (بات) پر کوئی دلیل نہیں ہے یہ محض انکسار سے بات کر رہے ہیں اور جب ان کے سامنے ہر ری آیتیں پڑھی جاتی ہیں (قرآن کریم کی جن سے قیامت کی نسبت ہماری قدرت معلوم ہوتی ہے) کھلی کھلی (واضح یہ حال ہے) تو ان کا اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر کے) سامنے لے آؤ اگر تم اس بات میں سچے ہو (کہ ہم قیامت میں اٹھائے جائیں گے) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی نے تمہیں زندگی بخشی (خلفہ ہونے کی حالت میں) پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر تمہیں (جبار) جمع کرے گا قیامت کے روز جس کے آنے میں شک (شبہ) نہیں لیکن اسٹو لوگ (جوان باتوں سے قابل ہیں) نہیں سمجھتے۔ اور اللہ کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جس روز قیامت ہوگی (آگے بدل ہے) اس روز غصہ کا لوگ ٹوٹے میں ہوں گے (مرا کافر) یعنی ان کا خسارہ کھل کر سامنے آ جائے گا جب وہ جہنم رسید ہوں گے (اور آپ ہر فرقہ (مذہبی جماعت) کو دیکھیں گے اوندھے منہ گر پڑیں گے (زانو کے بل یا اوندھے منہ) ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بدایا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہارے سب کا بدلہ (صلہ) تمہیں ملے گا۔ یہ ہمارا دفتر (محافظ خانہ) ہے۔ جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے ہم تمہارے اعمال لکھواتے (محفوظ کرتے) جاتے تھے۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ان کو ان کا رب اپنی رحمت (بنت) میں کر دے گا اور یہ کھلی (روشن واضح) کامیابی ہے اور جو لوگ کافر رہے (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیات (قرآن) تمہیں پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھی، سو تم نے تکبر کیا اور تم بڑے مجرم (کافر) رہے اور جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ (قیامت) برحق ہے اور قیامت میں (رفع اور نصب کے ساتھ ہے) کوئی شک (شبہ) نہیں۔ تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے (مبرؤ کی رائے ہے کہ اصل عبارت ان نحس الانطس ظنا ہے) اور ہمیں یقین نہیں ہے (کہ قیامت آئے گی) اور ان کو (آخرت میں) ظاہر ہو جائیں گے تمام برے اعمال (جو دنیا میں کئے تھے جیسی ان کی سزا) اور آگھیرے گا (پکڑ لے گا) ان کو جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہہ دیا جائے گا آج ہم تم کو بھلے دیتے ہیں (دوزخ میں ڈال کر) جب کہ تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا (یعنی قیامت کی تیاری نہیں کی تھی) اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی تمہارا مددگار (اس سے بچاؤ کا راستہ) نہیں ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات (قرآن) کی انسی اڑائی تھی اور تم کو دنیاوی زندگی کے علاوہ کوئی دھوکہ میں ڈال رکھا تھا (حتیٰ کہ تم یہاں تک کہہ اٹھے کہ نہ قیامت ہوگی نہ حساب کتاب) سو آج نہ یہ دوزخ (جہنم) سے نکالے جائیں گے (لا یحو جون معروف مجہول دونوں طرح ہے) اور نہ ان سے اللہ کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا (یعنی ان سے خواہش نہیں کی جائے گی۔ کہ وہ اللہ کی فرمانبرداری اور توبہ کر کے اس کو راضی کر لیں۔ کیونکہ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا) سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں (مکذبین کے متعلق اس کے وعدہ پورا کرنے پر، اس کی تعریف ہے) جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین اور سارے عالم کا (مذکورہ چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے، عالم سے مراد اللہ کے علاوہ کائنات ہے۔ اور جمع، اختلاف نوع کی وجہ سے لائی گئی ہے۔ اور رب بدن ہے) اور اسی کی بڑائی (عظمت) ہے آسمانوں اور زمین میں (حال ہے اسی کائنات فی السموات والارض) وروسی زبردست خلعت والا ہے (پہلے اس پر کلام ہو چکا ہے۔)

تحقیق و ترکیب: ..... ولتجزی. مفسر نے اس سے پہلے لیدل نکال کر اشارہ کیا ہے کہ لیجزی کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ لیکن اس کا عطف بالحق کے معنی پر بھی ہو سکتا ہے۔ اسی خلقها للبدل والصواب لا للبعث۔

افرایت. مفسر نے اخبار نبی سے تفسیر کر کے اس میں دو مجاز مانے ہیں۔ ایک روایت سے خبر مراد لی ہے اور دوسرے سبب سے مسبب مراد لیا ہے۔ نیز استفہام سے امر مراد لیا ہے۔ کیونکہ دونوں میں طلب ہوتی ہے۔ روایت کا مفعول اول من اتخذ ہے۔

علی علم. مفسر نے اس کو فاعل سے حال مانا ہے اور مفعول بھی حال ہو سکتا ہے۔ فما اختلفوا الا من بعد ما جاءهم العلم کی طرح ہو جائے گا۔ اسی اضلہ وهو عالم بالحق۔ یعنی اللہ نے اس کو اس کی سمجھ بوجھ کے باوجود گمراہ کر دیا ہے۔ اس صورت میں اس کی برائی اور زیادہ ہو گئی۔ روایت کا مفعول ثانی محذوف ہے کیونکہ من یہدیہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔

من بعد اللہ. مفسر نے بعد اضلالہ سے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پہلی عبارت جس کا قرینہ ہے۔ نموت ونحیا۔ اس پر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اس میں تو موت کے بعد حیات کا اعتراف موجود ہے۔ پھر ان کو منکر بعث کیسے کہا گیا؟ مفسر نے اسی کے جواب کے لئے تفسیر کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ موت و حیات کا محل ایک نہیں بلکہ الگ الگ ہے۔ بذلک. مفسر نے اس کا مشارالیه ظاہر کر دیا۔

ماکان حجتهم. کان کی خبر حجت ہے اور الا ان قالوا اسم ہے الا قولهم اور کفار کی بات کو ان کے گن کے اعتبار سے بطور تہکم حجتہ کہا گیا ہے۔

یوم تقوم الساعة. یہ ظرف ہے یخسر کا اور یومئذ پہلے یوم کا بدل ہے تاکید کے لئے اور جمدہ مقدرہ کے عوض میں یومئذ پرتوین ہے۔ اسی یومئذ تقوم الساعة۔

یخسر المبتلون. کفار کا خسران روز ازل میں طے ہو چکا پھر یومئذ کی قید کیوں لگائی گئی۔ مفسر نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ خسران کا اظہار مراد ہے جو فی الوقت ہوا ہے۔

کل امة. مبتداء ہے تدعی خبر ہے لیکن یعقوب نے کل امة کو منصوب پڑھا ہے پہلے کل امة سے بدل بناتے ہوئے نکرہ موصوفہ ہونے کی وجہ سے۔

جاثیة. گھٹنوں کے بل بیٹھنا یا مجتمع ہو کر بیٹھنا۔

الی کتابھا اولیٰ مناسبت و تلبس کی وجہ سے اعمال نامہ کی اسناد بندوں کی طرف ہے اور اللہ کی طرف مالک ہونے کی وجہ سے ہے۔ ینطق علیکم. معلوم ہوا کہ اعمال نامے سب پڑھ سکیں گے کتاب بولنے سے یہی مراد ہے لیکن آج ریڈیو بولنے اور ریکارڈ بولنے سے تو اعمال ناموں کے بولنے کا استبعاد بھی دور ہو گیا ہے۔ اس لئے مجاز کی بجائے حقیقی معنی لینے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔

یقولون یا ویلتنا ما لهذا الكتاب لا یغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصاها۔

ستسح. بمعنی نکتب و ثبت و نحفظ نسخ اور استنسخ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس کے معنی نقل کتاب اور ابطال شئی کے نہیں ہیں۔

فاما الذین. یہاں سے اعمال نامہ کے بولنے کی تفصیل ہے۔

فیدخلهم جنت کا دخول اولیٰ مراد ہے ورنہ نفس دخول جنت تو محض ایمان سے بغیر عمل صالح کے بھی ممکن ہے۔

رحمت. کی تفسیر جنت کے ساتھ تو یا عام خاص سے تفسیر ہے۔

والساعة رفع اور نصب دونوں طرح ہے اول صورت میں مبتداء اور لا ریب فیہ اس کی خبر ہے اور نصب اسم ان یعنی وعد اللہ پر عطف کرتے ہوئے حمزہ کے نزدیک۔

ان نظن چونکہ مصدر مؤکد استثناء مفرغ نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ ما ضربت الا ضرباً کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے ما ضربت الا ضرباً کہا جائے جو بے فائدہ ہے۔ چنانچہ نحو کی کتابوں میں لکھا ہے عامل کو بعد کے تمام معمولات کے لئے فارغ کرنا جائز ہے بجز مفعول مطلق کے اسی لئے ما ظننت الا ظناً کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نفی اور اثبات دونوں کا محل ایک ہی ہو جاتا ہے یعنی ظن۔ حالانکہ حصر اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ دونوں میں مغایرت ہو۔ اسی اشکال کے ازالہ کے لئے مفسر علام قسطل المبرود الخ سے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

حاصل تاویل یہ ہے کہ یہاں نفی کا مورد محذوف ہے۔ یعنی متکلم کا کسی فعل پر ہونا، اور اثبات کا مورد متکلم کا ظن کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں۔ اس جملہ میں لفظ الا اگرچہ لفظاً مؤخر ہے لیکن تقدیراً مقدم ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اثبات ظن کا مصدر متکلم کے لئے ہے اور اپنے علاوہ سے ظن کی نفی ہے اور یقین بھی علاوہ میں داخل ہے۔ اگرچہ یقین کی نفی مقصود ہے۔ لیکن بطور مبالغہ مطلقاً ظن کے علاوہ کی نفی کر دی گئی ہے۔ جس میں یقین کی نفی بھی آگئی۔ اسی کی تائید کے لئے آیت کا اگلا حصر وما نحن بمستیقنین ارشاد فرمایا گیا۔

سینات۔ مفسر نے لفظ جزاء بڑھا کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کر دیا۔

ننسا کم۔ مسبب بول کر سبب یعنی ترک مراد لیا ہے اور لقاء کی اضافت یوم کی طرف مکرراً لیل و النهار کی طرح ہے۔ لا یخرجون۔ اس میں التفات ہے خطاب سے غائب کی طرف جس میں نکتہ یہ ہے کہ کفار کو ناقابل التفات سمجھا گیا۔ يستعقبون۔ سین تا طلب کے لئے ہے۔

رب السموات۔ تینوں جگہ رب، اللہ کا بدل ہے۔

فی السموات۔ یہ کبریا سے حال ہے۔

رابط آیات: ..... آیت وخلق الله السموات آیت ام حسب الذين کا تمہ ہے جس میں اللہ کی قدرت و حکمت کا بیان ہے۔

پھر آیت افرأیت سے قیامت کا بیان ہے جو آخر سورت تک ہو رہا ہے۔

﴿تشریح﴾: ..... آیت ام حسب الذين اور آیت وخلق الله میں ایک ہی حکمت کا بیان ہے۔ یعنی فرمانبرداروں کو ان کی فرمانبرداری کا صلہ ملنا اور مخالفین کو مخالفت کی سزا ہونا۔ البتہ دوسری آیت میں فی نفسہ عمل کا مقتضی جزا ہونا اور نیکی بدی دونوں کا برابر نہ ہونا مقصود ہے۔ لیکن پہلی آیت میں نفس عمل کے مقتضی جزاء ہونے کے علاوہ اس خاص لحاظ سے بھی مقتضی جزا ہونا مقصود ہے کہ بدلہ نہ ہونے کی صورت میں نیک و بد کی برابری لازم آتی ہے۔ اور یہ خود طبعی طور پر ایک مستقل خرابی ہے۔ کیونکہ عادتاً دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کے پاس ایک ہی نوکر ہو اور وہ ہر طرح اپنے آقا کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہو۔ مگر اس کو کوئی انعام و اکرام نہ ملے تو اسے شکایت ہوتی ہے۔ مگر اتنی نہیں جتنی کہ اس صورت میں ہوتی ہے۔ کہ ایک شریو نوکر آ جائے اور وہ ہر طرح کی شرارت کر کے بھی سزا سے بچا رہے۔ اس وقت فرمانبردار نوکر کو اپنی اطاعت کے رانیکاں جانے کا زیادہ قلق اور افسوس ہوگا۔ کیونکہ شریو ملازم کو اگر سزا مل جاتی تو اسے یہ سلی رہتی کہ خیر اطاعت میں اگر انعام نہیں ملا تو یہی غنیمت ہے کہ نہا فرمانی کی سزا سے بچ گیا۔ لیکن جب شریو ملازم کو سزا بھی نہ ملے تو رنج و ملال زیادہ



ہوگا کہ میری اطاعت بیکار گئی۔

مومن و کافر کی دنیا و آخرت یکساں نہیں ہو سکتی: ..... پہلی آیت کی اگرچہ مشہور تفسیر وہی ہے جو پہلے شروع میں گزر چکی کہ مومن و کافر دونوں کی زندگی اور موت میں برابری نہیں ہو سکتی گویا مجموعہ کا انکار ہے یعنی جس طرح مومن و کافر دنیاوی اکثر امور تندرستی، بیماری، رزق وغیرہ میں شریک اور برابر رہتے ہیں۔ اگرچہ ان کی کمیت کیفیت میں کچھ فرق ہو تو کیا مرنے کے بعد بھی ان دونوں کو برابر رکھیں گے۔ ایک کی طاعت اور دوسرے کی معصیت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔

خازن میں بھانسا لکھا ہے کہ کفار یہ کہتے تھے کہ اگر آخرت کوئی چیز ہے تب بھی ہم وہاں مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر رہیں گے۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

تو اس وقت پہلی تقریر اس طرح ہو گئی کہ کیا ہم مسلمانوں کی زندگی اور موت برابر کر دیں گے کہ جس طرح دنیاوی عیش و آرام میں مسلمانوں کی اکثریت کفار سے کم رہی اسی طرح آخرت میں بھی کم رہیں۔

سچی بند کیا کافروں کی زندگی موت برابر کر دیں گے۔ کہ جس طرح دنیا میں کفار کی اکثریت مسلمانوں سے بڑھی۔ اسی طرح آخرت میں بھی یہی رہے۔

دوسری تقریر اس طرح ہو گئی کہ آخرت میں کفار کا مسلمانوں سے بڑھا ہوا ہونا کیا معنی؟ عزت افزائی یا پکڑ پکڑ میں برابری بھی نہیں ہوگی۔ بلکہ مرنے کے بعد دونوں میں سزا ہونے نہ ہونے کا فرق ہوگا، اگرچہ دنیا میں سزا نہ ملنے میں دونوں برابر رہے ہوں۔

غرض کہ دوسری آیت کا حاصل یہ ہے کہ زمین و آسمان اللہ نے یوں ہی بیکار پیدا نہیں کئے۔ بلکہ انتہائی حکمت سے کسی خاص مقصد کے لئے بنائے ہیں اور وہ یہ کہ لوگ اندازہ کر سکیں کہ بلاشبہ ہر چیز ٹھیک موقعہ سے بنائی گئی ہے اور یہ کہ ضرور ایک دن اس عظیم الشان کا رخصتہ ستی کا کوئی عظیم الشان نتیجہ نکلے گا۔ اسی کو آخرت کہتے ہیں جہاں ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل ملے گا اور جو بویا تھوہی کا ٹپڑے گا۔

عقل، معاش، معاو کے لئے کافی نہیں ہے: ..... افرأیت من اتخذ۔ یعنی اللہ کو معلوم تھا کہ اس کی استعداد خراب

ہے اور یہ اسی لائق ہے کہ سیدھی راہ سے ادھر ادھر بھٹکتا پھرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ بد بخت سمجھ بوجھ اور دانش بینش کے باوجود یہ خود راہ سے بھٹکا۔ کیونکہ جو شخص محض خواہش نفس کو اپنا حاکم اور معبود بنا لے اور حق و ناحق کا معیار اس کی یہ خواہش نفس ہی رہ جائے تو اللہ بھی اس کو اس کی اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ پھر اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ نہ اس کے کان نصیحت کی بات سنتے ہیں اور نہ دلی پکی بات قبول کرتا ہے اور نہ آنکھ سے بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ جس کو اس کے کروت کی بدولت اس حالت پر پہنچا دے۔ پھر کون سی وقت ہے جو اس کے بعد اس کو سیدھی راہ پر لے آئے۔

وقالوا ماھی کفار کی ذہنیت یہی ہوتی ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے علاوہ کوئی دوسری زندگی نہیں ہے جس میں جہنم جو کچھ ہے یہیں ہو جاتا ہے اس کے بعد کوئی جہان نہیں ہے۔ چنانچہ بارش ہونے پر سبزہ اگتا ہے جو خشکی ہونے پر سوکھ کر کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کو سمجھو کہ ایک وقت پیدا ہوتا ہے۔ پھر ایک مقررہ وقت تک جیتا ہے۔ آخر کار زمانہ کا چکر اسے ختم کر ڈالتا ہے۔ موت و حیات کا یہی سلسلہ چلتا رہتا ہے اس سے آگے کچھ نہیں۔ یہ سب کچھ زمانہ کی کارگزاری ہے۔ حالانکہ یہ کافرانہ نقطہ نظر سراسر مہمل ہے۔ کیونکہ زمانہ اور دہر میں نہ جس ہے نہ ادراک و شعور، نہ ارادہ ہے اور نہ قدرت۔ پھر کیوں نہ اللہ کو مان لیا جائے جو مومن نہ نقطہ فکر ہے اور جس کا وجود و رسی، صدق و تصرف ہونا فطری دلائل اور عقلی نقلی برائین قاطعہ سے ثابت ہو چکا ہے اور زمانہ کا الٹ پھیر اور دن رات کی گردش اسی

کے قبضہ قدرت میں ہے۔

زمانہ کو برا کہنے سے حدیث میں اسی لئے منع فرمایا گیا ہے کہ زمانہ خود کوئی چیز نہیں ہے اس میں اللہ ہی کا تصرف ہے اس کو برا کہنے سے اللہ پر برائی آتی ہے اور یہ نہایت گستاخی ہے۔

انکار آخرت کی دلیل نہیں بلکہ وجود آخرت کی دلیل ہے: ..... کفار نے اپنے قول وما یھلکنا الا الدھر کو اپنے قول ان ہي الا حیاتنا کی دلیل میں پیش کیا ہے یعنی موت اسباب طبعیہ سے ہوتی ہے کہ زمانہ گزرنے سے قوائے بدنہ تحلیل ہو کر موت آ جاتی ہے۔ اسی طرح وہ سمجھتے تھے کہ حیات بھی اسباب طبعیہ سے ہوتی ہے یعنی اسباب طبعیہ کا اگر تقاضہ نہیں ہوگا تو موت کے بعد دوبارہ زندگی نہیں ہوگی۔ تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خدا کے منکر اور دہریہ ہوں۔ بلکہ ممکن ہے فلاسفہ یونان کی طرح وہ بھی قدرت نوعیہ کو فاعل اور ہیولی کو قائل مانتے ہیں۔

تاہم ان کے پاس آخرت کے انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے اور جو دلیل انہوں نے یہ ذکر کی ہے وہ خود بے دلیل ہے اور اس کا بدیہی نہ ہونا ظاہر بلکہ خلاف دلیل ہے۔ کیونکہ علم کلام میں ثابت ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل مختار ہیں جس سے لازم آتا ہے کہ کوئی چیز بھی اسباب طبعیہ پر موقوف نہیں ہے۔ پس نہ خود ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ وہ اہل حق کی دلیل کا پکا جواب دے سکتے ہیں۔

واذا تنلیٰ یعنی قرآن پاک کی آیات یا قیامت کے دلائل اگر منکر کو سنائے جاتے ہیں تو ایک دم کہہ اٹھتا ہے کہ میں کسی دلیل کو نہیں مانوں گا۔ تم اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو بس مختصر یہ ہے کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھلا دو۔ تب ہم جانیں گے کہ دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے۔

اس جواب کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ مثلاً یہی کہ عقلی دلیل سے دوبارہ زندہ ہونے کو محال ثابت کر دیتے تو اس صورت میں اگر عقلی صحیح دلیل اس عقلی دلیل کے معارض ہوتی تو اس کی تاویل کی جاتی۔ اور نقلی صحیح دلیل اگر صحیح نہ ہوتی تو پھر عقلی دلیل کے معارض ہونے کی وجہ سے اسی کو چھوڑ دیا جاتا۔ یا قرآن کی طرح کا معجزانہ کلام پیش کر دیتے تاکہ وہی حجت ہو سکتا۔ مگر ایسی کوئی بات بن نہ پڑ سکی اور جو جواب دیا وہ محض نامعقول ہے کیونکہ خاص اشخاص کے زندہ نہ کرنے سے عام زندہ کرنے کی نفی کیسے مازم آئی؟ آگے جواب الجواب ارشاد فرماتے ہیں۔

آپ فرمادیتے کہ مارنے جلانے کا مجھ سے کیا تعلق، اس کا تعلق اللہ سے ہے جس نے ایک دفعہ زندہ کیا پھر مارا۔ اب اسے کیا مشکل ہے کہ دوبارہ زندہ کر دے اور سب کو یک جا کر دے۔ اس روز ذلت و خواری کے ساتھ پتہ لگے گا کہ کس دھوکا میں پڑے ہوئے تھے۔

اشکال کا جواب: ..... و تو ی کل امة جائیہ۔ اس میں اگر لفظ کل کو عام مانا جائے تو مقبولین کے لئے بھی خوف و ہراس لازم آتا ہے۔ حالانکہ نصوص میں اس کا انکار کیا گیا ہے جواب میں کہا جائے گا کہ ممکن ہے بہت خفیف اور برائے نام ہو جو غیر معتد بہ ہونے کی وجہ سے نصوص کے معارض و منافی نہیں۔ جیسا کہ آیت وان منکم الا و اردھا میں مقبولین اور جنتیوں کے لئے بھی توجیہ کی گئی ہے اور اگر عام مخصوص بعض ہو تو سوال ہی متوجہ نہیں ہوتا۔

نیز اگر بعض مفسرین کے مطابق ”جاثیہ“ کے معنی دوزخ و نواب سے بیٹھ کر حساب دینے کے لئے جائیں تو پھر بھی کوئی اشکال نہیں رہتا۔ قیمت میں لوگوں کو اعمال نامے پیش کرنے کا حکم ہوگا کہ اس کے موافق آ کر حساب دو دنیا میں جو کچھ کمایا تھا آج اسی کے مطابق بدلہ ملے گا۔ یہ اعمال نامہ ٹھیک ٹھیک حساب بتلائے گا۔ ذرہ برابر کمی بیشی نہیں ہوگی۔

آج کے سائنسی دور میں ایسے ایسے کمپیوٹر ایجاد ہو گئے ہیں کہ قرآن کی ان خبروں میں صداقت کا پلہ غالب آ گیا اور حیرت و تعجب کی کوئی وجہ نہیں رہی۔ اللہ کے علم میں ہر چیز اگر چاہل سے تھی۔ لیکن فرماتے ہیں کہ ضابطہ کے مطابق ہمارے رپورٹر لکھنے پر مامور تھے۔ آج ان کی رپورٹ اور ڈائریاں جوں کی توں کھل تمہارے سامنے ہیں۔

افسوس تکن ابائی۔ ہماری طرف سے نصیحت و فہمائش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ مگر تمہارے غرور کی گردن پھر بھی نیچی نہ ہوئی۔ آخر تم کچے مجرم رہے۔ یا کہا جائے کہ جرم تمہارے ضمیر میں پہلے ہی سے داخل تھا۔

و ادا قبل۔ یعنی قیامت کے ذکر پر تمہارا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیسی ہوتی ہے یوں ہی تمہاری سنی سنائی باتوں سے کچھ کبھی دھیان اور خیال آ جاتا ہے۔ جیسے: قضائے کاذبہ میں منطلقہ کے یہاں تصور موضوع ہو جایا کرتا ہے لیکن قضایائے یقینیہ یا ظنیہ کی طرح منطقی تصدیق ہمیں حاصل نہیں ہے۔

وبعد الہم۔ لیکن جب قیامت سر پر آ موجود ہوگی تو ان کی تمام کارگزاری اور ان کے نتائج سامنے آ جائیں گے اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کے سر پر آ پڑے گا اور کہہ دیا جائے گا کہ جس طرح دنیا میں تم نے اس دن کو بھلائے رکھا۔ آج تم بھی اسی طرح نظر انداز کئے جا رہے ہو۔ تم نے دنیا کے مزوں میں خود کو پھنسا کر چھوڑ دیا تھا۔ آج عذاب میں پھنس کر چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ دنیا کے مزوں میں پڑ کر کبھی تم نے خیال ہی نہیں کیا کہ یہاں سے جاتا بھی ہے اور اللہ کے حضور پیش ہونا بھی ہے اور اگر کبھی کچھ خیال آیا بھی تو یہ خیال کر کے تسلی کر لی کہ جس طرح دنیا میں ہم مسلمانوں سے زور آور ہیں، وہاں بھی زور دار ہیں گے۔ فرماتے ہیں کہ نہ ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا اور نہ اس کا انتظار ہوگا کہ یہ منت خوشامد کر کے اللہ کو خوش کر لیں۔

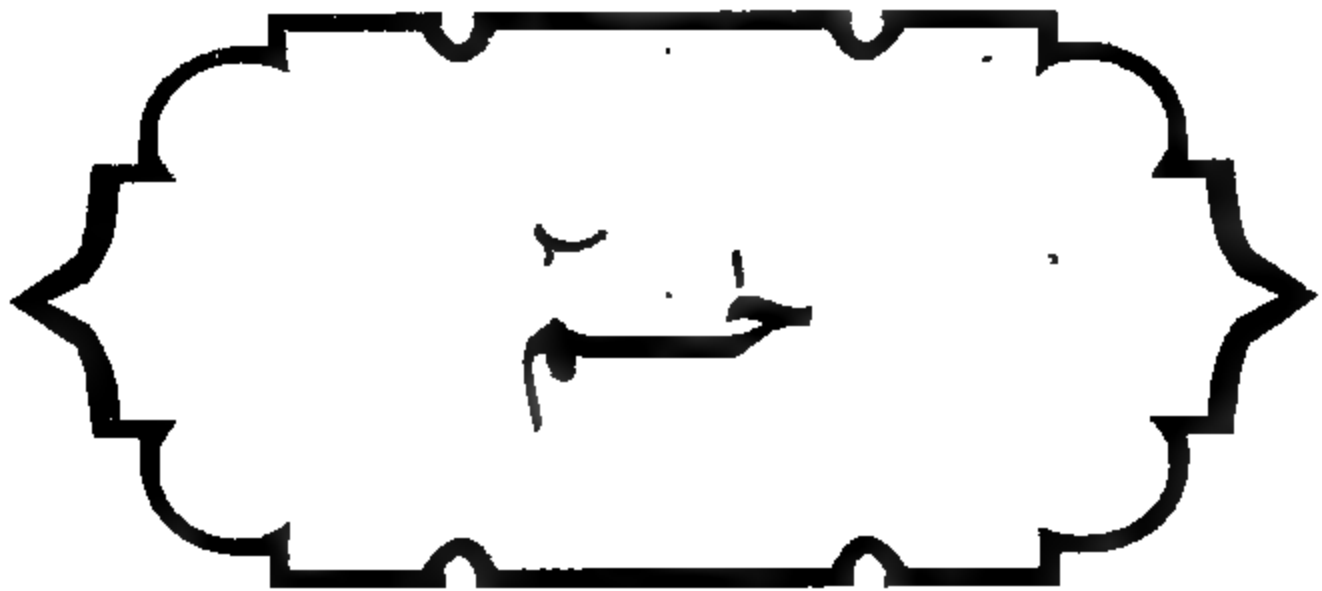
فللہ الحمد۔ حدیث قدسی ہے۔ الکبریاء ردائی والعظمة اذاری فمن ناز عنی واحدا منہما قدفتہ فی النار

اطائف سلوک: .... افرایت من اتخذ۔ اس میں نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے کی کھلی برائی ہے۔ بالخصوص دوسرے جہم میں ”اضلہ اللہ“ اس کی برائی ہے جو حق واضح ہو جانے کے باوجود نفسانیت کا پیر و کار رہے۔

یہ دبا روز بروز بڑھتی جا رہی ہے کہ علم سے کورے مگر خود کو عالم سمجھنے والے مشائخ کی رسوم پر محض تعصبا جمے رہتے ہیں۔ ولہ الکبریاء۔ کبرائی اللہ کی صفت ہے جو اس کی ذات سے الگ نہیں ہو سکتی اور اس صفت کبریائی کا عالم کے لئے محیط ہوتا اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس کی ذات ہی محیط عالم ہے۔

﴿الحمد للہ کہ پارہ الیہ یرد ۲۵﴾ کی تفسیر مکمل ہوئی ﴿

پارہ نمبر (۲۶)



## فہرست عنوانات کمالین ترجمہ و شرح اردو جلالین پارہ ۲۶

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۳۲	تشریح	۱۲۵	تحقیق و ترکیب
۱۳۳	قوم عاد و ہود پر عذاب کا بادل	۱۲۶	ربط آیات
۱۳۳	انسان سے توحیات ہی غنیمت نکلے	۱۲۶	تشریح
۱۳۳	جنات کی نظر میں قرآن	۱۲۶	مشرکین کی حماقت
۱۴۲	اسلام لانے سے پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں	۱۲۷	قرآن اور جادو میں فرق
۱۴۲	جنات جنت میں جائیں گے یا نہیں	۱۲۷	نکتہ نادرہ اور تحقیق لطیف
۱۴۲	اولوالعزم پیغمبر کون ہوئے ہیں	۱۲۸	ایک دقیق اشکال کا حل
۱۴۲	لطائف سلوک	۱۲۸	ایک علمی تحقیق انیق
۱۴۷	تحقیق و ترکیب	۱۲۸	نہ نبی انوکھا اور نہ دعوت انوکھی ہے
۱۴۸	ربط	۱۲۹	پیغمبر آخر کی اطلاع پہلے سے چلی آرہی ہے
۱۴۹	تشریح	۱۲۹	شہد سے کیا مراد ہے
۱۴۹	حق و باطل کی آویزش	۱۳۰	لطائف سلوک
۱۵۰	امیران جنگ کی رہائی	۱۳۲	تحقیق و ترکیب
۱۵۰	جہاد کی حکمت عملی	۱۳۲	شان نزول
۱۵۰	اللہ کی مدد مسلمانوں کے لئے ہے	۱۳۲	تشریح
۱۵۳	تحقیق و ترکیب	۱۳۲	پران جھوٹ نہیں بلکہ پرانا سچ ہے
۱۵۳	ربط آیات	۱۳۵	دو دھ پلانے کی مدت
۱۵۳	شان نزول و روایات	۱۳۵	چالیس سال پختہ کاری کا زمانہ ہوتا ہے
۱۵۵	تشریح	۱۳۵	نادان اولاد کا رویہ
۱۵۵	نیک و بد کیا برابر ہو سکتے ہیں	۱۳۶	لطائف سلوک
۱۵۵	جنت کی نہریں	۱۳۹	تحقیق و ترکیب
۱۵۶	دوزخیوں کا حال	۱۴۲	ربط
۱۵۶	منافقین کا دوغلا پن	۱۴۲	شان نزول و روایات

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۷۹	منافقین کے حیلے بہانے	۱۵۶	علامات قیامت
۱۷۰	منافقین کا پوسٹ مارٹم	۱۵۶	پیغمبر کا استغفار کرنا
۱۸۰	فتح خیبر	۱۵۷	لطائف سلوک
۱۸۱	ناپاک ذہن میں خیالات بھی ناپاک آتے ہیں	۱۶۰	تحقیق و ترکیب
۱۸۱	لطائف سلوک	۱۶۲	ربط
۱۸۵	تحقیق و ترکیب	۱۶۲	شان نزول و روایات
۱۸۹	تشریح	۱۶۳	تشریح
۱۸۹	حدیبیہ، فتح خیبر کا اور وہ فتح مکہ کا پیش خیمہ بنا	۱۶۳	جہاد کے فوائد و مصالح
۱۸۹	سنة الله	۱۶۴	داؤں پر تالے
۱۸۹	حدیبیہ کی صلح میں مصالح	۱۶۴	مخلص و منافق کی پہچان
۱۹۰	چند شبہات کا ازالہ	۱۶۵	کفر و نفاق سے اللہ کا کچھ نقصان نہیں
۱۹۱	مشرکیں کی ہٹ دھرمی	۱۶۵	فرمانبرداری اور نافرمانی کے درجات
۱۹۱	سچا خواب	۱۶۵	حنفیہ شوافع کا اختلاف
۱۹۱	حدیبیہ میں جنگ نہ ہونا ہی مصلحت تھا	۱۶۶	بزدلی مسلمان کا شیوہ نہیں ہے
۱۹۲	دین متین اور فتح مبین	۱۶۶	دنیا اور آخرت کا موازنہ
۱۹۲	صحابہ کرام کی شان	۱۶۷	امام اعظم کی منقبت
۱۹۲	مدح صحابہ اور خلفاء راشدین کا امتیاز	۱۶۷	لطائف سلوک
۱۹۳	تورات و انجیل کی تائید	۱۷۱	تحقیق و ترکیب
۱۹۳	رد ورفض	۱۷۴	ربط
۱۹۳	لطائف آیات	۱۷۴	شان نزول و روایات
۱۹۷	تحقیق و ترکیب	۱۷۵	تشریح
۱۹۸	شان نزول	۱۷۵	فتح مبین
۱۹۹	بط آیات	۱۷۶	شہانہ انعامات
۱۹۹	تشریح	۱۷۶	چار وعدے
۱۹۹	آداب نبوی ﷺ	۱۷۷	فتح مکہ سبب مغفرت ہے
۲۰۰	آداب نبوی ﷺ کی کیفیت	۱۷۷	فتح مکہ میں عورتیں
۲۰۰	گناہوں سے ایمان چلا جاتا ہے یا نہیں؟	۱۷۸	بیعت جہاد اور بیعت سلوک

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۱۵	اسلام ناز کی بجائے نیاز کو پسند کرتا ہے	۲۰۱	ایک نفیس علمی بحث
۲۱۵	آنحضرت اور خود مسلمانوں کے باہمی حقوق کا خلاصہ	۲۰۲	تعظیم نبوی کی ترغیب
۲۱۶	لطائف آیات		حضور ﷺ کی محبت و تعظیم ہی مسلم قوم کی ترقی کے لئے
۲۲۳	ربط آیات	۲۰۲	نقطہ عروج ہے
۲۲۳	تشریح	۲۰۲	انتہائی ادب کا تقاضہ
۲۲۴	قیامت ممکن بھی ہے اور واقعی بھی	۲۰۳	بے تحقیق خبر پر عمل کرنے سے بڑی خرابیاں ہو جاتی ہیں
۲۲۴	ضدی آدمی ہر گئی بات کا انکار کر دیتا ہے	۲۰۳	چند شبہات کا ازالہ
۲۲۴	آسمان نظر آتا ہے یا نہیں	۲۰۴	خبر کی تحقیق کہاں ضروری ہے
۲۲۵	قیامت کے امکان کی دلیل	۲۰۴	رسول ﷺ کی اطاعت
۲۲۵	قیامت کے واقع ہونے کا بیان	۲۰۵	اسلام ایک دوائی قانون ہے
۲۲۵	علم الہی اور کرانا کا تبین دونوں اعمال کے نگران ہیں	۲۰۵	مسلمانوں کے جھگڑوں کا حل
۲۲۶	اللہ کے دربار میں شیطان اور انسان کی نوک جھونک	۲۰۵	مسلمانوں میں باہم ملاپ ضروری ہے
۲۲۹	تحقیق و ترکیب	۲۰۶	مسلمانوں کے اختلافات ختم کرنے کے طریقے
۲۳۰	روایات	۲۰۶	لطائف آیات
۲۳۱	تشریح	۲۰۹	تحقیق و ترکیب
۲۳۱	شبہات اور جوابات	۲۱۰	شان نزول
۲۳۲	لطائف سلوک	۲۱۱	ربط آیات
۲۳۶	تحقیق و ترکیب	۲۱۱	محاسن اخلاق جماعتی نظام کے ضروری ہیں
۲۳۸	ربط آیات		کسی کو برے ناموں سے پکارنا دل آزاری کی بدترین قسم
۲۳۸	تشریح	۲۱۱	ہے
۲۳۸	نظام عالم قیامت کی شہادت دے رہا ہے	۲۱۲	اختلافات کی کہانیاں
۲۳۹	سب کی روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے	۲۱۲	مختلف قسم کے گمان اور ان کے احکام
۲۴۰	لطائف آیات	۲۱۳	تجسس، غیبت، بہتان کے احکام
		۲۱۴	مدافضیت خاندانی اونچ نیچ نہیں، بلکہ ایمان و عمل ہے



## سُورَةُ الْأَحْقَافِ

سورة الأحقاف مكية إلا قل أرأيتم إن كان من عند الله آية ولا فاصير كما صبراً ولوا العزم من الرسل الآية والأوصينا الإنسان بوالديه الثلاث آيات وهي أربع أو خمس وثلاثون آية -

### بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

حَمْدُ اللَّهِ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ مُبْتَدَأً مِنَ اللَّهِ خَبْرُهُ الْعَزِيزِ فِي مَلِكِهِ الْحَكِيمِ ﴿٢﴾ فِي صُنْعِهِ مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا خَلَقًا بِالْحَقِّ لِيَذُلَّ عَلَى قُلُوبِنَا وَوَحْدَانِيَّتَنَا وَأَجَلٍ مُّسَمًّى إِلَى فَنَائِهِمَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُتِلُوا خَوْفًا بِمِنْ الْعَذَابِ مُعْرِضُونَ ﴿٣﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ أَنْخَبِرُونِي مَا تَدْعُونَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيْ الْأَصْنَامَ مَفْعُولٌ أَوَّلُ أَرُونِي أَنْخَبِرُونِي تَاكِدُ مَاذَا خَلَقُوا مَفْعُولٌ ثَانٍ مِنَ الْأَرْضِ يَبَيِّنُ مَا أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ مُشَارَكَةٌ فِي الْخَلْقِ السَّمَوَاتِ مَعَ اللَّهِ وَأَمْ بِمَعْنَى هَمْزَةِ الْإِنْكَارِ إِيْتُونِي بِكِتَابٍ مُنْزَلٍ مِنْ قَبْلِ هَذَا الْقُرْآنِ أَوْ آثَرَةٍ بَقِيَّةٍ مِنْ عِلْمٍ يُؤْتَرُ عَنْ الْأَوَّلِينَ بِصِحَّةٍ دَعَوَاكُمْ فِي عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ إِنَّهَا تَقْرَبُكُمْ إِلَى اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤﴾ فِي دَعَوَاكُمْ وَمَنْ اسْتَفْهَمَ بِمَعْنَى النَّفْيِ لَا أَحَدٌ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا يَعْْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيْ غَيْرِهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَهُمْ الْأَصْنَامُ لَا يُحْيِيُونَ عَابِدِيهِمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْأَلُونَهُ أَبَدًا وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ عِبَادَتِهِمْ غَفْلُونَ ﴿٥﴾ لَا نُهُمْ بِتَمَادٍ لَا يَعْقِلُونَ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا إِلَى الْأَصْنَامِ لَهُمْ لِعَابِدِيهِمْ أَعْدَاءٌ وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ بِعِبَادَةِ عَابِدِيهِمْ كَافِرِينَ ﴿٦﴾ جَا حِدِيدِينَ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الْقُرْآنِ بَيِّنَاتٌ ظَاهِرَاتٌ حَالٌ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ لِلْحَقِّ آيَةُ الْقُرْآنِ لَمَّا جَاءَهُمْ هَذَا مِسْحَرٌ مُبِينٌ ﴿٧﴾ بَيْنَ ظَاهِرٍ أَمْ بِمَعْنَى بَلْ هَمْزَةُ الْإِنْكَارِ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ آيَةُ الْقُرْآنِ قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُهُ فَرَضًا فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا أَيْ لَا يَقْدِرُونَ

عَلَىٰ دَفْعِهِ عَنِّي إِذَا عَذَّبَنِي اللَّهُ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ تَقُولُونَ كَفَىٰ بِهِ تَعَالَىٰ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ لِمَن تَابَ الرَّحِيمُ ﴿۸﴾ بِهِ فَلَمْ يُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوبَةِ قُلْ مَا كُنْتُ بِدَعَا بَدِيعًا مِّنَ الرُّسُلِ أَيْ أَوَّلُ مُرْسَلٍ قَدْ سَبَقَ مِثْلِي قَبْلِي كَثِيرٌ فَكَيْفَ تُكَذِّبُونَنِي وَمَا أَدرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ فِي الدُّنْيَا أَمْ أُخْرِجُ مِنْ بَلَدِي أَمْ أُقْتَلُ كَمَا فَعَلَ بِالْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي أَوْ تُرْمَوْنَ بِالْحِجَارَةِ أَمْ يُخَسَفُ بِكُمْ كَالْمُكَدِّبِينَ فَلَكُمْ إِنْ مَا اتَّبَعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَىٰ أَيْ الْقُرْآنُ وَلَا أَتَدْعُ مِنْ عِنْدِي شَيْئًا وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۹﴾ نَسِ الْإِنذَارَ قُلْ أَرَأَيْتُمْ أَنْخَبِرُونَنِي مَاذَا خَالَكُمْ إِنْ كَانَ أَيْ الْقُرْآنُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ جُمْلَةً حَالِيَةً وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ عَلَىٰ مِثْلِهِ أَيْ عَلَيْهِ أَنَّهُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ فَأَمَّنَ الشَّاهِدُ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۖ تَكْثُرْتُمْ عَنِ الْإِيمَانِ وَجَوَابُ الشَّرْطِ بِمَا عَطَفَ عَلَيْهِ أَلَسْتُمْ ظَالِمِينَ ذَلَّ عَلَيْهِ إِنْ اللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: سورہ احقاف مکہ ہے۔ بجز آیات ”قل ارئیت“ اور آیت ”فاصبر کما صبر“ اور آیت ”ووصینا الانسان تین آیات کے اس میں کل ۳۳ یا ۳۵ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حم (اس کی تفسیر مراد تو اللہ ہی کو معلوم ہے) یہ کتاب (قرآن مبتداء ہے) اللہ کی طرف سے بھیجی گئی ہے جو (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی کارگیری میں) حکمت والے ہیں۔ ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں حکمت کے ساتھ پیدا کیا (تاکہ ان میں سے ہر ایک ہماری قدرت و وحدانیت پر دلالت کرے) اور ایک معیار و معین کے لئے (قیامت میں ان کے فنا ہونے) تک اور جو لوگ کافر ہیں ان کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے (عذاب سے خوف زدہ کیا جاتا ہے) وہ اس سے بے رخی کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتلاؤ (مجھ سے کہو کہ جن چیزوں کی تم عبادت (بندگی) کرتے ہو اللہ کے علاوہ بتوں کی یہ مفعول اول ہے) مجھ کو یہ دکھلاؤ (بتلاؤ یہ تاکید ہے) کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے (معتقل ثانی ہے) زمین یہ بیان ہے (ما کا) یا ان آسمانوں (کے) پیدا کرنے میں ساجھا شرکت ہے۔ خدا کے ساتھ ام بمعنی ہمزہ انکار ہے میرے پاس کوئی کتاب جو اس کتاب سے پہلے کی ہو یا کوئی اور علمی مضمون منقول لاؤ جو پہلے لوگوں سے نقل ہوا ہو جس سے تمہارے اس دعوے کی تصدیق ہو کہ بت پرستی اللہ سے تم کو قریب کر دیتی ہے) اگر تم سچے ہو (اپنے دعویٰ میں) اور اس شخص سے زیادہ اور کون گمراہ ہوگا (استفہام نفی کے معنی میں ہے یعنی کوئی نہیں) جو خدا کو چھوڑ کر ایسے معبود غیر اللہ کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کا کہنا نہ کرے یعنی جو اپنے عبادت گزاروں کی کسی بات کا جواب بھی قیامت تک نہیں دے سکتے) اور ان کو ان کے پکارنے (پوچھا پٹ کرنے) کی بھی خبر نہ ہو (کیونکہ وہ محض بے جان ہیں سمجھتے نہیں) اور جب سب آدمی جمع کئے جائیں تو وہ (بت) ان کے پجاریوں کی بندگی ہی کا انکار کر بیٹھیں اور جب لوگوں (ملکہ والوں) کے سامنے پڑھی جاتی ہیں ہماری آیتیں (قرآن کی) کھلی کھلی واضح یہ حال ہے) تو ان میں سے منکر لوگ کہنے لگتے ہیں اس عجیب بات (قرآن) کی نسبت جب کہ وہ ان تک پہنچتی ہے کہ یہ صریح (کھلم کھلا) جادو ہے۔ کیا (بل اور ہمزہ انکار کے معنی میں ہے) یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے اگر میں نے اس کو اپنی طرف بتالیا ہوگا (بالفرض) تو پھر تم لوگ مجھے اللہ کے عذاب سے ڈرا بھی نہیں بچا سکتے (یعنی اللہ اگر مجھے عذاب دینے لگے تو کون بچا سکتا ہے) وہ خوب جانتا ہے تم اس کی نسبت جو جو باتیں بتا رہے ہو (یعنی قرآن کے متعلق جو کچھ کر رہے ہو) میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے اور بڑی مغفرت والا (توبہ کرنے والوں کے لئے) بڑی رحمت والا ہے (ان پر اس لئے

تمہیں جلد سزا نہیں دیتا) آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں (یعنی نیا، پہلا پہل بلکہ مجھ سے پہلے بہت کچھ آچکے ہیں پھر میری تکذیب تم کیسے کر رہے ہو اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ تمہارے ساتھ جانتا ہوں) (دنیا میں رہتے ہوئے کہ آیا مجھے دیس سے نکالا دیا جائے گا یا مارا جاؤں گا جیسے مجھ سے پہلے انبیاء شہید کئے گئے، اسی طرح تم پر پتھراؤ کیا جائے گا یا زہن میں دھنسا دیئے جاؤ گے اپنے پچھلوں کی طرح) میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعہ آتا ہے (یعنی قرآن کی پیروی میں اپنی طرف سے میں کچھ بھی بناؤں نہیں کر رہا ہوں اور میں تو صرف (واضح طور پر) صاف صاف ڈرانے والا ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھے بتلاؤ (تمہاری کیا حالت ہوگی) اگر یہ (قرآن) منجانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر (جملہ حالیہ ہے) اور بنی اسرائیل میں سے کوئی گواہ (یعنی عبد اللہ بن سلام) اس جیسی کتاب پر (یعنی اس کتاب کے متعلق کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے کہ یہ ایمان لے آئے (وہ گواہ) اور تم تکبر ہی میں رہو ایمان سے روگردانی کرو اور جواب شرط اس پر معطوف ہے یعنی الستم ظالمین چنانچہ اگلا جملہ اس پر دلالت کر رہا ہے) اللہ ملا شبہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

**تحقیق و ترکیب:** الاحقاف۔ احقاف جمع ہے حقف کی ریت کا ٹیلہ، یمن کی ریتیلی وادی کو کہتے ہیں جہاں قوم عاد آباد تھی۔

قل ارئیتم۔ اس آیت میں شاید سے مراد عبد اللہ بن سلام ہیں اور وہ قرآن کے مصداق ظاہر ہے کہ مدینہ طیبہ میں رہتے تھے۔ اس لئے آیت مدنی ہے لیکن اگر شاید سے مراد حضرت موسیٰ ہوں تو پھر آیت مدنی نہیں ہوگی۔

وہی اربع: تعداد آیات میں اس لئے اختلاف ہے کہ خم کو مستقل آیت شمار کیا جائے یا نہیں؟ مشتبہات کے سلسلہ میں سلف کا مسلک ہی اسلم ہے کہ ان کا حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ حضرت ابن عباس وغیرہ سے جو مختلف تفسیریں ہیں وہ ظنی ہیں ورنہ اس میں باہمی اختلاف کیسا؟  
الابالحق:۔ مصدر مخذوف کی صفت ہے۔ مفسر نے خلقاً نکال کر اشارہ کیا ہے اور یا ملا بست کے لئے ہے۔

واجل مسمیٰ: اس کا عطف بالحق پر ہے اور مضاف مخذوف ہے یعنی والابتدایر اجل مسمیٰ اس میں فلاسفہ پر رد ہے جو قدم عالم کے قائل ہیں۔

عما اندروا۔ ماموصولہ یا مصدر یہ ہے۔

ارونی۔ مفسر کی رائے پر اس صورت میں ارئیتم کا مفعول ثانی جملہ ما ذا خلقوا ہے اور مفعول اول ما تدعون ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو تاکید نہ مانا جائے بلکہ تنازع فعلین کے طرز پر حل کیا جائے۔ دونوں فعل مفعول کے خواہاں ہیں اور وہ ”ما ذا خلقوا“ ہے۔ دوسرے کا مفعول بنا کر پہلے کا مخذوف مان لیا جائے اور ابن عطیہ کہتے ہیں کہ لو ایتیم استفہام کے لئے ہے کہ متعدی نہیں ہے کہ مفعول کی حاجت ہو بلکہ استفہام تو نئی ہے اور تدعون بمعنی تعبدون ہے انفس کی رائے بھی یہی ہے۔

ایتونی:۔ یہ بھی منجملہ مقولہ کے ہے اور یہ امر تکلیفی ہے یعنی دلیل عقلی تو ہے ہی نہیں نقلی دلیل بھی نہیں ہے۔

اثارة۔ غرایہ و ضلالہ کی طرح اثارة بھی مصدر ہے کہا جاتا ہے۔ سمت الناقة علی اثارة من لحم اور بعض نے اس کے معنی روایت اور بعض نے علامت لئے ہیں۔ اور ابن عباس اثر بمعنی خط لیتے ہیں۔

من لا یستجیب۔ من نکرہ موصوف یا اسم موصول ہے اور بعد کا جملہ مفت یا صلہ ہے یدعوا کا معمول ہے اور مفعول ای لا احد اضل من شخص یبعد شنیاً لا یجیبہ او الشنی الذی لا یجیبہ ولا ینفعہ فی الدنیا والاخرۃ۔

الی یوم القیامۃ۔ غایۃ مغیا میں داخل ہے یعنی دنیا و آخرت میں دعا قبول نہ ہو۔ یہ تا بیدایے ہی ہے جیسے ان علیک لعنتی الی یوم الدین میں ہے اور بتوں کو من اور ہم کے الفاظ سے تعبیر کرنا پجاریوں کے اعتبار سے ہے کہ ان کے اعتقاد میں بت ذی ہوش ہوتے تھے گویا یہ الفاظ قرآن

نے مجازاتِ خصم کے طریقہ پر استعمال کئے ہیں۔

تفیضون :- یعنی قرآن میں طعن و تشنیع کرتے ہیں افاضہ بمعنی اندفاع ہے

ما کنت بدعا۔ اس میں دو صورتیں ہیں حذف مضاف کہا جائے اے ما کنت ذا بدع۔ اور بدع مصدر ہے دوسرے یہ کہ بدع صفت بمعنی بدیع جیسے خف اور خفیف۔ بدیع بمعنی نظیر۔

ابتداع بمعنی اختراق ہے۔ اور عکرمہ، ابو حلیۃ، ابن ابی، ابن ابی عمیلہ، تینوں لفظ بدعافتہ دال کے ساتھ پڑھتے ہیں بدعۃ کی جمع ہے اور ابو حیوۃ اور مجاہد بدعافتہ با اور کسر دال کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں حذر کی طرح وصف ہو جائے گا۔

ما ادروی یعنی میں اپنے اور تمہارے متعلق از خود آئندہ کا کیا حال بتلا سکتا ہوں جو کچھ تقدیر ہوگی پیش آکر رہے گا پھر قرآن اپنی طرف سے کس طرح گھڑ کے پیش کر سکتا ہوں۔

ارائیتم: مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اس کے دونوں مفعول محذوف ہیں، دوسری تقدیر عبادت اس طرح ہو سکتی ہے۔ ارائیتم حالکم ان کان کذا الستم ظالمین اور جواب شرط بھی محذوف ہے۔ اے ای فقد ظلمتم اسی لئے فعل شرط ماضی ہے۔

شاهد: ترمذی نے خود عبد اللہ کی روایت پیش کی ہے اور شیخین نے عامر بن سعید عن ایبہ سے تخریج کی ہے۔ اس وقت یہ آیت مدنی ہو جائے گی اور ونادی اصحاب الاعراف کی طرح وہ مشہد شاهد کی تائید بھی ہو سکتی ہے۔

علیٰ مثله: مفسر نے اشارہ کیا کہ مثل صلہ ہے مراد قرآن کے من اللہ ہونے کی شہادت دینا ہے۔

الستم ظالمین: جیسا کہ زخشری کی رائے ہے اور بعض نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ جملہ استفہامیہ جواب بنائے کی صورت میں فا کے ساتھ لانا ضروری ہے۔ اے ای فقد ظلمتم۔

رابط آیات: پچھلی سورت کے آخر اور اس سورت کے شروع میں تو حید و معاد کا بیان وجہ ارتباط ہے۔ لیکن پہلے معاد مفصل اور تو حید مجمل تھی اور یہاں اس کے برعکس ہے۔

آیت و اذا تتلیٰ علیہم سے نبوت و رسالت کا مضمون ہے۔

تشریح: ..... واجل مسمیٰ: یعنی یہ دنیا جہاں ہم نے یوں بے کار و بے مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ ایک مقصد اور خاص غرض کے لئے پیدا

کیا ہے جو ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا تا آنکہ اس کا نتیجہ ظاہر ہو جس کو آخرت کہتے ہیں اس لئے فلاسفہ کا دعویٰ قدم عالم غلط ہے۔

قل ارائیتم: یعنی تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کل کائنات تو اللہ کی بنائی ہوئی ہے پھر کیا تم سچے دل سے کہہ سکتے ہو کہ کسی نے زمین کا ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ بنایا ہو پھر ان کو خدا کے ساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیوں پکارا جاتا ہے؟ اور ظاہر ہے کہ خالق ماننا ہی استحقاق الوہیت کی دلیل ہو سکتی ہے اس لئے عقلی دلیل دوسروں کے معبود ہونے پر تو قائم نہ ہو سکی، بلکہ نہ ہو سکنے پر قائم ہو گئی۔ ہاں اگر کوئی دلیل نقلی تمہارے پاس ہو تو بسم اللہ شوق سے باقاعدہ آسمانی کتاب ہو یا کوئی معتبر مضمون ہو مستند طور پر نقل ہونا چاہا آیا ہو اسی کو پیش کر دو لیکن اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر بتلاؤ کہ عقلی نقلی دلیل کے بغیر یوں ہی آنکھ بند کر کے کس طرح تمہاری بات مان لی جائے۔

مشرکین کی حماقت: اس سے بڑھ کر حماقت اور گمراہی کیا ہوگی کہ اللہ کو چھوڑ کر اپنی حاجت براری کے لئے بے جان و بے اختیار چیز کو پکارا جائے پھر کی صورتوں کا تو کہنا ہی کیا فرشتے اور پیغمبر بھی اگر کچھ سن سکتے ہیں یا کچھ کر سکتے ہیں تو وہی جس کی اجازت و قوت منجانب اللہ عطا ہوگی۔ تمہارے اعتقاد کے مطابق نہ ان کا استعلازی اور دائمی ہے اور نہ فائدہ مند بلکہ قیامت کے روز جہاں ایک تنکے کے سہارے کو بھی غنیمت سمجھا

جائے گا مگر بے چارے ان کے فرضی معبود اپنے عابدوں کی مدد تو کیا کر سکتے اور اٹے دشمن بن کر سامنے آ جائیں گے اور اظہار بیزاری کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیں گے کہ انہوں نے ہماری بندگی نہیں کی یہ جھوٹے ہیں پس جب ان کی پرستش کا ایک بھی مقتضی نہیں بلکہ پرستش نہ کرنے کے مقتضیات بکثرت ہیں پھر کیوں ان کو پکڑے بیٹھے ہیں۔

قرآن اور جادو میں فرق:..... واذا تطلی یعنی حال ان کا ملاحظہ ہو کہ انہیں اپنے انجام کی ذرہ برابر پرواہ اور فکر نہیں اگر کوئی ان کے لئے دل سوزی کرنا بھی چاہے اور قرآن بطور نصیحت پڑھ کر سنائے تو اس کو جادو کہہ کر ٹال جاتے ہیں حالانکہ جادو کی کاٹ ممکن ہے مگر قرآن کا معارضہ ممکن نہیں ہے۔ یہ کھلی دلیل ہے ان کی بات کے جھوٹا ہونے کی۔ چنانچہ بیانات کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے اور جادو کہنے سے بھی بڑھ کر خباثت لئے ہوئے ان کا یہ کہنا ہے کہ قرآن شریف آپ خود بنا لائے ہیں اور اللہ میاں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کیونکہ جادو کی برائی تو سب کے نزدیک مسلم نہیں کچھ لوگ اس کے معتقد بھی ہوئے بلکہ اس کو کمال سمجھتے ہیں مگر جھوٹ بولنا اور وہ بھی خدا پر وہ تو متفقہ طور پر سب ہی کے نزدیک برائی ہے۔

اگر بالفرض میں ایسی جسارت بھی کروں تو گویا جان بوجھ کر خود کو اللہ کے غضب کے حوالے اور اس کی بدترین سزا کے آگے پیش کر رہا ہوں میری عمر تم میں گزری ہے مگر کبھی کسی نے ادنیٰ جھوٹ کی تہمت بھی لگائی ہے۔ پس بندوں کے معاملات میں تو میری سچائی کی قسمیں کھاتے ہو اور محمد الامین کہہ کر نام لیتے ہو لیکن کوئی باور کر سکتا ہے کہ جب خدا کا معاملہ آئے تو ایک دم خدا پر جھوٹ باندھ کر خواہ مخواہ خود کو عظیم ترین مصیبت میں پھنسا دوں گا جس سے بچانے والا بھی روئے زمین پر کوئی نہیں ہے۔

مان لو کہ میں تمہیں اس طرح اپنا گرویدہ اور پیروکار بنالوں مگر جھوٹے نبی پر جو خدائی وبال اور زوال آئے گا اس سے کیا تم اس کو بچا سکتے ہو؟ پھر بتلاؤ میں یہ دروسری کیوں لیتا کیونکہ جھوٹے نبی پر ادبار کا آنا تو ایسا لازم ہے جسے اس کا حامی بھی دفع نہیں کر سکتا مگر یہاں لازم کی نفی ہے پس ملزوم کی نفی بھی ہو گئی۔

نکتہ نادرہ اور تحقیق لطیف:..... اور ان الفریقہ میں ان سے استقبال کی خصوصیت مقصود نہیں ہے بلکہ مقدم اور تالی میں مطلقاً اتصال بتلانا ہے چنانچہ آیت لو نقول میں لوماضی کے لئے آیا ہے۔ اس لئے یہ شبہ اب نہیں رہتا ہے کہ بولتے وقت تو لازم کی نفی کا حکم نہیں کیا جا سکتا اس کے لئے مستقبل کا انتظار کرنا پڑے گا لیکن اگر ان کو مستقبل ہی کے لئے لیا جائے تب بھی تھوڑا انتظار کافی ہو جائے گا۔ یعنی کچھ دیر بعد پہنچ چل جائے گا کہ اتفاقاً لازم ہو گیا ہے کہ عذاب سے بچے رہے اور اگر اتنے دنوں عذاب نازل نہ ہونے سے کسی کو ملزوم پر شبہ ہونے لگے تو اس کے جواب کے لئے کہا جائے گا کہ محض دعوائے نبوت کر دینا ملزوم نہیں ہے بلکہ اس پر برقرار رہنا ملزوم ہے۔

البتہ تحقیق بقاء کی مدت کے اعتبار سے اگر تلخیص کا شبہ ہو تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ دعوائے نبوے کے وقت معجزہ کا ظاہر کرنا یا نہ کرنا تلخیص دور کرنے کے لئے کافی ہے البتہ جھوٹ بولنے کی صورت میں جب کہ معجزہ بھی ظاہر نہ ہو عذاب کا ہونا اس تلخیص کے دور کرنے کے لئے ہے پس اس معرکہ یعنی عذاب نہ ہونے سے خود تلخیص کا نہ ہونا جو موجب اعتراض ہے لازم نہیں آتا۔

یہ ساری گفتگو تو قرآن کے من گھڑت ہونے کی صورت میں تھی لیکن قرآن کو اگر تم من گھڑت نہیں مانتے تو پھر میں بہتان تراش نہ ہوا پس جو باتیں تم نے شروع کر رکھی ہیں اللہ ان کو بھی خوب جانتا ہے اس لئے بس تو اپنے انجام کی فکر رکھو اور ایک سچے پیغمبر کو جھوٹا مفتری کہنے کا انجام بھی سوچ لو کہ وہی میرے تمہارے درمیان سچ کو سچ جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے کے لئے گواہ ہے وہ اب بھی اور آئندہ بھی اپنے قول و فعل سے یہی بتلائے گا کہ کون سچا ہے، کون جھوٹا مفتری ہے۔

یہ واضح رہے کہ نبوت کے اثبات کا اصل مدار تو معجزہ کے اظہار پر ہوتا ہے جو ہو چکا ہے اس آخری مضمون پر مدار نہیں ہے بلکہ یہ مضمون تو صرف ہٹ دھرمی کرنے والوں کے لئے آخری جواب کے طور پر ہے۔  
حاصل یہ ہے کہ اگر میں دعویٰ نبوت میں جھوٹا ہوں تو مجھے فوراً پکڑ لیا جائے گا اور تم اس کے انکار میں اگر جھوٹے نکلے تو یاد رکھو کہ تم پکڑے جاؤ گے خواہ دنیا میں یا آخرت میں۔

**ایک دقیق اشکال کا حل:** ..... اور آگے وہو الغفور الرحیم میں ایک شبہ کا جواب ہے وہ یہ کہ کفار اگر کہنے لگیں کہ ہوا اعلم بما تفیضون فیہ جب فرما دیا یعنی ہماری حرکتوں کا علم اللہ کو ہے مگر پھر بھی ہم پر عذاب نہیں آیا پس جس طرح مدعی نبوت پر عذاب نہ آنا اسکی سچائی کی دلیل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح ہم انکار کرنے والوں پر عذاب نہ آنا بھی ہمارے سچے ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے گویا ایک قسم کا یہ معارضہ ہوا۔  
اس کا جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ اللہ بڑی مغفرت و رحمت والا ہے وہ دنیاوی عذاب سے کافروں کو اگر بچالے تو یہ اس کی ایک خاص قسم کی مغفرت و رحمت ہوگی جس میں کفار بھی شریک ہو سکتے ہیں لیکن مدعی نبوت میں یہ اشکال نہیں ہے کیونکہ جھوٹے دعویٰ نبوت کرنے اور عذاب نازل ہو جانے میں مزوم عادی ثابت ہے اور یہاں انکار حق اور نزول عذاب میں لزوم ثابت نہیں ہے پس نبوت کے سلسلہ میں عذاب نازل نہ ہونے کو اختفاً لازم کہا جائے گا اور منکرین کے حق میں نہیں کہا جائے گا خوب سمجھ لینا چاہیے۔

**ایک علمی تحقیق اہم:** اور ان دونوں میں فرق کا راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق و باطل کی تحقیق کا آخری مرجع چونکہ نبوت ہے اس لئے فکر و نظر کا اخیر مرجع بھی ہدایت ہونی چاہیے۔ اور مقصود جس طرح مہتمم بالشان ہوا کرتا ہے اس کی ہدایت بھی اتنی ہی کھلی اور روشن ہونی چاہیے یعنی تلخیص کا شائبہ بھی اگر ہوگا تو ہدایت کے خلاف سمجھا جائے گا۔ اسی لئے تلخیص کا شائبہ تک نبوت کے معاملہ میں گوارا نہیں کیا گیا برخلاف معارضہ کرنے والوں کے کہ نبوت سے تلخیص اٹھ جانے کے بعد پھر اس تلخیص کا احتمال نہیں ہو سکتا کیونکہ دو نقیضوں میں ایک نقیض کا صدق دوسری نقیض کے کذب کو مستلزم ہوا کرتا ہے پس جب صدق میں التباس نہ ہوگا تو کذب میں بھی التباس نہ ہوگا۔ اس لئے حق کے انکار اور عذاب کے نازل ہونے میں لزوم نہ ہوا بلکہ انکار حق پر اکثر بطور استدراج کے عذاب نہ آتا تجویز کیا گیا ہے۔ (ماخوذ من بیان القرآن لکنہ صعب)

**نہ نبی انوکھا اور نہ دعوت انوکھی ہے:** آگے وما کنت بدعا سے اسی مضمون کی تاکید کے لئے ارشاد ہے یعنی میری باتوں سے بدکتے کیوں ہو میں کوئی انوکھی چیز لے کر تو نہیں آیا میں وہی کہہ رہا ہوں جو مجھ سے پہلے ہزار ہا نبی کہہ چکے پھر میری بشارت پہلے انبیاء دے چکے اس لئے میں بھی انوکھا اجنبی نبی نہیں ہوں بلکہ تمہیں مطمئن اور خوش ہونا چاہیے کہ اتنی پرانی بشارت کا آج ظہور ہو رہا ہے یوں تو انوکھا اور نیا نبی ہونا بھی فی نفسہ باعث انکار نہیں ہونا چاہیے۔ آخر جو سب سے پہلے پیغمبر ہوئے ہوں گے، وہ انوکھا ہونے کے باوجود بھی پیغمبر تھے۔ البتہ انوکھا ہونا باعث تعجب ضرور ہو سکتا ہے گویا وہ تعجب دور ہی کیا جاسکتا ہے مگر یہاں تو انوکھا ہونا بھی نہیں ہے کیوں کہ مجھ سے پہلے بہت انبیاء آچکے ہیں جن کی خبر تو اتر کے ساتھ تم نے بھی سن رکھی ہے۔

اسی طرح میرا دعویٰ بھی کوئی انوکھا نہیں ہے کہ میں سب سے ہٹ کر کوئی انوکھی بات کہہ رہا ہوں مثلاً یہ کہ میں غیب دان ہوں بلکہ میرا کہنا تو یہ ہے کہ معلومات وحی کے علاوہ مجھے کچھ پتہ نہیں حتیٰ کہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہوتا ہے میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا اور خود تمہارے ساتھ کیا کرے گا پس جب اپنے اور تمہارے قریبی احوال جاننے کا مجھے دعویٰ نہیں ہے تو اور دور کی غیبی باتوں کا میں کیا مدعی ہو سکتا ہوں۔ پس اس لحاظ سے بھی میرا کوئی انوکھا نعرہ نہیں ہے جو تمہارے لئے وجہ انکار بنے۔ البتہ جوں جوں مجھے وحی کے ذریعہ علم ہوتا رہے گا خواہ اپنے متعلق یا دوسروں کے متعلق اور خواہ دنیاوی احوال ہوں یا اخروی حالات بلاشبہ وہ علم کامل ہوگا لیکن نہ از خود

جاننے کا دعویٰ ہے اور نہ سب تفصیلات سے فی الحال آگاہ ہونے کا، اس بحث میں پڑنا ہی لا حاصل ہے میرا کام صرف وحی کا اتباع ہے اور احکام الہی کا امتثال ہے اور کفر و طغیان کے خطرناک نتائج سے کھول کھول کر آگاہ کر دینا ہے آگے چل کر دنیا و آخرت میں میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا اس کی پوری تفصیلات فی الحال نہیں جانتا بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔

پیغمبر آخر کی اطلاع پہلے سے چلی آرہی ہے: پہلے آیت ہو اعلم بما تفيضون میں قرآن کو بہتان تراشی نہ ہونے کی تقریر جو جواب کی اجمالی تقریر تھی۔ آیت قل اذیتتم سے اس کی تفصیل ارشاد فرمائی جارہی ہے پس یہ اجمال و تفصیل ملکر دوسری شق ہوئی۔ اور پہلی شق ان اھتربت الخ تھی۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ تم مجھ کو مفتری کہتے ہو۔ تو دو حال سے خالی نہیں یا میں مفتری نہیں پہلی شق تو اس لئے صحیح نہیں کہ اس کے لوازم سے فوری تباہی ہے جو ہوئی نہیں۔ البتہ دوسری شق صحیح ہے سواب تمہیں اپنی فکر کرنی چاہیے۔

چونکہ عرب کے جاہل مشرک بنی اسرائیل یہود کے علم و فضل سے مرعوب تھے اس لئے حضور ﷺ کے دعویٰ نبوت پر مشرکین نے بنی اسرائیل کا عندیہ لینا چاہا تا کہ ان کی تکذیب سے ہمارے لئے ایک بہانہ بات آجائے مگر اس مقصد میں وہ ہمیشہ ناکام رہے۔ کیونکہ کھلم کھلا علماء یہود نے اعتراف کیا کہ ہمارے کتابوں میں اس ملک کے لئے ایک نبی کی آمد کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ رسول اسی طرح کے اور یہ کتاب بھی اسی طرح کی معلوم ہوتی ہے حالانکہ تورات وغیرہ کتب محرف ہو چکی تھیں مگر پھر بھی باقی ماندہ حصہ میں آج تک یہ پیش گوئیاں چلی آتی ہیں جن کا نمونہ مقدمہ تفسیر حقانی میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جو اس باب میں ایک معتبر دستاویز ہے۔

پس ثابت ہوا کہ بنی اسرائیل کے سب سے بڑے گواہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال پہلے تو اہی دے چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بردبار بنی اسرائیل میں ایک رسول آنے والا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بعض جن پرست عبد اللہ بن سلام جیسے حضرات آنحضرت ﷺ کا چہرہ انور دیکھنے کے ساتھ پکار تے ان ہذا الوجه لیس بوجہ کاذب اور ایمان لے آئے۔ پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال پہلے ایک چیز پر ایمان رکھیں اور ان کو ماننے والے انصاف پسند جن پرست یہودی علماء اس کے صدق کی گواہی دیں بلکہ بعض مشرف باسلام بھی ہو جائیں مگر تم اپنی بہت درمندی باز نہ آؤ تو تم سے زیادہ عقل و ہوش کا دشمن اور کون ہوگا آخر شیخی اور غرور کی کوئی حد بھی! ایسوں کی فلاح و نجات کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

ثابہ سے کیا مراد ہے: وشہد شاہد فرمانا ایسا ہی ہے جیسے سورۃ شعرا میں اولم یکن لہم ایتۃ ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل فرمایا کیا ہے جس سے مقصود اس شہادت میں ترجیح نبوت کا انحصار نہیں ہے بلکہ شاہد پر توین، جنس یا تخیم کے لئے ہے جو کہ تمام منصف مزین اور با ایمان علماء یہود کو شامل ہے خواہ وہ اس آیت سے پہلے ایمان لا چکے ہوں یا بعد میں لائے ہوں گویا منشور یہ ہے کہ اس آیت کے کلی منہور میں یہ حضرات بھی داخل ہیں اور وہ بھی اسی کی جزئی ہیں۔ چنانچہ سعید بن جبیر کا قول در منشور میں ہے کہ اس آیت کا نزول میمون بن یامین کے بار میں ہوا ہے جو یہود کے رئیس العلماء تھے، اس سے بھی تخصیص نہ ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ عام اس سے کہ یہ آیت عبد اللہ بن سلام کے اعلام نے آئے بعد آئی ہو جیسا کہ مفسرین اس آیت کو مدنی کہتے ہیں یا پہلے نازل ہوئی ہو۔ جیسا کہ بعض مفسرین پوری سورت کی طرح اس آیت کو بھی منی کہتے ہیں۔

اور قرآن میں قرآن کو مثل القرآن سے تعبیر کرنے میں مبالغہ کے علاوہ یہ بھی نکتہ ہو سکتا ہے کہ علماء بنی اسرائیل کو قرآن کا علم پہلی کتابوں سے اجمالی طور پر ہوا تھا لیکن قرآن سے اس کی تفصیل معلوم ہوئی اور اجمال و تفصیل میں خطاب ہے کہ من جہ اتی دار من وجہ اتی ہوا مرتا ہے اس لئے اس کو مثل سے تعبیر کرنا انتہائی حسن بلاغت ہے اور کفر تم اور استکبر تم کو تکرار نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ کفر تم کا تعلق علماء کی



شہادت دینے سے پہلے ہے اور استکبر تم کا تحقق بعد میں ہوا۔ بیان القرآن۔

اظہار کف سلوک ایٹونی بکتاب الخ، میں اس پر دلالت ہے کہ دین میں کوئی دعویٰ بغیر معتبر دلیل کے لائق قبول نہیں، چنانچہ کشف یا الہام بھی اس بارہ میں حجت نہیں ہوگا۔

ما ادری ما یفعل اس میں دو شخصوں پر رد ہو رہا ہے ایک تو اس بات پر جو ہر کلی جزئی علم کی نسبت اولیاء کی طرف کرتا ہو دوسرے اس پر جو اپنی اور اپنے تابعین کی نجات کا پکا یقین کئے ہو۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اِیْ فِیْ حَقِّهِمْ لَوْ كَانَ الْاِیْمَانُ خَیْرًا مَّا سَبَقُونَا اِلَیْهِ وَاِذْ لَمْ یَهْتَدُوا اِی الْقَائِلُوْنَ بِه اِی بِالْقُرْآنِ فَسَیَقُولُوْنَ هٰذَا اِی الْقُرْآنِ اِفْلَکْ کَذَبَ قَدِیْمٌ ﴿۱۰﴾ وَمِنْ قَبْلِهِ اِی الْقُرْآنِ کِتَابُ مُوسٰی اِی التَّوْرَةِ اِمَامًا وَرَحْمَةً وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ بِه خَالَانِ وَهٰذَا اِی الْقُرْآنِ کِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّکُتُبٍ قَبْلِه لِسَانَ عَرَبِیًّا حَالٍ مِنَ الضَّمِیْرِ فِی مُصَدِّقٍ لِّیُنْدِرَ الدِّیْنَ ظَلَمُوْا مُشْرِکِیْ مَکَّةَ وَهُوَ بُشْرٰی لِلْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱﴾ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّ الدِّیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا عَلٰی الطَّاعَةِ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اُولٰٓئِکَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا حَالٍ جَزَاءً مَنْصُوْبٌ عَلٰی الْمَصْدَرِ بِفَعْلِه الْمُقَدَّرِ اِی یُجْزَوْنَ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدِیْهِ اِحْسَانًا وَ فِیْ قِرَآءَةِ اِحْسَانًا اِی اَمَرْنَا اَنْ یُّحْسِنَ اِیْھِمَا فَنَصَّبَ اِحْسَانًا عَلٰی الْمَصْدَرِ بِفَعْلِه الْمُقَدَّرِ وَ مِثْلُه حُسْنًا حَمَلَتْهُ اُمُّہُ کُرْھًا وَ وَضَعَتْھُ کُرْھًا اِی عَلٰی مُشَقَّةٍ وَ حَمَلْھُ وَفِضْلْھُ مِنَ الرِّضَاعِ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا سِتَّةَ اَشْھُرٍ اَقْلَ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَ الْبَاقِیْ اَکْثَرُ مُدَّةِ الرِّضَاعِ وَقِیْلَ اِنْ حَمَلَتْ بِه سِتَّةٌ اَوْ تِسْعَةٌ اَوْ وَضَعَتْھُ الْبَاقِیْ حَتّٰی غَايَةَ لِحَمَلْھُ مُقَدَّرَةٌ اِی وَعَاشَ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشَدُّھُ هُوَ کَمَالُ قُوَّتِه وَ عَقْلِه وَ رَايَہ اَقْلَہ ثَلَاثٌ وَ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً وَ بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً اِی تَمَامْھَا وَهُوَ اَکْثَرُ الْاَشَدِّ قَالَ رَبِّ اِلٰی الْاٰخِرَةِ نَزَلَ فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِیْقِ لَمَّا بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً بَعْدَ سَتِیْنِ مِنْ مَبْعَثِ النَّبِیِّ ﷺ اَمِنْ بِہ ثُمَّ اَمِنْ اَبَوَھُ ثُمَّ اِبْنُہ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَ اِبْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَبُو عَتِیْقٍ اَوْ زِغْنٰی اَلْھَمْنٰی اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتْکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ بِھَا عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدِیْ وَھِی التَّوْحِیْدُ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰھُ فَاعْتَقَ تِسْعَةً مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ یُعَذِّبُوْنَ فِی اللّٰهِ وَ اَصْلَحَ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ فَکُلُّھُمْ مُّؤْمِنُوْنَ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِکَ اِی قَائِلُوْا هٰذَا الْقَوْلِ اَبُو بَکْرٍ وَغَیْرُہُ الدِّیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْھُمْ اَحْسَنَ بِمَعْنٰی حَسَنَ مَا عَمِلُوْا وَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّآئِھُمْ فِیْ اَصْحَابِ الْجَنَّةِ حَالٍ اِی کَاثِبِیْنَ فِیْ جُحُمَلِیْھُمْ وَ عَدَّ النَّصِیْقِ الَّذِیْ کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ فِیْ قَوْلِه تَعَالٰی وَ عَدَّ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنَّتِ وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدِیْھِ وَ فِیْ قِرَآءَةِ بِالْاِفْرَادِ اُرِیْدُ بِه الْجِنْسُ اِفِّ بِکَسْرِ الْفَاو فَتَحْھَا بِمَعْنٰی مُصْدَرٍ اِی تَنَّا وَ قُبْحًا لَّکُمَا اَتَضَجَّرُ مِنْکُمَا اَتَعْدِلْنِیْ

وَفِي قِرَاءَةِ بِالْإِذْغَامِ أَنْ أُخْرِجَ مِنَ الْقَبْرِ وَقَدْ خَلَّتِ الْقُرُونُ الْأُمَمُ مِنْ قَبْلِي ۚ وَكَمْ تُخْرِجُ مِنَ الْقُبُورِ وَهُمَا يَسْتَغِيثُ اللَّهُ يَسْمَعُ الْغَوْثَ بِرُجُوعِهِ وَيَقُولَانِ إِنْ لَمْ تَرْجِعْ وَيَلْتَكَ أَيْ هَلَاكَ بِمَعْنَى هَلَكْتَ مِنْ ۚ بِالْبَعْثِ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ بِهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُولُ مَا هَذَا أَيْ الْقَوْلُ بِالْبَعْثِ إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۷﴾ اَكَاذِبُهُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ وَجَبَ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ بِالْعَذَابِ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلِّ مِنْ جِنْسِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْكَافِرِينَ دَرَجَاتٌ فَدَرَجَاتُ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْجَنَّةِ عَالِيَةً وَدَرَجَاتُ الْكَافِرِينَ فِي النَّارِ سَافِلَةً مِمَّا عَمِلُوا ۚ أَيْ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ الطَّاعَاتِ وَالْكَافِرُونَ مِنَ الْمَعَاصِي وَلِيُوفِّيَهُمْ أَيْ اللَّهُ وَفِي قِرَاءَةِ بِالنُّونِ أَعْمَالُهُمْ أَيْ جَزَاءُ مَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۹﴾ شَيْئًا يُنْقُصُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَيُزَادُ لِلْكَافِرِينَ وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۚ بَأَنَّ تُكْشَفُ لَهُمْ وَيُقَالُ لَهُمْ أَذْهَبْتُمْ بِهَمْزَةٍ وَبِهَمْزَتَيْنِ وَبِهَمْزَةٍ وَمَدَّةٍ وَبِهِمَا وَ تَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ طَبِيعَتِكُمْ بِاشْتِغَالِكُمْ بِلَذَائِكُمْ فِي حَيَاتِكُمْ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ تَمَتَّعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ أَيْ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ تَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿۲۰﴾ بِهِ وَتُعَذِّبُونَ بِهَا -

ع

ترجمہ: اور یہ کافر ایمان کی نسبت کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر یہ ایمان کوئی اچھی چیز ہوتا تو یہ لوگ ہم سے پہلے اس کی طرف سبقت نہ کرتے اور جب ان کہنے والوں کو اس قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہی کہیں گے کہ یہ (قرآن) پرانا جھوٹ ہے اور اس قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب (تورات) آئی جو رہنما اور رحمت تھی (اہل ایمان کے لئے یہ دونوں حال ہیں) اور یہ (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے جو (پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی، عربی زبان میں) (مصدق کی ضمیر سے یہ حال ہے) ظالموں (مکہ کے مشرکوں) کو ڈرانے کیلئے اور (یہ) بشارت دینے کے لئے ہے (نیک لوگوں مومنین) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر فرمانبرداری پر جبر ہے سوال پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ ٹمکن ہوں گے یہ لوگ اہل جنت ہیں جو ہمیشہ ہیں گے اس میں (یہ حال ہے) ان کاموں کا صلہ فعل مقدر کے مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منسوب ہے یعنی بجزوون جو وہ کیا کرتے تھے اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا (ایک قرأت میں احسانا ہے یعنی ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ والدین کے ساتھ احسان کرے۔ پس اس ترکیب میں احسان کا نصب فعل مقدر کے مفعول مطلق ہونے کی بنا پر ہوگا اور یہی ترکیب لفظ حسنا کی ہے اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت سے اس کو جنا (کرھا بمعنی مشقت) اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے ہے (چھ مہینے کم از کم مدت حمل اور باقی دو سال دودھ چھڑانے کی اکثر مدت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ چھ یا نو مہینے اگر حمل رہے تو باقی وقت دودھ پلائے) یہاں تک کہ (یہ جملہ مقدرہ کی غایت ہے یعنی وعاش حتی) جب اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے (جو قوت و عقل ورائے کے کمال کا زمانہ ہے وہ کم از کم ۳۳ سال ہے) اور جب چالیس برس کو پہنچتا ہے (یعنی چالیس سال مکمل کر لیتا ہے جو بھر پور جوانی کی انتہا ہے) تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار (یہ آیات حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شان میں آئیں جب کہ وہ آنحضرت ﷺ کی رسالت کے دو سال بعد چالیس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ پھر ان کے والدین اور صاحبزادہ عبدالرحمنؓ اور پوتے ابوعبیدؓ سب شرف باسلام ہوئے) مجھے توفیق بخشے (دس میں بٹھا دیجئے) کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا کروں جو آپؐ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں (یعنی توحید کی دولت) اور یہ کہ میں اچھے

کام کیا کروں جس۔۔۔ پ خوش ہوں (چنانچہ صدیق اکبرؓ نے ان نو مسلمانوں کو آزاد کیا جنہیں اللہ کے راستہ میں بری طرح ستایا جا رہا تھا) اور میری اولاد میں میرے لیے حلاوت پیدا کر دیجئے (چنانچہ سب اہل ایمان ہو گئے) میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں۔ یہ یعنی دعائیں کرنے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ وغیرہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے اچھے کاموں کو قبول کر لیں گے (احسن بمعنی حسن ہے) اور ان کے گنہ گار ہوں سے درگزر کر دیں گے کہ جنتیوں میں سے ہو جائیں گے (یہ حال یعنی منجملہ اہل جنت کے) اس سچے وعدہ کی وجہ سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا (آیت وعد اللہ المومنین والمومنات جنات ہے) اور جس نے اپنے باپ سے کہا (ایک قراءت میں والد مفرد ہے مراد جنس ہو جائے گی) تف ہے (لفظ اف کسراف اور فتحہ فا کی مصدر کے معنی میں ہے۔ بمعنی ق بل نفرت اور لند کی تم پر تمہاری طرف سے بے قراری ہے) کیا تم مجھ کو یہ وعدہ دیتے ہو کہ (کوئی ابھی تک قبر سے برآمد نہیں ہوا) اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کر رہے ہیں (اللہ سے کسی سہارے کو مانگ رہے ہیں جو بیٹے کو پھیر دے) اور جب بیٹا نہ پھرے تو کہتے ہیں کہ ارے تیرا ناس ہو (بربادی تباہی جائے) ایمان لے آؤ (قیامت کو مان لے) بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو یہ کہتا ہے کہ یہ باتیں (قیامت کے چرچے) اگلے وقتوں سے ب سند نقل ہوتی چلی آرہی ہیں (جو جھوٹی ہیں) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے حق میں بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ (کے عذاب) کا قول پورا ثابت ہو کر رہا جو ان سے پہلے جن اور انسان ہو گزرے ہیں۔ بلاشبہ یہ خسارے میں رہے۔ اور ہر ایک مومن و کافر کی جنس کے لئے الگ الگ درجے ہیں (چنانچہ مومن کے لئے جنت میں بالائی منزلیں ہیں اور کافر کے لئے جہنم میں نچلے خانے ہیں) ان کے اعمال کی وجہ سے ورنہ اللہ سب کو پورے کر دے (ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے) ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر ظلم نہ ہوگا (ذرا بھروسہ طرح۔ مومن کے کٹوتی اور کافر کے زیادتی کر دی جائے) اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (جہنم ان کو نظر آجائے گی) ان سے کہا جائے گا (کہ تم حاصل کر چکے ہو) یہ لفظ ایک ہمزہ اور دو ہمزائوں کے ساتھ اور ایک ہمزہ اور حرف مد کے ساتھ، اور دونوں ہمزائوں کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے) اپنی لذت کی چیزیں (خواہشات میں لگے رہنے کی وجہ سے) دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ اس لئے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے اللہ کی۔ جس کی بناء پر تمہیں عذاب دیا جا رہا ہے)

**تحقیق و ترکیب:** لو کان خیرا۔ کفار مکہ عمار بن یاسرؓ، صہیبؓ، ابن مسعودؓ وغیرہ غرباء کو دیکھ کر یہ فقرے چست کیا کرتے تھے۔ اذلم یہتدوا زختریٰ کہتے ہیں کہ یہ محدوف کا ظرف ہے ای ظہر عنادھم اور ”فسیقولون“ کا ظرف نہیں ہے۔ کیونکہ ”اذ“ ماضی کے ہے اور سیقولون استقبال کے لئے آتا ہے البتہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ مضارع استمرار کے لئے ہے اور سین محض تاکید کے لئے ہے اور فاما قبل میں عمل کرنے سے نہیں روکتا۔

روح المعانی میں ہے کہ بعض نے ”اذ“ کو ”سیقولون“ کی تعلیل مانا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ اس کی علت تو کفر ہے تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ ابتدا نہ ہونا اور کفر دونوں ایک ہی ہیں۔

من قبلہ۔ یہ خبر مقدم اور کتاب مبتداء موخر ہے۔ اور جملہ حالیہ یا مستانفہ ہے۔ یہ کفار کے ”افک قدیم“ کہنے کا جواب ہے یعنی تورات میں بھی تو یہی قرآنی مضامین ہیں جو تمہارے نزدیک مسلمہ ہے۔

عربیا۔ یعنی مادری زبان ہونے کی وجہ سے تمہارے لئے آسان مگر پھر بھی مجز وہے۔  
ثم استقاموا: استقامت علم و عمل کا نام ہے اور ”ثم“ اس لئے ہے کہ توحید کے بعد ہی علم و عمل کا درجہ ہے اور استمرار استقامت بیان کرنے کے لئے ہے۔

حسنا: حسن و احسان دونوں مراد ہیں۔ قول و فعل کی خوبی مراد ہے۔ مفسر دونوں قراءتوں کے اختلاف اعراب کو ف و نشر غیر مرتب بیان کر رہے ہیں۔

امہ کرھا: چونکہ باپ کی نسبت ماں زیادہ تکالیف عام طور پر جھیلی ہے اسلئے اس کی زیادہ خدمت کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اسی وجہ سے یہاں اس کے بیان پر اکتفاء کیا ہے۔

کرھا: بمعنی ثقل و مشقت ای ذات کمرہ۔ نافع و ابن کثیر ابو عمرو کی قراءت میں فتح کاف کے ساتھ ہے۔ باقی قراء کے نزدیک ضمہ کاف کے ساتھ ہے۔ اس میں یہ دونوں لغت ہیں اور بعض نے اول کو مصدر اور دوسرے کو اسم کہا ہے اور مفسر نے ”علی مشقہ“ کہہ کر منصوب بنزع الخافض ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک حال یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

و حملہ: یہاں عبارت میں حذف ہے ای مدۃ حملہ و مدۃ فصالہ ثلثون شہرا۔ ورنہ پھر ثلثین ظرفیت کی وجہ سے منصوب ماننا پڑے گا اور معنی بدل جائیں گے۔ مدارک میں ہے اس میں ۶ ماہ حمل کے اقل مدت ہونے کی دلیل ہے کیونکہ جب دو سال رضاعت کی مدت ہوئی۔ حولین کالمین کی وجہ سے تو باقی مدت حمل رہ گئی۔ جیسا کہ صاحبین فرماتے ہیں اور روح البیان میں ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے۔

اشدہ: ای وقت اشدہ مضاف محذوف ہے۔

والدی: حضرت ابو بکرؓ کے والد کا نام عثمان بن عامر بن عمرو ہے اور ابو قحافہ کنیت اور والدہ کا نام ام الخیر بنت صخر بن عمرو ہے اور پوتے کا نام محمد تھا۔ ان سب کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ کسی کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہوا۔

نقبل یہ اورن تجاوز دونوں یا اورنوں کے ساتھ ہیں معروف صیغہ سے ہیں اور احسن مفعول کی وجہ سے منصوب ہے۔

فی اصحاب الجنة۔ یہ حال ہے ضمیر سینا تھم سے اس میں کئی تو جہات ہو سکتی ہے۔ ایک یہ کہ کل حال میں ہو ای کانین فی جملۃ اصحاب الجنة جیسے کہا جائے اگر منی الامیر فی اصحابہ دوسری صورت یہ کہ فی بمعنی مع لیا جائے اور تیسرے یہ کہ مبتداء محذوف کی خبر کہا جائے۔ ای ہم فی اصحاب الجنة۔

وعد الصدق: فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای وعدہم اللہ وعد الصدق۔

اف: یہ مصدر ہے بمعنی ہلاکت و بربادی یا الکی آواز کو کہتے ہیں کہ جس سے ڈانٹا معلوم ہو یا اسم فعل بمعنی ڈانٹ ہو۔ مفسر نے ان تین میں سے دو احتمال کا ذکر کیا ہے یعنی مصدر یا اسم فعل۔

لکما۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ لام بمعنی من ہے۔

وقد خلت القرون۔ حال نہ قبور سے نکلنے کا مطلب قیامت سے پہلے ہرگز نہیں ہے مگر وہ یہی سمجھا۔

ویلک۔ حقیقتہ بد دعا مراد نہیں بلکہ ایمان کی ترغیب مقصود ہے۔ بطور محاورہ کے یہ منصوب ہے مفعول مطلق کی بناء پر اس جیسے الفاظ اور بھی ہیں جیسے ویح، ویلہ، ویبہ اور مفعول بہ کے طور پر بھی منصوب ہو سکتا ہے ای الزک اللہ ویلک ان دونوں صورتوں میں یہ جملہ قول مقدر کا معمول ہوگا۔ ای یقولان ویلک اور یقولان منصوب علی الحال ہے ای یستغیثان اللہ قائلین ذلک۔

درجات: یہاں طبقات جہنم کو بھی تعلیاً درجات کہا گیا ہے ورنہ ان کو درجات کہا جاتا ہے یا درجات سے مراد مطلقاً منازل لے لئے جائیں عالیہ ہوں جیسے جنت میں یا سافلہ جیسے جہنم میں۔

ولیوفیہم: عامم ابن کثیر، نافع کی قراءۃ یا کے ساتھ ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ قدرلہم درجات و جازہم۔

یوم: منصوب ہے قول مقدر سے ای یقال لہم اذہبتم فی یوم عرضہم۔ اور زخشری کے نزدیک عرضت الناقۃ علی الخوض کی طرح قلب ہے



والدین کا حق اولاد کے ذمے ہے یورپ اور مغرب کے طور طریق دوسرے ہیں۔ لیکن روشنی تو مشرق سے نکلتی ہے نہ کہ مغرب سے گویا پرورش میں ماں اور باپ دونوں ہی شریک رہتے ہیں لیکن ماں کا حصہ زیادہ ہے۔ اسی لئے جب ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے من ابر؟ کہہ کر تین دفعہ سوال کیا تو آپ نے تینوں دفعہ ماں ہی کا ذکر فرمایا۔ صرف ایک مرتبہ چوتھی بار والد کی نسبت فرمایا۔ لطف یہ ہے کہ ان آیات میں کچھ ایسا بھی ہے والد کا ذکر تو صرف ایک بار اور وہ بھی لفظ والدیہ کے ذیل میں ہے۔ لیکن والدہ کا ذکر تین مرتبہ کیا۔ ایک والدیہ کے ذیل میں، دوسرے وملتہ امہ میں تیسرے وضعۃ میں۔

دودھ پلانے کی مدت: ..... نلثون شہرا۔ بچہ اگر تندرست قوی ہے تو اکیس مہینہ میں دودھ چھوڑ دیتا ہے اور نو مہینے حمل کے اس طرح تیس مہینے ہو گئے یا جمہور کے طرز پر یوں کہہ لیا جائے کہ چھ مہینے حمل کا کم از کم وقت اور عموماً بچوں کا دودھ دو برس میں چھڑا دیا جاتا ہے۔ اس طرح تیس مہینے ہو جاتے ہیں اس سے زیادہ رضاعت کا زمانہ بہت شاذ و نادر ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ ایک کی کم اور دوسرے کی زیادہ مدت کیوں لی؟ سو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ دو مدتیں تو منضبط ہو سکتی ہیں لیکن حمل کی اکثر مدت یا دودھ کی کم سے کم مدت دونوں کسی قطعی دلیل سے منضبط نہیں ہیں۔ حمل کی کم مدت چھ ماہ ہوتے ہیں صاحب روح المعانی نے جالینوس اور ابن سینا کا تجرباتی مشاہدہ لکھا ہے۔ دو چار دن کا فرق الگ بات ہے اور پہل بات یہ ہے کہ مجموعی ۳۰ ماہ مدت کو غالب اور اکثری عادت پر محمول کیا جائے۔ اور مدارک میں امام اعظمؒ سے ”حملہ بالاکف“ تفسیر نقل کی ہے۔ یعنی بچہ گود میں لئے پھرتا ہاتھوں میں اٹھائے رکھنا۔ پس امام صاحب کے نزدیک شیر خواری ذمائی سال ہوگی۔ اور آیت حولین کا طین کا جواب یہ ہوگا کہ وہ مطلقاً شیر خواری کی مدت نہیں ہے۔ بلکہ بطور اجرت شیر خواری کی مدت مراد ہے کہ والد پر اتنی مدت کی اجرت ہے تاہم ان دونوں قولوں کا لحاظ کرتے ہوئے دودھ پلانے میں تو احتیاط یہ ہے کہ دو سال سے زائد نہ پلائے۔ اور اگر کسی وجہ سے پلا دیا تو پھر اس بچہ کے نکاح میں رضاعت کی احتیاط برتی جائے۔

چالیس سال پختہ کاری کا زمانہ ہوتا ہے: ..... اربعین سنہ چالیس سال کی عمر میں عموماً انسان کی عقل اور اخلاقی قوتیں پختہ ہو جاتی ہیں چنانچہ اکثر انبیاء کی بعثت بھی اسی عمر میں ہوئی ہے ان الفاظ سے علم کی تعقید مقصود نہیں ہے کہ چالیس سال سے پہلے رجوع الی اللہ نہ کرے۔ بلکہ چالیس سال کے بعد غفلت نہیں رہنی چاہیے اب قوائے طبعیہ مشغول اور قوائے عقلیہ غالب ہیں اب تو اللہ کا دھیان بہت ضروری ہے۔ حضرت ابو بکرؓ اگر چہ اس عمر میں آیت کا مصداق ہو گئے تھے مگر بقول محققین عموم مراد ہے اگر چہ وہ بھی اس میں داخل ہیں

قال رب اوزعنی۔ انسان کی سعادت مندی اسی میں ہے کہ جو احسانات اللہ نے اس پر اور اس کے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر گزار ہوتے ہوئے اپنی اولاد کے لئے اور آئندہ کے لئے اپنے واسطے بھی توفیق الہی کی دعا کرے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کمی کی تلافی کرتے ہوئے راہ تواضع اختیار کرے ایسے ہی سعید لوگ وہ ہیں جن کی نیکیاں قبول اور کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں اور جنت ان کا مقام بن جاتا ہے۔

نادان اولاد کا رویہ: ..... آگے والدی قال میں تالائق و تامل اولاد کا ذکر ہے جو ماں باپ کی نصیحت تو کیا مانتا اور انہیں تکلیفیں پہنچاتا ہے نہ مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے خوف سے ڈرتا ہے بلکہ الثامہ زوری دکھلاتے ہوئے کہتا ہے کہ آج تو کسی کو اٹھتے نہیں دیکھا ہے بس لوگوں سے سنتے ہی چلے آ رہے ہیں۔ بھلا ایسی بات کا کیا اعتبار؟ ماں باپ ایسی ناخوار اولاد کی گستاخیوں پر سوائے اللہ سے فریاد و زاری کرنے کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ کبھی غصہ و شفقت کے ملے جلے جذبات میں سمجھاتے ہیں کہ کم بخت تیرا ستیا ناس اب بھی باز آ جا، اللہ کا وعدہ اٹل ہے اور وہ آ کر رہے گا۔ اس وقت تیرا انکار و اصرار رنگ لائے گا مگر اس کی بد بختی زور پکڑتی ہے اور وہ باپ کے جواب میں کہتا ہے کہ پرانے وقتوں کے جھوٹے قصے یوں ہی مشہور ہو جاتے ہیں ان کی اصلیت کچھ نہیں ہوتی ایسی بہت سی کہانیاں افسانے سن رکھے ہیں اللہ نے اپنے فضل سے ہر آدمی



کے دل میں جو ایمان و سعادت کا فطری بیج بکھیرا تھا وہ بھی افسوس کہ نصیبوں نے ضائع کر دیا۔ جو تجارت تجارت میں منافع کی بجائے ایناراس المال بھی گنوا بیٹھے اس کی بد بختی میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔

حضرت عبدالرحمنؓ کو اس آیت کا مصداق ماننا یوں بھی غلط ہے کہ اس آیت میں ”حق علیہم القول“ فرمایا گیا۔ حالانکہ وہ ایمان لا چکے ہیں پس ان کا ایمان لانا بھی اس کا مقتضی ہے کہ وہ ”حق علیہم القول“ میں داخل نہیں ہے۔ صرف مردان نے دشمنی میں آکر ان پر اتہام لگایا تھا جس کی حضرت عائشہؓ نے تردید فرمائی۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

ولکل درجات یعنی نیکی بدی اور ان کے مراتب مختلف ہیں۔ اس لئے جنت و جہنم میں ان کے نتائج و ثمرات بھی اڑی طور پر مختلف ہونے چاہئیں اور کافر کے نیک عمل میں چونکہ روح نہیں ہوتی۔ محض نیکی کا ڈھانچہ ہوتا ہے جو فانی ہوتا ہے اور فانی عمل کا بدلہ بھی فانی ہی ہونا چاہیے۔ دوائی کیسے ہو سکتا ہے پس دنیا میں کامیابی و کامرانی کی مختلف شکلیں یہ اس کے نیک اعمال کی پاداش سمجھنی چاہیے یہاں کا عمل یہیں رہ جائے گا آخرت میں تو جھوٹی شئی، نافرمانیوں کی سزائیں بدترین عذاب رہ جائے گا جو ان کے حصہ میں آئے گا۔ ان دونوں مضمونوں میں تمام تخصیص کے لئے نہیں بلکہ تمثیل ہیں۔ چنانچہ جزاء اور سزا مجموعہ پر موقوف نہیں ہے اور دنیا سے مطلق لذت اندوزی منع نہیں اور نہ مذموم ہے بلکہ جو فسق و کفر تک پہنچا دے اس کو برا کہا جائے گا۔

لطا ئف سلوک: اذہبتم طیاتکم سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی عیش و عشرت میں توسع باعث خطر ہو سکتا ہے جب کہ اس کے ساتھ معاصی بھی ہوں مطلقاً توسع مذموم نہیں۔ چنانچہ بما کتتم تفسقونا اس کا قرینہ ہے پس آیت میں زہد پر روشنی پڑ رہی ہے۔

وَإِذْ كُرِ أَخَاعَادِ هُوَ هُوْدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذْ إِلَىٰ آخِرِهِ بَدَلُ إِشْتِمَالٍ أَنْذَرَ قَوْمَهُ خَوْفَهُمْ بِالْأَحْقَافِ وَإِذْ بِأَيْمَنِ بِهِ مَنَارِلُهُمْ وَقَدْ خَلَّتِ النَّذْرُ مَضَتْ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ أَيْ مِنْ قَبْلِ هُوْدٍ وَمِنْ بَعْدِهِ إِلَىٰ أَقْوَامِهِمْ أَيْ بَانَ قَالَ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ وَجُمْلَةً وَقَدْ خَلَّتْ مُعَرِّضَةً إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ إِنْ عَدْتُكُمْ غَيْرَ اللَّهِ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾ قَالُوا أَجِئْنَا لِنَتَّكِفَ عَنْ الْهِتَا لِنُصْرِفَ عَنْ عِبَادَتِهَا فَاتِنَا بِمَا تَعِدُنَا مِنْ الْعَذَابِ عَلَىٰ عِبَادَتِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٢﴾ فَبَيَّنَّا قَوْلَ هُوْدٍ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِي يَعْلَمُ مَتَىٰ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٣﴾ بِاسْتِعْجَالِكُمُ الْعَذَابَ فَلَمَّا رَأَوْهُ أَيْ مَا هُوَ الْعَذَابُ عَارِضًا سَحَابًا عَرَضَ فِي أَفْقِ السَّمَاءِ مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا أَيْ مُّمْطِرُ إِنَّا قَالَ تَعَالَىٰ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ مِنْ الْعَذَابِ رِيحٌ نَذْلٌ مِنْ مَا فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٤﴾ مَوْلَاهُمْ تَدْمَرُ تَهْلِكُ كُلُّ شَيْءٍ مَرَّتْ عَلَيْهِ بِأَمْرِ رَبِّهَا بِإِرَادَتِهِ أَيْ كُلُّ شَيْءٍ أَرَادَ إِهْلَاكَهُ بِهَا فَاهْلَكَتْ رِجَالَهُمْ وَنِسَائَهُمْ وَصِبْغَتَهُمْ وَكِبَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ طَارَتْ بِذَلِكَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَمَزَقَتْهُ وَبَقِيَ هُوْدٌ وَمَنْ آمَنَ مَعَهُ فَاصْبَحُوا لَا يَرَىٰ إِلَّا مَسْكِنَهُمْ كَذَلِكَ كَمَا جَزَيْنَاهُمْ نَجْزَى الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾ غَيْرُهُمْ وَلَقَدْ مَكَّنَّهُمْ فِيمَا فِي الَّذِي إِنْ نَافِيَةً أَوْ زَائِدَةً مَكَّنَّاكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ فِيهِ مِنْ الْقُوَّةِ



وَالْمَالِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا بِمَعْنَى إِسْمَاعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً قُلُوبًا فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ أَيْ شَيْئًا مِنَ الْإِغْنَاءِ وَمِنْ زَائِدَةٍ إِذْ مَعْلُومَةٌ لِأَغْنَى وَأُشْرِبَتْ مَعْنَى التَّغْلِيلِ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ حُجَجِهِ الْبَيِّنَةِ وَحَاقَ نَزَلَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۲۶﴾ أَيْ الْعَذَابِ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ أَيْ أَهْلِهَا كَثْمُودَ وَ عَادَ قَوْمَ لُوطٍ وَصَرَفْنَا الْآيَاتِ كَرَّرْنَا لِحُجَجِ الْبَيِّنَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا هَلَّا نَصَرَهُمْ بَدَفَعَ الْعَذَابِ عَنْهُمْ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَىٰ غَيْرِهِ قُرْبَانًا مُتَقَرِّبًا بِهِمْ إِلَى اللَّهِ إِلَهَهُ مَعَهُ وَهُمْ الْأَصْنَامُ وَمَفْعُولٌ اتَّخَذُوا الْأَوَّلُ ضَمِيرٌ مَحذُوفٌ يَعُودُ إِلَى الْمَوْصُولِ أَيْ هُمْ وَ قُرْبَانًا الثَّانِي وَالْإِلَهَةُ بَدَلٌ مِنْهُ بَلْ ضَلُّوا غَابُوا عَنْهُمْ عِنْدَ نُزُولِ الْعَذَابِ وَذَلِكَ أَيْ اتَّخَذَهُمُ الْأَصْنَامُ إِلَهَةً قُرْبَانًا أَفْكَهُمْ كَذِبُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۸﴾ يَكْذِبُونَ وَمَا مَصْدَرِيَّةٌ أَوْ مَوْصُولَةٌ وَالْعَائِدُ مَحذُوفٌ أَيْ فِيهِ وَ أَذْكَرُ إِذْ صَرَفْنَا أَمَلْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ جِنُّ نَصِيبِي الْيَمَنِ أَوْ جِنُّ يَمَنِي وَكَانُوا سَبْعَةً أَوْ تِسْعَةً وَكَانَ ﷻ يَطْلُبُ نَحْلًا يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ الْفَجَرَرَوَاهُ الشَّيْخَانِ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَيْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَنْصِتُوا أَصْغُوا الْإِسْتِمَاعَ عَنْهُ فَلَمَّا قَضَىٰ فَرِغَ قِرَاءَتِهِ وَلَوْ أَرَجَعُوا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ﴿۲۹﴾ مُخَوِّفِينَ قَوْمَهُمْ بِالْعَذَابِ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا وَكَانُوا يَهُودًا قَالُوا يَقَوْمُنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا هُوَ الْقُرْآنُ أَنْزَلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ أَيْ تَقْلَمُهُ كَالْتُورَةِ، يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ الْإِسْلَامِ وَالْإِلَى طَرِيقِ مُسْتَقِيمٍ ﴿۳۰﴾ أَيْ طَرِيقِهِ يَقَوْمُنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ مُحَمَّدًا ﷺ إِلَى الْإِيمَانِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ اللَّهُ مَنْ ذُنُوبِكُمْ أَيْ بَعْضُهَا لِأَنَّ مِنْهَا الْمَظَالِمَ وَ لَا تُغْفَرُ إِلَّا بِرِضَىٰ أَرْبَابِهَا وَيُجْرُكُمْ مِنْ عَذَابِ إِلِيمٍ ﴿۳۱﴾ مُؤَلِّمٍ وَمَنْ لَا يُجِبُ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ أَيْ لَا يُعْجِزُ اللَّهُ بِالْهَرَبِ مِنْهُ فَيَقُوتَهُ وَلَيْسَ لَهُ لِمَنْ لَا يُجِبُ مِنْ دُونِهِ أَيْ اللَّهُ أَوْلِيَاءُ أَنْصَارٌ يَدْفَعُونَ عَنْهُ الْعَذَابَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُجِيبُوا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۳۲﴾ بَيْنَ ظَاهِرٍ أَوْلَمَ يَرَوْنَ يَعْلَمُوا أَيْ مُنْكَرُوا الْبَعْثَ أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَغَيَّرْ بِخَلْقِهِنَّ لَمْ يُعْجِزْ عَنْهُ بِقَدِيرٍ خَبِيرٌ إِنَّ وَ زَيْدَتِ الْبَاءُ فِيهِ لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي قُوَّةِ الْيَسْرِ اللَّهُ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ بَلَىٰ هُوَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَحْيَاءِ الْمَوْتَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ بَانَ يُعَذَّبُوهَا يُقَالُ لَهُمْ أَلَيْسَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ تُكَفِّرُونَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ عَلَىٰ آذَىٰ قَوْمِكَ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعِزْمِ ذَوَاتِ الثَّبَاتِ وَالصَّبْرُ عَلَى الشَّدَائِدِ مِنَ الرُّسُلِ قَبْلَكَ فَتَكُونُ ذَا عِزْمٍ وَمِنْ اللَّيَالِ فَكُلُّهُمْ ذُو عِزْمٍ وَقِيلَ لِلتَّبَعِضِ

فَلَيْسَ مِنْهُمْ اَدَمُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا وَلَا يُؤْنَسُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ لِقَوْمِكَ نَزُولَ الْعَذَابِ بِهِمْ قِيلَ كَاَنَّهُ ضَحَرَ مِنْهُمْ فَاحْبَ نَزُولَ الْعَذَابِ بِهِمْ فَأَمَرَ بِالصَّبْرِ وَتَرَكَ الْاِسْتَعْجَالَ لِلْعَذَابِ فَانَّهُ نَازِلٌ بِهِمْ لَا مَحَالَةَ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَلُونَ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْاٰخِرَةِ لَطُولِهِ لَمْ يَلْبَثُوا فِي الدُّنْيَا فِي ظَنِّهِمْ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ هٰذَا الْقُرْآنُ بَلَّغٌ تَبْلِيغٌ مِّنَ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فَهَلْ اٰى لَا يُهْلِكُ عِندَ رَبِّ رُوَيْبَةِ الْعَذَابِ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۳۵﴾ اٰى الْكَافِرُونَ۔

ترجمہ: آپ قوم عاد کے (بھائی ہود علیہ السلام) کا ذکر کیجئے (جب کہ آخر تک بدل اشمال ہے) انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا (خوف دلایا) ریت کے خمدار تودوں کے مقام پر (یمن کی وادی میں ان کے مکانات تھے) اور ان سے پہلے اور پیچھے ڈرانے والے پیغمبر گزر چکے ہیں (یعنی ہود علیہ السلام سے پہلے اور بعد میں اپنی اپنی قوموں کی طرف جا چکے) یہ کہ (یعنی یہ فرمایا) تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو (اور جملہ "قد خلت" معترضہ تھا) مجھے تم پر اندیشہ ہے (اگر تم غیر اللہ کی پرستش کرتے رہے) ایک بڑے دن کے عذاب کا۔ وہ کہنے لگے تم ہمارے پاس سے اس ارادہ سے آئے ہو کہ ہمیں اپنے معبودوں سے ہٹا دو (ان کی پرستش سے پھیر دو) سولے آؤ) ہمارے پاس جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو (ان کی پرستش کرنے پر عذاب سے) اگر تم سچے ہو (کہ تم اس کو لے آؤ گے) فرمایا (ہود علیہ السلام نے) کہ پوری بات تو اللہ کو معلوم ہے (وہی جانتا ہے کہ کب تم پر عذاب آئے گا) اور مجھ کو تو جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے وہ تم کو پہنچا رہا ہوں۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم زی جہالت کی باتیں کر رہے ہو (جلد عذاب آنے کے بارے میں) سوان لوگوں نے جب اس کو آتے دیکھا (جو کچھ عذاب تھا بادل کی شکل میں) آسمان کے کنارے) اپنی وادیوں کے مقابل تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا (ہمیں بارش دے گا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا) کہ نہیں نہیں بلکہ یہ تو عذاب ہے جس کی تم جلدی مچایا کرتے تھے ایک آندھی ہے (ما کا بدل) جس میں دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے وہ ہر چیز کو (جس پر گزرے گی) ہلاک (تباہ) کر دے گی اپنے پروردگار کے حکم سے (اس کے ارادہ سے یعنی ہر وہ چیز جس کی ہلاکت منظور ہوگی۔ چنانچہ ان کے مرد، عورتیں، چھوٹے بڑے سب برباد ہو گئے۔ آسمان وزمین کے درمیان پھرے۔ آندھی نے سب کو تھس تھس کر کے رکھ دیا۔ ہود علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی بچے رہے چنانچہ وہ ایسے ہو گئے کہ بجز ان کے مکانات کے اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہم مجرموں کو یوں ہی (جیسے ان کو سزا دی) سزا دیا کرتے ہیں۔ ہم نے ان کو ان باتوں میں (ما بمعنی الذی ہے) قدرت دی تھی کہ تم کو (مکہ واسو) ان میں قدرت نہیں دی (یعنی طاقت اور مال) اور ہم نے ان کو کان (سمع بمعنی اسماع ہے) اور آنکھیں اور دل دیئے تھے۔ مگر نہ ان کے کان کام آئے اور نہ آنکھیں اور نہ دل ذرا بھی (یعنی کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا اس میں من زائد ہے) کیونکہ (اذا معمول ہے غنی کا اس میں سمیت کے معنی آگئے ہیں) وہ لوگ آیات الہیہ (کھلے دلائل) کا انکار کرتے رہے اور انہیں آگھیرا۔ ان پر نازل ہو گیا وہ عذاب) جس کی ہنسی اڑایا کرتے تھے اور ہم نے تمہارے اس پاس کی بستیاں بھی غارت کر ڈالی ہیں (یعنی ان بستیوں والوں کو جیسے شمود و عداور قوم لوط) اور ہم نے بار بار نشانیاں (کھلی دلیلیں) بتلا دی تھیں تاکہ وہ باز آ جائیں۔ سوان کی مدد کیوں نہ کی (ان کا عذاب دور کر کے) ان چیزوں نے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے (ان کی پرستش کر کے اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے) (معبود بنا رکھا تھا) اللہ کے ساتھ شریک کر کے یعنی بتوں کو اور اتخذوا کا مفعول اول ضمیر محذوف ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہے یعنی ہم اور مفعول ثانی قربانا ہے اور آلتہ اس کا بدل ہے) بلکہ وہ تو سب کے سب غائب (گم) ہو گئے (عذاب آنے کے وقت) اور وہ یعنی بتوں کو خدائی قرب حاصل کرنے کے لئے معبود بنا لیتا) محض ان کی تراشی ہوئی (جھوٹ) اور گھڑی ہوئی بات ہے (یہ لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اور ما مصدر یہ ہے یا موصول

ہے اور عائد مخذوف ہے یعنی فیہ (اور) یاد کیجئے (جب کہ ہم لے آئے) (مائل کر دیا) آپ کے پاس جنات کی ایک جماعت (نصیبین یمن یا خیوی کے جنات جو سات یا نو تھے اور آنحضرت ﷺ جن جنات میں اپنے احباب کے ساتھ نماز فجر پڑھ رہے تھے انہیں کی روایت کے مطابق) جو قرآن سننے لگے تھے۔ غرض وہ جب قرآن کے پاس پہنچے تو (آپس) میں کہنے لگے کہ خاموش رہو (غور سے سنو) پھر جب قرآن پڑھا جا چکا (قراءت سے فراغت ہو گئی) تو وہ جنات اپنی قوم کے پاس ان کو خبردار کرنے کے لئے واپس پہنچ (لوٹ) گئے کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر عذاب آجائے گا۔ اس بات سے ڈرانے کے لئے اور یہ جنات یہودی تھے) کہنے لگے اے بھائیو! ہم ایک کتاب (قرآن) سن کر آ رہے ہیں جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے۔ جو پہلی کتابوں کی (جیسے تورات ہے) تصدیق کرنے والی ہے حق (اسلام) اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو! تم اللہ کی طرف بلائے والے (محمد ﷺ جو ایمان کی طرف دعوت دینے والے ہیں) کا کہنا مانو اور ان پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ یعنی بعض گناہوں کو کیونکہ جو مظالم ہیں وہ مظلوموں کی مرضی کے بغیر معاف نہ ہوں گے) اور تمہیں دردناک (سخت) عذاب سے بچالے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلائے والے کا کہنا نہیں مانے گا تو وہ دنیا میں ہر انہیں سکتا (یعنی کہیں بھاگ کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا کہ بچ جائے) اور (کہنا نہ ماننے والے کے لئے) اللہ کے سوا اس کا حامی نہیں ہوگا۔ (مددگار جبر اللہ کے عذاب سے بچالے) یہ لوگ (جو کہنا نہیں مانتے) صریح گمراہی میں ہیں (جو بالکل واضح ہے) کیا ان لوگوں (منکرین قیامت) نے یہ نہ جانا کہ جس خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے میں ذرا بھی نہیں تھا (عاجز نہیں ہوا) وہ اس پر قدرت رکھتا ہے (ان کی خبر ہے جس پر باز آمد ہے۔ کیونکہ تقدیر عبارت اس طرح تھی ”الیس اللہ بقادر“ کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ کیوں نہیں (وہ مردوں کو جلانے پر قادر ہے) بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس روز کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (عذاب بھگتنے کے لئے تو ان سے کہا جائے گا) کیا یہ (دوزخ کا عذاب) امر واقعی نہیں ہے۔ بولیں گے ہمارے پروردگار کی قسم ضرور امر واقعی ہے۔ ارشاد ہوگا تو اپنے کفر کی پاداش میں اس کا عذاب چکھو۔ پس آپ (اپنی قوم کی تکالیف پر) صبر کیجئے۔ جیسا کہ اور امت والے (مصیبتوں کو جھیل کر برداشت کرنے والے) پیغمبروں نے کیا ہے (جو آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ لہذا آپ بھی باہمت بن جائیں گے۔ اور من بیانہ ہے۔ چنانچہ تمام انبیاء باہمت ہی ہوتے ہیں۔ اور بعض کی رائے میں من تعفیہ ہے۔ کیونکہ آدم ان میں شامل نہیں ہیں۔ جیسا کہ آیت ولما نجد له عزما سے معلوم ہوتا ہے اور حضرت یونس بھی ان میں نہیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے ولا تکن کصاحب الحوت الخ) اور آپ ان لوگوں کے لئے جلدی نہ کیجئے (اپنی قوم پر جلد عذاب نازل ہونے کے لئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قوم سے تنگ دل ہو کر ان پر عذاب چاہ رہے تھے۔ اس لئے صبر کرنے اور عذاب میں جلدی نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ آخر کار عذاب تو آئے گا ہی جس روز یہ لوگ دیکھیں گے اس کو جس کے بارہ میں ان کو دھمکایا جا رہا ہے (عذاب آخرت کو اس کا سلسلہ طویل کی وجہ سے) تو گویا یہ لوگ دن بھر میں (دنیا کے لحاظ سے ان کے گمان میں) ایک گھڑی رہے ہوں گے۔ (یہ قرآن) پہنچا دیتا ہے (اللہ کا پیغام تمہیں دے دیتا ہے) سو وہی برباد ہوں گے (عذاب آنے پر) جو نافرمانی کریں گے۔

تحقیق و ترکیب: ..... اذ انذر۔ لفظ اذ بدل اشتمال ہے اخا عاد کا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اذ ہمیشہ محل نصب میں ہوتا ہے ظرفیت کی بناء پر۔

الاحقاف: حنف کی جمع ہے۔ لباً خمداریت کا ٹیلہ حنف الریح نیزہ ٹیڑھا ہو گیا۔ بقول ابن عباس طحمان و مہرہ کے درمیان ایک وادی ہے۔ من بین یدیه: چار پیغمبر ہوئے پہلے ہوئے۔ آدم، شیث، نوح، اور بعد میں صالح، ابراہیم، اسماعیل، اسحق وغیرہ ہوئے۔ ان لا تعبدوا: مفسر نے اشارہ کیا کہ ان خندہ ہے یا مصدور یہ اور بامقدر ہے۔

انما العلم۔ یعنی عذاب کا وقت اور بقول کرختی مجھے قطعاً نہ معلوم اور نہ اس میں کوئی دخل ہے کہ میری طرف سے جلدی ہوئی۔ پس گویا یہ "فاتنا بما تعدنا" کا جواب ہے۔ لہذا زخشری کے اس کہنے کی اب حاجت نہیں رہ جاتی کہ اس سے باب دعا بند ہو گیا۔

فلما راوہ یعنی ضمیر ماقبل یعنی عذاب کی طرف راجع ہے اور زخشری کی رائے میں یہ مبہم ہے جس کی تفسیر عارضاً ہے جو تمیز یا حال ہے لیکن زخشری کی اس رائے پر تنقید کی گئی ہے کہ یہ صورت تو باب رب و نعم کے ساتھ مخصوص ہے۔ نیز نحوی حضرات اس کو تفسیر نہیں کہتے۔

عارضاً۔ ای معترضاً فی افق السماء۔

مستقبل او دیتھم: اس میں اضافت لفظی ہے۔ اسی لئے نکرہ کی صفت بن رہی ہے اور ممطر نامیں بھی یہی صورت ہے

بل ہو: یہ کلام باری ہے یا کلام ہو؟ بہتر دوسری صورت ہی ہے۔

فاصبحوا: ہوؤ اور ان کے رفقا چار ہزار ہوں گے اور بستی میں صرف مکان یا نشان رہ گئے۔ یکس کا کہیں پتہ نشان نہ رہا یہ روئے سخن آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہے یا ہر سننے والے کو خطاب ہے۔

ان مکناکم ان نافیہ بمعنی ما ہے تکرار سے بچنے کے لئے خود مانہیں لایا گیا۔ اور شرط یہ مانا جائے تو جواب محذوف ہوگا۔ ای ولقد مکناہم فی الذی ان مکناکم فیہ۔

اذکانو: میں قناعتی کی وجہ سے اذمنسوب ہے اور گویا علت ہے بقول زخشری کیونکہ ظرف اور علت کا ماضی قریب قریب ایک ہی ہوتا ہے۔ البتہ تمام ظروف میں نہیں۔ بلکہ اذ اور حیث کی حد تک ہے۔

قربانا تقرب اگرچہ لازم ہے تاہم با کے ذریعے متعدی ہو گیا اور "اتخذوا" کا مفعول اول ضمیر محذوف ہے جو موصول کی طرف راجع ہے اور قربانا مفعول ثانی ہے اور آلہ بدل ہے۔ یہ رائے ابن عطیہ، حویلی اور ابوالبقا کی ہے۔ لیکن بعض کی رائے ہے کہ آلہ مفعول ثانی ہے یا حال مقدم یا مفعول ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر آ رہا ہے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ ضمیر حسب سابق مفعول محذوف اور قربانا حال اور آلہ مفعول ثانی ہو۔ ای فہلا نصرہم الذین اتخذوہم متقر بابہم آلہ، تیسری صورت یہ ہے کہ قربانا مفعول نہ ہے۔ اس صورت میں مفعول محذوف رہے گا اور آلہ مفعول ثانی ہے۔ نفراتین سے دس افراد تک بولا جاسکتا ہے۔

نینوی۔ موصول میں حضرت یونس علیہ السلام کی بستی کا نام ہے۔

جنت نصیبین کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ منشی، ۲۔ ناشی، ۳۔ مناصین، ۴۔ ماضر، ۵۔ الاحقب (مواہب میں ابن درید سے نقل کیا ہے اور بقیہ نام نہیں لکھے ہیں۔

مفسر نے بطن نخلہ مقام کا نام بتلایا ہے۔ حالانکہ یہ جگہ مدینہ سے دوسرے حصہ کے فاصلہ پر ہے اور آنحضرت ﷺ نے صلوٰۃ الخوف پڑھی ہے۔ بلکہ صحیح نام بطن نخلہ ہے۔ جو مکہ سے ایک رات کے فاصلہ سے طائف کے راستہ پر ہے۔ نیز آپ کے ہمراہ زید بن حارثہ کے ملاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اس میں بھی تسامح ہوا۔ نیز وقت فجر کہنے میں بھی تسامح ہوا ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ نماز کی فرضیت سے پہلے ہوا ہے۔ اس لئے بعض نے ان دو رکعتوں کو اس دو گانہ پہ محمول کیا ہے۔ جو پنجگانہ فرائض سے پہلے آپ ادا فرماتے تھے۔

مواہب میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ابوطالب کی وفات کے بعد باہر نکلے۔ زید بن حارثہ ہمراہ تھے۔ چنانچہ ایک ماہ آپ نے قیام فرمایا اور اشراف ثقیف کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے قبول نہیں کی۔ بلکہ غنڈوں کو آنحضرت ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ جنہوں نے بہت کچھ ستایا۔ طائف سے جب آپ کی واپسی ہوئی تو نخلہ میں فروکش ہوئے۔ یہاں جنات کی حاضری ہوئی جب کہ آپ نماز تہجد میں مصروف تھے۔

اور تفسیر کبیر میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اہل مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپسی بطن نخلہ میں فروکش ہو کر

نماز فجر پڑھ رہے تھے کہ اشراف جن حاضر خدمت ہوئے۔ سورہ جن کی آیات اسی سلسلہ کی ہیں۔

یستمعون: لفظ نفر کی رعایت سے تو سمیع مفرد آنا چاہیے تھا۔ مگر معنی کی رعایت سے جمع لائی گئی۔ بعض نے ان کی تعداد ستر بتلائی ہے جن میں یہود، نصاریٰ، مجوس، بت پرست سب قسم کے تھے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم کے پر ہوتے ہیں۔ دوسری قسم سانپ اور کتوں کی شکل میں ہوتی ہے۔ اور تیسری قسم ہوائی ہوتی ہے۔ مومن جنات کے متعلق اقوال ہیں۔ امام اعظم اور ابواللیث کے نزدیک جہنم سے رہائی دے کر ان کو نابود کر دیا جائے گا۔ جنات جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ علامہ نسفی کہتے ہیں کہ امام اعظم ان کو ثواب ملنے میں توقف فرماتے ہیں۔ اور نفی بھی یقین سے نہیں کرتے تینوں ائمہ اور صاحبین کے نزدیک انسانوں کی طرح یہ بھی اہل جنت ہوں گے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ جنت کے آس پاس رہیں گے۔

من بعد موسیٰ: ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا حال جنات کو معلوم نہیں ہوا ہوگا۔

من ذنوبکم: حقوق العباد کی معافی متعلقہ اشخاص کی مرضی سے ہوگی، البتہ آگ میں جل جانے والا شخص مستثنیٰ ہے اس کو نہ قصاص میں قتل کیا جائیگا اور نہ آخروی عذاب ہوگا۔

ولم یعی بخلقہن: مفسر ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ شبہ یہ ہے کہ با نفی کے بعد یٰ آیت لائی گئی ہے۔ اور یہاں ان کے بعد مثبت ہے۔ پھر بخلقہن پر با کیسے داخل ہو گئی۔ جواب یہ ہے کہ نفی ابتداء آیت میں آچکی ہے۔ یعنی لو لم یروا۔ اس لئے تقدیر عبارت اس طرح ہو گی۔ الیس اللہ بقادر اسی لئے آگے بلی ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

یوم یعرض مفسر نے یقال سے اشارہ کر دیا کہ یوم محذوف کا ظرف ہے اور الیس هذا بالحق قول محذوف کا مقولہ ہے۔

وربنا: داؤد قسمیہ ہے ان کے جواب کی تاکید کے لئے لائی گئی ہے۔ گویا ان کو یہ امید ہو گئی۔ کہ شاید اعتراف جرم ہی سے چھٹکار مل جائے۔

کاف بمعنی مثل ہے اور ما مصدریہ ہے مصدر محذوف کی صفت ہے۔ اے اصبر صبرا مثل صبر اولی العزم یوں تو اولو العزم سارے ہی انبیاء ہیں۔ جمہور مفسرین کا قول یہی ہے مفسر بھی من بیان یہ کہہ کر اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ لیکن اگر خاص درجہ عزم مراد لیا جائے تو بقول ابن عباس آنحضرت ﷺ اور حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، اس کا مصداق ہیں۔

ابن عساکر قتادہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت نوح، ہود، ابراہیم، شعیب و موسیٰ ہیں اور ابن المذہب ابن جریج سے نقل کرتے ہیں کہ اسماعیل، یعقوب اور ایوب ہیں۔ حضرت آدم، یونس، سلیمان، ان میں داخل نہیں ہیں۔ اور مردویہ، ابن عباس سے نقل ہیں کہ حضرت نوح، ہود، صالح، موسیٰ، داؤد، اور سلیمان مراد ہیں۔ اور جابر سے منقول ہے کہ تین سو تیرہ رسول ہیں اور مقاتل کے نزدیک چھ ہیں۔ نوح، ابراہیم، اسحق، یعقوب، یوسف، ایوب، ہیں۔ اور صاحب قاموس نے حضرت موسیٰ، داؤد، عیسیٰ امین کا اضافہ کر کے نو کہا ہے۔ بہر حال تلک الرسل فضلنا الخ کی رو سے تمام انبیاء یکساں نہیں ہیں۔ ان میں فرق مراتب ہے۔

بلاغ: عام قراءت میں مرفوع ہے۔ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ تلک الساعة بلاغ۔

الا ساعة: قرینہ کی وجہ سے یا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ هذا القرآن او الشرع بلاغ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مبتداء اور اس کی خبر لہم ہو جو لا تستعجل کے بعد ہے۔ مگر اس صورت میں لا تستعجل پر وقف کرنا پڑے گا۔ اور جملہ تشبیہ کے فصل کی وجہ سے یہ ترکیب نہایت ضعیف ہے۔ نیز لہم کا بظہر تعلق لا تستعجل سے ہے۔ البتہ زید بن علی، حسن، عیسیٰ نے بلاغا نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ بنا پر مصدر ریت کے۔ ابو مجلز کی قراءت ”بلغ امرا“ سے بھی اس کی تائید ہوئی ہے۔ اور کئی کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ساعت کی صفت کی بنا پر نصب نہیں جائز ہے۔ چنانچہ نصب کی قراءت ابھی گزری ہے۔ مگر غالباً ان کو یہ قراءت نہیں پہنچی ہوگی۔ اور حسن نے بلاغ جر کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ حذف مضاف کے ساتھ یہ نہار کی صفت ہو جائے گا۔ اے من نہار ذی بلاغ یا زمانہ کو بطور بلاغ کے ساتھ متعسف کیا۔

فہل یہلک۔ اس کے حصر سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ مومن فاسق اگر ایمان پر انتقال کرے تو اس کے لئے نجات ہے۔ اے اللہ کریم اس عید اٹیم کو بھی اس امید سے ناامید نہ کیجئے۔ علامہ قرطبیؒ نے ابن عباسؓ سے عورت کے دروزہ کے لئے یہ تعویذ نقل کیا ہے کہ پیالہ پر لکھ دیتے تھے۔ جو عورت کو دھوکہ پلانے سے بسہولت جلد ولادت ہو جاتی ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم الکریم سبحان اللہ رب السموات ورب الارض ورب العرش العظیم کانہم یوم یرونہا لم یلبوا لا عشیۃ اوضحاھا کانہم یوم یرونہا لا یلبوا الا ماعۃ من نہار بلخ فہل یہلک الا القوم الفاسقون۔

رابطہ: سابقہ مضمون رسالت کی تائید کے لئے عرب اور آس پاس کی گذشتہ قوموں عادی و شہود و لوط وغیرہ کے واقعات ذکر کئے جا رہے ہیں تاکہ ان کے لئے درس عبرت ہوں۔

اولم یروا۔ پچھلی آیت یوم یعرض الذین میں اسی طرح بعد کی آیات میں قیامت کی جزاء و سزا کا بیان تھا۔ لیکن چونکہ بعض مخاطب خود امکان قیامت ہی کے منکر تھے۔ اس لئے اس آیت میں پہلے قیامت کا امکان پھر اس کا اور عذاب کا وقوع پھر اس پر پیغمبر کی صبر و تسلی بطور تفریع فرمائی جا رہی ہے اور اس کی تاکید کے لئے کفار کی تفریع بعنوان کلی ارشاد ہے۔

شان نزول و روایات:..... فلما رواہ۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے جب قوم عاد پر آثار عذاب آتے دیکھے تو اپنی مختصر سی مومن جماعت کو لے کر حفیرۃ القدس تشریف لے گئے۔ چنانچہ آندھی آئی اور لوگ ریت کے تودوں کے نیچے دب گئے۔ ایک ہفتہ کے بعد پھر آندھی چلی اور ریت کو دوسری طرف منتقل کر دیا اور تمام نعشوں کو سمندر میں اٹھا کر پھینک دیا۔ برخلاف حضرت ہودؑ اور ان کے رفقاء کے شروع میں جب ان کو عذاب کی آندھی کا احساس ہوا تو انہوں نے ایک حصار کھینچ لیا جس میں وہ سب محفوظ رہے ہوا ان پر گزرتی نہایت جانفزا بن جاتی۔ ولقد صرفنا: آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے کاہنوں اور نبویوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہو جایا کرتی تھیں۔ مگر آپؐ پر وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ سلسلہ تقریباً بند ہو گیا۔ جنات کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی بات ہوئی کہ آسمانی خبروں پر اس قدر پھرے بٹھا دیئے گئے۔ اس کی جستجو کے لئے ان کی ٹکڑیاں مختلف سمتوں میں پھیل گئیں۔ اتفاق سے ایک جماعت کا گز و بطن نخلہ پر ہوا۔ وہاں آنحضرت ﷺ مع چند رفقاء کے نماز فجر ادا فرما رہے تھے۔ قرآن کی آواز جب ان کے کانوں میں پہنچی اور وہ بھی خود صاحب وحی کے لب و لہجہ اور کیفیات کے ساتھ، تو عجیب سماں بندھا، اور وہ اس کی عظمت و ہیبت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے خاموشی کے ساتھ سنتے رہے اور سرگوشیاں کرتے رہے جب قرآن کی دلکشی اور تاثیر نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا۔ تو سمجھے کہ ہونہ ہو یہی سبب ہے جس سے آسمانی خبریں آتی بند ہو گئیں۔ حضور ﷺ نماز و قرآن سے فارغ ہوئے اور یہ جنات اثر میں ڈوبے ہوئے اپنی قوم میں واپس ہوئے اور جا کر انہیں نصیحت و فہمائش کی۔

﴿تشریح﴾:..... حضرت ہود علیہ السلام عاد کے بھائی تھے۔ احقاف میں قیام پذیر تھے، جو ”ارض القرآن“ کے بیان کے مطابق یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے درمیان جو صحرائے اعظم ہے وہ اگر چہ ناقابل رہائش ہے تاہم آس پاس کہیں کہیں کچھ زمین کے ٹکڑے ہیں۔ بالخصوص حضرموت سے نجران تک عہد قدیم میں آباد تھا۔ عادیہ کا مشہور قبیلہ رہتا تھا۔ جو خدا کی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود ہو گیا۔

وقد خلعت النذر۔ یہ تو حق تعالیٰ کا ارشاد بطور جملہ معترضہ تائید کے لئے ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود حضرت ہودؑ نے سب پیغمبروں کا اتفاق مسئلہ تو حید میں بطور تائید بیان فرمایا ہو اور وہ نذیر ممکن ہے دوسری بستیوں کے مراہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسی بستی میں آئے ہوں بہر حال قوم پر کہاں جو تک لگنے والی تھی انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اس پرانی ڈگر سے ہٹنے والے نہیں۔ جو تم زبانی دھمکیاں دے رہے ہو۔ ذرا دھمکیاں پوری کر کے دکھاؤ۔ فرمایا کہ مذاہب تو آئے گا، پر آئے گا لیکن کب؟ یہ اللہ ہی جانے مجھے جتنا بتلایا گیا ہے۔ میں نے تمہیں بتلادیا ہے۔ اس سے زائد کا نہ مجھے علم اور اختیار اللہ ہی جانتا



ہے کہ مہلت کب تک ہے اور ساعت عذاب کب آئے گی؟ تعجب ہے کہ تم اپنی بربادی کی فرمائش کر رہے ہو کوئی حد ہے اس جسارت اور گستاخی کی۔

قوم عاد و ہود پر عذاب کا بادل: ..... فلما رواہ۔ چنانچہ عذاب کا بادل سامنے اٹھتا دکھائی دیا۔ نادان بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ اب ندی نالے بھر جائیں گے اور خشک سالی سے مارے ہوؤں کا کام بن جائے گا مگر وہ برسنے والا بادل کب تھا وہ تو ان کی کم بختی کا بادل اور تباہی کی آندھی تھی۔ جس کے وہ خواہاں ہو رہے تھے۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے شدید طوفان نے ان کے سارے مکانات مٹا کر رکھ دیئے۔ آدمی جانور، درخت تنکوں کی طرح اڑے پھر رہے تھے۔ مکانات کھنڈرات میں تبدیل ہو کر رہ گئے۔ اے مکہ کے باسیو! دیکھ لیا تم نے اللہ کے مجرموں کا کیا حال ہوا اب بھی سنبھل جاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی یہی ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اور آسانی سے۔ کیوں کہ وہ ہر چیز میں تم سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ مگر عذاب کے آگے کوئی چیز کام نہ دے سکی۔ آخر تم کس بات پر مغرور ہو۔ انہیں نصیحت سننے کے لئے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے بوجھنے کے لئے دل دیئے تھے۔ پر وہ اندھے، بہرے پاگل بن کر پیغمبروں کا مقابلہ کرتے رہے اور کسی قوت سے کام نہ لیا۔ آخر کاریہ قوتیں دیکھنے میں سب موجود ہیں مگر عذاب الہی نے آگھیرا تو کچھ کام نہ آ سکا۔ وہ جس کی ہنسی اڑایا کرتے تھے، وہ قدرت اب گویا ان سب پر مسکرا رہی تھی اور قوم عاد ہی نہیں بلکہ قوم ہود و لوط کی بستیاں بھی اسی طرح الٹ کر رکھ دی گئی۔ جو اہل مکہ کے آس پاس اور ان کی گزرگاہیں تھیں۔ انہیں کتنا سمجھایا، کتنی ڈھیل دی پر وہ اتنے سمجھانے پر بھی باز نہ آئے اور جن بتوں کی پرستش وہ اس لئے کرتے تھے کہ وقت پر کام آئیں گے، ہمیں اللہ کے نزدیک کر دیں گے۔ آخر وقت پڑا تو وہ کیا ہوئے، کہاں گئے ذرا ان کو بلایا تو ہوتا، اب کام نہ آئے تو پھر کب کام آئیں گے، مگر آج کا کہیں پتہ نہیں۔ جس سے ظاہر ہوا ہے یہ سب من گھڑت، جھوٹی، واهیات باتیں تھیں، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے پھر وہ چلے تو کیسے؟

انسان سے تو جنات ہی غنیمت نکلے: ..... واذا صرفنا الخ یعنی اشرف المخلوق انسان کی سرکشی اور نافرمانی تو دیکھ لی۔ اب ذرا جنات کی احاطت کوٹی اور فرما برداری کا موازنہ کر لو حالانکہ ان میں تکبر کا مادہ زیادہ ہوا کرتا ہے۔ مگر ایمان کے آگے کفر سے بالکل دست بردار ہو گئے۔ یطین نخلہ کی پہلی حاضری میں جب کہ آپ ﷺ نماز فجر میں مشغول تھے۔ جنات کی حاضری اور متاثر ہو کر واپسی اس وقت تو حضور ﷺ کو تفصیل سے معلوم نہ ہو سکی۔ صرف ایک درخت نے اللہ کے حکم سے اس کی اجمالی اطلاع آپ کو دی۔ مگر حسب بیان خفاجی چھ مرتبہ جنات کی آپ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ بعد میں اس کی تفصیلات کا آپ کو پتہ چل سکا۔ چنانچہ سورہ جن نازل ہوئی اس میں اس کا ذکر ہے۔ جنات کی تعداد بہت سی باتوں میں جو روایات مختلفہ آئیں ہیں ان کو متعدد واقعات پر محمول کر کے منطبق کیا جاسکتا ہے۔

جنات کی نظر میں قرآن: ..... من بعد موسیٰ۔ اس جملہ سے بعض نے یہ سمجھا کہ وہ جن یہودی تھے۔ حالانکہ اس کی کوئی نقلی دلیل نہیں ہے اور یہ استنباط نا کافی ہے۔ البتہ چونکہ کوئی آسمانی کتاب تورات کے برابر احکام پر مشتمل نہیں تھی۔ اس لئے انبیاء اسرائیل اس پر عامل رہے۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کو بھی فرمانا پڑا کہ میں تورات بدلنے کے لئے نہیں بلکہ اس کو مکمل کرنے کیلئے آیا ہوں۔ ادھر حضرت سلیمان کے وقت سے ہی جنات میں تورات مشہور چلی آرہی تھی ممکن ہے کہ انہوں نے اس اہمیت کے پیش نظر یہ اشارہ کیا ہو کہ جیسی مستقل اور عظیم کتاب موسیٰ نے لے کر آئے تھے۔ اسی کے مشابہ اور اسی عظمت و شان کا یہ قرآن معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کو یہ پیش گوئی ہوئی تھی کہ اے موسیٰ تیری مانند ایک نبی اٹھاؤں گا

رہا یہ کہ انہوں نے تھوڑا سا قرآن سن کر یہ کیسے سمجھ لیا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس وقت حضور ﷺ نے جو قرآن کا حصہ تلاوت فرمایا اس میں یہ مضمون ہو یا کسی قرینہ اور طرز بیان، جلالت شان سے انہیں یہ گمان ہوا ہو جو واقعہ کے مطابق نکلا۔

یہدی الی الحق۔ حق اور طریق مستقیم میں یا اصول و فروع کا فرق مانا جائے اور یا ایک صفت کا عطف دوسری صفت پر ہو رہا ہے۔



اسلام لانے سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں: . . . یقومنا۔ جو گناہ اسلام لانے سے پہلے حالت کفر میں ہو چکے وہ اسلام کی برکت سے سب معاف ہو گئے۔ الاسلام یهدم ما کان قبلہ اب آئندہ نیا کھاتہ کھلے گا۔ بعض حضرات نے من ذنوبکم میں من تبغیضہ لیا ہے کیونکہ اسلام لانے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے لیکن بعض علماء نے من کو زائد مانا ہے۔ یعنی اسلام لانے سے کل گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ رہ گئے حقوق العباد تو ان کی دو قسمیں ہیں۔ بعض گناہ بھی ہیں جیسے قتل وغیرہ ان کا معاف ہونا تو متفق علیہ ہے اور جو حقوق محض حقوق ہیں گناہ نہیں جیسے قرض وغیرہ وہ چونکہ گناہ میں داخل ہی نہیں کہ اشکال ہو۔ اس لئے من تبغیضہ لینے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

جنات جنت میں جائیں گے یا نہیں: . . . اور جنات کو کفر و معصیت پر عذاب ہونا تو متفق علیہ ہے۔ لیکن ایمان و طاعت پر جنت و ثواب ملنا مختلف فیہ ہے۔ جمہور تو عموماً شرعیہ کی وجہ سے اور خاص طور پر آیت رَحْمٰن لَمْ یَطْمِثْہِمْ اَنْسٌ قَلِیْمٌ وَلَا حَاں کی بناء پر اور نیز سورہ انعام کی آیت وَلِکُلِّ دَرَجَاتٍ مَّا عَمِلُوْا کے سبب جنت و ثواب کا عطا ہونا انسانوں کی طرح مانتے ہیں۔ لیکن امام اعظمؒ کسی خاص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ نص نہ پائے جانے کی وجہ سے غایت احتیاط کے سبب توقف فرماتے ہیں نہ اقرار نہ انکار جیسا کہ علامہ ابو البرکات نسفی نے ”التیسیر“ میں یہ مسلک نقل کیا ہے۔ لیکن امام صاحب کی نسبت جو مشہور ہو گیا کہ وہ جنات کے جنتی ہونے کے قائل نہیں۔ غالباً نقل مذہب میں غلطی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

ولم یعی بخلقہن: میں یہود کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ یوم السبت (سنچر) کو زمین و آسمان کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے آرام فرمایا۔ پس جو اتنا بڑا کام کر کے نہیں تھکتا اسے تمہیں دوبارہ پیدا کرنے میں کیا تھکن ہوگی۔ لہذا اس دھوکہ میں نہ رہنا کہ مگر کون زندہ ہوتا ہے اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔ ایسے ہذا جہنم اور اس کے عذاب کا مشاہدہ کرا کر اور اس کا مزہ چکھا کر اقرار کر لیا جائے گا۔ جادو و جی ہے جو سر چڑھ کر بولے۔ ارشاد ہو گا کہ اب خالی اقرار سے کیا۔ ذرا انکار کا مزہ تو چکھو اور چکھتے ہی رہو۔

فاصبر: یعنی جب معلوم ہو گیا کہ منکرین کو سزا ضرور ملے گی دنیا میں ملے یا آخرت میں۔ پس اس معاملہ میں اب آپ جدی نہ کریں اور صبر سے کام لیں جو اولوالعزم انبیاء کا شیوہ رہا ہے۔

اولوالعزم پیغمبر کون ہوئے ہیں: . . . محققین کی رائے ہے کہ سب پیغمبر اولوالعزم ہیں۔ اس لئے ”من الرسل“ میں من بیان یہ ہے۔ البتہ آیت تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض کی رو سے بعض انبیاء اس وصف میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ اس عقب سے مشہور ہو گئے جیسا کہ اعلام غالبہ میں ہوا کرتا ہے پھر ان کی تعیین میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے ہے کہ آیت احزاب و اذ اخذنا من النہن ميثاقہم و منک و من نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ ابن مریم کی رو سے اولوالعزم بالمتنی الثانی یہ پانچ انبیاء ہیں۔ واللہ اعلم لم یلبثوا۔ یعنی اب تو دنیا میں عذاب آنے میں دیر بکھتے اور کہتے ہیں جلد کیوں نہیں آ جاتا۔ مگر اس دن جانیں گے۔ کہ بہت جلد آ گیا دنیا میں تو گھڑی بھر ہی ٹھہرے تھے یا برزخ کا رہنا گھڑی بھر معلوم ہو گا۔ گزری ہوئی مدت تو یوں بھی کم معلوم ہوا کرتی ہے اور مصیبت وقتی کے وقت عیش و آرام کا سارا زمانہ کا فوراً نظر آتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے نصیحت کی حد تک حجت پوری کر دی اور سب نیک و بد سمجھ دیے۔ اب کوئی نہ مانے وہ جانے۔ ہم کسی کو بے قصور نہیں پکڑا کرتے۔ اسی کو غارت کرتے ہیں جو غارت ہونے پر کمر باندھ لے۔

لطا ئف سلوک: . . . آیت امنوا بہ یغفر لکم الخ ثواب ذکر نہ فرمانے میں شاید اسی طرف اشارہ ہو کہ بندہ کا نجات پا جانا ہی کیا ام انعام ہے اس کے استحقاق سے یقیناً زائد ہے۔ پھر اپنے کو خاص درجات کا مستحق اور اہل کیوں سمجھے یہی تواضع قندرانہ مذاق ہے۔

## سُورَةُ الْقِتَالِ

سُورَةُ الْقِتَالِ مَدَنِيَّةٌ إِلَّا وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ آتَاكَ اللَّهُ مَكَّةً وَهِيَ تَمَازُ أَوْ تَسْعُ وَتَلْتُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ وَصَلُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِلَى الْإِيمَانِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢﴾  
تَأْطَعُ الطَّعَامَ وَصِلَةَ الْأَرْحَامِ فَلَا يَرَوْنَ لَهَا فِي الْآخِرَةِ ثَوَابًا وَيُحْزَنُونَ بِهَا فِي الدُّنْيَا مِنْ فَصْلِهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
أَيَّ الْأَنْصَارِ وَغَيْرُهُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ أَيْ الْقُرْآنَ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِ  
رَبِّهِمْ كَفَر عَنْهُمْ عَفْوُهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بِهِمْ ﴿٣﴾ أَيْ حَالُهُمْ فَلَا يَعْصُونَ ذَلِكَ أَيْ إِضْلَالُ  
لِأَعْمَالِ تَكْفِيرُ السَّيِّئَاتِ بِأَنْ يَسَبِّ أَنْ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ الشَّيْطَانَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا  
الْحَقَّ الْقُرْآنَ مِنْ رَبِّهِمْ كَذَلِكَ أَيْ مِثْلُ ذَلِكَ الْبَيَانِ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ﴿٤﴾ يَبَيِّنُ أَحْوَالَهُمْ أَيْ  
فَالْكَافِرُ يُحْبِطُ عَمَلُهُ وَالْمُؤْمِنُ يَغْفِرُ اللَّهُ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبُ الرِّقَابِ مُصَدَّرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ  
يَعْمَلُهُ أَيْ فَاضْرِبُوا رِقَابَهُمْ أَيْ قَتِلُوهُمْ وَغَيْرُ يَضْرِبُ الرِّقَابِ لِأَنَّ الْغَالِبَ فِي الْقَتْلِ أَنْ يَكُونَ بِضَرْبِ الرِّقَةِ  
حَتَّى إِذَا اتَّخَضْتُمُوهُمْ أَيْ أَكْرَمْتُمْ فِيهِمُ الْقَتْلَ فَشُدُّوا أَيْ فَاْمْسِكُوا عَنْهُ وَأَسِرُواهُمْ وَشُدُّوا الْوُثَاقَ مَا يُوْنَقُ  
بِهِ الْأَسْرَى فِيمَا مَنَّا بَعْدَ مُصَدَّرٍ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ يَفْعَلُهُ أَيْ تَمَوَّنَ عَلَيْهِمْ بِإِطْلَاقِهِمْ مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ - وَإِنَّمَا فِدَاءُ  
أَيْ تُفَادُوهُمْ بِمَالٍ أَوْ أَسْرَى مُسْلِمِينَ حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَيْ أَهْلُهَا أَوْ زَارِعَاهَا أَعْمَالُهَا مِنَ السَّلَاحِ وَغَيْرِهِ  
بِأَنْ يُسَلِّمَ الْكُفَّارُ أَوْ يَدَّ خُلُوعًا فِي الْعَهْدِ وَهَذِهِ غَايَةُ الْقَتْلِ وَالْإِسْرِ ذَلِكَ حَبِيرٌ مُبْتَدَأٌ مُقَدَّرٌ أَيْ الْأَمْرُ فِيهِمْ مَا ذَكَرَ  
وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ بَغِيرَ قِتَالٍ وَلَكِنْ أَمَرَ كُمْ بِهِ لِيَلْبُوا بَعْضَكُمْ بَعْضٌ مِنْهُمْ فِي الْقِتَالِ فَيَصِيرُ مَنْ  
قَتَلَ مِنْكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَمِنْهُمْ إِلَى النَّارِ وَالَّذِينَ قَتَلُوا وَفِي قِرَاءَةِ قَاتَلُوا آيَةً نَزَّلَتْ بِهِمْ أَحَدٌ وَقَدْ فَشَا فِي  
الْمُسْلِمِينَ الْقَتْلُ وَالْجَرَاحَاتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَنْ يُضِلَّ بِحُطِّ أَعْمَالِهِمْ ﴿٥﴾ سَيَهْدِيهِمْ فِي دُنْيَا وَآخِرَةِ  
إِلَى مَا يَنْفَعُهُمْ وَيُضِلُّهُمْ ﴿٦﴾ حَالُهُمْ فِيهِمَا وَمَا فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْمِ بِقَتْلِ وَادِّخُوا فِي قَتْلِهِمْ تَعْلَمًا

و يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَہَا تَبَہَا لَہُمْ ﴿۱۶﴾ فَيُہْتَلُونَ اِلَی مَسَاکِبِهِمْ مِنْہَا وَاُزْوَاجُہُمْ ۚ حَمِیْمٌ مِّنْ عِیرِ  
سُتَدَلٍّ یَاٰیُہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوْا اللّٰہَ اِیْ دِیْنُہٗ وَاَرْسُوْلُہٗ یَنْصُرْکُمْ عَلٰی عَدُوِّکُمْ وَیُثَبِّتْ  
اَقْدَامَکُمْ ﴿۱۷﴾ یُثَبِّتْکُمْ فِی الْمَغْرَبِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اٰہْلِ مَكَّةَ مُنْذَءٌ خَبِیْرٌ یَّعْسِرُ یَاٰیَ عِبَادِہٖ فَتَعَسٰ لَہُمْ  
اِیْ هَلَاکًا وَخِیۡۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَاَصْلَ اَعْمَالُہُمْ ﴿۱۸﴾ غُفِّلَ عَلٰی نَعْسِہٖۤ اِنَّ النَّعْسَ وَالْاَصْلٰلَ بِاَنۡہُمُ  
کَرِہُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْقُرْاٰنِ الْمُسْتَشْبِہِ عَلٰی التَّکْلِیۡفِ فَا حَبِطَ اَعْمَالُہُمْ ﴿۱۹﴾ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی  
الْاَرْضِ فِیَنْظُرُوْا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہُمْ ؕ دَعَا اللّٰہُ عَلَیْہِمْ اٰہْلَکَ نَفْسِہُمْ وَاَوْلَادُہُمْ  
ۚ وَلِلْکَافِرِیۡنَ اَمْثَالُہَا ﴿۲۰﴾ اَمَّاۤیَ حَافِیۡہٗ مِنْ قَبْلِہُمْ ذٰلِکَ اِیْ نَصْرَ الْمُؤْمِنِیۡنَ وَغَہْرَ الْکَافِرِیۡنَ ۚ اِنَّ اللّٰہَ  
ۙ مَوْلٰی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاِنَّ الْکَافِرِیۡنَ لَا مَوْلٰی لَہُمْ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: سورۃ اہتال مدنی ہے، ہر آیت و کاین میں قریب کے یا یہ سورت کی ہے۔ اس میں ۲۸ یا ۲۹ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم (مکہ مکہ) جو لوگ کافر ہوئے (اوروں کو) اللہ کے رستہ (ایمان) سے روکا خدا نے سارے (کافر) کر دیئے ان  
کے اعمال (مثلاً کھانا کھانا، صلہ رحمی کرنا۔ لہذا ان کاموں کا ثواب) انہیں آخرت میں نہیں ملے گا۔ بلکہ اللہ اپنی مہربانی سے دنیا میں اس کو چکا  
دیتا ہے اور جو لوگ انصار و غیرہ ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایمان لائے اس سارے (قرآن) پر جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا و روہ ن  
کے پروردگار کے پاس سے مروا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ (معاف کر دے گا) ان کے گناہ اور ان کی حالت درست رکھے گا۔ (بند و دان  
نا فرمائی نہیں کریں گے) یہ (نیک کاموں کو ناکارہ اور برے کاموں کا کفارہ کرنا) اس لئے ہے۔ (بعد اس کے) کافر و غلط (شیطان) سے  
راستہ پر چلے اور یمن و ریح رستہ (قرآن پر) چلے جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے اسی طرح (جیسے یہ بیان ہوا) اللہ و ان کے سے  
ان کے حالت بیان فرماتا ہے (ان کے احوال کھول دیتا ہے۔ چنانچہ کافر کا عمل ضبط اور مومن کے خطا قصور معاف) سو گناہ سے بے تہرا  
مقابلہ ہو جائے گا ان کی گردنیں اڑا ڈالو (ضرب مفعول مطلق ہے مگر لفظوں میں فعل کا بدل ہے اسی فاعل ہوا و قاتلہم یعنی کافروں کو قتل کر  
ڈالو لیکن گردن مارنے سے اس کو تعبیر کر دیا کیونکہ قتل میں عموماً گردن ہی اڑائی جاتی ہے) یہاں تک کہ جب تم ان کی کئی خوب خون ریزی کر  
چکو (بشریت قتل کر دو) تو باندھ ڈالو (قتل روک دو ان کو گرفتار کر کے جنگی قیدی بنا لو، مضبوط باندھے رکھو) خوب مضبوط (بیڑی وغیرہ جس  
سے قیدی باندھے جاتے ہیں) پھر اس کے بعد یا تو با معاوضہ چھوڑ دینا مصدر ہے مگر بلحاظ لفظ فعل کا بدل ہے۔ اسی تمنوں من یعنی مفت چھوڑ  
کر ان پر احسان کر دو۔ اور یا معاوضہ لے کر چھوڑنا (یعنی ان سے مالی فدیہ کے بدلے یا مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں چھوڑنا) جب  
تک زنی و اب (بتھیار نہ رکھ دیں) بتھیار و نیوہ کا بوجھ، کفار مسلمان ہو جائیں یا فوجی ہو جائیں۔ یہ قتل اور قید کرنے کی نیت ہے یہ  
(نبی سے مبتداء و فاعل تقدیر عبارت اس طرح ہے الامر فیہم ما ذکرہم جانا نا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا) غیر قتل  
ہی (یہ نہیں قتل کا علم دیا ہے) تاکہ ایک دوسرے کا امتحان لے سکیں قتل کر کے (جو تم میں شہید ہو جائے تو جنتی، ان کوئی مار جائے  
تو دوزخی) در جو لوگ مارے جاتے ہیں (ایک قراءت میں قاتلوں ہے۔ یہ آیت جنت احد کے موقع پر نازل ہوئی۔ جب کہ مسلمان شہید و زخمی  
بکثرت ہو رہے تھے)۔ اللہ کی راہ میں ان کے اعمال کو اللہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ اللہ ان کی رہنمائی فرمائے گا (دنیا و آخرت میں نفع بخش  
مطلوب تک) اور ان کی حالت درست رکھے گا (دونوں جہان میں اور سرف دنیا میں بہتر کرے گا۔ جو شہید نہیں ہوا اور تعصبا قتل میں شہید

کیا ہے) اور انہیں جنت میں داخل کرادے گا۔ جس کی ان کو پہچان کر دے گا چنانچہ وہ اپنے اپنے گھروں میں اپنی بیویوں اور نوٹروں کے پاس بغیر کسی رہنمائی کے از خود پہنچ جائیں گے) اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین اور رسول ﷺ) کی مدد کرو گے تو وہ (دشمن کے مقابلہ) میں تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا (معروکوں میں تمہیں ثابت قدم رکھے گا) اور جو لوگ کافر ہیں (مکہ والوں میں یہ مبتداء ہے خبر تعسوا ہے جس پر اگلا لفظ رہنمائی کر رہا ہے) ان کے لئے تباہی ہے یعنی خدائی ہلاکت و بربادی (اور اللہ ان کے کاموں کو من و دے گا) اس کا عطف تعسوا پر ہو رہا ہے (یہ (بلاکت اور اعمال کی بربادی) اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ کے اتارے ہوئے کو پسند کیا) یعنی قرآن کو جس میں شرعی احکام ہیں) سو اللہ نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا۔ کیا یہ لوگ ملک میں چپے پھرے نہیں اور انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسی تباہی ڈالی ان کو ان کی اولاد و نو برباد کر ڈال (اور ان کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے معاملات ہونے کو ہیں) جیسے ان سے پہلوں کا انجام ہوا (یہ (مسلمانوں کی مدد اور کافروں کی تباہی) اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز (ولی، مددگار) ہے اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں۔

**تحقیق و ترکیب:** سورۃ القتال۔ سورۃ تھم اور سورۃ الذین کفرو ابھی اس کے نام ہیں۔

مدنیہ۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ پوری سورت مدنی ہے۔ مگر آیت و کاین من قریۃ الخ لک یہ ہے۔ حجۃ الوداع کے بعد جب آنحضرت ﷺ مکہ سے روتے ہوئے رخصت ہو رہے تھے تو گویا محل نزول حوالی مکہ تھا۔ اگر واقعہ ہجرت کے بعد ہوا لیکن اگر مکی اور مدنی ہونے کی تقسیم کا معیار ہجرت کو قرار دیا جائے جیسا کہ مشہور ہے تو پھر آیت بھی مدنی ٹھہرتی ہے۔

وصدوا: اسلام میں داخل ہونے سے رکنے کے معنی ہیں تو پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ لیکن جو ہرئ روکنے کے معنی لیتے ہیں۔ جیسا کہ مفسر نے اشارہ کیا ہے۔

اضل۔ یہ ضلال سے نہیں ہے جو ہدایت کے مقابلہ میں ہوتا ہے بلکہ ضل غنی سے ہے ضائع ہونا۔

الذین اٰموا تصدیق قلبی مراد ہے اور و عملوا الصالحات عطف مغائرہ پر دلالت کر رہا ہے چنانچہ اشاعرہ کے نزدیک یہی مختار ہے کہ حقیقت ایمان کی بجائے کمال ایمان میں اعمال کو داخل کیا جائے۔

الذین اٰموا: عطف خاص علی العام ہے تعظیم اور اہمیت کے لئے ایسا کیا گیا ہے کہ ایمان اتباع حق کے بغیر نہیں ہوتا۔

امثالہم۔ عام لوگوں کی طرف یا مومن و کافر فریقین کی طرف ضمیر راجع ہے۔

فاذا لقیتم۔ اس ظرف اور ضرب الرقاب دونوں میں عامل فعل مقدر ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی۔ فاضربوا الرقاب وقت ملاقاتکم العدو۔ لیکن ابوالبقاء مصدر کو بنفسہ عامل نہیں مانتے کیونکہ وہ تو صرف تاکید کے لئے دوتا ہے اور مصدر نائب فعل میں بھی یہی اختلاف ہے۔ مثلاً ضرب بازید میں عمل کی نسبت مصدر کی طرف کجائے یا عامل کی طرف۔ چنانچہ فاضرب الرقاب کی اصل فاضربوا الرقاب ضرباً تھقی فعل حذف کر کے مصدر مقدم کر دیا اور مفعول کی طرف اس کو مضاف کر کے عمل میں قائم مقام فعل کے مان لیا ہے۔

انحنتموہم۔ اشخان کہتے ہیں سیال چیز کا جمود کے قریب ہو جانا۔ پس اشخان عدد کے معنی خونریزی کی اتنی کثرت کہ خون نکل کر جم جائے۔ اور ق مومن میں ہے شخن بروزن کرم ہے بمعنی غلظ و صلب انحن فی العدو بمعنی بالغ الجراحۃ۔

فشدوا الوثاق۔ مضبوط باندھنا کہ قیدی کھل کر بھاگ نہ جائے۔ وثاق بری، زنجیر، بیڑی بندھن کو کہتے ہیں۔ بظاہر وثاق ذباب کی طرح مصدر ہے۔ لیکن فعال کا مصدر مشہور یہ ہے کہ اسم آلہ کیلئے دوتا ہے جیسے رکاب، امام۔

فاما ما بعدوا اما قدا۔ ان جملوں میں دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ دونوں مصدر منسوب ہیں فعل واجب الحذف کی وجہ

ہے۔ کیونکہ مصدر جب کسی مفعول کے لئے لایا جائے گا تو فعل مضمر کی وجہ سے اس کو منسوب ماننا۔ ب: ہوگا۔ یہاں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ فاما ان منہ الامان اتقاوا فداء۔ دوسری ترکیب ابوالبتقاء کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں مفعول بہ ہیں مائل محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ اولوہم هنا و اقبلوا منہم فداء۔ اس نحوی اختلاف کے بعد فقہی اختلاف بھی پیش نظر رہے۔

سفیان ثوری، امام ترمذی، امام احمد، اثنی عشر کے نزدیک خلیفہ کو اختیار ہے چار باتوں کا کہ جنگی قیدیوں کو (۱) خواہ وہ قتل کر دے (۲) یا مفت احسان کر کے رہا کر دے۔ (۳) یا فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ (۴) یا غلام بنا کر رکھ لے۔ چنانچہ ابن عمر، ابن عباس، حسن، محمد ابن سیرین سے یہی منقول ہے لیکن امام اعظم اور اراعی فرماتے ہیں کہ آیت ہرأت و اقبلوا المشركين حیث و حلقم وہم سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ سورہ برآۃ سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اسلئے خلیفہ وقت جنگی قیدیوں کو قتل کر دے یا غلام بنا لے۔ چنانچہ قتادہ، مجاہد، عطاء اور سعدی نے بلکہ ابن عباس سے بھی یہی منقول ہے اور بعض کے نزدیک من سے مراد یہ ہے کہ ان پر احسان کرتے ہوئے انہیں جزیہ منظور کر لینے کا موقع دیا جائے۔ اور فدیہ سے مراد یہ ہے کہ قیدیوں کا قیدیوں سے تبادلہ کیا جائے۔ امام طحاوی نے امام اعظم کا مذہب اور صاحبین کا قول نقل کیا ہے۔ بیان مشہور ہے کہ ان کے نزدیک مالی اور فیروان فدیہ جائز نہیں ہے۔ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ سورہ برأت کی آیت غیر اسرارٹی سے متعلق ہے۔ کیونکہ ان کو قیدی یا غلام بنا لینا جائز ہے چنانچہ معلوم ہوا کہ قتل کا تعلق حتمی طور پر اوروں سے ہے۔

حتی تصع الحروب "فسر نے کہا ہا سے مجاز فی الاستاذ کی طرف اور "بنا فی یسلم الکفار" سے مجاز فی الطرف کا اشارہ کیا ہے اور کلام میں استعارہ جمع ہے کہ آیات ترسب رکھ دیتے سے مراد ترک قتال لیا ہے۔

سیہدیہم۔ دنیا میں اعمال صالحہ اور اخلاص کی توفیق ہو جانا اور آخرت میں مغفرت و رضوان کا ملنا مراد ہے چنانچہ اہل بدر کے متعلق ارشاد نبوی ہے۔ اطلع اللہ علی اہل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو گناہوں کی پھوٹ مل گئی۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ تم نے میری محبت و اطاعت میں قنایت حاصل کر لی تو ہماری جانب سے تمہاری مکمل حفاظت ہو گئی اب بولی نا ورونا منسی حرکت نہیں ہوگی۔ اس طرح راضیہ مرضیہ کا مقام حاصل ہو گیا۔

اور "ما ہی الدنیا" سے مفسر ایک شبہ کا جواب دے رہے ہیں شبہ یہ ہے کہ "الذین قتلوا" کو شہادت کے بعد سیہدیہم الخ سے کہا جا رہا ہے جواب یہ ہے کہ قتل سے مراد قاتلوں کے قریب کی وجہ سے خواہ وہ شہید ہو جائیں یا غازی رہیں جو بالفعل شہید ہو جائیں گے۔ وہ سیہدیہم فی الآخرۃ اور جو غازی ہوں گے وہ ہدایت اصلاح سے مستفید ہوں گے "وادر جوا" سے مراد غازی ہیں۔

عرفھا یعنی جنت میں اجنبیت نہیں ہوگی بلکہ فطری شناخت اور تناسلی حاصل ہو جائے گی۔ بخاری مرفوع روایت ہے کہ جنتی ٹھکانہ کی شناخت دنیا کے رہائشی گھر سے زیادہ ہوگی۔ اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ عرفھا بمعنی خوشبو سے ہے۔ یعنی خوشبوئیں اور خوشبودار کھانا ملے ہوگا اور قدم قدم کر یہ جملہ حالیہ ہو جائے گا۔ لیکن ابوالبتقاء کے نزدیک جملہ مستافہ ہے۔

یثبت اقدامکم۔ ثبات قدمی سے مراد ثبات ذات اور استقرار ہے۔

فتعسا یہ فخر محذوف کی ہے اور تعسا اس کا مفعول مطلق ہے۔ بہتر ہوتا اگر مفسر علام فا کے بعد فخر کو تقدیر مان لیتے۔

دللت مبتدأ۔ ب: درجہ میں خبر ہے یا یہ خبر ہے مبتدأ محذوف کی۔ ای الامر ذلک۔

وان الکافرین لا مولیٰ لہم۔ یہ آیت دوسری آیت ثم ردوا الی اللہ مولہم الحق کے منافی نہیں ہے کیونکہ پہلی آیت میں مولیٰ بمعنی ناصر ہے اور دوسری آیت میں مولیٰ بمعنی مالک ہے۔

ربط۔ پہلی سورت کے ختم پر فاسقین یعنی کفار کی برائی بیان ہوئی تھی اور اس سے پہلے بھی مومن جنات کی فضیلت کے ساتھ کفار کی

مذمت کا ذکر ہوا تھا۔ سورۃ قتال کے شروع میں بھی اسی تعریف اور مذمت کا بیان ہو رہا ہے۔

پھر آگے چل کر صدوا الخ میں کفار کی طرف سے فساد اور غلوا الصالحات سے مسلمانوں کی اصلاح کا حال ہے۔ آگے فاذا لقیتمو الخ سے بعض جہادی احکام متفرع فرمائے جا رہے ہیں جن کا منشاء مصلحین کے ذریعہ مشدین کو دینا ہے۔

اور ”فصرب الرقاب“ میں چونکہ کفار سے قتال کا حکم ہے۔ اس لئے انک سے اصل حکم کی تقریر اور لو مشاء سے اس کی حکمت اور والدین قتلوا“ میں مسلمانوں کی شہادت کی صورت میں بشارت اور ”ان تنصروا“ میں قتال کی ترغیب اور ”والذین کفروا“ میں کفار کی براہی اور وعید ہے۔

اور ذلک بانہم میں پھر اس مذہب اور وعید کی علت اور افلم یسیروا الخ میں اس وعید کا ممکن ہونا اور ذلک بان اللہ میں فریقین کے متعلقہ احکام کی علت ارشاد ہے۔

﴿تشریح﴾: ..... مسلمانوں کی طرح کفار بھی جان و مال کی بازی لگاتے ہیں۔ مگر ایک اللہ کا دین چیلنے میں اور دوسرا اس کو روکنے میں زور صرف کرتا ہے۔ اس مقصدی فرق کی رو سے نتائج و ثمرات میں فرق کا آنا لازمی ہے کفار جن اعمال کو نیک سمجھتے ہیں وہ مقبول نہیں۔ بلکہ بعض دفعہ وہ اچھے اثرات بھی دکھلا دیتے ہیں۔

اصل اعمالہم۔ یعنی پہلے زمانہ میں چونکہ ساری دنیا کا ایک ہی مذہب نہیں تھا۔ بلکہ راہیں مختلف اور متعدد تھیں۔ مگر سچا دین اسلام ہی ہے۔ برے بھلے کام مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی۔ مگر سچا دین ماننے کی برکت و قبولیت یہ ہے کہ نیکی ثابت اور برائی معاف۔ اور نہ ماننے کی سزا یہ ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم اصل اعمالہم میں نیکیوں کے اکارت ہونے کے لئے کفر کرنا اور دوسروں کو اسلام سے روکنا دونوں کا مجموعہ نہیں ہے صرف کفر کی وجہ سے عمل بیکار ہو جاتا ہے۔ پس یہ قید واقعی ہے جس میں کفار کی واقعی حالت کا اظہار ہے۔ نیز یہاں آیت من بعمل دشغال درۃ حیرا یہ سے قیاس کا شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ آیت سورۃ قتال میں بغیر ایمان اعمال کا ضائع ہونا مذکور ہے اور سورہ زلزال کی آیت میں بحالت ایمان نیکی کا معتبر ہونا بتلایا گیا ہے۔ پس دونوں باتیں صحیح ہیں۔ ان میں کوئی منافات نہیں ہے۔

کذلک یضرب اللہ۔ بھلے برے کاموں کے متعلق اللہ کھول کھول کر آگاہ کر دیتا ہے تاکہ حق و باطل میں نمایاں امتیاز ہو جائے اور کوئی اشتباہ نہ رہے۔

حق و باطل کی آویزش: .. فاذا لقیتم حق باطل کی معرکہ آرائی ہو تو مسلمانوں کو خوب ڈٹ کر اس طرح مقابلہ کرنا چاہیے کہ مقابل کو چھٹی کا دھج یا آجائے اور اسلام کی دھاک بیٹھی جائے اور کفر کا زور ٹوٹ جائے تو کافروں کو گرفتار کر لینا بھی کافی ہو سکتا ہے بلکہ ممکن ہے اس قید و بند سے وہ کچھ عبرت پکڑ لیں یا مسلمانوں کے پاس رہتے ہوئے سے اپنی اور ان کی حالت کا موازنہ کرنے اور اسلامی تعلیمات کے سمجھنے کا موقع مل جائے تو ان کے خیالات و حالات بدل جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصلحت سمجھو تو بلا معاوضہ لئے ہی احسان کرتے ہوئے ان کو مفت چھوڑ دو اس طرح وہ تلوار کی بجائے احسان سے گھائل ہو جائیں گے اور کیا عجب ہے کہ اسلامی اخلاق سے متاثر ہو کر حق قبول کر بیٹھیں بلکہ دوسروں کو قبول کرانے کا ذریعہ بن جائیں۔

تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان سے زرفدیہ لے کر یا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کر کے کافر قیدیوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ان اسیران جنگ کی واپسی کی دو ہی صورتیں ہیں۔ معاوضہ کے ساتھ چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کر دینا، خلیفہ وقت جو مناسب سمجھے فیصلہ کرے۔ فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں اس طرح کی روایات حنفیہ کے ہاں بھی موجود ہیں۔

اسیران جنگ کی رہائی۔ البتہ اسیران جنگ کی واپسی امام بن سب نے تجھے تو پھر تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) ذمی اور رعایا بنا کر رکھ لیتا۔ (۲) غلام بنالیتا۔ (۳) قتل کر دیتا۔

پہلی دو صورتیں تو عام ہیں۔ البتہ تیسری سزا کسی سنگین جرم کی پاداش میں دی جائے معمولی طور پر نہیں۔ نیز عورتوں بچوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ چونکہ آیت برأت بعد میں نازل ہوئی۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے پس اس کو اگر مانعہ الخلو بھی مان لیا جائے تب بھی منسوخ نہیں کیونکہ منسوخ ہے البتہ جو انہما اس کو منسوخ نہیں مانتے وہ اس کو مانعہ الجمع مانتے ہیں۔ تاہم اس آیت سے غلام بنانے کی نفی پر استدلال کرنا محض باطل ہے۔

جہاد کی حکمت عملی

حتیٰ تضع الحرب۔ قید و بند، حرب و ضرب کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا کہ جنگ موقوف ہو جائے۔ یوں اللہ چاہتا تو عادی و موذی طرح آفات سماوی سے ان مخالفین کو مٹا سکتا تھا۔ مگر اسے بندوں کی سزاؤں کی منظر تھی کہ دیکھیں کون کون دین پر ثابت قدم رہ کر جان دیتا ہے اور کون ہانگتا جاتا ہے۔ اسی طرح مخالف کیمپوں میں کون معمولی سی تبدیلی و سرزنش سے راہ راست پر آجاتا ہے اور کون اپنی قسمت کا لکھا پورا کرتا ہے اس لئے ان سے جہاد شروع کیا اور پہلی قوموں کی طرح ایک دم ان کا استیصال نہیں فرمایا۔ والدین قتلوا جان و مال چونکہ اللہ کی ملک ہیں اپنا کچھ نہیں ہے اس لئے جب وہ مانگیں بندہ اس کی امانت بخوشی اس کے حوالے کر دے۔ شہادت کی صورت میں بظاہر کامیابی معلوم نہیں ہوتی مگر فی الحقیقت وہی کامیابی ہے۔

ویدخلہم الجنة انبیاء کے پیغامات اپنے وجدان میں طبعی کشش سے خود بخود جنتی اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے یہ بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ معنی ہیں کہ جنت میں خوشبوئیں بسادہ جانیں گی۔

اللہ کی مدد مسلمانوں کے لئے ہے: یا ایہا الذین اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کر دے الے پر یہ بھی منظور نہیں، جانچنا منظور ہے۔ سو بندہ کی طرف سے کمر باندھنا اور اللہ کی طرف سے کام بنانا۔ تم دین اور پیغمبر کی مدد کرو۔ اللہ تمہارا قدم جمادے گا۔ ڈمگامیں گے نہیں۔ اور اس کے برعکس کفار کو منہ کے بل گرادیاجاتا ہے اور ان کے کام برباد کر دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ اللہ کی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں تو اللہ بھی ان کے کام کیسے پسند کر سکتا ہے؟ اور جب اللہ ہی کو ناپسند ہو تو پھر کام کیسے بنے۔ اور حیط اتمال سے مراد یہاں یہ نہیں کہ پہلے اعمال صحیح تھے پھر اکارت ہو گئے کیونکہ کافر کے اعمال تو شروع ہی سے معتبر نہیں ہوتے۔ کیونکہ کفر کا جو اول درجہ کی بغاوت ہے یہی اثر ہونا چاہیے جو گناہوں کے اثر سے بڑھ کر ہے۔

افلم یسیروا: ذرا گھر سے باہر قدم نکال کر دنیا میں گھومیں اور دیکھیں کہ منکروں کی کیسی کیسی درگت بنی اور کیسا ان کا حلیہ بگڑا ہے۔ اب بھی یہ سب کچھ ہو سکتا ہے اللہ کے لئے کیا مشکل ہے۔ بعد والے کفار کے لئے امثالہا فرمانا اگر سزائیں بہت سی ہیں تب تو ٹوٹا ہر ہے۔ لیکن اگر صرف ایک مذاب اور سزا ہو تو پھر جمع کے لفظ سے تعبیر کرنا بلحاظ محل ہو کہ وہ متعدد ہیں اور سزائیں مثلیت کہنا بلحاظ جنس ہے نہ کہ باعتبار نوع کے۔ اور اللہ کے مولیٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مومنین کا مددگار، رفیق ہے وقت پر ان کی مدد کرتا ہے لیکن کفار کا کون مددگار ہے جو اللہ کے مقابلہ میں کام آسکے۔

غزوہ احد میں جب پہاڑی ورہ کے ایک مقام پر آنحضرت ﷺ اور خاص صحابہ گولاش کرتے ہوئے کفار نے نعرہ لگایا۔ اعل ہبل تو آپ نے جواب دیا اللہ اعلیٰ واجل۔ ابوسفیان نے جب دوبارہ کہا۔ لنا عزی ولا عزی لکم تو آپ ﷺ نے فرمایا جواب دو۔ اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم۔



نظر دوسری آیت ثم ردوا الی اللہ مولہم الحق کے یہ آیت منافی معلوم ہوتی ہے مگر کیا یہ ہے کہ پہلی آیت میں مومن کو ایسی مددگار اور دوسری آیت میں بمعنی مالک ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْ خُلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ فِي الدُّنْيَا وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ أَى لَيْسَ لَهُمْ هِمَّةٌ إِلَّا بَطْنُهُمْ وَفُرُوحُهُمْ وَلَا يَتَفَتَحُونَ إِلَى الْآخِرَةِ وَالنَّارُ مَشْوَى لَهُمْ ﴿۱۲﴾ مَنَزَلٌ وَمَقَامٌ وَمَصِيرٌ وَكَائِنْ وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أُرِيدَ بِهَا أَهْلُهَا هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ مَكَّنَّاى أَهْلَهَا الَّتِي أَخْرَجْتِكَ رُوغَى لِعَطْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهُمْ وَرُوغَى مَعْنَى قَرْيَةٍ الْأُولَى فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ مَن أَهْلَكْنَا أَقْمَنُ كَانَ عَلَى بَيِّنَةٍ حُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ الْمُؤْمِنُونَ كَمَنْ زَيْنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَاهُ حَسَنًا وَهُمْ كُفَّارٌ مَكَّةً وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿۱۴﴾ فِى عِبَادَةِ الْأَوْتَانِ أَى لَا مُمَانَةَ بَيْنَهُمَا مَثَلُ أَى صِفَةُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعِدَ الْمُتَّقُونَ الْمُشْتَرَكَةُ بَيْنَ دَاخِلِيهَا مُبْتَدَأُ خَبَرِهِ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ اسْنٍ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ كَصَارِبٍ وَخَذِيرِ أَى غَيْرِ مُتَغَيِّرٍ بِخِلَافِ مَاءِ الدُّنْيَا فَيَتَغَيَّرُ لِعَارِصٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ بِخِلَافِ لَبَنِ الدُّنْيَا لِيُخْرُوجَ مِنْهَا مِنَ الضَّرْوَعِ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لَذِيذَةٍ لِلشَّرْبِ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا فَإِنَّهَا كَرَبِيضَةٍ عِنْدَ الشَّرْبِ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى بِخِلَافِ عَسَلِ الدُّنْيَا فَإِنَّهُ لِيُخْرُجَ مِنْهُ مِنْ لُطُوفِ النَّحْلِ لِيُخَالِطَهُ السَّمْعُ وَغَيْرُهُ وَلَهُمْ فِيهَا أَصْنَافٌ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ فَهُوَ رَاصٍ عَنْهُمْ مَعَ احْسَانِهِ إِلَيْهِمْ بِمَا ذَكَرَ بِخِلَافِ سَيِّدِ الْعَبِيدِ فِى الدُّنْيَا فَإِنَّهُ قَدْ يَكُونُ مَعَ احْسَانِهِ إِلَيْهِمْ مَا حِطَّ عَلَيْهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ خَبَرٌ مُبْتَدَأُ مُقَدَّرِ أَى آمَنَ هُوَ مِنْ هَذَا النَّعِيمِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا أَى شَدِيدَ الْحَرَارَةِ فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿۱۵﴾ أَى مَصَارِيَهُمْ فَخَرَجَتْ مِنْ أَدْبَارِهِمْ وَهُوَ جَمْعٌ مَعًا بِالْقَصْرِ وَالْفَتْهُ نَعْوَضُ عَنْ يَأٍ لِقَوْلِهِمْ مَعِيًا وَمِنْهُمْ أَى الْكُفَّارِ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ فِى خُطْبَةِ الْجُمُعَةِ وَهُمْ الْمُسَافِقُونَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ لَعَلَّمَاءُ الصَّحَابَةِ مِنْهُمْ ابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ اسْتِهْزَاءً وَسُحْرِيَّةً مَا ذَا قَالِ انْفَاقًا بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ أَى السَّاعَةِ أَى لَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ بِالْكَفْرِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿۱۶﴾ فِى الْإِنْفَاقِ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ زَادَهُمُ اللَّهُ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿۱۷﴾ أَلَيْسَ مَا يَتَّقُونَ بِهِ النَّارُ فَهَلْ يَنْظُرُونَ مَا يَنْتَظِرُونَ أَى كُفَّارٌ مَكَّةً إِلَّا السَّاعَةُ أَنْ تَأْتِيَهُمْ نَذِيرٌ اسْتِمَالٌ مِنَ السَّاعَةِ أَى لَيْسَ إِلَّا مَرُّ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْةٌ فَجْئَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرًا طَهًا عَلَامَاتُهَا مِنْهَا بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنْشَقَّ الْقَمَرُ وَالْدُّخَانُ فَاتَى لَهُمْ إِذَا جَاءَ تَهُمُ السَّاعَةُ ذِكْرُهُمْ ﴿۱۸﴾ تَذَكُّرُهُمْ أَى لَا تَنْفَعُهُمْ فَاَعْلَمُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ أَى دَمٌ يَا مُحَمَّدُ عَلَى عِلْمِكَ بِذَلِكَ النَّافِعِ فِى الْقِيَامَةِ وَاسْتَغْفِرُ لِدُنْبِكَ لِأَحْلِهِ

قِيلَ لَهُ ذَلِكَ مَعَ عِصْمَتِهِ لَتَسْتَنَّ بِهٖ أُمَّتُهٗ وَقَدْ فَعَلَهُ ۖ إِنَّی لَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِیْ كُلِّ یَوْمٍ مِّائَةً مَّرَّةً وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ  
وَالْمُؤْمِنٰتِ فِیْہِ اُکْرَامٌ لَّهُمْ بِأَمْرِ نَبِیِّہُمْ بِالْاِسْتِغْفَارِ لَّهُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مُتَقَلِّبُکُمْ مُّنْصَرَفِکُمْ لَا شِغَالَکُمْ بِالنَّہَارِ  
﴿۱۹﴾ مَا وَکُمْ اِلٰی مَضَاجِعِکُمْ بِاللَّیْلِ اٰیْ هُوَ عَلٰیہِمْ بِجَمِیْعِ اَحْوَالِکُمْ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ مِّنْہَا  
فَاَحْذَرُوْهُ وَالْاِخْطَابُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَغَیْرِہُمْ۔

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ایسے باغات میں داخل فرمائے گا جسکے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ پیش کر رہے ہیں (دنیا میں) اور اس طرح جس طرح چوپائے کھایا کرتے ہیں (یعنی ان کی اصل بس پریت اور شرمگاہ تک ہوتی ہے اور آخرت کا انہیں دھیان بھی نہیں گزرتا) اور دوزخ ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے (گھر، قیام گاہ، پناہ گاہ سب کچھ وہی اور بہت سے بستیاں ایسی تھیں کہ (جہاں کے رہنے والے) آپ کی بستی (مکہ کے رہنے والوں) سے طاقت میں بڑھے ہوئے تھے جس کے رہنے والوں نے (اتنی کہنے میں قریہ کی لفظی رعایت کی گئی ہے) آپ کو گھر سے بے گھر کر دیا کہ تم نے ان کو ہاک کر دیا (ضمیر جمع مانے میں قریہ کی معنوی رعایت حاصل کر لی گئی) سوان کا کوئی مد گار نہ ہوا (ہماری تباہی سے بچانے کے لئے) تو جو لوگ اٹھلے راستہ (جنت و دلیل) پر اپنے پروردگار کے ہوں (یعنی مومن) کیا وہ ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جن کی بد عملی ان کو بھی معصوم ہوتی ہے (اور وہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں یعنی کفار مکہ) اور اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں (بت پرستی کے سلسلہ میں یعنی ان دونوں میں کوئی جواز نہیں) جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا جاتا ہے (جو سب داخل ہونے والوں کے لئے ہے مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا (مد اور قصر الف کے ساتھ بروزن ضارب اور حذر یعنی ہمیشہ یکساں رہتا ہے برخلاف دنیا کے پانی کے وہ کسی بھی عارض سے بدل جاتا ہے) نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ بدلا ہوا نہ ہوگا (برخلاف دنیاوی دودھ کے تھنوں سے نکل جانے کی وجہ سے بدل جاتا ہے) اور بہت سی نہریں شراب کی جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی (برخلاف شراب دنیا کے وہ پینے میں بد ذائقہ ہوتی ہے) اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف ہوگا (برخلاف دنیا کے شہد کے کیونکہ وہ مکھیوں کے پیٹ سے نکلتا ہے جس میں موم کی آمیزش ہوتی ہے) اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل اور ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہوگی (اللہ ان سے خوش بھی ہوگا) ان چیزوں کے احسان کے باوجود برخلاف دنیاوی آقاؤں کے وہ غلاموں پر احسان کے ساتھ ناراض بھی ہوتے رہتے ہیں (کیا یہ لوگ ان جیسے ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے) (یہ خبر ہے مبتداء کے مخذوف کی عبارت اس طرح ہے۔ امن ہو فی هذا النعیم) اور کھوتا ہوا (نہایت گرم) پانی ان کو دیا جائے گا۔ سو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا (یعنی ان کی انتڑیاں ٹکڑے ہو جائیں گی اور پاخانہ کے راستہ نکل پڑیں گی۔ لفظ امعاء کی جمع ہے جو قصر الف کے ساتھ ہے اور یہ الف یا سے تبدیل ہوا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کا قول ہے معیان) اور ان کفار میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں (جمعہ کے خطبہ میں منافقین مراد ہیں) یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں (علماء صحابہ سے جیسے ابن مسعود، ابن عباس، مذاق اور دگی کے طور پر) کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی (لفظ انقاد اور قصر الف کے ساتھ ہے یعنی اپنی نفسانی خواہشات پر (نفاق کرتے ہوئے) چلتے ہیں اور جو لوگ راہ پر ہیں (یعنی مومنین) اللہ تعالیٰ ان کو فرماتا ہے) سو یہ لوگ (کفار مکہ) بس قیامت کے ہی منتظر ہیں کہ ان پر آپڑے (ان قاتبہم الساعة سے بدل اشتمال ہے۔ عبارت اس طرح تھی۔ لیس الامر الا ان قاتبہم) اچانک (ایک دم) سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں (علامات قیامت جیسے آنحضرت ﷺ کی دنیا میں تشریف آورن، شق تمر کا مجرہ، ایک خاص دھواں) سو جب قیامت ان کے سامنے آکھڑی ہوگی اس وقت ان

کو سمجھنا کہاں میسر ہوگا (تفح نہ دے گا یعنی اس وقت ایمان کا رآمد نہیں ہوگا) تو آپ یقین رکھئے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں (یعنی آپ اپنے اسی عقیدہ پر جسے رہیے۔ یہی قیامت میں کام آئے گا) اور اپنی خطا قصور کی معافی مانگتے رہیے (باوجود آپ کے معصوم و بے قصور ہونے کے یہ فرمانا اس لئے ہے کہ آپ کی امت اس پر کاربند رہے چنانچہ حضور ﷺ نے اس کی تعمیل کرتے ہوئے فرمایا کہ میں روزانہ سو بار استغفار کرتا ہوں) اور سب مسلمان مردوں، عورتوں کے لئے بھی (اس میں امتیوں کا اعزاز ہے کہ پیغمبر کو ان کے لئے استغفار کرنے کا حکم ملا ہے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے (دن میں کام کاج کے لئے) اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے (رات کے ٹھکانہ کی حاصل یہ ہے کہ وہ تمہارے کل حالات سے واقف ہے کوئی حال اس پر مخفی نہیں ہے لہذا اسے ڈرتے رہو اور یہ خطاب سب کے لئے ہے مومن ہوں یا دوسرے)۔

**تحقیق و ترکیب**۔ من قریة۔ محل ذکر کر کے مجازاً حال مراد ہے اور یا مجازاً مقدر مانا جائے۔ یہی توجیہ اگلے جملہ من قریتک الخ میں تقدیر مضاف کی ہوگی۔

وعد المتقون۔ مثل الجنة میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے۔ بقول نصر بن شمل ما تسمعون مقدر ہے اور فیہا انہار اس کی تفسیر ہے۔ لیکن بقول سیویہ فیما یتلیٰ علیکم ہے اور فیہا انہار حسب سابق تفسیر ہے۔

۲۔ لفظ مثل زائد ہے عبارت صرف الجنة التی وعد المتقون فیہا انہار ہے۔

۳۔ مثل الجنة مبتداء ہے اور فیہا انہار خبر ہے اس صورت میں یہ اشکال ہوگا کہ جملہ میں کوئی عائد نہیں جو مبتداء سے خبر کو وابستہ کرے صرف ضمیر کافی نہیں ہوا کرتی۔

۴۔ مثل الجنة مبتداء ہے کمن هو خالد فی النار خبر ہے جو آگے آرہی ہے۔ اس میں ابن عطیہ تو ہمزہ انکار اور مضاف مقدر مان کر عبادت اس طرح تجویز کرتے ہیں۔ امثل اهل الجنة کمن هو خالد اور جثرتی کے نزدیک تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ کمثل جراء من هو خالد اس کے بعد جملہ فیہا انہار میں بھی تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ یہ حال ہے الجنة کا مستقر فیہا انہار۔

۲۔ خبر ہے مبتداء مضمیر کی ای فیہا انہار گویا سوال مقدر کا جواب ہے۔

۳۔ یہ جملہ صلہ کے حکم میں ہے، اس لئے گویا صلہ مرر ہے۔ چنانچہ التی فیہا انہار کہنا بھی صحیح ہے۔ البتہ اس جملہ میں ہمزہ انکار نہیں ہے۔

اسن۔ اسن الماء کے معنی پانی بدل گیا۔ ابن کثیر کی قراءت میں قصر الف ہے جیسے ضارب اور حذر اور اکثر قراء کے نزدیک مد کے ساتھ ہے۔ لذلک۔ یہ مؤنث ہے لذلک بمعنی لذیذ کا اس صورت میں بقول کرنی کسی اور تاویل کی ضرورت نہیں رہتی لیکن اگر لذ مصدر ہو تو پھر اس میں وہی تاویلات کرنی ہوں گی جو مصدر بنانے میں کی جاتی ہیں۔

مغفرة۔ شبہ یہ ہو سکتا تھا کہ مغفرت تو جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہوتی ہے اور آیت سے جنت میں داخل ہونے کے بعد معلوم ہو رہی ہے۔ مفسر نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مغفرت سے مراد خوشنودی اور رضا ہے اور وہ ظاہر ہے کہ جنت میں داخل ہو کر ظاہر ہوگی کہ کسی چیز پر روک ٹوک، در سب کتاب نہیں ہوگا۔ حالانکہ دنیا میں ہر چیز پر حساب کتاب تھا۔

کمن هو خالد۔ یہ خبر ہے اور مبتداء محذوف امن هو فی هذا النعیم جس میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ اور ستوا معطوف ہے ہو خالد پر دونوں میں فرق جملہ فعلیہ اسمیہ کا ہے معطوف میں معنی کی رعایت ہے اور معطوف علیہ میں لفظ کی رعایت ہے۔

امعاء۔ جمع معی کی ہے جس کی تشبیہ معیان ہے جس سے یا کا اصلی ہونا معلوم ہوتا ہے جمع میں یا کو انشاء سے تبدیل کر دیا۔  
من یستمع۔ چونکہ خطبہ الجمعہ مدینہ میں شروع ہوا اس لئے یہ آیت مدنی ہے۔

انفا۔ مفسر نے ای السامعہ سے اس کے منصوب علی الظرفیۃ ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ بقول زحشری انفا بمعنی تقدم ہے۔ آنفا کے معنی اس زمانہ حال کے ہیں جو مستقبل سے مقدم ہوتا ہے اور بقول شافعی یہ استئناف سے ماخوذ ہے بمعنی وقت موقف ظرف ہے کہا جاتا ہے استفاد الامر ای ابتدائہ۔ آنفا اسم فاعل غیر قیاسی ہے یا زوائد سے تجرید کرنی گئی ہے۔ کیونکہ اس کا فعل ثلاثی سننے میں نہیں آیا لیکن ابن حبان کی روایت ہے کہ کسی نحوی نے اس کو ظرف نہیں کہا ہے اس لئے منصوب علی الحال ہے۔

لا یوجع الیہ۔ یعنی منافقین آپس میں ہی ایک دوسرے سے دریافت کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ سے رجوع نہیں کرتے تھے برخلاف مخالف صحابہ کے، کوئی بات اگر ان کی سمجھ میں نہ آتی تو آپ سے رجوع کر لیتے۔

اشراطہا۔ علامات قیامت دو طرح کی ہیں۔ صغریٰ یعنی علامات قریبہ جیسے کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری اور شق قمر وغیرہ اور علامات کبیرہ یعنی بعیدہ علامات قیامت جو نصوص میں مذکور ہیں ان میں باہمی ترتیب کہ کون مقدم ہے اور کون موخر ہے حد مشکل ہے۔

دخان سے مراد اگر بھوک اور قحط سالی ہے تو وہ قریش پر آنحضرت ﷺ کے زمانہ قیام مدینہ میں ہو چکی ہے اور نائس دن ان قرب قیامت مراد ہے وہ ابھی ظاہر نہیں ہوئی۔

فانی لہم۔ یہ خبر مقدم ہے ذکر اہم مبتداء موخر ہے اور اذا جاء تہم جملہ معترضہ ہے جس کا جواب محذوف ہے۔ ای کیف لہم التذکر اذا جاء تہم الساعة فکیف یتذکرون۔

فاعلم۔ یہ یکجہ بیان پر مرتب ہے۔ ای اذا علمت انه لا ینفع التذکر اذا حضرت الساعة فعدم علی ما انت من الیہ بالوحدانیۃ۔ علم کے تین درجے ہیں ایک علم بالدلیل جس کو علم یقینی کہتے ہیں اور تو حید میں یہی علم مطلوب ہے تاکہ تقلیدی ایمان کے ساتھ ایمان بھی حاصل ہو سکے۔

دوسرا درجہ علم کا مراقبہ ہے حق تعالیٰ کا یہ مرتبہ عین الیقین کہلاتا ہے۔

تیسرا درجہ مشاہدہ ہے جو حق الیقین کہلاتا ہے۔

واستغفر۔ انسانی طبیعت اور بشری تقاضہ سے بعض دفعہ انبیاء سے جو ذہول نسیان، لغزش و کوتاہی ہو جاتی ہے وہ مراد ہے کہ ان سے بھی استغفر کیجئے۔

جن کے رتبے ہیں سو ان کو سوا مشکل ہے

ان تمام آیات میں فاعلوں کے اتصال کے لئے ہے۔

ربط آیات۔ پچھلی آیات میں مومنین کی کامیابی اور کفار کی ناکامی آخرت کا اجمالی بیان ہوا تھا۔ آیت ان الدین سے اس کی تفصیل ہے

اور کمین ہو خالد میں اس تفصیل کی تکمیل ہے اور درمیان میں کفار کے مزے اڑانے کو ذکر فرما کر یہ تاثر دینا کہ کفار اس پر نہ اترائیں اور آپ دھوکہ میں نہ پڑیں اس کے بعد کفار و مومنین کے احوال و اعمال اور وعدہ و وعید کا بیان ہے۔

پھر آیت و منهم من یستمع سے منافقین کی کیفیت، مذمت، وعید کا ذکر اور درمیان میں بطور مقابلہ مخلصین کی مدح و ثناء ہے۔

شان نزول و روایات:..... ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت کرتے ہوئے غار ثور تک پہنچے تو مکہ معذ

کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ انت احب بلاد الله الى الله و انت احب بلاد الله الى ولو ان اهلك اخر جونی مک لم اخرج عنک فاعنی الاعداء من عنا علی الله فی حرمہ او قتل غیر قاتله او قتل بد خول الجاهلیۃ اس پر آیت و کابین من قریۃ نازل ہوئی۔

در منشور میں ابن جریج سے نقل ہے کہ مومن و منافق دونوں آنحضرت ﷺ کی مجلس میں شریک رہتے۔ مخلصین تو پورے انہماک اور توجہ سے آپ کا وعظ سنتے لیکن منافقین بے دلی سے شریک مجلس رہتے اور مجلس سے باہر نکل کر بطور غیبی مذاق پوچھتے کہ ابھی حضرت نے کیا ارشاد فرمایا تھا۔ اس پر آیت و منهم من يستمع نازل ہوئی۔ عکرمہ فرماتے ہیں بعض اہل کتاب آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے تو نبی خاتم کی آمد کے منتظر تھے اور جب آپ کی بعثت ہو گئی تو وہ اسلام لے آئے اس پر آیت والذین اہتدوا نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ..... والذین کفروا۔ یعنی کافر جو پاؤں کی طرح اناپ سناپ کھاتے چلے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کافرسات آنت سے کھاتا ہے اور مومن ایک سے لیکن نہیں دیکھتے کہ کل یہ کھایا پیا کس طرح نکلے گا۔ یہاں خوب مزے اڑالیں۔ پھر وہاں آگ کا گھران کے لئے تیار ہے۔

و کابین من قریۃ۔ مکہ سے ہجرت و رخصت کے وقت آنحضرت ﷺ آبدیدہ ہو کر فرما رہے تھے کہ بخدا تمام شہروں سے مکہ اللہ تعالیٰ اور میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے۔ اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی یا نکالنے پر مجبور نہ کرتی تو میں تجھے چھوڑ کر نہ جاتا۔ اسی سلسلہ میں ارشاد باری ہے کہ ہم نے تو مکہ والوں سے کہیں زیادہ طاقت ور، زور آور و قوموں کو نافرمانیوں پر تباہ کر ڈالا پھر یہ ہیں کس ہوا میں ان کی مدد کو کوئی نہ آیا تو ان کی مدد کو کون آئے گا۔

نیک و بد کیا برابر ہو سکتے ہیں..... افمن کان علی بینۃ۔ یعنی ایک شخص تو وہ ہے جو نہایت اطمینان اور پوری بصیرت و یقین کے ساتھ صداقت و سچائی کے صاف شفاف اور کشادہ راستے پر بے کھٹکے دندناتا چلا جا رہا ہے۔ اور ایک وہ اندھا ہے جو اندھیرے میں پڑا ٹھوکرے کھا رہا ہے۔ اسے سیاہ سفید، اچھائی برائی، کی تمیز بھی نہیں۔ بلکہ اپنی خواہشات کے پیچھے ایسا اندھا بن رہا ہے کہ اچھائی کو برائی، برائی کو اچھائی سمجھ رہا ہے بھلا بتلاؤ تو کیا نتیجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں اگر ایسا ہے تو اللہ کی عدالت و حکمت پر دھبہ ہے جو ممکن نہیں۔

جنت کی نہریں: مثل الجنة یہاں چار قسم کی نہروں کا ذکر ہے۔

۱۔ پانی جو جزو زندگی اور ناگزیر ہے۔

۲۔ دودھ نہایت لطیف غذا ہے۔

۳۔ اور شہد مٹھائی دوائی دونوں ہے۔

۴۔ اور شراب سرور و نشاط کے لئے ہے۔

جنت اور دنیا کی نعمتوں میں صرف نام کا اشتراک ہو گا حقیقت و کیفیت بالکل الگ الگ، ایک کو دوسرے پر کسی طرح بھی قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ پھر دنیا اور دنیا کی ہر چیز خیر و شر سے مرکب ہے جنت اور اس کی اشیاء خیر محض ہوں گی ان میں شر و کدورت کا کیا سوال۔ پانی ہے کہ شہد سے زیادہ شیریں، دودھ سے زیادہ مفید اور نہایت ٹھنڈا۔ کسی چیز میں لذت و مزہ بدل جانے کا سوال ہی نہیں۔ دنیا میں اگر ایسے تھرمس ہو سکتے ہیں کہ اڑتا لیس گھنٹے اشیاء بحالہ محفوظ رہیں تو جنت کو ایسی تھرمس کیوں نہ مان لیا جائے کہ تمام جنتی اور وہاں کی تمام اشیاء بختہ و بعینہ محفوظ رہیں لا فیہا غول میں خبر مقدم کر کے شاید اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہو۔



پہ کو کوئی حکم دئے جانے کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ اس حکم کا مقصد کبھی تو نبی کو آگاہ کرنا ہوتا ہے اور اگر وہ حکم اس کو پہلے سے معلوم ہو تو پھر اس کی غرض سے وہ حکم دوسروں کو سنانا ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ متقلبکم و متواکم میں جمع کی ضمیریں اس کا قرینہ تھیں کہ اوروں کو سنانا مقصود، اور آپ کو خطاب کرنے سے یہ جملہ دینا ہے کہ جب معصوم سے کہا جا رہا ہے تو دوسرے کس قطار شمار میں ہیں۔ اس سے حکم کی اہمیت واضح جاتی ہے اور تو جیہ تفریع کا حاصل یہ ہوگا کہ جب سننے والوں کو جزا سزا معلوم ہو گئے تو دین و ایمان پر انہیں قائم رہنا چاہئے اور زوال ایمان جائے خود ایمان کو ناقص کرنے والے تمام گناہوں سے بھی بچنا چاہئے ورنہ بالفرض کبھی ہو جائیں تو فوری توبہ اور تدارک میں لگ جائیں اور سزا بے اثر رہے رہیں تاکہ اطاعت کی توفیق رہے۔

ہر ایک کا قصور چونکہ اس کی حسب حیثیت ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت اونچے لوگوں کے لئے کسی کام میں بہت اعلیٰ پہلو اور بہترین مقام کو چھوڑ کر اترتے پہلو اختیار کر لینا بھی کوتاہی شمار ہوتا ہے۔ مقرران بارگاہ کی پکڑ بات بات میں ہو جاتی ہے۔ اس لئے ”لذنبک“ میں کوئی اشکال نہیں رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں۔ جیسے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کفار قریش کو دینی دعوت پیش کر رہے تھے کہ درمیان میں عبداللہ بن مکتوم نے آکر ٹوک دیا اور خود کچھ پوچھنے لگے۔ آپ ﷺ کو ناگوار ہوا اور آپ ﷺ چلے گئے۔ جس کا ذکر سورہ عبس کے شروع میں ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ایک طرف تو مسلمان کو محض ایک فرعی مسئلہ بتانا تھا اور دوسری طرف ایک کافر کو اصل دین کی دعوت پیش کرنا کون سا جانتا کہ اہم عبادت ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ذہن اسی اہمیت کی طرف گیا۔ اور آپ ﷺ نے اپنے اجتہاد سے اصول کو فرع پر مقدم کیا۔ مگر ناقص کی نظر اس پر تھی کہ مسلمان پرانا خادم اور جاں نثار تھا۔ اس کو نفع ہونا یقینی تھا اور کافر کو نفع ہو جانا صرف وہی تھا اور یقین مقدم ہے وہم پر مائے ظاہر اقدارے عتاب آمیز آیتیں نازل ہو گئیں۔ یا بدر کے جنگی قیدیوں کے سلسلہ میں فدیہ اور تادان جنگ قبول کر کے قیدیوں کو رہا ردینا اگرچہ گونا گوں مصالح اور فوائد پر مشتمل تھا۔ مگر ان کو قتل کر دینے کی صورت میں جو کفر کا استیصال اور اسلام کا کھلا غلبہ تھا وہ رہ گیا اس لئے اب ہوا۔

غرض یہ کہ عبادت کے دونوں پہلو تھے مگر اہم عبادت وہی پہلو تھا جو چھوٹ گیا پس ایسی ہی باتوں میں استغفار کا حکم ہوا۔ اور سورہ فتح کی آیت لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک الخ میں بھی گناہ سے مراد اسی قسم کی لغزشیں ہیں جن پر معافی کی بشارت دی گئی ہے اس لئے سمت انبیاء محفوظ ہے جو قطعی ہے۔

قلبکم و متواکم یعنی عدم سے عدم تک تمام تغیرات سے گزر کر آخر کار بہشت یا دوزخ میں پہنچو گے۔ جو تمہارا اصلی ٹھکانہ ہے۔

ما لکف سلوک: ..... فیہا انہار الخ اہل اشارہ نے پانی کو حیات روحانیہ کی اور دودھ کو علم حقانی کی اور شراب کو شوق و محبت کی اور شہد کو دل و قرب کی صورت فرمایا ہے۔ اور ممکن ہے یہ ان احوال کی صورت مثالیہ ہوں۔

علم انہ لا الہ الا اللہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشائخ کے لئے اپنے ساتھ اپنے پیروکاروں کے لئے بھی دعا کرنا مناسب ہے۔

یَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا اَطْلَبَا لِلْجِهَادِ لَوْلَا هَلَّا نَزَلَتْ سُورَةٌ فَيَنْهَا ذِكْرُ الْجِهَادِ فَاِذَا نَزَلَتْ سُورَةٌ حُكْمَةٌ اَيْ لَمْ يُسْحَ مِنْهَا شَيْءٌ، وَذَكَرَ فِيهَا الْقِتَالُ اَيْ طَلَبَهُ رَاَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ اَيْ شَكٌّ مِّنْ الْمُسَافِقُونَ يَنْظُرُونَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ خَوْفًا مِّنْهُ وَكَرَاهِيَةً لِّهٖ اَيْ فَهُمْ يَحَافُونَ



مِنَ الْقِتَالِ وَيَكْرَهُونَهُ قَاُولِیْ لَهُمْ ﴿۲۰﴾ مُبْتَدَاٌ خَبْرُهُ طَاعَةٌ وَ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ اِیْ حَسَنٌ نَّكَ فَاِذَا عَزَمَ  
الْاَمْرُ اِیْ فَرَضَ الْقِتَالُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ فِی الْاِیْمَانِ وَالطَّاعَةِ لَكَانَ خَیْرًا لَهُمْ ﴿۲۱﴾ وَ جُمْلَةُ تَوْجُوْبِ اِذَا  
فَهَلْ عَسَيْتُمْ بِكَسْرِ السِّیْنِ وَفَتْحِهَا وَفِیهِ اِثْنَتَا عَشْرَةَ اِلَی الْخِطَابِ اِیْ لَعَلَّكُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَعْرَضْتُمْ عَنِ  
الْاِیْمَانِ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقْطِعُوْا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اِیْ تَعُوْذُوا اِلَی اَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ مِنَ الْبُعْثِ وَاقْتَبِ  
اُولَئِكَ اِیْ الْمُفْسِدُوْنَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاصْمَتَهُمْ عَنْ اِسْتِمَاعِ الْحَقِّ وَاعْمَى ابْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ عَنْ  
طَرِیْقِ الْهُدَايَةِ اَفَلَا يَتَذَكَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَعَرَفُوْنَ الْحَقَّ اَمْ بَلْ عَلٰی قُلُوْبٍ لَّهُمْ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ فَلَا يَمَسُّوْنَ اِنْ  
الَّذِیْنَ ارْتَدُّوا بِالْاِیْقَانِ عَلٰی اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ رِیْنَ لَهُمْ وَاَمَلٰی  
لَهُمْ ﴿۲۵﴾ بِضَمِّ اَوَّلِهِ وَبِفَتْحِهِ وَالْاَمَّ وَالْمَمْلٰی الشَّیْطَانُ بِاِذَا دَتِهَ تَعَالٰی فَهُوَ الْمُضِلُّ لَهُمْ ذٰلِكَ اِیْ اِضْلَالُهُمْ  
بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ اِیْ لِلْمُشْرِكِیْنَ سَنُطِيعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ اَمْرِ السَّعَاوَةِ عَلٰی  
عَدَاوَةِ النَّبِیِّ ﷺ وَتَشْطِطُ النَّاسِ عَنِ الْجِهَادِ مَعَهُ قَالُوْا ذٰلِكَ سِرًّا فَظَهَرَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اَسْرَارَهُمْ  
﴿۲۶﴾ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ جَمْعُ سِرٍّ وَبِكَسْرِهَا مُضَرَّرٌ فَكَبَّفَ حَالَهُمْ اِذَا تَوَقَّفَتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ یَضْرِبُوْنَ حَالَ رِیْ  
الْمَلَائِكَةِ وَجُوهَهُمْ وَادْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ظُهُورَهُمْ بِمَقَامِعٍ مِّنْ حَدِیْدٍ ذٰلِكَ اِیْ التَّوَفِّیْ عَلٰی الْحَالَةِ الْمَذْكُوْرَةِ  
ع بِاَنَّهُمْ اتَّبَعُوْا مَا اَسْخَطَ اللّٰهُ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهُ اِیْ الْعَمَلُ بِمَا یُرِیْضِیْهِ فَاحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ اَمْ حَسِبَ  
الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ یُظْهِرُ اَحْقَادَهُمْ عَلٰی النَّبِیِّ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَلَوْ  
نَشَاءُ لَا رِیْنَكَهُمْ عَرَفْنَا كُهُمْ وَكَرَّرْتُ اللّٰمُ فِیْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمَتِهِمْ عَلَامَتِهِمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمُ الْوَاُوْ لِقَسَمِ  
مَحْذُوْفٍ وَمَا بَعْدُهَا جَوَابُهُ فِی لَحْنِ الْقَوْلِ اِیْ مَعْنَاهُ اِذَا تَكَلَّمُوا عِنْدَكَ بِاَنْ یُّعْرِضُوا بِمَا فِیْهِ تَهْجِیْنُ اَمْرِ  
الْمُسْلِمِیْنَ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ نَحْتَبِّرَنَّكُمْ بِالْجِهَادِ وَغَیْرِهِ حَتّٰی نَعْلَمَ عَنْهُمُ ظُهُورِ  
الْمُجَاهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصَّبْرِیْنَ فِی الْجِهَادِ وَغَیْرِهِ وَنَبْلُوْا نَظْهَرَ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ مِّنْ طَاعَتِكُمْ وَعِصْيَانِكُمْ  
فِی الْجِهَادِ وَغَیْرِهِ بِالْاِیْمَانِ وَالتَّوْنِ فِی الْاَفْعَالِ الثَّلَاثَةُ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ طَرِیْقِ الْحَقِّ  
وَشَاقُّوْا الرُّسُوْلَ خَائِفُوْنَ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی هُوَ مَعْنٰی سَبِیْلِ اللّٰهِ لَنْ یَضُرُّوْا اللّٰهُ شَیْئًا  
وَسَنُخْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ یُخْبِلُهَا مِنْ صِدْقَةٍ وَنَحْوِهَا فَلَا یَرُوْنَ لَهَا فِی الْاٰخِرَةِ ثَوَابًا نَزَلَتْ فِی الْمُطْعَمِیْنَ مِنْ  
اَصْحَابِ بَدْرِ اَوْ فِی قُرْبَظَةٍ وَالتَّخْصِیْرِ یَاٰیُهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اطِيعُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوا الرُّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا  
اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اَلْاَسْعَاسِیْ مَثَلًا اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ طَرِیْقِهِ هُوَ الْهُدٰی ثُمَّ مَا تَوَا

هُم كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿۳۳﴾ نَزَلَتْ فِي أَصْحَابِ الْقَلْبِ فَلَا تَهِنُوا تَضِعُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ  
نَحِ السَّيِّئِينَ وَكَسِرْهَا أَيْ الصُّلْحَ مَعَ الْكُفَّارِ إِذَا لَقِيتُمُوهُمْ وَانْتُمْ الْأَعْلَوْنَ ۖ حُذِفَ مِنْهُ وَأَوْ لَأَمْ الْقِنْدِ  
عُتُونَ الْقَاهِرُونَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ وَلَنْ يَتْرُكَكُمْ يَنْقُصُكُمْ أَعْمَالُكُمْ ﴿۳۵﴾ أَيْ ثَوَانَهَا إِنَّمَا  
حَيَوَةُ الدُّنْيَا أَيْ الْإِسْتِغْنَاءُ فِيهَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَإِنْ تَوَمَّنُوا وَتَتَّقُوا اللَّهَ وَذَلِكَ مِنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ يُؤْتِكُمْ  
حُوزَكُمْ وَلَا يَسْأَلُكُمْ أَمْوَالُكُمْ ﴿۳۶﴾ جَمِيعًا بَلِ الزَّكَاةُ الْمَفْرُوضَةُ فِيهَا إِنْ يَسْأَلُكُمْ مَوْهَا فَيُخَفِّكُمْ  
إِلَى فِي طَلِبِهَا تَبَخَّلُوا وَ يُخْرِجُ أَضْعَافًا نَكْمًا ﴿۳۷﴾ لِدِينِ الْإِسْلَامِ هَا نَتَمُّ يَاهُو لَأَءِ تَدْعُونَ لِتُنْفِقُوا فِي  
بَيْلِ اللَّهِ مَا فَرَسَ عَلَيْكُمْ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَخِلْ عَنْ نَفْسِهِ لَا يُقَالُ يَبْخُلُ عَلَيْهِ وَعَنْهُ  
لِللَّهِ الْغَنِيُّ عَنْ نَفَقَتِكُمْ وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ إِلَيْهِ وَإِنْ تَوَلَّوْا عَنطَاعَتِهِ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ أَيْ يَجْعَلَهُمْ بِدَلُكُمْ ثُمَّ  
يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ فِي التَّوَابِ عَنْ طَاعَتِهِ بَلِ مُطِيعِينَ لَهُ عَزُّو جَلَّ

ع  
۸

ترجمہ: ... اور جو لوگ ایمان والے ہیں (جہاد کی تمنا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ اے کاش کوئی صورت کیوں نہ نازل ہوگئی (جس  
میں جہاد کی اجازت ہوتی) سو جب کوئی صاف صاف سورت نازل ہوتی ہے۔ (یعنی جس میں کوئی حکم منسوخ نہ ہوا ہو) اور اس میں جہاد کا  
ذکر (حکم) بھی ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے (یعنی شک، منافقین مراد ہیں) کہ وہ آپ کی طرف ایسی  
نظریں اٹھاتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو (موت کے گھبرائے ہوئے اور نفرت کرتے ہوئے یعنی جہاد سے ڈرتے ہیں اور جی  
چراتے) پس وائے ہے ان کے لئے (مبتداء جس کی خبر یہ ہے) ان کی اطاعت اور بات چیت معلوم ہے (آپ کے لئے عمدہ ہے) پھر  
جب کام پختہ ہو گیا (جہاد فرض ہو گیا) سو یہ لوگ اگر (ایمان اور فرمانبرداری میں) اللہ سے بچے رہتے تو ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا (اور  
جملہ لواذ کا جواب ہے) تو کیا تم کو یہ احتمال بھی ہے (سین کے کسرہ اور فتح کے ساتھ ہے) اس میں غیبت سے خطاب، کی طرف التفات  
ہے یعنی لعلکم) اگر تم کن رہ کش رہو (ایمان سے پھر جاؤ) تو تم دنیا میں فساد مچا دو اور آپس کی قرابت توڑ دو (یعنی دور جاہلیت کی بغاوت اور  
خونریزی پر اتر آؤ گے) یہ (فسادی) وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ پھر (حق بات سننے سے) ان کو بہرا کر دیا اور ان  
کی آنکھوں کو (ہدایت کی راہ سے) اندھا کر دیا تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے (کہ حق پالیں) کیا بلکہ ان کے دلوں پر قفل لگ رہے  
ہیں (کہ حق سمجھتے ہی نہیں) جو لوگ (نفاق) سے پشت پھیر کر ہٹ گئے اس کے بعد کہ سیدھا راستہ ان کو صاف معلوم ہو گیا شیطان نے ان کو  
چکمہ (فریب) دیا ہے اور ان کو دور کی بھائی ہے (لفظ املی ضمہ اول اور کسر لام کے ساتھ اور فتح اول اور فتح لام کے ساتھ دونوں طرح ہے اور  
رہی شیطان ہے باراہہ الہی لہذا وہی ان کیلئے گمراہ کن ہے یہ (ان کو گمراہ کرنا ہے) اس سبب سے ہوا کہ ان لوگوں نے ایسے  
دگوں (مشرکین) سے جو کہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کا ناپسند کرتے ہیں یہ کہا کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے (پتہ بر چھینے  
کی عداوت پر ابھرنے اور لوگوں کو جہاد سے باز رکھنے کے معاملہ میں گفتگو انہوں نے تو در پردہ کی مگر حق تعالیٰ نے ان کا راز فاش کر دیا) اور  
مندان کی خفیہ سازشوں کو جانتا ہے (اسرا فتح ہمزہ کے ساتھ سر کی جمع ہے اور کسر ہمزہ کے ساتھ مصدر ہے) سو ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے  
ن کی جان نکالیں گے ان کے چہروں اور کمرؤں پر (لوہے کے گرز) مارتے ہوں گے (یہاں لانا کہہ سے حال ہے) یہ (اس صورت سے جان  
کالنا) اس وجہ سے ہے کہ جو طریقہ اللہ کی ناراضی کا باعث تھا یہ اسی پر چلے اور اس کی خوشنودی سے نفرت کیا گئے (یعنی پسندیدہ عمل سے) اس

لئے اللہ نے ان کے سب اعمال بے کار کر ڈالے جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے کیا ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کے عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا (ان کا کینہ پیغمبر اور مسلمانوں پر نہیں کھلے گا) اور اگر ہم چاہتے تو ان کا پورا نشانہ تلامذہ سے (ان کی شناخت کر دیتے آگے لام دو بار لایا جا رہا ہے) سو آپ ان کے حلیہ (علامت) سے پہچان لیں گے اور آپ ضرور پہچان جائیں گے (واؤ قسم خدا کا ہے اور بعد کی عبارت جواب قسم ہے) طرز کلام سے (یعنی کلام کا خشاء آپ کی مجلس میں ان کی گفتگو سے مسلمانوں کی جو پختی ہے) اور اللہ تم سب کے کاموں سے واقف ہے اور ہم ضرور تم سب کی آزمائش کریں گے (جہاد وغیرہ احکام میں تمہارا امتحان لیں گے) تاکہ ہم (کھلے طور پر) معلوم کر لیں کہ تم میں کون مجاہدین ہیں اور ثابت قدم رہنے والے ہیں (جہاد وغیرہ میں) اور تمہارے احوال کی جانچ (پڑتال) کر لیں (یعنی جہاد وغیرہ میں تمہاری فرمانبرداری یا نافرمانی کھل جائے۔ یہ تینوں افعال یا دونوں کے ساتھ دونوں طرح ہیں) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے (حق) سے روکا اور رسول کی نافرمانی (مخالفت) کی اس کے بعد ان کو ہدایت (جو اللہ کے رستہ کی مراد ہے) نظر آچکی تھی۔ یہ لوگ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچ سکیں گے اور اللہ ان کی کوششوں کو ملیا میٹ کر کے رکھ دے گا (یعنی اپنے صدقہ خیرات کا ثواب آخرت میں نہیں پائیں گے کفار جو جنگ بدر میں اسلام کے خلاف غریبوں کی امداد کر رہے تھے ان کے یا بنو قریظہ و بنو نضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد مت کرو) گناہ کبیرہ کر کے (بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے رستہ (ہدایت) سے روکا پھر کافر رہ کر وہ مرے ان کو کبھی نہ بخشے گا) بدر کے کونئیں میں جن کافروں کو ڈال دیا ہے ان کے متعلق نازل ہوئی ہے) سو تم ہمت مت ہارنا (کنزوری مت دکھانا) اور پیغام صلح مت دینا (سلم فتح سین اور سر سین کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کفر سے مڈ بھیز ہونے پر صلح کی طرف مت جھک جانا) اور تم ہی غالب رہو گے لام فعل کی جگہ اعلوٰ کی جو واؤ ہے، و حذف ہو گئی بمعنی غالب کامیاب) اور اللہ تمہارے ساتھ ہے (بلحاظ نصرت و مدد کے) اور تمہارے اعمال میں (ثواب کی) کٹوتی (کمی) ہرگز نہ کرے گا و نیا دی زندگانی (یعنی اس میں اسہاک) محض ابودعب ہے اور اگر تم ایمان و تقویٰ اختیار کرو (جو آخرت کے کام ہیں) تو تمہیں اجر عطا فرمائے گا اور وہ تم سے مال نہیں مانگتا (سارا بلکہ صرف مقررہ زکوٰۃ کا مطالبہ ہے) اگر وہ تم سے مال مانگے اور اجتہاد درجہ تک طلب کرتا رہے (فرمائش میں مبالغہ سے کام لے) تو تم بخل کرنے لگو اور بخل (دین اسلام سے) تمہاری ناگواری ظاہر کر دے ہاں تم لوگ ایسے ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے سو بعض تم میں سے بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے ساتھ بخل کرتا ہے (بخل ملیہ، بخل عندہ دونوں طرز بولا جاتا ہے) اور اللہ تو کسی کا (خرچہ کے معاملہ میں) محتاج نہیں اور تم سب (اس کے) محتاج ہو اور تم اس کی فرمانبرداری سے اگر روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ (بدل بکر) دوسری قوم پیدا کر دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے (فرمانبرداری سے روگردانی کرنے میں بلکہ اللہ عزوجل کے اطاعت شعار ہوں گے۔

**تحقیق و ترکیب:**..... فالولی لہم۔ لام بمعنی با ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے عطا نقل فرماتے ہیں۔ اور عبدالرزاق اور ابن جریرؒ

قائد سے نقل فرماتے ہیں کہ ”اولیٰ لہم“ و امید ہے پھر اس کے بعد طاعة و قول معروف خیر لہم الگ کلام ہے۔

معروف۔ مفسر اس کی خبر محذوف مان رہے ہیں اور جملہ کا جملہ پر عطف ہے یعنی ان الطاعة اولیٰ لہم و القول المعروف خیر لک یا محمد اور بنوئی تقدیر میں اس طرح نکالتے ہیں۔ فالولی لہم الطاعة و قول معروف بالا جابۃ۔ یعنی قول معروف کا طاعة پر عطف ہے۔ مفسرین عبارت میں حسن تو معروف کی تفسیر ہے اور لک کا تعلق دونوں جملوں سے ہے اور یا حسن لک کو قول معروف کی خبر کہا جائے اور طاعت کو ”اولیٰ لہم“ کی خبر مانا جائے۔

لکان حیو۔ یہ جواب ہے۔ اذا عزم الامر اور فا کا اتصال عمل میں رکاوٹ نہیں ڈالے گا اور نہ مابعد کے ماقبل میں عامل ہونے میں کوئی مانع

موتوں کی قاضی طرف کو نزدیک کہتے ہیں۔ اسی ذائقہ اور کھڑا۔

ام علیٰ قلوب۔ یعنی ام مقطوعہ بمعنی غلبہ لیکن مستغنی ہو سکتا ہے۔ ام یتدبرون الحق لکن علیہا القفل فلا یدخل الحق فیہا۔ افعالہا قلوب کی طرف اس کی اضافت یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ کوئی خاص رکاوٹ ہوتی ہے۔

و اصلی لہم۔ ابوہ کی قرأت فعل مجہول کی ہے اور یعقوب کی قرأت مضارع معروف کی اس میں ابوہ لایہ ہے۔ یا ان کی خبر یرعطف ہو رہا ہے۔ یہاں امہ رانگی نے ایک اشکال کا ذکر کیا ہے کہ۔

مدایت و غلات، تزوین و قسول اور اداء و امہال سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ پھر شیطان کی طرف نسبت کیسی؟ حاصل جواب یہ ہے کہ تمام جہاں کا حقیقی فاعل اگرچہ اللہ ہے لیکن اسباب کی طرف نسبت کے طور پر شیطان کی جانب اشارہ کر دی گئی ہے اس پر منصفہ کلام مگر چکا ہے۔  
بہنہم فالوا۔ قالوا کافی مل منافقین اور مکر ہوا کا یہودی ہیں۔ جیسا کہ مدارک اور بیضاوی کی رائے ہے کہ وہ کاف علیٰ مشرکین نہیں ہیں جیسا کہ منسخر کی رائے ہے۔

ام حسب۔ اس میں ام مقطوعہ ہے اور ان مخففہ ہے جس کا ام ضمیر نشان محذوف ہے اور ان مع اپنے مانعہ کے اس کی خبر ہے اور اگر وصایہ ایا جائے تو پھر حسب کے دونوں مضموں کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اسی مل حسب الذین فی قلوبہم مریض۔ الخ  
اضغاثہم۔ ضغن کی جمع ہے مل میں عداوت و کینہ رشتہ۔

ولتعرفہم۔ اس میں لام مکررات قول صاحب جملہ بالذکر کے لئے اور بقول ابوالسعود تاکید کے لئے ہے۔ اور جواب ابو کے صورت پر اور لتعرفہم میں امر نون کے ساتھ ہے جواب قسم محذوف کے طور پر۔  
لا رینا کھم۔ میں رویت ملیہ ہے اور بصیریہ بھی ہو سکتی ہے۔

لحن القل۔ لحن کے دو معنی ہیں ایک اعرابی غلطی کرنا۔ اصطلاح تجوید میں لحن جلی اور خفی آتا ہے جس کے مخصوص معنی ہیں دوسرے معنی کنائی کلام کے ہیں۔ کہ کلام کا ظاہر ہونا اچھا ہو مگر باطن خراب ہو یہاں یہی معنی مراد ہے یعنی کلام کے لب و لہجہ سے ان کا مذاق مترشح ہو جاتا ہے۔  
قاضی کی عبارت یہ ہے کہ لحن القول اسلوبہ و امالہ عن جہۃ الصریح الی جہۃ تعریض و توریت۔

تہجین۔ بمعنی تصحیح ہے۔ جہنہ کلام، غیب دار گفتگو اور جہنہ علم اذاعت علم کو کہتے ہیں تہجین بمعنی لیسیم اور افعال ثلاثہ سے مراد لبولنکم، تعلم نبلو ہے لا تظلو اعمالکم۔ علامہ زکریا اپنے اعتراضی نقطہ نظر پر استدلال کرتے ہیں کہ معاصی سے طاعات کا عدم ہو جاتی ہیں۔ ساری عمر بھی کوئی نیکی تقویٰ میں گزارے۔ لیکن ایک کبیرو سے سب پر پانی پھر جائے گا لیکن اہل حق اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ بطمان سے مراد خاص معنی، کفر، منافق، ریا، عجب احسان جتلا کر فقیر کی دل آزاری کرنا یعنی ان کفار کی طرح برائیوں کا ارتکاب مت کرو۔ کہ اس سے نیکیاں متاثر ہو کر مٹ جاتی ہیں۔

اور امام اعظمؒ، نفل نماز و روزہ کو توڑنے سے قضا کا لازم ہونا اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن امام شافعیؒ غلطی ج و عمرہ کی سزا میں تو حنفیہ کے ساتھ ہیں مگر اور ابواب میں قضا کے قائل نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک نوافل جس طرح شروع کرنے سے پہلے نوافل ہیں، شروع کرنے کے بعد بھی نوافل اور غیر لازم رہتے ہیں۔

قلیب۔ مقام بہر کا کنواں جس میں مقتول کفار کی نشیں پھینک دی گئی تھیں۔

فلا تہنوا۔ یہ فاعل نصیحتہ ہے شرط مصدر کے جواب میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوئی۔ اذنبین لکم بالالدلالۃ النطعیۃ عز الاسلام و دل الکفر فی الدنیا و الاخرۃ فلا تہنوا۔ اذنبین۔

وتدعوا ای ولا تدعوا۔ اس کا عطف تہنوا پر یعنی لا کے تحت ہے۔ یوں والصلح خیر فرمایا گیا۔ مگر خاص مناسبات سے اور سبب مناسب ہو

بسیا کہ بدر میں عین غلبہ کے موقعہ پر صلح کر لینا مسلمانوں کے خلاف اور کفار کے حق میں جانا اس لئے منع کر دیا۔

لن یتروکم، وتر و ترا کے معنی ناقص کرنا۔ ابن عباسؓ لن یتروکم کے معنی لا یظلمکم فرماتے ہیں۔

لعب و لہو۔ دونوں کے معنی ایسے کام کے ہیں جس میں نہ فی الحال نفع ہو اور نہ فی الہمال۔ پھر یہ اشتغال اگر اہم کاموں سے مانع ہو جائے تو لعب و لہو ہیں ورنہ لہو سمجھے جائیں گے۔

ہا اثم ہذا۔ اس میں باتنبیہ کے لئے اثم مبتداء، ہو لاء منادی اور خبر قد عاون ہے اور جملہ نداء یہ جملہ معترضہ ہے۔

یسئل عن نفسه بخل کے سلسلہ میں عن اور علی دونوں آتے ہیں یعنی امساک کے متضمن ہونے کی وجہ سے۔

وان تتولوا، اگر اس کے مخاطب حضرات صحابہ ہوں تو متسود متخوف تحریف ہوئی۔ کیونکہ صحابہ کے بعد کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہوا۔ اور قضیہ شرطیہ وقوع کے لئے مفتضی نہیں ہوا کرتا کہ اشکال ہو اور منافقین اگر مخاطب ہیں تو ان سے بہتر اللہ نے بے شمار خادم اسلام پیدا فرما دیئے۔

ربط سورہ بقرہ کی طرح سورہ محمد کی آیات میں بھی پہلے ایمان مومن و کافر کا ذکر ہوا ہے۔ پھر بعد میں دونوں جگہ تفصیل کے ساتھ منافقین کی قباحتیں کھولی گئی ہیں۔ منافقین نے اپنے چھپانے کی جتنی کوشش کی اللہ نے اتنا ہی ان کو کھول کر رکھ دیا۔ آیت ویقول الذین اصروا میں بطور تمہید پہلے مومنین کا ذکر ہے۔ پھر اگلے جملہ سے منافقین کی بد حالی ارشاد ہے۔

ان الذین کفروا۔ شروع سورت سے اب تک مسلمانوں کی تحسین اور کفار کی تہجین (توہین) ہو رہی تھی اور اس ضمن میں ان سے جہاد کرنے کا حکم بھی ہوا۔ اب ان آیات سے خاتمہ سورت تک انہیں مضامین کی تلخیص، تفریع، تمہیم و تاکید سمجھنی چاہیے۔ مثلاً کفار کی مذمت تہجین کفار کی تلخیص ہوئی اور رسول کی اطاعت کا حکم تحسین مومنین پر تفریع کہلائی یعنی اہل ایمان کی مذکورہ خوبیوں کی علت یعنی فرمانبرداری کو مت چھوڑنا بلکہ ان خوبیوں کے خلاف یعنی ابطال عمل سے بچنا۔ پھر اس تحسین و تہجین کے مجموعہ پر لا قہنوا کی تفریع فرمائی کہ جب ان دونوں میں یہ فرق ہے تو مقبولین کو مخذولین سے دینا نہیں چاہیے۔ اس طرح یہ مضمون آیت ضرب الرقاب کی تاکید ہوا۔ اسی طرح النفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب ہے، حکم جہاد کی تمہیم ہے اور ان تتولوا میں تمام ادا امر و نواہی کے سلسلہ میں ایک تربیتی مضمون پر سورت کو ختم کر دیا گیا ہے۔

شان نزول و روایات: .. آیت ویقول الذین امنوا سے آخر سورت تک آیات مدنی معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ جہاد کا حکم مدینہ مدنیہ میں نازل ہوا ہے اور منافقین کا ظہور بھی مدینہ طیبہ میں ہی ہوا ہے۔ پس سورت کے شروع میں سورت کے مکی ہونے کو اکثریت پر اوردہ فی کہنے کو بعض حصہ پر محمول کیا جائے۔

ولتعرفہم دو منشور میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ ثم دل اللہ النبی ﷺ بعد علی المنافقین فکان یدعو باسم الہ جل من اهل النفاق بقول علامہ رکوی حضرت انسؓ ناقل ہیں اور بقول طبریؒ ابن زید سے روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ سب کو ان کے چہرہ بشرہ، لب و لہجہ سے پہچان گئے تھے اور فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہمارے ساتھ نو۹ منافق بھی تھے۔ رات کو سو کر صبح اٹھے تو دیکھا ان پر منافق لکھا ہوا تھا۔

سیحبط اعمالہم غزوہ بدر کے سلسلہ میں مسلمانوں کے خلاف ابو جہل وغیرہ نے غریب کافروں کی امداد کر کے ان کو بھڑکایا تھا۔ ابو جہل نے ابو سفیان نے مقام عسفان میں پہنچ کر ۹ اونٹ ذبح کر کے غریب لوگوں کے پیٹ بھر دیئے۔ اس کے بعد سہل نے بھی ۳ اونٹ مقام قدید پر ذبح کر ڈالے اور چونکہ یہ لوگ راستہ بہک گئے تھے جس کی وجہ سے ایک روز مزید قیام کرنا پڑا۔ اس لئے شیبہ نے بھی ۹ اونٹ ذبح کر ڈالے، اور اگلے روز مقام ابوا، میں پہنچنے پر متیس انجی نے ۹ اونٹ اور عباس نے ۱۰ اور حارث نے ۹ اونٹ ذبح کئے بعد ازاں مقام بدر میں ابو بکرؓ نے

۱۰۔ اور مقلیدین نے اونٹ قربان کئے۔ اس طرح لڑائی کے لئے غریب لوگوں کو قربانی کا کمر باندھا گیا۔

یا ایہا الذین امنوا۔ ابن ابی حاتم اور محمد بن نصر مروزی نے ابو العالیہ تابعی سے تخریج کی ہے کہ صحابہؓ یہ سمجھتے تھے کہ کلمہ طیبہ جو ان میں کوئی نہ دھونڈے اور شرک کے ہوتے ہوئے کوئی عمل مفید نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں لا تبطلوا اعمالکم فرمایا۔ اس پر انہیں اندیشہ ہوا کہ گناہ سے عمل بالکل ختم ہو جاتا ہے یعنی گناہ کو اس درجہ مضرت سمجھنے لگے جس کا دفعیہ کیا گیا کہ مضرت تو ہے مگر اس درجہ کا نہیں کہ عمل ہی ختم ہو جائے حسن فرماتے ہیں کہ کبیرہ گنہ مراد ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ شک وفاق سے عمل خراب نہ کرو۔ اور کلینی ریاض المعنی لیتے ہیں۔

اور عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہر نیکی قبول ہو جاتی ہے۔ لیکن جب لا تبطلوا اعمالکم حکم نازل ہوا تو ہمارا خیال ہو گیا کہ گناہ اور فواحش سے اعمال سوخت ہو جاتے ہیں مگر جب آیت ان الله لا یغفر الذنوب الا لمن اتوا بہم اس خیال سے بھی باز آ گئے اور یہ سمجھے کہ کفر و شرک سے کم درجہ گناہوں کی معافی ہو سکتی ہے۔

﴿تشریح﴾: ..... ویقول الذین امنوا۔ یعنی مسلمانوں کی فرمائش سے تو ان کے شوق اور جذبہ جہاد کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ مگر ان کے بالمقابل منافقین کی حالت ناقابل دید ہوتی ہے حالانکہ مسلمان کافروں کی مختلف ایذاؤں سے عاجز و مجبور ہو کر یہ آرزو کر رہے تھے سو حکم آنے کا بعد وہ تو پکے نکلے کہ ہشاش بشاش رہے۔ مگر روگی دلوں کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اور سورت کے ساتھ جو محکمہ کی قید لگائی، یہ متشابہ کے مقابلہ میں ہے۔ یعنی ممکن تھا کہ دوبارہ جہاد اگر کوئی آیت یا سورت خفی المعنی نازل ہوتی تو منافقین کے لئے بہانہ کی گنجائش تھی۔ مثلاً کہہ دیتے کہ ہم اس کے حق میں سمجھتے تھے۔ مگر سورت محکمہ میں کیا بہانہ چلتا۔ اس لئے ایسی سورت اترنے سے ان کی جان پر ہنتی ہے رہا یہ شبہ کہ جہاد کا حکم ایک بار بھی ناگواری کے لئے کافی ہے پھر بار بار کی قید کیوں لگائی؟

جواب یہ ہے کہ یہ قید واقعی ہے یعنی جہاد سے متعلق اکثر آیات ایسی ہی ہیں کہ جب قصہ پیش آیا اور کسی خاص قوم سے جہاد کی ضرورت پیش آئی تو جہاد کا تازہ حکم آ گیا۔ پس اگر نیا حکم نہ آتا تو وہ جہاد سے بے فکر ہونے کے بہانے تلاش کر سکتے تھے۔ کہ پرانا حکم ختم ہوا اور نیا حکم آیا نہیں۔ اس لئے بے فکری ہو گئی۔ مگر بار بار کے تازہ سلسلہ میں اس کی جڑ بھی کٹ گئی۔

طاعة وقول معروف۔ یعنی بظاہر زبان سے اگرچہ یہ اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر کام کی بات یہ تھی کہ اللہ اور رسول کا حکم عمل میں نہیں اور جہاد وغیرہ میں ضرورت پڑے تو اس وقت سچے ثابت ہوں ورنہ رسول بھی جانتا ہے کہ نامردوں کو ساتھ رکھنے سے کیا فائدہ؟ لیکن زیادہ مجبور ہو جائے تو لینا ہی پڑتا ہے ورنہ جہاد کرنے والوں کی کیا کمی ہے۔

جہاد کے فوائد و مصالح۔ فیہل عسیتم۔ یعنی جہاد کی منفعت اخروی تو ہے ہی لیکن دنیوی مصالح بھی بیشتر ہیں۔ منافقین کم از کم انہی کا خیال کر کے جہاد کو ضروری سمجھتے۔ مثلاً اگر باطل اور کفر و شرک کو اس طرح آزاد اور بے روک ٹوک رہنے دیا جائے تو سارے ملک میں فساد کی آگ بھڑک اٹھے اور لوگوں کے حقوق تلف اور ضائع ہو جائیں اور صلہ رحمی وغیرہ کے حقوق العباد بھی برباد ہو جائیں تو ان کے منافع کا خیال کر کے ہی اس کو قبول کریتے اور ابتداً اگر توفیق نہ ہو تو بعد میں تائب ہو کر اپنے بھائیوں کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ مرتے دم تک انسان کے لئے سنبھل جانے کا موقع ہے۔ غرضیکہ جہاد میں دینی مصالح کے علاوہ درستی نظام کی دنیاوی مصلحت بھی اس کی مقتضی تھی۔ کہ اس کو قبول کرنا چاہتا۔ لیکن بعض حضرات تو لبتم کے معنی غالب اور صاحب حکومت ہو جانے کے لیتے ہیں۔ یعنی اب تو جان سے تنگ آ کر جہاد کی آرزو کرتے ہو۔ لیکن اگر اللہ تمہیں غالب کر دے تو فساد نہ کرنا کیونکہ بسا اوقات حکومت کے نشہ میں انسان بہک جاتا ہے اور عدل و انصاف پر نہیں رہتا۔ بلکہ ماں و باہ کی کشمکش اور تنگ و دو میں مبتلا ہو کر فتنہ و فساد برپا کر بیٹھتا ہے۔



اور حضرت نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اگر تم ایمان نہیں لائے گے تو وہی پرانی جہانت لوٹ آئے گی۔ جو جو فریبوں میں وقت نہیں دے ساری  
یہ ایک ایک کر کے فوت آئیں گی۔ یہ سب احتمالات اس صورت میں ہیں کہ آیت کا خطاب مسلمانوں سے بھی ملتا جائے۔ لیکن اگر خاص طور پر  
صرف منافقین کو خطاب ہو تو ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم جہاد میں حصہ نہیں لو گے تو تمہاری حالت سے یہ اندیشہ ہے کہ تم اپنی منافقانہ  
شرارتوں سے ملک میں فساد مچاؤ گے اور اپنے مسلمان رشتہ داروں کی پرواہ نہیں کرو گے۔ بلکہ کافروں ہی کا ساتھ دو گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ منافقت  
نے دشمنوں کو جو یہ کہ ظلم پر مبرا۔ یہ ہوتے۔ اس لئے اللہ کی پوزیشن پر نہیں آتھیں۔ یہ سب ان کے سو اختیار اور بد استعدادوں کی وجہ سے ہوا۔

دلوں پر تالے۔ افلا یتدبرون۔ ان منافقین کو اگر قرآن نہیں کی توفیق ملی ہوتی تو جہاد کی مستحکمیتیں اور دنیوی و اخروی فوائد پر ساری سمجھ  
لیتے۔ مگر ان کے دلوں پر تو گویا تالے ہی پڑ گئے ہیں کہ قرآن میں تدبیر نہیں کرتے۔ یہ بطور منع الحلو فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ فی الواقع ان میں دونوں  
ہی باتیں جمع ہیں پہلے قرآن کا نکار کرنے سے تدبیر کیا گیا پھر اس کے وبال میں ان کے دلوں پر تالا پڑ گیا۔ جیسا کہ دوسری آیت ذیل انہم  
امسوا ثم کفروا فطبع علی قلوبہم سے یہی ترتیب سمجھ میں آ رہی ہے۔

اس کے بعد آیت ان الذین سے قرآن میں تدبیر کرنے کی وجہ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام کی حقانیت ظاہر دیکھنے کے  
بعد وقت آنے پر اپنی بات سے مکر جاتے ہیں اور شریک نہیں ہوتے۔ کیونکہ شیطان نے ان کے دلوں میں یہ بات بھادی ہے کہ جہاد میں جانے  
سے مر جائیں گے اور نہیں جائیں گے تو نہیں مریں گے۔ اس لئے خواہ مخواہ جان دینے سے کیا فائدہ؟ منافقین یہود کو مطمئن کرنے کے لئے  
بوتے کہ ہم صرف ظاہر میں مسلمان ہوتے ہیں لیکن لڑائی میں ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ بلکہ تمہیں مدد دیں گے اور تمہاری مدد میں کے۔ اس  
طرح شیطان نے انہیں چکامہ دیا اور دور کی بچھائی۔

اے فکیر اذّا توفیتہم ارح سے انہیں دھمکی دی جا رہی ہے کہ جہاد میں جان چرانے سے کیا ہوتا ہے وہ تو ایک نہ ایک دن جانی ہے۔ جب  
ملک الموت آجائیں گے۔ تب یہ جان کیسے بچے گی۔ بلکہ بری طرح نکلے گی اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ کی خوشنودی کا راستہ اختیار نہیں کیا۔  
اس کی ناراضگی ہی مول لیتے رہے اس لئے مرنے کے وقت یہ بھیانک منظر سامنے آیا اور ان کے سارے کئے دھرے پر پانی پھر گیا۔  
ام حسب الدین۔ یعنی انہیں یہ خیال ہے کہ ان کی منافقت چھپی رہے گی۔ ان کا خبث باطنی کھلے گا نہیں؟ بلکہ انہیں امتحان کی بھیٹی میں ڈالا  
جائے گا۔ جہاں کھر ا کھوٹا الگ الگ ہو کر رہے گا۔

مخلص و منافق کی پہچان: ولو نشاء یعنی اللہ چاہے تو منافقین کی نام بنام نشان دہی کی جاسکتی ہے مگر اللہ کی مصلحت ابھی ایسی  
تعیین کرنا نہیں چاہتی اور یوں بھی آپ اپنی اعلیٰ فراست سے ان کے چہرے مہرے کو دیکھ کر اور طرز گفتگو کو پرکھ کر تازہ لیتے ہیں۔ آخر مخلص اور  
منافق کی بات کب تک چھپی رہ سکتی ہے۔ دونوں کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے۔ رنگ جدا جدا ہوتا ہے۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ بہرہ سے  
منافقین کو نام بنام پکار کر آپ نے مجلس سے اٹھا دیا تو طرز گفتگو اور دوسرے قرائن سے پہچان کر ایسا کیا ہوگا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ نے اس  
کے بعد آپ کو مطلع فرمایا ہو جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت سے ابھی معلوم ہوا ہے۔ اس صورت میں آیت اور روایت دونوں کے مفہوم میں کوئی  
تکڑا نہیں رہتا بلکہ دونوں جمع ہو سکتی ہیں۔ یعنی رنگ ڈھنگ بھی آپ نے ایسا دیکھا ہو اور صراحت بھی آپ کو آگاہ کر دیا گیا ہو۔

ابنہ حضرت انسؓ اور طبریؓ کی روایات جو اوپر گزری ہیں ان میں بظاہر منافقات ہیں۔ لیکن لو نشاء الخ میں چونکہ انہی کے لئے آتا  
ہے اور انہی کی چیز کے نہ ہونے سے یہ لازم نہیں کہ وہ مستقبل میں بھی نہ ہو۔ اس لئے یہ ممکن ہے کہ اس آیت کے بعد نام بنام نشان دہی کر  
دی گئی ہو اور حضرت حذیفہؓ کو منافقین کا پتہ بتلادینا جو بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے اس میں بھی آپ کی شہادت کے متعلق دونوں احتمال



ہیں۔ عام مفسرین فلعر فتہم کو لو نشاء کے تحت رکھ کر لادینا کہہم واس پر متفرع کرتے ہیں یعنی ہم چاہیں تو آپ کو دیکھ دیں منہ نہیں پر آپ انہیں صورت دیکھ پہچان جائیں۔

اور بعض حضرات فلعر فتہم کو انگ کر کے اس طرح تقریر کرتے ہیں کہ ہم چاہیں تو آپ کو انہیں دیکھا دیں سو آپ انہیں چہرہ سے پہچان لیتے ہی ہیں۔ یہ تقریر زیادہ لطیف معلوم ہوتی ہے۔

آگے ارشاد ہے کہ بندے ان کا حال جانیں نہ جانیں مگر اللہ سے تو ان کی کیفیت چھپی نہیں ہے۔ وہ کھل کر کام کریں یا چھپ کر، جہاد وغیرہ کے احکام دراصل کھرے کھوٹوں کی آزمائش کا ذریعہ ہیں ان سے کھل جاتا ہے کہ کون چاہے کون پکا کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون ڈگمگاتا ہے۔ بعلم المجاہدین کی وضاحت آیت بقرہ لعلم من یتبع الرسول کی تشریح سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس لئے حدیث ہم کا ترجمہ نہ کیا جائے۔

کفر و نفاق سے اللہ کا کچھ نقصان نہیں: ... ان الذین کفروا۔ یعنی کافر اللہ و رسول اور ان کے دین کا نقصان نہیں کرتے۔ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں وہ ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا سکتا ہے۔ جہاد وغیرہ تمام ریاضت و مشقت اللہ و رسول کے حکم کے مطابق ہی جائیں۔ تو نفاق اعتناء ہیں ورنہ محض اپنی طبیعت، شوق نفس یا رسم و رواج کے تحت ہو تو اللہ کے یہاں اس کا کوئی وزن نہیں۔ سب اکارات اور ضائع ہیں۔ ایک اطاعت شعار مسلمان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اس طرح اپنی محنت کو ادھر چھوڑ دے، یا ریادہ نمود اور نمائش سے اپنے اعمال کو برباد کر دے۔ بھلا ارتد ارکا ذکر ہی کیا جو ایک دم بالکلیہ عمل کو سوخت کر کے رکھ دیتا ہے۔

فرمانبرداری اور نافرمانی کے درجات: اللہ و رسول کی مخالفت ایمان میں ہوتی ہے یا اعمال میں۔ اولیٰ کی پھر دوسمیں ہیں۔ ایسے کفر اصلی اور کفر سابق، دوسرے کفر لاحق (ارتداد) پس کفر اصلی تو منافی عمل ہے اور کفر لاحق حابط عمل ہے۔ ظاہر ہے ان دونوں صورتوں میں اعمال بھی برباد اور وہ مخالفت اگر عملی ہے جیسا کہ گنہگار مسلمان تو پھر عمل کے برباد ہونے کی صورت یہ ہوگی۔ کہ ایک عمل جو کسی دوسرے عملی صحت یا بقاء کی شرط ہو اس میں خلل ڈال دیا جائے۔ جس کی تفصیل آیت لا تبطلوا صدقاتکم میں گزر چکی ہے۔

بہر حال ایمان و اعمال دونوں کی مخالفت کا حکم اگرچہ الگ الگ ہے یعنی کفار کی مخالفت بشرط شے کے درجہ میں ہے۔ اور مسلمان کی مخالفت عمل بشرط لاشے کے مرتبہ میں ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مگر ان میں قدر مشترک لا بشرط شے یعنی اطلاق کا مرتبہ ہے۔ اس لئے ڈرانے کے موقع پر مسلمان کی مخالفت کو کافر کی مخالفت سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

حنفیہ، شوافع کا اختلاف: آیت لا تبطلوا الخ۔ نفل نماز روزہ شروع کرنے کے بعد توڑ دینے کی صورت میں قضاء واجب ہونے پر مذکورہ بالا تقریر سے جو حنفیہ استدلال کرتے ہیں اس کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ عبادت کے اجزاء میں بعض، بعض کی صحت یا بقاء کے لئے شرط ہیں۔ البتہ شوافع کہہ سکتے ہیں کہ نفل شروع کر کے توڑ دینا اگرچہ ابطال ہے مگر ہر ابطال کی ممانعت حدیث ان المتطوع امیر نفسه وغیرہ کے دلائل کی وجہ سے ہم تسلیم نہیں کرتے۔ چونکہ آیت قطعی الثبوت اور ظنی الدلالہ ہے اس لئے مسئلہ تلخی رہے گا۔

یہاں تک کفر کے دنیاوی نقصان کا بیان تھا، اب آگے اخروی خسران کو بھی کچھ کم نہ سمجھو۔ فرمایا کہ کافروں کی اللہ کے یہاں بخشش نہیں۔ خاص کر ان کافروں کی جو ادوروں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔

حاصل یہ ہے کہ کافر کی بخشش نہ ہونے کے لئے بس کفر پر برقرار رہنا ہی شرط ہے اور دوسروں کو ایمان سے روکنا شرط نہیں ہے البتہ اس سے اس خباثت میں قباحت اور بڑھ گئی ہے۔ عوام صرف کفر کے مرتکب تھے اور خواص خود بھی کافر تھے اور دوسروں کو بھی اس دلدل میں پھنسا دیا۔

بزدلی مسلمان کا شیوہ نہیں ہے: ... آگے ولا تھنوا الخ میں فرمایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کا محبوب خدا ہونا اور کفار کا معتبوب نہ ہونا جب معصوم ہو گیا تو پھر مسلمان کفار کے مقابلہ میں ست اور ہمہ تن ہرگز نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں ورنہ کفار کی چار آنکھیں ہو جائیں گی اور وہ پھر غرائے لگیں گے۔ ہاں سیاسی مصالحہ ملکی اور قومی تقاضوں سے ایسا کرنا ضروری ہو جائے۔ تو وہ بات دوسری ہے مگر اس کی بنیاد بھی پست ہمتی اور نامردی نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ یہ گناہ ہے اور گناہ پر مرتب ہونے والا مل اور ثمرہ بھی جائز نہ ہوگا۔ اور فرمایا کہ صبرانہ کی کوئی بات نہیں ہے صبر و استقامت اور اثبات قدمی ہوگی تو اللہ تمہارے ساتھ ہوگا۔ تمہارا مال بیکار نہیں ہو سکتا اور آخر کار غالب تم ہی ہو گے۔

اور یہ بشارت اگر صحابہ کو ہے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے کیونکہ وعدہ پورا ہو گیا۔ اور عام مومنین اگر مخاطب ہیں تو چونکہ دوسری آیت واتم الاعلو ان کنتم مومنین میں اس دوہ غلبہ کے ساتھ ایمان کی قید بھی ہے پس یہاں بھی وہی مراد ہوگی۔ اس کے بعد بھی اگر شکست ہوگی تو محض عارضی ہوگی یا صرف صورت ہوگی یا آزمائش ہوگی۔

دنیا اور آخرت کا موازنہ: ... انما الحیوة الدنیا۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایک کھیل تماشہ ہے اگر تم اس سے بچے رہے اور ایمان و تقویٰ کو شعار بنائے رکھا، تو اللہ تم سے مال تو کیا مانگتا کیونکہ اسے مال کی کیا حاجت۔ وہ تو خود تمہیں دیتا ہے۔ اپنی تمہیں بھر پور بدر ضرور دے گا۔ یوں، ملک حقیقی کی وجہ سے اگر مانگ بھی لے تو مال اسی کا ہے۔ مگر سارا مال پھر بھی طلب نہیں کرے گا، بلکہ منی مصراع کے پیش نظر وہ خود بھی تم پر خرچ کرنے کے لئے کچھ حصہ دین کی راہ میں خرچ کرنے کو فرماتا ہے۔

اور ان تو منوا کی قید کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ایمان نہ لاؤ تو پھر تمہارا مال لے لے گا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایمان نہ لانے والے تو ہماری کوئی نا آشتی ہی نہیں۔ اس لئے وہاں تو مال کے سوال کا احتمال ہی نہیں۔ البتہ ایمان لانے کی صورت میں ڈرتھا کہ ہمیں دوستی میں فرمائشیں نہ ہونے لگیں۔ جیسا کہ دنیا میں اکثر دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے بطور مبالغہ فرمادیا کہ ایمان بھی لے آؤ۔ تب بھی تم سے اپنے لئے مال کی فرمائش نہیں کریں گی ورنہ اپنے لئے اللہ کا سوال کرنا تو خیر محال ہے اس کا تو احتمال ہی نہیں۔ ہماری طرف سے تو سوال کی وہ ممکنہ صورت بھی تمہارے فائدہ کے لئے کل مال مانگ لیں، واقع نہیں ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ طبعاً سارا دے دینا ناگوار ہوتا ہے، کتنے ایسے دل والے مردان خدا ہیں خندہ پیشانی اور خوش دلی سے اس حکم کی تعمیل کریں گے۔ اکثر تو وہی ہوں گے جو بخل اور تنگ دلی ظاہر کریں گے۔ حالانکہ یہ تھوڑا سا دین کی راہ میں خرچ کر دین خود تمہارے فائدہ کے لئے ہے۔ نہ دو گے تو خود تمہارا ہی نقصان ہے۔ اللہ کو کسی کے دینے کی کیا پرواہ ہے۔ اور یہ خرچ کرنے کی حکمت و مصلحت کا حاصل ہونا کچھ تمہارے دینے پر منحصر نہیں ہے۔ وہ تمہیں ہٹا کر دوسری قوم سے یہ کام لے سکتا ہے۔ یہ مت سمجھو کہ تمہارے ہی تان گاڑی چلے گی۔ اللہ کی حکمت و مصلحت تو پوری ہو کر رہے گی۔ البتہ اس سعادت سے تم محروم ہو جاؤ گے۔ یمنون علیک ان اسلموا

منت منہ کہ خدمت سلطان ہی کئی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتنت

رہا اس پر یہ شبہ کہ سوال تو خود محال ہے کیونکہ وہ موقوف ہے احتیاج پر اور احتیاج اللہ کے لئے محال ہے پس سوال بھی محال ہو۔ پھر ممکن کیسے کہہ دیا؟ جواب یہ ہے کہ سوال سے مراد مطلقاً طلب کرنا ہے خواہ وہ بطور امر ہی ہو۔ جیسے آیت من یقرض اللہ میں قرض سے تعبیر کیا گیا ہے اور تبخلوا میں اکثر افراد مراد ہیں۔ بعض اللہ کے بندے تو ۔

قرار در کف آزادگان نہ گیر مال نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

کا مصداق ہوتے ہیں۔ پھر تبخلوا میں سب مراد لینا اکثر حکم الکمل کے طور پر ہے۔ رہا اس پر یہ شبہ کہ اگر کوئی سارا مال لانے کی نذر کر لے تو

پھر سارا مال دینا واجب ہے۔ پھر کیسے کہا کہ سارے مال مانگنے کی ممکنہ صورت بھی واقع نہیں؟

جواب یہ ہے کہ نذر کرنے والے نے خود اپنے اوپر یہ لازم کر لیا ہے۔ اس لئے شریعت نے بھی واجب کر دیا۔ پھر شریعت پر کیا اعتراض اور اگر شبہ ہو کہ جان تو مال سے بھی زیادہ عزیز چیز ہے۔ پھر جہاد میں اس کو دے ڈالنے کا کیسے حکم ہوا؟ جواب یہ ہے کہ حالات سدھارنے اور اصلاح کے سلسلہ میں انسان کی جان کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے بہ نسبت سارا مال خرچ کرنے کے، پس ان منافع عظیمہ کی خاطر یہ عظیم قربانی گوارا کر لی گئی۔ اور شہادت کی صورت میں نفع آخرت الگ رہا۔

اور لتفقوا میں تھوڑا اتفاق مراد ہے جس کی تعیین شریعت کے اختیار میں ہے۔

منکم من یبخل۔ میں یہ اشکال ہے کہ صحابہ کرامؓ کی شان سے بخل کرنا بعید ہے۔ لیکن جواب یہ ہے کہ اول تو انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں ہے۔ دوسرے یہ کیا ضروری ہے کہ صحابہ کرامؓ سے وہ بخل سرزد ہوا ہو جو مذموم ہے۔ بلکہ اتفاق کرنے میں انقباض مراد لیا جائے جو مذموم نہیں ہے۔ جب کہ اس کے مقتضی پر عمل نہ کیا جائے۔

نذر ہا یہ شبہ کہ اس پر عتاب کیوں ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ انقباض کبھی عملی بخل کی طرف ابھار دے۔ اسلئے اس کا ازالہ ضروری ہوا۔ اور بعض حضرات نے منکم من یبخل کا مصداق منافقین کو قرار دیا ہے جو اگرچہ خلاف قرآن ہے مگر پھر یہ سارے شبہات متوجہ ہی نہیں ہوتے کہ جواب دہی کی نوبت آئے۔

امام اعظمؒ کی منقبت:..... صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ دوسری قوم کون ہے جس کی طرف اشارہ ہے؟ حضرت سلمان فارسیؓ پر ہاتھ رکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ اور اس کی قوم۔ خدا کی قسم اگر ایمان شہا پر بھی جا پہنچے تو فارس کے لوگ وہاں سے اس کو اتار لائیں گے۔

باللہ الحمد صحابہ کرامؓ نے وہ کارنامے انجام دیئے کہ ان کی جگہ دوسری قوم کے لانے کی نوبت نہیں آئی۔ تاہم اہل فارس کی ستائش بدستور رہی۔ چنانچہ اہل فارس نے اسلام میں داخل ہو کر وہ شاندار خدمات انجام دیں۔ جنہیں دیکھ کر ہر شخص کو برملا کرنا پڑتا ہے کہ بلاشبہ یہی قوم تھی جو حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق ضرورت پڑنے پر عربوں کی جگہ لے سکتی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ ہی کو دیکھا جائے تو اس پیشگوئی کا مصداق بدرجہ اتم ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه۔

بہر حال ان تنولوا میں حضرات صحابہؓ کا دین سے برگشتہ نہ ہونا اور دوسری قوم سے ان کا تبادلہ نہ ہونا تو یقینی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تو نا غیر کم پیدا نہ کی گئی ہو۔ بلکہ حدیث مذکور کی رو سے اہل ایمان فارس کے سچے مسلمان ہیں۔

لطائف سلوک:..... ولو لشاء لا دینا کہم۔ میں فراست کی اصل ہے۔ جس سے مومن، کافر، فاسق، فاجر، صالح، مخلف، موافق، دوست، دشمن میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ لیکن احکام فراست کا جزم یا فراست کی بناء پر تجسس جائز نہیں ہے۔ البتہ مصحح کے لئے تفتیش کی اجازت تحقیق کی حد تک ہے۔ جیسے واقعہ فک میں آنحضرت ﷺ نے خود حضرت عائشہؓ سے فرمایا اور دوسرے ذرائع سے بھی تحقیق فرمائی تھی۔

ولا تبطلوا اعمالکم۔ روح المعانی میں حضرت قتادہ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ گناہ کر کے عمل باطل نہ کرو۔ پس اسے نفس عمل کا باطل کرنا مراد نہیں۔ بلکہ نور عمل کا باطل کرنا مراد ہے۔ کیونکہ گناہ کرنے سے اعمال کے انوار و برکات تو بہ نہ کرنے تک مضحک رہتے ہیں۔

وان تنولوا۔ میں اسی خیال کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو بعض دینی خدمات انجام دینے والوں کو عجب سے پیدا ہو جاتی ہے کہ خدمت ہماری ذات پر موقوف ہے۔ اللہ جس سے چاہے کام لے سکتا ہے۔ وہ چاہے تو پہاڑ کا کام ایک تنکے سے لے سکتا ہے۔

## سُورَةُ الْفَتْحِ

سُورَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۖ لِقَاءَ بَيْنَا مَا هَرَّا لِيُغْفَرَ لَكَ  
 اللَّهُ بِجِهَادِكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ۚ إِنَّهُ لَتَرْغَبَ أَمْنَكَ فِي الْجِهَادِ وَهُوَ مُؤَوَّلٌ لِعِظَمَةِ الْأَسَاءِ  
 عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِسَبِيلِ الْعَقْلِ الْفَاطِحِ مِنَ الذُّنُوبِ وَالْإِلَامِ الْمَعْنَةِ الْعَائِيَةِ فَمَذْخُولُهَا مُنْسَبٌ لَا سَبَّ  
 وَيُسَمَّى بِالْفَتْحِ الْمَذْخُورِ نِعْمَتُهُ إِنْعَامُهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ بِهِ صِرَاطًا طَرِيقًا مُسْتَقِيمًا ﴿٢﴾ يُبَيِّنُ عَلَيْهِ وَهُوَ  
 دِينُ الْإِسْلَامِ وَيَنْصُرُكَ اللَّهُ بِهِ نَصْرًا عَزِيزًا ﴿٣﴾ نَصْرًا ذَا عِزٍّ لَا ذُلٍّ مَعَهُ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ  
 أَنْصَابِيَّةً فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيُزَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ ۖ بِشَرَايِعِ الدِّينِ كُلَّمَا نَزَلَ وَاجِدَةٌ مِنْهَا  
 بِهَا وَمِنْهَا الْجِهَادُ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ، فَلَوْ أَرَادَ نَصْرُ دِينِهِ بِغَيْرِكُمْ لَفَعَلَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا  
 خَلَقَهُ حَكِيمًا ﴿٤﴾ فِي صُنْعِهِ لَمْ يَزَلْ مُتَّعِفًا بِذَلِكَ لِيَدْخُلَ مُنْعَلَقٌ بِمُحَذَّوْفٍ أَيْ أَمَرَ بِالْجِهَادِ الْمُؤْمِنِينَ  
 وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّتِ نَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفَّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۖ وَكَانَ ذَلِكَ  
 عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٥﴾ وَيُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ  
 ظَنُّ السُّوءِ ۖ يَمْتَحِ السَّيِّئَ وَضَمَّهَا فِي السَّوَابِغِ الثَّلَاثَةِ ظَنُّوا أَنَّهُ لَا يَنْصُرُ مُحَمَّدًا ﷺ وَالْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ  
 السُّوءِ ، بِالذَّلِّ وَالْعَذَابِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا  
 ﴿٦﴾ مَرْجَعًا . وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا فِي مَلَكِهِ حَكِيمًا ﴿٧﴾ فِي صُنْعِهِ أَيْ  
 لَمْ يَزَلْ مُتَّعِفًا بِذَلِكَ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا عَلَى أَمْنِكَ فِي الْيَمِينَةِ وَمُبَشِّرًا فِي الدُّنْيَا بِالْحَبَّةِ وَنَذِيرًا ﴿٨﴾  
 مُبَشِّرًا مُخَوِّفًا فِيهَا مِنْ عَمَلِ سُوءٍ بِالنَّارِ لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ بِالْيَأْيِ وَالْثَّاءِ فِيهِ وَفِي الثَّلَاثَةِ نَعْدُهُ وَتَغَرُّوهُ

عَصْرُوهُ وَآيَ بَرَائِينَ مَعَ الْفُوقَايَةِ وَتُوقَرُوهُ تُعْظَمُوهُ وَضَمِيرُهَا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُسَبِّحُوهُ آيَ اللَّهِ بُكْرَةً  
 رَاصِلًا ﴿٩﴾ بِالْعَدْوَةِ وَالْعَشَى إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ بِيَعَةِ الرِّضْوَانِ بِالْحُدُوبِ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ هُوَ نَحْوُ  
 مِنْ يُصْعَقُ السُّمْلُ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهُ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمُ الَّتِي بَايَعُوا بِهَا النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ هُوَ تَعَالَى مُطَّلَعٌ عَلَى  
 بَايَعَتِهِمْ فَيَجَازِيهِمْ عَلَيْهَا فَمَنْ نَكَثَ نَقَضَ بَيْعَتَهُ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ بِرِجْعٍ وَنَالَ نَقَضَهُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى  
 بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيهِ بِالْيَأَى وَالنُّونَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾ سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنْ  
 الْأَعْرَابِ خَوْفُ الْمَدِينَةِ آيَ الَّذِينَ خَلَقَهُمُ اللَّهُ عَنْ صُحُوبِكَ إِنَّمَا صَلَّيْتُمْ لِيُخْرِجُوا مَعَكَ إِلَى مَكَّةَ خَوْفًا مِنْ  
 عَرَسِ قُرَيْشٍ لَكَ عَامُ الْحُدُوبِ إِذَا رَجَعْتَ مِنْهَا شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا عَنِ الْخُرُوجِ مَعَكَ فَاسْتَغْفِرْ لَنَا اللَّهُ  
 مَنْ تَرَكَ الْخُرُوجَ مَعَكَ فَإِنَّ تَعَالَى مَكْتَلِبًا لَهُمْ يَقُولُونَ بِالسَّيْتِهِمْ أَنَّى مِنْ طَلَبِ الْإِسْتِغْفَارِ وَمَا قَبْلَهُ مَا لَيْسَ  
 فِي قُلُوبِهِمْ فَهُمْ كَاذِبُونَ فِي إِعْتِزَالِهِمْ قُلُوبُ فَمَنْ اسْتَفْتَاهُمْ بِمَعْنَى النَّبِيِّ أَنَّى لَا أَحَدٌ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ  
 شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا بِمَنْعِ قَضَائِهِ وَضَعَهَا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَعَمًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١١﴾  
 أَيُّ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِمًا بِذَلِكَ بَلْ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِلِاتِّفَاقِ مِنْ غَرَضٍ إِلَى آخِرِ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ  
 وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَرَيْنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ أَيُّ أَنَّهُمْ يُسْتَأْصَلُونَ بِالْقَتْلِ فَلَا يَرْجِعُونَ  
 وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السُّوءِ هَذَا وَغَيْرُهُ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ﴿١٢﴾ جَمَعَ بِأَيُّ هَالِكِينَ عِنْدَ اللَّهِ بِهَذَا الظَّنِّ وَمَنْ  
 لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿١٣﴾ نَارًا شَالِيَةً وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٤﴾ أَيُّ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِمَا  
 ذَكَرَ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ الْمَذْكُورُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَائِمٍ مِنْ مَغَائِمِ حَيِّرَ لَنَا خُدُوهَا ذَرُونَا أَتُرْكُونَا  
 نَتَّبِعُكُمْ لِنَأْخُذَ مِنْهَا يُرِيدُونَ بِذَلِكَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ وَفِي قِرَاءَةِ كَلِمٍ بِكُسْرِ اللَّامِ أَيُّ مَوَاعِيدِهِ بَعْدَ بَيْعِهِ  
 حَيِّرَ أَهْلَ الْحُدُوبِ حَاصَّةً قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكَ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ أَيُّ قَبْلَ عَوْدِنَا فَسَيَقُولُونَ بَلْ  
 تَحْسُدُونَنَا إِنْ نَصِيبَ مَعَكُمْ مِنَ الْغَنَائِمِ فَقُلْتُمْ ذَلِكَ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ مِنَ الدِّينِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾  
 مِنْهُمْ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ الْمَذْكُورِينَ إِخْتِيَارًا سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْمٍ أُولَى أَصْحَابِ بَأْسٍ شَدِيدٍ  
 قِيلَ لَهُمْ تَوْحِيْفَةُ أَصْحَابِ الْيَمَامَةِ وَقِيلَ فَارِسُ وَالرُّومُ تُقَاتِلُونَهُمْ حَالُ مُقَدَّرَةٍ هِيَ الْمَدْعُو إِلَيْهَا فِي الْمَعْنَى أَوْ  
 هُمْ يُسَلِمُونَ فَلَا تُقَاتِلُونَ فَإِنْ تَطِيعُوا إِلَى قِتَالِهِمْ يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ  
 مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦﴾ مَوْلَا . لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا

عَلَى الْمَرِيضِ خَرَجٌ فِي تَرْكِ الْجِهَادِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ بِالنَّارِ وَالنَّارِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ بِالنَّارِ وَالنَّارِ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ...سورۃ الفتح مدنیہ ہے جس میں ۲۹ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح دی (آئندہ کے لئے مکہ معظمہ وغیرہ مقامات کو طاقت کے ذریعہ آپ سے جہاد کرا کر فتح کا فیصلہ کر دیا ہے) کھلم کھلا (واضح طور پر) تاکہ اللہ تعالیٰ (آپ کے جہاد کی برکت سے) آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے (تاکہ آپ اپنی امت کو جہاد کی ترغیب دے سکیں انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا چونکہ دلیل عقلی قطعی سے طے شدہ ہے۔ اس لئے آیت کی تائید کی جائے گی اس میں لام علت غائیہ ہے جو سبب پر نہیں بلکہ مسبب پر داخل ہو رہا ہے) اور مکمل کر دے (اس فتح کے ذریعہ سے) اپنی نعمت (انعام) آپ پر اور آپ کو سیدھے رستہ پر لے چلے (دین اسلام پر جمادے) اور اللہ آپ کو اس کے ذریعہ ایسا غلبہ دے جس میں عزت ہی عزت ہو (ذلت نام و نشان کو نہ ہو) وہ خدا ایسا ہے جس نے نیکو (اطمینان) پیدا کیا مسلمانوں کے دلوں میں تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو (دینی باتوں پر اس طرح کہ جب کوئی حکم نازل ہو اس پر ایمان لے آئیں ان میں جہاد بھی ہے) اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے (اگر وہ تمہارے علاوہ کسی اور سے دینی خدمت لینا چاہے لے سکتا ہے) اور اللہ (اپنی مخلوق کو) بڑا جاننے والا (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے (یعنی ہمیشہ اس کی یہی شان رہتی ہے) تاکہ اللہ داخل کرے (محذوف عبارت سے اس کا تعلق ہے ای الامر بالجهاد) مسلمان عورتوں کو ایسی بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ کور ہیں گے اور تاکہ ان کے گناہ دور کر دے اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے اور تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں عورتوں، مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دے جو کہ اللہ کے ساتھ برے برے گمان رکھتے ہیں (السوء فتنہ السین اور ضمہ سین کے ساتھ تینوں مواقع میں پڑھا گیا ہے۔ منافقین کا گمان یہ ہے کہ حق تعالیٰ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی مدد نہیں فرمائیں گے ان پر برا وقت پڑنے والا ہے (ذلت اور عذاب کا) اور اللہ ان پر غضبناک ہوگا اور ان کو (زمت سے) دور کر دے گا اور ان کے لئے اس نے دوزخ تیار کر رکھی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ (مقام) ہے۔ اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ (اپنے ملک میں) زبردست حکمت والا ہے (اپنی صنعت میں یعنی ہمیشہ سے اس کی یہی شان ہے) ہم نے آپ کو (قیامت میں اپنی امت کے حق میں) گواہی دینے والا اور (دنیا میں انہیں جنت کی بشارت) سنانے والا اور ڈرانے والا (دنیا میں بد عملی کرنے پر دوزخ سے خوف دلانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ (یہاں اور اس کے بعد الفاظ یا اور تاء دونوں طرح ہے) اور اس کی مدد کرو) تقویت دو، ایک قرأت میں تعزروہ دوزاء اور تاء کے ساتھ ہے) اور اس کی تعظیم بجالاؤ (یہ دونوں ضمیریں اللہ و رسول کی طرف ہیں) اور (اللہ کی) تسبیح کرتے رہو صبح شام (دونوں وقت) جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں (حدیبیہ مقام پر بیعت رضوان تو وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں) (یہ فرمانا ایسا ہی ہے جیسے من یطع الرسول فقد اطاع الله میں ہے) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (جن ہاتھوں سے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی ہے یعنی اللہ کو ان کی بیعت کا حال معلوم ہے۔ چنانچہ وہ ان کو اس پر صلہ دے گا) پھر جو شخص عہد توڑ دے گا (وعدہ بیعت) تو اس کو (توڑنے) کا وبال خود اسی پر پڑے گا۔ اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر اس نے خدا سے عہد کیا ہے۔ سو عنقریب اللہ اس کو عطا فرمائے گا (یا اور نون کے ساتھ ہے) عظیم الشان اجر جو دیہاتی آپ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ (مدینہ طیبہ کے آس پاس کے باشندے جنہیں اللہ نے آپ کی صحبت سے محروم رکھا جب ان کو مکہ معظمہ اپنے ہمراہ چلنے کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔ اس خیال سے کہ قریش کہیں آپ سے الجھ نہ پڑیں۔ حدیبیہ سے واپسی پر آپ سے معذرت خواہ ہوں گے) کہ ہمیں ہمارے مال و عیال نے مہلت نہ دی (آپ کے ساتھ چلنے کیلئے) سو ہمارے لئے معافی کی دعا کر دیجئے) اللہ پاک سے کہ ہم آپ کے ساتھ نہیں جاسکے، آگے ان کو جھٹلاتے ہوئے جو باحق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (یہ زبان سے وہ باتیں کرتے ہیں)

یعنی استغفار کی درخواست وغیرہ) جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں (لہذا معذرت کرنے میں یہ جھوٹے ہیں) آپ کہہ دیجئے اچھا وہ کون ہے (استغفار نفی کے معنی میں ہے، یعنی کوئی نہیں ہے) جو خدا کے سامنے تمہارے لئے کسی چیز کا اختیار رکھتا ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی نقصان (ضرر) فتح ضاد و ضمد ضاد کے ساتھ دونوں طرح ہے) یا نفع پہنچانا چاہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال پر مطلع ہے (یعنی سدا اس کی یہی شان رہتی ہے) بلکہ (دونوں جگہ یہ لفظ ایک غرض سے دوسری غرض کی طرف منتقل ہونے کے لئے ہے) تم نے یہ سمجھا کہ رسول اور مسلمان اپنے گھر والوں کے پاس بھی لوٹ کر واپس نہیں آئیں گے اور یہ بات تمہارے دلوں کو بھار رہی تھی (یعنی مسلمانوں کا قتل ہو صفایا ہو جائے واپسی کی نوبت ہی نہ آجائے) اور برے برے خیال (یہ اور اسی طرح کے اور) قائم کر رکھے تھے اور تم برباد ہو گئے (بور، یا نر کی جمع ہے یعنی اس بدگمانی کی وجہ سے اللہ کے نزدیک تباہ ہو گئے) اور جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے گا تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ (دہکتی آگ) تیار کر رکھی ہے اور تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے وہ جس کو چاہے اس کی مغفرت کر دے اور جسے چاہے عذاب دے دے اور اللہ بڑا غفور الرحیم ہے (یعنی سدا اس کی یہی شان رہتی ہے) جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے (جن کا ذکر ابھی ہوا ہے) وہ عنقریب کہیں گے، جب تم خیر کی غیمتیں لے چلو گے کہ ہم کو بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلے چلیں (تاکہ ہم بھی مال غنیمت حاصل کر لیں) وہ لوگ یوں چاہتے ہیں (اس طریقہ سے) کہ خدا کے حکم کو بدل ڈالیں (اور ایک قراءت میں بجائے کلام لفظ کلام کسر لام کے ساتھ ہے یعنی خصوصی طور پر خیر کے مال غنیمت کے وعدے) آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اللہ نے (ہماری واپسی سے) پہلے فرمادیا ہے۔ اس پر وہ لوگ کہیں گے بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو (کہہ کہیں ہمیں بھی تمہارے ساتھ مال غنیمت مل جائے گا اس لئے تم نے یہ بات بنائی ہے) بلکہ خود یہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں۔ آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے (بطور آزمائش) فرمادیجئے کہ عنقریب تم ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑائی والے ہوں گے (بعض کی رائے میں وہ بنو حنیفہ، بنو یمامہ کے باشندے اور کچھ کی رائے ہے کہ فارسی اور رومی ہیں) کہ یا تو ان سے لڑتے رہو (یہ حال مقدمہ رہے اور بلحاظ معنی یہی وہ بات ہے جس کی ان کو دعوت دی گئی) یا وہ منطیع ہو جائیں (پھر قتل نہ کرنا) سوا گر تم ان سے جنگ کرنے میں اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں نیک صلہ دے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ اس سے پہلے بھی کر چکے ہو تو وہ دردناک (تکلیف دہ) عذاب کی سزا دے گا نہ اندھے شخص پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے شخص پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے (جہاد چھوڑنے کے سلسلہ میں) اور جو شخص اللہ و رسول کا کہنا مانے گا اس کو داخل کرے گا (یا اور نون کے ساتھ دونوں طرح ہے) ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور جو شخص روگردانی کرے گا اللہ اس کو دردناک عذاب دے گا (یعنی یا اور نون کے ساتھ ہے)۔

**تحقیق و ترکیب۔** فتحنا۔ اس پر اشکال ہے کہ فتح مکہ ۸ھ میں ہوا پھر ۱۰ھ میں مدینہ کے مقام پر بصیغہ ماضی کس طرح فتح کا ذکر کیا گیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ تقدیر ازیلی کے لحاظ سے بصیغہ ماضی تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یقینی ہو جانے کی وجہ سے مجازاً ماضی سے تعبیر کیا ہے۔ جیسے آیت و نفع فی الصدور میں ہے۔ تیسری تو یہ یہ ہے کہ حقیقتہً صلح حدیبیہ کو فتح سے تعبیر کیا گیا ہے کیوں کہ فتح کی بنیاد اسی صلح میں پڑ چکی تھی۔ خیر، جنین، طائف کی فتوحات بھی اسی میں شامل ہیں۔

امام اعظم فتح مکہ کو مقابلہ آرائی اور غلبہ اسلام کی صورت میں مانتے ہیں اور امام شافعی آیت ولو قاتلکم الذین کفروا اور وهو الذی کف ایدیہم سے استدلال کرتے ہوئے فتح مکہ صلحاً مانتے ہیں۔ رہا آنحضرت ﷺ کی جنگی تیاری وہ بر بنائے احتیاط تھی۔ اور بوہیٹی میں لکھا ہے کہ اسفل مکہ کو حضرت خالدؓ نے جبراً اور اعلیٰ مکہ کو حضرت زبیرؓ نے صلحاً فتح فرمایا۔ اور آنحضرت ﷺ اسی سمت سے مکہ میں داخل ہوئے اس توجیہ پر تعارض نہیں رہتا اور مختلف روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ اور فتح مکہ اگرچہ محض فضل الہی سے ہوئی مگر اسباب کے درجہ



میں آنحضرت ﷺ کے جہاد اور جدوجہد کو بھی دخل ہے۔ اس لئے اس پر مغفرت مرتب فرمائی۔

امام رازیؒ نے بھی مغفرت ذنوب کی نئی توجیہات کی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک (۱) یہ کہ فتح مکہ سے حج بیت اللہ ممکن ہوا اور حج سبب مغفرت ہے۔ چنانچہ حج کے سلسلہ میں دعاء نبوی کے الفاظ یہ ہیں۔ اللھم اجعل حجاً مبروراً و سعياً مسکوراً و ذنباً مغفوراً۔ تفسیر کبیر میں اس اشکال کا کہ آنحضرت معصوم ہونے کی وجہ سے جب گنہگار نہیں تو پھر مغفرت کیسے؟ یہ جواب دیا گیا کہ مومنین کے گناہ مراد ہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ کسی معاملہ میں اعلیٰ پہلو کو ترک کر کے ادنیٰ پہلو اختیار کرنے کو ذنب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ ذنب سے مراد صغائر ہیں جن کی انبیاء کے لئے گنجائش مانی گئی ہے۔ ان دونوں توجیہات کا حاصل حسنات الابرار سینات المقربین ہے اور بعض نے ما تقدم سے مراد آدم و حواء کی لغزش اور ما بعد سے امت کے خطا اور قصور مراد لیے ہیں۔ لیکن سب سے عمدہ توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مغفرت کے معنی ستر اور پردہ کے ہیں۔ یعنی گناہ اور بندہ کے درمیان کسی رکاوٹ کا حائل ہو جانا یا گناہ اور اس کی سزا کے درمیان کسی چیز کا مانع بن جانا۔ پس انبیاء کیلئے تو پہلی صورت اور اولیاء و مومنین کے مابین دوسری رکاوٹ کا پیش آجانا منہ سب معلوم ہوتا ہے مفسر علامؒ نے لیغفور میں لام کو علت غائیہ کے لئے مانا ہے جو فعل پر آخر میں مرتب ہوتی ہے اس لام کو غرض و باعث کے لئے نہیں ہا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال و احکام غرض سے پاک ہیں پس گویا مغفرت مسبب ہے سبب نہیں ہے کیونکہ سبب وہ ہوتا ہے جس کی طرف حکم کی انصاف ہوتی ہے۔ جیسے وقت زوال نماز ظہر کا سبب ہے۔ پس مغفرت سبب فتح نہیں۔ بلکہ فتح سبب ہے اور مغفرت مسبب ہے۔ نصراً عزیزاً اس پر اشکال یہ ہے کہ عزیز تو منصور کا وصف ہوتا ہے نہ کہ کفر کا؟ جواب یہ ہے کہ فعل کا وزن نسبت کے لئے ہوتا ہے۔ پس عزیز کے معنی یہ ہیں کہ وہ نصرت مراد ہے جو عزت کی طرف منسوب ہو اور ذلت کی طرف منسوب نہ ہو۔

ایمانا۔ مفسرؒ نے اس کے متعلق کی طرف اشارہ کیا ہے بشرائع الدین نکال کر اور مع ایمانہم کا متعلق باللہ و رسولہ محذوف ہے۔ اسلامی احکام چونکہ تدبیراً نازل ہوئے ہیں۔ پس نئے احکام پر ایمان لانا زیادتی ایمان کا سبب ہے گویا مومن کے اعتبار سے ایمان میں زیادتی مراد ہے۔ جس کے اشاعرہ قائل ہیں نفس ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی، جیسا کہ ماترید یہ فرماتے ہیں کہ الایمان لا یرید ولا ینقص۔ لیدخل۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ لیغفور کی طرح یہ بھی علت فتح ہے لیکن چونکہ دو حرف جر کا ایک عامل سے تعلق قابل اعتراض ہے اس لئے مفسرؒ نے اس کا تعلق محذوف عبارت سے کیا ہے اور بعض نے انا فتحنا سے اس کا تعلق لیزدادوا سے تعلق کے بعد مانا ہے یا پھر انزل سے اس کا تعلق مانا جائے۔

ظن السوء۔ لفظ سوء، ضمہ کے ساتھ عذاب، ہزیمت، شر کے معنی میں ہے اور فتح کے ساتھ بمعنی مذمت ہے۔ پہلی قراءت ابو عمرو، ابن کثیرؒ کی اور دوسری اکثر قراء کے نزدیک ہے۔ مفسر جن مواقع کی طرف اشارہ کر رہے ہیں یعنی ظن السوء، دائرة السوء، ظنتم ظن السوء ان میں سے پہلے اور تیسرے موقع میں بالاتفاق قراء سبعہ کے نزدیک صرف فتح کی قراءت ہے اس لئے مفسر سے تسامح ہو گیا۔ دائرة۔ جو خط محیط ہو اس کو دائرہ کہا جاتا ہے پھر اس کا استعمال ایسے حادثہ کے لئے ہونے لگا جو ہر طرف مصیبت زدہ کو گھیر لے یعنی جس مصیبت کے مسلمانوں پر پڑنے کی امید میں تھے وہ خود ان پر پڑی۔ زخشری کہتے ہیں کہ سوء کے معنی ہلاکت و تباہی کے ہیں اور فتح سیمین کے ساتھ سخت ناگواریاں۔

تعزروہ۔ نہایہ میں ہے اصل تعزیر کے معنی منع کرنے اور مدد کرنے کے ہیں۔ کیونکہ جو کسی کی مدد کرتا ہے وہ گویا دشمنوں کو دفع کرتا ہے اسی سے تعزیر بمعنی تادیب آتا ہے جو سزا حد شرعی سے کم ہوتی ہے اور قراءت شاذہ تعزروہ ہے ان دونوں لفظوں کی ضمیریں مفسر حق تعالیٰ کی طرف راجع کر رہے ہیں اور علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ دونوں لفظ آنحضرت ﷺ سے کنایہ ہیں اور علامہ زخشریؒ سب ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ کو مانتے

ہیں مفسر نے دونوں قولوں کو جمع کر دیا ہے کہ نمیریں دونوں طرف راجع مانیں۔

بالعداء والعشی: عشی سے مراد بقیہ چاروں نمازیں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ سبحان اللہ یا الحمد للہ کی تسبیح دونوں وقت پڑھو یا بیعوتک: بیعت الرضوان اس لئے نام رکھا کہ آیت لقد رضی اللہ عنہ رضائے الٰہی کی اطلاع دی گئی ہے۔

یبايعون اللہ: مفسر نے آیت من یطع الرسول سے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو عضاء و جوارح سے پاک ہے۔ پھر کیسے قرآن میں ان اعضاء کا اثبات ہے، حاصل جواب یہ ہے کہ مجاز ایثاق کے معنی ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ ید اللہ فوق یدہم سے یہ مراد لیتے ہیں کہ اللہ نے جس چیز کا وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور زخشریٰ فرماتے ہیں کہ یبايعون اللہ کی تاکید بطور تخیل کے یہ اللہ کہہ کر کی جا رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کا عہد گویا عینہ اللہ کے ساتھ عہد کرنا ہے۔ اور سکا کی فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ بطور استعارہ ہا لکن ایہ ہے فروخت کرنے والے کے ساتھ تشبیہ دی گئی اور لفظ ید استعارہ و تخیلیہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ لیکن نظریہ وحدت الوجود کے قائل کچھ حضرات حقیقی معنی لیتے ہیں۔

علیہ اللہ۔ حفص کی قراءت ضمہ ہا کے ساتھ ہے۔

المحلفون۔ حدیبیہ میں جو شریک نہیں ہو سکے۔ جیسے غفار، مزنیہ، جبینہ، اسلم، الشجع و تل کے قبائل مراد ہیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر احرام باندھ لیا اور قربانی کے جانور ساتھ لئے مگر یہ لوگ قریش سے اتنے خائف تھے کہ انہیں یقین نہیں آیا کہ آپ صرف عمرہ کرنے جا رہے ہیں۔ بلکہ یہ یقین کئے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی واپسی نہیں ہو سکے گی۔

فمن یملک الخ ای فمن یقدر لا جملکم من اللہ۔

بل ظننتم۔ چنانچہ پہلے ان کی تکذیب سے ان کے اعتذار کی طرف احزاب ہوا۔ پھر ان کے اعتذار کے غلط ہونے سے احزاب کرتے ہوئے پیچھے رہ جانے کی اصل وجہ بتا دی گئی۔

لن ینقلب الرسول وہ مسلمانوں کو کفار کا صرف ایک لقمہ سمجھتے ہیں۔

ومن لم یؤمن باللہ جملہ مستانفہ ہے۔ اللہ و رسول اسم ظاہر لا کر اشارہ کر دیا دونوں پر ایمان ضروری ہے اور سعیر مکرہ لایا گیا ہے تہویل کے لئے اور من شرطیہ اور موصولہ دونوں کا احتمال ہے۔

ان یبدلوا۔ ذی الحجہ ۶ھ میں جب آنحضرت ﷺ حدیبیہ سے مدینہ تشریف لائے تو اوائل محرم ۷ھ تک قیام پذیر رہے اسی سال خیبر پر فوج کشی فرمائی اور صرف اہل حدیبیہ کو ساتھ لیا۔ فتح خیبر کے ساتھ کافی مال غنیمت ہاتھ آیا۔

لا یفقیہون: یعنی دین کے مزاج اور اس کے مصالح کو نہیں سمجھتے۔

اولی باس۔ اس میں اشارہ ہے کہ مسلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ کی طرف جن سے صدیق اکبرؐ کے دور خلافت میں نبرد آزما ہوئی۔ اور بعض فارس و روم مراد لیتے ہیں۔ جن سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جنگیں ہوئیں۔

تقتلون قتال اور دعوت کا زمانہ چونکہ ایک نہیں ہے۔ اس لئے مفسرؒ حال مقتدر یہ کہہ رہے ہیں۔

اوہم یسلمون۔ تقدیر عبارت سے مفسرؒ نے جملہ مستانفہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے معنی منقاد و مطیع ہونے کے ہیں۔ چنانچہ نصاریٰ روم اور مجوس فارس سب مسلمانوں کے جزیہ گزار بنے۔

لیس علی الاعشی۔ یہ سب اعتذار چونکہ ظاہر ہیں اس لئے اعتبار کیا گیا۔ اس میں وہ محتاج بھی شامل ہیں جن کے پاس کچھ نہ ہو۔ لیکن اگر معرکہ شدید ہو تو پھر شرکت جہاد ہر ایک لئے فرض میں ہو جاتی ہے۔

ید حبلہ اکثر قراء، یا کے ساتھ اور تانی اور ابن عامر کے نزدیک نون کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

رابطہ کچھلی سورت میں اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کی ترغیب تھی، اس پوری سورت کے شان نزول کے سلسلہ میں چند واقعات کا ذکر ناگزیر ہے۔

شان نزول و روایات۔ مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ مع رفقاء امن و امان کے ساتھ مکہ معظمہ گئے اور عمرہ کر کے سر منڈائے یا بال کٹوائے۔ یہ خواب آپ ﷺ نے صحابہ گوسنایا۔ وہ شوق میں یہ سمجھے کہ اسی سال عمرہ میسر ہو جائے گا اور اتفاق وقت کہ آپ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ بھی فرمایا۔ اس پر آیت لقد صدق اللہ نازل ہوئی۔

۲۔ ۱ھ میں ڈیڑھ ہزار صحابہؓ کو ساتھ لے کر آپ ﷺ بہ نیت عمرہ و راہی مکہ معظمہ ہوئے اور ہدی کے جانور بھی ہمراہ تھے۔ قریش کو جب یہ خبر پہنچی کہ آپ ﷺ کے ساتھ اتنا مجمع ہے۔ تو انہوں نے طے کر لیا کہ آپ ﷺ کو مکہ میں نہ آنے دیں گے۔ چنانچہ مکہ سے چھ میل پہلے حدیبیہ (شمسیہ) آپ ﷺ کو روک جانا پڑا۔ آپ ﷺ کی اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی۔ اور کسی طرح اٹھنے کا نام نہ لیا۔ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ حبسہا حاسس العیل اور فرمایا خدا کی قسم مکہ والے مجھ سے جس چیز کا مطالبہ کریں گے اس کو پورا کروں گا بشرطیکہ حرمت الہی برقرار رہیں۔

۳۔ آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں قریش کو پیغام بھیجا کہ ہم صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں اور ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے مگر اس کا کوئی جواب نہ آیا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے پھر حضرت عثمانؓ کی زبانی یہی پیغام بھجوایا۔ اور مکہ کے غریب مظلوم مسلمانوں کو خبر بھیجی کہ منقریب اسلام غائب آئے گا۔ مگر قریش نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا۔ ان کی واپسی میں دیر ہوئی۔ تو یہ خبر گرم ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ آپ ﷺ کو یہ خدشہ ہوا کہ انہیں زالی نہ چھڑ جائے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ایک درخت کرینچے بیعت جہاد لی۔ قریش کو خبر لگی تو ڈر گئے۔ اور حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا۔ اور واپس بھیج دیا۔

۴۔ اہل مکہ کے کچھ مسلح افراد برے ارادہ سے چھپ کر آئے۔ مگر ناکام رہے اور پکڑ لئے گئے۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو رہا فرما دیا۔

۵۔ اس کے بعد قریش کے معززین کا ایک وفد مرتب ہو کر حاضر خدمت ہوا اور صلح نامہ مرتب ہونے کی رائے ہوئی۔ مگر قریش نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پر ہی جھک جھک شروع کر دی کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی بجائے وہی پرانا کلمہ باسمک اللہ لکھا جائے۔ پھر محمد رسول اللہ کہنے پر تکرار ہوئی۔ قریش کا اصرار ہوا کہ محمد بن عبد اللہ لکھا جائے جس پر مسلمان برہم ہوئے اور خواہشمند ہوئے کہ ابھی تلوار سے تصفیہ ہو جائے۔ آخر کار آنحضرت ﷺ نے ان دونوں باتوں کو منظور کر لیا۔ صحابہ گونا گوار کی باوجود ضبط سے کام لیا اور ایک تاریخی دستاویز کی صورت میں صلح نامہ مرتب ہو گیا۔ جس کی ایک دفعہ یہ بھی طے پائی۔ کہ اس وقت مسلمان بغیر عمرہ کئے واپس ہو جائیں۔ البتہ آئندہ ساں عمرہ کے لئے غیر مسلح ہو کر آئیں اور سہ روزہ قیام کے بعد واپس ہو جائیں گے۔ اسی طرح یہ بھی طے ہوا کہ فریقین دس سال تک باہمی آویزش سے بچیں گے اور جنگ نہیں کریں گے اور یہ کہ اس مدت میں اگر کوئی مرد مشرکین میں سے مسلمانوں میں آ ملا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا۔ لیکن کوئی مسلمان اگر ادھر چلا گیا تو اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ صلح نامہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے ہدی کے جانوروں کو ذبح کر دیا اور حلق و قصر کر کے احرام کھلوا دیا اور پھر بخیریت مدینہ طیبہ واپس ہو گئی۔

۶۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ اگرچہ بہ نیت عمرہ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے۔ مگر قریش سے آویزش کا شبہ تھا۔ اس لئے زیادہ مجمع لے جانا آپ ﷺ نے مصلحت سمجھی اور اس پاس کے صحابہ کو بھی ہمراہ لے چنا مناسب خیال کیا۔ دیہاتی منافقین اس صورت حال سے گھبرا گئے اور جھوٹے حیلے حوالے بہانے کر کے خود کو بچا لیا، بلکہ آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کی نسبت بعض کی زبان پر یہاں تک آ گیا کہ یہ لوگ بچ کر زندہ سلامت واپس نہیں آئیں گے مگر جب دیکھا کہ بخیریت واپسی ہو گئی تو جھوٹے عذر آ کر کرنے لگے۔ حدیبیہ سے واپسی پر اواخر ۱ھ میں پوری یا کتبہ

۔ حدیبیہ سے واپس کے بعد محرم ۱ھ میں شرکاء حدیبیہ و لے کر خیبر پر چڑھائی کر کے اس کو فتح کر لیا۔ خیبر مدینہ سے شمال میں ساٹھ میل کے صلہ پر شام کی سمت یہود کا ایک قلعہ بند شہر تھا۔ اس غزوہ میں علاوہ حدیبیہ والوں کے آپ ﷺ نے کسی کو شرکت کی اجازت نہیں دی۔

۔ محرم ۱ھ حسب قرار واد آپ ﷺ پھر عمرہ کی قضا کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے اور عمرہ سے فراغت کے بعد غیریت مراجعت فرمائی۔

۔ قریش نے ناجنگی معاہدہ کی خلاف ورزی کی جس کی تفصیل سورہ براءت میں گزر چکی ہے۔ جس کے نتیجہ میں آپ نے رمضان ۸ھ میں حج کشی کر دی اور مکہ معظمہ فتح کر لیا۔

۱۰۔ بعض آیات میں دوسرے واقعات کی طرف اشارے ہیں۔ لیکن ان کی تفسیر مختلف ہے اور پھر وہ تفسیر بھی اس تفصیل پر موقوف نہیں، اس لئے ان واقعات کا ذکر آیات کے ساتھ ساتھ آجائے گا۔

﴿تشریح﴾: ..... صلح حدیبیہ ظاہر نظر میں ذلت و مغلوبیت کی صلح معلوم ہوتی ہے شرائط صلح دیکھ کر بادی النظر میں یہ دکھائی دیتا ہے کہ مسلمانہ سارا کا سارا کفار و مشرکین کے حق میں گیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور بہت سے صحابہ کرامؓ ظاہری سطح کو دیکھ کر مضطرب اور مغموں بھی ہوئے ان کا جذبہ یہ تھا کہ اتنا گر کر صلح کیوں کی جارہی ہے۔ کیوں نہیں کھوار کے بل پر فیصلہ کر لیا جاتا۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی دور رس نگاہیں ان کے ثمرات و نتائج کو دیکھ رہی تھیں۔ جو اوروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ اللہ نے آپ ﷺ کا سینہ شدائد و مصائب جھیلنے کے لئے کھول دیا تھا اور آپ ﷺ کا بے مثال توکل و استغناء ہر ناخوشگوار واقعہ کو خوش آمدید کہنے کے لئے آمادہ تھا۔ اس پورے حوصلہ اور بڑے عزم کے ساتھ ہر شرط کو منظور فرما کر صحابہ کو تسلی و تشفی دے رہے تھے۔ تا آنکہ اللہ نے اس کو ”فتح مبین“ فرمادیا تھا۔ صحابہؓ نے تجا عرض بھی کیا کہ: یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ ”فتح“ ہے؟ فرمایا۔ ہاں بہت بڑی فتح۔

فتح مبین: واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر ”بیعت جہاد“ اور معمولی چھیڑ چھاڑ اور صحابہ کرامؓ کی جمعیت اور ان کے تیوروں سے مرعوب ہو کر کفار معاندین کا صلح کیلئے جھک جانا اور آنحضرت ﷺ کا اس موقع پر سرچشمی کا مظاہرہ کرنا اور سب سے بڑھ کر دس سال کے لئے ناجنگی معاہدہ کر کے بے فکری سے مسلمانوں کو اندرونی تعمیر اور پختگی کا موقعہ فراہم کر کے عظیم فتح کی بنیادیں مضبوط کرنا ہے۔ اسی کے ساتھ دشمنوں کے دلوں پر اسلام اور مسلمانوں کی اخلاقی، روحانی طاقت، اور پیغمبر اسلام کی عظمت شان کا سکہ بیٹھتا چلا گیا، جس کے نتیجہ میں مرکز اسلام مکہ معظمہ دو سال بعد ہی فتح ہو گیا۔

گو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جمعیت اور اپنی شکست نظر آرہی تھی۔ مگر ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فتح کی بنیاد پڑ گئی ہے اور تمام تر فیصلہ حضور ﷺ کے حق میں جا رہا ہے۔ گویا یہ صلح اس وقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لئے بھی بے شمار ظاہری و باطنی فتوحات کا دروازہ کھول رہی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں اور کافروں کے باہمی اختلاط سے اور بے تکلفانہ ریل میل سے خود بخود اسلام کی طرف کشش بڑھ گئی۔ خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ، جیسے نامور لوگ بکثرت مشرف باسلام ہوئے۔ اور اتنے لوگ مسلمان ہو گئے کہ پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔ یہ دلوں کی فتح ہوئی جو حقیقی فتح سمجھنی چاہیے۔

مکہ معظمہ ہمیشہ کیلئے دارالاسلام بن گیا اور عہد نامہ کے وقت صحابہؓ کا جو مجمع ڈیڑھ ہزار تھا وہ فتح مکہ کے وقت دس ہزار ہو گیا۔ فتح خیبر نے دوسرے مرکز اسلام مدینہ طیبہ کو مضبوط کر دیا۔

غرض اس طرح یہ صلح تمام فتوحات کی اساس، اور سنہرا دیباچہ بن گئی۔ پھر اس سلسلہ میں علوم و معارف اور باطنی مدارج و مقامات جیسی عظیم برکات کا

جوز فتح باب ہو اس کا اشارہ ان آیات میں کیا گیا ہے۔

شہابانہ انعامات: شہابانہ عطیات میں چار انعامات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

(۱) غفور غفران (۲) اتمام نعمت (۳) راہ ہدایت (۴) نصرت عزیز۔

غفور و غفران کا مطلب یہ ہے کہ عمر میں حب بھی کبھی کوئی بات آپ سے ایسی سرزد ہوگئی یا ہو جائے جو آپ کے مرتبہ عالی پر پوری نہ اترتی ہو اس کو خصوصی کے نتیجہ میں بالکل محو کر دیا گیا ہے۔ آپ کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ ارشاد نہیں فرمایا گیا۔ تاہم اس کے باوجود حدیث میں ہے کہ اس بشارت کے بعد آپ اتنی کثرت سے عبادت کرتے تھے کہ نماز میں کھڑے کھڑے آپ ﷺ کے پاؤں پر روم آجاتا تھا۔ حتیٰ کہ صحابہؓ کو لکھ دیا کہ اگر حرم آتا اور عرض کرتے کہ حضور ﷺ، امام معافی کے بعد آپ ﷺ اس قدر تعجب اور محنت شاقہ کیوں برداشت کرتے ہیں، جو ب میں ارتداد ہوتا کہ افلا اکون عبدہ انکودایہ شکرگزاری کا تقاضہ ہے۔

اور اس بشارت کا مستحق ایسا ہی شریف الطبع ہندو ہو سکتا ہے کہ جو اور زیادہ وقف بندگی ہو جائے نہ یہ کہ غرور ہو جائے۔ حدیث شناعیت میں بھی آپ کا یہی امتیازی وصف ذکر کیا گیا ہے کہ مخلوق الٰہی پریشان حال ہو کر سلسلہ سلسلہ جب تمام انبیاء سے گزر کر حضرت عیسیٰ تک پہنچے گی تو وہ یہی فرما کر رہنمائی فرمائیں گے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خاتم الانبیاء ہیں اور ان کی اگلی پچھلی اغزش میں موافق کی جائیگی ہیں، یعنی معافی و وجہ سے وہی اس مکرمت کے اہل ہیں بجز ان کے کسی اور کا یہ کام نہیں ہے۔

اور اتمام نعمت کا حاصل یہ ہے کہ مادی، روحانی، ظاہری، انعام و احسان کی تکمیل کی جائے گی۔ اور راہ مستقیم کی ہدایت کا نشاۃ یہ ہے کہ اس پر مضبوطی سے ہمیشہ قائم رہیں گے۔ بلکہ معرفت و شہود کے غیر محدود مراتب کا مزین ہوتے چلے گئے۔ لوگوں کے جسموں اور دلوں پر اسلامی علوم و قائم کرنے میں آپ کے لئے کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے گی اور لوگ جو درجہ اسلام کی سیدھی راہ کی طرف کھینچے چلے آئیں گے۔ اس طرح بھی آپ کے حسات میں بے شمار اضافات ہوتے چلے آئیں گے۔

اور نصرت عزیز کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اس نصرت خاص کی بدولت فتح و ظفر آپ کے قدموں کو پھوٹی رہے گی۔ جس کے بعد پھر آپ کو مٹی لہجین سے دہنای نہ پڑے گا۔ جیسا کہ پہلے بعض مصالح کی بناء پر بھی دینا بھی پڑتا تھا۔

اذا جاء نصر الله و الفتح و رایت الناس یدخلون فی دین الله افواجا۔ سورۃ نصر اور اس آیت کا مضمون یہ ہے۔ تمام قبائل عرب، اہل مکہ کے انجام کے مختصر تھے۔ فتح مکہ ہوتے ہی چاروں طرف سے لوگ امنڈ پڑے اور بلا واسطہ اور بالواسطہ اسلام کی طرف دوڑ پڑے۔ اسی نصرت خاص کا اثر ”نزول سیکر“ ہے کہ صحابہ کرامؓ خلاف طبع باتیں پیش آنے کے باوجود اطاعت رسول میں نہایت ثابت قدم رہے اور ذرائع ڈنگائے اس کی برکت سے ان کے ایمان کا درجہ بڑھا۔ مراتب عرفان و یقین میں اضافہ ہوا۔ جہاد کے لئے اس موقع پر بیعت کر کے تو یہ دھلا دیا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔

اس کے بعد جب پیغمبر علیہ السلوٰۃ والسلام نے عام جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور فرمائی۔ تو صحابہؓ نے پھر بھی گردن اٹھاتے خم کر دی۔ ایک وہ رنگ تھا اور ایک یہ رنگ ہوا، دونوں ایمان کے رنگوں میں صحابہؓ پورے تھے۔

چار وعدے: ان چاروں وعدوں میں پہلے دو وعدے مغفرت اور اتمام نعمت آخرت سے متعلق ہیں۔ اول دفع نصرت اور دوسرا جب منفعت پر مشتمل ہے۔ اسی لئے اول کو مقدم کیا گیا۔ اور بعد کی نعمتیں ہدایت صراط مستقیم اور نصرت عزیز دنیا سے متعلق ہیں۔ جہاں تک سیدھی راہ پر چلنے کا تعلق ہے اگرچہ پہلے ہی اس پر آپ یقینی طور سے گامزن تھے۔ مگر اول تو اس کے مراتب غیر محدود ہیں۔ ان میں آئندہ ترقی مقصود ہے

۔ دوسرے یہ منشا بھی ہو سکتا ہے کہ اب تک مخالفین کی جانب سے اس میں مزا تھیں ہوتی رہی ہیں لیکن اب اس ہدایت خاص کے نتیجہ میں آئندہ بے ٹوک آپ راہ ہدایت پر چلتے رہیں گے۔

اسی طرح نصرت عزیز میں اب آپ کو دینا پڑے گا اور مغلوبیت نہیں ہوگی۔ بلکہ غالب، مظفر و منصور رہیں گے۔ گویا یہاں بھی ہدایت میں دفع مضرت اور نصرت میں جلب منفعت پیش نظر ہے۔ اس طرح دونوں کا مفہوم الگ الگ ہو گیا۔ چنانچہ اس کے بعد ہوا یہی کہ آہستہ آہستہ تمام عرب علاقہ اسلام کی قلمرو میں شامل ہوتا چلا گیا۔

**فتح مکہ سبب مغفرت ہے** ..... لیغفرلک اللہ۔ میں لام کی سب آسان توجیہ یہ ہے کہ فتح سبب ہے کہ مخلوق کے اسلام کا اور وہ سبب ہے کثرت ثواب اور مقبولیت عند اللہ کا اور وہ سبب ہے غفران کا اور سبب السبب بھی سبب ہوا کرتا ہے۔ پس فتح مغفرت کا سبب ہو گیا۔ اور بقیہ تینوں نعمتوں میں سبب بالکل ظاہر ہے گناہوں کی مغفرت کے سلسلہ میں کچھ کلام سورہ محمد کے اول رکوع کے آخر میں بھی گزر چکا ہے۔

یہاں ”سکینہ“ سے مراد عام معنی ہیں جس کے دو اثر ہیں۔ ایک تو بیعت جہاد کے موقع پر جہاد کا عزم رکھنا جس کا ذکر آئندہ آیت فانزل السکینۃ میں آ رہا ہے۔ اور دوسرا اثر کفار کی بے جا ضد کے باوجود آنحضرت ﷺ کے عہد نامہ کی وجہ سے صحابہؓ کے جوش کو ٹھنڈا کرتا ہے جس کا ذکر فانزل السکینۃ علی رسولہ میں آئندہ آ رہا ہے۔ پس بعد کی ان آیات میں سکینہ سے مراد یہ خاص خاص اثر ہوں گے اور چونکہ جہاد کے لئے پہلے ابھرنا پھر رک جانا دونوں باتیں آپ کی خوشنودی سے ہوئیں اس لئے اطاعت ہوئیں اور آپ کی ہر اطاعت سے نور ایمان بڑھتا ہے۔ پس اس سے صحابہؓ کو ترقی ایمانی نصیب ہوئی۔

آگے واللہ جنود الخ۔ میں یہ بتا دیا کہ نہ کفار کی کثرت پر نظر کر کے عزم جہاد میں پس و پیش کرنا اور نہ عہد نامہ پر یہ خیال کر کے افسوس کرنا کہ کفار کیوں بچ گئے اور سزا کیوں نہیں ہوئی۔ کیونکہ اللہ کے لشکر کے ہوتے ہوئے کفار کی کثرت سے ڈرنے کے کیا معنی؟ وہ تمہاری کمی کو اپنے لشکر سے پورا کر سکتا ہے۔

نیز کفار کو ہلاک کرنا کچھ تم پر موقوف نہیں۔ ہم چاہیں تو اپنے دوسرے لشکروں سے بھی ان کو تباہ کر سکتے ہیں البتہ جہاد اور صلح دونوں کے احکام بر بناء مصالح دیئے جاتے ہیں اور اس کو وہی خوب جانتا ہے کہ کب جہاد کا حکم تمہارے لئے مصلحت ہے اور کب قتال سے باز رہنا مناسب ہے۔ بہر حال زمین و آسمان کے لشکروں کا مالک جہاد اور صلح کا جو حکم بھی دے گا ضرور اس میں بہتری اور حکمت ہوگی۔

حضور ﷺ نے جب صحابہؓ کو آیت انا فتحنا لک پڑھ کر سنائی تو صحابہؓ نے مبارکباد پیش کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ انعام تو آپ ﷺ کیلئے ہوا ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر آیت لیدخل المؤمنین نازل ہوئی یعنی زیادتی ایمان کے ثمرہ کو دوسرے عنوان سے ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ اس طرح اعزاز و اکرام کے ساتھ مسلمانوں کو جنت میں داخل کرنا اور برائیوں اور کمزوریوں سے ان کو پاک کرنا مقصود ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حدیبیہ میں بیعت جہاد کرنے والوں میں کسی کو دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

**فتح مکہ میں عورتیں** :۔ یہاں عورتوں کے ذکر پر شبہ نہ کیا جائے کہ وہ تو حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئیں کیونکہ اول تو مدار فضیلت،

اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ خواہ خاص حدیبیہ کے معاملہ میں ہو یا دوسرے امور میں جن میں مردوں کی طرح عورتیں بھی شریک رہتی ہیں۔ دوسرے اس تعلیم میں عورتوں کو بھی ایک گونہ تسلی رہے گی۔ کہ وہ اہل حدیبیہ کے فضائل سن کر شکستہ دل نہ ہوں کہ ہم اس شرف سے کیوں محروم رہیں مگر جب مدار فضیلت اطاعت ہے تو عورتیں بھی اپنے متعلقہ احکام میں فرمانبرداری کریں تو مستحق بشارات ہوں گی۔ کیونکہ مرد و عورت کسی کی بھی محنت اور ایمان داری ضائع نہیں ہوتی۔ نیز حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں اور وہ

سے توبہ پہ ہی مسلمان عورتیں ساتھ تھیں۔

جنت میں جانے کو ”فوز عظیم“ فرمانے سے ان نقال صوفیوں اور مغلوب الحال درویشوں کی خام خیالی معلوم ہو جو جنت طلب کرنے کو ناقصوں کا کام سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے سیکڑ کا نزول چونکہ مقام مدح ہے جس سے اختصاص معلوم ہوا۔ یعنی کفار اس سے محروم رہیں گے پس جہاں اس صلحنامہ سے اسلام کی جڑیں مضبوط ہوں گی اور اسلامی فتوحات کا دروازہ کھلے گا وہیں یہ سبب بنے گا۔ کفار اور منافقوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹنے کا اور ان کو پوری سزا ملنے کا۔

چنانچہ مدینے سے چلتے وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ جد بن قیس کے علاوہ کوئی منافق نہیں ہوا اور یہاں کر کے بیٹھ رہے۔ کیونکہ انہیں پورا خطرہ تھا کہ مذہبِ ضرر ہوگی اور مسلمان زندہ سلامت بچ کر واپس نہیں آئیں گے اور بظاہر اسباب بھی کچھ ایسے تھے کہ مسلمانوں کا وطن سے دور ہونا فوج اور سامانِ حرب کی کمی، ادھر کفار کا اپنے وطن میں ہونا اور پھر سارے ہی مکہ کا مقابلہ اس لئے منافقین نے طے کر لیا کہ کیوں اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں۔

ادھر کفار نے خیال پکا لیا کہ مسلمان بظاہر تو عمرہ کے نام سے آرہے ہیں لیکن فریب سے مکہ ہم سے ہتھیانا چاہتے ہیں۔ یہ تھیں دونوں کی بدگمانیاں اور برے خیالات جن کو ظنِ سوء فرمایا گیا۔

گویا اس جملہ میں کفار اور منافقین دونوں پر تعریف ہے کہ ایک ضد باندھ کر ہٹ دھرمی کر رہا ہے اور دوسرا آرزوؤں کی اس بھول بھلیوں میں ہے کہ مسلمان ایک بھی بچ کر نہ آئے اور چونکہ مدار اس تعذیب کا کفر ہے۔ اس لئے عورتوں کو بھی شمار کیا گیا۔ دوسرے مسلمان عورتوں کی طرح دل سے کافر و منافق عورتیں بھی اس جذبہ میں شریک تھیں۔ اس لئے ان کو بھی مستحقِ وعید سمجھا گیا۔

لیکن یہ پیش بندیاں اور احتیاطیں تاکے، زمانہ کی گردش اور پاداشِ عمل سے کیسے بچ سکتے ہیں اور اللہ کسی کو سزا دینا چاہے تو کون ہے جو بچا سکتا ہے اس کا لشکر ایک سینکڑ میں پیس کر رکھ دے۔ البتہ اسی کے ساتھ وہ حکمت والا بھی ہے اور حکمتِ الہی کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ ہاتھوں ہاتھ ان کا صفایا کر دیا جائے مگر کچھ دنوں بعد کفار تو مقتول و ماخوذ ہوئے اور منافقین ساری عمر یاں وحسرت کی تصویر بنے رہے کہ اسلام اور مسلمان بڑھتے رہے اور وہ گھٹتے رہے۔ یہ تو دنیا کی سزا ہوئی اور آخرت کا دردناک عذاب اس کا تو کیا ہی پوچھنا؟

آیت و اللہ جنود السفوات کو تکرار نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ پہلی آیت کا منشاء مسلمانوں کے غلبہ کی بشارت تھی اور یہاں کفار کے مغلوب و مقہور ہونے کی دھمکی مقصود ہے۔ اس لئے یہاں حکیمانہ کے ساتھ عزیزاً بھی فرمایا گیا جس سے قہر کی طرف اشارہ ہے۔

ان انعاماتِ الہی میں چونکہ تمام تر واسطہ آنحضرت ﷺ ہیں۔ اس لئے آیت انا ارسلناک میں اللہ و رسول کے حقوق اور ان کی بجا آوری کی فضیلت اور نہ بجالانے کی مذمت بتلائی جا رہی ہے۔ چنانچہ آپ فرمانبرداروں کو خوشخبری اور منافقوں کو ڈر سنا رہے ہیں۔ اور اپنے احوال بھی بتلاتے رہے۔ چنانچہ شروع سے یہاں تک یہی تینوں مضامین مذکور ہوئے۔ نیز آخرت میں بھی اپنی امت اور پچھلے انبیاء کے حق میں گواہی دیں گے۔

تعدد وہ و تو قروہ۔ اگر اللہ کی مدد مراد ہے تو اس کا مطلب دین اور پیغمبر کی مدد کرنا ہے اور اللہ کی تعظیم عقیدہ بھی ضروری ہے کہ اس کو کمالات سے متصف اعتقاد کرے اور مثلاً بھی کہ اس کی فرمانبرداری کرے اور یہ ضمیریں اگر پیغمبر کی طرف راجع ہوں تو پھر مطلب واضح ہے۔

سبحوہ۔ سے مراۓ شام کی نمازیں ہیں۔ اور یا مطلق ذکر اگرچہ مستحب ہو۔ بہر حال اللہ کی پاکی نمازوں کے ضمن میں ہو۔ مازوں سے باہر۔

بیعت جہاد اور بیعت سلوک۔ آگے بعض معاملات کے متعلق ارشاد ہے کہ پیغمبر کے ہاتھ پر بیعت کا مقصد چونکہ اللہ کے احکام بجا لانا ہے تو گویا وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے۔ کیونکہ پیغمبر فی الحقیقت اللہ کی طرف سے بیعت کرتا ہے اور اس ذریعہ سے اسی کے احکام کی



تفصیل کراتا ہے۔ اس طرح بیعت کے وقت پیغمبر کے ہاتھ کو مجازاً بطور نیابت اللہ کا ہاتھ کہا جاسکتا ہے۔ جیسے کہ دوسری آیت وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمى میں بھی یہی اسناد مراد ہیں۔ چنانچہ ومن يطع الرسول فقد اطاع الله اسی ارتباط و تعلق کا اظہار ہے۔ اس لئے حقیقی معنی لینا یا پیغمبر کو عین خدا کہنا اور سمجھنا سخت ترین گمراہی ہوگی۔ یہ لفظ تشابہات میں سے ہے۔ اس کی زیادہ تفتیش میں نہیں پڑنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے دونوں طرح کی بیعت لی ہے۔ بیعت جہاد اور دوسری کسی اچھے کام پر بیعت صحیح مسلم کی روایت و علی الخیر کا لفظ ہے۔ شاخ طریقت کی بیعت احسان بھی اسی میں داخل ہے۔ سورہ ممتحنہ کے دوسرے رکوع کی آیات سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔

حدیبیہ کی بیعت جہاد کا حاصل مضمون یہ تھا کہ ہم مرتے دم تک میدان جہاد سے منہ موڑیں گے۔ يد الله فوق ايديهم سے یہ نہ سمجھا جائے کہ بیعت کے وقت ہاتھ میں ہاتھ ڈالنا اور شیخ کے ہاتھ کا اوپر ہونا ہی ضروری ہے۔ بلکہ اطاعت کا عہد لینا مراد ہے۔ چنانچہ بالواسطہ اور مکاتبت و مراسلت کے ذریعہ بھی بیعت ہو سکتی ہے بلکہ بیعت کی حقیقت تو شیخ کے تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ خواہ صورۃ بیعت حاصل نہ ہو۔ اگر صورۃ بیعت کا بھی ایک اثر ہوتا ہے اور وہ فائدہ سے خالی نہیں۔ البتہ یہ سمجھنا کہ جو کسی کامرید نہیں وہ شیطان کا مرید ہوتا ہے۔ بے اصل ہے۔ بعض فطرتاً سلیم ہوتے ہیں انہیں چنداں حاجت نہیں ہے۔

اس عہد کی پابندی یا عہد شکنی کا وہی حکم ہوگا جو دوسرے واجب الایفاء عہدوں کا ہے۔ آیت میں مطلقاً عہد مراد ہے۔ وہ عہد خواہ صراحۃً ہوں یا التزاماً مثلاً ایمان لانے سے اس کے تمام احکام کا التزام ہو جاتا ہے۔ یا وہ عہد لزوماً ہو۔ جیسے عہد الست کے نتیجے میں سب پر ایمان لانا لازم ہے۔ اس عہد کو متعارف بیعت کے ساتھ مخصوص سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ متعارف بیعت کے توڑنے کو یہ وعید شامل بھی نہیں ہے۔ کیونکہ شرعی احکام کی پابندی کے ہوتے ہوئے اگر کسی شیخ سے تعلق ترک دے تو ذرہ بھر گناہ نہیں بلکہ غیر متبع شرع شیخ سے تعلق منقطع کر دینا مناسب اور ضروری ہو گا۔ البتہ بلا شرعی ضرورت کے شیخ سے تعلق منقطع کر دینا بے برکتی کا باعث ہے۔ بلکہ ممکن ہے کسی برائی اور گناہ میں مبتلا ہونے کا باعث بن جائے۔ اس لئے اس سے بچنا چاہیے۔

حاصل آیت یہ نکلا کہ بیعت کے وقت جو قول و قرار کیا ہے جو اس کو توڑے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اسی کو عہد شکنی کی سزا ملے گی۔ اللہ و رسول کا نقصان؟ اور جو اس عہد پر پورا اترے گا اسے بدلہ بھی بھر پور ملے گا۔

منافقین کے حیلے بہانے..... بقول لك المخلفون۔ مدینہ طیبہ سے روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ نے اہتمام سے صحابہؓ کو ساتھ لیا ممکن ہے کہ لڑائی کا احتمال بھی پیش نظر ہو۔ اس پر کچھ سادہ لوح دیہاتی جن کے دلوں میں ابھی ایمان رچا نہیں تھا۔ آپس میں کہنے لگے کہ دیکھو اب یہ جانے والے مسلمان زندہ بچ کر واپس آنے والے نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے نفاق کا پردہ چاک کرتے ہوئے سفر سے واپسی میں آنحضرت ﷺ کو حقیقت حال سے مطلع فرمادیا۔ اور فرمایا کہ ایسے لوگ اب آپ کے سامنے غیر حاضری کے جھوٹے حیلے بہانے آ کر تراشیں گے اور کہیں گے کہ کیا بتلائیں ہمیں گھربار کے دھندوں سے فرصت ہی نہ ملی، ہمارے یہاں کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں تھا۔ اس لئے حاضری نہ ہو سکی بہر حال یہ کوتاہی ہوئی اس کی ہم معافی چاہتے ہیں۔

حالانکہ کہتے وقت وہ خود بھی سمجھتے تھے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ سراسر جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اور استغفار کی درخواست بھی محض دفع الوقتی کے لئے ہے سچے دل سے نہیں۔ کیونکہ وہ دل میں اس کو گناہ ہی نہیں سمجھ رہے ہیں کہ حقیقتہً پشیمان ہوں۔

سوان کے جواب میں آپ فرمادیتے کہ سارا نفع نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کے آگے کسی کا کچھ بس چلتا۔ چنانچہ اس کو نہ تم جیسے نالائقوں کا جانا منظور تھا اور نہ اب منظور ہے کہ تمہارے لئے استغفار کروں کیونکہ جھوٹ کا پول کھل چکا ہے تم خود ہی حدیبیہ کے گونا گوں فوائد و برکات

سے محروم رہے۔

رہا گھریار کے نقصان کا بہانہ، سوسب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ چاہے تو گھر میں رہ کر بھی نقصان ہو سکتا ہے اور وہ چاہے تو گھر سے باہر جا کر بھی نقصان نہیں ہو سکتا۔ پھر اللہ و رسول کی خوشنودی کے مقابلہ میں ان چیزوں کی پرواہ کرنا کب شیوہ اہل ایمان ہے۔ اور یہ نہ سمجھو کہ اللہ کو بھی نیلے بہانوں سے بہلا لو گے۔ گویا اس طرح دنیا بھی باتھ سے نہیں جائے گی اور اللہ بھی راضی رہے گا۔ اللہ کو تو سب کچھ پتہ ہے۔ تمہاری یہ چمک بازی نہیں چلے گی۔ کہ نہ جانے کا سبب فی الواقع وہ تھا جو تم بیان کر رہے ہو۔ بلکہ تم سمجھ بیٹھے تھے۔ کہ پیغمبر اور مسلمان اب صحیح سلامت واپس نہیں ہو سکیں گے اور یہی تمہاری دلی آرزو بھی تھی۔ اس اٹکل بچو گمان میں تم نے اپنے لئے نہ جانے میں عافیت تجھی۔ اور سر اسر نفع سمجھا۔ حالانکہ یہ سرتا سر نقصان و خسران تھا اور اللہ جانتا تھا کہ یہ اس طرح تباہ و برباد رہے ہیں۔ اللہ و رسول پر جو ایمان نہیں رکھتا اس کے لئے تو دہکتی آگ تیار ہے زمین و آسمان کی ساری خدائی اسی کی ہے وہی چاہے کسی کو بخشنے نہ بخشنے۔ میں اس کے برخلاف کیا کر سکتا ہوں؟ ہاں اس کی مہربانی ہو جائے تو تمہاری بخشش اور معافی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کی رحمت بہر صورت غضب سے بڑھ کر ہے۔

منافقین کا پوسٹ مارٹم: ان منافقین کے اس عذر کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس میں کئی جزو نکلتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہمیں فرصت نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ ہمارا ارادہ شریک سفر ہونے کا تھا۔ تیسرے یہ کہ ہم آپ کے استغفار کے مفید ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے دل میں تینوں باتیں نہیں تھیں۔ پہلی دو باتیں تو واقعہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے اور تیسری بات نبوت پر اعتقاد نہ ہونے کی وجہ سے، اور عذر صحیح کے باوجود استغفار کی درخواست اگر غیر مخلص کی طرف سے ہوتی ہے تو اس کو ریا کاری پر محمول کیا جائے گا۔ اور مخلص کی طرف سے اگر ہو تو تب بھی عذر کا عذر ہونے کی وجہ سے اکثر اجتہادی ہوتا ہے جس کا مدار تحریر پر ہے اور اس میں بعض اوقات نفسانی شیطانی تسویل سے تامل کرنے میں یا تامل کے مطابق عمل کرنے میں کوتاہی ہو جاتی ہے اس لئے استغفار کی ضرورت پڑتی ہے۔

بہر حال ان کے عذر کو رد کر دیا گیا ہے۔ اول تو عذر اگر واقع کے مطابق بھی ہوتا۔ تب بھی قطعی حکم کے ہوتے ہوئے محض لغو تھا۔ کیونکہ وہ عذر فی الواقع قضاء و قدر سے تو بچا نہیں سکتا تھا۔ تاہم شریعت نے جہاں مصلحت سمجھا تسلی وغیرہ کی مصلحت سے واقعی عذر کو مدار رخصت قرار دے دیا۔ لیکن جہاں شریعت نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور قطعی حکم دے دیا۔ جیسا کہ یہاں ایسے میں واقعی عذر بھی معتبر نہیں ہوگا۔ اور دوسرے یہ کہ ان کا عذر واقعی بھی نہیں فرضی ہے اور ایک قسم کی بہانہ بازی ہے پھر اس کی شنوائی کیسے ہو؟ بعض تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض تائب اور مخلص بھی ہو گئے تھے۔

فتح خیبر: سیقول للث المخلفون اذا انطلقتم۔ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر ”خیبر“ یہودیوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ جس میں وہ عداوت یہودی رہتے تھے، جو بد عہدی کر کے جنگ احزاب میں کافروں کو مدینہ پر چڑھالائے تھے۔ حدیبیہ سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کی سرکوبی کو ضروری سمجھتے ہوئے چڑھائی فرمادی اور وحی الہی کے مطابق اعلان کرایا کہ جو کام چور دیہاتی حدیبیہ میں بچا گئے وہ اس معرکہ خیبر میں بھی نہ جاسکیں گے۔ اللہ نے ہمیں اس سے پہلے ہی آگاہ فرمادیا ہے۔ مشکل وقت میں جب یہ لوگ ساتھ نہیں ہوئے تو آسان وقت میں کیوں ساتھ ہوں۔ ایسا ہوا تو یہ معنی ہوں گے کہ اللہ کا کہنا بدل دیا گیا۔ جو ظاہر ہے کہ نہیں ہو سکتا۔

لن تبعدونا کا مقصد ہمیشہ کے لئے ممانعت نہیں ہے بلکہ یہ لین تا بید وقت کے لئے ہے یعنی صرف معرکہ خیبر کے اعتبار سے، چنانچہ علامہ آلوسی نے جو بحر سے نقل کیا ہے۔ کہ ان غیر حاضرین میں قبیلہ مزیہ اور جہینہ کے لوگ بھی تھے۔ جو خیبر کے بعد غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک جہاد رہے، اگلی آیت سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہے۔ اسی طرح فارس وغیرہ کے غزوات میں بھی بعض انہی دیہاتیوں کو حضرت فراق

اعظم نے اپنے دور خلافت میں شامل کیا۔ جس سے یہی ثابت ہوا کہ مطلقاً تائید مراد نہیں ہے۔

اسی طرح خیبر کے مال غنیمت کو آنحضرت ﷺ کے اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص کرنے پر شبہ نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ نے بعض مہاجرین حبشہ کو جو ”اصحاب سفینہ“ کہلاتے تھے۔ کچھ حصہ کیوں عنایت فرمایا؟ جواب یہ ہے کہ یہ عطیہ خیبر کی فوج کی رضا مندی سے ہوا ہوگا یا مال خمس میں سے مرحمت فرمایا ہوگا جو خاص غنمین کا حق نہیں ہے۔ علی اختلاف القولین۔

ناپاک ذہن میں خیالات بھی ناپاک آتے ہیں۔۔۔ فسیقولون الخ۔ یعنی پیغمبر کا یہ جواب سن کر یہ گوارا بولیں گے کہ اللہ نے تو منع نہیں فرمایا۔ بلکہ تم چاہتے ہو کہ بلا شرکت غیرے سارا مال تمہارے ہاتھ آجائے۔ ہمیں کچھ نہ مل سکے۔ فی الحقیقت ایسا کہنے والے نے نہ سمجھ ہی۔ کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمان زہد و قناعت کے مجسمے ہیں۔ ان میں حرص و حسد کیوں ہونے لگا۔ اور کیا پیغمبر ہیں۔ العیاذ باللہ، خدا پر از راہ حسد جھوٹ بول دیں گے۔

غرض کہ اس لڑائی میں تو نہیں جاسکتے۔ مگر ذرا صبر کرو۔ آئندہ بہت سے معرکے آرہے ہیں۔ سخت جنگ جو قوموں سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ اور یہ سلسلہ ان قوموں کے مسلمان ہونے یا باجگذا رہنے تک جاری رہے گا۔ اگر واقعی تمہیں شوق جہاد ہے تو اس وقت تمہارے حوصلے اور ولولے دیکھ لیں گے۔ اس وقت اللہ کا حکم ماننے پر اللہ بہترین بدلہ دے دے گا۔ اور حدیبیہ کی طرح اگر اس وقت بھی تم نے معرکوں سے منہ موڑ لیا تو اللہ سخت ترین سزا بھی دیگا۔ شاید آخرت سے پہلے ہی مل جائے۔

ان جنگ جو قوموں سے مراد مسلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ ہوگی۔ یا ہوازن وثقیف وغیرہ قومیں ہیں جن سے حنین میں مقابلہ ہوا۔ یا وہ مرتد لوگ جن پر صدیق اکبرؓ نے فوج کشی کی۔ یا فارس و روم و کرد، وغیرہ قومیں جن سے خلفائے راشدین کے زمانہ میں لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے بہت سے بڑے بڑے مسلمان بھی ہوئے اور مال غنیمت بھی بہت کچھ ہاتھ آیا۔

لیس علی الاعمی۔ یعنی جہاد اور دوسرے امور معاملات میں عام ضابطہ یہی ہے کہ معذوروں پر یہ احکام لاگو نہیں ہوتے۔

لطا ف سلوک: هو الذی انزل السکینۃ۔ سکینہ ایسی چیز ہوتی ہے جس میں نور اور قوت و روح ہوتی ہے جس سے سکون میسر آجاتا ہے اور سہولت اعمال اور ضبط احوال کی توفیق مل جاتی ہے۔

لیزدادوا ایمانا مع ایمانہم۔ یعنی ایمان استدلالی کے ساتھ ایمان عیانی بھی نصیب ہو جاتا ہے۔

ان الذین یمایعونک۔ روح المعانی میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے آنحضرت ﷺ کے کمال فناء و بقاء کی طرف۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ بِالْحُدُوبِ تَحْتَ الشَّجَرَةِ هِيَ سَمُرَةٌ وَهُمْ أَلْفٌ وَتِلْكَ مِائَةٌ أَوْ أَكْثَرُ ثُمَّ بَايَعَهُمْ عَلَى أَنْ يَتَّخِزُوا قَرْبًى وَأَنْ لَا يَفِرُوا عَلَى الْمَوْتِ فَقَعَلِمَ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْوَفَاءِ وَالصِّدْقِ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿١٨﴾ هُوَ فَتْحُ خَيْبَرَ بَعْدَ انْصِرَافِهِ مِنَ الْحُدُوبِ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا . مِنْ خَيْبَرَ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٩﴾ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ وَعَدَّكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا مِنَ الْفَتْوحَاتِ فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ غَنِيمَةَ خَيْبَرَ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ فِي عِيَالِكُمْ لَمَّا خَرَجْتُمْ وَهَمَّتْ بِهِمُ الْيَهُودُ فَقَذَفَ اللَّهُ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ وَلِتَكُونَ أَيْ الْمُعْجَلَةَ عَطَفَتْ

عَلَى مُقَدَّرٍ أَيْ لِتَشْكُرُوهُ آيَةً لِلْمُؤْمِنِينَ فِي نَصْرِهِمْ وَيَهْدِيكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿۲۰﴾ أَيْ طَرِيقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْهِ وَتَفْوِضِ الْأَمْرِ إِلَيْهِ تَعَالَى وَ أُخْرَى صِفَةُ مَغَانِمٍ مُقَلَّرٌ مُبْتَدَأٌ لَمْ تَقْلِبُوا عَلَيْهَا هِيَ مِنْ فَارِسَ وَالرُّومِ قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا عِلْمٌ أَنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿۲۱﴾ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَصِفًا بِذَلِكَ وَلَوْ قَاتَلَكُمْ الدِّينَ كَفَرُوا بِالْحُدُودِ لَوْ لَوَّ الْأَذْبَارُ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا يَحْرُسُهُمْ وَلَا نَصِيرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللَّهِ مَضَرَّ مُرَكَّدٌ لِمَضْمُونِ الْحُمْلَةِ قَبْلَهُ مِنْ هَزِيمَةِ الْكَافِرِينَ وَ نَصْرَ الْمُؤْمِنِينَ أَيْ سُنَّ اللَّهُ ذَلِكَ سُنَّةً الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿۲۳﴾ مِنْهُ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ بِأَلْحَدِيَّةٍ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ فَإِنَّ ثَمَانِينَ مِنْهُمْ طَافُوا بِعَسْكَرِكُمْ لِيُصَيِّرُوا مِنْكُمْ فَأَخَذُوا وَأَتَى بِهِمْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَعَقَا عَنْهُمْ وَخَلَّى سَبِيلَهُمْ فَكَانَ ذَلِكَ سَبَبَ الصُّلْحِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۲۴﴾ بِالْبَاءِ وَالتَّاءِ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَصِفًا بِذَلِكَ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَيْ عَنِ الْوُصُولِ إِلَيْهِ وَالْهَدْيِ مَعْطُوفٌ عَلَى كُمْ مَعَكُوفًا مَحْبُوسًا حَالٌ أَنْ يَبْلُغَ مَحَلَّهُ أَيْ مَكَانَهُ الَّذِي يُنَحَرُ فِيهِ عَادَةً وَهُوَ الْحَرَمُ بَدَلُ اسْتِمَالٍ وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ مُوجُودُونَ بِمَكَّةَ مَعَ الْكُفَّارِ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ بِصِفَةِ الْإِيمَانِ أَنْ تَطْلُوهُمْ أَيْ تَقْتُلُوهُمْ مَعَ الْكُفَّارِ لَوْ أَذِنَ لَكُمْ فِي الْفَتْحِ بَدَلُ اسْتِمَالٍ مِنْ هُمْ فَتَصَيَّبَكُمْ مِنْهُمْ مَعْرَةً أَيْ إِيَّاهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ مِنْكُمْ بِهِ ضَمَائِرُ الْغَيْبَةِ لِلصَّنْفَيْنِ بِتَغْلِيبِ الذُّكُورِ وَجَوَابُ لَوْ لَا مَحْذُوفٌ أَيْ لَا ذِنَ لَكُمْ فِي الْفَتْحِ لَكِنْ لَمْ يُؤْذَنَ فِيهِ جَيْشُ لَيْدِ خَلِ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ كَالْمُؤْمِنِينَ الْمَذْكُورِينَ لَوْ تَزَيَّلُوا تَمَيَّزُوا عَنِ الْكُفَّارِ لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ جَيْشٌ بَانَ نَادَنَ لَكُمْ فِي فَتْحِهَا عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۲۵﴾ مُؤَلِمًا إِذْ جَعَلَ مُتَعَلِّقَ بَعْذْبِنَا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاعِلٌ فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةُ الْآتِفَةُ مِنَ الشَّيْءِ حَمِيَّةُ الْجَاهِلِيَّةِ بَدَلًا مِنَ الْحَمِيَّةِ وَهِيَ صَلُّهُمْ النَّبِيُّ ﷺ وَأَصْحَابُهُ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَانْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ فَصَالَحُوهُمْ عَلَى أَنْ يَعُودُوا مِنْ قَابِلٍ وَلَمْ يُلْحَقْهُمْ مِنَ الْحَمِيَّةِ مَا لَحِقَ الْكُفَّارَ حَتَّى يُقَاتِلُوهُمْ وَالزَّمَهُمْ أَيْ الْمُؤْمِنِينَ كَلِمَةَ التَّقْوَى لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَأُضِيفَ إِلَى التَّقْوَى لِأَنَّهَا سَيِّئُهَا وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا بِالكَلِمَةِ مِنَ الْكُفَّارِ وَأَهْلِهَا عَطْفٌ تَفْسِيرِيٌّ، وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۲۶﴾ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَصِفًا بِذَلِكَ وَمِنْ مَعْلُومَاتِهِ تَعَالَى أَنَّهُمْ أَهْلُهَا لَقَدْ صَدَّقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي النَّوْمِ عَامَ الْحُدُودِ قَبْلَ خُرُوجِهِ أَنَّهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ آمِنِينَ وَخَالِقُونَ وَيَقْصِرُونَ فَخَبَرَ بِذَلِكَ أَصْحَابَهُ فَفَرَحُوا فَلَمَّا خَرَجُوا

مَعَهُ وَصَدَّهُمُ الْكُفَّارُ بِالْحُدُيَّةِ وَرَجَعُوا وَشَقَّ عَلَيْهِمْ ذَلِكَ وَرَأَى بَعْضُ الْمُنَافِقِينَ نَزَلَتْ وَقَوْلُهُ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِصَدَقَ أَوْ حَالَ مِنَ الرُّوْيَا وَمَا بَعْدَهَا تَفْسِيرٌ لَهَا لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لِلتَّبَرُّكِ أَمِينٌ مُخَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ أَيْ جَمِيعَ شُعُورِهَا وَمُقَصِّرِينَ<sup>۱</sup> أَيْ بَعْضَ شُعُورِهَا وَعَمَّا حَالًا مُقَدَّرَتَانِ لَا تَخَافُونَ أَبَدًا فَعَلِمَ فِي الصُّلْحِ مَا لَمْ تَعْلَمُوا مِنَ الصَّلَاحِ فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ أَيْ الدُّخُولِ فَتَحًا قَرِيبًا (۲۷) هُوَ فَتَحَ خَيْرٌ وَتَحَقَّقَتِ الرُّوْيَا فِي الْعَامِ الْقَابِلِ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ أَيْ دِينَ الْحَقِّ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ عَلَى جَمِيعِ بَاقِي الْأَدْيَانِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا (۲۸) إِنَّكَ مُرْسَلٌ بِمَا ذَكَرَ كَمَا قَالَ مُحَمَّدٌ مُبْتَدَأَ رَسُولُ اللَّهِ خَيْرُهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَيْ أَصْحَابُهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ مُبْتَدَأَ خَيْرُهُ أَشَدُّ آءَ غِلَاطٍ عَلَى الْكُفَّارِ لَا يَرَحْمُونَهُمْ رَحْمَاءَ بَيْنَهُمْ خَيْرٌ ثَانٍ أَيْ مُتَعَا طِفُونَ مُتَوَادُونَ كَالْوَالِدِ مَعَ الْوَلَدِ تَرَاهُمْ تُبْصِرُهُمْ رُكْعًا سَجْدًا حَالًا يَتَغَفُونَ مُسْتَانِفٌ يَطْلُبُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سَيَعَاهُمْ عِلَامَتُهُمْ مُبْتَدَأَ فِي وَجُوهِهِمْ خَيْرُهُ وَهِيَ نُورٌ وَيَبَاضٌ يُعْرِفُونَ بِهِ فِي الْآخِرَةِ إِنَّهُمْ سَحَلُوا فِي الدُّنْيَا مِنْ أَثَرِ الشُّجُودِ<sup>۲</sup> مُتَعَلِّقٌ بِمَا تَعَلَّقَ بِهِ الْخَبَرُ أَيْ كَائِنَةً وَأَعْرَبَ حَالًا مِنْ ضَمِيرِهِ الْمُتَقِلِّ إِلَى الْخَبَرِ ذَلِكَ أَيْ الْوَصْفُ الْمَذْكُورُ مِثْلُهُمْ صِفَتُهُمْ فِي التَّوْرَةِ مُبْتَدَأَ وَخَيْرُهُ وَمِثْلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ<sup>۳</sup> مُبْتَدَأَ خَيْرُهُ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطَاةً بِسُكُونِ الطَّاءِ وَفَتْحِهَا فَرَاحَةً فَازَرَهُ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ قَوَاهُ وَأَعَانَهُ فَاسْتَغْلَظَ غَلْظَ فَاسْتَوَى قَوَى وَاسْتَقَامَ عَلَى سُوقِهِ أَصُولِهِ جَمَعَ سَاقٍ يُعْجِبُ الزَّرَّاعَ أَيْ زُرَّاعَهُ لِحُسْنِهِ مِثْلُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِذَلِكَ لِأَنَّهُمْ بَدَأُوا فِي قِلَّةٍ وَضَعُفٍ فَكَثَرُوا وَقَوُوا عَلَى أَحْسَنِ الْوُجُوهِ لِيُغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ<sup>۴</sup> مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوفٍ ذَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ أَيْ شَبَّهُوا بِذَلِكَ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ أَيْ الصَّحَابَةَ لِبَيَانِ الْجَنَسِ لَا لِلتَّبَعِيضِ لِأَنَّ كُلَّهُمُ بِالْصِفَةِ الْمَذْكُورَةِ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا (۲۹) الْحَنَّةُ وَهِيَ لِمَنْ بَعْلَهُمْ أَيْضًا فِي آيَاتِ

۲  
۳  
۴

ترجمہ: ... یقیناً اللہ ان مسلمانوں سے خوش ہو گیا جو آپ سے (حدیبیہ میں) بیعت کر رہے تھے۔ درخت کے نیچے جو کیکر کا تھا اور یہ مسلمان تیرہ سو یا زیادہ تھے۔ جنہوں نے پھر آنحضرت ﷺ سے اس پر بیعت کر لی کہ ہم قریش سے مقابلہ کریں گے اور مرنے سے جی نہیں چرائیں گے) اور (اللہ) کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا (وفاداری اور سچائی) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اطمینان پیدا فرمادیا اور ان کو لگے ہاتھوں فتح دے دی (حدیبیہ سے واپسی پر خیر فتح کرادیا) اور بہت سی غنیمتیں بھی جن کو یہ لوگ حاصل کر رہے ہیں (یعنی فتوحات خیر) اور اللہ تعالیٰ بڑا زبردست حکمت والا ہے ہمیشہ ان خوبیوں کا مالک رہا ہے) اور بہت سی غنیمتوں کا وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے تم سے کر رکھا ہے۔ جن (فتوحات) کو تم حاصل کرو گے سو سردست تو تمہیں (یہ خیر کی غنیمت) دے دی ہے اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے (تمہارے اہل و عیال سے جب تم خیر میں چلے گئے اور یہود نے ان اہل و عیال پر حملہ آور ہونا چاہا تو اللہ نے یہودیوں کے دلوں پر ہیبت طاری کر دی) اور تاکہ

ہو جائے (یہ فوری غنیمت اس کا عطف مقدر پر ہو رہا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے تشکروہ و لتکون) اہل ایمان کے لئے نمونہ (ان کی امداد کے سلسلہ میں) اور تاکہ تم کو ایک سیدھی راہ پر ڈال دے (یعنی توکل اور اللہ کے بھروسہ کرنے کے طریقہ پر) اور ایک فتح اور بھی ہے (صفت مغانم مقدر کی یہ مبتداء ہے) جو تمہارے قبضہ میں نہیں آئی (فتح فارس و روم مراد ہے) اللہ تعالیٰ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے (اسے خبر ہے کہ وہ فتح عنقریب تمہیں حاصل ہو کر رہے گی) اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے (ہمیشہ اس کی یہ صفت رہتی ہے) اور یہ کافر (حدیبیہ میں) اگر تم سے لڑتے بھڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر ان کو نہ کوئی یار ملتا (جو ان کی حفاظت کرتا ہے) اور نہ مددگار، اللہ تعالیٰ نے یہی دستور کر رکھا ہے (یہ مصدر ہے پہلے مضمون جملہ کی تاکید کے لئے جو کفار کی شکست اور مسلمانوں کی مدد سے متعلق تھا۔ یعنی اللہ نے یہ طریقہ مقرر کر رکھا ہے) جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں رد و بدل نہیں پائیں گے۔ اور اللہ ہی نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے باز رکھے۔ وادی مکہ (حدیبیہ) میں اس کے بعد کہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا کیونکہ اسی (۸۰) کفار مکہ تمہاری گھات میں لگ گئے تھے تمہاری نقصان رسانی کے درپے ہو کر مگر پکڑ لئے گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے درگزر فرما کر ان کو رہا فرمایا۔ انجام کار یہی واقعہ سبب صلح بن گیا) اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا (یعلمون یا اور تا کے ساتھ یعنی اللہ ہمیشہ اس خوبی کا مالک رہتا ہے) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام (مکہ پہنچنے) سے روکا اور قربانی کے جانور کو (اس کا عطف ضمیر کم پر ہو رہا ہے) جو رکھا ہوا (بمعنی منع یہ حال ہے) رہ گیا اپنی جگہ پر پہنچنے سے (جہاں اس کی عادت قربانی کی جاتی ہے یعنی حرم یہ بدل اشتمال ہے) اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں (کفار کے ساتھ مکہ میں) جن کی تمہیں خبر بھی نہ تھی (ان کے ایمان کی) ان کے یس جانے کا احتمال نہ ہوتا (یعنی یہ کہ کفار کے ساتھ وہ بھی مارے جاتے۔ اگر تمہیں مہم سر کرنے کی اجازت دے دی جاتی۔ یہ ضمیر حم سے بدل اشتمال ہے) جس پر ان کی وجہ سے تمہیں بھی مصیبت پہنچتی (یعنی گناہ ہوتا) بے خبری میں (تمہاری طرف سے۔ عائب کی ضمیریں مرد و عورت دونوں کی طرف راجع ہیں لولا کا جواب محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ لاذن لکم فی الفتح لکن لم یؤذن فیہ حینئذ) تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے (جیسے مذکورہ مومنین کو داخل کیا ہے) اگر یہ علیحدہ ہو گئے ہوتے (کافروں سے الگ ہو جاتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو سزا دیتے) (یعنی کفار مکہ کو اس صورت میں، تمہیں فتح مکہ کی اجازت دے کر) دردناک (تکلیف دہ) جب کہ جگہ دی (اس کا تعلق عذ بنا کے ساتھ ہے) ان کافروں نے (یہ فاعل ہے) اپنے دلوں میں عار (تکبر) کو، اور عار بھی جاہلیت کی (یہ حمیت سے بدل ہے اور وہ جاہلانہ عار، آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کو مسجد حرام میں داخلہ سے روکنا ہے) سو اللہ نے اپنے رسول اور مومنین کو اپنی طرف سے قوت برداشت عطا فرمائی (چنانچہ انہوں نے اس بات پر صلح کر لی کہ سال آئندہ آئیں گے اور انہیں کافروں جیسی عار نہیں لگی کہ لڑائی سول لے لیتے) اور اللہ نے مسلمانوں کو تقویٰ کی بات پر جمائے رکھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اس کلمہ کی اضافت تقویٰ کی طرف اس لئے کی گئی کہ کلمہ سبب تقویٰ ہے اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں (کلمہ کی نسبت کفار کے) اور اس کے اہل ہیں (عطف تفسیری ہے) اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (ہمیشہ اس کی یہی شان ہے اور اللہ کے علم میں پہلے سے یہ ہے کہ یہ اس کے اہل ہیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا ہے جو واقع کے مطابق ہے (آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کے سال حدیبیہ جانے سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ باطمینان مکہ میں داخل ہو رہے ہیں اور کچھ لوگ سرمنڈوا رہے ہیں اور کچھ بال کتر دار ہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس خواب کا ذکر صحابہ سے کیا تو سن کر صحابہؓ خوش ہوئے لیکن جب آپ صحابہؓ کی بیعت میں عازم ہوئے اور کافروں نے مقام حدیبیہ میں روک دیا اور سب کو واپس ہونا پڑا تو صحابہؓ اس سے ملول ہوئے اور بعض منافقین تردد کا شکار بھی ہو گئے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بالحق کا تعلق صدق سے ہے یا رویا سے حال ہے اور بعد کا جملہ اس کی تفسیر ہے) تم لوگ ضرور مسجد حرام میں جاؤ گے انشاء اللہ تیر کا فرمایا



ہے اسن واماں کے ساتھ کوئی (سارے) سر کو منڈاتا ہوگا اور کوئی بال کٹاتا ہوگا (یعنی بالوں کا کچھ حصہ یہ دونوں لفظ حال مقدر ہیں) کسی طرح کا (کبھی) اندیشہ نہ ہوگا۔ سوائد کو (صلح کی نسبت) وہ باتیں معلوم ہیں (جن مصالحوں کو) تم نہیں جانتے پھر اس (مکہ میں حاضری) سے پہلے لگے ہاتھوں ایک اور فتح دے دی (فتح خیبر مراد ہے اور اگلے سال خواب بھی پورا ہو گیا) وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ (دین حق) کو غالب کر دے (باقی تمام دینوں پر، اور اللہ کافی گواہ ہے) اس پر کہ آپ مذکور پیغامات دے کر بھیجے گئے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے (محمد (مبتدا ہے) اللہ کے رسول ہیں (یہ خبر ہے) اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں (مومن صحابہ، یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر آگے ہے) وہ تیز (سخت) ہیں کافروں کے مقابلہ میں ان پر رحم نہیں کھاتے آپس میں مہربان ہیں یہ دوسری خبر ہے یعنی ایک دوسرے سے تعلق خاطر اور محبت رکھتے ہیں جیسا کہ باپ بیٹے پر مہربان ہوتا ہے) اے مخاطب تو دیکھے گا تجھے نظر آئے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں، (یہ دونوں حال) ہیں جستجو میں لگے ہیں (جملہ مستانہ ہے) یعنی تلاش میں رہتے ہیں (اللہ تعالیٰ کے فضل اور خوشنودی کی، ان کے آثار (نشانات) یہ مبتداء ہے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں (یہ خبر ہے) آثار سے مراد نور اور چمک ہے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں سجدے کئے تھے) بوجہ تاثیر سجدہ کے اس کا تعلق بھی خبر کے متعلق ہی ہے یعنی کائنات سے، اور اس پر حال کا اعراب ہے اس ضمیر کی وجہ سے جو خبر کی طرف راجع ہے (یہ مذکورہ تعریف) ان کے اوصاف (صفات) ہیں تو رات میں (یہ مبتداء اور خبر ہے) اور انجیل میں (مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) ان کی یہ شان ہے کہ کھیتی کی طرح ہیں جس نے اپنی سوئی نکالی (لفظ شرط سکون طاء اور فتح طاء کے ساتھ یہ دونوں طرح ہے کو نیل مراد ہے) پھر اس نے اس کو قوی کر دیا (لفظ از مد کے ساتھ اور بغیر مد دونوں طرح ہے یعنی اس کو مضبوط کر دیا اور اس میں بڑھوتری کر دی) پھر وہ کھیتی اور موٹی ہو گئی (طاقت و رسیدگی کھڑی ہو گئی) پھر اپنے تنے پر وہ سیدھی کھڑی ہو گئی (سوق، ساق کی جمع ہے) کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی (یعنی کھیتی عمدہ ہونے کی وجہ سے بھلی معلوم ہونے لگی۔ صحابہ کی یہ مثال اس لئے دی گئی کہ وہ شروع میں کم اور کمزور تھے۔ پھر خوب بڑھے اور مضبوط تر ہو گئے) تاکہ ان کے ذریعہ سے کافروں کو جلائے (اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے جس پر پچھلا مضمون دلالت کر رہا ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ شہوا بذلک) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کر رہے ہیں وعدہ کر رکھا ہے (یعنی صحابہ سے من بیان جنس کے لئے ہے من بعضیہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ تمام صحابہ کی یہی شان تھی) بخشش اور بڑے ثواب کا (جنت کا اور یہ دونوں وعدے دوسری آیات کی وجہ سے بعد کے لوگوں کے لئے بھی ہیں)۔

**تحقیق و ترکیب:** ... الشجرة۔ لیکر کارخت جو ریگستانی علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے جس کو طح بھی کہتے ہیں۔ لیکن جمہور مفسرین کی رائے ہے کہ طح کیلئے کہتے ہیں۔

ابن عمر سے شرح مواہب میں ہے کہ شجرہ کا مصداق مخفی ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر متعین کر دیا جاتا تو عوام تعظیم میں غلو کرنے لگتے۔

یہاں جزوا۔ بمعنی مقابلہ تفسیری عبارت کے دونوں جملوں میں منافات نہیں ہے بلکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔

وعدکم: اس میں خطاب کی طرف التفات ہے اہل حدیبیہ کی تکریم کے لئے۔

فعجل لکم۔ مستقبل کو ماضی کے ساتھ لانے میں اس کے یقینی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ جو امر مقدر ہو چکا ہے اس کی یہ خبر از قبیل اخبار غیب ہے۔ ابن جریر، مجاہد، اور قتادہ سے نقل کرتے ہیں اور عام مفسرین کی رائے غنیمت خیبر کی ہے، لیکن بعض کے نزدیک صلح حدیبیہ مراد ہے۔

فی عیالکم ای عن عیالکم۔ سفر حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے اور الناس سے اہل خیبر اور ان کے حلیف بنو اسد و غطفان مراد ہیں۔ جیسا کہ



تفسیری عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر صرف بنواسد و غطفان مراد لئے جائیں تو پھر خبر کی طرف خروج ہوگا۔  
ولتکون ای لتشکروا ولتکون ایتہ۔

للمومنین۔ آنحضرت ﷺ کی صداقت کے نشانات فتوحات مراد ہیں۔

واخریٰ۔ اس کی کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہوا اور لم تقدروا علیہا اس کی صفت ہے اور قد احاط اللہ بہا خبر ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی خبر محذوف مقدر ہو۔ ای و ثم اخریٰ لم تقدروا علیہا۔ تیسرے یہ کہ فعل مضمر علی شرط التفسیر کی وجہ سے منصوب ہو۔ وقضی اللہ اخریٰ۔ چوتھے یہ کہ فعل منصوب فعل مضمر علی غیر شرط التفسیر ہو ای و وعدکم اخریٰ یا و آناکم اخریٰ پانچویں یہ کہ رب مقدر کی وجہ سے مجرور ہو۔ بقول زنجبیریؒ یہ وادرب ہے۔ چنانچہ اس میں اختلاف مشہور ہے کہ رب مقدر کی وجہ سے مجرور ہے یا وادب معنی رب کی وجہ سے۔ مفسرؒ نے اخریٰ کا مبتداء ہونا تو ذکر کر دیا لیکن خبر نہیں بیان کی یعنی قد احاط اللہ بہا اور لم تقدروا علیہا مبتداء کی صفت ہے۔

الذین کفروا۔ مراد اہل مکہ ہیں جن میں خالد بن ولید بھی تھے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ لوگ کراع غمیم تک پہنچے تھے مگر حملہ آور نہیں ہو سکے۔

سنة اللہ۔ یعنی غلبہ انبیاء جیسے لا غلبن انا ورسلی فرمایا گیا ہے۔

بطن مکہ۔ بطن سے مراد مقام حدیبیہ اور مکہ سے مراد حرم ہے جس میں حدیبیہ بھی داخل ہے۔ یا حدیبیہ چونکہ اس سے متصل ہے اس لئے دونوں اعتبار سے حدیبیہ کو بطن مکہ کہنا صحیح ہے۔

والہدیٰ۔ عام قرآن اس کو ضمیر منصوب کم پر عطف کرتے ہوئے یا مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب مانتے ہیں۔ لیکن ابو عمرؒ و ایک روایت میں مسجد حرام پر عطف کرتے ہوئے مجرور پڑھتے ہیں۔ اس صورت میں مضاف محذوف ہوگا۔ ای وعن نحو الہدیٰ اور ایک قراءت رفع کی بھی ہے فعل مقدر مجہول کی وجہ سے ای و صد الہدیٰ اس کی عام قراءت فتح ہا اور سکون دال کے ساتھ ہے۔ لیکن عمرؒ اور ابو عاصمؒ وغیرہ کسر دال اور تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ابن خالدؒ نے اس میں فن لغت نقل کئے ہیں۔ الہدیٰ، الہدیٰ، الہدیٰ۔

معکوفاً۔ عکف بمعنی جنس لازم ہے اور الہدیٰ سے حال ہے۔

محلہ۔ یہ دلیل ہے اس کی کہ محصر کے لئے ہدیٰ کا محل حرم ہے اور محل سے مراد مخصوص جگہ یعنی منیٰ ہے۔

بہر حال محل سے مراد خاص وہ مکان نہیں ہے کہ اس کے علاوہ دوسری جگہ قربانی جائز نہ ہو۔ تاکہ اس کو اس کی دلیل بنایا جائے کہ محصر کے لئے محل ہدیٰ صرف حرم ہے جیسا کہ امام اعظمؒ کی رائے ہے۔ یہ ہدیٰ سے بدل اشتمال ہے اور حذف جار بھی مانا جاسکتا ہے۔ ای عن ان يبلغ الہدیٰ محلہ اور جار مجرور یا صد و کم سے متعلق ہو جائے گا یا معکوفاً سے۔

ان تطوہم۔ وطی کے اصل معنی روندنے کے ہیں یہاں مراد قتل ہے یہ لفظ ہم سے بدل اشتمال ہے یا رجال و نساء سے بدل ہے مذکر کی تغلیب کرتے ہوئے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ لو لا وطی رجال و نساء موجودون۔

معرۃ۔ بروزن مفعلة۔ عرہ بمعنی عراہ سے ناگوار چیز کو کہتے ہیں۔ ابن جریرؒ، ابن عباسؒ، سے یہی معنی نقل کر رہے ہیں اور مفسر کے اسم کے ساتھ تفسیر کرنے سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ قتل و قتال سے صرف گناہ ہوتا ہے۔ کچھ اور چیز اس پر لازم نہیں ہوتی۔ لیکن ابو اسحق دیت کے معنی لیتے ہیں

اور بعض کفارہ کے معنی لیتے ہیں۔ امام شافعیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔

بغیر علم۔ یعنی تمہیں گناہ کی خبر نہیں ہے۔ اس طرح اب تکرار کا شبہ بھی نہیں رہتا۔ کیونکہ لم تعلموہم کا تعلق ان کی ذوات سے ہے بلحاظ ایمان اور بغیر علم کا تعلق گناہ سے ہے۔

وجواب لو لا . ای لولا کراہۃ ان تہلکوا انا ما مومنین بین اظہر الکفار حال کونکم جاہلین بہم فیصیکم باہلا کہم مکروہ لما کف ایذیکم عنہم۔

اذ جعل۔ یہ عذبتا کا ظرف ہے اور صدوکم سے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔

الحمیۃ۔ بخاری شریف میں ان کی حمیت جاہلیت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کو نبی نہ ماننا، بسم اللہ کی بجائے ہا سمک اللہم لکھنے پر اصرار کرنا اور حضور ﷺ کو فی الوقت عمرہ سے روک دینا حمیت جاہلیت ہے۔

فانزل اللہ۔ اس کا عطف مقدر پر ہے۔ ای فصاحت صدور المسلمین واشتد الكرب علیہم فانزل السکینۃ۔

والزہم۔ یہ الزام بطور تکریم ہے اور کلمہ تقویٰ سے مراد شرک سے بچنا ہے، ابن جریر، عطاء، خراسانی اور ترمذی ابی ابن کعب سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ مراد ہے۔ اور ابن جریر، زہری سے نقل کرتے ہیں کہ بسم اللہ مراد ہے۔ کلمہ التقویٰ میں اضافت ادنیٰ تلبس کی وجہ سے ہے۔ لیکن اگر تقویٰ سے مراد اہل تقویٰ ہوں تو پھر اضافت حقیقہ ہوگی۔

احق بہا۔ علم الہی میں چونکہ صحابہؓ کو اسلام سے منتخب کر لیا گیا ہے اس لئے وہی احق بالتقویٰ ہیں۔

لقد صدق۔ یعنی اس خواب کی تعبیر اگرچہ ایک سال بعد ظاہر ہوئی اور علم الہی میں تحقق تھی۔ تاہم یہ خواب اضافت احلام میں سے نہیں ہے۔ اور تفسیر خازن میں صدق اللہ کے یہ معنی لکھے ہیں کہ اللہ نے آپ کو حدیبیہ میں خبر دی کہ آپ کا داخلہ برحق اور سچ ہے۔ لیکن ایک سال پہلے دیکھنے کا قول اصح ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن ابی اور عبد اللہ بن نفیل اور رفاعہ بن حارث نے اعتراضاً کہا بھی ہے کہ واللہ ما حلقنا ولا قصرنا ولا رابنا المسجد الحرام اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بالحق۔ میں کئی احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ صدق سے متعلق ہو۔ دوسرے یہ کہ مصدر محذوف کی صفت ہو۔ ای صادقاً متلبساً بالحق۔ تیسرے یہ کہ محذوف کا حال ہو ای متلبسۃ بالحق۔ چوتھے یہ قسم ہو اور اس کا جواب تہ خلن ہو۔ اس صورت میں رویا پر وقف کرنا پڑے گا۔

لفشاء اللہ۔ بندوں کو ادب کی تعلیم اور تفویض کی تعلیم بھی ہے تعلق کے لئے نہیں ہے کیونکہ یہاں تعلق بے معنی ہوگی۔ بلکہ تبرک کے لئے ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ مشیت الہی پورے لشکر کے اعتبار سے ہے۔ اور وہ قضاء مبرم ہے۔ اگرچہ حاضری نصف یعنی سات سو کی ہوئی ہے اور بعض نے اس تعلق کو فرشتہ کی یا آنحضرت ﷺ کی طرف سے حکایت مانا ہے۔

امنین۔ یہ حال ہے تہ خلن کے واؤ محذوف سے ای امنین فی حال الدخول لا تخالفون عدوکم ان یخروجکم تفسیر کی عبارت حالان کا مطلب یہ ہے کہ یا تو دونوں حال ہیں واؤ محذوف سے اور یا امنین سے حال ہیں اول صورت میں حال مترادفہ اور دوسری صورت میں حال متداخلہ ہوگا۔ اور لا تخالفون جملہ مستانہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور حال بھی ہو سکتا ہے تہ خلن کے فاعل سے یا امنین کی ضمیر سے یا خلقین یا مقصرین سے پہلی صورت میں تاکید ہو جائے گی۔

مقدونان۔ اب یہ شبہ نہیں رہا کہ دخول کی حالت تو احرام کی حالت ہے اور اس وقت طلق و قصر نہیں ہو سکتا۔ پھر کیسے حال بنانا صحیح ہوگا۔ لیکن کہا جائے گا حال مقدرہ ہے۔

لا تخالفون۔ اگرچہ امنین کے بعد یہ لفظ بظاہر مکرر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کہا جائے گا کہ امنین سے مراد حرم میں داخلہ کے وقت امن ہے اور لا تخالفون میں آئندہ کے لئے امن کا وعدہ ہے۔

فتحاً قریباً۔ بغویؒ کی رائے ہے کہ اکثر کے نزدیک صلح حدیبیہ مراد ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور خواب کی تعبیر عمرہ قضا کی صورت میں پوری ہوئی۔

علی الدین کلہ۔ تمام ادیان سابقہ پر اسلام کا غلبہ مراد ہے اور بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد پر اسلام کا غلبہ مراد ہے اور بعض کے نزدیک مطلقاً لائل براہین کے ذریعہ اسلام کا غلبہ مراد ہے۔

و کفی باللہ شہیداً۔ یعنی اللہ اپنے وعدہ کے پورا ہونے پر گواہ ہے اور حسن سے منقول ہے کہ اسلام کے غلبہ پر اللہ کی گواہی ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے کہ کفاه اللہ شہیداً اور شہید حال یا تمیز ہے اور ”محمد“ تقدّم ہوالذی کی وجہ سے خبر ہے مبتدائے محذوف کی ”ای ہو محمد“ یا مبتداء ہے اور خبر رسول اللہ ہے۔

رکعاً سجداً۔ یہ دونوں تراجم کے مفعول سے حال ہے ای تشاہدہم حال کو نھم را کعین ساجدین لمواظبتہم علی الصلوۃ۔ یتعنون۔ جملہ مستانفہ ہے کہ رکوع و سجود کی مواظبت پر سوال ہوا کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ یتعنون اس کا جواب ہے۔

سیمامہم۔ طول سجود کے نشانات مراد ہیں۔ حدیث میں ہے کہ من کثر صلوٰۃ باللیل حسن وجہہ بالنہار۔ اور یا وہ نور مراد ہے جو قیامت میں وجہ امتیاز ہوگا۔ طبرانی نے ابی بن کعبؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے سیمامہم النور یوم القیمۃ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ خشوع و خضوع مراد ہے اور سعید بن جبیر کے نزدیک پیشانی پر سجدہ کی مٹی مراد ہے۔ شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ نشانات سجدہ، قمر، لیلۃ البدر کی طرح روشن ہوں گے۔

من ضمیرہ۔ یعنی خبر کا تعلق اور ابی الخیر سے جار مجرور مراد ہے۔

مثلہم۔ یہ مبتداء ہے اور فی الانجیل خبر ہے اور یہ جملہ ذلک کی خبر ہے یا ذلک مبتداء اور مثلہم اس کی خبر اور فی التورۃ مثلہم سے حال ہے۔ مثلہم فی الانجیل مبتداء ہے کزوع الخ اس کی خبر ہے۔ اس صورت میں فی التورۃ پر وقف ضروری ہوگا۔ یہ دو مثالیں ہوں گی۔ جیسا کہ مفسر کی رائے ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ثانی مثلہم پہلے مثلہم پر معطوف ہے۔ اس صورت میں فی الانجیل پر وقف کیا جائے گا اور دونوں کتابوں میں ایک ہی مثال ہوگی۔ اور کزوع خبر ہو جائے گی۔ مبتدائے محذوف کی ای مثلہم کزوع الخ اور جملہ مستانفہ ہو جائے گا شطاہ۔ کھیت اور درختوں کی کوئیل مراد ہے۔ فرخ الزرع یعنی کھیت پھول کر پھٹنے کے قریب ہے۔

فازرہ۔ دراصل اکرم یکرم کے وزن پر ہے۔ مشہور قاعدہ صرفی کی وجہ سے ہمزہ کو ماضی میں الف سے بدل دیا گیا ہے اور اذر بالقصر ثلاثی سے ضرب سے ہے بمعنی طاقت ور کرنا۔

ابن جریر قنادہ سے نقل کرتے ہیں۔ سیمامہم فی وجوہہم ای علامتہم فی الصلوۃ یہ تورات کی مثال ہے اور انجیل کی مثل کزوع اخرج الخ ہے جو صحابہ کی شان میں آئی ہے۔ اور ابن جریر ضحاک سے نقل کرتے ہیں کہ صحابہ شروع میں کم تعداد تھے پھر کثیر التعداد ہو گئے اور مضبوط بن گئے۔

ابن جریر اور حاکم، ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ تم کھیت کی طرح ہو جو پکنے کے قریب پہنچ گیا اور بعض اکابر کی رائے ہے کہ ذراع آنحضرت ﷺ ہیں اور خطا سے مراد صحابہ ہیں۔

لیغیظ بہم الکفار۔ صحابہ کی ترقی کی یہ علت ہے۔ امام مالک کی ایک روایت روافض کی تکفیر کی ہے۔ کیونکہ انکو صحابہ سے غیظ ہے اور غیظ صحابہ از روئے آیت کفر ہے۔ جیسا کہ علماء کی ایک جماعت کی رائے ہے۔

منہم۔ ضمیر جمع معنی خطا کی طرف ہے۔ اس میں لفظ کی رعایت نہیں کی گئی اور من تبعیضہ نہیں ہے بلکہ بیان جنس کیلئے ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ کی

یہی شان ہے اس لئے روانہ کے لئے گنجائش کا نام نہیں رہی۔ اور بعض اہل لطائف نے اس آیت سے خلفائے اربعہ کی طرف اشارہ سمجھا ہے اس طرح کہ ”اخرج شطاہ“ سے صدیق اکبرؓ اور فاذرہ سے فاروق اعظمؓ اور فاستغلف سے حضرت عثمان غنیؓ، اور ”فاستوی علی سوقہ“ سے حضرت علیؓ کے ادوار کی طرف اشارہ ہے۔

﴿تشریح﴾: لقد رضی اللہ صلح حدیبیہ کے مقام پر جو بیعت جہاد کیکر کے درخت کے نیچے آنحضرت ﷺ نے لی۔ اس کی نسبت ”رضی“ فرمایا گیا ہے۔ اس لئے اس کو بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے۔

ما فی قلوبہم۔ سے مراد ظاہر اندیشہ اور باطن صدق و اخلاق، حسن نیت و توکل اور جوش اسلامی مراد ہے۔ البتہ ابوحیان کی رائے ہے کہ صلح اور اس کی شرائط کے سلسلہ میں جو رنج و غم اور اضطراب دلوں پر چھا رہا تھا وہ مراد ہے۔ چنانچہ انزل السکینہ بھی اس پر قرینہ ہے۔

حدیبیہ، فتح خیبر کا اور وہ فتح مکہ کا پیش خیمہ بنا:۔ فتحاً قریباً۔ اس سے فتح خیبر مراد ہے جس سے صحابہؓ سودہ حال ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ عزیز حکیم ہے۔ اس لئے اس نے حدیبیہ کی کسر خیبر میں نکال دی۔ فتح مکہ اور غزوہ خنین کے موقع پر بھی انہی کشرموں کا ظہور ہوا۔ غرضیکہ فتوحات کی ابتدا خیبر سے ہوئی۔ حدیبیہ اور خیبر دونوں جگہ کھلے عام لڑائی کی نوبت نہیں آئی نہ کفار سے آمنے سامنے جنگ ہوئی اور نہ غائبانہ مسلمانوں کے اہل و عیال کو کوئی گزند پہنچا سکے۔

واحوی لم تقدروا۔ بیعت الرضوان کا فوری صلح تو فتح خیبر کی صورت میں سامنے آ گیا اور فتح مکہ اگرچہ فوری نہ سہی مگر مل کر رہی۔ اول تو وہ ظلم الہی میں طے تھی۔ دوسرے وہ بھی اسی صلح کے نتیجہ میں حاصل ہو سکی پس یہ صلح ہی فتح مکہ کا پیش خیمہ بنی۔ فتح خیبر چونکہ صلح حدیبیہ کے بعد ہوئی۔ اس لئے یہ آیات اگر راستہ میں بھی نازل ہوئی ہوں۔ تو اس سورت کا دایسی میں نازل ہونا ملحوظ اکثر اجزاء کے ہوگا۔ جیسا کہ ساتویں واقعہ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور جس قدر غنائم اس آیت کے بعد حاصل ہوئے وہ سب مغانم کثیرہ کے مصداق ہوں گے۔

اور انزل السکینہ جو یہاں ہے وہ بیعت کے وقت کا مضمون ہے اس لئے اس سے مراد تحمل و ضبط نفس و وقت صلح مراد نہیں ہے۔ جیسا کہ اسی سورت میں آئندہ اس لفظ سے مراد لی گئی ہے۔

اور فتح مکہ بھی اگرچہ مغانم کثیرہ کے عموم میں داخل ہے۔ لیکن صحابہ کے اشتیاق کے پیش نظر و اخوی لم تقدروا میں خصوصیت سے اس کا ذکر فرما دیا گیا ہے۔

سنة اللہ وادق تلکم۔ یعنی اگر لڑائی ہوتی تو مسلمان ہی غالب رہتے اور کفار بھاگتے نظر آتے۔ مگر اللہ کی یہ حکمت ہوئی کہ فی الحال صلح ہو جائے اور گو یہ اس وقت فتح نہیں ہے۔ مگر مآلاً فتح ہے۔ اللہ کا اہل طریقہ ہے کہ جب اہل حق و باطل میں آویزش ہوتی ہے تو انجام کار اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب ہوا کرتے ہیں۔ بشرطیکہ اہل حق مجموعی طور پر پوری طرح حق پر قائم ہوں۔

اور بعض حضرات لن تجد لسنة اللہ الخ کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ کی عادت کو اور سنة اللہ کے موافق جو کام ہو اس کو بدل سکے۔

حدیبیہ کی صلح میں مصالح:۔ وهو الذی کف۔ مشرکین کی کچھ ٹولیاں ”حدیبیہ“ پہنچی تھیں کہ موقع پا کر حضور ﷺ کو شہید کر ڈالیں یا اکیڈ وکیلے مسلمانوں کو ستائیں، کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کی حتیٰ کہ ایک مسلمان کو شہید بھی کر ڈالا، بے ہودہ اور اشتعال انگیز کلمات بکتے بھی پھرے۔ صحابہؓ نے ان کو گرفتار کر کے خدمت اقدس میں پیش بھی کر دیا مگر حضور ﷺ نے ازراہ کرم ان کو معاف کر دیا اور کچھ تعرض نہیں فرمایا۔ اس

آیت میں اسی قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور مقام حدیبیہ کو بطن مکہ قرب کی وجہ سے کہا ہے گویا شہر کے بیچ ہے بہر حال کفار کی شرارتیں اور مسلمانوں کا غفوت و تحمل سب کچھ اللہ دیکھ رہا ہے۔

وصلو کم۔ یعنی مشرکین نے قربانی کے جانور ذبح کی مقررہ جگہ تک نہ پہنچے دیئے۔ اس طرح حدیبیہ ہی میں رکے رہے۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ مکہ میں مقہور و مجبور اور وہ مظلوم مسلمان کہ جن کو دوسرے مسلمان جانتے بھی نہ تھے۔ کہیں قتل نہ کر دیئے جائیں گے۔ تو فی الحال ہی لڑائی کا حکم دے دیا جاتا۔ مگر اس صورت میں خود مسلمان اس قومی نقصان پر کف افسوس ملتے۔ نیز کافروں کو برملا یہ کہنے کا موقع ہاتھ آتا، کہ دیکھو مسلمان، مسلمانوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔

غرض ان وجوہ سے لڑائی موقوف رکھی گئی۔ کہ ایک طرف کمزور مسلمان محفوظ رہ سکیں اور دوسری طرف تمہارے بے مثال صبر و تحمل کی بدولت رحمت الہی جوش میں آئے۔ نیز جن کافروں کے لئے آئندہ اسلام مقدس ہے انہیں جنگ کی ہولناکیوں سے بچا کر اپنی رحمت میں داخل کر دے۔ اس طرح ساری بے ادبی کافروں کے سر پر ہی کہ عمرہ کرنے والوں کو روکا۔ اور قربانی کے دستور کے مطابق مقررہ جگہوں پر پہنچنے نہ دیا۔ مگر مسلمان باادب رہے۔

بظاہر فتح اسی وقت مناسب تھی۔ مگر کمزور مسلمان مکہ میں چپے ہوئے تھے۔ اس وقت فتح میں وہ پس جاتے اور کچھ کی قسمت میں بھی مسلمان ہونا تھا۔ آخر دوبرس کی صلح میں جتنے مسلمان ہونے تھے ہو چکے اور نکلنے والے نکل آئے۔ تب اللہ نے مکہ فتح کر دیا۔ البتہ اگر مسلمان کفار سے الگ ہوتے اور مسلمان ان میں رلے ملے نہ ہوتے تو تم دیکھ لیتے کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں کو کیسا مزہ چکھاتے۔

چند شبہات کا ازالہ: ..... بظاہر الفاظ لم تعلموہم اور بغیر علم میں اسی طرح لو لا رجال اور لم تنزلو ۱ میں تکرار معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اگر اول کے دونوں لفظوں کو تفصیل اور اخیر کے دونوں لفظوں کو اس تفصیل کا اجمال کہا جائے تو پھر تکرار کا شبہ نہیں رہتا۔ اور اگر یہ شبہ ہو کہ بے خبری میں گناہ کیوں ہوگا؟ تو جواب یہ ہے کہ جہاں بے خبری کا دور کرنا اختیار میں ہو اور پھر اس کو دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو یہ کوتاہی گناہ ہوگی۔ رہا یہ شبہ کہ صحابہ میں اس کوتاہی کا احتمال کب ہے۔

جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ اس کی طرف التفات نہیں ہوتا کہ ہم سے کوتاہی ہوئی اور صحابہ کرام میں اس قسم کی بے توجہی محل اشکال نہیں۔ اور حدیبیہ کو انتہائی قرب کی وجہ سے بطن مکہ اور عین مکہ کہنے سے حنفیہ کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ حدیبیہ کا ایک حصہ حرم میں داخل ہے۔ البتہ جملہ معکوفان یبلغ محملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ حرم میں داخل نہیں ہے۔ ورنہ یہ کیوں کہا جاتا کہ ہدی اپنے محل میں پہنچنے سے روک دی گئی۔ جب کہ قربانی حدیبیہ میں موجود ہے اور حدیبیہ داخل حرم ہے۔؟

جواب یہ ہے کہ محل سے مراد مطلقاً حرم نہیں ہے بلکہ دستور و رواج کے مطابق مقررہ جگہ مراد ہے۔ جہاں قربانی کے جانور ذبح ہوا کرتے تھے۔ قربانی کے دنوں میں منیٰ اور دوسرے اوقات میں مکہ میں جانور ذبح ہوتے تھے۔ چنانچہ شامی نے اس کی اولویت نقل کی ہے۔

اور روایت کا اطلاق حج و عمرہ دونوں کو شامل ہے۔ اور جمہور کے نزدیک حدیبیہ حرم سے خارج ہے۔ ان کے نزدیک اس کو بطن مکہ کہنا محض قریب ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ انتہائی قریب ہونے کی وجہ سے نہیں جمہور کی رائے پر۔ البتہ یہ شبہ رہے گا کہ محصر کے لئے محل ہدی جب کہ خود محل احصار ہے۔ پھر اس مقام پر پہنچ کر معکوفان یبلغ محملہ کے کیا معنی؟ لیکن جمہور بھی یہی جواب دیں گے کہ محل سے مراد مطلقاً حرم نہیں ہے۔ بلکہ مشہور مقررہ مقام مراد ہے۔

مشرکیں کی ہٹ دھرمی: ..... جمعۃ الجاہلیہ۔ مشرکین کی طرف سے صلحنامہ میں دفعات رکھنا کہ ”مسلمان اسی سال عمرہ نہیں کر سکتے بلکہ آئندہ سال آسکتے ہیں۔ لیکن صرف دو تین روز کے لئے اور وہ بھی غیر مسلح ہو کر اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کی بجائے باسمک اللہم اور محمد رسول اللہ کی بجائے محمد بن عبد اللہ لکھنے پر زور دیا اور یہ کہ مکہ سے کوئی مسلمان ہجرت کر جائے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہوگا اور کوئی مسلمان مکہ میں آجائے گا تو ہم واپس نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ نادانی اور ضد کی انتہا ہے، مگر حضور ﷺ نے مصلحتاً ان دفعات کو منظور فرمایا اور مسلمانوں نے بھی طبعاً سخت ناگواری کے باوجود محض آپ ﷺ کے ارشاد کی وجہ سے تسلیم خم کر دیا اور بالآخر اس فیصلہ پر مطمئن ہو گئے۔ اور اللہ سے ڈر کر نافرمانی سے بچے رہے اور کعبہ کے ادب پر مضبوطی سے جبر ہے۔ کیونکہ وہ حقیقی توحید کے پرستار اور علمبردار امن تھے۔

کلمۃ التقویٰ کی تفسیر حدیث میں اسی لئے لا الہ الا اللہ کے ساتھ کی گئی ہے کہ حقیقی فرمانبردار ایک سچا مومن ہی ہو سکتا ہے اور صحابہ کرام نے اس کو کر کے دکھایا۔

اور لفظ حق کو اسم تفضیل کے صیغہ سے اور بلہا کو بلا تفضیل لانے میں یہ نکتہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں تھوڑی تھوڑی قابلیت ایمان سب میں پائی جاتی ہے۔ اسی لئے سب مکلف بالا ایمان ہیں۔ البتہ مسلمانوں میں یہ قابلیت زیادہ ہے۔ لیکن آخرت میں کفار کے لئے ذرا بھی ثواب کی قابلیت نہیں ہوگی۔ وہاں نفس الہیت بھی مسلمانوں ہی میں منحصر ہوگی۔

سچا خواب: لقد صدق اللہ۔ اس آیت میں حضور ﷺ کے اسی خواب کا ذکر ہے کہ ہم مکہ میں داخل ہوئے اور سرمنڈوا کر اور بال کترا کر ہم حلال ہو رہے ہیں۔ اتفاق وقت کہ آپ ﷺ نے اسی سال عمرہ کا قصد فرمایا عام طور سے صحابہ یہی سمجھے کہ ہم اسی سال مکہ میں داخل ہو جائیں گے اور عمرہ کریں گے لیکن صلح حدیبیہ کے نتیجہ میں جب واپسی ہوئی تو بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن وامان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا؟ عرض کیا گیا کہ نہیں۔ فرمایا بے شک یوں ہی ہوگا جیسے میں نے کہا تھا۔ اگلے سال وہی سب کچھ ہوا۔

بالحق ای متلبسا۔ تاکید و اہتمام کے لئے ہے صحابہ کے تردد کو رفع کرنے اور مخالفین کے طعن کو دفع کرنے کے لئے۔

انشاء اللہ۔ ابن کثیر کے نزدیک تحقیق و تاکید کے لئے ہے، لیکن سیبویہ کے نزدیک کسی کام کرنا اگر منظور ہوتا ہے لیکن قطعی طور پر کسی مصلحت سے ایک چیز کو بتلانا مقصود نہیں ہوتا تو وہاں یہ عنوان اختیار کیا کرتے ہیں۔

امین میں داخلہ کے وقت اور لاتخافون میں داخلہ کے بعد تا واپسی امن مراد ہے۔ اس لئے تکرار کا شبہ نہ کیا جائے۔

حدیبیہ میں جنگ نہ ہونا ہی مصلحت تھا: . . . فجعل من دون ذلك۔ یہ بھی احتمال ہے کہ صلح کی حکمت کا بیان ہو یعنی اگر اسی سال عمرہ ہوتا تو قتل و قتل کی نوبت آتی اور صلح نہ ہو سکتی اور بہت سی مصلحتیں فوت ہو جاتیں۔ مثلاً فتح خیبر نہ ہوتی کیونکہ حالیہ قتل و قتل سے اتنا تعب ہوتا کہ بظاہر دو ہی مہینہ بعد دوسری معرکہ آرائی مشکل تھی۔ دوسرے سفر کرنے میں اہل مکہ کی طرف سے اندیشہ لگا رہتا کہ کہیں وہ مدینہ پہ چڑھائی نہ کر دیں۔ اس خطرہ کے پیش نظر سفر ہی نہ ہو سکتا۔ پس فی الحال صلح ہو جانے میں ان مصالح کا لحاظ رہا۔

فتح خیبر کو صبیحہ بھی ”فتح مبین“ کہا کرتے تھے اور چونکہ یہ فتح مبین آنحضرت ﷺ کی اطاعت کی بدولت میسر آئی۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کے اصرار سے صحابہ کا شکستہ دل ہونا اس کا متقاضی ہوا کہ اسی عنوان سے آپ کی تصدیق فرما کر اس کو دوام بخشا جائے اور فتح مدینہ کے بعد اہل حدیبیہ اور غیر اہل حدیبیہ چونکہ سب ہی شریک رہے۔ اس لئے لید خل المؤمنین اور والذین معہ میں عام عنوان رکھا گیا۔

دین متین اور فتح مبین: ... لیظہرہ علی الدین کلہ، یعنی سچا دین اور سیدھی راہ وہی ہے جو حضور ﷺ لے کر آئے۔ کیونکہ اس میں اصول و فروع اور عقائد و احکام سب کچھ مکمل اور اعلیٰ پیمانہ پر ہے۔ چنانچہ اللہ نے اسلام کو ظاہر اطور پر سینکڑوں سال مذاہب عالم پر غالب رکھا اور صدیوں بڑی شان و شوکت سے مسلمانوں کی حکومت کا پھر یہ عالم میں لہرا تا رہا اور آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے جب عالم میں دین حق کی حکومت ہوگی، باقی دلیل و برہان کے لحاظ سے تو ہمیشہ اسلام ہی غالب رہا اور رہے گا۔ البتہ اس دین کی حقانیت کا گواہ ہے اور وہی اپنی حکمت عملی سے اس کو ثابت کرنے والا ہے۔

صحابہ کرام کی شان: ... محمد رسول اللہ ﷺ کے جان نثار صحابہ کا یہ حال ہے کہ ایک طرف اگر وہ مومنین کے لئے مہر و فا کے پتلے ہیں تو دوسری طرف دشمنان دین و حق کے مقابلہ میں قہر و جلال کی تصویر ہیں۔ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین جو نرمی و تندہی بطور خود خصلت ہوتی ہے۔ وہ سب جگہ برابر رہا کرتی ہے۔ لیکن جو ایمان سے سنور کر آئے وہ نرمی اپنی جگہ اور گرمی اپنی جگہ ہوا کرتی ہے وہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی شان لئے ہوئے ہوتی ہے۔ غرض صحابہ کی دونوں شانیں صلح حدیبیہ کے موقعہ پر عیاں رہی ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ کسی شرعی مصیحت سے کافر کے ساتھ حسن سلوک اور احسان سے پیش آنا جائز ہے۔ بشرطیکہ مدہنت فی الدین نہ ہوتی ہو۔

بہر حال جہاں تک بندوں کا تعلق ہے تو صحابہ کی یہ شان تھی اور جہاں تک اللہ کا تعلق ہے وہ نمازیں کثرت سے پڑھتے ہیں۔ جب دیکھو اللہ کے آگے رکوع سجدہ میں پڑے ہوئے پورے اخلاص سے وظائف بندگی بجالاتے ہیں۔ ریا و نمود کا شائبہ تک نہیں۔ محض اللہ کی خوشنودی کے جو یا ہیں۔ خصوصاً تہجد کی نماز سے ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق رہتی ہے۔ خشیت الہی اور حسن نیت و خلوص کی شعائیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کرتی ہیں۔ یہ حضرات اپنے چہروں کے نور اور متقیانہ چال ڈھال سے لوگوں میں الگ پہچان لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ پچھلی آسمانی کتابوں میں ان کی یہی شان بیان کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے غیر متعصب اہل کتاب ان کے چہرے اور طور طریق دیکھ کر بول اٹھتے تھے کہ واللہ یہ تو مسیح کے حواری معلوم ہوتے ہیں۔

اسلام کا ارتقاء: ... کز د ع اخرج۔ جس طرح کھیتی آہستہ آہستہ بڑھتی ہے کہ آج کو نیل پھوٹی ہے پھر ڈنڈیاں مضبوط ہوتی ہیں۔ پھر دانے اور پھل پھول آتے ہیں۔ یہی حال دین اسلام کا ہوا کہ حضور ﷺ کے عہد میں ایک سے دو اور دو سے چار ہوئے اور آہستہ آہستہ بڑھو تری ہوتی رہی اور دین مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ بعض علماء نے ”اخرج شطاہ“ اور ”فازرہ“ سے عہد فاروقی اور ”فستعظ“ عہد عثمانی اور ”فاستوی علی سوقہ“ سے عہد مرتضوی کی طرف اشارہ لیا ہے اور بعض علماء نے علی الترتیب والذین معہ، اشداء علی الکفار رحماء بینہم تراہم رکھا سجدا سے خلفاء اربعہ کے عہد مراد لئے ہیں۔

مدح صحابہ اور خلفاء راشدین کا امتیاز: لیکن بہتر یہی ہے کہ بحیثیت مجموعی تمام صحابہ کی مدح و توصیف مراد ہو۔ خاص طور پر بیعت الرضوان میں شریک حضرات کی جن کا ذکر شروع سورت سے چلا آ رہا ہے۔ ذراع۔ یعنی کاشت کاروں کی تخصیص اس لئے کی کہ وہ اس کام میں مبصر ہوتے ہیں۔ پس ایک چیز مبصر کو بھی پسند آ جائے تو دوسرے کیوں پسند نہیں کریں گے۔ پس اس میں مدح صحابہ تہایت بلغ ہے۔

اور ذلک الخ میں تین احتمال ہیں ایک تو ذلک مثلہم پر کلام پورا ہو جائے اور مثلہم فی الانجیل سے دوسرا کلام شروع ہو جائے



دوسرے فی الانجیل پر کلام پورا ہو کر کنز و معنی کلام ہو یعنی تورات و انجیل سے منقول نہ ہو۔ تیسرے تورات یا انجیل پر کلام ختم نہ ہو بلکہ ذلک سے اشارہ آئندہ تمثیل کی طرف ہو اس صورت میں اس تمثیل کا مضمون تورات و انجیل دونوں میں مشترک ہونا چاہیے۔ آج دنیا میں اگر اصلی تورات و انجیل ہوتیں تو ان میں سے کوئی ایک احتمال متعین کیا جاسکتا ہے۔

تورات و انجیل کی تائید:..... لیکن جس حالت میں یہ کتابیں آج موجود ہیں ان کے لحاظ سے پہلا احتمال رائج ہے۔ چنانچہ تورات سفر استثناء ۳۳ ویں باب کے شروع میں ہے۔

”خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔“

پھر اسی باب میں آگے چل کر ہے:

”ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے۔ اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اور تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو پائیں گے۔“

فاران مکہ کے پاس پہاڑ ہے اور شعیر مدینہ کے پاس پہاڑ کا نام ہے اور یہ مضمون ان آیات سے ملتا جلتا ہے۔ اسی طرح انجیل متی کے تیرہویں باب کے آٹھویں جملہ اور پھر ۳۶، ۳۷ جملہ میں ہے۔

”اور کچھ تخم اچھی زمین میں گرا اور پھل لایا کچھ سوگنا، کچھ ساٹھ گنا، کچھ تیس گنا۔“

روروافض:..... منہم میں من بیانہ ہے۔ سب صحابہ اس میں داخل ہیں۔ تاہم صحابیت اور برکات و فضائل صحابیت کے لئے ایمان پر خاتمہ شرط ہے۔ لیکن اس سے تبراہیوں کی مقصد برآری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ علم الہی میں حقیقی صحابہ اگر معدودے چند ہوتے۔ جیسا کہ ان تبراہیوں کا دعویٰ ہے تو حق تعالیٰ اس عنوان سے تعبیر نہ فرماتے کہ من بیانہ کی صورت میں تو کلیت نکلتی ہے اور من تبعیضیہ کی صورت میں اکثریت مفہوم ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کل صحابہ یا کل کے قریب حضرات ایسے ہیں صحبت یافتہ تھے۔ کوئی فرد جس نے کم صحبت پائی ہو اگر اکیانا خارج بھی ہو جائے تب بھی یہ آیت اس فرقہ کے لئے مفید ہونے کی بجائے مضر ہے۔

لیکن بعض حضرات نے لیغیظ بہم الکفار سے اس فرقہ کے کفر پر استدلال کیا ہے۔ لیکن یہ استدلال مشکل ہے کیونکہ آیت سے کافر کا ذی غیظ ہونا کلیۃً یا اکثریاً ثابت ہوتا ہے نہ کہ ذی غیظ کا کافر ہونا۔

لطف آیات:..... فتصیکم منہم معرفة بغير علم۔ اس میں ایک اشکال ہے کہ جب بے خبری میں ان کے ہاتھوں

اہل ایمان پامال ہو جاتے تو اس میں کوئی گناہ نہ ہوتا۔

پھر معرفة بغير علم کے کیا معنی؟ اس میں کئی قول ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں طبعی تاسف اور رنج مراد ہے معصیت مراد نہیں ہے۔ لیکن اقرب یہ ہے کہ گو اس میں گناہ نہ ہو۔ لیکن خود عمل میں اگرچہ بلا علم ہو یہ خاصیت ہے کہ اگر علم کے بعد تدارک نہ کیا جائے تو صالح استعداد بھی ضعیف پڑ جاتی ہے جس کا اثر اعمال میں اضمحلال بلکہ اختلال ہو جاتا ہے اور اس کا نقصان وہ ہونا ظاہر ہے اہل دل اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

اشداء علی الکفار۔ یعنی صفت جلال و جمال کے جامع ہیں اور ان کی پیشانی خلعت نورانی ہے۔

## سُورَةُ الْحُجُرَاتِ

سُورَةُ الْحُجُرَاتِ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانِي عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا مِنْ قَدَمٍ بِمَعْنَى تَقَدَّمَ أَيْ لَا تَقْدِمُوا بِقَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ الْمُبَلِّغِ عَنْهُ أَيْ بِغَيْرِ إِذْنِهِمَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ لِقَوْلِكُمْ عَلِيمٌ ﴿٢﴾ بِفِعْلِكُمْ نَزَلَتْ فِي مُجَادَلَةِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي تَأْمِيرِ الْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ أَوْ الْقَعْقَاعِ بْنِ مَعْبُدٍ وَنَزَلَ فِي مَنْ رَفَعَ صَوْتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ إِذَا نَطَقْتُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ إِذَا نَطَقَ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ إِذَا نَاجَيْتُمُوهُ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ بَلْ ذُو ذِكِّ إِنْ لَكُمْ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٣﴾ أَيْ خَشْيَةَ ذَلِكَ بِالرَّفْعِ وَالْجَهْرِ الْمَذْكُورَيْنِ وَنَزَلَ فِي مَنْ كَانَ يَخْمَضُ صَوْتَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ كَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَغَيْرِهِمَا رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى أَيْ لِيُظْهَرَ مِنْهُمْ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٤﴾ الْجَنَّةُ وَنَزَلَ فِي قَوْمٍ جَاءُوا وَقْتُ الظُّهَيْرَةِ وَالنَّبِيُّ ﷺ فِي مَنَزِلِهِ فَنَادَوْهُ إِنَّ الَّذِينَ ينادونك من وراءِ الْحُجُرَاتِ حُجُرَاتٍ نِسَاءً ﷻ جَمْعُ حُجْرَةٍ وَهِيَ مَا يُحْجَرُ عَلَيْهِ مِنَ الْأَرْضِ بِحَائِطٍ وَنَحْوِهِ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ نَادَى خَلْفَ حُجْرَةٍ لِأَنَّهُمْ لَمْ يَعْلَمُوهُ فِي إِيَّاهَا مُنَادَاةَ الْأَعْرَابِ بِغِلْظَةٍ وَجَفَاءٍ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٥﴾ فِيمَا فَعَلُوهُ مَحَلَّكَ الرَّفِيعُ وَمَا يُنَاسِبُهُ مِنَ التَّعْظِيمِ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا أَنَّهُمْ فِي مَحَلٍّ رَفِيعٍ بِالْإِيتَاءِ وَقِيلَ فَاعِلٌ لِفِعْلِ مُقَدَّرٍ أَيْ ثَبَتَ حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٦﴾ لِمَنْ تَابَ مِنْهُمْ وَنَزَلَ فِي الْوَلِيدِ بْنِ عُقْبَةَ وَقَدْ بَعَثَهُ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ مُصَدِّقًا فَخَافَهُمْ لِرَّهَةٍ كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَرَجَعَ وَقَالَ إِنَّهُمْ مَنَعُوا الصَّدَقَةَ وَهَمُّوا بِقَتْلِهِ فَهَمَّ النَّبِيُّ ﷺ بِغَزْوِهِمْ فَجَاءَهُ وَامْنِكِرِينَ مَا قَالَهُ عَنْهُمْ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ خَبَرَ فَتَبَيَّنُوا صَلَاقَهُ مِنْ كَذِبِهِ وَفِي قِرَاءَةِ فَتَبَيَّنُوا مِنْ الثَّبَاتِ أَنْ تُصَيَّبُوا قَوْمًا مَفْعُولٌ لَهُ أَيْ خَشْيَةُ ذَلِكَ بِجَهَالَةِ حَالٍ مِنَ الْفَاعِلِ أَيْ جَاهِلِينَ فَتَصَبَّحُوا فَتَصَيَّرُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ مِنَ الْخَطَاءِ بِالْقَوْمِ نَدِيمِينَ ﴿۶﴾ وَأَرْسَلَ إِلَيْهِمْ ﷺ بَعْدَ عَوْدِهِمْ إِلَى بِلَادِهِمْ خَالِدًا فَلَمْ يَرِ فِيهِمْ إِلَّا الطَّاعَةَ وَالْخَيْرَ فَاخْبَرَ النَّبِيَّ ﷺ بِذَلِكَ وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَلَا تَقُولُوا الْبَاطِلَ فَإِنَّ اللَّهَ يُخَبِّرُهُ بِالْحَالِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ الَّذِي تُخَبِّرُونَ بِهِ عَلَى خِلَافِ الرَّاغِبِ فَرَّتْ عَلَى ذَلِكَ مُقْتَضَاهُ لَعْنَتُهُمْ لَا يَنْتَمِ دُونَهُ إِثْمُ التَّسَبُّبِ إِلَى الْمُتَرَبِّ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ حَسَنَةً فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ إِسْتَدْرَاكَ مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى دُونَ اللَّفْظِ مِنْ حُبِّ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ الْخِ غَايَرَتْ صِفَتُهُ صِفَةً مَنْ تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ أُولَئِكَ هُمْ فِيهِ الْيَفَاتِ عَنِ الْخِطَابِ الرَّشِيدُونَ ﴿۷﴾ الثَّابِتُونَ عَلَى دِينِهِمْ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ مَصْدَرٌ مَنْصُوبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ أَيْ أَفْضَلَ وَنِعْمَةً مِنْهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِهِمْ حَكِيمٌ ﴿۸﴾ فِي إِنْعَامِهِ عَلَيْهِمْ وَإِنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ الْآيَةُ نَزَلَتْ فِي قَضِيَّةٍ هِيَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَكِبَ حِمَارًا وَمَرَّ عَلَى ابْنِ أَبِي قُبَالٍ الْحِمَارُ فَسَدَّ ابْنُ أَبِي أَنْفَةَ، فَقَالَ ابْنُ رَوَاحَةَ وَاللَّهِ لَبُولُ حِمَارِهِ أَطْيَبُ رِيحًا مِنْ مِسْكِكَ فَكَانَ بَيْنَ قَوْمَيْهِمَا ضَرْبٌ بِالْأَيْدِي وَالنِّعَالِ وَالسَّعْفِ اقْتَسَلُوا جُمِعَ نَظَرًا إِلَى الْمَعْنَى لِأَنَّ كُلَّ الطَّائِفَةِ جَمَاعَةٌ وَقُرِئَ اقْتَسَلْنَا فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا رُئِيَ نَظَرًا إِلَى اللَّفْظِ فَإِنْ بَغَتْ تَعَدَّتْ إِحْلَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ تَرْجِعَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ ﷻ الْحَقِّ فَإِنْ قَاءَتْ فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ بِالْإِنْصَافِ وَأَقْسِطُوا إِعْدِلُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۹﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فِي الدِّينِ فَاصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ إِذَا تَنَافَا وَقُرِئَ إِخْوَتِكُمْ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَاتَّقُوا اللَّهَ فِي الْإِصْلَاحِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: ..... سورۃ حجرات مدنیہ ہے جس میں اٹھارہ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، اے اہل ایمان تم سبقت مت کیا کرو، (یہ لفظ قدم بمعنی تقدم ہے یعنی بات چیت یا کام میں پیش قدمی نہ کیا کرو) اللہ و رسول سے پہلے (جو اللہ کے پیغمبر ہیں یعنی ان دونوں کی اجازت کے بغیر) اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تمہاری باتوں کو سننے والے جاننے والے ہیں (تمہارے کاموں کے پچھلی آیت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق نازل ہوئی۔ جب کہ ان دونوں میں اقرع بن حابس اور قعقاع بن معبد کے امیر بنانے کے متعلق مباحثہ ہوا۔ اور اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کی آواز حضور ﷺ کی موجودگی میں بلند ہو گئی تھی) اہل ایمان اپنی آوازیں (بات کرتے وقت) پیغمبر کی آواز سے اونچی مت کیا کرو (جب آپ ﷺ مصروف گفتگو ہوں) اور نہ ان سے سرگوشی کے وقت ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بولا کرتے ہو (بلکہ ادباً پست آواز سے بولا کرو) ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو (یعنی اونچی آواز ہونے اور زور سے بولنے میں یہ ڈر ملحوظ رہنا چاہیے۔ اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور ﷺ کے سامنے پست آواز سے بات چیت کرتے تھے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

یقیناً جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خالص کر دیا (آزمایا) ہے تقویٰ کے لئے (یعنی تاکہ ان کا تقویٰ نمایاں ہو جائے) ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے (جنت، اگلی آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو دو پہر کو حاضر ہوئے جب کہ آنحضرت ﷺ زنان خانے میں استراحت فرما رہے تھے اور انہوں نے آواز لگانی شروع کر دی بلاشبہ جو لوگ حجروں سے باہر آپ کو پکارتے ہیں (زنان خانے سے باہر، حجرات حجرہ کی جمع ہے زمین کا وہ ٹکڑا جو دیوار وغیرہ سے گھیر دیا جائے۔ ان میں سے ہر ایک الگ الگ حجروں میں آواز لگاتا پھرتا تھا۔ کیونکہ ان کو پتہ نہیں تھا کہ آپ ﷺ کس حجرے میں تشریف فرما ہیں اور آواز بھی گاؤں والوں کی طرح اکھڑپنے سے) ان میں سے اکثر بے سمجھ ہیں (ان کا یہ طرز عمل آپ کے بلند رتبہ اور اس کی شایان شان تعظیم سے ناواقفیت پر مبنی ہے) اور اگر یہ لوگ ذرا صبر کرتے (انہم مبتدا ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور بعض کے نزدیک فعل محذوف مثبت کا فاعل ہے) یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجائے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ غفور الرحیم ہے (ان میں سے جنہوں نے توبہ کر لی، اگلی آیت ولید بن عقبہ کے بارہ میں نازل ہوئی جن کو آنحضرت ﷺ نے مصدق بنا کر بنو المصطلق کے یہاں روانہ فرمایا۔ انہیں اس پرانی دشمنی کی وجہ سے اندیشہ ہوا جو ان میں باہم زمانہ جاہلیت میں قائم تھی۔ اور ولید نے واپس ہو کر عرض کیا کہ بنو المصطلق والے زکوٰۃ نہیں دیتے بلکہ میرے قتل کے درپے ہو گئے چنانچہ یہ سن کر آپ کو بھی فوج کشی کا خیال ہو گیا۔ مگر اس قبیلہ کے لوگوں نے حاضر ہو کر ولید کے الزام کی تردید کی) اے اہل ایمان! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (جھوٹ اور سچ کی۔ اور ایک قراءت میں منقول ہے ثبات سے ماخوذ) ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو کوئی نقصان پہنچ جائے (ان نصیبوا مفعول لہ ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے، خشية ذلك) نادانی سے (فاعل سے حال ہے بمعنی جاہلین) پھر تمہیں اپنے کئے پر (قوم کے ساتھ غلطی کرنے پر) پچھتانا پڑے (آنحضرت ﷺ نے بنی المصطلق کی واپسی کے بعد پھر ان کے پاس خالد بن ولید کو روانہ فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے ان لوگوں میں بجز فرمانبرداری اور بھلائی کے کوئی بات نہیں دیکھی جس کی اطلاع انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دے دی) اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ہیں (لہذا غلط بات مت کہو ورنہ اللہ تعالیٰ صحیح صورت حال سے آپ کو مطلع فرما دے گا) بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر پیغمبران میں تمہارا کہنا مانا کریں (جو خلاف واقعہ باتیں تم نے پہنچائی ہیں ان پر اگر ان کا مقتضی مرتب ہو جائے) تو تم کو بڑی مضرت پہنچے (تم گنہگار ہو جاؤ گے حضور ﷺ پر کوئی الزام نہیں۔ اور یہ گناہ، گناہ کا سبب بننے کی وجہ سے ہو گا اس پر ثمرہ مرتب ہونے تک) لیکن اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا۔ (مستحسن بنادیا) اور کفر و فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی (لکن سے استدراک بلحاظ معنی ہے لفظی اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ اہل ایمان جن کی شان یہ ہو ان کی کیفیت مذکورہ بالا کیفیت سے مختلف ہوتی ہے) ایسے ہی لوگ (اس میں خطاب سے التفات ہے) راہ راست پر ہیں (دین پر قائم) اللہ کے فضل (مصدر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای افضل فضلا) اور (اس کے) انعام سے اور اللہ تعالیٰ (ان سے) باخبر حکمت والا ہے (ان پر انعام کرنے میں) اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ (یہ آیت ایک واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ گدھے پر سوار ہو کر ابن ابی کے پاس سے ہو کر گزرے۔ اتفاقاً گدھے نے پیشاب کر دیا۔ جس پر عبد اللہ ابن ابی نے اپنی ناک بند کر لی، عبد اللہ بن رواحہ بولے کہ واللہ آپ ﷺ کے گدھے کا پیشاب تیرے مشک کی خوشبو سے اچھا ہے۔ چنانچہ طرفین میں ہاتھ پائی، جو تم پیزار، چچی بازی شروع ہو گئی) آپس میں لڑ پڑیں (بلحاظ معنی جمع لائی گئی ہے۔ کیونکہ ہر فریق ایک پوری جماعت تھی اور ایک قراءت میں اقتلتا بھی ہے) تو تم ان کے درمیان اصلاح کر دو (یہاں تشبیہ بلحاظ لفظ لایا گیا) پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی (ظلم) کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک وہ اللہ کے حکم (حق) کی طرف رجوع ہو جائے (لوٹ آئے) پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل (انصاف) کے ساتھ اصلاح کر دو، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، مسلمان تو سب (دینی) بھائی بھائی ہیں۔ سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اصلاح کر دیا

کرو (جب وہ جھگڑ پڑیں۔ ایک قراءت میں اختتام کے ساتھ ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو (اصلاح کے معاملہ میں) تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

تحقیق و ترکیب: لا تقدموا۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہ قدم لازم ہے جو معنی تقدم ہے جو متعدی ہوتا ہے مفعول محذوف ہے یعنی بقول او فعل۔

بین یدی اللہ۔ یعنی اللہ و رسول کے ہر معاملہ میں مطیع رہو۔ تقدم بین یدی ابیہ وامہ کے معنی ہیں ان کو بلا اجازت حکم دے دیا یا ممانعت کردی اور بعض کے نزدیک مفعول محذوف ہے ای امر۔

فوق صوت النبی یعنی زیادہ چلا کر بولنے میں بھی بے ادبی ہے اور زیادہ آہستہ بولنے میں تازی کا احتمال ہے درمیانی آواز سے بولنے میں بس اس کا لحاظ رہے کہ آواز آپ سے اونچی نہ ہو کہ گستاخی میں شمار ہے۔

ولا تجھروا له بالقول۔ چونکہ اس میں تکرار کا شبہ ہو سکتا ہے اس لئے مفسر نے دونوں میں فرق کر دیا کہ پہلا حکم تو اس صورت میں ہے کہ آپ بھی مصروف گفتگو ہوں تو بات کرتے وقت آپ ﷺ سے اونچی آواز نہ کرو اور یہ دوسرا حکم اس صورت میں ہے کہ آپ خاموش تشریف فرما ہوں تو آپ کی موجودگی میں باہمی بے تکلفی اور آزادانہ گفتگو مت کرو بلکہ پاس ادب ملحوظ رکھ کر گفتگو کرو۔

ان تحبط۔ مفسر نے ای خشية ذلک کہہ کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور لا ترفعوا اور لا تجھروا میں تنازعہ ہو رہا ہے۔ پس بصرین کے مذہب پر فعل ثانی کا مفعول نہ ہوگا اور کوفیوں کے نزدیک اول کا پہلی رائے اصح ہے۔ کیونکہ اول کو عمل دینے کی صورت میں ثانی میں اضممار ماننا پڑے گا۔

اولئک۔ یہ مبتداء ہے اور الذین اس کی خبر ہے اور پورا جملہ ان کی خبر ہے اور لهم مغفرة دوسرا جملہ ہے یا جملہ مستأنفہ اور یا جملہ حالیہ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الذین امتحن صفت ہو اولئک کی یا بدل اور بیان ہو اور لهم مغفرة جملہ خبریہ ہو۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صرف لهم خبر ہو اور مغفرة اس کا فاعل ہو۔ امتحان و اختبار سبب ہے اظہار تقویٰ کا کافی نفسہ تقویٰ کا سبب نہیں ہے۔ گویا سبب کا سبب پر اطلاق کیا گیا ہے۔ جس طرح سماع الحان سے دل میں چھپی ہوئی محبت کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح امتحان کے ذریعہ دل میں چھپے ہوئے تقویٰ کا اظہار ہوتا ہے۔

کان کل واحد۔ مفسر نے کان احتمالی صیغہ اس لئے استعمال کیا ہے۔ کیونکہ جہاں یہ احتمال ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک ایک حجرہ کے سامنے آواز دے رہا ہوگا۔ یہ بھی امکان ہے کہ سب مل کر ہر حجرہ کے سامنے آواز دی ہو۔ البتہ جمع کے مقابلے میں جمع لانے سے انقسام احادی علی الاحاد ہو رہا ہے۔

لکان خیرا لهم۔ یعنی جلد بازی کے مقابلہ میں انتظار بہتر تھا۔ کیونکہ اس میں ادب اور تعظیم نبوی ہی تمام سعادتوں کی کنجی ہے۔

لنورہ۔ قرہ کے معنی خفت رائے عداوت و ریب کے ہیں۔

فتینوا۔ یعنی اچھی طرح چھان بین کر لیتی چاہیے۔ جھوٹ فسق کی ایک شاخ ہے۔ پس جو فسق سے احتراز کرے گا وہ جھوٹ سے بھی احتراز کرے گا۔

وفی قراءۃ۔ حزف اور علی کی قراءت میں لفظ تنجوا ہے یعنی خبر سنتے ہی عمل درآمد شروع نہ کرو۔ بلکہ توقف کرو، حتیٰ کہ حقیقت حال ظاہر ہو جائے۔

ان تصیبا۔ مفسر نے خشية نکال کر حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے بصریوں کے مذہب پر اور کوفیوں کے نزدیک تقدیر عبادت لکلا تصیبا ہے۔

واعلموا۔ بعد کا جملہ مع لو بطیعکم کے اعلیٰ کے دونوں مفعولوں کے قائم مقام ہے اور لو بطیعکم فیکم کی ضمیر مجرور سے حال ہو گیا ضمیر مرفوع مستتر سے حال ہوگا۔ بعض لوگوں نے بنی مطلق کے معاملہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہوگا تاکہ ان پر حملہ ہو جائے۔ اگرچہ ان کی رائے نہیں مانی گئی۔ اور لو بطیعکم کو جملہ مستأنف بھی کہا جاسکتا ہے۔ لیکن زبشرؓ نے اس احتمال کو رد کر دیا۔ کیونکہ اس صورت میں کلام متعارض ہو جائے گا۔ مگر تاقض کلام کو واضح نہیں کیا۔ اور لو کے بعد مضارع لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان لوگوں نے اپنی رائے پر اصرار کیا ہوگا۔ لعنتم۔ قاموس میں ہے کہ عنت کے معنی فساد، گناہ، ہلاکت اور مشقت کے ہیں۔ آیت میں سب معنی ہو سکتے ہیں۔ دونہ۔ یعنی حضور اس زد میں نہیں آتے۔

اثم التاسب۔ یعنی فعل کا گناہ تو نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا ارتکاب نہیں کیا، البتہ سبب بننے کا گناہ ہوگا۔ اور الی المرتب کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری خبر پر جو حضور ﷺ کی کاروائی مرتب ہوگی اس کی ذمہ داری بھی تم پر ہوگی۔

حب الیکم الایمان۔ یعنی ایمان کامل۔ جس میں تصدیق جناب، اقرار لسان، عمل ارکان تینوں داخل ہیں۔ اور ان تینوں کا تقاضہ ہے کہ ان کی اصداد سے کراہت و نفرت ہو۔ اسی لئے و کبرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان فرمایا گیا ہے۔ لف وشر مرتب کے طور پر سمجھنا چاہیے۔ استدارک من حیث المعنی۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ حاصل سوال یہ ہے کہ لکن کے ماقبل و مابعد میں اثبات و نفی کا اختلاف ہوا کرتا ہے جو یہاں نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ لفظاً یہ اختلاف موجود نہیں ہے۔ مگر بلحاظ معنی یہ اختلاف ہے۔ کیونکہ کامل مومنین کی شان اس سے مختلف ہوتی ہے جن اوصاف کا پہلے ذکر ہوا ہے وہ ہر شنیہ بات پر کان نہیں دھرتے۔ اس طرح ماقبل و مابعد میں اختلاف ہو گیا۔ فضلا۔ یہ اسم مصدر ہے اور مصدر افضال ہے۔ مگر مفسرؒ نے تسامحاً مصدر کہہ دیا اور حب کا مفعول نہ بھی ہو سکتا ہے۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ آیت میں اس پر تنبیہ ہے کہ اللہ و رسول کی محبت اور کفر و فسوق سے نفرت سعادت عظمیٰ ہے۔

وان طائفتان۔ اس میں اشارہ ہے کہ باغی بھی مومن ہوتا ہے، اور یہ کہ جب وہ جنگ سے باز آجائے تو اس کا پیچھا نہ کیا جائے اور یہ کہ نصیحت و فہمائش کے باوجود اگر باغی باز نہ آجائے تو اس پر چڑھائی کرنے والے کی مدد کی جائے۔ فان بغت۔ یعنی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دے۔

حتی تفی۔ یہ حتی بقدر بیان غایت کے لئے ہے اور بمعنی کی بھی ہو سکتا ہے تعلیل کے لئے لیکن سیاق آیت کے مناسب پہلی صورت ہے۔ اقسطوا۔ مفسرؒ نے اعدلوا سے اشارہ کیا ہے کہ اقسطوا میں ہمزہ سلب کے لئے ہے قسط بمعنی ظلم اما القاسطون فکانوا لجہنم حطباً۔

بین اخویکم: چونکہ نزاع کم از کم دو کے درمیان ہوتا ہے اس لئے تثنیہ لایا گیا اور دوسری قراءت صیغہ جمع کی ہے جو ظاہر ہے۔ لعلکم: اس ترقی میں اطماع کریم ہے۔

شان نزول: لا تقدموا۔ خطیبؒ کے قول پر اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے۔ شععیؒ جابر سے نقل کرتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے یعنی آنحضرت ﷺ کی قربانی سے پہلے تم قربانی مت کرو۔ بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے نماز عید سے فارغ ہونے سے پہلے ہی قربانی کر لی تھی۔ چنانچہ ان کی قربانی کو رد ہرایا گیا۔ اور مسروقؒ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ اس میں یوم اشک کے روزہ سے منع کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے روزہ مت رکھو۔ لیکن امام رازیؒ کی رائے ہے کہ آیت عام ہے ہر بات اور ہر کام میں آنحضرت ﷺ پر پہل نہیں کرنی چاہیے۔

مفسر نے جس خاص سبب نزول کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک موقع پر لشکر کا امیر بنانے میں صحابہ کے درمیان اختلاف رائے ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اقرع بن حابس کا نام پیش کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے قعقاع بن معبد کا نام پیش کیا۔ اس پر ابوبکرؓ بولے۔ ما اردت الا خلافتی۔ یعنی تمہارا منشاء محض میرا خلاف کرنا ہے۔ عمرؓ نے بھی جواب میں یہی جملہ دہرایا۔ دونوں کی گفتگو بلند ہو گئی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ لا ترفعوا۔ اس کے شان نزول کی طرف مفسر نے اشارہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آیات کا شان نزول الگ الگ ہے۔ لیکن گذشتہ تفصیل سے معلوم ہو رہا ہے کہ یا ایہا الذین آمنوا لا تفلحوا اسے لے کر لا تشعرون تک ایک ہی شان نزول ہے۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا واقعہ۔

ان الذین یغضون۔ بقول بیہیؒ حضرت ابوبکرؓ نے قسم عرض کیا ہے کہ اب میں مدت العمر سرگوشی کے انداز میں نہ بولوں گا۔ عبد اللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ آیت لا ترفعوا نازل ہونے کے بعد حضرت عمرؓ اتنے آہستہ بولنے لگے کہ دوبارہ استفسار کی ضرورت ہونے لگی۔ اسی طرح ثابت بن قیس خثعمیؓ بلند آواز تھے۔ مگر یہ سن کر ڈرے اور روئے اور جکلف آواز پست کر لی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا منشاء یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ادب ملحوظ رکھنے میں اذیت سے بچانا ہے پس نہ آواز اونچی ہو اور نہ پست ہو۔ بلکہ درمیانی آواز سے بات چیت کرو۔

ان الذین ینادونک: وفد بنی تمیم کے لوگ سر دو پہر حاضر ہوئے۔ جبکہ آنحضرت ﷺ خواب استراحت میں تھے ان میں اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن بھی تھے۔ انہوں نے دولت خانے سے باہر کھڑے کھڑے آوازیں لگائیں۔ اخرج الینا یا محمد فان مد حنازین و ذمنا شین۔ آنحضرت ﷺ بیدار ہو کر باہر تشریف لائے۔ چونکہ یہ پکارنا کھڑپنے سے اور بے موقعہ جلد بازی کا مظاہرہ تھا۔ اس لئے تنبیہ کی گئی۔ ان جاء کم فاسق: ابن جریرؒ نے ام سلمہؓ، ابن عباسؓ، مجاہدؓ سے اور طبرانیؒ و احمدؒ نے حارث ابن ابی الحارث خزاعی سے تخریج کی ہے۔ کہ ولید بن عقبہ کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وان طائفان: شیخین نے حضرت انسؓ سے اس واقعہ کی تخریج کی ہے۔ اور بیضاویؒ میں ہے کہ اوس و خزرج کے مابین واقعات کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

رابط آیات: پچھلی سورۃ الفتح میں اصلاح آفاق بالجہاد تھی اور اس صورت میں اصلاح نفس بالارشاد ہے اور اجزاء سورت کے مجموعہ کا حاصل سید المرسلین اور مومنین کے باہمی حقوق کا بیان ہے

﴿تشریح﴾: اس سورت میں نبی کریم ﷺ کے آداب و حقوق اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم رکھنے کے طریقے ارشاد فرمائے گئے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کا اجتماعی نظام کن بنیادوں پر استوار ہو سکتا ہے اور کن اصولوں پر کار بند ہونے سے مستحکم رہ سکتا ہے؟ اور کبھی اگر اس میں خرابی اور خلل واقع ہو جائے تو اس کا کیا علاج ہے؟

تجربہ شاہد ہے کہ اکثر نزاعات و مناقشات خود رائی، غرض پرستی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی شخصی رایوں اور غرضوں کو کسی ایک بلند معیار کے تابع کر دینا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ اللہ و رسول کے ارشادات سے بڑھ کر کوئی معیار نہیں ہو سکتا ایسا کرنے میں وقتی طور پر خواہ کتنی ہی تکالیف اٹھانی پڑیں لیکن اس کا آخری انجام یقینی طور پر دارین کی سرخروئی اور کامیابی ہے۔

آداب نبوی ﷺ: چنانچہ ارشاد ہے کہ جس معاملے میں اللہ و رسول کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہے۔ اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو۔ بلکہ حکم الہی کا انتظار کرو پس جس وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ ارشاد فرمائیں۔ خاموشی سے کان لگا کر سنا



کرو۔ ان کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جرات نہ کیا کرو۔ ادھر سے جو حکم ملے اس پر بے چوں چرا، اور بلا پس و پیش عمل کر لیا کرو اپنی اغراض و خواہشات کو ان کی مرضیات و احکام پر مقدم نہ کھو۔ بلکہ اپنے جذبات و افکار کو شارع کے تابع بنا لو جب تک قوی قرآن یا صراحت سے گفتگو کی اجازت نہ ہو۔ گفتگو میں پہل مت کرو۔ بلکہ انتظار کرو، بلا اجازت و انتظار خلاف مرضی ہونے کا امکان ہے۔ غرضیکہ جواز شرعی اجازت پر موقوف ہے خواہ قطعی ہو یا ظنی۔ اور جس طرح پیغمبر کی عدم موجودگی میں اول نص، پھر نص میں غور و تامل ضروری ہے۔ اسی طرح آپ کے حضور میں اول نص کا انتظار پھر قرآن میں تامل ضروری ہے پس غلطی یہ ہوئی کہ انتظار نہیں کیا۔ ہر کام میں یہی حکم ہے۔

واتقوا الله۔ اللہ و رسول کی سچی فرمانبرداری اور تعظیم اسی وقت میسر آ سکتی ہے۔ جب خوف خدا دل میں ہو۔ دل میں اگر ڈر نہیں تو ظاہر اذعویٰ اسلام بنانے کے لئے بار بار اللہ و رسول کا نام زبان پر آئے گا۔ اور بظاہر ان کے احکام کو بھی آگے رکھے گا۔ مگر فی الحقیقت ان کو اپنی خواہشات و اغراض کی تحصیل کے لئے ایک آلہ کار کے طور پر استعمال کرے گا۔ سو یاد رہے کہ جو زبان پر ہے اللہ اسے سنتا ہے اور جو دل میں ہے اسے جانتا ہے تو اس کے آگے یہ فریب کیسے چلے گا۔ چاہیے کہ آدمی اس سے ڈر کر کام کرے۔

بلند آواز سے نہ بولنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے اگرچہ باہمی گفتگو ہو تب بھی آپ کی آواز سے بلند نہ ہو اور خود آپ سے گفتگو کرو تو برابر کی آواز سے بھی مت بولو۔

غرض حضور ﷺ کی مجلس میں شور نہ کرو اور جس طرح آپس میں چپک کر یا ترخ کربات کرتے ہو حضور ﷺ کے ساتھ یہ برتاؤ گستاخانہ اور خلاف ادب ہوگا۔ آپ سے خطاب کرو تو نیاز مندانہ لب و لہجہ اور نرم آواز سے تعظیم و احترام کے جذبہ سے ادب و شائستگی کے ساتھ عرض و معروض کی جائے۔

ادب نبوی ﷺ کی کیفیت:..... دیکھو ایک مہذب بیٹا! اپنے باپ سے، ایک لائق شاگرد اپنے استاد سے، ایک مخلص مرید اپنے پیر و مرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے۔ پیغمبر ﷺ کا مرتبہ ان سب سے کہیں بڑھ کر رہے۔ اس لئے آپ سے گفتگو میں پوری احتیاط ملحوظ رہنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ بے ادبی ہو جائے اور آپ ﷺ کو تکدر پیش آئے۔ حضور ﷺ کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے؟ ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔ کفر و شرک تو بالاتفاق تمام اعمال کو بالکل کالعدم کر دیتا ہے۔ لیکن فسق و معصیت کے متعلق اختلاف ہے کہ اس سے بھی اکارت ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

خوارج و معتزلہ تو اپنے اصولوں پر یہی کہتے ہیں کہ فسق و معصیت سے بھی چونکہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ بھی حابط اعمال ہے۔ آیت ”ان تحبط الخ“ سے بظاہر خوارج و معتزلہ کی تائید ہوتی ہے اور یہی ان کا استدلال ہے۔

گناہوں سے ایمان چلا جاتا ہے یا نہیں؟..... لیکن جمہور اہل سنت صرف فسق و معصیت کو حابط اعمال نہیں مانتے ان کے لئے بظاہر آیت میں اشکال ہوگا۔ کیونکہ پیغمبر کی آواز سے اونچی آواز کرنا گناہ ہے جس کو حابط اعمال فرمایا جا رہا ہے۔ پس اس کی مختلف توجیہات اہلسنت کی طرف سے کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ بلند آواز سے بولنا آپ کی اذیت کا باعث ہے اور ایذا رسول کفر ہے۔ اس لئے یہ بلند آوازی بھی موجب حبط اعمال ہوگی۔ اگرچہ اس توجیہ میں تکلف ہے کیونکہ کفر وہی اونچی آواز ہوگی جس کا مقصد آپ کو ستانا ہو۔ لیکن جہاں یہ مقصد نہ ہو وہ کفر کیسے ہوگا البتہ معصیت ہو سکتا ہے جو کفر سے اہل ہون ہے۔

لیکن بے تکلف اور آسان توجیہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض دفعہ بلند آوازی سے گفتگو صورت لے باکی ہوتی ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ سے باہمی

بے تکلفی کے انداز پر گفتگو کرنا طبعاً گستاخی ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کا پیر و اور تابع ہوتا ہے وہ گویا زبان حال سے پابند ادب ہوتا ہے لیکن اس طرز گفتگو میں اس پابندی کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ جو پیشوا کے لئے باعث اذیت ہو سکتی ہے۔ اور عام معاصی اگرچہ حابطہ اعمال نہیں ہوتے۔ مگر ایذا رسول ﷺ خاص طور پر ایسی شدید معصیت ہے کہ اس سے حابطہ اعمال کا اندیشہ ہے۔ گویہ عام کا ایک مخصوص فرد ہے جس کا حکم بھی عام کے علاوہ خاص ہے۔

البتہ بعض اوقات جب طبیعت زیادہ منہبط ہوتی ہے یہ باتیں ناگوار نہیں ہوا کرتی۔ پس اس وقت یہ باعث اذیت نہیں ہوں گی۔ اور باعث اذیت نہ ہونے کی وجہ سے موجب حبط اعمال بھی نہیں ہوں گی اور چونکہ گفتگو کرنے والے کو بعض دفعہ حضور ﷺ کا منقبض ہونا نہ ہونا معلوم نہیں ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرز سے حضور ﷺ کو ملال ہو جائے اور اس سے حبط اعمال بھی ہو جائے۔ لیکن گفتگو کرنے والے کو پتہ بھی نہ چلے اور نہ اسے احساس ہو۔ وہ اسی خیال و گمان میں رہے کہ حضور ﷺ کو تکلیف نہیں پہنچی۔ اس لئے حبط عمل کی خبر بھی نہ ہو۔ لا شعرون کا یہی مفہوم ہے۔ پس ان وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے مطلقاً اونچی آواز سے اور جھگڑا نہ گفتگو سے روک دیا گیا ہے۔ کہ اگرچہ بعض افراد تکلیف دہ نہیں ہوں مگر ان کی تعین کیسے ہو؟ لہذا مطلقاً تمام افراد سے باز آ جانا چاہیے۔

اس توجیہ پر خوارج و معتزلہ کے لئے بھی استدلال کی گنجائش نہیں رہتی۔ کہ عام گناہ کرنے سے انسان ایمان سے خارج ہو جاتا ہے یا کافر ہو جاتا ہے اور نہ اہل سنت کی جانب سے جواب دہی کی ضرورت ہے زیادہ سے زیادہ صرف ایک گناہ کو حابطہ اعمال کہنا پڑے گا۔ سو اس موجبہ جزئیہ کی نفی کی سالبہ کلیہ منصوص نہیں ہے۔ اس لئے اس کے ماننے میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں چونکہ اجلال نبوی کی خاص رعایت ہے اس لئے اس کو ارجح کہنا چاہیے۔

ایک نفیس علمی بحث:۔۔۔ تاہم اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اہل سنت کا یہ قاعدہ بظاہر عام ہے۔ پھر اس کی تخصیص کی کیا دلیل ہے اور بلا دلیل دعویٰ کرنا مشکل ہے۔ مگر جواب میں کہا جائے گا۔ کہ بے ادبی اور گستاخی بلا قصد ایذا رسول اگرچہ صرف گناہ ہی ہے۔ مگر چونکہ یہ سبب ہے ایذا رسول کا۔ اور ایذا رسول اللہ تعالیٰ کو اس قدر نا پسند اور میغوض ہے کہ بعض دفعہ وہ سبب ہو جاتا ہے خذلان اور سلب توفیق کا اور پھر یہ خذلان سبب قریب ہو جاتا ہے کفر اختیاری کا اور کفر بالافتاق حابطہ اعمال ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم حضور ﷺ کے سامنے مذکورہ بالا طرز گفتگو سے بچو۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کو تکلیف پہنچے جس سے تم مخدول ہو جاؤ اور پھر اس خذلان کے سبب خدا نخواستہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ تم قصد کفر یہ اعمال کرنے لگ جاؤ۔ حالانکہ تمہیں اس طرز گفتگو کے وقت نہ اس کے واسطے اذیت رسول اور خذلان حق کی خبر تھی اور نہ اس کا احتمال تھا۔ ورنہ اس کا احساس ہوتے ہوئے صحابہ کرام سے کب ارتکاب کا احتمال ہو سکتا تھا۔ اس تقریر پر کسی گناہ کا بلا واسطہ حابطہ اعمال ہونا بھی لازم نہیں آیا اور اہل سنت نے بلا واسطہ حابطہ اعمال کی نفی فرمائی ہے اور اس طرح خاص اس گناہ کا دوسرے عام گناہوں سے اشد ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ دوسرے گناہوں پر اس شان کی وعید نہیں آئی۔

اور چونکہ ان تحبط اعمالکم سے وانتم لا تشعرون حال ہے اور حال میں حقیقی مقارنت ہوا کرتی ہے۔ اس کی عایت سے اب تقریر کا عنوان اس طرح ہو جائے گا۔ کہ تم حضور ﷺ کے سامنے اور خود حضور ﷺ سے اس طریقہ سے گفتگو نہ کیا کرو کہ مبادا اس شامت سے تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں، اس طرح کہ یہ طرز موجب ایذا رسول ہو اور وہ خذلان کا باعث ہو۔ کفر اختیاری کی طرف منجر ہو جائے اور کفر موجب حبط اعمال ہے ہی اور تمہیں احساس بھی نہ ہو کہ اعمال کے اکارت جانے کا سبب خود تمہارا یہ طرز عمل ہے۔ تمہارے اسی لالچابی پن نے آج تمہیں یہ روز بد دکھلایا۔

اس عنوان پر مقصود بھی آگیا اور اتم لا تشعرون کی حالت بھی محفوظ رہی۔ غرض اس تقریر سے سب غبار صاف ہو گئے اور لفظ بھی کسی تکلیف کا ارتکاب کرنا نہیں پڑا۔

**تعظیم نبوی کی ترغیب:** ..... (۱) یہاں تو بلند آواز سے یا بے تکلفانہ گفتگو کے متعلق ترغیب تھی۔ اگلی آیت میں پست آواز سے گفتگو کرنے کی ترغیب ہے۔

ان الذین یغضون۔ یعنی جو لوگ پیغمبر کی مجلس میں ادب و تعظیم اور تواضع سے بات چیت کرتے ہیں اور نبی کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب پرکھ لیا ہے اور خالص و طہارت کے لئے اچھی طرح مانجھ لیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اعظم شعائر اللہ چار چیزیں ہیں۔ قرآن کریم، پیغمبر اعظم، کعبۃ اللہ، نماز ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو۔ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔ معلوم ہوا کہ جب حضور ﷺ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ کے احکام و ارشادات سن کر ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا گناہ ہوگا۔ غرضیکہ کمال تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان خلاف ادبی باتوں سے بھی مکمل احتراز کریں۔

ترندی کی حدیث مرفوع ہے۔ لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا یاس بہ حذرا لما نہ یاس۔ بلند آواز سے گفتگو اور بے باکانہ کلام کبھی موجب تادیب ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ جب مطلقاً اس طرز کو چھوڑ دیا تو پھر تکلیف وہ پہنچو کا خطرہ ہی نہ رہا اس لئے کمال تقویٰ حاصل ہو گیا

آگے اس عمل کا اخروی ثمرہ ارشاد ہے کہ اس اخلاق و حق شناسی کی برکت سے پچھلی کوتاہیاں معاف ہوں گی اور بڑا بھاری ثواب ملے گا۔

**حضور ﷺ کی محبت و تعظیم ہی مسلم قوم کی ترقی کے لئے نقطہ عروج ہے:** ان الذین ینادونک، بنی تمیم منے کو آنے حضور ﷺ حجرہ مبارکہ میں تشریف رکھتے تھے۔ وہ لوگ باہر کھڑے کھڑے آواز دینے لگے۔ یہ ایک قسم کی بے ادبی بے عقلی اور بے تہذیبی کی بات تھی، اپنی سادہ لوحی اور دیہاتی پن سے رسول ﷺ کے مرتبہ کو نہیں سمجھے۔ کیا معلوم اس وقت آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ یا کسی اہم کام میں مشغول ہوں۔ کیونکہ اس طرح تو کسی معمولی ذمہ دار آدمی کے لئے بھی کام کرنا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا کوئی نظام الاوقات نہ ہو۔ اور آپ کی ذات والا صفات تو مسلمانوں کے تمام دنیوی اور دینی امور کا مرکز و ملجاء تھی۔

اور پھر پیغمبر کا ادب و احترام بھی آخر کوئی چیز ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ کسی کی زبانی اندر اطلاع کراتے اور آپ ﷺ کی تشریف آوری تک انتظار کرتے۔ اور جب آپ تشریف لا کر ان کی طرف متوجہ ہوتے اس وقت عرض و معروض کرنی چاہئے تھی۔ یہ زیادہ بہتر طریقہ اور شائستہ نمونہ ہوتا۔ پھر بھی نادانستگی اور بے عقلی سے جو بات اتفاقاً سرزد ہو جائے اللہ اس کو اپنی مہربانی سے بخشے والا ہے۔

بہر حال اپنی تقصیر پر نادم ہو کر ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ حضور ﷺ کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر مسلم قوم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوت کا نظام قائم ہے۔

**انتہائی ادب کا تقاضہ:** ..... (۲) اور الیہم میں یہ نکتہ ہے کہ یہ انتظار اس وقت تک رہنا چاہیے کہ آپ کی باہر تشریف آوری تمہارے ہی لیے ہو۔ ورنہ اگر تشریف تو لائے مگر دوسرے کام کے لئے یا دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔ تو پھر صبر و انتظار کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ خروج الیہم نہیں ہے۔ جو غایت ہے صبر کی بلکہ توجہ الیہم ہے جو کافی نہیں ہے ایسی صورت میں با ادب کھڑے رہو۔ حتیٰ کہ خود حضور ﷺ تمہاری طرف متوجہ ہو

بائیں یا قرآن سے معلوم ہو جائے کہ تمہارے ہی لئے تشریف آوری ہوئی ہے۔

منصور رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھنے اور سننے کے وقت بھی نیز قبر شریف کے پاس حاضری کے وقت بھی آداب نبوی ملحوظ رہنے چاہئیں۔ حتیٰ کہ خلفاء اور علماء و بائین اور اولوالامر کے ساتھ بھی درجہ بدرجائی آداب سے پیش آنا چاہیے تاکہ جماعتی نظام قائم رہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہیں وہ ان احکام کے بھی متبع رہیں گے۔ تاہم سوء ادبی کا وبال اتنا نہیں ہوگا۔ لیکن بلا ضرورت ایذا رسانی حرام ضرور ہے تاہم فرق مراتب نہ کرنے سے بہت سے مفاسد اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

بے تحقیق خبر پر عمل کرنے سے بڑی خرابیاں ہو جاتی ہیں۔ ..... یا ایہا اللہین اٰمنوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو اور ایک روایت کے مطابق بنی وکعیہ کو بنی مصطلق کے یہاں زکوٰۃ کی وصول یابی کے لئے روانہ فرمایا۔ ولید اور بنی مصطلق میں زمانہ جاہلیت سے کچھ رنجش تھی۔ بنی مصطلق ولید کی آمد سن کر استقبال کو آئے۔ مگر ولید یہ سمجھے کہ مقابلہ آرائی کو آئے ہیں۔ اسی غلط فہمی میں واپس ہو گئے اور اپنے نیال کے مطابق بارگاہ نبوت میں رپورٹ پیش کر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہوتا ہے بنی مصطلق تو اسلام سے پھر گئے۔ پھر آپ نے تحقیق کے لئے حضرت خالد کو بھیجا اور فرمادیا کہ اچھی طرح تحقیق کرنا اور ایک روایت ہے کہ بنی مصطلق کے لوگ خود حاضر ہوئے۔ ممکن ہے کہ دونوں باتیں ہوئی ہوں۔ غرضیکہ ثابت ہو گیا کہ بات بے اصل تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حاصل یہ ہے کہ بیشتر نزاعات اور مناقشات کی ابتداء چونکہ جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے۔ اس لئے اول اختلاف و تفریق کے اسی سرچشمہ کو بند کرنے کی تلقین فرمائی۔ یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کر لیا کرو۔ کہ بسا اوقات بعد میں پچھتانا پڑتا ہے اور اپنی جلد بازی پر ندامت ہوتی ہے اور پھر اس کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں جماعتی طور پر کیا خراب ہوگا۔

ولید بن عقبہ اگرچہ فاسق نہیں تھے۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض ان کے کہنے پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ چھان بین کی اس لئے آیت میں کسی طرح شکال نہیں رہا۔

پس فاسق کا ذکر حکم میں مبالغہ کے لئے ہے۔ اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ ولید فاسق تھے۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق کے بغیر کارروائی نہیں کی، اسی طرح مسلمانوں کو عام حکم ہے کہ وہ بھی اس حکم کے پابند رہیں ورنہ تقدیم بین یدی اللہ و رسولہ لازم آئے گی جس کی ممانعت پہلے ہو چکی ہے۔

غرضیکہ آیت سے نہ ولید کا فاسق ہونا لازم آیا اور نہ یہ شبہ رہا کہ آپ نے بے تحقیق کارروائی کرنی چاہی ہوگی۔ کیونکہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہی نہیں ہیں جب کہ عام مومنین کو حکم ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرو۔

اور خبر سے مطلق خبر مراد نہیں۔ بلکہ ان تصبیحات کے قرینہ سے وہ خبر مراد ہے۔ جس پر عمل کرنے سے کسی کا ضرر لازم آتا ہو۔ لہذا یقینی فاسق اور محتمل فاسق کی خبر غیر مقبول اور غیر معتبر ہوگی۔

چند شبہات کا ازالہ۔ ..... یہاں مطلق خبر کے مقبول غیر مقبول ہونے کی بحث کرنا ایک زائد بات ہے اسی طرح صحابہؓ کے عدول غیر عدول ہونے کی بحث کرنا ایک زائد بات ہوگی۔ کیونکہ ولید کا فاسق ہونا نہ آیت سے لازم آرہا ہے اور نہ ہی حدیث سے ثابت ہے۔ کیونکہ ممکن ہے خود ولید کو غلط فہمی ہو گئی ہو۔

اور فتینوا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ضرور اس خبر کی تحقیق کی جایا کرے۔ کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ اگر ہم کسی شخص کی برائی سن کر بالکل التفات نہ

کریں تو جائز ہے۔ بلکہ بعض جگہ تو تجسس حرام ہے بلکہ منشاء اس کا یہ ہے کہ بلا تحقیق عمل نہ کیا کرو۔ یہ بحث مستقل ہے کہ کہاں تحقیق واجب ہے اور کہاں جائز ہے کہاں ممنوع ہے۔

خبر کی تحقیق کہاں ضروری ہے:۔ سو اس میں مجمل قاعدہ یہ ہے کہ:

جہاں تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب شرعی فوت ہوتا ہو وہاں واجب ہے مثلاً سلطان کسی کے مرتد ہونے کی خبر سننے تو اس پر تحقیق واجب ہے تحقیق سے اگر خبر صحیح ثابت ہو تو مرتد کو توبہ کرائے۔ ورنہ بصورت انکار قتل کر دے۔ یا سلطان کو اطلاع ملے کہ فلاں شخص فلاں کو قتل کرنا چاہتا ہے تو چونکہ رعایا کی حفاظت اس کی ذمہ واجب ہے اس لئے اس کی تحقیق بھی واجب ہے۔

۲۔ لیکن جہاں یہ تحقیق نہ کرنے سے کوئی واجب فوت نہ ہوتا ہو اور تحقیق نہ کرنے سے نہ اس کا کوئی نقصان ہوتا ہے جس کے بارے میں خبر پہنچائی گئی ہے تو وہاں تحقیق جائز ہوگی ضروری نہ ہوگی۔ مثلاً کسی نے یہ سنا کہ فلاں شخص مجھ کو مارے گا۔

۳۔ اور اگر تحقیق کے نتیجہ میں اپنی مضرت تو دفع نہیں ہوتی۔ مگر اس دوسرے شخص کو ناگواری ہوگی تو پھر تحقیق حرام ہوگی۔ مثلاً کسی نے سنا کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے تو تحقیق نہ کرنے سے اپنا کوئی نقصان نہیں مگر تحقیق کرنے سے وہ شخص فضیحت ہوتا ہے اس لئے تحقیق ممنوع ہوگی۔

رسول ﷺ کی اطاعت کاملہ:۔۔۔۔۔ واعلموا ان فیکم۔ یعنی حضور ﷺ کا تشریف فرما ہونا ایک بڑی نعمت الہیہ ہے۔

لقد من اللہ الخ اس کی قدر کرو اور کسی بات میں حتیٰ کہ دنیوی امور میں بھی خلاف ورزی نہ کرو اور اس فکر میں نہ رہو کہ دنیوی امور میں حضور ﷺ خود ہماری موافقت فرمایا کریں۔ یا اگر تمہاری کسی خبر یا رائے کو نہ مانیں تو برا مت مانو کیونکہ حق تعالیٰ کی خواہشوں یا رایوں کے تابع نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہو تو زمین و آسمان کا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے۔

ولو اتبع الحق اہوائہم الخ حاصل یہ ہے کہ خبروں کی تحقیق کر لیا کرو حق کو اپنی خواہش اور مرضی کے تابع بنانے کی کوشش نہ کرو بلکہ اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھو۔ اس طرح تمام جھگڑوں کی جڑ ہی کٹ جائے گی۔ کیونکہ رسول عمل کرتا ہے اللہ کے حکم پر اسی میں تمہارا بھلا ہے اگر تمہاری بات کریں تو ہر کوئی اپنے بھلے کی کہے گا۔ پھر آخری نبی کس کی بات پر چلے گا۔ اس لئے کہ اگر تمہارا مشورہ نہ مانے تو برا مانو۔ کیونکہ دنیاوی کام میں نبی کا تمہارے مشورہ کو نہ ماننا اگرچہ اس کا خلاف مصلحت ہونا نہ فی نفسہ مستبعد ہے اور نہ خلاف شان نبوت ہے لیکن اول تو ایسے امور جن میں ایسا احتمال ہو شاذ و نادر ہوں گے۔ پھر ان شاذ و نادر مواقع میں اگر مصلحت فوت ہوتی ہو۔ مگر یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اس مصلحت کا نعم البدل یعنی رسول کی اطاعت کا اجر و ثواب ضرور میسر آئے گا۔ برخلاف اس کے تمہاری رائے پر عمل ہو کہ شاذ و نادر ایسے امور بھی نکلیں گے جن میں مصلحت پوری ہوتی ہے لیکن وہ متعین نہیں ہیں اور پھر وہ بھی بہت ہی کم ہوں گے زیادہ احتمال تو مضرت ہی کا ہے پھر اس مضرت کا کوئی تدارک نہیں۔

بہر حال اگر حضور ﷺ تم لوگوں کا کہا ماننے ہی رہتے تو تم بڑی مصیبت میں پڑ جاتے۔ لیکن اللہ کا شکر کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے مومنین کا دلین کے دلوں میں ایمان کو محبوب و مرغوب بنا دیا اور اس کی ضد کفر کی اور فسق یعنی گناہ کبیرہ کی اور عصیان یعنی گناہ صغیرہ کی نفرت ڈال دی۔ جس سے تم کو ہر وقت رضائے رسول کی جستجو رہتی ہے اور تم وہ احکام مان لیتے ہو جو موجب رضائے رسول ہیں۔ جس مجمع میں اللہ کا رسول جلوہ افروز ہو وہاں کسی کی رائے و خواہش کی پیروی کہاں ہو سکتی ہے۔

دنیوی امور میں بھی اطاعت رسول ضروری ہے بدون اطاعت مطلقہ ایمان کامل نہیں ہو سکتا اور ایمان کامل کی ترغیب پہلے سے موجود ہے۔ پس

طرح تم نے اس حکم کو بھی فوراً قبول کر لیا اور ایمان کی اور تکمیل کر لی۔ آج اگرچہ حضور ﷺ ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر حضور ﷺ کی تعلیم اور پ کے نائب و وارث یقیناً موجود ہیں اور رہیں گے۔

اللہ علیم حکیم: اللہ سب کی استعداد کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اپنی حکمت عملی سے وہ احوال و مقامات مرحمت فرماتا ہے جو اس کی استعداد کے مناسب ہوں۔ اس کے احکام میں بھی مصالح کی رعایت موجود ہوتی ہے حکماء اسلام بھی ان سے واقف ہیں۔

سلام ایک دوا می قانون ہے: ..... واعلموا ان فیکم الخ کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایسی چیز کا بیان ہے جو حضور ﷺ کی حیات کے ساتھ مخصوص تھی اور وہ دنیوی امور میں آپ کی اطاعت ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ”فی کثیر“ کہنا بھی اسی کا قرینہ ہے کیونکہ دنیوی امور میں کسی ایک میں بھی گنجائش نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی کی اطاعت کریں اور تخصیص کی وجہ یہ نہیں کہ اگر آپ اپنے بعد کے لئے ایسے احکام فرما جاتے تو اطاعت واجب نہ ہوتی بلکہ وجہ تخصیص یہ ہے کہ آپ نے ایسے احکام فرمائے نہیں ہیں کیونکہ یہ احکام جزئی تھے اور حضور ﷺ نے شریعت مؤبدہ چھوڑی ہے اس کے احکام کلیہ ہیں۔ اور اس کی تحقیق کہ دنیوی امور میں کس شرط سے اطاعت واجب ہے۔ آیت ما ان لمومن الخ کے تحت ومن یقنت میں گزر چکی ہے۔

مسلمانوں کے جھگڑوں کا حل: ..... وان طائفتان۔ یعنی ان تمام پیش بندیوں کے باوجود اگر اتفاق سے مسلمانوں کی جماعتیں پس میں لڑ پڑیں تو پوری کوشش کرو کہ صلح ہو جائے اور اختلاف دور ہو جائے۔ لیکن اگر اس میں کامیابی نہ ہو اور ایک فریق دوسرے پر چڑھا چلائے اور ظلم و زیادتی ہی پر کمر باندھ لے تو بے فکر اور یکسو ہو کر نہ بیٹھو۔ بلکہ جس کی زیادتی ہو سب مسلمان مل کر اس سے مقابلہ کریں۔ یہاں تک کہ وہ فریق مجبور ہو کر اپنی زیادتیوں سے باز آ جائے اور خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو کر صلح کے لئے اپنے کو پیش کر دے۔ اس وقت چاہیے کہ مسلمان دونوں فریق کے درمیان مساوات و انصاف کے ساتھ صلح اور میل ملاپ کر دیں۔ کسی ایک کی طرفداری میں جاہد حق سے ادھر ادھر نہ ملنے پائیں۔

مسلمانوں میں باہم ملاپ ضروری ہے: ..... انما المؤمنون اخوة۔ یعنی صلح و جنگ دونوں حالت میں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ بھائیوں کی لڑائی یا دو بھائیوں کی مصالحت میں دشمنوں اور کافروں کی طرح برتاؤ نہ کیا جائے جب دو بھائی آپس میں ٹکرا جائیں تو یوں ہی ان کے حال پر نہ چھوڑ دو بلکہ صلح صفائی کی پوری کوشش کرو۔

یت کا نزول صحیحین کی ایک روایت کے مطابق انصار کے دو گروہوں اوس و خزرج کے ایک وقتی ہنگامہ کے سلسلہ میں ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے ان کے درمیان اسی آیت کے ماتحت صلح کرادی تھی۔ جو لوگ خلیفہ کے مقابلے میں بغاوت کریں وہ بھی آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ چنانچہ ماہ سلف بغاوت کے مسئلہ میں اس سے استدلال کرتے آئے ہیں۔

ابن اس شان نزول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کے تمام جماعتی مناقشات و اختلافات کو شامل ہے۔ اور جو مفسر نے روایت شان نزول پیش کی ہے اس کی رو سے مومنین سے مراد عبد اللہ بن ابی کی قوم کے مومنین ہیں۔ خود عبد اللہ مراد نہیں۔ کیونکہ وہ ظاہراً مومن بنا ہوا تھا حقیقتاً کافر نہیں تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں اس کے ساتھیوں کا غصہ کفر کی حمایت میں نہیں تھا۔ بلکہ حمیت جاہلیہ اور قومی تعصب کے تحت

مسلمانوں کے اختلافات ختم کرنے کے طریقے: ..... جو مسلمان بافعل یا بالقوة آپس میں مقابل ہو جائیں اخلاصاً یا نفاً وہ ایک ہوں یا متعدد۔ ان کے احکام کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) دونوں مسلم جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت ہوں گی۔ (۲) یا دونوں جماعتیں تحت ولایت نہیں ہوں گی۔ (۳) یا ایک جماعت تحت الولايت اور دوسری جماعت تحت الولايت نہیں ہوگی۔ پہلی صورت میں اگر عام لوگوں کی فہمائش سے ان میں لڑائی موقوف نہ ہو تو امام المسلمین پر اصلاح واجب ہے۔ اس کی پھر تین حالتیں ہیں۔ دونوں جماعتیں اطاعت قبول کر لیں یا دونوں اطاعت سے باہر ہو جائیں۔ یا ایک اطاعت کرے اور دوسری اطاعت نہ کرے۔ پہلی حالت میں قصاص و دیت کے احکام جاری ہوں گے۔ یہ سب اصلحو کے افراد میں داخل ہوں گے اور دوسری تیسری حالتیں دوسری اور تیسری صورت کے ساتھ ملحق ہیں جن کے احکام آگے آرہے ہیں۔

دوسری صورت میں چونکہ دونوں باغی ہیں ان کا حکم ابھی آتا ہے۔ تیسری صورت میں جو تحت الولايت ہے وہ عادل کہلاتا ہے اور جو اطاعت خارج ہے وہ باغی کہلاتا ہے کہ خود امام المسلمین ہی سے آمادہ قتال ہے۔ ان بغت احداہما الخ میں اسی حکم کا بیان فرمایا گیا۔ جس کی تفصیل ہے کہ اول ان کا شہر رفع کیا جائے کہ اصلاح کی ایک فردیہ بھی ہے کہ اگر بغاوت سے یہ باز آجائیں تو ان سے قتال نہیں کیا جائے گا اور باز آئیں تو پھر مجبوراً قتال کیا جائے گا۔ چنانچہ انہیں اگر قوت و شوکت حاصل ہے تو قتال کے وقت ان کے متعلق یہ احکام ہوں گے کہ ان کے زخمیوں کو قتل کر دیا جائے گا اور بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے گا۔ اور قتال کے بعد ان کے یہ احکام ہوں گے کہ ان کے ہاتھ سے جو عدا مارے جائیں ان کا قصاص نہیں لیا جائے گا اور جو مال انہوں نے تلف کیا ہے اس کا ضمان نہیں لیا جائے گا۔ یہ سب عدل و قسط میں داخل ہیں۔ اور احکام مشترکہ یعنی قوت و عدم قوت دونوں حالت میں یہ ہیں کہ لڑائی سے پہلے ان کے ہتھیار چھین لئے جائیں گے اور ان کو گرفتار کر کے تو کرنے تک ان کو قید رکھا جائے گا اور عین لڑائی کے وقت یا اس کے بعد ان کی اولاد کو غلام پانعی نہیں بنایا جائے گا اور نہ ان کا مال غنیمت بنائیں گے البتہ توبہ کرنے تک ان کے اموال کو روک رکھا جائے گا توبہ کرنے کے بعد وہ واپس کر دیئے جائیں گے، یہ سب بھی عدل و قسط میں داخل ہیں۔

لیکن یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں جب مسلمانوں کا کوئی امام موجود ہو۔ ورنہ مذکورہ صورتوں میں اور اسی طرح نصرت پر قدرت ہونے کی صورت میں، نیز حق و باطل میں التباس کی صورت میں گھر بیٹھ رہنے کا حکم ہے۔ پس امام المسلمین کے لئے انتظام کرنا اور دوسروں اس کی مدد کرنا دونوں ”اصلحوا“ کے تحت آتے ہیں۔

لَطَائِفُ آيَاتٍ: ..... يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْلُمُوا فِي شَرِيعَةِ اللَّهِ وَلَا تَتَّبِعُوا فِي شَرِيعَةِ اللَّهِ وَلَا تَتَّبِعُوا فِي شَرِيعَةِ اللَّهِ وَلَا تَتَّبِعُوا فِي شَرِيعَةِ اللَّهِ ..... یا ایہا الذین امنوا لا تقلموا میں شریعت کی پابندی اور ادب کی رعایت اور تقاضائے طبعی کو چھوڑ دینے کا ذکر ہے۔

لا ترفعوا اصواتکم۔ یہ آیات اصل میں شیخ کے آداب و احترام کی ہیں۔  
لو بطیعکم فی کثیر من الامور۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرید شیخ کو اپنی رائے کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کرے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ الْآيَةُ نَزَلَتْ فِي وَفْدِ تَيْمِيمٍ حِينَ سَخِرُوا مِنْ فَقَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ كَعَمَارٍ وَ صُهَيْبٍ وَالسُّخْرِيَّةِ الْأَذْدَرَاءِ وَالْإِحْتِقَارِ قَوْمٌ أَيْ رِجَالٌ مِنْكُمْ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَ



نِسَاءً مِنْكُمْ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ لَا تَعْيُوا فَعَابُوا أَيُّ لَا يَعْيبُ  
بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۚ لَا يَدْعُو بَعْضُكُمْ بَعْضًا يَلْقَبُ يَكْرَهُهُ وَمِنْهُ يَا فَاسِقُ يَا كَافِرُ بِشَسِ  
الْإِسْمِ أَيُّ الْمَذْكُورِ مِنَ السُّخْرِيَّةِ وَاللَّمَزِ وَالتَّنَابُزِ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ بَدَلٌ مِنَ الْإِسْمِ لَا فَادَةَ اللَّهُ فَسُقْ  
لِتَكْرِيرِهِ عَادَةً وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۱﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِمَّنَ الظَّنِّ  
إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ أَيْ مُؤْتَمٍّ وَهُوَ كَثِيرٌ كَظَنِّ السُّرِّ بِأَهْلِ الْخَيْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَهُمْ كَثِيرٌ بِخِلَافِهِ بِالْفُسَاقِ  
مِنْهُمْ فَلَا إِثْمَ فِيهِ فِي نَحْوِ مَا يَظْهَرُ مِنْهُمْ وَلَا تَجَسَّسُوا حُذِفَ مِنْهُ إِحْدَى التَّائِيْنِ لَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ  
وَمَعَائِبَهُمْ بِالْبَحْثِ عَنْهَا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ لَا يَذْكُرُهُ بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ وَإِنْ كَانَ فِيهِ أَيُّ حَبِّ أَحَدُكُمْ أَنْ  
يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ لَا يَحْسُ بِهِ لَا فِكْرَ هُتْمُوهُ ۚ أَيْ فَاغْتِيَابُهُ فِي حَيَاتِهِ كَأَكْلِ  
لَحْمِهِ بَعْدَ مَمَاتِهِ وَقَدْ عَرَضَ عَلَيْكُمُ الثَّانِي فِكْرَ هُتْمُوهُ فَادْكُرُوا الْأَوَّلَ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ أَيْ عِقَابَهُ فِي الْإِغْتِيَابِ بِأَنْ  
تَتَوَلَّوْا مِنْهُ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ قَابِلُ تَوْبَةِ التَّائِيْنِ رَحِيمٌ ﴿۱۲﴾ بِهِمْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى  
أَدَمَ وَحَوَّاءَ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا جَمْعُ شَيْعٍ بِفَتْحِ الشَّيْنِ وَهُوَ أَعْلَى طَبَقَاتِ النَّسَبِ وَقَبَائِلُ هِيَ دُونَ  
الشُّعُوبِ وَبَعْدَهَا الْعِمَارُ ثُمَّ الْبَطُونُ ثُمَّ الْأَفْحَادُ ثُمَّ الْفَصَائِلُ أُخْرَاهَا مِثَالُهُ خُزَيْمَةُ شَعْبٌ كِنَانَةُ قَبِيلَةٌ قُرَيْشٌ  
عِمَارَةٌ بِكُسْرِ الْعَيْنِ قُصِيٌّ بَطْنٌ هَاشِمٍ فَخَذُ الْعَبَّاسِ فَصِيلَتُهُ لَتَعَارَفُوا ۚ حُذِفَ مِنْهُ إِحْدَى التَّائِيْنِ أَيْ لِيَعْرِفَ  
بَعْضُكُمْ بَعْضًا لَا لَتَفَاخَرُوا بِالنَّسَبِ وَإِنَّمَا الْفَخْرُ بِالتَّقْوَى إِنْ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ  
بِكُمْ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾ يَبُورُ أَطْنِكُمْ قَالَتِ الْأَعْرَابُ نَفَرٌ مِنْ بَنِي إِسْدٍ آمَنَّا صَدَقْنَا بِقُلُوبِنَا قُلْ لَهُمْ لَمْ تُؤْمِنُوا  
وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا أَيْ اتَّقَدْنَا ظَاهَرًا وَلَمَّا أَيْ لَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ إِلَى الْآنَ لَكِنَّهُ يَتَوَقَّعُ مِنْكُمْ  
وَأَنْ تَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ بِالْإِيمَانِ وَغَيْرِهِ لَا يَلْتَكُمُ بِالْهَمَزِ وَتَرْكِهِ وَبِإِبْدَالِهِ الْفَاءَ لَا يَنْقُصُكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ  
شَيْئًا أَيْ مِنْ تَوَابِهَا شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴﴾ بِهِمْ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ أَيْ الصَّادِقُونَ فِي إِيْمَانِهِمْ  
كَمَا صَرَّحَ بِهِ بَعْدَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا لَمْ يَشْكُرُوا فِي الْإِيمَانِ وَجَاهَلُوا بِأَمْوَالِهِمْ  
وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِجَهَا دِهِمْ يَظْهَرُ صِدْقُ إِيْمَانِهِمْ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿۱۵﴾ فِي إِيْمَانِهِمْ لَا مَنْ  
قَالُوا آمَنَّا وَلَوْ يُوْجَدُ مِنْهُمْ غَيْرُ الْإِسْلَامِ قُلْ لَهُمْ اتَّعَلَّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ ۚ مُضَعَّفٌ عِلْمٌ بِمَعْنَى شَعْرٍ أَيْ  
أَتَشْعُرُونَهُ بِمَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ فِي قَوْلِكُمْ آمَنَّا وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ  
عَلِيمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ بِخِلَافِ غَيْرِهِمْ مِمَّنْ أَسْلَمَ بَعْدَ قِتَالٍ مِنْهُمْ قُلْ لَا

تَمُنُوا عَلَىٰ إِسْلَامِكُمْ مِّنْصُوبٍ بِنَزْعِ الْخَافِضِ الْبَاءِ وَيُقْتَرُ قَبْلَ أَنْ فِي الْمَوْضِعَيْنِ بَلِ اللَّهُ يُمْنٌ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَيْتُمْ لِلْإِيمَانِ أَنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۸﴾ الْيَمْنُ قَوْلُكُمْ أَمَّا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَيُّ مَا عَابَ فِيهِمَا وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ بِالنَّاءِ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهُ.

ترجمہ: اے اہل ایمان نہ تو ہنسنا چاہیے (یہ آیت وفد تمیم کے متعلق نازل ہوئی جب انہوں نے عمارؓ، وصیبؓ جیسے غریب مسلمانوں کا مذاق اڑایا۔ حریہ اسی ہنسی مذاق کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کی تحقیر و دل آزاری ہوتی ہو) کسی قوم (تم میں سے مردوں) کو دوسری قوم پر، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں (اللہ کے نزدیک) اور نہ (تمہاری) عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو (کسی کی عیب جوئی نہ کرو ورنہ تمہاری عیب جوئی کی جائے گی۔ غرضیکہ ایک دوسرے پر نکلتے چینی مت کرو) اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو (آپس میں ایک دوسرے کو ایسے لقب سے یاد نہ کرو جو باعث ناگواری ہو۔ مثلاً مسلم کو کافر، فاسق کہہ کر پکارتا) برا نام رکھنا (جس حریہ، لہو، تباہ کا ذکر ہوا) برا ہے ایمان لانے کے بعد (یہ بدل ہے لفظ اسم سے یہ بتلانے کے لئے یہ فسق ہے کیونکہ بدل عادتہ مکرر ہوتا ہے) اور جو (اس سے) باز نہیں آئیں گے وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے اہل ایمان بہت سے گمانوں سے بچا کرو۔ کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں (یعنی گناہ میں ڈالنے والے اور یہ بدگمانی بکثرت پائی جاتی ہے۔ مثلاً اہل خیر مسلمانوں سے بدگمانی کرنا جن کی تعداد بڑی ہے۔ برخلاف فاسق مسلمانوں سے بدگمانی کے کہ وہ گناہ نہیں جب کہ وہ ان کے ظاہر حال کے مطابق ہو) اور نہ ایک دوسرے کے سراغ میں رہو (اس کی دوتا میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے مسلمانوں کی پوشیدہ باتیں اور معائب ٹوہ لگا لگا کر بیان نہ کرو) اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے (کسی کی ناگواری بات بیان نہ کرو اگرچہ وہ بات اس میں ہو) کیا تم سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے (جتنا تخفیف و تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے جس میں احساس نہ رہے ہرگز کوئی مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند نہ کرے گا) اس کو تو تم ناگواری سمجھتے ہو (یعنی زندہ بھائی کی غیبت کرنا ایسا ہے جیسے اس کے مرنے کے بعد اس کا گوشت کھالینا، پس جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے کو نا پسند کرتے ہو۔ اسی طرح اس کی غیبت کو بھی ناگواری سمجھو) اور اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی غیبت کے متعلق اس کے عذاب سے ڈرو اس طرح کہ اس سے توبہ کر لو) بلاشبہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (توبہ کرنے والوں کی) رحم کرنے والا ہے (ان پر) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا (آدم و حوا سے) اور تمہیں مختلف قومیں (شعوب جمع ہے شعب کی فتح شین کے ساتھ۔ نسب کے اعلیٰ طبقہ کو کہتے ہیں) اور مختلف خاندان بنایا (قبیلہ شعب سے کم ہوتا ہے اس کے بعد عمار کا درجہ ہے پھر بطون کا درجہ ہے پھر انخا ذ پھر فصائل آخری درجہ میں ہے مثلاً خزیمہ شعب ہے، کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے، بکسر العین، قصی بطن ہے ہاشم فخذ ہے، عباس فصیلہ ہے) تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (اس کی دوتا میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی ایک دوسرے کی پہچان کے لئے نہ اس لئے کہ اونچے نسب پر فخر کیا جائے۔ قابل فخر تو صرف تقویٰ ہے) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف تو وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اللہ (تمہیں) خوب جاننے والا ہے (تمہارے اندرونی احوال سے) پورا خبردار ہے۔ یہ گنوار (قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگ) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے (جان و دل سے مان لیا) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ تم ایمان تو لائے نہیں لیکن یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے (ظاہری فرمانبردار) اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا (البتہ تم سے اس کی توقع ہے) اور اگر تم اللہ و رسول کا کہنا مان لو (ایمان وغیرہ کے متعلق) تو اللہ کمی نہ کرے گا (ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ کے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر یعنی کم نہیں کرے گا) تمہارے اعمال میں سے (یعنی ان کے ثواب میں) ذرا بھی۔ بلاشبہ اللہ (مومنین کی) بہت مغفرت کرنے والا ان پر بہت رحم کرنے والا ہے پورے

مومن (یعنی سچے مومن جیسا کہ آگے تصریح ہے) وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک و شبہ نہیں کیا۔ ایمان میں ڈالنا ڈالنا نہیں ہوئے) اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا (ان کے جہاد سے ان کے ایمان کی سچائی ظاہر ہوگئی) یہی لوگ سچے ہیں (اپنے ایمان میں، وہ لوگ سچے نہیں جو آمنے تو کہتے ہیں مگر اسلام کے سوا ان سے کچھ ظاہر نہیں ہوا) آپ (ان سے) فرمادیتے تھے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنے ایمان کی خبر دیتے ہو؟ تعلیم بمعنی اعلام ہے مراد خبر ہے یعنی تم اللہ کو اطلاع دیتے ہو اپنے آمنے کہنے کی حالت کی) حالانکہ اللہ تعالیٰ کو سب آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کی خبر ہے اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے یہ لوگ اپنے اسلام لانے کا آپ پر احسان رکھتے ہیں۔ (بغیر خون بہائے مسلمان ہو گئے برخلاف دوسرے لوگوں کے) بعض ان میں قتل و قتال کے بعد اسلام لائے۔ آپ فرمادیتے تھے کہ مجھ پر اپنے ایمان لانے کا احسان مت رکھو (منصوب ہے) ”با“ جارہ محذوفہ سے اور ان اسلموا اور ان ہداکم دونوں جگہ ان سے پہلے محذوف ہے) بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت دی۔ بشرطیکہ تم سچے ہو (اپنے آمنے کہنے میں) اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی سب مخفی باتوں کو (جو کچھ ان میں پوشیدہ ہے) جانتا ہے اور تمہارے سب اعمال کو بھی جانتا ہے (یعملون یا اور تا کے ساتھ دونوں طرح ہے، اس پر کچھ چھپا نہیں ہے)۔

**تحقیق و ترکیب:** قوم۔ خاص طور پر مردوں کو قوم کہا جاتا ہے کیونکہ وہی عورتوں کے لئے قوام ہوتے ہیں۔ قوم دراصل قائم کی جمع ہے جیسے صائم اور زائر کی جمع صوم اور زور آتی ہے۔ عورتیں اگر قوم کے مفہوم میں داخل ہوتیں تو دلانساء نہ کہا جاتا۔ چنانچہ زہیر کا شعر ہے۔

وما ادری ولست اخال ادری اقوام ال حصن ام نساء

البتہ قوم و دو شمود کا اطلاق جو مردوں کے ساتھ عورتوں پر ہوا ہے وہ طبعاً ہوا ہے۔ اور قوم و نساء دونوں کو نکرہ لایا گیا۔ تاکہ فرد و جماعت دونوں کو ٹھٹھا کرنے کی ممانعت معلوم ہو جائے) اور لا یسخر رجل من رجل ولا امرأۃ من امرأۃ نہیں کہا۔ کیونکہ اس میں فرد کی ممانعت تو ہوتی ہے۔ مگر ایک سے زائد کے لئے ممانعت نہ ہوتی۔ نیز اس بدخلقی سے بچنے والوں کی عظمت شان بھی ظاہر کرتا ہے۔ تفسیری عبارت میں اذ دراء و افتقار مرادف ہیں۔ اور رجال سے تفسیر کر کے قوم کے اسم جمع ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ بمعنی رجال ہے قوم کا واحد معنی رجل ہے اور بعض کے نزدیک اس جمع کا واحد لفظاً نہیں ہے۔

لا تلمزوا انفسکم۔ مراد ایک دوسرے کی عیب جوئی کی ممانعت کرنا ہے اور انفسکم اس لئے کہا کہ دوسرے کا عیب بیان کرنا خود اپنا عیب بیان کرنا ہے۔ کیونکہ تمام مسلمان مثل ایک جان ہیں اور یا اس لئے کہ جو دوسرے کا عیب بیان کرے گا اس کا بھی عیب بیان کیا جائے گا تو دوسرے کا عیب بیان کرنا گویا خود کو عیب دار بنانا ہے۔ لہٰذا زبانی طعن تشنیع کو کہتے ہیں۔

ولا تنازروا۔ نیز کے معنی مطلقاً لقب کے ہیں۔ لیکن عرف میں برے لقب کو کہا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ تنازروا القاب سے یاد کرنے کو کہتے ہیں۔

نسب الاسم۔ اس کے معنی یہاں ذکر کے ہیں کہا جاتا ہے طار اسمہ بالکرم او باللوم۔ تفسیری عبارت ای سے اشارہ ہے کہ الاسم میں الف لام عہد کا ہے اور معبود اگر چہ جمع ہے مگر بتاویل مذکور مفرد ہے۔

الفسوق: اس کو مبتداء یا خبر بنانا مشہور ہے لیکن فاعل سے بدل کر بنانا جیسا کہ مفسر کی رائے ہے غریب ہے اور بدل کے نکتہ کی طرف مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ مذکورہ باتیں اگرچہ صغائر ہیں مگر عادتہ بار بار ہونے کی وجہ سے فسق یعنی کبیرہ گناہ ہو جاتی ہیں۔

کثیر امس الظن۔ کثیر کو مبہم رکھا گیا ہے تاکہ گمان میں احتیاط اور تامل سے کام لیا جائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گمان ممنوع ہو۔ سفیان ثوری

فرماتے ہیں۔ الظن ظن ان احدهما اثم وهو ان يظن ويتكلم به والاخر ليس باثم وهو ان يظن ولا يتكلم به۔

بعض الظن اثم۔ مومن چونکہ فی نفسہ کثیر ہیں۔ لہذا ان سے بدگمانی بھی کثیر ہوگی اور یہ کثرت بعضیت کے منافی نہیں ہے برخلاف فسق کے ان کے ظاہری فسق سے بدگمانی گناہ نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلی اور طبرانی نے روایت کی ہے۔ زباج کہتے ہیں ہو ظنک باهل الحير سوء واما اهل الفسق قلنا ان الظن بهم مثل الذي ظهر منهم اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں اجتنبوا اجتنباً كثيراً۔

لانہ حسسوا۔ جس کے معنی ”جس الید“ ہاتھ سے چھو کر معلوم کرنے کے ہیں۔

ایحب احدکم۔ یہ ایک تمثیل ہے غیبت کی برائی کی جس میں کئی مبالغے ہیں۔ ایک استفہام تقریر کے لئے ہے دوسرے انتہائی ناگوار چیز کو محبوب کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ تیسرے احد کم کی طرف نسبت کرتا ہے جس میں اشارہ ہے کہ دوسرے اس کو پسند نہیں کرتے۔ چوتھے عام انسان کے بجائے بھائی کے گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پانچویں بھائی کا گوشت بھی مردہ ہونے کی حالت میں کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قدہ سے نقل ہے کما تکره ان وجدت جيفة مردودة ان تاكل منها كذلك فاکره لحم اخیک وهو حی۔

نفقہ میٹا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ خواہ لحم سے یا اخیہ سے اور تشدید کی قراءت نافع کی ہے۔ اور چونکہ مردار کھانا طبعاً قابل نفرت ہے اس لئے فکر ہتموہ فرما دیا گیا ہے جس سے عقلاً بھی اس ناگواری مفہوم ہوگئی۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب یہ کہہ گیا۔ ایحب احدکم ان یا کل لحم اخیہ میناً تو گویا صحابہ کی طرف سے جواب ملا لا۔ پھر کہا گیا فکما کرہتموہ فاجتنبوا ذکرہ بالسوء۔

قاضی فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہوئے۔ ان صح ذلک و عرض علیکم هذا فقد کرہتموہ۔ یہ قاء فصیحہ ہے کہ شرط مقدر کا جواب ہوتا ہے اس تمثیل میں آبرو کو گوشت سے تشبیہ دی گئی ہے استعارہ تمثیلیہ ہے۔

شعوباً۔ عرب میں یہ چھ طبقات شمار ہوتے تھے شعب بمعنی شاخ و درخت۔

ثم لم یرتابوا۔ ثم لانے میں یہ نکتہ ہے کہ ایمان لانے کے وقت تو شک ہے ہی نہیں۔ آئندہ بھی شک نہیں ہوتا۔

هم الصادقون۔ یعنی اگرچہ اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں لیکن کہا جائے گا کہ کمال ایمان میں داخل ہیں یا بطور ملامت ایمان ذکر کیا گیا ہے اس آیت میں دیہاتی مسلمانوں کے ایمان پر تعریف کرنا ہے۔

اتعلمون۔ یعنی یہاں تعلیم بمعنی اعلام ہے اس لئے لمفعول ثانی کی طرف با کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے بمعنی شعر متعدی بیک مفعول ہے اور بمعنی اشعر متعدی بدو مفعول ہے۔

اسلامکم۔ ”با“ بارہ تین جگہ مقدر ہے دو موقعہ یہ ہیں ”ان اسلموا۔ ان ہداکم“ حروف مشبہ کے ساتھ ان بکثرت محذوف ہوتا ہے۔

ابوحین کہتے ہیں ”ان اسلموا“ مفعول کی جگہ ہے اس لئے لا تمنوا علی اسلامکم میں فعل کو اس کی طرف متعدی کیا گیا ہے۔

ان کتم صادقین۔ ای فی ادعائکم الایمان بقلبه فله المنه علیکم۔

شان نزول:۔۔۔۔۔ ولا یغتب۔ حضرت سلمانؓ کو دو صحابیوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سالن لینے روانہ کیا۔ حضرت اسامہؓ

کھانے کے انتظام پر تھے۔ انہوں نے سالن سے انکار کر دیا۔ سلمانؓ نے دونوں صحابیوں کو اطلاع کر دی سن کر وہ طنزاً بولے کہ سلمانؓ کو اگر سمجھ کنویں پر بھیجتے تو اس کا پانی بھی خشک ہو جاتا۔ جب یہ دونوں صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کہ تمہارے منہ پر گوشت کی سرخی کیسے بھلک رہی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہے کہ ہم نے گوشت کھایا نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم نے غیبت کی ہے۔ حدیث میں ہے کہ ذکر ک اخاک بما یکرہ کسی نے عرض کیا۔ اگر کسی میں کوئی عیب موجود ہو اس کو ذکر کر لیں کیسے ہے؟ فرمایا ان کان

فیہ ما تقول فقد اغتبه وان لم تکن فیہ ما تقول فقد بہتہ . یعنی غیبت موجودہ عیب پہنچے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن خط عیب بیان کرنا غیبت سے بڑھ کر بہتان کہلاتا ہے۔

با ایہا الناس۔ یہ آیت ابو ہند کے متعلق نازل ہوئی۔ جیسا کہ ابو داؤد نے زہری سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنو یاسد سے فرمایا کہ تم اپنی کسی عورت سے ابو ہند کی شادی کر دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اپنی لڑکیوں کی شادی غلاموں سے کیسے کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور بقول ابن عباس فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے بلالؓ کو کعبہ کی چھت پر اذان دینے کا حکم دیا۔ عتاب ابن اسید بول خدا کا شکر ہے کہ آج کا دن دیکھنے سے پہلے میرے والد کو اللہ نے اٹھالیا۔ حارث ابن ہشام بولا کہ محمد ﷺ کو بھی اس کا لے کوئے کے علاوہ اذان دینے کو اور کوئی نہیں ملتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قالت الاعراب۔ مجاہد قرہ سے ابن جریر نے تخریج کی ہے کہ بنی اسد کے کچھ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے صدقات کا مطالبہ کرتے ہوئے ایمان لانے کو بطور احسان ذکر کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئی۔

رابط آیات۔ اول مسلمانوں میں اختلاف و نزاع روکنے کی تدابیر بتلائی تھیں۔ پھر بتلایا کہ اتفاقاً اگر اختلاف رونما ہو جائے تو پر زور اور موثر طریقہ سے اس کو منایا جائے لیکن جب تک نزاع کا خاتمہ نہ ہو کوشش دینی چاہئے کہ کم از کم جذبات منافرت، دغی لفت زیادہ تیز اور مشتعل نہ ہونے پائیں عموماً دیکھا جاتا ہے جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا۔ بس ایک دوسرے کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ذرا سی بات ہاتھ لگی اور پھبتی کسی۔ تمسخر و استہزا کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے اور پٹریاں اچھلنے لگتی ہیں۔ حالانکہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ جس کی ہنسی اڑا رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔ بلکہ بسا اوقات خود یہ بھی اختلاف سے پہلے اس کو بہتر سمجھتا تھا مگر ضد اور نفس نیت کا برا ہو کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آ جاتا ہے اپنی آنکھ کا شبیر نظر نہیں آتا۔ اس طریقہ سے نفرت و عداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے اور دلوں میں اس قدر بعد ہو جاتا ہے کہ صلح صفائی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

محاسن اخلاق جماعتی نظام کے ضروری ہیں۔ .... غرضیکہ کوئی جماعت دوسری جماعت پر آواز نہ کسے۔ ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر نہ کرے، نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں، تمسخر اس ہنسی کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کی تحقیر و دل آزاری ہو۔ لیکن تفریح طبع اور دل خوش کرنے کیسے جو ہنسی مذاق ہو وہ مزاح اور خوش طبعی کہلاتی ہے وہ جائز ہے بلکہ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔

اور قوم اور نساء کے غفہ سے یہ مقصود نہیں کہ محض جماعتی طور پر ممانعت مقصود ہے بلکہ مردوں کی اور عورتوں کی جنس مراد ہے خواہ ایک ہو یا زائد۔ اسی طرح مرد کی عورت سے یا عورت کی مرد سے بھی اس قسم کی ہنسی ناجائز ہے اور یہ تخصیص شاید اس لئے ہے کہ اکثر تمسخر ہم جنسوں میں ہوا کرتا ہے اور یا اس لئے کہ جب ہم جنس کے ساتھ تمسخر منع ہے تو غیر جنس سے بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔ کیونکہ اس میں تمسخر کے علاوہ ایک طرح کی بے غیرتی اور بے حسی بھی شامل ہو گئی جو اور بھی بری ہے اور کوئی شخص خواہ کتنا ہی حقیر ہو مگر خاتمہ بالخیر چونکہ دونوں کا محتمل ہے اس لئے عسی ان یکو ہوا حیر امنہم کا بہر حال مصداق ہوگا۔ ڈرنا چاہیے۔

اور فرمایا گیا کہ برے ناموں اور برے القاب سے کسی کو یاد نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی ہے اور فتنہ و فساد کی آگ زیادہ تیزی سے پھیلتی ہے۔

کسی کو برے ناموں سے پکارنا دل آزاری کی بدترین قسم ہے: بنس الاسم۔ یعنی کسی کا برا نام ڈالنے سے آدمی

خود گناہ گار ہوتا ہے اسے تو واقع میں عیب لگایا نہ لگا لیکن خود اس کا نام بد تہذیب، فاسق گناہ گار، مردم آزار پڑ گیا۔ خیال کرو ”مومن“ کے بہترین لقب کے بعد یہ نام کیا اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب ایک شخص ایمان لا چکا اور مسلمان ہو گیا پھر اس کو مسلمانی سے پہلے کی باتوں پر طعن دینا یا اس وقت کے بدترین القاب سے یاد کرنا یہودی یا نصرانی وغیرہ کہہ کر پکارنا کہاں کا انصاف ہے۔ قطعاً نہایت مذموم حرکت ہے یا کوئی کسی عیب میں مبتلا ہو اور وہ اس کا اختیار نہ ہو۔ یا ایک گناہ سے فرض کیجئے توبہ کر چکا ہے چڑانے کیلئے اس کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔  
وہم لم یسب، الخ جو کچھ پہلے ہو چکا اب توبہ کر لو۔ لیکن ان احکام و ہدایات سننے کے بعد بھی ان جرائم سے توبہ نہ کی تو اللہ کے نزدیک اصلی ظالم ایسے ہی لوگ ہوں گے البتہ ایسے القاب اگر کسی غرض کیلئے ہوں۔ مثلاً کوئی شخص لنگڑا ہے اور وہ اسی عنوان سے پہچانا جاتا ہے۔ تو پھر اس لقب کے ذکر کرنے میں حرمت نہیں ہوگی۔

اختلافات کی کہانیاں: یا ایہا الذین آمنوا اجتنبوا۔ باہمی اختلافات و تفریق بڑھانے میں ان امور کو خصوصیت سے دخل ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق سے اس طرح بدگمان ہو جاتا ہے کہ حسن ظن کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا، مخالف کی کوئی بھی بات ہو اس کا مطلب اپنے خلاف نکال لیتا ہے۔ اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک احتمال برائی کا نکلتا ہو۔ مگر ہمیشہ اس کی طبیعت برائی کی طرف چلے گی۔ اور اسی برے اور کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مقابل پر تہمت و الزام لگانا شروع کر دے گا۔ پھر نہ صرف یہ کہ ایک بات اتفاقاً پہنچ گئی۔ بدگمانی سے اس کو غلط معنی پہنا دیئے گئے۔ نہیں اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے اندرونی بھیہ معلوم ہوں، جس پر ہم خوب حاشیے چڑھائے جائیں اور اس کی غیبت سے اپنی مجلس گرم کریں، مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسا گندہ اور گھناؤنا کام ہے۔ جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھائے۔ کیا کوئی انسان اس کو پسند کرے گا؟ بس سمجھ لو کہ غیبت اس سے بھی زیادہ قابل نفرت کام ہے۔ گوشت نوچ کر کھانے سے اگر جسمانی اذیت ہے تو آبرو جان و مال سے زیادہ عزیز ہوتی ہے کہ کسی کی آبروریزی قلبی اذیت کا باعث ہونے کی وجہ سے زیادہ پاپ ہے۔

مختلف قسم کے گمان اور ان کے احکام: ... ظن میں کثیر کے ساتھ بعض کالفظ جو کثیر کو بھی شامل ہے اور جمیع کا مقابل ہے اس لئے فرمایا کہ ظن کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک ظن واجب جیسے فقہی ظن کہ غیر منصوص احکام میں اجتہاد کیا جاتا ہے۔ یا اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھنا کہ واجب ہے۔  
دوسرے ظن مباح جیسے معاشیات میں گمان کرنا، مثلاً ایک شخص علانیہ فسق و فجور کرتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ رنڈی بھڑوؤں میں جاتا ہے۔ اس پر فتنہ کا گمان کرنا جائز ہے۔ مگر یقین نہ کر بیٹھئے جب تک دلائل یقین موجود نہ ہوں اسی طرح غیر اختیاری سوء ظن میں بھی گناہ نہیں جب کہ اس کے مقتضی پر عمل نہ ہو۔ البتہ حتی الامکان اس کو دفع کرے۔

۳۔ تیسرا ظن حرام ہے جیسے الہیات اور نبوت میں قطعی دلائل کے بغیر گمان قائم کر لینا یا مسائل کلامیہ اور فقیہہ میں دلائل قطعیہ کے خلاف گمان کر لینا، یا کسی شخص میں فسق کی علامات نہ ہوں، بلکہ آثار صلاح ظاہر ہوں ایسے شخص سے سوء ظن رکھنا حرام ہوگا۔

ان تینوں قسموں میں چونکہ سب اقسام حرام نہیں ہیں بلکہ صرف تیسری قسم حرام اور پہلی دو قسمیں حلال ہیں، اس لئے کلامیہ فرمایا۔ بلکہ کثیر افرما دیا اور اس کثرت سے کثرت فی نفسہ مراد ہے کثرت اضافی مراد نہیں۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے افراد دوسری اقسام سے زیادہ ہوں۔ اور اگر عوام کی عام عادتوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو پہلی دو قسموں کے لحاظ سے بھی اس قسم کی کثرت صحیح و سستی ہے۔ کیونکہ زیادہ تر لوگوں کا

ابتلاء اسی حرام گمان میں رہتا ہے۔ یہ بھی بعض الظن اثم کی تفصیل۔

اور سوء ظن کے متعلق جو النعمو سوء الظن مشہور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مشتبہ شخص کے متعلق خود کو محتاط رکھے یعنی جس شخص سے بدگمانی ہے اس کے بارے میں بدگمانی کے مقتضی پر عمل نہ کرے۔ یعنی نہ اس کی تحقیر کرے اور نہ اس کو ضرر پہنچائے۔ البتہ گمان کرنے والا اپنے متعلق احتیاط رکھے، اس سے چوکنا رہے اور اس کے وار سے بچتا رہے۔

تجسس، غیبت، بہتان کے احکام: ..... اور چھپ کر یا اپنے کو سوتا ہوا ظاہر کر کے دوسروں کی باتیں سننا تجسس میں داخل ہے۔ البتہ کسی سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو اور اپنی یاد دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کے خیال سے نقصان پہنچانے والے کے ارادوں اور تدابیر کی ٹوہ لگائے تو جائز ہے۔ اور غیبت کہتے ہیں پیٹھ پیچھے کسی کی ایسی برائی بیان کرنا جو اس کو ناگوار ہو گو وہ سچی بات ہی ہو۔ اور غلط بات ہی جائے جس میں غیبت سے بھی زیادہ دیدہ دلیری ہوتی ہے تو اس کو اتہام و بہتان کہا جائے گا۔

اور پیٹھ پیچھے کی قید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سامنے برائی کرنا جائز ہوگا۔ البتہ اس کو غیبت نہیں لکڑا کہا جائے گا جو گناہ ہے۔

۱۔ اور جس غیبت سے کم تکلیف ہوتی ہو۔ جیسے کسی مکان یا سواری کی برائی کرنا۔ وہ گناہ صغیرہ ہے۔

۲۔ اور جس سے زیادہ تکلیف ہو محقق یہ ہے کہ وہ غیبت گناہ کبیرہ ہے۔

۳۔ اور جو شخص غیبت کے دفع پر قدرت رکھتا ہو مگر پھر بلا اضطراب غیبت سنے، اس غیبت سننے کا حکم بھی غیبت کرنے کے برابر ہے اور غیبت میں چونکہ اللہ اور بندہ دونوں کا حق تلف ہوتا ہے۔

۴۔ اس لئے اول کے لحاظ سے توبہ۔

۵۔ اور دوسرے کی رو سے معاف کرنا بھی ضروری ہے۔

۶۔ البتہ روح المعانی میں حسن، خیاطی، ابن الصباغ نووی، ابن الصلاح، زرکشی، عبد البر، جیسے علماء سے نقل کیا ہے کہ جب تک متعلقہ شخص کو غیبت کی اطلاع نہ ہو بندے کا حق متعلق نہیں ہوتا۔ تاہم جن لوگوں کے سامنے غیبت کی تھی ان کے سامنے اپنی تردید و تکذیب کرنا ضروری ہوگا ہاں اگر ممکن نہ ہو تو مجبوری ہے۔

۷۔ اور جس کی غیبت کی جائے اس کی وفات کے بعد اس کے وارثوں سے معاف کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ اپنے اور متعلقہ شخص کے لئے بکثرت استغفار کرتا رہے۔

۸۔ اور بچہ (۹) مجنون اور (۱۰) ذمی کا فر کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ ان کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔

۱۱۔ البتہ کا فر حربی کو اگر چہ ایذا پہنچانا جائز ہے مگر ان کی غیبت نضج اوقات ہے اس لئے مکروہ ہے۔

۱۲۔ اور غیبت جس طرح زبان و کلام سے ہوتی ہے اسی طرح فعل سے بھی ہو سکتی ہے جیسے لنگڑے کی نقل بنا کر چلنا تحقیر کی نیت سے وہ بھی ناجائز ہے۔

۱۳۔ اور غیبت کرنے والا اگر معافی چاہے تو جس کی غیبت کی ہے اس کو معاف کر دینا مستحب ہے کیونکہ تبرع ہے۔

بعض روایات سے ثابت ہے کہ یہ آیت غیبت عام مخصوص البعض ہے۔ چنانچہ برائی بیان کرنے میں اگر کوئی شرعی مصلحت ہو تو وہ غیبت حرام نہیں ہوگی۔ مثلاً

۱۔ ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص سے کرنا جو اس کے ظلم کو روک سکے۔



۲۔ معالج ڈاکٹر سے بیمار کا حال بتلانا۔

۳۔ فتویٰ کی ضرورت سے صحیح صورت حال مفتی کو بتلانا۔

۴۔ محدثین کے اصول حدیث کی رو سے احادیث کی حفاظت کے لئے راویوں پر جرح کرنا۔

۵۔ مسلمانوں کو کسی شر سے خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی، بچانے کے لئے کسی کا حال بتلادینا۔

۶۔ یا مشورہ دینے کی غرض سے کسی کا حال ظاہر کرنا۔ جیسے وکیل اور بیرسٹر جو مقدمات کی پیروی کرتے ہیں۔

۷۔ جو شخص اپنے فسق کو خود آشکارا کرتا پھرتا ہو اس کا حال بیان کرنا۔ آیت ایحب احدکم میں صرف غیبت کی مذمت ممکن ہے اس کی کثرت ابتداء کی وجہ سے ہو۔

واتقوا اللہ۔ ظاہر ہے کہ ان نصیحتوں پر کار بند رہی رہے گا جس کے دل میں خدا کا ڈر ہو یہ نہیں تو کچھ نہیں، چاہیے کہ ایمان و اسلام کا دعویٰ رکھنے والے واقعی طور پر خدا کے قہر کے غضب سے ڈریں اور ایسی ناشائستہ حرکتوں کے قریب نہ جائیں۔ اگر پہلے کچھ غلطیاں اور مزوریں سرزد ہوئیں تو اللہ کے سامنے صدق دل سے توبہ کریں وہ اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا۔ تقاضی کی طرح دعویٰ تقدس کی ممانعت بھی اس آیت سے مفہوم ہو رہی ہے۔

فلا تروا انفسکم ہو اعلم بمن اتقی (سورۃ النجم)

سبحان اللہ کیسی بیش بہا ہدایت ہیں۔ آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب امراض کا مکمل علاج اسی ایک سورہ حجرات میں موجود ہے۔ مسلمان اگر ان پر عمل کریں تو جو اختلافات بد قسمتی سے پیش آجاتے ہیں، وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا ضرر بہت محدود ہو جائے۔ بلکہ چند روزہ کوشش سے نفسانی اختلافات کا خاتمہ ہو جائے۔

مدار فضیلت خاندانی اونچ نیچ نہیں، بلکہ ایمان و عمل ہے..... یا ایہا الناس انا خلقکم، غیبت، طعن و تشنیع، عیب جوئی کا اکثر منشاء کبر ہوا کرتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا ہونا، معزز حقیر ہونا، ذات پات، خاندان اور نسب سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مہذب، پرہیزگار ہوگا اتنا ہی اللہ کے یہاں معزز و مکرم ہے نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد، ایک عورت آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ شیخ، سید، مغل، پٹھان، صدیقی، قزوینی، عسوی، انصاری، وغیرہ سب ہی کا سلسلہ ایک ماں باپ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ خاندان اور برادریاں اللہ نے محض تعارف اور شناخت کے لئے مقرر کی ہیں۔ بلاشبہ حق تعالیٰ جس کو کسی شریف اور معزز بزرگ گھرانہ میں پیدا کر دے۔ وہ ایک وہی، غیر اختیاری شرف و نعمت ہے جیسے تراز کا سریلہ اور صورت کا حسین و شکیل ہونا غیر اختیاری ہے جو بہر حال مستحسن ضرور ہے۔ لیکن یہ فخر و ناز کی چیز نہیں ہے کہ اس کو معیار کمال اور مدار فضیلت سمجھ لیا جائے، اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے۔ ہاں البتہ اس کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس نے بلا کسب و اختیار شرف نسبی عطا فرمایا اور شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور و تفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو کمینہ خصلتوں اور برے اخلاق سے خراب نہ ہونے دے۔ بہر حال عزت و شرف اور فضیلت و بزرگی کا اصل معیار نسب نہیں ہے کہ غیر اختیاری ہے بلکہ صلاح و تقویٰ اور اعمال صالحہ ہیں جو کمالات اختیاری اور کسی ہیں اور ادب و تقویٰ کا تعلق دل سے ہے اور اللہ ہی کو خبر ہے کہ جو شخص ظاہر میں متقی نظر آتا ہے وہ واقعہ میں کیسا ہے؟ اور آئندہ کیسا رہے گا؟

خاندانوں کا اختلاف تعارف کے لئے ہے اور تعارف مختلف مصالح کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً

۱۔ ایک ہی نام کے دو شخص ہیں مگر خاندانوں کے امتیاز سے ان میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

۲۔ دور کے اور پاس کے رشتہ داروں کی پہچان ہوتی ہے اور اسی قرب و بعد کے لحاظ سے پھر قرابت داروں کے شرعی حقوق ادا کئے جاتے ہیں۔

۳۔ اس سے عصبیات کا قرب و بعد معلوم ہو کر حاجب و محبوب متعین ہو جاتے ہیں۔

۴۔ اپنا خاندان معلوم ہو گا تو دوسرے خاندان کی طرف خود کو منسوب نہیں کرے گا۔ جس کی ممانعت حدیث میں آتی ہے۔

اسلام ناز کی بجائے نیاز کو پسند کرتا ہے۔ قالت الاعراب۔ اس میں ایک ایسی جماعت کی برائی بیان کی جا رہی ہے جنہوں نے بطور ریا ایمان کا دعویٰ اور اظہار کیا تھا۔ اور چونکہ ان کا دعویٰ غلط تھا اس لئے برائی اور بھی بڑھ گئی اور سورت کے شروع میں آداب نبوی ﷺ سے متعلق مضمون تھا بطور احسان ان کا یہ دعویٰ علاوہ جھوٹ اور ریا کئے آپ کے ساتھ ایک قسم کی گستاخی اور خلاف آداب بھی ہے۔ اس سے یہ مضمون جس طرح سابقہ قرینی آیت سے مربوط ہے اسی طرح شروع سورت کے مضمون سے بھی مربوط ہے پس آداب نبوی سے سورت کا شروع اور اسی پر اختتام آپ کی عظمت شان کی طرف مشیر ہے۔ اور نیز اس طرف کہ اصل حقوق میں آپ ہی ہیں اور دوسرے اہل حقوق جن کا ذکر درمیان میں آگیا وہ اس لحاظ سے حقوق میں تابع ہیں کہ اکثر حقوق مسلمانوں سے متعلق ہیں اور اسلام میں یہ شرکت آپ ہی کی بدولت ہوئی۔

آنحضرت اور خود مسلمانوں کے باہمی حقوق کا خلاصہ: گویا اس ایک ادب ہی کی یہ ساری تفصیلات ہیں ورنہ اُرسب کو الگ الگ شمار کیا جائے تو چھ آداب اور آنحضرت ﷺ سے متعلق بیان ہوئے ہیں۔

(۱) لا تقدموا. (۲) لا ترفعوا. (۳) لا تجھروا. (۴) لو انھم صبروا. (۵) ان جاءکم فاسق. (۶) واعلموا اور آٹھ حکم مسلمانوں سے متعلق ہیں اور یہ آیت قالت الاعراب الخ مشترک حکم۔ اس طرح اس سورت میں کل پندرہ احکام ہیں۔

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ ایمان و یقین جب پوری طرح دل میں راسخ ہو جاتے ہیں اور جڑ پکڑ لیتے ہیں اس وقت نبیت، عیب جوئی وغیرہ کی بری خصمتیں آدمی سے دور ہو جاتی ہیں اور جو شخص دوسروں کے عیب ڈھونڈنے میں اور آزار پہنچانے میں مصروف ہو سمجھ لے کہ ابھی ایمان اس کے دل میں پوری طرح ہیوست نہیں ہوا۔

حدیث میں ہے کہ یا معشر من امن بلسانہ ولم یغض الایمان الی قلبہ لا تغتابوا المسلمین ولا تبغوا عوراتھم اس آیت سے اور حدیث جبریل سے ایمان و اسلام میں فرق ظاہر ہے۔ لیکن اگر اسلام سے یہاں لغوی معنی مراد لئے جائیں تو پھر یہ استدلال صحیح نہیں رہتا۔ تفصیلات کا یہ مبحث نہیں ہے۔

انما المؤمنون الخ۔ یعنی سچے مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ و رسول پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو اور ان کی راہ میں ہر طرح جان و مال سے حاضر رہے۔

قل اتعلمون اللہ۔ یعنی اگر واقعی سچا دین اور پورا یقین تمہیں حاصل ہے تو کہنے اور جملانے کی کیا ضرورت جس سے معاملہ ہے وہ خود باخبر ہے۔

اسلام لانا کچھ اسلام پر احسان نہیں: یمنون علیک ان اسلموا۔ بعض دیہاتی اور گنوار آکر کہتے ہیں کہ دیکھو ہم بغیر

لڑائی بھڑائی کے مسلمان ہو گئے اس کا جواب آگے ہے اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ انہوں نے تو آما کہا تھا اسلما نہیں کہا تھا؟

جواب یہ ہے کہ اگر ان اسلما ہوتا تو شبہ کی گنجائش تھی۔ کیونکہ صیغہ غائب تو ان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ ان کے ایمان کو پہلے اسلام فرمایا اور وہ اس کے مدعی تھے۔ اس لئے اسلما سے یہ مقصد ہے کہ وہ اپنی ظاہری اطاعت کو جس کوئی الواقع اسلام کہنا زیادہ موزوں ہے۔ ایمان کہتے

ہیں اور آپ پر احسان رکھتے ہیں۔ اور آگے اسلامک میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔

نیز ہدایہ اکم للایمان میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ان کا ایمان تسلیم کر لیا گیا ہے؟ کیونکہ یہاں گفتگو بطور فرض کے کی جا رہی ہے گویا ان کے قول کی حکایت ہے۔ چنانچہ ان کتہم صادقین اس کا قرینہ ہے یعنی اگر بالفرض تمہارے دعویٰ ایمان کو مان لیا جائے تو بھی یہ خدا کا احسان سمجھنا چاہیے نہ کہ اپنا ۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہی کند      منت از و شناس کہ بخد مت بداشتت

(بیان القرآن فوائد عثمانی)

لطا کف آیات: .. یا ایہا الذین آمنوا لا یسخرن ان آیات میں ان اکرمکم عند اللہ اتقا کم تک مکارم اخلاق کی تعلیم ہے  
قالت الاعراب۔ اس میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ اپنے اعمال پر نظر نہ رکھو۔ بلکہ ہدایت کے سلسلہ میں اللہ کا احسان سمجھو۔

## سُورَةُ ق

سُورَةُ ق مَكِّيَّةٌ إِلَّا وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ الْاِيَّةَ فَمَدَنِيَّةٌ خَمْسٌ وَارْبَعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

قَالَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ﴿۲﴾ الْكَرِيمُ مَا آمَنَ كُفَّارٌ مَكَّةَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ رَسُولٌ مَنْ أَنْفُسِهِمْ يُنْذِرُهُمْ بِالنَّارِ بَعْدَ الْبُعْثِ فَقَالَ الْكُفْرُونَ هَذَا الْإِنْذَارُ شَيْءٌ عَجِيبٌ ﴿۳﴾ إِذَا بَتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَإِذْخَالِ أَلِفٍ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوُجْهِينِ مِثْنًا وَكُنَّا تُرَابًا ﴿۴﴾ نَرْجِعُ ذَلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ﴿۵﴾ فِي غَايَةِ الْبُعْدِ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ تَأْكُلُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِیْظٌ ﴿۶﴾ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ فِيهِ جَمِيعُ الْأَشْيَاءِ الْمُقْتَرَةِ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ بِالْقُرْآنِ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي شَانِ النَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ فِي أَمْرِ مَرِیْجٍ ﴿۷﴾ مُضْطَرِبٍ قَالُوا مَرَّةً سَاحِرٌ وَ مَرَّةً شَاعِرٌ وَ مَرَّةً كَاهِنٌ وَ كَهَانَةٌ أَفَلَمْ يَنْظُرُوا بِعُيُونِهِمْ مُعْتَبِرِينَ بِعُقُولِهِمْ حِينَ أَنْكَرُوا الْبُعْثَ إِلَى السَّمَاءِ كَأَنَّهُ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا بِلا عَمَدٍ وَزَيْنَاهَا بِالْكَوَكِبِ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ﴿۸﴾ شُقُوقٍ تَعِيْهَا وَالْأَرْضُ مَعْطُوفٌ عَلَى مَوْضِعٍ إِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ مَدَدْنَاهَا دَحُونًا عَلَى وَجْهِ الْمَاءِ وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ جِبَالًا تَنْبُتُهَا وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ أَصْنَفٍ بَهِيْجٍ ﴿۹﴾ يَنْهَجُ بِهِ لِحُسْنِهِ تَبْصِرَةٌ مَفْعُولٌ لَهُ أَيْ فَعَلْنَا ذَلِكَ تَبْصِيرًا مِنَّا وَذِكْرًا لِتَذَكُّرٍ لِّكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ﴿۱۰﴾ رَجَاعٍ عَلَى طَاعَتِنَا وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبْرَكًا كَثِيرَ الْبَرَكَةِ فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ بَسَاتِينَ وَحَبَّ الزَّرْعِ الْحَصِيدِ ﴿۱۱﴾ الْمَحْصُودِ وَالنَّخْلَ بِسِقَاتٍ طَوَالًا حَالٍ مُقْتَرَةٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ﴿۱۲﴾ مُتْرَاكِبٌ بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ رِزْقًا لِلْعِبَادِ مَفْعُولٌ لَهُ وَآخِيْنَا بِهِ بِلَدَةٍ مِثْنًا يَسْتَوِي فِيهِ الْمَذْكُورُ وَالْمُؤَنَّثُ كَذَلِكَ أَيْ مِثْلَ هَذِهِ الْأَحْيَاءِ الْخُرُوجُ ﴿۱۳﴾ مِنَ الْقُبُورِ فَكَيْفَ تُنْكِرُونَهُ وَالْإِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ نَظَرُوا وَعَلِمُوا مَا ذَكَرَ كَذَبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ تَأْنِثُ الْفِعْلُ لِمَعْنَى قَوْمٍ وَأَصْحَبُ الرِّسِّ بِرٍ كَانُوا مُقِيمِينَ

عَلَيْهَا بِمَوَاسِيهِمْ يَعْبُدُونَ الْأَصْنَامَ وَنَبِيِّهُمْ قِيلَ حَنْظَلَةُ بَيْنَ صَفْوَانَ وَقِيلَ غَيْرُهُ وَتَمُودُ ﴿۱۲﴾ قَوْمٌ صَالِحٌ وَغَاثُ  
 قَوْمٍ هُودٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿۱۳﴾ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ أَيْ الْغَيْظَةِ قَوْمٌ شُعَيْبٌ وَقَوْمٌ تَبَعٌ هُوَ مَلِكٌ  
 كَانَ بِالْيَمْرِ أَسْلَمَ وَدَعَا قَوْمَهُ إِلَى الْإِسْلَامِ فَكَذَّبُوهُ كُلٌّ مِنَ الْمَذْكُورِينَ كَذَّبَ الرُّسُلَ كَقُرَيْشٍ فَحَقُّ  
 وَعِيدِهِ ﴿۱۴﴾ وَحَبُّ تَزْوُلِ الْعَذَابِ عَلَى الْجَمِيعِ فَلَا يَضِيقُ صَدْرُكَ مِنْ كُفَّارِ قُرَيْشٍ بِكَ أَفْعَيْنَا بِالْخَلْقِ  
 عِجِّ الْأَوَّلُ أَيْ لَمْ نَعِ بِهِ فَلَا نَعِ بِالْإِعَادَةِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ شَكٍّ مِنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۱۵﴾ وَهُوَ الْبُعْثُ وَلَقَدْ  
 خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ حَالَهُ بِتَقْدِيرٍ نَحْنُ مَا مَصْدَرِيَّةٌ تَوْسُوسُ تُحَدِّثُ بِهِ الْبَاءُ زَائِدَةٌ أَوْ لِلتَّعْدِيَةِ وَالضَّمِيرُ  
 لِلْإِنْسَانِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ بِالْعِلْمِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿۱۶﴾ الْأَرْضَافَةُ لِلْيَبَانِ وَالْوَرِيدَانِ عِرْقَانِ  
 لِصَفْحَتَيْ الْعُنُقِ إِذَا نَاصِبَةٌ أَذْكَرُ مُقَدَّرًا يَتَلَقَّى يَأْخُذُ وَيُثَبِّتُ الْمُتَلَقِّينَ الْمَلَكَانِ الْمُوَكَّلَانِ بِالْإِنْسَانِ مَا يَعْمَلُهُ  
 عَنْ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ مِنْهُ قَعِيدٌ ﴿۱۷﴾ أَيْ قَاعِدَانِ وَهُوَ مُبْتَدَأٌ خَبْرُهُ مَا قَبْلَهُ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا  
 لَدَيْهِ رَقِيبٌ حَافِظٌ عَتِيدٌ ﴿۱۸﴾ حَاضِرٌ وَكُلٌّ مِنْهُمَا بِمَعْنَى الْمُشَى وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ عَمَرَتُهُ  
 وَشِدَّتُهُ بِالْحَقِّ مِنْ أَمْرِ الْآخِرَةِ حَتَّى يَرَاهُ الْمُنْكَرُ لَهَا عِيَانًا وَهُوَ نَفْسُ الشَّيْءِ ذَلِكَ أَيْ الْمَوْتُ مَا كُنْتَ مِنْهُ  
 تَحِيدُ ﴿۱۹﴾ تَهَرَّبُ وَتَفْرَعُ وَتَفْخُ فِي الصُّورِ لِلْبُعْثِ ذَلِكَ أَيْ يَوْمُ النَّفْخِ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿۲۰﴾ لِلْكَفَّارِ  
 بِالْعَذَابِ وَجَاءَتْ فِيهِ كُلُّ نَفْسٍ إِلَى الْمَحْشَرِ مَعَهَا سَائِقٌ مَلَكٌ يَسُوقُهَا إِلَيْهِ وَشَهِيدٌ ﴿۲۱﴾ يَشْهَدُ  
 عَلَيْهَا بِعِلْمِهَا وَهُوَ الْأَيْدِيُّ وَالْأَرْجُلُ وَغَيْرُهَا وَيُقَالُ لِلْكَافِرِ لَقَدْ كُنْتَ فِي الدُّنْيَا فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَذَا النَّازِلِ بَلِ  
 الْيَوْمَ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ أَزَلْنَا غَفْلَتَكَ بِمَا تَشَاهِدُهُ الْيَوْمَ قَبِصْرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿۲۲﴾ حَادٌّ تُذَرِّكُ  
 بِهِ مَا أَنْكَرْتَهُ فِي الدُّنْيَا وَقَالَ قَرِينُهُ الْمَلِكُ الْمُوَكَّلُ بِهِ هَذَا مَا أَيْ الَّذِي لَدَى عَتِيدٌ ﴿۲۳﴾ حَاضِرٌ يَقَالُ  
 لِمَالِكٍ الْقِيَا فِي جَهَنَّمَ أَيْ الْقِيَا أَوْ الْقِيَيْنَ وَبِهِ قَرَأَ الْحَسَنُ فَأَبْدَلَتْ التَّوُونَ الْفَاءَ كُلَّ كُفَّارٍ عَتِيدٌ ﴿۲۴﴾ مُعَايِدًا  
 لِلْحَقِّ مَنَاعٍ لِلْخَيْرِ كَالزَّكَاةِ مُعْتَدٍ ظَالِمٍ مُرِيبٍ ﴿۲۵﴾ شَاكٍ فِي دِينِهِ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ مُتَدَاءٌ  
 ضَمْنِي مَعْنَى الشَّرْطِ خَبْرُهُ فَالْقِيَةُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿۲۶﴾ تَفْسِيرُهُ مِثْلُ مَا تَقَدَّمَ قَالَ قَرِينُهُ الشَّيْطَانُ رَبَّنَا  
 مَا أَطْغَيْتَهُ أَضَلَلْتَهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿۲۷﴾ قَدَعُوهُ فَاسْتَحَابَ لِي وَقَالَ هُوَ أَطْغَانِي بِدُعَائِهِ أَيْ  
 قَالَ تَعَالَى لَا تَخْتَصِمُوا لَدَى أَيْ مَا يَنْفَعُ الْخِصَامُ هُنَا وَقَدْ قُلْتُمْ إِلَيْكُمْ فِي الدُّنْيَا بِالْوَعِيدِ ﴿۲۸﴾  
 بِالْعَذَابِ فِي الْآخِرَةِ لَوْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَا بُدَّ مِنْهُ مَا يُبَدَّلُ يُغَيَّرُ الْقَوْلُ لَدَى فِي ذَلِكَ وَمَا أَنَا بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ  
 عِجِّ ﴿۲۹﴾ فَأَعَذِبُهُمْ بِغَيْرِ جُرْمٍ وَظَلَامٍ بِمَعْنَى ذِي ظُلْمٍ لِقَوْلِهِ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ وَلَا مَفْهُومَ لَهُ.

ترجمہ: ... سورۃ ق مکیہ ہے۔ بجز آیت ولقد خلقنا السموات کے وہ مدنیہ ہے۔ کل ۴۵ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ق (اس کی مراد حقیقی اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے قرآن مجید کی (جو کریم ہے کہ کفار مکہ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لائے بلکہ ان کو اس پر حیرت ہوئی کہ ان کے پاس ان ہی میں ایک ڈرانے والا آیا) (انہی میں سے ایک فرد پیغمبر ہے۔ جو ان کو قیامت کے عذاب سے ڈراتا ہے) سو کافر کہنے لگے کہ یہ (ڈرانا) عجیب بات ہے کیا جب (اس میں دونوں ہمزہ کی تحقیق ہے اور دوسری ہمزہ کی تسہیل ہے اور ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف ہے یہ چار قراءتیں ہوں گی) ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو پھر دوبارہ زندہ ہوں گے) یہ دوبارہ زندہ ہونا بہت ہی بعید (انتہائی) دور کی بات ہے ہم ان کے اجزاء کو جانتے ہیں جن کو مٹی (کھالیتی) کم کر دیتی ہے اور ہمارے پاس محفوظ کتاب ہے (یعنی لوح محفوظ، جس میں تمام ہونے والی باتیں درج ہیں)۔ بلکہ وہ سچی بات (قرآن) کو جھٹلا دیتے ہیں جب کہ ان کے پاس پہنچتی ہے۔ غرضیکہ یہ لوگ (آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم کے معاملہ میں) ایک متزلزل حالت میں ہیں (ڈانوا ڈول ہیں کہ کبھی جادو گر اور جادو کہتے ہیں اور کبھی شاعر و شعر اور کبھی کاہن اور کہانت کہتے ہیں) کیا ان لوگوں نے دیکھا نہیں (اپنی آنکھوں سے عقلوں کو کام میں لا کر، انکار قیامت کرتے ہوئے، آسمان کو جو ان کے اوپر ہے کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے (بلاستون کے) اور اس کو (ستاروں سے) آراستہ کر دیا اور اس میں کوئی رخسہ (عیب و پھن) نہیں ہے اور زمین کو (اس کا عطف الی السماء کے محل پر ہو رہا ہے کس طرح) ہم نے پھیلا دیا ہے (پانی پر بچھا دیا ہے اور ہم نے اس میں (مضبوط پہاڑوں کو جما دیا ہے اور اس میں ہر قسم (طرح طرح) کی خوشنما چیزیں اگا دیں (جن سے ان کے حسن میں رونق آگئی جو ذریعہ ہے مینائی (یہ مفعول لہ ہے یعنی ہم نے ان کو مینائی کے لئے بنایا) اور دانائی (نصیحت) کا ہر فرمانبردار (ہمارے اطاعت گزار) بندے کے لئے اور ہم نے آسمان سے (بہت) برکت والا پانی برسایا پھر اس سے بہت باغ (چمن) اگائے اور کئی ہوئی کھیتی کا غلہ (دانے) اور لمبی لمبی (یہ حال مقدر ہے) کھجور کے درخت جن کے گچے گندھے ہوئے ہوتے ہیں (ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ) بندوں کے رزق کے لئے (مفعول لہ ہے) اور ہم نے اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو آباد کیا (میتا میں مذکر مونث کے برابر ہیں) اسی طرح (جیسے یہ زندہ کرنا ہے) قبروں سے نکلن ہوگا (پھر کیسے قبروں سے زندہ ہونے کا انکار کر رہے ہو استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ رہے ہیں اور خوب جانتے ہیں ان سے پہلے قوم نوح (کذبت فعل مونث لایا گیا معنی قوم کی رعایت کرتے ہوئے) اور اصحاب الرس (یہ ایک کنواں تھا جس پر اپنے جانوروں سمیت لوگ رہا کرتے تھے۔ اور بت پرستی کیا کرتے تھے۔ بعض کی رائے میں ان کے پیغمبر حضرت حظلہ ابن صفوان یا دوسرے کوئی بزرگ تھے) اور ثمود (قوم صالح) اور عاد (قوم ہود) اور فرعون اور قوم لوط اور اصحاب الایکہ (بمعنی جھاڑی بن۔ قوم شعیب مراد ہے) اور قوم تبع (تبع یمن کا بادشاہ جو مسلمان ہو گیا تھا۔ لیکن اس نے اپنی قوم کو جب اسلام کی دعوت پیش کی تو قوم نے اس کو جھٹلایا) تکذیب کر چکے ہیں۔ ان سب نے (قریش کی طرح) سب پیغمبروں کو جھٹلایا۔ سو میری وعید محقق ہو گئی (سب پر عذاب نازل کرنا لازمی ہو گیا۔ لہذا سب کو قریش کے کفر سے تنگ دل نہیں ہونا چاہیے) کیا ہم پہلی بار کے پیدا کرنے میں تھک گئے ہیں؟ یعنی نہیں تھکے، اس لئے دوبارہ پیدا کرنے میں بھی نہیں تھکیں گے) بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کی طرف سے (قیامت کے متعلق) شبہ میں ہیں اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم جانتے ہیں (یہ حال ہے بتقدیر نحن) جو کچھ (ماصدر یہ ہے) خیالات آتے ہیں (پیدا ہوتے ہیں) اس کے (بازائد ہے یا تعدیہ کے لئے ہے اور یہ کی ضمیر انسان کی طرف سے راجع ہے) جی میں اور ہم انسان کے (علم کے لحاظ سے) اتنے قریب ہیں کہ اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہیں (جل اللوید میں اضافت بیان یہ ہے اور وید گردن کے دونوں طرف کی رگوں کو کہتے ہیں) جب کہ حاصل کرتے رہتے ہیں (لیتے اور قلمبند کرتے رہتے ہیں) اخذ کرنے والے دوفرشتے (انسان کے عمل پر جو دوفرشتے مقرر ہیں) جو (اس کے) دائیں

بائیں بیٹھے رہتے ہیں (یہ مبتداء ہے اس کی خبر پہلے ہے) وہ کوئی لفظ منہ سے نکالنے نہیں پاتا۔ مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا (نگران) تیار (حاضر) رہتا ہے (رقیب و عقید دونوں لفظ حشر کے معنی میں ہیں) اور موت کی سختی (بے ہوشی اور شدت) حقیقتہً آنکھیں (یہ آخرت کے متعلق ہے حتیٰ کہ ایک منکر بھی اس کو کھلم کھلا دیکھتا ہے یعنی نفس شدت ہے) یہ وہ چیز ہے جس سے توبہ کتا تھا (بھاگتا اور گھبراتا تھا) اور صور (قیامت) پھونکا جائے گا۔ یہی (صور پھونکنے کا روز) وعید کا دن ہوگا (کفار کے لئے عذاب کا) اور آئے گا (اس روز) ہر شخص (محشر کی طرف) اس طرح کہ اس کے ساتھ ایک اس کو اپنے ہمراہ لائے گا (فرشتہ جو محشر کی طرف اس کو دھکیلے گا) اور ایک گواہ ہوگا (جو اس کے اعمال کی شہادت دے گا یعنی اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اور کافر سے کہا جائے گا) تو (دنیا میں) بے خبر تھا اس سے (جو کچھ آج عذاب ہو رہا ہے) سواب ہم نے تجھ پر سے تیرا پردہ اٹھا دیا (تیری غفلت دور کر دی جو کچھ آج تیرے مشاہدہ میں آ رہا ہے) سو آج تیری نگاہ بڑی تیز ہے (جن باتوں کا دنیا میں انکار کرتا تھا وہ اب تجھے محسوس ہو رہی ہیں) اور جو فرشتہ (موکل) اس کے ساتھ رہا کرتا تھا وہ عرض کرے گا کہ یہ وہ ہے جو میرے پاس تیار ہے (حاضر، دوزخ کے داروغہ سے کہا جائے گا) دوزخ میں جو تک دو (یعنی ڈال دو، یا القین جیسا کہ حسن کی قراءت ہے۔

نون کو الف سے بدل لیا) ہر کفر کرنے والے کو ضدی کو (جو حق سے عناد رکھتا ہو) جو نیک کام (جیسے زکوٰۃ) سے روکتا ہو جو حد سے بڑھنے والا (ظالم) شبہ پیدا کرنے والا (اپنے دین میں شک ڈالنے والا ہو) جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا ہو (یہ جملہ متضمن معنی شرط کو مبتداء ہے آگے خبر ہے) سو ایسے شخص کو سخت عذاب میں ڈال دو (اس کی تفسیر پہلے جیسی ہے) اس کا ساتھی (شیطان) بولے گا اے ہمارے پروردگار میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا (بچلایا نہیں تھا) لیکن یہ خود ہی دور دراز کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا (میں نے اس کو بلایا ضرور تھا۔ مگر یہ خود میرے بہکانے میں آ گیا اور پھر کہتا ہے کہ شیطان نے مجھے بہکا کر گمراہی میں ڈال دیا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میرے سامنے جھگڑنے کی باتیں مت کرو یعنی اس وقت جھگڑنا بے فائدہ ہے) اور میں تو پہلے ہی (دنیا میں) وعید بھیج چکا تھا (عذاب آخرت کی ایمان نہ لانے کی صورت میں وہ ہو کر رہے گا) میرے ہاں بات نہیں بدلی (پھیری) جاتی (اس سلسلہ میں) اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں (کہ بلا جرم ان کو سزا دے ڈالوں ظلام ظالم کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے لا ظلم الیوم مبالغہ کا مفہوم مراد نہیں ہے۔

**تحقیق و ترکیب:** القرآن۔ تفسیری عبارت جواب قسم کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اس پر قرینہ بعد کی آیت ان جاء ہم منذر ہے۔ اور بعض نے قد علمنا ما تنقص کو جواب مانا ہے اور اس پر لازم آنا چاہیے تھا۔ مگر طول کلام کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، اور بعض کے نزدیک جواب قسم آئندہ آیت ما یلفظ من قول ہے۔ اس سے پہلی آیات میں اس کے قائم مقام ہو گئی ہیں۔ جیسے والشمس الخ کا جواب قد الفلح من زکھا ہے۔

بل عجوا۔ یہ محذوف جواب قسم سے اضراب ہے اور اظہار تعجب ان کی کوتاہ عقلوں کی وجہ سے کیا گیا ہے ورنہ فی نفسہ اور عقل کامل کے لحاظ سے انبیاء کا آنا تعجب خیز نہیں ہے۔ بلکہ نہ آنا تعجب خیز ہوتا۔

و کنا ترابا۔ موت اور مٹی ہو جانا باعث تعجب نہیں ہے۔ بلکہ دوبارہ زندہ ہونا جس کو مفسر نے رجع سے تعبیر کیا ہے تعجب خیز بنا ہے مگر ظاہر ہونے کی وجہ سے آیت میں ذکر نہیں کیا۔

قد علمنا۔ علم الہی جس کے تمام اجزاء کو محیط ہے اس لئے وہ دوبارہ جلانے پر بھی قادر ہے۔

وعندنا۔ یہ جملہ حالیہ ہے کلام تشبیہی ہے جس طرح کسی کے پاس کتاب ہو جس میں تمام باتیں محفوظ ہوں۔ اسی طرح علم الہی سب چیزیں محفوظ ہیں لوح محفوظ کی مثال انسانی دماغ جیسی ہے کہ چھوٹا ہونے کے باوجود کتنی معلومات کا خزانہ ہوتا ہے اور لوح محفوظ تو سفید موتی کا ہے جو



ساتویں آسمان پر ہوا میں معلق ہے جس کا حجم آسمان زمین مشرق مغرب کے برابر ہے۔

فی امر مرتج۔ قاموس میں ہے کہ مرج کے معنی فساد و اضطراب کے ہیں۔ یہاں اسناد مجازی ہے کیونکہ صاحب امر مرتج ہوتا ہے۔

کیف بنیناھا۔ مفعول سے حال ہے مخاطب کو اقرار پر آمادہ کرنے کے لئے استفہام ہے۔

مالھا من فروج۔ سورۃ ملک میں هل تری من فطور فلسفہ کے اصطلاحی فرق والقیام کے محال ہونے یا انکار قیامت پر اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہاں آسمانوں میں ٹوٹ پھوٹ کا انکار کیا جا رہا ہے اور وہ بھی بحالت موجودہ۔ لیکن ان کی بناوٹ میں دروازے اگر رکھ دئے گئے ہوں جن سے فرشتوں وغیرہ کی آمد و رفت ہوتی ہو۔ یا قیامت میں تمور السماء مورا ہو تو اس کی نفی نہیں ہے۔

والارض۔ یہ منصوب ہے اضمار علی شرط التفسیر کی وجہ سے اس کا عطف محل الی السماء پر ہے۔ ای اقلم ينظروا الی السماء والارض۔

تبصرة عام طور پر اس کو مفعول نہ ہونے کی وجہ سے منصوب مانا گیا ہے۔ ای التبصیر والتذکیر۔ لیکن بعض حضرات حال کی وجہ سے منصوب کہتے ہیں۔ ای مبصرین و مذکرین اور بعض مفعول سے حال مانتے ہیں۔ ای ذات و تبصرة و تذکیر لمن یراھا۔ اور زید بن علی نے دونوں لفظوں کو مرفوع پڑھا ہے ای ہی تبصرة ہے۔ اور مفعول نہ ہونے کی صورت میں کیف بنیناھا عامل ہے فعلنا ذلک سے مفسر نے عامل کی تفسیر کردی۔ ای فعلنا البناء والتزین۔

لکل عبد۔ اس کا تعلق دونوں مصدروں سے ہے۔

منیب۔ یہ صیغہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ نسبت کے لئے ہے جیسے لبان، تمار، اسی لئے رجاع کے معنی ذی رجعت کے ہیں کثرت سے مراد نہیں ہے۔ وحب الصيد۔ مفسر نے زرع سے اشارہ کر دیا کہ موصوف مخدوف ہو کر صفت قائم مقام ہو گئی تاکہ اضافت الشئ الی نفسہ لازم نہ آئے۔ لیکن یہ دو لفظ اگر مختلف ہوں تو ان میں اضافت بھی ہو سکتی ہے جیسے حق البقین، جبل الورد دار الاخرۃ۔ اور صید بمعنی محصور۔ جو کھیت کٹنے کے لائق ہو۔

باسقات۔ جمع ہے باسقة کی بواسق بھی جمع ہے بسق الر جل یعنی علم میں ماہر ہو گیا۔ حال مقدرہ اس لئے کہا کہ پیدا ہونے کے وقت کھجور لمبی نہیں ہوتی۔ اور نخل مفرد لایا گیا۔ زیادہ لمبا اور زیادہ نفع بخش ہونے کی وجہ سے چنانچہ حدیث میں مسلمانوں کو نخل سے تشبیہ دی گئی ہے۔

رزقا۔ حال ہے ای مرزوقا للعباد اور انبات کے معنی میں مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ اور مفعول نہ بھی ہو سکتا ہے اور للعباد صفت ہے اور یا مصدر کا متعلق ہے اور یا مصدر کا مفعول ہے۔ اس میں لام زائد ہے اور یہاں عباد کو مطلق اور ذکر لکل عبد منیب میں مقید ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ نصیحت صرف اچھے لوگوں کے لئے اور رزق سب کے لئے ہوتا ہے۔

بلدة مینا۔ بلدہ مونث ہے اس کی صفت مینا مذکر ہے؟ تفسیری عبارت اسی کا جواب ہے لیکن اس جواب میں نظر ہے کیونکہ یہ قاعدہ فعیل کے لئے ہے کہ اس میں مذکر مونث برابر ہوتے ہیں۔ اس لئے بہتر توجیہ یہ ہے کہ بلدۃ سے مراد ارض نہ ہو بلکہ مکان ہو اس کی صفت مینا ہے۔

کذلک۔ کاف محل رفع میں ہے مبتدئ کی وجہ سے اموات کا حال موات جیسا ہے مفسر استنہام کو تقریری کہہ رہے ہیں لیکن انکار و توہین کے لئے ماننا بہتر ہے۔ نیز والمعسی انہم نظر و او علموا ما ذکر کہنا بھی قابل نظر ہے کیونکہ اگر کفار واقعی نظر کرتے تو ایمان لے آتے۔

اصحاب الرس۔ یمامہ کے ایک خاص کنویں پر رہنے والی قوم تھی اور بعض نے اصحاب الاخدود مراد لئے ہیں۔

فرعون۔ قوم فرعون مراد ہے۔ کیونکہ مطوف علیہ میں بھی اقوام مراد ہیں۔

تبع۔ کثرت متبعین کی وجہ سے ان کا نام تبع ہوا۔

افعیسا۔ ہمزہ استفہام انکاری ہے اور عی کے معنی عجز و تعب کے ہے۔

بل ہم۔ مقدر پر مطف ہے۔ اسی ہم غیر منکرین لقد رتنا علی الخلق الاول بل ہم فی شبہۃ من خلق جدید۔ اور خلق و یہاں تعظیم شان کے لئے نکرہ لایا گیا ہے۔

ولقد خلقنا الانسان۔ جنس مراد ہے جو آدم اور اولاد پر صادق آتی ہے۔

وعلہ دل ہے مضارع مثبت اگر حال ہو تو حرف ضمیر کافی ہوتی ہے واو کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن جب واو کے ساتھ ہو تو پھر جملہ امیہ بنا۔ پڑے گا۔ س لئے مفسر نے نحن مقدر مانا ہے۔

توسوس۔ یہ ضمیر انسان کی طرف راجع ہے انسان اور اس کے نفس کو مغائر فرض کر لیا گیا ہے۔

حاطر۔ با جس کی طرح اس وسوسہ پر بھی کوئی اچھا برا اثر مرتب نہیں ہوتا۔ البتہ ہم اگر خیر ہو تو مفید ہے اور شر ہو تو مضر نہیں ہے۔ لیکن عزم اختیار کی ہونے کی وجہ سے خیر و شر دونوں میں موثر ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ کی آیت ان تبدوا مالی أنفسکم کے تحت گزر چکا ہے۔

محس اقرب۔ بسنی قرب مراد نہیں ہے۔ بلکہ علمی مراد ہے۔ سبب کا اطلاق مسبب پر کیا گیا ہے کیونکہ قرب سبب علم ہوتا ہے۔

یتلقى المتلقیان۔ انسان کی زبان، ان فرشتوں کا قلم اور لعاب روشنائی کا درجہ رکھتی ہے۔ اس آیت سے متعلق عجیب و غریب بحث شیخ عبد العزیز بن دباغ کے حالات پر مشتمل کتاب ”تبریز“ میں دیکھنی چاہیے۔

قعید۔ فعیل کا وزن کو فیوں کے نزدیک متعدد پر بولا جاسکتا ہے۔ جیسے والملائکہ بعد ظہیر میں ہے۔ قعید بھی اسی طرح ہے اور بعض کے نزدیک عن الیمین قعیدو عن الشمال قعید تھا۔ اول سے قعید حذف کر دیا گیا ہے۔ اور قعید بمعنی قاعد ہے۔ اور بعض کے نزدیک قعید بمعنی مقاعد ہے جیسے جلس بمعنی مجالس ہے قعید اور قیب دونوں تشبیہ کے معنی میں آتے ہیں۔ یہ خبر ہے۔ اذ یتلقى المتلقیان کی اور قعید ایسے بیٹھنے کو کہتے ہیں جو چمٹ جائے پس سے مس نہ ہو چنانچہ کراما کاتبین صرف جنابت، جماع، بیت الخلاء کی حالت میں الگ ہوتے ہیں دوسرے اوقات میں لازم و ملزوم رہتے ہیں اور ان تین اوقات میں بھی قیافہ سے پہچان کر گناہ یا ثواب لکھ لیتے ہیں۔

بالحق۔ ہا تعذیبہ کے لئے ہے۔ جیسے جاوید و عمر و اور حق باطل کی ضد کو کہتے ہیں۔ جس کے ایک معنی مفسر نے بیان کئے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ سکر الموت، حقیقۃ الامر کو سامنے کر دیتی ہے اور بعض کے نزدیک الحق سے مراد موت اور جزاء ہے۔

ونفخ فی الصور۔ اس کا عطف جاءت پر ہے اور صور سینگ کی شکل میں ہوتا ہے۔ جس کو حضرت اسرافیل آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت سے منہ میں لئے ہوئے منتظر حکم ہیں۔

سائق۔ سائق اور شہید کے معنی میں اختلاف ہے مشہور قول وہی ہے جو مفسر نے اختیار کیا ہے اور بعض کے نزدیک سائق برائیاں لکھنے والا فرشتہ اور شہید نیکیں لکھنے والا فرشتہ اور بعض کے نزدیک سائق سے مراد نفس انسانی یا اس کا قرین ہے اور شہید سے مراد انسان کے جوارح اور اعمال ہیں۔

لقد کنت۔ جمہور کے نزدیک کافر مخاطب ہے درزید بن اسلم کے نزدیک اس کے مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں یعنی آپ پہلے قرآن سے غافل تھے۔ لیکن سیاق آیت اس کے خلاف ہے چنانچہ دوسری قراءت کنت ضمیر تانیث سے اول معنی کی تائید ہوتی ہے۔

غطاء لٹ۔ غفلت اور اٹھناک محسوسات اور تصور نظر مراد ہے۔ ہر نماز کے بعد اس آیت کو پانچ مرتبہ ہاتھ کی انگلیوں پر دم کر کے آنکھوں سے مل لینا ضعف بھر دور کرنے کے لئے مجرب ہے۔

قرینہ۔ بقول بغوی وغیرہ قرین فرشتہ ہے اور ابن عباس، مجاہد، سے اس کے معنی شیطان منقول ہیں۔ قال قرینہ ربنا ما اطعینہ میں بھی یہی معنی ہیں۔ اور عقیدہ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے قبضہ میں تھا۔

مالدی۔ میں مانکرہ موصوفہ، عقید اس کی صفت ہے اور لدی، متیق کے متعلق ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عقید۔ کی صفت ثانیہ ہو یا خبر ہے مبتداء محذوف کی ای ہو عقید، اور موصول بھی ہو سکتا ہے۔ اور لدی اس کا صلہ ہے اور عقید خبر موصول ہے اور پھر موصول صلیل کرا اسم اشارہ کی خبر ہے اور موصوفہ ہو یا موصول، ہذا کا بدل بھی ہو سکتا ہے اور عقید خبر ہوگی اور زخشری کے نزدیک عقید بدل اور خبر ثانی اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہو سکتا ہے۔

القیاء۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ فاعل کا تشنیہ بمنزلہ فعل کے تشنیہ کے ہے۔ اصل میں اق اق تھا دوسرے فعل کو حذف کر کے پہلے فعل میں تشنیہ کی ضمیر لے آئی گئی۔ (قاضی) اور بقول صاحب جمل "تشنیہ کی دو توجہیں ہیں ایک یہ کہ بظاہر الف تشنیہ ہے ورنہ دراصل فعل مکرر ہے تاکید کے لئے، مگر دوسرے فعل کو حذف کر کے اس کے فاعل کو پہلے فعل کے فاعل کے ساتھ جمع کر کے تشنیہ لایا گیا ہے۔ گویا اس صورت میں نون تشنیہ حذف ہو گیا صرف الف رہ گیا۔ اعراب کا تعلق لفظ سے ہوتا ہے۔

دوسری توجہ یہ ہے کہ اس میں الف تشنیہ نہیں ہے بلکہ نون تاکید خفیفہ سے بدلا ہوا ہے۔ تفسیری عبارت اولیقین کا یہی مطلب ہے وصل کو وقف کے قائم مقام کر کے نون تاکید کو الف سے تبدیل کر دیا ہے اور بعض نے سائق اور شہید دونوں کے لئے خطاب مانا ہے پھر کسی توجہ کی حاجت نہیں رہتی۔

الدى جعل۔ مفسر نے اس کو مبتداء متضمن معنی شرط قرار دیا ہے۔ اس لئے خبر پر فا آگئی۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ مبتداء کو شرط کے مشابہ کہا جائے اور اس کو بطور مذمت منصوب بھی مانا جاسکتا ہے۔ یا کل سے یا کفار سے بدل مان کر مجرور کہا جاسکتا ہے۔

فالقياہ۔ فا کے بعد قول مقدر ماننا ضروری ہے۔ ورنہ امر انشاء ہونے کی وجہ سے خبر نہیں ہو سکتی۔

ای یقال فیہ القياہ۔ اور بعض کی رائے ہے کہ معنا جواب شرط ہونے کی وجہ سے فاء کے بعد قول مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ یہ مفعول ہے۔ فعل مضمر علی شرطۃ التفسیر کا اور بعض اس کو "کل کفار" سے بدل کہتے ہیں۔ فالقياہ فی العذاب الشدید کا عطف القياہ فی جہنم پر ہے اور بعض اس کو تاکید مانتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ عطف تاکید کے منافی ہوتا ہے۔

لا تختصموا۔ کفار اور ان کے قرین کو خطاب ہے۔

وقد قدمت۔ بظاہر یہ جملہ لا تختصموا کا حال ہے لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ وعید تو دنیا میں دی گئی۔ اور اختصام آخرت میں ہو رہا ہے دونوں ایک زمانہ میں نہیں جو حال کے لئے شرط تھے۔ جواب یہ ہے کہ کلام میں حذف ہے۔ عبارت اس طرح ہے۔ ثبت الان انی قدمت الیکم بالوعید الخ۔

ظلام للعبید۔ اس میں یوم کی قید کا اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ مطلق ظلم کی نفی مقصود ہے۔

ربط آیات: پچھلی سورت کی آخری آیت واللہ بصیر بما یعملون میں اعمال کی جزا کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اس پوری سورت میں قیامت و جزاء کے امکان اور وقوع کی بحث ہے۔

﴿تشریح﴾ :... والقران المجید۔ قرآن کی عظمت و بزرگی کا کیا کہنا۔ جس نے آکر سب کتابوں کو منسوخ کر دیا اور اپنی عجیبی قوت اور ماحدود اسرار و معارف سے دنیا کو محو حیرت بنا دیا۔ قرآن بذات خود اس کا شاہد ہے کہ اس میں کہیں بھی انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے مگر منکرین پھر بھی اس کو قبول نہیں کرتے۔ اس لئے نہیں کہ ان کے پاس اس کے خلاف کوئی حجت و برہان ہے۔ بلکہ محض اپنی حماقت و

جہالت سے اس پر ناک و بھوں چڑھاتے ہیں کہ انہی کا ایک آدمی رسول بن کر کیوں آگیا اور بڑا مہن کران کو نصیحتیں کیوں کرنے لگا۔ اور بات بھی ایسی عجیب کہی کہ کوئی ماننے کو تیار نہیں۔ بھلا مر کر دور بارہ زندہ ہوتا ہی کچھ کم حیرت ناک نہیں تھا کہ اس پر قسم یہ کہ مٹی بن کر گل سڑ کر پھر دوبارہ زندہ ہوں بھلا ان باتوں کو کوئی کا ہے کو ماننے لگا۔ یہ تو بعید در بعید بات اور انوکھی چیتاں ہے عادت کے بھی خلاف اور امکان سے بھی دور۔ اس محال دعویٰ سے تو ان کی پیغمبری کی قلعی بھی کھل گئی۔

قیامت ممکن بھی ہے اور واقعی بھی ..... آگے حق تعالیٰ جواب دیتے ہوئے اول اس کے امکان اور پھر اس کے وقوع سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قد علمنا ما تنقص الارض الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ امکان سے بعید ہونا بالمعاظ قابل کے ہوگا یا باعتبار فاعل کے اول صورت تو اس لئے غلط ہے کہ قابل میں زندگی کی قابلیت سراسر مشاہدہ میں ہے یعنی سر دست اس میں زندگی ہے۔ پس محل میں قابلیت کی نفی بالکل خلاف مشاہدہ ہے رہا دوسرے اعتبار سے یعنی فاعل کے اعتبار سے ناممکن ہو۔ سو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اللہ کو جسم کے تمام اجزائے مستحیلہ کا پورا علم بھی ہے اور ان پر قدرت بھی۔ اس لئے اس دعوت کا امکان ثابت ہو گیا۔

غرضیکہ سارا انسان مٹی نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کی جان سلامت رہتی ہے۔ مٹی میں اگر ملتا ہے تو بدن ملتا ہے اس کے اجزاء تحلیل ہو کر جو مختلف چیزوں میں مل جاتے ہیں وہ پورے طور پر اس کے علم میں بھی ہیں اور قدرت کے زیر اثر بھی۔ وہ جب چاہے گا ان کو پھر ملا کر کھڑا کر دے گا اور پھر اللہ کا علم بھی قدیم ہے کہ پہلے ہی اس نے سب حالات لوح محفوظ میں لکھ دیئے۔ اب تک وہ کتاب جوں کی توں اس کے پاس موجود ہے۔ پس اگر کسی کی سمجھ میں اس کا علم قدیم نہ آئے تو یوں ہی سمجھ لے کہ سب کچھ اس دفتر میں محفوظ ہے۔

صدی آدمی ہر سچی بات کا انکار کر دیتا ہے: ..... بل کذبوا۔ یعنی کفار کی طرف سے یہ محض اظہار تعجب نہیں۔ بلکہ فی الحقیقہ کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ نبوت ہو یا قرآن، بعثت ہو یا قیامت ہر حق بات کو جھٹلاتے ہیں اور جو شخص سچی باتوں کو جھٹلاتا ہے وہ عجیب طرح کی الجھنوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ یہ آسمان ہی کو دیکھ لیں جس میں بظاہر نہ کھمبا نظر آتا ہے نہ ستون۔ اتنا بڑا عظیم الشان اور پھر نہایت مضبوط بنا کھڑا ہے۔ رات کو جھل مل کرتے ستاروں کا منظر کیسا تاب ناک معلوم ہوتا ہے اور پھر لطف یہ کہ ہزاروں لاکھوں برس گزر گئے۔ اس میں نہ کہیں سوراخ ہوا، نہ کوئی کنگورہ گرا، نہ پلاسٹر ٹوٹا، نہ رنگ خراب ہوا، آخر یہ کیا کمال صنائی ہے۔

آسمان نظر آتا ہے یا نہیں: ..... افلم ينظروا سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے حالانکہ مشہور یہ ہے کہ نیلگوں جو کچھ نظر آتا ہے وہ آسمان نہیں بلکہ کرہ بخارات ہے؟ پس ان دونوں باتوں میں تطبیق دو طرح ہو سکتی ہے ایک یہ کہ نظر آنے سے مراد عام لی جائے۔ خواہ بے حجاب یا بواسطہ حجاب کے پھر اس حجاب کی دو صورتیں ہیں یا حجاب آسمان کے ہم رنگ ہوں یا دونوں کا رنگ الگ الگ ہو۔ پس ان دونوں صورتوں میں جو کچھ نظر آتا ہے اگر کرہ بخار کا ہونا صحیح ہو تو ممکن ہے یہ دونوں کا ملا جلا رنگ کرہ بخار ہو اور دوسری صورت تطبیق کی یہ ہے کہ نظر سے مراد فکری نظر ہو اس کو مجازاً نظر کہہ دو اور آسمانوں کا وجود مع اوصاف خاصہ کے چونکہ صحیح دلائل سے ثابت ہے اس لئے اس کا ماننا واجب ہے اور وہ محل غور و فکر ہو سکتا ہے۔ البتہ پہلی صورت میں اس کی تائید کی دونوں طرف یعنی مزین اور مزین بہ حسی ہیں اور دوسری صورت میں مزین بہ حسی ہے۔ مگر مزین محل فکر ہے اور الی السماء کو الی اثار السماء بھی کہہ سکتے ہیں۔

زمین پر نظر ڈالو کتنے رزق کے خزانے اور قیمتی دولت یہ اگلتی رہتی ہے کہ کہیں ختم ہونے کا نام بھی نہیں لیتے پھر آسمان کی ہمسری کرنے والے لمبے چوڑے پہاڑ اس پر میخوں کی طرح گاڑ دیئے گئے ہیں۔ کیا اس سے مضبوط تر کیلیں اور ہو سکتی ہیں؟

تبصرۃ و ذکر کی۔ جو شخص انہیں حیات کے دائرہ میں الجھ کر نہ رہ جائے بلکہ خدا کی طرف رجوع ہو اس کے لئے آسمان زمین کی بناوٹ اور تنظیم میں دانائی و بینائی کے کتنے سامان ہیں جنہیں وہ ادنیٰ غور و فکر کرنے سے صحیح حقیقت تک پہنچ سکتا ہے اور بھولے ہوئے سبق اس کو یاد آ سکتے ہیں۔ مگر ایسی روشن نشانیوں کی موجودگی میں پھر یہ لوگ حق کو جھٹلانے کی کیسے جرات کرتے ہیں۔

**قیامت کے امکان کی دلیل:** ..... کذلک الخروج۔ جس طرح بارش برسا کر مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن مردہ زندہ کر دیئے جائیں گے۔ ذاتی قدرت کے لحاظ سے اگرچہ سب مقدرات یکساں ہیں۔ لیکن آسمان جیسی بڑی چیزوں پر قدرت اس کا واضح ثبوت ہے کہ جھوٹی چیزوں پر بدرجہ اولیٰ اس کی قدرت ہے پس جب مقدر بھی ممکن اور قائل بھی صاحب علم و اختیار پھر تعجب یا تکذیب کے کیا معنی؟ اسی طرح آیات کذبت قبلہم الخ میں جھٹلانے والوں کے انجام بد کا ذکر ہے۔ سورہ حجر، سورہ فرقان، سورہ دخان وغیرہ میں ان اقوام کا بیان ہو چکا ہے۔

افعیسا بالخلق الاول۔ یعنی مقدر کا ممکن ہونا مسلم اور قدرت قائل بھی تسلیم لیکن اگر کسی کو شبہ ہو کہ اللہ کو عالم پیدا کرنے میں تکان پیدا ہو گیا ہو۔ جس کی وجہ سے دوبارہ پیدا کرنے پر اس کی قدرت کی تنفیذ نہ ہو؟ یہاں اس شبہ کو صاف کر دیا گیا ہے کہ اس کی کامل قدرت میں یہ عارضی نقصان بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی صفات ذاتی میں جو عارضی نقصانات سے بھی بری ہے۔ پس بعث کی صحت دلائل سے ثابت ہو گئی اور منکرین کے پاس دلائل نہیں ہیں۔ بلکہ یہ سخت جہالت و گستاخی کا شکار ہیں۔

**قیامت کے واقع ہونے کا بیان:** ..... ولقد خلقنا الانسان۔ پہلے امکان بعث پر گفتگو تھی۔ یہاں سے وقوع بعث کا بیان ہے اور چونکہ سزا جزاء موقوف ہے۔ جزاء سزا دینے والے کے علم و قدرت پر اس لئے اول اسی سے شروع کیا گیا ہے کہ ہم انسان کے ہر قول و فعل سے باخبر ہیں حتیٰ کہ اس کے دلی خطرات و وساوس تک سے واقف ہیں اور اتنے کہ خود انسان اپنے سے اتنا واقف نہیں ہے۔

حبل الوريد۔ سے مراد شہ رگ ہے۔ جس کے کٹنے سے انسان مر جاتا ہے جس کو شرائین کہا جاتا ہے۔ ان میں خون سے زیادہ روح ہوتی ہے چنانچہ سورہ حاقہ میں وتین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی رگ دل، برخلاف ورید کے اس میں روح کی بہ نسبت خون زیادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ یہاں لفظ ورید آیا ہے، مگر لغوی معنی عام مراد ہیں جو شرائین کو بھی شامل ہے۔ اس لئے شرائین ہی کے معنی لینا انسب ہے۔ یعنی اللہ اپنے علم کے اعتبار سے انسان کی روح اور نفس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ انسان کو بھی اپنا اتنا علم نہیں جتنا کہ اللہ کو ہے۔ کیونکہ انسان کا علم حصولی ہے۔ اور اپنی بہت سی حالتوں کا اول تو علم ہوتا ہی نہیں اور جن کا ہوتا ہے وہ بھی بسا اوقات لسیان و ذہول کی نذر ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کا علم حضوری ہے جس میں یہ سب احتمالات نہیں ہیں اور علم حضوری میں اگرچہ معلوم کا حضور لازم ہے اور وہ حضور وجود معلوم کے بعد ہوا کرتا ہے، حالانکہ اللہ کا علم جو اس حضور اور وجود دونوں سے مقدم ہے۔ لیکن جو ہر علم ہر حالت میں ہو وہ بہ نسبت اس علم کے جو ایک حالت میں ہو یقیناً زیادہ ہوگا۔

**علم الہی اور کراما کا تبیین دونوں اعمال کے نگران ہیں:** ..... غرضیکہ اللہ کے علم کا انسانی احوال کے لئے محیط ہونا ثابت ہو گیا علت اور منشاء کو معلول اور ناشی سے وہ قرب ہوتا ہے جو خود معلول اور ناشی کو اپنے نفس سے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سورہ احزاب کی آیت النبی اولیٰ الخ کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ اور اللہ کے علم میں تو یہ سارے اعمال و احوال محفوظ ہیں۔ تاہم ظاہری انضباط و حفاظت کا انتظام بھی دفتر اعمال میں کر دیا گیا ہے۔

کاتبین اعمال کو قعید فرمانا ایک روایت کے مطابق بعض حالات سے یعنی انسان جب بیٹھتا ہے تو وہ بھی بیٹھتے ہیں اور انسان جب چلتا ہے تو وہ

بھی اس طرح پتے ہیں کہ ایک فرشتہ آگے اور ایک پیچھے رہتا ہے اور جب انسان لیتا ہے تو ایک فرشتہ سر ہانے ایک پاؤں کی جانب ہوتا ہے۔ البتہ قضاء حاجت اور بیوی سے مشغول ہونے کے وقت الگ ہو جاتے ہیں اور خدا داد سمجھ اور قیافہ سے سمجھ جاتے ہیں کہ انسان نے کیا اعمال کئے اور ارادہ عمل کو بھی لکھتے ہیں اور کاتب اعمال کا سائق و شہید ہوتا جس روایت میں آیا ہے اس میں یہ تفصیل نہیں کہ کون سائق ہوگا اور کون شہید۔ لیکن جب نہیں ہے کہ اگر حسنات غالب ہوں تو کاتب حسنات کی شہادت چونکہ زیادہ مناسب ہے اس لئے وہ شہید ہو اور کاتب سیئات سائق ہو۔ لیکن اگر سیئات غالب ہوں تو کاتب سیئات شہید اور کاتب حسنات سائق اور فرشتہ و شیطان دونوں کو قرین کہنا حدیث مسلم میں آیا ہے اور یہ کہ فرشتہ نیک باتیں اور شیطان بری باتیں بتلاتا ہے۔

دقیق عنید۔ کرنا کاتبین دونوں فرشتے کہاں رہتے ہیں۔ اس کی تفصیل احادیث و آثار میں ملے گی۔ پس جب یہ فرشتے معمولی باتوں کو بھی نہیں چھوڑتے تو اہم معاملات کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ غرض سب اعمال و فرائض میں محفوظ ہیں۔ آگے مقصود اصلی قیامت کا ذکر ہے۔ مگر اول اس کے مقدمہ یعنی موت کا بیان ہے۔ کیونکہ انکار قیامت کا سبب موت سے ذہول ہوا کرتا ہے۔

وجاءت سكرة الموت۔ یعنی لو ادا ہر مسل تیار ہوئی، ادھر موت کی گھڑی آن پہنچی اور مرنے والا نزع کی بے ہوشیوں اور جان کنی کی سختیوں میں ڈبلیا کھانے لگا۔ اس وقت وہ سب باتیں سچ نظر آنا شروع ہو گئیں جن کی آمد کی خبر اللہ کے رسولوں نے دی تھی اور میت کی سعادت و شقاوت سے پردہ اٹھنے لگا۔ موت کو تجھ فرما نا فاسق کیلئے تو دنیا کی محبت کی وجہ سے ہے اور غیر فاسق کے لئے بقا ضائع طبعیت ہوتا ہے۔ البتہ اس طبعی تقاضے پر کبھی شوق غالب آجائے تو وہ اس کے معارض اور منافی نہیں ہے۔ کیونکہ مقصود موت کے فی نفسہ اثر کا بیان کرنا ہے۔ نہ کہ عوارض کا، حاصل یہ ہے کہ آدمی نے موت کو بہت کچھ ٹلانا چاہا اور اس ناگوار وقت سے بہت بھاگنا چاہا اور کتر اتار ہا۔ مگر یہ گھڑی ٹلنے والی کہاں تھی؟ آخر سر پر آ گھڑی ہوئی اور کوئی تدبیر دفع الوقتی کی کارگر نہ ہوئی۔ اور چھوٹی قیامت تو موت کے وقت ہی آچکی تھی۔ اس کے بعد و نفع فی الصور بڑی قیامت سر پر ہے پس صور پھونکا جائے گا اور وہ ہولناک روز آمو جو ہوگا جس سے ڈرانے والے ڈراتے آئے ہیں۔

وجاءت کل نفس۔ محشر میں لوگ اس طرح۔۔۔۔۔ حاضر کئے جائیں گے کہ ایک فرشتہ پیشی کے میدان میں دھکیلتا ہوگا اور دوسرا فرشتہ اٹھائے لئے ہوگا جس میں زندگی کے سب احوال درج ہوں گے۔ یہ دونوں فرشتے ممکن ہے کرنا کاتبین ہوں جو روزنامہ لکھتے ہیں یا سائق و شہید اور دوسرے فرشتے ہوں۔

لقد كنت في غفلة۔ یعنی دنیا کے مزوں میں پڑ کر تو آج کے دن سے بے خبر تھا اور تیری آنکھوں کے سامنے شہوات اور خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پیغمبر جو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہر ہٹا دیئے اور نگاہ خوب تیز کر دی۔ اب دیکھ لے جو باتیں کہی گئی تھیں صحیح ہیں یا غلط۔

اللہ کے دربار میں شیطان اور انسان کی نوک جھونک۔۔۔۔۔ وقال قرینہ۔ یعنی فرشتہ روزنامہ اعمال حاضر کرے گا اور بعض نے قرین سے شیطان مراد لیا ہے۔ یعنی وہ کہے گا مجرم حاضر ہے جس کو میں درغلا کر دوزخ کے لئے تیار کر کے لایا ہوں۔ یعنی اغواء تو میں نے کیا، مگر گمراہ یہ خود ہوا۔ اپنے ارادہ اور اختیار سے، چنانچہ بارگاہ ایزدی میں دو فرشتوں کو حکم ہوگا۔ القیا فی جہنم ایسے لوگوں کو جہنم میں جھونک دو کہ یہ سخت عذاب کے مستحق ہیں۔

قال قرینہ۔ شیطان یہ کہہ کر اپنے حکم کو ہلکا کرنا چاہے گا کہ میں نے کچھ زبردستی نہیں کی تھی صرف ذرا شہ دی تھی یہ کم بخت خود گمراہ ہو کر راہ فلاح و نجات سے دور جا پڑا۔ ارشاد ہوگا۔ لا تخصموا۔ بک بک مت کرو، دنیا میں سب کو نیک و بد سے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ جو کفر خود کرے گا یا کسی

کے انخواہ سے اور جو کسی کو برائی کے لئے کہے گا زبردستی یا بلا جبر۔ سب کو علی قدر مراتب جہنم کی سزا بھگتنی ہوگی۔ سب اپنی اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتیں گے ہمارے یہاں ظلم نہیں۔ جو فیصلہ ہوگا انصاف و حکمت سے ہوگا اور کافر کی بخشش نہیں ہوگی۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور شیطان جو کافر ہے اس کی بخشش تو کہاں اول کی آیات مومن و کافر کے لئے مشترک ہیں اور اخیر کی آیات کافر کے ساتھ خاص ہیں۔

يَوْمَ نَأْتِيهِ ظَلَامٌ نَقُولُ يَا نُونُ الْيَا أَيُّهَا النَّاسُ هَلْ لَكُمْ مِنْ مَزِيدٍ ﴿٣٠﴾ أَيُّ فَيْ لَا أَسْعُ غَيْرَ مَا امْتَلَأْتُ بِهِ أَيُّ قَدْ امْتَلَأْتُ وَأُرْلِفْتُ الْجَنَّةَ قُرْبَتْ لِلْمُتَّقِينَ مَكَانًا غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿٣١﴾ مِنْهُمْ فَيَرَوْنَهَا وَيَقَالُ لَهُمْ هَذَا الصِّرَاطُ مَا تَوَعَّدُونَ بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الدُّنْيَا وَيُبَدِّلُ مِنَ الْمُتَّقِينَ قَوْلَهُ لِكُلِّ أَوَّابٍ رَجَّاعٍ إِلَى طَاعَةِ اللَّهِ حَفِيطٌ ﴿٣٢﴾ حَافِظٌ لِحُدُودِهِ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ خَافَهُ وَلَمْ يَرَهُ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ﴿٣٣﴾ مُقْبِلٌ عَلَى طَاعَتِهِ وَيُقَالُ لِلْمُتَّقِينَ أَيْضًا، إِدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ أَيْ سَالِمِينَ مِنْ كُلِّ مَخُوفٍ أَوْ مَعَ سَلَامٍ أَوْ سَلِمُوا وَادْخُلُوا ذَلِكَ الْيَوْمَ الَّذِي حَصَلَ فِيهِ الدَّخُولُ يَوْمَ الْخُلُودِ ﴿٣٤﴾ الدَّوَامُ فِي الْجَنَّةِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا دَائِمًا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿٣٥﴾ زِيَادَةٌ عَلَى مَا عَمِلُوا وَصَلُّوا وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ أَيْ أَهْلَكْنَا قَبْلَ كُفَّارِ قُرَيْشٍ قُرُونًا أَمَّا كَثِيرَةٌ مِنَ الْكُفَّارِ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا قُوَّةً فَتَقَبُّوا فَتَشُّوا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَحِيصٍ ﴿٣٦﴾ لَهُمْ أَوْ لِيْغِيهِمْ مِنَ الْمَوْتِ فَلَمْ يَجِدُوا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَمَذْكُورٍ لَذِكْرٍ لِعِظَةِ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ عَقْلٌ أَوْ الْقَى السَّمْعَ اسْتَمَعَ الْوَعْظَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿٣٧﴾ حَاضِرٌ بِالْقَلْبِ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ<sup>بُطْن</sup> أَوَّلَهَا الْآخِذُ وَآخِرُهَا الْجُمُعَةُ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ﴿٣٨﴾ تَعَبٌ نَزَلَ رَدًّا عَلَى الْيَهُودِ فِي قَوْلِهِمْ إِنَّ اللَّهَ اسْتَرَاخَ يَوْمَ السَّبْتِ وَانْتِفَاءِ التَّعَبِ عَنْهُ لِيَنْزِلَ عَلَيْهِ تَعَالَى عَنْ صِفَاتِ الْمَخْلُوقِينَ وَلِعَدَمِ الْمُجَانَسَةِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ فَاصْبِرْ خُطَابُ لِلنَّبِيِّ ﷺ عَلَى مَا يَقُولُونَ أَيْ الْيَهُودَ وَغَيْرُهُمْ مِنَ التَّشْبِيهِ وَالتَّكْذِيبِ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ صَبْرًا قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ أَيْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿٣٩﴾ أَيْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ أَيْ صَلِّ الْعِشَاءَيْنِ وَأَذْبَارَ السُّجُودِ ﴿٤٠﴾ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ جَمْعُ دُورٍ وَبِكْسَرِهَا مُصَدَّرُ أَذْبَرِ أَيْ صَلِّ النَّوَافِلَ الْمَسْنُونَةَ عَقَبَ الْفَرَائِضِ وَقِيلَ الْمُرَادُ حَقِيقَةُ التَّسْبِيحِ فِي هَذِهِ الْأَوْقَاتِ مُلَا سَبًّا لِلْحَمْدِ وَاسْتَمْعَ يَا مُحَاطِبُ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ هُوَ إِسْرَافِيلُ مِنْ مَكَانٍ قَرِيبٍ ﴿٤١﴾ مِنَ السَّمَاءِ وَهُوَ صَخْرَةٌ بَيْتُ الْمُقَدَّسِ أَقْرَبُ مَوْضِعٍ مِنَ الْأَرْضِ إِلَى السَّمَاءِ يَقُولُ آيَتُهَا الْعِظَامُ الْبَالِيَةُ وَالْأَوْصَالُ الْمُتَقَطِّعَةُ وَاللُّحُومُ الْمُتَمَزِّقَةُ وَالشُّعُورُ الْمُتَفَرِّقَةُ . إِنَّ اللَّهَ يَا مُرْكَنُ أَنْ تَجْمَعَنَ لِفَضْلِ الْقَضَاءِ يَوْمَ بَدَلٍ مِنْ يَوْمٍ قَلِيلَةٍ



يَسْمَعُونَ أَى الْخَلْقُ كُلُّهُمْ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۖ بِالْبَعْثِ وَهِيَ النَّفْحَةُ الثَّانِيَةُ مِنْ إِسْرَافِيلَ وَ يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ قَبْلَ نِدَائِهِ أَوْ بَعْدَهُ ذَلِكَ أَى يَوْمُ النِّدَاءِ وَالسَّمَاعِ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿۴۲﴾ مِنَ الْقُبُورِ وَ نَاصِبُ يَوْمٍ يُنَادِي مُقَدَّرٌ أَى يَعْلَمُونَ عَاقِبَةَ تَكْذِيبِهِمْ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَ نُمِيتُ وَ الْيَنَّا الْمَصِيرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ بَدَلٍ مِنْ يَوْمٍ قَبْلَهُ وَ مَا بَيْنَهُمَا إِعْتِرَاضٌ تَشَقُّقٌ بِتَخْفِيفِ الشَّيْنِ وَ تَشْدِيدِهَا بِإِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِيهَا الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۖ جَمْعٌ سَرِيعٍ حَالٍ مِنْ مُقَدَّرٍ أَى فَيَخْرُجُونَ مُسْرِعِينَ ذَلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿۴۴﴾ فِيهِ فَصْلٌ بَيْنَ الْمَوْصُوفِ وَ الصِّفَةِ بِمُتَعَلِّقِهَا لِلِاخْتِصَاصِ وَ هُوَ لَا يَضُرُّ وَ ذَلِكَ إِشَارَةٌ إِلَى مَعْنَى الْحَشْرِ الْمُخْبِرِ بِهِ عَنْهُ وَ هُوَ الْإِحْيَاءُ بَعْدَ الْفَنَاءِ وَ الْجَمْعُ لِلْعَرْضِ وَ الْحِسَابِ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ أَى كُفَّارُ قُرَيْشٍ وَ مَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۖ تَجْبِرُهُمْ عَلَى الْإِيمَانِ وَ هَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ فَذَكَرَ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَ عِيدٌ ﴿۴۵﴾ وَ هُمْ الْمُؤْمِنُونَ ۚ

ترجمہ . . . جس دن (یوم کا ناصب غلام ہے) ہم کہیں گے (نون اور یا کے ساتھ ہے) دوزخ سے کہ تو بھی بھرگئی (استفہام ہے دوزخ بھرنے کے وعدہ کی تحقیق کے لئے) اور وہ کہے گی (استفہامیہ صورت میں سوال کرتے ہوئے) کہ کچھ اور بھی ہے اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی (بلحاظ مکان کے) کچھ دور نہ ہوگی (وہ اس کو دیکھ لیں گے ان سے کہا جائے گا) یہ (نظر آنے والی) وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ دنیا میں یو عدون تا اور یا کے ساتھ ہے اور للمتقین کا بدل کل ہے) کہ وہ ہر شخص اس کے لئے ہے جو رجوع کرنے والا (اللہ کی طاعت کی طرف) پابندی کرنے والا (اللہ کی حدود کی ہے) جو شخص بے دیکھے خدا سے ڈرتا ہو (نہ دیکھنے کہ باوجود خوف خدا رکھتا ہوگا) اور ایسے دل کے ساتھ آئے جو رجوع ہونے والا ہو (اللہ کی طاعت کی طرف متوجہ اور متقیوں سے یہ بھی کہا جائے گا) اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ (یعنی ہر طرح کے خطرہ سے محفوظ یا سلامتی سے یا سلام کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ) یہ دن (جس میں جنت کا داخلہ ہوا) ہمیشہ رہنے کا ہوگا (جنت میں) ان کو بہشت میں (ہمیشہ) سب کچھ ملتا رہے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے (ان کے عمل اور ان کی طلب سے) اور ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں (یعنی کفار قریش سے پہلے بہت سی کفار امتیں ہم تباہ کر چکے ہیں) جو طاقت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں کہ وہ تمام شہروں کو چھانٹتے پھرتے تھے۔ مگر کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی (قریش کو یہ اور کافروں کو موت سے چھٹکارہ نہیں کہنچ جائیں) اس (مذکورہ بات میں نصیحت) عبرت ہے اس شخص کے لئے جس شخص کے پاس دل (عقل) ہو یا کان ہی لگا لیتا (وعظ سننے کے لئے) متوجہ ہو کر (دل سے) اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنا ڈالا (اتوار سے جمعہ تک) اور ہمیں مکان (تعجب) نے چھو اتک نہیں (یہود کے اس خیال کو رد کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ نے سینچر کو آرام کیا تھا۔ مکان نہ ہونے کا مطلب اللہ کا مخلوق کے احوال سے پاک ہونا ہے اور یہ کہ اللہ اور دوسروں میں کچھ جو نہیں اللہ کی شان تو یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے فوراً ہو جاتا ہے) پس آپ صبر کیجئے (آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہے) ان کی باتوں پر (یہود وغیرہ جو تشبیہ اور تکذیب کی باتیں کرتے ہیں) اور اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے (نماز شکر ادا کیجئے) سورج نکلنے سے پہلے (نماز فجر) اور سورج چھپنے سے پہلے (نماز ظہر و عصر) اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے (مغرب و عشاء کی نماز پڑھئے) اور نمازوں کے بعد بھی (ادبار فتح ہمزہ کے دبر کی جمع اور کسر ہمزہ کے ساتھ ادبر کا مصدر ہے۔ یعنی فرائض کے بعد نوافل بھی پڑھیے اور بعض کی رائے ہے کہ ان اوقات میں تسبیح و حمد کرنا مراد ہے) اور

اے مخاطب میری بات سن (سن رکھ کہ جس دن ایک پکارنے والا (اسرافیل) پاس ہی سے پکارے گا (صحرا بیت المقدس سے جو زمین کی نسبت آسمان سے قریب ہے صور اسرافیل یہ بولے گا کہ اے پرانی ہڈیو! اور جوڑ بندو! گوشت کے ٹکڑو! پر اگندہ بالو! اللہ تمہارے فیصلہ کے لئے جمع کرنے کا حکم فرماتا ہے) جس روز (پہلے یوم سے بدل ہے) سنیں گے (تمام لوگ) قیامت کی چیخ و پکار (الحق سے مراد دوسرا فتح اسرافیل ہے۔ اور ممکن ہے یہ شور اسرافیل کی پکار سے پہلے ہو یا بعد میں) یہ (پکار اور سننے کا دن) نکلنے کا دن ہوگا (قبروں سے اور یوم یبادی کا ناصب مقدر ہے یعنی کفار اپنی تکذیب کے انجام کو جان جائیں گے) ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف لوٹ کر پھر آنا ہے جس روز (پہلے یوم سے یہ بدل ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے) کھل جائے گی (تخفیف شین اور تشدید شین کے ساتھ، اصل میں تاء ثانیہ کا ادغام ہے) زمین ان پر سے جب کہ وہ دوڑتے ہوں گے (سراعا جمع ہے سرلج کی مقدار سے حال ہے، اصل عبارت اس طرح ہے فیخرجون مسرعین) یہ جمع کر لینا ہمارے لئے آسان ہے (موصوف صفت کے درمیان متعلق کا فصل اختصا ص کے لئے اور اس فصل میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ذلک معنی حشر کی طرف اشارہ ہے جس خبر کی اطلاع کی جارہی ہے یعنی زندہ کرنا اور حساب و کتاب کے لئے پیشی) ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ (کفار قریش) کہتے ہیں اور آپ ان پر زبردستی تھوپنے والے نہیں ہیں (کہ ان کو ایمان پر مجبور کر دیں۔ یہ ارشاد جہاد سے پہلے کا ہے) آپ تو قرآن کے ذریعہ ایسے شخص کو نصیحت کرتے رہے جو میری وعید سے ڈرتا ہو (یعنی مومن)۔

تحقیق و ترکیب۔۔۔ نقول۔ نافع اور ابوبکر کے نزدیک یا کے ساتھ بطور التفات کے یہاں بقول اللہ لجہنم۔

هل امتلأت۔ استفہام تحقیق و تقریر وعدہ کے لئے ہے اور جہنم سے سوال و جواب بطریق عقلاء ہے اور شرعاً عقلاً یہ ممکن ہے اس لئے ایسے تمام مواقع پر مجاز ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ استفہام ابن عباسؓ، عطاء، مجاہد، مقاتل کے نزدیک صورت سوال ہے اور بعض نے استفہام کو استہزاء پر محمول کیا ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ جب اس پر اپنا قدم رکھیں گے تب جہنم قطعاً کھڑے اٹھے گی۔

غیر بعید۔ مفسر نے پہلے لفظ کا مقدر مان کر موصوف محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔ یہ لفظ قائم مقام ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور بعید فعل مذکر مونث دونوں کے لئے آتا ہے اور یا مذکر کی صفت ہے یہ جملہ ازلفت کی تاکید ہے جیسے کہا جائے عزیز غیر ذلیل یا قریب غیر بعید۔

لکل اواب۔ یا للمتقین سے بدل ہے اعادہ جار کے ساتھ اور ہذا مبتداء بھی ہو سکتا ہے اور ما تو عدون موصوف اور لکل اواب خبر ہو جائے۔

بالغیب۔ مفسر نے اشارہ کر دیا کہ یہ مفعول سے حال ہے۔ اى خاف

الرحمن حال کو نہ غائباً اور فاعل سے بھی حال ہو سکتا ہے۔

بسلام۔ یہ مفعول سے حال بھی ہو سکتا ہے اور بمعنی مع بھی ہو سکتی ہے اور لفظ تسلیم بھی ماخوذ ہو سکتا ہے۔

لدینا مزید۔ قیامت میں دیدار الہی بھی مراد ہو سکتا ہے جو ہر شب جمعہ میں ہوگا،

کم اہلکنا۔ کم خبر یہ ہے اہلکنا کا معمول ہے اور من قرن تمیز ہے لفظ کم کی اور ہم اشد جملہ صفت ہے کم یا قرن کی۔ اور بطشاً تمیز ہے

اور عبارت اس طرح ہوگی۔ انا اہلکنا قرونًا کثیرۃ اشد باسًا و بطشًا من قریش

فنبوا۔ یعنی مختلف مقامات پر پھٹ گئے اور منتشر ہو گئے۔ ہم اشد پر اس کا عطف ہے اور قاسیہ ہے اور ہم ضمیر قرن کی طرف راجع ہیں یا

اہل مکہ کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ بصیر امر نقبوا بھی ایک قراءت ہے۔

من محیص۔ مفسر نے ہم نکال کر دیں کی خبر کی طرف اشارہ کیا ہے اور من زائد ہے اور استفہام جائز نوری ہے۔  
لہ قلب۔ ابن عباس سے اس کی تفسیر عقل سے منقول ہے چنانچہ قرآن نحوی کہتے ہیں ما قلبک معک کے معنی ما عقلک معک کے ہیں۔

وہو شہید۔ جملہ حالیہ ہے حضور قلب کے مراتب ہیں۔ عام مرتبہ یہ ہے کہ تلاوت کرتے وقت ادا مروا تو اتنی کا دھیان رہے۔ مرتبہ خاص یہ ہے کہ خود کو اللہ کے سامنے حاضر تصور کرے کہ وہی احکام دے رہا ہے اور اپنی تلاوت کو محض اس کی ترجمانی سمجھے۔  
فی ستة ایام اللہ کی قدرت تو پل بھر میں ساری کائنات پیدا کر دینے کی ہے مگر بندوں کی تعلیم کے لئے تدریجی طور پر عالم کو پیدا کیا، زمین اور اس کے منافع دو روز میں زمین اور آسمان دو روز میں اور دو روز میں دیگر مخلوقات۔

وما صسا من لغوب۔ جملہ حالیہ یا مستأنفہ اور لغوب عام قراءت ضمہ لام کے ساتھ ہے۔ اور علی، طلحہ، علی، یعقوب، فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں دونوں صورت میں مصدر ہے اور معنی ایک ہیں اور بقول سیبویہ پانچ مصادر الجانیہ ہیں اور بقول کسائی سات مصادر ہیں جو ضمہ کے ساتھ آتا ورنہ پڑتے ہیں۔ اس سے یہود کے اس خیال کی تردید مقصود ہے کہ اللہ نے ساتویں روز آرام کیا۔ نیز ان کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ اللہ مریخ بیٹھا تھا۔ اس لئے مربع بیٹھنے کو یہود ناپسند کرتے ہیں اور یکسا جاعے تو فرقہ مشب کی بنیاد پر یہود خیال کے بتوں ہی سے پائی ہے۔  
سبح بحمد ربنا۔ مفسر نے اشارہ کر دیا کہ نماز مراد ہے۔ مفسر نے علامہ بخاری کی طرف اس آیت سے ہنگام نمازیں مراد سے مراد ہے ہیں۔

ادبار السجود۔ اکثر کے نزدیک فتح ہمزہ کے ساتھ دبر کی جمع ہے اور نافع ہمزہ کے نزدیک کسر ہمزہ کے ساتھ مصدر ہے، ادبارت السجود کے معنی انقضاء اور اتمام کے ہیں فرائض کے بعد نوافل مراد ہیں۔

یوم یادی۔ کلام مستأنف ہے مفعول محذوف کے بیان کے لئے۔  
من مکان قریب۔ صحرو بیت المقدس..... بعض نے اس کو وسط زمین کہا ہے۔

بالحق۔ بمعنی یقین۔ قیامت بھی یقینی ہے۔ تغیری عبارت ویحمل الخ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ ندا فتح ثانیہ کے علاوہ ہوگی جو پہلی بات کے برخلاف ہے کہ یہ ندا وہی فتح مذکورہ ہے۔ الا یہ کہ کہا جائے کہ اس کے منادی جبرئیل ہوں گے اور فتح کرنے والے اسرائیل۔

یوم الخروج۔ مفسر نے ناصب یعلمون الخ مقدر مانا ہے اور بخروجون بھی ناصب مقدر ہو سکتا ہے۔  
یوم تشقق مفسر پہلے یوم سے بدل مان رہے ہیں اور بقول ابوالبقاء اول یوم سے بھی بدل ہو سکتا ہے۔  
لیکن ایک مبدل کے دو بدل ہو جائیں گے جو بقول زحشر ی نا جائز ہے اور یوم مصر کا ظرف بھی ہو سکتا ہے۔ یا خروج کا اور بخروجون مقدر سے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔

حشر علینا بسیر۔ یعنی اصل میں حشر بسیر علینا تھا متعلق کو اختصاص کے لئے مقدم کر دیا گیا۔ لیکن متعلق کی تقدیم یوں بھی جائز ہے۔  
البتہ اجنبی کی تقدیم نا جائز ہوتی ہے۔

فذكر معلوم ہوا کہ اہل کو وعظ و نصیحت کرنی چاہیے۔ نا اہل کو وعظ کرنا بے فائدہ ہے۔

روایات: وسبح بحمد ربك۔ طبرانی نے اوسط میں جریر سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ کہ سبح قبل طلوع الشمس سے نماز فجر اور قبل الغروب سے نماز مغرب مراد ہے اور بخاری میں جریر سے مرفوعاً روایت ہے کہ نماز قبل طلوع الشمس اور قبل الغروب کی

پابندی اگر کر سکو تو ضرور کرو اور پھر آپ نے تائید میں یہ آیت پڑھی اور مجاہدؒ سے من اللیل سے صلوٰۃ اللیل مراد ہے پس اس صورت میں نماز فجر، عصر، تہجد، تین نمازوں کا ذکر اس آیت میں ہوا۔ جیسا کہ ابتداء اسلام میں یہی تین نمازیں فرض تھیں۔ بعد میں واقعہ اسراء میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ لیکن بقول زحشریؒ اس آیت میں پانچوں نمازوں کا بیان ہے۔

ادبار المسجود۔ ابن جریر حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، حسن بن علیؓ، قتادہؓ، شعبیؓ، حسن مجاہدؒ اور زاعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ مغرب کے بعد دو رکعت مراد ہیں۔ ابن منذر حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ادبار المسجود سے مغرب کے بعد دو رکعت اور ادبار النجوم سے نماز فجر سے پہلے دو رکعت مراد ہیں اور بعض نے ان چاروں اوقات میں تسبیح و تحمید مراد لی ہے۔ جیسا کہ بخاری میں ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

﴿تشریح﴾ یوم نقول لجهنم۔ دوزخ اتنی بڑی ہے کہ دوزخیوں سے بھرنہ سکے گی اور شدت غیظ و غضب میں اور دوزخیوں کا مطالبہ کرے گی۔ حق تعالیٰ کا دوزخ سے پوچھنا تہویل و تخویف کے لئے ہے۔ حدیث شریفین میں ہے کہ دوزخ کے اس جواب پر حق تعالیٰ اپنا قدم رکھ دیں گے دوزخ دب جائے گی اور سٹ کر سٹک جائے گی اور بس بس کہے گی۔

شبہات اور جوابات: ..... اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ دوسری آیت میں لا ملئن جہنم من الجنة و الناس فرمایا گیا ہے جس سے جہنم کا بھر جانا معلوم ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ دوسری آیت میں بھرنے سے عام مراد ہے خواہ ابتداء یا انتہاء۔ پس قدم رکھ دینے سے بھر جانا بھی اس میں داخل ہے۔ البتہ اس پر یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ وہ بھرنا تو قدم سے ہوا اور آیت میں جنات اور انسانوں سے بھرنا معلوم ہو رہا ہے۔ جواب یہ ہے کہ قدم رکھنا تو محض تصرف کے لئے ہے البتہ بھرنا جن و انس ہی سے ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے گیلی مٹی کا برتن بنا کر اس میں کنکریاں بھری جائیں مگر اوچھا رہ جائے تو اس کو ہاتھ یا پاؤں سے دبا دیا جائے۔ اتنا کہ کنکریاں اوپر تک آجائیں تو اس برتن کو کنکروں سے ہی بھرا ہوا کہا جائے گا۔

اسی طرح یہ شبہ بھی نہ کیا جائے کہ جہنم کے لئے تو تنگی بہتر ہے نہ کہ کشادگی وہ تو جنت کے لئے خوبی ہے۔ چنانچہ دوسری آیات و روایات سے بھی جہنم کا تنگ ہونا معلوم ہے۔

جواب یہ ہے کہ شروع میں کشادگی ہوگی اور قدم رکھ دینے سے تنگی ہو جائے گی۔ قدم رکھنا تو مشابہات میں سے ہے۔ جہنم کے سوال و جواب میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔

وازلفت الجنة۔ یہاں سے جنت کا بیان ہے کہ بہت قریب سے اس کی ترویازگی بناؤ سنگار دیکھیں گے۔

جنت کے قریب ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس کی اصلی جگہ سے منتقل کر کے میدان قیامت میں لایا جائے اور اللہ کو سب کچھ قدرت ہے۔ اس صورت میں داخلہ کا یہ مطلب نہیں کہ ابھی چلے جاؤ۔ بلکہ بشارت اور وعدہ ہے کہ حساب کتاب کے بعد جنت میں چلے جانا اور

دوسری صورت یہ ہے کہ حساب کتاب سے فراغت کے بعد جنت کو قریب لایا جائے گا اور پھر کہا جائے گا۔ هلنا ما تو عدون الخ

پہلے کفار کی اخروی تعقیب کا ذکر تھا۔ درمیان میں ان کے مقابل اہل جنت کی اخروی نعمتوں کا تذکرہ ہوا۔

پھر آیت و کم اهلکنا الخ میں دنیاوی سزا کا ذکر ہے کہ پہلے ہم کتنی شریروں کو موت کو تباہ کر چکے ہیں جو زور و قوت میں موجودہ سرکشوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں جنہوں نے بڑے بڑے شہر چھان مارے تھے پھر جب عذاب الہی آیا تو بھاگنے کے لئے روئے زمین پر کہیں ٹھکانہ نہ ملا یا یہ مطلب ہے کہ عذاب الہی کے وقت اپنی بستیوں میں کھوج لگاتے پھرے مگر کہیں ٹھکانہ نہیں ملا۔

وما مسا من لغوب۔ یعنی اتنی بڑی بڑی چیزیں بنا کر بھی نہیں تھکتے تو دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے۔ نیز گناہنا تو بہ نسبت بنانے کے آسان ہے فاصبر الخ۔ آپ ان کی بیہودہ بکواس پر غمگین نہ ہو جائیے کہ یہ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔ آپ اللہ کی یاد اور عبادت میں لگیے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں فجر، عصر، تہجد کی تین نمازیں فرض تھیں۔ اب پنجوقتہ نمازوں کے ساتھ ان اوقات کی نمازیں خصوصی فضیلت و شرف رکھتی ہیں نمازوں کے ساتھ تسبیح و تحمید بھی مطلوب ہے۔

آگے آیت واستمع سے قیامت کا تاکید پھر ذکر ہے کہا جاتا ہے کہ بیت المقدس کے پتھر سے صور پھونکا جائے گا اسی لئے نزدیک کہا ہے اور یا اس لئے کہ اس کی آواز سب جگہ قریب معلوم ہوگی۔ اور یکساں سنائی دے گی۔ ظاہر ہے اس سے نفخ صور مراد ہے اگرچہ دوسری ندائیں بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہوں گی۔ غرض دوسری مرتبہ نفخ صور سے سب زمین سے نکل کھڑے ہوں گے اور موت و حیات سب اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔ آخر کار سب کو اسی کے پاس جانا ہے۔ کوئی بچ کر نہیں نکل سکتا، زمین پھٹے گی مردے نکل کر میدان حشر کی طرف جھپٹیں گے۔ اللہ سب اگلوں پچھلوں کو اکٹھا کر دے گا اور یہ اس کے لئے بالکل آسان ہے۔ جو لوگ انکار قیامت میں وہی بتا ہی جکتے ہیں۔ انہیں ہمارے حوالے کیجئے ہم خود نبٹ لیں گے۔ آپ کا یہ منصب نہیں کہ ہر ایک کو زور و بروقتی بات متوائیں ہاں سنا کر بالخصوص اللہ سے ڈرنے والوں کو فہمائش کرتے رہیے۔

لظائف سامع: ...ان فی ذلک۔ اس میں کلام شیخ کے نافع ہونے کے شرائط ہیں۔

فاصبر علی ما یقولون سے شدائد و مصائب میں تسلی کا بڑا ذریعہ توجہ الی اللہ معلوم ہوتا ہے۔

## سُورَةُ الذَّرِيَّتِ

سُورَةُ وَالذَّارِيَّتِ مَكِّيَّةٌ سِتُّونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

وَالذَّرِيَّتِ الرِّيحَ وَالتُّرَابَ وَغَيْرِهِ ذَرُّوا ﴿١﴾ مَصْدَرٌ وَيُقَالُ تَذَرِيهِ ذَرِيًّا تَهْبُ بِهِ فَالْحَمَلَتِ السَّحْبُ تَحْمِلُ  
الْمَاءَ وَقُرْا ﴿٢﴾ ثَقُلًا مَفْعُولُ الْحَامِلَاتِ فَالْجَرِيَّتِ الشُّفْنُ تَحْرِي عَلَى وَجْهِ الْمَاءِ يُسْرَا ﴿٣﴾ بِسَهْوَةٍ مَصْدَرٌ  
فِي مَوْضِعِ الْحَالِ أَيْ مَيَّسَرَةً فَالْمُقَسِّمَتِ أَمْرًا ﴿٤﴾ الْمَلَائِكَةُ تُقَسِّمُ الْأَرْزَاقَ وَالْأَمْطَارَ وَغَيْرَهَا بَيْنَ الْعِبَادِ  
وَالْبِلَادِ إِنَّمَا تُوْعَدُونَ مَا مَصْدَرِيَّةٌ أَيْ إِنْ وَعَدْتُمْ بِالْبَعْثِ وَغَيْرِهِ لَصَادِقٌ ﴿٥﴾ لَوْعَدٌ صَادِقٌ وَإِنَّ الدِّينَ  
الْحَزَاءَ نَعْدَ الْحِسَابِ لَوَاقِعٌ ﴿٦﴾ لَا مَحَالَةَ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْخُبُلِ ﴿٧﴾ جَمْعُ خَبِيكَةٍ كَطَرِيقَةٍ وَطُرُقٍ  
أَيْ صَاحِبَةُ الطُّرُقِ فِي الْخَلْقَةِ كَالطُّرُقِ فِي الرَّمْلِ إِنَّكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ فِي شَأْنِ النَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ لَفِي قَوْلٍ  
مُخْتَلِفٍ ﴿٨﴾ قِيلَ شَاعِرٌ سَاجِرٌ كَاهِنٌ شِعْرٌ سِحْرٌ كَهَانَةٌ يُؤْفَكُ يُصْرَفُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ أَيْ عَنِ  
الْإِيمَانِ بِهِ مَنْ أَفْلَكَ ﴿٩﴾ صُرِفَ عَنِ الْهِدَايَةِ فِي عِلْمِ اللَّهِ تَعَالَى قُتِلَ الْخَرُّ صُورٌ ﴿١٠﴾ لَعِنَ الْكَذَّابُونَ  
أَصْحَابُ الْقَوْلِ الْمُخْتَلِفِ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ جَهْلٍ يَغْمَرُهُمْ سَاهُونَ ﴿١١﴾ غَافِلُونَ عَنْ أَمْرِ الْآخِرَةِ  
يَسْأَلُونَ النَّبِيَّ اسْتَهِزَّاءَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٢﴾ أَيْ مَتَى مَجِيئُهُ وَجَوَابُهُمْ يَجِيئُ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يَقْتُونَ  
﴿١٣﴾ أَيْ يُعَذَّبُونَ فِيهَا وَيُقَالُ لَهُمْ حِينَ التَّعْذِيبِ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ تَعْذِيبُكُمْ هَذَا الْعَذَابُ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ  
تُسْتَعْجَلُونَ ﴿١٤﴾ فِي الدُّنْيَا اسْتَهِزَّاءَ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنِّبِ بَسَاتِينٍ وَعُيُونٍ ﴿١٥﴾ تَحْرِي فِيهَا اخِلْدِينَ  
حَالَ مِنَ الضَّمِيرِ فِي خَبَرٍ إِنَّ مَا أَنْتُمْ أَعْطَاكُمْ رَبُّكُمْ مِنَ الثَّوَابِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ أَيْ دُخُولِهِمْ  
مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾ فِي الدُّنْيَا كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ يَنَامُونَ وَمَا زَالَتِ وَيَهْجَعُونَ خَبَرٌ كَانَ  
وَقَلِيلًا ظَرَفٌ أَيْ يَنَامُونَ فِي زَمَنِ يَسِيرٍ مِنَ اللَّيْلِ وَيُصَلُّونَ أَكْثَرُ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ يَقُولُونَ

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ لِلْسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۱۹﴾ الَّذِي لَا يَسْأَلُ لِنَفْسِهِ فِي الْأَرْضِ  
مِنَ الْجِبَالِ وَالْيَحَارِ وَالْأَشْجَارِ وَالنَّهَارِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهَا أَيْتٌ دَلَالَةٌ عَلَى قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَوَحْدَانِيَّتِهِ  
لِلْمُوقِنِينَ ﴿۲۰﴾ وَفِي أَنْفُسِكُمْ آيَاتٌ أَيْضًا مِنْ مَبْدَأِ خَلْقِكُمْ إِلَى مُنْتَهَاهُ وَمَا فِي تَرْكِيبِ خَلْقِكُمْ مِنْ  
الْعَجَائِبِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۱﴾ ذَلِكَ فَتَسْتَدِلُّونَ بِهِ عَلَى صَانِعِهِ وَقُدْرَتِهِ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ أَيْ الْمَطَرُ  
الْمُسَبَّبُ عَنْهُ النَّبَاتُ الَّذِي هُوَ رِزْقُكُمْ وَمَا تَوْعَدُونَ ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُنَابِ وَالنَّوَابِ وَالْعِقَابِ أَيْ مَكْتُوتٌ ذَلِكَ  
بِخَبْرٍ فِي السَّمَاءِ قُرْبِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ أَيْ مَا تُوْعَدُونَ لِحَقِّ مِثْلِ مَا أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ ﴿۲۳﴾ بِرَفْعِ مِثْلِ  
صِفَةٍ وَمَا مَزِيدَةٌ وَبِفَتْحِ اللَّامِ مُرَكَّبَةٌ مَعَ مَا الْمَعْنَى مِثْلَ نَطْقِكُمْ فِي حَقِيقَتِهِ أَيْ مَعْلُومِيَّتِهِ عِنْدَكُمْ  
ضُرُورَةُ صُدُورِهِ عَنْكُمْ هَلْ أَسَلْتَ خِطَابَ النَّبِيِّ ﷺ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكَرَّمِينَ ﴿۲۴﴾ وَهُمْ  
مَلَائِكَةُ إِنَّا عَشَرَ أَوْ ثَلَاثَةَ مِنْهُمْ جِبْرِيلُ إِذْ ظَفَرَتْ لِحَدِيثِ ضَيْفِ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا . أَيْ هَذَا  
اللَّفْظُ قَالَ سَلَّمَ أَيْ هَذَا اللَّفْظُ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿۲۵﴾ لَا نَعْرِفُهُمْ قَالَ ذَلِكَ فِي نَفْسِهِ وَهُوَ حَبْرٌ مُبْتَدَأٌ مُقَدَّرٌ أَيْ  
هُوَ لَاءِ فَرَاغَ مَالٍ إِلَى أَهْلِهِ سِرًّا فَجَاءَ بِعَجَلٍ سَمِينٍ ﴿۲۶﴾ وَفِي سُورَةِ هُودٍ بِعَجَلٍ حَنِيدٌ أَيْ مَشُورٍ فَقَرَّبَهُ  
إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿۲۷﴾ عَرَضَ عَلَيْهِمُ الْأَكْلَ فَلَمْ يُجِيبُوا فَأَوْجَسَ أَضْمَرَ فِي نَفْسِهِ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا  
لَا تَخَفْ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ وَبَشِّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿۲۸﴾ ذِي عِلْمٍ كَثِيرٍ هُوَ إِسْحَاقُ كَمَا ذَكَرَ فِي سُورَةِ هُودٍ  
فَاقْبَلَتْ أُمْرَأَتُهُ سَارَةً فِي صَرَّةٍ صَيِّحَةٍ حَالٌ أَيْ جَاءَتْ صَائِحَةً فَصَكَّتْ وَجْهَهَا لَطْمَتُهُ وَقَالَتْ عَجُوزٌ  
عَقِيمٌ ﴿۲۹﴾ ثُمَّ تَلَدَّ قَطُ وَعُمُرُهَا تَسَعٌ وَتَسْعُونَ سَنَةً وَعُمُرُ إِبْرَاهِيمَ مِائَةٌ سَنَةً أَوْ عُمُرُهُ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً  
وَعُمُرُهَا تَسَعٌ وَتَسْعُونَ سَنَةً قَالُوا كَذَلِكَ أَيْ مِثْلَ قَوْلِنَا فِي الْبَشَارَةِ قَالَ رَبُّكَ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ فِي  
صُنْعِهِ الْعَلِيمُ ﴿۳۰﴾ بِخَلْقِهِ

ترجمہ: ..... سورۃ ذاریات مکیہ ہے جس میں ساتھ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قسم ہے ان ہواؤں کی (مراد تیز ہوا جس میں مٹی وغیرہ اڑ جائے) جو گرد و غبار اڑاتی ہیں (ذروا مصدر ہے تدریہ ذریا کے معنی اڑانے کے ہیں) پھر ان بادلوں کی جو اٹھاتے ہیں (پانی سے لدے ہوئے بادل) بوجھ (وزن یہ حاملات کا مفعول ہے) پھر ان کشتیوں کی جو (پانی پر رواں دواں رہتی ہیں) نرم روی سے چلتی ہیں (یسیر بمعنی سہولت مصدر حال کے موقع پر ہے بمعنی میسر) پھر ان فرشتوں کی جو چیزیں تقسیم کرتے ہیں (بارش اور رزق کو انسانوں میں اور شہروں پر تقسیم کرنے کے لئے جو فرشتے مامور رہتے ہیں) تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے (ما مصدر یہ یعنی قیامت وغیرہ کا وعدہ) وہ بالکل سچ ہے (وہ وعدہ سچا ہے) اور جزاء (حساب کے بعد بدلہ) ضرور (یقیناً) ہونے والی ہے۔ قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں (جب جمع ہے حبیکہ کی جیسے طریقہ کی جمع طرق آتی ہے یعنی آسمانوں کی بناوٹ میں ایسے ہی راستے ہیں



جیسے خشکی میں ہوا کرتے ہیں) کہ تم لوگ (اے مکہ کے باشندہ نبی کریم ﷺ اور خدا کی شان) میں مختلف باتیں کہتے ہو (جن کی شان میں شاعر، ساحر اور کاہن اور قرآن کی شان میں شعر، بحر کہانت کہا جاتا ہے) وہی پھرتا ہے (بدلتا ہے) اس سے نبی اور قرآن سے یعنی اس پر ایمان لانے سے) جس کو پھرنا ہوتا ہے (علم الہی میں جس کا گمراہ ہونا مقدر ہوتا ہے) غارت ہو جائیں بے سند باتیں کرنے والے (فضول بکواس کرنے والے جھوٹوں پر لعنت) جو نادانی (جہالت) میں بھولے ہوئے (آخرت سے غافل) ہیں۔ پوچھتے ہیں (مئیبر سے مذاق اڑاتے ہوئے) کہ روز قیامت کب ہوگا (یعنی کب آئے گی جس کا جواب آگے ہے کہ جس روز لوگ آگ پر تپائے جائیں گے) (نار جہنم میں عذاب دیئے جائیں گے اور ان سے عذاب کے وقت کہا جائے گا) اپنی اس سزا (عذاب) کا مزہ چکھو۔ یہی عذاب ہے جس کی تم دنیا میں نہ ادا کرتے ہوئے جلدی مچایا کرتے تھے۔ بلاشبہ متقی لوگ پیشتوں (بانگوں) اور چشموں میں ہوں گے (جو جنت میں بہہ رہے ہوں گے) وہ لے رہے ہوں گے (ان کی خبر کی ضمیر سے حال ہے) اس چیز کو جو ان کے پروردگار نے ان کو عطا کی ہوگی (یعنی ثواب) وہ لوگ اس جنت میں داخلہ سے پہلے نیکو کار تھے (دنیا میں رہتے ہوئے) وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے (ما یہ جمعوں میں مازاند ہے اور یہ جمعوں کاں کی خبر ہے اور قلیلا ظرف ہے یعنی رات میں کم وقت سوتے تھے) اور زیادہ وقت نماز پڑھتے تھے اور اخیر شب میں اللہم اغفر لنا کہہ کر استغفار کرتے تھے اور ان کے مال میں سوا اور غیر سوا کی کا حق تھا (محروم سے مراد وہ شخص جو اپنی آبرو کی وجہ سے سوال نہ کرے) اور زمین میں (پہاڑ، سمندر، درخت، گھاس، پھل وغیرہ کی) بہت سی نشانیاں ہیں (اللہ کی قدرت و وحدانیت کے دلائل ہیں) یقین لانے والوں کے لئے اور خود تمہاری ذات میں (بہت سی نشانیاں ہیں ابتداء پیدائش سے لے کر آخری وقت تک اور تمہاری پیدائش کی ترکیب میں عجائبات ہیں) کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا کہ اس سے اس کے بنانے والے کی صنعت اور قدرت پر استدلال کرتے) اور آسمانوں میں ہے تمہارا رزق (یعنی بارش جس سے سبزی پیدا ہوتی ہے جو رزق ہے) اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی آخری ٹھکانہ ثواب، عذاب یعنی سب کچھ آسمان میں لکھا ہوا ہے) تو قسم ہے آسمان زمین کے پروردگار کی کہ وہ (جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے) برحق ہے جس طرح کہ تم باتیں کر رہے ہو (مثل رفع کی صورت میں صفت ہے اور مازاند ہے اور فتح لام کے ساتھ مثل اور ما مرکب ہے یعنی قیامت کا برحق ہونا ایسا ہی مسلم ہے جیسے بولنا چاہنا سب کو معلوم ہے بدلہ سرزد ہونے کی وجہ سے) کیا ابراہیم کے معزز مہمانوں کی حکایت آپ ﷺ (آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے) تک پہنچی ہے (مراد بارہ یاس یا تین فرشتے ہیں۔ جن میں جبریل بھی تھے۔) جب (یہ حدیث ضیف کا ظرف ہے) کہ وہ ان کے پاس آئے پھر ان کو سلام کیا (یعنی سلام کا لفظ کہا) حضرت ابراہیم نے بھی سلام کیا (یعنی یہ لفظ فرمایا) انجان لوگ ہیں (ہم انہیں پہچانتے نہیں ہیں، حضرت ابراہیم نے دل میں یہ کہا۔ یہ مبتداء مقدر کی خبر ہے یعنی ھو لا ھو قوم مکرون) پھر اپنے گھر کی طرف چلے (آہستہ سے) اور ایک فرہ پگھڑا لائے (سورۃ ہود میں ہے بحمل حنیہ یعنی بھنا ہوا اور تلا ہوا) اور اس کو ان کے پاس لا کر رکھا اور کہنے لگے آپ لوگ کیوں کھاتے نہیں؟ (ان سے کھانے کی فرمائش کی جو فرشتوں نے قبول نہیں کی) تو محسوس کیا (دل میں چھپایا) ان سے ڈر، انہوں نے کہا تم ڈر دمت (ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں) اور ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا (مراد حضرت اسحاق ہیں جیسا کہ سورۃ ہود میں گزرا) اتنے میں ان کی بیوی (سارہ) پکارتی ہوئی آئیں (زور زور سے بولتی ہوئی یہ حال ہے یعنی آواز کرتی ہوئی آئیں) پھر ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ بڑھیا بانجھ (جس کے گھسی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کی عمر ننانوے سال اور حضرت ابراہیم کی عمر سو سال تھی یا حضرت ابراہیم کی عمر ایک سو بیس برس اور بیوی کی عمر ننانوے برس تھی) فرشتے کہنے لگے کہ تمہارے پروردگار نے ایسے ہی فرمایا ہے (جیسا کہ ہم نے بشارت سنائی ہے) کچھ شک نہیں کہ وہ (اپنی کارگیری میں) بڑی حکمت والا (اپنی مخلوق کو) جاننے والا ہے۔

**تحقیق و ترکیب:** . . والذاریات۔ واؤ قسمیہ ہے ذاریات، حاملات، مقسمات سب معطوفات مقسم بہ ہیں اور انما تو عدون، مقسم علیہ ہے تعظیم اور دلائل قدرت ہونے کی وجہ سے ان کی قسمیں کھائی گئیں ہیں۔ اور کلام حذف مضاف کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔ ای وردب هذه الاشياء اس صورت میں اللہ کی قسم ہوگی نہ کہ ان اشیاء کی۔

تدرو التراب۔ کے معنی مٹی وغیرہ اڑانے کے ہیں، حاملات سے مراد بادل ہیں، جو پانی اٹھائے ہوتے ہیں۔  
انما تو عدون۔ میں یا مصدر یہ ہے اور موصول بھی ہو سکتا ہے۔ عائد محذوف ہو گا ای تو عدونہ۔

جبک۔ ریت پر جو محسوس نشانات ہو جاتے ہیں راستہ کے ان کو جبک کہتے ہیں۔ جبک الماء ہوا سے پانی میں جو لہریں بن جاتی ہیں۔ چنانچہ اس سے آسمانوں میں راستوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے جو دوری کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ قاموں میں ہے کہ ستاروں کے راستوں کو جبک کہا جاتا ہے ابن عباس سے منقول ہے کہ ذات الحبش سے مراد آسمان کا حسن و جمال ہے۔ چنانچہ کپڑا جب عمدہ بنایا جائے تو کہا جاتا ہے ”ما احسن حبکہ“ اور مجاہد مضبوط بنیاد کے معنی لیتے ہیں۔ غرضیکہ جبک اور طرق وزن اور معنی کے لحاظ سے ایک ہیں۔

یوفک عنہ۔ ضمیر قرآن یا پیغمبر کی طرف راجع ہے یعنی علم الہی میں جو برگشتہ ہوتا ہے وہی گمراہ ہوتا ہے۔ نیز ضمیر ما تو عدون اور ین کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔ پہلے قسمیں کھا کر فرمایا کہ قیامت برحق ہے۔ پھر آسمان کی قسم کھا کر فرمایا کہ کفار قیامت کے متعلق تردد و شک کا شکار ہیں اور کچھ صاف منکر ہیں۔ آیت میں چونکہ یہ اشکال ہے کہ محروم ازلی کو دوبارہ محروم کرنے کے کیا معنی؟ مفسر اس کی تاویل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ قول مختلف کی وجہ سے ایمان سے پھیر دیا گیا ہے۔ جس کے پھیر دینے کا فیصلہ علم الہی میں کر دیا گیا تھا۔ اور بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ اس گستاخی کی وجہ سے مکمل طور پر ایمان سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اور بعض نے عنہ کی ضمیر قول کی طرف راجع کی اور عن سیہ ہے یعنی قول مختلف کی وجہ سے ایمان سے راندہ کر دیا گیا ہے۔

قتل الخواصون۔ یہ جملہ دراصل قتل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن بطور استعارہ لعنت کے لئے آگیا۔ محروم السعادة کو مقتول سے تشبیہ دیتے ہوئے مشبہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے لوازم یعنی قتل سے اشارہ کر دیا۔ اس کا اثبات استعارہ تخیلیہ ہے۔  
فی غمرۃ۔ غمرۃ کے معنی کثرت کے ہیں۔ غمرۃ الماء پانی بڑھ گیا۔ غمرۃ القوم قوم میں سب سے بڑھ گیا ہے۔  
یسالون۔ یہ سوال ان الدین لواقع ہے۔

ایان۔ خبر مقدم اور یوم الدین مبتداء موخر ہے۔ یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ زمانہ کی خبر زمانہ سے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ حوادث زمانہ کی خبر دی جایا کرتی ہے اگرچہ اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ تاہم مفسر نے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مضاف محذوف ہے ای متنی معینہ، پس ایان بمعنی متنی خبر ہے اور معینہ مضاف محذوف مبتداء ہے۔ ایان کے سوال کا جواب محذوف ہے۔ ای معینی یوم الخ ہم مبتداء یفتون خبر ہے۔ علی النار میں علی بمعنی فی ہے۔ علی کے ذریعہ تعدیہ معروضوں کے معنی میں ہونے کی وجہ سے ہے۔ فتن کے معنی کھرے کھوٹے کو پرکھنا پھر عذاب کے معنی ہو گئے اور جملہ محل خبر میں ہے یوم کی اضافت کرتے ہوئے لیکن اس صورت میں جواب میں تعین نہ ہونے کی وجہ سے مفید نہیں ہے۔ بلکہ مسئول عنہ میں شدت ابہام اور انتہائی خفا ہے مگر استغناء سے مقصود چونکہ حصول علم نہیں بلکہ استہزاء تھا۔ اس لئے ایسا مبہم جواب دیا گیا۔

وعیون: اشکال یہ ہے کہ ان المتقین فی جنت و عیون کہنا صحیح نہیں ہے۔ مفسر نے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نہریں جنت میں جاری ہوں گی اور اہل جنت نہروں کی سمت جنت میں ہوں گے۔

اخذین ای قابضین ما اتاہم شینا فشیئا۔ یعنی بے انتہا نعمتیں حاصل ہوتی رہیں گی۔ جو کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ اور بعض کے نزدیک آخذین

بمعنی قابِلین ہے۔ جیسے باخذ الصدقات بمعنی یقبل الصدقات۔

محسنین۔ اِی قد احسنوا اعمالہم۔

ما یہجعون۔ ہجوع بمعنی "نوم فی اللیل" یہجعون کان کی خبر اور قلیلا اس کا ظرف ہے اور یہجعون کے متعلق بھی ہو سکتا ہے اور ما مصدر لینے کی صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ کانو قلیلا من اللیل ہجوعہم۔ ما یہجعون قلیلا کا بیان اور من اللیل بیان ہے یا مصدر سے حال ہوگا۔ من ابتداء یہ ہے۔ مجاہد، ابن عباسؓ، اور انسؓ سے منقول ہے کہ تمام رات سوتے نہیں ہیں۔ اس صورت میں مانافہ ہو گا اور مانافہ جب کہ ظرف ہو تو بعض حضرات کے نزدیک اس کے مابعد کا عمل ماقبل میں ہو سکتا ہے اور بعض کے نزدیک مطلقاً مابعد ماقبل میں عامل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ مشہور مطلقاً عدم جواز ہے۔ چنانچہ زتشریؒ نے اسی لئے مانافہ قرار نہیں دیا۔ لیکن بقول علامہ خفاجیؒ اکثر سلف سے جواز منقول ہے۔ اور وہ اہل زبان تھے۔ پہلی رائے حسن بصریؒ کی ہے۔

وبالاسحار: یہ متعلق یہجعون پر عطف ہے اور بمعنی فی ہے۔ سحر رات کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں۔

وفی اموالہم۔ یعنی جان و مال اللہ کی راہ میں لٹاتے ہیں۔ محروم سے مراد وہ شخص جو ضرورت کے باوجود نفقہ کا سوال بھی کسی سے نہیں کرتا۔ محروم رہتا ہے۔ جیسا کہ قتادہؒ اور زہریؒ کی رائے ہے۔ اور ابن جریرؒ، ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ جس کو نہ غنیمت کا صلہ ملے اور نہ زکوٰۃ۔ اور قتادہؒ ابن سیرینؒ، وغیرہ فرماتے ہیں جو صلہ رحمی اور مہمانداری سے بھی محروم رہے۔

وفی الارض۔ یہاں سے تو حید اور قدرت الہی پر اول دلیل آفاقی بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد دلیل انفسی فرمائی گئی ہے۔ اور فی السماء سے مستقل کلام ہے۔ جس سے مقصود امتنان اور وعدہ وعید کا بیان ہے فی الارض خبر مقدم آیات مبتداء موخر ہے۔

فی انفسکم۔ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ اِی فی انفسکم آیات ایضاً۔ غرض کہ ان آیات میں سفلیات و علویات کا ذکر ہے۔ موقنین۔ آیات الہی کا مشاہدہ کر کے یقین بڑھا لیتے ہیں۔

وفی السماء رزقکم۔ بارش مراد ہے جو پیداوار کا سبب ہے۔ حضرت حسنؒ جب بادل دیکھتے تو اپنے اصحاب سے فرماتے۔ واللہ رزقکم ولکنکم تحر موناہ بخطایکم۔

ما تو عدلون۔ مفسرؒ نے عطا کا قول نقل کیا ہے اور ابن جریرؒ، ضحاکؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جنت دوزخ مراد ہے اور بعض نے صرف جنت مراد لی ہے جو ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے۔ آسمان کا رزق کے لئے طرف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ موکل فرشتوں کے ذریعہ نظام عالم رو بہ عمل ہوتا ہے۔

انہ الحق۔ ضمیر رزق کی طرف یا ما تو عدون کی طرف راجع ہے۔

مثل ما انکم۔ حزۃ علیؑ، ابو بکرؓ کے نزدیک مثل رفع کے ساتھ حق کی صفت ہے اور فتح کی سورت میں کما اور لہ نما اور طالما قلما کی طرح مرکب ہے۔ پس مثلاً جہنی پر سکون ہو گا محل رفع میں۔ یہ مضاف اور جملہ انکم محطون مضاف الیہ ہے محل جر میں۔ دونوں قراءتوں میں معنی ایک ہی رہیں گے۔ یعنی جس طرح تمہیں اپنے بولنے میں شبہ نہیں ہے۔ اسی طرح وعدہ رزق کی حقیقت بھی بلاشبہ ہے۔ ابو سعید خدریؒ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لو ان احدکم فیر من رزقہ لیتبعہ کما یتبعہ الموت۔

هل اتاك۔ استفہام اس واقعہ کی تشویق اور تحمیل الشان کے لئے ہے اور بعض نے هل بمعنی قد کہا ہے جیسے هل اتی علی الانسان الخ میں ہے۔

ضیف۔ مصدر ہے اس میں واحد جمع دونوں کی گنجائش ہے۔

اذ دخلوا۔ اذ کا عامل لفظ حدیث ہے۔ یا یہ منصوب ہے فی حدیث کے معنی فعل کی وجہ سے کیونکہ ضیف مصدر ہے۔ ای الدین ضاقوه فی وقت دخولهم علیہ۔ یا مکرمین کی وجہ سے منصوب ہے یا اذ کر مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ البتہ اتنا کہ کی وجہ سے منصوب نہیں۔ کیونکہ دونوں کا زمانہ مختلف ہے۔

فقالوا سلما۔ ای نسلم علیک سلاماً، قال سلام ای علیکم سلام اثبات ودوام کے لئے جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف عدول کیا گیا ہے۔ تاکہ فحیوا با حسن منہا پر عمل ہو۔ عام قراءت اول سلام کو نصب اور ثانی کو رفع پڑھنے کی ہے۔ لیکن ایک قراءت میں دونوں مرفوع ہیں۔ اور ایک قراءت میں ثانی سلاما ہے کسرہ سین کے ساتھ منصوب ہے۔

قوم مسکرون۔ یعنی اجنبی تھے پتہ نہیں کہاں کے رہنے والے تھے۔ یہاں فرشتوں کا اوپر ہونا ابتداء ہی میں معلوم ہوتا ہے اور سورہ ہود میں فلما رای ایدیہم لا تصل الیہ نکرہم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرشتوں کے کھانے سے اصرار پر اوپر سمجھا۔ لیکن کہا باریک کہ دونوں صورتیں اجنبیت کی صحیح ہو سکتی ہیں۔

فراع الی اہلہ۔ مفسر نے سر اس لئے کہا کہ میزبانی کے آداب میں سے ہے کہ مخفی طور پر مہمانداری کی جائے کہ کہیں مہمان تکلفاً مہمان نوازی سے روک نہ دے۔

فاوحس منہم خیفۃ۔ لان من لم یا کل طعامک لم یحفظ ذمماک۔ اور ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ابراہیمؑ کو فرشتوں کی آمد سے ڈر ہوا کہ عذاب الہی کے لئے آئے ہوں گے۔

بلغم علیم۔ جمہور کے نزدیک اس کا مصداق حضرت اسحقؑ ہیں جیسا کہ سورہ صافات میں گزر چکا ہے۔

فاقبلت۔ بعض کے نزدیک حقیقہ مراد نہیں بلکہ اقبلت بمعنی اخذت ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ اقبلت شتمنی ای اخذت فی الشتم۔ فصکت۔ جیسا کہ تعجب کے وقت بات کرتے ہوئے عورتوں کی عادت ہوا کرتی ہے۔ رخساروں یا پیشانی پر ہتھیلی یا انگلیاں مارتی ہیں۔ کذلک۔ مفسر نے قال ربک کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ کذلک مفعول ہے قال کا۔

رابط آیات: سورہ ق میں محاذ کا ذکر تھا۔ سورہ ذاریات کا بیشتر حصہ بھی اسی مضمون کا ہے۔ ابتدائی بیان بھی اسی سے ہو رہا ہے۔ اس کے بعد آیت ہل ائتک حدیث ضیف ابراہیم سے مکذبین و مجرمین کی برائی اور سزا کی تائید میں کچھ پچھلے واقعات بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ مقصود اصلی تو قوم لوط کا واقعہ ذکر کرنا ہے واقعہ ابراہیمؑ بطور تمہید ہے اور یانیکو کاروں کی تائید کے لئے ہے۔

﴿تشریح﴾: ..... والذاریات۔ مختلف قسموں سے مضمون کو موکد فرمایا جا رہا ہے۔ آندھیاں اور ہوائیں جب زور سے چلتی ہیں تو غبار اڑتا ہے بادل بنتے ہیں، ان میں پانی ہوتا ہے جس کے بوجھ کو ہوائیں اڑائے اڑائے پھرتی ہیں۔ پھر بارش برسنے کے قریب ہوائیں نرم پڑ جاتی ہیں اور اللہ کے حکم سے بارش کا جہاں جتنا حصہ ہوتا ہے وہ تقسیم کر دیتی ہے ہواؤں کا یہ عجیب و غریب نظام ہے۔ اللہ ان مختلف ہواؤں کی قسمیں کھا رہا ہے۔

اور بعض علماء نے اس نظام کو نیچے سے اوپر کو مرتب مانتے ہوئے ذاریات سے ہوائیں اور حاملات سے بادل اور جاریات سے ستارے اور مقسمات سے فرشتے مراد لئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علیؑ کا بھی یہی ارشاد ہے۔

نظام عالم قیامت کی شہادت دے رہا ہے: غرضیکہ یہ اعلیٰ نظام اس بات کی شہادت فراہم کر رہا ہے کہ قیامت کا وعدہ سچا

ہے اور انصاف ہونا ضروری ہے کیونکہ جب یہ معمولی ہوا یونہی بے کار نہیں چلتی تو کیسے باور کر لیا جائے کہ اتنا بڑا کارخانہ بے مقصد و بے نتیجہ چل رہا ہے یقیناً اس کا انجام ہوگا اور وہی آخرت ہے۔ اسی طرح آسمان کی قسم کھائی جا رہی ہے جو نہایت صاف، مضبوط، رونق دار ہے جس پر ستاروں کی کار چوبی معلوم ہو رہی ہے اور فرشتوں کی اور ستاروں کی راہیں پڑیں ہوئی ہیں۔ قیامت کی بات کو خواہ مخواہ منکروں نے جھگڑے میں ڈال رکھا ہے۔ عن النبأ العظیم <sup>الذی</sup> ہم فیہ مختلفون۔ جو بارگاہ ربوبیت سے وابستہ ہیں وہ تو اس کو حرف بحرف صحیح سمجھتے ہیں۔ لیکن جو محروم القسمت راندہ درگاہ ہیں۔ وہ ہمیشہ اس کے ماننے سے گریزاں رہیں گے۔ اگر صرف نظام شمسی ہی پر نظر ڈالی جائے تو اس بارہ میں جھگڑنا نادانی نظر آتا ہے اور اٹکل تیروں اور غفلت کے پردوں سے زیادہ ان کے لئے اور کیا تجویز کیا جائے۔ اتنی سچی بات کا بھی مذاق اڑاتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ صاحب وہ دن کب آئے گا؟ آخر اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ جواب میں ارشاد ہے۔ یوم ہم الخ ذرا ٹھہرو، وہ دن ابھی آتا ہے۔ جب تم آگ میں الٹ پلٹ کئے جاؤ گے اور پکار کر کہا جائے گا کہ لو اب اپنی شرارت اور ہلسی کا مزہ چکھو، تم جس کی جلدی مچا رہے تھے وہ دن آ گیا۔ اللہ پر ہیزگار اس کے برعکس باغوں اور چشموں کی بہاریں لوٹیں گے اور کیوں نہ ہو کہ جن کہ دنیا میں رہ کر وہ نیکیاں سمیٹنے میں لگے رہے رات کا اکثر حصہ مصروف عبادت رہے۔ صبح ہوتے ہی خود ستانی کی بجائے زبان پر اپنی تقصیرات و استغفار کے الفاظ رہے غرور خود بینی کی جگہ عجز و نیاز، خوف و خشیت کے لئے وقف رہے، اپنی کمائی سے ہر طرح غریبوں کی دیکھ بھال کرتے رہے زکوٰۃ و صدقات کو اپنے اوپر لازم رکھا۔ و فی الارض۔ الخ۔ شب بیداری، توبہ و استغفار، محتاجوں کی مدد اس یقین کے ساتھ کی جائے کہ اللہ موجود ہے اور وہ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا۔ آفاقی اور انفسی دلائل پر غور کرنے سے بآسانی یہ یقین پیدا ہو سکتا ہے کہ نیک و بد کی جزا کسی نہ کسی رنگ میں جلد یا بدیر ضرور مل کر رہے گی۔

سب کی روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔۔۔۔۔ وفی السماء صدق خیرات سے انسان یہ سوچ کر پہنوتھی کر سکتا ہے کہ پھر ہم کہاں سے کھائیں گے؟ یا بعض لوگ خرچ کر کے غریبوں پر احسان جتلاتے ہیں، ان کو یہ سوچنا چاہیے کہ تمام تر روزی اور اجر و ثواب آسمان والے کے ہاتھ میں ہے اس کی دی ہوئی روزی کسی کے روکے نہیں رک سکتی اور نیک نیتی سے خرچ کرنے والوں کو ثواب بھی مل کر رہے گا۔ اور جیسے کسی کو اپنے بولنے میں شبہ نہیں ایسے ہی اس میں ”بھی“ شبہ نہیں کہ روزی پہنچ کر رہتی ہے اور آخرت آکر رہے گی۔

انکم تنطقون۔ میں محاورہ کے علاوہ یہ نکتہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں قیامت کی نظیر کی طرف اشارہ ہے کہ زبان مثل زمین کے ہے اور اس سے جو کلام پیدا ہو رہا ہے وہ مخلوق کی پیدائش کے مشابہ ہے اور کلام کا پورا ہونا موت کے مشابہ ہے اور پھر دوبارہ زبان سے وہی کلام سرزد ہونا زندہ ہونے کی طرح ہے۔ پس دن رات اس کا مشاہدہ قیامت کی طرف رہنمائی کے لئے کافی ہے۔

آگے ہل اٹلے۔ حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی کا واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے۔ جسے فی اموالہم حق للسانل والمحرورم سے قریبی مناسبت ہے اور یہ واقعہ تمہید ہے حضرت لوطؑ کے واقعہ کی۔ دونوں مضمونوں سے یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ دنیا میں ہم نے محسنین اور مکذبین کے ساتھ کیا کیا سلوک اور برتاؤ کیا۔ فرشتوں کی آمد پر شروع میں تو حضرت ابراہیمؑ ان کو انسان سمجھے، ان کی تکریم کی، ان کے سلام کا جواب دیا اور دل میں کہا کہ یہ تو اوپرے معلوم ہوتے ہیں یا خود فرشتوں سے کہا ہو کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں جس کا فرشتوں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ یا اس کے جواب کا ذکر نہیں ہے۔ غرض بڑے اہتمام سے ان کی مہمانداری میں لگ گئے۔ تلا ہوا اور بھنا ہوا کھجرا پیش کیا اور شائستہ انداز میں پوچھا کہ آپ حضرات کھانا نہیں کھاتے۔ وہ فرشتے تھے کھاتے کسی طرح؟ آخر ابراہیمؑ علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ آدمی نہیں ہیں اور طبعی طور پر کچھ گھبرا سے گئے۔ فرشتوں نے اطمینان دلایا۔ سورہ ہود اور سورہ حجر میں تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک فرزند حضرت اسحاق کی بشارت سنا کر اس فکر کو دور کیا۔ حضرت سارہ حضرت ابراہیم کی بیوی ایک طرف

گوشہ میں کھڑی یہ گفتگو سن رہی تھیں۔ لڑکے کی بات سن کر عورتوں کی عادت کے مطابق ماتھے یا گال پر ہاتھ رکھ کر تعجب سے پوچھا کہ ایک بڑھیا بانجھ جس کے جوانی میں اولاد نہ ہوئی، اب بڑھاپے میں بچے جنے گی؟ فرشتے بولے اپنی طرف سے نہیں بلکہ تمہارے رب کی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ وہی جانتا ہے کہ کس کو کس وقت کیا چیز دینی چاہیے۔ اور تمہیں تو خاندانی نبوت کے لحاظ سے اللہ کے علم و حکمت میں تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ (بیان القرآن، فوائد عثمانی)

**لَطَائِفُ آیَات:** آیت کانوا قلیلاً من الیل انہ فی اللہ کے بعض اعمال و اہتمام کا ذکر ہے۔  
 وفی انفسکم الخ اگرچہ فی انفسکم بھی فی الارض میں داخل ہے بطور عطف کے علیحدہ ذکر کرنے کی چنداں حاجت نہیں تھی لیکن انسان کی جامعیت کے لحاظ سے استقلالاً بطور عطف کے ذکر کیا۔ گویا عالم اکبر کے ساتھ علم اصغر کو ذکر فرما دیا۔  
 اس عطف سے بھی یہ معلوم ہوا کہ جہلاء صوفیاء کا اس سے تجلی حق پر استدلال کرنا باطل ہے۔

پارہ نمبر ﴿۲۷﴾

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ



## فہرست عنوانات کمالین شرح اردو جلالین پارہ ۲۷

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۶۷	اللہ کے کام کی طرح اس کا کلام بھی بے مشابہ ہے	۲۴۸	تحقیق و ترکیب
۲۶۷	شرک کا بہترین اور عقلی رد	۲۴۹	منشورین
۲۶۸	نبوت و رسالت عقلی نقلی و دلیل کے آئینہ میں	۲۵۰	ربط آیات
۲۶۹	دعوت و تبلیغ پر معاوضہ کی فرمائش	۲۵۰	تشریح
۲۶۹	علم غیب سے کیا مراد ہے	۲۵۰	مجرمین کا انجام
	سعادتین کے لئے فرمائی معجزات کا پورا کرنا مصدق نہیں	۲۵۱	اللہ کی مکمل منافی
۲۶۹	بلکہ پورا نہ کرنا مصلحت ہے۔	۲۵۱	دو شبہ اور ان کا جواب
۲۷۰	ضدِ لوگوں کا اعلان اللہ کے حوالہ کرنا ہے	۱۵۲	اس وجہ کی پیدائش عبادت کیلئے ہے
۲۷۰	لطائف سلوک	۱۵۲	عبادت سے اللہ کی غرض وابستہ نہیں
۲۷۲	تحقیق و ترکیب	۱۵۳	لطائف سلوک
۲۷۷	روایات	۲۵۶	تحقیق و ترکیب
۲۷۸	ربط آیات	۲۵۹	ربط آیات
۲۷۸	تشریح	۲۵۹	شان نزول و روایات
۲۷۸	انبیاء کرام نجوم ہدایت اور آخرت آخرت آفتاب ہدایت ہیں	۲۶۰	تشریح
۲۷۸	ایک شبہ کا ازالہ	۲۶۰	مختلف قسموں کی مناسبت
۲۷۹	آنحضرت نے جبریل کو مکمل طور پر شناخت کر لیا	۲۶۰	دوزخ میں کفار کی حالت زار
	آنحضرت نے آنکھ اور دل دونوں سے جبرئیل کو	۲۶۱	جنتیوں کے مزے
۲۷۹	پہچان لیا	۲۶۱	ذریعہ کا مفہوم عام ہے
۲۸۰	ہٹ دھرم کی حد ہو گئی	۲۶۱	قانون فضل و عذر
۲۸۰	چند شبہات کا ازالہ	۲۶۲	لطائف سلوک
۲۸۱	کوئی حد ہے ان کے عروج کی	۲۶۳	تحقیق و ترکیب
۲۸۱	دیدار الہی اور تجلیات ربانی	۲۶۶	تشریح
۲۸۲	مخمل میں ثبات کا بے جوڑ پیوند	۲۶۶	مستقبل فیصدہ سن ہوگا

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۹۹	پتھروں پر چونک نہیں لگتی	۲۸۲	کفریہ کلمات کسی مسلمان کی زبان سے بھی نہیں نکل سکتے
۳۰۰	طوفان نوح	۲۸۳	کون سفارشی ہوں گے اور کن کے لئے سفارش ہوگی
۳۰۰	قرآن آسان بھی ہے اور مشکل بھی	۲۸۳	یہ آیت قیاس واجتہاد کے خلاف نہیں ہے
۳۰۱	لطائف سلوک	۲۸۳	اعمال کی جزا و سزا
۳۰۳	تحقیق و ترکیب	۲۸۴	بڑے گناہوں سے بچنا اور معمولی غلطیوں سے درگزر
۳۰۵	ربط آیات	۲۸۴	نہ مایوسی کی گنجائش ہے اور نہ عجب کا موقعہ
۳۰۵	تشریح	۲۸۴	حقیقتاً متقی کون ہے
۳۰۵	مجرمین کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا	۲۸۵	ایک نادر علمی تحقیق
۳۰۵	لطائف سلوک	۲۸۵	جب خاتمہ کا حال معلوم نہیں پھر خود پسندی
۳۰۷	تحقیق و ترکیب	۲۸۵	طائف سوک
۳۰۸	ربط آیات	۲۸۷	تحقیق و ترکیب
۳۰۸	روایات	۲۸۹	ربط آیات
۳۰۹	تشریح	۲۸۹	شان نزول و روایات
۳۰۹	کفار کی طاقت کا نشہ جلد ہی اتر گیا	۲۹۰	تشریح
۳۱۳	تحقیق و ترکیب	۲۹۰	آسمانی صحیفوں کی تعلیم
۳۱۵	ربط آیات		انسان کی طرح اس کی ضروریات بھی اللہ کے تصرف
۳۱۵	تشریح	۲۹۰	میں ہیں
۳۱۶	انسان اور قرآن و بیان	۲۹۱	آنحضرت ﷺ کی آمد قیامت کی آمد کا مقدمہ ہے
۳۱۶	آسمان، زمین اور اس کے درمیان کتنی ہی نعمتیں ہیں	۲۹۱	طائف سلوک
۳۱۶	اللہ کے کام اور کلام دونوں میں تکرار ہے	۲۹۵	تحقیق و ترکیب
۳۱۷	بے شمار نعمتوں کا تعلق مشرق و مغرب سے ہے	۲۹۶	ربط آیات
۳۱۸	میٹھے اور کھاری سمندر کی نعمتیں	۲۹۷	شان نزول و روایات
۳۱۸	سزائیں بھی ایک طرح کا انعام ہیں	۲۹۷	تشریح
۳۱۹	لطائف سلوک	۲۹۸	آنحضرت کے معجزات سب سے افضل ہیں
۳۲۱	تحقیق و ترکیب	۲۹۸	سورج سے زیادہ چاند میں تصرف ہوا
۳۲۳	تشریح	۲۹۹	بطیموی نظریہ پر چاند کا تعلق
۳۲۳	اول کے دو باغ خواص کے لئے ہوں گے	۲۹۹	فکیت میں خرق و انتیام

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۴۸	تحقیق و ترکیب	۳۴۳	تخصیص کے قرآن و دلائل
۳۵۱	ربط آیات	۳۴۴	عام مومنین کے لئے دوپہا
۳۵۱	روایات	۳۴۸	تحقیق و ترکیب
۳۵۲	تشریح	۳۴۱	ربط آیات
۳۵۲	علم الہی کا احاطہ	۳۴۲	روایات
۳۵۲	مال اللہ کا ہے اسی کی مرضی سے خرچ کرو	۳۴۲	تشریح
۳۵۲	ایمان فطرت کی پکار ہے	۳۴۲	اسحاب الیمین
۳۵۳	اللہ کی راہ میں مال لگانا	۳۴۳	اسحاب الشمال
۳۵۳	ایمان کی تیز روشنی	۳۴۳	تحقیق سہمی
۳۵۳	جنت دوزخ کے درمیان اعراف	۳۴۳	جنت کی مادی اور روحانی نعمتیں
۳۵۴	منافقین کی چیخ و پکار	۳۴۴	مشکل کا حل
۳۵۴	اہل ایمان کا جواب	۳۴۴	دوزخیوں کا حال پیدا ہوگا
۳۵۴	قرآن اور ذکر اللہ کا اثر	۳۴۴	لطائف سلوک
۳۵۵	لطائف سلوک	۳۴۷	تحقیق و ترکیب
۳۵۷	تحقیق و ترکیب	۳۴۹	عجیب لطیفہ
۳۵۹	ربط آیات	۳۴۹	ربط آیات
۳۵۹	روایات	۳۴۰	تشریح
۳۶۰	تشریح		سائنسی ایجادات قدرت کا انکار نہیں، بلکہ اظہارِ غریبی ہیں
۳۶۰	دنیا کی زندگانی چاروں کی چاندنی	۳۴۰	آذوقہ دائل قدرت
۳۶۰	مالوسی اور نازدوئوں بے جا ہیں	۳۴۰	قرآن کلام الہی ہے
۳۶۱	کتاب کے ساتھ اللہ نے ترازو اور لوہا ہی اتارا	۳۴۱	دنیا کا نظام محکم
۳۶۱	اسلام نری رہبانیت سے روکتا ہے	۳۴۱	باطنی نظام شمسی
۳۶۲	بدعات و رسوم میں فرق ہے	۳۴۱	موت کا بھی تک منظر
۳۶۲	اہل کتاب ایمان لائیں تو دو ہر ثواب	۳۴۲	دنیا کی سب سے بڑی سچی قرآن کریم ہے
۳۶۳	لطائف سلوک	۳۴۲	مقرنین اسحاب الیمین اسحاب الشمال کا ذکر
		۳۴۳	لطائف سلوک

## قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شَأْنُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٣١﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ كَافِرِينَ  
 أَيْ قَوْمَ لُوطٍ لِّنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ﴿٣٣﴾ مَطْبُوعٍ بِالنَّارِ مَسْوُومَةً مُّعَلَّمَةً عَلَيْهَا إِسْمٌ مِّنْ يُرْمَىٰ بِهَا  
 عِنْدَ رَبِّكَ ظَرْفٌ لِّلْمُسْرِفِينَ ﴿٣٤﴾ بِأَيَّانِهِمُ الذُّكُورَ مَعَ كُفْرِهِمْ فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا أَيْ قَرَىٰ قَوْمَ  
 لُوطٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ لِإِهْلَاكِ الْكَافِرِينَ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ لُوطٌ  
 وَابْتَتَاهُ وَصِفُوا بِالْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ أَيْ هُمْ مُصَدِّقُونَ بِقُلُوبِهِمْ عَامِلُونَ بِحَوَارِجِهِمُ الطَّاعَاتِ وَتَرَكْنَا فِيهَا بَعْدَ  
 إِهْلَاكِ الْكَافِرِينَ آيَةً عَلَامَةً عَلَىٰ إِهْلَاكِهِ لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٣٧﴾ فَلَا يَفْعَلُونَ مِثْلَ فِعْلِهِمْ وَفِي  
 مُوسَىٰ مَعْطُوفٌ عَلَىٰ فِيهَا الْمَعْنَى وَجَعَلْنَا فِي قِصَّةِ مُوسَىٰ آيَةً إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ مُتَلَبِّسًا بِسُلْطَنٍ  
 مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ بِحُجَّةٍ وَاضِحَةٍ فَتَوَلَّىٰ أَعْرَضَ عَنِ الْإِيمَانِ بِرُكْبِهِ مَعَ جُنُودِهِ لِأَنَّهُمْ لَهُ كَالرُّكْنِ وَقَالَ لِمُوسَىٰ هُوَ  
 سِحْرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ طَرَحْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ الْبَحْرِ فَغَرَقُوا وَهُوَ أَيْ فِرْعَوْنُ  
 مُلِيمٌ ﴿٤٠﴾ ابْتِئَامٌ بِمَا يُلَامُ عَلَيْهِ مِنْ تَكْذِيبِ الرُّسُلِ وَدَعْوَى الرُّبُوبِيَّةِ وَفِي إِهْلَاكِ عَادٍ آيَةً إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ  
 الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾ هِيَ الَّتِي لَا خَيْرَ فِيهَا لَأَنَّهُ لَا تَحْمِلُ الْمَطَرَ وَلَا تَلْقَحُ الشَّجَرَ وَهِيَ الدُّبُورُ مَا تَذَرُ مِنْ  
 شَيْءٍ نَفْسٍ أَوْ مَالٍ آتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ كَالْبَالِي الْمَفْتِتِ وَفِي إِهْلَاكِ ثَمُودَ آيَةً إِذْ قِيلَ  
 لَهُمْ بَعْدَ عَقْرِ النَّاقَةِ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٣﴾ أَيْ إِلَىٰ انْقِضَاءِ أَجَالِكُمْ كَمَا فِي آيَةِ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ  
 فَعَتُوا تَكَبَّرُوا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ أَيْ عَنْ امْتِثَالِهِ فَأَخَذَتْهُمْ الصَّيْقَةُ بَعْدَ مَضِيِّ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ أَيْ الصَّيْحَةُ الْمُهِلِكَةُ  
 وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٤٤﴾ أَيْ بِالنَّهَارِ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ أَيْ مَا قَدَرُوا عَلَى النَّهْوضِ حِينَ نَزُولِ الْعَذَابِ وَمَا  
 كَانُوا مُتَنَصِّرِينَ ﴿٤٥﴾ عَلَىٰ مَن أَهْلَكْتَهُمْ وَقَوْمَ نُوحٍ بِالشَّجَرِ عَطَفَ عَلَى ثَمُودَ أَيْ وَفِي إِهْلَاكِهِمْ بِمَاءِ  
 السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ آيَةً وَبِالنَّصَبِ أَيْ وَأَهْلَكْنَا قَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ أَيْ قَبْلَ إِهْلَاكِ هَؤُلَاءِ الْمَذْكُورِينَ إِنَّهُمْ كَانُوا

﴿۳۶﴾ قَوْمًا فَسِقِينَ ۝ وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَا بِقُوَّةٍ وَأَنَا الْوَسْعُوعُونَ ﴿۳۷﴾ لَهَا قُدْرُونَ يُقَالُ إِذَا الرَّحُلُ يَنْزِلُ قُوًى وَأَوْسَعَ الرَّحُلُ صَارَ ذَا سَعَةٍ وَقُدْرَةٍ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا مَهْدَنَاهَا فَنِعْمَ الْمُهَيَّيُونَ ﴿۳۸﴾ نَحْنُ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ مُتَعَلِّقٌ بِقُوَّةٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ صَنِيفٍ كَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى وَالسَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالشَّهْرَ وَالْحَبْلَ وَالصُّفْبَ وَالشِّتَاءَ وَالْحُلُولَ وَالْحَامِضَ وَالنُّورَ وَالظُّلْمَةَ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۳۹﴾ بِحَذَبٍ أَحَدَى الثَّانِيَيْنِ مِنَ الْأَصْلِ فَتَعْلَمُونَ أَنَّ خَالِقَ الْأَزْوَاجِ فَرَدٌ فَتَعْبُدُونَهُ فَهَرُّوْا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَأَمْلِكُ مِنْ عِقَابِهِ إِنِّي تُطِيعُوهُ وَلَا تَعْصُوهُ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۴۰﴾ بَيْنَ الْإِنذَارِ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۴۱﴾ يُقَدَّرُ قَدْ فُتِرُوا قَدْ لَهْمُ كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا قَالُوا هُوَ سَاحِرٌ أَوْ مُجْنُونٌ ﴿۴۲﴾ إِنِّي مِثْلَ تَكْذِيبِهِمْ لَكَ بِقَوْلِهِمْ إِنَّكَ سَاحِرٌ أَوْ مُجْنُونٌ تَكْذِيبُ الْأَمَمِ قَلْبُهُمْ رُسُلُهُمْ بِقَوْلِهِمْ ذَلِكَ اتَّوَصُّوا كُنْتُمْ بِهِ ۝ اسْتَفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَآغُوتٌ ﴿۴۳﴾ جَمَعْتُهُمْ عَلَى هَذَا الْقَوْلِ طُعْيَانُهُمْ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٌ ﴿۴۴﴾ لِأَنَّكَ بَلَّغْتَهُمُ الرِّسَالَةَ وَذَكَرْتَ عِطَ بِالْقُرْآنِ فَإِنَّ الذِّكْرَ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۵﴾ مَنْ عَلِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ يُؤْمِرُ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۴۶﴾ وَلَا يُسَافِي ذَلِكَ عِلْمُ عِبَادَةِ الْكَافِرِينَ لِأَنَّ الْعَابَةَ لَا يَلْزَمُ وَجُودَهَا كَمَا فِي قَوْلِكَ بَرِئْتُ هَذَا الْقَوْمِ لَا تَكُتُّ بِهِ فَإِنَّكَ قَدْ لَا تَكُتُّ بِهِ مَا أَرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ لِي وَلَا أَنْفُسِهِمْ وَغَيْرِهِمْ وَمَا أَرِيدُ أَنْ يُطْعَمُونَ ﴿۴۷﴾ وَلَا أَنْفُسَهُمْ وَلَا غَيْرَهُمْ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ﴿۴۸﴾ الشَّدِيدُ فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ بِالْكَفْرِ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ ذُنُوبًا نَصِيًّا مِنَ الْعَذَابِ مِثْلَ ذُنُوبِ نَصِيبِ أَصْحَابِهِمُ الْهَالِكِينَ قَلْبُهُمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۴۹﴾ بِالْعَذَابِ إِنْ أَخَّرْتَهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ قَوْلٌ شَدِيدٌ عَذَابٍ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ فِي يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۵۰﴾ أَيُّ يَوْمِ الْقِيَمَةِ۔

ترجمہ۔ ابراہیمؑ کہنے لگے (اچھا تو تمہیں کیا بڑی مہم (کارگذاری) درپیش ہے۔ اے فرشتو! فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم ایک مجرم قوم (لوٹ کے کافروں) کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر کھنکر کے (آگ میں پکے ہوئے) پتھر برسائیں جن پر خاص نشان لگے ہوتے ہیں (ان کے نام لکھے ہوئے ہیں جن پر پتھر مارے جائیں گے) آپ کے پروردگار کی طرف سے (عند ربک مسومۃ کا ظرف ہے) حد سے گزرنے والوں کے لئے (جو لوگوں سے کفر کے ساتھ شہوت رانی بھی کرتے ہیں) سو ہم نے وہاں (قوم لوط کی بستیوں) سے ایمانداروں کو الگ کر لیا (کافروں کو تباہ کرنے کے لئے) سو ہم نے وہاں کوئی گھر نہیں پایا۔ بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے (وہ گھر انہ حضرت لوط اور ان کی صاحبزادیوں کا تھا ان کے لئے ایمان و اسلام ثابت کیا گیا ہے یعنی وہ دل سے بھی ماننے والے تھے اور ظاہر بھی اطاعت گزار تھے) اور ہم نے اس واقعہ میں (کافروں کی تباہی کے بعد) عبرت (ان کی تباہی کی علامت) رہنے دی ایسے لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں

(تاکہ وہ ان جیسی حرکتیں نہ کرنے لگیں) اور موسیٰ کے قصہ میں بھی عبرت ہے (فیہا کا عطف فی موسیٰ پر ہے یعنی وجعلنا فی قصۃ موسیٰ ایۃ) جبکہ ہم نے ان کو فرعون کے پاس ایک کھلی دلیل (روشن حجت) دے کر بھیجا سو اس نے (ایمان سے روگردانی کی مع اپنے ارکان سلطنت کے) (جو رکن سلطنت ہوتے ہیں) کہنے لگا (موسیٰ کی نسبت) کہ یہ جادوگر یاد یوانے ہیں۔ سو ہم نے اس کو اور اس کے لاؤ لشکر کو پکڑ کر پھینک دیا (ڈال دیا) دریا میں (جس میں وہ ڈوب گئے) اور اس (فرعون) نے کام ہی ملامت کا کیا تھا پیغمبروں کو جھٹلا کر، خدائی کا دعویٰ کر کے قتل ملامت کام کئے) اور عاد (کی تباہی) میں بھی عبرت ہے جبکہ ہم نے ان پر نامبارک آندھی بھیجی (جس میں کوئی بہترائی نہیں تھی نہ اس سے بارش ہوتی اور نہ درخت اگتے جسے پچھوا ہوا کہا جاتا ہے) جس چیز پر وہ گزرتی تھی (جان ہو یا مال) اس کو ایسا کر کے چھوڑ دیتی تھی کہ جیسے کوئی چیز گل گل کر ریزہ ریزہ (چور چورا) ہو جاتی ہے اور ثمود (کی تباہی) میں بھی عبرت تھی جب کہ (اونٹنی کی کوچیں کٹ جانے کے بعد) ان سے کہا گیا اور تمھوڑے دن چین کر لو (موت آنے تک جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ فتمتوا فی دارکم ثلاثۃ ایام) سو ان لوگوں نے اپنے رب کے حکم (ماننے) سے سرکشی کی۔ سو ان کو عذاب (تین دن گزرنے کے بعد ایک تباہ کن چیخ) نے آیا اور وہ (دن) میں دیکھ رہے تھے پھر نہ تو کھڑے ہی ہو سکے (عذاب اترنے پر اٹھ نہ سکے) اور نہ بدلہ لے سکے (جس نے انہیں ہلاک کیا تھا) اور قوم نوح کا بھی یہی حال ہو چکا تھا (لفظ قوم جر کے ساتھ ثمود پر معطوف ہے یعنی اوپر نیچے کے طوفان کی تباہی سے نشانی تھی اور یہ لفظ نصب کے ساتھ بھی ہے یعنی و اہلکنا قوم نوح) ان (مذکورہ قوموں کی تباہی) سے پہلے یقیناً یہ بڑے نافرمان لوگ تھے اور ہم نے آسمان کو قوت (طاقت) سے بنایا اور ہم وسیع قدرت والے ہیں (بولتے ہیں ادا الرجل ینید یعنی قوت والا ہوا۔ اوسع الرجل کے معنی ذی وسعت اور صاحب قدرت ہونے کے ہیں) اور ہم نے زمین کو فرش بنایا (بچھایا) سو ہم اچھے بچھانے والے ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز کو (من کل شئی، خلقنا سے متعلق ہے) دو قسم کا بنایا (جوڑے جیسے نو مادہ آسمان، زمین، سورج، چاند، نرم جگہ، پہاڑ، گرمی سردی، ٹٹھا کھٹا، روشنی اندھیرا) تاکہ تم سمجھو (تذکرون) کی دو تائیں ہے ایک نامحذوف ہو گئی۔ معنی یہ ہیں کہ تم جان جاؤ کہ جوڑوں کا پیدا کرنے والا یکتا ہے اس لئے اس کی عبادت کرو سو تم اللہ کی طرف دوڑو (اس کے عذاب سے بچ کر اس کے ثواب کی طرف آؤ۔ اس کی فرمانبرداری کرو، نافرمانی نہ کرو) میں تمہیں اللہ کی طرف سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود قرار مت دو میں تمہیں اللہ کی طرف سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں (ففسروا سے پہلے لہم مقدر ہے) اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا نہیں آیا جس کو انہوں نے جادوگر یاد یوانہ نہ کہا ہو (جیسا کہ آپ کو یہ کہہ کر جھٹلا رہے ہیں کہ آپ جادوگر یاد یوانہ ہیں ایسے ہی پہلے لوگوں نے بھی اپنے پیغمبروں کو یہی کہا تھا) کیا ایک دوسرے کو (سب کے سب) وصیت کرتے چلے آئے ہیں اس بات کی (ہمزہ استفہام نفی کے معنی میں ہے) بلکہ یہ تمام کے تمام لوگ سرکش ہیں (اس بات پر سرکشی نے ان کو ابھارا ہے) سو آپ ان کی پرواہ (نوجہ) نہ کیجئے۔ کیونکہ آپ پر کسی طرح الزام نہیں (آپ نے تبلیغ رسالت کر دی) اور سمجھاتے رہے (قرآن کے ذریعہ فہمائش کیجئے) کیونکہ سمجھانا اہل ایمان کا (جن کا مومن ہونا علم الہی میں طے ہوتا ہے) نفع بخش دے گا۔ اور میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں (کافروں کو اللہ کی عبادت نہ کرنا اس کے منافی نہیں کیونکہ کسی چیز کا غرض و غایت کا پورا ہونا ضروری نہیں ہوا کرتا مثلاً کہا جائے بریت هذا القلم لا کتب بہ حالانکہ بعض اوقات قلم سے کتابت نہیں ہوا کرتی) میں ان سے رزق نہیں مانگتا (خود اپنے لئے نہ دوسروں کے لئے) اور نہ ان سے یہ فرمائش کرتا ہوں کہ مجھ کو کھلایا کریں (اور نہ اوروں کو کھلانے کی فرمائش ہوتی ہے) اللہ خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا ہے طاقتور انتہائی مضبوط ہے سو ان ظالموں کی (مکہ والوں اور دوسروں کی جنہوں نے کفر کر کے ظلم کیا ہے) باری ہے (عذاب کا حصہ) جیسا کہ ان جیسے (پہلے ہلاک ہونے والوں) پاپیوں کی باری تھی، سو مجھ سے جلدی طلب نہ کریں جبکہ میں نے آخرت پر اٹھا رکھا ہے (غرض بڑی خرابی (عذاب کی سختی) ہوگی ان کافروں کے لئے اس دن کے آنے سے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (قیامت مراد ہے)۔

**تحقیق و ترکیب۔** خطبکم۔ خطیب کے معنی عظیم کام کے ہیں۔ حضرت ابراہیم کو خیال ہوا کہ محض اتنی سی خوشخبری کے لئے فرشتوں کا آنا نہیں ہوا بلکہ کسی بڑے کام کے سرانجام دینے کے لئے آمد ہوگی۔ اس لئے دریافت کیا۔

لرسل علیہم حجارة۔ بعض نے اس سے لواطت کی سزا سنگ باری تجویز کی ہے۔ قوم لوط چھ لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ حضرت جبریل نے ساری بستی کو اٹھا کر الٹ دیا اور پھر اوپر سے پتھراؤ کر ڈالا یا صرف باہر رہنے والوں پر پتھراؤ کیا۔ یہ پتھر کے ٹکڑے ہوں گے یا آگ میں پئے ہوئے غصے تھے، برف کے ٹکڑے اور اولے مراد نہیں ہیں۔ اگرچہ حجارة کا لفظ ان پر بولا جاتا ہے لیکن من طین کی قید سے وہ خارج ہو گئے مسومہ۔ اس میں تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ حجارة کی صفت ہونے کی وجہ سے نصب ہو، یا ضمیر مجرور سے حال ہو۔ تیسرے یہ کہ من حجارة سے حال ہو۔ اور للمصرفین، مسومہ کے متعلق ہے۔

غیر بیت۔ بعض نے حضرت لوط کے ساتھ تیرہ افراد کو بھی ان کے اہل بیت میں شمار کیا ہے۔

علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں اسی آیت سے استدلال کیا کہ ایمان اور اسلام ایک ہے۔ صاحب کشاف اور صاحب مدارک کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن بقول قاضی بیضاوی مومن و مسلم کے اتحاد سے ایمان اور اسلام کا اتحاد کیسے ثابت ہو۔ کیونکہ دونوں میں فرق کرنے والے دونوں میں تباین نہیں مانتے کہ ان کے خلاف یہ استدلال مفید ہو۔ بلکہ وہ دونوں میں عموم خصوص مانتے ہیں جس میں اجتماعی مادہ ہوتا ہے چنانچہ ایمان تصدیق قلبی اور اقرار کا نام ہے۔ اور اسلام تو حید و رسالت کے ساتھ فرائض کی ادائیگی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں جمع بھی ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر بھی جیسا کہ آیت قالت الاعراب انما قل لم تومنوا ولكن قولوا اسلمنا سے دونوں میں فرق معلوم ہو رہا ہے۔ اسی طرح حدیث احسان سے بھی فرق معلوم ہوتا ہے۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایمان و اسلام کا لغوی مفہوم الگ الگ ہے۔ لیکن شرعاً مومن و مسلم دونوں متحد ہیں۔ ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائے جاسکتے۔ تفصیلی بحث کتب حدیث میں موجود ہے۔

وفی موسیٰ۔ اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک صورت تو وہی ہے جو مفسر نے بیان فرمائی ہے کہ فیہا پر عطف کیا جائے اعادہ جار کے ساتھ کیونکہ معطوف علیہ ضمیر مجرور ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی تو تر کنا فی قصۃ موسیٰ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا تعلق بعدنا مقدر سے ہو۔ جو لفظ تر کنا سے مفہوم ہو رہا ہے اس طرح یہ عطف علفتها تبنا و ماء باردا جیسا ہو جائے گا۔

اذا رسلنا۔ اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ آیت کی وجہ سے منصوب ہو۔ اسی تو کنا فی قصۃ موسیٰ علامۃ فی وقت ارسالنا ایہ۔ دوسرے یہ کہ محذوف سے اس کا تعلق کیا جائے۔ اسی ایۃ کائنۃ فی وقت ارسالنا۔ تیسرے یہ کہ ارسالنا کی وجہ سے منصوب ہو۔

برکنہ۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے با بمعنی مع ہے اور رکن کہتے ہیں انسان جس کی طرف جھکے مراد الشکر ہے۔

ساحرا و معجون۔ او ایہام کے لئے ہے یا شک کے لئے اور واؤ کے معنی میں لینا بہتر ہے۔

فاخذناہ و جودہ۔ ظاہر یہ ہے کہ اخذنا میں کے مفعول پر اس کا عطف ہو اور مفعول مع بھی ہو سکتا ہے و هو ملیم جملہ حالیہ ہے اگر بسندناہم کے مفعول سے حال ہو تو واؤ لازم ہوگا۔ کیونکہ اس میں ضمیر ذوالحال نہیں ہے البتہ اگر اخذناہ کے مفعول سے حال ہو تو ذوالحال کے لئے ضمیر ہونے کی وجہ سے واؤ کالانا ضروری نہیں رہتا۔ ملیم یہاں باب افعال بمعنی ثلاثی ہے جیسے غریب کے معنی عجیب و غریب کام کرنے کے ہیں۔ مفسر نے من تکذیب الرسل سے ایک شبہ کا دفعیہ ذکر کیا ہے۔ اشکال یہ ہے کہ فرعون جیسا دعویٰ حضرت منصور حلاج نے بھی کیا۔ پھر فرعون کی طرح ان کو ملیم کیوں نہیں کہا جاتا؟ جواب یہ ہے کہ قول کا مطلب قائل کے اعتبار سے لیا جاتا ہے اچھے آدمی کی بات اچھی اور برے آدمی کی بات بری ہوا کرتی ہے۔



الريح العقيم۔ بانبجھ عورت کے ساتھ ہوا کو تشبیہ دی گئی۔ اس میں اختلاف ہے کہ کون سی ہوا مراد ہے۔ بعض نے دبور یعنی جنوبی ہوا کو مصداق کہا ہے اور بعض نے نکباد یعنی رو ہواؤں کے بیچ کی ہوا مراد لی ہے اور بعض نے چوٹرنی ہوا مراد لی ہے۔ لیکن حدیث نصرت بالصبا و اہلکت عاد بالدبور کی وجہ سے پہلے معنی اصح ہیں۔

ففتوا۔ اس میں ”ف“ محض ترتیب ذکر کے لئے ہے ورنہ فتمتوا فرمانا پہلے ہے اور فتود سرکش بعد میں۔  
الصاعقة۔ بجلی اور چٹخ کے معنی ہیں۔

وہم ينظرون۔ مفسر نے نظر سے ماخوذ مانا ہے اور انتظار سے بھی ہو سکتا ہے۔

مختصرین۔ مناسب یہ تھا کہ کانوا دافعين من انفسهم العذاب سے تفسیر کی جاتی۔ کیونکہ اللہ کے برخلاف انتصار ممکن نہیں البتہ فرار کا وہم ہو سکتا تھا اس کو دفع کرنا مقصود ہے۔

وقوم نوح۔ اخوان۔ ابو عمرو قوم کو مجرور اور باقی قراء منصوب پڑتے ہیں۔ اور ابوساک، ابن مقسم، ابو عمرو، اور اسمعی کی ایک روایت کے مطابق مرفوع ہے جر کی چار تو جہات ہو سکتی ہیں۔

ایک یہ کہ وفی ثمود پر عطف کیا جائے اور قریب ہونے کی وجہ سے یہ سب سے بہتر ہے۔

دوسرے وفی عاد پر عطف کیا جائے۔

تیسرے وفی موسیٰ پر عطف کیا جائے۔

اور چوتھے وفی الارض پر عطف ہو۔

یہ سب صورتیں غیر اولیٰ ہیں اس لئے زخشریٰ نے ان کو ذکر بھی نہیں کیا۔ اور ابوالبقاء نے بھی پہلی صورت کے علاوہ دوسری صورتیں ذکر نہیں کیں۔ نصب والی صورت میں چھ احتمال ہیں۔

۱۔ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہو ای و اہلکنا قوم نوح۔

۲۔ اذکر مقدر کی وجہ سے منصوب ہو۔ زخشریٰ نے ان کے علاوہ صورتوں کو ذکر نہیں کیا۔

۳۔ اخذنا کے مفعول پر عطف کرتے ہوئے منصوب ہو۔

۴۔ فنبدناہم کے مفعول پر عطف کیا جائے کیونکہ قوم نوح ان سے پہلے تباہ ہو چکی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ دریا میں غرق نہیں ہوئی تھی۔ تاہم پانی کے طوفان میں غرق ہوئی تھی۔

۵۔ فاحذتہم الصاعقة کے مفعول پر عطف ہو۔ اگرچہ قوم نوح صاعقہ سے ہلاک نہیں ہوئی تھی تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ صاعقہ آسمانی حادثہ مراد ہے۔

۶۔ وفی موسیٰ کے محل پر عطف کیا جائے ابوالبقاء اس کو ضعیف کہتے ہیں رفع کی صورت میں مبتداء کہا جائے اور خبر مقدر ہو ای و اہلکنا ہم اور ابوالبقاء کانوا الخ کو خبر مان رہے ہیں۔

باید۔ محذوف کے متعلق مان کر بینا کے فاعل یا مفعول سے حال ہوگا نیز با کو سیہ کہا جاسکتا ہے اور باتعدیہ کے لئے بھی ہو سکتی ہے گویا ہاتھ سے بنانا مراد ہے جیسے کہا جائے۔ بنیت بیتک بالاجر۔

انا لموسعون۔ مفسر نے اس کے حال موکدہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے مفعول محذوف ہوگا۔ ای لموسعون السماء بمعنی جا علوها واسعة۔ یہ لفظ تعدی آتا ہے مگر مفسر لازم لے رہے ہیں۔

شعبہ الماہدون۔ مخصوص بالمدح محذوف ہے یعنی سخن۔

دوسرے۔ یعنی جو چیزیں مشابہ ہیں ان میں ہر ایک کا جوڑا ہے اس لئے عرش، نرسی، لوح و قلم پر اشکال نہیں ہونا چاہیے کہ ان کا جوڑا نہیں ہے کیونکہ یہ مشابہ نہیں ہیں۔

فہرو الی اللہ۔ پچھلے بیان تو حید پر مرتب ہے اس سے پہلے قل مقدر مانا جائے گا فرار کے کئی درجے ہیں۔

۱۔ فرار عام، کفر سے اسلام کی طرف، گناہوں سے طاعت کی طرف۔

۲۔ فرار خاص، ماسوی اللہ سے اللہ کی طرف ہمدن متوجہ ہو جانا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ کا ہو رہنا۔ مفسر نے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کذلک۔ منسب نے مثل تکذیبہم نکال کر کذلک کے منصوب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ معافی الذین ناصب ہے بشرطیکہ مافیہ کا عمل قابل میں ہو سکتا ہے ورنہ مبتدائے محذوف خبر ہوگی۔ اسی الامر کذلک یعنی پچھلے لوگوں کی طرح آپ کی قوم نے بھی آپ کی تکذیب کی ہے۔ اور ماسوی الذین اس صورت میں تفسیر ہو جائے گا اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح مانی ہے۔ الامر۔ ماسا خبر تک من تکذیب الامم وسلمہم۔

اتوا صوابہ۔ یہ ضمیر مرجع کا قول مذکور ہے، ہمزہ تعجب اور انکار کے لئے ہے یعنی ان سب کی باہمی وصیت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ سب ایک وقت میں نہیں تھے۔

تسفع المومنین۔ باقوۃ مومن مراد ہیں اور جو بالفعل مومن ہیں وہ تو متذکر کہلائیں گے اور بعض نے حقیقی مومن مراد لئے ہیں اور نفع سے مراد زیادتی اور کمال ایمان کی ہے۔

لیعبدون۔ یہ لام عاقبت ہے لام علت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کے افعال علت و غرض سے پاک تھے۔

ذنوبا۔ بھرا ہوا بڑا ڈول مراد ہے یہ ماحوذ ہے مقاسمۃ السقاۃ الماء سے۔

رابط آیات۔ گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم کا واقعہ بطور تمہید بیان ہوا۔ اس کے بعد آیت فاما خطبکم سے قوم لوط کے واقعہ کی تمہید اور پھر بعد میں واقعہ کی تفصیل ہے اور یا کہا جائے، دونوں واقعے الگ الگ مقصود ہیں۔ ایک میں موافقین کی ستائش اور دوسرے میں مخالفین کی مذمت ہے اسی کی تائید میں فرعون عاد و ثمود اور نوح کے واقعات کا تذکرہ ہے۔ پھر آیت والسماء بینہا الخ سے توحید اور رسالت کی تحقیق ہے اور رسالت کے ذیل میں مضمون تسلی ارشاد ہے۔ پھر آخر میں ایک جامع عنوان سے عبارت کا مطلوب ہونا مذکور ہے جو ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہے۔

﴿تشریح﴾: حضرت ابراہیم نے قرآن سے اندازہ کر کے فرشتوں سے غیر معمولی اہتمام کے ساتھ آمد کی وجہ پوچھی ہوگی

فرشتوں کا یہ جواب سورۃ ہود میں حضرت سارہ کی گفتگو سے پہلے آیا اور یہاں گفتگو کے بعد معلوم ہوتا ہے سو ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ کہنا حضرت سارہ کی گفتگو سے پہلے واقع ہوا ہے اور یہاں چونکہ کوئی حروف ترتیب نہیں ہے اس لئے ذکر کرتی ترتیب کو ترتیب وقوعی کی دلیل نہیں کہا جائے گا۔ اب دونوں میں کوئی تعارض نہیں رہا۔ بطور توسع اگرچہ اولوں کو بھی حجارہ کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن من طین کی قید لگانے سے معلوم ہوا کہ کھنکر کے پتھر برسائے گئے تھے جن پر نشان کر دیئے گئے تھے کہ یہ پتھر انہی لوگوں کو لگیں گے جو دین و فطرت سے خارج ہو چکے تھے۔

مجرمین کا انجام:۔ یہ اس قوم کی کتنی بد نصیبی تھی کہ پوری ہستی میں حضرت لوط کے گھرانہ کے علاوہ کوئی مسلم گھرانہ نہیں تھا۔ اسی کو

عذاب سے صاف بچا لیا گیا۔ وجدان کے انکار سے کنایہ ہے انکار علم پر، کیونکہ وجدان سے مراد علم الہی ہے جو وجود کو لازم ہے اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی کی دلیل ہے۔

وترکنا فیہا آیۃ یعنی ڈرنے والوں کی عبرت کے لئے ان کی غیر معمولی تباہی کے نشان اب تک موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ کو سلطان مبین دینے کا مطلب معجزات و براین ہیں۔ مگر فرعون نے اپنے زور قوت کے گھمنڈ میں آ کر حق سے منہ موڑ لیا اور اپنے ساتھ سب کو لے ڈوبا۔ اسی لئے وہو حلیم فرمایا کہ اس کی بربادی کا الزام ہم پر نہیں ہے خود اسی پر ہے کہ سمجھانے پر بھی باز نہ آیا اور آخر کار جو بویا تھا وہی کاٹا۔ قوم عاد پر بھی عذاب کی آندھی آئی۔ جس نے مجرموں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور جس پر گزری اس کا تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ حضرت صالح نے جب اپنی قوم ثمود سے فرمایا کہ اچھا کچھ دن اور مزے اڑاؤ۔ آخر عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔ یہ وہ تمنع نہیں ہے جو دوسری آیت میں ثلثۃ ایام کے ساتھ مقید ہے۔ کیونکہ اس کے بعد طعنوا پر قیاد داخل ہے۔ حالانکہ ان کی سرکشی اس تمنع سے یقیناً پہلے تھی۔ یہاں تو یہ مقصود ہے کہ تم کفر سے باز نہیں آؤ گے۔ اس لئے ضرور تباہ ہو گے چند روز مزے اڑاؤ مگر اس تنبیہ کے باوجود ان کی شرارت روز بروز بڑھتی رہی۔ آخر عذاب نے آپکڑا۔ آید کرک ہوئی او۔ دیکھتے ہی دیکھتے سب ٹھنڈے ہو گئے۔ وہ سب زور و طنطنے خاک میں مل گئے۔ کسی ایک سے اتنا بھی نہ ہوا کہ پچھاڑ کھانے کے بعد ذرا اٹھ کھڑا ہوتا بھلا بدلہ لینے کا تو سوال ہی نہیں تھا اپنی مدد پر کسے بلاتے؟ ان اقوام سے پہلے قوم نوح بھی اپنی سرکشی کی بدولت تباہی سے دوچار ہو چکی تھی۔

اللہ کی کمال صناعتی والسماء بنینہا۔ آسمان وزمین جیسی وسیع و عریض چیزیں سب اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں اسی کے قبضہ میں ہیں۔ خالق کائنات کی عجیب و غریب کاریگری میں انسان غور کرے تو اسی کا ہور ہے۔ زمین سے تقابل و متضاد چیزیں ہیں۔ مثلاً رات دن، زمین و آسمان، اندھیرا اجالا، سیاہی سفیدی، بیماری صحت، ایمان و کفر، طاعت و معصیت وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی ذاتی یا عرضی ایسی صفت معتبر ہوتی ہے جس کے مقابل دوسری چیز میں اس کی ضد پائی جاتی ہے۔ اور بقول ابن زید، نرو مادہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ آج جدید حکماء اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ہر نوع میں نرو مادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے۔

فسروا الی اللہ۔ یعنی ساری کائنات جب اللہ کے زیر تسلط ہے تو بندہ کو چاہیے کہ ہر طرف سے ہٹ کر اسی کا ہور ہے ورنہ اگر بندہ کسی طرف رجوع نہ ہو یا اللہ کے علاوہ کی طرف رجوع ہو تو دونوں صورتوں میں خطرہ ہے تو بد انجامی سے صاف صاف ڈرائے دیتا ہوں۔ کذلک ما اتی الذین۔ یعنی ایسی صاف اور واضح تنبیہ پر بھی اگر مخالفین کان نہ دھریں تو آپ غم نہ کیجئے ان سے پہلے بھی پیغمبروں کو جادو گرد یوانہ کہہ کر ان کا مذاق اڑایا گیا۔ ہر زمانہ کے کافر اس بارہ میں ایسے متفق اللفظ رہے ہیں۔ کہ گویا ایک دوسرے کو وصیت کر کے مرے ہوں کہ جو رسول آئے اسے جادو گرد یوانہ بنا کر رہنا اور وصیت تو خیر کہاں کرتے۔ البتہ شرارت میں سب حصہ دار ہیں۔ اسی شرکت سے پچھلوں نے وہ الفاظ کہے ہیں جو اگلوں نے کہے تھے۔

دو شبہ اور ان کا جواب:..... اس پر دو شبہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ بعض انبیاء ایسے بھی گزرے ہیں جن کی کسی نے بھی تکذیب نہیں کی۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام یا وہ محض شریعت کی تائید کیلئے آئے تھے ان کا تعلق صرف مومنین سے رہا ہے تکذیب کرنے والوں سے ان کا واسطہ ہی نہیں پڑا۔ جیسے یوشع علیہ السلام پھر تکذیب کی نسبت کلیہ کیسے کر دی گئی ہے۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ جن پیغمبروں کی تکذیب کی گئی ہے۔ کچھ لوگوں نے ان کی تصدیق بھی کی ہے پھر کلیہ تکذیب کی نسبت کیسے کر دی گئی؟

پہلے شبہ کا جواب تو یہ ہے کہ الذین سے مراد صرف کافر ہیں اور دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ قادیان میں کل یا بعض روز مراد ہیں۔ حدیث بخاری ص ۱۱۱ میں ہے کہ بعض انبیاء ایسے بھی ہوئے ہیں کہ ان کے ساتھ ایک بھی ماننے والا بھی نہیں ہوا۔ سب تکذیب کرنے والے ہی رہے۔

فتول عنہم۔ یعنی آپ اپنا فرض تبلیغ بجالا چکے ہیں۔ اب زیادہ پیچھے پڑنے اور غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمجھنا آپ کا کام تھا وہ آپ کر چکے اور آئندہ بھی کرتے رہیں۔ جس کی قسمت میں سنورنا ہوگا وہ سنورنا رہے گا رہ گئے منکرین ان پر اللہ کی حجت تمام ہو چکی ہے۔ زبردستی ان سے کام کرادینا آپ کا کام نہیں ہے۔

انس و جن کی پیدائش عبادت کیلئے ہے۔۔۔ ماخلقت الجن۔ توحید و رسالت و بعث کے اعتقادات اور اعمال اصبیہ و فرعیہ سب عبادات ہیں۔ ان میں فرائض کی تاکید تو ظاہر ہے۔ لیکن نوافل کی تاکید بھی بلحاظ اعتقاد ہے۔ یعنی ان کی مشروعیت کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے غرضیکہ جن و انس کی پیدائش سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لئے خلق اور فطرۃ ان میں ایسی صلاحیت و استعداد رکھی ہے کہ چاہیں تو اپنے اختیار سے بندگی کی راہ پر چل سکیں۔

یوں تو ہر چیز تکوینی طور پر اللہ کے ارادہ تکوین کے آگے عاجز اور بے بس ہے لیکن ایک وقت آئے گا جب سب بندے اپنے ارادہ اور اختیار سے تخلیق عالم کی شرعی فرض کو پورا کریں گے۔ تاہم آپ سمجھاتے رہیں۔ اسی سے وہ غرض پوری ہوگی اور دوسرے منافع اور فوائد کا اس تخلیق پر مرتب ہونا اس غرض کے منافی نہیں ہے۔ نیز کچھ انسانوں اور جنات سے عبادت کا نہ ہونا بھی اس مضمون کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہاں ارادہ شرعی بیان کیا گیا ہے نہ کہ امر تکوینی اور جن و انس کی خصوصیت اس لئے ہے کہ عبادت کہتے ہیں۔ اختیار و ابتلاء کے ساتھ بندگی کرنے کو اور فرشتوں میں ابتلاء نہیں اور دوسری مخلوقات میں اختیار نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ مطلوب شرعی بندگی ہے جو انہی دو کے ساتھ خاص ہے۔ باقی اس بندگی سے اللہ کا کچھ فائدہ نہیں جو کچھ نفع ہے وہ خود بندگی کرنے والوں کا ہے۔

فرماتے ہیں میں وہ مالک نہیں جو غلاموں سے کہے میرے لئے کما کر لاؤ یا میرے آگے کھانا لا کر رکھو۔ میری ذات ان تخیلات سے بالا اور برتر ہے۔ میں ان سے روزی کیا طلب کرتا خود ان کو اپنے کے پاس سے روزی پہنچاتا ہوں۔ اللہ کو تمہاری خدمات کی کیا ضرورت۔ بندگی کا حکم تو مورد الطاف و عنایات بننے کے لئے تمہیں دیا گیا ہے۔

عبادت سے اللہ کی غرض وابستہ نہیں۔۔۔۔۔ اللہ میں تو عجز و احتیاج کا احتمال عقلی بھی نہیں۔ چہ جائیکہ اپنے کھانے کی فرمائش کا امکان۔ خلاصہ یہ کہ بندگی سے ہماری کوئی غرض وابستہ نہیں۔ نہ براہ راست جیسے اپنے کھانے کی فرمائش اور نہ بالواسطہ جیسے اور مخلوق کو رزق دیے جانے کی خواہش۔ بلکہ صرف بندگی کرنے والوں کا نفع ہی پیش نظر ہے۔

ما اريد منهم من رزق پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اہل و عیال اور متعلقین کے نان و نفقہ اور روزی کو تو واجب کیا گیا ہے۔ پھر ما اريد کہنے کے کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ وہ انفاق ہے ترزق نہیں ہے۔ گویا جس کی نفی کی گئی اس کا اثبات نہیں ہے اور جس کا اثبات ہے اس کی نفی نہیں کی گئی۔ پھر اس انفاق کا فائدہ کچھ اللہ کو نہیں پہنچتا کہ کچھ اس طرح اس کو سہارا مل جاتا ہو کہ اس نے مخلوق کی روزی رسانی کا جو ذمہ لیا تھا اس انفاق سے اس کو کچھ مدد مل جاتی ہو اور ذمہ داری سے اس کو سبکدوشی مل جاتی ہو۔ بلکہ اس انفاق کا نفع اور اجر خود انفاق کرنے والوں کو پہنچتا ہے۔ اور

رزاق پھر بھی اللہ ہی رہتا ہے۔ کیونکہ حصول رزق میں کوشش کے باوجود اگر کامیابی نہ ہو۔ یا کامیابی ہو بھی جائے مگر دوسرے تک روزی پہنچانے پر قادر نہ ہو۔ یا روزی دوسرے کو پہنچا دے۔ مگر اس کے حلق سے نہ اُتار سکے یا گلے سے بھی اُتار دے مگر اس کو کاغذ نہ بنا سکے تو ان صورتوں میں انسان کیہ کر سکتا ہے۔ غرض بندہ حقیقتہً کسی طرح بھی رازق نہیں ہے۔

اور ما ارید کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم ان سے ایسی روزی کموانا نہیں چاہتے جو عبادت میں رکاوٹ ہو سورۃ طہ کی آیت میں لانسألك رزقا کا بھی یہی مفہوم ہوگا۔ اب اس پر کوئی شبہ ہی متوجہ نہیں ہوتا۔

فان للذین ظلموا۔ کچھلی آیت میں عبادت کی ترغیب تھی۔ اس آیت میں ترہیب کا پہلو ہے کہ اگر یہ لوگ اب بھی عبادت کی طرف مائل نہیں ہوتے تو دوسرے ظالموں کی طرح ان کا ذول بھی بھرچکا ہے بس اب ڈوبائی چاہتا ہے۔ خواہ مخواہ سزا میں جلدی نہ چمائیں دوسرے کافروں کی طرح ان کافروں کو بھی خدائی سزا کا جھہ پینچ کر رہے گا۔ خواہ قیامت میں یا اس سے پہلے سزا کا کوئی دن آجائے۔ جیسے غزوہ بدر میں ان کو خاصی سزا مل چکی ہے۔

اطاعوا لسلوک۔ ففروا الی اللہ فا کے ساتھ تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ توجہ الی اللہ خوب ذوق و شوق کے ساتھ ہونی چاہیے۔

وما خلقت الجن۔ مجاہدؒ سے اس کی تفسیر لیس عرفون منقول ہے کیونکہ عبادت بلا معرفت معتد بہا نہیں ہوتی اور نہ معرفت بلا عبادت لائق اعتناء ہے۔ اہل ظاہر نے تو صورت عبادت پر قناعت کر لی اور جاہل صوفیاء نے صرف معرفت کو لے لیا۔ یہ دونوں ناقص ہیں کمال جامعیت نہیں ہے۔

## سُورَةُ الطُّورِ

سُورَةُ الطُّورِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَارَبْعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

وَالطُّورِ ﴿٢﴾ أَيْ الْجَبَلِ الَّذِي كَلَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ مُوسَى وَكِتَابِ مَسْطُورٍ ﴿٣﴾ فِي رَقٍّ مَنَشُورٍ ﴿٤﴾ أَيْ التَّوْرَةِ  
أَوِ الْقُرْآنِ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ﴿٥﴾ هُوَ فِي السَّمَاءِ الثَّلَاثَةِ أَوِ السَّادِسَةِ أَوِ السَّابِعَةِ بِحَيَالِ الْكُعْبَةِ يَزُورُهُ فِي كُلِّ  
يَوْمٍ سَعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ بِالطَّوَافِ وَالصَّلَاةِ لَا يَعُودُونَ إِلَيْهِ أَبَدًا وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ﴿٦﴾ أَيْ السَّمَاءِ وَالْبَحْرِ  
الْمُسْجُورِ ﴿٧﴾ أَيْ الْمَمْلُوءِ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴿٨﴾ لَنَازِلٌ بِمُسْتَحِقِّهِ قَالَهُ مِنْ دَافِعٍ ﴿٩﴾ عَنْهُ يَوْمَ  
مَعْمُولٍ بِوَاقِعٍ تَمُورُ السَّمَاءِ مَوْرًا ﴿١٠﴾ تَتَحَرَّكُ وَتَدُورُ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سِيرًا ﴿١١﴾ تُصِيرُ هِبَاءً مَشُورًا أَوْ  
ذَلِكَ فِي يَوْمِ الْقِيَمَةِ قَوْلٌ شَدِيدُ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٢﴾ لِلرُّسُلِ الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ نَاطِلٍ  
يَلْعَبُونَ ﴿١٣﴾ أَيْ يَتَشَاغَلُونَ بِكُفْرِهِمْ يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَى نَارِ جَهَنَّمَ دَعَا ﴿١٤﴾ يُدْفَعُونَ بِعَنْبٍ بَدَلٍ مِنْ يَوْمٍ  
تَمُورُ وَيُقَالُ لَهُمْ تَبَكُّيتًا هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿١٥﴾ أَفَسِحَرُ هَذَا الْعَذَابِ الَّذِي تَرَوْنَ كَمَا  
كُنْتُمْ تَقُولُونَ فِي الْوَحْيِ سِحْرٌ أَمْ أَنْتُمْ لَا تَبْصُرُونَ ﴿١٦﴾ إِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا عَلَيْهَا أَوْ لَا تَصْبِرُوا  
صَبْرُكُمْ وَجَرُّكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ لَا نَنْصِرُكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾ أَيْ  
جَزَاءً إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّتٍ وَنَعِيمٍ ﴿١٨﴾ فَكَيْهِنَ مُتَلَذِّذِينَ بِمَا مَصْدَرِيَّةٌ إِلَهُهُمْ أَعْطَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَّاهُمْ  
رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٩﴾ عَطَفَ عَلَى آثَامِهِمْ أَيْ بِإِتْيَانِهِمْ وَوَقَاتِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ كُلُّوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا  
حَالٌ أَيْ مُهْنِينَ بِمَا الْبَاءُ سَبِيئَةٌ كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾ مُتَكِينِينَ حَالٌ مِنَ الضَّمِيرِ الْمُسْتَكِينِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى فِي  
جَنَّتٍ عَلَى سُرُرٍ مَصْفُوفَةٍ بَعْضُهَا إِلَى جَنْبِ بَعْضٍ وَزَوْجُهُمْ عَطَفَ عَلَى فِي جَنَّتٍ أَيْ قَرَنَاهُمْ بِخَوَرٍ

عَنِ عِظَامِ الْأَعْيُنِ جَسَانَهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُتَدَاءً وَاتَّبَعَتْهُمْ مَعْطُوفٌ عَلَى آمَنُوا ذُرِّيَّتُهُمُ الصِّغَارُ  
وَالْكِبَارُ بِإِيمَانٍ مِنَ الْكِبَارِ وَمِنَ الْآبَاءِ فِي الصِّغَارِ وَالْخَيْرُ الْحَقُّنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمُ الْمَذْكُورِينَ فِي الْجَنَّةِ  
فَيَكُونُونَ فِي ذُرِّيَّتِهِمْ وَإِنْ لَمْ يَعْمَلُوا بِعَمَلِهِمْ تَكْرِمَةً لِنَبِيٍّ نَاجِمًا عَنِ الْوَلَدِ الْبِهِمْ وَمَا التَّنْهَمُ فَتَحِ ادْم  
وَكَسْرَهَا، نَقْصَانَهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ زَانِدَةٍ شَيْءٍ يَزَادُ فِي عَمَلِ الْإِدْلَادِ كُلُّ أَمْرٍ يُبْمَا كَسَبَ عَمَلٍ  
مِنْ حَيْرٍ أَوْ سِرٍّ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ مَرْهُوْنٌ يُؤْخَذُ بِالشَّرِّ وَيُجَازَى بِالْخَيْرِ وَامْدَدْنَاهُمْ زِدْنَاهُمْ فِي وَقْتٍ بَعْدَ وَقْتٍ  
بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿۲۲﴾ وَإِنْ لَمْ يَصْرَحُوا بِطَلَبِهِ يَتَنَازَعُونَ يَتَعَاضُونَ بِبِهِمْ فِيهَا أَيِ الْجَنَّةِ كَأَسَا  
خَمْرًا لَا لَغْوٌ فِيهَا بِسَبَبِ شُرْبِهَا يَقَعُ بَيْنَهُمْ وَلَا تَأْتِيَهُمْ ﴿۲۳﴾ بِهِ يُلْحَقُهُمْ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا وَيَطُوفُ  
عَلَيْهِمْ بِالْخِدْمَةِ غِلْمَانٌ أَرْقَاءَ لَهُمْ كَانَتْهُمْ حُسْنًا وَنَظَافَةً لَوْ لَوْ مَكُونُونَ ﴿۲۴﴾ مَضْنُونٌ فِي السُّدُوفِ لِأَنَّهُ  
فِيهَا أَحْسَنُ مِنْهُ فِي غَيْرِهَا وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۵﴾ يَسْأَلُ بَعْضُهُمْ عَمَّا كُنْتُ عَلَيْهِ وَمَا  
وَصَلُّوا إِلَيْهِ تَلَذُّذًا وَاعْتِرَافًا بِالنِّعْمَةِ قَالُوا أَيْمَاءُ إِلَى عِلَّةِ الْوُصُولِ إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي الدُّنْيَا مُشْفِقِينَ  
﴿۲۶﴾ حَائِفِينَ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْنَا بِالْمَغْفِرَةِ وَوَقْنَا عَذَابَ السَّوْمِ ﴿۲۷﴾ أَيِ النَّارِ لِدُخُولِهَا فِي  
الْمَسَامِ وَقَالُوا أَيْمَاءُ أَيْضًا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ فِي الدُّنْيَا نَدْعُوهُ أَيْ نَعْبُدُ مُوَحِّدِينَ إِنَّهُ يَنْكَسِرُ اسْتِيْنَا فَا وَإِنْ  
كَانَ تَعْلِيلًا مَعْنَى وَبِالْفَتْحِ تَعْلِيلًا لَفْظًا هُوَ الْبَرُّ الْمُحْسِنُ الصَّادِقُ فِي وَعْدِهِ الرَّحِيمُ ﴿۲۸﴾ الْعَظِيمُ الرَّحْمَةُ  
ترجمہ: سورۃ طور مکیہ ہے جس میں ۳۹ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قسم ہے طور کی (وہ پہاڑ جس پر حق تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوئے) اور کتاب (تورات یا قرآن) کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے  
اور بیت المعمور کی (جو تیسرے یا چھٹے یا ساتویں آسمان پر کعبۃ اللہ کی سیدھ میں ہے روزانہ جس کی ۷۰ ہزار فرشتے زیارت کرتے ہیں طواف اور  
نماز کی صورت میں پھر دوبارہ ان کا نمبر نہیں آتا) اور اونچی چھت (آسمان) کی اور دریائے شور کی جو پر (بھرا ہوا) ہے۔ بلاشبہ آپ کے رب کا  
عذاب (مستحق پر) ضرور آکر رہے گا۔ اس کو کوئی ٹال نہیں سکے گا جس روز (یوم ہوا) کا معمول ہے (آسمان تھر تھر کانپے گا) گھوم جائے گا (اور  
پہاڑ ہٹ جائیں گے) (ہوا ہو کر اڑ جائیں گے قیامت کے روز) بڑی کم بختی (بختی) ہوگی اس روز پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کی جو (فضول)  
مشغلہ میں بے ہودگی کے ساتھ لگ جائیں گے (کفر میں مصروف ہیں) جس روز کہ ان کو دوزخ کی آگ کی طرف دھکے دے کر لایا جائے گا  
(زبردستی دھکیلا جائے گا یہ یوم تمور سے بدل ہے ان کو دھمکا کر کہا جائے گا) کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے تو کیا یہ جارو ہے (وہ  
عذاب جسے تم دیکھ رہے ہو جیسا کہ وحی کے متعلق تم یہی کہا کرتے تھے کہ یہ جادو ہے) یا تم کو نظر نہیں آ رہا۔ اس میں داخل ہو جاؤ۔ پھر خواہ اس پر  
سہار کرنا یا نہ کرنا (صبر کا اظہار کرو یا گھبراہٹ کا) تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں (صبر کرنے سے اب کچھ فائدہ نہیں ہوگا) جیسا تم کیا کرتے  
تھے ویسا ہی بدلہ (صلہ) تم کو دیا جائے گا۔ بلاشبہ متقی باغوں اور عیش کے سامان میں ہوں گے خوش دل (لذت اندوز) ہوں گے جو چیزیں (ما  
ما مصدر یہ ہے) ان کو ان کے پروردگار نے دی (عطا کی) ہوں گی اور ان کا پروردگار ان کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا (وقا ہم کا عطف  
اتاہم پر ہے یعنی اس عطا اور نجات کی وجہ سے سرور ہوں گے ان سے کہہ دیا جائے گا کہ خب کھاؤ پیو مزہ کے ساتھ (ہنیا حال ہے بمعنی



متہین) اپنے اعمال کے بدلہ میں (باسیہ ہے) تکیہ لگائے ہوئے (فی جنت میں جو ضمیر مستتر ہے اس سے حال ہے) تختوں پر جو ایک دوسرے کے برابر (پاس پاس) بچھے ہوئے ہوں گے اور ہم ان کا بیاہ کر دیں گے (جنت پر عطف ہے یعنی ان کی جوڑی بنادیں گے) گوری گوری، بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے (جن کی آنکھیں بڑی حسین ہوں گی) اور جو لوگ ایمان لائے (مبتداء ہے) اور ان کی پیروی کی (آمنو پر اس کا عطف ہے) ان کی (چھوٹی بڑی) اولاد نے بھی ایمان لانے میں بڑی اولاد نے تو خود ایمان لا کر اور چھوٹی اولاد نے والدین کے ساتھ تابع ہو کر آگے خبر ہے) ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ تھی کر دیں گے (درجات جنت میں۔ اگرچہ انہوں نے اپنے بڑوں جیسا عمل نہیں کیا والدین کے اکرام کے لئے اولاد کو ان کے ساتھ کر دیا جائے گا) اور ہم کچھ گھٹائیں گے نہیں۔ (المتالام کے فتح اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح ہے، کم نہیں کریں گے ان کے عمل میں سے کچھ (من زائد ہے والدین کے عمل سے اولاد کے عمل میں اضافہ کر کے) ہر شخص اپنے عمل میں (اچھا ہو یا برا) بندھا رہے گا (پابند ہوگا برائی کی وجہ سے پکڑ ہوگی) اور بھلائی کا سلسلہ ملے گا) اور ہم روز افزوں دیتے رہیں گے (ہر وقت بڑھا چڑھا کر) میوے اور گوشت جس قسم کا ان کو مرغوب ہوگا (اگرچہ صراحۃ خواہش کا اظہار نہیں کریں گے) آپس میں (لیکن دین کرتے ہوئے) چھیں جھپٹ کریں گے وہاں (جنت میں) جام (شراب) میں کہ نہ اس میں بک بک لگے گی (باہمی شراب پینے کی وجہ سے) اور نہ کوئی بے ہودہ بات ہوگی (برخلاف دنیا کی شراب کے اور خدمت کے لئے پیش ہوں گے ان پر لڑکے (غلام) جو خاص انہی کے لئے ہوں گے گویا وہ (خوبصورت اور صفائی) میں محفوظ موتی ہوں گے (جو سپوں میں رکھے ہوئے ہوتے ہیں جو ان کی خوب صورتی کی سب سے بہترین جگہ ہے) اور وہ آمنے سامنے متوجہ ہو کر آپس میں بات چیت کریں گے (ہر ایک دوسرے کی مزاج پرسی کر کے سرور و شکر گزار ہوگا) بولیں گے (کامیابی کے سبب) طرف اشارہ کرتے ہوئے) ہم تو اس سے (پہلے دنیا میں رہتے ہوئے) اپنے گھروں میں بہت ڈرا کرتے تھے (عذاب الہی سے) لیکن اللہ نے ہم پر (مغفرت کر کے) بڑا احسان کیا اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا لیا۔ (جو روئیں روئیں میں گھسی جایا کرتی ہے اور یہ بھی کہیں گے کہ ہم پہلے (دنیا میں) دعائیں مانگا کرتے تھے (توجہ کے ساتھ عبادت بجالاتے تھے) واقعی وہ (انہ کسرہ، ہمزہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے۔ اگرچہ بلحاظ معنی علت ہے اور فتح ہمزہ کے ساتھ لفظاً تغلیل ہے) بڑا محسن (اپنے وعدہ کا سچا احسان کرنے والا) مہربان (بڑی رحمت والا) ہے۔

تحقیق و ترکیب ..... والطور۔ ان پانچ قسموں کا جواب ان عذاب ربک لواقع آگے آ رہا ہے۔ پہلا واو قسمیہ ہے اور بقیہ واو و طفہ ہیں۔ بقول خلیل کے لیکن سمین کی رائے ہے کہ سب واو قسمیہ ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں کہ طور خاص پہاڑ کا نام ہے جس پر حضرت موسیٰ کو مدین سے آتے ہوئے اللہ سے شرف ہمکھامی حاصل ہوا ہے۔ یہ جنتی پہاڑ ہے اور بقول سدی یہی طور سینا ہے۔ لیکن مقاتل بن حبان کہتے ہیں کہ طور سینا اور طور زینا، دو الگ الگ پہاڑ ہیں جن پر انجیر اور زیتون کے درخت ہوتے ہیں۔

رق منشور۔ رق باریک جھلی اور ہر وہ چیز جس پر لکھا جائے عام قراءت فتح را کی اور قراءت شاذہ کسرہ کے ساتھ ہے منشور پھیلی ہوئی کتاب مسطور کی تفسیر تورات قرآن سے کی ہے۔ صحائف اعمال بھی ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ آیہ ونخرج له يوم القيامة كتابا يلقاه منشورا میں اعمالنا سے مراد ہیں اور بعض نے تمام کتب آسمانی مراد لی ہیں۔ اس میں اور اقوال بھی ہیں۔

والیست المعمور۔ بیت اللہ ہی مراد ہو سکتا ہے دونوں صورتوں میں کثرت زائرین کی وجہ سے معمور اور آباد رہتا ہے بیت المعمور کو ان سے آسان پر ہے اس میں چھ اقوال ہیں۔ بقول ابن عباس "عبۃ اللہ کی محاذات میں ہے اس صورت میں سب اقوال مختلفہ میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

المسجور۔ ابن جریر قتادہ کے نزدیک بھرنے کے معنی ہیں۔ قاموس کے مطابق سجر العاء ای ملاء۔ ابن جریر نے مجاہد سے دہکنے کے معنی لئے ہیں جو جہنم کی صفت ہے قیامت میں اہل موقف کو آگ کا سمندر گھیر لے گا اور بعض نے زمین کی وجہ سے سمندر پر روک لگنے کے

معنی لئے ہیں۔ چنانچہ امام احمدؒ سے مرفوع روایت ہے کہ ہر رات تین مرتبہ سمندر زمین کو ڈبوئے گا ارادہ کرتا ہے مگر حق تعالیٰ کی اجازت نہیں ہوتی۔ حضرت علیؓ سے اور بقول ابن جریرؒ ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ عرش کے نیچے آسمان پر دریا کا نام ہے۔  
من دافع۔ فاعل ہے یا مبتداء ہے بہر صورت من زائد ہے۔

تسمیر الجبال۔ ریت بن کر اڑ جائے گا۔ ہباء منثور تفسیر نہیں ہے۔ بلکہ پہاڑوں سے اپنی جگہ سے اس طرح منتقل ہونا مراد ہے کہ ان کا نام و نشان نہ رہے۔ پہلے زمین پر گر کر چورہ چورہ ہو جائیں گے۔ پھر ریت کی طرح باریک اور دھنی ہوئی روئی کی طرح ہو کر ہوا میں اڑ جائیں گے۔ اور حکمت الہیہ یہ دکھانا ہے کہ جب پہاڑوں کا یہ حال ہے تو اور چیزیں دوبارہ دنیا میں کیسے واپس ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ جب انسان ہی دنیا سے ہمیشہ کے لئے چلا گیا تو اور تمام چیزیں تو اسی کی خاطر بنائی گئی تھیں وہی رہ کر کیا کریں گی۔ اس طرح دنیا کی تخریب میں آخرت کی تعمیر مضمر ہوگی جو نمایاں ہو جائے گا۔

بدعون۔ دع کے معنی سختی سے دفع کرنے سے ہیں۔ پاؤں باندھ کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔  
ام انتم لا تبصرون۔ اس کا عطف مقدر پر ہے ای ہذا بحر جیسا کہ مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے۔

سواء علیکم۔ مبتداء محذوف کی خبر ہے ای صبر کم و تر کہ جیسا کہ ابوالقاء کی رائے ہے اور مبتداء محذوف الخمر بھی ہو سکتا ہے ای سواء البصر والجزع۔ لیکن نکرہ کا خبر ہونا بہ نسبت مبتداء بنانے کے بہتر ہوتا ہے لیکن زنجریؒ دوسری صورت مانتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ دنیا میں تو صبر کا رگر ہوتا ہے۔ مگر آخرت میں بے سود ہوگا۔

ہنیئا۔ یہ حال ہے یا مصدر محذوف یا مفعول بہ محذوف کی صفت ہے ای اکلنا ہنیئا او طعاما ہنیئا بہر صورت اس میں کلو او اشربوا دونوں افعال کا تنازع ہو رہا ہے۔ ہنیئا کے معنی خوشگوار کے ہیں جس کے کھانے میں اچھونہ لگ جائے اور گلے میں نہ پھنسے۔  
زوجنا ہم۔ مفسرؒ نے اشارہ کر دیا ہے کہ تزوج متعارف مراد نہیں ہے۔ کیونکہ جنت میں حوریں مملوکہ ہوں گی نہ کہ منکوحہ۔ اس لئے مقاربت کے معنی ہیں۔

حور عین۔ عین جمع ہے عیناء ہے۔ حور جمع ہے حوراء کی۔ گوری جی۔

و اتبعتم۔ اس کا عطف آمنو پر ہے اور بعض نے اس کو جملہ معترضہ کہا ہے بیان علت کے لئے اور زنجریؒ کے نزدیک حور عین پر الذین آمنوا کا عطف ہے اور و اتبعتم کا زوجنا ہم پر عطف ہے۔

یہاں الحقنا کا مطلب یہ ہے کہ والدین کے عظیم ایمان کی وجہ سے اولاد کو بھی ان کے تابع کر دیا۔ کیوں کہ چھوٹی اولاد ماں باپ کے تابع ہوا کرتی ہے۔ اور بغویؒ کہتے ہیں کہ بڑی اولاد تو اپنے ایمان کی وجہ سے اور کس اولاد والدین کے ایمان کی وجہ سے ماں باپ کے درجات میں پہنچادی جائے گی۔ تاکہ والدین کے لئے باعث طمانیت ہو۔ جیسا کہ سعید ابن جبیرؒ ابن عباسؓ سے نقل کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ زریٰت سے مراد تعلق اور محبت والے ہیں۔ خواہ ماں باپ ہوں یا اولاد، بھائی بند ہوں یا دوست احباب۔ گویا زریٰت نسبی ہو یا سببی سب اس آیت کے مفہوم میں داخل ہو جائیں گے۔ اعلیٰ عمل والوں کے زمرہ میں ادنیٰ عمل والے بھی شامل کر دیئے جائیں گے۔

جہاں تک دنیاوی احکام کا تعلق ہے مسلمانوں کی چھوٹی اولاد مسلمان اور کافروں کی کافر بھی جائے گی۔ لیکن بلحاظ آخرت کے علماء مختلف الرائے ہیں۔ اکثر تو اسی رائے پر ہیں کہ دنیا کی طرح آخرت میں اولاد ماں باپ کے تابع ہوگی۔ لیکن بعض کی رائے ہے کہ مشرکین کی اولاد جہنم میں داخل نہیں کی جائے گی۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں لا یعذب اللہ احدا بلا ذنب اور بعض کی رائے ہے کہ کافر بچے جنت میں مسلمانوں کے خدمت گار ہوں گے، اور بعض کی رائے ہے کہ بچے خواہ کسی مذہب کے ہوں ایسے ہی رہیں گے کہ نہ جنت میں داخل ہوں گے نہ جہنم میں۔

امام اعظم چار مسئلوں میں توقف فرماتے ہیں۔ اولادِ مشرکین کے متعلق، اسی طرح خنثی مشکل کے متعلق اور ختنہ کس وقت کی جائے اور دنیا کی مدت کتنی ہے چاروں کی نسبت لا ادری فرمایا۔

حدیث اللہ اعلم بما کافوا عاملین کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے جو امام صاحب کے لئے مؤید ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ بچے اگر زندہ رہتے تو کیا عمل کرتے۔ اللہ انہی فرض اعمال کے مطابق ان سے معاملہ کرے گا۔

اس کا حاصل بھی وہی نکلتا ہے کہ یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کہا جاتا ہے کہ امام صاحب ابتداء میں مسلمان بچوں کے متعلق بھی متامل تھے۔ لیکن جب ان کے ماں باپ کے تابع ہو کر جنتی ہونے کی وہ آیات امام صاحب کو پہنچیں تو پھر انہوں نے توقف سے رجوع فرمایا۔ یعنی قطعی دلیل معلوم نہیں تھی۔ ورنہ آیت الحقنا بہم ذریعہم سامنے تھی۔ لیکن آیت میں چونکہ مختلف احتمالات ہیں ایمانِ قصدی مراد ہے یا ایمانِ ازلی اور ایمانِ تبعی مقصود ہے۔ اس لئے حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ پھر قطعی طور پر انبیاء اور عشرہ مبشرہ وغیرہ کے علاوہ کسی کے متعلق جنتی ہونے کو نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح ابولہب اور ابو جہل وغیرہ متعینہ کافروں کے علاوہ یقینی طور پر کسی کافر کے جہنمی ہونے کو نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ تمام مومنین جنتی اور کافر جہنمی ہیں اور بچے والدین کے تابع جنت یا جہنم میں ہوں گے یا ان کا حال مشکوک ہے۔ لیکن کسی بچہ کو بھی متعینہ طور پر جنتی نہ کہا جائے گا ورنہ جہنمی بہر حال اس بارے میں چار مسلک ہیں۔

۱۔ بچے والدین کے تابع ہوں گے۔

۲۔ فی نفسہ بچوں کی حالت کا اعتبار کر کے معاملہ کیا جائے گا۔

۳۔ ماں باپ دونوں کے مجموعے کا اعتبار کیا جائے گا۔

۴۔ ماں باپ اور بچوں کی مجموعی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور صحابہ کے وہ بچے جو ان کے کفر کے زمانہ میں مرے ان کے متعلق توقف مناسب ہے۔ لیکن کافروں کے وہ بچے جو ان کے مسلمان ہونے کے زمانہ میں مرے وہ جنتی ہیں۔ نیز متعینہ طور پر جب بڑوں کی نسبت جنتی یا جہنمی ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا تو بچوں کے متعلق متعینہ طور پر کیسے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے۔ ورنہ فرع کا اصل سے بڑھنا لازم آجائے گا۔ بالخصوص جب کہ بعض بچے فطرۃ شقی ہوتے ہیں۔ جیسے وہ بچہ جس کو حضرت خضر نے حکم الہیٰ مار دیا تھا حالانکہ اس کے والدین مومن تھے پھر مومن کی اولاد کا جنتی ہونا تو احادیث سے معلوم بھی ہے۔ مگر کافر اور منافقین کی اولاد کا حال بیان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ شروع میں آنحضرت ﷺ کو مطلقاً بچوں کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ بعد میں مسلمانوں کے بچوں کا حال معلوم ہو گیا۔ مگر دوسرے بچوں کا حال آپ نے بیان نہیں کیا۔ لہذا وہ اپنے حال پر رہیں گے۔

التساہم۔ کسرہ لام کے ساتھ ابن کثیر کی قراءت ہے اور بقیہ نصب لام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ الانۃ کے معنی نقصان کے ہیں۔

سما کسب رہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اہل جہنم کے ساتھ خاص ہے وہی اپنے اعمال میں بندھے ہوئے ہوں گے۔ اہل ایمان مراد نہیں۔ وہ محض اپنے عمل میں بندھے ہوئے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ کل نفس بما کسبت رھینۃ الا اصحاب الیمین۔ لیکن زخشریٰ کی رائے ہے کہ کل نفس عام ہے اہل خیر و شر سب کو نیک عمل اپنی نیکی کی وجہ سے گلو خلاصی پائے گا ورنہ گردن پھنسی رہے گی۔

اور آیت میں ایک توجیہ اور بھی ہو سکتی ہے کہ رہن بروزن فعل بمعنی فاعل ہو یعنی ہر شخص اپنے عمل میں راہن اور گروی ہے۔ اگر نیک ہے تو دوا می جنت ورنہ کافر منافق کے لئے دوا می جہنم، اور بقول مفسر رہن بمعنی مرہون ہے یعنی ہر شخص عمل کا یا بند ہے اس سے عمل کا مطالبہ ہے اگر مطالبہ پورا کر دیا تو اس کا نفس رہن سے رہا ہو جائے گا ورنہ مواخذہ کے لئے بندھا رہے گا۔

یتسارعون۔ بے تکلف دوستوں میں چھین چھپت چونکہ تفریح طبع کا سامان ہوا کرتی ہے۔ اس لئے صورتہ تنازع سے تعبیر کیا ہے حقیقہ

زع مراد نہیں ہے۔

نَسَا۔ شراب سے بھرا ہوا پیمانہ اور گلاس اور قرب و مجاورت کی وجہ سے مجازاً شراب کو بھی کہتے ہیں۔ لغو فیہا۔ یعنی شراب کی مستی میں اول قول نہیں کہیں گے۔

لِإِمَانٍ لَّهُمْ۔ جس طرح حوریں نئی مخلوق مملوکہ ہوں گی اسی طرح غلامانوں کی نئی مخلوق، مملوکہ ہوگی۔ تاکہ دنیا میں جو غلام باندی رہے ہوں وہ یہ بھیجیں کہ دنیا کی طرح جنت میں بھی ہم غلام بن کر رہیں گے۔ اس خیال سے ان کی دل آزاری ہوتی۔ اس لئے حور و غلام پیدا کر کے دل داری ددی گئی۔

فِي أَهْلِهَا مَشْفِقِينَ۔ اپنے اہل و عیال میں رہ کر عموماً انسان بے خوف رہتا ہے مگر اہل ایمان جب اس حال میں بھی اللہ کا خوف و خشیت جتے ہیں تو گویا ہر حال میں خائف رہتے ہیں اسی طرح دائمی خوف مراد ہوگا۔ لیکن بعض حضرات مشفقین شفیقت سے ماخوذ مانتے ہیں یعنی اپنے متعلقین پر نرمی کرتے ہیں اس لئے مستحق رحمت ہوئے۔

عَذَابُ السَّمُومِ۔ چونکہ مسامات میں گھس جائے گا۔ نیز اس میں سمیت اور زہر کے اثرات ہوں گے اس لئے ریح مسمومہ اور گرم ہوا لہا جاتا ہے۔

أَنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ۔ یہ بلحاظ معنی ندعوہ کی علت ہے یعنی اللہ کے محسن و مہربان ہونے کی وجہ سے ہم اس کی عبادت کرتے ہیں۔

بط آیات: ..... پچھلی سورت ”یوم موعود“ کی وعید پر ختم ہوئی تھی۔ سورہ طور اسی مضمون سے شروع ہو رہی ہے۔ وعید کے بعد قرآن کی سب عادت مومنین کے لئے وعدہ کا بیان ہے۔

ان نزول و روایات: . . . . . والبيت المعمور۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ اللہ فی السموات والارض خمسة عشر بیتا معة فی السموات وسبعة فی الارضين والكعبة وكلها مقابلة للكعبة۔

نَفرماتے ہیں۔ البيت المعمور هو الكعبة وهي البيت الحرام الذي هو معمور بالناس يعمره الله كل سنة بستمائة فان جز الناس عن ذلك اتمه الله بالملائكة وهو اول بيت وضعه الله للعباد فی الارض۔

الحقنا بهم ذريتهم۔ بغوی، ضحاک، سعید بن جبیر، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بالغ اولاد تو اپنے ایمان کی وجہ سے اور کمسن اولاد ماں باپ کے تابع ہو کر داخل جنت ہوگی۔ بلکہ ابن عباسؓ سے مرفوع روایات ہیں۔

ن الله يرفع ذرية المومن معه فی درجته فی الجنة وان كانوا دونه فی العمل لقر بهم عينه۔

اذا دخل الرجل الجنة سال عن ابويه وولده وزوجته فيقال انهم لم يبلغوا درجتك وعملك فيقول يا رب قد ملت لي ولهم فيومر بالحاقهم به۔ بلکہ ذریت کے مفہوم میں آباء اور اپنا دونوں آتے ہیں کیونکہ اعلیٰ مومن کے ساتھ اس کے متعلقین مانسلک ہوں گے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کا ارشاد ہے ذریت نسبی ہو یا نسبی اسی طرح افادہ کا تعلق ہو یا ولادت کا۔ وہ کارآمد ہوگا۔ یعنی بلند بات بڑوں کے ہوں یا چھوٹوں کے کم درجہ متعلقین کو اس سے ضرور فائدہ ہوگا۔ چنانچہ وآية لهم اننا حملنا ذريتهم فی القلث شحون سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریتہ میں آباء بھی داخل ہیں۔

مان لهم۔ ابن عمرؓ کی روایت میں ہے ما من احد من اهل الجنة الا يسعى عليه الف غلام و كل غلام على عمل غير ما

علیہ صاحبہ۔

حضرت حسنؑ سے منقول ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ الخادم کا اللولو المکون فکیہ المخلوم، قال فضل المخلوم علی الخادم کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب۔

﴿تشریح﴾:..... کتاب مسطور۔ اس سے ممکن ہے لوح محفوظ مراد ہو یا قرآن کریم۔ یا طور کی مناسبت سے تو رات یا عام کثر۔ سادہ مراد ہوں۔ یا لوگوں کا اعمالنامہ غرض سب احتمالات ہیں۔

بیت المعمور۔ ممکن ہے کعبہ اللہ مراد ہو یا کعبہ اللہ کی ٹھیک محاذات میں ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ مراد ہو۔ جیسا کہ روایات سے ثابت ہے۔

سقف مرفوع۔ اس سے آسمان مراد ہے جو چھت کی طرح ہے۔ یا عرش اعظم مراد ہے۔ جو سب آسمانوں سے اوپر ہے۔ البحر المسجور۔ دنیا کے ابلتے ہوئے چشمے مراد ہیں یا آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے عظیم دریا مراد ہے۔ جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے یوم تمور السماء۔ قیامت کا روز مراد ہے۔ اس کا تھر تھر کانپنا معنی متبادر کے اعتبار سے ہے یا اس کا پھٹنا مراد ہے جیسا کہ اذا السماء انشقت میں فرمایا گیا ہے ابن عباسؓ کی ان دونوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ بطور تعاقب دونوں کا تحقق ہو سکتا ہے۔ وتسير الجبال۔ یہاں پہاڑوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور ٹل جانا مراد ہے۔ لیکن دوسری آیات میں ریزہ ریزہ ہونا پھر اڑ جانا بیان کیا گیا۔ ینسفها ربی سفاه و بست الجبال بسف فکانت هباء منبثا ان سب احوال میں کوئی بھی تعارض نہیں ہے۔

مختلف قسموں کی مناسبت:..... ان قسموں کو مضمون سے مناسبت یہ ہے کہ قیامت کی اصل حقیقت مجازات ہے اور مجازات میں اصل احکام شرعیہ ہیں۔ پس طور کی قسم کھانے میں اللہ کے صاحب کلام و صاحب احکام ہونے کی طرف اشارہ ہے پھر احکام کی موافقت مخالفت ہی بنیاد ہے مجازات کی۔ اس لئے اعمالنامہ کی قسم کھانے میں اشارہ ہے۔ اس موافقت یا مخالفت کے مضبوط و منضبط ہونے کی طرف گویا عبادت اور اطاعت احکام کے ضروری ہونے پر بھی مجازات موقوف ہے۔ اس لئے بیت المعمور سے اشارہ ہے عبادت کے ایسے ضرور ہونے کی طرف کہ فرشتے باوجود یکہ مجازات و احکام کے مکلف نہیں۔ مگر پھر بھی عبارت کے لئے مامور ہیں انہیں بھی آزاد نہیں چھوڑا گیا۔ مجازات کا نتیجہ دو چیزیں ہیں جنت و جہنم۔ پس آسمان کی قسم کھانے میں جنت کے رفیع المکان ہونے کی طرف اشارہ ہے اور بحر مسجور کی کھانے میں جہنم کے ہولناک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ تقریر تو ان قسموں کی تخصیص کی ہوئی اور نفس قسم کی توجیہ سورہ حجر کی آیت لعمرك ا میں گزر چکی ہے اور قسم کی غرض و غایت پر کلام سورہ صافات کے شروع میں گزر چکا ہے۔ آگے قیامت کے بعض واقعات کا ذکر ہے۔

دوزخ میں کفار کی حالت زار:..... فویل للمکلبین۔ یعنی جو لوگ کھیل کود میں مشغول ہو کہ آج طرح طرح کی باتیں بنا قیامت کو جھٹلاتے ہیں ان کے لئے آخرت میں سخت خرابی اور تباہی ہوگی۔ فرشتے انہیں ذلت کے ساتھ دھکیلتے ہوئے دوزخ کی طرف۔ جانیں گے اور کہیں گے کہ جس کو تم جھوٹ جانتے تھے وہ آگ حاضر ہے۔ تم دنیا میں پیغمبروں کو جادوگر اور ان کے پیغام کو جادو بتایا کرتے۔ اب بتاؤ کہ یہ دوزخ جس کی اطلاع انبیاء نے دی تھی کیا واقعی جادو یا نظر بندی ہے یا جس طرح دنیا میں تمہیں کچھ سوچتا نہ تھا اب بھی نہ سوچتا۔ اب دوزخ میں پڑ کر گھبراؤ چلاؤ تب کوئی فائدہ نہیں، کوئی فریاد سننے والا نہیں اور بغرض بحال چپ سادھ کر صبر کر کے پڑے رہو۔ تب کہ تمکرنے والا نہیں۔ غرض یہ دونوں حالتیں یکساں غیر مفید ہوں گی۔ اب اس جیل خانہ سے نکلنے کی تمہارے لئے کوئی سبیل نہیں۔ جو کہ توت

لے آئے ہو، اس کی سزا بھی جس دوام اور ابدی عذاب ہے۔

سنتیوں کے مزے . ان المتقین۔ یعنی برخلاف اللہ سے ڈرنے والوں کے وہ وہاں بالکل مامون و مطمئن ہوں گے۔ ہر قسم کا ممان عیش ان کے لئے مہیا ہوگا۔ اور یہی انعام کیا کم ہے کہ انہیں دوزخ کے عذاب سے اللہ نے بچالیا۔ جنت میں ان کی زندگی شاہانہ اور ماثہ دار ہوگی اپنے اپنے تختوں پر مسند نشین ہوں گے جو نہایت قرینہ اور سلیقہ سے بچھے ہوئے ہوں گے۔ اہل و عیال اور متعلقین، خدام و اتباع سب سامنے ہوں گے۔ گواصاغر کے کام اس درجہ کے نہ ہوں۔ لیکن اکابر کے اکرام اور خوشی کی خاطر بختیں و قبعین کو بھی خصوصی نوازشوں سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اس صورت میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ کالمین کی نیکیوں کا ثواب کاٹ کر ذریت کو دے دیا جائے گا یا کالمین و ناقصین کو برابر کر دیا جائے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے اور کالمین کی خوشنودی مزاج کے لئے ناقصین کو ابھار دیا جائے گا اور یکسانیت کے باوجود اصل نقل و رباع متبوع کا فرق بدستور رہے گا۔

بخاری کی روایت ہے۔ قالت الانصار۔ یا رسول اللہ ان لكل قوم اتباعا واناقد اتباعناک فادع اللہ ان يجعل اتباعنا منا قال النبی ﷺ اجعل اتباعهم منهم۔ آخراماء کے محلات میں ان کے خدام بھی ساتھ رہتے ہیں۔ مگر خدام و مخدوم کا فرق پھر بھی بحال رہتا ہے۔

اور ذریت میں ایمان کی شرط اس لئے ہے کہ اصل کے ساتھ الحاق اس کے بغیر نہیں ہوگا۔ جس طرح مومنین کی مومن ذریت ان کے ساتھ ہوگی۔ اسی طرح کافروں کی ذریت ان کے ساتھ ہوگی۔ البتہ مومن کی کافر ذریت یا کافر کی مومن ذریت وہ بنتی نہیں ہوگی۔ بلکہ ایسی صورت میں کل امری بما کسبت رہیں کا اصول کارفرما ہوگا۔

ذریت کا مفہوم عام ہے۔ :۔ :۔ :۔ ظاہر عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریت سے بڑی اولاد مراد ہے۔ جیسا کہ بایمان کی قید بھی اس کا قوی قرینہ ہے اور چھوٹی اولاد کا حکم احادیث میں ارشاد ہے۔ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ کسمن اولاد مومن ہو یا کافر اپنے اپنے مسلم و کافر والدین کے ساتھ ہوں گے۔ حدیث اللہ اعلم بما کانوا عاملین کی رو سے اور بعض کی رائے ہے کہ حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ کی رو سے تمام ذریت جنتی ہوگی۔ البتہ ذراری مشرکین غلاموں کی حیثیت سے رہیں گے اور بعض کی رائے ہے کہ غیر مکلف ہونے کی وجہ سے دونوں ذریتیں اعراف میں رہیں گی۔ اور جمہور دلائل متعارض ہونے کی وجہ سے توقف کو پسند کرتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں جو حدیث ہے اس میں آباء کا بھی یہی حکم ہے اور اس میں ذریت پر ولد معطوف ہو رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریت سے مطلق توابع مراد ہیں۔ جس میں بیویاں، دوست، احباب، شاگرد، مرید، معتقد سب آجاتے ہیں۔ اس طرح آیت کا مفہوم بہت وسیع ہو جائے گا۔ بلکہ اگر اختلاف عالی رتبہ ہوں تو اسلاف بھی ان کے ہم رتبہ ہو کر ذریت کے عموم میں داخل ہو جائیں گے۔

اس پر اگر شبہ ہو کہ جب مومن کے اصول و فروع سب اس کے ساتھ شریک ہو گئے تو جب وہ اصول و فروع بھی مومن ہوں تو ان کے اصول و فروع بھی ہم درجہ ہوں گے تو لازم آئے گا کہ سب جنتی ایک ہی درجہ میں ہو جائیں حالانکہ فرق مراتب اور اختلاف درجات مسلم ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ الحاق صاحب درجہ کے اصل عمل کی وجہ سے ہے اور یہ اصالت تابع در تابع میں باقی نہیں رہتی۔ اس لئے اس کے ساتھ دوسروں کا ملحق ہونا لازم نہیں آتا۔

قانون فضل و عدل:۔ :۔ :۔ کل امری بما کسبت رہیں۔ پہلی آیت میں اللہ کے فضل کا بیان تھا اور اس آیت میں قانون عدل کا

ذکر ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جس نے اچھا برا جو کام کیا اس کو اسی کے مطابق بدلہ ملے گا۔

آگے آیت و امددناہم سے نعمائے جنت کا تذکرہ ہے۔ شراب کا دور چلے گا تو خوش طبعی اور چھینا چھٹی بھی ہوگی۔ جس سے بے تکلف لذت و سرور میں اضافہ ہوگا۔ شراب میں فرحت و قوت نشاط، انبساط ہوگا مگر نشہ ہر گز رانی فتور عقلی بکواس نہیں ہوگی اور نہ کوئی گناہ کی بات ہوگی موتیوں جیسے غلمان ہوں گے جس طرح سیپ میں موتی صاف شفاف اور گرد و غبار سے پاک ہوتا ہے۔ یہی حال غلمانوں کا ہوگا۔ پھر آپس میں خوش گپیاں ہوں گی۔ ایک دوسرے کی مزاح پر سی کریں گے اور دنیا کی زندگی کا موازنہ کرتے ہوئے کہیں گے۔ میاں ہم دنیا میں ڈرا کرتے تھے کہ دیکھئے مرنے کے بعد کیا انجام ہوگا۔ یہ کلاں برابر لگا رہتا تھا۔ مگر اللہ کا احسان اور شکر ہے کہ اس نے کیسا بے فکر کر دیا۔ اب دوزخ تو دوزخ اس کا آنچ بھی نہیں لگے گی۔ ہم اللہ کو امید و بیم کی جلی کیفیت میں پکارا کرتے تھے۔ مگر اس نے سن لی اور ہمارے ساتھ کیا ہی عمدہ برتاؤ کیا گیا۔

لَطَافُ سُلُوكٍ: ...الَّذِينَ اٰمَنُوا... اس سے شرفِ نسب کا آخرت میں کارآمد ہونا ثابت ہوا۔ مگر دینی شرف مراد ہے نہ کہ عرفی جاہ و عزت۔

یتنازعون فیہا کا سا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوستوں کے ساتھ مزاح و انبساط برائیں۔ جیسا کہ خشک زاہد خوش طبعی کو خلاف وقار سمجھتے ہیں بلکہ مزاح مسنون ہے۔ بشرطیکہ اس میں غلو نہ ہو ورنہ وقار کے منافی ہوگا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کے مال میں بشرطیکہ اس کی طیب خاطر کا یقین ہو تصرف کرنا جائز ہے۔

فَذَكِّرْ دُمْ عَلَىٰ تَذَكِّيرِ الْمُشْرِكِينَ وَلَا تَرْجِعْ عَنْهُ لِقَوْلِهِمْ لَكَ كَاهِنٌ مَّجْنُونٌ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ أَیْ بِإِنْعَامِهِ عَلَيْكَ بِكَاهِنٍ خَبِيرٌ وَلَا مَجْنُونٌ ﴿۲۹﴾ مَعْطُوفٌ عَلَيْهِ أَمْ بَلْ يَقُولُونَ هُوَ شَاعِرٌ تَتَرَبَّصُّ بِهِ رَبِّبَ الْمُتَنُونِ ﴿۳۰﴾ حَوَادِثُ الدَّهْرِ فِيهِلِكَ كَغَيْرِهِ مِنَ الشُّعْرَاءِ قُلْ تَرَبَّصُوا هَلَاكِي فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿۳۱﴾ هَلَاكُكُمْ فَعَذِّبُوا بِالسَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ وَالتَّرَبُّصُ الْإِنْتَظَارُ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ عُقُولُهُمْ بِهِلَا أَى قَوْلُهُمْ لَهُ سَاحِرٌ كَاهِنٌ شَاعِرٌ مَّجْنُونٌ أَى لَا تَأْمُرُهُمْ بِذَلِكَ أَمْ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۳۲﴾ بِعِنَادِهِمْ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوْلُهُ ۚ اخْتَلَقَ الْقُرْآنُ لَمْ يَخْتَلِقْهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾ اسْتَكْبَارَ أَفَايَ قَالُوا اخْتَلَقَهُ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مُخْتَلَقٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۳۴﴾ فَيَقُولُهُمْ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَى خَالِقِهِ أَمْ هُمْ الْخَالِقُونَ ﴿۳۵﴾ أَنفُسُهُمْ وَلَا يَعْقِلُ مَخْلُوقٌ بِذُنِّ خَالِقِهِ وَلَا مَعْدُومٌ يَخْلُقُ فَلَا بَدَّ لَهُمْ مِنْ خَالِقٍ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ فَلِمَ لَا يُوحَدُونَ وَيُؤْمِنُونَ بِرُسُولِهِ وَكِتَابِهِ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَقْدِرُ عَلَىٰ خَلْقِهَا إِلَّا اللَّهُ الْخَالِقُ فَلِمَ لَا يَعْبُدُونَهُ بَلْ لَا يُوقِنُونَ ﴿۳۶﴾ وَإِلَّا لَأَمْنُوا بِنَبِيِّهِ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ مِنَ النَّبُوَّةِ وَالرِّزْقِ وَغَيْرِ هِمَا فَيَخْضَعُونَ مَنْ شَاءَ وَإِذَا شَاءَ وَأَمْ هُمْ الْمُضْطَرُّونَ ﴿۳۷﴾ الْمُتَسَلِّطُونَ الْجَبَّارُونَ وَفِعْلُهُ صَيْطَرٌ وَ مِثْلُهُ يَيْطَرُ وَيَقِرُّ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ مَرْفُوعٌ إِلَى السَّمَاءِ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۚ أَى عَلَيْهِ كَلَامُ الْمَلَائِكَةِ حَتَّىٰ



يُمْكِنُهُمْ مُنَازَعَةُ النَّبِيِّ ﷺ بِزَعْمِهِمْ إِنَّ ادْعَاؤَ ذَلِكَ فَلَيَاتِ مُسْتَمِعُهُمْ أَيُّ مُدَّعِيِ الْإِسْتِمَاعِ عَلَيْهِ بِسُلْطَنِ مُبِينٍ ﴿۳۸﴾ بِحُجَّةٍ بَيِّنَةٍ وَاضِحَةٍ وَلِشِبْهِ هَذَا الزَّعْمِ بِزَعْمِهِمْ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللَّهِ قَالَ تَعَالَى أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ أَيُّ زَعْمِكُمْ وَلَكُمْ الْبَنُونَ ﴿۳۹﴾ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا زَعَمُوهُ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا عَلَى مَا جِئْتَهُمْ بِهِ مِنَ الدِّينِ فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ غَرِمَ لَكَ تُثْقَلُونَ ﴿۴۰﴾ فَلَا يُسَلِّمُونَ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ أَيُّ عِلْمُهُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ ﴿۴۱﴾ ذَلِكَ حَتَّى يُمْكِنَهُمْ مُنَازَعَةُ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْبُعْثِ وَأَمْرِ الْآخِرَةِ بِزَعْمِهِمْ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا بِكَ لِيُهْلِكَوكَ فِي دَارِ النَّدْوَةِ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿۴۲﴾ الْمَغْلُوبُونَ الْمُهْلِكُونَ فَحَفِظَهُ اللَّهُ مِنْهُمْ ثُمَّ أَهْلَكَهُمْ بِنَدَرٍ أَمْ لَهُمُ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحَنَ اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۳﴾ بِهِ مِنَ الْإِلَهِةِ وَالْإِسْتِفْهَامُ بِأَمٍّ فِي مَوَاضِعِهَا لِلتَّقْيِيحِ وَالتَّوْيِيحِ وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا عَلَيْهِمْ كَمَا قَالُوا فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ أَيُّ تَعْدِيًا لَهُمْ يَقُولُوا هَذَا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۴۴﴾ مُتْرَاكِبٌ تَرْتَوِي بِهِ وَلَا يُؤْمِنُوا فَلَنُرْهُمْ حَتَّى يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿۴۵﴾ يَمُوتُونَ يَوْمَ لَا يُغْنِي بَدَلٌ مِّنْ يَّوْمِهِمْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۶﴾ يَمْنَعُونَ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْآخِرَةِ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا بِكُفْرِهِمْ عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ أَيُّ فِي الدُّنْيَا قَبْلَ مَوْتِهِمْ فَعَذِّبُوا بِالْجُوعِ وَالْقَحْطِ سَبْعَ سِنِينَ وَبِالْقَتْلِ يَوْمَ بَدْرٍ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۷﴾ إِنَّ الْعَذَابَ يَنْزِلُ بِهِمْ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ بِأَنَّهُمْ لَا يَضِيقُ صَدْرُكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا بِمَرَايَ مِنَّا نَرَاكَ وَنَحْفَظُكَ وَسَبِّحْ مُتَلِّسًا بِحَمْدِ رَبِّكَ أَيُّ قُلُوبٍ سُبْحَنَ اللَّهُ وَبِحَمْدِهِ حِينَ تَقُومُ ﴿۴۸﴾ مِّنْ مَّنَامِكَ أَوْ مِّنْ مَّجْلِسِكَ وَمِنْ أَلِيلٍ فَسَبِّحْهُ حَقِيقَةً أَيْضًا وَادْبَارَ النُّجُومِ ﴿۴۹﴾ مَصْدَرٌ أَيُّ عَقَبَ غُرُوبُهَا سَبِّحْهُ أَيْضًا أَوْ صَلِّ فِي الْأَوَّلِ الْعِشَائِيِّ وَفِي الثَّانِي سُنَّةَ الْفَجْرِ وَقِيلَ الصُّبْحُ۔

ترجمہ: تو آپ سمجھاتے رہے (شرکیں کو نصیحت کرتے رہے اس کو اس لئے موقوف نہ کیجئے کہ وہ آپ کو کاہن و مجنون کہہ رہے ہیں کیونکہ آپ بفضل الہی (بفضلہ تعالیٰ) نہ تو کاہن ہیں (ماکی خبر ہے) اور نہ مجنون (یہ خبر پر معطوف ہے) ہاں کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں ہم ان کے بارہ میں حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں (حوادث زمانہ سے جس طرح اور شعراء تا پید ہو گئے ہیں آپ بھی بے نشان ہو جائیں گے) آپ فرمادیجئے کہ تم منتظر رہو (میری تباہی کے) سو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں (تمہاری تباہی کا چنانچہ غزوہ بدر میں شرکیں تلوار کی نذر ہو گئے۔ تر بھس کے معنی انتظار کے ہیں) کیا ان عقلیں (سمجھ بوجھ) ان کو ان باتوں کی تلقین کرتی ہیں (یعنی ساحر، کاہن، شاعر، مجنون، کہنے کی۔ یعنی یہ عقل کا فیصلہ نہیں ہے) یا (بلکہ) یہ لوگ شریر (عنادی) ہیں۔ ہاں کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے خود گھڑ لیا ہے (قرآن بنا لیا ہے، بنایا نہیں) بلکہ یہ لوگ تصدیق نہیں کرتے (شیخی کے مارے اور اگر اس کو گھڑنا بتلاتے ہیں) تو یہ لوگ اس طرح کوئی کلام (من گھڑت) لے آئیں اگر یہ سچے ہیں کیا یہ لوگ یونہی بغیر پیدا کرنے والے کے (خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں) اور جب کوئی مخلوق بغیر کے خالق اور

معدوم خود بخود پیدا نہیں ہو سکتا، تو ماننا پڑے گا کہ ان کا ضرور کوئی خالق ہے اور وہ اللہ یگانہ ہی ہو سکتا ہے اور یہ کیوں نہیں تو حید مانتے اور کیوں اس کے رسول اور کتاب کو تسلیم نہیں کرتے) یا انہوں نے آسمان و زمین کو پیدا کیا (حالانکہ اللہ کے سوا کوئی ان کو پیدا نہیں کر سکتا۔ پھر کیوں اس کی بندگی نہیں کرتے) بلکہ یہ لوگ یقین نہیں کرتے۔ (ورنہ نبی پر ضرور ایمان لے آتے) کیا ان لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کے خزاں ہیں (نبوت و رزق وغیرہ کے جس کو جتنا چاہیں دے ڈالیں) یا یہ لوگ حاکم ہیں (صاحب سلطنت و سطوت، صیطر، بیطر اور بیقر کی طرح فعل ہے) کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے (آسمان پر چڑھنے کیلئے) کہ اس پر باتیں سن لیا کرتے ہیں (فیہ بمعنی علیہ فرشتوں کی بات چیت سنتے ہوں، حتی کہ اپنے گمان کے مطابق حضور ﷺ سے الجھ پڑتے ہیں، واقعی اگر ایسا ہے) تو ان میں جو باتیں سن آتا ہو (بات سننے کا دعوے دار ہو) وہ کوئی صاف دلیل پیش کرے (روشن کھلی حجت اور اسی کے مشابہ چونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے فرمایا) کیا اللہ کے لئے بیٹیاں (تمہارے خیال کے مطابق) اور تمہارے لئے بیٹے ہیں (اللہ تمہارے اس خیال سے پاک ہے) کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ مانگتے ہیں (دین پہنچانے پر) کہ وہ تاوان (ڈانڈ) سے دبے جا رہے ہیں (اس لئے اسلام قبول نہیں کرتے) کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ یہ اس کو لکھ لیا کرتے ہیں (تاکہ اپنے خیال کے مطابق قیامت و آخرت کی نسبت حضور ﷺ سے الجھنے کا موقع ملتا ہو) کیا یہ لوگ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (آپ کی شان میں آپ کو ختم کرنے کے لئے دارالندوہ میں) سو یہ کافر خود ہی برائی میں گرفتار ہوں گے (مغلوب و بر بار۔ چنانچہ اللہ نے حضور ﷺ کو محفوظ رکھا اور ان کو بدر میں موت کے گھاٹ اتار دیا) کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے، اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے (جو دوسرے معبودوں کو شریک کر کے کرتے ہیں، ان تمام مواقع پر استفہام برائی اور سرزنش کے لئے ہے) اور اگر وہ آسمان کے کسی ایک (نکڑہ کو دیکھ لیں گے کہ گرتا آ رہا ہے) ان پر جیسا کہ خود ان کی درخواست ہے ربنا اسبقط علینا کسفا من السماء بطور سزا کے (تو یوں کہہ دیں گے کہ) یہ تو تہمتہ جما ہوا بادل ہے (جو غلیظ ہے اس سے ہم سیرابی حاصل کریں گے مگر ایمان نہیں لاتے) سو کورہنے دیجئے یاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ پڑے جس میں (مر کر) انکے ہوش اڑ جائیں گے جس دن کچھ نہیں کارگر ہوں گی (یوم سے بدل ہے) ان کی کچھ تدبیریں اور نہ ان کو (آخرت میں عذاب سے بچاؤ کے) لئے (کچھ مدد مل سکے گی اور ان ظالموں کے لئے) ان کے کفر کے سبب) اس سے پہلے ہی عذاب ہونے والا ہے (مرنے سے پہلے دنیا میں چنانچہ سات سال تک بھوک اور قحط کی سزا میں جکڑے رہے۔ پھر غزوہ بدر میں موت کا لقمہ بنے لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں۔) کہ ان پر عذاب ہوگا) اور آپ پروردگار کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیے (ان کی ڈھیل پر تنگ دل نہ ہو جائیے) کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں (سرکاری تحویل میں ہم چوکی سے آپ کی نگرانی کر رہے ہیں) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیا کیجئے (سبحان اللہ و بحمدہ پڑھا کیجئے) اٹھتے وقت (سو کر یا مجلس سے) اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیا کیجئے (حقیقت میں) اور ستاروں سے پیچھے بھی (ادبار مصدر ہے یعنی ستارے غروب ہونے کے بعد بھی تسبیح پڑھا کیجئے۔ یا پہلے جملہ سے مراد یہ ہے کہ مغرب و عشاء کی نماز پڑھا کیجئے۔ اور دوسرے جملہ سے سنت الفجر یا نماز فجر مراد ہوگی)۔

**تحقیق و ترکیب:** بنعمت ربک۔ اس میں کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ما کے اسم و خبر کے درمیان یہ قسم ہے۔ اور جواب قسم محذوف ہے موجودہ جملہ ”بکاهن ولا مجنون“ وال پر جواب قسم ہے۔ دوسرے یہ کہ با محفل نصب میں ہے حال ہونے کی وجہ سے اور بکاهن ولا مجنون عامل ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ما الت کاهنا ولا مجنوننا حال کونک متلبسا بنعمة ربک جیسا کہ ابوالبقا کی رائے یہ حال لازمہ ہوگا۔ کیونکہ حضور ﷺ کی ہمیشہ یہی حالت رہی ہے۔ تیسرے یہ کہ باسیہ ہو اور جملہ منفیہ کے مضمون سے متعلق ہو اور یہی آیت کریمہ کا مقصود ہے۔ ای النفی عنک الکھانة والجنون بسبب نعمة الله علیک یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے

ما انا بمعسر بحمد الله وغناه۔

ام یقولون۔ یہاں تمام پندرہ مواقع میں ام منقطعہ ہے۔ البتہ ام ہم قوم طاغون میں تقریر کے لئے ہے مفسر کو سب جگہ بل اور ہمزہ مقدر کرنا چاہئے تھا استفہام انکاری تو بخفی ہے۔

رب المنون۔ چونکہ حوادث دہر کو رب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس لئے استعارہ تصریحیہ ہے دونوں میں وجہ شبہ تیسرے ایک حالت پر ٹھہراؤ نہ ہونا اور بعض کے نزدیک منون سے مراد موت ہے جو وعدہ گھٹا دیتی ہے اور وعدہ منقطع کر دیتی ہے۔

بہذا۔ یعنی قریش خود کو اہل دانش و بینش سمجھتے ہیں۔ مگر تاقض دعویٰ کرتے ہیں۔ کبھی آپ کو ساحر، کاہن کہتے ہیں اور کبھی شاعر، مجنون۔ کیونکہ اول کے تین لفظوں سے کمال اور آخر کے لفظ سے نقصان معلوم ہوتا ہے۔ مفسر نے لا قامرہم اور لم یختلفہ کہہ کر استفہام انکاری تو بخفی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فلما توابحدیث۔ مفسر نے شرط مقدر کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ترجمہ ان کا نوا صادقین ہے۔

ام رازی فرماتے ہیں کہ چونکہ مطلقاً ایمان مطلوب نہیں کہ محال ہونے کا شبہ کیا جائے اور امر کو مجاز پر محمول کیا جائے۔ بلکہ شرط معلق ہونے کی وجہ سے مشروط ایمان مطلوب ہے اس لئے امر کو حقیقت پر محمول کیا جائے گا۔ یا امر کو تعجیز کے لئے کہا جائے۔ جیسے فان الله ياتى بالشمس فات بها من المغرب میں ہے۔

ام ہم الخالقون۔ مفسر نے ولا یعقل مخلوق الخ سے توام خلقوا من غیر شنی کی طرف اور لا معدوم یخلق سے ام ہم الخالقون کی جانب اور ولا معدوم یخلق سے نیز معدوم ہوتے ہوئے خود اپنے خالق ہونے کے احتمال کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان سب صورتوں کا بطلان واضح ہے۔

خزائن ربك۔ عکرمہ خزائن نبوت اور کلبی خزائن رزق مراد لیتے ہیں۔ مگر مفسر نے عام رکھا جو جامع ہے۔

المصيطرون۔ ابن کثیر "مین کے ساتھ پڑھتے ہیں مجمع البحار میں ہے کہ مصیطر کے معنی کسی چیز کے لکھنے کو آمادہ اور تیار ہونے کے ہیں۔ مسطر کتابت کو بھی کہتے ہیں۔ مفعیل کے وزن پر پانچ الفاظ آتے ہیں۔ چار ام فاعل کی صفت ہوتے ہیں۔ ۱۔ مہمکن، ۲۔ مبقر، ۳۔ مسطر، ۴۔ مبیطر اور ایک لفظ خمیر پہاڑ کا نام ہے۔ مبیطر جانوروں کے علاج و معالجہ کو کہتے ہیں۔ اور مبقر کے معنی فاسد ہونے ہلاک ہونے اور تکبر کی چال چلنے کے آتے ہیں۔

ام لهم سلم۔ سلم اور مرقی سیرگی کو کہتے ہیں۔

یستمعون۔ مفسر نے اشارہ کیا مفعول کے محذوف ہونے اور فی بمعنی علی ہونے کی طرف جیسے ولا صلبکم فی جلوع النخل میں فی بمعنی علی ہے۔ لیکن صبی کہتے ہیں اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ ظرفیت لینا صحیح ہے۔

ام لہ البنات۔ مشرک کافرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا بھی شرک کی طرح زعم فاسد ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پچھلی آیت میں محض فرضی گمان پر گفتگو ہوئی اور بیٹیاں ماننا ان کا واقعی گمان تھا۔

مغرم۔ تاوان۔ ڈنڈ کو کہتے ہیں۔

او عندهم۔ یہ زعم بھی فرضی ہے۔ کفار اس کے قائل نہیں تھے۔ لیکن ان کے متکبرانہ طور طریق سے یہ لازم آ رہا تھا۔ اور قنادہ فرماتے ہیں کہ یہ کفار کے قول نتر بص بہ رب المنون کا جواب ہے۔ یعنی کیا ان کو غیب سے خبر آگئی کہ پیغمبران سے پہلے مرجائیں گے۔ کیا انہوں نے اس کو لکھ رکھا ہے۔

اور بعض کی رائے یہ ہے کہ کفار کے اس خیال نے جواب میں ہے کہ انا لا نبعث ولو بعثنا لم نعذب۔ البتہ پہلی صورت میں اگلا جملہ ام بریدوں کی بات کا دوسرا جواب ہو جائے گا۔ اور دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کفار صرف اس بے ہودہ بات پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ اپنی ناپاک تدبیروں میں بھی لگے رہتے ہیں۔

غیب بمعنی غائب ہے جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اس پر الف لام تعریف یا عہد کا نہیں ہے بلکہ غیب کی نوع مراد ہے جیسے کہا جائے۔  
اشتر اللحم۔

دارالدواء قصی بن کلاب نے مسجد حرام میں حزوہ کے لیے ایک مجلس کی بنیاد ڈالی تھی جس میں اہم امور طے ہوا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے اسی مقام پر آپ کے خلاف تدابیر پر غور و مشورہ ہوا۔

ام لہم اللہ۔ یہ بھی انہی پندرہ مواقع میں سے جو ان آیات میں ام مقطوعہ استعمال ہوا ہے۔ مفسر گو تو نسخ کے ساتھ انکار کے لئے بھی کہنا چاہیے تھا۔

فاسقط۔ اس آیت کا تعلق قوم شعیب کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ سورہ شعرا میں گزر چکا ہے۔ مفسر کے لئے مناسب یہ تھا کہ سورہ اسری میں قریش کے قول او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا کو ذکر کرتے۔

عذابا دون ذلک بغوی نے ابن عباسؓ سے غزوہ بدر میں کفار کی شکست کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ لیکن ابن جریر، قتادہ، ابن عباسؓ سے عذاب قبر اس کا مصداق نقل کیا ہے اور یہی آیت تعبیر میں پیش کی۔ براء بن عازب کی رائے بھی یہی ہے۔

ساعیننا۔ عین کا مدلول اگرچہ واحد ہے۔ لیکن جمع لانا متکلم مع الخیر کی رعایت کرتے ہوئے عظمت کی وجہ سے ہے اور اسباب حفاظت کی کثرت میں مبالغہ کے لئے ہے۔ برخلاف سورہ طہ کی آیت ولنصغ علی عینی کے وہاں مفرد لایا گیا۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی محبوبیت کی طرف اشارہ ہے اور عین بول کر لازم کا ارادہ کیا گیا ہے۔ یعنی کسی چیز کو دیکھنا اور علمی احاطہ مراد ہے اور زیادہ حفاظت و نگرانی مقصود ہے۔

ومن اللیل فسبحہ۔ یعنی نماز مغرب و عشاء اور و سبح بحمد ربک میں تقوم سے مراد صرف سبحان اللہ ہے یا سنت فجر یا فرائض مراد ہیں۔

﴿تشریح﴾ ..... بخاری میں کفار کا مقولہ ترک شیطا تک نقل کیا گیا ہے جس کا حاصل آپ کو کاہن کہنا ہے۔

اسی طرح ویقولون انہ لمجنون میں آپ کو مجنون اور دوسری آیات میں ساحر، شاعر کہنا منقول ہوا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ آپ نبی ہیں۔ اپنا تبلیغی کام جاری رکھیے اور ان کی بکواس پر دھیان نہ دیجئے۔ یہ اتنا نہیں سوچتے کہ کسی کاہن، دیوانہ نے آج تک ایسی اعلیٰ نصیحتیں اور حکیمانہ اصول اس صاف شستہ، اور شائستہ طرز میں کبھی بیان کئے ہیں۔ یہ کام صرف پیغمبری کا ہو سکتا ہے۔ وہ اللہ کی باتیں سناتا ہے اور حکمت آمیز نصیحتیں کرتا ہے کیا یہ لوگ اس لئے قبول نہیں کر رہے ہیں کہ آپ کو محض ایک شاعر سمجھتے ہیں اور اس کے منتظر ہیں کہ جس طرح بہت سے شعراء زمانہ کی گردش سے یوں ہی مر مر کر ختم ہو گئے ہیں یہ بھی ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ کوئی کامیاب مستقبل ان کے پاس نہیں ہے محض چند روز کی وقتی واہواہ ہے اور بس۔

مستقبل فیصلہ کن ہوگا۔ ..... آپ فرمادیجئے مستقبل کا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی کرتا ہوں وقت ہی بتلائے گا کہ کون کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام رہتا ہے۔ یہ لوگ آپ کو مجنون کہہ کر بڑا تیر مار رہے ہیں اپنے کو بڑا عقلمند ثابت کر رہے ہیں۔ کیا ان کی عقل بھی سبق دیتی

ہے کہ ایک انتہائی صادق، امین، عاقل، فرزانه، سچے پیغمبر کو شاعر یا کاہن کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر یہ لوگ شاعروں، پیغمبروں کے کلام میں بھی تمیز نہیں کر سکتے تو کیا عقلمندی اسی کا نام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے دلوں میں سمجھتے سب کچھ ہیں مگر براہوش رات اور بکج روی کا وہ سچائی کو قبول نہیں کرنے دیتی۔ موت کے انتظار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم مر جاؤ گے، میں نہیں مروں گا۔ کیونکہ موت سے کس کو انتظار ہو سکتا ہے بلکہ آپ کے دین و طریقہ کا باقی رہنا اور ان کے طریقہ کا مٹ جانا ہے۔ ان آیات میں کفار کے مینوں اقوال کاہن، مجنون شاعر کا دور و طریقہ پر رد ہو گیا۔ ایک طریق مشترک اور ایک ایک خاص۔

اللہ کے کام کی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے: ..... ام یقولون۔ ان کا یہ خیال ہے کہ پیغمبر جو کچھ سنارہا ہے وہ اللہ کا کلام نہیں۔ اس نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے اور اللہ کی طرف منسوب کر دیا؟ سو نہ ماننے کے ہزاروں بہانے ہیں۔ ورنہ آدمی ماننا چاہے تو اتنی بات سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر کے بھی اس قرآن کا مثل نہیں لاسکتے اور جس طرح آسمان زمین بنانا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ اسی طرح قرآن جیسا قرآن بنانا بھی محال ہے۔ ایک اللہ کا کام ہے تو دوسرا اللہ کا کلام ہے۔

بل لا یؤمنون تو تحقیقی جواب ہے اور فلیاتوا الخ الزامی جواب ہے اس طرح سابقہ دو ہرے جوابات کی طرح یہاں بھی دو ہرے جواب ہو گیا۔ اور حدیث سے کلام مراد ہے تو اس کی تفسیر بھی فساتوا بسورۃ من مثله کیساتھ ہوگی اور اگر صرف ایک مضمون اور بات مراد ہے تو زیادہ تحدی مقصود ہوگی۔ سب سے اول قرآن کے مثل کا مطالبہ ہوا۔ پھر دس سورتوں کے مثل کا، پھر ایک سورت کے مثل کا۔ اور یہاں ایک جملہ کے جواب کا مطالبہ ہے۔

شُرک کا بہترین اور عقلی رد: ..... ام خلقوا۔ کیا ان کے اوپر خدا نہیں جس کی بات ماننا۔ ان کے ذمہ لازم ہو گیا بغیر کسی پیدا کرنے والے کے یہ خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا خود اپنے آپ کو خدا سمجھتے ہیں کہ آسمان و زمین اس کے بنائے ہوئے ہیں۔ لہذا اپنی قلمرو میں جو چاہیں کرتے پھریں۔ کوئی روک ٹوک والا نہیں۔ یہ سب خیالات ظاہر ہے کہ مہمل اور بے ہودہ ہیں۔ دل میں یہ جانتے ہیں کہ ضرور خدا موجود ہے۔ جس نے سارے عالم کو عدم سے وجود بخشا تاہم اس فطری آواز اور ضمیر کے فیصلہ کے باوجود شرعاً جو علم مطلوب ہے یہ اس سے محروم ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ کو تنہا خالق اور خود اس کا محتاج ماننے کے لئے لازم ہے کہ اس کی توحید الوہیت کا اعتقاد کیا جائے۔ اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو اس کی یکتا خالقیت کا انکار کرے یا اپنے مخلوق ہونے کا منکر ہو۔ اس میں تین شقیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ اپنے کو کسی خالق کا محتاج نہ جانے۔ جس کا ذکر کوام خلقوا من غیو شیء میں ہے۔ دوسرے یہ کہ اپنے کو خالق کا محتاج تو سمجھے مگر اپنا خلق خود کو جانے جس کوام ہم الخالقون میں فرمایا گیا۔ تیسرے یہ کہ خود کو تو محتاج سمجھتے مگر اللہ کو تنہا خالق نہ سمجھے۔ بلکہ دوسروں کو بھی شریک اعتقاد کرے۔ خواہ خود کو جیسا کہ ام خلقوا السموات میں ہے یا کسی دوسرے کو جس کا بیان دوسری آیات میں آیا ہے۔ مثلاً ارونی ما ذا خلقوا من الارض ام لهم شرک فی السموات۔ چونکہ ان دونوں احتمالات کی دلیل ایک ہی ہے اس لئے ایک کے اوپر اکتفا کر لیا گیا۔ اور پہلی صورت چونکہ ظاہر تھی یعنی اپنی خالقیت کی نفی اس لئے خصوصیت سے اس کو ذکر کر دیا۔ تاکہ اس کا غلط ہونا جلدی مان لیں۔ پھر اسی دلیل سے دوسرے احتمال کا رد آسان ہو جائے گا۔

غرض اصل شقیں تین ہیں اور تینوں کا غلط ہونا چونکہ ظاہر تھا۔ اس لئے رد میں صرف استفہام انکاری پر اکتفا کر لیا۔ شق اول کا غلط ہونا تو اس طرح ہے کہ ممکن اپنے وجود کی ترجیح میں مرجع کا محتاج ضرور ہوا کرتا ہے۔ اور دوسری شق اس لئے باطل ہے کہ ایک چیز کو ایک ہی حقیقت

سے علت اور معمول نہیں ہو سکتی۔ اور تیسری شق اس لئے بے بنیاد ہے کہ اول تو دلائل عقلیہ سے کئی صانع کا ہونا محال ہے۔ دوسرے خود عرب اللہ کو تنہا خالق اور خود کو محتاج مانتے تھے۔

اس لئے تفصیلاً باطل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ البتہ ایک خالق ماننے سے ایک معبود کا ہونا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس لئے آگے ان کے جہل کی طرف اشارہ ہے کہ واقع میں ایسا نہیں کہ ملزوم مذکور نہ ہو یا ملزوم واقع نہ ہوتا کہ ملزوم کے وجود سے لازم کے وجود پر استدلال کرنے میں شبہ کی گنجائش ہو بلکہ ملزوم واقع بھی ہے اور ملزوم بھی ہے۔ البتہ یہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے توحید کا یقین نہیں کرتے اور وہ جہالت یہی ہے کہ ملزومیت اور لازمیّت میں غور نہیں کرتے۔ اس لئے دونوں میں ملازمت کا علاقہ ان کے ذہن سے مخفی ہے یہی مفہوم ہے آیت بسمل لا یوفون کا۔ یہاں تک تو توحید کے متعلق ان کے مزعومات کا رد ہے۔ آگے رسالت کے متعلق ان کے دوسرے مزعومات کا رد ہے۔

**نبوت و رسالت عقلی و نقلی دلیل کے آئینہ میں:** ..... ام عنہم خزائن ربک۔ یعنی کیا یہ خیال ہے کہ زمین و آسمان اگرچہ خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔ مگر ان کے خزائنوں کے جن میں نبوت بھی داخل ہے ہم مالک ہیں نبوت جس کو چاہیں ہم دیں۔ دلانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مثلاً خزانہ اپنے قبضہ میں رہے اور دوسرے یہ کہ تصرف اپنا رہے۔ کہ خزانچی بھی بلا اجازت و دستخط کے کسی کو نہ دے سکے۔ یہاں دونوں صورتوں کی نفی فرمادی۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوسروں کی نبوت کے استحقاق پر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں، بلکہ اس کے خلاف پر دلائل عقلیہ قائم ہیں اس لئے محض استفہام انکاری پر اکتفا فرمایا ہے۔ آگے دلیل نقلی کی نفی فرمادی گئی ہے۔

**ام لہم سلم۔** یعنی کیا یہ ذینہ لگا کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور وہاں سے ملاء علی کی باتیں سن آتے ہیں۔ پھر جب ان کی رسائی خود خدا تک ہے تو اب کسی بشر کے اتباع کی کیا ضرورت رہی؟ پس جس کا یہ دعویٰ ہو وہ اپنی حجت پر چڑھے۔ چنانچہ ان لوگوں میں دونوں طریقے نہیں ہیں۔ دوسرے طریقہ کی یہاں نفی فرمادی اور پہلے طریقہ کی نفی آیت ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذباً او قال او حی الی ولم یوح الیہ شیء ومن قال مائزل مثل ما انزل اللہ۔ یہاں شاید اس صورت کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وحی نازل ہونے کے دعوے کی اس لئے گنجائش معلوم نہیں ہوتی کہ پیغمبر پر اور خود ان پر نازل ہونے میں کوئی معتد بہ فرق نہیں ہے اور جس فرق پر ان کی نظر تھی اور وہ اسی کی رد سے لو لا نزل هذا القرآن علی رجل من القریٰتین عظیم کہا کرتے تھے۔ اس کا جواب وہیں گزر چکا ہے۔

غرض جب یہ پیغمبر ﷺ پر وحی کا نازل ہونا نہیں مانتے تو گویا خود ان پر نازل ہونے کا احتمال ہی نہیں رہا۔ اس لئے یہاں پہلی شق کو ذکر نہیں کیا دوسری شق پر استفہام کیا گیا ہے۔ کہ کیا آسمان پر چڑھ کر یہ وحی کا علم لاتے ہیں جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہو کہ نعوذ باللہ آپ مستحق نبوت نہیں ہیں۔ لیکن ممکن ہے کوئی بالفرض یہ دعویٰ کرنے لگے کہ ہاں ہم چڑھے اور ہم نے سنا ہے۔

تو آگے فلیات مستمعہم الخ سے احتمال عقلی کا رد فرمایا جا رہا ہے کہ کوئی ایسی صاف دلیل پیش کرو جو قواعد استدلال کی جامع ہو جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص وحی سے مشرف ہوا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ اپنی نبوت پر دلائل فارقہ پیش کر رہے ہیں۔ پس محض آسمان پر چڑھ کر سننے کو دلیل نہیں مانا جائے گا۔ کیونکہ اس خصوصیت کو مقصود میں دخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ سننا بطور وحی کے ہوا تو دلیل بنے گا ورنہ نہیں۔ آگے پھر توحید سے متعلق ایک خاص مضمون ارشاد ہے۔

**ام لہ البنات۔** یعنی کیا معاذ اللہ یہ اللہ کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں کہ اپنے لئے بیٹیاں تجویز کر رہے ہیں تو کیا اس کے احکام و ہدایات کے آگے سر جھکانا کسر شان سمجھتے ہیں اس کے ساتھ پھر رسالت سے متعلق کلام ہے۔

دعوت و تبلیغ پر معاوضہ کی فرمائش ..... ام تسلمہم۔ یعنی کیا یہ لوگ آپ کی بات اس لئے نہیں مان رہے ہیں کہ آپ دعوت و تبلیغ پر ان سے کوئی بھاری معاوضہ طلب کر رہے ہیں جس کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں۔ واقعی اگر ایسا ہوتا تب بھی ہم یہ سمجھتے کہ واقعی یہ لوگ معذور ہیں۔ مگر جب ایسا نہیں ہے تو پھر ان کے لئے کیا بہانہ رہ گیا ہے۔

آگے قیامت کے متعلق ان کے ایک فرضی خیال کی تردید ہے جس کو دوسری آیت و ما ظن الساعة قائمة و لننرجع الی ربی ان لی عنده للحسنی میں نقل کیا گیا ہے کہ اول تو قیامت ہوگی نہیں اور بالفرض ہوئی بھی تو ہم وہاں بھی مرہ میں رہیں گے۔

علم غیب سے کیا مراد ہے ..... فرماتے ہیں کہ ام عندهم الغیب کیا اللہ ان کے پاس وحی بھیجتا ہے اور پیغمبروں کی طرح انھیں بھی ہبید سے مطلع کرتا ہے جسے انہوں نے لکھ کر محفوظ کر لیا ہے اس لئے یہ خود کو آپ کی پیروی سے بے نیاز سمجھتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ جس بات پر اثبات یا نفی کوئی عقلی دلیل قائم نہ ہو وہ غیب محض ہے، اس کے اثبات، یا نفی کا وہی دعویٰ کرتا ہے جس کو کسی ذریعہ سے اس غیب پر مطلع کر دیا جائے اور مطلع ہونے کے بعد پھر وہ اس کو محفوظ بھی کر لے۔ کیونکہ علم و ادراک کے باوجود محفوظ نہ رہے۔ تب بھی دعویٰ اور حکم بلا علم رہے گا۔ پس یہ لوگ قیامت کے انکار یا اپنے لئے وہاں کی بہتری کے دعویدار ہیں تو کیا انہیں کسی ذریعہ سے غیب کی اطلاع دے دی گئی ہے۔ جیسا کہ خود حضور ﷺ کو قیامت کے ہونے اور ان کے لئے بھلائی نہ ہونے کی اطلاع وحی کے ذریعہ گئی ہے اور آپ اسے محفوظ رکھ کر سب کو پہنچا رہے ہیں اور جب ان کی یہ سب باتیں بے اصل ہیں تو ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ پیغمبر کے ساتھ داؤ پیچ کھیلیں، مکرو فریب اور خفیہ تدبیریں گانٹھ کر حق کو مغلوب یا نیست و نابود کر ڈالیں ایسا ہے تو یاد رہے کہ یہ سب داؤ پیچ انہیں پرالٹنے والے ہیں۔ عنقریب پتہ چل جائے گا کہ حق مغلوب ہوتا ہے یا وہ نابود ہوتے ہیں۔

ام لہم اللہ۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور حاکم اور معبود انہوں نے تجویز کر رکھے ہیں جو مصیبت پڑنے پر ان کی مدد کریں گے؟ کیا ان کی پرستش نے اللہ کی طرف سے ان کو بے نیاز بنا رکھا ہے؟ سو یاد رہے کہ یہ سب اوہام و وساوس ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک و سہم یا مقابل و مزاحم ہو۔ پھر آگے رسالت سے متعلق کلام ہے۔

معاندین کے لئے فرمائشی معجزات کا پورا کرنا مصلحت نہیں بلکہ پورا نہ کرنا مصلحت ہے

وان یروا کسفا من السماء یعنی شرکین جو یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم تو آپ کو اس وقت رسول جانیں جب آپ ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو۔ او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا۔ سو واقعہ یہ ہے کہ براہِ ہوضہ اور عناد کا یہ لاف عاج روگ انہیں ایسا لگا ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ ہر سچی بات کو جھٹلانے پر تلے رہتے ہیں۔ ان کی کیفیت تو یہ ہے کہ اگر بالفرض ان کی فرمائش کے مطابق آسمان کا ٹکڑا ان پر گرا دیا جائے تو دیکھتی آنکھوں اس کی بھی کوئی نہ کوئی تاویل کر بیٹھیں گے مثلاً کہہ دیں گے کہ آسمان نہیں بادل کا ایک گاڑھا اور منجمد حصہ گر پڑا ہے۔ جیسے برف باری اور ژالہ باری میں کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے۔ ولو انا فتحنا علیہم بابا من السماء فظلوا فیہ یخرجون لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون۔ بھلا بتلاؤ ایسے متعصب معاندوں سے پالا پڑ جائے تو کیا کیا جائے؟

بات یہ ہے کہ اول تو کسی بھی دعوے پر خواہ وہ رسالت کا ہو یا کچھ اور۔ مطلق صحیح دلیل کا پیش کر دینا کافی ہوتا ہے کسی خاص دلیل کا پیش کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ نہ اس کے مطالبہ کا کسی کو حق ہوتا ہے اور نہ اس سے دعویٰ میں کوئی قدح لازم آتا ہے۔ تاہم اگر تبرعا کوئی فرمائشی دلیل بھی قائم کر دی ہے تو اس کا داعیہ مصلحت ہوا کرتا ہے مثلاً کوئی طالب حق فرمائش کرے تو یہ سمجھ کر شاید اسی کے ذریعہ سے اس کو ہدایت ہو جائے



گی۔ یا کوئی اور معتد بہ مصلحت پیش نظر ہو تو فرمائی دلیل میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہاں ایسی مصلحت بھی نہیں ہے کیونکہ اس کی یہ طلب حق کے لئے نہیں اور نہ کوئی مصلحت متقاضی ہے۔ بلکہ ضد و عناد کی رو سے ہے۔ پس ایسی حالت میں ان کی رعایت کرنا ضروری نہیں رہ جاتی۔ بلکہ ایسی فرمائشوں کا پورا کرنا خلاف حکمت اور مصلحت ہے۔ پھر کیوں واقع کی جائے۔ ان کے پورا نہ کرنے سے نبوت کی نفی نہیں ہو جائے گی۔ پھر اس کی رعایت کرنا فضول ہے۔

ضدی لوگوں کا علاج اللہ کے حوالہ کرنا ہے: ... فلذہم۔ یعنی ایسے عنادیوں کے پیچھے پڑنے کی زیادہ ضرورت نہیں۔ چھوڑ دیجئے کہ کچھ روز اور کھیل کھیل لیں اور باتیں بنالیں۔ آخر وہ دن بھی آتا ہے جب قہر الہی کی کڑک بجلی سے ان کے ہوش و حواس جاتے رہیں گے اور بچاؤ کی کوئی تدبیر کام نہ دے گی۔ نہ کسی طرف سے کوئی مدد پہنچے گی نہ مخلوق کی طرف سے اس کا امکان اور نہ خالق کی طرف سے اس کا کوئی وقوع۔ اس مضمون سے آپ کی تسلی بھی مقصود ہے۔

ولکن اکثرہم لا یعلمون۔ اکثروں کو یہ خبر نہیں کہ عذاب آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ان کو سزا ہو کر رہے گی۔ شاید اکثر اس لئے فرمایا ہو کہ بعض کے لئے ایمان مقدر تھا اور چونکہ ان کی لاعلمی علم سے بدلنے والی تھی۔ اس لئے اس کو لاعلمی قرار نہیں دیا۔

واصبر۔ اب آپ صبر و استقامت کے ساتھ اپنے رب کے نگوئی اور تشریحی حکم کا انتظار کیجئے۔ جو عنقریب آپ کے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا اور آپ کو نجات کی طرف سے کچھ بھی گزند نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے زیر حفاظت ہیں البتہ ان کے بگڑنے کا غم اگر دل پر ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ دوامی ذکر اور خاص اوقات میں نماز و ذکر کا مشغل رکھئے اس سے وہ غم غلط ہو جائے گا کیونکہ بیک وقت دل میں دو خیال نہیں رہا کرتے۔

لطف سلوک: واصبر لحکم ربک۔ اس سے معلوم ہوا کہ مراقبہ حضوری، صبر اور سکینہ کے لئے موثر قوی ہے۔

## سُورَةُ النَّجْمِ

سُورَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ ثِنْتَانِ وَسِتُّونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

وَالنَّجْمِ الثَّوْبَا إِذَا هَوَىٰ ﴿١﴾ غَابَ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ طَرِيقِ الْهَدَايَةِ وَمَا غَوَىٰ ﴿٢﴾ مَا لَا بَسَّ الْغَىٰ وَهُوَ جَهْلٌ مِّنْ إِعْتِقَادٍ فَاسِدٍ وَمَا يَنْطِقُ بِمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ هَوَىٰ نَفْسِهِ إِنْ مَا هُوَ إِلَّا وَحَىٰ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ إِلَيْهِ عِلْمُهُ آيَاهُ مَلَكٌ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ﴿٥﴾ ذُو مِرَّةٍ قُوَّةٍ وَشِدَّةٍ أَوْ مَنْظَرٍ حَسَنٍ أَيْ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاسْتَوَىٰ ﴿٦﴾ اسْتَقَرَّ وَهُوَ بِالْأَفْقِ الْأَعْلَىٰ ﴿٧﴾ أَفَقُ الشَّمْسِ أَيْ عِنْدَ مَطْلِعِهَا عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا فَرَأَاهُ النَّبِيُّ ﷺ وَكَانَ بِحِرَاءَ قَدْ سَدَّ الْأَفَقَ إِلَى الْمَغْرِبِ فَخَرَّ مَغْشِيًا عَلَيْهِ وَكَانَ قَدْ سَأَلَهُ أَنْ يُرِيَهُ نَفْسَهُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا فَوَاعَدَهُ بِحِرَاءَ فَتَزَلَّ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي صُورَةِ الْأَدَمِيِّينَ ثُمَّ دَنَا قَرَبَ مِنْهُ فَتَدَلَّى ﴿٨﴾ زَادَ فِي الْقُرْبِ فَكَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴿٩﴾ مِنْ ذَلِكَ حَتَّىٰ أَفَاقَ وَسَكَنَ رُوعُهُ فَأَوْحَىٰ تَعَالَىٰ إِلَى عَبْدِهِ جِبْرِيلَ مَا أَوْحَىٰ ﴿١٠﴾ جِبْرِيلُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمَوْحَىٰ تَفْخِيمًا لِشَانِهِ مَا كَذَبَ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أَنْكَرَ الْفَوَادُ فَوَادُ النَّبِيِّ مَا رَأَىٰ ﴿١١﴾ بِبَصَرِهِ مِنْ صُورَةِ جِبْرِيلَ أَفْتَمَرُوْنَهُ تُجَادِلُوْنَهُ وَتَغْلِبُوْنَهُ عَلَى مَا يَرَىٰ ﴿١٢﴾ خِطَابٌ لِلْمُشْرِكِينَ الْمُكَرِّهِينَ رُؤْيَا النَّبِيِّ لِجِبْرِيلَ وَلَقَدْ رَآهُ عَلَى صُورَتِهِ نَزَلَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿١٣﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ﴿١٤﴾ لَمَّا أُسْرِى بِهِ مِنَ السَّمَوَاتِ وَهِيَ شَجَرَةٌ نَبَقَ عَنْ يَمِينِ الْعَرْشِ لَا يَتَجَاوَزُهَا أَحَدٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَغَيْرِهِمْ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ﴿١٥﴾ تَأْوَى إِلَيْهَا الْمَلَائِكَةُ وَأَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ وَالْمُتَّقِينَ إِذْ جِيءَ بِالسِّدْرَةِ مَا يَغْشَىٰ ﴿١٦﴾ مِنْ طَيْرٍ وَغَيْرِهِ وَإِذْ مَعْمُولَةٌ لِّرَأَاهُ مَا زَاغَ الْبَصَرُ مِنَ النَّبِيِّ وَمَا طَفَىٰ ﴿١٧﴾ أَيْ مَا حَالَ بَصَرُهُ عَنْ مَرِيئَةِ الْمَقْصُودِ لَهُ وَلَا جَاوِزَهُ تِلْكَ اللَّيْلَةُ لَقَدْ رَأَىٰ فِيهَا مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ﴿١٨﴾ أَيْ الْعِظَامَ أَيْ بَعْضَهَا فَرَأَى مِنْ عَجَائِبِ الْمَلَائِكَةِ رَفْرَفًا خُصْرًا سَدَّ أَفَقَ السَّمَاءِ وَجِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَهُ سِتُّ مِائَةٍ جَنَاحٍ أَفْرَأَيْتُمُ اللَّتَّ وَالْعُزَّىٰ

﴿۱۹﴾ وَمَنْوَةَ الثَّلَاثَةِ اللَّتَيْنِ قَبْلَهَا الْأُخْرَى ﴿۲۰﴾ صِفَةُ ذِمِّ لِلثَّلَاثَةِ وَهِيَ أَصْنَامٌ مِنْ حِجَارَةٍ كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَعْبُدُونَهَا وَيَزْعُمُونَ أَنَّهَا تَشْفَعُ لَهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَمَقْعُولُ أَرَأَيْتُمْ الْأَوَّلَ اللَّاتِ وَمَا عَظُفَ عَلَيْهِ وَالثَّانِي مَحْذُوفٌ وَالْمَعْنَى أَخْبِرُونِي الْهَذَا الْأَصْنَامَ قُدْرَةُ عَلَى شَيْءٍ مَا تَعْبُدُونَهَا دُونَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ الْقَادِرُ عَلَى مَا تَقْدَمُ ذِكْرُهُ وَلَمَّا زَعَمُوا أَيْضًا أَنَّ الْمَلَائِكَةَ بَنَاتُ اللَّهِ مَعَ كَرَاهِيَتِهِمُ الْبَنَاتِ نَزَلَ إِلَيْكُمْ الذِّكْرُ وَلَهُ الْأُنْثَى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ إِذَا قِسْمَةٌ ضِيزَى ﴿۲۲﴾ حَائِرَةٌ مِنْ ضَارٍ يَضِيزُ إِذَا ظَلَمَهُ وَجَارَ عَلَيْهِ إِنَّ هِيَ مَا الْمَذْكُورَاتُ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَيْ سَمَّيْتُمْ بِهَا أَنْتُمْ وَأَبَادُكُمْ أَصْنَامًا تَعْبُدُونَهَا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا أَيْ بِعِبَادَتِهَا مِنْ سُلْطَانٍ حُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ إِنَّ مَا يَتَّبِعُونَ فِي عِبَادَتِهَا إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ مِمَّا زَيَّنَهُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مِنْ أَنَّهَا تَشْفَعُ لَهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى ﴿۲۳﴾ عَلَى لِسَانِ النَّبِيِّ ﷺ بِالْبُرْهَانِ الْقَاطِعِ فَلَمْ يَرْجِعُوا عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ أَمْ لِلْإِنْسَانِ أَيْ لِكُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ مَا تَمَنَّى ﴿۲۴﴾ مِنْ أَنَّ الْأَصْنَامَ تَشْفَعُ لَهُمْ لَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ فَلِلَّهِ مَعَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى ﴿۲۵﴾ أَيْ الدُّنْيَا فَلَا يَقَعُ فِيهِمَا إِلَّا مَا يُرِيدُهُ تَعَالَى وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ أَيْ كَثِيرٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فِي السَّمَوَاتِ وَمَا أَكْرَمَهُمْ عِنْدَ اللَّهِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لَهُمْ فِيهَا لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَرْضَى ﴿۲۶﴾ عَنْهُ لِقَوْلِهِ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَى وَمَعْلُومٌ أَنَّهَا لَا تَوْجِدُ مِنْهُمْ إِلَّا بَعْدَ الْإِذْنِ فِيهَا مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيَسْمُؤْنَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةً الْأُنْثَى ﴿۲۷﴾ حَيْثُ قَالُوا هُمْ بَنَاتُ اللَّهِ وَمَا لَهُمْ بِهِ بِهَذَا الْقَوْلِ مِنْ عِلْمٍ إِنَّ مَا يَتَّبِعُونَ فِيهِ إِلَّا الظَّنُّ الَّذِي تَخِيلُوهُ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿۲۸﴾ أَيْ عَنِ الْعِلْمِ فِيمَا الْمَطْلُوبُ فِيهِ الْعِلْمُ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّى عَنْ ذِكْرِنَا أَيْ الْقُرْآنَ وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ ذَلِكَ أَيْ طَلَبُ الدُّنْيَا مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ أَيْ نِهَائَةُ عِلْمِهِمْ أَنْ اتَّروا الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ اهْتَدَى ﴿۳۰﴾ أَيْ عَالِمٌ بِهِمَا فَيَحَازِيهِمَا وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَيْ هُوَ مَالِكٌ لِدُنْيَاكَ وَمِنْهُ الضَّالُّ وَالْمُهْتَدِي يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا مِنَ الشَّرِّ وَغَيْرِهِ وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْتَّوْحِيدِ وَغَيْرِهِ مِنَ الطَّاعَاتِ بِالْحُسْنَى ﴿۳۱﴾ أَيْ الْجَنَّةِ وَبَيْنَ الْمُحْسِنِينَ بِقَوْلِهِ الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبِيرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ هُوَ صِغَارُ الذُّنُوبِ كَالنَّظَرَةِ وَالْقُبْلَةِ وَاللَّمَسَةِ فَهُوَ اسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ وَالْمَعْنَى لَكِنَّ اللَّمَمَ تُغْفَرُ بِاجْتِنَابِ الْكَبَائِرِ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ بِذَلِكَ وَبِقَبُولِ التَّوْبَةِ وَنَزَلَ فِيمَنْ كَانَ يَقُولُ صَلَاتُنَا صِيَامُنَا حُجَّتُنَا هُوَ أَعْلَمُ أَيْ عَالِمٌ بِكُمْ إِذَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ

الْأَرْضِ أَى خَلَقَ أَبَاكُمْ أَدَمَ مِنَ التُّرَابِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجْنَةٌ جَمْعُ جَنِينٍ فِى بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْا  
أَنْفُسَكُمْ لَا تَمْدَحُوْهَا أَى عَلَى سَبِيلِ الْإِعْجَابِ أَمْ عَلَى سَبِيلِ الْإِعْتِرَافِ بِالنِّعْمَةِ فَحَسَنٌ هُوَ أَعْلَمُ أَى عَالَمٌ  
بِمَنْ أَنْقَى ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ..... سورۃ نجم مکہ ہے۔ جس میں ۶۲ آیات ہیں، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قسم ہے ثریا (ستارہ) کی جب وہ غروب (غائب) ہونے لگے یہ تمہارے صاحب (محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام راہ ہدایت سے) نہ تو بھٹکے اور نہ  
غلط رستہ ہوئے۔ (نہ کج روی اختیار کی، غولیت کے معنی بد عقیدگی کی جہالت کے ہیں) اور نہ آپ باتیں بتاتے ہیں (وحی کے سلسلے میں) اپنی  
(نفسانی) خواہش سے ان کا ارشاد تو سرتاسر وحی ہے۔ جو (ان) پر بھیجی گئی ہے ان کو (ایک فرشتہ) تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقت ور ہے پیداؤں  
قوی ہے (نہایت مضبوط یا خوبصورت یعنی جبرئیل علیہ السلام) پھر وہ فرشتہ اصلی صورت پر نمودار (ظاہر) ہوا ایسی حالت میں کہ وہ بلند کنارہ پر  
تھا (سورج کے افق یعنی اس کے نکلنے کی جگہ پر) اپنی اصلی صورت میں، آنحضرت ﷺ نے ان کو غار حرا سے دیکھا کہ مشرق سے مغرب تک  
سارے کنارے چھپ گئے ہیں۔ دیکھتے ہی آپ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمائش کی تھی کہ خود کو اپنی اصلی  
شکل پر نمایاں کریں۔ جس کا وعدہ انہوں نے مقام حرا پر کر لیا تھا۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں نمودار ہوئے (پھر وہ فرشتہ نزدیک  
(قریب) آیا پھر اور نزدیک (قریب تر) آیا۔ سو دو کمانون کے برابر (مقدار) بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا (حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کو افاقہ  
اور سکون خاطر ہو گیا) پھر اللہ نے اپنے بندہ (جبریل) پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل کیا (جبریل) نے آنحضرت ﷺ پر، خود اس وحی کو بیان  
نہیں فرمایا۔ اس کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے) کوئی غلطی نہیں کی (لفظ کذب تخفیف و تشدید کے ساتھ ہے یعنی انکار نہیں کیا) قلب  
(نبوی) نے جو کچھ دیکھا (اپنی آنکھ سے جبرئیل کی صورت) تو کیا ان سے تم جھگڑتے ہو (نزاع کر کے انہیں دباتے ہو) ان کی دیکھی ہوئی  
چیز کے متعلق (یہ خطاب ان مشرکین کو ہے جو آنحضرت ﷺ کے جبرئیل کو دیکھنے کے منکر ہیں) اور انہوں نے فرشتہ کو (اس کی اصلی شکل میں  
(ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے، سدرۃ المنتہی کے پاس) جب کہ آنحضرت ﷺ شب اسریٰ میں آسمانوں پر تشریف لے گئے، عرش کی داہنی  
جانب میری کا درخت سرحد ہے جس سے آگے فرشتہ وغیرہ کوئی نہیں بڑھ سکتا) اس کے قریب جنت المادئی بھی ہے (جہاں فرشتوں اور شہداء  
اور متقیوں کی ارواح کا ٹھکانہ ہے) جب کہ سدرۃ المنتہی کو لپٹ رہی تھیں۔ جو چیزیں لپٹ رہی تھیں (چڑیاں وغیرہ اذ معمول ہے راہ کا) نگاہ  
(نبی) نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی (یعنی آپ کی نظر مقصود سے نہ تو ادھر ادھر ہوئی اور نہ مقصد سے تجاوز کیا، اس رات میں) انہوں نے (اس میں) اپنے  
پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے (یعنی بڑی بڑی نشانیاں چنانچہ عجائب ملکوت میں ہنر و فرفر دیکھا جو سارے آسمانوں کو گھیرے  
ہوئے تھا اور جبرئیل علیہ السلام کو جن کے چھ سواڑو تھے) بھلا تم نے لات اور عزرائی اور تیسرے منات کے حال میں غور کیا ہے (جو پہلے دور  
کے علاوہ) ایک اور بھی ہے آخری ثالث کی صفت مذمت ہے۔ یہ پتھروں کے بت تھے جن کی مشرکین پوجا کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ اللہ  
کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے افراتیم کا مفعول لات اور اس کے معطوفات ہیں اور مفعول ثانی محذوف ہے یعنی ذرا یہ بتلاؤ کہ ان بتوں کو  
کسی چیز پر بھی کچھ قدرت ہے کہ تم اللہ قادر کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہو۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اور چونکہ اللہ کے لئے بیٹیاں بھی  
مانتے تھے۔ حالانکہ خود ان کو ناپسند کرتے تھے اس پر نازل ہوا کہ) کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہوں اور اللہ کے لئے بیٹیاں اس طرح تو یہ بہت  
بڑے ڈھنگی تقسیم ہوئی (خالمانہ، غمازہ وغیرہ سے یعنی ظلم و جور کیا) یہ زے (مذکورہ) نام ہی نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے

نہر الیا ہے (بت بنا کر پوجا کرتے ہو) اللہ نے تو (ان کی عبادت کی) کوئی دلیل (جنت و برہان) بھیجی نہیں۔ یہ لوگ (ان کی پوجا پاٹ کرنے میں) صرف بے اصل خیالات اور خواہش نفس پر چل رہے ہیں (جو شیطان نے ان کے لئے مزین کر کے پیش کئے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں سفارشی ہوں گے) حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے ہدایت آچکی ہے (پیغمبر ﷺ کی زبانی قطعی دلیل کے ساتھ، پھر بھی اپنی ہچکے سے باز نہیں آتے) کیا (ان میں سے ہر) انسان کو اس کی تمنا مل جاتی ہے (کہ یہ بت ان کے لئے سفارشی ہوں گے ایسا نہیں ہے) سو خدا ہی کے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا (لہذا دونوں جگہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا) اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں (اللہ کے ہاں ان کا کس قدر اکرام ہے) ان کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ جس کے لئے (اپنے بندوں میں سے) چاہیں (وہاں) اجازت دیں اور راضی ہوں (جیسا کہ آیت لا یشفعون الا لمن ارتضیٰ میں فرمایا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ اہل شفاعت کی جانب سے انہی لوگوں کے بارہ میں سفارش کی جائے گی جن کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی۔ من ذالذی یشفع عنده الا باذنه) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کو بیٹیوں کے نام سے پکارتے ہیں (چنانچہ انہیں بنات اللہ کہتے ہیں) حالانکہ اس (بات) کی کوئی دلیل نہیں۔ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں (جو انہوں نے گھڑ رکھے ہیں) اور یقیناً بے اصل خیالات حق کے معاملہ میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے (یعنی علمی فائدہ جہاں علم ہی مطلوب ہو) سو آپ ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹائیے جو ہماری نصیحت (قرآن) کا دھین نہیں کرتا اور صرف دنیاوی زندگی ہی اس کو مقصود ہو (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) یہی (دنیا طلبی) بس ان کے فہم کی حد ہے (یعنی ان کے علم کی آخری پرواز دنیا کو آخرت سے بڑھانا ہے) بلاشبہ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہے (یعنی اللہ دونوں سے واقف ہے لہذا دونوں کو بدلہ ملے گا) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے (یعنی وہ سب کا مالک ہے جن میں گمراہ اور ہدایت یافتہ بھی ہیں وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت دے دے) جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ برا کام (شرک وغیرہ) کرنے والوں کو ان کے کام کے عوض سزا دے گا۔ اور نیک کام تو حید وغیرہ بجالانے والوں کو ان کے نیک کاموں کے عوض جزا دے گا (جنت آگے نیک کام کرنے والوں کا بیان ہے) وہ بڑے گناہوں اور بے حیائیوں کی باتوں سے بچتے ہیں۔ بجز معمولی باتوں کے (چھوٹے گناہوں کے جیسے نامحرم پر نظر یا اجنبیہ سے بوس و کنار کرنا۔ الا استثنیٰ، منقطع ہے یعنی چھوٹے گناہ البتہ بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے ہوئے معاف کر دیئے جاتے ہیں) بلاشبہ آپ کے پروردگار کی بخشش بڑی وسیع ہے (اس صورت میں اور تو یہ قبول کرنے میں۔ اگلی آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یوں کہا کرتے تھے کہ ہماری نمازیں روزے حج کیا ہوئے) وہ تم کو خوب جانتا ہے جب تمہیں زمین پر پیدا تھا (یعنی سب کے باوا آدم کو مٹی سے بنایا) اور جب تم بچے تھے (اجنۃ جمع جنین کی ہے) اپنی ماؤں کے پیٹ میں۔ اس لئے اپنے کو مقدس مت سمجھا کرو (یعنی خود پسندی سے) تم خود ستائی مت کیا کرو۔ البتہ بطور شکر نعمت کے اظہار کرنا عمدہ بات ہے) وہی خوب واقف ہے کہ صاحب تقویٰ کون ہے؟

**تحقیق و ترکیب** ... النجم۔ بطور تغلیب خاص ثریا مراد ہے۔ بقول ابن عباس و مجاہد عام آسمانی ستارے یا قرانی نجوم ہدایت مراد ہیں۔ اور ”ہوئی“ سے نازل ہونا مراد ہے۔ انھیں کے نزدیک درخت کی نیل مراد ہے اور ہوئی سے اس کا زمین پر گر جانا۔ صل صاحبکم۔ ضلالت کے معنی معصیت کے ہیں اور غوایت جہل مرکب کو کہتے ہیں۔ مفسر نے بھی دونوں کے تفریق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ضلالت کا تعلق قول سے ہوتا ہے اور غوایت کا فعل سے۔ بقول مفسر عثمان۔ خاص علی الاعمال ہے۔ وما یسطق۔ مفسر نے عام وحی مراد لی ہے خواہ وہ قرآن ہو یا سنت۔ یہ اس سے بہتر ہے جو بعض حضرات نے خاص قرآن سے تفسیر کی ہے۔

کیونکہ اس میں وحی جلی و خفی دونوں داخل ہیں۔

ان ہو الا وحی۔ جو حضرات اس سے آنحضرت ﷺ کے اجتہاد کی نفی پر استدلال کرتے ہیں ان کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اول تو اس سے صرف قرآن مراد ہے اور اگر عموم بھی مراد ہو تب بھی معنی یہ ہوں گے جب آپ کو اجتہاد کرنے کی وحی کی جاتی ہے تو وحی کے مطابق ہی آپ گفتگو فرماتے ہیں۔ پس وہ مامور اجتہاد بھی وحی ہوتا ہے اور اسی اجتہاد ہی کو منشائے خداوندی سمجھا جائے گا البتہ اس پر شبہ رہے گا کہ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ آپ کے اجتہاد میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہے۔

علمہ شدید القوی۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور فاستویٰ سے آخر تک آنحضرت ﷺ مراد ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے۔ ولما اسری بی الی السماء قربنی ربی حتی کان بینی و بینہ کقاب قوسین او ادنیٰ۔

ذومرہ۔ ابن عباسؓ سے ”منظر حسن“ تفسیر منقول ہے۔

فاستویٰ۔ یعنی جبریل بطور تمثیل نمایاں نہیں ہوئے۔ بلکہ اصلی شکل پر نمودار ہوئے جو آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے۔ ورنہ عام طور پر دجیہ قلبی کی صورت میں متماثل ہوا کرتے تھے۔

فقدلی۔ دلالت الدلو الی البئر کنویں میں ڈول لٹکا یا دلی بمعنی نزل مجازاً زیادہ قرب مراد ہے۔ اور بعض نے کلام میں تقدیم تاخیر مانی ہے اصل عبارت اس طرح تھی۔ ثم قدلیٰ قدنیٰ۔

قاب قوسین۔ کمان کے تانت اور پکڑنے کی موٹھ کے درمیانی فاصلہ کو قاب قوسین کہا جاتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ ”قاب قوس“ کا الٹا ہے۔ عرب جاہلیت میں جب دو آدمی باہمی معاہدہ کرتے تو اپنی اپنی کمانوں کو ملا کر قرب کا عہد کرتے اور پھر ایک ساتھ مل کر تیر چھوڑتے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دونوں کی خوشی ناخوشی ایک ہو گئی۔ یہاں کے بطور محاورہ انتہائی قرب مراد ہے۔

ما او وحی۔ اللہ و رسول کا یہ کلام راز دارانہ ہوا۔ اور بعض کی رائے یہ کہ حق تعالیٰ کا حضور ﷺ کو یہ ارشاد مراد ہے کہ آپ کو اور آپ کی امت کو جب تک جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا پہلے انبیاء اور امتوں کو بھی داخل نہیں کیا جائے گا۔

ما کذب الفواد ما رأی یعنی ہمتن دل و دماغ سے متوجہ ہو کر آپ نے معائنہ فرمایا۔

ما یغشی۔ بعض نے سونے کی چڑیاں اور سدی نے پرندے اور مقاتل نے فرشتے غربال کی شکل میں اور حسنؓ نے انوار الہی مراد لئے ہیں۔

ما زاغ البصر۔ اس سے اللہ کی ظاہری تجلی پر استدلال کیا گیا ہے۔ ورنہ قلبی معائنہ مراد ہوتا تو ”ما زاغ قلبہ“ فرمایا جاتا۔ پھر قلبی مشاہدہ کا یہاں کوئی قرینہ بھی نہیں ہے۔

الکبریٰ۔ مفسر نے لفظ عظام سے اشارہ کیا ہے کہ یہاں اسم تفضیل مراد نہیں ہے۔ البتہ بطور کلی مشکک بڑائی کی کوئی حد نہیں ہے۔ اور من تبعیضہ ہے جس سے بعض نشانیاں مراد ہیں جن میں سے رف رف بھی ہے۔ جس طرح زمین سے آسمان پر لے جانے کے لئے براق ایک سواری تھی اسی طرح سدرۃ المنتہی سے آگے جانے کے لئے سبز رف بطور خادم ساتھ ہوا۔ یہ اسم جمع ہے اس کا واحد رفرف ہے یا اسم جنس ہے۔ بہترین قالین، عالیچہ، تکیہ خاص قسم کا گدا۔ نمارق، فارق سب کو رف رف کہتے ہیں اور بعض کی رائے میں خیمہ کے اطراف اور کناروں کو ”رفاف“ کہتے ہیں۔

افراہنتم۔ استفہام انکاری ہے بت پرستی کرنے پر مشرکین کو سرزنش کی جارہی ہے۔

ومنۃ الثالثة الاخریٰ۔ یعنی یہ بت تیسرے درجہ کا ہے۔ بعض کی رائے میں یہ کعبہ میں نصب تھا اور بعض کے نزدیک طائف میں ثقیف کے یہاں تھا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اس نام کا ایک شخص ایک پتھر پر بیٹھ کر حاجیوں کو کھانا کھلاتا اور ستوپلاتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد کے لوگوں

نے اس پتھر ہی کی پوجا کرنی شروع کر دی۔

اھرائیم کا مفعول ثانی مشہور تو ہے کہ انجیرونی ہذہ الاصنام بنات اللہ ہے۔ علامہ طبری کی رائے ہے کہ شرکین فرشتوں کو بت اور خدائی بنیاں مانتے تھے۔ لیکن مفسر کے نزدیک چونکہ ثابت نہیں۔ اس لئے انہوں نے تقدیر عبارت اور مانی ہے۔

صیزی۔ فعلی کے وزن پر ہے کیونکہ فعلی کا وزن صفت لئے نہیں آتا۔ اس لئے ضاد پر کسرہ آگیا یا کی وجہ سے جیسے کہ بنض میں ہے۔ ضائرہ، ضارہ کی طرح ہے۔

سمیتموہا۔ یہاں یہ شبہ ہے کہ اسماء کا نام نہیں رکھا جاتا بلکہ کسی کا نام رکھا جاتا ہے۔ پھر یہاں کیسے سمیتموہا مایا گیا۔ مفسر جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ یہ کلام حذف والیصال کے قبیل سے ہے اور مفعول اول اصنام محذوف ہے۔

وما تھوی الانفس۔ موصولہ ہے یا مصدریہ۔ اور ظن پر عطف کرتے ہوئے یہ منصوب اکمل ہے۔ ولقد جاء ہم۔ جملہ معترضہ ہے یا تبعون کی ضمیر فاعل سے حال ہے اور اس سے مقصود تاکید ہے کفار کی بد حالی کی اور انکل بچو باتوں کی پیروی کے لغو ہونے کی۔

ام للانسان۔ ام منقطعہ ہے اور استفہام انکاری ہے۔ یہاں انسان سے مراد کافر ہے اور تمنا سے مقصود آخرت میں بتوں کی۔ فارش ع ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ۔

فللہ الاخرۃ۔ پچھلے بیان کے لئے یہ بمنزلہ دلیل ہے کہ اللہ اسی کو عطا فرماتا ہے کہ جو اسی کا ہو رہتا ہے اور جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔ وما اکرمہم۔ جملہ تعجیبیہ ہے یعنی اللہ کے یہاں کتنے مکرم ہیں۔ مگر پھر بھی ان کی مرضی کے بغیر کوئی دم بھی نہیں مار سکتا۔

من عبادہ۔ اس سے مشغول، انسان مراد ہیں یا شفیع فرشتے۔

لا یؤمنون بالآخرۃ۔ اگرچہ آیت ہولاء شفعاء نا عند اللہ سے کفار کا آخرت کا تسلیم کرنا معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ آیت ما اظن الساعۃ قائمۃ ولن رجعت الی ربی ان لی عنده للحسنی سے ان کے نزدیک غیر یقینی ہونا معلوم ہو رہا ہے۔ اس لئے یہاں ان کو منکر آخرت فرمایا گیا ہے۔ رہا بتوں کو۔ فارشی مانا وہ محض احتمالی تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ آخرت اگرچہ مانتے تھے مگر پیغمبروں کے فرمانے کے مطابق نہیں۔ بلکہ خود ساختہ اس لئے ان کو منکر ہی مانا گیا۔

تسمیۃ الانبی۔ ملائکہ میں تائے تانیث سمجھتے ہوئے نیز فسجدت الملائکۃ میں بھی فعل مونث ہے اس سے وہ فرشتوں کو بنات اللہ کہتے ہیں۔

من الحق شینا۔ یعنی گمان سے علم قطعی حاصل نہیں ہوتا جو مطلوب ہے عقائد و اصول میں جو احکام فرعیہ کی بنیاد ہیں مفسر نے عن العلم تھکما کہہ دیا ہے۔

مبلغہم من العلم۔ چنانچہ دعائے ماثورہ ہے۔ اللہم لا تجعل الدنیا کبرہمنا ولا مبلغ علمنا۔ یہ جملہ معترضہ ہے جس سے ان کی حضور ہمت مقصود ہے۔

ان ربک۔ یہ جملہ فاعرض عن تو لی کی دلیل ہے۔

واللہ ما فی السموات۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ لیجزی الذین الخ واللہ ما فی السموات الخ کی ملت ہے اور بعض نے اس کو ما قبل کے مضمون تخلیق عالم کی ملت کہا ہے اور بعض نے ہو اعلم بمن ضل کی ملت قرار دیا۔

بالحسی یہ صفت ہے موصوف ثبوتہ بمعنی جنت ہے اس صورت میں باصلہ کی ہوگی اور یا اعمال خستہ مراد ہیں اس وقت باسیہ ہوگی۔



الذین یجتنبون۔ یہ منسوب ہے الذین احسنوا کی صفت ہونے کی وجہ سے یا اعتنی یا امدح مقدر ہے۔

کبائر الاثم۔ گناہ کبیرہ کے سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں، مجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جس پر وعید یا حد آئے۔ حدیث قال رسول اللہ ﷺ اجتنبوا السبع الموبقات قبل یا رسول اللہ وما هن قال الشوک باللہ وهو اکبر الکبائر والسحر وقتل النفس التي حرم اللہ الا بالحق واکل الربوا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المومنات کی رو سے بعض حضرات نے سات گناہ کبیرہ فرمائے ہیں اور بعض کے نزدیک جن پر وعید یا لعنت آئی ہے۔ اور بعض کے نزدیک جن پر جہنم کی وعید بیان کی گئی ہے۔ سب سے بہتر تعریف قرطبی نے کی ہے جس گناہ کو قرآن یا حدیث یا اجماع میں کبیرہ کہا گیا ہو اس پر شدت مذاب یا شدت نکیر یا حد آئی ہو وہ کبیرہ ہے۔

ابن عطاء کہتے ہیں کہ اللہ کے فضل پر نظر کی جائے تو کوئی گناہ کبیرہ نہیں اور اس کے عدول پر نظر کی جائے تو کوئی صغیرہ نہیں رہتا۔ اور حلیسی فرماتے ہیں کہ ہر گناہ کبیرہ بھی ہے اور صغیرہ بھی نیز صغیرہ گناہ کبیرہ اور کبیرہ گناہ فاحشہ بن سکتا ہے۔ بجز شرک کے کہ وہ تو اکبر الفواحش ہے۔ اس میں صغیرہ ہونے کی گنجائش نہیں۔ البتہ اس میں فاحش اور فاحش کے مراتب نقل کئے ہیں اور بعض حضرات نے صغیرہ اور کبیرہ کو اضافی مانا ہے۔ ہر گناہ بڑے گناہ کے اعتبار سے صغیرہ ہے اور چھوٹے گناہ کے لحاظ سے کبیرہ ہے۔ اور عشاق کا مذاق یہ ہے کہ اللہ کے بغیر سانس لینا بھی کفر ہے۔ حدیث بالا میں سات کا عدد تخصیص کے لئے نہیں بلکہ تکثیر کے لئے ہے اور فواحش گندے گناہوں کو کہتے ہیں۔

لحم۔ معمولی قصور اور کوتاہی۔ لحم دراصل چھوٹی اور حقیر چیز کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اللحم والممس معمولی جنون کو کہتے ہیں الم بالکان کسی جگہ ٹھہرنا الم بالطعم تم تھوڑا سا کھانا۔ ابو العباس کہتے ہیں کہ کسی کام کو محض ”جھوٹا“ الم بلف کسی چیز کے نزدیک گیا مگر اس کو کیا نہیں۔ ازہری کہتے ہیں کہ اہل عرب المام کہتے ہیں خوب ہونے کو۔

مصباح میں ہے کہ لحم گناہ کے قریب ہونے کو کہتے ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ کے معنی لئے ہیں۔ جب کہ اصرار نہ ہو۔ جیسا کہ مفسر نے کچھ مثالیں بیان کی ہیں۔ اس صورت میں استثناء منقطع ہوگا۔ لیکن بعض نے لحم گناہ کبیرہ کہا ہے۔ اسی یجتنبون من الکبائر کلها الا القلیل منہما مرة او مرتین بلا اصرار۔ اس وقت استثناء فصل ہو جائے گا کبار کے اجتناب کے ساتھ صغائر معاف ہو جانا چونکہ معتزلی کی رائے ہے اس لئے مفسر کی عبارت لکن اللحم تغفر باجتناب الکبائر میں باکو مصاحبت کے لئے لیا جائے گا۔ تاکہ اہل سنت کے مطابق عبارت ہو جائے۔

ان ربک واسع المغفرة۔ یہ جملہ اللحم کی علت ہے یعنی صغائر اگرچہ گناہ ہیں اور قابل مواخذہ ہیں مگر رحمت کی وجہ سے ان پر دارو گیر نہیں ہوگی اور کبار جس طرح توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں وہ چاہے توبہ یا توبہ بھی معاف ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ اہلسنت فرماتے ہیں۔

اذ انتم اجنة۔ اس کا عطف ”اذا نشاء کم“ پر ہے عجب و خود بینی میں مبتلا ہو کہ ہم اول سے آخر تک تم سے واقف ہیں بلکہ تحدیث نعمت کی اجازت بلکہ مستحق ہے۔

فلا تزکوا۔ نفس چونکہ خسیس ہوتا ہے اس لئے اپنی تعریف کرنے اور دوسروں کی تعریف سننے سے پھول جاتا ہے جو ہلاکت کا سامان ہے ہضم نفس اور تواضع ضروری ہے۔ البتہ نیکی پر طبعی مسرت وہ طاعت ہے۔

من اتقى۔ حقیقتہً تقویٰ اللہ کو معلوم ہے اور وہ قابل قدر ہے لیکن ریاء و نمود باعث ہلاکت ہے۔

روایات: روی ان رسول اللہ ﷺ لما بلغ سورة المنتهى جاءه الرفرف فتنوا له من جبرئیل وطار به الى العرش

حتى وقف به بين يدي ربه ثم لما حان الانصراف تناول فطار به حتى اواه الى جبرئيل . الا اللمم عن ابى هريرة ان اللمم هي النظرة والقبلة والعمرة والمباشرة ، فاذا مس الختان الختان فقد وجب الغسل وهو الزنا .

رابط آیات: پچھلی سورت میں توحید، رسالت، قیامت، مجازات کے مضامین تھے۔ اس صورت میں بھی یہی مضامین ہیں۔ چنانچہ شروع سورت، رسالت سے ہو رہی ہے۔ پھر آیت افراتیم اللات سے توحید کا بیان ہو رہا ہے۔

﴿تشریح﴾: ..... والنجم، یعنی جس طرح ستارہ طلوع سے لے کر غروب تک تمام تر مسافت میں اپنی باقاعدہ اور مقررہ رفتار سے بال برابر ادھر ادھر نہیں ہوتا۔ اسی طرح آپ بھی ساری عمر راہ مستقیم پر رہے۔ ذرا بھی کجی نہیں کی۔ غروب سے لے کر طلوع تک بھی ستارہ اگرچہ یہی راستہ رفتاری رہتی ہے مگر نظر نہیں آتا۔ لیکن طلوع سے غروب تک کیفیت مشاہد محسوس رہتی ہے۔

نیز اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ستارہ سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے اسی طرح آپ بھی منبع ہدایت ہیں اور چونکہ آسمان کے وسط میں ستارہ کی سمت کا اندازہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے رہنمائی مشکل ہے، اس لئے کنارہ کی تخصیص کی اور کنارہ میں مغربی کنارے کی تخصیص کی۔ کیونکہ مشرقی کنارہ کی نسبت مغربی کنارہ میں قرب نمایاں ہوتا ہے۔ نیز غروب کے وقت طالبان رہنمائی غیبت سمجھتے ہیں کہ ذرا چوک ہو گئی تو رہنمائی سے محروم ہو جائیں گے برخلاف طلوع کے اس میں ایک گونہ بے فکری رہتی ہے گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا دم غیبت سمجھو اور دولت ہدایت لوٹ لو ورنہ پچھتاؤ گے۔

انبیاء کرام نجوم ہدایت اور آنحضرت آفتاب ہدایت ہیں: انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے درخشاں ستارے ہیں جن کی روشنی سے دنیا کی رہنمائی ہوتی رہی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب عالم تاب طلوع ہوتا ہے۔ ایسے ہی تمام کے تشریف لے جانے کے بعد آفتاب محمدی مطلع عرب سے جلوہ گر اور ضو قلمن ہوا ہے پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا نظام کس قدر محکم و مضبوط ہونا چاہیے جن سے ایک عالم کی ہدایت و سعادت وابستہ ہے۔

وما ينطق . ایک حرف بھی آپ کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو نفسانی خواہش پر مبنی ہو بلکہ دین کے سلسلہ میں جو کچھ آپ ارشاد فرماتے ہیں خواہ وہ قرآن کی صورت میں یا حدیث کے رنگ میں سب اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے اور جب آپ کے کلام کا یہ حال ہے تو آپ کا کام کیسے مرضی حق کے خلاف ہو سکتا ہے۔ یہ تو اس کا حال ہے جس پر وحی آتی ہے اور وحی بھیجنے والا اللہ ہے۔ اس کی قوت و عظمت کا تو کیا ہی پوچھنا۔ جب کہ وحی لانے والا فرشتہ جس کے ذریعہ سے پیغام آپ تک پہنچتا ہے۔ وہ بھی انتہائی طاقت ور، زور آور، حسین و جمیل فرشتہ جبرائیل امین ہیں۔ جن کی نسبت سورہ تکویر میں انہ لقول رسول کریم رُفِرمایا گیا ہے۔

ایک روایت میں خود جبرائیل نے اپنی طاقت کے متعلق فرمایا کہ میں نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر آسمان کے قریب تک اٹھا کر پٹک دیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام شیطان کے ذریعہ نہیں آیا۔ کہ آپ کے کاہن ہونے کا احتمال ہو اور وہ فرشتہ بھی ایسا کمزور نہیں کہ راستہ میں شیطانی تصرف کا امکان ہو۔ شیطان کی کیا مجال کہ اس کے قریب بھی بٹک سکے۔

پھر وحی آنے کے بعد انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون میں مکمل حفاظت کا خدائی وعدہ کیا گیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: رہا یہ شبہ کہ جب آنحضرت ﷺ نے جبرائیل کو دیکھا ہی نہیں، ان سے شناسائی نہیں تو یہ کیسے یقین کر لیا کہ جبرائیل ہی ہیں۔

ممکن ہے کوئی دوسری چیز ان کے روپ میں آگئی ہو؟ اس شبہ کو بھی صاف کر دیا کہ اول تو جبریل کو بارہا انسانی خاص شکل میں دیکھا اور اس مخصوص صورت میں تشخصات اصلیہ اور عارضہ کو علم ضروری کے اعتبار سے آپ کے لئے ممتاز اور الگ الگ کر دیا گیا۔ پھر دو مرتبہ نہایت واضح طور پر ان کی اصلی شکل و صورت میں بھی مشاہدہ کر لیا۔ اس لئے تلمیذ کا کوئی شبہ ہی نہیں رہا۔

ایک روایت کے مطابق اکثروں نے مشرقی افق سے جبریل کا نمودار ہوتا بیان کیا ہے۔ جدھر سے صبح صادق طلوع ہوتی ہے۔ جبریل اپنی اصلی شکل میں کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت آسمان ایک کنارے سے دوسرے کنارہ تک ان کے وجود سے بھرا نظر آیا۔ یہ غیر معمولی اور مہیب منظر چونکہ پہلی مرتبہ آپ نے ابتداء وحی میں دیکھا تھا۔ دیکھ کر گھبرائے اور بے ہوش ہو گئے۔ یہاں جبریل جلوه نہ بالکل آسمان کے کنارے پر ہوا اور نہ درمیان میں۔ بلکہ کنارہ سے قدرے اوپر کو ہوا۔ تاکہ بسوالت آپ ملاحظہ فرما سکیں۔ آپ کی تسکین کے لئے پھر جبریل انسانی شکل میں آپ سے اتنے قریب ہوئے کہ دو ہاتھ یا دو کمانوں سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ اس وقت سورہ مدثر یا کچھ اور احکام نازل ہوئے۔ فکان قاب قوسین او ادنیٰ میں اوشک کیلئے نہیں ہے بلکہ اس قسم کی ترکیب پوری تاکید اور مبالغہ کے ساتھ نفی کیلئے ہوا کرتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ تعین کر کے یہ بتلانا مقصود نہیں کہ ”قوسین“ کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم۔ بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ بس اس سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ ”قوسین“ سے تو دونوں میں صورۃ قرب و اتفاق کو بتلانا ہے مگر یہاں چونکہ روحانی اور قلبی قرب و اتفاق بھی تھا اس لئے ”اودنیٰ“ بڑھا کر یہ ظاہر کر دیا کہ اتفاقی صورت کے ساتھ روحانی قربت بھی تھی۔ جس سے معرفت تامہ حاصل ہو گئی اور صورت ذہن میں محفوظ ہو کر تشخصات اصلیہ و عارضیہ کے درمیان امتیاز کا باعث بن گئی۔

آنحضرت نے جبریل کو مکمل طور پر شناخت کر لیا۔ فاوحی الی عبدہ۔ اس وقت کیا وحی ہوئی؟ نہ تو اس کی تعین و تخصیص معلوم اور نہ معلوم ہونے کی حاجت ہے ممکن ہے کہ جبریل کی معرفت سے متعلق ہی کچھ وحی ہو۔ اگرچہ یہاں مقصود جبریل کی اصل شکل دکھانا تھا۔ تاہم اس حالت میں بھی وحی کرنے سے مقصود جبریل ہی کی معرفت مکمل کرنا ہو گا۔ تاکہ اصلی اور نقلی دونوں طرح جبریل کا بھی مکمل تعارف ہو جائے اور وحی کی بھی پورے طور پر شناخت ہو جائے اور یقین میں قطعیت آجائے۔ کسی طرح کا التباس نہ رہے اور سمجھ لیا جائے کہ دونوں صورتوں میں وحی حقیقت واحدہ ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی شخص کی آواز، طرز کلام، لب و لہجہ سے کوئی واقف ہو تو آواز بدلنے پر بھی صاف پہچان لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص ہے اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔

آنحضرت ﷺ نے آنکھ اور دل دونوں سے جبریل کو پہچان لیا۔ ما کذاب الفؤاد۔ یعنی آپ نے جبریل کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور دل نے اندر سے کہا اس وقت آنکھ ٹھیک ٹھیک جبریل ہی کو دیکھ رہی ہے کوئی غلطی نہیں کر رہی کہ کچھ کا کچھ نظر آ گیا ہو۔ ایسا کہنے میں آپ کا دل سچا تھا۔ حق تعالیٰ اسی طرح پیغمبروں کے دلوں میں فرشتہ کی معرفت ڈال دیتے ہیں ورنہ رسول کو خود اطمینان نہ ہو تو دوسروں کو کہاں اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔

در اصل یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اصلی صورت کا دیکھنا جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور جو مدار ہے معرفت تامہ کا وہ مطلق دیکھنا نہیں ہے بلکہ صحیح دیکھنا ہے اور اس کا دار و مدار مدارک اصلی یعنی دل کے خطائے محفوظ رہنے پر ہے۔ ورنہ اگر قلبی ادراک میں غلطی سے تو اس میں قلب یعنی حواس میں بھی غلطی ہوگی۔ چنانچہ مجنون کے احساسات اگر صحیح ہوتے ہیں۔ مگر بعض اوقات پہچانے ہوئے لوگوں کو دوسرا شخص بتانے لگتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اصل ادراک کرنے والا دل ہوتا ہے۔ اس کی صحت اور غلطی کا اثر حواس پر پڑتا ہے۔

اس آیت میں اسی کا ازالہ فرمایا گیا۔ رہا یہ ہے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ قلب نے ادراک میں کوئی غلطی نہیں کی سو یہ احتمال بلا دلیل ہے۔

اسی طرح کے احتمالات تو ہر چیز میں نکل سکتے ہیں۔ ان کی طرف التفات کیا جائے تو حواس سے اعتماد اور امان ہی اٹھ جائے۔ جس احتمال کا کوئی معتد بہ منشاء ہو اس کا البتہ اعتبار کیا جاتا ہے۔ مثلاً خطائے قلبی کے احتمال کا یہ منشاء ہونا چاہیے کہ ادراک کرنے والا فائر العقل ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا صحیح العقل، ذہین، زکی، صاحب فراست ہونا مخالفین کے نزدیک بھی مسلم تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے خلاف وجدال سے باز نہ آتے تھے۔

ہٹ دھرمی کی حد ہو گئی۔ اس لئے آگے افتخرونہ علی مایوی فرماتے ہیں یعنی ادراک و علم کے سلسلہ میں حیات سب سے زیادہ خطا سے پاک ہوتے ہیں مگر غضب ہے کہ تم حیات میں بھی اختلاف کرتے ہو۔ حالانکہ ان میں احتمالات خطا کا اعتبار نہیں کیا جاتا ورنہ یوں تو تمہارے حیات میں بھی ہزاروں خدشے نکل سکتے ہیں۔

اور اگر یہ مہمل خدشہ ہو کر کسی چیز کو پہلی مرتبہ دیکھنے سے پہچان کیسے ہو۔ البتہ بار بار اس چیز کو دیکھنے سے باشبہ یہ پہچان ہو جاتی ہے کہ وہی پہلی مرتبہ دیکھی ہوئی چیز ہے؟ مگر اول تو یہ بات یوں غلط ہے کہ بعض دفعہ کسی چیز کا پورا پتہ معلوم ہو جانے سے پہلی ہی بار فوراً پہچان ہو جاتی ہے۔ دوسرے پہلی بار میں شناخت ہو جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کے بتلانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ خود بخود سمجھ جائے۔ جیسا کہ دوسری تیسری بار دیکھتے ہیں کسی کے بتلانے کی حاجت نہیں رہ جاتی۔ بلکہ معرفت حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی سچے کے بتلانے کی ضرورت پیش نہ آئے یا قرائن و علامات ہو جانے سے اس کا علم ہو جائے اور اس کی صورت ذہن نشین ہو جائے کہ دوبارہ دیکھتے ہی پہچان لیں۔

پس ممکن ہے کہ بطور علم ضروری استدلالی کے جن مقدمات کی تعیین ہم نہیں کر سکتے یا کئی دفعہ غیر اصلی شکل پر دیکھنے اور تشنات اصل یہ ذہن میں محفوظ رہنے کی وجہ سے جبرئیل کا پورا پتہ آپ کو معلوم ہو گیا ہو اور اس سے آپ پہچان گئے ہوں۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت اللہ کے بتلانے سے آپ کو یقین ہو گیا ہو۔ غرض ان دو وجوہ سے یہ خدشہ غلط ہے۔ اور تیسرے یہ کہ بطور تنزل اگر شناخت کے لئے بار بار دیکھنے ہی کی ضرورت ہو تو آگے ارشاد ہے۔

ولقد راہ سزۃ احسوی۔ اب تو وہ وہم بھی دور ہو گیا۔ یہ دوبارہ اصلی شکل پر جبرئیل کو دیکھنا شب معراج میں سدرۃ المنتہی پر ہوا۔ سدرہ کہتے ہیں بیری کو اور منتہی کے معنی آخری حد کے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ چھٹے ساتویں آسمان پر یہ ایک بیری کا درخت ہے اس کی مثال مرکزی ڈاک خانہ کی سی ہے کہ عالم بالا کے تمام احکام پہلے وہاں اترتے ہیں پھر نیچے آتے ہیں۔ اسی طرح نیچے کے تمام اعمال پہلے وہاں پہنچتے ہیں پھر اوپر چڑھتے ہیں۔ جس طرح جنت کے انگور اتار وغیرہ کو دنیا کے پھلوں اور میوؤں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ محض لفظی اشتراک ہے۔ اسی طرح اس بیری کے درخت کو بھی یہاں کی بیروں پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ بیری کس طرح ہوگی اور چونکہ یہ مقام جبرئیل اور تمام فرشتوں کا مرکز اصلی ہے اور ہر چیز اپنے مستقر پر رہ حقیقی شکل میں معلوم ہوا کرتی ہے اس لئے حضرت جبرئیل کو یہاں دکھلانے کا مقصد ان کی حقیقی شکل و صورت کا امتیاز ہوگا۔ اور سدرۃ المنتہی پر انوار تجلیات الہی کا جھمکنا لگا رہتا تھا۔ فرشتوں کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے پر ایک فرشتہ نظر آتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق فرشتوں کی درخواست پر حضور ﷺ کی زیارت کے لئے ان کو اجازت ملی تھی۔

اور بعض روایات میں ہے کہ نہایت خوش رنگ سنہری پرندے تھے کہ جن کے دیکھنے سے دل کھنچ جائے۔ درخت کی بہار رونق اور اس کا حسن و جمال ناقابل بیان تھا۔ ان الفاظ میں بھی معرفت جبرئیل کی تاکید مقصود ہے۔

چند شبہات کا ازالہ: اب ایک احتمال یہ رہ جاتا ہے کہ ایسی حیرت انگیز چیزیں دیکھ کر نگاہ چکرا جاتی ہے۔ پورے طور پر ادراک نہیں ہوتا۔ پھر ایسی حالت میں جبرئیل کی صورت کا کما حقہ ادراک کیا ہوا ہوگا۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے ما زاع البصر و ما طغی فرمایا

گیا۔ ان دونوں لفظوں میں آپ کے انتہائی استقلال کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کسی عجیب چیز کے دیکھنے پر انسان دو ہی طرح کی حرکتیں کیا کرتا ہے کہ جن چیزوں کے دیکھنے کو کہا جاتا ہے بعض دفعہ ان کو تو دیکھتا نہیں اور جن کو دیکھنے کے لئے نہیں کہا جاتا ہے ان کو تکتا رہتا ہے جس کی وجہ سے پورا انضباط نہیں رہتا۔

آگے لفظ رائی من آیات ربہ الکبریٰ میں اسی استقلال و انضباط کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ غرض جبرئیل کو دیکھنے سے متعلق تمام شبہات کا شافی ازالہ کر دیا گیا ہے جو مقصود عام تھا۔

اب صرف ایک بات رہ جاتی ہے کہ یہ تمام تر گفتگو اس وقت مفید ہے جب کوئی دیکھنے کے دعویٰ کو مان لے۔ لیکن اس کی کیا دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے جبرئیل ہی کو دیکھا ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل آپ کے خوارق و معجزات ہیں جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔ ان معجزات سے آنحضرت ﷺ کے سچے ہونے کا پورا یقین ہو گیا۔ درندہ یوں تو ہر دیکھنے والے کے متعلق اس طرح کے خدشات و احتمالات نکالے جاسکتے ہیں۔

رہ گئی یہ بات کہ اپنی اصل صورت کے علاوہ دوسری شکلوں میں جبرئیل کو دیکھ کر کیسے پہچان لیتے تھے؟

جواب یہ ہے کہ اصلی صورت دیکھنے سے پہلے تو آپ کو ایک خاص طریقہ سے پہچان تھی۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔ لیکن اصل صورت دیکھنے کے بعد تو آپ کو اور بھی زیادہ پہچان ہو گئی تھی جیسے کسی شخص کی حقیقت جاننے کے بعد مختلف لباسوں میں اس کا پہچانا مشکل نہیں رہتا۔ رہا یہ ہے کہ جب آپ پہلی بار بے ہوش ہو گئے تھے۔ اس وقت آپ کو حیرت ہو گئی۔ پس جس شبہ کے جواب میں مازع فرمایا گیا تھا وہی پھر دیکھنے پر ہو جائے گا؟

جواب یہ ہے کہ مطلق مغلوبیت دیکھنے میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ بلکہ جو مغلوبیت دیکھنے سے پہلے ہو وہ رکاوٹ بنتی ہے لیکن جو دیکھنے کے بعد ہوتی ہے وہ رکاوٹ نہیں بنا کرتی جیسے کوئی قوی نظر سورج کو دیر تک دیکھے تو گو اس کے بعد آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ مگر چونکہ نظر کے خیرہ ہونے سے پہلے وہ سورج کو خوب دیکھ چکا ہے اس لئے سورج کی پہچان میں اسے کوئی اشکال نہیں ہوگا۔ پس ممکن ہے آپ کی بے ہوشی اس شناخت کے بعد ہوئی ہو۔ برخلاف موسیٰ علیہ السلام کے جلوہ ربانی سے بے ہوش ہونے کے صرف لحاظ ذات کے موخر تھی زمانہ دونوں کا ایک ہی تھا۔ پس وہاں سے بے ہوش ہونے کے وقت تجلی کا ادراک نہیں ہوا۔

کوئی حد ہے اُن کے عروج کی؟..... اور ابن عباسؓ وغیرہ کے قول کے مطابق جمال الہی کا مشاہدہ اور حق تعالیٰ کا دیدار بھی اس آیت کے ابہام میں داخل ہے حافظ ابن کثیرؒ نے مجاہدؒ سے جو ابن عباسؓ کے مخصوص اصحاب میں سے ہیں۔ یہ الفاظ نقل کیئے ہیں۔ کان اغصان السدة لولو أویا قوتا و زبر جدا فراھا محمد ﷺ و رای ربہ بقلبه اور چونکہ یہ دیدار صرف دل نے نہیں بلکہ دل اور آنکھوں دونوں سے تھا جیسا کہ مازع البصر و ما طغیٰ سے ظاہر ہے اس لئے شاید ابن عباسؓ نے طبرانی کی بعض روایات میں فرمایا کہ راہ مرتین مرة بقلبه و مرة ببصره یہاں دو مرتبہ دیکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ ایک وقت میں دو طرح دیکھا ظاہری آنکھ سے بھی اور دل کی آنکھوں سے بھی۔

دیدار الہی اور تجلیات ربانی:..... تاہم آیت لا تدركه الابصار میں جس دیکھنے کا انکار کیا گیا ہے یہاں وہ مراد نہیں۔ کیونکہ اس سے ایک خاص قسم سے دیکھنے کا انکار کرنا مقصود ہے یعنی نگاہیں اس کا احاطہ کر سکتیں۔ اس سے مطلق دیکھنے کا انکار مقصود نہیں ہے۔

علاوہ ازیں جب ابن عباسؓ سے اس آیت کے متعلق اشکال کیا گیا تو فرمایا و یحک ذاک اذا تجلسی بنورہ الذی ہو نورہ جس سے معلوم ہوا کہ تجلیات الہی میں فرق ہوتا ہے۔ بعض آنکھوں سے نظر آ جاتی ہیں اور بعض نہیں اور فی الجملہ دیکھنا دونوں کو کہا جائے گا۔ اسی لئے کہا جاسکتا ہے کہ جس درجہ کا دیکھنا آخرت میں مومنین کو نصیب ہوگا جب کہ ان کی نگاہیں تیز کر دی جائیں گی۔ جو اس تجلی ربانی کو برداشت کر سکیں۔ وہ دنیا میں ہی کو حاصل نہیں۔ اسی طرح شب معراج میں ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ کو جو خاص دیدار میسر آیا۔ اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ کا شریک و ہمیم نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایات میں جو آیا ہے کہ ان آیات میں آنحضرت ﷺ کا حق تعالیٰ کو دیکھنا مراد نہیں بلکہ جبریل کو دیکھنا مراد ہے مگر تجلیات کے اس فرق کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ اثبات کا مطلب ایہ خاص درجہ ہے اور نفی کا تعلق دوسرے درجات سے ہے۔ اسی طرح ابو ذرؓ کی روایات رایت نور اور نور اسی ارادہ میں بھی اسی طرح کی تطبیق ہو سکتی ہے۔ البتہ بعض اکابر کا مذاق یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت مسلم میں جب خود آنحضرت ﷺ سے ان آیات کی تفسیر حضرت جبریل کے دیکھنے سے کی گئی ہے۔ تو پھر وہی رائج ہے۔ و اذا جاء نھر اللہ بطل نھر معقل۔

اور بخاری کی روایت شریک میں جو شبہ ہوتا ہے یہ آیات کہ حق تعالیٰ کے قرب و تدلی پر محمول ہوں۔ سو علامہ نوویؒ نے نقل کیا ہے کہ شریک حافظ نہیں ہیں۔

محمل میں ٹاٹ کا بے جوڑ پیوند۔ افرائیم اللات۔ رسالت کے بعد توحید کا بیان ہے۔ بھلا لا احمد و دو قدرت و عظمت والے اللہ کے مقابلہ میں ان حقیر و ذلیل چیزوں کا نام لینے سے مشرکین کو شرم آنی چاہیے۔ لات، منات، عزیٰ، تین بڑے بتوں اور دیوتاؤں کے نام ہیں، جن میں سے لات کی پوجا طائف والوں کے یہاں زیادہ ہوتی تھی۔ اور منات کی پوجا اوس و خزرج کے یہاں زیادہ ہوتی تھی۔ اور عزیٰ کو قریش اور بنو کننہ وغیرہ ان دونوں سے بڑا سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اول درجہ میں عزیٰ تھا جو مکہ کے قریب نخلہ میں تھا۔ دوسرے نمبر پر لات جو طائف میں تھا اور تیسرے درجہ میں منات تھا جو مکہ سے بہت دور اور مدینہ سے نزدیک تھا۔

بعض حضرات نے ان بتوں کے مندروں کے لئے دوسری جگہوں کے لئے نشاندہی کی ہے لیکن ممکن ہے کہ جیسے ہندوستان میں بڑے بڑے دیوی دیوتاؤں کی شکلیں بنا کر مختلف جگہ مندر بنالیتے ہیں۔ عرب میں بھی ایسی حال ہوتا ہو غرض کہ جب یہ بڑے بت خدا نہیں ہو سکتے تو چھوٹے بتوں کو تو شمار ہی کیا۔

علامہ یاقوتؒ نے معجم البلدان میں کہا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ یہ الفاظ کہا کرتے تھے۔ واللات و العزیٰ و منات الثلاثة الاخریٰ هولاء الغرائیق العلیٰ و ان شفاعتھن لترجی، بعض مفسرین نے اس موقع پر ایک قطعہ نقل کیا ہے کہ جمہور محدثین کے نزدیک اگرچہ وہ صحیح نہیں ہے تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے مسلمانوں اور کافروں کے مخلوط مجمع میں یہ سورت پڑھی ہو اور کفار نے حسب عادت قرآن پڑھنے میں شور و ہنگامہ کیا ہو۔

قال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغریہ اور جب اس آیت میں بتوں کا ذکر آیا تو ان میں سے کسی نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر تلک الغرائیق العلیٰ و ان شفاعتھن لترجی کہہ دیئے ہوں جو آگے چل کر تعبیر وادائیگی میں تصرف ہوتے ہوئے کچھ کا کچھ بن گیا ہو

کفر یہ کلمات کسی مسلمان کی زبان سے بھی نہیں نکل سکتے۔ ..... ورنہ ظاہر ہے کہ قرآن میں جن کی تردید کی جا رہی ہے ان کی مدح سرائی کیسے ہو سکتی ہے اور آپ کی زبان مبارک پر ایسا تسلط کب ہو سکتا ہے کفار ان بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے سوا اول تو اللہ اولاد



سے بری ہے اور بالفرض یہ نظریہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی تقسیم کس طرح بھونڈی اور بھدی ہے تم خود تو بیٹے لے جاؤ اور اللہ کے حصہ میں بیٹیاں لگا دو۔ دراصل پتھروں اور درختوں کے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں ان کو اپنے خیال میں بیٹیاں کہہ لویا بیٹے۔ یہ محض کہنے کی بات ہے جس میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں باوجود یکہ اللہ کے پاس سے ہدایت کی روشنی آچکی ہے اور وہ سیدھی راہ دکھلا چکا۔ مگر یہ حلق انہی اوہام کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں جو کچھ انکل پچوڑ ہن میں آگیا اور دل میں امنگ آگئی اسی کو گزرے۔ تحقیق و جستجو سے کوئی سروکار نہیں ان کا یہ سمجھنا اور کہنا کہ یہ بت ہمارے سفارشی ہوں گے خالی خیالات اور آرزوئیں ہیں۔ انسان جو کچھ بھی تمنا کرے کیا وہی مل جائے گا؟ دنیا و آخرت کی سب بھلائی تو اللہ کے ہاتھ ہے

کون سفارشی ہوں گے اور کن کے لئے سفارش ہوگی۔ وکم من ملک۔ یعنی ان بتوں کی تو حقیقت کیا ہے آسمان کے مقرب فرشتوں کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں اللہ ہی کسی کو سفارش کی اجازت دے اور جس کی سفارش کی جائے وہ اس سے راضی ہو مثلاً وہ کافر نہ ہو۔ وہاں بے شک سفارش کام دے گی، ظاہر ہے کہ اس نے نہ بتوں کو سفارش کا حکم دیا اور نہ وہ کفار سے راضی ہے۔ دراصل یہ ساری گمراہی آخرت کی بے فکری سے پیدا ہوئی۔ ورنہ جسے آخرت کی فکر ہو وہ اپنی نجات کی ضرورت فکر کرے گا۔ اور جب فرشتوں کے اللہ کے ساتھ شریک عبادت ٹھہرانا کفر ہے تو بت پرستی بدرجہ اولیٰ کفر ہوگی۔ اس لئے صراحتاً اس کے بیان کی حاجت نہیں سمجھی۔

یہ آیت قیاس و اجتہاد کے خلاف نہیں ہے۔ ان یبعون الا الظن۔ یعنی عقلی دلائل کے بغیر محض بے اصل خیالات یقیناً ذرا بھی مفید نہیں۔ اس سے قیاس و اجتہاد کے انکار کرنے والے استدلال نہیں کرتے۔ کیونکہ قیاس و اجتہاد تو دلیل کے ساتھ ہوتا ہے اور یہاں بے دلیل خیالات کو نا کارہ بتلایا جا رہا ہے۔ البتہ بظاہر یہ آیت مکرر معلوم ہوتی ہے مگر دونوں آیتوں میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ پہلی آیت میں دلیل نقلی کی نفی ہے۔ جیسا کہ آیت ما انزل اللہ بها من سلطان سے معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اس دوسری دلیل میں عام معنی مراد ہیں دلیل عقلی ہو یا نقلی یا پھر پہلی آیت کے مقابلہ کی وجہ سے یہاں صرف دلیل عقلی مراد ہو۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی آیت میں فرشتوں اور بتوں کے متعلق دلیل کی نفی نہیں۔ اور یہاں صرف فرشتوں کے اعتبار سے ہے اس لئے تکرار کا شبہ نہیں رہتا۔ اور فرشتوں کا مکرر تذکرہ شاید تعمیم کے بعد تخصیص کے طور پر ہو۔ نیز ان کے مقبول ہونے کی وجہ سے ان کی پرستش اور شفاعت کے عقیدہ کی زیادہ گنجائش تھی۔ اس لئے مکرر ذکر کر دیا۔

اعمال کی جزا و سزا۔ اس کے بعد آیت فاعرض عن توئی میں آنحضرت ﷺ کی تسلی فرمائی جا رہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس کا اوڑھنا بچھونا دنیا کی یہی چند روزہ زندگی ہو جس میں منہمک ہو کر وہ کبھی اللہ کو اور آخرت کو دھیان میں نہ لائے آپ اس کی بکو اس کو دھیان میں نہ لائیں وہ اللہ سے منہ موڑتا ہے آپ اس کی شرارت اور کجروی سے منہ پھیر لیں، سمجھانا تھا سمجھا دیا، ایسے بد طینت لوگوں سے قبول حق کی امید رکھنا اور ان کے غم میں اپنے کو گھلانا بیکار ہے۔ ان کی سمجھ تو بس اسی دنیا کے جزوی نقصان تک پہنچتی ہے اس سے آگے ان کی رسائی نہیں۔ ان کی تمام تر جدوجہد صرف بہائم کی طرح پیٹ بھرنے اور شہوت کی آگ بجھانے کے لئے ہے۔ وہ کیا سمجھیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی بارگاہ میں ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ اچھے بروں کو اور ان کی مخفی استعدادوں کو اللہ ازل سے جانتا ہے۔ ہزار جتن کر لو اسی کے مطابق ہو کر رہے گا۔ اس کے علم کے خلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یوں بھی وہ اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک سے ٹھیک ٹھیک اس کے احوال کے مناسب معاملہ کرے گا لہذا آپ یکسو ہو کر ان معاندین کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔ ہر شخص کا حال جب اس کو معلوم، اور زمین و آسمان کی ہر چیز پر اس کا قبضہ، پھر نیکی و



بدی کا بدلہ دینے سے اسے کیا چیز روک سکتی ہے؟ بلکہ غور سے دیکھو تو زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ پیدا ہی اس لئے کیا گیا کہ اس کے نتیجہ میں زندگی کا ایک دوسرا غیر فانی سلسلہ قائم کیا جائے۔ جہاں بروں کو ان کی برائی اور نیکوں کو ان کی بھلائی کا بدلہ اور صلہ مل سکے۔

بڑے گناہوں سے بچنا اور معمولی غلطیوں سے درگزر: **الذین یجتنبون**۔ گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا فرق سورہ نہ میں گزر چکا ہے۔ البتہ لم کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ گناہ کرنے کے خیالات جو دل میں آئیں مگر عمل میں لانے کی نوبت نہ آئے وہ لم ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ مراد لیا ہے، بعض کی رائے میں جس گناہ پر اصرار نہ ہو یا اس کی عادت نہ پڑ جائے یا جس گناہ سے توبہ کر لے وہ مراد ہے۔

حاصل آیت یہ ہے کہ اللہ چونکہ مہربان اور وسیع مغفرت والا ہے اسی لئے دو بڑے گناہوں اور فواحش سے بچنے والوں کے بہت سے چھوٹے موٹے گناہوں سے درگزر فرما دیتا ہے۔ اگر ہر پھوٹی بڑی خطا پر پکڑ کر لے لے۔ تو بندہ کا ٹھکانہ کہاں؟ اس لئے کبھی بھار کی معمولی لغزشوں سے انسان کی عام نلوکاری میں فرق نہیں پڑتا۔ یعنی نلوکاروں کی جس محبوبیت کا یہاں ذکر ہے اس کا مصداق بننے کے لئے بڑے گناہوں سے بچنا تو شرط ہے لیکن گناہ بگاہ معمولی غلطیوں کا سرزد ہو جانا البتہ موقوف علیہ نہیں ہے۔ ہاں ان پر اصرار نہ کرنا شرط ہے۔ اس استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ معاف کی اجازت ہے اور نہ شرط ہونے کا یہ مطلب ہے کہ نیکوں کا صلہ ملنا موقوف ہے کبار سے بچنے پر، کیونکہ **فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ** کی رو سے کبار کرنے والا بھی اگر نیکی کرے گا تو یقیناً اس کی سزا پائے گا۔ پس بڑے گناہوں سے بچنا معنی بحری کے اعتبار سے شرط نہیں۔ بلکہ محسن اور محبوب خاص بننے کے لئے شرط ہے جس پر احسنو کا عنوان دلالت کر رہا ہے۔

نہ مایوسی کی گنجائش ہے اور نہ عجب کا موقع: **پھر آیت ليجزى الذین اساءوا بما عملوا سے بدکاروں کو مایوسی کا وہم ہو سکتا تھا جس سے وہ ایمان و توبہ و ہمت ہار جاتے۔ اسی طرح یجزى الذین احسنوا بالحسنى** سے نیکوں کو غرہ اور خود پسندی ہو سکتی تھی۔ ان ربک واسع المعفرة فرما کر دونوں کا ازالہ کر دیا۔ یعنی گناہ گاروں کو گناہوں کے تدارک سے ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ کیونکہ اگر وہ چاہے تو کفر و شرک کے علاوہ محض اپنے فضل و کرم سے سب گناہ معاف کر سکتا ہے پس تدارک سے تو کیوں معاف نہیں کرے گا۔ اسی طرح نیکوں کو عجب نہیں آنا چاہیے کیونکہ نیکوں میں بعض دفعہ ایسے دقیق شوائب مل جاتے ہیں جن کی طرف نیکی کرنے والے کو التفات بھی نہیں ہوتا چہ جائیکہ اطلاع لیکن حق تعالیٰ کو اس کا علم ہوتا ہے ابھر وہ نیکی اس حالت میں قابل قبول نہیں ہوتی پھر عجب کیسا۔ رہی یہ بات کہ تمہاری کسی حالت کی خود تمہیں بھی اطلاع نہ ہو اور اللہ کو معلوم ہو جائے کوئی عجیب و غریب بات نہیں۔ یہ تو شروع ہی سے ہو رہا ہے۔

حقیقتہ متقی کون ہے: **هو اعلم بکم الخ** بنی آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے اور ان کے واسطے سے سارے انسانوں کی پیدائش بھی گویا مٹی سے ہوئی۔ اسی طرح رحم مادر میں جنین کے مراحل گزرتے رہے۔ ان دونوں حالتوں میں کسی کو بھی اپنی خبر نہیں تھی اور ہمیں سب خبر تھی۔ پس اسی طرح اب تمہارا کسی حالت کو نہ جانتا اور ہمارا جاننا کچھ حیرت انگیز تعجب خیز نہیں ہونا چاہیے۔ اس بناء پر کسی کے لئے خود کو مقدس سمجھنے کا جواز نہیں کون حقیقتہ متقی ہے اس کو پس وہی جانتا ہے۔ دیکھنے میں تو دونوں ہی سے تقویٰ کے افعال سرزد ہوتے ہیں۔

تقویٰ کی کچھ توفیق اللہ نے دی تو شیخی نہ مارو اور اپنے کو بہت بزرگ نہ بناؤ۔ وہ سب کی بزرگی اور پاکبازی کو خوب جانتا ہے اور اس وقت سے جانتا ہے جب تم نے اس ہستی کے دائرہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے۔ اگر اللہ نے اپنے فضل سے ایک بلند مقام پر پہنچا دیا تو اس کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے کا استحقاق نہیں جو واقعی متقی ہوتے ہیں وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور سمجھتے

ہیں کہ بالکل کمزوریوں سے پاک ہو جانا بشریت کی حد سے باہر ہے کچھ نہ کچھ کی سب میں رہ جاتی ہے۔

ایک نادر علمی تحقیق: حالت جنین میں انسانی علم پر یہ شبہ ہے کہ اس وقت تو انسان کو شعور ہی نہیں ہوتا لہذا اس حالت کو اس حالت پر کیسے قیاس کیا جا رہا ہے؟

جواب یہ ہے کہ فحش انکشاف کے لئے قوت شعور کافی نہیں ہے بلکہ شعور کا معلومات کے ساتھ تعلق انکشاف کی شرط ہے اور یہ ممکن ہے کہ تعلق نہ ہو جیسا کہ بہت سے احوال میں مشاہد ہے۔ اس لئے انکشاف نہ ہونا بھی ممکن ہے پھر یہ قیاس مدار نہیں ہے بلکہ اس میں اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ حق تعالیٰ کا علم ذاتی ہونے کی وجہ سے کامل اور سب احوال میں یکساں ہے اور تمہارا علم حادث ہونے کی وجہ سے مٹی اور جنین ہونے کی حالت میں نہیں تھا۔ اس لئے ناقص اور نامکمل ہے کہ کبھی ہے اور کبھی نہیں ہے۔ پس خفی شوائب کا خفی رہ جانا بعید اور عجیب نہیں ہے۔

جب خاتمہ کا حال معلوم نہیں پھر خود پسندی: اور ایک تقریر اس مقام کی اور بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ نیکوں کا روں کو عجب نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ محسنت کا مدار خاتمہ پر ہے اور اپنے خاتمہ کا حال کسی کو معلوم نہیں صرف اللہ کو معلوم ہے کہ جیسے ابتدائی حالت میں تمہیں معلوم نہیں اللہ کو معلوم ہے جیسے کہ ابتدائی حالت میں تمہیں معلوم نہیں اللہ کو معلوم ہے پھر عجب و خود پسندی کیوں کی جائے۔

نہایت میں اس آیت کا شان نزول یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہر شخص کو ماں کے پیٹ میں ہی شقی و سعید پیدا کر دیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے بھی اس تقریر کی تائید ہوتی ہے۔ (بیان القرآن، فوائد عثمانی)

لَا تَأْكُلْ أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم مِّنْ دُونِهَا ۚ فَلَآتُوا نَفْسَهُمْ وَإِنِّي لَأَخِيبُ ۚ

۳۳ ﴿اَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ۙ عَنِ الْاِيْمَانِ اٰی اُرْتَدَّ لِمَا غٰیْبَہٗ وَقَالَ اِنِّیْ خَشِیْتُ عِقَابَ اللّٰهِ فَضَمِنَ لَہٗ الْمَعِیْرُ ۚ اَنْ یَّحْمِلَ عَنْہٗ عَذَابَ اللّٰهِ اِنْ رَجَعَ اِلٰی شَرِکِہٖ وَاَعْطَاہُ مِنْ مَّالِہٖ کَذٰۤا فَرَجَعَ وَاَعْطٰی قَلِیْلًا مِنْ الْمَالِ الْمُسْمٰی وَاَکْذٰی ۙ﴾ ۳۴ ﴿مَنْعَ الْبَاقِی مَا خُوْذُ مِنْ الْکُذِیۃِ وَہِیْ اَرْضٌ صُلْبٌۢہٗ کَالصَّخْرَةِ تَمْنَعُ حَافِرٌ الْبِیْرُ اِذَا وَصَلَ اِلَیْہَا مِنْ الْحُفْرِ اَعِنْدَہٗ عِلْمُ الْغِیْبِ فَہُوَ یَرٰی ۙ﴾ ۳۵ ﴿یَعْلَمُ مِنْ جُمْلَتِہٖ اِنْ غَیْرَہٗ بِتَحْمِلُ عَنْہٗ عَذَابَ الْاٰحِرَةِ لَا وَہُوَ الْوَلِیْدُ نَسُ الْمَغِیْرَةِ اَوْ غَیْرَہٗ وَجُمْلَۃُ اَعِنْدَہٗ الْمَفْعُوْلُ الثَّانِی لِرَآیْتُ بِمَعْنٰی اَخْبَرْنِیْ اَمْ بَلْ لَمْ یُنَبِّا بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوسٰی ۙ﴾ ۳۶ ﴿اَسْفَارُ التَّوْرَةِ اَوْ صُحُفِ قَبْلَہَا وَصُحُفِ اِبْرٰہِیْمَ الَّذِیْ وَفٰی ۙ﴾ ۳۷ ﴿تَمَّ مَا اَمَرٰہٗ بِحَقِّ وَاِذَا تَلٰی اِبْرٰہِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاتَمَّہُنَّ وَیَبَّآ مَا اَلَّا تَزُرُّ وَاِزْرَۃٌ وَّزَرَ اُخْرٰی ۙ﴾ ۳۸ ﴿اِلٰی الْاٰحِرَہٗ وَاَنْ مُّحَقَّقَہٗ مِنْ الْمُثَقَّلَةِ اٰی اِنَّہٗ لَا تَحْمِلُ نَفْسٌ دَنْبَ غَیْرِہَا وَاَنْ اٰی اِنَّہٗ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۙ﴾ ۳۹ ﴿مِنْ خَیْرِ قَلِیْسَ لَہٗ مِنْ سَعٰی غَیْرِہٗ الْخَیْرِ شَیْءٌ وَاَنْ سَعِیَہٗ سَوَفَ یُرٰی ۙ﴾ ۴۰ ﴿اٰی یُّنْصَرُۃٌ فِی الْاٰحِرَةِ ثُمَّ یُجْزٰیہُ الْجَزَآءُ الْاَوَّلٰی ۙ﴾ ۴۱ ﴿اَلَا کَمَلْ یُقَالُ جَرِیْتُہٗ سَعِیَہٗ وَبِسَعِیَہٗ وَاَنْ الْفَتْحَ عَطْفًا بِالْکَسْرِ اِسْتِیْنَافًا وَ کَذٰا مَا نَعْدَہٗ فَلَا یُکُوْنُ مَضْمُوْنُ الْحُمَلِ فِی الصُّحُفِ عَلٰی الثَّانِی اِلٰی رَبِّکَ الْمُتَنٰہٰی ۙ﴾ ۴۲ ﴿الْمَرْجِعُ وَالْمَصِیْرُ بَعْدَ الْمَوْتِ فِیْحَارِیْہُمْ وَاِنَّہٗ

هُوَ أَضْحَكٌ مِّنْ شَاءِ قَرْحَةٍ وَأَبْكِي ﴿۴۳﴾ مَن شَاءَ حَزَنَهُ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتٌ فِي الدُّنْيَا وَأَحْيَا ﴿۴۴﴾ لَبِثَ  
وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الصِّفَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى ﴿۴۵﴾ مَن تُطْفِئْ مَنِيَّ إِذَا تُمْنِي ﴿۴۶﴾ تُصَبُّ فِي الرَّحِمِ  
وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ بِالْمَدِّ وَالْقَصْرِ الْآخَرَى ﴿۴۷﴾ الْخَلْقَةَ الْآخَرَى لِلْبَعْثِ بَعْدَ الْخَلْقَةِ الْأُولَى وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَى  
النَّاسَ بِالْكَفَايَةِ بِالْأَمْوَالِ وَأَقْنَى ﴿۴۸﴾ أَعْطَى الْمَالَ الْمُتَّخِذِينَ وَأَنَّهُ هُوَ رَثُّ الشَّعْرَى ﴿۴۹﴾ هِيَ كَوَكَبٌ  
خَلْفَ الْجُوزَاءِ كَانَتْ تُعَبِّدُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَى ﴿۵۰﴾ وَفِي قِرَاءَةٍ بِإِدْعَامِ التَّوْبِ فِي  
الْإِلَامِ وَضَمِّهَا بِلَا هَمْزَةٍ هِيَ قَوْمٌ هُودٍ وَالْآخَرَى قَوْمٌ صَالِحٍ وَثَمُودًا بِالصَّرْفِ اسْمٌ لِلْأَبِ وَبِلَا صَرْفٍ اسْمٌ  
لِلْقَبِيلَةِ وَهُوَ مَعْطُوفٌ عَلَى عَادٍ فَمَا أَبْقَى ﴿۵۱﴾ مِنْهُمْ أَحَدًا وَقَوْمٌ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ أَى قَبْلِ عَادٍ وَثَمُودٍ  
أَهْلَكَنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَى ﴿۵۲﴾ مِنْ عَادٍ وَثَمُودٍ لِّطُولِ لَبِثِ نُوحٍ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ  
عَامًا وَهُمْ مَعَ عَدَمِ إِيْمَانِهِمْ بِهِ يُؤْثِرُونَ وَيَضْرِبُونَ وَالْمُؤْتَفِكَةَ وَهِيَ قُرَى قَوْمِ لُوطٍ أَهْوَى ﴿۵۳﴾ اسْقَطَهَا نَعْدَ  
رَفْعِهَا إِلَى السَّمَاءِ مَقْلُوبَةً إِلَى الْأَرْضِ بِأَمْرِ جِبْرِئِلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِذَلِكَ فَعَشَهَا مِنَ الْحِجَارَةِ نَعْدَ  
ذَلِكَ مَا عَشَى ﴿۵۴﴾ أَبْهَمَ تَهْوِيلًا وَفِي هُودٍ فَجَعَلْنَا عَلَيْهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ فَبَايَ  
الْآءِ رَبِّكَ بِالنِّعْمَةِ الدَّالَّةِ عَلَى وَحْدَانِيَّتِهِ وَقُدْرَتِهِ تَعْمَارَى ﴿۵۵﴾ تَشْكُ أَيُّهَا الْإِنْسَانُ أَوْ تَكْذِبُ هَذَا مُحَمَّدٌ  
ﷺ نَذِيرٌ مِّنَ النَّذِرِ الْأُولَى ﴿۵۶﴾ مِّنْ جَنْسِهِمْ أَى رَسُولٌ كَالرُّسُلِ قَبْلَهُ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ كَمَا أُرْسِلُوا إِلَى  
أَقْوَامِهِمْ أَرَفَتِ الْأَرْفَةَ ﴿۵۷﴾ قَرُبَتِ الْقِيَامَةُ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ نَفْسٌ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ أَى لَا يَكْشِفُهَا  
وَيُطَهِّرُهَا إِلَّا هُوَ كَقَوْلِهِ لَا يُحْلِيهَا لَوْ قَتَلَهَا إِلَّا هُوَ أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَى الْقُرْآنِ تَعْجَبُونَ ﴿۵۹﴾ تَكْذِبًا  
وَتَضْحَكُونَ سِتْهَزَاءً وَلَا تَبْكُونَ ﴿۶۰﴾ لِسَمَاعٍ وَعُودِهِ وَوَعِيدِهِ وَأَنْتُمْ سَعِدُونَ ﴿۶۱﴾ لَا هُوَنَ غَافِلُونَ  
يَعْنِي عَمَّا يُطَلَّبُ مِنْكُمْ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَأَعْبُدُوا ﴿۶۲﴾ وَلَا تَسْجُدُوا لِلْبَاطِلِ وَلَا تَعْبُدُوها۔

ترجمہ۔ تو بھلا آپ نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے روگردانی کی (ایمان سے) یعنی مرتد ہو گیا عار دلانے پر جب اس نے یہ کہا کہ  
میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ تو عار دلانے والے نے یہ کہہ کر اپنا ذمہ لے لیا کہ اگر تو شرک کی طرف واپس آ گیا تو عذاب الہی کا میں ذمہ  
دار ہوں اور اس کو مالی عطیہ بھی دیا اور وہ مرتد ہو گیا) اور تھوڑا سا (مقرر کردہ) مال دیا اور روک لیا (باقی مال نہیں دیا۔ اکدی، کدیہ سے ماخوذ ہے  
۔ ایسی زمین کو کہتے ہیں جس میں کنواں کھودتے ہوئے پتھر آڑے آجائے) کیا اس شخص کے پاس علم غیب ہے کہ اس کو دیکھ رہا ہے (جانتا ہے کہ  
منجملہ اس کے یہ بھی کہ دوسرے کے عذاب کا ذمہ لے سکتا ہے؟ یہ بات نہیں ہے۔ ولید بن مغیرہ یا کوئی دوسرا مراد ہے اور جملہ عندہ وہ مفعول ثانی  
ہے رأیت، یعنی خبرنی کا) کیا (بلکہ) اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موٹی کے صحیفوں میں ہے (تورات کے اسفار یا اس سے پہلے صحیفے مراد ہیں)  
اور نیز ابراہیم کے (صحیفے) جنہوں نے فرمانبرداری پوری کی (جوان کو حکم دیا گیا اس کو بجالائے ورجب ان کا آزمائشوں میں امتحان لیا گیا تو اس

میں کامیاب رہے۔ ماکایان آگے ہے) کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا (ان محققہ ہے یعنی کوئی بھی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی (بھلائی میں سے پس دوسرے کی بھلائی کی جدوجہد اس کو نہیں ملے گی) اور یہ کہ انسان کی سعی ہے جلد دیکھی جائے گی (آخرت میں نظر آ جائے گی) پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا (مکمل طریقہ پر رہا جاتا ہے جزیتہ بمعنی سعيہ بسعيہ) اور یہ کہ (ان فتحہ کے ساتھ معطوف ہے اور کسرہ کے ساتھ جملہ مستافہ ہے۔ یہی صورت بعد کے جملہ کی ہے البتہ دوسری صورت میں مضمون جمد صحف کا نہیں رہے گا) آپ کے پروردگار ہی کے پاس پہنچتا ہے (مرنے کے بعد وہی ٹھکانہ ہے لہذا وہی ان کو بدلہ دے گا) اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے (جس کو چاہتا ہے خوش کرتا ہے اور رلاتا ہے، جسے چاہتا ہے رنجیدہ کر دیتا ہے) اور یہ کہ وہی مارتا ہے (دنیا میں) اور جلاتا ہے (قیامت میں) اور یہ کہ وہی جوڑوں (قسموں) کو نرمادہ کو نطقہ (منی) سے بناتا ہے جب وہ (رحم میں) ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ اس کے ذمہ ہے پیدا کرنا (مد اور سر کے ساتھ) دوبارہ (پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے بعد قیامت کے لئے دوبارہ پیدا کرنا) اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے (لوگوں کو کافی مال دے کر) اور سرمایہ باقی رکھتا ہے (سرمایہ داری کے لئے مال سطا فرماتا ہے) اور یہ کہ وہی مالک ہے شعری کا بھی (برج جوزا کے پیچھے ستارہ کا نام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جس کی پرستش ہوا کرتی تھی) اور یہ کہ اسی نے قوم عاد کو ہلاک کیا (ایک قراءت میں دال کی تخوین کلام میں ادغام کیا گیا ہے اور لام کا ضمہ بغیر ہمزہ کے۔ یہ قوم ہود ہے اور ”عاد آخری“ قوم صالح ہے) اور ثمود کو بھی (منصرف ہے قوم کے باپ کا نام اور غیر منصرف ہوتے ہوئے قبیلہ کا نام ہے اس کا عطف عاد پر ہے) کہ کسی کو (ان میں سے) باقی نہ چھوڑا۔ اور ان سے پہلے قوم نوح کو (یعنی عاد و ثمود سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کر ڈالا) بلاشبہ وہ سب سے بڑھ کر ظالم و شریر تھے (قوم عاد و ثمود سے بڑھ کر، کیونکہ سازھے نو سو سال حضرت نوح ان میں رہے۔ مگر کفر کے ساتھ ان کو ستیا بھی اور مارا بھی) اور (قوم لوط کی) الٹی ہوئی بستیوں کو بھی پھینک مارا تھا (آسمان پر لے جا کر زمین پر پلٹ اور پٹک دیا حکم الہی سے جبریل نے) پھر گھیر لیا اس بستی کو (پتھر اڈانے اس کے بعد) جس چیز نے گھیر لیا (دہشتناک بنانے کے لئے اس کو مبہم ذکر کیا گیا ہے اور سورۃ ہود میں ہے ف جعلنا علیہا سافلہا و امطرنا علیہا حجارة من سجيل سوات اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں میں (جو اس کی وحدانیت و قدرت پر دلالت کرنے والی ہیں) شک کرتا رہے گا (اے انسان شبہ یا تکذیب کرتا رہے گا) یہ (محمد ﷺ) بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں (انہی کی جنس سے جملہ پہلے رسولوں کے ہیں جس طرح اپنی وہ قوم کی طرف بھیجے گئے۔ اسی طرح آپ ﷺ بھی تمہارے لئے آئے) وہ جدی آنے والی چیز قریب آ پہنچی ہے (قیامت نزدیک آ گئی) کوئی (نفس) اللہ کے علاوہ اس کا ہٹانے والا نہیں ہے (یعنی اللہ کے سوا کوئی اور نہ اس کو لاسکتا ہے اور نہ ظاہر کر سکتا ہے جیسا کہ لا یجلیہا لوقہا الا هو فرمایا گیا) سو کیا تم لوگ اس کلام (قرآن) کے بارے میں تعجب کرتے ہو (جھٹلاتے ہو) اور ہنستے ہو (مذاق کرتے ہوئے) اور روتے نہیں (اس کے وعدہ و وعید سن کر) اور تم تکبر کرتے ہو (تم سے جو کچھ چاہا جاتا ہے اس سے بچر مچر اور غفلت برتتے ہو) سو اللہ کے سامنے سجدہ کرو (جس نے تمہیں پیدا کیا ہے) اور عبادت کرو (بتوں کو نہ سجدہ کرو اور نہ ان کی پرستش کرو)۔

**تحقیق و ترکیب۔** صحف موسیٰ۔ چونکہ تورات زیادہ مشہور ہے اس لئے صحف موسیٰ کو صحف ابراہیم سے پہلے بیان فرمایا۔

الاندر۔ یعنی یہ محل جرمیں ہے ہما کے ما سے بدل ہونے کی وجہ سے اور مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع بھی ہو سکتا ہے ای ذلک الاندر اور فعل مضمر کی وجہ سے منصوب بھی ہو سکتا ہے اس میں ان مخففہ ہے اور ضمیر شان محذوف اسم ہے اور جملہ منفیہ خبر ہے۔ اور یہ آیت حدیث مسلم من سۃ سینۃ فله وزرھا و در من عمل بها کے خلاف نہیں ہے کیونکہ برائی کا بانی، برائی کا سبب اور باعث بنا۔ یہ خود اس کا فعل ہے جس کی ذمہ داری اسی پر ہے گویا برائی کرنے والا اپنے حقیقی عمل میں پکڑا جائے گا اور برائی پر آمادہ کرنے والا اپنے عمل کی پاداش میں پکڑا جائے گا۔

لیس للانسان۔ اس میں دوسرے کے نیک عمل کے نفع سے نفی کی جارہی ہے اس طرح کہ برائی کرنے والا دوسرے کی نیکی کی وجہ سے اپنی برائی کی برائی کے نقصان سے بچ جائے۔ رہا کسی کی شناخت کی وجہ سے یا مردوں کو زندہ کی، دعا، استغفار، صدقات وغیرہ کے ذریعہ نفع ہونا وہ اس کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس میں ایمان اور نفس عمل کا ہونا شرط ہے پس ایمان و صلاح ہی کو اصل نفع بخش کہا جائے گا۔ دوسرے کی نیکی اسی کے ساتھ نتھی کی جائے گی۔ گویا نیکی کرنے والا جس کی نیت سے نیکی کر رہا ہے اسی کا نائب سمجھا جائے گا۔ اس لئے حقیقتہً تو یہ عمل نسبت کنندہ کا ہوگا ہوگا اور حکماً دوسرے کا۔ اس طرح ایک عمل کے دورخ ہونے کی وجہ سے دونوں کو فائدہ ہوگا اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت دوسری آیت والذین امنوا واتعتهم ذریعتهم بایمان الحقنا بهم ذریعتهم کی وجہ سے منسوخ ہے۔

اور بعض کے نزدیک یہ حکم شرائع سابقہ کا تھا اب نہیں ہے۔ اور بعض ”للانسان“ کے لام کو غلطی کے معنی میں لیتے ہیں۔ اور بعض اس حکم کو کافر کے ساتھ خاص کہتے ہیں۔

اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ دوسروں کی نیکی سے نفع ہونا از روئے فضل ہے نہ کہ از روئے عدل، صدقات و حج کے ایساں ثواب میں تو سب کا اتفاق ہے۔ لیکن قرآن کے ایصال ثواب میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک ثواب پہنچتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں تلاوت کے بعد یہ دعا کرنی چاہیے۔ اللھم انی وھبت ثواب ما قرأت لفلان اللھم فاوصلہ لہ نماز روزہ میں یہ حکم جاری نہیں ہوگا ابوداؤد کی روایت من مات و علیہ صیام صام عنہ ولیہ کی نسبت امام طحاوی۔ شرح الآثار میں کہتے ہیں کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

اور بعض حضرات روایت ابوداؤد میں یہ توجیہ کرتے ہیں کہ صیام سے مراد طعام ہے۔ اور صاحب ہدایہ یہ فرماتے ہیں۔ لانسان جعل ثواب عملہ لغیرہ ولو صلوة او صوماً وھو منھب اھل السنۃ۔ غالباً اہل سنت سے امام اعظم وغیرہ احناف مراد ہوں گے۔ ورنہ بقول تووی وغیرہ امام مالک، امام شافعی اجازت نہیں دیتے۔

الجزاء الاوفی۔ منصوب منزع الخافض ہے اور مصدر بھی ہو سکتا ہے۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ جزی متعدی بنفسہ آتا ہے اور متعدی بحرف الجز بھی۔

وان الی ربک، ان کے مکسور ہونے کی صورت میں آئندہ جملے ”صحف اول“ کے نہیں ہوں گے۔ صرف سابقہ تین جملے ”صحف اول“ کے ہوں گے۔ جملہ ان الی ربک الخ دلیل ہے۔ ثم یجزاہ کی جس کا حاصل یہ ہوگا کہ سب چیزوں میں اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس کے مخاطب عام انسان ہیں یا خصوصیت سے آنحضرت ﷺ ہیں قراءت کسرہ کی صورت میں۔ لیکن قراءت فتح کی تقدیر پر ہر مائل مخاطب ہوگا یا موسیٰ علیہما السلام ہوں گے۔

ھو اضحک۔ یعنی اللہ نے رونے بننے کو پیدا کیا یا فرحت و حزن کو پیدا کیا یا مسلمانوں کو آخرت میں عطیات سے خوش کر دے گا اور دنیا میں تکلیف سے طویل کرتا ہے۔

وانہ خلق الزوجین۔ یہاں انہ ہو اضحک کی طرح ضمیر فصل نہیں لائی گئی کیونکہ ہنسانے رلانے جلانے مارنے وغیرہ میں تو مخلوق کا دخل ہونے کا تو ہم تھا اس کے ازالہ کے لئے ضمیر فصل لائی گئی بخلاف نر و مادہ کے پیدا کرنے اور دوبارہ زندہ کرنے کے انہیں یہ ایہام نہیں تھا۔ اس لئے ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

رب الشعری۔ اس مترہ پرستی کی داغ بیل سب سے پہلے ابوبکر نامی ایک شخص نے ڈالی تھی۔ وٹمودا۔ ایک سبب کی وجہ سے منصرف ہے اور عام ”جزء“ کے نزدیک غیر منصرف ہے علیت اور تانیث کی وجہ سے۔

عاد الاولی۔ اولی کے معنی اگر قدیم کے لئے جائیں تو پھر آخری کے مقابل ماننے کی ضرورت نہیں۔ اور فاعلی اگر عام ہے تو سارے ثمود

ہوں گے ورنہ صرف کفار تباہ ہونے ہوں گے۔

ایہم کتابوا۔ صرف قوموں کی طرف ضمیر راجع ہے یا تینوں اقوام کی طرف اور ہم ضمیر فصل ہے یا تاکید کے لئے ہے۔ بدل، مٹا، بعید ہے۔ الظلم کا منضبط یہ محذوف ہے پہلی صورت میں من عاد و نعوذ ہوگا اور دوسری صورت میں من غیر ہم ہوگا۔

والمؤتفکة۔ یہ منسوب ہے اہویٰ کی وجہ سے بستیوں کو اس لئے کہا کہ اہل بستی پلٹ دیئے گئے تھے فواصل کی رعایت کی وجہ سے مؤتفکة و فاصل سے مقدم کیا گیا ہے۔

ما غشی۔ اس میں ما اوحی کی طرح ایہام ہے۔ تفعیل اگر تعدیہ کے لئے مانا جائے تو اس کو مفعول ثانی کہا جائے گا۔ اور مبالغہ اور تکثیف کے لئے کہا جائے تو فعشیم من الیم ما غشیہم کی طرح ما و فاعل کہا جائے گا۔ مبہم لانے میں مبالغہ مقصود ہے۔ آیت ہود کے قریب آیت حجر جہی ہے۔ فجعلنا علیہا سافلہا و اضطر ما علیہم۔

تسماری مفسر نے شک سے اشارہ کیا ہے تفاعل میں تعدد فاعل نہیں ہے۔ اور تکذب کہہ کر ابن عباس کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے انہوں نے یہی معنی سے ہیں۔ یعنی مزید کی بجائے مجرد کا ترجمہ کیا ہے۔

کاشفة۔ یہ مصدر بھی ہو سکتا مافیہ، ماقبہ، خانیہ کی طرح اور صفت بھی بن سکتا ہے۔ اس وقت اس میں تانیث ہوگی۔ مفسر نے نفس سے اس کے موصوف محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس میں ما کو مبالغہ کے لئے کہا جاسکتا ہے۔ علامۃ، نسابہ کی طرح اور یہاں کشف الشمس کے معنی عرف حقیقہ کے ہیں اور یہ کشف الغر سے ہے بمعنی ازالہ کرنا یعنی اللہ کے علاوہ کوئی اس سے بچا نہیں سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ چونکہ اس نے طے کر دیا ہے اس لئے اس کا ہونا ناگزیر ہے۔

انتم ساعدوں۔ جمد مستانہ بھی ہو سکتا ہے اور حال بھی۔ سمود کے معنی اعراض کے ہیں یا لبو کے یا خود یعنی بچنے کے یا معنی استکبار ہے اور ابو عبیدہ کی رائے ہے کہ غت حمیر میں سمود کے معنی فنا کے ہیں کہا جاتا ہے یا جاریۃ اسمدی لناعنی گانا گا۔

امراغب فرماتے ہیں کہ ساعد کے معنی الاهی الرافع راسہ کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بغیر ساعد فی سیرہ اور سمد راسہ و جسدہ بولا جاتا ہے یعنی بال صاف ہو گئے۔ کفر قراءت قرآن کے وقت گانے بجانے سے لوگوں کو پرچایا کرتے تھے۔

ابن عباس سمود کے معنی لبو کے لیتے ہیں۔ بولتے ہیں۔ دج عنک سمودک ای لہوک۔ اور عمرہ عقیدہ حمیر کے غت میں غن کے معنی لیتے ہیں اور نخی ک وغیرہ پتھروں کے معنی لیتے ہیں۔

رابط آیات پچھلی آیت الذین اساءوا اور الذین احسنوا میں بروں اور اچھوں کا اجمالی بیان تھا پھر نیلوں کی کچھ تفصیل آگئی تھی۔ اب آیت افرایت الذی من سے بروں کی کچھ برائی ارشاد ہے۔ اس ذیل میں پچھلی کتابوں اور شریعتوں کے حکمت و نصیحت آمیز مضامین نقل فرمائے بار ہے ہیں۔

اس کے بعد آخری آیت ہذا مذکور الخ میں سورت کے مضامین، توحید، رسالت، مجازات کا پھر مخلوط خلاصہ دہرایا گیا ہے۔

شان نزول و روایات ابن جریر نے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ یا کوئی اور کافر مسلمان ہو گیا تو مشرکین نے آپانی مذہب چھوڑنے پر اس کو ملامت کی۔ ملامت من کہ ولید بوالاکہ میں عذاب آخرت سے ڈرتا ہوں۔ ملامت کر کے لگا کہ اے تو مجھ سے کچھ ہے تو میں تیرا عذاب اپنے سر پر رکھوں گا۔ چنانچہ ولید نے کچھ دیا دایا۔ مگر اس نے پھر اور مانگا۔ نہایت کشمکش کے بعد اس نے پتھر یا اور بقیہ قرآن

دستاورز مع گواہوں کے لکھ دی۔ آیت افرایت الذی میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

آیت لا تنزد الخ کے متعلق عکرمہ ابن عباسؓ سے نقل کر رہے ہیں کہ پہلے زمانہ میں مجرم کی سزا اس کے باپ بیٹے متعلقین میں سے کسی کو دے دی جاتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے تو انہوں نے اس غلط طریقہ کو بدلایا آیت اسی کا بیان ہے۔

﴿تشریح﴾: بقول روح المعانی نیز مجاہد وغیرہ سے یہی منقول ہے کہ ولید بن مغیرہ حضور ﷺ کی باتیں سن کر اسلام کی طرف مائل ہو چلا تھا اور قریب تھا کہ مسلمان ہو جائے۔ ایک کافر بولا ایسا مت کر۔ اگر تجھے عذاب کا ڈر ہے تو مجھے اتنا دل دے دے میں سب اپنے سرے لیتا ہوں۔ چنانچہ مغیرہ نے اس کی ایک قسط بھی ادا کر دی۔ مگر پھر باقی دینے سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں اعطیٰ قلیلا واکدی کے معنی یہ ہوں گے کہ مغیرہ نے کچھ مال دیا اور پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ چنانچہ فدیہ بننے والے پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے اعنسدہ الخ یعنی کیا یہ غیب کی بات دیکھ آیا کہ دوسرے کا عذاب بھگتنے تیار ہو گیا یا مالی فدیہ دینے والا دوسرے پر ٹال کر بے فکر ہو گیا اور سمجھ لیا کہ اس طرح چھوٹ جائے گا۔

آسمانی صحیفوں کی تعلیم: .... حالانکہ موسیٰ و ابراہیم کے صحیفوں میں یہ مضمون آچکا تھا کہ اللہ کے ہاں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، ہر ایک کو اپنی جوابدہی خود کرنی ہوگی۔ درمنثور کی روایت حضرت موسیٰ کو تورات کے علاوہ دس صحیفے عنایت ہونے کی ہے ان میں یہ ہدایت بھی تھی کہ آدمی جو کچھ کوشش کر کے کماتا ہے وہی اس کا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کی نیکیاں لے لے اڑے باقی خود کوئی اپنی خوشی سے اپنے بعض حقوق دوسرے کو دے دے اور اللہ اسے منظور کر لے وہ الگ بات ہے جس کی تفصیل کتب حدیث و فقہ میں ہے۔

بہر حال ایک کی سعی اس کے سامنے رکھ دی جائے گی اور اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ بعض محقق اکابر نے سعی سے سعی ایمانی مراد لی ہے یعنی اسلام و کفر کا تبادلہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ اعمال حسنا ایک دوسرے کے لئے مفید ہوں یہ ممکن ہے اس لئے اب اس آیت میں کوئی اشکال نہیں رہ جاتا وان الی ربک المنتہی۔ چونکہ سب علوم و افکار حتیٰ کہ وجود کا سلسلہ اللہ ہی پر منتہی ہوگا اور سب کو آخر کار اسی کے پاس پہنچنا ہے۔ اس لئے وہیں سے ہر ایک کو نیک بدی کا پھل ملے گا۔

وانہ خلیق الزوجین۔ یعنی تمام متضاد مقابل احوال، خوشی ہو یا غم، ہنسی ہو یا رونا، جینا ہو یا مرنا، نر ہو یا مادہ، خیر ہو یا شر سب اسی نے پیدا کئے ہیں۔ جس کے کمال صناعتی اور عظیم قدرت کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ اس نے ایک گندی بوند سے نر و مادہ پیدا کر دیئے۔ اسے دوبارہ پیدا کرنا کونسا مشکل ہے۔ یہاں تک انسان میں تصرفات الٰہی کا بیان ہے۔

انسان کی طرح اس کی ضروریات بھی اللہ کے تصرف میں ہیں: ... آیت وانہ هو اعنی سے انسان کے متعلقات میں تصرف کا بیان ہے۔ چنانچہ کم سمجھ انسان مالی طاقت کے سامنے جس طرح ہتھیار ڈالتا ہے اسی طرح فلکی طاقت کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔ گویا مال و دولت زمین کی طاقت ہے اور ستارے آسمانی قوت، اس آیت میں بتلادیا کہ ان دونوں کا سرچشمہ بھی اللہ ہی کی ذات ہے۔ دھن دولت ہو یا زمین جائیداد سب اسی کی دی ہوئی ہیں۔ اور بعض نے اقنی کے معنی فقر یعنی محتاج ہونے کے لئے ہیں۔ غرض امیر بنانا بھی اسی کا کام ہے۔ پس یہ دونوں وصف بھی منجملہ پہلے متقابلات کے ہو گئے لیکن اگر اقنی کو اغنی کے ہم معنی کہا جائے تو پھر اس کا مقابل آگے واندہ اہلک خ آرہا ہے۔ یعنی وہی مال و دولت دیکر بڑھاتا بھی ہے اور وہی بڑی بڑی دولت چھین کر مٹاتا ہے اور گھٹاتا بھی ہے۔ سہری جیسا عظیم ستارہ بھی ایک غریب مزدور کی طرح اسی کا بیگاری بنا ہوا ہے۔

فبائی الاء ربک۔ ایسے ظالم فساد یوں اور باغیوں کا تباہ کر ڈالنا بھی اللہ کا بڑا بھاری انعام ہے۔ کیا ایسی نعمتوں کو دیکھ کر انسان اپنے رب کو



نہلا، تار ہے گا۔ ظاہر یہ سب مضامین ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں مشترک معلوم ہوتے ہیں۔ خواہ ہر ایک میں یا مجموعہ میں، اجمالاً ہوں یا کلیاً ہوں یا تفصیلاً اور جزئیاً۔ لیکن اُن پر یہ ثابت نہ ہو تو پھر جو مضمون ان صحیفوں کے علاوہ ہوگا۔ وہاں سے پہلے الامر متدرجاً لیا جائے گا۔ اور یہ مضامین نقل ہونے کے علاوہ چونکہ عقلی بھی ہیں اس لئے مشرکین پر حجت ہیں اور حضرت ابراہیم سب کے مسلمہ مقتدا ہیں۔ اور موسیٰ کو یہود و مقتدا مانتے ہیں۔ اس لئے حجت ہونے میں ان کی تخصیص بھی مناسب ہے۔

**آنحضرت ﷺ کی آمد قیامت کی آمد کا مقدمہ ہے:**      ہذا نذیر۔ پچھلے انبیاء کی طرح آنحضرت ﷺ بھی مجرموں کو ان کے انجام سے برابر ڈرار ہے ہیں اور آپ کی تشریف آوری مقدمہ ہے قیامت کا بس۔ سمجھو کہ قیامت بھی اب آہی گئی۔ اس کی تعمین تو اللہ کو معبود ہے، مگر جب ٹھیک وقت آجائے گا تو پھر کوئی دوسری طاقت اسے ٹال بھی نہیں سکتی۔ قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر تو انہیں مارے خوف کے رونا دھونا چاہیے تھا اور تیاری کی نگر میں لگ جانا چاہیے تھا۔ مگر افسوس کہ ہو یہ رہا ہے کہ ہنسنے میں لگے ہوئے ہیں اور نہایت بے فکری سے غفل ہو کر قلائچیں بھر رہے ہیں۔ حالانکہ نصیحت و فہمائش کی باتوں پر ہنسنے اور مذاق اڑانے کا کیا موقع؟ ان پر یہ تو لازم ہے کہ بندگی کی راد اختیار کریں اور مطیع و فرمانبردار ہو کر جہنم نیاز خداوند قہار کے آگے جھکا دیں۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ سورہ نجم پڑھ کر آپ نے سجدہ کیا اور ساتھ ہی سب مسلمان اور مشرک جو حاضر مجلس تھے، سجدہ میں گر پڑے سب کو ایک غاشیہ الہی نے گھیر لیا اور غیبی اور قہری تصرف سے طوعاً و کرہاً سب کو سر بسجود ہون پڑا۔ صرف ایک بد بخت جس کے دل پر قساوت کی مہر تھی اس نے سجدہ نہیں کیا اور زمین سے تھوڑی سے مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی کو لگالی اور کہنے لگا کہ مجھے اس قدر کافی ہے۔

**اطا ئف سلوک:**      . . . لیس للانسان ان کے ذیل میں روح المعانی میں ہے۔ والتحریر عندی فی هذه الایة ان ملاک المعنی هو اللام من قوله سبحانه للانسان فاذا حققت الشئ الذی حق الانسان ان يقول فیہ لی کذا، لم تجده الا سعیه وما یكون من رحمة بشفاعه او رعاية صالح او ابن صالح او تضعیف حسنات او نحو ذلک فلیس هو للانسان ولا یسعه ان يقول لی کذا و کذا الا علی تجوز والحق بما هو حقیقة . انتہی ۔

حاصل یہ ہے کہ عمل سے اصل مقصود حق تعالیٰ کا قرب ہے اور وہ بلا عمل کے کسی کی برکت سے نہیں ہوتا اور اللہ کے فضل سے عنایت ہو جانا اور بات یہ ہے کیونکہ یہاں تو حصر اضافی ہے۔ وان الی ربک المتہی کے معنی بعض نے یہ بیان کئے ہیں کہ تمام افکار و تصورات کا منتہی حق تعالیٰ ہیں مخلوق میں نظر و فکر کی سیر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لیکن خالق پر پہنچ کر سیر رک جاتی ہے۔ آگے مجال نہیں چنانچہ ابی ابن کعب آنحضرت ﷺ سے اس کے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ لا نکرہ فی الرب۔

سفیان ثوری آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ اذا ذا الرب فانتھوا۔

ابن ماجہ ابن عباسؓ سے ناقل ہیں مر النبی ﷺ علی قوم یتفکرون فی اللہ فقال تفکروا فی الخلق ولا تذکروا فی الخالق فانکم لن تقدروا ۔

ابو ذر فرماتے ہیں۔ قال رسول ﷺ تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی فہلکوا ، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی معرفت بالکنہ محال ہے۔ اکثر دلائل نقلیہ سے اس کا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

## سُورَةُ الْقَمَرِ

سُورَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ إِلَّا سَيِّئُهُمُ الْجَمْعُ الْآيَةُ وَهِيَ خَمْسٌ وَخَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَرَبِّتِ الْقِيَامَةُ <sup>۱</sup> وَانْشَقَّ الْقَمَرُ <sup>۲</sup> اِسْمُ الْقَمَرِ قَمَرٌ عَلَى ابْنِ قَيْسٍ وَقُعْتُعَالُ بِهِ تَهْنِئَةٌ وَقَدْ سَمَّيْنَاهَا قَمَرًا سَمَّيْنَاهَا رَوَاهُ الشَّيْحَانُ وَإِنْ يَرَوْا آيَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ آيَةً مُعْجَزَةً لَهُ <sup>۳</sup> كَانَتْشَقَ الْقَمَرِ يُعْرَضُونَ وَ يَقُولُوا هَذَا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ <sup>۴</sup> قَوَى مِنَ الْمَرْءِ الْقُوَّةَ أَوْ دَائِمٌ وَكَذَّبُوا النَّبِيَّ <sup>۵</sup> وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ فِي الْمَاضِ وَكُلُّ أَمْرٍ مِنَ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ مُسْتَقَرٌّ <sup>۶</sup> بِأَهْلِهِ فِي الْجَنَّةِ أَوْ النَّارِ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ الْخَبَرُ هَلَاكُ الْأُمَمِ الْمَكْذِبَةِ رُسُلُهُمْ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌّ <sup>۷</sup> لَّهُمْ اسْمٌ مَصْدَرٌ أَوْ اسْمٌ مَكَانٍ وَالَّذِي بَدَّلَ مَن تَاءَ رَافِعًا وَرَدَّ حَرْفَهُ وَزَجَرْتُهُ بَهَيْتُهُ بَعْضُهُ وَمَا مَوْصُوتهُ أَوْ مَوْصُوفُهُ حِكْمَةٌ خَيْرٌ مُّبْدَأٍ مَحذُوفٍ أَوْ مَن وَمَا أَوْ مَن مُرْدَحَرٌّ بِالْعَةِ تَامَةً فَمَا تَغْنِ تَغْنِ فِيهِمُ النَّذْرُ <sup>۸</sup> جَمْعُ نَذِيرٍ بِمَعْنَى مُنْذِرٍ أَيْ الْأُمُورُ الْمُسِيرَةُ لَهُمْ وَمَا نَسَبِي أَوْ لَا سَمْتَهُمُ الْإِنْكَارِي وَهِيَ عَلَى آتَايَ مَنْفَعُولٌ مُقَدَّمٌ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ هُوَ فَائِدَةٌ مَا قَبْلَهُ وَهِيَ تَمُّ الْكَلَامِ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ هُوَ إِسْرَافِيلُ وَبَاسَتْ يَوْمَ يُخْرِجُونَ نَعْدُ إِلَى شَيْءٍ نُّكْرٍ <sup>۹</sup> بِضَمِّ الْكَافِ وَسُكُونِهَا أَيْ مُسَكَّرٌ تُكْرَرُ الشُّبُوحُ بِشِدَّتِهِ وَهُوَ الْحِسَابُ خَاشِعًا دُخْلًا وَفِي قِرَاءَةٍ خُشْعًا بِضَمِّ الْحَاءِ وَفَتْحِ الشِّينِ مُسْتَدَدَةٌ أَبْصَارُهُمْ حَالٌ مِّنْ فَاعِلٍ يُخْرِجُونَ أَيْ النَّاسُ مِنَ الْأَجْدَاثِ الْقُبُورِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّتَشَرُّ <sup>۱۰</sup> لَا يَسْرُونَ بِسْ يَدْعُونَ مِنَ الْحَوْبِ وَالْحَيْرَةِ وَالْجَمَّةِ حَالٌ مِّنْ فَاعِلٍ يُخْرِجُونَ وَكَذَا قَوْلُهُ مُهْطِعِينَ أَيْ مُسْرِعِينَ مَا دَى عَافِيَهُ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ مِنْهُمْ هَذَا يَوْمٌ عَسَرٌ <sup>۱۱</sup> أَيْ صَعِبٌ عَلَى الْكَافِرِينَ كَمَا فِي الْمُدَّتَرِ يَوْمٌ عَسَرٌ عَلَى الْكَافِرِينَ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَبْلَ قُرَيْشٍ قَوْمُ نُوحٍ تَأْنِيثُ الْفَعْلِ لِمَعْنَى قَوْمٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا نُوحًا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدَجَرَهُ <sup>۱۲</sup> أَيْ أَنْهَرُوهُ بِالسَّيِّبِ وَغَيْرِهِ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ <sup>۱۳</sup> فَمَتَّحْنَا بِاللَّخْمِيبِ وَنَشَدَدُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَا فِيهَا مِنْ مَّيْمَرٍ <sup>۱۴</sup> مُنْصَبٍ مُّصَابَا سَدِيدٍ

وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَاتَّقَى الْمَاءُ مَا السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ عَلَى أَمْرٍ حَالٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ بِهِ فِي الْأَرْضِ  
وَهُوَ هَلَاكُهُمْ غَرَقًا وَحَمَلْنَاهُ أَيْ نُوحًا عَلَى سَفِينَةٍ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَذُكِّرَ ﴿۱۳﴾ وَهِيَ مَا تَشَدُّ بِهِ الْأَلْوَاخُ مِنَ  
الْمَسَامِيرِ وَغَيْرِهَا وَاجِدْهَا دَسَارَ كِتَابٍ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا بِمُرَآئِ مَنَا أَيْ مَحْفُوظَةٍ بِحِفْظِهَا جَزَاءُ  
مَنْصُوتٍ بِغَلٍّ مُقَدَّرٍ أَيْ أُعْرِقُوا النَّصَارَا لِمَنْ كَانَ كُفْرَ ﴿۱۴﴾ وَهُوَ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقُرِئَ كُفْرَ سَاءَ لِلْفَاعِلِ  
أَيْ أُعْرِقُوا عِقَابًا لَهُمْ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا أَيْ أَبْقَيْنَا هَذِهِ الْفَعْلَةَ آيَةً لِّمَنْ يَعْزُوبُهَا أَيْ سَاعَ خَرَجَ مِنْهَا وَنَسَرَ فَهَلْ مِنْ  
مَذَكِرٍ ﴿۱۵﴾ مُعْتَبِرٍ وَتُعْطِ بِهَا وَأَصْلُهُ مَذَكَّرٌ أَبْدَلَتْ التَّاءَ دَالًا مُهْمَلَةً وَكَذَا الْمُعْجَمَةُ وَادْعَمَتْ فِينَا فَكَيْفَ  
كَانَ عَذَابِي وَنَذِيرٍ ﴿۱۶﴾ أَيْ إِنذَارِي اسْتَفْهَامُ تَقْرِيرٍ وَكَيْفَ خَرُكَ كَانَ وَهِيَ لِلسُّوَالِ عَنِ الْحَالِ وَالْمَعْنَى  
حَمَلُ الْمُخَاطَبِينَ عَلَى الْإِقْرَارِ بِوُقُوعِ عَذَابِهِ تَعَالَى بِالْمُكْذِبِينَ بَنُوحٍ مَوْقَعَةٍ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ  
سَهْلًا لِلْحَفِظِ أَوْ هَيَّأْنَاهُ لِلتَّذْكَرِ فَهَلْ مِنْ مَذَكِرٍ ﴿۱۷﴾ مُتَعَبِّ بِهٍ وَخَافِظٌ لَهُ وَإِلَّا اسْتَفْهَامُ بِمَعْنَى الْأَمْرِ أَيْ  
أَحْفَظُوهُ وَاتَّعَظُوهُ وَلَيْسَ يُحْفَظُ مِنْ كَيْفِ اللَّهِ عَنْ ظَهْرِ الْقَلْبِ غَيْرُهُ كَذَبَتْ عَادٌ نَبِيَّهُمْ هُودًا وَعَدُوا فَكَيْفَ  
كَانَ عَذَابِي وَنَذِيرٍ ﴿۱۸﴾ أَيْ إِنذَارِي لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ نَزْوِيهِ أَيْ وَقَعَ مَوْقَعَةٍ وَبَيَّنَّهَ يَقُولُ: إِنَّا أَرْسَلْنَا  
عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا أَيْ شَدِيدَةً الصَّوْتِ فِي يَوْمٍ نَحْسٍ شَوْمٍ مُسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ دَائِمٍ الشَّوْمُ أَوْ قُوَّةٌ وَكَانَ  
يَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ أَجَرَ الشَّهْرِ تَنْزِعُ النَّاسَ تَقْلَعُهُمْ مِنْ حُفْرِ الْأَرْضِ الْمُنْدَسِينَ فِيهَا وَتَضَرَّعُهُمْ عَلَى رُءُوسِهِمْ  
فَسَدَّقَ رِقَابَهُمْ فَتَشِينَ الرُّؤُوسَ عَنِ الْجَسَدِ كَانَهُمْ وَحَالَهُمْ مَا ذَكَرَ اعْجَازُ أَصُولِ نَحْلِ مُنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ مُنْقَلَعٍ  
سَاقِطٍ عَلَى الْأَرْضِ وَشَبَّيُوا بِالنَّحْلِ لَطْوَلِهِمْ وَذَكَرْنَاهُ وَأَنْتَ فِي الْحَاقَةِ نَحْلٍ خَاوِيَةٍ مُرَاعَاةٍ لِلْفَوَاصِلِ فِي  
الْمَوْصَعِ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنَذِيرٍ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مَذَكِرٍ ﴿۲۲﴾

ع

ترجمہ: ..... سورۃ قمر، جز آیت سیہزم الجمع کے مکہ ہے۔ اس میں ۵۵ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قیامت نزدیک آنے لگی  
(قریب آگئی) اور چاند شق ہو گیا (ابی قیس اور قتیقہان دو پہاڑوں پر دو ٹکڑے ہو کر الگ الگ ہو گیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ شہین کی روایت  
کے مطابق ظہور پذیر ہوا۔ جس کی فرمائش کفار نے کی تھی۔ آپ نے فرمایا (دیکھ لو) اور یہ لوگ کفار قریش اگر کوئی معجزہ (آنحضرت ﷺ کی نشانی  
جیسے شق قمر) دیکھتے ہیں تو مال دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ زبردست جادو ہے (مضبوط مستمرہ مرۃ سے ماخوذ ہے قوی یاد آگئی کے معنی ہیں اور  
(آنحضرت ﷺ) جھٹلاتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کی (غلط بات میں) پیروی کرتے ہیں اور (خیر و شر میں سے) ہر بات کو قرار آ جاتا  
ہے (اہل خیر و شر کے ساتھ جنت یا دوزخ میں) اور ان لوگوں کے پاس خبریں اتنی پہنچ چکی ہیں (پیغمبروں کو جھٹلانے والی قوموں کی تباہی کی  
اطلاعات) کہ ان میں عبرت ہے ان کے لئے مزدجو اسم مصدر یا اسم مکان ہے اس میں دال افعال تاء سے تبدیل ہو گئی۔ ازد جسر تہ  
رجسرتہ کے معنی ہیں۔ میں نے اس کو سختی سے ڈانٹ دیا۔ اور ما موصولہ یا موصوفہ ہے) دانشمندی (مبتدائے محذوف کی خبر ہے یا ما سے یا

مرد حیر سے بدل ہے) اعلیٰ درجہ کی (مکمل) سوان کو کوئی فائدہ (نفع) ہی نہیں دیتیں۔ خوف دلانے والی چیزیں (نظر، نظیر) کی جمع ہے بمعنی منذر و ارانے والی چیزیں مراد ہیں۔ عافیتی کے لئے ہے یا استفہام انکاری کے لئے ہے دوسری صورت میں یہ خبر مقدم ہے تو آپ ان کی طرف سے کچھ خیال نہ کیجئے (یہ پہلے مضمون کا خلاصہ ہے اور یہاں کلام پورا ہو گیا)۔ جس روز ایک بلانے والا (اسرائیل مراد) میں یوم کا ناصب آئے (بحر حوں آرہا ہے) ایک ناگوار چیز کی طرف جس روز بلائیگا (مکر ضمہ کاف اور سکون کاف کے ساتھ ہے یعنی ایسی بری چیز جس کی شدت سے طبیعتیں گھبراتی ہیں حساب مراد ہے) جھکی ہوئی ہوں گی (پست اور ایک قراءت میں خشعاً ضمہ خا اور فتح شمیم مشدّد کے ساتھ ہے) ان کی آنکھیں (یہ حال ہے بخسرجون کے فاعل سے) نکل رہے ہوں گے (لوگ) قبروں سے اس طرح جیسے مٹی پھیل جاتی ہے (دہشت و حیرت کے بارے یہ نہیں سمجھ پائیں گے کہ کہاں جائیں۔ یہ جملہ بخسرجون کے فاعل سے حال ہے اور ایسے ہی اگلے جملہ بھی) (دوڑے جیسے ہارے ہوں گے) (ردن اٹھا کر بھاگ رہے ہوں گے) (بلانے والے کی طرف کافر پکارتے ہوں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے) (کافروں پر دشوار جیسا کہ سورۃ مدثر میں ہے یوم عسیر علی الکافرین ان) (قریش) سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی (فعل کا مونث ہونا معنی قوم من وجہ سے ہے) یعنی انہوں نے ہمارے بندہ (نوح) کی تکذیب کی اور کہا کہ یہ مجنون ہیں اور نوح کو دھمکی دی (گالیاں وغیرہ دے کر ڈانٹا) تو نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں (انسی فتح ہمزہ کے ساتھ یعنی بانی ہے) عاجز ہوں سو آپ انتقام لے لیجئے چنانچہ ہم نے ہول دینے (تخفیف و تشدید کے ساتھ ہے) آسمان کے دروازے برسنے والے پانی سے (جو موسلا دھار برسا) اور زمین سے جسٹے جاری کر دیئے (جو ابل رہے تھے) پھر (آسمان زمین کا) پانی اس کام کے لئے (جو حال ہے) مل گیا جو تجویز ہو چکا تھا (ازل میں ان کی تباہی غرقاب ہونے کی صورت میں) اور ہم نے (نوح کو کشتی پر سوار کر دیا جو تختوں اور میٹھوں والی تھی) (دسرکیل وغیرہ کو کہتے ہیں جس سے تختے وغیرہ جوڑے جاتے ہیں اس کا مفرد کتاب کے وزن پر دسار ہے) جو ہماری نگرانی میں رواں تھی (ہماری حفاظت میں محفوظ تھی) بدل لینے کے لئے (فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے یعنی اغرقوا انتصاراً) اس شخص کا جس کی تاقدری کی گئی (یعنی نوح علیہ السلام اور ایک قرات کفر فعل معروف کی ہے یعنی سب دبو دیئے گئے اپنے کفر کی سزا میں) اور ہم نے اس واقعہ کو رہنے دیا (اس قصہ کو باقی رکھا) عبرت کے لئے (جو شخص اس سے عبرت حاصل کرے یعنی یہ خبر سب میں پھیل گئی اور چلتی رہی) سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (جو اس سے سبق لے، مددگار کی اصل مددگار تھی تاکہ وہ ال مہملہ یا معجمہ سے بدل کر ادغام کر دیا گیا ہے) پھر میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ استفہام تقریر کے لئے ہے اور کیف کماں کی خبر ہے جو حال در یافت کرنے کے لئے ہے جس کا حاصل مخاطبین کو اقرار پر آمادہ کرنا ہے کہ نوح کے جھٹلانے والوں کو عذاب بر موقعہ ہوا ہے (اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا) (محفوظ کرنے کے لئے سہل بنا دیا، یا نصیحت کے لئے مہیا کر دیا) سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ جو اس سے سبق لے اور اس کو محفوظ کر لے، استفہام امر کے معنی میں ہے یعنی اس کو یاد کر لو اور اس سے سبق لو۔ کتب الہیہ میں واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے عداوہ کوئی کتاب جان و دل سے محفوظ نہیں رہی (قوم عاد نے تکذیب کی) (اپنے پیغمبر ہود کی جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (یعنی عذاب آنے سے پہلے میرا ان کو ڈرانا یعنی بر محل عذاب آیا۔ جیسا کہ آگے فرمایا) ہم نے ان پر ایک تیز و تند ہوا بھیجی (جس کا شور ہولناک تھا) ایک دائمی نحوست کے دن (جس کی نحوست مسلسل رہی یا قوی ہونا مراد ہے بے شبہ قوی بدلہ تھا) وہ ہوا و لوگوں کو اکھاڑ پھینڈ کر کے پھینکتی تھی (زمین کی تلی سے اکھاڑ کر پھرو ہیں چنک دیتی تھی اور سروں کے بل ان کو پچھاڑ دے رہی تھی جس سے ان کی گردنیں ٹوٹ ٹوٹ کر دھڑوں سے الگ جا پڑتی تھیں) اس طرح کہ گویا وہ (در انحالیکہ ان کی کیفیت بیان ہو چکی) جڑیں (تنے) میں اکھڑی ہوئی کھجوروں کی (جو زمین پر اکھڑ کر آرہیں۔ لمبے ترنگے ہونے میں ان کو کھجور کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہاں تو مذکر اور سورۃ حاقہ کی آیت نخل حاویہ مونث کے ساتھ تعبیر کرنے میں دونوں جگہ تو اصل آیات کی رعایت کی گئی ہے) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ اور ہم نے قرآن کو

نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

**تحقیق و ترکیب:** اقتربت - مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اقتربت مزید - قربت مجرد کے معنی میں ہے۔ مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے الساعۃ، الحاقۃ، واقعة، قارعة، یوم الدین، یوم الجزاء وغیرہ قیامت کے نام ہیں۔ شق القمر قیامت کی علامت اس طرح ہے جیسے کہا جائے۔ اقبل الامیر وقد جاء العشر بقدمہ۔ چنانچہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے غار حرا کے دونوں جانب دو ٹکڑے دیکھے، جیسا کہ جمہور کی رائے ہے۔ لیکن بعض کی رائے ہے کہ قیامت کے روز شق قمر ہوگا۔

پہلی دوسری تاریخ کے چاند کو ہلال اور تیسری سے تیرہویں تک قمر کہتے ہیں اور چودھویں شب کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے پھر بتدریج محاق شروع ہو جاتا ہے۔ فعاد کالعرجون القديم۔

جبل ابوقبیس مکہ کا مشہور پہاڑ قبیلہ مدح کے نام پر یہ موسوم ہے اس کے سامنے دوسرا پہاڑ قعیقعاں یروذن زعمیران ہے۔ قبیلہ جرم کے لوگ اس پر اپنے ہتھیار رکھتے تھے یہی وجہ تسمیہ ہے۔ قریش نے مطلقاً نشانی کی فرمائش کی تھی یا خاص شق قمر کی فرمائش کی تھی دونوں روایات ہیں مستمر۔ استمرار کے معنی استحکام، دوام، اور قوی کرنے کے لئے آتے ہیں اور ختم ہو جانے کے معنی بھی آتے ہیں۔ ق مونس میں ہے۔ سحر مستمر محکم قوی او ذاہب صراح میں ہے مرة بمعنی قوت۔

مزدجر۔ فی صلہ ہے اور یہ اس کا فاعل ہے یا مزدجر مبتداء اور فیہ خبر ہے۔

النذر۔ جو حضرات فعلیل بمعنی مفعول نہیں مانتے وہ نذیر بمعنی انذار کو مصدر کہتے ہیں۔ ما استفہامیہ ماننے کی صورت میں ما تغنی مفعول بہ یا مفعول مطلق مقدم ہوگا۔ ای شیء من الاشیاء النافعة تغنی النذر یا ای اغناء تغنی النذر تقدیر عبارت ہوگی خاشعاً۔ نکر۔ ابن کثیر کے نزدیک سکون کاف کے ساتھ ہے۔

خاشعاً ابصارہم۔ ابو عمر، حمزہ مثنوی کے نزدیک خاشعاً ہے اور باقی قراء کے نزدیک خشا ہے۔ نخر جون کے فاعل سے حال ہے یا یدع کے مفعول مخذوف سے حال مقدرہ ہے اور بقول قاضی یہ ترکیب عمدہ ہے اگرچہ صورت بر جال قائمین غلمانہم عمدہ ترکیب نہیں ہے کیونکہ یہ مشابہ فعل صیغہ پر نہیں ہے۔ اس قراءت سے میرد کے اس قوم کے تائید ہو رہی ہے کہ جمع مکسر لانا، ممکن ہو تو وہ بمقابلہ مفرد کے بہتر ہوگی۔ چنانچہ مورت بر حال قائم غلمانہ کے مقابلہ میں مورت بر جال قیام غلمانہ فصیح سمجھا جائے گا۔ لیکن جمہور مفرد کو ترجیح دیتے ہیں۔ زخشری کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے مطابق ہے جو اکلونی البراغیث بولتے ہیں۔ اس لئے خشا۔ ضمیر ہم مان کر ابصار ہم ہم اس سے بدل جائے گا۔

کانہم جراد۔ کثرت و انتشار میں تشبیہ ہے۔ چنانچہ لشکر عظیم کے بارہ میں کہا جاتا ہے جاء کالجرا، جراد اسم جنس ہے اسی لئے یہ جمع کی خبر ہوگی۔ رہا منتشر کو مفرد لانا وہ بلحاظ مفرد ہے۔ اس کی نظیر کالفراش المبثوث ہے ان دونوں آیات میں مردوں کے اٹھنے کو تشبیہ دی گئی ہے۔ پہلی آیت قمر میں کثرت و انتشار وجہ تشبیہ ہے اور آیت قارعہ میں خیر و دغل وجہ تشبیہ ہے۔

مہطعین۔ امام راغب اور اہل زبان کے استعمال سے مفسر کی تائید ہو رہی ہے۔ اصل میں گردن یا نگاہ اونچی کرنے کے معنی ہیں۔ جلدی کرنے اور نظر و تامل کرنے سے یہ کنایہ ہے۔

مہمر۔ قاموس میں ہے۔ انہر الماء بمعنی انسکب و سال الماء۔ حضرت علیؑ سے ابن الکوا نے جب منہر کے معنی پوچھے تو فرمایا ہی شرع الماء اسی لئے بولا جاسکتا ہے۔ فتحت السماء بماء منہر امام بخاری نے ادب المفرد میں اس کو ذکر کیا ہے اور ابن منذر نے ابن

عبارت سے قرآن کی ہے کہ ماء ذلک من السحاب لا من السماء۔

عیون۔ یہ مفعول تھا تمیز بنا لیا۔ اصل عبارت فحورنا عیون الارض کلھا تھی۔ جو فحورنا عیون الارض سے الٹ ہے۔ گویا ساری زمین پوشش بنا لیا۔ لیکن فاعل سے تمیز لانا اکثر ہوتا ہے۔ اس وقت حاصل عبارت انفجرت عیون الارض ہو گئی۔ مفسر نے نتیجہ کہہ کر حاصل معنی کی طرف اور تمیز عن الفاعل کی طرف اشارہ لیا ہے۔

فالتقی الماء۔ ماء بمعنی جس نے وہ سے دونوں پانیوں کو شامل ہے۔ نیز لفظ التقی بھی تعدد پر دلالت کر رہا ہے۔ ماوازیں ایک قرات میں ماوان ہے جو اتنی کا مؤید ہے۔

قد قدر۔ مفسر نے اسے ام کے واحد ہو۔ ن طرف اشارہ کر دیا۔

دوسرے معنی اس بار فاعل سے وزن پر اسم آکر ہوتا ہے جیسے لام، اس کے معنی ٹھونکنے کے ہیں کیل کو اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ روز سے ٹھونک رہی ہے۔ اس لفظ کی تفسیر مسامیر، اضلاع، جبال کے ساتھ کی جاتی ہے۔ مگر مفسر نے عام معنی لئے جو سب کو شامل ہیں۔

کفر۔ یہاں کفر سے ایمان کی ضد مراد نہیں ہے بلکہ کفرانِ نعمت مراد ہے۔ نبی بھی امت کے لئے نعمت و رحمت ہوا کرتا ہے۔

جاء۔ مفسر نے التقی الماء پر نظر کرتے ہوئے اغرقوا فعل متقدر نکالا ہے اور چونکہ اس کا نوح کیلئے جزاء بنا درست نہیں تھا۔ اس سے اس کی تعبیر اختصار کے ساتھ ہو گئی۔ دوسرے مفسرین نے فعلنا ذلک الانجاء مانی ہے جس سے مراد غرق سے بچا لینا ہے۔ پھر جزاء میں تاویل کی حاجت نہیں رہتی۔ اس کے بعد مفسر نے عقاباً کہا ہے اس صورت میں کفر سے مراد متعارف کفر ہوگا۔

نرکھا۔ ضمیر پورے واقعہ کی طرف ہو گئی اور بعض نے کشتی کی طرف ضمیر راجع کی ہے جو ابتداء اسلام تک جو دیکھی یہاں پر محفوظ رہی۔ بلکہ دوسرے مقامات پر سیاح اب بھی نشان دہی کرتے ہیں۔

فکیف کسا۔ ہر کان ناقص ہے اور کیف خبر ہے استفہام کی وجہ سے مقدم کی گئی۔ لیکن نامہ بھی ہو سکتا ہے کیف منسوب حال یا ظرف ہو جائے گا۔

وسدر۔ مفسر نے انداز کی کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ نذر کے مصدر ہونے کی طرف یا بے مضاف الیہ محذوف ہو گئی اور نذر۔ نذر کی جمع بھی ہو سکتی ہے۔

یسرنا القرآن۔ تو رات حضرت موسیٰ، ہارون، یوشع بن نون، عزیر علیہم السلام کے علاوہ کسی کو بھی بنی اسرائیل میں زبانی یاد نہیں تھی۔ دیکھ کر ناظر و پڑھنے والے۔ فقط کرنا قرآنی خصوصیت ہے۔ اسی لئے حدیث قدسی ہے۔ وجعلت من اعتک اقواما قلوبہم اما حیلہم اور عید بن ہبیرہ سہل کرنے سے اختصار کلام اور الفاظ کی شیرینیت مراد لیتے ہیں۔

اعجاز۔ بحر کی جمع اعجاز ہے جیسے عضد کی جمع اعضاد۔

مقعر۔ قعر النحلة کے معنی کھجور کا تاجڑ سے نکال دیا۔

ربط آیات۔ پچھلی سورت کی اخیر آیت میں ازفت الازفة فرمایا گیا تھا جس سے قیامت کا قریب ہونا معلوم ہوا۔ اسی مضمون سے اس سورت کو شروع کر کے "شق قمر" کا واقعہ ارشاد فرمایا جو قیامت کی بڑی علامات میں سے ہے جس سے مضمون کی تاکید ہو گئی اگرچہ نہ ماننے والے بدستور اپنی ضد پر رہے جو یقیناً آپ کے لئے کلفت کا باعث بنی اسی لئے تسلی فرمائی گئی۔

آیت ولقد جاءہم من الانباء ساء جلالا اور پھر آیت کذبتم قبلہم قوم نوح الخ سے تفصیلاً بعض سرزنش آمیز واقعات کا ذکر ہے۔

**شان نزول و روایات** اقرب الساعۃ و انشق القمر کے سلسلہ میں شیخین نے حضرت ابن مسعودؓ انسؓ اور زیدؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے غار حرا کو چاند کے دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا اور ابو نعیمؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ چاند کا آدھا حصہ صفا پر اور آدھا م ۱۰ پر ہو گیا تھا اور ابن مسعودؓ سے ابو قتیس سے سویدؓ پہاڑوں پر دونوں حصوں کا ہونا منقول ہے۔ البتہ مفسر نے قعقعان پہاڑ کا نام لیا ہے۔ بہر حال بتوں ابن عباسؓ، سویدؓ، ابو جبلؓ، عاص بن وائلؓ، ابن ہشامؓ، اسود بن المطلبؓ، نصر بن الحارث وغیرہ مشرکین جمع ہوئے اور آپؐ سے شق تمر کی فرمائش کی۔ آپؐ نے فرمایا ان فعلت تو منوا لوگوں نے اقرار کر لیا۔ چودھویں شب کا واقعہ ہے۔ آپؐ نے دعا کی جو قبول ہوئی آپؐ نے فرمایا انا سلمۃ عند الاسد والارقم بن اشلوا۔

اسے صحیح سے یہ واقعہ منقول ہے کہ عامہ سبکی کو بہنا پڑا کہ عندی انہا متواترہ مفسرین کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کے مہم مبارک میں ہو چکا ہے۔ آیت وان یروا ایۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے۔ چنانچہ ابو مسعودؓ سے منقول ہے کہ انشق القمر علی عہدہ فقاتل قریش ہذہ سحر ابن ابی کبشۃ فقالوا انتظروا ما یا نیکم بہ السعار فان محمد الا یستطیع ان یسحر الناس کلہم فی السعار فسالوہم فقالوا نعم رایتہ غرض جمہور کے نزدیک قیامت میں اس کا ہونا مراد نہیں ہے فی یوم نحس مستمر۔ ۲۲ شوال بدھ کے روز یہ عذاب آیا۔ لیکن سورہ واقعہ کی آیت مسخروہا علیہم سبع لیل و ثمانیۃ ایام حسوما اسی طرح دوسری آیت وارسلنا علیہم ریحاً صرا فی ایام نحسات سے معلوم ہو رہا ہے کہ ایک ہفتہ مسلسل یہ عذاب رہا، ممکن ہے بدھ سے شروع ہونا مراد ہو یا بدھ کو اختتام ہوا ہو۔ ابن مردویہؒ کی حضرت علیؓ، جابرؓ، عائشہ رضوان اللہ علیہا سے مرفوع روایت کے الفاظ یوم الاربعاء نحس مستمر ہیں۔ نیز ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں احراربعاء فی الشہر نحس مستمر۔

اسی طرح انسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ سنل النبی ﷺ عن یوم الاربعاء قال نحس قیل و کیف ذلک یا رسول اللہ قال غرق اللہ فیہ فرعون و اہلک عاداً و ثمود۔

نہیں ابن کثیرؒ دونوں مذکورہ آیات کے پیش نظر اس نحوست کو نہیں مانتے۔ کیونکہ اس صورت میں آیات و روایات دونوں کو سامنے رکھ کر بہنا پڑے گا کہ پورا ہفتہ بلکہ پورا زمانہ منحوس ہے۔ کیونکہ فی نفسہ تمام زمانہ کی حقیقت ایک ہے دوسرے کوئی زمانہ ہفتہ کے دنوں سے خالی نہیں ہو سکتا حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ بدھ کو عذاب شروع ہو جانے کی وجہ سے یہ دن یا ہفتہ ان کے حق میں برا ہو گیا اور ایسی اضائی اچھائی برائی ظاہر ہے کہ ایک کے حق میں ایک حکم رکھتی ہے اور دوسرے کے حق میں دوسرا، پھر مطلقاً زمانہ پر نحوست کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے۔

﴿تشریح﴾ .. . ہجرت سے پہلے جب کہ آنحضرت ﷺ منیٰ میں تھے کفار کا مجمع بھی تھا۔ بخاری کی روایت میں ابن مسعودؓ اپنی موجودگی بھی صراحتہ بتاتے ہیں۔ بعض روایات میں جو مکہ کا لفظ آیا ہے اس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ ہجرت سے پہلے زمانہ قیام مکہ میں ایسا ہوا۔ غرض کفار نے آپؐ سے کئی نشانی طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا ”اشہدوا“ آسمان کی طرف دیکھو۔ ناگاہ، چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا مغرب کی طرف اور دوسرا مشرق کی طرف ہٹ گیا بیچ میں پہاڑ حائل رہا۔ جب سب نے اچھی طرح دیکھ لیا۔ دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے صحیح روایات میں اس کا ایک ہی مرتبہ ہونا ثابت ہے لیکن بعض روایات میں مرتب کا لفظ جو آیا ہے تو اس کے معنی دو ٹکڑے ہونے کے ہو سکتے ہیں یا اس کا تعلق دیکھنے کے ساتھ ہو۔ یعنی ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد نظر ہٹا کر پھر دوبارہ دیکھا تو اسی حال میں تھا۔



اور ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ اس روز چاند بدتر تھا لیکن منی کا یہ اجتماع غالباً ایام حج میں ہوا ہوگا اس لئے بارہویں تیرہویں شب یعنی بدر کے قریب ماننا پڑے گا۔ خود شق قمر کا لفظ بھی اسی کا قرینہ ہے۔ مگر براہوہٹ دھری کا کہ اس پر بھی کفار کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے چاند پر یا ہم پر جادو کر دیا ہے اس پر بعض نے یہ کہا کہ آنے جانے والے مسافروں سے پتہ لگانا چاہیے کہ کیا انہوں نے بھی یہی منظر دیکھا ہے۔

چنانچہ یہی روایت میں ہے کہ چہار طرف سے آنے والوں سے بھی پوچھا گیا تو سب اپنا اپنا دیکھنا بیان کیا۔ طحاوی، ابن کثیر وغیرہ نے اس کے تو اتر کا دعویٰ کیا ہے اور کسی دلیل عقلی سے آج تک اس شرت کے واقعات کا محال ہونا ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔

**آنحضرت کے معجزات سب سے افضل ہیں۔** آنحضرت ﷺ چونکہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ اس لئے آپ کے معجزات بھی سب سے بڑھ کر ہیں۔ معجزات اگرچہ دلائل نبوت نہیں ہوتے۔ بلکہ علامات نبوت ہوتے ہیں۔ اصل دلیل نبوت تو پیغمبر کا غیر معمولی علم و فہم اور بے مثال عمل اور بے نظیر اخلاق ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت ﷺ ان تینوں باتوں میں سارے عالم سے جس طرح بڑھ کر ہیں۔ اسی طرح علامات نبوت معجزات میں آپ بھی سب سے آگے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ علم و عمل میں علم کا درجہ عمل سے بڑھا ہوا ہے۔ اس لئے علمی معجزہ بہ نسبت عملی معجزہ کے عالی سمجھا جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم آنحضرت ﷺ کا علمی معجزہ ہے جس کی نظیر کتب آسمانی میں نہیں ہے۔

جس طرح آپ اس علمی معجزہ میں سب سے فائق ہیں۔ مختلف قسم کے عملی معجزات میں آپ سب سے برتر ہیں، چنانچہ شق قمر کے معجزہ ہی کو لے لیا جائے۔ حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے بطور معجزہ سورج کا ایک جگہ پر قائم رہنا اور حرکت نہ کرنا۔ یا حضرت سید عیسیٰ کے لئے غروب ہونے کے بعد پھر سورج کا لوٹ آنا اگرچہ عظیم الشان معجزہ ہے اور بظاہر شق قمر کے معجزہ سے بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت پر نظر کی جائے تو معاملہ برعکس ہے۔ کیونکہ فیثا غورث کے نظریہ پر جس کے قائل آج کل کے حکماء یورپ ہیں۔ چاند و سورج کے ان دونوں معجزوں میں زمین کو ساکن یا زمین کی حرکت کو الٹی ماننا پڑے گا پس اس نظریہ پر اس معجزہ سورج کا حاصل یہ نکلے گا کہ اس وقت زمین کی حرکت سکون سے بدل گئی تھی یا اس کی مسلمہ حرکت کی بجائے تھوڑی دورا دھر حرکت ہو گئی تھی اور چونکہ زمین قریب ہے ہر وقت بادل سے لگی رہتی ہے۔ اس لئے اس میں یہ تصرف اتنا تعجب خیز نہیں۔ جتنا تعجب انگیز چاند کا دو ٹکڑے کر دینا ہے۔ کیونکہ چاند ہم سے لاکھوں میل دور ہے۔

**سورج سے زیادہ چاند میں تصرف ہوا:** گویا حضرت یوشع وغیرہ کا تصرف تو زمین پر ہوا جو زیر قدم ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا تصرف چاند پر ہوا۔ دوسرے ان تصرفوں میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے حرکت کا سکون سے بدل جانا اتنا دشوار نہیں جتنا کے مضبوط جسم کا پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جانا مشکل ترین ہے۔ کیونکہ ان اجسام کا حرکت کرنا دو حال سے خالی نہیں۔ اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اگر اختیار سے ہے تو حرکت اختیاری ہے ایسے سکون بھی اختیار میں ہوگا۔ پس دونوں ممکن اور متصور ہیں۔ اور اگر زمین کی حرکت دوسرے کے اختیار سے ہے تو پھر سکون کو زمین کے لئے اصلی اور تقاضائے طبیعت ماننا پڑے گا۔ اس لئے زمین کے لئے سکون کا عارض ہونا کچھ بھی دشوار نہ ہوگا۔ کہ اسے قبول کرنے میں انکار ہو برخلاف چاند کے پھٹ جانے کے وہ خلاف طبع ہونے کی وجہ سے دشوار ہوگا۔ بلکہ چاند کو اگر جاندار فرض کر لیا جائے تو دشوار تر ہوگا۔ حاصل یہ نکلا کہ سکون کی نسبت چاند کا پھٹنا اعلیٰ تصرف کہلائے گا۔

رہ گئی زمین کی الٹی حرکت اس کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے کیونکہ زمین کی حرکت اگر اختیاری ہے تو جیسے سیدھی حرکت اختیاری ہے الٹی حرکت بھی اختیاری رہے گی۔ لیکن اگر زمین کی حرکت کسی دوسرے کے ذریعہ ہوتی ہے جس طرح معمول کے مطابق دوسرے سے حرکت ہوتی اسی طرح معمول کے خلاف بھی دوسرے کے ذریعہ حرکت ممکن ہے بہر صورت زمین ساکن ہو یا معکوس حرکت کرنے والی۔ دونوں صورتیں

چاند پھٹنے کے برابر نہیں ہو سکتیں اور محل تاثیر یعنی زمین اور چاند کا قریب و جمید اور نیچے اوپر ہونا مزید برآں رہا۔

بطیموسی نظریہ پر چاند کا شق: لیکن بطیموسی نظریہ کے مطابق اگر آسمان، چاند ستاروں سب کو متحرک مانا جائے تب بھی کہا جائے گا کہ سورج کا سکون یا اس کی الٹی حرکت دونوں ارادی ہیں یا غیر ارادی۔ سورج کی یہ دونوں حالتیں چاند کے پھٹنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ البتہ محل تاثیر یعنی چاند سورج کا قرب و بعد یہاں پہلے کے خلاف برعکس ہو گیا۔ یعنی سورج چاند کی نسبت بہت دور ہے۔ اس لئے سورج میں تصرف کروینا بظاہر بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ بہ نسبت چاند میں تصرف کرنے کے۔ لیکن یہاں بھی غور سے دیکھا جائے تو ایسا نہیں ہے۔ بلکہ چاند میں تصرف بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ اول تو جس میں اختیاری حرکت ہو اس کو حکم یا استدعا یا التماس کے ذریعہ روک لینا اور تھام لینا ممکن ہے چنانچہ آدمی اور جانور دور کی آواز پر ٹھہر جاتے ہیں یا چل پڑتے ہیں لیکن کسی جسم کا ٹکڑے کر دینا آسان نہیں ہوتا۔ سو اگر سورج اپنے اختیار سے متحرک ہے تو حضرت یوشع وغیرہ کے فرمانے سے اس کا ٹھہر جانا کچھ ان کی قوت و تاثیر پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ سورج نے ان کا کہا مان لیا۔ سو کسی کی بات مان لینا کچھ کہنے والے کی عظمت پر منحصر نہیں۔ خدا بندے کی دعا لیتا ہے تو کیا بندے اس سے بڑھ جائیں گے یا وہ کافروں کی بھی سن لیتا ہے تو کیا اس سے کافر کچھ خدا کے مقرب ہو جاتے ہیں، یا امراء و سلاطین اپنے خدام کی عرض و معروض سن لیتے ہیں تو کیا خدام ان سے بڑھ جاتے ہیں۔ بلکہ استدعا تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس بات پر استدعا کی جا رہی ہے استدعا کنندہ اس میں دخل نہیں رکھتا۔ زیادہ نہیں تو استدعا کے وقت ہی ان کا بے دخل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اور سورج کی حرکت اگر دوسرے کے ذریعہ ہے تو اس کا سکون بھی اسی کے ہاتھ ہوگا۔ پس اس سورت میں حضرت یوشع وغیرہ کا بظاہر خطاب اگرچہ سورج سے ہوگا پر حقیقت میں حرکت دہندہ (اللہ) سے استدعا ہوگی۔ تاہم ظاہر الفاظ کی حکایت پر نظر کی جائے تو روئے سخن سورج کی طرف ماننا ہوگا۔ اور یہ کہ سورج بارادہ خود متحرک ہے۔

فلکیات میں خرق والتیام: علاوہ ازیں حکمائے یونان کے نظریات و اصول پر سورج کی حرکت دائمی ہے یعنی ضروری نہیں ہے کہ اس کا ازالہ ناممکن ہے اور محال ہو جائے اور معقولات کے طلبہ جانتے ہیں کہ دوامی چیز کا خلاف ممکن ہے پس سورج کا ساکن ہونا ممکن ہوا۔ برخلاف چاند سورج کے پھٹنے کے۔ حکماء یونان کے نزدیک فلکیات میں خرق والتیام محال ہے اور فلکیات کا بکنہ باقی رہنا ضروری ہے۔ گو واقع میں یہ سب باتیں غیر ضروری اور غیر محال ہیں۔ تاہم ان کے اصول پر بھی اتنی بات تو ثابت ہوئی کہ سورج کے سکون و حرکت میں بہ نسبت چاند کے شق ہونے کے زیادہ دشواری ہے۔ تب ہی تو ایسے عقلا کو محال و امتناع کا خیال ہوا۔

غرضیکہ فیثاغورثی اور بطیموسی دونوں نظاموں پر ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ شق قمر بہ نسبت سورج کی رجعت قمرہ اور ٹھہرانے کے اعلیٰ و افضل ہے۔ اسی طرح معجزہ شق قمر کو معجزہ موسوی اور داؤدی یعنی پتھر یا لوہے کے نرم ہو جانے سے اگر ملایا جائے تو زمین و آسمان سے زیادہ فرق نظر آئے گا۔

اور سائنس جدید کی رو سے نہ تو آسمانوں کا ماننا ضروری ہے اور نہ انکار۔ اس لئے تمام ستاروں کو فضا میں اور سورج کو مرکز عالم پر اس طرح مانا جائے کہ زمین وغیرہ سب اس کے گرد گھومتی ہیں۔ (از حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتوی)

پتھروں پر جونک نہیں لگتی: ولقد جاء ہم یعنی ہر قسم کے احوال اور برباد شدہ قوموں کے واقعات قرآن کے ذریعہ معلوم کرادیئے گئے۔ اگر غور کیا جائے تو خدائے قہار کی طرف سے بڑی ڈانٹ ہے۔ یہ قرآن عقل و حکمت کی باتوں کا مجموعہ ہے کہ ذرا نیک نیتی سے سنے تو دل

میں اترتی چلی جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ ان پر خاک اثر نہیں ہوتا۔ کوئی نصیحت و فہمائش کام نہیں دیتی۔ کتنا ہی سمجھ و چہرہ پر جو تک نہیں گتی۔ ہذا ایسے سنگ دل بد بختوں کو آپ بھی منہ نہ لگائیں۔ آپ نہایت خوش اسلوبی سے دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دے چکے اب زیادہ پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو اپنے ٹھکانہ کی طرف چلنے دیں۔ جب یہ خوف و دہشت کے مارے ذلت و ذمات کے ساتھ آنکھیں جھکائے ہوں گے اور تمام اگلے پچھلے نڈی دل کی طرح قبروں سے پھیل پڑیں گے اور عدالت عالیہ کی طرف دوڑیں گے اور اپنے جرائم اور اس روز کی ہولناکیوں کا منظر دیکھ کر چیخ اٹھیں گے کہ یہ دن بڑا سخت آیا ہے دیکھئے کیا نذر رہے گی۔

**طوفان نوح۔** کذبت قوم نوح۔ یعنی قیامت اور عذاب آخرت تو خیر اپنے وقت پر آئے گا ہی لیکن جھٹانے والوں پر تو پہلے ہی دنیا میں سخت دان آچکا ہے۔ نوح علیہ السلام کے سارے پند و عطا کا جواب قوم نے یہ دیا کہ اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو سنگسار کر دیا جائے۔ گویا دھمکیوں میں ان کی بات کو رلا دیا۔ انہیں دیوانہ کہہ کر بات ڈال دی۔ سینکڑوں برس سمجھانے بجھانے پر بھی جب کوئی نہ پیسجا تو تنگ آ کر حضرت نوح نے بد دعا کی کہ اے میرے پروردگار میں ان سے عاجز آچکا اور کوئی تدبیر کارگر نہیں رہی۔ اب اپنے دین اور پیغمبر کا بدلہ لے لیجئے اور زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑیئے۔ باب اجابت کھلا اور طوفان کی ریل پیل ایسی ہوئی کہ گویا آسمان کے دہانے کس گئے اور زمین کے پردے پھٹ گئے۔ اتنا پانی ابلا کہ جل تھل ہو گئے اور ساری زمین چشموں کا مجموعہ بن کر رہ گئی۔ جس کا نتیجہ قوم کی غرقابی اور تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن قدرت الہی کا کرشمہ اسی طوفان میں نوح کی کشتی امن و سلامتی کے ساتھ ہماری حفاظت و نگرانی میں چلی جا رہی تھی۔ اللہ کی باتوں کے انکار اور پیغمبروں کی ناقدری کا انجام دیکھ لیا۔

سوچنے والوں کے لئے اس واقعہ میں عبرت کی نشانیاں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ آج بھی کشتی کا یہ قصہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا نشان ہے۔ اور بعض نے آیت ولقد تر کناھا کے متعلق یہ کہا ہے کہ ابتداء اسلام تک عینہ وہی کشتی ”جوہی“ پہاڑ پر نظر آتی رہی۔ بلکہ آج تک سیاح اس کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

**قرآن آسان بھی ہے اور مشکل بھی:** ولقد یسرنا القرآن۔ یعنی قرآن کے جو مضامین نصیحت و موعظت، ترغیب و ترہیب سے متعلق ہیں وہ بالکل صاف سہل اور موثر ہیں۔ پر کوئی سوچنے سمجھنے کا ارادہ بھی کرے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے کہ اس میں دقائق و غوامض ہیں نہ اس میں اسرار و حکم۔ بھلا یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ اللہ علیم و خبیر جب اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے تو العیاذ باللہ وہ اپنے نامتناہی علم سے کورا ہو جاتا ہے۔ یقیناً اس کے کلام میں وہ گہرے حقائق اور باریکیاں ہوں گی جس کا ہلکا سا اشارہ حدیث لا تنقصی عجائبہ میں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ کلام الملوک ملوک الکلام کی رو سے وہ خصوصیات دوسرے کے کلام میں کہاں مل سکتی ہیں۔ فقہاء اور حکماء امت نے اس کے دقائق و اسرار کے سراغ لگانے میں اور احکام شریعت مستنبط کرنے میں عمریں کھپا دیں۔ تب بھی اس سمندر کی تہ تک نہ پہنچ سکے۔ اس لئے محض اس آیت پر سرسری نظر کے مجتہد بننے کی ہوس کرنا قطعاً ناط ہے۔ نصیحت میں موثر اور سہل ہونے سے یہ کیسے لازم آگیا کہ وجوہ استنباط بھی آسان ہیں۔ یہ جملہ کئی قصوں میں دہرایا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ ہر واقعہ بجائے خود ایک مستقل درس عبرت ہے۔

**فی یوم نحس مستمر۔** یعنی یہ نحوست نہ اٹھی جب تک وہ تمام نہ ہو چکے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نحوست کا دن انہیں کیلئے رہا۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ کو یہ دن سب کے لئے منحوس ہو جائے۔ کیونکہ دوسری آیات سے سات روز اس عذاب کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ پھر آخر مبارک دن کون ہوگا۔

قوم عا کے وہ اُپر چہ نہایت قد آور تو مند تھے لیکن ہوا کے جھکڑوں نے سب کو اس طرح اکھاڑ پچھاڑ کر کے رکھ دیا جیسے کھجور کے سبے تڑتے جزوں سے اکھاڑ کر پھینک دیئے جائیں۔

**لطايف سلوك** جزاء لمن كان كافر۔ یعنی حضرت نوحؑ کی شان میں گستاخی کا یہ انتقام لیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اپنے مقبولین کا انتقام لے لیا کرتا ہے۔ لہذا مقبولین کی ایذا رسانی سے گریز کرنا چاہیے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾ جَمْعٌ نَذِيرٍ بِمَعْنَى مُذِرٍ أَيْ بِالْأُمُورِ الَّتِي أَنْذَرَهُمْ نَبِيُّهُمْ صَلَاحٌ إِنْ سَمِعُوا مِنْهُ وَتَبَعُوهُ فَقَالُوا أَشْرًا مَضُوبٌ عَلَى الْإِشْتِعَالِ مِنَّا وَاحِدًا صَفَتَانِ نَشْرًا تَبِعُهُ مُفْسِرٌ لِلْمَعْلُومِ النَّاصِبِ لَهُ وَاسْتَفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ الْمَعْنَى كَيْفَ تَبِعَهُ وَنَحْنُ جَمَاعَةٌ كَثِيرَةٌ وَهُوَ وَاحِدٌ مِنَّا وَلَيْسَ يَمِيكَ أَيْ لَا تَبِعُهُ إِنَّا إِذَا اتَّبَعْنَاهُ لَفِي ضَلَالٍ ذَهَابٍ عَنِ الصَّوَابِ وَتُسْعُرُ ﴿۲۴﴾ جُنُونَ عَالِقِي بِتَحْقِيقِ الْهَمَزِ تَبِيسٍ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَدَحَالِ الْبِ نَبِيَّهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكِهِ الذِّكْرُ الْوَحْيِ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا أَيْ لَمْ يُوْحَ إِلَيْهِ بَلْ هُوَ كَذَّابٌ فِي قَوْلِهِ أَنَّهُ أُوْحِيَ إِلَيْهِ مَا ذَكَرَهُ أَشْرٌ ﴿۲۵﴾ مُتَكَبِّرٌ بَطَرٌ قَالَ تَعَالَى سَيَعْلَمُونَ غَدًا أَيْ فِي الْأَجَرَةِ مِّنَ الْكَذَّابِ الْأَشْرُ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ هُمْ بِأَنْ يُعَذِّبُوا عَلَى تَكْلِيفِهِمْ نَسِيبٌ صَلَاحٌ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ مُخْرِجُوهَا مِنَ الْهَيْبَةِ صَحْرَةٍ كَمَا سَأَلُوا فِتْنَةً مَّخَنَةً لَهُمْ لِيُخَيِّرَهُمْ فَارْتَقَبَهُمْ بِأَصْلَحَ أَيْ أَنْتَظِرْ مَا هُمْ صَانِعُونَ وَمَا يُصْنَعُ بِهِمْ وَاضْطَبُرُ ﴿۲۷﴾ طَاءٌ بَدَلٌ مِّنْ تَاءٍ الْإِفْتِعَالِ أَيْ أَصْبَرُ عَلَى آذَانِهِمْ وَنَبِيُّهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ مَّقْسُومٌ بَيْنَهُمْ وَبِئْسَ النَّاقَةُ فَبُورٌ لَهُمْ وَيَوْمَ لَهَا كُلُّ شَرِبٍ نَّصِيبٌ مِنَ الْمَاءِ مُخْتَصَرٌ ﴿۲۸﴾ يَخْضِرُهُ الْقَوْمُ يَوْمَهُمْ وَالنَّاقَةُ يَوْمُهَا فَمَادَهُ أَعْلَى ذَبِكَ ثُمَّ مَلَّوْهُ فَهَمُّوا بِقَتْلِ النَّاقَةِ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ قُدَارًا لِّيَقْتُلَهَا فَتَعَاطَى تَنَازُلَ السَّيْفِ فَفَعَّرَ ﴿۲۹﴾ بِهَ السَّاقَةُ أَيْ قَتَلَهَا مُوَافَقَةً لَهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي أَيْ أَنْذَرْتَنِي لَهُمْ بِالْعَذَابِ قَبْلَ رُؤْيِهِ أَيْ وَقَعَ مَوْفَعُهُ وَبَيَّنَّهَ بِقَوْلِهِ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُخْتَطِرِ ﴿۳۱﴾ هُوَ الَّذِي يَحْمِلُ بَعْمَهُ حَظِيرَةٌ مِّنْ يَأْبَسِ الشَّجَرُ وَالشُّوكُ يَحْفَظُهُنَّ فِيهَا مِنَ الذِّبَابِ وَالسَّبَاعِ وَمَا سَقَطَ مِنْ ذَلِكَ فَدَسَّهُ هُوَ الْهَشِيمُ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ أَيْ بِالْأُمُورِ الْمُنْدَرَةِ لَهُمْ عَلَى لِسَانِهِ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا رَّيْحَاتُ مِيْنَهُم بِالْحَصْبَاءِ وَهِيَ صِعَارُ الْجَحَارَةِ لَوْاحِدَةٌ دُونَ مِئَةٍ الْكَفِّ فَهَلِكُوا إِلَّا آلَ لُوطٍ وَهُمْ أَتَيْنَاهُمْ مَعَهُ نَجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ مِثْلُ السَّحَابِ أَيْ وَقْتُ السَّحَابِ مِثْلُ يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ وَنُورُ أُرِيدَ مِنْ يَوْمٍ مُّعَيَّنٍ لَمَعَ الْحَرَفُ لِأَنَّهُ مَعْرِفَةٌ مُّغْدُولٌ عَنِ السَّحَرِ لِأَنَّهُ خَفِيَ أَنْ يَسْعَمَ فِي الْمَعْرِفَةِ بِأَلٍ وَهَلْ أَرْسَلَ الْحَاصِبُ عَلَى آلِ لُوطٍ أَوْ لَا قَوْلَانِ وَعَبَّرَ عَنِ الْإِسْتِثْنَاءِ عَلَى الْأَوَّلِ

سَأَنَّهُ مُتَّصِلٌ وَعَلَى الثَّانِي بَأَنَّهُ مُقْطِعٌ وَإِنْ كَانَ مِنَ الْجِنْسِ تَسْمُحًا نِعْمَةً مَصْنَعِي أَعَامَا مِّنْ عِنْدِنَا  
كَذَلِكَ أَى مِثْلَ ذَلِكَ الْحَزَاءِ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ﴿٣٥﴾ أَنْعَمْنَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ أَوْ مِّنْ أَمْرِ بِاللَّهِ تَعَالَى وَرُسُلِهِ  
وَاطَاعَهُمْ وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ خَوْفَهُمْ لَوْ طَبُشْتَنَا أَخَذْتَنَا إِيَّاهُمْ بِالْعَذَابِ فَتَمَارَوْا تَحَادَلُوا وَكَذَّبُوا بِالْأَنْذَارِ ﴿٣٦﴾  
بِأَنْذَارِهِ وَلَقَدْ رَأَوْا دُورَهُ عَنْ ضَيْفِهِ أَى سَأَلُوهُ أَلْ يُخَلِّي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ آتَوْهُ فِى صُورَةِ الْأَضْيَافِ لِيُحْسِنُوا  
بِهِمْ وَكَانُوا مَلَائِكَةً فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ أَنْعَمْنَا بِهَا وَجَعَلْنَاهَا بِلَا شَيْءٍ كِبَاقِي الْوَجْهِ بِأَلْ صَفَقَهَا جِبْرِئِيلُ بِحَبْحَبَةٍ  
فَذُوقُوا مَقْسَلَهُمْ ذُوقُوا عَذَابِي وَنَذِيرٌ ﴿٣٧﴾ أَى أَنْذَارِي وَتَحْوِيلِي أَى ثَمَرَتِهِ وَفَائِدَتِهِ وَلَقَدْ صَبَحَهُمْ  
بُكْرَةٌ وَقَتِ الصُّبْحِ مِنْ يَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ عَذَابٌ مُّسْتَقَرٌّ ﴿٣٨﴾ دَائِمٌ مُّتَّصِلٌ بِعَذَابِ الْآخِرَةِ فَذُوقُوا عَذَابِي  
يَوْمَ وَنَذِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ﴿٤٠﴾

ترجمہ شمود نے پیغمبروں کی تکذیب کی (نذر نذیر کی جمع ہے بمعنی منذر یعنی ان باتوں کو جھٹلادیا۔ جن کے متعلق ان کے پیغمبر حضرت  
صاح نے یہ کہہ کر ڈرا دیا تھا کہ اگر ایمان نہ لائے اور انہوں نے پیروی نہ کی تو عذاب آئے گا) چنانچہ کہنے لگے کہ کیا انسان کی (بشر) منصوب  
ہے بعد والے فعل کے اس میں مشغول اور عامل ہونے کی وجہ سے) جو ہمارے ہی میں سے اکیلا ہو (منا اور واحد دونوں بشری صفتیں ہیں)  
پیروی کریں (نتبعہ فعل عامل کی تفسیر ہے اور استفہام بمعنی نفی ہے یعنی کس طرح ہم اس کی پیروی کر سکتے ہیں جب کہ ہم پوری ایک جماعت  
ہیں اور وہ اکیلا آدمی ہے پھر بادشاہ بھی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم اس کی اتباع نہیں کر سکتے) اس وقت تو (اگر ہم نے اس کی پیروی کر لی) بڑی  
گمراہی (خط راستہ) اور جنون (دیوانگی) میں پڑ جائیں گے۔ کیا نازل ہوئی ہے (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کی تسہیل اور دونوں  
صورتوں میں دونوں کے درمیان الف داخل کر کے اور بغیر الف کے پڑھا گیا ہے) وحی اسی پر ہم میں سب سے؟ یعنی اس پر وحی نازل نہیں  
ہوئی (بلکہ یہ بڑا جھوٹا) اپنی اس بات میں کہ اس پر وحی نازل ہوئی ہے (شخی باز (اترانے والا اکثرباز) ہے فرمایا ان کو عنقریب (قیامت) میں  
معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹا شخی کون تھا؟) پیغمبر یا مخاطبین اس طرح کہ صالح نبی کے جھٹلانے پر ان کو عذاب ہوگا) ہم اونٹنی کو ظاہر کرنے والے  
ہیں (لوگوں کی فرمائش پر ایک پتھر کی چٹان سے) ان کی آزمائش (امتحان) کے لئے سوان کے دیکھتے بھالتے رہنا (اے صالح دیکھتے رہو کہ کیا  
کرتے ہیں اور ان کے ساتھ کیا جاتا ہے) اور صبر سے بیٹھے رہنا (تائے افعال طاء سے بدل گئی ہے یعنی ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا) اور ان  
لوگوں کو یہ بتلادینا کہ پانی بانٹ (تقسیم) کر دیا گیا ہے۔ ان کے درمیان (اور اونٹنی کے درمیان کہ ایک دن ان کی باری اور ایک دن اونٹنی کی) ہر  
ایک (پانی کی اپنی مقررہ) باری آنے پر آیا کرے (ایک روز قوم کے لوگ آئیں اور ایک دن اونٹنی کا رہے۔ ایک عرصہ تو اسی ڈر پر چیتے رہے پھر  
اکتہ نے لگے اور اونٹنی کو مار ڈالنے کا منصوبہ بنالیا) سوانہوں نے اپنے ساتھی کو (قدار کو اونٹنی مار ڈالنے کے لئے) بابا۔ سوان نے (تلوار لے کر)  
واریا اور مار ڈالا (کوئچیں کاٹ ڈالیں۔ یعنی ان کے کہنے کے مطابق اسے ختم کر دیا) سو میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا (یعنی عذاب آنے سے  
پہلے ہم نے ان کو خبردار کر دیا تھا۔ حاصل یہ کہ عذاب آکر رہا۔ جس کا بیان آگے ہے) ہم نے ایک چیخ ان پر مسلط کی، سو وہ ایسے ہو گئے جیسے  
کانٹوں کی باڑھ لگانے والے کا چورا (سو کھے درختوں اور کانٹوں کا باڑھ جو بکریوں کی حفاظت کے لئے بنایا جاتا ہے تاکہ بھڑیے اور درندوں  
سے بچی رہیں۔ اس میں سے گر کر جو چورا ہو جاتا ہے اس کو شیم کہا جاتا ہے) اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا

سے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ قوم لوط نے پیغمبروں کی تکذیب کی (یعنی ان ہدایات کی جن کے ذریعہ پیغمبروں کی زبانی ان کو ڈرایا گیا) ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسا دیا (ہوائیں پتھریاں برسا رہی تھیں۔ حصار ایسے چھوٹے پتھر جن میں سے ہر ایک مٹھی بھر ہوتا ہے یہ کہ وہ لوگ تباہ ہو گئے) البتہ متعلقین لوط (جن میں ان کے ساتھ صاحبزادیاں بھی) ان کو اخیر شب میں بچالیا (ایک غیر معین صبح کو لیکن اگر مقررہ صبح مراد لی جائے تو معرفہ اور السحر سے بدل پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہو جائے گا۔ کیونکہ معرفہ الف لام کے ساتھ استعمال ہونا چاہیے لیکن متعلقین لوط پر پتھراؤ ہوا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ پہلی صورت میں یہ استثناء متصل ہو جائے گا اور دوسری صورت میں ہم جنس ہوتے ہوئے بھی مجازاً استثناء منقطع سمجھا جائے گا) فضل کر کے (مصدر بمعنی انعاما ہے) اپنی جانب سے ایسے ہی (جیسے یہاں ہوا) ہم بدلہ دیا کرتے ہیں۔ جو شکر کرتا ہے (ہمارے انعامات کا بشرطیکہ مومن ہو یا شکر سے مراد اللہ و رسول پر ایمان لانا اور ان کی فرمانبرداری کرنا ہے) اور لوط نے ڈرایا (خوف دلایا) تھا ہمارے دار و گیر سے (عذاب میں ہماری پکڑ سے) سو انہوں نے جھگڑے پیدا کئے (لڑے اور جھٹلایا) اس ڈرانے کو (لوط کے) اور ان لوگوں نے برے ارادہ سے مہمانوں کو لوط سے لینا چاہا (یعنی قوم نے لوط علیہ السلام سے فرمائش کی کہ ان سے ہمیں تنہائی کا موقعہ دیا جائے جو مہمانوں کے روپ میں آئے تھے تاکہ ان کے ساتھ خیانت کریں حالانکہ وہ فرشتے تھے) سو ہم نے ان کی آنکھیں چوہٹ کر دیں (انہیں اندھا کر دیا) ایسا کہ آنکھوں کا نشان بھی نہ رہا بالکل سپاٹ چہرہ ہو گیا جبریل کے پر مار دینے سے (کہ لو چکھو) ہم نے ان سے کہہ دیا (میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ) (یعنی میرے خوف دلانے کا ثمرہ اور فائدہ) اور صبح سویرے ہی (غیر معین دن) ان پر دائمی عذاب آپہنچا (جو یہاں سے آخرت تک جاری رہے گا) سو لو، میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب۔ نذر۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ نذر سے رسل مراد نہیں ہیں۔ اس سے باروک رہی ہے۔ بلکہ صالح علیہ السلام کی طرف سے ڈرانے والی چیزیں مراد ہیں۔

ابشرا۔ اس کا ناصب بعد کا فعل متبعہ ہے جو اپنی ضمیر میں مشغول ہے۔ جس کی مشہور تعبیر ما ضمیر عالمہ علی التفسیر ہے۔ چنانچہ ہمزہ اس کا قرینہ ہے جو فعل پر داخل ہوا کرتا ہے۔

منا۔ یعنی ہم جیسے انسان یا ہماری قوم کے ایک فرد ہیں کچھ سب سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ منا۔ بشر کی صفت ہے۔ اگرچہ ذل ہے اور واحد بھی صفت ہے۔ مگر صراحتہ لیکن تاویلی صفت کو صریحی صفت پر کیسے مقدم کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واحد اسے حال ہے جو اس پر مقدم کیا گیا ہے۔

سر۔ جنون کے معنی ہیں۔ نفاق مسعودہ۔ اونٹنی جس کا سر چھوٹا چہرہ پریشان ہو۔ جیسا کہ فرائ نے کہا ہے۔ ابن عباس اس کے معنی انسا لفی ضلال و عذاب بما یلزمنا من طاعة کے ساتھ کرتے ہیں۔ ابن عینیگی رائے ہے کہ یہ سعیر کی جمع ہے۔ مثلاً کوئی کہے۔ ان لم تبعونی کنتم فی سعیر و فیہ ان تو اس کو پلٹ کر یوں کہا جائے۔ ان تبعنا ک کنا فی سعیر۔

من بینا۔ حال ہے کہ علیہ کی ضمیر سے استفہام انکار ہے۔

اشر۔ بہت زیادہ اترانے والا۔

من الکذاب۔ من استفہامیہ ہے بعلمون سے متعلق ہے مبتدا ہے اور کذاب خبر اور پھر جملہ قائم مقام مفعولین ہے۔

مرسلوا الناقة۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ ارسال کنایہ ہے اخراج سے۔

ھصبہ۔ زمین پر پھیلی ہوئی پہاڑی یا ایسا پہاڑ جو ایک ہی پتھر کی چٹان ہو، یا طویل پہاڑ جیسا کہ قاموس میں ہے۔  
بینہم۔ مفسر نے تفسیر صرف قوم کی طرف راجع کی ہے، لیکن دوسرے مفسرین نے قوم اور ناطقہ کی طرف تعلیل راجع کی ہے۔  
محتصر۔ اختصر بمعنی حصر ہے۔

فتعالی۔ عطا ہے تعالیٰ۔ امام راغب تناول کے معنی لے رہے ہیں۔

المحتطر۔ اسم فاعل ہے نکڑی یا نس وغیرہ سے مویشیوں کے لئے گرمی سردی وغیرہ کے بچاؤ کا بازو بنایا جاتا ہے۔ امام محمد نے آیت ان الماء قسمۃ بینہم سے تقسیم و مہایا کا جواز سمجھا ہے تقسیم اعیان میں اور مہایاۃ منافع میں ہوتی ہے۔ یہ دونوں اگرچہ قیساں جائز ہونی چاہئیں۔ کیونکہ منفع کا تبادلہ ہوتا ہے۔ ہر شریک اپنی باری میں دوسرے شریک کی ملکیت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ مگر اس آیت کی وجہ سے خلاف قیاس اجازت دے دی۔

تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ ہر شریک اپنے حصہ کو دوسرے شریک کے حصہ سے الگ کر لے۔ اور مہایاۃ کہتے ہیں کہ اس چیز کو باقی رکھتے ہوئے منفع کو نو بت بہ نو بت تقسیم کر لیا جائے۔ چنانچہ بینہم ان الماء قسمۃ سے تقسیم کا جواز اور ”لہا شرب“ سے مہایاۃ کا جواز استنباط کیا ہے۔ لیکن اس میں یہ ہے کہ دونوں الفاظ بمنزلہ مرادف کے ہیں۔ اور پانی کی تقسیم بطریق مہایاۃ مراد ہے۔

فخر الاسام بزدوی نے اس آیت کو شرائع من قبلنا کے حجت ہونے کے سلسلہ میں پیش کیا ہے جس کو بعض علماء مطلقاً حجت سمجھتے ہیں۔ لیکن مختار مذہب ہے کہ پچھلی شرائع اگر بغیر تکیر کے شارح نے نقل کیا ہے تو پھر ہمارے لئے بھی حجت ہے ورنہ نہیں۔ جیسا کہ یہاں امام محمد اس آیت سے استدلال کر رہے ہیں اور اسلام میں اس کے خلاف نص بھی نہیں ہے اس لئے قابل قبول ہے۔

ولقد یسرنا القرآن۔ اس کو بار بار بار لانا اس لئے ہے کہ ہر نبی کی تکذیب عذاب کا سبب ہے۔

قوم لوط۔ لوط حضرت ابراہیم کے بھتیجہ تھے۔ حضرت ابراہیم تو عراق سے ہجرت کر کے فلسطین میں آباد ہو گئے اور لوط اس کے قریب سدوم میں آ رہے۔

حاصبا۔ اسی سے حصب، حجاز کی ایک جگہ کا نام ہے حاصب، ہوا کا جھکڑ، جس میں پتھر آگ برے باب ضرب سے ہے۔

بسحر۔ مفسر نے نکرہ غیر معین ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسی لئے یہ منصرف ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایتہ بسحر۔ لیکن اگر معرفہ مرا لے کہ بقیۃ سحر نا هذا کہا جائے۔ آج کی صبح مراد ہو تو پھر غیر منصرف ہوگا۔

الا ل لوط۔ استثناء منقطع ماننا تکلف سے خالی نہیں۔ کیونکہ خاندان لوط بہر حال قوم کی جنس سے ہے۔ خواہ ہو اسب پر مانی جائے یا صرف خاندان لوط کے مذکورہ لوگوں پر مانی جائے۔ اس لئے استثنائے متصل ماننا چاہیے۔ گویا متصل اور منفصل کا مدار جنس غیر جنس پر ہوتا ہے۔

نعمۃ۔ مفعول مطلق ہے عامل ”نحینا“ ہے بلحاظ معنی کے کیونکہ عذاب سے نجات ایک طرح سے انعام ہوتا ہے اور مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ مصدر میں تاویل کی جاوے گی یا عامل میں۔

سحری من شکو۔ یہ عام ہے آل لوط اور دوسرے شکر گزاروں کے لئے۔

بطشتا۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہ مصدر ہے جس میں وحدت کے معنی لٹوٹ ہیں۔ اگرچہ اس سے عذاب مراد ہے۔

فطمسنا اعہم۔ آنکھ کو مٹا دینا۔

کفرہ۔ نکرہ ہونے سے منصرف ہے لیکن اگر معین وقت مراد ہو۔ جیسا کہ ایک قرأت البکرۃ ہے تو پھر تائید اور تمییز میں بہت فائدہ منصرف ہو جائے گا۔



رابط آیات: اس رکوع میں ثمود کا حال بیان فرمایا گیا ہے جس کی تفصیل سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے۔ اسی کے ساتھ قوم لوط کی ناجائز کاری بھی ارشاد فرمائی۔

﴿تشریح﴾ ابشرا عنا واحدا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو یہ کہہ کر لوگوں نے جھٹلایا کہ یہ کوئی آسمانی فرشتہ نہیں۔ بلکہ ہم میں سے ایک آدمی ہے اور وہ بھی اکیلا تنہا اپنے ساتھ کوئی جتنا نہیں رکھتا، نہ دنیا دولت و وجاہت کا مالک ہے۔ مگر چاہتا ہے کہ ہمیں دبا لے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم اس کے چکمہ میں آگئے تو ہماری غلطی اور حماقت ہوگی۔ ہم سودا کی ٹھہریں گے۔ وہ تو ہم کو دھمکی دیتا ہے کہ مجھے نہ مانو گے تو گم میں گرو گے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اس کے پیچھے لگ گئے تو گویا ہم خود اپنے کو آگ میں گرارہے ہیں اور کیا پیغمبری کیلئے بس یہی رہ گیا تھا۔ سب جھوٹ ہے خالی بڑائی مارتا ہے کہ خدا نے مجھے رسول بنادیا اور سب کو میری اطاعت کا حکم دیا۔

مجرمین کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ سيعلمون۔ یعنی عنقریب معلوم ہوا چاہتا ہے کہ دونوں میں کون جھوٹا اور بڑائی مارنے والا ہے۔ چنانچہ ان کی فرمائش پر پتھر سے اونٹنی نکال کر بھیجتے ہیں دیکھیں کون اللہ و رسول کی بات مانتا ہے اور کون نفس کی خواہش پر چلتا ہے اور اے صالح! تم دیکھتے رہو کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ہوا یہ کہ اونٹنی پتھر سے بطور معجزہ برآمد ہوگئی اور گھاٹ کے پانی کا ایک دن اس کیلئے اور ایک دن دوسرے جانوروں کے لئے مقرر ہوا۔ کچھ دن یہی طریقہ چلتا رہا۔ تا آنکہ ایک بدکار عورت نے جس کے مولیٰ بہت تھے۔ قد ارنامی ایک آشنا کو کسایا۔ اس نے اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں جس سے وہ ہلاک ہوگئی۔ پھر جو فرشتہ نے ایک چیخ ماری تو سب کے کلیجے پھٹ گئے اور اس طرح چور ہو کر رہ گئے جیسے کھیت یا بکریوں کے گرد کانٹوں کی باڑھ لگا دیتے ہیں اور چند روز بعد پانچمال ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔

کذبت قوم لوط۔ حضرت لوط علیہ السلام کو بھی ان کی قوم نے جھٹلایا اور سب انبیاء کا مشن چونکا ایک ہی ہوتا ہے اس لئے کسی ایک کا جھٹلانا گویا سب کو جھٹلانا ہے۔ ہم نے ان پر ہواؤں کے جھکڑ بھیج دیئے جس کی وجہ سے ساری قوم تباہ ہوگئی۔ بجز لوط کے گھرانہ کے۔ وہ اخیر شب میں انہیں لے کر صاف نکل گئے اور عذاب کی ذرا آنچ بھی انہیں لگنے نہیں دی گئی۔ ہم ہمیشہ شکر گزاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ لوط علیہ السلام نے پہلے لوگوں کو ڈرایا۔ مگر لوگوں نے خواہ مخواہ کے شبہات نکالے اور جھکڑے کھڑے کر کے انہیں جھٹلانے لگے۔

ولقد راودوه۔ یعنی فرشتے حسین و خوب روڑوں کی شکل میں حضرت لوط کے گھر بطور مہمان آئے۔ بدطینت لوگوں کو خبر لگی تو وہ گدھوں کی طرح منڈلانے لگے اور انہیں قبضہ نہ چاہا تو ہم نے انہیں اندھا کر دیا۔ جس کی وجہ سے انہیں کچھ نظر نہ آیا اور دھکے کھاتے پھرے کہ لو پہلے اس عذاب کا مزہ چکھو۔ پھر ان کی بستیاں اونڈھی کر دی گئیں اور اوپر سے پتھراؤ کر دیا گیا کہ اس چھوٹے عذاب کے بعد یہ بڑا عذاب تھا۔

لطا ئف سلوک: ..... سيعلمون عذاب سے معلوم ہوا کہ جب کسی کی اصلاح سے مایوسی ہو جائے تو بحث مباحثہ اور مجادلہ کی بجائے اسی طرز سے جواب دینا چاہیے۔ جیسا کہ اہل طریق کا معاندین سے ساتھ یہی طرز ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ مَعَ النَّذْرِ ﴿۵۱﴾ إِلَّا نَذَارُ عَلَى لِسَانِ مُوسَى وَ هَارُونَ فَلَمْ يُؤْمِنُوا نَلَّ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا أَيْ التَّسَعِ الَّتِي أُوتِيَهَا مُوسَى فَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ أَخَذَ عَزِيزٌ قَوِيٌّ مُقْتَدِرٌ ﴿۵۲﴾ قَادِرٌ لَا يُعْجِرُهُ شَيْءٌ أَكْفَارُكُمْ يَا قُرَيْشُ خَيْرٌ مِنْ أَوْلَئِكَمُ الْمَذْكُورِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ إِلَى فِرْعَوْنَ فَلَمْ يُعَذِّبُوا أَمْ لَكُمْ يَا كُفَّارَ

فَرِيسَ نِزَآءٍ مِّنَ الْعَذَابِ فِي الزُّبُرِ ﴿۳۳﴾ تُكْتَبُ وَالْإِسْتِفْهَامُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ بِمَعْنَى السَّيِّئِ أَيْ لَيْسَ إِلَّا مَرُّ  
كَذِبِكَ أَمْ يَقُولُونَ أَيْ كُفَّارِ قُرَيْشٍ نَحْنُ جَمِيعٌ أَيْ جَمْعٌ مُّتَّصِرٌ ﴿۳۴﴾ عَلَى مُحَمَّدٍ وَلَمَّا قَالَ أَبُو حَنِيسٍ  
يَوْمَ نَادَىٰ أَنَا جَمْعٌ مُّتَّصِرٌ نَزَلَ سَهْرُ مِ الْجَمْعِ وَيُولُونَ الدُّبُرَ ﴿۳۵﴾ فَهَزَمُوا بَيْنَهُ وَ نُصِرَ رَسُولُ اللَّهِ بَلِ  
السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ بِالْعَذَابِ وَالسَّاعَةُ أَيْ عَذَابُهَا أَهْلِي أَغْضَمَ بَلِيَّةً وَأَمْرٌ ﴿۳۶﴾ أَشَدُّ مَرًّا مِّنْ عَذَابِ الدُّنْيَا  
فِي أَنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ هَلَاكٍ بِالْقَتْلِ فِي الدُّنْيَا وَشَعْرٌ ﴿۳۷﴾ نَارٍ مُّسْقَرَةٍ بِالتَّشْدِيدِ أَيْ مُهِيجَةٍ فِي الْأَحْرَةِ  
يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِِهِمْ أَيْ فِي الْأَجْرَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرٍ ﴿۳۸﴾ إِصَابَةَ جَهَنَّمَ لَكُمْ  
أَنَّا كُلُّ شَيْءٍ مَّصْنُوتٌ بِفَعْلٍ يُفْسِرُهُ خَلْقُهُ بِقَلْبٍ ﴿۳۹﴾ بِتَقْدِيرِ خَالٍ مِنْ كُلِّ أَيْ مُقَدَّرًا وَقُرِئَ كُلُّ بِالرَّفْعِ مُبْدَاءً  
حَرَّةٌ حَقَّقَاهُ وَمَا أَمْرًا لِّشَيْءٍ نَزِيدٌ وَجُودَهُ إِلَّا أَمْرَةٌ وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۴۰﴾ فِي الشَّرْعَةِ وَهِيَ كُنْ  
فَوْحِدٌ أَمَّا أَمْرَةٌ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ أَشْيَاءَكُمْ فِي الْكُفْرِ مِنَ الْأَمْرِ  
لِصَاحِبِهِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ﴿۴۱﴾ إِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى الْأَمْرِ أَيْ أَذْكُرُوا وَانْعَبُذُوا كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ أَيْ الْعِبَادُ  
مَكْتُوبٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۲﴾ كُتِبَ الْحِفْظَةُ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مِنَ الذَّنْبِ أَوْ الْعَمَلِ مُسْتَطَرٌّ ﴿۴۳﴾ مَكْتُوبٌ  
فِي الْمَلُوحِ الْمَحْفُوطِ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ بَنَاتٍ وَنَهَرٍ ﴿۴۴﴾ أُرِيدَ بِهِ الْجَنُّسُ وَقُرِئَ بضمَّ نُونٍ وَالْهَاءُ  
حَمْعًا كَأَسَدٍ وَأُسْدٍ الْمَعْنَى أَنَّهُمْ يَشْرَبُونَ مِنْ أَنْهَارِهَا الْمَاءَ وَاللَّبَنَ وَالْعَسَلَ وَالْخَمْرَ فِي مَقْعَدٍ صَدُوقٍ  
مَحْجِسٍ حَقٌّ لَا تَغْوِيهِ وَلَا تَأْتِيهِمْ أُرِيدَ بِهِ الْجَنُّسُ وَقُرِئَ مَقَاعِدَ الْمَعْنَى أَنَّهُمْ فِي مَجَالِسٍ مِنَ الْجَنَّاتِ سَالِمَةٌ  
مِنَ الدَّغْوِ وَاتَّائِمٍ بِخِلَافِ مَجَالِسِ الدُّنْيَا فَقَلَّ أَنْ تَسْلِمَ مِنْ ذَلِكَ وَأَعْرَبَ هَذَا حَرًّا ثَانِيًا وَبَدَلًا وَهُوَ صَادِقٌ  
بِغَيْرِ بَدَلِ النُّعُوضِ وَغَيْرِهِ عِنْدَ قَلِيلٍ مِّثَالُ مُبَالِغَةٍ أَيْ عَزِيزِ الْمُلْكِ وَاسِعُهُ مُقْتَدِرٌ ﴿۴۵﴾ قَادِرٌ لَا يُعْجِرُهُ شَيْءٌ وَهُوَ  
اللَّهُ تَعَالَىٰ وَعِنْدَ إِشَارَةِ إِلَى الرَّبِّيَّةِ وَالْقُدْرَةِ مِنْ فَضْلِهِ تَعَالَىٰ -

ترجمہ اور فرعون (اور اس کی قوم) کے پاس بھی ڈرانے کی بہت سی چیزیں (موسیٰ اور ہارون کی زبانی مگر وہ ایمان نہیں لائے بلکہ  
ان لوگوں نے ہماری تمام نشانیاں کو جھٹلایا) (یعنی وہ نشانیاں جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئیں) سو ہم نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا صاحب قوت  
کا پکڑنا (جس کو کوئی عاجز نہ کر سکے) کیا اے قریشیو! تم میں جو کافر ہیں ان میں ان لوگوں سے کچھ فضیلت ہے (جن کا ذکر ابھی تو منورج سے  
کے مآثر آل فرعون تک ہوا ہے کیا ان کو عذاب نہیں دیا گیا) یا تمہارے لئے (اے کفار قریش) معافی ہے (عذاب سے) کہ تم میں (دونوں  
جداستفہام معنی نئی کے ہے) یعنی یہ بات نہیں ہے یا یہ لوگ کفار قریش کہتے ہیں کہ ہماری ایسی جماعت ہے جو غالب ہی رہیں گے (محمد ﷺ  
کے مقابلہ میں ابو جہل نے جب جنگ بدر میں یہ نعرہ لگایا کہ انا نحن جمیع منتصر تو جواب نازل ہوا کہ تمہاری جماعت شکست کھائے گی  
اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے) چنانچہ غزوہ بدر میں ہار گئے اور آنحضرت ﷺ کی ان کے مقابلہ میں مدد دینی (بلکہ قیامت ان کا وعدہ ہے) عذاب

کے لئے) اور قیامت (کا عذاب) (بڑی سخت) (بھاری مصیبت) اور ناگوار چیز ہے (عذاب دنیا کے مقابلہ میں نہایت تلخ) یہ بحرین نری غلطی (دنیا کی تباہی اور دہکتی آگ میں ہوں گے) (جو آخرت میں نہایت بھڑکتی ہوگی) جس روز یہ اپنے مومنوں کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے (آخرت کے روز ان سے کہا جائے گا) کہ وہ زخ کے (تمہیں) چھونے کا مزہ چکھو۔ یقیناً ہم نے ہر چیز کو (یہ منسوب ہے اس فعل سے جس کی تفسیر آگے ہے) انداز سے کیا پیدا کیا ہے (ناپ تول کر یہ حال ہے۔ "کل شی" سے بمعنی مقدار۔ اور ایک قراءت میں کل رفع کے ساتھ مبتداء ہے جس کی خبر خلقنہ ہے) اور ہمارا حکم (جس چیز کے موجود کرنے کا ہم ارادہ کرتے ہیں) ایسا یکبارگی ہو جاتا ہے جیسے پک جھپکانا (آنا نانا یعنی کن کے ذریعہ وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔ انما امرہ اذا اراد شینا ان یقول له کن فیکون) اور ہم تم جیسے لوگوں کو (گذشتہ امتوں میں تمہاری طرح کفر میں گزر چکے ہیں) ہلاک کر چکے ہیں سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (استفہام امر کے معنی میں ہے یعنی دھیان کرو اور سمجھو) اور ہر وہ چیز جو کرتے ہیں (بندے وہ لکھی ہوئی) اعمال ناموں میں ہے (کرنا کاتین کے دفتر میں) اور ہر چھوٹی بڑی چیز (گناہ یا عمل کی) لکھی ہوئی ہے (لوح محفوظ میں درج ہے) پرہیزگار لوگ باغات اور چشموں میں ہوں گے (نہر سے جنس مراد ہے ایک قراءت میں نون اور ہائے ضمہ کے ساتھ ہے جیسے افسد اور افسد حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جنت میں پانی دودھ، شہد اور شراب کی نہروں سے سیراب ہوں گے) ایک عمدہ مقام میں (شائستہ محفل میں جہاں نہ فضول بات ہوگی اور نہ غلط چیز۔ اس سے جنس مراد ہے۔ ایک قراءت میں مقاعد ہے یعنی پرہیزگار جنت کی ایسی محفلوں میں ہوں گے جس میں نہ فضول گوئی ہوگی اور نہ گناہ کی چیز۔ برخلاف دنیا کی مجالس کے جو بہت کم ان سے پاک ہوتی ہے۔ یہ ترکیب میں خبر ثانی اور بدل ہو سکتا ہے بدل البعض ہو یا دوسری قسم) بادشاہ کے پاس۔ (ملیک مبالغہ کا وزن ہے یعنی وسیع سلطنت کا مالک) جو قدرت والا ہے (جسے کوئی بھی دبا نہیں سکتا۔ یعنی حق تعالیٰ اور عند مرتبہ عظمت کے لئے ہے جو فضل الہی سے حاصل ہو گا۔)

تحقیق و ترکیب۔ ال فرعون۔ آل کے معنی متعلقین و مقبضین ہیں۔

النذر۔ مصدر ہے یا نذیر کی جمع ہے۔

کلھا۔ نو نشانیاں (۱) عصا (۲) ید (۳) سنین (۴) طمس (۵) طوفان (۶) جراد (۷) قمل (۸) ضفادع (۹) دم مراد ہیں۔ نحن جمیع۔ اس کی تفسیر جمع کے ساتھ اس لئے کی گئی تاکہ اس کا نحن کا خبر بننا صحیح ہو سکے۔ یہ نحن کی صفت نہیں ہے لیکن چونکہ لفظ مفرد ہے اس لئے مختصرون کی بجائے مختصر پر اکتفا کیا گیا۔ اس میں فواصل کی رعایت بھی ہوگی۔ افعول بمعنی تفاعل ہے جیسے انقسم بمعنی تنحیص اور بعض نے مختصر بمعنی منتقم لیا ہے۔

الدبر فواصل کی رعایت سے مفرد لایا گیا ہے مراد جنس ہے یا ہر فرد مراد ہے۔

بل الساعة۔ یعنی کفار کی شکست ہی پر معاملہ ختم نہیں ہو جاتا۔ اس سے زیادہ مصیبت یہ کہ قیامت سر پر کھڑی ہے۔

ادھی داهیۃ سے اسم تفصیل ہے سخت و شتمناک چیز بجائے ضمیر کے اسم ظاہر تہویل کے لئے لایا گیا ہے۔

انا کل شیء۔ نصب کی قراءت پر ما اضمو عاملہ علی شرط التفسیر ہے اور یہی قراءت رائج ہے۔ کیونکہ غلط معنی کا ابہام نہیں ہے۔

برخلاف ابوالسماک کی قراءت رفع کے اس میں غلط معانی کا ابہام ہے اس طرح کہ کل شیء موصوف ہو اور خلقناہ اس کی صفت بنا دی

جائے اور بقدر خبر ہو تو معنی ہوں گے جو چیزیں ہم نے بنائی ہیں وہ اندازہ کے ساتھ بنی ہوئی ہے جس سے یہ ابہام پیدا ہوتا ہے کہ بعض چیزیں

اللہ کی بنائی ہوئی نہیں اور وہ بنائے ہوئے ہیں۔ یہ اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف اور معتزلہ کے نظریہ کے مطابق ہے۔

چنانچہ ابوالبقا فرماتے ہیں کہ نصب کی قرأت سے عموم معلوم ہوتا ہے وہی بہتر ہے اور رفع کی قرأت سے عموم معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ خدقناہ تنی کی صفت ہے۔ کیونکہ صفت موصوف سے پہلے اور صلہ موصول سے پہلے عمل نہیں کر سکتے۔ اور نہ ماقبل کے عامل کی تفسیر ہو سکتی ہے۔ پس جب یہ ماقبل کی صفت نہیں بن سکتی تو تاکید یا تفسیر ہی کہا جائے گا مضمیر ناصب کی۔ اس سے عموم نکل آئے گا۔

ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ اگر کہیں فعل میں وصف ہونے کا احتمال ہو اور وہ خبر بننے کی صلاحیت رکھے اور فعل میں بھی خبر بننے کی صلاحیت ہو سکے تو اس وقت پہلے ام میں نصب مختار ہوگا۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فعل وصف نہیں ہے کہ جیسا کہ یہاں ہے۔ کیونکہ رفع صورت میں یہ ایہام ہو سکتا ہے کہ فعل ”وصف“ ہے اور بقدر خبر ہے۔ اسی طرح حکم خاص رہے گا۔ حالانکہ مقصود حکم کا عام ہوتا ہے برخلاف قرأت نصب کے اس میں بقدر فعل ناصب سے متعلق ہوگا۔

الا واحدة۔ ”فسر“ نے موصوف محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔

کلمع البصر۔ لمحہ نہایت قلیل وقت کو کہا جاتا ہے ”لمحہ بصر“ پلک جھپکنا۔

اشیاعکم۔ اشیاع کے معنی اتباع کے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ۔ شیعۃ الرجل اتباعہ وانصارہ۔ روح البیان میں ہے اشیاع شیعۃ کی جمع ہے مددگار۔ ایک جماعت۔

کل ثنی فعلوہ۔ اس آیت میں نحوی قاعدہ پہلی آیت کے برعکس ہے۔ یہاں سب کے نزدیک کل میں رفع کی

قرأت ہے کیونکہ معنی یہ ہیں کہ انسانوں کے جملہ افعال لوح محفوظ میں درج ہیں۔ لیکن اگر اس پر نصب پڑھا جائے تو معنی یہ ہو جائیں گے کہ جو چیزیں لوح محفوظ میں درج ہیں لوگ بس وہی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ معنی بالکل غلط ہیں۔ کیونکہ لوح محفوظ میں ہمارے کاموں کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں درج ہیں۔ دونوں آیتوں میں اہم ترین نکات عربیہ ہیں۔ ایک ہی جگہ ان دونوں نکتوں کا جمع ہونا لطف کلام کو دو بالا کر رہا ہے۔

ونہر۔ فواصل کی رعایت سے مفرد دلایا گیا ہے لیکن جنس مراد ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نہر جاری مراد نہیں۔ بلکہ فضا اور وسعت مراد ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ نہر کے معنی وسعت کے ہیں اور کتب کے وزن پر نہر بمعنی واسع ہے اور بعض کی رائے ہے کہ جس طرح سحاب کی جمع سحاب ہے اسی طرح انہار کی جمع نہر ہے یعنی وہاں نہرات ہوں گی اور نہ اندھیرا ہوگا۔

مقعد صدق۔ اس میں سچی باتیں ہوں گی یہاں بھی جنس مراد ہے یہ ان کی خبر ثانی ہے یا جنات خبر اول سے بدل ہے۔

عند ملیک۔ قرب مکانی مراد نہیں ہے بلکہ قرب رتبی مراد ہے۔ تاویلات نجمیہ میں ہے جو متقین اکمل ہیں وہ جنت وصال میں ہوں گے۔ انہیں حکمت کی نہروں سے شراب معرفت پلائی جائے گی اور ان نہروں سے غوطہ خوری کر کے معارف کے موتی نکالیں گے اور وہ مقام وحدت ذاتیہ میں اقامت گزین ہوں گے۔ جیسے حدیث میں ہے۔ ابیت عند ربی بطعمنی ویسقینی۔

رابط آیات۔ آیت ولقد جاء میں فرعون اور اس کی قوم کی بربادی کا سرسری ذکر ہے۔ آیت ”اکفارکم“ سے آپ کے زمانہ کے کفار کو بھی تازہ دی جا رہی ہے کہ تم بھی پچھلوں کے ہم پیاہ ہم نوالہ بنائے جاؤ گے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ پھر آخر میں آیت ان المتقین سے اہل ایمان و تقویٰ پر توازشوں کا ذکر ہے۔

روایات۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت سیہزم الجمع نازل ہوئی تو میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ کب ہوگا لیکن جب بدر میں آنحضرت ﷺ نے زرہ وغیرہ تھپا رزیب تن کر کے یہ آیت پڑھی تو میں سمجھ گیا کہ آیت کا مصداق یہی ہے۔

﴿تشریح﴾ ..... اکفار تم بچھلی قوموں کے حالات سنا کر موجودہ لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم بھی جب اس ڈگر پر چل رہے ہو تو کیا تم ان نتائج بد سے بچ سکو گے جن سے وہ لوگ دوچار ہو چکے ہیں؟ کچھ تم ان سے بڑھ چڑھ کر ہو یا تمہارے نام چھوٹ کا کوئی پروانہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو چاہو کرو تمہیں سزا نہیں ملے گی۔ یا یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ تمہارا جتنا بہت بڑا ہے وہ سب مل کر تمہاری مدد کو آ جائیں گے۔ سب سے بدلہ لے کر چھوڑیں گے اور اپنے مقابلہ میں کسی کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

کفار کی طاقت کا نشہ جلد ہی اتر گیا: ..... مگر سیہزم الجمع عنقریب تمہیں اپنی جماعت کا دم ختم معلوم ہو جائے گا۔ جب مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہو گے۔ جیسا کہ بدر میں اور احزاب میں دنیا نے یہ تماشا دیکھا۔ یہی مبارک آیت اس وقت آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر جاری تھی۔ اور ابھی کیا اصل درگت تو ان کی قیامت میں بنے گی جو سر پر کھڑی ہے وہ سخت مصیبت کا وقت ہو گا۔ اب تو غفلت کے نشہ میں پاگل ہو رہے ہو مگر دماغ سے یہ سودا اس وقت نکلے گا جب انہیں اوندھے منہ دوزخ میں گھسیٹا جائے گا۔ اور یہ بہا جائے گا کہ اب مزہ چکھو۔

انا کل شئی۔ رہا یہ کہ قیامت کب آئے گی؟ سو یہ بات ہے کہ ہر چیز کا ایک مقررہ وقت ہے جو اللہ کے علم میں پہلے سے ٹھہر چکا ہے۔ قیامت کا وقت پہلے سے اس کے یہاں طے شدہ ہے۔ ایک پل اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ یوں تو ہم چشم زدن میں جو چاہیں کر ڈالیں۔ ہمیں کسی چیز کے بنانے یا بگاڑنے میں دیر کیا لگتی ہے اور مشقت کیا ہوتی ہے۔

تمہاری طرح کے کتنے کافر پہلے تباہ ہو چکے۔ پر تم میں کوئی اتنا سوچنے والا نہیں ہے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑے ہر ایک کی نیکی بدی دفتر اعمال میں درج ہو رہی ہے۔ وقت آنے پر ساری مسل سامنے کر دی جائے گی۔ اور اسی دفتر اعمال پر اکتفا نہیں بلکہ مرکزی دفتر ”لوح محفوظ“ میں ہر چھوٹی بڑی تفصیل پہلے سے مرتب کی جا چکی ہے یہ دو ہر انتظام باقاعدہ مرتب صورت میں ہے۔ بحال ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی چیز ادھر سے ادھر ہو جائے۔

جس طرح بحرین کے لئے جیل خانہ اور اس کی دہشت ناک سزائیں ہیں اسی طرح وفادار اور اطاعت شعار بھی عالی مقام میں ہوں گے جہاں اس شہنشاہ اعظم کا قرب نصیب ہوگا۔

## سُورَةُ الرَّحْمَنِ

سورة الرحمن مكية أو الأيسر من في السموات والأرض الآية فمدنية  
وهي مئة أو ثمان وسبعون آية

بسم الله الرحمن الرحيم ﴿١﴾

الرَّحْمَنُ ﴿١﴾ عَلَّمَ مَنِ شَاءَ الْقُرْآنَ ﴿٢﴾ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ﴿٣﴾ أَيُّ الْجِنْسِ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿٤﴾ انْطَلَقَ الشَّمْسُ  
وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾ بِحَسَابِ يَحْرِيَّانَ وَالنَّجْمُ مَا لَا سَاقَ لَهُ مِنَ النَّاتِ وَالشَّجَرُ مَا لَهُ سَاقٌ يَسْجُدَانِ  
﴿٦﴾ يَخْضَعَانِ سَاقِيَهُمَا وَالسَّمَاءُ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ﴿٧﴾ أَتَى الْعَدْلَ إِلَّا تَطَغَوْا إِيَّاهُ لَا حِزَابَ  
تَجَوُّوا فِي الْمِيزَانِ ﴿٨﴾ مَا يُوْزَنُ بِهِ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿٩﴾  
تَقْصُوا الْمُوزُونَ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا أَتْبَاقًا لِلْأَنَامِ ﴿١٠﴾ لِلْخَلْقِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ وَغَيْرُهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ  
الْمُعْتَوِدُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ﴿١١﴾ أَوْعِيَةُ صُلْعِيٍّ وَالْحَبُّ كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرُ ذُو الْعَصْفِ الشَّيْ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾  
الْوَرْقُ وَالْمَشْمُومُ قَبَائِلُ الْآءِ رَبِّكُمْ يَا أَيُّهَا الْإِنْسُ وَالْجِنُّ تَكْذِبِينَ ﴿١٣﴾ ذُكِّرَتْ أَحَدَى وَثَلَاثِينَ مَرَّةً  
وَالْأَسْمَاءُ فِيهَا لِلتَّقْرِيرِ لِمَا رَوَى الْحَاكِمُ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَرَأَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ الرَّحْمَنَ حَتَّى خَتَمَهَا ثُمَّ قَالَ مَا لِي  
رَكُمُ سَكُوتًا لِلْحَيِّ كَأَنِّي أَحْسَنُ مِنْكُمْ رَدًّا مَا قَرَأْتُ عَلَيْهِمْ هَذِهِ الْآيَةَ مِنْ مَرَّةٍ قَبَائِلُ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبِينَ - الْآءِ  
قَالُوا وَلَا شَيْءَ مِنْ نِعْمِكَ رَبَّنَا نَكْذِبُ فَلَكَ الْحَمْدُ خَلَقَ الْإِنْسَانَ آدَمَ مِنْ صَلْصَالٍ طَيِّبٍ يَا بَسَّ يَسْمَعُ لَهُ  
صَلْصَالَةٌ أَيْ صَوْتٌ إِذَا انْقَرَّ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾ وَهُوَ مَا طَبِخَ مِنَ الطِّينِ وَخَلَقَ الْجَانَّ أَبَا الْحَرِّ وَهُوَ إِبْلِيسُ مِنْ  
مَارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿١٥﴾ هُوَ لَهَا الْخَالِصُ مِنَ الدُّخَانِ قَبَائِلُ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبِينَ ﴿١٦﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ

مَشْرِقُ الشِّتَاءِ وَمَشْرِقُ الصَّيْفِ وَرَبُّ الْمَغْرِبِينَ ﴿۵۵﴾ كَذَلِكَ قِبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبُنِ ﴿۵۶﴾ مَرَجَ  
 أَرْسَلَ الْبُحْرَيْنِ الْعَذَّةَ وَالْمِلْحَ يَلْتَقِيَانِ ﴿۵۷﴾ فِي رَأْيِ الْغَيْنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ حَاجِزٌ مِنْ قُدْرَةِ تَعَالَى لَا يَبْغِي  
 ﴿۵۸﴾ لَا يَبْغِي وَاحِدٌ مِنْهُمَا عَلَى الْآخَرِ فَيَخْتَلِطُ بِهِ قِبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبُنِ ﴿۵۹﴾ يَخْرُجُ بِالسَّاءِ لِلْمَفْعُولِ  
 وَالْفَاعِلِ مِنْهُمَا مِنْ مَحْمُوعِهِمَا الصَّادِقُ بِأَحَدِهِمَا وَهُوَ الْمِلْحُ اللَّوْلُو وَالْمَرْجَانُ ﴿۶۰﴾ جَزْراً أَحْمَرٌ وَصَفَارٌ اللَّوْلُو  
 قِبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبُنِ ﴿۶۱﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ السُّفُنُ الْمُنَشَّطُ الْمُحْدَثَاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿۶۲﴾  
 كَالْجِبَالِ عَظُمًا وَارْتِفَاعًا قِبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبُنِ ﴿۶۳﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا أَى الْأَرْضِ مِنَ الْخَبِيرَاتِ قَانِ ﴿۶۴﴾  
 هَالِكٌ وَغَرَّ مَنْ تَغْلِيْبُ الْعُقَلَاءِ وَيَقْبَى وَجْهَ رَبِّكَ ذَاتُهُ ذُو الْجَلَالِ الْعَظَمَةِ وَالْإِكْرَامِ ﴿۶۵﴾ لِيَسْمُوَ بِهِ  
 بِأَنعَمِهِ عَلَيْهِمْ قِبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبُنِ ﴿۶۶﴾ يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ نَتَى يَطْفِقُ أَوْ خَالٍ مَا  
 يَحْتَاحُونَ مِنَ الْقُوَّةِ عَلَى الْعِبَادَةِ وَالرِّزْقِ وَالْمَغْفِرَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ كُلِّ يَوْمٍ وَقْتُ هُوَ فِي شَأْنِ ﴿۶۷﴾ أَمْرٍ  
 يُظْهِرُهُ فِي الْعَالَمِ عَلَى وَفْقِ مَا قَدَّرَهُ فِي الْأَزَلِ مِنْ أَحْيَاءٍ وَأَمَاتٍ وَأَعْزَارٍ وَأَذْلالٍ وَأَغْنَاءٍ وَأَعْدَاءٍ وَأَحِبَّةٍ دَائِعٍ  
 وَأَعْطَاءٍ سَائِلٍ وَغَيْرِ ذَلِكَ قِبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبُنِ ﴿۶۸﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ سَنَقْضُ لِحْسَابِكُمْ أَيُّهَا  
 الثَّقَلَيْنِ ﴿۶۹﴾ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ قِبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبُنِ ﴿۷۰﴾ يَمْعَشَرُ الْجِنُّ وَالْإِنْسُ إِنْ اسْتَطَعْتُمْ  
 أَنْ تَنْفُذُوا تَخْرُجُوا مِنْ أَقْطَارِ نَوَاجِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا أَمْرٌ تَعْجِيزٌ لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا  
 بِسُلْطَنِ ﴿۷۱﴾ بِقُوَّةٍ وَلَا قُوَّةَ لَكُمْ عَلَى ذَلِكَ قِبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبُنِ ﴿۷۲﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمْ شَوَاطِدُ  
 مِنْ نَارٍ هُوَ لَهَا الْحَالِصُ مِنَ الدُّخَانِ أَوْ مَعَهُ وَنَحَاسٌ أَى دُخَانٌ لَا لَهَبَ فِيهِ فَلَا تَنْتَصِرُونَ ﴿۷۳﴾  
 تَمْتَبِعَانِ مِنْ ذَلِكَ نَلْ يَسُوفُكُمْ إِلَى الْمَحْشَرِ قِبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبُنِ ﴿۷۴﴾ فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ  
 انْفَرَجَتْ أَنْوَا بَأْتُرُؤَلِ الْمَلَائِكَةِ فَكَانَتْ وَرْدَةً أَى مِثْلَهَا مُحَمَّرَةً كَاللِّبَهِانِ ﴿۷۵﴾ كَالْأَدِيمِ الْأَحْمَرِ عَلَى  
 خِلَافِ الْعَهْدِ بِهَا وَجَوَابٌ إِذَا فَمَا أَعْظَمُ الْهَوْلُ قِبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبُنِ ﴿۷۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ  
 ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿۷۷﴾ عَنْ ذَنْبِهِ وَيُسْأَلُونَ فِي وَقْتِ آخَرٍ قَوْ رَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ وَالْجَانُّ هُنَا وَفِيمَا  
 سِيَّاتِي بِمَعْنَى الْجِنِّي وَالْإِنْسُ فِيهِمَا بِمَعْنَى الْإِنْسِي قِبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبُنِ ﴿۷۸﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ  
 بِسِمَتِهِمْ أَى سَوَادِ الْوُحُوهِ وَرَقَةِ الْعُيُونِ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿۷۹﴾ قِبَايَ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْذِبُنِ  
 ﴿۸۰﴾ أَى تُضَمُّ نَاصِيَةٌ كُلٌّ مِنْهُمَا إِلَى قَدَمَيْهِ مِنْ خَلْفٍ أَوْ قُدَامٍ وَيُلْقَى فِي النَّارِ وَيُقَالُ لَهُمْ هَلْ هُمْ جَهَنَّمُ الَّتِي



يَكْذِبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ۝ يَطْفُونَ بِهَا نَارًا وَيَسْفُونَ بِهَا بَيْنَ حَمِيمٍ مَاءً خَارًا ۝ وَهُمْ لَا يَسْقُونَ ۝ إِذَا اسْتَعَاثُوا مِنَ حَرِّ النَّارِ وَهُوَ مَنْقُوصٌ كَقَاضٍ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ ۝

ترجمہ۔ پوری سورہ رحمن مکہ ہے یا بجز آیتیں سائلہ من فی السموات کے مدنیہ ہے۔ کل آیات ۷۶ یا ۷۸ ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

رحمن نے (جس کو چاہا) قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے (جنس) انسان کو پیدا کیا۔ اس کو گویائی (بول چال) سکھائی۔ سورج اور چاند حساب سے ساتھ (چل رہے) ہیں اور بے تناور درخت (جن ہیزیوں کے تانہیں ہوتا) اور تادار درخت دونوں تابعدار ہیں (قدرت جو پچھ منظور ہے وہ پور کرتے ہیں) اور آسمان کو اس نے اونچا کیا اور اس نے تر ازور کھدی (انصاف قائم کیا) تاکہ تم تو لے میں کمی بیشی (ظلم) نہ کرو اور انصاف سے ساتھ وزن ٹھیک رکھو اور تول کو گھٹاؤ مت اور اسی نے زمین کو خلقت (انسان جن وغیرہ مخلوق) کے لئے رکھ دیا۔ جس میں میوے اور کھجور کے خاص درخت ہیں جن پر خلاف ہوتا ہے (خوشوں کی تھیلی) اور غلہ (جیسے گیہوں جو) جس میں بھوسا (تیکا) ہوتا ہے اور پھول پتے (گھاس یا خوشبو) ہیں۔ سو تم دونوں (اے انس و جن) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے (یہ آیت اس سورت میں ۳۱ مرتبہ دہرائی گئی ہے۔ اس میں استفہام مقرر کیلئے ہے۔ حاکم نے جابر سے روایت کی ہے آنحضرت ﷺ نے سورہ رحمن پڑھ کر فرمایا تم خاموش کیوں ہو۔ تم سے تو جن ہی اچھے ہیں کہ انہوں نے ہر مرتبہ فبای الاء ربکما تکذبان سن کر یہ کہا کہ ولا بشئ من نعمتک ربنا تکذب فلک الحمد یعنی ہمارے پروردگار ہم آپ کی کسی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے۔ بلکہ آپ کے حمد گزار ہیں) اسی نے انسان (آدم) کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو بھتی تھی (سوکھی مٹی جو بجانے پر کھن کھن بولے) ٹھیکرے کی طرح مٹی (جب آگ میں پک جائے) اور جنات (ابوابن، ابیس) کو خالص آگ سے پیدا کیا (ایسی خالص آگ کی لپٹ جس میں دھواں شامل نہ ہو) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے وہ دونوں مشر (سردیوں گرمیوں) کا اور دونوں (سردیوں گرمیوں کی) مغرب کا (بھی) مالک ہے۔ سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ اس نے ملا دیا (جاری کیا) دونوں (شیریں اور شور) دریاؤں کو باہم ملے ہوئے ہیں (دیکھنے میں) ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے۔ (قدرت الہی) کی آڑ کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے (کہ ایک دوسرے پر چھا کر مل جائیں) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ برآمد ہوتا ہے (مجہول و معروف ہے) ان دونوں سے (یعنی دونوں کے مجموعہ سے جو دریائے شور پر صدق آتا ہے) موتی اور مونگا (سرخ پوتھ اور چھوٹے موتی) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے اور اسی کے ہیں جہاز (کشتیاں) جو کھڑے (بنائے گئے) ہیں سمندر میں پہاڑوں کی طرح (بڑائی اور بلندی میں پہاڑوں جیسے) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے جس قدر روئے زمین پر (جاندار چیزیں) موجود ہیں سب فنا ہو جائیں گی (لفظ مہسن لانا بطور تغلیب عقدا ہے) اور آپ کے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی۔ جو جلال (عظمت) اور احسان والی ہے (مومنین پر انعام کر کے) سو تم دونوں کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جائے گے۔ اسی سے سب زمین و آسمان والے مانگتے ہیں (زبان سے ضروریات، وہ عبادت کی قوت ہو یا رزق و مغفرت وغیرہ) وہ ہر آن کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے (عالم میں جو کچھ بھی ظاہر ہوتا ہے وہ تقدیر ازل کے مطابق ہوتا ہے خواہ جلانا ہو یا مارنا، عزت ہو یا ذلت دینا، امیر بنانا ہو یا فقیر کرنا۔ قبولیت دعا ہو یا مانگنے والے کو عطا وغیرہ) سو تم دونوں رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ غمقریب ہم تمہارے (حساب کے) لئے فارغ ہو چاہتے ہیں (اے انس و جن) سو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو

جاؤ گے۔ اے جن اور انسانوں کے گروہ اگر تمہیں یہ قدرت ہے کہ کہیں باہر نکل جاؤ آسمانوں اور زمین کی حدود (اطراف) سے تو نکل جاؤ (یہ حکم عاجز کرنے کیلئے ہے) بدوں زور کے نہیں نکل سکتے (اور تمہیں اتنی طاقت ہے نہیں) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تم دونوں پر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا (خالص لپٹ جس میں دھواں نہ ہو یا دھوئیں سمیت) اور دھواں (خالص جس میں لپٹ نہ ہو) پھر تم ہٹانہ سکو گے (ان سے بچ نہ سکو گے)۔ بلکہ تمہیں یہ دونوں محشر میں دھکیل دیں گے سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ غرض جب آسمان پھٹ جائے گا (فرشتے نازل ہونے کیلئے دروازے بن جائیں گے) اور سرخ ہو جائے گا (گلاب کی طرح) جیسے سرخ نری (لال چمڑا جو اصلی بیت کے خلاف ہوا) کا جواب خما عظم الہول ہے یعنی بڑی ہیبت ہو جائے گی (سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تو اس روز نہ کسی انسان سے اس کے جرم کی نسبت پوچھا جائے گا اور نہ جن سے (اس گناہ کے متعلق البتہ دوسرے وقت دریافت کیا جائے گا۔ چنانچہ فوراً یک لستلہم اجمعین ہے اور العجان یہاں اور آگے بمعنی جنی ہے الانس بھی دونوں جگہ بمعنی انس ہے) سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو منکر ہو جاؤ گے۔ مجرم لوگ اپنے حلیہ سے پہچانے جائیں گے (یعنی کالے چہرے اور نیلی آنکھوں سے) چنانچہ سر کے بال اور ہاتھ پاؤں پکڑ لئے جائیں گے۔ سو تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے (یعنی دونوں فرقوں کی پیشانیاں اور پاؤں پیچھے یا سامنے کی جانب باندھ دیئے جائیں گے اور جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور کہا جائے گا) یہ ہے جہنم جس کو مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے وہ لوگ گھر میں دوڑیں گے دوزخ کے اور گرم (تیز) کھولتے ہوئے پانی کے درمیان (جو انتہائی حرارت والا ہو گا۔ آگ کی گرمی سے بلبلانے پر انہیں پلایا جائے گا۔ ان قاضی کی طرح ناقص یا ہی ہے) سو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔

**تحقیق و ترکیب** سورۃ الرحمن۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ لکل شیء عروس و عروس القرآن سورۃ الرحمن۔ عائشہ ابن عباسؓ، زبیرؓ تو اس کو کئی کہتے ہیں اور ابن عباسؓ سے مدنی ہوتا بھی منقول ہے۔ مفسر صرف آیت یسألہ من فی السموات و مدنی فرما رہے ہیں لیکن گاذرونی اس کے ساتھ آیت فبای الاء ربکما تکذبان کو بھی مدنی کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ آیت خاص نہیں ہے بار بار آ رہی ہے الرحمن مبتدائے محذوف کی خبر ہے ای اللہ الرحمن یا اس کی خبر محذوف ہے ای الرحمن لربنا۔ یا اس کو مبتداء اور بعد کے جملہ کو خبر کہا جائے۔

علمہ البیان۔ زبان سے اظہار مافی الضمیر انسان کا خاصہ ہے۔ دوسرے حیوانات کو ناطق نہیں مانا گیا ہے۔ بحسبان۔ یہ مفرد ہے بمعنی حساب جیسے غفران، کفران، اور حساب کی جمع بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے شہاب کی جمع شہبان اور رغیف کی جمع رغفان آتی ہے۔ مہینوں اور موسموں کے لحاظ سے چاند سورج دونوں اپنے اپنے مدار پر مقررہ رفتاروں کے ساتھ منازل اور برج طے کرتے رہتے ہیں۔ ووضع المیزان۔ حدیث میں ہے۔ بالعدل قامت السموات والارض۔

الا تطفوا۔ یعنی ان ناصبہ ہے نافیہ نہیں ہے اور تطفوا منصوب ہے ان کے ذریعہ جس سے پہلے لام علت مقدر ہے۔

اقیموا الوزن۔ زائد لینے کو طغیان اور کمی کو اخسار اور برابر برابر کو قسط کہتے ہیں۔

للاقام۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر جتنی چیزیں ہیں وہ انام میں داخل ہیں۔ لیکن حسنؒ صرف جن و انس کو کہتے ہیں۔

الا کمام۔ اکمام کم کی جمع ہے غلاف شکوف۔

طلعها۔ طلوع ابتدائی شکوف۔

ذوالعصف۔ عصف بقول صراح گھاس اور بقول بیضاوی سوکھی گھاس تنکے پتے۔ قاموس میں ہے کہ گیہوں وغیرہ کے بھوسہ کو کہتے ہیں۔  
الربحان۔ پتوں اور خوشبو کو کہتے ہیں۔ حدیث لا شئ من نعمک میں جو نعمتوں کو عام فرمایا گیا۔ اس پر شبہ یہ ہے کہ آیت میں یوسل علیکمما شواظ من نار و فحاس میں آگ اور دھوئیں کا ذکر ہے ان کو نعمت کیسے کہا جائے؟ جواب یہ ہے کہ مصائب کو دفع کرنا اور ان سے بچاؤ بھی نعمت ہے۔ اسی طرح عذاب کو موخر کرنا اور دنیا کو مقرر و وقت تک باقی رکھنا موت کا عام ہونا نیک و بد سب کے لئے یہ بھی نعمتیں ہیں۔  
صلصال کالصحر۔ صلصال کھنکھاتی خشک مٹی اور فحار ٹھیکرے کے معنی ہیں۔

رب المشرقین۔ عام قراءت رفع کی ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ مبتداء ہو اور خبر موج البحرین ہے درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ دوسرے یہ کہ مبتداء محذوف کی خبر ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ خلق الانسان کی ضمیر سے بدل ہو۔ لیکن ابن ابی عبیدہ رب کو مجرور پڑھتے ہیں ربکما کا بدل یہ بیان مان کر رکھتے ہیں کہ ربکما سے بدل مان کر مجرور پڑھنا بھی جائز ہے۔  
مرج البحرین۔ مرجت الدابة۔ کہا جاتا ہے بمعنی اسلٹھا، بحرین سے دریائے شیریں اور شور مراد ہے اور بعض نے بحر فارس و روم مراد لئے ہیں۔

یلتقیان۔ یہ بحرین سے حال مقدرہ یا حال مقارنہ ہے۔

بینہما بوزخ۔ جملہ مستانفہ یا حال بن سکتا ہے یا صرف بینہما کو حال اور بوزخ کو فاعل کہا جائے۔ اور ذوالخال خواہ بحرین کو کہا جائے یا یلتقیان کے فاعل کو۔ اور لا یبغیان بھی پہلے کی طرح حال ہے اور یہ حال علت کے درجہ میں ہے ای لئلا یبغیا۔ اور بعض نے کہا کہ اصل عبرت تو اسی طرح تھی۔ مگر حرف علت کو مع ان حذف کر دیا گیا۔ پھر فعل مرفوع ہو گیا۔ جیسا کہ ومن ایسا کہ یو یکم البرق میں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نمکین اور شیریں سوت بظاہر طے ہوئے رہتے ہیں۔ مگر اللہ کی قدرت دونوں کو الگ الگ رکھتی ہے۔ پس جب بے عقل جمادات کو اللہ ایک دوسرے پر بغاوت نہیں کرنے دیتا۔ تو اہل عقل کو کیسے اجازت دے سکتا ہے اور وہ کیسے بغاوت کرتے ہیں۔

جس طرح دونوں قسم کے دریاؤں کے موتی مونگا نکلنے کی صورت میں منہما صادق آتا ہے۔ اسی طرح اگر صرف ایک قسم کے دریا سے موتی وغیرہ نکلتے ہوں۔ تب بھی یہ لفظ صحیح رہے گا۔ جیسے کہا جائے۔ کل رجل یحمل الصخرة العطیة یعنی جس طرح یہ تمام مجموعہ افراد کی صورت میں صادق آتا ہے۔ اسی طرح بعض افراد کی صورت میں بھی صادق آجائے گا۔

اللولؤ والمرجان۔ ابن مسعود سے منقول ہے کہ چھوٹے موتی۔ اور حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ سے بڑے موتی کے ہیں۔ اور مرجان کے معنی صراح میں جوہر کے ہیں۔ اور روح البیان میں سرخ پوتھ کے ہیں۔ اور فریدۃ العجائب میں لکھا ہے کہ موتی بحر ہند و بحر فارس میں ہوتا ہے اور مرجان سمندر میں درخت کی طرح اگتے ہیں اس میں اور بھی اقوال ہیں۔

المنشآت۔ بمعنی مرفوعات۔ انشاء بمعنی رفع، شرع شرع کی جمع ہے۔ بادبان کو کہتے ہیں۔ پہاڑ اور کشتیاں بھی پانی پر ابھری کھڑی رہتی ہیں اور بعض نے منشآت کے معنی مخلوقات و محدثات کے لئے ہیں۔ یعنی گویا یہ سمندر میں پیدا ہو گئے ہیں۔ اس معنی کی لطافت واضح ہے۔

ذوالجلال والاکرام۔ پہلے لفظ میں وعید۔ دوسرے میں وعدہ کے معنی ہیں جلال سے عالم کے فنا ہونے اور کفار کے عذاب کی طرح اور اکرام سے عالم کے زندہ کرنے اور مومنین کے ثواب کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں تو عام قراءت میں ذوالمرفوع ہے اور قراءت شاذہ میں مجرور۔ لیکن اخیر سورت میں دونوں قراءتیں متواتر ہیں۔

یسئلہ من فی السموات۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور من وجہ حال بھی ہو سکتا ہے یقینی عامل ہے۔

کل یوم۔ اس میں یہود کے اس خیال کی تردید ہے کہ یوم السبت میں اللہ کچھ نہیں کرتا۔ اسی لئے کہ اس کو یوم السبت کہتے ہیں بمعنی انقطاع و

تعلل۔ یہاں سوم کے معنی مطلق وقت کے ہیں۔ کیونکہ اللہ کی شئون و صفات غیر متناہی ہیں۔ ہر آن ان کی نرالی شان ہے شان سے مراد صفات فعلیہ ہیں۔ جن میں تغیرات باعث اشکال نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو تغیرات، متعلقات میں ہوتے ہیں نہ کہ صفات فعلیہ میں۔ اور صفات ذات اور خود ذات میں تو کسی طرح کا تغیر ممکن نہیں وہ مغیر ہے نہ کہ متغیر۔

سنہرع۔ اس لفظ پر اشکال ہے کہ وہ مشغول ہی نہیں کہ اس کو فارغ کہا جاسکے۔ جواب کی طرف مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ مراد پوری توجہ اور ارادہ و قصد ہے۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ ہم بالکل اس کام کے لئے فارغ ہو گئے۔ یہ آیت بھی وعدہ و وعید پر مشتمل ہے۔

الثقلان۔ ثقل کے معنی وزن اور بوجھ کے ہیں جن و انس زندہ ہوں یا مردہ زمین پر بوجھ ہیں۔ جنات اگرچہ بظاہر مادی نہیں ہوتے تاہم قدر و منزلت کے اعتبار سے ان کو بھی انسانوں کے ساتھ وزنی سمجھا گیا۔ حدیث میں ہے انی تبارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی یا دونوں کو گناہوں کی وجہ سے بوجھل سمجھا گیا ہے جیسا کہ امام جعفر صادق نے فرمایا ہے۔

فانفذوا۔ بعض کی رائے ہے کہ قیامت میں ارشاد ہوگا۔

کالدھان۔ خبر ثانی ہے یاوردۃ کی صفت ہے اور کانت کے اسم سے بھی حال ہو سکتا ہے اور دھان دھن کی جمع ہے جیسے قرط کی جمع قراط ہے اور دمح کی جمع دماح ہے۔ مجاہد و حاک کی رائے یہی ہے۔ اس صورت میں یوم تکون السماء کالمہل کی طرح ہو جائے گا۔ اور دھان اسم مفرد بھی ہو سکتا ہے چنانچہ زخشر کی کہتے ہیں کہ اسم لما یدھس بہ کالخرام و الادام۔

لا یسال۔ آیت فو ربک لنسئلہم اجمعین اور آیت وقفوہم انہم مسئولون اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ قیامت میں مختلف احوال پیش آئیں گے۔

انس و لا جان۔ یہ دونوں لفظ اسم جنس ہیں۔ ان میں یا کا اضافہ کر دیا جائے تو انسی اور جنی مفرد ہو جائیں گے۔ لیکن اسم جنس کا اطلاق بھی چونکہ مفرد پر ہو سکتا ہے۔ اس لئے مفسر کی تاویل کی حاجت نہیں رہ جاتی۔ تاہم سوال چونکہ افراد سے ہوا کرتا ہے۔ اس لئے تاویل کی ضرورت پڑی۔ زرقۃ العیون۔ گریہ چشم کو کہتے ہیں۔

حمیم ان۔ ضرب سے اتنی بانی۔ قضی بقضی کی طرح، فہو ان۔

رابط آیات۔ کچھلی سورت میں زیادہ تر نعمتوں اور مصیبتوں کا بیان تھا۔ اگرچہ اسباب ہدایت ہونے کی حیثیت سے وہ حکما اور معنایا نعمتیں ہوں۔ تاہم اس میں اول و آخر کچھ مضمون نعمتوں کا تھا برخلاف اس سورت کے اس میں زیادہ مضمون دنیاوی اور اخروی نعمتوں کا ہے۔ اور درمیان میں کچھ مضمون نعمتوں اور مصیبتوں کا بھی آگیا ہے۔ اگرچہ اسباب ہدایت ہونے کی وجہ سے وہ بھی نعمتیں ہی ہیں۔ اسی لئے ظاہری نعمتوں کی طرح ان حکمی نعمتوں کے بعد بھی آیت لہبای الا ربکما تکذبان دہرائی گئی ہے۔ چنانچہ پہلے رکوع میں دنیاوی نعمتوں کا ذکر ہے۔ کچھ ظہری اور دسمانی اور کچھ باطنی اور روحانی۔ اور دوسرے رکوع اور اخروی نعمتوں اور مصیبتوں کا بیان ہے جو معنی نعمتیں ہیں۔ پھر آخری تیسرے رکوع میں اخروی نعمتوں کا تذکرہ ہے جو صورت اور معنی دونوں طرح نعمتیں ہیں۔

﴿تشریح﴾ . . . الرحمن علم القرآن۔ رحمٰن کا سب سے بڑا عطیہ قرآن ہے اس کی نعمتوں میں یہ سب سے اونچی نعمت و رحمت ہے۔ انسان کی بساط اور اس کے ظرف پر خیال کرو اور پھر علم قرآن کے اس ناپیدا کنارہ کو دیکھو۔ کہاں یہ ضعیف البیان بشر اور کہاں آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری کلام الہی۔

انسان اور قرآن و بیان: ... خلق الانسان - انسان کو خلقت وجود سے سر قرار فرمانا۔ واقعہ یہ ہے کہ ساری نعمتوں کی جز اور سر چشمہ عطاء وجود ہے۔ ایجاد ایک ذات کا ہوتا ہے دوسرے صفت کا حق تعالیٰ نے انسان کی ذات پیدا کی اور اس میں صفت بیان بھی رکھی۔ یعنی اپنے مافی الضمیر کو بڑی حسن و خوبی اور شائستگی و صفائی سے دوسروں تک پہنچائے اور دوسروں کی بات سمجھ سکے اور اس کی تہ تک پہنچ سکے۔ اسی صفت کا پرتو ہے کہ وہ کلام الہی قرآن سیکھتا سکھاتا ہے اور دنیا و آخرت کی اچھی بری باتوں، ایمان و کفر، ہدایت و گمراہی، نیکی و بدی کو واضح طور پر سمجھتا اور سمجھاتا ہے۔ تعلیم قرآن تو روحانی اور تخلیق انسانی جسمانی نعمت ہے جو مقدر ہے نعمت روحانی کا۔

الشمس و القمر - یہاں سے آفاقی نعمتوں کا سلسلہ ہے۔ چاند سورج کا طلوع و غروب، گھٹنا بڑھنا یا ایک حالت پر قائم رہنا۔ پھر اس کے نتیجہ میں موسموں کا بدلنا اور عالم میں مختلف اثرات و النایہ سب کچھ خاص حساب اور مضبوط نظام و ضابطہ کے مطابق ہو رہا ہے۔ مجال نہیں کہ مقررہ دائرہ سے باہر قدم رکھ سکیں اور جو کام اور خدمتیں ان کے سپرد ہیں ان میں سر مو کو تباہی نہیں کر سکتے۔ ہمہ وقت ہماری خدمت میں بیگاری ہیں۔ اور جدید فلسفہ کی اگر یہ بات درست ہو کہ زمین، سورج کرگرد اور چاند، زمین کے گرد گھومتے ہیں تو پھر حسابان کا یہ مطلب یہ ہوگا کہ سورج کا مدار اور چاند کا دائرہ ہونا یا قاعدہ حساب سے ہے۔

والنجم و الشجر - عالم علوی کی طرح عالم سفلی بھی وقف اطاعت ہے۔ چھوٹے جھاڑ، بیلے، اونچے درخت سب اس کے تکوینی احکام کے آگے سرنگوں ہیں بندے ان کو کام میں لائیں تو انکار نہیں کر سکتے۔

آسمان، زمین اور اس کے درمیان کتنی ہی نعمتیں ہیں: ... والسماء جس طرح شمس و قمر اور نجم و شجر دو چیزوں کا ذکر کیا اسی طرح آسمان و زمین جوڑ ہیں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے آسمان بلند ہے تو زمین پست، درمیان میں میزان و ترازو کا ذکر ہے۔ کیونکہ عموماً ترازو کو تولتے وقت آسمان و زمین کے درمیان فضا میں معلق رکھنا پڑتا ہے اور اسی سے بہت سے معاملات کی درستی اور حقوق کی حفاظت متعلق رہتی ہے اس لئے فرمایا کہ نہ لیتے وقت کسی چیز کو زیادہ تو لو اور نہ دیتے وقت کم تو لو۔ ترازو کے دونوں پہلے، باٹ بٹی میں کمی بیشی نہ ہو۔ دینے کے باٹ اور لینے کے اور نہیں ہونے چاہئیں تولتے وقت ڈنڈی نہ ماری جائے۔ پوری دیانت داری کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولا جائے۔

لیکن اکثر سلف کے مطابق اگر یہاں میزان سے عدل و انصاف قائم کرنا مراد ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے آسمان سے زمین تک ہر چیز کو حق و انصاف کی بنیاد پر اعلیٰ درجہ کے تناسب و توازن کے ساتھ قائم کیا ہے حق و انصاف اگر قائم نہ رہے تو کائنات کا سارا نظام دہم برہم ہو جائے لہذا ضروری ہے کہ بندے بھی حق و عدل کے ڈگر پر قائم رہیں اور انصاف کی ترازو کو ٹھننے یا جھکنے نہ دیں، کسی پر زیادتی نہ کریں اور نہ کسی کا حق و بائیں۔ حدیث کی رو سے عدل ہی سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

اس کے بعد زمین پر نظر ڈالو کہ کیسی معقول بنائی کہ نہایت آرام سے اس پر چل پھر سکتے ہیں نہ روکی کی طرح نرم کہ دھستے چلے جائیں اور نہ لوہے کی طرح سخت کہ کھودے تو نہ کھدے۔ پھر اس میں پھل میوے، اناج، غلہ پیدا کیا۔ غلہ میں وہ چیزیں ہیں۔ دانہ جو انسان کی غذا ہے اور بھوسہ جو جانوروں کا چارہ ہے اور خوشبو یا تپید اکیں۔

اللہ کے کام اور کلام دونوں میں تکرار ہے: ... فبای الاء ربکما۔ یعنی اے جن و انس ابھی تمہارے پروردگار کی جو عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے تم آخر کس نعمت کے جھٹلانے کی جرات کرو گے۔ کیا ان کا انکار کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ ہر بار اس کے بعد لا شئی من عمل ربنا نکذب فلک الحمد پڑھنا چاہیے یعنی ہم آپ کی کسی بھی

نعمت کو جھٹلا نہیں سکتے بلکہ آپ کے حمد گزار ہیں۔

اگرچہ جنت کا ذکر پہلے صراحتہ نہیں ہوا مگر اول تو لفظ انام میں وہ بھی داخل ہیں۔ دوسری آیت وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون میں دونوں کی پیدائش کی غرض عبادت بتلائی گئی ہے۔ تیسرے خلق الانسان وخلق الجن اور منفرغ لكم ايها الثقلان اور يا معشر الجن والانس اور انس قبلهم ولا جان میں صراحتہ انسان اور جن دونوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس لئے ان قرآن کی وجہ سے یہاں بھی دونوں مخاطب ہیں۔

یہ تفریحی آیت اس سورت میں اکتیس جگہ آئی ہے اور ہر مرتبہ کسی ایک خاص نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور شیون الہیہ میں سے کسی خاص شان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس لئے اس کو تکرار محض نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ تشارک لفظی ہے۔ ایسے تکرار کو اتقان میں اصطلاحی طور پر تردید کا نام دیا گیا ہے اور اس ظاہری تکرار سے بھی جب کہ تاکید مقصود ہو تو اس کو تکرار سے شیریں تر کہا جائے گا۔

یہ ایسے ہی جیسے کہا جائے۔

الم احسن اليك بان فعلت بك كذا وكذا

الم احسن اليك بان خولتك في الاموال

یا نظم کی مثال جیسے کلب کے مرثیہ میں مہلہل کہتا ہے۔

اذا ما ضيم جيران المجير

على ان ليس عدلا من كليب

اذا رجف العضاه من الدبور

على ان ليس عدلا من كليب

اذا خرجت مخبأة الحذور

على ان ليس عدلا من كليب

اذا ما اعلنت نجوى الامور

على ان ليس عدلا من كليب

اذا خيف المنخوف من الثغور

على ان ليس عدلا من كليب

غداة قاتل الامر الكبير

على ان ليس عدلا من كليب

اذا ما خارجا من المستجير

على ان ليس عدلا من كليب

اسی طرح فارسی اردو وغیرہ ہر زبان میں بکثرت اس کی مثالیں اساتذہ فن اور فصحاء کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں اس لیے تکرار کو بے مزہ نہیں کہا جائے گا۔

مسلمانوں کے کسی امیر کے عہد میں ایک ملحد نے قرآن میں تکرار کا اعتراض کرتے ہوئے کہ یہ اللہ کا کلام معلوم نہیں ہوتا ورنہ عجز کلام اور عبث ماننا پڑے گا۔ یہ سن کر امیر نے حکم دیا کہ اس کے اعضاء مکررہ، ہاتھ، پیر، کان، آنکھ کاٹ دیئے جائیں۔ کیونکہ جب یہ کہتا ہے کہ اللہ کے کلام میں تکرار نہیں ہونا چاہیے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے کام میں تکرار نہیں ہونا چاہیے اس کے دوسرے اعضاء زندہ اور بے کار ہیں۔ ان کو کاٹ دیا جائے۔ سزا سنتے ہی ملحد کے کان کھڑے ہو گئے اور پاؤں تلے سے زمین سرکنے لگی۔ فوراً ہاتھ جوڑے، کان، پکڑے اور تائب ہو گیا۔

خلق الانسان۔ سب انسانوں کے باپ آدم مٹی سے اور جنوں کے باپ ابلیس کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا پھر دونوں نوعوں کی نسل چلی اور اللہ نے دونوں کو صرف وجود ہی نہیں دیا، بلکہ عقل و دانائی بھی دی۔ یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت اور اس کی لامحدود قدرت کی نشانی ہے بعض سلف سے ابن جریر نے الاء کے معنی قدرت کے بھی لئے ہیں۔

بے شمار نعمتوں کا تعلق مشرق و مغرب سے ہے..... رب المشرقین۔ سردی گرمی میں جس نقطہ سے سورج طلوع ہوتا

ہے وہ دونوں مشرق اور جہاں جہاں غروب ہوتا ہے وہ دونوں مغرب ہیں۔ یوں تو روزانہ نعتہ طلوع و غروب بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے الفاظ مشارق و مغارب جمع ہیں۔ لیکن نمایاں فرق کے لئے مدت وقت کا اعتبار کر لیا گیا ہے۔ جیسا کہ بعض جگہ صرف سارا دن مشرق و مغرب پر اکتفا کر لیا گیا ہے

بہر حال موسم اور فصلیں انہی مترقین و مغربین کے تغیر سے بدلتے رہتے ہیں اور دنیا میں طرح طرح کے انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ ہزاروں مصالح و فوائد ان تغیرات سے وابستہ ہیں۔ اس لئے یہ تبدیلی بھی خدا کی بڑی بھاری نعمت اور اس کی بے پناہ قدرت کی نشانی ہے چونکہ پہلے سے دو چیزوں کے جوڑ کا ذکر چلا آ رہا ہے اور آگے بھی یہ سلسلہ ہے، اس لئے بھی یہاں مترقین و مغربین کا ذکر لطف بنا ہوا ہے۔

**میٹھے اور کھاری سمندر کی نعمتیں:** ... مرج البحرین۔ میٹھے اور کھاری پانی کے سوت بعض دریاؤں میں ساتھ ساتھ جاری ہیں۔ مگر مجال ہے کہ دونوں سوت ایک دوسرے سے مخلوط ہو جائیں۔ دونوں ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے بھی الگ الگ ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک دوسرے پر چڑھائی کر کے اس کی خاصیت و تاثیر کو بالکل زائل کر دے۔ یا دونوں مل کر دنیا کو غرق کر ڈالیں۔

بمخرج منهما اللؤلؤ موتی مونگا اگر دریا ئے شور و شیریں دونوں سے برآمد ہوتے ہوں تب تو کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر صرف دریا ئے شور سے برآمد ہوتے ہوں تو پھر منہما کے معنی من کل واحد واحد کے نہیں ہوں گے بلکہ من مجموعہما کے ہوں گے یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے حوجت من الدار۔ حالانکہ آپ محلہ یا مکان سے نکلے ہیں۔ اور نکلتا اس تعبیر میں یہ ہوگا کہ دونوں قالب ایک جان ہو گئے اور پھر بھی حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ اتقا خروج کی شرط نہیں ہے۔ بلکہ لؤلؤ مرجان کے مخارج میں سے ایک مخرج کا بتلانا مقصود ہے جس میں ایک صفت اتقاء کی بھی پائی جاتی ہے۔

وله الجوار المنشآت۔ کشتیاں اور جہاز گو بظاہر تمہارے لئے بنائے ہوئے ہیں۔ مگر خود تمہیں اللہ نے بنایا ہے اسی طرح جہاز بنانے کی قوت و سامان عنایت فرمائے ہیں لہذا تمہارا اور تمہاری تمام مصنوعات سب کا مالک و خالق وہی ہے اور یہ سب اس کی نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں ہیں۔

**شیون الہیہ:** کل من علیہا۔ زمین و آسمان کی تمام مخلوق زبان حال و قال سے اپنی تمام حاجتیں اسی خدا سے طلب کرتی ہیں۔ کوئی ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے بے نیاز نہیں ہے۔ اور اللہ سب کی حاجت روائی اپنی حکمت کے مطابق کرتا ہے۔ ہر آن اس کی نئی شان ہے کسی کو مارن، کسی کو جاننا، کسی کو بیمار کرنا، کسی کو تندرست کرنا کسی کو بڑھانا، کسی کو گھٹانا، کسی کو دینا، کسی سے لینا شیون الہیہ ہیں۔ سنفرع لکم۔ فقرب دنیا کا یہ سارا انتقام ختم ہونے والا ہے اس کے بعد ہم دوسرا دور شروع کر دیں گے۔ جس میں ہر ایک کا پورا حساب کتاب ہوگا اور مجرموں کی پوری طرح خبر لی جائے گی۔ وفاداروں کو بھرپور صلہ ملے گا۔ یہ ساری کائنات اللہ کی سلطنت ہیں۔ ہر جگہ اسی کا غلبہ اور تصرف کا رفرہ ہے۔ کوئی نکل کر جانا بھی چاہے تو کہاں جائے گا کیسے نکل بھاگے گا۔

یرسل علیکم۔ مجرموں پر خاص آگ کے شعلے اور دھواں ملے ہوئے شرارے جب چھوڑیں جائیں گے تو کون ہے جو اس کو دفع کر سکے گا اور کون جو اس سزا کا بدلہ لے سکے گا۔ مجرموں کو سزا دینا ایک طرح سے وفاداروں کے حق میں انعام ہے۔ نیز سزا کو سن کو جرم سے باز رہنا ایک مستقل انعام ہے۔

سزائیں بھی ایک طرح کا انعام ہیں: فیو منذ لا یسنل۔ کسی سے گناہوں سے متعلق معلوم کرنے کے لئے سوال نہیں



کیا جائے گا کیونکہ سب کچھ اللہ کو پہلے سے معلوم ہے۔ البتہ ضابطہ تکمیل کی اتمام حجت الزام قائم ہونے اور ڈانٹ ڈپٹ کے لئے سوال ہونا اور بات ہے یا یوں کہا جائے کہ قبروں سے اٹھتے وقت سوال ہیں۔ بعد میں اس کا انکار نہیں۔ بلکہ دوسری آیات میں اس کا اثبات ہے۔

يعرف المجرمون۔ مجرمین کی شناخت کے لئے کسی بڑی کاوش کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ چہروں کی سیاہی آنکھوں کی نیلگوئی سے وہ خود بخود پہچان لئے جائیں گے۔ جیسا کہ مومنین پیشانیوں پر سجدہ کے نشانات اور وضو کے آثار و انوار سے نمایاں ہوں گے۔

عرض دوزخیوں میں کسی کے بال اور کسی کی ٹانگ پکڑ کر دوزخ کی طرف کھینچا جائے گا۔ یا ہر ایک مجرم کی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر سر کو پاؤں سے ملا دیا جائے گا اور زنجیروں سے جکڑ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کا دنیا میں انکار کیا کرتے تھے۔ اسی طرح کبھی آگ کا اور کبھی ٹھونڈے پانی کا اسے عذاب ہوگا۔

طائف سلوک۔ فباي الا ربكما تكذبان۔ اس آیت کا مختلف قسموں کے بعد آنا جن میں بعض کا نعمت ہونا ظاہر بھی نہیں اس پر دلالت کرتا ہے کہ نعمت مختلف قسم کی ہوتی ہے بعضی حسی اور بعض معنوی۔ جس کا مشاہدہ، اہل بصیرت کو اپنے حالات و اوقات میں خوب ہو جاتا ہے اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نعمت کی تمام قسموں سے نفع حاصل کرنا مطلوب و محمود ہے۔ زہد کے منافی یا تعلق مع اللہ کے خلاف نہیں ہے۔

لَمَنْ خَافَ اٰیَ الْكِلِّ مِنْهُمَا اَوْ لِمَحْمُوْعِهِمْ مَّقَامَ رَبِّهِ بَيْنَ يَدَيْهِ لِلْحِصَابِ فَرَّكَ مَعْصِيَتَهُ جَنَّٰتٍ ﴿۳۶﴾ فَبَايَ  
الْاِربَكَمَا تُكَذِّبُنِ ﴿۳۷﴾ ذَوَاتَا تَشِيْءٍ ذَوَاتِ عَلٰی الْاَصْلِ وَلَا مَهَا تَاءٌ اَقْنَانِ ﴿۳۸﴾ اَغْصَانُ جَمْعُ فَنٍ  
كَطَلِّ فَبَايَ الْاِربَكَمَا تُكَذِّبُنِ ﴿۳۹﴾ فِيْهِمَا عَيْنٌ تَجْرِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَبَايَ الْاِربَكَمَا تُكَذِّبُنِ ﴿۴۱﴾  
بِهِمَا مِنْ كُلِّ فِكْهَةٍ مِّنَ الدُّنْيَا اَوْ كُلِّ مَا يُتَفَكَّهُ بِهِ رَوْحِنِ ﴿۴۲﴾ نَوْعَانِ رَطْبٌ وَ يَاسٌ وَ الْمَرْثُ مِنْهُمَا فِى  
نُنْيَا كَالْحَنْظَلِ حُلُوْ فَبَايَ الْاِربَكَمَا تُكَذِّبُنِ ﴿۴۳﴾ مُتَكِيْنِ حَالٍ عَامِلُهُ مَحْذُوْفٌ اٰیٌ يَتَنَعَّمُوْنَ عَلٰی  
شِءٍ بَطَانُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ مَا غَلَّظَ مِنَ الدِّيَارِ وَ حَشَنٍ وَ الظَّهَائِرُ مِنَ السُّنْدُسِ وَ جَنَّا الْجَنَّتَيْنِ ثَمَرُهُمَا دَانٍ  
﴿۴۴﴾ قَرِيْبٌ يَسْأَلُهُ الْاَقَائِمُ وَ الْقَاعِدُ وَ الْمُضْطَجِعُ فَبَايَ الْاِربَكَمَا تُكَذِّبُنِ ﴿۴۵﴾ فِيْهِنَّ فِى الْجَنَّتَيْنِ وَ مَا  
لَمَّا عَلَيْهِ مِنَ الْعَلَالِىِ وَ الْقُصُوْرُ قَصِرَتْ الطَّرْفُ الْعَيْنِ عَلٰی اَزْوَاجِهِنَّ، الْمُتَكِيْنِ مِنَ الْاُنْسِ وَ الْحَجَرِ لَمْ  
يَهْنُ يَفْتَصَّهِنَّ وَ هُنَّ مِنَ الْحُوْرِ اَوْ مِنْ نِسَاءِ الدُّنْيَا الْمُنْشَتِ اُنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿۴۶﴾ فَبَايَ الْاِربَكَمَا تُكَذِّبُنِ ﴿۴۷﴾  
كَانَ هُنَّ الْيَاقُوْتُ صَفَاءً وَ الْمَرْجَانُ ﴿۴۸﴾ اٰیُ الْوَلُوْ يَبَاضَا فَبَايَ الْاِربَكَمَا تُكَذِّبُنِ ﴿۴۹﴾  
فَلِ مَا جَزَاءُ الْاِحْسَانِ بِالطَّاعَةِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۵۰﴾ بِالنَّعِيْمِ فَبَايَ الْاِربَكَمَا تُكَذِّبُنِ ﴿۵۱﴾ وَ مِنْ  
اٰیِ الْجَنَّتَيْنِ الْمَذْكُوْرَتَيْنِ جَنَّٰتٍ ﴿۵۲﴾ اَيْضًا لَمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ فَبَايَ الْاِربَكَمَا تُكَذِّبُنِ ﴿۵۳﴾  
﴿۵۴﴾ سَوَادُ اَوَالٍ مِنْ شِدَّةٍ خَضِرَتُهُمَا فَبَايَ الْاِربَكَمَا تُكَذِّبُنِ ﴿۵۵﴾ فِيْهِمَا عَيْنٌ نَّضَاحَتِنِ  
اَرْتَانِ بِالْمَاءِ لَا يَنْقُطَعَانِ فَبَايَ الْاِربَكَمَا تُكَذِّبُنِ ﴿۵۶﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَ نَخْلٌ وَ رُمَّانٌ ﴿۵۷﴾ هُمَا

مِنْهَا وَقِيلَ مِنْ غَيْرِهَا فَبَيَّ الْأَ رَبِّكُمَا تُكْذِبِينَ ﴿١٩﴾ فَبَيَّ أَنَّى الْحَسَنَيْنِ وَقُصُورِ هَسَا حَيْرَتِ أَحْلَاقَا  
 حَسَانٍ ﴿٢٠﴾ وَجُوهَا فَبَيَّ الْأَ رَبِّكُمَا تُكْذِبِينَ ﴿٢١﴾ حُورٌ شَدِيدَاتُ سَوَادِ الْعُيُونِ وَبَيَاضُهَا مَقْصُورَاتُ  
 مَسْتُورَاتٍ فِي الْخِيَامِ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُرٍّ مُخَوِّفٍ مُصَافَاةٍ إِلَى الْقُصُورِ شَبِيهَةٌ بِالْخُدُودِ فَبَيَّ الْأَ رَبِّكُمَا  
 تُكْذِبِينَ ﴿٢٣﴾ لَمْ يَطْمِئِنَّ أَنْسَ قَبْلَهُمْ قَبْلَ أَزْوَاجِهِنَّ وَلَا جَانٌّ ﴿٢٤﴾ فَبَيَّ الْأَ رَبِّكُمَا تُكْذِبِينَ ﴿٢٥﴾  
 مُتَكَبِّرِينَ أَيْ أَزْوَاجَهُنَّ وَاعْرَابُهُ كَمَا تَقَدَّمَ عَلَى زُفْرِ خَضِرٍ جَمْعُ رُقُوعَةٍ أَيْ نَسْطُ أَوْ سَائِدٌ وَعَبْقَرِي  
 حَسَانٍ ﴿٢٦﴾ جَمْعُ عَبْقَرِيَّةٍ أَيْ طَنَافِسٍ فَبَيَّ الْأَ رَبِّكُمَا تُكْذِبِينَ ﴿٢٧﴾ تَبَرَّكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي  
 السَّجِّ الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٨﴾ تَقَدَّمَ وَلَفْظُ اسْمٍ زَائِدٌ -

ترجمہ اور جو شخص (جن یا انسان یا دونوں میں سے) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہتا ہو (حساب کے لئے  
 اللہ کے حضور پیش ہونے کے خوف سے گناہ چھوڑ دے) اس کے لئے دوہرے باغ ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون  
 سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ دونوں باغ (ذوات کاشفہ ہے اپنی اصل پر اور اس میں لام تام ہو گیا گھنے ہوں گے) افسان بمعنی اغصان  
 ہے فتن کی جمع ہے جیسے طلل کی جمع اطلال ہے) سوائے جن وانس تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں  
 باغوں میں اور چشمے جاری ہوں گے سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر قسم کے  
 میوے (جو دنیا میں پائے جاتے تھے یا پھر ذائقہ اور مزہ دار چیزیں) دوہرے ہوں گے۔ (تازہ اور خشک دونوں طرح کے میوے ہوں گے، دنیا  
 کا کڑوا پھل جیسے اندرائیں۔ وہ بھی وہاں شیریں ہوگا) سوائے جن وانس تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ وہ  
 لوگ تکیہ لگائے (یہ حال ہے اس کا عامل محذوف ہے یعنی یتعمون) ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے (ریشم  
 موئے اور کھردرے اور فرش کے ابرے باریک ریشمی ہوں گے) اور ان باغوں کے پھل (میوے) نہایت قریب ہوں گے (ایسے کہ کھڑے  
 بیٹھے، لیٹے ہر طرح میسر آجائیں) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان میں (باغات اور ان  
 متعلقات بالا خانے اور محلات ہیں) نیچی نگاہ والی ہوں گی (جن کی نگاہ صرف اپنے خاوندوں پر رہتی ہے جو جن وانس میں سے مسند نشین  
 گئے) ان پر تصرف نہیں کیا ہوگا (زن و شوئی کے معاملات نہیں ہوئے ہوں گے۔ یہ حوران جنت ہوں گی یا دنیا کی عورتوں کی طرح ڈر  
 کی جائیں گی) ان سے پہلے نہ تو کسی انسان نے اور نہ کسی جن نے۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جا  
 گویا وہ (صفائی میں) یا قوت ہیں اور (سفیدی میں) مرجان (موتی) ہیں۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے  
 جاؤ گے۔ بھلا اطاعت (فرمانبرداری) کا بدلہ انتہائی عنایت (جنت) کے سوا اور بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار  
 کون سے نعمت کے منکر ہو جاؤ گے اور ان باغوں سے کم درجہ (یعنی جن باغوں کا پہلے بیان ہوا) دو باغ اور ہوں گے۔ سوائے جن وانس  
 پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے (اللہ کی جناب میں کھڑے ہونے سے ڈرنے والوں کے لئے) وہ باغ گہرے سبز  
 ہوں گے (گہری سبزی کی وجہ سے کالے معلوم ہوں گے) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ۔  
 میں دو چشمے اہل رہے ہوں گے (پانی کے فوارے مسلسل جاری ہو گے) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت

جاؤ گے۔ ان باغوں میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان (بانات اور محلات) میں خوب سیرت (بااخلاق) عورتیں ہوں گی۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ ورنہ چنی (جن کی آنکھوں کی پتلیاں نہایت سفید، سیاہ ہوں گی) عورتیں ہوں گی۔ خیموں میں محفوظ (مستور) ہوں گی (جو مجوف موتیوں کے بنے ہوئے ہوں گے وہ خیمے حوروں کے لئے بمنزلہ پردہ کے ہوں گے)۔ سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ ان (شوہروں) سے پہلے نہ تو کسی انسان نے ان کو چھوا ہوگا اور نہ کسی جن وانس سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے، مسند نشین ہوں گے (ان کے شوہر اس کا اعراب پہلے گزر چکا ہے) سبز شجر (رفرف، رفریہ کی جمع ہے مراد گدھے اور تکیے) اور عجیب خوبصورت پہڑوں پر (عبقری، عبقریہ کی جمع ہے یعنی تحمل کے غالیچے قالین) سوائے جن وانس تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کے منکر ہو جاؤ گے۔ بڑا بابرکت ہے آپ کا پروردگار جو عظمت و احسان والا ہے (اس کی بحث پہلے ہو چکی ہے اور لفظ اسم زائد ہے)۔

**تحقیق و ترکیب:** جستان۔ یعنی ایک جنت متقی انسان کے لئے اور دوسری جنت اللہ سے ڈرنے والے جنوں کے لئے ہوگی۔ یہ مطلب ہے کہ ہر انسان اور ہر جن کے لئے ایک ایک جنت صحیح عقائد کی وجہ سے اور ایک ایک جنت صحیح اعمال کی وجہ سے ہوگی۔ یا ایک جنت طاعات بجالانے اور دوسری جنت معاصی سے بچے رہنے کی وجہ سے ملے گی۔ یا ایک جنت بطور ثواب اور دوسری جنت بطور فضل خصوصی دیا ہو گی یا روحانی اور جسمانی جنتیں ہوں گی۔

مقاتل کہتے ہیں کہ ایک جنت عدن ہے اور دوسری جنت النعیم ہوگی۔ اور محمد بن علی ترمذی کہتے ہیں کہ ایک جنت خوف کی وجہ سے اور ایک جنت خواہشات ترک کرنے کی وجہ سے عنایت ہوگی۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ جو شخص حق تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو۔ دو اتنا۔ اس میں دو لغت ہیں۔ ایک تو اصل کی طرف لوٹنا۔ کیونکہ اس کی اصل ذویۃ ہے۔ پس عین کلمہ واو اور لام کلمہ یا ہے مونث ہونے کی وجہ سے اور دوسرا لغت لفظاً تشبیہ ہونے کا ہے۔ منسّر نے پہلی رائے کو اختیار کیا ہے۔

افسان۔ لمبی شاخ کو کہتے ہیں کہ یہاں حقیقی معنی ہیں۔ یا کنایہ ہے ہر قسم کی نعمتوں پر مشتمل ہونے سے۔ زوجہ جس۔ یعنی ایک قسم پھول کی وہ ہوگی کہ جو دنیا میں معروف تھی۔ اور دوسری قسم غریب ہوگی۔ جیسے حنظل دنیا میں تلخ ہوتا ہے۔ مگر وہاں شیریں ہوگا۔ جیسا کہ ابن عباس کی روایت ہے۔ ما فی الدنیا حلوة ولا مرة الا وہی فی الجنة حتی الحنظل الا انه حلو۔ کیونکہ جنتی پیداوار طامات کا نتیجہ ہوں گی اور دوزخ میں سیمات کے ثمرات ہوں گے جیسے زقوم وغیرہ۔

منکنس۔ بعض کے نزدیک خاف سے حال ہے۔ جو معنی جمع ہے۔ اور بعض نے منصوب علی المدینہ مانا ہے۔

بطانہا۔ بطانۃ کی جمع بطائن ہے جو کپڑا نیچے کی جانب ہوتا ہے۔ وہ بطانہ اور اوپر والے حصہ کو ظہارہ کہتے ہیں۔ جسا۔ فعل بمعنی مفعول جیسے قبض بمعنی مقبوض ہے یہ مبتداء ہے۔

دان۔ خبر ہے۔ وان مثل غان فعل ہے جس میں تعلیل ہوگی۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ قلنوا الشجرة حتی یجتنیہا ولی اللہ ان شاء فانما وان شاء قاعداً وان شاء مصطجعاً۔

قنادہ فرماتے ہیں۔ لا یرد یدہ بعد ولا شوک۔ امام ازہبی فرماتے ہیں کہ دنیا کے اور آخرت کے باغ میں تین فرق ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا کے درختوں کے پھل اپنے ہوتے ہیں جہاں مشکل سے ہاتھ جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کے پھل محنت اور سعی سے حاصل ہوتے ہیں۔ تیسرے دنیا میں ایک درخت اور اس کے پھل سے قریب ہوں تو دوسرے درخت اور اس کے پھلوں سے دوری ہو جاتی ہے۔ مگر جنت کے

بھوں میں تینوں باتیں نہیں ہوں گی۔

فیہس۔ منس نے فی التین الخ تفسیری عبارت میں اس کا شبہ دور کیا ہے کہ ضمیر جمع جنتین کی طرف کیسے راجع کی گئی ہے۔ جواب ظاہر ہے کہ جنت اور متعلقات جنت مراد ہیں۔

علائی۔ علت کی جمع ہے بالاء خانے کو کہتے ہیں۔

قاصرات الطرف۔ اس میں اسم فاعل کی اضافت مفعول کی طرف ہو رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قصر طرفہ علی کذا۔ یہاں قصر کا متعلق معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اسی علی ازواجہن اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے۔ قاصرات طرف غیرہن علیہن ای ان ازواجہن لا یتجاوز طرفہم الی غیرہن۔ ابن زید قراتے ہیں کہ جنت میں حوریں اپنے خاوندوں سے کہیں گی۔ وعمرہ ربی مناری فی الجنة احسن منک فالحمد لله الذی جعلک زوجی وجعلنی زوجتک۔

لم یطمئهن۔ ازالہ بکارت مراد ہے۔ طمئہا الرجل ای افضہا وجامعہا۔ ان عورتوں کے متعلق اختلاف ہے۔ مقاتل فرماتے ہیں انہیں حلق من الحیة۔ اور شعی کہتے ہیں کہ ہن من نساء الدنیا۔ مشکات کے معنی یہ ہیں۔ کہ بغیر ولادت کے ان کو پیدا کیا جائے گا۔ ولا حان۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات بھی انسان کی طرح مجامعت کرتے ہیں۔

الیاقوت۔ جو ہر لطیف ہوتا ہے جس پر آگ اثر انداز نہیں ہوتی۔

مرجان۔ چھوٹے سفید موتی کو کہتے ہیں۔ یاقوت میں وجہ تشبیہ صرف صفائی ہے سرفی نہیں ہے اور مرجان اگرچہ سرخ و سفید دونوں موتیوں پر بول جاتا ہے لیکن یہاں سفید موتی مراد ہے۔ حدیث میں ہے۔ ان المراءۃ من نساء اهل الجنة یرے بیاض ساقھا من وراء سبعین حلة حتی یرى منھا۔

من دو بھما۔ دون کے معنی ادنیٰ کے ہیں اور علاوہ کے معنی بھی ہو سکتے ہیں بغیر فرق مراتب کے۔ ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں۔ جنتان من ذهب و جنتان من فضة للتابعین۔

ونخل و رمان۔ تفسیری عبارت میں اشارہ ہے فقہی اختلاف کی طرف۔ امام اعظمؒ کے نزدیک کھجور اور انار۔ فاکہہ میں داخل نہیں ہیں۔ گر کوئی یہ خف کرے کہ میں پھل نہیں کھاؤں گا۔ اور کھجور اور انار کھالے تو اس کی قسم ٹوٹے گی نہیں۔ لیکن صاحبین اور شوافع کے نزدیک ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ جمہور کے نزدیک یہ دونوں چیزیں فاکہہ میں داخل ہیں۔ سو یہاں تخصیص ذکر فی فضیلت کے لئے ہے اور امام اعظمؒ عطف مغاریت کے لئے مانتے ہیں۔ کیونکہ پھل سے مقصود غذائیت اور تغلکہ ہوا کرتا ہے۔ برخلاف انار کے اس میں دوا بھی ہوتی ہے محض فاکہہ نہیں ہے۔

غرضیکہ اہل اصول نے کہا کہ جن چیزوں میں زیادتی ہوگی وہ بھی عطف میں داخل نہیں ہوگی۔ جیسے یہاں اور جس چیز میں کمی ہوگی وہ بھی عطف میں داخل نہیں ہوگی جیسے کوئی حلف کرے کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا تو اس میں مچھلی داخل نہیں ہوگی۔ یا کوئی حلف کرے کہ میرا نام آزاد ہیں تو مکاتب آزاد نہیں ہوں گے کیوں کہ دونوں جگہ اصل سے کمی ہے۔

حیرات۔ خیرۃ کی جمع کہا جاتا ہے۔ امرۃ خیرۃ و اخری شرة۔ یہ سکون بین کے ساتھ لغت ہے اور دوسرا لغت شدید بین کے ساتھ ہے۔ چنانچہ دوسری قراءات خیرات تشدید یا کے ساتھ ہے۔

مقصورات۔ کہا جاتا ہے۔ امرۃ مقصورة و قصور پردہ نشین۔

الحیام۔ ابو موسیٰ سے مرفوع روایت ہے۔ الخیمہ درۃ مجوفة طوقھا فی السماء ستون میلا فی کل زاویۃ منها للمومنین اهل الایراہم لا یخرون۔ خیام کی اضافت یعنی نسبت قصور یعنی عورتوں کی طرف بمنزلہ پردہ کے ہے۔

متکین۔ یعنی حال ہے جس کا عامل يتعمون محذوف ہے۔

عبقری۔ عجیب و غریب فرٹن وغیرہ کو کہتے ہیں زخشرئی کہتے ہیں کہ جو شخص عبقری دلی طرف منسوب ہے اس کو عبقری کہتے ہیں۔ چنانچہ اہل عرب کا خیال تھا کہ جو شخص جتنا ہی اس کی طرف عجیب و غریب چیزیں منسوب ہو سکتی ہیں۔

طوائف۔ شنفس کی جمع ہے۔ روئیں دارقالین۔

نسرک اسم۔ اسی کے قریب آیت پہلے بھی گزر چکی ہے لفظ اسم کے معنی صفت کے بھی ہو سکتے ہیں جو موصوف کی علامت ہوا کرتی ہے جن حضرات کا خیال یہ ہے کہ تنزیہ دراصل ذات کی ہوا کرتی ہے۔ لفظ اسم کو زائد کہتے ہیں۔ لیکن ابلغ یہی ہے کہ زائد نہ کہا جائے۔ کیونکہ اسم اور صفات الہیہ کی تنزیہ بھی حقیقتہً مقصود ہے۔ جب سبھی پاک ہے تو اسم بھی پاک ہے۔

﴿تشریح﴾ وللمن حاف۔ یعنی جس کو دنیا میں یہ ڈر لگا رہا ہے کہ ایک روز اپنے رب کے آگے کھڑا ہونا اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اور اسی ڈر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے بچا رہا اور پوری طرح تقویٰ کے راستوں پر چلا۔ اس کے لئے وہاں دو ہرے عالی شان باغ ہوں گے جن میں مختلف قسم کے پھل ہوں گے اور درختوں کی شاخیں سناہ دار اور پھلوں سے لدی ہوئی ہوں گی اور ایسے چشمے رواں دواں ہوں گے جو کسی وقت تھمتھے نہیں خشک نہیں ہونے یہ دو باغ خواص مقررین کے لئے ہوں گے اور اعلیٰ قسم کے ہوں گے۔ اور آگے من دوہما سے جن دو باغوں کا ذکر آ رہا ہے۔ وہ عوام مومنین کے لیے ہوں گے۔

اور باغوں کے دو ہرے ہونے کا مطلب ان کی تکریم و اعزاز ہے۔ جیسا کہ دنیا میں اہل تعیم کے پاس منقولہ اور غیر منقولہ چیزیں متعدد ہوتی ہیں۔

اول کے دو باغ خواص کے لئے ہوں گے۔ اول تو اس آیت میں مومنین کی جو صفات بیان فرمائی گئی وہ خواص ہی میں پائی جاتی ہیں۔ دوسرے ان باغات کی جو خوبیاں بیان فرمائی گئی ہیں وہ بعد کے باغات کی نہیں ہیں۔ چنانچہ باغات میں ذواتا انسان کی تصریح ہے اور بعد کے باغوں میں تصریح نہیں ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ ان کا سایہ اور پھل اتنا نہیں ہوگا جتنا پہلوں کا ہے۔ البتہ بعد میں مدھا متان کی تصریح ہے اور اول میں نہیں۔ اس سے شبہ برتری کا نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ بقرینہ مقام یہ صفت دونوں میں مشترک ہو گئی۔

نیز یہاں لمن حاف سے اہل باغ کی تصریح ہے جو بعد میں نہیں ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بعد والے باغ خاص نہیں ہوں گے بلکہ سب کے لئے عام ہوں گے اس لئے کسی خاص صفت کی تخصیص کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ علاوہ ازیں یہاں خوف کا لفظ کامل تقویٰ کو ظاہر کر رہا ہے لمن خاف۔ نیز یہاں جزائے احسان بمعنی اخلاص فرمایا گیا اور بعد میں نہیں فرمایا گیا۔

تخصیص کے قرائن و دلائل: یہ سب قرائن تخصیص ہیں، رہ گئے دلائل تخصیص وہ یہ ہیں۔

۱۔ درمنثور میں وحسب الجنتين۔ پھلوں کے چننے میں کسی طرح کی کلفت نہ ہوگی۔ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں بے تکلف حاصل ہو سکیں گے اور عورتیں باکرہ ہیں گی جن کی عصمت کو کسی نے چھوا تک نہ ہوگا۔

(۲) وحسب الجنتين۔ پھلوں کے چننے میں کسی طرح کی کلفت نہ ہوگی۔ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں بے تکلف حاصل ہو سکیں گے اور عورتیں باکرہ ہیں گی، جن کی عصمت کو کسی نے چھوا تک نہ ہوگا اور نہ انہوں نے اپنے شوہروں کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا ہوگا ورنہ کسی اور کی نظر نہ ان پر پڑی ہوگی۔ وہ یا قوت و مرجان کی طرح خوش رنگ و نیش بہا ہوں گی۔

ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور جنات دونوں جنتی ہیں اور دونوں کو حوریں ملیں گی اور لم یطمئنن کے بجاظ مجموعہ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو حوریں انسان کے لئے خاص ہوں گی ان کو کسی اور انسان نے نہیں چھوا ہوگا۔ اسی طرح جو حوریں جنات کے لیے مخصوص ہوگی ان کو کسی جن نے چھوا نہیں ہوگا کیونکہ تخصیص کے بعد انسان کی حوروں کو جن کے، اسی طرح جن کی حوروں کو انسان کے چھونے کا احتمال ہی نہیں ہے۔

ہل حراء۔ یعنی کمال اخلاص کا صلہ کمال ثواب کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے اس میں جمال الہی اور دولت دیدار کی طرف اشارہ ہو۔

عام مومنین کے لئے دو باغ۔ . . . ومن دو نہما جنتان۔ یہ دونوں باغ اصحاب یمن کے لئے ہوں گے جنت کی تمام نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں پر قیاس نہ کیا جائے۔ صرف نام کا اشتراک ہے۔

فیہن خیرات۔ خوش اخلاق، خوب سیرت، خوب صورت ہوں گی پردہ نشین ہوں گی۔ معلوم ہوا کہ اچھی عورتوں میں یہی خوبیاں ہوتی ہیں۔  
تبارک اسم۔ یعنی جس اللہ نے اپنے وفاداروں کو ایسے ایسے انعام و احسان فرمائے غور کرو تو تمام نعمتوں میں اصل خوبی اسی کے نام پاک کی برکت سے ہے اور اسی کا نام لینے سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور جب نام میں یہ برکت ہے تو نام والے میں کیا کچھ برکت ہوگی۔ فسأل اللہ ان يجعلنا من افعل النعم بفضل العمیم وبجاء النبی الکریم۔

## سُورَةُ الْوَاقِعَةِ

سُورَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ إِلَّا آفِيهَذَا الْحَدِيثِ آيَةٌ وَثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ آيَةٌ وَهِيَ سِتُّ  
أَوْ سَبْعٌ أَوْ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ ۞ قَامَتِ الْقِيَامَةُ لَيْسَ لَوْفَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ ۞ نَفْسٌ تَكْذِيبٌ بَأَنَّ تَعْيِيَهَا كَمَا نَفَعَتْهَا فِي  
الدُّنْيَا خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ ﴿٣﴾ ۞ هِيَ مُظْهِرَةٌ لِمَخْفُضِ أَقْوَامٍ بِدُخُولِهِمُ النَّارَ وَلِرَفْعِ آخَرِينَ بِدُخُولِهِمُ الْجَنَّةَ إِذَا  
رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ﴿٤﴾ ۞ حُرِّكَتْ حَرَكَةً شَدِيدَةً وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ ۞ فَتَبَّتْ فَكَانَتْ هَبَاءً مُنَّارًا  
مُتَّبَثًا ﴿٦﴾ ۞ مُتَتَّبِعًا وَإِذَا الثَّانِيَةُ بَدَلٌ مِنَ الْأُولَى ۞ وَكُنْتُمْ فِي الْغَيْمَةِ أَزْوَاجًا ۞ ثَلَاثَةٌ ﴿٧﴾ ۞ فَاصْصُحْ  
الْمِيمَنَةَ ۞ وَهُمْ الَّذِينَ يُؤْتُونَ كُتُبَهُمْ بِأَيْمَانِهِمْ مُبْتَدَأُ خَبَرِهِ مَا أَصْحَبَ الْمِيمَنَةَ ﴿٨﴾ ۞ تَعْظِيمُ لِسَانِهِمْ بِدُخُولِهِمُ  
الْجَنَّةَ وَأَصْحَبَ الْمَشْئِمَةِ الشَّمَالِ بِأَنَّهُ يُوتَى كُلُّ مَنَّهُمْ كِتَابُهُ بِشِمَالِهِ مَا أَصْحَبَ الْمَشْئِمَةَ ﴿٩﴾ ۞ تَحْقِيرُ  
لِسَانِهِمْ بِدُخُولِهِمُ النَّارَ وَالسَّابِقُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَهُمْ الْأَنْبِيَاءُ مُبْتَدَأُ السَّابِقُونَ ﴿١٠﴾ ۞ تَاكِيدُ لِعَظِيمِ شَانِهِمْ  
وَالْخَيْرُ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ﴿١١﴾ ۞ فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ﴿١٢﴾ ۞ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ ۞ مُبْتَدَأُ أَى جَمَاعَةٍ مِنَ  
الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَقَلِيلٌ مِنَ الْآخِرِينَ ﴿١٤﴾ ۞ مِنْ أُمَّةٍ مُحَمَّدٍ ﷺ وَهُمْ سَابِقُونَ مِنَ الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَهَذِهِ الْأُمَّةُ  
وَالْخَيْرُ عَلَى سُرُرٍ مَوْضُونَةٍ ﴿١٥﴾ ۞ مَنَسُوجَةٍ بِقَضَبَانِ الذَّهَبِ وَالْحَوَاهِرِ مُتَكَيِّئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَبِّلِينَ ﴿١٦﴾ ۞  
حَالَانَ مِنَ الضَّمِيرِ فِي الْخَبَرِ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وَلَدَانِ مُخَلَّدُونَ ﴿١٧﴾ ۞ أَى عَلَى كُلِّ شَكْلِ الْأَوْلَادِ لَا يَهْرَمُونَ  
بِأَكْوَابٍ أَقْدَاحٍ لَا عَرَى لَهَا وَأَبَا رِيقٍ لَهَا عَرَى وَخَرَاطِيمُ وَكَأْسٍ إِنَاءٍ شَرِبَ الْخَمْرُ مِنْ مَعِينٍ ﴿١٨﴾ ۞ أَى  
خَمْرٍ جَارِيَةٍ مِنْ مَنَبَحٍ لَا يَنْقَطِعُ أَبَدًا لَا يَصَدَّغُونَ عَنْهَا وَلَا يُتْرَفُونَ ﴿١٩﴾ ۞ يَفْتَحُ الزَّيَّاءُ وَكُسْرُهَا مِنْ نَزْفِ  
الشَّارِبِ وَانْزَفَ أَى لَا يَحْصُلُ لَهُمْ مِنْهَا صَدَاعٌ وَلَا ذَهَابٌ عَقْلٍ بِخِلَافِ خَمْرِ الدُّنْيَا وَفَاكِهَةٍ مِمَّا



يَتَخَيَّرُونَ ۝ ۲۰۰ ۝ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ ۲۰۱ ۝ وَلَهُمُ الْإِسْتِمَاعُ ۝ خُورٍ سَاءَ شَلِيدَاتٍ مِوَادِّ الْعُيُونِ وَ  
بَاطِلُهَا عَيْنٌ ۝ ۲۰۲ ۝ مَسْحَامُ الْعُيُونِ كَبِيرُ عَيْنُهُ بَذَلُ صَمِيمِهَا بِمُخَانَسَةِ أَيْدِي مُفَرَّدَةٍ عَيْنَاءُ كَحَمْرَاءُ وَفِي فَرَادِ  
سَحْرِ خُورِ عَيْنٍ كَامِثَالِ اللَّوْ لَوْ ۝ ۲۰۳ ۝ الْمَصُونُ جَزَاءُ مَفْعُولٍ لَهُ وَ مَصْدَرٌ وَ نَعَامِلُ مُقَدَّرَاتِي  
جَعَلَتْهُمْ مَذَكَّرَ لِحَرَائِ وَ حَرِيثَاتِهِ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ۲۰۴ ۝ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا فِي الْحِجَةِ لَغَوَا وَ حَسَا  
بِسَ الْكَلَامِ وَلَا تَأْتِيهَا ۝ ۲۰۵ ۝ مَا يَوْمُكُمْ إِلَّا لَكِنْ قَبِيلًا فَوْلاً سَلَامًا سَلَامًا ۝ ۲۰۶ ۝ بَدَلٌ مِّنْ قَبِيلٍ وَ تَنَهَمُ بِسَمْعُونِ  
وَ أَصْحَبُ الْيَمِينِ ۝ مَا أَصْحَبُ الْيَمِينِ ۝ ۲۰۷ ۝ فِي سِدْرٍ شَجَرِ النَّقِ مَخْضُودٍ ۝ ۲۰۸ ۝ لَا سَوَاقٍ بِهِ وَ طَلَحِ  
سَحْرِ سَوْرِ مَخْضُودٍ ۝ ۲۰۹ ۝ بِالْحَمَلِ مِّنْ أَسْفَلِهِ إِلَى أَعْلَاهُ وَ ظِلِّ مَمْدُودٍ ۝ ۲۱۰ ۝ دَائِمٌ وَ مَاءٌ مُّسْكُوبٌ ۝ ۲۱۱ ۝  
سَحَارٍ دَائِمًا وَ فَاكِهِةٌ كَثِيرَةٌ ۝ ۲۱۲ ۝ لَا مَقْطُوعَةٍ فِي زَمَرٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۝ ۲۱۳ ۝ بَشِيٍّ وَ فُرُشٌ مَّرْفُوعَةٌ  
۝ ۲۱۴ ۝ عَلَى سُورٍ إِنَّا أَنشَأْنَهُنَّ إِنشَاءً ۝ ۲۱۵ ۝ أَيُّ الْخُورِ الْعَيْنِ مِّنْ غَيْرِ وَ لَادَةٍ فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ۝ ۲۱۶ ۝  
عَدَارِي كُلَّمَا أَنَا هُنَّ أَزْوَاجُهُنَّ وَ جَدُّوهُنَّ عَدَارِي وَلَا وَجَعَ غُرْبًا بِضَمِّ الرَّاءِ وَ سُكُونُهَا جَمْعُ غُرُوبٍ وَ هِيَ  
بِجِ الْمُتَحَسُّةِ إِلَى رُوحِهَا عَشْقَانَةٌ ۝ ۲۱۷ ۝ خَمْعُ تُرَابٍ أَيُّ مُسْتَوِيَاتٍ فِي السِّنِّ لَا أَصْحَبُ الْيَمِينِ ۝ ۲۱۸ ۝  
صِدَّةٌ سَابِغَةٌ وَ جَعَلَاهُنَّ وَ هُمُ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ ۲۱۹ ۝ وَ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ ۲۲۰ ۝ وَ أَصْحَبُ الشِّمَالِ  
مَا أَصْحَبُ الشِّمَالِ ۝ ۲۲۱ ۝ فِي سَمُومٍ رِّيحٍ حَارَّةٍ مِّنَ النَّارِ تَنفُذُ فِي الْمَسَامِ وَ حَمِيمٍ ۝ ۲۲۲ ۝ مَاءٌ شَدِيدٌ  
سَحَرَارُهُ وَ ظِلٌّ مِّنْ يَّحْمُومٍ ۝ ۲۲۳ ۝ دُحَانٌ شَدِيدُ الشَّوَادِ لِأَبَارِدٍ كَعَبْرَةٍ مِّنَ الظَّلَالِ وَلَا كَرِيمٍ ۝ ۲۲۴ ۝ حَسْرَ  
أَمَصَرٍ أَنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ فِي الدُّنْيَا مُتَرَفِّقِينَ ۝ ۲۲۵ ۝ مُسْعِمِينَ لَا يَتَعَبُونَ فِي الطَّاعَةِ وَ كَانُوا يُصَرُّونَ  
عَلَى الْحَبْثِ الدَّنْبِ الْعَظِيمِ ۝ ۲۲۶ ۝ أَيُّ الشِّرْكِ وَ كَانُوا يَقُولُونَ ۝ إِذَا أَمِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَ عِظَامًا إِنَّا  
لَمُبْعُوثُونَ ۝ ۲۲۷ ۝ فِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيقُ وَ تَسْهِيلُ الثَّانِيَةِ وَ إِدْخَالُ الْفَيْ تَيْنُهُمَا عَلَى الْوَحْهَيْنِ  
أَوْ أَبَاءُ نَا الْأَوَّلُونَ ۝ ۲۲۸ ۝ يَفْتَحُ الْوَاوُ لِلْعَطْفِ وَ الْهَمْزَةُ لِلِاسْتِفْهَامِ وَ هُوَ فِي ذَلِكَ وَ قِيمًا قَبْلَهُ لِلِاسْتِعَادِ فِي قِرَاءَةِ  
سُكُونِ الْوَاوِ غَطْفًا بِأَوِّ الْمَعْصُوفِ عَلَيْهِ مَحَلٌّ إِنَّ وَ اسْمُهَا قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَ الْآخِرِينَ ۝ ۲۲۹ ۝  
لَمَجْمُوعُونَ إِلَى مِيقَاتٍ يَوْمَ مَعْلُومٍ ۝ ۲۳۰ ۝ أَيُّ يَوْمِ الْقِيَمَةِ ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ  
۝ ۲۳۱ ۝ لَا تَكُلُونَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ رَّقُومٍ ۝ ۲۳۲ ۝ يَبَأُ لِلشَّجَرِ فَمَا لَتُونَ مِنْهَا مِنَ الشَّجَرِ الْبُطُونُ ۝ ۲۳۳ ۝  
فَشَرِبُونَ عَلَيْهِ أَيُّ الرَّقُومِ الْمَأْكُولِ مِنَ الْحَمِيمِ ۝ ۲۳۴ ۝ فَشَرِبُونَ شُرْبَ يَفْتَحُ الشَّيْءُ وَ صَمِيمُهَا مَصْدَرٌ  
الْهَيْمُ ۝ ۲۳۵ ۝ إِلَّا بِلِ الْعُطَاشِ جَمْعُ هَيْمَانٍ لِلذِّكْرِ وَ هَيْمَى لِلْأُنْثَى كَعُطْشَانٍ وَ عَطَشَى هَذَا نُزْلُهُمْ مَا أَعَدَّ لَهُ

## يَوْمَ الدِّينِ ﴿٥٦﴾ يَوْمَ الْقِيَمَةِ۔

ترجمہ: .. سورہ واقعہ مکہ ہے۔ بجز آیت اہلہدا الحدیث ان اور آیت ثلثہ من الاولین کے کل آیات ۹۶، ۹۷، ۹۹ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ جب قیامت واقع (قائم) ہوگی۔ جس کے واقع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں (کوئی اس کو جھٹلایا نہیں سکے گا۔ جس طرح کہ دنیا میں اس کو جھٹلایا کرتے تھے) پست کر دے گی بلند کر دے گی (لوگوں کو دوزخ میں داخل کر کے ان کی پستی ظاہر کر دے گی اور دوسروں کو جنت میں داخل کر کے ان کی بلندی ظاہر کر دے گی) جب کہ زمین کو سخت زلزل آئے گا (سخت بھونچال آ جائے گا) اور پہاڑ با کل ریزہ ریزہ (چورہ) ہو جائیں گے۔ پھر وہ غبار (گرد) پراگندہ ہو جائیں گے (پھیل کر دوسرا آذا پہلے سے بدل ہے) اور تم (قیامت میں) تین قسم کے ہو جاؤ گے چنانچہ جو داہنے والے ہیں (جن کے داہنے ہاتھوں میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔ یہ مبتداء ہے اس کی خبر آئے ہے) وہ داہنے والے کیسے اچھے ہیں (جنت میں داخل ہونے سے ان کی شان بڑھ جائے گی) اور جو بائیں جانب والے ہیں (جن کے بائیں ہاتھوں میں اعمال نامے ہوں گے) وہ بائیں والے کیسے برے ہیں (دوزخ میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کی شان گھٹ جائے گی) اور جو اٹلی بنی درجہ کے ہیں (خیر کی طرف سبقت کرنے والے انبیاء یہ مبتداء ہے) وہ تو اٹلی درجہ کے ہیں (السابقون تاکید ہے تعظیم شان کے لئے اور آگے خبر ہے) وہ تو خاص مقرب ہیں۔ جو ”آرام باغوں“ میں ہوں گے۔ ان میں سے بڑا کروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا (مبتداء ہے یعنی پہلی امتوں کی جماعت) اور تھوڑے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے (آنحضرت ﷺ کی امت میں سے اور سابقون پچھلی امتوں اور امت محمدیہ میں سے ہوں گے خبر آگے ہے وہ سونے سے بنے ہوئے تختوں پر (جو سونے اور جواہرات کے تاروں سے بنے ہوئے ہوں گے) تک لگائے ہوئے منے سامنے بیٹھے ہوں گے (یہ دونوں خبر کی ضمہ سے حال ہیں) ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے آمد و رفت کیا کریں گے) جو بچے ہی رہیں گے کبھی بوزھ نہیں ہوں گے) آنخورے (پیالے جن میں پکڑنے کی ہتھی نہیں ہوتی) اور جگ (جن میں پکڑنے کی ہتھنی اور پینے کی ٹونٹی ہوتی ہے) اور جام (شراب کے پیانے) بہتی شراب سے لبریز لائے ہوں گے (ایسی شراب جو صرامی سے نکلتی ہی رہے کبھی ختم نہ ہو) نہ اس شراب سے درد سر ہوگا اور نہ اس سے بہکیں گے (سنزفون فتحہ زا کے ساتھ نرف الشارب و انزف سے ماخوذ ہے یعنی نہ اس سے گرانی ہوگی اور نہ عقل میں فتور آئے گا جیسا کہ دنیا کی شراب میں یہ سب کچھ ہوتا ہے) اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جو مرغوب ہوگا اور (ان کی لذت کے لئے) گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی (خوب سفید و سیاہ آنکھوں والی) عورتیں ہوں گی (میں کے معنی کشادہ چشم کے ہیں۔ ضمہ کی بجائے یا کے قرب ہونے کی وجہ سے عین پر کسرہ آ گیا حمراء کے وزن پر عیناء مفرد ہے ایک قرأت میں ”خوریین“ جر کے ساتھ ہے) جو چھپے ہوئے (محفوظ) موتیوں کی طرح ہوں گی یہ صلہ کے طور پر ہوگا (مفعول لہ یا مصدر ہے۔ عامل مقدر ہے یعنی جعلنا لہم ما ذکر للجزاء یا جزیناھم) ان کے اعمال کا۔ وہاں (جنت) میں نہ بک بک (فضول بات) سنیں گے اور نہ یہودہ (گناہ) کی بات ہوں بس سلام ہی سلام کی آواز آئے گی (سلام۔ قبلا سے بدل ہے کیوں کہ جنتی سلام سنیں گے) اور جو داہنے والے ہیں کیسے اچھے ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہوں گے جہاں بیری (کے درخت) بے خار ہوں گے (جن میں کانٹے نہیں ہوں گے) اور کیلے (کے درخت) تیرتہ ہوں گے (جو نیچے سے اوپر تک مرتب ہوتے ہیں) اور لمبا (دائمی) سایہ ہوگا اور پانی چلتا ہوا (ہمیشہ جاری) ہوگا اور کثرت سے میوے ہوں گے جو (کبھی) ختم نہ ہوں گے اور (قیمت کے ذریعے) روک ٹوک نہ ہوگی اور (تخت پر) اونچے اونچے فرش ہوں گے۔ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے (یعنی عورتیں بغیر وادعت کے پیدا کیں) یعنی ہم نے ان کو کنوارا بنایا (ان کے شوہر جب بھی ان کے پاس آئیں گے انہیں باکرہ ہی پائیں گے۔ مگر وہ تکلیف کا باعث نہیں ہوں گی) محبوبہ ہیں (ضمہ اور سکون را کے ساتھ جو بیوی شوہر کے لئے پسندیدہ محبوبہ ہو) ہم عمر ہیں (اترا ب ترب

کی نعت ہم عمر کو کہتے ہیں، یہ سب چیزیں سب والدین کے لئے ہیں (انشائاً حسن یا جعلنا حسن کا صلہ ہے اور وہ اسباب الخیر ہیں) ان کا ایک بڑا بروہا گلے ہوگوں میں سے ہوگا۔ اور ایک بڑا طبقہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا۔ اور جو بایں والے میں وہ بایں والے کیسے برے ہیں، وہ وہیں ہوں گے (آگ کی آج جو مسامات میں گھسٹی چلی جائے) اور کھولتے ہوئے (تیز) پانی اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں جو بحد کا لا ہوگا جو اور ساریوں کی طرح ٹھنڈا نہ ہوگا اور نہ فرحت بخش (خوش منظر) ہوگا وہ لوگ پہلے (دنیا) میں بڑی خوش حالی میں رہتے تھے (آرام سے، راحت میں تعب براشت نہیں کرتے تھے) اور بڑے بھاری گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے اور یوں کہا کرتے تھے کہ جب ہم مر گئے اور مٹی بدیاں رہ گئے تو کیا ہم دوبارہ جلائے جائیں گے (دونوں جگہ دونوں میں ہمراہ تحقیق اور دوسری میں ہمراہ تسہیل ہے اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمراؤں کے درمیان الف داخل ہے) اور کیا ہمارے اگلے دادا بھی (اوفتہ واو کے ساتھ عطف کے لئے ہے اور ہمراہ استغفار کے لئے ہے) اور یہاں اور پہلے استبعاد کے لئے بھی ہے اور ایک قرأت میں واو پر عطف کرتے ہوئے سکون واو ہے اور معطوف علیہ ان اور پر اس کے اسم کا مٹل ہوگا) آپ یہ دیکھئے کہ سب اگلے اور پچھلے جمع کئے جائیں گے وقت پر معین تاریخ کے (یعنی قیامت کے) دن پھر تم کو اے مراؤ، جھڑاے ۱۰ اور ذلت زقوم سے کھانا ہوگا (من زقوم، شجر کا بیان ہے) پھر اس (درخت) سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس (زقوم کے کھانے) پر کھواتا ہو یا پانی پینا ہوگا۔ پھر پینا بھی پینا (شیں کے فتح، ضمہ کے ساتھ مصدر ہے) پیا سے اونٹ کا سا ہوگا (حیم جمع ہے ہیمان مذکر کے لئے اور شیں مونث کے لئے آتا ہے جیسے عطش) یہ دعوت ہوگی (نزل مہمانی کے طور پر جو کچھ پیش کیا جائے) ان لوگوں کی قیامت کے روز۔

### تحقیق و ترکیب اذا وقعت۔ اذا کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ خالص ظرف جس میں شرط کے معنی نہیں ہیں اور عامل لیس ہے معنی نفی کی حیثیت سے گویا عبارت اس طرح ہوگی۔ يستغنى التكذيب بوقوعها اذا وقعت۔

۲۔ ادکر عامل مقدر مانا جائے۔

۳۔ اذا کو شرطیہ مانا جائے اور جواب مقدر ہو ای اذا وقعت کان کیت و کیت اس میں عامل بھی وہی ہوگا ۴۔ اذا شرطیہ ہو اور عامل بعد کا فعل ہو۔ مکی فرماتے ہیں۔ والعامل فيها وقعت لانها قد يجازى بها فعل فيها الفعل الذى بعدها كما يعمل فى ما ومن اللتين للشرط فى قولك ما تفعل افعل ومن تكرم اكرم۔

۵۔ اذا وقعت مبتدأ ہو اور اذا رجت خبر ہو۔

۶۔ اذا ظرف ہو رجت کا اس صورت میں اذا ثانیہ بدل ہوگیا تاکید۔

۷۔ اذا ظرف ہو رجت کا اس صورت میں اذا ثانیہ بدل ہوگیا تاکید۔

۸۔ اذا میں عامل اصحاب المیمۃ کا مدلول ہو۔ ای اذا وقعت بانبات احوال الناس فیہا۔

۹۔ اذا شرطیہ کا جواب، اصحاب المیمۃ ہو اور قیامت کو وقوع سے تعبیر کرنے میں اس کے لامحالہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

کاذبہ۔ یہ میں کا اسم ہے اور لوقتها خبر مقدم ہے۔ لام بمعنی فی ہے اور مضاف مقدر ہے۔ ای لیس کاذبہ توجده فی وقت وقوعها تفسیری عبارت میں مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ کاذبہ اسم فاعل ہے نفس مقدرہ کی صفت ہے اور عافیۃ کے وزن پر مصدر نہیں ہے کہ کذب یہ تکذیب کے معنی میں لے کر کیونکہ فاعل کے وزن پر مصدر ناہی ہے اگرچہ زخشرئی اجازت دے رہے ہیں اور بعض نے یہ معنی لئے کہ قیامت ہونے پر کوئی نفس کاذب نہیں ہوگا بلکہ صادق ہوگا۔ اس صورت میں لام وقیہ ہوگا۔

حافضة۔ یعنی ترفع اقوام و توضع اخرین مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ حافضة مبتدائے محذوف کی خبر ہے اور خفض و رفع سے اظہار مراد ہے۔  
اذا راحت۔ نہایہ میں الرج کے معنی حرکت شدیدہ کے ہیں۔ یہ اذا پہلے اذا کا بدل یا ظرف ہے۔ حافضة رافعة دونوں کا بطریق تنازع کے  
بست الجبال۔ قاموس میں چٹکی سے ملنے کے معنی یہ ہیں اور بست کے معنی صیرت کے بھی آتے ہیں۔ بس الغنم کے معنی بکریوں کے چنے  
کے ہیں۔

اروا جثا ثلثہ۔ دو صنفیں جنتیوں کی اور ایک صنف جہنمیوں کی۔ فاصحاب المیمۃ سے پہلے اجمال پھر تفصیل بیان کی گئی ہے۔ یہ مبتداء ہے جس  
کی خبر ما اصحاب المیمۃ جملہ استفہامیہ ہے۔

والسابقون۔ اہل قسم کے ہونے کے باوجود اس کو موخر کر دیا گیا۔ تاکہ یہ حضرات اعجاب نفس میں مبتلا نہ ہوں یا ترقی من الادنی الی الاعلیٰ کی  
رعایت کی گئی ہے اور اصحاب الیمین کو پہلے بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ ثانی السابقون تاکید ہے یا شعری شعری  
کے قبیل سے ہے۔ یا تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ السابقون الی الخیرات السابقون الی الجنات۔  
ثلثہ۔ ضمہ کے ساتھ انسانوں کی جماعت اور فتح کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ کہتے ہیں۔

قلیل من الاخرین۔ چونکہ اس کا مصداق السابقون ہیں جو پچھلی امتوں اور امت محمدیہ دونوں پر مشتمل ہے اس لئے یہ حدیث ان امتی یکثرون  
سائر الامم کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ پچھلی امتوں کے سابقین اگرچہ اس امت کے سابقین سے زیادہ ہوں گے لیکن اس امت کے پیروکار پہلی  
امتوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔ حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ کے پیروکاران کی تعداد پہلی امتوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہو جائے  
گی۔ اگرچہ سابقین پہلی امتوں کے زیادہ ہوں گے۔ لیکن روح البیان کی یہ تاویل نص کے خلاف معلوم ہوتی ہے کیونکہ قلیل من الاخرین  
مطلق ہے۔ سابقین اور تابعین دونوں کو شامل ہے تاہم مرفوع روایت یہ ہے کہ اولین و آخرین کا مصداق اس امت میں بھی متقدمین و  
متاخرین ہیں۔

بحر العلوم میں انی کو مختار کہا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ کہ ثلثہ من الاولین سے اصحاب المیمۃ اور قلیل من الاخرین سے السابقون  
مراد ہوں۔

موضونہ۔ اصل میں وزن زرہ بننے کو کہتے ہیں بطور استعارہ مطلق بننے کے معنی ہو گئے۔ یہ دونوں لفظ خبر کی ضمیر سے حال ہیں اور ضمیر متکین  
سے حال متداخل بھی ہو سکتا ہے۔

ولدان مخلصون۔ حوروں کی طرح غلام بھی بنی مخلوق بغیر ولادت پیدا کی جائے گی۔ صحیح یہی ہے چنانچہ خازن نے اسی کو صحیح اور حق کو ظننا اس  
میں منحصر کہا ہے۔ یہ محض خدمت اور فرحت بلا شہوت کے لئے ہوں گے۔ کسی غلط خیال کا ایہام نہیں ہونا چاہیے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے بچے جو کمسنی میں مر گئے تھے وہ غلامان ہوں گے لیکن آیت الذین امنوا و اتبعوہم ذریعتہم بایدان  
الحقناہم ذریعتہم کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کو رد کر دیا گیا ہے اور بعض کے نزدیک کفار کی چھوٹی اولاد غلامان ہوگی۔

لا یسرفون۔ ابو عمر، نافع، ابن کثیر، ابن عامر کے نزدیک فتح زاکہ کے ساتھ ہے ثلاثی مجرد و مجہول کے وزن پر نرف الشارب کے معنی بدست  
ہونے کے ہیں۔ انرف کے معنی شراب ختم ہونے کے ہیں۔ لیکن مفسر دونوں کو ہم معنی کہہ رہے ہیں۔ اور لا یصدعون ولا یسرفون دونوں  
کے معنی مفسر نے لف و نشر مرتب طور پر بیان کئے ہیں۔

حور عین۔ مبتداء ہے محذوف الخمر جس کی تقدیر مفسر نے لہم سے کی ہے۔ حمز اور ابوعلیٰ کے نزدیک حور عین مجرور ہے۔ اس میں کی ترکیبیں ہو  
سکتی ہیں۔

- ۱۔ جنات النعیم پر عطف کیا جائے ای ہم فی جنات النعیم و فاکھة و لحم و حور عین جیسا کہ تفسیر کی گئی ہے۔
- ۲۔ باکواب پر عطف کیا جائے اس صورت میں بطوف کے معنی مجازی معنی ہوں گے ای یتعمون فیہا باکواب۔
- ۳۔ حور عین۔ معطوف علیہ حقیقتہً ہو یعنی حورو غلمان دونوں کی آمد و رفت ہوگی۔ جو مزید التذاز کا باعث ہے۔
- عین۔ عین کی جمع ہے۔ فعلاء کی جمع فعل کے وزن پر آتی ہے۔
- ولا تأثیما۔ یعنی جو گناہ میں ڈال دے۔

سلاماً سلاماً۔ اس کی کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ قیل سے بدل ہو ای لا یسمعون فیہا الا سلاماً سلاماً۔

۲۔ قیل کی صفت ہو۔

۳۔ قیل کی وجہ سے منصوب ہو ای الا ان یقولوا سلاماً جیسا کہ زجاج کی رائے ہے۔

۴۔ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہو جس کی حکایت قیلاً سے ہو رہی ہے ای الا قیلاً سلموا سلاماً۔

مخضود۔ بعض نے کہا ہے کہ شاخوں کی کثرت اور اونچے ہونا مراد ہے۔

و طلع۔ کیے کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک کیکر کے معنی ہیں۔

ممدود۔ طویل سایہ کے معنی بھی ہو سکتے ہیں، حدیث بخاری میں ہے۔ ان فی الجنة شجرة یسیر الراكب فی ظلها مائة عام غرضیکہ امتداد زمانی بھی ہو سکتا ہے اور مکانی بھی۔

ولا ممنوعة ابن عباس فرماتے ہیں۔ لا تمتع من احدا را د اخذھا۔

مرفوعة۔ سر پر بچھانا مراد ہے یا گدوں کا ایک دوسرے پر تہہ تہہ ہونا مراد ہے۔ یارفع القدر کے معنی ہیں جیسا کہ حدیث ترمذی و نسائی میں ہے کہ گدوں کی موٹائی، زمین و آسمان کی درمیانی مسافت پانچ سو سال کے برابر ہوگی۔ اور بعض نے فرش سے عورتیں مراد لی ہیں، عرب عورتوں کو فرش اور لباس سے تعبیر کرتے ہیں اور مرفوعة سے مراد حسن و جمال میں برتری ہے۔

عرباً۔ نہایت عربی کے معنی المصراة حسناء المتحیبة الی زوجها لکھے ہیں اور ابن عباس، حسن، مجاہد، قتادہ سے بھی یہی منقول ہے۔ ابن ابی حاتم نے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ ان عورتوں کی بات چیت عربی میں ہوگی۔

اترأباً۔ حدیث میں ہے۔ یدخل اهل الجنة الجنة جرداً مرداً بیضاء مکحولین ابناء ثلثین او قال ثلث و ثلثین علی خلق ادم ستون فی سبعة اذرع۔ دوسری حدیث میں ہے۔ من دخل الجنة من صغیراً و کبیراً یرد الی ثلثین سنة فی الجنة لا یراد علیہا ابداء و کذلک اهل النار۔

لاصحاب الیمین۔ یہ انشاءنہن کے متعلق ہے ای انشاءنہن لاجل اصحاب الیمین اور اس کا تعلق اترأباً سے بھی ہو سکتا ہے ای جعلناھن اترأباً ای مساویات لاصحاب الیمین فی الطول و العرض و الجمال۔

ثلة من الاولین۔ یہ پہلی آیت و قلیل من الاخرین کے معارض نہیں ہے کیونکہ پہلی آیت کا تعلق مقربین سے ہے اور یہاں اصحاب الیمین کا بیان ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اولین سے یہاں متقدمین مراد ہوں۔ یعنی صحابہ اور تابعین۔ یہی صورت ثلثہ من الاخرین کی ہوگی کہ اس سے اصحاب الیمین مراد ہوں یا اس امت کے متاخرین جو صحابہ اور تابعین کے علاوہ ہوں۔ یہ مجموعہ پچھلی امتوں سے بڑھ کر ہوگا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ہم جمیعاً من امتی۔

فی سموم۔ آگ کی گرمی جو مسامات بدن میں گھس جائے اور بعض نے جہنم کی وادی یا جہنم کا نام کہا ہے۔

انہم کاسوا۔ یہ سبب عذاب کا بیان ہے امام رازیؒ اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ یہاں عذاب کا سبب تو ارشاد فرمایا گیا۔ لیکن ثواب کا سبب بیان کرتے ہوئے یہ نہیں کہا گیا۔ انہم کا نواقل ذلک شا کرین مذمتیں۔ کیونکہ ثواب تو محض فضل خداوندی کی وجہ سے ہے۔ لیکن عذاب بدل الہی کے تحت ہے۔ پس سبب فضل بیان نہ کرنے سے صاحب فضل کی تنقیص نہیں ہوتی۔ لیکن سبب عذاب بیان نہ کرنے سے ظلم کا ایہام ہو سکتا ہے۔ جو خلاف عدل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اصحاب الیمین کے لئے جزاء بما کانوا یعملون نہیں فرمایا گیا۔ جیسا کہ پہلے ”السابقون“ کے لئے فرمایا گیا تھا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ سابقین کی جزاء میں تو کچھ اعمال کا دخل ہے بھی مگر اصحاب الیمین کے لئے تو صرف فضل الہی سبب ہے یہاں اعمال کا دخل نہیں ہے۔

سرفین۔ مترف بروزن مکرم جو شخص عیش میں مست ہو کر طاعت کا تعب نہ اٹھا سکے۔

عیش پروردہ ہرگز نہ بردارہ بہ دوست عاشقی شیوہ زندان بلاکش باشد

علی الحسب العظیم۔ اس کے معنی ذنب عظیم یا شرک کے ہیں۔ کیونکہ حث کے معنی مضبوط عہد توڑنے کے ہیں چنانچہ شرک میں بھی نقص عہد ہوتا ہے۔ واقسموا باللہ جہد ایمانہم لا یبعث اللہ من یموت۔

ادامتا۔ مفسر نے ترک الف کی دو صورتوں کو بیان نہیں کیا۔ حالانکہ ادخال الف اور ترک الف دو مستقل قراءتیں ہیں۔ ممکن ہے سابقہ بیانات پر اکتفا کر لیا ہو۔

و اباننا الاولون۔ اس کا ضمیر ”المبعوثون“ پر عطف ہو سکتا ہے۔ یعنی کیا اگلے لوگ بھی زندہ کئے جائیں گے اور مفسر نے معطوف علیہ محل اور اس کے اسم کو جو کہا ہے تو معطوف کو خبر مقدم کرنے کی صورت میں ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اننا و اباننا لمبعوثون تفسیری عبارت ہو فی ذلک و فیما قبلہ کا مطلب یہ ہے کہ استفہام اباننا اور اذامتا میں استبعاد کے لئے ہے۔ اور نافع، ابن عامر کی قراءت سکون واو کے ساتھ قراءت متواترہ سبعیہ ہے۔ قاضی بیضاویؒ نے صاحب کشاف کی ترجمانی ان الفاظ سے کی ہے۔

لمعطوف علیہ الضمیر المستکن فی المبعوثون الخ وحسن العطف علی الضمیر فی المبعوثون من غیر تاکید۔ بنحن لمفاصل الذی ہو الهمزة کما حسن فی قوله ما اشرکنا ولا اباننا لفصل لا الموکد للنفی۔

لی ان الاولین۔ یہ انکار قیامت کا رد ہے۔

لی میقات ای فی وقت چونکہ مجموعہ سواق کے معنی کو متضمن ہے۔ اس لئے الی کے ذریعہ تعدیہ کیا گیا ہے۔

لہیم۔ مفسر نے ہیمان کی جمع بیان کی۔ حالانکہ اہیم کی جمع ہے۔ کیونکہ اہیم اصل میں ہمیم بروزن حر تھا۔ ضمہ کو یا کی وجہ سے کسرہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پس جس طرح حمر احمر اور حمر کی جمع ہے۔ اسی طرح ہیم اہیم کی جمع ہے۔

رلہم۔ نزل کہتے ہیں مہمان کے آتے ہی جو کچھ پیش کیا جائے۔ جنہیوں کیلئے استہزاء، ہذا نزلہم کہا گیا ہے۔

ربط آیات مضامین کے اعتبار سے یہ سورت پچھلی سورت کے تقریباً مماثل ہے اور ترتیب کے لحاظ سے العجز علی الصدر کے طور پر تقریباً پچھلی سورت کے مقابل ہے چنانچہ سورہ رحمن کے شروع میں قرآن کا ذکر آیا ہے اور یہاں سورت کے تقریباً آخر میں ہے۔ اسی طرح سورہ من میں دنیاوی نعمتوں کا بیان ہے جو دلائل قدرت بھی ہیں قرآن کے ذکر کے بعد آیا ہے اور یہاں قرآن کے ذکر سے پہلے ہے۔ وہاں دنیوی نعمتوں کا ذکر قیامت، دوزخ، جنت کے بعد اور یہاں پہلے آیا ہے اور بالکل ختم کے قریب معاد کی تفصیل مجملہ بیان فرمادی گئی ہے۔

**روایات** امام احمد نے ابو ہریرہ سے تخریج کی کہ جب ثلثہ من الاولین نازل ہوا تو صحابہ پر بہت شاق ہوا پھر آیت ثلثہ من الاخرین نازل ہوئی۔

اور ابن مردویہ نے جابر سے نقل کیا ہے ثلثہ من الاولین نازل ہونے پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ثلثہ من الاولین و قلیل من الاخرین تو ایک سال بعد ثلثہ من الاخرین کا نزول ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا من آدم الینا ثلثہ و امتہ ثلثہ۔  
عروہ بن رویم سے نقل ہے کہ جب آیت ثلثہ من الاولین و قلیل من الاخرین نازل ہوئی تو عمرؓ رو پڑے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ انا سر سول ﷺ و صدقنا و من ینجو منا قلیل اس پر آیت ثلثہ من الاولین و ثلثہ من الاخرین نازل ہوئی۔ تو آنحضرت ﷺ نے عمرؓ کو بلا کر فرمایا۔ تمہارے مطابق یہ نازل ہوئی ہے۔ عمرؓ نے عرض کیا ہے کہ رضینا عن ربنا و تصدیق بینا آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ من آدم الینا ثلثہ و منا الی یوم القیامۃ ثلثہ۔ اور مجاہدؒ عطا کی رائے یہ ہے کہ دونوں ٹلے امت محمدیہ کے ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں ”جمیعا من امتی“ لیکن معتمد پہلا قول ہے۔

﴿تشریح﴾ ... اذا وقعت۔ یعنی قیامت جب ہو پڑے گی۔ اس وقت کھل جائے گا کہ یہ چھوٹی بات نہ تھی اسے نہ کوئی ندا سکے گا اور نہ لونا سکے گا۔ اگر چھوٹی تسلیوں سے اس دن کی ہولنا کیوں کو گھٹانا بھی چاہے تو نہ ہو سکے گا۔ قیامت کے دن بڑے بڑے متکبروں کو جو دنیا میں سر بلند اور معزز سمجھے جاتے تھے ”اسفل السافلین“ میں دھکیل دیا جائے گا اور کتنے ہی متواضعین کو جو دنیا میں حقیر و پست نظر آتے تھے۔ یہ دن ان کے ایمان و عمل صالح کی بدولت جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز کر دے گا۔ قیامت کیا ہوگی۔ گویا ایک سخت زلزلہ ہوگا۔ جس سے پہاڑ تک ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑ جائیں گے۔

مقررین۔ و کنتم ازواجاً ثلثہ۔ قیامت میں لوگ تین حصوں میں بٹ جائیں گے۔ دوزخی، عام جنتی خاص جنتی جو جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہوں گے۔ پہلے ان تینوں قسموں کا اجمالاً پھر تفصیلاً ذکر ہے۔ سورہ رحمن میں بھی ان تین قسموں کا ذکر ہو چکا ہے۔ خواص مومنین کو مقررین اور سابقین اور عامہ مومنین کو اصحاب الیمین اور کفار کو اصحاب الشمال کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اذا وقعت سے لے کر ثلثہ تک بعض حالات جیسے رجعت و بستی، فتح اولی کے وقت کے بیان فرمائے ہیں۔ اور بعض واقعات جیسے خافضہ، رافضہ اور کلتیم، ازواجاً ثلثہ فتح ثانیہ کے ہیں اور بعض احوال جیسے اذا وقعت اور لیس وقعھا مشترک ہیں اور چونکہ فتح اولی سے فتح ثانیہ تک تمام وقت ممتد ایک وقت کے حکم میں ہے۔ اس لئے ہر جزء وقت کو ہر واقعہ کا وقت کہا جاسکتا ہے۔

اصحاب الیمین : ..... فاصحاب الیمین۔ جو لوگ عرش عظیم کی داہنی سمت میں ہوں گے ان کو عہد الست کے وقت آدم کے داہنے پہلو سے نکالا گیا تھا اور ان کا اعمال نامہ بھی داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے بھی ان کو داہنی طرف سے لیں گے۔ اس روز ان کی کامیابی کا کیا کہنا۔ حضور ﷺ نے شب معراج میں دیکھا تھا کہ حضرت آدمؑ داہنی طرف دیکھ کر مسکراتے تھے اور بائیں جانب نظر کر کے رو پڑتے تھے اور گویہ سب باتیں مقررین میں بھی مشترک ہیں۔ لیکن صرف انہی باتوں پر اکتفا کرنا بتلارہا ہے کہ ان میں اصحاب الیمین سے اور کوئی قرب خاص کی بات نہیں پائی جاتی ہے۔ اس لئے ان سے عوام سے مومنین مراد ہوں گے جن کو مجھلا اچھا فرمایا۔ اس کے بعد فی سدر سے اس اجمال کی تفصیل ہے۔



اصحاب الشمال: واصحاب المشرق۔ یہ لوگ آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے نکالے گئے اور انہی کو دیکھ کر آدم روتے رہے عرش کے بائیں کھڑے کئے جائیں گے۔ اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور فرشتے بائیں طرف سے ان کو پکڑیں گے۔ ان کی نحوست اور بد بختی کا کیا ٹھکانہ۔

تحقیق علمی: لیکن جو کمالات علمیہ و عملیہ اور مراتب تقویٰ میں دوڑ لگا کر اصحاب یحییٰ سے آگے نکل گئے وہ حق تعالیٰ کی رحمتوں اور مراتب قرب و وجاہت میں بھی سب سے آگے نکل گئے۔ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ وہم الانبیاء والرسول والصدیقون والشهداء یکونون بین یدی ربهم عزوجل۔

ثلاثہ من الاولین۔ اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر میں دو احتمال لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ ثلاثہ من الاولین سے پہلی امتوں کے حضرات اور قلیل من الآخرین سے امت محمدیہ کے افراد ہیں۔ جیسا کہ جابرؓ کی مرفوع روایت میں ہے اور وجہ اس کی بیشی کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلا زمانہ زیادہ گزرا ہے جس میں لاکھوں انبیاء و رسل اور کروڑوں ان کے اصحاب ہوں گے اور آنحضرت ﷺ کے بعد کا زمانہ کم ہے اور خواص ہر زمانہ میں کم ہوتے ہیں۔ اس لئے بہت سی امتوں کے خواص کا مجموعہ صرف امت محمدیہ کے حق میں عادیہ زیادہ ہی ہونا چاہیے۔

اور بعض نے ثلاثہ من الاولین سے اس امت کے متقدمین اور قلیل من الآخرین سے امت کے متاخرین مراد لئے ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے۔

اور روح المعانی میں سند حسن کے ساتھ ابو بکرؓ کی حدیث نقل کی ہے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہما جمیعاً من ہذہ الامۃ اور حافظ ابن کثیر نے آیت کا ایک تیسرا مطلب یہ فرمایا ہے کہ ہر امت کے پہلے طبقہ میں نبی کی صحبت یا قرب عہد کی برکت سے اعلیٰ درجہ کے مقربین جس قدر کثرت سے ہوئے ہیں پچھلے طبقوں میں وہ بات نہیں رہی۔ ارشاد نبوی ﷺ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم اس کا مؤد ہے۔ لیکن بعض اکابر نے ”تفسیر منصور“ پہلے معنی کو فرمایا ہے۔ اور ارشاد نبوی ﷺ ہما من ہذہ الامۃ کی تاویل یہ کہ یہ آیت کی تفسیر نہیں ہے۔ بلکہ مقصد یہ بتلانا ہے کہ جس طرح پہلی امتوں کے اولین میں مقربین زیادہ اور آخرین میں کم رہے ہیں۔ اسی طرح اس امت میں بھی متقدمین میں مقربین زیادہ اور متاخرین میں کم ہوں گے۔ گو قرآن کا یہ مدلول نہ ہو۔

اور اسی طرح قلیل من الآخرین کا مقربین کے بارہ میں ہونا اور ”ثلاثہ من الآخرین“ کا اصحاب الیمین کی شان میں ہونا بھی صاف مدلول قرآنی ہے۔

رہ گئی حدیث عمر جس کا بیان پہلے ہوا۔ جس میں ثلاثہ اور قلیل دونوں کا مصداق ایک ہی فرمایا۔ اس کی بھی توجیہ کی جائے گی۔ کہ صحابہ نے اول مقربین کے بارہ میں جو قلیل من الآخرین سنا تو گمان ہوا کہ شاید یہی نسبت پہلی امتوں اور اس امت کے عوام مومنین میں بھی ہوگی کہ ان میں زیادہ اور اس امت میں کم ہوں۔ مگر دوسری آیت میں بتلادیا گیا کہ یہ نسبت مقربین میں ہے لیکن اصحاب الیمین میں دوسری نسبت ہوگی۔

اور مذکورہ روایت میں جو فسخت و قلیل من الآخرین الفاظ آنے ہیں تو سلف کی اصطلاح میں یہ نسبت متاخرین کے نسخ کے معنی عام ہیں یعنی توضیح مراد اور شبہ کے ازالہ کو بھی متقدمین نسخ کہہ دیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آیت بقرۃ لہ ما فی السموات کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

جنت کی مادی اور روحانی نعمتیں علی سرر موصوفۃ۔ یہاں سے نعمائے جنت کا بیان ہو رہا ہے سونے کے تاروں سے

بنے ہوئے تخت بیٹھنے کے لئے ہوں گے۔ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھا ہوگا اور خدمت گار لڑکے ہوں گے جو سدایہ خدمت پر ہیں۔ صاف ستھری شراب کے چشمے ہوں گے جن کے پینے سے نہ سرگرائی ہوگی اور نہ بڑ لگے گی۔ شراب نشہ سے خالی اور صرف لذت و سرور کے لئے ہوگی۔ پسندیدہ میوے، مرغوب گوشت بلا تعجب میسر ہوگا، چمکتے دکتے موتیوں کی طرح حوریں ہوں گی۔ کوئی لغو اور اہیبت بات وہاں نہ ہوگی۔ نہ کوئی جھوٹ بولے گا اور نہ کوئی کسی پر جھوٹی تہمت لگا سکے گا۔ بس ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں ہوں گی۔ جنتیوں کا آپس میں سلام ہوگا فرشتوں کی طرف سے سلام ہوگا اور سب سے بڑھ کر رب کریم کا سلام پہنچے گا جو سب سے بڑھ کر اعزاز ہوگا۔ سلام کی یہ ثمرت اس طرف اشارہ ہوگی کہ اب یہاں سلامتی ہی سلامتی ہے نہ کسی طرح کا آزار ہے اور نہ موت کا کھنکا، قسم قسم کے پھلوں سے لدے ہوئے درخت اور باغات ہوں گے، وہاں نہ دھوپ ہوگی اور نہ اندھیرا۔ نہ گرمی ہوگی اور نہ سردی، سورج نکلنے سے پہلے صبح کا سا سہانا معتدل وقت اور موسم رہے گا اور سایہ اتنا پچھیا ہوا ہوگا کہ بہترین تیز رفتار سوار متواتر سو برس دوڑتا رہے تو ختم نہ ہو، میوے ایسے کہ نہ اس سے پہلے توڑے گئے اور نہ دنیا کے موتی میووں کی طرح ختم ہونے والے اور نہ ہی اس کے لینے میں کسی طرح کی روک ٹوک پیش آئے گی اور فرش فروش بے حد اونچے ظاہر میں بھی اور رتبہ میں بھی حوریں اور دنیا کی عورتیں جو جنت میں نصیب ہوں گی وہاں ان کا قدرتی اٹھان ایسا ہوگا کہ ہمیشہ جوان اور خوبصورت بنی رہیں گی۔ ان کی گفتگو زوہد و انداز سے بے ساختہ دل لہجے کا اور باہم سب ہم عمر ہوں گی۔ شوہروں کے ساتھ بھی عمر کا تناسب برابر قائم رہے گا۔

**مشکل کا حل۔** ثلثہ من الاولین۔ یعنی اصحاب الیمین پہلوں میں بھی بکثرت ہوئے ہیں اور پچھلوں میں بکثرت ہوں گے، بد متاخرین میں اصحاب الیمین کی تعداد بہ نسبت متقدمین اصحاب الیمین کے زیادہ ہوگی۔ چنانچہ احادیث میں تصریح ہے کہ مجموعہ مومنین اس امت کا پہلی امتوں کے مجموعہ مومنین سے زیادہ ہوگا۔ اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ اس امت کے اصحاب الیمین زیادہ ہوں گے، کیونکہ متقدمین میں مقربین کی کثرت تو خود آیت بالا سے ثابت ہے۔ اور جب اصحاب الیمین مقربین سے مرتبہ میں کم ہیں تو ان کی جزا بھی کم ہوگی۔ سو اس کی توجیہ یہ ہے کہ مقربین کی جزا میں وہ سامان عیش زیادہ بیان کیا گیا ہے جو اہل شہر کو زیادہ مرغوب ہوا کرتا ہے اور اصحاب الیمین کی جزا میں اس سامان عیش کا زیادہ ذکر ہے جو دیہاتی قصبائی لوگوں کو زیادہ مرغوب ہوتا ہے جس سے اشارہ ان دونوں کے فرق مراتب کی طرف ہے۔

واصحاب الشمال۔ یہاں سے تیسری قسم دوزخیوں کی تفصیل ارشاد ہے۔ دوزخ کی آگ سے جو سیاہ دھواں اٹھے گا وہ اس میں رکھے جائیں گے جہاں کسی قسم کا نہ آرام ملے گا نہ ٹھنڈک پہنچے گی نہ وہ عزت کا سایہ ہوگا اس کی تپش میں ذلیل و خوار بیٹھے رہیں گے، دنیا میں خوشحالی اور غرور کی وجہ سے انہوں نے اللہ و رسول سے ضد باندھی تھی یہ اس کا جواب ہے۔ دنیا میں قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ اس زندگانی کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے ہمارا اور ہمارے ماں باپ دادوں کا مرنے کے بعد زندہ ہونا کہیں سمجھ میں آتا ہے؟

**دوزخیوں کا حال پتلا ہوگا:** ثم انکم ایہا الضالون۔ دوزخیوں کا جب مارے بھوک کے برا حال ہوگا تو قوم کا درخت چبانے کو ملے گا اور پیٹ کی دوزخ کو اس سے بھرنا ہوگا اور کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا۔ مگر بے تابی میں پیاس کی شدت سے ایک دھوپ میں جھلنے ہوئے اونٹ کی طرح یہی پانی ایک دم چڑھاتا چلا جائے گا جس سے منہ تھکس کر بھن جائے گا اور اندر سے آنتیں کٹ کٹ کر باہر آ پڑیں گی۔ انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ ان کی مہمانی اس شان سے کی جائے اور جانور سے بدتر سلوک ان کے ساتھ کیا جائے۔

**لطف سلوک:** والسابقون السابقون۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقربین کا مرتبہ عام صلحاء مومنین کے درجہ سے بڑھ کر ہے اور یہی تصوف کا مقصود ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنَكُمْ وَجَعَلْنَا عَنِ عَدَمٍ قُلُوبًا فَلَوْلَا هَلَّا تُصَدِّقُونَ ﴿۵۷﴾ بِالْبَيْعِ إِذَا الْقَابِرُ عَلَى الْإِنشَاءِ قَادِرٌ عَلَى الْإِعَادَةِ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ﴿۵۸﴾ تُرِيقُونَ الْمَنَىٰ فِي أَرْحَامِ النِّسَاءِ ۚ أَنْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ ابْدَالِ الثَّانِيَةِ أَلِفًا وَتَسْهِيلُهَا وَادْحَالِ الْفِي يَسِ الْمُسْهَلَةِ وَالْآخَرَىٰ وَتَرْكِهَ فِي الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ تَخْلُقُونَهُ أَيِ الْمَسِي بِشَرًّا أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَرْنَا بِالْتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿۶۰﴾ بِعَاجِزِينَ عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ نَجْعَلُ أَمْثَالَكُمْ مَكَانَكُمْ وَنُنشِئُكُمْ نَخْلُقُكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۶۱﴾ مِنَ الصُّورِ كَالْقَرَدَةِ وَالْخَازِيرِ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ وَفِي قِرَاءَةِ بِسُكُونِ الشَّيْنِ قُلُوبًا تَذَكَّرُونَ ﴿۶۲﴾ فِيهِ إِدْغَامُ ائْتَاءِ ثَانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِي الذَّالِ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ﴿۶۳﴾ تُثِيرُونَ الْأَرْضَ وَتَلْقُونَ الْمَدَرَ فِيهَا ۚ أَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ تَسْتَوْنَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿۶۴﴾ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا نَبَاتًا يَابِسًا لَا حَبَّ فِيهِ فَظَلْتُمْ أَصْلُهُ طَبَلْتُمْ بِكُسْرِ اللَّامِ فَحَلِفْتُمْ تَخْفِيفًا أَيْ قُمْتُمْ نَهَارًا تَفْكَهُونَ ﴿۶۵﴾ حُذِفَ مِنْهُ إِحْدَى الثَّانِيَيْنِ فِي الْأَصْلِ تَعْجَبُونَ مِنْ ذَلِكَ وَتَقُولُونَ إِنَّا لَمُعْرِضُونَ ﴿۶۶﴾ تَفَقَّهَ زَرْعًا بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۶۷﴾ مَمْنُوعُونَ رِزْقًا أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿۶۸﴾ ۚ أَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ السَّحَابِ جَمْعُ مُزْنَةٍ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أَجَا جَا مِلْحًا لَا يُمْكِنُ شُرْبُهُ فَلَوْلَا فَهَلَّا تَشْكُرُونَ ﴿۷۰﴾ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿۷۱﴾ تُخْرِجُونَ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ ۚ أَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا كَالْمَرْخِ وَالْعَفَارِ وَالْكَلَخِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً لِّنَارِ جَهَنَّمَ وَمَتَاعًا بُلْغَةً لِّلْمُقْوِينَ ﴿۷۳﴾ لِّلْمُسَافِرِينَ مِنْ أَقْوَىٰ أَيْ صَارُوا بِالْقَوِي بِالْقَصْرِ وَالْمَدَىٰ الْقَفْرُ وَهُوَ مَفَازَةٌ لَا نَبَاتَ فِيهَا وَلَا مَاءَ فَسَبَّحْ نَزَّهَةً بِاسْمِ زَائِدِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۷۴﴾ أَيْ اللَّهُ فَلَا أَقْسِمُ لَا زَائِدَةٌ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿۷۵﴾ بِحَسَابِ قِطْعَتِهَا لِقُرُوبِهَا وَإِنَّهُ أَيْ الْقَسَمُ بِهَا لَقَسَمُ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿۷۶﴾ أَيْ لَوْ كُنْتُمْ مِنْ دَوَى الْعِلْمِ لَعَلِمْتُمْ عَظَمَ هَذَا الْقَسَمِ إِنَّهُ أَيْ الْمَثَلُوعَلَيْكُمْ لِقُرْآنٍ كَرِيمٍ ﴿۷۷﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْتُوبٍ مَّكْنُونٍ ﴿۷۸﴾ مَصْنُوعٌ وَهُوَ الْمُصْحَفُ لَا يَمَسُّهُ خَبَرٌ بِمَعْنَى النَّهْيِ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿۷۹﴾ أَيْ الَّذِينَ طَهَّرُوا أَنْفُسَهُمْ مِنَ الْأَحْدَاثِ تَنْزِيلٌ مُّتَرَلٌّ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۸۰﴾ أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ يَقْرَأُ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ﴿۸۱﴾ مُتَهَوِّنُونَ مُكْذِبُونَ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ مِنَ الْمَطَرِ أَيْ شُكْرَهُ أَنْكُمْ تُكْذِبُونَ ﴿۸۲﴾ بِسَقْيَا اللَّهِ حَيْثُ قُلْتُمْ مُطَرْنَا بِوَاءٍ كَذَا قُلُوبًا لَا فَهَلَّا إِذَا بَلَغَتِ الرَّوْحُ وَقَتِ الزُّعْرِ الْخُلُقُومُ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ مَخْرَجُ الطَّعَامِ وَأَنْتُمْ يَا حَاضِرِي الْمَيِّتِ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ ﴿۸۴﴾ إِلَيْهِ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ بِأَعْيُنِنَا وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿۸۵﴾ مِنَ الْبَصِيرَةِ أَيْ لَا تَعْلَمُونَ ذَلِكَ قُلُوبًا لَا فَهَلَّا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿۸۶﴾

مُحَرِّسِينَ بَانَ تَسْعَتُوا اَيَّ غَيْرِ مَبْعُوْثِيْنَ يَزْعِمُكُمْ تَرْجِعُوْنَهَا تُرْجَوْنَ الرُّوْحَ اِلَى الْخَسَدِ بَعْدَ اُبْلُوْحٍ لِّحُلُقُوْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَيَمَّا رَعِمْتُمْ فَلَوْلَا الْاِثْنٰثِيَّةُ تَاكِدًا لِاَوَّلٰى وَاِذَا ضَرَفْتَ لِتَرْجِعُوْنَ لِمَتَعَلَّقِيْ بِهِ اَشْرَاطًا وَالْمَعٰى هَلَا تَرْجِعُوْنَهَا اِنْ نَفِيتُمْ اَلْبُعْثَ صٰدِقِيْنَ فِى نَفْيِهِ اَيَّ لَيْتَفِيْ عَنْ مَحَلِّهَا الْمَوْتُ فَاَمَّا اِنْ كَانَ الْمَيِّتُ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرُوْحٌ اَيَّ قَلَّةٍ اَسْتِرَاحَةٌ وَرِيْحَانٌ ﴿۸۹﴾ رِزْقٌ حَسَنٌ وَ جَنَّةٌ نَّعِيْمٌ ﴿۹۰﴾ وَفَلْيُحَوِّثِ الْحَوَاتِ لَا، اَوْ لَانْ اَوَّلَهُمَا اَقْوَالٌ وَاَمَّا اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ فَسَلَّمَ لَكَ اَيَّ لَهٗ السَّلَامَةُ مِنَ الْعَابِ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۲﴾ مِنْ جِهَةِ اَنَّهُ مِنْهُمْ وَاَمَّا اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكْذِبِيْنَ الصّٰلِّيْنَ ﴿۹۳﴾ فَتُرْثَلَمُ مِنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۴﴾ وَتَصْلِيَةٌ جَحِيْمٍ ﴿۹۵﴾ اِنْ هٰذَا لَهٗوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۶﴾ مِنْ اِضَافَةِ الْمُوصُوْفِ اِلَى صِفَتِهِ فَسَبَّحَ بِحَمْدِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۷﴾ تَقَدَّمَ

ترجمہ۔ ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے (عدم سے وجود بخشا ہے) تو پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے (قیامت کی کیونکہ جو خدا تمہیں ابتداء پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو منی پہنچاتے ہو (بیویوں کے رحم میں منی ڈالتے ہو) اس کو تم (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسری ہمزہ کو الف سے بدل کر اور تسہیل کر کے اور ہمزہ مسہلہ اور غیر مسہلہ کے درمیان الف داخل کر کے اور چاروں صورتوں میں بغیر الف داخل کئے پڑھا گیا ہے) آدمی بناتے ہو (یعنی منی کو انسان) یا ہم بنانے والے ہیں؟ ہم ہی نے تمہارے درمیان ٹھہرا رکھا ہے (قدرنا تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے) موت کو اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں تمہاری جگہ تو اور تم جیسے پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں جن کو تم جانتے بھی نہیں (یعنی بند اور خنزیر کی شکل پر) اور تمہیں پہلی پیدائش کا علم ہے (نشاة ایک قرأت میں سون شین کے ساتھ ہے) پھر تم کیوں نہیں سمجھتے (اس کی اصل میں تائے ثانیہ کو ذال بنا کر ادغام کر دیا ہے) اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ بولتے ہو اس کو تم اگاتے ہو (نکالتے ہو) یا ہم اگانے والے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں (بغیر دانہ بھوسہ کے) پھر تم رہ جاؤ (ظلم اصل میں ظلمت تھا کسرہ لام کے ساتھ تخفیف لام کو حذف کر دیا۔ یعنی تم دن بھر رہو) حیران (نفکھون کی اصل میں دو تھیں ایک کو حذف کر دیا گیا اس پر تعجب کرتے ہوئے بول اٹھو گے) کہ ہم ٹوٹے ہی میں رہ گئے (غلہ کی پیداوار میں) بلکہ بالکل ہی محروم رہ گئے (پیداوار سے خالی ہاتھ) اچھا یہ بتلاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم برساتے ہو (مزن بمعنی بادل مزنہ کی جمع ہے) یا ہم برسانے والے ہیں اگر ہم چاہیں اس کو کڑوا کر ڈالیں (ایسا شور کہ پینے سے سوتھ کر کیوں نہیں کرتے۔ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ جس آگ کو تم سگاتے ہو (سرسبز درخت کا چھتاق بناتے ہو) اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے (جیسے مرغ، عفار، اور کٹائی درخت) یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم نے آگ کو (دوزخ کی) یاد دہانی کی چیز بنایا ہے اور مسافروں کے فائدہ (نفع) کی چیز بنایا ہے۔ متوین بمعنی مسافرین "اقوی القوم" سے ماخوذ ہے یعنی قوم میدان میں چلی گئی۔ قویٰ قصروم کے ساتھ دونوں طرح ہے بمعنی کھلا میدان اور ایسا جنگل جس میں نہ گھاس ہو نہ پانی) سو اپنے عظیم الشان پروردگار (اللہ) کی (اسم زائد ہے) تسبیح (پاک بیان کیجئے)۔ سو میں قسم کھاتا ہوں (لا زائد ہے) ستاروں کے چھپنے کی (غروب ہونے کے لئے ستاروں کے غائب ہونے کی) اور اگر غور کرو تم تو یہ (قسم) ایک بڑی قسم ہے (اگر تم سمجھدار ہو تو سمجھ جاؤ گے کہ یہ قسم بہت بڑی ہے) کہ یہ (جو تم پر تلاوت کیا جا رہا ہے) قرآن کریم ہے جو ایک محفوظ کتاب (مصحف) میں درج (لکھا ہوا) ہے کہ اس کو کوئی ہاتھ لگانے نہیں پاتا (خبر ہے بمعنی نبی) بجز پاک فرشتوں کے جنہوں نے ہر قسم کی ناپاکیوں سے پاک کر رکھا ہے (یہ رب اعلمین کی طرف سے نازل کیا (بھیجا) ہوا ہے سو کیا تم اس کلام (قرآن) کو سرسری بات سمجھتے ہو (معمول سمجھ کر جھٹل رہے ہو) اور نہ

رہے ہو اپنی غذا (بارت یعنی اس کی شکرگزاری) کو جھوٹ (اللہ کے سیراب کرنے کو یہ کہہ کر فلاں ستارہ کے اثر سے بارش ہوئی ہے) سو جس وقت روح پہنچتی ہے (نزع کے وقت) حلق (کھانا گزرنے کی جگہ) تک اور تم (میت کے آگے کھڑے ہوئے) اس وقت تکا کرتے ہو (میت کی طرف) اور ہم اس شخص کے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں (بلحاظ علم کے) لیکن تم سمجھتے نہیں ہو (لاتبعرون بصیرت سے ہے یعنی یہ معلوم نہیں ہے) تو اگر تمہارا حساب کتاب ہونے والا نہیں (کہ قیامت میں تمہیں سزا ملے۔ یعنی تمہارے خیال میں قیامت کے دن تم اٹھائے نہیں جاؤ گے) تو تم اس روح کو پھر کیوں لوٹا نہیں لاتے (جان گلے تک آجانے کے بعد پھر اس کو واپس کیوں نہیں کر دیتے) اگر تم سچے ہو (اپنے اعتقاد میں۔ دوسرا لولا پہلے لولا کی تاکید ہے اور اذا ترجموں کا ظرف ہے جس سے دونوں شرطوں کا تعلق ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر قیامت کے منکر ہو اور اس دعویٰ نفی میں سچے ہو تو روح کو کیوں نہیں لوٹا دیتے یعنی اس شخص کو پھر موت نہیں آنی چاہیے) پھر (مرنے والا) اگر مقررین میں سے ہے تو اس کے چین ہے (یعنی) اس کے لئے راحت ہے اور غذائیں ہیں (عمدہ رزق) اور آرام کی جنت ہے (یہ امان کا جواب ہے یا ان کا جواب ہے یا دونوں کا جواب ہے یہ تین قول ہیں) اور اگر وہ شخص واسطے والوں میں سے ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے امن و امان ہے (عذاب سے چھٹکارہ) تو واسطے والوں میں سے ہے (تیرا انہی میں شمار ہے) اور جو شخص جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہو گا تو کھولتے ہوئے پانی سے اس کی دعوت ہو گی اور دوزخ میں داخل ہو گا۔ بلاشبہ یہ تحقیقی یقینی بات ہے (حق الیقین میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہو رہی ہے) سو اپنے عظیم الشان پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے (یہ آیت پہلے بھی گزر چکی ہے)۔

**تحقیق و ترکیب:** افر نیتم۔ یہاں سے منکرین قیامت پر متعدد تردیدیں کی جا رہی ہیں۔

ار نیتم۔ بمعنی خبرونی اس کا مفعول اول ماتمون اور مفعول ثانی جملہ استفہامیہ ہے۔

تمنون۔ ایک قرأت فتح تا کے ساتھ ہے۔

انتہم تخلقونہ۔ اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ فعل محذوف کا فاعل ہو۔ اسی تخلقونہ اتہم۔ چونکہ فعل مابعد کے دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ اس لئے ضمیر بھی منفصل ہو گئی۔ یہ باب اشتغال کی قبیل سے ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اتہم مبتداء اور بعد کا جملہ خبر ہوا جو حرف استفہام کی وجہ سے پہلی صورت رائج ہے مفسر نے بشرائے اشارہ کیا ہے کہ منی پیدا کرنے سے انسان پیدا کرنا مراد ہے۔

وننشنکم لما لا تعلمون سے یہ مقصد ہے کہ غیر معبود طریقہ پر پیدا کر دیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ذات و صفات دونوں میں تبدیلی کر سکتے ہیں۔ اس کی حکمت بالغہ کا اگر تقاضہ ہو تو یہ محال نہیں ہے۔

نشأۃ الاولیٰ۔ ابو عمرو ابن کثیر کی قرأت میں فتح ثمین کے ساتھ اور باقی قراء کے نزدیک سکون ثمین کے ساتھ ہے، حرث کے معنی کھیتی تیار کرنے کے ہیں، تفسیری عبارت میں لغوی معنی کی رعایت ہے تخم ریزی کے معنی زیادہ بہتر ہیں۔ حدیث میں ہے۔ لا یقول احدکم زرعاً و لیقل حرثاً لمعمون۔ غرام، تاوان، ڈنڈا کو کہتے ہیں۔

جعلناہ احاجاً۔ چونکہ تاکید کی ضرورت نہیں تھی اس لئے یہاں لام نہیں لایا گیا۔ کیونکہ بارش بادل پر کسی کی ملکیت کا ایہام ہی نہیں۔ برخلاف زمین اور کھیتی کے ان میں دوسرے کی ملکیت کا شائبہ ہے۔ اس لئے وہاں نام تاکید لایا گیا ہے۔ اجاج انج سے ہے آگ کی پٹ کو کہتے ہیں جس سے منہ جل جائے قرینہ مقام کی وجہ سے شور و تلخ کے معنی ہیں۔

شجر نہا۔ مرغ و عفار دونوں چقماق کی لکڑیاں یا پتھر ہوتے ہیں جن سے آگ کے شعلے اور چنگاریاں نکلتی ہیں پہلے زمانہ میں اسی سے آگ روشن کی جاتی تھی۔ اب دیا سلائی کی ڈبی نے اس کی جگہ لے لی ہے۔

کلیخ کے متعلق اہل مغرب و شام سے نقل کیا گیا ہے کہ ان کے یہاں بانس کی قسم سے ایک چیز ہوتی تھی۔ جس کے دو ٹکڑے ایک دوسرے پر مارنے

سے آگ کی چنگاریاں نکال کر آگ روشن کی جاتی تھی۔

للمقویں۔ مسافر کی تخصیص اس لئے کی کہ ان کو ضرورت زیادہ ہوتی ہے ورنہ مقیمین کے یہاں تو اکثر آگ رہتی ہی ہے۔ حق و دق چٹیل میدان کو فتولا مفازہ کہتے ہیں۔

اسم و بلیث۔ مفسر تو لفظ اسم زائد کہہ رہے ہیں۔ مگر زائد کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ بے کار اور فضول لفظ ہے العیاذ باللہ۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ اس لفظ کے بغیر عبارت اور معنی درست رہتے ہیں۔ گویا یہ لفظ ضروری نہیں ہے۔ لیکن دوسری رائے میں یہ ہے کہ یہ لفظ زائد نہیں ہے۔ بلکہ تنزیہ ذات کی طرح صفات و اسماء الہیہ کی تنزیہ بھی مطلوب و مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اللہ کا نام کا تہ پر لکھا ہوا اگر کسی کو گندگی میں پڑا ملے اور وہ اس کو نہ اٹھائے تو یہ کفر ہے۔ کیونکہ اللہ کے نام کی بے حرمتی ایسی ہے جیسے اس کی ذات کی بے حرمتی کیونکہ اسم مسکمی پر دلالت کرتا ہے لفظ اس کا زرف الف رسم الخط میں یہاں لکھا جائے گا۔ اور بسم اللہ میں کثرت استعمال کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

مواقع النجوم۔ غروب کی تخصیص اس لئے کہ اس میں موثر پر دلالت واضح ہے۔

وانہ لقسم لو تعلمون۔ یہ دونوں جملہ معترضہ ہیں۔ پہلا تو قسم اور جواب قسم کے درمیان اور دوسرا موصوف صفت کے درمیان جیسا کہ صاحب کشف نے تصریح کی ہے۔ اس کو ایک جملہ معترضہ سے زائد پر محمول نہ کیا جائے۔ جیسا کہ بعض حضرات کو آیت وانی سمیتھا مریم کی تفسیر میں صاحب کشف پر شبہ ہو گیا ہے۔

لا یمسہ اگر اس کو جملہ خبریہ مانا جائے تو بغیر طہارت قرآن چھونے سے خبر کے جھوٹ ہونے کا شبہ ہوتا اس لئے مفسر نے جملہ انشائیہ ”نہی“ سے تاویل کر دی۔ لیکن صاحب مدارک کہتے ہیں کہ جملہ موصوف کو جب کتاب کی صفت بنا دیا جائے جس سے لوح محفوظ مراد ہو تو پھر مطہرون سے فرشتے مراد ہوں گے۔

امام مالک اور ایک جماعت کی رائے بھی یہی ہے اور انس، قتادہ، سعید بن جبیر، ابو العالیہ سے بھی یہی روایت ہے اور لایسہ کی ضمیر اگر قرآن کی طرف راجع ہو تو پھر اس آیت سے آئمہ اربعہ کے نزدیک بے وضو اور بے غسل قرآن چھونا جائز نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ کی ضمیر اگر قرآن کی طرف راجع ہو تو پھر لایسہ نہی ہوگی یا نفی۔ یہاں قرآن کے چار اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک بغیر طہارت قرآن کسی الگ کپڑے کے ساتھ چھوسکتا ہے البتہ بے وضو قرآن پڑھنے کی اجازت ہے حافظ کے لئے اور ناظرہ بغیر ہاتھ لگائے پڑھ سکتا ہے مگر مکروہ ہے اور شوافع اور مالکیہ کے یہاں کسی بے وضو بے غسل کو نہ قرآن چھونے کی اجازت ہے اور نہ اٹھانے کی۔ اور حنابلہ بے وضو اور جنبی کے لئے اجازت دیتے ہیں۔ مگر حیض و نفاس والی عورتوں کو اجازت نہیں دیتے۔ البتہ قرآن کی کتابت امام ابو یوسف جنبی اور حائضہ کے لئے جائز مانتے ہیں جب کہ اوراق کسی دوسری چیز پر رکھے ہوں۔ امام محمد بالکل اجازت نہیں دیتے۔

وتجعلون رزقکم۔ مفسر نے شکرہ مضاف محذوف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ یعنی مضاف الیہ مضاف کے قائم مقام ہو گیا ہے۔ اور بعض نے آسمانی رزق سے شکر مراد لیا ہے۔ ابن مردودیہ حضرت علیؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وجعلون شکرکم پڑھا ہے یعنی بطور تفسیر کے۔ انکم نکدہوں۔ مفسر نے مقیالہ سے نکدہوں کے مفعول محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مقیالہ۔ اسم ہے اور مصدر مضاف الی القاعل ہے۔ مطربا بنو کنذہ۔ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ سالانہ منازل قمر ۲۸ ہوتی ہیں۔ ہر تیرہویں شب میں ایک ستارہ مغرب میں غروب ہوتا ہے اور اس کے بالمقابل دوسرا ستارہ مشرق میں طلوع کرتا ہے۔ اہل مغرب بارش کی نسبت ستاروں کی طرف کرتے ہیں اور اسی کو موثر حقیقی سمجھتے ہیں۔ اسلام نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ موثر حقیقی صرف حق تعالیٰ ہیں۔ فی الجملہ اسباب کی تاثیرات کا انکار نہیں عام اسباب میں علویات سفلیات پر موثر ہیں۔ مگر اصل ہاتھ ان کی پشت پر اللہ کا ہوتا ہے۔ البتہ سد ذرائع کے طور پر نجوم اور نجومیوں کے پاس تک جانے سے روک دیا گیا ہے۔



نوء۔ اصلاح میں پختہ کو کہتے ہیں۔

فلو لا اذا بلغت۔ دراصل اس آیت کی ترتیب اس طرح ہے۔ لو لا تر جمعونها اذا بلغت الحلقوم ان كنتم غير مدینین دوسرا الوالاتا کید کے لئے ہے بقول زبخرئی۔

الروح۔ دل سے جو لطیف بخار بنتا ہے اس کو روح کہتے ہیں نفس ناطقہ مراد نہیں۔ کیونکہ اس کے اوصاف وہ نہیں جو بیان کئے جا رہے ہیں۔ مدینین۔ دین سے ہے جس کے معنی جزاء کے ہیں یعنی کیا قیامت نہیں آئے گی جس میں تمہیں کئے کا بدلہ ملے گا، گویا لازم کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ کیونکہ جزا و سزا نہ ہونے کا مطلب قیامت کا نہ ہونا ہے کیونکہ بعث کے لئے جزا و سزا لازم ہے۔ پس لازم کی نفی سے طرہ کی نفی ہو گئی۔ اور بعض نے غیر مدینین کے معنی غیر مر یوین کے لیے ہے۔ وان السلطان رعیتہ اذا ساسہم۔

تر جمعوہا۔ یعنی اگر بقول کفار کے نہ قیامت ہوگی نہ حساب کتاب اور نہ ہی خدا کوئی چیز ہے تو غرغره کی حالت میں جب دم واپس ہو تو کیوں نہیں مرنے والے کو بچا لیتے اور جب یہ نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ تمہارے اوپر ایک بالادست طاقت ہے کہ اس کی چلتی ہے اور تمہاری کچھ نہیں چلتی۔ تفسیری عبارت ”المعلق بالشرطان“ کا حاصل یہ ہے کہ ان کلمہ غیر مدینین اور ان کلمہ صادقین دونوں شرطوں کا تعلق تر جمعون کے ساتھ ہے یعنی یہ دونوں الگ الگ جزاء ہے۔ مفسر کی عبارت میں قلب ہو گیا۔ شرطوں کے جزاء سے متعلق ہونے کی بجائے کہنا چاہیے تھا کہ جزاء دونوں شرطوں سے متعلق ہے۔ نیز بعد میں شرط و جزاء کی تقدیم تاخیر میں بھی تسامح ہو گیا۔ یوں کہنا چاہیے تھا۔ ان نفیتم البعث صادقین فی نفیہ فہلا ترجعونہا اس میں ان نفیتم البعث شرط اول ان كنتم غير مدینین میں مذکور ہے اور صادقین شرط ثانی ان كنتم صادقین سے ماخوذ ہے اور تفسیری عبارت لیتنفی علت ہے ہلا تر جمعونها جزاء کی اور محلہا سے مراد بدن میت ہے۔

فرح و ریحان۔ مفسر نے قلہ سے خبر محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے جو مقدم ہونی چاہیے۔ ریحان کے معنی بعض کے نزدیک خوشبو کے ہیں۔ ابن جریر نے ابو العالیہ سے تخریج کی ہے۔ لم یکن احد من المقربین یفارق حتی یوتی بعض من ریحان الجنة فیشمہ ثم یقبض۔

جملہ فروح و ریحان اما کا جواب بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں ان شرطیہ کی جزا محذوف ہوگی۔ موجودہ عبارت دلالت کرنے کی وجہ سے یہ پہلی ترکیب ہی رائج ہے کیونکہ ان کی جزاء اکثر حذف ہوتی رہتی ہے۔

علامہ رضی کہتے ہیں کہ فروح اما کا جواب ہے اور ان کے جواب کی ضرورت نہیں ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ ان جتنی اگر کم مجزوم جائز نہیں بلکہ مرفوع ہونا واجب ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہو سکتی ہے کہ ”فروح و ریحان“ ان کی جزاء ہو اور اما کا جواب محذوف مانا جائے۔ تیسری ترکیب یہ ہے کہ یہ دونوں کا جواب ہو۔

من اصحاب الیمین مفسر نے من تعلیلہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عجیب لطیفہ۔ تفسیر مدارک میں ہے کہ سورۃ اقتربت، سورۃ رحمن، سورۃ واقعہ تینوں سورتوں میں کہیں لفظ اللہ نہیں ہے۔ اور مفسر محقق تھانوی فرماتے ہیں کہ سورۃ مجادلہ کی کوئی آیت لفظ اللہ سے خالی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بامرار کلامہ اور ایسی پوری سورت کہ جس میں صرف ایک زیر ہو سورۃ اخلاص ہے۔

رابط آیات۔ پچھلی آیت میں کفار کے عذاب کی علت ان کا کفر و شرک اور انکار قیامت بیان فرمائی تھی۔ آیت نحن خلقکم سے بعض تصرفات الہیہ کا ذکر ہے چونکہ ان میں نعمت ہونے کی شان ہے اس لئے اس کے بعد کفر و شرک تعجب انگیز ہے اور چونکہ وہ دلائل قدرت بھی ہیں۔ اس لئے انکار قیامت کی گنجائش نہیں ہے پھر کیسے ان دونوں غلط باتوں کا ارتکاب کر رہے ہو؟ اور چونکہ دلائل عقلیہ سے توحید کا واجب اور قیامت



کا ممکن ہونا ثابت ہے اور امکان کے بعد اصل مدعا قیامت کا واقع ہونا ہے اور اس بارہ میں عقلی دلیل کے ساتھ قیامت واقع ہونے کے لئے عقلی دلیل کی بھی ضرورت ہے اور جس طرح قرآن قیامت کے امکان عقلی کو بیان کرتا ہے۔ اسی طرح اس کے واقع ہونے کو بھی بیان کرتا ہے لیکن ابھی منکرین کو قرآن کے کلام الہی ہونے میں ہی کلام ہے۔ اس لئے آیت فلا قسم انہی سے قرآن کی حقانیت کو اور پھر قیامت مجازات کے واقع ہونے کو ارشاد فرماتے ہیں۔ اس مضمون سے توحید بھی ثابت ہو رہی ہے۔

﴿تشریح﴾ ..... نحن خلقکم۔ یعنی اس بات کو تم کیوں نہیں مانتے۔ کہ پہلے بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کر دے گا۔ پس نعمت ہونے کے اعتبار سے اس سے توحید اور دلیل قدرت ہونے کے لحاظ سے قیامت ثابت ہو رہی ہے۔

آگے پیدائش کے قدرے تفصیل ہے کہ بتلاؤ رحم مادر میں نطفہ سے کون انسان کو بناتا ہے۔ وہاں کسی کا ظاہری تصرف بھی نہیں چلتا۔ پھر ہمارے سوا کون ہے جو پانی کے قطرہ پر ایسی خوبصورت تصویر کھینچتا اور اس میں جان ڈالتا ہے کیونکہ جلتا مارنا سب ہمارے قبضہ میں ہے جب یہ سب باگ ذور ہمارے قبضہ میں ہے تو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ تمہاری ذات اور صورت جس طرح دونوں اللہ ہی کی دی ہوئی ہیں ان کو باقی رکھنا بھی انہی کا انعام اور قدرت ہے۔

سائنسی ایجادات قدرت کا انکار نہیں، بلکہ اظہار کر رہی ہیں۔ .... آج کل مشینوں کے ذریعہ بچوں کا پیدا کرنا باعث اشکال نہیں ہونا چاہئے۔ اول تو آلات کے ذریعہ جو کام انجام دیا جاتا ہے وہ صنعت کہلاتی ہے۔ تخلیق نہیں۔ تخلیق بلا واسطہ آلات ہوتی ہے۔ پھر مشین میں رکھے ہوئے انڈوں میں جان ڈال دینا تو مشین کا کام نہیں وہ صرف اللہ کا پوشیدہ ہاتھ ہے۔ تیسرے ان مشینوں کا مادہ اور خود انسانی دماغ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس لئے بات گھوم پھر کر اللہ ہی پر پہنچتی ہے۔

غرض کہ اللہ چاہیں تو تم کو اٹھالیں اور تمہاری جگہ یہاں اور مخلوق بسادیں۔ یا تمہیں کسی ایسے جانور کی صورت میں مسخ کر دیں جس کا تمہیں گمان بھی نہ ہو۔ اس لئے پہلی پیدائش پر دھیان کر کے دوسری کو بھی سمجھ لو۔

آفاقی دلائل قدرت: افر نیتم ما تحو ثون۔ ان دلائل کے بعد اب آفاقی دلائل پر غور کرو۔ ہر چند تم زمین میں بیج ڈالتے ہو۔ لیکن اس کو پرورش کر کے زمین سے باہر نکالنا اور پھر لہلہاتی کھیتی بنادینا کس کا کام ہے۔ کھیتی پیدا کر کے اس کو محفوظ رکھنا بھی اسی کا کام ہے۔ ہم چاہیں تو کوئی آفت بھیج دیں جس سے ایک دم میں ساری کھیتی تہس نہس ہو کر رہ جائے۔ پھر تم سرپکڑ کر رو دو اور آپس میں بیٹھ کر باتیں بنائے لگو کہ میاں ہمارا تو بڑا نقصان ہو گیا۔ بیج پوچھو تو بالکل خالی ہاتھ ہو گئے۔

افر نیتم الماء۔ یہ تیسری تنبیہ ہے یعنی بارش بھی ہمارے حکم سے آتی ہے زمین کے خزانوں میں پانی ہم ہی جمع کرتے ہیں پانی کے کتنے خزانے تمہارے ہاتھ میں رہ رکھے ہیں۔ ہم چاہیں تو پانی کڑوا کر سکتے ہیں کہ پینے کے کام کا نہ رہے۔ پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے جس کا بڑا فرد تو حید ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پانی پی کر یہ دعا پڑھتے تھے۔ الحمد للہ الذی سقانا عذبا فراتا برحمته ولم يجعله ملحا احامدوسا (ابن شیر) آگے چوتھی تنبیہ ہے۔

افر نیتم النار۔ عرب میں نئی درخت جن کا نام مفسر نے لکھا ہے ایسے ہیں کہ جن کو گر کرنے سے آگ نکلتی ہے۔ جیسے ہمارے یہاں بانس، بتلاؤ کہ نارختوں میں آگ کس نے رکھی ہے تم نے یا ہم نے؟ سورہ یسین میں اس کا بیان گزرا ہے اس آگ کو دیکھ کر دوزخ کی یاد کرنا چاہئے۔ یہ بھی اس کا نمونہ ہے۔

نیز اس میں سمجھدار کے لئے یہ نکتہ بھی قابل التفات ہے کہ جو سرسبز درخت سے آگ نکال سکتا ہے۔ وہ یقیناً مردہ کو زندہ کرنے بھی قادر ہے۔

اور مسافروں اور جنگل والوں کو چونکہ آگ سے بہت کام پڑتا ہے بالخصوص جاڑے کے موسم میں۔ اس لئے بیان میں مسافروں کی تخصیص کر دی ورنہ کام تو آگ سے سب کو ہی پڑتا ہے بعض روایات کی بناء پر علماء نے مستحب لکھا ہے کہ ان آیات میں ہر جملہ استفہامیہ کے بعد سلی انت یا رب کہنا چاہیے۔

آیت میں آگ کے دو فائدے بیان کئے گئے دوزخ کی یاد دہانی فائدہ ہے اور دوسرا دنیاوی فائدہ ہے۔ پس جس ذات نے اس کی مختلف اور کارآمد چیزیں پیدا کیں اور اپنے فضل و کرم سے ہمیں ان سے تمتع کیا۔ تمہیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیے اور نادانوں کی خود ساختہ خرافات سے اس کے نام کی پاکی بیان کرنی چاہیے۔

قرآن کلام الہی ہے: فلا اقسام دلائل عقلیہ سے قیامت کا امکان ثابت ہونے کے بعد قرآن سے اس کا واقع ہونا ثابت ہے مگر تم قرآن ہی کو نہیں مانتے۔ سو میں قسم کھاتا ہوں کہ قرآن کریم ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔ جس کو پاکباز فرشتوں کے سوا کوئی شیطان وغیرہ چھو بھی نہیں سکتا۔ اس کے مضامین پر مطلع ہونا چاہئے؟ پس وہاں سے یہاں تک خاص طور پر فرشتہ ہی کے ذریعہ ہے۔ اور یہی نبوت ہے اور شیاطین اس کو نہیں لاسکتے کہ کہانت وغیرہ کا احتمال نبوت میں خلل انداز ہو سکے۔ چنانچہ آیات نزل بہ الروح الامین و ما تنزلت بہ الشیاطین میں اس کی صراحت تفصیل کر دی اور خاص طور سے فرشتہ کا انا اس لئے عرض کیا کہ اگر نبی کے علاوہ کسی فرشتہ کا بذریعہ کشف یا اخبار لوح محفوظ پر مطلع ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ مستلزم نبوت نہیں۔ کیونکہ یہاں خاص اطلاع مقصود ہے اور وہ نبی ہی کو ہو سکتی ہے۔ لیکن فرشتہ کا لوح محفوظ پر مطلع ہونا مطلقاً تسلیم نہ کیا جائے تو پھر اس قید کی بھی حاجت نہیں ہے۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں یا آیات قرآنیہ کے آسمان سے زمین پر آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی آنے کی۔ یا نفی کو نبی کے معنی میں لیا جائے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ قرآن کو بغیر طہارت و وضو کے چھونا نہیں چاہیے۔

لا اقسام۔ میں لا زائد ہے یا یہ مطلب ہے کہ مضمون اتنا واضح اور یقینی ہے کہ قسم کھانے کی حاجت نہیں ہے یہاں ستاروں کے چھپنے کی قسم ایسی ہی ہے جیسے سورہ نجم کے شروع میں بیان ہو چکا ہے یعنی مطلقاً ستاروں کا غروب ہونا حضور ﷺ کے نبی اور خاتم النبیین ہونے کی نظیر ہے اور یوں تو قرآن کی ساری قسمیں ہی عظیم ہیں۔ لیکن کہیں مطلوب کے خاص اہتمام اور تنبیہ کے لئے عظیم ہونے کی تصریح بھی فرمادی۔ چنانچہ یہاں اور سورہ فجر میں مجملہ مقام کا حاصل وہی ہے جو سورہ شعراء کے اخیر میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ یہ قرآن کوئی جادو ٹونکا نہیں۔ کہ کانہوں کی زئیل اور بے سرو پد باتیں نہ شاعرانہ تک بندیاں ہیں۔ بلکہ ایک مقدس معزز کتاب ہے جو کہ رب جہاں نے عالم کی ہدایت و تربیت کے لئے اتاری۔

دنیا کا نظام محکم جس خدا نے چاند سورج اور تمام ستاروں کا نہایت محکم اور عجیب و غریب نظام قائم کیا۔ یہ ستارے ایک اہل قانون کے مطابق روزانہ اپنے غروب سے، اسی کو عظمت و وحدانیت اور قاہرانہ تصرف و اقتدار کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں اور زبان حال سے شہادت دیتے ہیں کہ جس اعلیٰ و برتر ہستی کے ہاتھ میں ہماری باگ ہے وہی اکیلا زمین، بادل، پانی، آگ، ہوا، مٹی اور کائنات کے ذرہ ذرہ کا مالک ہے۔ کیا ایسے روشن آسمانی نشانات کو دیکھ کر ان مضامین کی صداقت میں کوئی شبہ رہ سکتا ہے جو سورۃ کے شروع میں بیان ہوئے ہیں۔

باطنی نظام شمسی اور کیا کوئی عاقل اس عظیم الشان نظام فلکی پر نظر ڈال کر اتنا نہیں سمجھتا کہ ایک دوسرا باطنی نظام شمسی بھی جو قرآن کریم اور اس کی آیت اور تمام آسمانی صحیفوں سے عبارت ہے اسی پروردگار عالم کا قائم کیا ہوا ہے جس نے اپنی قدرت اور رحمت کاملہ سے یہ ظاہری نظام قائم فرمایا وہی خدائے پاک ہے جس نے روحانی ستاروں کے غروب ہونے کے بعد آفتاب قرآن کو چمکایا اور اپنی مخلوق کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا۔ آج تک یہ آفتاب برابر چمک رہا ہے کس کی مجال ہے کہ اس کو بدل سکے، یا غائب کر دے۔ اس کے انوار اور شعاعیں انہی دلوں میں پوری

طرح منعکس ہوتی ہے جو مانجھ کر پاک و صاف کر لئے جائیں۔ کیا ایسی دولت ہے جس سے نفع اٹھانے میں تم سستی اور کاہلی کرو اور اپنا حصہ اتنا ہی سمجھو کہ اس کو اور اس کے بتلائے ہوئے حقائق کو جھٹلاتے رہو جیسے بارش کو دیکھ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں آگیا۔ اس سے بارش ہوگئی۔ گو یا خدا سے کوئی مطلب ہی نہیں۔ جو کچھ ہے وہ بچھتر ہی کے کارنامے ہیں۔

اسی طرح اس باران رحمت کی قدر و منزلت نہ کرنا جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے۔ اور یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ کی اتاری ہوئی نہیں ہے۔ سخت، بدبختی اور حرماں نصیبی ہے۔ کیا ایک عظیم نعمت کی شکر گزاری یہی ہے کہ اس کو جھٹلایا جائے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ جھوٹ کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔ یہاں تک کہ تو حید اور قیامت کے واقع ہونے کا بھی انکار کئے دے رہے ہو اور ایسی بے فکری اور بے خوفی سے اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہو کہ گو یا تم کسی دوسرے کے حکم اور اختیار میں نہیں یا کبھی مرنا اور خدا کے یہاں جانا ہی نہیں۔

موت کا بھیا تک منظر: ..... اچھا جس وقت کسی تمہارے عزیز اور قرابت دار کی جان نکلنے والی ہو سانس حلق میں اٹک جائے موت اور جان کنی کی سختیاں گزر رہی ہوں اور تم پاس بیٹھے اس کی بے بسی اور در ماندگی کا تماشا دیکھتے ہو اور دوسری طرف خدا یا اس کے فرشتے تم سے زیادہ اس کے نزدیک ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے تم تو صرف اس کی ظاہری حالت دیکھ رہے ہو اور ہم اس کی باطنی حالت پر مطلع ہیں اور تم سے زیادہ اس کے حال سے واقف ہیں، تم اگر کسی دوسرے کے قابو میں نہیں ہو تو اس وقت کیوں اپنے پیارے کی جان اس کے بدن یا اپنی طرف کیوں نہیں پھیر لیتے اور کیوں بادل خواستہ اپنے سے جدا ہونے دیتے ہو، آنے والی سزا سے کیوں نہیں بچا لیتے، اگر اپنے ان دعوؤں میں سچے ہو تو ایسا کر دکھاؤ، لیکن تم ایک سیکنڈ کے لئے روک نہیں سکتے ہو، اس کو اپنے ٹھکانہ پر پہنچنا ضروری ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی سچائی قرآن کریم ہے: ..... حاصل یہ ہے کہ قرآن سچا ہے وہ بعث کے واقع ہونے کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے پس جب مقتضی پایا جا رہا ہے اور مانع کوئی ہے نہیں تو بعث کا واقع ہونا ثابت ہو گیا ہے۔ لیکن اس پر بھی بدستور تمہارا انکار کئے چلے جانا بدالالت حال اس کو مستلزم ہے کہ تم جان اور روح کو اپنے بس میں سمجھتے ہو۔ یعنی اللہ اگر قیامت میں دوبارہ جان ڈالنا چاہے گا جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے مگر ہم ڈالنے نہیں دیں گے اور بعث نہیں ہونے دیں گے۔ تب ہی تو اتنے زور سے نفی کر رہے ہو۔ ورنہ جو شخص اپنے کو عاجز جانے وہ دلائل کے مقابلہ میں ایسے زور زبردستی کی بات کیوں کہے۔ اور اگر اپنے کو اتنا زور دار سمجھتے ہو تو اس کا اس سے اچھا کیا موقع ہوگا جب کہ تمہارا محبوب جان کنی کی کشاکش میں مبتلا ہے۔ ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ تم بھی اس کی بے بسی دیکھ کر دلگیر ہو رہے ہو اور تمہیں واقعی رحم اور ترس آرہا ہے پس کیوں نہیں اس کی روح کو نکلنے سے روک لیتے اور کیوں نہیں اس کو بدن میں لوٹا دیتے۔ لیکن اگر سمجھتے ہو کہ تمہارا اس پر بس نہیں تو تمہیں یقین کر لینا چاہیے کہ بعث پر بھی تمہارا بس نہیں ہوگا۔ اللہ تو نقل روح پر دونوں حالت میں قادر ہے۔ داخل سے خارج اور خارج سے داخل دونوں اس کے زیر تصرف ہیں۔ لیکن تمہارا ایک میں عاجز ہونا یعنی دوسرے میں عاجز ہونا ہے۔ پھر ایسے لایعنی دعوے کیوں کرتے ہو۔

مقام چونکہ قدرت کی نفی کا ہے اور علم کی نفی کا تعلق قدرت کی نفی کو مستلزم ہے اس لئے ”مکھن اقرب“ میں بطور جملہ معترضہ لوگوں کے علم تام کی نفی فرمادی اور یہ دلیل کافی چونکہ منکرین کے لئے ثانی نہ ہوئی۔ اس لئے بطور توجیح لا تبصرون فرمادیا۔ نیز اس تقریر سے چونکہ اللہ کی قدرت بھی ثابت ہو رہی ہے۔ اس لئے بعث کے ساتھ اس سے توحید بھی ثابت ہو رہی ہے۔ آگے فرق مراتب کے ساتھ بعث کی تفصیل ہے۔

مقربین اصحاب الیسمین اور اصحاب الشمال کا ذکر: ..... فلما ان کان من المقربین۔ یعنی مرنے والا اگر مقربین میں سے ہے تو اعلیٰ درجہ کی روحانی جسمانی راحت و عیش کے سامانوں میں پہنچ جائے گا اور اصحاب الیسمین سے ہے تب بھی کچھ کٹکا نہیں۔ اگر فضل خدا وندی یا توبہ کے سبب اول مغفرت ہو جائے تو یہ کہنا ابتدا ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ موت سے پہلے ہی مرنے والے کو یہ بشارتیں

مل جاتی ہیں۔ اسی طرح مجرموں کو ان کی بدحالی کی پہلے ہی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ غرضیکہ انجام کی خبر مرنے سے پہلے ہی سنادی جاتی ہے۔ لیکن اگر سزا کے بعد مغفرت ہو تو یہ خوشخبری پھر انتہاء ہوگی۔ اور اصحاب الیمین کے لئے روح و ریحان کی صراحت نہ ہونا فرق مراتب کی طرف مشیر ہے کہ یہ مقربین سے کم درجہ ہیں۔

ان هذا لہو حق الیقین۔ جو کچھ مومنین اور مجرمین کو خبر دی گئی وہ بالکل یقینی ہے اسی طرح ہو کر رہے گا۔ تمہاری تکذیب سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ خواہ مخواہ شبہات پیدا کر کے اپنے نفس کو دھوکہ نہ دو۔ بلکہ آنے والے وقت کی تیاری میں لگو، اللہ کی تسبیح و تحمید میں جٹ جاؤ کہ یہی وہاں کی بڑی تیاری ہے۔ اس طرح ان مکذبین کی دل آزاری بے ہودہ گیوں سے بھی یکسوئی رہے گی۔

بخاری کی آخری روایت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے۔ کلماتان حبیبان الی الرحمن خفیفان علی اللسان ثقیلان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

لطا کف سلوک۔ فاما ان کان من المقربین۔ اللہ کا مقرب وہی ہے جسے وہ اپنا بنا لے۔

## سُورَةُ الْحَدِيدِ

سُورَةُ الْحَدِيدِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَيُّ نَزْمِهِ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ فَاَللَّامُ مَزِيدٌ ۚ وَجِئَ بِمَا دُونَ مِنْ تَغْلِيصٍ لِلْأَكْثَرِ  
وَهُوَ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ﴿٢﴾ فِي صُنْعِهِ لَهٗ مُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ يُخَيِّ بِالْإِنْشَاءِ وَيُمِيتُ  
بَعْدَهُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣﴾ هُوَ الْأَوَّلُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ بِلَا بَدَايَةَ وَالْآخِرُ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ بِلَا نِهَايَةَ  
وَالظَّاهِرُ بِالْإِدْلَةِ عَلَيْهِ وَالْبَاطِنُ ۚ عَنِ إِدْرَاكِ الْحَوَاسِ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٤﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ  
السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا أَوَّلُهَا الْآحَدُ وَآخِرُهَا الْجُمُعَةُ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ  
الْكُرْسِيِّ اسْتَوَاءً يَلِيقُ بِهِ يَعْلَمُ مَا يَلْجُ يَدْخُلُ فِي الْأَرْضِ كَالْمَطَرِ وَالْأَمْوَاتِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا كَالسَّاتِ  
وَالْمَعَادِنِ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ كَالرَّحْمَةِ وَالْعَذَابِ وَمَا يُعْرَجُ بِصَعْدٍ فِيهَا ۚ كَالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ وَالسَّيِّئَةِ  
وَهُوَ مَعَكُمْ بِعِلْمِهِ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٥﴾ لَهٗ مُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ  
تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٦﴾ الْمَوْجُودَاتُ جَمِيعُهَا يُوَلِّجُ اللَّيْلُ يَدْخُلُهُ فِي النَّهَارِ فَيَزِيدُ وَيَنْقُصُ اللَّيْلُ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي  
الَّيْلِ فَيَزِيدُ وَيَنْقُصُ النَّهَارُ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّلُورِ ﴿٧﴾ بِمَا فِيهَا مِنَ الْأَسْرَارِ وَالْمُعْتَقَدَاتِ آمَنُوا  
دُومُوا عَلَى الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفَقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۚ مِنْ مَالٍ مَنْ تَقَدَّمَكُمْ  
وَيَسْتَخْلَفُكُمْ فِيهِ مَنْ بَعْدَكُمْ نَزَلَ فِي غَزْوَةِ الْعُسْرَةِ وَهِيَ غَزْوَةُ تَبُوكَ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا إِشَارَةً إِلَى  
عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿٨﴾ وَمَالَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ ۚ حِطَابٌ لِلْكَفَّارِ أَيْ لَا مَانِعَ لَكُمْ مِنَ  
الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ يَدْعُوَكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ بِضَمِّ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِ الْخَاءِ وَبِفَتْحِهِمَا  
وَنَصَبِ مَا تَعْدَهُ مِثَاقَكُمْ عَلَيْهِ أَيْ أَخَذَهُ فِي عَالَمِ الدَّرَجِينَ أَشْهَلَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ

اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۸﴾ اِنِّیْ مُرِیْدُیْنَ الْاِیْمَانَ بِهٖ فَبَادِرُوْا اِلَیْهِ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ اِیَّاكَ  
 الْقُرْاٰنَ لِیَخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ الْکُفْرِ اِلَی النَّوْرِ الْاِیْمَانِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِکُمْ فِیْ اَخْرَاجِکُمْ مِّنَ الْکُفْرِ  
 اِلَی الْاِیْمَانِ لَرءَوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹﴾ وَمَا لَکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ اَلَا فِیْهِ اِدْغَامٌ نُّوْنٍ اَنْ فِیْ لَامٍ لَا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ  
 وَلِلّٰهِ مِیْرٰثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِمَا فِیْهِمَا فِیَصِلُ اِلَیْهِ اَمْوَالُکُمْ مِنْ غَیْرِ اَجْرِ الْاِنْفَاقِ بِخِلَافٍ مَا لَوْ اَنْفَقْتُمْ  
 فَمَا جَرُّوْا لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ لِمَكَّةَ وَقَاتِلْ اُولَئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا  
 مِنْ بَعْدِ وَقَاتِلُوْا وَکُلًّا مِّنَ الْفَرِیْقَیْنِ وَفِیْ قِرَآءَةِ الْقُرْاٰنِ مُمْتَنٌّ وَعَدَدُ اللّٰهِ الْحُسْنٰی الْحَمْدُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ  
 خَبِیْرٌ ﴿۱۰﴾ فَبِحَازِیْکُمْ مِّنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهُ بِاِنْفَاقٍ مَّالِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَرْضًا حَسَنًا اَنَّ یُفِقَهُ لِلّٰهِ تَعَالٰی ﴿۱۱﴾  
 فِیْضَعِفْهُ لَهٗ وَفِیْ قِرَآءَةِ الْقُرْاٰنِ فِیْضَعِفْهُ بِالتَّشْدِیْدِ مِنْ عَشْرِ اِلَیْ اَكْثَرٍ مِنْ سَبْعٍ کَمَا ذِکَرْنَا فِی الْبَقَرَةِ وَلَهٗ مَعَ الْمَضٰعِفِ  
 اَجْرٌ کَرِیْمٌ ﴿۱۲﴾ مُّقْتَرَنٌ بِهٖ رِضٰی وَاَقْبَالٌ اُذْکَرُ یَوْمَ تَرٰی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُورُهُمْ بَیْنَ  
 اَیْدِیْهِمْ اِمَامَتُهُمْ وَیَكُوْنُ بِاِیْمَانِهِمْ وَیَقَالُ لَهُمْ بُشْرٰتُکُمْ الْیَوْمَ جَنَّتْ اٰی دُخُوْلُهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا  
 اَلْاَنْهَارُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۳﴾ یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنْفِقُوْنَ وَالْمُنْفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا  
 اَنْظَرُوْنَا اَبْصَرُوْنَا وَفِیْ قِرَآءَةِ الْقُرْاٰنِ بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَکَسْرِ الطَّاءِ اٰی اَمْهَلُوْنَا نَقْتَبِسُ نَاخِذُ الْقَبَسِ وَالْاِضَاءَةُ مِنْ  
 نُورِکُمْ قِیْلَ لَهُمْ اِسْتَهْزَآءٌ بِهٖمْ اَرْجِعُوْا وِرَآءَکُمْ فَالْتَمِسُوْا نُورًا فَرَحَعُوْا فَضْرَبَ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ  
 بِسُوْرٍ قِیْلَ هُوَ سُورُ الْاَعْرَافِ لَهٗ بَابٌ بَاطِنُهُ فِیهِ الرَّحْمَةُ مِنْ جَنَّةِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَظَاهِرُهُ مِنْ جَنَّةِ الْمُسَافِقِیْنَ مِنْ  
 قَبْلِ الْعَذَابِ ﴿۱۴﴾ یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ عَلٰی الطَّاعَةِ قَالُوْا بَلٰی وَلٰکِنْکُمْ فَتَنَّمْ اَنْفُسَکُمْ بِاِنْفَاقِ  
 وَتَرَبُّصَتُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ الدَّوَابِّ وَارْتَبَتُمْ شَکَکُمْ فِی دِیْنِ الْاِسْلَامِ وَعَرَّتْکُمْ الْاَمَانِیُّ الْاِطْمَاعُ حَتّٰی جَآءَ  
 اَمْرُ اللّٰهِ الْمَوْتُ وَغَرَّتْکُمْ بِاللّٰهِ الْغُرُوْرُ ﴿۱۵﴾ الشَّیْطَانُ فَالْیَوْمَ لَا یُوْخَذُ بِالْبِیْءِ اَوْ الْاَنْثَاءِ مِنْکُمْ فَذِیَّةٌ وَلَا مِنْ  
 الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مَا وُکِّلَ النَّارُ هِیْ مَوْلٰکُمْ اَوَّلٰی بِکُمْ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶﴾ هِیْ اَلَمْ یَاَنْ یَحْنُ لِلَّذِیْنَ  
 اٰمَنُوْا نَزَلَ فِیْ شَانَ الصُّحَابِیَّةِ لَمَّا اَکْثَرُوْا الْمَزَاحَ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ بِاتَّخِیْفٍ  
 وَالتَّشْدِیْدِ مِنَ الْحَقِّ الْقُرْاٰنِ وَلَا یَكُوْنُوْا مَعْطُوْفٌ عَلٰی تَخْشَعِ کَالَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِ الْیَهُودِ  
 وَالتَّصَارِیْ فَطَالَ عَلَیْهِمْ الْاَمَدُ الزَّمَنُ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ اَنْبِیَآئِهِمْ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ لَمْ تَلِنْ لِذِکْرِ اللّٰهِ وَکَثِیْرٌ مِنْهُمْ  
 فٰسِقُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَعْلَمُوْا خُطَابَ الْمُؤْمِنِیْنَ الْمَذْکُوْرِیْنَ اَنَّ اللّٰهَ یُحِی الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا بِالْبَیِّنٰتِ فَکَذٰلِکَ  
 یَفْعَلُ بِقُلُوْبِکُمْ بِرَدِّهَا اِلَی الْخُشُوْعِ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ الدَّالَّةِ عَلٰی قُلُوْبِنَا بِهَذَا وَغَیْرِهٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ

﴿۱۸﴾ إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ مِنَ التَّصَدُّقِ أَدْغَمَتْ اِنَّمَا فِي الصَّادِ اِي الَّذِيْنَ تَصَدَّقُوا وَالْمُصَّدَّقَاتِ اللَّاتِي تَصَدَّقْنَ وَفِي قِرَآءَةِ تَحْفِيفِ الصَّادِ فِيهِمَا مِنَ التَّصْدِيقِ الْإِيْمَانِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا رَاجِعًا إِلَى الذُّكُورِ وَالْإِنَاثِ بِالتَّغْلِيْبِ وَغَطَّفَ الْفِعْلُ عَلَى الْإِسْمِ فِي صِلَةِ أَلْ لِأَنَّهُ فِيهَا حَلٌّ مَحَلٌّ الْفِعْلِ وَذَكَرُ الْقَرْضِ بِوَصْفِهِ مَعَدُّ التَّصَدُّقِ تَقْيِيدًا لَهُ يُضَعِّفُ وَفِي قِرَآءَةِ يُضَعِّفُ بِالتَّشْدِيدِ اِي قَرْضُهُمْ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۖ الْمُبَالِغُونَ فِي التَّصْدِيقِ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ عَلَى الْمُكِيدِينَ مِنَ الْأَسْمِ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الدَّالَّةِ عَلَى وَحْدَانِيَّتِنَا هِيَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۹﴾ النَّارِ .

ترجمہ..... : سورہ حدید کی یہ یاد دہانی ہے جس میں ۲۹ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اللہ کی پائی بیان کرتے ہیں آسمانوں اور زمین میں بھی (یعنی ہر چیز اللہ کی پائی بیان کر رہی ہے۔ لام زائد ہے اور من کی بجائے ما استعمال کیا گیا ہے اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے) اور وہ (اپنے ملک میں) زبردست (اپنی کاریگری میں) حکمت والا ہے آسمان و زمین کی سلطنت اسی کی ہے وہی (پیدا کر کے) زندگی دیتا ہے اور وہی (اس کے بعد) موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے وہی اول ہے (سب سے پہلے جس کی کوئی ابتداء نہیں ہے) اور وہی آخر ہے (ہر چیز کے بعد ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے) اور وہی ظاہر ہے (دائل کی روشنی میں) اور وہی (جو اس کی گرفت) سے مخفی ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کر دیا (دنیا کے دنوں کا اعتبار کرتے ہوئے اتوار سے شروع کر کے جمعہ تک پورا کر ڈالا) پھر عرش قائم ہوا (عرش سے کرسی مراد ہے اور قائم ہونا اس کے شایان شان ہے) وہ جانتا ہے زمین میں جو چیز داخل ہوتی ہے (جیسے بارش اور مردے) اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (جیسے بنریاں اور معدنیات) اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے (جیسے رحمت و رحمت) اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے (جیسے اچھے و برے اعمال) اور وہ (اپنے علم سے) تمہارے ساتھ رہتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو اور تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور اللہ ہی کی طرف سب چیزیں (کل کی کل موجودات) لوٹ جائیں گی وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے) اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے (جس کی وجہ سے رات بڑی اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے) اور وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے (جو کچھ دل میں اسرار و اعتقادات ہوتے ہیں) تم لوگ ایمان لے آؤ (ایمان پر برقرار رہو) اللہ اور اس کے رسول پر اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا قائم مقام بنایا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو (یعنی وہ مال جو پہلوں سے تمہیں ملا ہے اور تم سے تمہارے بعد والوں کو ملے گا۔ یہ آیت غزوہ عسیرہ یعنی غزوہ تبوک میں نازل ہوئی ہے) سو جو لوگ تم سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں (حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ ہے) ان کو بڑا ثواب ملے گا اور کیا سبب ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے (کفار کو خطاب ہے یعنی ایمان لانے سے تمہارے لئے کیا رکاوٹ ہے) اللہ پر حالانکہ رسول تم کو دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور تم سے لیا گیا تھا (اخذ ضمہ ہمزہ اور کسرہ خا کے ساتھ ہے اور دونوں فتح اور بعد کے نصب کے ساتھ بھی ہے) عہد (یعنی اللہ نے تم سے روز اول عہد لیا تھا جب کہ تم سے الست برہم کہہ کر شہادت لی تھی تم سب نے اقرار کر لیا تھا) اگر تم ایمان لانا چاہو (ایمان لانے کا ارادہ کرو تو فوراً کاربند ہو جاؤ) وہی ہے جو اپنے بندہ پر صاف صاف آیات (قرآن) بھیجتا ہے تاکہ وہ (کفر کی) اندھیروں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لے آئے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر (کفر سے ایمان کی طرف لانے میں) بڑا شفیق مہربان ہے اور تمہیں (ایمان لانے کے بعد) کیا رکاوٹ ہے کہ



خرچ نہیں کرتے (الا ان لا تھا، نون کا لام میں ادغام کر دیا گیا ہے) اللہ کی راہ میں حالانکہ سب آسمان وزمین اخیر میں اللہ ہی کا رہ جائے گا (مع ان تمام چیزوں کے جو آسمان وزمین میں ہی یعنی سارا مال اللہ کے پاس پہنچ جائے گا بغیر خرچ کے ثواب کے البتہ اگر تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا تو تمہیں ثواب ملے گا) تم میں وہ لوگ برابر نہیں جو فتح مکہ سے پہلے خرچ کر چکے اور لڑ چکے۔ وہ لوگ درجہ میں بڑے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑے سب سے (دونوں فریقوں میں۔ اور ایک قراءت میں رفع کے ساتھ مبتداء ہے) اللہ نے بھلائی (جنت) کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے (وہ ان پر تمہیں بدلہ دے گا) کوئی ہے جو اللہ کو قرض دے (اللہ کی راہ میں مال صرف کرے) عمدہ طریقہ پر (صرف اللہ کے لئے صرف کرے) پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے لئے بڑھاتا ہے (ایک قراءت میں فیضعف تشدید کے ساتھ ہے۔ ثواب کا بڑھانا دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک جیسا کہ سورہ بقرہ میں ہے) اور اس کے لئے (اس بڑھوتری کے) پسندیدہ اجر ہے (جس کے ساتھ خوشنودی اور عنایات بھی شامل ہوگی آپ یاد کیجئے جس دن آپ مسلمان مردوں اور عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نوران کے سامنے (آگے) اور داہنی طرف دوڑتا ہوگا (اور ان سے کہا جائے گا کہ) آج تمہیں خوش خبری ہے ایسے باغوں (میں جانے) کی جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے جس روز منافق مرد اور عورتیں مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم پر نظر کرو (ہمیں دیکھو، ایک قراءت میں انظر ونا فتح ہمزہ اور کسرہ ظا کے ساتھ ہے یعنی ہمارا انتظار کرو) ہم بھی کچھ روشنی حاصل کر لیں (شعلہ اور چمک حاصل کر لیں) تمہارے نور سے (ان کو جواب دیا جائے گا) (ان کا مذاق اڑاتے ہوئے) تم پیچھے لوٹو پھر روشنی تلاش کرو (چنانچہ وہ پلٹیں گے) کہ نور ان کے (اور مسلمانوں کے) درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی (بعض کی رائے ہے کہ وہ دیوار اعراف ہوگی) جس میں ایک دروازہ ہوگا اس کی اندرونی جانب (مسلمانوں کے لئے) رحمت اور بیرونی جانب (منافقین کے لئے) عذاب ہوگا۔ یہ ان کو پکاریں گے کہ کیا ہم (کہا ماننے میں) تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو گمراہی (نفاق) میں پھنسا رکھا تھا اور تم (مسلمانوں پر مصیبتوں) کے منتظر رہا کرتے تھے اور تم دین اسلام میں شک کیا کرتے تھے اور تم کو تمہاری بے ہودہ تمنائوں (آرزوؤں) نے دھوکا میں ڈال رکھا تھا (یہاں تک کہ تم پر اللہ کا حکم (موت) آ پہنچا اور تم کو دھوکا دینے والے (شیطان) نے اللہ کے معاملہ میں دھوکا میں ڈال رکھا تھا) غرض آج تم سے سنا نہیں جائے گا (یوخذ یا اور تا کے ساتھ ہے) فدیہ اور نہ کافروں سے تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ وہی تمہارا ساتھی (تمہارے لائق) ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ کیا ابھی وقت (زمانہ) نہیں آیا ایمان والوں کے لئے (صحابہ جب بکثرت ہنسی مذاق کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی) کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے اور جو نازل ہوا (نزل تخفیف و تشدید کے ساتھ ہے) دین حق اس کے سامنے جھک جائیں اور نہ ہو جائیں (تخفیع پر عطف ہے) ان لوگوں کی طرح جن کو ان سے پہلے کتاب ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) پھر ان پر ایک مدت دراز گزر گئی (ان کے اور انبیاء کے درمیان کا زمانہ) پھر ان کے دل سخت ہو گئے (اللہ کی یاد سے نرمائے نہیں) اور بہت سے آدمی ان کے نافرمان ہیں۔ یہ بات جان لو (مذکورہ مومنین کو خطاب ہے) کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے خشک ہوئے پیچھے زندہ کر دیتا ہے (ہریالی آگا کر۔ ایسے ہی تمہارے دلوں کو خوف الہی کی طرف پلٹ سکتا ہے) ہم نے تم سے نظائر بیان کر دیئے ہیں (جو ہماری قدرت کو ظاہر کر رہے ہیں، یہاں بھی اور دوسرے مقامات میں بھی) تاکہ تم سمجھو۔ بلاشبہ صدقہ دینے والے مرد (تصدق سے ماخوذ ہے تاکہ صا د میں ادغام کر دیا گیا ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ الذین تصدقوا) اور صدقہ کرنے والی عورتیں (جو خیرات کرتی ہیں، ایک قراءت میں دونوں لفظ تخفیف صا د کے ساتھ ہیں۔ یعنی ایمان کی تصدیق) اور اللہ کو خلوص کے ساتھ قرض دے رہے ہیں (مرد و عورتیں دونوں مراد ہیں بطور تغلیب کے اور فعل کا عطف الف لام کے تحت جو اسم ہے اس پر ہو رہا ہے۔ کیونکہ اسم میں معنی فعل سرایت کر گئے ہیں اور صدقہ کے بعد قرض کو صفت کے ساتھ بیان کرنے سے صدقہ بھی اسم صفت کے ساتھ مقید ہو جاتا ہے) وہ صدقہ بڑھا دیا جائے گا (ایک قراءت میں یضعف تشدید کے ساتھ ہے یعنی ان کا قرضہ) ان کے لئے اور ان کے پسندیدہ اجر ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں ایسے ہی لوگ اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق ہیں (مبالغہ کا صیغہ ہے) اور تمام امتوں میں سے جھٹلانے والوں کے خلاف (گواہ ہوں گے اپنے پر

وردگار کے حضور، ان کے لئے ان کا ثواب اور ان کا نور ہوگا۔ اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو انہوں نے جھٹلایا (جن سے ہماری حدانیت معلوم ہو رہی تھی) یہی لوگ دوزخی ہیں۔

**تحقیق و ترکیب** مسح اللہ۔ مسح اگرچہ خود متعدی ہے لیکن اس کا انداز کید کے لئے ہے۔ جیسے نصحت لے یا لامتعصیہ مانا جاوے۔ یعنی تسبیح کی غرض سے فرائض الہی ہے۔ کسی اور غرض کے لئے نہیں ہے۔ یہ لفظ بعض سورتوں کے شروع میں صیغہ ماضی سے اور بعض میں صیغہ مضارع سے آیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کرنے کے لئے کہ اس کی تسبیح ہر حال میں ہے اور یہی تسبیح اختیاری ہے کہ ہر وقت اس کی تزییہ کی جائے۔ سموات۔ عالم ملوئی اور ارض سے عالم عقلی مراد ہے اور چونکہ غیر ذوی العقول پر نسبت ذوی العقول زیادہ ہیں۔ اس لئے سب کو ایک شمار کر کے ماریا گیا۔ ذوی العقول کی تسبیح تو بالاتفاق قوی ہیں۔ البتہ غیر ذوی العقول کی تسبیح میں اختلاف ہے۔ بعض ان میں بھی تسبیح قوی مانتے ہیں۔ گو اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ اور بعض کے نزدیک ان میں صرف تسبیح حالی ہوتی ہے۔ وان من شیء الا یسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبیحہم۔

ہو الاول۔ ابتدا حقیقی اور انتہا حقیقی صرف اللہ کے لئے ہے۔ حدیث اول ماخلق اللہ نوری کو ابتدا اضافی پر۔ اسی طرح جنت و جہنم کو انتہا اضافی پر محمول کیا جائے گا۔ صرف وجود حقیقی ہی کے لئے بقاء حقیقی ذاتی ہے۔

فی سئۃ ایام۔ دن اور رات کا تعلق چونکہ زمانہ سے ہے اور زمانہ زمین کے سورج کے گردش کرنے سے بنتا ہے۔ لیکن وہاں یہ سب پتہ نہیں تھا اس لئے مفسر نے تاویل کی کہ دنیا کے چھ دنوں کی مقدار مراد ہے اور اس میں تعینات فرض کر کے ان کا نام اتوار، جمعہ کر دیا گیا۔

تم استوی۔ یہ کنایہ ہے کہ اللہ کے علم و قدرت اور انفرادیت پر ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ جلس فلان علی سریر الملک۔ یعنی سلطنت و حکومت کی بگ۔ اور سنبھل لی۔ حالانکہ وہاں نہ تخت ہوتا ہے اور نہ بیٹھنا اور ثم عظمت کے لئے لایا گیا ہے۔

وما یعرح فیہا۔ صرف اعمال حسنا و پر جاتے ہیں۔ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔ اس سے مفسر کو اعمال سیئہ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔

وہو معکم۔ تاویل تخریمہ میں ہے کہ یہاں معیت سے مراد وہ نہیں جو عوام و خواص سمجھتے ہیں۔ بلکہ ذوق کشتی شہودی کی معیت ہے یعنی مراتب شہود کے اعتبار سے اللہ کی معیت ہمارے ساتھ ہے۔ ان کنتم فی المشہد الفعلی فانما معکم بالتجلی الذاتی ما اتقدم ولا اتاخر عنکم۔

امنوا باللہ۔ دائل توحید کے بعد ایمان و رسالت و اتفاق کا ذکر ہے۔ چونکہ مسلمان مخاطب ہیں۔ اس لئے مفسر نے دوام ایمان اور بقاء ایمان مراد لیا ہے۔ کیونکہ دائل توحید میں غور و فکر سے زیادتی اور دوام ایمان حاصل ہوتا ہے۔

مستخلفین۔ یعنی جس طرح پہلوں کے پاس مال نہیں رہا۔ تمہارے اور تمہارے بعد والوں کے پاس بھی نہیں رہے گا، کیونکہ حقیقی ملکیت اللہ کی ہے انسان تو صرف خلیفہ تصرف ہے۔ اس لئے دوسرے کے مال میں انسان بخل کیوں کرتا ہے اور صرف بے جا کیسے کرتا ہے؟ سورۃ کوکبی ماننے کی سورت میں اس کو غزوہ تبوک سے متعلق کہنا مشکل ہے لایہ کہ اس کوکبی ہونے سے مستثنیٰ کر لیا جائے۔ حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی نے اس میں بڑھ چڑھ کر مالی تعاون پیش کیا۔ چنانچہ مخر الذکر نے تین سولہ ہجرتوں اور ہزار دیناری پیشکش کی۔

مدینہ سے چودہ مرحلہ کے فاصلہ پر شام کے ایک علاقے کا نام تبوک ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے غزوہ طائف سے واپسی پر ۹ھ میں بڑے اہتمام سے فوج کشی فرمائی۔ لیکن بیس روز قیام کے باوجود لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ بلکہ جزیہ پر مصالحت ہو گئی۔ یہ آنحضرت کا سب سے آخری غزوہ ہے۔ جیسا کہ بدر کا معرکہ سب سے اول غزوہ شمار ہوتا ہے۔

ان کنتم مؤمنین۔ بظاہر اول کی آیت و مالکم تؤمنون میں اور اس آیت میں منافات معلوم ہوتی ہے جس کا ایک جواب تو مفسرین عبارت سے مفہوم ہو رہا ہے کہ یہاں ارادہ ایمان مراد ہے اور پہلی آیت میں ایمان نہ لانے پر تعجب کا اظہار ہو رہا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ایمان سے مراد حضرت موسیٰ و عیسیٰ پر ایمان لانا ہے جو مقتضی ہے آنحضرت پر ایمان لانے کے لئے جس پر اظہار تعجب پہلی آیت میں کیا گیا ہے۔

و مالکم الا تفقوا۔ یعنی مال تو بہر صورت چھوٹے گا۔ خواہ بلا اجر کے یا اجر کے ساتھ پھر اجر حاصل کر کے کیوں مال نہیں چھوڑتے۔ یعنی فی سبیل اللہ خرچ کر کے اس میں ایک چیز جاتی ہے تو دوسری آتی ہے۔

لا یستوی منکم من انفق۔ اصل عبارت اس طرح تھی۔ لا یستوی من انفق و ما انفق۔ لیکن ما انفق کی بجائے اولئک اعظم درجۃ پر اکثف کر لیا گیا۔

اولئک اعظم۔ حضرت ابوبکرؓ نے سب سے اول مال کی پیش کش اور کل اثاث البیت لا حاضر کیا۔ جس سے ان کی امتیازی فضیلت ثابت ہوئی۔

وعد اللہ الحسنی۔ یہ کل مبتداء کی خبر ہے جس میں ضمیر محذوف ہے ای وعد اللہ الحسنی الجنة۔

من الذی۔ من استفہامیہ مبتداء ہے۔ قرض اللہ صلہ ہے اور انفاق کو تنزیل اقرض فرمایا گیا۔ ورنہ حقیقی مالک تو اللہ ہے یا اس کے صلہ میں بڑھ چڑھ کر چونکہ صلہ ملتا ہے اس لئے قرض فرمایا گیا۔

فیضعفہ۔ ابو عمر اور اکثر قراء رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں اور عاصمؓ کے نزدیک نصب کی قرأت ہے۔ جواب استفہام کے طور پر۔ ابن عامر تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ولہ اجر کریم۔ فیضعفہ سے مراد چونکہ اجر ہے۔ اس کے بعد ”اجر کریم“ بظاہر تکرار ہے۔ مفسر نے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے رضائے الہی مراد ہے جو اجر و ثواب سے بڑھ کر ہے۔ علامہ زنجیزیؒ اس جملہ کو حالیہ کہتے ہیں۔ پس اجر بلحاظ کمیت تو مضاف ہوگا اور بلحاظ کیفیت کریم ہوگا۔ یعنی فی نفسہ بھی بہترین ہوگا اور بلحاظ مقدار بھی عظیم۔

یسوم۔ اذکر محذوف کا مفعول ہے یا اجر کریم اور یضاعفہ کا ظرف ہے یا تقدیر اس طرح ہے یوجرون یوم تری۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ اس میں عامل سعی ہو۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ فیضاعفہ عامل ہو اور سعی حال ہو اور ”بین ایدہم“ سعی کا ظرف یا نورہم سے حال ہو۔

نورہم۔ نور ایمان و عمل مراد ہے۔ اسی لئے سامنے اور داہنی جانب کی تخصیص کی۔ کیونکہ نیکیاں اسی طرف ہوتی ہیں۔ گویا داہنے ہاتھ میں ایمان کی نارچ ہوگی کہ جس کی روشنی اور کرنیں سامنے کا راستہ دکھلا رہی ہوں گی۔ اور بعض کی رائے ہے کہ تمام مستحقین مراد ہیں شرف کی وجہ سے ان دو جانبوں کا ذکر فرمادیا۔ تسمیہ الكل باسم انجزاء کے طریقہ پر۔

وبایمانہم۔ مفسر نے ویکن مقدّر مان کر متعلق مذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔ جو سعی کا معطوف علیہ ہے بین ایدہم پر اس کا عطف درست نہیں کیونکہ سعی سامنے ہوا کرتی ہے داہنی جانب نہیں ہوتی۔

بشر اکم الیوم حس۔ بشر اکم مبتداء ہے جنات تقدیر مضاف خبر ہے اور الیوم ظرف ہے۔ پھر یہ جملہ یقال مقدر کا مفعول منصوب ہو جائے گا حال الدین۔ حال ہے اس میں عامل مضاف محذوف ہے۔ ائی بشر اکم و نولکم جنات خالدین فیما اس میں ضمیر مخاطب فاعل کو حذف کر دیا مصدر کی اضافت منوع کی طرف ہے۔ پھر مضاف حذف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہو گیا۔ بشر اکم کو عامل نہیں کہا جاسکتا کیونکہ مصدر ہے اس کو عامل بنانے سے فصل باجنسی لازم آجائے گا۔

انظروا۔ یعنی ہماری طرف رخ کر کے ہمیں دیکھو تو چہروں کے نور سے ہمارا راستہ کٹ جائے گا۔

فَضْرَبَ - بظاہر یہ قبل اور جمعوا و داء تکم پر معطوف ہے اس طرح یہ استعارہ تمثیلیہ ہوا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ جنت و جہنم کے درمیان اعراف قائم کر دیا جائے گا جو حجاب ہوگا۔

بسور - بازائد ہے سور المدینہ شہر کی چار دیواری شہر پناہ کو کہتے ہیں یہاں مقام اعراف مراد ہے۔

لہ ناب - یہ جملہ سور کی صفت ہونے کی وجہ سے محلا مجرور ہے اور باب کی صفت ہونے کی وجہ سے محلا مرفوع ماننا بہتر ہے کیونکہ ضمیر کا مرجع اقرب ہونا چاہیے۔ اور زید بن علی اور عمر بن عبید نے فَضْرَبَ کو معروف پڑھا ہے۔

باطنہ ای باطن السور او الباب۔

ینادونہم۔ اول ضمیر منافقین کی طرف اور دوسری موتین کی طرف راجع ہے۔

الم یان - عام قراءت سکون ہمزہ اور کسرون کے ساتھ ہے باب رئی سے مضارع معتل ہے محذوف الیاء ای لم یجعی الخ آن ینین حان یجعی کی طرح ہے بلحاظ وزن اور معنی کے جیسے غیر ناظرین اتاہ۔

عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ قلوب کی قسوت یہ ہے کہ دل مضبوط ہو جائیں قرآن کی تلاوت سے بھی ان میں کوئی تغیر پیدا نہ ہو۔ بلکہ تمکین و استقامت حاصل ہو جائے جیسے دل کا حال پہلے تھا وہی کیفیت رہے۔ جیسا کہ بعض کا مقولہ ہے۔ حالی قبل الصلوٰۃ کحالی فی الصلوٰۃ اس میں شہودی حالت کے استمرار کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے ہی قسوت قلوب ہم میں بظاہر یقین ہے مگر فی الحقیقت نخسین ہے کیونکہ حالت تمکین و شہودی کی طرف اشارہ ہے۔

بقیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ضعیفاء مریدین کا حال بیان کر رہی ہے جن میں ابھی حظوظ نفس کی طرف میلان باقی ہے، ذکر اللہ کرنے سے ان میں خشوع پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن اہل صفوہ وہ ہوتے ہیں جو اللہ کی محبت کی آگ میں بھسم اور خاک ہو جاتے ہیں۔

وما نزل من الحق - ذکر اللہ سے مراد بھی اگر قرآن لیا جائے تو پھر یہ عطف ایک وصف کا دوسرے وصف پر ہو جائے گا، ورنہ عطف حاصل علی الاعمال ہوگا قرآن جامع ہے ذکر و عطا کو۔

اعلموا - یہ مزاح کرنے والے لوگوں کو خطاب ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بلکہ جس طرح باران رحمت سے زمین لہلہا اٹھتی ہے اسی طرح ذکر و فکر و انابت سے دل کی کھیتیاں ہری بھری ہوں جائیں گی۔

ان المصدقین - ابن کثیر تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں یعنی تصدیق ایمان کرنے والے۔

واقروضوا - یعنی اگرچہ لفظ جمع مذکر ہے مگر مراد مذکر و مونث دونوں ہیں تغلیباً ورنہ اگر صرف مذکر مراد لئے جائیں گے تو صلہ کے تمام ہونے سے پہلے اس پر عطف لازم آئے گا۔ خطیب میں لکھا ہے کہ اقروضوا اللہ کا عطف معنی فعل پر ہو رہا ہے جو المصدقین میں ہے۔ کیونکہ الف لام معنی میں الذین کے ہے اور مصدقین اصدقوا کے معنی میں ہے۔ ای الذین اصدقوا واقروضوا اللہ تفسیری عبارت و ذکر القرض اس شبہ کا جواب ہے کہ مصدقین کے معنی صدقہ کے ہیں اور صدقہ اور قرض ایک ہے۔ پھر صدقہ کے بعد قرض کو کیوں ذکر کیا گیا؟ حاصل جواب یہ ہے کہ صدقہ کے لئے صفت حسن ثابت کرنے کے لئے بطور تمہید قرض کا ذکر کیا گیا ہے یعنی قرض حسنہ خوشدلی سے صدقہ کا نام ہے اس لئے تکرار نہیں رہا۔ کیونکہ پہلے مطلق صدقہ کا ذکر تھا اور یہاں صدقہ حسنہ مراد ہے۔

یضعف - ابن عامر، ابن کثیر کی قراءت تشدید کے ساتھ یعنی اعمال النامہ میں نیکیاں دس گنا سے سات سو گنا تک لکھی جائیں گی۔

لہم - مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ فعل کی اسناد لہم کی طرف ہو سکتی ہے۔

والذین امنوا - الذین مبتداء اول، اولئک مبتداء ثانی، ہم مبتداء ثالث ہے اس طرح خبر تیسرے مبتداء سے مل کر دوسرے کی اور وہ پہلے مبتداء کی خبر ہو جائے گی۔ اور ہم ضمیر فصل بھی ہو سکتی ہے۔

صدیق۔ اکثر ثلاثی سے آتا ہے صدیق مبالغہ ہے وہ تصدیق کے اعلیٰ مرتبہ پر ہوتا ہے جو نبوت سے نیچے ہے۔ یہاں عام تصدیق ایمانی مراد نہیں ہے۔

والشهداء۔ اس کا پہلے پر عطف کیا جائے تو شہداء پر عطف تام ہوگا۔ لیکن اگر اس کو مبتداء بنایا جائے تو اس کی خبر کی دو صورتیں ہوں گی۔ عند ربہم بھی خبر ہو سکتی ہے اور لہم اجر ہم بھی خبر بن سکتی ہے خواہ پورا جملہ خبر ہو یا صرف لہم، اجر ہم اس کا فاعل ہوگا۔ مفسر نے علی المکذبین سے اشارہ کیا ہے شہداء شہاد کی جمع ہے بمعنی شہید۔

ربط آیات پچھلی سورت تسبیح کے حکم پر ختم ہوئی اور یہ سورت تسبیح کی خبر سے شروع ہو رہی ہے اور اس خبر اور دوسرے افعال و صفات سے مقصود توحید ثابت کرنا ہے۔ پھر آیت امنوا باللہ الخ سے توحید قبول کرنے کا حکم ہے اور توحید چونکہ اعتقاد رسالت کے بغیر معتبر نہیں اس لئے ایمان بالرسول کا حکم بھی شامل ہے۔ اسی کے ساتھ کمال ایمان کی ایک بڑی علامت اتفاق کا حکم ہے جہاد میں جان و مال دونوں قربان کرنے پڑتے ہیں اور جہاد شاعت اسلام میں معین ہوتا ہے جس کا حاصل یہ نکلا کہ خود بھی ایمان لاؤ اور دوسروں کے ایمان لانے کی کوشش بھی جاری رکھو کہ ان کی خوبیوں پر اجر اور ان کے چھوڑنے پر ملامت ہے۔

اس کے بعد آیت یوم تری المؤمنین سے دو باتیں ارشاد فرمائی جا رہی ہیں۔ ایک کامل ایمان کا مطلوب و مامور یہ ہونا جس میں اقرار باللسان تصدیق بالہجنان، عمل بالا ارکان تینوں کا مجموعہ و مقصود ہے۔ اسی لئے منافقین پر عتاب کیا جا رہا ہے جنہیں نہ تصدیق حاصل ہے اور نہ خشوع و خضوع جس کی وجہ سے وہ ایمان اور کمالی ایمان دونوں سے محروم ہے۔ دوسرے ایمان کامل اور اتفاق کی فضیلت اور بشارت ارشاد سے ہر چند کہ یہ مضمون پہلی آیت میں بھی تھا۔ مگر تبعا اور یہاں مستقل طور پر ”مقصود بنا کر“ ہے اور عنوان بھی مختلف ہے اس لئے مکرر نہیں کیا جاسکتا اور درمیان میں منافقین کے ساتھ اور اخیر میں مؤمنین کے ذکر کے بعد کفار کی مذمت و عقوبت کا بیان بطور مقابلہ ہے۔

روایات: مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ انت الظاہر لیس فوقک شی وانت الباطن فلیس دونک شی۔ تو اس میں فوق سے مراد ظاہر ہونے میں فوق کی نفی ہے۔ اسی طرح دون کے معنی یہ ہیں کہ آپ سے بڑھ کر باطنی اور خفی ہونے میں کوئی نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ کا ظاہر ہونا بھی سب سے بڑھ کر ہے۔ ذرہ ذرہ میں اسی کا جلوہ نمایاں ہے اور اس سے بڑھ کر باطن بھی کوئی بھی نہیں۔ اس کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے۔

قیل ارجعوا۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ ان اللہ یعطی لكل مومن نوراً ولکل منافق نوراً فاذا استروا علی الصراط سلب اللہ سور المنافقین والمنافقات فقال المنافقون انظرونا نقبیس من نور کم وقال المومنون اقم لنا نورنا فلا یدکر عند ذلک احدا احدا۔

لیکن ابن جریر اور بیہقی کی روایت ہے فقال المومنون ارجعوا وراء کم من حیث جنتکم من الظلمۃ فالتمسوا ہنالک الیوم۔

اور ابوامامہ کی روایت ہے۔ قیل لہم ارجعوا وراء کم فالتمسوا نوراً وہی خدعة اللہ تعالیٰ الی خدع بہا المنافقین حیث قال یخدعون اللہ وہو یخدعہم فیرجعون الی المکان الذی قسم فیہ النور فینصرفون الیہم اور بقول صاوی یہ معنی ہیں کہ دور ہو جاؤ ذلت کے ساتھ ہمارے پاس تمہارے لئے نور نہیں ہے۔ گویا یہ ان کے ساتھ استہزاء ہوگا۔ کیونکہ وہ نہ اپنے موقف میں واپس جا سکتے ہیں۔ اور نہ دنیا میں۔

آیت الم یان للذین کے سلسلہ میں ابن مردویہ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ صحابہؓ بیٹھے ہیں۔ فرمایا کہ کیا تمہارے پاس اللہ کا فرمان آگیا جو اس بے فکری سے بیٹھ رہے ہو۔ تمہارے اس بیٹھنے پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس بیٹھنے کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا کہ جتنے بیٹے ہواستے ہی روؤ۔ صحابہؓ کے ایک گونہ خوشحال ہونے سے یہ ہنسی مذاق ہوئی۔ جس کی وجہ سے عبادت میں بھی سستی ہونے لگی تھی۔

ابن معوذفر، تے ہیں کہ ہمارے مسلمان ہونے کے چار سال بعد یہ آیت عتاب نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾ ..... سبح لله۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ ہی کی زبان حال یا قال سے یادوں سے تسبیح کرتی ہے اور سب کے وجود و عدم کی باغ و اوراسی کے ہاتھ ہے۔ سب جگہ اسی کا حکم و اختیار چلتا ہے۔ کوئی طاقت اس کے ٹکونی تصرف کو روک نہیں سکتی۔ جب کوئی نہ تھا تب بھی وہ موجود تھا اور کوئی نہ رہے تب بھی وہ موجود رہے گا۔ ہر چیز کی نمود و بود اسی کے وجود سے ہے۔ پھر اگر اس کا وجود ظاہر و باہر نہ ہو تو اور کس کا ہو گا۔ عرش سے فرش تک اور ذرہ سے آفتاب تک ہر چیز کی ہستی اس کی ہستی کی روشن دلیل ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کے کئی ذات اور صفات کی تہہ تک عقل و ادراک کی رسائی نہیں۔ کسی ایک صفت کا احاطہ بھی کوئی نہیں کر سکتا، نہ اپنی رائے و قیاس سے اس کی کچھ کیفیت بیان کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اس سے زیادہ باطن اور پوشیدہ کوئی نہیں۔ بہر حال وہ اندر بھی باہر بھی ظاہر باطن بھی ہے اور کھلے چھپے سب احوال کا جاننے والا ہے۔ ظاہر غائب ایسا کہ اس سے اوپر کوئی طاقت نہیں۔ باطن ایسا کہ اس سے پرے کوئی موقعہ نہیں کہ اس کی آنکھ سے اوچھل ہو سکے۔

علم الہی کا احاطہ ..... یعلم ما یلج۔ اس کے علم کا ادنیٰ کرشمہ ہے کہ بارش کا پانی اور بیج مثلاً زمین کے اندر جاتا ہے اور یہ کھیتی درخت وغیرہ جو کچھ اس سے باہر نکلتے ہیں وہ سب سے واقف ہے۔ آسمان سے فرشتے احکام، قضاء و قدر کے فیصلے، بارش وغیرہ جو چیزیں اترتی ہیں۔ اور اسی طرح جو اعمال اور فرشتے اوپر چڑھتے ہیں۔ سب کی اس کو خبر ہے۔ کسی وقت بھی اللہ تم سے غائب نہیں۔ بلکہ جہاں کہیں تم ہو، جس حال میں ہو وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ اور سب کھلے چھپے اعمال کو دیکھتا ہے۔ اس کی قلم سے نکل کر کہاں جاسکتے ہو، سب جگہ اسی کی حکومت ہے اور آخر سب کاموں کا فیصلہ وہی سے ہوگا۔

پہلے لے ملکت السموات فرمانا زندگی اور موت دینے کے سلسلہ میں تھا اور یہاں بعث و قیامت کی تحقیق لئے ہے اس لئے آیت میں تکرار نہیں رہا۔ اللہ کبھی رات بڑھاتا ہے دن گھٹا کر اور کبھی دن بڑھاتا ہے رات گھٹا کر وہ دلوں کے ارادوں، نیتوں، وسوسوں اور خطروں سے باخبر رہتا ہے۔

مال اللہ کا ہے اسی کی مرضی سے خرچ کرو: جو مال تمہارے پاس ہے وہ اللہ کا ہے۔ تمہاری امانت میں دے رکھا ہے کہ تم محض خزانچی ہو۔ جہاں مالک بتائے اس کی نیابت سے خرچ کرو۔ دیکھو یہ مال کبھی دوسروں کے ہاتھ میں تھا، تمہارے پاس آیا۔ ایسے ہی سمجھو کہ تمہارے پاس سے کہیں اور جائے گا۔ پس جب یہ مال اوروں کے پاس نہ رہا تو تمہارے پاس بھی نہیں رہے گا۔ تو ایسی بے وفا اور ہرجائی چیز سے دل لگانا کہاں کا انصاف ہے۔ اور ضروری اور مناسب موقعوں سے کترانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ لہذا جن لوگوں میں ایمان اور انفاق نہیں انہیں چاہیے کہ اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کریں۔ اور جن میں یہ صفت و خصلت موجود ہے۔ انہیں اسی راستہ پر قائم رہنا چاہیے۔

ایمان فطرت کی پکار ہے: و مالکم لا تؤمنون۔ اللہ پر ایمان لانا، یقین و معرفت کے راستوں پر چلتے رہنے سے کیا چیز رکاوٹ بن سکتی ہے۔ آخر اس میں سستی کیسی، جبکہ اللہ کا رسول تمہیں تمہارے حقیقی پرورش کرنے والے کی طرف دعوت دے رہا ہے جس کا اعتقاد تمہاری فطرتوں میں پیوستہ کر دیا گیا ہے اور جس کا اقرار تم دنیا میں آنے سے پہلے کر چکے ہو۔ جس کا کچھ نہ کچھ اثر آج بھی قلوب سلیم میں پایا جاتا

ہے۔ پھر دلائل اور پیغمبروں کے ذریعے، اس ازلی بیان و عہد کی یاد دہانی بھی کرائی جاتی رہی اور پچھلے انبیاء نے اپنی امتوں سے یہ عہد بھی بیا کہ آخری پیغمبر کی پیروی کریں۔ چنانچہ بہت سے لوگ وہ ہیں جنہوں نے خود آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر طاعت و فرمانبرداری اور اللہ کی راہ میں مال قربان کرنے کا پکا عہد کیا ہے۔ پس اس کے بعد کہاں گنجائش ہے کہ جو ماننے کا ارادہ رکھتا ہو وہ نہ مانے اور جو مان چکا ہو وہ اس سے انحراف کرنے لگے جب کہ اللہ نے اپنا آخری کلام قرآن اتارا اور سچائی کے نشانات دیئے۔ جن سے تم کفر و جہل کی اندھیرویوں سے نکل کر علم و ایمان کے اجالے میں آ جاؤ، یہ اللہ کی کتنی بڑی مہربانی اور شفقت ہے۔ ورنہ انہی اندھیرویوں میں پڑا چھوڑ کر تمہیں ہلاک کر دیتا۔ یا ایمان لانے کے بعد بھی پچھلی خطاؤں کو معاف نہ کرتا تو کیا ہوتا؟ اور یہ گفتگو تو ایمان نہ لانے کے متعلق تھی۔ لیکن اب اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کے متعلق ہم پوچھتے ہیں

اللہ کی راہ میں مال لگانا: ..... وما لکم الا تفقوا۔ کہ جب مال تمہارا نہیں بلکہ اصل مالک اللہ ہے۔ پھر اس کے مال میں سے اس کے حکم کے مطابق خرچ کرنا بھاری کیوں معلوم ہوتا ہے۔ خوشی اور اختیار سے نہ دو گے تو بے اختیار اسی کے پاس پہنچے گا۔ بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ خوش دلی سے پیش کرے اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے فقر و افلاس سے نہ ڈرے زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک جب اللہ ہے تو کیا اس کے راستہ میں خوشی سے خرچ کرنے والا بھوکا رہ سکتا ہے؟

لا یستوی منکم۔ یہاں سے خرچ کرنے والوں کا فرق مراتب کا بیان ہے کہ نفس خرچ میں اگرچہ سب برابر ہوتے ہیں اور مستحق اجر و ثواب لیکن مقدار اور موقع محل اور ضرورت بے ضرورت کے لحاظ سے خرچ کرنے کی قدر و قیمت مختلف ہو جایا کرتی ہے۔ فتح مکہ سے پہلے جان و مال بچھاؤر کرنے والوں کا جو مقام ہے ظاہر ہے کہ بعد والے اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ بقول روح المعانی اس وقت مسلمانوں کے کم اور کمزور ہونے کی وجہ سے جدوجہد کی ضرورت زیادہ تھی اور مال غنیمت کی امید بھی کم تھی اس لئے اس وقت قربانیوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ظاہر ہے کہ بعد میں وہ بات نہیں رہ سکتی تھی۔

اس آیت میں بعض حضرات نے فتح سے صلح حدیبیہ مراد لی ہے۔ جیسا کہ بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ غرض یوں تو اللہ کی راہ میں جب بھی خرچ کیا جائے اور جہاد کیا جائے وہ اچھا ہے اللہ اس کا بدلہ دنیا و آخرت میں دے گا۔ لیکن وقت کی پکار کو سمجھنے والے اور بروقت ساتھ دینے والے با حوصلہ اور اولوالعزم کہلائیں گے۔ اللہ کو سب خبر ہے کہ کس کا عمل کس درجہ کا ہے اور اس میں خلوص و اخلاص کتنا ہے ہر ایک سے اسی کے مطابق برتاؤ کیا جائے گا۔

من ذا الذی۔ اس کو قرض کا نام اس لئے دیا کہ اس وقت جہاد میں جو کچھ تم صرف کرو گے پھر تم ہی دولتوں کو برتو گے اور آخرت میں تو اس کے صلہ کا کیا ٹھکانہ! اور نہ، اور غلام میں سود و بیاج کیسا جو دیا سو اس کا جو نہ دیا سو اس کا۔

ایمان کی تیز روشنی: .. یوم تری المؤمنین۔ میدان حشر سے جنت میں جانے کے لئے جب پہل صراط سے گزریں گے سخت اندھیرا ہوگا لیکن ایمان اور نیک عمل کی روشنی ساتھ ہوگی آگے بھی داہنے بھی۔ ایمان کی روشنی ممکن ہے آگے ہو اور عمل صالح کی داہنی طرف کیونکہ نیکیاں داہنی طرف ہی جمع ہوتی ہیں غرض یہ روشنی ایمان و عمل کے لحاظ سے کم و بیش ہوگی اور رسول ﷺ کے طفیل میں اس امت کے ایمان و عمل کی روشنی ممکن ہے تیز ہو اوروں کی مانند۔ اور بعض روایات سے روشنی کا بائیں طرف ہونا بھی معلوم ہوتا ہے ممکن ہے اسی روشنی کا اثر سب طرف پھیل جائے جنت چونکہ رضائے الہی کی جگہ ہے اس لئے جو وہاں پہنچ گیا سب مرادیں پا گیا۔

جنت دوزخ کے درمیان اعراف: .. یوم یقول المنافقون۔ جنتیوں و دوزخیوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔



جس میں ایک دروازہ ہوگا جس میں مومنین داخل ہو کر منافقوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں گے اور دروازہ کے اندر پہنچ کر جنت کا سماں ہوگا۔

**منافقین کی چیخ و پکار:** . . . اور ادھر دروازہ سے باہر عذاب الہی کا بھیانک نقشہ ہوگا جہاں تک کافروں اور کھلم منافقوں کا تعلق ہوگا وہ دونوں تو پہلے ہی جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ اس لئے پل صراط پر ان کا الگ ذکر نہیں کیا۔ البتہ جو لوگ کسی پیغمبر کی امت میں ہوں گے سچے یا کھلم نہیں پل صراط سے گزرنے کا حکم ہوگا۔ اس پر چڑھنے سے پہلے ایک اندھیرا گھیرے ہوئے ہوگا اس وقت ایمان والوں کے ساتھ روشنی ہوگی منافق بھی اس روشنی میں چلنا چاہیں گے۔ لیکن مومنین تیزی سے آگے بڑھ جائیں گے جس سے ان کی روشنی منافقین سے دور ہوتی جائے گی تب وہ پکاریں گے کہ میاں ذرا ٹھہر و تھوڑا سا انتظار کرو ہمیں بھی آنے دو تا کہ ہم بھی تمہاری روشنی میں ساتھ ساتھ چل سکیں۔ آخر دنیا میں بھی تو ہم تمہارے ساتھ رہتے تھے اور ہمارا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا تھا۔ اب اس مصیبت کے وقت اندھیرے میں چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ کیا حق رفاقت یہی ہے؟

درمنثور کی روایت کے مطابق ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے منافقین کے پاس بھی ان کے ظاہری ایمان کی وجہ سے کچھ نور ہوگا۔ مگر اعتقاد میں مخلص نہ ہونے کی وجہ سے پھر کچھ دیر بعد وہ نور گل ہو جائے گا اس لئے اندھیرے میں وہ ہاتھ پیر ماریں گے۔ نیز منافقین کے خدع اور فریب کا بدلہ بھی ایسا دیا جائے گا کہ اول نور ملے گا پھر خلاف توقع بجھ جائے گا۔

غرض انہیں مومنین یا فرشتوں کی طرف سے جواب ملے گا کہ پیچھے لوٹ کر روشنی تلاش کرو اگر مل سکے تو لے آؤ۔ یہ سن کر پیچھے ہٹیں گے کہ اتنے میں دونوں فریق کے درمیان دیوار حائل ہو جائے گی۔ روشنی سے مراد ہے جو دنیا میں انہوں نے کمائی تھی وہ جگہ پیچھے چھوڑ آئے۔ یا پیچھے سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پل صراط پر چڑھنے سے پہلے نور تقسیم کیا گیا تھا۔ منافقین تلاش نور میں وہاں جائیں گے وہاں نہ کچھ ملے گا پھر ادھر آئیں گے مگر دیوار حائل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں تک نہ پہنچ سکیں گے۔ دیوار اعراف میں یہ دروازہ جنت میں جانے کے لئے ہوگا۔ ممکن ہے بات چیت کے لئے ہو

**اہل ایمان کا جواب:** . . . قالوا بلی۔ یعنی مسلمان منافقین سے جواب میں کہیں گے کہ دنیا میں یقیناً تم ہمارے ساتھ تھے مگر محض ظاہر کے لحاظ سے تھے اور فی الحقیقت تم گمراہی کے فتنہ میں پھنسے ہوئے تھے۔ زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر اندرونی حال یہ تھا کہ نفاق کا راستہ اختیار کر کے اپنے آپ کو دھوکہ میں ڈالا، دوسروں کو چمکے دیتے رہے اور توبہ کرنے کی بجائے راہ دیکھتے رہے کہ کب اسلام اور مسلمانوں پر افتاد پڑتی ہے۔ تمہیں بھی دھوکہ رہا کہ آگے ان چال بازیوں کا خمیازہ بھگتنا نہیں بلکہ چند دنوں میں یہ قصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا آخر ہم بھی غالب ہوں گے۔ رہ گیا آخرت کا قصہ سو وہاں بھی کسی نہ کسی طرح چھوٹ ہی جائیں گے۔

انہیں خیالات میں مست تھے کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور موت نے آدبایا اور بچے دعا باز شیطان نے تمہیں ایسا کھو دیا ہے۔ کہ اب کوئی سبیل چھٹکارہ کی نہیں ہے۔ بالفرض اگر آج کچھ معاوضہ وغیرہ دے کر سزا سے بچنا چاہو تو وہ بھی نہیں ہے۔ اب تو تم سب کو اسی دوزخ میں رہنا ہے۔ یہی تمہارا ٹھکانہ اور ساتھی ہے۔ فالیوم الخ ارشاد باری ہے۔ یا مسلمان کہیں گے۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ قلبی تصدیق اگر نہ ہو تو ایمان کا عدم ہے۔

**قرآن اور ذکر اللہ کا اثر:** . . . الم یان۔ یعنی وقت آگیا ہے کہ مومنین کے دل قرآن اور اللہ کی یاد میں اور اس کے سچے دین کے سامنے جھک جائیں اور نرم ہو کر گزرائے لگیں کیونکہ ایمان وہی ہے کہ دل نرم ہو کر نصیحت اور اللہ کی یاد کا اثر جلد قبول کر لے۔ پہلے یہ باتیں اہل کتاب اپنے پیغمبروں کی صحبت میں حاصل کیا کرتے تھے اب وہ تو بچل گئے اور سرکشی کی راہ پر چل نکلے۔ مسلمانوں کی باری آتی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی صحبت میں رہ کر نرم دلی، انقیاد و اطاعت اور خشوع و خضوع کی خوبیوں سے آراستہ ہوں اور وہاں تک پہنچیں جہاں کوئی امت نہ پہنچ سکی۔ مثلاً پہلے لوگوں نے کفر و گناہ سے توبہ نہیں کی۔ ان کے دل سخت ہو گئے۔ مسلمان ایسا نہ کریں۔ انہیں کوتاہی کے بعد فوراً توبہ سے تلافی کر لینی چاہی



مَعْنَى الْكُتُبِ وَالْمِيزَانِ الْعَدْلَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ أَخْرَجْنَاهُ مِنَ الْمَعَادِنِ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ يُقَاتِلُ بِهِ وَ مَنَافِعٌ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ عِلْمَ مُشَاهِدَةٍ مُعْطُوفٍ عَلَى لِيَقُومَ النَّاسُ مَنْ يَنْصُرُهُ بِأَنْ يَنْصُرَ دِينَهُ بِالْآيَاتِ الْحَرْبِ مِنَ الْحَدِيدِ وَغَيْرِهِ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ حَالٌ مِنْ هَآءِ يَنْصُرُهُ أَى غَالِبًا عَنْهُمْ فِي الدُّنْيَا قَالَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَنْصُرُونَهُ وَلَا يَنْصُرُونَهُ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٥﴾ لَا حَاجَةَ لَهُ إِلَى النَّصْرَةِ لَكِنَّهَا تَنْفَعُ مَنْ يَأْتِي بِهَا وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ يَعْزِي الْكُتُبَ الْأَرْبَعَةَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَالزَّبُورَ وَالْفُرْقَانَ فَإِنَّمَا فِي ذُرِّيَةِ إِبْرَاهِيمَ قَسَمٌ مُتِّفٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً هِيَ رَفَضُ النِّسَاءِ وَاتِّخَاذُ الصَّوَامِ . بِابْتِدَاعِهَا مِنْ قَبْلِ أَنْفُسِهِمْ مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ مَا أَمَرْنَاهُمْ بِهَا إِلَّا لَكِنْ فَعَلُوهَا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ مَرْضَاةِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا إِذْ تَرَكَهَا كَثِيرٌ مِنْهُمْ وَكَفَرُوا بَدِينِ عِيسَى عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَدَخَلُوا فِي دِينِ مَلِكِهِمْ وَبَقِيَ عَلَى دِينِ عِيسَى كَثِيرٌ مِنْهُمْ فَأَمَنُوا بَنِيَّائِنَا الَّذِينَ آمَنُوا بِهِ مِنْهُمْ أَجْرُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿٢٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِعِيسَى اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرُسُلِهِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى عِيسَى يُؤْتِكُمْ كَفْلَيْنِ نَصِيبَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ لِإِيمَانِكُمْ بِالنَّبِيِّنَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ عَلَى الصِّرَاطِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٨﴾ لَيْتَ لَا يَعْلَمَ أَىٰ أَعْلَمَكُمْ بِذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ التَّوْرَةِ الَّذِينَ لَمْ يُؤْمِنُوا بِمُحَمَّدٍ ﷺ أَنْ مُحَقَّقَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا ضَمِيرُ الشَّانِ وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ خِلَافِ مَا فِي زَعْمِهِمْ أَنَّهُمْ أَحِبَّاءُ وَأَهْلُ رِضْوَانِهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ يَعْطِيهِ مَنْ يَشَاءُ فَآتَى الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ كَمَا تَقَدَّمَ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: ... تم خوب سمجھ لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل کو اور زینت (آرائش) اور ایک دوسرے پر شغی بگھارنا اور اموال و اولاد میں ایک کا دوسرے پر زیادتی بیان کرنا ہے (یعنی ان چیزوں میں مشغول ہو جانا۔ البتہ نیک کام کرنا اور اس کی تیاری میں لگنا یہ آخرت کے کام ہیں) جیسے (یعنی دل کو لبھانے اور دل سے اتر جانے میں) مثل مینہ (بارش) کے ہے کہ کاشت کاروں (کھیتی باڑی کرنے والوں) کو بھلی معلوم ہوتی ہے اس کی پیداوار (جو کچھ زمین سے نکلتی ہے) پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے (ہواؤں سے مرجھا کر ریزہ ریزہ) اور آخرت میں شدید عذاب ہے (جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہوگی) اور اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے (نودنیا کو آپ پر ترجیح نہ دے) اور دنیا کی زندگی (سے لذت اندوز ہونا) محض دھوکہ کا سامان ہے۔ تم اپنے پروردگار کی بخشائش کی طرف دوڑو، اور ایسی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے (جب کہ آسمان و زمین کو ایک دوسرے کے برابر ملایا جائے) یہ غرض بمعنی وسعت

ہے) ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور وہ اپنا فضل جس کو چاہے عنایت کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے (قحط سالی) اور نہ خاص تمہاری جانوں پر (جیسے بیماری اور اولاد کی موت) مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہے (لوح محفوظ میں) اس سے پہلے کہ ہم نے ان جانوں کو پیدا کیا (بنایا، جیسے بیماری اور اولاد کی موت) مگر وہ ایک کتاب میں لکھی ہے (لوح محفوظ میں) اس سے پہلے کہ ہم نے ان جانوں کو پیدا کیا (بنایا، اور نعمت کا حال بھی یہی ہے) یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے۔ تاکہ (کئے فعل کا نائب ہے۔ یعنی اللہ اس کی اطلاع اس لئے دے رہا ہے کہ) تم رنج نہ کرو اس چیز پر جو تم سے جاتی رہی اور نہ اتراؤ (شیخی کے طور پر اترا تا بہ طور شکر نعمت خوش ہو سکتے ہیں) اس چیز پر جو تمہیں عطا فرمائی ہے (انکم مد کے ساتھ ہے بمعنی اعطاکم اور بغیر مد کے بمعنی جاءکم ہے) اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے (عطیہ پر تکبر کرنے والے) شیخی (لوگوں کے سامنے) کرنے والے کو پسند نہیں کرتا جو ایسے ہیں کہ خود بھی (واجبات میں) بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتے ہیں (ایسے لوگوں کے لئے اس میں سخت وعید ہے) اور جو شخص (واجبات سے) اعراض کرے گا تو اللہ تعالیٰ (ہضمیر ہے اور ایک قرأت میں ہونہیں ہے) بے نیاز ہیں (سب سے) سزاوارحہ ہیں (اپنے دوستوں کے لئے) ہم نے اپنے رسولوں کو (جو فرشتے انبیاء کے پاس آئے) کھلے کھلے احکام (دلائل قطعیہ دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب (بمعنی کتب) اور عدل و انصاف) کو اتارا، تاکہ لوگ اعتدال پر رہیں۔ اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا (کانوں سے برآمد کیا) جس میں سخت ہیبت ہے (کہ اس سے قتل کیا جاسکتا ہے) اور لوگوں کے لئے اور بھی طرح طرح کے منافع ہیں۔ تاکہ اللہ جان لے (مشاہدہ کر لے) لیتوم الناس پر اس کا عطف ہے (کہ کون اس کی مدد کرتا ہے) (لوہے وغیرہ کے ہتھیاروں سے اس کے دین کی مدد کر کے) اور اس کے رسولوں کی بغیر دیگھے (بالغیب مدد نصرہ کی ضمیر سے حال ہے یعنی دنیا میں رہ کر غائبانہ مدد کرتا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ کی مدد تو کرتے ہیں اور اس کو دیکھتے نہیں) اللہ طاقتور زبردست ہے (اس کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ تاہم جو اس کی مدد کرے گا اس کا اپنا فائدہ ہے) اور ہم نے نوح و ابراہیم کو پیغمبر بنایا اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب جاری رکھی (چاروں کتابیں تورات، زبور، انجیل، قرآن مراد ہیں کیونکہ یہ سب ابراہیم کی اولاد ہیں) سوان میں بعض تو ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت سے نافرمان نکلے، پھر ان کے بعد اور پیغمبروں کے یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ان کو انجیل دی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت و رحم پیدا کر دیا اور رہبانیت کو (جس میں بیویوں کو چھوڑ چھاڑ کر گرجوں کو اپنا لینا ہوتا ہے) انہوں نے خود ایجاد کر لیا (اپنی طرف سے) ہم نے ان پر اس کو واجب نہیں کیا تھا (اس کا حکم نہیں دیا تھا) لیکن انہوں نے (اس کو پسند کر لیا) اللہ کی خوشنودی کی خاطر مگر انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی (کیونکہ بہت سے لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا اور دین عیسیٰ کو بھی خیر باد کہہ بیٹھے اور بادشاہ وقت کے مذہب کو قبول کر لیا۔ البتہ بہت سے دین عیسوی کو اختیار کئے رہے۔ حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے) سوان میں سے جو لوگ (آنحضرت ﷺ پر) ایمان لے آئے۔ ہم نے ان کو ان کا صلہ دیا اور زیادہ ان میں نافرمان ہیں۔ اے (عیسیٰ پر) ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (محمد عیسیٰ علیہما السلام) پر ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تم کو دہرا حصہ عنایت کرے گا) کہ تم دونیوں پر ایمان لائے ہو) اور تم کو ایسا نور عنایت کرے گا تم اس کو لے کر (پل صراط) چلو پھرو گے اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ غفور الرحیم ہے۔ تاکہ اہل کتاب کو یہ معلوم ہو جائے (تورات والے جو آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لائے) کہ ان کو (ان نفع سے) اس کا اسم ضمیر شان ہے یعنی انہیں) دسترس نہیں ہے اللہ کے فضل پر ذرا بھی (ان کے زعم کے برخلاف کہ وہ اللہ کو محبوب اور پسندیدہ ہیں) اور یہ کہ فضل اللہ کے ہاتھ ہے دے دے (عطا کر دے) وہ جس کو چاہے (چنانچہ اہل کتاب مومنین کو اس نے دہرا اجر عنایت فرمایا، جیسا کہ بیان ہوا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تحقیق و ترکیب . . . و نکات فی الاموال۔ مفسر نے اس شبہ کے دفعیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مال و اولاد فی نفسہ قابل مذمت نہیں بلکہ ان میں اشتغال اور وہ بھی ایسا کہ دین سے لا پرواہی ہو جائے مذموم ہے۔

کمٹل۔ مفسر نے ای ہی سے اشارہ کیا ہے کہ مثل مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔

اعجب الکفار۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ متعارف معنی مراد نہیں بلکہ کافر بمعنی حارث ہے قاموس میں ہے کہ کافر بمعنی زراعت ہے۔ ابن مسعود ازہری کی رائے بھی یہی ہے کیونکہ کفر کے معنی چھپانے کے ہیں اور کاشت کار بھی بیج زمین میں چھپا دیتا ہے۔

الی مغفوة۔ اسباب مغفوة یعنی استغفار اور اعمال صالحہ مراد ہیں۔

کعرض السماء۔ بظہر یہ شبہ ہو سکتا ہے جنت کا عرض بیان کیا گیا ہے۔ مگر طول نہیں بتلایا۔ مفسر نے اسے کہہ کر اس کا جواب دے دیا کہ مطلق وسعت مراد ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ عرض کا جب یہ حال ہے تو طول ناقابل بیان ہے۔

فی الارض۔ یہ موقع خبر میں ہے۔ ای ما اصاب مصیبة ثابتة فی الارض اور لانی کتاب موضع حال میں ہے۔ مفسر نے ویقال سے اشارہ کیا ہے کہ واسیع معطوف محذوف ہے اور یہ کہ مصیبت سے مطلقا حوادث مراد ہیں خیر ہوں یا شر۔ البتہ اہمیت کی وجہ سے خاص شر کو بیان فرمایا گیا ہے۔

لکیلا تا سوا۔ یعنی دنیا کی ناپائیداری کا تصور کر کے مصیبت ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے اور جب اس پر کسی دائمی خیر کا مرتب ہونا معلوم ہو جائے تو رنج اور بھی ہلکا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خوشی کے ناپائیدار ہونے کے تصور سے اتر اہٹ پیدا نہیں ہوتی۔

الذین یبخلون۔ مفسر نے ”لہم وعید شدید“ سے خبر محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ومن یتول۔ اس کی جزاء قالوا بال علیہ ”محذوف ہے۔

رسلنا۔ غلامہ زخشری نے ملائکہ بصیغہ جمع تفسیر کی ہے۔ کیونکہ آگے الکتاب بمعنی کتب ہے اور کتابیں ملائکہ کے ساتھ چونکہ آتی ہیں اس لئے معلوم ہوا کہ رسل سے مراد فرشتے ہیں۔ لیکن جمہور کے نزدیک انبیاء مراد ہیں۔ کیونکہ تمام انبیاء کے پاس وحی لانے والے صرف جبرائیل ہیں۔ اس صورت میں معہم محذوف کے متعلق ہو کر حال ہوگا۔ ای انزلنا الکتاب حال کونہ اثلا وصائر الان یکون معہم اذا وصل الیہم یا کہا جائے کہ مع بمعنی الی ہے۔

وانزلنا الحديد۔ یہاں انزلنا اپنے معنی میں ہے یا بمعنی انشاء ہے۔ مفسر نے دوسرے معنی لئے ہیں۔

والمیزان۔ یہاں بھی میزان کے متعارف معنی ہیں۔ اور میزان کا اتارنا یعنی اس کے اسباب کا اتارنا مراد ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ ترازو لے کر جبرائیل حضرت نوح کے پاس آئے اور ان کو وزن رانج کرنے کو کہا۔ دوسرے معنی میزان کے عدل وانصاف ہیں۔ جیسا کہ مفسر نے کہا ہے۔

وانزلنا الحديد۔ یہاں بھی حقیقتہً اتارنا مراد ہے یا مجازی معنی ہیں۔

ولیعلم الله۔ اللہ کا علم و مشاہدہ مراد نہیں۔ بلکہ مخلوق کا علم و مشاہدہ مطلوب ہے۔ اس لئے اب علم باری کے حادث ہونے کا شبہ نہیں رہتا۔ اور عطف کی صحیح کے لئے عبارت کی تقدیر اس طرح ہوگی۔ انزل الله معہم هذه الاشياء لتعامل الناس بالحق والعدل ولیعلم الله من ینصرہ اور بعض اس کا معطوف علیہ محذوف مان کر تقدیر عبارت اس طرح کرتے ہیں۔ انزلنا الحديد لیقاتلوا او یشفعوا اور یہ تقدیر لفظ ”من ینصرہ“ کے مناسب ہے۔ نیز لیعلم کے لام کو محذوف سے متعلق بھی کر سکتے ہیں۔ ای انزلہ الله لیعلمہ۔

بالغیب۔ فاعل یا مفعول سے حال ہے۔

ولقد ارسلنا۔ پہلے ارسلنا پر عطف ہے۔ مزید اہتمام کے لئے اس جملہ کو دہرایا گیا۔ اور حضرت نوح چونکہ آدم ثانی سمجھے جاتے ہیں۔ اور ابراہیمؑ عرب و روم اور بنی اسرائیل کے جد اعلیٰ ہیں۔ اس لئے دونوں کو ذکر کیا ہے۔

ورہبانیۃ۔ ما ضمیر عاملہ کے طور پر منصوب ہے۔ جیسا کہ اکثر کی رائے ہے اور بعض جعلنا کا مفعول مانتے ہوئے رافۃ پر عطف کرتے ہیں اور

ابتدعوہا اس کی صفت ہے۔ ای جعلنا فی قلوبہم رہبانیۃ مبتدعۃ رہبان راہب کی جمع ہے۔ دنیا سے الگ تھلک ہو جانا۔  
الا ابتغاء۔ مفسر نے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قادیان اور ایک جماعت کی یہی رائے ہے اور بعض استثناء متصل کہتے ہیں مفعول لہ ہے۔  
ای ما کتبنا ہا علیہم بشنی من الا شنیہ الا لا ابتغاء مرضات اللہ اور کتب بمعنی قضی ہے یہ مجاہد کی رائے تھی۔  
فما رعوہا۔ یعنی ایک توبہ عت کی اور پھر اس کو نبھا بھی نہ سکے۔

کفلین۔ دو ہر ایمان ہونے کی وجہ سے ثواب دو ہر ہوا۔

لئلا یعلم۔ یعنی لام زائد ہے اور اس کا متعلق محذوف ہے۔ جیسے ما منعک الا تسجد میں لام زائد ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ ان  
تسقوا اللہ وتؤمنوا برسولہ یوتکم کذا و کذا لیعلم اهل الکتاب ان عدم قدرتہم علی شئی من فضل اللہ الخ اور یہ لام حروف  
زوائد میں سے ہے اور بعض کی رائے ہے لام تینوں، افعال یوتکم اور یجعل لکم اور یغفر لکم کے متعلق ہے بطور تنازع کے۔  
ان لا یقدرون۔ زخمی ضمیر شان مفرد اور قاضی جمع مقدر کرتے ہیں لیکن قاضی کی روایت بہتر ہے کہ کیونکہ ضمیر شان یہاں کا مرجع نہیں ہے۔  
لیکن مفسر نے ضمیر شان تو مقدر مانی ہے۔ مگر اس کی تفسیر جمع کے ساتھ کی ہے۔ گویا ایک اصطلاح قائم کی ہے کہ ان تحفہ کے بعد مقدر ضمیر شان ہی  
ہوتی ہے۔ یا یہ کہ ضمیر شان میں عمدہ بات کی رعایت ہونی چاہیے۔ تذکیر و تانیث افراد جمع کے لحاظ سے۔

نیز والمعنی انہم میں واو بمعنی او بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مفسر ضمیر شان کو بیان نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ حاصل معنی بیان کر رہے  
ہیں۔

رابط آیات پچھلی آیات میں آخرت کے ثواب و عذاب کا ذکر تھا۔ آیت اعلموا سے آخرت کی اہمیت و پائیداری اور دنیا جو آخرت  
میں رکاوٹ بنے اس کی ناپائیداری اور ناقابل التفات ہونا ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

آیت ما اصاب من مصیبة سے اول دنیا کی نعمتوں کا پھر دنیا کی مصیبتوں کا بیان ہے جو آخرت کی مشغولیت سے رکاوٹ کا باعث ہوں۔ یعنی  
جس طرح نعمت کے فنا ہونے کو پیش نظر رکھ کر آخرت میں نخل نہیں ہونے دینا چاہیے۔ اسی طرح مصیبت کے مقدر ہونے کو پیش نظر رکھ کر آخرت  
کے لئے مانع نہ ہونے دیا جائے اور نعمتوں کا مانع بننا چونکہ اکثر ہے اس لئے اس کے مقدر ہونے کی صورت میں اس کے رکاوٹ نہ بننے کو مکرر  
فرمادیا۔ نیز چونکہ نعمتوں سے فخر و نجل جیسی بری خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو کبھی کبھی اعراض حق تک پہنچ جاتی ہے اس لئے ان برائیوں پر بھی وعید  
فرمائی جا رہی ہے۔

اس کے بعد آیت لقد ارسلنا الخ سے دنیا کے ناقابل التفات اور آخرت کے اہتمام کے لائق ہونے کی تائید کی جا رہی ہے۔ یعنی  
اصل میں آخرت کو درست کرنے کے لئے رسولوں کو بھیجا گیا اور احکام دیئے گئے۔ اور دین کی اعانت کے لئے لوہے کو پیدا کیا۔ اگرچہ تبعا اس  
میں دوسرے فوائد بھی رکھ دیئے ہیں، حاصل یہ کہ دنیا بالفرض اور آخرت بالذات مقصود ہے۔

پھر خصوصیت سے محروم نوح و ابراہیم علیہما السلام کا ذکر فرمایا ہے جن کی اصطلاحات کو بعض نے قبول کیا اور بعض بدستور محروم رہے۔

روایات: وانزلنا الحدید کے ذیل میں تفسیر کبیر میں ابن عمرؓ سے نقل ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تعالیٰ انزل اربع

برکات من السماء الی الارض انزل الحدید والنار والماء والملح۔

اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ ثلثة اشیاء نزلت مع ادم السدان والکلستان والمطرقة۔

رہبانیۃ ابتدعوہا۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے بنی اسرائیل نے رہبانیت کیسے اختیار کی ہے



میں نے عرض کیا۔ اللہ و رسولہ اعلم آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ کے بعد ظالم بادشاہوں کا تسلط ہو گیا اور وہ فتن و فحور میں مبتلا ہو گئے۔ جس پر اہل ایمان بگڑ گئے اور ان سے آمادہ جنگ ہوئے لیکن تین مرتبہ اہل ایمان کو شکست ہوئی اور وہ بہت کم رہ گئے۔ چنانچہ وہ ادھر ادھر منتشر ہو کر محمد ﷺ کی آمد کے منتظر رہے۔ جن کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی تھی۔ اس طرح وہ پہاڑوں میں روپوش ہو گئے اور رہبانیت کو اپنا بیٹھے، ان میں بعض عیسائی رہے اور بعض بددین ہو گئے،

پھر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لَنَلَا يَعْلَمُ اَهْلُ الْكِتَابِ لَعْنِي اِذَا اَمَلْتُ كِتَابَ اَنَّا نَحْضَرُكَ ﷺ پر ایمان نہ لائے تو وہ دو چند اجر و مغفرت سے محروم رہیں گے جیسا کہ مدارک میں ہے۔

اور بقول قتادہ جب غیر مومن اہل کتاب نے مومن اہل کتاب کی اس خصوصی فضیلت پر حسد کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور یہ روایت بھی ہے کہ مومن اہل کتاب نے جب اس فضیلت پر فخر کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾ ..... اَعْلَمُوا اِنَّ اِنْسَانَ لِرَبِّهِٖ لَکَفٍ لَّخٍ انسان کی عمر کے تین دور ہوتے ہیں، بچپن، جوانی، بڑھاپا۔ بچپن میں وہ کھیل کود، تماشہ کا شکار رہتا ہے۔ اور جوانی، بناو سنگار، فیشن، عیش و عشرت، نام و نمود، تہناؤں امتگوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ پھر بڑھاپا آتا ہے، موت کے دن قریب آتے ہیں تو مال و اولاد کی فکر سوار ہو جاتی ہے کہ میرے پیچھے گھریا رہتا ہے اور اولاد کسی کی محتاج و دست نگر نہ رہے۔

حالانکہ یہ سب ٹھانڈے باٹھ، ساز و سامان مٹنے والے ہیں۔ چار دن کی چاندنی پھر اندھیرا ہی اندھیرا ہے، کھیتی کودے کھوکھوہ چند روزہ رونق و رہار ہوتی ہے۔ پھر زرا پڑ جاتی ہے اور پھر پاؤں تلے روند کر چورا چورا ہو جاتی ہے پہلی شادابی اور ہریالی کا نام و نشان تک نہیں رہتا۔

دنیا کی زندگانی چار دن کی چاندنی ..... دنیا کی زندگانی اور اس کے ساز و سامان کا بھی کچھ بھی حال سمجھو کہ وہ ایک دغا کی پونجی اور دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ اس کی عارضی بہار سے انسان فریب کھا کر اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے۔ حالانکہ یہ سب چیزیں مرنے کے بعد کام نہیں آئیں گی۔ وہاں تو ایمان اور نیک عمل کی پوچھ گچھ ہوگی، جو شخص انہیں دنیا سے لے گیا سمجھو کہ بیڑا پار ہے۔ آخرت کی نعمتوں کے علاوہ مالک کی خوشنودی اور رضا مندی حاصل ہوگی، لیکن جو ایمان و عمل سے محروم رہا اور کفر و نافرمانی کا بوجھ لے کر پہنچا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ البتہ جس نے ایمان کے ساتھ کچھ عملی کوتاہیاں بھی شامل کر لیں، اس کے لئے جلد یا بدیر دھکے کٹے کھا کر معافی ہے۔ وہ دنیا کا خلاصہ تھا اور یہ آخرت کا ہوا، غرض دنیا کے سامان عیش و طرب میں پڑ کر آدمی کو آخرت سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

سابقہ الخ دراصل ایمان و عمل حصول جنت کے اسباب ہیں۔ لیکن حقیقت میں جنت ملتی ہے۔ اللہ کے فضل و رحمت سے۔ اس کا فضل نہ ہو تو جنت تو بجائے خود جہنم سے چھوٹنا بھی مشکل ہے۔ کسی اہل دل نے سچ کہا ہے ”وہ فضل کرے تو چھٹیاں، عدل کرے تو لٹیاں“۔ اس لئے اعمال پر کسی کو غرہ اور ناز نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ نے اپنی رحمت سے مشیت کا تعلق عمل سے کر دیا۔ اللہ اگر چاہتا تو یہ تعلق نہ کرتا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰی بالصّٰدِقِینَ ۔

ما اصاب الخ مصیبتیں داخلی ہوں یا خارجی سب مقدر ہیں۔ بیماریاں وغیرہ جو انسان کو پیش آتی ہیں یا قحط زلزلہ، زلزالہ باری وغیرہ آفتیں جو ملک میں رونما ہوتی ہیں۔ وہ سب اللہ کے علم قدیم سے طے شدہ ہیں اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ ایک ذرہ بھر کم و بیش یا پس و پیش نہیں ہوسکتا۔ اللہ کا علم چونکہ ذاتی ہے کچھ محنت سے حاصل کرنا نہیں پڑا۔ اس لئے اس میں کسی دشواری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اپنے علم محیط کے مطابق واقعات سے پہلے لوح محفوظ میں کر دیتا اس کے لئے کیا مشکل ہے۔

مایوسی اور ناز و دنوں بے جا ہیں ..... لکھنا سوا ..... یعنی تمہیں اس سے اس لئے آگاہ کر دیا کہ تم سمجھ جاؤ کہ جو بھلائی مقدر رہے



وہ ضرور پہنچ کر رہے گی اور جو مقدر نہیں وہ کبھی ہاتھ نہیں آ سکتی، اللہ کے علم کے مطابق جو ٹھہر چکا ہے وہی ہو کر رہے گا، لہذا جو فائدہ کی چیز ہاتھ نہ لگے اس پر غمگین اور مضطرب نہیں ہونا چاہیے۔ اور جو قسمت سے ہاتھ لگ جائے اس پر اتنا اکتانہ نہیں چاہیے بلکہ مصیبت و ناکامی کے وقت صبر و تسلیم سے کام لو اور راحت و کامیابی کے وقت شکر و تحمید کو شعار بناؤ۔ البتہ مصیبت پر طبعی رنج و حزن کا اور نعمت پر طبعی مسرت کا مضائقہ نہیں۔

غرضیکہ مصائب و تکالیف، اسی طرح عیش و عشرت میں گھر کے حد اعتدال سے نہ بڑھے۔ خصوصاً مال و دولت کے نشہ میں بالکل بدست نہ ہو جائے۔ کیونکہ اکثر مال داروں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ برائی اور شخی تو بہت ماریں گے مگر خرچ کرنے کے نام پر پیسہ جیب سے نہ نکلے کسی اچھے کام میں خود دینے کی توفیق نہ ہوگی اور اپنے قول و فعل سے دوسروں کو بھی یہی سبق پڑھائیں گے۔

البتہ موقع پر خرچ کر ڈالنا ان باہمت اور باتوکل لوگوں کا کام ہے جو پیسہ سے محبت نہیں کرتے اور جانتے ہیں کہ نرمی سختی سب اسی مالک کی طرف سے ہے۔

ظاہر ہے کہ کسی کے خرچ کرنے نہ کرنے سے اللہ کا کیا فائدہ یا نقصان؟ وہ تو بے نیاز اور بے پرواہ ذات ہے۔ ساری خوبیاں اسی کی ذات میں جمع ہیں۔ کسی فعل سے نہ اس میں کسی خوبی کا اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی۔ جو کچھ نفع نقصان ہے وہ خود تمہارا ہے خرچ کرو گے تو فائدہ اٹھاؤ گے، نہیں کرو گے تو بچھتاؤ گے۔

کتاب کے ساتھ اللہ نے ترازو اور لوہا ہی اتارا: ... لَقَدْ ارسلنا ... یعنی اللہ نے کتاب اس لئے اتاری کہ لوگ عقائد، اخلاق، اعمال میں سیدھے انصاف کی راہ چلیں۔ افراط و تفریط کے راستہ پر قدم نہ ڈالیں اور ترازو اس لئے پیدا کی۔ کہ خرید و فروخت، لین دین اور حقوق و معاملات میں انصاف کا پلہ کسی کی طرف اٹھایا جھکا نہ رہے اور ممکن ہے ترازو سے مراد شریعت ہو جو تمام اخلاق قلبیہ اور قلبیہ کے حسن و قبح کو ٹھیک جانچ تول کر بتلا دیتی ہے۔

واسر لنا الحديد۔ لوہے کو اللہ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ زمین کی کانیں رکھ دیں۔ آج اسٹیل اور لوہا دنیا کی طاقت اور ترقی کا سرچشمہ ہے۔ مصنوعات سے لے کر سامان حرب تک سب کچھ اس سے تیار ہوتا ہے۔ جو لوگ آسانی کتابوں سے درست نہ ہوں اور انصاف کی ترازو کو دنیا میں سیدھا نہ رکھیں، ایسے ظالم، کجرو، سرکشوں کو راہ راست پر لانے کے لئے اور خالص دینی جہاد کی مہم سر کرنے کے لئے لوہے کی تلواروں سے کام لینا پڑے گا۔

اس وقت یہ واضح ہو جائے گا کہ کون اللہ کے وفادار بندے ہیں جو ان دیکھے خدا اور آخرت کے عایدانہ اجر و ثواب پر یقین کر کے اس کے دین اور رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ اور یہ جہاد کی تعلیم و ترغیب اس لئے نہیں کہ اللہ کچھ تمہاری مدد کا محتاج ہے۔ اس زبردست طاقتور ذات کو ایک کمزور مخلوق کی کیا حاجت ہو سکتی ہے البتہ اس میں تمہاری وفاداری کا امتحان کرنا ہے تاکہ پورا اترنے پر اعلیٰ مقامات سے ہم کنار ہوں۔

اسلام نرمی و ہبانیت سے روکتا ہے: ... ثم قفينا على اثارهم۔ پچھلے پیغمبر اگلے پیغمبروں کے نقش قدم پر چلے، کیونکہ اصولی حیثیت سے سب کی تعلیم ایک تھی، پھر آخر میں انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم حضرت عیسیٰ کو انجیل مقدس دے کر بھیجا گیا ان کے حواری اور صحابی کو واقعی ان کے طریقہ پر چلتے رہے۔ ان کے دلوں میں اللہ نے نرمی رکھی تھی۔ وہ لوگوں کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے رہے۔ مگر آگے چل کر بے دین بادشاہوں سے تنگ کرادھر دنیا کے مخمضوں سے گھبرا کر رہبانیت کی راہ لی۔ اور شہروں کے چھوڑ کر جنگلوں پہاڑوں کی سکونت اختیار کر لی۔ حالانکہ اللہ نے ان کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ مگر ان کی نیت بخیر تھی۔ تاہم اس خود ساختہ طریقہ کو مہمانہ سکے۔

بلاشبہ تارک الدنیا ہونا مستحسن ہے۔ مگر متروک الدنیا بن جانا کوئی نیکی نہیں ہے۔ اختیاری فقر یقیناً اہل عزیمت کا شیوہ رہا ہے۔ مگر فقر اضطراری تباہی و ہلاکت کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ اللہ کا حکم کبھی نہیں رہا کہ اس طرح دنیا کو چھوڑ کر بیٹھ رہیں اور حقوق ترک کر کے مصروف عبادت ہو جائیں۔ تاہم عیسائی راہبوں نے جب ترک دنیا کا نام اپنے اوپر رکھا پھر اس پردہ میں دنیا کمانا بڑا کمال ہے۔ یہ رہبانیت بدعت لغوی تھی بدعت شرعیہ نہیں تھی۔ چونکہ کسی شریعت کے اہل حق بھی اہل بدعت نہیں ہوتے۔ چنانچہ آیت میں اس بدعت پر نہیں۔ بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے پر ملامت ہو رہی ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ بدعت شرعیہ نہیں تھی اور ایسی رہبانیت سے شریعت اسلامیہ میں بھی ممانعت نہیں ہے۔

چنانچہ آیت لا تحر مواطیات ساتویں پارہ کی تفسیر میں دونوں قسم کی رہبانیت کا ذکر کر رہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حلال چیزوں کو قربت کے اعتقاد سے چھوڑ دینا بدعت و رہبانیت ممنوعہ ہے اور بغیر اس اعتقاد کے کسی مصلحت کے پیش نظر جائز ہے۔

بدعات و رسوم میں فرق ہے:۔۔۔۔۔ اسلام نے فطری اعتدال سے ہٹ کر رہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ تاہم اس جذبہ رہبانیت کو پورا کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ رکھا ہے۔ ایک مجاہد سب حظوظ و لذات سے واقعی الگ ہو کر اللہ کے راستہ میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔ بدعت ایسے کام کو کہتے ہیں جس کی اصل کتاب و سنت اور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے دور میں نہ ہو اور اس کو دین و ثواب کا کام سمجھ کر کیا جائے۔ اہل حق اور اہل اللہ میں سے اگر کسی سے ایسا کوئی فعل سرزد ہو جائے تو سابقہ تفصیل کی روشنی میں خود ان سے بدگمان نہیں ہونا چاہیے۔ ممکن ہے وہ صورت رہبانیت ہو حقیقتہً نہ ہو۔ بدعت کا تعلق چونکہ فساد اعتقاد سے ہے۔ اس لئے بہت بچنا چاہئے برخلاف رسوم کے ان کا تعلق فساد عمل سے ہے اس لئے ان سے بھی احتراز ہونا چاہیے۔ البتہ رسوم کا معاملہ بدعات سے کم ہے۔

اکثر مطلق رہبانیت ناجائز صورت پر بولی جاتی ہے اور بعض روایات سے مطلق رہبانیت کی ممانعت اسی اصطلاح کے مطابق ہوتی ہے۔ البتہ بعض روایات میں خاص اسلام سے جو رہبانیت کی نفی معلوم ہو رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلی شریعتوں میں وہ جائز تھی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پچھلے مذہبی لوگوں میں وہ زیادہ پائی جاتی تھی، مسلمانوں میں ان کے متمدن مذہب کی وجہ سے کم ہو گئی۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ عیسائیوں کی دو قسمیں ہیں۔ تبع یعنی مومن اور غیر تبع۔ پھر متبعین کی دو قسمیں ہوئیں، راہب اور غیر راہب، پھر راہب بھی دو طرح کے ہو گئے، راہب مراعی، راہب غیر مراعی۔ اس آیت میں متبعین کا اور ان میں سے مترہمین کا اور ان میں سے مراعیین کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور دوسری قسم کا حکم ان کے احکام کی علتوں سے معلوم ہو سکتا ہے چنانچہ غیر متبعین کا کافر ہونا اور اسی طرح غیر مراعیین کا کافر ہونا خواہ وہ راہب ہوں یا غیر راہب۔ اسی طرح مراعیین کا گوہ راہب نہ ہوں مومن ہونا معلوم ہوتا ہے۔

اہل کتاب ایمان لائیں تو دو ہر ا ثواب:۔۔۔۔۔ یا ایہا الذین امنوا۔ یعنی پیغمبر آخرا زمان کی پیروی کر کے نعمتوں کے مستحق بنو۔ پچھلی خطاؤں کی معافی اور ہر عمل پر دو ہر ا ثواب لو۔ یہ ایسی روشنی ہے کہ جس سے تمہارا وجود منور ہو جائے گا اور آخرت میں بھی نور تمہارے آگے اور دہنی طرف چلے گا۔ روایات میں جن تین آدمیوں کو دو ہرے ثواب کی بشارت دی گئی ہے ان میں مسلمان ہونے والے اہل کتاب بھی ہیں۔ اہل کتاب اگر آنحضرت ﷺ کی خبر سن کر اول انکار کر دے پھر ایمان لے آئے تو چونکہ انکار کی وجہ سے کافر ہو گیا۔ اس لئے اس کے اور اعمال مستحق ثواب نہیں رہے۔ پھر اس کو دو ہرے اجر کا مستحق کیسے کہا جائے؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ کافر پھر جب مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کی کالعدم نیکیوں پر پھر بدستور ثواب مرتب ہو جاتا ہے وہ اکبر ہو یا

دوہرا۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ اہل کتاب چونکہ پہلے انبیاء کے ساتھ آنحضرت ﷺ پر بھی ایمان لاتا ہے اس لئے دوہرے اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔

لیکن دوسرے مشرک و کافر بھی جب مسلمان ہوتے ہیں تو آنحضرت ﷺ اور دوسرے تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر دونوں میں کیا فرق رہا۔ کتابی کی طرح غیر کتابی کو بھی مسلمان ہو۔ نہ پر دو ہر اجر ملنا چاہیے۔

جواب یہ ہے کہ بلاشبہ مسلمان ہو جانے کے بعد تو ان دونوں میں فرق نہیں رہتا۔ مگر اسلام لانے سے پہلے کتابی کسی نبی پر ایمان رکھتا تھا اور غیر کتابی اس سے محروم تھا۔ اس لئے دونوں میں فرق کیا گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بلحاظ کیفیت غیر کتابی ثواب میں کتابی سے بڑھ جائے اور چونکہ اس کتابی کے مسلمان ہونے کے بعد پہلے ایمان کا بھی اعتبار ہو گیا۔ اس لئے اس کو یا لکھا الذین امنوا سے خطاب کیا گیا۔ ورنہ اسلام نہ لانے کی صورت میں پہلا ایمان بھی کالعدم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ لنسلا يعلم اهل الكتاب میں ایسے لوگوں کو صرف کتابی کہا گیا، یعنی ایسے اہل کتاب پچھلے پیغمبروں کے احوال سن کر پچھتاتے ہیں کہ افسوس ہم ان سے دور پڑ گئے۔ ہمیں نبیوں کی صحبت اور اس کی برکات سے محرومی ہو گئی۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ اللہ نے تمہیں تو ایسا رسول دیا ہے کہ اس کی صحبت میں پہلے سے دو گنا کمال حاصل ہو سکتا ہے، بزرگی مل سکتی ہے۔ اللہ کا فضل بند نہیں ہو گیا، لیکن سلف سے اس کی تفسیر پر منقول ہے کہ وہ اہل کتاب جو ایمان نہیں لائے وہ اللہ کے فضل پر دسترس نہیں رکھتے۔ یہ فضل صرف اللہ کے ہاتھ ہے جس پر وہ چاہے کر دے۔

مثلاً جو کتابی آپ پر ایمان لے آئے ان پر یہ فضل کر دیا کہ انہیں دو ہر ثواب ملتا ہے اور خطائیں معاف ہوتی ہیں۔ آخرت میں روشنی عطا ہوتی ہے اور جو ایمان نہیں لاتے وہ ان انعامات سے بھی محروم ہیں۔

**لظائف سلوک:** اعلمو! اس میں دنیا سے زہد و بے رغبتی صراحت مذکور ہے۔

**لکیلاتا سوا۔** اس میں تقدیر کو یاد کرنے سے حزن کا علاج ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ کہ تقدیری فیصلہ ہماری مصلحت یقینی ہے۔ اگرچہ وہ تفصیلات ہمیں معلوم نہ ہوں۔

روح المعانی میں ہے والمراد نفسی الحزن المنخرج الی ما ینهل صاحبه عن الصبر والتسلیم لا امر اللہ ورجاء ثواب الصابرين ونفسی الفرح المطفی الملہی عن الشکر واما الحزن الذی لا یکاد الانسان ینخلوا منه مع الاستسلام والسرور بنعمة اللہ والاعتداد بها مع الشکر فلا باس بهما۔ عن ابن عباس انه قال ینخلوا منه مع الاستسلام والسرور بسعة اللہ والاعتداد بها مع الشکر فلا باس بهما۔ عن ابن عباس انه قال فی الایة لیس احد الا وهو یحزن ویفرح ولكن من اصابته مصیبة جعلها صبرا ومن اصابه خیر جعله شکرا۔

ورہبانیۃ جس رہبانیت کو اہل کتاب نے رضائے الہی کے لئے اختیار کیا تھا۔ اس پر ان کی مذمت نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کی رعایت نہ کرنے پر مذمت فرمائی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اور او دنو اقل کا پابند اور عادی ہو جائے تو اس کو چھوڑنا پسندیدہ نہیں ہے اور اس میں تمام اعمال و احوال محمودہ کی رعایت آگئی۔ ان میں خلل ڈالنا نہیں چاہیے۔

الحمد للہ کہ پارہ قال فنا خطبکم کی تفسیر مکمل ہوئی۔



پارہ نمبر ﴿ ۲۸ ﴾





## فہرست پارہ ﴿قد سمع اللہ﴾

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۴۰۳	ابراہیم کے بہترین نمونہ ہونے کا مطلب	۳۷۷	ظہر رکے کہتے ہیں؟
۴۰۳	مسلمانوں کا فتنہ بننا	۳۷۷	احکام ظہر
۴۰۹	شان نزول و روایات	۳۷۷	کفار ظہر میں سرزنش کا پہلو
۴۱۰	امن پسند کفار سے رواداری برتنی چاہئے	۳۷۸	آداب مجلس اور معاشرتی اصلاح
۴۱۰	اسلام عورتوں بچوں، کمزوروں سے حد درجہ رعایت کرتا ہے	۳۷۸	مشورہ اور ارکان شوری
۴۱۱	شبہ کا جواب	۳۷۸	غیر مسلم کے سلام کا جواب
۴۱۱	قتل اولاد اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا	۳۷۹	سرگوشی کی حدود
۴۱۷	شان نزول	۳۷۹	اہل مجلس کی رعایت
۴۱۷	محض باتیں بنانا اور عمل سے جی چرانا کوئی وزن نہیں رکھتا	۳۷۹	رسول اللہ سے خصوصی گفتگو اور اس سے پہلے خیرات کی مثالیں
۴۱۸	حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اور آنحضرت ﷺ کے متعلق بشارت	۳۸۸	شان نزول و روایات
۴۱۸	تمام آنبیاء نے آنحضرت ﷺ کی بشارت سنائی	۳۸۹	قیاس و اعتبار رکے کہتے ہیں
۴۱۹	سب سے بڑے ظالم	۳۹۰	جہاد میں دشمن کے مال کو کیوں تلف کیا جاتا ہے
۴۲۳	شان نزول و روایات	۳۹۰	مال فے اور غنیمت میں فرق ہے
۴۲۶	خاتم النبیین اور امام اعظم کے متعلق پیش گوئی	۳۹۰	مال فے اور غنیمت کے احکام
۴۲۷	علامات ولایت	۳۹۱	مسلمانوں کا امام حاکمانہ اختیار رکھتا ہے تاکہ مالکانہ
۴۲۷	نشان عداوت	۳۹۱	حنفیہ کا مسلک
۴۲۸	اذان و جمعہ کا حکم	۳۹۱	تفسیرات احمدیہ کی تحقیق انیق
۴۳۲	شان نزول	۳۹۲	فروق اعظم کی رائے
۴۳۳	جھوٹی قسموں کو آڑ بنانا	۳۹۲	حاصل کلام
۴۳۳	منافق پر لے درجے کا بزدل ہوتا ہے	۳۹۶	آزمائش کے وقت منافقین کا پول کھل گیا
۴۳۳	حقیقی عزت کا مالک	۳۹۷	مسلمانوں میں اختلاف کے باوجود مرکزی وحدت ہے جو کہ
۴۳۳	اللہ کے لئے مالک خرچ کرنے سے اللہ کا نہیں انسان	۴۰۲	کفار میں نہیں ہے
			شان نزول



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۴۶۱	شان نزول روایات	۴۳۲	کافی مدد ہے
۴۶۳	قسم کا حکم	۴۳۹	شان نزول روایات
۴۶۳	آنحضرت ﷺ کی مروت	۴۳۹	نسان عالم صغیر اور خلاصہ کائنات ہے
۴۶۳	ان تتوبوا الی اللہ	۴۴۰	قیمت ہی سے بڑی دولت و سلطنت ہے
۴۶۴	گھریلو نازک پیچیدگیاں	۴۵۰	شان نزول روایات
۴۶۴	مادر تحقیق	۴۵۱	احکام و طلاق و عدت
۴۶۵	انسان کا اپنا اصل چیز ہے اور نسبتاً بعد کی چیز ہے	۴۵۳	مذکورہ احکام کی علت
۴۶۵	اچھی بری عورتیں اپنے اعمال پر نظر رکھیں	۴۵۳	زمینیں بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں

# سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ

سُورَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدْنِيَّةٌ ثِنْتَانِ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ تَرَاجُعُكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ فِي زَوْجِهَا الْمُطَاهِرِ مِنْهَا وَكَانَ قَالَ لَهَا أَنْتِ عَلَى كَظْهِرِ أُمِّي وَقَدْ سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ذَلِكَ فَاجَابَهَا بِأَنَّهَا حَرُمَتْ عَلَيْهِ عَلَى مَا هُوَ الْمَعْهُودُ عَنْهُمْ مِنْ أَنَّ الظَّهَارَ مُوجِبٌ فُرْقَةٍ مُؤَبَّدَةٍ وَهِيَ خَوْلَةٌ بِنْتُ ثَعْلَبَةَ وَهُوَ أَوْسُ بْنُ الصَّامِتِ وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَحَدَّثَهَا وَفَاقَتْهَا وَصِيَّةً صِغَارًا إِنْ ضَمَّتَهُمْ إِلَيْهِ ضَاعُوا أَوْ أَلَيْهَا جَاعُوا وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَ كَمَا تَرَاجَعُكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿١﴾ عَالِمٌ الَّذِينَ يُظْهِرُونَ أَصْلَهُ يَتَّظَهُرُونَ أَدْعَمَتِ النَّاءُ فِي الظَّاءِ وَفِي قِرَاءَةٍ بِأَلْفٍ بَيْنَ الظَّاءِ وَالْهَاءِ الْخَفِيفَةِ وَفِي أُخْرَى كَيْفَاتِلُونَ وَالْمَوْضِعُ الثَّانِي كَذَلِكَ مِنْكُمْ مَنْ نِسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا الَّتِي بِهِمْ وَبَيَاءٌ وَبِلَا يَاءٍ وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ بِالظَّهَارِ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا كَذِبًا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ غَفُورٌ ﴿٢﴾ لِلْمُطَاهِرِ بِالْكَفَّارَةِ وَالَّذِينَ يُظْهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا أَى فِيهِ بَأْسٌ يُخَالِفُوهُ بِإِمْسَاكِ الْمُطَاهِرِ مِنْهَا الَّذِي هُوَ خِلَافٌ مَقْصُودِ الظَّهَارِ مِنْ وَصْفِ الْمَرَاةِ بِالتَّحْرِيمِ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ أَى اِغْتَاقَهَا عَلَيْهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّاسًا بِالْوَطْئِ ذَلِكَ تَوْعُظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ رَقَبَةً فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّاسًا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَى الصِّيَامِ فَاطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا عَلَيْهِ أَى مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتِمَّاسًا حَمَلًا لِلْمُطَلَّقِ عَلَى الْمُقَيَّدِ لِكُلِّ مِسْكِينٍ مَدَّةٌ مِنْ غَالِبِ قُوَّةِ الْبَلَدِ ذَلِكَ أَى التَّخْفِيفُ فِي الْكَفَّارَةِ لِتَوْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ أَى الْأَحْكَامُ الْمَذْكُورَةُ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ بِهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤﴾ مَوْلَاهُمْ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادِّثُونَ يُخَالِفُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُتِبُوا أَذِلُّو كَمَا كُتِبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فِي مُخَالَفَتِهِمْ رُسُلَهُمْ وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ دَالَّةً عَلَى صِدْقِ الرَّسُولِ

وَالْكَافِرِينَ بِالْآيَاتِ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۵﴾ ذَا وَهَانَةٍ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ أَحْصَاهُ اللَّهُ بِعَدَّتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۶﴾ أَلَمْ تَرَ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ بَعْلَمٌ ۚ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا آدْنَىٰ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۷﴾ أَلَمْ تَرَ تَنْظُرُ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَجَّوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ ۚ وَهُمْ يَكْفُرُونَ ۚ وَاللَّهُ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ مِنْ تَحَايَاهُمْ أَيْ تُحَدِّثُهُمْ سِرًّا نَاظِرِينَ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ لِيُوقِعُوا فِي قُلُوبِهِم الرِّيبَةَ وَإِذَا جَاءَ وَكَ حَيَّوْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَهُمْ قَوْلُهُم السَّامُ عَلَيْكَ أَيْ الْمَوْتُ وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا هَلَّا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ مِنَ التَّحِيَّةِ وَإِنَّهُ لَيْسَ بِنَبِيِّ إِنْ كَانَ نَبِيًّا حَسَبَهُمْ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۸﴾ هِيَ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبَرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۹﴾ إِنَّمَا النَّجْوَىٰ بِالْإِثْمِ وَنَحْوِهِ مِنَ الشَّيْطَانِ بِغُرُورِهِ ۚ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ هُوَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِذُنِّ اللَّهِ ۚ أَيْ إِرَادَتِهِ وَ عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا تَوَسَّعُوا فِي الْمَجْلِسِ النَّبِيِّ ﷺ أَوْ الذِّكْرِ حَتَّىٰ يَخْلُسَ مَنْ جَاءَكُمْ وَفِي قِرَاءَةِ الْمَحَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۚ فِي الْجَنَّةِ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا قُومُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْخَيْرَاتِ فَانْشُرُوا وَفِي قِرَاءَةِ بَعْضِ الشَّيْءِ فِيهِمَا يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ بِالطَّاعَةِ فِي ذَلِكَ وَ يَرْفَعُ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ فِي الْجَنَّةِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۱﴾ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَا جَيْتُمُ الرَّسُولَ أَرَدْتُمْ مَاجَاتَهُ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَيْكُمْ قَبْلَهَا صَدَقَةً ۚ ذَلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ وَأَطْهَرٌ ۚ لِذُنُوبِكُمْ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تَصَدَّقُونَ بِهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ لِمُنَاجَاتِكُمْ رَحِيمٌ ﴿۱۲﴾ بِكُمْ يَعْنِي فَلَا عَلَيْكُمْ فِي الْمُنَاجَاةِ مِنْ غَيْرِ صَدَقَةٍ ثُمَّ نُسِخَ ذَلِكَ بِقَوْلِهِ ۚ أَشَفَقْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَإِبْدَالِ الثَّانِيَةِ أَلِفًا وَ تَسْهِيلِهَا وَإِدْخَالِ أَلِفٍ تَيْنِ الْمُسْتَهْةِ وَالْأُخْرَىٰ وَ تَرَكَهُ أَيْ أَجَفْتُمْ مِنْ أَنْ تَقْدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَيْكُمْ صَدَقَةً ۚ لِلْفَقْرِ فَإِذَا لَمْ تَفْعَلُوا الصَّدَقَةَ وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ رَاحَ بِكُمْ عَنْهَا فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ آتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أَيْ ارْمُوا عَلَى ذَلِكَ بِعِ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾

اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے جھگڑ رہی تھی (اے پیغمبر! آپ سے بار بار عرض کر رہی تھی) اپنے شوہر کے معاملے میں (جس نے اس ظہار کرتے ہوئے انت علی کظہر امی کہہ دیا۔ اس پر عورت نے جب رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے خاوند پر حرام ہو گئی ہے۔ جیسا کہ پہلے سے ان کا یہی دستور چلا آ رہا تھا کہ ظہار سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ عورت خولہ بنت ثعلبہ تھی اور شوہر اوس بن صامت) اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کر رہی تھی (اپنی تہائی اور فاقہ اور کسن بچوں کی کہ اگر شوہر کے پاس رہے تو ضائع ہو جائیں گے اور اس کے پاس رہے تو بھوکے مرجائیں گے) اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کی گفتگو (بار بار کی بات چیت) سن رہا تھا اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا (جاننے والا) ہے۔ جو لوگ ظہار کرتے ہیں (بظہرون، اصل میں بظہرون تھا۔ تاکوا دغام کر دیا گیا۔ اور ایک قرأت میں خلا اور حاء اور خفیفہ کے درمیان الف کے ساتھ ہے اور دوسری قرأت یتا تلون کے وزن پر ہے اور دوسری جگہ بھی یہی تفصیل ہے) تم میں سے اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں۔ (اللائ، ہمزہ اور یا کے ساتھ اور بغیر یا کے ہے) جنہوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ (ظہار کے ذریعہ) بلاشبہ ایک نامعقول اور جھوٹ (غلط) بات کہتے ہیں۔ اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کر دینے والے بخش دینے والے ہیں (ظہار کرنے والے کو کفارہ کے ذریعہ) اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔ پھر اپنی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ ظہار کے خلاف کرنا چاہتے ہیں اس طرح ظہار کی ہوئی بیوی کو روک کر، جو ظہار کے مقصد کے خلاف ہے۔ یعنی بیوی کا حرام ہو جانا) تو ان کے ذمہ ایک غلام یا باندی کا آزاد کرنا ہے (یعنی غلام آزاد کرنا خاوند کے ذمہ ہے) اس سے پہلے کہ دونوں باہم (جماع کر کے) اختلاط کریں۔ اس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو تمہارے سب کی پوری خبر ہے۔ پھر جس کو (غلام یا باندی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پے در پے دو مہینہ کے روزے ہیں اس سے پہلے کہ باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ (روزے) بھی نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کا کھانا کھلانا ہے (یعنی جماع سے پہلے، مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے۔ ہر مسکین کو شہر کی زیادہ رائج غذا ایک مددے کر) یہ (کفارہ میں سہولت) اس لئے ہے کہ اللہ و رسول پر تم ایمان لے آؤ اور یہ (مذکورہ احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لئے دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہوگا۔ جو لوگ اللہ و رسول کی مخالفت (خلاف ورزی) کرتے ہیں وہ ایسے ذلیل (رسوا) ہوں گے جیسے ان سے پہلے (پیغمبروں) کی مخالفت کر کے ذلیل ہوئے ہیں۔ اور ہم نے کھلے کھلے احکام نازل کئے ہیں۔ (پیغمبر کے سچے ہونے) پر اور (احکام کے) انکار کرنے والوں کو ذلت (ورسوائی) کا عذاب ہوگا۔ جس روز ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ بلائے گا۔ پھر ان کا سب کیا ہوا ان کو جتلا دے گا جو اللہ نے محفوظ کر رکھا ہے اور یہ لوگ اس کو بھول گئے ہیں اور اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔ کیا آپ نے اس پر نظر نہیں فرمائی (آپ کو معلوم نہیں) کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے کوئی سرگوشی تین آدمیوں کی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو۔ اور نہ پانچ کی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔ مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ لوگ کہیں بھی ہوں۔ پھر ان کو قیامت کے روز ان کے کئے ہوئے کام بتلا دے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی پوری خبر ہے۔ کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں فرمائی۔ جن کو سرگوشی سے منع کیا گیا ہے پھر وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کر دیا گیا تھا۔ اور گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ یعنی یہ وہ جنہیں آنحضرت ﷺ نے ان سرگوشیوں سے منع کر دیا تھا یہ یہود آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے۔ مسلمانوں کو دکھلا کر تاکہ مسلمان و سادس میں گھرے رہیں) اور جب آپ کے پاس (اے پیغمبر) یہ لوگ آتے ہیں تو ایسے لفظ سے سلام کرتے ہیں۔ جس سے آپ کو اللہ نے سلام نہیں فرمایا (یعنی کہتے ہیں السلام علیک بمعنی موت) اور اپنے جی میں کہتے اللہ نے ہمارے اس کہنے پر کیوں سزا نہیں دی (اس طرح سلام کرنے پر، اگر یہ نبی ہوتے۔ معلوم ہوا کہ یہ نبی نہیں ہیں) ان کے جہنم کافی ہے۔ یہ لوگ اس میں داخل ہوں گے سو وہ برا ٹھکانہ ہے۔ اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں مت کرو اور نفع رسانی اور پرہیز گاری کی باتوں کی سرگوشیاں کرو اور اللہ سے ڈرو۔ جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے ایسی (گناہ وغیرہ کی) سرگوشیاں محض شیطان (کے فریب) کی وجہ سے ہیں تاکہ مسلمانوں کے دل میں رنج نہ ڈالے۔ حالانکہ وہ بدوں اللہ کے ارادے کے ان کو کچھ

ضرر نہیں پہنچ سکتا اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں جگہ کھول دو (وسیع کر دو)۔" حضرت عائشہؓ کی مجلس یا مجلس ذکر مراد ہے تاکہ آئے والے کے لئے گنجائش ہو جائے۔ ایک قراءت میں مجالس میں آیا ہے (تو تم جگہ کھول دیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں (جنت میں) کھلی جگہ دے گا۔ اور جب یہ کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو (نماز وغیرہ اچھے کاموں کے لئے کھڑے ہو جاؤ) تو اٹھ کھڑے ہو کرو (ایک قراءت میں دونوں جگہ ضمہ شین کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ (جنت میں) درجے بلند کرے گا۔ تم میں ایمان والوں کے جو اس حکم کو ماننے والے ہیں) اور (بلند کرے گا) ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ اے ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کیا کرو (اس کا ارادہ ہو) تو اپنی اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات کر دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک ہونے کا اچھا ذریعہ ہے (گناہوں سے) پھر اگر تمہیں (خیرات کی) سہولت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ (تمہاری سرگوشی کو) معاف کرنے والا۔ تم پر رحم کرنے والا ہے (یعنی بغیر خیرات سرگوشی کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ پھر یہ حکم اگلی آیت سے منسوخ ہو گیا) کیا تم ڈر گئے (دونوں ہمزائوں کی تحقیق اور دو سری ہمزہ کو الف سے بدل کر اور دوسری ہمزہ کے الف کے ساتھ اور بغیر الف کے تسہیل یہ ہے کہ یعنی گھبرا گئے) سرگوشی سے پہلے خیرات کرنے سے (غربت کی وجہ سے) سو جب تم (خیرات) نہ کر سکے اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی (یہ قانون واپس لے کر) تو تم نماز کے پابند رہو۔ اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ و رسول کا کہنا مانا کرو (یعنی ان احکام کی پابندی رکھا کرو) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

**تحقیق و ترکیب:** قد سمع اللہ بمعنی اجاب تجادلک مجادلہ کے معنی یہاں مجاز امکا لہ کے ہیں یعنی بار بار کلام کرنا۔

الذین یطاہرون یقاتلون کے وزن پر عاصم، ابو العالیہ، حسین کی قراءت ہے۔

من نساء ہم۔ اس سے مراد بیوی ہے۔ چنانچہ بقول صاحب ہدایہ باندی سے ظہار نہیں ہوتا۔ نیز نساء کی اضافت ضمیر کی طرف ہے۔ "ن" اپنی بیوی چنانچہ کسی عورت سے اگر اس کی اجازت کے بغیر کسی نے نکاح کر لیا اور پھر اس بیوی سے ظہار کیا۔ ظہار کے بعد اس منکوحہ نے نکاح کی اجازت دی تو اس صورت میں ظہار نہیں ہوگا کیونکہ اجازت دینے سے پہلے یہ اس کی بیوی نہیں ہوئی تھی اس لئے ظہار بھی نہیں ہوگا۔

ما هن امہتہن۔ یعنی بیوی حقیقتہً ماں نہیں ہوتی۔ اس لئے حقیقی ماں سے حرام ہونے میں تشبیہ بھی دینی چاہیے الا یہ کہ شرعاً اجازت ہے جیسے رضاعی ماں کہنا یا امہات المؤمنین ازواج مطہرات کو کہنا۔

مکراً من القول۔ یعنی شرعاً نامعقول بات ہے۔

دوراً۔ ناحق بات ہے اور یہ اس لئے کہ تشبیہ سے مقصود اگرچہ طلاق ہے اور ناجائز و ناروا نہیں ہوتی لیکن منکوحہ کو ایک ایسی عورت سے تشبیہ دینا جو ہمیشہ کے لئے حرام ہو بری بات سمجھی گئی اور جاہلیت کی یادگار ہے۔ اصول فقہ کی کتابوں میں اس موقع پر یہ اشکال نقل کیا گیا ہے کہ شوافع کے اصول پر، حرام چیز کسی مشروع چیز کا سبب نہیں ہونی چاہیے۔ حالانکہ ظہار کا منکر ہونا نص سے ثابت ہو رہا ہے۔ پھر یہ کفارہ جیسے شرعی حکم کا سبب بنا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہماری گفتگو اس صورت میں ہے جب کہ سبب مشروع ہو اور حکم بھی مطلوب ہو اور پھر سبب کی ممانعت کی جائے تو اس صورت میں حکم مشروع ہوگا یا نہیں مثلاً خرید و فروخت شرعاً جائز ہے اور اس سے ملکیت مطلوب ہوتی ہے پس فاسد خرید و فروخت کی وجہ سے آیا۔ ملکیت ثابت ہوگی یا نہیں لیکن کفارہ میں یہ صورت نہیں ہے کیونکہ وہ مطلوب نہیں ہے بلکہ ظہار پر سرزنش کرتے ہوئے مشروع ہو گیا ہے اس لئے اس کا سبب ہی ممنوع ہونا چاہیے جیسے قصاص کہ وہ قتل کی سزا ہے۔ اسی لئے قصاص کا سبب یعنی ابتداء قتل حرام ہے۔

والذین یطاہرون۔ ظہار کی حقیقت یہ ہے کہ بیوی کو ماں کے اس کے کسی ایسے جزء کے ساتھ تشبیہ دیا جس کو بول کر ذات مراد لی جاتی ہے جیسے کہا جائے۔ انت علی کلمی یا کظہر امی اور نیت حرام ہونے کی کی جائے تو بالا جماع ظہار ہو جائے گا۔ لیکن امام اعظمؒ اور امام

مالک نے ماں کے علاوہ دوسرے محرمات کو بھی ماں پر قیاس کیا ہے جیسے بہن، خالہ، پھوپھی وغیرہ اسی طرح رضاعی محرمات بھی اس میں داخل ہیں۔ امام شافعیؒ بھی ایک قول میں ہمارے شریک ہیں اور ایک دوسرے قول کے مطابق صرف ماں کے ساتھ ظہار خاص ہے۔ ظہار کا حکم یہ ہے کہ بیوی کفارہ ادا کرنے تک حرام رہے گی۔ اور اس کی حرمت چونکہ نص سے ثابت ہے اس لئے اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جائے گا۔

ظہار کے الفاظ بول کر کوئی طلاق کی نیت کرے تو طلاق بائنہ ہو جائے گی اور کوئی تعظیم و تکریم کی نیت سے کہے تو تکریم ہی سمجھی جائے گی اور اگر بغیر نیت یہ الفاظ کہہ دے تو کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا۔

ثم يعودون لما قالوا یعنی نقص ما قالوا مضاف محذوف ہے حاصل یہ ہے کہ شوہر اپنی بات کے برخلاف بیوی سے بیوی کے معاملات کرنا چاہے لیکن عود کی صورت کیا ہوگی؟ اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ حسنؒ کے نزدیک صرف ہمسٹری کے ذریعہ عود کہلائے گا۔ امام مالکؒ کے نزدیک عزم جماع سے بھی عود ہو جائیگا۔ امام اعظمؒ کے نزدیک دوائی جماع سے عود ہو جائیگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف بیوی رہنے دینے سے ہی عود ہو جائے گا۔ یعنی ظہار کے فوراً بعد اگر شوہر اس کو طلاق نہ دے تو عود ہو جائے گا۔ حنفیہ کی تائید ابن عباسؓ، حسنؒ قتادہ کے اقوال سے بھی ہوتی ہے اور سفیان ثوری کے نزدیک عود کے معنی یہ ہیں کہ اسلام لانے کے بعد جاہلیت کے اس ظہار کو پھر دہرائے۔ اور ظاہر یہ کہ نزدیک عود کے معنی بار بار ظہار کے الفاظ کو دہرانے کے ہیں اور ابو مسلمؒ کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ شوہر اپنے کہنے پر حلف کر لے۔

فتحریر رقبۃ۔ یہاں سے کفارہ کی تین صورتوں کی تفصیل ہے۔ یہ مبتداء ہے اس کی خبر غلیم محذوف ہے یا بقول مفسر اعتقاد تھا علیہ پھر یہ جملہ موصول کی خبر ہو جائے گا۔ اور فامعنی شرط کی وجہ سے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جماع اور دوائی جماع کی اجازت غلام، باندی آزاد کرنے سے پہلے نہیں ہے۔ تاہم کسی نے اگر ایسا کر لیا تو توبہ استغفار کیا جائے۔ کفارہ صرف ایک ہی دینا پڑے گا خواہ بار بار جماع کرے اور اس حکم کی پابندی خاوند بیوی دونوں پر ہوگی۔ بعض علماء کے نزدیک کفارہ سے پہلے صرف جماع کی ممانعت ہے دوائی جماع کی ممانعت نہیں ہے پھر غلام باندی عام ہیں۔ مسلمان ہو یا کافر چھوٹا ہو یا بڑا، گونگا ہو یا کانٹا، یا بہر ایک ہاتھ اور دوسری جانب کی ٹانگ کٹی ہوئی ہو۔ غرضیکہ جس غلام باندی کی منفعت باقی ہو اس کو آزاد کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح مکاتب کو آزاد کرنا جس نے ابھی کچھ بدل کتابت ادا نہ کیا ہو یا اپنے آدھے غلام کو پہلے اور باقی کو بعد میں آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ البتہ بالکل غلام باندی جیسے نابینا، دیوانہ، دونوں ہاتھ یا پاؤں یا ایک ہی جانب کے ہاتھ پاؤں یا دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے کو آزاد کرنا یا مدبر غلام یا اسی مکاتب کو آزاد کرنا جس نے کچھ بدل کتابت ادا کر دیا ہو یا مشترک غلام کے ایک حصہ کو پہلے اور بقیہ کو بعد میں آزاد کرنا کافی نہیں ہوگا۔ یہ تمام تر تفصیل حنفیہ کے نزدیک رقبۃ کے مطلق ہونے کی بنیاد ہونے پر ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کفارہ کے قتل پر قیاس کرتے ہوئے صرف مسلمان غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے بلحاظ ذات غلام صحیح سلامت ہو جو کارآمد ہو۔ ناقص اور عیب دار نا کافی ہوگا۔ فمن لم يجد فصيام یہ کفارہ کی دوسری صورت ہے۔ غلام باندی کے نہ پائے جانے کی معنی میں اختلاف ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ غلام باندی خواہ خدمت کے لئے ہوں یا ان کی قیمت خواہ وہ اپنی ضروریات کے لئے ہو۔ ان دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں روزوں کے ذریعہ کفارہ ادا کیا جائے گا۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک یہ دونوں چیزیں زائد از ضرورت نہ ہوں تب روزے رکھائے جائیں گے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک صرف غلام باندی کی موجودگی یا غیر موجودگی کا اعتبار کیا جائے گا قیمت پاس ہونے کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ یعنی اگر غلام باندی موجود ہیں خواہ خدمتی ہیں تب انہیں آزاد کیا جائے گا۔ ورنہ اگر ان کی قیمت ہو خواہ صرف سے زائد ہو بہر صورت روزوں کی اجازت ہوگی۔ چنانچہ کفارہ کی منتقلی غریبوں کو کھانا کھلانے کی جانب یہ اس طرف مشیر ہے کہ کفارہ ظہار میں بعینہ غلام باندی کا اعتبار کیا گیا ان کی قیمت کا نہیں۔ برخلاف کفارہ قتل کے اس میں یہ منتقلی نہیں ہے، اور دو ماہ کے روزے مسلسل ہونے ضروری ہیں۔ درمیان میں رمضان اور پانچ منوعہ دن بھی نہیں آنے چاہئیں۔ اسی طرح کسی عذر کی وجہ سے بھی اس تسلسل میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ ورنہ بلا عذر ناغہ کی صورت میں بالاجماع دو ماہ کے از سر نو روزے رکھنے پڑیں گے۔ اور حنفیہ کے نزدیک عذر کی وجہ سے بھی ناغہ ہونے سے سابقہ روزے کا لحدم ہو جائیں گے یہاں بھی روزے جماع اور دوائی

جماع سے پہلے مکمل کرنے ضروری ہوں گے۔ اور بعض کے نزدیک صرف جماع سے پہلے روزے رکھنے ضروری ہیں۔ اسی طرح حنفیہ مالکیہ کے نزدیک دن و رات دونوں میں بیوی سے بچنا ضروری ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک روزوں کے درمیان رات کو جماع کرنے سے روزوں کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن نص کا اطلاق حنفیہ کی تائید کر رہا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں روزوں کو اگر از سر نو دہرایا گیا تو تمام روزے جماع سے موخر ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ان ادا کئے ہوئے روزوں کو معتبر مان لیا جائے تو کم از کم بعض روزے ہی مقدم ہو جائیں گے۔ اس لئے من قبل ان۔ تمام سا پر فی الجملہ عمل کرنے کی بہتر صورت یہ ہے کہ ان روزوں کا اعتبار کر لیا جائے اور از سر نو روزے نہ رکھائے جائیں لیکن طرفین کا جواب یہ ہے کہ روزوں کے کفارہ میں دو چیزیں مقصود ہیں۔ ایک تمام روزوں کا جماع سے پہلے ہونا اور دوسرے ان تمام روزوں کا جماع سے خالی ہونا۔ پس مذکورہ صورت میں پہلا مقصد اگرچہ حاصل نہیں ہوا۔ تاہم دوسرے مقصد کو سامنے رکھ کر روزوں کو از سر نو رکھنا چاہیے۔ تاکہ ممکنہ حد تک نص پر عمل ہو سکے۔ فمن لم یستطیع فاطعام یہ کفارہ کی تیسری صورت ہے۔ یعنی غلام باندی کو آزاد کرنے کی طرح اگر کوئی دو ماہ کے مسلسل روزے نہیں رکھ سکتا ہو۔ بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے بالکل نہیں رکھ سکتا، یا دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو پھر تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ ساتھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ فی مسکین آدھا صاع گے ہوں یا ایک جو یا کھجوروں کا دے دے یا اتنی قیمت ادا کر دے یا دو وقتہ پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے۔ تو حنفیہ کے نزدیک سب صورتیں جائز ہیں۔ یعنی امام مالک اور امام شافعیؒ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے پیانہ کے حساب سے فی مسکین ایک رطل اور تہائی رطل جو تاج زیادہ کا استعمال ہوتا ہو دے دے۔ اور فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے نہ اباحت ان کے نزدیک کافی ہے اور نہ قیمت کی ادائیگی جائز ہے اور چونکہ کھانا کھلانے میں من قبل ان بتما مسا کی قید نہیں ہے۔ اس لئے درمیان میں جماع حنفیہ کے نزدیک مغل کفارہ نہیں ہوگا۔ لیکن امام شافعیؒ مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے تیسری صورت کو پہلی دونوں صورتوں پر قیاس کر کے من قبل ان بتما مسا کی شرط مقدر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مطلق و مقید اگر دو واقعوں میں بھی الگ الگ ہوں گے تب بھی مطلق کو مقید سمجھا جائے گا برخلاف حنفیہ کے وہ ایک حادثہ میں بھی مطلق و مقید کو الگ الگ رکھتے ہیں اور رائج یہی اصول معلوم ہوتا ہے کیونکہ شارع کے نزدیک یہ قید اگر ضروری ہوتی تو مطلق کیوں ارشاد فرماتے ہیں۔ پھر شوہر کے ظہار کے بعد کفارہ کی ادائیگی پر شوہر کو مجبور کرنا بیوی کا حق ہے۔ صاحب کشاف اور صاحب مدارک دونوں نے فرمایا کہ عورت قاضی کے یہاں مرافعہ کر سکتی ہے اور قاضی شوہر کو مجبور کرے گا۔ بلکہ کفارہ ظہار ہی ایسا کفارہ ہے جس میں خاوند کو جیل بھی بھیجا جاسکتا ہے تاکہ بیوی کی حق تلفی نہ ہو۔ ان الذین یجادون اہل مکہ مراد ہیں۔ اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے فتح و کامرانی اور دشمنوں کے ذلیل و رسوا ہونے کی بشارت ہے۔ کتبوا کما۔ فی تحقیق اور یقین کے لئے لائی گئی ہے۔

ونسوہ۔ غفلت و تساہل مراد ہے۔

ما یكون۔ مانا فیہ اور کان نامہ ہے اور من زائدہ ہے۔

نجوی۔ مصدر بمعنی تاجی، فاعل ہے۔ سرگوشی اور پوشیدہ گفتگو کے معنی ہیں اس میں اللہ کے علم کی وسعت مقصود ہے۔

الا وهو۔ محل نصب میں ہے۔ استثناء مفرغ حال ہے۔ ابو جعفرؒ کی قراءت مانکون ہے۔ نجوی مونث ہونے کی وجہ سے لیکن عام قراءت بقول ابو الفضلؒ مذکر کے صیغہ سے ہے۔

ولا اکثر۔ عام قراءت جر کی ہے نجوی پر عطف کی وجہ سے۔ لیکن حسن، اعمش، ابن ابی اخط، ابو حیوہ یعقوبؒ نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے نجوی کے محل ہر عطف کرتے ہوئے من زائد ہوگا۔ اور نجوی مصدر ہونے کی صورت میں مضاف محذوف ہوگا۔

ای من ذوی نجوی اور بمعنی متناجین ہو تو پھر حذف مضاف کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور دوسری صورت رفع کی یہ ہے کہ ادنیٰ مبتداء ہو اور الا هو معہم اس کی خبر اور ولا اکثر کا عطف ادنیٰ مبتداء پر ہو۔

الم تر۔ یہود و منافقین مراد ہیں۔



بما لم یحیلث۔ ذمی کافر کے سلام کے جواب میں علماء کی رائے مختلف ہے۔ ابن عباسؓ، شعبیؓ قنادہؓ ظاہر امر کی وجہ سے واجب کہتے ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں واجب نہیں ہے۔ صرف علیکؒ جواب میں کہہ دینا کافی ہے۔ حنفیہؒ کے نزدیک حدیث کی وجہ سے جواب میں وعلیکؒ کہنا واجب ہے۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں علاءک السلام کہنا چاہیے۔ یعنی سلامتی تجھ سے اٹھتی ہے۔ اور بعض مالکیہ کے نزدیک السلام علیکؒ جواب دینا چاہیے۔ سلام کے معنی پتھر کے ہیں۔ یعنی تجھ پر پڑیں پتھر۔

انما النجوى من الشيطان۔ یعنی غیبت اور آبروریزی کی باتیں مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے شیطانی جال ہے۔ جس میں خود سرگرمی کرنے والے پھنسیں گے۔ اہل معرفت کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی آبروریزی میں غور و خوص سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔

ولیس بضارہم شیئا الا اذن اللہ۔ اس میں غیبت چغلخوری کرنے والوں کے لئے تحریف ہے۔

تفسحوا۔ صحابہ چونکہ مجلس نبوی کے لئے تافس کرتے تھے اس لئے تفسح کا حکم دیا گیا ہے۔

فتح اللہ اسی طرح یرفع اللہ دونوں مجزوم ہیں جواب امر جواب شرط کی وجہ سے اشتر و مجلس میں تنگی کی وجہ سے اٹھنے کو کہا جائے تو اس کی تعمیل مقصود ہے، یا اذان کے بعد نماز و جماعت میں سستی سے منع کرنا مقصود ہے۔

الذین او تو العلم۔ عطف خاص علی العام ہے۔ اہل علم کی فضیلت اس سے واضح ہے۔

بین یدی نحوکم۔ اس میں حضور ﷺ کی توقیر غریاء و مساکین کا انتفاع اور کثرت سوال سے روکنا اور مخلص و منافق میں امتیاز اور محبت دنیا اور محبت آخرت میں فرق کرنے کے لئے صدقہ کا حکم دیا گیا۔ بعض کے یہ حکم واجب تھا اور بعض کے نزدیک مستحب۔

فان لم تجدوا۔ اس کی خبر محذوف ہے جس کی طرف سے مفسر نے فلا علیکم سے اشارہ کیا ہے اور فان اللہ رب جزاء کی علت ہے۔

اذلم تفعلا۔ اس میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ ماضی ہے جیسا کہ ابوالبقاء کی رائے ہے۔ دوسرے یہ کہ اذ کے معنی میں ہے۔ تیسرے یہ ہے کہ ان شرطیہ کے معنی میں ہے۔

رابط آیات: پچھلی سورت کے آخر میں رسالت کا مضمون تھا۔ اور اس سورت کے شروع میں قد سمع اللہ ہے جو مسائل تو حید میں سے ہے اسی طرح پچھلی سورۃ کے اخیر میں اہل ایمان کی اخروی فضیلت کا بیان تھا۔ اس سورت کے شروع میں اہل ایمان پر دنیوی فضل کا بیان ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں جو سختی تھی اسلام نے اس کو نرم کر دیا۔

آیت ان الذین یحادون میں اللہ و رسول کے خلاف کرنے والوں کے لئے وعید ہے خواہ وہ کافر ہوں یا منافق۔ بالخصوص یہودان میں دونوں قسم کے مخالفین تھے۔

الم تر ان اللہ یعلم سے سرگوشی کے سلسلہ میں پھر آیت یا ایہا الذین امنوا اذقیل الخ سے کچھ آداب مجلس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

شان نزول: ایک بار اوس بن صامتؓ کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ انہوں نے ہمبستری کی خواہش کی۔ بیوی نے معذرت کی۔ اوسؓ نے خفا ہو کر الفاظ ظہار انت علی کظہر ائی کہہ دیئے۔ پرانے دستور کے مطابق ظہار کرنے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی تھی۔ اس لئے خولہ مصورت حال کی نزاکت سے پریشان ہوئیں اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفسار کیا کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی وحی نہیں آئی تھی۔ اس لئے آپؐ نے رواج کے مطابق فرمادیا کہ ما اراک الا قد حومت علیہ۔ یعنی میرے خیال میں تو شوہر کے لئے حرام ہوگئی۔ وہ یہ سن کر داویلا کرنے لگی کہ پھر بچوں کا کیا ہوگا؟ اور عرض کیا ”ما ذکر طلاقا“ یعنی شوہر نے طلاق کا لفظ نہیں کہا تھا۔ پھر طلاق کیسے ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ما امرت فی شانک بشیء حتی الان۔ یعنی اس بارہ میں اب تک کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ خولہ بنت ثعلبہ نے



ظہار کسے کہتے ہیں: ..... خفیہ کے نزدیک ظہار کسے کہتے ہیں۔ بیوی کو محرمات ابدیہ میں سے کسی کے ایسے عضو سے حرام ہونے کی نیت سے تشبیہ دی جائے جس کی طرف اس کو دیکھنا منع ہے۔ ظہار کا حکم یہ ہے کہ کفارہ ہی بیوی کو حلال کر سکتا ہے۔ ظہار کے مختصر مگر ضروری مسائل یہ ہیں۔

- ۱۔ زیادہ تر کمر سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہوگی کہ اکثر جماعت کے وقت بیوی کمر پر لپٹتی ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ جیسے ماں کو اس نیت سے لٹانا حرام ہے۔ اسی طرح بیوی کو بھی حرام سمجھتا ہوں۔ اسی طرح دوسرے اعضاء کی تشبیہ میں بھی مناسبت نکال لی جائے گی۔
- ۲۔ منکم میں خطاب چونکہ مسلمان بالغوں کو ہے اس لئے کافر یا نابالغ مسلمان کا ظہار حقیقی نہیں۔
- ۳۔ نساء سے چونکہ منکوحہ بیویاں مراد ہیں۔ اس لئے اپنی باندی سے ظہار نہیں ہوگا۔
- ۴۔ ظہار کرنا گناہ ہے اور بعض کے نزدیک گناہ کبیرہ۔

۵۔ کفارہ ادا کئے بغیر بیوی سے صحبت اور اس کے دواغی حرام رہیں گے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ فلا تقر بها حتی تفعل ما امرک اللہ۔

۶۔ کسی وجہ سے ایسی بیوی سے صحبت یا دواغی صحبت کا ارادہ نہ ہو اور اس کو خاوند طلاق دے دے یا بیوی مر جائے تو اس گناہ کی معافی تو بہ سے ہو جائے گی کیونکہ کفارہ صحبت کے لئے شرط ہے گناہ کے لئے نہیں۔

۷۔ بغیر ارادہ صحبت اگر کفارہ ادا کرے تب بھی صحبت حلال ہو جائے گی۔ کیونکہ کفارہ کے نفس و جوب کا سبب تو ظاہر ہے مگر وجوب ادا کا سبب ارادہ صحبت ہے۔ پس نفس و جوب کے بعد کفارہ ادا کرنا صحیح ہو جائے گا۔ البتہ اس کی ادائیگی بغیر ارادہ صحبت واجب نہ ہوگی بلکہ صرف تو بہ کافی ہے۔ پس آیت میں عود کے ساتھ مقید کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کفارہ کے بغیر صحبت جائز نہیں ہے۔ نہ کہ بدوں ارادہ صحبت کے کفارہ بھی جائز نہیں غرضیکہ ارادہ صحبت کے وقت تو ظہار کا تدارک کفارہ سے ہوگا اور بغیر ارادہ صحبت کے تو بہ سے تدارک ہو سکے گا۔

۸۔ غلام باندی آزاد کرنے یا روزے رکھنے کے درمیان اگر شوہر نے صحبت کر لی تو از سر نو کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ لیکن اگر کھانا کھلانے کے درمیان صحبت کر لی تو تجدید کفارہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ گناہ ہوگا جس کے لئے تو بہ کرنی ہے۔

۹۔ چونکہ فی زمانہ کہیں غلام باندی نہیں ہیں اس لئے کفارہ صرف روزوں اور کھانا کھلانے کے ذریعہ ادا ہوگا۔

۱۰۔ کچھ مسائل سورۃ نساء کفارہ قتل کے ذیل میں اور کچھ مسائل سورۃ مائدہ کفارہ یمین کے تحت گزر چکے ہیں اور ظہار کے متعلق تفصیل سورۃ احزاب آیت ماہن اما تھم الخ میں گزری ہے۔ ان اللہ سمیع علیم۔ اللہ تو سب ہی کی سنتاد دیکھتا ہے وہ اس عورت کی گفتگو کیوں نہیں سنتا جو آپ سے ہوئی بے شک وہ عورت مصیبت زدہ تھی جس کی فریاد سنی اور ہمیشہ کے لئے اس قسم کے واقعات سے عہدہ برآ ہونے کا راستہ بتلادیا۔

کفارہ ظہار میں سرزنش کا پہلو: ..... ماہن امہاتھم۔ بیوی اس کہہ دینے سے حقیقی ماں کیسے بن سکتی ہے؟ کہ حقیقی ماں کی طرح

ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے۔ ہاں کوئی جب اپنی بدتمیزی سے ایک غلط اور نامعقول بیہودہ بات کہہ دے تو اس کی تادیب یہ ہے کہ کفارہ ادا کرے۔ عورت کو اس کے بغیر ہاتھ نہ لگائے، پر بیوی اسی کی رہی۔ محض ظہار سے طلاق نہیں پڑگئی۔ زمانہ جاہلیت میں جو ایسی حالت ہو چکی وہ معاف ہے۔ لیکن اب احتیاط کرو۔ پھر بھی اگر کسی سے یہ غلط ہو جائے تو تو بہ کرے اور بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے کفارہ ادا کرے۔ ذلکم تو عظون کفارہ، تنبیہ و نصیحت کے لئے ہے کہ پھر ایسی غلطی نہ کرو اور دوسرے بھی باز رہیں۔

آداب مجلس اور معاشرتی اصلاح: ان الذین یحادون۔ یہود و منافقین محض مسلمانوں کو پریشان اور شکستہ خاطر کرنے کے لئے فرضی سرگوشیاں کرتے اس پر سرزنش کی گئی ہے۔ اسی طرح مجلسی آداب اور معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں پہلے تو علیک سلیک صحیح کرنے کا سبق دیا گیا۔ اور پھر جگہ جگہ ہونے پر اولاً تو آپ نے ممکنہ حد تک آنے والوں کے لئے گنجائش پیدا کرنے کا حکم دیا جن کے دلوں میں جگہ تھی انہوں نے باہر بھی جگہ کھول دی۔ لیکن جن کے دل تنگ تھے وہ گھٹتے رہے مگر اپنی جگہ سے کھسکے نہیں تو آپ نے تا دبیان کو اٹھا دیا اور نئے آنے والوں نے ان کی جگہ سنبھال لی تاکہ پرانوں کی طرح نئے لوگ بھی استفادہ کر سکیں۔ جیسا کہ مدارس میں طلبہ اساتذہ سے بطور تادب درسی استفادہ کرتے رہتے ہیں کہ ایک جماعت جاری ہے دوسری آرہی ہے یا ایک کتاب ختم ہو رہی ہے اور دوسری شروع ہو رہی ہے اس سے استفادہ محدود نہیں رہتا بلکہ وسیع ہو جاتا ہے۔ سب کو موقع مل جاتا ہے مگر روگی دلوں کو یہ ناگوار ہوا۔ اسی طرح بعض پیسہ والے لگاتے اور دوسروں پر رعب جماتے اور فرضی تقرب جملانے کے لئے آنحضرت ﷺ سے طویل سرگوشی کرتے۔ آپ غایت اخلاق سے ان کو روک تو نہیں سکتے۔ مگر طبعاً ناپسند کرتے اور غریب عوام محروم رہتے۔ کیونکہ جب سارا دن مجلس خاص چلتی رہے تو پھر مجلس عام کب ہوگی؟ اس لئے مصلحتاً اس پر روک لگانے کے لئے پیشگی رقم کی ادائیگی لازم کر دی گئی۔ جس سے غیر مخلصین کی بھیڑ تو چھٹ گئی مگر بعض درمیانی درجہ کے مخلصین کو تنگی ہونے لگی۔ کہ وہ نہ تو پورے نادار تھے کہ رخصت سے فائدہ اٹھالیں اور نہ پورے مالدار کے بے دھڑک خرچ کر ڈالیں اور پھر سرگوشی کوئی اس درجہ کی چیز نہیں تھی کہ اس کو عبادت کا رجبہ دے کر لازمی خرچ کیا جائے۔ اس لئے جلد ہی اس پابندی کو واپس لے لیا گیا۔

احصاء اللہ ونسوه۔ یعنی ان کو عمر بھر کے بہت سے کام یاد ہی نہیں رہے یا ان کی طرف توجہ نہیں رہی۔ لیکن اللہ کے ہاں وہ سب ایک ایک کر کے محفوظ ہیں وہ سارا دفتر اس دن کھول کر دکھ دیا جائے گا۔

مشورہ اور ارکان شورئہ: ... ما یکون من فجوی۔ مشورہ میں اگر صرف دو شخص ہوں تو اختلاف کی صورت میں ترجیح دشوار ہوتی ہے۔ اس لئے اہم معاملات میں طاق عدد رکھتے ہیں اور ایک کے بعد پہلا طاق عدد تین پھر پانچ تھا۔ اس لئے ان دو کو اختیار کر کے آگے تعلیم کر دی۔ رہا حضرت عمرؓ کا خلافتی شورئہ کو چھ افراد پر دائر کرنا جو طاق عدد نہیں، اس لئے ہوگا کہ اس وقت خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق یہی چھ حضرات تھے جن میں سے کسی ایک کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پھر خلافت کا انتخاب انہی چھ میں سے ہو رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس کا نام آتا، رائے دینے والے تو اس کے سوا پانچ افراد ہی رہتے۔ پھر بھی احتیاطاً حضرت عمرؓ نے بصورت مساوات ایک جانب کی ترجیح کے لئے عبد اللہ بن عمرؓ کا نام لیا تھا۔ الم تر الی الذین نہوا۔ مجلس نبوی ﷺ میں بیٹھ کر ناحق اہل مجلس کا مذاق اڑاتے، ان پر نکتہ چیں کرتے، آپس میں کھسر پھسر کرتے اور آنکھوں سے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے۔ اور حضرت کی بات سن کر کہتے یہ مشکل کام ہم سے نہیں ہو سکے گا۔ سورہ نہ، میں ایسی سرگوشیوں سے منع بھی کیا جا چکا تھا۔ مگر یہ موذی بے حیا پھر اپنی حرکتوں اور شرارتوں سے باز نہ آتے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئی۔

غیر مسلم کے سلام کا جواب: ..... حیوک بما لم یحیک بہ اللہ۔ یہودی اور منافقین آپ کو السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہہ کر سلام کرتے۔ جس کا دھمکی آمیز جواب ان آیات میں دیا گیا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آپ جواب میں صرف وعلیک فرمادیتے۔ یعنی تمہاری پیش کش واپس، تمہیں ہی مبارک ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہودی کے السام کے جواب میں علیک السام واللعنۃ کہہ دیا آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔ صدیقہؓ بولیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے خیال نہیں فرمایا اس نے کیا کہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے خیال نہیں کیا میں نے کیا کہا؟ یعنی جواب میں صرف علیک کہہ کر اس کا تحفہ اسی کو واپس کر دیا۔ ہمیں اپنی زبان کو گندہ نہیں کرنا چاہیے۔ فقہانے لکھا ہے کہ کفار کے سلام کے جواب میں صرف علیک کہہ دیا جائے یا ہد اک اللہ کہنا چاہیے لیکن اگر ”آداب عرض ہے“ بندگی بجالاتا ہوں، تو انہیں جملوں کو دہرانے کی اجازت

ہے۔ البتہ ابتداء اسلام نہیں کرنا چاہیے اور سلام کے جواب میں سلام نہیں کہنا چاہیے کیونکہ کافر کی سلامتی کفر کی سلامتی ہے جو مطلوب نہیں۔ بلکہ ہدایت مطلوب ہے البتہ دفع ضرر کے لئے دونوں باتوں کی اجازت ہے۔

سرگوشی کی حدود۔ .... فلا تتناجوا۔ ممکن ہے اس پر کوئی شبہ کرے کہ منافقین کو فلا تتناجوا بالانتم کہا گیا ہے۔ مگر وہ کہہ سکتے ہیں ہم تو بہ تقویٰ کی سرگوشی کرتے ہیں ائمہ و عدوان کی سرگوشی نہیں کرتے۔ کیونکہ سورۃ تو دونوں ایک ہی ہیں۔ ان میں فرق و امتیاز معلوم نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ کہ برو تقویٰ کے مضامین، سرگوشی کے لائق بہت کم ہیں۔ ایسی سرگوشی تو شاذ و نادر ہی کبھی ہوگی۔ برخلاف شرارت و خباثت کے کہ اس میں سرگوشی بکثرت ہوتی ہے پس دونوں میں یہی ایک امتیاز کافی ہے۔ پھر اس کے علاوہ قرآن خارجہ خصوصی احوال بھی دونوں سرگوشیوں کو ایک دو سرے سے جدا کر سکتے ہیں۔

انما النجوى من الشيطان۔ منافقین کی کانپھوسی مسلمانوں کو دلگیر کرنے کے لئے تھی۔ مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سب شیطان کی شرارت ہے۔ اور وہ ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اس کے قبضہ میں کیا ہے۔ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا حکم نہ ہو تو لاکھ منصوبے یہ گانٹھ لیس بال بیکا نہیں کر سکتے۔ اس لئے دلگیر ہونے کے بجائے اپنے اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ احادیث میں ہے کہ مجلس میں ایک آدمی چھوڑ کر دو شخص کا کانپھوسی نہ کریں اس سے تیسرا دلگیر ہوگا یہ مسئلہ بھی اس آیت کے تحت آ سکتا ہے۔ یہ تو خلوت کا ادب تھا آگے جلوت کا ادب ارشاد ہے۔

اہل مجلس کی رعایت: ..... واذا قيل لكم تفسحوا۔ حضور ﷺ پر نور کی مبارک مجلس میں ہر شخص آپ کا قرب چاہتا ہے۔ جس سے مجلس میں کبھی تنگی پیش آتی حتیٰ کہ اکابر صحابہ کو حضور ﷺ کے قریب جگہ نہ ملتی۔ اس لئے یہ احکام سرزد ہوئے تاکہ سب کو درجہ بدرجہ استفادہ کا موقع ملے۔ اور نظم و ضبط قائم رہے اب بھی اس قسم کی انتظامی چیزوں میں صدر مجلس کے احکام کی اطاعت کرنا چاہیے خواہ وہ بالکل اٹھ جانے کو کہے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کر دے۔ پھر یہ انتظام خواہ مجلسی مصالح کے پیش نظر ہے یا صدر مجلس کو کسی خاص مشورہ یا عبادت یا آرام کے لئے خلوت کی ضرورت ہے جس کے بغیر وہ کام نہ ہو سکیں یا ادھر رہتے ہوں۔ بہر صورت تعمیل کرنی چاہیے کہ اسلام ابتری اور بد نظمی نہیں سکھاتا بلکہ انتہائی نظم و شائستگی سکھاتا ہے یرفع الله الذين امنوا و احبا ایمان اور صحیح علم انسان کو ادب و تہذیب سکھاتا ہے۔ اور متواضع بناتا ہے۔ اہل علم و ایمان جس قدر کمالات و مراتب میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر جھکتے ہیں اور اپنے کو نا چیز سمجھتے جاتے ہیں۔ من تو اضع الله رفعه اللہ، یہ کام جاہل بددین، متکبروں کا ہے محض اتنی سی بات پر لڑ پڑے کہ مجھے کیوں یہاں سے اٹھا دیا، وہاں کیوں بٹھا دیا۔ مجلس سے کیوں الگ کر دیا۔ بہر حال منافقین وہ تو منکم کی قید کی وجہ سے اس وعدہ سے خارج ہیں۔ دوسرے بے علم مگر اہل ایمان کے لئے بلند درجات ہیں۔ تیسرے وہ جو جامع ہیں ایمان و علم کے، ظاہر ہے کہ ان کے لئے مزید بلندی درجات ہے کیونکہ علم و ایمان سے معرفت و اخلاص زیادہ ہوگا جس سے عمل اور اس کے اجر میں ترقی لازمی ہے۔

رسول اللہ سے خصوصی گفتگو اور اس سے پہلے خیرات کی مصالح: ..... فقد موابین یدی نجویکم صدقة۔ منافقین تو اپنی بڑائی جتلانے کے لئے سرگوشی کر کے آپ کا وقت خراب کرتے۔ اور بعض مسلمان بھی غیر اہم باتوں میں سرگوشی کر کے دوسروں کو استفادہ سے رکاوٹ کا سبب بنتے۔ مگر مروت و اخلاق کے سبب کسی کو منع نہ فرماتے۔ اس لئے سرگوشی سے پہلے خیرات کا حکم دیا گیا۔ آیت میں تو اس کی کوئی مقدار نہیں آئی لیکن روایات میں مختلف مقادیر ذکر کی گئی ہیں۔ کوئی معین مقدار مقرر نہیں۔ تاہم معتد بہ ہونی چاہیے اس صدقہ میں کئی فائدے تھے۔ اس طرح غریبوں کی امداد ہو جاتی تھی۔ غلص و غیر غلص میں امتیاز، غیر ضروری سرگوشی سے نجات، منافقین تو بخل کے مارے چھٹ گئے اور مسلمان بھی سمجھ گئے کہ زیادہ سرگوشیاں اللہ کو پسند نہیں۔

فاذلم تفعلو۔ اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم پر عام طور سے عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ اس پر صرف میں

نے عمل کیا ہے۔ صدقہ دلانے کا جو مقصد تھا جب وہ حاصل ہو گیا۔ تو اس وقتی حکم کو بھی اپنا لیا جائے کہ ان احکام کی احاطت میں ہمہ تن لگے رہو جو کبھی منسوخ ہونے والے نہیں ہیں۔ انہی سے کافی ترکیب نفس ہو جائے گا۔

لَا تَأْكُلْ أَمْوَالَكُم بَيْنَ يَدَيْكُمْ ذَلِكُمْ تَوْعَظُونَ۔ مالی کفارہ کو وعظ و تنبیہ کا سبب کہنا اس کی دلیل ہے کہ اصلاح نفس میں مالی جرمانہ کی خاصی تا ثیر ہے۔ مشائخ بھی اس تدبیر سے معالجہ کرتے ہیں لیکن خود مشائخ کو وہ جرمانہ وصول نہیں کرنا چاہیے۔  
وَتَأْكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَتَّى تَتَّخِذُوا مِنْ نَفَقَاتِكُمْ لَكُمْ فَسَادًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ کسی مصلحت سے تنذیر میں نفقہ کے جواز کی یہ اصل ہے مشائخ کا اس پر بھی عمل ہے۔  
اِذَا قِيلَ لَكُم تَصَدَّقُوا۔ یہ اپنے عموم کے اعتبار سے بعض آداب مجلس مشائخ پر روشنی ڈال رہی ہے۔

یہ رفع اللہ الذین امنوا سے معلوم ہوا کہ عوام و خواص کے مراتب کی رعایت ضروری ہے مگر اس کا مدار شیخ کی رائے پر ہے نہ کہ ان کے اصحاب کی آراء پر فقہموا بین یدی بچو کم صدقہ۔ اس کی علت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سے سرگوشی بڑی بھاری بات ہے اس کی جرات نہیں کرنی چاہیے ء الشفقت ان تقدموا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو طالب شیخ کو ہدیہ دینے پر قادر نہ ہو شیخ کو اس کی تسلی کرنا زیادہ ہے۔ وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہے

أَلَمْ تَرَ تَنْظُرُ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا هُمُ الْمُتَافِقُونَ قَوْمًا هُمُ الْيَهُودُ غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ إِلَّا الْمُتَفِقُونَ مِّنْكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا مِنْهُمْ مِنَ الْيَهُودِ بَلْ هُمْ مُذَبِّبُونَ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكُذْبِ أَى قَوْلِهِمْ أَنَّهُمْ مُؤْمِنُونَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ إِنَّهُمْ كَاذِبُونَ فِيهِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ مِنَ الْمَعَاصِي أِتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً سِتْرًا عَنْ أَنفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ فَصَدُّوا بِهَا الْمُؤْمِنِينَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَى الْجِهَادِ فِيهِمْ بِقَتْلِهِمْ وَأَخَذَ أَمْوَالِهِمْ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۶﴾ دَوَاهَانِ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا مِنَ الْإِغْنَاءِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۷﴾ أَذْكَرَ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ إِنَّهُمْ مُؤْمِنُونَ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّنْ نَّفْعٍ خَلْفَهُمْ فِى الْآخِرَةِ كَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ فَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا إِنَّا صَارْنَا لِأَكْثَرِ أَعْيَانِهِمْ ضَلَالَةً ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ اِسْتَوْلَى عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ بِطَاعَتِهِمْ لَهُ فَاتَّسَعَتْ لَهُ ذُرِّيَّتُهُمُ ذَكَرَ اللَّهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَتَبَاعُهُ إِلَّا إِنْ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۱۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادِّثُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذْلَىٰ ﴿۲۰﴾ الْمَغْلُوبِينَ كَتَبَ اللَّهُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ أَوْ قَضَىٰ لِأَعْلَيْنَا أَنَا وَرُسُلِي بِالْحُجَّةِ أَوْ السَّيْفِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ بَلْ يَقْصِدُونَ لَهُمُ السُّوءَ وَيُقَاتِلُونَهُمْ عَلَى الْإِيمَانِ كَمَا وَقَعَ لِحَمَاعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَا يُؤَادُّونَهُمْ كَتَبَ آيَاتُ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ تَعَالَىٰ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا



رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِصَاعَتِهِ وَرَضُوا عَنْهُ، بَنُو آيِهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۖ يَتَّبِعُونَ أَمْرَهُ وَيُحْتَنِبُونَ نَهْيَهُ إِلَّا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۲﴾ ۖ الْفَائِزُونَ ۖ

ترجمہ۔ کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر کی (یعنی منافقین) جو ایسے لوگوں (یہود) سے دوستی کرتے ہیں۔ جن پر اللہ نے غضب کیا ہے یہ بے (منافقین) نہ تو تم میں ہیں (مومنین میں) اور نہ ان میں ہیں (یعنی یہود میں بلکہ وہ ڈانوا ذول ہیں) اور جھوٹی بات پر قسمیں کھاتے ہیں (یعنی اس پر کہ وہ مومنین ہیں) اور وہ جانتے ہیں (کہ وہ ان بات میں جھوٹے ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے بے شک وہ بڑے بڑے کام (گناہ) کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو (اپنی مال و جان کی حفاظت) کے لئے سپر بنا رکھا ہے۔ پھر (ان قسموں کے ذریعہ مسلمانوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے رہتے ہیں (جہاد سے قتل کر کے مال لوٹ کر) سوان کے ذلت (اہانت) کا عذاب ہونے والا ہے۔ ان کے مال و اولاد اللہ (کے عذاب) سے ان کو ذرا نہ بچا سکیں گے۔ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (آپ یاد کیجئے) اس روز کو جب اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا۔ سو یہ اس کے حضور بھی قسمیں کھائیں گے (کہ وہ مومن ہیں) جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھا جاتے ہیں۔ اور وہ یوں سمجھیں گے کہ ہم بڑی عمدہ حالت میں ہیں (دنیا کی طرح آخرت میں بھی قسم کھانے سے فائدہ ہو جائے گا) خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے پورا تسلط (قابو) کر لیا ہے (شیطان کی پیروی کرنے سے) سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلا دی۔ یہ لوگ شیطان کا گروہ (پیروکار) ہیں۔ خوب سن لو کہ یہ شیطان کا گروہ ضرور برباد ہونے والا ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ سخت ذلیل (شکست خوردہ) لوگوں میں ہیں۔ اللہ نے یہ بات لکھ دی۔ (لوح محفوظ میں یہ فیصلہ فرمادیا) کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے (دلیل سے یا تمہارے ذریعہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ طاقت ور زبردست ہے۔ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ و رسول کے برخلاف ہیں گو وہ (منافقین) باپ بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں (مسلمانوں کے، بلکہ وہ ایمان کی رو سے ان کو نقصان پہنچانے اور قتل کرنے کی ٹھانے ہوئے رہتے ہیں۔ جیسا کہ صحابہ میں سے بہت سوں نے کر دکھایا ہے) ان لوگوں کے دلوں میں (جو اپنے عزیزوں سے بے تعلق ہو گئے) اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو مضبوط کر دیا ہے۔ اپنے فیض (نور) سے اور ان کو باغات میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ (ان کی فرمانبرداری کی وجہ سے) ان سے راضی ہوگا اور وہ (اس کے ثواب سے) راضی ہوں گے۔ یہ اللہ کا گروہ ہے (اس کے حکم کی پابندی اور ان کی ممانعت سے پرہیز کرتے ہیں) خوب سن لو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا (کامیاب) ہے۔

تحقیق و ترکیب۔ ما ہم منکم۔ اس جملہ میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جملہ مستاتفہ مانا جائے محل اعراب میں نہیں ہوگا۔ یعنی منافقین نہ خالص مومن ہیں اور نہ خالص کافر ضمیر ہم منافقین کی طرف راجع ہے۔ اور منکم کی ضمیر یہود کافروں کی طرف راجع ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تو لو کے فعل کے حال سے کو حال کہا جائے گا۔ اس صورت میں معنی اوی رہیں گے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو تو ما کی صفت ثانیہ کہا جائے۔ اب ضمیر ہم کا مرجع قوم یہود ہوگی اور منہم کی ضمیر دوستی کرنے والوں کی طرف راجع ہوگی۔ یعنی یہود نہ مسلمانوں میں ہیں اور نہ منافقین میں۔ بلکہ اس کے باوجود منافق ان سے وابستہ ہیں۔ بقول ابن عطیہ اس صورت میں انتشار ضار لازم آئے گا۔ جو پہلی دونوں صورتوں میں نہیں ہے شینا۔ مفسر نے من الاغناء سے اس کے مفعول مطلق ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن مفعول یہ بھی ہو سکتا ہے۔ ای شینا من غنائہ یوم یبعثہم۔ مفسر نے اذ کر سے اس کے مفعول یہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن لن نفی کا ظرف بھی ہو سکتا ہے۔

استحوذ۔ یہ لفظ بغیر تعیل کے اصل حالت میں ہے تعلیل کے بعد استحاذ ہوگا جیسے استعاذ اور استقام حذت الابل کے معنی اونٹ پر قابو یافتہ



ہونے کے ہیں۔

فانساہم۔ منافقین جو ذکر اللہ کرتے وہ اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے۔

فی الاذلیل۔ فی بمعنی مع ہے یا منجملہ اذلیل کے شمار کیا گیا۔

کتب اللہ۔ چونکہ کتب بمعنی قسم کو متضمن ہے۔ اس لئے جواب لاغلبین تاکید کے لئے لایا گیا۔ لیکن مفسر نے کتب کو اپنے معنی میں رکھا ہے اور قسمی کے معنی میں بھی لیا ہے۔ اس وقت لاغلبین قسم محذوف کا جواب ہو جائے گا وایدعم بروح روح کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں۔ حسن نصرۃ کے معنی اور ربیع بن انس قرآن اور اس کے دلائل مراد لیتے ہیں۔ ابن جریج تو رو بہان و ہدایت کہتے ہیں اور بعض نے رحمت الہی اور بعض نے جبرئیل کو مصداق کہا ہے۔

شان نزول۔ عبداللہ بن نبتل منافق آنحضرت ﷺ کی مجلس میں شریک ہوتا اور آپ ﷺ کی باتیں سن کر یہود کو پہنچایا کرتا۔ ایک روز آپ ﷺ اپنے حجرہ میں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج ایسا شخص آئے گا جس کا دل جبار کا اور آنکھیں شیطان کی ہوں گی۔ چنانچہ اس کے بعد عبداللہ بن نبتل آیا جس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ آپ نے اسی سے فرمایا کہ تو اور تیرے ساتھی مجھے برا بھلا کیوں کہتے ہیں؟ مگر وہ اور اس کے ساتھی مکر گئے اور حلفیہ انکار کرنے لگے۔ اس پر آیات الم تر الی الذین نازل ہوئیں۔

ولا کانوا اباہم چنانچہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے اپنے والد کو غزوہ احد میں قتل کیا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے غزوہ بدر میں اپنے بیٹے عبدالرحمنؓ کو مقابلہ کی دعوت دی۔ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حضور ﷺ سے یہ عرض کرتے ہوئے اجازت چاہی۔ دعنی اکن فی الوہلۃ الا ولی۔ مگر آنحضرت ﷺ نے یہ کہہ کر رد کر دیا۔ متعنا بنفسک یا ابا بکر اما نعلم انک عندی بمنزلۃ سمعی و بصری۔ علیٰ ہذا مصعب بن عمیرؓ نے غزوہ حمہ میں اپنے بھائی عبد بن عمیر کو مار ڈالا۔ نیز حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو اور حضرت علیؓ، حمزہؓ، ابوعبیدہؓ نے خاندانی لوگوں کو عقبہ شیبہ ولید بن عقبہ کو غزوہ بدر میں قتل کر ڈالا۔

تشریح:..... منافقین چونکہ دو غلے ہوتے ہیں اس لئے جس طرح فی الواقع وہ پورے طور پر کسی کے ساتھ نہیں ہوتے۔ اسی طرح کسی کو ان پر بھروسہ بھی نہیں ہوتا۔ وہ بظاہر دونوں طرف ہاتھ رکھ کر دو ہر نفع لوٹنا چاہتے ہیں۔ مگر فی الحقیقت دو ہرے ٹوٹے میں رہتے ہیں۔ اس سے ماہم منکم ولا منہم فرمایا گیا ہے۔ اور بے خبری اور انجان پن سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں۔ تاکہ مسلمانوں کو اپنائیت کا یقین دلا کر اپنے اعتماد میں لے سکیں۔

اتخذوا ایمانہم جنة۔ حالانکہ یہی سب سے زیادہ جھوٹے اور سب سے زیادہ خسارے میں ہیں۔ اللہ کے حضور پہنچ کر بھی جھوٹی قسموں سے اپنا کام نکالنا چاہیں گے۔ اس سے بڑھ کر پر لے درجہ کا جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ کے آگے بھی پرانی خصلت سے باز نہ آئے اور سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوشیار ہیں۔ بڑی اچھی چال چل رہے ہیں۔ شاید اتنا کہہ دینے سے رہائی مل جائے۔

استحوذ علیہم الشیطان یعنی شیطان جس پر قابو پالیتا ہے اس کا دل و دماغ اسی طرح مسخ و ماؤف ہو جاتا ہے۔ اسے کچھ یاد نہیں رہتا کہ خدا بھی کوئی چیز ہے شاید محشر میں بھی اسے جھوٹ پر قدرت دے کر اس کی بے حیائی حماقت کا بھانڈا پھوڑنا ہے کہ اس دیوانہ کو اتنا ہوش نہیں کہ اللہ کے آگے میرا جھوٹ چھپے گا؟ شیطانی لشکر کا انجام یقیناً خراب ہے۔ دنیا میں تو تباہ ہوا ہی آخرت بھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے اور نہ شدید عذاب سے چھٹکارا کی کوئی سبیل ہے۔

ان الذین یحادون۔ اللہ و رسول کا مقابلہ کرنے والے حق و صداقت کے خلاف جنگ کرنے والے سخت ناکام و ذلیل ہیں۔ اللہ کہہ چکا ہے کہ

آخر کار حق ہی غالب ہو کر رہے گا اور اس کے پیغمبر ہی مظفر و منصور ہوں گے۔

اِطَا نَفْسُ سُلُوْكَ: استحوذ علیہم الشیطان الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نسیان کو اگر شیطان کا اثر کسی وقت محسوس کرو تو اس کا تذکرہ ذکر اللہ سے کر لینا چاہیے۔

لا تجد قوما سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت الہیہ کے لوازم میں سے ہے کہ اس کے مخالفین سے اس کو نفرت ہو جائے۔  
وایدہم بروح منہ۔ یہ روح نور قلب ہے جس کو سکینہ اور نسبت بھی کہتے ہیں اس سے قلب کی حیات وابستہ ہونے کی وجہ سے روح سے تعبیر فرمایا گیا۔

## سُورَةُ الْحَشْرِ

سُورَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ أَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ أَيُّ نِعْمَةٍ فَاَللَّامُ مَزِيدَةٌ ۚ وَفِي الْإِنشَاءِ بِمَا تَغْلِيْبُ لِلْأَكْثَرِ ، وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١﴾ فِي مَلِكِهِ وَصُنْعِهِ هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ هُمْ بَنُو النَّصِيرِ مِنَ الْيَهُودِ مِنْ دِيَارِهِمْ مَسَاكِينَهُمْ بِالْمَدِينَةِ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ هُوَ حَشَرُهُمْ إِلَى الشَّامِ وَآخِرُهُ أَنْ حَلَّاهُمْ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي حِلَالَتِهِ إِلَى خَيْرٍ مَا ظَنَنْتُمْ أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ ، أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حَبْرٌ أَلَّا حُصُونُهُمْ فَاعْلَمْ بِهِ تَمَّ الْخَبَرُ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ فَاتَّهُمُ اللَّهُ أَمْرَهُ وَعَذَابَهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا لَمْ يَخْطُرْ بِأَلِهِمْ مِنْ جِهَةِ الْمُؤْمِنِينَ وَقَدْ فَتَى فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ بِسُكُونِ الْعَيْنِ وَضَمِّهَا الْخَوْفُ بِقَتْلِ سَيِّدِهِمْ كَعَبِ بْنِ الْأَشْرَفِ يُخْرِبُونَ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ مِنْ أَخْرَبَ بَيُوتَهُمْ لِيَنْقَلُوا مَا اسْتَحْسَنُوهُ مِنْهَا مِنْ خَشَبٍ وَغَيْرِهِ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ﴿٢﴾ وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ قَضَى عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ الْخُرُوجَ مِنَ الْوَطَنِ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالسَّعْيِ كَمَا فَعَلَ بِقَرِيطَةَ مِنَ الْيَهُودِ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿٣﴾ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا خَالَفُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤﴾ لَهُ مَا قَطَعْتُمْ يَا مُسْلِمِينَ مِنْ لِيْنَةٍ نَخْلَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ أَيْ حَيْرَكُمْ فِي ذَلِكَ وَلِيُخْرِجَ بِالْإِذْنِ فِي الْقَطْعِ الْفَاسِقِينَ ﴿٥﴾ الْيَهُودُ فِي إِعْتِرَاضِهِمْ بِأَنْ قَطَعَ الشَّجَرِ الْمُتَمِرِ فَسَادٌ وَمَا أَفَاءَ رَدَّ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ أَسْرَعْتُمْ يَا مُسْلِمِينَ عَلَيْهِ مِنْ زَائِدَةٍ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ إِلَّا أَيْ لَمْ تَقَا سُؤْفَاءَهُ مُشَقَّةً وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٦﴾ فَلَا حَقَّ لَكُمْ فِيهِ وَيَخْتَصُّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ ذَكَرَ مَعَهُ فِي الْآيَةِ الثَّانِيَةِ مِنْ

الْأَصْنَافِ الْأَرْبَعَةِ عَلَى مَا كَانَ يُقْسِمُهُ مِنْ أَنَّ لِكُلِّ مِّنْهُمْ خُمْسُ الْخُمْسِ وَلَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَاقِي يَفْعَلُ فِيهِ مَا يَشَاءُ فَأَعْطَى مِنْهُ الْمُهَاجِرِينَ وَثَلَاثَةً مِنَ الْأَنْصَارِ لِفَقْرِهِمْ مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى كَالصُّفَرَاءِ وَوَادِيَ الْقُرَى وَيَبْعُ فَلِلَّهِ يَأْمُرُ فِيهِ بِمَا يَشَاءُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي صَاحِبِ الْقُرْبَى قَرَابَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ وَالْيَتَامَى أَطْفَالُ الْمُسْلِمِينَ الَّذِينَ هَلَكَتْ آبَاءُهُمْ وَهُمْ فَقَرَاءُ وَالْمَسْكِينُ ذَوِي الْحَاجَةِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَابْنُ السَّبِيلِ الْمُنْقَطِعِ فِي سَفَرِهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَيْ يَسْتَحِقُّهُ النَّبِيُّ وَالْأَرْبَعَةُ عَلَى مَا كَانَ يُقْسِمُهُ مِنْ أَنَّ لِكُلِّ مِّنْ الْأَرْبَعَةِ خُمْسُ الْخُمْسِ وَلَهُ الْبَاقِي كَمَا كُنِيَ بِمَعْنَى اللَّامِ وَإِنْ مُقَدَّرَةٌ بَعْدَهَا يَكُونُ الْفَاءُ عِلَّةَ الْقِسْمَةِ كَذَلِكَ قَوْلُهُ مُتَدَاوِلًا بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا أَنْتُمْكُمْ أَعْطَاكُمْ الرَّسُولُ مِنَ الْفَيْءِ وَغَيْرِهِ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۵۹﴾ لِلْفُقَرَاءِ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْدُوفٍ أَيْ أَعْجَبُوا الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَتَتَفَعَّلُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿۶۰﴾ فِي إِيْمَانِهِمْ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْمَدِينَةَ وَالْإِيْمَانَ أَيْ الْقُوَّةَ وَهُمْ الْأَنْصَارُ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً حَسَدًا مِّمَّا أُوتُوا أَيْ اتَّبَعَ النَّبِيُّ الْمُهَاجِرِينَ مِنْ أَمْوَالِ بَنِي النَّضِيرِ الْمُخْتَصَّةِ بِهِ وَيُؤَثِّرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ حَاجَةً إِلَى مَا يُؤَثِّرُونَ بِهِ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ حِرْصَهَا عَلَى الْمَالِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۶۱﴾ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۶۲﴾

ع

ترجمہ: سورۃ حشر مدنیہ ہے جس میں ۲۳ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں آسمان وزمین میں جو کچھ ہیں (اللہ کی پاکیزگی، لام زائد ہے اور ما اکثریت کی تغلیب کرتے ہوئے لایا گیا ہے) اور وہ زبردست حکمت والا ہے (اپنے ملک اور کارگیری میں) وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو (یہود میں سے بنی نضیر کو) ان کے گھروں (مدینہ کی رہائش گاہوں) سے پہلے ہی بار بار اکٹھا کر کے نکال دیا، (یہ اخراج شام کی طرف ہوا پھر آخر کار عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو خیبر میں جلاوطن کر دیا) تمہارا گمان بھی نہ تھا (اے مسلمانو!) کہ وہ نکلیں گے اور انہوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کو بچالیں گے (ان کی خبر ہے) انکے قلعے (یہ قائل ہے جس سے خبر پوری ہوگی) اللہ (کے عذاب) سے سوائے (کا حکم اور عذاب) ان پر ایسی جگہ سے پہنچا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا (مسلمانوں کی طرف سے انہیں وہم بھی نہ تھا) اور ان کے دلوں میں رعب بٹھا دیا (ڈال دیا۔ رعب، سکون عین اور ضمہ عین کے ساتھ بمعنی خوف ان کے سر کردہ کعب بن اشرف کو قتل کر کے) وہ اجاڑ رہے تھے (تشدید اور تخفیف کے ساتھ، اُخر ب سے ماخوذ ہے) اپنے گھروں کو (تا کہ جو اچھی اچھی چیزیں لکڑیاں وغیرہ لے جاسکیں) خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی سوائے دانشور و عبرت حاصل کرو اور اللہ اگر ان کی قسمت میں جلاوطن ہونا (وطن سے نکالنا) نہ لکھ چکا ہوتا (فیصلہ کر چکا ہوتا) تو ان کو

دنیا ہی میں سزا دے دیتا (قتل اور گرفتار کرنا جیسا کہ یہودی فرقہ کے ساتھ کیا گیا) اور ان کے لئے آخرت میں دورخ کا عذاب ہے یہ اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دینے والا ہے جو کھجوروں کے درخت (اے مسلمانو!) تم نے کاٹ ڈالے یا ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو خدا ہی کے حکم سے ہے (اسی نے تم کو اجازت دی ہے) اور تاکہ (کاٹنے کی اجازت دے کر) کافروں کو ذلیل کرے (یہود کو ان کے اس نکتہ چینی کے جواب میں کہ پھل دار درخت کو کاٹنا پاپ ہے) اور جو اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوادیا سو تم نے نہ گھوڑے دوڑائے تھے (اے مسلمانو! من زائدہ ہے) اور نہ اونٹ (یعنی تم نے اس سلسلہ میں کوئی محنت برداشت نہیں کی تھی) لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے (لہذا تمہارا اس میں کچھ حق نہیں بیٹھتا بلکہ وہ حضور ﷺ کے لئے مخصوص ہے اور آپ کے ساتھ ان لوگوں کے لئے جن کا ذکر دوسری آیت میں آ رہا ہے یعنی چار قسمیں جن پر آپ نے تقسیم فرمایا کہ ان میں سے ہر قسم کو پانچویں حصے سے میں پانچواں حصہ مرحمت فرمادیا باقی آپ کا ہے آپ جو چاہیں کریں، چنانچہ کچھ مہاجرین اور تین انصار کو ان کی غربت کی وجہ سے آپ نے عطا کیا) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دوسری بستیوں سے دلوایا (جیسے صفراء، وادی قری، بنیج کے رہنے والوں سے) وہ اللہ کا حق ہے (جیسا چاہے حکم دے) اور رسول کا اور قربت داروں کا (آنحضرت ﷺ کے رشتہ دار بنی ہاشم اور بنی مطلب مراد ہیں) اور یتیموں کا (مسلمانوں کے وہ بچے جن کے باپ مر گئے اور وہ غریب ہیں) اور غریبوں (مسلمان حاجتمندوں) کا اور مسافروں کا ہے (جو مسلمان سفر میں ساتھیوں سے پھٹ کر جائیں یعنی آنحضرت ﷺ اور چاروں قسمیں جن کو آنحضرت ﷺ نے مرحمت فرمایا یعنی ان چار قسموں کو خمس الخامس دیا اور باقی خود رکھا) تاکہ (کی یعنی لام ہے اس کے بعد ان مقدور ہے) وہ قبضہ میں نہ آجائے تمہارے دہمتندوں کے اور رسول جو کچھ تم کو عنایتیں فرمادیا کریں (فنی وغیرہ میں سے) وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیا کریں تم رک جا کر اور اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ان حاجتمندوں کے لیے (اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے یعنی تعجب کرو) جو مہاجرین اپنے گھروں سے اور اپنے محلوں سے جدا کر دئے گئے وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طلب گار ہیں اور وہ اللہ و رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں (ایمان کے لحاظ سے) اور ان لوگوں کے لئے جو دارالاسلام (مدینہ) اور ایمان میں قرار پکڑے ہوئے ہیں (یعنی انہیں اس سے الفت ہے انصار مراد ہے) ان سے پہلے ان کے پاس جو ہجرت کر کے آتا ہے وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے (یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنے خاصہ بنو نضیر میں سے جو کچھ مہاجرین کو عطا فرمادیا) اور انہیں اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگر چہ ان پر فاقہ ہی ہو (ایثار کی ہوئی چیز کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو) اور جو شخص طبعی بخل (حرص مالی) سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جو ان کے بعد ہیں (مہاجرین اور انصار کے بعد قیامت تک) جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ (عداوت) نہ ہونے دیجیے اے ہمارے پروردگار آپ بڑے شفیق اور رحیم ہیں۔

**تحقیق و ترکیب:** لاول الحشر، اس کا تعلق اخراج سے ہے لام فوقیت کا ہے اور صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہو رہی ہے

ای للہ الحشر الاول۔ یہود مدینہ کے حشر چار ہیں پہلے بنو نضیر کی جلاوطنی، پھر اہل خیبر کی جلاوطنی پھر اخیر زمانے میں قعر عدنان سے ایک آگ برآمد ہو کر لوگوں کو جمع کرے گی اور آخری حشر قیامت میں ہوگا، بنو نضیر عام طور پر تو شام کے علاقہ اذرعات اور اردن میں منتقل ہو گئے البتہ ابو حقیق اور حمی بن الخطیب کے خاندان خیبر چلے گئے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بقول مفسر خیبر کی جانب جلاوطنی نہیں ہوئی بلکہ خیبر سے سب کو جلاوطن کیا گیا اسلئے تفسیری عبارت الی خیبر ہونی چاہیے تھی بنو نضیر حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔  
مانعتهم حصوہم۔ اس میں خبر مقدم ہے خطیب میں اس کی دو ترکیبیں لکھی ہیں ایک یہ کہ حصوہم مبتدا اور مانعتهم خبر مقدم ہے اور یہ

جملہ انہم کی خبر ہے دوسرا یہ کہ انہم کی خبر ماتم ہے اور حصونہم قائل ہے جیسا کہا جائے ان زید اقام الودہ اور ان عمرو قائمہ جاریت اس صورت میں حصونہم کا اعتما و مبتدا پر ہوگا۔

فاتاہم اللہ مفسر رحمہ اللہ نے حذف مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے اسلئے اب یہ شبہ بھی نہیں کہ اللہ تو آنے جانے سے پاک ہے یہ اجسام اور حوادث کی صفات ہوتی ہیں کیونکہ امر الہی کا آنا مراد ہے تفسیری عبارت ”من جہۃ المؤمنین“ میں اضافت بیان یہ ہے یعنی عذاب الہی مؤمنین کی طرف سے آیا ہے جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہیں تھا کعب بن اشرف جو یہود کا سرگروہ تھا اس کو محمد بن سلمہ انصاریؓ نے قتل کر ڈالا جو اس کے رضائی بھائی تھے۔

من لینۃ مفسر نے نخل کہہ کر دونوں کے ہم معنی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ ابن عباس، عکرمہ، عطیہ، مجاہد، عمرو بن میمون، زہری سے منقول ہے کہ اللینۃ الوان النخل کلہا الا العجوة اور زہری لینۃ کے متعلق کہتے ہیں ماعد العجوة والبریۃ وہما اجود النخل۔

فباذن اللہ مفسر نے علت محذوفہ کی طرف اشارہ کیا ہے ای اذن لکم فی القطع لیخزی الخ وانتم منتہون عن الفساد فی الارض فنزلت ما افاء اللہ فی کے معنی رجوع کے ہیں گویا اصل سے سارا مال اللہ کے رسول ﷺ اور مؤمنین کا تھا جس پر یہود قابض ہو گئے تھے اب پھر وہ مال مسلمانوں کے پاس واپس ہو گیا اور بے محنت و مشقت مل گیا اسی لئے لار کا ب فرمایا (خیبر مدینہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر ہے) چنانچہ اسی مال کو کہتے ہیں جو بغیر غزوہ اور جہاد کے حاصل ہو جائے وہ پیغمبر کے لئے خاصہ کہلاتا ہے پیغمبر جہاں چاہے اسکو صرف کرے اور اس کے خلفاء متولی اور نگران ہوتے ہیں اس مال کی مثال اس جیسی ہے جس کا مالک معلوم نہ ہو یا ایسا ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو، یا جزیہ کی رقم اور ذمیوں سے آمدنی یا زمین کا خراج، مال کے حکم مال غنیمت جیسا نہیں کہ عام مجاہدین پر تقسیم ہو بلکہ وہ خاصہ ہوتا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال فے مہاجرین میں تقسیم فرمایا اور انصار میں سے صرف تین غریبوں کو عنایت فرمایا یعنی بقول بغوی ابو دجانہ اور سہل بن حنیف اور حارث بن الصمۃ کو، بقول زہری صرف اول الذکر دو کو دیا۔

من اهل القرۃ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے بنو قریظہ اور بنو نضیر مراد ہیں جو مدینہ میں رہتے تھے..... اور فدک اور خیبر اور قری عرینہ اور یثرب بھی مراد ہیں، یثرب ایک قلعہ اور ذیوہی سی تھی جس میں چشمے باغات اور کھیت تھے، مال فے کی تقسیم میں اختلاف ہے، بعض نے تو ظاہر آیت کی وجہ سے چھ حصے کئے جن میں سے اللہ کا حصہ تو بیت اللہ، مساجد وغیرہ میں صرف کیا جائے گا اور بعض کی رائے ہے کہ اللہ کا ذکر تو بطور تعظیم و تہریک کے ہے، چنانچہ قرطبی نے شوافع کی رائے بتلائی کہ اس آیت سورۃ انفال کی آیت کے معنی ایک ہی ہیں یعنی فے کے پانچویں حصے کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ چاروں مذکورہ اقسام پر تقسیم کر دیا جائے گا اور باقی حصے آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہوں گے وہ جہاں چاہیں رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف کریں اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء قائم مقام ہونگے اور ان اوقاف کے متولی سمجھے جائیں گے، البتہ امام شافعی کے ایک قول میں تو آپ کے مال فے کے مستحق جہاد میں شریک ہونے والے مجاہدین ہونگے اور دوسرے قول میں اس کا مصرف عامہ مسلمین کے مصالح ہونگے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے لیس لی من غنائکم الا الخمس والخمس مردود فیکم، آنحضرت ﷺ کے قرابت دار بنو ہاشم اور بنو مطلب اس لئے مستحق ہیں کہ وہ زکوٰۃ و صدقات نہیں لیتے، اس لئے مال فے میں ان کا حق رکھا گیا، بہر حال فے میں فقراء کا استحقاق نہیں ہے اور ابن السبیل گرچہ مالدار ہو وہ بھی مصرف ہے کیونکہ روپیہ سردست اسکے پاس نہیں ہے، قافلہ سے پھڑ گیا ہے اور گھر سے بھی الگ ہے، مفسر نے ولہ الباقی مکرر کر اپنے مسلک کی رعایت سے تاکید کر دی۔

للفقرۃ لفظ اخر جو اس میں اشارہ ہے کہ مسلمانوں کے مال پر اگر کفار کا غلبہ ہو جائے تو کفار مالک ہو جائیں گے، کیونکہ اللہ نے مہاجر مسلمانوں کو فقیر کہا، حالانکہ مکہ میں جائیداد اور مال و دولت رکھتے تھے، معلوم ہوا کہ کافروں کے قبضہ میں چلے جانے سے یہ فقیر ہو گئے۔  
پیغمبر یہ حال ہے اور یہ مصرون بھی اس پر معطوف ہو کر حال ہے، لیکن حال مقدروہ ہے ای یٰٰدین نصرۃ اللہ و رسولہ اذ وقت خرو جہم۔

والذین تبوءوا بقول زمحشری المهاجرین پر عطف ہے یعنی للفقراء المهاجرین پر عطف ہے گویا عطف مفردات ہے۔  
 یحبون حال ہے یا مبتداء اور محمبون اس کی خبر ہوگی، مفسر نے الفہم نکال کر اشارہ کیا ہے کہ یہ آیت عطف تبتوا و ما تھا باردا کے قبل سے ہے، کیونکہ تبوء کا تعلق صرف دار سے ہے اور الایمان کا عامل الفہم محذوف ہے، الفہم ایمانی مراد ہے، اختصار کلام کی وجہ سے ایسا عطف جائز ہے، اور بعض نے تقدیر عبارت اخلصوا الایمان نکالی ہے اور بعض نے تبوء کے معنی نزول کے لئے ہیں اور بطور مجاز نزول سے لزوم مراد لیا ہے، ای الزمو المدینۃ والایمان اور بعض نے عبارت اس طرح مانی ہے، تبوء دار الهجرة و دار الایمان، اول سے مضاف الیہ اور ثانی سے مضاف حذف کر دیا اور مضاف الیہ کے عوض مضاف پر الف لام داخل کر دیا، مهاجرین کے بعد اس آیت میں انصار کی منقبت ہے، و یثرون ای المهاجرین مفعول محذوف ہے

خصاصۃ، قاموس میں ہے کہ خصاص اور خصاصۃ کے معنی فقر و خلل کے ہیں۔

ومن یوق شح، یوق وقایہ سے مجہول صیغہ ہے، محفوظ رکھنا اور شح کہتے ہیں حرص و بخل، ضمہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح ہے۔

ربط آیات: پچھلی سورۃ مجادلہ کے آخری حصہ میں زیادہ تر منافقین کی مذمت اور ان کی یہود دوسی کا ذکر تھا، اب سورۃ حشر کی ابتدائی آیات میں یہود کی کچھ سزا کا اور منافقین کی دوسی کا کارآمد نہ ہونا بیان کیا جا رہا ہے، اسی سزا کے ذیل میں یہود کی جدا وطنی اور بعض احکام لئے ارشاد فرمائے گئے ہیں اور سورت کے آخری حصہ میں مسلمانوں کو کفار کے طور و طریق سے بچنے کے لئے آخرت کی تیاری کا حکم ہے اور یہ کہ وہ احکام الہیہ کی مخالفت سے بچیں، اور تاکید و تقویت کے لئے صفات جلالیہ اور جمالیہ کا بیان ہے، پس اس طرح اخیر کے حصہ میں ابتدائی اجمال فخر و اکی فی الجملہ تفصیل بھی ہوگئی۔

شان نزول و روایات: ... پوری سورۃ حشر یہود بنو نضیر کے سلسلہ میں نازل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہود سے صلح کا معاہدہ ہو گیا، اس صلح میں قبیلہ بنو نضیر بھی شریک تھا، جو مدینہ سے مشرقی جانب دو میل کے فاصلہ پر رہتا تھا، اسی اثناء میں عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ سے مسلمانوں کے دو خون ہو گئے۔ اس کے خون بہا کے سلسلہ میں بنو نضیر کو شامل کرنے کے لئے آپ ان کی ڈیوڑھی پر تشریف لے گئے، تو ان لوگوں نے بظاہر آمادگی ظاہر کر کے آپ کو تو ایک جگہ بٹھا دیا کہ ہم ابھی انتظام کئے دیتے ہیں اور خود ایک سازش میں لگ گئے کہ اوپر سے آپ پر چکی کا پاٹ لڑھکا دیا جائے، تاکہ آپ کا کام تمام ہو جائے، اور روز بروز کا یہ قصہ ختم ہو۔ لیکن بذریعہ وحی آپ کو اس منصوبہ کا علم ہو گیا تو آپ وہاں سے اٹھ آئے اور کہلا بھیجا کہ چونکہ تم نے نقض عہد کیا ہے، اس لئے تمہیں دس دن کی مہلت ہے، اس مدت میں جہاں چاہو چلے جاؤ، ورنہ اس مدت کے بعد پھر جو شخص نظر پڑے گا اس کی گردن مار دی جائے گی، چنانچہ بنو نضیر نے کہیں چلے جانے کا تہیہ کر لیا، لیکن عبداللہ بن ابی نے اور بقول محمد بن اسحق وغیرہ و دعیہ بن مالک اور سوید و وائل نے بھی ان کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ تم کہیں مت جاؤ، میرے ساتھ دو ہزار کی جمعیت ہے اپنی جان دے دیں گے مگر تم پر آنچ نہ آنے دیں گے، بنو نضیر اس بھرم میں آ گئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ ہم کہیں نہیں جاتے، آپ سے جو ہو سکے کر لیجئے۔ یہ سن کر آپ نے چڑھائی کر دی، وہ لوگ تو قلعہ بند ہو گئے اور منافقین منہ چھپا کر بیٹھ گئے، سامنے نہیں آ سکے، چنانچہ آپ نے ڈیوڑھی کا محاصرہ کر لیا اور باغات کو کٹوا دیا، درختوں کو جلوا دیا، آخر تک آ کر انہوں نے کہیں نکل جانا منظور کر لیا، آپ نے فرمایا ہتھیاروں کے علاوہ سب کچھ لے جانے کی اجازت ہے، اس طرح کچھ لوگ شام اور کچھ سیر چلے گئے، اور حرص اور حسد کی حد کر دی کہ گھروں کی چوکھٹ، بازو، کڑی، تختے ایک ایک کر کے سب سامان لاد لے گئے یہ ابتدائی جلا وطنی ۳۷ھ میں ہوئی جو حشر اوں ہے، پھر فروق اعظم نے اپنے زمانہ خلافت میں سب کو شام کی طرف نکال دیا یہ حشر ثانی ہوا اسی لئے شام کو ارض الحشر بھی کہتے ہیں اس تفصیل



کے پس منظر میں بھی کچھ واقعات ہیں، مثلاً معاہدہ صلح کا حاصل یہ تھا کہ یہود غیر جانبدار رہیں گے، نہ مسلمان ان سے مدد کے خواہاں ہونگے اور نہ یہود مسلمانوں کے دشمنوں سے ساز باز کریں گے چنانچہ بدر میں جب مسلمانوں کی فتح ہوئی تو کہنے لگے کہ محمد تو نبی موعود ہیں اور جب احد میں شکست ہوئی تو تردد میں پڑ گئے حتیٰ کہ کعب بن اشرف چالیس سواروں کو ہمراہ لے کر مکہ گیا اور مشرکین سے بات چیت کی، قریش بولے کہ تم اور محمد دونوں اہل کتاب ہو ہمیں تم پر اطمینان نہیں، آج معاہدہ کر کے کل کو باہم مل بیٹھو گے اس لئے ہمارے بتوں کو سجدہ کرو تو ہم جانیں کہ تم قابل اعتماد ہو چنانچہ کعب بن اشرف وغیرہ نے بتوں کو سجدہ کر لیا، ادھر ابوسفیان نے کہا نحن اہدیٰ سیلاباً محمد؟ کعب نے کہا انتم جس کو آیت الم تر الى الذين اتوا نصيباً من الكتاب يؤمنون بالجبت والطاغوت ويقولون للذين كفروا هؤلاء اهدى من الذين امنوا سيلا میں ذکر فرمایا گیا چنانچہ کعبہ اللہ کے سامنے قریش و یہود کا معاہدہ ہو گیا، معذرتاً کعب نے کعب بن رضاء بن محمد بن مسلمہ انصاری کو مامور فرمایا انہوں نے اس کو گھات لگا کر موت کے گھاٹ اتار دیا اسکے بعد اکیس روز بنو نضیر کا محاصرہ فرمایا، پندرہ روزہ لڑائی کے بعد بنو نضیر لڑائی موقوف کرنے پر مجبور ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے جب باغات اور درختوں کے کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا تو یہود کہنے لگے یا محمد کنت تنهى عن الفساد فى الارض فما بال قطع النخل وتحريقها اور بعض مسلمانوں کو بھی اس میں تاثر ہوا تو آیت ما قطعتم من لينة الخ نازل ہوئی، زمانہ جاہلیت کا دستور جنگ یہ تھا کہ مال غنیمت کا چوتھائی سردار کا ہوتا اور بقیہ مال کا زیادہ حصہ اغنیاء لے لیا کرتے اور تھوڑا بہت عام لڑنے والوں کے حصے میں آتا لیکن اسلام نے آ کر غنیمت اور فتنے دونوں کے اصول کو بدل دیا، آیت ما افاء اللہ سے دولت بین الاغنیاء تک اسی کا رد اور قانون اصلاح کا بیان ہے، آیت ما انکم الرسول عام ہے جہاد اور غیر جہاد تمام احکام امر و نہی کو شامل ہے للفقراء خفیہ نے اس سے استیلاء کفار کو سبب ملک قرار دیا ہے لیکن شوافع اشارۃ النص کے اس اصول کو نہیں مانتے ان کے نزدیک فقراء کہنا مال سے دور ہونے کی وجہ سے ہے والذین جاءوا من بعدهم حضرت عمر کا ارشاد ہے دخل فی هذا الفیء لكل من هو مولود الی یوم القیامۃ فی الاسلام استوعبت هذه الایۃ للمسلمین عامۃ۔

﴿تشریح﴾ فاعتبروا یا اولی الابصار یعنی دانشمندوں کو بنو نضیر کے انجام سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں تباہی مول لی، عبرت کہتے ہیں مماثل چیزوں میں غور و تامل کرنے کو، قیاس بھی اسی کی نظیر ہے۔

قیاس و اعتبار کسے کہتے ہیں:..... چنانچہ شریعت میں احکام مشروع کی کوئی نہ کوئی علت ہوا کرتی ہے جہاں جہاں وہ علت پائی جائے گی احکام بھی دائر رہیں گے، جیسا کہ واقعات کے اسباب ہوتے ہیں، جہاں وہ اسباب ہونگے وہاں قیاس کو بھی ان سے وابستہ مان لیا جائے گا، پس اس طرح قیاس کا حجت ہونا عقلی ہوا یعنی ایسی دلالت النص سے ثابت ہو رہا ہے جو قیاس کے مشابہ ہے بعینہ قیاس سے ثابت نہیں ہے، ورنہ دور لازم آئے گا، یا یوں کہا جائے گا کہ حق تعالیٰ نے عبرت و اعتبار کا حکم دیا ہے اور اعتبار کسے کہتے ہیں کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانے کو، اور یہ عام ہے خواہ قیاس ہو یا منسلکات دونوں کو عبرت و اعتبار کہا جائے گا اس صورت میں قیاس کا حجت ہونا عبارت النص سے ثابت ہو جائے گا، بقول اکثر علماء کے یعنی بقول صاحب توضیح اشارۃ النص سے قیاس کا حجت ہونا ثابت ہو جائے گا، بہر حال یہ دلیل عقل و نقل کی جامع ہے اسی لئے بعض اصولی تو اس کو عقلی دلیل کہتے ہیں اور بعض نقلی، صاحب مدارک اور قاضی نے بھی اس سے استدلال کیا ہے البتہ قیاس کے حجت ہونے کی واضح نقلی دلیل حدیث معاذ ہے، اسی طرح معاملات وغیرہ کے بیشتر مسائل اجتہادی اور قیاسی ہیں، جیسا کہ حدیث ربوا اس کی شاہد ہے، اس لئے روافض وغیرہ کا قیاس و اجتہاد سے انکار غلط ہے اور قرآن کی تفسیر کو رسول اللہ ﷺ اور اپنے ائمہ معصومین کے ساتھ مخصوص سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

جہاد میں دشمن کے مال کو کیوں تلف کیا جاتا ہے: ..... ما قطعتم من لينة، اس سے کفار کے مال و جائیداد کو دارالحرب میں تباہ کرنے کی اجازت معلوم ہو رہی ہے، تاکہ کفار غیظ میں مبتلا ہوں جیسا کہ صاحب کشاف اور قاضی بیضاوی نے تصریح کی ہے چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک مسلمان عجوہ کھجور کا درخت اور دوسرا لینه کھجور کا درخت کاٹ رہا تھا، آنحضرت ﷺ نے ان سے وجہ دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا کہ کافروں کو جلانے کے لئے یہ درخت کاٹے ہیں اور فلاں فلاں درخت آپ کے لئے چھوڑ دئے ہیں، چنانچہ اس سے نہ صرف اجتہاد کا جواز معلوم ہوا جبکہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں بھی اجتہاد کی اجازت نکلی، حتیٰ کہ صاحب کشاف نے اپنے مسلک اعتراف کی رعایت کرتے ہوئے کل مجتہد مصیب پر اسی سے استدلال کیا ہے۔

روح المعانی میں لکھا ہے کہ کفار کو جلا وطن کرنا ابتدائے اسلام میں مشروع تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا، حالانکہ صاحب ہدایہ نے فئے کی بحث میں لکھا ہے ”الارضی للنتی اجلوا عنہا بلہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم باقی ہے مگر اس اختلاف کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ جن حضرات نے جلا وطن کرنے کو ”امانا“ میں داخل سمجھا ہے انہوں نے من کی طرح اس کو بھی منسوخ کہا ہے اور جنہوں نے جائز کہا ہے انہوں اس کو ایسا سمجھا جیسا مقابلہ کے وقت بھاگنے لگیں، اور کسی مصلحت سے ان کا تعاقب نہ کیا جائے تو صلح کی طرح اور یہ چھوڑنا بھی جائز ہوگا، اسی طرح جلا وطن کرنا بھی گویا ان کو چھوٹ دینا ہے، بہر حال آنحضرت ﷺ کو بنو نضیر سے پچاس زر ہیں، پچاس خود، تین سو چالیس اونٹ اور بہت سا مال اور زمین ہاتھ آئی، جو خاتمہ میں شامل ہوئی اور مال غنیمت کی طرح اس میں سے خمس نہیں نکالا گیا، جس کی تفصیل آگے ہے۔

مال فئے اور غنیمت میں فرق ہے: ..... ما افاء اللہ سابقہ کاروائی تو بنو نضیر کا جانی معاملہ تھا، یہاں سے مال کے متعلق معاملہ کا ذکر ہے دارالحرب سے جو مال قتال و جہاد کے نتیجے میں حاصل ہو وہ غنیمت کہلاتا ہے اور جو مال بغیر قتال حاصل ہو وہ فئے ہے، بنو نضیر کا تمام مال اور باغ فدک اور نصف خیبر یعنی کتیہ، طح، سلالہ کے علاقے سب فئے میں داخل ہیں لیکن باقی نصف خیبر یعنی شق، نطاۃ کا علاقہ فئے نہیں تھا، بلکہ جہاد و قتال کے بعد حاصل ہوا جیسا کہ ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے صاحب ہدایہ کے مطابق امام صاحب کے نزدیک مال فئے میں خمس نہیں ہے، البتہ جو علاقہ قتال کے بعد حاصل ہو اس میں تقسیم کے وقت خمس نکالا جاتا ہے، جس کے مصارف کا بیان سورۃ انفال میں گزر چکا ہے۔

فئے اور غنیمت کے احکام: ..... روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ مال فئے کے مالک ہیں یا حاکم، اس میں جو مصارف آپ کو بطور واجب یا استحباب بتلائے گئے، ان کو ایسا سمجھنا چاہئے، جیسے اور لوگوں پر زکوٰۃ و خیرات کے احکام ہیں، البتہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد پھر ان میں وراثت اور ترکہ نہیں تھا بلکہ وہ وقف ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم میں روایات ہیں، آنحضرت ﷺ نے بنو نضیر کے مال کا اکثر حصہ مہاجرین اور تین حاجت مند انصار کو تقسیم فرما دیا اور خیبر کی آمدنی سے فقراء مہاجرین کی اور فدک سے مسافروں کی امداد فرماتے، آیت وما افاء اللہ میں اسی خصوصیت کا ذکر ہے کیونکہ بعض لوگوں نے عرض کیا تھا کہ وہاں کی زمین کیوں نہیں تقسیم کی گئی، جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس فتح میں مسلمانوں کو کچھ کرنا نہیں پڑا، اس لئے اس میں استحقاق جتنا بھی بے محل ہے یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے پیغمبر مالکانہ یا حاکمانہ تصرف کے مجاز بنائے گئے ہیں، آپ کے سالانہ خانگی اخراجات، مہاجرین اور مسافروں اور غرباء کی دیکھ بال اسی سے ہوگی، اور آپ کی وفات کے بعد اس کے مصارف بقول صاحب ہدایہ مصالح عامہ ہونگے مثلاً سرحدات کی حفاظت، پلوں، سراؤں کی تعمیر، علماء، عمال، قاضیوں کے وظائف، فوجیوں کے اخراجات، شہداء کی اولاد، وغیرہ کی پرورش، جہادی سامان کی فراہمی وغیرہ ضروریات اس سے پوری کی جائیں گی، بلکہ خمس غنیمت کے جو مصارف یتیم و مسکین و مسافر ہیں وہ بھی ان عام مصالح میں شمار ہونگے، اور جس طرح فقراء مہاجرین و انصار اس میں داخل ہیں، بعد میں ان کی نسلیں بھی اس میں داخل ہوں گی، کیونکہ مصالح عامہ میں وہ بھی آتے ہیں، البتہ امام اور خلیفہ ایسی زمین کا کسی کو مالک بنا سکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے

جیسا کہ رد المحتار اور در مختار کی فصل جز یہ کے قریب کی عبارت سے مفہوم ہو رہا ہے، دوسری، چوتھی، پانچویں آیت میں ان سب کا ذکر ہے اور حضرت عمر کی روایت بھی اس کی مؤید ہے۔

مسلمانوں کا امام حاکمانہ اختیارات رکھتا ہے نہ کہ مالکانہ: ..... البتہ ان مصارف کی تعیین اور تحدید امام کی رائے سے ہوگی، تاہم امام کو حاکمانہ اختیارات ہونگے، مالکانہ اختیارات نہیں ہونگے، اور حضور ﷺ کو مالکانہ اختیارات حاصل تھے، یعنی خرید و فروخت اور ہبہ وغیرہ بھی کر سکتے تھے، اور در منثور کی روایت کے مطابق پہلے خمس غنیمت کے مصارف بھی وہی تھے جو فتنے کے مصارف ہیں، لیکن پھر حشر کی آیت سورۃ انفال کی آیت سے منسوخ ہو گئی اور ان کے لئے بھی خمس مقرر ہو گیا، مگر چونکہ سورۃ انفال کی آیت بظاہر غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی اور بدر واقعہ بنو نضیر سے پہلے ہے، اس لئے قنادہ کا یہ محل خلاف ظاہر معلوم ہوتا ہے، یہ گفتگو تو حنفیہ کے مسلک پر ہوئی، امام شافعیؒ کے نزدیک غنیمت کی طرح فتنے بھی خمس میں ہے، اور بقیہ چار خمس مذکورہ مصارف پر صرف ہونگے، جیسا کہ حدیث صحاح میں ہے، مالی مما افاء اللہ تعالیٰ علیکم الا الخمس والخصم مردود علیکم، پس فتنے میں بھی خمس ہوا، یہاں جن مصارف کا ذکر ہے وہ اسی خمس کے مصارف ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ما افاء اللہ للہ وللرسول الخ ظاہر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام ”ما افاء اللہ“ کے یہ مصارف ہیں، صرف خمس کے مصارف نہیں ہیں، اور مذکورہ حدیث ”مالی مما افاء اللہ الخ“ میں ممکن ہے کہ فتنے سے مراد غنیمت ہو۔

حنفیہ کا مسلک . شیخ ابوبکر رازی حنفی نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے کہ مال غنیمت خمس نکالنے کے بعد لشکریوں کا حق ہے کہ فتنے میں لشکر کا حق نہیں ہے، آنحضرت ﷺ فتنے میں مالکانہ تصرف کا حق رکھتے ہیں، اور آپ ﷺ کے جانشین حاکمانہ تصرف کے مجاز ہیں، مگر مصالح عامہ میں یہ حکم اموال منقولہ کا ہے، غیر منقولہ میں امام کو اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکریوں میں تقسیم کر دے مصلحت نہ سمجھے تو مصالح عامہ کے لئے رہنے دے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے سواد عراق میں بعض اکابر صحابہؓ کے مشورہ سے یہی عمل درآمد رکھا۔

اسی کے مطابق شیخ ابوبکر حصاصؒ نے آیت انفال و اعلموا کو اموال منقولہ پر اور آیات حشر کو اموال غیر منقولہ پر محمول کیا ہے۔ اس طرح کی پہلی آیت وما افاء اللہ علیٰ رسولہ منہم کو حکم نے پر اور دوسری آیت ما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اهل القری کو حکم غنیمت پر محمول کیا ہے اور ابھی گزرا کہ غنیمت کو لفظ فتنے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

شروع سورت میں واقعہ بنو نضیر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے مال فتنے کو آپ کی صوابدید پر رکھا ہے۔ اگر آپ مذکورہ لوگوں کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ خواہ یہ جہاد میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ اللہ کا حصہ تم کا کہا۔ البتہ کعبہ اور مساجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا مالکانہ اختیار اور ان کے قرابت داروں کا استحقاق آپ کی حیات تک ہے۔ اب صرف یتیم، مسکین، مسافر مصرف ہیں۔

حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو دولت مند ہونے کے باوجود اس مال میں سے دیا۔ کیونکہ قرابت داروں کو آپ کی نصرت تھی۔ امیر ہوں یا غریب۔ البتہ آپ کے بعد حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ آپ کے غریب صاحب حاجت قرابت داروں کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ محقق تھانوی قدس سرہ نے سورہ براءت کی طرح اس مقام کو بھی غامض اور دقیق فرمایا ہے پس ان کے اس بیان کی تسہیل تو اور بھی اذق ہوگی۔

تفسیرات احمدیہ کی تحقیق اینق: ..... صاحب تفسیرات نے اس مقام کی نزاکت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے . اعلم ان ہذا ابحاث الشریعہ و نکات لطیفۃ لا یحرم حولہا کل واحد من العلماء ویغفل عنہا جم کثیر من الاذکیاء . طلبہ کے مطالعہ کے لئے کچھ اس کی تلخیص حاضر ہے۔ قرآن کریم میں دو جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ سورہ انفال میں لفظ غنیمت کے ساتھ وہاں فتنے کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور سورہ حشر میں فتنے کے لفظ سے بیان کیا۔ یہاں غنیمت کا لفظ نہیں آیا اور غنیمت کے سلسلہ میں آیت و اعلموا انما غنمتم من شی فان للہ

خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل میں صرف خمس کے مصارف بیان کئے اور باقی چار خمس سے سکوت کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ لشکر کا حصہ ہے اور سورہ حشر میں نے کا ذکر دو مرتبہ آیا ہے مگر خمس کو بیان نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سارا مال نے ان مصارف پر خرچ کیا جائے گا۔ نیز یہاں فقراء مہاجرین کا بھی اضافہ ہے اور نے کی دونوں آیتیں بلا فصل اور بغیر عطف کے ہیں۔ اب اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو بقول کشاف و بیضاوی یہ ہے کہ دوسری آیت پہلی آیت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مال نے بھی وہیں خرچ کریں جہاں خمس و غنیمت خرچ فرماتے ہیں۔ اہل بصیرت نے اسی کو پسند کیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ پہلی آیت کا تعلق واقعہ فزیر سے ہے وہ مال رسول اللہ کا خاصہ ہے۔ اس میں کسی اور کا حق نہیں اور دوسری آیت میں عام غنیمت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ جو لشکر اسلام کی مدد سے حاصل کی جائے اور مصارف مذکورہ خمس غنیمت کے ہوں گے۔ کلی غنیمت کے نہیں ہوں گے جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اور یہی صاحب مدارک کے نزدیک مختار ہے۔ قاضی بیضاوی کے کلام سے غنیمت و نے میں فرق ہے۔ غنیمت تو وہ مال ہے جو جہاد و قتال سے حاصل ہو اور نے وہ مال ہے کہ کافر خود بھاگ کھڑے ہوں اور گھریا چھوڑ جائیں۔ چنانچہ واعلموا انما غنمتم میں غنیمت کی نسبت صحابہ کی طرف کی گئی ہے جو مجاہدین تھے۔ اور ما افاء اللہ میں نے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ چنانچہ کتب حدیث میں دونوں کے ابواب الگ الگ قائم کئے گئے ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح میں انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے آیت انما الصدقات الخ پڑھ کر فرمایا۔ ہذہ لہو لا پھر آیت واعلموا انما غنمتم پڑھ کر فرمایا۔ ہذہ لہو لا پھر آیت ما افاء اللہ الخ پڑھی اور آیت والذین جاءوا من بعدهم پڑھ کر فرمایا۔ ہذہ استرعت المسلمین کافۃ فلتن عشت فلیا تین الراعی وهو بسر و حمیر نصیبہ منہا لم یعرق فیہا جینہ۔

فاروق اعظمؓ کی رائے: ..... نیز حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے تین صفایا تھے۔ بنو نضیر، فدک، خیبر، بنو نضیر ہنگامی ضروریات کے لئے تھا۔ اور فدک مسافروں کے لئے اور خیبر کے حضور ﷺ نے تین حصے فرما رکھے تھے۔ دو تہائی مسلمانوں کی ضروریات کے لئے اور ایک تہائی خانگی اخراجات کے لئے تھا۔ اس میں جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو فقراء مہاجرین پر صرف فرما دیتے۔ (ابوداؤد) البتہ فقہاء کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں میں فرق نہیں کرتے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ ”باب الاثمان“ میں ایک جگہ لکھتے ہیں ”فتی الکلف فیما وغیرہ“ ممکن ہے اس لئے ہو کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے یا دونوں کا حکم یعنی خمس خمس ایک ہے۔ اسی طرح اہل اصول نے اشارۃ النص کی بحث میں لکھا ہے۔ کہ ان قوله تعالیٰ للفقراء المهاجرین لا یجاب معہم من الغنیمۃ لہم وفيہ اشارۃ الی زوال املاکہم الی الکفار با لا ستیلاء۔ اس سے بھی غنیمت و نے کا ایک ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حاصل کلام: حاصل یہ نکلا کہ دونوں متحد ہیں تو پھر مصارف بھی وہی ہوں گے جو غنیمت کے ہیں اگر الگ الگ ہیں تو پھر فئے آپ کے صوابدید پر ہوگی۔ اللہ کا حصہ، حنفیہ اور شوافع دونوں کے نزدیک محض تبرکات ہے۔ البتہ آنحضرت ﷺ کا حصہ شوافع کے نزدیک آپ کے بعد امام وقت کے لئے ہوگا مال غنیمت میں، لیکن حنفیہ کے نزدیک مال غنیمت اور مال صغی دونوں آپ کے بعد ساقط ہو جائیں گے، اسی طرح شوافع کے نزدیک ذوی القربیٰ کو بھی دیا جائے گا، لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ حصہ آپ کی نصرت کی وجہ سے تھا، لیکن اب وہ بھی ساقط ہے البتہ کوئی حاجت مند ہو تو دیا جاسکتا ہے اور قرابت داروں میں صرف بنی ہاشم اور بنی مطلب آتے ہیں، عبد سمعٰن اور نوفل کی اولاد نہیں آتی، چنانچہ آپؐ نے حضرت عثمان اور جبر بن مطعم کو خمس غنیمت میں سے بھی نہیں دیا، اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ بنو ہاشم و بنو مطلب دونوں ہمارے ساتھ اسلام سے پہلے اور بعد میں اس طرح رہے جیسے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں گھسا دی جائیں، پس معلوم ہوا کہ قرابت حلیہ

مراد نہیں ہے بلکہ قرابت مودیانہ مراد ہے، اور وہ آپ کی حیات کے بعد ختم ہو گئی، البتہ حاجت مند ہوں تو زکوٰۃ کے بجائے غنیمت میں شریک کیا جائے گا، چنانچہ زکوٰۃ مانگنے پر آپ نے فرمایا تھا کہ ”ان الله قد حرم عليكم عنها له الناس وهو منكم بخمس الخمس“ اس کے بعد آیت للفقراء میں فقراء کا بیان ہے، ان کی تین قسمیں ہیں، ایک مہاجرین جن کا بیان آیت والذین ہجروا الدار میں ہے، اور تیسرے بعد میں قیامت تک آنے والے فقراء مہاجرین ہیں، جن کا ذکر آیت والذین جاءوا من بعدهم میں ہے (تفسیرات احمدیہ)

لطائف سلوک:..... ماضی میں اس سے معلوم ہوا کہ تدابیر مستقل طور پر مؤثر نہیں ہوتیں، عارفین کا ایک حال یہی ہوتا ہے۔  
 فاعتر وایا اولی الابصار، عبرت کی حقیقت کسی کو اپنی نظیر کی طرف لوٹانا ہے قرآن وحدیث میں صوفیاء کی تاویلات اگر شرائط کے مطابق ہوں تو وہ بھی عموم میں داخل ہیں، جنہیں اعتبارات کہا جاتا ہے۔  
 ما قطعتم، اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف مسلک بشرطیکہ شرعی حدود میں ہو اور غلوں سے ہو تو معتز نہیں اس میں صوفیاء کا مسلکی اختلاف بھی داخل ہے، اس لئے کسی کو کسی پر عیب لگانے کا حق نہیں ہے۔  
 ویرثون علی انفسہم، اس میں ایثار کی فضیلت ہے بشرطیکہ کوئی شرعی واجب نہ چھوئے۔  
 یقولون ربنا، اس میں اسلاف کے لئے دعا کرنے کی ترغیب ہے اور صوفیاء کی تو عادت لازمہ ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے لئے دعا اور ایصال ثواب کرتے رہتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ تَنْظُرُ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَهُمْ بَنُو النَّضِيرِ وَإِخْوَانُهُمْ فِي الْكُفْرِ لَيْسَ لَكُمْ قَسَمٌ فِي الْأَرْبَعَةِ أَخْرَجْتُمْ مِنَ الْمَدِينَةِ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مَعَكُمْ وَلَا نَطِيعُ فَيْكُمْ فِي خُذْ لَنَا كُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ حُلِفَتْ مِنْهُ اللَّامُ الْمُوطَّئَةُ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۱﴾ لَيْسَ أَخْرَجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَيْسَ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَيْسَ نَصْرُوهُمْ جَاءَ وَالنَّصْرُ لَهُمْ لَيُولُنَّ الْأَذْبَارُ وَاسْتَغْنَى بِجَوَابِ الْقَسَمِ الْمُقَدَّرِ عَنْ جَوَابِ الشَّرْطِ فِي الْمَوَاضِعِ الْخَمْسَةِ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿۱۲﴾ أَيِ الْيَهُودِ لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً خَوْفًا فِي صُدُورِهِمْ أَيِ الْمُنَافِقِينَ مِنَ اللَّهِ لِتَأْخِيرِ عَذَابِهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۱۳﴾ لَا يَقَاتِلُونَكُمْ أَيِ الْيَهُودِ جَمِيعًا مُجْتَمِعِينَ إِلَّا فِي قَرْيٍ مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ سُورٍ وَفِي قِرَاءَةِ جُدُرٍ بِأَسْهُمٍ حَرْبُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا مُجْتَمِعِينَ وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى مُتَفَرِّقَةً خِلَافَ الْحِسَابِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۴﴾ مَثَلُهُمْ فِي تَرَكِ الْإِيمَانِ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا بِزَمَنِ قَرِيبٍ وَهُمْ أَهْلُ بَدْرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ عُقُوبَتَهُ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْقَتْلِ وَغَيْرِهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۵﴾ مُؤَلِّمٌ فِي الْآخِرَةِ مَثَلَهُمْ أَيْضًا فِي سَمَاعِهِمْ مِنَ الْمُنَافِقِينَ وَتَخْلُقُهُمْ عَنْهُمْ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾ كَذَبَ مِنْهُ وَرِيَاءٌ فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَا أَيِ الْغَاوِي وَالْمُغْوِي

﴿۱۷﴾ وَ قُرِئَ الرَّفِيعُ اِسْمُ كَانَ اَنْهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ جَزَاُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَلْكَافِرِيْنَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَتَنْظُرَ نَفْسٌ مَّا قَلَّمَتْ لِغَدٍ لَّيْوَمَ الْيَمِّهَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ تَرْكُوْا طَاعَتَهٗ فَاتَّسَبَّهٖمُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يُّقَدِّمُوْا لَهَا حِقْرًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَا يَسْتَوِيْ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفٰزِيْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ اَنْزَلْنٰ هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ وَ جُعِلَ فِيْهِ تَمِيْزٌ كَالْاِنْسَانِ لَرٰاَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مَّتَشَقِّقًا مِّنْ خَشِيَةِ اللّٰهِ وَ تِلْكَ اَلْاَمْثَالُ الْمَذْكُوْرُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَيُؤْمِنُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عِلْمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةُ الْبَيِّنَةُ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقَدُّوْسُ الطَّاهِرُ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهِ السَّلَمُ ذُو السَّلَامَةِ مِنَ الْقَائِيْصِ الْمُؤْمِنِ الْمُصَدِّقِ رُسُلُهُ بِخَلْقِ الْمُعْجَزَةِ لَهُمُ الْمُهَيِّمِ مِّنْ هَيِّمٍ يُّهَيِّمُ اِذَا كَانَ رَقِيْبًا عَلٰى الشَّيْءِ اَيُّ الشَّهِيْدِ عَلٰى عِبَادِهِ بِاعْمَالِهِمْ الْعَزِيْزُ الْقَوِيُّ الْجَبَّارُ خَبَرُ حَلْقِهِ عَلٰى مَا اَرَادَ الْمُتَكَبِّرُ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ نَزَّهَ نَفْسَهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۴﴾ بِهِ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُشَبِّهُ مِّنَ الْعَدَمِ الْمُصَوِّرُ لَهُ اَلْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى التَّسْعَةُ وَ التَّسْعُوْنَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِيْثُ وَ الْحُسْنٰى مُوْنْتُ الْاَحْسَنِ ﴿۲۵﴾ يَسْبَحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ تَقَدَّمَ اَوَّلُهَا .

ترجمہ: کیا آپ نے ان منافقین کی حالت پر نظر نہیں کی جو اپنے بھائی کفار اہل کتاب (بنو نضیر اور کفر میں ان کے دوسرے ساتھیوں) سے کہتے ہیں کہ اگر (چاروں جگہ لام قسمیہ ہے) تم (مدینہ سے) نکالے گئے تو ہم تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے (ذلیل کرنے کے) معاملے میں ہم کسی کا کہنا نہیں مانیں گے، اور اگر تم سے کسی کی لڑائی ہوئی (اس میں لام قسم محذوف ہے) تو ہم تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں، واللہ اگر اہل کتاب نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے، اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے، اور اگر ان کی مدد کی بھی (ان کی مدد کے لئے آئے بھی) تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (پانچوں جگہ جواب قسم کے ہوتے ہوئے جواب شرط مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے) پھر ان (یہود) کی کوئی مدد نہ ہوگی، بلاشبہ تم لوگوں کا خوف (ڈر) ان (منافقین) کے دلوں میں اللہ سے بھی زیادہ ہے (اللہ کا عذاب مؤخر ہونے کی وجہ سے) یہ اس سبب سے ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں ہیں، یہ (یہود) سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے، مگر محفوظ بستیوں میں یا دیوار کی آڑ میں (جدار بمعنی دیوار، اور ایک قراءت میں جدر ہے) ان کی لڑائی آپس میں بڑی تیز ہے، اے مخاطب تو ان کو متفق (متحد) خیال کرتا ہے، حالانکہ ان کے دل منتشر ہیں (گمان کے برخلاف مختلف ہیں) یہ اس لئے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں رکھتے (ایمان نہ لانے میں بے عقلوں سے تمثیل دی ہے ان لوگوں کی سی مثال ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں، مشرکین بدر جو حال ہی میں تھے) جو اپنے کردار کا مزہ چکھ چکے ہیں (دنیا میں قتل وغیرہ کے ذریعے) اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (جو آخرت میں تکلیف دہ ہوگا، یہود کے لئے منافقین سے مثال دی گئی ہے، ان کی باتیں سن کر خلاف کرنے میں) شیطان کی سی مثال ہے کہ انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا، پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (جھوٹ اور ریاکاری سے کہتا ہے) سو آخری انجام (دونوں بہکانے والے اور گمراہ، ایک قراءت میں رفع ہے کان کا اسم) کا یہ ہوا کہ دوزخ میں گئے، جہاں ہمیشہ رہیں گے، اور ظالموں



(کافروں) کی یہی سزا ہے، اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے لئے اس نے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ، جنہوں نے (فرمانبرداری چھوڑ کر) اللہ سے لاپرواہی کی، سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو (نیک کام آگے بھیجنے سے) لاپرواہ بنا دیا، یہی لوگ نافرمان ہیں، دوزخی اور جنتی دونوں برابر نہیں ہیں، جنتی ہی کامیاب ہیں، اس قرآن کو اگر ہم کسی پہاڑ پر اتارتے (اور انسان کی طرح ان میں سمجھ داری دی جاتی) تو تو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف کے مارے دب جاتا اور پھٹ جاتا (ٹکڑے ہو جاتا) اور یہ (مذکورہ) عجیب مضامین لوگوں کے لئے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں (اور ایمان لے آئیں) اللہ ہی ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ وہ پوشیدہ اور ظاہری (چھپی کھلی) چیزوں کا جاننے والا ہے وہی بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ ہے (نامناسب باتوں سے) پاک ہے، صحیح سالم (نقص سے بری) اطمینان دلانے والا (معجزات کے ذریعے پیغمبروں کی تصدیق کرنے والا) نگہبانی کرنے والا (محکم یقین سے مانوڑ ہے، کسی کا نگران ہونا یعنی اپنے بندوں کے اعمال کا محافظ) زبردست (طاقت ور) خرابی کو ٹھیک کرنے والا (مخلوق کے بگاڑ کو اپنے ارادہ کے مطابق درست کرنے والا) بالادست ہے (ناملائم باتوں سے) اللہ پاک ہے (اس نے اپنی پاکی بیان کی) لوگوں کے شرک سے۔ وہ معبود ہے پیدا کرنے والا، ایجاد کرنے والا (ناپید سے پیدا کرنے والا) صورت بنانے والا ہے، اس کے اچھے اچھے نام ہیں (ننانوے نام، جو احادیث میں آئے ہیں، حسنی احسن کا مؤنث ہے) اسکی تسبیح کرتی ہیں آسمان وزمین کی سب چیزیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے، (شروع سورۃ میں یہ الفاظ گزر چکے ہیں)۔

**تحقیق و ترکیب:** ..... الم تر، مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں یا ہر سننے والا، عبد اللہ بن ابی وغیرہ نے جو، توضیر سے فریب کیا، اس کی

طرف اشارہ ہے، منافقین اگرچہ قبیلہ خزرج کے ہیں مگر ان کو کفر کے اعتبار سے بھائی کہا۔

لئن اخرجتم، مفسر نے چار جگہ لام قسمیہ کہا، پانچویں جگہ ”ان تو لتتم“ ہے جہاں لام قسمیہ محذوف ہے یعنی قسم مقدور ہے ماقبل پر اعتماد کرتے ہوئے لیولن الادبار۔ یعنی جواب قسم مقدور موجود ہے اور جواب شرط محذوف ہے، اسی لئے مذکورہ افعال مرفوع ہیں جواب قسم ہونے کی وجہ سے پانچوں جگہ یعنی لنخرجن لنصرون، لا یخرجون، لا ینصروہم، لیولن الادبار، ثم لا ینصرون۔ یعنی ان کے مددگار منافقین جب خود شکست کھا جائیں گے تو یہود کس طرح منصور ہو سکتے ہیں۔

قلوبہم شتی، یعنی خلاف توقع ان کے دل غیر متحد ہیں۔

لا یعقلون، پہلے لا ینفقون کہا اور یہاں لا یعقلون کہا کیونکہ وہاں لانتم اشد رعباً فی صدورہم من اللہ کہا تھا جو دلیل ہے اللہ کی نسبت ان کی جہالت کی، اس لئے وہاں عدم تفہم مناسب تھا، اور یہاں حکیم جمیعاً و قلوبہم شتی کہا ہے جو دلیل ہے ان کی بے عقلی کی۔ عقل اگر ہوتی تو دل سمجھنے سے ہوئے کیوں ہوتے۔

مثل الذین، خبر ہے مبتدائے محذوف مثہم کی کمثل الشیطان، یہاں حقیقی شیطان مراد ہے، انسانی شیطان مراد نہیں ہے، یہود کی پہلی مثال تو مشرکین بدر سے دی گئی اور یہاں شیطان سے دی گئی۔

فکان عاقبتہما، کان کی خبر ہو کر منصوب ہے اور جملہ ”انہما فی النار“ موضع رفع میں ہے کان کا اسم ہونے کی وجہ ہے، لیکن قراءت رفع میں اس کا برعکس ہے۔

لغد، قیامت کا دن مراد ہے اور غد کہنا قرب کی وجہ سے ہے اور اس لئے کہ گویا کل مدت دو دن ہے ایک دن دنیا کا اور ایک دن آخرت کا اور نکرہ سے اس کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔

مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ جنت کے دروازہ پر لکھا ہوا ہے و جدنا ما عملنا من خیرنا ما خلفنا (مدارک)۔



و اتقوا اللہ، تاکید کے لئے تکرار ہے یا اول سے واجبات کی ادائیگی اور دوسرے سے منہیات سے باز رہنا مراد ہے۔

علی جبل، زہرۃ اریاض میں لکھا ہے کہ دینا میں ہزاروں ٹیلوں کے علاوہ ۶۶۷۰ پہاڑ ہیں، مقصد قرآن کریم کی تعظیم ہے۔

عالم الغیب، غیب و شہادت سے مراد سر و علانیہ یا دنیا و آخرت یا معدوم و موجود ہیں، (مدارک) اور بقول خطیب عالم غیب جو تمام مخلوق سے غائب ہو، یعنی غیب الغیب اور عالم شہادت جو بعض کو معلوم و محسوس ہو، یہ تقسیم ظاہر ہے کہ مخلوق کے لحاظ سے ہے، اللہ کیلئے کوئی بھی چیز غائب نہیں ہے، اطلاقات شرع عرف کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔

المؤمن، ابن عباس فرماتے ہیں جو لوگوں کو ظلم سے امن دے اور اہل ایمان کو عذاب سے امن دے، یا انبیاء کی تصدیق بذریعہ معجزات کرے۔

المہیم، مفیعل کے وزن پر تھا، ہمزہ کو یا سے تبدیل کر دیا، محافظ اعمال۔

الحبار، صراح حال بھی مراد ہو سکتی ہے کہ فقیر کو امیر اور شکستہ کو بہتر کر دے، اللہ کی صفت ہو تو مدح کیلئے اور مخلوق کی صفت ہو تو مذمت کیلئے ہے، (خطیب)

هو اللہ۔ چونکہ آئندہ صفات، ذات الہی کیلئے آئینہ ہیں اس لئے پھر مکرر ذکر کر دیا۔

روایات:..... الم تراخ یہ آیات واقعہ بنو نضیر کے بعد نازل ہوئیں، جیسا کہ الفاظ آیات اور روایات سے معلوم ہوتا ہے، ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے اسم اعظم کے متعلق پوچھا، تو فرمایا ”علیک باخرا لکسر“ معقل بن یسارؓ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص صبح تین مرتبہ اعوذ باللہ السميع العليم من الشيطان الرجيم پڑھ کر سورۃ حشر کی یہ تین آیات پڑھے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس پر رحمتیں بھیجتے ہیں اور اس روز وفات ہو تو شہید ہوگا، اسی طرح شام کے پڑھنے سے، امام ترمذیؒ نے حسن غریب کہہ کر اس کی تخریج کی ہے، اور مدارک، خطیب، روح البیان میں جابر بن یزید سے نقل ہے کہ اس آیت کی رو سے اسم اعظم اللہ ہے۔

﴿تشریح﴾:..... عبد اللہ بن ابی وغیرہ نے یہودی بنی نضیر کو خفیہ پیغام بھیجا تھا کہ گھبرانا نہیں اور اپنے کو اکیلا نہ سمجھنا، اگر مسلمانوں نے تم کو نکالا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے، اور لڑائی کی نوبت آئی تو تمہاری مدد کریں گے، یہ ہمارا اہل فیصلہ ہے اس کے خلاف تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات نہیں مانیں گے، اور ہم کسی کی پرواہ کرنے والے نہیں ہیں، حق تعالیٰ نے تقسیم اس کی تردید فرمادی، یعنی یہ بات منافق دل سے نہیں کہہ رہے ہیں، محض مسلمانوں کے اکسانے کیلئے باتیں بنا رہے ہیں اور جو کچھ زبان سے کہہ رہے ہیں ہرگز اس پر عمل نہیں کریں گے، چنانچہ لڑائی کا سامان ہوا اور بنو نضیر محصور ہو گئے، مگر ایسی نازک صورتحال میں کوئی منافق ان کی مدد کو نہ پہنچا اور آخر کار جب وہ نکالے گئے یہ اس وقت آرام سے اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہے۔

آزمائش کے وقت منافقین کا پول کھل گیا:..... ولئن نصرہم، اللہ کے لای نصر و نعم فرمانے کے بعد نصر و نعم کا تو احتمال ہی نہیں، بفرض دل کہا جا رہا ہے تاکہ تمام شقوق واقعہ اور فرضیہ میں ان کا ناکارہ ہونا معلوم ہو جائے، بہر حال منافق بفرض محال یہودی کی مدد کو نکلے بھی تو نتیجہ وہی ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلہ سے چٹھ پھیر کر بھاگیں گے، ان کی مدد تو کیا کرتے خود ان کی مدد کو بھی کوئی نہ آ سکے گا۔ یہ آیت اگر واقعہ سے پہلے نازل ہوئی تب تو توجیہ ظاہر ہے، لیکن اگر واقعہ ہو چکنے کے بعد نازل ہوئی تو پھر پچھلی صورت کا استحضار مقصود ہوگا، جس سے وعدہ خلافی اور ان کی ذلت کھل کر واضح ہو جائے اور یا آئندہ کے لئے منافقین کے ساتھ دینے کے موبہوم احتمال کی نفی کرنی ہے۔

لائم اشدرہ، یعنی مسلمانوں کی شجاعت و بسالت سے تو ڈرتے ہیں، اسی لئے ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتے نہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔ لیکن اللہ کی عظمت سمجھتے اور دل میں اس کا ڈر ہوتا تو کفر و نفاق کیوں اختیار کرتے، گویا اللہ سے نہ ڈرنے کا مطلب ایمان نہ لانا ہے

اور نہ طبعاً مخلوق کا ذرا اللہ سے زیادہ ہونا گناہ نہیں ہے۔

لا یتاکونکم جمیع، یعنی یہ لوگ چونکہ مسلمانوں سے خوف زدہ اور مرعوب ہیں، اس لئے الگ الگ یہود و منافق تو کیا لڑتے، بلکہ بھی کھلے میدان میں جنگ نہیں کر سکتے، ہاں گنجان بستیوں میں قلعہ بند ہو کر یا دیوار کی آڑ میں چھپ کر لڑیں تو لڑیں، آخر ایسے لوگوں کا کیا شمار جن کے نزدیک چھتوں پر اینٹ پتھر پھینکنا اور تیزاب کی پچکاریاں چلانا ہی سب سے بڑی علامت بہادری کی ہے۔

**مسلمانوں میں اختلاف کے باوجود مرکزی وحدت ہے جو کفار میں نہیں ہے۔** اور اوس ذخرج کی لڑائیوں سے یہ اندیشہ نہ کرنا کہ شاید مسلمانوں کے مقابلہ میں بھی یہ کار نمایاں کر سکیں، کیونکہ باہم پیٹھم شدید آپس میں ان کی لڑائیاں بڑی سخت اور بڑی تیز ہوتی ہیں مگر مسلمانوں کے سامنے پڑنے کا حوصلہ نہیں ہوتا، آئیں تو ساری شخی کر کری ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے بظاہر ایک ہو جانے سے بھی دھوکہ نہ کھانا یہ خیال نہ کرنا کہ بہت سے کمزور مل کر قوی ہو جاتے ہیں، کیونکہ کسبم جمیعاً و قلوبہم شتی، ظاہر میں یہ ایک دکھائی پڑتے ہیں، حقیقت میں ان کے دل اندر سے پھٹے ہوئے ہیں، ہر چند کہ یہ اہل حق کے مقابلہ میں مشترک نظریہ رکھتے ہیں، مگر خود ان میں بھی تو اختلاف عقائد ہے اور وہی بنیاد ہے باہمی افتراق و عداوت کی، ہر ایک اپنی غرض و ہوا کا بندہ اور نفسانی خواہشات میں ایک دوسرے سے الگ ہے، پھر حقیقی یک جہتی کہاں میسر آ سکتی ہے، منافق و کافر ہزاروں بندوں میں بٹے ہوئے ہیں سچے مسلمان اللہ کی ایک رسی تھامے ہوئے ہیں، ان کا مرنا جینا ایک سے وابستہ ہے، اس لئے وہ نیک دل اور ایک دل ہیں یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اکثر بے دینوں کے دلوں میں اتفاق دیکھا جاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ یہاں قاعدہ کلیہ بیان نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ ان کی نا اتفاقی کا سبب بیان کیا جا رہا ہے، باہم میں باسیبہ ہے اور سبیت فی الجملہ اور بعض کے اعتبار سے بھی ہو تو صحیح ہے کمل الذین من البہم یعنی ماضی قریب ۲ھ میں بدر کے معرکہ میں جو کچھ مکہ کے بہادروں کی بنی اور ابھی قریبی زمانہ ۲ھ میں یہود بنی قبیقاع اپنی غداری کا مزہ چکھ چکے ہیں، کچھ ایسا ہی انجام بنی نصیر کا ہوا کہ دنیا میں بھی بے گھر در بدر اور رسوا ہوئے اور دوزخ کا عذاب تو نفع میں ہے ہی، اسی طرح دوسری مثال شیطان کی ہے جو منافقین پر منطبق ہے، شیطان پہلے انسان کو اپنے جال میں پھنساتا ہے اور پھنسنے کے بعد پھر کہتا ہے کہ میں تجھ سے الگ اور تیرے کام سے بیزار ہوں اور یہاں مکاری سے کہتا ہے کہ مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان خود ہی دوزخ کا کندہ بنایا اور انسان کو بھی لے ڈوبا، بدر کے معرکہ میں بھی لوگوں کو اسی طرے شیطان بھڑکاتا اور بڑھاتا رہا، یہی حال منافقوں کا ہے کہ انہوں نے خواہ مخواہ بنی نصیر کو بھرہ دے کر نکلوادیا اور خود کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔

یا ایہا الدین اموا، مسلمانوں کو اللہ سے ڈر کر نیکیوں کا ذخیرہ کرنا چاہئے، سوچو کہ کل کیلئے کیا سامان تم نے آگے بھیجا ہے جو مرنے کے بعد تمہارے کام آوے، اللہ سے کوئی کام چھپا ہوا نہیں اس سے ڈرو، پرہیزگاری اختیار کرو اور نافرمانی سے بچو۔

لو انزلنا۔ یعنی قرآن کی فی نفسہ تاثراتی زبردست ہمیکہ پہاڑ جیسی مضبوط چیز بھی ٹکڑے ہو جائے، پہاڑ میں اگر سمجھ کا مادہ ہوتا تو وہ بھی کلام اور متکلم کی عظمت کے سامنے دب جاتا، خوف کے مارے پارہ پارہ ہو جاتا، مگر انسان نے شہوت و ہیبت کے غلبہ سے استعداد فاسد کر لی، جس کی وجہ سے وہ تاثر نہیں ہوتا، اس لئے چاہئے کہ فرمانبرداری کر کے نافرمانی سے بچ کر قرآن کی تاثر دیکھے، یہ تو کلام کی عظمت تھی اور آگے ہو اللہ انج سے متکلم کی عظمت کا بیان ہے۔

## سُورَةُ الْمُمتَحِنَةِ

سُورَةُ الْمُمتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثٌ عَشَرَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ أَوْلِيَاءَ تَلْقَوْنَ تُو حِيلُونَ إِلَيْهِمْ قَصْدَ السَّبِيلِ  
 غَزَوْهُمْ الَّذِي أَسْرَهُ إِلَيْكُمْ وَوَرَى بِخَيْرٍ بِالْمُودَّةِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ كَتَبَ حَاطِبُ بْنُ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَيْهِمْ كِتَابًا  
 بِذَلِكَ لِمَا لَهُ عِنْدَهُمْ مِنَ الْأَوَّلِ وَالْأَهْلِ الْمُشْرِكِينَ فَاسْتَرَدَّهُ النَّبِيُّ ﷺ مِمَّنْ أَرَسَهُ بِإِعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَى لَهُ  
 بِذَلِكَ وَقَبْلَ عُدْرٍ حَاطِبٍ فِيهِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ أَيْ دِينِ الْإِسْلَامِ وَالْقُرْآنَ يُخْرِجُونَ  
 الرُّسُولَ وَإِيَّاكُمْ مِنْ مَكَّةَ بِتَضْيِيقِهِمْ عَلَيْكُمْ أَنْ تُوْمِنُوا أَيْ لِأَجْلِ أَنْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَرَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ  
 جِهَادًا لِلْجِهَادِ فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ أَيْ فَلَا تَتَّخِذُوا وَهُمْ أَوْلِيَاءَ  
 تُسَرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمُودَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ أَيْ إِسْرَارَ خَبَرِ النَّبِيِّ إِلَيْهِمْ فَقَدْ  
 ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱﴾ أَخْطَاءَ طَرِيقِ الْهُدَى وَالسَّوَاءِ فِي الْأَصْلِ الْوَسْطُ إِنْ يُثَقِّفُكُمْ يَطْفُرُوا بِكُمْ  
 يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَ يَسْطُرُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ بِالْقَتْلِ وَالضَّرْبِ وَالْإِسْتِهْمِ بِالسُّوءِ بِالسَّبِّ وَالشَّتْمِ  
 وَوَدُّوا تَمَنُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿۲﴾ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ قَرَابَتُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ الْمُشْرِكُونَ الَّذِينَ لَا جَبِيهَةَ  
 أَسْرَرْتُمْ الْخَيْرَ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْآخِرَةِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَقْصِلُ بِالْبَاءِ لِلْمَفْعُولِ وَالْفَاعِلِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ فَتَكُونُونَ  
 فِي الْحِجَةِ وَهُمْ فِي جُمْلَةِ الْكُفَّارِ فِي النَّارِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳﴾ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ بِكُسْرِ الْهَمْزَةِ  
 وَضَمِّهَا فِي الْمَوْضِعَيْنِ قُدْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ أَيْ بِهِ قَوْلًا وَفِعْلًا وَالَّذِينَ مَعَهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ قَالُوا  
 لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَاءُ مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ بُرَاءُ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ أَنْكُرْنَاكُمْ وَبَدَا

بَيْنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدْوَةُ وَ الْبُغْضَاءُ أَبَدًا بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَ ابْدَالِ الثَّانِيَةِ وَ اَوَّاحْتِى تَوَّ مِنْوَا بِاللَّهِ وَ حَذَّ  
 اِلَّا قَوْلَ ابْرَاهِيمَ لَا بِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مُسْتَنَى مِنْ اُسُوَّةِ اَي فُلَيْسَ لَكُمْ التَّائِبِي بِهِ فِى ذَلِكَ بَانَ  
 تَسْتَعْمِرُوا الْكُفَّارِ وَ قَوْلُهُ وَمَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ اَي مِنْ عَذَابِهِ وَ ثَوَابِهِ مِنْ شَيْءٍ كُنِيَ بِهِ عَنْ اَنَّهُ لَا يَمْلِكُ  
 غَيْرَ اِلَّا سِتْغْفَارٍ فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَيْهِ مُسْتَنَى مِنْ حَيْثُ الْمُرَادِ مِنْهُ وَاِنْ كَانَ مِنْ حَيْثُ ظَاهِرُهُ مِمَّا يَتَأَسَّى فِيهِ قُلْ فَمَنْ  
 يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَ اِسْتِغْفَارُهُ قَبْلَ اَنْ يُتَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ كَمَا ذَكَرَ فِى بَرَاءَةِ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا  
 وَ اِلَيْكَ اَنْبَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٤٣﴾ مِنْ مَقُولِ الْخَلِيلِ وَمَنْ مَعَهُ اَي وَقَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ  
 كَفَرُوا اَي لَا تَظْهَرْهُمْ عَلَيْنَا فَيُظَنُّوا اَنَّهُمْ عَلَى الْحَقِّ فَيَفْتِنُوْا اَي تُذْهَبُ عُقُولُهُمْ بِنَا وَ اَغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ  
 اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤٥﴾ فِى مُلْكِكَ وَ صُنْعِكَ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ جَوَابٌ قَسَمٍ مُقَدَّرٍ فِيْهِمْ  
 اُسُوَّةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَبْدُلُ اِسْتِمَالٍ مِنْ كُمْ بِاِعَادَةِ الْحَارِ يُرْجُوا اللَّهَ وَ الْيَوْمَ الْآخِرَ اَي يَخَافُهُمَا اَوْ يَظُنُّ  
 الثَّوَابَ وَ الْعِقَابَ وَمَنْ يَقُولُ بَانَ يُوَالِي الْكُفَّارَ فَاِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ عَنْ خَلْقِهِ الْحَمِيدُ ﴿٤٦﴾ لِأَهْلِ طَاعَتِهِ

ترجمہ سورہ ممتحنہ مدنیہ ہے اس میں ۱۳ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں (کفار مکہ) کو  
 دوست مت بناؤ کہ تم ان کو بھیجتے ہو پیغام (آنحضرت ﷺ) کے ارادہ کے متعلق جو کفار مکہ پر چڑھائی کرنے کا تھا جسے مخفی طور پر تمہیں تو آپ ﷺ  
 نے بتلادیا تھا۔ مگر خیر کی طرف تو یہ کیا تھا دوستی کی وجہ سے اپنے اور ان کے درمیان، حاطب بن ابی بلتعہ نے اس مضمون کا خط کفار مکہ کو لکھا۔  
 کیونکہ ان کے اہل و عیال مشرکین کے پاس تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس خط کو واپس منگوا لیا بذریعہ وحی آپ کو معلوم ہو گیا۔ اور اس بارے میں  
 حاطب کا عذر قبول فرمایا) حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق (دین اسلام اور قرآن) کے جو تمہارے پاس آچکا ہے وہ شہر بدر کر چکے ہیں پیغمبر ﷺ اور  
 تمہیں (مکہ سے تمہیں مجبور کر کے) اس بناء پر کہ تم ایمان لے آئے (یعنی تمہارے ایمان لانے کی وجہ سے) اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر تم  
 جہاد کرنے کی غرض سے میرے رستے میں اور میری خوشنودی کی خاطر نکلے ہو (جواب شرط ماقبل سے معلوم ہو رہا ہے یعنی فلا تخذوہم اوسیاء) تم ان  
 سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو۔ حالانکہ مجھے سب چیزوں کا بخوبی علم ہے جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ ظاہر کر کے کرتے ہو اور جو شخص  
 تم میں سے ایسا کرے گا (آنحضرت ﷺ کی خبر انہیں چپکے چپکے پہنچائے گا) تو وہ راہ راست سے بہک گیا (ہدایت کے راستہ سے چوک گیا سواء  
 اصل میں وسط کو کہتے ہیں) ان کو اگر تم پر دسترس (قابو) ہو جائے تو عداوت ظاہر کرنے لگیں اور تم پر (قتل اور مار دھاڑ سے) دست درازی اور زبان  
 درازی کرنے لگیں بری طرح (گالم گلوچ کر کے) اور وہ اس بات کے خواہشمند (تمنی) ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔ تمہارے رشتہ دار (قرابت دار) اور  
 اولاد کام نہ آئیں گے (وہ مشرکین جن کی وجہ سے تم نے خبر چپکے سے پہنچائی ہے۔ عذاب آخرت سے) قیامت کے دن اللہ فیصلہ کرے گا (مجهول  
 و معروف دونوں قراءتیں ہیں) تمہارے درمیان (اور کافروں کے درمیان۔ تمہیں جنت میں اور ان کو کافروں کے ساتھ دوزخ میں بھیج کر) اور  
 اللہ تمہارے سب اعمال کو خوب دیکھتا ہے۔ تمہارے لئے ایک نمونہ ہے (اسوہ کسرہ، ہمزہ اور ضمہ ہمزہ کے ساتھ دونوں جگہ بمعنی نمونہ) عمدہ ابراہیم  
 میں (یعنی ان کے قول و فعل میں) اور ان مومنین میں جو ان کے ساتھ تھے۔ جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ  
 کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں (براء بری کی جمع ہے ظریف کی طرح) ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور

بغض ظاہر ہو گیا (ابدا دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسری ہمزہ کو واؤ سے بدل کر ہے) جب تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ لیکن ابراہیم کی اتنی بات تو اپنے باپ سے ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا (یہ اسوہ سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی ابراہیم کی اس بات میں تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے کہ تم کفار کے لئے استغفار کرنے لگو اور ان کا یہ قول کہ اور تمہارے لئے مجھ کو اللہ کے آگے اختیار نہیں ہے (یعنی اس کے عذاب و ثواب کا) کچھ بھی (یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ بجز استغفار کے میں ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ پس یہ قول لا استغفرن پر معطوف و مرتب ہے اور بلحاظ مقصد مستثنیٰ ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ آیت قل فمن یملئ من اللہ شینا کی وجہ سے قابل تہلیل معلوم ہوتی ہے اور ابراہیم کا استغفار اس بات کے ظاہر ہونے سے پہلے ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ جیسا کہ سورہ براءت میں گزر چکا ہے) اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر توکل کرتے ہیں۔ اور آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے (یہ دعائیہ جملے بھی چونکہ ابراہیم اور ان کے رفقاء کے ہیں۔ اس لئے پہلے قالوا مقدر ہے) اے ہمارے پروردگار! ہمیں کافروں کا تختہ مشق نہ بنا (یعنی کافروں کو ہم پر غلبہ نہ دیجئے۔ ورنہ وہ خود کو برسر حق سمجھ بیٹھیں گے۔ پس اس طرح وہ فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ یعنی ان کی عقلیں ہماری وجہ سے ماری جائیں گی۔ بلاشبہ آپ زبردست حکمت والے ہیں (اپنی سلطنت و صنعت میں) بے شک تمہارے لئے (اے امت محمدیہ! قسم مقدر کا یہ جواب ہے) ان لوگوں میں عمدہ نمونہ ہے یعنی اس شخص کے لئے (یہ بدل الاشتمال ہے ضمیر کم سے جار کو دوبارہ لا کر) جو اللہ کا اور قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتا ہے۔ (ان دونوں سے ثواب و عذاب کا دھیان کرنا ہو) اور جو شخص روگردانی کرے گا (کفار سے دوستی کر کے) سو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بالکل بے نیاز اپنے فرمانبرداروں کے لئے (لائق ستائش ہے۔

**تحقیق و ترکیب:** - الممتحنہ - کسرہ حا کے ساتھ ہو تو مومنین کے اعتبار سے ہے اور فتح حا کے ساتھ ہو تو ام کلثوم بنت عقبہ بن

ابی معیط مراد ہوں گی۔ جو عبد الرحمن بن عوفؓ کی بیوی اور ابراہیم کی والدہ ہیں جنہوں نے ہجرت کی تھی۔

لا تتخلوا عدوی۔ محبت و عداوت دونوں میں اگرچہ منافات ہوتی ہے۔ دونوں یک جا نہیں ہو سکتیں۔ اور بظاہر ممانعت دونوں کے ممکن الا اجتماع ہونے کو بتلا رہی ہے؟ جواب یہ ہے کہ ایک حیثیت سے یقیناً دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ مگر دو حیثیتوں سے جمع ہو سکتی ہیں۔ یعنی دنیاوی لحاظ سے محبت ہو اور مذہبی لحاظ سے عداوت ہو۔ اس لئے آیت میں اس حیثیت سے جمع کرنے کو بھی منع کیا جا رہا ہے کہ ان سے دنیاوی محبت بھی نہ کرو۔ کہ وہ نہ صرف میرے ہی نہیں بلکہ تمہارے بھی دشمن ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں ظاہری تعلق مراد ہے ورنہ حاطبؓ کا دل صاف تھا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ "اما صاحبکم فقد صدق" سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوا کہ کفار سے باطنی تعلق تو درکنار ظاہری محبت بھی نہیں ہونی چاہیے۔

عدو کم۔ اضافت عہد کی طرف مفسر نے اشارہ کیا ہے۔

تلقون۔ مفسر نے "قصد الی" سے اس کے مفعول محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی تم نے آنحضرت ﷺ کی پوشیدہ خبر دشمنوں کو پہنچی اور بالمودۃ میں باسیہ ہے۔ حاطب یہ بدری ہیں اور قریش کے حلیف تھے مگر قتل مسلمانی بھی تھے۔

ووری بخیر۔ تو یہ کہتے ہیں کہ پوشیدہ کے خلاف ظاہر کرنے کو کسی مصلحت سے ہو تو جائز ہے۔ اس کو قصد نہ ہونے کی وجہ سے کذب نہیں کہا جائے گا۔ خیبر کہنا تو صحیح نہیں، بلکہ غزوہ حنین کا تو یہ کہنا صحیح ہے۔ چنانچہ بعض نسخوں میں خیبر کے بجائے ووری الخیبر کے الفاظ ہیں وہ الفاظ صحیح ہے۔ ایک عورت کے ذریعہ پیغام بھیجا گیا۔ جسے حضرت علیؓ اور مقدادؓ نے موقع پر پہنچ کر اس کے سر کے جوڑہ سے برآمد کر لیا۔

خروجتم۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ جہاد مفعول لہ ہے۔ رخصتی نے کلمہ خرم جملہ شرطیہ ہے لا تخذوہم کے فاعل سے حال کہا گیا ہے۔ لیکن بعد کے حضرات نے ان وصلیہ کے علاوہ شرط کو بغیر جواب حال بنانا صحیح نہیں مانا۔

سواء السبیل۔ صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ سواء بمعنی وسط جو ہدایت و صواب ہوتا ہے۔

لن تنفعكم۔ تفسیری عبارت میں ”من العذاب فی الآخرة“ کا تعلق ان تنفعکم سے ہے یوم القیامۃ اگر اس کا تعلق لن تنفعکم سے ہے تب تو اس پر وقف کیا جائے گا اور بفصل مستقل جملہ ہے لیکن اگر اس کا تعلق بفصل کے ساتھ ہو تو پھر ولا اولادکم پر وقف ہوگا۔ اور یوم القیامۃ جملہ مستانفہ ہو جائے گا۔

یہ فصل: ابو عمرؒ علیؒ ابن کثیرؒ نافعؒ کے نزدیک مجہول صیغہ ہے۔ اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ لیکن ابن عامرؒ کے نزدیک مجہول تشدید کے ساتھ ہے۔ اور حمزہؒ علیؒ کے نزدیک تشدید کے ساتھ معروف باب تفعیل اور عاممؒ کے نزدیک مٹلائی سے معروف ہے۔

اسوۃ۔ امام راغبؒ کہتے ہیں کہ اسوۃ اور اسوۃ، قدوۃ اور قدوۃ کی طرح ہے۔ کسی دوسرے کی حالت کی نقل اتارنا خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔ اور اسی کے معنی حزن و رنج کے ہیں چھٹی ہوئی چیز پر غم کرنا۔

اذ قالوا - یہ ابراہیم اور الذین معہ سے بدلہ اٹھانا ہے قوم سے مراد نمرود اور اس کے پیروکار ہیں۔

الاقول ابراہیم۔ کافر کے لئے جب تک حتمی طور پر اس کا کافر ہونا معلوم نہ ہو۔ اگرچہ استغفار شرعاً عقلاً جائز ہے۔ لیکن جب حتمی طور پر اس کی ممانعت بھی ہو جائے۔ جیسا کہ ومن یتول فان الله هو الغنی الحمیل سے معلوم ہو رہا ہے۔ تو پھر اس کو اسوہ بنانا صحیح نہ ہوگا۔

ما املک لک۔ یہ الفاظ کنایہ ہیں اس سے کہ مجھے بجز استغفار کے کچھ اختیار نہیں ہے اور کنایہ کہتے ہیں کہ کسی لفظ کو غیر موضوع لہ معنی میں استعمال کیا جائے مفسر نے اس موقع پر ایک شبہ کا دفعیہ کرنا چاہتے ہیں کہ وما املک لک من اللہ حضرت ابراہیم وغیرہ کا قول تو قابل تقلید ہے۔ حالانکہ اس کا عطف متشبی یعنی لا استغفرون لک پر ہو رہا ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ قول ثانی بھی پہلے قول کی طرح قابل تقلید نہیں ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں ان ظاہری معنی کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ جو معترض کے پیش نظر ہیں بلکہ معنی یہ ہوں گے کہ میں اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کے علاوہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ یعنی خاص ان کے لئے استغفار کا مالک ہوں۔ دوسرے کے لئے نہیں ہوں اور ظاہر ہے کہ کافر باپ کے لئے استغفار قابل تقلید نہیں ہے۔ پس تفسیری عبارت ”فھو مئی علیہ“ کے معنی یہ ہیں کہ یہ قول پہلے قول الاستغفرن پر مرتب ہے۔ بطریق

عطف کے یا بطور حالت کے گویا کہ ابراہیمؑ نے یہ کہا کہ میں باپ کے لئے استغفار کروں گا۔ حالانکہ میری طاقت اور وسعت میں سوائے استغفار کے سوا کچھ نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس مجموعہ کی حکایت فرمادی مفسر کا قول فمن یملککم من اللہ شینا۔ یہ آیت فتح سے استدلال ہے۔ مفسر کے ”یتا سی بہ فیہ“ کہنے پر اور خطیب کہتے ہیں کہ مالک یہ تمہ ہے لا ستغفرن کا اور مجموعہ کے استثناء سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے تمام احوال کا استثناء بھی ہو جائے۔ بہر حال اس آیت میں آنحضرت ﷺ کا حضرت ابراہیمؑ سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کو قابل تقلید نمونہ نہیں مانا اور آنحضرت ﷺ کو ما اناکم الرسول فخذوا منی مطلقاً قابل تقلید مانا ہے۔

ربنا علیک توکلنا۔ اس سے پہلے مفسرؒ نے وقائو امقد رمان کراشارہ کیا ہے کہ یہ بھی پہلے قول کا معمول ہے۔ ای قالوا فابراء وقالوا ربنا علیک الخ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو حکم ہو تو سب باطل معبودوں سے ہٹ کر اللہ سے التجا کرو۔

لمن کان۔ مفسر بدل اشتمال کہہ رہے ہیں مراد بدل البعض ہے۔ اور بقول علامہ رضی بدل الاشتمال کو بدل البعض کہہ سکتے ہیں اعادہ جاری کی صورت میں اور جن حضرات نے ضمیر مخاطب سے بدل بنانے کو ناجائز کہا ہے اس سے بدل الکل مراد ہے اور سیبویہ کے نزدیک مطلقاً بدل بنانا جائز ہے۔

رابط آیات . . . سورہ حشر میں منافقین اور یہود کی دوستی کی مذمت کی تھی۔ اس سورت کے اول و آخر میں مسلمانوں کو کفار سے دوستی کرنے اور خصوصیت سے مشرک عورتوں سے نکاح رکھنے کی ممانعت ہے۔ اور مشرک و مومن عورتوں میں امتیاز کرنے کے لئے صرف اظہار ایمان پر اکتفا ہو رہا ہے۔

شان نزول۔ سورۃ الممتحنہ کی ابتدائی آیات کا تعلق ایک خاص واقعہ سے ہے۔ ۶۔ میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ دو برس تک یہ صلح قائم رہی ہے۔ لیکن پھر کفار کی طرف سے اس کی خلاف ورزی ہوئی۔ تو آنحضرت ﷺ نے نہایت خاموشی سے فوج جمع کر کے فتح مکہ کا ارادہ کیا۔ نبیوں پر سخت پابندی کر دی گئی کہ کہیں کفار آپ کی تیاریوں سے آگاہ ہو کر لڑائی کا سامان شروع نہ کر دیں۔ اور اس طرح حرم شریف میں جنگ ناگزیر ہو جائے۔ مگر حاطب بن ابی بلتعہؓ نے جو بدری مہاجر ہیں۔ مکہ والوں کو خط لکھ بھیجا کہ محمد ﷺ کا لشکر اندھیری رات اور سیل بے پناہ کی طرح تم پر ٹوٹنے والا ہے۔ حضور ﷺ کو کوئی سے یہ معلوم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، مقدادؓ وغیرہ کچھ صحابہ کو حکم دیا کہ ایک عورت مکہ کے راستہ میں سفر کرتی ہوئی قلاں مقام پر ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ حاصل کر کے لے آؤ۔ یہ افراد تیزی سے روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک مقام پر پایا۔ اس نے بہت لیت و لعل اور رد و کد کے بعد خط ان کے حوالہ کیا۔ پڑھنے سے معلوم ہوا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے کفار مکہ کے نام ہے اور مسلمانوں کے حمد کی اطلاع دی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے حاطب کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ بولے یا رسول اللہ! میں نے کفر اختیار کیا ہے، نہ اسلام سے پھرا ہوں، کچی بات یہ ہے کہ میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں۔ وہاں ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ برخلاف دوسرے مسلمانوں کے ان کے تعلقات ایسے ہیں کہ ان کے بال بچوں کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ اس لیے میں نے کافروں پر احسان کر کے یہ چاہا کہ وہ اس صلح میں میرے بال بچوں کی خبر گیری کرتے رہیں گے۔ اور ان سے اچھا سلوک کریں گے اس طرح میرا قائدہ ہو جائے گا اور اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ فتح و نصرت کے جو وعدے اللہ نے آپ سے کئے ہیں وہ یقیناً پورے ہو کر رہیں گے کسی کے روکے نہیں رک سکتے۔ چنانچہ خط میں بھی یہی مضمون تھا کہ خدا کی قسم اگر رسول اللہ تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں تو اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا اور جو وعدے ان سے کئے گئے ہیں پورے کر کے چھوڑے گا، بلاشبہ صطب سے بڑی بھول اور غلطی ہوئی، چنانچہ حضرت عمرؓ تو اتنے برہم اور برا فروختہ ہوئے کہ عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو اس کی گردن مار دوں؟ مگر رحمۃ للعالمین نے فرمایا صدق حاطب لا تقولوا الا بخیر اور فرمایا کہ حاطب اہل بدر میں سے ہیں، تمہیں کیا معلوم کہ اللہ نے بدر میں کی خطا معاف فرمادی ہو، سورت کی ابتدائی آیات اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔

﴿تشریح﴾: ..... یخو جون الرسول۔ یعنی پیغمبر کو اور تمہیں کیسی کیسی ایذائیں دے کر ترک وطن پر مجبور کر دیا گیا، محض اس قصور پر کہ تم ایک اللہ کو جو تمہارا سب کا پروردگار ہے کیوں مانتے ہو، ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر دشمنی اور ظلم کیا ہوگا، مگر تعجب ہے کہ تم ایسوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو ہر چند کہ تمہاری نیت بخیر تھی جس کی وجہ سے تمہیں معاف کر دیا گیا مگر عمل یقیناً غلط تھا جس پر توبیح کی جا رہی ہے، مگر تمہارا مکہ کے گھروں سے نکلنا میری خوشنودی کی خاطر تھا، اور میرے راستہ میں جہاد کرنے کے لئے ہے اور خالص میری رضا کے لئے تم نے سب کو دشمن بنایا ہے تو پھر انہی دشمنوں سے دوستی کا گناہ لٹھنے کا کیا مطلب؟ کیا جنہیں ناراض کر کے اللہ کو راضی کیا تھا، اب انہیں راضی کر کے اللہ کو ناراض کرنا چاہتے ہو، تم کوئی کام دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کرنا چاہو تو کیا تم اس کو اللہ سے بھی چھپا لو گے، کیا حاطب کی درپردہ کوشش کامیاب ہو گئی اللہ نے اپنے رسول کو مطلع فرمادیا اور راز قبل از وقت فاش ہو گیا۔

ومن یفعلہ۔ یعنی مسلمان ہو کر کوئی ایسا کام کرے اور یہ سمجھے کہ میں اس سے چھپانے میں کامیاب ہو جاؤں گا سخت غلطی اور بڑی بھول ہے۔ ان یتفقو کم، ان کافروں سے بحالت موجودہ کسی بھلائی کی امید مت رکھو، تم خواہ کتنی ہی رواداری اور دوستی کا اظہار کر دو گے، وہ کبھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، انتہائی رواداری کے باوجود تم پر اگر ان کا قابو چڑھ جائے تو کسی قسم کی برائی اور دشمنی سے درگزر نہ کریں، زبان سے ہاتھ سے ہر طرح ایذائیں پہنچائیں اور یہ چاہیں کہ جیسے خود صداقت سے منکر ہیں کسی طرح تم کو بھی منکر بنا دالیں، کیا ایسے شریر اور بد باطن اس لائق ہیں کہ ان کو دوستانہ پیغام بھیجا جائے۔



لن تنفعکم۔ یعنی جن عزیزوں کی خاطر دشمنوں کے نام یہ خط لکھا گیا وہ قیامت کے دن کچھ کام نہ آئیں گے، اللہ سب کا رقی رقی عمل دیکھتا ہے اسی کے مطابق فیصلہ فرمائے گا اس کے فیصلہ کو کوئی بیٹا، پوتا، عزیز، قریب، بٹا نہیں سکتا، پھر یہ کہاں کی عظمتی ہے کہ ایک مسلمان اپنے اہل و عیال کی خاطر اللہ کو ناراض کر لے، یاد رکھو ہر چیز سے مقدم اللہ کی رضا مندی ہے وہ راضی ہو تو اس کے فضل سے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن وہ ناخوش ہو تو کوئی کچھ کام نہ آئے گا۔

ابراہیم کے بہترین نمونہ ہونے کا مطلب:..... قد کانت لکم۔ یعنی ابراہیم اور ان کے ہمراہی مسلمانوں کا نمونہ سامنے رکھو، کہ اپنے اپنے وقت میں سب نے قولا فعلا سب نے اسی علیحدگی کا اعلان کیا اور کہہ دیا کہ لوگو تم اللہ سے منکر ہو اور اسکے احکام کی پروا نہیں کرتے تو ہم تمہارے طریقہ سے منکر ہیں اور ذرہ برابر تمہاری پروا نہیں کرتے، اور یہ دشمنی اور عداوت اسی وقت ختم ہو سکتی ہے کہ جب تم شرک چھوڑ کر اسی ایک آقا کے غلام بن جاؤ جس کے ہم ہیں، تاہم اسی کے ساتھ ان کی اپنے باپ سے اتنی بات تو ہوئی جس سے بظاہر تعلق کا وہم ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور میں صرف دعائی کر سکتا ہوں، مجھے خدا کے آگے کسی بات کا اختیار نہیں کہ دعا قبول ہی کرالوں، یا باوجود ایمان نہ لانے کے تمہیں عذاب سے بچالوں، میں کسی نفع و نقصان کا ملک نہیں، اللہ جو کچھ پہنچانا چاہے اسے میں روک نہیں سکتا، حاصل یہ ہے کہ اتنی بات تو ابراہیم علیہ السلام نے البتہ کہی تھی، وہ بھی ممانعت معلوم ہونے سے پہلے جس کا مطلب تم میں سے بعض لوگ استغفار سمجھ گئے، حالانکہ یہاں استغفار کے دوسرے معنی ہیں یعنی طلب ہدایت کہ جس کے نتیجہ میں مغفرت ہو سکے اور اس کی اجازت سب کو ہے، اور واقع میں اتنی ہی بات قطع تعلق کے خلاف بھی نہیں تھی مگر صورت ظاہری تعلق اور ظاہری معنی استغفار کے لحاظ سے صورت اس کو مستثنیٰ کیا جا رہا ہے، نیز ہر چند کہ لفظاً مستثنیٰ مجموعہ ہے "لاستغفرون" الخ اور "ما املک" کا لیکن فی الواقع مستثنیٰ مجموعہ کا جزء اول ہے یعنی "لاستغفرون" اور دوسرا جزء "وما املک" تبعاً آگیا ہے، جیسا کہ مفسر نے اس پر روشنی ڈالی ہے، خلاصہ یہ کہ ابراہیم نے باپ کے لئے دعا چاہی تھی جب تک ان کو معلوم نہ تھا، تم کو معلوم ہو چکا، لہذا تم کافر کی بخشش نہ مانگو اور اس استغفار کی تحقیق سورۃ براءت کے اخیر میں گزر چکی ہے۔

مسلمانوں کا فتنہ بننا:..... لا تجعلنا فتنۃ، یعنی کافروں کا تختہ مشق نہ بنا کہ ہمیں دیکھ کر کافر خوش ہوں، اسلام اور مسلمانوں پر آوازیں کیں اور ہمارے مقابلہ میں اپنی حقانیت پر استدلال کرنے لگیں۔

لقد کان لکم، یعنی تمہیں اللہ سے ملنے اور آخرت کے قائم ہونے کی اگر امید ہے تو ابراہیم اور ان کے رفقاء کی چال اختیار کرنی چاہیے، دنیا تمہیں کتنا ہی متعصب اور تنگ دل کہے تم اس راستہ سے منہ نہ موڑو، جو دنیا کے موحداً عظم نے اپنے طرز عمل سے قائم کر دیا، مستقبل کی ابدی کامیابی اسی راستہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے، اگر اس کے خلاف چلو گے اور خدا کے دشمنوں سے یارا کرو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے، اللہ کو کسی کی دوستی، دشمنی کی کیا پرواہ، وہ تو بذات خود تمام کمالات سے اور ہر طرح کی خوبیوں کا مالک ہے اس کو کیا ضرر پہنچ سکتا ہے۔

اطاعت سلوک:..... ان کنتم خرجتم، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت الہی کے لوازم میں سے ہے کہ اس کے مخالفین سے قطع تعلق ہو۔

لن تنفعکم ارحامکم، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی علائق کی رعایت دین میں ناجائز ہے۔  
اذ قالوا لقومهم تا لا استغفرون، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغض فی اللہ شفقت و خیر خواہی کو قطع نہیں کرتا، برخلاف بغض نفسانی کے، اس میں شفقت نہیں رہتی۔

ربنا لا تجعلنا فتنۃ، اس عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اسباب سے بھی بچنا چاہئے جن سے اہل حق پر اہل باطل ہونے کا شبہ ہو یا اہل باطل کو

اہل حق سمجھا جانے لگے، البتہ اسباب اگر غیر اختیاری ہوں تو ان سے بچنا یہ ہے کہ اللہ سے دعا کرے۔

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَكَّةَ طَاعَةً لِلَّهِ تَعَالَى مَوَدَّةً بِأَنْ يَهْدِيَهُمْ  
لِلْإِيمَانِ فَيَصِيرُوا أَلَكُمُ أَوْلِيَاءَ وَاللَّهُ قَدِيرٌ عَلَى ذَلِكَ وَقَدْ فَعَلَهُ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ وَاللَّهُ غَفُورٌ لَّهُمْ مَاسَلَفَ رَحِيمٍ  
﴿۷۷﴾ بِهِمْ لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُواكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ  
أَنْ تَبْرُوهُمْ بَدَلُ إِشْتِمَالٍ مِنَ الَّذِينَ وَتَقْسِطُوا إِلَيْهِمْ بِالْقِسْطِ أَى الْعَدْلِ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ إِنَّ  
اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۷۸﴾ الْعَادِلِينَ إِنَّمَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُواكُمْ مِنْ  
دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا بِغَاوِرَتِهِمْ عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ بَدَلُ إِشْتِمَالٍ مِنَ الَّذِينَ أَى تَتَّخِذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَمَنْ  
يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۷۹﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ بِالسِّيَرَةِ مِنْهُنَّ فَهَاجِرَاتِ  
مِنَ الْكُفَّارِ بَعْدَ الصُّلْحِ مَعَهُمْ فِي الْحُدُودِ عَلَى أَنْ مَنْ جَاءَ مِنْهُمْ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ يُرَدُّ فَأَمْتَحِنُوهُنَّ بِالْحَلْفِ أَنَّهُنَّ  
مَاحِرَحْنَ إِلَّا رَغْبَةً فِي الْإِسْلَامِ لَا بُغْضًا لِأَزْوَاجِهِنَّ الْكُفَّارِ وَلَا عِشْقًا لِرِجَالٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَذَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ ظَنَّتُمُوهُنَّ بِالْحَلْفِ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا  
تَرْجِعُوهُنَّ تَرُدُّوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَأَهْنُ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَأَتَوْهُنَّ أَى أَعْطَوْهُنَّ الْكُفَّارُ أَزْوَاجَهُنَّ  
مَا أَنْفَقُوا عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمَهْرِ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ بِشْرُطِهِ إِذَا تَيَسَّمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مَهْرَهُنَّ  
وَلَا تُمْسِكُوا بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ بَعْضُ الْكَوَافِرِ زَوْجَاتِكُمْ لِقَطْعِ إِسْلَامِكُمْ لَهَا بِشْرُطِهِ أَوِ الْإِلَاحِقَاتِ  
بِالْمُشْرِكِينَ مُرْتَدَّاتٍ لِقَطْعِ ارْتِدَادِهِنَّ نِكَاحِكُمْ بِشْرُطِهِ وَ سَأَلُوا أَطْلُبُوا مَا أَنْفَقْتُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْمَهْرِ فِي  
صُورَةِ الْإِرْتِدَادِ مِمَّنْ تَزَوَّجَهُنَّ مِنَ الْكُفَّارِ وَلَيْسَلُوا مَا أَنْفَقُوا عَلَى الْمُهَاجِرَاتِ كَمَا تَقَدَّمَ أَنَّهُمْ يُؤْتُونَهُ ذَلِكَ  
حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ بَيْنَكُمْ بِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۸۰﴾ وَإِنْ قَاتَلَكُمْ شَيْءٌ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ أَى وَاحِدَةً  
فَأَكْثَرَ مِنْهُنَّ أَوْ شَيْءٌ مِنْ مَهْرِهِنَّ بِالذَّهَابِ إِلَى الْكُفَّارِ مُرْتَدَّاتٍ فَعَاقِبْتُمْ فَغَزَوْتُمْ وَغَنِمْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ  
ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِنَ الْغَنِيمَةِ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا لِفَوَاتِهِ عَلَيْهِمْ مِنْ جِهَةِ الْكُفَّارِ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ  
مُؤْمِنُونَ ﴿۸۱﴾ وَقَدْ فَعَلَ الْمُؤْمِنُونَ مَا أُمِرُوا بِهِ مِنَ الْإِيْتَاءِ لِلْكُفَّارِ وَالْمُؤْمِنِينَ ثُمَّ ارْتَفَعَ هَذَا الْحُكْمُ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ  
إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعَنَّكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكَنَّ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ  
أَوْلَادَهُنَّ كَمَا كَانَ يُفْعَلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ وَادِ النَّبَاتِ أَى دَفْنِهِنَّ أَحْيَاءَ خَوْفَ الْعَارِ وَالْفَقْرِ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ  
يَفْتَرِيَنَّهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ أَى بَوْلِدٍ مُلْقُوطٍ يُنْسَبُهُ إِلَى الزَّوْجِ وَوَصَفَ بِصِفَةِ الْوَلَدِ الْحَقِيقِيِّ فَإِنَّ الْأُمَّ

إِذَا وَضَعَتْهُ سَقَطَ بَيْنَ يَدَيْهَا وَرَجُلَيْهَا وَلَا يَعْصِيكَ فِي مَعْرُوفٍ هُوَ مَا وَافَقَ طَاعَةَ اللَّهِ تَعَالَى كَتَرَكَ السَّيَاحَةِ وَتَمَزِيْقِ الشَّيَابِ وَخَزَّ الشَّعْرِ وَشَقَّ الْحَبِيبِ وَخَمَشَ الْوَجْهَ قَبَايِعُهُنَّ فَعَلَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ بِالْقَوْلِ وَلَمْ يُصَافِحْ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْلَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ هُمُ الْيَهُودُ قَدْ يَتَّبِعُوا مِنَ الْآخِرَةِ أَى مِنْ ثَوَابِهَا مَعَ إِيْقَانِهِمْ بِهَا لِعِنَادِهِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ عِلْمِهِمْ بِصِدْقِهِ كَمَا يَتَّبِعُ الْكُفَّارُ الْكَاتِبُونَ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ﴿۱۳﴾ أَى الْمَقْبُورِينَ مِنْ خَيْرِ الْآخِرَةِ إِذْ تُعْرَضُ عَلَيْهِمْ مَقَاعِلُهُمْ مِنَ الْحَنَةِ لَوْ كَانُوا آمَنُوا وَمَا يَصِيرُونَ إِلَيْهِ مِنَ النَّارِ -

ترجمہ:..... اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے (اللہ کی اطاعت کی وجہ سے یعنی کفار مکہ سے) دوستی کر دے (انہیں اسلام کی توفیق بخش دے کہ وہ تمہارے دوست بن جائیں) اور اللہ کو بڑی قدرت ہے (اس پر چنانچہ فتح مکہ کے بعد اللہ نے وعدہ پورا کر دیا) اور معاف کرنے والا ہے (جو کچھ ان سے پہلے سرزد ہو چکا ہے، ان پر) رحم کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، ان (کافروں) کے ساتھ احسان و انصاف کا برتاؤ کرنے سے (ان نبروہم "بدل اشتمال ہے" الذین" سے اور قسط بمعنی عدل ہے) جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تمہیں روکتا ہے، جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں اور تمہارے گھروں سے تم کو نکالا ہو، اور تمہارے نکالنے میں مدد (اعانت) کی ہو، "ان تو لوہم" بدل اشتمال ہے الذین سے یعنی ان کو دوست بنانے سے روکتا ہے) اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی کریگا سو وہ لوگ گناہگار ہونگے، اے اللہ ایمان جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (جنہوں نے زبان سے اسلام کا اقرار کیا) ہجرت کر کے آئیں کفار کو چھوڑ کر، اس فیصلہ کے بعد جو صلح حدیبیہ کے موقع پر طے ہو گیا تھا کہ کافروں میں سے اگر کوئی مسلمانوں کے پاس آئے گا تو اس کو واپس کرنا پڑے گا، تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو (یہ قسم دلا کر ان کا ہجرت کرنا صرف اسلام کی وجہ سے ہوا ہے، کافر شوہروں سے نفرت کی وجہ سے، اور مسلمانوں سے عشق و محبت کی وجہ سے نہیں ہوا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی مضمون کا حلف عورتوں سے لیتے تھے) ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے، چنانچہ اگر تم انہیں مسلمان سمجھو (قسم سے تمہارا اطمینان ہو جائے) تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو نہ وہ عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں پر اور ان (کافروں) کو ادا کر دو جو انہوں نے خرچ کیا ہے، (مہر اپنی عورتوں پر) اور تمہیں ان عورتوں سے (مشروط) نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر ان کو دے دو اور تم باقی مت رکھو (تشدید و تخفیف کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) کافر عورتوں کے تعلقات کو (کافر بیویوں کے کیونکہ اسلام نے اس رشتہ کو منقطع کر دیا مع شرط کے یا ان بیویوں سے جو مشرکین سے جا ملیں مرتد ہو کر، کیونکہ ان کے ارتداد نے تمہارے نکاح کو مع شرط کے منقطع کر دیا ہے) اور مطالبہ کر لو (مانگ لو) کافروں سے جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے (ان بیویوں پر مہر اس صورت میں کہ ان بیویوں نے مرتد ہو کر کافروں سے نکاح کر لیا ہو) اور وہ مانگ لیں جو کچھ ان کافروں نے ہجرت کرنے والی عورتوں پر خرچ کیا ہو جیسا کہ ابھی بیان ہوا کہ وہ خرچہ کو ادا کریں گے) یہ اللہ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان (اس کا) فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم و حکمت والا ہے، اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بی بی ہاتھ نہ آئے (یعنی ایک یا ایک سے زائد بیوی، یا مہر میں سے کچھ لے کر چلی جائے) کافروں میں (مرتد ہو کر) چلی جانے سے پھر تمہاری نوبت آئے (غزوہ کر کے مال غنیمت میں تم نے حاصل کر لی ہو) تو جن کی بیویاں نکل گئی تھیں (غنیمت میں سے) جتنا انہوں نے

کیا تھا اتنا تم دے دو (کیوں کہ کافروں سے انہیں کچھ نہیں ملا) اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو (مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے کفار اور مؤمنین کو مال دیا، اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا) اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس آئیں کہ آپ ان سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ وہ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گی، اور نہ چوری کریں گی، اور نہ بدکاری کریں گی، اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی، (جیسے زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کا رواج تھا، عار اور فقر کے خیال سے ان کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا) اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی، جن کو ہاتھ پاؤں کے درمیان بٹالیا ہو (یعنی گری پڑی اولاد کو شوہروں کی طرف منسوب کر دیں اور حقیقی اولاد اس لئے کہا کہ ماں جب بچہ جنمے گی تو بچہ اس کے ہاتھ پاؤں کے آگے ہی ولادت پائے گا) اور شرعی باتوں میں آپ کے خلاف نہیں کریں گی (مشرع باتیں جو اللہ کے حکم کے مطابق ہوں، مثلاً بیان کر کے نہ رونا، کپڑے وغیرہ نہ پھاڑنا اور بال نہ نوچنا اور نہ چہرہ کو پیٹنا) تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زبانی بیعت فرمایا، لیکن انہوں نے کسی عورت سے مصافحہ نہیں فرمایا) اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے، بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے، اے اہل ایمان ان لوگوں سے دوستی مت کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے (یعنی یہود) وہ آخرت سے ایسے مایوس ہو گئے، (یعنی ثواب سے، باوجودیکہ ان کا اس کا یقین ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرتے ہوئے، حالانکہ ان کو آپ کے سچے ہونے کا یقین ہے) جیسا کہ کفار مایوس ہوں گے قبروں میں جا کر (یعنی آخرت کی بھلائی سے قبروں میں ناامید ہو گئے، جنت کا مقام ان کو دکھلایا جائیگا، جو بصورت ایمان ان کو نصیب ہوتا، اور دوزخ جس میں وہ جھونکیں جائیں گے)

**تحقیق و ترکیب:** عادیتم منہم، تفسیر کی عبارت ”طاعة الله عادیتم“ کی یہ علت ہے اے عادیتموہم لاجل طاعة الله لاینہاکم الله، جو کفار مسلمانوں سے عداوت نہیں رکھتے یہ ان کے اچھے سلوک کا ایک صلہ ہے، ابن زید فرماتے ہیں کہ یہ حکم ابتدائے اسلام کا ہے، جب کہ جہاد کی اجازت نہیں تھی پھر منسوخ ہو گیا، اور قتادہ آیت فاقتلوا المشرکین حیث وجنتموہم سے اس کو منسوخ مانتے ہیں، لیکن اکثر علماء تاویل اس حکم کو غیر منسوخ اور محکم مانتے ہیں، اور حاصل اس حکم کا کفار سے عداوت اور دوستی میں اعتدال ملحوظ رکھنا ہے، چنانچہ منقول ہے کہ قوم خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و بیان کیا تھا کہ ہم نہ مسلمانوں کے خلاف ہو گئے اور نہ دشمنان دین کا ساتھ دیں گے، ان کے متعلق یہ حکم ہے یا پھر ان عورتوں اور بچوں کے سلسلہ میں یہ حکم ہے جنہیں لڑائی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، یا یوں کہا جائے کہ پچھلی آیت میں عام کفار کے متعلق حکم تھا، خواہ وہ مصلحت کنندہ ہوں لیکن اس آیت میں قبیلہ خزاعہ اور بنی الحارث جیسے لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا، جن سے معاہدہ صلح ہے، البتہ جو کافر حربی ہیں دوسری آیت میں ان کا ذکر ہے، ان سے بدستور جنگ رہے گی، گویا پہلی آیت ذمیوں سے متعلق ہے اور دوسری آیت کا تعلق حربیوں سے ہے، اس لئے صاحب ہدایہ نے باب الوصیۃ میں استدلال کرتے ہوئے کہا ہے ”ان الوصیۃ للذمی جائزۃ دون الحربی لانہ نوع انسان“ نیز باب الزکوۃ میں ہے ”ان الصدقة النافلة یجوز اعطاءها للذمی دون الحربی لانما نہینا عن البر فی حقہم بخلاف الزکوۃ لانہا لا یجوز الا للمسلم لحديث معاذ خذها من اغنیاءہم وردھا الی فقرانہم۔“

”ان تبروہم“ یہ ”الذین لم یقاتلونا“ سے بدل ہے اے لاینہاکم عن ہرہم۔  
وتفسطوا الیہم۔ عدل و انصاف کرنے میں ان کی تخصیص نہیں، وہ تو ہر ایک کے ساتھ حتیٰ کہ قاتل کے ساتھ بھی کیا جائے گا، اس لئے اعطاء سے تفسیر کرنا بہتر ہوگا، اے تعطوہم قسطاً من اموالکم۔ یعنی قسط کا ”بر“ پر عطف خاص کا عام پر عطف ہوگا،  
اذا جاءکم المؤمنات، یعنی سرسری طور پر ان کے ایمان کو دیکھا جائے گا، صرف زبانی اقرار پر استغناء کر لیا جائے گا، قلبی ایمان کی تحقیق

ضروری نہیں ہوگی، البتہ اس ہجرت کا سبب ایمان کے علاوہ اگر نجی تعلقات یا منافرت ہو تو پھر اس ہجرت کا اعتبار نہیں ہوگا، اور ہر چند کہ صحیح حدیث میں مکہ سے آنے والوں کے واپسی کی دفعہ عام تھی، جس میں مرد عورتیں سب داخل ہوتیں، لیکن آیت ”لاھن حل لھم ولاھم یحلون لھن“ سے معلوم ہوا کہ عورتیں اس شرط میں داخل نہیں خواہ تو اس کو ماقبل کا بیان مان لیا جائے یا بقول مدارک پہلے مطلق حکم تنہ قرار دیا جائے، یہاں تین الفاظ سے ایمان کا ضروری ہونا معلوم ہو رہا ہے، (۱) اذا جاءکم المؤمنات، (۲) اللہ اعلم بایمانھن، (۳) فان علمتموهن مؤمنات۔ اور درمیان میں اللہ اعلم بایمان نہیں بطور جملہ معترضہ ہے کہ حقیقی ایمان کا پتہ تو اللہ کے سوا کس کو ہو سکتا ہے۔

تم کلمہ شہادت کا اعتبار کر لو اور ایمان کی شرط اور حلفیہ بیان کی وجہ یہ ہے بعض گھریلو جھگڑوں میں عورتوں نے کافر شوہروں سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ اگر تم نہیں مانتے تو ہم محمدؐ کے پاس چلی جائیں گی، دوسرا حکم ”اتوہم بالانفقا“ سے مسلمانوں کو یہ دیا جا رہا ہے کہ اگر تم ان مسلمان مہاجرین عورتوں سے شادی کرنا چاہو تو پہلے ان کے سابقہ کافر شوہروں کو میرا کر دو، پھر ان عورتوں سے شادی کر سکتے ہو، اس درمیانی معتدل حکم میں اسلام نے مسلمان بیوی اور کافر شوہر دونوں کی رعایت کر دی ہے، اگر صرف کافر شوہر کا لحاظ کر کے عورت کو دوسری شادی کی اجازت نہ دی جاتی تو اس میں عورتوں کی حق تلفی ہوتی، اور مسلمانوں کو مفت نکاح کی اجازت دے دی جاتی تو پہلے کافر شوہروں کا مالی نقصان ہوتا، اور ہجرت کی بنیاد صرف اسلام کو قرار دے کر بہت سے فتنوں کا سد باب کر دیا ہے، صاحب ہدایہ نے اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے ”باب العدة“ میں کہا ہے، ان عند ابی حنیفۃ اذا اخرجت الحریۃ الیہا مسلمۃ جاز لہا التزوج من غیر علة خلافا لہما وله قوله تعالی لا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا اتیموھن اجورھن“ صاحب مدارک کی رائے بھی یہی ہے اور صاحب کشاف نے بھی اس کو ذکر فرمایا ہے، اور کہا ہے کہ اسما قیدہ بایتاء المہور اما لانه یراد به ما یعطی لھن لیدفعنہ الی ازواجھن فیجب تقدیم اداۃ او یعطی لھن علی سبیل الفرض ثم یروجھن علی ذلک او یذاتان بان ما اعطی ازواجھن لا یقوم مقام المہر۔ امام زاہد فرماتے ہیں کہ ”الایتاء ہینا الالتزام والقبول، اس میں اختلاف ہے کہ یہ مہر واپس کرنا مسلمانوں پر واجب ہے یا مستحب اور اس کی بنیاد اس پر ہے کہ آیا صلح عام ہوئی تھی کہ مرد و عورت سب کو واپس کیا جائے گا، اور بعد میں عورتوں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے یا صلح صرف مردوں ہی کے بارے میں ہوئی تھی، اور عورتیں اس میں داخل ہی نہیں تھیں؟ جیسا کہ صلح عامہ کے ان الفاظ سے تخصیص معلوم ہوتی ہے علی انہ لایاتیک من اجل دان کان علی دینک الارردۃ، اگر پہلی صورت ہے تو مہر کی واپسی واجب ہوگی ورنہ مستحب ہے، اس کے بعد آیت ”ولا تمسکوا“ سے تیسرا حکم دیا جا رہا ہے کہ کافر عورتوں سے نکاح مت کرو لیکن لفظ امر اک بتلارہا ہے کہ کافر عورتوں کو نکاح میں باقی رکھنے سے منع کیا جا رہا ہے، یہاں ابتداء نکاح کرنے سے منع نہیں کیا جا رہا ہے، مدارک میں ہے ”لاتکن بینکم و بینھن عصمة ولا علقۃ زوجیۃ“، یعنی جن مسلمانوں کی بیویاں مکہ رہ گئیں اور وہ کافر ہیں تو ان کو بیویاں مت بنائے رکھو بلکہ ان کو چھوڑ دو، کیونکہ دونوں کا وطن مختلف ہو گیا، ایک کا دارالاسلام اور دوسرے کا دارالحرب، اور مذہب بھی الگ الگ ہے، چنانچہ صحابہؓ نے ایسی بیویوں کو چھوڑ دیا، تفسیری عبارت ”لقطع اسلامکم لھا بشرطہ“ کا مطلب یہ ہے کہ مدخولہ ہونے کی صورت میں اسلام ان دونوں کو عدت میں جمع نہیں کیا گیا ”والا احقاف الخ“ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان بیوی اگر مردہ ہو کر دارالحرب میں چلی گئی تو اس کو بھی بیوی نہ سمجھو، کیونکہ ارتداد نے یہ رشتہ منقطع کر دیا ہے، غیر مدخولہ ہونے کی صورت میں تو فوری تفریق ہو جائے گی اور مدخولہ ہونے کی صورت میں اگر عدت میں دوبارہ بھی یہ مسلمان ہو جائے تب بھی رجعت نہیں ہوگی۔

بشرطہ کا مطلب بشرط القطع ہے یعنی انقضائے عدت۔ پس اسلام تو سبب انقطاع ہوا اور عدت کا گزرنا شرط ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ عدت ختم ہونے تک جاری ہے۔ پس اگر عدت ختم ہونے سے پہلے عورت دوبارہ مسلمان ہو جائے امام شافعیؒ کے نزدیک بیوی اگر مدخولہ ہے تو بدستور بیوی رہے گی۔ تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر غیر مدخولہ ہے تو مرتد ہوتے ہی تفریق ہو جائے گی۔ امام مالکؒ کے نزدیک مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں صورتوں میں تجدید نکاح ضروری ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک اختلاف دارین کی وجہ سے عصمت ختم ہو جاتی ہے۔ اور مہاجرہ کے لئے عدت نہیں ہے

جیسا کہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ چوتھا حکم مہر کے لین دین سے متعلق ہے۔ واسلو اما نفقتم یعنی از روئے عدل و انصاف جس طرح تمہیں اپنی کفر یا مرتد بیوی کے سلسلہ میں اپنے دئے ہوئے مہر کے مطالبہ کا نئے کافر شوہروں سے حق ہے اسی طرح کافروں کو بھی حق ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے مہر کا مطالبہ تم سے کریں جنہوں نے اسلام لانے اور ہجرت کرنے کی صورت میں تم سے شادی کر لی ہے۔ لیکن یہ حکم بھی اب منسوخ ہو گیا ہے کیونکہ مسلمانوں نے تو اس پر عمل کرتے ہوئے مہر کی رقم کافروں کے پاس بھجوا دی۔ مگر کافروں نے مرتد عورتوں کو مہر دینے سے انکار کر دیا اس پر وان فاتکم نازل ہوئی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمہاری ایک دو بیویاں یا پورا یا اذھورا مہر کفار کے قبضہ میں رہ جائے اور پھر تمہیں مہر کی ادائیگی کی نوبت پیش آجائے۔ تو کافر شوہروں کو تم بھی مہر ادا نہ کیا کرو۔ بلکہ ان مسلمان شوہروں کے حوالہ کرو۔ جن کے مہر کفار کے پاس رہ گئے ہیں۔ اس تبادلہ سے مسلمان بھائیوں کے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔ مفسر نے او شی من مہودھن میں اشارہ کیا ہے کہ مضاف محذوف ہے۔

فعاقبم۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ عاقبت عقیاب سے ہے۔ یعنی کفار سے انتقامی کارروائی کر کے جہاد کرو۔ حتیٰ کہ تمہیں مال غنیمت حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ زجاج کی رائے ہے اور بعض نے یہ معنی لیے ہیں کہ انجام تمہارے حق میں ہو جائے اور تم کامیاب ہو جاؤ اور عاقبت تمہارے ساتھ ہو جائے یعنی کفار سے تمہیں عقیابی اور غنیمت حاصل ہو جائے۔ حاصل دونوں تو جیہوں کا ایک ہی نکلا ہے اور بعض نے عقب کے معنی نوبت کے لئے ہیں یعنی تمہارے مہر کی ادائیگی کی نوبت آجائے لیکن اکثر نے پہلے ہی معنی لئے ہیں، چنانچہ مفسر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، بہر حال چھ مسلمان عورتیں مرتد ہو کر دار الحرب چلی گئیں جن کا مہر مسلمان شوہروں کو آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت سے ادا فرما دیا۔ گویا یوں سمجھا جائے گا کہ کافر شوہروں نے جب مہر خود نہیں دیا تو ان سے حاصل کئے ہوئے مال غنیمت کا خمس نکالنے سے پہلے دین مہر مسلمانوں کو ادا کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ اسی دین کی ادائیگی ہے جو کفار پر واجب تھا۔ تفسیری عبارت لقواتہ علیہم کا مطلب یہی ہے۔

من الايتاء۔ اس کا تعلق اتوہم ما انفقوا کے ساتھ ہے اور المؤمنین کا تعلق فاتوا الذین ذہبت کے ساتھ ہے۔ ای ومن ایتاء المؤمنین مہر المرئۃ لزوجہا الکافر من الغنیمۃ۔ خلاصہ یہ ہے کہ آیت جہاد غنیمت یا سنت کی وجہ سے فاتحتوہن اور اتوہم ما انفقوا اور واسلو اما نفقتم اور یسئلوا ما انفقوا اور فاتوا الذین ذہبت ازواجہم سب احکام منسوخ ہو گئے ہیں کیونکہ یہ سب صورتیں معاہدہ کے تحت تھیں۔ لیکن جب معاہدہ نہیں رہا تو ذیلی دفعات بھی سب ختم ہو گئیں اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ عاقبت کے معنی اگر غنیمت کے ہوں تو یہ حکم استحبابی ہے اور باقی ہے۔ اذاجاءک المؤمنات عورتوں میں چونکہ عام طور سے یہ برائیاں پائی جاتی ہوں گی۔ اس لئے آپ نے بیعت لیتے وقت ان سے باز رہنے کا عہد لیا۔

بین ایدیہن۔ حرامی بچہ کی نسبت خاوندوں کی طرف کر دیتی تھیں۔ اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ کشاف اور مدارک نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ معروف کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ لاطاعۃ لخلق فی معصیۃ الخالق۔ امام زاہد معروف سے مراد نوحہ نہ کرنا، کپڑے نہ پھاڑنا، نامحرم کے ساتھ عورت کا سفر نہ کرنا۔ صاحب کشاف نے روایت نقل کی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر مردوں کی بیعت کے بعد عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے یہ عہد لئے تھے۔ دراصل بیعت اور بیع دونوں کا ماخذ ایک ہے اور جس طرح بیع میں حوالگی ہوتی ہے اسی طرح بیعت میں بھی مرید خود کو شیخ کے حوالہ کر دیتا ہے جس کا حاصل انقیاد کامل ہے۔ بیعت کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک بیعت اسلام یعنی اسلام عہدہ طریقہ سے حاصل کرنے کے بعد بیعت کرنا۔ دوسرے بیعت امتثال۔ جیسے خلفاء اسلام سے رعایا کا بیعت کرنا۔ تیسرے بیعت ارادۃ ہوتی ہے اس آیت میں یہی مراد ہے۔ جسے بیعت سلوک کہنا چاہیے مردوں کی بیعت میں۔ مصافحہ شرط یا ضروری تو نہیں مگر قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ تاہم عورتوں

کی بیعت میں اجازت نہیں ہے۔ اور حدیث میں جہاں آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے تو محرم کی موجودگی ہوگی یا ممانعت سے پہلے کی بات ہوگی۔ البتہ قینچی کلاہ وغیرہ کا دینا۔ بعض آنحضرت ﷺ سے اور بعض حضرت علیؓ سے اور بعض مشائخ سے منسوب کرتے ہیں۔ لاقولوا فاتحہ سورت کا مضمون



دہرایا گیا ہے۔ جس کو اصطلاح بلاغت میں رد العجز علی الصلو کہا جاتا ہے تو ماغضب اللہ سے یہود مراد ہیں یا تمام کفار اصحاب القبور مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ قبر سے موضع مراد ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ اصحاب القبور اہل قبور اور موتی ہیں۔ اذ تعرض۔ یہ ظرف ہے پیشوا کا اور لوکانوا منواقید ہے مقاعلہم کی نسبت کی اور ما یصرون کا عطف مقاعلہم پر ہے۔

شان نزول و روایات: ..... لا تنھاکم اللہ۔ شروع سورت میں جو کفار سے مطلقاً دوستی رکھنے کی ممانعت تھی۔ اس آیت میں ذی کافروں سے یعنی جن سے عہد صلح ہو گیا ہو ان سے تعلقات رکھنے کی اجازت دی جا رہی ہے جیسے قبیلہ خزاعہ اور بنی حارث اس لئے یہ آیت محکم ہے۔ اس میں کافر عورتیں بچے بھی داخل ہیں۔ جن سے کوئی جنگی خطرہ نہیں ہوتا۔ اور بعض نے اس کے شان نزول میں قبیلہ بنت عبدالمزنی کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ بحالت کفر اپنی بیٹی اسماء بنت ابوبکر کے پاس ہدایا لے کر ملے آئے۔ مگر اس نے نہ ہدایا قبول کئے اور نہ ماں کو ملنے کی اجازت دی اور دوسری آیت انما ینھاکم کفار حرب کے بارہ میں نازل ہوئی کہ ان سے تعلقات رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

اذ جاءکم المؤمنات۔ صلح حدیبیہ کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ جو شخص کافروں میں سے مسلمانوں کی طرف چلا جائے گا اس کو واپس کرنا پڑے گا۔ چنانچہ کچھ مسلمان مرد مکہ سے مدینہ آئے تو انہیں شرط کے مطابق واپس کر دیا گیا۔ پھر کچھ عورتیں بھی آئیں تو ان کے عزیز واقارب نے ان کی واپسی کے لئے بھی درخواست کی۔ اس پر حدیبیہ ہی میں یہ آیتیں نازل ہوئی اور ان کو واپس کرنے سے منع کر دیا گیا۔ پس صلحنامہ کا عموم اس سے خاص اور منسوخ کر دیا گیا۔ ایسی عورتوں کے لئے کچھ شرائط اور احکام خاص بھی مقرر کر دیئے گئے۔ مثلاً جو عورتیں مسلمان ہو کر آئیں ان سے حضرت عمرؓ حلیہ بیان لیتے۔ کہ ماخرجت رغبتہ بارض عن ارض وباللہ ماخرجت عن بعض زوج وباللہ ماخرجت الا بحالہ اللہ ورسولہ۔ اور بقول عمرؓ ان سے کہا جاتا ما جاتک عشق رجال منا ولا فرار من زوجک ما جاءک الا بحالہ ورسولہ۔ منجملہ مہاجر عورتوں کے سبیحہ بنت الحارث سلمیہ تھیں۔ ان کے شوہر کا نام مسافر مخزومی یا صفی بن الراہب تھا۔ انہوں نے بیوی کی واپسی کی خواہش کی۔ مگر جبرائیلؑ یہ آیتیں لے کر نازل ہوئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سبیحہ سلمی سے حلیہ بیان لیا کہ وہ مومنہ ہے اور آپ ﷺ نے مسافر مخزومی کو اس کا مہر وغیرہ ادا کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ سے ان کا نکاح ہو گیا۔ دوسرا حکم شرک عورتوں کے اپنے نکاح میں نہ رکھنے کے بارہ میں ”ولا تمسکوا بعصم الکوافر“ نازل ہوا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ من کانت لہ امرأۃ کافرة بکمة فلا یعتدن بها من نساہ لان اختلاف الدارین قطع عصمتھا مند۔ چنانچہ صحابہؓ نے کافر بیویوں کو جو مکہ میں رہ گئیں تھیں چھوڑ دیا اور مہر کے تبادلہ کے سلسلہ میں واسلو اما نفقتہم ویسئلوا اما نفقوا حکم نازل ہوا۔ لیکن کفار کی طرف سے جب مہر کی ادائیگی کی رکاوٹ ہوئی تو پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور مسلمانوں پر بھی مہر کی ادائیگی نہیں رہی۔ اس کے بعد بیعت کی شرائط و احکام بیان فرمانے لگے۔ مردوں کی بیعت کا ذکر تو سورہ فتح کی آیت ان الذین یبایعونک اور لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک میں آچکا تھا۔ مومن عورتوں کا ذکر آیت اذ جاءکم المؤمنات لبایعنکم میں فرمایا جا رہا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کوہ صفا پر تھے۔ اور حضرت عمرؓ آپ کے حکم سے نیچے کی جانب عورتوں سے بیعت لے رہے تھے۔ منجملہ عورتوں کے ہندہ بن عتبہ ابوسفیان کی بیوی بھی حاضر ہوئیں مگر آنحضرت ﷺ سے مخالف چادر میں لپٹی ہوئی آئیں کہ پہچان نہ لی جائیں۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اما یمکن علی ان لا یشرکن باللہ شیناً۔ تو اس پر ہندہ بولیں۔ واللہ لقد عبدنا الا صنم وانک لتأخذ علینا امرأاً ما را یناک اخذتہ علی الرجال تبایع الرجال علی الاسلام والجهاد۔ آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا۔ ولا یقرن۔ اس پر ہندہ نے عرض کیا۔ ان اباسفیان رجلاً صحیحاً والی اصبت من مالہ هنات فما ادری اتحل لی ام لا۔ ابوسفیان بولے۔ ما صبت من شیء فیہا مضی غیر فھولک حلال۔ یہ مکالمہ سن کر آنحضرت ﷺ کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور پہچان کر فرمایا۔ وانک ہندہ بنت عتبہ؟



ہوئیں، جی ہاں، اور عرض گزار ہوئیں؟ قاعف عما سلف یا نبی اللہ عفا اللہ عنک۔ آپ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ ولا یزنیس کہنے لگیں۔ او ترسی الحرۃ۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ مازنت منھن امرأۃ قط آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ولا یقتلن اولادھن بندہ بولیں۔ ربیسا ہم صغارا وقتلتھم کبارا فاتم وہم اعلم۔ یہ اس لئے کہا کہ ابوسفیان کا جوان بیٹا حظلہ غزوہ بدر میں مارا جا چکا تھا۔ اس نے یہ فقرے سن کر حضرت عمرؓ تو فہمی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ بھی مسکرا دیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا دل یا قین بہستان۔ بندہ بولیں۔ والله ان البہتان لامر فیح وما نا مرنا الا بالرشد ومکارم الاخلاق۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ولا یعصیک فی معروف۔ بندہ بولیں واللہ ما جعلنا فجعلنا هذا وفي انفسنا ان نعصیک فی شیء۔ بندہ کی جرات وہ بے باکی تو قابلِ داد ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کا تحمل و وقار اور وسعتِ اخلاق بھی بے مثال ہے۔ عورتوں سے بیعت لینے میں آپ ﷺ نے مصافحہ نہیں فرمایا چنانچہ حضرت عائشہؓ کے الفاظ یہ ہیں۔ واللہ ما اخذ رسول اللہ ﷺ علی النساء قط الا بما امر اللہ عز وجل وما ست کف رسول اللہ ﷺ کف امرأۃ قط دوسری روایت میں ہے۔ انہ ﷺ با یع النساء و بین یدیه و ایدیهن ثوب و کان یشرط علیھن۔ وہی رواہ ثوب قطری یا خدن بطرف مدہ و یا خلون بطرف الاخر تو قیا عن حماس ایدی الاجنیات۔

﴿تشریح﴾ ایک تو رشتہ داروں کے چھوٹے کا غم اگرچہ وہ کافر ہی تھی۔ دوسرے عام کافروں کی عداوت سن کر فکر ہو سکتی تھی۔ اس لئے عسی اللہ پر بشارت آمیز پیشین گوئی فرمائی جا رہی ہے کہ یہ عارضی جدائی تھی ہے۔ اللہ کی قدرت و رحمت سے بعید نہیں کہ جو سب بدترین دشمن ہیں۔ کل وہ مسلمان بن کر بہترین دوست ہو جائیں اور پھر تمہارے اور ان کے درمیان بدستور بلکہ پہلے سے بھی زیادہ برادرانہ اور دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہی ہوا کہ سب مکہ والے مسلمان ہو گئے تو جو ایک دوسرے پر تلوار اٹھا رہے تھے۔ اب ایک دوسرے پر جان قربان کرنے لگے مطلب یہ ہے کہ قطع تعلق اگر ہمیشہ کے لئے کیا جاتا تب بھی حکم الہی ہونے کی وجہ سے واجب التمسیم اور واجب العمل تھا۔ لیکن اب تو یہ ترک موالات چند روزہ ہے۔ پھر اس کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس لئے محالات موجودہ، ترک موالات پر مضبوطی سے قائم رہو جس کسی سے کوئی بے اعتدالی ہو جائے وہ اللہ سے اپنی خطا معاف کرا لے وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

امن پسند کفار سے رواداری برتنی چاہیے: لا۔ نہما لکم اللہ۔ یعنی سب کافر ایک طرح کے نہیں ہیں۔ لہذا سب کو ایک لائٹ سے نہ بنکاؤ۔ جو کافر مصالح اور غیر جانبدار ہوں کہ نہ تو مسلمان ہوئے اور نہ ہی مسلمانوں سے بیر رکھا اور نہ ان کے دشمنوں سے لگاؤ رکھا۔ ایسے کافروں سے بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا۔ پس انصاف یہاں خاص انصاف یعنی احسان کا برتاؤ مراد ہے ورنہ عام انصاف تو ہر کافر بلکہ جانور کے ساتھ بھی واجب ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلام کا معیار اخلاق کس قدر بلند ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم نہیں کہ اگر کافروں کی ایک جماعت مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہے تو کافروں کو بلا امتیاز ایک ہی لائٹ سے ہانکنا شروع کر دو۔

اسلام عورتوں، بچوں، کمزوروں سے حد درجہ رعایت کرتا ہے: ... ضروری ہے کہ عورت، مرد، بوڑھے، جوان، بچے معاند غیر معاند کے اعتبار سے ان میں فرق کیا جائے۔ البتہ جو کافر تم سے آمادہ پیکار ہوں ان سے دوستانہ برتاؤ کرنا بے شک سخت ظلم اور گناہ کا کام ہے۔ یہ تو ہوا متحارب غیر متحارب مرد کافروں کا معاملہ۔ رہ گئیں عورتیں خواہ مکہ سے آنے والی ہوں یا رہ جانے والی۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے۔ اذا جاءکم المؤمنات الخ ان سے متعلق احکام کا خلاصہ یہ ہے۔

اسی کے دل کا حال تو اللہ ہی خوب جانتا ہے لیکن ظاہری طور سے ایسی آنے والی عورتوں کی جانچ کر لیا کرو کہ آیا واقعی مسلمان ہیں اور محض اسلام کی

خاطر وطن چھوڑ کر آئی ہیں۔ کوئی دنیاوی یا نفسانی غرض تو اس ہجرت کا سبب نہیں بنا۔ چنانچہ یہ نفس نفیس خود حضور ﷺ کی عورتوں سے بیعت لیتے اور کبھی حضرت عمرؓ آپ کی اجازت اور حکم سے جانچ کر کے بیعت لیتے۔

۲۔ خاوند بیوی میں اگر ایک مسلمان اور دوسرا کافر ہو تو اختلاف دارین کے بعد نکاح کا تعلق قائم نہیں رہتا۔ نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے۔

۳۔ مسلمان عورت اگر کافر ملک کو چھوڑ آئے تو اس کا نکاح مسلمان سے ہو سکتا ہے۔ حاملہ ہونے کی صورت میں تو بالا جماع بچہ پیدا ہونے کے بعد اور حاملہ نہیں ہے تو امام اعظمؒ کے نزدیک بغیر عدت گزرے فوراً نکاح ہو سکتا ہے اور صاحبین کے نزدیک عدت ختم ہونے کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔ ۴۔ کافرہ حربیہ کا شوہر اگر مسلمان ہو جائے تب بھی نکاح ٹوٹ جائے گا اور اس پر کسی کے نزدیک عدت نہیں ہے یہ دونوں حکم اب بھی باقی ہیں۔

۵۔ مسلمان مہاجر عورت کو اس کے پہلے کافر شوہر نے جس قدر مہر دیا تھا۔ دارالاسلام میں جو مسلمان اس سے نکاح کرے اس کے ذمہ ہے کہ اس کافر نے جتنا مہر عورت پر خرچ کیا تھا وہ اسے واپس کر دے۔ اگر کوئی خاص شخص نکاح کرے تو وہ واپس کرے۔ ورنہ بیت المال (شاہی خزانہ) سے دے دیا جائے۔ اور اب اس عورت کا جو مہر قرار پائے وہ الگ اپنے ذمہ رکھے تب اپنے نکاح میں لاسکتا ہے۔ لیکن یہ حکم اب باقی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسی وقت کے مخصوص حالات کے پیش نظر دیا گیا تھا۔ تاکہ مصالحت کنندگان کو نقصان نہ پہنچے اور انہیں اشتعال نہ ہو کہ صلح ٹوٹ جائے۔

۶۔ اسی طرح مسلمان شوہر کی حربی بیوی کا مہر، کافر، مسلمان کو ادا کریں۔ یہ حکم بھی اسی واقعہ کے ساتھ خاص تھا۔ اب وہ نہیں ہے۔

۷۔ کفار ایسی عورتوں کا مہر ان کے مسلمان شوہروں کو واپس نہ کریں، تو جو مہر کفار کا مسلمانوں کے ذمہ ہے وہ ان کفار کی جگہ ان مسلمان شوہروں کو دے دیا جائے۔ برابر کی صورت میں تو کوئی اشکال نہیں۔ البتہ کی بیشی کی صورت میں جو کفار کا پختا وہ کفار کو دے دیا جاتا اور جو اپنا پختا اس کا مطالبہ کر دیا جاتا۔ یہ حکم بھی اسی وقت کے حالات کے پیش نظر تھا اور دلیل ان احکام کے خاص ہونے کی اجماع ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ نے پھر کبھی یہ برتاؤ نہیں کیا۔ جس سے ان احکام کا وقتی ہونا معلوم ہوا۔

شبہ کا جواب۔ لیکن اگر شبہ یہ ہو کہ اس تخصیص و تنج سے تو عہد عام ٹوٹ گیا اور نقص عہد جائز نہیں۔ جواب یہ ہے کہ نقص عہد، عذر کے عہد میں جائز نہیں ہے اور یہاں عذر نہیں کیا گیا۔ پس بغیر عذر کئے تو نفس صلح کا ختم کرنا بھی جائز ہے۔ پھر صلح کے کسی خاص جزء کا رفع کر دینا تو اور بھی ہلکا اور سہل ہے۔ پھر دوسرا فریق اس میں مجبور نہیں کیا گیا۔ وہ اگر نہ مانتا تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ صلح ختم ہو جاتی۔ لیکن جب فریق ثانی نے بھی مان لیا۔ خواہ اپنی کسی مصلحت سے یا یہ سمجھ کر مردوں کے زیادہ ہونے سے تو جنگ کا اندیشہ ہے۔ لیکن عورتیں اگر واپس نہ کی گئیں تو ان سے کوئی اندیشہ نہیں۔ غرضیکہ مان لینے کے بعد تو اب صلح متفق علیہ بھی ہو گئی۔ اذا ایتتموہن اجورہن یعنی مہر کی ادائیگی ہو یا اس کا التزام، اور یہ قید شرط کے درجہ میں نہیں۔ کیونکہ نکاح کا جائز ہونا مہر کی ادائیگی یا التزام پر موقوف نہیں۔ بلکہ یہ قید لزوم کرنے کے لئے ہے۔ یعنی مہر نکاح کے لوازم میں سے ہے۔ خواہ وہ مقرر کیا ہو یا بلا تعین کے ہو۔ نقد ہو یا کپڑوں کے جوڑہ کی صورت میں۔

ولا تمسکوا بعصم الکوافر یعنی مسلمانوں کی جو بیویاں کفر کی حالت میں دارالحرب میں رہ گئیں۔ ان سے رشتہ نکاح ختم ہو گیا اور اب اس تعلق کا کوئی اثر باقی نہ سمجھو۔ اس کے لئے عدت بھی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ایسے مرد کو اسی وقت ایسی عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے جن سے اس کی بیوی کی عدت میں جائز نہ ہوتا۔ یہ عورت خود بخود نکاح سے الگ ہو گئی۔ اس کو طلاق دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ پھر بھی بعض صحابہ کا طلاق دینا اور آنحضرت ﷺ کا اس پر انکار نہ کرنا ممکن ہے اس لئے ہوا ہو کہ طلاق کے لغوی معنی مراد لئے ہوں۔ یعنی ترک تعلقات کا اظہار، طلاق شرعی مراد نہیں تھی۔ اور بہت ممکن ہے کہ حضور ﷺ کو صحابہ کے طلاق دینے کی اطلاع ہی نہ ہوئی ہو۔

قتل اولاد اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا: ..... ولا یقتلن اولادہن۔ جیسا کہ جاہلیت میں رواج تھا۔ عرب میں بھی ہندوستان

کے قدیم ترین راجپوتوں میں بھی کہ رکی تنگ و غار کے خیال سے لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔ اسی طرح قدیم ہندوستان میں مہرو و فا کی دیوی ظاہر کرنے کے لئے عورت مرد کی چتا پر بھیجٹ چڑھ جاتی تھی۔ جس کو ستی ہونا کہتے تھے۔ عرب میں بعض اوقات فقر و فاقہ کے خوف سے بھی لڑکیوں کو بھی مار ڈالتے۔ ولا یاتین بیہتان۔ جاہلیت میں بعض عورتوں کا دستور یہ تھا کہ کسی غیر کا بچہ اپنالائیں اور کہہ دیا کہ میرے خاوند کا ہے یا کسی سے بدکاری کر کے بچہ کو خاوند کا بتلا دیا۔ اس سے روکا جا رہا ہے کہ اس میں زنا کا گناہ تو ہے ہی۔ بچہ کی نسبت دوسرے کی طرف کرنے کا گناہ الگ ہوا۔ جس کی وعید حدیث میں آئی یا ہاتھ پاؤں میں طوفان باندھنے سے مراد یہ ہے کہ کسی پر جھوٹا دعویٰ کر دیں یا جھوٹی گواہی دیں یا کسی معاملہ میں اپنی طرف سے بنا کر جھوٹی قسمیں کھالیں پچھلی آیت میں جو مہاجر عورتوں کی جانچ کو فرمایا تھا۔ ان آیات میں بتلا دیا کہ وہ جانچ یہ ہے کہ اگر وہ ان احکام کو قبول کر لیں تو وہ مومنہ سمجھی جائے گی۔

لا تتولوا قوما۔ شروع سورت میں جو مضمون تھا۔ خاتمہ سورت پر پھر یاد دلایا کہ مومن کی شان یہ ہونی چاہیے کہ اللہ کے تعلق کو اصل سمجھے۔ اسی کے متعلق اوروں سے تعلق رکھے۔ اور وہی تعلق نہ ہو تو پھر کسی سے کیا رشتہ ناطا؟ قد ینس الکفار۔ یعنی جس طرح منکروں کو تو قہ نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھے گا اور پھر ایک دوسرے سے ملیں گے۔ یہی حال ان کافروں کا بھی ہے اور بعض حضرات نے من اصحاب القہو کو کفار کا بیان مانا ہے۔ یعنی جو کافر قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔ جس طرح وہاں کا حال دیکھ کر وہ اللہ کی مہربانی سے بالکلیہ مایوس ہو چکے ہیں۔ اسی طرح یہ کافر بھی آخرت کی طرف سے مایوس ہیں۔ پھر ایسے گمراہوں سے تعلق رکھنا کیا معنی؟ اس سے یہ سمجھا جائے کہ جن کافروں کی گمراہی اس درجہ کی نہ ہو۔ ان سے دوستی جائز ہے۔ کیونکہ مطلق کفر بھی دوستی سے مانع ہے۔ البتہ کفر میں جتنی شدت ہوگی۔ ممانعت میں بھی اتنی شدت آجائے گی۔ گویا دونوں کلیاں مشکلک ہیں۔

إطاعک سلوک: لا ینہاکم اللہ۔ اس میں بزرگوں کی اس عادت کا جواز نکل رہا ہے کہ وہ کفار سے نرم کلامی اور ملاطفت و ملائمت کا برتاؤ کرتے اور ان کے ہدیہ کو قبول کر لیتے ہیں۔ فامتنحوہن۔ اس میں مرید کی جانچ اور آزمائش کا حکم ہے۔ ینایعنک۔ اس سے صحیح بیعت کی غرض و غایت صراحتہ معلوم ہو رہی ہے اور ساتھ رکی بیعت کا لایعنی ہونا بھی معلوم ہوتا ہے جس میں نہ ایمان کا کما حقہ احترام ہو اور نہ عمل صالح کا اہتمام۔ واستغفرلہن۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرید کے لئے دعا کرنا منجملہ اس کے حقوق کے ہے۔

## سُورَةُ الصَّفِّ

سُورَةُ الصَّفِّ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ أَرْبَعٌ عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

سَبِّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَى نَزَّهَةً فَالْلَامُ مَزِيدَةٌ وَجِئَءَ بِمَا دُونَ مَنْ تَغْلِيْبًا لِلْأَكْثَرِ وَهُوَ الْعَزِيزُ فِى مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ﴿١﴾ فِى صُنْعِهِ يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ فِى طَلَبِ الْجِهَادِ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿٢﴾ إِذَا أَنهَزْتُمْ بِأَحَدٍ كَبْرَ عَظَمٍ مَقْتًا تَمِيزٌ عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا فَاعِلٌ كَبْرَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿٣﴾ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ يَنْصُرُوكُمْ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِى سَبِيلِهِ صَفًّا حَالٌ أَى صَافِينَ كَانَهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ ﴿٤﴾ مُلَزَقٌ بَعْضُهُ إِلَى بَعْضٍ ثَابِتٌ وَ أَذْكَرُ إِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَقَوْمُ لِمَ تُوذُونَنى قَالُوا إِنَّهُ إِدْرَأَى مُتَنَفِّخُ الْخُصِيَّةِ وَلَيْسَ كَذَلِكَ وَكَذَّبُوهُ وَقَدْ لِلتَّحْقِيقِ تَعْلَمُونَ أَنِّى رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ الْجُمْلَةُ حَالٌ وَالرُّسُولُ يُحْتَرَمُ فَلَمَّا زَاغُوا عَدَلُوا عَنِ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ أَمَا لَهَا عَنِ الْهُدَى عَلَى وَفْقٍ مَا قَدَّرَهُ فِى الْأَزَلِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٥﴾ الْكَافِرِينَ فِى عِلْمِهِ وَ أَذْكَرُ إِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِىْ إِسْرَءِيلَ لَمْ يَقُلْ ياقَوْمُ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ فِيهِمْ قَرَابَةٌ إِنِّى رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَى قَبْلِى مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِى مِنْ بَعْدِى اسْمُهُ أَحْمَدُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فَلَمَّا جَاءَهُمْ جَاءَ أَحْمَدُ الْكُفَّارَ بِالْبَيِّنَاتِ الْآيَاتِ وَالْعَلَامَاتِ قَالُوا هَذَا أَى الْمَجِئِءِ بِهِ سِحْرٌ وَفِى قِرَاءَةِ سَاجِرٍ أَى الْجَائِئِ بِهِ مُبِينٌ ﴿٦﴾ بَيْنَ وَمَنْ لَا أَحَدٌ أَظْلَمُ أَشَدُّ ظُلْمًا مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ بِنِسْبَةِ الشَّرِيكِ وَالْوَلَدِ إِلَيْهِ وَوَصَفَ آيَاتِهِ بِالسَّحْرِ وَهُوَ يُدْعَى إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٧﴾ الْكَافِرِينَ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ الْمُقَدَّرَةِ وَاللَّامُ مَزِيدَةٌ نُورَ اللَّهِ شَرَعَهُ وَتَرَاهِيْنَهُ بِأَفْوَاهِهِمْ يَقُولُوهُمْ أَنَّهُ سِحْرٌ وَشِعْرٌ وَكَهَانَةٌ وَاللَّهُ مُتِمُّ مُظْهَرِ نُورِهِ وَفِى قِرَاءَةِ بِالْإِضَافَةِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ



والا ہوں، اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام احمد ہوگا، میں ان کی بشارت دینے والا ہوں (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) پھر جب وہ (احمد) ان (کفار) کے پاس کھلی دلیلیں (نشانوں اور علامات) لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ (یعنی جولایا کیا) جادو ہے (ایک قراءت میں ساحر ہے یعنی قرآن لانے والا) کھلا ہوا، اور کون (کوئی نہیں) زیادہ ظالم ہے (ظلم میں بڑھ کر ہے) اس شخص سے جو اللہ پر جھوٹ باندھے (شریک اور اولاد کی نسبت اسکی طرف کر کے اور اس کی آیات کو جادو کہہ کر) حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا، یہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ بھجادیں (ان مقدروہ کے ذریعہ مطلقاً منصوب ہے اور لام زائد ہے) اللہ کے نور (شریعت اور اسکے براہین) کو اپنے منہ سے (یہ کہہ کر کہ جادو ہے، شعر ہے، کہانت ہے) حالانکہ اللہ کمال تک پہنچا کر (ظاہر کر کے) رہے گا، اپنے نور کو (ایک قراءت میں "متم نورہ" اضافت کے ساتھ ہے) گو کافر (اس سے) کیسے ہی ناخوش ہوں وہ اللہ ایسا ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام (اس کے مخالف) دینوں پر غالب (بلند) کر دے، گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں، اے اہل ایمان کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتلا دوں جو تم کو بچالے (تحفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) دردناک عذاب سے (گویا انہوں نے جواب میں کہا ہاں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں) تم ایمان لاؤ (ایمان پر جیسے رہو) اللہ پر اور اسکے رسول پر اور اس کے راستہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو (کہ یہ آیت تمہارے لئے بہتر ہے تو تم اس کو کرو) اللہ معاف کر دے گا (یہ جواب ہے شرط مقدّر کا یعنی اگر تم نے اس پر عمل کر لیا تو بخش دیئے جائیں گے) تمہارے گناہ اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہونگے، یہ بڑی کامیابی ہے (عطا فرمائے گا تمہیں ایک نعمت) اور بھی جس کو تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد اور جلد کامیابی اور آپ مؤمنین کو (نصرت و فتح کی) خوشخبری سنا دیجئے۔ اے اہل ایمان تم اللہ کے مددگار بن جاؤ (اسکے دین کے، ایک قراءت میں انصار اللہ اضافت کے ساتھ ہے) جیسا کہ (حواری بھی ایسے ہی تھے جس پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے فرمایا کہ اللہ کے لئے کون میرا مددگار ہوتا ہے (یعنی میرے ساتھیوں میں سے کون مددگار اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے) حواری بولے ہم اللہ کے مددگار ہیں (حواری حضرت عیسیٰ کے چیدہ لوگ تھے جو ان پر سب سے پہلے ایمان لائے اور وہ بارہ افراد تھے، حواری، حور سے ماخوذ ہے جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ دھوبی تھے کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے) سوئی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایمان لائے (عیسیٰ پر ان کا کہنا یہ ہے کہ عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں اور جن کو اسمان پر اٹھالیا گیا ہے) اور کچھ لوگ منکر رہے (کیونکہ یہ لوگ کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں جن کو اس نے اپنے پاس بلالیا ہے، چنانچہ ان دونوں فرقوں میں جنگ ہوئی) سو ہم نے ایمان والوں کی تائید کی (ان دونوں طبقوں میں سے) ان کے دشمنوں (کافر جماعت) کے مقابلہ میں سو وہ غالب ہو گئے۔

**تحقیق و ترکیب۔** سورۃ الصف، ابن عباس اس کو مکی اور جمہور مدنی مانتے ہیں۔

مرصوص۔ الرص کے معنی ہیں تعمیر کو ایک دوسرے کے ساتھ پیوست اور مستحکم کرنے کے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ پتھر کو پتھر پر رکھ کر پتھریاں اور روڑیاں ملا کر گاڑا ڈالنے کو اہل مکہ رصاص کہتے ہیں، امام راغب بنیان مرصوص کے معنی مستحکم کے لیتے ہیں یہ کنا یہ ہے جنگ میں کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملا کر چلنے کے جیسا کہ فرائی رائے ہے، روح و صراح میں رص کے معنی چونہ سے گچ کرنے کے ہیں۔

لم تؤدوسی، یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت لا تکنوا کالذین اذوا موسیٰ میں گزرا ہے اور عام اذیتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔

لفسقیں۔ یعنی علم الہی میں جو کافر ٹھہر چکے ہیں، ان کو ہدایت نہیں ہوتی، ورنہ بہت سے کافر ہدایت یافتہ ہو جاتے ہیں، حاصل یہ کہ معبود فاسق مراد ہیں، سب فاسق مراد نہیں ہیں، اس لئے اب کوئی شبہ نہیں رہتا۔

مصدقاً، یہ اور مبشر دونوں لفظ حال ہیں، رسول اللہ سے بتاویل مرسل اور وہی دونوں میں عامل ہے۔

من بعدی، حضرت عیسیٰ کی ولادت اور آنحضرت کی ہجرت کے درمیان چھ سو بیس سال کا فصل ہے، چنانچہ انجیل یوحنا کے چودہویں اصحاح میں ہے وانا اطلب لکم الی ابی حتی یمنحکم ویعطیکم الفارقلیط حتی یکون معکم الی الابدو الفارقلیط هو روح الحق الیقین۔ اسی طرح پندرہویں اصحاح میں ہے ”واما الفارقلیط روح القدس یرسلہ ابی باسمی ویعلمکم ویمنحکم جمیع الاشیاء وهو یدکر کم ما قلت لکم ہ پھر آگے چل کر لکھا ہے وانی قد اخبرتکم بهذا قبل ان یکون حتی اذا کان ذلک تؤمنون۔ سوہویں اصحاح میں لکھا ہے ولكن اقول لکم الان حقا یقینا انطلقی عنکم خیر لکم فان لم انطلق عنکم الی ابی لم یاتکم الفارقلیط وان انطلقت ارسلتہ الیکم فاذا هو یفید اهل العالم ویدینہم ویمنہم یوفقہم علی الخطیئۃ والبر والدین“ پھر کچھ آگے چل کر کہا ہے، فان لی کلاما کثیرا ارید ان اقولہ لکم ولكن لا یقتدرون علی قبولہ والاحتفاظ لہ ولكن اذا جاء روح الحق الیکم یلہمکم ویؤیدکم بجمیع الحق لانه لیس یتکلم بدعۃ من تلقاء نفسه (هذا مافی الانجیل) لیطفنوا ای یریدون ان یطفنوا لام تاکید کیلئے ایسے ہی زائد ہے جیسے لا ابالک میں تاکید اضافت کیلئے زائد ہے اور بعض نے تعلیلیہ مانا ہے اور خلیل و سیبویہ کے نزدیک یریدون مصدر کے حکم میں ہے اور لیطفنوا اس کی خبر ہے ای ارادتهم الاطفاء نورہ نور اللہ میں استعارہ تصریحیہ ہے اور اطفاء میں ترشیحیہ ہے اور بافواہم میں توریہ ہے، صاحب کشاف نے استعارہ تمثیلیہ مانا ہے کہ جس طرح آفتاب کو پھونکوں سے بجھانیوالے کا حال ہے وہی حق کو باطل کرنے کی کوشش کرنیوالوں کا حال ہے، مقصود جنہم اور تحریر ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ اطفاء اور اخمد دونوں لفظ آگ یا دوسری روشن اور واضح چیزوں کے گل کرنے میں استعمال ہوتے ہیں لیکن دونوں میں من وجہ فرق یہ ہے کہ اطفاء چھوٹی چیزوں میں استعمال ہوتا ہے، جیسے اطفأت السراج کہا جائے، یہاں اخمدت السراج نہیں کہیں گے، نور اللہ سے کیا مراد ہے، ابن عباسؓ ابن زید کے نزدیک قرآن ہے اور سدی کے نزدیک اسلام اور ضحاک کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ابن حجرؒ کے نزدیک حجتہ اللہ مراد ہے اور ابن عسٰی ناقل ہیں کہ یہ بطور تمثیل حق کے مٹانے کو نور شمس کے گل کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

متم نور ہ۔ بغیر اضافت کے کئی، خفض، حمزہ مکی کی قراءت ہے۔

تنبیہکم۔ عامرؒ نون اور تشدید جیم کے ساتھ اور باقی قراءت سکون نون اور تخفیف جیم کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ان کنتم تعلمون۔ مفسر نے تعلمون کا مفعول مقدر مانا ہے۔ لیکن تعلمون کو بمنزلہ لازم کے بھی مانا جاسکتا ہے ان کنتم من اهل العلم۔ پھر تقدیر مفعول کی ضرورت نہیں رہتی۔

یغفر۔ بعض کے نزدیک جواب امر بھی ہو سکتا ہے۔

تؤمنون۔ سے جو امر آمنوا مفعول ہو رہا ہے۔

واخروی۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ آخری فعل کا مقدر مفعول ہے۔ یہ فعل مقدر تیسرا جواب شرط ہوگا۔ پہلی دونوں نعمتیں اخروی ہیں۔ اور یہ تیسری نعمت دنیوی ہے۔

کما قال عیسیٰ۔ مفسر نے کہا کے بعد کان مقدر نکالا ہے یعنی حواری بھی انصار اللہ ہے۔ اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ مشبہ تو مومنین کا انصار اللہ ہونا ہے اور مشبہ بہ قول عیسیٰ ہے جو انہوں نے حواریوں سے فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ بے جوڑ ہے۔ لیکن مفسر نے مشبہ بہ حواریوں کے انصار اللہ ہونے کو قرار دیا۔ جو قال عیسیٰ ابن مریم سے مفہوم ہو رہا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بظاہر تو آیت میں قول عیسیٰ مشبہ بہ ہے لیکن معنی حواریوں کا انصار اللہ ہونا مشبہ بہ ہے۔ کما قال میں ما مصدر یہ ہے یہ مع صلہ کے ظرف ہے اور بعض نے تقدیر عبارت قل لہم کما قال عیسیٰ بن مریم نکالی ہے۔

من انصاری۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ انصاری میں ایک مشارک کی اضافت دوسرے کی طرف ہو رہی ہے۔

حواری۔ اگر آنکھوں کے سفید اور خوبصورت ہونے کی وجہ سے حواری یا حور کہا جاتا ہے۔ تو یہ وصف ذاتی ہوگا اور کپڑوں کو اجلا کرنے کی وجہ سے



اگر کہا جاتا ہے تو یہ وصف قائم بالغیر ہوگا۔

فامنت۔ اس کا تعلق محذوف سے ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ فلما رفع عیسیٰ الی السماء افترق الناس فیہ فرقتیں فامنت الطائفتہ الخ عیسائیوں میں تین فرقے تھے۔ ایک کہتا تھا کہ وہ خدا تھے جو اپنی جگہ چلے گئے۔ دوسرا فرقہ کہتا تھا کہ وہ خدا کے بیٹے تھے جو اپنے باپ کے پاس چلے گئے۔ یہ دونوں فرقے گمراہ تھے۔ اور تیسرا فرقہ ان کو اللہ کا بندہ اور رسول مانتا تھا اور زندہ آسمان پر جانے کو مانتا تھا۔ یہ جماعت مومن تھی۔ جو پہلے تو دونوں کافر جماعتوں سے مغلوب رہی۔ مگر آنحضرت ﷺ کی برکت سے اسلام آنے کے بعد معاملہ برعکس ہو گیا۔ ایدنا الذین امنوا کا یہی مطلب ہے۔

رابط آیات: سورہ ممتحنہ میں کفار سے دوستی نہ کرنے کا حکم ہے۔ سورہ صف میں ان سے جہاد کا حکم ہے اور کچھ مضمون ذیلی فرمایا گیا ہے۔

شان نزول: بعض مسلمانوں نے خواہش کی کہ اگر ہمیں بہترین عمل معلوم ہو جائے تو ہم اس کے لئے مال و جان کی بازی لگا دیں۔ لیکن جہاد کا حکم آیا تو یہ مسلمان ہچکچانے لگے۔ اس پر آیت لم تقولون الخ اور یا ایہا الذین امنوا اهل الکلم نازل ہوئیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب غزوہ بدر کا ثواب بیان فرمایا تو بعض صحابہ نے کہا۔ لئن لقینا قتالا لنفرغن فیہ وسعنا۔ لیکن غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اس آیت میں عار دلائی جا رہی ہے، گویا زبردستی فرمائی گئی۔ اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ منافقین نے مسلمانوں سے ڈیگیں ماری تھیں۔ کہ ان خرجتم وقاتلتم خرجنا معکم وقاتلنا لیکن جب حضور ﷺ اور صحابہ احد کے لئے روانہ ہوئے تو منہ چھپا کر بیٹھ رہے اور کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ان کو مومن ظاہر حال کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ یا ایہا الذین امنوا اهل الکلم۔ بعض نے اس کا نزول عثمان بن مظعون کے بارہ میں کہا ہے جب کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی۔ لو اذنت لی فطلقت خولة وترهبت واختصیت وحرمت اللحم ولا اناہم اللیل ابداء۔ تو آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا۔ ان من سنتی النکاح ولا رهبانیۃ فی الاسلام۔ اس پر عثمان بن مظعون نے عرض کیا۔ وددت یا نبی اللہ ان اعلم ای التجارات احب الی اللہ فاتجر فیہا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن جہاد کو تجارت کہا گیا۔ جیسا کہ ان الفاظ شریفہ الخ میں یہی مراد ہے۔

﴿تشریح﴾..... لم تقولون ما لا تفعلون۔ یعنی مسلمانوں کو لاف زنی اور دعویٰ کی باتوں سے ڈرنا چاہیے۔ زبان سے ایک بات کہہ دینا آسان ہے لیکن اس کا نبھانا آسان نہیں ہے۔ اللہ تو اس سے سخت ناراض اور بے زار ہوتا ہے کہ جو زبان سے کہے بہت کچھ اور کرے کچھ نہیں۔ اگر محبوب عمل کرنے کو ظاہر کیا تھا۔ تو معلوم ہونے پر کیوں جی چڑائیٹھے اور کیوں احد سے بھاگ کھڑے ہوئے یعنی دیکھو سنبھل کر کہا کرو، پس یہاں ایک بات زبان سے نکال کر اس پر کار بند نہ ہونے پر اظہار بیزاری ہے۔ قول بے عمل اور وعظ بلا عمل اس کے مفہوم میں داخل نہیں ہے وہ خارج ہے، آگے فرماتے ہیں کہ محبوب عمل کی فکر ہے تو لو ہم بتلائے دیتے ہیں کہ اللہ کو سب سے زیادہ ان لوگوں سے محبت ہے جو اسکی راہ میں اس کے دشمنوں سے مقابلہ کے وقت اپنی دیوار کی طرح ڈٹ جاتے ہیں اور میدان جہاد میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

محض باتیں بنانا اور عمل سے جی چرانا کوئی وزن نہیں رکھتا:..... ہر چند کہ تم میں بعض اس معیار پر پورے بلکہ بڑھ کر اترے ہیں مگر بعض ایسے بھی نکلیں گے جن کے عمل نے ان کی زبانی دعویٰ کی تکذیب کر دکھائی۔ آخر غزوہ احد میں وہ بنیان مرصوص کہاں گئی۔ خلاصہ یہ کہ عمل سے زیادہ زبانی دعویٰ نہ کرو۔ بلکہ خدا کی راہ میں قربانی پیش کرو۔ جو قوم کردار کی غازی ہوتی ہے وہ گفتار اور لہن ترانیوں سے بچتی

ہے۔ اور زبانی جمع خرچ کرنے والے اور خالی ڈینگیں مارنے والے میدانِ عمل میں صفر رہا کرتے ہیں قومِ موسیٰ کو نہیں دیکھا۔ جو زبان سے بہت بڑھ کر سخی اور تعصی کی باتیں بناتے تھے۔ لیکن جہاں کوئی عمل کا موقعہ آیا فوراً پھسل گئے اور ستانے والی باتوں میں خوب جنے رہے۔ حضرت موسیٰ نے فہمائش بھی کی کہ روشن دلائل اور کھلے معجزات سے میرے بچے پیغمبر ہونے کا تمہیں یقین ہے۔ پھر بھی تم مجھے ستاتے ہو۔ یہ طرزِ عمل تو کسی عام خیر خواہ اور معمولی بہادر کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔ چہ جائیکہ اللہ کے رسول کے ساتھ دل آزاری اور گستاخی کا برتاؤ کرنا۔ بے جان ٹکڑے کو پوجنا اور اس کو اپنا اور موسیٰ کا خدا بتلانا۔ قومِ ممالقہ سے جہاد کا حکم ہوا تو اذھب انت وربک فقاتلا انا طھنا قاعدون لہذا لنا۔ انہی گستاخیوں اور بد عملیوں کا انجام یہ ہوتا ہے کہ دل سیاہ اور سخت ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ نیکی کی کوئی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہی حال ان کا ہوا۔ جب ہر بات میں رسول ﷺ کی ضد ہی کرتے ہیں اور برابر ٹیڑھی چال چلتے رہے تو آخر مردود ہو گئے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ سیدھی بات قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ ایسے ضدی نافرمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے۔

**حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اور آنحضرت کے متعلق بشارت:** ..... واذا قال عیسیٰ ابن مریم: حضرت موسیٰ کے بعد دوسرے اولوالعزم پیغمبر جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے وہ حضرت عیسیٰ ہیں تو رات کے مصداق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس احکام اور خبروں پر یقین رکھتا ہوں۔ اور جو کچھ میری تعلیم اور عمل درآمد ہے۔ وہ فی الحقیقت انہیں احکام کے ماتحت ہے۔ جو تو رات میں دیئے گئے اور ابن کثیر وغیرہ نے یہ مطلب لیا ہے کہ میرا وجود تو رات کی باتوں کی تصدیق کرتا ہے جن باتوں کی خبر تو رات میں دی گئی ہے میں ان کا مصداق بن کر آیا ہوں۔ بہر حال تصدیق خاص مراد ہے۔ ورنہ نفس تصدیق میں تو رات کی کیا تخصیص ہے تمام پچھلے انبیاء اور کتابوں کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ نیز پچھلے پیغمبر اور کتاب کی تخصیص کے ساتھ اگلے پیغمبر کی بشارت سنا ہوں۔ اس میں اپنی شریعت کی حدود اور دائرہ کار بھی بتلادیا کہ آنے والے پیغمبر کے آنے تک میری شریعت رہے گی۔ آگے پیغمبر آخر الزمان کے اوصاف جمالی بیان فرمائے۔ اس سے جہاں ان کا تمام ادیان کے لئے نسخ ہونا مقصود ہے۔ وہیں اپنی امت کو تکمیلی ہدایت کی ترغیب دینی بھی ہے کہ کہیں مجھ پر درست ایمان لا کر قناعت نہ کر بیٹھیں۔ ان کو اگر نہ مانا تو میرا مانا ہی کا لعدم ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ کی زبانی ان بشارتوں کو خود اہل کتاب کے اقرار کے ساتھ بھی احادیث میں نقل کیا گیا ہے۔ تفسیر خازن میں ابو داؤد کی روایت نقل کی ہے کہ شاہ جہشہ میں جو ایک عیسائی عالم بھی تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کی بشارت کا مصداق آنحضرت ﷺ کو قرار دیتے تھے۔ اسی طرح ترمذی کی روایت نقل کی ہے۔ شاہ جہشہ جو ایک عیسائی عالم بھی تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ کی بشارت کا مصداق آنحضرت ﷺ کو قرار دیتے تھے۔ اسی طرح ترمذی کی روایت نقل کی ہے کہ عبداللہ بن سلام آنحضرت ﷺ کی صفات کا ذکر تو رات میں مانتے تھے اور کہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے ساتھ دفن ہوں گے۔ اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بشارت دینا تو رات میں ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ وہ تو رات کے مبلغ تھے۔

**تمام انبیاء نے آنحضرت ﷺ کی بشارت سنائی:** ..... یوں تو دوسرے انبیاء بھی خاتم الانبیاء کی تشریف آوری کی خوشخبری برابر سنا تے آئے ہیں۔ لیکن جتنے اہتمام اور صراحت کے ساتھ حضرت مسیح نے بشارت دی۔ وہ کسی اور سے منقول نہیں ہے قریب العہد ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کہ یہ خصوصیت ان کے حصہ میں آئی ہے۔ یہود و نصاریٰ کی مجرمانہ غفلت نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل تو رات و انجیل وغیرہ کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا اسلئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کریم کے اس صاف و صریح بیان کو اس تحریف شدہ بائبل میں وجود نہ ہونے کی وجہ سے جھٹلانے لگے، اس کے باوجود خاتم الانبیاء ﷺ کا یہ بھی معجزہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے ان خرفیہ کو اتنی قدرت نہیں دی کہ وہ تمام پیش گوئیوں کو بالکل محو کر دیں۔ علماء اسلام نے موجودہ بائبل کے بیسیوں مقامات سے ان پیشین گوئیوں کو نکال کر دکھلایا۔ اس کا اعتراف یا نیم اقرار پاد

ریوں کو بھی کرتا یا کہ ان کا مصداق محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہو سکتے ہیں۔

سب سے بڑے ظالم: ومن الظالم۔ یعنی جب اہل کتاب سے مسلمان ہونے کو کہا جاتا ہے تو حق چھپا کر اور جھوٹی باتیں بنا کر ایمان لانے سے انکار کر دیتے ہیں وہ خدا کو بشر یا بشر کو خدا بنانے کا جھوٹ تو رہا ایک طرف آسمانی کتابوں میں تحریف کر کے جو چیزیں ان میں واقعی موجود تھیں ان کا انکار کرتے اور جو نہیں ہیں ان کو درج کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا۔ دھوید علی اس لئے بڑھایا کہ اس سے ان کی برائی ہوگی کہ وہ خود تو متنبہ ہوتے۔ تنبیہ کے بعد بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ اور لا محذی اس لئے بڑھا دیا کہ ایسے بے انصافوں کو ہدایت کہاں نصیب ہوتی ہے اور ان کی اصلاح کی کیا امید اس لئے ان کے لئے قتال کی سزا تجویز کیا جانا ہی مناسب ہو۔ چنانچہ اب بھی اگر کسی کو اسلام کی خبر نہ پہنچی ہو تو پہلے اس کو اسلام کی دعوت دینی چاہیے۔ اگر کوئی پھر بھی انکار کر دے تو چونکہ بظاہر اصلاح سے ناامیدی ہوگئی۔ اس لئے جہاد کی ضرورت ہے اور ممکن ہے لا محذی سے ادھر اشارہ ہو کہ یہ ظالم کتنا ہی انکار اور کتنی ہی تحریف و تاویل کریں۔ لیکن اللہ ان کو کامیابی کی راہ نہیں دکھلائے گا۔ گویا حضور ﷺ کو وہ چھپانا مٹانا چاہتے ہیں۔ وہ چھپ یا مٹ نہ سکیں گے۔ منکر زور لگایا کریں، برا مانا کریں۔ اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا۔ کوئی احق سورج کے نور کو منہ سے پھونک مار کر بجھانا چاہے تو کیا وہ بجھ جائے گا۔ ہوالذی ارسل یعنی اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ کا کام ہے مگر تمہارا فرض ہے کہ اس پر استقامت رکھتے ہوئے جان و مال سے جہاد کرو۔ یہ سدا گری ایسی ہے جس میں خسارہ نہیں۔

نصر من اللہ۔ قرون اولیٰ کے ساتھ یہ وعدہ کیسی خوبی سے پورا ہوا۔ آج بھی اگر مسلمان سچے مومن بن کر جہاد فی سبیل اللہ میں لگ جائیں تو کامیابی و کامرانی ان کے قدموں میں ہے۔

کو نوا انصار اللہ۔ مدینہ کے مسلمانوں نے اسلام کی جو غیر معمولی خدمات انجام دیں ان کے پیش نظر ان کا لقب انصار ہو گیا۔ حواریین جو اپنے حسب نسب میں کچھ زیادہ معزز نہیں تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ کو قبول کیا اور ان کی دعوت پر لبیک کہا اس لئے وہ اس لقب کے مستحق ہوئے تو جاں نثار صحابہ نے آنحضرت ﷺ پر جان و مال لٹا دیا وہ اس لقب سے کیسے سرفراز نہ ہوتے؟

فأمنت طائفة۔ بنی اسرائیل میں تین فرقے ہو گئے تھے۔ ایک فرقہ بر سر حق رہا اور دوسرے دو فرقے بر سر باطل ہو گئے۔ پھر حضرت مسیح کے بعد باہم دست و گریباں رہے۔ آخر میں اللہ نے سچے کچھے صحیح العقیدہ عیسائیوں کو آنحضرت ﷺ کے اتباع کے طفیل دوسرے تمام عیسائیوں پر منصور اور غالب فرمایا۔

لطا ئف سلوک: یا ایہا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون۔ اس میں اعمال اور کمال کے دعویٰ کی مذمت ہے۔

بقوم لم تو ذونسی۔ اس عنوان سے معلوم ہو رہا ہے کہ شیخ کو ایذا دینا مذموم ہے۔

واخریٰ تحبونہا نصر من اللہ۔ اس نصرت و غلبہ کا مطلوب ہونا چونکہ دین کی اعانت کے لئے ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ جس دنیا سے دین کی اعانت کی جائے وہ مذموم نہیں ہے۔

## سُورَةُ الْجُمُعَةِ

سُورَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ اِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ يُزِيهِهُ فَاَلَلَامُ زَائِدَةٌ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ فِی ذِكْرِ مَا تَغْلِبُ لِاَكْثَرِ الْمَلٰٓئِكِ  
الْقُدُّوسِ الْمُنَزَّهِ عَمَّا لَا يَلِیْقُ بِهِ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱﴾ فِی مُلْكِهِ وَصْنَعِهِ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمَمِیْنَ الْعَرَبَ  
وَالْاُمَمِیَّ لَا یَكْتُبُ وَلَا یَقْرَأُ كِتَابًا رَّسُولًا مِنْهُمْ هُوَ مُحَمَّدٌ ﷺ یَتْلُوْا عَلَیْهِمُ الْاٰیَةَ الْقُرْاٰنِ وَیُزَكِّیْهِمْ یُطَهِّرُهُمْ  
مِنَ الشِّرْكِ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ الْقُرْاٰنَ وَالْحِكْمَةَ مَا فِیْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ وَاِنْ مُخَفَّفَةً مِنَ الثَّقِیْلَةِ وَاِسْمُهَا  
مَحْذُوْفٌ اٰی وَ اِنَّهُمْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ قَبْلَ مَحِیَّتِهِ لَفِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲﴾ یَبِیْنَ وَ اٰخَرِیْنَ عَطَفَ عَلٰی الْاُمَمِیْنَ  
اٰی الْمَوْحُوْ دِیْنٍ مِنْهُمْ وَالْاُتَمِّیْنَ مِنْهُمْ بَعْدَ هُمْ لَمَّا لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ فِی السَّابِقَةِ وَالْفَصْلِ وَهُمْ التَّائِعُوْنَ  
وَالْاِقْتِصَارُ عَلَیْهِمْ كَافٍ فِی یَبَانَ فَضْلِ الصَّحَابَةِ الْمَبْعُوْثِ فِیْهِمُ النَّبِیُّ ﷺ عَلٰی مَنْ غَدَاهُمْ مِنْ بَعَثِ اِلَیْهِمْ  
وَ اٰمَنُوْا بِهِ مِنْ جَمِیْعِ الْاَنْسِ وَالْجِنِّ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَمَةِ لَا اَنْ كُلَّ قَرْنٍ خَیْرٌ مِنْ نَّبِیِّهِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۳﴾  
فِی مُلْكِهِ وَصْنَعِهِ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ النَّبِیُّ وَمَنْ ذِكْرٌ مَعَهُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۴﴾  
مَثَلُ الَّذِیْنَ حَمَلُوْا التَّوْرَةَ كُفِلُوْا الْعَمَلُ بِهَا ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا لَمْ یَعْمَلُوْا بِمَا فِیْهَا مِنْ نَعْتِهِ ﷺ فَلَمْ یُؤْمِنُوْا بِهِ  
كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ اٰی كُتِبَ فِیْ عَدَمِ اِنْتِفَاعِهِ بِهَا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیَةِ اللّٰهِ  
الْمُصَدِّقَةِ لِلنَّبِیِّ ﷺ مُحَمَّدٍ وَالْمَخْصُوْصِ بِالذِّمِّ مَحْذُوْفٌ تَقْدِیْرُهُ هَذَا الْمَثَلُ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ  
﴿۵﴾ الْكَافِرِیْنَ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَا دُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَاءُ اللّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنُّوْا الْمَوْتَ اِنْ  
كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۶﴾ تَعَلَّقَ بِتَمَنِّهِ الشَّرْطَانِ عَلٰی اَنَّ الْاَوَّلَ قَیْدٌ فِی الثَّانِیِ اٰی اِنْ صَدَقْتُمْ فِی رَغْمِكُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَاءُ

اللّٰهُ وَالْوَلِيُّ يُؤْتِرُهَا بِحِرَّةٍ وَ مَبْتُوءَهَا الْمَوْتُ فَتَمْنُوهُ وَلَا يَتَمَنُونَهُ أَبَدًا بِمَا قَلَّمَتْ أَيْدِيهِمْ مِنْ كُفْرِهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمُسْتَلْزِمِ لِكَذِبِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩﴾ الْكَافِرِينَ قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ وَ الْفَاءُ زَائِدَةٌ مُلْقِيَكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠﴾ فَتَجَا رِبُكُمْ بِهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ بِمَعْنَىٰ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا فَاْمضُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ أَيِ الصَّلَاةِ وَذَرُوا الْبَيْعَ أَيِ اتَّركُوا عَقْدَهُ ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١﴾ إِنَّهُ خَيْرٌ فَاْعَلُوهُ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا أَيِ اطْلُبُوا الرِّزْقَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَادْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٢﴾ تَفُوزُونَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدِمَتْ عِيرٌ وَصَرِبَ لِقُدُومِهَا الطُّبْلُ عَلَى الْعَادَةِ فَخَرَجَ لَهَا النَّاسُ مِنَ الْمَسْجِدِ غَيْرِ اُنْتَبَهِ عَشَرَ رَجُلًا فَتَنَزَّلَ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا اِنْفَضُّوا إِلَيْهَا أَيِ التِّجَارَةِ لِأَنَّهَا مَطْلُوبُهُمْ دُونَ اللَّهْوِ وَتَرَكَوْا فِي الْخُطْبَةِ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الثَّوَابِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١٣﴾ يُقَالُ كُلُّ إِنْسَانٍ يُرْزَقُ عَائِلَتَهُ أَيِ مِنْ رِزْقِ اللَّهِ تَعَالَىٰ۔

ترجمہ: ... سورۃ جمعہ مدنیہ ہے جس میں گیارہ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم آسمان وزمین کی سب چیزیں پاکی بیان کرتی ہیں (لام زائد ہے اور ما اکثریت کی تغلیب کے لئے لایا گیا ہے۔ جو کہ بادشاہ ہے پاک ہے) (تمام نامناسب باتوں سے) زبردست حکمت والا ہے (اپنے ملک اور صنعت میں) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں (عرب کے، امی سے کہتے ہیں جو کچھ نہ لکھ سکے اور نہ کسی کتاب کو پڑھ سکے) انہی میں سے ایک پیغمبر کو بھیجا (یعنی محمد ﷺ) جون کو اللہ کی آیات (قرآن) پڑھ کر سناتے ہیں اور (شرک سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب (قرآن) اور دانشمندی سکھلاتے ہیں (احکام کی باتیں) اور یہ لوگ (ان ثقیلہ تھا جس کو تحفہ کیا گیا اس کا اسم محذوف ہے یعنی واھم) پہلے سے (آپ کے تشریف لانے سے پہلے) کھلی (واضح) گمراہی میں تھے اور دوسروں کے لئے بھی (اس کا عطف اسمین پر ہو رہا ہے یعنی موجود اور آئندہ لوگوں کے لئے) انہی میں سے (جو بعد میں آئے والے ہیں) جو ان میں شامل نہیں ہوئے (پہلے کرنے میں اور اور فضیلت کے لحاظ سے یعنی تابعین ان پر اکتفا کرنا کافی ہے صحابہ کی فضیلت کے سلسلہ میں جن میں حضور ﷺ تشریف لائے۔ دوسرے تمام ان لوگوں کے مقابلہ میں جن کی طرف آنحضرت ﷺ کا تشریف لانا ہوا اور وہ انس و جن میں سے قیامت تک آپ پر ایمان لاتے رہیں گے کیونکہ ہر پہلا قرن پچھلے قرن سے بہتر ہے) اور وہ زبردست حکمت والا ہے (اپنی سلطنت و صنعت میں) یہ اللہ کا فضل ہے وہ فضل جس کو چاہتا ہے دیتا ہے (آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو جس سے نوازا) اور اللہ بڑے فضل والا ہے جن لوگوں کو تورات اٹھانے (اس پر عمل کرنے) کا حکم دیا گیا۔ پھر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا (عمل نہیں کیا حضور ﷺ کے اوصاف جو بیان فرمائے گئے انہیں نہیں مانا اور آپ پر ایمان نہیں لائے) ان کی حالت اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے (بلحاظ نفع نہ اٹھانے کے) ان لوگوں کی بری حالت ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا (جن سے آنحضرت ﷺ کی تصدیق ہوتی تھی مخصوص بالہذمت محذوف ہے۔ یعنی ہذا المثل) اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ کہہ دیجئے کہ اے یہودیو! اگر یہ دعویٰ ہے کہ بلا شرکت غیر تم اللہ کے مقبول ہو تو موت کی تمنا کر دکھاؤ اگر تم سچے ہو (تمنائے موت کے ساتھ دونوں

کا تعلق ہے اس طرح کہ پہلی شرط دوسری شرط کے لئے قید ہو رہی ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ ان صدقتم فی دعمکم انکم اولیاء اللہ۔ اور وہی وہ ہوتا ہے جو آخرت کو ترجیح دے جس کا مبداء موت ہے، لہذا تم موت کی تمنا کر کے دکھاؤ (اور وہ اس کی کبھی تمنا نہ کریں گے ان اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سیٹھے ہیں) حضور ﷺ کے ساتھ کفر کرنا جو ان کے جھوٹے ہونے کو مستلزم ہے (اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کافروں) کی۔ آپ کہہ دیجئے جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو (فازاندہ ہے) آپکڑے گی۔ پھر تم پیش کئے جاؤ گے ایسے کے سامنے جو پوشیدہ اور ظاہر (سر و علانیہ) جاننے والا ہے۔ پھر وہ تمہارے سب کئے ہوئے کام بتلا دے گا (ان کا تمہیں بدلہ دے گا) اے اہل ایمان جب جمعہ کے روز (من بمعنی فی ہے) نماز کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (نماز) کی طرف چل پڑو (مگ جایا کرو) اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم میں کچھ سمجھ ہے (کہ یہ بہتر ہے تو تم اس کو کرو) پھر جب نماز پوری ہو چکے ہو تم زمین پر چلو پھرو (یہ حکم بطور اجازت ہے) اور تلاش کرو۔ (رزق ڈھونڈو) اللہ کی روزی اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم کو فلاح ہو (کامیابی ہو)۔ آنحضرت ایک مرتبہ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اسی اثناء میں ایک تجارتی قافلہ ینہ میں آیا اور حسب معمول جب اس کی منادی ہوئی تو لوگ سن کر مسجد سے دوڑ پرے۔ بجز بارہ افراد کے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اور وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑنے کے لئے بکھر جاتے ہیں) (یعنی تجارت کی طرف کیونکہ صحابہ کا مطلوب وہی تھا نہ کہ لہو و لعب) اور آپ کو (خطبہ میں) کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ فرمادیتے کہ جو (ثواب) اللہ کے پاس ہے۔ وہ (مسلمانوں کے لئے) بدرجہا بہتر ہے ایسے مشغلہ اور تجارت سے اور اللہ سب سے اچھا روزی دینے والا ہے (بولتے ہیں کہ انسان اپنے متعلقین کو رزق دیتا ہے یعنی اللہ کا رزق)

**تحقیق و ترکیب:** ... سورۃ الجمعۃ مدنیہ۔ اس کا مدنی ہونا بالا جماع ہے لہذا لام زائد ہے یا لام تعلیلیہ ہے یعنی تسبیح صرف اللہ کے لئے کرتے ہیں کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی۔

فی الامیین۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم الخ فرمایا گیا اور قبیلہ عرب سے آپ کا ہونا۔ اس میں عرب کی عزت افزائی ہے ورنہ آپ کی بعثت عام، آنحضرت ﷺ کا انہی ہونا کتب سابقہ میں آیا ہے۔ اور غالباً اس کی حکمت یہ ہے کہ آپ پر یہ ریکی علوم کے اکتساب کا شبہ بھی نہ رہے جس سے آپ کی صداقت اور اعجاز کلامی زیادہ واضح ہوگئی۔

واخوین منہم اس کا امین پر عطف ہو تو مجرور ہوگا۔ اسی بعثہ فی اخرین من الامیین اور لما یلحقوا بہم آخرین کی صفت ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آخرین کو یعلمہم کی ضمیر منصوب پر عطف کرتے ہوئے منصوب مانا جائے۔ اسی و یعلم آخرین لم یلحقوا بہم یعنی قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے آپ ﷺ بالواسطہ معلم ہیں جیسا کہ صحابہ کے بلا واسطہ استاد ہیں۔ مفسر نے امین کی تفسیر موجودین سے اور آخرین کی تفسیر امتین کے ساتھ کی ہے جس سے عموم بعثت ثابت ہوئی جو آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

لما یلحقوا۔ یعنی بعد کے آنے والے صحابہ کے ہم پلہ نہیں ہوں گے اور چونکہ صحابہ کی یہ فضیلت مستمر اور دائمی ہے اسی لئے مفسر نے لما کی تفسیر لم کے ساتھ کی ہے۔ تاکہ اس کا منفی ہونا عام رہے برخلاف لما کے وہ صرف متوقع الحصول کی نفی کے لئے آتا ہے۔ اور بعض نے لما یلحقوا سے مراد فضیلت و شرف کی بجائے زمانہ اور وقت لیا ہے۔ یعنی صحابہ کا زمانہ بعد والوں نے نہیں پایا۔ اس صورت میں لما اپنے اصل معنی پر رہے گا۔ یعنی صرف متوقع الحصول کی نفی مراد ہوگی۔ اس صورت میں اگرچہ اس سے تابعی مراد ہیں مگر ترجیح تابعین سے بھی صحابہ بدرجہ اولیٰ افضل ہوں گے۔ اس طرح حدیث خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم سے صحابہ کی برتری تمام بعد والوں پر معلوم ہو رہی ہے کیونکہ ہر پہلا قرن بعد کے قرن سے قریب العہد نبوی کی وجہ سے ہوتا بہتر ہے۔ قرب زمانی کے ساتھ اگر قرب مکانی بھی ہو جائے تو نور علی نور ہے۔ وہیں اس روایت سے درجہ بدرجہ قرون کی ترتیب بھی معلوم ہوتی ہے۔ بعض اہل لطائف و کشف تو یہاں تک محسوس کرتے ہیں کہ باسی کھانے میں بہ نسبت

تازہ کھانے کے زیادہ انوار و برکات ہوتے ہیں۔ عہد نبوت کے قرب کی وجہ سے۔ اور زمانہ نبوت جوں جوں بعید ہوتا جائے گا۔ خیریت سے بھی بعد بڑھتا چلا جائے گا۔ یہی حال قلوب و اعمال کی نورانیت و ظلمت کا ہے۔ بہر حال اول تو امین کی تخصیص ذکر کی ہے۔ اس کا مفہوم مراد نہیں اور ہو بھی تو آیت وما ارسلناک الا کافۃ للناس کے منطوق و معارض نہیں ہو سکتا۔ پھر مفسر نے ”مبعوث فی الامین“ اور ”مبعوث الی الامین“ کے فرق کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

حملوا التورۃ۔ یعنی بے عمل کتاب محض حمالہ بن کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ ان کو کفالہ ہونا چاہیے تھا۔

ان زعمتم۔ قول بلا دلیل کو زعم کہتے ہیں۔ یعنی غیر یقینی انکل پچوا قول زعم کے دائرہ میں آتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ زعم مثلث الحركات ہے۔ حق و باطل، جھوٹ سب پر بولا جاتا ہے۔ لیکن اس کا اکثری استعمال شک کے موقع پر آتا ہے حدیث میں ہے۔ بنس المظلی الوجہ رعم فتمنوا الموت۔ موت سے محبت طبعی مراد نہیں کیونکہ طبعاً موت تو مکروہ معلوم ہوا کرتی ہے بلکہ محبت عقلی مراد ہے جو علامت ولایت بر لقاء محبوب چونکہ مطلوب ہے اور اس کا ذریعہ موت ہے۔ الموت جی یوصل الحبيب الی الحبيب کی رو سے پس موت بھی وصال حبیب کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے مطلوب ہوئی البتہ جو موت کی آرزو دنیا کے مصائب و مشکلات سے گھبرا کر ہو۔ حدیث میں اس کو منع کیا گیا ہے۔ اس لئے اب آیت اور حدیث میں تعارض نہیں رہا۔ کیونکہ شوق آخرت میں موت کی آرزو پسندیدہ ہے۔ اس پر اجر شہادت کا وعدہ ہے اور جو موت کی خواہش جزع فزع کی وجہ سے ہو وہ ناپسندیدہ ہے۔

لا یتمنونه ابدلاً۔ سورۃ بقرہ میں ”لن یتمنوه“ فرمایا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہود سے موت کی تمنا تا کیداً بھی منفی ہے جیسا کہ بقرہ میں ہے۔ اور غیر موکدہ طریقہ پر بھی منفی ہے جیسے یہاں ہے۔ پس ہر حال میں ان سے موت کی تمنا کرنے کی امید نہیں ہے۔ یہ پیشین گوئی فی الحقیقت آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے۔ اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ممکن ہے یہود نے موت کی تمنا کی ہو۔ اس لئے اگر موت کی تمنا کی ہوتی تو ضرور منقول ہوتی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اگر وہ آرزو کرتے تو ضرور موت آجاتی مگر آپ سے مرعوب ہو کر ایسے ڈر گئے کہ دیوار بولے تو بولے مگر وہ نہ بولے۔ اذ انودی۔ اس سے خطیب اور مشیر کے سامنے اذان جمعہ مراد ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اذان آنحضرت ﷺ کے زمانے میں رائج نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں جب زیادہ لوگ ہو گئے اور کاروبار اور مشاغل بڑھ گئے تو صحابہؓ کے مشورہ سے پہلی اذان کا اضافہ کیا گیا۔ جو پہلے مقام زوراء پر چڑھ کر کہی جاتی تھی۔ اور چونکہ سب صحابہؓ کا اس پر اجماع ہو گیا اور خلیفہ راشد کی سنت ہے۔ اس لئے حدیث علیکم بسنتی و سنتہ خلفاء الراشدین کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک آیت کا مصداق اب بھی اذان اول ہوگی۔

صاحب کشاف نے نکتہ چینی کرتے ہوئے اگرچہ کہا ہے کہ اذان اول آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی۔ حضرت عثمانؓ نے جاری فرمائی۔ جیسا کہ حجاج نے اپنے زمانہ میں خطبہ کی اذان اور اذان اول کے درمیان ایک درمیانی اذان کا اضافہ کیا تھا۔ پھر آیت کا مصداق اس کو کس طرح کہا جاسکتا ہے جس کا امام زاہد نے یہ جواب دیا ہے کہ اذان سے بعینہ یہ کلمات مراد نہیں بلکہ وقت کا شروع ہونا مراد ہے اور وہ خطبہ کی اذان پر ہوتا ہے۔ اس وقت دنیاوی معاملات کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر صاحب مدارک اور صاحب ہدایہ مطلق اذان سے اذان اول مراد لے رہے ہیں۔ نیز ذکر اللہ کے اطلاق سے امام اعظمؒ نے یہ سمجھا ہے کہ خطبہ میں صرف سبحان اللہ الحمد للہ پر بھی اگر اکتفا کر لیا جائے تو خطبہ ہو جائے گا۔ البتہ صاحبین کے نزدیک طویل خطبہ شرط ہے جس کو عرف میں کہا جاتا ہے۔ اور امام شافعیؒ دو خطبے فرماتے ہیں۔ پہلے خطبے میں حمد و صلوٰۃ اور وعظ ہونا چاہیے اور دوسرے خطبہ میں حمد و صلوٰۃ کے ساتھ خلفاء اور صحابہ کا ذکر بھی ہونا چاہئے۔ یہ تفصیل تو خطبہ کی ہے لیکن اگر ذکر اللہ سے مراد نماز جمعہ ہو تو چونکہ اسعواجع کا صیغہ ہے اس لئے اس کی رعایت ضروری ہے۔ صاحبین کے نزدیک امام سمیت تین آدمیوں کا ہونا انعقاد جمعہ کے لئے ضروری ہے۔ لیکن امام اعظم امام کے علاوہ تین مقتدیوں کا ہونا ضروری فرماتے ہیں۔ کیونکہ مساعی تین ہونے چاہیں اور ذکر اللہ یعنی خطیب امام ان کے علاوہ ہونا چاہیے۔ نیز ”اذنودی“ سے بھی یہی مفہوم ہو رہا ہے کہ منادی اور ہونا چاہیے اور مساعی اس کے علاوہ ہوں اور امام شافعیؒ کے نزدیک



جمعہ میں چالیس آدمیوں کا اجتماع ہونا چاہیے۔ نیز اگر مقتدی سجدہ میں جانے سے پہلے نماز سے ہٹ جائے تو پھر مستقل طور سے نماز ظہر ادا کرے اور سجدہ کے بعد اگر جماعت سے نکلے تو نماز جمعہ ہی پوری کرے۔ اور صاحبین کے نزدیک تکبیر تحریر کے بعد نکل جانے سے نماز جمعہ پوری کرنی ہوگی۔ اور امام زفر کے نزدیک سلام پھیرنے سے پہلے نکلنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔

فاسعوا۔ اس سے اذان جمعہ کے بعد سعی یعنی نماز جمعہ کی تیاری کا واجب ہونا اور خرید و فروخت وغیرہ کاروبار کا ممنوع ہونا ثابت ہوا، لیکن اگر سعی جمعہ جاری رہتے ہوئے کوئی کاروباری معاملہ کیا جائے جس سے تیاری میں کوئی خلل نہ پڑے تو وہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اور ذکر اللہ سے مراد خطبہ یا نماز جمعہ ہے۔ دونوں کا واجب ہونا اس سے ثابت ہوا۔ قرآن کریم میں یہی آیت ہے جس سے وجوب جمعہ ثابت ہوتا ہے۔ اور ذلکم خیر لکم اس کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ خبریت عام ہے واجب کو بھی شامل ہے۔

من یوم الجمعۃ۔ اذا کا بیان ہے عرب اس دن کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ لیکن اسلام نے عبادتی اجتماع کی وجہ سے اس کا نام جمعہ رکھا۔ یہود کے یہاں یوم السبت اور نصاریٰ کے یہاں یوم الاحد ہی عظمت کے حامل رہے ہیں۔ لیکن جمعہ کی عظمت سب سے بالا ہے۔ جیسا کہ احادیث اور تاریخی اہم واقعات سے ثابت ہے۔ منجانب اللہ امتوں کی رائے اور اجتہاد پر اس دن کے انتخاب کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ لیکن اسلام لانے والے حق کو پاسکے اور دوسرے چوک گئے۔

علامہ انور شاہ کشمیری کی تحقیق اس بارہ میں یہ ہے کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم السبت ہفتہ کا دن ہے۔ اور نصاریٰ کے عقیدہ میں یوم السبت اتوار کا دن ہے۔ اور چونکہ عربی زبان میں سبت کے معنی تعطیل کے آتے ہیں اس لئے علماء اسلام کو بھی اس کی تعین میں مشکل پیش آئی۔ حافظ ابن تیمیہ جیسے محدث و محقق بھی اس مسئلہ میں متردد ہیں اور اس کے قائل ہو گئے کہ یوم السبت بار کا دن ہے۔ اور اس اشکال کو اس سے اور بھی تقویت زیادہ ہو جاتی ہے کہ خود عربی زبان میں یوم السبت سنچر کے دن کو کہتے ہیں۔ لیکن ان کی نظر شاید اس پر نہیں گئی کہ عرب دوز جاہلیت میں دنوں کے یہ نام نہیں تھے۔ جو ان کے یہاں بعد میں مستعمل ہوئے۔ تاریخ پر نظر رکھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ موجودہ نام دراصل یہود کے ایجاد کردہ ہیں اور وہی اس کے واضح ہیں۔ ورنہ پہلے عرب جمعہ کو عروبہ کہتے تھے۔ عروبہ عبرانی لفظ ہے۔ جس کا مفہوم وہی ہے جو ہمارے محاورہ میں عرف کا ہے۔ اردو محاورہ میں ہر اسلامی تہوار سے ایک روز پہلے کو عرف بولتے ہیں۔ بعینہ یہی عرف عروبہ تھا۔ چونکہ یہود ہفتہ ”یوم السبت“ تعطیل کا دن مانتے تھے۔ اس لئے جمعہ کو عرب عروبہ کہتے تھے۔ چنانچہ یہ لفظ مسلمانوں میں بھی رائج رہا۔ بعض احادیث میں بھی یہی لفظ پایا جاتا ہے۔

بہر حال چونکہ ہفتہ کے موجودہ نام یہود سے لئے گئے۔ اس لئے لازمی تھا کہ وہ سبت ہفتہ کے دن کو مانیں اور اتوار کو یوم الاحد یعنی پہلا دن کہیں۔ علماء اسلام نے بھی عرف کا لحاظ رکھا۔ اور ہفتہ کو یوم السبت سمجھا اور جمعہ کی فضیلت کو صرف عہد اسلامی سے شروع مانا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ بات خلاف تحقیق ہے۔ کیونکہ مسند امام شافعی میں روایت ہے کہ ”استواء علی العرش“ جمعہ کے دن ہوا۔ اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ عالم کی تخلیق کی ابتدا سنچر کے دن ہوئی لہذا ان دونوں روایتوں کی بنیاد پر ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ ”یوم الاستواء“ یعنی تخلیق عالم سے فراغت اور تعطیل کا دن جب جمعہ کا تھا اور تخلیق کا آغاز سنچر سے ہوا۔ تو بلا تردید ”یوم السبت“ یقیناً جمعہ ہی کا نام ہے۔ ہفتہ یا اتوار کو سبت کہنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جمعہ کا شرف عہد اسلامی ہی سے نہیں ہے۔ بلکہ تخلیق عالم کی ابتداء ہی سے ہے۔ کیونکہ اس دن ہی اللہ کے استواء علی العرش کی عید تھی۔ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے پوری کائنات کو چھ روز میں پیدا فرمایا اور صحاح کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم کو جمعہ کے روز پیدا فرما کر اس ساتویں روز عید منائی کہ سارے عالم پر اس کے استیلا اور غلبہ اور سلطنت کا اظہار ہو گیا۔ یہی ہے استواء عرش کی حقیقت۔ لیکن جمعہ کے دن حضرت آدم کی تخلیق پر شبہ ہے کہ پھر تو پورا ہفتہ سات دن تخلیق ہی میں گزرے۔ پھر یوم السبت یعنی تعطیل کا دن کہاں ہوا؟ لیکن تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ قدس سرہ نے اس کا حل یہ کیا ہے کہ وہ جمعہ جس میں حضرت آدم کی تخلیق ہوئی۔ ان چھ دنوں سے متصل جمعہ نہیں تھا۔ جن میں تخلیق عالم ہوئی۔ جیسا کہ عام طور پر علماء محدثین نے سمجھا ہے بلکہ بعد کا کوئی جمعہ ہوگا۔

اس طرح چھ دنوں میں تخلیق عالم بھی ہو جاتی ہے اور جمعہ کے تخلیق آدم بھی اور جمعہ یوم السبت بھی رہتا ہے اور کوئی خلجان نہیں رہتا۔ صحاح کی حدیث میں ہے کہ اللہ نے ہمارے لئے جمعہ کو پسند فرمایا اور دوسری امتوں نے اس کو ٹال دیا۔ نصاریٰ نے اتوار کو یہود نے بار کو پسند کر کے تعطیل کا دن قرار دیا۔ محدثین نے اس کو دو تو جیہیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ عید اور جشن کے دن کا انتخاب امتوں کی رائے اور اجتہاد پر رکھا گیا تھا۔ امت محمدیہ جواب کو یا گئی اور دوسری امتیں محروم رہیں۔ دوسری توجیہ یہ کہ حق تعالیٰ نے دوسری امتوں پر بھی جمعہ کا دن قرار دیا تھا۔ مگر ان لوگوں نے اپنی اغراض و مصالح کے پیش نظر اس کو پسند نہیں کیا۔ بلکہ انبیاء وقت کو اس میں تنگ کیا کہ وہ اس دن کو تعطیل کا دن نہ رہنے دیں۔ مگر امت محمدیہ نے اس نعمت کو برضا و رغبت قبول کر لیا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔

اور سعی سے مراد مطلق چلنا نہیں ہے ورنہ فاشوا کہا جاتا ہے اور نہ دوڑ دھوپ یا بھاگنا مراد ہے کیونکہ حدیث میں ہے اذا اقيمت الصلوة فلا تاتوها تسعون۔ بلکہ جلد تیاری کرنا مقصود ہے۔ البتہ فی الجملہ لپک کر جمعہ کے لئے چلنا بہتر ہے۔ اسی طرح ”وذرو البیع“ سے مراد مطلق مشاغل دنیا چھوڑ دینا ہے۔ اور خرید و فروخت کی تخصیص اس لئے کی کہ اس وقت یہ بکثرت ہوتی ہے۔ یعنی دنیا کا کاروبار چھوڑ کر آخرت کے کاروبار میں لگوا، اہل اصول کہتے ہیں کہ افعال شرعیہ خرید و فروخت وغیرہ سے چونکہ ممانعت ہو رہی ہے اس لئے اذان جمعہ کے بعد خرید و فروخت باطل شروع اور بوضفہ غیر مشروع رہے گی، لیکن اگر خرید و فروخت نماز جمعہ کی تیاری میں نکل نہ ہو تو پھر اس کی اجازت ہوگی، یہی وجہ ہے کہ نماز کے بعد یہ ممانعت اباحت سے بدل گئی۔ کیونکہ ممانعت کے بعد حکم اباحت کے لئے ہوا کرتا ہے۔ پس فاذا قضيت الصلوة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ ایسے ہی ہے جیسے دوسری جگہ اذا حللتهم فاصطادوا فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ امام زہد کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد خرید و فروخت کی اجازت پر یہ آیت دلیل ہے۔ اور جو طلب حلال اور طلب علم دونوں کو فرض بعد الفرض کہتے ہیں وہ اس حکم کو واجب کہتے ہیں۔ لیکن فانتشروا سے مراد اگر علماء صلحاء کی زیارت اور مریضوں کی عیادت ہو تو پھر یہ حکم مستحب ہوگا۔ البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اس وقت نکاح، ہبہ صدقہ کے علاوہ دوسرے معاملات کرنے سے منع ہو جائیں گے اور وہ سامان واپس کیا جائے گا اور سامان نہ ہو تو قیمت یوم القبض دلائی جائے گی، عطاء سے منقول ہے کہ جب پہلی اذان ہو جائے تب خرید و فروخت، صنعت و حرفت، کتابت، سونا، بیوی کے پاس جانا، کھیل تفریح منع ہے۔ بہر حال اس سے اصولیوں کی یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ قضاء کا لفظ بول کر ادا مراد لی جاسکتی ہے، جیسا کہ اس کا برعکس بھی صحیح ہے اور ”فابلا مہلت تفریع کے لئے ہے، یعنی نماز کے فوراً بعد کاروبار میں لگ جاؤ، اس میں اشارہ ہے کہ اس نماز کے بعد نماز فرض نہیں ہے، پس نماز جمعہ کے بعد ظہر نہ پڑھے، اور ”واذکروا اللہ“ کے معنی یہ ہیں کہ کاروبار میں لگنے کے بعد ذکر اللہ بالکلیہ مت چھوڑ دو، بلکہ ذکر خاص یعنی خطبہ نماز اگر چہ ہو گیا ہے تاہم ذکر عام ہر حال میں جاری رہنا چاہئے۔

واذا رأت التجارۃ، جب نماز کے وقت کاروبار کی اجازت نہیں تو لہو و لعب اور خرافات کی کیسے اجازت ہوگی۔

”اولہوا“ میں او معنی واو ہے ممکن ہے بعض افراد خطبہ چھوڑ کر خرید و فروخت کے لئے اور بعض لوگ شادی بیاہ کے کھیل تماشہ میں شرکت کے لئے چلے گئے ہوں، صاحب مدارک کہتے ہیں ”وترکوا لقاہما“ سے معلوم ہوا کہ خطیب کھڑے ہو کر خطبہ دے اور نماز شروع ہونے کے بعد اگر مسلمان بازار چلے گئے تو قیام نماز مراد ہوگا، بظاہر آیت میں تمام مسلمانوں کو اگرچہ عام خطاب ہے لیکن مراد خاص مکلفین ہیں، یعنی آزاد، عاقل، بالغ، تندرست، مقیم، مسلمان مرد جس کی آنکھ، پاؤں سلامت ہوں، چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں الجمعة واجب علی کل مسلم فی جماعة الا علی اربعة عبد مملوک او امرأة او صبی او مریض،

یہ تخصیصات اس نص کو قطعیت سے خارج نہیں کریں گی، جیسے نماز، زکوٰۃ، حج، روزوں کی تخصیصات ان کی قطعیت کے خلاف نہیں ہیں، چنانچہ وجوب جمعہ کی جس طرح چھ شرائط ہیں اسی طرح ادائے جمعہ کے لئے بھی شرائط ہیں، جو حسب ذیل ہیں، شہر یا قریہ کبیرہ، جس میں شہری ضروریات مہیا ہوں، حاکم وقت، وقت ظہر، خطبہ، جماعت، اجازت عام، شہریت چونکہ ہر زمانہ کی مختلف رہی ہے، اسلئے کتابوں میں شہریت کی

مختلف تفسیریں ملتی ہیں۔ ان شرائط کے پائے جانے میں جن کو تاثر رہبانوں نے جمعہ کے بجائے ظہر کو اختیار کر لیا، اور بعض احتیاط الظہر بھی جمعہ کے ساتھ ادا کرتے ہیں، پھر جہاں پہلے سے جمعہ باوجود شرائط نہ ہونے کے قائم ہو بعض اس میں نرمی کو پسند کرتے ہیں اور اس کو جاری رہنے دینے کو پسند کرتے ہیں، (تفسیرات احمدی، مکتوب فارسی مولانا قاسم نانوتوی)

واستغوا، مفسر نے مقدر مانا ہے اور من فضل اللہ کو وصلہ مانا ہے لیکن بعض نے فضل اللہ سے رزق مراد لیا ہے، مرفوع روایت میں ہے ”لیس یطلب دنیا ولكن حضور جنازة و عیادة مریض“  
خیر الرازقین، غیر اللہ کو لغت رازق کہا گیا، حقیقی رازق اللہ ہے۔

رابط آیات: ..... سورۃ صف میں کفار کا مستحق قتل ہونا اور توحید و رسالت کا برحق ہونا بیان فرمایا گیا تھا اس سورۃ کی ابتداء میں توحید و رسالت کا اثبات اور منکرین کا مستحق مذمت و وعید ہونا ارشاد ہے اور چونکہ یہودی دھمکی رگ حرص و طمع اور محبت دینا ہے، اس لیے دوسرے رکوٰغ میں احکام جمعہ کے ذیل میں مسلمانوں کو دنیا کی بجائے آخرت کی ترجیح کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز دونوں صورتوں کے اخیر میں تجارت کا ذکر ہے، پہلی میں اخروی تجارت کا اور دوسری میں دنیاوی تجارت کا۔

شان نزول و روایات: ..... ان زعمتم انکم اولیاء، یہود خود کو ابناء اللہ و احبابہ کہتے تھے اور یہ کہ لا یدخل الجنة الا من کان ہودا او نصاری، اس کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، مدینہ طیبہ میں غلہ کی کمی ہو گئی، لوگ بھوک سے پریشان تھے کہ دجیہ کلبی بن خلیفہ تجارتی سامان لے کر شام سے آئے، اور بازار میں ایسے وقت دف سے اعلان ہو رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، لوگ اعلان سنتے ہی خطبہ چھوڑ کر بازار کی طرف ہو گئے، صرف بارہ حضرات جن میں عشرہ مبشرہ بھی تھے، خطبہ میں بدستور حاضر رہے۔ عشرہ مبشرہ کے علاوہ ملا و ملاں اور ابن مسعود بھی تھے ایک روایت میں ابن مسعود کے بجائے عمار کا نام ہے، اور مسلم کی روایت میں جابر کا نام بھی ہے، اور ابن مردویہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ بارہ مرد اور سات عورتیں رہ گئی تھیں، اور بعض نے آٹھ اور بعض نے چالیس افراد کا کہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لو خرجوا کلہم لا یضطرم المسجد علیہم فارا اس زمانہ میں عید کی طرح جمعہ میں بھی نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہوا کرتا تھا، جانے والے یہ سمجھے کہ نماز تو ہو چکی ہے، خطبہ میں چلے جانے کا کوئی مضائقہ نہیں ہے، تب یہ آیات نازل ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد پھر نماز جمعہ سے پہلے خطبہ مقرر فرما دیا، لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ خطبہ پہلے ہوتا تھا، تو جانے والوں کا ارادہ جلد واپسی کا ہوگا، پھر صحابہ کی ابتدائی حالت تھی اور زمانہ قحط کا تھا پھر اجلہ صحابہ بچے رہے، پھر اجتہادی خطہ ہوئی، اس لئے گنجائش اعتراض بالکل نہیں ہے۔

﴿تشریح﴾ ..... فی الامین، عرب کو امی (ان پڑھ) اس لئے کہا کہ ان میں علم و ہنر کچھ نہ تھا، اور نہ کوئی آسمانی کتاب ان کے پاس تھی، معمولی لکھنا پڑھنا بھی بہت کم آدمی جانتے تھے، پورے ملک میں شاید انگلیوں پر گنے جاسکتے ہوں، ان کی جہالت وحشت و بربریت سرب المثل تھی، بت پرستی، اوہام پرستی، فسق و فجور کا نام ملت ابراہیمی رکھ چھوڑا تھا، تقریباً ساری قوم اسی طرح کی گمراہیوں میں بھٹک رہی تھی کہ اللہ نے اسی قوم میں سے ایک رسول بھیجا، جس کا امتیازی لقب نبی امی تھا مگر علوم البیہ کی روشنی سے سارے عالم کو جگمگا دیا۔

خاتم النبیین اور امام اعظم کے متعلق پیشین گوئی: ..... و آخرین منهم، یعنی رسول قیامت تک آنے والی ساری دنیا کے لئے بھی ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت سے اس دوسری قوم کی نسبت پوچھا گیا، تو آپ نے سلمان فارسی کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا

کہ علم یارین اگر ثریا پر بھی پہنچے گا، تو اس کی قوم فارس کا مرد وہاں سے بھی لے آئے گا، شیخ جلال الدین سیوطی وغیرہ علماء کبار نے تسلیم کیا ہے کہ اس کا بڑا مصداق امام اعظم ابو حنیفہ ہیں جو فارسی النسل ہیں، تاہم فارس کی یہ تخصیص شرف کے لئے ہے حصر کیلئے نہیں ہے، چنانچہ آج دنیا کے ہر گوشہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خوشہ چیں پہنچ گئے ہیں، سارا عرب و عجم اسلام کے حلقہ بگوشوں سے بھر ہوا ہے، نیز تقریباً دو تہائی مسلمان ابو حنیفہ کے ماننے والے ہیں۔

حملوا التوراة، بلاشبہ تورات جس کے بنی اسرائیل حامل بنائے گئے تھے، حکمت و ہدایت کا ایک ربانی خزینہ تھا، مگر جب وہ اس سے مستفید نہ ہوئے تو وہی مثال ہو گئی ”نہ محقق شدی نہ دانشمند، چار پایہ برو کتابے چند“ ایک گدھے پر علم و حکمت کی کتنی کتابیں لاد دو، بوجھ میں دبنے کے سوا اسے کچھ پتہ نہیں، وہ تو صرف گھاس کی تلاش میں ہے، اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ پیٹھ پر لعل و جواہر لدے ہوئے ہیں یا سنگریزے، وغرف، اگر وہ محقق اسی پر فخر کرنے لگے کہ دیکھو میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں، لہذا میں بڑا عالم اور معزز ہوں، تو یہ اور بھی زیادہ گدھا بن ہوگا۔

علامت ولایت:..... ان زعمتم۔ اس گدھے پن اور جبل مرکب اور حماقت کے باوجود دعویٰ یہ ہے ہم ہی بلا شرکت غیرے اللہ کے دوست اور ولی، اور جنت کے تہا و حقدار ہیں، بس دنیا سے چلے اور جنت میں پہنچے، لیکن واقعی دل میں اگر یہی یقین ہے اور اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو دنیا کے مکدر عیش سے دل برداشتہ ہو کر محبوب حقیقی کے اشتیاق میں اور جنت الفردوس کی تمنا میں مرنے کی آرزو کرتے، جب کہ ارشاد نبوی ہے،

لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم احی ثم اقتل، اسی طرح صحابہ کرام اور اہل اللہ بھی وصال جاناں کے آرزو مند رہتے ہیں، دنیا کی مصیبتوں اور سختیوں سے گھبرا کر نہیں کہ وہ تمنا تو ناپسندیدہ ہے بلکہ شوق محبوب اور لقاء آخرت میں موت کو عزیز و محبوب سمجھتے تھے۔

غدا نلقى الاحبة (محمد و حزبہ) اور یا حبذا الجنة واقتر بها۔ طیبة و باردا شربھا۔ نیز حنیب جاء علی ناقۃ اور یا بسی لا یبالی ابو ک سقط علی الموت او سقط علیہ الموت۔ لیکن ان جھوٹے مدعیوں کے انحال و حرکات پر نظر ڈال کر دیکھو کہ ان سے بڑھ کر موت سے ڈرنے اور گھبرانے والا کوئی نہیں ہے، مرنے کا نام سن کر گھبراتے اور بھاگتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ زیادہ دن زندہ رہیں تو زیادہ نیکیاں کمائیں گے۔ بلکہ اس لئے کہ اول تو دنیا کی حرص سے ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ دوسرے سمجھتے ہیں کہ جو کر توت ہم نے کئے ہیں یہاں چھوٹے ہی ان کی سزا میں پکڑے جائیں گے۔ جو دم گزر رہا ہے، غنیمت ہے۔ گائے قصائی کے سامنے جانے سے جس طرح ڈرتی ہے وہی حال ان کا موت کے تصور سے ہے۔ کیونکہ ان کو اپنا انجام بد معلوم ہے۔ اس لئے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس آرزو کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں ہے کہ کوئی یہودی اس وقت اگر موت کی تمنا کر گزرتا تو فوراً اچھو لگ کر ہلاک ہو جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو جھوٹ موٹ بھی ہمت نہیں ہوئی۔ حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن قیمؒ نے اس کو مبالغہ پر محمول کیا ہے۔

نشان عداوت: قل ان الموت۔ یعنی موت سے ڈر کر کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ ہزار کوشش کریں مضبوط قلعوں میں بند ہو کر بیٹھ رہیں۔ وہاں بھی موت چھوڑنے والی نہیں۔ آخر مرنے کے بعد پھر وہی اللہ کی عدالت ہوگی اور تم ہو گے۔

اذا نودی۔ یہاں مسلمانوں کو بروقعہ ہدایت کی گئی کہ تم یہودی طرح دنیا کے دھندوں میں لگ کر اللہ کی یاد اور موت کے تصور کو فراموش مت کرو خصوصیت سے جمعہ کا وقت بھی ایسا ہے کہ اس میں کاروبار و زوروں پر ہوتا ہے۔ اس وقت تم دنیا کے کام میں نہ لگو بلکہ پوری توجہ اور خاموشی سے خطبہ سنو اور نماز ادا کرو۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی خطبہ کے وقت بات چیت کرے وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لدی ہوئیں۔ یعنی وہ

یہود کی طرح ہے جن کی مثال گدھے کی سی ہے۔

اذان و جمعہ کا حکم: ... یا ایہا الذین امنوا۔ عام مخصوص البعض ہے کیونکہ بعض پر جمعہ فرض نہیں ہے اسی طرح ہر اذان کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ کاروبار کر کے بھی عام نمازوں میں جماعت مل سکتی ہے اور جمعہ ایک ہی جگہ پر ہوتا ہے پھر کہاں ملے گا۔ اس لئے اذان جمعہ مراد ہے قرآن میں جس اذان کا ذکر ہے وہ خطبہ والی اذان ہے لیکن اس سے پہلے والی اذان جو صحابہ کے اجماع سے دور عثمانی میں مقرر ہوئی۔ کاروبار کی ممانعت میں اس کا حکم بھی قدیم اذان خطبہ کی طرح ہے۔ علت کے اشتراک سے حکم بھی مشترک ہوا کرتا ہے۔ البتہ اتنا فرق رہے گا کہ یہ حکم اذان قدیم میں تو منصوص اور قطعی ہوگا۔ اور اذان اول جدید میں ظنی اور اجتہادی ہوگا۔ اس سے تمام اشکال رفع ہو گئے اور ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے۔ مگر نماز بھی اس کے عموم میں داخل ہے۔ یعنی ایسے وقت میں پہنچ جانا چاہیے کہ خطبہ سن سکے اور جماعت میں شریک ہو سکے۔

لطائف سلوک۔ اذ بعث فی الامین رسولا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسباب عادیہ میں علم کا اضافہ موقوف نہیں ہے۔ پس امتیت کے ساتھ ولایت جمع ہو سکتی ہے۔ یعنی امی شخص ولی ہو سکتا ہے۔ البتہ ضروری شرعی امور کا جاننا ضروری ہے۔ اگرچہ بغیر رسمی تعلیم کے ہو۔ ویز کیہم۔ روح المعانی میں بعض کا قول ہے کہ یتلو علیہم میں اشارہ ہے۔ افاضہ قلبیہ کی طرف اور یز کیہم میں افاضہ قلبیہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ایک فرد توجہ اور رابطہ بھی ہے۔ اور رابطہ کا ثبوت نقلی دلیل پر موقوف نہیں۔ اس کی برکت مشاہدہ سے ثابت ہے۔ و آخرین منہم۔ روح المعانی میں ہے کہ بعض کے نزدیک یعلمہم کی ضمیر مغلوب پر آخرین کے عطف میں اشارہ ہے کہ حضور ﷺ کا فیضان امت پر قیامت تک جاری رہے گا اور اولیاء اللہ آپ کے وارث ہیں ان کا فیض بھی وفات کے بعد جاری رہتا ہے۔ مثل الذین حملوا التورۃ۔ اس میں اشارہ ہے اس شخص کی بد حالی کی طرف جو علم کے باوجود انکار کرے۔ ان زعمتم انکم اولیاء۔ اس سے معلوم ہوا کہ موت کی تمنا اگرچہ عقلی ہو۔ علامات ولایت میں سے ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مدعی حال کا امتحان ہونا چاہیے۔

فاذا قضیت الصلوۃ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دینی مصالح نشاط و فرحت کی خاطر بعض مباحات میں مشغول ہونا بھی مطلوب ہے بشرطیکہ دین پر ان مباحات کو ترجیح نہ دی جائے۔ اور روح المعانی میں ہے کہ اس عتاب میں اشارہ ہے کہ مریدین سے جب کوئی غلطی ہو جائے تو ان کی تادیب و تربیت کی جائے۔

## سُورَةُ الْمُنَافِقُونَ

سورة المنافقون مدنية احدى عشرة اية

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا بِاللَّيْتِ نَاسْتَعِيزُكَ عَلَىٰ خِلَافِ مَا فِي قُلُوبِهِمْ نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ بِعَلَمٍ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ﴿٢﴾ فِيمَا أَصْمَرُوهُ مُخَالَفًا لِمَا قَالُوهُ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً سُرَّةَ عَنْ أَمْوَالِهِمْ وَدِمَائِهِمْ فَصَدُّوا بِهَا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَيَّ عَنِ الْجِهَادِ فِيهِمْ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣﴾ ذَلِكَ أَيُّ سَوَاءٍ عَمَلِهِمْ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا بِاللِّسَانِ ثُمَّ كَفَرُوا بِالْقَلْبِ أَيُّ اسْتَمَرُّوا عَلَىٰ كُفْرِهِمْ بِهٖ فَطُبِعَ خَتَمٌ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ بِالْكَفْرِ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٤﴾ الْإِيمَانُ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ لِحِمَالِهَا وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ لِفَصَاحَتِهِ كَانَهُمْ مِنْ عَظِيمِ أَجْسَامِهِمْ فِي تَرْكِ التَّفَهُمِ خُشْبٌ بِسُكُونِ الشَّيْنِ وَضَمِّهَا مُسْنَدَةٌ مُمَالَةً إِلَى الْجِدَارِ يَحْسِبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ تُصَاحُّ كِبْدَاءٍ فِي الْعُسْكَرِ وَإِنْ شَاءَ ضَالَّةٌ عَلَيْهِمْ لِمَا فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الرَّغْبِ أَنْ يَنْزِلَ فِيهِمْ مَا يُبَيِّحُ دِمَاءَهُمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرُهُمْ فَإِنَّهُمْ يُفْشُونَ سِرَّكَ لِلْكَفَارِ قَاتِلُهُمُ اللَّهُ أَهْلَكُهُمْ أَنْ يُوَفِّكَوْنَ ﴿٥﴾ كَيْفَ يُصْرِفُونَ عَنِ الْإِيمَانِ بَعْدَ قِيَامِ الرِّهَانِ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا مُعْتَذِرِينَ يَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّاءُ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ عَظَفُوا رُءُوسَهُمْ وَرَأَى يَتَهُمْ يَصْلُتُونَ يُعْرِضُونَ عَنْ ذَلِكَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٦﴾ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَا سَتُغْفَرُ لَهُمْ لِبِئْسَ مَا هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٧﴾ هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا أَنْصَارَ لَنَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ حَتَّىٰ يَنْفَضُوا يَتَرَفَّقُوا عَنْهُ وَاللَّهُ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِالرِّزْقِ فَهُوَ الرَّازِقُ لِلْمُهَاجِرِينَ وَغَيْرِهِمْ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨﴾ يَقُولُونَ لَنْ رَجَعْنَا إِلَىٰ مِنْ غَزَاةٍ بَنَى

الْمُصْطَلَقِ إِلَى الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجَنَّ أَلَا عَزَّ عَنْهُمْ بِهِ أَنْفُسَهُمْ مِنْهَا أَذَلُّ عَنَّا بِهَ الْمُؤْمِسِ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ  
الْغَسَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸﴾ ذَلِكَ لِأَنَّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ  
تُشْعِلُكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ  
هُمْ الْخَسِرُونَ ﴿۹﴾ وَأَنْفَقُوا فِي الزَّكَاةِ مِمَّا رَزَقْنَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ فَيَقُولَ  
رَبِّ لَوْلَا لَوْ بَمَعْنَى هَلَا أَوْ لَا زَائِدَةٌ وَلَوْ لَنَمْنَى أَخْرَجْتَنِي إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصْدَقَ بِإِدْغَامِ النَّاءِ فِي  
الْأَصْلِ فِي الصَّادِ أَتَصَدَّقُ بِالزَّكَاةِ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۰﴾ بَأَنَّ أَحَجَّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى  
عَنْهُ مَا قَصَرَ فِي الزَّكَاةِ وَالْحَجَّ إِلَّا سَأَلَ عِنْدَ الْمَوْتِ وَلَنْ يُؤَخَّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجْلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ  
بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ

ترجمہ: ..... سورۃ منافقون مدنیہ ہے جس میں گیارہ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو  
(دلوں کے برخلاف زبانوں سے) کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ تو اللہ جانتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں  
اور اللہ گواہی دیتا ہے (جانتا ہے) کہ یہ منافق جھوٹے ہیں (زبان کے برخلاف جو کچھ چھپاتے ہیں اس میں) ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپرینا  
رکھا ہے (مال و جان کے لئے ڈھال) پھر یہ لوگ اللہ کی راہ میں (جہاد) سے روکتے ہیں۔ بے شک ان کے اعمال بہت ہی برے ہیں۔ یہ ان  
(کی بد عملی) اس لئے ہے کہ یہ لوگ (صرف زبانی) ایمان لے آئے مگر کافر رہے (دل سے یعنی اپنے کفر پر جتے رہے) سو ان کے دلوں پر (ان  
کے کفر کی وجہ سے) مہر کر دی گئی ہے اس لئے یہ (ایمان) کو نہیں سمجھتے اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قدم و قامت (خوب صورتی) میں آپ کو  
خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کرنے لگیں (تو فصاحت و بلاغت کی وجہ سے) آپ ان کی باتیں سننے لگیں گویا یہ (ذیل ڈول کے باوجود) سمجھ  
ہونے میں (لکڑیاں ہیں) (شین کے سکون و ضمہ کے ساتھ) جو ٹیک دی گئی ہیں (دیوار کے سہارے کھڑی کر دی گئی ہیں) ہر غل غپاڑہ کو (جو لشکر  
میں کسی منادی یا گم شدہ چیز کے اعلان کی وجہ سے ہو) اپنے اوپر خیال کرنے لگتے ہیں (دل میں رعب پیدا ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ  
ہمارے قتل کے بارے میں کوئی حکم آیا ہے) یہی لوگ دشمن ہیں آپ ان سے ہوشیار رہیے (کیونکہ کافروں سے آپ کے راز یہی اگلتے ہیں) اللہ  
انہیں غارت (برباد) کرے۔ یہ کہاں پھرے جاتے ہیں (دلیل قائم ہونے کے باوجود یہ ایمان سے کیسے روگردانی کر رہے ہیں، اور جب ان  
سے کہا جاتا ہے کہ (معذرت خواہ بن کر) آؤ تمہارے لئے رسول اللہ استغفار کریں تو پھر لیتے ہیں (تشدید و تخفیف کے ساتھ ہے) اپنے سر اور  
آپ ان کو دیکھیں گے کہ بے رخی (اس سے کنارہ کشی) کرتے ہیں، تکبر کرتے ہوئے ان کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں۔ خواہ آپ ان کے لئے  
استغفار کریں (ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل کی ضرورت نہیں رہی) یا ان کے لئے استغفار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ بلاشبہ  
اللہ تعالیٰ ایسے نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ وہ ہیں جو (اپنے انصار بھائیوں سے) کہتے ہیں کہ جو لوگ اللہ و رسول کے پاس (باجرین)  
کے خزانے (رزق کے، ہنذا مہاجرین وغیرہ کا وہی روزی رساں ہے) لیکن منافقین سمجھتے نہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ اگر ہم اب (غزوہ بنی مصطلق  
سے) مدینہ لوٹ جائیں گے تو نکال باہر کرے گا عزت والا (مراد خود ہیں) وہاں سے ذلت والے کو (یعنی مسلمانوں کو) اور عزت (غضب) اللہ ہی  
کی ہے اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی۔ لیکن منافقین (اس کو) جانتے نہیں ہیں۔ اے اہل ایمان تمہیں غافل نہ کرنے پائیں۔ تمہارے



مال و اولاد، یا دہلی (بچ وقتہ نمازوں) سے اور جو ایسا کرے گا ایسے ہی لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔ اور (زکوٰۃ میں) خرچ کرو۔ اس میں سے کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے۔ اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آکھڑی ہو۔ پھر وہ کہنے لگے کہ کیوں نہ (لونا بمعنی حلا ہے یا لانا زائد ہے اور لونا تمنائیہ ہے) مجھ کو تھوڑے دنوں کی مہلت دے دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا (اصل میں ناکو صادمیں ادغام کر دیا، میں زکوٰۃ دے لیتا) اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا (حج کر لیتا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو شخص زکوٰۃ حج میں کوتاہی کرتا ہے وہ مرنے کے وقت دنیا میں رہنے کی ضرورت درخواست کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جب کہ اس کا وقت آ جاتا ہے ہرگز مہلت نہیں دیا کرتا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے (تعلمون تالور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے)۔

**تحقیق و ترکیب۔** سورۃ المنافقون۔ اس کا مدنی ہونا اور گیارہ آیات پر مشتمل ہونا بالا جماع ہے۔

اذا جاء لك المنافقون۔ عبد اللہ بن ابی اور اس کے رفقاء مراد ہیں۔ جواب شرط قالو ہے اور بعض نے محذوف کہا ہے۔ ای فلا تقل منهم لیکن بعض نے اتخذوا ایمانہم کو جواب کہا ہے۔ مگر وہ بعید ہے۔

واللہ یعلم جملہ معترضہ۔ ہے نشہد اور واللہ یشہد کے درمیان اور اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر یہ جملہ نہ لایا جاتا تو شبہ رہتا کہ ممکن ہے منافقین کا رسول اللہ کہنا فی نفسہ غلط ہے۔ اب اس وہم کا ازالہ کر دیا۔

ان المنافقین لکاذبون۔ یعنی اس قول میں کاذب نہیں۔ بلکہ ان کے دل میں جو رسالت کا انکار چھپا ہوا ہے اس میں جھوٹے ہیں۔ اس لئے نظام معزلی کا صدق و کذب کی تعریف میں اعتقاد کے مطابق ہونے نہ ہونے کی قید لگا کر اس آیت سے استدلال کرنا غلط ہوگا۔ معلوم ہوا کہ صرف واقعہ کی مطابقت عدم مطابقت کا لحاظ کیا جائے گا۔ نہ صرف اعتقاد و واقعہ دونوں کی مطابقت غیر مطابقت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس لئے صدق اور کذب کے درمیان واسطہ ثابت کیا جاسکے اور مشہور جواب نظام کا یہ ہے کہ منافقین کا اس خبر کو شہادت کہنا یا اس کو شہادت کا نام دینا نہ بیانی ہے۔ کیوں کہ شہادت دل سے ہوا کرتی ہے اور ان کی یہ خبر دل سے نہیں ہے۔ بلکہ اوپر دل سے ہے۔ جس کو خبر کہنا چاہیے تھا۔ اور ایک جواب یہ بھی ہے کہ منافقین اس خبر واقعی کو صادق کے بجائے کاذب سمجھتے ہیں یعنی فی الواقع یہ کاذب ہیں۔ بلکہ اپنے زعم قاسد میں کاذب ہیں کہ نبی نے خلاف واقعہ بات کہی ہے۔ یا لا تفقوا علی من عند رسول اللہ حتی یفصوا اور ولئن رجعا الی المدینۃ ان اقواں کے کاذب میں کاذب ہیں۔ اس طرح یہ پانچ جواب ہو گئے ہیں۔ پہلا جواب مفسر کا ہے۔

ماہم امنوا۔ مفسر نے باللسان کہہ کر یہ شبہ دور کر دیا کہ منافقین کا دلی ایمان مراد نہیں۔ صرف زبانی اقرار مراد ہے۔

اتخذوا ایمانہم۔ اس آیت میں شہادت پر یمین کا اطلاق کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ لفظ شہادت سے بھی یمین ہو جاتی ہے۔ جس کا پورا کرنا ضروری ہے ورنہ کفارہ ضروری ہوگا۔ چنانچہ کشاف، مدارک اور تفسیر زاہد یہ میں ایسے ہی ہے۔ صاحب ہدایہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ البتہ اگر ایمان سے مراد منافقین کا جھوٹا حلف لیا جائے۔ یا ایمان کسرہ، ہمزہ کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر یمین کی بحث اس سے متعلق نہیں ہوگی۔ حسب مسدۃ۔ جس طرح بے کار لکڑی دیوار سے لگا کر ایک طرف رکھ دی جاتی ہے۔ یہی حال منافقین کے ناکارہ ہونے کا ہے۔ بلی کا و لینے کا نہ پوتے کا۔

کل صبحۃ، یحسبون کا یہ مفعول اول ہے اور علیہم مفعول ثانی ہے، مستغفرت میں ابتدا بالسکون ہے چونکہ ہمزہ استفہام سے ہو گیا ہے۔ اس لئے ہمزہ وصل کی ضرورت باقی نہیں رہی، ورنہ لفظ سواء کے بعد آنے کی وجہ سے تسویر کے معنی بدستور ہیں۔ لنن رجعنا۔ صحیحین کی روایت میں غزوہ بنی المصطلق سے واپسی مراد ہے۔ لیکن امام نسائی غزوہ تبوک سے واپسی کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر اسی کو ترجیح دے رہے ہیں۔

عن ذکر اللہ۔ بن مردویہ ابن عباسؓ سے مرفوع روایت تخریج کرتے ہوئے اور ابن منذر، عطاء اور ضحاکؓ سے تخریج کرتے ہوئے ذکر اللہ سے

بنیوقتہ نمازیں مراد لیتے ہیں۔

انفقوا۔ ابن منذر ضحاک سے زکوٰۃ اور نفقہ حج مراد لیتے ہیں۔ اور ترمذی ابن عباس سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں۔ من کان له مال یلعه حج بیت ربہ او معجب علیہ الزکوٰۃ فلم یفعل مال الرجعة عند الموت فقال بہ رجل یا ابن عباس اتق الله فاما یسال الرجعة الکفار فقال سائلوا علیکم بذلك قراناً فقرا الاية۔ اس لئے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ اہل توحید نہیں ہیں۔ ورنہ دنیا میں دوبارہ آنے کی تمنا کیوں کرتے۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ طبعی موت آنے سے پہلے وجود حقیقی حاصل کرنے کے لئے ارادہ روحانی سے وجود مجازی کا اتفاق کر دینا چاہیے۔ ورنہ حیات جاودانی سے محروم ہو کر جاہلیت کی موت مرے گا۔ کیونکہ نفس اللہ کی معرفت سے جاہل ہے اور حیات ابدی معرفت حقیقی کا نام ہے۔ اور وہ بلا نفس و طبیعت کی موت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس جو شخص اس موت ارادی کو نہیں چکھے گا۔ وہ طبعی موت کے وقت دنیا میں لوٹنے کی تمنا کرے گا۔ تاکہ برضاء و رغبت وجود مجازی کو تصدیق کر دے اور وجود حقیقی سے ہمکنار ہو کر زمرہ صالحین میں داخل ہو جائے۔

لن یؤخر الله۔ یہ جملہ مستانفہ ہے نکرہ منفیہ ہونے کی وجہ سے عام ہے۔ اس سوال کا جواب ہے کہ هل یؤخر الا جل هذا التمنی۔

رابط آیات: سورہ صاف میں یہود کا ذکر تھا۔ اس سورۃ میں منافقین کا ذکر ہے جو اکثر یہود تھے۔ نیز پچھلی صورت کے اخیر میں آخرت کو دنیا پر ایثار کرنے کا ذکر تھا۔ اس صورت کے اخیر میں بھی یہی ذکر ہے۔ اور یہ مضمون منافقین کے حال کے مطابق ہی تھا کیونکہ وہ مال و اولاد پر گھمنڈ کیا کرتے تھے۔ اس مال و اولاد سے قلب کو غلو کے ساتھ وابستہ کرنے کی ممانعت ہے۔

شان نزول: غزوہ تبوک یا غزوہ بنی المصطلق میں حجاجہ بن اسید مہاجر اور سان جہنی انصاری کے درمیان پانی پر لڑائی ہو گئی۔ سان انصاری عبد اللہ بن ابی کا حلیف تھا۔ مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا تو ایک مہاجر نے بڑھ کر سان کو طمانچہ مارا۔ تو عبد اللہ اپنے حلیف کی حمایت میں بڑھا۔ ما صحبنا محمد الا نلتطم وجوهنا الله ما مثلنا ومثلهم الا کما قال القائل سمن کلبک یا کلبک اماوا لله لنن رجعنا الی المدینة لیخرجن الا عز منها الاذل۔ پھر اپنے آدمیوں سے کہنے لگے۔ ماذا فعلتم بانفسکم قد انزلتموہم بلادکم وقاسمتموہم فی اموالکم اماوا الله لو امسکتم عنہم فضل الطعام لتحولوا من عند کم فلم تنفقوا علیہم حتی ینفضوا من حول محمد۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تم نے ان پر دیسیوں کو روٹیاں کھلا کھلا کر بگاڑ دیا۔ اب مدینہ جا کر ان کو خرچ دینا بند کر دو، یہ خود ہی چلے جائیں گے۔ ورنہ ہم عزت والے ہیں ان ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ یہ باتیں زید بن ارقمؓ نے سن کر حضور ﷺ سے جا کہیں۔ آپ ﷺ نے ابن ابی کو بجا کر پوچھا تو وہ صاف مکر گیا اور قسم کھا بیٹھا۔ زید بن ارقمؓ کو اس سے بڑا رنج اور دکھ ہوا۔ اس پوچھ آیتیں نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے ابن ارقمؓ کو بلا کر فرمایا کہ اللہ نے تمہارے کان کی تصدیق فرمادی تب انہیں سکون ہوا۔ عبد اللہ کی باتیں جو لوگوں نے سنی تھیں انہوں نے اس سے کہا بھی کہ تو حضور ﷺ کے پاس جا کر توبہ کر لے۔ مگر ان سے اس کا بھی انکار کر دیا اور چونکہ سب منافقین دل سے اس کی باتوں پر راضی تھے۔ اس لئے سب کی طرف نسبت کر دی گئی۔

﴿تشریح﴾ قالوا نشہد۔ یعنی منافقین کہتے ہیں کہ ہم دل سے آپ ﷺ کو سچا رسول سمجھتے ہیں۔ فرمایا جھوٹ کہتے ہیں۔ ان کا دلی اعتقاد نہیں ہے، واقع میں وہ آپ ﷺ کی رسالت کے قائل نہیں۔ محض زبانی باتیں بناتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور ایک اسی بات پر کیا منحصر ہے، جھوٹ تو ان کے ضمیر میں پڑا ہوا ہے۔ چنانچہ ایک واقعہ میں جس کا ذکر آ رہا ہے۔ صریح جھوٹ بولا کہ اللہ نے آسمان سے ان کی تکذیب کی۔

جھوٹی قسموں کو آڑ بنانا: ... اتخذوا ایمانہم۔ یعنی مسلمانوں کے ہاتھوں سے اپنی جان و مال محفوظ رکھنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھا لیتے ہیں۔ جہاں کوئی بات قابل گرفت سرزد ہوئی۔ اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذہ کا کھڑا ہوا۔ فوراً جھوٹی قسمیں کھا کر چھوٹ گئے۔ لوگ ان کو بظاہر مسلمان سمجھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اس طرح ان کی جھوٹی قسموں کا نقصان انہیں تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ یہ فساد دوسروں تک متعدی ہوتا ہے اس سے بڑھ کر اور برا کام کیا ہوگا۔

ذلک بانہم۔ یعنی گوزبان سے اظہار بیان کیا مگر دل سے بدستور منکر ہے اور ایمان کے دعویدار ہو کر کافروں کے کام کئے۔ اس بے ایمانی اور فریب و دغا کا یہ اثر ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی۔ اب اس حالت پر پہنچ کر ان کے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے جب انسان کا دل برے کرتوتوں سے مسخ ہو جائے پھر نیک و بد سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ جب انسان کے دل تو واقعی مسخ ہو چکے مگر ذلیل و ذول کھوتو بڑے چکنے چڑے، بات کرتے ہیں تو بڑی لچھے دار کہ خواہ مخواہ سننے والا سمجھ جائے۔ ان کی مثال اس خشک اور بے کار لکڑی کی ہے جو دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جائے دیکھنے میں کیسی موٹی۔ مگر بے سہارا ایک سیکنڈ بھی کھڑی نہیں رہ سکتی۔ ہاں جلانے کے کام ضرور آ سکتی ہے۔

منافق پر لے درجے کا بزدل ہوتا ہے: یہی حال منافقوں کا ہے اوپر سے خول بڑا اچھا مگر اندر سے خالی خولی کسی کام کے نہیں۔ صرف دوزخ کے ایندھن ہیں۔ بزدل، ڈرپوک اتنے کہ اگر کہیں شور سنیں تو دہل جائیں۔ اور سمجھیں کہ ہم پر بھی کوئی بلا آئی۔ ناپاک حرکتوں کی وجہ سے ہر وقت انہیں کھٹکا لگا رہتا ہے کہ دیکھئے کہیں ہماری مکاری کا پردہ چاک تو نہیں ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اب بھی وقت نہیں گیا۔ او رسول اللہ ﷺ کے پاس چل کر اپنا قصور معاف کرالو۔ آپ کے استغفار کی برکت سے تمہاری خطا معاف ہو جائے گی۔ مگر کبر و نخوت کے مارے ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتے ہیں اور بڑی شان بے نیازی سے گردن ہلا کر سر گھما کر رہ جاتے ہیں۔

سواء علیہم۔ ممکن ہے آپ اپنے اخلاق و مروت سے ان کے طالب عفو ہوں۔ مگر یاد رہے اللہ کسی صورت سے ان کو معاف کرنے والا نہیں ہے اور نہ ایسے بے توفیقوں کو ہدایت نصیب ہوا کرتی ہے۔ منافقین کے لئے یہ استغفار آپ کے لئے چاہے کسی منقبت کا باعث ہو مگر خود ان کے لئے بے سود ہے۔ چنانچہ سواء علیک نہیں فرمایا۔ بلکہ سواء علیہم فرمایا ہے۔ ہم الذین یقولون۔ یہ عبد اللہ بن ابی کی اسی گفتگو کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل گزر چکی۔ مگر آنحضرت ﷺ کے بلانے پر وہ صاف مکر گیا۔ کہ زید بن ارقم نے ہماری دشمنی میں جھوٹ کہہ دیا۔ لوگ زید پر آوازے کئے گئے۔ وہ بے چارے سخت مجبور اور نادام ہوئے۔ یہ آیات نازل ہوئیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے تجھے سچا کر دکھایا۔

حقیقی عزت کا مالک: واللہ خزائن۔ یہ منافقین کا جواب ہے کہ یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام زمین کے خزانوں کا مالک تو اللہ ہی ہے۔ کیا وہ ان لوگوں کو بھوکوں مار دے گا۔ جو غمخیز کی خدمت میں رہتے ہیں۔ منافقین اگر ہاتھ کھینچ لیں گے تو وہ بھی اپنی روزی کے سبب دروازے ان پر بند کر دے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ والوں پر خرچ کرتے ہیں وہ بھی اللہ ہی کراتا ہے۔ اسکی توفیق کے بغیر کوئی ایک پیسہ خرچ نہیں کر سکتا۔ اور انہیں خبر نہیں عزت والا کون ہے؟ اصلی اور ذاتی عزت تو اللہ کی ہے اور پھر اس تعلق سے رسول اللہ ﷺ اور ایمان والوں کی ہے۔ روایات میں ہے کہ ابن ابی کے یہ الفاظ جب اس کے بیٹے عبد اللہ کو پہنچے جو نہایت مخلص مسلمان تھے تو باپ کے سامنے تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور بولے کہ جب تک اقرار نہ کرے گا رسول اللہ ﷺ عزت والے ہیں اور تو ذلیل ہے زندہ نہ چھوڑ دوں گا اور نہ مدینہ میں گھسنے دوں گا۔ آخر اقرار کر کر چھوڑا۔

لا تلہکم اموالکم یعنی مسلمانوں کو یہود و منافقین کی طرح مال و اولاد کے گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ یہ بات بڑے خسارہ اور ٹوٹے کی ہے کہ ”باقی“ کو چھوڑ کو فانی میں انسان دل لگا بیٹھے۔ مال و اولاد وہی اچھی ہے جو اللہ کی یاد اور اس کی عبادت سے غافل نہ بنادے۔ اگر ان دھندوں میں پڑ کر خدا کی یاد سے غافل ہو گیا تو آخرت بھی کھوئی اور دنیا میں بھی قلیبی سکون حاصل نہ ہوا۔

اللہ کے لئے مال خرچ کرنے سے اللہ کا نہیں انسان کا فائدہ ہے۔۔۔ وانفقوا۔۔۔ یہ جواب ہے منافقین کے قول لا تنفقوا کا کہ خرچ کرنے میں خود تمہارا ہی بھلا ہے۔ جو کچھ صدقہ خیرات کرنا ہے جلدی کرو۔ ورنہ موت سر پر کھڑی ہے اس وقت پہچنتا پڑے گا کہ ہم نے کیوں اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کیا۔ اس وقت کنجوس آرزو کرے گا کہ کچھ مہلت اور مل جاتی تو میں خیر خیرات کر کے نیک بنتا اور اللہ کے سامنے سرخرو ہوتا۔ لیکن ہاں تاخیر کیسی؟ جس شخص کی عمر جتنی لکھدی اور جو میعاد مقرر کر دی اس کو پورا ہونے پر ایک لمحہ کی ڈھیل نہیں ہو سکتی۔ ابن عباسؓ کے نزدیک یہ تمنا قیامت کے دن کرے گا۔ بہر حال اس تمنا کا کچھ حاصل نہیں۔ کیونکہ اللہ کو سب کی سب کچھ خبر ہے وہ جانتا ہے کہ اگر تمہیں دنیا میں بھیجا گیا ہے یا مہلت دی گئی تو کیا عمل کرو گے۔ وہ سب کی اندرونی استعدادوں کو جانتا ہے۔

اطاعوا نفسہم سلوک: ہم الذین یقولون۔ اس میں ان لوگوں کی مذمت ہے جو مال و دولت کی کمی کے سبب اہل اللہ کو حقیر سمجھتے ہیں۔ لا تاتبعکم اموالکم۔ اس میں غفلت کی مذمت ہے۔

## سُورَةُ التَّغَابُنِ

سُورَةُ التَّغَابُنِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانِي عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

يَسْبَحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يُنَزِّهُهُ قَالَ لَمْ زَائِدَةٌ وَأَتَى بِمَا دُونَ تَغْلِيًّا لِأَكْثَرِ لَهُ الْمُلْكُ  
وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ فِي  
أَصْلِ الْخَلْقَةِ ثُمَّ يُمَيِّتُهُمْ وَيُعَيِّنُهُمْ عَلَى ذَلِكَ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣﴾ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ  
بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ إِذْ جَعَلَ شَكْلَ الْأَدَمِيِّ أَحْسَنَ الْأَشْكَالِ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿٤﴾ يَعْلَمُ  
مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٥﴾ بِمَا فِيهَا  
مِنَ الْأَسْرَارِ وَالْمُعْتَقَدَاتِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ يَا كُفَّارَ مَكَّةَ نَبُوءُ النَّبِيِّينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ  
عُقُوبَةُ كُفْرِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦﴾ مَوْلِمٌ ذَلِكَ أَى عَذَابِ الدُّنْيَا بِأَنَّهُ ضَمِيرُ الشَّانِ  
كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الْحُجَجِ الظَّاهِرَاتِ عَلَى الْإِيمَانِ فَقَالُوا أَبَشِّرْ أُرِيدَ بِهِ الْحِجْسَ يَهْدُونَنَا  
فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا عَنِ الْإِيمَانِ وَاسْتَغْنَى اللَّهُ عَنْ إِيْمَانِهِمْ وَاللَّهُ غَنِيٌّ عَنْ خَلْقِهِ حَمِيدٌ ﴿٧﴾ مَحْمُودٌ فِي أَعْمَالِهِ  
زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ مُخَفَّفَةٌ وَأَسْمَاهَا مُحْدُوثٌ أَى أَنَّهُمْ لَنْ يُعْثُوا قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّوْنَ  
بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٨﴾ فَاْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الْقُرْآنِ الَّذِي أَنْزَلْنَا وَاللَّهُ بِمَا  
تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٩﴾ أَذْكَرَ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذَلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ يُعْبَنُ الْمُؤْمِنُونَ  
الْكَافِرِينَ بِأَحَدٍ مَنَارِلِهِمْ وَآهْلِيهِمْ فِي الْجَنَّةِ لَوْ آمَنُوا وَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ  
وَيُدْخِلْهُ فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي الْفَعْلَيْنِ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ  
الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٠﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الْقُرْآنِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا وَبِئْسَ

عَالِمُ الْمَصِيرِ ﴿۱۰﴾ هِيَ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ يَخْضَعُونَ لِقَضَائِهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ فِي قَوْلِهِ إِنَّهُ يَمْنَعُ غَصَائِهِ يَهْدِ قَلْبَهُ لِلْغَيْبِ عَلَيْهَا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۱۲﴾ أَلَيْسَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَنْدُكُمْ لَكُمْ فَأَحْذَرُوهُمْ ﴿۱۴﴾ بَأَنَّ تُطِيعُوهُمْ فِي انْتِحَالِ عَنِ الْحَبْرِ كَالْجِهَادِ وَالْهَجْرَةِ فَإِنَّ سَبَّ نُرُوبِ الْإِطَاعَةِ فِي ذَلِكَ وَإِنْ تَعَفَّوْا عَنْهُمْ فِي تَسْبِيحِهِمْ عَنْ ذَلِكَ أَحْبَبَ مُغْتَلِبِينَ بِمُسَقَّةٍ فَرَأَيْتُمْ عَلَيْهِمْ وَتَصَفَّحُوا وَتَغَفَّرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۵﴾ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ لَكُمْ شَاغِلَةٌ عَنْ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَقْوُتُوهُ بِاشْتِغَالِكُمْ بِالْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ نَاسِخَةً لِقَوْلِهِ اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَاسْمَعُوا مَا أَمَرْتُمْ بِهِ سَمَاعٍ قُبُولِ وَأَطِيعُوا وَأَنْفَقُوا فِي الطَّاعَةِ خَيْرًا لَا نَفْسِكُمْ خَيْرٌ يَكُنْ مُقَدَّرَةٌ جَوَابُ الْأَمْرِ وَمَنْ يُوقِ شَيْءَ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۷﴾ أَلْفَايُزُونَ إِنْ تَقَرَّضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا بَأَنَّ تَتَصَدَّقُوا عَنْ حَيْثُ قَلْبُ يُضَحِّفُهُ لَكُمْ وَفِي قِرَاءَةٍ يُضَعِّفُهُ بِالتَّشْدِيدِ بِالْوَاحِدَةِ عَشْرًا إِلَى سَبْعِ مِائَةٍ وَكَثْرَ وَهُوَ التَّصَدُّقُ عَنْ حَيْثُ قَلْبُ وَيَغْفِرُ لَكُمْ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ شَكُورٌ مَجَازٌ عَلَى الطَّاعَةِ حَلِيمٌ ﴿۱۸﴾ فِي الْعِقَابِ عَلَى الْمَعْصِيَةِ عِلْمُ الْغَيْبِ بِحَسْرَةٍ وَالشَّهَادَةِ الْعَلَانِيَةِ وَهُوَ الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ﴿۱۹﴾ فِي صُنْعِهِ -

ترجمہ: سورۃ تغابن مکہ ہے یا مدینہ ہے جس میں اٹھارہ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں اللہ کی پاک بیان کرتی ہیں (لام زائد ہے اور من کی بجائے مالا یا گیا اکثریت کی تقلید کرتے ہوئے) اسی کی سلطنت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اسی نے تم کو پیدا کیا ہے۔ سو تم میں کچھ کافر ہیں اور کچھ مومن (پیدائشی طور پر، پھر تمہیں موت دے کر پہلی حالت پر دوبارہ پیدا کرے گا) اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طریقہ پر پیدا کیا ہے۔ اور تمہارا عمدہ نقشہ بنایا (کیونکہ انسان کو بہترین شکل پر پیدا کیا گیا ہے) اور اسی کے پاس لوٹنا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا جاننے والا ہے (یعنی دلی راز و راز و اعتقادات) کیا تمہیں (اے کفار مکہ) ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے پہلے کفر کیا پھر انہوں نے اپنے کئے کا وبال چکھا (دنیا میں کفر کی سزا بھگتی) اور ان کے لئے (آخرت میں) دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہونے والا ہے۔ یہ (دنیا کی سزا) اس لئے ہے (ضمیر شان ہے) کہ ان لوگوں کے پاس ان کے پیغمبر کھلے دلائل لے کر آئے (ایمان کی واضح دلیلیں) سو ان لوگوں نے کہا کہ کیا آدمی (انسان کی جنس مراد ہے) ہم کو ہدایت کریں گے۔ غرض انہوں نے کفر کیا اور اعراض کیا (ایمان سے) اور اللہ نے (ان کے ایمان کی) پرواہ نہ کی اور اللہ (اپنی مخلوق سے) بے نیاز خود صفات ہے (بہترین کارگزاری والا) یہ کافر دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ (ان خفہ ہے جس کا اسم محذوف ہے ای انہم) ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں واللہ ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔

پھر یہ پتہ تم نے کیا ہے سب کچھ تمہیں جتنا دیا جائے گا۔ اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے سو تم اللہ، اس کے رسول اور نور (قرآن) پر ایمان

لاؤ۔ جو کہ ہم نے نازل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (یاد کیجئے) جس روز ہم تم سب کو جمع کریں گے۔ جو جمع ہونے کا دن (قیامت) ہوگا۔ وہ یہی دن ہے سو دوزیاں کا (مسلمان کافروں کو خسارہ میں ڈال دیں گے۔ ان کے جنت کے گھر اور بیویاں لے کر جو ان کو ایمان لانے کی صورت میں ملتیں) اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہوگا اور نیک کام کرتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو دور کر دے گا۔ اور اس کو داخل کرے گا (ایک قراءت میں یکفر اور یدخلہ دونوں فعل نون صیغہ متکلم کے ساتھ ہیں) ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیات (قرآن) جھٹلائی ہوں گی۔ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور (وہ) برا ٹھکانہ ہے۔

کوئی مصیبت بدوں حکم (قضا) الٰہی کے نہیں آتی۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے (یہ سمجھتا ہے کہ مصیبت اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو (مصیبت پر صبر کرنے کی) راہ دکھا دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے اور اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور اگر تم پہلو تہی کرو گے تو ہمارے رسول ﷺ کے ذمہ صاف صاف (کھلے طور پر) پہنچا دینا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔ اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں۔ سو تم ان سے ہوشیار رہو (ان کا کہنا ماننے سے جہاد و ہجرت جیسے نیک کاموں میں پیچھے ہٹ کر، کیونکہ آیت کا شان نزول ایسے کاموں میں ان کا کہنا ماننا ہے) اور اگر تم ان کو معاف کر دو (تم کو بھلے کاموں سے روکنے پر۔ ان سے جدائی کی مشقت پر رحم کھا کر) اور درگزر کر دو اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخششے والا رحم کرنے والا ہے تمہارے مال و اولاد بس تمہارے لیے ایک آزمائش ہے (آخرت کے کاموں سے رکاوٹ) اور اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے (لہذا مال و اولاد میں مشغول ہو کر اس کو نہ گنوا بیٹھنا) سو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو (یہ آیت ناسخ ہے۔ آیت فاتقوا اللہ حق تقاہ کی) اور سنو (جو کچھ تمہیں حکم دیا جا رہا ہے قبولیت کے ساتھ) اور کہنا مانو (اور نیک کاموں میں) خرچ کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا (لیکن مقدر کی خبر ہے اور جواب امر ہے) اور جو شخص نفسانی خواہش سے محفوظ رہا۔ سو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے (کامیاب) ہیں۔

اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے۔ (خوش دلی سے خیرات کرو گے) تو وہ اس کو تمہارے لئے بڑھاتا جائے گا (ایک قراءت: یضعف تشدید کے ساتھ ہے ایک کے بدلے دس سے سات سو تک اور اس سے زائد ثواب عطا کریگا۔ اور صدقہ خوش دلی سے ہونا چاہیے) اور تمہارے گناہ (اگر چاہے گا) بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر وال (فرمانبرداری کا صلہ دینے والا) بڑا بردبار ہے (قصوروں پر سزا دینے میں) پوشیدہ (خفی) اور اعلانیہ (ظاہر) کا جاننے والا (اپنے ملک) میں زبردست (اپنی صنعت میں) حکمت والا ہے۔

**تحقیق و ترکیب** . سورۃ التغابن۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کو تغابن کہتے ہیں۔ اہل جنت کا دوزخیوں کے جنتی مقام پر قبضہ کر کے نقصان پہنچانا تو صحیح ہے۔ مگر جہنمیوں کے جنتیوں کے جہنمی مقام پر قبضہ کی صورت میں تغابن کہنا تحکم و استہزاء کے طور پر ہے۔ یہ سورت مکی ہے۔ بجز آیت یا لہذا الذین امنوا کے وہ مدنی ہے۔

فمنکم کافر۔ ارادہ ازلی کے اعتبار سے کافر و مومن فرمایا۔ انسان کا عمل تقدیر ازلی کے مطابق ہوتا ہے۔ جس کی چار صورتیں نکلتی ہیں۔

(۱) سعید ازلی ہو اور مرنے تک دنیا میں مومن رہے۔

(۲) شقی ازلی ہو اور اسی کے مطابق رہے۔

(۳) ازل میں سعید قرار دیا جائے اور دنیا میں کفر پر رہے مگر خاتمہ ایمان پر ہو۔ یہ تینوں صورتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

(۴) ساری عمر مومن رہے اور آخر میں کفر پر مرے۔

غرضیکہ انما العبرة بالخواتیم۔ خاتمہ ہی سے تقدیری فیصلہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان و کفر وغیرہ اعمال سب اللہ کی



مخلوق ہیں۔ لیکن زبھر کی معتزلی ہونے کی وجہ سے فمکم کافر کے معنی کفر کرنے والے کے لیتے ہیں۔ یعنی انسان اس کو جو د میں لاتا ہے۔ چن نچران کی دلیل واللہ بما تعملون بصیر ہے۔ یعنی ایمان و کفر جو انسان کا عمل ہے اللہ اسے دیکھتا ہے۔ یہ اللہ کے اعمال نہیں ہیں۔ پس یہی صورت میں تفصیلیہ ہوگا اور دوسری صورت میں تعقیبیہ ہوگا۔ آیت فطرة الله التي فطر الناس عليها اور حدیث کل مولود یولد علی الفطرة اہل سنت کی تائید کرتی ہے۔ اور حدیث ان احدکم یعمل بعمل اہل الجنة حتی ما یکون بینہ و بینہما الا دراع فیسبق علیہ الکتاب فیعمل بعمل اہل النار فیدخلہا وان احدکم فیعمل بعمل اہل النار حتی ما یکون بینہ و بینہما الا دراع فیسبق علیہا الکتاب فیعمل بعمل اہل الجنة فیدخلہا۔ حاصل یہ ہے کہ اعمال میں دو نسبتیں ہوتی ہیں۔ اللہ کی طرف ان کو موجود کرنے کی اور بندوں کی طرف ان کو عمل میں لانے کی پہلے کو خلق اور دوسرے کو کسب کہا جاتا ہے۔

فاحسن صورکم۔ سورۃ تین میں ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ اور دلیل اس کے احسن ہونے کی یہ ہے کہ انسان کسی دوسری مخلوق کی شکل اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔ نیز انسان کا مستقیم القامت ہونا امتیاز خصوصی ہے۔ انسان کیسا ہی کریمہ انظر ہو جانوروں سے بہتر ہی سمجھا جائے گا۔

وبال۔ وبال کے معنی بوجہ کے ہیں۔

وبیل۔ اس لکھانے کو کہتے ہیں کہ جو معذہ پر بار ہو وائل بوجھل بارش عقوبت اور سزا کے معنی میں بھی آتا ہے جس میں ثقل معنوی ہوتا ہے۔ البشر۔ ہمزہ انکاری ہے اور بشر فعل مضمر کا فاعل ہے۔ ای یہدو ننا بشر اور چونکہ بشر اسم جنس ہے اس لئے ضمیر جمع لانا بھی صحیح ہوگا۔ رعم الذین۔ زعم دو مفعول کی طرف متعدی ہے جن کے قائم مقام ان لن یبعثوا ہے۔ اس سے مراد اہل مکہ ہیں۔ جیسے ابو حیان کی رائے ہے اور قل بلی بھی اس کا قرینہ ہے، اس لئے اس سے الذین کفروا من قبل مراد لینا مناسب نہیں ہے۔ یوم تجمعکم۔ یہ "لتسون" کا ظرف ہے اور درمیان میں جملے معترضہ ہیں یا یوم کو اذکر کا مفعول کہا جائے۔ قیامت کا دن سارے عالم کے اجتماع کا دن کا ہوگا۔ اس لئے یوم الجمع کہا ہے۔

یوم التغابن۔ مفسر نے یغبن المؤمنون سے اشارہ کیا ہے کہ باب تفاعل اپنے معنی میں نہیں ہے، کیونکہ کافر کی جنتی جگہ چھن جانے سے تو اس کا غبن ہوگا، لیکن مومن کی دوزخی جگہ کافر کو مل جانے سے مومن کا غبن نہیں ہے، غبن باب ضرب سے ہے۔ یہد قلبہ مصیبت کے وقت انا اللہ کہ اور صبر کرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ انشراح قلب کے ساتھ مزید طاعت میں لگ جائے یا ہدایت سے مراد یہ یقین کرنا کہ جو مصیبت مقدر ہے وہ ٹل نہیں سکتی اور جو مقدر میں نہیں وہ آ نہیں سکتی۔

فان تولیتہ۔ جواب شرط مقدر ہے۔ ای فلا ضرر ولا باس۔ اور فانما علی رسولنا م حذف کی علت ہے۔

فلیتوکل۔ توکل اخلاق کے بلند مقام میں سے ہے حدائق نہیں ہے۔ التوکل هو الثقة بما عند الله وبما عند الله والیاس مافی ایدی الناس۔ اور بظاہر امر سے وجوب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن توکل کے بھی درجات ہیں۔ عوام و خواص سب اپنے اپنے درجات کے اعتبار سے مکلف ہیں۔

فاتقوا الله۔ مفسر اس کو ناخ کہہ رہے ہیں۔ جیسا کہ قوادہ، ربیع، ابن الحسن اور سدی کی رائے ہے۔ لیکن ابن عباس دونوں آیات کو محکم فرماتے ہیں اور آیت نساء میں تقاتہ کی ضمیر اللہ کی طرف نہیں بلکہ تقویٰ کی طرف ہے۔ اور حق تقویٰ بقدر استطاعت مراد ہے۔ پس دونوں آیتوں کا مفہوم ایک ہی ہوگا۔ ممکن ہے اول وہلہ میں صحابہ نے آیت نساء کا مفہوم ظاہری سمجھا ہو اور اس سے پریشان ہو گئے ہوں اور پھر دوسری آیت نازل ہونے پر اس کو نسخ سمجھ لیا ہے۔

حیرا لکم۔ مفسر ابو عبیدہ کا اتباع کرتے ہوئے لیکن مقدر کی خبر مان رہے ہیں۔ لیکن یہ ترکیب نادر ہے۔ کیوں کہ کان مع اسم کے محذوف ہے

اور اس کی خبر موجود ہے۔ یہ ان اور لو کے بعد ہوا کرتا ہے۔ اس جملہ کی کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ سیبویہ کی رائے یہ ہے کہ فعل محذوف کا یہ مفعول ہے ای ایوا خیراً لا نفسکم۔

۲۔ تقدیری عبارت یکن الانفاق خیر الکم ہو یعنی خیراً لیکن کی خبر جیسا کہ ابو عبیدہ اور مفسر کی رائے یہ ہے۔

۳۔ کسائی اور فراء کے نزدیک یہ مصدر محذوف کی صفت ہے ای انفاقا خیراً۔

۴۔ کو فیوں کے نزدیک حال ہے۔

۵۔ انفقوا کا مفعول کہا جائے۔ ای انفقوا مالا خیر ابضاعہ۔ ابن کثیر اور ابن عامر کے نزدیک باب تفعیل۔ ے مشدود ہے۔

رابط آیات: سورۃ منافقین کے اخیر میں آخرت کی ترغیب اور اس کے چھوڑنے پر ترہیب تھی۔ اس سورت میں آخرت اختیار کرنے اور چھوڑنے والوں کی جزاء و سزا کا بیان ہے اور اسی سابقہ مضمون ترغیب و ترہیب کی تکمیل ہے۔ اور چونکہ پچھلی سورتوں میں شریکین، منافقین، مؤمنین کا ذکر ہوا ہے۔ اس لئے بھی اس سورت کو خاص طور سے سب سورتوں سے ربط ہے۔

شان نزول و روایات: ابن عباس فرماتے ہیں کہ آیت یا ایہا اللہین امنوا ان من ارواجکم النجس ان اہل مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔ مگر ان کی بیویاں اور اولاد مانع ہوئیں۔ چنانچہ انہوں نے حاضر ہو کر جب دیکھا کہ لوگوں نے بہت کچھ احکام حاصل کر لیے ہیں تو انہیں غصہ آیا اور ان بیوی بچوں کو سزا دینی چاہی۔ تو پھر ان تفوا کا حکم نازل ہوا۔ لیکن ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت عوف بن مالک انجعی کے متعلق مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ اہل و عیال والے تھے، جب انہوں نے غزوہ بدر میں جانے کا ارادہ کیا تو سب رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہمیں کس پر چھوڑے جا رہے ہیں۔ عوف نے حضور ﷺ سے صورت حال عرض کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ..... هو الذی خلقکم۔ یعنی اللہ ہی نے سب آدمیوں کو پیدا کیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ سب اسی پر ایمان لاتے، مگر ہوا یہ کہ بعض پھر گئے، اور بعض ماننے والے رہے۔ بے شک اللہ نے انسان میں دونوں راستوں کی صلاحیت رکھی ہے۔ تاہم اس نے سب کو صحیح فطرت پر پیدا کیا۔ پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے ماحول سے متاثر ہو کر اس کے خلاف راہ اختیار کر لی۔ اگرچہ ان دونوں کا علم اللہ کو پہلے سے تھا کہ کون کس طرف جائے گا۔ اور اسی کے مطابق انعام یا سزا کا مستحق ہوگا۔ یہی چیز اپنے علم کے موافق اس کی قسمت میں لکھ دی تھی کہ ایسا ہو گا پس اللہ کے اس علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان کے اختیار و ارادہ کی قوت باقی نہ رہے۔ اور وہ یہ کہہ کر صاف بچ نکلنے کی کوشش کرے۔ کہ میں کیا کروں۔ میں تو قسمت کا مارا مجبور تھا۔

انسان ”عالم صغیر“ اور خلاصہ کائنات ہے: ..... فاحسن صور کم۔ صورت شکل میں یہی انسان سب سے بہتر ہے اور دماغی اور قلبی ملکات اور باطنی قوتوں میں یہی سارے عالم سے ممتاز بلکہ سارے جہاں کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ اسی لئے اہل حقیقت اس کو ”عالم صغیر“ کہتے ہیں۔ فقالوا۔ یعنی پچھلی قوم کے ناجباروں نے پیغمبروں کے جواب میں بس یہی کہا کہ کیا ہمارے ہادی ہم جیسے ہی بھیجے گئے ہیں۔ اللہ کو اگر بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجا ہوتا۔ گویا وہ رسول ہونے کو انسان ہونے کے خلاف سمجھتے تھے، اسی لئے پیغمبروں کی باتیں ان کے گلے نہیں اتریں، تعجب ہے آنحضرات پر جو اس آیت سے رسول کو بشر کہنے والوں کے کفر کا اثبات کرتے ہیں۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو یہ آیت اس کے برعکس ان لوگوں کے کفر پر دلالت کر رہی ہے جو رسول کے بشر ہونے کا انکار کر دیں۔ تاہم کسی کی تکفیر میں یہ بڑی احتیاط کرنی چاہئے

یونکہ اسلام میں داخل کرنے کی اگر ہمیں سعادت حاصل نہیں ہو سکتی تو کم از کم اسلام سے نکالنے کی خدمت تو انجام نہ دیں۔  
ذلک یوم التغابن۔ یعنی قیامت ہار جیت کا دن ہوگا۔ ہارنا تو یہ ہوگا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو بے موقع خرچ کر کے اس امان بھی گنوا بیٹھے۔ در  
جیتنا ہی ہے کہ ایک ایک کے ہزاروں پائے۔

قناعت ہی سے بڑی دولت و سلطنت ہے۔ ما اصاب من مصیبة۔ دنیا میں کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اللہ کی مشیت  
سے ہوتی ہے، مسلمان کا جب اس پر پختہ یقین ہے تو پھر کسی مصیبت پر غمگین اور بد دل ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ راضی رہنا چاہیے۔ اللہ مومن  
کے دل کو صبر اور تسلیم و رضا کی خود دے دیتا ہے۔ جس سے عرفان کی راہیں کھل جاتی ہیں اور ملک قناعت حاصل ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین  
رکھنا چاہیے کہ جو تکلیف و مصیبت اللہ نے بھیجی ہے وہ عین حکمت ہے، وہی جانتا ہے کہ کون تسلیم و رضا کی راہ پر چلا اور کس کا ظرف اسرار و حکم کی  
صلاحیت رکھتا ہے۔

واطبعوا اللہ۔ ہر حال میں خواہ خوشی ہو یا غم، اللہ و رسول کا حکم مانو۔ پیغمبر تو نیک و بد سب سمجھا کر اپنا فرض انجام دے چکے۔ اب اپنے نفع و نقصان کو  
خود سوچو۔ اللہ کو تمہاری اعانت یا نافرمانی سے کوئی نفع نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ پھر لائق بندگی صرف اسی کی ذات ہے۔ نہ کوئی اور بندگی کے لائق  
ہے اور نہ کوئی بھروسہ کے قابل ہے۔

ان من ازواجکم۔ انسان بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر کبھی کبھی اللہ و رسول کے احکام کو بھلا دیتا ہے۔ بلکہ ان بندھنوں میں جکڑ بند ہو کر  
بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے اور برائیوں میں پڑ جاتا ہے اور ان کی بے جا فرمائشوں کا طومار کسی وقت دم نہیں لینے دیتا اور اسی چکر میں پڑ کر انسان  
آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ پس ایسے اہل و عیال ظاہر ہے کہ انسان کے لئے پھندہ ہیں۔ وہ حقیقی دوست نہیں بلکہ جنجال ہیں۔ اور ایسے  
دوست نما دشمن ہیں۔ جن کی دشمنی کا بسا اوقات احساس نہیں ہوتا۔ اس لئے فرمایا کہ ذرا ہوشیار رہو اور اپنے رویہ سے بچو کہ جن میں دنیا تو  
نور ہے یا نہ سنو، مگر عجبی یقیناً برباد ہو جائے۔ اس آیت کے مفہوم میں نیک بیویاں اور صالح اولاد داخل ہیں۔ وہ تو غیر مترقبہ ہیں۔ اس لئے  
من ازواجکم فرمایا۔ جس میں من تبعیضہ اسی فرق کو ظاہر کر رہا ہے۔

وان تعفوا۔ یعنی ہر چند کہ ایسے اہل و عیال دشمن ہیں۔ لیکن اس کا یہ اثر نہیں ہونا چاہئے کہ تم ان کے انتقام کے درپے ہو جاؤ۔ اس سے خائفی نظم  
درہم برہم ہو جائے گا۔ جہاں تک شرع اور عقل اجازت دے۔ ان کی حماقتوں اور کوتاہیوں سے درگزر کرو۔ اللہ ہی اس مہربانی کے بدلہ تم پر مہربانی  
فرمائے گا۔ جہاں تک حقوق اللہ کا تعلق ہے یقیناً بندہ ان کو معاف نہیں کر سکتا۔ لیکن اول تو شرعاً عقلاً گنجائش ہونے کی قید لگادی ہے۔ اس لئے  
شبہ نہیں رہتا، دوسرے ان حقوق کی معافی تو اللہ سے متعلق ہے۔ اگرچہ تعفوا و تصفحوا و تغفروا میں بندوں کی طرف اسناد مجازی ہے۔ گویا  
یوں کہنا چاہئے تھا۔ لم تعاقبوا لم تثر بوا ولم تحقدوا انما اموالکم و اولادکم فستہ۔ یعنی اہل و عیال میں اللہ آزمائش کرتا ہے کہ کون  
فانی چیزوں میں پھنس کر آخرت کی دائمی نعمتوں کو فراموش کر دیتا ہے اور کس نے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا ہے۔

لطا کف سلوک۔ و من یومن باللہ یمہد قلبہ۔ اہل حال کے مآل کا اس میں اثبات ہو رہا ہے۔

فاتقوا اللہ ما استطعتم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلوک و تربیت و اصلاح میں تدریجی رفتار سے چلنا کافی ہے۔

## سُورَةُ الطَّلَاقِ

سُورَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثٌ عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ الْمُرَادُ وَأُمَّتُهُ بِقَرِينَةٍ مَا بَعْدَهُ أَوْ قُلْ لَهُمْ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ أَرَدْتُمْ فطَلَقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ لَا وَلَهَا  
بِأَنْ يَكُونَ الطَّلَاقُ لَمْ تُمْسَ فِيهِ لِتَفْسِيرِهِ بِذَلِكَ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ احْفَظُوا لِتَرَا جَعُوا قَبْلَ فَرَاغِهَا  
وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ أَطِيعُوهُ فِي أَمْرِهِ وَنَهْيِهِ لَا تَخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ مِنْهَا حَتَّى تَقْضِيَ  
عِدَّتُهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ زَنًا مُبَيَّنَةٍ يَفْتَحُ الْيَأَى وَكَسَرِهَا أَى يَنْتَبِ أَوْ يَنْتَبِ فَيَخْرُجْنَ لَا قَامَةَ الْحَدِّ عَلَيْهِنَّ  
وَتِلْكَ الْمَذْكُورَاتُ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ  
بَعْدَ ذَلِكَ الطَّلَاقَ أَمْرًا ﴿٢﴾ مُرَاجَعَةٌ فِيمَا إِذَا كَانَ وَاحِدَةً أَوْ اثْنَيْنِ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ قَارَبْنَ انْقِضَاءَ  
عِدَّتِهِنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِأَنْ تَرَا جَعُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ مِنْ غَيْرِ ضَرَارٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَتْرَكُوهُنَّ حَتَّى  
تَقْضِيَ عِدَّتُهُنَّ وَلَا تُضَارَّوهُنَّ بِالْمُرَاجَعَةِ وَأَشْهَلُوا ذَوَى عَدْلٍ مِنْكُمْ عَلَى الرَّجْعَةِ أَوْ لِفِرَاقٍ وَأَقِيمُوا  
الشَّهَادَةَ لِلَّهِ لَا لِلْمَشْهُودِ عَلَيْهِ أَوَّلَهُ ذَلِكَ يُؤْ عَظَ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ  
يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ﴿٣﴾ مِنْ كَرْبِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ يَخْطُرُ بِبَالِهِ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ  
عَلَى اللَّهِ فِي أُمُورِهِ فَهُوَ حَسْبُهُ كَافِيهِ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ مُرَادُهُ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالْإِضَافَةِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ  
كُرْحًا وَشِدَّةً قَدْرًا ﴿٤﴾ مِيقَاتًا وَاللَّيْ بِهَمْزَةٍ وَيَاءٍ وَبِلَا يَاءٍ فِي الْمَوْضِعَيْنِ يَسْنُ مِنَ الْمَحِيضِ بِمَعْنَى  
الْحَيْضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ ارْتَبْتُمْ شَكَّكُمْ فِي عِدَّتِهِنَّ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّيْ لَمْ يَحْضُنْ لِصِغَرِهِنَّ  
فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالْمَسْلُتَانِ فِي غَيْرِ الْمُتَوَفَّى عَنْهُنَّ أَرْوَاجُهُنَّ أَمَاهُنَّ فَعِدَّتُهُنَّ مَا فِي آيَةِ الْبَقَرَةِ يَتَرَبَّصْنَ  
بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ انْقِضَاءُ عِدَّتِهِنَّ مُطْلَقَاتٍ أَوْ مُتَوَفَّى عَنْهُنَّ  
أَرْوَاحُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴿٥﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ذَلِكَ

الْمَدْكُورُ فِي أَعْدَةِ أَمْرٍ اللَّهُ حُكْمُهُ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۖ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَكْفِرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۝  
 أَسْكِنُوهُنَّ أَى الْمُطَلَّقَاتِ مِنْ حَيْثُ مَكَتُمْ أَى بَعْضِ مَسَاكِنِكُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ أَى سَعِيكُمْ عَطْفُ بَيَانٍ أَوْ  
 نَذْرٌ مِمَّا قُلْنَا بِأَعَادَةِ الْجَارِ وَتَقْدِيرُ مُضَافٍ أَى مَكْنَةً سَعِيكُمْ لَا مَا دُونَهَا وَلَا تُضَارُّ وَهْنٌ لِيُضَيِّقُوا  
 عَلَيْهِنَّ ۖ الْمَسَاكِينُ فَيُخْتَجَنَ إِلَى الْخُرُوجِ أَى النِّفَقَةِ فَيَقْتَدِينَ مِنْكُمْ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمَلٌ فَانْفِقُوا عَلَيْهِنَّ  
 يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۖ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ أَوْ لَا دَكُمْ مِنْهُنَّ فَاتَّوَهُنَّ أَجُورَهُنَّ ۖ عَلَى الْإِرْضَاعِ وَاتَّمَرُوا بَيْنَكُمْ  
 وَبَيْنَهُنَّ بِمَعْرُوفٍ جَمِيلٍ فِي حَقِّ الْأَوْلَادِ بِالتَّوَافُقِ عَلَى أَجْرِ مَعْلُومٍ عَلَى الْإِرْضَاعِ ۖ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ تَصَافَقْتُمْ  
 فِي الْإِرْضَاعِ فَامْتَنَعَ الْإِثْمُ مِنَ الْآخِرَةِ مِنْ فِعْلِهِ فَسْتَرْضِعْ لِلْأَبِ لَهُ أُخْرَى ﴿١٦﴾ وَلَا تُكْرَهُ الْأُمُّ عَلَى إِرْضَاعِهِ  
 لِيُنْفِقَ عَلَى الْمُطَلَّقَاتِ وَالْمَرْضِعَاتِ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ ۖ وَمَنْ قُدِرَ ضِيقٌ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَتْهُ  
 بِعَ ۖ أَعْطَاهُ اللَّهُ أَى عَلَى قَدَرِهِ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۖ سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴿١٧﴾ وَقَدْ جَعَلَهُ  
 بِالْفَتْوحِ وَكَانَ هِيَ كَافُ الْجَرْدِ خَلَّتْ عَلَى أَى بِمَعْنَى كَمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَى وَكَثِيرٍ مِنَ الْقُرَى عَمَّتْ غَصَتْ  
 يَعْنِي أَهْلُهَا عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسِبْنَهَا فِي الْآخِرَةِ وَإِنْ لَمْ تَجِءْ لِتَحَقِّقِ وَقُوعَهَا حِسَابًا شَدِيدًا  
 وَعَذَابُنَهَا عَذَابًا نَكْرًا ﴿١٨﴾ ۖ يَسْكُونُ الْكَافِ وَضَمُّهَا فَطِيعًا وَهُوَ عَذَابُ النَّارِ قَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا  
 عُقُوبَتَهُ وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿١٩﴾ خَسَارًا وَهَلَاكَ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا تَكْرِيمُ الْوَعِيدِ تَاكِيدٌ  
 فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۖ أَصْحَابُ الْعُقُولِ الَّذِينَ آمَنُوا ۖ نَعْتَ لِلْمُنَادَى أَوْ بَيَانٌ لَهُ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ  
 ذِكْرًا ﴿٢٠﴾ ۖ هُوَ الْقُرْآنُ رَسُولًا أَى مُحَمَّدًا مَنْصُوبٌ بِفِعْلِ رَأَى وَأَرْسَلَ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ  
 بِفَتْحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا كَمَا تَقَدَّمَ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بَعْدَ مَجِيءِ الذِّكْرِ وَالرَّسُولِ مِنَ  
 الظُّلُمَاتِ الْكُفْرِ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهِ إِلَى النُّورِ ۖ الْإِيمَانُ الَّذِي قَامَ بِهِمْ بَعْدَ الْكُفْرِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ  
 صَالِحًا يُدْخِلْهُ فِي قِرَآءَةِ بِالنُّونِ جَنَّتْ تَجَرَّى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ  
 لَهُ رِزْقًا ﴿٢١﴾ ۖ هُوَ رِزْقُ الْجَنَّةِ الَّتِي لَا يَنْقَطِعُ نَعِيمُهَا اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ  
 يَعْنِي سَبْعَ أَرْضِينَ يَنْزِلُ الْأُمُورُ الْوَحْيُ بَيْنَهُنَّ بَيْنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَنْزِلُ بِهِ جِبْرِئِيلُ مِنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ إِلَى  
 الْأَرْضِ السَّابِعَةِ لِتَعْلَمُوا مَتَعَلِّقٌ بِمَحْدُوفٍ أَى أَعْلَمَكُمْ بِذَلِكَ الْخَلْقِ وَالتَّزْيِيلِ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ  
 بِعَ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٢٢﴾

ترجمہ.....: سورۃ طلاق مدنیہ ہے جس میں ۱۳ آیت ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے پیغمبر مراد آپ اور آپ کی امت ہے جیسا کہ بعد میں جمع کے صیغوں سے معلوم ہو رہا ہے یا تقدیر عبارت قل لہم ہے) جب تم لوگ طلاق دو (طلاق دینے کا ارادہ کرو) عورتوں کو ان کے عدت سے پہلے طلاق دے دو (عدت کے اول طلاق ایسے طہر میں ہونی چاہیے جس میں مرد بیوی کے پاس نہ گیا ہو جیسا کہ حدیث شریفین میں آیا ہے) اور عدت کو یاد رکھا کرو (عدت کی نگہداشت رکھنا کہ رجعت، عدت ختم ہونے سے پہلے ہو سکے) اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے (اور امر و نہی میں اس کی فرمانبرداری کرو) ان عورتوں کے ان کے گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ سورتیں خود نکلیں (عدت گزرنے تک) مگر وہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں (مہینہ فتنہ یا اور کسریا کے ساتھ یعنی بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا بیان کی گئی ہو۔ پس اس صورت میں ان پر حد قائم کرنے کے لئے نکلتا ہوگا) اور یہ سب اللہ کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے تجھے معلوم نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس (طلاق کے بعد کوئی بات پیدا کرے) (ایک یا دو طلاق ہونے کی صورت میں خاوند بیوی کو پھر ملا دے) پھر جب عورتیں عدت کو پہنچ جائیں (عدت گزرنے کا زمانہ قریب پہنچ جائے) تو ان کو روک سکتے ہو (ان سے رجعت کر کے) (قاعدہ کے مطابق) (تکلیف دیئے بغیر) یا قاعدہ کے موافق رہائی دے دو (عدت پوری ہونے تک اور رجعت کے لئے نہ ستاؤ) اور آپس میں سے دو معتبر گواہ (رجعت یا علیحدگی پر) کر لو اور تم ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے گواہی دو (مخالف یا موافق کے لئے نہیں) اس مضمون کی اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے۔ جو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے (دنیا و آخرت کی مصیبتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان (دل میں خطرہ) بھی نہیں ہوتا اور جو شخص (اپنے کاموں میں) اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے (یعنی اپنی مراد اور ایک قراءت میں "باش امرہ" اضافت کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا (جیسے خوشحالی اور تنگی، ایک اندازہ (وقت) مقرر کر رکھا ہے تمہاری بیویوں میں سے جو عورتیں (دونوں جگہ ہمزہ اور یا کے ساتھ اور بغیر یا کے ہے) حیض سے مایوس ہو چکی ہوں۔ اگر تم کو (ان کی عدت میں شک) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اسی طرح جن عورتوں کو حیض آیا ہی نہیں (کسنی کی وجہ سے) ان کی عدت بھی تین مہینے ہے۔ اور یہ دونوں مسئلے اس وقت ہیں جب خاوند کا انتقال نہ ہوا ہو۔ لیکن وفات کی صورت میں ایسی عورتوں کی عدت وہ ہے جو سورہ بقرہ کی آیت یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر و عشر میں بیان کی گئی ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت (خواہ وہ عورتیں مطلقہ ہوں یا ان کے شوہروں کا انتقال ہو گیا ہو ان کی عدت کا پورا ہونا) ان کا حمل کا پیدا ہو جانا۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے (دنیا و آخرت کے) ہر کام میں آسانی کر دے گا۔ یہ (عدت میں مذکور) اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور کر دے گا۔ اور اس کو بڑا اجر دے گا۔ تم ان (مطلقہ عورتوں) کو (اپنے مکانات میں سے) رہنے کی جگہ دو اپنی وسعت کے مطابق (یعنی جتنی تمہاری گنجائش ہو۔ یہ عطف بیان ہے یا ماقبل کا بدل ہے جار کا اعادہ کرتے ہوئے اور مضاف مقدر مان کر یعنی اپنی حیثیت کے موافق مکان دو، اس سے کم نہیں ہونا چاہیے) اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف مت پہنچاؤ۔ (مکان دے کر تا کہ وہ نکلنے پر مجبور ہو جائیں یا نفقہ دینے لگے کہ فدیہ لینے پر تم سے مجبور ہو جائیں۔

اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو خرچ دو۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہارے لیے (تمہاری اس اولاد کو جو ان سے ہے) تو تم ان کو اجرت دو (دودھ پلانے کی) اور باہم (اپنے اور عورتوں کے درمیان مناسب مشورہ کر لیا کرو) جو اولاد کے حق میں بہتر ہو۔ دودھ پلانے کی اجرت طے کر کے) اور اگر تم باہم شکش کرو گے (دودھ پلانے میں تنگی برتنے لگو۔ اس طرح کہ باپ تو اجرت سے ہاتھ کھینچ لے اور ماں دودھ پلانے سے دستبردار ہو جائے) تو دوسری صورت اس (باپ) کے لئے دودھ پلانے کی (ماں کو دودھ پلانے کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا) خرچ کرنا چاہیے (مطلقہ اور دودھ پلانے والی عورتوں پر) وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق اور جس کی آمدنی کم (تنگ) ہو اس کو چاہیے کہ اللہ نے جتنا اس کو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد جلد فراغت بھی دے گا (چنانچہ فتوحات کے ذریعہ اس وعدہ کو پورا فرما دیا ہے) اور کتنی ہی (کاف جارہ) ای (یعنی کم پر داخل ہوا ہے) بستیاں تمہیں (یعنی بہت سے بستیاں تمہیں) جنہوں نے سرتابی کی (یعنی بستی والوں نے سرکشی کی) اپنے پرور



دگار کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے، ہو ہم نے ان کا سخت حساب کیا (آخرت میں وہ اگر چہ ابھی آئی نہیں، لیکن یقینی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر کیا ہے) اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سزا دی (نکرا سکون کاف اور ضمہ کاف کے ساتھ، عذاب جہنم مراد ہے) غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور انجام کار ان کا خسارہ ہی ہوا (تباہی اور بربادی) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے (دوبارہ تاکید و امید کے لئے ہے) سو اللہ سے ڈرو۔ اسے سمجھ دارو (عقل مندو) ایماندارو (منادئی کی صفت ہے یا اس کا بیان ہے) اللہ نے تمہارے پاس ایک نصیحت نامہ (قرآن) بھیجا ہے ایک ایسا رسول یعنی محمد ﷺ یہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے ای وارسل) جو تمہیں اللہ کے احکام سناتے ہیں پڑھ پڑھ کر صاف صاف (فتح یا اور کسرہ کے ساتھ جیسا کہ پہلے گزرا) تاکہ ایمان داروں، نیکو کاروں کو (ذکر اور رسول آنے کے بعد) لے آئیں تارکیوں سے (اس کفر کی جس پر وہ ہیں) نور کی طرف کفر کے بعد (جو انہیں ایمان حاصل ہوا ہے) اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا۔ اللہ اس کو داخل کرے گا (ایک قراءت میں نون کے ساتھ ہے) ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ نے اچھی روزی دی (جنتی رزق جس کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی) اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور انہی کی طرح (سات) زمینیں بھی۔ احکام (وحی) نازل ہوتے رہتے ہیں۔ ان سب میں (آسمانوں اور زمین میں جبرئیل ساتویں آسمان سے ساتویں زمین تک لاتے ہیں) تاکہ معلوم ہو جائے (محذوف کے متعلق ہے۔ ای اعلکم بذاک الخلق والتزیل) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

**تحقیق و ترکیب۔** یا ایہا النبی۔ حکم اگرچہ عام ہے۔ لیکن ندا آنحضرت ﷺ کے لئے خاص ہے جس کی دو توجیہوں کی طرف توجہ مفسر نے اشارہ کیا ہے۔ ایک توجیہ تو المراد امتہ کی ہے۔ یعنی عبارت میں واد اور معطوف محذوف ہیں۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ ”یا ایہا النبی و امتہ“ یہ ایسے ہی ہے۔ جیسے سرانبل تفہیم الحرم کو اصل میں الحر والبر د تھا اور بقول صاحب کشاف خطاب میں خصوصیت اس لئے ہے کہ آنحضرت ﷺ رئیس قوم تھے۔ چنانچہ رئیس قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا جاتا ہے۔ یا فلان افعلوا اکیث وکیت حالانکہ مراد عام ہوتی ہے چنانچہ یہاں بھی ”اذا طلقتم“ صیغہ جمع کا قرینہ ہے اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ یا ایہا النبی قل لکم اذا طلقتم الخ عبارت مقدر مانی جائے اس صورت میں گویا حقیقۃ مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں اور ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یا ایہا النبی کی طرح اذا طلقتم کا خطاب بھی آنحضرت ﷺ کو ہے اور صیغہ جمع تعظیماً لایا گیا ہے۔

**طلقتم۔** مفسر نے طلاق سے ارادہ طلاق مراد لیا ہے۔ تاکہ طلقتم کے بعد فطلقتم صحیح ہو جائے ورنہ تحصیل کا اشکال رہتا ہے۔ کیونکہ طلاق پر طلاق کیسے مرتب ہو سکتی ہے۔ اور النساء سے مدخولہ عورتیں مراد ہیں جنہیں حیض آتا ہے۔ کیونکہ حاملہ اور آئسہ کا بیان آگے آ رہا ہے۔ بعد تھن ای مستقبلات بعد تھن۔ جیسے کہا جائے۔ ائبتہ للیلۃ فبقیت من رمضان ای مستقبلات لھا۔ ایک قراءت میں فی قبل عدتھن ہے یعنی ایسے وقت طلاق دو کہ عدت کا احصاء یعنی مکمل شمار ہو سکے اور یہ صورت بھی اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب طلاق عورت کے پاک رہنے کے زمانے میں دی گئی ہو۔ اور دونوں میں خاوند بیوی کے معاملات نہ ہوئے ہوں۔ کیونکہ پورے تین حیض عورت میں پوری ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر بحالت حیض طلاق دی گئی تو پھر احصاء عدت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس حیض کو بھی طلاق میں شمار کیا جائے تو تین حیض سے کم عدت لازم آئے گی۔ اور نہ شمار کیا جائے تو عدت تین حیض سے بڑھ جائے گی۔ حالانکہ حیض تجزی کو قبول نہیں کرتا۔ علی ہذا اگر بحالت طہی کے طلاق دی تو عدت تذبذب میں پڑ جائے گی کہ حاملہ ہو گئی ہو تو پھر عدت وضع حمل قرار دی جائے اور غیر حاملہ ہو تو عدت اور سمجھی جائے۔ غرضیکہ عورت معلقہ ہو کر رہ جائے گی نہ معتدہ کہلائے گی اور نہ شوہر والی بلکہ اوپر لٹکی رہے گی نیز مطلقہ مدخولہ ہونی چاہیے۔ نہ صغیرہ ہو اور نہ آئسہ اور نہ حاملہ۔ کیونکہ غیر مدخولہ کو طلاق دی جائے تو اس کی عدت ہی نہیں ہوتی اور باقی عورتوں کے لئے حیض نہیں ہے۔ پس غیر مدخولہ کو تو بحالت حیض بھی طلاق دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح



باقی عورتوں کو ہمبستری کے بعد بھی طلاق دی جاسکتی ہے۔ جس کی تفصیلی بحث یہ ہے کہ وطی سے خالی طہر میں صرف ایک طلاق دی جائے تو یہ طلاق احسن کہلاتی ہے اور غیر موطوء کو ایک طلاق دی جائے خواہ بحالت حیض ہی ہو۔ یا موطوء یہ جب کہ وہ حیض والی ہو تو ایسے طہروں میں الگ الگ تین طلاقیں دینا جن میں ہمبستری نہ ہوئی ہو۔ دونوں صورتیں طلاق احسن کہلاتی ہیں۔

تین بحالت حیض طلاق دینا یا وطی والے طہر میں طلاق دینا یا دو تین طلاقیں ایک دم طہر میں دے دینا، تینوں صورتیں طلاق بدعی کی ہیں۔ امام تہافتی کے نزدیک متعدد طلاقیں بدعی نہیں ہوں گی۔ بشرطیکہ بے وطی طہر میں ہوں۔ لیکن بقول صاحب کشف امام مالک فرماتے ہیں کہ طلاق سنی، صرف ایک طلاق ہے وہ تین طلاقوں کو خواہ ایک دم دی جائیں یا الگ الگ مکروہ فرماتے ہیں۔ البتہ حنفیہ ایک طہر میں ایک سے زائد طلاق کو مکروہ فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ امام مالک تو طلاق سنی میں وقت اور عدد دونوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور امام شافعی صرف ایک جماعت کے نزدیک طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی۔ اگرچہ گناہ سے تاہم واقع ہو جائے گی۔ سعید بن المسیب اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی امام محمد امام ذفر کے نزدیک حاملہ سنی طلاق ایک ہی دی جائے۔۔۔ نیز ہمارے نزدیک اصح روایات میں مدخولہ کو طلاق بائند دینا مکروہ ہے۔ بہر حال حنفیہ کے نزدیک ”لعدتھن“ سے مراد حیض ہے جیسا کہ شان نزول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک طہر کے معنی ہیں اور ”فطلقوھن لعدتھن“ کے معنی فی عدتھن کے ہیں۔ لام وقفیہ ہے اور وقت طلاق بالاتفاق طہر ہے۔ اس لئے وہ آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مطلقہ کی عدت تین طہر ہیں۔ آیت ”ثلاثہ قرۃ“ کے معنی بھی طہر ہی کے لیتے ہیں۔ تفصیلات سورہ بقرہ میں گزر چکی ہیں اور احصاء العدة مردوں کو مخاطب احتیاطاً کیا گیا ہے کیونکہ عورتیں کم سمجھ ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ احصاء نہ کر سکیں غرضیکہ عدت میں احتیاط کی تاکید مقصود ہے کہ عورت کی حق تلفی نہ ہو اور انہیں ضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو۔

آیت میں دوسرا مسئلہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ زمانہ عدت میں عورت شوہر کے مکان سے بلا مجبوری نہ خود نکلے اور نہ شوہر وغیرہ اس کا نکالیں۔ البتہ عورت سے بدکاری، چوری سرزد ہو جائے تو دوسری بات ہے۔ اس وقت عورت کو باہر نکالا جاسکتا ہے۔ یا ”ایمان فاحشہ“ سے مراد بطور مبالغہ عورت کا باہر نکلنا ہوا ہو۔ یعنی عورت بے ضرورت باہر نکلے گی۔ تو یہ بھی فاحشہ شمار ہوگا۔ بہر حال معتدہ کے لئے سکنی کا ضروری ہونا آیت سے معلوم ہو رہا ہے۔ اور یہ عورت کو اس مسکن میں سکونت کی پابندی کرنی چاہیے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ ”باب العدة“ فرماتے ہیں۔ علیٰ ان تخرج المطلقة من البیت اور فرمایا۔ کہ الفاحشة نفس الخروج و قبل الزنا فیخرجن لا قامة الحدو المعنی باعتبار الخروج والثانی باعتبار الاجراج ثم صرح فی بیوتھن بان البیت المضاف الیہا و هو الذی تسکنہ فعلیہا ان تعد فی المنزل الذی تضاف الیہا بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت لهذه الایۃ۔

اسی طرح صاحب ہدایہ نے باب الرجعة میں امام ذفر پر رد کرتے ہوئے فرمایا لا يجوز المسافرة بالمطلقة الرجعية حتی یشہد الی رجعتها لقولہ تعالیٰ ولا تخرجوھن من بیوتھن الایۃ و ذلك لانه لما منع الاجراج للزوج مطلقا والمسافرة نوع من الاجراج علم ان المسافرة بها ممنوعة وانما جوزنا بالاشهاد اور صاحب مدارک کہتے ہیں کہ بیوت کی اضافت عورتوں کی طرف سکنی کے لئے ہے، ملک کے لئے نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سکنی واجب ہے۔

کوئی اگر یہ عطف کرے کہ میں اپنے مکان میں داخل نہیں ہوں گا۔ تو اس صورت میں بھی حادث ہو جائے گا جب کہ دوسرے کے مملوکہ مکان میں سکونت رکھتا ہو اور اس میں داخل ہو جائے۔ نیز عورت کے اس سکونی مکان پر برہنہ قبضہ کرنے کی صورت میں بھی اخراج کہلائے گا۔ یعنی جائز نہیں ہے۔ اور الفاظ بیت منزل دار میں جو فرق ہے اس کے پیش نظر آیت میں من بیوتھن کہنے اور من دودھن یا من منا زلہم نہ کہنے میں یہ شمارہ نکلتا ہے کہ صرف سکنی سے رجعت کے جذبات پیدا ہو جائیں۔ اور بگڑا ہوا گھر پھر بن جائے۔ یا اس جملہ کو مستنفہ کہا جائے۔ اور صاحب کشف اور صاحب مدارک کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جملہ کا تعلق پہلے پورے بیان سے ہے۔

میسہ۔ ابن کثیر ابو بکر کے نزدیک فتح کے ساتھ ہے یعنی کھلی ہوئی بدکاری اور دوسرے قرء کے نزدیک کسریا کے ساتھ ہے یعنی ظاہر ہے۔ عورت کی بدکاری۔ اور کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق رجعی یا بائنہ کی صورت میں بالکل بہرہ نکلتا چاہیے البتہ عدت و فاقہ ہو تو دن میں محنت مزدوری کے لئے احتیاط اور پردہ کے ساتھ باہر جاسکتی ہے۔ رات مکان عدت میں ہی گزارنی چاہیے۔ نیز طلاق بائنہ کی صورت میں مرد بھی اگر اسی مکان میں رہے تو مرد و عورت کے درمیان پردہ رہنا چاہیے۔ بلکہ ایسی عورت بھی اگر ساتھ رہے تو بہتر ہے جو عورت مرد کو حرام کاری سے روک سکے۔ لیکن مرد اگر آزاد منش ہو یا گھر تنگ ہو تو پھر مرد کو باہر ہی رہنا چاہیے۔

تیسری بات ان آیات میں یہ ارشاد فرمائی گئی کہ مرد خواہ تو اہ جاہلیت کے دستور پر عدت کو طول نہ دے۔ بلکہ زمانہ عدت میں اگر باہمی ملاپ کرنا منصحت سمجھے تو حسن سلوک کی نیت سے رجعت کر لے۔ ورنہ عدت پوری ہوتے ہی عورت کو خوبصورتی سے رخصت کر دے یعنی مہر متعہ دے کر اور حقوق پورے ادا کر کے الگ کر دے۔ "فامسکوهن بمعروف و اوفارقوهن بمعروف" میں یہ دونوں پہلو ذکر کر دیئے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے بہت سے مواقع پر اس کا ذکر کیا ہے۔ منجملہ ان کے باب العین میں ہے لما فوت الامساك بالمعروف فينبوب القاصي مسابة في السريخ بالاحسان۔ علیٰ ہذا باب اللعان میں کہا لما عجز عن الامساك بالمعروف باب القاصي منامة فی التسريح بالاحسان۔

واشہد ذوی عدل منکم یعنی وہ مسلمان منصف مزاج آدمیوں کی گواہی کرلو۔ اور قنادہ کہتے ہیں کہ دو آزاد گواہوں کو رجعت پر شاہد بنانا مراد ہے۔ تاکہ آئندہ بدکاری کی تمہت نہ رہے۔ یہ حکم بھی آیت اشہدو ۱۱ ذاتبايعتم کی طرح استحباب پر محمول ہے۔ امام مالک کے نزدیک اور امام شافعی کی ایک روایت کے مطابق واجب ہے۔ صاحب ہدایہ نے باب الرجعة میں تصریح کی ہے۔ ولنا اطلاق النصوص عن قيد الاشهاد۔ پھر آگے چل کر کہا۔ وما تلاه محمول علیہ الا ترى انه قرنہا بالمغاربة وهو فیہا مستحب اور تفسیر زہدی میں ہے کہ آیت میں گواہ بنانے کو امساك اور مفارقت کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ اور مفارقت بغیر گواہی کے صحیح ہے۔ اسی طرح امساك بھی بغیر رجعت بھی بغیر گواہ صحیح ہو نی چاہیے۔ اور صاحب اتقان کہتے ہیں کہ آیت مائدہ ذوی عدل منکم او اخر ان من غیر کم اس آیت اشہد واذ ذی عدل کے ذریعہ منسوخ ہے۔ یعنی اب ذمی کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ لیکن پہلی آیت کا تعلق وصیت سے ہے اور اس آیت کا تعلق رجعت سے ہے۔ اس لئے صاحب اتقان کا بیان شافعی نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ خاص سبب کا اعتبار نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوا کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی آیت اگرچہ رجعت کے بیان میں ہے مگر الفاظ عام ہیں۔

واقیموا الشہادۃ للہ۔ اس میں پچھلے کلام کی روش تبدیل ہو گئی۔ یہاں گواہوں کو خطاب ہے۔ گواہی خالص خدا کے لئے ہونی چاہیے کسی کی جانب داری یا رعایت۔ پیش نظر نہیں ہونی چاہیے۔ ذلکم یوعظ بہ من کان یؤمن باللہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ کفار شرائع احکام کے مکلف نہیں ہیں۔

بالع امرہ۔ جمہور کے نزدیک بغیر اضافت کے اور حفص کے نزدیک اضافت کی صورت میں ہے۔

واللانی ینس۔ اکثر قراء کے نزدیک جمہور اور یا کے ساتھ ہے اور ورش اور بزمی کے نزدیک بغیر یا کے ہے مطلقہ حائضہ کی عدت اور عدت وفات کا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں غیر حائضہ کی عدت کا بیان ہے۔ جس کی تین صورتیں ہیں۔ حیض نہ آنا کسنی کی وجہ سے ہوگا۔ یا کبرسنی کی وجہ سے یا حاملہ ہونے کی وجہ سے پہلی دونوں صورتوں میں عدت تین مہینے ہوگی۔ اور تیسری صورت میں وضع حمل عدت ہوگی۔ سن ایاس میں اختلاف ہے، بعض نے پچپن سال اور بعض نے ساٹھ سال مانا ہے۔ لیکن اصح یہ ہے کہ جب حیض کی بندش ہو جائے۔ عمر خواہ کچھ ہو۔ ان اوتتم۔ غیر حائضہ کی عدت میں شک مراد ہے۔ یا سن ایاس پر عورت پہنچنے کے بعد خون میں شبہ کرنے لگے کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا اور بقول کشف و مدارک کی جب شک کی حالت میں تین ماہ عدت ہے تو بلا شک یہ عدت بدرجہ اولیٰ ہوگی اور کم سن کی وجہ سے غیر حائضہ کا حکم

واللانی لم یحصن میں بیان کیا گیا ہے جس میں کس بھی داخل ہیں اور وہ عورت بھی جو سن بلوغ کو پہنچ گئی۔ مگر حیض ابھی نہیں آیا، صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔ وان كانت لا تحيض من صغر واکبر فعدتها ثلثة اشهر۔ لقوله تعالى واللانی یسن من الایة وکذا التی بلغت بالسن

ولم تحض باخر الایة۔ صاحب ہدایہ کی ظاہری عبارت سے اگرچہ مفہوم ہوتا ہے کہ کس کیر اسن کی طرح آیت اللانی یسن میں داخل ہے۔ لیکن امعان نظر سے دیکھا جائے تو بالغ بالسن کی طرح کس آیت اللانی لم یحصن میں داخل ہے۔ آیت میں لف وشر اس کا قرینہ ہے بہر حال مہینوں سے عدت کا ہونا اس کی دلیل ہے کہ قرء سے مراد حیض ہے کیونکہ حیض نہ ہونے کی وجہ سے ہی عدت مہینوں میں تبدیل ہوگئی۔ ورنہ حائضہ کی عدت تو حیض سے شمار ہوتی ہے۔ گویا آزاد عورت جو من نساء کم کا مصداق ہے اس کا ہر مہینہ ایک حیض کے قائم مقام ہوا۔ اسی آئہ باندی کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگئی۔ کیونکہ حیض میں تو تجزی ممکن نہیں۔ مگر مہینوں میں تجزی ہو سکتی ہے۔ واللانی لم یحصن مبتداء ہے۔ مفسر نے اس کی خبر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ جملہ ”فعدتھن ثلثة اشهر“ کی بجائے مفرد محذوف مانا جائے۔ مثلاً فکذلک یا مثلھن اور سب سے عمدہ صورت یہ ہے کہ اللانی لم یحصن کو اللانی یسن پر عطف کیا جائے اور دونوں کی خبر فعدتھن ثلثة اشهر ہے۔

واولات الاحمال۔ یہ مبتداء ہے۔

اجلھن۔ مبتداء ثانی ہے جس کی خبر ان یضعن ہے۔ پھر جملہ مبتداء اول کی خبر ہے۔ اس میں تیسری حالت حاملہ کا بیان ہے۔ عورت آزاد ہو یا باندی، مطلقہ ہو یا متوفی عنہا الزوج ہو چاروں صورتیں اس میں آ جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ آیت طلاق آیۃ بقرۃ والذین یتوفون الخ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ عموم اگرچہ دونوں آیتوں میں ہے لیکن بعد میں نازل ہونے کی وجہ سے آیت طلاق کے عموم کو ترجیح دی جائے گی۔ تاکہ ممکنہ حد تک دونوں آیتوں پر عمل ہو جائے۔ چنانچہ غیر حاملہ کی عدت وفات چار مہینے دس دن ہوگی۔ اور حاملہ کی عدت طلاق و وفات دونوں وضع حمل ہوں گی۔ بیضاوی نے اس کی وجوہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ اول تو اولات الاحمال کا عموم ذاتی ہے۔ اور ازواج کا عموم عرضی ہے ”دوسرے آیت طلاق میں حکم معطل ہے برخلاف آیت بقرہ کے۔ نیز سبیحہ بنت الحارث کے شوہر کے انتقال سے چند روز بعد ہی بچہ پیدا ہو گیا۔ تو آنحضرت ﷺ نے عدت ختم ہونے کا حکم دے دیا۔ چوتھے آیت طلاق موخر النزول ہے پس اس کی تقدیم تو تخصیص ہوگی۔ بقول صاحب کشاف وغیرہ ابن مسعود، ابو ہریرہ کی یہی رائے ہے۔ البتہ حضرت علیؓ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حاملہ کو عدت وفات وضع حمل اور چار مہینے دس دن میں سے جو مدت طویل ہو وہ گزارنی چاہیے۔ لیکن صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔ ان كانت حاملًا فعدتها ان تضع حملها لقوله تعالى واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن اور باندی کا حکم بھی یہی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود، حضرت علیؓ کے جواب میں فرماتے ہیں۔ لو وضعت و زوجھا علی سریر لا نقضت عدتها وحل لها ان تزوج۔ پھر صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ اذا مات الصغیر من امراته ولھا فعدتها ان تضع حملھا وهذا عند ابی حنیفہ و محمد و قال ابو یوسف عدتها اربعة اشهر و عشرا و هو قال الشافعی لان الحمل لیس بثابت النسب منه فصار كالحدث بعد الموت لهما اطلاق قوله تعالى واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ اور صاحب ہدایہ فصل نفاس میں لکھتے ہیں۔ ان العدة فی النوائین تنقضي بالا خیر من الولدین اذا لحمل المضاف الیھن اعنی قوله حملھن یعم الكل۔ غرضیکہ آئہ، کس، بالغ بالسن کے عدت تین ماہ ہونے کا حکم بھی عام ہونا چاہیے۔ جس میں عدت طلاق اور عدت وفات دونوں آجائیں۔ آئہ کی عدت وفات تین مہینے دس دن ہیں ہماری دلیل آیت اس ہے۔ یہی رائے ابن مسعود کی ہے۔ آیت حمل خاص نہیں ہے بلکہ سورہ طلاق میں جن کا ذکر ہے سب کو عام ہے۔ لیکن امام زاہد کی تفسیر ہے اس کے خلاف معوم ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ مطلقہ کی عدت کے ساتھ خاص ہے۔ طلاق ہی کی صورت میں یہ عدت ہوگی اور مطلقہ بھی مدخولہ ہونی چاہیے اور عدت وفات عام ہے جس میں ذوات الحیض، آئہ صغیرہ مدخولہ سب داخل ہیں اور حاملہ کی عدت سب سے زیادہ عام ہے

جس میں حائضہ، آئہ، صغیرہ، مدخولہ، غیر مدخولہ عدت و فوات، طلاق سب آجاتی ہیں۔ لہذا عدت تین طرح کی ہوگی۔ خاص، عام، اعم۔ اسکوہن من حیث سکنتم۔ اس آیت میں چند مسائل ہیں۔

۱۔ عدت طلاق میں سکنی واجب ہے اور وہ حسب حیثیت ہوگا۔ من حیث میں من تعیضیہ ہے اکی بعض مکان۔ جیسے یغضوا من ابصارہم ای بعض ابصارہم۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ایک ہی مکان ہو تو اس کے کچھ حصہ میں معتدہ رہ سکتی ہے اور رازی کسائی کی رائے ہے کہ من صدکا ہے۔ یعنی ایک ہی جگہ دونوں کو رہنے کی اجازت ہے۔ انخوی، اور ابوالبقاء من ابتدائیہ مانتے ہیں۔ یعنی جس طرح تم رہتے ہو معتدہ کو اسی طرح رکھو۔ من وجدہم صاحب کشاف کے نزدیک من حیث سکنتم کا حلف بیان ہے اور ابوالبقاء بدل مانتے ہیں۔ اور من وجدہ کم میں من یونیہ ہے جیسا کہ صاف کشاف کی رائے ہے۔ فقر الاسلام نے اقسام السنہ میں ذکر کیا ہے کہ اس آیت سے سکنی و نفقہ دونوں کا واجب ہونا معلوم ہوا۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ اذا ادى الرجل المهر اخرجها شاء ولا يجوز لها المنع لعموم قوله اسكنوهن من حیث سکنتم۔ یہ آیت اگرچہ مطلقہ کے بارے میں ہے۔ منکوحہ کے متعلق نہیں ہے۔ تاہم لفظ عام ہے۔ اسی پر عمل کیا جائے گا۔

۲۔ مطلقہ حاملہ کا نفقہ بھی واجب ہے۔ وان کف اولات حمل فانفقوا علیہن۔ بچہ کی رعایت کے پیش نظر نہ نفقہ رکھا گیا۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک مطلقہ رجعیہ، بائنہ کے لئے بھی یہ نفقہ ضروری ہوگا عورت کے محبوس رہنے کی وجہ سے اور للمطلقات متاع بالمعروف کی رو سے۔ اور ان سے سکنی بھی ضروری ہوگا۔ لیکن امام مالک، امام شافعی کے نزدیک اس آیت کی رو سے صرف حاملہ کے لئے نفقہ ضروری ہے۔ جیسا کہ بیضاوی اور مدارک اور ہدایہ باب النفقہ میں ہے۔ لیکن حسن کے نزدیک مطلقہ بائنہ کے لئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنی۔

فاطمہ بنت قیس کو طلاق ثلاثہ ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لاسکئی لک ولا نفقہ۔ ہماری دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ فرمایا تھا۔ لا ندع کتاب ربنا ولا سنۃ نبینا بقول امرأۃ لا ندری صدقت ام کذبت حفظت ام نسبت سمعت النبی ﷺ یقول لہا السکنی والنفقہ۔ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ چونکہ وہم ہو سکتا تھا کہ کہیں حاملہ کا زمانہ عدت طویل نہ ہو جائے اور اس کی وجہ سے زائد مدت ساقط ہو جائے۔ اس لئے اللہ نے حاملہ کی قید لگائی، تخصیص مقصود نہیں ہے۔ لیکن حاملہ کی عدت و فوات کتنی ہے، اس میں اختلاف ہے ایک جماعت غیر حاملہ پر قیاس کرتے ہوئے کہتی ہے کہ حاملہ کے لئے عدت نہیں ہے۔ اور حضرت علیؓ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک واجب ہے۔

۳۔ مطلقہ اگر بچہ کو بادودھ پلائے تو فان ارضعن لکم فاتوہن اجورہن کی وجہ سے اس کے لئے اجرت ہے۔ لیفق ذوسعہ کی وجہ سے امام شافعی فرماتے ہیں۔ کہ نفقہ میں مرد کے حال کی رعایت کی جائے گی۔ کرنی کا قول بھی یہی ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک مرد و عورت دونوں کے حال کی رعایت کی جائے گی۔ خصاف نے اسی کو اختیار کیا ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔

چنانچہ ابوسفیان کی بیوی بندہ کو آپ نے یہ کہہ کر اجازت دی تھی۔ خذی من مال زوجک ما یکفیک وولدک جس سے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے عورت کے حال کی رعایت فرمائی۔ اور آیت کے معنی ہمارے نزدیک یہ ہیں۔ فی الحال مرد کو وسعت کے مطابق مکلف کر دیا گیا ہے۔ لیکن بقیہ اس کے ذمہ قرض رہے گا۔ صاحب ہدایہ نے باب النفقہ میں ایسے ہی ذکر کیا ہے۔ لیکن صاحب کشاف و مدارک نے مطلقہ اور مرضعہ دونوں کے حق میں عام مانا ہے۔

بہر حال ماں پر بچہ کو دودھ پلانا واجب نہیں ہے۔ باپ کی ذمہ دودھ پلانے والی مقرر کرنا واجب ہے۔ الا یہ کہ باپ محتاج ہو۔ یا بچہ کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پئے۔ تو پھر منکوحہ ہونے اور مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں اور ایک روایت کے مطابق مطلقہ بائنہ کی صورت میں بھی بلا اجرت مال دودھ پلانے۔ البتہ عدت کے بعد اپنے بچہ کو دودھ پلائے۔ اسی طرح دوسری بیوی کا بچہ ہو تو دونوں صورتوں میں اجرت لے سکتی ہے۔ نیز اجرت کے سلسلہ میں دوسری عورت کے مقابلہ میں کو ترجیح دی جائے گی۔ الا یہ کہ زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے اور عدت کے بعد ماں کا مستحق

اجرت، وفاقان اور ضعنکم کی قاء سے سمجھ میں ہو رہا ہے۔ یہ نکتہ وضع حمل کے بعد فائز کی ہے اور وضع حمل سے عدت ختم ہو جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عدت کے بعد ماں کو اجرت دی جاسکتی ہے۔ یہ نکتہ وہ مشن لاجنبیہ کے ہو گئی ہے۔ اس سے مطلقاً دودھ پلانے والی کی اجرت کا جواز نکل آیا۔ اب آیت میں لفظ اجور ہے۔ اب آیا تھا کیا؟ ابھی اجرت شمار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ تو استحساناً اجازت دیتے ہیں۔ لیکن صاحبین قیاس ظاہر کی رو سے ناجائز کہتے ہیں۔ یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ آیت سورہ بقرہ و علی المولود له رزقهن و کسوتهن مالہ معروف کہ دودھ پانی کی اجرت پر محمول نہ کیا جائے لیکن اگر یہ آیت اجرت پر محمول کی جائے۔ جیسا کہ فخر الاسلام بزدوی وغیرہ کی رائے ہے۔ پس کا ذکر اشارہ انیس کی بحث میں ہے تو پھر امام اعظمؒ کی کھلی دلیل ہو جائے گی۔

دودھ پانی کی اجرت سے متعلق چند جزئیات یہ ہیں۔

- ۱۔ فتنی کتابوں میں سراحۃ ہے کہ ناکہ بچہ کو نہلانے، پٹے دھونے اور کھانے کا بند و بست کرنا ضروری ہے اور یہ کلی خرچہ بچہ کے باپ پر ہوگا۔
  - ۲۔ ماں مدت رضاعت کے بعد بکری وغیرہ کا دودھ پلانے کا انتظام کرے تو اس کی ذمہ داری مرد پر نہیں ہوگی۔
  - ۳۔ اگر ناکہ شہر اپنے مکان میں اس سے صحت کر سکتا ہے۔ بچہ کے باپ کے مکان پر رہتے ہوئے نہیں کر سکتا۔
  - ۴۔ لیکن بچہ کا باپ اگر دودھ پانی کے شوہر کو اس کے اپنے مکان پر بھی صحبت کی اجازت نہ دے تو دودھ پانی کا شوہر اجارہ کو منسوخ کر سکتا ہے۔
  - ۵۔ اسی طرح اگر ناکہ بیمار پڑ جائے یا حاملہ ہو جائے تو بچہ والے بھی اجارہ منسوخ کر سکتے ہیں۔
- من قریۃ مجاز مرسل کے طریقہ پر محل بول کر حال مراد لیا گیا ہے۔ اور اعد اللہ کی ضمیر جمع اہل قریہ کی طرف راجع ہوگی۔ ذکر رسول مفسر نے رسول کی تائیدیوں میں سے ایک ترکیب بیان کی ہے چنانچہ ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ از جان اور فاری اس کو ذکر مصدر کی وجہ سے منصوب مانتے ہیں۔ جیسے دوسری آیت میں ہے او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیمہ۔

۲۔ رسول کو بطور مبالغہ ذکر قرار دے کر ذکر سے بدل مانا جائے۔

۳۔ رسولاً بدل ہو کر اسے حذف مضاف کے ساتھ ای انزل و اذکر رسولاً۔

۴۔ رسولاً اس محذوف کی صفت ہو۔

۵۔ رسولاً ذکر سے بدل ہو، حذف مضاف ہو، رسول میں ای ذکر ذار رسول اس صورت میں ذار رسول، ذکر کی صفت ہوگی۔

۶۔ رسولاً بمعنی رسالۃ ہو، اس صورت میں بغیر تاویل کے رسولاً میں بدل صریح ہو جائے گا۔ یا بقول فارسی کے بیان بھی ہو سکتا ہے باوجود نکرہ ہونے کے۔ لیکن یتلوا علیکم پر نظر کی جائے تو یہ ترکیب بعید معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ رسالت کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ الا یہ کہ مجاز اختیار کیا جائے۔

۷۔ جیسا کہ مفسر نے کہا ہے کہ رسولاً فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

۸۔ رسولاً کو منصوب علی الاغواء کہا جائے ای اتبعوا والزموا رسولاً اسی طرح رسولاً کے مصداق میں راہیں مختلف ہیں۔ آنحضرت ﷺ مراد ہیں یا قرآن کریم یا جبرئیل امین ہیں۔ زخشری کے نزدیک رسول ذکر سے بدل ہے۔ مراد جبرئیل ہیں کیونکہ وہی آیات اللہ تلاوت کرتے ہیں جو انزال ذکر ہے۔

ومن الارض مثلہن۔ عام قراء مثلہن کو منصوب کہتے ہیں۔ سبع معمولات پر عطف کرتے ہوئے یا فعل محذوف کا مفعول ہے۔ ای خلق مثلہن من الارض اور قراءت شاذ رفیع کی بھی ہے۔ مبتداء موثر و مانع ہونے سے من الارض خبر مقدم ہے۔ آسمانوں کے سات ہونے پر تو علماء اسلام کا اتفاق ہے اور یہ کہ سب اوپر نیچے ہیں لیکن زمین کے متعلق جمہور کی رائے تو یہ ہے کہ وہ بھی آسمانوں کی طرح اوپر نیچے سات ہیں اور فاصلہ سے ہیں۔ اور سب مخلوقات آباد ہیں۔ اہل دین و اسلام کی دھڑت اوپر کے طبقہ پر رہنے والوں سے متعلق ہے۔ آثار و تعلیلات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا کیا آپ ﷺ کے علاوہ کسی نبی کا نیچے طبقوں کے لئے آنا ثابت نہیں ہے۔ اس طرح اور طبقات میں آفتاب و ماہتاب علیحدہ ہیں یا ان کا نور وہاں پہنچتا ہے، علماء دونوں طرف گئے ہیں۔ سخاک کی رائے ہے کہ یہ سب زمینیں پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ اور بعض کی رائے ہے کہ ساتوں زمینیں طبقات کی صورت میں ہیں۔ بلکہ یہی زمین سات ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ان قطععات کے درمیان سمندر اور دریا حائل ہیں اور ان سب پر آسمان تار ہوا ہے لیکن قرطبی روایات کی بناء پر جمہور کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔

یتنزل الامور بینہن۔ علامہ بیہقی نے ابوالفتحی کے طریق سے ابن عباس کا اثر نقل کیا ہے اس کی سند بیہقی نے صحیح کہا۔ مگر شاذ بھی کہا ہے کیونکہ ابوالفتحی کا متابع نہیں ملا۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اگر اس کی مثل ابن عباس سے ثابت ہو تو کہا جائے گا کہ ممکن ہے انہوں نے اسرائیلیات سے اس کو لیا ہوگا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں اس پر بے نظر کلام فرمایا ہے۔ انہوں نے امام احمد، ترمذی کی مرفوع روایات کو ابو ہریرہ کی وجہ سے زمین کو سات طبقات پر مانا ہے۔ اور یہ کہ جس طرح آسمانوں میں اونچے کو احکام اترتے ہیں۔ اسی طرح زمین کے طبقات میں بھی اوپر کا طبقہ اصل ہے۔

اور نیچے طبقات میں تابع ہیں۔ ابن عباس کی روایت ہے۔ سید السموات السماء اللتی فیہ العرش و سید الارضیں التی انتم علیہا۔ جہاں اس سے آسمان اول اور زمین اول کی فضیلت دوسرے آسمانوں اور زمینوں سے ثابت ہو رہی ہے۔ ایسے ہی وہاں کے رہنے والے بھی دوسرے رہنے والوں سے افضل ہوں گے۔ اور اس زمین اول میں آنحضرت ﷺ مرکز نبوت ہیں اور شریعت اسلامیہ اصول شرائع ہے پس آپ اور آپ کی شریعت بھی سب زمینوں پر ماکم رہے گی۔ اور ابن عباس کا اثر تو اگرچہ تو اثر کو نہیں پہنچا اور نہ اس کے مضمون کو اجماعی کہا جاتا ہے۔ تاہم ایسے آثار کا انکار بھی مناسب نہیں۔ جب کہ اس آیت کے الفاظ بھی مشیر ہیں۔ ائمہ حدیث نے اس اثر کی تصحیح کی ہے، اور بیہقی نے شاذ کہنے کے باوجود صحیح مانا ہے۔ اس لئے یہ شذوذ باعث طعن نہیں رہتا۔ کیونکہ شاذ کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایک ثقہ راوی دوسرے تمام ثقات کے برخلاف کوئی بات کہے۔ دوسرے یہ کہ کسی روایت کا راوی صرف ایک ثقہ شخص ہو۔ چنانچہ یہاں دوسری صورت ہے اور وہ صحیح ہی میں شمار ہوتی ہے پھر اس اثر سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی جلالت اور زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے لائق قبول ہے۔

رابط آیات: سورۃ تغابن کے اخیر میں بعض بیویوں اور اولاد کا دینی اعتبار سے دشمن ہونا بتلایا گیا تھا۔ ممکن تھا کہ ان کے حقوق واجب ادا کرنے میں اس دشمنی کا خیال کرنے سے کوتاہی ہوتی۔ خاص کر جب مفارقت بھی ہو جائے۔ اس لئے سورہ طلاق میں مطلقہ عورتوں اور شیر خوار اولاد کے احکام سے اس کی تلافی کر دی ہے یعنی جب جدائی کے باوجود عورتوں کے حقوق نگہداشت کا حکم ہے تو موافقت کی صورت میں یہ حکم بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ ان احکام ذیل میں چار جگہ چونکہ تقویٰ کا حکم اور ترغیب ہے۔ اس لئے دوسرے رکوع کو پورا مضمون اس کی تاکید میں ہے۔ اور یہ بھی بتلا تا ہے کہ دنیاوی معاملات کی رعایت بھی شریعت میں ضروری ہے۔

شان نزول و روایات: ..... امام مالک، شافعی، حنفی، ابو داؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ وغیرہ سب نے روایت کی ہے کہ ابن عمرؓ نے بحالت حیض بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ تو حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا۔ تو آپ ﷺ نے نہایت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ لیراجعہا ثم یمسکها حق لظہر ثم تحيض فتنہر فان بدالہ ان يطلقها طاهرا قبل ان یمسها فتلک العدة التی امر اللہ ان تطلق لها النساء۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت یا لہا النبی اذا طلقت النساء پڑھ کر سنائی اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حصہ کو طلاق دی یا دینی چاہی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی الا ان یا تین بفاحشة۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ الفاحشة ان تبدوا والمرأة اهل



الرجل فاذا بدت علیہم بلسانہا فقد حل لہم اخراجہا۔ اور ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ اور ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ خروجا من بیتہا قبل انقضاء العدة هو الفاحشة بعد ذلك امرأ۔ فاطمہ بنت قیس کی طویل روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں انما النفقة والسکس للمرأة علی زوجها ما كانت له علیہا رجعة اذالم یکن فلا نفقة ولا سکس۔ لیکن جو حضرات مطلقہ پائندہ اور وفات کے لئے بھی نان نفقہ مانتے ہیں۔ وہ امرا سے مراد یہ لیتے ہیں کہ شاید منجانب اللہ کوئی خاص حکم یا ناسخ آجائے۔ ومن یحق اللہ عوف بن مالک اجمعی کے صاحبزادہ سالم کو کفار نے گرفتار کر لیا۔ اور حضرت عوفؓ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ اور لڑکے کی گرفتاری اور اپنے فاقہ کا حال بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اتق اللہ واكثر لا حول ولا قوة الا بالله العظیم، چنانچہ عوفؓ نے تعمیل ارشاد کی، یہ بھی اپنے مکان میں تھے کہ ان کے صاحبزادہ سالم نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے دیکھا تو اس کے ساتھ سوانٹ بھی تھے۔ ہوا یہ کہ دشمن کی نظر بچا کر سوانٹ سمیت بھاگ آئے۔

ان اربعتم۔ محدثین کی ایک جماعت نے ابی بن کعب سے تخریج کی ہے کہ عورتوں کی عدت سے متعلقہ سورت بقرہ کی آیات جب نازل ہوئیں تو اہل مدینہ نے کہا کہ بعض عورتیں ابھی رہ گئی ہیں۔ جن کے احکام معلوم نہیں ہوئے۔ مثلاً چھوٹی بڑی عورتیں جن کو حیض نہیں آتا اور حاملہ عورتیں ان کے متعلق قرآن نازل نہیں ہوا۔ تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس لئے ان اربعتم سے شروع کیا۔ ورنہ اس کا مفہوم مراد نہیں ہے۔ حتیٰ یضعن حملهن۔ اسی نفقہ کے خاص حاملہ کے لئے مخصوص ہونے پر ائمہ ثلاثہ فاطمہ بنت قیس کی روایت پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے لیس علیہ نفقہ فرمادیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ نفقہ صرف حاملہ کے لئے ہے۔ لیکن حنفیہ اس روایت کو منہوش مانتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے خدشہ ظاہر کیا ہے اور آیت میں قید حمل احترازی نہیں ہے۔

ومن الارض مثلهن۔ عن ابی ہریرۃ قال بینما نبی اللہ ﷺ جالس واصحابہ اذا نبی علیہم صحاب فقال النبی ﷺ هل ما قلرون ما هذا؟ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال هذه العنان هذه روايات الارض يسوقها اللہ الی قوم لا يشكرون ولا يدعونہ ثم قال هل تدرن ما فونکم قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال فانما الرقیع سقق محفوظ و موج مکفوف ثم قال هل تدرن ما بینکم و بینہا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال بینکم و بینہا خمس مائة ثم قال كذلك قال هل تدرن ما فوق ذلك قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال سماء ان بعد ما بینہما خمس مائة سنة ثم قال كذلك حتی عد سبع سموات ما بین کل سمائین ما بین السماء والارض ثم قال هل تدرن ما فوق ذلك قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ان فوق ذلك العرش و بینہ و بین السماء بعد ما بین السمائین ثم قال هل تدرن ما الذى تحکم قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال انها الارض ثم قال هل تدرن ما تحت ذلك قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ان تحتها ارضا اخرى بینہما سيرة خمس مائة حتى عد سبع ارضین بین کل ارضین سيرة خمس مائة ثم قال والذى نفس محمد بیدہ لو انکم لیتم بحبل الی الارض السفلی لہبط علی اللہ ثم قراء هو الاول والاخر والظاهر والباطن وهو بکل شئی علیم (حمد، ترمذی) عن ابن عباس ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض ادم کادعکم و نوح کنوحکم و ابراهیم کابراہیمکم و عیسیٰ کعیسکم و نبی کنبیکم۔ (در منشور)

﴿تشریح﴾..... یا اے النبیؐ نبی کو مخاطب بنا کر ساری امت سے خطاب ہے

حکام طلاق وعدت۔ (۱) اگر کسی ضرورت یا مجبوری سے ان بیویوں کو طلاق دینے لگو جو بدخول (حقیقی یا حکمی ہوں) تو انہیں زمانہ عدت یعنی



نیفٹ سے پہلے ایسے ملک میں طلاق دو جس میں صحبت نہ ہوئی ہو (عند الاحناف) کیا یہ معنی ہیں۔ ابتداء عدت یعنی طہر میں طلاق دو (عند الشوافع)۔  
۳۔ اور عدت کو یاد رکھو۔

۴۔ اللہ سے ڈرتے رہو یعنی طلاق اور عدت خلاف شرع صورتیں اختیار نہ کرو۔

۵۔ زمانہ نکاح کی طرح زمانہ جاہلیت میں بھی عورتوں میں رہنے دو۔ باہر مت نکالو۔

۶۔ عورتیں خود بھی نہ نکلیں بلکہ حق شرعی سمجھ کر عدت گھر میں بسر کریں۔

۷۔ مال اگر بدکاری، چوری وغیرہ کریں تو سزا کے لئے نکالی جاسکتی ہیں۔ یا بقول بعض اگر زبان درازی کریں اور ہر وقت رنجش و تکرار رکھیں تو نکال دینے کی اجازت ہے۔

۸۔ جو اس کی خلاف ورزی کرے گا۔ ظالم گنہگار ہوگا۔

۹۔ طلاق کے بعد شاید اللہ بہتر صورت نکال دے۔ اس میں طلاق رجعی کے بہتر پہلو کی طرف توجہ دلا کر رجعت کی ترغیب ہے۔

۱۰۔ عدت ختم ہونے سے پہلے رجعت کرنا چاہو تو جائز ہے۔

۱۱۔ چھوڑنا مصیبت ہو تو خوبصورتی سے شرعی دستور پر عورت کو رخصت کر دو۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے طریقہ پر عورت کو آدھ میں لٹکی ہوئی مت چھوڑ دو۔

۱۲۔ دونوں صورتوں میں دو معتبر آدمیوں کی گواہی کراؤ۔

۱۳۔ گواہوں کو چاہیے کہ بلا دور عایت ٹھیک ٹھیک گواہی دیں۔

۱۴۔ اللہ اپنے سے ڈرنے والوں کو اخروی اور دنیوی نقصان سے بھی بچا لیتا ہے اور انہیں رزق ایسی جگہ سے فراہم کرتا ہے جہاں ان کا وہم و گماں بھی نہ ہو۔ اخروی ضرورت سے بچاتا ہے کہ اسے عذاب سے نجات ہو جائے اور رزق اخروی جنت اور نعمائے جنت ہیں اور دنیوی ضرورت کا بھی ہے۔ ایک ضرر حسی جو اکثر ہوا کرتا ہے اس کا دفعیہ یہ ہے کہ بلا مل جائے۔ اور رزق حسی کی فراغت ہو جائے۔ دوسرے باطنی طور پر ضرر دفع ہو جائے کہ اس بلا پر صبر ہو جائے کہ یہ بھی نجات ہے اس کے اثر سے۔ اور قلیل رزق پر قناعت ہو جائے کہ یہ بھی اثر سکون و طمانیت کے لحاظ سے رزق حسی ہی کے حکم میں ہے اور اس کا لا مستحب اس لئے کہا کہ حصول طمانیت و سکون کا ظاہری ذریعہ تو فراوانی رزق ہوا کرتا ہے۔ مگر قناعت سے سکون حاصل ہو جانا خارج از گمان ہے۔

۱۵۔ اور تقویٰ کا ایک شعبہ توکل ہے۔ جو اللہ پر توکل کرے گا (اس کا اثر یہ ہے کہ اللہ اس کے لئے سب مہمات میں کافی ہو جائے گا۔ یعنی اصلاً مہمات کے لئے کافی ہونے کا اثر خاص ظاہر فرماتا ہے۔ ورنہ اللہ کا کافی ہونا تو سارے عالم کے لئے عام ہے نیز یہ اصلاح مہمات بھی عام ہے خواہ حسی طور پر ہو یا باطنی ہو۔ کیونکہ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اور اس نے ہر چیز کا ایک انداز مقرر کر رکھا ہے چنانچہ اصلاح مہمات کا وقت اور انداز بھی اسی کے ارادہ اور حکمت پر ہے۔

۱۶۔ مطلقہ بیویوں میں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں۔ اگر تمہیں ان کی مدت کی تعیین میں شبہ ہو جیسا کہ تمہارے پوچھنے پر معلوم ہوا ہے تو ان کی مدت میں مہینے نہ۔

۱۷۔ اسی طرح جن بیویوں کو کسی کی وجہ سے ابھی حیض نہیں آیا تو ان کی مدت بھی تین مہینے ہے۔

۱۸۔ حاملہ بیویوں کی مدت پچہ پید ہو جاتا ہے۔ پچہ طہل ہو یا ناقص حتیٰ کہ ایک انگلی ہی سی۔

۱۹۔ مطلقہ عورتوں کو اپنی مقدور کے مطابق رہائش کی جگہ بھی جہاں تم رہتے ہو۔ البتہ ہائیمہ ڈونے کی صورت میں شہر ہوئی کے درمیان حائل کا ہونا ضروری ہے۔

۱۹۔ ان کو تنگ کر کے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

۲۰۔ مطلقہ بیویاں اگر حاملہ ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک ان کو نان نفقہ کا خرچہ دو۔ اور بچہ جنم کی قید حاملہ کے لئے لگانا اس لئے ہے کہ غیر حاملہ بیویوں کا خرچ تین حیض یا تین مہینے کا ہوگا۔ اور اس تخصیص ذکر کی کا نکتہ یہ ہے کہ ممکن ہے، ابتداء عمل میں طلاق ہوئی تو بچہ پیدا ہونے کی مدت تین حیض یا تین مہینے کی نسبت غالباً زیادہ ہوگی۔ اور اتنے دنوں کا خرچہ نفس پر شاق ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اس کو صراحتاً فرمادیا اور مطلقاً مطلقات کے لئے نفقہ سکنی حنفیہ کا مسلک ہے۔ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک مطلقہ بابت غیر حاملہ کے لئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنی۔ ان کے نزدیک اسکو صہن کی ضمیر مطلقہ رجعیہ کی طرف راجع ہے۔ اگرچہ ان کن اولات حمل کی ضمیر ان کے نزدیک بھی مطلقاً مطلقات کی طرف راجع ہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک مسکو صہن کے علاوہ سب ضمیر مطلقاً مطلقات کی طرف راجع ہیں کیونکہ خود امساک کا حکم رجعیہ کے مرجع ہونے کا قرینہ ہے۔

۲۱۔ مطلقہ بیویاں خواہ پہلے سے بچہ والی ہوں یا بچہ ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو۔ وہ اگر بچہ دودھ پلا نہیں تو ان کو اجرت دینی چاہیے۔

۲۲۔ دودھ پلائی کی اجرت باہمی مشورہ سے طے کر لی جائے۔ کیونکہ بچہ دونوں کا ہے۔ دونوں ہی کے پیش نظر اس کی مصلحت ہونی چاہیے۔

۲۳۔ لیکن اگر اجرت کے معاملہ میں باہمی کشمکش ہو تو پھر دوسری کوئی عورت دودھ پلائے گی یعنی دوسری انا تلاش کرلو۔

اس خبر سے مقصود حکم ہے اور اس میں مرد کو کم اجرت دینے پر عتاب ہے کہ یہاں دوسری عورت دودھ پلائے گی۔ آخر وہ بھی تو اجرت مانگے گی۔

نفقہ دودھ نہیں پلائے گی۔ پھر کیوں نہ ماں کو پوری اجرت دے دو۔ اسی طرح عورت کو زیادہ اجرت طلب کرنے پر عتاب ہے تو اگر خیرے کرتی ہے گی تو دوسری عورت موقع سے فائدہ اٹھائے گی۔ اس لئے تو ہی کیوں گراں بنتی ہے۔

۲۴۔ دودھ پلائی کی اجرت اور خرچہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق ادا کرے گا۔ امیر ہو تو امیرانہ، اور غریب ہو تو غریبانہ۔

مذکورہ احکام کی علت... آیت لا قدری جس میں طرح طلاق رجعی کی ترغیب کا پہلو ہے۔ اسی طرح آیت کی بقید احکام کی علت

بھی ہے۔ خواہ صراحۃ، خواہ اشارۃ۔ مثلاً عدت کی نگہداشت کی علت تو اس طرح ہے کہ عدت یا نہ رہی تو رجعت کیسے کرے گا۔ اور اس سے فائدہ ایسے اٹھائے گا۔ علیٰ ہذا دفعۃ تین طلاق نہ دینے کی علت اس طرح ہے کہ اگر طلاق متفرق طور پر دے گا تو رجعت کی گنجائش رہے گی۔ اور دفعۃ تینوں طلاق دے ڈالنے سے یہ مصلحت ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح حالت حیض میں طلاق نہ دینے کی علت اس طرح ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق کا سبب ممکن ہے۔ نفرت طبعی ہے۔ اور جب حالت طہر میں وہ نفرت چلی جائے گی اور نکاح میں رکھنے کا ارادہ ہوگا تو خواہ مخواہ اپنی حماقت پر حسرت و ندامت ہوگی۔ اور گویا حالت حیض طلاق دینا رجعت کے لئے مانع نہیں ہے۔ لیکن اس طرح حسرت سے تو بچاؤ رہے گا۔ علیٰ ہذا زمانہ مدت میں گھر سے باہر نہ نکالنے کی علت اس طرح ہوگی۔ کہ بعض دفعہ گھر سے نکال دینے کی صورت میں رجعت کرنے یا دوبارہ نکاح کرنے میں سبکار کاوٹ ہو جاتی ہے اور اس میں دونوں یا ایک کا نقصان ہے۔ اسی طرح خود عورت کے گھر سے نہ نکلنے کی علت اس طرح ہے کہ بعض دفعہ مرد کی نفرت عورت کے نکل جانے سے بڑھ جاتی ہے۔ لیکن ایک جگہ رہنے میں ممکن ہے کہ مرد کو رجعت یا دوبارہ نکاح کرنے کا خیال پیدا ہو جائے۔ مرضیکہ لعل اللہ الخ کی حکمت سب عورتوں میں شامل ہے۔

کاین من قریبہ۔ شرعی احکام کی بالخصوص عورتوں سے متعلق ہدایات کی پابندی کرو۔ اگر نافرمانی کرو گے۔ تو یاد رہے کہ کتنی ہی بستیاں اللہ کی افرمانی کا خیارہ بھگت چکی ہیں۔ ہم نے ان کو سرکشی پر سختی سے جائزہ لیا اور ان کو ایسی آفت میں پھنسا یا جو آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔  
مکروا سولاً۔ ذکر اگر بمعنی ذاکر ہو تو خود رسول مراد ہوں گے۔

یعنی بھی آسمانوں کی طرح سات ہیں۔..... ومن الارض مثلہن یہ سات زمینیں ممکن ہے نظر آتی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے

کہ نظر نہ آتی ہوں۔ مگر لوگ ان کو کواکب سمجھتے ہوں۔ جیسا کہ آج کل مرغ وغیرہ کی نسبت سائنسدانوں کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ، دریا، آبادیاں ہیں۔ باقی احادیث میں جو ان زمینوں کا اس زمین کے نیچے ہونا آیا ہے ممکن ہے کہ وہ بعض حالات کے لحاظ سے ہو اور بعض حالات میں وہ زمینیں اوپر دکھائی دیتی ہیں۔

یتنزل الامر۔ عالم کے انتظام و تدبیر کے لئے اللہ کے احکام، نکوۃ و شرعیہ آسمانوں اور زمینوں میں اترتے رہتے ہیں۔

ابن عباسؓ کی موقوف روایت سبع ارضین فی کل ارض نبی کسبکم و ادم کا دمکم رخ مشکلات میں شمار کی جاتی ہے۔ اس کی سہل ترین توجیہ صاحب روح المعانی نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔ والمراد ان فی کل ارض خلفاء و جموع الی اصل واحد رجوع بنی ادم فی ارضنا الی ادم علیہ السلام و فیہم افراد ممتازون علی سائرہم کنوح و ابراہیم و غیر ہما فینا۔ اور غالباً اس کے مشکل ہونے کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ کو یہ فرمانا پڑا۔ لو حدثتکم بتفسیرہا لکفرتکم و کفرتکم بتکذیبکم بہا (درمنشور)

اس سے زیادہ سمجھنے کی عام لوگوں میں چونکہ استعداد نہیں ہوتی۔ اس لئے نہ عوام کو اس میں پڑنا چاہیے اور نہ خواص کے بارے میں بدگمانی کرنی چاہیے۔ اور چونکہ بقول صاحب روح المعانی بعض نے اس حدیث کو موضوع شمار کیا ہے۔ اس لئے اہل علم کے لئے بھی زیبا نہیں کہ وہ اس حدیث کے منوانے میں عوام پر زور دیں جب کہ اس کی صحت ہی پہلے سے مختلف رہی ہے۔ اور اس سورت کی آیات تقویٰ میں ایک بلیغ ربط یہ ہے کہ اول اتقوا اللہ میں حکم ہے۔ پھر من یتق اللہ دنیوی و اخروی برکات کے لئے جامع ہے اور من یتق اللہ یجعل لہ میں دنیوی برکات کا اور من یتق اللہ یکفر الخ میں دنیوی برکات کا ذکر ہے۔ گویا پہلے اجمال ہوا پھر تفصیل وان اللہ قد احاط یعنی اللہ کی صفات علم و قدرت کے اظہار کے لئے یہ سارا تکوینی تشریحی نظام پھیلا یا ہے۔ بقیہ صفات الٰہی انہی دو مرکزی صفتوں کے گرد گھومتی ہیں۔ صوفیاء جو کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعراف بیان کرتے ہیں وہ اگرچہ محدثین کے نزدیک صحیح حدیث نہیں ہے۔ تاہم اس آیت کے مضمون سے ماخوذ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم و علمہ احکم۔

لطا ئف سلوک: ..... لا تدری۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کام کی مختلف شقوں میں اگر مختلف مصلحتیں ہوں تو کسی قطعی فیصلہ میں جلدی نہ کرے۔ اس میں مرید سے قطع تعلق بھی داخل ہے۔ اسی طرح اسباب معاش کا اہل وطن سے تعلق کا چھوڑنا بھی اس میں داخل ہے۔

ومن یتق اللہ۔ تقویٰ کی ان برکات کا اہل طریق ہر وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

واتمروا بینکم بمعروف۔ عورت سے ناقص الحقل ہونے کے باوجود مشورہ کرنے میں ان کی دلجوئی ہے اور بعض دفعہ ناقص سے بھی کامل رائے مل جاتی ہے۔ پس یہ دونوں پہلو اہل طریق کی عادت اور مطلوب میں داخل ہیں۔

وان تعاسرتم۔ سے معلوم ہوا کہ نہ خود ایسی جگہ میں پڑے اور نہ دوسرے کو ڈالے جس سے اپنی یا دوسرے کی آزادی میں خلل پڑے۔ اہل طریق کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔

قد انزل اللہ الیکم ذکراً۔ الخ رسول اگر ذکر کی صفت ہو تو بطور سابقہ دونوں میں اتحاد ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ شیخ کی صحبت اور گفتگو ذکر کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ بالواسطہ وہ بھی ذکر ہے۔

## سُورَةُ التَّحْرِيمِ

سورة التحريم مدنية اثنا عشرة اية

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ؟ مِنْ أَثَمِكَ مَارِيَةَ الْقَبِيلَةِ لَمَّا وَقَعَهَا فِي بَيْتِ حَفْصَةَ وَكَانَتْ غَائِبَةً فَجَاءَتْ وَشَقَّ عَلَيْهَا كَوْنُ ذَلِكَ فِي بَيْتِهَا وَعَلَى فِرَاشِهَا حَيْثُ قُلْتَ هِيَ حَرَامٌ عَلَى تَبَتُّغِي بِتَحْرِيمِهَا مَرْضَاتِ أَزْوَاجِكَ أَيْ رِضَا مِنْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢﴾ غَفَرْتُ لَكَ هَذَا التَّحْرِيمَ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ شَرَعَ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ تَحْلِيلُهَا بِالْكَفَّارَةِ الْمَذْكُورَةِ فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ وَمِنْ الْإِيمَانِ تَحْرِيمُ الْأَمَةِ وَهَلْ كَفَرْتَ قَالَ مُقَاتِلٌ أَعْتَقَ رَقَبَةً فِي تَحْرِيمِ مَارِيَةَ وَقَالَ الْحَسَنُ لَمْ يُكْفِرْ لِأَنَّهُ مَغْفُورٌ لَهُ وَاللَّهُ مُؤْمِنٌ بِمَا صَرَّحَكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣﴾ وَاذْكُرْ إِذَا سَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ هِيَ حَفْصَةُ حَدِيثًا هُوَ تَحْرِيمُ مَارِيَةَ وَقَالَ لَهَا لَا نَفْسِيهِ فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ عَائِشَةُ ظَنَّا مِنْهَا أَنَّ لَا حَرَجَ فِي ذَلِكَ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ إِطْلَعَهُ عَلَيْهِ عَلَى الْمَنَاءِ بِهِ عَرَفَ بَعْضُهُ لِحَفْصَةَ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ تَكْرِمًا مِنْهُ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَأَنِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴿٤﴾ أَيْ اللَّهُ إِنْ تَتُوبَا أَيْ حَفْصَةُ وَعَائِشَةُ إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا مَالَتْ إِلَى تَحْرِيمِ مَارِيَةَ أَيْ سِرَّكُمَا ذَلِكَ مَعَ كَرَاهَةِ النَّبِيِّ ﷺ لَهُ وَذَلِكَ ذَنْبٌ وَجَرَابُ الشَّرْطِ مُحْلُوفٌ أَيْ تَقْبُلًا وَأَطْلَقَ قُلُوبَ عَلَى قَلْبَيْنِ وَلَمْ يُعَبَّرْ بِهِ لِاسْتِثْقَالِ الْحَمْعِ بَيْنَ تَشْيِئَتَيْنِ فِيمَا هُوَ كَالْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ وَإِنْ تَظْهَرَا بِإِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِي الظَّاءِ وَفِي قِرَاءَةِ بَدْوٍ وَنَهَا فِتْنًا وَنَا عَلَيْهِ أَيْ النَّبِيُّ فِيمَا يَكْرَهُهُ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ فَضَّلَ مُؤْلَهُ نَاصِرُهُ وَجَبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ مَعْطُوفٌ عَلَى مَحَلِّ اسْمِهِ إِنْ فَيَكُونُونَ نَاصِرِيهِ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ بَعْدَ نَصْرِ اللَّهِ وَالْمَذْكُورَيْنِ ظَهِيرٌ ﴿٥﴾ ظَهَرَاءُ أَعْوَانُ لَهُ فِي نَصْرِهِ عَلَيْكُمَا عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَيْ طَلَّقَ النَّبِيُّ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُبَدِّلَهُ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ خَيْرٌ عَسَى وَالْحُمْلَةُ جَوَابُ الشَّرْطِ وَلَمْ يَقَعْ التَّبْدِيلُ لِعَدَمِ وَقُوعِ الشَّرْطِ مُسْلِمَتِ مُقْرَأَتِ بِالْإِسْلَامِ مُؤْمِنَتِ مُخْلِصَاتِ قُنْتُ مُطِيعَاتِ تَبَيَّنَتْ

عَلِمَاتٍ لَّسَخَتْ صَدَائِمَاتٍ أَوْ مُهَا حِرَابٍ نَّيِّبٍ وَأَبْكَارًا ﴿٥٥﴾ يَسْأَلُهَا الَّذِينَ آمَنُوا فَوَآ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ مَا حَمَلَ عَلَى طَاعَةِ اللَّهِ تَعَالَى نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ الْكَفَّارُ وَالْجِجَارَةُ كَافُضَانَهُمْ مِنْهَا يَعْنِي أَنَّهُ مُصْرَطَةُ الْحَرَارَةِ تَقْدُ بِمَا ذَكَرَهُ لَا كَثَارِ الدُّنْيَا تَقْدُ بِالْحَطَبِ وَنَحْوِهِ عَلَيْهَا مَلَكَةٌ حَزَنَتْهَا عَذَابُهُمْ بِسَعَةِ عَسَرِ كَمَا سَيَأْتِي فِي التَّمَثُّرِ غَلَاظٌ مِنْ غِلَظِ الْقَلْبِ شِدَادَةٌ فِي الْبَطْنِ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ بِدَلٍّ مِنْ الْحَرَالَةِ أَيْ لَا يَعْصُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٥٦﴾ تَا كَيْدٌ وَالْآيَةُ تَحْوِيفٌ لِلْمُؤْمِنِينَ عَنِ الْإِرْدَاءِ لِلْمُصَافِقِينَ أَلَمْ يُؤْمِنُوا بِالْإِسْتِغْنَاءِ عَنْ قُلُوبِهِمْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ بِمَا لَكُمْ ذُنُوبٌ كَذَلِكَ قَالَ لَهُ دُعَاؤُهُمْ النَّارُ أَيْ لَا تَفْعَلُكُمْ إِنَّمَا تَجُزُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٧﴾ أَيْ جَزَاءُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوَبُّوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا بِفَتْحِ التَّوْنِ وَضَمِّهَا ضَائِقَةٌ بِأَنَّ لَا يُعَادُ إِلَى الذَّنْبِ وَلَا يُرَادُ التَّوْبَةُ إِلَيْهِ عَسَى رَبُّكُمْ تَرْحِمُهُ تَفْعَ أَنْ يُكْفِرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ بِادِّحَالِ النَّارِ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورٌ وَهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ أَمَانَةٌ وَيَكُونُ بِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ مُسْتَنْفَتٌ رَبَّنَا أَنِّمُمْ لَنَا نُورَنَا إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمُصَافِقُونَ يُطْفِئُ نُورَهُمْ وَأَغْفِرَ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكَفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقِينَ بِاللِّسَانِ وَالْحُجَّةِ وَاعْلُظْ عَلَيْهِمْ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَنُصْحَتِ وَ مَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ وَ بَشَسَ الْمَصِيرُ ﴿٥٩﴾ هِيَ صَرْبُ اللَّهِ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا أَمْرَاتُ نُوحٍ وَأَمْرَاتُ لُوطٍ كَانَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتْهُمَا فِي الدِّينِ إِذْ كَفَرْنَا وَكَانَتْ أَمْرَاتُ نُوحٍ وَاسْمُهَا وَاهِلَةٌ تَقُولُ لِقَوْمِهَا إِنَّهُ مَحْنُونٌ وَأَمْرَاةُ لُوطٍ وَاسْمُهَا وَاهِلَةٌ تَدُلُّ عَلَى اضْيَاقِهِ إِذَا تَرَلُّوا بِهِ سِيلًا بِإِقْدَادِ النَّارِ وَ نَهَارًا بِالتَّذَحُّيِّ فَلَمْ يُغْنِيَا أَيْ نُوحٌ وَلُوطٌ عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ مِنْ عَذَابِهِ شَيْئًا وَقِيلَ لَهُمَا ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ ﴿٦٠﴾ مِنْ كُفَّارِ قَوْمِ نُوحٍ وَ قَوْمِ لُوطٍ وَ صَرْبُ اللَّهِ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَمْرَاتُ فِرْعَوْنَ أَمْسَتْ بِمُوسَى وَاسْمُهَا أَسِيَّةٌ فَعَذَّبَهَا فِرْعَوْنُ بِأَنَّ أَوْتَدَ يَدَيْهَا وَرِجْلَيْهَا وَالْقَى عَلَى صَنْدُوقِهَا رَحْنًا عَظِيمَةً وَاسْتَقْبَلَ بِهَا الشَّمْسُ فَكَانَتْ إِذَا تَفَرَّقَ عَنْهَا مَنْ وَكَلَّ بِهَا ظَلَّلَتْهَا الْمَلَائِكَةُ إِذْ قَالَتْ فِي حَالِ التَّعَذُّبِ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ فَكَشَفَ لَهَا فَرَاتَهُ فَسَهَّلَ عَلَيْهَا التَّعَذُّبَ وَنَجَّيَ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهِ وَتَعَذُّبِهِ وَنَجَّيَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٦١﴾ أَهْلُ دِينِهِ فَقَبَضَ اللَّهُ رُؤُوسَهُمَا وَ قَالَ ابْنُ كَيْسَانَ رُفِعَتْ إِلَى الْجَنَّةِ حَيَّةٌ فِيهَا تَا كُلُّ وَ تَشْرَبُ وَ مَرِيَمَ عَطَفَ عَلَى أَمْرَاةِ فِرْعَوْنَ ابْنَتِ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا حَفَظَتْهُ فَفَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُؤُوسِنَا أَيْ جِبْرِيلُ حَيْثُ نَفَخَ فِي جَيْبِ دَرْعِهَا بِخَلْقِ اللَّهِ فَعَلَهُ الْوَاحِشُ إِلَى فَرْجِهَا فَحَمَلَتْ

وَصَدَقْتُ بِكَلِمَتِ رَبِّي شَرَّائِعِهِ وَكُتِبَ لِمَنْزَلَةٍ وَكَانَتْ مِنَ الْقَتِيلَيْنِ ﴿۱۲۳﴾ مِنَ الْقَوْمِ الْمُطِيعِينَ -

ترجمہ ... سورۃ تحریم مدنیہ ہے جس میں ۱۲ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اے نبی! اللہ نے جس چیز کو آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ اس کو کیوں حرام فرماتے ہیں (یعنی ماریہ قطیہ جو آپ ﷺ کی حرم ہیں۔ حصہ کی عدم موجودگی میں آپ نے ان سے زن و شوئی کے معاملات کرنے۔ جب وہ آئیں اور دیکھا کہ یہ سب کچھ ان کے گھر اور بستر پر ہوا تو انہیں سراں گزرا، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو خوش کرنے کے لئے فرمادیا کہ ماریہ مجھ پر حرام ہیں) آپ ﷺ (اس کو حرام کر کے) اپنی بیویوں کی خوشنودی (رضامندی) حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (آپ کا یہ حرام کرنا بھی ہم نے عاف کر دیا) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے قسموں کا کمولنا مقرر (مشروع) فرمایا ہے (سورۃ نائدہ ذاکر، واہ! اگر کے قسمیں کھونی جاسکتی ہیں۔ حرم و حرام کرنا بھی اس قسم میں داخل ہے۔ کیا آنحضرت ﷺ نے کفارہ ادا فرمایا؟ مقابل فرماتے ہیں کہ ماریہ کے سلسلے میں آپ نے غلام آزاد فرمایا اور حسن کہتے ہیں کہ کفارہ نہیں دیا۔ کیونکہ آپ کے لئے معافی ہو چکی) اور اللہ تمہارا کارساز (مددگار) ہے اور وہ بڑا جاننے والا بڑی علمت والا ہے اور (یاد کرو) جب کہ پیغمبر ﷺ نے اپنی بیوی (حصہ) سے ایک بات چپکے سے فرمائی (ماریہ) کو حرام کر دینا اور یہ کہ اس کا کسی سے کہنا مست)۔ پھر جب اس بیوی نے وہ بات بتلا دی (عائشہ کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس میں کیا ترقی ہے) اور پیغمبر ﷺ کو اللہ نے اس (خبر) پر مطلع (آگاہ) کر دیا تو پیغمبر ﷺ نے (حصہ کو) تھوڑی سی بات بتلا دی اور تھوڑی سی (مروت میں) تامل گئے۔ سوچیں پیغمبر ﷺ نے جب اس بیوی کو وہ بات بتلائی تو بیوی کہنے لگی کہ آپ کو اس کی کس نے خبر دی، آپ نے فرمایا مجھ کو بڑے جاننے والے بڑے تیر رکھنے والے (اللہ) نے خبر کر دی ہے۔ اے دونوں بیوی! (حصہ اور عائشہ) اگر تم اللہ کے آگے توبہ کر لو تو تمہارے دل مائل ہو رہے ہیں (ماریہ کے حرام کر دینے کی جانب یعنی آنحضرت ﷺ نے اس تحریم کو باوجود ناگوار سمجھنے کے تم دونوں کو چپکے سے بتلا دیا۔ اور یہ کو نامی ہے۔ جواب شرط محذوف ہے۔ یعنی دونوں کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا اور قلہین کی بجائے قلوب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جو لفظ ایک کلمہ کے حکم میں ہو اور اس میں دو جمع کا اکٹھا ہونا دشوار ہوتا ہے) اور اگر تم دونوں کا رویاں کرتی رہیں (تظاہر کی اصل ستظاہر جس میں تائے ثانیہ کو ظاہر میں اوعام اور ایک قراعت میں بشیر اوعام ہے۔ تم دو بیویاں ایک دوسرے کی تائید کرتی رہیں) پیغمبر کے مقابلہ میں (اس کی مرضی کے خلاف) تو اللہ ہی (ہو پیغمبر فصل ہے) پیغمبر کا رفیق (مددگار) ہے اور جبریل اور میک بندے ہیں۔ (یعنی ابوبکر و عمر اس کا عطف اسم ان کے محل پر ہے۔ یعنی یہ سب پیغمبر کے مددگار ہیں) اور ان کے علاوہ فرشتے (اللہ اور جبریل صالح المؤمنین کی مدد کے علاوہ) مددگار ہیں (ظہیر بمعنی ظہراء۔ تم دونوں بیویوں کے مقابلہ میں ان کی مدد حضور ﷺ کو حاصل رہے گی) اگر پیغمبر عورتوں (اپنی بیویوں) کو طلاق دے دیں تو بہت جلد بدل دے گا (تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں قراعتیں ہیں) تم سے اچھی بیویاں (عسکی کی خبر ہے۔ اور جملہ جواب شرط ہے اور چونکہ شرط نہیں پائی گئی اس لئے تبدیلی کی نوبت بھی نہیں آئی) جو اسلام والیاں (اسلام کا اقرار کرنے والی) ایمان والیاں (اخلاص والی) فرمانبرداری کرنے والیاں (اطاعت گزار) توبہ کرنے والیاں عبادت گزار روزہ رکھنے والیاں (روزہ دار یا ہجرت کرنے والیاں) ہوں گی۔ کچھ بیواں کچھ کنواریاں، اے ایمان والو! تم بچاؤ خود کو اور اپنے گھر والوں کو (اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر آمادہ کر کے) اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی (کافر) اور پتھر ہیں (جیسے پتھروں کے بت یعنی وہ آگ انتہائی گرم ہوگی جو ان چیزوں سے دھونکائی جائے گی۔ دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہوگی جو لکڑیوں وغیرہ سے دہکتی ہے) جس پر فرشتے ہیں (جہنم پر مامور فرشتے جن کی تعداد سورۃ مدثر میں انیس ۱۹ آ رہی ہے) جو تند خو (خت مزاج) مضبوط (پکڑ میں) ہیں۔ جس بات کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اس میں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے (ماہر، اللہ سے بدل ہے۔ یعنی حکم الہی سے باہر نہیں ہوتے) اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاتے ہیں (یہ جملہ تاکید ہے اس میں مسلمانوں کو مرتد ہونے سے ڈرانا ہے۔ اور منافقین کو بھی ڈرانا ہے جو دل سے نہیں صرف زبان سے ایمان ظاہر کرتے ہیں) اے کافر! آج تم عذر مت کرو (کافروں سے دوزخ میں ڈالنے کے وقت یہ کہا جائے گا۔ یعنی

معذرت کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے) ایسے تم کو تو اس کی سزا مل رہی ہے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی تو نہ کرو (نصوح فتحہ نون کے ساتھ اور ضمہ نون کے ساتھ۔ بمعنی صادقہ کہ پھر نہ دقصور کرے۔ اور نہ اس کا ارادہ ہو) امید ہے (جو پوری ہو کر رہے گی) کہ تمہارا پروردگار تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں پہنچائے گا۔ ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس دن کہ اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرے گا (دوزخ میں لے جا کر) نبی کو اور ان کے ساتھی مسلمانوں کو۔ ان کا نور ان کے سامنے (آگے) دوڑتا ہوگا اور ان کے داہنے۔ یوں دعا کرتے ہوں گے (جملہ مستافہ ہے) اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھئے (جنت میں جانے تک اور منافقین کا نور گل ہو جائے گا) اور ہماری مغفرت فرما دیجئے (ہمارے پروردگار) آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اے نبی! کفار سے (تکواری ذریعہ) اور منافقین سے (زبان اور دلیل سے) جہاد کیجئے اور ان پر (ڈانٹ ڈپٹ کر) سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ بری جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کا حال بیان فرماتا ہے وہ دونوں عورتیں، ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں۔ سو ان دونوں عورتوں نے ان دونوں خاوندوں کے ساتھ خیانت کی (بلحاظ دین کے کہ دونوں کافر ہو گئیں۔ نوح کی بیوی جس کا نام ولہلہ تھا اپنی قوم سے کہنے لگی کہ نوح تو دیوانہ ہے۔ اور لوط کی بیوی جس کا نام ولہلہ تھا رات کو آنے والے مہمان کی اطلاع اپنی قوم کو آگ جلا کر اور دن کو آنے والے مہمان کی اطلاع دھواں کر کے کر دیا کرتی تھی) سو وہ دونوں نیک بندے (نوح و لوط) اللہ کے (عذاب کے) مقابلہ میں ان کے ذرا کام نہ آ سکے۔ اور حکم ہو گیا (ان دونوں بیویوں کے لئے) کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ (یعنی تو م نوح و لوط کے اور کافروں کے ساتھ) اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے فرعون کی بیوی کا حال بیان کرتا ہے (جو موسیٰ پر ایمان لائیں تھیں جن کا نام آسیہ تھا۔ فرعون نے اس کو چومینا کر کے سزا دی اور ان کی چھاتی پر ایک بڑا پتھر بھاری رکھوا دیا اور ان کو دھوپ میں ڈال دیا، چنانچہ جب وہاں سے سنتری ہٹتے تو فرشتے سایہ کر کے کھڑے ہو جاتے) جب کہ اس بی بی نے (سزا کی حالت میں) دعا مانگی کہ اے میرے پروردگار میرے لئے جنت میں، اپنے قرب میں مکان بنائیے (چنانچہ جنت ان پر منکشف ہو گئی جسے دیکھ کر انہیں سزا بالکی معلوم ہونی لگی) اور مجھ کو فرعون سے اور اس کی کاروائی (سزا) سے محفوظ رکھئے اور مجھ کو تمام ظالموں سے محفوظ رکھئے (جو فرعون کے طریقہ پر ہیں، چنانچہ اللہ نے ان کی روح قبض کر لی۔ اور ابن کیسان کہتے ہیں کہ وہ زندہ اٹھالی گئیں، وہ کھاتی پیتی ہیں) اور مریم کا حال بیان کرتا ہے (اس کا عطف امرأۃ فرعون پر ہے) جو عمران کی بیٹی تھی جنہوں نے اپنی ماموس کو محفوظ (برقرار) رکھا۔ سو ہم نے ان کے چاک گریبان میں اپنی روح پھونک دی (یعنی جبرئیل نے ان کے گریبان میں پھونک ماری اللہ کے حکم سے جبریلی پھونک کا اثر رحم میں پہنچا جس سے عیسیٰ رحم میں ٹھہر گئے) اور مریم نے اپنے پروردگار کے پیغامات (احکامات شرع) کی اور اس کی کتب (منزلہ) کی تصدیق کی اور وہ اطاعت کرنے والوں (فرمانبردار لوگوں) میں سے تھیں۔

**تحقیق و ترکیب:** ... ماریہ قبطیہ۔ مقوقس نے شاہ مصر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کی تھی۔ انہی کے لطن سے صاحبزادہ ابراہیم پیدا ہوئے۔

تحلۃ ایمانکم۔ فقہانے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کسی مباح چیز کو حرام کر لینا قسم ہے۔ جس کے لئے کفارہ ہوتا ہے۔ چونکہ حلال چیز کو حرام کر لینا غلطی تھی۔ اس لئے واللہ غفور ورحیم فرمایا۔ اور بعض نے اس کے معنی یہ لئے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے قسم سے بچنے کا ایک راستہ پیدا کر لیا کہ اگر کوئی انشاء اللہ کے ساتھ حلف کر لے تو حلف منعقد نہیں ہوتا۔ اس سے بھی حلال کو حرام کر لینے سے یمن کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ الفاظ استثناء کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ حانت نہیں ہوا جیسا کہ مدارک میں ہے۔ لہذا قاضی بیضاوی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حرام کرنے کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے یمن کا لفظ بھی فرمایا تھا۔ اس لئے یمن ہوئی صرف تحریم سے یمن نہیں ہوئی وجہ اس کے غیر صحیح ہونے کی یہ ہے کہ آیت میں تحریم کو یمن کہا گیا ہے، اس طرح قاضی کا یہ فرمانا بھی صحیح نہیں رہا کہ کفارہ واجب ہونے سے



یہیں ہونا لازم نہیں آتا۔ وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے صرف کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس پر یحیٰ بن کاللفظ فرمایا ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو قاضی کے ان دونوں کلاموں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

صاحب کشاف نے حلال کو حرام کرنے کی تفصیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کوئی کھانے کو حرام کرے تو قسم کھانا کھانے پر محمول ہوگی اور باندی کو حرام کر لینے کو اس سے محبت پر محمول کیا جائے گا اور بیوی کو حرام کرنے سے ایلاء ہو جائے گا جب کہ کوئی اور نیت نہ ہو۔ لیکن اگر ظہار کی نیت سے کہا تو طلاق بائنہ سمجھی جائے گی۔ اور دو یا تین طلاقیں کی نیت سے کہا تو وہی نیت معتبر ہوگی۔ اور اگر کہا کہ میں نے جھوٹ کہا تھا تو دیانۃً صحیح سمجھا جائے گا۔ البتہ قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ اور اگر یہ کہا کہ سب حلال چیزیں مجھ پر حرام ہیں تو اس کو صرف کھانے پر محمول کیا جائے گا جب کہ کسی اور چیز کی نیت نہ ہو۔ ورنہ جو نیت کرے گا تو اسی کا اعتبار ہوگا۔ امام اعظمؒ کے نزدیک حلال کو حرام کرنا یا حرام کو حلال کرنا یحیٰ بن ہے۔ چنانچہ بہت سے صحابہؓ سے یہی منقول ہے۔ صاحب ہدایہ باب الایلاء میں لکھتے ہیں۔ اذ قال لامرأته انت علی حرام فان قال اردت الکذب فهو کما قال وقیل لا یصدق فی الفقهاء وان قال اردت الطلاق فهي تطلیقة بائنة الا ان بنوی الثلث وان قال اردت الظهار الا عند محمد وان قال اردت التحريم ولم یرد شیئا فهو ایلاء ومنهم من یصرف لفظ التحريم الى الطلاق من غیر نية بحکم العرف۔

اسی طرح فقہاء نے یہ بھی فرمایا کہ کسی مباح چیز کو اپنے اوپر واجب کر لیتا بھی یحیٰ بن کہلاتا ہے جس پر کفارہ واجب ہے۔ کیونکہ مباح کو حرام کرنے سے اس کی ضد کا واجب ہونا لازم کہلاتا ہے۔ اگرچہ اس میں قسم کا لفظ نہ بولا جائے کیونکہ یہ یحیٰ بن ہے۔ اور یحیٰ بن اگر گناہ پر ہو تو اس سے بچنا اور اس پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے اور گناہ نہ ہو تو اس کو کرنا ضروری اور اس کے خلاف کرنے پر کفارہ لازم ہے۔ برخلاف امام شافعیؒ کے وہ تحریم حلال کو یحیٰ بن نہیں سمجھتے۔ البتہ بیوی کو حرام کر لینے کی صورت میں کفارہ واجب ہو جاتا ہے اور اگر حرام کرنے سے طلاق کی نیت کرے تو طلاق رجعی سمجھی جائے گی۔

اور حضرت علیؓ کے نزدیک تین طلاقیں اور زید کے نزدیک ایک ایک طلاق بائنہ اور حضرت عثمانؓ کے نزدیک ظہار ہوگا۔ اور مسروق و شعبی کے نزدیک اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ آیت لا تحرموا طیبات ما احل الله لکم اور آیت لا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال و هذا حرام کی وجہ سے۔ شوافع کی جانب سے یہ کہا جاتا ہے کہ کفارہ لازم ہونے سے یحیٰ بن ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ممکن ہے حضور ﷺ نے یحیٰ بن کا لفظ فرمایا ہو۔ چنانچہ عبدالرزاق شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ وحلف بیمن مع التحريم فعاقبه فی التحريم وجعل له كفارة اليمين۔

لیکن قتادہ کے قول سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں۔ حرمها فكانت یمینا۔ الفاظ قرآنیہ حنفیہ کی تائید کرتے ہیں اور ابن عباسؓ سے نقل ہے کہ ان کے پاس ایک صاحب آئے اور انہوں نے کہا۔ جعلت امرأتی علی حرام تو ابن عباسؓ نے فرمایا۔ تجھ پر بڑا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اور یہ آیت ثلاث فرمائی۔ اور نذر کا حکم یہ ہے کہ اگر گناہ کی نذر مانی ہے تو اس کو کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس پر کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا۔ ہاں اگر گناہ کے علاوہ کسی اور کام کی نذر کی تو اس کا کرنا لازم ہوگا اور اس کی خلاف ورزی سے کفارہ آجائے گا۔ اور اگر نذر یحیٰ بن دونوں کسی نے کیں۔ تو پھر مقتضی پر عمل واجب ہو جائے گا۔

والله غفور رحیم۔ یعنی کفارہ امت کی تعلیم کے لئے ہے آپ کو کفارہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بعض کی رائے ہے کہ آپ نے کفارہ ادا فرمایا۔ اسر النبی۔ ماریہ کے حرام کر لینے کو راز دارانہ طور پر آپ نے کہا تھا اور بعض کی رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں کے والد کے خلیفہ ہونے کی بشارت دی تھی۔

فلما نبأت به۔ مفسر نے دو مفعولوں کی طرف متحدی ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ اول مفعول کی طرف خود اور دوسرے مفعول کی طرف حرف جر کے

ذریعہ متعدی، کبھی تخفیفاً حرف جار حذف بھی ہو جاتا ہے اور مفعول اول بھی قرینہ لفظیہ کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے۔ اس آیت میں یہ تینوں استعمال موجود ہیں۔ چنانچہ بابت بہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے مگر اول مفعول محذوف ہے اور مفعول ثانی مجرور بالباء ہے۔ اسی نبات نہ غیر ہا اور فلما نباتہ میں دونوں مفعول موجود ہیں اور من انباک ہذا میں بھی دونوں موجود ہیں۔ مگر جار محذوف ہے۔

اظہر ہ اللہ علیہ علی المنابہ سے مراد حصہ گو ماریہ کے حرام ہونے کی خبر ہے۔

واعرض عن بعض۔ اس سے مسئلہ خلافت بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا افشاء باعث فتنہ ہو جائے۔ اس لئے اس پر عتاب ہوا۔

فقد صغت۔ فاعلیلیہ ہے۔ ای ان تتوبا الی اللہ لا جل الذنب الذی صغر منكما وهو انه قد صغت۔

وذلك ذنب۔ یعنی حضور ماریہ کے حرام کرنے کو اگرچہ ناپسند فرماتے تھے۔ مگر دونوں بیویوں سے اس کو چپکے سے فرمایا۔ پس اس کی خلاف ورزی گناہ ہے۔ جواب شرط کے متعلق خطیب کی رائے ہے کہ محذوف میں قرینہ کی وجہ سے ای ان تتوبا کان خیر الکلم اور قلبا کما کی بجائے قلوبا چونکہ سہل ہے اس لئے عربی مذاق کی رعایت کی گئی ہے حقیقتہً اگرچہ یہ ایک کلمہ نہیں ہے لیکن مضاف، مضاف الیہ کا جزو ہوتا ہے اس لئے اس کو حکماً ایک کلمہ کہا گیا ہے۔

تظہر ابو عمر، ابن کثیر، تافہ، ابن عامر کے نزدیک یہ لفظ بغیر تشدید کے پڑھا گیا ہے۔

وحبیریل۔ لعل اسم ان پر عطف بعض نجات کلمہ ہب ہے اور جبریل مبتداء صالح المومنین معطوف ہے اور ظہیر سب کی خبر ہو سکتی ہے۔

هو مو لا ہ۔ سب کے ساتھ لگایا جائے گا۔

ظہیر۔ بروزن فعل اس میں واحد وغیرہ یکساں ہیں۔

صالح المومنین۔ کے اضافہ میں آنحضرت ﷺ کی توقیر اور مسلمانوں کی تالیف مقصود ہے۔

عسیٰ ربہ۔ لفظ اگر ترجی کے لئے ہو تو شبہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے جب طلاق نہیں دی تو یہ خبر غلط ہوگئی۔ حاصل جواب یہ ہے کہ خبر شرط پر معلق تھی۔ پس نہ شرط ہوئی اور نہ خبر۔ دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ عسیٰ توفیق کے لئے ہے۔

سنحت۔ ابن عباس اس کے معنی روزہ دار کے فرماتے ہیں۔ کیونکہ سارخ کہتے ہیں کہ جس کے پاس زاد نہ ہو۔ چنانچہ وہ زاد کے آنے تک کارہتا ہے روزہ دار کا حال بھی افطار تک رہنے کا ہے۔

نصوحا۔ اکثر قراء کے نزدیک فتح نون کے ساتھ ہے۔ شکور کی طرح مبالغہ کے لئے ہے۔ یعنی پر خلوص دعا۔ اور ضمہ نون کے ساتھ مصدر ہے۔ دونوں متواتر قراءتیں ہیں۔ انفس اس کے معنی صادق کے لیتے ہیں۔ روح البیان میں ہے۔ رجل صبور شکور ای بالغ فی النصیح قاشانی فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی طرح توبہ کے بھی مراتب ہیں۔ تقویٰ کا اول مرتبہ منکرات شرع سے بچنا اور آخری درجہ انانیت سے خالی ہو جانا ہے۔ اسی طرح توبہ کا اول درجہ گناہوں سے باز آ جانا اور آخری درجہ وجود کے گناہ سے نکل جانا جو اہل تحقیق کے نزدیک سارے گناہوں کی جڑ ہے توبہ نصوح کے لئے تین شرطیں ہیں۔ فعل پر ندامت فعل کا ترک آئندہ نہ کرنے کا عزم۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ سے منقول ہے۔ التوبة النصوح ان يتوب العبد من العمل السيئ ثم لا يعود اليه ابداً اور ابن عباسؓ سے موقوف و مرفوع روایت میں بھی یہی ہے۔ ممکن ہے تیسری شرط خواص کی توبہ ہی ہوتا کہ اہلسنت کے اس مسلک کے خلاف نہ ہو کہ توبہ کے لئے ندامت اور نہ کرنے کا عزم شرط ہے۔

معزلہ کے نزدیک توبہ کے لئے شرط ہے۔ مظالم کار دار آئندہ کے لئے اس گناہ کا ترک اور ندامت کا تسلسل۔ اور یہ اہلسنت کے نزدیک واجب نہیں جیسا کہ شرح مواقف میں ہے اور حسن کہتے ہیں کہ توبۃ النصوح ہی ان يكون العبد نادمًا على ما مضى مجمعاً على ان لا يعود فيه۔

ابن میثب کہتے ہیں توبۃ تنصحنون انفسکم عسی ربکم۔ عسی توقع کے لئے ہے لیکن واجب الوقوع ہے۔ کیونکہ کریم کا اطماع متیقن

ہوتا ہے۔

والذین امنوا۔ اگر اس کا عطف النبی پر ہے تو معہ پر وقف کیا جائے گا۔ اور نورہم یسعی جملہ مستانہ ہو جائے گا یا حال ہوگا۔ یا الذین امنوا جملہ مبتدا اور نورہم الخ اس کی خبر ہے۔

اتمم لنا۔ اتمام سے مراد جنت میں جانے تک دوام ہے۔ اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ منافقین کا نور بجھنے پر مومنین ڈر کر یہ دعا کریں گے۔

والمصافقین۔ ضرورت کے وقت منافقین کے ساتھ جہاد باسیف کی بھی اجازت ہے۔

فخانتہما۔ مفسر نے فی الدین کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ خیانت سے زنا مراد نہیں ہے۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ ما ذلت امرأۃ نبی قط چنانچہ اذ کفر تا تفسیری عبارت خانتا کی علت ہے یعنی کفر کی وجہ سے دینی خیانت کی۔

ففہنا فیہ۔ لفظ فرج سے مراد لفظ جیب و رعب ہے۔ جیسے مفسر نے اشارہ اور دوسرے حضرات نے تصریح کی ہے اور بقای فرج حقیقی مراد لیتے ہیں پھر تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔

بنخلق اللہ۔ اس کا تعلق نفحنا سے ہے بنخلقنا کہنا چاہیے تھا۔

من القسطن۔ چونکہ ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں: اس لئے صلیبا کا گھرانہ سمجھا جاتا تھا اور جمع مذکر لانے میں نکتہ یہ ہے کہ طاعت الہی میں مردوں سے کم نہیں تھیں۔

رابط آیات۔ سورۃ طلاق کی طرح سورۃ تحریم میں بھی عورتوں سے متعلق مضامین ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ اس میں عام عورتوں کے احکام

تھے اور اس میں خاص عورتوں کے۔ نیز پہلی سورت میں طلاق پر مرتب ہونے والے احکام کا بیان تھا اور اس میں ازواج مطہرات کو طلاق سے ڈرانا ہے اور جس طرح پہلی سورت کے اخیر میں اطاعت کی مام تاکید تھی۔ اسی طرح اس سورت میں ازواج کے خطاب کے بعد عام طور پر رجوع الی اللہ کی تاکید ہے۔ اس طرح دونوں سورتوں کے سبب اجزا بہم متناسب ہو گئے۔

شان نزول و روایات۔ مفسر نے ماریہ قبطیہ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے تفصیلی روایت یہ ہے۔ ان النبی ﷺ کان بقسم بین نسائه فلما کان یوم حفصۃ ستأذنت رسول اللہ ﷺ فی زیارۃ ابیہا فاذن لها فلما خرجت ارسل رسول اللہ ﷺ الی جاریتہ ماریہ القبطیہ فادخلها بیت حفصۃ فوقع علیہا فلما رجعت حفصۃ وجدت الباب مغلقا فجلست عند الباب فخرج رسول اللہ ﷺ ووجہہ یقطر عرقا وحفصۃ تبکی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مایکیک فقالت انما اذنت لی من اجل ذلک ادخلت امتک بیتی ثم وقعت علیہا فی یومی علی فراشی اما رایت لی حرمة وحقا ما کنت تصنع هذا بامرأۃ منہن فقال رسول اللہ ﷺ الیس ہی جاریتی قد احلها اللہ لی فہی حرام علی التمس بذلك رضاک فلا تخبری بہذا امرأۃ منہن فلما خرج رسول اللہ ﷺ قرعت حفصۃ الجدار الذی بینہا و بین عائشۃ فقالت الا ابشرک ان رسول اللہ ﷺ قد حرم علیہ امہ ماریہ وان اللہ قدر احنا منہا و اخبرت عائشۃ بما رأت فلم تکتم فطلقہا رسول اللہ ﷺ بطریق الجزاء علی افشاء سترہ۔ یہاں تک تو روح البیان، خطیب وغیرہ کا بیان تھا آگے خطیب کی عبارت مختلف ہو گئی۔ اس میں یہ ہے۔ و اخبرت عائشۃ فلم یزل نبی اللہ ﷺ حتی حلف ان لا یقر بہا ای الماریہ۔ خطیب کی عبارت تو مفسر کی موید ہے کہ ماریہ کی حرمت مراد ہے اور اسی سے رجعت کا حکم ہے۔ لیکن روح البیان کا بیان مفسر کے برعکس ہے۔ اس سے حفصہ کی حرمت و رجعت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ انا ؐؓ کانت له امة يطأ فلم تزل به وحفصة وعائشة حتى حرمها فالنزل الله يا ايها النبي .  
لیکن تفسیرات احمدیہ میں واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے . انا علیہ السلام خلا بمارية فی يوم عائشة وعلمت بذلك حفصة  
فقال لها اکتمی علی وقد حرمت ما رية علی نفسي وابشرك ان ابا بکر وعمر یملکان بعدی امرأتی فاخبرت به  
عائشة و کانتا متصا دقین منزلت فنزلت و قيل انه علیہ السلام دخل يوم علی حفصة يوم نوبتها و کان عمر مر یضا  
فذهبت لعیادة ابیہا علی ما فی الحینی اولتانی الطعام منه الی رسول الله ؐؓ ما فی الزاهدی فطلب علیہ السلام ماریة  
القبطیة فی مکانہا ولما عملت ذلك ثقل علیہا فحرمہا لا جلہا و بشرہا بخلافۃ الشیخین فارضا منا بذلك  
داستکمتا فلم تکتم فطلقہا واعزل نساء ۵ و مکث تسعا و عشرين لیلة فی بیت ماریة فنزل جبرئیل وقال راجعہا فانہا  
صرامة وانہا لمن نساء ک فی الجنة هکذا فی الکشاف والمدارک او انه طلقہا ولكن اشتکی منها هکذا فی  
الزاهدی وقد ذکرہو فی هذا المقام وجوها شتی وقصصا مختلفة وحکایات طويلة۔

لیکن صحیح بخاری کی روایت اس سلسلہ میں دوسری ہے۔ عن جابر انا ؐؓ کان یمکث عند زینب بنت جحش ویشرب عندها  
عسلا فواطئت به عائشة وحفصة فقلن له انا نشم منک ریح المغافیر فحرم العسل فنزلت یا ايها النبي ۔  
امام نسائی فرماتے ہیں۔ حدیث عائشة فی العسل فی غایۃ الجودۃ و حدیث ماریة لم یات من طریق جید ۔  
امام نووی فرماتے ہیں۔ الصحیح انہا فی قصة العسل لا فی قصة ماریة المروی فی غیر الصحیحین فانہا لم یات من  
طریق صحیح ۔

تفسیرات احمدیہ میں اس کی تفصیل درج ہے۔ ان النبي ؐؓ کان احب العسل فاذا دخل زینب یوما قربته شراباً لطیفاً واقدمته  
بین یدئ رسول الله ؐؓ فشرب به واحسن علیہ فظلت تلک الحلة علی بعض الازواج اعنی عائشة وحفصة  
و غیرہما فحلفت بانہ ان دخل علینا علیہ السلام نقول له شاهدنا منک ریح المغفور فلما دخل علیہ السلام قلن  
یا رسول الله شاهدنا منک ریح المغفور فقال علیہ السلام ما شربت المغفور ولكن شربت العسل فی بیت زینب  
فقال حرمت نخلة الفرط حرمت العسل علی نفسي فوالله لا اکل فنزلت علی ما قالوا وقیل شراب العسل عند  
الحنفیۃ فواطت عائشة سودۃ و صفیۃ فقلن له انا نشم منک ریح المغافیر الخ صرح بہ فی البیضاوی بہت مکن ہے کہ  
یہ سب واقعے ہوئے ہوں اور بعد میں یہ آیات نازل ہوئیں ہوں۔

فخانتا ہما۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ خیانتۃ امرأة نوح قولہا انہ مجنون و خیانتۃ امرأة لوط ودلا لہا علی ضیفہ۔  
کلبیؓ کہتے ہیں۔ اسرتا النفاق و اظہرتا الایمان۔

امراة فرعون۔ ابو ہریرہؓ سے منقول ہے۔ ان فرعون وتدل لا مراۃ اربعۃ فی یدیہا و رجلیہا فکانوا اذا تفرقوا اظلتہا  
الملائکۃ۔ دوسری روایت ہے، ان فرعون وتدل لا مراۃ او تاداو او وضعتہا علی صدرہا رحنی واستقبل بہا عین  
الشمس فرفعت رأسہا الی السماء فقالت رب ابن لی عندک بیتاً فی الجنة فخرج الله بہا عن بیتہا فی الجنة۔ اور  
سلمان کی روایت ہے۔ کانت امرأة فرعون تعذب فاذا انصرفوا عنها اظلتہا الملائکۃ باجنحتہا و کانت ترى بیتہا فی  
الجنة۔

اور حسن بن کیسان کہتے ہیں۔ رفعت الی الجنة وہی حیۃ تا کل و تشرب۔

﴿تشریح﴾ ..... آنحضرت ﷺ کی عادت مہار کہ تھی کہ عصر کے بعد سب ازواج کے ہاں تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جاتے۔ ایک روز حضرت زینبؓ کے ہاں کچھ دیر لگی۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے شہد پیش کیا۔ اس کے نوش فرمانے میں وقفہ ہوا۔ پھر کئی روز یہی معمول ہوا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے مل کر تدبیر کی کہ آپ ﷺ وہاں شہد چنا تھوڑ دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے چھوڑ دیا اور حفصہؓ سے فرمایا کہ میں نے زینبؓ کے ہاں شہد پیا تھا مگر اب قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ نہیں پیوں گا۔ نیز یہ خیال فرما کر کہ زینبؓ کو اس کی اطلاع ہوگی تو خواہ مخواہ دلگیر ہوں گی۔ حفصہؓ کو منع کر دیا کہ اس کی اطلاع کسی کو نہ کرنا۔ اسی قسم کا قصہ ماریہ قبطیہؓ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ جو آپ ﷺ کی حرم اور صاحبزادہ ابراہیم کی والدہ تھیں۔ اس میں بھی آپ ﷺ نے قسم بیویوں کو مطمئن کر دیا۔ اور حفصہؓ کو منع کر دیا کہ دوسروں کے سامنے اس کا اظہار مت کرنا۔ مگر حضرت حفصہؓ نے یہ بات حضرت عائشہؓ سے چپک دی۔ آپ ﷺ نے حفصہؓ کو بلا کر فرمایا کہ تم نے عائشہؓ سے یہ بات کیوں کہہ دی۔ حالانکہ میں نے منع کر دیا تھا اور وہ متعجب ہو کر بولیں۔ آپ ﷺ سے کس نے کہا۔ شاید عائشہؓ کی طرف خیال کیا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے۔

قسم کا حکم۔ تحلة ایماکم۔ حلال اور باح چیز کو مباح سمجھتے ہوئے اپنے اوپر پابندی عائد کر لینا کہ میں اس کام کو نہیں کروں گا تحریم حلال ہے۔ اگرچہ یہ پابندی صحیح مصلحت کی بناء پر ہو تو شرعاً جائز ہے، منع نہیں ہے۔ مگر حضور ﷺ کی رفعت کے شایان شان نہیں تھی کیونکہ اس میں بعض ازواج کی خوشنودی مزاج کی خاطر آئندہ امت کے لئے ایک اسوہ قائم ہوتا تھا۔ جو تنگی کا موجب ہوتا۔ اس لئے تنبیہ فرمادی کہ بیویوں کے ساتھ بے شک خوش اخلاقی کی ضرورت ہے مگر اس حد تک نہیں کہ ایک جائز چیز سے محروم ہو جائیں۔ خبر اس خلاف اولیٰ بات کو، مہم معاف کئے دیتے ہیں۔

پہلی شریعتوں میں اس کا خلاف اولیٰ نہ ہوتا آیت کل الطعام الحل پارہ لن تالوا میں گزر چکا ہے اور تحریم حلال کے اقسام و احکام آیت لا تحرموا طیبات سورہ مائدہ میں گزر چکے ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا ہوگا کہ میں اپنے اوپر شہد کو حرام کرتا ہوں۔ یا فرمایا ہوگا کہ واللہ میں شہد نہیں پیوں گا۔ بہر صورت یہ قسم ہے۔ اور چونکہ اس کا اثر تحریم ہے۔ یعنی اس سے بچنا ضروری ہے اس لئے اس کو تحریم سے تعبیر فرمادیا جس پر کفارہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے غلام آزاد فرمادیا۔

آنحضرت ﷺ کی مروّت: ..... عرف بعضہ و اعرض عن بعض، یعنی آپ ﷺ کی عایت کرم اور اخلاق کی بات ہے کہ خلاف ورزی کرنے پر بیوی کی شکایت بھی کرنے بیٹھے تو آدمی بات کی اور آدمی کو گول کر گئے کہ شرمندگی اور خجالت زیادہ ہوگی۔ بس کچھ کہا اور کچھ نہیں کہا۔ تا کہ وہ سمجھیں کہ بس آپ کو اتنے ہی کی خبر ہوتی ہوگی تو شرمندگی کم ہوگی۔ اور بیویوں کو سنا دیا کہ وہ محبوب ہو کر تائب ہوں۔ پس جو بات اللہ و رسول نے ملا دی ہم کیا جانیں؟ اسی لئے ملا دی کہ بے ضرورت چرچا نہ ہو۔ تاکہ اور لوگ برا نہ مانیں۔ خلافت کا مضمون جو بعض روایات میں آیا ہے وہ بعض شیعہ حضرات نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اس لئے خلافت بلا فصل کے معاملہ میں انہیں مجبور ہونا چاہیے۔

ان تنو بالی اللہ: ..... حضرت عائشہؓ و حفصہؓ کو فرمایا گیا کہ تمہارے دل اعتدال سے ہٹ کر ایک طرف کوڑھلک گئے تھے یعنی یہ کہ دوسری بیویوں سے ہٹا کر آپ کو اپنا ہی بنالیں ہر ایک بیوی کی یہی تمنا تھی کہ وہ زائد از زائد حضور ﷺ کی توجہات کا مرکز بن کر دارین کی برکات حاصل کر لیں۔ حب رسول اگرچہ نہایت مستحسن چیز ہے لیکن اس طور پر نہیں کہ دوسروں کے حقوق تلف ہو جائیں اور دوسروں کے دل ٹوٹیں کہ یہ چیزیں قبیح ہیں اور قبیح کا ذریعہ بھی قبیح ہوتا ہے مرد کے لئے یہ موقعہ تحمل و تدبر اور خوش اخلاقی کے اتمام کا نازک ترین موقعہ ہوتا ہے حضور ﷺ اس

نازک موقع پر بھی اسی غیر متزلزل ثبات قدمی کے ساتھ جمے رہے جس کی توقع سید الانبیاء علیہ السلام کی سیرت پاک سے ہو سکتی تھی۔ فرمیں کہ اس لحاظ سے ازواج کو تنبیہ فرمائی گئی کہ محبت میں اعتدال ملحوظ رکھو، نہ اعتمادی سے پرہیز کرو۔

**گھریلو نازک پیچیدگیاں:** ... وان تطاہروا علیہ۔ خاوند بیوی کے معاملات بعض مرتبہ ابتدا بہت معمولی نظر آتے ہیں۔ لیکن ذرا باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو آخر کار نہایت خطرناک اور تباہ کن صورتحال اختیار کرتے ہیں۔ خصوصاً عورت اگر کسی "نچے گھر" سے تعلق رکھتی ہو تو اس کو طبعاً اپنے باپ بھائی خاندان پر بھی گھمنڈ ہو سکتا ہے، اس لئے متنبہ فرمایا کہ وہ کسیو اگر تم اس طرح کی کارروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں۔ تو یاد رکھو کہ ان سے پیغمبر کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اللہ فرشتے، نیک بندے، ایمان دار لوگ جس کے رفیق کار ہوں اس کے سامنے کوئی انسانی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ ہاں تمہیں ضرور پہنچے گا امکان ہے۔ اور بعض اسلاف نے صالح المؤمنین کا مصداق ابو بکرؓ و عمرؓ کو کہا ہے شاید صاحبزادیوں کی منہ سبت سے ہو۔ انہیں ہی سے ہر ایک کی رفاقت حسب مراتب ہوگی۔ حق تعالیٰ کی رفاقت و تحقیقی ہے اور جبریل کی رفاقت واسطہ فیض ہونے کی وجہ سے اور فرشتوں کی رفاقت سلیکنا نازل کرنے کے اعتبار سے ہے اور مؤمنین کی رفاقت تابع ہونے کے لحاظ سے۔

عمسی رہ ان طلقکن۔ یعنی یہ دوسو دل میں نہ لانا کہ آخر مردوں کو بیویوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم سے بہتر عورتیں کہاں ہیں۔ اس لئے مجبوراً ہماری باتیں سہی جائیں گی۔ یاد رکھو کہ اللہ چاہے تو پیغمبر کے لئے تم سے بہتر بیویاں پیدا کر دے۔ اس کے یہاں کس چیز کی کمی ہے۔ ثبات کا ذکر اس لئے ہے کہ بعض مرتبہ بعض مصالح کے لحاظ سے ان کو غیر شادی شدہ پر ترجیح دی جاتی ہے اور خیراً انہیں سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالفعل ازواج سے بہتر کچھ عورتیں نہیں ہاں اگر تبدیلی کی نوبت آتی تو اللہ تعالیٰ بہتر بیویاں دے سکتا تھا۔

یا ایہا الذین امنوا قوا انفسکم۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں کو دین کی راہ پر لائے سمجھا کر ڈرا کر، پیار سے مارے جس طرح سے ہو سکے۔ دیندار بنائے اس پر بھی اگر وہ راہ راست پر نہ آئیں تو ان کی کھینچتی ہے۔ یہ بے قصور ہے۔ ملائکہ غلاظ۔ یعنی جہنم پر ایسے فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ نہ کسی پر رحم کھا کر چھوڑیں اور نہ کوئی ان کی زبردست گرفت سے چھوٹ کر بھاگ سکے۔ وہ نہ حکم الہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور نہ سستی اور نہ ہی وہ اس کی تعمیل سے عاجز ہیں۔

**نادر تحقیق:** توبہ نصوحاً۔ صدق دلی سے توبہ یہ ہے کہ دل میں پھر اس گناہ کا خیال نہ رہے اگر توبہ کے بعد اپنی خرافات کا خیال پھر آیا تو سمجھو کہ توبہ میں کچھ کسر رہ گئی اور گناہ کی جڑ دل سے نہیں نکلی۔ گناہ چھوڑنے کے پختہ ارادے میں تحقیق یہ ہے کہ دوبارہ گناہ کرنے کا ارادہ نہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن دل میں اگر گناہ خطور کرے تو قدرت ہوتے ہوئے پھر گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ بھی ضروری ہے۔ البتہ اگر قدرت نہ ہو تب بھی یہ ارادہ ضروری ہے کہ اگر قدرت ہوگی تب بھی گناہ نہیں کروں گا۔ اور دوزخ سے بچنے میں صرف توبہ کا ذکر اس لئے ہے کہ معصم کے علاوہ کون ہے جس سے گناہ سرزد نہ ہو، اس لئے توبہ کی حاجت زیادہ عام ہوئی۔ اور چونکہ طاعت نہ کرنا معصیت ہے اور توبہ میں ترک معصیت ضروری ہے پس اس عموم میں فعل طاعت بھی آگیا۔ اس طرح یہ حکم طاعت بجالانے اور گناہ سے بچنے رہنے کو کا عام ہو گیا۔

والدین امنوا۔ یعنی نبی کا کہنا ہی کیا۔ اللہ ان کے ساتھیوں کو بھی دلیل نہیں کرے گا بلکہ اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔ یہاں صرف مسلمانوں کو اطمینان دلانا ہے پیغمبر کا ذکر یقین کی تقویت کے لئے ہے۔ نبی جیسے نبی کا رسوا نہ ہونا یقینی ہے ایسا ہی مسلمانوں کی رسوائی نہ ہونا بھی یقینی ہے اور رسوائی سے خاص نفرت کی رسوائی مراد ہے۔ آیت ان الخزی اليوم والسوء علی الکافرین کی رو سے۔ اسی طرح مؤمنین سے مطلقاً مومن مراد ہے اور یہ عام رسوائی قیامت میں ہوگی۔ اس لئے قیامت کی تخصیص کر دی۔

ربنا اقمم۔ قیامت میں ہر مومن کو کچھ نہ کچھ نور عطا ہوگا۔ منافقین کا نور جب گل ہونے لگے گا تب مؤمنین یہ دعا کریں گے کہ اے اللہ نور ایمان

اخیر تک رکھے۔ یا یہ معنی ہیں کہ نور ایمان دل میں ہے۔ دل بڑھے تو سارے بدن میں سرایت کرے اور گوشت پوست میں رچ جائے۔ اور یہ اتمام نور سب مومنین کے لئے عام ہے اور اس سے گنہگار مسلمانوں کا دوزخ میں نہ جانا لازم نہیں آتا کیونکہ نور ایمان کے رہتے ہوئے بھی گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جانا ممکن ہے۔ رہا یہ شبہ کہ پھر نور باقی رہنے یا گل نہ ہونے سے کیا فائدہ؟ سوال تو حکم ہے۔ کہ وہ نور اصل میں ان کے ایمان کی صورت مثالیہ ہو اور اس کا نور باقی رہنا وجود ایمان کے لوازم میں سے ہے اور لوازم میں غایت کا سوال ہی زائد ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس نور سے انسیت ہوتا بھی اس کی غایت ہے۔ یعنی کفار کی طرح گنہگار مسلمانوں کو دوزخ میں وحشت نہیں ہوگی۔

آیت یا ایہا الذین سے کفار کا مبغوض ہونا معلوم ہوا اس لئے حضور ﷺ کو بطور تفریح کے ارشاد ہے اور ان کے جنمی ہونے کی اطلاع بھی ہے کہ کفار و منافقین سے سختی سے نبٹئے۔ گویا حضور ﷺ کی نرم خوئی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اوروں کو فرماتا ہے کہ تجلی کرو اور آپ ﷺ کو فرماتا ہے کہ سختی کرو۔ ہمارے پاس جب یہ آئیں گے تو ہمارے یہاں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جائے گی۔

انسان کا اپنا عمل اصل چیز ہے اور نسبتاً بعد کی چیز ہے..... اوپر کی آیت قوا انفسکم و اہلیکم سے دو باتیں معلوم ہوئی تھیں، ایک گھر والے پر گھر والوں کی اصلاح کی ذمہ داری جو دلالت مطابقی کے طور پر ہے۔ دوسرے گھر والے کی خود اپنی اصلاح جو دلالت التزامی سے معلوم ہوئی۔ جو اگرچہ قوا انفسکم و اہلیکم کے عموم میں دلالت مطابقی کے طور بھی داخل ہو سکتی ہے۔ پس اس دوسری صورت کے واجب ہونے پر جس کا زیادہ مصداق عورتیں ہوتی ہیں۔ دوسو سے ہو سکتے تھے ایک دوسوہ صلحاء کے متعلقین کو ہو سکتا تھا کہ اگر ہم صلحاء نہ بھی ہوں تب بھی ان صالحین کے انتساب میں ہمارے لئے فلاح آخرت ہے۔ اسی طرح دوسرا دوسوہ غیر صلحاء کے متعلقین کو ہو سکتا تھا کہ اگر ہم نیک بھی ہو جائیں تب بھی ان غیر صلحاء کی شامت میں پھنسا پڑے گا۔ اور ایک تیسرا شبہ کنواری یا بیوہ عورتوں کو بھی ہو سکتا ہے جو سر دست کسی صالح یا غیر صالح سے وابستہ نہیں ہیں۔ وہ یہ کہ شاید عورتوں کی کامل اصلاح مردوں کی اصلاح پر موقوف ہوگی۔ جب ہی تو مردوں کو اصلاح کا حکم ہوا ہے۔ ان شبہات کے رفع کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اجمالاً عورتوں کے چند قصے فرمادئے ہیں۔

نوح و لوط کی بیویوں کے قصے تو پہلا شبہ دور ہو گیا۔ اور فرعون کی بیوی کے قصہ سے دوسرا دوسوہ دور ہو گیا اور حضرت مریم کے قصہ سے تیسرا دوسوہ رفع ہو گیا اور چونکہ پہلے دوسوہ میں زیادہ ابتلاء ہے۔ اس لئے اس کے دوہرے قصے بیان فرمادئے۔ اور تیسرے دوسوہ میں مردوں کو خطاب کرنا تسہیل صلاح کے لئے ہے۔ یہ نہیں کہ صلاح کا توقف اصلاح پر ہے کہ اگر اصلاح ہوگی تو صلاح حاصل ہوگی ورنہ نہیں۔

چھٹی بری عورتیں اپنے اعمال پر نظر رکھیں:..... امرأت نوح و امرأت لوط۔ حضرت لوط اور نوح کیسے نیک بندے ہیں مگر دنوں کے گھروں میں بیویاں منافق تھیں۔ بظاہر ان کے ساتھ تعلق تھا۔ مگر دل سے کافروں کے شریک حال تھیں۔ پھر کیا ہوا۔ عام دوزخیوں کے ساتھ ان کو بھی اللہ نے دوزخ میں دھکیل دیا۔ پیغمبروں کا رشتہ زوجیت ذرا بھی عذاب الہی سے نہ بچا سکا۔ ان کے برعکس فرعون کی بیوی حضرت سیدہ پکی ایماندار، ان کا شوہر پکا باغی۔ مگر وہ بیوی خاوند کو خدا کے عذاب سے نہ بچا سکی اور نہ ہی خاوند کی شرارت و خباثت کے جرم میں بیوی کو کچھ بچ آسکی۔ یہ وہم نہ کیا جائے نوح و لوط کے بیویوں کے قصے ازواج مطہرات کے لئے سنائے۔ کیونکہ ان کے لئے تو سورہ نور میں الطبیات طہیین کہا جا چکا ہے اور اگر ایسا وہم کیا جائے۔ تو فرعون کی بیوی کی مثال معاذ اللہ کس پر چسپاں کی جائے گی۔

مرآۃ فرعون۔ حضرت موسیٰ کی انہوں نے پرورش کی تھی اور ان کی مددگار تھیں اور ان کی معتقد تھیں بعد میں جب فرعون کو یہ حال کھلا تو انہیں انت اذیتوں میں مبتلا کیا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئیں۔ حتیٰ کہ جان شیریں جان آفرین کے سپرد کردی۔ حدیث میں ان کے دلی کامل ہونے کی ردی گئی ہے۔ اللہ نے بھی ان کے ساتھ مریم کا ذکر کیا ہے۔ ففخنا فیہا۔ ففخ جبریلی جس کی برکت سے استقر ارحم ہوا حق تعالیٰ نے اپنی



طرف منسوب فرمایا کہ فاعل حقیقی اور موثر بالذات وہی ہیں۔ آخر ہر عورت کے رحم میں جو بچہ بنتا ہے اس کے سوا کون ہے؟ بعض مفسرین نے فرج کے معنی چاک گریباں کے لئے ہیں۔ یہ نہایت بلیغ کنایہ ہے۔ ان کی عفت و پاکدامنی سے جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے گریبان تک بھی کسی کا ہاتھ پہنچنے نہیں دیا۔ عرب بولتے ہیں۔ فلان نفی الجیب، طاہر الدلیل۔ اردو میں بھی پاکدامنی کا لفظ عفت سے کنایہ ہوتا ہے اور دامن کی پاکی ناپاکی سے بحث نہیں ہوتی۔

لطا ئف سلوک: ... یا ایہا النبی لم تحرم۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے کی اتنی رعایت نہ کرو کہ اپنا دنیاوی نقصان ہونے لگے کہ اس سے دوسرے کے اخلاق بھی خراب ہوتے ہیں۔

اعرض عن بعض۔ اہل اللہ کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے کہ دوسروں کو زیادہ دخل نہیں کرتے۔

توبوا الی اللہ۔ توبہ خالص کے وجوب پر نص ہے۔

امرأة نوح۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض صلحاء کے انتساب پر ناز نہ کرے جب تک اپنے پاس طاعت نہ ہو۔

پارہ نمبر ﴿۲۹﴾

تَبَرَّكَ الَّذِي



## فہرست پارہ ﴿تَبْرُكُ الذی﴾

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۰۳	قرآنی حقائق کا سرچشمہ ہے	۴۷۸	فضائل و شان نزول
۵۰۹	قیامت کا دن کتنا بڑا ہوگا	۴۷۸	آسمان موجود ہیں یا نہیں
۵۱۰	انسان جی کچا اور بے صبر ہے	۴۸۰	نہ ڈرنے کا انجیم
۵۱۰	یروں کا ہنا کر اللہ اچھوں کو ٹھہرا کر سکتا ہے	۴۸۰	زمین پر تمہاری نہیں اللہ کی حکومت ہے
۵۱۶	مومن و کافروں کو اگرچہ موت آتی ہے مگر دونوں کے	۴۸۰	پرندے زمین پر رتے نہیں ہیں
۵۱۷	ثمرات الگ الگ ہیں	۴۸۱	ایک موحدا و مشرک کی چال الگ الگ ہے
۵۱۷	ایک شبہ کا ازالہ	۴۸۱	مسلمان آبدہوں یا برباد کافروں کو کیا فائدہ؟
۵۱۷	دلائل قدرت	۴۸۹	شان نزول و روایات
۵۱۸	استدراج	۴۹۰	رسول اللہ ﷺ کو دیوانہ کہنے والے خود دیوانہ ہیں
۵۲۷	شان نزول	۴۹۰	رسول اللہ ﷺ کا خلق عظیم
۵۲۷	انسان پہلے جنات سے ڈرا کرتے تھے	۴۹۱	مداہنت مذموم ہے لیکن ملاطفت و حکمت مستحسن ہے
۵۲۷	شبہات کا ازالہ	۴۹۱	مال و دولت کی بجائے اعمال و اخلاق لائق توجہ ہونے چاہئیں
۵۲۷	قرآن نازل ہونے کے بعد بھی لوگ دو طرح کے ہوں گے	۴۹۲	کیا پرہیزگار اور گناہ گار دونوں برابر ہو سکتے ہیں
۵۲۹	اسلام کا دوسرے مذہب سے امتیاز	۴۹۲	قیامت میں تجلی ساق
۵۲۹	پیغمبر بھی دوسروں کی طرح اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے	۴۹۲	سجدہ نہ کرنے کی سزا
۵۲۹	ابلاغ اور رسالت میں فرض	۴۹۳	حضرت یونس کا غم
۵۲۹	علم غیب کی بحث	۴۹۳	آنحضرت ﷺ کو جلی کئی نظروں سے دیکھنا یا نظر بد لگانا
۵۳۰	وحی کی حفاظت	۵۰۰	نافرمان قوموں پر عذاب الہی
۵۳۸	شان نزول و روایات	۵۰۱	ایک شبہ کا ازالہ
۵۳۹	وحی کا ثقل	۵۰۱	دوزخیوں کی درگت
۵۴۰	رات کا جاگنا دشوار بھی ہے اور آسان بھی	۵۰۲	قرآن کیا ہے
۵۴۰	شب بیداری کی تیسری حکمت	۵۰۲	دنیا میں ہمیشہ اچھوں کی کمی رہی ہے
۵۴۱	اللہ کے باغی بیج کر کہاں جاسکتے ہیں	۵۰۳	جھوٹے اور سچے نبی کافرق

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۵۶۷	انسان بالطبع جبلت پسند ہے	۵۴۲	دشواری کے بعد آسانی
۵۶۷	جائگی کا ہولناک منظر	۵۵۱	شان نزول و روایات
۵۶۸	قیامت کی عقلی دلیل	۵۵۳	کپڑوں اور نفس کی صفائی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے
۵۶۷	انسان کی فطرت یکساں طور پر رہتا ہے	۵۵۳	لہجہ کی نیت کبھی نہیں بھرتی
۵۷۷	دنیا میں ابرار کا حل اور آخرت میں ان کی شان	۵۵۳	ولید پلید کی خباثتیں
۵۷۷	جنت کی نعمتیں اور عیش و عشرت	۵۵۴	قرآن کی ہر زمانے میں غیر معمولی تاثیر اس کے جادو ہونے
۵۷۷	قرآن پاک کا تھوڑا تھوڑا اتنا ہی حکمت و مصلحت ہے		کی تردید کرتی ہے
۵۷۸	انسان کا ارادہ اللہ کے ارادے کے تابع ہے	۵۵۴	دوزخ میں انیس فرشتے کیوں مقرر ہیں؟
۵۸۶	مختلف قسمیں اور ان کی مضمون قسم سے مناسبت	۵۵۵	دوزخ معمور انیس فرشتوں کی حکمت
۵۸۶	قیامت کا ہولناک نقشہ	۵۵۵	ایمان میں زیادتی و کمی
۵۸۶	مقرر آیات کے ہر جگہ نئے معنی	۵۵۶	حاکم نہ جواب
۵۸۷	مرکز جب زمین ہی ٹھکانا ہے تو پھر دوبارہ اسی سے اٹھنا کیوں	۵۵۶	مقررین اور اصحاب الیمین
	مشکل ہے	۵۵۷	کفار کیا فرعی احکام کے متکلف ہیں؟
۵۸۷	قیامت کی ہیبت و دہشت	۵۵۷	تخن سازی بہانہ بازی
۵۸۸	دوزخیوں سے جنتیوں کا تقابل	۵۶۵	شان نزول و روایات
		۵۶۵	قسموں کی مناسبت
		۵۶۶	اللہ کا کمال قدرت
		۵۶۶	قیامت کے ڈر سے عیش میں کھنڈت پڑتی ہے
		۵۶۶	انسان کی حالت توحید کی دعوت ہے
		۵۶۷	کلام الہی مربوط ہر

## تَبَرَّكَ الَّذِي

### سُورَةُ الْمُلِكِ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

تَبَرَّكَ تَزَّهً عَنْ صِفَاتِ الْمُحْدَثِينَ الَّذِي بِيَدِهِ فِي تَصَرُّفِهِ الْمُلْكُ السُّلْطَانُ وَالْقُدْرَةُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١﴾ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ فِي الدُّنْيَا وَالْحَيَاةَ فِي الْآخِرَةِ أَوْ هُمَا فِي الدُّنْيَا فَالطُّفَةُ تَعْرِضُ لَهَا الْحَيَاةُ وَهِيَ مَا بِهِ الْإِحْسَاسُ وَالْمَوْتُ ضِدُّهَا أَوْ عَدَمُهَا قَوْلَانِ وَالْخَلْقُ عَلَى الثَّانِي بِمَعْنَى التَّقْدِيرِ لِيَبْلُوَكُمْ لِيَسْخَبِرُكُمْ فِي الْحَيَاةِ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا أَطْرَعُ إِلَهُ وَهُوَ الْعَزِيزُ فِي إِنْتِقَامِهِ مِمَّنْ عَصَاهُ الْغُفُورُ ﴿٢﴾ لِمَنْ تَابَ إِلَيْهِ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنْ غَيْرِ مِمَّا سِة مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ لَهُنَّ وَلَا لِغَيْرِهِنَّ مِنْ تَقَوُّتٍ تَبَاطُحٍ وَعَدَمٍ تَنَاسُبٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ أَعَدُّهُ إِلَى السَّمَاءِ هَلْ تَرَى فِيهَا مِنْ فُطُورٍ ﴿٣﴾ صُدُوعٍ وَشُقُوقٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ كَرَّةً بَعْدَ كَرَّةٍ يَنْقَلِبُ يَرْجِعُ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا ذَلِيلًا لِعَدَمِ ادِّرَاكِ خَلْقِهِ وَهُوَ خَسِيرٌ ﴿٤﴾ مُنْقَطِعٌ عَنْ رُؤْيَا خَلْقِهِ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا الْقُرْبَى إِلَى الْأَرْضِ بِمَصَابِيحَ بِنُجُومٍ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا مَرَاجِمَ لِلشَّيْطَانِ إِذَا اسْتَرْقُوا السَّمْعَ بَانَ يَنْفَصِلُ شَهَابٌ عَنِ الْكَوْكَبِ كَالْقَبَسِ يُؤْخَذُ مِنَ النَّارِ فَيَقْتُلُ الْجَنِّيَّ أَوْ يُخْلِلُهُ لَا إِنْ الْكَوْكَبُ يَزُولُ عَنْ مَكَانِهِ وَاعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ﴿٥﴾ النَّارِ الْمُوقَدَةِ وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٦﴾ هِيَ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهيقًا صَوْتًا مُنْكَرًا كَصَوْتِ الْبَحْمَارِ وَهِيَ تَفُورُ ﴿٧﴾ تَغْيِي تَكَادُ تَمِيزُ وَقُرَى تَمِيزُ عَلَى الْأَصْلِ تَنْقَطِعُ مِنَ الْغَيْظِ غَضًا عَلَى الْكُفَّارِ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا سَوَالُ تَوْبِيخٍ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ﴿٨﴾ رَسُولٌ يُبْدِرُكُمْ

عذاب سے عاقلیٰ قائلو ابلیٰ قد جاءنا نذیرہ فکذبنا وقلنا ما نزل الله من شیء ان من انتم الا فی ضللی کبیر۔ ۱۰ حمل ان یكون من کلام الملائکة للکفار حین اخرجوا بالتکذیب وان تكون من کلام سکفار سکر وقالوا لو کنا نسمع اى سماع تفہم او نعقل اى عقل تفکر ما کنا فی اصحاب السعیر۔ ۱۱ فاعترفوا حیث لا ینفع الاعتراف بذنبہم وهو تکذیب النذر فسحقا سکور احباء وصمنا لا اصحاب السعیر۔ ۱۲ فبعد انہم عن رحمہ اللہ تعالیٰ ان الذین یخشون ربہم یحافونہ بالغیب فی عینہ علی انعین الناس فیطیعونہ سرافیکون علانیۃ اولیٰ لہم مغفرۃ واجر کبیر۔ ۱۳ اى احسن واسرؤا انہا الناس قولکم اواجہروا بہ انہ تعالیٰ علیم بذات الصدور۔ ۱۴ سما فیہا کیف سما صفہ بہ وسب نزول ذلک ان المشرکین قال بعضهم لبعض اسرؤا قولکم لا یسمعکم اللہ محمد مع الا یعلم من خلق ما تیسرون اى یتفہی علمہ بذلک وهو اللطیف فی علمہ الخبیۃ۔ ۱۵ وہ لا هو الذی جعل لکم الارض ذلولا سہلۃ للمشی فیہا فامشوا فی مناکیہا خاسمہا وکلوا من رزقہ المحموق لاحکم والیہ النشور۔ ۱۶ من الثبور الجزاء امتم بتحقیق التہمتیں وسہل الثابۃ واذحال لہب سہا وین الاخری وترکہا وابدالہا الفا من فی السماء سلطانہ وقدرہ ان یحسف بدل من من بکم الارض فاذا ہی تمور۔ ۱۷ تتحرك بکم وترتفع فوقکم ام امتہ من فی السماء ان یرسل بدل من من علیکم خاصبا ریحاً ترمیکم بالحصاء فستعلمون عند معیۃ العذاب کیف نذیر۔ ۱۸ اذارى بالعذاب اى انہ حق ولقد کذب الذین من قبلہم من الامم فکیف کان نکیر۔ ۱۹ انکارى علیہم بالتکذیب عند اہلاکہم اى انہ حق اولم یروا ینظروا الی الطیر فوقہم فی انہواء صفت باسطات اجنحتہن ویقبضن اجنحتہن بعد البسط وقابضات فایمسکھن عن الوقوق فی حان البسط والقبض الا الرحمن بقدرتہ انہ بکل شیء بصیر۔ ۲۰ المعنی لہ ینشدوا لہ العذاب لصر فی انہواء علی قدرتنا ان نفعل بہم ماتقدم وغیرہ من العذاب آمن مستداً هذا خبرہ الذی بدل من هذا هو جند اعوان لکم صلیۃ الذی ینصركم صفۃ حند من دون الرحمن اى غیرہ یدفع عنکم عداہ اى لا ناصر لکم ان ما الکفرون الا فی غرور۔ ۲۱ غرہم الشیطان بان العذاب لا ینزل بہم آمن هذا الذی یرزقکم ان امسک الرحمن رزقہ اى المطر عنکم وجواب الشرط محذوف دل علیہ ما قبلہ اى فمن یرزقکم اى لا رازق لکم غیرہ بل لجوا تمادوا فی عتو تکبر و نفور۔ ۲۲ تباعد عن



اَسْحَقَ اَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا وَاَقْبَا عَلٰى وَجْهِهِ اَهْدٰى اَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا مُّعْتَدِلًا عَلٰى صِرَاطٍ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾ وَحَبْرٌ مِّنَ الثَّانِيَةِ مَحْذُوْفٌ دَلَّ عَلَيْهِ حَبْرُ الْاُولٰٓئِ اَيُّ اَهْدٰى وَالْمَثَلُ فِى الْمُؤْمِنِ وَالْكَافِرِ اَيُّ اَيُّهُمَا عَلٰى هٰذِى قُلْ هُوَ الَّذِى اَنْشَاَكُمْ خَلْقَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ اَلْقُلُوْبُ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَا مَزِيْدُهُ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ مُّخْبِرَةٌ بِقَلَّةِ شُكْرِهِمْ جَدًّا عَلٰى هٰذِهِ النِّعَمِ قُلْ هُوَ الَّذِى ذَرَاكُمْ خَلْقَكُمْ فِى الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ لِلْحَسَابِ وَيَقُولُوْنَ لِلْمُؤْمِنِ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ وَعَذَابُ الْحَشْرِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ فِىهِ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ بِمَحِيْبِهِ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ بَيْنَ الْاَبَدِ فَلَمَّا رَاَوْهُ اَيُّ الْعَذَابِ نَعَذَابُ الْحَشْرِ زُلْفَةً قَرِيْبًا سَيِّئَتْ اِسْوَدَتْ وَجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ اَيُّ قَالَ الْخَزَنَةُ لَهُمْ هٰذَا اَيُّ الْعَذَابِ الَّذِى كُنْتُمْ بِهٖ بِاِنْذَارِهِ تَدْعُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَكُمْ لَا تَنْتَعِبُوْنَ وَهٰذِهِ حِكَايَةٌ حٰلٍ تَاتٰى عَنْهَا بِطَرِيقِ الْمُضِيِّ لِتَحَقُّقِ وَقُوْعِهَا قُلْ اَرَأَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكْنِىَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِىَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ بَعْدَايَ كَمَا تَقْصِدُوْنَ اَوْ رَحِمْنَا فَلَمْ نَبْعَذِبْكُمْ فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِيْنَ مِنْ عَذَابِ الْيَوْمِ ﴿۲۸﴾ اَيُّ لَا مُجِيْرَ لَهُمْ مِنْهُ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اَمَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ بِالنَّاءِ وَاِلْيَاءِ عِنْدِ مُعَايَةِ الْعَذَابِ مَنْ هُوَ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ بَيْنَ اَنَحْ اَمْ اَنْتُمْ اَمْ هُمْ قُلْ اَرَأَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا غَائِرًا فِى الْاَرْضِ فَمَنْ يَّاتِيْكُمْ بِمَآءٍ مُّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ جَارٍ تَنَالُهُ الْاَيْدِىُّ وَالذَّلٰءُ كَمَا نَكُمُ اَيُّ لَا يَأْتِىْ بِهٖ اِلَّا اللّٰهُ فَكَيْفَ تَنْكُرُوْنَ اَنْ يَّبْعَثَكُمْ وَيَسْتَحِبُّ اَنْ يَقُوْلَ الْقَارِئُ عَقِيْبُ مُعِيْنِ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ كَمَا وَرَدَ فِى الْحَدِيْثِ وَتُبَيِّتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عِنْدَ بَعْضِ الْمُتَحَبِّرِيْنَ فَقَالَ تَاتٰى بِهٖ الْقَوْسُ وَالْمُعَاوِلُ فَذَهَبَ مَآءُ غِيْبِهِ وَعَمِيَ عَوْدُ بَالِهٖ مِنَ الْجُرَاةِ عَلٰى اللّٰهِ وَعَلٰى اٰيَاتِهِ

سورۃ ملک مکہ ہے جس میں تیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ :- وہ بڑا عالی شان ہے (مخلوق کی صفات سے پاک) جس کے قبضہ (تصرف) میں تمام ملک (سلطنت و قدرت)

ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت کو (دنیا میں) اور حیات کو پیدا کیا ہے (آخرت میں) یا موت و حیات دونوں دنیا میں پیدا کیں۔ چنانچہ نطفہ میں جان آتی ہے جس کے ذریعہ احساس ہوتا ہے اور موت، حیات کی ضد کا نام ہے یا اس کے عدم کا؟ اس میں دونوں قول ہیں۔ دوسری صورت میں خلق کے معنی تقدیر کے ہوں گے) تاکہ (دنیا میں) تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا (اللہ کا بہت فرمانبردار) ہے اور وہ (نافرمانوں سے انتقام لینے میں) زبردست (توبہ کرنے والوں) کو بخشنے والا ہے۔ جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے (جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں ہیں) تو اللہ کی صنعت میں (آسمانوں اور دوسری چیزوں کی

بنائے میں) کوئی خلل (فرق اور بے تکاپی) نہیں دیکھے گا، سو تو پھر نگاہ ڈال کر (دوبارہ آسمانوں کو) دیکھ لے، کہیں تجھ کو (اس میں) کوئی خلل (پھٹن، شکاف) نظر آتا ہے؟ پھر بار بار (یکے بعد دیگرے) نگاہ ڈال کر، دیکھ، نگاہ ذلیل ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی (کوئی خلل دکھائی نہ پڑنے کی وجہ سے) اور ماندہ بن کر (خلل نظر نہ آنے کی وجہ سے تھک کر) اور ہم نے (زمین سے) قریب کے آسمانوں کو چراغوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے (جس وقت سے وہ چوری چھپے سننے کی کوشش کرتے ہیں تو ستارہ سے انگارہ کی طرح کا ایک ٹکڑا جھڑتا ہے اور وہ اس جن کو بھسم کر ڈالتا ہے یا اسے بدحواس بنا ڈالتا ہے یہ نہیں کہ ستارہ نوبت ہو) اور ہم نے ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے (جو دہکتی آگ ہے) اور جو اپنے پروردگار کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ جب (یہ) لوگ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کی بڑی زور کی آوازیں گے (جو گدھے کی آوازیں کی طرح کی دھاڑ ہوگی) اور وہ جوش مارتی ہوگی جیسے معلوم ہوتا ہے کہ پھٹ پڑے گی (ایک قرأت میں تسمیہ اصلی حالت میں ہے۔ یعنی ٹکڑے ہو جائے گی) مارے غصہ کے (کفار پر) جب اس میں (ان کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ اس سے (ڈانٹتے ہوئے) پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ذرا نہ والا نہیں آیا تھا (جو تمہیں عذاب الہی سے ڈراتا) وہ کافر کہیں گے کہ واقعی ہمارے پاس ذرا نہ والا آیا تھا مگر ہم نے اس کو جھٹلایا اور کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا تم بڑی غلطی میں پڑے ہو (ممن ہے یہ اخیر ہمد فرشتوں نے کفار سے کہا ہو۔ جب کہ کافروں نے ان کو اپنے جھٹلانے کی خبر دی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کفار ہی کے کام کا حصہ ہو جو انہوں نے پیغمبروں سے کیا) اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے (غور سے) یا سمجھتے (فکر و تامل کرتے) تو ہم اہل دوزخ نہ ہوتے۔ غرض اقرار کریں گے (مگر جب کہ اقرار سے کچھ فائدہ نہ ہوگا) اپنے جرم (پیغمبروں کو جھٹلانے) کا، سولعت ہو (سکون حاد اور ضمہ حاک ساتھ ہے) دوزخیوں پر (خدا کی مار ہو) بلاشبہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں بے دیکھے (لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر بس مخفی طور پر اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں تو اعلانیہ اطاعت تو بدرجہ اولیٰ کرتے ہوں گے) ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم (جنت) ہے اور (لوگو) تم چھپا کر بات کرو، یا پکار کر کہو، وہ دلوں تک کی باتوں سے خوب آگاہ ہے (سو تمہاری بات چیت سے وہ کیسے آگاہ نہیں ہوگا۔ اس کا شن نزول یہ ہے کہ کفار نے ایک دوسرے سے یہ کہا تھا کہ آہستہ آہستہ باتیں کرو کہیں محمد کا خدا نہ سن لے) کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے (تمہاری پوشیدہ باتیں یعنی کیا اس کو اپنی پیدا کی ہوئی چیز کی خبر نہیں ہے) اور وہ بار یک بین ہے (بلحاظ علم کے) باخبر ہے (ایسی بات نہیں ہے) وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا (چلنے کے قابل نرم بنا دیا) سو اس کے راستوں (اطراف) میں چلو پھرو اور اس کی روزی میں سے (جو اس نے تمہاری خاطر پیدا فرمائی) کھاؤ پیو اور اس کے پاس (قبروں سے اٹھ کر جزا کے لئے) دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔ کیا تم بے خوف ہو گے؟ (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل کرتے ہوئے اور دونوں کے ہمزہ کے درمیان الف کے ساتھ اور بغیر الف کے اور ہمزہ کو الف سے بدل کر ہے) اس ذات سے جو آسمان میں ہے (اس کی سلطنت و قدرت) کہ وہ تمہیں رہنے دے (من سے بدل ہے) زمین میں پھر وہ زمین تھر تھرانے لگے (ڈانٹا ڈول ہو کر تمہارے اوپر آ جائے) یا تم لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو کہ آسمان میں ہے کہ وہ تم پر چلا دے (من سے بدل ہے) ہوائے تند (جس میں پتھریاں اڑ کر تمہیں لگیں) سو غریب (عذاب آنے پر) تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا (عذاب کے سلسلہ میں یعنی برحق تھا) اور ان سے پہلے (امتوں کے) جو لوگ ہو گزرے ہیں انہوں نے جھٹلایا تھا۔ سو میرا عذاب کیسا ہوا؟ (تباہ کر کے جھٹلانے کا مزہ چکھا دیا یعنی عذاب برحق نکلا) کیا ان لوگوں نے پرندوں کی طرف نظر نہیں کی جو ان کے اوپر (ہوا میں) پر پھیلائے ہوئے (بازو کھولے ہوئے) ہیں اور سمیٹ لیتے ہیں (اپنے پر پھیلائے کے بعد، یقبضن بمعنی قابضات ہے) ان کے پروں کے پھیلائے اور سمیٹنے کے وقت (کوئی تھاے ہوئے نہیں بجز

رحمان (کی قدرت) کے بے شک وہ ہر چیز دیکھ رہا ہے (مطلب یہ ہے کہ کافر پرندوں کو ہوا میں دیکھ کر ہماری قدرت نہیں سمجھتے کہ ہماری پہلی کارروائی کر کے اور دوسرے طریقوں سے انہیں عذاب دے سکتے ہیں) ہاں کون ہے؟ (مبتداء) وہ (خبر) جو (ہذا سے بدل ہے) تمہارا لشکر (مددگار بن کر لکم الذی کا صلہ ہے) تمہاری حفاظت کرے (جند کی صفت ہے) الرحمن کے سوا (یعنی اس کے علاوہ کون اس کے عذاب کو تم سے دور کر سکتا ہے یعنی کوئی تمہارا مددگار نہیں ہے) کافر تو نرے دھوکہ میں ہیں (شیطان نے ان کو فریب دے رکھا ہے کہ ان پر عذاب نہیں آئے گا) ہاں! وہ کون ہے جو تم کو روزی پہنچا دے؟ اگر (رحمن) اپنی روزی بند کر دے (یعنی بارش روک لے۔ جواب شرط محذوف ہے جس پر پہلا کلام دلالت کر رہا ہے۔ یعنی فمن یوزقکم حاصل یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی روزی رساں نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ جہنم ہوئے (حد سے بڑھے ہوئے) ہیں۔ سرکشی (تکبر) اور نفرت (حق سے دوری) پر۔ سو کیا جو شخص منہ کے بل گرتا ہوا چل رہا ہو وہ منزل مقصود پر زیادہ پہنچنے والا ہے یا وہ شخص جو سیدھا (میانہ روی کے ساتھ) ایک ہموار سڑک پر چلا جا رہا ہو (دوسرے من کی خبر محذوف ہے جس پر چل کر من کی خبر دلالت کر رہی ہے۔ یعنی اھدیٰ اور یہ مثال مومن و کافر کی ہے کہ ان میں سے کون ہدایت پر ہے) آپ کہہ دیجئے کہ وہی ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیئے تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو (ما زائد ہے اور جملہ مستانفہ ہے، ان نعمتوں پر ان کا بہت کم شکر ادا کرنے کی اطلاع دینے کے لئے ہے) آپ کہئے کہ وہی ہے جس نے تمہیں روئے زمین پر پھیلایا اور تم اس کے پاس (حساب کے لئے) اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ لوگ (مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (قیامت) کب ہوگا۔ اگر تم سچے ہو (اس میں) آپ کہئے کہ اس کے (آنے کا) علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض صاف صاف ڈرانے والا ہوں پھر جب اس عذاب کو (حشر کے بعد) آتا ہوا (نزدیک) دیکھیں گے تو کافروں کے منہ بگڑ (کالے ہو) جائیں گے اور کہا جائے گا (داروغہ جہنم کی زبانی) یہی (عذاب) ہے وہ جس کو تم (ڈرانے کے وقت) کہا کرتے تھے (کہ تمہارا حشر نہیں ہوگا اور یہ آئندہ کے حال کی حکایت ہے جس کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی ہونے کی وجہ سے آپ کہئے کہ تم یہ تلاؤ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کر دے (مومنین کو عذاب کے ذریعہ جو تمہارا مقصد ہے) یا ہم پر رحم فرما دے (ہمیں عذاب نہ دے۔ تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا) کوئی نہیں بچا سکتا) آپ کہئے کہ وہ بڑا مہربان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اسی پر توکل کرتے ہیں سو عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا (تاء اور یاء کے ساتھ ہے عذاب آنے پر) کہ کون صریح گمراہی میں ہے (ہم یا تم یا وہ) آپ کہئے اچھا یہ تلاؤ کہ اگر تمہارا پانی (زمین میں) نیچے کو عذاب ہی ہو جائے، سو وہ کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے (جس تک ہاتھ اور ڈول پہنچ جائیں جیسا کہ عام طور پر پانی میں ہوتا ہے یعنی بحر اللہ کے کوئی نہیں لاسکتا۔ پھر کیسے قیامت میں اٹھنے کا انکار کر رہے ہو۔ قاری کے لئے مستحب ہے کہ معین پر پہنچنے کے بعد جواب میں اللہ رب العالمین کہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ یہ آیت ایک متکبر کے سامنے پڑھی گئی تو جواب میں کہنے لگا ہم پھاؤڑوں اور کدالوں سے پانی نکال لائیں گے۔ چنانچہ فوراً اس کی آنکھ کا پانی خشک ہو گیا اور وہ اندھا ہو گیا خدا کی پناہ۔ اللہ اور اس کی آیات کے مقابلہ میں ایسی جرأت۔

تحقیق و ترکیب:..... سورۃ الملک۔ اس سورۃ کا نام واقعہ اور منجیہ بھی ہے اور تورات میں اس کا نام مانعہ بھی آیا ہے۔ ابن شہاب اس کو مجادلہ کہا کرتے تھے۔

الموت والحیات۔ اہلسنت کے نزدیک یہ دونوں صفتیں علم و قدرت کے علاوہ ہیں اور حرارت و برودت کی طرح دونوں وجودی ہیں۔ جو ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ذات سے زائد ہوتی ہیں۔ ابن عباسؓ کلبیؓ مقاتلؓ فرماتے ہیں۔ ان الموت والحیات جسمان۔ البتہ معتزلہ کے نزدیک موت عدی ہے۔ خواہ عدم مطابق ہے یا عدم لاحق۔ پہلی صورت میں تقابل تضاد ہوگا اور دوسری صورت

میں تقابل عدم ملکہ نیز پہلی صورت میں خلق اپنے معنی میں رہے گا۔ لیکن دوسری صورت میں بمعنی قدر ہوگا۔ یعنی ارادۃ الہی کا تعلق جو موجودات اور معدومات دونوں سے ہو سکتا ہے۔

لیس لوکم یہ شبہ نہ کیا جائے کہ معلومات متحدہ ہونے کی وجہ سے علم الہی کا تجدد لازم آتا ہے کیونکہ یہاں یہ مراد ہے کہ اللہ ایسا معاملہ کرتا ہے جیسے آزمائش کرنے والا کیا کرتا ہے۔

ایکم احسن عملاً۔ ایکم مبتداء اور احسن خبر اور عملاً تمیز ہے اور جملہ محل نصب میں یس لوکم کا مفعول ثانی ہے ابوالسعود کہتے ہیں کہ تعلق عمل اگرچہ افعال قلوب کا خاصہ ہے۔ لیکن بلی میں چونکہ انجام کا علم ہوتا ہے اس لئے بطور تمثیل یا استعارہ تبعیہ اس کو بھی افعال قلوب کے قائم مقام کر لیا جاتا ہے۔

سبع سموات۔ کہا جاتا ہے کہ پہلا آسمان لپٹی ہوئی مونچ ہے اور دوسرا سفید مرمرا کا اور تیسرا لوہے کا اور چوتھا بیتل کا اور پانچواں چاندی کا اور چھٹا سونے کا اور ساتواں سرخ یا قوت کا ہے۔

طباقاً طبقہ کی جمع ہے جیسے رحبۃ کی جمع رحاب آتی ہے۔ یا طبق کی جمع ہے۔ جیسے جمل اور جبل کی جمع حمال اور حبال آتی ہے یہ مصدر ہے بطور مبالغہ سموات کی صفت ہے یا فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ طباق النعل بالنعل سے ماخوذ ہے۔ بقائی کہتے ہیں کہ آسمان کا ہر جز دوسرے جز کے مطابق ہے، کوئی جز خارج نہیں ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ زمین کو کروڑ مانا جائے اور آسمان دنیا زمین کے لئے محیط ہے۔ جس طرح انڈے کا چھلکا اپنی سفیدی اور زردی کے لئے محیط ہوتا ہے، بقیہ تمام آسمان بھی اسی طرح ایک دوسرے پر محیط ہیں اور عرش و کرسی ان پر محیط ہیں۔ ساتواں آسمان اس کے سامنے ایسی نسبت رکھتا ہے جیسے ایک چھلہ میدان میں پڑا ہو، اہل بیت بھی یہی کہتے ہیں اور ظاہر شرع بھی اس کے موافق ہیں۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کے درمیان فاصلے ہیں پیاز کے چھلکوں کی طرح ایک دوسرے سے چپکے ہوئے نہیں جو فلاسفہ کا نظریہ ہے۔

ماتری مفسر نے لہن سے جملہ متانفہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قاضی بیضاوی اس کو سبع سموات کی صفت مان رہے ہیں۔

فارجع البصر۔ یعنی بار بار کی نظر سے بھی کوئی عیب نظر نہیں آئے گا یہ جملہ ماتری پر مرتب ہے۔

کرتیس مرتین کے معنی میں ہے۔ مصدر کی وجہ سے منصوب ہے تشبیہ مراد نہیں بلکہ تکثیر مراد ہے۔ جیسے لبیک وسعدیک وحنانیک و هذا ذیک میں کثرت مقصود ہوتی ہے۔ ورنہ تشبیہ حقیقی لینے کی صورت میں ینقلب الیک البصر سے تعارض ہو جائے گا۔ لیکن ابن عطیہ اس کے معنی مرتین کے لیتے ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ پہلی نظر تو آسمان کی زیبائش و آرائش دیکھنے کے لئے اور دوسری نظر ستاروں کی چال و گردش دیکھنے کے لئے ہے۔

من فطور۔ بخشائی کہتے ہیں کہ فطر کی جمع ہے فطرہ فانفطر بمعنی شق۔

حسیر۔ بمعنی کلیل۔ فعیل بمعنی فاعل ہے۔

حسود کے معنی تھک جانے اور عاجز ہو جانے کے ہیں۔

سماء الدنیا۔ مصنف نے اشارہ کیا ہے کہ آسمان کا قرب مطلق مراد نہیں بلکہ اضافی قرب یعنی بلحاظ زمین مراد ہے ورنہ

عرش کے اعتبار سے تو یہ نسبت برعکس ہے۔ زحل ساتویں آسمان پر اور مشتری چھٹے پر اور مریخ پانچویں پر، آفتاب چوتھے پر، زہرہ تیسرے

پر، عطار دوسرے پر اور چاند آسمان دنیا پر۔ اس طرح سب سے اہل ہندسہ کے نزدیک سب سے سموات میں منتشر ہیں۔ ایک ایک ستارہ ایک ایک فلک ثابت میں مانتے ہیں لیکن آیت میں صرف آسمان دنیا کی آرائش کا ذکر ہے یعنی خود اس میں کوئی ستارہ نہیں ہے یہ آسمان صاف ہے اور والے آسمانوں کے ستارے اس میں سے اہل دنیا کو دکھائی دیتے ہیں۔

رحوما رجم مصدر ہے بمعنی تیر جیسا کہ مدارک میں ہے اسی لئے مفسر نے مراجع کہا مصدر مفعول مراد ہے چونکہ لفظ زینت تو یہ چاہتا ہے کہ ستارے اپنی جگہ برقرار رہیں۔ ورنہ آرائش کیسی اور شیطین کا رجم چاہتا ہے کہ ستارے اپنی جگہ قائم نہ رہیں۔ دونوں باتوں کے جمع کرنے کی کیا صورت ہے؟ مفسر نے اسی کی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رجم ستاروں کے ٹکڑوں سے ہو جاتا ہے سارے ستاروں کے ٹوٹنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے آگ کی چنگاریاں اڑتی رہتی ہیں لیکن آگ بدستور قائم رہتی ہے۔

ان انتم اگر یہ فرشتوں کا کلام ہے تو تقدیر عبارت قالت الخزانة ان انتم الخ ہوگی لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ ہی کفار کا مقولہ ہے۔ فسحقا صراح میں ہے کہ سحق کے معنی دوری کے ہیں۔ یہ منصوب ہے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ای الزمهم الله سحقاً اور یا مصدر کی وجہ سے منصوب ہے ای سحقهم الله سحقاً۔

فی ما کبھا بقول بغوی منکب کے معنی جانب کے ہیں۔ منکب الرجل الرمح نکباء تنکب فلان بولتے ہیں۔ ءامنتم اس میں پانچ قراتیں ہوتیں۔ دو تحقیق ہمزہ کی اور دو تسہیل ہمزہ کی اور پانچویں ابدال ہمزہ کی۔ ان یخسف۔ یہ من سے بدل اشتمال ہے۔

حاصباً صراح میں ہے کہ سخت ہوا جس میں شریزے برسیں۔

کیف نذیر مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ نذیر بمعنی انذار ہے اور یا محذوف ہے۔

ویقبضن مفسر نے قابضات سے اشارہ کیا ہے کہ فعل اسم فاعل کی تاویل کر کے صفات پر عطف ہو رہا ہے اور دونوں کی تعبیر میں فرق کا نکتہ یہ ہے کہ اصل اڑنے میں پروں کا پھیلا نا ہے اور پروں کا سمیٹنا خلاف اصل ہے پس اصل حالت کی رعایت کرتے ہوئے اس کو اسم فاعل سے تعبیر کیا گیا ہے اور عارضی حالت کو فعل سے تعبیر کیا گیا جو حدوث پر دلالت کرتا ہے۔

ام من ام منقطعہ ہے۔ بمعنی بل من استفہام پر داخل ہے۔ اس لئے بل اور ہمزہ دونوں کے ساتھ تفسیر کرنا صحیح نہیں ہے۔ من اگر چہ نکرہ ہے۔ لیکن سیبویہ کے نزدیک اس کو مبتداء بنانا صحیح ہے۔ جبکہ مبتداء اسم استفہام ہو اور دوسرے حضرات کے نزدیک ترکیب برعکس ہوگی یعنی هذا مبتداء ہے اور من خبر ہے۔

هو حذلکم ینصوکم مفرد لایا گیا۔ لفظ جند کی رعایت ورنہ معنی کی رعایت سے ینصرونکم آنا چاہئے تھا چنانچہ مفسر نے اعوان سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ جند لفظ مفرد اور معنی جمع ہے اور لاناصو سے مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ من استفہام انکاری کے لئے ہے۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ ام منقطعہ بمعنی بل ہے ہمزہ استفہام کے معنی میں نہیں ہے۔ ورنہ دو استفہاموں کا اجتماع لازم آئے گا اور جملہ استفہامیہ کفار کے عقیدے کے پیش نظر لایا گیا وہ غیر اللہ کو ناصر، رازق مانتے تھے اور من موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت ہذا مبتداء اور الہی خبر، جملہ کر صلہ ہو جائے گا۔ بتقدیر القول ای ایعلم الذی یقال فی حقہ هذا والذی هو جندکم ینصوکم من دون الرحمن۔

ام من هذا الذی یرزقکم رزق شری من موصولہ کہتے ہیں۔

یمشی مکباً مکب اسم فاعل ہے۔ اکب لازم کا جو کب کا مطاوع ہے کب متعدی آتا ہے کتبہ اللہ اور اکب لازم آتا

ہے۔ اکب بمعنی سقط اگرچہ مشہور قاعدہ یہ ہے کہ ہمزہ تعدیہ کے لئے آیا کرتا ہے مگر یہاں برعکس ہے۔  
 امس یمشی۔ دوسرے من کے خبر کی ضرورت نہیں کہ زید قائم ام عمرو میں خبر محذوف ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ عمرو کا  
 عطف زید پر عطف مفردات کے قبیل سے مان لیا جائے تو دونوں کی خبر واحد لائی جائے گی۔ کیونکہ ام احد الشیئین کے لئے ہوتا ہے  
 یہاں بھی یہی توجیہ ہو سکتی ہے پھر مفسر کی توجیہ کی ضرورت نہیں رہتی اس آیت میں مشبہ بہ تو مذکور ہے مگر مشبہ محذوف ہے جیسا کہ سیاق  
 دلالت کر رہا ہے۔ مفسر نے ایہما اھدی سے اشارہ کیا ہے کہ یہاں اسم تفصیل مراد نہیں ہے بلکہ مراد اصل فعل ہے۔  
 قلیلاً ما تشکرون۔ قلیلاً مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای شکر اقلیلاً اور ما زاد ہے تاکید قلت کے لئے اور جہد  
 حال مقدر ہے اور کفر اگر مخاطب ہیں تو قلیل کے معنی عدم کے ہوں گے ورنہ ظاہری معنی ہیں۔

ان کنتم صدقین۔ جواب شرط محذوف ہے افینوا وقتہ۔

فلما راوہ مجذب عذاب بدر مراد لیتے ہیں۔

زلقة۔ مصدر ہے مذکور مؤنث دونوں کے لئے آتا ہے۔

تدعون۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہ ادعاء بمعنی دعویٰ سے ہے مفعول مقدر ہے اور بعض نے دعا سے ماخوذ مانا ہے۔

فستعلمون اکثر قراء کے نزدیک تاء کے ساتھ اور کسائی کے نزدیک یا کے ساتھ ہے۔

من هو فی ضلال مبین۔ مفسر نے افحن سے اشارہ کیا ہے کہ من استفہامیہ مبتداء ہے۔ ہو ضمیر منفصل ہے اور ظرف خبر

ہے پھر جملہ قائم مقام مفعولین ہے ستعلمون کا اور انتم کا تعلق تا کی قرأت سے اور ہم کا تعلق یا کی قرأت سے ہے۔

غورا۔ یہ اصبح کی خبر ہے اور اسم فاعل کے ساتھ تاویل خبر کے صحیح کرنے کے لئے کی ہے اور مصدر مبالغہ کے لئے بھی ہو سکتا

ہے اہل مکہ کے لئے پانی صرف پیر زمزم اور پیر معونہ میں تھا۔

معین۔ اس کا اصل معیون بروزن مفعول تھی۔ جیسے کہ میج کی اصل مییوع تھی حرنی تعلیل ہوگی۔ بعض کے نزدیک معین

الماوی کشر سے ماخوذ ہے۔ اس صورت میں فعیل کے وزن پر ہوگا مفعول کے وزن پر نہیں۔ اول صورت پر میم زائد اور دوسری

صورت میں م اصل رہے گا۔

رابط آیات: ... سورہ تحریم میں رسالت کے حقوق کا بیان ہوا تھا۔ اس سورت میں توحید کے حقوق ارشاد ہیں اور ان کے پورا

کرنے نہ کرنے پر نتائج مرتب ہونے کا تذکرہ ہے نیز پہلی سورت میں خاص اہل سعادت و شقاوت کا ذکر تھا اور اس سورت میں مطلقاً

سعادت اور اشیقاء کا بیان ہے۔

فضائل و شان نزول: ..... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ان سورۃ من کتاب

اللہ ماہی الاثلثون ایتہ شععت لرجل یوم القیامۃ فاخرجتہ من النار وادخلتہ الجنۃ وہی سورۃ تبارک

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میت جب قبر میں رکھ دی جاتی ہے تو عذاب اگر پاؤں کی جانب سے آنا چاہے گا تو یہ سورت رکاوٹ

بن جائے گی۔ کیونکہ یہ شخص پاؤں پر کھڑے ہو کر رات میں تلاوت کرتا تھا اسی طرح سر ہانے سے عذاب آنا چاہے گا دھڑ سے بھی تلاوت

کی وجہ سے رکاوٹ ہو جائے گی اور فرمایا۔ ہی المانعة من عذاب اللہ وہی فی التورۃ سورۃ الملک من قرأھا فی لیلۃ

فقد اکثر واطنست

ابن عباسؓ آنحضرتؐ سے نقل کرتے ہیں کہ وددت ان تبارک الملک فی قلب کل مومن واسروا قولکم۔ مفسرؒ نے جو شان نزول ذکر کیا ہے وہ بقول بغوی ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

﴿تشریح﴾: ... تبارک الذی۔ اس میں اللہ کی صفات و اعمال کا بیان ہے کہ اس نے موت و حیات کا یہ سارا نظام اس لئے کر رکھا ہے کہ وہ تمہارے اعمال کی جانچ کرے کہ کون برے کام کرتا ہے، کون اچھے؟ تاکہ اس پہلی زندگی کے اس امتحان کا نتیجہ دوسری زندگی میں سامنے آ سکے۔ اگر فرض کرو پہلی زندگی نہ ہوتی تو کون عمل کرتا اور موت نہ آتی تو لوگ مبداء اور منتہی سے غافل اور بے فکر ہو کر عمل چھوڑ بیٹھتے اور دوبارہ زندہ نہ کئے جاتے تو بھلے برے کا بدلہ کہاں ملتا۔ یا ایک دم اگر ساری دنیا پیدا ہوتی اور ایک ساتھ سب مر جاتے تب بھی آزمائش و عبرت حاصل نہ ہوتی۔ اب دونوں سلسلے تدریجاً جاری ہیں جو ہر آن موعظمت میں موثر ہیں۔

آسمان وجود ہیں یا نہیں؟ ..... سبع سموات۔ احادیث میں سات آسمان اور ان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافتوں کا ذکر ہے۔ مگر مفسرینؒ نے اس کی کہیں تصریح نہیں کی کہ اوپر جو ہمیں نیلگوئی نظر آتی ہے، وہی آسمان ہے ہو سکتا ہے کہ ساتوں آسمان اس کے اوپر ہوں اور یہ نیلگوئی نور و عظمت کا مجموعہ ہو۔ جو آسمان کی چھت گیری ہو۔

بظاہر مائتری فی خلق الرحمن الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان بلا حجاب یا اس نیلگوں سقف کے حجاب میں سے اس طرح نظر آتا ہے کہ اگر اس میں کوئی عیب و خلل ہوتا تو نظر آ جاتا۔ رہا یہ شبہ کہ پھر دروازے نظر کیوں نہیں آتے؟ ممکن ہے دروازے اتنے بڑے نہ ہوں جو اتنی دور سے نظر آئیں اس پر پھر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید شقاق اور شقوق بھی چھوٹے ہوں تو جواب یہ ہے کہ عادتاً بڑی عمارت میں جب شگاف پڑتا ہے تو بڑا ہی شگاف پڑا کرتا ہے پھر وہ روزانہ بڑھا کرتا ہے پس یہاں بھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا حالانکہ اب تک نظر نہیں آیا اور ایسے موقعوں پر ملازمت عادیہ کافی ہوتی ہے اور آسمان کا اگر غیر مرئی ہونا ثابت ہو جائے تو پھر عقلی نظر کو نظر حسی سے تشبیہ دیتے ہوئے فکر و تامل کرنے کے معنی لے لئے جائیں گے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ آسمان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ بڑی گہری نظر سے دیکھا جائے تو اللہ کا کوئی کام خلاف حکمت معلوم نہیں ہوگا اور جس کو خلاف حکمت ہونے کا وہم ہوتا ہے وہ سطحی نظر کی وجہ سے ہوتا ہے تعمق کیا جائے تو حکمت کھل جائے گی۔

بہر حال قدرتی نظام میں ذرہ برابر فرق نہیں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر، سات آسمان، اجرام علویہ تک سب چیزوں میں یکساں کاریگری دکھلائی یہ نہیں کہ بعض چیزوں کو حکمت و بصیرت سے اور بعض کو یوں ہی لے کے پن سے بیکار و فضول بنا ڈالا ہو۔ جہاں کسی کو یہ وہم گزرے تو سمجھو کہ یہ اس کی عقل و نظر کا قصور و فتور ہے نیچے سے اوپر تک ساری کائنات ایک قانون اور مضبوط نظام میں جڑی ہوئی ہے کڑی سے کڑی ملی ہوئی ہے۔ لیکن کوئی روزن یا دراز نہیں ہے ہر چیز ویسی ہی ہے جیسا اسے ہونا چاہئے تھا۔ آسمانوں کو دیکھو، کہیں اونچ نیچ یا خلل و شگاف نہیں بلکہ ایک صاف، ہموار، مربوط و منظم چیز نظر آئے گی جس پر ہزاروں قرن گزر گئے۔ مگر مجال ہے کہیں کوئی فرق پڑا ہو اور بار بار دیکھو تب بھی کہیں کوئی رخ نہ نہیں دکھائی دے گا۔ تمہاری نگاہ تھک جائے گی، آنکھیں چکرا جائیں گی اور لگا تار نظر ڈالنے سے نگاہیں ذلیل و ماندہ ہو کر نا کام واپس آ جائیں گی پر قدرتی نظام میں ادنیٰ جہول نظر نہیں آئے گا۔

ولقد رینا السماء۔ ادھر دنیا کے اس آسمان کی طرف رات کو نظر کرو، ستارے کیسے جگ جگ کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت اور منقش چادر معلوم ہوتی ہے آسمان کی شان، شوکت، چمک، ذمک کے کیا کہنے۔



نہ ڈرنے کا انجام۔ ..... الم یتکم نذیر۔ اس وقت یہ پوچھنا اور زیادہ ذلیل و مجلوب کرنے کے لئے ہوگا۔ چنانچہ نہایت حسرت و ندامت کے ساتھ کھسیانے ہو کر وہ جواب دیں گے کہ بے شک! ڈرانے والے آئے تھے، ہم نے ان کی بات نہ مانی اور برابر نہیں جھڑتے رہے مگر ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ ڈرانے والے ہی سچے نکلیں گے اگر ہم اس وقت کسی ناصح کی بات سنتے یا عقل سے کام لیتے تو آج دوزخیوں کے زمرہ میں کیوں شامل ہوتے اور تم کو یہ طعن دینے کا موقع کیوں ملتا۔

فاعتروا قیامت کے روز دوزخ میں دوزخی خود اقرار کر لیں گے کہ بے شک ہم مجبور ہیں یوں ہی بے متسو، ہم دوزخ میں نہیں ڈال جا رہے۔ لیکن اس وقت اقرار سے کیا حاصل ارشاد ہوگا دفع ہو جاؤ۔ بالعیب کا ایک مطلب تو وہ ہے جو نفس میں نے بیان فرمایا کہ وہوں سے الگ تھگ ہو کر خلوت و تنہائیوں میں اپنے خدا کو یاد کر کے خائف رہتے ہیں اور یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کو دیکھا نہیں، وہ نظروں سے اوجھل ہے، مگر اس پر اور اس کی صفات پر پیغمبروں کے بتلانے سے پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی عظمت و بریائی کے تصور سے کانپتے ہیں اور اس کے عذاب کے دھیان سے بھی لرز جاتے ہیں۔

انہ علیہم بذات الصدور۔ اللہ کو اگرچہ تم نہیں دیکھتے، مگر وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور تمہاری خلوت و جلوت سب کو جانتا ہے بلکہ دلوں میں جو خیالات اور سینوں میں جو راز ہیں ان کی بھی خبر رکھتا ہے۔ غرض وہ تم سے غائب ہے پر تم اس سے غائب نہیں ہو تمہارا اور تمہارے اقوال و افعال ہر چیز کا خالق و مختار وہ ہے اس لئے اسے ہر چیز کا پورا پورا علم بھی ہے کیونکہ علم کے بغیر کسی چیز کا پیدا کرنا ہی ممکن نہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو پیدا کرے وہی نہ جانے۔

زمین پر تمہاری نہیں اللہ کی حکومت ہے: ..... هو الذی جعل لکم الارض۔ انعامات الہی پر نظر ڈاؤ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ زمین تمہارے پھرنے، بولنے، جوتے، کھانے کمانے کے لئے بنائی گئی۔ لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ جس نے تمہیں روزی دی ہے، ایک دن اس کے پاس جانا ہے اسی کے ساتھ اگر آسمانوں پر نظر ڈالو گے تو تمہیں اللہ کی شان تمہاری نظروں سے نظر آنے لگی۔ زمین اگرچہ تمہارے لئے ذیل و پامال ہے مگر اس پر حکومت آسمان والے کی ہے وہ اگر تم کو چاہے تو تم کو زمین میں دھنسا دے۔ زمین بھونچال سے لرزنے لگے اور تم اس میں اترتے جاؤ لہذا اس مالک مختار سے نڈر بن کر شرارتوں پر نہ اتر آؤ اور اس کی ڈھیل پر خود فریبی کا شکار نہ ہو جاؤ زمین پر چلو پھرو مگر اللہ کو نہ بھولو، ورنہ وہ تم پر آنندھی بھیج سکتا ہے، پتھروں کا مینہ برس سکتا ہے، اس وقت کیا کرو گے تمہاری ساری دوڑ دھوپ دھری رہ جائے گی آخر پہلی قوموں کی تباہی سے عبرت پکڑو۔

پرندے زمین پر گرتے نہیں ہیں: ..... اولم یروا الی الطیر۔ زمین و آسمان کے بعد اب درمیانی چیزوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرو آسمان و زمین کے درمیان پرندوں کو دیکھو، کس طرح پر کھول یا سمیٹ کر ہوا میں تیرتے یا معلق رہتے ہیں اور عقل طبعی اور سیان حرنز کے باوجود کس طرح تجھے رہتے ہیں اور گرتے نہیں۔ زمین کی کشش اس ذرا سے پرندے کو اپنی طرف کھینچ سکتی ہے مگر بتاؤ زمین کے سوا کس کا ہاتھ ہے جس نے انہیں فضا میں تھام رکھا ہے بلاشبہ رحمن نے اپنی رحمت و حکمت سے اس کی ساخت ایسی کی در اس میں وہ قوت رکھی جس سے وہ بے تکلف ہوا میں ٹھنڈا نہیں کیس۔ پس وہ آسمان سے سرکشوں پر عذاب بھی اتار سکتا ہے مگر جس طرح پرندے رحمت سے تھمے ہوئے ہیں، اسی طرح عذاب بھی رحمت کے باعث رکھا ہوا ہے۔

هو حطلمکم۔ رحمان سے الگ ہو کر اگر کسی کو کہیں سے مدد پہنچنے کی امید ہو تو وہ سخت دھوکا میں پڑا ہوا ہے وہ عذاب بھی نہ جیتے جنس اپنی روزی ہی روک لے تو کس کی مجال ہے کہ تم پر رزق کے دروازے کھول دے۔ دل میں تو منکرین ہیں سمجھتے ہیں مگر شرارت

اور سرکشی سے دین فطرت کی طرف آتے ہوئے بدکتے ہیں جو ناہموار راستہ پر اور اوندھا منہ ہو کر چلتا ہو اس کے منزل مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے مقصد اعلیٰ تک وہی پہنچے گا جو سیدھے راستہ پر آدمیوں کی طرح سیدھا چلے۔

ایک موحد اور مشرک کی چال الگ الگ ہے:..... ایک موحد و مشرک کی چال میں جیسے دنیا میں فرق ہے، محشر میں بھی یہی ہوگا حالانکہ سننے کے لئے اللہ نے کام اور دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے کے لئے دل دیئے ہیں کہ ان قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگائیں اور اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگیں مگر شکر گزار بندے کم ہیں۔ انسان غور کرے کہ ابتداء بھی اس سے ہوئی ہے اور انتہاء بھی اس پر ہوگی جہاں سے آئے تھے وہیں جانا ہے اس لئے ایک دم بھی اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے تھا ہمہ وقت اسی کی فکر و غی چاہئے تھی مگر کتنے ہیں ایسے بندے؟ رہا قیامت کے بارے میں، یہ پوچھتے رہتے ہیں سو اس کا بار بار جواب دیا جا رہا ہے تاکہ ٹھیک ٹھیک ناپ تول کر اس کی تعین اللہ کو معلوم ہے مجھے نہیں معلوم البتہ جو یقینی چیز آنے والی ہے اس سے خبردار کر دینا اور خوفناک مستقبل کی نشاندہی میرا فرض منصبی ہے جو میں ادا کر چکا ہوں۔

فلما راوہ . منکرین اب تو جلدی مچا رہے ہیں لیکن جب وعدہ قریب آئے گا، بڑے بڑے مشرکوں کے منہ بگڑ جائیں گے اور چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی۔

مسلمان آباد ہوں یا برباد، کافروں کو کیا فائدہ؟..... قل ارایتم . یعنی اس وقت کفار اگر چہ تمنّا کرتے ہیں کہ جند مر مرا کر قصہ ختم ہو جائے لیکن حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ یہ کہئے کہ میں اور میرے ساتھی بالفرض اگر دنیا میں سب ہلاک ہو جائیں، تمہارے خیال کے مطابق اور یا مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے فضل سے اللہ کامیاب و بامراد فرمائے ہمارے عقیدے کے مطابق غرض ان دونوں صورتوں میں سے جو بھی ہو، تم بتلاؤ کہ تمہیں اس سے کیا فائدہ؟ دنیا میں ہمارا انجام کچھ بھی ہو، بہر حال آخرت میں ہمارے لئے بہترائی ہے اسی لئے ہم جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن تم اپنی فکر کرو کہ اس کفر و سرکشی میں تم نے کیا عافیت سوچی، جس دردناک عذاب کا آنا یقینی ہے اس سے بچنے کا راستہ کیا سوچا؟ ہماری فکر چھوڑو، اپنا انجام سوچو کافر کسی حالت میں بھی عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا۔

ان اصبح . زندگی اور موت کے سب اسباب اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں ایک پانی ہی کو لے لو جس سے ہر چیز کی زندگی ہے۔ اگر دنیا کا سارا پانی زمین میں اتر جائے تو آخروہ کون سی ہستی ہے جو اتنا صاف شفاف پانی مہیا کر دے جو زندگی اور بقا کے لئے کافی ہے۔ یہیں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب ہدایت کے سب چشمے خشک ہو چکے اس وقت ہدایت و معرفت کا نہ خشک ہونے والا چشمہ محمدی جاری کر کے ساری انسانیت اور عالم پر اللہ نے کتنا احسان عظیم فرمایا۔

لطائف سلوک:..... وقالوا لو کنا . اس سے معلوم ہوا کہ فلاح کے دو طریقے تھے ہیں۔ ایک تقلید، دوسرے تحقیق۔ پس جس مرید میں تحقیق کی قابلیت نہیں اس کو تقلید کرنی چاہئے شیخ سے مزاحمت یا دلیل کا مطالبہ نہیں کرتا چاہئے۔

## سُورَةُ الْقَلَمِ

سُورَةُ نَّ مَكِّيَّةٌ ثِنْتَانِ وَخَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَّ أَحَدُ حُرُوفِ الْهَجَاءِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِهِ وَالْقَلَمُ الَّذِي كَتَبَ بِهِ الْكَائِنَاتُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوطِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴿۱﴾ أَيِ الْمَلَائِكَةِ مِنَ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ مَا أَنْتَ يَا مُحَمَّدٌ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمُجْنُونٍ ﴿۲﴾ أَيْ انْفِصَالِ الْجُنُونِ عَنْكَ بِسَبَبِ إِنْعَامِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِالنَّبُوءَةِ وَغَيْرِهَا وَهَذَا رَدٌّ لِقَوْلِهِمْ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ وَإِنْ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ﴿۳﴾ مَقْطُوعٍ وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ دِينٍ عَظِيمٍ ﴿۴﴾ فَسَتَبْصُرُ وَيُبْصِرُونَ ﴿۵﴾ بِأَيْتِكُمْ الْمَفْتُونُ ﴿۶﴾ مُضَدَّرٌ كَالْمَعْقُولِ أَيْ الْفُتُونُ بِمَعْنَى الْجُنُونِ أَيْ إِيَّاكَ أَمْ بِهِمْ إِنْ رَبُّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۷﴾ لَهُ وَأَعْلَمُ بِمَعْنَى عَالِمٍ فَلَا تَطِيعُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۸﴾ وَدُّوا تَمَوُّا لَوْ مَصْدَرِيَّةٌ تُذْهِنُ تَلِينُ لَهُمْ فَيُذْهِبُونَ ﴿۹﴾ يَلِينُونَ لَكَ وَهُوَ مَعْطُوفٌ عَلَى تَذْهِبِ وَإِنْ جُعِلَ جَوَابُ التَّمْنَى الْمَفْهُومُ مِنْ وَدُّوا قَدَرٌ قَبْلَهُ بَعْدَ الْفَاءِ هُمْ وَلَا تَطِيعُ كُلَّ حَلَّافٍ كَثِيرِ الْحَلْفِ بِالْناصِ مَهِينٍ ﴿۱۰﴾ حَقِيرٌ هَمَّازٍ عِيَابٍ أَيْ مُغْتَابٍ مَشَاءٍ بِنَمِيمٍ ﴿۱۱﴾ سَاعٍ بِالْكَلَامِ بَيْنَ النَّاسِ عَلَى وَجْهِ الْإِفْسَادِ سِيَهُمْ مَنَاعٌ لِلْخَيْرِ بِخَيْلٍ بِالْمَالِ عَنِ الْحَقُوقِ مُعْتَدٍ ظَالِمٍ أَثِيمٍ ﴿۱۲﴾ أَثِمٌ عُتْلٌ غَلِيظٌ جَافٍ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٌ ﴿۱۳﴾ دُعَى فِي قُرَيْشٍ وَهُوَ الْوَلِيدُ الْمُغِيرَةُ إِدْعَاهُ أَبُوهُ بَعْدَ ثَمَانِي عَشْرَةَ سَنَةً قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا لَا نَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى وَصَفَ أَحَدًا بِمَا وَصَفَهُ مِنَ الْعُيُوبِ فَالْحَقُّ بِهِ عَارًا لَا يُفَارِقُهُ أَبَدًا وَتَعَلَّقَ بِزَنِيمِ الظَّرْفُ قَبْلَهُ أَنْ كَانَ ذَامَالٍ وَبَنِينَ ﴿۱۴﴾ أَيْ لَا وَهُوَ مُتَعَقِّقٌ بِمَا ذَلَّ عَلَيْهِ إِذَا تَتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا انْقِرَانُ قَالَ هِيَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۵﴾ أَيْ كَذَبَ بِهَا لَا نِعْمَانَا عَلَيْهِ بِمَا ذَكَرُوا فِي قِرَاءَةِ هُنَّ لَهَا نَهْمَتَيْنِ مَفْتُوحَتَيْنِ سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرُطُومِ ﴿۱۶﴾ سَنَجْعَلُ عَلَى أَنْفِهِ عَلَامَةً بَعِيرُهَا مَاعِشٌ فَحُصِمَ أَنْفُهُ بِالسَّيْفِ يَوْمَ بَدْرٍ إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ إِمْتَحْنًا أَهْلَ مَكَّةَ بِالْفَقْطِ وَالْجُوعِ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ

الْجَنَّةِ السُّتَّانِ إِذْ أَقْسَمُوا لِيَصْرِفُهَا يَقْطَعُونَ ثَمَرَهَا مُصْبِحِينَ ﴿۶۷﴾ وَقَتَ الصَّبَاحِ كَيْلًا يَشْعُرُ لَهُمُ  
 الْمَسَاكِينُ فَلَا يُعْطَوْنَ مِنْهَا مَا كَانَ أَبُوهُمْ يَتَصَدَّقُ بِهِ عَلَيْهِمْ مِنْهَا وَلَا يَسْتَشْنُونَ ﴿۶۸﴾ فِي يَمِينِهِمْ بِمَنْشِيَةِ  
 اللَّهِ تَعَالَى وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ أَيْ وَشَانُهُمْ ذَلِكَ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِنْ رَبِّكَ نَارًا أَحْرَقَتْهَا لَيْلًا وَهُمْ  
 نَائِمُونَ ﴿۶۹﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿۷۰﴾ كَاللَّيْلِ الشَّدِيدِ الظُّلُمَةُ أَيْ سَوْدَاءٌ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿۷۱﴾ أَنْ  
 اغْدُوا عَلَيَّ حَرْثَكُمْ غَلَّتْكُمْ تَفْسِيرٌ لِلتَّنَادَى أَوْ أَنَّ مَصْدَرِيَّةً أَيْ بَانَ إِنْ كُنْتُمْ صَرِمِينَ ﴿۷۲﴾ مُرِيدِينَ  
 الْقَطْعَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلٌّ عَلَيْهِ مَاقَبْلَهُ فَاَنْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ﴿۷۳﴾ يَتَسَارَوْنَ أَنْ لَا يَدْخُلْنَهَا الْيَوْمَ  
 عَلَيْكُمْ مَسْكِينَ ﴿۷۴﴾ تَفْسِيرٌ لِمَاقَبْلَهُ أَوْ أَنَّ مَصْدَرِيَّةً أَيْ بَانَ وَغَدُوا عَلَى حَرْدٍ مَسْعٍ لِلْفُقَرَاءِ  
 قَدِيرِينَ ﴿۷۵﴾ عَلَيْهِ فِي ظَنِّهِمْ فَلَمَّا رَأَوْهَا سَوْدَاءٌ مُحْتَرَقَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلضَّالِّينَ ﴿۷۶﴾ عَنْهَا أَيْ لَيْسَتْ هَذِهِ  
 ثُمَّ قَالُوا لِمَا عَلِمُوا بِهَا بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۷۷﴾ ثَمَرَتَهَا بِمَنْعِنَا الْفُقَرَاءَ مِنْهَا قَالَ أَوْسَطُهُمْ خَيْرُهُمْ أَلَمْ  
 أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا هَلَّا تُسَبِّحُونَ ﴿۷۸﴾ اللَّهُ تَائِبِينَ قَالُوا سُبْحَنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۷۹﴾ بِمَنْعِ الْفُقَرَاءِ  
 حَقَّهُمْ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَلَوْمُونَ ﴿۸۰﴾ قَالُوا يَا لِلتَّبِيهِ وَيَلْنَا هَلَاكُنَا إِنَّا كُنَّا طَغِيْنَ ﴿۸۱﴾  
 عَسَى رَبُّنَا أَنْ يُبَدِّلَنَا بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ خَيْرًا مِنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَاغِبُونَ ﴿۸۲﴾ لِيَقْبَلَ تَوَنُّوهُمْ وَيُرَدُّ  
 عَلَيْهِمْ خَيْرًا مِنْ جَنَّتِنَا رَوَى أَنَّهُمْ أَبَدَلُوا خَيْرًا مِنْهَا كَذَلِكَ أَيْ مِثْلُ الْعَذَابِ لِهَؤُلَاءِ الْعَذَابُ لِمَنْ خَالَفَ  
 أَمْرًا مِنْ كُفَّارٍ مَكَّةَ وَغَيْرِهِمْ وَلِلْعَذَابِ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۸۳﴾ عَذَابُهَا مَا خَالَفُوا ﴿۸۴﴾  
 أَمْرَنَا وَنَزَلَ لِمَا قَالُوا إِنْ بَعْثْنَا نُعْطِيَ أَفْضَلَ مِنْكُمْ إِنْ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتِ النَّعِيمِ ﴿۸۵﴾ أَفَنَجْعَلُ  
 الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿۸۶﴾ أَيْ تَابِعِينَ لَهُمْ فِي الْعَطَاءِ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۸۷﴾ هَذَا الْحُكْمُ  
 الْفَاسِدُ أَمْ بَلْ لَكُمْ كِتَابٌ مُنَزَّلٌ فِيهِ تَلْوِيسُونَ ﴿۸۸﴾ تَقْرَأُونَ إِنْ لَكُمْ فِيهِ لَمَّا تَخِيرُونَ ﴿۸۹﴾  
 تَخْتَارُونَ أَمْ لَكُمْ آيْمَانٌ عَنْهُمْ عَلَيْنَا بِالْعَقَّةِ وَاتِّقَةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مُتَعَلِّقٌ مَعْنَى بَعَلَيْنَا وَفِي هَذَا الْكَلَامِ  
 مَعْنَى الْقَسَمِ أَيْ أَقْسَمْنَا لَكُمْ وَجَوَابُهُ إِنْ لَكُمْ لَمَّا تَحْكُمُونَ ﴿۹۰﴾ بِهِ لَا نَفْسِيكُمْ سَلَهُمْ أَيُّهُمْ بِذَلِكَ  
 الْحُكْمِ الَّذِي يَحْكُمُونَ بِهِ لَا تَفْسِيهِمْ مِنْ أَنَّهُمْ يُعْطَوْنَ فِي الْآخِرَةِ أَفْضَلَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رُزِيعًا ﴿۹۱﴾ كَمِيلٌ  
 لَهُمْ أَمْ لَهُمْ أَيْ عِنْدَهُمْ شُرَكَاءُ مُوَافِقُونَ لَهُمْ فِي هَذَا الْقَوْلِ يُكْفِلُونَ لَهُمْ بِهِ فَإِنْ كَانَ كَذَلِكَ فَلْيَاتُوا  
 بِشُرَكَائِهِمْ الْكَافِلِينَ لَهُمْ بِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۹۲﴾ أَذْكَرُ يَوْمٌ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ هُوَ عَارَةٌ عَنْ  
 سِدَّةِ الْأَمْرِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِلْحِسَابِ وَالْخِزَاءِ يُقَالُ كُشِفَتْ الْحَرْبُ عَنْ سَاقٍ إِذَا اشْتَدَّ الْأَمْرُ فِيهَا وَيُدْعَوْنَ

إِلَى السُّجُودِ اِمْتَحَانًا لِإِيمَانِهِمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۶۸﴾ تَصِيرُ ظُهُورُهُمْ طَبَقًا وَاجِدًا خَاشِعَةً حَالٌ مِنْ  
 ضَمِيرٍ يُدْعَوْنَ إِلَى دَلِيلَةِ أَبْصَارِهِمْ لَا يَرْفَعُونَهَا تَرَهَّقُهُمْ تَغَشَّاهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ فِي الدُّنْيَا إِلَى  
 السُّجُودِ وَهُمْ سَلِمُونَ ﴿۶۹﴾ فَلَا يَأْتُونَ بِهِ بِأَنْ لَا يُصَلُّوا فَذَرْنِي دَعْنِي وَمَنْ يُكَذِّبْ بِهَذَا الْحَدِيثِ  
 الْقُرْآنِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ نَأْخُذُهُمْ قَلِيلًا قَلِيلًا مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۷۰﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ أَهْلُهُمْ إِنْ كِيدِي  
 مَتَيْنٌ ﴿۷۱﴾ شَدِيدٌ لَا يُطَاقُ أَمْ بَلْ تُسْتَلْهَمُ عَلَى تَبْلِيغِ الرِّسَالَةِ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مُغْرَمٍ مِمَّا يُعْطُونَكَ  
 مُثْقَلُونَ ﴿۷۲﴾ فَلَا يُؤْمِنُونَ لِذَلِكَ أَمْ عِنْدَهُمْ الْغَيْبُ أَيْ السُّلُوحُ الْمَحْفُوظَةُ آتَتْ فِيهِ غَيْبٌ فَهُمْ  
 يُكْتَبُونَ ﴿۷۳﴾ مِنْهُ مَا يَقُولُونَ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فِيهِمْ بِمَا يَشَاءُ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ فِي  
 الضُّحْرِ وَالْعَجَلَةِ وَهُوَ يُنْشِئُ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ إِذْ نَادَى دَعَارِيَّهُ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿۷۴﴾ مَمْلُوءٌ عَمَّا فِي  
 بَطْنِ الْحُوتِ لَوْلَا أَنْ تَذَرَكَهُ أَدْرَكَهُ نِعْمَةٌ رَحْمَةً مِنْ رَبِّهِ لَنَبَذَ مِنْ بَطْنِ الْحُوتِ بِالْعَرَاءِ بِالْأَرْضِ  
 الْمَضَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿۷۵﴾ لَكِنَّهُ رَحِمَ وَنَبَذَ غَيْرَ مَذْمُومٍ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ بِالنَّبُوءَةِ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۷۶﴾  
 الْأَنْبِيَاءُ وَإِنْ يَكَاذِبُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُنَكَ بِضَمِّ الْيَاءِ وَفَتْحِهَا بِأَبْصَارِهِمْ أَيْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ بِطَرِّ  
 شَدِيدٍ يَكَاذِبُونَ لَيُضْرِعَنَّكَ وَيُسْقِطَنَّكَ عَنْ مَكَانِكَ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ الْقُرْآنَ وَيَقُولُونَ حَسْبُنَا اللَّهُ  
 لَمَجْنُونٌ ﴿۷۷﴾ سَبَّ الْقُرْآنَ الَّذِي جَاءَ بِهِ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ مُوعِظَةٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۷۸﴾ الْإِسْرَافُ  
 وَاجِبٌ لَا يَحْدُثُ بِسَبَبِهِ جُنُونٌ

سورہ نون مکہ ہے اس کی باون آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: ... (نون منجملہ حروف ہجائیہ ہے جس کی قطعی مراد اللہ کو معلوم ہے) قسم ہے قلم کی (جس سے کائنات کا حال لوح محفوظ میں نکلا) اور (فرشتوں کے لوح محفوظ میں خیر و فلاح) لکھنے کی کہ آپ (اے محمد!) بفضل خدا مجنوں نہیں ہیں (یعنی آپ کو جنون نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ نے آپ پر نبوت وغیرہ کا انعام فرمایا ہے۔ اس میں کفار کے قول "انہ لمجنون" کا رد ہے) اور بے شک آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو ختم (موقوف) ہونے والا نہیں ہے، بالمشابہ آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ سو عنقریب آپ ہی دیکھ لیں گے، یہ بھی، یہ لیں گے کہ تم میں کس کو جنون تھا؟ (مفتون، معقول کی طرح مصدر ہے، پس فتون بھی جنون ہوا یعنی یہ عارضہ آپ کو ہے یا ان کو ہے) آپ کا پروردگار اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ راہ پر چلنے والوں کو بھی جانتا ہے، (اعلم بمعنی عام ہے) تو آپ ان کی تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ مانئے یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ (لو مصدر یہ ہے) ڈھیلے (نرم) پڑ جائیں تو یہ بھی ڈھیلے ہو جائیں (آپ سے نرمی کرنے لگیں۔ بدھنوں، تلھن پر معطوف ہے اور اگر اس کو جواب تمہنی مانا جائے جو تمنا و دوا سے مفہوم ہو رہی ہے تو بدھنوں سے پہلے اور فاک کے بعد ہم مقدر مانا جائے گا) اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت

فتمیس کھانے والا ہو (جھوٹا) بے وقت (بے حیثیت) ہو عیب جو (نکتہ چیں یعنی غیبت میں مبتلا) چغلیاں لگاتا پھرتا ہو (لوگوں میں فساد ڈالنے کے لئے لگائی بجھائی کرتا پھرتا ہو) نیک کام سے روکنے والا (مالی حقوق میں بخیل) ہو، حد سے گزرنے والا (ظالم) ہو، گناہوں کا کرنے والا ہو، سخت مزاج و تند خو بد خصلت) ہو۔ اس کے علاوہ حرام زادہ ہو (جو قریش میں یوں ہی منسوب ہو یعنی ولید بن مغیرہ، جس کے باپ نے اٹھارہ سال بعد اس کو اپنی طرف منسوب کیا تھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اللہ نے جس قدر اس کی برائی کی کسی اور کی بیان کی ہو۔ لہذا یہ عار ہمیشہ کے لئے اس کو لگ گئی اور ”بعد ذلک“ ظرف ہے جس کا تعلق ذنیم کے ساتھ ہے) اس وجہ سے کہ وہ مال و اولاد والا ہے (ان معنی میں لان کے ہے۔ اس کا تعلق اگلے جملے کے مدلول سے ہے) جب ہماری آیات (قرآن) پڑھ کر اس کے سامنے سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ (یہ) بے سند باتیں ہیں (یعنی ان آیتوں کی تکذیب اس لئے کرتا ہے کہ ہم نے اس پر مذکورہ انعام کیا ہے اور ایک قرأت میں ان دو ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ ہے) ہم عنقریب اس کی ناک میں داغ لگائیں گے (اس کی ناک پر ہم ایسا نشان کر دیں گے جو زندگی بھر اس کے لئے عار رہے گا۔ چنانچہ غزوہ بدر میں اس کی ناک کٹی) ہم نے ان (اہل مکہ) کی قحط اور بھوک کے ذریعہ آزمائش کر رکھی ہے۔ جیسا کہ ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی۔ جب کہ ان لوگوں نے قسم کھائی کہ اس کا پھل تو زلیں گے (درختوں سے اتار لیں گے) صبح چل کر (بالکل سویرے، اس لئے کہ کہیں فقیروں کو پتہ نہ لگ جائے) اور ان کو دینا نہ پڑے کیونکہ ان کا باپ غریبوں کو بہت صدقہ دیا کرتا تھا (اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا) (یعنی قسم کی ساتھ انشاء اللہ بھی نہیں کہا۔ جملہ مستلفہ ہے۔ یعنی ان کی حالت یہ تھی) سو اس باغ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک پھرنے والا پھر گیا (یعنی رات کو باغ میں آگ لگ گئی) اور وہ سو رہے تھے، پھر صبح کو وہ باغ ایسا رہ گیا جیسے کھیت کٹا ہوا (اندھیری رات کی طرح سیاہ ہو گیا تھا) صبح کے وقت وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو (کھلیاں پر، یہ پکارنے کی تفصیل ہے۔ یا ان مصدر یہ ہے یعنی اصل بان تھا) اگر تم کو پھل توڑنا ہے (توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو جو اب شرط پر مائل دلالت کر رہا ہے) پھر وہ لوگ آپس میں چپکے چپکے (آہستہ آہستہ) باتیں کرتے چلے کہ آج تم تک کوئی محتاج پہنچنے نہ پائے (مائل کی تفسیر ہے، یا ان مصدر یہ ہے یعنی اصل میں بان تھا) اور اپنے کو اس کے (فقیروں کو) نہ دینے پر قادر سمجھ کر چلے تھے (اپنے گمان میں) پھر جب اس باغ کو دیکھا (سیاہ جلا ہوا) تو کہنے لگے یقیناً ہم رستہ بھول گئے (یعنی باغ ہمارا نہیں معلوم ہوتا پھر سوچ کے کہنے لگے) بلکہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی (کہ فقیروں سے روک کر ہم بھی محروم رہ گئے) ان میں جو بھلا (اچھا) آدمی تھا وہ کہنے لگا کہ کیوں میں نے تم سے نہ کہا تھا۔ اب تسبیح (توبہ اللہ سے) کیوں نہیں کرتے، سب کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار پاک ہے، بلاشبہ ہم قصور وار ہیں (فقیروں کا حق مار کر) پھر ایک دوسرے کو مخاطب بنا کر باہم الزام دینے لگے۔ کہنے لگے ہماری کم بختی! بے شک ہم حد سے نکلنے والے تھے، شاید ہمارا پروردگار اس سے اچھا باغ بدلہ میں ہم کو دے دے۔ (یبدلنا، تشدید و تخفیف کے ساتھ ہے) ہم اپنے رب کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ (وہ ہماری توبہ قبول کر لے اور ہمارے باغ سے بڑھیا باغ ہمیں مرحمت فرمادے۔ نقل ہے کہ اس سے بڑھ کر انہیں باغ مل گیا) اسی طرح (جیسے ان کو عذاب ہوا) عذاب ہوا کرتا ہے (ہمارے حکم کے خلاف کرنے والوں کو خواہ وہ مکہ والے ہوں یا دوسرے) اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے (کیا خوب ہوتا ہے کہ یہ لوگ جان لیتے (ہمارے عذاب کو تو ہمارے حکم کی خلاف ورزی نہ کرتے۔ اگلی آیات مکہ والوں کے اس کہنے پر نازل ہوئیں کہ قیامت اگر نازل ہوئی تو ہمیں مسلمانوں سے بہتر حالت نصیب ہوگی) بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے ان کے پروردگار کے نزدیک آسائش کی جنتیں ہیں کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کر دیں گے (یعنی عطا کرنے میں فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے تابع کر دیں گے) تم کو کیا ہو گیا، تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو (غلط) کیا (بلکہ) تمہارے پاس کتاب ہے (اتری ہوئی) جس میں پڑھتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ





کسی عارف نے خوب کہا ہے:

لکل نبی فی الانام فضیلة وجملتها مجموعة لمحمد

نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بدی ہے دنیا تو خلق حسن کہلاتا ہے جیسا کہ ہل جزاء الاحسان الا الاحسان اور جزاء سیئة سیئة مثلها فرمایا گیا ہے۔ لیکن نیکی کا صلہ نیک دینا اور بدی کو معاف کر دینا خلق کریم ہے۔ واعف عن من ظلمک ارشاد نبوی ﷺ ہے مگر بھلائی کا بدلہ زیادہ بھلائی سے دینا اور برائی کو محض معاف کر دینا ہی نہیں، بلکہ اس کے صلہ میں احسان کرنا یہ ہے خلق عظیم، جس کے حامل آنحضرت ﷺ ہیں فرماتے ہیں احسن الی من اساء الیک:

بدی را بدی سهل باشد جزا اگر مردی احسن الی من اساء

بایکم المفتون۔ المفتون بمعنی جنون۔ ایکم خبر مقدم۔ المفتون، مبتداء مؤخر ہے۔ جملہ محل نصب میں ہے ماقبل کا معمول ہے اور مفتون مصدر بمعنی فتون ہے جیسے معقول بمعنی عقل ہے۔ اس میں ابو جہل، ولید جیسے لوگوں کی طرف تعریض ہے۔ فیدھنون۔ یعنی تدھن کی طرح یہ بھی لو کے تحت میں ہے گویا دونوں چیزیں تمنا میں داخل ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کا سبب ہے۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ فیدھنون کو جواب تمنی مانا جائے مبتداء مقدر مانتے ہوئے ای فہم یدھنون۔ اس پر زحشر کی نے اعتراض کیا ہے کہ جواب تمنی ہونے کی وجہ سے بتقدیر ان منصوب ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ یہاں مرفوع ہے؟ مفسر نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جملہ اسمیہ جملہ تمنائیہ ہے۔

مہین۔ رائے و تدبیر میں یا اللہ کے نزدیک حقیر ہے۔ اگرچہ ولید اپنی قوم میں ذی عزت ہے اس لئے دونوں باتوں میں منافات نہیں ہے اور ابن عباسؓ مہین سے جھوٹا ہونا مراد لے رہے ہیں پس جھوٹا شخص تو لوگوں میں بھی حقیر سمجھا جاتا ہے۔ بنمیم۔ چغل خوری اگر برائی کے لئے ہو تو نہایت بری عادت ہے۔ حدیث میں ہے لا یدخل الجنة النمام۔ لیکن اصلاح کے سلسلہ میں اگر ایک دوسرے کی بات نقل کی جائے تو وہ صرف نام کی چغل خوری کہلائے گی۔ حدیث میں ہے۔ لیس النمام الذی یصلح بین الناس فیقول خیرا دینمی خیرا۔

زیم۔ ولید فی الحقیقت صحیح الذنب نہیں تھا مغیرہ نے ولید کو اٹھارہ سال بعد اپنا بیٹا کہا تھا۔

ان کان ذا مال وبنین۔ یعنی لان کان ذا مال وبنین۔ ہماری آیات کو جھٹلاتا ہے جس پر اذا تتلی علیہ آیاتنا دلالت کر رہا ہے یہ مطلب تو تفسیری عبارت کا ہے۔ لیکن مدارک میں ہے کہ ان کان ذا مال وبنین لا تطع سے متعلق ہے اور بقول مفسرؒ ان کان ذا مال "ایک قرأت میں دو ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ استفہام تو بیٹھی ہے۔ یہ قرأت ابن عامر، شعبہ، ہمزہ کی ہے اور بغیر ہمزہ کی قرأت پر یہ مفعول نہ ہوگا فعل مضمر عامل ہوگا۔ ای یکفر ان کان ذا مال الخ اور اس فعل مقدر کا قرینہ اذا تتلی علیہ آیاتنا قال بساطیر الاولین ہے۔ اس کو اذا تتلی یا قال کا معمول نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اذا اپنے مابعد کی طرف مضاف ہوا کرتا ہے اور مضاف الیہ مضاف سے پہلے عمل نہیں کرتا۔

علی الخراطوم۔ وسم کے معنی علامت نشان ہیں درندوں کی ناک کو خراطوم کہا جاتا ہے بلکہ ہاتھی کی سونڈ اور سور کی تھوڑی میں زیادہ استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں استہزاء فرمایا گیا۔ چنانچہ بدر میں جو زخم اس کی ناک پر لگا وہ نشان عار مدت العمر باقی رہا۔

بمشیئة اللہ۔ چونکہ انشاء اللہ مفید تعلیق ہے اس لئے استثناء سے تعبیر کیا گیا چنانچہ لا خیر جن ان شاء اللہ اور لا خیر جن الا ان

یشاء اللہ ایک ہی حاصل ہے۔

کالصریم۔ لیل صریم کالی رات، اور بعض نے سفید دن کی طرح معنی لئے ہیں۔ یعنی سوکھ کر سفید ہو گیا اور ابن عباسؓ سے سیاہ راکھ کے معنی منقول ہیں۔

ان اعدوا۔ ان مفسرہ یا مصدر یہ ہے۔

علی حرد حرد کے معنی منع کے ہیں۔ حار دت السنۃ بارش رک جائے۔ حار دت الابل دودھ نہ دے۔

اوسطہم۔ بلحاظ رائے کے یا عمر کے اوسط کہا اور صاحب کشف نے اعدل اور خیر کے معنی لئے ہیں۔

لولا تسبحون۔ تسبیح اور استثناء یعنی انشاء اللہ کہنا دونوں میں تعظیم کے معنی ہیں اس لئے تسبیح بول کر استثناء مراد ہے یا بقول مفسرؒ توبہ کرنے کے معنی ہیں۔

کذلک۔ مفسرؒ نے اشارہ کیا کہ یہ مبتداء ہے العذاب خبر ہے۔

لو کانوا یعلمون۔ لو کا جواب مقدر ہے اور یعلمون کا مفعول محذوف ہے اور اس کو بمنزلہ لازم ہی کہہ سکتے ہیں۔ ای لو کانوا من اهل العلم لما خالفوا کالمجرمین۔ تفسیری عبارت تابعین کے معنی مساویں کے ہیں اور جب مساوات نہیں تو مجرمین مسبین سے بدرجہ اولیٰ افضل نہیں ہوں گے۔

مالکم۔ یہ جملہ ہے اس لئے اس پر وقف مناسب ہے۔

ان لکم لکم خبر مقدم اور ما اسم مؤخر ہے جس کے ساتھ لام تاکید ہے پھر یہ جملہ تدرسون کا معنی مفعول ہوگا۔ بظاہر یہاں ان بالفتح آنا چاہئے تھا۔ لیکن لام چونکہ مکسورہ کے ساتھ آتا ہے اس لئے یہاں مکسور لے آئے اور تدرسون اگرچہ افعال قلوب میں سے نہیں ہے معنی حکم کے متضمن ہونے کی وجہ سے لفظاً معلق عن العمل ہو گیا۔

بالغۃ۔ مفسرؒ نے لازم معنی کے ساتھ تفسیر کی ہے۔

الی یوم القيامة۔ بالغہ کے متعلق ہے یعنی قیامت تک رہنے والی قسم اور لکم سے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔ ای ثابتہ لکم علینا اور اس جملہ میں معنی قسم ہیں۔ ای اقسمنالکم تفسیری عبارت ”متعلق معنی بعینا“ میں تعلق باصطلاح مراد نہیں کہ وہ فعل یا معنی فعل کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ تعلق اتصالی مراد ہے۔

سلہم۔ ضمیر متصل اول مفعول ہے اور مفعول ثانی جملہ ایہم زعم ہے اور بذلک متعلق ہے زعم کے اور سلہم لفظاً معلق عن العمل ہے استفہام کی وجہ سے۔

یکشف عن ساق۔ کنایہ اور استعارہ تمثیلیہ کیا گیا ہے دراصل کشف ساق شدت و مشقت کے وقت ہوا کرتا ہے۔

الی السجود۔ آخرت چونکہ دارالتکلیف نہیں اس لئے سجدہ سے مقصود آزمائش ایمان ہے، سجدہ تکلفی مراد نہیں۔ غرضیکہ غیر مخلصین کی کمر تختہ ہو جائے گی اور وہ سجدہ میں نہیں جا سکیں گے البتہ آئندہ سجدہ سے سجدہ صلوٰتی مراد ہے لیکن مفسرین کا اتفاق اس پر ہے کہ پہلے سجدہ سے مراد یہی سجدہ صلوٰۃ ہے۔

قد رنی۔ مفعول اول متصل ہے اور من یکذب مفعول پر معطوف ہے یا مفعول معہ ہے۔

سنستدرجہم۔ یعنی آہستہ آہستہ مجرمین کو پکڑ رہے ہیں لیکن بقول زخشریؒ عذاب درجہ بدرجہ دینا مراد ہے چنانچہ اللہ بندوں کو تمام نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے مگر پھر بھی وہ نافرمانیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ استدراج ہے بلکہ جوں جوں نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں معاصی بھی بڑھتے ہیں۔

ام عندہم الغیب۔ ابن عباسؓ لوح محفوظ مراد لیتے ہیں اور بعض نے عام مغیبات مراد لی ہے۔ چنانچہ فہم یکتون اس کا قرینہ ہے۔

اذ نادى مضاف محذوف سے منصوب ہے۔ ای لا یکن حالک کحالہ فی وقت ندائہ مضاف محذوف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امر دینی کا تعلق ذوات سے نہیں بلکہ احوال سے ہوا کرتا ہے۔

فاجتباہ ربہ۔ مفسر کے بالدواء کہنے سے یہ لازم آئے گا کہ حضرت یونسؑ کو نبوت اس کے بعد ملی جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے لیکن اگر بعض کی رائے پر نبوت پہلے مانی جائے تو پھر مراتب و وحی مراد ہوں گے۔

لیزلقونلث۔ اکثر قراء کے نزدیک ضمہ یا کے ساتھ اور نالٹ کے نزدیک فتح کی قرأت ہے۔ اس لفظ کا معنی یہ ہے کہ کھا جانے والی نظروں سے آپ کو گھورتے ہیں اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ آپ کو نظر لگا دینا چاہتے ہیں۔

لما سمعوا۔ اگر لما ظرفیہ ہو تو پھر لیزلقونلث کے ذریعہ منسوب ہوگا۔ لیکن اگر لما کو حرف مانا جائے تو اس کا جواب محذوف ہوگا اور دال بر جواب موجود ہے لیکن جو حضرات جواب کی تقدیم کی اجازت دیتے ہیں، وہ اسی کو جواب کہتے ہیں۔

رابط آیات: ..... سورۃ ملک میں زیادہ توجہ منکرین توحید کی طرف رہی۔ لیکن اس سورت میں زیادہ دھیان شان نبوت میں گستاخی کرنے والوں کی طرف ہے اور نبوت کا انکار چونکہ کفر ہے اس لئے بعض آیتوں میں ان کی دنیاوی اور اخروی سزاؤں کو بیان ہے۔

شان نزول و روایات: ..... ابن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ نون سے خاص مچھلی مراد ہے جس پر زمین رکی ہوئی ہے اور مفسر کے نزدیک ن اسماء الہیہ کا اختصار ہے۔ روح البیان میں ہے کہ جب آیت لا تطع کل حلاف نازل ہوئی تو ولید اپنی ماں سے بولا۔ ان محمدا وصفنی بتسع صفات اعرفھا غیر التاسع منها فان لم تصدقنی الخبر ضربت عنقک فقالت لہ ان ایاک کان عیناً فخفت علی المال لابن عمک یعنی یکون المال میراثا لہم فاجزت فلان الغلام ومکت من نفسی فانت منه۔

لولا تسبحون۔ بعض کی رائے ہے کہ اس زمانہ میں سبحان اللہ ہی انشاء اللہ کے درجہ میں تھا۔ عسی ربنا ان یبدلنا۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ وہ لوگ تائب ہو گئے تھے اور اللہ کو ان کا تخلص ہونا معلوم ہو گیا تو انہیں دوسرا باغ مرحمت ہو گیا جس کے انگوروں کا یہ حال تھا کہ اس کا ایک خوشہ ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔ بغویؒ اور زحشرؒ نے ایسے ہی ذکر کیا ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے دعا کی کہ اگر ہمارے نقصان کی تلافی ہوگئی تو ہم بھی اپنے باپ کی طرح عمل خیر کریں گے چنانچہ خوب دعا کی تو رات ہی کو بہترین باغ عنایت فرما دیا۔ وامر جبریل علیہ السلام ان یقتلع تلک الجنة المحترقة فیجعلھا بزغ من ارض الشام ویأخذ من ارض الشام فیجعلھا مکانھا۔

افنجل المسلمین۔ مقاتلؒ کہتے ہیں کہ جب آیت ان للمتقین نازل ہوئی تو کفار مکہ کہنے لگے۔ اول تو آخرت ہوگی نہیں، اگر ہوئی تو ہمیں ہی برتری حاصل رہے گی اور برتری نہ ہوئی تو برابر ہی تو ضرور رہے گی اس پر افنجل المسلمین نازل ہوئی۔ یدعون الی السجود کعب احبار سے نقل ہے۔ "واللہ ما نزلت هذه الاية الا فی الدین یتخلفون عن الجماعة" اور ابن جبیرؒ فرماتے ہیں۔ کانوا یسمعون حی علی الفلاح یجیون۔

سنستدرجہم۔ حدیث میں ہے اذا رایست اللہ ینعم الی عبد و هو یقم علی المعصیة فاعلم انه استدراج

یستدرج بہ العبد۔

فاصبر لحکم ربک۔ غزوہ احد میں جب کچھ صحابہ منافقین کے بہکانے میں آ کر بھاگ کھڑے ہوئے تو آپ نے ان پر بددعا کرنے کا ارادہ کیا اس وقت یہ حکم نازل ہوا اور بعض کے نزدیک جب آپ اہل مکہ سے تنگ دل ہو گئے اور آپ نے ثقیف کے لئے بددعا کرنی چاہی تو کچھ نادانوں نے آپ پر خشت باری کر دی جس سے پائے مبارک لہو لہان ہو گئے اس پر پھر آپ نے ان کے لئے بددعا کرنی چاہی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ غرض پہلی صورت میں آیت کو مدنی اور آخر صورت میں کی ماننا ہوگا۔

﴿تشریح﴾: ..... آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے آپ کو رنجیدہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کلمات تسلی ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس پر اللہ کا ایسا انعام ہو جس کو ہر آنکھ دیکھ رہی ہے۔ یعنی انتہائی فصاحت و بلاغت اور حکمت دانائی کہ موافق و مخالف سب کے دل موہ لئے اور ایسے پاکیزہ اخلاق کہ سب کو گرویدہ بنا لیا ایسی مقدس ہستی کو دیوانہ کہہ دینا کیا خود کہنے والوں کی دیوانگی کی دلیل نہیں ہے؟

رسول اللہ ﷺ کو دیوانہ کہنے والے خود دیوانے ہیں: ..... اس میں شبہ نہیں کہ دنیا میں بہت سے مصلحین اور رہنما گزرے ہیں کہ جن کو شروع شروع میں لوگوں نے دیوانہ کہہ کر پکارا مگر اسی کے ساتھ تاریخ ہمیں یہ بھی بتلاتی ہے کہ واقعی دیوانوں اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں زمین و آسمان کا فرق رہا ہے۔ پس جس طرح پہلے مصلحین پر نکتہ چینی کرنے والوں کا انجام ہوا، وہی ان بد لگام لوگوں کا ہوگا کہ ان کا نام و نشان تک مٹ جائے گا لیکن آپ کا نام و نشان و کام جریۃ عالم پر ہمیشہ سنہرے حروف میں لکھا رہے گا ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ کی حکمت و دانائی کی داد دے گی اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور اجتماعی عقیدہ کے تسلیم کرے گی جس کی لازوال فضیلت و برتری کو قلم ازل لوح محفوظ کی تختی پر نقش کر چکا بھلا کس کی مجال ہے کہ کچھ پھبتیاں کس کر اس کے ایک شوشہ کو بھی مٹا سکے۔

رسول اللہ ﷺ کا خلق عظیم: ..... وانلے لعلى خلق عظیم۔ کیا دیوانوں اور پاگلوں کا ایسا شاندار اور پائیدار مستقبل کسی نے دیکھا ہے؟ یا کسی مجنوں کی اسکیم اس طرح کامیاب ہوتے کسی نے دیکھی ہے پھر جس کا مرتبہ اللہ کے ہاں اتنا بڑا ہو، اس کو چند احمقوں کے دیوانہ کہنے کی کیا پرواہ ہونی چاہئے، اللہ نے جن اعلیٰ اخلاق پر آپ ﷺ کو پیدا فرمایا، کیا دیوانوں میں ان کا تصور کیا جاسکتا ہے، اسی طرح آپ کی زبان اگر قرآن ہے تو اس کی تفسیر آپ کے اعمال و اخلاق میں پیدا ہوتی ہے آپ کی ساخت اور تربیت ایسی واقع ہوئی کہ کوئی چیز بھی آپ کو حد اعتدال سے ادھر ادھر نہیں کر سکتی یہ آپ کا خلق عالی ہی ہے جو جاہلوں اور کمینوں کی خفیف حرکتوں پر کان دھرنے نہیں دیتا۔ پھر کسی کے مجنوں کہنے پر کیا التفات کریں گے بلکہ الٹی آپ ان کی خیر خواہی اور خیر اندیشی میں ہر وقت جان گھلائے جارہے ہیں بلکہ سچ پوچھو تو ان نادانوں کی عقل سوز حرکتوں نے آپ کے کریمانہ اخلاق کو گد گدایا اگر یہ نالائقیوں نہ ہوتیں تو آپ کے اندرونی جو ہر دنیا کے سامنے کیسے آتے۔ جہاں یہ ایک نکوینی پہلو ہے وہیں اخلاقی عظمت کا عمیق ترین پہلو یہ بھی ہے کہ آدمی دنیا کی حقیر ہستیوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت اللہ کی عظمت و جلال کو ہرگز نہ بھولے یہ چیز جب تک دل میں رہے گی، عدل و اخلاق کی میزان پورے طور پر ہاتھ میں رہے گی۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک عمدہ بات کہی ہے۔ مسمی خلقہ عظیماً اذ لم تکن لہ ہمة سوی اللہ

عاشر الخلق بخلقہ و زایلہم بقلبہ فکان ظاہرہ مع الخلق و باطنہ مع الحق۔ یعنی حکماء نے اپنے وصیت نامے میں لکھا ہے۔ علیک بالخلق مع الخلق وبالصدق مع الحق۔

فستبصرون ویبصرون۔ یعنی عنقریب فریقین کھلی آنکھیں دیکھ لیں گے کہ ان میں سے کون ہوشیار رہا اور کس کی عقل ماری گئی تھی کہ پاگلوں کی طرح پکلی پکلی باتیں کرتا تھا۔ یوں اگرچہ پوری طرح کا علم تو اللہ ہی کو ہے کہ کون لوگ راہ میں آنے والے ہیں اور کون بھٹکنے والے ہیں مگر نتائج جب سامنے آجائیں گے تو سب کو نظر آ جائے گا کہ کون کامیابی کی منزل پر پہنچا اور کون شیطان کی راہ زنی پر نا کام و نامراد رہا اور چونکہ راہ راست پر آنے والے اور نہ آنے والے سب اللہ کے علم میں طے شدہ ہیں اس لئے دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں کچھ رو رعایت کی ضرورت نہیں۔ جس کو سیدھی راہ پر آنا ہوگا آ کر رہے گا اور جو محروم ازلی ہوگا وہ کسی صورت ماننے والا نہیں ہے۔

مداہنت مذموم ہے، لیکن ملا طفت و حکمت مستحسن ہے۔..... فلا تطع المكذبین۔ مشرکین نے جو آپ سے اپنے بتوں کے متعلق زبان بند رکھنے کی خواہش کی ہے اور ساتھ ہی یہ پیشکش کی کہ ہم آپ کے خدا کی تعظیم کریں گے اور آپ کے طور طریق سے تعرض نہ کریں گے تو ہرگز آپ ان کی باتوں میں نہ آئیے۔ کیونکہ ان کی غرض محض آپ کو ڈھیلا کر کے اپنی جگہ سے ہٹانے کی کوشش کرنا ہے یہ خود ایمان کی طرف آنا نہیں چاہتے بلکہ آپ کو اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں آپ تو ہر طرف سے دھیان ہٹا کر اپنی دھن میں لگے رہئے، کام کئے جائیے کسی کو منوا دینے کے آپ ذمہ دار نہیں۔ اس تقریب سے مداہنت میں جو مذموم ہے اور ملا طفت و حکمت میں جو محمود ہے فرق واضح ہو گیا۔

مال و دولت کے بجائے اعمال و اخلاق لائق توجہ ہونے چاہئیں۔..... ولا تطع کل حلاف۔ ولید بن مغیرہ جس کے دل میں اللہ کے نام کی عظمت نہیں، جھوٹی قسمیں کھا لینا ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور لوگوں کو اطمینان و یقین دلانے کے لئے بار بار قسمیں کھاتا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہوتا رہتا ہے اور ان بری خصلتوں کے ساتھ بدنام اور رسوائے زمانہ ہے اس میں یہ ساری برائیاں موجود ہیں، ایک شخص محض اس وجہ سے کہ اس کے پاس مال و اولاد ہے، اس لائق نہیں ہو جاتا کہ اس کی بات مانی جائے۔ اصل چیز انسان کے عادات و اخلاق ہیں جس پر مشرقات و معذات نہیں اللہ والوں کا کام نہیں کہ اس کی ابلہ فریب باتوں کی طرف التفات کریں۔

انا بلوناہم۔ مال و اولاد کی کثرت کوئی مقبولیت کی علامت نہیں، نہ اللہ کے ہاں اس کی قدر و قیمت ہے اس لئے اس پر مغرور نہیں ہونا چاہئے یہ تو منجانب اللہ ان کی آزمائش ہے جو پہلے ہی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ ایک مالدار کا انتقال ہوا اور ترکہ میں اس نے ایک باغ چھوڑا، جس میں کئی بھائی شریک رہے باپ اگرچہ غرباء پر بکثرت خیرات کیا کرتا تھا۔ مگر اولاد نے سوچا کہ اس طرح مال لٹانے اور برباد کرنے سے کیا فائدہ؟ ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ غرباء اور فقیروں کو دینا نہ پڑے اور ساری پیداوار اور باغ کی بہار گھر ہی میں آجائے چنانچہ صبح ہی پھل توڑ کر گھر لے آنے کا مشورہ ہوا اور اس تدبیر پر اتنا یقین ہوا کہ انشاء اللہ بھی نہیں کہا۔ مگر ہوا یہ کہ رات ہی کو بگولا اٹھا، باغ کو آگ لگی اور باغ سب صاف ہو گئے۔ سب بھائی قرارداد کے مطابق صبح باغ میں پہنچے تو دیکھ کر پہچان نہ سکے۔ سمجھے کہ ہم راہ بھول کر کہیں اور نکل آئے غور کیا تو پتہ چلا کہ جگہ تو وہی ہے مگر ہماری قسمت پھوٹ گئی اور ہم محروم رہ گئے منجھلا بھائی ان میں زیادہ ہوشیار تھا۔ اس نے پہلے ہی مشورہ کے وقت متنبہ کیا تھا کہ تم اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو اور یہ سب اسی کا انعام سمجھو اور غریبوں کی خدمت سے دریغ نہ کرو جب کسی نے اس کی بات پر دھیان نہ دیا تو چپ ہو رہا اور انہی کا شریک حال ہو گیا۔ اب یہ بتا ہی دیکھ کر ان کو وہ بات یاد دلائی تو آخر

میں سب نادام ہوئے اور کہنے لگے کہ واقعی زیادتی ہماری ہی تھی کہ غریبوں کا حق مارا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حرص و طمع میں آکر اصل بھی کھو بیٹھے یہ جو پچھ خرابی آئی اس میں ہم ہی قصور وار ہیں تاہم اللہ سے ناامید نہیں ہیں کیا عجب ہے کہ وہ اپنی رحمت سے پہلے باغ سے بڑھ کر باغ ہم کو عطا کر دے۔

كذلك العذاب. یہ تو دنیا کے عذاب کی ایک ادنیٰ جھلک تھی جسے کوئی نال نہ سکا بھلا آخرت کی بڑی آفت کو کون نال سکتا ہے سمجھ ہو تو آدمی یہ بات سمجھے۔

کیا پرہیز گار اور گناہ گار دونوں برابر ہو سکتے ہیں:..... ان للمتقين. دنیا کے باغ و بہار کو کیا لئے پھرتے ہو جنت کے باغ ان سے کہیں زیادہ بہترین ہیں۔ جس میں ہر قسم کی نعمتیں جمع ہیں وہ خاص متقین کے لئے ہیں رہا کفار و مشرکین کا یہ سمجھ بیٹھنا کہ جس طرح دنیا میں ہم کو اللہ نے عیش و عشرت میں رکھا، آخرت میں بھی یہی وہ معاملہ رہے گا، بلکہ وہاں انگریز مسلمانوں پر عنایت و بخشش ہوگی تو ہم پر ان سے بڑھ کر ہوگی۔ اس کو فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہمیشہ کا ایک وفادار غلام اور ایک نافرمان باغی دونوں انجام میں برابر ہو جائیں بلکہ مجرم اور باغی مزے میں اور وفادار محروم یا کمتر ہو جائیں۔ اس سے بڑھ کر خلاف فطرت و عقل کی بات ہو سکتی ہے خیر اس بارے میں غلطی ہی دلیل اگر تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ۔ کیا کسی معتبر کتاب میں یہ مضمون پڑھتے ہو کہ تمہاری من مانی خواہشات پوری کی جائیں گی یا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے قسم کھالی ہے کہ جو کچھ تم اپنے دل میں ٹھہرا لو گے وہی دیا جائے گا اور جس طرح آج عیش و عشرت میں ہو، قیامت تک اسی حال میں رکھے جاؤ گے جو شخص اس کو ثابت کرنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے، اسے سامنے کرو ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کہاں سے کہتا ہے ہاں! اگر محض جھوٹے دیوتاؤں کے بل بوتے پر یہ دعوے کئے جا رہے ہیں کہ وہ ہم کو یوں کر دیں گے اور مرتبے دلا دیں گے تو اس کا سچا ہونا اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ وہ ان شرکاء کو خدا کے مقابلہ میں بلالائیں اور اپنی من مانی کاروائی کرادیں مگر یاد رہے کہ وہ معبود عابدوں سے زیادہ عاجز اور بے بس ہیں، وہ تمہاری کیا مدد کریں گے خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔

قیامت میں تجلی ساق:..... یوم یکشف عن ساق. اس کا ذکر مرفوع حدیث شیخین میں اس طرح آیا ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے میدان میں اپنی ساق کی تجلی فرمائے گا۔ ساق کے معنی پنڈلی کے ہیں لیکن صفات و حقائق الہیہ میں سے کوئی خاص صفت یا حقیقت ہے، جس کو کسی خاص مناسبت سے ساق فرمایا جیسا کہ قرآن کریم میں دوسرے الفاظ و جملہ اور یہ ہیں۔ یہ ”تشابہات“ کہلاتے ہیں۔ جن کے لغوی معنی اگرچہ معلوم ہوتے ہیں مگر وہ مراد نہیں ہوتے ان پر بلا کم و کیف و بغیر چوں چہ ایسے ہی ایمان رکھنا چاہئے جیسے اللہ کی ذات، وجود، حیات، سمع بصر وغیرہ صفات پر رکھتے ہیں۔ غرض اور تجلی ساق کو دیکھتے ہی مومنین و مومنات تو سجدہ میں گر پڑیں گے مگر جو دنیا میں ریاکاری کا سجدہ کیا کرتا تھا اس کی کمر تختہ ہو کر رہ جائے گی اور کفار و مشرکین بدرجہ اولیٰ اس صفت سے محروم رہیں گے لیکن سجدہ کی طرف بلانے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قیامت جب دارالتکلیف نہیں، پھر سجدہ نماز کی طرف کیوں بدایا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بدائے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ سجدہ کا حکم ہوگا بلکہ خود اس تجلی میں یہ اثر ہوگا کہ بے اختیار فوراً سجدہ میں گر پڑیں گے اور ممکن ہے کہ اس کی حکمت یہ ہو کہ مخلصین منافقین کفار میں عملی امتیاز و تفریق ہو جائے اس آیت کشف کی تفسیر میں حضرت شاہ عبد العزیز نے تشابہات پر عجیب و غریب تبصرہ فرمایا ہے۔

سجدہ نہ کرنے کی سزا:..... خاشعة ابصارہم. یعنی قیامت میں ان کا یہ حال ہوگا کہ ندامت و شرمندگی کے مارے ان کی آنکھ نہ اٹھ سکے گی حالانکہ دنیا میں یہ حال تھا کہ اچھے خاصے تندرست ہوتے ہوئے بھی کبھی ایک سجدہ کی توفیق نہ ہو سکی حتیٰ کہ اپنی فطری

استعداد ہی کھو کر رکھ دی اب چاہیں بھی تو سجدہ نہیں کر سکتے۔

فذر سی۔ یعنی ان کو عذاب تو یقیناً ہوگا لیکن ان کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجئے میں ان سے خود نمٹ لوں گا اور اس طرح آہستہ آہستہ دوزخ کی طرف لے جاؤں گا کہ ان کو پتہ ہی نہ چلے گا۔ یہ اپنی حالت پر مگن رہیں گے لیکن اندر ہی اندر سکھ اور چین کی نیند حرام ہو جائے گی میری خفیہ تدبیر تو ایسی پکی ہے جس کو یہ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے بھلا اس کا توڑ تو کیا کر سکتے ہیں۔

ام تسئلہم۔ آپ کی بات کیوں نہیں مانتے؟ خوجہ کیا ہے؟ کیا آپ ان سے اس پر کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں کہ جس کے بوجھ میں وہ دبے جا رہے ہیں یا کہیں ان کے پاس غیب کی خبریں اور اللہ کی وحی آتی ہے جسے بحفاظت وہ لکھ لیتے ہیں اس سے آپ کے اتباع کی ضرورت نہیں سمجھتے اور جب ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہیں تو پھر بجز عناد اور ہٹ دھرمی کے اور کیا کہا جائے۔

حضرت یونسؑ کا غم: ..... وہو مکظوم۔ مکظوم کے معنی مغموں کے ہیں اور وہ غم بھی کئی غموں کا مجموعہ تھا ایک غم قوم کے ایمان نہ لانے کا، ایک عذاب کے ٹل جانے کا، ایک بلا اجازت صریح شہر چھوڑ کر چلے آنے کا، ایک مچھلی کے پیٹ میں قید رہنے کا، دل ٹوٹا ہوا تھا کہ آیت کریمہ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین کے الفاظ زبان پر جاری ہو گئے۔ جس کی برکت سے اللہ نے مچھلی کی قید تنہائی سے نجات دی۔ بفضل خداوند اگر دستگیری نہ ہوتی تو پھر اس پھیل میدان میں پڑے رہتے اور وہ کمالات باقی نہ رہتے جواب تک قلم تھے مگر اللہ نے اس شکستگی کے صلہ میں مزید مراتب سے نوازا اور نیک شائستہ لوگوں میں داخل رکھا۔

آنحضرت ﷺ کو جلی کئی نظروں سے دیکھنا یا نظر بد لگانا: ..... وان یکاد الذین کفروا شروع سورت کی طرح پھر روئے سخن آنحضرت ﷺ کی طرف ہو گیا۔ فرمایا کہ مخالفین کا حال تو یہ ہے کہ قرآن سن کر غصہ کے مارے جلی کئی نظروں سے گھور گھور کر آپ کو دیکھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اپنے مرتبہ سے آپ گزر جائیں اور زبان سے بھی آوازے کتے ہیں اور آپ کو دیوانہ کہتے ہیں اور قرآن کو عیاذ باللہ دیوانہ کی بڑ۔ حالانکہ یہ سارے جہان کے لئے سر تا پا نصیحت ہے اور بعض نے لیسز لقونلٹ کا یہ مطلب لیا ہے کہ آپ کو نظر لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کو جو نظر لگانے میں مشہور تھا اس کو اس پر آمادہ کر کے بلایا آپ ﷺ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اس نے آ کر ہر چند زور گائے مگر آپ کے لاجول پڑھنے سے ناکام و نامراد واپس چلا گیا آج کل مسمریزم ایک باقاعدہ فن بن چکا ہے اس لئے نظر لگانے کے معاملہ پر ردو کہ کرنا فضول ہے اور بے شمار واقعات تجربہ میں ہیں۔ پھر اس سے انکارنا انصافی ہے۔

لطا ئف سلوک: ..... وانلک لعلی خلق۔ حضرت عائشہؓ اس کی تفسیر فرماتی ہیں۔ ”یرضی لرضاه ویسخط بسخطہ“ اس میں تخلیق باخلق اللہ کی طرف اشارہ ہے جس کا کمال درجہ فنا ہے اور اس سے پہلے ما انت بنعمة ربک بمجنون فرمانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ سوء اخلاق ایک قسم کا جنون ہے۔

ولا تطع کل حلاف۔ اس میں اخلاق ذمیرہ کے اصول کا ذکر ہے اہل طریق کو ان سے بچنا چاہئے۔

یوم یکشف۔ احادیث میں حق تعالیٰ کی ساق فرمایا گیا ہے علماء تو اس کو متشابہات پر محمول کرتے ہیں مگر صوفیاء اس کو تجلی تصور ہی کہتے ہیں بلکہ بعض اہل معرفت کہتے ہیں کہ اپنے شیخ کی صورت میں یہ تجلی رونما ہوگی۔

ولا تکن کصاحب الحوت۔ اس سے معلوم ہوا کہ صاحب مقام کے لئے صاحب حال کا فعل اور صاحب مقام اعلیٰ کے لئے صاحب مقام عاں کا فعل کبھی نقص ہوتا ہے جس سے منع کیا جاتا ہے۔

وان یکاد الذین۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل باطن میں بھی تصرفات ہو سکتے ہیں اور وہ کیسی تاثیرات طبعیہ ہیں اہل حق پر غالب آ سکتے ہیں پس تاثیر نفسانی علامت ولایت نہیں ہے۔



## سُورَةُ الْحَاقَّةِ

سُورَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ إِحْدَى أَوَائِتَتَانِ وَخَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَاقَّةُ ﴿١﴾ الْقِيَمَةُ الَّتِي يَحِقُّ فِيهَا مَا أَنْكَرَ مِنَ الْبُعْثِ وَالْحِسَابِ وَالْحِزَاءِ أَوِ الْمُظْهِرَةِ لِذَلِكَ مَا الْحَاقَّةُ ﴿٢﴾  
تَعْظِيمُ لِسَانِهَا وَهَمَّا مُبْتَدَأٌ وَخَبْرٌ خَبِيرُ الْحَاقَّةِ وَمَا أَذْرَبْتَ أَيَّ أَعْلَمَكَ مَا الْحَاقَّةُ ﴿٣﴾ زِيَادَةُ تَعْظِيمِ  
بَشَائِهَا فَمَا الْأُولَى مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهُ خَبْرٌ وَمَا الثَّانِيَةُ وَخَبْرُهَا فِي مَحَلِّ الْمَفْعُولِ الثَّانِي لَا ذَرَى كَذَبْتُ  
ثُمُودَ وَعَادَ بِالْقَارِعَةِ ﴿٤﴾ الْقِيَامَةُ لِأَنَّهَا تُقْرِعُ الْقُلُوبَ بِأَهْوَالِهَا فَمَا ثُمُودُ فَأَهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ﴿٥﴾  
بِالصَّيْحَةِ الْمُجَاوِزَةِ لِلْحَلْفِ فِي الشَّدَةِ وَأَمَّا عَادَ فَأَهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ شَدِيدَةٍ الصَّوْتِ عَاتِيَةٍ ﴿٦﴾  
قُوَّةٍ شَدِيدَةٍ عَلَى عَادٍ مَعَ قُوَّتِهِمْ وَشِدَّتِهِمْ سَخَّرَهَا أَرْسَلَهَا بِالْقَهْرِ عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ  
أَوَّلُهَا مِنْ صُحِّ يَوْمِ الْأَرْبَعَاءِ لِثَمَانٍ بَقِيْنَ مِنْ شَوَالٍ وَكَانَتْ فِي عَجْرِ الشِّتَاءِ حُسُومًا مُتَتَابِعَاتٍ شَبَّهَتْ  
بِتَتَاعِ فِعْلِ الْحَاسِمِ فِي إِعَادَةِ الْكَيْ عَلَى الدَّاءِ كَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى حَتَّى يَنْحَسِمَ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى  
مَضْرُوحِينَ هَالِكِينَ كَانَهُمْ أَعْجَازُ أَسْوُلٍ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿٧﴾ سَاقِطَةٌ فَارِعَةٌ فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ  
بَاقِيَةٍ ﴿٨﴾ صِفَةُ نَفْسٍ مُقَدَّرَةٍ وَالتَّاءُ لِلْمُبَالَغَةِ أَيُّ بَاقٍ لَا وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ أَتْبَاعُهُ وَفِي قِرَاءَةِ يَفْتَحُ  
الْقَافَ وَسَكُونُ الْبَاءِ أَيُّ مَنْ تَقَدَّمَ مِنَ الْأَمَمِ الْكَافِرَةِ وَالْمُؤْتَفِكُتْ أَيُّ أَهْلِهَا وَهِيَ قُرَى قَوْمٍ نُوَصِّ  
بِالْخَاطِئَةِ ﴿٩﴾ بِالْفِعْلَاتِ ذَاتِ الْخَطَاءِ فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ أَيُّ لُوطًا وَغَيْرِهِ فَأَخَذَهُمْ أَخَذَةً  
رَابِيَةً ﴿١٠﴾ زَائِدَةٌ فِي الشَّدَةِ عَلَى غَيْرِهَا إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ عَلَاقُوكَ كُلَّ شَيْءٍ مِنَ الْحَيَاةِ وَغَيْرِهَا مِنْ  
الطُّوْفَانِ حَمَلْنَكُمْ يَعْنِي أَبَاءَكُمْ إِذْ أَنْتُمْ فِي أَصْلَابِهِمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾ السَّفِينَةُ الَّتِي عَمِنَهَا نُوحٌ  
صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَنَحَاهُ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ فِيهَا وَغَرِقَ الْبَاقُونَ لِنَجْعَلَهَا أَيُّ هَذِهِ الْفِعْلَةُ وَهِيَ

اِسْجَاءُ الْمُؤْمِنِينَ وَاهْلَاكِ الْكَافِرِينَ لَكُمْ تَذْكِرَةٌ عِظَةٌ وَتَعِيَهَا لِتَحْفَظَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ﴿۶۲﴾ حَافِظَةٌ لِمَا  
 تَسْمَعُ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿۶۳﴾ لِيَفْضَلَ بَيْنَ الْخَلَائِقِ وَهِيَ الثَّانِيَةُ وَحُمِلَتْ رُفَعَتْ  
 الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَذُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ﴿۶۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۶۵﴾ قَامَتِ الْقِيَامَةُ  
 وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ﴿۶۶﴾ ضَعِيفَةٌ وَالْمَلَكُ يَعْنِي الْمَلَائِكَةَ عَلَى أَرْجَائِهَا  
 جَوَائِبَ السَّمَاءِ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ أَيِ الْمَلَائِكَةِ الْمَذْكُورِينَ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ﴿۶۷﴾ مِنَ  
 الْمَلَائِكَةِ أَوْ مِنْ صُفُوفِهِمْ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لِلْحِسَابِ لَا تَخْفَى بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۶۸﴾ مِنَ  
 السَّرَائِرِ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ عِطَابًا لِحِمَاةٍ لِمَا سَرَّهَ هَاؤُمُ خُذُوا اقْرَءُوا  
 كِتَابِيهِ ﴿۶۹﴾ تَسَارَعَ فِيهِ هَاؤُمُ وَاقْرَءُوا إِنِّي ظَنَنْتُ تَيَقَّنْتُ أَنِّي مُلْقٍ حِسَابِيهِ ﴿۷۰﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ  
 رَاضِيَةٍ ﴿۷۱﴾ مَرْضِيَةٍ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۷۲﴾ قُطُوفُهَا تَمَارُهُ دَانِيَةٌ ﴿۷۳﴾ قَرِينَةٌ يَتَنَاوَلُ مِنْهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ  
 وَالْمُصْطَبِحُ فَيَقَالُ لَهُمْ كُلُّوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا حَالٌ أَيْ مُتَهِنِينَ بِمَا اسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۷۴﴾  
 اِمْتَصِيَةٍ فِي الدُّنْيَا وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَلْتَبِيِّ لَيْتَنِي لَمْ أُوتِ كِتَابِيهِ ﴿۷۵﴾ وَلَمْ  
 أَدْرِ مَا حِسَابِيهِ ﴿۷۶﴾ يَلِيَّتْهَا أَيِ الْمَوْتَةِ فِي الدُّنْيَا كَانَتْ الْقَاضِيَةَ ﴿۷۷﴾ الْقَاطِعَةَ لِحَيَاتِي بِأَنْ لَا أُبْعَثَ مَا  
 أَغْنَى عَنِّي مَالِيهِ ﴿۷۸﴾ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيهِ ﴿۷۹﴾ قُوَّتِي وَحُجَّتِي وَهَاءُ كِتَابِيهِ وَحِسَابِيهِ وَمَالِيهِ  
 وَسُلْطَانِيهِ لِلشَّكْتِ تَثَبُّتٌ وَقَفَا وَوَصْلًا إِيَّاعًا لِمُصْحَفِ الْإِمَامِ وَالنَّقْلِ وَمِنْهُمْ مَنْ حَذَفَهَا وَصَلَا خُذُوهُ  
 خَطَاتٍ لِحَزَنَةٍ حَهُمَ فَعُلُوهُ ﴿۸۰﴾ أَجْمَعُوا يَدِيهِ إِلَى عُنُقِهِ فِي الْغَلِّ ثُمَّ الْجَحِيمِ النَّارِ الْمُحْرِقَةِ صَلَوُهُ ﴿۸۱﴾  
 أَدْخَلُوهُ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا بِذِرَاعِ الْمَلِكِ فَاسْلُكُوهُ ﴿۸۲﴾ أَيْ أَدْخَلُوهُ فِيهَا بَعْدَ  
 ادْخَالِهِ النَّارِ وَلَمْ تَحْنَعْ الْفَاءُ مِنْ تَعَلُّقِ الْفِعْلِ بِالظَّرْفِ الْمُقَدَّمِ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ﴿۸۳﴾  
 وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْمُسْكِينِ ﴿۸۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هُنَا حَمِيمٌ ﴿۸۵﴾ قَرِيبٌ يَتَفَعُّ بِهِ وَلَا طَعَامُ  
 إِلَّا مِنْ غَسْلِينَ ﴿۸۶﴾ صَدِيدُ أَهْلِ النَّارِ أَوْ شَحَرُ فِيهَا لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخِطُؤُونَ ﴿۸۷﴾ الْكَافِرُونَ فَلَا لَارَائِدَةَ عِ  
 أَقْسِمُ بِمَا تُبْصَرُونَ ﴿۸۸﴾ مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ وَمَا لَا تُبْصَرُونَ ﴿۸۹﴾ مِنْهَا أَيْ بِكُلِّ مَخْلُوقٍ إِنَّهُ أَيْ الْقُرْآنُ  
 لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿۹۰﴾ أَيْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَتَعَالَى وَمَاهُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا  
 مَا تُؤْمِنُونَ ﴿۹۱﴾ وَلَا يَقُولُ كَاهِنٌ قَلِيلًا مَا تَدَّكَّرُونَ ﴿۹۲﴾ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الْفِعْلَيْنِ وَمَارَائِدَةُ مُؤَكَّدَةٌ  
 وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ آمَنُوا بِأَشْيَاءٍ يَسِيرَةٍ وَتَدَّكَّرُوا مَا مَاتَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَيْرِ وَالصِّلَةِ

وَالْعَفَافُ فَلَهُ تَغْرِ عَنْهُمْ شَيْئًا بَلْ هُوَ تَنْزِيلٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ أَحَدُ النَّاسِ عَلَى اللَّهِ عَهْدًا لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿۳۴﴾ بِأَن قَالَتْ عَنَّا مَالٌ نَّقْلُهُ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿۳۵﴾ بِالْقُوَّةِ وَالْقُدْرَةِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿۳۶﴾ نَبَاطُ الْقَلْبِ وَهُوَ عِرْقٌ مُّتَّصِلٌ بِهِ إِذَا انْقَطَعَ مَاتَ صَاحِبُهُ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ هُوَ اسْمٌ مَّاوَمِنْ زَائِدَةٌ لِّتَاكِيدِ النَّفْيِ وَمِنْكُمْ حَالٌ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَزِينٌ ﴿۳۷﴾ مَا بَعِثْنَا خَبْرًا وَاجْمَعَ لَأَنَّ أَحَدًا فِي سِيَاقِ النَّفْيِ بِمَعْنَى الْجَمْعِ وَضَمِيرُ عَنْهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ لَا مَبْعَ لِنَاعْنَهُ مِنْ حَيْثُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ أَيْ الْقُرْآنَ لَتَذِكْرَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳۸﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ مُكْذِبِينَ ﴿۳۹﴾ بِالْقُرْآنِ وَمُصَدِّقِينَ وَإِنَّهُ أَيْ الْقُرْآنَ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۴۰﴾ إِذَا رَأَوْا ثَوَابَ الْمُصَدِّقِينَ وَعِقَابَ الْمُكْذِبِينَ بِهِ وَإِنَّهُ أَيْ الْقُرْآنَ لِحَقُّ الْيَقِينِ ﴿۴۱﴾ أَيْ لِلْيَقِينِ حَقُّ الْيَقِينِ فَسَبِّحْ نَزْرَهُ بِاسْمِ زَائِدَةٍ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: ... سورۃ حاقہ مکہ ہے۔ ۵۱ یا ۵۳ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہ ہونے والی چیز (قیامت کہ اس میں تمام وہ باتیں محقق ہو جائیں گی جن کا انکار کیا گیا یعنی بعث حساب یا قیامت ان باتوں کو ظاہر کر دے گی) کیسی کچھ ہے وہ چیز جو ہونے والی ہے (اس میں قیامت کا عظیم الشان ہونا بتلایا گیا ہے جو رہا مبتداء اور الحاقہ ثانیہ خبر ہے۔ یہ جملہ خبر ہے الحاقہ اول کی اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے والی چیز (اس میں قیامت کی اور زیادہ عظمت شان ہے۔ ما اور مبتداء اور ادراک خبر ہے اور ما ثانیہ مبتداء الحاقہ خبر۔ جملہ ادوی کے مفعول ثانی کے محل میں ہے) ثمود اور عاد نے اس کھڑکھڑانے والی چیز کی تکذیب کی (قیامت جو اپنی ہولناکی سے دلوں کو کھڑکھڑا دے گی) سو ثمود تو ایک چیخ سے ہلاک کر دیئے گئے (جو حد سے زیادہ شدید چنگھاڑ تھی) اور عاد ایک تیز و تند (زمانے کی آواز) ہوا کے جھکڑ سے ہلاک کر دیئے گئے (جو قوم عاد کے طاقتور ہونے کے باوجود انتہائی سخت تھی) کہ اللہ نے اس ہوا کو (زبردستی) ان پر مسلط کر دیا تھا۔ سات رات اور آٹھ دن (۲۴ شوال بدھ کی صبح سے جاڑوں کے آخر میں) متواتر (مسلل جیسا کہ لگا تار داغنے والا داغنا ہے آخر تک اسی طرح یہاں عذاب لگا تار رہا) سو تو اس قوم کو اس میں اس طرح پڑا ہوا دیکھتا ہے (گرا ہوا تباہ) کہ گویا وہ گری ہوئی (بالکل ٹوٹی ہوئی) کھجوروں کے تنے (جڑیں) ہیں۔ سو کیا تجھ کو ان میں کا کوئی بچا ہوا نظر آتا ہے (باقیہ نفس مقدر کی صفت ہے اور تا مباغذ کی ہے یعنی کوئی باقی ہے؟ جواب یہ ہے کہ نہیں باقی) اور فرعون نے اور اس سے پہلے لوگوں نے (اس کے پیروکاروں نے اور ایک قرأت میں فتح قاف اور سکون یسا کے ساتھ ہے۔ یعنی فرعون سے پہلے کافروں نے) اومالٹی ہوئی بستیوں نے (یعنی اہل بستی نے، اس سے قوم لوط کی بستیاں مراد ہیں) بڑے بڑے قصور کئے (ایسے کام جو سراسر خطا ہیں) سو انہوں نے اپنے رب کے رسول (لوط وغیرہ) کا کہنا نہ مانا۔ سو اللہ نے ان کو بہت سخت پکڑ لیا (اوروں سے بڑھ چڑھ کر) ہم نے جب کہ پانی کو صفیانی دی (زمانہ طوفان میں پہاڑ وغیرہ ہر چیز پر پانی چڑھ گیا) ہم نے تمہیں (یعنی تمہارے باپ دادا کو کہ تم ان کی پشتوں میں تھے) کشتی پر سوار کیا (جونوح علیہ السلام نے تیار کی تھی، وہ اور ان کے ساتھ توفیق گئے اور باقی سب ڈوب گئے) تاکہ ہم بنادیں، اس کو (یعنی مومنین کی نجات اور کافروں کی بربادی کی کارروائی کو) تمہارے لئے ایک یادگار (عبرت) اور یاد رکھیں (محفوظ کریں) یاد رکھنے

والے کان (جوسی ہوئی باتوں کو محفوظ کر لیتے ہیں) پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماری جائے گی (مخلوق کے فیصلہ کے لئے نغمہ ثانیہ مراد ہے) اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے پھر دونوں ایک دفعہ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز وہ ہونے والی چیز (قیامت) ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس وقت نہایت بودا (کمزور) ہوگا اور فرشتے آسمان کے کناروں پر آ جائیں گے اور آپ کے پروردگار کے عرش کو (مذکورہ فرشتے) اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے (فرشتے آٹھ ہوں گے یا فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی) جس روز تم (حساب کے لئے) پیش کئے جاؤ گے۔ تمہاری کوئی بات پوشیدہ (چھپی ہوئی) نہیں ہوگی۔ (نسخفی تا اور یہاں کے ساتھ ہے) پھر جس شخص کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ بول اٹھے گا (خوشی کی بات اپنی جماعت سے کرتے ہوئے) کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھ لو (کتابیہ میں ہاؤم اور اقرء و اکاتنازع ہو رہا ہے) میرا اعتقاد تھا کہ مجھ کو میرا حساب پیش آنے والا ہے، غرض وہ شخص پسندیدہ (عمدہ) عیش یعنی بہشت بریں میں ہوگا۔ جس کے میوے (پھل) جھکے ہوئے ہوں گے (جو کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے حاصل ہو سکیں گے۔ ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ (حال ہے، یعنی خوشی بخوشی) ان اعمال کے صلہ میں جو تم نے گزشتہ ایام میں (دنیا میں) کئے ہیں اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ کہے گا (تنبیہ کے لئے ہے) کاش مجھ کو میرا نامہ اعمال ہی نہ ملتا اور مجھ کو یہ خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ موت ہی (جو دنیا میں آچکی تھی) خاتمہ کر دیتی (مجھے نیست و نابود کر دیتی پھر میرا بعث ہی نہ ہوتا) میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میرا جاہ مجھ سے گیا سزا ہوا (یعنی میری قوت اور دلیل کچھ بھی نہیں رہی۔ ان تمام الفاظ میں ہا سکتے کی ہے۔ جو حالت وقف اور وصل دونوں میں برقرار رہتی ہے۔ مصحف عثمانی میں اسی طرح منقول ہونے کی وجہ سے لیکن بعض قراء نے بحالت وصل اس کو حذف کر دیا ہے) اس شخص کو پکڑو (دار و نہ جہنم کو خطاب ہے) اور اس کو طوق پہنا دو (ہاتھوں کو گلے میں باندھ دو) پھر دوزخ میں (دبکتی ہوئی آگ) میں اس کو جھونک (ڈال) دو۔ پھر ایک ایسی زنجیر میں جو ستر گز ہے (فرشتہ کی ناپ سے) اس کو جکڑ دو (یعنی دوزخ میں جھونک کر زنجیروں میں جکڑ دو۔ ظرف مقدم میں فعل کے عمل کرنے سے فاساد مانع نہیں ہے) یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ غریب آدمیوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ اس شخص کا آج نہ کوئی دوست ہے (کہ جس سے اس کو نفع پہنچ جائے) اور نہ اس کو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے بجز زخموں کے دھوون (دوزخیوں کے کچلا ہوا یا دوزخی درخت) کے جس کو بڑے گناہگار (کافر) کے سوا کوئی کھانا نہ سکے گا پھر میں قسم کھاتا ہوں (لا زائد ہے) ان چیزوں کی بھی جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے (یعنی ساری مخلوق کی) کہ یہ (قرآن) کلام ہے ایک معزز فرشتہ کالایا ہوا (اللہ تعالیٰ کے پاس سے) اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے۔ تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ کسی کا ہن کا کلام ہے، تم بہت کم سمجھتے ہو (دونوں فعل نا اور یا کے ساتھ اور علامہ ہے تاکید کے لئے یعنی یہ لوگ ان باتوں کو تو مانتے ہیں اور انہیں یاد بھی رکھتے ہیں جو بہت معمولی ہیں بمقابلہ آنحضرت ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات یعنی خیر اور صلہ اور عفاف کے، حالانکہ وہ باتیں ان کے لئے کچھ مفید نہیں بلکہ یہ) اللہ رب العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا ہے اور اگر یہ (نبی) ہمارے اوپر کچھ باتیں لگا دیتے (یعنی ایسی بات کہہ دیتے جو ہم نے نہیں کہی) تو ہم پکڑ لیتے (تھام لیتے سزا) ان کا داہنا ہاتھ (زور اور طاقت سے) پھر ہم ان کی رگ جان کاٹ ڈال دیتے (رگ دل جو دل سے وابستہ ہیں وہ کٹ جائے تو مر جائے) پھر تم میں کوئی (احد اسم ما ہے اور من زائد ہے تاکید نفی کے لئے اور معکم من احد سے حال ہے) ان کا اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا (روکنے والا یہ ہا کی خبر ہے اور جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ احد نفی کے تحت ہونے کی وجہ سے جمع کے معنی میں ہے اور عندہ کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔ یعنی عذاب سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ ہوتی) اور بلاشبہ یہ (قرآن) متقیوں کے لئے نصیحت ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ (اے لوگو!) تم میں تکذیب کرنے والے بھی ہیں (قرآن کی اور تصدیق

کرنے والے بھی) اور یہ قرآن کافروں کے لئے موجب حسرت ہے (جب وہ تصدیق کرنے والوں کا ثواب اور تہذیب کرنے والوں کا عذاب دیکھیں گے) اور یہ (قرآن) تحقیقی اور یقینی بات ہے، سو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کیجئے (لفظ اسمہ راند ہے)

**تحقیق و ترکیب** الحاقۃ بقول زحشری اصل میں ”الحاقۃ ماہی“ عبارت تھی۔ لیکن وبشت زیادہ کرنے کے بجائے ضمیر سم ظاہر کیا گیا۔ اس پر تو اتفاق ہے کہ حاقہ قیامت کا نام ہے مگر حاقہ کہنے کی وجہ میں اختلاف ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ حق بمعنی ثابت سے، خدائے قیامت کو واجب الوقوع ہونے کی وجہ سے حاقہ کہتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت میں حقائق محقق ہو جائیں گے۔ تیسرے یہ کہ قیامت صادق اور یقینی چیزوں میں سے ہے چنانچہ اس کا ثواب و عذاب وغیرہ بھی وہ امور ہیں جن کا وجود ضروری ہے۔ وما ادرائے ادری متعدی بدو مفعول ہے۔ کاف، مفعول اول اور ما الحاقۃ مفعول ثانی مکمل نصب ہے بحلاف الحار ہے۔ کیونکہ مفعول ثانی کی طرف ما کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے جیسا کہ ولا ادرائکم بہ میں ہے۔

الطاعیۃ ابن عباسؓ اور قتادہ صحیحہ کے معنی لیتے ہیں اور بعض یہ معنی لیتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی طغیانی کی وجہ سے تباہ ہو گئے اس صورت میں عافیۃ کی طرح طاعیۃ مصدر ہوگا لیکن معنی بعد کی عبارت کے مناسب نہیں ہے۔ ریح صر صر۔ صر بآلح کے معنی چیخ کے ہیں اور بالکسر بالہ کے معنی ہیں۔

عاتیۃ عمت کے معنی سے حد سے تجاوز کے ہیں اور بے اندازہ کے معنی بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ما ارسل اللہ سعة من ریح الا بمکیال ولا قطرة من ماء الا بمکیال الا یوم عاد و یوم نوح

حسوما ابن منذرؒ کی روایت میں ہے جمع کے دن سے عذاب شروع ہوا سات رات آٹھ دن رہا پھر سب مر گئے اور ہوا نے غشوں و سمندر میں پھینک دیا۔ وہبؒ فرماتے ہیں کہ اسی لئے عرب ان دنوں کو ”ایام عجوز“ کہتے ہیں۔ آخری جاڑوں کی وجہ سے اور یا اس لئے کہ ایک بڑھیا ہوا سے بچنے کے لئے ایک سرنگ میں گھس گئی مگر بوانے وہاں بھی اسے ہلاک کر دیا تھا۔ حسوما یہ نعت ہے مسع لیل و ثمانیۃ ایام کی۔ یا سحرھا کے مفعول سے حال ہے۔ حسوم کے معنی بار بار ٹکڑے دینا حتیٰ کہ یہاں کا وہ ختم ہو جائے۔ انفس نے متابعت سے مجاز مرسل ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لگاتار ہوا کے جھونکوں کو داغنے کے ٹکڑوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور عطیۃ نے حسوما کے معنی شوم اور بد بختی کے لئے ہیں گویا بوانے ساری خیر ختم کر دی۔

سحل خاویہ۔ حاویہ کے معنی خالی کے ہیں اور بعض کے نزدیک ساقط کے معنی ہیں۔ مفسر نے شفعی المسلب ہونے کی وجہ سے عموم مجاز کے طور پر دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

من باقیۃ۔ اسی نفس باقی اور استفہام انکاری ہے۔

ومن قبلہ ابو ثمر اور کسائی کے نزدیک کسر قاف کے ساتھ اور اکثر قراء کے نزدیک فتح قاف کے ساتھ ہے۔ والموتفکات۔ ابتفاک کے معنی انقطاع اور اکھاڑ پھینکنے کے ہیں وجہ تسمیہ ظاہر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جو قومیں گناہوں میں مہمک ہو کر تباہ ہو گئیں۔

سالحاطۃ۔ کناہگار چونکہ اہل ہستی ہیں اس لئے مفسر نے اشارہ کر دیا کہ یہ موصوف کی صفت ہے۔ شرک، بدکاری، تالیوں بجان، مزا، زنا وغیرہ برائیوں میں یہ لوگ مبتلا تھے۔

حملنا کم۔ مضاف محذوف ہے۔ اسی حملنا آباء کم۔ گویا باپ دادا کی پشتوں میں موجود ہونے کی وجہ سے خطاب کیا گیا ہے۔ ساری دنیا حضرت نوحؑ کے بعد سام، حام، یافث تینوں صاحبزادوں کی اولاد سے ہے۔

نعیھا۔ دعی حفاظت کرنا، ایعاء حفاظت کرانا۔

نفخۃ واحدہ ابن عباسؓ نے معنی فرماتے ہیں کیونکہ اس کے بعد ہی حساب کتاب ہوگا اور بعض کے نزدیک نفخہ اولیٰ مراد ہے۔  
فیومئذ ای اذا نفخ و حملت۔

وقعت الواقعة۔ یہ ترکیب قائم قائم کی طرح بے فائدہ معلوم ہوتی ہے لیکن واقعہ قیامت کا علم ہے۔ اشتقاقی معنی مراد نہیں جس کی طرف مفسر نے اشارہ کیا ہے۔

علیٰ ارجائہا۔ دنیا کا ہولناک منظر دیکھنے کے لئے فرشتے کناروں پر آ جائیں گے۔

و یحمل عرش۔ حاملین عرش فرشتے ”الامن شاء اللہ“ کے تحت ہونے کی وجہ سے ”فصعق من فی السموات“ سے مستثنیٰ ہوں گے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ آٹھ فرشتے مینڈھوں کی شکل پر ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان کے سر عرش سے ملے ہوئے اور پاؤں نچلی زمین پر ہوں گے اور پانچ سو سال کی مسافت کے برابر طویل سینک ہوں گے اور کھر سے پیٹھ تک زمین و آسمان کے برابر فاصلہ ہوگا اور یہ کہ کسی کا چہرہ انسانی اور کسی کا شیر جیسا اور کسی کا تیل جیسا اور کسی کا گدھ جیسا ہوگا۔ ابن جریر، ابن زید سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ اس وقت حاملین عرش چار ہیں اور قیامت میں آٹھ ہو جائیں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کا عدد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اب آٹھ صفوں میں ہوں گے اور حسن کہتے ہیں کہ ان کی صحیح تعداد اللہ کو معلوم ہے۔

۸ میں یا ۸ ہزار یا آٹھ صفیں۔ امام رازیؒ آٹھ افراد ماننا اولیٰ کہتے ہیں۔

ھاؤم یہ فعل صریح ہے یا اسم فعل بہر دو صورت خذوا کے معنی ہیں۔ یہاں آیت میں اسم فعل ہے جس میں مد و قصر دونوں لغت میں۔ مفرد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب میں یہ دونوں لغت ہیں۔ کاف خطاب بھی اس کے ساتھ لگتا ہے جس میں واقع کی مطابقت کی جائے گی۔ جیسے ہان، ہاء ن، ہاک، ہاء ک اور کاف خطاب کی جگہ اگر ہمزہ ہوگی تو اس میں کاف جیسا تصرف کیا جائے گا۔ جیسے ہاء یزید، ہائی یا ہد، ہاء ما، ھاؤم، ہانوں۔ یہ لغت القرآن ہے۔ لیکن اگر فعل صریح کے ساتھ ضمائر بارزہ مرفوعہ لگیں تو ان میں تین لغت ہوں گی۔ ایک یہ کہ عاطیٰ یعاطی کی طرح ہائی یا زید، ہائی یا ہند، ہانیا یا زید ان، یا ہندان ہاء و ایا زیدون، ہانین یا ہندات کہہ جائے۔ دوسرے یہ کہ ہب کی طرح کہا جائے۔ ہامی، ہاء ہا، ھاؤمان۔ ایسے ہی ہیں جیسے ہب ہی ہبا ہبوا۔ تیسرے لغت یہ کہ خف، خافی، خافا، خافوا، خفن کی طرح ہاء، ہائی، ہاء ا، ہاء وا، ہان کہا جائے۔ اسی طرح اس لفظ کے مدلول میں بھی اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ خذوا کے معنی میں ہے اور بعض نے تعالوا کے معنی لئے ہیں۔ اس صورت میں الیٰ کے ذریعہ متعدی ہوگا اور بعض نے قصد کے معنی لئے ہیں۔

کتسابہ۔ یا کافتہ ظاہر کرنے کے لئے ان کلمات میں ہائے سکتہ لائی گئی ہے اور کو فیوں کے مذہب پر اول کو اور بصریوں کے مذہب پر دوسرے کو عامل مان کر دوسرے فعل میں ضمیر لائی جائے گی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ”ھاؤم کتابی“ اقراء و اکتابیہ پہلے کو حذف کر دیا گیا ثانی کی دلالت کی وجہ سے۔ کوئی اولیت کی اور بصری قرب کی رعایت کرتے ہیں ہائے سکتہ وقف میں ثابت اور وصل میں ساقط ہونی چاہئے۔ مگر مصحف عثمانی میں موجود ہونے کی وجہ سے ہر حال میں ہا باقی رہے گی اور وقف کو وصل پر ترجیح دیتے ہوئے۔

انی ظننت۔ چونکہ الایمان بین الخوف الرجاء ہے اس لئے اللہ نے رجاء کو پورا کیا اور خوف سے بچایا۔

راضیۃ فاعل بمعنی مفعول ہے۔ ہنیثا حال اگر ہے تو ہنیثا بمعنی متہنین ہے یا مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای اکتلا

و شرباً ہنیثاً یا خود مصدر ہے۔ ای ہنتم ہنیثاً

سلطانیہ۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ سلطانیہ کی یہ دونوں تفسیریں ہیں۔ صاحب مفصل نے لکھا ہے کہ جس متحرک پر حرکت عربیہ نہ ہو وہاں وقف باظہار جائز ہے۔ حرکت کو محفوظ رکھنے کے لئے اور باوجود یکہ ترک حاصل ہے مگر مصحف عثمانی کی وجہ سے وقف و وصل دونوں حالتوں میں ہا باقی رہے گی بلکہ مثل متواتر سے بھی ہا ثابت ہے۔ جیسا کہ زخشرؒ نے ذکر کیا ہے اور بعض نے اصل کی



رعایت کرتے ہوئے حالت وصل میں حذف کر دیا ہے۔

سبعون ذراعا۔ حسنؒ تو کہتے ہیں کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون سا ذراع مراد ہے۔ ابن عباسؓ فرشتہ کی ذراع فرماتے ہیں معروف بکالی جو کہ کوفہ میں تھے وہ ذراع کے متعلق کہتے ہیں۔ سبعون باعاً والباع مابینک (الکوفۃ) و بین مکہ، اور امام محمد کی روایت سے ذراع کا طول مابین السماء والارض معلوم ہوتا ہے۔

فلیس له اليوم۔ یوم سے مراد آخرت ہے اور حمیم اور اس کے معطوفات لیس کا اسم ہے اور ظرف مقدم خبر ہے۔ روز خیوں کے کھانے کا ذکر اس آیت میں بھی ہے اور آیت ”شجرة الزقوم طعام الائم اور الامن ضریع الخ“ اور ”اولئک مایا کلون فی بطونہم الی النار“ میں بھی ہے، سب میں کوئی منافات نہیں بلکہ حصر اضافی ہے اور مقصد مشترک یہ ہے کہ وہ کھانا نفع سے خالی ہوگا۔ عسلین۔ ابن عباسؓ اس کے معنی صدید یعنی زخموں کا دھوون لے رہے ہیں۔

رسول کریم۔ یعنی بد خلقی سے کوسوں دور ہیں اور قرآن کلام الہی ہے اس کو اقوال رسول بلحاظ تبلیغ کہا گیا۔

تدکرون۔ تو منون اور تذکروں اہل کوفہ کی قرأت بالتحقیف ہے اور باقی قراء کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔

منہ الوتین مفسر نے ابن عباسؓ سے یہ تفسیر نقل کی ہے اور مجاہد کہتے ہیں۔ هو الجبل الذی فی الظهر

عنه حاجرین۔ ضمیر عننا آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے یا اہل کی طرف۔

وانه لتذکرة۔ یہ اور اس کے بعد کا عطف جواب قسم پر ہے پس یہ بھی منجملہ مقسم علیہ ہے۔

مکم مکذبین۔ مفسر نے ”مصدقین“ سے اشارہ کیا ہے کہ آیت میں واو سمیت معطوف محذوف ہو رہا ہے۔

لحق الیقین۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ صفت موصوف کی طرف مضاف ہو رہی ہے معنی یہ ہوں گے کہ جو قرآن کو مضبوط پکڑ کر

اس پر عمل پیرا ہو گا وہ اہل حق الیقین میں سے ہو جائے گا۔ یقین کے علی الترتیب تین مراتب ہیں علم الیقین، حق الیقین، عین الیقین۔

ربط آیات: .. سورۃ نون میں رسالت کے اثبات کے ساتھ کفار کے مجازات کا بیان تھا۔ اس سورت میں مجازات کی تحقیق

اور اس کا وقت اور اس میں ہونے والے بعض واقعات کا ذکر ہے اور ختم سورت پر قرآن کی حقانیت کا بیان ہے جس سے مجازات کی تحقیق

و تقریر بھی ہو رہی ہے کیونکہ قرآن اس پر دال ہے اور دلیل کی سچائی مدلول کے صحیح ہونے کو مستلزم ہے نیز قرآن کی صداقت پچھلی سورت

کے مضمون رسالت کے بھی مناسب ہے۔

﴿تشریح﴾: ..... الحاقۃ۔ قیامت کی وہ گھڑی جس کا آنازل سے علم الہی میں طے ہو چکا تھا اس وقت حق ناحق بالکل

کھلے طور پر الگ الگ ہو جائے گا اور تمام حقائق روز روشن کی طرح نمایاں ہو جائیں گے اور قیامت کا انکار کرنے والے سب کے سب مغلوب

ہو جائیں گے۔ جانتے ہو کہ وہ گھڑی کیسی ہے اور اپنے اندر کیا کچھ رکھتی ہے؟ اس کی کیفیات کا احاطہ شعور و ادراک سے باہر ہے تاہم بطور تمثیل چند

واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے قیامت کبریٰ کا ہلکا سا نمونہ ظاہر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قوم شمود و عاد نے اس آنے والی ساعت کو جھٹلایا جس

سے سارا عالم جھنجھوڑ کر رکھ دیا جائے گا اور بڑی سے بڑی مضبوط مخلوق کو زیروزبر اور یزوریزہ کر کے کھدے کی پھر دیکھ لو کہ دونوں کا انجام کیا ہوا؟

نافرمان قوموں پر عذاب الہی: ..... قوم شمود تو ایک بھونچال کی نذر ہو گئی جس سے سب تہہ و بالا ہو کر رہ گئے اور قوم عاد

پر ہوا کے ایسے سخت جھکڑ چلے کہ اور تو اور فرشتے جو ہوا کے انتظام پر مقرر ہیں ان کے ہاتھوں سے نکلی جاتی تھی۔ طاقت کے نشہ میں جو لوگ

چور تھے ہوا کے تھپیزوں نے انہیں اس طرح پچھاڑ کر رکھ دیا کہ گویا کھجور کے کھوکھلے اور بے جان تنے ہیں جس کا محض ٹھڈرہ گئی ہو۔ پس

آج کیا ان کا نام و نشان اور بیج باقی ہے۔ پھر ان دونوں قوموں کے بعد فرعون بڑھ چڑھ کر باتیں بناتا ہوا آیا اور اس سے پہلے قوم نوح و



شعیب و موط بھی آئیں جو گناہوں میں غرق رہیں اور اپنے پیغمبروں کی نافرمان رہیں۔ خدا سے مقابلہ آرائی میں لگے رہے آخر خدا نے سب کو ایسا پکڑا کہ کسی کی کچھ پیش نہ چل سکی۔ طوفان نوح تو اتنا خطرناک اور بھیانک تھا کہ اگر اللہ اپنا فضل و احسان نہ کرتا تو بظاہر اسباب کوئی بھی انسان نہ بچتا۔ مگر ہم نے اپنی قدرت و حکمت سے نوح اور ان کے ساتھیوں کو بچالیا بھلا ایسے عظیم الشان طوفان میں ایک کشتی کے سلامت رہنے کی کیا توقع ہو سکتی تھی مگر ”جسے خدا رکھے اسے کون چکھے“ اب رہتی دنیا تک لوگ اس کو یاد رکھیں اور جو کان معقول بات سنتے اور محفوظ رکھتے ہیں وہ کبھی نہ بھولیں کہ اللہ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہوا ہے اور سمجھیں کہ جس طرح یہاں پر فرمانبرداروں اور نافرمانوں کو الگ الگ کر دیا گیا ہے، قیامت کے ہولناک حادثہ میں بھی یہی حال ہوگا۔ جب ”نوح اولیٰ“ ہوگا تو زمین اور پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور سب کو کوٹ پیٹ کر ایک دم ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا جو آسمان لاکھوں سال گزرنے پر بھی اس درجہ مستحکم اور مضبوط ہو کہ کہیں ذرا سا بھی شگاف نہیں پڑا، اس روز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور درمیان سے پھٹے گا تو فرشتے آسمان کے کناروں پر سمٹ آئیں گے نوح ثانیہ کے وقت اور عرش جس کو اب تک وہ چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں جن کی قوت و طاقت اور بزرگی کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے قیامت کے دن ان فرشتوں کو دو گنا کر دیا جائے گا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرشتوں کے آٹھ ہونے پر دقیق و بسیط بحث کی ہے۔ یہاں یہ دوسرے ہو سکتا ہے کہ جب اذا نفخ سے نوح اولیٰ مراد ہے اور یومئذ اس کا بدل ہے اور وقعت اپنے معطوفات سمیت اس میں عامل ہے تو پھر عرش کا اٹھانا وغیرہ واقعات بھی نوح اولیٰ کے ہونے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح ہے، مگر قیامت ایک وسیع وقت ہے، اس کے تمام اجزاء حکم میں وقت واحد کے ہیں۔ اس لئے نوح ثانیہ کے واقعات کا ظرف نوح اولیٰ کو بھی کہہ سکتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ:..... یومئذ تعرضون۔ غرض اس وقت اللہ کی عدالت میں حاضر کئے جاؤ گے اور نیکی بدی سب کچھ منظر عام پر آ جائے گی۔ کوئی چیز چھپ نہ سکے گی۔ جس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ہوگا جو اس کے مقبول اور نجات یافتہ ہونے کی علامت ہوگی وہ خوشی کے مارے ہر ایک کو دکھلاتا پھرے گا کہ آدمیاں میرا اعمال نامہ تو ذرا پڑھو میں دنیا ہی میں سمجھتا تھا کہ ایک دن ضرور میرا حساب کتاب ہوگا اور اس خیال سے میں ڈرتا اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہا۔

آج اس کا خوش کن نتیجہ دیکھ رہا ہوں کہ بفضلہ میرا حساب صاف ہے۔  
قسطوفہا دانیۃ۔ جنت کے پھل ہر حال میں بہولت حاصل ہو سکیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ دنیا میں تم نے اللہ کے لئے نفسانی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس کی تکلیفیں اٹھائی تھیں اس لئے آج خوب رنج بس کر کھاؤ پو کوئی روک ٹوک نہیں نہ بد بھمی وغیرہ، نہ بیماری اور نہ اس کے ختم ہونے کا کھٹکا۔

دوزخیوں کی درگت:..... واما من اوتی کتابہ بشمالہ۔ جس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ سمجھ لے گا کہ آئی کمبختی۔ اس وقت حسرت سے آرزو کرے گا کہ کاش! یہ اعمال نامہ ہی نہ ملتا اور مجھے کچھ خبر نہ ہوتی اور اے کاش! موت ہمیشہ کے لئے میرا قصہ ہی ختم کر ڈالتی کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا نصیب نہ ہوتا یا اب پھر موت آ کر میرا القمہ کر لیتی۔ افسوس کہ آج میرے کچھ کام نہ آ سکا، نہ آج میری کوئی حجت اور دلیل چلتی ہے اور نہ عذر کی گنجائش ہے۔ فرشتوں کو ارشاد ہوگا کہ اسے پکڑو گلے میں طوق ڈال دو اور دوزخ میں لے جا کر جھونک دو اور ستر گز لمبی زنجیریں باندھ جوڑ کر ڈال دو کہ چلتے وقت حرکت نہ کر سکے اور تکلیف میں شدت محسوس کرے اتنی لمبی زنجیر کا راز اللہ کو معلوم ہے آگے دوزخیوں کی دنیاوی حالت کا بیان ہے کہ نہ انہوں نے دنیا میں رہ کر اللہ کو جانا، نہ بندوں کے حقوق پہچانے، خود تو محتاجوں کی مدد کیا کرتے تھے، دوسروں کو بھی ترغیب نہ دی، پھر نجات کیسی؟ اور عذاب میں تخفیف کیسی؟ اللہ کو جب

نہوں نے دوست نہ بنایا تو آج ان کا دوست کون بن سکتا ہے کہ جو مصیبت سے بچا سکے اور وقت پر کام آئے اور کھانا اگرچہ تقویت کا باعث ہوتا ہے مگر انہیں کوئی ایسا مرغوب کھانا مل سکے گا جو راحت و قوت کا باعث ہو۔ انہیں دوزخیوں کی پیپ ملے گی جسے گنہگاروں سے سوا کوئی نہیں کھا سکتا اور وہ بھی ہم بھوک پیاس کی شدت میں غلطی سے یہ سمجھ کر کھائیں گے کہ اس سے کچھ کام چلے گا مگر کھ کر ظاہر ہوگا کہ اس کا عذاب بھوک کے عذاب سے کچھ سوا ہی ہے۔

قرآن کیا ہے: ... فلا اقسام۔ فرمایا کہ جنت و جہنم کا بیان کوئی شاعری نہیں ہے، نہ کاہنوں کی اٹکل پچو باتیں ہیں، بلکہ ہم قسمیہ یقین دلاتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے جس کو ایک بزرگ فرشتہ لے کر آسمان سے ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اترا اور آسمان سے آنے والا اور زمین کو پہنچنے والے دونوں ہی رسول کریم ہیں۔ ایک کا کریم ہونا آنکھوں سے دیکھتے ہو اور دوسرے کا کریم ہونا پہلے کے بیان سے ثابت ہے۔ دراصل عالم میں دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک جن کو آدمی آنکھوں سے دیکھتا ہے، دوسرے کو آنکھوں سے نظر نہیں آتی مگر عقل وغیرہ سے انسان اس کے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ مثلاً ہم جتنا ہی آنکھیں پھاڑ کر زمین کو دیکھیں، تب بھی وہ چلتی ہوئی نظر نہ آئے گی۔ لیکن حکماء کے دلائل و برہین کے آگے ہم اپنی آنکھ کو غلطی پر سمجھتے ہیں اور اپنی یاد دوسرے عقلاء کی عقل کے ذریعے حواس کی ان غلطیوں کی اصلاح کر لیتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں ہے آخر اس کی غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی اس طرح ہو جس طرح علم میں ایک وحی الہی ہے جو غلطیوں سے اور کوتاہیوں سے مبرا ہے بلکہ تمام عقلی قوتوں کی اصلاح کر سکتی ہے۔

جس طرح حواس جہاں پہنچ کر عاجز ہوتے ہیں، وہاں عقل کام دیتی ہے۔ ایسے ہی جس میدان میں عقل مجرد کام نہیں دیتی یہ ٹھوکریں کھاتی ہے وہاں وحی الہی اس کی دستگیری کر کے ان بلند حقائق سے روشناس کرتی ہے۔ شاید اسی لئے یہاں ”ما تبصرون و ما لاتصرون“ کی قسم کھائی۔ یعنی جنت و دوزخ وغیرہ کے جو حقائق پہلی آیات میں بیان ہوئے ہیں اگر وہ محسوسات سے بلند ہونے کی وجہ سے تمہاری سمجھ میں نہ آئیں تو محسوس اور غیر محسوس چیزوں کی تقسیم سے سمجھ لو کہ یہ رسول کریم ﷺ کا کلام ہے جو حواس اور عقل سے باحقوق کی وحی الہی سے خبر دیتا ہے جب ہم بہت سی غیر محسوس بلکہ مخالف حس چیزوں کو اپنی عقل یا دوسروں کی تقلید سے مان پیتے ہیں تو بعض انہیں چیزوں کو رسول کریم ﷺ کے فرمانے کی وجہ سے ماننے میں کیا تامل ہے۔

دنیا میں ہمیشہ اچھوں کی کمی رہی ہے: ..... قلیلا ما تؤمنون۔ یعنی قرآن کا کلام الہی ہونا کبھی کبھی اس کی کچھ جھلک تمہارے دلوں میں آئی ہے جو ایمان و نجات کے لئے ناکافی ہے۔ پھر بھی آخر کار اس کو شاعری کہانت کہہ کر اڑا دیتے ہو۔ کیا واقعی انصاف سے کہہ سکتے ہو کہ یہ شاعر کا شاعرانہ کلام ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ شعر میں وزن اور بحر ہوتی اور قرآن میں اس کا پتہ نہیں۔ دوسرے شعروں کا کلام اکثر بے اثر ہوتا ہے اور ان کے اکثر مضامین محض خیالی اور وہمی ہوتے ہیں اور قرآن کریم سراسر حقائق ہے اور محکم اصولوں، قطعی دلیلیوں، یقینی حجتوں سے لبریز ہے۔ پورا دھیان دو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کسی کاہن کا کلام نہیں ہے، کیونکہ ان کا کلام جناتی ہوا کرتا ہے اور جناتی کلام معجزہ نہیں ہوتا کیونکہ ایک جن جس طرح ایک کاہن کو کلام سکھاتا ہے دوسرا جن بھی ویسا ہی کلام دوسرے کاہن کو سکھل سکتا ہے۔ برخلاف قرآن کریم کے سب جس و انس مل کر بھی اس جیسا کلام نہیں بنا سکتے نیز کاہنوں کے کلام میں بہت سے الفاظ محض تک بندی کے طور پر بالکل بے کار، بے فائدہ بھرتی کے ہوتے ہیں اور اس کلام الہی میں ایک حرف یا ایک شوشہ بھی بیکار و بے فائدہ نہیں۔ پھر کاہنوں کی باتیں صرف چند مبہم معمولی خبریں ہوتی ہیں لیکن علوم عالیہ اور حقائق ان کے بس سے باہر کی بات ہے۔ برخلاف قرآن کریم کے، وہ ادیان و شرائع کے اصول و قوانین اور معاش و معاد کے دستور و آئین اور آسمانوں کے چھپے ہوئے بھیدوں اور

فرشتوں، جنت و دوزخ کے بیانات پر مشتمل ہے اسی لئے سارے جہان کے اعلیٰ اور محکم ترین اصول اس میں بیان ہوئے ہیں۔

جھوٹے اور سچے نبی کا فرق :- ..... ولو تقول علينا کسی کے گردن مارنے اور قتل کرنے کا دستور یہ تھا کہ جلا داس کا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑ رکھتا تھا تا کہ قتل سے پھر کر وہ آدمی بھاگ نہ جائے۔ اسی دستور پر فرمایا جاتا ہے کہ اگر اللہ کا رسول، اللہ پر جھوٹ بنا تا تو اللہ اس کا دشمن ہو جاتا اور ہاتھ پکڑ کر اس کی گردن مار دیتا۔ حاصل یہ ہے کہ بالفرض اگر رسول کوئی بات اللہ کی طرف غلط منسوب کر دے یا اس کے کلام میں اپنی طرف سے ملا دے تو فوراً اس پر عذاب آ جائے۔ غرضیکہ جھوٹے مدعی نبوت کو پختہ نہیں دیا جاتا بلکہ فی الفور ہلاک کر دیا جاتا ہے یا اس کا جھوٹ ظاہر ہو جانے سے ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔ ورنہ وحی الہی سے امن اٹھ جائے اور ایسا التباس و اشتباہ پڑ جائے جس کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی جو حکمت تشریح کے خلاف ہے لیکن جس کا رسول ہونا آیت و براہین سے ثابت نہیں ہوا، بلکہ کھلے ہوئے دلائل اور علانیہ قرآن اس کی رسالت کی نفی کر چکے ہیں تو اس کی بات بے ہودہ اور خرافات ہے کوئی مقلد اس کو لائق توجہ نہیں سمجھے گا اور نہ دین الہی میں کوئی اشتباہ و التباس ہوگا۔

ہاں البتہ معجزات وغیرہ سے اس کی صداقت ثابت ہونا بھی محال ہے۔ بلکہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جھوٹا ثابت کرنے اور اس کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے ایسی باتیں ظاہر کر دے جو اس کے جھوٹے دعویٰ کے برخلاف ہوں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بادشاہ کسی شخص کو کسی اعلیٰ منصب پر مقرر کرے اور سند و فرمان دے کہ کہیں اس کو روانہ کرے۔ اب اگر اس سے بادشاہ پر جھوٹا بادندہ بنا ثابت ہو جائے یا خدمت میں کوئی خیانت اس سے سرزد ہو جائے تو فوراً اس کا تدارک کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر سرک کوٹنے والا مزدور یا جھارو دینے والا بھنگی بلاتا پھرے کہ میرے لئے بادشاہ کا یہ فرمان ہے اور گورنمنٹ نے میرے ذریعہ یہ احکام دیئے ہیں تو کون اس کی بات پر دھیان دیتا ہے اور کان دھرتا ہے اور کون اس کے دعوؤں کی تردید کرتا ہے بہر حال اس آیت میں حضور ﷺ کی نبوت پر استدلال نہیں ہے، بلکہ منشاء یہ ہے کہ کلام الہی ہے جس میں ایک شوشہ بھی نبی کریم ﷺ اپنی طرف سے ملا نہیں سکتے اور نہ آپ کی یہ شان ہے کہ آپ کوئی بات اللہ کی طرف سے یوں ہی منسوب کر دیں۔

قرآن حقائق کا سرچشمہ ہے :- ..... وانہ لتذکرہ اللہ سے ڈرنے والے تو اس کلام کو سن کر نصیحت حاصل کرتے ہیں اور جن کے دل میں ڈر نہیں وہ ان کو جھٹلائیں گے مگر ایک وقت آنے والا ہے کہ یہی کلام اور ان کا یہ جھٹلانا سخت حسرت و پشیمانی کا سبب ہوگا اس وقت وہ پچھتا نہیں گئے کہ کیوں ہم نے اس سچی بات کو جھٹلایا تھا جو آج یہ آفت دیکھنی پڑی حالانکہ یہ کتاب ایسی ہے کہ جس پر یقین سے بھی بڑھ کر یقین رکھا جائے کیونکہ اس کے مضامین میں سرتاسر سچ اور ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آدمی اس پر ایمان لا کر اپنے رب کی تسبیح و حمد میں مشغول ہو۔

لطايف سلوک :- ..... ولو تقول علينا الخ جس طرح جھوٹے نبی کا حال ہے، اسی طرح جھوٹا مدعی ولایت ہلاک کیا جاتا ہے۔ مگر نبوت ایک امر ظاہر ہے اس کا جھوٹا مدعی ظاہراً بھی ہلاک ہوتا ہے اور ولایت باطنی امر ہے اس کا جھوٹا مدعی باطنی طور پر ہلاک ہوتا ہے جس کا پتہ اہل باطن کو چل جاتا ہے۔ اس کے آثار خذلان و ظلمت ہے اس لئے اہل اللہ جس سے نفرت کریں اس سے بچنا چاہئے۔

وانہ لحق اليقين۔ صوفیاء کی اصطلاح میں یقین کے تین مراتب ہیں۔ سب سے اعلیٰ عین الیقین، اس سے کم حق الیقین، اس سے کم علم الیقین کا درجہ ہے۔ سورہ تکوین میں بھی علم الیقین کے یہی معنی ہیں۔

## سُورَةُ الْمَعَارِجِ

سُورَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ أَرْبَعٌ وَأَرْبَعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَالِ سَائِلٌ دَعَا دَاعٍ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ﴿١﴾ لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ﴿٢﴾ هُوَ الَّذِي نُنْزِلُ الْحَارِثَ قَالَ اللَّهُ  
إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ الْآيَةُ مِنَ اللَّهِ مُتَّصِلٌ بِوَاقِعِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿٣﴾ مَصَاعِدُ الْمَلَأِ بُكَّةٍ وَهِيَ السَّمَوَاتُ  
تَعْرُجُ بِالنَّاءِ وَالنَّاءِ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ جِبْرِيلُ إِلَيْهِ إِلَى مَهَبِّطِ أَمْرِهِ مِنَ السَّمَاءِ فِي يَوْمٍ مُتَعَلِّقٍ  
بِمُحْذُوفٍ أَيْ يَقَعُ الْعَذَابُ بِهِمْ فِي يَوْمِ الْقِيَمَةِ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴿٤﴾ بِالنِّسْبَةِ إِلَى  
الْكَافِرِ لَمَّا يُلْقَى فِيهِ مِنَ الشَّدَائِدِ وَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَكُونُ عَلَيْهِ أَحْفٌ مِنْ صَلَوةٍ مَكْتُوبَةٍ يُصَلِّيَهَا فِي الدُّنْيَا  
كَمَا حَاءَ فِي الْحَدِيثِ فَاصْبِرْ هَذَا قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَ بِالْقِتَالِ صَبْرًا جَمِيلًا ﴿٥﴾ أَيْ لَا فَرْعَ فِيهِ إِنَّهُمْ يَرُونَهُ  
أَيَّ الْعَذَابِ بَعِيدًا ﴿٦﴾ غَيْرُ وَاقِعٍ وَنَرَبُهُ قَرِيبًا ﴿٧﴾ وَأَفْعَالًا مُحَالَةً يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ مُتَعَلِّقًا بِمُحْذُوفٍ  
أَيْ يَقَعُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ كَذَائِبِ الْفِضَّةِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ كَالصُّوفِ فِي الْخِصْفَةِ وَالطَّيْرَانِ  
بِالرَّيْحِ وَلَا يُسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿١٠﴾ قَرِيبٌ قَرِيبُهُ لِاشْتِغَالِ كُلِّ بِحَالِهِ يُبْصِرُونَهُمْ يُبْصِرُ الْأَحْمَاءُ  
نَعْضُهُمْ بَعْضًا وَيَتَعَارَفُونَ وَلَا يَتَكَلَّمُونَ وَالْجُمَلَةُ مُسْتَانِفَةٌ يَوْمَ الْمُجْرِمِ يَتَمَنَّى الْكَافِرُ لَوْ بِمَعْنَى أَنْ  
يَفْتَدِي مِنْ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ بِكُسْرِ الْمِيمِ وَفَتْحِهَا بِبَيْنٍ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهِ زَوْجَتِهِ وَأَخِيَّتُهُ ﴿١٢﴾ وَفَصِيلَتِهِ  
عَشِيرَتُهُ لِفَضْلِهِ مِنْهَا الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿١٣﴾ تَضُمُّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ﴿١٤﴾ ذَلِكَ الْإِفْتِدَاءُ  
عُطْفٌ عَلَى يَفْتَدِي كَلَّا رَدْعٌ لِمَا يُؤَدِّيهِ إِنَّهَا أَيْ النَّارُ لَطْفٌ ﴿١٥﴾ اسْمٌ لِحَبْنَمَ لِأَنَّهَا تَلْطِئُ أَيْ تَتَلَهَّبُ عَلَى  
الْكَفَّارِ نَزَاعَةً لِلشَّوَى ﴿١٦﴾ جَمْعُ شَوَاةٍ وَهِيَ جِلْدَةُ الرَّاسِ تَدْعُوا مَنْ أَدْبَرُوا تَوَلَّى ﴿١٧﴾ عَنِ الْإِيمَانِ

بَانَ تَقُولَ إِلَىٰ إِلَهِی وَجَمَعَ الْمَالَ فَأَوْعَىٰ ﴿۷۸﴾ اَمْسَكَهُ فِی وَعَائِهِ وَلَمْ یُؤَدِّ حَقَّ اللّٰهِ تَعَالٰی مِنْهُ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوًّا عَا ﴿۷۹﴾ حَالٌ مُّقَدَّرَةٌ وَتَفْسِیْرُهُ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿۸۰﴾ وَقَتَ مَسِّ الشَّرِّ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ﴿۸۱﴾ وَقَتَ مَسِّ الْخَیْرِ اِی الْمَالِ لِحَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰی مِنْهُ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ﴿۸۲﴾ اِی الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاحِهِمْ دَائِمُوْنَ ﴿۸۳﴾ مَوَاطِبُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۸۴﴾ هُوَ الزَّكٰوَةُ لِلْسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۸۵﴾ الْمُتَعَفِّفِ عَنِ السُّوْاْلِ فِیْ حَرَمٍ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۸۶﴾ الْجَزَاءُ وَالَّذِیْنَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۸۷﴾ خَائِفُوْنَ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَیْرُ مَأْمُوْنٍ ﴿۸۸﴾ نَزْوَلُهُ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُوْنَ ﴿۸۹﴾ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ مِنْ الْاَمَآءِ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُومِیْنَ ﴿۹۰﴾ فَمَنْ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۹۱﴾ الْمُتَجَاوِزُوْنَ الْحَلَآلَ اِلَی الْحَرَامِ وَالَّذِیْنَ هُمْ لَا مَدَنَتِهِمْ وَفِی قِرَآءَةٍ بِالْاَفْرَادِ مَا اتَّخَذُوا عَلَیْهِ مِنْ اَمْرِ الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَعَهْدِهِمْ الْمَآحُوْدُ عَلَیْهِمْ فِی ذٰلِكَ رَءُوْنٌ ﴿۹۲﴾ حَافِظُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ وَفِی قِرَآءَةٍ بِالْجَمْعِ قَائِمُوْنَ ﴿۹۳﴾ یُقِیْمُوْنَهَا وَلَا یُكْتُمُوْنَهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاحِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۴﴾ بِاَدَائِهَا فِیْ اَوْقَاتِهَا اُولٰٓئِكَ فِی جَنَّتِ مُكْرَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا قَبْلَكَ نَحْوَكَ مُهْطِعِیْنَ ﴿۹۶﴾ حَالٌ اِی ۲۵ مُدِیْمِ النَّظَرِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ مِنْكَ عَزِیْزِیْنَ ﴿۹۷﴾ حَالٌ اَیْضًا اِی جَمَاعَاتٍ خَلَقًا خَلَقًا یَقُولُوْنَ اِسْتَهْزَآءًا بِالْمُؤْمِنِیْنَ لَئِنْ دَخَلْ هٰؤُلَاءِ الْجَنَّةَ لَنَدْخُلَنَّهَا قَبْلَهُمْ قَالَ تَعَالٰی اَیْطَمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ اَنْ یُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ﴿۹۸﴾ كَلَّا رَدِّعْ لَهُمْ عَنْ طَمَعِهِمْ فِی الْجَنَّةِ اِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ مَّاءٍ یَعْلَمُوْنَ ﴿۹۹﴾ مِنْ نُّطْفٍ فَلَا یَطْمَعُ بِذٰلِكَ فِی الْجَنَّةِ وَاِنَّمَا یُطْمَعُ فِیْهَا بِالتَّقْوٰی فَلَا لَا زَائِدَةٌ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَسَائِرِ الْكَوَاكِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ عَلٰی اَنْ نُّبَدِّلَ نَآئِیْ بَذَلَهُمْ خَیْرًا مِنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمُسْبِقِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ بِعَاجِزِیْنَ عَنْ ذٰلِكَ فَذَرُّهُمْ اَتْرُكُهُمْ یُخَوِّضُوا فِی بَاطِلِهِمْ وَیَلْعَبُوا فِی دُنْیَاهُمْ حَتّٰی یُلْقُوا یُلْقُوا یَوْمَهُمْ الَّذِیْ یُوعَدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ فِیْهِ الْعَذَابُ یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ الْقُبُورِ سِرَآعًا اِلَی الْمَحْشَرِ کَاَنَّهُمْ اِلَی نَضْبٍ وَفِی قِرَآءَةٍ بِضَمِّ الْحَرْفِیْنَ شِیْءٌ مِّنْ صُوْبٍ كَعَلَمٍ اَوْ رَاِیَةٍ یُوفِضُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ یُسْرِعُوْنَ خَاشِعَةً ذَلِیْلَةً اَبْصَارُهُمْ تَرَهَّقُهُمْ تَغْشَاهُمْ ذَلَّةٌ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوا یُوعَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ ذٰلِكَ مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدُهُ الْخَبَرُ وَمَعْنَاهُ یَوْمُ الْقِیَمَةِ

سورۃ معارج مکیہ ہے۔ جس میں ۴۴ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: ایک درخواست کرنے والا درخواست کرتا ہے (دعا مانگنے والا دعا مانگتا ہے) اس عذاب کی جو کافروں پر ہونے والا ہے، جس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں ہے (نضر بن الخارث مراد ہے جس نے دعا کی تھی۔ اللہم ان کان هذا هو الحق فامطر علینا) جو اللہ کی طرف سے (اس کا تعلق واقع سے ہے) جو بیڑھیوں کا مالک ہے (فرشتوں کو آسمانوں پر چڑھانے والا ہے) چڑھ کر جاتے ہیں (تا اور پاک ساتھ ہے) فرشتے اور روح (جبریل) اس کے پاس (آسمان کے اس حصہ میں جہاں حکم الہی آتا ہے) ایسے دن میں ہوگا (اس کا تعلق محذوف سے ہے اسی یقع العذاب بہم فی یوم القیامۃ) جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے (یہ مقدار کافروں کو وہاں کی سختی کی وجہ سے معلوم ہوگی، ورنہ مومن کے لئے وہ دن دنیا کی ایک فرض نماز سے بلکا پھلکا معلوم ہوگا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے) سا آپ سہرے (یہ علم جہاں شریعت سے پہلے کا ہے) بہترین مہر (جس میں حرف شکایت نہ آئے) ایسے لوگ اس (عذاب) کو بعید دیکھ رہے ہیں (یعنی نہیں آئے گا) اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں (یعنی ضرور واقع ہو کر رہے گا) جس دن آسمان ہو جائے گا (اس کا تعلق محذوف یعنی یقع کے ساتھ ہے) تلخٹ (پگھلی ہوئی چاندی) کی طرح اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے (ہلکے ہونے اور ہوا میں اڑنے کے لحاظ سے رولی کی طرح ہو جائیں گے) اور کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (کیونکہ ہر ایک کو نفسا نفسی پڑی ہوگی) ایک دوسرے کو دھتھی، یہ جائیں گے (عزیز، قریب ایک دوسرے کو پہچان لیں گے مگر بات نہیں کر سکیں گے۔ جملہ مستانہ ہے) مجرم (کافر) تمنا کرے گا کہ کاش، وہ نہ یہ میں دے دے اس روز کے عذاب سے (یومئذ کسرہ میم اور فتح میم کے ساتھ ہے) اپنے بیٹوں، بیوی، بھائی، کنبہ کو (خاندان و فیصلہ کہتے ہیں کیونکہ یہ اس سے نکلا ہے) جن میں وہ رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دے دے۔ پھر یہ اس کو پی۔ (فدیہ دینا، اس کا عطف بختہ کی پر ہے) یہ ہرگز نہ ہوگا (تمنا پر ڈانٹ ہے) وہ (آگ) ایسی شعلہ زن ہوگی (لظی جہنم کا نام ہے کیونکہ وہ غار پر دھکے گا) اہال کو اتار دے گی (شواۃ کی جمع ہے سر کی کھال کو کہتے ہیں) وہ اس شخص کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیری ہوگی ورنہ رخی کی ہوگی (ایمان سے، یہ کہے گی کہ آ) اور (مال) جمع کیا ہوگا اور اٹھا اٹھا رکھا ہوگا (خزانہ میں محفوظ۔ اور اس میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کیا ہوگا۔ انسان تم بہت پیدا ہوا ہے) حال مقدورہ ہے جس کی تفسیر آگے ہے) جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (تکلیف کے وقت) جزع فزع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فارغ البالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے (خیر یعنی مال حاصل ہونے پر اللہ کا حق د کرنے میں) مگر وہ نمرزی (مومن) جو اپنی نماز پر برابر توجہ (پابندی) رکھتے ہیں اور جن کے مالوں میں مقررہ حق (زکوٰۃ) ہے سوائے غیر سوائے سب کے لئے (محروم جو سوال نہ کرنے کی وجہ سے محروم رہ جائے) اور قیامت (جزا) کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے (خائف) ہیں۔ واقعی ان کے پروردگار کا عذاب (نازل ہونا) ب خوفی کی چیز نہیں ہے اور اپنی شرمگاہوں حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی باندیوں سے کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ ہاں! جو اس کے علاوہ طلبگار ہو۔ ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں (حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے والے) اور اپنی امانتوں (ایک قرأت میں مفرد لفظ کے ساتھ ہے، یعنی دین و دنیا کی کوئی بھی امانت) اور اپنے عہد سے (جو اس پر ان سے لیا جائے) پاس (خیال) رکھنے والے ہیں اور اپنی شہادت کو (ایک قرأت میں جمع کے ساتھ ہے) ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں (چھپاتے نہیں) اور اپنی نماز کی (بروقت) پابندی کرتے ہیں ایسے لوگ بہشت میں عزت سے داخل ہوں گے۔ سو کافروں کو کیا ہوا کہ آپ کی جانب (طرف) دوڑے آ رہے ہیں (حال ہے۔ یعنی نظر جمائے ہوئے) دائیں بائیں سے (آپ کی طرف) جماعتیں بن بن کر (یہ بھی حال ہے، یعنی حلقے بنانا کہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے اگر یہ جنت میں گئے تو ہم ان سے پہلے جائیں گے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) کیا ان میں سے ہر شخص اس کی طمع رکھتا ہے کہ وہ آسائش کی جنت میں داخل کر لیا جائے گا۔ یہ ہرگز نہ ہوگا (جنت میں جانے کی ہوس پر ڈانٹ ہے) ہم نے ان کو (اوروں کی طرح) ایسی چیز سے پیدا کیا، جس کی ان کو بھی خبر ہے۔ (یعنی نطفہ سے پھر محض اس کی وجہ سے جنت میں جانے کی کیسے ہوس رکھتے ہیں ہاں تقویٰ کی بنیاد پر امید رکھی جاسکتی ہے) پھر (لا زائد)



ہے) میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں، مغربوں کے مالک کی (آفتاب ماہتاب ستارے سب اس میں آ گئے) کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ ہم ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ بدل کر لے آئیں اور ہم عاجز نہیں ہیں سو آپ ان کو رہنے دیجئے (چھوڑ دیئے) اس شغل (باطل) اور تفریح (دنیا) میں یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو (واسطہ پڑے) جس میں ان سے (عذاب کا) وعدہ کیا جاتا ہے۔ جس دن یہ قبروں سے نکل کر (محشر کی طرف) اس طرح دوڑیں گے۔ جیسے یہ کسی پرستش گاہ کی سمت (ایک قرأت میں دونوں حرفوں کا ضمہ ہے ایسی چیز جو کھڑی کی جائے جیسے جھنڈا وغیرہ) دوڑتے ہیں ان کی آنکھیں نیچے کوجھکی (ذلیل) ہوں گی ان پر رسوائی چھائی ہوگی یہ ہے ان کا وہ دن جس کا ان سے وعدہ آیا جاتا ہے (دلک مبتداء ہے اور بعد کا جملہ خبر ہے، مراد قیامت کا دن ہے)۔

**تحقیق و ترکیب:** . . . . . بعد از واقع باتعدیہ کے لئے ہے اور دعا بمعنی استدعا ہے۔ یا استعجل کے معنی کو متضمن ہے۔ واقع بمعنی سیفیع ہے دنیاوی عذاب تو غزوہ بدر کی صورت میں ہوا جس میں نصر بن حارث مارا گیا اور آخرت کا عذاب مزید برآں ہے۔ لیسکھریں۔ اس میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ سال کے متعلق ہو جو بمعنی دعا ہے۔ ای دعا لہم دوسرے یہ کہ واقع کے متعلق ہو اور اس میں ام عت ہے۔ ای نازل لا جملہم۔ تیسرے یہ کہ لام بمعنی علی ہو۔ ای واقع علی الکافرین۔ چنانچہ حضرت ابی قرأت علی الکافرین سے اس کی تائید ہوتی ہے اس صورت میں اس کا تعلق واقع کے ساتھ ہوگا۔

لیس لہ۔ یہ عذاب کی دوسری صفت ہے جو اظہر ہے اور جملہ مستاتھ بھی ہو سکتا ہے یا عذاب سے یا ضمیر کافرین سے حال ہے۔

مس اللہ اس کا تعلق واقع سے ہے اور لیس لہ جملہ معترضہ ہوگا عامل معمول کے درمیان جب کہ اس کو مستاتھ مانا جائے۔

لیکن عذاب کی صفت، نئے کی صورت میں معترضہ نہیں ہوگا۔

ذی المعارج۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ عروج کے معنی صعود کے ہیں اور بعض نے مومنین کے جنتی مدارج مراد لئے ہیں۔ والروح۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ یہ عطف خاص علی العام ہے اور الیہ میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اللہ کی طرف فرشتوں کے صعود کرنے سے لازم آتا ہے کہ اللہ کسی مکان میں ہو۔ مفسر نے مہبط امرہ سے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یعنی مضاف محذوف ہے اور "مہبط امر" سے مراد آسمان ہے۔

مقدارہ الف سنة۔ یعنی فرشتوں کے علاوہ دوسری چیزوں کو دنیا کے وقت سے پچاس ہزار سال چڑھائی میں لگیں گے کیونکہ ہر زمین کا پانچ سو سال کی مسافت کا ہے۔ اسی طرح ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال مسافت ہے اسی طرح چودہ ہزار سال کی مسافت ہوگئی پھر ساتویں آسمان سے عرش تک چھتیس ہزار سال کی پس مجموعی مسافت پچاس ہزار سال ہوگئی جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے یا اس مقدار کا تعلق لفظ واقع سے ہے یعنی عذاب آخرت اتنے طویل دن میں واقع ہوگا اور یہ طوالت حقیقہ ہوگی یا کفار کے اعتبار سے اضافی ہوگی کہ انہیں پچاس جگہوں میں رکھا جائے گا اس طرح کہ ہر جگہ میں ہزار سال پڑے رہیں گے برخلاف مومنین کے، انہیں قیامت کا دن مختصر معلوم ہوگا جیسے ظہر و عصر کا درمیانی وقفہ چنانچہ امام احمدؒ اور ابن حبانؒ نے ابوسعید خدریؓ سے مرفوع روایت اسی طرح نقل کی ہے۔

فاصبر۔ اس کا تعلق سال سے ہے یعنی اس کے تسخرانہ سوال پر آپ صبر کیجئے۔ مقصود سلی ہے۔

نواہ۔ صیغہ جمع میں تعظیم مقصود ہے۔

یوم نکون السماء۔ اس میں کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق لفظ قریباً سے ہو اور یہی ظاہر ہے البتہ نواہ کی ضمیر عذاب کی طرف راجع ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اس کا تعلق محذوف کے ساتھ ہو جس پر لفظ واقع دلالت کر رہا ہے۔ ای یقع یوم الح تیسرے یہ کہ اس کا تعلق بعد میں مقدر مانا جائے۔ ای یوم یکون السماء یکون کیت و کیت۔ چوتھے یہ کہ نواہ کی ضمیر سے بدل مانا جائے، جبکہ اس کا مرجع یوم القيامة ہے۔

کالمہل۔ حسن نے پچھلی ہوئی چاندی کے معنی لئے ہیں۔ لیکن ابن عباسؓ تلچھٹ کے معنی لیتے ہیں۔



لا یسنل حمیم۔ اس کے بعد یصرونہم میں دونوں ضمیریں جمع ہیں کیونکہ حمیم، حمیماء، دونوں نکرہ تحت لفظی ہونے سے عام ہیں۔  
یومئذ۔ انتر قراء کے نزدیک کسرہ میم کے ساتھ ہے عذاب کے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے اور نافع، کسائی کے نزدیک فتح کے ساتھ ہے مضاف الیہ کے معنی قبول کرنے کی وجہ سے۔

لفصیلندہ۔ فاعیل بمعنی مفعول اولاد بھی والدین سے نکلتی ہے اور والدین اولاد سے جدا ہو جاتے ہیں اس لئے فیصلہ کیا جائے گا۔  
کلا یہاں حقاً کے معنی میں بھی ہو سکتے ہیں۔ جبکہ ”ثم ینجیہ“ پر کلام پورا ہو جائے۔ لیکن اگر لانا فیہ کے معنی میں ہو تو پھر کلام پورا ہوگا۔

انہا لظی۔ ضمیر جنہم کی طرف راجع ہے جو عذاب سے مفہوم ہو رہا ہے اور لظی ان کی خبر اور نزاعۃ خبر ثانی ہے لظی اصل میں لپٹ کو کہتے ہیں۔ جنہم کا علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے تانیث و علیت کی وجہ سے، اور بعض نے ضمیر قصد کی طرف راجع کی ہے اور بعض کے نزدیک ضمیر مبہم ہے جس کی ترجمانی خبر کر رہی ہے۔ جیسا کہ زخشری کی رائے ہے۔ پہلی صورت میں لظی ان کی خبر ہوگا اور نزاعۃ خبر ثانی ہے یا مبتداء ہے محذوف کی خبر ہے ای ہی نزاعۃ یا لظی ضمیر منسوب سے بدل ہو اور نزاعۃ ان کی خبر ہو۔  
تدعوا۔ دوزخ یا خزانہ جنہم کی طرف ضمیر راجع ہے۔

ہلوعا۔ حال مقدرہ ہے خلق سے ہلوع کہتے ہیں۔ ایسی حالت کو جو نہ خوشی کو سنبھال سکے اور نہ غمی کو۔ ناقہ ہلوع، پھر تیلی اوٹنی۔ حاصل یہ ہے کہ یہ اوصاف نہ خلقت کے وقت تھے نہ ولادت کے وقت۔

جزوعا۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اذا جزوعا کا معمول ہے اور ”جزوعا و منوعا“ میں تین صورتیں ہیں۔ ہلوعا کی ضمیر سے دونوں حال ہوں۔ ای ہلوعا حال کو نہ جزوعا وقت مس الشر و منوعا وقت الحیر۔ دوسرے یہ کہ کان یا صار مضمکر کی خبر ہوں۔ ای اذا مع الشر کان جزوعا و اذا مع الخیر کان منوعا۔ تیسرے یہ کہ یہ دونوں ہلوعا کی صفتیں ہوں۔

لامانائہم۔ ابن کثیر کے نزدیک مفرد اور باقی قراء کے نزدیک جمع کی قرأت ہے۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ امانت اسم جنس ہے۔ امانت منجانب اللہ احکام شرع ہیں اور مخلوق کی امانت مال وغیرہ کو ودیعت رکھنا۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ امانت جوارج کی حفاظت اور عہد قلب کی حفاظت، توحید کے متعلق اور رعایت کسی چیز کی نگرانی، حفاظت اور دیکھ بھال کو کہتے ہیں چنانچہ احادیث میں خیانت کو منافق کی حفاظت کہا گیا ہے۔

بمحافظون۔ پہلے دانعون فرمایا گیا۔ مفسر نے دونوں میں فرق کی طرف اشارہ کیا ہے نماز کا دوبارہ ذکر اہتمام کے لئے ہے اور خود اس کلام میں بھی تاکیدات ہیں۔ مثلاً: ضمیر کا مقدم کرنا، جار مجرور کا فعل پر مقدم کرنا بعض جملہ اسمیہ ہیں جن میں دوام و ثبات ہے اور بعض فعلیہ ہیں جن میں استمرار تجدیدی ہے۔ فعال الذین۔ ما مبتداء الذین کفر و اخیبر ہے۔ ای ای شئ ثبت لہم و حملہم علی نظرہم البک اور قبلک اور معطین اور عن الیمین وعن الشمال اور عزیزین چاروں حال ہیں۔ موصول سے عربین کے معنی جماعات کے ہیں۔ یہ جمع ہے۔ عزہ بمعنی جماعت کی اور حلقا سے اشارہ ہے کہ عزیزین متعلق ہے یمین کا اور یقولون سے مفسر نے شان نزول اگلی آیت کا بیان کیا ہے اور فعال کلام حضرت عثمان کے مصحف کے اتباع میں علیحدہ لکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا رسم الخط بھی ماثور اور توقیفی ہے۔ اس میں رائے و قیاس کو دخل نہیں ہے۔ ابوالتبار عزیزین کو معطین سے حال متداخلہ کہتے ہیں اور عن الیمین کا تعلق عزیزین سے ہے اور محذوف سے متعلق ہو کر حال بھی ہو سکتا ہے۔

مما یعلمون۔ یعنی گندے قطرہ سے پیدا کئے گئے جو عالم قدس کے شایان شان نہیں ہے پھر بغیر ایمان و عمل کس طرح جنت کا استحقاق سمجھتے ہیں ہاں صفات ملکیت کے ساتھ البتہ استحقاق کہیں تو صحیح ہے۔

علی ان یندل۔ چنانچہ مہاجرین و انصار کو اللہ نے نعم البدل بنا دیا۔  
یسومہم۔ یوم کی اضافت چونکہ سب انسانوں کی طرف صحیح ہے اور کفار منجملہ انسانوں کے ہیں اس لئے ان کی طرف

اضافت کر دی گئی ہے یا کہا جائے کہ قیامت کا دن کفار کے حق میں یوم العذاب اور مومنین کے حق میں یوم الثواب ہے۔ گویا اس حیثیت سے دو دن ہو گئے اس لئے یوم کی اضافت صرف کفار کی طرف بلحاظ عذاب کے ہوئی۔

الی نصب۔ بت یا نشان۔ عام قرآنہ فتح اور سکون کے ساتھ اور ابن عامر اور حفص کے نزدیک دونوں حرف مضموم ہیں اور ابو عمران الجوی اور مجاہد دونوں حرفوں پر فتح پڑھتے ہیں اور حسن و قتادہ ضمہ اور سکون اول کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اسم مفرد تیر تھ گاہوں اور مندروں میں جو جھنڈے لگے رہتے ہیں۔ لیکن ابو عمر کہتے ہیں کہ جال کی ڈور کو نصب کہا جاتا ہے کہ شکاری شکار پھنسنے پر فوراً اس کی طرف لپکتے ہیں لیکن دوسری قرأت یعنی ضمتین کی صورت میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اسم مفرد ہو جس کے معنی بت کے ہیں جس کی پرستش کی جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ نصاب کی جمع ہے جیسے: کتاب کی جمع کتب۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نصب کی جمع ہو۔ جیسے: رہن کی جمع رہن۔ اور سقف کی جمع سقف۔ یہ ابوالحسن کی رائے ہے اور انصاب جمع الجمع ہوگی۔ اور تیسری قرأت ضمتین کی، اس میں فعل بمعنی مفعول ہے جیسے قبض بمعنی مقبوض اور چوتھی قرأت دوسری قرأت کی تخفیف ہے۔ ابن عباس نصب کے معنی جھنڈے کے اور بعض نے بت اور پوجا کے پتھر کے معنی لئے ہیں۔ جیسے عاذیج علی النصب فرمایا گیا۔

یوفضون۔ بمعنی یسرعون یا یسبقون یا ینتلقون ہے جو قریب قریب ایک ہی معنی ہیں۔

رابط آیات: ... سورۃ حاقہ کی طرح اس سورت میں بھی مجازات کا اور بعض ایسے اعمال کا بیان ہے جو موجب مجازات ہیں۔

﴿تشریح﴾: ..... عذاب کی درخواست کرنے والے اگر پیغمبر ہیں تو تب مطلب یہ ہے کہ کفار پر عذاب الہی ضرور آئے گا۔ کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گا۔ لیکن اگر عذاب مانگنے والے کافر ہیں جیسا کہ فاطر علینا حجارة، او انتنا بعذاب الیم سے معلوم ہوتا ہے گویا ازراہ تمسخر انکار یہ کہہ کرتے تھے تو پھر مطلب ہوگا کہ عذاب مانگنے والے دراصل ایک ایسی آفت مانگ رہے ہیں جو بالیقین ان پر پڑنے والی ہے کسی کے روکے نہیں رک سکتی کفار کی عقل ماری گئی کہ اپنی طرف سے ایسی بات چاہ رہے ہیں۔

قیامت کا دن کتنا بڑا ہوگا؟..... نعرج الملائکۃ۔ فرشتوں اور مومنین کی ارواح آسمانوں کو طے کر کے درجہ بدرجہ اللہ کا قرب حاصل کرتی ہیں۔ یا اللہ کے بندے اس کی فرمانبرداری میں دل و جان سے کوشش کر کے اور اچھی خصلتوں سے آراستہ ہو کر روحانی ترقیات کے زینے طے کر کے مقام قرب و شرف حضوری حاصل کرتے ہیں۔ اب آگے اعمال اور ان کے درجات میں فرق مراتب ہے کلمہ شہادت سے تودم کے دم میں ترقی ہو جاتی ہے لیکن نماز کی ترقی میں ایک ساعت اور روزہ کی ترقی میں دن بھر، اور پورے روزوں کی ترقی میں مہینہ بھر اور حج کی ترقی میں سال بھر لگتا ہے یہی حال فرشتوں کے عروج کا ہے۔

حمسین الف سنۃ۔ یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکنے سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور روزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک قیامت کا دن ہے جس کی مدت پچاس ہزار سال ہوگی اور تمام مخلوقات کی ارواح خدمت گار بن کر اس میں شامل رہیں گی اور اس عظیم کام کے سرانجام ہونے کے بعد ان کو عروج ہوگا۔ لیکن ایک مومن کے لئے یہ وقت نہایت ہلکا، پھلکا معلوم ہوگا۔

فاصر۔ چونکہ تمسخر کے انداز میں کفار عذاب کے متعلق شور مچا رہے تھے اس لئے فرمایا آپ ان کے خیال میں نہ آجائیں بلکہ صبر و استقلال سے رہیں نہ تنگ دل ہوں اور نہ کوئی حرف شکایت زبان پر آئے آپ کا صبر، ان کا تمسخر ضرور رنگ لائے گا یہ تو قیامت کو بعید از امکان اور دور از عقل سمجھتے ہیں لیکن ہمیں تو اتنی قریب دکھائی دے رہی ہے کہ گویا آئی رکھی ہے۔ مفسر مہل کا ترجمہ پگھل ہوئی چاندی سے کر رہے ہیں اور بعض نے تلچھٹ ترجمہ کیا ہے۔

لایسنل حمیم۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی، کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہوگا اس وقت نظر آ جائے گا کہ سب کی دوستی نیک مجرم تو یہ چاہے گا کہ بس چلے تو ساری دنیا کو فدیہ میں دے ڈالے، اور جان بچ جائے۔ مگر نہ یہ ہوگا، نہ وہ مجرم کو دوزخ کہاں چھوڑے۔

کھال اتار کر کیجہ نذر سے نکال لیتی ہے دوزخ کی ایک چیخ ہوگی جتنے لوگ دنیا میں حق سے منہ موڑ کر چلتے بنے اور ماں پونے میں لگے رہتے تھے وہ سب اس کی طرف بچے چلے آئیں گے۔ مفسر کے مطابق بعض آثار میں ہے کہ دوزخ لوگوں کو پکارے کی تو وگ دھرا دھر بھگیں گے کہ اتنے میں ایک لمبی گردن نکلے گی جو کفار کو چن چن کر اس طرح کھالے گی جس طرح جانور زمین سے دانہ چبہتا ہے۔

انسان جی کا کچا اور بے صبر ہے: ..... ان الانسان . یعنی انسان جی کا کچا، بے صبر، بے توفیق پیدا ہوا ہے۔ فقر، فاقہ، بیماری، سختی کوئی بھی حال ہو ایک دم گھبرا اٹھتا ہے بلکہ مایوس و بے ہمت ہو جاتا ہے گویا اب اس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں رہی۔ لیکن مال و دولت، فراخی اور تندرستی ملتی ہے تو پھر نیکی کے لئے ہاتھ نہیں اٹھتا اور مالک کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی ابتہ جو پکے نمازی ہیں، گندے دار نماز نہیں پڑھتے بلکہ نماز کی پابندی بھی رکھتے ہیں اور جب نماز پڑھتے ہیں تو نہایت سکون کے ساتھ برابر اپنی نماز ہی کی طرف متوجہ رہتے ہیں ان کی یہ شان نہیں ہے۔ آگے ان کے اور اوصاف بیان فرمائے جارہے ہیں مثلاً ان امانتوں اور عہدوں کی پاسداری بھی ہے۔ ان دو لفظوں میں اللہ اور بندوں کے سب حقوق آگئے کیونکہ آدمی کے پاس جتنی قوتیں ہیں سب اللہ کی امانتیں ہیں۔ ان کو اسی کے بتائے ہوئے مواقع میں خرچ کرنا چاہئے اور جو قول و قرار ازل میں باندھ چکا ہے اس سے پھرنا نہیں چاہئے۔

یحافظوں۔ اس میں آداب ظاہری و باطنی سب کی رعایت آگئی یہاں تک جنتیوں کی آٹھ صفات بیان کی گئی ہے، جن کو نماز ہی سے شروع اور نماز ہی پر ختم کیا گیا ہے جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

فمال الدین۔ یعنی کفار قرآن کی تلاوت اور جنت کا ذکر سن کر ہر طرف سے ٹولیاں بنا کر آپ پر اندھے چلے آتے ہیں۔ پھر بنی اور ٹھنڈا کرتے ہیں۔ کیا پھر بھی یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ سب جنت کے باغوں میں داخل کر لئے جائیں گے۔ ہرگز نہیں، اس خداوند عالم و حکیم کے ہاں ایسا اندھیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے مہطعین کا مفہوم دوسرا لیا ہے کہ یہ کافر قرآن سن کر یوں بدکتے ہیں اور غول کے غول بنا کر کیوں آپ کے پاس سے بھاگتے ہیں اور اس نفرت و وحشت پر یہ امید رکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر شخص سب کھلے جنت میں جا گھسے، ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

خلفئہم مما یعلمون۔ یعنی مٹی اور گندہ قطرہ سے بنا ہوا انسان بذات خود اس لائق کہاں کہ بہشت بریں کا مستحق ہو البتہ ایمان کی بنا پر اس قابل بنا سکتی ہے۔ یا مما یعلمون سے اوصاف قبیلہ مذکور مراد ہوں کہ ان کی موجودگی میں پھر جنت کے خواب کیسے دیکھ رہا ہے۔ رب المشارق والمغرب۔ کیونکہ نقطہ طلوع وغروب روزانہ بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے جمع کے صیغے استعمال کئے گئے۔

بروں کو نہٹا کر اللہ اچھوں کو کھڑا کر سکتا ہے: ..... علی ان تبدل۔ یعنی جب اللہ ان سے بہتر پیدا کر سکتا ہے تو خود ان کو دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتا یا خیر اسے مراد دوبارہ پیدا کرنا ہے کیونکہ بہر حال آخرت کی زندگی دنیاوی زندگی سے اکمل ہوگی یہ یہ منشاء ہے کہ آپ ان کے مسخر آ میز رویہ پر اور بھتیوں سے ملول ورنجیدہ نہ ہو جائے ہم اسلام کو ان سے بہتر خدایہ مہیا کر دیں گے۔ چنانچہ کفار و قریش کی جگہ اللہ نے انصار مدینہ کو کھڑا کر دیا اور اہل مکہ پھر بھی اللہ کے قبضہ سے باہر نہیں نکل سکے اور قسم سے بھی اس مضمون کو مناسبت ہے کہ جس طرح آئے دن روزانہ مشرق و مغرب ہم تبدیل کرتے رہتے ہیں ان کا بدل دینا ہمارے لئے کیا مشکل ہے؟

فلذرہم خیر اب تو تھوڑے دن کی ڈھیل ہے سزا بہر حال یقینی ہے لوگ قبروں سے نکل کر محشر کی طرف اس طرح کشش کشش دوڑیں گے جس طرح کبھی تیر تھ گاہ کی طرف پجاری عقیدت سے دوڑتے ہیں۔

لطف سلوک: ..... ان الانسان خلق هلو عاً الخ اس سے معلوم ہوا کہ طاعات و عبادات و قوت قلبیہ میں بڑا دخل ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

## سُورَةُ نُوحٍ

سُورَةُ نُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَكِّيَّةٌ ثَمَانٌ أَوْ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ أَيْ بِأَنْذَارِ قَوْمِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ إِنْ تَمَّ يُؤْمِنُوا عَذَابَ  
الْيَوْمِ ﴿١﴾ مُؤَيَّمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ قَالَ يَقُومُ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٢﴾ بَيْنَ الْإِنْذَارِ أَنْ أَيْ بِأَنْ أَقُولَ لَكُمْ  
اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا ٣٠ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ مِنْ زَائِدَةٍ فَإِنَّ الْإِسْلَامَ يُغْفِرُ بِهِ مَا قَبْلَهُ أَوْ  
تَعْيِضِيَّةً لِأَخْرَاجِ حُنُوقِ الْعِبَادِ وَيُؤَخِّرُكُمْ بِأَعْدَابِ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى أَجَلَ الْمَوْتِ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ  
سَعْدِيكُمْ إِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ٣١ ذَلِكَ لَأَمَنَّكُمْ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ بَيْنَ  
قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ٣٢ دَائِمًا مُتَّصِلًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ٣٣ عَنِ الْإِيمَانِ وَإِنِّي كُلَّمَا  
دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ لئَلَّا يَسْمَعُوا كَلَامِي وَاسْتَعْشَرُوا ثِيَابَهُمْ غَطُّوا  
وُجُوهَهُمْ بِهَا لئَلَّا يَنْظُرُونِي وَأَصْرُوا عَلَىٰ كُفْرِهِمْ وَاسْتَكْبَرُوا وَتَكَبَّرُوا عَنِ الْإِيمَانِ اسْتِكْبَارًا ٣٤ ثُمَّ إِنِّي  
دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا ٣٥ أَيْ بِأَعْلَاءِ صَوْتِي ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ صَوْتِي وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ الْكَلَامَ  
إِمْرَارًا ٣٦ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ مِنْ الشِّرْكِ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ٣٧ يُرْسِلِ السَّمَاءَ الْمَصْرَ وَكَانُوا  
قَدْ مُبْعُوهُ عَلَيْكُمْ مَذَرَارًا ٣٨ كَثِيرَ الدُّرُورِ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَيْنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّتٍ بَسَائِرِ  
وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ٣٩ جَارِيَةً مَالِكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ٤٠ أَيْ تَامِلُونَ وَقَارَ اللَّهِ يَا كُمْ سَاءَ  
تُؤْمِنُوا وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ٤١ جَمْعُ طَوْرٍ وَهُوَ الْحَالُ فَطَوْرًا نُطْفَةٌ وَطَوْرًا عِلْقَةٌ إِلَىٰ تَمَامِ خَلْقِ  
الْإِنْسَانِ وَالسَّطَرُ فِي خَلْقِهِ يُوجِبُ الْإِيمَانَ بِخَالِقِهِ أَلَمْ تَرَوْا تَنْظُرُوا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَوَاتٍ  
طَبَاقًا ٤٢ نَعُضُّهَا فَوْقَ نَعْضٍ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ أَيْ فِي مَجْمُوعِهِنَّ الصَّادِقِ بِالسَّمَاءِ الدُّنْيَا نُورًا  
وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ٤٣ مِصْبَاحًا مُضِيئًا وَهُوَ أَقْوَىٰ مِنْ نُورِ الْقَمَرِ وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ حَقَّقَكُمْ مِّنْ

الْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ إِذْ خَلَقَ أَبَاكُم مِّنْهَا ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا مَقْبُورِينَ وَيُخْرِجُكُمْ لِنُعْمَةٍ أُخْرَىٰ جَلَدًا ﴿۱۸﴾  
وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ مَبْسُوطَةً لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا طُرُقًا فِجَا جَلَدًا ﴿۲۰﴾ وَاسِعَةً قَالَ  
نُوحُ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا أَيْ السُّفْلَةَ وَالْفُقَرَاءَ مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَهُمْ الرُّؤْسَاءُ الْمُتَعَمِّمُ  
عَلَيْهِمْ بِذَلِكَ وَوُلِدَ بِضَمِّ الْوَاوِ وَسَكُونِ اللَّامِ وَبِفَتْحِهَا وَالْأَوَّلُ قِيلَ جَمْعٌ وَلَدٍ بِفَتْحِهَا كَخَشَبٍ  
وَحُشْبٍ وَقِيلَ بِمَعْنَاهُ كَبُخْلٍ وَبُخْلٍ الْأَخْسَارًا ﴿۲۱﴾ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَمَكْرًا أَيْ الرُّءُسَاءُ مَكْرًا  
كُبَارًا ﴿۲۲﴾ عَظِيمًا جَدًّا بَيَانٌ كَذَبُوا نُوحًا وَأَذَوْهُ وَمَنِ اتَّبَعَهُ وَقَالُوا لِلْسُّفْلَةِ لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ  
وَدًّا بَفَتْحِ الْوَاوِ وَضَمِّهَا وَلَا سَوَاعَا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ هِيَ أَسْمَاءُ أَضْنَابِهِمْ وَقَدْ أَضَلُّوا  
بِهَا كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بَيَانٌ أَمَرُوهُمْ بِعِبَادَتِهَا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿۲۴﴾ عَطَفَ عَلَى قَدْ أَضَلُّوا  
دَعَا عَلَيْهِمْ لِمَا أُوحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ مِمَّا مَاصِلَةٌ خَطِيئَتِهِمْ وَفِي قِرَاءَةِ  
(خَطِيئَاتِهِمْ) بِالْهَمْزَةِ أُغْرِقُوا بِالطُّوفَانِ فَأُدْخِلُوا نَارًا تُغْرِقُوهَا عَقَبَ الْإِغْرَاقِ تَحْتَ الْمَاءِ فَلَمْ  
يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ أَيْ غَيْرِ اللَّهِ أَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ يَمْنَعُونَ عَنْهُمْ الْعَذَابَ وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى  
الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ أَيْ نَازِلُ دَارٍ وَالْمَعْنَى أَحَدًا إِنَّكَ إِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ  
وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ مَنْ يَفْجُرْ وَيَكْفُرْ قَالَ ذَلِكَ لِمَا تَقَدَّمَ مِنَ الْإِيحَاءِ إِلَيْهِ رَبِّ اغْفِرْ لِي  
وَلِوَالِدَيَّ وَكَانَا مُؤْمِنِينَ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مَنَزَلِي أَوْ مَسْجِدِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ إِلَى  
يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ هَلَاكَ فَاهْلِكُوا

سورۃ نوح مکیہ ہے۔ جس میں ۲۸ یا ۲۹ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا کہ تم ڈراؤ (یعنی ڈرانے کے ساتھ) اپنی قوم! کو اس سے پہلے کہ (اگر وہ ایمان نہ لائیں تو) ان پر دردناک عذاب آئے (جو دنیا و آخرت میں تکلیف دہ ہو) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لئے صاف صاف (کھلے طور پر) ڈرانے والا ہوں کہ تم (یعنی میں تم سے کہتا ہوں کہ) اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہنا، نوح تو وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا (من زائد ہے کیونکہ اسلام کی برکت سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا من تبعیضہ ہے۔ کیونکہ حقوق العباد معاف نہیں ہوتے) اور تم کو (بغیر عذاب کے) مقررہ وقت (موت) تک مہلت دے گا، اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت (تمہارے عذاب کا اگر تم ایمان نہ لائے) جب آجائے گا تو ٹلے گا نہیں اگر تم سمجھتے (اس کو تو ایمان لے آتے) نوح علیہ السلام نے دعا کی کہ اے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن (ہمیشہ مسلسل) بلایا، سو میرے بلانے پر اور زیادہ بھاگتے رہے (ایمان سے) اور میں نے جب کبھی بلایا، تا کہ آپ ان کو بخش دیں تو ان لوگوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں (تا کہ میرا کلام نہ سن سکیں) اور اپنے کپڑے

لپیٹے (سروں کو کپڑوں سے چھپالیا تاکہ مجھ کو دیکھ نہ سکیں) اور اصرار کیا (کفر پر) اور انتہائی تکبر کیا (ایمان لانے سے) پھر میں نے ان کو با آواز بند (زور سے) بلایا۔ پھر میں نے ان کو اعلانیہ (آواز سے) بھی سمجھایا اور ان کو مخفی طریقہ پر بھی سمجھایا چنانچہ میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے (شرک کا) گناہ بخشواؤ، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا ہے، تم پر بارش بھیجے گا (وہ لوگ قحط سالی میں مبتلا تھے) شرت سے (کافی مقدار میں) اور تمہارے مال و اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ اگادے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔ تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ کی عظمت کا پاس نہیں کرتے (اللہ نے جو تمہیں وقار عطا کیا ہے، اس میں غور کر کے اللہ پر ایمان لاؤ) حالانکہ اس نے تمہیں طرح بہ طرح بنایا (اطوار طور کی جمع ہے، جس کے معنی حال کے ہیں چنانچہ ایک کیفیت نطفہ کی تھی ایک حالت علقہ سے لے کر پیدائش کی تکمیل تک ربی پیدائش پر غور کرنا پیدا کرنے والے پر ایمان لانے کا سبب ہو جاتا ہے) کیا تمہیں معلوم نہیں (تم نے دیکھا نہیں) کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان اوپر تلے (تہہ برتہ) بنائے اور آسمان میں (یعنی ان کے مجموعہ میں جس کا ظہور آسمان دنیا میں ہو رہا ہے) چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا (روشن جو چاند کی روشنی سے زیادہ تیز ہے) اور اللہ نے تمہیں زمین سے ایک خاص طور پیدا کیا (یعنی تمہارے باوا آدم کو مٹی سے پیدا کیا) پھر تمہیں زمین ہی میں لے جائے گا (قبر کی صورت میں) اور تم کو باہر لے آئے گا (قیمت کے وقت) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو (پھیلا یا ہوا) فرش بنایا تاکہ تم اس کے کھلے (کشدہ) راستوں پر چلو پھرو۔ نوح سے کہا کہ اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے (یعنی گھنیا اور غریب) لوگوں کی پیروی کی کہ جن کے مال و اولاد نے (میں و جن پر اللہ نے مال و اولاد کا انعام فرمایا، لفظ ولد ضمہ واو اور سکون لام کے ساتھ اور ان دونوں کے فتح کے ساتھ ہے۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک پہلی صورت میں ولد کی جمع ہے جیسے خشب کی جمع خشب اور بعض جمع کے معنی پر کہتے ہیں۔ جیسے سحل کی معنوی جمع بحلی ہے) انہی کو نقصان زیادہ پہنچایا۔ (ملحوظ سرکشی اور کفر کے) اور جنہوں (زمینوں) نے بڑی بڑی تدبیریں کیں (نوح کو جھٹلایا، ان کو اور ان کے پیروکاروں کو ستایا) اور جنہوں نے (کم درجہ کے لوگوں سے) کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہگز نہ چھوڑنا، ورنہ وہ کو (فتنہ واو اور ضمہ واو کے ساتھ ہے) اور نہ سواع کو اور نہ یعوث کو اور نہ نسر کو (یہ سب بتوں کے نام ہیں) اور ان لوگوں نے بہتوں کو گمراہ کر دیا (کہ) انہیں بھی بت پرستی پر مجبور کر دیا اور ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھاد سبکے (قد اصلوا پر عطف ہو رہا ہے۔ حضرت نوح پر جب یہ وحی آئی۔ انہ لں یومن من قومک الامن قد امن تب انہوں نے یہ بدعا فرمائی) اپنے ان (مصدق ہے) گنہوں کی وجہ سے (ایک قرأت میں خطینا قہم ہمزہ کے ساتھ ہے) غرق کئے گئے (طوفان میں) پھر آگ میں داخل کئے گئے (غرق کرنے کے بعد پانی کے نیچے آگ میں داخل کر کے عذاب دیا گیا) اور انہوں نے اللہ کے سوا کوئی حمایتی بھی نہ پایا (جو انہیں عذاب سے بچا لیتا) اور نوح نے کہا کہ اے میرے پروردگار! کافروں میں ایک باشندہ بھی زمین پر نہ چھوڑ (یعنی کسی بھی گھر میں رہنے والا ہو، اصل یہ کہ کوئی بھی ہو) اگر آپ ان کو روئے زمین پر رہنے دیں گے تو یہ لوگ آپ کے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کے فاجر کافراو ادبی پیدا ہوگی۔ (یہ بدعا بھی اسی وحی کے بعد کی ہے جس کا بیان ہو چکا) اے میرے پروردگار! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو (جو مومن تھے) اور جو مومن میرے گھر (مکان یا مسجد) میں داخل ہیں اور تمام مسلمان مردوں، عورتوں کو (جو قیامت تک نہ والے ہیں) بخش دیجئے اور ان ظالموں کی ہلاکت اور بڑھاد سبکے۔ (چنانچہ سب تباہ ہوئے)۔

**تحقیق و ترکیب:** ثمان۔ کسرہ نون یا ضمہ نون کے ساتھ ہے اور دونوں صورتوں پر اس کی اصل ثمانی ہے ابستہ اس کی یہ حذف صر فی قعدہ کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ قضا ض میں ہو۔ تب تو یہ کسرہ لفظ نون کے ساتھ ہوگا اور اعراب یائے محذوفہ پر ہوگا ورنہ حذف پیدا و ردھ کی طرح ہوگا اور یہ لفظ ضمہ نون کے ساتھ ہوگا اور اعراب خود اسی پر ہوگا۔

اب اندر۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ ان مصدر یہ ہے جو فعل مضارع کے لئے ناصب ہوتا ہے۔ اسی اسلساہ ساں قللا لہ اندر اور ان تفسیر یہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اس سال میں قول کے معنی ہیں۔



ان اعبدا۔ اس میں مفسر نے ان تفسیر یہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر حقوق العبادہ سے لے کر بعد بھی مغفرت سے خارج رہتے ہیں۔ تو پھر من ذنوبکم میں من تعیضہ رہے گا۔ جس میں کافروں کے حقوق، جان و مال بھی آتے ہیں۔ البتہ حلی کافر جو مباح الدم والمال ہیں ان کے حقوق اسلام لانے سے معاف رہیں گے۔ تاہم حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی قوم کافر اہل ذمہ نہیں تھی۔ اس لئے کہا جائے گا کہ من زائد ماننا بہتر ہے یعنی اسلام سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں حقوق العباد بھی معافی میں داخل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اسلام سے پہلے سب گناہ بھی مجموعہ کا بعض ہی ہیں۔ اس لئے مس تعیضہ لینا بھی باعث اشکال نہیں ہے۔

ان اجل اللہ۔ بظاہر ویؤخرکم اور لایؤخر دونوں جملوں میں اختلاف نظر آتا ہے۔ اس کے بعد تعیضہ کی طرف مفسر اشارہ کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یؤخرکم سے مراد بر تقدیر ایمان موت تک تاخیر بغیر عذاب ہے اور لایؤخرکم سے عدم ایمان کی صورت میں عدم تاخیر عذاب مراد ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک آسان توجیہ یہ ہے کہ اجل دو قسم کی ہوتی ہے۔ اجل قریب غیر مبرم اور اجل جید مبرم۔ تاخیر کا حکم پہلے قسم پر اور تاخیر نہ ہونے کا حکم دوسری قسم پر ہے۔ کیونکہ اجل اللہ میں اضافت عہد یہ ہے اور معبود اجل موت ہے۔ ای اموا قبل الموت تسلموا من العذاب فان اجل الموت اذا جاء لایؤخر ولا یمسکم الايمان لو کنتم۔ مفسر نے مفعول علم کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور جواب لو مقدر ہے۔ اس میں طاعت پر مغفرت مرتب ہونے اور موت تک عذاب ملتوی ہونے کی طرف اشارہ ہو گیا ہے کہ جب موت آ جائے تو پھر ملتوی ہونے کی بات نہیں رہتی۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس فعل متعدی کو بمنزلہ لازم مان لیا جائے۔ ای لو کنتم من اهل العلم۔ لیلاً و نهاراً۔ کنایہ ہے دوام سے۔

الافراد۔ دعوت ایمان اگرچہ فرار کا سبب نہیں، لیکن فرار چونکہ دعوت کے سبب ہوتا ہے اس لئے اس کی طرف نسبت کر دی۔ واستکروا۔ اس تطلب کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے اور جہاراً مصدر محذوف کی صفت ہے۔ ای دعاء جہاراً یا زید عدل کی طرح حال ہے۔

استعصروا۔ محض استغفار مراد نہیں ہے کیونکہ کافر کا استغفار معتبر نہیں، بلکہ ایمان مطلوب ہے جو باعث مغفرت ہے یا بقول صاحب مدارک کہا جائے استغفار دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کفر سے استغفار، دوسرے گناہوں سے استغفار۔ مداراً۔ مبالغہ کا صیغہ ہے جس میں مذکور و مؤنث برابر ہوتے ہیں۔ برسل، یمددکم، یمجعل تینوں جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ رحا کے معنی اعتقاد اور وقار دراصل حلم سکون کو کہتے ہیں لیکن یہاں عظمت کے معنی مراد ہیں۔

مالکم جمعہ خبر یہ ہے اور لا ترجون جملہ حالیہ ہے اور وقاراً مفعول بہ ہے ترجون کا۔ لیکن مفسر نے ایاکم مفعول مقدر ہے اور اللہ میں استعین کا ہے اور وقار بمعنی توقیر ہے جس کا فاعل اللہ ہے۔ گویا کفار نے جب ”مالکم لا ترجون للہ ان توقروا ونعظمو“ سے تو سوال ہوا کہ ”لنمّن التوقیر“ جواب میں ”للہ وقاراً“ فرمایا گیا۔ اس صورت میں الام بمعنی من ہوگا۔ ای وقارکم کانما من اللہ نیز الام کا تعلق ترجون کے ساتھ ہوگا اور من کے معنی میں ہوگا۔ ای مالکم لا تاملون من اللہ توقیراً لکم ما نؤمنوا بہ فتصیروا موقرین عندہ، قاضی بیناویٰ یہی معنی لے رہے ہیں اور دوسرے معنی یہ لیتے ہیں کہ وقاراً سے مراد اللہ کی عظمت ہے اور لکم اس کا مفعول ہے۔ ای مالکم لا تعتقدون عظمۃ اللہ تعالیٰ۔

وقد حلقکم۔ حال ہے ترجون سے اور اطواراً تاویل حال ہے۔ ای متقلین من حال الی حال۔ وحلل الشمس۔ چونکہ ”جعل القمر فیہن“ میں فیہن آ گیا ہے، اس لئے یہاں مقدر کہ لیا گیا۔ چاند تو با اتفاق اہل بیت کے نزدیک آسمان دنیا سے متعلق ہے۔ البتہ شمس کے متعلق اختلاف ہے۔ چوتھے پانچویں آسمان پر مانا گیا اور بعض کی رائے ہے کہ موسم ہمارا



میں چوتھے آسمان پر اور موسم گرما میں ساتویں آسمان پر رہتا ہے اور چاند سورج کا رخ اوپر کی جانب اور دونوں کی پشت زمین کی جانب ہے۔  
واللہ استیکم۔ نباتاً مجرد ہونے کے باوجود انبتکم کا مفعول مطلق ہے اور سیبویہ کے نزدیک یہ جائز ہے کیونکہ انبتکم کی دالت اثبات پر دلت تفسیمی ہے۔ فنبتکم نباتاً میں نبات کی دالت نبت پر التزانی ہے۔

لکم الارض بساطاً۔ زمین کی بساطت سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین کروئی نہیں ہے کیونکہ اگر کرہ بڑا ہو تو وہ بسیط ہو سکتا ہے۔ اس لئے زمین کا کروئی ہونا خلاف شرع نہیں ہے اور نہ اس نص کے منافی ہے۔

سبلاً فجاجاً۔ مفسر نے واسعة سے اشارہ کر دیا کہ فجاج صفت مشبہ ہے اور سبلاً کی صفت ہے کشادہ راستہ کے معنی میں ہو کر بدل یا عطف بیان ہے۔

انہم عصونی۔ یہ بددعا کرنے کی تمہید ہے۔

وولدہ نافع ابن عامر، عامر نے دونوں واو کو فتح پڑھا ہے اور باقی قراء ضمہ واو کے ساتھ پڑھتے ہیں اور لام ساکن جیسے: شب کی جمع شُشب ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ ولد میں ایک لغت وُلد بھی ہے۔ یہاں یہ لفظ مفرد اور جمع دونوں ہو سکتا ہے۔ ق موس میں ہے کہ ورد میں لام پر تینوں حرکات اور سکون ہو سکتا ہے اور مفرد و جمع دونوں بن سکتے ہیں۔

عظیماً۔ بقول زخشری سے عظیماً ابلغ ہے۔

و۱۵۔ اکثر قراء کے نزدیک فتح واو کے ساتھ اور نافع کے نزدیک ضمہ واو کے ساتھ ہے۔ مردانہ صورت کا بت تھا اور سواع زنہ شکل کا بت۔ یغوث شیر کی شکل کا بت اور یعوق گھوڑے کی شکل کا بت تھا اور نسر گدھ کی شکل پر تھا۔ یعوق و نسر کے ساتھ صرف نفی نہیں ہے انتہائی تاکید کی وجہ سے جس سے اشارہ ہے کہ ہر فرد مقصود ہے، مجموعہ مقصود نہیں ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ پانچوں حضرات آدم کے صاحبزادوں کے نام ہیں جن میں سب سے بڑا وہ تھا۔ جیسا ابن زبیرؓ فرماتے ہیں۔ نیز یہ سب اولیاء کا ملین تھے۔ ان کی وفات پر ان کے مائیں واو کو انتہائی رنج و الم ہوا تو پھر لوگوں نے ان کی مورتیاں تیار کر کے ان کے نام کے مندر بنا ڈالے اور پوجا پاٹ شروع کر دی اور لوگ خدا کو چھوڑ بیٹھے حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت ہوئی انہوں نے علم تو حید بلند کیا تو لوگ بد کے اور مقابلہ آرائی شروع کر دی۔

وقد اضلوا۔ فعل مقدر کا معمول ہے۔ اٰی وقال وقد اضلوا۔ گویا قال نوح پر اس کا عطف ہے۔ لیکن خبر کا انشاء پر اور انشاء کا خبر پر عطف جائز ہے تو پھر اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ مفسر نے بان امر وہم سے اشارہ کیا ہے کہ اضلو کی ضمیر دئوسا کی صرف راجع ہے بقول مقاتلؓ، لیکن بتوں کی طرف سے بھی ضمیر راجع ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ آیت انھن اضلن میں ہے۔

ولا تزد الظلمین۔ اس میں واو حکایات کا ہے محکی کا نہیں ہے اس لئے اس کو انشاء کا عطف خبر پر نہیں کیا جائے گا بلکہ مفرد کا مفرد پر ہے۔ نیز اس کا عطف محذوف پر بھی ہو سکتا ہے۔ اٰی فاخذ بہم ولا تزد اس صورت میں واو محکی کا ہو جائے گا باوجود یکہ انبیاء رحمت و شفقت سے لبریز ہوتے ہیں مگر عبدالرزاقؓ، ابن المنذرؓ نے قارہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی جب ان کی طرف سے مایوسی ہو گئی، تب یہ بددعا یہ کلمات فرمائے۔

مما خطیئناہم۔ اس میں ما زائد ہے تفسیری عبارت ”ماصلۃ“ کا۔ یہی مطاب ہے۔

فادخلوا ناراً۔ یہاں برزخ کی آگ مراد ہے ضحاکؓ فرماتے ہیں کہ ”یعنی یغرقون من جانب و یحرقون من جانب اور مقتل فرماتے ہیں کہ آخرت کی آگ مراد ہے اور فاتحیہ اس لئے ہے کہ ان دونوں حالتوں کے درمیان کاف صلوٰۃ کا اعدام ہے۔

دیاراً۔ لغت میں دیار دار کو کہتے ہیں لیکن مراد گھر والے ہیں۔ بلکہ احدا کے مرادف ہے۔ گویا دیار ان اسماء میں سے ہے جو نفی عام کے موقع پر استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں ما بال دیار دار پس دیار دار سے ماخوذ ہے۔ اس لئے ہر میں آنے والے کو کہتے ہیں مگر مراد عام ہوتی ہے۔

ربط آیات۔ پچھلی سورت میں عذاب کے اسباب کا بیان تھا، جن سے ایک پیغمبر کی تکذیب ہے۔ اس سورت میں بھی قصہ نوح کے ذیل میں اسی کا بیان ہے نیز اس سورت میں اخروی عذاب کے علاوہ دنیاوی عقوبت کا بھی ذکر ہے اور اس کے ذیل میں حضور ﷺ کی تسلی بھی مقصود ہے کہ آپ کی قوم کی طرح قوم نوح نے بھی تکذیب کی تھی اس لئے پریشان اور مکرر نہ ہو جائے۔

﴿تشریح﴾۔ من قبل ان یأتیہم۔ یعنی کفر کی بدولت دنیا میں طوفان کا اور آخرت میں دوزخ کے عذاب کا سامنا ہونے سے پہلے ان کو ڈرایے ممکن ہے کہ سنبھل جائیں۔ یعنی ایمان کی بدولت پچھلی کوتاہیاں اور ان کی حق تلفیاں معاف کر دی جائیں اور کفر کی صورت میں جس عذاب سے دوچار ہوتے اس سے بچ جائیں گے۔

ویسوخ رکھ۔ یعنی جس طبعی موت آنے تک ڈھیل ہے۔ مقررہ وقت آنے پر عام قانون کے مطابق تمام جانداروں کو موت تو بہر حال آئے گی کفر کی حالت ہو یا ایمان کی۔ لیکن دونوں حالتوں میں فرق اتنا ہے کہ کفر میں دونوں عذاب ہوں گے اور ایمان کی بدست دونوں عذاب سے محفوظ رہو گے اور دنیاوی سزا کی نفی خاص طور سے اس لئے کی گئی کہ بعض اوقات ایمان کے باوجود دنیاوی تکلیفیں بھی پیش آ جاتی ہیں۔ پس اس کی نفی سے ایمان لانے پر مزید فضل کا وعدہ ہے۔

مومن و کافر دونوں کو اگرچہ موت آتی ہے مگر دونوں کے ثمرات الگ الگ ہیں:۔۔۔ اور ان احل اللہ میں یہ نکتہ ہے کہ جس طرح مومن و کافر دونوں کو موت آتی ہے اسی طرح یہ نہ سمجھا جائے کہ مومن و کافر دونوں کو یکساں ثمرات ملتے ہیں۔ کیونکہ موت تو بتقدضاۓ حکمت ضروری ہے اس کا ملنا ایمان کے ثمرات سے نہ ہو اس لئے اس کا ترتب بھی ضروری نہیں بلکہ عذاب سے چنانچہ یقین ثمرات ایمان سے ہے اور ان کا مرتب ہونا بھی ضروری ہے۔ حاصل یہ کہ ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب کا جو وعدہ ہے اُس وہ سر پر کھڑا ہوا تو کسی کے لئے نہیں تلے گا، نہ ڈھیل دی جائے گی یا یہ مطلب ہوا کہ موت کا وقت معین پر آنا ضروری ہے، وہ ٹل نہیں سکتی۔ حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہ نے ان آیات کی تشریح ایک اور طرح کی ہے کہ اللہ کی عبادت کرنے سے انسانی سلسل قیامت تک رہے گی سین سب بندگی چھوڑ دو گے تو سارے ابھی ہلاک ہو جاؤ گے چنانچہ طوفان نوح میں یہی ہوا بھی کہ جس نے بندگی کی بجائے یہ ورنہ تباہی کا شکار ہوا۔

لیلا و نہارا۔ نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس سمجھاتے رہے:

اذا كان الطباع طباع سوء فلا ادب يفيد ولا اديب

کا نقشہ رہا۔ جب امید کی کوئی جھلک باقی نہ رہی تو مایوس اور تنگدل ہو کر بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ بارالہ! میں نے اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی رست کی تاریکی اور دن کے اجالے میں برابر ان کو تیری طرف بلاتا رہا مگر ان پتھروں کے ایک جو تک نہیں گئی۔ بلکہ ہو یہ کہ جوں جوں تیری طرف آنے کو کہا گیا، یہ بد بخت اور زیادہ منہ پھیر کر بھاگے، میری طرف سے جتنی شفقت و دوزں کا اظہار ہوا، نہ ان طرف سے اتنی ہی نرس و بیزاری بڑھتی رہی حتیٰ کہ انہیں میری بات کا سنتا تک گوارا نہیں ہے لوگ نہیں چاہتے کہ یہ آواز کان پر پڑے، اپنے سے منہ ڈھانپ لیتے ہیں کہ ہمیں ایک دوسرے کی صورت نہ نظر پڑ جائے اور کانوں میں انگھیارا۔۔۔ جیتے ہیں کہ کسی وقت اُردھیل پڑ جائیں تو اس پیرے سے پچھروک ہو جائے۔ غرض کوشش یہ ہوتی ہے کہ کوئی بھی بات کسی عنوان سے دل میں ترے نہ پائے۔ اور کسی طرح اپنے طریقہ سے ہٹنا نہیں چاہتے اور ان کا غرور میری بات پر دھیان کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ مجموعوں اور جموں میں جا رہی ان کو سمجھایا اور علیحدگی میں بھی حق نصیحت ادا کیا، صاف صاف کھول کھول کر، اشاروں، کنیوں میں، زور سے اور

آہستہ، غرض ہر طرح کوشش کر کے دیکھ لی، اور یہاں تک کہ دیا کہ سینکڑوں برس سمجھانے کے بعد اب بھی اگر میری بات مان لی اور اپنے مالک کی طرف جھک گئے اور اس سے اپنی خطائیں معاف کرائیں تو یاد رکھو وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ پیچھے سب قصور یک قدم معاف کر دے گا اور تمہارے ایمان کی بدولت تمہاری قحط سالی دور ہو جائے گی اور موسلا دھار بارش سے تمہارے باغات، کھیت یہ اب و شاداب ہو جائیں گے پیداوار، جانور، دودھ، گھی سب میں برکت ہوگی اور باندھ گھورتوں کی گودا اولاد سے بھر جائے گی اور آخرت کی نعمتیں ان کے علاوہ ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ: ..... قنادہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کے زیادہ حریص تھے اس لئے یہ فرمایا گیا اس پر یہ شبہ کیا ہے کہ بسا اوقات ایمان و استغفار پر بھی دنیاوی نعمتیں مرتب نہیں ہوتیں، جواب یہ ہے کہ اول خاص طور پر ان لوگوں کے لئے وعدہ ہوگا اور اگر عام بھی ہو تب بھی ان سے چیزیں مل جانا یہ بھی وعدہ کا پورا ہونا کہلائے گا۔

امام اعظمؒ اسی آیت کے پیش نظر استسقاء کی حقیقت و روح، توبہ و استغفار اور رجوع الی اللہ فرماتے ہیں جس کی کامل صورت نماز ہے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی اس تقریر کو بلا انکار نقل کرنے سے معلوم ہوا کہ استغفار بارش کا سبب ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ استسقاء کے لئے شہر سے باہر تشریف لے گئے اور صرف استغفار کیا۔ کسی نے کہا بھی مارا ایسا ک استسقیۃ فرمایا استسقیۃ بجاری السماء التی بنزل بها المطر اور تائید میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ چنانچہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ **وَالْمَا الِاسْتِسْقَاءُ الدَّعَاءُ وَالِاسْتِغْفَارُ لِقَوْلِهِ تَعَالٰی اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ اَلَمْ یَخْلُقْ وَانْ صَلُّوا وَاحِدًا اَوْ حَادٍ وَلِیْسَ الْجَمَاعَةُ فِیْهِ مَمْنُوۡةٌ عِنْدَنَا کَمَا هُوَ قَوْلُهُمَا وَلَا خُطْبَۃٌ اِیضًا کَمَا قَالَ مُحَمَّدٌ اِنْ فِیْهِ خُطْبَتَیْنِ کَخُطْبَۃِ الْعِیْدِ وَقَالَ اَبُو یُوْسُفٍ اِنَّهَا الْخُطْبَۃُ الْوَاحِدَةُ وَبِهَذَا الْقَدْرُ تَمَّ الْمَقْصُوْدُ۔**

تفسیر مدارک و کشاف میں ہے کہ ایک شخص نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں قحط سالی کی شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا استغفروا اللہ دوسرے نے آکر فخر کی شکایت کی، تیسرے نے اولاد کم ہونے کی، چوتھے نے پیداوار کم ہونے کی۔ مگر انہوں نے سب واستغفروا اللہ کی تلقین فرمائی۔ اس پر ربیع بن صبیحؓ نے عرض کیا کہ کیا سب تکالیف کا ایک ہی علاج ہے۔ امام موصوفؒ نے اپنی تائید میں یہی آیت پیش کی۔

والا کل قدرت: ..... مالکم لا ترجون۔ اگر تم اللہ کی فرمانبرداری کرو گے تو اس کی بڑائی سے امید رکھنی چاہئے کہ وہ تمہیں بڑائی اور وقار عطا فرمائے گا، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم اللہ کی بڑائی کا اعتقاد کیوں نہیں رکھتے اور اس کی عظمت و جہوت سے کیوں نہیں ڈرتے۔ آخر تم نے ماں کے پیٹ میں طرح طرح کے رنگ بدلے اور مادہ اصلی سے لے کر موت تک کتنی پنپیاں انسان کھاتا ہے اور کتنے اتار چڑھاؤ سے گزرتا ہے پھر اوپر تلے آسمان کے کروں کو دیکھو، پھر چاند، سورج پر نظر ڈالو کہ سورج کتنا گرم اور تیز ہے جس کے آتے ہی رات کی تاریکی کا نور ہو جاتی ہے جلتے چراغ کی تشبیہ اسی طرف اشارہ کر رہی ہے اور چاند کا نور اسی چراغ کی روشنی کا ٹھنڈا جھروکہ ہے۔

جعل لکم الارض بساطا۔ زمین لینے بیٹھنے، چلنے پھرنے کے قابل بنائی اور راستے ایسے بنا دیئے کہ کوئی شخص چاہے تو ساری زمین کے گرد گھوم سکتا ہے۔

قال نوح۔ قوم کے رستے ہوئے ناسوروں کا ذکر فرمایا۔ جن میں سب سے بڑا ناسور نافرمان مالداروں کی بے جا پیروی کرنا ہے جس سے دین تباہ ہوتا ہے اور طرح طرح کی سازشوں کا شکار بنتے ہیں یہ لوگ دوسروں کو بہکاتے اور بھڑکاتے ہیں کہ اپنے معبودوں پر جبر نہ کرنا اور نوح کے بہکانے میں نہ آنا اور آنے والی نسلوں کو بھی یہی وصیت کرتے رہے۔ انہوں نے ہر مطلب کا ایک الگ بت بنا رکھا تھا۔ عرب میں بھی یہی وبا پھیلی۔ ہندوستان میں وشنو، برہما، اندر، شو، ہنومان وغیرہ ناموں سے کتنے ہی بتوں کی پرستش

ہزاروں برسوں سے ہوتی چلی آرہی ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے یہ اولیاء اللہ تھے، جن کی مورتیاں ان کے پرستاروں نے بنائی تھیں آگے چل کر ان کی پرستش ہونے لگی۔

**استدراج:** ولا تزد الظالمین۔ یعنی اے اللہ! اب ان کی سزایہ ہے کہ اپنی گمراہیوں میں ہمیشہ ہی بھٹکتے رہیں اور بطور استدراج انہیں اسی طرح سیدھی راہ نہ بن پڑے اور تیری معرفت سے یہ نا آشنا ہی رہیں، جیسا کہ شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز قدس سرہما کی رائے ہے اور عام مفسرین ظاہری معنی لے رہے ہیں کہ اے اللہ! ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دیجئے، تاکہ جلد ان کی شقاوت کا پیمانہ بریز ہو جائے اور عذاب الہی کا نشانہ بنیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے وحی سے مطلع ہو کر ہزار سالہ تجربہ کے نتیجہ میں مایوس ہو کر یہ بددعا فرمائی جس طرح جسم کا کوئی عضو گل سڑ جائے اور زندگی و صحت کی صلاحیت سے محروم ہو جائے تو پھر اس کا استیصال ہی بہتر ہے ورنہ سارا جسم گل سڑ کر تباہ ہو سکتا ہے اس کو بے رحمی و شقاوت نہیں کہا جائے گا۔ چنانچہ دعائے موسوی جو سورہ یونس میں گزری وہ بھی اس قبیل سے تھی۔ بہر حال طوفان نوح آیا اور وہ ٹوک بظہر پانی میں ڈبوئیے گئے مگر فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے اور پانی سے بجلی کی ایجاد نے تو کھول دیا ہے کہ خود پانی بھی بڑی تیز آگ ہے اسی عذاب الہی میں ان کے بت کچھ کام نہ آ سکے سب کمپرسی کی حالت میں یونہی مرکبپ گئے۔

**وقال نوح۔** حضرت نوح علیہ السلام کی آتش غضب اور بھڑک اٹھی اور عرض کیا۔ بارالہ! ان میں کوئی اس لائق نہیں کہ ان کو باقی رکھا جائے۔ سب کا نہفایا کر دے ورنہ میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ جو کوئی بچے گا اس کی نسل بھی ”سانپ کا بچہ سانپ“ کا مصداق ہوگی اور موجودہ لوگ خود تو کیا ٹھیک ہوتے دوسروں کو بھی خراب کرنے کے درپے رہتے ہیں اس لئے ایمانداروں کی حفاظت کی خاطر بھی ان کا بیج منادے۔ رب اغفر لی۔ میرے پروردگار! میرے مرتبے کے لائق مجھ سے جو تقصیر ہوئی اپنے فضل سے اس کو معاف فرما اور میرے والدین اور میری کشتی یا میرے گھریا میری مسجد میں جو مومن ہو کر آئے بلکہ عام مومن و مومنات کی مغفرت فرمادے۔ اللھم اجعلنی منہم آمین۔ اس دعا سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کے والدین مومن ہوں گے اور اگر ان کا غیر مومن ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اوپر کے آباء و اجداد مراد ہوں گے اور تثنیہ مفرد کا نہیں بلکہ جنس کا مراد ہوگا۔

**لظائف سلوک:** ثم انی دعوتہم جہاراً۔ اس سے حضرت نوح کی انتہائی شفقت معلوم ہوتی ہے اور جاہل کی ہدایت و ارشاد میں ایسا ہی اہتمام ہونا چاہئے اور یہ تصدی یعنی درپے ہونا نہیں ہے، کیونکہ تصدی قصد ثمرہ میں ہوتی ہے اور یہ اہتمام قصد طریق میں ہے۔

**ولا تذرن۔** اس سے معلوم ہوا کہ صلحاء کے آثار و تہکات کا زیادہ اہتمام کرنا جب کہ اس میں دینی مفیدہ کا خطرہ ہو۔ واجب اترک ہے۔

**ولا تزد الظالمین۔** پیغمبر اور صاحب وحی کے لئے تو مخالفین کے لئے گمراہی اور تباہی کی بددعا کرنے کی گنجائش ہے۔ لیکن دوسروں کو اس کا حق نہیں ہے جیسے بعض مدعیان مشیخت ولایت کر دیتے ہیں۔

## سُورَةُ الْجِنِّ

سُورَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ ثَمَانٌ وَعَشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ يَا مُحَمَّدٌ لِلنَّاسِ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ الضَّمِيرُ لِلشَّانِ اسْتَمَعَ بِقِرَاءَتِي نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ حِينَ نَصِيصِينَ وَذَلِكَ فِي صَلَوةِ الصُّبْحِ يَبْطُنُ نَخْلَةً مَوْضِعَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَهُمْ أَتَدِيرُ ذِكْرُوا فِي قُوِيهِ تَعَالَى وَإِدْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ الْآيَةُ فَقَالُوا اإِقْوِمِهِمْ لِمَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ﴿۱﴾ يَتَعَجَّبُ مِنْهُ فِي فَصَاحَتِهِ وَغَزَارَةِ مَعَانِيهِ وَغَيْرَ ذَلِكَ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ الْإِيمَانِ وَالصُّوَابِ فَاْمَنَابِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِعَدِ الْيَوْمِ بِرَبِّنَا أَحَدًا ﴿۲﴾ وَأَنَّهُ الضَّمِيرُ لِلشَّانِ فِيهِ وَفِي الْمَوْضِعَيْنِ بَعْدَهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا نَسَرَّةَ جَلَالِهِ وَعَظَمَتُهُ عَمَّا نَسِبَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً زَوْجَةً وَلَا وَلَدًا ﴿۳﴾ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا جَاهِلُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ﴿۴﴾ غُلُّوا فِي الْكُذْبِ بِوَصْفِهِ بِالصَّاحِبَةِ وَالْوَلَدِ وَأَنَا ظَنُّنَا أَنَّ مُحَقِّقَةً أَيْ أَنَّهُ لَنْ تَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ﴿۵﴾ بِوَصْفِهِ بِذَلِكَ حَتَّى بَيَّنَّا كَذِبَهُمْ بِذَلِكَ قَالَ تَعَالَى وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ حِينَ يَنْزِلُونَ فِي سَفَرِهِمْ بِمَحُوفٍ فَيَقُولُ كُلُّ رَجُلٍ أَعُوذُ بِسَيِّدِ هَذَا الْمَكَانِ مِنْ شَرِّ سَفَهَائِهِ فَرَادُوهُمْ بِعَوْدِهِمْ بِهِمْ رَهَقًا ﴿۶﴾ طَعِبَانَا فَقَالُوا سُدُّوا الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَأَنَّهُمْ أَيْ الْجِنِّ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ يَا إِنْسُ أَنَّ مُحَقِّقَةً أَيْ أَنَّهُ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ﴿۷﴾ بَعْدَ مَوْتِهِ قَالَ الْجِنُّ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ رُمْنًا اسْتَبْرَاقَ اسْمِعْ مِنْهَا فَوَجَدْنَا مُلَائِكَةً حَرَسًا مِّنَ الْمَلَائِكَةِ شَدِيدًا وَشُهَبًا ﴿۸﴾ نَحْنُ مَأْمُورَةٌ وَذَلِكَ لِمَا بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا كُنَّا أَيْ قَبْلَ مَبْعَثِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ أَيْ سَتَمِعُ فَمَنْ يَسْتَمِعُ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شُهَابًا رَّصَدًا ﴿۹﴾ أَيْ أُرْصِدْ لَهُ لِيُرْمِيَ بِهِ وَأَنَا لَا نَدْرِي أَشَرُّ أُرِيدُ نَعْدُ

سَمِعَ مَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۚ خَيْرًا ۖ وَأَنَّا مِّنَ الصَّالِحِينَ  
 سَمَاعِ نَصْرٍ ۖ وَمِنَادُونَ ذَلِكَ أَنِ اقْبِلْهُ عِزَّ صَالِحِينَ ۚ كُنَّا طَرِيقًا قَدَدًا ۚ ۱۱۱ ۖ فَرَقْنَا مُحْتَمِلِينَ فُتْمِ  
 وَكَافِرِينَ ۖ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن مَحْفَقَةً أَنِ أَنَّهُ لَنْ نَعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ نَعْجِزَهُ هَرَبًا ۚ ۱۱۲ ۖ أَي لَا يَقْوِيهِ  
 كَيْسٍ فِي الْأَرْضِ أَوْ هَارِبِينَ مِنْهَا إِلَى السَّمَاءِ ۖ وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَى الْقُرْآنَ أَمَنَّا بِهِ فَمَنْ يُؤْمِنُ  
 رَبَّهُ فَلَا يَخَافُ تَقْدِيرَ هُوَ بَعْدَ الْفَقَاءِ بِخُسَا نَقْصًا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَلَا رَهَقًا ۚ ۱۱۳ ۖ ظَنَّمَا بِالزِّيَادَةِ فِي سَيِّئَاتِهِ  
 وَأَنَّا مِمَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِمَّا الْقَاسِطُونَ الْبَجَائِرُونَ بِكُفْرِهِمْ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۚ ۱۱۴ ۖ  
 فَصَدَّوْا هُدًى وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۚ ۱۱۵ ۖ وَقُوذًا أَنَا أَنَّهُمْ وَأَنَّهُ فِي أَسْفَلِ عَشْرِ مَوْصِعًا  
 هِيَ وَأَنَّهُ تَعَالَى أَسْفَلُ قُوَّةِ وَأَنَّا مِمَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِمَّا يَنْهَكُمَا بِكُسْرِ الْهَمْزَةِ اسْتِيفًا وَبِقَتْلِهَا بِمَا يُوجِبُ بِهِ قَاتِ  
 تَعَالَى فِي كُنْهٍ مَكَّةَ وَأَنَّ مُحَقَّقَةً مِنَ الثَّقِيلَةِ وَأَسْمَاهَا مَحْذُوفٌ أَنِ وَأَنَّهُمْ وَهُوَ مَعْصُوفٌ عَلَى أَنَّهُ سَمِعَ  
 لَوْ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ أَي طَرِيقَةِ الْإِسْلَامِ لَا سَقَيْنَاهُمْ مَاءً غَدَقًا ۚ ۱۱۶ ۖ كَثِيرًا مِنَ السَّمَاءِ وَذَلِكَ  
 سَعْدٌ مَارُفَعُ الْمَصْرُوعِهِمْ سَبْعَ سِنِينَ لِنَفْتِهِمْ لِنَحْتَبِرُهُمْ فِيهِ فَنَعْلَمُ كَيْفَ شُكْرُهُمْ عَنْ طُهْوٍ وَمَنْ  
 يُعْرَضُ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ الْقُرْآنَ يَسْلُكُهُ بِالنُّونِ وَالْيَاءِ نُدْخِلُهُ عَذَابًا صَعَدًا ۚ ۱۱۷ ۖ شَاقًّا وَأَنَّ الْمُسْجِدَ  
 مَوْصِعَ صَلَاةٍ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا فِيهَا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۚ ۱۱۸ ۖ بِأَنَّ تَشْرِكُوا كَمَا كَانَتْ يَهُودُ وَالنَّصَارَى  
 دَخَلُوا كَنَائِسُهُمْ وَيَعْبُدُهُمْ أَشْرَكُوا وَأَنَّهُ بِالْفَتْحِ وَبِالْكَسْرِ اسْتِيفًا وَالضَّمِيرُ لِلشَّانِ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ  
 مُحَمَّدٌ أَسْفَلُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوهُ يَغْبِطُهُ بِيَضِّ نَحْلٍ كَادُوا أَي الْحَيُّ الْمُسْتَمْعُونَ لِقَرَاءَتِهِ  
 ۱۱۹ ۖ يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۚ ۱۱۹ ۖ بِكُسْرِ الْأَلَامِ وَضَمِّهَا جَمْعٌ لِدَّةٍ كَاللَّبَدِ فِي رُكُوبِ غَصَبِهِ غَصَبٌ  
 زِدْحًا مَاجِرُصًا عَلَى سَمَاعِ الْقُرْآنِ قَالَ مُجِيبًا لِلْكَفَّارِ فِي قَوْلِهِمْ إِرْجِعْ عَمَّا أَنْتَ فِيهِ وَفِي قِرَاءَةِ قُلْ إِنَّمَا  
 ادْعُوا رَبِّي الْهَآ وَلَا أَشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۚ ۱۲۰ ۖ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا غِيًّا وَلَا رَشَدًا ۚ ۱۲۱ ۖ خَيْرٌ  
 قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ مَنْ عَذَابِهِ إِنْ عَصَيْتُهُ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ أَي غَيْرِهِ مُلْتَحَدًا ۚ ۱۲۲ ۖ  
 مُتَحَدًا الْأَبْلَغُ اسْتِثْنَاءً مِنْ مَفْعُولِ أَمْلِكُ أَي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ إِلَّا الْبَلَاغَ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ أَي عَنْهُ وَرِسَالَتَهُ  
 عَصَفٌ عَلَى لُغَا وَمَا بَيْنَ الْمُسْتَشْنَى مِنْهُ وَالْإِسْتِثْنَاءِ اعْتِرَاضٌ لِتَاكِيدِ نَفْيِ الْإِسْطَاعَةِ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ  
 وَرَسُولَهُ فِي تَوْحِيدِ فَلَهُ يُؤْمِنُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ خَالٍ مِنْ ضَمِيرٍ مَنْ فِي لَهُ رِغَايَةٌ لِمَعْنَاهَا  
 وَهِيَ حَالٌ مُقَدَّرَةٌ وَالْمَعْنَى يَدْخُلُونَهَا مُقَدَّرًا حُلُودَهُمْ فِيهَا أَبَدًا ۚ ۱۲۳ ۖ حَتَّى إِذَا رَأَوْا حَتَّى ابْتِدَائِيَّةً

فَمَا مَعِيَ الْعَايَةِ بِمُقَدَّرٍ قَبْلَهَا أَيْ لَا يَزَالُونَ عَلَى كُفْرِهِمْ إِلَى أَنْ يَرَوْا مَا يُوعَدُونَ مِنَ الْعَذَابِ  
 فَسَيَعْلَمُونَ عِنْدَ حُلُولِهِ بِهِمْ يَوْمَ بَدْرٍ أَوْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَنْ أَوْعَدُ نَاصِرًا أَوْ أَقْلًا عَذَابًا ﴿۳۳﴾ أَعْوَانًا لَهُمْ أَمْ  
 لِمُؤْمِنُونَ عَلَى الْقَوْلِ الْأَوَّلِ أَوْ أَنَا أَمْ هُمْ عَلَى الثَّانِي فَقَالَ بَعْضُهُمْ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ فَنَزَلَ قُلْ إِنْ أَيْ مَا  
 أَذْرِي أَقْرَبُ مَا تُوعَدُونَ مِنَ الْعَذَابِ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ﴿۳۴﴾ غَايَةً وَأَجَلًا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا هُوَ عِلْمُ  
 الْغَيْبِ مَا غَابَ بِهِ عَنِ الْعِبَادِ فَلَا يُظْهِرُ يَطْلُعُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿۳۵﴾ مِنَ النَّاسِ إِلَّا مَنْ ارْتَضَى مِنْ  
 رَسُولٍ فَإِنَّهُ مَعَ إِطْلَاعِهِ عَلَى مَا شَاءَ مِنْهُ مُعْجِزَةٌ لَهُ يَسْلُكُ يَجْعَلُ وَيَسِيرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ أَيْ الرَّسُولِ  
 وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿۳۶﴾ مَلَائِكَةٌ يَحْفَظُونَهُ حَتَّى يَبْلُغَهُ فِي جُمْلَةِ الْوَحْيِ لِيَعْلَمَ اللَّهُ عِلْمَ ظُهُورِ أَنْ  
 مُحَقَّقَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ أَيْ أَنَّهُ قَدْ أَبْلَغُوا أَيْ الرَّسُولُ رَسَلَتْ رَبِّهِمْ رُوعِي بِجَمْعِ الصَّغِيرِ مَعْنَى مَنْ وَاحِطٌ  
 بِمَالِدِيهِمْ عَطَفَ عَلَى مُقَدَّرٍ أَيْ فَعَلِمَ ذَلِكَ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَذَابًا ﴿۳۷﴾ تَمَيِّزٌ وَهُوَ مُحَوَّلٌ عَنْ  
 الْمَفْعُولِ وَالْأَصْلُ أُحْصِيَ عَذَابُ كُلِّ شَيْءٍ

سورۃ جن مکیہ ہے جس میں ۲۸ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: ..... (اے محمد! آپ لوگوں سے) فرمادیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے (اللہ کا پیغام) کہ بلاشبہ (ضمیر شان  
 ہے) جنات کی ایک جماعت نے (میری قرأت) سنی ہے (جنات نصیبین مراد ہیں، صبح کی نماز کا واقعہ ہے، مکہ اور طائف کے  
 درمیان وادی نخلہ میں ہوا تھا، اسی کا ذکر واذ صرفنا الخ میں بھی گزر چکا ہے۔ چنانچہ ان جنات نے اپنی قوم سے جا کر) کہا کہ ہم نے  
 ایک عجیب قرآن سنا ہے (جس کی فصاحت اور معانی کا پھیلاؤ وغیرہ حیرت انگیز ہے) جو (ایمان و درستی کی) راہ راست بتلاتا ہے۔ سو  
 ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور (آج کے دن سے) ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور یہ واقعہ ہے (یہاں اور  
 اس کے بعد، دونوں جگہ ضمیر شان ہے) کہ ہمارے پروردگار کی بڑی شان ہے (اس کی عظمت و جلالت تمام نامناسب باتوں سے پاک  
 ہے) نہ اس نے کسی کو بیوی (الہیہ) بنایا اور نہ اولاد اور ہم میں جو احمق (بے وقوف) ہوتے ہیں وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی  
 باتیں کہتے ہیں (بیوی بچہ کی نسبت کر کے انتہائی جھوٹ کہتے ہیں) اور ہمارا یہ خیال تھا کہ (ان مخفقہ ہے تقدیر عبارت انہ ہے) انسان اور  
 جنات کبھی خدا کی شان میں جھوٹ بات نہیں کہیں گے (اسی قسم کی جھوٹی باتیں نہیں لگائیں گے کہ ہمیں ان کا جھوٹ ظاہر کرنا پڑے حق  
 تعالیٰ فرماتے ہیں) اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے کہ وہ پناہ لیا کرتے تھے۔ جنات میں سے بعض لوگوں کی (جب انسان سفر  
 میں کسی خوفناک جگہ منزل کرتے تو ہر آدمی کی زبان پر ہوتا کہ میں یہاں کے بدقماش جنات کی شرارت سے یہاں کے سردار کی پناہ میں آنا  
 چاہتا ہوں) سو ان آدمیوں نے (شریر جنات سے سرداروں کی پناہ چاہ کر) ان کی بددماغی اور بڑھادی (چنانچہ وہ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم  
 جن وانس کے حاکم ہیں) اور ان (جنات) نے بھی ایسا ہی خیال کر رکھا تھا۔ جیسا کہ (اے انسانو!) تم نے خیال کر رکھا ہے کہ (ان مخفقہ  
 ہے اے انہ) اللہ تعالیٰ کسی کو (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ نہیں کرے گا (جن بولا کہ) ہم نے آسمان کی تلاش لینا چاہی (چوری چھپے)  
 سو ہم نے اس کو (فرشتوں کے) سخت پہرہ اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا (جلادینے والے ستاروں سے، یہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت ہوا)  
 اور ہم (حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے) آسمانوں کے موقعوں میں سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے



لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے (جو اس کے مارنے کے لئے مہیا کیا گیا) اور ہم نہیں جانتے کہ کوئی تکلیف پہنچنا مقصود ہے (پوری چھپے سننے کے بعد) زمین و آسمان کو یہ ان کے رب نے ان کو ہدایت (خیر) کا ارادہ فرمایا ہے اور (قرآن سننے کے بعد) بعض ہم میں نیک ہیں اور بعض اور طرح کے ہیں (یعنی غلط قسم کے لوگ) ہم مختلف طریقوں پر تھے (متفرق جماعتیں، کچھ مسلمان کچھ کافر) اور ہم نے سمجھا یا ہے کہ (ان مختلفہ ہے ایسا) ہم زمین میں اللہ کو برا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر برا سکتے ہیں۔ یعنی (اللہ سے چھوٹ کر زمین میں یا بھاگ کر آسمان میں نہیں جاسکتے) اور ہم نے جب ہدایت (قرآن) کی بات سن لی تو اس کا یقین کر لیا۔ سو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لائے گا تو اسے (فائز ہو) مقدر ہے (نہ کسی) (کی نیکیوں کے گھنے) کا اندیشہ ہوگا اور نہ زیادتی کا (کہ ظلم کرے برائی میں اضافہ کر دیا جائے اور ہم میں بعض تو مسلمان ہیں اور بعض بے راہ ہیں) (اپنے کفر کی وجہ سے، حق سے بٹے ہوئے) سو جو شخص مسلمان ہو گیا تو اس نے بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا (راہ ہدایت اختیار کر لی) اور جو بے راہ ہیں وہ دوزخ کے اندھن ہیں (انسان، ماہم، اسہ بارہ جگہ اسہ تعالیٰ سے لے کر اسانا المسلمون تک اور ان کے درمیان ہمزہ مکسور کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور فتح ہمزہ کے ساتھ بھی توجہ کی جاتی ہے) آگے غارہ کے بارے میں ارشاد ہے (اورہ لوگ) (ان مختلفہ ہے بوجہ نقل کے جس کا اسم محذوف ہے ای وانہم اسہ استمع پر اس کا عطف ہوگا) اگر (اسلام کے) راستہ پر قائم ہو جاتے تو ہم ان کو سیراب کرتے بکثرت پانی سے (بارش کے ذریعہ، سات سات قحط کے بعد) تاکہ اس میں ان کا امتحان کریں (کھلے طور پر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان کے شکر کی کیا حالت رہی ہے) اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر (قرآن) سے روگردانی کرے گا ہم اس کو (ن اور یا کے ساتھ ہے) داخل کریں گے سخت عذاب میں اور مسجدیں (نماز پڑھنے کی جگہیں) اللہ کی ہیں، سو اس کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کیا کرو (شرک کرتے ہوئے جیسا کہ یہود نصاریٰ اپنے نبیوں، رجبوں میں داخل ہو کر شرک کرتے تھے) اور واقعہ یہ ہے کہ (انف فتح ہمزہ اور کسر ہمزہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور ضمیر شان ہے) جب اللہ کا بندہ خاص (محمد ﷺ) خدا کی عبادت کرنے (بطن نخلہ میں) کھڑا ہوتا ہے تو لوگ (یعنی جنات اس کی قرأت سننے کے لئے) اس پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں (لبدا کسرہ لام اور ضمہ لام کے ساتھ لبدة کی جمع ہے۔ قرآن سننے کے شوق میں ایک دوسرے کی گردن پر چڑھے جاتے ہیں) فرمایا (کفار کو جواب دیتے ہوئے ان کے اس مطالبہ کا آپ اپنی دعوت سے باز آجائیے اور ایک قرأت میں قس ہے) کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تمہارے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔ آپ کہہ دیجئے مجھ کو (نا فرمانی کی صورت میں) اللہ (کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ اس کے سوا میں کوئی پناہ (ٹھکانا) پاسکتا ہوں۔ لیکن پہنچانا (املاک کے معمول سے استثناء ہے ای لا املک لکم الا السلاع الیکم) اللہ کی طرف سے اور اس کے پیغامات کا ادا کرنا (اس کا عطف بلاغاً پر ہے اور مستثنیٰ اور استثناء کے درمیان ہمد معترضہ ہے۔ استطاعة کی نفی کی تاکید کے لئے) اور جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا نہیں مانتے (توحید کے متعلق جیسا ایمان نہیں لاتے) تو یقیناً ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ رہیں گے (یہ حال ہے لہ کی ضمیر سے جس کا مصداق من ہے معنی کی رعایت کرتے ہوئے) اور یہ حال مقدرہ ہے، یعنی بدخلونہا مقداراً خلودہم (ہمیشہ یہاں تک کہ جب دیکھ لیں گے) حتیٰ ابتدائیہ ہے جس میں غایت کے معنی ہیں جو اس سے پہلے مقدر ہے۔ ای لا یزالون علی کفرہم الی ان یزوا) جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی عذاب) اس وقت جان میں گئے (عذاب آنے پر، غزوہ بدر میں یا قیامت کے دن) کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت کم ہے (کفار یا مومنین، پہلی رائے کے مطابق اور دوسرے قول کے مطابق میں یا وہ۔ چنانچہ کچھ کافر کہتے گئے کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اس پر ارشاد ہوا کہ) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو خبر نہیں کہ جس (عذاب) کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے، یا میرے پروردگار نے اس کے لئے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے (جس کا پتہ اس کے سوا کسی کو نہیں ہے) غیب (جو بندوں سے اوجھل ہے) کا جاننے والا وہی ہے، سو وہ اپنے غیب پر (لوگوں میں سے) کسی کو مطلع نہیں کرتا، ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو، سو وہ (باوجود پیغمبر کو مطلع کرنے کے غیب کی باتوں میں سے جو چاہے بطور معجزہ کے بھیج دیتا ہے) چلاتا ہے۔ پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے (جو پوری وحی پہنچانے

تک اس کی حفاظت کرتے رہیں) تاکہ (کھلے بندوں) اللہ کو معلوم ہو جائے (ان مخفیہ ہے ای انہ) کہ پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں (ضمیر جمع لانے میں معنی من کی رعایت کی گئی ہے) اللہ تعالیٰ ان کے تمام حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے (اس کا عطف مقدر پر ہے۔ ای فعلہم ذلک) اور اس کے ہر چیز کی تعداد معلوم ہے (تمیز ہے مفعول سے بدلی ہوئی اصل عبارت احصی عدد کل شیء تھی)۔

**تحقیق و ترکیب:** ... من الجن۔ جن کی تعریف یہ ہے۔ جسم نارایہ ہوائیہ لها قدرۃ علی التشکلات بالصور لشریفة والخسیسة وتحکم علیہم الصورة اور فرشتہ کی تعریف یہ ہے جسم نورانیہ لها قدرۃ علی التشکلات بالصور الغیر الخسیسة ولا تحکم علیہم الصور۔ اس سے دونوں میں فرق بھی واضح ہو گیا۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ جنات بیس کی سل ہے۔ ان میں جو زیادہ شریروں سرکش ہوتے ہیں ان کو شیاطین کہا جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جن جان کی اول داور شیاطین بیس کی اولاد ہیں۔ نفخہ اولیٰ پر ابلیس مع شیاطین مرجائیں گے اور نصیین یمن کی ایک بستی کا نام ہے۔ سفیہنا۔ سفیہ سے مراد اگر متمردانسان ہو تب تو اضافت جنس کے لئے ہوگی اور سفیہ سے مراد اگر ابلیس ہو تو پھر اضافت عہد کے لئے ہوگی۔

علی اللہ کذباً۔ یعنی پہلے ہم یہ سمجھتے تھے کہ انسان اور جن خدا کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتے ہوں گے اس لئے شرک کو صحیح سمجھتے رہے۔ مگر جب شرک کا غلط ہونا واضح ہوا تو معلوم ہوا کہ خدا کے معاملہ میں بھی جھوٹ بولا جاسکتا ہے۔ وانہ کان رجال۔ جنات کی گفتگو کے درمیان یہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لیکن بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ بھی جنات کا کلام ہے۔ رجال من الجن۔ مفسر نے جن کلمات کو نقل کیا ہے مسافران کو کہہ کر رات بھر آرام سے بسر کرتا۔ بلکہ اگر کوئی راستہ بچلتا کسی کی کوئی چیز گم ہو جاتی تو جنات اس کی مدد کر دیتے۔ سب سے پہلے اس بدعت کی ایجاد یمن کے قبیلہ بنو حنیفہ سے ہوئی بعد میں مارے عرب میں یہی خیال پھیل گیا اسلام نے آ کر ان خیالات کی اصلاح کی کہ جن کا وجود اور ان کی قوت تو لائق تسیم ہے مگر لائق ستونت واستعذہ صرف اللہ کی ذات ہے۔

فزاودہم رھقا۔ مفسر نے رھقا کی تفسیر سدنا کے لفظ سے فرمائی ہے۔ صراح میں ہے کہ سدیسد کسرہ کے ساتھ بمعنی صار اسدیدا ہے اور بعض کے نزدیک ”سادیسود“ ہے۔ انہم ظنوا۔ مفسر نے ضمیر غائب جنات کی طرف اور ظنتم کی ضمیر خطاب انسانوں کی طرف راجع کی ہے لیکن اگر یہ جنات کا باہمی کلام ہے تو پھر ضمیریں برعکس ہوں گی۔

فوجدناھا۔ یہ اگر متعدی بیک مفعول ہے تو پھر جملہ ملئت حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہوگا لیکن اگر متعدی بدو مفعول ہے تو پھر یہ جملہ مفعول ثانی کی وجہ سے منصوب ہو جائے گا۔ اور حرمساً تمیز کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ امتلاء ماء اناء اور حرس اسم جمع ہے حارس کی۔ جیسے خادم کی اسم جمع خدام۔ حارس بمعنی نگران حراست مصدر ہے اور شدید حرس کی صفت ہے بلحاظ لفظ کے اگر معنی کی رعایت کی جاتی پھر صفت شداد آتی۔

شہب۔ شہاب کی جمع ہے۔ جیسے کتاب کی جمع کتب ہے۔ جنات کا رجم اگرچہ مفسر آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد سے مارے ہیں لیکن زخشری کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ شیاطین کا رجم پہلے ہی ہوا کرتا تھا۔ جیسا کہ جاہلیت کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے البتہ ان میں شدت آنحضرت ﷺ سے شروع ہوئی معمرز ہری سے بھی یہی نقل کرتے ہیں بلکہ لفظ ملئت سے بھی اس طرف اشارہ ہے کہ کثرت آنحضرت ﷺ کے وقت سے شروع ہوئی۔

شہاباً رصداً۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ رصداً مصدر بمعنی مفعول ہے اور لہ کا تعلق رصداً سے ہے۔ دوسرے مفسر رصداً مصدر بمعنی اسم فعل مانتے ہیں۔

اشرا رید۔ بعض کے نزدیک یہ قول جنات کا ہے اور بعض ابلیس کا کہتے ہیں۔  
 رشد سے ایمان اور شرک سے کفر مراد ہے شر میں رفع زیادہ بہتر ہے فعل مضمر کی وجہ سے۔  
 مصادون دلت۔ منا خبر مقدم اور دون مبتداء مؤخر ہے غیر کے معنی میں اور اسم غیر متمکن کی طرف اضافت کی وجہ سے اس پر فتح ہے یا محذوف کی صفت ہے۔ ای ومنافریق دون ذلک اور موصوف سے من تعریفیہ کا حذف کثرت ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں۔ مناظعن اور منا اقام ای منافریق ظعن۔  
 کنا طرائق اس میں کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ کما ذوی طرائق ای ذوی مذاہب مختلفہ تقدیر عبارت ہوگی۔

۲۔ کما فی اختلاف احوالنا مثل الطرائق المختلفہ تقدیر مانی جائے۔

۳۔ کما فی طرائق مختلفہ تقدیر نکالی جائے۔

۴۔ تقدیر عبارت کاست طرائقنا قلا داهو۔ بحذف المضاف اور ضمیر مضاف الیہ اس کے قائم مقام ہو۔

چنانچہ حضرت حسن، سہیل کہتے ہیں کہ انسانوں کی طرح جنات میں بھی قدریہ، جبریہ، رافضیہ وغیرہ مختلف مذہبی رویہ ہوتے ہیں۔  
 فلا یخاف۔ ای فہو لا یخاف پس یہ جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ورنہ قاحذف ہونی چاہئے تھی اور جواب شرط کی وجہ سے جزم آنا چاہئے تھا۔ لیکن اس تقدیر پر کیا فائدہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ سورت تجویز کی؟ جواب یہ ہے کہ اس طرف کلام سے تحقیق و تاکید متصوہ ہے کہ مومن ضرور مستحق نجات ہے اور مومن کے لئے نجات مخصوص ہے دوسرے کے لئے نہیں۔ لاہو یخاف کے معنی یہ ہیں کہ عیسرہ یکون خانقا شروع سورت میں انہ استمع صرف فتح ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد انا سمعاً صرف کسہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد وان المساجد میں صرف فتح ہمزہ ہے اور وانہ لما قام میں دونوں وجہیں ہیں۔ پس اس طرح کل مواقع سولہ ہوئے۔ جن میں سے دو جگہوں میں فتح واجب ہے اور ایک جگہ کسرہ واجب ہوا اور تیرہ جگہیں ایسی ہیں جہاں فتح کسہ دونوں جائز ہیں۔ ہمزہ جگہیں مفسر علام نے بیان کی ہیں اور ایک جگہ ان کے بعد ”انہ لما قام“ ہے۔ ابو عمر اور تاج اور ابن کثیر اور ابو بکر کے نزدیک کسہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ ”انا سمعنا“ پر عطف کرتے ہوئے گویا کل جملے ان کے اقوال کی حکایت ہے اور سب جملے مستقل ہیں۔ وافتحہا سما یوجہ بہ۔ یعنی فتح کی توجیہ جاری کرتے ہوئے فتح ہمزہ بڑھایا جائے گا اور فتح کی وجہ دو ہیں، ایک یہ کہ ”انہ استمع“ پر عطف کیا جائے۔ لیکن یہ وجہ انا لمسنا السماء اور انا کنا اور لاندری جیسے مواقع میں ٹوٹ جاتی ہے۔ جہاں ان کا عطف درست نہیں معنی نہ ہونے کی وجہ سے مگر پھر فتح پڑھا جا رہا ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام جگہوں میں قول مقدر مان لیا جائے۔ ای اوحی قولہم دلت اور دوسری توجیہ فتح کی یہ ہوگی کہ ان کا عطف بہ پر ہوگا۔ ”آصابہ“ میں تقدیر جار کرتے ہوئے اور ان ان میں حرف جر کی تقدیر قیاس ہے یا جار مجرور کے محل پر عطف کیا جائے۔ ای صدقناہ و صدقناہ انہ تعالیٰ جد ربنا وانہ کان یقول سبیہا

وان لو استقاموا۔ اس میں ان مخففہ ہے، ضمیر اسم محذوف ہے جس کا مرجع قریش اور جن وانس ہیں اگرچہ بعض حضرات اس کو ضمیر شان کہتے ہیں۔ لیکن ضمیر شان بے ضرورت ہے۔

یسلک۔ لفظ سلک مفعول ثانی کی طرف فی کے ذریعہ متعدی ہوا کرتا ہے اور یہاں براہ راست متعدی ہو رہا ہے۔ مفسر اس کے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ بقول صاحب کشاف سلک دخل کے معنی کو متضمن ہے۔

صعدا۔ بطور استعارہ بمعنی مشقت ہے۔

ان المساجد یہ حصہ بھی منجملہ وحی کے ہے مساجد جمع مسجد ہے اور مسجد مصدر میسی اور ظرف دونوں بن سکتا ہے اور ظروف کی صورت میں اعضاء سجود یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

وانہ لما قام اس میں حجوں کی طرف اشارہ ہے جہاں عبداللہ بن مسعود بھی آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھے۔ بارہ یا ستر ہزار جنات حاضر خدمت ہو کر بیعت ہوئے یہ بیعت شق قمر کے موقع پر ہوئی۔ مفسر اگر چہ ظن نخلہ کا نام لے رہے ہیں تاہم اس سے پہلے بھی بن خلد میں سات یا نو جنات حاضر خدمت ہوئے تھے۔

کادوا یکون علیہ لبداء اس کا قرینہ ہے کہ حجوں کی بیعت مراد ہے، جس میں جنات کا جم غفیر حاضر ہوا تھا۔ لبداء کہتے ہیں ایک دوسرے پر تہہ برتہ ہونا۔ ام کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ لبداء کی جمع ہے، سدرۃ، غرۃ کے وزن پر۔

قال اما ادعوا۔ عاصم، حمزہ کی قرأت پر قال کے بجائے قل ہے۔ غیبت سے خطاب کی طرف التفات کرتے ہوئے ادعوا مفسر نے الہا نکال کر اشارہ کیا ہے کہ ادعوا بمعنی اعتقد ہے اور دو مفعول کی طرف متعدی ہے اور اعیاد کے معنی اُتر لئے ج میں تو پھر اس تقدیر کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ضرا بطور مجاز مرسل ضرر سے غی مراد ہے سبب بول کہ مسبب مراد لیا گیا ہے۔

الا بلاغا۔ یہ ملتحدہ سے بدل بھی ہو سکتا ہے اور فراء کی رائے یہ ہے کہ یہ استثناء نہیں ہے بلکہ شرط و جزاء ہے ای ان لا ابلغ بلاغا ای ان لم ابلغ لم اجد من دونہ ملتجاء ولا مجیر الی۔ حتی اذا راوا۔ یہ غایت بر حال مقدرہ جو پہلے فی الدین سے مفہوم ہو رہا ہے کیونکہ خلود فی النار۔ دوام کفر کو مستلزم ہے کیونکہ ایمان سے خلود نار منقطع ہو جاتا ہے۔

فسیعلمون یہ اذا کا جواب ہے، اس آیت کے معنی مختلف ہیں اور آراء بھی مختلف ہیں۔ تاہم ظاہری معنی یہ نکل رہا ہے کہ مسجد میں دنیاوی گفتگو جائز نہیں ہے بلکہ درس و تدریس اور فعل مقدمات کی اجازت بھی نہیں ہے حتیٰ کہ تلاوت یا ذکر اتنی جہر سے کہ نماز میں خلل انداز ہونا پسندیدہ اور موضوع مسجد سے خارج ہے اور بعض اہل علم نے اگر ان چیزوں کی اجازت دی ہے تو دنیا کی باتیں کرنے کی اجازت نہیں دی، کیونکہ اس آیت کی رو سے جب ذکر اللہ کے ساتھ دوسری باتیں جائز نہیں تو خاص دنیاوی باتیں کس طرح جائز ہوں گی۔ حدیث میں ہے۔ من تکلم بکلام الدنیا فی حمتقواضع احبط اللہ من عبادۃ اربعین سۃ۔ ۱۔ مسجد۔ ۲۔ تلاوت قرآن۔ ۳۔ وقت اذان۔ ۴۔ مجلس علماء۔ ۵۔ زیارت قبور۔ تفسیر زبیدی میں ہے کہ ان المساجد اللہ سے مراد مسجد حرام ہے کیونکہ وہ تمام مساجد کا قبلہ ہے اور بعض نے اس سے سجدہ کے اعضاء اور بعض نے سجدات مراد لئے ہیں اور سین محض تاکید کے لئے استیصال کے لئے نہیں ہے کیونکہ عذاب کے وقت بھی یہ علم حاصل رہتا ہے۔

من اضعف من استفہامیہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور جملہ قائم مقام مفعولین کے لئے یعلمون کے اور من موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ اضعف مبتداء محذوف ہو کی خبر ہے اور جملہ صلہ ہے اور عائد محذوف ہے ورنہ صلہ طویل ہو جاتا اور ساصرا ان اکثر منک مالا کی طرح تمیز ہے۔ ایسے ہی ”اقل عددا“ تمیز ہے مفسر کے قول اول سے مراد ہر اور ثانی سے مراد قیمت ہے۔ لیکن دوسرے مفسرین نے تعین نہیں کی۔ بلکہ دونوں صورتوں میں دونوں تو جیہیں ہو سکتی ہیں۔

فل ان ادری۔ نصر بن حارث کے جواب میں کہا گیا ہے۔

اقریب۔ خبر مقدم ہے اور مائتو عدون مبتداء موخر ہے اور قریب مبتداء بھی ہو سکتا ہے استفہام پر اعتقاد کی وجہ سے اور مائتو عدون اس کا فاعل ہے۔ ای اقرب الذی تو عدون جیسے کہا جائے اقائم ابوک اور مائتو عدون میں ما موصولہ بھی ہو سکتا ہے۔ سبب عائد محذوف ہوگا اور مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے۔ جس میں عائد کی ضرورت ہی نہیں۔ زنجشتری کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ ام جعل لہ ربی امداء کیا معنی؟ کیونکہ آمد قریب اور بعید دونوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ تو دلوان بینہما و بینہ امداء بعیدا میں بعید کے لئے استعمال ہے جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ وعدۂ قیامت کو قریب سمجھتے تھے۔ اس لئے آیت کے معنی یہ ہوں گے۔ ما ادری

هو حال متوقع في كل ساعة ام مؤجل ضربت له غاية.

فلا يظهر على غيبه. معتزليه اور كراميه اس سے كرامات اولياء کے بطلان پر استدلال كرتے ہیں لیکن اہل حق کی طرف سے اس کے كئی جواب ہیں۔

۱۔ اول یہ ہے کہ بیون غیب سے مراد قیامت ہے جیسا کہ سیاق آیت دلالت کر رہا ہے پس ممکن ہے اللہ نے کسی پیغمبر یا فرشتہ کو اس کی اطلاع کر دی ہو۔

۲۔ دوسرے یہ کہ رسول سے فرشتہ مراد ہو اور اظہار سے مراد بلا واسطہ ہو۔ پس كرامات اولياء اور ان کی اطلاعات مغیبات پر فرشتوں کی تلقین ہوتی ہوگی۔ جیسا کہ شیخ اکبر فتوحات میں لکھتے ہیں یا خواب کے ذریعہ ہوتی ہوگی جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں۔

۳۔ شرح مقصد میں ہے کہ غیب سے عام معنی مراد ہیں کیونکہ اسم جنس مضاف بمنزلہ معرف بالام کے ہوتا ہے۔ بالخصوص جب کہ اصل میں مصدر ہو۔ ای لا یطلع علی غیبہ احدا۔ پس یہ اس کے منافی نہیں کہ بعض کو بعض مغیبات کی اطلاع ہو جائے۔

۴۔ ولی کو معرفت ظن الغیب کے درجہ میں ہوتی ہے۔ اس کو علم غیب نہیں کہا جائے گا اور اس آیت میں پیغمبر کے علاوہ کے لئے علم غیب کے اعدام کی نفی کی گئی ہے اور ممکن ہے حق اس سے متجاوز نہ ہو اور تفسیر مدارک میں تاویلات سے نقل کیا گیا ہے کہ آیت میں منجمن کی تکذیب پر دلالت ہے۔ حالانکہ منجمن کی خبر صحیح نکلتی ہے اسی طرح اطباء نباتات کی طبیعت و تاثیر سے واقف ہوتے ہیں اور یہ باتیں غور و فکر سے ہرگز نہیں معوم ہوتیں بلکہ کسی نبی پر یہ علم اترا ہوگا جو بعد میں باقاعدہ ایک فن مدون ہو گیا۔

فلا يظهر. ابن شیح کی رائے یہ ہے کہ اللہ اپنے مخصوص علم کو پیغمبر کو عطا فرمادیتا ہے البتہ جو علم غیب مختص ہوتا ہے وہ انبیاء کے علاوہ اوروں کو بھی معوم ہو سکتا ہے خواہ انبیاء کے توسط سے یا دلائل قائم کر کے اور ترتیب مقدمات کے ذریعہ یا بطریق الہام کے۔ حاصل یہ کہ اپنے پسندیدہ پیغمبر کو اللہ چاہے تو بعض مغیبات سے دے سکتا ہے۔

یسئل من بین یدیه یعنی کسی پیغمبر کو جب کوئی پوشیدہ راز بتلایا جاتا ہے تو فرشتے چاروں طرف سے اس کی حفاظت کرنے پر مامور کر دیئے جاتے ہیں شیطانی تصرف و گزند سے بچانے کے لئے اس آیت سے پیغمبروں کے لئے علم غیب متنازع فیہ پر استدلال کرنا کم فہمی ہے بلکہ اس سے تو اس کے خلاف ثابت ہو رہا ہے۔

لیعلم اللہ. اشکال یہ ہے کہ علم حادث کی غایت علم قدیم کس طرح ہو سکتا ہے مفسر نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا کہ علم کا ظہور اور تعین مراد ہے اور جواب میں یہ کہتے ہیں کہ لبعلم کی ضمیر پیغمبر کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ عبدالرزاق نے قدہ سے نقل کیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ پیغمبر جان لے کہ رسول نے اللہ کا پیغام دیا ہے اور مجاہد فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ جان جائے پیغمبر کی تکذیب کرنے والا کہ انہوں نے پیغام الہی پہنچا دیا۔

واحاط مفسر تو علم مقدر پر عطف کر رہے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فلا يظهر پر عطف ہے۔ ای عالم العیب فلا يظهر واحاط بما عند الرسول. البتہ چونکہ ماضی کا عطف مضارع پر مستحسن نہیں ہے، اس لئے مفسر نے قد مقدر مان کر جملہ حالیہ قرار دیا ہے۔ عدد ۱. یہ احصی کے مفعول سے تمیز ہے اور بعض نے اس کو حال کہا ہے۔ ای معدودا۔

ربط آیات: .. سورہ نوح میں قوم نوح کے کفر و عقوبت کا حال سنا کر معاصر کفار کو ڈرانا تھا ایمان نہ لانے پر اور اس سورہ جن میں جنات کے ایمان لانے کا بیان کر کے ایمان کی طرف ترغیب ہے جس میں توحید و رسالت و مجازات سب داخل ہیں گویا یہ تاثر دینا ہے کہ جب ناری الاصل مخلوق ایمان لے آئی تو ترابی الاصل مخلوق کو بطریق اولی ایمان قبول کرنا چاہئے۔





میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ بالآخر قرآن نے آ کر ان سب خرابیوں کی جڑ کاٹی مسلمان جنات اپنی قوم سے کہنے لگے کہ کس طرح مرنے کے بعد جی اٹھنے کے منکر ہو اور یہ کہ آئندہ کوئی نبی نہیں آئے گا جتنے آچکے، بس آچکے۔ بہت سے انسان بھی انہیں باتوں کے قائل تھے مگر اب قرآن سن کر پتہ چلا کہ خدا نے ایک عظیم الشان رسول بھیجا جو عقیدہ قیامت کا اعلان کرتا ہے۔ جس میں رتی رتی کا حساب دینا ہو گا چنانچہ آسمان کے قریب حسب معمول پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ آج کل بہت سخت جنگی پہرے لگے ہوتے ہیں اب غیب کی خبریں سننا تو کیا معنی؟ کسی کو پاس بھی پھٹکنے نہیں دیا جاتا ہے۔ جو ارادہ بھی کرتا ہے اسے انگارے مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔

**شبہات کا ازالہ:** ..... وانا کنا نقعد۔ یہ مواقع آسمان کے اجزاء کے ہوں یا ہوا کے اجزاء کے یا کسی ملء اور خلء کے ہوں اور جنات اپنی لطافت اور ثقل نہ ہونے کی وجہ سے اس پر اس طرح ٹھہر سکتے ہیں جیسے ہوا میں پرندے چلتے پھرتے ٹھہر جاتے ہیں۔ پہلے اتنی روک ٹوک اور سختی نہ تھی، کچھ پابندی کے باوجود گھات لگا کر کچھ سن آیا کرتے تھے مگر اب تاکہ بندی کا یہ حال ہے کہ جہاں کسی نے ذرا ارادہ کیا اور شباب ثاقب کے آتشیں گولوں نے اس کا تعاقب کیا۔

**آیت فمن یستمع الان۔** پھر اگر یہ شبہ ہو کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی تو شباب بنتے تھے پھر تحقیق کیسی؟ جواب یہ ہے کہ پہلے اسباب طبعیہ کے ماتحت شباب بنتے تھے مگر آنحضرت ﷺ کے بعد فرشتوں کا ان میں تصرف اور شیاطین کو رجم کرنا یہ خصوصی اثر مراد ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ آخر یہ جدید انتظامات اور سخت پہرے خدا جانے کس مقصد کے لئے ہوتے ہیں۔ قرآن کا نازل ہونا اور پیغمبر عربی کا آنا ان کا سبب ہو۔ یہ تو ہماری سمجھ میں بھی آتا ہے مگر نتیجہ کیا ہونے والا ہے؟ لوگ قرآن کی ہدایت قبول کر کے راہ راست پر آ جائیں گے اور اللہ کی خصوصی عنایات کے مستحق بنیں گے یا ان سے روگردانی کر کے پاداش کے طور پر تباہ و برباد ہوں گے؟ اس کا حل اللہ کے سوا کون جان سکتا ہے، شاید اس سے علم غیب کی نفی کی تقویت مقصود ہو لوگ تو علم غیب کی نسبت جنات کی طرف کرتے ہیں حالانکہ ہمیں اتنی بھی خبر نہیں ہے۔ جس طرح قرآن سے پہلے سب کی راہ ایک نہیں تھی، لوگ اچھے براؤں میں بنے ہوئے تھے، اب ایک کی راہ الگ الگ تھی، اب قرآن آنے کے بعد سب کو نیک اور ایک ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن ہو گا اب بھی وہی کہ لوگ فرقوں میں بٹ جائیں گے تاہم یہ یقین کر لینا چاہئے کہ اگر ہم نے قرآن کو نہ مانا تو اللہ کی سزا سے بچ نہیں سکتے نہ کہیں زمین میں چھپ کر نہ اڑتے اڑتے بھاگ کر، نہ ہوا میں اڑ کر۔

**قرآن نازل ہونے کے بعد بھی لوگ دو طرح کے ہو گئے:** ..... وانا لما سمعنا جنات میں اللہ نے سب سے پہلے ہمیں ہی قرآن سننے اور پیغمبر پر ایمان لانے کا موقع عنایت فرمایا ایک منٹ کی بھی دیر نہیں کی اللہ کے ہاں سچے ایماندار کے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں اور نہ اس کی نیکی ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے اور نہ ہی ظلم و زیادتی کا امکان ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی غرض ایماندار آدمی نقصان، ذلت و رسوائی سب سے محفوظ ہے۔ بہر حال قرآن نازل ہونے کے بعد دو طرح کے لوگ ہو گئے۔ ایک پیغام الہی قبول کرنے والے اور جمع و طاعت سے نردن جھکانے والے یہ تو تلاش حق میں کامیاب کہلائیں گے۔ اور ایک وہ ہیں جنہوں نے نافرمانی اور جبر و کی کاروائی اختیار کیا اور احکام الہی کی فرمانبرداری سے انحراف کیا یہ جہنم کے کندے اور دوزخ کا ایندھن بنے۔ ج میں ہے۔

**وان لو استقاموا۔** اس سے پہلے جنات کی گفتگو نقل کی گئی تھی اور یہاں سے حق تعالیٰ کی نصائح ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ انسان و جنات اگر سیدھی راہ چلتے ہیں تو ایمان و طاعت کی بدولت ان کے لئے ظاہری و باطنی برکات کی سیرابی ہے اور اس میں بھی ان کی آزمائش ہے کہ آیا نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر شکر نعمت بجالاتے ہیں یا کفران نعمت کر کے اصل سرمایہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ



آنحضرت ﷺ کی بددعا سے اس وقت اہل مکہ قحط سالی کی گرفت میں آ گئے تھے۔ تنبیہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر اب بھی اپنی شرارت و سرکشی سے باز آ کر اللہ کے راستہ پر چل نکلیں تو ہم بارانِ رحمت سے ملک کو سرسبز و شاداب کر سکتے ہیں ورنہ اللہ کی یاد سے منہ موڑ کر آدمی کو چین نصیب نہیں ہو سکا بلکہ وہ ایسے راستہ پر چل رہا ہے جہاں پریشانی اور عذاب ہے۔

اسلام کا دوسرے مذاہب سے امتیاز:..... وان المساجد اور یاد الہی کے لئے یوں تو کسی جگہ کی تخصیص نہیں ہے۔ ساری زمین ہی اس امت کے لئے مسجد بنادی گئی ہے۔ دوسرے مذاہب کی طرح مندر اور گرجا کی قید نہیں ہے، یہ اس امت کی خصوصیت ہے کہ عبادت کے لئے ہر جگہ سر جھکا سکتی ہے۔ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً۔ زمانِ عبادت تو اس امت کے لئے خاص ہے۔ مگر حدیث جعلت لی الارض کلھا مسجد او طھورا کے لحاظ سے مکانِ عبادت میں تقیم ہے۔ تاہم عبادت ہی کے لئے جو مکان مسجد کے نام سے خاص کئے جائیں ان کو اور زادہ امتیاز اور شرف حاصل ہے۔ وہاں جا کر اللہ کے سوا کسی اور کو پکارنا ظلمِ عظیم اور بدترین شرک ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی توحید ہر جگہ ہے، شرک کی اجازت کہیں بھی نہیں بالخصوص مساجد جو اللہ کے نام تنہا اسی کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے۔ اس میں شریکِ راگ الا پنا حد درجہ گمراہی ہے۔ بعض مفسرین ”مساجد“ سے مراد وہ اعضاء دیتے ہیں جو سجدہ کے وقت زمین پر رکھے جاتے ہیں اب مطلب یہ ہوگا کہ خدا کے بنائے ہوئے اعضاء کو اور کے آگے کیوں جھکاتے ہو سر اللہ ہی کے آگے جھکنا چاہئے اور ہاتھ اسی کے آگے ٹیکنا چاہئیں۔

پیغمبر بھی دوسروں کی طرح اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے:..... وانہ نما قام۔ محمد رسول اللہ ﷺ جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں تو لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے ہیں۔ مومن تو قرآن سننے کے شوق و ذوق میں اور کفار عناد میں ہجوم کرتے ہیں آپ کفار سے کہہ دیجئے کہ تم مجھ پر بھیڑ کیوں کرتے ہو میں کوئی بری، نامعقول بات تو نہیں کہتا صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کا شریک کسی کو نہیں گردانتا اس میں لڑنے جھگڑنے کی کیا بات ہے۔ پھر بھی یاد رکھو، میرا بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر ہے جو ہر قسم کی دہائی سے پاک اور بے نیاز ہے اس لئے مجھ پر تمہارے اس ہجوم کا کوئی اثر نہیں پڑتا کہ میں اپنے طریقہ سے دستبردار ہو جاؤں۔ یہ صحیح ہے کہ میرے اختیار میں نہیں کہ تم سب کو راہ پر لے آؤں یا نہ آنے کی صورت میں تمہیں کوئی نقصان پہنچا دوں؟ یہ سب باتیں اللہ کے قبضہ کی ہیں۔ تمہارا نفع نقصان تو بجائے خود، میں تو خود اپنے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں بالقرض میں اگر اپنے فرائض میں کوتاہی کروں تو نہ اللہ سے مجھے کوئی بچا سکتا ہے اور نہ کہیں بھاگ کر جاسکتا ہوں۔ میرے اختیار میں بس اس نے یہ دے رکھا ہے کہ اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دوں اسی فرض کی بجا آوری پر اس کی حمایت و پناہ میں رہ سکتا ہوں البتہ اللہ کی اور میری نافرمانی سے تمہیں نقصان ضرور پہنچے گا۔

ابلاغ اور رسالت میں فرق:..... ابلاغ اور رسالت میں تحقق کے لحاظ سے عموم خصوص من وجہ ہے اگر ایک حکم کا اعلان کیا جائے اور دوسرے احکام کا اعلان نہ ہو تو ابلاغ متحقق ہوگا رسالت متحقق نہ ہوگی اور اگر سب احکام خاص خاص لوگوں کو پہنچا دیئے جائیں مگر عام اعلان نہ ہو تو رسالت کا تحقق ہوگا، ابلاغ کا نہیں اس لئے دونوں کو جمع کر کے بتلادیا کہ نبی کے ذمہ تمام احکام کا عام طور پر پہنچانا واجب ہے۔

علم غیب کی بحث:..... حتی اذا راوا۔ تم یہ سمجھ کر کہ محمد ﷺ کے ساتھی بہت تھوڑے سے ہیں اور وہ بھی کمزور، مجھ پر ہجوم کر کے چڑھ آتے ہو تو یاد رکھو، وقت آئے گا جب تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ کس کے ساتھی کمزور اور کم تعداد ہیں؟ رہا یہ کہ یہ وعدہ کب پورا

ہوگا جہد یہ بدیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا، قیامت کا نپا تلا وقت اللہ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ یہ ان مغیبات میں سے ہے جو اللہ کے لئے مخفی ہیں وہ اپنے پورے بھید کسی کو نہیں دیتا ہاں! جو اس کے رسول ہیں ان کے منصب کے شایان شان بھیدوں کی خبر وحی کے ذریعہ ان کو دے دیتا ہے۔ خواہ وہ نبوت کے لئے متعلق ہوں۔ جیسے: پیشین گوئیاں خواہ فروغ نبوت سے ہوں جیسے علوم احکام اور وحی بڑے محفوظ طریقہ سے ان کو دی جاتی ہے۔ جس میں نہ بیرونی شیطانی کا دخل ہے اور نہ اندرونی نفسانی آمیزش ہے انبیاء کے علوم میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی۔ اوروں کی معلومات میں کئی طرح کے احتمالات ہو سکتے ہیں اس لئے محققین صوفیاء کہتے ہیں کہ ولی اپنے کشف و اہم کو قرآن و سنت پر پیش کرے موافقت کی صورت میں قابل قبول ورنہ قابل رد ... علم غیب پر آیت وما کان اللہ لیطلعکم علی العیب الخ (آل عمران) اور آیت ان اللہ عنده علم الساعة الخ وغیرہ کے مواقع پر مفصل کام گزر چکا ہے۔

وحی کی حفاظت: ..... لیعلم ان قد ابلغوا۔ یعنی اتنے زبردست انتظامات اس لئے نہیں کہ اللہ دیکھ لے کہ فرشتوں اور پیغمبروں دونوں نے اپنے اپنے فرائض بلا کم و کاست ٹھیک ٹھیک انجام دیئے ہیں یوں ہر چیز اللہ کے قبضہ اور حکمرانی میں ہے وحی الہی میں تغیر و تبدل کا امکان ہی نہیں، تاہم یہ چوکی، پہرے، شان حکومت ظاہر کرنے اور سلسلہ اسباب کی حفاظت کے لئے بہت سی حکمتوں کے پیش نظر ہے ورنہ اللہ کو کچھ حاجت نہیں ہے آنحضرت ﷺ کے محافظ پہرہ دار چار تھے۔

یسئلک۔ میں چوری اور التباس سے حفاظت مقصود ہے اور احاطہ سے وساطت کی حفاظت بلحاظ صلاحیت مراد ہے اور احصیٰ سے نسیان سے حفاظت مقصود ہے۔ بس اس طرح اول سے آخر تک سب حفاظتیں آگئیں۔ حاصل یہ نکلا کہ قیامت کا علم نبوت کے علوم میں سے نہیں ہے۔ اس لئے اس کا نہ ہونا نبوت میں رخنہ انداز نہیں اور نہ قیامت کے نہ واقع ہونے کو مستلزم ہے۔ البتہ آپ کو علوم نبوت عطا کئے جاتے ہیں اور وہی مقصد بعثت ہیں ان میں احتمال خطا نہیں ہے اس لئے ان سے مستفید ہونا چاہئے اور زوائد کی تحقیق میں نہیں پڑنا چاہئے۔ جنات کی تحقیق آ کام المرجان اور تفسیر عزیزی میں ملاحظہ کی جائے۔

لطا ئف سلوک: ..... انہ کان رجال۔ اس سے ان لوگوں کی مذمت واضح ہے جو خود کو زبردستی صوفیاء میں شمار کرتے ہیں اور

ایسے ایسے تعویذات و عملیات میں مشغول رہتے ہیں جن میں جنات اور موکلوں کو نداء کی جاتی ہے اور ان سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

قل انی لا املک۔ اس سے آنحضرت ﷺ کے قدرت مستقلہ اور علم محیط کی نفی صراحۃً معلوم ہو رہی ہے پھر دوسرے تو کس

شمار میں ہیں۔

## سُورَةُ الْمُرْمَلِ

سُورَةُ الْمُرْمَلِ مَكِّيَّةٌ أَوَّلًا قَوْلُهُ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ إِلَى آخِرِهَا فَمَدَنِيٌّ تِسْعَ عَشْرَةَ أَوْ عِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الْمُرْمَلُ ﴿١﴾ النَّبِيُّ وَأَصْلُهُ الْمُرْمَلُ أُدْغِمَتِ التَّاءُ فِي الزَّائِ أَيْ الْمُتَلَفَّفُ بِشَيْبِهِ حِينَ مَجِيءِ الْوَحْيِ لَهُ خَوْفًا مِنْهُ لِهَيْبَتِهِ قُمْ اللَّيْلَ صَلِّ الْآقِلِيلًا ﴿٢﴾ نِصْفَهُ بَدَلٌ مِنْ قَلِيلًا وَقَلْتَهُ بِالنَّظَرِ إِلَى الْكُلِّ أَوْ انْقُصَ مِنْهُ مِنَ النِّصْفِ قَلِيلًا ﴿٣﴾ إِلَى الثَّلَاثِ أَوْ رُدَّ عَلَيْهِ إِلَى الثَّلَاثِينَ وَأَوَّلِ التَّخْصِيرِ وَرَقِلَ الْقُرْآنُ تَثَبَّتْ فِي تِلَاوَتِهِ تَرْتِيلًا ﴿٤﴾ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا قُرْآنًا ثَقِيلًا ﴿٥﴾ مَهِيًا أَوْ شَدِيدًا لِمَافِيهِ مِنَ التَّكَالِيفِ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ الْقِيَامِ بَعْدَ النَّوْمِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً مُوَافِقَةً السَّمْعِ لِلْقَلْبِ عَلَى تَفْهِيمِ الْقُرْآنِ وَأَقْوَمُ قِيْلًا ﴿٦﴾ أَبِيرُ قَوْلًا إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ نَسَبًا طَوِيلًا ﴿٧﴾ تَصَرُّفًا فِي إِشْغَالِكَ لَا تَفَرُّغُ فِيهِ لِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَادْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ أَيْ قُلْ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فِي ابْتِدَاءِ قِرَاءَتِكَ وَتَبَتَّلْ انْقَطِعْ إِلَيْهِ فِي أُعْبَادَةٍ تَبْتِيلًا ﴿٨﴾ مَصْدَرُ بَتَلٍ جِيءَ بِهِ رِعَايَةً لِلْفَوَاصِلِ وَهُوَ مَلْزُومُ التَّبَتُّلِ هُوَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿٩﴾ مَوْكُولًا لَهُ أُمُورُكَ وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ أَيْ كُفَّارُ مَكَّةَ مِنْ أَذَاهُمْ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴿١٠﴾ لَا جَزَعَ فِيهِ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِقِتَالِهِمْ وَذَرْنِي أُنْرِكُنِي وَالْمُكَذِّبِينَ عَطَفَ عَلَى الْمَفْعُولِ أَوْ مَفْعُولٍ مَعَهُ وَالْمَعْنَى أَنَا كَافِيكَهُمْ وَهُمْ صَنَادِيدُ قُرَيْشٍ أُولَى النُّعْمَةِ التَّنْعَمُ وَمَهْلُهُمْ قَلِيلًا ﴿١١﴾ مِنَ الزَّمَنِ فَقَتَلُوا بَعْدَ يَسِيرٍ مِنْهُ بَيِّنٌ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا قِيُودًا ثِقَالًا جَمْعُ نَكْلٍ بِكَسْرِ التَّوْنِ وَجَحِيمًا ﴿١٢﴾ نَارًا مُحَرَّقَةً وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ يَغْصُ بِهِ فِي الْحَلْقِ وَهُوَ الزَّقُّومُ أَوْ الضَّرِيعُ أَوْ الْغُسْلِيُّنُ بِشَوْكٍ مِنْ نَارٍ لَا يَخْرُجُ وَلَا يَنْزِلُ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣﴾ مُؤَلِّمًا زِيَادَةً عَلَى مَا ذَكَرَ لِمَنْ كَذَّبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ تَرْجُفُ تَزَلْزُلُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيرًا مَمْلَأًا مُجْتَمَعًا مَهِيلًا ﴿١٤﴾ سَائِلًا نَعْدَاجَتَاعِهِ وَهُوَ مِنْ هَالٍ يَهِيلُ وَأَصْلُهُ مَهْيُولٌ اسْتَقَلَّتِ الضَّمَّةُ عَلَى الْبَاءِ فَنُقِلَتْ إِلَى

الْهَاءَ وَحُدِفَتْ <sup>۷۲</sup> اَوْ ثَانِي السَّاكِنِينَ لِزِيَادَتِهَا وَقُلِبَتِ الضَّمَّةُ كَسْرَةً لِمَجَانِسَةِ الْيَاءِ اِنَّا ارْسَلْنَا اِلَيْكُمْ يَا  
اهْلَ مَكَّةَ رَسُولًا هُوَ مُحَمَّدٌ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَا يَصْدُرُ مِنْكُمْ  
مِنْ الْعُضْيَانِ كَمَا ارْسَلْنَا اِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿٥٥﴾ وَهُوَ مُوسَى عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَعَصَى  
فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَاَخَذْنَاهُ اخْذًا وَّبِيلًا ﴿٥٦﴾ شَدِيدًا فَكَيْفَ تَتَّقُونَ اِنْ كَفَرْتُمْ فِي الدُّنْيَا يَوْمًا  
مَفْعُولٌ تَتَّقُونَ اَيَّ عَذَابِهِ اَيَّ بَآئٍ حِصْنٍ تَحَصَّنُونَ مِنْ عَذَابٍ يَوْمٍ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿٥٧﴾ جَمْعُ  
اَشْيَبٍ لَشَدَّةِ هَوْلِهِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَالْأَصْلُ فِي شَيْبٍ الضَّمُّ وَكُسِرَتْ لِمَجَانِسَةِ الْيَاءِ وَيُقَالُ فِي  
الْيَوْمِ الشَّدِيدِ يَوْمٌ يَشِيبُ نَوَاصِي الْأَطْفَالِ وَهُوَ مَحَازٍ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ فِي الْآيَةِ الْحَقِيقَةُ  
بِالسَّمَاءِ مُنْفَطِرًا ذَاتِ انْفِطَارٍ اَيَّ انْتِشَاقٍ بِهِ بِذَلِكَ الْيَوْمِ لِشِدَّتِهِ كَانَ وَعْدُهُ تَعَالَى بِمَجِيءِ ذَلِكَ  
الْيَوْمِ مَفْعُولًا ﴿٥٨﴾ اَيَّ هُوكَايْنٍ لَا مَحَالَةَ اِنَّ هَذِهِ الْآيَاتِ الْمُخَوِّفَةِ تَذَكُّرَةٌ عِظَّةٌ لِلْخَلْقِ فَمَنْ شَاءَ  
ع اتَّخَذْ اِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٥٩﴾ طَرِيقًا بِالْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَى أَقْلٍ مِنْ ثُلثِي  
الَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ بِالْحَرِّ عَطِطَ عَلَى ثُلْثِي وَبِالنَّصَبِ عَطِطَ عَلَى أَدْنَى وَقِيَامُهُ كَذَلِكَ نَحْوَمَا أَمَرَهُ  
أَوَّلُ السُّورَةِ وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ عَطِطَ عَلَى ضَمِيرِ تَقُومُ وَجَازَ مِنْ غَيْرِ تَاكِيدٍ لِنُفْضِلِ وَقِيَامُ  
طَائِفَةٍ مِنَ أَصْحَابِهِ كَذَلِكَ لِلتَّاسِي بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ لَا يَذَرِيكُمْ صَلًى مِنَ اللَّيْلِ وَكُمْ بَقِيَ مِنْهُ فَكَانَ  
يَقُومُ اللَّيْلَ كُلَّهُ اِحْتِيَاطًا فَقَامُوا حَتَّى انْتَفَخَتْ أَقْدَامُهُمْ سَنَةً أَوْ أَكْثَرَ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَاللَّهُ  
يُقَدِّرُ يُحْصِي اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَإِسْمُهَا مَحْدُوفٌ اَيَّ أَنَّهُ لَنْ تُحْصَوْهُ اَيَّ  
الَّيْلِ لَتَقُومُوا فِيمَا يَجِبُ الْقِيَامُ فِيهِ إِلَّا بِقِيَامِ جَمِيعِهِ وَذَلِكَ يَشُقُّ عَلَيْكُمْ فِتَابٌ عَلَيْكُمْ رَجَعَ بِكُمْ إِلَى  
التَّخْفِيفِ فَاَقْرَأْ وَمَا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ فِي الصَّلَاةِ بِأَنْ تُصَلُّوا مَا تيسَّرَ عَلِمَ أَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ اَيَّ  
أَنَّهُ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضًى وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَسْتَفِرُّونَ يَسْتَفِرُّونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ  
يَطْلُبُونَ مِنْ رِزْقِهِ بِالتَّجَارَةِ وَغَيْرِهَا وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَكُلٌّ مِنَ الْفِرَقِ الثَّلَاثِ يَشُقُّ  
عَلَيْهِمْ مَا ذَكَرَ فِي قِيَامِ اللَّيْلِ فَخَفَّفَ عَنْهُمْ بِقِيَامِ مَا تيسَّرَ مِنْهُ ثُمَّ نَسَخَ ذَلِكَ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فَاَقْرَأْ وَمَا  
تيسَّرَ مِنْهُ كَمَا تَقَدَّمَ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ بِأَنْ تُعْفُوا  
مَا سِوَى الْمَفْرُوضِ مِنَ الْعَمَالِ فِي سَبِيلِ الْخَيْرِ قَرْضًا حَسَنًا عَنْ طَيْبِ قَلْبٍ وَمَا تَقْدِمُوا أَنْفُسَكُمْ مِنْ  
خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ مِمَّا خَلَفْتُمْ وَهُوَ فَضْلٌ وَمَا بَعْدَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعْرِفَةٌ يَشْبِهُهَا لِامْتِنَاعِهِ

مِنَ التَّعْرِيفِ وَأَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۷۳﴾ لِلْمُؤْمِنِينَ

ترجمہ: ..... پوری سورۃ مزل میکہ ہے۔ بجز آیت ان ربک الخ کے میکہ ہے اور یہ آیت مدنیہ ہے۔ کل آیات ۲۰ یا ۲۱ ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم O

اے کپڑوں میں لپٹنے والے (نبی، مزمحل و ماصل متزمل تھا، تا کو از اسے بدل کر ادغام کر دیا گیا۔ یعنی وحی نازل ہونے کے وقت مارے ہیبت کے چادر اوڑھنے والا) رات کو (نماز میں) کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی (تہائی) رات یعنی آدمی رات (یہ قلیلاً سے بدل ہے اور آدمی رات کو قلیل کہنا تمام رات کے اعتبار سے ہے) یا آدمی رات سے کچھ گھٹا کر (تہائی رات تک) یا آدمی رات سے کچھ بڑھا کر (دو تہائی رات تک) او تخییر کے لئے ہے) اور قرآن کو خوب صاف صاف (ٹھہر ٹھہر کر) پڑھا کرو۔ ہم آپ پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (جو پر ہیبت اور سخت ہوگا تکالیف کے لحاظ سے) بل شبہ رات کو (سونے کے بعد) اٹھنے میں دل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے (قرآن کے سمجھنے میں سننے کی اور دل کی موافقت رہتی ہے) اور بات خوب ٹھیک (نکھر کر) نکلتی ہے۔ یقیناً آپ کو دن میں بہت کام رہتا ہے (کاموں کے ہجوم میں تلاوت کا موقعہ نہیں ملتا) اور اپنے رب کا نام لیتے رہنے (قرأت شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھئے) اور (عبادت کے وقت) سب سے الگ تھلک ہو جائیے (بتسل کا مصدر ہے، فواصل آیات کی رعایت کرتے ہوئے اس وزن پر لایا گیا ہے) (تبتسل کا ملزوم ہے، وہ) مشرق و مغرب کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ اسی کو اپنا کار ساز کہئے (سب کام اسی کے حوالہ کیجئے) اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اہل مکہ آپ کو ستاتے ہیں) ان پر آپ صبر کیجئے اور خوبصورتی کے ساتھ آپ ان سے الگ ہو جائیے (جس میں حرف شکایت زبان پر نہ آئے۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور مجھ کو اور ان جھٹلانے والوں (ان کا مفعول بہ پر عطف ہے یا یہ مفعول معہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میں ان قریشی سرداروں سے نمٹنے کے لئے کافی ہوں) ناز و نعمت میں رہنے والوں کو چھوڑ دیجئے اور ان لوگوں کو کچھ دنوں کی اور مہلت دے دیجئے (چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد غزوہ بدر میں قریشی سردار مارے گئے) ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں (وزنی انکال جمع ہے نکل بکسرون کی) اور دوزخ (کی جلانے والی آگ) ہے اور گلے میں پھنس جائے والا کھانا ہے (جو گلے میں پھندا لگا دے۔ زقوم یا ضریح یا غسلین یا آگ کے کانٹے مراد ہیں جو نہ ٹکلیں اور نہ اتریں) اور دردناک عذاب ہے (تکلیف دہ، مذکورہ مصیبتوں سے بڑھ کر پیغمبروں کو جھٹلانے والے کے لئے) جس دن کہ زمین اور پہاڑ پلٹنے لگیں اور پہاڑ ریگ رداں (ریت کا تودہ) ہو جائیں گے۔ (جو جمع ہو کر بہہ جائے گا۔ مہیلاً باب ضرب سے ہے دراصل مہیول تھا یا پر ضمرہ ثقیل ہونے کی وجہ سے ہا کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے پھر اجتماع ساکنین ہوا۔ دوازا اند ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور یہاں کی مناسبت سے ضمرہ کو کسرہ سے بدل دیا گیا ہے) بے شک ہم نے (مکہ والو) تمہارے پاس ایک ایسے رسول (محمد ﷺ) بھیجے ہیں جو تم پر گواہی دیں گے (قیامت میں جو گناہ تم سے سرزد ہوئے ہوں گے) جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا (یعنی موسیٰ علیہ السلام) پس فرعون نے اس رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو سخت پکڑ، پکڑ لیا۔ سو اگر تم نے (دنیا میں) کفر کیا تو اس دن سے کیسے بچو گے (سوم، تسقون کا مفعول ہے یعنی اس دن کے عذاب سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس دن کے عذاب سے بچ کر کس قلعہ میں پناہ لو گے) جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا (شیب، اشیب کی جمع ہے، بوڑھا ہونا ہول دلی سے ہوگا قیامت کا دن مراد ہے شیب کا شین اصل میں مضموم تھا۔ لیکن یا کی مناسبت سے اس پر کسرہ آ گیا سخت دن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے بچوں کو بوڑھا بنا دیا۔ یہ مجاز ہے، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت میں حقیقۃً بوڑھا کر دینا مراد ہو) جس میں آسمان پھٹ جائے گا (کڑے کڑے ہو جائے گا) اس (دن کی سختی کی وجہ سے بلاشبہ

اللہ کا وعدہ (اس عذاب کے آنے میں) ضرور ہو کر رہے گا (اسے کوئی ٹلا نہیں سکتا) یقیناً یہ (ڈرانے والی آیات) نصیحت (مخلوق کے لئے موعظت) ہے، سو جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طرف (ایمان و طاعت) کا راستہ اختیار کر لے۔ آپ کے پروردگار کو معلوم ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب اور آدھی رات اور تہائی رات (جر کے ساتھ ٹلشی پر عطف ہے اور نصب کے ساتھ ادسیٰ پر عطف ہے اور آنحضرت ﷺ کا قیام لیل بھی اسی کے مطابق تھا۔ جس کا حکم شروع سورت میں ہو چکا ہے) اور آپ کے ساتھیوں میں سے بعض آدمی کھڑے رہتے ہیں (طائفة کا عطف تقوم کی ضمیر پر ہو رہا ہے اور ضمیر متصل کی تاکید کے بغیر بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ معطوف معطوف علیہ میں فاصلہ ہو گیا اور آپ کے اقتداء میں بعض صحابہ بھی رات کو ویسے ہی قیام کر لیا کرتے تھے۔ لیکن بعض صحابہ کو چونکہ یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ کتنی رات گئے تک نماز پڑھی اور کتنی رات رہ گئی، اس لئے احتیاطاً ساری رات کھڑے نماز پڑھتے رہتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے پاؤں پر ورم آ جاتا۔ ایک سال یا ایک سال سے زائد یہ سلسلہ رہا، پھر ان پر تخفیف کر دی گئی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) دن رات کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتے ہیں کہ ان کو معلوم ہے کہ (ان تحفہ ہے اس کا اسم محذوف ہے ای انہ) تم اس کو منضبط نہیں کر سکتے (یعنی رات کے قیام کے لئے صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے تمام رات کھڑے رہتے ہیں جس سے تمہیں دشواری ہوتی ہے) تو اہل نے تمہارے حال پر عنایت کی (تمہیں سہولت دے کر) سو تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جاسکے پڑھ لیا کرو (نماز میں یعنی جتنی نماز پڑھنا آسان ہو پڑھ لیا کرو) اللہ کو معلوم ہے کہ (ان تحفہ ہے ای انہ) تم میں بعض بیمار ہوں گے اور بعض تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے (تجارت وغیرہ کر کے روزی حاصل کریں گے) اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اور تینوں قسم کے لوگوں پر مذکورہ قیام لیل دشوار ہوگا۔ اس لئے سہولت کے مطابق قیام کی اجازت دے کر سہولت دے دی۔ پھر بیچ وقتہ نمازوں کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا) سو تم لوگ جتنا آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور (فرض) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو قرض دو) (یعنی فرض کے علاوہ بھی خیر کے کاموں میں مال خرچ کیا کرو۔ اچھی طرح (خوش دلی سے) اور جونیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس پہنچ کر۔ اس سے اچھا (جو تم نے مال چھوڑا ہے۔ ہو ضمیر فصل ہے اور مابعد اگرچہ معروف نہ ہو سکنے میں معروفہ کے مشابہ ہے) اور ثواب میں بڑھا ہوا پاؤ گے اور اللہ سے گناہ معاف کراتے رہو۔ بلاشبہ اللہ (مومنین کے لئے) غفور رحیم ہے۔

**تحقیق و ترکیب:** ..... المزمل . حضور اکرم ﷺ کو خطاب ہے۔ اس میں تین قول ہیں۔

۱۔ عکرمہ کہتے ہیں۔ یا ایہا المرمل بالنبوة والمدثر بالرسالة اور عکرمہ سے یہ معنی بھی منقول ہیں کہ یا ایہا الذین زمل هذا الامر۔ یعنی پہلے اس کو اٹھایا، پھر ست ہو گیا۔

۲۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ یا ایہا المزمل بالقران۔

۳۔ قتادہ کہتے ہیں۔ یا ایہا المزمل بشیابہ

قم الیل۔ قیام سے تہجد کے لئے اٹھنا اور تہجد پڑھنا ہے۔

اوزد علیہ۔ ای علی النصف علی الثلثین۔ غرض کہ آدھی رات یا کم و بیش وقت تک نوافل پڑھنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

الا قلیلا کل رات کے اعتبار سے نصف کو قلیل کہا گیا ہے اور نصفہ بدل ہے۔ لیل سے اور الا قلیلا استثناء ہے۔ ای

نصف اللیل الا قلیلا من النصف حاصل یہ ہے کہ یا نصف شب قیام کیجئے یا اس سے کم و بیش اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منہ اور علیہ کی ضمیریں اقل من النصف یعنی ثلث کی طرف راجع ہوں۔ اب اختیار ثلث اور اس سے کم یعنی ربع اور اس سے زائد یعنی نصف کے

درمیان رہے گا۔ لیکن اولیٰ اور صواب وہی ہے جو مفسر نے سلف کے مطابق اختیار کیا ہے چنانچہ ابن حجر کہتے ہیں کہ طبری نے اس پر جزم کیا ہے اور ابن ابی حاتم، عطاء، خراسانی سے یہی معنی نقل کئے ہیں۔

رتل القرآن ترتیلاً۔ ترتیل کہتے ہیں ٹھہر ٹھہر کر الگ الگ حروف ظاہر کر کے پڑھنا اور اصطلاح تجوید میں تدویر کہتے ہیں ترتیل کے مقابلہ میں روانی کے ساتھ پڑھنے کو اور صدر کہتے ہیں بہت جلد اور تیز پڑھنا۔ مگر اس طرح کہ حروف کٹنے نہ پائیں اور مخارج و صفات کی رعایت رہے۔ یا ایہا المزمل میں خطاب اگرچہ آنحضرت ﷺ کو ہے۔ مگر حکم میں آپ کے ساتھ امت بھی ہے۔ اللہ نے رات کے قیام کا حکم دیا اور مقدار قیام میں اختیار دے دیا اور ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ کے نزدیک ترتیل میں وقوف اور مخارج کی رعایت ضروری ہے کہ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اور قیام لیل سے مراد اگرچہ تہجد ہے تو وہ ابتداء اسلام میں واجب بلکہ بقول کشاف فرض تھا۔ بعد کی آیات سے فرضیت منسوخ ہو کر استحباب رہ گیا اور حسن فرماتے ہیں کہ تنہائی رات کا قیام فرض تھا یا واجب اور اختیار کا تعلق مقدار سے ہے۔ پھر دس سال بعد وہ بھی منسوخ ہو گئی کبھی کہتے ہیں کہ پہلے صبح تک صحابہ قیام لیل فرماتے تھے اور بعض حضرات پہلے ہی سے تہجد کو نقل کہتے ہیں جس کا قرینہ اختیار ہے۔ نیز اگلی آیت فہجد بہ نافلة لك سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے۔

قولا ثقیلاً۔ قنادہ فرماتے ہیں کہ واللہ قرآن کے فرائض و صدور ثقیل ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے احکام حلال و حرام ثقیل ہیں۔ مقاتلؓ او امر و نواہی اور صدور کی وجہ سے قرآن کو ثقیل کہتے ہیں اور بعض ثقیل کے معنی کریم لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ قرآن ثقیل ہے دلیل کے لئے اگر توفیق نہ ہو اور نفس اگر مری نہ ہو تو اس کو اٹھا نہیں سکتا اور بعض نے وحی مراد لی ہے۔

ناشئة اللیل۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ عافیۃ کی طرح ناشیۃ مصدر ہے۔ منشاء بمعنی قام و نہض۔ و طاً کسروا و اور فتح طاء کے ساتھ۔ ابو عمروؓ ابن عامرؓ کی قرأت پر مد کر کے پڑھا گیا ہے۔ مواطاة بمعنی موافقت قرآن فہمی کے لئے زبان اور کان دونوں ہی کی موافقت دل سے ہونی چاہئے اور وہ دن کے مقابلہ میں رات کو زیادہ ہوتی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں۔ ان مواطو اسمعک و بصرک و قلبک بعضہ بعضاً۔ دوسری قرأت باقی قرأت کی فتح و او اور سکون کے ساتھ ہے۔ یعنی کلفت و مشقت یعنی رات کو نماز پڑھنا دن کے مقابلہ میں دشوار ہے۔ حدیث میں ہے۔ اللھم واشدد و طنک علی مضر۔ و اقوم قلیلاً۔ رات میں سکون کی وجہ سے الفاظ صاف سنائی دیتے ہیں۔

واذکر اسم ربک۔ زختریؓ کہتے ہیں۔ دم علی ذکر کی اسی طرح ذکر بھی عام ہے، تسبیح و تہلیل، تکبیر تلاوت قرآن کو۔ و تبطل الیہ تبتیلاً۔ بتل کے معنی دنیا سے دل برداشتہ ہونے کے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ دنیا سے بالکل منقطع ہو کر اللہ سے لو گالینا۔ باب تفعل، فواصل آیات کی رعایت سے لایا گیا۔ تبطل کے لئے تبطل لازم ہے۔ بتول اس عورت کو کہتے ہیں جو مردوں سے بالکل بے توجہ ہے، اور نیشاپوریؓ کہتے ہیں کہ ”و تبطل نفسک“ نہیں کہا گیا۔ کیونکہ تبطل خود مقصود بالذات ہے اس لئے پہلے تبطل میں مقصود بالذات کو ظاہر کر دیا۔ پھر آگے رب المشرق سے باعث تبطل کو تلا دیا۔ مفسر لفظ مصدر سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ دو وجہ سے لفظ تبطل لایا گیا۔

۱۔ نفطی اعتبار سے تو اصل کی گئی۔

۲۔ اور معنوی لحاظ سے تبتیلاً مصدر لایا گیا جو ملزوم ہے اور فعل تبطل لایا گیا جو لازم ہے۔ رب المشرق خبر ہے متبداء محذوف ہو کی یا متبداء ہے جس کی خبر لا الہ الا هو ہے۔



وکیلا۔ بولتے ہیں۔ وکله الی نفسه و امر موکول الی رانک و کل و کول کے معنی کام کسی کے حوالہ کر دینا۔  
اولی النعمة۔ زخشری کہتے ہیں۔ نعمة بالفتح تنعم کے اور بالکسر انعام کے اور بالضم حسرت کے معنی میں ہے۔  
یوم ترجف لدینا کا تعلق اور یوم طرف کا نائب ایک ہی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ استقر بهم عندنا ما ذکر  
یوم ترجف یا ذرنی کا ظرف ہے یا دونوں کا ظرف ہے۔

کثیناً۔ کتب الشی۔ کسی چیز کو جمع کرنا۔ فعل بمعنی مفعول ہے۔

فعضی فرعون الرسول۔ اس میں الف لام عہد ذکر کی ہے و مولا کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ مگر یہ ہے جب معرفہ کی صورت  
میں دوبارہ ذکر کیا جائے تو قاعدہ کے مطابق دونوں کا مصداق ایک ہوتا ہے۔

فکیف تتقون ان کفرتم۔ بقول واحدی آیت میں تقدیم تاخیر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ فکیف تتقون یوما  
یجعل الولدان شیبا ان کفرتم۔

یوما یجعل۔ یہ منصوب محذوف الجار ہے۔ ای ان کفرتم بیوم القيامة۔ عام مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یوما کے بعد جملہ  
اس کی صفت ہے اور ید محذوف ہے۔ ای یجعل الولدان فیہ۔ جیسا کہ ابوالبقاء کہتے ہیں۔ یجعل میں ضمیر کا مرجع حق تعالیٰ ہیں اور  
بہتر صورت یہ ہے کہ یجعل میں عائذ مضمحل ہو اور فاعل ہو اور یجعل کی نسبت یوم کی طرف بطور مبالغہ ہے یعنی قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا  
بنادے گا اور زہید بن علی کی قرأت میں یوم کی اضافت جملہ کی طرف ہے اور فاعل ضمیر باری تعالیٰ ہے اور جعل بمعنی نصیر ہے۔  
شیبا۔ مفعول ثانی ہے جو اشیب کی جمع ہے۔

السماء۔ مبتداء ہے خبر منقطر ہے بہ ای بسبب ذلک الیوم۔

فمن شاء اتخذ۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ اتخذ الی ربہ سیلا۔ اگر جواب ہے تو اس کی شرط کہاں ہے؟ کیونکہ شاء شرط  
نہیں بن سکتا۔ تا وقتیکہ اس کا مفعول مذکور نہ ہو اور اگر مجموعہ جملہ کو شرط بنایا جائے تو جواب کہاں ہے؟ جواب میں پہلی صورت اختیار کی  
جائے گی اور شاء کا مفعول محذوف ہوگا۔ ای فمن شاء النجاة اتخذ الی ربہ سیلا یا تقدیر عبارت فمن شاء ان يتخذ الی ربہ  
سیلا اتخذ الی ربہ سیلا ہوگی۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اتخاذ سبیل سے مراد تقرب الی اللہ ہے جو اوامر کے امتثال اور نواہی کے  
اجتناب سے حاصل ہوتا ہے۔

تقوم ادنیٰ۔ اس پر شبہ یہ ہے کہ دو ثلث رات اور نصف شب سے تو اقلیت واضح ہے۔ مگر اقلیت ثلث سے بھی کم کیسے ہو سکتی  
ہے۔ جبکہ ثلث لیل سے کم کرنے کا حکم نہیں تھا بلکہ صحابہ گودو ثلث اور نصف اور ایک ثلث میں سے کسی ایک کا اختیار دیا گیا ہوتا۔ اشکال  
یہ قرأت جر کی صورت میں ہے؟ جواب یہ ہے کہ ادنیٰ کے معنی قرب کے ہیں اور استعارہ اقل سے ہے کیونکہ دو چیزوں میں جب مسافت  
کم ہوتی ہے تو ان کے درمیان تاخیر بھی اقل ہو جاتا ہے اور اکثر کی صورت میں اکثر رہتا ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ آپ تہائی نصف، دو  
تہائی رات کے قریب قیام فرماتے ہیں۔ ادنیٰ سے تعبیر اس لئے فرما دیا کہ کیونکہ وقت کی تعیین میں اس دور میں تخمینہ اور تقریبی تھی۔ تحقیقی  
نہیں تھی اور شریعت نے اتنی مدتیقات کا مکلف قرار نہیں دیا۔ الفاظ ”نصف و ثلث“ ابو عمرو نافع، ابن عامر کے نزدیک بالجہ ہیں اور  
باقی قرآن کے نزدیک نصب کی قرأت ہے۔

وطائفہ۔ اس کا عطف ضمیر مرفوع متصل پر بغیر ضمیر منفصل کی تاکید کے ہے۔ تفسیر کی عبارت ”لفصل“ کا مطلب یہ ہے کہ  
یہ جواز فاصلہ ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ عطف کے لئے ضمیر منفصل لانا ضروری ہے۔ تفسیر میں جو ایک سال مدت بتلائی ہے یہ پوری

سورت کے مکئی ہونے پر ہے اور ”او اکثر“ میں چھ مہینہ کا اضافہ ہے۔ کل مدت سولہ ماہ یہ بھی سورت کے مکئی ہونے کی تقدیر پر ہے لیکن آیت ”ان ربک“ مدنیہ ہونے کی صورت میں دس سال مدت ہوگی اور ”فخفف عنهم“ بظاہر ضمیر اگرچہ پوری رات قیام کرنے والوں کی طرف راجع ہے لیکن معتمد علیہ بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ دونوں تخفیف میں داخل ہیں۔

لن تحصوه۔ احصاء کے معنی پورا پورا لحاظ کرنے کے ہیں۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وصول الی اللہ، سالک کے سلوک پر نہیں ہے بلکہ فضل الہی پر ہے۔ کتنے سالک رجعت کا شکار ہو گئے اور حصول سے محروم رہ گئے۔ لیس کل من سلک وصل لا کل من وصل اتصل ولا کل من اتصل انفصل فافقروا واتسمیة الكل باسم الجزو کے طور پر قرأت سے مراد نماز ہے یا نماز میں قرآن پڑھنا مراد ہے اور بعض نے صرف مغرب و عشاء کی نمازیں مراد لی ہیں، پہلی اور آخری سورت میں امر استحباب کے لئے ہوگا۔ لیکن درمیانی دوسری صورت میں حکم وجوبی ہے۔

۱۔ اگر نماز میں قرأت قرآن مراد ہے تو اس آیت کی وجہ سے وہ فرض ہے۔ جیسا کہ صاحب مدارک اور فقہاء اور اصولیوں کی رائے ہے اور نماز کے علاوہ اگر قرأت مراد ہے تو پھر یہ حکم استحبی ہے یا نماز تہجد بقدر ہمت مراد ہے۔ جیسا کہ صاحب کشاف اور بیضاوی کی رائے یہی ہے اور بقول مدارک دوسرا فقرہ واپس کی تاکید ہے اور نماز روزہ سے مراد فرائض ہیں۔ آیت کے مدنیہ ہونے کی تقدیر پر ورنہ آیت اگر مکہ ہے تو پھر صدقہ الفطر مراد ہوگا۔ جیسا کہ صاحب کشاف کی رائے اور الفطر ضو اللہ سے صدقات نافلہ مراد ہوں گے۔ بلکہ بقول بیضاوی بہتر یہ ہے کہ اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی مراد لی جائے اور امام زاہد کی رائے ہے کہ فاقروا سے مراد نوافل ہیں اور اقموا الصلوٰۃ و تہجد کے لئے ناسخ ہے اور فرض حسن سے مراد عطیات ہیں۔ جن میں ذاحسان جتلانا ہو، نہ اذیت رسانی، آیت فاقروا سے مراد نماز میں قرأت کا فرض ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل اصول نے لفظ صا کے عموم سے سورہ فاتحہ کے فرض نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ البتہ نظم آیت سے یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ اس سے نماز کی قرأت مراد ہے۔ تاہم یہ کہا جائے گا کہ آیت سے چونکہ مطلق قرأت کی فرضیت معلوم ہو رہی ہے اور قرأت کی فرضیت نماز ہی میں ہوتی ہے۔ نماز سے باہر کسی کے نزدیک بھی قرأت فرض نہیں۔ اس لئے آیت میں نماز ہی کی قرأت کی فرضیت مراد ہوگی یا مقام کی تقریر اس طرح کی جائے گی کہ ابتداء آدھی تہائی رات قیام لیل ضروری تھا۔ جس میں صرف قرأت ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ رکوع سجدہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ قتل کا عطف قم اللیل پر بھی بتا رہا ہے کہ بعد میں وارد کھوا و اسجوا سے نماز میں رکوع و سجدہ کی فرضیت ہوئی۔ پس آیت فاقروا سے طول قرأت کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور نفس قرأت کی فرضیت باقی رہ گئی۔ البتہ حدیث لا صلوة الا بفاتحة الكتاب وغیرہ احادیث کی رو سے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب رہے گا۔ تاکہ آیت سے مطلق قرأت کی فرضیت اور روایت سے فاتحہ کا واجب ہونا بھی ثابت ہو اور دونوں نصوص کی حیثیت کا فرق بھی ملحوظ رہے۔ برخلاف امام شافعی کے وہ حدیث مذکور کی وجہ سے سورہ فاتحہ پڑھنے کو نماز میں فرض فرماتے ہیں اور امام مالک کے نزدیک سورہ فاتحہ اور سورت دونوں کا پڑھنا حدیث لا صلوة الا بفاتحة الكتاب والسورة کی وجہ سے فرض ہے۔ حنفیہ کے نزدیک دونوں واجب ہیں۔ البتہ بلا تعین مطلق قرأت فرض ہے۔ فرضیت تو صا کے عموم قطعی ہونے کی وجہ سے ہے اور وجوب روایت کے ظنی ہونے کی وجہ سے اس طرح سے آیت و روایت دونوں کا حق ادا ہو جاتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک چونکہ عام ظنی ہوتا ہے اس لئے آیت و روایت دونوں ان کے نزدیک برابر ہیں۔ حدیث مذکور سے آیت کے عموم کی تخصیص ہو گئی۔ غرضیکہ قرأت کی فرضیت غیر فرضیت اس مختلف فیہ اصل پر مترع ہے۔ پھر فرضیت کی مقدار کتنی ہے؟ اکثر کی زائے تو ایک طویل یا تین چھوٹی آیات ہیں اور بعض نے مطلقاً ایک آیت مانی ہے، خواہ لمبی ہو یا چھوٹی۔ تاہم اگر کسی نے ایک آیت سے کم بھی تلاوت کی تو اس صورت میں عام ظنی ہو جائے گا اور امام شافعی سے معارضہ نہیں ہو سکے گا۔ بزدلی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ایک آیت سے کم مقدار کو عرف میں قرأت نہیں کہا جاتا اور عرف ہیچہ ظنی سے قائل ہوتا ہے۔ رہا صرف بسم اللہ الخ پڑھ لینا اس لئے کافی نہیں ہے کہ اس کا قرآن ہونا خود مختلف فیہ ہے۔ احتیاطاً نماز کے جواز کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ یا جواب میں یوں کہا جائے کہ شبہ ما کے عموم میں ہوا ہے۔ امر کے وجوب میں کوئی شبہ نہیں۔ اس لئے آیت سے مطلق قرأت کی فرضیت اور روایت سے فاتحہ کا وجوب معلوم ہو رہا ہے۔ پھر امام صاحب کے نزدیک چونکہ قرآن لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے، اس لئے قدرت ہوتے ہوئے قرآن کو غیر عربی میں پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی البتہ عاجز کی بات مجبوری کی ہے۔ لیکن صاحبین کے نزدیک نماز غیر نماز میں قادر اور عاجز دونوں کے لئے جائز ہے۔ بعد میں امام صاحب نے اپنی رائے سے رجوع فرمایا۔ تاہم اس کو عادت بنالینا اور معمول کو لینا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح ایسی عبارت میں پڑھنا بھی درست نہیں جو محتمل العالی یا مودل ہو اور بعض نے یہ قید لگائی کہ دانستہ غیر عربی میں پڑھنے سے نماز نہ پڑھے، ورنہ جنون سمجھا جائے گا۔ جس کی دوا ہونی چاہئے یا پھر زندقہ

ثم مسح ذلك امام شافعی نے اہل علم سے نقل کیا ہے کہ سورۃ مزمل کی آخری آیات نے قیام لیل منسوخ کر دیا ہے۔ مگر فاقراء واما تیسرے کی وجہ سے بقدریہ سر یعنی ہے۔ باقی قیام مذکور منسوخ ہوا۔ مطلق قیام منسوخ نہیں ہوا۔

واتوا الزكوة۔ اگر وجوبی زکوٰۃ مراد ہے تو یہ آیات مدنی ہوں گی۔ لیکن اگر پوری سورت مکی ہو تو کہا جائے گا کہ اصل زکوٰۃ مکہ میں شروع ہو چکی تھی۔ مگر اس کا اتمام مدینہ میں ہوا۔ یا زکوٰۃ سے مراد صدقہ نقلی ہے۔

وما تقدموا ما شرطیہ ہے اور تجدوه جواب شرط اور عندا للہ، تجدوه کا ظرف ہے یا ضمیر سے حال اور خیر اتجدوه کا مفعول ثانی ہے اور ہو مفعول اول کی تاکید ہے اور اعظم کا عطف خیر پر ہے اور اجر اتیمز ہے اور تفسیر کبیر میں ہے کہ ابوالسماں نے ”ہو حیسر واعظم اجر“ کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ مبتداء خبر ہے۔ تفسیری عبارت میں ایک اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ضمیر فعل دو معروفوں کے درمیان ہوا کرتا ہے لیکن یہاں معروف اور نکرہ کے درمیان ہو رہی ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ خیر المعروف اگرچہ نہیں مگر معروف کے مشابہ ضرور ہے کیونکہ ”ما تقدموا“ میں ”ما“ اور ”تقدم“ تفخیل کے ساتھ جب من لفظا ہوا یا تقدیرا تو اس پر الف لام داخل نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ خود معروف پر الف ”ما تقدموا“ دیکھو اور یہاں من مقدر ہے۔ چنانچہ ”مما خلفتم“ میں منسرف نے من کو ظاہر کر دیا ہے۔

رابط آیات: ... سورۃ جن میں کفار کو تو حیدور رسالت و مجازات پر ایمان لانے کی ترغیب تھی۔ اس سورۃ مزمل میں ان کے ایمان نہ لانے پر آنحضرت ﷺ کے لئے تسلی ہے اور تسلی کی تقویت کے لئے آپ ﷺ کو ذکر کی کثرت اور رات کو نوافل و تہجد پڑھنے کا حکم ہے اور اسی کے ضمن میں ان تینوں مضامین کا اثبات بھی ہے۔ شروع سورت کے ایک سال بعد آخری آیت نازل ہوئی جس میں قیام لیل کی فرضیت کو منسوخ فرما دیا گیا۔ بعض کے قول پر صرف امت سے اور بعض کے قول پر آنحضرت ﷺ سے بھی فرضیت منسوخ ہو گئی۔

شان نزول و روایات: ... مکہ کے غار حرا میں آنحضرت ﷺ بعثت سے پہلے ریاضت و مجاہدہ کرنے کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے ایک دفعہ جبریل کو مہیب شکل میں دیکھا اور آپ پر آیات اقراء نازل ہوئیں تو آپ اس خوفناک حالت سے دہشت ناک

ہو گا جسے قتل کر دینا چاہئے۔ بت قرآن میں صرف معنی کی رعایت کرنے پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ پھر فاقراء واما تیسرے کی تحقیق لازم آئی کہ فلفظ کی رعایت کی گئی اور گرفتہ کی رعایت کی جائے اور غیر عربی کا عربی کے قائم مقام مانا جائے تو آیت میں حقیقت و مجاز دونوں کا جمع کرنا لازم آئے گا۔ اس شبہ کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن نیت میں معنی کی تحقیق تو ”مس القرآن“ میں لفظ من کی وجہ سے ہے۔ تبغیضہ ہے۔ پس معنی بھی قرآن کا بعض ہے۔ اس طرح نظم قرآن کا اعتبار کرتے ہوئے عربی میں اجازت سے حقیقت و مجاز کا جمع کرنا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حقیقی معنی لے کر مجازی معنی قیاس سے ثابت کئے جائیں گے۔

لیکن اگر فاقراء سے مراد قرآن کی تلاوت بطور احتجاب ہو تو اس کی کتنی مقدار ہونی چاہئے۔ اس میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے تین آیات، بعض نے سو آیات، بعض نے دو سو آیات بتوائی ہیں۔ انس بن مالکؓ کی روایت ہے۔ من قرء کل یوم خمس ایات لم یکتب من الغافلین ومن قرء مائة ایة یکتب من المطیعین ومن قرء مائتی ایة لم یخاصم القرآن معہ یوم القيامة ومن قرء خمس مائة ایة یکتب لہ قنطار من الاجر۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ابن عمرؓ سے فرمایا۔ احتم فی کل شهر مرة فقال ازداد طاقة فقال فی کل عشرين مرة فقال ازداد طاقة فقال فی کل عشرة مرة فقال ازداد طاقة فقال فی کل سبعة ایام ولا تزدد۔

قرآن کا ختم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک ختم احزاب، جو قرآن کی سات منزلوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یہ نہایت مفید اور دافع بلیات ہے۔ جو کہ روز سے شروع کیا جائے۔ پھر دن فاتحہ سے سورۃ النہم تک، پھر سورۃ النعام سے سورۃ یونس تک، پھر سورۃ یونس سے طہ تک۔ پھر عنکبوت تک۔ پھر زمر تک، پھر واقعات تک، پھر ختم تک اور دوسرا ختم ”فلمی بشوق“ کہلاتا ہے۔ یعنی جمعہ کے دن فاتحہ سے شروع کر کے مائدہ تک، پھر یونس تک، پھر بنی اسرائیل تک، پھر شعراء تک، پھر الصافات تک، پھر قاف تک، پھر آخر تک۔ ۱۲ منہ۔

ہو کر گھر واپس تشریف لائے اور اپنی بیوی خدیجہ الکبریٰ سے فرمایا۔ زمelonی زمelonی لقد خشیت علی نفسی۔ حضرت خدیجہؓ نے تسلی دیتے ہوئے عرض کیا۔ ”کلا واللہ لا یخزیک اللہ ابدا انک تصل الرحم وتقری الضیف وتعین علی نواب السحق۔“ غرض کہ مزمل اسی کیفیت کی طرف مشیر ہے۔ سورۃ مزمل ابتدائی سورتوں میں ہے اور بعض کی رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک شب چادر اوڑھے استراحت فرما رہے تھے۔ اس لئے آپ کو مزمل خطاب کر کے تہجد کے لئے اٹھایا گیا اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ قریش نے دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آپ کے لئے کوئی لقب تجویز کرنا چاہئے۔ کسی نے کاہن کہا، کسی نے جادوگر، کسی نے شاعر اور کسی نے مجنون۔ زیادہ رجحان ساحر کہنے کی طرف ہوا۔ آپ کو معلوم ہوا تو غمگین اور رنجیدہ ہوئے اور کپڑا اوڑھ کر آپ لیٹ رہے جیسا کہ مغموم آدمی لیٹ رہتا ہے اس پر ملاطفت کے لئے حق تعالیٰ نے اس عنوان سے آپ کو خطاب فرمایا۔ حضرت علیؓ ایک مرتبہ گھر سے خفا ہو کر مسجد میں آ کر لیٹ گئے آنحضرت ﷺ نے آ کر فرمایا۔ قم یا ابوتراب۔ یہاں بھی حق تعالیٰ نے یا ایہا المزمل قم اللیل فرمایا کہ ان باتوں سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اٹھئے اور عبادت و ریاضت میں لگئے۔

ورتل القرآن ترتیلاً۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کو صاف صاف پڑھنا چاہئے۔ ولا تنثوہ کنثر الدقل ولا تہزہ ہز الشعر ففوا عند محابہ وحرکوبہ القلوب ولا یکون ہم احدکم اخر السورۃ۔

یوما یجعل الولدان۔ طبرانی کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جملہ پڑھتے ہوئے فرمایا۔ ذلک یوم القیامۃ حین یقال لادم قم فابعث عن ذریک بعث الی النار قال منکم کم یارب قال من کل الف تسع مائۃ وتسعة وتسعین انک تقوم ادنی۔ امام احمد، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے حضرت عائشہؓ سے تخریج کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ ان اللہ قد فرض قیام اللیل فی اوائل هذه السورۃ فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ حولا حتی انتفخت اقدامہم وامسک اللہ خاتمہا فی السماء اثنی عشر شہرا ثم انزل اللہ التخفیف فی اخر هذه السورۃ فصار قیام اللیل تطوعاً اور سعید بن جبیر سے ابن جریرؒ نے تخریج کی ہے کہ مکث النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی هذه الحال عشر سنین یقوم اللیل کما امروا کانت طائفۃ عن اصحابہ یقومون معہ فانزل اللہ بعد عشر سنین ان ربک یعلم الخ فخفف اللہ عنہم بعد عشر سنین اور بعض نے درمیانی وقفہ سولہ ماہ بتلایا ہے۔

واتوا الزکوۃ۔ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ ماسوی الزکوۃ من صلوۃ الرحم وقری الضیف۔

﴿تشریح﴾: ..... حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کہتے ہیں کہ اس سورہ میں خرقہ پوشی کے لوازم و شروط بیان ہوئے ہیں۔ گویا یہ سورت اس شخص کی ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے تئیں اس رنگ میں رنگے۔ کیونکہ مزمل لغت عرب میں کشادہ کپڑا اپنے اوپر لپیٹنے والے کو کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ بھی تہجد و تلاوت کے وقت اسی ہیئت سے بیٹھتے تھے نیز جو لوگ کپڑے میں لپٹے رات کو آرام کرتے ہیں ان کو تنبیہ ہے کہ انہیں ایک معتد بہ حصہ اللہ کی عبادت میں گزارنا چاہئے ہاں کبھی مانع ہو جائے اور اتفاق سے رات کو نہ اٹھ سکے تو معاف ہے۔

وحی کا ثقل: ..... ورتل القرآن۔ یعنی تہجد میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھئے اس طرح پڑھنے سے فہم و تدبر میں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر زیادہ ہوتا ہے ذوق شوق میں ترقی ہوتی ہے نماز کے علاوہ تلاوت کا حکم بھی یہی ہے تخصیص محض مقام کی وجہ سے ہے۔ آگے اس کی علت ارشاد ہے کہ ہم عنقریب تم پر ایک بوجھ ڈالنے والے ہیں۔ جس کے سامنے راتوں کو جاگنا اور شب بیداری آسان ہے۔ قرآن مسلسل وحی کی صورت میں نازل ہوگا جو اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی، وزنی اور کیفیات کے لحاظ سے بہت بھاری ہے۔ جیسا کہ احادیث میں ہے کہ قرآن نازل ہونے کے وقت آپ کو بے حد گرانی اور سختی ہوتی تھی حتیٰ کہ جائزے کے موسم میں آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ اس وقت کسی سواری پر سوار ہوتے تو اونٹ جیسا طاقتور اور متحمل جانور تحمل نہیں کر سکتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ

کی رات زید بن ثابتؓ کی رات پر تھی کہ وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ زید بن ثابتؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کی رات پھٹ جائے گی اس کے علاوہ عرب کی سنگلاخ زمین میں اور اس ماحول میں قرآن کی دعوت و تبلیغ اور اس کے حقوق کو پوری طرح ادا کرنا کوئی آسان کام اور کھیل نہیں تھا اور اس راہ میں تمام سختیوں کو خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے برداشت کرنا درحقیقت لوہے کے چنے چبانا تھا اور جس طرح ایک حیثیت سے یہ کلام آپؐ پر بھاری تھا تو دوسری حیثیت سے کافروں پر اور منکروں پر شاق تھا غرض ان تمام وجوہ کا لحاظ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ جس قدر قرآن نازل ہو چکا، رات کو اس کی تلاوت کیا کرو۔

رات کا جاگنا دشوار بھی ہے اور آسان بھی:..... اس ارشاد الہی میں تسہیل کا پہلو بھی ہے اور علت کا پہلو بھی۔ تسہیل کی تقریر یہ ہے کہ آپ رات کے قیام کو شاق نہ سمجھیں۔ ہم تو اس سے بھی بھاری کام آپ سے لینے والے ہیں اور علت کی تقریر اس طرح ہوگی کہ آپ کو رات کے قیام کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ آپ ریاضت و مجاہدہ کے خوگر ہو جائیں اور نفس میں قوت و کمال پیدا ہو کر وحی جیسی بوجھل چیز کے سنبھالنے کی صلاحیت اور عادت ہو جائے آگے ان فاشنۃ الیل الخ میں دوسری علت ارشاد ہے۔ یعنی رات کو اٹھنا کچھ آسان کام نہیں بڑی بھاری ریاضت اور نفس کشی ہے جس سے نفس روند اجاتا ہے اور خواہشات نفس آرام و نیند پامال کی جاتی ہیں۔ تاہم اس وقت کی خوبی یہ ہے کہ سکون کا وقت ہونے کی وجہ سے دعا اور ذکر سیدھا دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ زبان اور دل ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ جو بات زبان سے نکلتی ہے دل اور ذہن میں جمی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ وقت دنیا کے ہنگاموں اور شور و شر کے کم ہونے اور آسمان سے خداوند قدوس کے نزول اجلال کے برکات اور اثرات اترنے کا ہوتا ہے۔ جس سے دل میں عجیب کیفیت ولذت اور سرور و انبساط پیدا ہوتا ہے۔ غرضیکہ دنیا کے کھمبھڑوں سے نجات کی وجہ سے ایک قسم کی فراغت اور فرصت رہتی ہے اور ذکر و فکر میں باطمینان خوب جی لگتا ہے۔ اسی لئے جس نے جو کچھ پایادہ رات ہی کو پایا ہے یہ دوسری بات ہے کہ زمانہ کے انقلاب سے رات کا سکون ہنگاموں سے بدل گیا ہے بدھ حد سے زیادہ رنگ رلیاں اور کھیل تماشے، تفریحات اور رنگ رلیاں رات ہی کو رہتے ہیں۔

شب بیداری کی تیسری حکمت:..... ان لک فی النہار سے تیسری علت ارشاد ہے۔ یعنی دن میں اور بہت سے کام رہتے ہیں۔ دنیاوی کام جیسے مہمات خانہ داری کی تدابیر گو وہ بھی بالواسطہ دینی ہوں اور براہ راست دینی مصروفیات جیسے تبلیغ و جہاد کے مشاغل، تاہم بلا واسطہ پروردگار کی عبادت و مناجات کے لئے رات کا وقت مخصوص رکھنا مناسب ہے، اگر عبادت میں مشغول رہ کر رات کی بعض حوائج چھوٹ جائیں تو کوئی پرواہ نہیں۔ دن میں ان کی تلافی ہو سکتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ قیام شب کے علاوہ عام اوقات میں بھی ذکر اللہ کرو اور سب سے قطع کر کے اسی کے ہو رہو۔ یعنی تعلق مع اللہ سب پر غالب رکھو ان سب ہدایات کا تسلی میں دخیل اور موثر ہونا ظاہر ہے آگے توحید کی تاکید ہے۔

رب المشرق۔ مشرق دن کا اور مغرب رات کا نشان ہے۔ یعنی دن و رات کا مالک وہی ہے زمین و زمان اسی کے ہیں لہذا اسی کی رضا جوئی میں لگے رہنا چاہئے۔ بندگی بھی اسی کی اور توکل بھی اسی پر ہونا چاہئے وہ جب کار ساز ہے تو پھر دوسروں سے کٹ جانے کی کیا پرواہ ہے۔ رہا کفار جو آپ ﷺ کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں، ان باتوں پر صبر کرو اور خوبصورتی سے ان سے الگ ہو جاؤ۔ ان کی شکایت اور انتقام کی فکر نہ کرو یہ مطلب نہیں کہ بالکل حالات سے بھی بے خبر ہو جاؤ یا ان کی نعمیت اور خیر اندیشی سے بھی بے تعلق ہو جاؤ۔ غرض جس طرح بن پڑے یہ کام تو بدستور کرتے رہیں اور کبھی جوش انتقام ہو تو یہ سمجھ لیجئے کہ ان کے لئے ہم کافی ہیں۔

ذرنسی الخ یعنی تھوڑی بہت ڈھیل کی بات الگ ہے ورنہ حق و صداقت کو جھٹلانے والے جو عیش و آرام کی زندگی گزار رہے

ہیں ان کو میرے حوالے کیجئے میں خود نمٹ لوں گا۔ آگے عذاب کی کچھ تفصیل ہے۔

یوم ترجف۔ یعنی عذاب کی تمہید اس وقت سے شروع ہوگی جب پہاڑوں کی جڑیں ڈھیلی ہو جائیں گی اور وہ کانپ کر گر پڑیں گے اور ریت کے تودوں کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائیں گے، جن پر قدم نہ جم سکے۔

اللہ کے باغی بچ کر کہاں جاسکتے ہیں:..... فکیف تقون۔ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ بھی جلیل القدر پیغمبر ہیں تو جس طرح ان کی قوم تکذیب کی پاداش میں جتلا ہوئی، آپ کی قوم کیسے بچ سکتی ہے اور بالفرض دنیا میں بچ بھی گئے تو اس دن سے کیسے بچو گے، جس کی شدت اور درازی بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہوگی خواہ فی الحقیقت بچے بوڑھے نہ ہوں مگر اس دن کی سختی اور لمبائی کا بھی اثر ہوگا اللہ کا یہ وعدہ اٹل ہے، وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ خواہ تم کتنا ہی بعید از امکان سمجھو۔

ان هذه تذکرة۔ ہمارا کام نصیحت تھا وہ کر دی اب جو اپنا فائدہ چاہے اس پر عمل کرے اور رب تک پہنچ جائے راستہ کھلا ہوا ہے کوئی روک ٹوک نہیں نہ اللہ کا کچھ فائدہ ہے، سود فدا اپنا فائدہ سمجھو تو اس پر چلو۔

ان ربلک یعلم۔ سال بھر شب بیداری کا حکم رہا لیکن بعد میں تسہیل کی جارہی ہے۔ بعض صحابہؓ پہلے حکم پر اس سختی سے عمل کر رہے تھے کہ رات کو سر کے بال رسی سے باندھ لیتے تھے کہ آنکھ لگ جائے اور نیند کا غلبہ ہو تو جھٹکا لگ کر آنکھ کھل جائے اس لئے اس میں سہولت کر دی گئی ہے۔

دشواری کے بعد آسانی:..... واللہ یقدر السیل والنہار۔ یعنی رات دن کی پوری پیمائش تو اللہ کو معلوم ہے وہی ایک خاص انداز سے ان کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے اور کبھی دونوں کو برابر کر دیتا ہے۔ روزانہ آدمی تنہائی دو تنہائی رات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ مشکل تھا اور گھڑی گھنٹوں کا سامان نہیں تھا اس لئے صحابہؓ کو بڑی دشواری تھی۔ اس لئے آسانی فرمائی جارہی ہے کہ اب نہ تہجد فرض ہے اور نہ وقت اور مقدار تلاوت کی کوئی تحدید ہے کیونکہ آخر انسان کبھی بیمار بھی ہوتا ہے کبھی سفر میں بھی جانا ہوتا ہے، خواہ وہ علم کی تلاش میں ہو یا جہاد کے لئے تجارت کے لئے ہو یا کسی اور کام کے لئے۔

ان حالات میں ظاہر ہے کہ شب بیداری سخت دشوار ہوگی اس لئے تخفیف کی جاتی ہے کہ نماز میں جس قدر قرآن پڑھنا آسان ہو، پڑھ لیا کرو۔ خود کو زیادہ مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں فرض نمازیں اہتمام سے پڑھتے رہو اور باقاعدہ رکوع ادا کرتے رہو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ چوکو ان باتوں کی پابندی سے بہت کچھ روحانی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں پورے اخلاص سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی اس کو قرض دینا ہے۔ بندوں کو اگر قرض حسد دیا جائے تو وہ بھی اس کے عموم میں داخل ہو سکتا ہے۔ تم جو نیکی یہاں کرو گے وہ سب اللہ کے ہاں پہنچ رہی ہے جو وقت پر تمہارے کام آئے گی۔

واستغفروا اللہ۔ یعنی احکام بجالا کر پھر اللہ سے اپنے قصوروں کی معافی مانگو وہ کون ہے جو دعویٰ کر سکے کہ میں نے اللہ کی بندگی کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ اللہ کا جتنا بڑا بندہ ہوتا ہے اسی قدر اپنے کو تقصیر وار سمجھتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہے۔ اے کریم! غفور رحیم! سب کی خطائیں معاف فرما اور سب کے صدقہ میں اس عبد اشیم کو بھی نواز دے۔

لطا ئف سلوک:..... یا ایہا المزمل سے سبحا طویلا تک صوفی کے مشاغل بیان فرمائے گئے ہیں اور ان ناشئۃ اللیل میں شب بیداری کا اندرونی داعیہ اور ان لک فی النہار میں خارجی داعیہ ارشاد فرمایا گیا ہے پس اس سے رات اور خلوت کے اسرار بھی معلوم ہو گئے۔

علم ان لن تحصوہ۔ اس میں مجاہدہ اور اوراد کی سہولت کی رعایت ہے جیسا کہ محققین بھی برتاؤ کرتے ہیں۔



## سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ

سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ خَمْسٌ وَخَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ أَلَيْسَ الْأَبْنَىٰ وَاصِلُهُ الْمُدَّثِّرُ أَدْعَمَتِ النَّاءُ فِي الدَّالِ أَيْ الْمُتَلَفِّفِ بَيِّنَاتِهِ عِنْدَ نُزُولِ الْوَحْيِ عَلَيْهِ قُمْ فَأَنْذِرْ ﴿٢﴾ خَوْفَ أَهْلِ مَكَّةَ بِالنَّارِ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا وَرَبِّكَ فَكَبِيرٌ ﴿٣﴾ عَظُمَ عَنْ إِشْرَاكِ الْمُشْرِكِينَ وَثِيَابَكَ فَطَهَّرْ ﴿٤﴾ عَنِ النَّجَاسَةِ أَوْ قَصَرَهَا خِلَافَ جَرِّ الْعَرَبِ ثِيَابَهُمْ خِيَلَاءَ فَرُبَّمَا أَصَابَتْهَا نَجَاسَةٌ وَالرُّجُزَ فَسَّرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَوْتَانِ فَاهْجُرْ ﴿٥﴾ أَيْ دُمَ عَلَى هَجْرِهِ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿٦﴾ بِالرَّفْعِ حَالِ أَيْ لَا تُعْطِ شَيْئًا لِتَطْلُبَ أَكْثَرَ مِنْهُ وَهَذَا خَاصٌّ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِأَحْمَلِ الْأَخْلَاقِ وَأَشْرَفِ الْأَدَابِ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿٧﴾ عَلَى الْأَوَامِرِ وَالنَّوَاهِي فَإِذَا انْقَرَفَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ نُفِخَ فِي الصُّورِ وَهُوَ الْقُرْآنُ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ فَذَلِكَ أَيْ وَقْتُ الْقُرْآنِ يَوْمَئِذٍ نَذْلٌ مِمَّا قُلْتَهُ الْمُبْتَدَأُ وَبُنِيَ لِإِضَافَتِهِ إِلَى غَيْرِ مُتَمَكِّنٍ وَخَبَرُ الْمُبْتَدَأِ يَوْمَ عَسِيرٍ ﴿٩﴾ وَالْعَامِلُ فِي إِذَا مَا دَلَّتْ عَلَيْهِ الْجُمُئَةُ أَيْ إِشْتَدَّ الْأَمْرُ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾ فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ يَسِيرٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَيْ فِي عُسْرِهِ ذَرْنِي أَتْرُكْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ عَطَفْتُ عَلَى الْمَفْعُولِ أَوْ مَفْعُولٍ مَعَهُ وَحَيْدًا ﴿١١﴾ حَالٌ مِنْ مَنْ أَوْ مِنْ ضَمِيرِهِ الْمَحْذُوفِ مِنْ خَلَقْتُ أَيْ مُنْفَرِدًا بِأَهْلِ وَلَا مَالٍ وَهُوَ الْوَلِيدُ بْنُ الْمُغِيرَةِ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَاسِعًا مُتَّصِلًا مِنَ الزُّرُوعِ وَالضُّرُوعِ وَالتِّجَارَةِ وَبَيْنَ عَشْرَةٍ أَوْ أَكْثَرِ شُهُودًا ﴿١٣﴾ يَشْهَدُونَ الْمَحَافِلَ وَتَسْمَعُ شَهَادَتَهُمْ وَمَهَّدْتُ بَسَطْتُ لَهُ فِي الْعَيْشِ وَالْعُمْرِ وَالْوَلَدِ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا لَا أَزِيدُهُ عَلَى ذَلِكَ إِنَّهُ كَانَ لَا يَتَنَايِ الْقُرْآنَ عَيْنِدًا ﴿١٦﴾ مُعَايِدًا سَأَرَهُ قَهْ أَكَلَفَهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ مَشَقَّةً مِنَ الْعَذَابِ أَوْ جَبَلًا مِنْ نَارٍ يَصْعَدُ فِيهِ ثُمَّ يَهْوِي أَبَدًا إِنَّهُ فَكَّرَ فِيمَا يَقُولُ فِي الْقُرْآنِ



الَّذِي سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدَّرَ<sup>(۱۸)</sup> فِي نَفْسِهِ ذَلِكَ فَقُتِلَ لَعْنٌ وَعَذِبَ كَيْفَ  
 قَدَّرَ<sup>(۱۹)</sup> عَلَى أَى حَالٍ كَانَ تَقْدِيرُهُ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ<sup>(۲۰)</sup> ثُمَّ نَظَرَ<sup>(۲۱)</sup> فِي وُجُوهِ قَوْمِهِ أَوْفِيَمَا يَقْدَحُ  
 بِهِ ثُمَّ عَبَسَ قَبْضَ وَجْهَهُ وَكَلَحَهُ ضَيْقًا بِمَا يَقُولُ وَبَسَرَ<sup>(۲۲)</sup> زَادَ فِي الْقَبْضِ وَالْكُلُوحِ ثُمَّ أَذْبَرَ<sup>(۲۳)</sup> عَنِ  
 الْإِيمَانِ وَاسْتَكْبَرَ<sup>(۲۴)</sup> تَكَبَّرَ عَنْ إِيْتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فِيمَا جَاءَ بِهِ إِنْ مَا هَذَا  
 الْأَسْحَرُ يُؤَثِّرُ<sup>(۲۵)</sup> يُنْقِلُ عَنِ السَّحَرَةِ إِنْ مَا هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ<sup>(۲۶)</sup> كَمَا قَالُوا إِنَّمَا يَعْلَمُهُ بَشَرٌ  
 سَأَصْلِيهِ أَدْخِلَهُ سَقْرَ<sup>(۲۷)</sup> جَهَنَّمَ وَمَا أَذْرَكَ مَا سَقَرُ<sup>(۲۸)</sup> تَعْظِيمٌ لِشَانِهَا لَا تَبْقَى وَلَا تَذَرُ<sup>(۲۹)</sup> شَيْءٌ  
 مِنْ لَحْمٍ وَلَا عَصَبٍ إِلَّا أَهْلَكَتُهُ ثُمَّ يَعُودُ كَمَا كَانَ لَوَاحَةً لِلْبَشَرِ<sup>(۳۰)</sup> مُحْرِقَةً ظَاهِرَ الْجِلْدِ عَلَيْهَا  
 تِسْعَةَ عَشَرَ<sup>(۳۱)</sup> مَلَكًا خَرَزَتْهَا قَالَ بَعْضُ الْكُفَّارِ وَكَانَ قَوِيًّا شَدِيدًا الْبَاسِ أَنَا أَكْفِيكُمْ سَبْعَةَ عَشَرَ  
 أَكْفُوْنِي أَنْتُمْ إِنْ شِئْتُمْ قَالَ تَعَالَى وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً أَوْ فَلَائِطًا قَوْنٌ كَمَا يَتَوَهَّمُونَ وَمَا  
 جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ ذِيكَ إِلَّا فِتْنَةً ضَلَالًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا<sup>(۳۲)</sup> بَانَ يَقُولُوا لِمَ كَانُوا تِسْعَةَ عَشَرَ لِيَسْتَيْقِنَ<sup>(۳۳)</sup> لِيَسْتَبِينَ  
 الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ أَيْ الْيَهُودُ صِدْقِ النَّبِيِّ فِي كَوْنِهِمْ تِسْعَةَ عَشَرَ الْمُوَافِقَ لِمَا فِي كِتَابِهِمْ وَيَزْدَادُ  
 الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِيْمَانًا تَصْدِيقًا لِمُوَافَقَةِ مَا آتَى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا فِي  
 كِتَابِهِمْ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ مِنْ غَيْرِهِمْ فِي عَدَدِ الْمَلَائِكَةِ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ  
 فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ شَكٌّ بِالْمَدِينَةِ وَالْكَافِرُونَ بِمَكَّةَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا الْعَدَدِ مَثَلًا سَمُوهُ لِفِرَاتِهِ  
 بِذَلِكَ وَأَعْرَبَ حَالًا كَذَلِكَ أَى مِثْلَ اضْطِلَالٍ مُنْكَرٍ هَذَا الْعَدَدِ وَهُدًى مُصَدِّقَةً يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ  
 وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ الْمَلَائِكَةُ فِي قُوَّتِهِمْ وَأَعْوَانِهِمْ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ أَى سَقَرُ  
 إِلَّا ذِكْرٌ لِلْبَشَرِ<sup>(۳۴)</sup> كَلَّا اسْتَفْتَحَ بِمَعْنَى إِلَّا وَالْقَمَرِ<sup>(۳۵)</sup> وَاللَّيْلِ إِذَا يَفْتَحُ الدَّالِ دَبَرَ<sup>(۳۶)</sup> حَاءُ<sup>(۳۷)</sup>  
 نَعْدَ النَّهَارِ وَفِي قِرَاءَةٍ إِذَا أَذْبَرَ بِسَكُونِ الدَّالِ بَعْدَهَا هَمْزَةٌ أَى مَضَى وَالصُّبْحِ إِذَا آسَفَرَ<sup>(۳۸)</sup> ظَهَرَ إِنَّهَا  
 أَى سَقَرٍ لَا خُدَى الْكَبِيرِ<sup>(۳۹)</sup> الْبَلَايَا الْعِظَامُ نَذِيرًا حَالٍ مِنْ إِحْدَى وَذِكْرٌ لِأَنَّهَا بِمَعْنَى الْعَذَابِ  
 لِلْبَشَرِ<sup>(۴۰)</sup> لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ بَدَلٌ مِنَ الْبَشَرِ أَنْ يَتَقَدَّمَ إِلَى الْخَيْرِ أَوْ الْحَنَّةِ بِالْإِيْمَانِ أَوْ يَتَأَخَّرَ<sup>(۴۱)</sup> إِلَى  
 الشَّرِّ أَوْ النَّارِ بِالْكَفْرِ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ<sup>(۴۲)</sup> مَرْهُونَةٌ مَأْخُودَةٌ بِعَمَلِهَا فِي النَّارِ إِلَّا  
 أَصْحَابَ الْيَمِينِ<sup>(۴۳)</sup> وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ فَنَاجُونَ مِنْهَا كَانُوا فِي جَنَّتٍ يَتَسَاءَلُونَ<sup>(۴۴)</sup> بَيْنَهُمْ عَنِ  
 الْمُجْرِمِينَ<sup>(۴۵)</sup> وَحَالُهُمْ وَيَقُولُونَ لَهُمْ بَعْدَ إِخْرَاجِ الْمُؤْجِدِينَ مِنَ النَّارِ مَا سَلَكَكُمْ أَدْخَلَكُمْ فِي

سَقَر ﴿۷۴﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿۷۵﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمِ الْمِسْكِينَ ﴿۷۶﴾ وَكُنَّا نَحْوُ ضُ فِي  
الْبَاطِلِ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿۷۷﴾ وَكُنَّا نَكْذِبُ يَوْمَ اللَّيْلِ ﴿۷۸﴾ الْبُعْثِ وَالْحَزَاءِ حَتَّىٰ آتَنَا الْيَقِينَ ﴿۷۹﴾  
الْمَوْتُ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿۸۰﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَالْمَعْنَى لَا شَفَاعَةَ لَهُمْ  
فَمَا مَبْتَدَأُ لَهُمْ خَيْرُهُ مُتَعَلِّقٌ بِمَحْذُوفٍ اِنْتَقَلَ صَمِيرُهُ إِلَيْهِ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿۸۱﴾ حَالٌ مِنَ الضَّمِيرِ  
وَالْمَعْنَى أَيْ شَيْءٌ حَصَلَ لَهُمْ فِي إِعْرَاضِهِمْ عَنِ الْإِتْعَاطِ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ ﴿۸۰﴾ وَحَشِيَّةٌ فَرِثٌ  
مِنْ قِسُورَةٍ ﴿۸۱﴾ أَسَدٌ أَيْ هَرَبْتُ مِنْهُ أَشَدَّ الْهَرَبِ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ أَمْرٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَى صُحُفًا  
مُنْشَرَةً ﴿۸۲﴾ أَيْ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى بِإِتِّبَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تُرِلَ  
عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُهُ كَلَّا رَدَّ عَمَّا أَرَادُوهُ بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿۸۳﴾ أَيْ عَذَابَهَا كَلَّا اسْتِفْتَحَ إِنَّهُ أَيْ  
الْقُرْآنَ تَذْكَرَةً ﴿۸۴﴾ عِطَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ ﴿۸۵﴾ قَرَأَهُ فَاتَّعِظَ بِهِ وَمَا يَذْكُرُونَ بِالْبَيَاءِ وَالتَّاءِ إِلَّا أَنْ يُشَاءَ  
عَلَى اللَّهِ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ بِأَنْ يَتَّقَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۸۶﴾ بِأَنْ يَغْفِرَ لِمَنْ اتَّقَاهُ

ترجمہ: ..... سورۃ مدثر مکہ ہے۔ جس میں ۵۵ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اے کپڑے میں لپٹنے والے (نبی یہ لفظ دراصل متدثر تھا۔ تاکہ دال میں اوغام کر دیا گیا ہے۔ یعنی وحی نازل ہونے کے وقت کپڑے میں لپٹنے والے) اٹھیے پھر ڈرائیے (اہل مکہ اگر ایمان نہ لائیں تو انہیں دوزخ سے ڈرائیے) اور اپنے رب کی بڑائیاں بیان کیجئے (مشرکین کے شرک سے بالا بتلائیے) اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے (گندگی سے یا اپنے کپڑے چھوٹے بنائیے۔ عربوں کی طرح نہیں کہ وہ تکبر کی وجہ سے بڑے ڈھیلے ڈھالے پہنتے تھے کہ اکثر نجاست آلودہ ہو جاتے تھے) اور بتوں سے (آنحضرت ﷺ نے اس کی تفسیر بت ہی کے ساتھ فرمائی ہے) الگ رہئے (یعنی چھوڑے رکھئے) اور کسی کو اس لئے نہ دو کہ زیادہ معاوضہ چاہو (مستکثر رفع کے ساتھ حال ہے یعنی کسی کو کوئی چیز اس غرض سے مت دو کہ زیادہ معاوضہ دے یہ حکم حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ آپ کو بہترین اخلاق اور عمدہ آداب کا پابند کیا گیا ہے) اور اپنے رب کے لئے (احکام و منہیات پر) صبر کیجئے، پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا (فحی ثانیہ مراد ہے) سو (وہ وقت صور پھونکنے کا یعنی) وہ دن ایک سخت دن ہوگا (اذا میں عامل مدلول جملہ ہے یعنی اشتداد الامر) کافروں پر جس میں ذرا آسانی نہ ہوگی (اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ دن مومنین پر آسان ہوگا سخت ہونے کے باوجود) مجھ کو رہنے دیجئے (چھوڑیے) اور اس شخص کو جسے میں نے پیدا کیا ہے (مفعول پر عطف ہے یا مفعول معہ ہے) اکیلا (یہ من سے حال ہے یا خلقت کی ضمیر محذوف سے حال ہے یعنی یکہ و تنہا تھا بغیر اہل اور مال کے۔ ولید بن مغیرہ مراد ہے) اور اس کو کثرت مال دیا (نہایت پائیدار کھیتی باڑی اور دودھ بوند اور تجارت) اور بیٹے (دس یا زیادہ) جو بلائے جاتے (محقولوں میں اور ان کی گواہی معتبر ہوتی) اور سب طرح کا سامان (عیش، عمر، اولاد) اس کے لئے مہیا کر دیا۔ پھر بھی اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں (زیادہ نہیں دوں گا) وہ ہماری آیات (قرآن) کا مخالف (دشمن) ہے۔ میں عنقریب اس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھاؤں گا (صعود سے عذاب کی مشقت یا آگ کا پہاڑ مراد ہے جس پر وہ چڑھے گا، پھر گرے گا۔ بس یہی ہوتا رہے گا) اس شخص نے سوچا (آنحضرت ﷺ سے قرآن سن کر جو کچھ کہتا ہے) پھر

ایک بات تجویز کی (اپنے دل میں اس کے متعلق) سو اس پر خدا کی مار (لغت عذاب) کیسی تجویز کی (کس حال پر تجویز کی) پھر اس پر خدا کی مار ہو کیسی بات تجویز کی۔ پھر منہ بنایا (اپنی قوم کے سامنے۔ یا اس پر عیب جوئی کی گئی) پھر منہ بسورا (یعنی منہ بنایا اور برا سا بنایا۔ اپنی بات سے تنگدل ہوتے ہوئے) اور زیادہ منہ بسورا (خوب نیز ہاتر چھا کیا) پھر منہ پھیرا (ایمان لانے سے اور آنحضرت ﷺ کی پیروی کرنے سے) اور تکبر کیا پھر بولا (وحی کی نسبت) کہ یہ تو جادو ہے (جادو گروں سے) منقول۔ پس یہ تو آدمی کا کلام ہے (چنانچہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ کوئی انسان پیغمبر کو سکھلاتا ہے) میں اس کو عنقریب دوزخ میں داخل کروں گا، اور تمہیں پتہ ہے کہ دوزخ کیسی چیز ہے (اس میں دوزخ کا ہولناک ہونا بتلاتا ہے) نہ تو باقی رہنے دے گی اور نہ چھوڑے گی (گوشت ہڈی میں سے کچھ بھی، مگر اس کو ختم کر دے گی۔ پھر از سر نو سب چیزیں جوں کی توں ہو جائیں گی) وہ بدن کی بنیت بگاڑ دے گی (کمال جلاؤ اے گی) اس پر انیس فرشتے ہوں گے (جہنم کے داروغہ ایک کافر جو نہایت طاقتور تھا کہنے لگا کہ میں ان میں سے سترہ لو کافی ہو جاؤں گا اور دو سے تم ہنٹ لینا اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ) اور ہم نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں (یعنی ان میں اتنی طاقت نہیں جیسا کہ انہیں وہم ہو رہا ہے) اور ہم نے جو ان کی تعداد ایسی رکھی ہے وہ صرف کافروں کی گمراہی کا ذریعہ ہے (تاکہ وہ یہ کہیں کہ وہ انہیں کیوں ہیں) اس لئے کہ اہل کتاب یقین کر لیں (یعنی یہود پیغمبر کو سچا سمجھ لیں ان فرشتوں کی تعداد انہیں ہونے میں جو ان کی کتاب کے موافق ہے) اور (اہل کتاب میں سے) ایمان والوں کا ایمان اور بڑھ جائے (یقین زیادہ ہو جائے۔ کہ جو حضور ﷺ بیان فرما رہے ہیں وہی ان کی کتاب میں ہے) اور اہل کتاب اور اہل ایمان شک نہ کریں (جو مومن اہل کتاب کے علاوہ ہوں، فرشتوں کی تعداد کی نسبت) اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے (مدینہ میں شکی ہیں) اور (مکہ کے) کافر کہنے لگیں کہ اللہ کا کیا مقصد ہے۔ اس (تعداد) عجیب سے (غرائب کی وجہ سے اس کو مثل کہہ گیا، اور اس پر حال کا اعراب لایا گیا ہے) اسی طرح (یعنی ان منکرین عدد کی گمراہی اور ماننے والوں کی ہدایت کی طرح) اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے اور آپ کے رب کے لشکروں کو (فرشتوں کی طاقت اور ان کے معاونین کو) بجز اس کے کوئی نہیں جانتا اور یہ (دوزخ) صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے۔ (ج) کلام استفتاح کے لئے بمعنی (الا ہے) قسم ہے چاند کی اور رات کی (اذا فتحہ کے ساتھ ہے) جب جانے لگے (دن جانے کے بعد اور ایک قراءت میں اذا دبر سکون ذاب کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد ہمزہ ہے جانے کے معنی میں) اور صبح کی جب روشنی ہو جائے کہ وہ (دوزخ) بڑی بھاری چیز (مصیبت) ہے جو بڑا ڈراوا ہے (نذیر، احدی سے حال ہے اور مذکر اس لئے لایا گیا کہ عذاب کے معنی میں ہے) انسان کے لئے یعنی تم میں (یہ بشر سے بدل ہے) جو آگے کو (بھلائی یا جنت کی طرف ایمان لاکر) یا پیچھے کو بٹے (برائی یا دوزخ کی طرف کفر کے ذریعہ) ہر شخص اپنے اعماس کے بدلے محبوس ہوگا (دوزخ میں اپنے اعمال میں ماخوذ) مگر اپنے والے (مومنین کہ وہ دوزخ سے چھٹکارا پا کر) بہشتوں میں ہوں گے (ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کرتے ہوں گے۔ دوزخیوں (اور ان کے حال) کی (اور مسلمانوں کے دوزخ سے نکل آنے کے بعد دوزخیوں سے پوچھیں گے) کہ تمہیں دوزخ میں کس بات نے داخل کیا؟ وہ کہیں گے کہ نہ تو ہم نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور (غلط) مشغلوں میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں رہا کرتے تھے اور قیامت (بعث و جزا) کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی سو ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش نفع نہ دے گی (فرشتوں، نبیوں، نیکوں کی سفارش مراد ہے یعنی ان کے لئے سفارش ہی نہیں ہوگی) تو ان کو کیا ہوا کہ (ما مبتداء لہم اس کی خبر محذوف کے متعلق ہے اور محذوف کی ضمیر خبر کی طرف راجع ہے) اس نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں (ضمیر سے حال یعنی نصیحت سے کنارہ دشی کر کے انہیں کیا ہاتھ آیا) کہ وہ گویا وحشی گدھے ہیں جو شیر سے بھاگے دوزے جارہے ہیں بلکہ ان میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے نوشتے

دیئے جائیں (یعنی اللہ کی طرف سے انہیں آنحضرت ﷺ کی اتباع کا حکم ہوا۔ جب کہ مشرکین کہا کرتے تھے۔ لن یومن لک حتی نسرل علیا کنا مانقروہ) ہرگز نہیں، بلکہ یہ لوگ آخرت (کے عذاب) سے نہیں ڈرتے ہرگز نہیں (استفتاح کے لئے ہے) یہ (قرآن) نصیحت (موعظت) ہے جس کا جی چاہے اس سے نصیحت حاصل کر لے (پڑھ کر عبرت حاصل کر لے) اور یہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کر سکتے (یا اور تا کے ساتھ قراءت ہے) جب تک اللہ نہ چاہے۔ وہی ہے جس سے ڈرنا چاہئے اور جو معاف کرتا ہے (اپنے سے ڈرنے والے کو بخش دیتا ہے۔)

**تحقیق و ترکیب:** المدثر۔ دراصل متدثر تھا۔ مدثر دثار سے ماخوذ ہے جس کے معنی اوپر کے لباس کے ہیں اور شعار کہتے ہیں بدن سے متصل لباس کو۔ جمہور کی رائے ہے کہ سب سے اول اقرا نازل ہوئی۔ پھر تین سال بعد فترۃ وحی کے بعد یا ایہا المدثر نازل ہوئی۔ ممکن ہے اس سے آیات مراد ہوں۔ ورنہ سب سے پہلے پوری سورت سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔

فانذر اگرچہ آنحضور ﷺ کی دونوں شانیں ہیں۔ بشیر و نذیر۔ لیکن ابتداءً بمصرف انذار پر اکتفا مناسب تھا پھر بعد میں "انا رسلاک شہداً و مبشراً و نذیراً" ارشاد الہی ہوا۔

فکسر۔ ابو اسحق موصلی کی رائے ہے کہ یہ قازائد ہے اور زجاج کہتے ہیں کہ فامعنی جزائیت کے لئے ہے۔ ای قم فکر ربک اور بعد کے جملوں کی بھی یہی تاویل ہوگی اور صاحب کشاف کہتے ہیں کہ فامعنی جزائیت کے لئے ہے۔ "ای شنی کاں فلا تدع تکبیرۃ" اور تکبیر سے تکبیر افتتاح صلوٰۃ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ لیکن اس وقت نماز فرض نہیں ہوئی تھی، اس لئے مفسر نے شرک سے تبری کے معنی لئے ہیں۔

آیت رملت فکبر میں صفت قلب ہے، الٹا پڑھنے سے بھی یہی جملہ بنتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تعمیل حکم کرتے ہوئے اللہ اکبر کہا۔ حضرت خدیجہؓ نے بھی سن کر نعرہ لگایا اور خوش ہوئیں اور سمجھ گئیں کہ یہ وحی ہے۔ علماء نے اس کو تکبیر نماز پر بھی محمول کیا ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہؒ نے لکھا ہے کہ تکبیر تحریر فرض ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک رکن ہے۔ کیونکہ نماز کی جو شرائط ہیں وہی اس کی شرائط ہیں۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک تکبیر نماز کی شرط خارجی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی فرض کا تحریر کرے تو اس سے نوافل پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ دوسری آیت میں و ذکر اسم ربہ فصلی ہے۔ یعنی نماز کو ذکر کے بعد فرمایا گیا جس سے مراد تکبیر ہے اور فا کے ذریعہ صلوٰۃ کا عطف کیا گیا ہے جس سے دونوں میں مغایرت معلوم ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ارکان نماز کی طرح تکبیر میں تکرار نہیں ہے اور شرائط نماز کی رعایت اس لئے کی گئی کہ تکبیر قیام نماز سے متصل ہے۔ تکبیر کے سلسلہ میں منقول تو اللہ اکبر ہے۔ مگر طرفین کے نزدیک اللہ اجل اللہ اعظم الرحمن اکبر۔ لا الہ الا اللہ، اللہ الکبیر وغیرہ کہنا بھی جائز ہے۔ لیکن ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر تکبیر اچھی طرح کہہ سکتا ہے تو صرف اللہ اکبر یا اللہ الا کبر یا اللہ الکبیر کہنا جائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف پہلے دو لفظوں سے اور امام مالکؒ کے نزدیک صرف پہلے لفظ سے جائز ہے۔ لیکن طرفین فرماتے ہیں کہ مقصود تعظیم ہے اس سے سب الفاظ صحیح ہیں بلکہ امام اعظمؒ تو صرف لفظ اللہ کہنے کی بھی اجازت دیتے ہیں اسی طرح صرف اللہم کہنا بھی جائز ہے۔ البتہ اللہم اعمر لی میں چونکہ دعا بھی ہے اس لئے کافی نہیں ہے۔

فطہر زہری نے پانی سے پاک کرنے کے معنی لئے ہیں اور ابن عباسؓ اور طاؤسؓ سے دامن چھوٹا رکھنے کے معنی ہیں۔ اور مجاہد اصحائے مراد لیتے ہیں اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ صل فیابک طاہرۃ۔ پہلے معنی شبہ ہیں "و ثیابک فطہر" میں کئی احتمال ہیں۔ حنفی فرماتے ہیں۔ قصرھا فانہ القی واقعی ایک معنی یہ ہیں۔ اصلح اعمالک فطہر نفوسک من

الاعادات المستقدرة ایک معنی یہ ہیں۔ اصلح اہلک یعنی کتابیہ سے نکاح نہ کرو بغیر مہر نکاح نہ کرو، چار سے زیادہ بیویاں نہ رکھو۔ لیکن اکثر کی رائے کپڑوں کو پاک رکھنے کی ہے پھر یہ حکم اگرچہ تمام اوقات میں ہے مگر ربک فکبر سے متصل ہونے کی وجہ سے نماز کے وقت کپڑوں کی پاکی مراد ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ يجب على المصلي ان يقدم الطهارة من الاحداث و الانجاس قال الله وثيابك فطهر. وان كنتم جنبا فاطهروا. نیز ستر بھی ہر وقت واجب ہے برخلاف کپڑوں کی پاکی کے۔ وہ نماز کے ساتھ خاص ہے چنانچہ بیضاوی وغیرہ تصریح کرتے ہیں۔ ان التطهير واجب في الصلوة محبوب في غيرها پھر کپڑے پر اگر نجاست غلیظہ قدر درہم سے کم ہے، یا نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے سے کم پر لگی ہوئی ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ ورنہ ہرانی پڑے گی۔ نجاست مرئیہ میں تو اس کے عین کا ازالہ ضروری ہے خواہ اس کا نشان یا اثر رہے لیکن غیر مرئی نجاست میں تین دفعہ دھو کر نچوڑ دینا کافی ہے پھر حنفیہ کے نزدیک پانی اور پانی جیسی رقیق چیزوں سے پاکی حاصل ہو سکتی ہے۔

فاهجر۔ بت پرستی چھوڑنے کے حکم سے شبہ ہوتا ہے کہ آپ پہلے بت پرستی کرتے تھے اس لئے مفسر نے "دم علی ہجرۃ" سے تفسیر کی ہے۔ کہ جس طرح آپ اب تک اس سے بچے رہے آئندہ بھی بچے رہیں ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔ ولا تمن۔ یعنی احسان کے بدلہ کی نیت سے احسان کرنا اگرچہ دوسروں کے لئے جائز ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کے مکارم اخلاق کے خلاف ہوتے ہوئے خاص طور پر آپ کو منع کر دیا گیا ہے اور بعض نے ممانعت کو عام رکھتے ہوئے ممانعت تنزیہی قرار دی ہے اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ آپ کسی کو کچھ مرحمت فرما کر بطور ریاضیادہ ظاہر نہ کیجئے۔

فی الساقور۔ فاعول کے وزن پر نفور سے ماخوذ ہے بمعنی قروح یعنی ٹکھٹانا، مراد آواز کرنا ہے صور اسرائیل یعنی ان کی آواز مراد ہے۔ منقار مرغ کی چونچ کو کہتے ہیں۔ ناقور سینک جیسا ہے۔ جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اس میں سوراخ ہیں جس میں ارواح عالم ہوں گی ہر سوراخ سے روح نکلے ثانیہ کے بعد نکل کر اپنے اپنے جسام میں پہنچ جائیں گی جس سے ان میں زندگی کی لہر دوڑ جائے گی اور مردے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

فلذلك يومئذ يوم عسير۔ ذلك سے وقت نقر کی طرف اشارہ ہے اور يومئذ ذلك سے بدل ہے اور چونکہ يوم اذا اسم غیر متمکن کی طرف مضاف ہے۔ اس لئے فتح پر مبنی ہو گیا معرب نہیں رہا اور اس پر تین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ ای اذا نقر فی الصور اور يومئذ خبر کا ظرف مستقر بھی ہو سکتا ہے۔ ای وقت النقر وقت عسير حال کون ذلك الوقت يوم القيامة اور اذا نقر کا عامل مدلول جملہ ہے۔ یعنی اشتد الامر اذا نقر غیر يسرا ای يسير علی المؤمنين فی وقت عسرة علی الکافرين

وحيداً یہ من خلقت میں من سے حال ہے ای ذرئی والذی هو کذا حال کونہ وحيداً اور جب کہ معطوف علیہ سے حال نہ بنایا جاسکتا ہو۔ تب بھی صرف معطوف سے حال بنانا جائز ہے۔ یا خلقت کی ضمیر محذوف سے بھی حال ہو سکتا ہے ای خلقتہ وحيداً اسی طرح خلقت کی ضمیر متکلم سے بھی حال ہو سکتا ہے ای خلقتہ وحید اور ذرئی کی ضمیر منسوب سے بھی حال ہو سکتا ہے۔ وحید سے مراد ولید بن مغیرہ ہے جس کا لقب بطور مدح وحید تھا یہاں جہکما بطور مذمت وحید فرمایا گیا۔ ولد الزنا ہونے کی وجہ سے یعنی بلا باپ کے تنہا ہے، یا شرارت میں یکتا ہے۔

صروع۔ سے مراد ذوات فروع یعنی دودھ والے جانور ہیں۔

وبنیں شہوداً۔ مجاہد سے منقول ہے کہ دس لڑکے تھے۔ اور سعید بن جبیر وغیرہ کہتے ہیں۔ ان میں سے خاند، ہشام، ولید بن

وسید تین مسلمان ہو گئے تھے۔ اور شہود اس لئے کہا کہ مالدار ہونے کی وجہ سے گھر پر ہی رہتے تھے۔ کسب معاش کے لئے سفر میں جانے کی حاجت نہیں تھی۔ یا اپنی وجاہت کی وجہ سے مجامع میں بلائے جاتے تھے۔

کلا حق تعالیٰ نے پھر ولید کو نقصان میں مبتلا کر دیا کہ فقیر ہو کر مرا۔

سارہ فقہ صعوداً، امام احمد وغیرہ نے ابوسعیدؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ جہنم کے پہاڑ پر چڑھنا اور گرنا ہوتا ہی رہے گا۔

وما ادراک ما سقر، ما مبتداء ادراک خبر ہے اسی طرح ما مبتداء مقرر خبر ہے یا برعکس ترکیب کر لی جائے اور یہ جملہ اورى کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہو جائے گا۔

لا تبقی ولا تذر، حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہیں اور عامل معنی تعظیم ہیں جیسا کہ ابوالبقاء کی رائے ہے اور ان کا مفعول محذوف ہے۔ ای لا تبقی ما القی فیہا ولا تذرہ بل تہلکہ اور بعض نے تقدیر عبادت اس طرح مانی ہے۔ لا تبقی علی من القی فیہا ولا تذر غایۃ العذاب الا وصلۃ الیہ اور دوسری ترکیب یہ ہے۔ کہ لا تبقی ولا تذر جملہ مستانفہ ہوا۔

لواحة للبشر، عام قرأت رفع کی مبتداء مضمک کی خبر ہے۔ ای ہی لواحة اس وقت قرأت سے لا تبقی کے مستانفہ کی تائید ہو جائے گی لیکن حسن بن ابی عیلہ، زید بن علی، عطیہ عوفی کی قرأت نصب کی ہے اس میں تین ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ سقر سے حال ہے اور معنی تعظیم اس میں عامل ہوں جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

۲۔ لا تبقی سے حال ہو۔

۳۔ لا تذر سے حال ہو۔

علامہ زنجشیریؒ اس کا نصب اختصاں تہویل کی وجہ سے مانتے ہیں اور شیخ جر جانیؒ نے حال موکدہ کہا ہے وہ فرماتے ہیں لان النار التي لا تبقی ولا تذر لا تكون الا مغیرۃ للبشر اور لواحة مبالغہ کا وزن ہے اس میں دو صورتیں ہیں۔

۱۔ لا ح یلوح ای ابھا تظہر للبشر، حسن ابن کیسانؒ کی یہی رائے ہے۔

۲۔ جمہور کے نزدیک یہ لوحہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی سیاہ کر دینے اور بدل دینے کے ہیں اور بعض لوح کے معنی شدت پیاس کے دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے لاحه العطش ولوحه ای غیرہ۔

لوح یعنی جو کی ہوا البشر جمع ہے۔ بشرہ کی یعنی کھال کا رنگ بدل دینے والی اور یا انسان مراد ہے اور لام للبشر میں تقویت کا ہے۔ جیسے ان کنتم للرویا میں لام تقویت کے لئے ہے اور یہ نصب کی قراءت لا تبقی کے محل میں ہونے کی تقویت کر رہی ہے۔ اسی طرح علیہا تسعة عشر میں بھی حال اور استیناف کی ترکیب ہو سکتی ہے۔ ایک داروغہ جہنم اور اس کے ساتھ اٹھارہ فرشتے ہیں اور بعض نے انیس فرشتے نقیب مانے ہیں اور بعض انیس ہزار فرشتے مانتے ہیں۔ وما یعلم جنود ربک الا ھو سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اور قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ صحیح بات یہ ہوگی کہ انیس فرشتے نقیب اور رئیس کے درجہ کے ہوں۔ لیکن مجموعہ کا حال اللہ کو معلوم ہے۔ اس پر ابوالاثرنیؒ می ایک کافر جو بڑا طاقتور تھا کہنے لگا کہ ان میں سے سترہ کو تو میں کافی ہوں باقی دو فرشتوں کا اور لوگ انتظام کریں۔ یہ اس کی بکواس ابو جہل کے اس کہنے پر ہوئی تھی۔ اما یستطیع کل عشرة منکم ان یاخذوا احدا منهم وانتم الدھم

الافسۃ جعل کا مفعول ثانی ہے حذف مضاف کے ساتھ ای الا سبب فتنۃ للذین فتنہ کی صفت ہے۔ اور فرشتوں کی یہ تعداد دو وجہ سے فتنہ ہے۔ ایک تو اس لئے کہ کفار مذاق اڑاتے تھے کہ اس سے زائد فرشتے کیوں نہیں ہو سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ یہ اتنی تھوڑی تعداد ہے جس سے ساری دنیا کے مجرموں کو کیسے سزا دی جاسکتی ہے؟



یستیقن۔ اس کا تعلق جعلنا کے ساتھ ہے یعنی اللہ کا اس تعداد کی اطلاع دینا اہل کتاب میں یقین پیدا کرنے کے لئے ہے اور کافروں کے لئے فتنہ ہونا اس میں آڑے آنا گویا اصل عبارت اس طرح تھی۔ وما جعلنا عدتہم الا تسعة عشرة۔ لیکن تسعة عشر کی بجائے فتنة للذین کفروا۔ کہہ دیا گیا کیونکہ تھوڑی تعداد کافروں کے لئے فتنہ بنی ہوئی تھی۔ اس لئے حاصل مضمون یہ ہوگا۔ ولقد جعلنا عدتہم عدة من شانہا ان یفتن بہا لا جل استیقان المؤمن وحيرة الکافرین۔ یہاں اہل کتاب سے مراد یہود ہیں۔

ولا یرتاب الذین اوتوا الکتاب۔ اس میں یہود کے علاوہ دوسرے اہل کتاب نصاریٰ مراد ہیں اس لئے دونوں جگہ تغیر ہو گیا پس تعرض کا شبہ نہیں رہے گا اور مومنین سے مراد اہل اسلام ہیں۔ اس لئے ”اوتوا الکتاب“ اور ”مومنون“ میں تکرار نہیں رہے گا۔

فی قلوبہم مرض بالمدينة۔ اس لئے کہا کہ نفاق مدینہ ہی میں رونما ہوا۔

بہذا مثلاً۔ مثلاً حال ہے ہذا سے ای ہذا حال کو نہ مشابہا للمثل مفسر نے لغزابتہ سے وجہ شبہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ ”ماذا اراد اللہ“ میں ما مبتداء اذا خبر اور اراد اللہ صلہ ہے۔ اور مثلاً ”ہذه ناقة اللہ“ کی طرح تمیز بھی ہو سکتی ہے چونکہ انیس فرشتوں کی تعداد باعث حیرت بنی ہوئی تھی۔ اس لئے اس کو مثل سے تعبیر فرمایا گیا۔

وما یعلم جنود ربک۔ حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے حق تعالیٰ سے آسمانی مخلوق کی تعداد پوچھی ارشاد ہوا انا عشر سبطاً عدد کل سبط عدد التراب۔ اسرار محمدیہ میں ہے کہ کوئی مکان یا گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں ایسی مخلوق آباد نہ ہو جن کی شمار اللہ ہی جانتا ہے۔

کلا۔ مکرین کے لئے ڈانٹ ڈپٹ کا کلمہ ہے بمعنی الا تنبیہ ہے اور علامہ رضی بمعنی حقاً کہتے ہیں۔

واللیل اذا دب۔ ابو عمر، ابن کثیر، ابن عامر، کسائی، ابوبکر کے نزدیک دبیر بغیر ہمزہ کے ہے۔ دبیرنی فلان ای جاء حلفی۔ چنانچہ دن کے بعد رات آتی ہے۔ پس ”واللیل اذا دب“ کے معنی دن کے جانے کے بعد رات آنے کے ہیں۔ قطرب سے ایسے ہی منقول ہے۔ لیکن نافع، حمزہ، حفص کے نزدیک اذا سکون ذال کے ساتھ اور ادبیر ہمزہ کے ساتھ ہے ادبار جانے کے معنی ہیں۔

لا حدی الکبر۔ یعنی بکثرت بلاؤں میں سے ستر ایک بلا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جہنم کے سات طبقات میں سے ایک کا نام سقر ہے، دوسرے کا لظی، تیسرے کا حطمة، چوتھے کا سعیر، پانچویں کا ہاویہ، چھٹے کا جہنم۔ الکبر جمع ہے کبریٰ کی اور جمع مطلق فعل فعلتہ کے وزن پر آتی ہے۔ ہاں الف کو تا کی جگہ کر لیا ہے۔

نذیراً للبشر۔ اس میں کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ احدى سے تمیز ہو یعنی تعظیم کے متضمن ہونے کی وجہ سے ای اعظم الا کبر اندازاً۔ پس نذیر بمعنی انداز ہے۔

۲۔ نذیر، مصدر ہو بمعنی انداز اور فعل مضمون کی وجہ سے منسوب ہو جیسا کہ قراء کی رائے ہے۔

۳۔ فعیل بمعنی مفعول ہو، اس صورت میں بقول زجاج انہا کی ضمیر سے حال ہو جائے گا۔

۴۔ فم کے فاعل سے حال ہو جو شروع سورت میں ہے۔

۵۔ احدى کی ضمیر حال ہو یعنی تعظیم کے متضمن ہونے کی وجہ سے گویا عبارت اس طرح ہوئی۔ اعظم الا کبر مندرة۔

۶۔ اندر کی وجہ سے منسوب ہو جو شروع سورت میں ہے۔



۷۔ الکمر سے حال ہو۔

۸۔ ضمیر کبر سے حال ہو۔

۹۔ احدى الکبر سے حال ہو، ابن عطیہ یہی کہتے ہیں۔

۱۰۔ اعنی مضممر کی وجہ سے منسوب مانا جائے۔

اس کے علاوہ اور وجوہ بھی ہو سکتی ہیں رہا نذر کا مذکر ہونا ذوالحال مؤنث ہونے کے باوجود بتاویل عذاب ہے لمس شاء منکم یہ جار مجرور سے بدل ہے۔

کل نفس یعنی ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے ماخوذ ہوگا بجز اصحاب الیمین کے اس میں استثناء متصل بھی ہو سکتا ہے اور منفصل بھی اور اصحاب الیمین سے مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کے واسطے ہاتھ میں اعمال نامے ہوں گے اور بعض نے کہا ہے فرشتے یا بچے اصحاب الیمین میں آگئے۔

لم نک من المصلین الخ سے جہنم میں جانے کی وجوہ بتلائیں یعنی ہم نیک اعمال نہیں کرتے تھے۔ صاحب کشف کی رائے ہے کہ سب جہنمیوں کو ان چاروں اعمال کے مجموعہ کی وجہ سے بھی عذاب ہو سکتا ہے اور یہی احتمال ہے کہ بعض کو بعض اعمال کی وجہ سے اور بعض کو دوسرے اعمال کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ بہر حال اس آیت سے امام شافعی وغیرہ استدلال کرتے ہیں کہ کفار اعمال فرعیہ کے بھی مکلف ہیں۔ لیکن احناف کے نزدیک کفار مکلف بالاصول نہیں فروع کے احتمال کے وہ مکلف نہیں کیونکہ اعمال کا درجہ ایمان کے بعد ہے۔ غرض یہ کہ کفار، ایمان اور معاملات و عقوبات و عبادات کے اخروی مواخذہ کے اعتبار سے بالاتفاق مکلف ہیں۔ لیکن دنیا میں ان کی ادائیگی کے مکلف نہیں۔ البتہ امام شافعی کے نزدیک دنیا میں بھی مکلف ہیں چنانچہ قاضی بیضاوی نے اپنے مسلک کی رعایت کرتے ہوئے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ لیکن امام زاہد نے اپنے مسلک کی رعایت سے جواب دیا ہے کہ آیت میں قبولیت اعمال کی نفی کی گئی ہے ادائیگی کی نفی مراد نہیں ہے۔ لیکن بظاہر حق بات وہ معصوم ہوتی ہے جو صاحب توضیح نے فرمائی کہ آیت سے مواخذہ اخروی کا ہونا مفہوم ہو رہا ہے نہ کہ دنیاوی ادائیگی کا اہتہ موت میں یہ بات صاف کر دی کہ بحالت کفر اعمال کا معتبر نہ ہونا بالاتفاق ہے اسی طرح اس میں بھی اختلاف نہیں کہ اسلام لانے کے بعد ان اعمال کی قضا نہیں کی جائے گی۔ بلکہ شرع اختلاف صرف اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ آیا کفر کے علاوہ ان احکام پر بھی آخرت میں مواخذہ ہوگا یا نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان احکام کو واجب اعتماد نہ کرنے پر تو بالاتفاق مواخذہ ہوگا۔ ہاں محض اعمال نہ کرنے پر مواخذہ ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے اور آیت دونوں حضرات کا مستدل بن سکتی ہے۔ اور لم نک من المصلین کی یہ توجیہ کرنا کہ لم نک من المعتقدين فرضية الصوة بطور مجاز ہوگا جو بغیر دلیل ثابت نہیں ہوگا۔

رہینہ قرض فرماتے ہیں کہ رہین بمعنی مرہونہ ایسا ہی ہے۔ جیسے تشیمہ بمعنی شتم ہے۔ فعلیل بمعنی مفعول نہ کہا جائے کیونکہ وہ مؤنث نہیں آتا۔

اصحاب الیمین اس کا مصداق بقول حضرت علیؑ مسلمان بچے ہیں۔ کیونکہ وہ مکلف نہیں جو اپنے اعمال میں ماخوذ اور گردی ہوں۔

فسی جنات مفسر نے پہلے کائناتوں سے متعلق محذوف ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے پھر یہ مبتدائے محذوف کی خبر ہو جائے گا اور جملہ استینافیہ کہلائے گا۔ سوال مقدر کا جواب ہے۔ ای ما شانہم، نیز فسی جنات، اصحاب الیمین سے یا یتسألون کے فاعل سے حال ہو۔ جیسا کہ ابوالقاء کی رائے ہے اور یسألون کا ظرف بنانا اور بھی بہتر ہے اور تساؤل اہل جنت کا حقیقۃ

باہمی ہوگا اور یتساء لون بمعنی یسئلون غیر ہم کہا جائے۔

ماسلککم فی سقر۔ اہل جنت کا اہل جہنم سے یہ پوچھنا پہلے تساول کے علاوہ ہے جو باہمی تھا اس لئے اس آیت اور ”فی جنت یتساء لون“ میں تعارض کا شبہ نہیں رہا مفسر علام ”و یقولون لہم الخ“ سے اس شبہ کا ازالہ کر رہے ہیں۔  
و کنا۔ جہنمیوں کی کہانی ان کی اپنی زبانی ہے پہلا جملہ عام اور دوسرا جملہ خاص گمراہی کا بیان ہے۔

فما تنفعہم۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومنین کے لئے شفاعت نافع ہوگی۔ حدیث میں ہے ان من امتی من یدخل الجنة بشفاعت اکثر من ربیعة ومضر۔ بظاہر شبہ ہو سکتا ہے کہ کلام مقید میں نفی قید کی ہوا کرتی ہے پس معلوم ہوا کہ کفار کے لئے شفاعت ہوگی مگر نافع نہیں ہوگی حالانکہ اہل سنت کا مسلک مطلق شفاعت کی نفی کا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں قید اور مقید دونوں کی نفی مقصود ہے۔ ای لا شفاعۃ لہم۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دوسری آیت میں ہے۔ فمالنا من شافعیین اور مقصود کفار کے اس قول کا رد کرنا ہے۔ ہؤ لا شفعاءنا عند اللہ۔ نیز اس آیت سے مومنین کے لئے شفاعت کا نافع ہونا اس قاعدہ کی بنیاد پر نہیں ہے کہ کسی چیز پر نص کرنا اس کے خلاف کی نفی پر دلالت کرتا ہو۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہاں کفار کی مذمت ہے، اور مذمت مومنین سے فرق کر کے ہو سکتی ہے۔ نیز مومنین کے لئے شفاعت کا مفید ہونا بکثرت آیات و روایات سے بھی ثابت ہے۔ لیکن معتزلہ کے نزدیک فساق مومنین کے لئے رفع درجات اور زیاتی ثواب کی شفاعت تو ہو سکتی ہے مگر عذاب سے بچنے کے لئے شفاعت نہیں۔ چنانچہ صاحب شفاف کہتے ہیں کہ اس آیت میں شفاعت کے مفید ہونے کی دلیل ہے یعنی زیادتی درجات کے لئے کیونکہ صفائے معتزلہ کے نزدیک بلا توبہ بھی مطلقاً معاف ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو۔ لیکن کبائر توبہ سے پہلے معاف نہیں ہو سکتے اور توبہ کے بعد شفاعت کی حاجت نہیں رہتی البتہ ثواب زیادہ ہونے کے لئے معتزلہ کا استدلال ان آیات سے ہے۔ لا یقبل منها شفاعۃ، ما للظالمین من حمیم ولا شفیع بطاع۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ نصوص عام نہیں کہ تمام افراد اور تمام اقوال و اوقات مراد ہوں اور اگر عام ہی مان لیں تو ان سے مراد کفار ہیں تاکہ دونوں قسم کی نصوص جمع ہو جائیں۔

فما لہم عن التذکرہ۔ اس میں لہم کا تعلق محذوف ہے۔ اسی حاصل لہم اور اس سے محذوف کی ضمیر مستقر خبر یعنی جار مجرور کی طرف راجع ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب خبر جار مجرور ہوتی ہے تو اس کا متعلق وجوباً محذوف ہوا کرتا ہے اور اس کی جگہ ضمیر لے لیتی ہے اس لئے اس کو ظرف یا جار مجرور مستقر کہا جاتا ہے۔

من قسودہ۔ بمعنی شیر زخشری کہتے ہیں کہ قسر سے فعولہ کا وزن ہے بمعنی فہد شیر کے معنی منقول ہیں۔ مجاہد، عطاء، ابو ہریرہ ابو موسیٰ سے رماء کے معنی منقول ہیں۔ اور ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ ما اعلم بلغة احد من العرب ان القسورة الا سدهم عصبة الرجال۔

ربط آیات: ..... سورہ مزمل کا مقصود اصل تو آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے اور کفار کو ڈرانا تبعاً تھا۔ سورہ مدثر میں اس کا برعکس ہے۔ اس لئے سورہ مزمل میں زیادہ آیات تسلی کی اور انداز کی کم تھیں اور اس سورۃ میں اس کا عکس ہے۔ سورہ مدثر میں جن واقعات کی طرف اشارہ ہے بالا بحال ان کا ذکر آگے آتا ہے۔

شان نزول و روایات: ..... صحیحین کی روایت میں فترۃ وحی کا حال ان الفاظ میں ہے۔ فبینا انا امشی سمعت صوتاً من السماء فاذا لملک الذی جاءنی بحراء قاعد علی کرسی بین السماء و الارض مخففت منه فجئت اہلی



اور انعامات پر نظر کرتے ہوئے نماز کے اندر اور باہر اس کی کبریائی کا اعلان و اظہار تمہارا کام ہے۔

کپڑوں اور نفس کی صفائی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہے:..... و ثابث فطہر۔ یعنی دعوت توحید کے بعد نماز کا نمبر آتا ہے اس کے لئے کپڑوں کی پاکی شرط ہے اور جب کپڑوں کی پاکی ضروری ہوگی تو بدن کی طہارت بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگی۔ اس لئے اس کے بیان کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی گئی بعض اہل علم نے اس سے نفس کی صفائی مراد لی ہے کہ گندے اخلاق سے ان کو بچاؤ اور بت پرستی سے الگ رکھو۔ حاصل یہ کہ ظاہری و باطنی، حسی و معنوی ہر قسم کی آلودگیوں سے مکمل پرہیز رکھو۔ اس کے بغیر اللہ کی بڑائی اس کے شایان شان و لائق نہیں ہو سکتی۔ ان آیات میں خطاب اگرچہ خاص ہے مگر احکام عام ہیں۔

ولا تمنن تستکثر۔ اس میں اولوالعزمی اور مکارم اخلاق کی تعلیم ہے کہ دوسروں پر خرچ کرنا بدلہ کی نیت سے نہیں ہونا چاہئے بلکہ عالی ظرفی کے تقاضے سے دوسروں پر داد و بخش ہونی چاہئے اس کی مختلف تفسیریں اور بھی کی گئیں مگر یہ تشریح بے تکلف معلوم ہوتی ہے۔

ولسربك فاصبر۔ یعنی دعوت و تبلیغ کی راہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان پر صبر و برداشت سے کام لیجئے اس طرح ان آیات میں اپنی اور دوسروں کی اصلاح آگئی۔

آگے فاذ اسقر سے نہ ماننے والوں کے لئے وعید ہے صور پھونکنے کا دن بڑا سخت دن ہوگا مگر صرف نافرمانوں کے حق میں، لیکن فرمانبردار اس کی سختیوں سے محفوظ رہیں گے۔

ذرني ومن خلقت۔ یوں تو ہر انسان اپنی ماں کے پیٹ سے اکیلا اور خالی ہاتھ آتا ہے کوئی ساز و سامان لے کر نہیں آتا۔ لیکن یہاں ولید بن مغیرہ مراد ہے جو اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیاوی ثروت کے لحاظ سے بھی وہ عرب میں یکتا شمار کیا جاتا تھا حاصل کلام یہ ہے کہ ایسے سرکشوں کے بارے میں جلدی نہ کیجئے اور نہ ان کو مہلت ملنے سے تنگ دل ہو جیئے۔ بلکہ انہیں ہمارے حوالہ کیجئے ہم ان کی خاطر خواہ مزاج پر سی کر دیں گے۔ آپ اس غم میں نہ پڑیئے۔

لا لچی کی نیت کبھی نہیں بھرتی:..... و بنین شہودا۔ یعنی انتہائی مالدار ہونے کی وجہ سے اس کے دسویں بیٹے ہر وقت نظروں کے سامنے رہتے محفلوں اور جمعوں میں بلائے جاتے اور زینت محفل بنتے تھے کام کاج کے لئے نوکر چاکر آگے رہتے۔ ان کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور اتنا کچھ دینے پر بھی اس کی طمع پوری نہیں ہوتی تھی بلکہ اور مال و دولت بٹورنے کی فکر میں رہتا۔ یا آنحضرت ﷺ جب کبھی بہشت کی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے تو کہنے لگتا کہ اگر یہ صحیح ہے تو یقین ہے کہ مجھے بھی یہ نعمتیں ضرور ملیں گی غرض کہ موجودہ نعمتوں کا حق تو کیا ادا کرتا بڑھوتری کی فکر میں رہتا ہے۔

کلا انہ کان لا یئتنا۔ یعنی جب وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے تو اسے ہرگز حق نہیں پہنچتا کہ ایسی خیالی جنت بسائے چنانچہ اس کے بعد جو پھر دیوالیہ ہونا شروع ہوا تو بڑی ذلت و فقر کی حالت میں جان دی۔

سارھقہ۔ یعنی سخت ترین مصائب میں گرفتار ہو گیا دوزخ کے پہاڑ پر چڑھائے اور گرائے جائیں گے یہ بھی عذاب کی ایک قسم ہوگی۔

ولید پلید کی خباثتیں:..... انہ فکرو۔ ایک مرتبہ ولید آنحضرت ﷺ کا قرآن سن کر متاثر ہوا مگر قریش میں اس کا چرچا ہونے لگا کہ اگر ولید مسلمان ہو گیا تو بڑی خرابی کی بات ہوگی۔ سب جمع ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے متعلق تبصرے ہوئے۔ کسی نے

آپ کو شاعر، کسی نے کہا مگر ولید نے یہ کہہ کر تردید کر دی کہ میں خود شعر اور کہانت سے واقف ہوں۔ قرآن نہ شعر ہے اور نہ کہانت۔ لوگوں نے کہا کہ آخر پھر تیری کیا رائے ہے؟ کہنے لگا کہ ذرا سوچ لوں پھر کچھ منہ بنا کر کہنے لگا کہ جادو معلوم ہوتا ہے جو بابل والوں سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ حالانکہ پہلے جادو ہونے کی تردید بھی کر چکا تھا۔ بلکہ کلام الہی ہونے کا اقرار کر چکا تھا مگر اب برادری کو خوش کرنے کے لئے یہ بات بنا دی۔ یعنی ولید پلید نے سوچ کر ایک بات گھڑ لی کہ قرآن جادو ہے خدا غارت کرے کیسی لغو بات کہی اور خدا غارت کرے کہ لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے بروقت کیسی بڑھانک دی کہ سن کر سب خوش ہو جائیں۔ الفاظ کے دہرانے میں یہ نہ کفر ہے کہ قرآن کو جادو کہنا بے تکاپن ہے۔ کیونکہ جاہل و ظاہر امور عادیہ میں سے ہونے کی وجہ سے خاص ایک حد تک اس کا اثر رہتا ہے۔ لیکن اس میں طاقت نہیں ہوتی کہ حاضرین کے علاوہ سارے غائبین پر بھی اثر انداز ہو جائے اور ماضی و مستقبل دونوں اس طرح اس کے زیر اثر آجائیں کہ نہ پہلے اس جیسا کوئی کلام لاسکا اور نہ آئندہ اس جیسا کوئی کلام لاسکے گا اور جھوٹ سے کسی میں ایسا دعوے کرنے کی ہمت و جرأت نہیں ہوتی اور بالفرض کوئی کر بھی لے تو جلد ہی اس کی قلعی کھل جائے گی اور لوگ تکذیب کر دیں گے اس لئے اس مہمل تجویز کو نہایت تعجب خیز فرمایا۔

قرآن کی ہر زمانہ میں غیر معمولی تاثیر اس کے جادو ہونے کی تردید کرتی ہے:..... ان هذا الا قول البشر۔ یعنی ولید نے مجمع پر نگاہ ڈالی اور خوب سامنے بنایا تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ قرآن کو ناپسند کرتا ہے پھر پیٹھ بھی پھیر لی تا کہ دیکھنے والوں کو یقین ہو جائے کہ اسے قرآن سے نفرت ہے اور وہ دل سے قرآن کو جادو بتا رہا ہے۔ چنانچہ نہایت تکبر آمیز انداز میں بولا کہ بس یہ قرآن ایک جادو ہے جو پہلوں سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور انسانی کلام ہے جس سے دوستوں عزیزوں میں تفریق ہو جاتی ہے۔

ساصلیہ سقر۔ یہاں سے ولید کی اخروی سزا کا بیان ہے۔ یعنی عنقریب ہم اس کو جہنم رسید کر کے تکبر کا مزہ چکھائیں گے۔ وہاں دوزخیوں کی کوئی چیز بھی صحیح سلامت نہیں بچے گی سب کچھ جل کر بھسم ہو جائے گا اور پھر بدن کی کھال دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آجائے گی پھر اس کو جلایا جائے گا اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا ان آیات کی تفسیر اور طرح بھی کی گئی ہے۔ مگر سلف سے اسی طرح منقول ہے۔ اور "لواحة لبشر" کا مطلب یہ ہے کہ بدن کی کھال آگ میں جھلس کر حیثیت بگاڑ دے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جیسے دہکتے ہوئے ہاں سرخ نظر آتا ہے آدمی کی پنڈلی پر کھال سرخ نظر آئے گی۔

دوزخ میں انیس ۱۹ فرشتے کیوں مقرر ہیں؟..... علیہا تسعة عشر۔ دوزخ کے انتظام پر جو فرشتوں کی ایک بھاری جماعت مقرر ہوگی انیس فرشتے خازن اور افسر ہوں گے اور افسر اعلیٰ مالک کہلائیں گے یوں تو ایک فرشتہ بھی اپنی غیر معمولی طاقت و قوت کے بل پر بہت کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن اپنے مقررہ دائرہ میں رہ کر ہی اس کی قوت کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت عزرائیلؑ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی جان، آن و احد میں لے سکتے ہیں مگر ایک بچے میں جان نہیں ڈال سکتے۔ حضرت جبرائیلؑ پلک جھپکنے پر وحی لا سکتے ہیں مگر بارش کا ایک قطرہ نہیں برسا سکتے۔ حق تعالیٰ نے جس طرح جسم انسانی میں ہر عضو سے ایک کام مقرر کیا ہے۔ آنکھ سننے اور سونگھنے اور کان دیکھنے اور بولنے کا کام نہیں کر سکتے۔ ہاتھ پاؤں سونگھنے کا کام نہیں کر سکتے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے دوزخیوں کے لئے طرح طرح کے عذاب مقرر کئے وہ سب ایک ہی فرشتہ سے متعلق نہیں کئے جاسکتے بلکہ ہر فرشتہ سے متعلق عذاب کی ایک خاص نوع ہوگی اور عذاب کی انیس قسمیں کیا ہیں جن پر انیس فرشتے مامور ہو گئے اور اتنی ہی تعداد کیوں رکھی گئی۔ اس پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے عمیق و لطیف کلام فرمایا ہے اور حضرت تھ نوئیؒ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ کفار کو اصل عذاب عقائد حقہ کی مخالفت پر ہوگا جن میں سے عقائد قطعہ نہیں:-

۱۔ اللہ پر ایمان لانا۔ ۲۔ عالم کو حادث ماننا۔ ۳۔ فرشتوں کو ماننا۔ ۴۔ آسمانی کتابوں کو ماننا۔ ۵۔ پچھلے پیغمبروں کو ماننا۔ ۶۔ تقدیر کو برحق ماننا۔ ۷۔ قیامت۔ ۸۔ جنت۔ ۹۔ جہنم کا یقین رکھنا۔ باقی عقائد انہی کی طرف راجع ہیں اور یہ وہ عقائد ہیں جن سے عملیات کا تعلق نہیں۔ لیکن جن عقائد کا تعلق اعمال سے ہے وہ دس ہیں۔ پانچ کا تعلق مامورات سے اور پانچ کا منہیات سے ہے۔ مامورات کے تعلق کا مطلب یہ ہے کہ ان کے واجب ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔ وہ شعائر اسلام یہ ہیں:-

۱۔ کلمہ شہادت کا اقرار کرنا۔ ۲۔ نمازوں کی اقامت۔ ۳۔ ایتائے زکوٰۃ۔ ۴۔ رمضان کے روزے۔ ۵۔ حج بیت اللہ۔ اور پانچ عقائد کا تعلق منہیات سے ہے یعنی ان کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے:-

۱۔ کفریات۔ ۲۔ قتل بالخصوص قتل اولاد۔ بہتان۔ ۳۔ زنا۔ ۴۔ چوری۔ ۵۔ عصیان فی المعروف۔ جس میں غیبت، ظلم، قیہوں کا مال چھین لینا وغیرہ سب آگیا۔ اس طرح یہ مجموعہ عقائد انیس ہو گئے۔ پس ممکن ہے ایک ایک عقیدہ پر ایک ایک فرشتہ مقرر ہو اور ان سب میں بڑا عقیدہ تو حید ہے اس پر مامور فرشتہ بھی سب سے بڑا یعنی مالک ہوگا۔

دوزخ پر مامور انیس فرشتوں کی حکمت: ..... وما جعلنا عدتہم . خازنین جہنم، کے انیس ہونے کو سن کر کا فر ٹھٹھا کرنے لگے کہ ہم ہزاروں ہیں یہ انیس ہمارا کیا کر لیں گے۔ بہت سے بہت یہ ہوگا کہ ہر فرشتہ کے مقابلہ میں دس دس جٹ جائیں گے۔ ایک پہوان نے ڈینگ ماری کہ سترہ کو تو اکیلا میں ہی کافی ہوں، دو کا تم مل کر صفایا کر دینا۔ اس آیت کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ وہ انیس ہیں مگر یہ دھیان رہے کہ آدمی نہیں بلکہ وہ فرشتے ہیں جن کی قوت و طاقت معلوم۔ پھر اس طرہ کے تمسخر کا کیا موقع! بلکہ اس طرح تعداد میں منکروں کی جانچ کرنی ہے کہ دیکھیں کون سن کر ڈرتا ہے اور کون ہنسی ٹھٹھا کرتا ہے۔ اور اس تعداد میں یہ بھی حکمت ہے کہ اہل کتاب کو قرآن کی حقانیت کا یقین ہو جائے گا کہ یہی تعداد صحیح اور واقعہ کے اور آسمانی کتابوں کے عین مطابق ہے اور یہ دیکھ کر پھر مومنین کا ایمان بڑھے گا اور ان دونوں جماعتوں کو ان کے بیان میں کوئی شک نہیں رہ جائے گا اور نہ وہ مشرکین کے تمسخر سے دھوکہ میں پڑیں گے۔

اہل کتاب کے یقین کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی کتابوں میں بھی یہی عدد لکھا ہوگا اس لئے فوراً مان میں گئے اب اگر ان کی کتابوں میں یہ عدد نہ ہو تو ممکن ہے ان کی کتاب میں ضائع ہونے سے اس عدد کا ذکر بھی ضائع ہو گیا ہو۔ اور دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ عدد تو ان کی کتابوں میں نہ ہو لیکن وہ فرشتوں کی غیر معمولی قوت کے قائل تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے اور امور تو قیہ بھی ان کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اس لئے ان کے پاس انکار کا کوئی معنی نہیں تھا۔ پس آیت میں لفظ استیقان سے مراد انکار و استہزاء نہ کرنا ہوگا۔ تاہم پہلی توجیہ ظاہر ہے۔

ایمان میں زیادتی و کمی: ..... اسی طرح اہل ایمان کے ایمان میں زیادتی کی بھی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اہل کتاب کے یقین کو دیکھ کر کیفیت کے لحاظ سے ان کا ایمان بھی قوی ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ باوجود یہ کہ اہل کتاب سے ملتے جلتے نہیں۔ مگر پھر بھی آپ کی وحی پچھلے انبیاء کے موافق ہے اس لئے ضرور آپ بھی برحق نبی ہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہوگی کہ جب کوئی نیا مضمون آنحضرت ﷺ پر نازل ہوتا تھا اور مسلمان اس کی تصدیق کرتے تھے تو اس صورت میں بلحاظ کیت بھی ایمان میں اضافہ ہوتا تھا اور یقین کے اثبات اور شک کی نفی میں اگرچہ باہمی ملازم ہے۔ تاہم تاکید کے لئے لایو قاب بڑھا دیا۔ تاکہ دونوں باتوں کی تصریح ہو جائے۔

فی قلوبہم مرض۔ مرض سے مراد شک و شبہ ہے۔ یعنی حق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی بعض تو منکر ہو جاتے ہیں اور بعض متذبذب و متردد ہو جاتے ہیں۔ اور مکہ میں لوگ ایسے ہوں گے اور مرض سے نفاق بھی مراد ہو سکتا ہے اس صورت میں یہ ایک طرح کی پیشین

گوئی ہوگی کہ دیکھو آگے چل کر مدینہ میں منافقین ہوں اور یہ بات کہیں گے۔ مومنین اور اہل کتاب کے شک اور اس کی نفی کو الگ الگ بیان فرمایا گیا دونوں کو یک جان نہیں کیا گیا کیونکہ مومنین کا یقین، اور شک کی نفی تو شرعی مراد ہے اور اہل کتاب کا یقین اور شک کی نفی لغوی ہے۔

ماذا اراد الله . دوزخ کے داروغہ انیس ہوں یہ بے تکلی بات بھلا اللہ کیوں کرتا! معلوم ہوا کہ محمد ﷺ کی طبعزاد باتیں ہیں۔ جواب میں فرماتے ہیں۔

حاکمانہ جواب: ..... کذلک یضل الله . یعنی ایک ہی چیز ہوتی ہے جس سے بد استعداد گمراہ ہو جاتا ہے۔ اور سلیم الفطرت انسان فلاح یاب اور کامیاب ہو جاتا ہے۔ جس کے دل میں خوف خدا ہوتا ہے اور اسے توفیق نصیب ہوتی ہے اس کے تو ایمان و یقین میں ترقی ہوتی ہے اور جسے ماننا ہی نہ ہو وہ کام کی بات کو بھی ہنسی میں اڑا دیتا ہے۔ یوں تو اللہ کے بے شمار فرشتوں کے لشکروں کی تعداد اسی کو معلوم ہے۔ انیس فرشتے تو افسر اعلیٰ ہوں گے۔ لیکن ان کے ساتھ اعوان و انصار کا عملہ کتنا ہوگا؟

مسلم کی روایت ہے کہ جہنم کے ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ کو ستر ہزار فرشتے تھامے ہوں گے اور پھر مقصود اصلی بوگوں کی عبرت و نصیحت کے لئے دوزخ کا حال بیان کرنا ہے۔ فرشتوں کی کمی زیادتی یا اس کی حکمت کے بیان کرنے نہ کرنے پر وہ موقوف نہیں ہے پس عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ زوائد پر نظر نہ کرتے ہوئے مقصود اصلی پر نظر رکھی جائے تاکہ لوگ غضب الہی سے ڈر کر نافرمانی سے باز رہیں۔

آگے کلا والقمر سے قسموں سے کلام کو مؤکد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قیامت میں جو بڑی بڑی ہولناک چیزیں پیش آنے والی ہیں دوزخ ان میں سے ایک مصیبت ہوگی اور چونکہ اس ڈرانے کا انجام قیامت میں ظاہر ہوگا۔ اس لئے ایسی چیزوں کی قسم کھائی گئی جو قیامت کے بہت ہی مناسب ہیں۔ چنانچہ چاند کا بڑھنا پھر گھٹنا، اس دنیا کی نشوونما کا ایک نمونہ ہے اور اس کے آہستہ آہستہ ختم ہو جانے کا یہاں تک کہ چاند کے محاق کی طرف یہ عالم بھی فانی محض ہو جائے گا۔ اسی طرح اس دنیا کو آخرت کے ساتھ حقائق کے منور و منکشف ہونے میں ایسی ہی نسبت ہے جیسے رات کو دن کے ساتھ۔ گویا اس عالم کا ختم ہو جانا رات کے گزر جانے اور اس عالم آخرت کا ظہور نور صبح کے پھیل جانے کے مشابہ ہے۔

مقربین اور اصحاب الیمین: ..... الا اصحاب الیمین . اصحاب الیمین کی تشریح سورہ واقعہ میں گزر چکی ہے۔ البتہ اصحاب الشمال کے مقابل ایسا مفہوم مراد ہے جس میں مقربین بھی شامل ہو جائیں۔ خلاصہ یہ کہ مومنین دوزخ کے جس سے محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ روز الست بھی وہ حضرت آدم کی پشت کی داہنی جانب سے نکلے اور دنیا میں بھی سیدھی چال چلتے رہے اور پھر حشر کے موقف میں بھی عرش کے داہنی سمت بہشت بریں میں کھڑے ہوں گے اور اعمال النامہ بھی ان کا داسنے ہاتھ میں ہوگا۔ یہ لوگ جنت کے باغات میں آزادی اور خوش عیشی سے رہیں گے آرام اور بے فکری کی فضا میں آپس میں ایک دوسرے سے یا فرشتوں سے گنہگاروں کا حال دریافت کریں گے اور پھر معلوم ہونے پر خود گنہگاروں سے براہ راست مخاطب ہوں گے کہ میاں دنیا میں اتنے کامیاب ہوتے ہوئے یہاں دوزخ میں کیسے آ پڑے۔ وہ دنیا کا اپنا حال بیان کریں گے کہ ہم نے اللہ کا حق پہنچانا، نہ بندوں کی خبر لی۔ البتہ دوسرے لوگوں کی طرح حق کے خلاف بحثیں کرتے رہے اور بری صحبتوں میں رہ کر شبہات کے دلدل میں دھنستے چلے گئے اور سب سے بڑی مہمندی یہ ہوئی کہ ہمیں یقین نہیں ہوا کہ انصاف کا دن بھی آنے والا ہے۔ ہمیشہ اس بات کو جھٹلایا کئے یہاں تک کہ موت کی گھڑی سر پر آن پہنچی۔ یہاں آنکھوں سے دیکھ کر ان باتوں کا یقین ہو گیا جن کو جھٹلایا کرتے تھے یعنی دنیا میں مرتے دم تک نافرمانی سے باز نہ آئے اور اسی حالت میں جان دی اس لئے دوزخ میں آنا پڑا۔



کفار کیا فرعی احکام کے مکلف ہیں:..... اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ کفار مکلف بالفروع ہیں کیونکہ سقر میں دو چیزیں ہوں گی۔ ایک عذاب دوسرے عذاب کی زیادتی۔ پس ممکن ہے ان اعمال کا مجموعہ عذاب اور زیادتی عذاب کے مجموعہ کا سبب اس طرح ہو کہ کفر و انکار تو نفس عذاب کا سبب ہو اور نماز وغیرہ اعمال سبب ہوں زیادتی عذاب کے اور غیر مکلف بالفروع ہونے کے معنی یہ ہوں کہ ان فروع پر نفس عذاب نہیں ہوگا۔ البتہ عذاب کی زیادتی اس لئے ہوگی کہ آخر اصول کے ضمن میں ان فروع کے بھی تو مکلف تھے۔ پس ضمنی تکلیف زیادتی کا سبب ہوئی۔

فما تنفعهم شفاعۃ الشافعين . کافر کے حق میں کوئی سفارش نہ کرے گا اور کرے گا تو قبول نہیں ہوگی ان بد نصیبوں کو دیکھو کہ مصیبتیں سامنے ہیں مگر نصیحت سن کر ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ بلکہ نصیحت سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور حق کا شور و غل اور شیران خدا کی آوازیں سن کر جنگلی گدھوں کی طرح بھاگے جاتے ہیں گدھا اول تو حماقت ہلاکت میں مشہور ہے۔ دوسرے شہری گدھا نہیں بلکہ جنگلی گدھا فرض کیا گیا جس کو گور خر کہتے ہیں۔ وہ تو خواہ مخواہ ہی بد کتار ہوتا ہے۔ تیسرے کہیں شیر سے اگر اس کا پالا پڑ جائے تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ہے۔

خن سازی بہانہ بازی:..... بل سرید . پیغمبر کی بات ماننا نہیں چاہتے۔ بلکہ ہر شخص کی آرزو یہ ہے کہ خود اس پر اللہ کے کھلے ہوئے صحیفے اتریں اور انہیں پیغمبر بنا دیا جائے یا پیغمبر کے اتباع کا حکم دیا جائے۔ حتیٰ فتیٰ مثل ما اوتیٰ رسل اللہ حتیٰ تنزل علینا کتا بانقرؤہ۔ آگے جواب میں فرماتے ہیں۔ کلا الخ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ ان میں لیاقت نہ اس کی ضرورت۔ اول تو ان کی درخواستیں بے تکی اور بے ہودہ اور پھر مقصد بھی نہیں کہ اس کے بعد مان جائیں گے۔ بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ یہ لوگ عذاب آخرت سے ڈرتے نہیں اور نہ ان میں حق کی طلب ہے۔ بس یہ درخواست بھی محض تعنت کے طور پر ہے رہا ہر ایک کی مستقل کتاب کے لئے فرمائش ہو یہ بھی دفع الوقتی ہے۔ ورنہ ایک کتاب قرآن ہی سب کے لئے کافی ہے۔ قرآن اگرچہ ایک پراثر، مگر کام تو سب کے آتا ہے اللہ کی یاد، اللہ کی مشیت اور توفیق کے تابع ہے اور مشیت اس کی حکمت کے تابع ہے اور حکمت کا احاطہ کوئی کر نہیں سکتا۔ اللہ ہی سب کی صلاحیت اور لیاقت سے واقف ہے۔ اسی کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔

هو اهل التقویٰ . انسان خواہ کتنا ہی گناہ کرے گا لیکن جب اللہ سے ڈرے گا اور تقویٰ کی راہ پر چلے گا تو اللہ بھی توبہ قبول کر لے گا اور سب گناہ بخش دے گا۔ انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر اس آیت کی تلاوت کے بعد بطور وضاحت یہ عبارت ارشاد فرمائی۔ قال ربکم عزوجل انا اهل ان تقی فلا یشرک بی شئی فاذا اتقانی العبد فانا اهل ان اغفر له . اے اللہ! ہم سب کے گناہ معاف فرما۔

لطايف سلوک:..... ولا تمنن تستکثر . روح المعانی میں بعض کی تفسیر نقل کی ہے کہ آپ کسی سے زیادہ کمانے کی نیت سے کچھ عطا مت کیجئے اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ اپنے دیئے ہوئے کو زیادہ مت سمجھو اور بعض نے کہا ہے کہ اپنی نیکیوں کو زیادہ سمجھ کر مت جتاؤ۔ ان سب صورتوں میں اخلاق و طریق کی تعلیم ہے۔

فما لهم عن التذکرۃ . ان آیات میں کالمین کی پیروی سے غار کرنے اور اپنے نفس کے لئے احوال و واردات کی توقع رکھنے کی مذمت ہے۔

## سُورَةُ الْقِيَمَةِ

سُورَةُ الْقِيَمَةِ مَكِّيَّةٌ أَرْبَعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا رَايِدَةَ فِي الْمَوْضِعِينَ أَقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَمَةِ ﴿١﴾ وَلَا أَقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿٢﴾ الَّتِي تَلُومُ نَفْسَهَا وَانْجْتَهَدَتْ فِي الْإِحْسَانِ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوفٌ أَيْ لَتُبْعَثَنَّ ذَلَّ عَلَيْهِ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَيْ الْكَافِرُ أَنَّ نَجْمَعَ عِظَامَهُ ﴿٣﴾ لَلْبُعْثِ وَالْإِحْيَاءِ بَلَى نَجْمَعُهَا قَادِرِينَ مَعَ خَمْعِهَا عَلَى أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ ﴿٤﴾ وَهُوَ الْأَصَابِعُ أَيْ نُعِيدُ عِظَامَهَا كَمَا كَانَتْ مَعَ صِغَرِهَا فَكَيْفَ بِالْكِبِيرَةِ بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ بِلَا مُرَائِدَةٍ وَنَصْبِهِ أَنَّ مُقَدَّرَةً أَيْ أَنْ يَكْذِبَ أَمَامَهُ ﴿٥﴾ أَيْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ذَلَّ عَلَيْهِ يَسْأَلُ أَيَّانَ مَتَى يَوْمُ الْقِيَمَةِ ﴿٦﴾ سَوَاءٌ اسْتَهْزَأَ وَتَكْذِيبٌ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿٧﴾ بِكُسْرِ الرَّاءِ وَفَتْحِهَا ذَهَبَ وَتَحْيِيرَ لِمَا رَأَى مِمَّا كَانَ يُكْذِبُ بِهِ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿٨﴾ أَظْلَمَ وَذَهَبَ ضَوْؤُهُ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿٩﴾ فَطُلِعَا مِنْ أَمْعَرٍ أَوْ ذَهَبَ ضَوْؤُهُمَا وَذَلِكَ فِي يَوْمِ الْقِيَمَةِ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُ ﴿١٠﴾ الْمَرَارُ كَلَّا رَدِّعْ عَنْ طَلِبِ الْمَرَارِ لَا وَزَرَ ﴿١١﴾ لَا مَلْجَأَ يَتَحَصَّنُ بِهِ إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾ مُسْتَقَرُّ الْحُلَاثِقِ فَحَاسِبُونَ وَيُجَارُونَ يُنَبِّئُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَآخَرَ ﴿١٣﴾ بِأَوَّلِ عَمَلِهِ وَآخِرِهِ بَلْ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾ شَاهِدٌ تَنْطِقُ جَوَارِحُهُ بِعَمَلِهِ وَالْهَاءُ لِلْمُبَالَغَةِ فَلَا تُدْمِلُ خَرَائِبَهُ وَلَوْ أَلْقَى مَعَاذِيرَهُ ﴿١٥﴾ جَمْعُ مُعْذِرَةٍ عَلَى غَيْرِ قِيَاسٍ أَيْ لَوْ جَاءَ بِكُلِّ مُعْذِرَةٍ مَاقَبِلَتْ مِنْهُ قَالَ تَعَالَى لَسِيَّه لَا تَحْرِكْ بِهِ لِقُرْآنٍ قَبْلَ فَرَاحِ حَبْرَتَيْنِ مِنْهُ لِسَانُكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿١٦﴾ خَوْفٌ أَنْ يَفْلَتَ مِنْكَ إِنْ عَلَيْنَا جَمْعُهُ فِي صَدْرِكَ وَقُرْآنُهُ ﴿١٧﴾ قَرَأَتْ تِلْكَ آيَاتُهَا أَيْ حَرِيَّتَانِ عَلَى لِسَانِكَ فَإِذَا قَرَأْتَهُ عَنْكَ تَفْرَعُ حَبْرَتَانِ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٨﴾ اسْتَمَعَ قَرَأَتْهُ فَكَانَ ضَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَمِعُ ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا

بَيَانُهُ ﴿۲۰﴾ بِإِتْفَاقِهِمْ لَكَ وَالْمُنَاسَبَةُ بَيْنَ هَذِهِ الْآيَةِ وَمَاقِبَلِهَا أَنَّ تِلْكَ تَضَمَّنَتْ الْإِعْرَاضَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ تَعَالَى وَهَذِهِ تَضَمَّنَتْ الْمَبَادِرَةَ إِلَيْهَا بِحِفْظِهَا كَلَّا اسْتِفْتَاخَ بِمَعْنَى الْإِبْلُ تَحْبُونُ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۱﴾ الدُّنْيَا بِلِئَاءِ وَالْيَاءِ فِي الْفِعْلَيْنِ وَتَذَرُونَ الْأَخِرَةَ ﴿۲۲﴾ فَلَا تَعْمَلُونَ لَهَا وَجُودَ يَوْمَئِذٍ أَيْ فِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ نَاضِرَةٌ ﴿۲۳﴾ حَسَنَةٌ مُصَيَّبَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاطِرَةٌ ﴿۲۴﴾ وَوَجُودَ يَوْمَئِذٍ بِاسِرَةٍ ﴿۲۵﴾ كَالْحِجَةِ شَدِيدَةُ الْعُبُوسِ تَظُنُّ تُوقِرُ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۶﴾ ذَاهِيَةٌ عَظِيمَةٌ تَكْسِرُ فَقَارَ الظُّهْرِ كَلَّا بِمَعْنَى إِلَّا إِذَا بَلَغَتِ النَّفْسُ التَّرَاقِيَّ ﴿۲۷﴾ عِظَامَ الْحَلْقِ وَقِيلَ قَالَ مَنْ حَوْلَهُ مَنْ رَاقٍ ﴿۲۸﴾ يُرْقِيهِ لِيَشْفَى وَظَنَّ أَيَقْنُ مَنْ بَلَغَتْ نَفْسُهُ ذَلِكَ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۹﴾ فِرَاقُ الدُّنْيَا وَالتَّقَبُّ السَّاقِ بِالسَّاقِ ﴿۳۰﴾ أَيْ إِحْدَى سَاقَيْهِ بِالْأُخْرَى عِنْدَ الْمَوْتِ أَوْ التَّقَبُّ شِدَّةَ فِرَاقِ الدُّنْيَا بِشِدَّةِ إِقْبَالِ الْأَجَرَةِ إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ﴿۳۱﴾ أَيْ السَّوْقُ بِحِ ۱ وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى الْعَامِلِ فِي إِذَا الْمَعْنَى إِذَا بَلَغَتِ النَّفْسُ الْحُلُقُومَ تُسَاقُ إِلَى حُكْمِ رَبِّهَا فَلَا صَدَقَ ۲ لِإِنْسَانٍ وَلَا صَلَّى ﴿۳۲﴾ أَيْ لَمْ يُصَدِّقْ وَلَمْ يُصَلِّ وَلَكِنْ كَذَّبَ بِالْقُرْآنِ وَتَوَلَّى ﴿۳۳﴾ عَنِ الْإِيمَانِ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى أَهْلِهِ يَتَمَطَّى ﴿۳۴﴾ يَتَخَرُّقُ فِي مَشْيِهِ إِعْجَابًا أَوْلَى لَكَ فِيهِ الْبَقَاةُ عَنِ الْغَيْبَةِ وَالْكَلِمَةُ إِسْمُ فِعْلٍ وَاللَّامُ لِلتَّبْيِينِ أَيْ وَلِيْلِكَ مَا تَكْرَهُ فَأَوْلَى ﴿۳۵﴾ أَيْ فَهُوَ أَوْلَى بِكَ مِنْ غَيْرِكَ ثُمَّ أَوْلَى لَكَ فَأَوْلَى ﴿۳۶﴾ تَاكِيدٌ أَيْحَسَبُ يَظُنُّ الْإِنْسَانُ أَنْ يَتْرَكَ سُدًى ﴿۳۷﴾ هَمَلًا لَا يُكَلِّفُ بِالشَّرَائِعِ أَيْ لَا يُحَسَبُ ذَلِكَ أَلَمْ يَلِكْ أَيْ كَانَ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَى ﴿۳۸﴾ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ تُصَبُّ فِي الرَّحِمِ ثُمَّ كَانَ الْمَنِيُّ عُلْقَةً فَخَلَقَ اللَّهُ مِنْهَا الْإِنْسَانَ فَسَوَّى ﴿۳۹﴾ عَدَلَ أَعْضَاءَهُ فَجَعَلَ مِنْهُ مِنَ الْمَنِيِّ الَّذِي صَارَ عُلْقَةً أَيْ قِطْعَةً دَمٍ ثُمَّ مُضْغَةً أَيْ قِطْعَةً لَحْمٍ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى ﴿۴۰﴾ يَحْتَمِعَانِ تَارَةً وَيَسْفِرُ كُلُّ مِثْمَاعَيْنِ الْأَخْرَتَارَةَ أَلَيْسَ ذَلِكَ الْفَعَالُ لِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ بِقَدِيرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ ۳ الْمَوْتَى ﴿۴۱﴾ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَى

۲  
۶۰  
۱۸

ترجمہ: ... سورہ قیامہ مکہ ہے۔ اس میں چالیس آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحیم الرحیم۔

(دونوں جگہ زائد ہے) میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور میں قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے (باوجود نیکی میں بے حد کوشش کرنے کے پھر خود کو ملامت کرتا ہے۔ جواب قسم محذوف ہے۔ یعنی "لتبعثن" جس پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے) کیا انسان (کافر) کا گمان یہ ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں قطعاً جمع نہیں کریں گے (دوبارہ زندہ کرنے اور جانے کے لئے) کیوں نہیں (ہم ضرور جمع کریں گے) کیونکہ ہم (ہڈیوں کو جمع کرنے کے ساتھ) اس پر بھی قادر ہیں کہ اس کی انگلی کے پوروں تک جمع کر دیں (یعنی جب پوروں کی ہڈیاں ہم ٹھیک ٹھاک کر دیں گے تو بڑی کیسے نہیں کریں گے) بلکہ بعض دفعہ آدمی یوں چاہتا ہے کہ گناہ کرتا رہے (لام زائد ہے

اور ان مقدّر کے ذریعہ منسوب ہے۔ تقدیر عبادت ان یکذب ہے) اپنی آئندہ زندگی میں بھی (مراد قیامت ہے جیسا کہ اگلے آیت میں معلوم ہو رہا ہے) پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا (ہنسی مذاق اور انکار کے طریقہ پر) سو جب آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی (سُرق راء کے کسرہ اور فتح کے ساتھ ہے، جس چیز کو جھٹلایا تھا اس کو سامنے دیکھ کر ہکا بکا رو جائے گا) اور چاند بے نور ہو جائے گا (اندھیرا ہو جائے گا، روشنی چلی جائے گی) اور سورج اور چاند ایک طرح کے ہو جائیں گے (چنانچہ پچھتم سے نکلیں گے یا دونوں میں روشنی نہیں رہے گی اور یہ قیامت کے روز ہوگا) اس روز انسان کہے گا کہ اب کدھر جاؤں (بھاگوں) ہرگز نہیں۔ (نکل بھاگنے کی جستجو پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) کہیں پناہ کی جگہ نہیں ہے (بچ نکلنے کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے) صرف آپ کے پروردگار کے پاس ہی اس دن ٹھکانا ہے (مخلوق حساب کتاب کے لئے پیش ہوگی) اس روز انسان کو اس کا سب اگلا پچھلا (اعمال کا شروع آخر) جتلا دیا جائے گا۔ بعد انسان خود اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا (اس کے کام کی گواہی خود اس کے اعضاء دیں گے۔ بصیرت میں ہر مبالغہ کے لئے ہے۔ بہرحال عمل کا بدلہ ضرور ہوگا) اگرچہ وہ اپنے حیلے بہانے کرے گا (معاذیبر معذرت کی جمع ہے خلاف قیاس یعنی پورا حیلہ بھی کرے گا تب بھی چھکار گرنہیں ہوگا۔ حق تعالیٰ پیغمبر سے ارشاد فرماتے ہیں) اے پیغمبر! آپ نہ ہلایا کیجئے (جبرائیل کے قرآن سنانے سے پہلے) اپنی زبان قرآن کو جدی لینے کے لئے (اس ڈر سے کہ کہیں قرآن چھوٹ نہ جائے) یقیناً ہمارے ذمہ ہے (آپ کے سینہ میں) اس کو جمع کر دینا اور اس کو پڑھو دینا (آپ کو اس کی قرأت آپ کی زبان پر جاری کر کے) تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں (آپ کے سامنے جبرائیل سے پڑھو کر) تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے (یعنی جبرائیل کی قرأت سنا کیجئے۔ چنانچہ پہلے حضور ﷺ سنتے تھے پھر خود پڑھتے تھے) پھر اس کا بیان کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔ (آپ ﷺ کو سمجھا دینا اور پچھلی آیت اور اس آیت میں مناسبت یہ ہے کہ پہلی آیت میں اللہ کی آیات سے اعراض تھ اور اس آیت میں ان کو حفظ کر کے شوق ظاہر کرنا ہے۔ اے منکرو! ہرگز نہیں (کلا بمعنی الا کلمہ استفتاح ہے) بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو (دونوں فعلوں میں تداور یا کے ساتھ ہے) اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو (اس کے لئے کام نہیں کرتے) بہت سے چہرے اس روز (قیامت میں) تروتازہ (بارونق) ہوں گے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے اور بہت سے چہرے اس روز بے رونق (پیسے بے حد پڑ مردہ) ہوں گے۔ گمان (یقین) کر رہے ہوں گے ان کے ساتھ کر توڑ دینے والا معاملہ کیا جائے گا (سخت جھٹکے کا جس سے کمر کا منکا ٹوٹ کر رہ جائے گا) ہرگز ایسا نہیں (کلا بمعنی الا) جب جان ہنسی (حلق کی ہڈی) تک پہنچ جاتی ہے اور ہا جاتا ہے (ارد گرد لوگ کہتے ہیں) کہ کوئی جھاڑنے والا بھی ہے (کہ جس کے جھاڑنے سے شفا ہو جائے) اور وہ گمان کر لیتا ہے (جس کا سانس ہنسی تک آجائے وہ یقین کر لیتا ہے) کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے (دنیا سے رخصت ہونا ہے) اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے (جان نکلتے وقت پنڈلی ایک دوسری پر چڑھتی ہے۔ یاد دنیا سے روانگی اور آخرت کی آمد کی شدتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں) اس روز ترے پروردگار کے حضور جانا ہے (مساق بمعنی سوق ہے۔ یہ جملہ اذاکے عامل پر دلالت کر رہا ہے۔ یعنی سانس جب گلے میں اٹک کر رہ جائے تو اللہ کے حکم کی طرف روانگی شروع ہو جاتی ہے تو اس سلسلے میں اس (انسان) نے نہ تصدیق کی تھی ورنہ نماز پڑھی تھی۔ لیکن (قرآن مذکور) تکذیب کی تھی اور (ایمان سے) من موڑا تھا۔ پھر باز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا (خود پسندی کے ساتھ ناز و انداز سے چلتا تھا) تیری مہجنتی پر (یہاں غائب کے صیغے سے خطاب کی طرف التفات ہے اور کلمہ اولی اسم فعل ہے اور لام بیان یہ ہے۔ یعنی تیری شامت آگئی) مہجنتی آنے والی ہے (یعنی دوسرے کی بجائے تو بھی اس کا مستحق ہے) پھر تیری مہجنتی پر مہجنتی آنے والی ہے (یہ تائید ہے) کیا یہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا (فضول کسی شریعت کا پابند نہ ہو۔ یعنی انسان کو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے) کیا یہ شخص ایک قطرہ مٹی نہ تھا جو ٹپکا یا گیا تھا۔ (سا اور تسا کے ساتھ ہے، رحم میں ٹپکا یا گیا) پھر وہ خون کا لوتھڑا ہو گیا، پھر اللہ نے (اس سے انسان) بنایا، پھر اعضاء (مناسب طور پر) ٹھیک ٹھاک کئے۔ پھر اس کی (یعنی اس مٹی کی جو علقہ یعنی خون کی پھٹک، پھر مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی ہو گئی تھی) دو قسمیں (نوعیں) کر دیں مرد و عورت (کبھی دونوں ساتھ ہوتے ہیں۔ کبھی الگ الگ) کیا وہ (ان کاموں کو سرانجام دینے والا) اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مردوں کو زندہ کر دے (آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ضرور قدرت رکھتا ہے۔)

تحقیق و ترکیب: ..... لا اقسام۔ قسم کے ساتھ کلام عرب میں لازماً آتا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ لازماً نہیں ہے بلکہ نفی کے معنی ہیں یعنی قسم کھانے کی حاجت نہیں کیونکہ مضمون ظاہر و باہر ہے۔

اللوامة صیغہ مبالغہ ہے۔ یعنی انسان خواہ نیک و کم کرے پھر بھی نفس ملامت کرتا ہے کہ زیادہ نیکی کیوں نہیں کی اور برائی کرنے پر تو خیر ملامت کرتا ہی ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ اللوامة هی التي تلوم علی الخیر والشر یقول لو فعلت کذا وکذا۔ حضرت حسنؑ سے منقول ہے۔ ان المؤمن لا تراه الا یلوم نفسه ما اردت بحکمتی ما اردت بحدیثی نفسی والا اراه الا یعابتها وان الفاجر یحیی قد مالا یعابها نفسه۔ اور نیکیوں پر نفس کا ملامت کرنا بطور ترغیب ہوتا ہے کہ اور زیادہ نیکیاں کی جائیں۔

الن نجمع ہمزہ اور لام کے درمیان نون نہیں لکھا ہے بلکہ ہمزہ اور لام ملا کر لکھے ہوئے ہیں۔ ان مخففہ ہے۔ ضمیر شان اسم ہے اور لن اور اس کے بعد کی عبارت خبر کی جگہ ہے۔ یہاں حرف نفی فاصل ہے اور پھر یہ جملہ حسب کا ایک مفعول ہے یا دونوں مفعول علی اختلاف الاقوال بلی قادرین نفی کے بعد اثبات کیا جا رہا ہے، عام قرأت قادرین نصب کی ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ فعل مقدر کے فاعل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای بلیٰ نجمعها قادرین اور دوسرا قول یہ ہے کہ کان مضمون کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای بلیٰ کنا قادرین فی الابداء۔ اور ابن علیہ قادرین رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں، مبتداء محذوف کی خبر ہو کر ای بلیٰ نحن قادرین مفسر نے ”مع جمعها“ سے اشارہ کیا ہے۔ آیت کے مطلب کی طرف یعنی ہم بڑیوں کو جمع کرنے کے ساتھ پوروں کے درست کرنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔

لیفجر۔ لام زائد ہے اور ان مقدر ہے۔ ای یرید الانسان ان یفجر امامہ۔ مفسر کی یہ توجیہ بہتر ہے بہ نسبت اس توجیہ کے کہ مفعول نہ کو مقدر مانا جائے اور یوں تقدیر نکالی جائے۔ یرید الانسان شہواتہ ومعاصیہ۔ نیز اس توجیہ سے بھی بہتر ہے کہ فعل کو بمنزلہ لازم کہا جائے یا مصدر کے معنی میں لے کر مبتداء کہا جائے اور تقدیر عبارت اس طرح نکالی جائے۔ اراد الانسان کائنۃ لیفجر امامہ۔ مفسر نے ”ان یکذب“ سے اشارہ کیا کہ فجور کے معنی تکذیب کے ہیں۔ لفظ امامہ اس کا مفعول ہے اور ضمیر انسان کی طرف ہے۔ چنانچہ ابن عباس اس سے کافر منکر قیامت مراد لیتے ہیں۔

برق البصر نگاہ پتھرا جائے، ایک جگہ جم کر رہ جائے۔ یعنی آدمی دیکھ کر ہکا بکارہ جائے لفظ برق میں دونوں لعنت مفسر نے بتلا دیئے۔

وجمع الشمس والقمر۔ یعنی ایک ہی سمت سے دونوں کا ٹکنا مراد ہے۔ اس طرح خوف بھی اس صورت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے صرف محاق کے معنی لے کر اہل بیت اور نجوم کی اصطلاح مراد نہ لی جائے اور یا کہا جائے کہ حسف تو نصف مہینہ میں ہو جائے گا اور چاند سورج کا جمع ہونا آخر ماہ میں ہوگا۔ یا جمع کرنے سے مراد دونوں کو بے نور کر دینا ہو یا ایک ہی آسمان میں دونوں کا جمع حقیقی مراد ہو۔ عطاء بن یربوع فرماتے ہیں کہ یجمعان یوم القیامۃ ثم یقذفان فی البحر فیکو نان نار اللہ الکبریٰ۔ المفسر مصدر سے اسم ظرف نہیں ہے۔

لا وزر۔ بقول زخشریٰ پناہ گاہ کے معنی ہیں وزر بمعنی ثقل سے ماخوذ ہے لا کی خبر محذوف ہے۔ ای لا وزر لہ المستقر مبتداء ہے اور الی ربک خبر مقدم ہے اور مصدر بمعنی استرازا بھی ہو سکتا ہے پھر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

سما قدم و اخر۔ مجاہد و ابن عباس فرماتے ہیں۔ ما قدم عملہ الصالح والسئی الذی عملہ فی حیاتہ وما اخر

سسه الدی يعمل بها بعد موته حسنة او سينه اور بعض نے ما قدم سے عمل کا کرنا اور اخو سے عمل کا چھوڑنا مراد لیا ہے۔  
 علی نفسہ بصیرۃ۔ بصیرۃ کا مؤنث صیغہ اس لئے ہے کہ انسان سے اس کے اعضاء مراد ہیں یا ہائے مبالغہ مانی جائے  
 جیسے کہ مفسرین رائے ہے۔ اس وقت معنی یہ ہوں گے کہ اعضاء بدن ہی گواہی کے لئے کافی ہوں گے کسی اور شاہد کی حاجت نہیں۔ ابن  
 عباس، سعید بن جبیر، مقاتل کی رائے بھی یہی ہے۔

معاذیرہ۔ معاذر کی جمع ہے معذرة کی جمع بنانے پر صاحب کشاف نے اعتراض کیا ہے کہ معاذیر معذرة کی جمع نہیں  
 ہے۔ بلکہ اس کے لئے اسم جمع ہے یعنی خلاف قیاس جمع مانا جاسکتا ہے۔ جیسے منکر اور مرسل کی جمع مناکیر اور مراسیل ہیں۔ مفسر  
 نے اشارہ کیا ہے کہ ”القی معاذیرہ“ میں استعارہ تبعیہ ہے کہ معذرت پیش کرنے کو القاء سے تعبیر کیا ہے۔ جس کے معنی کنویں میں  
 پانی تلاش کرنے کے لئے ڈول ڈالنے کے ہیں۔

لا تحرك له لسانك۔ جبرائیل امین کے وحی لانے پر آنحضرت ﷺ حلقہ یاد کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ ذہول نہ  
 ہو جائے۔ اس لئے زبان جلد چلاتے جس سے یکسوئی میں فرق آتا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ پہلے باطمینان سن لیجئے محفوظ بعد میں کر دیا  
 جائے گا بیک وقت دو کاموں کی طرف توجہ کرنے سے تعبیر بھی ہوگا اور کام بھی سلیقہ سے نہیں ہوگا۔ غرض کہ آپ کامل توجہ سے پہلے سن  
 لیجئے پڑھو نایا دکرانا اور سمجھا دینا یہ ہمارے ذمہ ہے۔ اس سے تعلیم میں شوق کا پسندیدہ ہونا جہاں معلوم ہوا وہیں قرآن شریف کا اتنا تیز  
 پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں ناپسندیدہ ہونا بھی معلوم ہوا۔

متقدمین روافض یہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن کو رد و بدل کر دیا گیا ہے اور دلیل میں آیت لا تحرك الخ کو پیش کرتے  
 ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آیت ماقبل سے بے ربط ہے۔ حالانکہ کلام الہی بے ربط ہونا چاہئے۔ پس معلوم ہوا کہ تحریف ہوئی ہے۔ امام رازی  
 نے تفسیر کبیر میں بطور جواب وجوہ مناسبت متعدد بیان کی ہیں۔ مفسر بھی۔ ”والمناسبة“ سے اسی کی کوشش فرما رہے ہیں جس کا حاصل  
 یہ ہے کہ چھٹی آیت میں کافروں کی آیات الہی سے بے توجہی ارشاد فرمائی گئی اور اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے شوق و رغبت کو  
 آیات الہی کے سلسلہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ لیکن قاضی بیضاوی کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ آیت ”لا تحرك الخ“ میں بھی  
 خطاب اسی عام انسان کو ہے جس کا ذکر قیامت کے ذیل میں اوپر سے آ رہا ہے۔ کہ اے انسان! تو اپنے اعمال نامہ کے پڑھنے میں جدی  
 نہ کر، پہلے سن لے پھر مکمل طریقہ سے اتمام حجت کر کے تیرا اطمینان کر دیا جائے گا۔ اگلی آیات کلا بل تحبون الخ کا تعلق بھی اسی  
 مضمون قیامت سے ہے۔ اس طرح کلام نہایت مربوط ہو جاتا ہے۔

ثم ان علينا بيانه۔ علماء اصول نے بیان کی پانچ صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ ۱۔ بیان تقریر۔ ۲۔ بیان تفسیر۔ ۳۔ بیان  
 تغیر۔ ۴۔ بیان ضرورت۔ ۵۔ بیان تبدیل۔ پہلی دو صورتوں کا اعتبار تو متصلًا منفصلًا دونوں طرح ہوتا ہے۔ اور تیسری قسم صرف کلام میں  
 متصل ہونے پر معتبر ہے۔ اور پانچویں قسم صرف مفوضًا معتبر ہوگی۔ نیز پانچویں قسم کا تعلق کلام سے نہیں ہوتا بلکہ سکوت وغیرہ سے ہوا کرتا  
 ہے۔ لیکن فخر السد بیان تغیر کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ متصلًا اور منفصلًا معتبر ہونا چاہئے۔ کیونکہ کہ آیت میں ”ثم ان علينا بيانه“  
 فرمایا گیا ہے اور ثم تراخی کے لئے آتا ہے۔ نیز حقیقہ مراد پر اعتماد کے لئے تو مجمل خطاب بھی کافی ہوتا ہے۔ بیان مراد کا انتظار کرتے  
 ہوئے اور مشابہ میں بیان کا انتظار نہ ہونے کے باوجود مجمل سے خطاب صحیح ہے۔ لیکن شروح فخر الاسلام میں یہ لکھ ہے کہ حق تعالیٰ نے  
 ”فاتبع قرآنہ“ فرمایا ہے اور مجمل کی اتباع بغیر بیان نہیں ہو سکتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تراخی کا تعلق بیان تقریر و تبدیل سے تو ہو سکتا  
 ہے مگر بیان تغیر سے نہیں۔ اس لئے شیخ فخر الاسلام کا فرمانا صحیح نہ رہا۔ الا یہ کہ کہا جائے کہ اتباع کا تعلق صرف اس حصہ سے ہے جو محتاج



بیان نہ ہو۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جب ہم قرآن پڑھیں تو جتنا اتباع ہو سکے آپ کیجئے اور جو نہ ہو سکے تو ہم اس کو بیان کر دیں گے۔ یا یوں کہا جائے کہ اتباع کا حکم ہی بشرط بیان ہے اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ حق تعالیٰ نے مطلق اتباع کا حکم دیا ہے اعتقاداً ہو یا عملاً پھر مطلق بیان کا وعدہ بھی بیان فرمایا اس کا تحقق کہیں تو بیان تقریر کی صورت میں ہوگا اور کہیں بیان تغیر کی صورت میں اور کہیں بیان تفسیر کی شکل میں۔ غرض سب بیانات کا مقصود ہونا صحیح ہو گیا۔ لیکن یہ تقریر ہم کو اپنے معنی پر رکھنے کی صورت میں ہوگی۔ لیکن امام زاہد کی رائے ہے کہ ہم بمعنی مع ہے۔ جیسے ہم کان من الذین امنوا میں ہے۔ اب مطلب ہوگا کہ آپ قرأت سنئے اس کے ساتھ بیان کی ذمہ داری ہماری ہے۔ پس حضور کا قول یا فعلی بیان بھی اللہ ہی کا بیان سمجھا جائے گا۔

السی رہا ناظرة۔ شرح عقائد نفسی میں مومنین کو آخرت میں دیدار الہی کے ہونے پر نقلی دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کی ہے۔ اس سے پہلے جملہ ”وجوہ یومئذ ناظرة“ میں وجوہ مبتداء اور ناظرة خبر ہے۔ اور ”السی رہا ناظرة“ جملہ اسمیہ یا ظرفیہ حال واقع ہو رہا ہے۔ ناظرة کی ضمیر مستتر سے ناظرة بمعنی تروتازہ اور نظر کے معنی دیکھنے کے ہیں۔ پس آیت میں مومنین کا دیدار سے شرف ہونا اور ”وجوہ یومئذ باسرة“ اگلی آیت سے کفار کا اس نعمت سے محروم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن نعت میں نظر کے معنی انتظار کے بھی ہیں۔ اس وقت یہ لفظ خود متعدی ہوتا ہے جیسے وما یبظرون الا صبحۃ واحدة اور تفکر کے معنی بھی آتے ہیں اس وقت فی کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے کہا جاتا ہے نظرت فی الدعیر الفلانی اور کبھی راحت و مہربانی کے معنی میں بھی آتا ہے لام کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے۔ نظر الا میر لفلان اور جب دیکھنے کے معنی میں یہ لفظ آتا ہے تو الی کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے۔ نظرت الی من حسن اللہ وجہہ۔ چنانچہ شرح مواقف میں اس کو یقینی دلیل کہا گیا ہے۔ مشہور حدیث انکم سترون ربکم کما ترون القمر لیلة البدر سے بھی روایت باری تعالیٰ ثابت ہو رہی ہے جس کو اکیس آثار صحابہؓ نے نقل فرمایا ہے اور یہ کہ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ لیکن معتزلہ نے بعد میں انکار کیا ہے کیونکہ علامہ زحشریؒ کہتے ہیں کہ یہاں دیکھنے کے معنی نہیں ہو سکتے۔ ورنہ تو تقدیم جار کی وجہ سے حصر کے ساتھ یہ معنی ہوں گے کہ صرف اللہ کو دیکھیں گے اور کچھ نہیں دیکھیں گے۔ حالانکہ یہ غلط بیانی ہوگی۔ اس لئے بقول صاحب کشف یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ نظر سے مراد انتظار لی جائے اور کہا جائے کہ وجہ سے مراد ذات ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جنت کی نعمت و کرامت کا انتظار صرف اللہ سے کریں گے۔ لیکن قاضی بیضاوی نے زحشریؒ کی اس بات کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ وجہ سے جملہ اور ذات مراد لینا بعید ہے۔ کیونکہ انتظار اور رجاء کی نسبت وجہ کی طرف نہیں کی جاتی اور نظر جب الی کے ساتھ متعدی ہے تو انتظار کے معنی نہیں بدہ روایت کے معنی آتے ہیں۔ رہا دیدار الہی کا حصر، عشاق کے لئے صحیح ہے کیونکہ وہ اس استغراق میں دوسری طرف التفات نہیں کریں گے۔ البتہ زحشریؒ کے قول کی تقریر اس طرح کی جائے کہ ”وجوہ یومئذ ناظرة الی رہا“ جملہ ایسا ہے کہ جیسے کہا جائے اننا الی فلان ناظر ما یصع یعنی توقع اور انتظار میں مستعمل ہو رہا ہے۔ یہ نہیں کہ نظر بمعنی انتظار لیا جا رہا ہے تو پھر قاضی کی گرفت سے زحشریؒ بچ جائیں گے۔ تاہم اہل سنت کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے۔ منہم من ینظرہ فی صبح و مساء ومنہم من ینظرہ فی کل سبعة ومنہم من ینظرہ فی کل شہر ومنہم من ینظرہ فی کل سنة ومنہم من ینظرہ فی العمر مرة۔ جیسا کہ امام زاہد بھی فرماتے ہیں۔ اسی طرح ترمذی اور حاکم ابن عمر سے تخریج کرتے ہیں۔ قال السی صلی اللہ علیہ وسلم الی رہا ناظرة تنظر کل یوم فی وجہ اللہ اور ابن مردویہ انسؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔ بنظرون الی رہم بلا کیفیة ولا حد محدود ولا صفة ملومة۔ اور ابن جریر حسنؓ سے تخریج کرتے ہیں۔ کہ الی رہا ناظرة تنظر الی الخالق اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ تنظر الی وجہ رہا باصرة۔ پھر نظر کے حقیقی معنی چھوڑ کر کنایہ لینا خلاف اصل ہے۔ علاوہ ازیں یہ



مقام مدح ہے یہاں انتظار وقوع کے معنی نامناسب معلوم ہوتے ہیں۔ نیز وجہ کے ساتھ نظر کا جوڑ خود دیکھنے کے معنی ظاہر کر رہا ہے۔ جیسا کہ آیت فالقوہ علیٰ وجہ ابی یات بصیرا اور قد نری تقلب و جہاٹ فی السماء میں ہے۔ معتزلہ کا دوسرا استدلال دیدار الہی کی نفی پر آیت لا تدركہ الا بصر و هو یدرک الا بصر سے ہے۔ نیز چونکہ رویت میں رائی اور سرکی دونوں کا کسی مکان یا چیز میں ہونا پھر آمنے سامنے ہونا اور دونوں کے درمیان مناسب مسافت کا ہونا جو شرط ہے وہ حق تعالیٰ میں محال ہے۔ اس لئے رویت بھی محال ہوئی۔ جہاں تک آیت کا تعلق ہے۔ اول تو ادراک اور رویت میں فرق ہے ادراک کہتے ہیں خاص رویت کو جو بطور احاطہ کے ہو۔ پس ادراک کی نفی سے مطلق رویت کی نفی کیسے لازم آئی خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہو جاتی۔ دوسرے البصر سے رویت کی نفی بطور استغراق ہو رہی ہے یہ بھی مسلم نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ آیت میں تمام اوقات دیکھنے کی نفی کی جا رہی ہے یہ بھی نہیں بلکہ صرف دنیا میں دیکھنے کی نفی مقصود ہے اور آخری تیسرے استدلال کا جواب یہ ہے کہ وہ تمام شرائط ہمارے لئے ہیں لیکن بعض کے لئے ان شرائط کو لازم کرنا غائب کو شہد و حاضر پر قیاس کرنا ہے آخر حق تعالیٰ اب بھی تو ہم کو دیکھتے ہیں حالانکہ ہمیں اللہ کے ساتھ ان میں سے کوئی نسبت بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ شرح عقائد نسفی میں مذکور ہے۔ اور فخر الاسلام بزودی فرماتے ہیں کہ آیت وجوہ یومئذ ناظرۃ تو مسئلہ رویت میں محکم ہے۔ سلف اس کو ظاہر ہی پر محمول کرتے ہیں۔ اس لئے اس پر اعتقاد واجب ہے باقی دیکھنے کی کیا کیفیت ہوگی۔ وہ تشابہات کی طرح اللہ کے حوالے کرنی چاہئے۔ بہر حال اللہ کی رویت عقلاً ممکن ہے۔ اس لئے اس کو ماننا بھی صحیح ہے اور چونکہ نقل سے ثابت ہے اس لئے ماننا واجب ہے۔ ہاں! عقلاً ناممکن ہوتی تو پھر قاعدہ کے اعتبار سے نقلیات میں تاویل کی جاتی۔

بلغت الترافی گلے میں دائیں بائیں دو ہنسلیاں ہوتی ہیں جن کو تر تو تان کہنا چاہئے قرب کی وجہ سے گلے کی طرف نسبت کر دی گئی ہے۔

وقیل من راق۔ یا تو اس وقت اعزہ کے اظہار ہمدردی کے الفاظ مراد ہیں اور یا فرشتے ثواب اور عذاب کے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس روح کو کون لے جائے گا؟ رقی کے معنی صعود کے ہوئے۔

والفت الساق۔ مفسر نے پہلے معنی حقیقی بیان فرمائے اور دوسرے معنی مجازی لئے ہیں۔

المساق۔ مصدر یہی ہے۔ تفسیری عبارت ہذا الخ سے مراد الی ربک یومئذ ہے۔

اولسی للٹ۔ فعل ماضی کا اسم ہے محل اعراب میں نہیں ہے۔ اس کا فاعل ضمیر ہے جو مفہوم سیاق کی طرف لوٹ رہی ہے۔

یعنی یہ کلمہ بد دعائیہ ہے۔ اور ”واللام للتبیین“ ای تبیین المفعول جیسے ”ہیت للٹ“ میں لام ہے اور لام زائد بھی کہا جاسکتا ہے۔ اور بعض اس کو فعل ماضی دعائیہ کہتے ہیں۔ ولی سے ماخوذ ای ولا لٹ اللہ ما تکرہ۔ اصمعی کا قول قاربہ ما یہلکہ بھی اسی کے قریب ہے۔ جو بری نے بھی اس کو پسند کیا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ اسم وزن فعل ہے جس کے معنی ویسل کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ فعلی کے وزن پر ہے ”آل یول“ سے بمعنی ”ابفاک النار“ لیکن سب سے بہتر تاویل یہ ہے کہ یہ اسم تنفیل سے مبتدا، مقدر کی ہے۔ ای السار اولی لک وانت احق بہا۔ تین جگہ یہ حکم یا تو تاکید کے لئے ہے اور یا تجدید کے لئے۔ ای ویل لک فی القبر ویل لک حین البعث ویل لک فی النار۔

سدی۔ قاموس میں ہمل کے معنی بالکلیہ متروک کے ہیں۔

الزوجین۔ افراد مراد نہیں بلکہ مرد و عورت کی نوع مراد ہے۔ پس اگر کسی کے دو بچے اور ایک بچی یا اس کا برعکس بھی پیدا ہو جائے

تب بھی کوئی اشکال نہیں رہے گا۔

الیس ذلک بقادر۔ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو سبحانک اللہم بلی کہتے۔ (ابوداؤد، حاکم) ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ سبح اسم ربک الا علی امام پڑھے یا اور کوئی تو اس کو سبحان ربی الا علی کہہ لینا چاہئے۔ اور جو لا اقسام الخ پڑھے اس کو سبحانک اللہم بلی کہنا چاہئے، وہ امام ہے یا اور کوئی۔ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ”والتین والزیتون“ تا آخر پڑھے تو اس کو ”الیس اللہ باحکم الحاکمین“ پر بلی وانا علی ذلک من الشاہدین کہنا چاہئے۔ اسی طرح سورہٴ مرسلات پڑھتے ہوئے قباۃ حدیث بعدہ یؤمنون پر پہنچے تو اس کو امنا باللہ کہنا چاہئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان الفاظ کے کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ یہ الفاظ تنزیہ و تقدیس شمار کئے گئے ہیں لیکن بحالت نماز فقہاء اجازت نہیں دیتے۔

ربط آیات:۔۔۔۔۔ پچھلی سورت ”مدثر“ میں آخرت کے احوال کی کچھ تفصیل تھی اور آخر میں ”لا یخافون الا حرۃ“ ارشاد ہوا تھا۔ اس سورت ”قیامہ“ میں آخرت ہی کے حالات کی تفصیل ہے اور آخرت کے مقدمہ یعنی موت کا نقشہ بھی تبعا ذکر فرما دیا اور بعث و قیامت کی مناسبت سے آخر سورت میں ابتداء تخلیق کا حال بھی مذکور ہے۔

شان نزول و روایات:۔۔۔۔۔ صحیحین و سنن میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبالج من التنزیل شدۃ فکان یحرک بہ لسانہ و شفۃ مخافۃ ان ینفلت منه یرید ان یحفظ فانزل اللہ تعالیٰ ”لا تحرک بہ لسانک“ فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذلک اذا اتاہ جبریل علیہ السلام اطرق وفی رواہہ استمع فاذا ذهب قراؤہ کما وعد اللہ عزوجل۔ شیخین کی ایک روایت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ ثم ان علینا بیانہ کے معنی ہیں ان بلسانک اور ”وجوہ یومئذ ناضرة“ سے متعلق اور ”الیس ذلک بقادر“ سے متعلق روایات ”عنوان تحقیق“ میں گزر چکی ہیں۔

﴿تشریح﴾:۔۔۔۔۔ لا اقسام۔ عرف و عادت یہ ہے کہ کسی کام کے یقینی بنانے کے لئے بطور تاکید قسم کا استعمال کیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس عرف کی رعایت فرمائی اور متعدد جگہ قسم کا استعمال فرمایا لوگوں کی عادت ہے کہ اپنے معبود کی یا کسی محترم معظم شخصیت کی، یا کسی اہم محبوب، نادر چیز کی قسم کھایا کرتے ہیں۔ شریعت نے غیر اللہ کی قسم کھانے کی اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ کی شان بندوں سے جداگانہ ہے، وہ اپنے علاوہ چیزوں کی قسم کھائے تو کوئی حرج نہیں۔ عام طور سے قرآن میں جو قسمیں استعمال ہوئی ہیں وہ عند اللہ معیوب ہیں یا کسی اعتبار سے منفعت بخش اور واقع ہیں۔ تاکہ مقسم علیہ کے لئے شاہد و حجت کے طور پر کام دے سکیں۔

قسموں کی مناسبت:۔۔۔۔۔ یہاں حق تعالیٰ قیامت کی قسم کھا رہے ہیں جو عقلاً ممکن ہے اور پیغمبر صادق و مصدق کی خبر سے یقین الوقوع ہے۔ جس کے سچے ہونے پر دلائل قطعیہ قائم ہیں۔ قیامت کی یہ قسم اس کے مہتمم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے۔ پھر فصحاء و بلغاء نے قسم اور مقسم علیہ میں مناسبت کی رعایت کی ہے۔ یہاں جواب قسم محذوف ہے یعنی کہ تم میرے پیچھے ضرور اٹھائے جاؤ گے اور بھلے برے کا حساب ضرور ہوگا۔ پس قسم اور مضمون قسم میں مناسبت واضح ہے۔ کیونکہ بعث و مجازات کا ظرف روز قیامت ہے۔ دوسری قسم ”نفس لوامہ“ کی کھائی گئی ہے۔ محققین کی رائے ہے انسان کا نفس اگرچہ ایک ہی چیز ہے مگر اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس عالم بالا کی طرف مائل ہو اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری اور اتباع شریعت میں اسے سکون و چین محسوس ہوتا ہو تو اس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ یا ابتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ۔ لیکن اگر سفلی کی طرف جھک پڑا اور

دنیا کی لذات و خواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت کی اور شریعت کی پیروی سے بھاگتا تو وہ نفس امارہ ہے جو برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے۔ وما امری نفسی ان النفس لا مارة بالسوء الا ما رحم ربی اور اگر کبھی عالم غفل کی طرف جھکتا اور شہوت و غضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عام عیوی کی طرف مائل ہو کر ان چیزوں کو برا جانتا ہے اور ان سے دور بھاگتا ہے اور برائی، کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہوتا ہے اور اپنے تئیں ملامت کرتا ہے۔ بلکہ غلبہ خیر میں غایت اخلاص سے نیکی کرنے پر بھی خود کو ملامت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اس کام میں فلاں خرابی رہ گئی۔ غرض یہ لوامہ کہلاتا ہے اور اس کا یہ رخ مطمئنہ سے مل جاتا ہے۔ پس اس قسم کو بھی جواب سے منہ سبت ہے کیونکہ ایسا نفس ہی بعث کو مانتا ہے یعنی اگر فطرت صحیح ہو تو انسان کا اپنا نفس دنیا ہی میں برائی اور تقصیر پر ملامت کرتا ہے یہی چیز ہے جو اپنی اعلیٰ اور اعلیٰ ترین صورت میں قیامت کے دن ظاہر ہوگی۔

اللہ کا کمال قدرت: ..... ایحسب الانسان انسان یہ سوچتا ہے کہ جب ہڈیوں تک کا چورا ہو گیا اور ان کے ریزے مٹی میں اس کے ذرات کے ساتھ شامل ہو گئے تو بھلا اب کس طرح اکٹھے کر کے جوڑ دیے جائیں گے؟ یہ بات تو محال معلوم ہوتی ہے؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہم تو انسان کی پور پور جمع کریں گے۔ پور پور سے تمام بدن مراد ہے جیسا کہ بطور محاورہ کہا جاتا ہے کہ میرے پور پور میں درد ہے۔ نیز پوریوں میں چھوٹی ہونے کی وجہ سے زیادہ کارگیری اور کمال ہے باریک کام زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ پس یہ بتانا ہے کہ انسان کی ساری چابک دستیوں قدرت کی چابک دستی کا کرشمہ ہیں اور یہ جو ذات اس مشکل کام پر قادر ہے وہ آسان کام پر بدرجہ اعلیٰ قادر ہے۔

قیامت کے ڈر سے عیش میں کھنڈت پڑتی ہے: ..... بل یسرب الانسان یعنی قیامت اور بعثت کو دلیل سے ثابت ہونے کے باوجود بعض آدمی اس لئے نہیں مانتے کہ قیامت اور اس کے حساب کتاب کا اعتقاد دل میں بٹھانے سے خوف پیدا ہوگا اور خوف ہوگا تو گل چھسے نہیں اڑا سکے گا اور پوری بے باکی، آزادی اور ڈھٹائی نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے یہ چاہتا ہے کہ قیامت کا دھیان تک نہ آنے دوں تاکہ اہل باقی ماندہ زندگی کرکری نہ ہو جائے اور مزے سے عیش و عشرت کے ساتھ گزرے۔

بایر بہ عیش کوش کہ عالم دو بارہ نیست

اس لئے تمسخرانہ انداز میں قیامت کو ماننے والوں سے پوچھتا ہے کہ وہ تمہاری قیامت کب آئے گی؟ میاں ذرا کیلنڈر میں دیکھ کر اس کا دن تاریخ تو بتاؤ؟ آگے جواب ہے۔ ”فاذا برق البصر“ یعنی جن چیزوں کو جتنا ارباب تھادفعہ جب وہ چیزیں سامنے آجائیں گی تو ایک دم ہکا بکار ہو جائے گا۔ یا اللہ کی جلالی اور قہری تجلی کے آگے نگاہ پڑ نہیں سکے گی اور آنکھیں چندھیا جائیں گی چاند بے نور ہو جائے گا چاند کی تخصیص شاید اس لئے ہو کہ عرب قمری حساب رکھتے تھے۔ ان کو چاند دیکھنے کا زیادہ اہتمام رہتا اور ایک چاند کیا سورج کا بھی یہی حال ہوگا۔ دونوں ایک ہی حال میں ہوں گے۔ حدیث بخاری ”تجکوران“ ہے۔ اور ابن عباسؓ تکویر کے معنی اظلمت فرماتے ہیں۔

ایس المضر۔ یعنی آج تو اس دن کا انکار کر رہا ہے اور جب وہ دن آئے گا تو کہے گا کہاں بھگوں، کدھر جاؤں، کس جگہ پناہ ملے گی؟ ارشاد ہوگا آج نہ بھاگنے کا موقع اور نہ سوال کرنے کا وقت آج تو سب کو اپنے پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا ہے اور اسی کے سامنے پیش ہونا ہے۔ وہی جو کچھ چاہے گا فیصلہ فرمائے گا اگلے پچھلے، نیک و بد، سب اعمال جتلا دیئے جائیں گے۔

انسان کی حالت تو حید کی دعوت ہے: ..... ولو القی معاذیرہ اکثر مفسرین اس کا تعلق ینبؤ الانسان سے مانتے ہیں۔ یعنی انسان کو جتنا نے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ خود اپنی حالت پر مطلع ہو جائے گا اگرچہ بہانے سازی سے وہاں بھی نہیں چو کے گا۔ مثلاً کفر کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین اور یوں تو جس انسان کا ضمیر بالکل مسخ نہ ہو گیا ہو، اس میں کچھ انصاف موجود ہو تو وہ یہاں

دنیا میں بھی اپنی حالت سے خوب واقف ہوتا ہے۔ گو دوسروں کے آگے کتنے ہی حیلے حوالے کر کے بات کو دلانے کی کوشش کرے غرض کہ انسان اپنے احوال کو قیامت میں خوب جان لے گا۔ اس لئے یہ جتنا اس کے بتلانے کے لئے نہیں بلکہ اتمام حجت اور قطع جواب کے لئے اور چمکانے کے لئے ہوگا۔ مگر شاہ صاحب اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ انسان اپنے احوال میں غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت جان لے اور یہ سمجھ جائے کہ سب کو اسی کے پاس جانا ہے اور جو کہے کہ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا تو یہ سب کے سب بہانے ہیں۔

کلام الہی مربوط ہے: ..... لا تحرك به لسانك. حضور ﷺ نزول وحی کے وقت جبرائیل کی موجودگی میں سن کر یہ کوشش بھی ساتھ ساتھ کرتے تھے کہ اس کو پڑھ کر یاد بھی کر لوں تاکہ بعد میں ذہول نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں سننا، پڑھنا، یاد کرنا، سمجھنا اتنی باتیں بیک وقت جمع ہو کر سخت الجھن کا باعث ہوتیں۔ اس لئے حق تعالیٰ آپ کو پریشانی سے بچا رہے ہیں کہ آپ خالی توجہ سے سن لیجئے۔ آگے سب چیزوں کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضور ﷺ ایک سو ہو کر وحی کو سن لیتے اور جبرائیل کے ساتھ پڑھنا آپ نے چھوڑ دیا یہ بھی ایک معجزہ ہوا کہ ساری وحی سنتے رہے۔ اس وقت زبان سے ایک لفظ نہیں دہرایا۔ لیکن فرشتے کے چلے جانے کے بعد لفظ بہ لفظ پوری وحی مکمل ترتیب کے ساتھ ایک زیر بر کی تبدیلی کے بغیر فرسنادی اور سمجھادی۔ یہ دنیا میں یسوا الانسان بما قدم و اخر کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہوا۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنی وحی فرشتے کے چلے جانے کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ حرف بحرف بدون ادنیٰ فرو گذاشت کے اپنے پیغمبر کے سینے میں جمع کر دے۔ کیا اس پر قادر نہیں کہ بندوں کے اگلے پچھلے اعمال سب کو جمع کر کے ایک وقت میں سامنے کر دے اور ان کو خوب طرح یاد دلادے اور اسی طرح ہڈیوں کے منتشر ذرات کو سب جگہ سے اکٹھا کر کے ٹھیک پہلی ترتیب پر انسان کو از سر نو وجود عطا فرمادے۔ بے شک وہ اس پر اور اس سے کہیں زیادہ زیادہ پر قادر ہے۔ اس تقریر سے یہ آیات پہلی آیات سے پوری طرح مربوط ہو گئیں اور قدما و روافض کا یہ الزام غلط ہو گیا کہ ان آیات کی بے ربطی بتلا رہی ہے کہ قرآن میں ضروری رد و بدل ہوا ہے۔

انسان بالطبع عجلت پسند ہے: ..... کلا بل تحبون العاجلة. انسان کی طبیعت اور ضمیر میں جلد بازی داخل ہے "خلق الانسان من عجل". "وكان الانسان عجولا". فرق اتنا ہے کہ نیک لوگ نیکوں کے حامل ہیں۔ جلدی کرتے ہیں۔ جس کی ایک مثال ابھی لا تحرك به لسانك لتعجل به میں گزری ہے اور برے آدمی ان چیزوں کو پسند کرتے ہیں جو جلد ہاتھ آئے۔ خواہ اس کا نتیجہ تباہی و ہلاکت ہو، پس اے لوگو! تمہارا قیامت سے انکار ہرگز کسی صحیح دلیل کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ دنیا میں منہمک ہونے کی وجہ سے ہے دنیا چونکہ نقد نقدی ہے اس لئے مرغوب ہے اور آخرت ادھار سودا ہے اس لئے بودا ہے۔

وجوه يومئذ. مومنین کے چہرے قیامت کے دن ہشاش بشاش اور تروتازہ ہوں گے اور محبوب حقیقی کے دیدار سے ان کی آنکھیں روشن ہوں گی۔ عنوان تحقیق میں آیات و روایات اور اجماع سے آخرت میں دیدار الہی کا ہونا بیان ہو چکا ہے جن گمراہوں کی قسمت میں یہ دولت نہیں وہ جانیں اور ان کا انکار اللہ لا تحرمنا من هذه النعمة التي ليس فوقها نعمة ووجوه يومئذ باصرة

جان کنی کا ہولناک منظر: ..... غیر مومنین کے چہرے اداس اور مرجھائے ہوئے ہوں گے اور یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ اب ایسے عذاب سے سابقہ پڑنے والا ہے جو کمر توڑ کر رکھ دے گا فرماتے ہیں۔ "کلا اذا بلغت التراقي" یہ عذاب آخرت کچھ دور نہیں۔ اس کی پہلی منزل موت بالکل قریب ہے گویا یہ چھوٹا سا ایک نمونہ ہے منازل آخرت کا جہاں روح سمٹ کر ہنسی تک پہنچے اور سانس حلق میں رکنے لگے، سمجھ کہ سفر آخرت شروع ہو گیا۔ ایسے میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی تو لوگ تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک کا سہارا لیتے ہیں اور کہتے

تیں یہاں کوئی ہے دم کر کے اس کے دم کو بچالے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رحمت اور عذاب کے فرشتے باہم پوچھتے ہیں کہ کون اس کی روح نکال کر لے جائے گا گویا راتی، رقیہ بھی منتر جنت سے نہیں۔ بلکہ رقی سے ماخوذ ہوگا غرض کہ مرنے والا اب سمجھ لے گا کہ اب تو سب کو چھوڑ چھاڑ جانا ہی ہے، یا یہ کہ روح اب بدن کو چھوڑ کر رخصت ہو رہی ہے۔ چنانچہ سکرات کی کیفیات لوگوں پر مختلف ہوتی ہیں۔ بعض پر مختصر اور سہل اور بعض پر نہایت طویل و کربید۔ کبھی مارے سختی کے پنڈلی پر پنڈلی چڑھتی ہے اور کبھی نچلے حصہ کے بے جان ہو جانے سے بے اختیار ایک پنڈلی دوسری پنڈلی پر مل جاتی ہے اور چونکہ محاورات عرب میں ساق بڑی بھاری مصیبت سے بھی کنہ یہ ہوتا ہے۔ اس لئے آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سختی پر سختی کے ذوب آ رہے ہوں گے دنیا کے چھوٹے کا غم الگ عزیزوں کی جدائی کی کا پس منظر الگ، دشمنوں کے طعن و تشنیع کی فکر الگ اور سب سے بڑھ کر قبر و آخرت کے ہولناک مناظر کی دہشت سوار ہے۔ سفر آخرت کی ابتداء ہو چکی ہے۔ گویا اب بندہ اپنے رب کی طرف کھینچنا شروع ہو گیا ہے مگر افسوس کہ ”فلا صدق ولا صلی“ اپنی حماقت و غفلت سے نہ کوئی سامان سفر پہلے سے مہیا کیا گیا اور نہ کوئی زاد راہ اور توشہ ساتھ لیا۔ بلکہ سارا وقت وہاں کے لئے تکلیف دو سامان جمع کرنے میں لگا یا پیغمبروں کو سچا سمجھنے اور ان پر یقین کی بجائے ان کو جھٹلاتا، ہا اور نمازوں میں مالک کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے ہمیشہ ادھر سے منہ موڑے رہا۔ اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اپنی شرارت و سرکشی پر اکرٹا اور اترا تار ہا اور اپنے متعلقہ لوگوں کے پاس جا کر اس طرح ظاہر کرتا کہ گویا بہت بڑی بھاری اور ہنرمندی کا کام کر رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ”اولیٰ للک فارولی“ اوبد نصیب! اب تیری شامت آئی۔ ایک دفعہ نہیں بار بار کبھتی پر تو نہیں سمجھا اس لئے تجھ سے بڑھ کر اللہ کی نئی نئی سزاؤں کا اور کون مستحق ہوگا۔ شاید یقین و ایمان نہ داتے اور نماز پڑھنے اور پھر جھٹلانے اور منہ موڑ لینے پر یہ خرابیاں بیان فرمائی ہوں اور لفظ ثم سے ان چیزوں سے قابل فخر سمجھنے پر زیادہ خرابی کی طرف اشارہ ہو۔ جیسا کہ ثم ذہب الی اہلہ کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے۔

**قیامت کی عقلی دلیل:** ..... ایحسب الانسان . کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا اس پر کچھ کرنے نہ کرنے کے احکام کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ افحسبتم انما خلقنکم عبثاً وانکم الینا لا ترجعون مرنے کے بعد کچھ پوچھ گچھ، حساب کتاب نہیں ہوگا۔ انسان اپنی ابتدائی خلقت پر غور نہیں کرتا کہ وہ پہلے عدم سے باپ کی کمر سے ہوتے ہوئے ماں کے رحم میں نطفہ کی بوند بن کر منتقل ہوا۔ پھر نطفہ سے جسے ہوئے خون کی شکل میں منتقل ہوا، اور پھر گوشت کی بوٹی بنا اور ہڈیوں اور کھال سے بڑھ کر ایک ڈھانچہ تیار ہوا اور ظاہری جوڑ بند، اندرونی قوتیں سب ٹھیک ٹھاک کر دیں غرض کہ ایک بے جان نطفہ سے اچھا خاصا، جیتا جاگتا انسان بن گیا اور مرد و عورت کے امتیازات و خصوصیات جدا گانہ کر دیں۔ پھر یہ انتقالات کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے قبر، حشر، نشر میں تبدیل ہو جائے تو کیا بعید ہے؟ جو ذات انسان کو پہلی مرتبہ بنانے پر قادر ہے کیا وہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ سبحانک اللہم فلی .

**لطائف سلوک:** ..... لا اقسام بالنفس اللوامہ . نفس کی تین حالتیں ہیں:-

- ۱۔ نفس امارہ جو برائی پر ابھارتا ہے۔
- ۲۔ نفس مطمئنہ . جو بھلائی پر جمائے۔
- ۳۔ نفس لوامہ پہلی دونوں مقابل حالتوں کے بیچ میں یہ تیسری حالت ہے کہ برائیوں کے کرنے پر شرمندہ ہو اور اچھائی کے چھوڑنے پر پچھتائے۔

## سُورَةُ الْاِنْسَانِ

سُورَةُ الْاِنْسَانِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اِحْدَى وَثَلَاثُونَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَلْ قَدْ اَتٰی عَلٰی الْاِنْسَانِ اِذَمْ حِیْنَ مِّنَ الدَّهْرِ اَرْبَعُونَ سَنَةً لَّمْ یَكُنْ فِیْهِ شَیْئًا مَّذْکُورًا ﴿۱﴾ کَانَ فِیْهِ  
مُصَوِّرًا مِّنْ طِیْنٍ لَا یَذْکُرُ اَوِ الْمُرَادُ بِالْاِنْسَانِ الْجِنْسَ وَبِالْحِیْنِ مُدَّةَ الْحَمْلِ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ الْجِنْسَ  
مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ اَخْلَاطٍ اٰی مِنْ مَّاءِ الرَّجُلِ وَمَاءِ الْمَرْأَةِ الْمُخْتَلَطِیْنِ الْمُمْتَزَجِیْنِ نَبْتِلِیْهِ نَحْتَبِرُهُ  
بِالتَّكْلِیْفِ وَالْجُمْلَةُ مُسْتَانِفَةٌ اَوْ حَالٌ مُّقَدَّرَةٌ اٰی مُرِیْدِیْنِ ابْتِلَاءً هَ حِیْنَ تَاَهَّلَیْهِ فَجَعَلْنَاهُ بِسَبَبِ ذٰلِكَ  
سَمِیْعًا بَصِیْرًا ﴿۲﴾ اِنَّا هَدِیْنَاهُ السَّبِیْلَ بَیِّنَالَهُ طَرِیْقَ الْهُدٰی یَبْعَثُ الرَّسُلَ اِمَامًا شَاكِرًا اٰی مُؤْمِنًا وَّ اِمَامًا  
كَفُوْرًا ﴿۳﴾ حَالًا مِنْ الْمَفْعُوْلِ اٰی بَیِّنَالَهُ فِیْ حَالِ شُكْرِیْهِ اَوْ كُفْرِیْهِ الْمُقَدَّرَةِ وَاِمَامًا لِتَفْصِیْلِ الْاَحْوَالِ اِنَّا  
اَعْتَدْنَا هَیْئًا لِلْكَافِرِیْنَ سَلَیْسًا یُسْحَبُوْنَ بِهَا فِی النَّارِ وَاَغْلَا فِیْ اَعْنَاقِهِمْ تُشَدُّ فِیْهَا السَّلَاسِلُ  
وَسَعِیْرًا ﴿۴﴾ نَارًا مُّسَعَّرَةً اٰی مُهَيَّجَةً یُعَذَّبُوْنَ بِهَا اِنَّ الْاَبْرَارَ جَمْعُ بَرٍّ اَوْ بَارٍ وَهُمْ الْمُطِیْعُوْنَ یَشْرَبُوْنَ  
مِنْ كَاسٍ هُوَ اِنَاءٌ شَرِبَ الْخَمْرُ وَهِيَ فِیْهِ وَالْمُرَادُ مِنْ خَمْرٍ تَسْمِیَةً لِلْحَالِ بِاسْمِ الْمَحَلِّ وَمِنْ لِلتَّبَعِیْضِ  
كَانَ مِزَاجُهَا مَا تَمَزَّجَ بِهِ كَافُوْرًا ﴿۵﴾ عَیْنَا بَدَلٌ مِنْ كَافُوْرًا فِیْهَا رَاحَتْهُ یَشْرَبُ بِهَا مِنْهَا عِبَادُ اللّٰهِ  
اَوَّلِیَّائِهِ یَفْجَرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ﴿۶﴾ یَقُوْدُوْنَهَا حِیْثُ شَاءَ وَا مِنْ مِّنَازِلِهِمْ یُوقُوْنَ بِالْاَنْدَرِ فِی طَاعَةِ اللّٰهِ  
وِیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِیْرًا ﴿۷﴾ مُتَشِیْرًا وَیُطْعَمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهِ اٰی الطَّعَامُ وَشَهْوَتُهُمْ  
لَهُ مُسْكِنًا فَقِیْرًا وَیَتِیْمًا لَا اَبَ لَهُ وَاَسِیْرًا ﴿۸﴾ یَعْنِی الْمَحْبُوْسَ بِحَقِّ اِنْمَانُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لِطَلَبِ  
ثَوَابِهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾ شُكْرًا فِیْهِ عَلٰی الْاِطْعَامِ وَهَلْ تَكَلَّمُوا بِذٰلِكَ اَوْ عَلَّمَهُ اللّٰهُ  
مِنْهُمْ فَاتَّسَى عَلَیْهِمْ بِهِ قَوْلًا اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا یَوْمًا عَبُوسًا تَكَلَّحَ الْوُجُوْهُ فِیْهِ اٰی كَرِیْهُ الْمَنْظَرِ لِشِدَّتِهِ



قَمَطَرِيًّا ﴿۱۰﴾ شَدِيدًا فِي ذَلِكَ فَوْقَهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّهْمُ أَعْطَاهُمْ نَصْرَةً حُسْبًا وَإِصَاءَةً  
فِي وَحْوِهِمْ وَسُرُورًا ﴿۱۱﴾ وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا بِصَبْرِهِمْ عَنِ الْمَعْصِيَةِ جَنَّةً أُدْخِلُوهَا وَحَرِيرًا ﴿۱۲﴾  
الْأَسْوَهُ مُتَكَيِّفِينَ حَالَ مَنْ مَرْفُوعٍ أُدْخِلُوهَا الْمُقَدَّرَةَ وَكَذَالَا تَرَوْنَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِلِ اسْتُرْرَ فِي  
الْجَحَالِ لَا يَرَوْنَ يَجِدُونَ حَالَ ثَانِيَةً فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ﴿۱۳﴾ أَيْ لَا حَرًّا وَلَا بَرْدًا وَقِيلَ الزَمْهَرِيرُ  
الْقَمَرُ فَهِيَ مُصَيِّفَةٌ مِنْ غَيْرِ شَمْسٍ وَلَا قَمَرٍ وَدَانِيَةً قَرِيبَةً عَطَفَ عَلَى مَحَلِّ لَا يَرَوْنَ أَيْ عَيْرَ زَائِلٍ عَلَيْهِمْ  
مِنْهُمْ ظِلُّهَا شَجَرُهَا وَذَلَّلْتُ قُطُوفَهَا تَذَلِيلًا ﴿۱۴﴾ أَدْنَيْتُ ثَمَارُهَا فَيَنَالُهَا الْقَائِمُ وَالْقَاعِدُ وَالْمُصْطَجِعُ  
وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ فِيهَا بِأَنِيَّةٍ مِنْ فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ أَقْدَاحٍ بِأَلَا عَرِي-كَانَتْ قَوَارِيرًا ﴿۱۵﴾ قَوَارِيرًا مِنْ  
فِضَّةٍ أَيْ إِنِّهَا مِنْ فِضَّةٍ يُرَى بَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا كَالزُّجَاجِ قَدَّرُوهَا أَيْ الطَّائِفُونَ تَقْدِيرًا ﴿۱۶﴾ غَنَى  
قَدَرِي الشَّارِبِينَ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ وَلَا نَقْصٍ وَذَلِكَ الَّذِي الشَّرَابِ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا أَيْ حَمْرًا كَانَ  
مَزَاجُهَا مَا تَمَزَّجُ بِهِ زَنْجَبِيلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا بَدَلُ مَنْ زَنْجَبِيلًا فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا ﴿۱۸﴾ يَعْنِي أَنَّ مَاءَهَا  
كَالزَنْجَبِيلِ الَّذِي تَسْتَلِدُّ بِهِ الْعَرَبُ سَهْلُ الْمَسَاحِ فِي الْحَلَقِ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وَلَذَانُ مُخَلَّدُونَ بِصِفَةِ  
الْوِلْدَانِ لَا يَشْيَبُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لِحُسْنِهِمْ وَإِن تَشَارَهُمْ فِي الْحِدْمَةِ لَوَلُّوا مَنُورًا ﴿۱۹﴾ مِنْ سِنِكَه  
أَوْ مِنْ صَدْفِهِ وَهُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ فِي غَيْرِ ذَلِكَ وَإِذَا رَأَيْتَ ثُمَّ أَيْ وَجَدْتَ الرُّؤْيَةَ مِنْكَ فِي الْجَنَّةِ رَأَيْتَ  
خَوَاطِئَ إِذَا نَعِيمًا لَا يُوصَفُ وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿۲۰﴾ وَاسْعَا لَا غَايَةَ لَهُ عَلَيْهِمْ فَوْقَهُمْ فَتَنْصُهُ عَلَى الضَّرْفِيَّةِ وَهُوَ  
خَبَرُ الْمُتَبَدِّلِ بَعْدَهُ وَفِي قِرَاءَةِ بِسُكُونِ الْيَاءِ مُبْتَدَأٌ وَمَا بَعْدَهُ خَبَرُهُ وَالضَّمِيرُ الْمُتَّصِلُ بِهِ لِلْمَعْطُوفِ عَلَيْهِمْ  
ثِيَابُ سُندُسٍ حَرِيرٍ خَضِرٍ بِالرَّفْعِ وَاسْتَبْرَقٌ بِالْجَرِّ مَا غَلَطَ مِنَ الدِّيْبَاجِ وَهُوَ الْبَطَائِنُ وَالسُّنْدُسُ  
الصَّهَائِرُ وَفِي قِرَاءَةِ عَكْسُ مَا ذَكَرَ فِيهِمَا وَفِي أُخْرَى يَرْفَعُهُمَا وَفِي أُخْرَى يَجْرِيهِمَا وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِنْ  
فِضَّةٍ وَفِي مَوْصِعٍ آخَرَ مِنْ ذَهَبٍ لِلْإِيْدَانِ بِأَنَّهُمْ يُحَلُّونَ مِنَ النَّوعَيْنِ مَعًا وَمُفَرَّقًا وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا  
طَهُورًا ﴿۲۱﴾ مُنَالِغَةً فِي طَهَارَتِهِ وَنَظَافَتِهِ بِخِلَافِ حَمْرِ الدُّنْيَا إِنَّ هَذَا النَّعِيمَ كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ  
عَنْ سَعْيِكُمْ مَشْكُورًا ﴿۲۲﴾ إِنَّا نَحْنُ تَاكِدٌ لِاسْمِ إِنْ أَوْ فَضَّلْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ﴿۲۳﴾ خَبَرُ أَنَّ  
أَيْ فَضَّلْنَاهُ وَلَمْ نُنَزِّلْهُ جُمْلَةً وَاحِدَةً فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِتَبْلِيغِ رِسَالَتِهِ وَلَا تَطْعُ مِنْهُمْ أَيْ  
الْكُفَّارِ الثَّمَا أَوْ كَفُورًا ﴿۲۴﴾ أَيْ عُتْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ وَالْوَلِيدُ بْنُ الْمُغِيرَةَ قَالَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِرْجِعْ  
عَنْ هَذَا الْأَمْرِ وَيَجُوزُ أَنْ يُرَادَ كُلُّ إِثْمٍ وَكَافِرٍ أَيْ لَا تَطْعُ أَحَدَهُمَا أَيًّا فِيمَا دَعَاكَ إِلَيْهِ مِنْ إِثْمٍ أَوْ كُفْرٍ



وَإِذْ كَرِهَ اسْمُ رَبِّكَ فِي الصَّلَاةِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿۷۵﴾ يَغْنَى الْفَجْرَ وَالظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَمِنْ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ يَغْنَى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿۷۶﴾ صَالٍ اتَّطَوَّعَ فِيهِ كَمَا تَقَدَّمَ مِنْ ثَلَاثِهِ أَوْ لُصْفِهِ أَوْ ثَلَاثِهِ إِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ الدُّنْيَا يَخْتَارُونَ عَلَى الْآخِرَةِ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿۷۷﴾ شَدِيدًا أَيْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يَعْمَلُونَ لَهُ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا قُوَّتَنَا أَسْرَهُمْ أَعْصَاءَهُمْ وَمَفَاصِلَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا جَعَلْنَا امْتَالَهُمْ فِي الْخَلْقَةِ بَدَلًا مِنْهُمْ بِأَنْ نُهْلِكَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿۷۸﴾ تَاكِيدٌ وَوَقَعْتُ إِذَا مَوْقِعَ إِنْ نَحْوِ إِنْ يَشَاءُ يُذْهِبُكُمْ لِأَنَّهُ تَعَالَى لَمْ يَشَأْ ذَلِكَ وَإِذَا لَمَّا يَقَعُ إِنْ هَذِهِ اسْتُورَةُ تَذَكُّرَةٌ عِطَّةٌ لِلْخَلْقِ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۷۹﴾ بِالطَّاعَةِ وَمَا تَشَاءُ وَنَ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ اتَّخَذَ السَّبِيلَ بِالطَّاعَةِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ذَلِكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا بِخَلْقِهِ حَكِيمًا ﴿۸۰﴾ فِي فِعْلِهِ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ جَسَدِهِ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَالظَّالِمِينَ نَاصِبُهُ فِعْلٌ مُقَدَّرٌ أَيْ أَعَدَّ يُفَسِّرُهُ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۸۱﴾ مُؤْلَمًا وَهُمْ الْكَافِرُونَ

ترجمہ: ... سورہ انسان مکہ یا مدنیہ ہے۔ جس میں ۳۱ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

بے شک انسان (آدم) پر ایک ایسا وقت آچکا ہے (چالیس سال) جس میں وہ قابل ذکر چیز نہ تھا (گارے کا پتلہ بنا ہوا تھا جو ناقابل ذکر تھا یا عام جنس انسان مراد ہے اور جن سے مراد زمانہ حمل لیا جائے) ہم نے اسی (عام انسان) کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا (مرد و عورت کے باہمی اختلاط سے جو مرکب تیار ہوا) اس طرح کہ ہم اس کو مکلف بنائیں۔ (شرعی احکام کا پابند کر کے دیکھیں۔ جملہ مستانفہ ہے یا حال مقدر ہے۔ یعنی ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم اس کو اہل ہونے پر مکلف بنائیں) تو ہم نے اس کو سنتا، دیکھتا (اسی وجہ سے) بنایا۔ ہم نے اس کو رستہ بتلایا (پیغمبروں کو بھیج کر ہدایت کی رہنمائی کی) یا تو وہ شکر گزار (مومن) بنا اور یا ناشکرا ہو گیا (دونوں لفظ مفعول سے حال ہیں یعنی اس کے مقدر کفر و شکر کی حالت میں اس کو واضح کر دیا اور اس تفصیل احوال کے لئے ہوتا ہے) ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں (جن سے وہ دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے) اور طوق (گلے میں پڑے ہوں گے جن میں زنجیریں بندھی ہوں گی) اور دہکتی آگ (تیز شعلہ والی، دہکتی ہوئی جس سے عذاب دیا جائے گا) تیار کر رکھی ہیں، نیک لوگ (بریا بدار کی جمع ہے فرما، نبرد اراد ہیں) پیس گئے ایسے جام شراب سے (کاس شراب کا پیمانہ جب کہ اس میں شراب موجود ہو مگر مراد خود شراب ہے محل بول کر حال مراد دیا گیا ہے اور من تبغیضہ ہے) جس میں کافروں کی آمیزش (ملاوٹ) ہوگی یعنی ایسے چٹھے سے (کافور سے بدل ہے۔ اس میں کافروں کی مہک ہوگی) اللہ کے بندے (نیک لوگ پیس گئے۔ جس کو بہا کر لے جائیں گے) اپنے مکانوں میں جہاں چاہیں گے گھمائیں گے (وہ لوگ واجبات کو (اللہ کی اطاعت میں) پورا کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام (پھیلی ہوئی) ہوگی اور وہ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا (باجود یکہ کھانے کی طرف شوق و رغبت ہوتی ہے) کھاتے ہیں غریب (فقیر) یتیم (بن باپ بچہ) اور قیدی (حق میں پکڑے ہوئے کو) ہم تو محض اللہ کی خوشنودی (ثواب حاصل کرنے) کے لئے کھانا کھاتے ہیں۔ نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں گے اور نہ شکریہ (کھانا کھانے پر، اہل جنت نے یہ کلام کیا، یا اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات سے یہ جان کر تعریف فرمائی۔ اس میں دونوں رائے ہیں) ہم ڈرتے ہیں خدا کی جانب کے ایک سخت دن سے (جس دن چہرے سیاہ پڑ جائیں گے یعنی مجلس جائیں گے

مارے تختی کے) جو نہایت سخت (شدید) ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ ان کو اس سخت دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو مرحمت (عطا) فرمائے گا تازگی (رونق اور چہروں کی رونق) اور خوشی اور ان کی پختگی کے بدلہ میں (برائیوں سے بچنے کے سلسلہ میں) ان کو جنت (میں داخل کرے گا) اور ریشمی لباس (پہنانے کا) عنایت فرمائے گا اس حال میں کہ وہ تکیہ لگائے ہوں گے (یہ اور لایرون دونوں ادھلوں کا) (مقدر سے حال ہیں) مسبریوں (چھپر کھٹوں) پر نہ وہاں پائیں گے (سروں بمعنی سجود حال ثانیہ ہے) پیش اور نہ جازا (یعنی گرمی سردی کچھ نہیں ہوگی اور بعض نے زمہریر سے چاند مراد لیا ہے۔ یعنی جنت میں بغیر سورج چاند کے روشنی رہے گی) اور جھکے ہوں گے یعنی نزدیک (لایسرون کے محل۔ یعنی غیر رائیں پر اس کا عطف ہو رہا ہے) ان پر درختوں کے سائے اور ان کے میوے ان کے اختیار میں ہوں گے (قریب لٹکے ہوئے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے سب طرح حاصل ہو سکیں) اور ان کے پاس چاندی کے برتن پیش کئے جائیں گے اور کانچ کے پیالے (کو کب جس پیالہ میں پکڑنے کی ہتھی بنی ہوئی نہ ہو) جو کانچ چاندی سے تیار ہوئی ہوں (یعنی چاندی کے پیالے ہوں گے جس میں شیشہ کی طرح باہر سے اندر کا حصہ نظر آ جائے گا) جن کو (گھمانے والوں نے) اندازہ سے بھرا ہوگا (پینے والوں کے مطابق زیادہ نہ کم اور ایسی شراب عمدہ ہوتی ہے) اور ان کو اور بھی جام شراب پلایا جائے گا۔ جس میں سونھ کی میزب ہوگی۔ ایسے چٹے سے (رسجیلا سے عینا بدل ہے) جو وہاں ہوگا جس کا نام سلسیل ہوگا (یعنی اس کا پانی سونھ جیسا ہوگا، جس کو عرب پسند کرتے ہیں اور سہولت گلے سے نیچے اترتا جاتا ہے) اور ایسے لڑکے لے کر آمد و رفت کریں گے جو سودا گروں کے ہی رہیں گے (نوعمر ہی رہیں گے جو ان نہیں ہوں گے) تو اگر، کچھ تو انہیں (خوب صورتی اور خدمت کے لئے چلت پھرت کی رہے) بکھرے ہوئے موتی سمجھے (جو لڑکی اور بچے سے بکھر جائیں دوسری حالتوں کے مقابلہ میں یہ حالت سب سے خوبصورت ہوتی ہے) اور تو اس جگہ کو دیکھے (یعنی جنت میں تم کو دیکھنے کا اگر اتفاق ہو) تو تجھ کو دکھائی دے (اذا کا جواب ہے) بڑی نعمت (جس کی خوبی بیان نہیں ہو سکتی) اور بڑی سلطنت (بے انتہا وسیع) ان جنتیوں پر (یہ منصوب ظرفیت کی وجہ سے ہے اور بعد والے مبتدا کی خبر ہے اور ایک قرأت میں سکون یا کے ساتھ مبتدا ہے اور مابعد خبر ہے اور اس کی متصل ضمیر معطوف علیہم کی طرف لوٹے گی) باریک ریشم کے سبز (رفع کے ساتھ) کپڑے ہوں گے اور دبیز ریشم کے کپڑے بھی (جر کے ساتھ سونے ریشمی کپڑے جو استر میں کام آتے ہیں اور سندس جو ابرے میں کام آتے ہیں اور ایک قرأت میں اس کے برعکس ہے، اور تیسری قرأت دونوں کے رفع کے ساتھ ہے اور چوتھی قرأت دونوں کے جر کی ہے) اور ان کو چاندی کے نگین پہنائے جائیں گے (دوسری جگہ سونے کے نگین آئے ہیں۔ منشاء یہ ہے کہ دونوں طرح کے ہوں گے۔ خواہ دونوں ایک ساتھ ہوں یا الگ الگ) اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پینے کے لئے دے گا (پاکیزگی اور صفائی میں انتہا پر پہنچی ہوئی برخلاف شراب دنیا کے یہ (نعمتیں) تمہارا صلہ ہے اور تمہاری محنت قبول ہوئی۔ ہم نے (نحس اسم کی تاکید ہے یا ضمیر فصل) آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے (ان کی خبر ہے۔ یعنی الگ الگ کر کے ہم نے اتارا ہے) (ایک دم نہیں اتار دیا) سو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر (تبلیغ رسالت پر) جے رہے اور ان (کفار) میں سے کسی فاسق یا کافر کے کہنے میں نہ آئیے (یعنی عقبہ بن ربیعہ، اور ولید بن مغیرہ جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ آپ اس کام کو چھوڑ دیجئے اور فاسق و کافر بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ یعنی آپ کسی کا بھی کہنا نہ مانئے۔ وہ کسی برائی کی طرف بلائے یا کفر کی طرف اور (نماز میں) اپنے رب کا نام لیا کیجئے۔ صبح شام (فجر، ظہر، عصر میں) اور کسی قدر رات کے حصہ میں اس کو سجدہ کیا کیجئے (یعنی مغرب و عشاء میں) اور رات کے بڑے حصے میں تسبیح و تقدیس کیا کیجئے (نوافل پڑھا کیجئے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے یعنی دو تہائی رات یا آدھی رات یا تہائی رات) یہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں (آخرت کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دیتے ہیں) اور اپنے آگے آنے والے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں (جو نہایت سخت یعنی قیامت کا دن ہے اس کے لئے کوئی عمل نہیں کرتے ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے (اعضا اور جوڑ) اور جب ہم چاہیں ان ہی جیسے لوگ ان کی جگہ (تن و توش میں ان کی بجائے لے آئیں ان کو ہلاک کر کے) بدل دیں (یہ تاکید ہے۔ اور ان کی بجائے) اذا آیا۔ چنانچہ ان یسایٰ بھکم آیا ہے۔ کیونکہ اللہ نے یہ نہیں چاہا۔ اور اذ اواقع ہونے والی بات کے لئے آتا ہے) یہ (سورت)

نصیحت ہے (مخلوق کے لئے وعظ ہے) سو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف (اطاعت) کا راستہ اختیار کر لے اور تم کوئی چیز چاہ نہیں سکتے (نا اور یا کے ساتھ ہے فرمانبرداری کا راستہ اپنانا) بدون اللہ کے چاہے۔ اللہ (اپنی مخلوق کے متعلق) بڑا علم والا (اپنے کام میں) بڑی حکمت والا ہے وہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر دے (یعنی جنت میں، مراد مومنین ہیں) اور ظالموں کے لئے (اس کا ناصب فعل مقدر ہے یعنی اعدا جس کی تفسیر آگے ہے) اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (تکلیف وہ ظالم سے کافر مراد ہیں۔)

**تحقیق و ترکیب:** ..... ہل اتی۔ استفہام تقریری ہے۔ ابوالسعود اور تفسیر کبیر دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ہل اتی علی الا نسان اور ہل اتا لث حدیث الغاشیۃ دونوں جگہ ہل بمعنی قد ہے ”علی الا نسان“ مفسر نے پہلے لفظ سے حضرت آدم اور دوسرے لفظ سے مراد عام انسان لیا ہے۔ حالانکہ مشہور قاعدہ یہ ہے کہ معرفہ کو جب دوبارہ ذکر کیا جائے تو اس سے پہلا ہی شخص مراد ہوتا ہے۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہے۔ دوسرے الا نسان سے پہلے مضاف محذوف مان لیا جائے۔ ای حلقنا ذریۃ الا نسان اور اضافت ادنی تعلق کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے۔ قاعدہ، مکرّمہ، شععی انسان سے مراد آدم لیتے ہیں۔ چالیس سال ان کا پتلا مکہ اور طائف کے درمیان پڑا رہا پھر روح ڈالی گئی۔ اور ضحاک ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ چالیس سال گارا رہا پھر اور چالیس سال اور تغیر ہوا۔ مجموعی مدت چار چلے ہوئی۔

حین من الدھر۔ بغوی چالیس اور ابن عباسؓ ایک سو بیس سال فرماتے ہیں۔

لنم یکن شیئاً مذکوراً۔ عالم ارواح عالم اجسام سے پہلے ہے مگر وہاں ہونا قابل ذکر نہیں کہلائے گا جب تک عالم اجسام میں نہ ہو۔ مفسر نے فیہ نکال کر اشارہ کیا ہے کہ جملہ حین کی صفت ہے، عائد محذوف ہے اور انسان سے حال بھی ہوسکتا ہے۔ ای اتی علیہ حین غیر مذکوراً۔

امشاج۔ شجۃ الشنی کے معنی مخلوط ہونے کے ہیں یہ میثج یا میثج کی جمع ہے اور مرد و عورت کے نطفہ کے مجموعہ کی وجہ سے جمع استعمال کی گئی گویا ایک سے زائد پر جمع بول دی گئی ہے یا اس کے مختلف اجزاء مراد ہیں گویا ہر جز کو ایک عضو قرار دیا گیا ہے اور زخم شری یہ کہتے ہیں کہ افعال کا وزن کبھی مفرد کے لئے نادر طریقہ پر آتا ہے۔ سیبویہ کی رائے بھی یہی ہے جیسے لفظ امام۔

نبتلہ یہ خلقناہ کے فاعل سے حال ہے۔ ای خلقناہ حال کو نہ۔ مبتلین دوسری صورت یہ ہے کہ انسان سے حال ہو۔ کیونکہ جہد میں دو ضمیریں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ذوالحال کی طرف لوٹ سکتی ہے۔ پھر رحم مادر میں نطفہ کے مختلف تصرفات اگر نبتلہ کے معنی ہیں تب تو یہ حال مقدر نہ کہلائے گا۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے۔ لیکن اگر اہلوائے سے مراد مکلف کرنا ہے تو بہر حال مقدرہ ہوگا۔ اسی طرح اختیار کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک خیر و شر دونوں کو عام جیسے کلی کی رائے ہے۔ دوسرے بقول حسن خوشحالی میں صبر مراد ہو۔ اور مقاتل یہ کہتے ہیں کہ پیدا ہونے کے بعد عمل کا مکلف بنانا مراد ہے اور بعض امر و نہی کا پابند ہونا مراد لیتے ہیں۔ تفسیری عبارت ”حین تاہلہ“ کا مطلب یہ ہے کہ اہلیت پیدا ہونے کے بعد مکلف بنایا جائے۔

سمیعاً بصیراً۔ زیادہ منافع کا تعلق چونکہ دونوں اعضا سے ہے۔ اس لئے ان کی تخصیص کی گئی۔ پھر سماعت کو پہلے اس لئے بیان کیا کہ خطبات میں سماعتی چیزیں نافع ہوتی ہیں۔ نیز سمعی آیات عینی آیات کے مقابلہ میں واضح ہوتی ہیں اور بصارت سے عام بصیرت مراد ہے۔ پس تعمیم بعد تخصیص ہو جائے گی۔

اما شاکر و اما کفوراً۔ یہاں شاکر کے وزن پر کافر نہیں فرمایا تو اصل کی رعایت کرتے ہوئے نیز شاکر کے مقابلہ میں کافر چونکہ زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کفور مبالغہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ آگے دونوں کے بدلہ کولف و نشر غیر مرتب کر کے بیان کیا۔ تاکہ کافر کی سزا کا بیان مستقل رہے۔

من کاس۔ شراب سے بھرا ہوا پیمانہ روح البیان کے مطابق شیشہ کا پیمانہ اور مجازاً شراب کے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

کافورا عطاء کہتے ہیں کہ کافور کی نہر بھی جنت میں ہوگی پانی میں ملا کر پلایا جائے گا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ کافور کی آمیزش کر دی جائے گی اس پر مشک کی مہرنگی ہوگی یا ملاوٹ نہیں بلکہ کافور کی مہک اور خوشبو آئے گی۔ عبد اللہ نے اس کو کافورا پڑھا ہے۔

یشرب بها۔ اس میں بازائد بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ابن ابی عیینہ کی قراءت ”یشربها“ اس پر دلالت کر رہی ہے۔ نیز باء من کی معنی میں بھی ہو سکتی ہے۔ نیز اس سے حالت بھی مراد ہو سکتی ہے۔ ”ای مـمـز و جـہ بـہـا“ چوتھی صورت یہ ہے۔ کہ با کا تعلق ”یشرب“ سے ہو اور ضمیر کاس کی طرف راجع ہو۔ ”ای یشربون العین بذلک الکاس“ اور بالصاق کے لئے ہے۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ ”یشربون“ معنی ”یلتذون“ کو متضمن ہو۔ ای یلتذون بها شاربین۔ چھٹے یہ کہ یروثون کے معنی کو متضمن ہو۔ ای یروثون بها

ویطعمون الطعام۔ پہلے حق تعالیٰ نے جو دو بذل کو بیان فرمایا ہے یہاں اس کی تکمیل کا بیان ہے کہ ان میں خلوص ہوتا ہے ریا کاری نہیں ہوتی۔ عطاء کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ انہوں نے مزدوری کر کے کچھ جو حاصل کئے اور ان کو پیش کر کچھ حریرہ تیار کیا کہ ایک مسکین آگیا۔ آپ نے اس کو مرحمت فرمادیا پھر دوبارہ کچھ تیار کیا پھر کوئی یتیم مسکین آگیا آپ نے وہ بھی عنایت فرمادیا پھر تیسری مرتبہ تیار کیا، تو ایک مشرک قیدی آگیا آپ نے وہ بھی دے ڈالا۔

علی حبہ۔ علی بمعنی مع اور ضمیر طعام کی طرف راجع ہے۔ لیکن ضمیر اللہ کی طرف بھی قرینہ حالیہ کی وجہ سے راجع ہو سکتی ہے۔

واسیرا۔ جو کسی حق میں گرفتہ ہو جیسے غلام، قیدی، تاوان اور ڈنڈ بھرنے والا، مجاہد مسکون اور ابن عباس مشرک مراد لیتے ہیں۔

لا نرید۔ حقیقتہً انہوں نے یہ کلام کیا ہے یا مجازاً کلام مراد ہے۔ سعید بن جبیر دوسری حق کو ترجیح دے رہے ہیں اس سے کلام

نفسی پر بھی دلالت ہوتی ہے۔

عبو ماً قمطیراً۔ براسامہ بنانا۔

ظلالہا۔ چونکہ جنت میں سورج اور دھوپ نہیں ہے اس لئے سایہ کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر ظلال کی کیا ضرورت ہے؟

اس لئے مفسر درخت کے معنی لے رہے ہیں۔

ویطاف۔ چونکہ یہاں گھومنے والے بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ جو چیزیں گھمائی جائیں گی وہ مقصود ہیں۔ اس لئے صیغہ مجہول

ایا گیا۔ آگے ”ویطوف علیہم ولدان“ میں اس کے برعکس مقصد ہے اس لئے معروف صیغہ لایا گیا ہے۔

کانت۔ یہ تادمہ ہے ضمیر اسم ہے جو اوانی اور اکواب کی طرف راجع ہے۔

قواریرا۔ قارورہ کی جمع ہے شیشہ کا جام۔ یہ لفظ دوبارہ لایا گیا۔

من فضة صفت کی تمہید کے لئے گویا جام کی صفائی اور چمک تو آئینہ جیسی ہوگی اور سفیدی نرمی چاندی جیسی۔

قدروہا۔ یعنی جام و مینا کو گردش میں لانے والے اتنے ہی شراب پیش کریں گے جتنی ضرورت ہوگی اور یا اہل جنت کی

طرف ضمیر راجع ہے کہ وہ جتنی خواہش کریں گے جام میں اتنی ہی شراب آئے گی۔

زنجبیل عینا۔ زنجبیل کہتے ہیں کہ زنجبیل کے چشمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذائقہ اور خوشبو تو زنجبیل کی طرح ہو اور

بسہولت گلے سے اترنے میں سلسبیل ہوگا۔ زجاج سلسبیل ہوگا۔ زجاج سلسبیل، سلامت کی وجہ سے مانتے ہیں اور ابو عبیدہ شیریں اور عمدہ

ہونے کے معنی لیتے ہیں اور مقدس کہتے ہیں دنیا کی زنجبیل کی طرح نہیں ہوگی۔

ولدان۔ یہ غلمان جنت کی نئی مخلوق ہوگی جو سد ابہار رہے گی اور حسن کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے معصوم بچے ہوں گے درمنظوم کی

بجائے درمنثور سے تشبیہ کی وجہ خدمت گاری کے وقت چلتا پھرتا آتا جاتا ہے جنت کی ہر چیز خوبصورت ہوگی خدمت گار بھی خوبصورت

ہوں گے اس لئے کوئی ناپاک خیال دل میں لانا گندہ و جنی اور بد باطنی ہوگا۔

ادایت ثم۔ رأیت بمنزلہ لام ہے اس لئے مفعول کی ضرورت نہیں اور ثم ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔

عالیہم نافع حمزہ، سکون یا اور کسرہ ہا کے ساتھ اور باقی قراءتہ اور با ضمہ ہا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ بائے کنایہ کا

قاعدہ ہے کہ یا ساکنہ کی صورت میں مکسور اور یا ئے متحرکہ ہونے کی صورت میں مضموم ہوتی ہے۔ نافع اور حمزہ کی قراءت پر مختلف توجیہات ہو سکتی ہیں۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ عالیہم خبر مقدم۔ ثیاب مبتداء مؤخر ہو۔ دوسرے یہ کہ عالیہم مبتداء اور ثیاب فاعلیت کی وجہ سے مرفوع ہو۔ جیسا کہ انش کی رائے ہے۔ تیسرے یہ کہ عالیہم منصوب ہو لیکن سکون تخفیف کی وجہ سے ہے یہ رائے ابوالبقاء کی ہے اسی طرح نصب کی قراءت پر بھی کئی توجیہات ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ظرف خبر مقدم اور ثیاب مبتداء مؤخر ہو۔ ای فوقہم ثیاب۔ کیونکہ بقول ابوالبقاء عالی بمعنی فوق ہے۔ ابن عطیہ اس کو ظرف مان کر منصوب مانتے ہیں بمعنی فوق۔ اور شیخ کی رائے یہ ہے کہ عالی اور عالیہ اسم فاعل ہیں ان کو ظرف بنانے کے لئے کلام عرب سے منقول ماننا ہوگا یعنی اصل کلام عالیک او عالیتک ثوب تھا۔ لیکن اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسم فاعل کا وزن ظرف کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ خارج الدار الداخل الدار باطن الدار ظاہر الدار۔ یہاں ”عالیہم ثیاب“ بھی اسی قبیل سے ہے اور نصب کی صورت میں دوسری ترکیب یہ ہے کہ عالیہم کی ضمیر سے حال ہو اور تیسری ترکیب یہ ہے کہ حسبہم کے مفعول سے حال ہو اور چوتھے یہ کہ مضاف مقدر سے حال ہو۔ ای رایت اہل نعیم و ملک کبیر۔ پس عالیہم اہل سے حال ہو جو مقدر ہے۔ زختری نے ان تینوں ترکیبوں کو اس طرح ذکر کیا ہے۔ و عالیہم بالنصب علی اند حال من الضمیر فی يطوف علیہم او من حسبہم ای يطوف علیہم والداں عالیا۔ المعطوف علیہ ثیاب او حسبہم لئلا عالیا لہم ثیاب ویجوز ان یراء اہل تنعیم۔

خضر و استبرق۔ ابو عمرو، ابن عامر نے اول مرفوع اور ثانی مجرور پڑھا ہے۔ اور ابن کثیر و شعبہ کی قراءت اس کے برعکس ہے۔ اور نافع و حفص دونوں کو مرفوع پڑھتے ہیں۔ حمزہ اور کسائی دونوں کو مجرور پڑھتے ہیں۔ ابن کثیر شعبہ کی قراءت پر ”سندس“ کی صفت ہونے کی وجہ سے ”خضر“ مجرور ہے اور ”استبرق“ مرفوع ہے ثیاب پر عطف کی وجہ سے ”حلوا“ اس کا عطف یطوف علیہم پر ہے نفظاً ماضی اور معناً مستقبل ہے۔ اور ”اساور“ حلوا کا مفعول ثانی ہے اور ”حلوا“ بمعنی یحلون ہے۔

من فضة۔ دنیا میں مستطیع امراء کے یہاں ایک ایک چیز کے کئی کئی سیٹ ہوتے ہیں جنت میں بھی اسی طرح ہوں۔ یا بعض چیزیں سونے کی اور بعض چاندی کی۔ یا چاندی کی چیزیں ابرار کے لئے یا نوکروں چاکروں کے لئے اور سونے کی چیزیں مقربین اور مخدومین کے لئے ہوں گی۔

انا معن۔ ضمیر کے تکرار میں تاکید اور اختصا ص ہے۔

ولا تطع منہم۔ عتبہ نے تو آنحضرت ﷺ کو اپنی بیٹی بیاہ دینے کا لالچ دیا تھا اور ولید نے بہت سے مال کا لالچ دیا تھا۔ اور آثم اور کفور سے مراد عام بھی ہو سکتی ہے۔ زختری یہ کہتے ہیں کہ اوخیر کے لئے آتا ہے۔ ولا تطع احدہما کے معنی دونوں کی فرمانبرداری سے روکنے کے ہیں۔ کیونکہ او دونوں میں سے ایک کے لئے ہے اور جب نفی کی جائے گی تو دونوں کی نفی ہو جائے گی کیونکہ ایجاب جزئی کی نقیض سلب کلی ہوتی ہے۔

فاسجد لہ۔ فاشرطیت کے معنی بتلا رہی ہے۔ ای مہما یکن من شنی فصل من اللیل۔ بہر حال تہجد مراد ہے۔ خواہ پہلے آپ کے لئے واجب تھا بعد میں نفل ہو گیا یا شروع ہی سے نفل رہا۔

یوماً ثقیلاً۔ ثقل و خفت ذوات کی صفات میں ہوا کرتے ہیں نہ کہ معافی میں لیکن یہاں دن کو مجازاً بھاری کہہ دیا ہے۔

شددنا اسرہم۔ قاموس میں اس کے معنی اعضاء کے ہیں مجاہد و ابو ہریرہ نے بھی یہی تفسیر فرمائی زختری اسر کے معنی ربط کے میتے ہیں اسر الرجل یعنی قید کر دیا۔

اذا شننا۔ زختری کہتے ہیں کہ یہاں ان کا موقع ہے جیسے ان تتولوا یستبدل۔ ان یشاء یدھبکم کیونکہ محتمل جگہ ان اور محقق جگہ اذا مانا جائے۔ پس حق تعالیٰ بجائے آدم کے اذا الا کر اشار و فرما رہے ہیں کہ ہماری قوت و قدرت کے آگے گویا محتمل بھی متحقق ہو گیا ہے اور زختری اس میں یہ نکتہ بتلاتے ہیں کہ یہ وعید ہے بطور مبالغہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ گویا اس کا وقت معین ہو چکا ہے۔

وما تشاءون۔ اس میں بندہ کی مشیت کا کافی ہونا بتلادیا کہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے نہ بندہ مطلقاً ہے، اور نہ مجبور محض ہے۔ بلکہ اس کا معاملہ بین بین ہے بندہ کی مشیت کا خالق اللہ ہے اور کاسب بندہ ہے۔ اس لئے یہ آیت معتزلہ کے برخلاف اہل سنت کی دلیل ہے۔ پس زنجیری کا یہ توجیہ کرنا الا ان یشاء اللہ بقہر ہم علیہا کھلی تحریف ہے نہ وہ انشاؤن کا مفعول مضاف ہے جس کی طرف مفسر نے اتخاذ السبیل بالطاعة سے اشارہ کیا ہے۔

والظلمین۔ اس کا ناصب اعد محذوف ہے جس کی تفسیر اعد مذکور کر رہا ہے۔ لیکن خود اعد مذکور کو عامل نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ اعد متعدی بنفسہ نہیں ہوتا بلکہ بواسطہ لام کے متعدی ہوا کرتا ہے۔ یہ تقدیر ایسے ہی ہے جیسے زید امور ت بہ کی تقدیر "جاوزت زیدا" ہے۔

رابط آیات: ... سورہ قیامت میں مجازات کا اثبات زیادہ اور کچھ اس کی تفصیل تھی۔ اس سورہ انسان میں زیادہ تر مجازات کی تفصیل ہے جس سے مقصود جزائے ایمان کی ترغیب ہے اور سورۃ کے شروع اور اخیر میں مجازات کا امکان و اثبات بیان فرمایا گیا ہے کفار کے انکار مجازات سے چونکہ آنحضرت ﷺ رنجیدہ ہوتے تھے اس لئے درمیان میں انا نحن نزلنا سے آپ کی تسلی فرمائی جا رہی ہے۔

﴿تشریح﴾: ... ہل اتی علی الانسان۔ بلاشبہ پیدائش سے پہلے انسان کا کچھ نام و نشان نہیں تھا پہلے نطفہ، اس سے پہلے غذا، اس سے پہلے جماد تھا۔ غرض کتنے ہی دور طے کر کے نطفہ کی شکل میں آیا وہ حالت بھی اس قابل نہیں کہ زبان پر لائی جائے۔

امشاج کے معنی مخلوط کے ہیں۔ اول تو مرد و عورت کی الگ الگ مختلف رنگ کی منی کا اختلاط، پھر ہر ایک کی منی بھی مختلف غذاؤں کا جوہر ہے اور وہ غذاؤں بھی مختلف عناصر سے مرکب ہیں پھر اس ناپاک بوند سے جما ہوا خون، پھر اس سے گوشت کا توڑا بنایا کتنے ہی الٹ پھیر کرنے کے بعد اس درجہ میں پہنچا دیا کہ اب وہ کانوں سے سنتا اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان قوتوں سے وہ کام لیتا ہے کہ دوسرا حیوان نہیں لے سکتا۔ گویا یہ تو سمیع و بصیر ہے اور دوسرے سب اس کے آگے اندھے بہرے ہیں۔ لیکن مفسر نبتلیہ کے معنی یہ لے رہے ہیں کہ ہم نے انسان کو اس لئے بنایا اور اسے آنکھ کان دیئے کہ ہم اس کی آزمائش و امتحان کرنا چاہتے ہیں۔ تکالیف شرعیہ کا جو جھرکھ کر دیکھا جائے کہ کہاں تک مالک کی وفاداری اور اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔

انسان کی فطرت یکساں طور پر رہنما ہے: ..... انا ہدیناہ السبیل۔ انسان کو فطری سلامتی، پیدائشی عقل و فہم اور عقلی وقتی دہل نیکی کی راہ سمجھانے کے لئے دیئے گئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ سب انسان ایک راہ پر ہی چلتے لیکن خارجی اثرات اور ماحول سے متاثر ہو کر ایک ڈگر پر نہ رہ سکے۔ بعض نے اللہ کو مانا اور اس کا حق پہچانا اور بعض نے حق پوشی اور ناشکری پر کمر باندھ لی۔ آگے چل کر جو لوگ رسم و رواج کے بندھنوں میں بند تھے اور لکیر کے فقیر بنے رہے وہ اللہ کی حکومت اور اس کے اقتدار کے خلاف رہے حق اور اہل حق کی عداوت و دشمنی کی آگ۔ بھڑکاتے رہے۔ کبھی بھول کر بھی اللہ کی نعمتوں کو یاد نہ کیا اور نہ کبھی اس کی سچی فرمانبرداری کا خیال دل میں لائے۔ ان کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی طوق و سلاسل اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ آگے نیک کردار انسان کی جزا ہے کہ ایسے لوگ جنت کی بہاریں بونیں گے شراب کے جام نوش کریں گے، جن میں کافور کی آمیزش ہوگی یہ دنیا کا کافور نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ جنتی کافور ہوگا۔ جنت کے ایک خاص چشمہ کا ٹھنڈا، خوشبودار، سفید رنگ اور مغرب ہونے کی وجہ سے کافور نام ہوگا۔ مشروبات میں خاص کیفیات پیدا کرنے کے لئے بعض مناسب چیزوں کے ملانے کی عادت دنیا میں بھی ہے۔ اور چشمہ بن کے بہنے کا مطلب و منشور کی روایت کی مطابق یہ ہے کہ اہل جنت کے ہاتھوں میں سونے کی چھڑیا ہوں گی۔ جدھر وہ چھڑیوں سے اشارہ کر دیں گے یہ نہریں اسی طرف ہو میں گی۔ بہر حال یہ خاص جام اللہ کے خاص مقرب بندوں کو ملیں گے جس سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ درجہ کے ہوں گی پس اس سے ابرار کی بشارت میں قویت ہوگئی اور اگر



ابرار اور "عباد اللہ" کا مصداق ایک ہی ہو تو دو جگہ بیان کرنے سے الگ الگ مقصود ہوگا۔ ایک جگہ اس کی آمیزش کو بتلانا ہے اور دوسری جگہ اس کی کثرت اور تسخیر بتائی ہے۔ آخر اسباب عیش کی کثرت بھی تو فرحت بخش اور لذت آفرین ہوا کرتی ہے۔

دنیا میں ابرار کا حال اور آخرت میں ان کی شان: ..... یوفون بالنور۔ ابرار کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی منتوں کو پورا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب اپنی لازم کی ہوئی چیز کا دھیان رکھتے ہیں تو اللہ کی لازم کی ہوئی باتوں کو کس طرح نظر انداز کر سکتے ہیں اور قیامت کے دن سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ جس کی آفت اور سختی سے کوئی نہ بچ سکے گا الا من شاء اللہ۔ اور تیسرا وصف ان کا جو دو سفا ہے کہ اپنی ضرورت کے باوجود اللہ کی محبت کے جوش میں نہایت خلوص و شوق سے مسکینوں، یتیموں، قیدیوں کو کھلا دیتے ہیں۔ اور قیدیوں میں مسلمان ہی کی قید نہیں۔ بلکہ غیر مسلم قیدی بھی نیک سلوک اور ہمدردی کا مستحق ہے۔ جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں حضور ﷺ نے خاص طور سے بھلائی کی ہدایت فرمائی تھی اور صحابہؓ نے بڑی اعلیٰ حوصلگی سے اس کی تعمیل کی حالانکہ یہ قیدی غیر مسلم تھے اور مسلمان بھائی کا حق تو اور زیادہ ہے اور اگر "اسیر" کے مفہوم میں کچھ اور توسع کر لیا جائے تو غلام اور مقروض بھی اس کے تحت آ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی تو ایک طرح سے قیدی ہیں بلکہ طالبان علم اور طالبان سلوک بھی اس کا مصداق ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ بھی تو عم مولیٰ میں گرفتہ رہتے ہیں اور یہ کہلانے والے زبان حال یا قال سے اپنے اس ارادہ کا اظہار بھی کر دیتے ہیں کہ محض اللہ کے لئے کھانا کھلانے کا بندوبست کیا ہے۔ کچھ بدلہ یا حسن صلہ پیش نظر نہیں ہے البتہ یہ کہنے کے لئے دوسرے سے ترغیب کا باعث ہو سکتا ہے جو مستحسن ہے اور بدلہ یا صلہ کا تو سوال ہی کیا یہاں تو پروردگار اور اس دن کا کھانا لگا ہوا ہے جس دن تیور چڑھے ہوئے اور پیشانی پر بل ہوں گے یہاں تو اخلاص کے بعد بھی ڈر لگا رہتا ہے وہ کہ دیکھئے ہمارا عمل مقبول ہوا یا نہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اخلاص وغیرہ میں کمی رہ جائے اور النامہ پر مار دیا جائے۔

جنت کی نعمتیں اور عیش و عشرت: ..... فوقہم اللہ۔ اللہ اپنے ان خاص بندوں کو ان خدشات و خطرات سے محفوظ و مامون رکھے گا، جن سے وہ ڈر رہے تھے اور ان کے چہروں کو تازگی اور دلوں کو سرور عطا ہوگا۔ آخر دنیا میں رہ کر یہ اللہ والے بھی تنگیوں اور سختیوں پر صبر کر کے گنہ ہوں سے بچے رہے اور اطاعت پر جتے رہے پھر اللہ بھی انہیں عیش کرنے کے لئے جنت کے باغ، لباس ہائے فاخرہ عنایت فرمائے گا۔ وہ امیروں، بادشاہوں کی طرح آرام کے ساتھ مسند نشین رہیں گے۔ جنت کا موسم سبحان اللہ کیا کہنے۔ دنیا میں بھی اس کی نظیر معتدل مقامات پر موجود ہیں۔ جہاں نہ گرمی کی تکلیف اور نہ سردی کی موسم نہایت صاف ستھرا "بلدۃ طیۃ و رب غفور"۔

ودایۃ علیہم ظلالہا۔ جنتی درختوں کی ڈالیاں اور پھل پھول ان پر جھکے ہوئے ہوں گے کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس طرح چاہیں گے بے تکلف حاصل کر سکیں گے ممکن ہے درختوں کی شاخوں کو "ظلال" فرمایا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ درختوں کا سایہ مراد ہو کیونکہ اس کے لئے آفتاب یا دھوپ ہی کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ روشنی کا ہونا کافی ہے کسی طرح کی بھی ہو۔ دنیا میں بھی سونے اور آرام کرنے کے لئے بلکے اور ماند بلب لگائے جاتے ہیں۔ وہاں آنخورے شیشے کے ہوں گے اور شیشے چاندی کے ہوں گے۔ دنیا کے شیشے میں سفیدی نہیں ہوتی اور چاندی میں صفائی نہیں ہوتی کہ آرا پار نظر آ جائے۔ اس لئے جنت میں دونوں وصفوں سے مرکب برتن تیار ہوں گے اور مناسب اندازہ کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو جام میں خواہش سے زیادہ بھریں گے کہ بچ جائے اور نہ کم ہوگا کہ تشنگی رہ جائے۔ بلکہ ہر شخص کے ذوق اور خواہش کے مطابق جام آئے گا تا کہ کسی قسم کی بھی بے لطفی نہ ہو سکے یہ جام نو کا فوری شراب کا تھا۔ دوسرا جام سونٹھ کی چاشنی سے لئے ہوئے ہوگا۔ سونٹھ عرب کو بہت پسند ہے۔ کیونکہ اس کی تاثیر گرم ہے۔ حرارت غریزہ کو بڑھاتی ہے اور منہ کا ذائقہ بھی بدلنا مقصود ہوتا ہے۔ مگر کا فوری طرح سونٹھ بھی دنیا کی نہیں ہوگی۔ بلکہ کسی خاص مناسبت سے اس چشمہ سلسبیل کو زنجبیل کہنے لگے۔ اصل میں تو



یہ چشمہ بڑے عظیم مرتبہ لوگوں کے لئے ہوگا جن کو مقررین کہا جاتا ہے مگر برابر بھی فیضاب ہوں گے سلسبیل صاف بہتے ہوئے پانی کو لیتے ہیں۔ ”ولداں محلدون“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ لڑکے رہیں گے یا جنتیوں کے پاس سدا رہیں گے۔ اور ”لؤلؤا مشورا“ سے تشبیہ نہایت بلیغ ہے۔ نمان اپنی آب و تاب، حسن و جمال کے ساتھ ادھر ادھر پھرتے ہوئے یوں معلوم ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے موتی ”واذا رايت“ جنت کا کیا پوچھنا، دیکھو تو یوں معلوم ہو کہ ایک بڑی بھاری نعمت اور عظیم الشان سلطنت ہے۔ وہاں کی پوشاک باریک اور بیز ریشمی پڑے، غالیچے ہوں گے۔

”وحدوا مسا ورم من فضة“ اس سورت میں تین دفعہ چاندی کے برتن، زیور وغیرہ کا ذکر آیا ہے اور دوسری سورت میں سونے کا پس یا تو دو ہر اسمان مراد ہے۔ جیسے امراء کے یہاں ہوتا ہے۔ اور یا بعض چیزیں سونے کی موزوں رہتی ہیں اور بعض چیزیں چاندی کی مناسب ہو سکتی ہیں یا پھر فرق مراتب کے ساتھ یہ چیزیں عطا ہوں گی رہا مردوں کے لئے زیورات کا معیوب ہونا۔ سہ جیسا ویس ویس بھیس ایک چیز دنیا میں عیب ہے، وہاں عیب نہیں ہے ان سب نعمتوں کے بعد شراب طہور کا جام محبوب حقیقی کی طرف سے عطا ہوگا۔ جس میں نہ سر رانی ہوگی، نہ بدبو، بد ذائقہ۔ بلکہ نہایت فرحت بخش کہ پی کر دل دماغ باغ باغ ہو جائے۔ شراب کا ذکر اس سورت میں تین جگہ آیا ہے اور تینوں جگہ الگ الگ غرض ہے۔ پھر اول میں شربون ہے اور دوسری جگہ یسقون ہے۔ جو اکرام کو بتا رہا ہے۔ تیسری جگہ سفاهم رہم فرمایا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز ہوگا غرض کہ اس طرح مضمون میں تکرار نہیں رہا۔ آگے مزید خوش و عزت افزائی اور دل خوش کرنے کے لئے ان هذا الخ فرمایا گیا کہ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ، اور تمہاری کوشش کا صلہ ہے ظاہر ہے کہ اس کو سن کر اہل جنت خوشی سے مست ہو جائیں گے۔

قرآن پاک کا تھوڑا تھوڑا اترنا ہی حکمت و مصلحت ہے:۔۔۔۔۔ انا نحن نزلنا۔ اچھے برے کاموں کے بدلہ کا ذکر ہو گیا مخافین کی سزا آپ نے سن لی اب آپ مطمئن ہو کر کام میں لگ گئے اس سے طاعت و اطمینان کو ارتقا دیت ہوگی۔ قرآن بہت ہی مصباح و حکم کے پیش نظر تھوڑا تھوڑا اترتا ہے آپ دل مضبوط رکھئے۔ لوگ آہستہ آہستہ نیک و بد کو سمجھ لیں کہ جنت کن اعمال کی وجہ سے ملتی ہے اگر پھر بھی یہ اپنی ضد سے باز نہ آئیں تو اپنے رب کے حکم پر جبر ہے۔ ان کی باتوں پر کان نہ دھریئے جیسا کہ ولید وغیرہ کا فر مختلف طریقوں سے آپ کو پرچانے کی کوشش کر رہے ہیں ہمہ وقت اللہ کو یاد رکھئے وہی سب زخموں کا مرہم ہے نماز مغرب و عشاء یا تہجد پڑھا کیجئے۔

وسبحہ لیلاً اگر پہلے جملہ سے مراد نماز مغرب و عشاء ہے تو اس سے مراد نماز تہجد ہو سکتی ہے پہلے جملہ سے تہجد اور اس جملہ سے تسبیح و تہلیل مراد ہوگی یعنی تہجد و تسبیحات پڑھئے۔

ان ہولاء یہاں سے پھر مضمون تسلی ہے کہ آپ کی نصیحت جو ان پر مؤثر نہیں ہوتی۔ اس کا سبب حب دنیا ہے جس میں یہ گرفتار ہیں دنیا چونکہ عقد ہے اس لئے مرغوب و محبوب ہے اور آخرت ادھار ہے اس لئے اس سے غافل ہیں۔ حالانکہ وہ دن بڑا سخت ہوگا اس کی فکر ہونی چاہئے مگر سمجھتے ہیں کہ مگر گل گئے پھر کون دوبارہ ویسا ہی بنا کر کھڑا کرے گا۔ فرماتے ہیں ”نحن حلقناہم“ پہلے بھی ہم نے پیدا کیا، جو برباد ہو گیا، اب ہماری قدرت کہیں چلی گئی۔ دوبارہ بنانا تو پہلے کی نسبت سہل ہے فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی پیدائش تدریجی تھی اور اب فوری ہوگی مگر ہم جب چاہیں اسی بستی کو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔ دوسرا مطلب تبدیلی کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر یہ نافرمانی سے باز نہ آئے تو ہم دوسری مخلوق بھی ان کی جگہ بنا سکتے ہیں جو ان کی طرح سرکش نہ ہوگی۔

انسان کا ارادہ اللہ کے ارادہ کے تابع ہے:۔۔۔۔۔ ان هذه تذکرة۔ آپ کا کام صرف فہمائش و نصیحت ہے۔ زور

زبردستی کرنا نہیں قرآن کے ذریعہ نصیحت کر دیجئے۔ جو چاہے گا اپنا رستہ اللہ کی طرف بنالے گا خود آپ کا چاہنا بھی اللہ کے چاہنے کے تابع ہے بندہ حق کی مشیت کے بغیر کر ہی کیا سکتا ہے وہ ہر شخص کی صلاحیت سے واقف ہے اسی کے مطابق وہ ہر ایک کو موقعہ دیتا ہے۔ جس میں استعداد اچھی ہوتی ہے ان کو نیکی کی توفیق دے دیتا ہے اور اپنی رحمت و فضل کا مستحق بنادیتا ہے اور بد فطرت کے لئے دردناک سزا تیار ہے۔

لطا نَف سَلُوک:۔۔۔ انما نطعمکم الخ اس میں اخلاق کی ترغیب ہے۔

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا۔ شراب کی یہ تیسری قسم پہلی دو قسموں سے بڑھ کر ہے جس میں سے ایک کا فوری اور دوسری زنجبیں تھی۔ لیکن اس میں طہوریت کے ساتھ حق تعالیٰ کا ساقی ہونا بتلایا جا رہا ہے اور بعض نے اس کو شراب روحانی سے تعبیر کیا ہے یعنی تحلی ربانی۔ ممکن ہے ابن فارض کے اس شعر میں شراب مراد ہو

سَقَوْنِی وَقَالُوا لَا تَفْنَوْا وَلَوْ سَقَوَا جِبَالٌ حَتِّینَ مَا سَقَوْنِی تَفْنَتْ

ابو زید سے کسی نے اسی آیت کے متعلق پوچھا تو فرمایا: ایسی شراب مراد ہے جو غیر لی محبت سے پاک ہو اور فرمایا کہ یہ شراب اس کے مخصوص بندوں کو نصیب ہوتی ہے اور اللہ ہی پلاتا ہے شراب جب پی لیتے ہیں تو مست ہو جاتے ہیں اور جب مست ہو جاتے ہیں تو اڑنے لگتے ہیں اور جب اڑنے لگتے ہیں تو واصل ہو جاتے ہیں اور جب واصل ہو جاتے ہیں تو واصل سے ہمکنار ہو کر فسی مقعد صدق عند ملیک مقتدر کا مصداق ہو جاتے ہیں۔

اور بعض اہل اللہ نے ان شرابوں سے متبادر شراب مراد نہیں لی بلکہ ان ارواح پر انوار کا فیضان ایسے پانی کے مشابہ ہے جو پیاس کو بجھا دیتا ہے اور بدن کی تقویت کا باعث بن جاتا ہے اور پانی جس طرح مختلف ہوتے ہیں یہی حال ان انوار صوہ کا ہے ان میں سے بعض کا فوری ہیں جن کا مزاج بار و یا بس ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے مناسب ہے جو دنیا میں مقام حزن و بقاء اور انقباض سے آشنا ہے اور بعض انوار زنجبیں ہیں جن کا مزاج حار و یا بس ہے، یہ ایسے حضرات کے حصہ میں آئیں گے جو جسم و جسمانیات سے کم لگاؤ رکھنے والے اور اللہ کے مدد سے بے توجہ رہے ہیں۔ اسی طرح انسانی روح ترقی کے منازل طے کرتی کرتی نور مطلق تک پہنچ جاتی ہے یہ صدیقین کی شراب ہے اور پہلی شرابیں ابرار کی تھیں۔ لیکن صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اگر اس کو حقیقتہً حسی شراب پر محمول کر لیا جائے تو پھر حسی شراب جس کے انکار کی حاجت نہیں رہ جاتی۔

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مِیْلًا۔ سبیل اللہ سے مراد طریق صوفیاء ہے۔ جو اللہ کی ذات و صفات کا طالب ہو وہ اس راستہ پر چلے۔

## سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ

سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ مَكِّيَّةٌ خَمْسُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ۚ ﴿١﴾ أَيْ الرِّيحُ مَتَابَعَةٌ كَعُرْفِ الْفَرَسِ يَتَلَوُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَنَضْبُهُ عَلَى الْحَالِ  
فَالْعَصْفُ عَصْفًا ۚ ﴿٢﴾ أَيْ الرِّيحُ الشَّدِيدَةُ وَالنَّشْرُ نَشْرًا ۚ ﴿٣﴾ أَيْ تَنْشِيرُ الْمَطَرِ فَالْفَرْقَتِ فَرْقًا ۚ ﴿٤﴾  
أَيْ يَبَاتُ الْفَرَسُ تَفَرَّقَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ فَالْمُلْقِيَتِ ذِكْرًا ۚ ﴿٥﴾ أَيْ الْمَلَائِكَةُ تَرُلُ  
بِالْوَحْيِ إِلَى الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ يُلقُونَ الْوَحْيَ إِلَى الْأُمَمِ عُذْرًا أَوْ نَذْرًا ۚ ﴿٦﴾ أَيْ يَلِغُ عُذْرًا وَيُنْذِرُ مِنَ اللَّهِ  
نَعَايَ وَفِي قِرَاءَةِ بَعْضِ ذَلِكَ نَذْرًا وَقُرْئَ بِضَمِّ ذَلِكَ عُذْرًا إِنَّمَا تُوعَدُونَ أَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ مِنْ الْعُثُ  
وَالْعَذَابِ لَوَاقِعٌ ۚ ﴿٧﴾ كَائِنٌ لَمْ يَحَالَةَ فَإِذَا السُّجُومُ طُمِسَتْ ۚ ﴿٨﴾ مُخَيَّي نَوْرُهَا وَإِذَا السَّمَاءُ  
فُرْجَتْ ۚ ﴿٩﴾ شَقَّتْ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۚ ﴿١٠﴾ قُتَّتْ وَسِيرَتْ وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِثَتْ ۚ ﴿١١﴾ بِالْوَاوِ وَالْهَمْزِ  
بَدَلًا مِنْهَا أَيْ جُمِعَتْ لَوْ قُبِلَ لِأَيِّ يَوْمٍ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ أُجِلَّتْ ۚ ﴿١٢﴾ لِلشَّهَادَةِ عَلَى أُمَمِهِمْ بِالتَّبْلِيغِ لِيَوْمِ  
الْفَصْلِ ۚ ﴿١٣﴾ بَيْنَ الْخَلْقِ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ جَوَابُ إِذَا أَى وَقَعَ الْفَصْلُ بَيْنَ الْخَلَائِقِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ  
الْفَصْلِ ۚ ﴿١٤﴾ تَهْوِيلٌ لِشَانِهِ وَيُلْ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۚ ﴿١٥﴾ هَذَا وَعَيْدٌ لَهُمْ أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ۚ ﴿١٦﴾  
تَكْذِيبُهُمْ أَيْ اهْتِكَاؤُهُمْ ثُمَّ نَتَّبِعُهُمُ الْآخَرِينَ ۚ ﴿١٧﴾ مِمَّنْ كَذَّبُوا كُفَّارَ مَكَّةَ فَهَيْكُهُمْ كَذَلِكَ مَتَرٌ  
فَعَسَا يَكْذِبِينَ نَفْعَالٌ بِالْمُجْرِمِينَ ۚ ﴿١٨﴾ بِكُلِّ مَنْ أَجْرَمَ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ فَنُهْلِكُهُمْ وَيُلْ يَوْمَئِذٍ  
لِلْمُكَذِّبِينَ ۚ ﴿١٩﴾ تَاكِيدٌ أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَهِينٍ ۚ ﴿٢٠﴾ ضَعِيفٍ وَهُوَ الْمَيِّ فَجَعَلْنَاهُ فِي  
قَرَارٍ مَكِينٍ ۚ ﴿٢١﴾ حَرِيرٍ وَهُوَ الرَّجْمُ إِلَى قَدَرٍ مَعْلُومٍ ۚ ﴿٢٢﴾ وَهُوَ وَقْتُ الْوِلَادَةِ فَقَدَرْنَا عَلَى ذَلِكَ فَنِعْمَ  
الْقَدِيرُونَ ۚ ﴿٢٣﴾ نَحْنُ وَيُلْ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ۚ ﴿٢٤﴾ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ۚ ﴿٢٥﴾ مُصَدَّرٌ كَفَتْ

بِمَعْنَى ضَمِّ أَيْ ضَامَّةٌ أَحْيَاءٌ عَلَى ظَهْرِهَا وَأَمَوَاتٌ ﴿۷۷﴾ فِي بَطْنِهَا وَجَعَلْنَا فِيهَا رِوَاسِيَّ شِمَخٍ  
 جَبَالًا مُرْتَفَعَاتٍ وَأَسْقَيْنُكُمْ مَاءً فُرَاتًا ﴿۷۸﴾ عَذْبًا وِثْلَ يَوْمِنِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۷۹﴾ وَيُقَالُ لِلْمُكَذِّبِينَ يَوْمَ  
 الْقِيَامَةِ انْطَلِقُوا إِلَى مَا كُنتُمْ بِهِ مِنَ الْعَذَابِ تُكَذِّبُونَ ﴿۸۰﴾ انْطَلِقُوا إِلَى ظِلِّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ﴿۸۱﴾  
 هُوَ دُخَانٌ جَهَنَّمُ إِذَا ارْتَفَعَ افْتَرَقَ ثَلَاثَ فِرَاقٍ لِعَظَمَتِهِ لَا ظِلِيلَ كَثِيرٍ يُظِلُّهُمْ مِنْ حَرِّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَا يُغْنِي  
 يَرُدُّ عَنْهُمْ شَيْئًا مِنَ اللَّهَبِ ﴿۸۲﴾ لِلنَّارِ إِنَّهَا أَيْ النَّارُ تَرْمِي بِشَرِّ هَوَا تَطَايَرِ مِنْهَا كَالْقَصْرِ ﴿۸۳﴾ مِنْ  
 الْبِنَاءِ فِي عَظَمِهِ وَارْتِفَاعِهِ كَأَنَّهُ جَمَلَتْ جَمْعُ جَمَالَةٍ جَمْعُ جَمَلٍ وَفِي قِرَاءَةِ جَمَالَةٍ صَفْرٌ ﴿۸۴﴾ فِي  
 هَيْئَتِهَا وَلَوْنِهَا وَفِي الْحَدِيثِ شِرَارُ جَهَنَّمَ أَسْوَدُ كَالْقَبْرِ وَالْعَرَبُ تُسَمِّي سَوْدَ الْإِبِلِ صَفْرَ الشُّبُوبِ سَوَادِهَا  
 بِصَفْرِهٖ فَقِيلَ صَفْرٌ فِي الْآيَةِ بِمَعْنَى سَوْدٍ لِمَا ذَكَرَ وَقِيلَ لَا وَالشَّرُّ جَمْعُ شَرِّهٖ وَالشِّرَارُ جَمْعُ شِرَارِهٖ  
 وَانْقِصِرَ الْقَارُ وَيْلٌ يَوْمِنِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۸۵﴾ هَذَا أَيْ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۸۶﴾ فِيهِ نَشِيءٌ وَلَا يُؤْذَنُ  
 لَهُمْ فِي الْعُذْرِ فَيَعْتَذِرُونَ ﴿۸۷﴾ عَطَفَ عَلَى يُؤْذَنُ مِنْ غَيْرِ تَسَبُّبٍ عَنْهُ فَهُوَ دَاخِلٌ فِي حَيْزِ النَّهْيِ أَيْ لَا  
 إِذْنَ فَلَا يَعْتَذَرُ وَيْلٌ يَوْمِنِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۸۸﴾ هَذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمْعُكُمْ أَيُّهَا الْمُكَذِّبُونَ مِنْ هَدِيهِ  
 الْأُمَّةِ وَالْأَوَّلِينَ ﴿۸۹﴾ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ قَبْلَكُمْ فَتَحَاسِبُونَ وَتُعَذِّبُونَ جَمِيعًا فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ حِيلَةٌ فِي  
 دَفْعِ الْعَذَابِ عَنْكُمْ فَكِيدُوا ﴿۹۰﴾ فَافْعَلُوا وَيْلٌ يَوْمِنِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۹۱﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ أَيْ عِ  
 تِكَائِفِ أَشْجَارٍ إِذَا لَاشَمَسَ يُظِلُّ مِنْ حَرِّهَا وَعُيُونٌ ﴿۹۲﴾ نَابِغَةٌ مِنَ الْمَاءِ وَقَوَاقِحُ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿۹۳﴾ فِيهِ  
 أَعْلَامٌ بِأَنَّ الْمَأْكُلَ وَالْمَشْرَبَ فِي الْجَنَّةِ بِحَسَبِ شَهْوَاتِهِمْ بِخِلَافِ الدُّنْيَا فَبِحَسَبِ مَا يَجِدُ النَّاسُ فِي  
 الْأَغْنَبِ وَيُقَالُ لَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا حَالٌ أَيْ مُتَهَنِّينَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۴﴾ مِنَ الطَّاعَاتِ إِنَّا  
 كَذَلِكَ كَمَا جَزَيْنَا الْمُتَّقِينَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۵﴾ وَيْلٌ يَوْمِنِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۹۶﴾ كُلُوا وَتَمَتَّعُوا  
 بِحِطَابٍ لِلْكَفَّارِ فِي الدُّنْيَا قَلِيلًا مِنَ الزَّمَانِ وَغَايَتُهُ إِلَى الْمَوْتِ وَفِي هَذَا تَهْدِيدٌ لَهُمْ إِنَّكُمْ مُجْرِمُونَ ﴿۹۷﴾  
 وَيْلٌ يَوْمِنِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۹۸﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ارْكَعُوا صَلُّوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿۹۹﴾ لَا يُصَلُّونَ وَيْلٌ يَوْمِنِذٍ  
 لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۰۰﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ أَيْ الْقُرْآنِ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۱﴾ أَيْ لَا يُمَكِّنُ إِيْمَانُهُمْ بغيرِهِ مِنْ كُتُبِ  
 اللَّهِ تَعَالَى بَعْدَ تَكْذِيبِهِمْ بِهِ لِأَسْتَمَالِهِ عَلَى الْأَعْجَارِ الَّذِي لَمْ يَشْتَمِلْ عَلَيْهِ غَيْرُهُ

ترجمہ: ... سورہٴ رسالت مکہ ہے۔ جس میں ۵۰ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قسم ہے ان ہواؤں کی جو آگے پیچھے بھیجی جاتی ہیں (مسلسل جیسے گھوڑے ایک دوسرے کے پیچھے لائن لگائے ہوئے ہیں۔ عرف حال کی وجہ

سے منسوب ہے) پھر ان ہواؤں کی جو تیزی سے چلتی ہیں (آندھی بن کر) اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں (بارش و مونس کرتی ہیں) پھر ان آیات کی قسم جو فیصلہ کن ہوتی ہیں (قرآنی آیات جو حق و باطل، حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے والی ہیں) پھر ان فرشتوں کی جو پیغام وحی لے کر آتے ہیں (یعنی جو فرشتے انبیاء و رسل کے پاس وحی لاتے ہیں کہ وہ اپنی امتوں کو پہنچائیں) تو بہ کے لئے یاد کرانے کے لئے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف عذر قبول کرنے کے لئے اور ڈرانے کے لئے اور ایک قرأت میں فذرا اور عذرا ضمہ ذال کے ساتھ ہے) کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (مکہ کے کافرو! دوبارہ زندہ ہونے اور عذاب کی نسبت) وہ ضرور ہونے والی ہے (یامحی) سو جب ستارے بے نور (گل) ہو جائیں گے اور جب آسمان پھٹ جائے گا (ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا) اور پہاڑ جب اڑتے پھریں گے (چورہ ہو کر رواں دواں ہو جائیں گے) اور جب سب پیغمبر مقررہ وقت پر جمع کئے جائیں گے (اقتت واد کے ساتھ ہے اور ہمزہ کے ساتھ جو واؤ سے بدلا ہوا ہے یعنی بروقت جمع ہوں گے) کس دن کے لئے (بڑے ہی دن کے لئے) پیغمبروں کا معادہ متوی رکھا گیا ہے (امتوں کو تبلیغ کرنے کے سلسلہ میں گواہی کے لئے) فیصلہ کے دن کے لئے (مخلوق کے درمیان اس سے اذاکا جواب نکل آتا ہے یعنی مخلوق کا فیصلہ ہو کر رہے گا) اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ فیصلہ کا دن کیسا کچھ ہے (قابل ہیت ہے) اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی (اس میں ان کے لئے دھمکی ہے) کیا ہم پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کر چکے ہیں (ان کے جھٹلانے کی وجہ سے ان کو برباد نہیں کر دیا) پھر پچھو کہ ابھی ان کے ساتھ ساتھ کر دیں گے (جو جھٹلانے والے ہیں جیسے کفار مکہ ان کو بھی تباہ کر دیں گے) اسی طرح جیسے جھٹلانے والوں کے ساتھ کیا ہے (ہم مجرموں کے ساتھ کیا کرتے ہیں) یعنی آئندہ جو بھی جرم کرے گا اسے ہم منکر چھوڑیں گے (اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی) تاکید ہے (کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی سے نہیں بتایا) منی سے جو حقیر ہے (پھر ہم نے اس کو ایک وقت مقررہ تک ایک محفوظ جگہ نہیں رکھا) رحم میں برقرار رکھا (غرض ایک اندازہ ٹھہرا) (جننے تک) سو ہم کیسے اچھے انداز سے ٹھہرانے والے ہیں۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا (کففت یعنی ضم کا مصدر ہے یعنی صامۃ) زندوں کو (اوپر کے حصہ میں) اور مردوں کو (نچلے حصہ میں) اور ہم نے اس میں اونچے اونچے (نہایت بلند) پہاڑ بنائے اور ہم نے تم کو میٹھا (شیریں) پانی پلایا۔ اس روز جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی (قیامت کے روز جھٹلانے والوں سے کہہ دیا جاے گا) جہنم کا (عذاب) کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ چلو تین شانے سائبان کی طرف (جہنم کا دھواں جب اٹھے گا تو زیادہ ہونے کی وجہ سے تین طرف پھٹ جائے گا) جس میں نہ سایہ ہے (جو اس دن کی تیش بچا کر سایہ کا کام دے سکے) اور نہ وہ (آگ کی) لپیٹ سے بچ سکتا ہے (کچھ بھی رکاوٹ نہیں کرتا) وہ (آگ) اتکارے برسائے گی (جو اس سے اتنے بڑے اڑیں گے) جیسے بڑے بڑے محل (ڈیل ڈول کی عمارت) جیسے اونٹ (جمالۃ کی جمع ہے اور جمالۃ جمل کی جمع ہے اور ایک قرأت میں جمالۃ ہے) کالے کالے (شکل اور رنگت کے لحاظ سے حدیث میں ہے۔ جہنم کی چنگاریاں بھٹی کی طرح سیاہ ہوں گی۔ اہل عرب کالے کو صفری کہتے ہیں۔ کیونکہ کالا اور سفید دونوں رنگ ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض کی رائے ہے کہ آیت میں صفر کے معنی سود کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں۔ اور شرشرۃ کی جمع ہے اور شرار جمع شرارہ کی اور قیرقار کو کہتے ہیں) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ یہ (قیامت کا روز) وہ ہوگا جس میں وہ دُک نہ بول سکیں گے (کچھ بھی) اور نہ ان کو اجازت ہوگی (عذر کی) سو معذرت بھی نہ کر سکیں گے (یسودوں پر عطف ہو رہا ہے بغیر سبب میں شرکت کے۔ اس لئے یہ نفی ہی میں داخل رہے گا۔ یعنی نہ ان کو اجازت ہوگی اور نہ وہ عذر کر سکیں گے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے تم کو (اے اس امت کے جھٹلانے والو!) اور اگلوں کو جمع کر لیا ہے (تم سے پہلے جھٹلانے والوں کو پس تم سب کا حساب کتاب بھی ہوگا اور عذاب بھی ایک ساتھ) سواگر تمہارے پاس کوئی تدبیر ہو (اپنے سے عذاب دفع کرنے کا حیلہ) تو مجھ پر تدبیر چلاؤ (یعنی ضرور کر ڈالو) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔ پرہیزگار لوگ سایوں میں لگے درختوں میں کیونکہ وہاں سورج یا دھوپ تو ہوگی نہیں کہ اس کی گرمی سے بچاؤ کے لئے سایہ حاصل کیا جائے (اور) پانی کے بستے (چشموں میں اور مرغوب میوؤں میں ہوں گے) (اس میں اشارہ ہے کہ جنت میں کھانا پینا سب کی خواہشات کے مطابق ہوگا برخلاف دنیا

کے جو اکثر لوگوں کی رعایت سے ہوتا ہے اور ان سے کہہ دیا جائے گا) خوب مزے سے کھاؤ پیو (حال ہے یعنی خوشی بخوشی) اپنے (نیک) اعمال کے صلہ میں۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں (جیسا ہم نے ان متقیوں کو دیا ہے) اس روز جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی۔ تم کھا لو برت لو (دنیا میں کافروں کو خطاب ہے) تھوڑے دن اور (بس مرنے تک اس میں ان کے لئے دھمکی ہے) تم پاپی ہو۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو (نماز پڑھو) تو نہیں جھکتے (نہیں پڑھتے) اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہو تو پھر اس (قرآن) کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لائیں گے (قرآن کو جھٹلا کر پھر دوسری کتابوں پر کس طرح ایمان لایا جاسکتا ہے کیونکہ جو شان اعجازی اس میں ہے اوروں میں نہیں ہے۔)

**تحقیق و ترکیب:** ..... والمرسلات۔ پانچ قسمیں کھائی گئی ہیں مگر سب کا موصوف محذوف ہے بعض نے سب جگہ ریاہ مقدر مانا ہے اور بعض نے سب جگہ ملائکہ اور بعض نے کہیں ریاہ کو اور کہیں ملائکہ کو مقدر مانا ہے۔ لیکن مفسر علم نے سب سے نرا طرز اختیار کیا ہے۔ پہلی تین قسموں کا موصوف ریاہ کو بنایا ہے۔ اس کے بعد چوتھے نمبر پر فارقات کا موصوف قرآن پاک کو بنایا اور پانچویں قسم کا موصوف ملائکہ۔

عرفاً۔ قاموس میں ہے کہ عرف گھوڑے کی گردن کے بالوں کو کہتے ہیں۔ یہ لغوی معنی ہیں پھر ترتیب کے معنی حقیقۃ عرفیہ بن گئی قوم میں ہے "طار القطان عرفاً" یعنی آگے پیچھے ہو کر کونجیں اڑیں۔ اسی طرح "جاء القوم عرفاً" کے معنی ہیں اور بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ وہ ہوا میں نفع بخش ہیں اور روح البیان میں ہے کہ مرسلات مرسلۃ کی جمع ہے معنی طائفہ۔ گویا فرشتے سالانہ روزانہ ہر وقت یکے بعد دیگرے آتے ہی رہتے ہیں۔ گھوڑے کی گردن پر جو تسلسل کے ساتھ بال ہوتے ہیں ان کو مرسلات کہتے ہیں۔ فرشتوں کے لئے نہایت بلند تشبیہ ہے اور ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مرسلات فرشتے ہیں اور عرف نکر کی ضد ہے۔ یعنی جو فرشتے اوامر و نواہی لاتے ہیں۔ مفسر نے ہوا میں مراد لے کر حال کی وجہ سے منصوب کہا ہے اور فرشتے مراد لینے سے مفعول لہ ہو جائے گا۔

الناشرات۔ نرم ہوائیں جو بارش لاتی ہیں، یا فرشتے مراد ہیں جو اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں یا اللہ کے احکام دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ الملقیات۔ ابن کثیر تو اس پر اجماع نقل کر رہے ہیں کہ فارقات اور ملقیات سے مراد فرشتے ہیں۔ عذراً او نذراً یعنی محققین کا اعذار، اور مبطلین کا انداز، منجانب اللہ معلوم ہوا کہ عذراً، نذراً دونوں مصدر ہیں۔ اگرچہ پہلے عذراً کا مصدر ہونا خلاف قیاس ہے۔ دونوں مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں اور معلل بہ ملقیات ہے اور اعذار سے مراد مخلوق کے عذر زائل کرنا اور انداز کے معنی ڈرانے کے ہیں اور مدارک میں ہے کہ عذر نذر مصدر ہیں۔ عذر کے معنی برائی دور کرنے کے ہیں۔ یا ذکر سے دونوں بدل ہیں اور ذکر سے مراد وحی ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ عذیر و نذیر کی جمع ہے۔ جن کے معنی عاذر اور منذر کے ہیں۔ اس صورت میں دونوں حال کی وجہ سے منصوب اور ابن کثیر، نافع، ابن عامر، ابوبکر کے نزدیک نذراً ضمہ ذال کے ساتھ ہے اور حسن کی قرأت میں عذراً بھی بطریق شذوذ ضمہ ذال کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔

اقت۔ ابو عمرو علی نے اصل پرواؤ کے ساتھ اور باقی چھ قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

لای یوم اجلت۔ جار مجرور، اجلت کے متعلق ہے۔ جملہ متاثرہ ہے یا قول محذوف کا مقولہ ہے۔ ای یقال لای یوم اور یہ قول حال ہو جائے گا۔ اقت کے نائب فاعل سے "لیوم الفصل" سے استفہام تحویل و تعظیم کے لئے ہے۔ عبارت "ویو خدمہ جواب اذا" زخشری کی رائے کے مطابق۔

وما ادراک۔ ما استفہامیہ مبتداء اور ادراک جملہ اس کی خبر ہے اور کاف مفعول اول ہے اور یوم الفصل جملہ قائم مقام مفعول ثانی ہے۔ پہلے استفہام استبعاد و انکار کے لئے اور دوسرا تعظیم کے لئے ہے۔ مفسر کی عبارت دوسرے استفہام سے متعلق ہے پہلے کو بیان نہیں کیا۔

ویل یومئذ مبتداء اگرچہ نکرہ ہے لیکن ثاب ہلاکت و دوام کے لئے رفع کی طرف عدول کر لیا گیا ہے "سلامہ ہلیک" میں بھی یہی صورت ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ ویل کلمہ عذاب و رسوائی ہے۔ اس سورت میں دس بار لایا گیا اس لئے تکذیب کرنے والوں کے برابر طمانچے گائے جائیں تاکہ وہ اپنی روش سے باز آجائیں۔

الم نہلک۔ استفہام تقریری ہے یعنی نفی کے بعد جو چیز ہے اس کے اقرار کے لئے ہے اولین سے مراد حضرت آدم کے وقت سے آنحضرت ﷺ کے وقت تک کفار ہیں اور آخر میں امت محمدیہ کے کافر۔ کذلک ای فعلنا فعلا مثل هذا الفعل۔ غیر کی عبارت میں موصوف محذوف ہے۔

کما تا فعال کا وزن بھی ثلاثی مجرد کئے لئے آتا ہے الکفت کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ مفسر نے اشارہ کر دیا ہے کہ مصدر بمعنی مشتق ہے۔

انطلقوا۔ یہ تاکید ہے پہلے انطلقوا کی۔

ذی ثلاث شعب۔ بقول مفسر دھواں مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کی زبان ہوگی، جو کفار کا احاطہ کر لے گی۔ اور مومن ظل عرش میں ہوں گے۔

لا ظلیل۔ یہ ظل کی صفت ہے اور صفت موصوف کے درمیان نفی کے افادہ کے لئے واسطہ نہیں ہوتا پہلی صفت کو اسم اور دوسری کو فعل لا اشارہ کیا ہے کہ نہ اس میں سایہ کی شان ہوگی اور نہ لپٹوں سے بچاؤ کی کوئی صورت متحدہ اور حادث ہوگی بطور تحکم اس کو ظل کہہ دیا ہے۔ کنین۔ کے معنی سائر اور روک کے ہیں۔

نرمی بشر۔ عام قرأت تو یہی ہے۔ لیکن ابن عباس کی قرأت ثاذا میں دونوں را کے درمیان الف اور شین ملسور ہے اور مفتوح بھی۔ شرر جمع شردہ کی اور شرار بھی شردہ کی جمع ہے جیسے رقبة کی جمع رقاب ہے۔ شرارة چنگاری کو کہتے ہیں۔ ان شراروں کو پہلے تو بڑائی میں محل سے تشبیہ دی پھر رنگ اور کثرت و تسلسل میں اونٹوں سے تشبیہ دی۔ جس طرح جمالت قراءت سبہ میں ہے۔ اسی طرح اخوان اور حفص نے جمالة پڑھا ہے۔ جمالة جمع ہے اور اس میں تاء تانیث جمع کی ہے جمل، جمال، جمالة بولتے ہیں۔ جیسے ذکر، ذکار، ذکارہ، اسی طرح حجر، حجار، حجارہ بولتے ہیں۔ عام نحاۃ کی رائے یہی ہے۔ لیکن ابو البقاء ذکارہ اور حجارہ کی طرح جمالة کو اسم جمع مانتے ہیں البتہ جمالات جمالة کی جمع بھی ہو سکتی ہے اور جمال کی جمع بھی ہو سکتی ہے یعنی جمل کی جمع الجمع اور یہ بھی ممکن ہے کہ جمل مفرد کی جمع ہو۔

• صفر۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ جازی معنی میں ہے۔

هذا یوم لا ینطقون۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ عند ربکم تختصمون۔ لیکن دونوں میں تو رض نہیں ہے۔ کیونکہ قیامت میں مختلف اوقات میں مختلف احوال پیش آئیں گے جیسا کہ ابن عباس سے منقول ہے۔

فیعتذرون۔ مفسر ایک شبہ کا جواب دے رہے ہیں کہ فایا واد کے ذریعہ عطف کرنا معطوف کے نصب کو چاہتا ہے پھر آیت میں رفع کیسے آیا؟ حاصل جواب یہ ہے کہ نصب اس وقت آتا ہے جب کہ نفی سے متسبب ہو جیسے لا یقضی علیہم فیموتوا میں نصب ہے کہ موت معطوف کا سبب منفی ہے۔ لیکن جہاں معطوف متسبب نہ ہو جیسے یہاں لا یؤذن لہم فیعتذرون میں تو نصب کی بجائے رفع آئے گا اور کتاب سمین میں لکھا ہے کہ "فیعتذرون" میں رفع دو طرح ہے۔ ایک تو یہ کہ جملہ متانفہ مانا جائے۔ ای فہم یعتذرون ابوالبقاء اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ کفار ایسی گفتگو نہیں کر سکیں گے جو ان کے لئے نافع ہو، یا یہ معنی ہیں کہ بعض جگہ بولیں گے اور بعض جگہ نہیں بولیں گے اور دوسری صورت رفع کی یہ ہے کہ بقول مفسر یؤذن پر معطوف ہو پس منفی ہوگا اس پر اگر نصب ہوتا تو پھر یہ متسبب عنہ ہوتا۔ ابن عطیہ یہ کہتے ہیں کہ "فیعتذرون" جواب نفی کے موقع پر اس لئے منصوب نہیں ہوا کہ پھر فواصل آیات کی رعایت نہ رہتی گویا اس تو جیبہ کا حاصل محض مناسبت لفظی ہوا اور یہ کہ رفع و نصب دونوں یکساں جائز ہیں حالانکہ دونوں میں فرق ہے۔



جمعنا کم . یوم الفصل کی تقریر اور بیان ہے۔ یعنی فیصلہ کے لئے تمہیں جمع کیا جائے گا اور ”والا ولین“ کا عطف کم پر ہوگا۔ یا یہ کہ مفعول معہ ہے اور قول مقدر کا معمول ہے۔ بقول قرطبی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ و یقال لہم ہذا یوم یفصل فیہ بین الخلاق فکیدونی۔ یعنی اپنے لئے کوئی تدبیر نکالو اور دیکھو کس مرت چھوڑنا۔

فبحسب ما یجد الناس یہ دنیا کے میوں کا بیان ہے کہ موسم پر ملتے ہیں بے موسم نہیں ملتے ”کلوا واشربوا“ مفسر نے پہلے ”یقال لہم“ سے اشارہ کر دیا۔ کہ ضمیر متقین سے حال ہے۔ جو ”فی ظلال“ ظرف میں ہے۔ ای ہم مستقرون فی ظلال مقولا لہم دلک اور بعض کے نزدیک یہ کلام متانف ہے۔

انا کذلک . اس تشبیہ پر یہ اشکال ہو سکتا ہے۔ کہ ”متقین و محسنین“ تو ایک ہی ہیں۔ پس تشبیہ بنفسہ ہوگئی؟ جواب یہ ہے کہ متقین سے اعلیٰ اور کمال درجہ کے لوگ مراد ہیں اور محسنین ان سے کم پس دونوں کے اوصاف میں تو فرق رہا مگر مراتب و درجات برابر کر دیئے گئے۔

فسای حدیث . مفسر نے جو مدعا رکھا ہے کہ قرآن کی موجودگی میں دوسری کتابوں پر ایمان لانا ممکن نہیں ہے مفسر کی دلیل اس کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ ہر چند قرآن دوسری کتابوں سے معجزہ میں بڑھا ہوا ہے مگر پھر بھی ایک شخص زیادہ معجزہ کو چھوڑ کر کم معجزہ پر ایمان لاتا ہے اس لئے مفسر کی تعلیل نتیجہ خیز نہیں رہتی۔ مفسر کو یہ فرمانا چاہئے تھا کہ قرآن چونکہ دوسری کتابوں کا مصدق ہے وہ سب کتابیں اس میں موجود ہیں اس لئے اس کی تکذیب کے بعد ان کی تصدیق و ایمان کا سوال ہی نہیں رہتا۔

رابط آیات : ..... سورہ انسان کی طرح اس سورہ مرسلات میں بھی قیامت کا واقع ہونا اور ان کے احوال اسباب کیفیات کا بیان ہے تاہم دونوں میں یہ فرق ہے کہ سورہ انسان میں زیادہ تر نغمی مضامین تھے اور اس سورت میں زیادہ تر مضامین تریبی ہیں۔ اس لئے دس مرتبہ آیت ویل یومئذ للمکذبین کو دہرایا گیا ہے اور چونکہ جھٹلانے کا تعلق ہر جگہ الگ الگ بات سے ہے۔ اس لئے معنی اس کو تکرار بھی نہیں کہہ سکتے۔ البتہ ظاہر ہے کہ تکرار جب کہ مفید تاکید ہو تو وہ بھی قابل اعتراض نہیں رہ جاتا جیسا کہ سورہ رحمن میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

شان نزول : ..... سورہ مرسلات آنحضرت ﷺ پر ”لیلۃ الجن“ میں نازل ہوئی۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ہمسفر تھا۔ منی کے ایک غار میں ہم ٹھہرے کہ یہ سورت نازل ہوئی ہم ابھی اس کے ورد ہی میں تھے کہ اچانک ایک سانپ برآمد ہوا ہم اس کے مارنے کے لئے جھپٹے کہ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اوقیتہم شوا کما وقیت شرکم . چنانچہ منی کا یہ غار ”غار المرسلات“ سے موسوم ہے۔ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مرسلات سے فرشتے مراد ہیں، جو احکام شرع لانے والے ہیں اسی طرح قوادۃ فارقات سے آیات قرآنی مراد لیتے ہیں اور ابن عباس فرشتے مراد لیتے ہیں۔ جو حق و باطل میں فرق کرنے والے ہیں اور مجاہد ہوائیں مراد لیتے ہیں جو بادلوں کو پراگندہ کر دیتی ہیں۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ فارقات و ملقیات سے بالا جماع ملائکہ مراد ہیں۔

﴿تشریح﴾ : ..... والمرسلات شروع میں ہوا۔ بھینی بھینی اور خوشگوار چلتی ہے جس سے لوگوں کو اچھی توقعات وابستہ ہو جاتی ہیں مگر پھر کچھ دیر بعد ہی وہ ہوا تیز آندھی اور طوفان کی خوفناک کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس سے لوگ بلبلا اٹھتے ہیں۔ پس دنیا و آخرت کا بھی یہی حال ہے کتنے ہی کام ہیں جنہیں لوگ مفید سمجھ کر کرنے لگ جاتے ہیں اور مستقبل کی توقعات قائم کر لیتے ہیں لیکن قیامت میں وہی کام خطرناک رنگ میں جب سامنے آئیں گے تو لوگ چیخ اٹھیں گے۔

مختلف قسمیں اور ان کی مضمون قسم سے مناسبت:..... والنشرات. جو لطیف ہوائیں بخارات کی شکل میں اوپر اٹھتی ہیں اور بادلوں کو فضا میں پھیلا دیتی ہیں پھر حکم الہی کے مطابق انہیں مختلف حصوں میں بانٹ دیتی ہیں اور بارش ہو جانے پر پھر ان بادلوں کو ادھر ادھر، تتر بتر کر دیتی ہیں اور کچھ بادلوں کی خصوصیات نہیں بلکہ چیزوں کی مختلف کیفیات، مثلاً: خوشبو، بد بو وغیرہ بھی ہوا کی بدست پھیل جاتی ہیں۔ غرض کہ جمع و تفریق جو ہوا کا ایک خاصہ ہے وہ آخرت کا ایک نمونہ بھی ہے ”حشر و نشر“ میں یہی جمع و تفریق کا منظر سامنے آجائے گا۔ چنانچہ آگے ارشاد ہے ”ہذا یوم الفصل جمعکم والاولین“ البتہ مفسر آیات قرآنی ”العارقات“ کا مصداق قرار دے رہے ہیں یعنی جس طرح دنیا میں ان سے حق ناحق الگ ہو جاتا ہے آخرت میں بھی اسی طرح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی لگ کر کے رکھ دیں گی۔

فالملقبات. یعنی ان ہواؤں سے اللہ کی یاد دل میں آ جاتی ہے دو وجہ سے اگر خوف ناک ہوائیں ہیں تو آثار خوف نمایاں ہو کر توبہ و استغفار کی توفیق ہوگی اور وہ ہوائیں فرحت بخش ہوں گی تو شکر نعمت کے جذبات دل میں موجزن ہوں گے اور اپنی تقصیرات پیش نظر ہوں گی۔ نیز یہ ہوائیں وحی کی آواز بھی کانوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں گی۔ لیکن مفسر اس سے فرشتے مراد لے رہے ہیں۔ بہر حال روح المعانی میں ان پانچوں قسموں میں تین قسموں کے احتمالات کی تفصیل مذکور ہے اور ”عذراً او نذراً“ کے متعلق حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وحی کے ذریعہ حق تعالیٰ کو کافروں کا یہ الزام اتارنا منظور ہے کہ سزا کے وقت یہ نہ نہیں کہ ہمیں خبر نہیں تھی۔ اور جن کی قسمت میں ایمان ہے ان کو ڈر سنانا ہے۔ تاکہ وہ ایمان لے آئیں اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو کلام الہی امر و نہی، عقائد و احکام پر مشتمل ہے وہ عذر کرنے کے لئے ہے کہ اعمال کی باز پرس کے وقت اس شخص کے لئے دستاویز اور عذر ہو کہ میں نے فداں کام حق تعالیٰ کے حکم سے کیا اور فلاں کام اس کے حکم سے چھوڑ دیا اور جو حصہ کلام کا منقول اور واقعات سے متعلق ہے وہ عموماً خوف دلانے اور ڈرانے کے لئے ہے اور اس سورت میں زیادہ تر کمذہبن و منکرین کی طرف رخ تھا اس لئے بشارت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بہر حال وحی لانے والے فرشتے اور وحی پہنچانے والی ہوائیں شاید ہیں کہ ایک دن ضرور ایسا آنا چاہئے کہ مجرموں کو ان کے کفر کردار تک پہنچایا جائے اور خدا سے ڈرنے والوں کو بالکل یہ مامون و مطمئن کر دیا جائے۔

قیامت کا ہولناک نقشہ:..... فاذا النجوم. سو جب تارے بے نور ہو جائیں، آسمان پھٹ پڑے اور پہرہ زدہ ہونی روئی کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں اور پیغمبر آگے پیچھے مقررہ وقت کے مطابق اپنی اپنی امتوں کے ساتھ دربار الہی میں پیش ہوں گے وقت سب کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اور جانتے ہو کہ ان سب باتوں کو کس دن کے لئے اٹھا رکھا ہے؟ یاد رکھو اس دن آخری اور دو ٹوک فیصلہ ہوگا اس کی حکمت ہی کا تقاضا ہے کہ یہ فیصلہ دنیا کی بجائے آخرت میں ہو ورنہ اللہ چاہتا تو ہر چیز کا فیصلہ ہاتھوں ہاتھ ہو جاتا۔

مکرر آیات کے ہر جگہ نئے معنی:..... ویل یومئذ. اس فیصلہ کے دن کی نسبت بس اتنا سمجھ لو کہ جھٹلنے والوں کو اس روز بڑی بد بختی اور مصیبت سے دو چار ہونا پڑے گا خلاف توقع جب ایک دم حالات سامنے آ جائیں گے تو ہوش اڑ جائیں گے اور سخت مایوسی اور بدحواسی طاری ہو جائے گی۔

الم نھلک الاولین. لوگ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ سب آدمی ایک دم کیسے مرجائیں گے اور کیسے یقین کیا جائے کہ اتنی بڑی دنیا ختم ہو جائے گی؟ دوزخ کا خیال اور عذاب کے ڈر اوے سب فرضی اور مصنوعی ہیں۔ اس کا جواب فرمایا جا رہا ہے کہ پہلے کتنے آدمی اور قومیں تباہ و برباد ہو چکیں اور آج تک بھی موت و تباہی کا یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ پس جب پرانے مجرموں کی نسبت ہماری یہ عادت

معلوم ہو چکی تو سمجھ لو کہ اب ہم ان کافروں کو بھی ان ہی کے پیچھے چلتا کر دیں گے آخر ہماری قدرت میں کچھ فرق آ گیا ہے۔  
ویل یومئذ۔ ایسے جھٹلانے والوں کی اس روز اچھی طرح خبر لیں گے اور خاص درگت بنائیں گے۔

الم بخلقکم۔ ماں کے رحم اور بچہ دانی میں اکثر نو مینے تک اس پانی کی بوند کو بتدریج مختلف مراحل سے گزار کر جیتا جاگتا اچھا خاصا انسان بنا دیا جاتا ہے۔ اس سے اللہ کی عظیم قدرت اور کاریگری کا اندازہ کر لو اور یہ کہ کیا دوبارہ انسان کو زندہ نہیں کیا جاسکتا اور ”قدرنا“ کے معنی اندازہ کرنے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی کیسے صحیح اندازہ سے ہم نے انسان کو بنا دیا کہ اتنی سی مدت میں کوئی ضروری چیز نہیں رہ گئی اور کوئی بے کار چیز زائد نہیں آ گئی۔

ویل یومئذ للمکذبین۔ جو لوگ مرکز زندہ ہونے کو محال سمجھا کرتے اور اس عقیدہ کا مذاق اڑایا کرتے وہ اس وقت اپنے لپچر شبہات پر شرمندہ ہوں گے اور کف افسوس ملیں گے۔

مر کر جب زمین ہی ٹھکانا ہے تو پھر دوبارہ اسی سے اٹھانا کیوں مشکل ہے؟..... الم نجعل الارض  
زمین کو دیکھو زندہ بھی اسی پر رہتے ہیں اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں انسان کو زندگی بھی اسی مٹی سے ملی اور مر کر بھی اسی میں کھپتا ہے۔ جب یہی ٹھکانا ہے، پھر دوبارہ اسی سے اٹھادینا کیوں مشکل ہوگا؟ پھر جو خدائے قادر نے اسی زمین پر پہاڑ جیسے مضبوط، وزنی، سخت، دیو بیکل پیدا کر دیئے جو ذرائع سے مس نہیں ہوتے اور اسی زمین میں پانی جیسی سیال اور رقیق و نرم چیز پیدا کر دی جو بہت رہتا ہے اور پینے والے آسانی سے پی جاتے ہیں۔ پس اللہ جب اسی ذرا سی زمین پر اپنی قدرت کے متضاد کرشمے دکھلاتا رہتا ہے کیا وہ قیامت میں نجات و عذاب کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا؟ پھر ایسی ہستی کی قدرت و نعمت کو جھٹلانا کیا معنی؟

ویل یومئذ للمکذبین۔ ان جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہوگی جو یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ایک جگہ اور ایک وقت میں ساری دنیا کو ثواب و عذاب دینا کیسے ہو سکے گا؟

انطلقوا۔ کفار سے قیامت کے روز کہا جائے گا چلو ذرا اپنے جھٹلانے کا انجام بھی دیکھ لو وہ سامنے جو دوزخ کا دھواں اٹھ رہا ہے جسے تم سائبان سمجھو گے بقول قنادہ پھٹ کر اس کے تین ٹکڑے ہو جائیں گے ہر ایک کو تین طرف سے گھیر لے گا۔ ایک ٹکڑا سر پر اور دو ٹکڑے دائیں بائیں۔ حساب سے فارغ ہوتے ہی یہ منکرین تو اسی دھوئیں کے سائبان میں رہیں گے اور ایمان دار عرش بریں کے سایہ میں آرام و اطمینان کھڑے ہوں گے۔ وہ دھواں بس نام کو سایہ ہوگا ورنہ بیرونی و اندرونی تپش و تمازت رہے گی اور اس سے اڑتی و ہونکی چنگاریاں یا انگارے بڑے بڑے محل کے برابر ہوں گے۔ دھوئیں کو محل سے تشبیہ اگر بلندی میں ہے تب تو اونٹ سے بڑے اور پھیپے ہوئے ہونے میں ہوگی لیکن اگر محل سے تشبیہ بڑے ہونے میں ہے تو پھر اونٹ کے ساتھ تشبیہ دھولے اور نمیا لے ہونے میں ہوگی جو سیاہی کے قریب ہوتا ہے اور یا دونوں ملا کر یہ مطلب ہوگا کہ پہلے دھواں محل کے برابر آئے گا اور پھر مختلف ٹکڑے ہو کر اونٹ کی طرح ہو جائے گا اونٹوں کے ساتھ اہل عرب کی رعایت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ویل یومئذ للمکذبین۔ ان جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہوگی جو یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اول تو قیامت آئے گی نہیں اور آئی بھی تو یار لوگ مزہ میں رہیں گے۔

قیامت کی ہیبت اور وحشت:..... هذا یوم لا ینطقون۔ روز محشر کفار کہیں بول بھی نہ سکیں گے اور کہیں بولیں گے بھی تو بے فائدہ اس لئے بولنا نہ بولنا برابر رہے گا کیونکہ اب معذرت اور توبہ کا وقت گزر چکا ہے اب ان لوگوں کی تباہی کا وقت آ گیا ہے

جنہوں نے اللہ احکم الحاکمین کی بارگاہ کو یہ سمجھ رکھا تھا کہ دنیا کی عدالتوں کی طرح وہاں بھی کچھ دے دلا کر، زبان چل کر چھٹی ہو جائے گی۔  
 هذا يوم الفصل . پہلے سب کو اکٹھا کر کے آخری فیصلہ سنا دیا جائے گا پھر ان کو الگ الگ کر دیا جائے گا اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ وہ ہم نے تمہیں جمع کر دیا ہے اور اب آپس میں صلاح کر لو اور جو تدبیریں ہماری گرفت سے نکلنے کی ذہن میں آئیں کر لکھو۔  
 ویل یومئذ للمکذبین . ان بدبختوں کی آج شامت آئے گی، جو دوسروں کے سہارے تک رہے تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہمیں چھڑالیں گے۔

دوزخیوں سے جنتیوں کا تقابل :..... ان المتقین . ترہیب کے بعد ترغیبی مضمون ہے ارشاد ہے کہ دوزخیوں کے سایہ کا ذکر تو گزر چکا۔ لیکن جنتیوں کو عرش کا اور پھر جنت کا سایہ نصیب ہوگا کھانے پینے اور نوا کہات کی افراط اور بہتات ہوگی اور جلد دیا جائے گا کہ فضل الہی سے یہ تمہارے کئے کا پھل ہے اپنی محنت کا پھل کھا کر اب مگن رہو۔

ویل للمکذبین . مگر ان لوگوں کی سختی آگئی جو دنیا میں کہا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد اگر دوبارہ زندہ ہونا پڑا تو یاروگ وہاں بھی مزے میں رہیں گے اب مسلمانوں کو سکھ میں اور خود کو دکھ میں دیکھ دیکھ کر اور بھی جلیں بھنیں گے۔

کلوا و تمتعوا . یعنی اے مکذبین! دنیا میں چندے مزے اڑالو آخر یہ کھایا پیسا ب نکلے گا تم بکے مجرم ہو اس لئے سزا بھی پکی ہوئی چاہئے اور جس طرح پھانسی پانے والے سے آخری طور پر اس کی خواہش کو پورا چھا جاتا ہے اسی طرح ان کو آخری موقع دیا جا رہا ہے۔

ویل للمکذبین . بربادی ہے ان لوگوں کی جو دنیا کی بہاروں اور مزاروں پر رہتے تھے اور جس کوریشم کی ڈوری سمجھ کر گلے میں ڈالا تھا وہ کالا ناگ تھا۔ جب ان سے کہا گیا کہ نماز میں خاص طور سے یا عام احکام میں اللہ کے آگے جھکو تو نہیں جھکتے۔

ویل یومئذ لیکن آخر کو یہ لوگ پچھتا میں گئے کہ کیوں نہ اللہ کے آگے جھکے وہاں سر جھکاتے تو آج سر بلند ہوتے۔  
 فای حدیث . قرآن جیسی معجز کتاب بھی اگر ان پر اثر انداز نہ ہو سکی تو پھر آخر کس بات پر ایمان لائیں گے قرآن کے بعد کوئی اور کتاب آئے گی جس کے یہ منتظر ہیں؟ اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل .

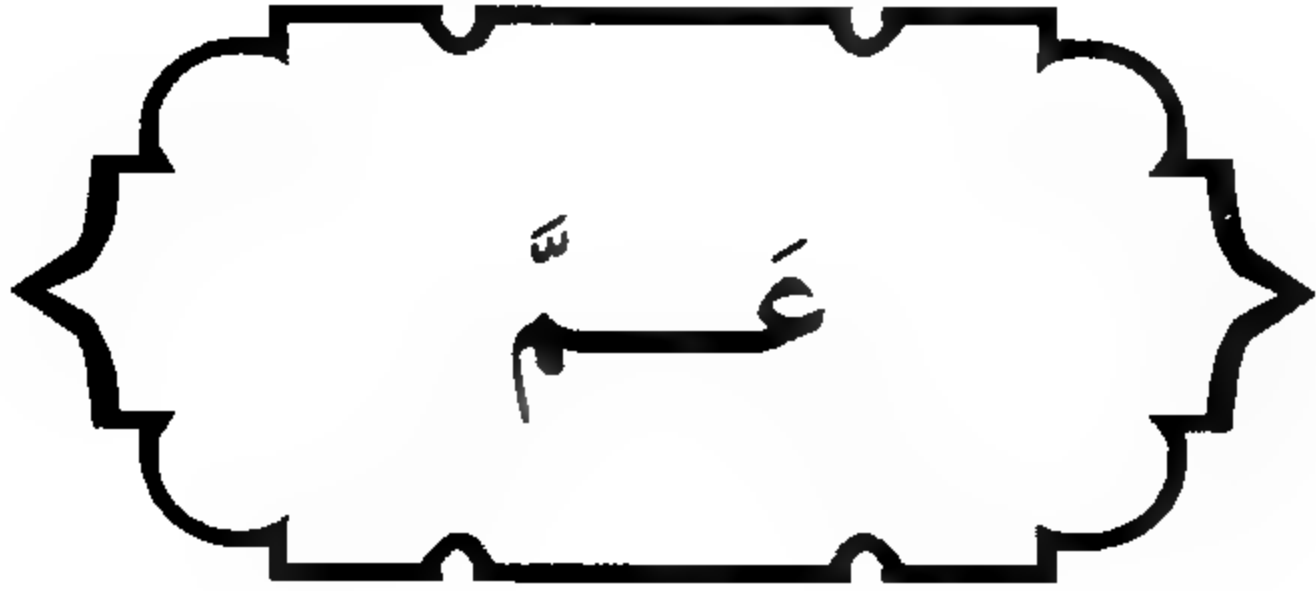
لطايف سلوک : .. انطلقوا الى ظل . روح المعانی میں ہے کہ تین کی تخصیص یا تو اس لئے ہے کہ نفس کے لئے تین حجابات ہیں جو انوار قدس میں مانع ہیں۔ (۱) حس (۲) خیال (۳) وہم اور یہ نخل علم ہیں اور یا اس لئے ہے کہ عذاب تک لے جانے والی تین قوتیں ہیں۔ ۱۔ وہم ۲۔ غصہ ۳۔ شہو ۴۔ اور یہ نخل عمل ہیں۔

واذا قيل لهم . یعنی تو اضع و خشوع اختیار کرو اور کبر و نخوت کو چھوڑ دو جو قبول حق سے مانع ہے۔

(نم بحمد الله وبفضله لحصة من التفسيرات الاحكاميه ومن البيان والمسائل السلوك

والفوائد العمالي وغيرها) (لسابع عشر رمضان ۱۳۹۷ھ يوم الجمعة)

پارہ نمبر (۳۰)



## فہرست پارہ ﴿عم﴾

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۶۱۹	قیامت کے ہونے میں آخر کیا تردد ہے	۶۰۰	قیامت کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں
۶۱۹	امام راغب کی تحقیق ایک واضح مثال	۶۰۰	قیامت جب حقیقت بن کر سامنے آئے گی
۶۲۷	ایک واضح مثال	۶۰۱	ایک علمی نکتہ
۶۲۷	دواجہتہ	۶۰۱	زمین کی حرکت و سکون
۶۲۷	محققانہ کلام	۶۰۱	دنیاوی رشتے نا طے آخرت میں ایک حد تک ختم ہو جائیں گے
۶۲۸	دعوت و تبلیغ کا ایک نکتہ	۶۰۲	دنیا میں سونے اور آخرت میں نہ سونے کی حکمت
۶۲۹	بغیر قرآن چھوٹا جائز نہیں ہے	۶۰۲	جنت میں دن رات نہ ہونے کی حکمت
۶۲۹	قرآن خود معظم ہے وہ کسی کی تکریم کا محتاج نہیں	۶۰۳	نظام شمسی میں قوت الہی
۶۲۹	قرآن کا ادبیانہ طرز کلام	۶۰۳	بارش بے شمار نعمتوں کا مجموعہ ہے
۶۳۰	مفرد انسان اپنے حقیقت پر نظر رکھے	۶۰۳	دلائل قدرت قیامت کی دلیل ہیں
۶۳۰	انسان کی بے بسی	۶۰۴	قیامت عقلاً بھی ضروری ہے
۶۳۱	ہر چیز اللہ کے حکم کے آگے سرگودھے مگر انسان سرکش ہے	۶۰۴	قیامت میں مختلف کیفیات ظاہر ہوں گی
۶۳۱	انسان کی بقا کے لئے سامان زندگی	۶۰۴	یہ جنت کا طرح دوزخ بھی کبھی فنا نہیں ہوگی
۶۳۱	قدرت کی کرشمہ سازی	۶۰۵	کیا کفر و شرک محد و د اور سزا الہیہ محدود ہے
۶۳۸	زمینی چیزیں بھی تہہ بالہ ہو جائیں گی	۶۰۵	کفر و شرک کا تعلق دل سے پھر حسی سزائیں کیوں؟
۶۳۹	قیامت کا دوسرا مرحلہ	۶۰۶	جنتیوں کی عمر میں فرق کا نکتہ
۶۳۹	زندہ درگولہ کیوں کی پتا	۶۰۶	دنیا اور جنت کے لڈائمنڈ میں فرق
۶۳۹	ایک لڑکی کی دکھ بھری داستان	۶۰۶	جنت کی نعمتوں میں فرق طبعی اسباب سے نہیں ہے بلکہ فضل الہی سے ہوگا۔
۶۴۰	اسلام کی عظیم الشان برکات	۶۷۰	مراۓ سے یا مراد ہے
۶۴۱	قیامت کی ہولناکی کا نقشہ	۶۷۰	شفاعت کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں
۶۴۲	جبرئیل امین اور رسول کریم	۶۸۰	قیامت کے قریب سونے کا کیا مطلب ہے
۶۴۲	رسول کریم نہ اپنے ظن و تخمین سے کہتے ہیں اور نہ وحی کے بیان کرنے پر بخل کرتے ہیں	۶۸۰	اندکی ایک جھڑک
		۶۱۸	

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۷۰۶	انسان کی بھائی زندگی	۶۳۳	قرآن کو شیطان کا کلام کیسے کہا جاسکتا ہے
۷۰۷	انسان کی بڑی بھول	۶۳۷	انسان کی خود فریبی
۷۰۷	انسان کی فضول خرچیاں	۶۳۷	انسان خود فریبی کا کار
۷۰۷	بشواری گزار گھائی	۶۳۷	انسان کا سر اللہ کے آگے جھک جانا چاہئے تھا
۷۱۲	برائی اچھائی کا الہام	۶۳۸	انسان کی ساری زندگی ریکارڈ ہو رہی ہے
۷۱۳	کون کامیاب ہے اور کون ناکام	۶۳۸	انسان کا حکم عمل فرشتوں کے سامنے رہتا ہے
۷۱۳	کوئی چیز نیکی ہے اور کوئی بدی ہے	۶۳۸	جنت و راس کی بہار و انجی ہے
۷۱۴	ایک تاریخی نظیر	۶۵۵	میں دین میں برابری اور یکسانیت ہونی چاہئے
۷۱۴	فرمانی معجزہ	۶۵۶	تجربہ کیا ہے اور کہاں ہے؟
۷۱۹	تین جامع بنیادیں	۶۵۶	قرآن انسان کے کتاب نہیں ہے
۷۲۰	راستہ آسان ہونے کا مطلب	۶۵۶	عالمیں کیا ہیں اور کہاں ہے؟
۷۲۱	اللہ کا نام اور انعام	۶۵۷	دوسروں پر ہنسے کا نچوڑ
۷۲۶	قسم اور جواب قسم میں مناسبت	۶۵۷	یک سبق آموز نصیحت
۷۲۷	حالات کے مد و جزر کی مصالح	۶۶۳	پورا کرو زمین ہموار میدان ہو جائے گا
۷۲۷	حضور پر انعامات الہی کی بارش	۶۶۳	انسان محنت کرے اپنی عاقبت سنوارے یا بگاڑے بتاتا ہے
۷۲۷	قیموں پر مہر ہوتا ہے نہ کہ قہر	۶۶۳	نیوں اور بدوں کے مختلف انجام
۷۲۸	نازک مقام	۶۶۴	اللہ کے عدل و انصاف کا تقاضا
۷۲۸	اداری کے بعد فنا	۶۶۵	قرآن کے ادب کا تقاضا
۷۲۹	قیموں کا ٹھکانہ	۶۷۱	اچھائی کے سوا ان میں کوئی برائی نہ تھی
۷۲۹	سوال کا جواب تشفی بخش ہونا چاہئے	۶۸۲	مال کی ہر چیز نہایت حکمت و دانائی سے بنائی ہے
۷۲۹	نعمتوں کی شکرگزاری	۶۸۳	بہار و خزاں کی کرشمہ سازیاں
۷۳۳	شرح صدر کا مطلب کیا ہے	۶۸۳	دعوت و تبلیغ کا ایک نکتہ
۷۳۳	بوجھ اتارنے کا کیا مقصد	۶۸۴	صل کا میابی کس کی ہے
۷۳۴	فکر خدا اور ذکر رسول	۶۹۸	دوزخیوں کا حال
۷۳۴	حضور کی شہرت و مقبولیت	۶۹۰	خلیقوں کا حال
۷۳۴	مشکلیں اتنی پزیر کہ آسان ہو گئیں	۶۹۰	قدرت کی کرشمہ سازیاں
۷۳۸	قیامت کا انکار باعث حیرت ہے	۶۹۱	نصیحت کرنے میں تاثیر کا انتظار کرنا چاہئے
۷۳۹	شبائے کائنات	-	قیامت کے واقع ہونے پر تاریخ سے اسناد ال
۷۴۵	خواب اقرار بھی اقراء کے حکم میں داخل	۶۹۹	مد و راسخوں تھے؟
۷۴۶	اسباب علم	۷۰۰	سرکش قوموں کا انجام
۷۴۶	مقام عبودیت سب سے عفا ہے	۷۰۱	مال کی محبت ہی سب سے بڑا نقص ہے
۷۴۷	نماز سب سے زیادہ قرب الہی کا ذریعہ ہے	۷۰۱	نفس مطمئنہ کیا ہے



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۸۰۰	گرد و پیش کے حالات	۷۵۰	قرآن کب اور کتنی مدت میں نازل ہوا
۸۰۰	غش گوئی پوری ہوگئی	۷۵۱	شب قدر پر دو شکل اور ان کا جواب
۸۰۰	چند سال میں عرب کی کا یہ پلٹ	۷۵۵	بت پرست اور اہل کتاب میں نام اور احکام فرق
۸۰۵	اللہ کے سوا سب معبود باطل ہیں	۷۵۵	مراتب غر بھی مراتب ایمان کی طرح مختلف ہیں
۸۰۶	کلام میں تاکید اگرچہ بلاغت ہے لیکن تائیس ابلغ ہے	۷۵۶	اہل کتاب پر تمام حجت ہو چکا ہے
۸۱۱	فتح سے عام مراد لینا زیادہ عمدہ ہے	۷۵۷	اہل ایمان کی بہترین مخلوق ہونے کی وجہ
۸۱۱	اسلام کی فتح کا ایک اور پہلو	۷۶۰	زمین اپنے خزانے اور سب چیزیں قیامت کے دن اگل دے گی
۸۱۱	حضور کے استغفار کرنے کا مطلب	۷۶۱	قیامت کے روز زمین مالی خبریں نشر کرے گی
۸۱۸	برے وقت پر نہ مال کام آتا ہے اور نہ اولاد	۷۶۲	بلجیظ اعمال لوگوں کی ٹولیاں بنا دی جائیں گی
۸۲۱	بی جہالو کا کردار	۷۶۲	زندگی بھر کا کچا چٹھا سامنے آ جائے گا
۸۲۱	خدا سونے چاندی وغیرہ سے نہیں بناوہ تو ان چیزوں کا بنانے والا ہے	۷۶۵	انسان خود اپنی حالت پر گواہ ہے
۸۲۱	اللہ کی احدیت اور واحدیت	۷۶۶	انسان پر تب حقیقت کھلے گی جب عالم حقائق سامنے آئے گا
۸۲۲	فرق باطلہ پرورد	۷۶۹	وزن اعمال
۸۲۲	صدق کی جامع تفسیر	۷۷۲	فخر و مہاحات کا انجام
۸۲۳	خدا کے بارے میں قدیم تصورات		انسان دلائل سے آنکھیں بند کئے رہتا ہے
۸۲۳	خدا تعالیٰ جاہلانہ خیالات سے پاک ہے	۷۷۳	نعمتیں کی پریش سب سے ہوگی
۸۲۹	پناہ میں آنے کے دو طریقے	۷۷۶	زمانہ کیا ہے
۸۲۹	مخلوق کا اثر	۷۷۷	زندگی کا نفع نقصان
۸۳۰	اللہ کے تمام خیر افعال خیر ہیں	۷۷۷	زندگی خسراں سے بچانے کیلئے چار باتیں ضروری ہیں
۸۳۱	حضور ﷺ پر جادو کا اثر نبوت کے خلاف نہیں ہے	۷۷۸	اعمال صالحہ
۸۳۲	جادو کے مقابلے میں وحی کے اثرات	۷۸۰	بد خصلت انسان کے لئے تباہی ہے
۸۳۲	غیبر نے کبھی اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا	۷۹۰	قریش کی تجارت اور اس کا پس منظر
۸۳۲	کافر حضور ﷺ کو سرزدہ کہتے تھے	۷۹۱	جس گھ کی بدولت عزت و روزی اس کا حق ادا کرو
۸۳۳	جادو محض شعبہ بازی نہیں بلکہ اس کی تاثیر واقعی ہوتی ہے	۷۹۲	اخلاقی پستی کی انتہا
۸۳۳	بعض جادو کنفر ہے اور بعض معصیت	۷۹۳	بخل کی حد بندی نہیں بلکہ بطور تمثیل دو چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے
۸۳۳	جہاز پھونک پر اجرت کی اجازت	۷۹۳	نمازیوں پر نماز کا رد بار
۸۳۵	اعلیٰ درجہ کا توکل	۷۹۵	نماز بے حضوری
۸۳۵	سورۃ فاتحہ اور معوذتین میں مناسبت	۷۹۵	ریا کاری ایک طرح کا شرک ہے
۸۵۴	غواہیت و ضلالت کا فرق	۷۹۶	کنجش کے لئے مال و جان آن سے بھی زیادہ عزیز ہے
		۷۹۹	کوثر کیا ہے؟

## سُورَةُ النَّبَاِ

سُورَةُ النَّبَاِ كَيَّةٌ اِحْدَى وَاَرْبَعُوْنَ اَيَّةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ عَنْ اَيِّ شَيْءٍ يَتَسَاءَلُوْنَ ﴿١﴾ يَسْأَلُ بَعْضُ قُرَيْشٍ بَعْضًا عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿٢﴾ تَبَيَّنَ لِكَذَلِكَ الشَّيْءُ  
وَالِاسْتِفْهَامُ لِتَفْخِيْمِهِ وَهُوَ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْقُرْآنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى الْبَعْثِ وَغَيْرِهِ  
الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ﴿٣﴾ فَالْمُؤْمِنُونَ يُثَبِّتُوْنَهُ وَالْكَافِرُونَ يُتَكَبَّرُوْنَ كَلَّا رَدِّعْ سَيَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ مَا يَحُلُ  
بِهِمْ عَنْ اِنْكَارِهِمْ لَهُ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿٥﴾ تَاكِيدٌ وَجِيءٌ فِيهِ بِشَمِّ لِلْاِيْذَانِ بِاَنَّ الْوَعِيْدَ الثَّانِيَّ اَشَدُّ مِنَ  
الْاَوَّلِ ثُمَّ اَوْمَأَتْ عَلٰى اِلَى الْقُدْرَةِ عَلَى الْعَبَثِ فَقَالَ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهْدًا ﴿٦﴾ فِرَاشًا كَالْمِهْدِ  
وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿٧﴾ يَثْبُتُ بِهَا الْاَرْضُ كَمَا يَثْبُتُ الْخِيَامُ بِالْاَوْتَادِ وَالِاسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ وَخَلْقُنَاكُمْ  
اَزْوَاجًا ﴿٨﴾ ذِكْرٌ اَوْ اِنَّا وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٩﴾ رَاحَةً لِاَبْدَانِكُمْ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ سَاتِرًا  
بِسَوَادِهِ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾ وَقَتَالِ الْمَعَاشِ وَبَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا سَبْعَ سَمَوَاتٍ شِدَادًا ﴿١٢﴾ جَمْعُ  
شَدِيْدَةٍ اَيُّ قُوَّةٍ مُحْكَمَةٍ لَا يُؤَثِّرُ فِيْهَا مُرُورُ الزَّمَانِ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا مُنِيرًا وَهَاجًا ﴿١٣﴾ وَقَادًا يَعْنِي الشَّمْسُ  
وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ السَّحَابَاتِ الَّتِي حَانَ لَهَا اَنْ تَمْطُرَ كَالْمُعْصِرِ الْحَارِيَّةِ الَّتِي دَنَتْ مِنَ الْحَيْضِ  
مَاءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾ صَبَابًا لِّنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا كَالْحِنْطَةِ وَنَبَاتًا ﴿١٥﴾ كَالْتِّينِ وَجَنَّتْ بِسَاتِيْنِ الْفَافَا ﴿١٦﴾ مُنْتَفَةً  
جَمْعُ لَفِيْفٍ كَشْرِيْفٍ وَاشْرَافٍ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ بَيْنَ الْخَلَائِقِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿١٧﴾ وَقَتًا لِلثَّوَابِ وَالْعِقَابِ  
يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ الْقَرْنُ بِدَلٍّ مِنْ يَوْمِ الْفَصْلِ اَوْ بَيَانٍ لَهُ وَالنَّافِخُ اِسْرَافِيْلُ فَتَأْتُونَ مِنْ قُبُورِكُمْ اِلَى  
الْمَوَاقِفِ اَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ جَمَاعَاتٍ مُخْتَلِفَةً وَقُتِحَتِ السَّمَاءُ بِالتَّشْدِيْدِ وَالتَّخْفِيْفِ شَقِقَتْ لِنُزُولِ  
الْمَلَائِكَةِ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ ذَاتِ اَبْوَابٍ وَسِيرَتِ الْجِبَالُ ذُهَبَ بِهَا عَنْ اَمَاكِنِهَا فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾

هَسَاءٌ أَى مِثْلِهِ فِى حِمْمَةٍ سِيرِهَا إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٧٨﴾ رَاصِدَةً أَوْ مِرْصَدَةً لِلطَّغْيِينِ الْكَافِرِينَ  
فَلَا يَتَخَاوَرُونَ بِهَا مَآبًا ﴿٧٩﴾ مَرَجَعَالَهُمْ فَيَذْخُلُونَهَا لِبِئْسَ خَالٍ مُّقَدَّرَةٌ أَى مُقَدَّرُ الْبُتْهُمْ فِيهَا أَحْقَابًا ﴿٨٠﴾  
دُھورًا لَابْهَائَةً لَّهَا جَمْعُ حُقَبٍ بِضَمِّ أَوَّلِهِ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا نَوْمًا وَلَا شَرَابًا ﴿٨١﴾ مَا يَشْرَبُ تَلْدُدًا  
إِلَّا تَكُنْ حَمِيمًا مَاءٌ حَارًّا غَايَةَ الْحَرَارَةِ وَغَسَاقًا ﴿٨٢﴾ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ مَا يَسِيلُ مِنْ صَدِيدِ أَهْلِ  
النَّارِ فَإِنَّهُمْ يَذُوقُونَهُ جُوزُوا بِذَلِكَ جَزَاءً وَفَاقًا ﴿٨٣﴾ مُوَافِقًا لِعَمَلِهِمْ فَلَا ذَنْبَ اعْظُمَ مِنَ الْكُفْرِ وَلَا  
عَذَابَ اعْظُمَ مِنَ النَّارِ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿٨٤﴾ لِانْكَارِهِمُ الْبَعْثَ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا  
الْقُرْآنِ كَذِبًا ﴿٨٥﴾ تَكْذِيبًا وَكُلَّ شَيْءٍ مِنَ الْأَعْمَالِ اخْصَيْنَاهُ ضَبْطًا ﴿٨٦﴾ كِتَابًا ﴿٨٧﴾ فِى التَّوْحِ الْمَحْفُوطِ  
السَّحَارِى عَلَيْهِ وَمِنْ ذَلِكَ تَكْذِيبُهُمُ بِالْقُرْآنِ فَذُوقُوا أَى فَيُقَالُ لَهُمْ فِى الْآخِرَةِ عِنْدَ وَقُوعِ الْعَذَابِ عَلَيْهِمْ  
عَذُوقُوا حَرًّا كُمْ فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٨٨﴾ فَوْقَ عَذَابِكُمْ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَقَارًا ﴿٨٩﴾ مَكَانَ فَوْرٍ فِى  
الْجَنَّةِ حَدَائِقَ بَسَائِتِينَ بَدَلٌ مِنْ مَقَارًا أَوْ بَيَانٌ لَهُ وَأَعْنَابًا ﴿٩٠﴾ عَطْفٌ عَلَى مَقَارًا وَكَوَاعِبُ حَوَارِى  
تَكَعَّبَتْ لَذِيهِنَّ جَمْعُ كَاعِبٍ أَتْرَابًا ﴿٩١﴾ عَلَى سِنٍّ وَاحِدٍ جَمْعُ تَرَبٍّ بِكُسْرِ التَّاءِ وَشُكُوبُ الرَّاءِ وَكَأْسًا  
دِهَاقًا ﴿٩٢﴾ حَمْرًا مَالِئَةً مَحَالَهَا وَفِى الْقِتَالِ وَأَنْهَرُ مِنْ حَمْرٍ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا أَى الْجَنَّةِ عِنْدَ شَرْبِ  
الْحَمْرِ وَغَيْرِهِ مِنَ الْأَحْوَالِ لَغَوْا بِاطِلَالٍ مِنَ الْقَوْلِ وَلَا كَذِبًا ﴿٩٣﴾ بِالتَّخْفِيفِ أَى كِذَابًا وَبِالتَّشْدِيدِ أَى  
تَكْذِيبًا مِنْ وَاحِدٍ لَغْوِهِ بِخِلَافٍ مَا يَقَعُ فِى الدُّنْيَا عِنْدَ شَرْبِ الْحَمْرِ جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ أَى جَارًا هُمُ اللَّهُ  
بِذَلِكَ جَزَاءً عَطَاءً بَدَلٌ مِنْ جَزَاءٍ حِسَابًا ﴿٩٤﴾ أَى كَثِيرًا مِنْ قَوْلِهِمْ أَعْطَانِى فَأَحْسَبِى أَى أَكْثَرَعْنِى  
حَتَّى قُنْتُ حَسْبِى رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِالْجَرِّ وَالرَّافِعِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَنُ كَذَلِكَ وَبَرَفَعَهُ مَعَ  
حَرِّ رَبِّ السَّمَوَاتِ لَا يَمْلِكُونَ أَى الْخَلْقُ مِنْهُ تَعَالَى خُطَابًا ﴿٩٥﴾ أَى لَا يَقْدِرُ أَحَدٌ أَنْ يُخَاطِبَهُ خَوْفَاتُهُ  
يَوْمَ طَرَفٌ لَا يَمْلِكُونَ يَقُومُ الرُّوحُ جَبْرِيلُ أَوْ جُنْدُ اللَّهِ وَالْمَلَكَةُ صَفَاءٌ حَسْبُ أَى مُصْطَفِي  
لَا يَتَكَلَّمُونَ أَى الْخَلْقُ الْأَمْنُ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ فِى الْكَلَامِ وَقَالَ قَوْلًا صَوَابًا ﴿٩٦﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ  
وَالْمَلَائِكَةِ كَأَن يَشْفَعُوا لِمَنْ ارْتَضَى ذَلِكَ الْيَوْمَ الْحَقُّ الثَّابِتُ وَقُوعُهُ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ فَمَنْ شَاءَ  
اتَّخَذَ إِلَى رَبِّهِ مَآبًا ﴿٩٧﴾ مَرَجَعًا أَى رَجَعَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى بِطَاعَةٍ لِيَسْلَمَ مِنَ الْعَذَابِ بِهِ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ  
أَى كُفَّارُ مَكَّةَ عَذَابًا قَرِيبًا أَى عَذَابَ يَوْمِ الْقِيَمَةِ الْآتِى وَكُلُّ ابْنٍ قَرِيبٌ يَوْمَ طَرَفٌ لِعَذَابٍ بِصِفَتِهِ يَنْظُرُ  
بِالْمَرْءِ كُلِّ امْرَأٍ مَا قَدَّمَتْ يَدُهُ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا خَرَفَ تَبِيهِ لِيَتَنَبَّأَ كُنْتُ تُرَابًا ﴿٩٨﴾

يَعْنِي فَلَا أُعَذِّبُ يَقُولُ ذَلِكَ عِنْدَ مَا يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى لِلْبَهَائِمِ بَعْدَ الْإِقْتِصَاصِ مِنْ بَعْضِهَا لِبَعْضٍ كَوَيْ تَرَانَا  
سورہ نبا مکہ ہے جس میں ۳۱ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: .... یہ لوگ کس چیز کا حال دریافت کرتے ہیں (قریش ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں) اس بڑے واقعہ کا حال دریافت کرتے ہیں (یہ اس چیز کا بیان ہے اور استفہام اس کی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے اور وہ آنحضرت ﷺ کا لایا ہوا قرآن ہے جس میں قیامت وغیرہ کا بیان ہے) جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں (مومن تو اس کو ثابت کرتے ہیں لیکن کافرانکار کرتے ہیں) ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (کہ ان کے انکار پر کیا بلا نازل ہوتی ہے) پھر ہرگز ایسا نہیں ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے (یہ تاکید ہے اور ٹسم سے اشارہ ہے کہ دوسری وعید پہلی سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ پھر آگے حق تعالیٰ قیامت پر قدرت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ ارشاد ہے) کیا ہم نے زمین کو فرش (مثل بستر) اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا (ان سے زمین تھم گئی جیسے خیمہ کھمبوں پر تھما ہوتا ہے۔ اس میں استفہام تقریری ہے) اور ہم ہی نے تمہیں جوڑہ جوڑہ (مرد و عورت) بنایا اور ہم ہی نے تمہارے سونے کو راحت (بدن کے آرام) کی چیز بنایا۔ اور ہم ہی نے رات کو پردہ (اپنی اندھیر میں چھپا دینے والی چیز) بنایا اور ہم ہی نے دن کو معاش کا وقت (دھندہ کرنے کے لئے) بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے (شداد، شدیدہ کی جمع ہے یعنی نہایت طاقتور جس پر پرانا ہونے کا کچھ اثر نہیں پڑتا) اور ہم ہی نے ایک روشن چراغ (دیکھتا ہوا یعنی آفتاب) بنایا اور ہم ہی نے پانی بھرے بادلوں سے برسایا (جو بادل برسنے کے قریب ہوتے ہیں۔ وہ اس جو ان لڑکی کی طرح ہوتے ہیں جو قریب آنحضرت ہو) بہت سا پانی (موسلا دھار بارش) تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ غلہ (جیسے گیہوں) اور بھوسہ (تھکے) اور گنجان باغ پیدا کریں (لپٹے ہوئے۔ لفیف کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشراف ہے) بے شک فیصلہ کا دن (مخلوق کے درمیان) ایک مقررہ وقت ہے (ثواب و عذاب کے لئے) یعنی جس دن صور پھونکا جائے گا (صور کے معنی سینک کے ہیں "يوم الفصل" کا بدل یا بیان ہے اور صور پھونکنے والے اسرائیل علیہ السلام ہوں گے) پھر تم لوگ (اپنی قبروں سے موقف کی طرف) گروہ درگروہ (مختلف جگہ) ہو کر آؤ گے اور آسمان کھل جائے گا (تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ فرشتوں کے اترنے کے لئے پھٹ جائے گا) پھر اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ بٹا دیئے جائیں گے (اپنی جگہ سے ٹل جائیں گی) اور ریت کی طرح ہو جائیں گے۔ (غبار یعنی ہلکے پھلکے) بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے (تاک میں ہے یا کمین گاہ ہے) سرکشوں کا ٹھکانہ (کافراں سے نکل کر جا نہیں سکیں گے، اسی قرار گاہ میں گھسیں گے) جس میں وہ رہیں گے (حال مقدر ہے یعنی ان کا رہنا طے ہے) مدتوں (بے انتہا زمانہ حقب کی جمع ہے جو ضمہ اول کے ساتھ ہے) اس میں نہ تو وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا (جو مزے کے لئے پی جائے) بجز گرم (کھولتے ہوئے) پانی اور پیپ کے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ جو کچھوں دوزخیوں سے ہے گا وہ ان کو دیا جائے گا۔ ملے گا ان کو یہ) پورا بدلہ ملے گا (جو ان کے قصوروں کے مطابق ہوگا۔ چنانچہ کفر سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں اور دوزخ سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں ہے) وہ لوگ حساب کا اندیشہ (خوف) نہیں رکھتے تھے (قیامت کو نہ ماننے کی وجہ سے) اور ہماری آیات (قرآن) کو خوب جھٹلایا کرتے تھے اور ہم نے (اعمال کی) ہر چیز کو دیکھ کر ضبط کر رکھا ہے (لوح محفوظ میں تاکہ اس پر ہم بدلہ دے سکیں گے، انہیں اعمال میں سے، ان کا قرآن کو جھٹلانا ہے) سوزہ چکھو (یعنی ان سے آخرت میں ان پر عذاب ہونے کے وقت کہا جائے گا کہ اپنا بدلہ چکھو) کہ ہم تمہارے عذاب (پر عذاب) کو بڑھاتے چلے جائیں گے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے بلاشبہ کامیابی ہے (جنت میں کامیابی کا مقام) یعنی باغ (مفازا کا یہ بدل ہے یا بیان) اور انگور اور نوخیز عورتیں (جن کی



مفعول اول نکرہ ماننا پڑے گا۔

المعصرات۔ بادل کے معنی ہیں۔ اگرچہ بادل معصورہ ہوتے ہیں عاصروہ اور معصرہ نہیں ہوتے یا اس میں ہمزہ حینونہ کی مانی جائے۔ یعنی تعدیہ کی نہیں ہے۔ جیسے احصد الذرع بولتے ہیں یعنی کھیتی پکنے کے قریب ہو گئی۔ اس میں ہمزہ فاعل کے ذی، خذ بنانے کے لئے بھی مانی جاسکتی ہے جیسے اعسر، ایسر، الحم اطفال میں ہے۔ امام راغب صاحب مفردات کہتے ہیں کہ المعصر جوان عورت جو شباب میں داخل ہو۔

نجا جا۔ نجا متعدی سے ماخوذ ہے۔ لازم و متعدی دونوں طرح آتا ہے۔ نجا، نجا، نجا دونوں صورت میں ہے۔

الفافا گھنے اور تہہ برتہ۔ زنجیری کہتے ہیں کہ الفاف اور ملتفة کا واحد نہیں ہے جیسے اذرع کا واحد نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ لف بکسر لام کی جمع ہے۔ جزع اجزاع اور صر، اسرار کی طرح۔ تیسرے یہ کہ لفیف کی جمع جیسے شہید، اشہاد، شریف، اشراف یا لف کی جمع ہے اور وہ لفاء کی جمع بمعنی گھنا درخت۔

ان یوم الفصل۔ کفار کے قیامت کے بارے میں منکر ہونے کی وجہ سے ان لایا گیا ہے۔

میقاتا۔ ظرف زمان ہے فتحت مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اذا السماء انفطرت۔ اذا السماء انشقت کی وجہ سے یہاں پر آسمان کا پھٹنا مراد ہے۔ متعارف معنی کھلنے کے مراد نہیں۔

سرابا۔ دو پہر کو سخت دھوپ میں جوار تعاشی کیفیت ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں جو پانی کی لہروں جیسی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن صاحب قاموس کے نزدیک لغت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ سراب یعنی ریت سے تشبیہ پر محمول کر لیا جائے کہ وہ پہاڑ محض خیالی رہ جائیں گے جیسے ریت خیالی پانی ہوتا ہے۔

مرصادا مفسر نے اشارہ فرمایا ہے کہ ارصاد مبالغہ کے اوزان میں سے ہے بمعنی راصد اور للطاغین متعلق ہے یا اس کی صفت ہے اور مآبا کے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت مرصاد اسے بدل الکمل ہو جائے گا۔ نیز مرصاد اطرف بھی ہو سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ وصدق الشئ ارصده اذا ترقبته فہی راصدة۔ یا بمعنی مرصد ہے ای معدۃ لہم کہا جاتا ہے ارصدت لہ، اعدت لہ مرصاد بمعنی انتظار کنندہ۔

لبثین۔ حال ہے ید خلونہا کی ضمیر سے للطاغین کی ضمیر سے۔

احقابا اس میں کئی صورتیں ہیں:-

۱۔ حضرت حسنؑ سے مروی ہے۔ ان الله لم يجعل لاهل النار مدة بل قال لا بئین فیہا احقابا و لیس للاحقاب عدة الا الخلود۔ حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے۔ لو علم اهل النار انہم یلبثون فی النار عدد حصی الدنیا لفرحوا و لو علم اهل الجنة انہم یلبثون عدد حصی الدنیا لحزنوا۔

۲۔ لفظ احقاب کی مدت خاص پر دلالت نہیں کرتا۔ البتہ حقب تنہا ہی مدت کے لئے ہے۔ پس آیت میں انواع عذاب کی فوقیت ہے۔ لیکن جہنم میں ٹھہرنے کی فوقیت نہیں ہے۔

۳۔ یہ آیت دوسری آیت لن نزیدکم الا عذابا سے منسوخ ہے یعنی عذاب کی تحدید نہیں رہی۔ خطیب میں ہے کہ ایک حقب اسی ۸۰ سال مدت ہے اور ہر سال بارہ مہینہ کا اور ہر مہینہ تیس ۳۰ دن کا اور ہر روز ہزار سال کا۔ جیسا کہ حضرت علیؑ سے منقول ہے۔ بہر صورت معتزلہ کے لئے اس آیت سے استدلال کا موقعہ نہیں۔ کہ دوزخ ایک مدت کے بعد ختم ہو جائے گی۔

لا یدوقون . اس کی کئی ترکیبیں ہیں :-

۱۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔

۲۔ لبثین کی ضمیر سے حال متداخلہ ہو۔ ای لا بثن غیر ذائقین۔ احقاب کی صفت ہو۔

۳۔ بردا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ برد کے معنی نیند کے ہیں۔ کسائی، ابو عبیدہؓ بھی یہی کہتے ہیں۔ اہل عرب کا محاورہ ہے۔ منع البرد البرد یعنی ٹھنڈک سے نیند اڑ گئی۔ اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نیند کے بعد ٹھنڈک ہو جاتی ہے۔ چنانچہ پیاسا سو جائے تو پیاس بجھ جاتی ہے۔ غلہ بذیل میں برد کے معنی نیند کے ہیں۔

الا حمیما۔ مفسر نے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن ولا شراباً کے عموم سے استثناء متصل بھی ہو سکتا ہے لیکن استثناء کلام غیر موجب میں ہو رہا ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ شراباً سے بدل بنایا جائے۔

غساقا اکثر قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ لیکن حمزہ علی، حفص کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔

جزاء وفاقاً مفسر نے پہلے عبارت ”جوزوا“ نکال کر اشارہ کر دیا کہ فعل محذوف کا یہ مفعول مطلق ہے اور ”مرافقاً لعلہم“ سے اشارہ ہے۔ کہ یہ جزاء کی صفت ہے بتاویل اسم فاعل اور حذف مضاف کی صورت بھی ہو سکتی ہے۔ ای ذوا فاق۔ یا بطور مبالغہ مصدر ہی رکھا جائے۔

کذاباً زخشری کہتے ہیں کہ فعال فعل کی جگہ کلام عرب میں بکثرت آتا ہے۔ لیکن ابن مالکؒ تسہیل میں لکھتے ہیں کہ یہ قلیل ہے۔ کتاباً بمعنی احصیاء کا مفعول مطلق ہے کیونکہ احصاء اور کتابت دونوں کے معنی ضبط کرنے کے ہیں۔ پس نفس فعل میں مجز ہوگا۔ جیسا کہ زخشری کی رائے ہے۔ دوسرے یہ کہ معنی احصاء کا مفعول مطلق کہا جائے۔ اس صورت میں نفس مصدر میں مجاز ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ منصوب علی الحال ہو ای مکتوباً فی اللوح اور بعض کتاب سے اعمال نامہ مراد لیتے ہیں۔

لن نزیدکم۔ قرآن میں دوزخیوں کے لئے یہ سب شدید وعید ہے۔

مفازاً۔ جمصدر یا ظرف ہے۔

حدائق مفازاً سے بدل البعض ہوگا اگر مفاز ظرف ہو ورنہ مصدر ہونے کی صورت میں بدل اشتمال ہوگا۔

کواعب۔ روح البیان میں ہے کعبت المرأة کعبوا کے معنی چھائی ابھرنے کے ہیں۔ یعنی ٹخنے کی طرح گول سڈول ہونے کے ہیں۔

کذاباً۔ کسائی کے نزدیک تخفیف کے ساتھ ہے کیونکہ فعلاً ثلاثی کا مصدر ہے۔ مفاعلت کے لئے مطرد آتا ہے۔ اور باقی قراء کے نزدیک بالتشدید آتا ہے۔ عطاء زخشری کہتے ہیں کہ عطاء، جزاء کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مگر قاضی اس سے متفق نہیں ہیں۔ کیونکہ مصدر اس وقت عامل بن سکتا ہے۔ جب کہ مفعول مطلق نہ ہو۔

حساباً بمعنی کافی۔ احسبت فلانا۔ یعنی میں نے اس کو کافی دے دیا۔ حتیٰ کہ وہ حسبی کہنے لگا اور ابن کثیرؒ کی پیروی کرتے ہوئے مفسر عطاء کثیر کے معنی لے رہے ہیں۔

رب السموات۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ اس میں تین قراءتیں ہیں :-

۱۔ ابن کثیرؒ، نافعؒ، ابو عمرؒ کے نزدیک رب اور حمن دونوں میں رفع ہے۔

۲۔ عاصمؒ عبد اللہ بن عامر کے نزدیک دونوں میں جر ہے۔



۳۔ حمزہ، کسائی کے نزدیک اول میں جر اور دوسرے میں رفع ہے۔ پھر رفع کی قراءت میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں:-

۱۔ رب السموات مبتداء اور رحمٰن خبر اور لا یملکون سے استیناف ہو۔

۲۔ رب السموات مبتداء اور رحمٰن اس کی صفت ہو اور لا یملکون خبر۔

۳۔ رب السموات خبر ہو، ہو مبتداء محذوف کی۔ اسی طرح رحمٰن سے پہلے ہو محذوف ہو۔

۴۔ الرحٰمن اور لا یملکون دونوں خبر ہوں اور جر کی قراءت پر رب سے بدل ہو جائے گا۔ لیکن تیسری قراءت پر ترکیب اس طرح ہوگی کہ رب سے رب السموات بدل ہونے کی وجہ سے رب کی صفت ہے۔

الرحٰمن۔ ابن عامر، عاصم کے نزدیک ماقبل کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور ابن کثیر، فتح ابو عمر کے نزدیک ماقبل کی صفت یا خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور تیسری قراءت حمزہ، کسائی کی جس میں اس کو مبتداء محذوف کی خبر یا غیر محذوف کے لئے مبتداء مانتے ہوئے مرفوع پڑھا جائے۔

خطایا۔ یعنی بطور اعتراض و نکتہ چینی کوئی اللہ کے آگے بات نہیں کر سکے گا۔ لیکن شفاعت اس سے مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ تو بطور خشوع و خضوع ہے۔

يقوم الروح۔ مراد جبرائیل ہیں یا اللہ کی ایک خاص مخلوق ہے۔ ابن عباسؓ سے مرفوع نقل ہے کہ الروح جند من جنود اللہ لیسو بملائکة لهم روس وایدی وارجل اور پھر یہی آیت تلاوت فرمائی امام غزالیؒ احیاء میں فرماتے ہیں الملک الذی یقال له الروح وهو الذی یولج الارواح فی الاجسام فانه یتنفس فیکون فی کل نفس من انفاسه روح فی جسم وهو حق یشاہده ارباب القلوب ببصائرهم۔

لا یتکلمون۔ یہ لا یملکون کی تاکید ہے یعنی اتنے مقرب ہوتے ہوئے بھی ان کی مجال نہیں کہ چوں کر سکیں۔ پھر اللہ کے آگے اور کس کا حوصلہ ہے کہ بول سکے؟ اور شفاعت بھی جب بلا اجازت نہیں ہو سکے گی تو اور کلام کا تو سوال ہی کیا؟

دللت الیوم۔ مبتداء خبر ہے اور الحق صفت ہے الیوم کی یا ذلک کی خبر ہے اور الیوم صفت ہو جائے گی۔

عذاباً قریباً۔ یعنی قریب ہونا اس لئے ہے کہ مستقبل قریب ہی ہوتا جاتا ہے۔ نیز عذاب کی ابتداء موت سے شروع ہو جائے گی اور موت قریب ہے۔ آگے ”یوم ینظر“ عذاب کا ظرف بھی ہے اور صفت بھی ای عذابا کائنا یوم ینظر المرء اور مرء سے عام انسان مراد ہے یا الف لام سے عموم مراد لی جائے اور نظر کے معنی دیکھنے کے ہیں۔

ما قدمت۔ ما موصولہ ہونے کی صورت میں ینظر کا مفعول ہے اور ما استفہامیہ اگر ہے تو پھر یہ قدمت کا مفعول ہوگا۔ اور ہاتھوں کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ اکثر کام ہاتھ سے ہی کئے جاتے ہیں۔

ترابا۔ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ یحشر الخلق کلہم یوم القیامۃ البہائم والدواب والطیر۔ فبلغ من عدل اللہ ان یاخذوا لجماء من القرناء ثم یقول کونی تراباً فذلک حین یقول الکافر یا لیتی کنت تراباً۔

رابط آیات:..... اس سورت کا مضمون بھی وہی ہے جو سورہٴ مرسلات کا ہے۔ یعنی آخرت اور قیامت کا بیان اور اس کو ماننے نہ کرنے کے نتائج سے لوگوں کو آگاہ کرنا اسی کو نباء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے سورت کا نام ”سورۃ النباء“ اور چونکہ اسی میں منکرین کج کاؤ نکالتے ہیں اور پوچھ گچھ کرتے رہتے تھے۔ اس لئے اس کا نام ”سورۃ العاؤل“ بھی ہے۔

شان نزول: سورہ قیامت سے سورہ نازعات تک سب سورتوں کا مضمون یکساں معلوم ہوتا ہے اور یہ سب سورتیں مکہ مکرمہ کے ابتدائی دور کی معلوم ہوتی ہیں۔

﴿تشریح﴾: ..... عم یتساءلون . یعنی یہ لوگ کسی بات کی کھوج لگانے میں مصروف ہیں۔ کیا ان میں اتنی سمجھ ہے اور کیا خود وہ ایسی چیز ہے جو پوچھ پچھ سے ان کی سمجھ میں آ جائے گی ہرگز نہیں۔ ورنہ بے دیکھے ایمان لانے کا مطالبہ پھر کیسا؟ بڑی خبر سے قیامت اور آخرت کی خبر مراد ہے جس کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سنتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے نیز پیغمبر اور مؤمنین سے پوچھ گچھ کرتے تھے کہ ہاں صاحب وہ قیامت کب آئے گی؟ اور بھائی کبھی پہلے بھی تم نے سنا ہے کہ مر کر کوئی زندہ ہوایا ہوگا؟ بھلا کہیں سمجھ میں آتا ہے کہ جو بڑیاں گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکیں۔ ان میں پھرنے سرے سے جان پڑے گی۔ کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ دنیا کا یہ سارا جما جمایا نظام الٹ پیٹ ہو جائے اور جب قیامت کو آتا ہی ہے تو اب تک کیوں نہیں آگئی۔ تاکہ نیک و بد کا پتہ اسی دنیا میں چل جاتا، پھر آئی تو کیا فائدہ؟ اور جانتے ہو کہ کس چیز کے بارے میں سوال کر رہے ہو؟ وہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ نہایت عظیم الشان چیز ہے۔

قیامت کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں: ..... ہم فیہ مختلفون یعنی قیامت اور آخرت کے متعلق لوگ مختلف قسم کے نظریات اور افکار رکھتے ہیں۔ ان چہ میگوئیاں کرنے والوں میں بھی کوئی تو عیسائی خیالات سے متاثر ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہونا مانتا ہے۔ مگر جسمانی زندگی نہیں بلکہ روحانی زندگانی مانتا ہے اور کوئی صرف بدن کے اٹھنے کا قائل ہے۔ کوئی آخرت کے متعلق ڈانوا ڈول کہہ رہا ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟ ”ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین“ یعنی قیامت کی نسبت جھٹ پٹا سا خیال تو آتا ہے مگر وجدان پر زور دیتے ہیں تو یقین نہیں آتا۔ شک اور تذبذب کی سی کیفیت ہے۔ نہ مانتے بن پڑتا ہے نہ انکار کرتے۔ اور کوئی بالکل صفائی سے انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بس جو کچھ ہے وہ یہی دنیاوی زندگانی ہے۔ مرنے کے بعد ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ ما ہی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یهلکنا الا الدھر . ان ہی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین . اور جو کچھ لوگ ان کی طرح دہریے تو نہ تھے۔ خدا کو مانتے تھے مگر دوبارہ جی اٹھنے کو ناممکن سمجھتے تھے۔ یعنی جب ہڈیوں تک کا نام و نشان نہ رہے پھر دوبارہ زندگی کا لباس پہن لے یہ بات جیسے: مشاہدہ میں نہیں آتی ان کی سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ من یسعی العظام وہی رمیم . غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

بعض تو محض مجازات عقلی مانتے ہیں اور بعض صرف خیالی اور وہی مانتے ہیں اور بعض حسی مانتے ہیں اور بعض ان تینوں کے علاوہ معاد مانتے ہیں اور بعض تناخ اور آواگون کے قائل ہیں۔ یوں ہی سب اٹکل کے تیر چلار ہے تھے علم ہوتا تو سب ایک ہی بات مانتے جیسا کہ مؤمنین، وہ اسی بات کو مان رہے ہیں جس کو از آدم تا ایں دم سارے نبی کہتے چلے آئے یعنی جسم روح کا دوبارہ جی اٹھنا اور اللہ کے حضور کی پیشی وغیرہ۔

قیامت جب حقیقت بن کر سامنے آئے گی: ..... کلا میعلمون . یعنی انبیاء کی متفقہ ہدایت و تعلیم کے باوجود اس عقیدہ کو نہیں مانیں گے، ہرگز نہیں مانیں گے اور اپنی بے اصل اور غلط باتوں پر بھد رہیں گے۔ سو وہ وقت دور نہیں کہ جب وہ ہولناک منظر سامنے آ جائے گا اور وہ چیز جس کے بارے میں یہ فضول چہ میگوئیوں میں الجھ رہے ہیں حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے آ جائے گی۔ تب معلوم ہو جائے گا۔ کہ قیامت کیا ہے اور اس کا انکار ہٹ دھرمی کے سوا کیا تھا؟ اس وقت پیغمبر کا ایک ایک حرف صحیح

نکلتے گا۔ لفظ کلا کا تکرار اور ہم بعض حضرات کے نزدیک تاکید کے لئے ہے۔ لیکن بعض حضرات نے پہلے جملہ کو برزخ کے اثبات پر اور دوسرے کو قیامت کے اثبات پر محمول کیا ہے۔ عالم برزخ کی مجازات تو خیال کرنے کے مثل ہوگی اور قیامت کی جزاء و سزا حقیقی ہوگی۔ کیونکہ وہاں روح کا تعلق بدن سے اگر چہ ہوگا۔ لیکن اس تعلق کے باوجود روح پر مجرد غالب رہے گا اور غلبہ تجرد کے باوجود تعلق کی کیفیت اس روز کھل جائے گی۔ کیونکہ دنیا میں تو روح کا بدن سے تعلق غالب اور تجرد مغلوب ہے۔ لیکن عالم برزخ میں اس کا برعکس ہوگا۔ یعنی تجرد غالب اور تعلق مغلوب ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ یہ عالم ظاہر ہے۔ اس لئے یہاں اجسام ظاہر اور ارواح مخفی ہیں اور وہ عالم ارواح و حقائق ہوگا۔ اس لئے وہاں معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ پس تعلق کی جامعیت اور تجرد کا غلبہ، قیامت سے پہلے اس کا علم نہیں ہو سکتا۔

ایک علمی نکتہ: ..... یہاں سورہ نباء میں چونکہ اہل ایمان مخاطب ہیں جو قیامت کے قائل ہیں۔ اس لئے سيعلمون میں سین لایا گیا جو قربت پر دلالت کرتا ہے۔ برخلاف سورہ نکات کے وہاں کفار مخاطب ہیں۔ جو منکر قیامت ہیں۔ اس لئے ان کی رعایت سے ”سوف تعلمون“ لایا گیا۔ جو بعد پر دلالت کرتا ہے، انہم یرونہ بعیداً و نرونہ قریباً۔ اس کے بعد ”السم نجعل الارض“ سے بطور استفہام اقراری نو چیزیں ارشاد فرمائی جا رہی ہیں۔ جن پر عوام کے ذہن میں دنیا کا مدار ہے۔ ان چیزوں میں سب کی شرکت مانتے ہوئے پھر سب سے علیحدگی تجویز کرنا گویا اجتماع ضدین کرنا ہے۔ زمین کو انسان کے لئے فرش بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر سکون و اطمینان سے آرام کرتے اور لیٹتے اور کروٹیں لیتے ہیں۔ کھیتی، باڑی، صنعت و حرفت، تجارت، کاروبار، مرنا جینا، سب کچھ اسی پر کیا جاتا ہے۔ مسلم غیر مسلم سب اس میں شریک ہیں۔ اب یہیں سے قیامت کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ تاکہ وہاں نیک و بد کا امتیاز ہو سکے۔ مومن کے لئے ارشاد ہے۔ من عمل صالحاً فلا نفسہم یمہدون اسی طرح کفار کے حق میں فرمایا گیا۔ لہم من جہنم مہاد۔

زمین کی حرکت و سکون: ..... والجبال او تاداً۔ ابتداء میں زمین کو پیدا کر کے جب پانی پر بچھایا گیا تو ہوا سے پانی میں تموجی لہریں اور زمین میں ارتعاشی کیفیت پیدا ہوئی۔ یعنی کشتی کی طرح زمین ڈانوا ڈول ہونے لگی۔ اس اضطرابی کیفیت کو دور کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے پہاڑ پیدا فرمائے۔ جنہوں نے زمین کے لئے میخوں کا کام کیا اور زمین کو قرار آ گیا۔ یاد رہے کہ پہاڑوں سے زمین کی ذاتی حرکت و سکون ہرگز ہٹانا نہیں ہے۔ بلکہ حرکت عرضی کو سکون سے بدلنا مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمومی نفع میں بھی مسلم و کافر یکساں شریک ہیں ان میں کوئی امتیاز نہیں۔ اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ نیک و بد میں امتیاز کے لئے آخرت ہو جو جنت و دوزخ میں بنی ہوئی ہو، ایک فرمانبرداروں کا مسکن ہو اور دوسری جگہ نافرمانوں کا ٹھکانا۔

دنیاوی رشتے نا طے آخرت میں ایک حد تک ختم ہو جائیں گے: ..... وخلقناکم ازواجاً۔ ازواج سے مراد اگر مرد و عورت کے انسانی جوڑے ہیں۔ تب تو ان قدرتی حکمتوں اور مصلحتوں کی طرف اشارہ ہوگا۔ جن سے یہ جوڑے وابستہ ہو کر پر سکون زندگی گزارتے ہیں۔ و من آیا قہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیہا۔ مثلاً دونوں میں میل ملاپ، نسل، رشتے نا طے، متعلقات، ایک دوسرے کے حقوق، دکھ سکھ میں شرکت وغیرہ ایسے فوائد ہیں جن سے نیک و بد سب مستفید ہوتے ہیں۔ یہ رشتے نا طے بس دنیا ہی تک ہیں۔ اگر آخرت میں بھی یہ رہیں تو بسا اوقات ایک رشتہ دار کی تکلیف کا اثر دوسرے رشتہ دار کو ہونے سے اس کا عیش مکدر ہو جاتا۔ اس لئے اللہ نے آخرت میں رشتوں کو منقطع کر دیا۔ تاکہ جو عیش میں ہے وہ اپنی جگہ مگن رہے اور جو مصیبت میں ہے

وہ خود بھگتار ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینہم اور لایسئل حمیماً حمیماً اسی طرح ازواجاً سے مراد شکلوں، رنگوں کا اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ وجعلنا نومکم سباقاً یعنی نیند سے تکان دور ہو کر آرام و سکون ملتا ہے۔ اور انسان چاق و چوبند، تازہ دم ہو جاتا ہے۔ نیند نہ ہو تو زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے۔ کھانا نہ کھانے سے طبیعت اتنی متاثر نہیں ہوتی جتنی کہ جاگنے سے ہوتی ہے۔ آگے ارشاد ہے۔

دنیا میں سونے اور آخرت میں نہ سونے کی حکمت: ..... وجعلنا الیل لباساً۔ رات کے لباس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پردہ داری اور راز داری کے کام رات کو باطمینان کیے جاسکتے ہیں۔ بیویوں سے ملنا اور اچھے بری مشورے، راز و نیاز اور مخالفین سے چھینا، عیش و عشرت، رنگ رلیاں، چوری، خیانت، تہجد و مراقبہ وغیرہ بہت سے کام رات کو بحسن و خوبی ہوتے ہیں۔

### اللیل للعاشقین سترًا یالیت اوقاتہ تدوم

اور ظاہر ہے کہ آخرت ان دونوں کاموں میں مختلف ہونی چاہئے۔ یعنی وہاں نیند اور سونا نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ نیک آدمی تو ہمہ وقت خوشی میں مست رہے گا۔ نیند کی اول تو وہاں ضرورت نہیں پڑے گی۔ دوسرے نیند کی وجہ سے بڑے بڑے فوائد اور دائمی اجر سے محروم ہو جائے گا۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ لا یمنسنا فیہا نصب ولا یمنسنا فیہا لغوب اور بد آدمی ہے تب بھی، رنج و الم اور دکھ درد سے ایک لمحہ بھی اسی فرصت نہیں ملنی چاہئے، پھر نیند کہاں؟ اسی طرح قیامت کے تمام حالات سب پر عیاں اور ظاہر رہنے چاہئیں۔ تاکہ اہل جنت کی عزت بھی نمایاں ہو اور اہل دوزخ کی رسوائی بھی کھلے عام ہو سکے۔ غرض کہ ہر چیز طشت از بام ہو جائے۔ کوئی چیز بھی چھپی نہ رہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے پوچھا کہ مجلس نکاح رات کو منعقد ہونی چاہئے یا دن کو فرمایا رات کو کیونکہ ادھر رات کو لباس اور ادھر "ھن لباس لکم" مہورتوں کو لباس فرمایا ہے۔ اس لئے دونوں کو ایک دوسرے سے مناسبت ہے۔

جنت میں دن رات نہ ہونے کی حکمت: ..... وجعلنا النھار معاشاً۔ یعنی رات تو آرام کی خاطر اور پرسکون بنانے کے لئے تاریک رکھی ہے۔ لیکن دن اس لئے روشن کر دیا کہ تم زیادہ آسانی سے روزی اور کمائی کا دھندہ کر سکو اور رات دن کا یہ مسلسل الٹ پھیر کرتے رہنے کے بے شمار فوائد ہیں۔ مثلاً: یہی کہ یہ سب کچھ بے مقصد اور اتفاقیہ نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ اس کے پیچھے بڑی حکمت یہ کام کر رہی ہے کہ تم نہ مسلسل کام کر سکتے ہو کہ تھک کر چور ہو جاؤ۔ اور نہ بالکل سکون ہی کی نذر ہو جاؤ، ورنہ معطل ہو کر رہ جاؤ گے۔ زندگی نام ہے حرکت کا۔ اس لئے حرکت دینی چاہئے اور سکون حرکت کے لئے ضروری ہے۔ لیکن آخرت میں چونکہ جنتیوں کو نعمت کی تلاش نہ ہوگی اور نہ جہنمیوں کو مصیبت کی تلاش ہوگی۔ اس لئے کہ وہاں دن کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ شمساً ولا زمہریراً رات دن کی مناسبت سے آگے زمین و آسمان کا ذکر ہے۔ وبنینا فوقکم سباعاً شداداً۔ آسمانوں کی مضبوطی کا حال یہ ہے کہ قرنہا قرن گزرنے پر بھی آج تک کہیں اس میں رخسہ یا شگاف نہیں آیا اور اس کی سرحدات بھی اتنی مستحکم ہیں کہ مجال ہے کہیں کوئی فرق آ لے۔ بے شمار ستاروں اور سیاروں میں سے نہ کوئی ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے اور نہ زمین پر آتا ہے۔ حالانکہ ان کی حرکات مختلف سمتوں میں بھی ہوتی ہیں۔ دنیا میں مومن و کافر برابر ان سے استفادہ کر رہے ہیں، کوئی فرق نہیں ہے اس لئے آخرت ہونی چاہئے۔ جہاں جا کر ان میں فرق کھئے۔ چنانچہ جنتی بھی حسب مراتب مختلف درجات میں ہوں گے۔ اور جہنمی بھی اسی طرح مختلف درجات میں ہوں گے۔

نظام شمسی میں قدرت الہی: ..... وجعلنا سراجاً وهاجاً۔ وہا ج انتہائی گرم اور نہایت روشن کو کہتے ہیں اور سورج میں یہ دونوں وصف بدرجہ کمال موجود ہیں۔ سورج جس کو نیز اعظم کہا جاتا ہے۔ کتنا بڑا کرہ ہے؟ اس کا قطر زمین سے ۱۰۹ گنا بڑا ہے اور اس کا حجم زمین کے حجم سے (۳۳۳۰۰۰) ہزار گنا زیادہ ہے اور اس کا درجہ حرارت (۱۴۰۰۰۰۰۰) ڈگری سینٹی گریڈ ہے اور اس کی روشنی کا یہ حال ہے۔ کہ زمین سے ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل دور ہونے کے باوجود انسان اگر اس پر براہ راست نظر جمائے کی کوشش کرے تو اپنی آنکھوں کی روشنی کھو بیٹھے اور اس کی تپش کا یہ حال ہے کہ زمین کے بعض حصوں میں درجہ حرارت (۱۴۰) ڈگری فارن ہائٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور فضل و کرم ہے کہ ہماری زمین اس سے اتنے فاصلے پر رکھی گئی ہے کہ قابل برداشت گرمی سردی کی وجہ سے اس پر رہنا ممکن ہو سکا۔ نہ اتنے قریب کہ جل بھن کر رہ جائیں اور نہ اتنی دور کہ برف کی طرح جم کر رہ جائیں۔ غرض کہ سورج بڑی طاقت کا خزانہ ہے۔ اس سے کھیتیاں اور پھل پک رہے ہیں۔ سمندروں سے بھاپ اٹھ رہی ہے اور وہ ہواؤں کے ذریعہ زمین کے مختلف حصوں میں پھیل کر بارش کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ قدرت نے کتنی زبردست ہٹھی تیار کی ہے کہ اربوں سال سے نظام شمسی میں مختلف اقسام کی شعاعیں، روشنی، حرارت پھینکے چلی جا رہی ہے۔ فتبارک الله احسن الخالقین۔

بہر حال سورج کا فیض ساری دنیا کو پہنچ رہا ہے۔ اس لئے آخرت کا ہونا ضروری ہوا کہ جہاں دوزخ کی سخت گرمی اور حرارت سے جھلس جائیں گے۔ وہاں ساکنان جنت جمال الہی کے نور سے مستفید ہوں گے۔

بارش بے شمار نعمتوں کا مجموعہ ہے: ..... وانزلنا من المعصرات۔ نچرنے والی بدلیوں، یا نچوڑنے والی ہواؤں سے بارش اور پیداوار کا جو نظام اللہ نے قائم کر رکھا ہے اس سے اس کی قدرت و حکمت کے حیرت انگیز کمالات سامنے آتے ہیں۔

لنخرج به حبا ونباتا وجنات الفافا۔ اس سے گنجان باغ اور گھنے درخت مراد ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ایک ہی زمین میں مختلف قسم کے درخت اور باغ پیدا کر دیئے برخلاف قیامت کے وہاں نیک اعمال لوگوں کو باغ و بہار ملیں گے اور بدکار لوگوں کو آگ، چنگاریوں، دھوئیں سے پالا پڑے گا۔ انطلقوا الى ظل ذي ثلث شعب۔

دلائل قدرت قیامت کی دلیل ہیں: ..... قدرت کی یہ عظیم الشان نشانیاں بیان فرما کر منکرین کو یہ بتلانا ہے کہ اگر تم اپنی آنکھیں کھول کر اپنی پیدائش، سونے، جاگنے اور دن رات کے اس انتظام اور زمین، آسمان، پہاڑوں کو دیکھو اور سورج جیسے ہیبت ناک کرہ کو دیکھو، بادلوں سے برسنے والی بارش اور اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھو تو صاف سمجھ میں آجائے گا کہ جو خدا ایسی قدرت و حکمت کا مالک ہے۔ کیا اس کو دوبارہ زندہ کر دینا اور حساب کتاب کے لئے اٹھانا کچھ مشکل ہوگا۔ اور نیز یہ بات کیا اس کی حکمت کے خلاف نہ ہوگی۔ کہ اتنے بڑے کارخانے کو یونہی بے نتیجہ چھوڑ دیا جائے۔ یقیناً دنیا کے اس طویل سلسلہ کا کوئی صاف نتیجہ اور انجام ہونا چاہئے۔ اسی کو ہم آخرت کہتے ہیں۔ جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ ایسے ہی سمجھ لو کہ دنیا کے خاتمہ پر آخرت کا آنا یقینی ہے۔

بہر حال یہ سب کچھ نہ اس کی زبردست قدرت کے بغیر وجود میں آ سکتا ہے اور نہ اس باقاعدگی کے ساتھ جاری رہ سکتا ہے۔ نیز اس کا کوئی کام بے مقصد و بے حکمت نہیں ہے۔ یہ بات بس ایک نادان ہی کہہ سکتا ہے کہ جو قدرت ان ساری چیزوں کو وجود دینے اور فنا کر دینے پر قادر ہے۔ وہ دوبارہ پیدا کر دینے پر قادر نہیں ہے اور یہ بات بھی ایک نا سمجھ ہی کہہ سکتا ہے کہ جس دانا اور پیمانہ ذات نے کوئی کام بھی اس کائنات میں بے مقصد نہیں کیا اس نے انسان کو اپنی بے شمار مخلوقات پر بے مقصد ہی تصرف کے اختیارات دے ڈالے

ہیں اور انسان دنیا میں رہ کر ان چیزوں کو کیسے ہی استعمال کرے کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں ہے۔ کوئی کتنی بھلیاں یا برائیاں کرتے کرتے مر جائے اسے کوئی صدمہ نہیں ملے گا۔ یوں ہی مٹی میں مل کر ختم ہو جائے گا۔

قیامت عقلاً بھی ضروری ہے:..... ان یوم الفصل الخ اس فیصلہ کے دن نیک و بد میں پورا امتیاز کر دیا جائے گا اور ایک کو دوسرے سے بالکل الگ کر دیا جائے گا کہ کسی طرح کا اشتراک باقی نہ رہے۔ نیکی اور بدی اپنے اپنے مراکز میں پہنچ جائیں۔ ظاہر ہے کہ اتنا کامل امتیاز و افتراق دنیا میں رہتے ہوئے نہیں ہو سکتا۔ مذکورہ بالا نعمتوں میں سب کا اختلاط و اشتراک بھی بیان ہو چکا ہے۔ اور یہ اشتراک و افتراق دونوں نفیض اور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دونوں دنیا میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ لامحالہ اشتراک کے لئے دنیا اور افتراق کے لئے آخرت ہونی چاہئے جس کو یوم الفصل کہا گیا۔

یوم ینفخ فی الصور۔ نفخ صور سے آخری مرتبہ پھونکنا مراد ہے۔ جس کے اثر سے یکا یک مردے جی اٹھیں گے اور یہ نولیاں لوگوں کے عقائد و اعمال کے لحاظ سے ہوں گی۔ اسی وقت آسمان پھٹ کر ایسا ہو جائے گا کہ گویا دروازے ہی دروازے ہیں۔

قیامت میں مختلف کیفیات ظاہر ہوں گی:..... وسیرت العجبال۔ جس طرح چمکتی ریت پر پانی کا گمان ہو جاتا ہے۔ یہی حال قیامت قائم ہونے پر ہوگا کہ ریت کے تودے پہاڑ معلوم ہوں گے۔ دراصل یہ قیامت کے مختلف مراحل کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں آخری نفخ صور کی کیفیت کا بیان ہے۔ اس کے بعد فقہ ثانیہ کی کیفیات کا بیان ہے۔ پہاڑوں کے ریت ہو جانے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر ریت بن جائیں گے۔ اس طرح کہ گویا یہاں پہلے کبھی پہاڑ تھے ہی نہیں۔

ان جہنم۔ جس طرح گھات میں شکار اچانک پھنس کر رہ جاتا ہے۔ جتنا پھڑ پھڑائے گا، ناچے کودے گا، اتنا ہی اچھے گا۔ یہی حال خدا کے باغیوں سرکشوں کا ہوگا کہ منکر ہونے کی وجہ سے دوزخ ان کے لئے گھات ثابت ہوگی۔ وہ انہی کی تاک میں ہے۔ قہقہہ کہتے ہیں نہ ختم ہونے والی مدت کو۔ قرن پہ قرن گزرتے چلے جائیں گے۔ مگر ان کی مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا۔

کیا جنت کی طرح دوزخ بھی کبھی فنا نہیں ہوگی؟..... کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جنت تو ہمیشہ رہے گی مگر دوزخ ہمیشہ نہیں رہے گی کیونکہ احتساب یعنی ”مدتیں“ کبھی نہ کبھی ختم تو ہوں گی۔ ان کا سلسلہ لامتناہی تو نہیں چل سکتا۔ بلکہ کسی نہ کسی حد تک ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ بنیاد سراسر کمزور ہے۔ جان ہے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ قہقہہ کہتے ہیں ایسی مدت کو جو کبھی ختم نہ ہو۔ پھر انہوں نے اس لفظ سے یہ کیسے سمجھ لیا اور استدلال کیسے کر بیٹھے؟ دوسرے قرآن کریم میں چونتیس جگہ جہنم کے لئے خلود کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہمیشہ کے ہیں۔ پھر ان میں سے تین مقامات میں لفظ ابد کا اضافہ بھی فرما دیا گیا ہے۔ بلکہ سورہ مائدہ میں تو ایک جگہ یہاں تک فرما دیا گیا ہے کہ وہ جہنم سے نکلنا چاہیں گے مگر ہرگز نہیں نکل سکیں گے۔

تیسرے یہ کہ ”جنت و جہنم“ دونوں کے لئے سورہ ہود میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔ خالدا ین فیہا مادامت السموات والارض پھر دونوں میں اس فرق کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے کہ جنت تو ہمیشہ رہے گی مگر دوزخ باقی نہیں رہے گی۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تو ان پر رد کرتے ہوئے یہاں تک کہا ہے کہ بالفرض اگر ایک قہقہہ کی مدت معلوم بھی ہو تب بھی احتساب کی مدت کا معلوم ہونا کیسے ثابت ہوا۔ نیز بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں دوزخیوں کے لئے دوزخ میں ٹھہرنے کی مدت بیان کرنا مقصود ہی نہیں۔ بلکہ یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں تھوڑی مدت کو سیکندوں منٹوں سے اور اس سے زیادہ کو گھنٹوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں سے اور اس سے زیادہ کو سالوں اور قرونوں سے تعبیر کرنے کا جو دستور انج ہے دوزخ میں یہ سب پیمانے بے کار ہو جائیں گے۔ وہاں لامتناہی

مدت کو احتساب سے تعبیر کیا جائے گا۔ یہ وہاں کا پیمانہ ہوگا۔ علاوہ ازیں فرائض کی رائے تو یہ ہے کہ احتساب کا تعلق لا بشین کے ساتھ ہی نہیں بلکہ لا یذوقون کے ساتھ ہے۔ یعنی اتنی مدت تو آگ کی تپش سے جھلستے رہیں گے اور ٹھنڈے پانی کے نام تک سے آشنا نہ ہوں گے۔ پھر کہیں مدتوں بعد ان کو طبقہ زمہریر میں ڈالا جائے گا اور اس سخت عذاب کے بعد پھر آگ کے عذاب کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ غرض ابدالاً بادتک یہی سلسلہ چلتا رہے گا اور چونکہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ لہم شراب من حمیم اس لئے یہاں بھی لا شرابا کے ساتھ الا حمیم کا استثناء فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ ٹھنڈک کی راحت پائیں گے۔ نہ خوشگوار چیز پینے کو ملے گی۔ جس کی سوزش سے منہ جھلس جائیں گے اور آنتیں کٹ کر پیٹ سے باہر آ جائیں گی اور دوزخیوں کے زخموں سے بننے والی راد پیپ، کچھو پلائی جائے گی۔ اول تو پینا مشکل اور اگر کچھ زہر مار کر بھی لیں گے تو پیتے ہی زہر تمام بدن میں سرایت کر جائے گا۔ غساق آنکھ کے میل اور ڈھید کو بھی کہتے ہیں۔ بلکہ ہر ستری ہوئی بد بودار چیز کو غساق کہا جاتا ہے۔

کیا کفر و شرک محدود اور سزا لا محدود ہے: ..... جزاء وفاقاً انہم کانوا لا یرجون حساباً۔ بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ کفر و شرک تو محدود لگتے ہیں۔ لیکن دوزخ کی سزا غیر محدودی بھاری ہے۔ ان آیات میں اسی کا ازالہ ہے کہ کفر و شرک محدود نہیں بلکہ لا محدود جرم تھا۔ کیونکہ اول تو ایمان و کفر کا تعلق اللہ کی ذات و صفات سے ہے اور وہ لا متناہی ہے پس ایمان و کفر بھی لا متناہی ہوں گے۔ دوسرے انہیں روز حساب اور قیامت کی توقع ہی نہیں تھی۔ کہ خوف کے مارے بے پرواہی سے کام نہ کرتے یا ثواب کی امید پر بھلا کام کرتے۔ پس ان کے اعمال کا محدود اور وقتی ہونا لا چاری سے تھا۔ کچھ امید و خوف کے سبب سے نہیں تھا۔ بلکہ ”عصمت بی بی از بے چارگی“ کے طور پر تھا۔ دنیا میں وہ یہ سمجھتے ہوئے زندگی بسر کرتے رہے کہ وہ وقت کبھی نہیں آئے گا۔ جب انہیں خدا کے حضور اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ تیسرے کفر و شرک اور ان کے اعمال، ان کی روحوں میں سرایت کر چکے تھے اور طبیعت ثانیہ بن چکے تھے۔ پس جب روح ابدی ہے تو طبیعت اور اعمال بھی اس کے تابع ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اعمال جوارح کو متناہی کہا جائے گا۔ مگر تکذیب و تصدیق تو روح و قلب کا مثل ہے۔ وہ روح کے ساتھ دوامی ہوگا۔ پس اس کی سزا بھی دوامی ہی ہوگی۔

کفر و شرک کا تعلق دل سے ہے پھر حسی سزائیں کیوں؟: ..... وکذبوا باتینا کذابا یعنی جس چیز کی انہیں امید نہ تھی وہی چیز سامنے آگئی اور جس کو جھٹلاتے تھے وہ آنکھوں سے دیکھ لی۔ اب دیکھیں کیسے جھٹلاتے اور مکررتے ہیں۔ رہا یہ شبہ کہ کفر و شرک تو افعال قلوب میں سے ہیں۔ جن کا دل سے تعلق ہے، جوارح اور اعضاء سے تعلق نہیں۔ پھر دوزخ کی ظاہری حسی سزائیں کیوں دی جائیں گی؟ وکل شئی احصیناہ میں اس کا جواب ہے۔ یعنی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اسی کے مطابق باقاعدہ دفاتر میں ان کے اندراجات ہیں۔ اچھایا برا کوئی بھی عمل اس کے احاطہ سے باہر نہیں ہے۔ اقوال و افعال، حرکات و سکنات حتیٰ کہ خیالات و افکار تک مکمل ریکارڈ ہم تیار کرتے جا رہے تھے۔ لیکن کافر اپنی بے وقوفی سے یہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ چاہیں کرتے رہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ حالانکہ صرف حاکم کا جاننا کافی ہوتا ہے۔ دوسروں پر ظاہر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں اور اللہ رتی رتی سے باخبر ہے۔ اس لئے رتی رتی کا بھگتن کرنا ہوگا۔

فلن نزیدکم الا عذاباً۔ یعنی جس طرح تم گناہ میں برابر بڑھتے جا رہے تھے۔ اسی طرح ہم بھی عذاب میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ موت حائل ہو جانے سے ان کا بڑھنا تو رک گیا اور ہمارا بڑھنا جاری رہا کبھی تخفیف نہ ہوگی۔ زندنا ہم عذاباً فوق العذاب



شبہ کا جواب :- ..... البتہ گنہگار اہل ایمان کی یہ کیفیت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کی ارواح تو ایمان کی وجہ سے پاک تھیں صرف اعضاء مجرم تھے جن کی سزا محدود اور وقتی ہوگی۔ رہا یہ شبہ کہ مصیبت و کلفت جب دائمی ہو جاتی ہے تو پھر وہ مصیبت نہیں رہ جاتی۔ بلکہ عادت اور طبیعت بن جاتی ہے۔ اس لئے دوزخی کافروں کو کچھ عرصہ کے بعد وہاں کی تکالیف، تکالیف نہیں معلوم ہونی چاہئیں؟ جواب یہ ہے کہ راحت و تکلیف کا احساس بدن کی کھال کو ہوا کرتا ہے۔ زخم کی کھال اگر گل جائے یا مردہ ہو جائے تو اس کا احساس یقیناً ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر نئی کھال آ جائے تو احساس بھی تازہ اور نیا ہو جاتا ہے جو پہلے سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ دوزخ میں بھی یہی ہوگا۔ بدلنا ہم جلو دا غیر ہا لینو قوا للعداب۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ سوء مزاج اگر منفق ہو تب تو تکلیف کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن سوء مزاج مختلف ہونے کی صورت میں تکلیف و احساس بدستور رہتا ہے۔ چنانچہ دوزخ میں طرح طرح کے عذاب ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ عالم آخرت کو دنیا پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ یہاں کے تقاضے اور ہیں اور وہاں کے طور طریق دوسرے ہیں۔ اور دوزخیوں کے عذاب کی زیادتی کا ایک سبب یہ بھی ہوگا کہ ان کے مخالفین اہل ایمان کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ان للمتقين مفازا۔ متقین کا لفظ ”لا یرجون حساباً“ کے مقابل آیا ہے۔ اس لئے معنی میں بھی تقابل کا لحاظ ہوگا۔

جنتیوں کی عمر میں فرق کا نکتہ :- ..... کواعب اتوا با۔ نو خاستہ عورتیں جن کی جوانی پورے ابھار پر ہوگی اور وہ سب آپس میں ہم سن ہوں گے، یا اپنے شوہروں کی ہم سن ہوں گی۔ کیونکہ سب ارواح کا اپنے بدن سے تعلق ایک ہی وقت یعنی نخلۃ ثانیہ پر ہوگا۔ گویا سب کی پیدائش بیک وقت ہوگی۔ انا انشانہن انشاء فجعلناہن ابکارا عربا اتوا با لا صحاب الیمین اور یہ جنتی بیویاں مردوں کی ہم جنس اور ہم عصر ہوں گی تاکہ لطف دو بالا رہے۔ کیونکہ نا جنس سے جس طرح عیش مکر ہو جاتا ہے، عمر کے تفاوت سے بھی بے لطفی رہتی ہے۔ اسی لئے جوان اور بوڑھوں میں زیادہ جوڑ اور میل ملاپ نہیں ہوتا۔ اور مرد و عورت کی عمر کچھ تفسیروں میں تینتیس سال لکھی ہے اور بعض روایات میں عورتیں سترہ اٹھارہ سال کی بتلائی گئی ہیں اور مرد تینتیس سال کے سومردوں کو پختہ میوے جیسا سمجھنا چاہئے اور عورتوں کو اس پھل کی طرح جس کا کچا پکے سے بہتر ہوتا ہے۔ جیسے کھیرا کٹری وغیرہ۔

و کاساً دھاقا۔ شراب طہور کے چھلکے ہوئے جام ہوں گے۔ ایک پر ایک لگاتار دیئے جائیں گے۔ غلط ”دھاقا“ میں دونوں مفہوم داخل ہیں اور مقصد تفریح و قوت میں اضافہ ہوگا۔

دنیا اور جنت کے لذائذ میں فرق :- ..... یہ سب سامان عیش و عشرت دنیا کے سامان سے صرف نام کی شرکت رکھتے ہوگا نہ کہ حقائق و کوائف کی۔ بقول ابن عباس حقائق میں بڑا فرق ہوگا۔ کیونکہ دنیا کی چیزوں کا خاصہ ان کی کثیف عنصری مواد پر صورت نوعیہ مرتب ہونے سے ہوتا ہے۔ لیکن بہشت کے لطیف مواد منالیہ میں خاصہ، اسماء الہیہ اور حقائق قدسیہ کی تجلیات کی تاثیر سے پیدا جائے گا۔ دنیا میں بھی اگرچہ اسماء الہیہ کی تاثیرات ہی ظہور کا سبب بنتی ہیں۔ لیکن آخرت اور دنیا میں کمال ظہور، طہارت نشاط، لطافت مواد کے اعتبار سے زمین آسمان کا فرق ہے۔

بر مرتبہ از وجود حکمے دارد  
گرفرق مراتب کنی زندیقی

اسی لئے ارشاد فرمایا۔ لا یسمعون فیہا لغوا ولا کذابا۔ قرآن کریم کے متعدد مقامات پر یہ بات جنت کی بڑی نعمتوں

میں شمار کی گئی ہے کہ آدمی کے کان وہاں گندی، جھوٹی، بیہودہ باتوں کے سننے سے محفوظ رہیں گے وہاں نہ کوئی یا وہ کوئی ہوگی اور نہ فضول سب بازی، نہ کوئی کسی سے جھوٹ بولے گا، نہ کسی کو جھٹلائے گا۔ یہاں گالم گلوچ، بہتان، افتراء تہمت اور الزام تراشیوں کا جو طوفان برپا ہے اس کا کوئی نام و نشان وہاں نہ ہوگا۔

جنت کی نعمتوں میں فرق طبعی اسباب سے نہیں ہے بلکہ فضل الہی سے ہوگا:..... اور یہ نہ سمجھا جائے کہ دنیا میں جس طرح مختلف ملکوں کی آب و ہوا اور موسموں کے اثرات پڑتے ہیں اور ان سے سردی، گرمی، ارزانی، گرانی ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح جنت میں بھی یہ کیفیات ہوں گی۔ فرمایا نہیں، بلکہ جزاء من ربك عطاء حساباً۔ یعنی رتی رتی کا حساب ہو کر بدلہ ملے گا اور بہت کافی بدلہ ملے گا اور یہ بدلہ بھی محض بخشش اور رحمت الہی سے ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ پر کسی کا قرض یا جبر نہیں ہے۔ آدمی کا اپنے عمل کی بدولت عذاب سے بچنا ہی مشکل ہے۔ رہی جنت تو وہ اس کے فضل اور رحمت سے ملتی ہے۔ اسی کو ہمارے عمل کا بدلہ کہنا یہ دوسری ذرہ نوازی اور عزت افزائی ہے۔ یا ”جزاء“ کے بعد ”عطا حساباً“ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو صرف وہی جزاء نہیں دی جائے گی جس کے وہ مستحق تھے۔ بلکہ ان کو بھرپور اور مزید انعام دیا جائے گا برخلاف جہنمیوں کے۔ ان کی نسبت صرف اتنا فرمایا گیا کہ ان کے کرتوتوں کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا۔ یعنی جرائم کے مطابق نپا تلا بدلہ دیا جائے گا، نہ کم نہ زیادہ۔

رب السموات والارض وما بينهما الرحمن لا يملكون منه خطاباً۔ یعنی جہاں ایک طرف نوال و جمال اتنا، وہاں دوسری طرف عظمت و جلال کا حال بھی یہ ہے کہ کوئی اس کے آگے چوں نہیں کر سکتا اور اس کے رعب کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ از خود اللہ کے حضور زبان کھول سکے یا عدالت کے کام میں لب ہلا سکے۔

روح سے کیا مراد ہے؟..... یوم يقوم الروح النخ روح سے مراد عام جاندار ہیں یا ”روح القدس“ جبرائیل امین ہیں اور یا وہ ”روح اعظم“ مراد ہے جس سے بنیادی حصوں کا انشعاب ہوا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ روح سے مراد وہ لطیفہ دراکہ ہے جو ہر مخلوق کو عطا ہوا ہے۔ خواہ وہ آسمان ہو یا زمین، پہاڑ ہوں یا درخت، ہوا ہو یا پتھر، اسی لطیفہ دراکہ کی وجہ سے ہر چیز وقف تسبیح ہے۔ و ان من شئ الا یسبح بحمده، کل قد علم صلواتہ و تسبیحہ۔ اسی کو سورہ یسین میں ”ملکوت کل شئی“ تعبیر فرمایا گیا ہے۔ دراصل یہ لطیفہ ایک نوزانی جو ہر ہے جو تمام جواہر و اعراض سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی کی وجہ سے قیامت میں نیک اعمال، کعبہ معظمہ، آسمان، زمین، دن، رات گواہی دیں گے یا شفاعت کریں گے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ مؤذن کی اذان جہاں جہاں پہنچتی ہے وہ سب چیزیں قیامت میں گواہی دیں گی۔ ہر چیز کو مناسب شکل عطا کی جائے گی۔ اور انسان اور دوسری مخلوق کی ارواح کے بدن سے تعلق میں یہ فرق ہے کہ انسان کے لئے تو دوامی تعلق ہے اور حلول سریانی کے مشابہ ہے۔ کہ تمام قوائے طبعہ نباتیہ، حیوانیہ میں آ کر اپنے حکم کے تابع کر دیتا ہے اور دوسری چیزوں کا تعلق غیر دوامی اور حلول طریانی کے مشابہ ہے۔ چنانچہ بعض اوقات اس کا اثر دنیا میں بھی ظاہر ہوتا ہے کہ درخت اور پتھر انبیاء کو سلام کلام کرتے ہیں اور ان کے احکام بجالاتے ہیں۔ قیامت کے روز یہ تعلق قریب قریب دوامی اور حلول سریانی کے مشابہ ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں آیا ہے کہ قیامت کے قریب بہت سے عجائبات ظاہر ہوں گے۔ راز اس میں یہ ہے کہ روحانیت کے غلبہ کی وجہ سے اس تعلق کا اثر ظاہر ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام کی روحانیت کا غلبہ اسی طرح قیامت کے قریب احکام روح کا غلبہ ہوگا۔ اس لئے خوارق ظاہر ہوں گے اور ہر چند کہ اللہ کی عظمت و جلال ذاتی ہے۔ لیکن اس کا کمال ظہور قیامت کے روز ہوگا۔

شفاعت کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں:..... لا یتکلمون الا من الخ سب دم بخود رہیں گے۔ کسی کی مجال نہیں ہوگی شفاعت کے لئے لب کشائی کر سکے۔ الا یہ کہ دو شرطیں پائی جاتی ہوں ایک یہ جس کو جس کے حق میں شفاعت کی اجازت ملے گی وہی شفاعت کر سکے گا اور اسی کے حق میں شفاعت کر سکے گا۔ نہ دوسرا کوئی شفاعت کر سکے گا اور نہ دوسرے کے حق میں شفاعت ہوگی۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ سفارش بھی صحیح ہو اور بے جا نہ ہو۔ یعنی کافر و مشرک کے بارے میں سفارش نہ ہو۔ بلکہ گنہگار مسلمان کے لئے ہو۔ کیونکہ قیامت کے دن حق کا روز ہوگا۔ وہاں ناحق کی بات نہیں چلے گی دنیا کی طرح نہیں۔ جس میں جھوٹ سچ سب غلط ہوتا ہے۔ نیز اسی روز اچھے برے، نیک و بد میں امتیاز ہو جائے گا۔ اگرچہ دنیا میں سب گنڈھڑے ہیں۔ ”عذابا قریبا“ سے مراد برزخ کا عذاب ہے جو ہر شخص کو مرنے کے بعد پیش آئے گا۔

برزخی عذاب ساری دنیا کو دکھلانے کی ضرورت نہیں:..... اس برزخی عذاب کے لئے سارے عالم کبیر کو خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ عالم صغیر میں ہر شخص کی انفرادی موت ہی کافی ہے۔ کیونکہ برزخی عذاب کی حقیقت گناہوں اور برے کاموں کی حقیقت اسی مردے پر ظاہر کرنا ہے جس پر یہ بد عملیاں غالب تھیں تاکہ یہ ذراؤنی شکلیں اس کی قوت خیالیہ پر چھائی رہیں۔ حقیقی عذاب کہ جس میں تمام اہل حق اور گواہ جمع ہوں اور اگلے پچھلوں کا مجمع اللہ کے دربار عام میں جمع ہو اور حق تعالیٰ بے حجاب تجلی فرمائیں۔ وہ یوم یسظر المرء ما قدمت یداہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں دو باتوں سے مراد نیکی اور بدی کی قوتیں ہیں، اور نیکیوں بدیوں کو آگے بھیجنا اس بات کی دلیل ہے کہ نیکی کی نورانیت اور بدی کی ظلمت اس کی ذات میں پیدا ہو چکی تھی۔ کیونکہ جب تک کسی چیز کی محبت دل میں نہ جم جائے۔ اس عمل کی تقویم یا ترجیح اس وقت تک ممکن نہیں۔ اور عالم مثال میں اس کے مناسب ایک شکل و صورت ہوتی ہے۔ پس جب انسان کا نفس دنیا کے ادراک و تصرفات سے فراغت کے بعد بالکل آخرت کے ادراکات و تصرفات کی طرف متوجہ ہوگا۔ اس وقت ان کو دیکھے گا۔ اور عذاب کی اس قسم کے مقابل فلاسفہ اور حکماء بھی ہیں اور خواب پر قیاس کرتے ہوئے اس کو واقعی جانتے ہیں۔ بلکہ صرف اتنا ہے کہ خواب کے عذاب سے تو جاگتے ہی خلاصی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نفس عالم شاہد کے ادراکات کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ لیکن برزخی عذاب سے اس طرح کی خلاصی ممکن نہیں ہے کیونکہ وہاں بیداری نہیں ہے اور عذاب قیامت و آخرت کو تو کسی کی عقل ادراک ہی نہیں کر سکتی۔ بہر حال برزخی عذاب فعل واقع ہونے سے قریب ہے۔ اور بلحاظ تصور و تصدیق کے بھی قریب ہے۔ تاہم صحیح ایمان اور درست اعتقاد کی بدولت اس برزخی عذاب قریب سے بھی نجات ملے گی۔ کیونکہ اعمال بد کی اشکال بد اگرچہ گنہگار کی ذات میں ظلماتی صورت میں مرتسم ہیں۔ لیکن آفتاب ایمان کا نور ان تاریک بدلیوں کو پھاڑ کر رکھ دے گا۔ برخلاف کافر کے۔ اس کے پاس ذرہ بھر ایمان کا نور نہیں ہوگا۔ بلکہ صرف کفر و بد عملی کی ظلمتیں ہوں گی۔ اس لئے وہ یاس و حسرت سے پکاراٹھے گا۔ ”یا لسنی کنت ترابا“ کاش میں دنیا میں پیدا ہی نہ ہوتا یا مر کر مٹی ہو جاتا اور دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کی نوبت ہی نہ آتی۔

قیامت کے قریب ہونے کا کیا مطلب ہے:..... رہا یہ عذاب قیامت کو قریب کیسے کہا گیا ہے۔ حالانکہ ابھی تو نہ معلوم قیامت میں کتنا وقت ہے؟ جواب یہ ہے کہ انسان کو وقت کا احساس اسی وقت تک رہتا ہے۔ جب تک وہ دنیا کے ماحول میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ مرنے کے بعد جب صرف روح باقی رہ جائے گی تو وقت کا احساس و شعور ختم ہو جائے گا۔ قیامت میں جب انسان اٹھے گا تو اسے یوں محسوس ہوگا۔ کہ اسے ابھی کسی نے سوتے سے جگا دیا ہے۔ اسے یہ بالکل احساس نہیں ہوگا کہ وہ ہزار ہا سال کے بعد زندہ ہو رہا ہے اور خاک ہونے کی تمنا کرنا اس لئے ہوگا کہ خاکی انسان کی اصل خاک ہی ہے، گویا وہ بھی مرکب عنصر ہے۔ عنصر بسیط نہیں ہے۔ یہ

ایسے ہی ہے جیسے سفر میں کسی کو حادثہ پیش آ جائے اور یہ کہنے لگے۔ کہ کاش میں گھر سے ہی باہر نہ نکلتا، حالانکہ وہ یہ بھی آرزو کر سکتا تھا کہ میں راستہ ہی سے واپس ہو جاتا یا آگے ہی نہ بڑھتا۔ مگر مصیبت سے انتہائی دوری حاصل کرنے کے لئے یہ جملہ کہتا ہے۔ دوسرے یہ بھی سمجھے گا کہ اس وقت یہ ساری مصیبت میری روح کے باقی رہنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اگر میں صرف بدن یا خاک ہوتا تو یہ بھیا نک آفت میں کیوں پھنستا۔ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ سے مرفوع و موقوف روایت ہے کہ جانوروں سے قصاص اور بدلہ لینے کے بعد حکم ہوگا کہ خاک ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ دیکھ کر کافر غبطہ کریں گے کہ کاش ہماری رہائی کی بھی یہی صورت ہو جاتی۔ اور بعض صوفیاء کا خیال ہے کہ خاک ہونے سے مراد خاکساری اور فروتنی ہے کہ کبر و غرور نہ کرتا تو اس آفت سے بچ جاتا۔ اسی طرح کافر سے مراد ابلیس بھی ہو سکتا ہے کہ آدم اور اولاد آدم پر نوازشوں کو دیکھے گا تو تمنا کرے گا کہ میں ناری نہ ہوتا بلکہ خاکی ہوتا۔ اس سے پہلے جملہ خلقتی من نار و خلقہ من طین کا رد عمل ظاہر ہوگا۔

**خلاصہ سورت:** ..... آنحضرت ﷺ کی ابتدائی دعوت کے تین بنیادی اصول تھے:-

۱۔ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

۲۔ اللہ نے محمد ﷺ کو اپنا رسول بنایا ہے۔

۳۔ دنیا کی زندگی کے بعد ایک دوسرا عالم آئے گا جس میں ہر چیز پہلی آیت پر پیش ہو کر اللہ کے آگے حساب کتاب دے گی اور اس کے مطابق اس پر جزاء و سزا ہمیشہ کے لئے مرتب ہو جائے گی۔ مومن و صالح سدا جنت میں رہیں گے۔ اور کافر ہمیشہ اور مومن اور فاسق علی الحساب دوزخ میں رہیں گے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے کسی نہ کسی درجہ میں مشرکین مکہ اس کو مانتے تھے۔ بلکہ اس کو خالق، رازق، رب اعلیٰ بھی مانتے تھے۔ البتہ وہ اور ہستیوں کو بھی خدائی صفات، اختیارات اور الوہیت میں شریک گردانتے تھے۔

دوسری بات کو بھی اگرچہ وہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ مگر اس کو کیا کریں کہ محمد (ﷺ) کی چالیس سالہ زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کے سامنے تھا۔ جس میں کہیں انہیں انگلی ٹیکنے کی جگہ نہ ملی۔ بلکہ آپ کی نیک چلنی، راست روی، دانشمندی پاکیزگی اخلاق، عالی ظرفی کے سب قائل تھے۔ اس لئے دوسروں کو قائل کرنا تو بجائے خود، وہ اپنے طور پر بھی سوچتے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ سب باتوں میں تو سچے ہوں مگر صرف پیغمبری کے دعویٰ میں جھوٹے ہوں۔

لیکن خیر یہ دونوں باتیں تو کسی نہ کسی درجہ میں گلوگیر ہو ہی رہی تھیں۔ سب سے زیادہ انہیں تیسری بات نے مشکل میں ڈال رکھا تھا۔ وہ سب سے زیادہ حیرانی و تعجب میں مبتلا تھے۔ مرنے کے بعد جوں کا توں دوبارہ زندہ ہونے کو خارج از عقل اور ناممکن سمجھ کر مذاق اڑاتے تھے۔ تاہم یہ اسلام کا بنیادی پتھر تھا۔ اس کے بغیر اگلی عمارت کا انحصار ممکن نہ تھا۔ اور اسلام جو انقلاب لانا چاہتا تھا یعنی دنیا میں خدا پرستی، صالح معاشرہ خدا ترسی وہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ جب تک آخرت کا اعتقاد مکمل طور پر ان کے ذہن نشین نہ کر دیا جاتا۔ اسی لئے ابتدائی مکی سورتوں میں پورا زور اسی عقیدہ آخرت کے دلوں میں جائزیں کرنے پر صرف کیا گیا اور ساتھ ساتھ درمیان میں تو حید و رسالت کو بھی بالاختصار مدلل طور پر جمادیا گیا۔ آخرت کے یقین کو مختلف مگر نہایت مؤثر انداز میں بار بار دہرایا گیا۔ تاکہ بنیاد مضبوط و مستحکم ہو جائے۔

چنانچہ سورہ نبا میں سب سے پہلے ”عم یتساءلون“ میں ان غیر معمولی چہ چوں کی طرف اشارہ کیا گیا۔ جن سے مکہ کی فضا گونج رہی تھی۔ پھر انکار کرنے والوں کے آگے کائنات کی تو بڑی بڑی چیزوں کو رکھ کر پوچھا گیا۔ کہ کیا تم ان چیزوں کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھ

سکتے کہ جس کا دل قدر الہی ہستی نے یہ ساری چیزیں پیدا کیں، کیا وہ قیامت قائم کرنے اور عالم کو حساب کتاب کے لئے دوبارہ کھڑے کرنے پر قادر نہیں ہے اور جس حکمت و دانائی سے اس جہان کو بنایا ہے اور اس کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کی ہر چیز اور ہر کام تو سلسلہ اسباب سے بندھا ہوا ہے اور کوئی نہ کوئی مقصد رکھتا ہے۔ مگر خود یہ عالم بے مقصد ہے؟ آخر اس بات میں کیا تک نظر آتا ہے کہ پہلے تو انسان کو اس بزم کا صدر نشین بنا کر امتیازی اختیارات دے دیئے جائیں اور اپنی نیابت کا منصب حوالہ کر دیا جائے اور آگے چل کر اسے یونہی مہمل طور پر ختم ہونے دیا جائے۔ اچھے کام پر انعام نہ بگاڑنے پر انتقام۔

افحسبتم انما خلقناکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون۔

فرماتے ہیں، تم اقرار کرو یا انکار، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ فیصلہ کا دن ٹھیک وقت پر آ کر رہے گا۔ پس صور پھونکنے کی دیر ہے۔ تم مانو یا نہ مانو، سب کچھ تمہارے سامنے آ کر رہے گا۔

اس کے بعد جہلا نے والوں کو کہا جا رہا ہے کہ تمہاری ایک ایک حرکت ہمارے یہاں لکھی ہوئی ہے اور دوزخ ایسوں کی گھات میں لگی ہوئی ہے جھوڑے کی نہیں۔ اسی طرح ذمہ داریوں کا احساس کر کے جنہوں نے دنیا میں رہ کر آخرت سنوارنے کی فکر رکھی اور کوشش کی انہیں بھرپور بدلہ ہی کی نہیں۔ بلکہ زائد انعام و اکرام کی توقع رکھنی چاہئے۔

پھر خاتم سورت پر قیامت کی عدالت عالیہ کا قانون عدل ارشاد فرمایا گیا۔ کہ یہ مت سمجھ لینا کہ دنیا کی طرح وہاں زور زبردستی چل جائے گی۔ اور لوگ اس طرح سزا سے بچ نکلیں گے۔ ہرگز نہیں بلا اجازت کوئی زبان نہیں کھول سکے گا اور نہ بد استحقاق و اہلیت کسی کی سفارش ہوگی۔ یعنی گنہگار مسلمان سفارش کے قائل ہوں گے۔ باغی کافر و مشرک اس کے مستحق نہ ہوں گے۔

اور اس تنبیہ کے ساتھ سورت ختم کر دی کہ ”یوم الفصل“ کو دور نہ سمجھو بالکل قریب آ پہنچا ہے۔ اب خواہ اس کو مان کر اللہ تک رسائی کی کوشش کرو اور یا پھر یہاں تک انجام کے لئے قیام ہو جاؤ کہ انکار کے نتیجہ میں، سب کئے دھرے پر پچھتا کر کہنا پڑے گا کہ اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتا۔

فضائل سورت: ..... من قرء سورة عم سقاہ اللہ برد الشراب یوم القیامة۔ (بیضاوی) ارشاد ہوا کہ جو کوئی شخص سورہ عم پڑھے گا۔ اللہ اس کو قیامت کے دن ٹھنڈے پانی سے سیراب فرمائے گا۔

لطاائف سلوک: ان للمتقین مفازا۔ جنت کے نعمتوں کو کامیابی فرمانے سے ان لوگوں پر رد ہو گیا جو اپنے کو اس سے مستغنی ظاہر کرتے ہیں اور مغلوب الحال اس سے مستغنی ہیں۔

## سُورَةُ النَّازِعَاتِ

سُورَةُ النَّازِعَاتِ مَكِّيَّةٌ سِتُّ وَأَرْبَعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالنَّازِعَاتِ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِعُ أَرْوَاحَ الْكُفَّارِ غَرْقًا ﴿۱﴾ نَزْعًا بِشِدَّةٍ وَالنَّاشِطَاتِ نَشَاطًا ﴿۲﴾ الْمَلَائِكَةُ تَنْسِطُ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِينَ أَيْ تَسْلُهَا بِرَفْقٍ وَالسَّابِقَاتِ سَبَقًا ﴿۳﴾ الْمَلَائِكَةُ تَسْبَحُ مِنْ السَّمَاءِ بِأَمْرِ تَعَالَى أَيْ تَنْزِلُ فَالسَّابِقَاتِ سَبَقًا ﴿۴﴾ أَيْ الْمَلَائِكَةُ تَسْبِقُ بِأَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى الْجَنَّةِ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا ﴿۵﴾ الْمَلَائِكَةُ تُدَبِّرُ أَمْرَ الدُّنْيَا أَيْ تَنْزِلُ بِتَدْيِيرِهِ وَجَوَابُ هَذِهِ الْأَقْسَامِ مَحذُوفٌ أَيْ تُبْعَثُ يَا كُفَّارُ مَكَّةَ وَهُوَ عَامِلٌ فِي يَوْمٍ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾ النَّفْخَةُ الْأُولَى بِهَا يَرْجَفُ كُلُّ شَيْءٍ أَيْ يَتَزَلْزَلُ فَوْصِفَتْ بِمَا يَحْدُثُ مِنْهَا تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾ النَّفْخَةُ الثَّانِيَّةُ وَبَيْنَهُمَا أَرْبَعُونَ سَنَةً وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنَ الرَّاجِفَةِ فَالْيَوْمَ وَاسِعٌ لِلنَّفْخَتَيْنِ وَغَيْرِ هِمَا فَصَحَّ ظَرْفُتُهُ لِلْبُعْثِ الْوَاقِعِ عَقِيبَ الثَّانِيَةِ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ﴿۸﴾ خَائِفَةٌ قَلَقًا أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿۹﴾ ذَلِيلَةٌ لِهَوْلٍ مَا تَرَى يَقُولُونَ أَيْ أَرْبَابُ الْقُلُوبِ وَالْأَنْصَارُ اسْتِهْزَاءٌ بِالنَّازِعَاتِ وَانْكَارُ الْبُعْثِ، أَنَا بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَإِدْخَالِ الْفَاءِ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوُجْهِينِ فِي الْمَوْضَعَيْنِ لَمَرْدُودُونَ فِي الْخَافِرَةِ ﴿۱۰﴾ أَيْ أَتَرَدُّ بَعْدَ الْمَوْتِ إِلَى الْحَيَاةِ وَالْخَافِرَةُ اسْمٌ لِأَوَّلِ الْأَمْرِ وَمِنْهُ رَجَعَ فَلَانٌ فِي خَافِرَتِهِ إِذَا رَجَعَ مِنْ حَيْثُ جَاءَ إِذَا كُنَّا عِظَامًا نَجْرَةً ﴿۱۱﴾ وَفِي قِرَاءَةٍ نَاجِرَةً بِأَلِيَّةٍ مُتَمِتَّةٌ نُحْيِي قَالُوا تِلْكَ أَيْ رَجَعْتَنَا إِلَى الْحَيَاةِ إِذَا إِنْ صَحَّتْ كَرَّةٌ رَجَعَتْ خَاسِرَةً ﴿۱۲﴾ ذَاتُ خُسْرَانٍ قَالَ تَعَالَى فَإِنَّمَا هِيَ أَيْ الرَّادِفَةُ الَّتِي يَعْقُبُهَا الْبُعْثُ زَجْرَةٌ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَإِذَا هُمْ أَيْ كُلُّ الْخَلَائِقِ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾ بِوَجْهِ الْأَرْضِ أَحْيَاءٌ بَعْدَ مَا كَانُوا يَبْطِنُهَا أَمْوَاتًا هَلْ أَتَاكَ يَا مُحَمَّدُ حَدِيثُ مُوسَى ﴿۱۵﴾ عَامِلٌ فِي إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اسْمُ الْوَادِي بِالتَّنْوِينِ وَتَرْكِه فَقَالَ إِذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ﴿۱۷﴾ تَحَاوَزَ الْحَدَّ فِي الْكُفْرِ فَقُلْ هَلْ لَكَ أَدْعَاؤُكَ إِلَى أَنْ تَزَكَّى ﴿۱۸﴾

وَفِي قُرْآنِهِ تَنْذِيرٌ لِمَنْ يَرَىٰ بِأَذْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِيهَا تَطْهَرُ مِنَ الشِّرْكِ بِأَنَّ تَشْهَدَ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ أَذْلُكَ عَلَىٰ مَعْرِفَتِهِ بِالْبُرْهَانِ فَتُخْشَىٰ ﴿١٩﴾ فَتَخَافُهُ قَارِبُهُ الْآيَةُ الْكُبْرَىٰ ﴿٢٠﴾ مِنْ آيَاتِهِ اتَّسَعَ وَهِيَ سِدٌّ أَوْ اِعْصَا فَكَذَّبَ فِرْعَوْنُ مُوسَىٰ وَعَصَىٰ ﴿٢١﴾ اللَّهُ تَعَالَىٰ ثُمَّ أَذْبَرَ عَنِ الْإِيمَانِ يُسْعَىٰ ﴿٢٢﴾ فِي الْأَرْضِ بِالْفُسَادِ فَحَشَرَ جَمَعَ السَّحَرَةَ وَجُنْدَهُ فَنَادَىٰ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ أَنَارْتُكُمْ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٤﴾ لَارَتْ فَوْقِي فَأَخَذَهُ اللَّهُ أَهْلَكَهُ بِالْغَرَقِ نَكَالَ عُقُوبَةِ الْآخِرَةِ أَيْ هَذِهِ الْكَلِمَةُ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾ أَيْ قَوْلُهُ قَبْلُهَا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي وَكَانَ بَيْنَهُمَا رُبْعُونَ سَنَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ الْمَذْكُورِ لَعِبْرَةً لِمَنْ يَخْشَىٰ ﴿٢٦﴾ اللَّهُ تَعَالَىٰ أَنْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَابْدَالِ الثَّانِيَةِ الْفَاوِ تَسْهِيلُهَا وَإِدْخَالِ أَيْفٍ بَيْنَ الْمُسْهَلَةِ وَالْآخِرَىٰ وَتَرْكِهِ أَيْ مُنْكَرُ وَالْبَعْثِ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ السَّمَاءُ أَشَدُّ خَلْقًا بَنَاهَا ﴿٢٧﴾ بَيَانٌ لِكَيْفِيَّةِ خَلْقِهَا رَفَعَ سَمَكُهَا تَفْسِيرٌ لِكَيْفِيَّةِ الْبِنَاءِ أَيْ جَعَلَ سِمَتَهَا مِنْ جِهَةِ الْعُلُوِّ رَفِيعًا وَقِيلَ سَمَكُهَا سَقْفُهَا فَسَوَّاهَا ﴿٢٨﴾ خَعَلَهَا مُسْتَوِيَةً بِإِلَاعِيبٍ وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا أَظْلَمَهُ وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ﴿٢٩﴾ أَرَزَّ نُورَ شَمْسِهَا وَأَضْيَفَ إِلَيْهَا اللَّيْلُ لِأَنَّهُ ظَلَّمَهَا وَالشَّمْسُ لِأَنَّهُا سَرَّاجُهَا وَالْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا ﴿٣٠﴾ سَطَّهَا وَكَانَتْ مَحْذُوفَةً قُلُوبِ السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ دَحْوٍ أَخْرَجَ حَالَ بِاضْمَارٍ قَدْ أَيْ مَخْرَجًا مِنْهَا مَاءً هَا بِتَفْخِيرِ غُيُوبِهَا وَمَرْعَاهَا ﴿٣١﴾ مَا تَرْعَاهُ النَّعْمُ مِنَ الشَّجَرِ وَالْعُشْبِ وَمَا يَأْكُلُهُ النَّاسُ مِنَ الْأَقْوَاتِ وَالْثِمَارِ وَأَصْلَاقِ الْمَرْغَىٰ عَلَيْهِ اسْتِعَارَةٌ وَالْجِبَالُ أَرْسَاهَا ﴿٣٢﴾ أَثْبَتَهَا عَلَىٰ وَجْهِ الْأَرْضِ لِتَسْكُنَ مَتَاعًا مَفْعُولٌ لَهُ الْمُقَدَّرُ أَيْ فَعَلَ ذَلِكَ مَتْعَةً أَوْ مُصَدِّرٌ أَيْ تَمَتُّيعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ جَمَعَ نَعَمٍ وَهِيَ الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَةُ الْكُبْرَىٰ ﴿٣٤﴾ النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ بِذَلِّ مَنْ إِذَا مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾ فِي الدُّنْيَا مِنْ حَيْرٍ وَشَرٍّ وَبُرْزَتِ أُظْهِرَتْ الْجَحِيمُ النَّارُ الْمُحْرِقَةُ لِمَنْ يَرَىٰ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ رَأٍ وَحَوَاتٍ إِذَا فَاسَّامُنْ طَغَىٰ ﴿٣٧﴾ كَفَرَ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ بِإِتِّبَاعِ الشَّهَوَاتِ فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَاوَىٰ ﴿٣٩﴾ مَاوِدٌ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ قِيَامَةً بَيْنَ يَدَيْهِ وَنَهَىٰ النَّفْسَ الْآمَارَةَ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾ الْمُرْدَىٰ بِإِتِّبَاعِ شَهَوَاتِ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاوَىٰ ﴿٤١﴾ وَحَاصِلُ الْخَوَابِ فَالْعَاصِي فِي النَّارِ وَالْمُصِيعُ فِي الْجَنَّةِ يَسْأَلُونَكَ أَيْ كُنْفَارٌ مَكَّةٌ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ﴿٤٢﴾ مَتَىٰ وَقُوعُهَا وَقِيَامُهَا فِيمَ مِنْ شَيْءٍ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا ﴿٤٣﴾ أَيْ لَيْسَ عِنْدَكَ عِلْمُهَا حَتَّىٰ تَذْكُرَهَا إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا ﴿٤٤﴾ مُنْتَهَىٰ عِلْمُهَا لِأَنَّ عِلْمَهُ غَيْرُهُ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ إِنَّمَا يَنْفَعُ إِذْذَارُكَ مَنْ يَخْشَاهَا ﴿٤٥﴾ يَخَافُهَا كَانَهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ



يَلْبَسُوا فِي قُبُورِهِمْ اِلَاعَشِيَّةً اَوْ صُحْحًا (۴۶) اَي عَشِيَّةً يَوْمَ اَوْ نُحْرَتِهِ وَصَحْحًا اِضَافَةُ الصُّحْحِ اِلَى الْعَشِيَّةِ لِمَا يَلْبَسُهُمَا مِنَ الْمَلَابِسَةِ اِذْهُمَا طَرَفَا النَّهَارِ وَحَسَّنَ الْاِضَافَةَ وَقَوَّعَ الْكَلِمَةَ فَاصِلَةً

ترجمہ: سورہ والنار ذات مکیہ ہے جس میں ۴۶ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قسم ہے ان فرشتوں کی جو (کافروں کی جان) سختی (بڑی شدت) سے نکالتے ہیں اور جو بند کھول دیتے ہیں (مسلمانوں کی ارواح کو خوش کر دیتے ہیں یعنی آسانی سے روح قبض کرتے ہیں) اور وہ تیرتے ہوئے چلتے ہیں (فرشتے جو حکم الہی سے تیرتے ہیں یعنی آسمان سے اترتے ہیں) پھر تیزی کے ساتھ دوڑتے ہیں (فرشتے مومنوں کی روحوں کو جنت میں لے جانے کے لئے سبقت کرتے ہیں) پھر ہر امر کی تدبیر کرتے ہیں (فرشتے دنیا کے انتظامات کرتے ہیں۔ یعنی انتظام کے لئے اترتے ہیں۔ ان قسموں کا جواب محذوف ہے یعنی اے کلمہ کے نہ ماننے والو! تم ضرور قیامت میں اٹھائے جاؤ گے اور اگلے جملے میں عامل بھی یہی ہے) جس روز ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (پہلا صور جس سے ہر چیز ہل جائے گی یعنی زلزلہ میں آجائے گی۔ اس لئے صور کو اسی سے متصف کر دیا) جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آئے گی (دوسرا صور، ان دونوں کے درمیان چالیس سال فاصلہ ہے گا اور یہ جملہ راجفۃ سے حال ہے قیامت کے دن یہ دونوں مرتبہ صور بھی پھونکیں گے اور دوسرے کام بھی ہوں گے اس لئے دوسرے صور کے بعد جو ”بعث ہوگا یہ اس کا ظرف بھی ہو سکتا ہے) بہت سے دل اس روز دھڑک رہے ہوں گے (خوف و قلق میں مبتلا ہوں گے) ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی (دہشت ناک منظر، کچھ کرنا پ رہی ہوں گی) کہتے ہیں (دل اور آنکھ رکھنے والے بطور مذاق، قیامت کا انکار کرتے ہوئے) کیا ہم (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے ہمزہ کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں جگہ الف داخل کر کے پڑھا گیا ہے) پہلی حالت میں پھر واپس ہوں گے (یعنی کیا مرے بعد پھر واپس آکر زندہ ہوں گے۔

حافض کہتے ہیں اول دفعہ کو، چنانچہ کہا جاتا ہے۔ رجع فلان فی حافرنہ۔ جب کوئی پہلی جگہ پلٹ جائے) کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (ایک قراءت میں ”فناخوۃ“ ہے ٹوٹ پھوٹ کر پھر جلانے جائیں گے) کہتے ہیں (یہ پہلی زندگی کی طرف واپسی) اس صورت میں یہ واپسی (جب کہ یہ صحیح ہو) بڑے خسارہ کی ہوگی (گھانا رہے گا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں) بس وہ (یعنی وہ دوسرا نچھ جس کے بعد بعث ہوگا) ایک سخت آواز ہوگی (اور جب نچھ ہوگا) پس لوگ (مخلوق) فوراً نئی میدان میں آ موجود ہوں گے (روئے زمین پر زندہ ہو کر، زمین کے اندر سے مردے نکلیں گے) کیا آپ کو (اے محمد!) موسیٰ کا قصہ (یہ فسی میں عامل ہے) پہنچا ہے جب کہ ان کو ان کے پروردگار نے ایک پاک میدان یعنی طوے میں پکارا (وادی کا نام ہے تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین کے ارشاد فرمایا) کہ تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی شرارت اختیار کی ہے (کفر کرنے میں حد سے بڑھ گیا ہے) سو اس سے کہو، کیا تجھ کو اس کی خواہش ہے (تجھ کو اس کی دعوت دوں) کہ تو درست ہو جائے (ایک قراءت میں تشدید کرتے ہوئے تانے ثانیہ کے ادغام کے ساتھ، کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے شرک سے پاک ہو جائے) اور میں تجھ کو تیرے پروردگار کی طرف رہنمائی کروں (دلیل کے ساتھ اس کی معرفت کے لئے) تو تو ڈرنے لگے۔ پھر اس کو بڑی نشانی دکھائی (نوشانیوں میں سے، ید بیضا تھا یا عصا) سو (فرعون نے موسیٰ کو) جھٹلایا اور کہنا نہ مانا (اللہ کا) پھر (ایمان) سے جدا ہو کر کوشش کرنے لگا (ملک میں فساد کی) اور (جادو گروں اور لشکریوں کو) جمع کیا۔ پھر با آواز بند تقریر کی اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں (مجھ سے بڑا کوئی رب نہیں) سو اللہ نے اس کو پکڑ لیا (غرق کر کے ہلاک کر دیا) سزا میں اس (پچھلے) کلمہ کی اور پہلی بات کی (یعنی پہلے ما علمت لکم من الہ غیر ی کہا تھا۔ ان دونوں باتوں کے درمیان چالیس سال کا فصل تھا) بے شک اس (مذکورہ) واقعہ میں ایسے شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو (اللہ سے) ڈرتا ہو بھلا تمہارا (دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدلتے ہوئے۔ اور ہمزہ مسہلہ اور دوسرے ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے اور بغیر الف داخل کئے یعنی اے مکرین

قیامت!) پیدا کرتا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا (پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے) اللہ نے اس کو بنایا (یہ آسمان کی کیفیت کا بیان ہے) کہ اس کی سمت کو بلند کیا (آسمان بنانے کی کیفیت کی تفصیل ہے۔ یعنی اس کے اوپر کا رخ نہایت اونچا بنایا اور بعض نے سمک کے معنی چھت کہتے ہیں) اور اس کو ٹھیک ٹھاک (بلاعیب) بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا (آفتاب کے نور کو چمکایا۔ اور رات کی نسبت آسمان کی طرف کی ہے کیونکہ رات آسمان کا سایہ ہے اور آفتاب کی نسبت بھی آسمان کی طرف کی ہے) اور اس کے بعد زمین کو بچھ دیا ہے (پھیلا دیا ہے۔ جو آسمان سے پہلے پیدا تو ہو چکی تھی مگر پھیلائی نہیں گئی تھی) نکالا (قصد مقدر، مان کر حال ہے یعنی منحصر جا) اس کا پانی (اس سے چشمے جاری کر کے) اور چارہ (درخت، گھاس جو چوپائے کھاتے ہیں اور انسانوں کے لئے خوراک اور پھل اور لفظ مصرعی بولن بطور استعارہ ہے) اور پہاڑوں کو قائم کر دیا (زمین کو ٹھہرانے کے لئے ان کو جما دیا) فائدہ پہنچانے کے لئے (فعل مقدر کا یہ مفعول لہ ہے ای فعل ذلک متعہ۔ یا مفعول مطلق ہے بمعنی تمتعنا) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے (انعام، نعم کی جمع ہے اونٹ، گائے، بکری) سو جب وہ بڑا سنگامہ (دوسرا ٹخہ) آئے گا یعنی جس دن انسان یاد کرے گا (یوم اذا سے بدل ہے) اپنے کئے کو (دنیا میں اچھے برے کام کو) اور دوزخ (جلادینے والی آگ ظاہر کر دی جائے گی دیکھنے والوں کے سامنے) (برہم دیکھنے والے کے اور اذا کا جواب آئے ہے) جس شخص نے سرکشی (کفر) کی ہوگی اور دنیا کی زندگانی کو (خواہشات کی پیروی کر کے) ترجیح دی ہوگی۔ سو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگا اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس (امارہ) کو خواہش سے روکا ہوگا (جو خواہشات بر باد کرنے والی ہیں) سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا (خلاصہ جواب یہ ہے کہ تا فرمان دوزخ میں اور فرمان جنت میں جائے گا) یہ لوگ (کفار مکہ) آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کب ہوگی (کس وقت قائم ہوگی) سو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق (یعنی آپ کو اس کی خبر نہیں کہ آپ بتا سکیں) آپ کا مدار صرف آپ کے پروردگار کی طرف ہے (یعنی اس کا علم اللہ کو ہے کسی دوسرے کو نہیں) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں (آپ کے ڈرانے کا نفع) اس شخص کو ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔ جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دن کے آخری حصہ میں یا اس کے اول حصہ میں (قبروں کے اندر) ٹھہرنا ہوا ہے (یعنی ایک ہی دن کی شام صبح مراد ہے۔ اور ضحیٰ کی اضافت عشیہ کی طرف باہم ملا بست کی وجہ سے صحیح ہے کیونکہ یہ دونوں دن کے کنارے ہیں۔ اور کلمہ فاصل کی وجہ سے اضافت میں حسن آ گیا ہے۔)

**تحقیق و ترکیب:** ... والنزاعات۔ ان تمام صفات کا موصوف الملائکۃ محذوف ہے۔ نزاع کے معنی۔ سختی سے کھینچنے کے ہیں۔ اور عرفا کے معنی اور زیادہ شدت کے ہیں۔ اس لئے بحذف زوائد یہ مفعول مطلق ہو جائے گا۔ یا نفوس کا اجسام میں ڈوبا ہوا ہونا مراد ہے۔

والناشطات نشطا کے معنی کسی چیز کو نرمی سے نکالنے کے آتے ہیں۔ جیسے ڈول کنویں سے بسہولت نکالا جاتا ہے۔ مشط الدلو من البیر کہا جاتا ہے۔ ارواح مومنین کو بھی فرشتے اسی طرح نکالتے ہیں۔ حضرت علیؑ سے ماثور ہے۔ ہی الملائکۃ نشط ارواح الکفار مابین الاظفار والجلد حتی یخرج۔

السباحات۔ مبع الغواص الذی یخرج الشئی من اعماق البحر۔ کہا جاتا ہے اسی طرح فرشتے احکام الہی نہایت تیزی سے پہنچاتے ہیں۔

السباقات۔ کفار کو دوزخ کی طرف اور مومنین کو جنت کی طرف لے کر لپکتے ہیں۔

المدبرات۔ یعنی عالم کی تدبیر و انتظامات جو فرشتے کرتے ہیں۔ روح البیان میں ہے۔ ثم ان النفوس الشریفۃ لا

یسعدان یتظہر مہا اثار فی هذا العالم سواء کانت مفارقة عن الابدان او لا فتکون مدبرات فاذا کان التدبیر بید الروح وهو فی هذا الموطن فکذا انتقل منه الی البرزخ بل هو بعد مفارقة البدن اشد تاثر الان الجسد حجاب

فی الجملة الا ترے ان الشمس اشد احراقا اذا لم يحجبها غيام او نحوه . یا نفوس غازیہ مراد ہیں۔ جن کے یہ اوصاف بیان کئے جا رہے ہیں۔ یا غازیوں کے گھوڑوں کے صفات بیان کی جا رہی ہیں اور یا ستاروں کی یہ کیفیات ارشاد فرمائی جا رہی ہیں۔ جیسا کہ قاضی بیضاوی نے بیان فرمایا ہے۔ تدابیر کی اسناد ملائکہ یا نفوس قدسیہ وغیرہ کی طرف مجازی ہے ورنہ مدبر حقیقی حق تعالیٰ ہیں۔ گویا یہ اسباب عادیہ محض عادیہ ہیں اور جواب قسم محذوف کا مخاطب مفسر علام نے کفار مکہ کو مانا ہے۔ کیونکہ مومنین ان باتوں کے منکر نہیں ہیں بلکہ مقرر ہیں۔ اس لئے ان کے لئے قسمیہ جملوں کی حاجت نہیں ہے۔

یوم ترجف الراجفة۔ یہ منصوب جواب قسم محذوف کی وجہ سے ہے راجفة سے مراد بھاری اجسام ہیں۔ جیسے زمین، پہاڑ، وغیرہ جو فتح اولیٰ میں متزلزل ہو جائیں گے۔

تبعھا الرادفة۔ یہ حال ہے راجفة سے مراد فتح ثانیہ ہے اور چونکہ قیامت کا دن بڑا وسیع ہوگا۔ اس لئے حال کی مقارنت صحیح ہے اور بحث کی ظرفیت بھی درست ہے۔

واجفة۔ بمعنی شدید الاضطراب۔ وجیف سے ماخوذ ہے قلوب کی صفت ہے۔ اس لئے قلوب باوجود نکرہ کے مبتداء اول ہے اور ابصار ہا مبتداء ثانی اور خاشعة خبر ہے ابصار ہا کے بعد مضاف محذوف ہے۔ ای ابصار ہا اصحاب القلوب خاشعة۔ الحافرة۔ پہلی حالت کی طرف پلٹنے کے معنی ہیں۔ لئے پاؤں واپس ہونا۔ رجع فلان فی حافرتہ ای طریقۃ التی جاء فیہا فحصر ہا یہ اسناد مجازی ہے عیشتہ راضیہ کی طرح ایک قراء حفرة بمعنی محفورة بھی ہے۔ کہا جاتا ہے حفرة اسنانہ وخفرت حفراً وحفرة۔

ء اذا کنا عظاماً نخرہ۔ نخرة بمعنی بالیة۔ نافع، ابن عامر، کسائی نے اذا کنا پڑھا ہے اور حجازی ابن عامر، شامی، حفص روح کے علاوہ قراء نے ناخرة بھی پڑھا ہے۔ لیکن صفت مشبہ ہونے کی وجہ سے پہلی قراءت ابلغ ہے۔ اذا کرة خاسرة ای ذات خسار او خسار صاحبھا۔ یہ جملہ بطور استہزاء کہیں گے۔ جمہور کے نزدیک اذا حرف جواب و سزا ہے اور بعض کے نزدیک کبھی اذا جواب کے لئے نہیں ہوتا اور حسن خاسرہ بمعنی کا ذبہ لیتے ہیں۔

زجرة واحدة۔ اس کا تعلق محذوف عبارت سے ہے۔ ای لا تستصعبونها فما هی الا صیحة واحدة او تحسبوا تلک الکرة صعبة فانه هنية سهلة فی قدرته۔ اس سے مراد فتح ثانیہ ہے۔

بالساهرة۔ ہموار صاف زمین کو ساہرہ کہتے ہیں گویا اس میں ریت رواں ہے عین معاہرة رواں پانی اور عین نائمة وہ پانی جو رواں نہ ہو یا چٹیل میدان کو ساہرہ اس لئے کہتے ہیں کہ راہروڈر کے مارے سوتا نہیں ہے۔ اور قنادہ نے جہنم کا نام کہا ہے اور بعض نے شام کا ایک پہاڑ مانا ہے۔ جس کو اللہ قیامت میں لوگوں کو جمع کرنے کے لئے پھیلائے گا۔ اور بعض نے چاندی کی زمین مانی ہے جو اس وقت اللہ پیدا فرمائے گا۔ لیکن ابن عباس اور قنادہ مجاہد اس سے روئے زمین کے معنی مراد لیتے ہیں۔ جس پر سوتے جاگتے ہیں۔ اور سفیان شام کی سرزمین کو۔ اور بیہقی وہب بن منبہ سے بیت المقدس مراد ہونا نقل کرتے ہیں۔

هل اتالت۔ اگر یہ بات آنحضرت ﷺ کو پہلے سے معلوم تھی تب تو هل بمعنی قد ہے ورنہ استفہام کے لئے ہے۔

اذناداہ۔ اذ کا عامل حدیث ہے۔ اتاک عامل نہیں ہے کیونکہ دونوں کا وقت ایک نہیں ہے۔

طوی۔ وادی کا نام اس لئے طوی ہے کہ بنی اسرائیل کی شرارتیں یہاں ناکام ہو گئیں اور برکات نبوت یہاں اتریں اور علماء کہتے ہیں کہ یہاں تورات نازل ہونے کے بعد عذاب استیصال ختم کر دیا گیا۔ ایلہ اور مصر کے درمیان یہ وادی تھی۔

اذہب۔ ای قلنا اذہب او ان اذہب۔ چنانچہ عبد اللہ کی قرأت بھی ان اذہب ہے اور یہ ان مصدر یہ ہوگا۔

هل للک۔ چونکہ اس کے معنی ادعویٰ ہیں اس لئے اس کے صلہ میں الیٰ صحیح ہو گیا۔

تو کی بیہوشی نے ابن عباسؓ سے اس کے معنی شرک سے بچنا نقل کئے ہیں یعنی کلمہ توحید کا اقرار۔

واہدیلک اس کا عطف تنو کی پر ہے۔ حجازی اور یعقوب تنو کی تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ تفسیری عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ شرک سے پاک مضاف ہونے کے بعد ہی عرفان حاصل ہو سکتا ہے۔ پس توحید واجب بالذات اور معرفت واجب بالعرض ہوئی۔ نیز حذف مضاف کی طرف بھی اشارہ ہے۔

فتخشی۔ معلوم ہوا کہ خشیت معرفت کے بعد ہوئی ہے۔

فأراه الآية الكبرى۔ اس کا عطف محذوف پر ہے۔ ای فذهب الیہ وقال لہ ما ذکر فطلب منه ایتہ فراه الح ضمیر مستتر کا مرجع حضرت موسیٰ اور ضمیر بارز کا مرجع فرعون ہے۔ جو مفعول اول ہے اراہ کا اور مفعول ثانی الآية سے تفسیری عبارت وہی الیدو العصا میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے دست مبارک اور عصا میں اگر چہ رنگ کی تبدیلی دونوں میں مشترک ہے۔ لیکن عصا میں تغیر ذاتی بھی ہو جاتا تھا۔ جو زیادہ عجیب اور نشان قدرت ہے۔ گویا عصا کا سانپ بن جانا اصل معجزہ ہے اور یا کہا جائے کہ دونوں نشان مل کر ایک معجزہ تھے۔

ثم ادبر یسعی۔ ایمان سے برگشتہ ہونا مراد ہے اور یا اثر ہے سے ڈر کر بھاگنا مراد ہے۔

فحشر۔ جادو گروں کو برہان سے اور لشکر یوں کو سان سے مقابلہ کے لئے جمع کیا۔ جادو گر سترہ اسرائیلی اور بہتر ۲۷ قبیلہ تھے۔ فقال انا ربکم الا علی۔ حضرت موسیٰ نے فرعون سے جب کہا۔ رب ارسلنی الیک فان امننت بربک تکون اربع مائۃ سۃ فی النعیم والسرور ثم تموت فتدخل الجنة۔ تو فرعون نے ہامان سے مشورہ کیا۔ ہامان بولا۔ اتصیر عبدا بعد ما کننت ربا۔ اس پر فرعون نے مجمع عام میں یہ اعلان کیا، یعنی تمام بتوں اور صورتوں کے مقابلہ میں خود کو سب سے بڑا کہا۔

نکال الاخرة۔ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے وہی دو کلمے مراد ہیں جو تفسیر کی عبارت میں ذکر کئے گئے ہیں۔ لیکن نکال اولیٰ سے مراد غرق اور نکال آخری سے مراد عذاب دوزخ بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ مفعول مطلق تاکید کے لئے ہو فعل مقدر کا۔

رفع سمکھا۔ آسمان کے دل کو سمک کہا جاتا ہے بمعنی ٹخن، یا زمین سے آسمان تک بلندی مراد ہے جو پانچ سو سال ہے۔ فسوہل۔ یعنی اس کی گولائی برابر کردی ستاروں سے آراستہ کر دیا۔ سوی فلان امرہ کے معنی مکمل طور پر درست کرنے کے ہیں۔

اغطش لیلھا۔ غطش اللیل کے معنی اندھیرا ہونے کے ہیں اور رات آ جانے کی وجہ سے اندھیرا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کی طرف اضافت کردی گئی ہے۔ مفسر کا اندھیرے کو ظلم سا کہنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اندھیرا زمین کا ظلم ہوتا ہے۔

ضخھا۔ اور سورج کی روشنی چونکہ صبح کو ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی طرف اضافت کردی گئی ہے۔

والارض بعد ذلک دحھا۔ آیت ثم استوی الی السماء سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پہلے پیدا ہوئی اور اس آیت میں بعد ذلک سے بعد میں ہوتا معلوم ہوتا ہے۔ مفسر نے اس کی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان سے پہلے ہوئی ہے اور اس کی موجودہ ہیئت اور شکل بعد میں ہوئی۔ جیسا کہ ابن عباسؓ کی رائے ہے اور زخشریؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن آیت

هو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً ثم استوی الی السماء سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کا بچھانا بھی پہلے ہو چکا ہے۔ چنانچہ حاتم کی مرفوع روایت بھی ہے۔ انه خلق الارض فی یوم الاحد والاثین وخلق الجبال والاکام فی یوم الثلاثاء

الاشجار فی الاربعاء وخلق السماء فی الخمیس والجمعة پہلے یہ کہنا چاہئے کہ یہاں الارض فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای تذکر و تدبر، او اذکر الارض بعد ذلک اور ما اضمر عاملہ علی شرط التفسیر مانا جائے تو اس میں فی نفسہ

آسمان کی تخلیق کی طرف نہیں۔ بلکہ آسمان کی تخلیق کے ذکر کی طرف اشارہ ہے۔ اخرج۔ یہ دحر کا بیان بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے حرف عطف نہیں لایا گیا۔

مرعھا انسانى غذا پر اس کا اطلاق مجاز مرسل ہے۔ یعنی مقید بول کر مطلق مراد لیا گیا ہے یا استعارہ تصریح ہے کہ انسانى غذا کو جانوروں کے چارہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ گویا کافر چوپاؤں کے درجہ میں ہیں۔

والجبال۔ ایک قراءت میں لفظ ارض اور الجبال مرفوع ہیں لیکن یہ مرجوح ہے۔ کیونکہ اس کا عطف فعلیہ پر ہے۔ الطامة صحاح میں ہے کہ ہر چیز کی زیادتی اور غلبہ مراد ہے۔ الداهية العظمی النی تطم سائر الطامات اور کبری سے مراد قیامت یا نختہ ثانیہ ہے اور زیادہ وقت ہے جس میں جتنی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے۔ یتذکر الانسان۔ انسان اپنی غفلت سے جن اعمال کو بھول جائے گا ان کو نامہ اعمال میں مدون و مرتب پائے گا۔ یہ جملہ اذا سے بدل ہے اور ماسعی میں ما موصولہ ہے۔

وبرزت الجحیم لمن یری۔ ایک قراءت میں بروزت معروف ہے اور یری کی بجائے رای اور لمن تری ہے اور ضمیر جحیم کی طرف راجع ہے اور یا آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے یعنی آپ کفار کو ملاحظہ فرمائیں گے۔ جواب اذا محذوف ہے اور یا آنندہ جملہ تفصیلیہ جواب ہے۔

ھی الماویٰ۔ ای ہی ماواہ الف لام اور اضافت کے قائم مقام ہے۔ اہل کوفہ کے نزدیک اور بصریوں کے نزدیک ہی الماویٰ لہ اصل ہے اور ہی ضمیر فعل یا مبتداء ہے۔

فان الجنة۔ تفسیری عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اما تفصیلیہ نہیں ہے بلکہ محض تاکید کے لئے ہے۔ تاہم اس میں تکلف ہے بہتر یہی ہے کہ جواب محذوف مانا جائے۔

مرساھا مرسى السفینة کے معنی کشتی کے معنی اور مستقر کے ہیں۔ مرسى مصدر بمعنی ارساء ہے۔ فیم انت خبر مقدم مبتداء مؤخر ہے اور من ذکر اھا کا تعلق وہی ہے جو خبر متعلق ہے۔ استفہام انکاری ہے۔ ای ما انت من ذکر اھا لہم وتبین وقتھا فی شئ ولیس لک علم بہا حتی تنخبر ہم بہ۔

ذکرى۔ بمعنی ذکر جیسے بشرى بمعنی بشارۃ اور بعض کے نزدیک فیم سے ان کے سوال کا انکار ہے۔ اور انت من ذکر اھا جملہ متانفہ ہے ای انت ذکر من ذکر اھا۔ یعنی آپ چونکہ خاتم الانبیاء ہیں۔ اس لئے علامت قیامت ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ اس کا تعلق کفار کے سوال سے ہے۔ بہر صورت الی ربک منتھاھا اس کا جواب ہے۔ اس صریح آیت کے بعد یہ کہنا آنحضرت ﷺ کو تمام مغیبات کا علم ہو گیا تھا کس طرح درست ہے؟ چنانچہ انما انت منذر سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے کیونکہ انداز کا حصر اسی وقت صحیح ہوگا جب کہ علم یقینی کی نفی ہو اور انداز میں یقین کو دخل بھی نہیں ہے۔ منذر کو اس کا علم ہوئے بغیر بھی انداز ہو سکتا ہے۔ یقین کے علم پر انداز موقوف نہیں ہے۔

من یخشاھا۔ صاحب خشیت کی تخصیص بلحاظ نفع کے ہے۔ ابو عمر و منذر تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ لیکن اصل یہی ہے کہ اسم فاعل جب کہ بمعنی حال ہو تو عامل مانا جائے اضافت نہ مانی جائے۔ البتہ ابو حیان کہتے ہیں کہ اسماء میں اضافت اصل ہے۔ اور ان کا عامل ہونا مضارع کی مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

الا عشیة۔ نصب اور تنوین کے ساتھ ہے مضاف الیہ یعنی نوم کے عوض ہیں۔ او ضحاحا۔ ای ضحی العشیة۔ ایک طرف کی اضافت دوسرے طرف کی ضمیر کی طرف مجازی ہے باہمی ملاہست کی وجہ سے۔ رہا یہ شبہ کی فحی تو یوم کا ہوا کرتا ہے نہ کہ عشیہ کا پھر فحی کی اضافت عشیہ کی طرف کیسی؟ مفسر نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ای عشیة یوم یعنی یوم منصوب ہے عشیہ کی تفسیر ہونے کی وجہ سے اور چونکہ عشیہ اور ضحی دونوں ایک ہی دن کے ہیں۔ اس لئے دونوں میں ملاہست کی وجہ سے ایک دوسرے کی طرف اضافت صحیح ہوگئی۔ اگر بلا اضافت ذکر کیا جاتا تو ممکن تھا کہ صبح شام الگ الگ دن کے

صبح شام مراد ہوتے۔ یہ عشیۃ سے مراد ایک مستقل دن اور صبحی سے مراد ایک مستقل دن ہوتا۔ تسمیۃ الکمل باسم الجزاء کے طریقہ پر۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں خلاف منشاء ہوتیں اور چونکہ دوسری آیات پر الف آ رہا ہے۔ اس لئے صبحی کی اضافت سے حسن پیدا ہو گیا ہے۔

رابط آیات:۔ سورہ نباء کی طرح اس سورت میں بھی کچھ واقعات اور انتہام اشد الخ میں امکان عذاب اور هل اتک الخ میں منکرین کے لئے تخویف ہے اور ان کی تکذیب پر آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے۔

شان نزول:۔ بقول ابن عباسؓ یہ سورہ نباء کے بعد نازل ہوئی۔ پس اس کے مضمون سے اس کے ابتدائی زمانہ کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

﴿تشریح﴾۔ والنارعات میں ان فرشتوں کی قسم کھائی جا رہی ہے جو کفار کی رگوں میں گھس کر ان کی جان سختی سے گھسیٹ کر نکالتے ہیں اور والناشطات میں ان فرشتوں کی قسم کا ذکر ہے۔ جو مومن کے جسم سے جان کی گرہ کھول دیتے ہیں کہ پھر وہ اپنی خوشی سے عام ہمارے طرف دوڑتے ہیں۔ یعنی نیک تو خوشی سے عالم قدس کی طرف دوڑتا ہے اور بد، بدکوتا اور بھاگتا ہے۔ اور گھسیٹا جاتا ہے۔ والسابحات میں ان فرشتوں کی قسم ہے جو مقررین کی ارواح کو لے کر آسمان کی طرف بسرعت تیرتے ہیں۔ پھر ان ارواح کے بارے میں جو حکم ہوتا ہے اس کے امتثال کے لئے بڑی تیزی سے لپکتے ہیں اور دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔

فالمدرات امرا۔ میں ان فرشتوں کا ذکر ہے جو نیک و بد ارواح کے سلسلہ میں تدبیر و انتظام میں لگ جاتے ہیں اور ظاہر یہی معنی ہیں۔ لیکن مطلق فرشتے بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ جو تکوینی تدابیر و انتظام میں مصروف رہتے ہیں۔ نازعات وغیرہ الفاظ کی تشریحات علماء نے اور طرح بھی کی ہے۔ بہر حال فرشتوں کے یہ احوال قیامت و بعثت سے تعلق رکھتے ہیں۔ راجفہ سے مراد پہلا بھونچل۔ نفعی اولی سے اور رادفہ سے یکے بعد دیگرے مسلسل بھونچال مراد ہیں۔

یا نفعۃ ثانیہ جب کہ دل مارے دہشت کے دھڑکتے ہوں گے اور آنکھیں مارے ذلت و ندامت کے جھکی پڑیں گی۔ اور زبان سے یہ کہتے جائیں گی۔ یہ قبر کے گڑھے میں پہنچ کر کیا پھر ہم اٹھے پاؤں زندگی کی طرف لوٹائے جائیں گے؟ ہم تو نہیں سمجھتے کھوکھری بڈیوں میں دوبارہ جان پڑ جائے گی۔ ایسا ہوا تو ہمارے لئے بڑے خسارہ اور ٹوٹنے کی بات ہوگی۔ پھر تو ہماری خیر نہیں کیونکہ ہم نے اگلی زندگی کے لئے کوئی سامان نہیں کیا۔ کفار کا یہ کہنا مسلمانوں کے اس خیال کا مذاق اڑانے کے لئے ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی ہے اور یہ اس زندگی کو ناممکن سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے نزدیک کچھ مشکل نہیں۔ یہ سب کام ایک دم کے ہیں۔ جہاں ایک ڈانٹ پلائی یعنی صور پھونکا۔ اسی دم سب اگلے پچھلے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دیں گے۔

اللہ کی ایک جھڑکی:۔۔۔ هل اتک الخ آگے اللہ کی ایک ڈانٹ اور جھڑکی کا ذکر ہے۔ جو فرعون جیسے متکبر کو دی گئی۔ یا منکروں کو سنانا ہے کہ دیکھو تم سے پہلے بڑے سے بڑے منکروں کا انجام کیا ہوا؟ اور اس میں آنحضرت ﷺ کے لئے بڑی تسلی بھی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ جب فرعون کے پاس فہمائش کرنے پہنچے۔ تو اس سے فرمایا کہ اگر تو اپنا بھلا چاہتا ہے اور کچھ سنوارنے کا ارادہ رکھتا ہے تو میں تیری رہنمائی کر سکتا ہوں۔ جس سے تیرے دل میں اللہ کا ذکر اور اس کی کامل معرفت حاصل ہو جائے۔ اس لئے کہ کامل معرفت کے بغیر خوف و خشیت نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کا مقصد صرف بنی اسرائیل کو آزاد کرانا ہی نہیں تھا۔ بلکہ بڑا مقصد فرعون کی اصلاح بھی تھی۔ اسی سلسلہ میں عصا اور ید بیضا کا معجزہ بھی دکھلایا تا کہ اتمام حجت ہو جائے۔ مگر وہ ملعون کہاں ماننے وال تھا؟ لوگوں کو جمع کرا دینے اور جادوگروں سے حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرنے کے لئے چلا اور زور و داری سے اعلان کیا کہ سب سے بڑا



رب تو میں ہوں۔ پھر مونی کس کا بھیجا ہوا آیا ہے؟ فرعون کا خود کو اعلیٰ کہنا قید احترازی کے طور پر نہیں۔ کہ دوسرے غیر اعلیٰ رب کا ہونا لازم آئے۔ بلکہ بطور مدح قید واقعی کے درجہ میں بڑھایا ہے۔ بس اس نعرہ کا ٹکنا تھا کہ اس کی سرزنش کا پورا انتظام ہو گیا۔ جس نیل کا اس کو ناز تھا اسی میں اس کو ڈبو دیا گیا اور آخرت کا عذاب الگ رہا۔ کسی کے دل میں ڈر ہو تو اس کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت و نصیحت کی باتیں ہیں اسی درمیانی قصہ کے بعد۔

قیامت کے ہونے میں آخر کیا تردد ہے: ..... انتم اشد الخ سے سابقہ مضمون قیامت پر شروع ہو گیا۔ یعنی تمہارا پیدا کرنا اور وہ بھی دوسری مرتبہ آسمان، زمین، پہاڑوں کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔ جب اتنی بڑی چیزوں کا پیدا کرنے والا اس کو مانتے ہو۔ پھر اپنے دوبارہ پیدا ہونے میں کیا تردد ہے؟ آسمان ہی کو لے لو۔ کتنا بڑا، اونچا، مضبوط، صاف، ہموار اور کس درجہ مرتب و منظم ہے؟ کس درجہ باقاعدگی اور زبردست انتظام کے ساتھ اس کے سورج کی رفتار سے رات دن کا سلسلہ قائم ہے۔ رات کی اندھیری میں اس کا سماں کچھ اور ہے اور دن کے اجالے میں اس کی شان کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ قیامت کے استبعاد کا یہ عقلی جواب ہے اور نقلی جواب پہلے گزر چکا ہے۔ اور ان بڑی چیزوں کا پیدا کرنا فی نفسہ سخت ہے۔ ورنہ اللہ کی قدرت کے لحاظ سے سب یکساں ہیں اور اصل استدلال اگرچہ آسمان کی پیدائش سے ہے۔ لیکن زمین کو بھی اس لئے شامل کر دیا کہ اس کے سب احوال ہمہ وقت پیش نظر رہتے ہیں۔ پھر وہ آسمان سے کم سہی۔ مگر انسان کی پیدائش سے بہر حال اشد ہے۔

امام راغب کی تحقیق: ..... امام راغب نے وحی کے معنی کسی چیز کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا دینے کے لکھے ہیں۔ پس اس سے اس تحقیق میں مدد مل سکتی ہے جو جدید نظریہ کے مطابق یہ ہے کہ زمین اصل میں کسی بڑے آسمانی جرم کا ایک حصہ ہے جو اس سے الگ ہو گیا ہے۔

متاعاً لکم۔ یعنی ان تمام چیزوں کو پیدا کرنا تمہاری حاجت روائی اور راحت رسائی کے لئے ہے۔ ورنہ تمہارا اور تمہارے جانوروں کا کام کیسے چلے؟ اس سے جہاں تمہیں شکر گزاری کا موقع ملتا ہے وہیں اس بات کی شہادت ہے کہ وہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ روح پھونک سکتا ہے۔

فاذا جاءت النامة۔ قیامت کے بڑے ہنگامہ میں تمہارا سب کیا کرایا سامنے آ جائے گا۔ اگر ابھی تیاری نہ کر لی تو پھر پچھتاوا پڑے گا۔ اور دوزخ اس طرح منظر عام پر آ جائے گی کہ دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہ جائے گی اور جس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہوگی اور دنیا میں کھو کر آخرت کو فراموش کر دیا ہوگا تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگی۔ ہاں مگر جو اس بات سے ڈرا کہ مجھے ایک روز حساب کے لئے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اس ڈر سے نفس کی لگام تھامے رہا۔ اسے بے قابو ہونے نہیں دیا۔ نہ اس کے تابع رہا۔ بلکہ اس کو اللہ کے تابع رکھا تو اس کا مقام جنت کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟

یسئلونک۔ منکرین قیامت کی گھڑی پوچھتے ہیں؟ اس کا ناپا تلا وقت اللہ کے سوا کس کو معلوم؟ یہ آپ کا کام نہیں آپ تو قیامت کی خبر سنا کر لوگوں کو ڈرائیے۔ اب جس کے دل میں کچھ خوف ہو گیا اس کی استعداد ہوگی وہ سن کر ڈرے گا اور ڈر کر تیاری کر لے گا۔ یہ تخصیص محض نتیجہ اور ثمرہ کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ نامل تو انجام سے غافل ہو کر ابھی اسی بحث میں لٹکے ہوئے اور الجھے ہوئے ہیں کہ قیامت کس گھڑی اور کس ساعت میں آئے گی۔

خلاصہ کلام: ..... اس سوچ میں قیامت اور مرنے کے بعد کی زندگی اور اس سے متعلق کچھ احوال کا بیان ہے۔ نیز یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلانے کا کیا انجام ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ روح قبض کرنے والے فرشتوں کی قسم کھا کر یقین دلایا گیا ہے کہ قیامت ضرور واقع ہوگی اور مرنے کے بعد والی زندگی ضرور پیش آ کر رہے گی۔ کیونکہ جن فرشتوں کے ہاتھوں آج جان نکالی جاتی ہے ان ہی کے ہاتھوں



دوبارہ جان ڈالی بھی جاسکتی ہے اور جو فرشتے آج اس عالم کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ وہی فرشتے کل اسی کے حکم سے کائنات کا یہ نظام دیکھ کر ہم کر کے ایک دوسرا نظام بھی قائم کر سکتے ہیں۔ یہ فرشتے اگرچہ نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ پھر آگے یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ کام جسے تم ناممکن سمجھتے ہو اللہ کے لئے کیا مشکل ہے؟ کہ اس کے لئے کسی بڑی تیاری کی ضرورت پڑے۔ بس ایک جھٹکے سے یہ سارا نظام لپٹ جائے گا اور دوسرے جھٹکے میں تمہیکا ایک دوسری زندگی میں آ جاؤ گے۔ اس وقت انکار کرنے والے خوف سے کانپ رہے ہوں گے اور سہمی ہوئی نگاہوں سے وہ سب کچھ دیکھ رہے ہوں گے جس کو ان ہونی بات سمجھتے تھے۔

پھر حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ مختصر بیان کر کے رسول کو جھٹلانے والوں اور بدایت سے روگردانی کرنے والوں اور اپنی چالاکیوں اور سازشوں کا تانا بانا بننے والوں کو چونکایا گیا ہے کہ تم اپنی اس روش سے باز آ جاؤ۔ ورنہ تمہیں بھی یہ روز بد دیکھنا پڑے گا۔ اس کے بعد پھر دوبارہ زندہ ہونے کے دلائل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ارشاد ہے کہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنا زیادہ سخت کام ہے یا اس عظیم کائنات کو جو آسمان، زمین، پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ جس خدا کے لئے یہ کام مشکل نہیں اس کے لئے تمہاری دوبارہ پیدائش آخر کیوں مشکل ہوگی؟ اس کے بعد اس سر و سامان کی طرف توجہ پھیر دی گئی ہے۔ جو دنیا میں انسان و حیوان کی زندگی کے لئے فراہم کیا گیا ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز بڑی حکمت کے ساتھ کسی نہ کسی مقصد کے لئے بنائی گئی ہے۔ پس کیا اس حکیمانہ نظام میں انسان جیسی برتر مخلوق کو ذمہ داریاں اور اختیارات سونپ کر یہ زیادہ نمایان عقل معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اختیارات کے استعمال کا محاسبہ کیا جائے یا اس کو یوں ہی شتر بے مہار چھوڑ دیا جائے کہ وہ زمین میں کھاپی کر اور ہر طرح کے کام کر کے یونہی مر گل کر ختم ہو جائے اور اس سے کچھ حساب نہ سنا جائے؟ اس سوال پر بحث کرنے کی بجائے آئندہ آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جب آخرت برپا ہوگی تو انسان کے دائمی اور ابدی مستقبل کا فیصلہ اس بنیاد پر ہوگا کہ کس نے دنیا میں بندگی کی بجائے خدا سے بغاوت و سرکشی کی اور دنیا ہی کی لذتوں اور فائدوں کو مقصود بنالیا۔ اور کس نے اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کی بری خواہشات سے بچا۔ جو شخص خدا اور ہٹ دھرمی سے پاک ہو کر ایمان داری کے ساتھ غور کرے گا۔ اسے خود بخود اوپر کے سوال کا جواب مل جائے گا۔ کیونکہ عقل و منطق اور اخلاق کی رو سے انسان کو ذمہ داریاں سپرد کرنے کا مطلب یہی ہے کہ آخر کار اس سے محاسبہ کیا جائے اور اسے سزا یا جزا کا مستحق گردانا جائے۔ آخر میں کفار کے اس سوال کا جواب ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس بات کا تعلق پیغمبر سے کچھ نہیں ہے۔ اس کا کام تو صرف خبردار کر دینا ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا۔ اس بات میں کوئی اہمیت نہیں کہ کب آئے گا۔ اہمیت اس کی ہے کہ تم نے تیاری کیا کی ہے؟ جس کا جی چاہے اس سے ڈر کر اپنی روش درست کر لے اور جس کا جی چاہے یونہی وقت گنوا دے۔ وقت جب آئے گا تو وہی لوگ جو اس دنیا کی زندگانی پر مرنے مٹنے تھے۔ اور اسی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ وہ محسوس کریں گے کہ دنیا میں وہ صرف گھڑی بھر ٹھہرے تھے۔ اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ اس چند روزہ زندگی کی خاطر انہوں نے کس طرح ہمیشہ کے لئے اپنا مستقبل برباد کر لیا۔

فضائل سورت: ..... من قرا سورة النازعات كان فيمن حبسه الله في القبر وفي القيامة حتى يدخل الجنة قدر صلوة المكتوبة. فرمایا کہ جو نازعات پڑھے گا اللہ اسے جنت میں داخل ہونے تک برزخ اور قیامت میں صرف ایک فرض نماز کی مقدار محبوس رکھے گا۔ (یہ حدیث موضوع ہے۔)

لطايف سلوك: ..... واما من خاف الخ اس میں نفس کو خلاف شرع کاموں اور خواہشات سے روکنے کی فضیلت ظاہر کی ہے۔

## سُورَةُ عَبَسَ

سُورَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ اِثْنَانِ وَارْبَعُونَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَبَسَ السَّيِّئُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّحَ وَجْهَهُ وَتَوَلَّى ﴿۱﴾ اَعْرَضَ لِأَجْلِ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى ﴿۲﴾ عِنْدَ اللّٰهِ نَسُ أَمْ مَكْتُومٍ فَقَطَّعَهُ عَمَّا هُوَ مَشْغُولٌ بِهِ مِمَّنْ يَرْجُو إِسْلَامَهُ مِنْ أَشْرَافِ قُرَيْشٍ الَّذِي هُوَ حَرِيصٌ عَلَى إِسْلَامِهِمْ وَلَمْ يَدْرِ الْأَعْمَى أَنَّهُ مَشْغُولٌ بِذَلِكَ فَنَادَاهُ عَلِمْنِي بِمَا عَلَّمَكَ اللّٰهُ فَأَنْصَرَفَ السَّيِّئُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى نَبِيِّهِ فَعُوتِبَ فِي ذَلِكَ بِمَآئِزَلٍ فِي هَذِهِ السُّورَةِ فَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ يَقُولُ لَهُ إِذَا جَاءَ مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبْنِي فِيهِ رَبِّي وَيَسْطُرْ لَهُ رِذَاءَهُ وَمَا يُدْرِيكَ يُعَلِّمُكَ لَعَلَّهُ يَزَكِّي ﴿۳﴾ فِيهِ إِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الرَّأْيِ أَيْ يَتَطَهَّرُ مِنَ الذُّنُوبِ بِمَا يَسْمَعُ مِنْكَ أَوْ يَذْكُرُ فِيهِ إِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الذَّالِ أَيْ يَتَّعِظُ فَتَنْفَعُهُ الذِّكْرُ ﴿۴﴾ الْعِظَةُ الْمَسْمُوعَةُ عَنْكَ وَفِي قِرَاءَةٍ بِنَصْبٍ تَنْفَعُهُ حَوَاتُ التَّرَجُّيِ أَمَّا مَنْ اسْتَغْنَى ﴿۵﴾ بِالْمَالِ فَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّى ﴿۶﴾ وَفِي قِرَاءَةٍ بِتَشْدِيدِ الصَّادِ بِإِدْغَامِ التَّاءِ الثَّانِيَةِ فِي الْأَصْلِ فِيهَا تُقْبَلُ وَتَعْرَضُ وَمَا عَلَيْكَ إِلَّا يَزَكِّي ﴿۷﴾ يُؤْمِنُ وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى ﴿۸﴾ حَالٌ مِنْ قَاعٍ جَاءَ وَهُوَ يَخْشَى ﴿۹﴾ اللّٰهُ حَالٌ مِنْ قَاعٍ يَسْعَى وَهُوَ الْأَعْمَى فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى ﴿۱۰﴾ فِيهِ حُذُفُ التَّاءِ الْأُخْرَى فِي الْأَصْلِ أَيْ تَشَاغُلُ كَلَّا لَا تَفْعَلْ مِثْلَ ذَلِكَ إِنَّهَا أَيْ السُّورَةُ أَوِ الْآيَاتِ تَذَكُّرَةٌ ﴿۱۱﴾ عِظَةُ لِلْخَلْقِ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ ﴿۱۲﴾ حَفِظَ ذَلِكَ فَاتَّعِظَ بِهِ فِي صُحُفٍ خَبَرْتَانِ لِأَنَّهَا وَمَا قَبْلَهُ اِعْتَرَاضٌ مُّكْرَمَةٌ ﴿۱۳﴾ عَبْدُ اللّٰهِ ﷺ تَعَالَى مَرْفُوعَةً فِي السَّمَاءِ مُطَهَّرَةً ﴿۱۴﴾ مُنْزَهَةً عَنْ مَسِّ الشَّيَاطِينِ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كَتَبَتْ يَنْسَخُونَهَا مِنَ السُّورِ الْمَحْفُوطِ كِرَامٍ بِرَّةٍ ﴿۱۶﴾ مُطِيعِينَ لِلّٰهِ تَعَالَى وَهُمْ الْمَلَائِكَةُ قِيلَ الْإِنْسَانُ لِعَيْنِ الْكَافِرِ مَا أَكْفَرَهُ ﴿۱۷﴾ اسْتَفْهَامٌ تَوْبِيخٌ أَيْ مَا حَمَلَهُ عَلَى الْكُفْرِ مِنْ أَيْ شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴿۱۸﴾ اسْتَفْهَامٌ تَقْرِيرٌ ثُمَّ بَيَّنَّ

فَقَالَ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ ﴿۱۹﴾ عَلَقَهُ ثُمَّ مُضَعَّةً إِلَىٰ آخِرِ خَلْقِهِ ثُمَّ السَّبِيلَ إِلَىٰ طَرِيقِ حُرُوجِهِ مِنْ نَظْلِ  
أُمِّهِ يَسْرُهُ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿۲۱﴾ جَعَلَهُ فِي قَبْرِ يَسْتُرُهُ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ﴿۲۲﴾ لِللَّغْتِ كَلًّا حَقًّا لَمَّا  
يَقْضِ لَمْ يَفْعَلْ مَا أَمَرَهُ ﴿۲۳﴾ بِهِ رَبُّهُ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ نَظْرًا عِتَابًا إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿۲۴﴾ كَيْفَ قَدَّرَ وَذَبَّرَ لَهُ  
أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ مِنَ السَّحَابِ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ بِالنَّبَاتِ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾  
كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَعِنبًا وَقَضْبًا ﴿۲۸﴾ هَوَالَقْتَ الرَّطْبَ وَزَيَّتُونَا وَنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾  
بَسَاتِينَ كَثِيرَةً الْأَشْجَارِ وَقَاقِهَةً وَأَبَّاءَ ﴿۳۱﴾ مَاتَرَعَاهُ الْبَهَائِمُ وَقِيلَ لِلتِّينِ مَتَاعًا مَتْعَةً أَوْ تَمْتِيعًا كَمَا تَقْدَمُ فِي  
السُّورَةِ قَبْلُهَا لَكُمْ وَلَا نَعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ تَقْدَمُ فِيهَا أَيْضًا إِذَا جَاءَتِ الصَّاحَةُ ﴿۳۳﴾ لَلْفُخَّةِ الثَّانِيَةِ يَوْمَ  
يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿۳۴﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهِ زَوْجَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿۳۶﴾ يَوْمَ بَدَلٌ مِّنْ إِذَا وَجُوهُهَا دَلُّ  
عَلَيْهِ لِكُلِّ أَمْرٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿۳۷﴾ حَالٌ يَشْغَلُهُ عَنْ شَأْنٍ غَيْرِهِ أَيْ اشْتَغَلَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ  
وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ مُضِيَّةٌ صَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ فَرَحَةٌ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَوَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ  
عَلِيهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ غُبَارٌ تَرَهَّقَهَا تَغْشَاهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ ظُلْمَةٌ وَسَوَادٌ أُولَٰئِكَ أَهْلُ هَذِهِ الْحَالَةِ هُمُ الْكَافِرَةُ  
الْفَجْرَةُ ﴿۴۲﴾ أَيْ الْحَامِضُونَ بَيْنَ الْكُفْرِ وَالْفُجُورِ

سورہ یحییٰ مکیہ ہے جس میں ۳۲ آیات ہیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

ترجمہ: چیں بہ جہیں ہو گئے (جینیر علیہ السلام کی پیشانی پر بل آ گئے) اور منہ پھیر لیا (رخ موڑ لیا، اس بناء پر کہ) جب ان کے پاس نابینا حاضر ہوا (عبداللہ بن ام مکتوم، جن کے آنے سے آپ کی اس توجہ میں خلل پڑا جو آپ اشرف قریش سے اسلام قبول کرنے کی توقع میں صرف فرما رہے تھے اور آپ ان کے مسلمان ہو جانے کے لئے کوشاں تھے حالانکہ نابینا کو آپ کی اس مشغولیت کی خبر نہیں تھی اس لئے عرض گزار ہوئے کہ حضور مجھے احکام الہی سکھائیے۔ حضور ﷺ اٹھ کر مکان میں تشریف لے گئے۔ اس پر نابینا پندیدگی کا اظہار فرمایا گیا ہے جو اس سورت میں عتاب نازل ہوا۔ چنانچہ اس کے بعد جب بھی وہ نابینا حاضر خدمت ہوتے تو آپ یہ فرما کر خیر مقدم فرماتے کہ مرحبا ہو تمہاری بیوہ سے حق تعالیٰ نے مجھے سرزنش فرمائی اور اپنی چادر ان کے لئے بچھا دیا کرتے) اور آپ کو کیا خبر (پتہ) شاید کہ وہ سنور جاتا (بزرگی کی اصل میں تاشی جو ان میں ادغام ہو گئی۔ یعنی آپ کا ارشاد سن کر ممکن تھا کہ وہ برائیوں سے پاک صاف ہو جاتا) یا نصیحت قبول کر لیتا (بزرگی اس کی اصل میں تاشی جس کو ذال میں ادغام کر دیا گیا۔ یعنی وعظ حاصل کر لیتا) سو اس کو نصیحت کرنا فائدہ مند ہوتا (یعنی آپ کے وعظ سے نفع ہوتا۔ ایک قرأت میں فتفعہ کا نصب جواب ترجیحی کے طور پر ہے) جو شخص کہ (مار کی وجہ سے) بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی فکر میں پڑ رہے ہیں (ایک قرأت میں تصدیٰ میں صاد کی تشدید ہے اس کی اصل میں تانیس ثانیہ کا ادغام ہو رہا ہے جیسی آپ اس کی طرف توجہ فرما رہے ہیں) حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ سنورے (ایمان لائے) اور جو شخص آپ کی خدمت میں دڑتا ہوا آتا ہے (جاء کے فاعل سے حال ہے) اور وہ دڑتا ہے (اللہ تعالیٰ سے۔ یہ حال ہے فاعل یسعی سے

اس سے مراد ناپینا ہیں) سو آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں (اس کی اصل سے دوسری قاء کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی آپ بے التفاتی کرتے ہیں) ہرگز ایسا نہ کیجئے (اس قسم کی باتوں سے احتراز کیجئے) بلاشبہ (یہ سورت یا آیات) نصیحت کی چیز ہے (مخلوق کے لئے موعظت ہے) سو جس کا جی چاہے قبول کر لے (اس کو محفوظ کر کے فائدہ اٹھائے) وہ ایسے صحیفوں میں ہے (ان کی یہ خبر ثانی ہے اور اس سے پہلے جملہ مترضہ ہے۔ اللہ کے یہاں) جو مکرم ہیں بلند مرتبہ ہیں (آسمان میں) مقدس ہیں (شیطان کی پہنچ سے پاک) جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں (جو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں) کہ وہ مکرم نیک ہیں (اللہ کے فرمانبردار فرشتے) آدمی (کافر) پر خدا کی مار کہ وہ کیسا ناشکرا ہے (استفہام تو بخ کے لئے ہے یعنی کس وجہ سے وہ ناشکرا ہو گیا) اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسی چیز سے پیدا کیا استفہام تقریر کے لئے، پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ (نطفہ سے، اس کی صورت بنائی، پھر اس کو انداز سے بنایا) اول جما ہوا خون، پھر گوشت کی بوٹی۔ یہاں تک کہ بناوٹ پوری کر دی (پھر اس کا رستہ) ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کا) آسان کر دیا۔ پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا (قبر میں ڈال کر چھپا دیا) پھر جب اللہ چاہے گا تو (قیامت کے لئے) دوبارہ اس کو زندہ کر دے گا، ہرگز نہیں (یقیناً) جو اس کو حکم دیا گیا تھا (اللہ کی طرف سے) اس کو بجا نہیں لایا (پورا نہیں کیا) سو انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر (عبرت) کرے کہ (کس طرح اس کے لئے بندوبست اور انتظام کیا ہے) ہم نے عجب طور پر (بادل سے) پانی برسایا، پھر عجب طور پر (سبزی اگا کر) پھاڑا۔ پھر اس میں غلہ (گیہوں، جو) اور انگور اور سبزی (تازہ ترکاری) اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ (جس میں گھنے درخت ہوں) اور میوے اور چارہ پیدا کیا (جس کو جانور کھاتے ہیں اور بعض کے نزدیک بھوسا مراد ہے) فائدہ کے لئے (متاعاً بمعنی متعہ یا بمعنی تمتعاً ہے جیسا کہ اس سے پہلی سورت میں بیان ہو چکا ہے) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے (جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے) پھر جب کانوں کو بہرا کر دینے والا شور برپا ہوگا) (نکحہ ثانیہ) جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی، ماں باپ، اپنی بیوی، اولاد سے بھاگے گا (یسوم بدل ہے اذاکا۔ اس کے جواب پر اگلا جملہ دلالت کر رہا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی مصروفیت ہوگی جو اس کو دوسری طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہیں دے گی) (یعنی ہر ایک کو ایسی حالت درپیش ہوگی جو دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دے گی۔ ہر شخص اپنے بکھیرے میں پھنسا ہوگا) بہت سے چہرے اس روز روشن (چمکتے ہوئے) خنداں، شاداں ہوں گے (خوش بخوش یعنی مومنین) اور بہت سے چہروں پر اس روز دھول (گرد) پڑی ہوگی، ان پر کدورت (ظلمت اور سیاہی) چھائی ہوگی یہی لوگ (جو اس حالت والے ہوں گے) کافر، فاجر ہیں (یعنی کفر و گناہ دونوں کے حامل ہوں گے۔

**تحقیق و ترکیب:** ..... عبس۔ آنحضرت ﷺ کو خطاب کی بجائے ضمائر غائبہ سے مخاطبت میں جو اکرام آمیز ناگواری ہے اس کا لطف ظاہر ہے۔ ایک قراءت عبس کی تشدید کے ساتھ مبالغہ کے لئے ہے۔

ان جاء ہ۔ مفسر نے اس سے پہلے لاجل نکال کر اشارہ کر دیا کہ عبس و قولی دونوں فعلوں کا تنازع ہو رہا ہے اور ان جاء ہ بتقدیر اللام تولی کی علت ہے بقول بصریین۔ البتہ کو فیوں کے نزدیک عبس کی علت ہے اور ایک قراءت میں ان دو ہمزہ اور ارمیان کے الف کے ساتھ ہے اور اعمی لانے میں عبد اللہ کے معذور اور قابل ہمدردی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ ناپینا ہونے کی وجہ سے آپ نے لائق التفات نہیں سمجھا۔

وما یدریک۔ اس میں غائب سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ ناگواری میں قدرے اضافہ کے لئے۔ ما استفہامیہ ہے اور یدریک جملہ خبر ہے۔ کاف مفعول اول اور جملہ ترجی مفعول ثانی کے قائم مقام ہے۔ اور ترجی کا تعلق اعمی سے کرنا مناسب ہے۔ آنحضرت ﷺ سے متعلق کرنا شایان شان نہیں ہے۔ اور بعض نے کافر کی طرف ضمیر راجع کی ہے۔ یعنی آپ اس کی ہدایت کی فکر

میں لگے ہوئے ہیں۔ کیا معلوم وہ ہدایت قبول بھی کر لے گا۔ قرأت عام میں تنفعہ مرفوع ہے یدکمر پر عطف کرتے ہوئے۔ لیکن عام لعل کا جواب مانتے ہوئے منصوب پڑھتے ہیں۔

نصدی۔ اکثر قراء کے نزدیک ایک تاء کے ساتھ ہے۔ لیکن نافع، ابن کثیر کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے اور ایک قراءت میں نصدی ہے۔

وما علیہ الا یزکی۔ یعنی کافر اگر اسلام نہیں لاتا تو آپ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ پھر کیوں اس کی فکر میں پڑے ہو۔ بحشی اللہ سے ڈرنا مراد ہے یا کفار کا خوف یا راستہ کی مشکلات سے گھبرانا مراد ہے۔ فانت عنہ تلہی۔ الفاظ نصدی و تلہی میں اس طرف اشارہ ہے کہ محض امراء کی طرف التفات منشاء عتاب نہیں۔ بلکہ دل سے ان کی طرف جھکنا اور غریب سے بے اعتنائی قابل تنبیہ ہے۔ کلا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ ہمیشہ محتاط رہے۔

انہا تذکرۃ فمن شاء ذکرہ۔ دونوں ضمیریں قرآن یا مذکورہ عتاب کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔ پہلی ضمیر کا مؤنث ہونا خبر کے مؤنث ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

فی صحف۔ ان کی خبر ثانی ہے یا مخدوف کی خبر ہے اور صحف سے انبیاء سابقین کے صحیفے مراد ہیں یا فرشتے جو لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں اور فمن شاء ذکرہ جملہ معترضہ ہے جس پر بقول صاحب تلویح کفا داخل کرنا بھی جائز ہے۔ لیکن علامہ زنجبیری بھی اس کو صحیح نہیں مانتے ہیں اور جملہ مستأنفہ کہتے ہیں۔ حالانکہ سورہ نحل کی آیت فاستلوا اہل الذکر کو جملہ معترضہ کہہ رہے ہیں۔

سفرة۔ یہ سافر کی جمع ہے جیسے کاتب کی جمع کتبه آتی ہے۔ سفرت بین القوم اسفر سفارة بمعنی اصلحت بیہم اسفرة المرأة ای کشففت نقابها اور مختار میں ہے کہ سفر الکتاب ای کتبہ۔ ضرب سے آتا ہے۔ انبیاء یا ملائکہ یا امت کے افراد مراد ہیں۔

کرام بررة۔ کرامت بمعنی توقیر۔ یعنی اللہ کے نزدیک محترم اور مومنین پر مہربان۔ اور بررة جمع بار کی ہے جیسے کافرو ساحر، فاجر کی جمع کفرہ و سحرہ و فجرہ ہیں۔ کہا جاتا ہے برو بار جب کہ اہل صدق ہو۔ بر فلان فی یمینہ بمعنی صدق اور فلان بر حالقہ و تبررہ بمعنی بطیعہ۔

قتل الانسان۔ بظاہر بدو عا جز کی طرف سے ہوا کرتی ہے۔ لیکن اللہ قادر مطلق ہے اس کی طرف سے بدو عا کے کیا معنی؟ اسی طرح تعجب ناواقف کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ اللہ کی طرف سے تعجب کیسے؟ جواب یہ ہے کہ قرآن پاک انسانی روش کلام پر اترا ہے۔ تمام باتوں کی رعایت اسی لحاظ سے ہے۔ اس سے ناراضگی کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

من ای شیء۔ اس میں تحقیر کی طرف اشارہ ہے۔

من نطفة۔ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے۔ ما لا بن ادم اولہ نطفة و اخرہ جيفة قدرة و هو مائل للقدرة۔ حلقہ فقد رہ۔ یعنی اللہ کا انعام ہے کہ انسان کو جو عطا کیا اور مرحلہ اور وجود کی منزلیں طے کرائیں۔ اعضاء صحیح سلامت، شکل و صورت مناسب عطا فرمائی۔

ثم السبیل یسرہ۔ انسان کی پیدائش حیرت ناک طور پر عجیب و غریب ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی دونوں کی زندگی کو خطہ و میں ڈال دیتی ہے۔ بچہ دانی کا منہ نہ کھلے، بچہ قدرتی طور پر النانہ ہو جائے تو کوئی بھی لقمہ اجل بن سکتا ہے۔ یا سبیل کی خیر و شر کی طرف

قدرت انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔ اور السبیل ما اضمرو عاملہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ مبالغہ فی التیسیر کے لئے اور اضافت کی بجائے الف لام سے معرفہ لانے میں سبیل کے عام ہونے کی طرف اشارہ ہے اور سبیل خیر و شر مراد لیتے ہیں۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا محض ایک رہ گزر ہے منزل مقصود نہیں۔ اسی لئے آگے فرمایا۔

ثم اما به الخ۔ موت اور قبر کو نعمت شمار کیا گیا ہے۔ کیونکہ موت ہی اخروی نعمتوں کا پیش خیمہ ہے اور قبر درندوں وغیرہ سے نعش کے محفوظ ہونے کا ذریعہ ہے۔

ثم اذا شاء انشره۔ معلوم ہوا کہ بعث کا وقت متعین نہیں ہے محض تابع مشیت ہے۔

کلا۔ بمعنی حقاً کہہ کر مفسر نے اشارہ کر دیا کہ اس کا تعلق بعد کی عبارت سے ہے۔ اسی لئے اس پر وقف کرنا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ صرف زجر ہے۔ یعنی انسان نے کبر و نخوت کی وجہ سے اب تک اللہ کی اطاعت حسب الامر نہیں کی۔ بلکہ کچھ نہ کچھ کوتاہی ہوتی رہی ہے۔ نطفہ سے لے کر قبر تک، مہد سے لے کر لحد تک اور آدم سے تا ایں دم ہر شخص کوتاہی کا مرتکب رہتا ہے اور لم بفعل کہہ کر مفسر نے اشارہ کر دیا کہ لہما میں مانا یہ ہے اور لم کی طرح نفی غیر منقطع کے لئے ہے اور بہ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ ہاموصول ہے اور عائد محذوف ہے انسان کا فر کی طرف ضمیر راجع ہے جس کا ذکر پہلے گزرا۔

فليظرو الانسان۔ انسان کی ذات سے متعلق انعامات کے بعد یہاں سے خارجی انعامات کا ذکر ہے۔ چنانچہ وجود کے بعد بقاء و وجود کے سرو سامان کئے۔ کھانا فراہم کیا جو بقاء کا سبب ہے۔

پھر آگے انا صبينا الماء سے کھانے کے اسباب کی بحث شروع کر دی اور کوفیوں نے انا فتحہ ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ طعام سے بدل استعمال کرتے ہوئے بہر حال مون سون اٹھتا ہے، بارش برتی ہے۔ جو نطفہ کی طرح بظاہر قوت فاعلی اور مؤثر ہے۔ ثم شققنا الارض۔ اور زمین قوت منفعلہ ہے رحم کی مانند۔ جس کے انفعال کا یہ حال ہے کہ ایک معمولی سی کمزور کونیل سے پھٹ جاتی ہے اور شق کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ فاعل حقیقی حق تعالیٰ ہے۔

وقضبا۔ مصدر ہے۔ یکے بعد دیگرے پھلوں کا اترنا۔ جس کو زطیہ بھی کہتے ہیں۔ اور حسن فرماتے ہیں کہ چوپاؤں کی گھاس کو کہتے ہیں۔

غلبا۔ غلباء کی جمع ہے۔ جس عورت کی گردن موٹی اور مضبوط ہو۔ قاموس میں ہے کہ غلب، فرح کی طرح ہے۔ موٹی گردن، غلباء، گھنا باغ۔

ابا۔ اب سے ماخوذ ہے بمعنی قصد، چارہ بھی مقصود ہوتا ہے۔

متاعا۔ مفسر نے اشارہ کر دیا کہ مفعول لہ اور مفعول مطلق دونوں ہو سکتا ہے اور عامل محذوف ہے۔ ای فعل ذلک متاعا او متعکم تمتیعاً

الصاحۃ۔ معاش کے بعد یہاں سے معاد کا ذکر ہے۔ صاۃ ایسے شور کو کہتے ہیں جس سے کان پھٹنے لگیں۔ مجازاً فقر مراد ہے۔ یفر المرء۔ ہر شخص نفسا نفسی میں مبتلا ہوگا اور دوسروں کے حقوق طلبی کے ڈر سے گریزاں ہوگا۔ یوم بدل الكل یا بدل لبعض ہے اذا سے اور عائد محذوف ہے۔ ای یفر فیہ لیکن لفظ یغنیہ اذا اور یوم میں عامل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صفت ہے اور صفت کا معمول اس کے عامل پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور ترتیب میں زیادہ محبوب چیزوں کو مبالغہ کے لئے مؤخر کیا گیا ہے۔ گویا ترقی من الی الا علی ہو رہی ہے۔ اور ایک قرأت میں یغنیہ ہے۔ جس کے معنی فکر مند کرنے کے ہیں۔

مسفرة اسفار الصبح سے ماخوذ ہے اور وجوہ اگرچہ نکرہ ہے۔ لیکن تقسیم کے موقعہ میں ہونے کی وجہ سے مبتداء ہے۔ مسفرة خبر ہے اور یومئذ متعلق ہے۔ ان آیات میں سعداء اور اشقیاء کی تقسیم ہے۔ جس طرح یہ لوگ کفر و فجور کا مجموعہ ہیں۔ اسی طرح جزاء بھی غرة اور فترۃ کا مجموعہ ہوگی اور کفار سے بڑھ کر مومنین کے لئے تین اوصاف فرمائے۔ مسفرة . ضاحکہ . مستبشرة .

ربط آیات: اس سورت کے سیاق و سباق میں جس طرح قیامت کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کے آخر میں بھی یہی مضمون ہے اور چونکہ اس میں کافر کی شدید سزا کا ذکر ہے۔ اس لئے سورت کے درمیان میں شکر کے مقتضیات اور موانع کا ذکر کر کے کفر کی شدت بیان فرمادی اور ایسے شدید الکفر لوگوں کی ہدایت کے سلسلہ میں حضور پر نور ﷺ کو اہتمام اور کاوش فرمانے میں چونکہ کوفت ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ ایک بار اسی بناء پر ایک نابینا صحابی کا ایسے موقعہ پر آ کر درمیان میں یوں نا موجب کلفت ہوا۔ اس لئے شروع سورت میں ایک محبوبہ نہ انداز سے جس کو لوگ عتاب کہتے ہیں۔ اس درجہ کفار کا اہتمام فرمانے سے منع فرمادیا اور طالبان حق کے حال پر توجہ مبذول فرمانے کا حکم دے دیا۔ اس طرح اول سورت، درمیان سورت کی اور درمیان سورت آخر سورت کی تمہید ہے اور سورت کا آخر مقصود اصلی ہے۔

شان نزول: مفسرین و محدثین بالاتفاق اس سورت کا شان نزول بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کچھ رؤسا اور قریش کے ممتاز سردار حاضر تھے۔ بعض روایات میں ان میں سے بعض کے نام بھی آئے ہیں۔ یعنی ابو جہل بن بشام، عقبہ بن ربیعہ، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، شیبہ اور حضور ﷺ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ فرما رہے تھے۔ کہ اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم ایک نابینا صحابی حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہوئے اور آپ سے اسلام یا آیات قرآنی کے سلسلہ میں کچھ پوچھنا چاہا۔ حضور ﷺ کو ان کی یہ مداخلت بے جا اور ناگوار معلوم ہوئی۔ اس لئے آپ نے ان سے بے رخی برتی۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اس تاریخی واقعہ سے اس سورت کا زمانہ نزول بآسانی معین ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مقبول حافظ ابن حجر اسلم بمکۃ قدیمہ اور بقول حافظ ابن کثیرؒ ہوا میں اسلم قدیمہ۔ یہ ثابت ہے کہ ابن ام مکتوم بالکل ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے تھے۔ اسی طرح جن روایات میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے ان میں سے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہو چکے تھے اور بعض سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ارشدنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ علمنی مما علمک اللہ یعنی وہ قرآن کی ایک آیت کا مطلب دریافت کرنا چاہتے تھے ان بیانات سے ان کا مسلمان ہونا معلوم ہوتا ہے ادھر آیت ”لعلہ یزکی“ کا مطلب ابن زیدؓ ”لعلہ یسلم“ بیان کرتے ہیں اور ارشاد الہی و ما یدریک لعلہ یزکی اویذ کر فتفعہ الذکری اور اما من جاء لک یسعی و هو یخشى بھی اسی طرف مشیر ہے کہ ان میں حسب حق کا صادق جذبہ موجزن تھا۔ پھر جن نمایاں کفار کے نام ابھی گزرے ہیں ان کے شریک مجسم ہونے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب کہ ان کفار کی آمد و رفت آنحضرت ﷺ کے پاس ہوتی رہتی تھی اور کشمکش اتنی نہ بڑھی تھی کہ مذاقوں کا سلسلہ بند ہو گیا ہو۔ بلکہ کچھ نہ کچھ میل جول تھا۔ یہ سب اس بات کے قرائن ہیں کہ یہ سورت بالکل ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں سے ہے اور اس سورت کا نام سورہ نازعات اور سورہ عم (نبا) کی طرح پہلے لفظ کے اعتبار سے ہے۔



﴿تشریح﴾: حافظ ابن عبد البرؒ نے استیعاب میں اور حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ عبد اللہ بن ام مکتومؓ حضرت خدیجہؓ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی ماں ام مکتوم اور حضرت خدیجہؓ کے والد چونکہ دونوں بہن بھائی تھے۔ پس اس رشتہ کے بعد اس شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ حضور ﷺ نے ان کو معمولی اور غریب آدمی سمجھ کر بے رخی برتی ہوگی۔ کیونکہ یہ خاندانی آدمی اور آنحضرتؐ کے نسبتی برادر تھے۔ کوئی گھرے پڑے آدمی نہ تھے۔ البتہ کچھ روکار ایسا بن گیا تھا کہ ایک عائی آدمی ظاہر اذہوکہ میں مبتلا ہو سکتا تھا۔ کہ ایک طرف سر بر آورده لوگوں کی جماعت ہے اور دوسری طرف خستہ حال نابینا شخص گرتا پڑتا آتا ہے۔ آپ اس کی طرف جو التفات نہیں فرماتے۔ اس سے ایک غریب کے مقابلہ میں طاقت وروں کی ترجیح کا تصور ابھرتا دکھائی دیتا ہے جو آئندہ کے لئے بری مثال بن سکتی تھی۔ پھر ابن ام مکتومؓ کے نابینا ہونے کی وجہ سے دوسروں کے لئے شاید اتنے کارگر ثابت نہ ہوتے۔ جتنا کہ ان سرداروں میں سے کسی کے ہدایت پانے کی صورت میں متوقع ہو سکتی تھی۔ اس لئے حضور ﷺ کو ابن ام مکتومؓ کی مداخلت بے جا معلوم ہوئی۔

ایک واضح مثال: . . . اس کو ایسے سمجھا جائے جیسے طبیب کے سامنے دو مریض ہوں۔ ایک تپ دق کا اور دوسرا نزلہ زکام کا۔ پس طبیب پہلے دق کے مریض کی طرف توجہ کرے گا۔ ایسے میں نزلہ کا مریض اگر اپنی بات شروع کر دے تو طبیب کو ناگوار ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح حضور ﷺ نے کفر کو خطرناک سمجھتے ہوئے اپنے اجتہاد سے اس کو لائق اہتمام سمجھا۔ لیکن حق تعالیٰ نے اس رائے کو اجتہادی غرض قرار دیتے ہوئے جو ارشاد فرمایا۔ اس کا منشاء یہ ہے کہ مرض کی شدت اس وقت بعثت تقدیم و ترجیح ہوا کرتی ہے۔ جب کہ مریض علاج کا خواہش مند ہو یا کم از کم مخالف نہ ہو۔ ورنہ خواہش مند مریض کا علاج مقدم ہوگا خواہ مرض خفیف ہو۔ کیونکہ پہلی صورت میں خود علاج اور اس کا فائدہ موہوم ہے اور دوسری صورت میں فائدہ یقینی ہے اور ظاہر ہے کہ ترجیح یقینی کو ہونی چاہئے نہ کہ موہوم کو۔

دو اجتہاد: . . . پس ایک اجتہاد کی طرف حضور ﷺ کا ذہن مبارک گیا۔ مگر اس سے زیادہ بہتر رائے کی طرف حق تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی۔ گویا غرض تو ہوئی، مگر فوراً سنبھال لیا گیا۔ پھر عبس کا انداز بیان ایک عجیب لطف رکھتا ہے۔ گویا دکھانا یہ ہے کہ ترش روئی اور بے رخی حضور ﷺ سے نہیں بلکہ کسی اور شخص سے سرزد ہوئی ہے۔ اس طرز بیان سے حضور ﷺ کو نہایت لطیف طریقہ سے یہ احساس دلایا گیا ہے کہ یہ ایسا کام تھا جو آپ کے کرنے کا نہیں تھا۔ آپ کے اخلاق عالیہ کو جاننے والا یہی خیال کرے گا۔ کہ یہ آپ کا نہیں بلکہ کسی اور کا کام ہے یعنی کہنے والا مخاطب کے مرتبہ کی رعایت کرتے ہوئے رودر و اس بات کے کہنے میں حیا محسوس کرتا ہے۔

محققانہ کلام: . . . حضرت شاہ عبد القادرؒ لکھتے ہیں کہ یہ کلام گویا اوروں کے سامنے گلہ ہے۔ رسول کا اسی لئے غائب کا صیغہ بیا گیا۔ محققین کہتے ہیں کہ اس میں آپ کی انتہائی تکریم اور متکلم کی حیا کا اظہار ہے کہ عتاب کے وقت بھی رودر و آپ کی طرف نسبت نہیں کی گئی۔ اسے کہتے ہیں غصہ میں لگاؤ کی ادا۔

آگے وما یدر یلث میں بطریق التفات خطاب فرمایا گیا۔ تاکہ حضور ﷺ سے حق تعالیٰ کی بے رخی اور بے التفاتی کا شبہ نہ ہو۔ پھر اگلا مضمون بھی پچھلے مضمون سے ہلکا ہے۔ اس لئے خطاب کرنے میں بلاغت آگئی۔

لعلہ یز کی اوید کو الخ کا حاصل یہ ہے کہ ابن ام مکتومؓ کی پوری اصلاح ہو جاتی یا پچھڑا اصلاح ہوتی۔ بہر حال نفع ہی ہوتا۔ اور ہر چند کہ ذکر کرنا، تذکر سے پہلے ہے۔ مگر تذکر یعنی نصیحت قبول کرنا۔ ذکر کی نفع کے بعد میں ہے۔ اس لئے کلمہ فال یا گیا اور لعل مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے۔ یعنی ان صحابی سے نفع کے محض گمان پر بھی بے توجہی نہیں ہونی چاہئے تھی۔ چہ جائیکہ نفع یقینی ہو اور اعلیٰ سے

تعبیر کرنے میں التفات اور توجہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی حالت قابل رحم و کرم ہے۔

تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے فیض توجہ سے اس کا حال سنو جاتا۔ یا تمہاری نگوینی بات اس کے کان میں پڑتی۔ وہ اس کو اخلاص سے سوچتا سمجھتا۔ آخر وہ بات کسی وقت اس کے کام آ جاتی۔

وما علیک الا یزکی۔ جو لوگ اپنے غرور و شخی سے حق کی پروا نہیں کرتے۔ ان کا تکبر انہیں اللہ و رسول کے آگے جھکنے نہیں دیتا۔ آپ ان کے اسلام لانے کی فکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ ذمہ داری نہیں کہ آپ ان لا پرواہ متکبروں کی فکر میں اس درجہ منہمک ہوں۔

وہی یخشی۔ یعنی نابینا اللہ سے ڈرتا ہے۔ یا اسے ڈر ہے کہ کہیں آپ کی ملاقات میسر نہ ہو، پھر اندھا ہے۔ کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اندیشہ ہے کہیں راستہ میں ٹھوکر لگے یا کسی سے ٹکرا جائے، یا یہ سمجھ کر کہ آپ کے پاس جارہا ہے۔ دشمن ستانے لگیں۔

دعوت و تبلیغ کا ایک اہم نکتہ: ..... فانت عنه تلہی۔ ان آیات میں آپ کی اجتہادی لغزش اور چوک پر متنبہ کیا گیا ہے کہ آپ اگرچہ کفر کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے اس کے علاج کو مقدم سمجھ رہے ہیں اور ایک مسلمان کی اصلاح کو غیر اہم اور مؤخر، لیکن یہاں طسب اور غیر طالب کے معاملہ پر اگر آپ نظر فرماتے تو معاملہ برعکس محسوس ہوتا۔ یہی وہ اصل نکتہ ہے جو تبلیغ و دعوت کے سلسلہ میں نگاہ مبارک سے اوجھل ہو گیا۔ اس پر گرفت فرماتے ہوئے ارشاد ہے کہ داعی حق کی نظر میں حقیقی اہمیت کس کی ہونی چاہئے۔ اور کس کی نہیں ہونی چاہئے نظر اس پر ہونی چاہئے کہ کس میں طلب حق کی جی پیاس اور جستجو ہے اور کس میں حق کے برخلاف جذبات موجود ہیں اس پر نظر نہیں ہونی چاہئے کہ کون مفید ہو سکتا ہے اور کون نہیں! بلکہ اصل سطح نظر یہ ہونا چاہئے کہ کون سنو رہا ہے اور کون بگڑتا ہے؟ پہلا آدمی کتنا ہی اپاہج اور بظاہر نکما ہو مگر وہی قیمتی ہے اس پر دھیان دینا چاہئے اور توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ دعوت و تبلیغ کا اصل منشاء ہی اصلاح ہے اور اس شخص کا ظاہری حال اصلاح پذیر ہے۔ چنانچہ یہی نابینا بزرگ زرہ پہنے جھنڈا ہاتھ میں لئے جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ آخر اسی معرکہ میں شہید ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ برخلاف دوسرے شخص کے وہ معاشرہ میں کتنا ہی بااثر کیوں نہ ہو مگر جب وہ سنو رہا ہو انہو بگڑا ہو تو اس کی ظاہر و روش بتلا رہی ہے کہ جب وہ خود سدھرنا نہیں چاہتا تو اس کی اصلاح کی فکر میں سراسر وقت کو ضائع کرنا ہوگا۔ اگر وہ سنو رہا نہیں چاہتا نہ سنو رہے کہ اس کا اپنا نقصان ہے۔ داعی حق پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں۔ وہ جب اس متاع گراں مایہ کا قدردان ہی نہیں تو اس کو سنبھال کر کیا رکھے گا؟ قدر گو ہر شاہد اند یا بداند جو بری۔

دوسرا اہم پہلو: ..... یہاں معاملہ کا ایک دوسرا رخ بھی قابل لحاظ ہے کہ اس معاملہ کی ظاہری سطح دیکھ کر بے سوچے سمجھے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ پیغمبر صاحب امیروں کی طرف زیادہ توجہ فرماتے ہیں اور شکستہ حال غریبوں کی طرف نہیں اس مہمل خیال کے پھیلنے سے جو نقصان دعوت اسلام کو پہنچ سکتا ہے وہ اس نفع سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جن کی ان چند متکبروں کے مسلمان ہونے سے توقع کی جاسکتی ہے۔

کلا انہا تذکرۃ۔ خدا کو بھولے ہوئے اور اپنی دنیوی وجاہت پر پھولے ہوئے لوگوں کو بے جا اہمیت نہ دیجئے۔ اسلام کی دوست ایسی سستی نہیں کہ جو اس سے منہ موڑے اس کے آگے خوشامد کر کے پیش کی جائے۔ اور نہ تمہاری یہ شان ہے کہ ان مغرور لوگوں کو اسلام کی طرف لانے کے لئے کسی ایسے انداز سے کوشش کرو جس سے یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جائیں کہ تمہاری کوئی غرض ان سے انگی ہوئی ہے۔ یہ مان لیں گے تو تمہاری دعوت فروغ پاسکے گی ورنہ ناکام ہو جائے گی۔ حق ان سے اتنا ہی بے نیاز ہے جتنے یہ حق سے بے نیاز ہیں۔

فمن شاء ذكره . یعنی یہ سنی خورے اگر قرآن نہ پڑھیں اور اس کی نصیحت پر کان نہ دھریں تو اپنا ہی نقصان کریں گے، قرآن کو کسی کی کیا پرواہ۔ آپ کو اس درجہ ان کے گرویدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایک عام نصیحت تھی وہ کر دی گئی۔ جو اپنا فائدہ چاہے اس کو پڑھے اور سمجھے اور عمل کرے۔

بغیر طہارت قرآن چھونا جائز نہیں:..... فی صحف مکرمة . کیا ان سر پھرے مغروروں کی وجہ سے قرآن کی عزت و وقعت ہوگی؟ قرآن تو وہ ہے جس کی آیات آسمان کے اوپر نہایت معزز، بلند مرتبہ اور صاف ستھرے ورقوں میں لکھی ہوتی ہے اور زمین پر مخلص ایماندار بھی اس کے اوراق نہایت عزت و احترام اور پاکیزگی کے ساتھ اونچی جگہ رکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہر قسم کی آمیزشوں سے پاک خالص حق کی تعلیم پیش کی گئی ہے۔

جن آلودگیوں سے دنیا کی دوسری مذہبی کتابیں لوگوں کی نادانی کی وجہ سے آلودہ کر دی گئی ہیں۔ ان کا کوئی ادنیٰ شبہ بھی قرآن کریم میں داخل نہیں ہو سکا۔ انسانی تخیلات ہوں یا شیطانی توہمات ان سب سے یہ پاک صاف ہے صحف مطہرة کا مضمون لا یمسہ الا المطہرون کے مطابق ہے۔ آسمانوں میں فرشتے جو قرآن لکھتے ہیں۔ وحی اس کے موافق ہی نازل ہوتی ہے اور دنیا میں بھی قرآن کو اوراق میں لکھنے اور جمع کرنے والے بزرگ ترین پاکیزہ، نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں جنہوں نے ہر قسم کی تحریف و تبدیلی اور کمی بیشی سے اس کو محفوظ رکھا۔ یہاں دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ایک کرام یعنی معزز اور دوسرے میں ہورہ یعنی نیک پہلے لفظ سے تاثر دینا کہ وہ اس قدر معزز ہیں کہ جو امانت ان کے سپرد کی گئی ہے، ذرہ بھر خیانت ان سے سرزد نہیں ہو سکتی۔ اور دوسرے لفظ سے یہ بتلانا ہے کہ ان صحیفوں کو لکھنے اور ان کی حفاظت کرنے اور ان کو رسول تک پہنچانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی ہے وہ اس کا حق پوری دیانتداری سے سرانجام دیتے ہیں۔

قرآن خود معظم ہے وہ کسی کی تکریم کا محتاج نہیں:..... اصل سررشتہ کلام سے اگر جوڑا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں محض قرآن مجید کی عظمت، و تعریف مد نظر نہیں ہے۔ بلکہ جو متکبر حقارت کے ساتھ اس دعوت سے منہ موڑ رہے تھے انہیں صاف صاف جتلا دینا ہے کہ یہ عظیم المرتبہ کتاب اس سے بدرجہ با بلند اور برتر ہے کہ تمہاری خدمت میں اسے پیش کر کے توقع رکھی جائے کہ تم اسے شرف قبولیت عطا کرو گے۔ یہ تمہاری نہیں بلکہ تم اس کے سرتا سر محتاج ہو۔ خم کر دو۔ ورنہ جس قدر تم اس سے بے نیاز بنتے ہو اس سے بہت زیادہ تم سے بے نیاز ہے۔ تمہاری تحقیر سے اس کی عظمت میں ذرہ برابر فرق نہیں آئے گا۔ البتہ تمہاری بڑائی کا سارا گھمنڈ خاک میں ملا کر رکھ دیا جائے گا۔

قتل الانسان۔ شروع سورت سے اب تک آنحضرت ﷺ کی طرف روئے سخن تھا۔ اب یہاں سے ان کافروں کی طرف عتاب کا رخ پھر گیا ہے۔ جو حق سے بے نیازی برت رہے ہیں اگرچہ اس سے پہلے کلام میں بھی درپردہ انہیں پر عتاب تھا۔ بلکہ آپ بھی انہی کی وجہ سے گرفت میں آ گئے۔ کیونکہ پچھلے کلام کا انداز بیان یہ تھا کہ اے پیغمبر! ایک طالب حق کو چھوڑ کر آپ یہ کن لوگوں پر اپنی توجہ صرف کر رہے ہیں جو دعوت حق کے نقطہ نظر سے بالکل بے قدر و قیمت ہیں۔ ان کی یہ حیثیت نہیں کہ آپ جیسا عظیم المرتب پیغمبر، قرآن جیسی بلند مرتبہ چیز کو ان کے آگے پیش کرے۔

قرآن کا ادیبانہ طرز کلام:..... قرآن مجید میں ایسے مقامات پر انسان سے مراد نوع انسان کا ہر فرد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی ناپسندیدہ صفات کی مذمت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ انسان کا لفظ کہیں تو اس لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ اس کے اکثر افراد

میں وہ مذموم صفات پائی جاتی ہیں اور کہیں اس کے استعمال کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ مخصوص لوگوں کو تعین کے ساتھ امر ملامت کی جائے تو ان میں ضد پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے نصیحت کا یہ طریقہ زیادہ مؤثر سمجھا گیا ہے کہ عمومی انداز میں بات کہی جائے گی۔

**ما اکفرہ** یعنی ذرا اپنی اصل پر تو غور کیا ہوتا کہ انسان کس چیز سے پیدا ہوا ہے؟ ایک ناچیز، بے قدر، بلکہ گندی بوند سے جس میں حس و شعور، حسن عقل و ادراک کچھ نہ تھا، سب کچھ اللہ نے اپنی مہربانی سے عطا فرمایا۔ پس جس کی حقیقت اتنی ہو، کیا اسے طمطراق زیبہ ہے؟ کہ پیدا کرنے والے حقیقی منعم۔ ایسی عظیم الشان نعمت اتارے اور یہ بے شرم اپنی اصل حقیقت اور مالک کی سب نعمتوں کو فراموش کر کے اس کی کچھ پرواہ نہ کرے۔ احسان فراموش انسان کچھ تو شرمایا ہوتا۔ کفر سے مراد حق کا انکار ہے اور اپنے محسن کی ناشکری بھی اپنے خالق و مالک و رازق کے مقابلہ میں بہیمانہ روش بھی، حاصل یہ کہ آخر کس بل بوتے پر کفر کرتا ہے؟

**مغرور انسان اپنی حقیقت پر نظر رکھے:** ..... **من نطفۃ خلقہ فقدرہ**۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ سب اعضاء ایک خاص ڈھنگ اور انداز سے رکھے۔ کوئی چیز یونہی بے ڈھنگی، بے تکی اور خلاف حکمت نہیں رکھ دی ماں کے پیٹ ہی میں اس کی تقدیر بھی طے کر دی۔ اس کی جنس کیا ہوگی، اس کا رنگ قدر و قامت کیا ہوگا۔ جسامت کیسی اور طاقت کس قدر ہوگی۔ اس کے اعضاء کس حد تک صحیح سالم اور کس حد تک ناقص ہوں گے۔ اس کی آواز کیسی ہوگی۔ اس کے ذہن اور دماغ کی صلاحیتیں کیا ہوں گی۔ کس سر زمین، کس خاندان اور کس ماحول میں پیدا ہوگا اور کس طرح پرورش و تربیت پائے گا۔ کیا بن کر اٹھے گا۔ اس کی شخصیت کی تعمیر میں موروثی اثرات، ماحول کے اثرات اور اس کی اپنی خواص کا کیا اور کتنا اثر ہوگا۔ دنیا کی زندگی میں کیا کردار ادا کرے گا اور کتنا وقت اسے زمین پر نام کرنے کے لئے دیا جائے گا۔ اور اس تقدیر سے بال برابر بھی ہٹ نہیں سکتا۔ نہ اس میں رد و بدل کر سکتا ہے۔ پھر کیسی عجیب جرات ہے کہ جس خالق کی بنائی ہوئی تقدیر کے آگے یہ بے بس اتنا ہے اس کے مقابلہ میں کفر کرتا ہے۔

**ثم السبیل بسرہ**۔ یعنی اچھے برے کی تمیز، نیک و بد کی سمجھ بوجھ، ایمان و کفر کی پہچان انسان کو دے دی جاتی ہے اور وہ تمام اسباب و وسائل فراہم کر دیئے جاتے ہیں۔ جن سے وہ کام لے گا۔ اگر زمین پر اس کے لئے یہ سروسامان مہیا نہ کر دیا جاتا اور یہ امکانات پیدا نہ کر دیئے جاتے تو اس کے جسم کی اور ذہن کی ساری قوتیں بے کار بات ہوتیں۔ اس کے علاوہ اللہ نے انسان کو یہ موقع بھی دے دیا کہ ایمان و کفر، طاقت و معصیت میں سے جو راہ بھی اختیار کرنا چاہے کر سکے۔ اس نے دونوں راستے اس کے سامنے کھول کر رکھ دیئے۔ اور **ثم السبیل بسرہ** کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ماں کے پیٹ سے انسان کی پیدائش آسان کر دی۔

**انسان کی بے بسی:** ..... **ثم اما تہ فاقبرہ**۔ یعنی انسان اپنی پیدائش اور تقدیر کے معاملہ ہی میں نہیں۔ بلکہ اپنی موت کے معاملہ میں بھی پیدا کرنے والے کے آگے بے بس اور اس کے اہل قانون کا پابند ہے نہ اپنے اختیار سے پیدا ہو سکتا ہے، نہ اپنے اختیار سے مر سکتا ہے اور نہ اپنی موت کو ایک لمحہ کے لئے ٹال سکتا ہے۔ جس وقت جہاں جس حال میں بھی اس کی موت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ اسی وقت، اسی جگہ اور اسی حال پر یہ مکرر رہتا ہے۔ اسی لئے جس نوعیت کی قبر بھی اس کے لئے طے کر دی جاتی ہے۔ اسی نوعیت کی قبر اسے نصیب ہوتی ہے۔ زمین کا گڑھا ہو یا سمندر کی گہرائیاں، آگ کا لاوہ ہو یا کسی درندہ کا پیٹ۔ غرض انسان خود تو درکنار، ساری دنیا بھی مل کر اگر چاہے تو کسی شخص کے معاملہ میں خالق کے اس فیصلہ کو بدل نہیں سکتی۔

**ثم اذا شاء انشرہ**۔ یعنی جس خدا نے انسان کو جلایا اور مارا۔ اور اسی کو اختیار ہے کہ جب وہ چاہے دوبارہ زندہ کر کے قبر سے نکالے۔ غرض انسان کی مجال نہیں کہ جب اس کا خالق دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا چاہے تو یہ اٹھنے سے انکار کر سکے۔ آخر جب اسے پہلے

پیدا کیا گیا تھا تو اسے پوچھ کر پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ اس سے رائے نہیں لی گئی تھی۔ کہ تو پیدا ہونا چاہتا ہے یا نہیں؟ یہ انکار بھی کر، تا تو پیدا ہو کر رہتا۔ اسی طرح اب دوبارہ پیدائش بھی اس کی مرضی پر موقوف نہیں ہے کہ یہ مر کر اٹھنا چاہے تو اٹھے اور اٹھنے سے انکار کر دے تو یہ نہ اٹھے۔ خالق کی مرضی کے اس معاملہ میں بھی یہ قطعی بے بسی ہے۔ جب وہ بھی چاہے گا اسے اٹھا کر کھڑا کر دے گا اور اس کو اٹھنا ہوگا۔ خواہ یہ راضی ہو یا نہ ہو۔ بہر حال جس کے قبضہ میں پیدا کر کے دنیا میں لانا، پھر مار کر برزخ میں لے جانا، پھر زندہ کر کے میدان حشر میں کھڑا کر دینا ہو۔ کیا اس کی نعمت سے اعراض و انکار اور اس کی نعمتوں کا استحقاق کسی آدمی کے لئے زیبا ہے؟

ہر چیز اللہ کے حکم کے آگے سرنگوں ہے۔ مگر انسان سرکش ہے:..... کلا لما یقض ما امرہ یعنی انسان نے اپنے مالک کا حق ہرگز نہیں پہچانا اور جو کچھ حکم ہوا تھا ابھی تک اس کو بجا نہیں لایا۔ حکم سے مراد وہ حکم بھی ہے جو اللہ نے فطری ہدایت کی صورت میں ہر شخص میں ودیعت فرمایا ہے اور وہ حکم بھی ہے جس کی طرف انسان کا اپنا وجود اور زمین سے لے کر آسمان تک کائنات کا ذرہ اشارہ کر رہا ہے۔ اور وہ حکم بھی ہے جو اللہ نے ہر زمانہ میں اپنے انبیاء اور اپنی کتابوں کے ذریعہ بھیجا اور ہر ۱۰۰ کے صالحین کے ذریعہ پھیلایا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے کلا لما یقض ما امرہ کو ”ثم اذا شاء انشرہ“ سے متعلق مانا ہے۔ یعنی اللہ جب چاہے گا۔ زندہ کر کے اٹھا دے گا۔ مگر ابھی ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ دنیا کی آبادی کے متعلق اس کا جو تکوینی اور تقدیری حکم ہے وہ پورا نہیں ہوا۔ الغرض جو حقائق اوپر کی آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ ان کی بناء پر فرض تو یہ تھا کہ انسان اپنے خالق کی فرمانبرداری کرتا۔ مگر اس نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور بندہ ہونے کا جو تقاضا تھا وہ پورا نہیں کیا۔

انسان کی بقا کے لئے سامان زندگی:..... فلینظر الانسان۔ پہلے انسان کے پیدا کرنے اور مارنے کا ذکر تھا۔ اب اس کی زندگی اور بقا کے سامان یا دوائے جارہے ہیں۔ خوراک جس کو وہ ایک معمولی چیز سمجھتے ہیں۔ اس پر ذرا غور تو کرے کہ آخر یہ پیدا کیسے ہوتی ہے۔ اگر خدا نے اس کے اسباب فراہم نہ کئے ہوتے۔ تو کیا انسان کے بس میں یہ تھا کہ زمین پر غذا وہ خود پیدا کر لیتا۔

انا صببنا الماء بارش کے تکوینی نظام الہی پر نظر ڈالی جائے تو عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔ سورج کی گرمی سے بے حد و حساب مقدار میں سمندروں سے پانی بھاپ بنا کر اٹھایا جاتا ہے۔ پھر اس سے کثیف بادل بنتے ہیں، پھر ہوائیں ان کو لے کر دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلاتی ہیں۔ پھر عالم بالا کی ٹھنڈک سے وہ مون سون از سر نو پانی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور ہر علاقہ میں ایک خاص حساب سے برس جاتا ہے۔ پھر وہ پانی زمین پر تو براہ راست برستا ہی ہے۔ زیر زمین کنوؤں اور چشموں کی شکل بھی اختیار کرتا ہے۔ دریاؤں، ندی نالوں کی شکل میں بہتا ہے اور پہاڑوں پر برف کی شکل میں جم کر پگھلتا ہے اور برسات کے موسم کے علاوہ دوسرے موسموں میں بھی دریاؤں میں رواں دواں ہوتا ہے۔ کیا یہ سارے انتظامات انسان نے خود کئے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اس کا خالق اس کی رزق رسانی کے لئے یہ انتظامات نہ کرتا۔ تو کیا انسان زمین پر جی سکتا تھا؟

قدرت کی کرشمہ سازی:..... ثم شققنا الارض۔ گھاس کے تنکے کی کیا مجال تھی کہ زمین کو چیر پھاڑ کر باہر نکل آتا۔ یہ قدرت کے ہاتھ ہے کہ زمین کو پھاڑ کر اس سے طرح طرح کے غلے، میوے، پھل، پھلواریاں برآمد ہوتی رہتی ہیں۔ جو بیج یا گٹھیاں یا نبات کی سبزیاں انسان زمین میں بوتا ہے یا ہواؤں اور پرندوں کے ذریعہ سے یا کسی اور طریقہ سے زمین کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔ قدرت کے پوشیدہ ہاتھ ان کی کونپلوں کو باہر نکال دیتے ہیں۔ انسان اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا کہ زمین کو کھود دیتا ہے، زمین میں ہل

چھا دیتا ہے اور خدا کے پیدا کردہ بیج زمین میں بکھیر دیتا ہے۔ اس کے سوا سب کچھ کام خدا کا ہے۔ بے شمار قسم کی نباتات کے بیج پیدا کرنا خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسی لئے ان تخموں میں یہ صلاحیت پیدا کی ہے کہ وہ زمین میں پہنچ کر پھوٹیں اور ہر تخم سے اسی کی جنس کی نباتات اُگے۔ اور اسی نے زمین میں یہ خاصیت پیدا کی کہ پانی سے مل کر وہ ان بیجوں کو کھول دے اور ہر جنس کی نباتات کے لئے اس کے مناسب حال غذا پہنچائے اور ان کو نشوونما دے۔ یہ تخم ان خاصیتوں کے ساتھ اور زمین کی یہ بالائی تہیں ان صلاحیتوں کے ساتھ خدا نے تمہارے نفع کے واسطے پیدا فرمائی ہیں۔

متاعکم ولا نعامکم۔ بعض چیزیں تمہارے اور بعض چیزیں تمہارے جانوروں کے کام آتی ہیں۔ یعنی خوراک کا یہ سامان خدا نے تمہارے ہی لئے نہیں۔ بلکہ جن جانوروں سے تمہیں گوشت، چربی، دودھ، دہی، مکھن، گھی وغیرہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان کے لئے بھی ان سے چارہ کا سامان پیدا کر دیا ہے۔ ان جانوروں سے انسانی معیشت کی ہزاروں اور خدمتیں بھی وابستہ ہیں۔ گویا ان کی خوراک بھی با واسطہ انسان ہی کی خوراک ہے۔ پس کیا یہ سب کچھ اسی لئے ہے کہ تم اس تمام تر سر و سامان سے نفع اندوز ہوتے رہو اور جس خدا کے رزق پر پل رہے ہو اسی سے کفر کرو؟

فساذا جاءت الصاخرة۔ نفع صورت کا قیامت خیز کڑکا مراد ہے جس سے کان پھٹ جائیں۔ اس کے بلند ہوتے ہی تمام مردے جی اٹھیں گے۔ صاخرہ۔ بظاہر یہ نفع اولیٰ کی صفت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اس سے عالم کی فنا کا تعلق ہے لیکن یہ واقعات نفع ثانیہ کے ہیں تو پھر کافروں کے لحاظ سے نفع ثانیہ کی صفت بھی صحیح ہے۔

قیامت کی ہوش رہا حالت کو دیکھ کر قریب ترین عزیز بھی آنکھیں چرا لیں گے: ..... یوم یفر المرء۔ اس روز ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی۔ وہ عزیز واقارب جو دنیا میں سب سے زیادہ پیارے تھے ایک دوسرے کو نہ پوچھیں گے۔ بلکہ مصیبت میں مبتلا دیکھ کر ان کی مدد کو دوڑنے کی بجائے انسان الثنا ان سے بھاگے گا کہ کہیں وہ اپنی گمراہیوں اور گنہوں کی ذمہ داری اس پر نہ ڈالنے لگے۔ یا اس کی نیکیوں میں سے فرمائش نہ کرنے لگے، یا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے۔ بھائی کو بھائی سے، اودا کو ماں باپ سے شوہر کو بیوی سے اور ماں باپ کو اولاد سے خطرہ ہوگا۔ کہ اب ہمارے خلاف مقدمات کے یہ گواہ بننے والے ہیں۔ ان خیالات سے ایک دوسرے سے آنکھ چرا لیں گے۔ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔ عجیب نفسا نفسی کا وقت ہوگا۔

لکل امرء منہم یومئذ شان۔ نسائی، ترمذی وغیرہ میں روایات ہیں کہ حضور اکرم فداہ امی وابی نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب ننگ دھڑنگ اٹھیں گے۔ حضرت عائشہؓ یا حضرت سودہؓ یا کسی اور صحابیہ نے گھبرا کر پوچھا کہ یا رسول اللہ! اس روز ہمارے ستر سب کے سامنے کھلے ہوں گے؟ حضور ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمایا کہ ارشاد فرمایا کہ اس وقت کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔ گویا مارے دہشت کے اپنے آپ کی خبر بھی نہ ہوگی۔

وجوہ یومئذ مسفرة۔ قیامت کے دن مومنین کے چہرے نور ایمان سے روشن اور انتہائی مسرت سے فرحان و شادان ہوں گے اور کافروں کے چہروں پر کفر کی کدورت چھائی ہوگی۔ اس پر فسق و فجور کی تاریکی اس ظلمت کو اور تیرہ و تاریک کر دے گی۔

اولئک ہم الکفرة الفجرة۔ جو ٹھیک کافر ہیں۔ ان کو کتنا ہی سمجھاؤ، ذرا نہیں پسچتے، نہ خدا سے ڈرتے ہیں اور نہ مخلوق خدا سے شرماتے ہیں۔

خلاصہ کلام: ..... سورۃ عبس کے ابتدائی مضمون کے سرسری انداز بیان سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک نابینا صحابی سے بے رخی اور بے التفاتی برتنے پر اور بڑے بڑے سرداروں کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ سے خطاب میں بے رخی برتی گئی ہے۔ مگر مجموعی سورت کے مضمون پر گہری نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اصل روئے عتاب کفار سرداران قریش کی طرف ہے۔ جو اپنے مغرورانہ گھمنڈ اور اپنی متکبرانہ ہٹ دھرمی کی بناء پر صداقت اور آنحضرت ﷺ کی دعوت حق سے بے نیازی برت رہے تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا نابینا صحابی سے بے التفاتی فرمانا کچھ ان کی عزت یا تحقیر کی بناء پر نہیں تھا۔ اور نہ قریش کے سرداروں کی طرف جھکاؤ ان کے مالدار ہونے کی بناء پر تھا۔ اگرچہ بادی النظر میں ایک رخ دیکھنے والے کی نظر میں یہ ہی نکل سکتا ہے۔ مگر دراصل معاملہ کی نوعیت اس طرح ہے کہ جب کوئی داعی اپنی دعوت لے کر اٹھتا ہے تو قطری طور پر اس کا رجحان باثر اور مقتدر لوگوں کی طرف ہوتا ہے۔ تاکہ دعوت کے حلقہ اثر میں زور پیدا ہو جائے اور دعوت عام ہو جائے۔ کیونکہ کمزور بلکہ معذور یا عام لوگوں میں دعوت پھیل بھی جائے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ ابتداءً رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی طرز عمل ہوگا۔ جس کا منشاء اس اخلاص اور دعوت حق کو فروغ دینے کا جذبہ تھا۔ بڑے لوگوں کی توقیر اور چھوٹے لوگوں کی تحقیر ہرگز پیش نظر نہ تھی۔ اللہ نے آپ کے سامنے صحیح دعوت کا یہ طریقہ رکھا کہ اس راہ میں ہر وہ شخص قیمتی ہے اور اہمیت رکھتا ہے جو حق کا جو یا اور طالب راہ مولیٰ ہو۔ خواہ وہ کتنا ہی بے اثر، کمزور بلکہ معذور ہو۔ لیکن جو شخص حق سے بے نیاز یا کنارہ کش ہو وہ غیر اہم ہے۔ خواہ معاشرہ میں کتنا ہی بڑا مقام رکھتا ہو۔ اس لئے عمومی رنگ میں دعوت تو سب ہی کے لئے ہے۔ مگر مرکز توجہ آپ کے وہ لوگ ہوتے جائیں جن میں قبول حق کی انار کی پائی جاتی ہو اور آپ کی بلند پایہ دعوت کے مقام سے یہ بات فروتر ہے کہ آپ اسے ان مغرور لوگوں کے آگے پیش کریں۔ جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں یہ بات سمجھتے ہوں کہ ان کو آپ کی نہیں، بلکہ آپ کو ان کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد آیت قتل الانسان الخ سے براہ راست عتاب کا رخ ان کفار کی طرف پھر گیا ہے۔ جو حضور ﷺ کی دعوت حق کا انکار کر رہے تھے۔ اس میں پہلے تو ان کے اس رویہ پر ملامت کی گئی ہے۔ جو وہ اپنے خالق و رازق پروردگار کے مقابلہ میں برت رہے تھے۔ اور آخر میں ان کو خبردار کر دیا گیا کہ قیامت کے روز وہ اپنی روش کا ہولناک انجام دیکھ لیں گے۔

فضائل سورت: ..... من قرء سورة عبس جاء يوم القيامة ووجهه ضاحكة مستبشرة فرمایا۔ جو شخص سورۃ عبس پڑھے گا۔ اللہ قیامت میں اس کو ہشاش چہرہ کے ساتھ لائے گا۔ (حدیث موضوع ہے۔)

لطائف سلوک: ..... عبس و تولى۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی شخص سے عذریا ناواقفی کے باعث کوئی خلاف ادب یا بے تمیزی کی بات سرزد ہو جائے تو اسے درگزر کر دینا چاہئے اس سے روگردانی یا ناراضگی نہیں ہونی چاہئے۔



## سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ لُفِفَتْ وَذُهِبَ بِنُورِهَا وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ﴿٢﴾ انْقَضَتْ وَتَنَاقَظَتْ عَلَى  
الْأَرْضِ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿٣﴾ ذُهِبَ بِهَا عَنْ وَجْهِ الْأَرْضِ فَصَارَتْ هَبَاءً مُنْبَثًا وَإِذَا الْعِشَارُ اتُّوَتْ  
الْحَوَامِلُ عُظِلَتْ ﴿٤﴾ تَرَكَتْ بَلَا رَاغٍ أَوْ بَلَا حَلَبٍ لَمَّا ذَهِبَ عَنْهَا مِنْ الْأَمْرِ وَلَمْ يَكُنْ مَالٌ أَعْجَبَ إِلَيْهِمْ  
مِنْهَا وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴿٥﴾ جُمِعَتْ بَعْدَ الْبُعْثِ لِيَقْتَصِرَ لِبَعْضٍ مِنْ نَعَضٍ ثُمَّ تَصِيرُ تَرَابًا وَإِذَا  
الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿٦﴾ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أَوْقَدَتْ فَصَارَتْ نَارًا وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿٧﴾ قُرِنَتْ  
بِأَحْسَادِهَا وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ الْحَارِيَّةُ تُدْفِنُ حَيَّةً خَوْفِ الْعَارِ وَالْحَاجَةِ سِئِلَتْ ﴿٨﴾ تَبْكِيْنَا لِقَاتِلِهَا بِأَيِّ  
ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾ وَقُرِئَ بِكُسْرِ الشَّاءِ حِكَايَةً لَمَّا تَخَاطَبَ بِهِ وَجَوَانِهَا أَنْ تَقُولَ قُتِلْتُ بِلَاذِبٍ وَإِذَا  
الصُّحُفُ صُحِفَ الْأَعْمَالِ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ فُتِحَتْ وَبُسِطَتْ وَإِذَا السَّمَاءُ  
كُشِطَتْ ﴿١١﴾ تُرِعَتْ عَنْ أَمَاكِنِهَا كَمَا يُنَزَعُ الْجِلْدُ عَنْ الشَّاةِ وَإِذَا الْجَحِيمُ السَّارِ سُعِرَتْ ﴿١٢﴾  
بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أُجِجَتْ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ قُرِبَتْ لِأَهْلِهَا لِيَدْخُلُوهَا وَحَوَابُ إِذَا أَوَّلُ  
السُّورَةِ وَمَا عُطِفَ عَلَيْهَا عَلِمَتْ نَفْسُ أَيِّ كُلِّ نَفْسٍ وَقَتْ هَذِهِ الْمَذْكُورَاتِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ مَا  
أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ فَلَا أَقْسَمُ لَازَائِدَةً بِالْخُنُسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ الْكُنُسِ ﴿١٦﴾ هِيَ النُّجُومُ  
الْخَمْسَةُ رُحُلُ وَالْمُشْتَرَى وَالْمَرِيخُ وَالزُّهْرَةُ وَعَطَارِدُ تَخُنُسُ بِضَمِّ النُّونِ أَيْ تَرْجِعُ فِي مَجْرَاهَا وَرَاءَهَا  
يَبْنَاتُرى الْحَمَمُ فِي الْخَرِّ الْبُرْجِ أَذْكَرُ رَاجِعًا إِلَى أَوَّلِهِ وَتَكُنُسُ بِكُسْرِ النُّونِ تَدْخُلُ فِي كَنَاسِهَا أَيْ تَغِيْبُ  
فِي الْمَوَاضِعِ الَّتِي تَغِيْبُ فِيهَا وَالْيَلِ إِذَا عَسَعَسَ ﴿١٧﴾ أَقْبَلَ بِظُلَامِهِ أَوَادِيرَ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾  
إِمْتَدَّ حَتَّى يَصِيرَ نَهَارًا بَيْنَا إِنَّهُ أَيْ الْقُرْآنُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ جَبْرِيْلُ أُصِيفَ إِلَيْهِ

يُرْوَاهُ بِهِ ذِي قُوَّةٍ أَيْ شَدِيدِ الْقُوَى عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ أَيْ اللَّهُ تَعَالَى مَكِينٌ ﴿۲۰﴾ ذِي مَكَانَةٍ مُتَعَلِّقٌ بِهِ عِنْدَ مُطَاعٍ ثُمَّ أَيْ تُطِيعُهُ الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَوَاتِ آمِينَ ﴿۲۱﴾ عَلَى الْوَحْيِ وَمَا صَاحِبُكُمْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُطِفَ عَلَى أَنَّهُ إِلَى اخِرِ الْمُقَسَمِ عَلَيْهِ بِمَجْنُونٍ ﴿۲۲﴾ كَمَا زَعَمْتُمْ وَلَقَدْ رَآهُ رَأَى مُحَمَّدٌ حُسْرَيْلَ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ ﴿۲۳﴾ الْبَيِّنَ وَهُوَ الْأَعْلَى بِسَاحِلَةِ الْمَشْرِقِ وَمَاهُوَ أَيْ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ مَا غَابَ مِنَ الْوَحْيِ وَخَبَرَ السَّمَاءِ بَضَائِعِ ﴿۲۴﴾ بِمُتَّهِمٍ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالضَّادِ أَيْ يَبْخَلُ فَيَنْقُصُ شَيْئًا مِنْهُ وَمَاهُوَ أَيْ الْقُرْآنُ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ مُسْتَرْقٍ السَّمْعِ رَجِيمٍ ﴿۲۵﴾ مَرْجُومٍ فَآيِنَ تَذْهَبُونَ ﴿۲۶﴾ فَآيَ طَرِيقٍ تَسْلُكُونَ فِي إِنْكَارِكُمُ الْقُرْآنَ وَاعْرَاصِكُمْ عَنْهُ إِنَّ مَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ عِظَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿۲۷﴾ الْإِنْسِ وَالْحَيِّ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ بَدَلٌ مِنَ الْعَالَمِينَ بِإِعَادَةِ الْحَارِ أَنْ يَسْتَقِيمَ ﴿۲۸﴾ بِإِتِّبَاعِ الْحَقِّ وَمَا تَشَاءُ وَنَ الْإِسْتِقَامَةَ عَلَى الْحَقِّ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۹﴾ الْخَلَائِقِ اسْتَقَامَتَكُمْ عَلَيْهِ

سورہ تکویر کی یہ ہے اس میں ۲۹ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: ... سورج جب بے نور ہو جائے گا (لیٹ دیا جائے گا اور اس کی روشنی گل ہو جائے گی) اور جب ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے (زمین پر گر کر بھکر جائیں گے) اور پہاڑ جب چلائے جائیں گے (زمین سے اکھاڑ کر اڑے پھریں گے) اور دس مہینے کی گا بھن (حاملہ) اونٹنیاں جب چھٹی پھریں گی (بغیر چرا ہے کے یا دودھ دو ہے بغیر دہشت ناک حالات کی وجہ سے۔ حالانکہ اہل عرب کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی عجیب مال نہیں ہے) اور وحشی جانور سب جمع ہو جائیں گے۔ (دوبارہ زندہ ہونے کے بعد تاکہ ان سے ایک دوسرے کا قصاص لے کر انہیں مٹی کر دیا جائے) اور جب دریا بھڑکائے جائیں گی (لفظ فجرت تخفیف و تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی سمندر دھونکا کر آگ بنا دیئے جائیں گے) اور جب روحیں ملا دی جائیں گی (اپنے اپنے بدنوں سے وابستہ ہو جائیں گی) اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے) (جس کو عار کے خوف یا محتاجی کی وجہ سے زندہ درگور کر دیا ہوگا) پوچھا جائے گا (اس کے قاتل کو دہشت زدہ کرنے کے لئے) کہ وہ کس گناہ میں قتل کی گئی تھی (ایک قرأت میں قتل کسر ہواء کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اس سے خطاب کو نقل کرتے ہوئے اس کا جواب یہ ہوگا کہ میں بلا تصور ماری گئی ہوں) اور جب اعمال نامے کھول دیئے جائیں گے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی کھول دیئے اور پھیلا دیئے جائیں گے) اور آسمان جب کھینچ دیا جائے گا (اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے گا جیسے بکری سے کھال کھینچ دی جاتی ہے) اور جب دوزخ دہکائی جائے گی (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے، یعنی بھڑکا دی جائے گی) اور جنت جب نزدیک کر دی جائے گی (جنتیوں کے قریب ان کو داخل کرنے کے لئے لے آئی جائے گی۔ شروع سورت کے اذا اور اس کے معطوفات کا جواب آئندہ ہے) ہر شخص جان لے گا (یعنی ہر آدمی ان مذکورہ چیزوں کے وقت یعنی قیامت میں واقف ہو جائے گا۔ ان اچھے برے اعمال سے جو وہ لے کر آیا ہے۔ تو میں قسم کھاتا ہوں (اس میں لا زائد ہے) ان ستاروں کی جو پیچھے کو ہٹے لگتے ہیں۔ چتے رہتے ہیں، جا چھتے ہیں (اس سے زل، مشتری، مریخ، زہرہ عطار و پانچ ستارے مراد ہیں۔ تسخن ضمہ نون کے ساتھ پیچھے ہٹنے کے معنی ہیں۔ ان برجوں میں کہ ستارے آخر برج میں دکھائی دیں نکسن کسرہ نون کے ساتھ۔ اپنی جگہ چھپنے کے معنی ہیں۔

یعنی اپنی جگہ پوشیدہ میں غائب ہو جائے) اور قسم ہے رات کی جب وہ جانے لگے (اندھیرے کے ساتھ آئے یا جانے) اور قسم ہے صبح کی جب وہ آنے لگے۔ (پھیلتی چلی جائے، حتیٰ کہ دن چمکنے لگے) کہ یہ (قرآن) ایک فرشتہ کا لایا ہوا کلام ہے جو معزز ہے (اللہ کے نزدیک جبرائیل مراد ہیں، کلام کی نسبت ان کی طرف لانے کی وجہ سے کی گئی ہے) جو طاقت ور (نہایت قوت والا ہے)، مالک عرش (اللہ تعالیٰ) کے نزدیک ذی مرتبہ ہے (عزت مند، اس کا تعلق عند کے ساتھ ہے) وہاں (اس کا حکم مانا جاتا ہے آسمانوں میں فرشتے اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں) امانت دار ہے (وحی لانے کے سلسلہ میں) اور یہ تمہارے ساتھ رہنے والے (محمد ﷺ مراد ہیں، اس کا عطف انفسہ پر ہے آخر مضمون قسم تک ہے) جنوں والے نہیں ہیں (جیسا کہ تمہارا خیال ہے) اور انہوں نے اس کو دیکھا بھی ہے (محمد ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل و صورت میں) صاف کنارہ پر (مشرقی بلندی پر واضح طریقہ سے) اور وہ (محمد ﷺ) مخفی باتوں پر (وحی اور آسمانوں کی پوشیدہ چیزوں پر) بخل کرنے والے بھی نہیں ہیں (ظنین کے معنی متہم کے ہیں، البتہ ایک قرأت میں صسیں ضد کے ساتھ ہے۔ یعنی وحی کے سلسلہ میں بخیل نہیں ہیں کہ کچھ کم کر کے ظاہر کریں) اور یہ (قرآن) شیطان کی بات نہیں (چوری چھپے سنی ہوئی) جو مردود (رانده) ہے۔ تم لوگ کدھر جا رہے ہو (قرآن کے انکار اور اپنی پہلو تپی کے معاملہ میں کہناں جا رہے ہو) بس یہ تو دنیا جہنم کے (انسان و جنات) کے لئے ایک بڑا نصیحت نامہ ہے ایسے شخص کے لئے جو تم میں سے (یہ عالمین سے بدل ہے عا دہ جار کے ساتھ ہے) سیدھا چنا چاہے (حق کی پیروی کرتے ہوئے) اور تم (استقامت حق کے سلسلہ میں) کچھ نہیں چاہ سکتے۔ بدون اللہ رب العالمین کے چاہے ہوئے (تمہاری استقامت حق کو۔)

**تحقیق و ترکیب:** ..... کورت. کورت العمامہ کے معنی بگڑی لپٹنے کے ہیں۔ مفسر نے معنی مجازی کی طرف اشارہ کیا ہے یہاں مجازی الطرف کے ساتھ مجازی الاسناد بھی ہو رہا ہے یا مضاف مقدر مانا جائے۔ لففت کی بجائے مفسر کو لففت کہنا چاہئے تھا۔ ای لف بعضہا ببعض ورمی بها فی البحر ثم یوصل علیہا ریحاً دبوراً فتضربها فتصیر ناراً۔ العشار. جمع ہے عشراء کی نفاس اور نقساء کی طرح ہے ان دونوں الفاظ کی اور کوئی نظیر نہیں ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ عشراء دس مہینہ کی گا بھن اونٹنی کو کہتے ہیں۔

**عطلت.** یعنی ایسی قریب الولادت اونٹنی بڑی قیمتی اور عزیز ہوتی ہے۔ مگر قیامت کی دہشت ناک کے مارے کسی کو بھی اس کا ہوش نہیں رہے گا۔ اس میں اہل عرب کے مذاق کی رعایت سے عشر کی تخصیص کی گئی ہے۔ ممکن ہے یہ صورت نفعہ اولیٰ کے وقت ہو۔ پھر ان سب جانوروں کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ اور بعض کے نزدیک وہ جانور پھر بھی باقی رہ جائیں گے جن کو لوگ پالتے تھے۔ جیسے مور، کبوتر، چڑیاں، مرغیاں وغیرہ۔

**سجرت.** قرطبی نے جو اس کے متعلق اقوال نقل کئے ہیں ان میں سے ایک رائے وہ ہے جو مفسر اختیار کر رہے ہیں کہ سمندر پانی سے لبریز ہو جائیں گے اور دل مل کر سب ایک ہو جائیں گے۔ پھر ان کو آگ میں تبدیل کر کے دھونکا دیا جائے گا سانس نے پانی سے بجلی نکال کر قرآن کی اس خبر کی تصدیق کر دی ہے۔

**الموءدة.** لڑکی کو اگر باقی رکھنا مقصود ہوتا تب تو اس کو کبل کا لباس پہنا کر بکری، اونٹ چرانے کے لئے جنگلوں میں چھوڑ دیا جاتا۔ ورنہ داماد آنے کی عاریہ فقر و فاقہ کے اندیشہ سے چھ سال کی عمر میں اس کو اپنے ہاتھوں بنا سنوار کر زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ عرب جاہلیت کی رسم قدیم ہندوستان کے راجپوتوں میں بھی رائج تھی۔ اسلام نے آ کر اس رسم بد کی بچ کٹی کر ڈالی۔

**سئلت.** اصل استفارۃ قل، مجرم سے ہونا چاہئے جس کی یہاں نفی نہیں ہے۔ تاہم زندہ درگور لڑکی سے قرین مقدمہ کی حیثیت سے پوچھ جائے گا کہ تم نے کوئی جرم کیا تھا۔ جس کی پاداش میں اس طرح ماری گئی۔ مگر اس کے بیان سے جس کا انکار مجرم نہیں کر سکے گا ثابت ہوگا کہ بے قصور ماری گئی ہے۔

علمت نفس۔ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ نفس نکرہ ہونے کی وجہ سے عام ہے۔ جیسا کہ تسمرة خیر من جرأة میں اثبات کے موقع پر عام ہے۔

الخنس۔ شمس و قمر کے علاوہ پانچ ستاروں کے یہ اوصاف ہیں۔ خنس کے معنی رجعت قہقری، گردش اور چلنے کے معنی ہیں۔ قرطبی نے ان ستاروں کی تخصیص کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک وجہ تو بقول بکر بن عبد اللہ المزنی یہ ہے کہ یہ وہ ستارے ہیں جو سورج کے سامنے نہیں ہوتے اور دوسری وجہ بقول ابن عباسؓ یہ ہے کہ یہ ستارے بحیرہ کو قطع کرتے ہیں اور حسن و قدارہ کہتے ہیں کہ یہ ستارے دن میں چھپے اور رات میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اور کنس کا مطلب یہ ہے کہ غروب کے وقت یہ نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔

صحاح میں ہے خنس سے مراد سیارے ہیں، ثوابت مراد نہیں ہے۔ فراء کہتے ہیں کہ جس طرح ہرن جھاڑیوں میں چھپ جاتا ہے۔ اسی طرح ان ستاروں کا حال ہوتا ہے یعنی دیکھنے والوں کو آنکھ پھولی کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی لئے ان کو خمہ متحیرہ کہتے ہیں۔ اور یہ ہیئت حرکات تدویریہ کی وجہ سے ہوئی ہیں۔ سورج میں تدویری حرکت نہیں۔ اس لئے اس کے لئے رجعت بھی نہیں اور چاند میں اگرچہ تدویری صورت ہوتی ہے۔ مگر تیز رفتاری کی وجہ سے رجعت محسوس نہیں ہوتی، یہ سب گفتگو یونانی قدیم فلسفہ کی بنیاد پر ہے۔ جس میں آسمانوں کے لئے حرکات تدویری مانی گئی ہیں۔ سائنسی مشاہدات اگرچہ اس سے مختلف ہیں۔ لیکن قرآن کی بیان کردہ ہستیاں بدستور رہیں گی۔

اذا عسعس۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے آنے جانے کے معنی ہیں۔ لیکن آیت والیل اذا یغشی اور والیل اذا سجد کی وجہ سے پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں۔

اما ثم راغب کہتے ہیں کہ عسعس کے معنی معمولی تاریکی کے ہیں۔ جو ابتدائی اور آخری شب دونوں حصوں میں صادق آتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ لفظ دونوں معنی میں مشترک معنوی ہے۔

اذا تنفس۔ اصل معنی سانس باہر آنے کے ہیں۔ صبح ظاہر ہونے سے استعارہ کیا گیا ہے۔ پہلے جملہ سے مناسبت ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں اگر ابتدائے شب مراد ہے تو یہاں صبح کا آغاز مراد ہے اور اگر آخر شب مراد ہو تب بھی وہ صبح کے مجاور اور قریب ہوتی ہے۔ ایک کا آخر اور دوسرے کا شروع ہونے کی وجہ سے ذی قوۃ جیسا کہ قوم ثمود پر عذاب لانے کے وقت اور آسمانوں پر جانے آنے میں ان کی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔

عند ذی العرش۔ لفظ عند سے مکلفیت کا شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس سے قرب و مرتبہ مراد ہے۔ اس کا تعلق نحوی یکن کے ساتھ ہے یعنی اس کا حال ہے۔ اصل میں یہ وصف تھا مگر مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہو گیا۔

مطاع ثم۔ ثم ظرف مکان بعید کے لئے ہے۔ مطاع عال ہے۔

وما صاحبکم۔ اس سے مراد آنحضرت (ﷺ) ہیں۔ اس کا عطف انہ الخ پر ہے۔ جس سے حضرت جبرائیل مراد ہیں۔

لقد راہ۔ اس کا عطف بھی انہ پر ہے۔ بقول ابن عباسؓ غار حرا پر آنحضرت (ﷺ) نے جبرائیل کو اصل شکل میں دیکھا۔ زمین و آسمان کے درمیان کرسی نشین تھے۔ ان کے بدن پر چھ سو بازو تھے۔ اور ناحیۃ المشرق سے مراد طلوع آفتاب کی جانب ہے۔ اور بعض حضرات نے اس دیکھنے سے مراد سدرة المنتہی پر دیکھنا لیا ہے۔

بصین۔ ابو عمروؒ اور ابن کثیرؒ اور کسائیؒ ظا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ظنہ سے ماخوذ ہے بمعنی تہمت۔ اور باقی قراء کے نزدیک صس ہے بمعنی بخیل۔ یعنی آپ کو جو حکم دیا گیا اس کو بلا کم و کاست پہنچاتے ہیں بخل نہیں فرماتے۔ ابو عبیدہؒ دو وجہ سے پہلی قراءت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک وجہ تو یہ کہ کفار آنحضرت (ﷺ) کو وحی سے متعلق کذب سے متہم کرتے تھے۔ وحی کے متعلق بخل کا الزام نہیں دیتے تھے۔ اس لئے غی بخل کے مقابلہ میں نفی تہمت زیادہ مناسب ہے۔ دوسرا قرینہ علی الغیب ہے۔ کیونکہ بخل علی کے ساتھ متعدی نہیں ہوتا۔ بلکہ با کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے۔

فاین تذهبون . این طرف مکان مبہم کے لئے ہے اور تذهبون سے منصوب ہے۔ یعنی حضور ﷺ پر الزام تراشی کر کے کدھر جا رہے ہو۔

الا ان یشاء . مکی کہتے ہیں کہ ان اور انما دونوں با مضمربان کر موضع جر میں ہیں۔ ای الا بان اور با مصاحبت کے لئے ہوگی یا سیبہ ہوگی۔ یہ ترکیب اقرب ہے۔

رابط آیات : ..... پچھلی اور اگلی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی قیامت کا ذکر ہے اور آخر سورت میں اس کی تقویت کے لئے قرآن کی حقانیت کا بیان ہے جس میں قیامت کی تیاری کی تاکید ہے۔

شان نزول و روایات : ..... سورت کے انداز بیان اور مضمون سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی ہے۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں۔ اذا الشمس سے لے کر اذا البحار معجرت تک چھ آیات وہ ہیں جن کا نظارہ دنیا میں ہوگا۔ اور اذا النفوس زوجت سے اذا الجنة ازلفت تک چھ آیات آخرت سے متعلق ہیں۔ اسی طرح ابی بن کعب سے تخریج ہے کہ لوگ بازاروں میں ہوں گے کہ اذا الشمس کورت کا منظر سامنے آ جائے گا۔ اسی طرح دوسری نشانیوں کا ظہور ہوگا۔ ”سورہ تکویر“ پہلے جملہ کے لفظ ”کورت“ کی وجہ سے نام ہوا۔ جس کے معنی لپٹی گئی کے ہیں۔

﴿تشریح﴾ : اذا الشمس کورت . بظاہر اس عالم رنگ و بود کا قیام نظام شمسی سے وابستہ ہے۔ قیامت کا مطلب اس شیرازہ بندی کو کھول دینا ہے۔ اس لئے سورج کے بے نور کر دیئے جانے کے لئے ”تکویر“ ایک بے نظیر استعارہ ہے کیونکہ عمامہ پھیلا ہوا ہوتا ہے جس کو سر کے گرد پھینا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس روشنی کو جو سورج سے نکل کر سارے جہاں میں پھیلی ہوتی ہے قیامت کے روز یہ روشنی سورج پر لپیٹ دی جائے گی اور اس کا پھیلنا بند ہو جائے گا۔ گویا اس کی لمبی شعاعیں لپیٹ کر رکھ دی جائیں گی اور سورج بے نور ہو کر بنیر کی ٹکیہ کی طرح رہ جائے گا یا بالکل نابود ہو جائے گا۔

واذا النجوم انکدرت . تاروں کے منکدر اور منتشر ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ جس بندش کے ذریعہ اپنے نظام شمسی سے جڑے ہوئے ہیں وہ کھل جائے گی اور سارے ستارے کائنات میں بکھر جائیں گے اور سورج کی طرح ان کی روشنی بھی ماند پڑ کر مائل بکدورت ہو جائے گی۔

زمینی چیزیں بھی تہ وبالا ہو جائیں گی : ..... واذا الجبال سیوت . پہاڑوں کے ریگ رواں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نہ زمین کی کشش ختم ہو جائے گی اور پہاڑ زمین پر یا ہوا میں بادلوں کی طرح بے وزن ہو کر اڑتے پھریں گے۔

واذا العشار عطلت . عربوں کے نزدیک اونٹنیاں بہترین مال شمار ہوتی تھیں اور وہ بھی ایسی گا بھن جو بیا بنے کے قریب ہوں ۱۱ھ اور بچہ کی توقع پر زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔ لیکن قیامت کی ہولناکیوں کے وقت ایسے نفیس و عزیز مال کو بھی کوئی نہ پوچھے گا نہ مالک کو اتنا ہوش ہوگا کہ وہ ایسے بہترین مال کی فکر کرے۔ عربوں کو قیامت کی سختیوں کا تصور دلانے کے لئے اس سے بڑھ کر مؤثر اور کیا طرز بیان ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ ٹرین، ٹرک، بسیں، موٹریں چلنے کے بعد اونٹنیاں بیکار ہو گئیں محض ظرافت کی بات ہے۔

واذا الوحوش حشرت . وحشی جنگلی جانور جو آدمی کے سایہ سے بھی بھاگتے ہیں۔ مضطرب و بے قرار ہو کر مصیبت کے وقت دوسرے پالتوں جانوروں کے ساتھ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت نہ سانپ ڈستا ہے اور نہ شیر پھاڑتا ہے۔ بعض مفسرین نے

حشر کے معنی مارنے کے اور بعض نے مار کر اٹھانے کے لئے ہیں۔

واذا البحار سجرت۔ تسجیر کے معنی تنور میں آگ دھکانے کے ہیں۔ قیامت کے روز سمندروں میں آگ کا بھڑک اٹھنا نظر ہر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پانی جس کی ترکیب آکسیجن اور ہائیڈروجن دو ایسے گیسوں سے ہوتی ہے جس میں سے ایک آگ بھڑکانے والی اور دوسری بھڑک اٹھنے والی ہے۔ ان دونوں کی ترکیب سے پانی بنتا ہے جو آگ بجھا دیتا ہے۔ اللہ اپنی قدرت سے اُتر پانی کی اس ترکیب کو بدل دے اور یہ دونوں گیسیں ایک دوسرے سے الگ ہو کر بھڑکنے اور بھڑکانے میں مصروف ہو جائیں جو ان کی اصل بنیادی خاصیت ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی استعجاب نہیں رہتا۔ یا یوں کہا جائے کہ جس طرح وحشی غیر وحشی سب جانور گڈمڈ ہو جائیں گے۔ اسی طرح اول دریاؤں میں طغیانی آئے گی اور زمین میں دراڑ پڑ جائیں گے جس سے شور و شیریں دریا مل کر سب ایک ہو جائیں گی۔ جس کا ذکر اگلی سورت کی آیت واذا البحار فجرت میں آ رہا ہے اس کے بعد سارے پانی انتہائی حرارت کی وجہ سے ہوا، اور پھر آگ میں تبدیل ہو جائے گا۔ جیسا کہ فلاسفہ قدیم استحالة عناصر کی بحث میں کہتے ہیں۔

قیامت کا دوسرا مرحلہ: ..... واذا النفوس زوجت۔ یہاں سے قیامت کے دوسرے مرحلہ کا بیان ہے۔ اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے جو مفسر علامہ فرما رہے ہیں کہ جانیں جسموں سے چھوڑ دی جائیں گی۔ یعنی دنیا میں جس طرح انسان جسم و روح کے ساتھ زندہ ہے۔ اسی طرح پھر از سر نو زندہ کر دیئے جائیں گے۔ اور دوسرا مطلب وہ ہے جو دوسرے مفسرین نے لیا ہے۔ یعنی مختلف قسم کے اصناف الگ الگ گروہوں میں ملا دیئے جائیں گے۔ یعنی مسلمانوں میں اور کافروں میں، اسی طرح نیک نیکوں میں، بد بدوں میں ملا کر جماعت جماعت بنادیئے جائیں گے۔ غرض عقائد، اعمال و اخلاق کے لحاظ سے الگ الگ ٹولیاں کر دی جائیں گی۔

زندہ درگور لڑکیوں کی بیٹا: ..... واذا المؤدة مسئلت۔ یعنی بیٹی کو زندہ گاڑ دینے والے ماں باپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل نفرت ہوں گے۔ ان سے رخ دے کر یہ بھی نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے اس معصوم بچی کو آخر کیوں قتل کر دیا؟ بلکہ ان سے نگاہیں پھیر کر خود معصوم بچی سے پوچھا جائے گا کہ آخر کس قصور میں تو بے چاری ماری گئی اور اپنی دکھ بھری بیٹا سنائے گی کہ ظالم ماں باپ نے بے بس بے زبان کے ساتھ کیا ستم ڈھایا۔ افسوس کہ جاہلیت نے عرب کو کتنی اخلاقی پستی میں لاکھڑا کیا تھا کہ وہ اپنی ہی اولاد کو نہایت بے رحمی سے اپنے ہاتھوں میں کس طرح گڑھوں میں دھکیل دیتے۔ اور حضور اکرم ﷺ معاشرے کے اس ناسور کو مندرل فرمانا چاہتے تو ان کے آڑے آتے۔ نیز یہی بات قیامت کے ضروری ہونے کی دلیل بھی ٹھہرتی ہے۔ آخر اس زندہ درگور لڑکیوں کی کہیں تو داد رسی ہونی چاہئے اور ایسے ظلموں کی پاداش کا بھی تو کوئی موقعہ ہونا چاہئے۔ دفن ہونے والی معصوم لڑکی کی چیخ و پکار، فریاد سننے والا تو کوئی دنیا میں نہ تھا۔ نہ ماں باپ کا دل پسینا تھا اور نہ خاندان میں کوئی ملامت کرنے والا اور ہاتھ پکڑنے والا تھا۔ دوسروں کو تو خیر کیا پڑی تھی۔ پھر کیا خدا کی خدائی میں بھی یہ زور و ظلم، بے انصاف ہی رہ جانا چاہئے۔

ایک لڑکی کی دکھ بھری داستان: ..... حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے اپنی جاہلیت کا واقعہ خود ہی بیان کیا کہ میری ایک بیٹی مجھ سے بہت مانوس تھی۔ ایک روز میں اسے اپنے ساتھ لے کر چلا۔ راستہ میں مجھے ایک کنواں نظر پڑا۔ میں نے فوراً ہی اسے کنوئیں میں دھکیل دیا۔ وہ بائے اباہائے ابا کہتی رہی۔ مگر میں نے ایک نہ سنی۔ رحمۃ اللعالمین یہ سن کر روئے اور آپ ﷺ کے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا بھئی، تو نے حضور ﷺ کو غمگین کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اسے مت

روکو۔ جس چیز کا اسے شدید احساس ہے اسے پوچھنے دو۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ اپنا واقعہ پھر بیان کر۔ اس نے دوبارہ بیان کیا۔ آپ سن کر اس قدر روئے کہ آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر ارشاد ہوا کہ جو کچھ جاہلیت میں ہو گیا، اللہ نے اسے معاف کر دیا۔ اب نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کر۔

در اصل معاشی ابتری اور بد حالی بھی عربوں کو مجبور کر رہی تھی کہ وہ اولاد کو کم کریں۔ بیٹوں کو تو اس امید پر پالتے تھے کہ وہ آگے چل کر معاش میں ہاتھ بٹائیں گے۔ مگر بیٹیوں کا بوجھ تو ساری عمر خود اٹھانا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ ملک کی عام بد امنی میں لڑکے تو قوت بازو اور ڈھال بنتے تھے۔ لیکن لڑکیاں تو اور الٹی وبال جان بنتی تھیں۔ وہ دشمن پر اقدام یا دفاع کیا کرتیں، ان کے اغواء کا شکار ہو جاتیں، اور اپنی بہادری کے بے جا گھمنڈ کے نشہ میں داماد سے دبے کو عار سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ رسم بد پڑ گئی تھی کہ کبھی تو زوجگی کے وقت ہی لڑکی کو دبایا جاتا اور اگر کبھی اس کا موقع نہ ہوتا تو کچھ مدت لڑکی جنجال بنی رہتی اور جب موقع ہاتھ آتا تو پہلی فرصت میں اس کا مہر سے اہمینان کا سانس لیا جاتا۔

عرب میں عام معاشرہ کے بگڑے ہوئے مزاج کی تصویر تو یہی تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ لوگوں کو اس کی قباحت کا احساس بھی رہتا۔ چنانچہ مشہور شاعر فرزدق کے دادا مسعد بن ناجیہ الجاشفی نے آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں کچھ اچھے کام بھی کئے ہیں۔ مثلاً: میں نے (۳۶۰) لڑکیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا اور ہر لڑکی کو بچانے کے لئے دو اونٹ فدیہ میں صرف کئے۔ تو کیا اس پر مجھے اجر ملے گا؟ فرمایا: ہاں! اللہ نے اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔ یہ اسی کا ثمرہ ہے۔

اسلام کی عظیم الشان برکات:..... یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ نہ صرف اس نے اس سنگدلانہ رسم کا خاتمہ کیا۔ بلکہ بیٹی کو ایک مصیبت کی بجائے ایک نعمت قرار دیا اور اس کی تعلیم و تربیت کے ساتھ پرورش کر کے اس کا گھر بسا دینا بہت بڑی نیکی کا کام قرار دیا۔ اس سلسلہ میں چند ارشادات ملاحظہ ہوں:-

۱۔ من عادل ثلاث بنات او مثلهن من الاخوات فادبهن ورحمهن حتی يغنیهن الله او جب الله له الجنة فقال رحل یارسول الله، او اثنتين قال او اثنتين حتی لو قالوا او واحدة فقال واحدة۔

جس نے تین بیٹیوں یا بہنوں کو پرورش کیا۔ ان کو ادب سکھایا اور ان سے شفقت آمیز برتاؤ کیا۔ یہاں تک کہ وہ بے نیاز ہو گئیں تو اللہ اس کے لئے جنت واجب کر دے گا۔ ایک شخص بولا۔ یا رسول اللہ! اور دو؟ فرمایا وہ بھی۔ اور لوگ ایک کے بارے میں کہتے ہیں۔ تو حضور ﷺ ایک کے بارے میں بھی یہی فرماتے ہیں۔

۲۔ من كان له ثلاث بنات وصبر عليهن وكساهن من جدته كن له حجابا من النار۔ جس کے تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے۔ اپنی حیثیت کے مطابق ان کو اچھے کپڑے پہنائے۔ تو وہ اس کے لئے جہنم سے نجات کا ذریعہ بنیں گی۔

۳۔ من عال حاربتین حتی تبلغ جاء يوم القيامة انا وهكذا وهتم اصابعه۔ جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو قیامت کے دن میرے ساتھ وہ اس طرح ہوگا جیسے یہ انگلیاں ملی ہوئی ہوں۔

۴۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال سراقۃ بن جعثم الا ادلک علی اعظم الصدقة او من اعظم قال بلی یارسول



اللہ قال بنتیک المردود الیک لیس لها کامسب غیرک۔

حضور ﷺ نے سرائے بن جہم سے پوچھا کہ میں تم سب سے بڑا صدقہ نہ بتا دوں؟ عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور بتلائیے۔ فرمایا کہ تیری دو بیٹیاں تیرے گھر ضرور ہیں اور ان کے تیرے علاوہ کوئی کمانے والا نہ ہو۔

۵ من کانت له انثی فلم یندھاو لم یهنا و لم یؤثر ولده علیها ادخله الجنة۔

جس کے یہاں لڑکی ہو اور وہ اس کو زندہ دفن نہ کر دے نہ ذلیل کر کے رکھے اور نہ بیٹے کو اس کے مقابلہ میں ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

اسلام کی یہی تعلیم ہے جس کے متعلق دنیا کی ان تمام قوموں کا نقطہ نظر بدل کر رکھ دیا۔ جنہوں نے اسلام سے فیض حاصل کیا۔

قیامت کی ہولناکی کا نقشہ: ..... واذا السماء کشطت۔ یعنی جس طرح جانور کی کھال اتارنے کے بعد تمام رگ ریشے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آسمان کھل جانے کے بعد سب چیزیں نظر آ جائیں گی اور جو کچھ نگاہوں سے اب تک پوشیدہ رہا سب عیاں ہو جائے گا۔ اب تو بادل، چاند، سورج اور ستارے، گرد و غبار خلا نظر آتا ہے۔ لیکن اس وقت خدا کی خدائی سب کے سامنے بے حجاب ہو جائے گی اور غماں کا نزول ہوگا۔ جس کا ذکر آیت یوم تشقق السماء بالغمام میں ہوا ہے۔

واذا الجحیم سعرت۔ قیامت میں مقدمات کی سماعت کے وقت جہنم کی دہکتی آگ بھی سب کو نظر آ رہی ہوگی اور جنت بھی ساری نعمتوں کے ساتھ سب کے سامنے آ موجود ہوگی۔ تاکہ اچھے برے سب جان لیں کہ اب ہمیں کہاں جانا ہے۔ اور کس چیز سے محروم ہونا ہے۔

فلا اقسام۔ غنم اور کنس دونوں لفظ سے زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد ان ستاروں کی مخصوص چال مراد ہے۔ مغرب سے مشرق کو اگر یہ ستارے چلیں تو یہ سیدھی راہ ہوتی اور کبھی ٹھنک کر اٹنے پھرتے ہیں اور کبھی سورج کے پاس آ کر کچھ دن غائب رہتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ و الیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس میں کہ سورج کو تیرنے والی مچھلی سے تشبیہ دی گئی ہے اور طلوع سے پہلے اس کے نور پھیلنے کو مچھلی کے سانس سے منسوب کیا کہ جس طرح مچھلی پانی میں چھپ کر چلتی ہے اور اس کے سانس سے پانی اڑ کر پھیلتا ہے۔ یہی حال سورج کا طلوع اور روشنی سے پہلے ہوتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ صبح دم سے مراد نسیم صبح ہے جو موسم بہار میں چلتی ہے۔ ان قسموں کی مناسبت اگلے مضمون سے یہ ہے کہ ان ستاروں کا چلنا، پھرنا، لوٹنا اور چھپ جانا ایک نمونہ ہے۔ اگلے انبیاء پر بار بار وحی آنے اور ایک مدت تک اس کے آثار باقی رہنے اور پھر منقطع ہو کر چھپ جانے اور غائب ہو جانے کا۔ اور آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے فترت کے تاریک دور کا نمونہ رات کا آنا ہے کہ کسی شخص کو حق و باطل کی تمیز نہ رہی تھی اور وحی کے آثار بالکل مٹ چکے تھے۔ اس کے بعد صبح صادق کی پو پھٹنا حضور ﷺ کی آمد اور قرآن کا نزول ہے جس نے ہر چیز کو روز روشن کی طرح نور ہدایت سے منور کر دیا۔ گویا دوسرے انبیاء اگر مثل ستاروں کے تھے تو آپ ﷺ آفتاب درخشاں۔

فانه شمس فقل هم کواکبها یظہرون انوارها للناس فی الظلم

حتی اذا ظلمت فی الکون عم ہذاہا للعالمین و احیت سائر الامم

اور بعض کی رائے ہے کہ ستاروں کا سیدھا چلنا اور لوٹنا اور چھپ جانا فرشتے کے آنے جانے اور عالم ملکوت میں جا چھپنے کے مشابہ ہے اور رات کا گزرنا اور صبح کا نمودار ہونا قرآن کے نور سے کفر کی ظلمت دور ہونے کے مشابہ ہے۔ اس تقریر سے قسم اور مضمون میں

مناسبت زیادہ واضح ہے۔

جبرائیل امین اور رسول کریم ﷺ:.....انہ لقول رسول کریم ﷺ۔ یعنی اللہ کا کلام جو بندوں تک پہنچا۔ اس میں دو واسطے ہیں۔ ایک وحی لانے والا فرشتہ جبرائیل امین اور دوسرے خود سرور عالم ﷺ یہاں حضرت جبرائیل کی صفات کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں واسطوں کی خوبیاں معلوم ہو جانے کے بعد قرآن کے کلام الہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ آخر راوی کی مضبوطی اور کمزوری روایت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پس جبرائیل جب ”کریم“ یعنی انتہائی متقی اور پاکباز اور قوی الحفظ اور ضابط اور قوت بیان پر کھنے والے ہیں۔ اللہ کے یہاں سب سے مقرب اور فرشتوں میں مسلم ہیں۔ پھر ان کے معتبر ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

اسی طرح وما صاحبکم الخ میں آنحضرت ﷺ کی شان کا ذکر ہے کہ تمہیں ان کے چالیس ساہ دور کا تجربہ ہے۔ ابھی ان میں جھوٹ، فریب، دیوانہ پن کی بات نہیں دیکھی۔ ہمیشہ ان کی دانائی، امانت، صداقت مسلمہ رہی۔ اب اسے بلاوجہ جھوٹا، دیوانہ، یونکر کہہ سکتے ہیں۔ ایسے شخص کو دیوانہ کہنا یا سمجھنا خود دیوانگی ہے۔ قرآن کو قول رسول کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ جبرائیل کا کلام ہے یا حضور ﷺ کا اپنا تصنیف کردہ ہے۔ بلکہ قول رسول کہنے کا یہ منشاء ہے کہ آپ یہ کلام الہی بحیثیت محمد بن عبد اللہ پیش کر رہے ہیں۔ بد رسول اور پیغمبر ہونے کے لحاظ سے نقل فرما رہے ہیں۔ پس دونوں واسطے محض ناقل ہیں۔

ولقد راہ۔ بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دو مرتبہ جبرائیل کو ان کی اصل شکل میں دیکھا ہے۔ چھ سو بازوؤں کے ساتھ زمین و آسمان کی ساری فضا کو گھیرے ہوئے ہیں۔ یہاں مشرقی کنارہ پر دیکھنا بیان کیا گیا ہے اور صاف طور پر دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو دیکھنے میں کسی طرح کا اشتباہ واقع نہیں ہوا۔ (سورہ نجم میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔)

رسول کریم ﷺ نہ اپنے ظن و تخمین سے کہتے ہیں اور نہ وحی کے بیان کرنے میں بخل کرتے ہیں: وما هو علی الغیب بضین۔ اللہ کے اسماء و صفات ہوں یا احکام شرع گذشتہ اور آئندہ واقعات ہوں، یا موت کے بعد کے احوال اور جنت و دوزخ کے حالات۔ سب غیب کی ہی باتیں ہیں۔ ان کے بتلانے میں آپ ذرہ بھر بخل نہیں کرتے اور نہ نذرانہ بخشش یا اجرت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور بظنن کی قرأت ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ وحی کی قطعیت سے فرماتے ہیں۔ ظن و تخمین اور گمان سے نہیں فرماتے۔ برخلاف کاہن کے کہ وہ غیب کی ایک نامکمل جزئی بات اگر بتلاتا بھی ہے تو سو جھوٹ ملا کر کہتا ہے اور اس کے بتلانے میں بھی اس قدر بخشش ہوتا ہے کہ بغیر مٹھائی یا نذرانہ کے ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا۔ پس کہاں پیغمبر کا مقام اور کہاں ایک کاہن کی حیثیت؟ دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

اس آیت سے مسئلہ علم غیب پر استدلال کرنا قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ جہاں تک علم ذاتی کا تعلق ہے وہ سب کے نزدیک متفق علیہ طور پر حق تعالیٰ کی ساتھ خاص ہے، حضور ﷺ کو علم عطائی حاصل ہے۔ البتہ اس میں گفتگو ہے کہ وہ عطائی علم بھی محیط ہے یا غیر محیط؟ علم محیط ثابت نہیں ہے۔ آیت لا اعلم الغیب اور لو کست اعلم الغیب لا استکثرت من الخیر وما مسنی السوء اور روایت لاتدری ما احدثوا بعدک کی وجہ سے اور غیر محیط علم ماننا قائلین محیط کے لئے مفید نہیں ہے اور نہ غیر محیط عالم کو علم الغیب کہا جائے گا۔ ورنہ دوسروں کو بھی عالم الغیب کہنا پڑے گا۔ جو کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔

قرآن کو شیطان کا کلام کیسے کہا جاسکتا ہے:..... وما هو بقول شیطان رجیم۔ یعنی تمہارا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ شیطان آ کر آنحضرت ﷺ کے کان میں یہ باتیں پھونک دیتا ہے۔ بھلا شیطان ایسی نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کیوں سکھانے لگا۔ جس میں سراسر انسان کا فائدہ اور اس ملعون کی مذمت و قیاحت ہو۔ وہ جاہلانہ رسموں اور بد اخلاقی اور بد کرداری سے روک کر پاکیزگی، عدل و انصاف اور خدا پرستی اور اخلاقِ فاضلہ کی طرف رہنمائی کیسے کر سکتا ہے۔

فاین تڈھون۔ یعنی حضور ﷺ کے بارے میں جب جھوٹ، دیوانگی، کہانت وغیرہ کا شائبہ اور احتمال ہی نہیں۔ تو پھر اب حق و صداقت کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے۔ پھر اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر تم لوگ کدھر بہکے جا رہے ہو؟

ان ہو الا ذکر للعالمین۔ قرآن کی ہدایت و تعلیمات اور اس کے مضامین و احکام میں غور کرو تو اس کے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ یہ سارے جہان کے لئے ایک سچا اور مکمل دستور العمل ہے جس سے فلاح و رہن و ابستہ ہے۔

لَمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ اَنْ يَسْتَقِيمَ . جو لوگ نصیحت کا راستہ چلنا چاہیں اور کجی اور عناد کی راہ چھوڑ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہی کے لئے خاص طور سے قرآن نفع بخش ہو سکتا ہے۔ وَمَا تَشَاوُنَ الْخِ قُرْآنَ کریم اگرچہ فی نفسہ ایک نصیحت نامہ ہے۔ لیکن اس سے اثر پذیری اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ جن میں صلاحیت ہوتی ہے مشیت الہی ان سے متعلق ہو جاتی ہے اور جن میں یہ مادہ اور استعداد نہیں ہوتی، مشیت ان سے متعلق نہیں ہوتی اس لئے وہ محروم ہی رہتے ہیں۔ ان آیات میں یہ دونوں نکلتے نہایت اہم ہیں۔

خلاصہ کلام: . . . اس سورت میں آخرت اور رسالت و قرآن سے متعلق تین مضامین ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ شروع کی چھ آیات میں قیامت کے پہلے مرحلہ کا ذکر ہے۔ پھر و اذا النفوس زوجت سے سات آیات میں قیامت کے دوسرے مرحلہ کا ذکر ہے۔ آخرت کا یہ سارا نقشہ کھینچ کر انسان کو یہ سوچنے کا موقع دیا گیا ہے کہ اس وقت ہر شخص جان جائے گا کہ کون لے کر آیا ہے؟ اس کے بعد آیت فلا قسم الا انہ سے رسالت سے متعلق مضمون ہے۔ کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو کچھ تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ وہ کسی دیوانہ کی بڑ اور کوئی شیطانی وسوسہ نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کے عالی مقام بزرگ امانت دار پر پامبر کا بیان ہے جس کو محمد رسول اللہ ﷺ نے آسمان کے کنارے پردن کی روشنی میں اپنی آنکھوں سے صاف صاف دیکھا ہے۔ تم اس کی تعلیم سے کہاں مڑ رہے ہو؟ اور ان ہوا الا ذکر سے قرآن کی شان کا ذکر ہے کہ یہ ایک نصیحت نامہ ہے جس سے نفع اٹھانے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک خود انسان کا اپنا ارادہ جو خطا ہری سبب ہے اور دوسرے مشیت الہی جو حقیقی سبب ہے۔

ضمائل سورت :..... من قرء سورة التکویر اعاده الله ان یفضحه حین نشر مخیفته فرمایا۔ جو شخص سورہ تکویر  
 پڑھے گا اللہ اس کو اعمال نامے کھلنے کے وقت رسوائی سے بچالے گا۔ (حدیث موضوع)

لا تَف سَلُوكَ: ..... واذا النفوس زوجت۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ یقون الرجل الصالح مع الرجل الصالح  
ی الجنة ویقون الرجل السوء مع الرجل السوء فی النار فذلک تزویج النفوس۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ المرء مع  
من احب۔ جس سے معلوم ہوا کہ دنیا و آخرت دونوں جگہ لوگوں میں باہمی مناسبت دیکھی جاتی ہے۔ اور یہی مناسبت شیخ و مرید کے  
میان مَدَارِ نَفْع ہے۔

## سُورَةُ الْاِنْفِطَارِ

سورة الانفطار مكية تسع عشر اية

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِذَا السَّمَاءُ اَنْفَطَرَتْ ﴿١﴾ اِنْشَقَّتْ وَاِذَا الْكُوَاكِبُ اَنْثَرَتْ ﴿٢﴾ اِنْقَضَتْ وَتَسَاقَطَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ  
فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ فُتِحَ بَعْضُهَا فِیْ بَعْضٍ فَصَارَتْ بَحْرًا وَّاحِدًا وَاِذَا الْقُبُورُ  
بُعِثَتْ ﴿٤﴾ قُلُوبُ تُرَابِهَا وَبُعِثَ مَوْتَاهَا وَجَوَابُ اِذَا مَا عِطِفَ عَلِیْهَا عَلِمَتْ نَفْسٌ اِیَّ كُلِّ نَفْسٍ وَقَت  
هَدَهِ الْمَذْكُورَاتِ وَهُوَ یَوْمُ الْقِیَمَةِ مَا قَدَّمْتُ مِنَ الْاَعْمَالِ وَمَا اَخَّرْتُ ﴿٥﴾ مَسْهَافُهُ تَعْلَمُهُ یَا یُّهَا  
الْاِنْسَانُ الْكَافِرُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ﴿٦﴾ حَتّٰی غَضِبْتَ الَّذِیْ خَلَقَكَ نَعَدَا اَنْ لَّمْ تَكُنْ  
فَسَوَّكَ جَعَلَكَ مُسْتَوٰی الْخَلْقِ سَالِمَ الْاَعْضَاءِ ﴿٧﴾ بِالْتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ جَعَلَكَ مُعْتَدِلَ  
الْخَلْقِ مُتَنَاسِبَ الْاَعْضَاءِ لَیْسَتْ یَدٌ اَوْ رِجْلٌ اَطْوَلُ مِنَ الْاُخْرٰی فِیْ اٰیِ صُوْرَةٍ مَّا زَايَدَهُ شَاءَ  
رَكَّبَكَ ﴿٨﴾ كَلَّا رَدُّعٌ عَنِ الْاِغْتِرَارِ بِكَرَمِ اللّٰهِ تَعَالٰی بَلْ تُكْذِبُوْنَ اِیَّ كُفَّارُمَكَّةَ بِالْذِّیْنِ ﴿٩﴾ الْحَرَاءُ  
عَلٰی الْاَعْمَالِ وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحَافِظِیْنَ ﴿١٠﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَا عَمَالِكُمْ كِرَامًا عَلٰی اللّٰهِ كَتِبْنَ ﴿١١﴾ لَهَا  
یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿١٢﴾ جَمِیْعُهُ اِنَّ الْاَبْرَارَ الْمُؤْمِنِیْنَ الصّٰدِقِیْنَ فِیْ اٰیْمَانِهِمْ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿١٣﴾ جَنَّةٍ وَّازَّ  
الْفُجَّارَ الْكُفَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿١٤﴾ نَارٌ مُّحْرِقَةٌ یَّصْلُوْنَهَا یَدْخُلُوْنَهَا وَیُقَاسُوْنَ حَرَّهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿١٥﴾  
الْجَزَاءِ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ﴿١٦﴾ یُخْرِجُیْنِ وَمَا اَذْرٰیكَ اَعْلَمَكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا اَذْرٰیكَ  
مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿١٨﴾ تَعْظِیْمُ لِسَانِهِ یَوْمٌ بِالرَّفْعِ اِیَّ هُوَ یَوْمٌ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا مِنَ الْمَنْفَعِ  
۝ وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ ﴿١٩﴾ لَا اَمْرَ لِّغَیْرِهِ فِیْهِ اِیَّ لَمْ یُمْكِنْ اَحَدٌ مِّنَ التَّوَسُّطِ فِیْهِ بِخِلَافِ الدُّنْیَا

سورۃ انفطار مکیہ ہے جس میں ۱۹ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: ..... جب آسمان پھٹ پڑے گا اور ستارے جب جھڑ پڑیں گے (ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں گے) اور جب سب دریا بہہ پڑیں گے (ایک دوسرے میں مل کر سب ایک سمندر ہو جائیں گے۔ شیریں اور شور پانی رل مل جائے گا) اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں گی (مٹی اسٹ کر مردے زندہ ہو کر، اذا اور اس کے تمام معطوفات کا جواب آگے ہے۔) ہر شخص جان جائے گا (مذکورہ باتوں کے وقت قیامت کے دن ہر شخص جان لے گا) اپنے بچپنے (اعمال) کو اور اگلے اعمال کو (جو ابھی نہیں کئے) اے انسان! (کافر) تجھے کس چیز نے دھوکا میں ڈال رکھا ہے ایسے رب کریم کے ساتھ (تا آنکہ اس کا نافرمان ہو گیا ہے) جس نے تجھ کو بنایا ہے (حالانکہ تو پہلے موجود نہیں تھا) پھر تجھے ٹھیک طور پر مکمل کر لیا (ٹھیک طریقہ پر صحیح الاعضاء بنادیا) پھر تجھے اعتدال پر بنایا (تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی تیری بناوٹ معتدل اور اعضا متناسب بنائے۔ یہ نہیں کہ ہاتھ یا پاؤں میں سے ایک دوسرے سے بڑا ہو) جس صورت میں (مسا زائد ہے) چاہا تجھے چھوڑ دیا ہرگز نہیں (اللہ کے کرم کے بھولنے پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ تم (کفار مکہ) جھٹلاتے ہو (سزائے اعمال کو) اور تم پر یاد رکھنے والے (اعمال کے فرشتے) معزز (اللہ کے نزدیک) لکھنے والے مقرر ہیں جو تمہارے سب (تمام) اعمال کو جانتے ہیں۔ نیک لوگ (مومن جو اپنے ایمان میں سچے ہوں) بلاشبہ آسائش (جنت) میں ہوں گے اور یقیناً بدکار (کفار) دوزخ (جلائے والی آگ) میں ہوں گے وہ اس میں رہیں گے (اس میں داخل ہو کر جھلسیں گے) قیامت (بدلہ) کے روز اور وہ اس سے باہر (خارج) ہوں گے۔ اور آپ کو کچھ (پتہ) خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے؟ پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزا کیسا ہے؟ (اس میں قیامت کی عظمت شان ہے) وہ ایسا دن ہے (یہ مرفوع ہے اے ہو یوم) جس میں کسی شخص کے (نفع) کے لئے کچھ بس نہ چلے گا اور تمام تر حکومت اس روز اللہ کی ہوگی (دوسرے کی کچھ نہ چلے گی یعنی وہاں کسی کا واسطہ نہ رہے گا جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے۔)

تحقیق و ترکیب: ..... انتشار۔ موتیوں کا لڑی سے بکھر جانا، ستاروں کے ٹوٹنے سے استعارہ ہے۔ مشبہ کہ لوازم میں سے انتشار کا ذکر ہے۔ استعارہ تخیلیہ ہو گیا۔

بعثت۔ قبر کی مٹی کا الٹ پلٹ ہو جانا۔

علمت نفس علم تفصیلی مراد ہے۔ ورنہ اجمالی علم تو رہنے کے وقت ہی ہو جاتا ہے۔ لیکن جب یہ مذکورہ باتوں کا ظہور ہو چکے گا اور اعمال نامے سامنے آ جائیں گے اس وقت کھل کر نتیجہ معلوم ہو جائے گا اور تہویل کی غرض سے سب چیزوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ ما قدمت و آخرت۔ تاویلات النجیہ میں ہے کہ قدمت سے وہ اعمال مراد ہیں جو فعلیت میں آ چکے اور آخرت سے وہ اعمال مراد ہیں جو بالقوة نیت و ارادہ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے منقول ہے ما قدمت من خیر و ما آخرت من صدقة صالحة تعمل بعدها۔

ما غرک۔ ما استفہامیہ مبتداء ہے اور غرک خبر ہے۔ یعنی ای شئی خدعک و جرک علی عصیانہ و امنک من عقابہ۔

عدلک۔ اگر یہ لفظ اعتدال سے ماخوذ ہے تب تو تناسب اعضا بیان کرنا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک آنکھ بڑی، ایک چھوٹی ہو اور نہ یہ کہ فی نفسہ تو دونوں آنکھیں برابر ہیں۔ مگر پورے جسم کے تناسب سے بہت چھوٹی ہیں۔ اسی طرح دوسرے اعضا کا تناسب بھی اس انداز سے بنایا ہے۔ لیکن یہ لفظ اگر عدول سے ماخوذ ہو تو پھر مطلب یہ ہوتا کہ انسان کو اس کی اپنی اصلی صورت نوعیہ یا صفیہ پر بنایا ہے۔

یہ نہیں کہ اس سے عدول کر کے دوسرے جانوروں کو صورت نوعیہ دے دی ہو۔

فی ای صورۃ۔ اس میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق رکبک کے ساتھ ہو اور ما زائدہ ہو۔ اور شاء صورۃ کی صفت ہے۔ رکبک کا بیان ہونے کی وجہ سے اس سے پہلے واو نہیں لایا گیا۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ عدلک رکبک فی ای صورۃ من الصور العجیبة الحسنۃ الی شاء ہا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا تعلق محذوف کے ساتھ حال ہونے کی بناء پر ہو۔ ای رکبک حال کو نک حاصل فی بعض الصور۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ اس کا تعلق عدل کے ساتھ کیا جائے۔ لیکن اس میں اشکال یہ ہوگا کہ فی ای استفہام کی وجہ سے صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ اس لئے ماقبل کا معمول نہیں بن سکتا۔

ما تفعلون۔ اس میں ما اگرچہ افعال قلوب و جوارح سب کو عام ہے۔ مگر صرف افعال جوارح مراد ہیں۔ کراماً کاتبین انہیں کی کفایت کرتے۔ دونوں کا بھید اللہ جانتا ہے۔ لیکن کشف الابرار میں لکھا ہے کہ باطنی اعمال کی بھی خوشبو یا بدبو ان کو آ جاتی ہے اور وہ اس لحاظ سے ان کو بھی لکھ لیتے ہیں۔

ام غزائی فرماتے ہیں۔ کل ذکر یشر بہ قلبک تسمعه الملائکۃ الحفظۃ فان شعورہم یقارن شعورک حتی اذا غاب ذکرک عن شعورک بنہا بک فی المذکور بالکلیۃ غاب عن الحفظۃ ایضاً وما دام القلب یلتفت الی الذکر فهو معرض عن اللہ لان المقصود هو الفناء فی اللہ والفناء لا یحصل الا اذا لم یبق للمسالک عین ولا اثر الخ والقرب هو ان یکون محو فی ذاته تعالیٰ فانہا فیہ فاذا حصل لہ القرب لم یبق ذا کر لا ان بقاء الذاکر علامۃ الا ثنیۃ بل ینعدم ویفنی فی المذکر۔

ان الابرار یہ کتاب اعمال کی وجہ کا بیان ہے ای لیجازی الابرار بالنعیم یصلونہا یہ مجرور سے حال ہے اور جمد متانفہ بھی ہو سکتا ہے۔

ما استفہامیہ مبتداء ہے اور ادراک خبر ہے اور کاف مفعول اول اور مایوم الدین جملہ مفعول ثانی کے قائم مقام ہے۔ پہلا استفہام انکاری اور دوسرا تعظیم و تبدیل کے لئے ہے معنی یہ ہوئے کہ آپ کو قیامت کی شدت معلوم نہیں۔ ہمارے بتلانے سے البتہ معلوم ہو سکتی ہے۔

یوم لا تملک۔ لفظ یوم موضوع ہونے کی صورت میں مبتداء محذوف کی خبر ہے یا یوم سے بدل ہے اور نصب کی صورت میں اذکر مقدر مان کر بدل ہے۔

شینا۔ یعنی مستقلاً کوئی مالک نہیں ہے اس لئے شفاعت کی نفی نہیں ہے کیونکہ وہ باجائز ہوتی ہے۔ والا مر یومئذ للہ۔ یعنی دنیا میں اللہ نے جس طرح مالک بنادیا تھا۔ آخرت میں کسی کو مالک نہیں بنائے گا۔

رابط آیات: ... سورہ انفطار میں بھی پچھلی اور اگلی سورتوں کی طرح قیامت و مجازاة کا ذکر ہے اور درمیان میں غفلت پر ڈانٹ ڈپٹ ہے۔

شان نزول: ... سورہ تکویر اور سورہ انفطار کا مضمون بہت حد تک یکساں ہے۔ اس لئے دونوں کا زمانہ نزول بھی قریب قریب ہی ہوگا۔ انفطار کے معنی پھٹنے کے ہیں۔ اس سورت میں آسمان پھٹنے کا ذکر ہے۔

﴿تشریح﴾: ... واذا البحار فجرت۔ پہلی سورت میں سمندروں میں آگ بھڑکانے کا ذکر تھا۔ اس سورت میں سمندروں کے ابل پڑنے کا ذکر آیا۔ اس کے پردے پھٹ جائیں گے اور ساری زمین پانی کا تختہ ہو کر رہ جائے گی۔ یہ قیامت کے عظیم زلزلہ کا اثر ہوگا۔ اور پردہ پھٹنے سے پانی اندر بھی اتر سکتا ہے۔ جہاں بے انتہا گرم لاد اکھول رہا ہے۔ اس طرح تمام سمندروں میں آگ بھڑک اٹھے گی۔ غرض کہ ان آیات میں قیامت کے پہلے مرحلہ کا بیان ہے۔

آگے واذا القبور بعثرت۔ میں قیامت کے دوسرے مرحلہ کا ذکر ہے یعنی زمین کی تہ میں بھری ہوئی چیزیں اور قبر کے مردے سب باہر نکل پڑیں گے۔

علمت نفس۔ اچھے برے کام شروع عمر میں یا آخر عمر میں کئے یا نہیں کئے ان کے اثرات اپنے پیچھے چھوڑے یا نہیں چھوڑے۔ غرض کہ انسانی اعمال نامہ ترتیب کے ساتھ تاریخ وار سب کا سب سامنے آ جائے گا۔

انسان کی خود فریبی: ..... یا یھا الانسان! اول تو اس محسن پروردگار کے عظیم احسان کا تقاضہ یہ تھا کہ تو شکر گزار اور احسان مند ہو کر اس کا فرمانبردار بننا اور اس کی نافرمانی کرنے سے تجھے شرم آتی۔ مگر تو اس دھوکہ میں پڑ گیا کہ تو جو کچھ بھی بنا ہے خود ہی بن گیا ہے اور تجھے کبھی بھی یہ خیال نہ آیا کہ وجود بخشنے والے کا احسان مانے۔ دوسرا تیرے رب کا یہ کرم ہے کہ دنیا میں تو جو کچھ چاہتا ہے کہ کر گزرتا ہے۔ قدرت کی طرف سے تجھے مجبور نہیں کیا جاتا۔ بلکہ پوری آزادی دے دی جاتی ہے جسے تو رب کریم کی کمزوری سمجھ بیٹھا ہے۔

انسان خود فریبی کا شکار ہے: ..... الذی خلقک۔ یہ اللہ کے عظیم کرم کا اجمالی ذکر ہے۔ یعنی رب کریم کیا اس بات کا مستحق تھا کہ انسان اپنی حماقت سے اس کے علم پر مغرور ہو جائے اور اس کے کرم کا جواب اپنے کفر و طغیان سے دے۔ اس کے کرم کو دیکھ کر تو اسے شرمانا اور اس کے علم کو دیکھ کر اسے ڈرنا چاہئے تھا۔ یقیناً وہ حلیم و کریم ہے۔ مگر حکیم و منتقم بھی ہے۔ لہذا اس کی ایک صفت پر بھروسہ کر کے دوسری صفات سے آنکھیں بند کر لینا خود فریبی اور دھوکہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ اس نے انسان کو وجود بخشا، اعضاء کے جوڑ بند درست کئے۔ انہیں حکمت آمیز تناسب بخشا۔ مزاج اور اختلاط میں موزونیت بخشی۔ اگر چاہتا ہوں کہ لئے سب کی صورتیں الگ الگ بنائیں۔ اور تھوڑے فرق سے شکلیں، رنگ روپ مختلف رکھے۔ لیکن بحیثیت مجموعی انسان کو سب جانداروں سے بہتر بنایا۔ وہ چاہتا تو گدھے، کتے، بے صورت میں بنا دیتا۔ لیکن راست قامت صاف بدن کا بہترین نمونہ تجویز فرمایا۔ پس کیا اس بہترین انعام کا یہی صلہ ہے کہ انسان اس کی سرکشی اور سرتابی کرے۔

انسان کا سر اللہ کے آگے جھک جانا چاہئے تھا: ..... کلاب تکذبون۔ یعنی کوئی معقول وجہ اس دھوکہ اور بہکنے کی نہیں ہے۔ انسان کو وجود خود ہٹا رہا ہے کہ وہ خود نہیں بن گیا اور نہ ماں باپ نے اس کو بنایا ہے۔ مختلف عناصر کے جڑ جانے سے اتفاقاً بھی انسان پیدا نہیں ہو گیا۔ دوسرے تمام جانداروں کے مقابلہ میں اس کی بہترین ساخت اور برتر قوتیں اس کی شاہد ہیں کہ خدائے حکیم نے یہ مکمل انسانی شکل بخشی ہے۔ عقل سلیم کا تقاضا یہ تھا کہ انسان کا سر ان انعامات و احسانات کو دیکھ کر جھک جاتا۔ اللہ کی حکمت و دانائی کا تقاضا یہ ہے کہ جسے عقل دی جائے اسے اس اعمال کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا جائے، اختیارات دیئے جائیں، خود اس سے حساب بھی مانگا جائے اور جسے نیکی بدی کی طاقت دی جائے اسے ان پر بدلہ بھی ملے۔ یہ تمام حقیقتیں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ مگر پھر بھی



انسان یوم الحساب پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ خود کو آزاد سمجھتا ہے اور کسی باز پرس اور جزاء و سزا کا دھیان نہیں کرتا۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ بس مر گئے قصہ ختم ہو گیا۔ زندگی میں جو چاہوں کر دوں۔ میرا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ انسان اس حماقت آمیز فریب میں مبتلا ہے کہ اس دار العمل کے پیچھے کوئی دارالجزاء نہیں ہے۔ اس بے بنیاد خیال نے اسے غافل اور اخلاقی ذمہ داریوں سے آزاد اور خدا کے عدل و انصاف سے بے خوف اور غرور بنا دیا ہے۔

انسان کی ساری زندگی ریکارڈ ہو رہی ہے:..... ان علیکم لحافظین۔ یعنی تم حساب و سزا کو جھٹلاؤ، مذاق اڑاؤ۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے رب نے تمہیں شتر بے مہار بنا کر نہیں چھوڑا ہے۔ بلکہ ہر شخص پر راست باز فرشتے نگران مقرر کر رکھے ہیں۔ جو پوری غیر جانبداری سے تمہارے سب اعمال کو ریکارڈ کر رہے ہیں۔ تم کہیں بھی ہو تمہاری زندگی کی ہر نقل و حرکت منضبط ہو رہی ہے۔ پھر کیا تمہارا خیال ہے کہ اس قدر اہتمام کے باوجود یہ سارے دفتروں ہی بے کار چھوڑ دیئے جائیں گے، ہرگز نہیں، ہر شخص کے اعمال اس کے سامنے آئیں گے اور ان کا اچھا برا پھل چکھنا پڑے گا۔ وہ لکھنے والے فرشتے نہایت دیانت دار ہیں۔ کسی کی رورعایت ان کے پیش نظر نہیں۔ انہیں کسی سے ذاتی محبت یا عداوت نہیں کہ بے جارعیات یا مخالفت سے کچھ کا کچھ لکھ ڈالیں۔ نہ خائن ہیں کہ غلط اندراج کر دیتے ہوں۔ رشوت خور بھی نہیں کہ کچھ لے دے کر مخالف یا موافق جھوٹی رپورٹیں کر دیتے ہوں۔

غرض کہ اس قسم کی ساری اخلاقی کمزوریوں سے وہ بالاتر ہیں۔ اس لئے ان کی جملہ کارروائی قابل اطمینان ہے۔ پھر ان فرشتوں کو انسان کے جملہ حالات کی اطلاع رہتی ہے۔ وہ ہر جگہ ہر حال میں ہر شخص کے ساتھ اس طرح رہتے ہیں کہ کسی کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ اس کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ انہیں لوگوں کی نیوٹوں کا حال بھی معلوم رہتا ہے کہ کون کس نیت سے کام کر رہا ہے۔ اس لئے ان کی روئداد کا کوئی پہلو تشنہ اور نامکمل نہیں رہتا۔ بلکہ فائل مکمل قلم بند ہوتی ہے۔ سورہ کہف اور سورہ ق میں بھی یہ تفصیل اس کی گزر چکی ہے۔

انسان کا کامل حال فرشتوں کے سامنے رہتا ہے:..... یعلمون ما تفعلون۔ میں کلمہ کے ظاہر سے عموم معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی کوئی حالت بھی کرانا کاتبین سے مخفی نہیں رہتی۔ لیکن ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عام مخصوص البعض ہے یعنی دونوں کا بعض حال انہیں معلوم نہیں ہوتا۔ وہ ظاہری اور باطنی اعمال سے واقف ہوتے ہیں۔ مگر بعض اعمال قلبیہ کا علم صرف اللہ کو ہے۔ چنانچہ بدورسافرہ میں علامہ سیوطیؒ سے حدیث موضوع منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر خفی جس کو حفظ بھی نہیں سنتے۔ ذکر جلی سے ستر درجہ فضیلت میں بڑھ کر ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ عموماً دلوں کا حال انہیں معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ بعض احوال تک ان کی رسائی نہ ہوتی ہو یہ ممکن ہے۔ چنانچہ احادیث میں صراحت آتا ہے کہ نیکی کے عزم پر بھی ثواب ملتا ہے۔ تبریز شیخ عبدالعزیز دباغ میں اس قسم کے اسرار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن اگر حدیث مذکور صحیح نہ ہو تو پھر استثناء کی کوئی حاجت نہیں رہ جاتی۔

جنت اور اس کی بہار دائمی ہے:..... ان الا برار لفی نعیم۔ جنت میں ہر قسم کی اور سدا نعمتیں ہوں گی۔ وہاں سے نکلنے یا نعمتوں کے چھن جانے کا کوئی کھٹکا نہیں رہے گا۔ ورنہ پھر مکمل راحت کیا ہوئی؟ یہی دوزخ کا حال ہوگا کہ ہمیشہ کے لئے عذاب بھگتنا ہوگا۔ نہ بھاگ کر دوزخ سے بچ سکیں گے اور نہ اس میں داخل ہونے کے بعد نکلنے کی کوئی راہ مل سکے گی۔ ورنہ مکمل سزا کیا ہوئی؟ وما ادرائک۔ یعنی دوزخ اور اس کی سزاؤں کی شدت تصور اور عقل کی گرفت میں نہیں آ سکتی۔ تم کتنا ہی سوچو پھر بھی اس ہولناک دن کی کیفیت پوری طرح سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ وہاں عاجزی، خوشامد اور چالوسی کچھ کام نہ آ سکے گی۔ اور نہ صبر و استقلال کا رگر ہوگا۔ سب رشتے ناطے بے کار ہو جائیں گے۔ ہر شخص نفسی نفسی میں مبتلا ہوگا۔

یوم لا تملک وہاں کسی کی یہ مجال نہ ہوگی کہ کسی کو اس کے نتائج اعمال بھگتنے سے بچا سکے۔ کوئی با اثر، زور آور یا اللہ کا راڈلا ایسا نہ ہوگا کہ اللہ کے آگے آڑ لگا کر بیٹھ جائے اور یہ کہہ دے کہ میرے فلاں عزیز کو بخشا ہی ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ دنیا میں بادشاہوں کا حکم ان کی رعایا پر اور ماں باپ کا اپنی اولاد پر اور آقا کا نوکر پر چلتا ہے۔ مگر وہاں شہنشاہ مطلق کے آگے کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی۔ ہر طرح اسی کا حکم چلے گا۔ شفاعت کی نوعیت بھی دھاندلی یا زور آوری کی نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام: ... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں:-

من سرہ ان ينظر الی يوم القيامة كانه رای عين فليقرء اذا الشمس كورت واذا السماء انفطرت واذا السماء انشقت.

ترجمہ:- جو شخص قیامت کو کھلی آنکھوں کی طرح دیکھنا چاہے تو اسے چاہئے کہ سورہ تکویر و انفطار و انشقاق کو پڑھ لے۔ قیامت کی منظر کشی کا حاصل یہ ہے کہ انسان کا سب کچھ کیا دھرا سامنے آ جائے گا۔ پھر انسان کی اس خود فریبی پر متنبہ کیا گیا ہے جو وہ اپنے رب کریم کے ساتھ برت رہا ہے۔ جس نے اسے وجود بخشا اور بہتر سے بہتر جسم و اعضاء شکل و صورت عطا کی۔ آخر انسان اس دھوکہ میں کیوں ہے کہ اس کا پروردگار بس کریم ہے۔ وہ کیوں نہیں سمجھتا کہ وہ انصاف کرنے والا بھی ہے۔ اس کی ساری زندگی کی مسل تیار کی جا رہی ہے۔ اس کی ایک ایک نقل و حرکت کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے اور لکھنے والے معتبر غیر جانب دار دیانت دار فرشتے ہیں جو ایک ایک جزئی اعمال نامے میں درج کر رہے ہیں۔ پس یہ سارا طومار کس لئے ہے؟ یقیناً ایک دوسرا جہان حقیقی سامنے آنے والا ہے جس میں نیکیوں کا پھل جنت کی بیش و عشرت کی صورت میں اور بدیوں کا بھگتان دوزخ اور اس کی بے پناہ مصیبتوں کی شکل میں حاصل ہو کر رہے گا۔ اس روز کوئی کسی کے لئے سہارہ نہیں بن سکے گا۔ سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہوں گے۔

فضائل سورت: ..... من قرء سورة انفطرت كتب الله له بعدد كل قطرة من السماء حسنة وبعدد كل قطرة حسنة. جو شخص سورہ انفطار پڑھے گا اللہ بارش کے قطرات اور قطروں کی تعداد کے برابر نیکیاں اس کی لکھ لے گا۔

اطراف سلوک: ..... وان علیکم لحافظین۔ اعمال کے اندراج و احتساب کا مراقبہ اور استحضار اصلاح حال میں نہایت مؤثر و مفید ہے۔

## سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ

سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ سِتُّ وَثَلَاثُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

وَيْلٌ كَبِيمَةٌ عَذَابٍ أَوْ وَاْدٍ فِي جَهَنَّمَ لِلْمُطَفِّفِينَ ﴿١﴾ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَىٰ آيٍ مِنَ النَّاسِ  
يَسْتَوْفُونَ ﴿٢﴾ الْكَيْلَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَىٰ كَالُوا لَهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ أَىٰ وَزَنُوا لَهُمْ يُخْسِرُونَ ﴿٣﴾ يَنْقُصُونَ  
الْكَيْلَ أَوْ الْوِزْنَ إِلَّا إِسْتِفْهَامُ تَوْبِيخٍ يَظُنُّ بَيِّقُنْ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ﴿٤﴾ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥﴾ أَىٰ فِيهِ وَهُوَ  
يَوْمُ الْقِيَمَةِ يَوْمَ بَدَلٍ مِّنْ مَّحَلٍّ لِّيَوْمٍ فَنَاصِبُهُ مَبْعُوثُونَ يَقُومُ النَّاسُ مِنْ قُبُورِهِمْ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾  
الْحَلَائِقُ لِأَحْلِ أَمْرِهِ وَحِسَابِهِ وَجَزَائِهِ كَلَّا حَقًّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَارِ أَىٰ كُتِبَ أَعْمَالُ الْكُفَّارِ لَفِي  
سَجِّينٍ ﴿٧﴾ قِيلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِأَعْمَالِ الشَّيَاطِينِ وَالْكَفَرَةِ وَقِيلَ هُوَ مَكَانٌ أَسْفَلَ الْأَرْضِ اسْبَاغَةً  
وَهُوَ مَحَلُّ إِبْلِيسَ وَجُنُودِهِ وَمَا أَذْرَاكَ مَا سَجِّينٌ ﴿٨﴾ مَا كِتَابُ سَجِّينٍ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿٩﴾ مَحْتَمٌ وَيْلٌ  
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿١١﴾ الْحَزَاءُ بَدَلٌ أَوْ بَيَانٌ لِّلْمُكَذِّبِينَ وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ  
إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ مُّتَحَاوِزٍ الْحَدِ آثِيمٌ ﴿١٢﴾ صِبْغَةً مُّبَالِغَةً إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُ الْقُرْآنِ قَالَ أَسَاطِيرُ  
الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ الْحِكَايَاتُ الَّتِي سَطُرَتْ قَدِيمًا جَمْعُ أُسْطُورَةٍ بِالضَّمِّ أَوْ إِسْطَارَةٍ بِالْكَسْرِ كَلَّا زِدْ وَزَجِّرْ  
بِقَوْلِهِمْ ذَلِكَ بَلٌّ سَكَّهُ رَانَ غَلَبَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَغَشَّاهَا مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾ مِنَ الْمَعَاصِي  
فَهُوَ كَالضُّدَاءِ كَلَّا حَقًّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمْ يَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾ فَلَا يَرَوْنَهُ ثُمَّ إِنَّهُمْ  
لَصَالُوا الْجَحِيمِ ﴿١٦﴾ لَدَاخِلُوا النَّارِ الْمُحْرِقَةِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُمْ هَذَا آيُ الْعَذَابِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهِ  
تُكَذِّبُونَ ﴿١٧﴾ كَلَّا حَقًّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ أَىٰ كُتِبَ أَعْمَالُ الْمُؤْمِنِينَ الصَّادِقِينَ فِي إِيْمَانِهِمْ لَفِي  
عِلِّيْنٍ ﴿١٨﴾ قِيلَ هُوَ كِتَابٌ جَامِعٌ لِأَعْمَالِ الْخَيْرِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَمُؤْمِنِي الثَّقَلَيْنِ وَقِيلَ هُوَ مَكَانٌ فِي

السَّمَاءِ السَّابِعَةِ تَحْتَ الْعَرْشِ وَمَا أَدْرَاكَ أَعْلَمَكَ مَا عَلِيُّونَ ﴿۸۱﴾ مَا كِتَابٌ عَلَيَّینَ هُوَ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ﴿۸۰﴾  
 مَخْتُومٌ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ﴿۷۹﴾ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿۷۸﴾ جَنَّةٌ عَلَى الْأَرَائِكِ السُّرُ  
 فِي الْحِجَالِ يَنْظُرُونَ ﴿۷۷﴾ مَا أُعْطُوا مِنَ النَّعِيمِ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿۷۶﴾ نَهَجَةُ النَّعِيمِ  
 وَحُسْنُهُ يُسْقُونَ مِنْ رَجِيقٍ خَمْرٍ خَالِصَةٍ مِنْ الدَّنَسِ مَخْتُومٌ ﴿۷۵﴾ عَلَى آثَانِهَا لَا يَفُكُّ خَتَمُهُ إِلَّا هُمْ  
 خَتَمُهُ مِثْلُ أَيِّ إِحْرَ شُرْبِهِ يَفُوحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الْمِسْكِ وَفِي ذَلِكَ فَلْيَتَنَبَّهْ فَسِ الْمُتَنَبِّهُونَ ﴿۷۴﴾  
 فَلْيَرْغَبُوا بِالْمَبَادِرَةِ إِلَى طَاعَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَمِزَاجُهُ أَيُّ مَا يَمْزِجُ بِهِ مِنْ تَسْنِيمٍ ﴿۷۳﴾ فَسَرِّقُولِهِ عَيْنًا فَتَنَصُّهُ  
 بِأَمْدُحٍ مُقَدَّرًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿۷۲﴾ أَيُّ مِنْهَا أَوْضَمَنَ يَشْرَبُ مَعْنَى يَلْتَذُّ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا  
 كَابِي جَهْلٍ وَنَحْوِهِ كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا كَعَمَارٍ وَبِلَالٍ وَنَحْوِهِمَا يَضْحَكُونَ ﴿۷۱﴾ اسْتِهْزَاءٌ بِهِمْ  
 وَإِذَا امْرُؤًا أَى الْمُؤْمِنُونَ بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿۷۰﴾ أَيُّ يَشِيرُ الْمُحَرِّمُونَ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ بِالْحَفَنِ وَالْحَاجِبِ  
 اسْتِهْزَاءٌ وَإِذَا انْقَلَبُوا رَجَعُوا إِلَى أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿۶۹﴾ وَفِي قِرَاءَةِ فَكِهِينَ مُعْجِبِينَ بِذِكْرِهِمْ  
 الْمُؤْمِنِينَ وَإِذَا رَأَوْهُمْ رَأَوْا الْمُؤْمِنِينَ قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَالُونَ ﴿۶۸﴾ لَا يَمَانِيَهُمْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ قَالَ تَعَالَى وَمَا أَرْسَلُوا إِلَى الْكُفَّارِ عَلَيْهِمْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَفِظِينَ ﴿۶۷﴾ لَهُمْ أَوْلِيَاءُ عَمَالِهِمْ حَتَّى  
 يَرُدُّوهُمْ إِلَى مَصَالِحِهِمْ فَالْيَوْمَ أَيُّ يَوْمِ الْقِيَمَةِ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿۶۶﴾ عَلَى  
 الْأَرَائِكِ فِي الْجَنَّةِ يَنْظُرُونَ ﴿۶۵﴾ مِنْ مَنَازِلِهِمْ إِلَى الْكُفَّارِ وَهُمْ يُعَذِّبُونَ فَيَضْحَكُونَ مِنْهُمْ  
 كَمَا ضَحِكَ الْكُفَّارُ مِنْهُمْ فِي الدُّنْيَا هَلْ ثَوْبٌ جُوزَى الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۶۴﴾

سورہ مطففین مکہ یا مدنیہ ہے اس میں ۳۶ آیات ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ترجمہ: ..... بڑی خرابی ہے (یہ کلمہ عذاب ہے یا جہنم کی وادی کا نام ہے) ناپ تول میں کٹوتی کرنے والوں کے لئے کہ جب  
 لوگوں سے (علیٰ بمعنی من) ناپ کر لیں تو پورا (ناپ) لیں اور جب ان کو ناپ کر (کالوہم کی تقدیر کا لو الہم ہے) یا تول کر  
 دیں (وزنوہم کی تقدیر و وزنوا الہم ہے) تو گھٹا دیں (ناپ تول میں کٹوتی کر دیں) کیا (استفہام تو بخیر ہے) ان لوگوں کو اس کا گمان  
 (یقین) نہیں کہ وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گی ایک بڑے سخت (قیامت کے) دن میں جس روز (یہ لیوم کے محل سے بدل ہے لہذا اس  
 کا ناصب مبعوثون ہے) تمام آدمی (اپنی قبروں سے) کھڑے کئے جائیں گے رب العالمین کے سامنے (تمام مخلوق اللہ کی پکھری میں  
 حساب کتاب اور صلہ کے لئے) ہرگز نہیں (یقیناً) بدکار (کافر) لوگوں کا اعمال نامہ بحین میں رہے گا (کہا گیا ہے کہ یہ شیاطین اور  
 کافروں کا دفتر اعمال ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ ساتویں زمین کے نیچے ایک جگہ ہے جہاں ابلیس اور اس کا لشکر رہتا ہے) اور آپ کو معلوم

ہے کہ سحین (یعنی رکھا ہوا اعمال نامہ) کیا چیز ہے وہ ایک نشان (مہر) لگا ہوا دفتر ہے اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو روز قیامت کو جھٹلایا کرتے تھے (الذین بدل ہے المکذبین سے) اس کو تو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرنے وال ہو، مجرم ہو (مبالغہ کا صیغہ ہے) جب اس کے سامنے ہماری آیات (قرآن) پڑھی جاتی ہیں تو یوں کہہ دیتا ہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو انگوٹوں سے نقل ہوتی چلی آتی ہیں (اساطیر اسطورہ یا اسطارہ کی جمع ہے، پرانے قصے کہانیاں) ہرگز ایسا نہیں (ان کی اس بات پر ڈانٹ ڈپٹ ہے) بلکہ ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے (غالب آ کر چھا گیا ہے) ان کے اعمال کا (گناہوں کا میل کچیل) ہرگز ایسا نہیں (یقیناً) یہ لوگ اپنے پروردگار سے اس روز (قیامت کے دن) روک دیئے جائیں گے (اللہ کے دیدار سے محروم رہیں گے) پھر یہ دوزخ (کی دہکتی آگ) میں داخل ہو جائیں گے پھر (ان سے) کہا جائے گا کہ یہی (عذاب) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ہرگز ایسا نہیں (یقیناً) نیک لوگوں کا اعمال نامہ (اپنے ایمانداروں کے اعمال نامے) علیین میں رہے گا (کہا گیا ہے کہ فرشتوں، انسان و جنات کے اچھے اعمال کا دفتر ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ایک جگہ ہے) اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا اعمال نامہ کیا چیز ہے وہ ایک نشان (مہر) کیا ہوا دفتر ہے جس کو مقرب (فرشتے) دیکھتے ہیں۔ بلاشبہ نیک لوگ بڑی آسائش (جنت) میں ہوں گے مسہریوں (چھپر لکھٹ) پر معائنہ کرتے ہوں گے (عطا کی ہوئی نعمتوں کا) اے دیکھنے والے! تو ان کے چہروں میں آسائش کی بشارت (نعمتوں کی تروتازگی اور رونق) محسوس کرے گا۔ ان کو پینے کے لئے ٹھہری ہوئی شراب (میل کچیل سے صاف ستھری) سر بہر ملے گی (جس کی مہر وہ خود کھولیں گے) اس کا اثر مشک ہوگا (یعنی پینے کے بعد اس میں مشک کی مہک آئے گی) اور حریص لوگوں کو اس میں حرص کرنی چاہئے (لہذا انہیں اللہ کی فرمانبرداری کی طرف پکارتا چاہئے) اور اس کی آمیزش (ملاوٹ) تسنیم سے ہوگی (جس کی تشریح آگے آتی ہے) ایسا چشمہ (مدح مقدر سے منصوب ہے) جس سے مقرب بندے پیئیں گے (بہا یعنی منہا ہے یا شرب متضمن ہے معنی بلسند کے) جو لوگ مجرم تھے (جیسے: ابو جہل وغیرہ) وہ ایمان والوں (عمار۔ بلال وغیرہ) سے ہنسا کرتے تھے (ان کا مذاق اڑاتے ہوئے) اور جب ان (مومنین) کے سامنے سے گزرا کرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کیا کرتے تھے (یعنی بخرمین مومنین کا مذاق اڑانے کے لئے آنکھیں مارا کرتے تھے) اور جب اپنے گھروں کو جاتے (پلٹتے) تو دل لگیاں کیا کرتے تھے (ایک قراءت میں فکھین ہے تعجب کے ساتھ مومنین کا ذکر کرتے تھے) اور جب (مومنین کو) دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں (محمد ﷺ پر ایمان لانے کی وجہ سے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) حالانکہ یہ (کفار) ان (مومنین) پر نگران کا رہنا کر نہیں بھیجے گئے (مسلمانوں اور ان کے اعمال کی دیکھ بھال کے لئے کہ ان کو اپنے مصالح کی طرف پھیر دیں سو آج (قیامت کے روز) ایمان دار کافروں پر ہنستے ہوں گے۔ مسہریوں پر (جنت میں) دیکھ رہے ہوں گے (اپنے محلات سے کفار کو جو ہٹلائے عذاب ہوں گے۔ اس لئے وہ کفار پر اسی طرح ہنسیں گے۔ جس طرح کفار دنیا میں ان پر ہنسا کرتے تھے) واقعی کفار کو اپنے کئے کا خوب بدلہ (صلہ) ملا۔

**تحقیق و ترکیب:** ..... ویل۔ بددعا یہ کلمہ ہے مرفوع ہونے کی صورت میں مبتداء ہے۔ چنانچہ کئی کہتے ہیں کہ ویل وغیرہ اگر مضاف نہ ہوں تو ان میں رفع مختار ہوتا ہے۔ اگرچہ نصب بھی جائز ہو۔ لیکن مضاف یا معرفہ ہونے کی صورت میں نصب مختار ہوگا۔ جیسے ویلکم لا تفترو اور ویل دوزخ کی وادی کا نام بھی ہے جس کی گہرائی چالیس سال کی مسافت ہوگی۔ دونوں معانی کا جمع کرنا بھی ممکن ہے۔

المطففین۔ تطفیف کے معنی ناپ تول میں کمی کرنا۔ طفیف بمعنی حقیر اسی لئے بولا جاتا ہے۔ دون الطفیف ای الشنی الشافہ لقلۃ اذا اکثا لواء علی الناس بقول فرأ علی بمعنی من ہے۔ اکثلت منه وعلیہ دونوں طرح بولا جاتا ہے۔ یا اکثیال

بمعنی تحامل کو متضمن ہے اس لئے علی لایا گیا ہے۔ یا لوگوں پر جو اپنا حق آتا ہے اس کا وصول کرنا مراد ہے۔ اس لئے علی الناس کہنا صحیح ہے، اور بقول زخشری علی کا تعلق بستوفون سے بھی ہو سکتا ہے اور تقدیم تخصیص کے لئے ہے۔

کالو ہم۔ مفسر نے لازم محذوف مانا ہے اور ضمیر ہم منصوب ہے۔ یہ ضمیر مرفوع واو کی مؤکد نہیں ہے یا تقدیر عبارت او کالوا مکیلہم ہے مضاف حذف کر کے مضاف الیہ کو قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

الا یظن۔ الا تنبیہ کے لئے نہیں بلکہ توہین کے لئے ہے۔ ظن بمعنی یقین کے لئے ہے۔ لیکن اس میں دو باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ظن لایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ قیامت کے سلسلہ میں یقین تو رہا درکنار، ان کو تو ظن بھی حاصل نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ یقین تو بجائے خود، قیامت کا تو گمان بھی ڈرانے کے لئے کافی ہے۔

اولئک۔ کفار کے بعد کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔

یوم یقوم۔ یہ مبعوثون سے منصوب ہے اور یوم سے بدل ہے۔ چنانچہ قرأت جر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس آیت میں انکار اور تعجب اور لفظ ظن اور یوم کہنا اور رب العالمین لانے سے کٹوتی کرنے کے متعلق ممانعت میں مبالغات ہیں۔ کلا بمعنی حقا ہے یعنی کلام متنف ہے۔ اس لئے اس پر سے پہلے وقف ضروری ہے اور یہ کلمہ ردع و زجر بھی ہو سکتا ہے ای لیس الا مر علی ماہم علیہ اس صورت میں اس پر وقف کیا جائے گا۔

کتاب الفجار۔ مفسر نے اعمال مضاف محذوف مانا ہے تاکہ ظرفیت الشئی لفسطلازم نہ آئے۔ لیکن کتاب بمعنی کتب لینے کی بجائے اگر اعمال نامہ مراد لیا جائے تو پھر ظرفیت الکل للجزء ہوگی اور کتاب بمعنی کتابت یا بمعنی مکتوب ہو تو پھر ظرف کتابت یا ظرف اعمال مکتوبہ ہوگا اور بحین ایک خاص مقام کا نام بھی ہے جو شیاطین و بدکاروں کا قید خانہ ہوگا۔

کتاب مرقوم۔ یہ بحین کا بیان نہیں۔ بلکہ کتاب الفجار کی تفسیر ہے یعنی صاف لکھائی یا نشان و علامت کے معنی ہیں جس کو دیکھتے ہی ہر شخص سمجھ لے کہ یہ خراب اعمال نامہ ہے۔

الذین۔ یہ صفت مخصصہ ہے یا موصیہ یا صفت ذامہ ہے۔

اساطیر۔ یعنی عقلی دلائل جس طرح ان کے لئے بے کار ہیں۔ اسی طرح نقلی دلائل بھی عبث سمجھتے ہیں۔

دان رین زنگ کو کہتے ہیں۔ حفص کے علاوہ دوسرے قراء نے تشدید راء کے ساتھ پڑھا ہے۔ معلوم ہوا کہ کام کی کثرت سے ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے خواہ وہ اچھے کام ہوں یا برے کام۔ چنانچہ گناہ کرتے کرتے قلب پر زنگ آ جاتا ہے اور مہر لگ جاتی ہے۔ جس کو دوسری آیات میں بل طبع اللہ اور ختم اللہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لمحجوبون۔ امام مالک، امام شافعی اس سے مومنین کے لئے رویت باری کا اثبات کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ دیدار الہی کا انکار کرتے ہیں وہ مضاف مقدر مانتے ہیں۔ ای انہم عن کرامة ربہم لمحجوبون اور بعض کہتے ہیں کہ اول سب کو رویت ہوگی پھر کفار کو حجاب ہو جائے گا جس سے حسرت و ندامت ہوگی۔

لفی علیین۔ اعلیٰ مقام جمع کے صیغہ سے ہے اس کا لفظی مفرد نہیں ہے۔ عشرين وثلثین کی طرح بلند مقام یا بلند مراتب کا سبب ہونے کی وجہ سے اس کو علیین کہتے ہیں۔

ارائک۔ اریکہ اس کو مسند کہتے ہیں جو دہنوں کے لئے سجائی جاتی ہے۔

تعرف۔ یعقوب نے فعل مجہول کے ساتھ اور نصرة مرفوع پڑھا ہے۔

مختوم سیل بند چیزیں نفیس بھی ہوتی ہیں اور اصلی بھی، ان میں آمیزش کاشبہ نہیں ہوتا۔ سورہ محمد میں اگر چہ انہماک مس خمر فرمایا گیا ہے۔ لیکن ان پر مہر کرنا مراد نہیں۔ بلکہ شراب کے پیالوں میں مہر لگی ہوئی، اور شراب بھری ہوئی مراد ہے۔

ختمہ مشک کی مہر مراد ہے۔ چنانچہ کسائی خاتمہ پڑھتے ہیں اور یا شراب پینے کے بعد مشک کی مہر مراد ہے۔

فلیتافس۔ تافس اگر نفسانی ہو تو برا ہے اور رحمانی ہو تو بہترین ہے۔

ومزاجہ۔ مفسر نے اسم آلہ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے جیسے امام۔

من تسیم یہ مصدر ہے سنعہ بمعنی رفعہ جنت کا چشمہ مراد ہے جو ہوا میں جاری رہے گا، جیسے شبنم ہوا کرتی ہے، ضرورت کے مطابق اس سے برتنوں میں پانی آجائے گا۔ یشرب بہا۔ با بمعنی من ہے۔ جیسے یشرب بہا عباد اللہ میں ہے یا یشرب متضمن مانا جائے۔ یلتذ کے معنی کو یا یا کو زائد کہا جائے اور عینا منصوب ہے بطور مدح کے یا تسیم سے حال ہونے کی وجہ سے۔ حاصل یہ ہے کہ عام جنتیوں کو شراب میں تسیم ملا کر پلائی جائے گی۔ لیکن مقربین کو خالص پلائی جائے گی۔

ان الذین اجرموا۔ ابرار کے بعد مجرمین کا ذکر ہے۔ پھر آگے مومنین کے لئے تسلی کا مضمون ہے۔

یتغامزون۔ آنکھ مارنے اور منکائے کو غمز کہا جاتا ہے۔

فکھین یعنی اپنی بلندی اور کافروں کی پستی پر جنتی خوش ہوں گے۔

وما ارسلوا۔ یعنی خدا نے کافروں کو مسلمانوں پر مسلط کر کے نہیں بھیجا ہے۔

فالیوم۔ یضحکون سے منصوب ہے اور مبتداء پر مقدم کرنے میں یہاں کچھ حرج نہیں ہے۔ کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں

ہے۔ برخلاف زید قام فی الدار کے اس میں فی الدار زید قام کہنا جائز نہیں ہے۔

هل ثوب۔ یہ جہدا استفہامیہ ینظرون سے متعلق ہو سکتا ہے حذف جار کے بعد محلاً منصوب ہے اور قول مقدر بھی مانا جاسکتا

ہے۔ ای یقولون هل ثوب الکفار اور پہلی صورت میں تقدیر عبارت ہوگی۔ ینظرون هل جوزی الکفار اور بعض اس کو جملہ

مستافہ کہتے ہیں۔ اور حمزہ کسائی لام کو ثناء میں اوعام کر کے پڑھتے ہیں۔

رابط آیات:۔۔۔۔۔ اگلی پچھلی سورتوں کی طرح اس سورۃ تطفیف میں بھی مجازات اعمال کا بیان ہے اور چونکہ قیامت میں عدل

وانصاف ہوگا اس لئے خصوصیت سے اہتمام کے ساتھ ناپ تول میں انصاف کی تعلیم ہے اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے شروع

سورت میں وعید شدید فرمادی۔

روایات:۔۔۔۔۔ اہل مدینہ ناپ تول میں فرق کرتے تھے۔ اس پر اس سلسلہ میں آیت ویل للمطففین نازل ہوئی۔ ابن عباس

کے اس طرح فرمانے سے بعض حضرات نے اس کا نزول مان لیا ہے۔ لیکن سورت کے انداز بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ مکہ معظمہ کے

ابتدائی حالات میں نازل ہوئی ہے اور حضرات صحابہ تمام یکساں مواقع کو شان نزول ہی میں داخل سمجھتے ہیں۔ مفسر نے دونوں قول بیان کر

دیئے ہیں۔

سجیس۔ ابن عمرؓ مجاہدؓ قنادہؓ فرماتے ہیں کہ زمین کے ساتویں طبقہ میں ہے جہاں کفار کی ارواح قید ہوتی ہیں۔ اور براہی

مرفوع روایت ہے کہ تین ساتویں زمین کے نیچے ہے اور علیین عرش کے نیچے ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔ کعبؓ وقنادہؓ کہتے ہیں کہ علیین

سے قائمۃ العرش مراد ہے۔ ابن عباسؓ جنت، اور ضحاکؓ سدرة المنتہی اور بعض اہل معانی کہتے ہیں کہ انتہائی علو اور شرف مراد ہے۔



بل ران۔ ابو ہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے۔ کہ ان العبد اذا اذنب ذنبا نكتت في قلبه نكتة سوداء فان تاب و فرع واستغفر صقل قلبه وان عاد زادت حتى تعلموا قلبه فذلك الران الذي ذكر الله في القرآن۔  
ختمہ مسلٹ۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ الرحيق الخمر اور مختوم کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ذائقہ بے شک مشک کا ہوگا۔

فسکھین۔ حدیث میں ہے۔ ان الدين بدا غريبا وسعود غريبا كما بدا يكون القابض على دينه كالقابض على الجمر۔ اور فرمایا گیا۔ کہ يكون المومن فيهم اذل من الامة اور فرمایا گیا العالم فيهم اتن من جيف حمار لیکن آخرت میں اس کا رد عمل دیکھ کر مومنین مسرور ہوں گے۔

﴿تشریح﴾: ... ویل للمطففين۔ ڈنڈی مارنے والا چوری چھپے کوئی بڑی مقدار نہیں اڑاتا۔ بلکہ ناپ تول میں ہاتھ کی صفائی دکھا کر خریدار کے حصہ سے تھوڑا تھوڑا اڑاتا رہتا ہے۔ جس سے اس بے چارہ کو پتہ نہیں لگتا کہ تاجر کتنا گھانا دے گیا اس کو تولی کے سلسلہ میں کساد بازاری آتی ہے اور اقتصادي ڈھانچہ تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم میں کئی جگہ ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ ناپ تول کرنے کو فرمایا گیا ہے۔

لین دین میں برابری اور یکسانیت ہونی چاہئے:۔۔۔ اور اگرچہ دوسروں سے اپنا حق پورا لینا برا نہیں ہے۔ لیکن یہاں ذکر کرنے سے مقصود کم دینے کی نفی کرنا ہے پورا لینے کی نفی کرنا نہیں ہے۔ یعنی دینے لینے کے باٹ اور ناپ یکساں ہونے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ خود تو دوسرے کی رعایت نہ کرے اور دوسرے سے رعایت کا خواست گار ہو۔ برخلاف رعایت کرنے والے کے۔ اس میں اگر ایک عیب ہے تو دوسرا نہیں ہے۔ اور چونکہ پورا لینا نفی ہے۔ اسی لئے لینے میں صرف ناپ کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔ دوسرے یہ کہ عرب میں اور خصوصاً مدینہ میں زیادہ تر ناپ رائج تھا۔ نیز اس کے علاوہ اور وجوہ تحقیق بھی نقل سکتی ہیں۔ البتہ کم دینا فتح ہے۔ اس لئے اس میں ناپ اور تول دونوں شقوں کو صراحتاً الگ الگ ذکر فرمایا گیا ہے۔ تاکہ دونوں کی برائی مستقلاً معلوم ہو جائے۔  
حدیث میں ارشاد ہے۔

خمس بحمس مانقض العهد قوم الا سبط الله عليهم عدوهم وما حکموا بغير ما امر الله

الا فتنا فيهم الفقر وما ظهرت فيهم الفاحشة الا فتنا فيهم البرک ولا تطفئوا الکيل الا مسعوا

الناس واخذوا السنين ولا منعوا الزکوة الا حبس منهم القطر۔

ترجمہ: پانچ باتیں پانچ باتوں کے بدلہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے اس پر اللہ دشمن مسلط کر دیتا ہے اور احکام الہی کے خلاف فیصلے کرنے سے فقر پیدا ہوتا ہے اور بخش کاری سے مری پھیل جاتی ہے۔ ناپ تول میں کمی سے پیداوار کم ہو جاتی ہے۔ اور قحط سالی آ جاتی ہے اور زکوٰۃ نہ دینے سے بارش بند ہو جاتی ہے۔

الایظن النع یعنی اگر انہیں اس کا خیال بھی ہوتا کہ قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہو کر تمام حقوق و فرائض کا حساب دینا ہے تو ہرگز ایسی حرست نہ کرتے اور قیامت کے دن کو بڑا دن اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں کل عالم کا حساب کتاب خدا کی مدالت میں بیک وقت سیا جائے گا اور ثواب و عذاب کے اہم فیصلے ہوں گے۔

کجین کیا ہے اور کہاں ہے؟..... کلا ان کتاب الفجار۔ یہ گمان ہرگز صحیح نہیں ہے کہ دنیا میں جرائم کرنے کے بعد یہ یوں ہی چھوٹ جائیں گے اور ان کو خدا کے سامنے جواب دہی کے لئے حاضر نہ ہونا پڑے گا۔ یقیناً یہ فیصلہ اور پیشی کا دن ضرور آتا ہے اور اس کے لئے سب نیکوں بدوں کے اعمال نامے اپنے دفاتروں میں مرتب کر کے رکھے ہیں۔

سجین سجن سے ماخوذ ہے جس کے معنی جیل خانہ کے ہیں۔ یہ ایک دفتر ہے جس میں دو تزییوں کے نام اور کام کے رجسٹر محفوظ ہیں۔ کرانہ کاتین ان پر علامات اور نشانات لگا دیتے ہیں۔ جس سے اعمال ناموں میں امتیاز ہے۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کفار کی ارواح بھی محبوس رکھی جاتی ہیں۔ بعض سلف کی رائے یہ ہے کہ یہ مقام زمین کے ساتویں طبق کے نیچے ہے۔ کلا معتد اثیم۔ یعنی قیامت کا انکار اللہ کی ربوبیت اور اس کے عدل و انصاف اور اس کی قدرت و حکمت کا انکار ہے اور اس انکار کے بعد ظاہر ہے کہ گناہوں پر دلیری جس قدر بھی ہو کم ہے۔

اساطیر الاولین۔ یعنی ایسا شخص قرآن اور اس کی نعمت سن کر کہتا ہے کہ ایسی باتیں تو لوگ پہلے بھی کرتے آئے ہیں وہی پرانی کہانیاں قصے انہوں نے نقل کر دیئے۔ بھلا ہم ان نقلوں اور افسانوں سے ڈرنے والے کہاں؟

قرآن افسانہ کی کتاب نہیں ہے؟..... کلا بل دان یعنی قرآن کے انکار کی وجہ فی الحقیقت یہ نہیں کہ وہ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جن گناہوں کا یہ ارتکاب کر رہے ہیں ان کا رنگ ان کے دلوں پر پوری طرح چڑھ گیا ہے۔ اس لئے انہیں حقیقت افروز باتیں بھی افسانہ نظر آتی ہیں۔ حقائق صحیحہ کا انعکاس آئینہ دل میں نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر لگ جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ نشان مٹ جاتا ہے۔ ورنہ جوں جوں بندہ گناہ کرتا جائے گا۔ وہ نقطہ بڑھتا اور پھیلتا جائے گا۔ حتیٰ کہ اس کا دل بالکل سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اور اس کو نیکی بدی، اچھائی برائی کی تمیز ہی نہیں رہ جاتی۔ بلکہ یہ اثر بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کی نظر میں بھلائی برائی بن جاتی ہے اور برائی بھلائی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ انتہائی خطرناک حالت ہے جس میں توفیق و ہدایت بالکلیہ سلب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اللہم احفظنا منہا۔ ان جھٹلانے والوں کا حال بھی یہی ہو گیا کہ شرارتیں کرتے کرتے ان کے دل بالکل مسخ ہو چکے ہیں۔ اسی لئے یہ اللہ کی آیات کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

کلا انہم۔ یعنی انکار و تکذیب کرنے والے اپنے انجام بد سے بے فکر نہ ہو جائیں۔ دیدار الہی کا جو شرف نیک لوگوں کو حاصل ہو گا اس سے یہ بد بخت یقیناً محروم رہیں گے اور صرف یہی حرماں نصیبی نہیں ہوگی۔ بلکہ ان کو دوزخ کا کندہ بنایا جائے گا۔

علیین کیا ہے اور کہاں ہے؟..... کلا ان کتاب الابرار۔ بدکاروں کے بعد نیکوں کا روں کے نتائج کا اعلان ہو رہا ہے۔ یعنی اچھے بروں کا انجام یکساں ہو جائے گا یہ بات ہرگز نہیں ہے۔ نیکوں کے اعمال نامے اور ارواح مسلمین علیین میں رہیں گے اور پہلے ان کی ارواح وہیں رکھی جائیں گی۔ پھر اپنے اپنے مقامات پر پہنچا دی جائیں گی۔ اور قبر سے بھی ان ارواح کا ایک گونہ تعلق رکھا جاتا ہے۔ بہر حال علیین ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے جہاں مقربین کی ارواح قیام پذیر رہتی ہیں۔

یشہدہ المقربون۔ مقرب فرشتے یا مقرب بندے مؤمنین کے اعمال نامے دیکھنے کے لئے وہاں رہتے ہیں۔ جنت میں

ابراہیم یوں پر بیٹھ کر دیدار الہی اور مناظر کی سیر سے مسرور ہوں گے اور عیش و عشرت کے آثار ان کے چہروں سے ٹپکتے ہوں گے۔  
 ر حقیق مختوم۔ یوں تو شراب کی نہریں ہر جنتی کے گھر میں بہتی ہوں گی۔ لیکن مادر شراب سر بہمہر رہے گی اور اس اسلی شراب پر مشک کی نفیس ترین سیل لگی ہوگی۔ اور یہ مطلب ہے کہ یہ شراب جب پیئے والوں کے حلق سے اترے گی تو اس میں مشک کی خوشبو مہکے گی۔ دنیا کی شرابوں کی طرح اس میں بدبو کا بھپکارا نہیں اٹھے گا اور نہ پیتے ہوئے بد مذاق اور بد مزہ ہوگی اور نہ اس میں سزا مند محسوس ہوگا۔ بلکہ دماغ معطر رہے گا۔

و فی ذلک فلیتنافس۔ یعنی دنیا کی گندی شراب تو لائق التفات نہیں ہوتی۔ مگر یہ شراب طہور تو اس لائق ہوگی کہ اس پر طسب گاروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جائیں گے۔

ومزاجہ من تسنیم۔ تسنیم کے معنی بلندی کے ہیں۔ ممکن ہے نہر تسنیم بلندی سے بہتی ہو۔ مقرب لوگوں کو تو خالص تسنیم کی شراب ملے گی اور ابراہیم کو اس کی ملقوفی دی جائے گی۔ جو بطور عرق گلاب وغیرہ ان کی شراب میں آمیزش ہوگی۔

دوسروں پر ہنسنے کا انجام بد: ..... ان الذین اجرموا۔ دنیا میں نیک و بد لوگوں کا جو طرز عمل رہا ہوگا۔ آخرت میں اس کا رد عمل ظاہر ہوگا۔ دنیا میں کچھ بے وقوف لوگ مسلمانوں پر اس لئے ہنستے تھے کہ انہوں نے جنت کی خیالی لذتوں کی خاطر یہاں کی محسوس نعمتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کے پاس سے ہو کر یہ لوگ گزرتے تھے۔ تو تمسخرانہ انداز میں آنکھ مارتے ہوئے جابجا کرتے تھے اور جب اپنے گھروں اور مجلسوں میں لوٹتے تو یہ سوچتے ہوئے پلٹتے کہ مسلمان کتنے احمق ہیں کہ جنت کے ادھار پر دنیا کے نقد سے محروم ہو گئے اور آج ہم نے مسلمانوں کا مذاق اڑایا۔ بس مزہ آ گیا اور ان پر پھبتیاں اور آوازے کس کر خوب لطف آ گیا اور ان کی اچھی گت بنا دی غرض کہ کافر خوش طبعی کرتے اور مسلمانوں پر پھبتیاں کتے تھے اور اپنے عیش و عشرت پر مغرور و مفتوت ہو کر یہ سمجھتے تھے کہ ہم راہی طور طریق ٹھیک ہے تب ہی تو ہمیں یہ نعمتیں مل رہی ہیں۔

واذا راوہم۔ یعنی مسلمانوں کو دیکھ کر کافر طعن کرتے تھے کہ ان کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ جنت دوزخ کے چکر میں پڑ کر دنیاوی فائدوں اور لذتوں سے محروم ہو گئے۔ اور ہر قسم کی مشکلات و مصائب کو دعوت دے رکھی ہے۔ بھلا نقد کے ہوتے ہوئے ادھار کو ترجیح دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ موبہوم تو توں کے خیال سے موجود عیش کو تہہ دیا ہے اور اپنی جان جو کھوں میں ڈال رکھی ہے اور خود کو کھپ رہا ہے اور ا حاصل مشقتوں کو کمالات حقیقی کا نام دے لیا ہے۔ کیا یہ کھلی ہوئی گمراہی نہیں کہ سب گھریا اور عیش و آرام کو قربان کر کے ایک شخص کے پیچھے ہوئے۔ اور اپنے آبائی مذہب و دین کو بھی چھوڑ بیٹھے۔

ایک سبق آموز نصیحت: ..... وما ارسلوا علیہم حافظین۔ اس مختصر جملہ میں ان مذاق اڑانے والوں کو بڑی سبق آموز تنبیہ کی گئی ہے۔ یعنی بالفرض مسلمانوں کی راہ غلط ہے۔ لیکن وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ رہے ہیں۔ جس چیز کو وہ حق سمجھتے ہیں وہ اس پر گامزن ہیں تم ان پر فوجدار کیوں ہو۔ آخر یہ لوگ مسلمانوں کے نگہبان کیوں بنے۔ اپنی احمقانہ تباہ کاریوں سے تو آنکھیں بند ہیں۔ اپنی اصرار کی تو فکر نہیں اور سیدھی راہ چلنے والوں کو گمراہ بتلا رہے ہیں اور جو انہیں نہیں چھیڑتا اسے چھیڑ رہے ہیں۔ اور جو انہیں تکلیف نہیں دیتے، انہیں ستا رہے ہیں۔

فالیوم الذین۔ یعنی قیامت کے دن مسلمان کافروں پر نہیں گے۔ کہ یہ لوگ کتنے نا سمجھ اور احمق ہیں۔ جنہوں نے

ناپائیدار اور فانی دنیا میں دل لگائے رکھا۔ اور آخرت کی پائیدار باقی رہنے والی نعمتوں کو نظر انداز کئے رکھا۔ نفیس چیزوں کے مقابلہ میں نفیس چیزوں پر استغناء کر لیا۔ آج دوزخ کا دائمی عذاب کس طرح بھگت رہے ہیں۔ غرض مسلمان اپنی خوش حال اور کافروں کی بد حالی کا نظر رو کریں گے۔

هل سوب الكفار۔ یعنی آخر مل گیا نہ کافروں کو اپنی کرنے کا پھل۔ اس فقر میں ایک لطیف طنز ہے کہ جو کافر دنیا میں مسلمانوں کی نفی اڑاتے تھے۔ آج ان کا حال مضحکہ خیز ہو رہا ہے۔ اب مسلمان ان کی گزشتہ حماقتوں کو یاد کر کے ہنستے ہیں اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ان کے اعمال کا انہیں خوب ثواب ملے گا۔

خلاصہ کلام:۔ اس سورت میں بھی زیادہ تر آخرت ہی کا بیان ہے۔ شروع کی چھ آیات میں کاروباری لوگوں کی اس مہم بے ایمانی پر گرفت کی جا رہی ہے۔ جو لین دین کے وقت کرتے رہتے ہیں۔ لیتے ہیں تو ناپ تول پورا کرتے ہیں۔ لیکن دیتے وقت دونوں میں کوئی کترتے ہیں۔ بہر حال معاشرے کی بے شمار خرابیوں میں سے یہ خرابی بھی آخرت سے غفلت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جب تک لوگوں کو یہ احساس نہ ہو کہ خدا کے سامنے سب کو پیش ہونا ہے اور کوڑی کوڑی کا حساب دینا ہے۔ اس وقت تک یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے معاملات میں کامل امانت و دیانت کا راستہ اختیار کریں۔ آدمی میں سچی دیانت داری صرف خدا کے خوف اور آخرت کے یقین ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد ساتویں آیت سے سترہویں آیت تک واضح طور پر بتلایا گیا ہے کہ بدکار لوگوں کی مسیبتیں تیار ہو کر محفوظ ہو رہی ہیں۔ جن کے مطابق آخرت میں ان کو انتہائی تباہی سے دوچار ہونا ہوگا۔ پھر اٹھارہویں آیت سے انھیں تسویں آیت تک نیو نیکو کاروں کے شاندار نتیجہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ان کے دفتر اعمال پر بھی مقرب فرشتے مامور ہیں۔ پھر آخر میں ایمانداروں کو تسلی دی گئی ہے اور کفار کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تم آج مسلمانوں کا مذاق اڑالو۔ مگر قیامت کے روز اس کا انجام بد بھی تمہیں دیکھنا پڑے گا۔ اس وقت اہل ایمان تم پر فیس گے اور اپنی آنکھیں اور دل ٹھنڈا کریں گے۔

فضائل سورت:۔ من قرا سورة المطففين سقاہ الله تعالى من الرحيق المختوم۔ جو شخص سورہ مطففین پڑھے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نفیس سر بمہر شراب سے سیراب فرمائے گا۔

لطائف سلوک:۔ ..... کلاب دان۔ اس آیت سے گناہوں اور شرک و کفر کی ظلمت کا قلب میں ہونا صراحۃً معلوم ہو رہا ہے صوفیاء کے کلام میں بھی بکثرت اس کا ذکر ہے۔

## سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ

سُورَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ ثَلَاثٌ اَوْ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِذَا السَّمَاءُ اِنْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَاَذْنَتْ سَمِیْعَتْ وَاَطَاعَتْ فِی الْاِنْشِقَاقِ لِرَبِّهَا وَحَقَّتْ ﴿۲﴾ اِیْ حَقُّ لَهَا اَنْ تَسْمَعَ وَتَطِیْعَ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ زَیْدٌ فِی سَعْبَتِهَا كَمَا یَمُدُّ الْاَدِیْمُ وَلَمْ یَبْقَ عَلَیْهَا بِنَاءٌ وَلَا جَبَلٌ وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا مِنَ الْمَوْتِی اِلَى ظَاهِرِهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ عَنْهُ وَاَذْنَتْ سَمِیْعَتْ وَاَطَاعَتْ فِی ذَلِكَ لِرَبِّهَا وَحَقَّتْ ﴿۵﴾ وَذَلِكَ كُلُّهُ یَكُوْنُ یَوْمَ الْقِیَمَةِ وَجَوَابٌ اِذَا وَمَا عَطِیْفٌ عَلَیْهَا مَحْدُوْفٌ دَرٌّ عَنْهُ مَا نَعْدُهُ تَقْدِیْرُهُ لَقِی الْاِنْسَانُ عَمَلَهُ یَأْتِیْهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ جَاهِدٌ فِی عَمَلِكَ اِلَى لِقَاءِ رَبِّكَ وَهُوَ الْمَوْتُ كَذَّحًا فَمُلْقِیْهِ ﴿۶﴾ اِیْ مُلَاقٍ عَمَلِكَ الْمَذْكُوْرُ مِنْ خَیْرٍ اَوْ شَرٍّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتَابَهُ كِتَابٌ عَنْ يَمِیْنِهِ ﴿۷﴾ وَهُوَ الْمُؤْمِنُ فَسَوْفَ یُحَاسِبُ حِسَابًا یَسِیْرًا ﴿۸﴾ هُوَ غَرَضٌ عَمَلِهِ عَلَیْهِ كَمَا فُسِّرَ فِی حَدِیْثِ الصَّحِیْحِیْنِ وَفِیْهِ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابُ هَلْكَ وَبَعْدَ الْغَرَضِ یَتَجَاوَرُ عَنْهُ وَیَنْقَلِبُ اِلَى اَهْلِهِ فِی الْحِجَّةِ مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾ بِذَلِكَ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتَابَهُ وَرَآءَ ظَهْرِهِ ﴿۱۰﴾ هُوَ الْكَافِرُ تَعْلُ یَمَآءُ رِیْ عُنُقِهِ وَتَحْعَلُ یُسْرَاهُ وَرَآءَ ظَهْرِهِ فِیَا خُذْ بِهَا كِتَابَهُ فَسَوْفَ یَدْعُوْا عِنْدَ رُؤِیَةِ مَا فِیْهِ ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾ یُنَادِیْ هِلَاكُهُ بِقُوْبِهِ بِاَثْبُوْرَاهُ وَیَصْلٰی سَعِیْرًا ﴿۱۲﴾ یَدْخُلُ النَّارَ الشَّدِیْدَةَ وَفِی قِرَاءَةِ بِضَمِّ الْبَاءِ وَفَتْحِ الصَّادِ وَتَشْدِیْدِ اللَّامِ اِنَّهُ كَانَ فِیْ اَهْلِهِ عَشِیْرَتِهِ فِی الدُّنْیَا مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾ بَطَرًا اِبَا تَبَا عِهِ لَهْوَاهُ اِنَّهُ ظَنَّ اَنْ مَحَقَّةً مِنَ الثَّقِیْلَةِ وَاِسْمُهَا مَحْدُوْفٌ اِیْ اَنَّهُ لَنْ یَحُوْرَ ﴿۱۴﴾ یَرْجِعُ اِلٰی رَبِّهِ بَلٰی یَرْجِعُ اِلَیْهِ اِنْ رَبُّهُ كَانَ بِهٖ بِصِیْرًا ﴿۱۵﴾ عَالِمًا بِرَجُوْعِهِ اِلَیْهِ فَلَا اُقْسِمُ لَا زَائِدَةٌ بِاِلْشَفَقِ ﴿۱۶﴾ هُوَ الْحُمْرَةُ فِی الْاَفْقِ نَعْدُ غُرُوْبِ شَمْسٍ وَ الْیَلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ جَمَعَ مَا دَخَلَ عَلَیْهِ مِنَ الدُّوَابِّ وَغَیْرِهَا وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ جَمَعَ



(کافروں) کو کیا ہو گیا کہ ایمان نہیں لاتے (یعنی ایمان لانے میں آخر کیا رکاوٹ ہے یا ایمان چھوڑنے کے لئے ان کے پاس کیا دلیل ہے۔ جب کہ اس کے موجود ہونے کے دلائل پائے جاتے ہیں) اور (انہیں کیا ہو گیا کہ) (جب ان کے رب قرآن پڑھا جاتا ہے تو کیوں نہیں جھکتے) (تواضع اختیار کر کے قرآن کے اعجاز کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے) بلکہ یہ کافر (قیامت وغیرہ کو) جھٹلاتے ہیں، اور اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں (اپنے اعمال ناموں میں کفر و تکذیب اور برے اعمال) سو آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری (اطلاع) نہ دیجئے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے، ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی منقطع ہونے والا نہیں ہے (نہ موقوف ہوگا اور نہ کم اور نہ اس کا ان پر احسان جتلا یا جائے گا۔)

**تحقیق و ترکیب:** . اشقت۔ دوسری آیت میں ہے۔ یوم تشق السماء بالغمام وونوں کے آگ ہی معنی ہیں۔ حضرت علیؑ سے منقول ہے۔ تشق بالمعجرة۔ مجرہ کہکشاں کو کہتے ہیں۔ بہر حال اس کے بعد فرشتے اعمال نامے سے راتریں گے۔ واذا الارض بظہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسری زمین ہوگی اور زمین سے مردوں کی طرح وفاق و خزن بھی نکل پڑیں گے۔ اس وقت دجال کا ظہور بھی ہوگا۔ یا ایہا الانسان، بقول سعید و قوادہ بھنس انسان مراد ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اسود بن عبدالسدم مراد ہو اور بعض کے نزدیک ابی بن خلف اور بعض کے نزدیک تمام کفار مراد ہیں۔

الک کادح۔ کدحہ بمعنی خدشہ۔ تعب و مشقت اٹھانا۔ فمعلقہ اس کا عطف کادح پر ہو سکتا ہے اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہو سکتی ہے۔ اسی فانت علاقہ۔ پہلی صورت میں مفرد کا مفرد پر اور دوسری صورت میں جملہ کا جملہ پر عطف ہوگا۔ اور بعض نے اس کو اذا کا جواب مانا ہے اور ضمیر کا مرجع رب ہے۔ اور یا کدح ہے لیکن کدح کیونکہ فعل ہونے کی وجہ سے غیر باقی ہے۔ اس سے قدح کا ملنا ممکن نہیں۔ اس لئے جزاء قدح مراد ہے جس کی طرف مفسر علامؒ نے "ملاق عملک" سے اشارہ کیا ہے۔ اور امام رازیؒ نامہ اعمال کا ملنا مراد لیتے ہیں۔

الشفق ابن عمرؓ و ابن عباسؓ شفق احمر مراد لیتے ہیں۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور صاحبینؒ اور ایک روایت امام اعظمؒ کی بھی ہے اور اسی پر فتوے ہیں۔ لیکن ابو ہریرہؓ شفق ابیض مراد لیتے ہیں۔ امام اعظمؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ اگرچہ امام صاحبؒ نے اس سے رجوع فرمایا ہے۔

وما وسق۔ وسقہ۔ فاسق۔ واستوسق کے معنی جمع کرنے اور چھپانے کے ہیں۔ مستوسقات لویجدہ سائقا۔ یا وسیقہ سے ماخوذ ہے۔ اونٹوں کو ہٹانا۔ عن طبق۔ طبقہ کی جمع ہے۔ یعنی مختلف قسم کے اطباق اور طبقا طباق السماء بعد طبق کے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ جو شب معراج میں ہوا۔ جب کہ لشرکین۔ ابن کثیرؒ اور حمزہؒ اور کسائی کی قراءت فتحا کی ہے۔ جس کے مخاطب آنحضرت ﷺ ہوں تو اس صورت میں حالات شریفہ اور مراتب عالیہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

فمالہم۔ فال ترتیب کے لئے ہے۔ تغیرات علویہ اور سفلیہ، عظیم القدرت خالق پر دلالت کرتے ہیں۔ اس سے عاقل سے بعید ہے کہ اس پر ایمان نہ لائے اور اس کی اطاعت نہ کرے۔

لا یسجدون۔ اگر سجدہ تلاوت مراد ہے تب تو سجدہ اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ ورنہ انقیاد اور فرمانبرداری مراد ہے۔ غرض کہ اہل زبان پر تو اس کی بداعت اثر انداز ہونی چاہئے۔ امام اعظمؒ اس سے سجدہ تلاوت کے واجب ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کو سن کر سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق نقل ہے۔ انہ سجد فیہا وقال واللہ ما سجدت فیہا



الا بعد ان رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم يسجد فيها وعن ابن عباس ليس في المفصل سجدة وعن الحسن ايضا هي غير واجبة. احناف اور شوافع کے نزدیک قرآن میں چودہ سجدے ہیں۔ البتہ شوافع کے نزدیک سورہ ص میں سجدہ نہیں ہے اور سورہ حج میں دو سجدے ہیں۔ لیکن حنفیہ دوسرے سجدے کو سجدہ صلوة کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں رکوع اسی کا قرینہ ہے۔ نیز شوافع کے نزدیک سورہ حم سجدہ میں ان کنتم اياه تعبدون پر سجدہ ہے۔ جیسا کہ ابن مسعود کا قول ہے۔ لیکن حنفیہ کے یہاں بعد کی آیت لا یسنمون پر سجدہ ہے۔ جیسا کہ ابن عمر کا قول ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ بعد کی آیت کو شامل کیا جائے۔ کیونکہ سجدہ کی تاخیر جائز ہے نقدیم جائز نہیں ہے اور حدیث السجدة علی من سمعها و علی من تلاها کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک قاری اور سامع دونوں پر سجدہ واجب ہے۔ کیونکہ علی وجوب کے لئے آتا ہے اور سامع میں مقتدی کی قید ہے۔ نیز جب اس آیت کی رو سے مطلق سامع پر سجدہ واجب ہے تو قاری پر بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔ اور سجدہ تلاوت کی شرائط بعینہ شرائط نماز ہیں مثلاً: طہارت۔ استقبال قبلہ ستر عورت وغیرہ۔ البتہ سجدہ تلاوت صرف دو تکبیروں کے درمیان ہوگا نہ تحریم ہے نہ تشہد اور نہ سلام ہوگا خواہ کھڑے ہو کر تکبیر کہتے ہوئے، سجدے میں جائے یا بیٹھے ہوئے۔ امام کے تلاوت کرنے سے خود اس پر اور مقتدیوں اور نماز کے باہر سننے والے پر سجدہ کرنا ضروری ہوگا۔ البتہ رکوع میں سجدہ تلاوت کا تدخل ہو سکتا ہے۔ مجلس یا آیت سجدہ بدلنے سے دوسرا سجدہ واجب ہو جائے گا البتہ ایک ہی مجلس میں ایک آیت سجدہ بار بار پڑھی اور پھر بار بار سجدہ نہیں کیا تو آخر میں ایک ہی سجدہ کافی ہو جائے گا۔ البتہ اگر پہلے سجدہ کر کے پھر دوبارہ تلاوت کرے تو دوسرا سجدہ کرنا ہوگا۔ علیٰ ہذا آیت سجدہ ایک ہے اور مجالس متعدد تو سجدے بھی متعدد ہو جائیں گے۔

بما یوعون. ایعاء کے معنی برتن میں جمع کرنے کے ہیں۔ ابن عباسؓ، مجاہدؓ، قتادہؓ فرماتے ہیں۔ مما یسرون و یکتسون فی صدورہم من الکفر و العداوة الا الذین۔ مفسر نے لکن سے استثناء منقطع کی طرف اشارہ کیا ہے اور کفار میں سے اگر ایمان لانے والے اور تائب مراد ہوں تو پھر استثناء متصل بھی ہو سکتا ہے۔

غیر مسمون. من معنی قطع سے ہے اور منہ سے اگر مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ان پر اجر کا احسان نہیں جتنا یا جائے گا۔ پہلے معنی ابن عباسؓ سے منقول ہیں اور دوسرے معنی حسن بھریؓ سے نقل ہیں۔ مفسر نے عموم مشترک کے طور پر دونوں معنی لئے ہیں۔

رابط آیات: . سورہ انشقاق میں بھی پچھلی سورتوں کی طرح مجازات کی تفصیل ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کی ابتدائی دور کی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: . . . الارض مدت. جابرؓ سے مرفوع روایت ہے۔ تمت الارض يوم القيامة مد الا دیم ثم لا یكون لا بن ادم فیہا الا موضع قدمیه. حسابا یسیرا. صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من نوقش فی الحساب عذب قالت فقلت ایس اللہ یقول فسوف یحاسب حسابا یسیرا قال ذلک لیس بالحساب لکن ذلک العرض ومن نوقش فی الحساب ہلک. لن یخور. قال ابن عباس ما عرفت تفسیرہ حتی سمعت اعرابیة تقول لبنتها حوری ای ارجعی. لا یسجدون انه علیہ السلام قراء اقترب فسجد من المؤمنین وقربش تصفق رؤسہم فنزلت وعن انس صلیت خلف ابی بکر و عمرو عثمان فسجدوا وقد صرح فی الحسیبی ان ابا ہریرۃ سجد علی قوله لا یسجدون و علیہ اجمع وسجد بعضهم علی آخر السورة.



نیکوں اور بدوں کے مختلف انجام: ..... وینقلب اپنے لوگوں کا مطلب وہ رشتہ دار متعلقین اور ساتھی ہیں جن کو اسی کی طرح معاف کر دیا ہوگا اور مسرور ہونے کا منہوم یہ ہے کہ نہ اسے سزا کا خوف رہے گا اور نہ اللہ کی خفگی کا کھڑکا نہایت اطمینان و سکون سے اپنے عزیزوں دوستوں کے پاس خوشیاں مناتا ہوا آئے گا۔

وراء ظہورہ۔ بدکاروں کا نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا گویا فرشتے سامنے سے اس کی صورت دیکھنے بھی پسند نہیں کریں گے اور اس طرح کراہیت کا اظہار کیا جائے گا۔ یا پیچھے کو مشکلیں بندھی ہوئی ہوں گی۔ اس لیے نامہ اعمال پیٹھ پیچھے سے دینے کی نوبت پیش آئے گی۔ وہی جانب اور اس کے فرشتے اسی طرح بائیں جانب اور اس سے متعلق فرشتے چونکہ پہلے ہی اچھائی برائی میں امتیاز کے لیے طے شدہ ہیں۔ اس لیے اس کا اظہار اس موقع پر بھی ہوگا۔

بل ہو ثورا عذاب کی ہولناکی کو دیکھ کر خطرارِ اموت مانگے کہ شاید اسی کی بدولت اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے۔  
انہ کاں فی اہلہ ثورا۔ یعنی بدکار کا حال دنیا میں نیکوکاروں سے مختلف تھا۔ نیک لوگ تو اپنے گمراہوں میں خوفِ خدا کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے کہ ہمیں نہیں بچھس کر اور ان کی دنیا بنانے کے پیچھے اپنی عاقبت نہ برباد کریں۔ لیکن بدکار آدمی دنیا میں زندگے تار اور چین کی بانسری بجاتا تھا اور لوگوں کے حقوق مار کر حرام خوریاں کر کے خوب عیش اڑاتا تھا اور بال بچوں کو مزلے کی زندگی بسرراتا تھا اور کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آتا تھا کہ خدا کو اس کا حساب بھی دینا ہے آج اس کا بدلہ یہ ہے کہ سخت غم میں مبتلا ہونا پڑا۔ اور جو دنیا میں رہ کر آخرت کے غم میں کھلے جا رہے تھے وہ آج مطمئن و مسرور ہوں گے کافر دنیا میں مسرور رہتا ہے اور مومن آخرت میں مسرور ہوں گے۔ اہل ظن اس بد بخت کو بھی یہ خطرہ بھی نہیں گزرا کہ خدا کے پاس مجھے واپس بھی جانا ہے اور رتی رتی کا حساب دینا ہے اس لیے گناہوں اور شرارتوں پر خوب فیور رہا۔

اللہ کے عدل و انصاف کا تقاضا: ..... کان بہ بصیرا۔ اللہ کے انصاف اور اس کی حکمت سے بعید تھا کہ جو کرمات وہ کر رہا تھا ان کو وہ نظر انداز کر دیتا۔ اور اس سے باز پرس نہ کرتا۔ بھلا جو خدا انسان کو پیدائش سے موت تک برابر دیکھتا رہا۔ کہ اس کا بدن کس کس چیز سے بنا اس کی روح کہاں سے آئی اس نے کیا کیا عقیدے رکھے کیا کیا عمل کئے، دل میں کیا بات رہی زبان سے کیا بات کہی، ہاتھ یا کان سے کیا کام کئے، مرنے کے بعد روح کہاں پہنچی۔ بدن کے اجزا بہہ کر کہاں کہاں گئے؟ کیا اتنی واقفیت کے بعد یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ اسے یوں ہی مہمل چھوڑ دے گا۔ اور اپنے سامنے دودھ کا دودھ پانی کا پانی نہیں کرے گا۔

بالشفق۔ سورج ڈوبنے کے بعد شفق کی سرخی پھر اجالا پن، دن کے بعد رات کی تاریکی اور اس میں بہت سے انسانوں اور جانوروں کا تماشہ معاش میں سرگرداں رہنے اور ادھر ادھر منتشر ہونے کے بعد اپنے ٹھکانوں پر مست آنا۔ اور چاند کا ہاں سے درجہ بدرجہ بڑھ کر بدرکال ہونا یہ وہ چند چیزیں ہیں جو اس بات کی علانیہ شہادت دے رہی ہیں کہ جس کائنات میں انسان رہتا ہے اس میں کہیں ٹھہراؤ نہیں ہے۔ ایک مسلسل تغیر اور درجہ بدرجہ تبدیلی ہر طرف پائی جاتی ہے لہذا منکرین قیامت کا یہ خیال صحیح نہیں کہ موت کی آخری بجلی آتے ہی معاملہ ختم ہو جائے گا بلکہ جس طرح اس ناسوتی زندگی کے بچپن سے لے کر موت تک مختلف مراحل طے کئے ہیں اسی طرح موت سے برزخ تک اور دوبارہ زندہ ہو کر حشر تک اور وہاں سے حساب کتاب، جزا، سزا تک بے شمار مراحل اور منزلیں طے کرنی لازمی ہیں اس مضمون پر تین قسمیں کھا کر یقین دایا گیا ہے۔ فمالہم لایومنون۔ انسان ایک معمولی سفر پر جاتا ہے تو اس کے لیے مناسب تیاری اور زاد راہ فراہم کرنا ہوتا ہے اور یہ سفر تو نہایت طویل اور منزل انتہائی کٹھن ہے اسکی تیاری تو مکمل اور وہاں کے شایان شان توشہ ہونا چاہیے۔

قرآن کے ادب کا تقاضہ..... واذا قرئ..... یعنی اگر ان کی عقل ان حالات کا ادراک نہیں کر سکتی تو انہیں لازم تھا کہ قرآن پاک سے روشنی حاصل کرتے۔ لیکن اس کے برعکس ان کا حال یہ ہے کہ قرآن معجز بیان سن کر بھی ذرا عاجزی اور انکساری کا اظہار نہیں کر سکتے۔ ان کے دل میں خوف خدا پیدا نہیں ہوتا اور اس کے آگے نہیں جھکتے۔ حتیٰ کہ مسلمان قرآن کی آیات سن کر جب سجدہ تلاوت کرتے ہیں تو انہیں سجدہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی۔ اس وقت بھی ان میں سے مغرور سر جھکانے کی بجائے تمسخرانہ انداز سے زمین کی مٹی پیشانی سے لگا لیتا ہے۔

بل الذین کفروا۔ یعنی اتنا ہی نہیں کہ قرآن کی آیات سن کر بیٹکتے نہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ان کو زبان سے جھلاتے ہیں اور دلوں میں جو کچھ بغض و عناد اور نفرت کا خمار بھرا ہوا ہے اسے تو خدا ہی خوب جانتا ہے۔  
فبشرہم۔ اس لیے انہیں خوشخبری سنا دیجئے کہ جو کچھ وہ بور ہے ہیں اس کا پھل ضرور ملے گا اور نتائج عمل سے محروم نہیں رہیں گے۔

خلاصہ کلام:..... شروع کی پانچ آیات میں قیامت کی کیفیات اور اس کے برحق ہونے کی دلیل فرمائی گئی ہے چنانچہ آسمان کا پھٹنا۔ زمین پھیلا کر ہموار میدان کر دینا، زمین میں جو کچھ چیزیں ہیں۔ ان کو باہر نکال دینا حتیٰ کہ اس میں کچھ بھی باقی نہیں رہ جائے گا یہ قیامت کی کیفیات ہیں اور دلیل کا حاصل یہ ہے کہ آسمان زمین سب اللہ کے کلام کے آگے مسخر ہیں اور چونکہ وہ اس کی مخلوق ہیں اس لیے ان کے لیے سراسر یہی موزوں ہے کہ وہ حکم رب کے آگے سربتالی نہ کر سکیں بلکہ سرنگوں رہیں۔

اس کے بعد چھٹی آیت سے انیسویں آیت تک یہ ارشاد ہے کہ انسان خواہی نخوای اپنی اس منزل کی طرف رواں دواں ہیں جہاں سے رب کی پیشی میں کھڑا ہونا ہے پھر انسان دو حصوں میں بٹ جائیں گے جن کے اعمال نامے داہنے ہاتھوں میں ہوں گے۔ وہ تو پیشی کے ساتھ ہی چھوٹ جائیں گے اور کچھ تھوڑی بہت سزا ہوگی لیکن جس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا۔ ان کا حال تو یہ ہوگا کہ وہ موت کو غنیمت سمجھیں گے۔ لیکن انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور یہ اس لیے کہ وہ دنیا میں اس بھداوے میں رہے کہ انہوں نے جواب دہی کے لیے کبھی خدا کے حضور حاضر ہونا نہیں ہے۔ حالانکہ ان کا رب سب کچھ دیکھ رہا تھا اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اعمال کی باز پرس سے بچ جائیں جس طرح سورج چھپنے کے بعد شفق کا نمودار ہونا۔ دن کے بعد رات کا آنا اور اس میں انسان اور حیوانات کا اپنے بیروں کا طرف چلنا اور چاند کا ہلالی سے ماہ کامل بننا یعنی ہے اسی طرح ان کا دنیاوی زندگی سے آخرت کی جزا سزا تک مرحلہ وار پہنچنا بھی ہے۔

آخر میں ان کفار کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنائی گئی ہے جو قرآن شکر اللہ کے آگے سرنگوں ہونے کی بجائے ان جھڈانے لگتے ہیں اسی طرح جو لوگ ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں انہیں بے حساب اجر کا مژدہ سنایا گیا ہے۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ انشقت اعاذہ اللہ تعالیٰ ان یعطیہ کتابہ من وراثہ۔

ترجمہ: جو شخص سورہ انشقت پڑھے گا اللہ اسے نامہ اعمال پشت کی جانب سے دیے جانے سے محفوظ رکھے گا

لطائف سلوک:..... لتروکبن طبقات طبق۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس کا خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی مراتب قرب میں مرحلہ وار ترقی مراد ہے آپ کے عرفاء کے مراتب و احوال کی بھی یہی شان ہے۔

## سُورَةُ الْبُرُوجِ

سُورَةُ الْبُرُوجِ مَكِّيَّةٌ ثِنْتَانِ وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ﴿١﴾ لِلْمُكَوَاكِبِ إِتْنَا عَشَرَ بَرْجًا تَقَدَّمَتْ فِي الْفُرْقَانِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ﴿٢﴾ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَشَاهِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمَشْهُودِ ﴿٣﴾ يَوْمَ عَرَفَةَ كَذَا فُسِّرَتِ الثَّلَاثَةُ فِي الْحَدِيثِ فَأَلَّوْهُ مَوْعُودٌ بِهِ وَالثَّانِي شَاهِدٌ بِالْعَمَلِ فِيهِ وَالثَّلَاثُ يَشْهَدُهُ النَّاسُ وَالْمَلَائِكَةُ وَجَوَابُ الْقَسَمِ مَحْذُوفٌ صَدْرَهُ أَيْ لَقَدْ قُتِلَ لَعْنُ أَصْحَابِ الْأَخْذُودِ ﴿٤﴾ الشَّقِ فِي الْأَرْضِ النَّارِ بَدَلُ اسْتِمَالٍ مِنْهُ ذَاتِ الْوَقُودِ ﴿٥﴾ مَا تُوقَدُ فِيهِ إِذْهُمْ عَلَيْهَا أَيْ حَوْلَهَا عَلَى جَانِبِ الْأَخْذُودِ عَلَى الْكَرَاسِيِّ قُعُودٌ ﴿٦﴾ وَهُمْ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ بِاللَّهِ مَنْ تَعَذَّبَ بِهِمْ بِالْإِلْقَاءِ فِي النَّارِ إِنْ لَمْ يَرْجِعُوا عَنْ إِيْمَانِهِمْ شُهُودٌ ﴿٧﴾ حُضُورٌ رَوَى أَنَّ اللَّهَ أَخَى الْمُؤْمِنِينَ الْمُتَلَقِينَ فِي النَّارِ بِقَبْضِ أَرْوَاحِهِمْ قَبْلَ وَقُوعِهِمْ فِيهَا وَخَرَجَتْ السَّارِ إِلَى مَنْ ثَمَّةٍ فَأَخْرَقَتْهُمْ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ فِي مَلِكِهِ الْحَمِيدِ ﴿٨﴾ الْمُحْمُودُ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٩﴾ أَيْ مَا أَنْكَرَ الْكُفَّارُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا إِيْمَانَهُمْ إِنْ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِالْإِحْرَاقِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿١٠﴾ أَيْ عَذَابُ إِحْرَاقِهِمُ الْمُؤْمِنِينَ فِي الْآخِرَةِ وَقِيلَ فِي الدُّنْيَا بَأْسٌ خَرَجَتْ السَّارِ مَا خَرَقَتْهُمْ كَمَا تَقَدَّمَ أَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ بِالْكَفَّارِ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ بِحَسَبِ إِرَادَتِهِ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِيُ الْخَلْقَ وَيُعِيدُهُ ﴿١٣﴾ فَلَا يُعْجِرُهُ مَا يُرِيدُ وَهُوَ الْغَفُورُ لِلْمُؤْمِنِينَ الْمُذْنِبِينَ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ الْمُتَوَدُّ إِلَى أَوْلِيَائِهِ بِالْكَرَامَةِ ذُو الْعَرْشِ خَالِقُهُ وَمَالِكُهُ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ بِالرَّفْعِ الْمُسْتَحَقُّ لِكَمَالِ صِفَاتِ الْعُلُوِّ فَعَالٍ لَمَّا

يُرِيدُ ﴿١٦﴾ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ ۚ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنُ وَثَمُودُ ﴿١٨﴾ بَدَلُ مِنَ  
الْجُنُودِ وَاسْتَغْنَى بِذِكْرِ فِرْعَوْنَ عَنْ أَتْبَاعِهِ وَحَدِيثُهُمْ أَنَّهُمْ أَهْلِكُوا بِكُفْرِهِمْ وَهَذَا تَبِيْهُ لِمَنْ كَفَرَ بِالنَّبِيِّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقُرْآنَ لِيَتَعِظُوا بِلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبِ ﴿١٩﴾ بِمَا ذَكَرَ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ  
مُحِيطٌ ﴿٢٠﴾ لَا عَاصِمَ لَهُمْ مِنْهُ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ﴿٢١﴾ عَظِيمٌ فِي لَوْحٍ هُوَ فِي الْهَوَاءِ فَوْقَ السَّمَاءِ  
السَّابِعَةِ مَحْفُوظٌ ﴿٢٢﴾ بِالْحَجَرِ مِنَ الشَّيَاطِينِ وَمِنْ تَغْيِيرِ شَيْءٍ مِنْهُ وَطَوْلُهُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَغَرَضُهُ  
مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَهُوَ مِنْ دُرَّةٍ بَيْضَاءَ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا  
سورة بروج مکہ ہے جس میں ۲۳ آیات ہیں  
بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: . . . قسم ہے برجوں والے آسمان کی (ستاروں کے بارہ برج ہیں جن کا بیان سورۃ فرقان میں گزر چکا ہے) اور اس  
(قیامت کے) دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور حاضر ہونے والے (جمعہ کے) دن کی اور اس دن کی جس میں حاضری ہوتی ہے  
(یعنی عرفہ کا روز، حدیث میں تینوں کی تفسیر اسی طرح آئی ہے پس قیامت کا دن وعدے کا دن ہے اور دوسرا دن عمل کا شاہد ہے اور  
تیسرے دن میں لوگ اور فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جواب قسم کا ابتدائی حصہ محذوف ہے یعنی لقد) ملعون ہوئے خندق (گڑھے)  
والے، آگ والے (بدل اشمال ہے) بہت سے ایندھن کی (وہ چیز جس سے آگ جلائی جائے) جب کہ وہ اس خندق کے س  
پاس (گڑھے کے ارد گرد کرسیوں پر) بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے (ایمان سے نہ ہٹنے کی صورت  
میں آگ میں جھونک کر سزا دینا) وہ دیکھ رہے تھے (موجود تھے۔ روایت ہے کہ اللہ نے ان مومنین کو جنہیں اس آگ میں جھونکا گیا  
تھانجات دے دی۔ اس طرح کہ آگ میں گرنے سے پہلے ان کی روئیں قبض کر لیں اور آگ بیٹھے ہوؤں کی طرف لپکی اور انہیں  
بھسم کر ڈالا) اور اہل ایمان سے ان کی دشمنی اس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھی کہ وہ اس خدا پر ایمان لائے تھے جو (اپنے مسک  
میں) زبردست اور اپنی ذات میں لائق حمد (محمود) ہے۔ جو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا مالک ہے اور اللہ سب دیکھ رہا ہے (یعنی  
کفر نے مومنین کا رد صرف ان کے ایمان کی وجہ سے کیا ہے) جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں پر (آگ میں جلا ڈالنے کا)  
ظلم و ستم توڑا ہے۔ اور پھر اس سے تائب نہ ہوئے یقیناً ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے (ان کے کافر ہونے کی وجہ سے) اور ان کے  
یہ جلائے جانے کی سزا ہے (جو مسلمانوں کو آگ میں جلانے کے بدلہ میں آخرت میں ہوگی اور بعض کی رائے ہے کہ دنیا ہی میں یہ  
سزا ہو چکی ہے کہ اس آگ نے باہر آ کر انہیں کو بھسم کر ڈالا ہے۔ جیسا کہ ابھی گزرا ہے) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل  
کئے یقیناً ان کے لئے جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ ہے بڑی کامیابی۔ اور حقیقت (کفار کیلئے تمہارے رب  
کی پکڑ بڑی سخت ہے) (اس کے ارادہ کے مطابق) وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے (مخلوق کو) اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا (وہ اپنے ارادہ  
میں عجز نہیں ہوا ہے) وہی (گنہگار مومنوں کو) بخشے والا ہے (اپنے اولیاء سے کہ امت کے ذریعہ) محبت کرنے والا ہے۔ عرش والا  
ہے (اس کا خالق اور مالک ہے) عظمت والا ہے (یہ رفیع کے ساتھ ہے۔ صفات عالیہ کے کمال کا مستحق ہے) جو کچھ چاہے کر ڈالنے  
والے ہے (اسے کوئی ہرا نہیں سکتا) کیا تمہیں (اے محمد!) لشکر کی خبر پہنچی ہے فرعون اور ثمود کے (جنود سے بدل ہے فرعون کے ذکر کے

بعد اس کے پیر و کاروں کے ذکر کی ضرورت نہیں اور وہ خبر یہ ہے کہ وہ کفر کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔ آنحضرت اور قرآن کے ساتھ کفر کرنے والوں کو اس میں تنبیہ ہے کہ وہ عبرت پکڑیں (بلکہ یہ کافر (ان باتوں کے) جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے ان کو گھیرے میں لے رکھا ہے (ان کو اس سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک با عظمت (بلند مرتبہ) قرآن ہے۔ لوح (ساتوں آسمان سے اوپر جو فضا) میں محفوظ ہے (جر کے ساتھ جو شیاطین اور کسی قسم کے رد و بدل سے محفوظ ہے۔ اس کی لمبائی آسمان زمین کے برابر اور چوڑائی مشرق و مغرب کے برابر سفید موتی کا بنا ہوا ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے۔

**تحقیق و ترکیب:** ..... البروج۔ برج کے معنی ظاہر کے ہیں۔ برج سے ماخوذ ہے۔ حقیقتہ عرفیہ کے طور پر قصر علی اور قعدہ معلیٰ کو کہتے ہیں۔ یہاں استعارہ تصریحیہ ہے۔ آسمان میں سورج کے منازل سیر مراد ہیں۔ ان بروج و منازل میں ثوابت تو مستقل قیام پذیر ہیں اور سیارہ رات کی گردش رہتی ہے جیسا کہ محلات میں اکابر و اشراف کا قیام اور آمد و رفت رہا کرتی ہے۔ علم ہیئت کی رد سے نویں یا آٹھویں آسمان میں اگرچہ یہ برج ہیں۔ لیکن چونکہ تمام آسمان آئینہ کی طرح شفاف اور صاف ہیں اس لیے السماء سے مراد جنس فلک ہے کہ دیکھنے والے کو سب میں نظر آتے ہیں۔ چھ دواہر عرض سے بارہ برج اس طرح متشکل ہوتے ہیں کہ ایک قطر دائرہ معدل النہار اور دائرہ منطقۃ البروج پر گزرتا ہے اور دوسرا خط نقطہ ربیعی اور خریفی پر گزرتا ہے اور باقی خطوط ان کے درمیان مان کر خربوزہ کی قاشوں کی طرح فرض کر لیا جاتا ہے ان بروج کے نام یہ ہیں حمل۔ ثور۔ جوزاء۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بروج سے مراد منازل قمر ہوں اور وہ اٹھائیس ہیں اس لیے چاند اٹھائیس روز میں ان کو طے کرتا ہے اور ایک تا دو روز نظر نہیں آتا۔ اسی طرح دوسرے بڑے ستارے بھی ان منازل سے گزرتے ہیں ان منازل کو بروج ظاہر ہونے کی وجہ سے کہا گیا۔ حسی طور پر یہ منازل ظاہر نہیں۔ مگر علم ہیئت کے لحاظ سے ظاہر ہیں تیسری صورت یہ ہے کہ بروج سے مراد آسمان کے وہ دروازے اور راستے ہوں جن سے مصائب اور بلاؤں کا نزول ہوتا ہے۔

**شاهد و مشہود:** جمعہ اور عرفہ کا دن مراد ہے۔ اور شاہد سے مخلوق اور مشہود سے عجائبات و غرائب ہو سکتے ہیں اور ان دونوں کو نکرہ ابہام فی الوصف فی الکثرات کے لیے ہوگا۔ اور شاہد سے نبی کریم اور مشہور سے امت محمدیہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ یا پھر شاہد سے امت محمدیہ اور مشہور سے دوسری امتیں۔ شاہد سے ہر نبی اور مشہود سے اس کی ذات مراد لی جائے۔ اسی طرح شاہد سے خالق و مشہود مخلوق یا اس کا برعکس بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ علی ہذا شاہد سے ملائکہ حفظہ اور مشہود سے مکلف بندے اور شاہد سے یوم آخری عرفہ۔ اور مشہود سے حجاج یا روز جمعہ مراد ہوں۔ یا شاہد سے ہر روز اور مشہود سے روزانہ کی مخلوق مراد ہوگی۔ جواب ”ثمہ قتل اصحاب الاحدود“ سے پہلے مفسر ”لقد محذوف مان کر نحو کے اس قاعدہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ماضی مثبت اگر معمول مقدم نہ ہو، اس کو جواب قسم بنایا جائے تو اس پر لام اور قد دونوں لانے ضروری ہیں، ایک پر اکتفاء جائز نہیں۔ الا یہ کہ جواب قسم قاصد سے ہو جیسے والشمس وصحہا والقمر اذا تلہا والنہار اذا کے بعد قد الفلح بغیر لام آ رہا ہے یا ضرورت کی وجہ سے بھی لام حذف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن زیادہ واضح بات یہ ہے کہ ”قتل اصحاب الاحدود“ جواب محذوف کی دلیل ہے۔ ای انہم ملعونون کمالعن اصحاب الاحدود۔ اور جواب قسم محذوف ہوگا۔ ای الامرحق فی جزاء۔ بہر حال قتل الخ بدو عانیہ جملہ نہیں ہے۔

احدود خدا کو کہتے ہیں جس کے معنی سرنگ کے ہیں۔ جیسا کہ الحق اور الاحقوق کے بھی یہی معنی ہیں۔

بالمومنین شہود۔ بادشاہ حمیرہ کی طرف سے خندق پر پہرہ دار مقرر تھے۔ کہ مومنین بھاگ نہ سکیں یا قیامت میں ہاتھ پاؤں



کی گواہی دینا مراد ہے۔

الا ان یؤمنوا۔ اگرچہ ان کا ایمان لانا ماضی میں ہو چکا تھا لیکن مستقبل کا صیغہ لانے میں اشارہ ہے کہ ان کی اصل ناگواری آئندہ ایمان پر برقرار رہنے میں تھی۔ اگر بالفرض وہ مرتد ہو جاتے تو پھر گزشتہ ایمان لائق درگزر رہتا۔ اور یہ استثناء ایسا ہی ہے۔ جیسے اس شعر میں ہے۔

لا عیب فیہم غیر ان سیوفہم بہن فلول من خرائب الکتاب العزیز الحمید

غالب ہونے کی وجہ سے اس کے عتاب سے ڈرنا اور محمود ہونے کی وجہ سے اس کے ثواب سے امید رکھنی چاہیے۔

ان الذین فتنوا۔ اس سے عام کافر مراد ہیں جو مسلمانوں کو ستاتے ہوں۔ یا اصحاب الاخدود مراد ہیں۔ جن پر وہ آگ پلٹ پڑی اور وہ اس میں خود بھی بھسم ہو گئے۔

ان بطش۔ سخت پکڑ کو کہتے ہیں۔

ذوالعرش۔ ایک قرأت ذی العرش ہے۔ رب کی صفت ہو جائے گی اور عرش کے مجازی معنی ملک کے بھی ہو سکتے ہیں۔

المجید۔ حمزہ۔ کسائی رب یا عرش کی صفت مانتے ہوئے مجرور پڑتے ہیں۔

بل الذین اس میں احزاب ہے کہ کفار مکہ کی حالت سابق کفار کی حالت سے بدتر ہے۔

قرآن مجید۔ ایک قراءت اضافت کے ساتھ بھی ہے۔ ای قرآن رب مجید۔

لوح محفوظ۔ نافع محفوظ رفع کے ساتھ پڑتے ہیں۔ قرآن کی صفت ہے۔ اور لوح کو لوح بھی پڑھا گیا ہے۔ ساتویں

آسمان سے اوپر کی فضا جہاں لوح محفوظ ہے۔

ربط آیات:۔ پچھلی سورتوں میں مومن و کافر دونوں کی مجازات کا بیان تھا۔ سورہ بروج میں کفار کی مخالفت کے سلسلہ میں مسلمانوں کو تسلی اور کفار کے لیے عذاب کی وعید ہے۔ پہلے لفظ کی وجہ سے اس کا نام سورہ بروج ہے۔ یہ سورت بھی مدہ معظمہ کے ابتدائی دور کی ہے۔ جب مسلمانوں پر انتہائی مظالم کر کے ایمان سے روکا اور برگشتہ کیا جا رہا تھا۔

روایات:۔ والیوم الموعود۔ ابو مالک اشعریؓ اور حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ الشہود سے یوم النہر اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں شاہد سے مراد اللہ اور مشہود سے قیامت کا دن ہے اور ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ کی ایک روایت میں شاہد سے جمعہ اور مشہود سے عرفہ کا دن مراد ہے اور مرفوع روایت میں ہے کہ یوم موعود قیامت کا روز اور یوم مشہود عرفہ اور شاہد جمعہ ہے۔ اور وجہ مناسبت میں مطرود ہونا لازم نہیں ہے۔

اصحاب الاخدود۔ اس بارہ میں مرفوع روایت ہے۔ ان ملک کان لہ ساحر فلما کبر ضم الیہ علاما یعلمہ وکان فی طریقہ راہب فمال قلبہ الیہ فرای فی طریقہ یومادابۃ عظیمۃ قد حبست الناس فاخذ حجراً وقال اللہم ان کان امر الراہب احب الیک من امر الساحر فاقتل هذه الدایۃ حتی یمضی الناس فرماھا فقتلھا وکان العلام یرى الاکمره والابرص ویشفی من الادواء وہی جلیس الملک فابراہ فسالہ عن ابراہ فقال ربی فغضب فعذہ تدل علی الغلام فعذہ مذلی علی الراہب فقدم بالمستشار وارسل الغلام الی جبل لیطرح من ذروتہ فدعا فوحیف بالقوم فہلکوا ونجا واجلسہ فی سفینۃ لیغرق فدعا فانکفت السفینۃ بمن معہ فغرقوا و نجافقال للملک

لست بقاتلی حتی تجمع الناس وتقبلنی وتاخذ سهمان کفانتی وتقول باسم اللہ رب العالم ثم ترمینی بہ فرماہ فوق فی صدغہ ومات فامن الناس فامر باخادید ووقدت فیہا النار حران فمن لم یرجع مہم طرحہ فیہا حتی حاءت امرأۃ معها صبی فتفاعست فقال الصبی یا اماء اصیری فانک علی الحق فاقتحمت وعن علی ان بعض ملوک المجوس خطب بالناس وقال ان اللہ احل نکاح الاحوات فلم یقبلوہ فامر باخادید النار وطرح فیہا من ابی وقیل لماتنصر نجران خزائم ذونواس الیہودی من حمیر فاحرق فی الاخادید من لم یرتد (بیضاوی)

﴿تشریح﴾: ... ذات السروج . ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ، حسنؒ، بصریؒ، ضحاکؒ، سدیؒ اس سے آسمانی عظیم الشان سترے مراد دیتے ہیں۔ اگرچہ مفسر علام نے ہیئت کی اصطلاح پر تفسیر کی ہے۔ ان قسموں کو جواب قسم سے یہ مناسبت ہے کہ ان قسموں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زبان و مکان کا مالک ہے۔ پس ایسے مالک کی مخالفت باعث لعنت و سزا ہو جاتی ہے۔

اصحاب الاخلاود۔ متعدد واقعات و روایات میں آئے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اسی طرح کے مظاہر بار بار دہرائے گئے ہیں۔ ایک واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ کسی زمانہ میں ایک بادشاہ کے پاس ایک جادوگر رہتا تھا۔ وہ جب بوڑھا ہوا تو بادشاہ سے عرض گزار ہوا کہ کسی لڑکے کو جادو سیکھنے کے لیے مقرر کیجئے۔ بادشاہ نے مقرر کر دیا۔ وہ لڑکا روزانہ ساحر کے پاس آیا جایا کرتا۔ اتنا حق سے راستہ میں ایک درویش راہب بھی رہتا تھا۔ لڑکا اس کے پاس آتے جاتے مانوس ہو گیا اور ایمان لے آیا۔ تا آنکہ اس کی وجہ اور تربیت سے صاحب کرامت ہو گیا۔ بادشاہ نے جب اس کی کرامتوں اور ایمان کا چرچا سنا اور یہ کہ سب راہب کی فقیرانہ صحبت کا اثر ہے۔ تو اس نے پہلے تو راہب کو مار ڈالا۔ پھر لڑکے کو قتل کرنے کی مختلف تدبیریں کیں۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر کار خود لڑکے نے ہی کہا کہ اگر بادشاہ مجھے قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو مجمع میں میرے خدا کا نام لے کر میرے تیر مارے تو کامیاب ہو جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا مر گیا۔ اس سے لوگوں میں شورش ہوئی اور بیک وقت سب پکار اٹھے۔ کہ ہم بھی اس لڑکے کے خدا پر ایمان لے آئے۔ درباری لوگ بولے کہ یہ آپ نے کیا انقلاب برپا کر دیا۔۔۔۔۔ یہ سن کر بادشاہ غضب ناک ہو گیا۔ اور سڑک کے کنارے ٹڑھے کھدوا ڈالے۔ پھر ان میں آگ بھروادی اور ایمان لانے والوں کو ان میں جھونک دیا۔

دوسرا واقعہ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ کسی ایرانی بادشاہ نے شراب پی کر اپنی بہن سے زنا کیا اور دونوں میں ناجائز تعلقات ہو گئے۔ لوگوں میں چرچا ہونے لگا۔ تو بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ خدا نے بہن سے نکاح حلال کر دیا ہے لوگوں کے گلوں سے جب یہ بات نہ اتری تو طرح طرح سے ان پر جبر کیا گیا۔ یہاں تک کہ جو اس کی اس بات سے انکار کرتا تو اسے پہلے سے تیار کئے ہوئے گڑھے میں دھکیل دیتا۔ چنانچہ بقول حضرت علیؓ اسی وقت سے مجوسیوں میں محرمات سے نکاح کا رواج ہوا ہے۔

تیسرے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حمیر یعنی یمن کا بادشاہ شبان نامی ایک دفعہ یثرب (مدینہ) گیا۔ جہاں اس نے یہود مذہب قبول کر لیا اور پھر یمن پہنچ کر اس مذہب کی زور شور سے اشاعت کی۔ نجران پر حملہ کر کے وہاں کے باشندوں کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرنا چاہا مگر لوگ جب نہ مانے تو بہت سوں کو آگ کے گڑھوں میں پھینک دیا اور بہت سوں کو قتل کر ڈالا۔ اس طرح بیس ہزار لوگ تباہ و برباد ہو گئے لیکن ہل نجران میں بعض لوگ بچ بچا کر بھاگ نکلے اور انہوں نے قیصر روم یا شاہ حبش سے مدد کی درخواست کی۔ چنانچہ ان عیسائی سلطنتوں نے یمن پر عظیم حملہ کیا۔ جس میں ستر ہزار افواج نے حصہ لیا۔ شاہ یمن مارا گیا اور اس طرح یمن بھی سلطنت حبشہ کا ایک حصہ بن گیا۔ حبشی عیسائیوں نے نجران پر قبضہ کرنے کے بعد کعبہ کی شکل کی ایک عمارت بنا ڈالی۔ جسکو وہ مکہ کے کعبہ کی جگہ مرزی حیثیت دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کو حرام قرار دیا گیا۔ سلطنت روم بھی اس کعبہ کے لیے مالی اعانت کرتی تھی متاظرہ کی غرض سے آنحضرت ﷺ

کی خدمت میں پادریوں کا جو وفد سعید، عاقب، اسقف کی قیادت میں آیا تھا وہ اسی کعبہ نجران سے متعلق تھا۔ سورہ آل عمران میں جس مہبلہ کا ذکر ہے وہ بھی اسی وفد کے ساتھ پیش آیا تھا۔

وہم علی ما یفعلون۔ یعنی بادشاہ اور اس کے وزیر مشیر خندقوں کے ارد گرد نہایت سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

اچھائی کے سوا ان میں کوئی برائی نہ تھی: ..... وما نقموا۔ حالانکہ ان بے چاروں کا تصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کفر کی اندھیروں سے نکل کر ایسے زیر دست اور اچھے خدا پر ایمان لے آئے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں اور جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ حالات سے باخبر ہے۔ پس جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم میں کہ وہ کیوں اسی اکبے کو پوجتے ہیں، آگ میں جلایا جائے۔ تو کیا یہ ظلم و ستم یوں ہی رائے گاں جائے گا؟ بلکہ وہ ان ظالموں کو عبرت ناک سزائیں دے گا۔ چنانچہ ان کی لگائی ہوئی آگ اتنی پھیلی کہ فوراً ان کو جلا کر بھسم کر ڈالا۔ ان خبروں کا ذکر اگرچہ روایات میں نہیں ہے۔ تاہم بعض اکابر نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

ان الدین فتنوا۔ یعنی سزا کی خصوصیت کچھ ان سرنگوں والوں کے ساتھ ہی نہیں۔ بلکہ جو لوگ بھی انہیں حق سے برگشتہ کرنے میں لگے رہیں گے اور اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے جیسے قریش مکہ ان کے لیے بھی آگ کا لاوا تیار ہے۔ اور دوزخ میں طرح طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ممکن ہے یہ دوزخ کی عام آگ کے علاوہ کوئی خاص آگ ہو جو ان کی سزا کے جواب میں انہیں بھگتنی پڑے گی۔

ذلک الفوز الکبیر۔ یعنی مسلمان دنیا کی تکالیف سے نہ گھبرائیں آخرت کی بڑی کامیابی انہی کے لیے ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کا عیش یا تکلیف سب بچ ہے۔

ان بطش ربک لشدید۔ ظالم اللہ کی شدید پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔

انہ ہو یدئ و یعید۔ پہلی مرتبہ سے دنیا کا اور دوسری مرتبہ سے آخرت کا عذاب مراد ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ ہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ جلائے گا۔ لہذا مجرمین اس دھوکہ میں نہ رہیں کہ مر کر جب ہم خاک ہو جائیں گے اور ہمارا نام و نشان نہ رہے گا۔ پھر ہم کیسے ہاتھ لگیں گے۔

اللہ کی شانیں: ..... وہو الغفور۔ یعنی اللہ میں جہاں شان جلالی ہے وہیں شان جمالی بھی ہے جس طرح اس کی سخت گیری اور انتقام کی کوئی حد نہیں۔ اسی طرح اس کی بخشش و محبت کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ مالک عرش کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی سلطنت کا اصل فرمانروا وہی ہے۔ سرکشی کرنے والا اس کی پکڑ سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ اور ”مجید“ کہہ کر انسان کے کمینہ پن پر متنبہ کرتا ہے کہ ایسی بزرگ و برتر ہستی کے مقابلہ میں گستاخی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔

فعال لما یرید۔ سے یہ بتلانا ہے کہ وہ اپنے علم و حکمت کے موافق جو چاہے کر ڈالے اسے کچھ دیر نہیں لگتی۔ اور نہ کوئی اسے روکنے ٹوکنے کا حق رکھتا ہے۔ پوری کائنات میں کسی کی یہ مجال نہیں کہ اللہ جس کام کا ارادہ کرے اس میں وہ مانع اور مزاحم ہو سکے۔ بہر حال نہ اس کے انعام و اکرام پر بندہ کو مغرور ہونا چاہیئے اور نہ اس کے انتقام سے بے خوف و بے فکر رہنا چاہیئے۔ بلکہ ہمیشہ اس کی صفات جمال و جلال پر نظر رہنی چاہیئے اور خوف کے ساتھ رجا اور رجا کے ساتھ خوف کو دل میں جگہ دیئے رکھے۔ الا یمان بین الحوف والرجاء۔

ہل اٹل ان لوگوں کی طرف سلسلہ کلام کا رخ ہے جو اپنی طاقت کے نشہ میں خدا کی سرزمین پر سریشیاں کر رہے ہیں۔ انہیں فرمایا جا رہا ہے کہ ایک مدت تک ان پر ہمارے انعامات کا دروازہ کھلا رہا اور ہر طرف سے طرح طرح کی نعمتیں پہنچتی تھیں۔ گو پھر ان کے کفر طغیان اور اپنے طاقت ور چشموں کے بل پر سرکشی کا انجام بد کیسا دکھنا نصیب ہوا۔

ہل الدین کفروا۔ کفار ان قصوں سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے اور عتاب الہی سے ذرا نہیں ڈرتے بلکہ اور اٹلے ان قصوں اور قرآن کے جھٹلانے میں لگے رہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے اس جھٹلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ البتہ اس جھٹلانے کی سزا بھگتنی ضرور ہے۔ اللہ کے قبضہ قدرت سے نہ وہ نکل سکتے ہیں اور نہ سزا سے بچ سکتے ہیں۔

ہل هو قرآن مجید۔ قرآن جھٹلانے کی چیز نہیں ہے اور نہ وہ احمقوں کے جھٹلانے سے متاثر ہو سکتا ہے کہ اس کی شان میں فرق آجائے۔ اس لیے اس کو جھٹلانا سراسر حماقت ہے۔ بہر حال قرآن کا لکھا انٹ اور اٹل ہے۔ خدا کی اس لوح محفوظ میں جس کے اندر کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ تمام دنیا مل کر بھی اس کی بات توڑنا چاہے تو نہیں توڑ سکتی۔ جو بات اس میں لکھ دی گئی ہے وہ پوری سوار رہے گی۔ غرض لوح بھی محفوظ اور قرآن بھی محفوظ۔

خلاصہ کلام:۔ سورۃ بروج میں ایک طرف تو کفار کو ان کے انجام بد سے خبردار کیا جا رہا ہے جو وہ اہل ایمان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں اور دوسری طرف اہل ایمان کو بشرطیکہ وہ ثابت قدمی دکھلائیں بہترین اجر و ثواب کی تسلی دیتا ہے اور یہ کہ اللہ ظالموں سے بدلہ لے کر رہے گا۔

چنانچہ اس ذیل میں خندق والوں کا قصہ سنایا گیا۔ جس میں چند باتیں مومنوں اور کافروں کے ذہن نشین کرائی گئی ہیں ایک یہ کہ جس طرح وہ خدا کی لعنت کے مستحق ہوئے۔ اسی طرح قریش مکہ بھی اس مار اور پھٹکار کے مستحق بن رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جس طرح اہل ایمان نے اس وقت جان دینا گوارا کیا۔ مگر ایمان سے پھرنا منظور نہ کیا۔ اسی طرح اب بھی اہل ایمان کے لیے یہی راستہ کھلا ہوا ہے۔ انہیں دین کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ خدا ساری کائنات کا مالک اور اپنی ذات میں شفیق و رحیم ہے۔ وہ کافروں اور مومنوں دونوں کو دیکھ رہا ہے۔ وہ کافروں کو کفر کی وجہ سے دوزخ کی سزا تو دے گا ہی لیکن ضروری ہے کہ ان کے ظلم و ستم کی سزا بھی آگ کی صورت میں انہیں بھگتنی پڑے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اہل ایمان و عمل کو جنت کا بہترین بدلہ دیا جائے۔ اس کے بعد کفار کو آگاہ کیا گیا ہے کہ خدا کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ تمہیں اگر اپنے طاقتور جنوں کا زعم ہے تو یاد رکھو فرعون اور ثمود کا کیا انجام ہوا، جو بڑے جیتے والے تھے۔ اللہ کی قدرت سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے گھیرے سے نکل کر کہاں جاسکتے ہو۔ اور قرآن کی باتیں اٹل ہیں جس کی تم تکذیب کرتے ہو اور وہ لوح محفوظ میں پوری طرح محفوظ ہے۔ اس لیے رد و بدل کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

فضائل سورت:۔ من قرأ سورة البروج أعطاه الله بعدد كل جمعه و عرفة تكون في الدنيا عشر حسنات

ترجمہ: جو شخص سورۃ بروج پڑھے گا اس کو دنیا کے جمعوں اور عرفوں سے دس گنا ثواب ملے گا۔ (موضوع)

لطائف سلوک:۔ ذللت الفوز الکبیر۔ جنت کو بڑی کامیابی فرمانے سے ان پر زور ہو رہا ہے۔ جو جنت سے بے

نیازی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ البتہ غلبہ حال والے اس سے خارج ہیں۔

## سُورَةُ الطَّارِقِ

سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ سَبْعُ عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ﴿١﴾ أَصْلُهُ كُلُّ ابْنٍ لَيْلًا وَمِنْهُ النُّجُومُ لَطُلُوْا عَلَيْهَا لَيْلًا وَمَا أَذْنُكَ أَعْلَمَتْ مَا  
الطَّارِقُ ﴿٢﴾ مُبْتَدَأٌ وَخَبَرٌ فِي مَحَلِّ الْمَفْعُولِ الثَّانِي لِأَدْرَى وَمَا بَعْدَ مَا الْأُولَى خَبَرُهَا وَفِيهِ تَعْظِيمٌ لِشَأْنِ  
الطَّارِقِ الْمُفَسِّرِ بِمَا بَعْدَهُ هُوَ النَّجْمُ أَيْ الثَّرَيَّا أَوْ كُلُّ نَجْمٍ الثَّاقِبُ ﴿٣﴾ الْمَضِيءُ لِثَقْبِهِ الظَّلَامَ بِصَوْتِهِ  
وَجَوَابِ الْقَسَمِ إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿٤﴾ بِتَخْفِيفٍ مَّا فِيهِ مَزِيدَةٌ وَإِنْ مُحَفِّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ  
وَأَسْمُهَا مُحَذُوفٌ أَيْ أَنَّهُ وَاللَّامُ فَارِقَةٌ وَبِتَشْدِيدِهَا فَإِنَّ نَافِيَةً وَلَمَّا بِمَعْنَى إِلَّا وَالْحَافِظُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ  
يَحْفَظُ عَمَلَهَا مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ نَظَرَ إِعْتِبَارٍ مِمَّ خُلِقَ ﴿٥﴾ مِنْ أَيْ شَيْءٍ جَوَابُهُ خُلِقَ مِنْ  
مَّاءٍ دَافِقٍ ﴿٦﴾ ذِي إِنْدَاقٍ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ فِي رَحِمِهَا يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ لِلرَّجُلِ  
وَالْتَّرَائِبِ ﴿٧﴾ لِلْمَرْأَةِ وَهِيَ عِظَامُ الصُّدْرِ إِنَّهُ تَعَالَى عَلَى رَجْعِهِ بَعَثَ الْإِنْسَانَ بَعْدَ مَوْتِهِ لِقَادِرٍ ﴿٨﴾ فَإِذَا  
اعْتَبَرَ أَصْلُهُ عَلِمَ أَنَّ الْقَادِرَ عَلَى ذَلِكَ قَادِرٌ عَلَى بَعْثِهِ يَوْمَ تُبْلَى تُخْبَرُ وَتُكْشَفُ السَّرَائِرُ ﴿٩﴾ ضَمَائِرُ  
الْقُلُوبِ فِي الْعَقَائِدِ وَالنِّيَّاتِ فَمَالَهُ لِمُنْكَرِ الْبَعْثِ مِنْ قُوَّةٍ يَمْتَنِعُ بِهَا عَنِ الْعَذَابِ وَلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ يَدْفَعُهُ  
عَنْهُ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ الْمَطَرِ لِعَوْدِهِ كُلِّ جَبِينٍ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾ الشَّقِ عَنِ النَّبَاتِ  
إِنَّهُ أَيْ الْقُرْآنُ لَقَوْلٍ فَضْلٌ ﴿١٣﴾ يَفْصِلُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَمَاهُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾ بِاللَّعِبِ وَالنَّاطِلِ إِنَّهُمْ  
أَيْ الْكُفَّارُ يَكِيدُونَ كَيْدًا ﴿١٥﴾ يَعْمَلُونَ الْمَكَايِدَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكِيدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾  
أَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ فَمَهْلٍ يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكُفْرَيْنِ أَمَهُلُهُمْ تَأْكِيدُ حَسَنَةً  
مُحَالِفَةُ اللَّفْظِ أَيْ أَطْرَهُمْ رُوِيْدًا ﴿١٧﴾ قَلِيلًا وَهُوَ مَصْدَرٌ مُؤَكَّدٌ لِمَعْنَى الْعَامِلِ مُصَغَّرُودًا وَأَرْوَادٌ عَنِ عِ  
تَرْجِيهِمْ وَقَدْ أَخَذَهُمُ اللَّهُ بِسَدْرِ وَنُسِخَ الْإِمَهَالُ بِنَايَةِ السَّيْفِ أَيْ بِالْأَمْرِ بِالْجِهَادِ وَالْقِتَالِ

## سورۃ طارق مکیہ ہے جس میں ۱۷ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ:۔ قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والی چیز کی (در اصل رات کو ہر آنے والی چیز کو طارق کہتے ہیں۔ سترا بھی رات کو نمودار ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو بھی طارق کہتے ہیں) اور دیکھ معلوم ہے کہ رات کو نمودار ہونے والی چیز کیا ہے (یہ میتہ ۱۰ خبر مل کر اداری کے مفعول ثانی کی جگہ ہے اور اول ما کے بعد لفظ ادراک کا کی خبر ہے اور اس میں طارق کی جملہ عظمت شان ہے۔ جس کی تشریح آگے آرہی ہے کہ وہ) ستارہ ہے (خاص تر یا عام ستارہ) روشن (چمک دار جو اپنی روشنی سے اندھیرے کو پھانڈا کرتا ہے اور جو ب قسم آگے ہے) کوئی جان ایسی نہیں ہے جس پر کوئی نگہبان نہ ہو (لا میں تخفیف ہے اور مبراۃ اندہ اور ان مخففہ ہے جس کا اسم محذوف ہے۔ ای انہ۔ پس لام ان مخففہ اور ان نافیہ میں فرق کرنے والا ہے اور لما تشدید کے ساتھ ہونے کی صورت میں ان نافیہ ہوگا۔ اور لما بمعنی الا ہوگا۔ اور حافظ سے مراد محافظ فرشتے ہیں جو ان کے اچھے برے کام کی نگرانی کرتے ہیں) پھر انہ (بمنظر عبرت) بھی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے (اس سوال کا جواب آگے ہے) وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ (جو مرد سے اچھل کر عورت کے رحم میں جاتا ہے) جو (مرد کی) پیٹھ سے اور سینہ کی ہڈیوں سے نکلتا ہے (عورت کی چھالی کی ہڈیوں سے) یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) اسے دوبارہ پیدا کرنے (انسان کو مرنے کے بعد جلانے) پر قادر ہے (باعتبار اس اصیت کے معلوم ہوا کہ جو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ جلا سکتا ہے) جس روز جانچ پڑتال ہوگی (سب قلعی کھل جائے گی) پوشیدہ اسرار کی (جو دلوں میں عقیدے اور نیتیں تھیں) اس وقت (منکر بعث) انسان کے پاس نہ اپنا کوئی زور ہوگا (عذاب سے بچنے والے) اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہوگا (جو عذاب کو دفع کر دے) قسم ہے آسمان کی جو بارش برسانے والا ہے (بار بار ہونے کی وجہ سے بارش کو مرجع سے تعبیر کیا ہے) اور قسم ہے زمین کی جو (گھاس پھوس نکلنے سے) پھٹ جاتی ہے۔ یہ (قرآن) ایک نجی قیامت ہے (جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن ہے) اور وہ ہنسی مذاق (کھیل تفریح) نہیں ہے۔ یہ (کفار) کچھ چالیں چل رہے ہیں (آنحضرت ﷺ کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں) اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں (ڈھیل دے رہا ہوں جس کی انہیں ہوا بھی نہیں ہے) پس چھوڑ دیجئے (اے محمد!) ان کافروں کو چھوڑ دیجئے ان کے حال پر (یہ تاکید ہے جس کا حسن لفظی فرق سے بڑھ گیا ہے۔ یعنی ان کو مہلت دے دیجئے) ذرا کی ذرا (تھوڑی سی یہ معنی عامل کی تاکید کے لیے مصدر ہے۔ رو دا۔ ارواد کی تصغیر و بیدار ہے اس کی ترخیم ہو رہی ہے۔ چنانچہ اللہ نے بدلہ میں ان کو سزا دے ڈالی اور مہلت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ آیت سیف یعنی جہاد و قتال کے حکم کے ذریعہ)

تحقیق و ترکیب:۔ ..... الطارق۔ مفسر نے اصل معنی نجم کے اعتبار سے فرمایا ہے ورنہ طارق کے حقیقی معنی دیکھنے کے ساتھ مارنے اور کونے کے ہیں۔ طریق راستے کو بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ مطروق ہوتا ہے۔ گویا پہلے سالک طریق کے معنی ہوئے۔ پھر رات کو آنے والے کے معنی ہوئے۔ پھر ستارہ کے معنی میں استعمال ہو گیا۔ اس لیے کہ ستارہ جنات کے مارا جاتا ہے۔

ما ادراک۔ استفہامیہ ہے اور ادراک خبر ہے۔

ما الطارق۔ ما تعظیم کے لیے ہے۔

النجم۔ اس کے تین معنی ہیں۔ مطلق ستارہ یا خاص ثریا۔ یا خاص زحل جو ساتویں آسمان میں ہے۔

ان کل نفس لما۔ لما کی دو قراءتیں ہیں۔ تخفیف کی صورت میں ان مخففہ ہوگا جس کا قرینہ لام ہے اور لما مشدد ہونے

کی صورت میں ان نافیہ اور لما بمعنی الا ہوگا۔ اول بھریوں کی اور دوسری کو فیوں کی رائے ہے۔

حافظ۔ بمعنی رقیب ہے۔ یہ جملہ جواب قسم ہے۔ بعض فرشتے اعمال کی کتابت پر مامور ہوتے ہیں اور بعض فرشتے انسان کی

حفاظت پر دن رات میں دس دس فرشتوں کی ڈیوٹیاں ہر انسان کے لیے ہوتی ہیں اور مومن کے لیے ایک سو ساٹھ فرشتوں کی جماعت مقرر رہتی ہے۔ یہاں دونوں قسمیں مراد ہو سکتی ہیں اور مطلق فرشتے بھی بلکہ حق تعالیٰ بھی کہ اصل محافظ وہی ہیں۔

من ماء دافق۔ مرد کی منی ہو یا عورت کی، دافق نہیں ہوتی بلکہ مدفوق ہوتی ہے۔ اس لیے ذی اندفاق کہہ کر مفسر نے اشارہ کر دیا کہ لاس اور تاسمہ کی طرح یہ صیغہ فاعل کے لیے نہیں بلکہ نسبت کے لیے ہے۔ اور لیث نے دافق کے معنی منصب کے لیے ہیں مگر وہ ثابت نہیں ہیں اور دافق کو اپنے معنی میں رکھتے ہوئے نسبت مجازی بھی ہو سکتی ہے۔ اور ابن عطیہ کی رائے یہ ہے کہ منی کو حقیقۃً دافق کہنا جہتاً ہے۔ کیونکہ اس کا بعض حصہ دافق اور بعض مدفوق ہوتا ہے۔ اور من ماء کی بجائے من مائین نہیں کہا۔ کیونکہ دونوں رحم میں مخلوط ہونے کی وجہ سے ایک ہی ہو جاتے ہیں اور دونوں کے جڑوں مل جاتے ہیں۔

من بین الصلب والترائب۔ صلب۔ میں چار لغت ہیں صلب۔ صلب۔ صلب۔ صلب۔ صالب ریڑھ کی ہڈی اور ترائب سینہ کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ قاضی بیضاوی یہ فرماتے ہیں کہ مرد اور عورت کی منی کا تعلق اگرچہ بدن کے تمامی اعضاء سے ہے۔ کیونکہ منی چوتھے انضمام کا نتیجہ ہے۔ لیکن دماغ سے اس کا خصوصی تعلق ہوتا ہے۔ اس کی تولید میں دماغ کا زیادہ دخل ہے اور نخاع دماغ کی نیابت کرتی ہے۔ جس کی مختلف شاخیں چھاتی میں مل جاتی ہیں اسی لیے قرآن کریم میں ان دونوں اعضاء کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ قلب و نخاع اور قوائے دماغیہ سب ہی اس کی تولید میں معاون ہوتے ہیں۔ لیکن ترائب کے لفظ سے قلب و جگر اور پیٹھ سے مراد نخاع ہے جو دماغ سے وابستہ ہے۔ اس طرح یہ دونوں اعضاء جامع ہو جائیں گے۔ سارے نظام بدن کو۔

یوم تبلی۔ یہ ظرف ہے وجعہ کا۔ ذات الرجیع اس سے حرکات فلکیہ مراد ہو سکتی ہے قدیم فدا سفہ کے نظریہ پر۔ یا بارش مراد ہے کہ اس کے ذریعہ زمینی پانی کا لوٹ پھیر ہوتا رہتا ہے۔

دات الصدع زمین کھود کر پانی نکالا جاتا ہے۔ اسی طرح زمین کو پھاڑ کر سبزہ وغیرہ کی کوئلیں پھونتی ہیں۔

واکید۔ جزاء کید مراد ہے یا صورت کید مراد ہے یعنی کفار کے ساتھ استدراجی کارروائی۔

امہلہم۔ مہل اور امہل کے معنی اگرچہ ایک ہی ہیں۔ مگر لفظی فرق سے تحسین کلام پیدا ہو گئی اور اس تکرار سے تسکین خاطر مقصود ہے۔

رویدا۔ مصدر تاکید کے لیے ہے ودا یا ارواد سے حروف زائدہ کی ترخیم کر دی گئی ہے۔

رابط آیات: ..... پچھلی سورت میں مومنین کے لیے تسلی اور کفار کے لیے وعید تھی۔ اس سورت میں وعید کی تحقیق کے سلسلہ میں اعمال کا محفوظ رہنا بیان فرمایا گیا ہے اور بعث کا امکان بلکہ اس کا وقوع اور بعث کی دلیل یعنی قرآن کی حقانیت کا بیان ہے اور یہ بیان پچھلی سورت کے اخیر میں بھی تھا۔ اور اس سورت کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے نیز اس سورت کے انداز بیان سے یہ بات واضح ہے کہ یہ سورت مکہ معظمہ کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ جب کہ کفار قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کی دعوت کو زک کر دینے کے لیے ہر قسم کی چالیں چل رہے تھے۔

روایات: ... حافظ ابن عباس فرماتے ہیں۔ من الملائکۃ من یحفظ عملہا من خیر و شر۔ اور قدوہ سے منقول ہے۔ یحفظون عملک و رزقک و اہلک۔

﴿تشریح﴾: ... حافظ سے مراد جس طرح محافظین فرشتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ حقیقی محافظ وہی ہیں۔ کائنات کی ہر چیز چھوٹی بڑی کی دیکھ بھال اور حفاظت اسی کی ذات سے وابستہ ہے ہر چیز کو اسی سے وجود ملا ہے۔ وہی ہر چیز کو سنبھالے ہوئے ہے۔ زندگی کا سر و سامان اسی کی طرف سے ہے۔ اللہ نے اس پر ہر ستارے کی قسم کھائی ہے۔

ستاروں کی شہادت: ..... اربوں کھربوں ستارے اس کی شہادت دے رہے ہیں کہ کوئی ان کو بنانے والا ہے جس نے ان کو نور عطا کیا ہے اور اتنے بڑے کروں کو فضا میں معلق کر چھوڑا ہے۔ کسی ستارے کی مجال نہیں کہ وہ اپنی مقررہ گردش میں کسی سیارے سے ٹکرا جائے۔ بے شمار سیاروں کی بے شمار گردشیں ہیں۔ مگر ان کی رفتار میں سر مو فرق نہیں آ سکتا۔ اور ستاروں کا نمودار ہونا گوشب میں معلوم ہوتا



ہے مگر محفوظ ہمہ وقت رہتے ہیں۔ پس جو ذات آسمانی ستاروں کی حفاظت کرتی ہے۔ اسے تمہاری اور تمہارے اعمال کی حفاظت کرنا کی دشوار ہے۔ یہ اعمال بھی ستاروں کی طرح اگرچہ محفوظ رہتے ہیں۔ مگر نامہ اعمال کا ظہور خاص قیامت میں ہوگا۔ اس لیے انسان کو آخرت کی فکر رکھنی چاہیے۔ اور قیامت کو اگر وہ مستبعد سمجھتا ہے تو اس کو اپنی ابتداء پر غور کرنا چاہیے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے اور وہ کون ہے جو باپ کے خاں ہوئے والے اربوں جرثوموں میں سے ایک جرثومہ کو اور ماں کے اندر سے بکثرت نکلنے والے بیضوں میں سے ایک بیضہ کا انتخاب کر کے دونوں کو جوڑ دیتا ہے اور اس طرح انسان کا استقرار حمل ہو جاتا ہے۔

عماء طبیعات کہتے ہیں کہ مرد و عورت کے مادہ منویہ کا تعلق تمام بدن سے ہے۔ لیکن صلب و ترائب کی تخصیص اس لیے سے ہے کہ اعضائے رئیسہ قلب و دماغ اور جگر کا اس میں زیادہ دخل ہے۔ پس دماغ کا تعلق بواسطہ نجاج (حرام مغز) ریڑھ کی ہڈی سے اور قلب و جگر کا تعلق ترائب سے ہے اور چونکہ صلب سے صرف دماغ کا تعلق ہے اس لیے اس کو مفرد لیا گیا اور ترائب سے قلب و جگر دونوں کا تعلق ہے۔ اس لیے اس کو جمع لیا گیا ہے۔ چنانچہ اگر ہاتھ پاؤں کٹ جائیں مگر اعضائے رئیسہ سلامت رہیں تب بھی مادہ منویہ بدستور بنتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ براہ راست اعضاء رئیسہ سے اس کا مخصوص تعلق ہے۔

پھر کون ہے جو استقرار حمل کے بعد درجہ بدرجہ ماں کے پیٹ میں نشوونما دے کر ایک جیتا جاگتا بچہ بنا دیتا ہے۔ پھر ماں کے رحم ہی میں اس کے جسم کی ساخت، جسمانی، ذہنی صلاحیتیں عطا کرتا ہے۔ پھر کون ہے جو پیدائش سے لے کر موت تک مسلسل اس کی نگرانی کرتا ہے۔ طرح طرح کی آفات اور مصائب و حادثات سے بچاتا ہے اور قدم قدم پر زندگی کے سروسامان عطا کرتا ہے۔ یہی اس بات کا کھل ثبوت ہے کہ وہ اسے موت کے بعد پلٹ کر وجود میں لاسکتا ہے۔ حالانکہ انسانی نقطہ نظر سے پہلی دفعہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں دوبارہ بنانا مشکل نہیں ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی پیدائش تدریجی تھی اور دوسری پیدائش فوری ہوگی۔ پس دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت کے انکار کے لیے آدمی کو سرے سے اس کا انکار کرنا ہوگا کہ خدا اسے وجود میں لایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اور اس کے جسم کی بناوٹ اور اس کے اندر کام کرنے والی قوتوں اور صلاحیتوں کا پیدا ہونا اور اس کا ایک زندہ ہستی کی حقیقت سے باقی رہنا عقل کے لیے بدرجہا زیادہ قابل قبول ہے اور معقول، یہ نسبت اس کے انسان یا ساری کائنات ایک حادثہ اور اتفاقی حادثہ قرار دیا جائے۔

قیامت کے روز سب کی قلعی کھل جائے گی:..... یوم تبلی السرائر۔ یعنی اس روز سب کی قلعی کھل جائے گی اور کل باتیں جو دلوں میں پوشیدہ رکھی ہوں گی یا چھپ کر کی ہوں گی۔ سب ظاہر ہو جائیں گی اور سب اترے پترے کھل جائیں گے۔ غرض وہ اعمال جو دنیا میں ایک راز بن کر رہ گئے اور وہ معاملات بھی جو ظاہری روکار کے ساتھ تو دنیا کے سامنے آئے۔ مگر ان کے پیچھے جو اغراض و خواہشات اور ارادے کام کر رہے تھے اور وہ باغی محرکات جو لوگوں کی نگاہوں سے اوچھل رہے گئے وہاں سب کھل کر سامنے آ جائیں گے اور جانچ پڑتال صرف، اعمال کی ظاہری سطح کی نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ مقاصد اور نیتیں بھی برملا کر دی جائیں گی۔ بلکہ جو نتائج و ثمرات دنیا میں اس فعل کے درپے اور وہ کہاں کہاں پہنچے اور کتنی مدت تک رہے۔ جو بیج دنیا میں بویا گیا تھا اس کی فصل کس کس شکل میں کب تک نکلتی رہی اور کون کون اسے کاٹتا رہا، یہ سب راز و اسرار اگل دیئے جائیں گے۔ کسی جرم کو چھپایا نہ جاسکے گا۔

فما للہ من قوۃ۔ اس وقت نہ محرم اپنی طاقت و قوت سے مدافعت کر سکے گا اور نہ کسی حمایتی کا زور چل سکے گا کہ سزا سے بچ جائے۔ والسماء ذات الرجوع۔ ذات الرجوع کے معنی پلٹنے اور لوٹنے کے ہیں مراد بارش ہے۔ کیونکہ وہ ایک دفعہ اور ایک لخت ہی برس کر نہیں رہ جاتی بلکہ موسم میں یا بے موسم تھم تھم کر برسی ہے۔ نیز سمندروں کا پانی بھاپ اور مومن مومن بن کر اٹھتا رہتا ہے اور لوٹ پھر کر وہی برستا رہتا ہے۔

قرآن سچائی اور حقیقت ہے:..... انہ لقول فصل۔ قرآن جو قیامت کے حالات اور احکام بیان کرتا ہے وہ کوئی ہنسی مذاق کی بات نہیں۔ بلکہ سچائی، جھوٹ اور حق و باطل میں دو ٹوک فیصلہ ہے جس طرح آسمان سے بارش برستا اور زمین سے پیداوار اگنا

ایک سچی اور سنجیدہ حقیقت ہے۔ اسی طرح قرآن کا یہ بیان ایک اہل حقیقت ہے جسے پورا ہو کر رہنا ہے۔ پھر جس طرح بارش کے نتیجہ میں پیداوار اُگی ہے۔ اسی طرح قیامت سے پہلے ایک غیبی بارش آئے گی جس کے اثر سے مردے زمین سے نکل پڑیں گے اور قسم اور جواب قسم کی مناسبت اس طرح ہے کہ بارش سے مادی سرسبزی آتی ہے اور قرآن کے فیضان سے کشت زار ایمان لہبا اُٹھتی ہے۔ انھم یکیدون مخالفین طرح طرح کے داؤچ کرتے رہتے ہیں اور قسم قسم کے شکوک و شبہات نکال کر حق کو بڑھنے اور پھلنے پھولنے سے روکتے ہیں۔ قرآنی دعوت کو پامال کرنے کے لیے طرح طرح کی چالیں چل رہے ہیں، ایک سے ایک جھوٹا الزام تراش کر قرآن اور پیغمبر اسلام کو بدنام کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھونکوں سے یہ چراغ گل ہو جائے اور اللہ کی مخفی تدبیر یہ ہے کہ ان کی چالوں کے تار پود بکھر جائیں اور آخر کار یہ منہ کی کھا کر رہیں اور اپنے بنے ہوئے جال میں خود پھنسن کر رہ جائیں اور وہ نور پھیل کر رہے جسے یہ بجھانے کے لیے پورا زور لگا رہے ہیں۔ اب تم خود ہی سوچ لو کہ کس کی چال کامیاب رہے گی؟ لامحالہ یہی ناکام و نامراد رہیں گے۔

فمهل الكافرين. یعنی ذرا انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو، یہ جو کچھ کرنا چاہیں انہیں کرنے دو آپ جلدی نہ کریں زیادہ دیر نہیں گے گی کہ جلد ہی انجام ان کے سامنے آجائے گا اور انہیں پتہ لگ جائے گا کہ میری لطیف تدبیر کے آگے ان کی چالیں کہاں تک کاررہوئیں۔ خلاصہ کلام:..... اس سورت میں دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ مرنے کے بعد انسان کو خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن ایک فیصلہ کن بات ہے جسے کفار کی باتیں زک نہیں دے سکتیں۔

آسمانی ستاروں کو دیکھ کر یقین کرو کہ آسمان کے بے شمار ستاروں کے نظام کی نگرانی جس ذات کے ہاتھ میں ہے وہی انسان اور کائنات کی ہر چیز کی نگرانی کر رہی ہے۔ انسان خود اپنی بناوٹ اور اس کے آثار چڑھاؤ پر غور کرے کہ کس طرح ایک بوند سے اسے جیتا جاگتا بنا دیا ہے۔ پس کیا جو اس کے وجود و عدم کے اتنے مراحل طے کر سکتا ہے کیا وہ اس کو دوبارہ جلانے پر قادر نہیں ہے؟ اور یہ نشاۃ ثانیہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ جو بہت سے سربستہ راز جن پر دنیا میں پردہ پڑا رہا۔ وہ پردہ اُٹھ کر ان کی جانچ پڑتال کرنی ہے اور انسان کو ان کے نتائج سے دوچار ہونا ہے جسے کوئی طاقت نہیں بچا سکے گی۔

پھر ارشاد ہوا کہ جس طرح آسمان سے بارش برسناء زمین سے فصلوں اور درختوں کا اگنا ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے کوئی کھیل مذاق نہیں۔ اسی طرح قرآن جن حقائق پر روشنی ڈالتا ہے وہ بھی پختہ اور یقینی بات ہے۔ کفار اگر یہ سمجھ رہے ہیں۔ کہ وہ اپنی چالوں میں کامیاب ہو جائیں گے تو وہ جان لیں کہ اللہ بھی ان سے بے فکر نہیں ہے۔ اب دیکھیں کس کی چال کامیاب رہتی ہے؟ آخر میں یہ کہہ کر حضور کی تسلی فرمائی گئی ہے کہ آپ ذرا ٹھہریں۔ گھبرائیں نہیں۔ انہیں اپنی سی کرنے دیں۔ اس میں مخالفین کے لیے در پردہ دھمکی بھی ہے کہ ذرا دیر نہیں لگے کہ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ پالا ان کے ہاتھ پر ہے یا قرآن اور مسلمانوں کے۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ الطارق اعطاه اللہ تعالیٰ بعدد کل نجم فی السماء عشر حسنات۔ ترجمہ: جو شخص سورۃ طارق پڑھے گا اللہ اس کو آسمانی ستاروں سے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔ (موضوع)

لطائف سلوک:..... ان کل نفس لما علیہا حافظ فلینظر الانسان اس میں مبداء اور معاد کے مراقبہ کے مفید ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

# سُورَةُ الْأَعْلَى

سُورَةُ الْأَعْلَى مَكِّيَّةٌ تِسْعَ عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الَّذِي نَزَّهَ رَبُّكَ عَمَّا لَا يَلِيقُ بِهِ وَلَقَدْ أَتَى بِاسْمِ الْأَعْلَى صِفَةً لِرَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ  
 فَسَوَّى<sup>١</sup> مَخْلُوقَهُ جَعَلَهُ مُتَنَاهِبُ الْأَجْزَاءِ غَيْرَ مُتَفَاوِتٍ وَالَّذِي قَدَّرَ مَا شَاءَ فَهَدَى<sup>٢</sup> إِلَى مَا قَدَّرَ  
 مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى<sup>٣</sup> أَنْبَتَ الشُّعْبَ فَجَعَلَهُ بَعْدَ الْحَضَرَةِ غَتَاءً جَاوَاهِرِيماً  
 أَحْوَى<sup>٤</sup> إِسْوِدِيَا بِمَا سَنَقَرْتُكَ الْقُرْآنَ فَلَا تَنْسَى<sup>٥</sup> مَا تَقْرُؤُهُ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَنْسَاهُ يَسْبَحُ  
 تِلَاوَتَهُ وَحُكْمُهُ وَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْهَرُ بِالْقِرَاءَةِ مَعَ قِرَاءَةِ جِبْرِيلَ خَوْفَ الْيَسِيانِ فَكَانَهُ قِيلَ  
 لَهُ لَا تَعْجَلْ بِهَا إِنَّكَ لَا تَنْسَى فَلَا تَتَعَبُ نَفْسَكَ بِالْجَهْرِ بِهَا إِنَّهُ تَعَالَى يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَالْمَعْنَى وَمَا  
 يَخْفَى<sup>٦</sup> مِنْهُمَا وَنُيْسِرُكَ لِلْيُسْرَى<sup>٧</sup> لِلشَّرِيعَةِ السَّهْلَةِ وَهِيَ الْإِسْلَامُ فَذَكَرَ عِظَ الْقُرْآنِ أَنْ  
 نَفَعَتِ الذِّكْرَى<sup>٨</sup> مَنْ تَذَكَّرَهُ أَلَمْذَكُورٍ فِي سَيِّدٍ كَرُّ بِهَا مَنْ يَخْشَى<sup>٩</sup> يَخَافُ اللَّهَ تَعَالَى كَأَنَّهُ  
 فَذَكَرَ الْقُرْآنَ مِنْ يَخَافُ وَعَبِدَ وَيَتَجَنَّبُهَا أَيُّ الذِّكْرَى يَتَرُكُهَا جَانِبًا لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهَا الْأَشْقَى<sup>١٠</sup> بِمَعْنَى  
 الْأَشْقَى أَيُّ الْكَافِرِ الَّذِي يَصْلِي النَّارَ الْكُبْرَى<sup>١١</sup> هِيَ نَارُ الْأَجْرَةِ وَالصُّغْرَى نَارُ الدُّنْيَا ثُمَّ لَا يَمُوتُ  
 فِيهَا فَيَسْتَرْيَحُ وَلَا يَحْيَى<sup>١٢</sup> حَيَاةً هَنِيئَةً قَدْ أَفْلَحَ فَازَ مَنْ تَزَكَّى<sup>١٣</sup> تَطَهَّرَ بِالْإِيمَانِ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ  
 مُكْتَرًا فَصَلَّى<sup>١٤</sup> الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَذَلِكَ مِنْ أُمُورِ الْأَجْرَةِ وَكَفَّارِ مَكَّةَ مُعْرَضُونَ عَنْهَا بَلْ تَوَثُّوْنَ  
 بِالنَّحْتِاسَةِ وَالْفَوْقَانِيَةِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا<sup>١٥</sup> عَلَى الْأَجْرَةِ وَالْآخِرَةِ الْمُشْتَمِلَةَ عَلَى الْجَنَّةِ خَيْرٌ وَأَبْقَى<sup>١٦</sup>  
 إِنْ هَذَا أَيُّ فَلَاحٍ مَنْ تَزَكَّى وَكَوْنُ الْأَجْرَةِ حَيْرًا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى<sup>١٧</sup> الْمُنِيرَةِ قُلْ لِقُرْآنِ  
 صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى<sup>١٨</sup> وَهِيَ عَشْرُ صُحُفٍ لِإِبْرَاهِيمَ وَالتَّوْرَةَ لِمُوسَى

سورۃ اعلیٰ مکیہ ہے جس میں انیس آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: آپ اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کیجئے (یعنی نامناسب باتوں سے اللہ کو پاک سمجھئے۔ لفظ اسم زائد ہے) جو عاں شان ہے (یہ ربک کی صفت ہے) جس نے پیدا کیا۔ پھر تناسب کے ساتھ بنایا (اپنی مخلوق کے اجزاء متناسب رکھے انہیں بے جوڑ نہیں رکھا) اور جس نے (جو چاہا) تجویز کیا پھر راہ دکھائی (اچھی بُری اور تقدیر کی طرف) اور جس نے چارہ (گھاس مٹھوس) اگایا۔ پھر اس کو (ہریالی کے بعد) کوڑا کرکٹ (خشک) سیاہ (کالا سوکھا ہوا) کر ڈالا۔ ہم آپ کو (قرآن) پڑھا دیا کریں گے۔ پھر آپ (پڑھے ہوئے کو) نہیں بھولیں گے۔ سوائے اس کے جو اللہ چاہے (کہ آپ اس کو بھول جائیں۔ تدوین یا حکم منسوخ ہونے کی وجہ سے)۔ آنحضرت ﷺ حضرت جبرائیل سے زور زور سے پڑھا کرتے تھے بھول جانے کے ڈر سے گویا آپ کو یہ فرمایا گیا کہ جلدی نہ کیجئے۔ آپ بھولیں گے نہیں۔ اس لیے زور سے پڑھ کر تعب نہ اٹھائیے (وہ ظاہر (قول اور فعل) کو بھی جانتا ہے اور جو چھ (ان میں سے) پوشیدہ ہے اس کو بھی جانتا ہے اور ہم آسان طریقہ (سہل شریعت اسلام) کی سہولت آپ کو دیتے ہیں۔ لہذا آپ (قرآن کی) نصیحت پر عمل کیا کیجئے۔ اگر نصیحت کرنا مفید ہوتا ہو (اس شخص کے لیے جس کو آپ نصیحت کریں جس کا ذکر آگے ہے) وہی نصیحت مانتا ہے جو ڈرتا ہے (اللہ تعالیٰ سے یہ ایسا ہی ہے جیسے فذکر بالقرآن میں من یخاف و عید فرمایا گیا ہے) اور ان سے ریز کرتا ہے (نصیحت کو چھوڑ دیتا ہے اس سے بے توجہی برتتے ہوئے) بد نصیب (بد بخت کافر) جو بڑی آگ میں جانے کا (دوزخ کی آگ سے دنیا کی آگ چھوٹی ہوتی ہے) پھر نہ اس میں مرے گا (کہ آرام پالے) اور نہ جئے گا (مرے کی زندگی) فلاح پا گیا (بامراد ہوا) جس نے پاکیزگی اختیار کی (ایمان کے ذریعہ طہارت حاصل کر لی) اپنے رب کا نام لیتا رہا (تکبیر پڑھتا رہا) اور نماز پڑھتا رہا (ہنجوتہ) یہ باتیں آخرت کی ہیں اور کفار مکہ اس سے مکر تے ہیں (مگر تم دنیا کی زندگی گانی کو (یاء اور تاء کے ساتھ) ترجیح دیتے ہو (آخرت کے مقابلہ میں) حالانکہ آخرت میں (جس میں جنت ہے) بدرجہا بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ یہ مضمون (پاکیزگی اختیار کرنے سے فلاح پانا اور آخرت کا بہترین اور پائیدار ہونا) پہلے صحیفوں میں بھی لکھی گئی ہے (جو قرآن سے پہلے نازل ہو چکے ہیں) ابراہیم و موسیٰ کے دس صحیفے اور موسیٰ کی تورات

تحقیق و ترکیب: مکیہ، جمہور کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے۔ لیکن ضحاک مدنیہ کہتے ہیں۔

سبح اسم لفظ اسم مفسر نے صلہ قرار دیا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اسم کو زائد نہ مانا جائے اور علو سے مراد علو مرتبی ہے علو مکانی مراد نہیں ہے۔ چنانچہ جس طرح اللہ کی ذات کا احترام واجب ہے اس کے نام پاک کا احترام بھی ضروری ہے۔ اسے گندی جگہ ذالنا جائز نہیں ہے۔ ایک قراءت سبحان ربی الاعلیٰ ہے۔

اعلیٰ رب کی صفت تعلیلیہ ہے۔ حکم تعلیل کی وجہ اس کا عالی مرتبہ ہونا ہے۔ یہ اسم کی صفت نہیں ہے اجنبی کے فعل کی وجہ سے ورنہ ایسا ہو جائے گا۔ جیسا کہا جائے۔ جاء نی غلام ہند العاقل الحسنہ

الذی خلق یہ تسبیح کی دلیل ہے یعنی خالق کی تسبیح ہی ہونی چاہئے۔

والدی قدر ہر شخص کی تقدیر الگ الگ بنائی۔ کسائی قدر کو تخفیف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

غناء کوڑا کرکٹ۔ خشک گھاس وغیرہ۔ دنیا کی متاع کا بھی ہی حال ہے کہ بہار کے بعد اس پر خزاں آتی ہے۔

سفر نلک قرآن جس طرح فی نفسہ معجزہ ہے۔ اسی طرح اس کا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ آنحضرت نے امی ہونے کے باوجود

اس کو پڑھا۔ یاد رکھا۔ امت کے کسمن بچوں کا یاد کر لینا بھی حیرت ناک ہے اور بعض نے فلا تنسی کو بھی قرار دیا ہے۔ اس میں الف یات کے ف صلیہ کی رعایت سے ہے۔

الاما شاء اللہ۔ منسوخ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یا بطور قلت و ندرت کے بھولنا مراد ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز میں بھول گئے۔ ابی ابن کعب نے یہ سمجھا کہ یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ مگر دریافت کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ میں بھول گیا تھا۔  
انہ یعلم الجہر۔ احوال ظاہری باطنی مراد ہیں یا قراءت جہری و سری مراد ہے۔ یا یہ کہ کسی حصہ کا باقی رکھنا اور کسی حصہ کا منسوخ کرنا مصححت ہے۔ اللہ سب سے واقف ہے۔

ونیسر لٹ لیسری۔ اس کا عطف منقرنٹ پر ہے۔ یعنی وحی کا حفظ کرنا یا دین کا آسان ہو جانا اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے فیسر لٹ نہیں فرمایا گیا۔ ضحاک یسری کے معنی شریعت حنیفیہ اور سہلہ کے لیتے ہیں۔ اور ابن مسعود فرماتے ہیں۔ کہ جنت کی سہولت مراد ہے اور بعض عرفیہ یسری یعنی اعمال خیر مراد لیتے ہیں۔

ان سفعت الذکری۔ یعنی قبولیت کی صلاحیت نصیحت کے کارگر ہونے کے لیے ضروری ہے ورنہ نصیحت ”گوئے برگنبد“ کا مصداق رہتی ہے۔ تاہم مطلق نصیحت بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ ناصح کے لیے تو اجر و ثواب یقینی اور جس کو نصیحت کی جاتی ہے۔ نہ معلوم یوں ہی گھڑی اور کون سا کلمہ اس کو سنوار دے۔ اسی لیے قاموس میں ان نفع میں ان بمعنی قد ہے مفسر نے نفع کا مفعول ”من تدکرہ“ محذوف مانتا ہے جو صید کر سے مفہوم ہو رہا ہے۔

الاشقی۔ مطلقاً کافر مراد ہیں۔ یا خاص کافر ولید یا عتبہ مراد ہیں۔

لا یموت فیہا ولا یحییٰ۔ موت و حیات کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔ مفسر نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مطلق موت و حیات مراد نہیں ہے۔ بلکہ خاص وہ موت جس کی وجہ سے موجودہ حالت ہے آرام مل جائے۔ اسی طرح وہ زندگی جو نافع ہو مراد ہے اور ان دونوں کی نفی ہو سکتی ہے جسے ادھ مرا کہتے ہیں۔ جتنا لائے آلام شخص کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کے نفس کو نہ بالکلیہ موت آتی ہے کہ عقوبات حجاب سے چھٹکارا مل جائے اور نہ قلب میں حیات ایمانی ہے۔ کیونکہ آخرت دار العمل نہیں دار الجزاء ہے۔ اور قشانی کہتے ہیں کہ لا یموت لا متناع انعدامہ ولا یحییٰ بالحقیقۃ لہلاکہ الروحانی۔ ام مرازنی فرماتے ہیں کہ اس کی روح گلے میں پھنس کر رہ جائے گی نہ نکلتی ہے کہ موت واقع ہو جائے اور نہ واپس ہوتی ہے کہ بدن میں زندگی کی لہر دوڑ جائے۔

من تزکی کفر و معصیت سے تزکیہ مراد ہے یا قوی کی کثرت سے طہارت باطنی۔ یا نماز کے لیے طہارت ظاہری اور زکوٰۃ کی ادائیگی۔ قاضی اور زکشری اس آیت سے متعدد مسائل نکالتے ہیں۔ تزکی کے ایک معنی کفر و معصیت سے پاک صاف ہونے کے ہیں۔ ایک معنی نماز کے لیے پاکی اور طہارت کے ہیں اور ایک معنی زکوٰۃ کے ہیں۔ اور ایک معنی یہ ہیں کہ ذکر لسانی اور ذکر قلبی مراد ہے۔ اور صاحب بدایہ نے تکبیر افتتاح مراد لی ہے۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ فصلی کے عطف سے معلوم ہوا کہ تکبیر افتتاح نماز کا رکن نہیں۔ دوسرے یہی الفاظ سے بھی تحریم ہو سکتی ہے۔ اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس میں معاد اور اللہ کے آگے پیشی مراد ہے۔ اور بعض کے نزدیک صدقۃ الفطر اور تکبیرات عیدین مراد ہیں۔

واد کر اسم ربہ۔ تکبیر تحریمہ یا ذکر لسانی اور ذکر قلبی مراد ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ تزکی سے صدقۃ الفطر اور ذکر اسم سے عیدین اور فصلی سے نماز عیدین مراد ہے۔

بل تو ثرون۔ ابن عمرؓ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اس کا خطاب شقی لوگوں کو ہے یا سب کو کیونکہ دنیا کا انہماک کم و بیش سب میں ہوتا ہے۔

خیر و ابقی آخرت کی نعمتیں بالذات لذیذ، خالص اور دائمی ہوں گی۔  
ان ہذا مضمون سابق امور دیانت کا جامع اور کتب سابقہ کا نچوڑ ہے۔

رابط آیات: ... پچھلی سورتوں میں مجازت کا بیان تھا۔ اس سورت اعلیٰ میں فلاح اعلیٰ کا مقصود اصلی ہونا اور اس کی راہ بتلانا ہے۔ یعنی تسبیح، معرفت، ذات، صفات، تزکیہ، ذکر و نماز اور آخرت کی مقصودیت کے ذیل میں دنیا کا فانی اور ناپائیدار ہونا بتلایا گیا ہے اور فلاح کا راستہ قرآن کی تذکیر سے پچھلی سورت میں بھی قرآن کی حقانیت اسی لیے بیان کی تھی۔ اس سورت کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات: ... قالت عائشة کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرء فی الاولیٰ من الوتر بسبح اسم ربک الاعلیٰ و فی الثانیۃ بقل یا ایہا الکافرون و فی الثالثۃ بقل ہو اللہ احد و المعوذتین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت میں عموم و خیرات ہونے کی وجہ سے بکثرت اس کی تلاوت کرتے تھے۔ نیز اس کی کثرت تلاوت سے حافظہ زیادہ ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سبح اسم ربک الاعلیٰ نازل ہونے پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ اجعلوها فی سجود کم۔ ابن عباسؓ سبح کے معنی صل بسامو ربک الاعلیٰ فرماتے ہیں۔ فذکر ان نفعت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تبلیغ و دعوت اور تذکیر و نصیحت میں حد درجہ حریص تھے۔ مگر جس قدر آپ جدوجہد فرماتے اتنی ہی ضدی لوگ مخالفت کرتے جس سے آپ بے حد رنجیدہ ہوتے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ آپ اتنے پریشان نہ ہوں۔ صلاحیت مند لوگوں کو فہمائش کرتے رہئے۔

الار الکبریٰ قال علیہ السلام نار کم ہذہ جزء من سبعین جزء من نار جہنم او مافی الدرك الاسفل منها۔ فصلی۔ حضرت علیؓ عمرو بن عبد العزیز نے پنجوقتہ نمازیں مراد ہیں اور اس سے تحریمہ کے شرط ہونے پر استدلال کیا گیا ہے یعنی وہ رکن نہیں ہے۔ ابوسعید خدری مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ اعطی صدقۃ الفطر و خرج الی العید فصلی۔ اور ابن مردود یہ ناقل ہیں۔ کان صلی اللہ علیہ وسلم یقرء الایۃ ثم یقسم الفطرۃ قبل ان یغدوا الی الفطر۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں انہا نزلت فی زکوۃ الفطر نیز عن ابن مسعود امرو تصدق ثم صلی ثم قرء ہذہ الایۃ۔ ممکن ہے اس پر یہ شبہ ہو کہ سورت جب کہ یہ ہے پھر صدقۃ الفطر اور نماز عید کا کیا سوال؟ لیکن اول تو بقول ضحاکؒ سورت مدنی ہے۔ دوسرے جمہور کے قول پر پیشگی احکام بھی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ محی السنۃؒ فرماتے ہیں کہ حکم نافذ ہونے سے پہلے وحی آ سکتی ہے۔ چنانچہ سورۃ بلد کی آیت وانت حل بهذا البلد کی ہے۔ حالانکہ مکہ میں داخلہ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر ہوا ہے۔

﴿تشریح﴾: ... سبح اسم ربک الاعلیٰ اللہ کے لیے احادیث میں اسماء حسنیٰ ذکر کیے گئے ہیں۔ وہ ننانوے نام توصیفی ہیں۔ اس لیے اپنی طرف سے کوئی ایسا لفظ اللہ کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ جس سے کوئی نقص یا شرک یا گستاخی کا پہلو نکلتا ہو۔ یا کسی غلط عقیدے کی نسبت اس کی ذات، صفات افعال کی طرف کی جائے۔ اسی طرح ایسے الفاظ جو مخلوق کے لیے بھی استعمال ہوتے ہوں جیسے روف، رحیم، کریم، سمیع، بصیر وغیرہ۔ ان میں بھی احتیاط کا پہلو پیش نظر رہنا چاہیے کہ دونوں کے لیے طریقہ استعمال الگ الگ رہنا چاہیے۔ نیز اللہ کا نام ادب و احترام کے ساتھ لیا جائے جس میں موقعہ و محل بھی موزوں ہو اور جگہ بھی مناسب ہو نہی مذاق یا ناگواری کے ساتھ نام نہ لیا جائے اور نہ بیت الخلاء وغیرہ گندی جگہ میں اس پاک نام کی بے حرمتی کی جائے۔ لکھے ہوئے نام کا ادب و احترام بھی





بہار اور خزاں کی کرشمہ سازیاں:..... اخراج الموعی۔ انسانی غذاؤں کے لیے سبزی اور جانوروں کے لیے چارہ پیدا کیا۔  
فجعلہ غشاءً احوی۔ اللہ اپنی قدرت کے مختلف کرشمے دکھلاتا ہے۔ وہ اگر بہار لاسکتا ہے تو خزاں کی بے رونقی بھی لاسکتا ہے۔ وہ تازگی اور شادابی کے لیے اگر ہر طرف ہریالی اگا سکتا ہے تو دوسری طرف خزاں کے پھیروں سے اس ہریالی کو خشکی سے بھی تبدیل کر سکتا ہے۔ ہواؤں سے ہر طرف خاک اڑنے لگتی ہے۔

فلاتسی۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ قرآن کے الفاظ بار بار دہراتے تھے کہ کہیں بھول نہ جائیں۔ اس لیے حق تعالیٰ اہمین دایا کہ آپ یاد کرنے کی فکر میں نہ پڑیں۔ بلکہ خاموشی سے سنتے رہا کیجئے یہ ہمارا ذمہ ہے کہ ہم بھولنے نہیں دیں گے۔ اس سے پہلے سورۃ اور قیامت میں بھی یہی مضمون گزر چکا ہے۔ پس جس طرح ایک معجزہ ہے۔ اسی طرح اس کی یادداشت اور حفظ بھی ایک معجزہ ہے۔ جو کسی دوسری آسمانی اور غیر آسمانی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔

چنانچہ الاما شاء اللہ کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ قرآن کا لفظ بالفظ آپ کے حافظہ میں محفوظ ہو جانا آپ کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی توفیق کا نتیجہ ہے۔ اللہ اگر اسے چاہے تو بھلا سکتا ہے۔ ولشئ شئنا لدنہین بالذی او حینا الیث اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی وقتی طور پر آپ کو نسیان ہو جاتا اور آپ کا کسی وقت کسی آیت یا لفظ کو بھول جانا اس وعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ ہاں جن باتوں کا بالکل بھلا دینا ہی مقصود ہو گا وہ بھی الاما شاء اللہ میں داخل ہیں۔ گویا وہ ایک قسم کا نسخ ہو گا۔

قرآن کا اللہ حافظ ہے:..... انہ یعلم الہجہ وما یخفی۔ اللہ جو چونکہ سب کی مخفی استعداد اور ظہری اعمال کو جانتا ہے۔ اس لیے وہ اس کے مطابق تم سے معاملہ کرے گا۔ رہا یہ کہ ایک حکم نازل کر کے پھر اس کو منسوخ کرنے کے کیا معنی؟ سوائے حکمتوں کا احاطہ کون کر سکتا ہے اسی کو معلوم ہے کہ کون سی چیز کو ہمیشہ باقی رہنا چاہیئے، اور کون سا حکم ہنگامی اور وقتی ہے، یا یہ مطلب ہے کہ آپ کا زور زور اور بار بار پڑھنا جو ظاہر ہے اور بھول جانے کا کھٹکا جو مخفی ہے وہ سب ہمیں معلوم ہے۔ آپ مطمئن رہیئے بھولیں گے نہیں۔ ویسر لک لیسری۔ یعنی قرآن پاک کو یاد رکھنا اور اللہ کی معرفت و عبادت اور معاملات سب آسان و سہل کر دیئے جائیں گے اور مشکلات دور کر دی جائیں گی۔

فدکر۔ اللہ نے جب آپ پر اس قدر احسانات فرمائے ہیں پس ان کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس فیض کو عام کیجئے اور دوسروں کی اصلاح کی کوشش کیجئے۔

ان نفعت الذکری۔ ایک دعوت و تبلیغ ہوتی ہے یعنی احکام پہنچانا اور نافرمانی کی صورت میں عذاب سے ڈرانا وہ ہر ایک کو ضروری ہے۔ اس میں نفع کے گمان کی قید اور شرط نہیں ہے۔ البتہ وعظ و تذکیر یعنی نصیحت دہرانا یہ اس وقت لازم ہے جب کہ مخاطب کے قبول کر لینے کا گمان غالب ہو اور ممکن ہے یہ شرط محض تذکیر کی تاکید کے لیے ہو۔ یعنی اگر کسی کو تذکیر نفع دے تو تذکیر کرنی چاہیے اور یہ یقینی ہے کہ دنیا میں تذکیر کسی نہ کسی کو ضرور نفع دے گی۔ گو ہر ایک کو نفع نہ دے بہر حال حکم کو کسی ضروری چیز پر معلق کرنے سے حکم بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

دعوت و تبلیغ کا ایک نکتہ:..... یا پہلے جملہ ونیسر لک سے مربوط کیا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ ہم آپ کو تبلیغ دین کے معاملہ میں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ سو جس کی فطرت مسخ ہو چکی ہے آپ انہیں سمجھائیں۔ بلکہ آسان طریقہ متعین کیے دے رہے ہیں اور وہ یہ کہ جو سننے کے لیے تیار ہو اسے سنائیے اور جو ماننے کے لیے تیار ہو اسے منوائیے۔ اب یہ کون اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے

تیر ہے اور کون نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کا اندازہ عام تبلیغ ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس لیے عام تبلیغ تو جاری رکھی جائے مگر اس سے تمہارا مقصود ان لوگوں کی تلاش ہونی چاہیے جو فائدہ اٹھانے کا جوہر رکھتے ہوں۔ ایسے ہی لوگ فی الحقیقت لائق التفات ہونے چاہئیں۔ ایسے لوگوں کو چھوڑ کر ان لوگوں کے پیچھے پڑنا جن کے متعلق تجربہ سے واضح ہو جائے کہ وہ کوئی نصیحت قبول کرنا نہیں چاہتے لا حاصل ہے۔

سید کرمن بخشی: سمجھانے سے وہی سمجھتا ہے اور نصیحت سے وہی فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت خوف خدا اور اپنے انجیم کی فکر ہو کہ کہیں میں غلط راستہ پر تو نہیں جا رہا ہوں۔ وہی اللہ کے بندہ کی نصیحت کو توجہ سے سنے گا جو اسے ہدایت و گمراہی کا فرق اور فلاح و سعادت کا راستہ بتلا رہا ہو۔ یسجنہا الا شقی: بھلا جس بد بخت کے نصیب میں دوزخ کی آگ لکھی ہے اور اسے خوف خدا اور انجیم کا ڈر نہیں وہ کہاں سمجھتا اور نصیحت کی طرف دھیان دیتا ہے؟ اور وہ بے شک ٹھیک بات سمجھنے کی کب کوشش کرتا ہے۔

ثم لا يموت فیہا۔ نہ اسے موت ہی آئے گی کہ عذاب سے چھوٹ جائے اور نہ جینے کی طرح جینے گا کہ زندگی کا لطف حاصل ہو۔ بلکہ ادھر میں لٹکا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ حالت کافر و مشرک کی ہے۔ مومن قاسق تو مقرر سزاؤں کے بعد نجات پالیں گے۔

اصل کامیابی کس کی ہے؟ ..... قد افلح۔ ظاہری، باطنی، حسی، معنوی نجاستوں سے پاک ہو اور اپنے قلب و قالب کو عقائد صحیح، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ سے آراستہ کیے ہو تو وہ کامیاب ہے۔ حقیقی کامیابی آخرت کی سرخروئی ہے۔ دنیا کی خوشحالی میسر ہو یا نہ ہو۔

وادکر اسم۔ پاک صاف ہو کر تکبیر تحریرہ کہی پھر نماز پڑھی۔ حنفیہ نے اس سے دو مسئلے اخذ کیے ہیں۔ اول یہ کہ تحریرہ میں خاص لفظ اللہ اکبر کہنا فرض نہیں ہے۔ مطلق اللہ کی بڑائی کسی لفظ سے ظاہر کرنا کافی ہے۔ بشرطیکہ اس میں کسی اپنی غرض کا اظہار نہ ہو۔ البتہ احادیث صحیحہ کی وجہ سے اللہ اکبر کہنا سنت یا واجب کہلائے گا۔ دوسرے یہ کہ تکبیر تحریرہ نماز کے لیے شرط ہے رکن نہیں۔ کیونکہ فصلی کا پہلے جمد پر عطف ہو رہا ہے۔ جس سے مغائرت معلوم ہوتی ہے اور بعض حضرات نے اس جملہ سے صدقہ الفطر، نماز عید، تکبیرات عید مراد لی ہے۔ بہر حال آیت کا منشاء یہ ہے کہ وہ بند صرف اللہ کی یاد کر کے نہیں رہ گیا بلکہ نماز کی پابندی سے اس نے ثابت کر دیا کہ وہ عملاً اللہ کا فرمانبردار، اطاعت گزار ہے۔

بل تؤثرون۔ یعنی تمہیں جب آخرت کی فکر ہی نہیں بلکہ دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و آرام کو بھی غلط اعتقاد یا عمل آخرت پر ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ دنیا حقیر و فانی اور آخرت اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے۔ پھر تعجب ہے کہ اتنی بہترین چیز کو چھوڑ کر اذلیل ترین کو اختیار کر رہے ہو۔

ان هذا۔ یعنی قد افلح سے وابقی تک یہ مضمون کوئی نادریات یا منسوخ حکم نہیں۔ بلکہ پچھلی کتاب میں بھی یہ حکم دے رہی ہیں۔ بعض ضعیف روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم کو دس صحیفے اور حضرت موسیٰ کو تورات کے علاوہ دس مزید صحیفے عطا کیئے گئے ہیں۔

خلاصہ کلام: ... مضمون سورت پر غور کرنے سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بالکل ابتدائی زمانہ کی ہے۔ کیونکہ سنقرٹلٹ فرمانا ایسا ہی ہے جیسے آیت اقرا باسم ربک اور آیت لا تحرک میں فرمایا گیا ہے۔ جس سے آیت کی ابتدائی حالت معلوم ہو رہی ہے۔ چنانچہ پھر کبھی آپ کو وحی یا قرآن یاد رکھنے میں وقت پیش نہیں آئی اس سورت میں تین مضامین ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ پہلی آیت سبح الخ میں توحید کے مضمون کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ یعنی کوئی بات بھی خداوندی عظمت کے خلاف زبان پر نہیں آنی چاہیے۔ دنیا میر جس قدر بھی فاسد عقائد پیدا ہوئے ہیں ان سب کی جڑ بنیاد اللہ تعالیٰ کے متعلق کسی نہ کسی غلط تصور پر ہے جس نے غلط نام کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس لیے عقیدہ کا صحیح ہونا سب سے اہم ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ جل شانہ کو صرف اسماء حسنی ہی سے یاد کر

جائے۔ اس کے بعد تین آیات میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ ہی نے کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا۔ اس کے تناسب کو قائم رکھا۔ اس کی تقدیر بنائی۔ اسے اس غرض کو انجام دینے کی راہ بتلائی جس کے لیے وہ پیدا کی گئی ہے۔ اللہ ہی کامل قدرت سے زمین پر نباتات پیدا کرتا ہے۔ ہر طرف بریلی اور سبزی کا منظر ہوتا ہے۔ پھر انہیں خس و خاشاک میں بھی تبدیل کر دیتا ہے۔ بہار و خزاں دونوں اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اسکے بعد آیت منقرنٹ سے دوسرا مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ یعنی آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ اتنا پڑا قرآن لفظ بہ لفظ کس طرح آپ کو یاد رہے گا۔ کیونکہ یہ ہمارا کام ہے اس کو محفوظ کر دینا ہمارا ذمہ ہے۔ اسی طرح دوسروں کو نصیحت کرنے کے سلسلہ میں اس نکتہ کو پیش نظر رکھیے۔ نصیحت چونکہ فی نفسہ مفید چیز ہے۔ اس لیے آپ نصیحت کرتے رہتے۔ یہ نہ سمجھئے کہ وہ سب کو مفید ہوتی ہے اور سب ہی مان لیں گے۔ جسے اللہ کا ڈر اور انجام کی فکر ہوگی وہ نصیحت قبول کر لے گا۔ حاصل یہ ہے کہ تذکر کی شرط نہ پائے جانے سے کہیں اگر تذکر کا ترتب نہ ہو۔ تب بھی تذکر فی نفسہ نافع ہے اور واجب ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ بہر حال آپ کے ذمہ ہر ایک کو راہ راست پر لے آنا نہیں ہے۔ بلکہ آپ کا کام بس حق کی تبلیغ کر دینا ہے اور دعوت کا سیدھا سدا طریقہ یہ ہے کہ جو نصیحت سننے اور ماننے کے لیے آمادہ ہوا سے نصیحت کی جائے اور جو اس کے لیے تیار نہ ہو۔ اس کے پیچھے نہ پڑا جائے جس کے دل میں گمراہی کے برے انجام کا خوف ہو گا وہ حق سن کر قبول کر لے گا اور جو بد بخت اس سے گریزاں ہو گا وہ اپنا انجام بد ضرور دیکھ لے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ اپنی ہی تکمیل کیجئے اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کیجئے۔ ہم آپ کے معاون ہیں اور فی نفسہ وہ ضروری بھی ہے۔ سورت کے خاتمہ پر ارشاد ہے کہ فلاح و کامیابی ان لوگوں کے لیے ہے۔ جو عقائد و اخلاق اعمال کی پاکیزگی اختیار کریں اور اپنے پروردگار کی یاد کر کے نماز پڑھیں۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ انہیں سارا غم بس دنیا کا ہے۔ اسی کے راحت و آرام اور لذتوں اور آسائشوں کی فکر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ حالانکہ دنیا فانی اور اس کی ساری لذتیں ہیچ ہیں۔ اصل فکر آخرت کی ہونی چاہیے۔ کیونکہ وہ باقی ہے اور اس کی نعمتیں بدرجہا بہترین اور یہ حقیقت صرف قرآن ہی کی زبان سے بیان نہیں ہو رہی ہے بلکہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں بھی ان حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ گویا یہ ایک پرانی سچائی ہے جس پر تمام سچے کار بند رہے ہیں۔

**فضائل سورت:** ..... من قرأ سورة الاعلیٰ اعطاه الله عشر حسنات بعد دکل حرف انزلہ اللہ علی ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام۔

ترجمہ: جو شخص سورۃ اعلیٰ پڑھے گا۔ اس کو اللہ پاک حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئے ہر حرف کے بدلہ میں دس گنا ثواب عطا کرے گا۔ (موضوع)

**لطاائف سلوک:** ..... قد افلح من تزکی الخ۔ یہ آیت اعمال مقصودہ اہل طریق کی جامع ہے۔

## سُورَةُ الْغَاشِيَةِ

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ بِسِتُّ وَعَشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

هَلْ قَدْ أَتَيْتَ حَدِيثَ الْغَاشِيَةِ ۝١ الْقِيَامَةُ لِأَنَّهَا تَغْشَى الْخَلَائِقَ بِأَهْوَالِهَا وَجُودَ يَوْمِئِذٍ عَرَّهَا عَرَّ  
 الدُّوَاتِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ خَاشِعَةً ۝٢ ذَلِيلَةٌ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ ۝٣ ذَاتُ نَصَبٍ وَتَعَبٍ سَاسِلَةٌ لَا عِلَالَ  
 تَصْلَى بِصَمِّ النَّاءِ وَفَتْحُهَا نَارًا خَامِيَةً ۝٤ تَسْقَى مِنْ عَيْنِ آيَةٍ ۝٥ شَدِيدَةُ الْحَرَارَةِ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ  
 إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ۝٦ هُوَ نَوْعٌ مِنَ الشُّوكِ لَا تَرْعَاهُ دَابَّةٌ لِخَبِيثَةٍ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ۝٧ وَجُودَ  
 يَوْمِئِذٍ نَاعِمَةٌ ۝٨ حَسَنَةٌ لِسَعْيِهَا فِي الدُّنْيَا بِالطَّاعَةِ رَاضِيَةٌ ۝٩ فِي الْآخِرَةِ لِمَارَاتِ آيَةٍ فِي جَنَّةٍ  
 عَالِيَةٍ ۝١٠ حَسَنًا وَمَعْنَى لَا تَسْمَعُ بِالنَّاءِ وَالتَّاءِ فِيهَا لَا غِيَةَ ۝١١ آيَةُ نَفْسٍ ذَاتِ نَعْوَى هَدِيَاكُمُ الْكَلَامَ  
 فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۝١٢ بِالنَّاءِ بِمَعْنَى عِيُونٍ فِيهَا سُرُرٌ مَرْفُوعَةٌ ۝١٣ ذَاتَا وَقْدَرٍ وَمَحَلٍّ وَأَكْوَابٌ قَدَحٌ  
 لَا غَرَى لَهَا مَوْضُوعَةٌ ۝١٤ عَلَى حَافَاتِ الْعِيُونِ مُعَدَّةٌ لِشَرِبِهِمْ وَنَمَارِقُ وَسَائِدُ مَصْفُوفَةٌ ۝١٥ نَعُضُّهَا  
 حَسَبَ بَعْضٍ يَسْتَبِدُّ إِلَيْهَا وَزَرَابِيُّ بُسْطٌ طَنَافِسُ لَهَا حَمَلٌ مَبْثُوثَةٌ ۝١٦ مَبْسُوطَةٌ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى كُفَّارٍ  
 مَكَّهُ طَرِغَسَارٍ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝١٧ وَالْإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝١٨ وَالْإِلَى الْجِبَالِ  
 كَيْفَ نُصِبَتْ ۝١٩ وَالْإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝٢٠ آيَةُ بَسِطَتْ فَيَسْتَدِلُّونَ بِهَا عَلَى قُسْرَةِ آيَةٍ مَعْنَى  
 وَوَاحِدٍ بَيْنَهُ وَحُدُودٍ بِالْأَبْلِ لِأَنَّهُمْ أَشَدُّ مَلَابَسَةً لَهَا مِنْ غَيْرِهَا وَقَوْلُهُ سَطَحَتْ طَاهِرٌ فِي السَّطْحِ لَا يَرِيسُ  
 سَطَحَ وَسَمَهُ عُمَاءُ الشَّرْعِ لَا كُرْدَ كَمَا قَالَهُ أَهْلُ الْهَيْئَةِ وَإِنْ لَمْ يَنْقُصْ رُكْنًا مِنْ أَرْكَانِ الشَّرْعِ فَدَكَّرَهُمْ  
 بَعْدَ اللَّهِ وَدَلَّاهُ بِوَحِيدِهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُدَكَّرٌ ۝٢١ لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُضْطَرٍ ۝٢٢ وَفِي مَرَأَةِ الْإِسْخَارِ  
 الْتَسِيسُ آيَةُ مُسَلِّطٍ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ إِلَّا لَكِنْ مَنْ تَوَلَّى أَعْرَضَ عَنِ الْإِيمَانِ وَكَفَرَهُ ۝٢٣ بِالْقَرَارِ  
 فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ۝٢٤ عَذَابُ الْآخِرَةِ وَالْأَصْغَرُ عَذَابُ الدُّنْيَا بِالْقَسْرِ وَالْإِسْرَارِ

الْیَآیَاتِہُمْ ۚ رُجُوعُہُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَہُمْ ۚ ۲۶ جزاء ہُمْ لَا تُرْکُہُ اَبَدًا

سورۃ غاشیہ مکہ ہے اس میں ۲۶ آیتیں ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: آپ کو اس چھا جانے والی آفت کی خبر پہنچی ہے (مراد قیامت ہے کیونکہ وہ اپنی ہولناکیوں سے سارے جہن کو گھیرے گی) بہت چہرے اس روز (دونوں جگہ چہروں سے مراد ذوات ہیں) ذلیل ہوں گے تخت مصیبت جھپٹتے خستہ ہوں گے (طوق و سلاسل میں مصیبت و تعب اٹھائے ہوں گے) شدید آگ میں جھلس رہے ہوں گے (تصلیٰ ضمہ قاء اور فتحہ قاء کے ساتھ) کھولتے ہوئے (انتہائی گرم) چشمہ کا پانی انہیں پینے کو دیا جائے گا۔ خاردار سوکھی گھاس (جس کو انتہائی خراب ہونے کی وجہ سے جانور بھی نہیں چھوتے) کے سوا کوئی کھانا انہیں نصیب نہ ہوگا۔ جو نہ موٹا کرے اور نہ بھوک مٹائے۔ بہت سے چہرے بارونق (کھلے ہوئے) ہوں گے (دنیا میں فرمانبرداری کی) اپنی کارگزاری پر (آخرت میں ثواب دیکھ کر) خوش ہوں گے بہشت برس میں ہوں گے (جو حسی اور معنوی طور پر بلند ہوگی) نہیں سنیں گے (یا اور قاتل کے ساتھ ہے) وہاں کوئی بیہودہ بات (انگو چیز یعنی فضول گفتگو) اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے (جن میں پانی رواں ہوگا۔ عین بمعنی عبون ہے) اس میں اونچی مسندیں ہوں گی (جو اپنی ذات اور مرتبہ اور محل کے لحاظ سے بلند ہوں گی) ساغر (ایسے جام جن میں ٹونٹی نہ ہو) رکھے ہوئے ہوں گے (چشموں کے کنارے کنارے پینے کے لیے مہیا) گاؤں کیوں کی قطاریں لگی ہوئی ہوں گی (گدی لگانے کے لیے برابر برابر رکھے ہوئے) اور نقشین قین (روئیں دور رفتی ندے) سب طرف بکچے ہوئے ہوں گے۔ تو ایسا یہ لوگ (کفار مکہ بنظر عبرت) اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟ (پھیلائی گئی) غرض کہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت اور وحدانیت سمجھ لینی چاہئے تھی۔ پہلے اونٹ کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ وہ ان سب چیزوں سے زیادہ اس سے وابستہ رہتے ہیں۔ اور مسطحت سے بظاہر زمین کا مسطح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ علماء کی رائے بھی ہے۔ بقول اہل بیت زمین کروئی نہیں ہے۔ اگرچہ اس نظریہ سے بھی شرعی احکام میں کوئی فرق نہیں پڑتا اچھا تو آپ (ان کو) نصیحت کئے جائیں (اللہ کی نعمتیں اور دلائل تو حید ذکر کر کے) آپ تو اس میں ہی نصیحت کرنے والے چھ ان پر مسطحت نہیں ہیں (ایک قراءت میں بجائے سین کے صداد کے ساتھ ہے۔ بمعنی تبدیل یہ فرمان جہاد کے علم سے پہلے کا ہے) ہاں (مگر) جو شخص منہ موڑے گا (ایمان سے روگردانی گا) اور (قرآن سے) کفر کرے گا تو اللہ اس کو بھاری سزا دے گا (آخرت کی اور قتل و قید کی دنیاوی سزا بلکی ہے) ان لوگوں کا آنا (مرنے کے بعد پلٹنا) ہمارے ہی پاس ہوگا۔ پھر ان کا حساب لینا ہمارا ہی کام ہے (یعنی اس کا بدلہ جس کو نظر انداز بالکل نہیں کیا جائے گا)

تحقیق و ترکیب: ..... مکہ۔ یہ متفق علیہ کی ہے۔

الغاشیہ غشیان کے معنی چھپانے کے ہیں۔ قیامت کا دن یا دوزخ کی آگ مراد ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ یوم

یغشاہم العذاب اور تغشی وجوہہم النار۔

وجوہ یہ جملہ متانفہ ہے۔ سوال مقدر کا جواب ہے۔ ای ما حدیث الغاشیہ لفظ وجہ یہاں اور آئندہ آیات میں بطور مجاز مرسل کے مستعمل ہے۔ تسمیۃ الكل باسم اشرف الحزء۔ چہرہ اشرف اجزاء ہونے کے علاوہ بدن کی تکلیف و راحت کا اثر سب سے پہلے اس پر نمایاں ہو جاتا ہے۔

عاملة ناصبة۔ دوزخ کی مصیبتوں سے تھکا ماندہ ہونا مراد ہے اور دنیا کے لاحاصل محنت و مشقت سے خستہ ہو جانا مراد ہے۔

تصلیٰ۔ ابو عمرو، یقوب، ابو بکر نے ضمہ تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصلاح اللہ سے ماخوذ ہے۔ داخل کرنے کے معنی ہیں۔ اور

جنس نے تصلیٰ تشدید کے ساتھ مبالغہ کا صیغہ پڑھا ہے۔

انیۃ انتہائی گرم کے معنی ہیں۔ من ضریع۔ قریش اس کو شبرق کہتے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں۔ ہونبت ذوشوک تسمیہ القریش الشبرق فاذا اھاح سمرہ الضریع وهو اخبث الطعام وابشعہ۔ جب تک یہ گھاس ہری ہوتی ہے تو اونٹ کھا لیتے ہیں لیکن سوکھنے کے بعد بالکل بیکار ہو جاتی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ میں یہ آگ کا درخت ہوگا جو ان کو کھلایا جائے گا اور زقوم و غسلین دوسرے دوزخیوں کی خوراک ہوگی۔

لا یسمن۔ کھانا کھانے کی یہی دو غرضیں ہوا کرتی ہیں۔ لیکن دوزخ کا یہ کھانا قلعنا کا رہ ہوگا۔

وحوہ یومئذ۔ دوزخیوں کے بعد جنتیوں کا ذکر ہے۔ اور وجوہ نکرہ ہونے کے باوجود مبتداء ہے۔ کیونکہ موضع تنوین میں ہے۔ لا تسمع تا کے ساتھ نافع پڑھتے ہیں۔ اور ابن کثیر، ابو عمرو، رولیس یا کے ساتھ مجہول پڑھتے ہیں۔ اور لا غیتہ فاعل ہوگا۔ اور پہلی صورت میں ضمیر مخی طب فاعل لا غیۃ مفعول ہوگا اور لا غیۃ بمعنی لغو ہے۔ یا کلمہ ذات لغو ہے یا بمعنی نفسا تلغوہ ہے۔ بہر حال جنت لغوگوئی کی جگہ نہیں ہوگی۔

عین جاریہ۔ گڑھے کی صورت نہیں۔ بلکہ ابدی چشمہ رواں دواں ہوگا۔

سرور مرفوعۃ۔ ابن عباس فرماتے ہیں۔ الواحہا من ذهب مکملۃ بالزبرجد والدر رو الیاقوت مرتفعۃ فی السماء مالہ یجئ اھلہا فاذا اراد ان یجلس علیہا صاحبہا تراضعت حتی یجلس علیہا ثم ترفع الی موضعہا۔ اکواب۔ بغیر ٹوٹی کا برتن تاکہ جس جانب سے چاہیں پی لیں۔

نمارق۔ نمرق کی جمع ہے بمعنی تکیہ۔

ذرا سی زر بیہ کی جمع ہے۔ نفیس فرش جس کے پھندے اور جھار لٹکے ہوئے ہوں۔ جیسا کہ ابن عباس کی رائے ہے۔ زختری عمدہ بستر کے معنی دیتے ہیں۔ امام راغب کہتے ہیں کہ مطلق کپڑے کے معنی تھے۔ پھر فرش کے لیے یہ لفظ مستعار ہو گیا۔

افلا یظرون۔ ہمزہ کا مدخول محذوف ہے۔ فاعلاطفہ ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ اعموا فلا یظرون استفہام انکاری تو بیخ کے لیے ہے۔ اونٹ کی تحقیق عرب کے عجیب الخلق جانور ہونے کی وجہ سے ذیل ڈول ایسا ہے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ یہ کسی کے قبضہ میں نہیں آئے گا۔ مگر ایک چوہے کا بچہ بھی اگر ٹکیل پکڑے تو اس کے پیچھے پیچھے ہو لے۔ بوجھ اٹھانے میں اور سفر طے کرنے میں انتھک۔ مگر پانی اور خوراک کے معاملہ میں انتہائی صابر شاکر اور قناعت پسند کہ دو دو ہفتہ بھوک پیاس برداشت کر دیتا ہے۔ اور معمولی خوراک سے بھی خوش ہو جاتا ہے۔ لمبی گردن سے وقار ٹپکتا ہے مگر نہایت مسکین۔ پاؤں سے کسی کو روندتا نہیں۔ مگر غصہ آجائے تو کانٹ پھنٹ کر رکھ دیتا ہے۔ شترکین مشہور ہے۔ اپنی ہیئت کدائی سے نہایت بے ذوق معلوم ہوتا ہے۔ مگر سریلی آواز اور خوش اخالی۔ ہدی خوانی سے خوش مذاق انسانوں کی طرح متاثر ہوتا ہے۔ غرضیکہ ان ساری خوبیوں کا کوئی جانور نہیں۔ اس لیے عرب اس کو بڑی نعمت سمجھتے ہیں اس کو سفینۃ البر کہا جاتا ہے اور سخت دل بھی ہے اور قتل کی دیت میں اس کا اعتبار کرتے ہیں۔

اسل اسم جمع ہے اس کا کوئی لفظی مفرد نہیں ہے۔ غیر ناقہ، جمل مفرد معنوں میں۔ اور بعض کے نزدیک بطور استعارہ اہل سے مراد بادل ہے۔

کیف خلقت۔ کیف منصوب ہے۔ خلقت کا حال ہونے کی وجہ سے اور یہ جملہ الابل بدل الاشتمال ہونے کی وجہ سے محل جزیں ہے۔ اور یظرون متعدی الی کے ذریعہ اور کیف خلقت کی طرف بطور تعلق کے متعدی ہے۔ اہل عرب الی کو کیف پر داخل کر کے کہتے ہیں۔ اظنر الی کیف یضع اور کیف حال سے سوال کے لیے آتا ہے۔ اس میں خلقت عامل ہوگا اور تعلق کے بعد استفہام اپنے حقیقی معنی پر نہیں رہتا۔

سطحت ان چاروں افعال کی ایک قراءت مرفوع بھی ہے۔ ضمیر منصوب مرفوع ہوگی۔ ای افلا یظرون الی انواع المخلوقات من البسائط والمرکبات لیتحققوا کمال قدرۃ الخالق فلا ینکروا اقتدارہ علی البعث۔ عرب چونکہ

اکثر خانہ بدوش رہتے تھے اور سفر پسند تھے۔ اور انسان جب اس طرح آبادی سے باہر ہو کر فضا میں نظر عبرت ڈالتا ہے تو سب سے پہلے اس کی نظر اپنی سواری پر جاتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ اوپر دیکھتا ہے تو آسمان پر نگاہ جاتی ہے۔ پھر جب دائیں بائیں نظر ڈالتا ہے تو پہاڑ نظر پڑتے ہیں اور جب نگاہ نیچی کرتا ہے تو زمین دکھائی پڑتی ہے اس سے تنہائی میں نظر و فکر کرنے کا امتحان معلوم ہوا۔

امام رازیؒ یہ فرماتے ہیں کہ زمین کا کروی ہونا دلیل سے ثابت ہے اگرچہ بظاہر آیت سے اس کا مستطح ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن زمین چونکہ عظیم کرہ ہے۔ اس لیے کروی ہونا اور زمین کا مستطح ہونا دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس پر اجماع ہے کہ زمین کروی ہے۔ مفسر عدم نے کروی ہونے کے نظریہ کی تردید نہیں کی بلکہ گنجائش دی ہے تاہم علمائے میت یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ سیلابوں، طوفانوں، ہواؤں کی وجہ سے زمین حقیقی کرہ نہیں رہی بلکہ قدرتی طور پر سطحیت آ کر رہائش کی صورت پیدا ہو گئی۔

اسما است مذکور۔ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے۔

لست علیہم بمصیطر۔ بشام وغیرہ اس کو اصل یعنی مسین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور حمزہ اشام کرتے ہیں۔ باقی قراء صداد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ مفسر اس کو حکم جہاد کی وجہ سے منسوب فرما رہے ہیں۔ لیکن دوسرے بعض مفسرین نہیں مانتے۔ کیوں کہ جہاد اس کے منافی نہیں ہے۔ دعوت دین کو قبول کرنا اختیاری ہوتا ہے جبری نہیں۔

الامن تولی مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ الاستثناء منقطع کے لیے ہے۔ لیکن متصل بھی ہو سکتا ہے۔ ای فذکر ہم الامن قطع طمعک من ایمانہ۔ اور بعض تقدیر عبارت اس طرح نکالتے ہیں کہ لست بمسلط علیہم الامن تولی گویا کفار سے جہاد کرنا ان پر تسلط ہے۔ اور بعض فذکر سے استثناء مانتے ہوئے تقدیر عبارت اس طرح کرتے ہیں۔ فذکر الامن تولی وفا جو فاستحق العذاب الا کبر۔ گویا درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ لیکن الاتنبیہی کی قراءت پہلے احتمال کی تائید کرتی ہے۔

ایابہم۔ ایک قراءت تشدید یا کی ہے فیعال فیعل کا مصدر ہے۔ ایاب سے ماخوذ ہے یا اوب سے فعال کا وزن ہے دیوان کی طرح پہلے واویا سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پھر سید، مری، مضمی کی طرح اوغام کر دیا گیا ہے اور خبر کی تقدیم تخصیص اور مبالغہ فی الوعید کے لیے ہے۔

رابط آیات: ..... پچھلی سورت میں آخرت کی تسلی کا بیان ہے۔ اس سورت غاشیہ میں آخرت کی تیاری کرنے، نہ کرنے والوں کی جزاء سزا کا بیان ہے اور قیامت کی تقریر کے لیے قدرت کا اثبات اور آخر میں منکرین کی طرف سے رنجش پر آنحضرتؐ کی تسلی فرمائی جا رہی ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ جب کہ آپ تبلیغ عام شروع کر چکے تھے اور بالعموم وہ لوگ اسے سکر نظر انداز کر دیتے تھے۔ اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

﴿تشریح﴾: ..... حدیث الغاشیہ۔ یعنی قیامت کی بات سننے کے لائق ہے اور قیامت نام ہے کل نظام عالم کے درہم برہم ہو جانے کا۔ اس لیے غاشیہ فرمایا کہ تمام مخلوق پر چھا جائے گی اور اس کا اثر عالمگیر ہوگا۔

دوزخیوں کا حال: ..... وجوہ یومئذ خاشعة۔ انسان کا چہرہ چونکہ تمام اعضاء میں نمایاں ہوتا ہے اور اس پر کیفیات نمایاں ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اشخاص و افراد کی بجائے پیرایہ تعبیر میں چہرہ مہرہ کو لے لیا جاتا ہے اور خاشعة آخرت کی خشگی اور درمندی مراد ہے اور یہ دنیا کی مصائب سے تھک کر چور ہونا مراد ہے یقیناً بہت سے کافر خسرو اللہ و الآخرة ہوتے ہیں کہ نہ یہاں کا چین نہ وہاں کا آرام۔

من عین النیة۔ دوزخ کی ساری سے بے تاب ہو کر پیاس پیاس پکاریں گے تو کھولتا ہوا تیز گرم پانی دیا جائے گا جسے پیتے ہی منہ میں چھالے پڑ جائیں گے اور آنتیں کٹ کٹ کر نکل پڑیں گی پھر ٹھیک کر دی جائیں گی اور یہی ابد تک سلسلہ چلتا رہے گا جس ضریع ایک خردار درخت یا گھاس ہے جو ایلوے سے زیادہ تلخ اور مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے بڑھ کر گرم ہوگا جو بھوک سے بلند کرنے والے



دوزخیوں کو زہر مار کرنے کے لیے دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں کہیں زقوم فرمایا گیا اور کہیں غمسلین کہا گیا۔ لیکن ان سب بیانات میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے دوزخیوں کو مختلف درجات کے لحاظ سے یہ چیزیں دی جائیں گی اور ایک ہی شخص کو مختلف اوقات میں یا ایک وقت یہ سب چیزیں دی جائیں گی۔ یا ایک ہی چیز پر مختلف کیفیات کی وجہ سے یہ مختلف نام دیئے گئے ہوں۔ کھانا کھانے کا اصل مقصد بھوک کی تکلیف کا دفعیہ اور بدن کی تقویت و ترقی ہی ہوتا ہے۔ سو ان دونوں کی صراحت نفی فرمادی۔ رہ گئی لذت سو وہ اس کے نام ہی سے کافی ہے۔

جنتیوں کا حال: ..... وجوہ يومئذ ناعمة۔ دوزخیوں کے بعد یہاں سے جنتیوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ کہ ایمان و عمل کے سلسلہ میں جو محنتیں اور مشقتیں دنیا میں اٹھا کر آئے ہیں۔ ان کے شاندار نتائج دیکھ کر یہ لوگ نہایت مسرور ہوں گے کہ انہوں نے اپنی انتھک کوششوں اور خواہشات نفس کی قربانیوں کا بھرپور صلہ اور احکام الہی کی اطاعت اور معاصی سے بچنے کا انعام پالیا اور سمجھیں گے کہ ہماری کوششیں ٹھکانے لگیں اور محنتوں کا پھل بہت خوب ملا۔

لا تسمع فیہا لا غیۃ۔ گالی، گفتار، بدکلامی تو دور کنار کوئی لغوبات بھی وہاں نہیں سنی جائے گی۔ ہر شخص چین کی بانسری بجا رہا ہوگا اور اپنی کھال میں مست اور مگن ملے گا۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را باکسے کارے نباشد  
فی الحقیقت اگر دیکھا جائے تو یہ ایک عظیم نعمت ہے۔ دوزخیوں کا حال اس کے برعکس ہوگا۔ وہ دنیا کی طرح ہر وقت بک بک جھک جھک کریں گے جو مصیبتوں کو دو بالا کر دیتا ہے۔

عین جاریۃ۔ کوئی خاص چشمہ ہوگا یا جنس مراد ہے کہ پانی کے چشمے بہتے ہوں گے۔  
اکواب موضوعۃ۔ یعنی جام لبالب تیار ملیں گے کہ جب اور جتنا چاہیں پی لیں۔  
ونمارق۔ مسندیں بہایت قرینہ اور سلیقہ سے بچھی ہوئی اور گاؤں کی تہ تیہ سے لگے ہوئے ہوں گے تاکہ جس وقت اور جہاں چاہیں آرام کر سکیں۔ دنیا میں خوشحال اہل ثروت کے یہاں بھی یہی طور طریقے ہوتے ہیں۔

قدرت کی کرشمہ سازیاں: ..... افلا یبظرون۔ آخرت کی باتیں سن کر کفار کہتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا جا رہا ہے کیا تم نے دنیا میں قدم قدم پر قدرت الہی کے تماشے نہیں دیکھے۔ کیا انہوں نے بھی نہیں سوچا کہ یہ اونٹ کیسے بن گئے؟ یہ آسمان کیسے بند ہو گئے؟ یہ پہاڑ کیسے کھڑے ہو گئے؟ جب یہ سب چیزیں آنکھوں کے سامنے ہیں۔ کوئی خواب و خیال نہیں پھر قیامت کے آنے میں کیوں تامل ہے؟ دوزخ اور جنت کی دنیا کیوں نہیں بن سکتی؟ اگر ان کے دماغ ہے اور اس میں بھیجے اور بھیجے میں عقل ہے تو انہیں سوچنا چاہیے کہ جو کچھ چیزیں موجود ہیں آخر کس طرح وجود میں آگئیں۔ بھلا ”اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی“ کا مصداق عرب میں جن خصوصیات کے جانور کی ضرورت تھی۔ وہی عجیب الخلق جانور بنا دیا۔ بے ستون آسمان تان دیے۔ چاند، سورج روشنی کے لیے اور ستارے خوشنمائی کے لیے فضا میں معلق کر دیئے۔ اور سانس لینے کے لیے فضا میں ہوا بھری پڑی ہیں۔ مخلوق کے رہنے کے لیے زمین بچھا دی۔ جس کی پیداوار اور پانی کے چشموں پر زندگی کا انحصار ہے۔ کیا یہ سب کچھ قادر حکیم کی کارگیری کے بغیر ہو گیا؟ عقل و انصاف سے کام لیا جائے۔ ضد اور ہٹ دھرمی نہ کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ جس طرح یہ سب ناممکن اس کی قدرت سے ممکن ہو گیا۔ اسی طرح جن چیزوں کے آئندہ ہونے کی خبر دی جا رہی ہے وہ بھی ضرور ہو کر رہے گی۔ مگر تعجب ہے کہ ان چیزوں کو دیکھ کر بھی اللہ کی قدرت اور حکیمانہ انتظامات کو نہیں سمجھتے۔ جس سے قیامت کے عجیب و غریب انتظامات کا سمجھ میں آ جانا اہل ہو جاتا۔

نصیحت کرنے میں تاثیر کا انتظار کرنا چاہیے:..... فذکر۔ یہ لوگ روشن دلائل کے ہوتے ہوئے جب غور نہیں کرتے تو آپ بھی ان کی فکر میں پریشان نہ ہوں۔ یہ نہیں مانتے نہ مانیں۔ آپ کے سپرد نہ ماننے والوں کو متوانا نہیں کیا گیا ہے۔ آپ کا کام تو صرف یہ ہے کہ لوگوں کو صحیح اور غلط راستے دکھلا دو اور ان کو ان کے انجام سے باخبر کر دو۔ آپ اسی کام کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ اگر یہ سمجھنا نہیں چاہتے تو ان پر داروغہ بنا کر آپ کو نہیں بھیجا گیا ہے کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں اور ان کے دلوں کو بدل ڈالیں۔ یہ کام مقرب القلوب کا ہے۔ آپ کا جو کام ہے جس کو اب تک کیے جا رہے ہو برابر اسی کو کرتے رہیے۔

الامن تولیٰ: کی اطاعت سے روگردانی کرنے والوں اور اس کی آیات کا انکار کرنے والوں کو اللہ کے حوالہ کیجئے۔ وہ اس کے سخت ترین عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ انہیں ایک نہ ایک دن ہمارے پاس آنا ہے اور ہمیں ان سے پائی پائی کا حساب چکانا ہے۔ غرض حال کا کام آپ کیے جائیے اور مستقبل ہمارے حوالہ کیجئے۔

خلاصہ کلام:..... شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ و دعوت کا زیادہ زور دو بنیادی باتوں پر رکھا ہے۔ ایک توحید۔ دوسرے آخرت۔ منکرین نے بھی زور شور سے ان دونوں حقیقتوں کا انکار جاری رکھا۔ اس سورت میں بھی روئے سخن انہیں لوگوں کی طرف ہے۔ چنانچہ آپ کے واسطے سب سے پہلے ان سے پوچھا گیا کہ تمہیں اس وقت کی بھی کچھ خبر ہے جب سارے جہان پر چھا جانے والی آفت نازل ہوگی؟ اس وقت تمام انسان دو گرد ہوں میں بٹ جائیں گے اور دونوں کا انجام الگ الگ سامنے آجائے گا دوزخ میں جانے والوں کا انجام انتہائی بھیانک ہوگا اور جنتی عالی شان محلات میں عیش و عشرت کے ساتھ رہیں گے۔

اس کے بعد عنان توجہ اپنی قدرت کی کرشمہ سازیوں کی طرف پھیر دی گئی ہے۔ فرمایا کہ کیا یہ لوگ جہاں پر نظر ڈال کر ان چیزوں کو نہیں دیکھتے، جن سے ان کو واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ صحرانوردوں کو زندگی بھی اونٹوں سے سابقہ رہتا ہے جو ان کے لیے سفائی امیر ہیں اور قدرت نے اس عجیب الخلقت جانور کو ایسی خصوصیات کا حامل بنایا ہے۔ جو صحرائی زندگی کے لیے درکار تھیں۔ اسی طرح سفر کرتے وقت آنکھوں کے سامنے ادھر آسمان ہوتا ہے۔ درمیان میں پہاڑ، نیچے زمین۔ ان تینوں چیزوں میں انہیں غور کرنا چاہیے کہ یہ آسمان کا ساہبان کیسے تن گیا ہے۔ یہ دیو قامت پہاڑ کیسے کھڑے ہوئے؟ زمین کیسے بچھ گئی؟ کیا ان سے اللہ کی قدرت و حکمت کا پتہ نشان نہیں ملتا۔ پس اس سے اس کی یکتائی اور قدرت ثابت ہوتی ہے پھر آخر کون سی معقول بنیاد پر قیامت اور جزا و سزا کا انکار کر رہے ہیں؟ کیا ہماری قدرت میں کچھ فرق آجائے گا؟ یا مقدر، مقدر ہونے سے خارج ہو جائے گا؟

شروع سورت کی طرح پھر آخر میں آپ کی طرف التفات فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر یہ نہیں مانتے تو نہ مانیں۔ آپ زبردستی کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے کہ منوا کہ چھوڑیں۔ آپ کا کام نصیحت کرنا ہے وہ کیئے جائیے آخر یہ ہمارے پاس تو آئیں گے ہی۔ ہم خود نمٹ لیں گے۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ الغاشیۃ حاسبہ اللہ حساباً یسیراً۔

ترجمہ: جو شخص سورہ غاشیہ پڑھے گا اللہ اس کا حساب آسان لے گا۔ (حدیث موضوع)

لطائف سلوک:..... وجوہ یومئذ خاشعۃ۔ روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل ضلالت اور اہل بدعت بھی اس میں داخل ہیں کہ ان کی عبادت و مساعی بھی رائیگاں چلی جائیں گی۔

## سُورَةُ الْفَجْرِ

سُورَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْفَجْرِ ۝۱ اَيُّ فَجْرٍ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ اَيُّ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ وَالشَّفَعِ الزَّوْجِ وَالْوَتْرِ ۝۳ مَتَحِ  
الْوَاوِ وَكَسَرَهَا لَعَنَاتِ الْفَرْدِ وَاللَّيْلِ اِذَا يَسِرُ ۝۴ اَيُّ مُقْبِلًا وَمُذْبِرًا هَلْ فِي ذَلِكَ انْفُسٌ قَسَمٌ لَدَى  
حَجْرٍ ۝۵ عَقْلٍ وَخَوَابٍ انْقَسَمَ مَحْذُوفٌ اَيُّ لَتُعَذِّبُنَّ يَا كُفَّارُ مَكَّةَ اَلَمْ تَرَ تَعْلَمُ يَا مُحَمَّدُ كَيْفَ فَعَلَ  
رَبُّكَ بَعَادٍ ۝۶ اِرْمِ هِيَ عَادُ الْاُولَى فَاِرمَ عَطْفُ بَيَانٍ اَوْ بَدَلٌ وَمُنْعُ الصَّرْفِ لِلْعُمِيَّةِ وَاشَابِيثُ ذَاتِ  
الْعِمَادِ ۝۷ اَيُّ الطُّوْلِ كَانَ طُوْلُ الطُّوَيْلِ مِنْهُمْ اَرْبَعٌ مِائَةً ذِرَاعٍ اَلَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝۸  
فِي بَطْنِهِمْ وَقُوَّتِهِمْ وَثَمُودَ الَّذِيْنَ جَابُوا قَطَعُوا الصَّخْرَ جَمْعُ صَخْرَةٍ وَاتَّخَذُوْهَا بَيُوتًا بِالْوَادِ ۝۹  
وَادِي الْقُرَى وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝۱۰ كَانَ يَتَذَّرُ اَرْبَعَةً اَوْتَادٍ يَشُدُّ اِلَيْهَا يَدَيَّ وَرِجْلَيَّ مَنْ يُعَذِّبُهُ الَّذِيْنَ  
طَغَوْا تَجَرَّوْا فِي الْبِلَادِ ۝۱۱ فَكَثَرُوا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝۱۲ الْقَتْلَ وَغَيْرَهُ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ  
مَوْعٍ عَذَابٍ ۝۱۳ اِنَّ رَبَّكَ لَبِا لِمِرْصَادٍ ۝۱۴ يَرْصُدُ اَعْمَالَ الْعِبَادِ فَلَا يُفَوِّتُهُ مِنْهَا شَيْءٌ لِّيُجَارِيَهُمْ عَنِهَا  
فَاَمَّا الْاِنْسَانُ لَكَافِرٌ اِذَا مَا ابْتَلَاهُ اخْبِرَهُ رَبُّهُ فَانْكُرْهُ بِالْمَالِ وَغَيْرِهِ وَنِعْمَةً يَقُولُ رَبِّيْ اَكْرَمُنِيْ ۝۱۵  
وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ يَقُولُ رَبِّيْ اِهَانِنِيْ ۝۱۶ كَلَّا رَدِّعْ اَيُّ لَيْسَ الْاَكْرَامُ بِالْعِى  
وَالْاِهَانَةُ بِالْفَقْرِ وَانَّمَا هُمَا بِالطَّاعَةِ وَالْمَعْصِيَةِ وَكُفَّارُ مَكَّةَ لَا يَتَّبِعُوْنَ لِذَلِكَ بَلْ لَا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝۱۷  
لَا تُخْسِنُوْنَ اِلَيْهِ مَعَ غَنَاهُمْ اَوْ لَا يُعْطُوْنَهُ حَقَّهُ مِنَ الْمِيرَاثِ وَلَا تَحْضُرُوْنَ اَنْفُسَهُمْ وَلَا عِيْرَهُمْ عَلَى اَعْيَامِ  
الْمُسْكِيْنَ ۝۱۸ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ الْمِيرَاثَ اَكْلًا لَّمَّا ۝۱۹ اَيُّ شَدِيْدًا اَللَّهُمَّ نَصِيْبَ الْبِسَاءِ وَالصَّيَالِ  
مِنَ الْمِيرَاثِ مَعَ نَصِيْبِهِمْ مِنْهُ اَوْ مَعَ مَالِهِمْ وَتَحْبُوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝۲۰ اَيُّ كَثِيْرًا فَلَا يُنْفِقُوْنَهُ وَفِي قِرَاءَةِ

بِأَفْوَاقَيْنِ فِي الْأَفْعَالِ الْأَرْبَعَةِ كَلَّا رَدُّ عَنْ لُتَمٍ عَنْ ذَلِكَ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۚ رُلِّرِلَتْ حَتَّى يَنْهَدِمَ كُلُّ بِنَاءٍ عَلَيْهَا وَيَنْعَدِمُ وَجَاءَ رَبُّكَ أَيْ أَمْرُهُ وَالْمَلَكُ أَيْ الْمَلَائِكَةُ صَفًّا صَفًّا ۚ حَالٌ أَيْ مُصْطَفَيْنِ أَوْ دَوَى صُفُوفٍ كَثِيرَةٍ وَجَاءَ يَوْمِنَا بِجَهَنَّمَ تُقَادُ بِسَبْعِينَ أَلْفَ زِمَامٍ كُلُّ زِمَامٍ بِأَيْدِي سَبْعِينَ أَلْفَ مَلَكٍ لَهَا زَفِيرٌ وَتَغِيظُ يَوْمِنَا بَدَلٌ مِنْ إِذْ أَوْجَوَّابُهَا يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ أَيْ الْكَافِرُ مَا فَرَطَ فِيهِ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى ۚ (۳۳) اسْتَفْهَامٌ بِمَعْنَى النَّفْيِ أَيْ لَا يَنْفَعُهُ تَذَكُّرُهُ ذَلِكَ يَقُولُ مَعَ تَذَكُّرِهِ يَا لَيْتَنِيهِ لَيْتَنِي قَدَّمْتُ الْحَيْرَ وَالْإِيمَانَ لِحَيَاتِي ۚ (۳۴) الطَّبِيبَةُ فِي الْآخِرَةِ أَوْ وَقْتُ حَيَاتِي فِي الدُّنْيَا فَيَوْمِنَا لَا يُعَذَّبُ بِكُسْرِ الدَّالِ عَذَابَهُ أَيْ اللَّهُ أَحَدٌ ۚ (۳۵) أَيْ لَا يَكِلُهُ إِلَى غَيْرِهِ وَكَذَا لَا يُوثِقُ بِكُسْرِ الشَّاءِ وَثَاقَهُ أَحَدٌ وَبِى قِرَاءَةٌ بِفَتْحِ الدَّالِ وَالشَّاءِ فَضْمِيرُ عَذَابِهِ وَوَثَاقُهُ لِلْكَافِرِ وَالْمَعْنَى لَا يُعَذَّبُ أَحَدٌ مِثْلَ تَعَذُّبِهِ وَلَا يُوثِقُ مِثْلَ إِثْقَاقِهِ يَأْتِيهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۚ (۳۶) الْأَمْنَةُ وَهِيَ الْمُؤْمِنَةُ أَرْجِعِي إِلَى رَبِّكَ يُقَالُ لَهَا ذَلِكْ عِنْدَ الْمَوْتِ أَيْ أَرْجِعِي إِلَى أَمْرِهِ وَإِرَادَتِهِ رَاضِيَةً بِالثَّوَابِ مُرْضِيَةً ۚ (۳۷) عِنْدَ اللَّهِ بِعَمَلِكَ أَيْ جَامِعَةً بَيْنَ الْوَصْفَيْنِ وَهُمَا حَالَانِ وَيُقَالُ لَهَا فِي الْقِيَامَةِ فَادْخُلِي فِي جُمْلَةِ عِبْدِي ۚ (۳۸) الصَّالِحِينَ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۚ (۳۹) مَعَهُمْ ۚ (۴۰) ع ۱۳

سورۃ فجر مکہ ہے یا مدینہ ہے جس میں ۳۰ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: ..... قسم ہے (ہر روز) فجر کی اور (ذی الحجہ کی) دس راتوں کی اور جفت (جوڑ) اور طاق (وتر) اور کسرہ کے ساتھ دونوں لغت ہیں بے جوڑ عدد کو کہتے ہیں) اور رات کی جب وہ رخصت ہو رہی ہو (یعنی آ جا رہی ہو) کیا اس (قسم) میں کسی صاحب عقل کے لیے کافی قسم ہے (حجر بمعنی عقل جواب قسم محذوف ہے یعنی اے مکہ کے کافر و! تمہیں ضرور سزا دی جائے گی) آپ نے (اے محمدؐ) دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے عاد، ارم کے ساتھ کیا برتاؤ کیا (ارم سے مراد عاد اولیٰ ہے۔ اس لیے یہ اس کا عطف بیان یا بدل ہے۔ علیست اور تانیث کی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے) جو اونچے ستون جیسے قد و قامت والے تھے (عماد سے مراد لمبائی ہے۔ چنانچہ ان میں قد آور آدمی چار سو ہاتھ کا ہوتا تھا) جن کے مثل دنیا میں کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی (لحاظ طاقت و قوت کے) اور قوم ثمود کے ساتھ جنہوں نے تراش دیں (کاٹ دیں) چٹانیں (صخرہ کی جمع ہے۔ چٹانیں کاٹ کر گھر بنائے) وادی (قرئی) میں اور میخوں والے فرعون کے ساتھ (جو سزا دینے کے وقت ہاتھ پاؤں باندھ کر چومینا کیا کرتا تھا) یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سرکشی (بربادی) مچا رکھی تھی ملکوں میں اور بہت فساد (قتل و غارت) برپا کر رکھا تھا۔ آخر کار آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا (ایک خاص قسم کے عذاب میں مبتلا کر دیا) یقیناً آپ کا رب گھات لگائے ہے (بندوں کے اعمال کی دیکھ بھال رکھتا ہے۔ کسی عمل سے نظر چوکتی نہیں۔ لہذا وہ ان اعمال کا بدلہ بھی ضرور دے گا) مگر انسان (کافر) کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش (امتحان) میں ڈالتا ہے اور اسے (مال وغیرہ سے) عزت اور نعمت دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنادیا۔ اور جب وہ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کی روزی اس پر تنگ (کم) کر دیتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے کہ میرے رب نے

مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز ایسا نہیں (یہ ڈانٹ ہے یعنی کسی کو مالدار کر دینا اکرام اور فقیر کر دینا ابانت نہیں ہے بلکہ اکرام و ابانت تو فرمانبرداری اور نافرمانی کی وجہ سے ہوگی۔ البتہ کفار مکہ اس نکتہ سے بے خبر ہیں) بلکہ یہ لوگ یتیم کی قدر نہیں کرتے (مالداری ہونے کے باوجود اس پر احسان نہیں کرتے یا اس کا حق میراث نہیں دیتے) اور مسکین کو کھانا کھلانے پر اسکا تے نہیں (نہ خود کو اور نہ دوسروں کو) اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو (اپنے حصہ میں سب عورتوں اور بچوں کے حقوق سمیٹ کر مار لیتے ہو، یا مالدار ہوتے ہوئے انتہائی لالچی ہو) اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہیں (اس میں سے خرچ کرنے کا نام ہی نہیں لیتے ایک قراءت میں چاروں افعال کا کے ساتھ ہیں) ہرگز ایسا نہیں (ان کو ڈانٹ ڈپٹ ہے) جب زمین پے پے کوٹ کوٹ کر ریگ زار بنا دی جائے گی (زلزلے آئیں گے جن سے ساری عمارتیں ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جائیں گی) اور آپ کا رب (اس کا حکم) جلوہ فرما ہوگا۔ اس حال میں کہ فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے (یہ حال ہے یعنی صف بستہ ہو کر لائن لگا کر) اور دوزخ اس روز سامنے لائی جائے گی (ستر ہزار لگاموں میں کھینچ کر، اس طرح کہ ہر لگام ستر ہزار فرشتوں کے ہاتھوں میں تھمی ہوگی۔ بھیکتی اور شوشاں کرتی ہوئی) اس روز (ادا کا بدلہ ہے۔ اس کا جواب آگے ہے) انسان کو سمجھ آئے گی (کافرا اپنی کوتاہی سمجھ لے گا) اور اس وقت سمجھنے کا کیا موقع (استفہام نفی کے معنی میں ہے۔ یعنی اس روز سمجھنا مفید نہیں ہوگا) وہ کہے گا (اس سمجھنے کو یاد کر کے) اے کاش (تنبیہ کے لیے ہے) میں نے پیشگی (بھلائی اور ایمان کا) کچھ کام کیا ہوتا اپنی اس زندگی کے لیے (آخرت کی بہترین زندگی کے لیے یا دنیاوی زندگی میں رہتے ہوئے) پھر اس دن نہ تو کوئی عذاب دے سکے گا (لا یعذب کسرہ ذال کے ساتھ ہے) اللہ کے عذاب جیسا عذاب (یعنی وہ اللہ کے سوا کسی کے حوالہ نہیں کیا جائے گا) اور نہ کوئی باندھنا کوئی باندھے گا (و ثقاہ کسرہ ثا کے ساتھ ہے) اللہ جیسا باندھنا (ایک قرأت میں فتح ذال فتح ثا کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں عذابہ اور وثاقہ کی ضمیر کافر کی طرف راجع ہوگی حاصل یہ ہے کہ اللہ کا عذاب کوئی نہیں کر سکے گا اور نہ اس کا سا باندھنا کوئی کر سکے گا) اے نفس مطمئن! (مامون یعنی مومن) چل اپنے رب کی طرف (مرنے کے وقت یہ کہا جائے گا یعنی اللہ کے حکم و ارادہ کی طرف جا) اس طرح کہ تو اس سے (ثواب پر) خوش اور وہ تجھ سے خوش (تیرا عمل اللہ کے یہاں مقبول ہونے کی وجہ سے۔ یعنی تجھ میں دونوں خونیاں ہو گئیں یہ دونوں حال ہیں اور قیامت کے روز اس نفس مطمئن سے کہہ دیا جائے گا) پھر تو میرے (نیک) بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں (ان کے ساتھ) داخل ہو جا۔

**تحقیق و ترکیب:** ... مکہ۔ جمہور کے نزدیک سورہ فجر مکی ہے۔ لیکن علی بن ابی طلحہ کے نزدیک مدنی ہے۔

والفجر بقول ابن عباس روزانہ کی فجر مراد ہے یا نماز فجر یا یوم النحر یا محرم کے پہلے دن کی فجر مراد ہے۔

لیال عشر۔ امام احمد کی مرفوع روایت میں ذی الحجہ کا عشرہ مراد ہے۔ مجاہد، قتادہ، ضحاک کا قول بھی یہی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ عشرہ محرم مراد ہے یا رمضان کا عشرہ اخیر مراد ہے۔

والشفع والوتر۔ تمام عالم مراد ہے۔ کیونکہ کوئی چیز ان دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا شفع سے مراد مخلوق ہو۔ جیسا کہ من کل شیء خلقنا زوجین فرمایا گیا ہے۔ اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ ہوں۔ چنانچہ روایت ہے ان اللہ وتر و یحب الوتر۔ اور بعض نے شفع سے عناصر اربعہ یا بارہ برج مراد لیے ہیں اور وتر سے مراد سات آسمان یا سات سیارے لئے ہیں اور بعض نے شفع اور وتر نمازیں مراد لی ہیں اور بعض نے شفع سے دسویں ذی الحجہ اور وتر سے نویں ذی الحجہ مراد لی ہے۔ مرفوع روایت کی وجہ سے حمزہ اور کسائی کے علاوہ فراء نے الوتر فتح ثانی کے ساتھ پڑھا ہے اور جبر و خبر کی طرح وتر میں بھی دونوں لغت ہیں۔

اذابسر۔ مطلقاً چلنا یا رات کو چلنا۔ اس میں یا تخفیفاً حذف کر دی گئی اور زوس آیات کی وجہ سے کسرہ پر اکتفا کر لیا گیا ہے۔

لیکن نافع، ابو عمر و اصل کی رعایت کرتے ہوئے صرف حالت وقف میں حذف کرتے ہیں اور ابن کثیر، یعقوب بالکل حذف نہیں کرتے اور قراءت میں یسرتین کے ساتھ ہے۔

فی ذلک قسم. ذلک سے قسم یا قسم بہ کی اشارہ ہے۔ یہ استفہام تقریری ہے جیسے کہا جائے الم انعم علیک جب کہ مخاطب پر انعام کر چکا ہو۔ یا تاکید مقصود ہو کہ اگر عقل مند ہو گئے تو اس قسم کی عظمت کو سمجھو گے۔ حجر کے معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں۔ عقل بھی چونکہ برائیوں سے باز رکھتی ہے اس لیے عقل کو حجر کہا گیا ہے۔ مفسر جواب قسم محذوف مان رہے ہیں۔

بعاد. یعنی عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح قوم عاد ہوئیں۔ جس طرح بنو ہاشم اپنے جد اعلیٰ کے نام سے موسوم ہیں۔ اسی طرح قوم کے جد اعلیٰ کا نام ہے۔ ارم بن سام کی طرف منسوب عاد اولیٰ مراد ہیں یا ارم شہر کی طرف منسوب عاد آخریٰ مراد ہیں۔ بہر حال بتقدیر مضاف عطف بیان ہو گا یا بدل۔

ذات العماد بلند عمارت یا بلند مرتبت تھے اور بعض کے نزدیک عاد کے دو بیٹے تھے۔ شداد اور شدید دونوں میں ملکی اقتدار پر جنگ ہوئی۔ شدید مارا گیا اور شداد سلطنت پر قابض ہو گیا۔ اسی نے اپنے نام پر عدن میں جنت شداد بنائی تھی۔ جس کا نام ارم رکھا۔ بد قسمتی یہ ہوئی کہ اپنی اس جنت میں اس کو داخل ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ کہ صیحا آسمانی سے ہلاک ہو گیا۔ اور عبد اللہ بن قلابہ کہتے ہیں کہ اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلا کہ ہلاک ہو گیا۔ لیکن محققین مفسرین ان سب باتوں کو ناقابل اعتبار اسرائیلی افسانے قرار دیتے ہیں۔ وٹمود۔ پہاڑوں کو تراش کر رہائشی بستیاں بنانا سب سے پہلے ٹمود نے کیا ہے۔ سترہ سوار بعض کے نزدیک سات ہزار بستیاں بنائیں۔

وادی قسریٰ. شام کی جانب مدینہ کے قریب حصہ کو وادی قریٰ کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک پہاڑوں کے درمیانی حصہ کو وادی کہتے ہیں۔

ذی الاوتاد وتد کھونٹے کو کہتے ہیں۔ کھونٹوں کی کثرت سے مراد لشکر ہے یا مجرم کو لٹا کر چاروں ہاتھ پاؤں میں میٹھیں ٹھوکنے کی سزا مراد ہے۔ جس کو چومینا کرنا کہتے ہیں۔

سوط عذاب۔ قسم قسم کا عذاب مراد ہے یا چمڑے کے کوڑوں کی سزا ہے۔ سوط کے معنی غلط کرنے اور ملانے کے ہیں اور بعض اس کو تشبیہ پر محمول کرتے ہیں کہ ان کو دنیاوی سزا، اخروی سزا کے مقابلہ میں ایسی ہوئی جیسے کوڑے تلوار کے مقابلہ میں۔ بالمرصاد۔ رصد سے مفعول کے وزن پر ایسا ہی ہے جیسے وقت سے میقات گھات کے معنی میں اور بعض نے اس کو مطعان کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ مانا ہے۔ اس میں باتجربہ کے لیے ہے۔

فاما الانسان. اس کا تعلق ان ربلا لبا المرصاد کے ساتھ ہے گویا بقول قاضی عبارت اس طرح ہے۔ لقد بعا المرصاد فی الآخرة فلا یرید الا السعی لها فاما الانسان فلا یرید الا الدنيا ولد اتھا. میں فاضل من نفی شرط کو ہے اور اذا ظریفہ ہے۔

کلاب لا یمکرون. فراء کہتے ہیں کہ یہاں کلاب بمعنی لم یکن ینبغی للعبد ان یکون ھکذا ہے۔ ابن عامر اور کوئی اکرم اور اہل حق وقف اور وصل دونوں حالتوں میں بغیر یا کے پڑتے ہیں اور نافع حالت وقف میں بغیر یا کے پڑھتے ہیں اور ابن عامر فقد رشید کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ولا تحاصون یعنی ان کا فعل ان کے قول سے زیادہ برا ہے۔ اور کوئی لایحاصون کی جائے لایحاصون پڑھتے ہیں۔ اس کا مفعول تعیم کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے جیسا کہ مفسر نے اشارہ کیا اور یہی کہہ سکتے ہیں کہ ملزوم کو لازم کر لیا گیا ہے۔

اکلالما، لما، کے معنی جمع کرنے کے ہیں یعنی حرام حلال کو جمع کرنے میں عورتوں اور بچوں کا حق مارتے ہیں۔ یہ یہ مطلب ہے کہ حلال و حرام کو جانتے ہوئے بھی دونوں میں فرق نہیں کرتے۔

دکادکا یہ تاکید نہیں ہے بلکہ استیعاب کے لیے جیسے اقبہ با با با کہا جائے۔

وجاء ربک، مفسر مضاف مقدر مان رہے ہیں۔ لیکن بغیر تقدیر مضاف کے معنی بھی صحیح ہو سکتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا آنا اس کے شایان شان ہوگا۔ یہ جلوہ فرمانے کے معنی ہیں پہلی توجیہ حسن سے منقول ہے اور زخشریٰ فرماتے ہیں کہ یہ اظہار حکومت کا عنان ہے بطور تمثیل کے۔

وجینسی یومئذ ابن مسعود کی رائے مفسر کی تائید میں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دوزخ کے آنے سے جمع ہوتا مراد ہے اور بعض حضرات اظہار دوزخ مراد لے رہے ہیں۔

وانی لہ الذکریٰ، یعنی نصیحت حاصل ہوگی مگر مفید اور نافع نہ ہوگی۔ اب دونوں جملوں میں تضاد نہیں رہا۔ جو حضرات توبہ کے غیر واجب القبول ہونے کے قائل ہیں۔ وہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ توبہ ہے مگر قبول نہیں ہے۔

لحیاتی لام تعلیدیہ ہے یہ وقت کے لیے ہے۔ جیسے اقم الصلوٰۃ للطلوٰث الشمس میں لام توقیتیہ ہے۔ صاحب کشاف نے اس سے بندہ کے باختیار اور صاحب قدرت ہونے پر استدلال کیا ہے۔ لیکن قاضی بیضاوی نے اس کو رد کر دیا۔ کیونکہ تمنی کے لیے کسی چیز کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ معدوم کی تمنا بھی ہو سکتی ہے۔

لا یعذب عذابه، عذابه اور وثاقہ کی ضمیریں اللہ کی طرف راجع ہیں۔ یعنی قیامت میں عذاب و وثاق کا مکمل اختیار صرف اللہ کو ہوگا اور یہ ضمیریں انسان کی طرف اگر راجع ہوں تو معنی ہوں گے کہ انسان کو اللہ جیسا عذاب کوئی نہیں دے سکے گا۔ سائی اور یعقوب نے ان دونوں الفاظ کو مجہول پڑھا ہے۔

یا ایہا النفس، سلسلہ اسباب و ہیئات میں نفس انسانی واجب الوجود کی طرف ترقی پذیر رہتا ہے اور وصول الی اللہ تک مضطرب رہتا ہے۔ وصول الی اللہ ہونے تک اس کو اطمینانی کیفیت میسر آتی ہے اور اس کا اضطراب اور بے قراری اطمینان سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ حق الیقین حاصل ہو جانے کے بعد شکوک و شبہات سے نفس مطمئن ہو جاتا ہے اور ایک قراءت ایہا النفس الامنۃ کی ہے یعنی بے خوف و خطر نفس جس کو آخرت میں رنج و حزن نہیں ہوگا۔ یہ ندامت جانب اللہ یا منجانب الملائکہ ہوگی۔ ارجعی الی ربک، لفظ رجوع سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ ارواح عالم قدس میں ابدان سے پہلے موجود تھیں کیونکہ رجوع پہلی حالت پر لوٹنے کو کہتے ہیں۔ لیکن بعث بھی مراد ہے جس میں پہلی جیسی حالت پیدا ہونا ہوگا۔

فادخلی فی عبادی، مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ نفس سے ذات مراد ہے اور بیضاوی نے اشارہ کیا ہے کہ نفس سے روح مراد ہے اور بعض نے تقدیر عبارت اس طرح مانی ہے۔ فی جسد او فی زمرة عبادی اور ابن عباس و عکرمہ نے و جماعة فی عبادی پڑھا ہے۔ پہلا فادخلی الی کے ذریعہ اور دوسرا فادخلی متعدی فی نفس ہو رہا ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں ظرف حقیقی نہیں ہے۔ دخلت فی غمار الناس کی طرح ہے اور دوسری صورت میں ظرف حقیقی ہے۔ لیکن نفس سے بعض مومنین مراد ہوں گے۔ جو زمرة عباد صالحین میں داخل ہوں گے۔ لیکن نفس سے اگر روح مراد ہو تو پھر ظرفیت حقیقی ہو جائے گی۔ عبادی میں اضافت تشریحی ہے۔



رابط آیات: ..... سورۃ غاشیہ میں نیک و بد انسانوں کی مجازات کا ذکر تھا۔ سورۃ فجر میں ان اعمال کا ذکر زیادہ تر مقصود ہے جو جزا و سزا میں دخیل ہیں اور بطور عقیدہ تباہ قوموں کا ذکر ہے جو اعمال بد کا شکار ہوئے۔ اور آخرت میں تتر کے طور پر اچھے بروں کی بعض جزا کا بیان ہے۔ یہ سورت بھی مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی ہے اور وجہ تسمیہ واضح ہے۔

روایات: ..... والفجر۔ ابن عباسؓ روانہ کی صبح مراد لیتے ہیں یا یوم النحر یا پہلی محرم کی فجر مراد ہے۔

ولیل عشر۔ امام احمدؒ کی مرفوع روایت ہے کہ ذی الحجہ کا عشرہ مراد ہے۔ دوسری روایت محرم کے پہلے عشرہ کی ہے۔ والشفع والوتر۔ جابرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ عشرہ سے عشرہ ذی الحجہ مراد ہے۔ اور شفیع سے یوم النحر اور وتر سے عرفہ کا دن مراد ہے۔ اور عمران بن حصینؓ نماز مراد لیتے ہیں۔ خواہ شفیع نماز ہو یا وتر رکعت اور بعض شفیع سے مخلوق اور وتر سے اللہ مراد لیتے ہیں۔

وجأتی یومئذ بجهنم۔ ابن مسعودؓ بے منقول ہے کہ ستر ہزار لگاموں میں جہنم کو تھام کر لایا جائے گا اور عرش کے بائیں جانب روک دیا جائے گا۔ ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ اس آیت کے اترنے پر آنحضرتؐ کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا اور صی بہ گوی بھی شاق گزار۔ حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا کہ جہنم کس طرح لائی جائے گی۔ قال یوتی بہا نقاد بسبعین الف زمام یقود بکل زمام سبعون الف ملک فتشرد شر دقلو ترکت لا حترقت اهل للجمع ثم تعرض لی جہنم فتقول مالی ولک یا محمد ان اللہ قد حرم لحمک علی فلا یقی احد الا قال نفسی الام محمد فیقول یارب امتی امتی۔

یا ایہا النفس المطمئنة۔ معرفت و یقین اور شہود کے بعد نفس نور قلب سے منور ہو جائے گا۔ اور رذائل نفس نکل کر فضائل حمیدہ سے متصف ہو جائے گا۔

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ اذا توفی العبد المؤمن ارسل الله له ملکی و ارسل الیه بتحفۃ من الجنة فیقول اخرجی ایتھا النفس المطمئنة اخرجی الی روح و ریحان و ربک راض فتخرج کاطیب ریح مسک و جدہ احد فی انفسہ و الملائکۃ علی ارجاء السماء یقولون قد جاء من الارض روح طیبۃ و نسمة طیبۃ فلا تمرباب الافتح لها ولا بملک الاصلی علیہا ثم یوتی بہا الی الرحمن جل جلالہ فتسجد له ثم یقال لمیکائیل اذهب بھذہ النفس فاجعلھا مع النفس المومنین ثم یومر فیومع علیہ قبرہ سبعین ذراعا عرضہ و سبعون ذراعا طولہ فان کان معہ شئی من القرآن کفاه نورہ وان لم یکن جعل له نوراً فی قبرہ مثل الشمس و یكون مثله مثل العروس ینام فلا یوقظہ الا حب اہلہ الیہ و اذا توفی الکافر ارسل الله له ملکی و ارسل معھا قطعة من کساء انتن من کل انتن اخشن من کل خشن فیقال ایتھا النفس الخبیثۃ اخرجی الی جہنم و عذاب الیم و ربک علیک غضبان و روى عن ابی بکرؓ انه سال عن ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان الملک سيقولھا لک کھند موتک و قال الحسن اذا اراد اللہ قبضھا اطمانت الی اللہ و رضیت عن اللہ و رضی اللہ عنھا۔

ارجعی الی ربک۔ قال ابن عباس و ابن مسعود ارجعی یا نفس الی صاحبک ای جسدک الذی کنت فیہ فیامر اللہ الا رواح ان ترجع الی الاجساد۔ عکرمہ ضحاکؒ کلبی کا قول بھی یہی ہے۔ ابن جریرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

﴿تشریح﴾: اس سورت کا مضمون بتلا رہا ہے کہ مکہ کے مسلمانوں پر ظلم کی چکی چلتی شروع ہو چکی تھی۔ اسی لیے عاد و ثمود اور فرعون کے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

چار قسمیں اور ان کی نوعیت: ..... والفجر۔ متعدد قسمیں کھا کر یقین دلایا جا رہا ہے کہ محمد رسول اللہ کا پیغام برحق ہے۔ کیا کسی صاحب فہم کے لیے یہ قسمیں کافی نہیں ہیں کہ آپ کے پیغام حق کے یقین دلانے کے لیے کیا پھر بھی کسی قسم کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ و الیل ادایسر۔ شب معراج میں حضور کے تشریف لے جانے کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ عام مفسرین نے اس کے معنی رات کے گزرنے یا اس کی تاریکی پھیلنے کے لیے ہیں۔ گویا صبح کے مقابلہ میں طاق کی قسم کھائی گئی۔ اور لیساں عشر سے بھی ممکن ہے۔ مطلقاً دس راتیں مراد ہوں۔ چنانچہ ان کے افراد و مصداق میں بھی تقابل پایا جاتا ہے۔ مہینہ کے شروع کی دس راتوں کا حال یہ ہے کہ وہ اول میں روشن ہوئی ہیں پھر تاریک ہو جاتی ہیں۔ لیکن اخیر کی دس راتوں کا حال ان کے برعکس ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں تاریک رہتی ہیں پھر روشن ہو جاتی ہیں۔ اور درمیان کی دس راتوں کا حال..... ان دونوں سے جدا گانہ ہے۔ انسان کو بھی اسی طرح اپنے عیش و آرام میں مگن اور مصیبت و آلام کی مستقل گھٹن میں نہیں رہنا چاہیے یہ سمجھ کر کہ اب یہ حالت بدل کر دوسری حالت میں پیش نہیں آ سکتی۔ بلکہ یہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جس طرح عالم میں اللہ نے ہر چیز کا مقابل پیدا کیا ہے۔ اسی طرح مختلف متضاد احوال میں بھی وہ اپنی حکمت کی ادل بدل کرتا رہتا ہے۔ اس لیے آدمی کو کسی ایک حال پر مطمئن ہو کر بیٹھ رہنا چاہیے۔

فجر کا وہ سہانا وقت جب صبح کی پوچھتی ہے اور رات کی اندھیری میں سے دن کی روشنی ایک سفید دھاری کی شکل میں شرق کی طرف دکھائی پڑتی ہے۔ اول اس کی قسم کھائی۔ پھر دس راتوں کی قسم کھائی۔ یہ کون سی راتیں ہیں؟ مہینہ کی تینوں دہائیوں پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ پورے مہینہ کی راتیں اس میں آ سکتی ہیں۔ کیونکہ پہلی دس راتوں میں چاند ایک باریک ناخن کی شکل سے شروع ہو کر آدھے سے زیادہ تک روشن ہو جاتا ہے۔ دوسری دہائی میں راتوں کا زیادہ حصہ منور رہتا ہے اور آخری دہائی میں چاند چھوٹے سے چھوٹا اور راتیں تاریک سے تاریک ہوتی جاتی ہیں اس طرح نور و ظلمت کچھ فرق کے ساتھ پورے مہینہ دائر و سائر رہتی ہے۔ پھر جفت و طاق کی قسم کھائی۔ اس میں کائنات کی سب چیزیں آ سکتی ہیں۔ کیونکہ ہر چیز یا تو جوڑ والی ہے یا بے جوڑ۔ تاریخیں بھی طاق اور جفت ہوتی ہیں۔ غرضیکہ دن و رات کا ہر تغیر ایک نئی کیفیت لے کر آتا ہے۔ آخر میں رات کی قسم کھائی جب وہ شک رہی ہوتی ہے اور دنیا پر چھائی ہوئی اندھیری صبح کی پوچھنے سے رخصت ہو رہی ہے اور یہ چاروں قسمیں اس پر کھائی گئی ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا پیغام جزا و سزا برحق ہے۔ کیونکہ جن چیزوں کو قسمیں کھائی گئی ہیں۔ ان کو دیکھ کر کائناتی نظام میں بے تکاپن معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر کام میں ایک قرینہ اور سلیقہ معلوم ہوتا ہے۔ کائنات کی ہر نقل و حرکت بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں کا پتہ دیتی ہے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے منصوبہ بند طریقہ پر ہو رہا ہے۔ یہ نہیں کہ ابھی رات ہو رہی ہے اور ابھی اچانک سورج سر پر کھڑا ہو۔ یا ہلال یکا یک چودھویں کا چاند بن جائے۔ یا رات مستقل طور پر ڈیرے ڈال لے اور سرکنے کا نام ہی نہ لے۔ یا دونوں میں تبدیلی کا کوئی باقاعدہ نظم ہی نہ ہو اور تاریخیوں کا کیلنڈر جام ہو کر رہ جائے۔ غرض کہ انسان دن و رات کی اس گردش کی باقاعدگی کو اگر آنکھیں کھول کر دیکھ لے اور دماغ کو کچھ سوچنے کی تکلیف بھی دے تو اسے قدم قدم پر نظر آئے گا کہ یہ زبردست نظم و ضبط ایک قادر مطلق کا قائم کردہ ہے۔ جس کے قیام سے مخلوق کی بے شمار مصلحتیں وابستہ ہیں۔ پس اب بھی اگر کوئی جزا و سزا کا انکار کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خدا کو اس ساری کائنات کو ایک بار بنانے پر تو قادر مانتا ہے مگر دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں مانتا۔ کہ اسے سزا و جزا کے لیے پیش ہونا پڑے۔ یا پھر وہ خدا کو حکیم و دانائے نہیں مانتا۔ بلکہ سمجھتا ہے کہ اس نے

انسان کو یوں ہی بے مقصد بنا ڈالا۔ کہ کھاپی کریں ہی ایک دن ختم ہو جائے اور کچھ حساب کتاب دینا نہ پڑے۔ اور ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات سوچ لینے والا شخص بڑا احمق ہی ہو سکتا ہے۔

قیامت کے واقع ہونے پر تاریخ سے استدلال:..... الم تر کیف فعل ربك۔ رات دن کے اس تمام سے استدلال کے بعد اب جزا و سزا کے یقینی ہونے پر تاریخی واقعات کو شہادت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ان چند معروف قوموں کی افسوسناک بربادی سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ کائناتی نظام کسی اندھے بہرے قانون فطرت پر نہیں چل رہا۔ بلکہ دانش و بینش اور حکمت و مصلحت سے لبریز قانون کا فرما ہے۔ اور قانون فطرت کے ساتھ قانون اخلاقی بھی دائر و سائر ہے۔ جس کا لازمی تقاضا مکافات عمل اور جزا و سزا ہے۔ جن قوموں نے بھی آخرت سے بے فکر اور سزا جزا کے خیال سے بے گانہ ہو کر نظام زندگی بنایا چلایا۔ انہیں انجام کار تباہی و بربادی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور آخر کار ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ مسلسل تاریخی تجربہ بتا رہا ہے کہ آخرت کا انکار بالآخر تباہی کا سبب بنتا رہا ہے۔ پس آخرت ایک حقیقت ہے اور جس طرح کسی بھی حقیقت سے ٹکرانے کا انجام بُرا ہوا کرتا ہے اسی طرح عقیدہ آخرت سے ٹکرانے کا انجام بھی یقیناً بُرا ہوگا۔ نیز جن لوگوں پر عذاب کا کوڑا برسایا ان سے صدیوں پہلے بہت سے لوگ اس فساد کے بیخ بکود نیا سے رخصت ہو چکے تھے اور ان پر کوئی عذاب نہ آیا تھا۔ خدا کے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کسی وقت ان سب کی باز پرس بھی ہو اور وہ بھی اپنے کیے کی سزا پائیں ان دونوں سچائیوں کا سراغ ان گزشتہ واقعات میں صاف طور پر ملتا ہے۔

عاد، ارم کون تھے؟..... بعد ارم۔ عاد ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف اس کی نسل کی نسبت کرتے ہوئے قوم عاد کہا جاتا ہے۔ حضرت ہود اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے لیکن قوم نے جب ان کی دعوت کی مخالفت کی تو ان پر عذاب کا کوڑا برسایا گیا اور وہ ہلاک ہوئے جن کو سورہ نجم میں وانه اهلكت عاد و الاذلہ کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔

ارم بھی ایک شخص کا نام تھا جو عاد کے اجداد میں سے تھا ”عاد ارم“ کی اضافت متقدمین عاد کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اور اس قوم کے جو لوگ بچ بچ کر کہیں نکل گئے اور بعد میں ان کی نسل آباد ہوئی۔ ان کو ”عاد آخری“ کہا جاتا ہے۔ یا کہا جائے کہ قدیم عاد کے یہ لوگ سامی نسل کی اس شاخ سے تعلق رکھتے ہوئے جو ارم بن سام بن نوح علیہ السلام سے چلی تھی ”قوم ثمود“ بھی اسی سامی نسل کی ایک ضمنی شاخ ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ قوم عاد میں شاہی خاندان کو ارم کہا جاتا تھا۔ اور ”ذات العماد“ ان کو اس لیے کہا گیا کہ سب سے بلند ستونوں یا بلند عمارتوں یا بلند خیموں کے موجد یہی لوگ تھے یا ان کے غیر معمولی ڈیل ڈول کی وجہ سے ان کو یہ لقب ملا۔ دنیا میں غیر معمولی طاقت و قوت اور عالی شان عمارتوں کی وجہ سے ان کو بے مثال سمجھا گیا ہے۔ اس وقت دنیا میں ان کی ٹکر کی دوسری کوئی قوم نہ تھی۔ و ثمود۔ اس قوم نے جن پہاڑوں کو تراش تراش کر مضبوط عمارتیں بنائیں۔ اس حصہ کو وادی قرئی کا نام دیا گیا۔

و فرعون ذی الاوتاد۔ ذی الاوتاد کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں ممکن ہے اس کے عظیم لشکر کو خیموں سے تشبیہ دیتے ہوئے ذی الاوتاد کہا گیا ہے۔ تخت سلطنت کے لیے لشکر ہی کیل کاٹے ہوتے ہیں۔ یا لشکروں کی کثرت بیان کرنی ہو کہ جہاں جس طرف نظر اٹھاؤ ان کے کھونٹے گڑے ہوئے اور ان کے خیمے ٹھہر رہے تھے یا ان کے چومخا کرنے کی سزا کی طرف اشارہ ہو جس سے لوگوں پر ان کا رعب داب قائم ہو گیا تھا اور ”اہرام مصر“ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو میخوں کی طرح زمین پر صدیوں سے بنے کھڑے ہیں اور فراعنہ مصر کی یاد تازہ کر رہے ہیں۔

سرکش قوموں کا انجام:.....الذین طغوا فی البلاد۔ یعنی ان قوموں نے عیش و عشرت اور زور و قوت کے نشہ میں مست ہو کر دنیا میں خوب اودھم مچائی اور ایسا سر اٹھایا کہ گویا کوئی ان کے سروں پر حاکم ہی نہیں ہمیشہ دنیا میں یوں ہی مزے رنا ہے اور کبھی اس ظلم و شرارت کا خمیازہ انہیں بھگتنا نہیں پڑے گا۔ آخر جب ان کے کفر و شرک اور جو روستم کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور مہلت و درگزر کا کوئی موقع باقی نہ رہا۔ پانی سر سے گزر گیا۔ دفعۃً خدائے قہار نے ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا اور ان کی سب قوت و طاقت خاک میں ملا دی اور ان کا ساز و سامان کچھ کام نہ آیا۔

ان ربلک لبالمصاص۔ یعنی جس طرح کوئی موقع تاک کر اور گھات لگا کر بیٹھتا ہے کہ موقع ملنے پر مناسب تدبیر سے چوکتا نہیں ہے۔ یہی صورت حال ان ظالموں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی ہے جو دنیا میں فساد برپا کیے رکھتے ہیں۔ انہیں قطعاً اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا کہ خدا ہماری پوری حرکات کو دیکھ رہا ہے۔ وہ نہایت بے خوفی اور بے فکری سے روز بروز زیادہ سے زیادہ شرارتیں کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ حد آ جاتی ہے جس سے آگے اللہ انہیں بڑھنے نہیں دینا چاہتا۔ اسی وقت اچانک ان پر عذاب کا کوڑا برسنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس وقت پتہ لگتا ہے کہ وہ سب ڈھیل تھی۔

ناشکرا اور بے صبر انسان:.....فاما الانسان۔ کردار کے بعد اب انسان کے گفتار کا حال بتلایا جا رہا ہے۔ چنانچہ انسان کی عام اخلاقی حالت پر تنقید کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ جن لوگوں پر یہ رویہ ہو بھلا ان سے کیوں نہ باز پرس کی جائے اور عقل کس طرح اس بات کو معقول باور کر سکتی ہے کہ انسان سب کچھ کر کے دنیا سے رخصت ہو جائے اور اسے نتائج عمل بھگتنے نہ پڑیں۔

فیقول ربی اھانن۔ اصل یہ ہے کہ اس دنیا کی موجودہ راحت و تکلیف ہی کو عزت اور ذلت کا معیار سمجھتا ہے اور نہیں جانتا کہ دونوں حالتوں میں اس کی آزمائش ہو رہی ہے۔ نعمت سے نواز کر اس کی شکر گزاری کو اور مصیبت کو بھیج کر اس کے صبر و رضا کی جانچ کی جا رہی ہے۔ یہاں کا عارضی عیش و آرام معزز و مقبول ہونے کی دلیل نہیں ہے اور نہ محض تنگی اور سختی مردود ہونے کی علامت ہے۔ بلکہ اصل معیار فرمانبرداری اور نافرمانی ہے۔ مگر انسان اپنے اعمال و افعال پر نظر نہیں کرتا اور النالہ اللہ رب العالمین پر الزام دھرتا ہے۔ انسان کی یہ کتنی کوتاہ نظری ہے کہ دنیا پر اس قدر رجحان ہوا ہے کہ کوئی چیز اسے ملتی ہے تو بھول جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ مجھے خدا نے عزت دار بنا دیا ہے اور نہ ملے تو کہتے پھرتا ہے کہ خدا نے مجھے ذلیل کر دیا۔ حالانکہ اصل وہ نہیں ہے جسے وہ سمجھ رہا ہے۔ بلکہ یہ دنیا صرف آزمائش گاہ ہے۔ کسی کو دے کر آزمائش کی جا رہی ہے اور کسی سے چھین کر آزمائش کی جا رہی ہے۔ دولت و طاقت دینے میں اس کا امتحان ہے۔ کہ دیکھیں یہ شکر گزاری کرتا ہے یا ناشکری۔ تنگ دستی اور اخلاص دے کر یہ جانچ کرنی ہے کہ یہ صبر و قناعت کے ساتھ راضی برضا رہتا ہے۔ یا جزع فزع سے کام لیتا ہے۔ یا شکوے شکایت کرتا پھرتا ہے۔ حدود جواز میں رہتے ہوئے اپنی مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے یا اخلاق و دیانت کی سب حدیں پھلانگ جاتا ہے اور خدا پر النالہ الزام دھرنے لگتا ہے۔

ایک بہت بڑا دھوکہ:.....کلابل لاتکرمون الینیم۔ یعنی جب تم یتیموں، مسکینوں کی عزت نہیں کرتے تو اللہ کے یہاں تمہاری عزت کیوں ہو؟ عزت و ذلت کا معیار وہ نہیں جو تم نے سمجھ رکھا ہے، یعنی دنیا کا ملنا نہ ملنا۔ تم سخت دھوکہ اور غلط فہمی میں ہو کر اخلاقی بھلائی اور برائی کی بجائے مالی اونچ نیچ کو معیار بنا رکھا ہے۔ کسی کا باپ زندہ رہتا ہے۔ تب تو تمہارا برتاؤ ان بچوں کے ساتھ اور ہوتا ہے۔ اور جب باپ مر جاتا ہے تو ایک دم تمہاری نظر پھر جاتی ہے، نگاہیں بدل جاتی ہیں۔ خود اپنے پیسے سے مسکین کی خبر گیری کی توفیق تو کیا ہوتی۔ محتاجوں کی خبر گیری کے لیے دوسروں کو بھی اکسایا نہیں جاتا، غرض نہ خود تم بھوکے نگوں کو کھلانے پلانے پر آمادہ ہوتے ہو اور نہ

۱۔ و سرون کو اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔

وتساكلون التراث. مرے مردوں کی میراث لینے میں حلال و حرام حق ناحق کی کچھ تمیز نہیں کرتے۔ عورتوں اور بچوں کو میراث سے محروم رکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ میراث صرف مردوں کا حق ہے۔ جو کنبہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ لڑائیاں لڑتے ہیں۔ ان میں جو زیادہ اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ وہ ساری میراث سمیٹ لیتے ہیں۔ یتیموں مسکینوں کا حصہ بھی ہڑپ کر لیتے ہیں۔ حقوق و اخلاق کی کوئی اہمیت ان کی نظر میں نہیں رہ گئی تھی۔ جس کی لاشی اس کی بھینس والا معاملہ تھا۔

مال کی محبت ہی سب سے بڑا فتنہ ہے:..... وتحبون المال. یعنی اصل جڑ کی بات یہ ہے کہ تمہارا دل محبت و حرص سے لبریز ہے۔ جائز، ناجائز، حلال و حرام کی تمہیں کوئی فکر نہیں۔ بس کسی طرح مال ہاتھ آتا چاہئے اور ایک پیسہ بھی کسی کار خیر میں خرچ نہیں ہونا چاہیے۔ مال و دولت کی اتنی محبت جو پرستش کی حد تک پہنچ جائے۔ وہ کافر ہی کا شیوہ ہو سکتا ہے۔ کلا اذا دكست. یعنی تم دنیا میں سب کچھ کرتے رہو اور اس کی باز پرس کا وقت کبھی نہ آئے یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ جزا و سزا کی بات کوئی خیالی بات نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہو کر رہے گی۔ یہ سارا نظام عالم بکھر جائے گا۔ سب ٹیلے اور پہاڑ کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے اور زمین ایک ہموار چشیل میدان ہو کر رہ جائے گا۔ وجاء ربك. حق تعالیٰ کے آنے کا مطلب اس کی قہری جلی ہے جو اس کے نمایاں شان ہوگی اور فرشتوں کی قطاریں انتظامات پر مامور ہوں گی۔ جہنم کو بھی اپنی جگہ سے کھینچ کر لایا جائے گا۔

یوم یبذلکم الانسان. اس وقت انسان سمجھے گا کہ میں دنیا میں کیا کر کے آیا ہوں اور اپنی غفلت اور غلطیوں پر نادم ہوگا۔ مگر اس کی ندامت لا حاصل۔ جب سوچنے سمجھنے کا موقع ہاتھ سے نکل چکا۔ آخرت دار العمل نہیں، بلکہ دار الجزا ہے۔ اسے ہوش تو آیا اور وہ سمجھا کہ انبیاء کا راستہ ہی صحیح تھا اور اس کی راہ غلط مگر اس وقت ہوش میں آنے اور نصیحت پکڑنے کا کیا فائدہ؟

یقول یالیتی قدمت لِحیاتی. یعنی آخرت میں جب غفلت کا پردہ چاک ہو کر حقیقت سامنے آئے گی اس وقت انسان پکار اٹھے گا کہ افسوس میں نے دنیا سے کوئی نیکی یہاں نہیں بھیجی جو آج یہاں کام آئی۔ کاش خالی ہاتھ آنے کی بجائے کچھ نیکیاں ہاتھ پلے ہوتیں تو یہ پچھتاوا نہ ہوتا۔

فیومئذ لا یعذب. اس روز اللہ کی طرف سے ایسی سخت سزا اور قید ہوگی جس کی کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔ جسمانی اذیت کے ساتھ انتہائی روحانی کرب و بے چینی ناقابل بیان ہوگی۔

نفس مطمئنہ کیا ہے؟:..... یا ایہا النفس المطمئنة. طاغوت اور مجرموں کے حال کے بعد ان اطاعت شعار اور وفا کیش لوگوں کا ذکر ہے۔ جنہیں دنیا میں اللہ کی یاد سے چین و اطمینان ملتا رہا۔ وہاں ان کے نفس سے کہا جائے گا کہ جس محبوب حقیقی سے تو لوگائے رہا اب اسی کے مقام قرب کی طرف چل۔ اس کے پسندیدہ بندوں کے زمرہ میں شامل ہو اور جنت العالیہ میں داخل ہو جا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ بشارت مومن کو دنیا ہی میں سنادی جاتی ہے۔ بعض عارفین کو اس کا مشاہدہ بھی ہوا ہے اور ممکن ہے کہ بشارت موت کے وقت ہی ہو اور قیامت اور بعثت کے وقت بھی ہو اور اللہ کی عدالت میں پیشی کے وقت بھی ہو۔ ہر مرحلہ پر اسے اطمینان دلایا جائے گا کہ تو اللہ کی رحمت کی طرف جا رہا ہے۔ اس لیے گھبرانے کا سوال ہی نہیں۔ نفس مطمئنہ، نفس لواۓ، نفس امارہ، کی تحقیق سورہ قیامت میں گزر چکی ہے۔

خلاصہ کلام: ... اہل مکہ آخرت کی جزاء سزا کے بالکل مکر تھے۔ اس لیے اس سورت میں اس کو استدلال سے ثابت فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے چار قسمیں کھا کر سوالیہ پیرایہ میں پوچھا گیا ہے کہ جس چیز کا تم انکار کر رہے ہو۔ کیا یہ سب چیزیں اس کے برحق ہونے کے شہادت دینے کے لیے کافی نہیں ہیں؟ کیا خدا کے اس حکیمانہ نظام کو دیکھنے کے بعد بھی کسی اور شہادت کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ جس خدا نے یہ نظام قائم کیا ہے۔ اس کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ دوسرا جہان سامنے لائیں جس میں انسان کے اعمال کی باز پرس ہو۔ اس کے بعد بطور مثال قوم عاد و ثمود و فرعون کے تاریخی انجام کا ذکر ہے کہ جب وہ حد سے نکل گئے اور خدا کی زمین کو فساد سے لبریز کر دیا تو ان پر عذاب الہی کا کوڑا برس گیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اس کائنات میں ایک حکیم و دانہ فرمانروا کی حکمرانی ہے۔ جس کے عدل و انصاف کی چھاپ انسانی تاریخ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ پس جب انسان کو اس نے تصرفات و اختیارات سے نوازا ہے تو اس کا محاسبہ عمل بھی عقل و حکمت کا تقاضا ہے۔ اس کے بعد عام انسانی معاشرہ کی اخلاقی حالت کا جائزہ لیتے ہیں۔ عرب کی دو حالتوں پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ وہ شخص دنیا کی دولت و عزت ہی کو سب کچھ مقصود سمجھتے تھے اور اس کو بھول گئے تھے کہ نہ تو دولت کی فراوانی معراج ترقی ہے اور نہ رزق کی تنگی قعر مذلت بلکہ کبھی یہ دونوں باتیں محض آزمائش کے لیے ہوتی ہیں کہ دیکھیں کون کس حالت میں کیا کرتا ہے؟ دوسری بات یہ کہ باپ کے مرتے ہی ان کی نظریں یتیم سے پھر جاتی تھیں۔ یتیموں، غریبوں کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ جس کا بس چلتا مردے کی میراث ہڑپ کر لیتا۔ اور کمزور و حق دار کی آواز دب جاتی۔ اس کی فریاد صد اصرار ہو جاتی۔ غرض حرص و طمع کا نہ ختم ہونے والا چکر چلتا ہی رہتا اور قوی قوی تر، اور کمزور کمزور تر ہو جاتا۔ یہ معاشرہ کا اخلاقی ناسور تھا۔ اخیر میں زور اس طرف دیا گیا کہ محاسبہ ضرور ہوگا اور اس دن ہوگا جب عدالت عالیہ قائم ہوگی اور جو بات آج سمجھانے سے بھی نہیں سمجھ رہے ہیں۔ اس روز وہ خود بخود سمجھ میں آجائے گی۔ مگر بے فائدہ اس دن انسان پکاراٹھے گا کہ کاش میں نے آج کے لیے دنیا میں کچھ کیا ہوتا۔ مگر یہ پچھتانا سب بے سود۔ البتہ جن خوش نصیبوں نے پوری طمانیت قلب اور شرح صدر کے ساتھ آسمانی صحیفہ ہدایت کو قبول کیا ہوگا۔ خدا ان کی فرمانبرداری سے راضی ہوگا اور وہ خدا کے پسندیدہ بندوں میں جاشامل ہوں اور خاص جنت میں داخل ہو جائیں۔

فضائل سورت: ..... من قرء سورة الفجر في الليالي العشرة غفر له ومن قرء هافي سائر الايام كانت له نورا يوم القيامة.

ترجمہ: جو شخص ذی الحجہ کی دس راتوں میں سورہ فجر پڑھے گا اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

لطايف سلوک: ..... فاما الانسان اذا ما ابتلى الخ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ کے سلسلہ میں داخل ہونے سے مال میں ترقی اور رزق میں برکت ہوگی جو اس کے سلسلہ مقبول ہونے کی دلیل ہے مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ محض جہالت کی بات ہے۔

## سُورَةُ الْبَلَدِ

سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ عَشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا زَايِدَةَ أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ﴿١﴾ مَكَّةَ وَأَنْتَ يَا مُحَمَّدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِلٌّ أَحْلَالَ بِهَذَا الْبَلَدِ ﴿٢﴾  
بِأَنْ يَحِلَّ لَكَ فَتَقَاتِلَ فِيهِ وَقَدْ أَنْجَزَلَهُ هَذَا الْوَعْدُ يَوْمَ الْفَتْحِ فَالْجُمْلَةُ إِغْتِرَاضٌ بَيْنَ الْمُقْسَمِ بِهِ وَمَا عَطَفَ  
عَلَيْهِ وَوَالِدِ أَيَّ أَدَمَ وَمَا وَلَدَهُ ﴿٣﴾ أَيُّ ذُرِّيَّتِهِ وَمَا بِمَعْنَى مَنْ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ أَيَّ الْجِنْسِ فِي كَبَلِهِ ﴿٤﴾  
نَصَبٌ وَتَبَدُّهُ يُكَابِدُ مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَشِدَائِدَ الْآخِرَةِ أَيُّ حَسَبُ أَيُّ أَيُّظُنُّ الْإِنْسَانُ قَوِي قُرَيْشٍ  
وَهُوَ أَبُو الْأَشَدِّ بْنِ كَلْدَةَ بِقُوَّتِهِ أَنْ مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا مَجْدُوفٌ أَيُّ أَنَّهُ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٥﴾  
وَاللَّهُ قَادِرٌ عَلَيْهِ يَقُولُ أَهْلَكْتُ عَلَى عَدَاوَةِ مُحَمَّدٍ مَا لَا لُبَّاءُ ﴿٦﴾ كَثِيرًا بَعْضُهُ عَلَى بَعْضٍ أَيُّ حَسَبُ أَنْ  
أَيُّ أَنَّهُ لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٧﴾ فِيمَا أَنْفَقَهُ فَيَعْلَمُ قَدْرَهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِقَدْرِهِ وَإِنَّهُ لَيْسَ مِمَّا يَتَكَثَّرُ بِهِ وَمَجَازِيَةٌ عَلَى  
فِعْلِهِ الشَّيْءِ أَلَمْ نَجْعَلْ إِسْتِفْهَامُ تَقْرِيرٍ أَيُّ جَعَلْنَا لَهُ عَيْنَيْنِ ﴿٨﴾ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾ وَهَدَيْنَاهُ  
النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ يَسْأَلُهُ طَرِيقِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ فَلَا فَهْلًا اقْتَحَمَ الْعُقَبَةَ ﴿١١﴾ جَاوَزَهَا وَمَا أَذْرَكَ أَعْلَمَكَ  
مَا الْعُقَبَةُ ﴿١٢﴾ الَّتِي يَفْتَحُهَا تَعْظِيمُ لِسَانِهَا وَالْجُمْلَةُ إِغْتِرَاضٌ وَبَيْنَ سَبَبِ جَوَازِهَا بِقَوْلِهِ فَتَرْقُبَةُ ﴿١٣﴾  
مِنَ الرِّقِّ بِأَنْ أَعْتَقَهَا أَوْ إِطْعَمَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ مَجَاعَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ قِرَاءَةُ أَوْ مُسْكِنًا  
ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ أَيُّ لُصُوقٍ بِالتُّرَابِ لِفَقْرِهِ وَفِي قِرَاءَةِ بَدَلِ الْفِعْلَيْنِ مَصْدَرًا إِنْ مَرْفُوعًا مُضَافٌ الْأَوَّلُ لِرَقَبَةٍ  
وَيُؤَوُّ الثَّانِي فَيَقْدَرُ قَبْلَ الْعُقَبَةِ اقْتِحَامٌ وَالْقِرَاءَةُ الْمَذْكُورَةُ بَيَانُهُ ثُمَّ كَانَ عَطَفٌ عَلَى اقْتِحَامٍ وَتَمَّ لِتَرْتِيبِ  
الذِّكْرِ وَالْمَعْنَى كَانَ وَقْتُ الْإِقْتِحَامِ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا أَوْضَى بَعْضُهُمْ نَعُضًا بِالصَّبْرِ عَلَى  
لِطَاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ الرَّحْمَةُ عَلَى الْخَلْقِ أُولَئِكَ الْمَوْصُوفُونَ بِهَذِهِ  
الصِّمَاتِ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ الْيَمِينِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿١٩﴾ الشِّمَالِ  
عَلَيْهِمْ نَارٌ مُؤَصَّدَةٌ ﴿٢٠﴾ بِالْهَمْزَةِ وَبِالْوَاوِ بَدَلُهُ مُطَبَقَةٌ



سورۃ بلد مکہ ہے اس میں ۲۰ آیتیں ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: ... لا (زائد ہے میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی کہ آپ کے لئے (اے محمد) اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے) کہ اس میں آپ کے لئے لڑائی جائز ہوگی اور آپ وہاں جنگ کریں گے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر یہ وعدہ پورا ہوا۔ پس یہ جملہ دو قسموں کے درمیان جملہ معترضہ ہے) اور قسم ہے باپ (آدم) اور اولاد آدم کی (یعنی ذریت آدم کی اور معنی میں مس کے ہے) کہ ہم نے (جنس) انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے (کہ دنیا بھر کی مصائب اور آخرت کی شدائد جھیلنا پڑتا ہے) کیا اس نے یہ سمجھ رکھا ہے (قریش کا طاقت ور آدمی یعنی ابوالاشد بن مکدہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں یہ خیال کرتا ہے) کہ اس پر (ان خفہ ہے اس کا اسم مخذوف ہے یعنی انسہ تھا) کوئی قابو پانہ سکے گا (حالانکہ وہ اللہ کے بس میں ہے) کہتا ہے کہ میں نے (محمد کی دشمنی میں) اتنا ڈھیروں مال (بڑی مقدار میں) خرچ کر ڈالا ہے۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا (یعنی اس کے خرچ کرنے کو کہ وہ اس کی مقدار بتانا چاہتا ہے۔ حالانکہ اللہ اس مال کی مقدار سے واقف ہے اور اس سے بھی کہ وہ مال زیادہ نہیں تھا۔ اور یہ کہ اللہ اس کے برے کرمات کا بدلہ ضرور دے گا) کیا ہم نے (استفہام تقریری ہے یعنی ہم نے بنایا ہے) اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہوت نہیں دینے اور ہم نے دونوں راستے اسے دکھادیئے ہیں (یعنی بھلائی برائی دونوں کی راہ بتلا دی) مگر اس نے دشوار گھائی سے گزرنے (پارہ ہونے) کی ہمت نہ کی۔ اور آپ کو معلوم (خبر) ہے کہ وہ گھائی کیا ہے (کہ جس کو وہ دشوار سمجھتا ہے۔ اس میں اس کی اہمیت کا اظہار ہے۔ اور یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کے پار ہونے کے سبب کو آگے بیان کیا جا رہا ہے) کسی گردن کو غلامی سے چھڑاتا ہے (غلامی سے رہائی دلاتی ہے) یا فاقہ (بھوک) کے دن کسی رشتہ (قرابت) دار یتیم کو یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلاتا ہے (جو محتاج کی وجہ سے زمین پر پڑا رہتا ہے۔ اور ایک قرأت میں بجائے دونوں فعلوں کے دونوں مصدر مرفوع ہیں۔ اول مصدر یعنی فک مضاف ہے رقبہ کی طرف اور ثانی مصدر یعنی اطعام منون ہے۔ لہذا عقبہ سے پہلے افتحام مقدر مانا جائے گا۔ اور مذکورہ قرأت اس کا بیان ہے) پھر ان لوگوں میں شامل ہوا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو (آپس میں) صبر کرنے (طاعت پر جمے ہونے اور معصیت سے رکے رہنے) کی تلقین کی اور ایک نے دوسرے پر رحم (مخلوق سے رحم دلی) کی فہمائش کی۔ یہی لوگ (جو مذکورہ بالا خوبیوں کے مالک ہیں) داہنے بازو والے ہیں اور جو لوگ ہماری آیت کے منکر ہیں وہ بائیں بازو والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی (مؤصدا ہمزہ کے ساتھ ہے اور اس کے بدلہ میں واو کے ساتھ ہے یعنی تہہ بہ تہہ)۔

تحقیق و ترکیب: ... مکہ اتقان میں بجز پہلی چار آیات کے اس سورت کو مدنی کہا گیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک پوری سورت مدنی ہے۔ ہذا البلد سے مراد جب مکہ معظمہ ہے تو یہ آخری قول صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ لا اقسام مفسر لا کو زائد کہہ رہے ہیں۔ لیکن لا کو غیر زائد بھی مانا جاسکتا ہے۔ یعنی اگلا مضمون ظاہر و باہر ہونے کی وجہ سے محتاج قسم نہیں ہے۔

بہذا البلد مکہ معظمہ چونکہ مہبط وحی اور رحمت الہی کا گہوارہ ہے اور حرم امن اور مثابہ للناس اور قبلہ عالم ہے جس کی محاذات میں بیت المعمور ہے اور دنیا بھر کے پھل پھلاری وہاں بھیجنے کا وعدہ ہے۔ وہاں خاص حدود میں شکار کی اجازت نہیں ہے۔ ان کے عدوہ اور بھی فضائل ہیں اس لئے اس بلد امین کی قسم کھائی گئی ہے۔

وانت حل اگر حل حلول سے ماخوذ نہیں تو ایک وجہ فضیلت مزید ہو جائے گی کہ آپ کے تشریف فرما ہونے کی وجہ سے یہ شہر محترم اور لائق قسم ہے کیونکہ ملین ذہن برتری مکان پر اثر انداز ہوا کرتی ہے۔ اور اگر یہ لفظ حلال سے ماخوذ ہے تو اس میں وقتی طور پر آپ کے لئے جنگ کی اجازت ہوگی۔ بہر حال دونوں صورتوں میں آپ کے لئے فتح مکہ کی پیشین گوئی ہوگی جو اللہ نے سچ کر دکھائی۔ کفار میں سے عبداللہ بن خطل اور تعیس بن خالد وغیرہ قتل ہوئے اور شریعلی بن زید و انت حل بہذا البلد کے یہ معنی لیتے ہیں کہ کفار اس بلد امین میں شکار وغیرہ کو حرام جانتے ہیں۔ لیکن آپ کی آبروریزی قتل اور اس شہر سے نکالنے کو حلال سمجھتے ہیں۔

ووالد وما ولد والد سے جنس والد یا آدم یا ابراہیم علیہم السلام مراد ہیں۔ اسی طرح ولد مطلق اور اسل مراد ہے۔ یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ بہر حال انسان جو قدرت کا شاہکار ہے اس کی ان دونوں حالتوں کے عجیب ہونے کی وجہ سے قسم کھائی ہے۔ وہ خاص صورتیں ہوں یا عام انسان۔

فی کبد کبد الرجل۔ اذا وجعت کبدہ یکابد۔ کابدۃ الامر سختی اور شدت کے معنی ہیں۔ چنانچہ انسان کا میداء ظلمت رحم ہے اور زندگی بھر مصائب دنیا اور آخر میں موت کی ناقابل برداشت کیفیت یہ سب مکابد ہیں۔ اس میں آنحضرتؐ کے لئے سلی ہے مکابد قریش کے اعتبار سے۔

ایحسب الانسان ابوالاشد بن مکدہ اتنا طاقتور تھا کہ نمل کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس آدمی مل کر چمڑے کو کھینچتے تو چمڑہ پھٹ جاتا۔ مگر ابوالشدش سے مس نہ ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ نے کشتی میں کئی مرتبہ اس کو پٹک دیا۔ مگر پھر بھی وہ ایمان نہیں لایا۔ مالا لبدا ریاکاری اور دکھلاوے کے لئے یا آنحضرتؐ کی دشمنی میں خرچ کرتا تھا۔

لم یرہ احد یعنی کیا ہم اس کے خرچ کئے ہوئے کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ زیادہ مال خرچ کو اول تو جھوٹ کہتا ہے دوسرے زیادہ خرچ بھی کرے تو وہ قابل فخر نہیں۔ جب کہ اللہ و رسول کی دشمنی میں خرچ کرتا ہے۔ تیسرے اللہ کی سزا سے بھی واقف ہے۔ اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں کہ کیا اللہ اس کو دیکھ نہیں رہا ہے اور اس سے حساب کتاب نہیں لے گا؟

الم نجعل له الخ دو آنکھیں تمنا شائے قدرت دیکھنے کے لئے اور زبان دل کی ترجمانی کے لئے اور دو ہونٹ اور ان کی حرکت بولنے، کھانے پینے کے لئے ہے۔

النجدین نجد بلند چیز کو کہتے ہیں۔ نجدین سے پستان مراد ہیں اور طریق خیر و شر مراد ہے۔ جیسے سورہ دہر میں ہے۔ اما ہدیہ السبیل اما شاکرا و اما کفورا ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کا قول بھی یہی ہے۔

فلا اقتحم العقبة عقبہ پہاڑی گھائی، دشوار گزار راستہ۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ بیان میں یا بدل مبدل منہ کے درمیان یعنی آپؐ اس کی دشواری اور ثواب نہیں جانتے۔ مفسر فلا کی فہل سے تعبیر کر کے اشارہ کر رہے ہیں کہ لا یعنی ہلا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ فلا اپنی اصل پر ہے۔ یعنی نفی کے لئے۔ رہا یہ کہ لا استعمال میں مکرر آتا ہے۔ جیسے فلا صدق ولا صلی میں ہے۔ کہا جائے گا کہ یہاں بھی معنی مکرر ہے۔ ای فلا فک رقبة ولا اطعم مسکینا بہر حال طاعت بجالانا اور محرمات سے بچنا نفس پر نہایت شاق ہے۔ حدیث میں ارشاد ہے ان بین العبد والجنة سبع عقبات۔

فک رقبة او اطعام۔ ابو عمرو، ابن کثیر، کسائی، کے نزدیک دونوں ماضی کے صیغے ہیں اقتحم سے بدل ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک دونوں مصدر ہیں۔ اتا فرق ہے کہ پہلا مصدر ہے یعنی فک، رقبة کی طرف مضاف ہے اور دوسرا مصدر یعنی اطعام باتوین ہے۔ تفسیری عبارت فیقدر قبل العقبة اقتحام کا مطلب یہ ہے کہ دونوں مصدر مرفوع ہیں۔ مبتداء محذوف کی عبارت اس طرح ہوگی ما ادراك ما اقتحام العقبة هو فک رقبة او اطعام اور تقدیر مضاف کی ضرورت اس لئے ہوئی۔ تاکہ مفسر اور مفسر میں مطابقت ہو جائے۔ کیونکہ مفسر یعنی فک مصدر ہے اور مفسر یعنی عقبہ مصدر نہیں ہے پس عین کی تفسیر مصدر سے لازم آجائے گی جو صحیح نہیں ہے۔ اور مسبغة، مقربة، متربة مفعلات ہیں۔ اول سغب سے، خوذ ہے بھوکا ہونا۔ دوسرا قرب سے ماخوذ ہے قرب نسبی مراد ہے اور تیسرا قرب سے ماخوذ ہے جس کے معنی محتاج ہونے کے ہیں۔

ثم کان ثم ترتیب ذکر کے لئے ہے۔ ترتیب زمانی کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ ایمان اعمال سے مقدم ہوتا ہے۔ زنجیری یہ کہتے ہیں کہ ایمان کے حدرتی بتلانے کے لئے لایا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایمان کا درجہ آزادی اور صدقہ سے بڑھ کر ہے۔ اصحاب المیمنة بمعنی یمن دانی جانب کے ہیں یا بمعنی یمن و برکت ہے۔ اسی طرح مشمہ بمعنی شام یا نین جانب ہے یا بمعنی شوم نحوست ہے۔ مؤمنین کو اول لٹک سے اور کفار کو ضمیر ہم سے بیان کرنے میں دونوں کے فرق مراتب کی طرف اشارہ ہے۔ علیہم یہ خبر ثانی ہے یا مستانفہ ہے۔ نار مؤصدة او صدت الباب دروازہ بند کر دینا۔ ابو عمرو، حمزہ، حفص نے حمزہ کے

ساتھ پڑھا ہے۔ اصدت الباب سے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

رابط آیات: سورۃ فجر کی طرح اس سورۃ بلد میں بھی ان اعمال کا ذکر ہے جن کی سزا جزاء آخرت میں ہوگی۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہاں برے اعمال کا ذکر زیادہ تھا اور یہاں زیادہ تر اچھے اعمال کا ذکر ہے۔ نیز اس سورت کی تمبیہ میں بعض اچھے اعمال کے مقتضیات کا بیان ہے۔ اور آخر میں اچھے برے کاموں کی جزا سزا کا بیان ہے اس سورت کا اندازہ یہاں بھی اس کا پتہ دے رہا ہے۔ یہ بھی ابتدائی سورتوں میں ہے۔ جب کہ کفار مکہ حضور کی دشمنی پر تلے ہوئے تھے اور وہ ظلم و زیادتی پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کے اصمیان کے لئے روشن مستقبل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس سورت کی وجہ تسمیہ واضح ہے۔

﴿تشریح﴾: ..... لا اقسام مفسر تولا کو زائد فرما رہے ہیں۔ لیکن بسا اوقات سلسلہ کلام کا آغاز ”نہیں“ سے کیا جاتا ہے۔ اور پھر قسم سے بات شروع کی جاتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے کوئی غلط بات کہی جا رہی تھی۔ جس کی تردید مقصود ہے پس انکار کا تعلق پچھلے کلام سے ہوگا۔ جملہ قسمیہ سے اس کا تعلق نہیں ہوگا۔ اب رہا یہ کہ کس بات کی تردید کرنی ہے۔ سوا گلا مضمون اس پر روشنی ڈال رہا ہے۔ معنی کفار یہ کہتے تھے کہ زندگی کا جو ذریعہ چل رہا ہے کہ کھاؤ پیو اور مزے اڑاؤ اور جب وقت آجائے تو مر جاؤ۔ یہی ٹھیک ہے۔ اب خواہ مخواہ محمد کے کہنے سے مرنے کے بعد کا بھی غم سوار کر لینا اور اپنے مزے کو کر کر کر کر لینا۔ یہ بات گلے سے نہیں اترتی۔ لا کے ذریعہ اس غلط نظریہ کی تردید کی جا رہی ہے۔ اور جزا و سزا کی حقیقت کو قسم سے مؤکد کیا جا رہا ہے۔ ہذا البلد اس سے مکہ معظمہ مراد ہے اور وجہ تخصیص اس شہر کی عظمت و خصوصیات ہیں۔

ایک جملہ کے تین معانی: ..... وانت حل اس جملہ کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ آپ چونکہ اس بستی میں مقیم ہیں اس لئے اس کی عظمت میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مکہ مکرمہ چونکہ حرم ہے یہاں ہر شخص کو لڑائی کی ممانعت ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف فتح مکہ کے دن یہ ممانعت نہیں رہی تھی۔ آپ کے لئے مختصر وقت میں قتال کی اجازت ہو گئی تھی۔ چنانچہ بعض سنگین مجرموں کو خاص دیوار کعبہ کے پاس قتل کیا گیا۔ پھر بعد میں قیامت تک کے لئے سابقہ ممانعت بدستور قائم کر دی گئی۔ تیسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شہر میں جنگلی جانوروں اور درختوں، گھاس پھوس تک کو تو پناہ ملی ہوئی ہے۔ ان کو مارنے کا نئے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن نہیں ان ملی تو آپ کو نہیں ملی۔ آپ کو مار ڈالنے کے منصوبے ہیں۔ اگرچہ لفظا تینوں معنی کی گنجائش ہے۔ تاہم تیسرا مفہوم زیادہ میل کھاتا ہے۔ پہلی صورت میں قسم کی مناسبت ظاہر ہے کہ شہر پہلے ہی سے محترم مگر آپ کے تشریف فرما ہونے سے اور بھی لائق صدا احترام ہو گیا۔ اور دوسری صورت میں مکہ کی قسم کھا کر ان شدائد اور سختیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس سے انسان کو زرنہ پڑتا ہے اور اس وقت دنیا کا بزرگ ترین انسان دشمنوں کی طرف سے اس شہر میں بے پناہ سختیاں جھیل رہا تھا۔ بطور جملہ معترضہ وانت حل بهذا البلد فرما کر آپ کی تسلی فرمائی گئی۔ گو آج یہ نادان آپ کے ساتھ ناروا سلوک کر رہے ہیں۔ مگر وہ دن دور نہیں جب آپ کا اس شہر میں فتحنہ داخلہ ہوگا اور اس مقام کی اصل تقدیر و تطہیر کے لئے مجرموں کو سزا دینے کی آپ کو اجازت ہوگی۔ جس کا ظہور آج ہی میں فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔

انسان کی دکھ بھری زندگی: ..... لقد خلقنا الانسان یہ ہے وہ مضمون جس پر تین قسمیں کھائی گئی ہیں۔ یعنی دنیا میں انسان چین کی بانسری بجانے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ بلکہ ابتداء سے انتہا تک یہ دنیا محنت و مشقت جھیننے اور سختی برداشت کرنے کی جگہ ہے۔ کبھی مرض میں مبتلا ہے۔ کبھی رنج و فکر میں ڈوبا ہوا ہے۔ عمر بھر میں شاید کوئی لمحہ ایسا آتا ہو جب یہ تمام خرخشوں اور آفتوں سے بالکل یکسو ہو کر بے فکری کی زندگی بسر کر رہے ہوں۔ آدم اور اولاد آدم کے احوال کا مشاہدہ کرنے سے اور انسان کی پیدائشی ساخت پر نظر کرنے سے صاف عیاں ہے کہ وہ ان کھینچوں سے چھٹکارا نہیں پاسکتا۔ مکہ کا شہر گواہ ہے کہ کسی اللہ کے بندے نے اپنی جان کھپائی تھی تب یہ بسا اور عرب کا مرکز بنا۔ اب بھی سنگلاخ زمین میں سب سے برگزیدہ انسان ظلم و ستم کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اور ایک بڑے مقصد کے لئے صریح طرح کی مصیبتیں جھیل رہا ہے۔ جنگلی جانوروں اور درختوں، گھاس پھوس کے لئے پناہ ہے مگر امن و امان نہیں ہے تو اس بہترین

انسان کے لئے نہیں۔ یوں بھی ماں کے پیٹ سے لئے لڑکے کی گود تک انسان قدم قدم پر مشکلات سے دوچار رہتا ہے۔ ایک پریشانی سے نہیں نکلتا کہ دوسری آفت گھیر لیتی ہے۔ کتنا ہی تازہ پروردہ اور آرام کے گہوارہ میں زندگی بسر کرنے والا شخص ہو مگر پیدائش کے جھمیوں سے تو وہ بھی نہیں بچ سکتا۔ زچگی کے وقت دیکھا جائے تو موت و حیات کے درمیان بال سے زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا۔ پھر پیدا ہونے پر بھی کافی چوکی اور نگہداشت نہ کی جائے تو پڑے پڑے ہی سسک سسک کر دم توڑ سکتا ہے۔ پھر چنے کے قابل ہونے پر بھی قدم قدم پر گرتا ہے۔ چلتا کم ہے گرتا زیادہ ہے۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک زندگی میں کتنے موڑ آتے ہیں اور کتنی گھائیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ غرباء کی پریشانیوں جتنی ہیں۔ ان سے زیادہ الجھنیں امراء اور سلاطین کو پیش آتی رہتی ہیں۔ غرض کوئی شخص بے غل و غش چین کا سانس نہیں لیتا۔ کیونکہ انسان کی پیدائش ہی مشقت میں ہے۔ آیت کا کلر انسان کی غم آگیز زندگی کا کتنا بلغم مرقع ہے۔

**انسان کی بڑی بھول:** ..... ایحسب الانسان انسان کی رنج اندوہ سے بھری ہوئی زندگی کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس میں خاکساری اور عاجزی پیدا ہوتی اور خود کو وابستہ قضا و قدر سمجھ کر پابند و قافا ہوتا اور وہ ہر وقت اپنے عجز و ضعف کو محسوس کر کے وقف اطاعت رہتا۔ لیکن یہ اس کی کتنی بڑی بھول ہے کہ وہ برابر سرکشی میں مصروف رہتا ہے۔ کیا وہ اس فریب میں مبتلا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں ہے۔ وہ جو کچھ چاہے کرے، کوئی اس کو پکڑنے والا یا نیچا دکھانے والا نہیں ہے۔ کیا وہ نظر نہیں کرتا کہ اللہ کی تقدیر سے کس طرح بندھا ہوا ہے۔ تقدیر کے آگے اس کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ خدائی طاقتوں کے مقابلہ میں اس میں کتنا دم خم ہے۔ بیماری کا ایک ہی جھٹکا اچانک اسے اپہج بنا کر رکھ دیتا ہے۔ زلزلہ کی ایک جنبش، آندھی کا ایک جھونکا، سمندروں کی ایک لہر انسان کی بے بسی بتلانے کے لئے کافی ہے۔ تقدیر کی ایک مردش اسے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔ پھر انسان کے دماغ میں یہ ہوا کہاں سے بھر گئی کہ وہ مطلق العنان ہے۔ اہلکت مالا لئدا اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت اور عداوت میں اور گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں بے تگہ پن سے بے دریغ مال خرچ کرنے کو بہتر سمجھتا ہے اور فخر یہ کہتا ہے کہ میں نے اتنا مال لٹا دیا۔ اور پھونک دیا ہے اور یہ مال کسی نیک کام میں نہیں۔ بلکہ دو تمندی کی نمائش اور فخر و مباہات کے لئے ہے اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ کیا اس کے بعد بھی میرے مقابلہ میں کوئی کامیاب ہو سکتا ہے؟ حالانکہ جد ہی اسے پتہ لگ جائے گا کہ نہ صرف یہ کہ سارا خرچ برباد ہوا بلکہ الٹا وبال جان ہوا۔ اس ایک فقرے میں زمانہ جاہلیت کی فضول خرچیوں کا پس منظر سامنے آگیا۔

**انسان کی فضول خرچیاں:** ..... ایحسب ان لم یروہ احد کیا یہ فضول خرچیاں کر کے اترانے والا یہ نہیں سمجھتا کہ اس کے اوپر اسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ جتنا مال جس جگہ اور جس وقت سے خرچ کیا ہے اسے سب پتہ ہے۔ دولت کہاں سے آئی۔ کن کاموں میں اسے کھپایا۔ کس مقصد کے لئے یہ سارے جتن کئے۔ سب اللہ کے سامنے ہے۔ جھوٹی سچی بگھارنے سے کوئی فائدہ نہیں کیا وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے ہاں اس کی کوئی قدر و قیمت ہوگی یا دنیا کی طرح خدا بھی اس کے دھوکہ میں آجائے گا؟ الم نجعل له عینین جس نے انسان کو دیکھنے کے لئے دو آنکھیں دیں، کیا وہ دیکھتا نہ ہوگا؟ بینائی دینے والا بینا نہیں ہوگا؟ ولساناً وشفہین بولنے اور کھانے پینے کے لئے زبان اور ہونٹ دیئے۔ وہ دینہ الجدیدین یعنی اسی طرح اللہ نے انسان کو محض عقل و فکر دے کر چھوڑ نہیں دیا۔ بلکہ برائی بھدائی کے دونوں راستے نمایاں کر کے رکھ دیئے۔ تاکہ وہ سوچ سمجھ کر ان میں سے جس کو چاہے اپنی ذمہ داری پر اختیار کرے اور بعض سے نجہ دین سے مراد عورت کے دونوں پستان لئے ہیں۔ جن سے بچے دودھ پی کر پلتے ہیں۔

**دشوار گزار گھائی:** ..... فلاقتحم العقبة اقحام کے معنی خود کو دشواری میں ڈالنے کے ہیں اور عقبہ کے پہاڑی گھائی کے ہیں چنانچہ انسان شیطانی خواہشات کو ترجیح کر راہ حقانی اختیار کرے۔ اس آویزش اور کشاکش کو گھائی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی اتنے انعامات و احسانات کے ہوتے ہوئے بھی انسان کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ نفس اور انسانی شیطان کو پچھاڑ کر راہ ہدایت قبول کریتا۔ گویا اس کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک پستی کا، اور دوسرا بلندی کا۔ اول راستہ آسان ہے کہ اس میں ہلنے کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف لڑکھن ہی

کاٹی ہوئی ہے۔ اس نے اور اختیار کر لیا۔ اور بلندی کی راہ دشوار گزار ہے۔ اس میں چڑھنا پڑھنا ہے اس کو ترک کر دیا۔ غلاموں کو آزاد کرانا یہ قہر داروں کو ربائی دانا اور قحط سالی میں بھوکوں کی خبر گیری کرنا شیعوں کی پرورش، قرابت داروں سے صلہ رحمی کرنا، تنگ دست محتاج کی دیکھ بھال۔ یہ ہیں وہ شاق گھاٹیاں جو نفس پر گراں گزرتی ہیں۔ یقول اہلکت مالا لبدا فخر و نام آوری کے لئے انسان کی فضول خرچیوں کے ذکر کے بعد اس کے مقابلہ میں مال خرچ کرنے کے جو صحیح مواقع ہیں ان کی نشاندہی کی جا رہی ہے۔ ثم کما من الدس امسا یعنی ان اعمال کے قبول ہونے کی سب سے بڑی شرط ایمان ہے کہ اس کے بغیر نہ کوئی نیکی، نیکی کہانے کی مستحق ہے اور نہ وہ قبولیت کا درجہ پا سکتی ہے۔ وہی عمل النجی نجات ہے۔ جو ایمان کے ساتھ ہو۔ وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة یعنی وہ ایک دوسرے کو صبر اور رحمہ کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو ایک مومن کی پوری زندگی میں قدم قدم پر صبر کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ ایمان کا راستہ اختیار کرتے ہی صبر کی آزمائش شروع ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ مصائب پر صبر ہو یا طاعات کے بجالانے پر یا گناہ اور فسق و فجور سے بچنے پر، اسی طرح رحمہ کی معاشرۂ ایمانی کا لازمی حصہ ہے۔ ارحموا من فی الارض یرحمہ من فی السماء اصحاب المیمۃ، اصحاب المیمنہ اور اصحاب المیشئمہ کا ذکر سورۃ واقعہ میں تفصیلاً آچکا ہے۔

**خلاصہ کلام:** ... کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی پر پورے طور پر تلے ہوئے تھے اور ہر قسم کے ظلم و ستم کو انہوں نے اپنے لئے حلال کر لیا تھا۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ چنانچہ اس میں سب سے پہلے شہر مکہ اور اس میں آپ پر کئے گئے مظالم اور پورے انسانوں کی حالت کو شاید بنا کر یہ کہا گیا ہے کہ دنیا انسان کے لئے عشرت گاہ نہیں ہے کہ محض مزے اڑانا ہی وہ اپنا نصب العین بنا لے۔ بلکہ اس کی پیدائش تک مشقت و تکلیف میں ہوئی ہے۔ اس کا اپنا مستقبل بھی محنت و مشقت کا طاب ہے۔ پھر آگے چل کر اس کی سبقتی کا پردہ چاک کیا گیا ہے کہ یہاں انسان ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ اس سے اوپر کوئی بالا طاقت موجود ہے جو اس کے ہر کام کی نگرانی اور اس پر دار و گیر کرنے والی ہے۔ پھر آگے چل کر انسان کی مسرفانہ فضول خرچی پر شکوہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی بڑائی کی نمائش کرتے ہوئے اپنی شاہ خرچیوں پر کس طرح فخر کرتا ہے اور کس طرح لوگ اس کو داد دیتے ہیں۔ مگر نہیں دیکھتے کہ کوئی اس کو دیکھ رہا ہے کہ یہ مال کہاں سے آیا اور کہاں خرچ ہو رہا ہے؟ اس کے بعد ایک بہت بڑی حقیقت کو ایک چھوٹے سے فقرے میں سمودیا گیا ہے کہ خدا نے انسان کے لئے سعادت اور شقاوت کے دونوں راستے کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ ان کو دیکھنے اور ان پر چلنے کے وسائل بھی فراہم کر دیئے ہیں۔ اب یہ انسان کی اپنی کوشش اور محنت ہے کہ وہ سعادت کی راہ چلے یا شقاوت کی راہ اپنا کر برے انجام سے دوچار ہوتا ہے۔ اللہ نے تو اسے علم کے ذرائع اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں دے کر دونوں راہیں بتا دی ہیں۔ ایک راہ وہ ہے جو اخلاق کی بلندیوں کی طرف سے لے جاتی ہے جو دشوار گزار گھاٹی کی طرح ہے کہ اس پر چلنے کے لئے انسان کو اپنے نفس پر جبر کرنا پڑتا ہے۔ اور دوسرا رستہ اخلاقی پستیوں کی طرف جاتا ہے۔ وہ آسان ہے اس پر جانے کے لئے کوئی تکلیف اٹھانی نہیں پڑتی۔ بلکہ نفس کو خوب لذت حاصل ہوتی ہے۔ یہ انسان کی کمزوری ہے کہ وہ پہلی گھاٹی پر چڑھنے کی بجائے دوسرے کھد میں گرنے کو پسند کرتا ہے۔ پھر آگے چل کر اس گھاٹی کی نشاندہی فرمائی گئی۔ جس پر چڑھ کر انسان بلندیوں کو چھو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان فخر و مباہات، ریاء و نمود کی بجائے اپنا سرمایہ قیمیوں مسکینوں کی امداد پر خرچ کرے۔ اور اللہ اور اس کے دین پر پورا ایمان رکھے اور ایمانداروں کے ساتھ مل کر صبر و رحمہ کی تلقین کرتا رہے۔ اچھے دلوں کا راستہ اختیار کرنے سے اللہ کی رحمتوں کا مستحق بنے گا۔ اور دوسرا راستہ اختیار کرنے سے دوزخ کی آگ نصیب ہوگی۔ جس سے بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ سارے دروازے بند ہوں گے۔

**فضائل سورت:** من قرء سورۃ لا اقسام بهذا البلد اعطاه اللہ تعالیٰ الامانی من غصہ یوم القیامۃ

ترجمہ: جس شخص نے سورۃ مدثر پڑھی ہے گا اسے اللہ قیامت کے دن اپنے غضب سے امان عطا فرمائے گا۔ (حدیث موضوع)۔

**اظہار نفس سلوک:** ... فلا افتحم العقبة اس میں مجاہدات کی تلقین ہے۔ اگرچہ اس میں مشقت و دشواری ہے۔

## سُورَةُ الشَّمْسِ

سُورَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ خَمْسٌ عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا ﴿۱﴾ ضُوءُهَا وَالْقَمَرُ إِذَا تَلٰٰهَا ﴿۲﴾ تَبَعَهَا طَالِعًا عِنْدَ غُرُوبِهَا وَالنَّهَارُ إِذَا جَلٰهَا ﴿۳﴾ بِإِرْتِفَاعِهِ وَاللَّيْلُ إِذَا يَغْشٰهَا ﴿۴﴾ يَغْطِيهَا بِظُلْمَتِهِ وَإِذَا فِي الثَّلَاثَةِ لِمَجَرَّدِ الظَّرْفِيَّةِ وَالْعَامِلُ فِيهَا يَعْلُ الْقَسَمِ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَيْنَهُمَا ﴿۵﴾ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿۶﴾ بِسَطِّهَا وَنَفْسٍ بِمَعْنَى نَفْسٍ وَمَا سَوٰهَا ﴿۷﴾ فِي الْخِلْقَةِ وَمَا فِي الثَّلَاثَةِ مَصْدَرِيَّةٌ أَوْ بِمَعْنَى مَنْ فَالْهَمَّا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا ﴿۸﴾ تَبَعْنِ طَرِيقِي الْخَيْرِ وَالتَّسْوَى آخِرُ التَّقْوَى رِعَايَةً لِرُءُوسِ الْآلِ وَجَوَابُ الْقَسَمِ قَدْ أَفْلَحَ حُذِفَتْ مِنْهُ اللَّامُ لِطَوْنِ الْكَلَامِ مَنْ زَكٰهَا ﴿۹﴾ طَهَّرَهَا مِنَ الذُّنُوبِ وَقَدْ خَابَ خَسِرَ مَنْ دَسٰهَا ﴿۱۰﴾ أَخْفٰهَا بِالْمَعْصِيَةِ أَضْلٰهُ دَسٰهَا أُبْدِلَتْ السَّيِّئُ الثَّابِتُ أَلْفًا تَخْفِيفًا كَذَبَتْ ثُمُودُ رَسُولَهَا صَالِحًا بِطَغْوٰهَا ﴿۱۱﴾ بِسَبَبِ طُغْيَانِهَا إِذَا نُبِعتْ اسْرِعَ أَشْقٰهَا ﴿۱۲﴾ وَاسْمُهُ قُدَارٌ إِلَى عَقْرِ النَّاقَةِ بِرَضَائِهِمْ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَالِحٌ نَاقَةُ اللَّهِ أَى ذُرْوَاهَا وَسُقِيٰهَا ﴿۱۳﴾ وَشَرِبَهَا فِي يَوْمِهَا وَكَانَ لَهَا يَوْمٌ وَلَهُمْ يَوْمٌ فَكَذَّبُوهُ فِي قَوْلِهِ ذَلِكَ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى الْمُرْتَبِ عَلَيْهِ نَزُولُ الْعَذَابِ بِهِمْ إِنْ خَالَفُوهُ فَعَقَرُوْهَا قَتَلُوْهَا لِيَسْلَمَ لَهُمْ مَاءُ شَرِبَهَا قَدَمْدَمَ أَطْبَقَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ الْعَذَابَ بِذُنُوبِهِمْ فَسَوٰهَا ﴿۱۴﴾ أَى الدَّمْدَمَةِ عَلَيْهِمْ أَى عَمَّهُمْ بِهَا فَلَمْ يُفْلِتْ مِنْهُمْ أَحَدًا وَلَا بِالْوَاوِ وَالْعَاءِ يَخَافُ تَعَالَى عِقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ تَبَعْتَهَا

سورہ الشمس مکہ ہے جس کی پندرہ آیات ہیں۔

ترجمہ ... بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سورج اور اس کی دھوپ (روشنی) کی قسم اور چاند کی قسم ہے کہ اس کے پیچھے آتا ہے (سورج ڈوبنے کے بعد چاند نکلتا ہے) اور دن کی قسم جب کہ وہ خوب روشن کر دیتا ہے (چڑھ کر) اور رات کی قسم جب کہ وہ ڈھانک لیتی ہے (اپنی اندھیری سے چھپا دیتی ہے اور ذاتیوں جگہ ظریت کے لئے ہے۔ فعل قسم اس میں عامل ہے) اور آسمان کی اور اس



ذات کی قسم جس نے اس کو بنایا ہے اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو بچھایا (پھیلایا) ہے اور نفس انسانی (نفس بمعنی نفوس) اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو ہموار کیا (بناوٹ اور تینوں جگہ ہا مصدر یہ ہے یا بمعنی من ہے) پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری اس کو ابہم بردی (خیر و شر کے دونوں راستے بتلا دیئے اور تقویٰ کا ذکر آخر میں اس آیت کی وجہ سے کیا ہے اور جواب قسم آئے ہے) یقیناً وہ بامراد ہوا (کلام طویل نہ ہو جائے اس لئے لام حذف کر دیا ہے) جس نے نفس کو پاک کر دیا (گنہوں سے بچایا) اور نامراد (نا کام) ہوا جس نے اس کو بدادیا (گناہ کر کے اس کی صلاحیت کو مخفی کر دیا۔ اس کی اصل دسبھا تھی۔ دوسرا سین تخفیف کے لئے انف سے بدل دیا) قوم شمود نے (اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو) جھٹلادیا۔ اپنی شرارت (سرکشی) کی وجہ سے جب کہ (پھر کر جلدی سے) اٹھا اس قوم کا سب سے زیادہ بد بخت۔ (جس کا نام قدار تھا قوم کی رائے سے اونٹنی کی کوٹھیں کاٹنے کے لئے) تو اللہ کے رسول نے (صاح) ان لوگوں سے فرمایا کہ خبردار رہنا اللہ کی اونٹنی سے (اسے ہاتھ نہ لگانا) اور اس کے پانی پینے سے (اس کی باری کے دن کیونکہ ایک روز اس کی باری تھی اور ایک دن اوروں کی) مگر انہوں نے اس کی بات کو جھوٹا قرار دیا (کہ خدا کی طرف سے یہ نہیں ہے کہ اُتر انہوں نے مخالفت کی تو ان پر عذاب آئے گا) پھر اس اونٹنی کو مار ڈالا (پانی اپنے لئے مخصوص کر لینے کی خاطر اونٹنی کو ختم کر دیا) آخر کار ان پر ایسی آفت توڑی (ڈھائی) ان کے رب نے (عذاب کی) ان کے گناہ کی پاداش میں ایک ساتھ سب کو پھونک کر خاک کر دیا (یعنی سب کو ایسا ختم کر ڈالا کہ ان میں سے ایک بھی نہ بچا) اور اللہ نے (واو اور فاک ساتھ دونوں طرح ہے) اس کے انجام (نتیجہ) کی پرواہ نہیں کی۔

**تحقیق و ترکیب:** .. والشمس اس سورت میں سات چیزوں کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔

ضحیٰ کے معنی چمکنے، روشن ہونے کے ہیں بعض کی رائے ہے ضحہ دن چڑھنے کا وقت اور ضحیٰ زیادہ دن چڑھنے کا وقت اور ضحاء قریب دوپہر کا وقت، مفسر ضحیٰ کے معنی چمکنے، روشن ہونے کے لئے رہے ہیں۔ اس کے معنی دھوپ کے اور پورے دن کے بھی آتے ہیں۔ گویا رات کو عالم پر موت اور دن کو زندگی طاری ہو جاتی ہے۔ اس طرح جواب قسم سے مناسبت ظاہر ہے۔

والقمر اذا تلاھا سورۃ غروب ہونے کے بعد چاند نکلنا اگرچہ شروع مہینہ میں ہوتا ہے۔ مگر مفسر نے والقمر اذا اتسق کی رعایت کرتے ہوئے تفسیر کی ہے۔ اذا بعض کے نزدیک تینوں جگہ ظرف کے لئے ہے اور خلیل کے نزدیک فاء اور ثم کی طرح عطف کے لئے ہے۔ تاکہ جواب ایک اور قسمیں متعدد نہ ہو جائیں۔ مگر پہلے حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر عطف کے لئے کہا جائے۔ تو علیین پر عطف لازم آئے گا۔ کیونکہ و اللیل و اوقسمیہ کی وجہ سے مجرور ہے اور اذا یغشی فعل اقسام مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ پس اگر والنہار اذا تجلی میں وادعطف ہوگا تو انہار کا عطف اللیل پر مجرور ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ اور اذا یغشی میں منصوب ہے۔ اس لئے ان فی الدار زیدا والحجرۃ عمرا کی طرح ہو جائے گا۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ و اوقسمیہ بمنزلہ ما اور فعل کے ہے۔ گویا نصب و جرائم کا مثل ہے۔ یہ سمجھ جائے گا کہ ایک عامل کے دو عمل ہو گئے۔ جیسا کہ ضرب زید عمروا و بکرا خالدا البتہ آیت فلا اقسامہ بالخنس الجوار الكنس و الیل اذا عسعس سے اشکال ہوگا۔ کیونکہ اس میں فعل قسم مذکور ہے۔ اس لئے اس میں یہ عذر نہیں چل سکے گا۔ تاہم تحقیقی بات یہ ہے کہ عامل ظرف فعل قسم سے نہیں ہے۔ کیونکہ حال و استقبال سے زمانہ کی تنقید مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ ظرف معمول ہے مضاف مقدر کا۔ تقدیر عبارت ”وتعظمہ اللیل“ ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے قسم کھانے سے اس کی تعظیم ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بات بھی بحث طلب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں اظہار عظمت کے لئے مستعار ہوتی ہیں۔ پس ان کی تنقید معنی مرادی کے جزو کی حیثیت سے ہو سکتی ہے اور تقدیر عظمت لغو ہو جائے گی۔ پس اس طرح اذا بطور بدل مطلق وقت کے معنی میں ہو جائے گا۔



ای و الیل وقت غشیانہ۔ مفسرؒ اذا کا عامل مقدر فعل قسم کو مان رہے ہیں۔ اس میں اشکال یہ ہے کہ فعل قسم انشاء ہے جس کا زمانہ حال ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اذا میں کیسے عمل کر سکتا ہے۔ جس کا زمانہ استقبال ہوتا ہے۔ ورنہ عامل اور معمول کے زمانے مختلف ہو جائیں گے جو محال ہے۔ لیکن جواب یہ ہے کہ مستقبل چیز کی فی الحال قسم کھانا صحیح ہے مثلاً: کہا جائے۔ اقسام باللہ اذا طلعت الشمس پس قسم کھانا تو اس وقت ہوا اور طلوع شمس مستقبل میں ہوگا۔

و ما بناها بقول فراءؒ اور زجاجؒ ما مصدر یہ ہے لیکن زخشریؒ وغیرہ کہتے ہیں فالہمها کی وجہ سے معنی ٹھیک نہیں ہوں گے۔ اور نہ نظم کلام درست رہے گا۔ کیونکہ اس طرح اسم کا فعل پر عطف ہو جائے گا۔ نیز یہاں الہم کا فاعل نہیں ہے نہ ظاہر نہ ضمیر مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ما کے صمد پر عطف ہے۔ ما اور صمد دونوں پر عطف نہیں ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی۔ وتسویتها فالہامها اور من بناها کی بجائے ما بناها اس لئے کہا کہ وصفی معنی لینے مقصود تھے۔ بہر حال سواها اور الہمها میں اگر اللہ کو فاعل مضمرا مانا جائے اور نفس کی تنکیر تکثیر کے لئے ہو یا تعظیم کے لئے مانی جائے تو کوئی اشکال نہیں رہتا۔

فالہمها فجورھا وتقواھا اس میں تعقیب عرفی ہے۔ اس لئے اب یہ اشکال نہیں رہتا کہ نفس کا تسویہ تو روح سے پہلے ہوتا ہے اور الہام بالغ ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ نفس کے تسویہ سے اعضاء کی تعدیل مراد ہے جس میں قوت مفکرہ بھی داخل ہے اور الہام سے مراد یہ ہے کہ نفس کو اچھائی برائی کی کیفیت معلوم ہو جائے، فجور تقویٰ کی تفسیر ابن عباسؒ نے خیر و شر کے طریقوں سے کی ہے طاعت و معصیت مراد لی جائے۔

قد افلح، لقد افلح تھام اختصار حذف کر دیا۔

من زکھا مفسرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اس کا فاعل ضمیر مستتر ہے اور ضمیر بارز نفس کی طرف راجع ہے اور تطہیر کی اسد بھی نفس کی طرف ہے۔ جیسا کہ حسنؒ سے منقول ہے۔ لیکن ضمیر مستتر اللہ کی طرف اور ضمیر بارز من کی طرف راجع ہو سکتی ہے۔ اور تانیث معنی نفس کی وجہ سے ہے۔ حق تعالیٰ تکمیل نفس کی ترغیب و مبالغہ کے لئے ایسی چیزوں کی قسمیں کھا رہے ہیں۔ جو اللہ کے موجود و جوب اور اس کے کمالات کی دلیلیں ہیں جو قوت نظریہ کا کمال ہے اور اللہ کی بڑی نشانیوں کی تذکیر فرمائی گئی ہے جو قوت عملیہ کا کمال ہے۔

من دسھا تقفی اور تقفیض کی طرح دس کی اصل دمس تھی۔

کذبت ثمود فجور تقویٰ کی مناسبت سے قوم ہود اور حضرت صالحؑ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ تاکہ دونوں باتوں کا نمونہ سامنے آجائے۔ بطغونها دراصل طغیاھا تھا۔ اسم و صفت میں فرق کرنے کے لئے یا کو داو سے تبدیل کر دیا اور جعی کی طرح ایک قرأت میں طعوی بھی ہے۔ مضرف مقدر ہے ای ذی الطغویٰ یا طغی سے بطور مبالغہ نفس عذاب مراد لیا جائے۔

اذ انبعث یہ کذبت کا ظرف ہے۔ یا طغویٰ کا اور اشقی انبعث کا فاعل ہے اشقی سے مراد قدر اور اس کے ساتھی ہیں کیونکہ اسم تفصیل واحد و جمع دونوں کی گنجائش رکھتا ہے۔

ناقة اللہ مفسرؒ نے ناصب محذوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس میں اضافت تشریفیہ ہے۔

فکذبوہ یعنی سابقہ تکذیب کرنے سے باز نہیں آئے۔

قدمدم ”ناقة مدمومہ“ اونٹنی جب اس پر جہ بی چڑھ جائے دمدم تکرار فعل کے لئے ہے۔

ولا یخاف میں واو حالیہ ہے نافع بن عامر فلا پڑھتے ہیں عطف کے ساتھ۔

عقبھا یعنی عذاب کے عواقب کی اللہ نے پرواہ نہیں کی۔

روایات: اس سورت کا طرز بیان بظاہر ہوتا ہے کہ یہ سورت بھی مکہ کی ابتدائی ان سورتوں میں ہے جب کہ آپ کی مٹی گشت زور شور سے جاری تھی۔ پہلی سورت میں ایمان و کفر کے اعمال کی مجازات کا بیان تھا۔ اس سورت میں کدبت ثمود۔۔۔ عمار بن زنا کے لئے کفری اعمال پر دنیاوی مجازات کو قصداً ذکر کیا گیا ہے۔ اور نفس کی قسم کے ذیل میں کفر و ایمان کے اعمال اور ان کی اخروی مجازات مجمل بیان کر دی گئی ہے۔

روایات: (۱) عن عمران بن حصیب قال علیہ السلام محیباً عن سوال مثل عن الفضاء والقدر لای نسئ فسی عسہم ومسی فیہم وتصدی ذلک فی کتاب اللہ ونفس وما سواہا فالہمہا فجورہا وتقوہا۔  
(۲) عن النضر بن ابی حصیب اللہ علیہ وسلم اذا قرء فالہمہا فجورہا وتقوہا وقف ثم قال اللہم انت نفسی بئوہا وادکبہا سحر من رکبہا انت ولہا ومولہا وفی مسلم انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدعوا بہذا اندعاء۔

﴿تشریح﴾: ضحیٰ کے معنی وقت چاشت کے ہیں جب کہ سورج کچھ بلند ہو جاتا ہے اور اس میں روشنی کے ساتھ قدرے گرمی آ جاتی ہے۔ اس لئے پورے معانی کی رعایت دھوپ کے ترجمہ میں ہو جاتی ہے۔ اذا تلاھا سورج ڈوبنے کے بعد چاند کی چاندنی پھیل جاتی ہے۔ اذا یغشاھا کی اصل حقیقت سورج کا نیچے اتر جانا ہے۔ جس کی وجہ سے سورج کی روشنی زمین کے اس حصہ میں نہیں پہنچتی جہاں رات آتی ہے۔ اس لئے رات کے آنے، سورج کے ڈوبنے اور اس کی روشنی رات بھر غائب رہنے کی کیفیت کو اس طرح تعبیر کیا کہ رات سورج کو ڈھانک لیتی ہے۔ یعنی رات کی تاریکی خوب چھا جائے اور سورج کی روشنی کا کچھ نشان نہ رہے۔ وما سواھا مخلوق کی رائے کے لئے اللہ نے آسمان کو خیمہ اور چھت کی طرح تان دیا۔ ان تینوں الفاظ بناھا، طحاھا، سواھا میں ما اگرچہ بعض مفسرین نے مصدر یہ لیا ہے۔ لیکن بمعنی من لینا زیادہ اچھا ہے جس سے مراد اللہ ہے۔ نفس کے تسویہ اور ہموار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بدن انسانی اور اس کے تمام جوڑ بند اور اعضاء مناسب بنائے۔ اسی طرح اندرونی قوتیں بھی موزونیت کے ساتھ عطا کیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس میں فساد و فتنہ و اس کی اصل فطرت نہیں بنایا۔ بلکہ اس کی ساخت فطری طور پر سیدھی راہ چلنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اندرونی یا بیرونی خرابی اگر آتی ہے تو خارجی عوامل سے آتی ہے۔ آیات و روایات سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

برائی اچھائی کا الہام: ... الہمہا فجورہا وتقوہا۔ لہم کے معنی نکلنے کے آتے ہیں لہم الشئ والفہم دونوں طرح کہا جاتا ہے۔ الہمہ الشئ کے معنی یہ ہیں کہ میں نے فلاں چیز اس کو منگوادی کسی تصور و خیال کا غیر شعوری طور پر منجانب اللہ کسی کے دل و دماغ میں آجانا اس کو اصطلاحی طور پر الہام کہا جاتا ہے۔ فطری الہام اللہ نے ہر مخلوق کو اس کی حیثیت اور نوعیت کے اعتبار سے ودیعت فرمایا ہے۔ اللہ اعطی کل شیئ خلقہ ثم ہدی چاند، تارے، سورج، آسمان، زمین، ہوائیں، بادل، جمادات، نباتات، جانور سب ہی کو ان کے مناسب فطری الہامات سے قدرت سے نوازا ہے اور وہ اپنے اپنے نواز میں مصروف عمل ہیں۔ انسان کی ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک حیوانی وجود ہے۔ اس حیثیت سے اس کو مختلف الہامی علوم دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح اس کا ایک عقلی وجود ہے۔ اس لحاظ سے بھی خدا نے اس کو الہامی رہنمائی عطا فرمائی ہے۔ جس کی بدولت وہ مسلسل اکتشافات اور ایجادات کر کے تمدن میں ترقی کرتا ہے۔ ان دونوں حیثیتوں کے علاوہ انسان میں ایک حیثیت اخلاقی ہے۔ اس لحاظ سے بھی نفس انسانی میں اللہ نے نیکی بدی دونوں کے رجحانات اور میدان ت رکھ دیئے ہیں۔ جس کو ہر شخص اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ اجمالی طور پر بھلائی

برائی میں تمیز کرنے کی اللہ نے سمجھ دی ہے۔ پھر انبیاء اور آسمانی تعلیمات نے اسے کھول کھول کر بتلادیا کہ یہ برائی کا راستہ ہے اور یہ نیکی کا طریقہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر انسان کے لاشعور میں اللہ نے یہ بات القا کر دی ہے کہ فلاں اخلاق اچھے ہیں اور فلاں برے ہیں۔ اور یہ کہ اچھے برے اعمال و اخلاق یکساں نہیں ہیں۔ فلاں چیز اچھی ہے فلاں چیز بری ہے۔ یہ چیز انسان کے لئے اجنبی نہیں ہے بلکہ خالق نے پیدا کنی طور پر برے بھلے کی تمیز اس کو عطا کر دی ہے۔ غرضیکہ دل میں نیکی کا رجحان اور بدی کا میلان اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جیسا کہ سابق روایت نشاندہی کر رہی ہے۔ ہاں نیکی کا القاء فرشتہ کے ذریعہ اور بدی کا القاء شیطان کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ پھر وہ رجحان و میلان کبھی انسان کے ارادہ و اختیار سے عزم کے درجہ میں پہنچ کر فعل صادر ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پس افعال کا خالق تو اللہ اور کاسب بندہ ٹھہرتا ہے۔ غرض اللہ نے انسان کو خیر و شر کا امتیاز اور خیر کے خیر اور شر کے شر ہونے کا احساس الہامی طور پر عطا فرمایا ہے اور یہ ایک عالمی حقیقت ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا خیر و شر کے تصور سے کبھی بھی خالی نہیں رہی۔ دنیا میں کبھی کوئی ایسا معاشرہ نہیں ہوا جس میں بھلائی برائی پر بھلے برے اثرات مرتب کرنے کی صورت اختیار نہ کی گئی ہو۔ پس اس حقیقت کا مسلک عالمگیر ہونا اس کے فطری ہونے کا صریح ثبوت ہے۔

کون کا میاب ہے اور کون نا کام؟..... قد افلح یہ ہے وہ مضمون جس پر ٹیک دہائی سے زیادہ قسمیں کھائی گئی ہیں۔ قرآن جن حقائق کو ذہن نشین کرانا چاہتا ہے اس کی تائید میں وہ انسان کے ارد گرد اور خود اس کے اندر کی چیزوں کو شہادت میں پیش کیا کرتا ہے۔ اسی اصول کو سامنے رکھ کر یہاں بھی دو متضاد چیزیں پیش کی گئی ہیں۔ جن کے نتائج و ثمرات بھی ظاہر ہیں۔ کہ یکساں نہیں ہوں گے بلکہ مختلف ہوں گے۔ ایک طرف سورج اور اس کی تیز اور گرم دھوپ ہے۔ دوسری طرف چاند اور اس کی ہلکی ٹھنڈی روشنی ہے۔ دونوں کے اثرات الگ الگ وقت میں مختلف ہوتے ہیں۔ ایک طرف دن ہے اور دوسری طرف رات ہے دونوں کا وقت بھی الگ الگ اور نتائج و ثمرات بھی متضاد۔ علی ہذا ایک طرف آسمان اور اس کی بلندی ہے اور دوسری طرف زمین اور اس کی پستی ہے۔ دونوں کے اثرات اور کام ایک دوسرے سے بالکل مختلف۔ ان آفاقی شہادتوں کے بعد اب خود انسان کے اندر غور کر لیا جائے تو نظر آجائے گا کہ اعضاء اور حواس اور ذہنی قوتوں کے موزوں امتزاج سے درست کر کے اس میں بھلائی کے رجحانات اور برائی کے میلانات رکھ دیئے گئے ہیں جو ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ پس اگر چاند، سورج، دن، رات، آسمان، زمین یکساں نہیں ہیں تو تقویٰ و تزکیہ اور فسق و فجور کیسے یکساں ہو سکتے ہیں؟ انسان اس دنیا میں بھی نیکی بدی کو یکساں نہیں سمجھتا۔ جس چیز کو وہ نیکی سمجھتا ہے وہ اسے قابل قدر مستحسن انعام سمجھتا ہے اور جس چیز کو بدی سمجھتا ہے وہ اس کے نزدیک قابل مذمت اور لائق سرزنش ہوتی ہے۔

کون سی چیز نیکی ہے اور کون سی چیز بدی ہے؟..... لیکن کون سی چیز تقویٰ ہے اور کون سی فجور ہے۔ اس کا فیصلہ انسان کے ہاتھ میں نہیں رکھا۔ بلکہ اس خالق کے ہاتھ میں ہے جس نے انسان کو تقویٰ و فجور کا الہام کیا ہے۔ اس نے دونوں کے نتائج بھی الگ الگ رکھے ہیں۔ جو نفس کو پاک رکھے اور سنوارے یعنی قوائے شہوانیہ اور غصبیہ کو قوائے عقلیہ کے آگے جھکا دے اور عقل کو شریعت کے آگے سرخم کر دے۔ اس کا انجام فلاح ہے اس کا قالب تابعدار اور قلب و روح تجلی الہی سے منور ہو جائیں گے۔ لیکن فسق و فجور کا نتیجہ یہ ہے کہ جو فطری صلاحیت اور استعداد کو دبا کر گھونٹ دے گا وہ نامراد ہوگا۔ تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو برائیوں سے محفوظ رکھ کر تقویٰ کی بلندی پر پہنچائے اور بھلائی کی نشوونما کرے اور نفس کے نامراد اور خاک میں ملا دینے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کی باگ ڈور شہوت و غضب کے ہاتھ میں سراسر تھما دے، نہ شریعت کی پرواہ کرے اور نہ عقل و دانش کی رعایت رکھے۔ خواہش کی پیروی میں جانوروں کی طرح آزاد

ہو جانے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص نفس میں پائی جانے والی نیکی کے رجحانات کو ابھارنے اور ان کو تشو و نمادینے کے بجائے انسان کو دبا دے۔ بنا بہکا کر برائی کے میلانات کی طرف نفس کی لگام پھیر دے اور برائی کو اپنے اوپر اس طرح طاری کر لے کہ نیکی دب کر اور چھپ کر رہ جائے تو اس سے بڑھ کر نامرادی کیا ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے اپنی حکمت بالغہ سے نفس انسانی میں خیر و شر کی متضاد اور متقابل قوتیں رکھی ہیں۔ اور دونوں کو سمجھنے اور ان پر چلنے کی قدرت دی۔ اس طرح ان مختلف اعمال پر مختلف نتائج و ثمرات بھی اس نے رکھے ہیں اور اعمال کے مطابق ثمرات کا رکھنا عین حکمت ہے۔

ایک تاریخی نظیر: اذ انبعث مذکورہ بالا اصولوں کی وضاحت اور تائید کے لئے ایک تاریخی نظیر بیان کی جا رہی ہے۔ پہلی آیت میں ہر چند کہ یہ بتلایا گیا تھا کہ تقویٰ و فجور کا الہام اجمالی فطری ہے۔ لیکن جہاں تک اس کی تفصیلات کا تعلق ہے وہ وحی الہی سے ہے۔ جس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ تقویٰ کیا ہوتا ہے اور کس طرح حاصل ہوتا ہے اور فجور کا تعلق کن کن چیزوں سے ہے۔ جن سے انسان کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ انسان اگر وحی الہی کی اس واضح ہدایت کو قبول نہ کرے تو وہ نہ فجور سے بچ سکتا ہے اور نہ تقویٰ کا راستہ پاسکتا ہے۔ اسی طرح ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کا لازمی نتیجہ فلاح ہے اور فسق و فجور کا نتیجہ نامرادی اور بربادی ہے۔ چنانچہ قوم ثمود کی تاریخی نظیر سے بھی یہ دونوں باتیں کھل کر سامنے آ جاتی ہیں۔ کیونکہ اس قوم کا حال عربوں کے لئے جانا پہچانا تھا۔ تجارت کے سئے شام کو ہاتے ہوئے یہ بستی سر راہ پڑتی ہے۔ جس کا ذکر اشعار جاہلیت میں بھی ملتا ہے۔ قوم ثمود نے اپنے پیغمبر حضرت صالحؑ کو جھڑپا اور اپنی سرکشی اور تمرد کی وجہ سے ان کی بات مان کر ہی نہیں دی۔ اور کسی طرح بھی تقویٰ اور پرہیز گاری کی راہ نہیں اپنائی۔ سورۃ اعراف میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہوا ہے۔

فرمانِ نبی معجزہ: . . . حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ سن کر ان سے قوم نے نشان اور معجزہ کی فرمائش کی۔ اور پتھر سے گائے اور اونٹنی برآمد کرنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ حسب فرمائش بطور معجزہ برآمد ہو گئی۔ چارہ کے لئے تو وہ جنگل نکل جاتی اور پانی کا یہ انتظام ہوا کہ چشمہ کا ایک دن اونٹنی کے لئے مخصوص رہا اور ایک دن دوسرے تمام جانوروں کے لئے باری کا مقرر ہوا اور آگاہ کر دیا گیا کہ کسی نے برے ارادہ سے اونٹنی کو ہاتھ لگایا تو اس پر عذاب آ جائے گا۔ کچھ دن تو ڈر کر پابندی کرتے رہے۔ لیکن آخر کار صورت حال سے تنگ آ کر قدار بن سالف نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اس طرح وہ غائب یا ہلاک ہو گئی اور اس کا بچہ اس پتھر میں غائب ہو گیا جہاں سے وہ برآمد ہوئی تھی۔

ولا یحاف عقہا یعنی دنیا کے فرمانرواؤں کو جس طرح کسی کو سزا دینے کے بعد کبھی اندیشہ لاحق ہوا کرتا ہے کہ کہیں رد عمل کے طور پر ملک میں شورش نہ ہو جائے یا نظم حکومت میں کوئی خلل نہ پڑ جائے۔ اللہ کا اقتدار سب سے اعلیٰ ہے اسے اس کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی کہ یہ قوم یا اس کے حمایتی اس کا پیچھا کریں گے۔

خلاصہ کلام: اس سورت کا عمودی مقصد نیکی بدی کا امتیاز بتلانا تھا۔ اور اس فرق سے انکار اور بدی پر چھتے رہنے اور اصرار کرنے والوں کو ان کے انجام بد سے ڈرانا ہے۔ اس سورت کی پہلی دس آیات میں تین باتیں سمجھائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ چاند، سورج، رات، دن، زمین، آسمان جس طرح ایک دوسرے سے مختلف اور اپنے آثار و نتائج میں متضاد ہیں۔ یہی حال نیکی بدی اور ان کے اثرات کے تضاد کا ہے۔ نیکی بدی نہ صورت یکساں ہیں اور نہ حقیقت۔ پھر ان کے نتائج میں یکسانیت کیسے آ سکتی ہے۔ دن اگر رات، یا رات اگر دن نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح دن کے اثرات رات میں اور رات کے نتائج دن میں اگر نمایاں نہیں ہو سکتے۔ تو نیکی بدی، یا بدی

نیکی کیسے بن سکتی ہے۔ اسی طرح نیکی پر بدی کے اور بدی پر نیکی کے ثمرات کیسے مرتب ہو سکتے ہیں۔ ورنہ کائناتوں کی جگہ پھول اور پھول کی جگہ کائے اگنے چاہئیں۔

دوسری بات یہ سمجھائی ہے کہ انسان کو محض جسمانی اعضاء اور ذہنی قوتیں دے کر بالکل بے خبر دنیا میں نہیں چھوڑا بلکہ شعوری طور پر فطری الہام سے نیکی بدی کا فرق بتا دیا۔ اور خیر و شر کا فی نفسہ احساس دلا کر اتارا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ انسان اپنا مستقبل بنانا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ خدا کی دی ہوئی قوتوں کو استعمال کرے۔ ہاتھ پاؤں چلائے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اچھے برے رجحانات میں سے کس کو ابھارتا اور کس کو دباتا ہے۔ اچھے رجحانات ابھارنے اور برے رجحانات دبائے سے اسے فلاح نصیب ہوگی۔ لیکن اچھائی کے جذبہ کو اگر برائی کا داعیہ ابھارے گا تو یقیناً ناکام رہے گا۔

ان تینوں مضامین کے نصف آخری نیکی بدی کے انجام کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک تاریخی نظیر پیش کی گئی ہے۔ کہ اللہ کا رسول صالح اپنی قوم ثمود کے پاس یہ پیغام لایا کہ فطری الہامی علم جو نیکی بدی میں فرق کرنے کے لئے انسان کو ملا ہے صرف وہ کافی نہیں ہے۔ اسی لئے انسان نیکی بدی بھلے برے کا معیار تجویز کرنے میں ہمیشہ چوکنا رہا اور گمراہی کے غار میں گرتا رہا۔ اس کا صحیح پیمانہ تو خالق کائنات کی بتلا سکتا ہے۔ جس طرح آنکھ کی روشنی کے لئے باہر فضا کا روشن ہونا بھی ضروری ہے، باہر اندھیرا ہوگا تو نور نظر بھی کام نہیں دے گا۔ یہی حال نور بصیرت کا ہے کہ اس فطری ہدایت کے ساتھ وحی کی روشنی بھی ناگزیر ہے۔ اگر وحی کی واضح ہدایات نہیں تو کتنے اشرافیہ تباہی کے مار میں جا پڑے۔ حضرت صالح بھی ثمود کے پاس یہی روشنی لے کر تشریف لائے اور ان کا منہ مانگا معجزہ دکھلا دیا۔ مگر قوم نے غیبت خسران کی راہ اپنائی۔ تباہی کا نتیجہ ان کے سامنے تھا۔ اہل مکہ کو صاف طور پر تو یہ نہیں کہا کہ تمہارا حشر بھی یہی ہوگا۔ مگر جب حال ان کا وہی ہے تو نتیجہ بھی ظاہر ہے وہی ہوگا۔

**ضائل سورت:** .... من قرء سورة الشمس فكانما تصدق بكل شیء طلعت علیہ الشمس والقمر ترجمہ جو شخص سورۃ الشمس پڑھے گا تو سمجھا جائے گا کہ جتنی چیزوں پر چاند سورج طلوع ہوئے ہیں۔ اس نے اتنا صدق کیا ہے۔

**طائف سلوک:** ... و نفس و ما سواھا یعنی نفس کو اس طرح سنوارا کہ وہ بارامانت اٹھانے کے لائق ہو گیا۔ آگے چل کر اس کے لئے دو راستے ذکر کئے گئے۔ یعنی تقویٰ اور فجور اور نفس کو ان دونوں کا الہام کیا گیا اور ایک تیسرے نفس کی حیثیت ان دونوں التوں کے درمیان بنائی۔ پس نفس اگر نافرمانی اور گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے تو اسے ”نفس امارہ بالسوء“ کہا جاتا ہے۔ اور پرہیزگاری کی طرف مائل ہوتا ہے تو اس کو نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر نفس گناہ کر کے جلد پشیمان ہو جائے تو اس کو ”لوامہ“ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ خود کو ملامت اور خواہشوں کی مذمت کرتا ہے اور اپنے شیطان پر لعنت بھیجتا ہے اور اپنی شہوت پر غصہ اور لذتوں پر نفرت کرتا ہے اور جو گناہ یا اس سے تائب ہو جاتا ہے پھر جب اس کی خالص توبہ کامل ہو جاتی ہے تو اس کے لئے پھر اپنی حفاظت ضروری ہو جاتی ہے۔ تاکہ وہ پہلی حالت کی طرف رجعت نہ ہو جائے۔ اب اس کے لئے اس حالت پر برقرار رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ تاہم چوکنا رہنے کی رورت ہے۔ تاوقتیکہ ملکہ راسخہ حاصل نہ ہو جائے۔ پھر بھی جب تک دارالتکلیف میں ہے۔ رجعت کا کھٹکا لگا رہتا ہے اللہ سے رتا ہے۔ نفس پر مختلف احوال اسی طرح طاری رہتے ہیں۔ جس طرح بدن پر مختلف حالات اور عوارض لاحق ہوتے ہیں۔ فالہمہما جو رہا و تقواھا نفس کی طرف فجور و تقویٰ کی اضافت سے بعض حضرات نے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ نفس کو اس فجور و تقویٰ کا الہام جاتا ہے جس کی اس میں پہلے سے استعداد ہوتی ہے۔

## سُورَةُ النَّارِ

سُورَةُ النَّارِ مَكِّيَّةٌ إِحْدَى وَعِشْرُونَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ۚ ۱ بَطْلَمَتْهُ كُلُّ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى ۚ ۲ تَكْتَسِفُ وَطَهَرُ وَإِذَا  
فِي الْمَوْضِعِ الْمَجْرَدِ انْظُرِيَّةً وَالْعَامِلُ فِيهَا فَعُلُ الْقَسَمِ وَمَا بِمَعْنَى مِنْ أَوْ مُصَدِّرَةٌ خَلَقَ الذَّكَرَ  
وَالْأُنْثَى ۚ ۳ أَدَمَ وَحَوَاءَ أَوْ كُلُّ ذَكَرٍ وَكُلُّ أُنْثَى وَالْخُنْثَى الْمُشْكِكُ عِنْدَنَا ذَكَرٌ أَوْ أُنْثَى عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى  
فِيحِثُ تَكْنِيْمُهُ مَنْ خَلَفَ لَا يُكَلِّمُ ذَكَرٌ أَوْ لَا أُنْثَى إِنَّ سَعْيَكُمْ عَمَلَكُمْ لَشَتَّى ۚ ۴ مُخْتَلَفٌ فَعَامِلٌ لِنَجَّةٍ  
بِإِسْأَعَةٍ وَعَامِلٌ لِلنَّارِ بِالْمَعْصِيَةِ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى حَقَّ اللَّهِ وَاتَّقَى ۚ ۵ اللَّهُ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ۚ ۶ أَيْ  
بِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي الْمَوْضِعِ فَسَنِيْسِرُهُ لِلْيُسْرَى ۚ ۷ لِلْجَنَّةِ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ بِحَقِّ اللَّهِ وَاسْتَغْنَى ۚ ۸  
عَنْ ثَوَابِهِ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ۚ ۹ فَسَنِيْسِرُهُ نَهِيْسِرُهُ لِلْعُسْرَى ۚ ۱۰ لِلنَّارِ وَمَا نَافِيَةٌ يَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ إِذَا  
تَرَدَّى ۚ ۱۱ فِي النَّارِ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَى ۚ ۱۲ لَتَبِينَ طَرِيقَ الْهُدَى مِنْ طَرِيقِ الضَّلَالِ يَتَمَثَّلُ أَمْرًا بِسُوءِ  
الْأَوَّلِ وَنَهْيًا عَنْ إِرْتِكَابِ الثَّانِي وَإِنَّ لَنَا لَآخِرَةَ وَالْأُولَى ۚ ۱۳ أَيْ الدُّنْيَا فَمَنْ طَسَّهَا مِنْ عَيْرِنَا فَقَدْ  
أَحْطَأَ فَاَنْذَرْتُكُمْ خَوْفَكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ نَارًا تَلْظِي ۚ ۱۴ بِحَذْفِ إِحْدَى التَّائِيْنِ مِنَ الْأَصْلِ وَقُرَى شُؤْنُهَا  
أَيْ تَتَوَقَّدُ لَا يَصْلُهَا يَدْخُلُهَا إِلَّا الْآشَقَى ۚ ۱۵ بِمَعْنَى الشَّقِي الَّذِي كَذَّبَ السَّيِّئَ وَتَوَلَّى ۚ ۱۶ عَنْ  
الْإِيْمَانِ وَهَذَا مُحْضَرُ مُؤَوَّلٍ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ فَيَكُونُ الْمُرَادُ الصَّلِيُّ الْمُؤَنَّدُ  
وَسَيُجَنَّبُهَا بَعْدَ عَمَلِهَا الْآتَقَى ۚ ۱۷ بِمَعْنَى التَّقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۚ ۱۸ مُتَزَكِّيًا بِهِ عِنْدَ اللَّهِ بِأَنْ  
يُحَرِّحَهُ بِنَهْ تَعَالَى لَا رِيَاءَ وَلَا سُمْعَةً فَيَكُونُ زَكِيًّا عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى وَهَذَا نَزَلَ فِي الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى  
عَنْهُ لَمَّا اشْتَرَى بِلَالًا الْمُعَذَّبَ عَلَى إِيْمَانِهِ وَاعْتَقَهُ فَقَالَ الْكُفَّارُ إِنَّمَا فَعَلَ ذَلِكَ لِيَدَّ كَانَتْ لَهُ عِنْدَهُ قُرْلٌ  
وَمَا لِأَحَدٍ بِلَالٍ وَغَيْرِهِ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۚ ۱۹ إِلَّا لِكِنْ فَعَلَ ذَلِكَ ابْتِغَاءً وَجْهَ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۚ ۲۰

أَيُّ صُلبِ ثَوَابٍ اللَّهِ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ﴿۹۲﴾ بِمَا يُعْطَاهُ مِنَ الثَّوَابِ فِي الْجَنَّةِ وَالْآيَةُ تَشْتَمِلُ مِنْ فَعْلٍ مِثْلُ فَعْلِهِ فَسَعْدُ عَنِ النَّارِ وَيُثَابُ

سورۃ النحل، اس میں ۲۱ آیات ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترجمہ: قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے (آسمان وزمین کے درمیان فضا کو اندھیرے سے چھپالے) اور دن کی جب کہ وہ روشن (نمیں ہو اور چمکے دونوں جگہ اذاحض طرف کے لئے اور فعل قسم عامل ہے) اور اس ذات کی (ما بمعنی من ہے یا مصدر یہ ہے) جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا (آدم اور حواء اور ہر مرد و عورت مراد ہے اور واقعی بیخبرہ ہمارے اعتبار سے مشکل سمجھا جائے گا۔ لیکن عند اللہ وہ مرد یا عورت ہے۔ چنانچہ اگر کوئی حلف کرے کہ میں کسی مرد اور عورت سے کلام نہیں کروں گا اور وہ بیخبرہ سے بات کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی) فی الحقیقت تم لوگوں کی کوششیں (اعمال) مختلف قسم کی ہیں (کوئی جنت کے کام کرتا ہے اطاعت کرے اور کوئی نافرمانی کر کے دوزخ کھاتا ہے) سو جس نے مال دیا (اللہ کا حق) اور (اللہ سے) ڈرا اور اچھی بات (دونوں جگہ کلمہ لا الہ الا اللہ مراد ہے) کو سچا سمجھا۔ سو ہم راحت کی چیز (جنت) کے لئے سہولت دیں اور جس نے (اللہ کے حق میں) بخل کیا اور (ثواب سے) بے نیازی برتی اور اچھی بات کو جھٹلایا۔ اس کو ہم تکلیف دہ چیز (جہنم) کے لئے سامان کر دیں گے اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا (منا فیہ ہے) جب کہ وہ ذال دیا جائے گا (دوزخ میں) بے شک راستہ بتانا ہمارے ذمہ ہے (ہدایت اور گمراہی کا الگ الگ کر دینا۔ تاکہ پہلے راستہ پر چل کر وہ ہمارے حکم کی تعمیل کرے۔ اور دوسرے کے اختیار سے باز رہے) اور ہمارے ہی قبضہ میں ہے آخرت اور دنیا (لہذا جو ہمارے علاوہ دوسرے سے چاہے گا وہ غلطی کرے گا) پس میں نے (مکہ والوں) تمہیں خبردار کر دیا ہے بھڑکتی ہوئی آگ سے (نلظی کی اصل میں دو تائیں تھیں جن میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور ایک قرأت میں دونوں کو پڑھا گیا ہے یعنی دہکتی ہوئی آگ) اس میں وہی بد بخت داخل ہوگا (اشقی بمعنی شقی ہے) جس نے (پیغمبر کو) جھٹلایا اور روگردانی کی (ایمان سے آیت ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء کی وجہ سے اس حصر کی تاویل کی جائے گی۔ لہذا دوزخ میں داخل ہونے سے ہمیشہ کا داخلہ مراد ہوگا) اور اس سے دور (الگ) رکھا جائے گا۔ وہ پرہیزگار (اتقی بمعنی تقی ہے) جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے (مال کے ذریعہ اللہ کے نزدیک ہونے کے لئے صرف اللہ کے لئے پیسہ خرچ کرے، یہ کاری اور دکھاوے کے لئے نہ ہو، جس سے اللہ کے نزدیک پاکیزہ ہو جائے گا۔ یہ آیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جب کہ انہوں نے بلالؓ کو خرید کر اس وقت آزاد کیا جب انہیں ایمان لانے کی وجہ سے ستایا جا رہا تھا۔ مگر کافر کہنے لگے کہ ابو بکرؓ نے تو اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے جو بلالؓ نے ان پر کیا تھا۔ اس پر اگلا جملہ نازل ہوا) اس پر کسی (بدل وغیرہ) کا کوئی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ البتہ (لیکن اس نے یہ کیا ہے) صرف اپنے عالی شان پروردگار کی رضا جوئی کے لئے (ثواب حاصل کرنے کے لئے) اور وہ ضرور خوش ہوگا (جنت میں جو اسے ثواب عطا ہوگا اور آیت ہر اس شخص کے لئے بھی ہے جو ابو بکرؓ جیسے اعمال کرے گا۔ لہذا اسے بھی دوزخ سے دور رکھا جائے گا اور اسے اجر ملے گا)۔

تحقیق و ترکیب: والیل اذا یغشی رات میں چونکہ سکون و اطمینان ہوتا ہے اس لئے اس عظیم نعمت کی قسم دہائی گئی

ہے۔ اور یغشی کی ضمیر الشمس کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ والیل اذا یغشی میں نز چکا ہے۔ یا النہار کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ یغشی الیل النہار میں نزرا ہے یا چھپانے والی چیز کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ اذا وقب میں نزرا ہے۔

وما خلق ارمٰ بمعنی من ہو تو اللہ کی ذات مراد ہوگی۔ دوسری صورت ما مصدر یہ کی ہے۔ خشی کا مرد یا عورت ہونا بقول



کشاف ہمارے لئے تو اس کا امتیاز مشکل ہے۔ کیونکہ اس میں دونوں قسم کی علامات پائی جاتی ہیں۔ اس لئے کیسے تصفیہ کیا جائے۔ مگر اللہ کو صحیح حقیقت حال معلوم ہے کہ فی الواقع وہ مرد ہے یا عورت؟ چنانچہ قسم کھانے سے پہچان بھی اس میں داخل ہو جائے گا۔ یعنی اس سے کلام کرنے پر بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ واقع میں وہ مرد عورت میں سے کسی ایک قسم میں داخل ہے۔ کوئی تیسری قسم نہیں کہ قسم میں داخل کرنے میں اشکال ہو۔ برخلاف ابوالفضل ہمدانی کے کہ وہ خنثی کو تیسری قسم مانتے ہیں۔ لیکن آیت یٰہب لمن یشاء اناثا و یہب لمن یشاء الذکور اس خیال کی نفی کر رہی ہے۔ کیونکہ مخلوق کا انحصار دو ہی قسم پر ہوتا ہے۔ اور ایک صورت بیخود اپن کی ہوتی ہے۔ کہ بول چال، حرکات و سکنات میں زنانہ پن ہو۔ وہ مرد ہی سمجھا جائے گا۔

ان سعيکم لشتی یہ جواب قسم ہے شتی شتیت کی جمع ہے جیسے مریض کی جمع مرض آتی ہے۔ شتت کے معنی اختلاف کے ہیں۔ فاما من اعطی یہ شتی کی تفصیل ہے۔ بالحسنی پورا کلمہ طیبہ مراد ہے۔

فسیرہ۔ یسر الفوس کے معنی گھوڑے کا سامان فراہم کرنے کے ہیں۔ اسی طرح یہاں اسباب جنت مراد ہیں۔ اس میں سین استقبالیہ نہیں۔ بلکہ تحسین کلام کے لئے کیونکہ اسباب کی سہولت فی الحال میسر ہے۔

یسری آسان خصلت اور عسری دشوار خصلت کو کہتے ہیں ما یعنی ما نافیہ ہے۔ یا استفہام انکاری کے لئے ہے۔ اذا تردی ردی کے معنی بقول مجاہد ہلاک کے ہیں یا تردی سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی قبر یا جہنم میں گرنے کا ہے ان دونوں آیات میں صفت تقابل پائی جاتی ہے۔ پہلی آیت میں جتنے الفاظ آئے ہیں دوسری آیت میں اس کا مقابل ذکر کئے گئے جس سے کلام میں بلاغت و لطافت آگئی۔

ان علیا للہدی ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ اس میں اختصار ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی۔ ان علیا للہدی والضلالۃ مفسر اسی کے جواب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ہدایت سے یہاں تبیین مراد ہے۔ اور اس کا معمول محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ان علیا التبیین طریق الحسن من الباطل جیسے دوسری آیت و علی اللہ قصد السیل ہے۔

للانصرۃ والاولیٰ بقول مفسر اولیٰ سے مفسر مراد ہے یعنی اللہ جسے اور جس قدر چاہے ثواب دارین عطا کرے۔ یا مہتدین کو ہدایت کا ثواب اور گمراہوں کو گمراہی کی سزا دے۔ یا یہ مطلب ہے کہ دین و دنیا کا مالک چونکہ اللہ ہے لہذا ہدایت پر نہ چلنے کا نقصان اللہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

لا یصلہا الا لاشقی۔ اشقی اور اتقی اسم تفصیل بھی ہو سکتے ہیں۔ بظاہر اس حصہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مؤمن فاسق دوزخ میں نہیں جائے گا صرف کفار جائیں گے۔ لیکن آیت ویغفر ما دون ذلک کی وجہ سے اس حصہ کو ظاہر پر نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کی تاویل کی جائے گی کہ یہاں دخول ابدی مراد ہے۔ اور وہ کافر کے لئے مخصوص ہے کیونکہ اگر مؤمن کو بالکل معاف کر دیا تب تو دوزخ میں جائے گا ہی نہیں۔ اور بغیر سزا معافی نہ ہوتی تو محدود وقت کے لئے داخل ہوگا۔ سزا کے بعد پھر نکال دیا جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ اشقی کا مصداق کافر منافق ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے مرجحہ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ گنہگار مسلمان بالکل دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ کیونکہ ظاہر حصہ سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن جب مطلق داخلہ مراد نہیں۔ بلکہ دوامی داخلہ مراد ہے تو پھر یہ استدلال غلط ہو جاتا ہے۔ مفسر نے اس آیت کی بنیاد آیت ویغفر الح پر جو رکھی ہے وہ بلحاظ مفہوم کے ہی صراحت نہیں ہے۔ کیونکہ لمن یشاء سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مؤمن کی مغفرت نہ چاہے تو وہ اس کو دوزخ میں بھیج سکتا ہے۔

یتزکی یوتی سے بدل ہے یا اس کے فاعل سے حال ہے۔ پہلی آیت میں صلہ ہونے کی وجہ سے محل اعراب میں نہیں ہے۔ کیونکہ صلہ کا اعراب نہیں ہوتا۔ اور ثانی صورت میں محل نصب میں ہے۔ مفسر نے اسی کو اختیار کیا ہے اسی متز کیا بہ عند اللہ۔

الا ابتغاء استثناء منقطع ہے یا محذوف کے ساتھ متصل ہے ای لا یوتی ماله الا ابتغاء وجہ ربہ لا للمکافاة نعمتہ لیکن زخشری بلحاظ معنی مفعول نہ مانتے ہیں اور فرائض کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں ما اعطیتک ابتغاء جزائک بل ابتغاء وجہ اللہ عام قرأت نصب کی ہے اور محکم محل نعمتہ سے بدل قرار دیتے ہوئے مرفوع پڑھتے ہیں کیونکہ من نعمۃ فاعل ہے یا مبتداء ہے اور بدل بنانا لغت تسمیہ پر ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں غیر موجب کلام میں متصل کی جگہ منقطع لاتے ہیں۔

رابط آیات: ..... سورۃ الشمس اور سورۃ البیل کا مضمون بہت زیادہ ملتا جلتا ہے۔ ایک ہی بات کو دونوں میں ایک ایک انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دونوں سورتیں قریب قریب زمانہ کی ہیں۔ دونوں میں اعمال اور ان کی مجازات کا بیان ہے وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

شان نزول: ..... قال ابن الجوزی اجمعوا علی انها نزلت فی ابی بکر لما اشتری لالا المعذب علی ایمانہ کما یعدہ مولاه امیہ بن خلف علی ایمانہ فقال ابو بکر لا تنقی فی هذا المسکین قال انت افسدته فاقده مما تری فقال ابو بکر افعل عندی علام اسود احلامہ وافوی علی دیک اعطیت قال فقد فعلت فاعطاء ابو بکر علامہ واعتقه فقال کفر بما فعل ذلك لید ای النعمۃ کانت له عنده وکان الصديق رضى الله عنه يتتبع الصعفة فيعتفهم فقال له اسود ای سی ہو کنت تتابع من يجمع ظهرک فقال منع طهری اريد وقال ابن الجوزی ایضا فمبها التصريح بانہ اتقى من سائر لامة و لا تنقی هو الا کرم عند الله لقوله ان اکرمکم عند الله اتقکم والا کرم عند الله هو الافضل یستحق انہ افضل من بقیه الامۃ و فی معالم التشریل یتزکی بطلب ان یکون عند الله راکیا لا رباء ولا سمعة یعنی ان اکرم الصديق فی قول الجمیع۔ عن علی قال کما فی جنازة فی بقیع العرق وانا رسول الله صلی الله علیه وسلم فعقد فعقد باحواله ومعہ محصورة فکس فجعل ینکث بمخصرته ثم قال ما منکم من احد مامن نفس منقوسة الا وقد کتب الله مکاسها من الحجة والار والا وقد کتبت شقیة او سعیدة قال فقال رجل یا رسول الله افلا نمکث علی کتابنا وندع العمل فقد من کان من اهل السعادة فسیصیر الی عمل اهل السعادة ومن کان من اهل الشقاوة فسیصیر الی عمل اهل الشقاوة فقال عملوا فکل میسر اما اهل السعادة فیسرون لعمل اهل السعادة واما اهل الشقاوة فیسرون ثم قرء فاما من اعصى واتقى وصدق بالحسنى فسیسرہ لیسری واما من بخل واستغنى وکذب بالحسنى فسیسرہ للعسری۔

﴿تشریح﴾: ..... والیل دنیا میں جس طرح رات دن، زمانہ، مختلف اور متضاد چیزیں پیدا کی گئی ہیں اور ان سے ہر دو کے آثار و نتائج باہم متضاد ہیں۔ اسی طرح تمہارے اعمال اور کوششیں بھی متضاد ہیں اور ان کے مقاصد بھی مختلف ہیں۔

تین جامع بنیادیں: ..... فاما من اعطی یہ سچی کی ایک قسم ہے۔ جس کے ذیل میں تین جامع بنیادیں کو بتایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ جو شخص کھلے دل سے اپنے مال میں سے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی اور نیک راستہ میں خرچ کرے۔ دوسرے اس کے دل میں خوف خدا ہو اور زندگی کے ہر گوشہ میں اللہ کی نافرمانگی سے بچتا رہے۔ تیسرے یہ کہ اسلام کی تمام

بھلی باتوں کو دل سے سچا مانتا ہے۔ خواہ عقائد و اخلاق ہوں یا اعمال و معاملات سب کو سچ مانتا ہو یعنی وہ ہریت شرک و کفر کو چھوڑ کر توحید اپنائے۔ رسالت و آخرت پر ایمان رکھے۔ اسی طرح اچھے اعمال یا اخلاق بے شعوری کے ساتھ محض عادت کے طور پر نہ کرے۔ بلکہ خدائی احکام ہونے کے ناطہ ان پر عمل پیرا ہو تو ایسے شخص کے لئے وعدہ ہے کہ ہم اس کے لئے نیکی کا راستہ آسان کر دیں گے اور مقام راحت یعنی جنت میں پہنچا دیں گے۔

**راستہ آسان ہونے کا مطلب:**..... راستہ کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسانی فطرت اور خدا کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے جس میں انسان کو اپنے جسم، جان، عقل، ذہن پر زبردستی کر کے اور ضمیر سے لڑ کر چلنا نہیں پڑتا اور نہ اسے ہر طرف کی مزاحمت اور کش مکش سے سابقہ پیش آتا ہے۔ بلکہ اسے صلح و آشتی اور قدر و منزلت میسر آتی چلی جاتی ہے۔ تجربہ یہی بتاتا ہے۔ کہ جو شخص مال سے خدمت خلق کرتا ہو اور لوگوں سے نیک سلوک سے پیش آتا ہے اور اچھے اخلاق برتے۔ کسی سے بے وفائی بد عہدی، ظلم و زیادتی، خیانت نہ کرے تو وہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ دل اس کی طرف کھینچے لگتے ہیں۔ اس کا اپنا دل بھی مطمئن رہتا ہے اور دوسروں کی نگاہ میں بھی عزت قائم رہتی ہے اور اس آسان راستہ پر چلنے کے لئے سہولت دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ اس راستہ کو اپنانے کا فیصلہ کر لے گا۔ اور برائی کی راہ ترک کرنے کا عزم کر لے گا۔ اور اس کا عمل بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کر دے گا۔ تو اللہ اسے اس پر جہنم کی توفیق دیتا رہے گا۔ اسے نیکی کرنا آسان ہو جائے گا۔ راہ کی دشواریاں ایک ایک کر کے دور ہوتی چلی جائیں گی اور گنہ گار نہ ہو جائے گا۔ بدکاری کے مواقع پر ان سے لطف اندوز ہونے کے لئے نہیں لپکے گا۔ بدکاری سے دور بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ نماز پڑھنے میں اسے سکون ملے گا۔ زکوٰۃ و صدقات ادا کرنے سے قلبی سکون میسر آئے گا۔ غرض ہر قدم پر اسے غیبی تائید و توفیق ملے گی اور حیات اس کے لئے سازگار بنا دیئے جائیں گے۔ اس راہ کو اختیار کرنے سے پہلے تو یہ انسان کو دشوار گزار گھائی معلوم ہوگی اور شیطان ہر طرف ایک ہوا ہڑا کرے دکھلائے گا۔ لیکن جب انسان اس پر چلنے کے لئے کمر ہمت باندھ لیتا ہے تو پھر خدا کی طرف سے اس گھائی پر چڑھنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔

**بخل کا انجام:**..... واما من بخل برخلاف اس کے انسان جدوجہد کی دوسری راہ اگر اپناتا ہے تو اس کے اثرات و نتائج بھی دوسرے ہوتے ہیں۔ بخلی کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیکی اور بھلائی کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ اگرچہ اپنی ذات، اپنے عیش و آرام، دلچسپیوں، تفریحوں پر پنی کی طرح پیٹہ بہاتا ہے۔ مگر نیک کام کے لئے اس کی جیب سے دھڑکی نہیں نکلتی۔ اور کچھ پیسہ نکالتا بھی ہے تو پہلے یہ اطمینان کرتا ہے کہ اس کے بدلے اسے شہرت نام و نمود حاصل ہوگا اور استغناء اور بے نیازی کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی مرضی اور خوشیوں کی قطعاً پروا نہیں کرتا۔ ساری تنگ و دو اپنے مادی فائدوں کے لئے کرتا ہے۔ اس کا کعبہ مقصود اپنے نفس کی غلامی ہوتی ہے۔ اسی طرح اچھائی کے جھٹلانے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام و دین کی باتوں اور اللہ کے وعدوں کو جھوٹ جانتا ہے۔ پس ایسے شخص کے لئے سختی کی طرف رخ موڑ دیا جاتا ہے۔ جس سے روز بروز اس کا دل تنگ اور سخت ہوتا جاتا ہے۔ نیکی کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اور آخر کار دھیرے دھیرے عذاب الہی کی انتہائی سختی کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔ اس پر چلنے والا اگرچہ دنیاوی لذتوں مادی کامیابیوں میں منہمک رہتا ہے۔ لیکن ہر وقت اپنی فطرت سے صداقت، دیانت، شرافت، عفت و عصمت سے نیرو آزار رہتا ہے اور اخلاقی حدود توڑ کر خواہشات پورا کرنے میں لگا رہتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی نظروں میں بھی آہستہ آہستہ حقیر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور دوسروں کی نگاہوں سے بھی سر جاتا ہے۔ تا آنکہ اس سے نفرت عام ہو جاتی ہے اور اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ کسی کے دل میں بھی اس کے لئے خیر خواہی عزت کی جگہ

نہیں رہتی۔ بلکہ اس کے ساتھی بھی اس کو بدترین سمجھتے ہیں۔

دشواری کی راہ آسان کروینے کا مطلب:..... اور اس سختی کی راہ آسان کر دینے کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ بھلائی کے راستہ پر چلنے کی توفیق اس سے سلب کر لی جاتی ہے۔ اور برائی کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں۔ بدی کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اسباب فراہم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ نیکی تو اسے ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا اس کی جان پر بن رہی ہے۔ نماز روزہ کے نام سے بخار چڑھتا ہے لیکن شیطانی دھندوں میں ہشاش بشاش رہنے لگتا ہے۔ غرض کہ عادت اللہ یہی ہے کہ انسان نیکی اور بدی میں اپنے لئے جس راہ کو پسند اور اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لئے اس کو آسان فرما دیتا ہے۔ کلا نمد ہنؤ لاء و ہنؤ لاء من عطاء ربک و ما کان عطاء ربک محظورا حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کل میسر لما خلق له و ما یغنی عنہ یعنی جس مال و دولت پر گھمنہ کر کے یہ آخرت کی طرف سے لا پرواہ ہو رہا تھا۔ وہ کچھ کام بھی نہ آئے گا۔ انسان کو ایک روز بہر حال مر جانا ہے۔ اور سارے عیش و عشرت کے سامان کو یہی چھوڑ جانا ہے۔ قبر میں اسکے ہاتھ نہ جائے گا۔ آخرت میں تو آخرت ہی کی چیزیں نیک اعمال جائیں گے۔

اللہ کا نام اور انعام:..... ان علینا للہدی یعنی جب اللہ نے انسان کو بتایا ہے تو اس نے اسے بے خبر نہیں رکھا۔ بلکہ اس نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ فلاں راہ اچھی ہے اور فلاں راستہ خراب۔ اللہ نے تو اپنی حکمت کے پیش نظر کسی کو نیک و بد بننے کے لئے مجبور نہیں کیا۔ البتہ اپنے ذمہ یہ لیا ہے کہ سب چیزیں کھول کھول کر بیان کر دیں کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے؟ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے؟ کونسا راستہ اختیار کر کے وہ اطاعت گزار ہوگا اور کون سا طریقہ اپنانے سے وہ نافرمان بن جائے گا؟ اب یہ تو بندہ کا کام ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس راستہ کو چاہے اختیار کرے آخرت میں اسی کے موافق اس کے ساتھ برتاؤ کیا جائے۔ وان لنا للآخرۃ والاولیٰ یعنی چونکہ دنیا و آخرت کے ہم ہی مالک ہیں۔ اس لئے کسی حالت میں بھی انسان ہمارے قبضہ و قوت سے باہر نہیں ہے۔ اسی طرح تم نیکی کی راہ اپناؤ یا برائی کا راستہ اختیار کرو، تمہارا اپنا نفع و نقصان تو ہوگا۔ مگر اس سے ہماری ملکیت اور حاکمیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ مگر اہی اختیار کرو گے تو تمہارا اپنا نقصان ہے۔ ہمارا کیا بگڑ سکتا ہے۔ اور راہ راست پر چلو گے تو اس سے ہمارا کوئی نفع نہیں ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث بھی ہے۔ اور ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم دنیا کی بھلائی چاہو گے تو وہ بھی ہمارے پاس ہے اور آخرت کی بہتری کے خواہاں ہو گے تو ہمارے خزانوں میں اس کی بھی کمی نہیں ہے۔

لا یصلہا نہایت بد بخت سے مراد کافر ہے۔ اور نہایت متقی سے مراد پکا مؤمن ہے۔ پس اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ کافر کے سوا کوئی دوزخ میں نہ جائے گا۔ اور کامل مؤمن کے سوا کوئی اس سے نہ بچے گا۔ بلکہ دونوں کے دو انتہائی اعمال کے انتہائی نتائج بیان کرنے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جو ہر طرح اللہ و رسول کا باغی ہو۔ اور ایک شخص وہ ہے جو مکمل طور پر اللہ و رسول کا وفادار و فرمانبردار ہو۔ پس دوسرے کردار والا نہیں بلکہ پہلے کردار والا آگ میں جھلے گا۔ اور سدا اس سزا کو جھیلتا رہے گا۔ لیکن جس کی حالت درمیانی ہو کہ بغاوت کا مرتکب تو نہیں البتہ بد عملی کا مجرم ہے۔ اس کے ثمرات بھی اسی طرح ملے جلے ہوں گے۔ برائی کا بھگتان کر کے ہی فلاحیاب ہوگا۔ یہ تو قانونی عدل کا تجزیہ رہا۔ آئین فضل سودہ جو چاہے کرے۔ کون لب کشائی کر سکتا ہے۔

یؤتی مالہ یتزکى۔ یعنی مال خرچ کرنا کسی طرح کی ریادہ نمود و نمائش کے لئے نہیں۔ بلکہ بخل و طمع جیسے رذائل نفس سے پاک ہونے کے لئے ہوتا ہے۔ کسی کے احسان کا بدلہ چکانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف رحمت الہی اور دیدار خداوندی کی تمنا میں گھریا رٹا رہا ہے۔ تو ایسا شخص یقین رکھے کہ اسے ضرور خوش کر دیا جائے گا اور اس کی یہ خواہش و تمنا ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ گویا کہ یہ اس پر بیزار

آدمی کے خصوص کی اور زیادہ وضاحت کرتی ہے۔ کہ اس کی یہ مالی قربانی کسی کے احسان کا بدلہ چکانے کے لئے یا آئندہ کسی نفع کی توقع پر نہیں ہے۔ بلکہ صرف اللہ کی رضا جوئی پیش نظر ہے۔ جس کی بہترین مثال حضرت ابو بکرؓ کا کردار ہے۔ جس کو دیکھ کر ایک مرتبہ ان کے والد نے یہ کہہ کر ان کو نکالتا تھا کہ تم کمزور لوگوں پر روپیہ خرچ کر رہے ہو۔ اگر مضبوط جوانوں کی آزادی پر روپیہ خرچ کرتے تو وہ تمہارے لئے قوت بازو بنتے۔ جس کا جواب ابو بکرؓ نے یہ دیا کہ انما ارید ما عند اللہ ولسوف یرضی رضا کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے گا اور دوسرے یہ کہ اللہ اس کو اتنا کچھ دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔ گویا یہ ”ولسوف بسعطیك ربك فترضی“ کی بشارت کا انعکاس ہے جو آگے آرہی ہے۔

**خلاصہ کلام :-** ..... زندگی کے دو مختلف راستوں اور ان کے نتائج و انجام کا فرق اس سورت میں ظاہر کرنا مقصود ہے۔ شروع سورت سے ”اداسردی“ تک یہ بتلایا جا رہا ہے کہ انسان دنیا میں جو کچھ بھی اچھی بری جدوجہد اور عمل کر رہا ہے۔ وہ اخلاقی نوعیت سے ایسے ہی مختلف ہیں جیسے رات دن، نر مادہ مختلف ہوا کرتے ہیں۔ نیکی اپنی تین خصوصیات کے ساتھ اور بدی اپنی تین خصوصیات کے ساتھ الگ الگ نتائج لئے ہوئے زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پہلی خصوصیات ایک خاص طرز زندگی کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اور دوسری خصوصیات پہلی سے مختلف طرز زندگی کی عکاسی کرتی ہیں۔ جو شخص اللہ کی رضا جوئی کے لئے مال خرچ کرے، خدا ترسی اور پرہیزگاری کو اختیار کرے اور بھلائی کو بھلائی مانے اللہ تعالیٰ اس کے لئے زندگی کے صاف اور سیدھے راستے کو سہل کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس کے لئے نیکی آسان اور بدی مشکل ہو جاتی ہے۔ لیکن جو شخص دوسرے طرز زندگی کو اپنائے گا۔ یعنی خدا کی راہ میں بخل کرے گا اور اللہ کی رضا جوئی اور نافرمانی سے بے پرواہ ہو جائے اور بھلی بات جھٹلانے لگے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے لئے زندگی کے سخت راستے کو آسان کر دے گا۔ یہاں تک کہ اس کے لئے بدی آسان اور نیکی مشکل ہو جائے گا۔ اور یہ کہہ کر بات کو ختم کر دیا گیا کہ یہ مال جس کے پیچھے آدمی جان دے دیتا ہے۔ قبر میں اس کے ساتھ نہیں جائے گا کہ مرنے کے بعد بھی اس کے کام آئے۔ بلکہ یہیں رہ جائے گا اور دوسرے لے اڑیں گے۔ آیت اما علیہا للہدی سے لے کر آخری سورت تک مختصر طریقہ پر تین حقیقتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ (۱) اللہ نے انسان کو دنیا میں بے خبر نہیں چھوڑا ہے۔ بلکہ اپنے ذمہ یہ لے لیا ہے کہ وہ اسے جتنا دے کہ زندگی میں کون سا راستہ سیدھا ہے۔ (۲) دنیا و آخرت دونوں کا مالک اللہ ہے۔ یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ تمہیں دنیا چاہیے یا آخرت لیکن جو کچھ چاہو گے وہ سب کچھ اس کے پاس موجود ہے۔ (۳) جو بد بخت الہی تعینات کو جھٹلائے گا اور اللہ کی ہدایت سے منہ موڑے گا۔ اس کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار ہے۔ لیکن جو خدا ترس انسان پوری بے غرضی کے ساتھ صرف اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنا مال راہِ مولیٰ میں صرف کرے گا۔ اس کا رب اس سے راضی ہو گا اور اسے اتنا چھوڑے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا۔

**فضائل سورت :-** ..... مس فرء سورة واللبل اعطاه اللہ تعالیٰ حتی یرضی وعافاه من العسر و یسرہ لیسری جو شخص سورۃ والبلیل پڑھے گا اس کو اللہ اتنا دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا اور اسے سختی سے محفوظ اور سہولت سے نوازے گا۔ (حدیث موضوع)

**اطائف سلوک :-** ..... فسیرہ للیسری معلوم ہوا کہ اصل دار و مدار اللہ کی توفیق اور خدا ان پر ہے۔ حدیث کل میسر لما حلق له بھی اس کی مؤید ہے۔

## سُورَةُ الضُّحَى

سُورَةُ الضُّحَى مَكِّيَّةٌ اِحْدَى عَشْرَةَ اَيَةً وَلَمَّا نَزَلَتْ كَبَّرَ النَّبِيُّ ﷺ فَسَنَّ التَّكْبِيرَ اِحْرَهَا وَرَوَى  
لَا مَرُ بِهِ خَاتِمَتُهَا وَخَاتِمَةُ كُلِّ سُورَةٍ بَعْدَهَا وَهُوَ اللَّهُ اَكْبَرُ اَوْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ اَكْبَرُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالضُّحَى  
۱ اَوَّلُ النَّهَارِ اَوْ كُلُّهُ وَاللَّيْلُ اِذَا سَجَى ۲ غَطِيَ بِظُلَامِهِ اَوْ سَكَنَ مَا وَدَّعَكَ يَا مُحَمَّدُ  
رَبُّكَ وَمَا قَلَى ۳ اَنْغَضَكَ نَزَلَ هَذَا لَمَّا قَالَ الْكُفَّارُ عِنْدَ تَاَخُرِ الْوَحْيِ عَنْهُ حُمُسَةُ عَشْرِ يَوْمًا لَمْ يَرْتَهُ  
وَدَّعَهُ وَقَلَاهُ وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ لِمَا فِيهَا مِنَ الْكَرَامَاتِ ۴ مِنَ الْاَوَّلَى ۵ الدُّنْيَا وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ  
رَبُّكَ مِنَ الْآخِرَةِ مِنْ الْخَيْرَاتِ عَطَاءً جَزِيلًا ۶ فَتَرْضَى ۷ بِهِ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَا اَرْضَى  
وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمْنَى ۸ هِيَ الْمَارِ اِلَى هِنَاتِمَ جَوَابُ الْقَسَمِ بِمُتَبَتِّينَ نَعْدَ مُنْفِيَيْنِ اَلَمْ يَجِدَكَ اِسْتَفْهَامُ تَقْرِيرِ اَنْ  
وَجَدَكَ يَتِيْمًا بِمَقْدِ اَيْكَ قَبْلَ وَلَادَتِكَ اَوْ بَعْدَهَا ۹ فَاَوْىٰ ۱۰ بِاَنْ ضَمَكَ اِلَى عَمِّكَ اَبِي طَالِبٍ  
وَوَجَدَكَ ضَالًّا عَمَّا اَنْتَ عَلَيْهِ الْاَن مِنَ الشَّرِيعَةِ فَهَدَىٰ ۱۱ اَنْىٰ هَدَاكَ اِلَيْهَا وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَقِيرًا  
فَاَغْنَىٰ ۱۲ اَغْنَاكَ بِمَا قَنَعَكَ بِهِ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَغَيْرِهَا وَفِي الْحَدِيثِ لَيْسَ الْغَنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنْ  
الْعِنَى عَلَى النَّفْسِ فَاَمَّا الْيَتِيْمُ فَلَا تَقْهَرْ ۱۳ بِاَخْذِ مَالِهِ اَوْ غَيْرِ ذَلِكَ وَاَمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَرْ ۱۴ تَنْزَحِرُهُ  
لِفَقْرِهِ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ عَلَيْكَ بِاَسْبُوَّةٍ وَغَيْرِهَا فَحَدِّثْ ۱۵ اَخْبِرُوا اُحْذِفْ ضَمِيرُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فِي نَعَصِ الْاَفْعَالِ رِعَايَةِ اَلْفَوْاَصِلِ

۱۸

ترجمہ: ... سورہ الضحیٰ کیلئے ہے۔ اس میں گیارہ آیات ہیں یہ سورت جب نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے  
تکبیر پڑھی۔ اس لئے اس سورت نے ختم پر تکبیر پڑھنا مستنون ہے۔ اور اس سورت کے اور اس کے بعد کی تمام سورتوں کے خاتمہ پر  
تکبیر کے پڑھنے کا حکم بتول ہے۔ لا اے اللہ واللہ اکبر۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

قسم ہے روز روشن کی (اول حصہ یا پورا دن مراد ہے) اور رات کی جب کہ وہ طاری ہو جائے (چھا جائے اندھیرے کے ساتھ یا قرار پکڑ لے) کہ (اے محمد!) نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا (خفا) ہوا (پندرہ روز تک وحی موقوف رہنے پر جب کفار کہنے لگے کہ محمدؐ کے رب نے اس کو چھوڑ دیا، اس سے ناراض ہو گیا تو یہ آیت نازل ہوئی) اور یقیناً آخرت آپ کے لئے بدرجہا بہتر ہے (کرامتوں کے لحاظ سے) بہ نسبت دنیا کے اور عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا (یعنی آخرت میں تمہیں بڑی بھلائی نصیب ہوگی) کہ تم خوش ہو جاؤ گے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا میں اس وقت خوش نہیں رہوں گا جب تک میرا ایک بھی امتی دوزخ میں رہ جائے گا۔ دو منفیوں کے بعد دو مثبت چیزوں کو بیان کرنے کے بعد یہاں آ کر جواب قسم پورا ہوا) کیا اس نے نہیں پایا (استفہام تقریری ہے یعنی پایا ہے) آپ کو یتیم (آپ کی ولادت سے پہلے یا بعد میں آپ کے والد کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے) پھر ٹھکانا فراہم کیا (آپ کو آپ کے چچا ابوطالب کے پاس پہنچا کر) اور اللہ نے آپ کو بے خبر پایا (اس شریعت سے جس پر اب آپ ہیں) پھر ہدایت بخشی (آپ کو اس کی رہنمائی کی) اور اللہ نے آپ کو نادار (غریب) پایا اور پھر آپ کو بے نیاز بنایا (غنیمت وغیرہ کے ذریعہ آپ کو قناعت دے کر بے پرواہ کر دیا۔ حدیث میں ہے کہ مالدار کی سامان کی زیادتی کا نام نہیں۔ اصل مالدار کی نفس کا غنا ہے) لہذا یتیم پر سختی نہ کیجئے (مال وغیرہ لے کر) اور سائل کو (اس کی غریبی کی وجہ سے) نہ جھڑکئے اور اپنے رب کی نعمتوں (نبوت وغیرہ کے سلسلہ میں اظہار کرتے رہا کیجئے) بیان کرتے رہئے اور بعض افعال سے فواصل آیات کی رعایت کرتے ہوئے و ضمیریں حذف کر دی گئی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہیں)۔

تحقیق و ترکیب:..... کبر تکبیر کے یہ الفاظ ہیں لا الہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد شکر نعمت کے طور پر آپ نے بکا پڑھی۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ ان ترکات التکبیر فقد ترکت سنة من سنن نبیک اس میں اختلاف ہے کہ والضحیٰ کے شروع میں تکبیر کی جائے یا آخر میں۔ اسی طرح اس میں اختلاف ہے کہ سورۃ والناس کے شروع میں اس کو ختم کیا جائے یا اس کے ختم کیا جائے۔ اسی طرح اس میں بھی دو رائیں ہیں کہ حضور کے قول سے یہ سنت لی گئی ہے یا عمل سے۔

والضحیٰ دن چڑھے کا وقت اور اس وقت کی تخصیص یا اس لئے ہے کہ اس وقت دن میں مضبوطی آ جاتی ہے۔ اور یا اس۔ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت ہمکلامی سے مشرف ہوئے اور جادوگران کے مقابلہ میں ہار کر سجدہ میں گر گئے تھے۔ لیکن پورا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اس سورت میں پہلے دن کو اور اس سے پہلی سورت میں پہلے رات کو ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں فی الجملہ در فضیلت ہے اور اس میں فی الجملہ رات کو اس لئے دونوں سورتوں میں دونوں سورتوں کی رعایت کر لی گئی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ سورت میں حضرت ابوبکرؓ سے متعلق آیات ہیں۔ اور ایمان لانے سے پہلے ان کی حالت کفر تھی۔ اس لئے رات کا ذکر پہلے کیا اور سورت میں حضور پر نورؐ کا ذکر خیر ہے اور آپ کی ساری زندگی نور ایمان سے معمور ہے۔ اس لئے دن کا ذکر پہلے کیا ہے۔ اور اگر صحیح مراد معین وقت یہ جائے تو اس سورت میں دن کے ایک حصہ کے اور پچھلی سورت میں پوری رات کا ذکر کرنے میں یہ نکتہ ہوگا کہ سورت ل کر دن کے ایک حصہ کے برابر ہے۔ جیسا کہ تنہا حضور سارے عالم کے برابر ہیں۔ نیز چاشت کا وقت سرور و نشاط کا ہوتا ہے رات کا وقت وحشت کا۔ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا کا سرور اس کے شرور سے کم ہوتا ہے۔

اذ اسبحی۔ سبحی البحر سبحوا کے معنی سمندر کی موجیں ہٹ جانے کے ہیں۔ لیل سان کے معنی بھی سکون پذیر ہو کے ہیں۔ یہاں رات کا سناٹا مراد ہے۔ سحی کی اسناد لیل کی طرف مجازی ہیں۔ وما قلنی مفسر نے اعصت سے حذف مفعول کی طر اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ فواصل کی رعایت منظور تھی۔



يعطيك اس میں عموم مراد لینا بہتر ہے۔ دنیاوی اور اخروی نعمتیں مراد ہیں۔ جس میں کمال نفس اور کمال دین بھی داخل ہیں۔ سوف میں لام ابتداء تاکید کے لئے ہے۔ مبتداء محذوف ہے۔ ای لانت سوف يعطيك لام قسم نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نون تاکید کے راو، جملہ خبریہ کے بغیر داخل نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ حرف تاکید اور حرف تاخیر دونوں کیوں جمع کئے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ تاثر دینا ہے کہ رة الہی ضرور پورا ہوگا۔ گو اس میں کسی مصلحت سے تاخیر ناگزیر ہو جائے۔

السم يعجلک وجود بمعنی علم ہے۔ یتیم مفعول ثانی ہے۔ لیکن اگر وجہ بمعنی مصادفت ہو تو یتیم مفعول سے حال ہو جائے گا۔ حضرت کے والد ماجد کی وفات بقول ابن سعد آپ کی ولادت سے پہلے ہو گئی تھی۔ ابن اسحاق، ذہبی، ابن کثیر کی رائے بھی یہی ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ ولادت کے دو تین یا نو ماہ بعد یا دو تین سال کے بعد ہوئی ہے۔

ضالا بعض نے کہا ہے کہ بچپن میں آپ مکہ میں کہیں گم ہو گئے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ شام کے سفر میں اندھیری رات کے ت آپ راستہ سے بھل گئے تھے۔ پھر جبریل نے رہنمائی کی۔ ضالا کے معنی عربی میں کئی آتے ہیں۔ گمراہی کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ حیران ہونے کے معنی بھی ہیں اور کھوجانے کے معنی بھی آتے ہیں۔ ضل الماء فی اللہ دودھ میں پانی گم ہو گیا۔ صالة اکیے خست کو بھی کہتے ہیں ضلال کا لفظ ضائع ہونے کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور غفلت کے معنی میں بھی آتا ہے لا یضل دبی ولا ینفی۔

فاما الیتیم فلا نفہر یتیم منصوب ہے لا نفہر کی وجہ سے۔ فاسیہ اس میں مانع نہیں ہے۔ چنانچہ رضی کہتے ہیں کہ مفعول تل پر مقدم ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس سے پہلے اما کے جواب میں فا آئے۔ کیونکہ اما شرطیہ کے بعد قائم مقام شرط محذوف ہوتا ہے۔ پ کی تین حالتیں بیان کر کے اب تین احکام ان حالات پر مرتب کئے جا رہے ہیں۔ عرب میں یتیموں کے مال پر قبضہ کر کے ان کو نٹ ڈپٹ کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ اس لئے آپ کو ہدایت دی جا رہی ہے۔ کہ آپ چونکہ یتیمی کا تکلیف دہ دور دیکھ چکے ہیں۔ اس لئے پ یتیموں کے ملجا وادائی بنئے۔ ایک قرأت فلا تلہر بھی ہے یعنی ترش روئی نہ کیجئے۔

فلا تنہر ایمانیم بن ادہم کا ارشاد ہے نعم القول سوال یحلون زادنا الی الاخرۃ اور حسن فرماتے ہیں کہ السائل الب العلم۔

فحدث تحدیث نعمت اس شخص کے لئے مناسب ہے جو ذائل سے محفوظ ہو ورنہ رذیلہ میں نفس مبتلا ہونے کا اگر اندیشہ ہو تو بہتر ہے احادیث رسول کو بھی اس تحدیث نعمت پر محمول کیا جائے گا۔ گویا آپ کی زندگی کی مثل و حرکت اللہ کی نعمتوں کا اظہار ہے۔ کہ امت سیرت پاک کی پیروی کا رہو سکے۔

بط آیات: .... سورة البیل کی آیت فاما من اعطی الی العسریٰ تک مہمات اصول و فروع کا کلی عنوان کے ساتھ ن ہوا تھا اور ان کی تصدیق یا تکذیب پر وعدہ و وعید مذکور تھیں۔ اس طرح وہ آیت گویا پچھلے تمام مضامین قرآن کا جہاں ایک جامع ماحصہ ہے وہیں سورۃ الضحیٰ سے سورۃ الناس تک کے مضامین کی ایک مختصر تفصیل بھی ہے۔ چنانچہ انہی مہمات میں ایک رسالت کا مسئلہ بھی ہے۔ جس کا بیان اس سورۃ الضحیٰ میں ہے۔ اس میں حضور پر بعض انعامات کا اور ان کے مناسب بعض احکام کا ذکر ہے۔ اسی طرح مد کی تمام سورتوں میں بعض ان مہمات کی خاص جزئیات کا بیان آ رہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ سورت اگلی اور پچھلی سورتوں کے درمیان ایک زخ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے آئندہ سورتوں کا یہ ایک مجموعی مختصر ارتباط بھی ہو گیا۔ اس سورت کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ اس کے مضمون سے واضح ہے کہ یہ مکہ معظمہ کے بالکل ابتدائی دور کی ہے۔ جب وقفہ وقفہ کے ساتھ رک رک کر وحی آتی تھی۔ وقفہ جب زیادہ ہوا رشوق و بے قراری بڑھی تو آپ کو یہ خطرہ گزرا کہ کہیں مجھ سے کوئی قصور تو نہیں ہو گیا۔ کہ حق تعالیٰ نے ناراض ہو کر مجھے چھوڑ دیا۔ ”محبت

ست و بنابر بدنامی اس پر سلی آمیز فحشائت نازل ہوئے اور آپ کو مطمئن کیا گیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ وحی کی شدت اور نظام بدن کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے مددِ روحی رکھی گئی ہے۔ لیکن بعد میں جب طبعِ انسانی عادی ہو گئی اور بارِ وحی و برداشت کرنے کا قتل ہو گیا۔ تو پھر موسلا دھار بارش کی طرح وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

**روایات:** قال عکرمۃ بن ابی سلیمان قال قرأت علی اسماعیل بن عبد اللہ المکی فمدّ سمعہ، الصبحی قال سی کسر حتی تختم فانی قرأت علی عبد اللہ بن کثیر فامرنی بدلت و احبر مجاہد انہ قرأ علی ابن عباس و امرہ بدلت و احبر عن ابن عباس انہ احبر عن ابی اس کعب و امرہ بدلت۔  
ما و دعت ربک بارہ یا پندرہ یا چالیس روز تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا۔ تو کفار کہنے لگے۔ یہ وعدہ و فلاح اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی فسر ضعی ابن عباسؓ سے دو روایات منقول ہیں (۱) مس رضی محمد ان لا یدخل من ھل سب النار (۲) لا یرضی محمد و واحد من امی فی النار لیکن مواہب میں ہے کہ اس سے جابل شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر مغرور نہ ہو جائیں۔

**تشریح:** ... صبحی کے معنی روشن کے ہیں۔ چاشت کے وقت اور رات کے مقابل ہونے کی وجہ سے دن کے معنی ہیں صبحی کے معنی تاریکی اور سکوت و سکون کے ہیں۔ رات میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں۔ ما و دعت وحی کا سلسلہ پھر روز منقطع رہا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر انقباض کیفیت طاری رہی۔ سورۃ اقرآن نازل ہونے کے بعد فترۃ وحی کا زمانہ ممتد ہو گیا۔ جس میں حکمت الہی یہ مضمر ہوئی کہ ثقل وحی کا تحمل آپ کر سکیں۔ اور طبعی جذبہ اور شوق کے لئے بھی مہمیز کا کام دے سکے۔ اس سے آپ سخت مضطرب اور بے چین اور مغموم رہے۔ تا آنکہ یا ایہا المدثر آیات نازل ہوئیں۔ لیکن مخالفین نے اس کو دوسرا رنگ دے دیا۔ ممکن ہے اسی دوران وہ واقعہ بھی ہوا ہو جو صحیح روایات میں ہے کہ آپ بیماری کی وجہ سے دو تین رات اٹھ نہ سکے۔ تو ایک ناہنجار عورت ام جہیل ابولہب کی بیوی اور آپ کی چچی بولی کہ اے محمد! العیاذ باللہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ یا بعض روایات میں ہے کہ آپ سے کسی نے کوئی بات دریافت کی۔ تو آپ نے وعدہ فرمایا کہ کل وحی کے بعد اس کا جواب دوں گا۔ مگر وعدہ کرتے وقت آپ نے انشاء اللہ نہیں کہا۔ جس پر وحی وعدہ کے مطابق نہ آئی۔ آپ وعدہ خدائی کے خیال سے منتظر اور بے چین رہے اس پر سورۃ بئف کی آیت ولا نقولس لشیئ انی فاعل ذلک غذا الا ان یشاء اللہ نازل ہوئی۔ یا بعض روایات میں ہے کہ آپ کی بے خبری میں آپ کی سرین کے نیچے کتے کا یلہ پڑا رہا۔ جس سے جبریل کی آمد میں دیر ہوئی۔ جبریل علیہ السلام کے آگاہ کرنے پر آپ نے اس کو نکلا کر جگہ کو دھلوا دیا۔ پھر وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

**قسم اور جواب قسم میں مناسبت:** ... غرض کہ اس جملہ میں غلط فہمیوں اور افواہوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ دن کی روشنی اور رات کے سکون کی قسم کھا کر آپ کو تسلی دی گئی ہے۔ کہ آپ ان مخالفانہ چہ میگوئیوں سے متاثر نہ ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایمان و کفر کے درمیان جنگ چھڑ جانے کے بعد جو اس جاکسل کشمکش کے منجد ہار میں آپ کے لئے واحد سہارا تھا۔ بظاہر اس محبوب کی بے التفاتی ظاہر ہے کہ کس درجہ جانگداز ہو سکتی ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ جس طرح دن و رات کی دونوں حالتیں ایک عظیم حکمت و مصمت کے تحت آتی جاتی رہتی ہیں۔ اسی طرح آپ پر وحی کی آمد اور انقطاع بھی بڑی مصالح پر مشتمل ہیں اس کا تعلق اس سے برگز نہیں کہ وحی کا آنا تو خوشی کی عداوت ہے اور نہ آنا ناراضگی کی وجہ سے ہوا ہے۔ بلکہ ایک حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ جس طرح مسلسل دن کی روشنی اُتر رہے تو

انسان کو تھکا دے۔ اس لئے دن کے بعد رات کا آنا ناگزیر ہوا کہ انسان سکون و راحت حاصل کر کے تازہ دم ہو جائے۔ اسی طرح وحی جیسی ثقیل چیز کا اگر تسلسل رہے تو اعصاب اس کو برداشت نہ کر سکیں۔ اس سے فترت وحی بمنزلہ سکون شب ہے۔ پس جس طرح دن کا آنا اللہ کی رضا مندی اور رات کی آمد اللہ کی ناراضگی کی دلیل نہیں ہے۔ نہ اس کا ثبوت ہے کہ رات کے بعد دن کا اجاں کبھی نہ ہوگا۔ اسی طرح چندے وحی کے موقوف ہونے سے یہ کیسے سمجھ لیا گیا ہے کہ آج کل خدا پیغمبر سے ناراض ہے اور ہمیشہ کے لئے اب وحی کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ نے جس کو نبی بنایا ہے اس کو پتہ نہیں تھا کہ وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا۔ یہ تو درپردہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوا۔

حالات کے مد و جزر کی مصالح: ..... وللآخرۃ خبر لک من الاولیٰ یعنی فترت وحی میں اللہ کا ناراض ہونا کیا معنی؟ بلکہ آپ کی بعد کی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ یعنی یہ وقفہ تنزل و انحطاط کا باعث نہیں بلکہ آپ کے لئے عروج و ارتقاء کا عظیم ذریعہ ہے۔ چنانچہ قبض میں انحطاط نہیں بلکہ عروج ہوتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ گواہتداء میں آپ کی بے سرو سامانی رہی ہے۔ ساری قوم مخالف اور حالات نا سازگار۔ بظاہر کامیابی کے آثار دور دور نہیں معلوم ہوتے۔ مگر میں اسلام کی شمع ٹٹم رہی ہے اور اس کو بجھ دینے کے لئے ہر طرف ہواؤں کے جھکڑ چل رہے ہیں۔ مگر آپ پریشان نہ ہوں کہ آپ کا مستقبل نہایت روشن و تابناک ہے۔ ہر بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ثابت ہوگا۔ اسلام کا نور پھیلتا چلا جائے گا اور آپ کا نام بلند ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے دو تمام فتوحات پیش ہوئیں۔ جو میرے بعد میں میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں۔ جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ تب حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت تمہارے لئے دنیا سے بھی بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رفعت دنیا ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ اس کا سلسلہ آخرت تک چلتا رہے گا۔ جب کہ ساری اولاد آدم آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔

حضور پر انعامات الہی کی بارش: ..... ولسوف یعطیک یعنی خفا ہو کر آپ کو چھوڑ دینا تو کیا معنی؟ ابھی تو آپ کا پروردگار آپ کو دنیا و آخرت کی اس قدر نعمتیں عطا فرمائے گا کہ آپ خوش اور مطمئن ہو جائیں گے۔ گو کچھ مصالح کی وجہ سے چندے اس میں دیر لگے۔ وہ وقت دور نہیں کہ آپ عطاء ہی سے سرور ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضورؐ کی زندگی ہی میں سارا ملک عرب آپ کے زیر نگیں ہو گیا۔ تاریخ میں پہلی بار یہ سرزمین ایک باضابطہ اور قانون کے تابع ہو گئی۔ اور جو طاقت بھی اس سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہو گئی۔ تو لوگوں کے صرف سر ہی اطاعت میں نہیں جھکے بلکہ ان کے دل بھی مسخر ہو گئے۔ پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ جاہلیت و وحشیہ میں ایک ڈوبی ہوئی بڑی قوم صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اتنی بدل گئی ہو کہ نہ صرف خود اس رنگ میں رنگی گئی بلکہ یورپ، افریقہ اور ایشیا کے بڑے حصے کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اس کے اثرات پھیلتے چلے گئے اور آپ کا نام دنیا میں روشن ہو گیا۔ یہ کچھ تو دنیا میں اللہ نے آپ کو مرحمت فرمایا اور آخرت میں جو کچھ دے گا اس کی عظمت کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ محمدؐ راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے گا۔

یتیموں پر تو مہر ہوتا ہے نہ کہ قہر: ..... الم یجدلک یتیمًا یعنی ہم تو اس وقت سے مہربان ہیں جب تم یتیم پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کو چھوڑ دینے یا آپ سے ناراض ہونے کا سوال ہی کیا؟ حضورؐ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد وفات پا چکے تھے۔ اس لئے آپ دنیا میں یتیم بن کر تشریف لائے۔ چھ سال کی عمر میں والدہ بھی رحلت کر گئیں۔ آپ کے دادا عبدالمطلب کی پرورش میں رہے۔ آٹھ سال کی عمر ہوئی تھی کہ وہ بھی داغ مفارقت دے گئے۔ انہیں آپ سے خاص لگاؤ اور تعلق خاطر تھا حتیٰ کہ فریہ لوگوں سے

کہا کرتے تھے۔ کہ میرا یہ بیٹا ایک دن دنیا میں نام پیدا کرے گا۔ اس کے بعد قرعہ فال آپ کے شفیق چاچا ابوطالب کے حق میں نکلا۔ انہوں نے اس دریتیم کی جسمانی تربیت و پرورش کا بار اٹھایا اور انہوں نے ایسی محبت کا برتاؤ کیا کہ کوئی باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ زندگی بھر آپ کی حمایت و نصرت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ حتیٰ کہ نبوت کے بعد جب ساری قوم آپ کی دشمن ہو گئی تو دس سال تک برابر آپ کی حفاظت و حمایت میں سینہ سپر رہے مگر ہجرت سے کچھ پہلے وہ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ آخر یہ امانت الہی اللہ کے حکم سے انصار مدینہ کے گھر پہنچ گئی اور اس طرح آپ کی بدولت ”اوس خزرج“ کا ستارہ چمک اٹھا۔ انہوں نے اس امانت کی حفاظت اس طرح دل و جان سے کی کہ چشم فلک نے کبھی اس کی نظیر نہ دیکھی ہوگی۔ غرض بقول حافظ ابن کثیر ”قدرت نے آپ کے ٹھکانہ دینے کی یہ سب صورتیں پیدا کر دیں اور غیبی ہاتھ نے آپ کو بے سہارا نہیں ہونے دیا۔“

نازک مقام: ..... ووجدك ضالا، ضالا یہ معنی تو یہاں نہیں ہو سکتے کہ گمراہ تھے۔ کیونکہ بچپن سے لے کر قبل نبوت تک آپ کے جو حالات دنیا کے سامنے ہیں۔ ان میں کہیں بھی دہریت، شرک، بت پرستی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ یا قوم کی جاہلانہ رسوم میں آپ شریک ہوئے ہوں۔ بلکہ نبوت سے پہلے آپ اللہ کی ہستی اور اس کی وحدانیت کے آپ قائل تھے۔ اور آپ کی زندگی گناہوں سے پاک اور آپ فضائل اخلاق سے آراستہ تھے۔ البتہ جب آپ نے عقل و ہوش کی آنکھ کھولی اور قوم کے مشرکانہ اطوار اور بیہودہ رسم و رواج دیکھے تو سخت بے زار ہوئے اور قلب مبارک میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور شور کے ساتھ موجزن تھا اور سینہ بے کینہ میں عشق الہی کی آگ بھڑک رہی تھی اور خدمت خلق اور وصولی الی اللہ کا چشمہ اندر ہی اندر ابل رہا تھا۔ لیکن کوئی کھلی ہوئی راہ اور صاف واضح راستہ اور مفصل دستور العمل سامنے نہ تھا۔ جس سے تسکین خاطر اور اطمینان قلب ہوتا۔ بس ایک مجمل جذبہ اور مبہم ولولہ اصلاح کا تھا۔ جس میں آپ سرگرداں اور بے قرار تھے۔ تفصیلی احکام اور اصول کا علم نہ تھا کہ پروگرام کو آگے بڑھاتے۔ ایک معاشرے میں گم سے ہو کر رہ گئے تھے۔ حیران تھے کہ کیا کریں۔ ایک ہونے والے رہبر کی حیثیت سے آپ کی شخصیت نمایاں نہیں ہو رہی تھی۔ گویا جاہلیت کے صحرا میں ایک اکیلے درخت کی طرح کھڑے تھے جس میں پورا پھل لانے کی حیثیت بلکہ پورا باغ اگانے کی استعداد تھی۔ یا یوں کہا جائے کہ اللہ نے آپ کو غیر معمولی قوتیں عطا کی تھیں۔ وہ جاہلیت کے ماحول میں ضائع سی ہوئی نظر آرہی تھیں اور سخت وحشت محسوس کر رہے تھے۔ یا یوں کہا جائے کہ ابھی آپ ان تفصیلات اور علوم و حقائق سے بے خبر تھے۔ جس سے نبوت کے بعد اللہ نے آپ کو آگاہ فرمایا تھا۔ اسی بے قرار اور اضطرابی کیفیت میں پہاڑوں اور غاروں میں جا کر آپ مستغرق ہو جاتے اور مالک حقیقی کو پکارتے اور محبوب حقیقی کو یاد کرتے۔ تا آنکہ مربی حقیقی نے دیکھ لیا کہ آپ کی صورت میں بذریعہ وحی اصلاح خلق اور وصول الی اللہ کی تفصیلی راہیں کھلتی شروع ہو گئیں۔

ناداری کے بعد غنا: ..... ووجدك عالا اپنے والد کے ترکہ میں آپ کو صرف ایک اونٹنی اور ایک باندی ملی تھی۔ اس طرح نہایت عسرت سے آپ کی زندگی کا آغاز ہوا۔ مگر پھر وہ وقت بھی آیا کہ قریش کی سب سے مالدار خاتون حضرت خدیجہؓ نے پہلے آپ کو اپنی وسیع تجارت میں شریک کیا اور پھر وہ خود آپ کے جہلہ نکاح میں آ گئیں۔ اس طرح آپ نے تجارتی کاروبار سنبھال لیا اور ظاہری غنا بھی آپ کو حاصل ہو گئی۔ اس تمول میں صرف بیوی کا سرمایہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ آپ کی محنت، قابلیت، دیانت و امانت کو بھی بڑا دخل تھا۔ اسی کے ساتھ آپ غناء قلبی کا حال غنی العالین ہی جان سکتا ہے۔ کوئی بشر اس کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ بس جس پروردگار نے اس شان سے آپ کی تربیت فرمائی کیا وہ آپ کو یونہی خفا چھوڑ سکتا ہے؟

یتیموں کا ٹھکانا: ..... فاما الیتیم یعنی آپ چونکہ خود یتیمی کا داغ اٹھا چکے ہیں۔ اس لئے آپ کو یتیموں کے دکھ درد کو محسوس کرنا چاہیئے اور یتیمی کی حالت میں بھی چونکہ آپ پر اللہ کا فضل رہا کہ تمہیں بھٹکانہ دیا۔ اس لئے تم بھی اس کے شکر یہ میں یتیموں کا ٹھکانا دو۔ انہیں تنگ نہ کرو۔ بلکہ ان کی خبر گیری اور غم خواری کرو، اس طرح اگر کوئی حاجت مند سائل تمہارے پاس آئے تو جہاں تک ہو سکے اس کی مدد کرو اور اگر کسی وجہ سے معذوری ہو تو نرمی سے اس کو سمجھا دو۔ وہ اگر لچڑھو کر بھی لپٹے تو آپ کسی حالت میں بھی اسے جھڑکے نہیں۔ کیونکہ اپنی ابتدائی ناداری پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو صاف سمجھ میں آجائے گا۔ کہ نادار کا شیشہ دل کتنا نازک ہوتا ہے کہ ذرا سی جھڑکی سے چکنا چور ہوتا ہے۔ غرض آپ جیسے شکر گزار بندہ کا حوصلہ بھی ہونا چاہیئے کہ مانگنے والوں سے تنگ دل نہ ہوں اور ضرورت مندوں کے سوال سے گھبرا کر نہ جھڑکے اور نہ ڈانٹ ڈپٹ کیجئے۔ بلکہ فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ چنانچہ آپ کی سیرت طیبہ بتلاتی ہے کہ آپ یتیموں کا بچا اور غریبوں کا ماویٰ بنے۔ ارشاد ہے انا و کافل الیتیم کہاتین و اشار الی السبابة و الوسطی غریبوں کی اعانت و امداد کے جو واقعات سیرت پاک میں درج ہیں وہ بڑے سے بڑے مخالفین کو آپ کا گرویدہ بنا دیتے ہیں۔ حسب تصریح روح المعانی۔ سائل اگر نرمی سے مان جائے تو جھڑکنے کی اجازت نہیں لیکن اگر کسی طرح نہ مانے اور اڑ لگا کر کھڑا ہو جائے تو مناسب انداز سے جھڑکنے کی اجازت۔ تاہم یہ کہاوت پیش نہ آنے پائے۔ مسائل اللتیم یرجع دوسر مسائل۔

سوال کا جواب تشفی بخش ہونا چاہئے: ..... اور اگر سائل سے مراد مسائل دریافت کرنے والا ہو تب بھی یہ حکم ہے کہ اس کو خوش اسلوبی سے جواب دیا جائے۔ ایسا شخص کیسا ہی جاہل، اجڈ، گنوار ہو اور بظاہر کتنے ہی نامعقول انداز میں سوال کرے یا بھونڈی ذہنیت کا مظاہرہ کرے۔ تب بھی علم و بردباری کا دامن نہ چھوڑے۔ خوش اخلاقی اور شفقت سے اس کے سوال کا جواب دیجئے۔ پندار علم میں مبتلا لوگوں کی طرح جھڑک کر مغرورانہ جواب نہ دیجئے۔ حضرت ابوالدرداء، حضرت حسن بصری، سفیان وغیرہ اکابر نے اسی معنی کو پسند کیا ہے۔ پہلے معنی کا ربط اگر عاللا کے ساتھ ہے تو اس معنی کا ارتباط ضالا فہدیٰ سے بھی مناسب ہے۔

نعمتوں کی شکر گزاری: ..... بنعمة ربك فحدث نعمت سے مراد عام ہے۔ خواہ ظاہری نعمتیں یا باطنی پہلی ہوں یا بعد کی اسی طرح ان کے اظہار کی صورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ ہر نعمت اپنی نوعیت کے لحاظ سے اظہار کی ایک خاص صورت چاہتی ہے۔ تاہم مجموعی طور پر تمام نعمتوں کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ زبان سے اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور دل سے بھی اعتراف کرے کہ میرے کسی ذاتی کمال کو اس میں دخل نہیں۔ جو کچھ ہے سب اللہ کے فضل و کرم سے ہے۔ فقر و مباحات کی ادنیٰ جھلک بھی حرکت میں نہ آنے پائے۔ مثلاً نعمت ہدایت کا اظہار اس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ کی ہلکی ہوئی مخلوق کو سیدھا راستہ بتلایا جائے۔ اور نعمت قرآن کا اظہار اس طرح ہو کہ لوگوں میں زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت کی جائے اور اس کی تعلیمات پھیلائی جائیں۔ نعمت نبوت کے اظہار کی صورت یہ ہے کہ حق دعوت و تبلیغ پورے طور پر ادا کیا جائے اور رسول اللہ کی کتاب و نبی کے ساتھ کملی ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و اسوال کو جو حدیث کہا گیا ہے ممکن ہے وہ اسی لفظ و حکم کی نقل ہو۔ یعنی آپ اپنے حال، قال سے تحدیث نعمت کرتے جائیے وہی حدیث رسول ہوتی جائے گی۔

خلاصہ کلام: وحی کا سلسلہ کچھ دنوں تک رک جانے سے حضورؐ کو جو بے چینی اور اضطراب لاحق ہوا تھا۔ اس سورت میں اس کا ازالہ کرنا اور آپؐ کو تسلی و تشفی دینا مقصود ہے پہلے تو روز روشن اور شب و بچور کی قسم کھا کر یقین و اطمینان دلایا گیا ہے کہ آپؐ کے رب نے آپؐ کو برزخ میں چھوڑا ہے اور نہ وہ آپؐ سے ناراض ہوا ہے۔ پھر اس کے بعد آپؐ کو بشارت سنائی گئی ہے کہ دعوت و تبلیغ کی راہ میں تھوڑے دنوں کی مشکلات ہیں۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ فتوحات اور کامیابیوں سے ہمکنار ہوں گے۔ اس وقت ہر آنے والا دور پہلے دور سے بہتر ثابت ہوگا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ آپؐ پر بے شمار نعمتوں اور عطاؤں کی اتنی بارش کرے گا کہ آپؐ خوش ہو جائیں گے۔ یہ قرآن کی اعلیٰ زبانی ہے کہ اس کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ حالانکہ اس کے نزول کے وقت کہیں دور دور بھی اس کے آثار نہیں نظر نہیں آتے تھے۔ کہ مکہ میں جو بے یار و مددگار انسان پوری قوم کی جاہلیت کو لٹکا رہا ہے۔ اسے اتنی حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوگی۔ اس کے بعد حق تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرما رہا ہے کہ جب ہم تمہاری پیدائش سے لے کر اب تک مسلسل مہربانیاں کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آپؐ یتیم پیدا ہوئے تو ہم نے آپؐ کی پرورش اور دیکھ بھال کا مناسب انتظام کر دیا۔ آپؐ ناشناس راہ تھے۔ ہم نے شناسا بنا دیا۔ آپؐ نادار تھے، ہم نے آپؐ کو مالدار کر دیا۔ غرض ان ساری باتوں سے صاف واضح ہے کہ آپؐ شروع سے ہمارے منظور نظر ہیں۔ ہماری رحمت ہمیشہ آپؐ کے شامل حال رہی ہے۔ پھر یہ کیسے سمجھ لیا گیا ہے کہ ہم نے آپؐ کو چھوڑ دیا ہے یا آپؐ سے ناراض ہو گئے ہیں۔

فضائل سورت: . من قرأ سورة الضحیٰ جعلہ اللہ فیمن یرضی الحمد ان یشفع لہ وعشر حسنات یکتبہا اللہ لہ بعدد کل یتیم و سائل جو شخص سورۃ الضحیٰ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو ان لوگوں میں داخل کرے گا کہ حضورؐ کی خوشنودی کے لئے شفاعت کی اجازت ہوگی اور تمام یتیموں اور ناداروں کی تعداد سے دس گونہ زیادہ ثواب دے گا۔

اظائف سلوک: . وللآخرۃ خیر للک من الاولیٰ میں الف لام استفراقیہ ہے۔ یعنی ہر پچھلی حالت پہلی سے بہتر ہے۔ پہلے وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ پھر موقوف ہوا، پھر جاری ہو گیا۔ اس طرح جاری ہونا اصطلاح صوفیاء کے مطابق بسط اور موقوف ہونا قبض کہلائے گا۔ پس مطلب یہ ہوا کہ پچھلا قبض پہلے بسط سے بہتر ہے اور پھر بعد کا بسط پہلے قبض سے بہتر ہے۔ سالک کو یہی یقین کر کے مجاہدات میں مشغول رہنا چاہیئے اور قبض سے مغموں اور پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ واما بنعمۃ ربک فحدث اہل اللہ جو اپنے کمالات کا اظہار بغیر فخر و دیا کریں جن سے صرف شکر نعمت مقصود ہوتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

## سُورَةُ الْاِنْشِرَاحِ

سُورَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ اَيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ اِسْتِفْهَامُ تَقْرِیرِ اَیِّ شَرْحًا لَكَ يَا مُحَمَّدُ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ بِالنَّبُوَّةِ وَغَیْرِهَا وَوَضَعْنَا حَظْطًا عَنْكَ وَزُرْكَ ﴿۲﴾ الَّذِیْ اَنْقَضَ اَثْقَلَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾ وَهَذَا كَقَوْلِهِ تَعَالٰی لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ بِاَنَّ تَذَكَّرَ مَعَ ذِكْرِيْ فِي الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ وَالتَّشْهَدِ وَالْخُطْبَةِ وَغَیْرِهَا فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ الشِّدَّةَ يُسْرًا ﴿۵﴾ سَهْوَةً اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾ وَالنَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَاسَى مِنَ الْكُفَّارِ شِدَّةً ثُمَّ حَصَلَ لَهُ الْیُسْرُ بِنَصْرِهِ عَلَیْهِمْ فَاِذَا فَرَّغْتَ مِنَ الصَّلٰوةِ فَاَنْصَبْ ﴿۷﴾ اِتَّعَبَ فِي الدُّعَاءِ وَاِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ تَضَرَّعُ

ع  
۱۹

ترجمہ: آیا ہم نے (اے محمد!) آپ کی خاطر (نبوت وغیرہ کے لئے) آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا (یعنی کھول نہیں دیا ہے استفہام تقریری ہے) اور آپ پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا (ہلکا کر دیا) جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی (یہ ایسے ہی ہے جیسے آیت لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر میں فرمایا گیا ہے) اور ہم نے آپ کا آوازہ بلند کر دیا (اس طرح کہ اذان، اقامت، تشہد، خطبہ وغیرہ میں آپ کا نام لیا جاتا ہے) پس حقیقت یہ ہے کہ موجودہ مشکلات (شدت) کے ساتھ آسانی (سہولت) بھی ہے۔ بے شک موجودہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے اول مشکلات جھیلنی پڑیں۔ پھر اللہ نے آپ کی مدد فرما کر آپ کے لئے سہولت پیدا فرمادی) لہذا جب آپ (نماز سے) فارغ ہو جایا کریں تو محنت کیجئے (خوب دعا کیجئے) اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جائیئے (گڑ گڑائیئے)۔

تحقیق و ترکیب: ..... الم نشرح استفہام تقریر کا مطلب یہ ہے کہ نفی پر ہمزہ انکاری واقع ہو رہا ہے اور نفی کی نفی اثبات ہے جس کو دوسرے لفظوں میں کہنا چاہیئے کہ متنی یعنی اثبات کی تقریر ہو رہی ہے۔ جس کو مفسر شرحنا سے تعبیر کر رہے ہیں۔ شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ مناجات حق اور خدمت خلق کے لئے قلب وسیع اور سینہ کشادہ کر دیا۔ جس سے وہ حضور و غیاب کی کیفیات کا تحمل ہو گیا۔ ناواقفیت اور بے خبری کی تنگدلی سے نکال کر علوم و حکمت سے سینہ کو لبریز کر دیا۔ اور گنجینہ اسرار بنا دیا۔ یا یہ کہ ابتداء میں وحی کے ثقل سے



سپ پر جو گرانی ہوتی تو اعصاب متاثر ہو جاتے تھے۔ اب اس کی کیفیت کی بجائے طبیعت میں نشاط اور رسوخ پیدا کر دیا ہے اور بعض حضرات نے اس سے شق صدر کے وہ واقعات مراد لئے ہیں جو چار مرتبہ جبریل امین کے ذریعہ آپ کے ساتھ پیش آچکے ہیں۔ پہلی مرتبہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے یہاں رہتے ہوئے تین چار سال کی عمر میں ہوا۔ پھر سن شعور میں داخل ہونے کے وقت تیسری مرتبہ واقعہ معراج سے پہلے اور چوتھی بار واقعہ ہجرت سے پہلے قلب مبارک سینہ بے کینہ سے نکال کر کوثر سے دھویا گیا۔ اور علم و ایمان کا خزینہ اس میں بھر دیا گیا۔ اور لک میں اس طرف اشارہ ہے کہ شرح صدر کے منافع آپ کے لئے ہیں۔ حق تعالیٰ منافع اور اغراض سے پاک ہیں۔ چونکہ الم نشرح بقول مفسر علامہ جملہ مشتبه ہے۔ اسی لئے وضعنا کا اس پر عطف ہے۔

وزرا گرائی اور بوجھ۔

انقض ظہر لک: انقاض کہتے ہیں پالان اور بوجھ رکھنے کے وقت جو چڑچڑاہٹ ہوتی ہے اس سے وہ گھٹن اور غم مراد ہے۔ جو ایک طرف قوم کی بد حالی اور دوسری طرف اپنے پاس تفصیلی پروگرام اور لائحہ عمل نہ ہونے اور تیسرے قوم کی طرف سے ایذا رسانی کی ملی جلی کیفیات کا بوجھ مروتوڑے دے رہا تھا۔ اس آیت میں استعارہ کی زبان استعمال کی گئی ہے جس طرح آیت لبغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبك وما تاخو میں من ذنبك کے حقیقی معنی مراد ہیں۔ بلکہ تقدیر عبارت اس طرح ہے ما تقدم من ذنبك لو كان یا ذنب سے مراد ہو غفلت، بھول چوک ہو یا ذنب امت مراد ہو۔ یا ذنب کے معنی بشری تقاضہ ہے۔ خلاف اولی باتیں ہوں۔ یہاں بھی وزر میں یہی توجیہات ہوں گی۔ لیکن روح البیان میں وضعنا کے معنی رفعنا لئے ہیں یعنی وزر اور گنہ سے ہم نے آپ کو پاک رکھا ہے۔ پس اس سے عصمت ثابت ہوئی۔

ورفعنا لک ذکرک نبوت کا مرتبہ بلند مراد ہے۔ یا اطاعت رسول مراد ہے۔ یا اللہ اور فرشتوں اور مومنین کی طرف سے صلوٰۃ و سلام کا پیش ہونا یا حضور کو القاب و خطابات سے نوازا نیا اذان و اقامت، خطبات، نمازوں میں اللہ کے نام کے ساتھ آپ کا نام لیا جانا مراد ہے۔ ابوسعید کی روایت ہے کہ جبریل نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے ذکر کا بلند ہونا کیا آپ کو معلوم ہے؟ فرمایا نہیں۔ عرض کیا جہاں اللہ کا نام لیا جاتا ہے آپ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ یا کچھلی آسمانی کتابوں میں آپ کا ذکر خیر مراد ہے یا ختم نبوت کا منصب جلیل بہر حال ازل سے ابد تک اور فرش سے عرش تک اللہ نے آپ کا نام روشن فرما دیا۔ اور لک کے ابہام میں مبالغہ ہے۔

فان مع العسر يسرا: عسر سے وہ جاں گسل حالات مراد ہیں جو مخالفین کی طرف سے آپ کے خلاف پیدا کئے جا رہے ہیں۔ جن کی گھٹن سے سانس لینا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ مگر اللہ نے اپنے فضل سے ان حالات کو آہستہ آہستہ آسانیوں میں تبدیل فر دوسرا جملہ تاکید ہے یا تاسیس پر محمول کیا جائے۔ گویا عسر ایک ہے مگر یسر دو ہیں۔ ارشاد نبوی ہے لن يغلب عسر يسرين۔ العسر معروف ہونے کی وجہ سے تکرار کے باوجود ایک ہی ہوگا۔ اور یسر نکرہ ہونے کی بناء پر الگ الگ لیا جائے گا۔ لیکن تاکید پر محمول زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اول تو مذکورہ بالا ضابطہ کلیہ نہیں۔ بلکہ اکثر یہ ہے۔ دوسرے مصحف ابن مسعود میں یہ جملہ ایک بار ہے۔ نیز سے مراد یسر دارین بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے حدیث للصائم فرحان فرحة عند الافطار و فرحة عند لقاء الرب اور مع کے لانے سے تسلی میں مبالغہ ہے۔ گویا عسر و یسر میں بالکل اتصال رہتا ہے تاخیر نہیں ہوتی اور یسر کا نکرہ ہونا تعظیم کو ظاہر کرتا ہے۔

فاذا فرغت اگر غزوہ اور جہاد سے فراغت مراد ہے تب تو فائز و فائز میں نماز کا حکم ہے اور نماز سے فراغت مراد ہے تو پھر دعا میں مشغول ہونے کا حکم ہے۔ لیکن بقول حسن بہتر یہ ہے کہ تبلیغی کاموں سے فراغت کے بعد عبادات کا حکم ہے جس سے تبلیغ کی اہمیت واضح ہے کہ اس کا نفع متعدی ہے اور عبادات کا نفع ذاتی اور لازمی ہے۔ مفسر کی تائید ابن عباسؓ، قتادہؓ، ضحاکؓ، مقاتلؓ کی روایات سے ہو رہی ہے۔ اب وہ دعا نماز کا سلام پھیرنے سے پہلے ہو یا بعد میں۔ والی ربک یعنی توجہ الی اللہ بکمال رکھے۔ غیر کی طرف دھیان نہ کیجئے۔ ایک قرأت فرغ ہے۔ یعنی لوگوں کو ترغیب دیتے ہوئے۔

رابط آیات: .... روی ان جبریل علیہ السلام اتاہ وهو عند مرضعته حلیمۃ وهو ابن ثلث سنین او اربع فشق صدرہ واخرج قلبہ وغسلہ ونقاہ وملاہ علما وایمانا ثم رد فی صدرہ۔ ورفعنا لک ذکرک عن ابی سعید انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم اتانی جبریل فقال ان ربک یقول اتدری کیف رفعت ذکرک قلت اللہ اعلمہ قال اذکرت ذکرک معی۔  
 ﴿تشریح﴾: ..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا تو ہر طرف سے مشکلات میں گھر گئے اور ایک سخت قسم کی ٹھن محسوس کرنے لگے۔ اس لئے ان آیات میں آپ کو تسلی بخشی دی گئی کہ جب ہماری عنایات آپ پر گونا گوں ہیں پھر آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔

شرح صدر کا مطلب کیا ہے؟..... شرح صدر کا وہی مفہوم ہوگا۔ جو آپ آیت فمن یردد اللہ ان یرددہ بشرح صدرہ للاسلام اور آیت فمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فہو علی نور من ربہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک مرتبہ اپنی تنگ دلی کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا۔ رب انی اخاف ان یکذبون ویضیق صدری اور درخواست کی تھی رب اشرح لی صدري ویر لی امری سینہ یا دل کی تنگی یہ ہے کہ نبوت کا بار عظیم جب کندھوں پر ہو اور تنہا کفر و طغیان کی جابرانہ طاقتوں کی طرف سے قدم قدم پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جائیں تو کام کرنے والے کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ ادھر شریعت کا تفصیلی نظام سامنے نہیں ہوتا۔ تو عجب ٹھن پیش آتی ہے۔ اس صورت میں شرح صدر یہ ہوگا کہ ہر قسم کے ذہنی خلجان سے نجات مل جائے اور یہ اطمینان ہو جائے کہ یہ راستہ برحق ہے۔ عقائد و اعمال و اخلاق سب درست اور صحیح ہیں۔ اور یہ کہ حالات کی ناسازگاری وقتی ہے۔ محنت کرنے سے ماحول بدل جائے تو اس سے حوصلہ بلند ہو جاتا ہے اور انسان ہر بڑی سے بڑی مشکل مہم سر کرنے کے لئے اور سخت سے سخت کام انجام دینے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو کچھ حالت تھی اس کو دیکھ دیکھ کر آپ کڑھتے تھے۔ لیکن خود آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کی اصلاح کا صحیح راستہ کیا ہے؟ اس لئے سخت خلجان سے دوچار تھے۔ اللہ نے نبوت عطا کر کے یہ خلجان دور کر دیا اور علوم و معارف کے سمندر آپ کے قلب مبارک میں اتار دیئے اور فرائض رسالت اور لوازم نبوت برداشت کرنے کا آپ کو بڑا حوصلہ عنایت فرما دیا اور اس وسعت قلبی سے نواز دیئے گئے جو اس منصب عظیم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے درکار تھی اس جہان علم سے ناواقف ہو گئے جو آپ کے سوا کسی اور انسان کا ذہن اس کی وسعت نہ رکھتا تھا۔ اور اس حکمت ربانی کے حامل بن گئے جو بڑے سے بڑے بگڑے ہوئے ماحول کو درست کرنے کی اہلیت رکھتی تھی۔ اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ جب اللہ نے شرح صدر کی یہ بیش بہا دولت عطا فرمادی تو آپ ان مشکلات پر دلگیر اور قلب گرفتہ کیوں ہوتے ہیں۔ بعض مفسرین نے شرح صدر کے معنی لئے ہیں۔ لیکن اول تو عربیت کے لحاظ سے بقول علامہ آلوسی شرح صدر کو شوق صدر کے معنی میں لینا محققین کے نزدیک ضعیف ہے۔ دوسرے اس معجزہ کا تعلق روایات و تعبیر سے ہے۔ لیکن بظاہر وہ آیت کا مدلول معلوم نہیں ہوتا۔

بوجھ اتارنے کا کیا مطلب ہے؟..... ووضعنہ عنک وزرک جہاں گناہ کے معنی آتے ہیں۔ وہیں اصل معنی بھاری بوجھ کے بھی آتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور عفت مآب زندگی جس پر دشمن بھی کبھی انگشت نمائی نہیں کر سکے۔ اس کے پیش نظر اس کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ عیاذ باللہ آپ گناہوں کی وجہ سے پریشان تھے۔ بلکہ وہی بھاری بوجھ مراد ہے۔ جو قوم کی بد حالی کی وجہ سے آپ کے لئے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ اور کام کی اہمیت کے پیش نظر آپ کی کمر بوجھ محسوس کر رہی تھی۔ منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے خاطر اشرف پر گرانی ہو رہی تھی۔ یا بعض جائز کاموں کی نسبت آپ اپنے اجتہاد سے ایک رخ اختیار فرما لیتے تھے۔ مگر جب بعد میں اس کا خلاف مصلحت و حکمت ہونا آپ پر واضح ہوتا تھا۔ تو پہلی رائے پر آپ کو تکرر پیش آتا اور آپ مغموم ہو جاتے اور انتہائی عالی مرتبہ اور صاحب عزیمت ہونے کی وجہ سے اس پر رنجیدہ ہو جاتے کہ مجھ سے یہ خلاف اولی بات کیوں سرزد ہوئی۔ جس طرح کوئی گناہ کر کے بچھتا ہے اسی طرح آپ خلاف اولی کر کے پچھتاتے حساسات الارار سیات المفربیں

یا بقول حضرت شاہ عبدالعزیز اپنی عالی حوصلگی اور اولوالعزمی کی وجہ سے جن کمالات اور مقامات پر پہنچنے کی آپ میں امنک ہوتی تھی۔ مگر جسمانی عوائق اور نفس کی تشویشات بعض دفعہ اس میں حائل ہو جاتیں تو اس سے آپ دل مسوس کر رہ جاتے اور ملوں اور رنجیدہ رہتے۔ مگر جب اللہ نے سینہ کھول دیا، قلب کشادہ کر دیا۔ تو پھر طبیعت میں انشراح حاصل ہو گیا۔ اور سب بوجھ ہٹا ہو گیا۔ اور اگر وضعہ کے معنی رفعت لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ہر قسم کی کوتاہی قصور گناہ سے آپ کو بچا لیا۔ جس سے آپ کی عصمت ثابت ہوئی۔

ذکر خدا اور ذکر رسول: ..... ورفعنا لک ذکرک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عالمی شہرت کا یہ اعزاز بخشا گیا اللہ نے بہت سے عوامل کے ذریعہ یہ کام لیا۔ سب سے پہلے اللہ نے آپ کے دشمنوں سے یہ خدمت لی، عام مجامع، میلوں، ٹھیلوں اور حج کے موقعوں پر جہاں ہر طرف سے لوگ کھینچ کھینچ کر جمع ہوتے مخالفین آپ کے خلاف پروپیگنڈے کرتے اور طرح طرح کی خبریں پھیلاتے۔ چادور، کاہن، شاعر کہہ کر بدنام کرتے۔ مگر انسان حریص فیما بین مشہور مقالہ کی صداقت مسلمہ ہے۔ چنانچہ اس سے لوگوں میں آپ کو دیکھنے اور سننے کا شوق پیدا ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کے گوشہ گوشہ میں آپ کا نام پہنچ گیا اور گوشہ گمنامی سے نکال کر خود دشمنوں نے آپ کو عرب کے تمام قبائل سے متعارف کرادیا۔

خدا شرے برانگیز دکہ خیر مادر آید: ..... کفار مکہ جتنا زور لگاتے رہے لوگوں میں یہ جستجو بھی اتنی ہی بڑھتی گئی کہ وہ شخص کون ہے؟ کیا کہتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اس کے جادو کا کیا اور کن لوگوں پر اثر پڑا؟ اس جستجو کے نتیجے میں لوگوں کو جب آپ کے اخلاق، اعداں دیکھنے اور کلام سننے کا موقع ملتا تو انہیں پتہ چلا کہ آپ کی تعلیمات کیا ہیں؟ اور ان کا لوگوں پر کیا اثر پڑ رہا ہے؟ اور آپ کے پیروکاروں کی زندگیاں دوسروں سے کتنی مختلف ہو گئیں۔ اس طرح یہ پھیلائی ہوئی بدنامی نیک نامی میں تبدیل ہو گئی اور عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ رہا جس میں کوئی نہ کوئی اسلام کا قبول کرنے والا نہ رہا ہو۔ یہ تو شہرت کا ایک رخ ہوا جو مکی زندگی سے وابستہ تھا۔ دوسرا رخ ہجرت کے بعد شروع ہوا۔ جہاں پرانے مشرک دشمنوں میں یہودی منافقین کا اضافہ ہو گیا۔ ان دونوں نے مل کر آپ کا نام اچھالنے میں کوئی سرائٹھ نہیں رکھی۔

حضور کی شہرت و مقبولیت: ..... دوسری طرف آنحضرت اور آپ کے جاں نثاروں کی پاکیزہ نفسی، خدا ترسی، حسن اخلاقی، عدل و انصاف، انسانی مساوات وہ عملی نمونہ پیش کر رہی تھی۔ جس سے لوگوں کے دل مسخر ہوتے چلے گئے تھے۔ ہر چند کہ مخالفین نے جنگیں برپا کر کے اس فض کو مکدر کرنا چاہا اور حضور کے اس بڑھتے ہوئے اثر کو مٹانا چاہا۔ مگر آپ کے بے مثال تحمل اور بے نظیر سوجھ بوجھ نے اپنی برتری ثابت کر دکھائی۔ اور آپ کی بنائی ہوئی مقدس جماعت کے نظم و ضبط، شجاعت و ایثار نے لوگوں کے دلوں پر سکھ جھادی اور وہی ملک جس نے آپ کو بدنام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ صرف ایک دہائی میں اس کا گوشہ گوشہ اشہد ان محمد رسول اللہ کی صدا سے گونج اٹھا اور زمین سے اٹھ کر فضا میں آپ کے نام کی مہک پھیلی۔

حضور کی غیر معمولی شہرت: ..... اس کے بعد پھر تیسرا مرحلہ وہ آیا جب سارے عالم میں آپ کے نام کا غغہ ہوا۔ ان میں پانچ بار اذانوں، اقامتوں، نمازوں اور خطبوں کے ذریعہ نام مبارک بلند ہوا اور انشاء اللہ قیامت تک بلند ہوتا ہی رہے گا۔ چوبیس گھنٹوں میں سے کوئی وقت ایسا نہیں ہوگا جب کہ روئے زمین پر کہیں نہ کہیں حضور کا نام مبارک زبانوں پر نہ آتا ہو۔ اس سے قرآن کی صداقت اور اعجاز نمایاں ہے۔ کیونکہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت کوئی اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کا مبارک نام اتنی بندیوں کو چھو لے گا۔ مگر تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ اس کا حرف بحرف پورا ہوا۔

مشکلیں اتنی پڑیں کہ آسمان ہو گئیں: ..... فان مع العسر یسرا فرمایا کہ اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کی خاطر جتنی تکلیفیں آپ نے گوارائیں، صعوبتیں برداشت کیں، سختیاں جھیلیں، یقیناً وہ بڑا عالی شان کارنامہ ہے۔ مگر یہ دور زیادہ نہیں چلے گا۔ اچھے

حالات ابھی آنے والے ہیں آپ پریشان نہ ہوں۔ تسلی رکھیں جس طرح ہم نے روحانی کلفت دور کر کے راحت روحانی عطا کی ہے۔ اسی طرح، دی مشکلات میں بھی عنقریب فتوحات اور کامرانیاں آپ کے قدم چومنے والی ہیں اور بار بار چوں کہ انسان مشکلات سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے ہم بھی مکرر تاکید سے کہتے ہیں کہ سختی محض وقتی ہوگی۔ آسانی اس سے ہمکنار ضرور ہو کر رہے گی۔ بلکہ ایک سختی بہت سی آسانیوں کو جنم دیتی ہے۔ عادت اللہ یہی ہے کہ مصیبت میں صبر کرنے اور سچے دل سے اللہ پر بھروسہ کرنے اور ہر طرف سے کٹ کر اللہ سے ولگانے سے آسانیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور صبر تلخ ست و لے بر شیریں دارد۔ حدیث میں ہے لو کان العسر فی حجر لطسه حتی بدخل علیہ انہ لن یغلب عسر یسرین۔

فاذا فرغت ہر چند کے دعوت و تبلیغ اعلیٰ ترین عبادت ہے۔ لیکن فی الجملہ مخلوق کی طرف دھیان کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے مطلوب یہ ہے کہ نصیحت و فہمائش کے فریضہ سے آپ فارغ ہوا کریں تو براہ راست بھی اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اسی میں ٹھو جائیں۔ اور عام مشغولیت بھی مراد نہ جاسکتی ہے۔ فشاء یہ ہے کہ مشاغل سے جب بھی آپ کو فرصت ملے تو آپ ہمہ تن اپنے پروردگار کی طرف لوگالیا کیجئے۔ یوں تو سارے قرآن میں سیرت پاک پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن ان دونوں سورتوں میں اجمالاً زندگی کے سب اہم موڑ آگئے ہیں۔

خلاصہ کلام: .. سورۃ الضحیٰ اور الم نشرح دونوں کا مضمون ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی وقت میں نازل ہوئی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ الم نشرح والضحیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ اسی لئے اس میں حضور کی تسلی بخشی کا پہلو نمایاں ہے۔ نبوت سے پہلے آپ اپنی قوم کی آنکھ کا تارہ تھے۔ بڑی قدر اور عزت کی نگاہ سے لوگ آپ کو دیکھتے تھے۔ مگر نبوت کا اظہار کیا تھا کہ قیامت کا صور ثابت ہوا۔ سارے معاشرہ میں کھلبلی مچ گئی۔ خاندانوں میں اٹھل پھل ہونے لگی۔ وہی قوم اب آپ کی جانی دشمن بن گئی جو لوگ آپ کے قدموں کے تلے آنکھیں بچھاتے تھے۔ اب وہ آپ کے سر پر پاؤں رکھنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور فضا اتنی زہریلی ہو گئی کہ سانس لینا مشکل ہو گیا۔ قدم قدم پر الجھنیں کھڑی کر دی گئیں۔ آپ کو اس صورت حال کا پہلے سے اندازہ نہیں تھا۔ اس لئے شروع شروع میں بڑی دشواری رہی اور حوصلہ شکنی ہوتی رہی۔ اس لئے سورت الضحیٰ کی طرح اس سورت میں بھی تسلی پر زور دیا گیا ہے۔ ایسے مواقع پر انعامات کا استحضار ایک فطری کارگر نسخہ ہے۔ چنانچہ تین نعمتوں کا تذکرہ فرمایا گیا۔ ایک شرح صدر کی دولت کہ سب کی طرف سے دل ٹھنڈا رہے، اس میں کسی کی خلش نہ رہے دوسرے نبوت اور اس کے رہنمائی نہ اصول دے کر طبیعت کے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے۔ تیسرے آپ کے نام کی اتنی سر بلندی کہ دنیا میں نہ پہلے کسی کو نصیب ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ اس لئے شکستہ دل بالکل نہ ہو جائے۔ ان آفتوں کے ساتھ اس پر بھی نظر رکھئے کہ یہ مشکلات کا دور بہت جلد ختم ہو جانے والا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فراخی اور کشادگی کا دور چلا آ رہا ہے۔ پھر آخری بات یہ ہے کہ اس مشغولیت اور غم سے جب بھی موقع ملے دل اللہ کی طرف لگائیے کہ دلوں کی چین اسی سے دل لگانے میں ہے۔

فضائل سورت: ..... من قرء سورۃ الم نشرح فکانما جاءنی وانا غتم ففرج عنی ترجمہ جو شخص سورۃ الم نشرح پڑھے گا۔ گویا وہ میری غم کی حالت میں میرے پاس آ گیا۔ اور مجھے اس سے نجات دے دی۔

لطف سلوک: .. الم نشرح وصول سے پہلے سالک کو جو ضیق اور تنگی گھٹن پیش آتی ہے کہ جس سے گویا اس کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ بھی وزر میں داخل ہے اور جو نشاط، دلجمعی اور طہانیت و وسعت وصول کے بعد حاصل ہوتی ہے وہ شرح صدر میں داخل ہے۔ جس میں حق و رخصت دونوں کی طرف توجہ یک جا ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی ارشاد و اصلاح کی مصالحت سے اگر اس کو شہرت عطا فرما دی جائے تو اس کو رفع ذکر سمجھنا چاہیے اور ان مع العسر یسر میں اس طرف اشارہ ہے کہ مجاہدہ کرنے والے کے لئے عادت اللہ یہی ہے کہ وہ ان دونوں سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ فاذا فرغت معلوم ہوا کہ افاضہ و افادہ اور ارشاد سے فراغت کے بعد شیخ کو بھی خشوت میں ذر و فکر و مناجات میں مشغول رہنا چاہیئے۔ اور خود کو مجاہدہ سے مستغنی نہیں سمجھنا چاہیئے۔

## سُورَةُ التِّينِ

سُورَةُ وَالتِّينِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَمَانُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ ﴿١﴾ أَيِ الْمَأْكُولَيْنِ وَجَبَلَيْنِ بِالشَّامِ يُنْبَتَانِ الْمَأْكُولَيْنِ وَطُورِ سَيْنِينَ ﴿٢﴾ الْجَبَلِ الَّذِي كَلَّمَ اللَّهُ تَعَالَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَيْهِ وَمَعْنَى سَيْنِينَ الْمُبَارَكِ أَوْ الْحَسَنِ بِالشَّجَرِ الْمُثْمِرَةِ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ﴿٣﴾ مَكَّةَ لِأَمْنِ النَّاسِ فِيهَا جَاهِلِيَّةً وَإِسْلَامًا لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ الْجِنْسَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴿٤﴾ تَعْدِيلِ لُصُورَتِهِ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ فِي بَعْضِ أَفْرَادِهِ أَسْفَلَ سَفَلَيْنِ ﴿٥﴾ كِنَايَةً عَنِ الْهَرَمِ وَالضُّعْفِ فَيَنْقُصُ عَمَلُ الْمُؤْمِنِينَ عَنْ زَمَنِ الشَّبَابِ وَيَكُونُ لَهُ أَجْرُهُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى إِلَّا أَيُّ لَكِنِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٦﴾ مَقْطُوعٌ وَفِي الْحَدِيثِ إِذَا بَلَغَ الْمُؤْمِنُ مِنَ الْكِبَرِ مَا يُعْجِزُهُ عَنِ الْعَمَلِ كُتِبَ لَهُ مَا كَانَ يَعْمَلُ فَمَا يَكْذِبُكَ أَيُّهَا الْكَافِرُ بَعْدَ أَيُّ بَعْدَ مَا ذُكِرَ مِنْ خَلْقِ الْإِنْسَانِ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ ثُمَّ رَدَّهٖ إِلَى أَرْدَلِ الْعُمُرِ الذَّلَالِ عَلَى الْقُدْرَةِ عَلَى الْبُعْثِ بِالَّذِينَ ﴿٧﴾ بِالْحَرَائِ الْمَسُوقِ بِالْبُعْثِ وَالْحِسَابِ أَيُّ مَا يَجْعَلُكَ مُكْذِبًا بِذَلِكَ وَلَا جَاعِلٌ لَهُ الْيَسَّ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَكَمِينَ ﴿٨﴾ أَيُّ هُوَ أَقْضَى الْقَاضِيْنَ وَحُكْمُهُ بِالْحَرَائِ مِنْ ذَلِكَ وَفِي الْحَدِيثِ مَنْ قَرَأَ بِالتِّينِ إِلَى أَجْرِهَا فَيَقُلْ بَلَى وَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ

ترجمہ ..... قسم ہے انجیر اور زیتون کی (جو دونوں کھانے کی چیزیں ہیں یا شام کے دونوں پہاڑ ہیں جن پر یہ کھانے کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں) اور طور سینا کی (جس پہاڑ پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور میس کے معنی مبارک کے ہیں یا پھلدار درختوں سے جو جگہ خوبصورت ہو) اور اس پر امن شہر کی (مکہ مراد ہے جو اسلام سے پہلے اور بعد ہمیشہ امن کی جگہ رہا ہے) ہم نے انسان (کی جنس) کو بہت خوبصورت سانچہ (بہترین ساخت) میں ڈھالا ہے۔ پھر ہم اس کے بعض افراد کو پست حالت والوں سے بھی پست کر دیتے ہیں (بڑھاپے اور کمزوری سے کنایہ ہے چنانچہ مؤمن کامل جوانی کے مقابلہ میں کم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا

ثواب بدستور رہتا ہے۔ اگلی آیت کی وجہ سے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لانے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لئے نہ ختم ہونے والا ثواب ہے (ممنون یعنی مقطوع، حدیث میں ارشاد ہے کہ مؤمن بڑھاپے کی وجہ سے جب عمل سے عاجز ہو جاتا ہے تب بھی اس کا عمل لکھا جاتا ہے) پھر تجھے (اے کافر!) کون جھٹلانے والا بتا رہا ہے اس کے بعد (یعنی انسان کا اچھی شکل پر پیدا ہونا پھر انتہائی گھٹیا عمر کی طرف پلٹ جانا جس سے قیامت پر اللہ کی قدرت کا ہونا معلوم ہوا) جزا کے بارے میں (جو بعث و حساب کے بعد ہوگی، یعنی کس چیز نے تجھ کو بدلہ کے جھٹلانے پر آمادہ کیا ہے۔ جب کہ کوئی اس کا باعث ہی نہیں ہے) کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟ (وہ سب سے بڑھ کر حاکم ہے اور اس کا فیصلہ قیامت کے متعلق ہو چکا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص سورۃ التین پڑھے تو اسے ختم پر پہلی وانا علی ذلک من الشاہدین کہنا چاہئے۔

تحقیق و ترکیب: ..... مکہ ابن عباسؓ کی رائے مفسر نے نقل کی ہے۔ لیکن قنادہ کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے اور جمہور اس کو مکی قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ هذا البلد الامین سے بھی اشارہ ہو رہا ہے۔

والتین بہترین میوہ ہے جس میں فضلہ کا نام و نشان نہیں ہے۔ سرلیح الہضم غذا لطف ہے اور مفید ترین دوا ہے۔ طبیعت میں فرحت پیدا کرتی ہے۔ بلغم کو تحلیل کرتا ہے۔ گردوں کو پاک صاف رکھتا ہے۔ مثانہ کے سنگریزہ کے لئے کاسر ہے۔ جگر اور تلی کے سروں کو صاف کرتا ہے۔ بدن میں فربہ بھی لاتا ہے۔ حدیث میں اس کو قاطع بواسیر اور درد نقرس کے لئے مفید بتایا گیا ہے۔

اسی طرح زیتون بھی پھل ہی ہے اور سالن اور دوا کے کام بھی آتا ہے۔ اس کا تیل نہایت لطیف اور مفید ہے۔ اور پہاڑوں میں اگر چہ دہنیت نہیں ہوتی۔ پھر بھی وہاں یہ درخت پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ دونوں پہاڑوں کے نام ہیں۔ ایک وہ پہاڑ جو مصر و ایلہ کے درمیان ہے۔ جس پر حضرت موسیٰ کو شرف، ہمکلامی حاصل ہوئی۔ دوسرا پہاڑ جس پر بیت المقدس ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت گاہ اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے مواقع ہونے کی وجہ سے ان کی قسم کھائی گئی ہے۔ جیسا کہ آگے طور پہاڑ کا ذکر ہے۔ جو حضرت موسیٰ کے کلیم اللہ ہونے کی جگہ ہے۔ پہلا قول حضرت ابن عباسؓ، حسنؓ، مجاہدؓ، عطاءؓ کا ہے اور دوسرا قول عکرمہؓ کا ہے۔ سریانی زبان میں ان پہاڑوں کو طور زینا کہا جاتا ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ تین حلوان و ہمدان کے درمیان کے پہاڑ کا نام ہے۔ اور زیتون شام کا پہاڑ ہے اور بعض نے ان سے مسجد دمشق اور بیت المقدس مراد لئے ہیں یا دو شہروں کے نام ہیں۔

و طور سینین سینا اور سینین کے دونوں لغت ہیں وہ جگہ جہاں حضرت کلیم اللہ، اللہ سے ہمکلام ہوئے اور مجاہد برکتہ کے معنی اور قدوہ حسن کے معنی اور مقتل پھلدار درختوں کا پہاڑ مراد لیتے ہیں۔

البلد الامین امین بمعنی امن کہا جاتا ہے۔ امن الرجل امانة فهو امین یا بمعنی مامون ہے۔ مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اسفل سافلین جہنم یا جہنم کا نچلا طبقہ مراد ہے۔ اور بقول مفسر بعض نے ارذل العمر کے معنی لئے ہیں۔ غیر ممنون غیر منقطع اور مسلسل کے معنی ہیں۔ اسی صورت میں استثناء متصل ہوگا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان پر اس اجر کا احسان نہیں جتنا دیا جائے گا۔ فما یکذب آنحضرت کو بھی خطاب ہو سکتا ہے۔ یعنی آپؐ قیامت کے بارہ میں جھٹلانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ما بمعنی من ہے اور بطور التفات انسان کو بھی خطاب ہو سکتا ہے۔ لا عاجل کہہ کر مفسر نے استفہام انکار ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ الیس اللہ یعنی اتنی بڑی قدرت والا کیا قیامت برپا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔



﴿تشریح﴾: .. تین یا زیتون کے پھل یا وہ علاقے جہاں بکثرت ان پھلوں کے درخت پائے جاتے ہیں۔ شام و فلسطین اللہ نے ان کی اور طور سینا اور مکہ مکرمہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ جہاں کے مقدس مقامات سے اولوالعزم پیغمبر اٹھے ہیں کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچہ میں ڈھالا ہے اور ظاہر و باطن میں کمال تناسب دیا۔ اگر انسان صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں پر بھی سبقت لے جائے۔ بلکہ مسجود ملائکہ بنے۔ اس کو اعلیٰ درجہ کا جسم عطا کیا گیا ہے۔ جو کسی اور جاندار مخلوق کو نہیں دیا گیا۔ اور ایسی اندرونی خوبیوں اور قابلیتیں عنایت کی گئیں جو کسی مخلوق کو نہیں ملیں۔ پھر منصب نبوت سے انسان کو زینت بخشی گئی۔ جس سے بڑھ کر اور کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس پر انہی مقدس مقامات کی قسمیں کھائی گئیں ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ہم نے انسان کو ایسی بہترین تقویم پر بنایا۔ کہ اس میں نبوت جیسے عالی مرتبہ منصب سے سرفراز ہونے والے افراد پائے جاتے ہیں۔

انسان اگر فرشتوں سے بڑھ سکتا ہے تو شیطان سے بھی بازی لے جاسکتا ہے: ... ثم رد دناہ مفسر علامہ تو اسفل سافلیں سے ارذل العمر یعنی بڑھاپے کا وہ مرحلہ مراد لیتے ہیں۔ جس میں انسان سوچنے سمجھنے کے لائق نہیں رہتا۔ پس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس نے جوانی اور تندرستی کے وقت ایمان لا کر نیک عمل کئے اور بڑھاپے میں معذور ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ خدمت سے معذوری کے باوجود پنشن کا مستحق سمجھتا ہے۔ اور رحمدل آقا بدستور اس کی کارکردگی شمار کرتے ہوئے پنشن جاری رکھتا ہے۔ لیکن دوسرے مفسرین اس سے جہنم یا جہنم کا بالکل نچلا درجہ مراد لیتے ہیں۔ یعنی ایماندار نیکو کار اسفل السافلیں سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن مقصد سورت یعنی جزا و سزا کی حقیقت کا جہاں تعلق ہے اس کے لحاظ سے بالخصوص یہ دونوں مفہوم کچھ زیادہ چسپاں نہیں معلوم ہوتے۔ بہتر یہ ہے کہ عام مفہوم مراد لیا جائے اور وہ یہ کہ ایک طرف تو انسان پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان کہ اس نے سب سے بہتر سانچہ میں اس کو ڈھالا۔ مگر دوسری طرف انسان اگر خود سے اس کو ناقدری کی نذر کر کے برائی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے۔ تو بالآخر گراتے گراتے اس انتہا تک پہنچ دیتا ہے کہ شیطان بھی اس سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ حرص و طمع، خود غرضی، نشہ بازی، شہوت پرستی، کمینہ پن، غیظ و غضب جیسی گھناؤنی بیماریوں میں جو لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ درندوں اور چوپاؤں سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔ شکل و صورت سے انسانی لباس آراستہ و پیراستہ، مگر اندر دیکھو تو سینکڑوں شیطان بھرے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ اشرف المخلوق، ارذل المخلوق بن جاتا ہے۔

قیامت کا انکار باعث حیرت ہے: ..... فما یکذبت یعنی ان روشن دلائل کے ہوتے ہوئے پھر یہ کافر جزا و سزا کا کیسے انکار کر رہے ہیں۔ اے پیغمبر! آخر کس بنیاد پر یہ آپ کو قیامت کے سلسلہ میں جھٹلا رہے ہیں۔ یعنی انسان جب دو گروہوں میں بٹ گیا۔ ایک پست ترین گروہ، دوسرا اعلیٰ ترین طبقہ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان دونوں کو ان کے کئے کا کچھ بھی پھل نہ ملے یہ دونوں کے کاموں پر ایک ہی طرح کا ثمرہ مرتب ہو۔ عقل و انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ دونوں کو ان کے کاموں کے مطابق صلہ ملے افسجعل المسلمین کالمحرمین مالکم کیف تحکمون ورنہ پھر نیکی بدی کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا۔ خیال تو کرو کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور ایسی عجیب و غریب تقویم پر پیدا کیا کہ نیکی اور بدی کرنے کی دونوں صلاحیتیں اس میں رکھ دیں اور آخری حد تک رکھ دیں۔ وہ چاہے تو ترقی کرے اعلیٰ علیین تک پہنچ سکتا ہے کہ فرشتے بھی اس کی گرد کو نہ پہنچ سکیں۔ جن کے کامل نمود۔ نے شام، بیت المقدس، اور سینا، مکہ مکرمہ میں دنیا دیکھ چکی۔ جن مقامات مقدسہ کی قسمیں ہم نے کھائی ہیں۔ ان کے نمونوں کے مطابق انسان چلے تو فدا ج دارین کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہو سکتا ہے۔ لیکن خود بے ایمانی اور بد عملی کر کے ذلت و ہلاکت کے گڑھوں میں گرنا چاہے تو اسفل السافلیں اس کے پاؤں تلے ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کسی کا منہ ہے جو دین فطرت کے جزا و سزا کے سلسلہ میں ایسے معقول ضابطوں کو جھٹلا سکے۔ ہاں دنیا کو لاقانونیت



کا ایک جنگل فرض کر لیا جائے۔ جس میں نہ کوئی حاکم ہو اور نہ قانون؟ تو پھر ایسے بے جنگم اور بے تکی باتوں کی گنجائش ہے۔

**شہنشاہ کائنات:** ایس اللہ باحکم الحاکمین دنیا کی معمولی سے معمولی حکومتوں اور حاکموں سے بھی جب یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ انصاف کریں۔ یعنی مجرموں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچائیں اور بہترین کارگزاری کرنے والوں کو انعام و اکرام سے نوازیں۔ پھر بھلا خدا کی نسبت کیا خیال ہے جو کائنات میں سب سے بڑا حاکم اور منصف ہے۔ کیا وہ انصاف نہیں کرے گا۔ اور بھلائی اور برائی کو ایک ہی پلہ میں رکھ دے گا۔ یا ساری مخلوق کو اکارت کر دے گا۔

**خلاصہ کلام:** .. ہذا البلد الامین کہنے سے نیز اس کے اس انداز بیان سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ یہ بھی مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے۔ جنہیں نہایت اختصار کے ساتھ مجازات پر کلام کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس میں بھی ان چار مقامات مقدسہ کی پہلے قسمیں کھائی گئی ہیں۔ جہاں اللہ نے اعلیٰ ترین انسان بھیجے تھے۔ اور بڑی تاکید کے ساتھ زور دے کر فرمایا گیا ہے کہ ہم نے انسان کو اعلیٰ ترین سانچہ میں ڈھال کر بھیجا ہے اور اس کی بناوٹ اس طرح کی ہے کہ اس میں نیکی اور بدی دونوں کی صلاحیتیں علی وجہ الکمال رکھ دی ہیں۔ برے کرتوت کر کے کوئی اس فطری خوبی ہی کو ختم کر دے اور تعزذات میں گرنا چلا جائے تو اس کا ٹھکانہ اسفل اسفلین ہوگا اور کوئی اپنی فطرت خوبی کو ایمان و عمل کی جلا سے روشن کرے گا تو اس کا مقام اعلیٰ علیین ہوگا۔ آخر میں ارشاد ہے کہ انسان جب خوبی اور خرابی کے دو حصوں میں بٹ گیا۔ تو کیا یہ قرین انصاف نہیں کہ اس کے کاموں کا حقیقی صلہ اس کے سامنے آ جائے۔ اور اس طرح دونوں اپنے آخری انجام تک پہنچ جائیں۔ دنیا کی عدالتوں میں جب عالمگیر قانون رائج ہے۔ تو اللہ کی کچھری سے بڑھ کر کس کی کچھری ہو سکتی ہے بلاشبہ نہیں ہو سکتی۔

**فضائل سورت:** ..... من قرء سورة والتین اعطاه الله العافیة والیقین مادام حیا فاذا مات اعطاه من الاجر بعدد من قرء هذه السورة ترجمہ: جو شخص سورۃ التین پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے زندگی بھر عافیت و یقین عطا فرمائے گا اور مرنے کے بعد اس سورت کے پڑھنے والوں کے برابر ثواب عطا فرمائے گا۔

**لطائف سلوک:** .. لقد خلقنا الانسان یعنی انسان ظاہر باطن معتدل الخلق ہے۔ راست قامت خوبصورت نقشہ صفات الہیہ کا مظہر ہے اور خلق اللہ ادم علی صورۃ کا مصداق ہے۔ اپنی جامعیت کے پیش نظر غیب و شہادت کے لحاظ سے مجمع البحرین ہے اور افادہ اور استفادہ کا سنگم ہے۔ ثم رد دناہ اگر ضعف چیری مراد ہے تو قوی کے انحطاط سے عمل میں اضطلال آتا ہے۔ اور وہ اجر و ثواب کی کمی کا سبب ہونا چاہیے۔ مگر معذوروں کو مستثنیٰ فرمادیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر واقعی عذر کی وجہ سے اوراد و وظائف میں حرج ہو جائے۔ تو انشاء اللہ اجر میں کمی نہیں ہوگی۔ اس لئے محقق مشائخ ایسے مواقع پر مسترشدین کو تسلی دیا کرتے ہیں۔

## سُورَةُ اِقْرَأْ

سُورَةُ اِقْرَأْ مَكِّيَّةٌ تِسْعَ عَشَرَ آيَةً صَدْرُهَا اِلَى مَا لَمْ يَعْلَمْ اَوَّلُ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ

وَذَلِكَ بِغَارِ حِرَاءٍ زَوَّاهُ الْبُخَارَى

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اِقْرَأْ اَوْجِدْ اِقْرَاءَةً مُّبْتَدِئًا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝١ اَلْخَلَائِقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ الْجِنْسَ مِنْ عِلْقٍ ۝٢ جَمْعُ عِلْقَةٍ هِيَ الْقِطْعَةُ الْيَسِيرَةُ مِنَ الدَّمِ الْغَلِيظِ اِقْرَأْ تَاكِيدٌ لِلْاَوَّلِ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣ الَّذِي لَا يُوَازِيهِ كَرِيْمٌ حَالٌ مِّنْ ضَمِيرٍ اِقْرَأْ الَّذِي عَلَّمَ الْخَطَّ بِالْقَلَمِ ۝٤ وَاَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِهِ اِدْرِيسُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ الْجِنْسَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥ قَبْلَ تَعْلِيْمِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْكِتَابَةِ وَالصَّاعِغَةِ وَغَيْرِهَا كَلَّا حَقًّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَیْطَغَى ۝٦ اَنْ رَّاهُ اَيُّ نَفْسِهِ اسْتَغْنَى ۝٧ بِالْمَالِ نَزَلَ فِي ابْنِ جَهْلٍ وَرَأَى عِلْمِيَّةً وَاسْتَعْنَى مَمْعُولٌ ثَانٍ وَاَنْ رَّاهُ مَفْعُولٌ لَهُ اِنَّ اِلَى رَبِّكَ يَا اِنْسَانُ الرَّجْعُ ۝٨ الرَّجُوعُ تَحْوِيفٌ لَهُ فَيُجَارَى الصَّاعِغُ بِمَا يَسْتَحِقُّه اَرَأَيْتَ فِي مَوَاضِعِهَا الثَّلَاثَةِ لِلتَّعَجُّبِ الَّذِي يَنْهَى ۝٩ هُوَ اَبُو حَنِئِلَ عَبْدًا هُوَ اَسْبَى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّى ۝١٠ اَرَأَيْتَ اِنْ كَانَ اَيُّ الْمَنْهَى عَلَى الْهُدَى ۝١١ اَوْ لِلتَّقْسِيمِ اَمْرٌ بِالتَّقْوَى ۝١٢ اَرَأَيْتَ اِنْ كَذَّبَ اَيُّ النَّاهِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَوَلَّى ۝١٣ عَنِ الْاِيْمَانِ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرَى ۝١٤ مَا صَدَرَ مِنْهُ اَيُّ يَعْلَمُهُ فَيُجَارِيهِ عَلَيْهِ اَيُّ اَعْجَبَ مِنْهُ يَامُحَاطَبُ مِنْ حَيْثُ بَهِيَّةٌ عَنِ اَلْقُلُوبِ وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ الْمَنْهَى عَلَى الْهُدَى اَمْرٌ بِالتَّقْوَى وَمِنْ حَيْثُ اَنَّ النَّاهِي مُكَدِّتٌ مُّتَوَلٍّ عَنِ الْاِيْمَانِ كَلَّا رَدِّعْ لَهُ لِيْنٌ لَا مَقْسِمَ لَمْ يَنْتَهَ عَمَّا هُوَ عَلَيْهِ مِنَ الْكُفْرِ لِنَسْفَعًا بِالْاَصِيَّةِ ۝١٥ تَجَرَّرَ بِاَصِيَّتِهِ اِلَى اَسَارٍ نَّاصِيَةٍ بَدَلٌ نَّكَرَةً مِنْ مَّعْرِفَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝١٦ وَوَصَفَهَا بِذَلِكَ مُجَارًا وَالْمُرَادُ صَاحِبُهَا فَلْيَنْدَعْ نَادِيَةَ ۝١٧ اَيُّ اَهْلِ نَادِيَةٍ وَهُوَ الْمَجْلِسُ يَتَنَدَّى يَتَحَدَّثُ فِيهِ الْقَوْمُ كَانَ قَالَ لِنَبِيِّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا انْتَهَرَهُ حَيْثُ نَهَاهُ عَنِ الصَّلَاةِ لَقَدْ عَلِمَتْ مَا بَهَا رَجُلٌ أَكْثَرَ نَادِيًا مَنِيَّ لَا مَلَأَنَّ عَلَيْكَ  
هَذَا الْوَادِيَّ إِنْ شِئْتَ خَيْلًا جُرَدًا أَوْ رِجَالًا مُرَدًّا سَنَدُغَ الزَّبَانِيَةِ ﴿۱۸﴾ الْمَلَائِكَةُ الْعِلَاطُ الشَّدَادُ لَا هَلَاكَهُ  
فِي الْحَدِيثِ لَوْ دَعَا نَادِيَهُ لَأَخَذَتْهُ الزَّبَانِيَةُ عَيْنًا كَلَّا رَدَّعَ لَهُ لَا تَطْعُهُ يَامُحَمَّدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي  
تَرْكِ الصَّلَاةِ وَاسْجُدْ صَلِّ لِلَّهِ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ مِنْهُ بِطَاعَتِهِ

۱۹  
۲۱

سورۃ اقرآن کیہ ہے۔ اس میں انیس آیات ہیں، شروع سے مالِ علم تک سب سے پہلی آیات ہیں جو غارِ حراء میں نازل ہوئی۔ جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: ..... پڑھئے (پڑھنا شروع کیجئے) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (مخلوق کو) پیدا کیا (جنس) انسان کو خون کے ٹوٹھڑے سے پیدا کیا (علق، علقہ کی جمع ہے۔ خون بستہ کی ایک پھٹک) پڑھئے (پہلے کی تاکید ہے) اور آپ کا رب بڑا کریم ہے (جس کے برابر کوئی کریم نہیں ہو سکتا۔ افسر! کی ضمیر سے حال ہے) جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا (سب سے پہلے اور پست نے لکھنا شروع کیا) انسان (کی جنس) کو اس نے وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا (یعنی ہدایت اور کتابت اور صنعت وغیرہ) بچ (یقیناً) انسان (مطلقاً) بلاشبہ حد سے گزر جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ اپنے آپ (خود) کو (مال کی وجہ سے) مستغنی سمجھتا ہے (ابو جہل کے متعلق ہے اور رای میں روایتِ قلدیہ ہے اور استغنی اس کا مفعول ثانی ہے اور ان راہ مفعول لہ ہے) یقیناً (اے انسان) تیرے رب کی طرف پلٹنا ہوگا (یہ اس کو ڈراتا ہے۔ لہذا سرکش کو سزا ملے گی جس کا وہ مستحق ہوگا) تم نے دیکھا (تینوں جگہ اراہستہ تعجب کے لئے) جو منع کرتا ہے (مراد ابو جہل ہے) ایک بندے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر وہ بندہ (جس کو روکا جا رہا ہے) راہِ ہدایت پر ہو یا (او تقسیم کے لئے ہے) پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہو۔ بھلا یہ بتاؤ کہ اگر یہ شخص جھٹلاتا ہو (یعنی روکنے والا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو) اور منہ موڑتا ہو؟ (ایمان لانے سے) کیا اس شخص کو یہ پتہ نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے (جو کچھ اس سے سرزد ہو رہا ہے یعنی وہ باخبر ہے لہذا وہ اس کو اس پر سزا دے گا۔ یعنی اے مخاطب حیرت کی بات ہے کہ وہ نماز سے روکتا ہے جب کہ منع کیا ہوا بندہ راہِ راست پر ہے اور پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہے۔ نیز منع کرنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے روگردانی کرنے والا شخص ہے) ہرگز نہیں (اس کو ڈانٹ ڈپٹ ہے) اگر یہ شخص (لام قسمیہ ہے) باز نہ آیا (اپنے کفریہ طور طریق سے) تو ہم اس کے پٹھے پکڑ کر کھینچیں گے (پیشانی کے بال سے گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیں گے) وہ پیشانی (یہ نکرہ بدل ہے معرفہ سے) جو جھوٹی اور خطا کار ہے (پیشانی کی یہ صفت مجازاً ہے۔ لیکن مراد پیشانی والا ہے) وہ بلا لے اپنے حمایتیوں کی ٹولی کو (نادی سے اہل نادہ مراد ہیں۔ اس کے معنی مجلس کے ہیں۔ کیونکہ اس میں قوم کی بات چیت کے وقت آواز دی جاتی ہے۔ ابو جہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے ڈانٹتے ہوئے کہا تھا کہ تم جانتے ہو کہ تمہارا جمعہ میرے جمعہ سے بڑھا ہوا نہیں ہے۔ میں چاہوں تو بہترین گھڑ سواروں اور پیدل فوج سے اس میدان کو بھر سکتا ہوں) ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے (اس کو تباہ کرنے کے لئے اکھڑ مضبوط فرشتے، حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر اپنی فوج کو بلا لیتا، تو دوزخ کے دربان اسے پکڑ لیتے) ہرگز نہیں (ڈانٹ ڈپٹ ہے) آپ (اے محمد! نماز چھوڑنے میں) اس کی بات نہ مانتے اور سجدہ کیجئے (اللہ کے لئے نماز پڑھئے) اور قرب حاصل کرتے رہئے (اس کی فرمانبرداری کر کے)۔

**تحقیق و ترکیب :-** ..... اقرأ مفسر نے اشارہ کیا ہے کہ اقرأ منزلاً لازم ہے۔ اس لئے مفعول کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مفعول مقدر مانا جائے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ اس کا مفعول اسم ربک ہے اور باز اندہ ہے۔ لیکن تفسیری عبارت مبتدأ میں اشارہ ہے کہ بالملابۃ کے لئے ہے اور ظرف مستقر موضع حال ہے۔ ای قل بسم اللہ ثم اقرء

حق مفسر نے الخلاق سے اشارہ کیا ہے کہ خلق کا مفعول حذف کرنے میں عموم کی طرف اشارہ ہے۔ اور بقول خطیب مفعول مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ صرف یہ بتلانا ہے کہ خلق اللہ ہی سے سرزد ہے اور اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔

خلق الانسان انسان کے شرف کی وجہ سے بالتخصیص انسان کو یہاں بیان کیا ہے۔

من علق انسان جنس ہونے کی وجہ سے معنی جمع ہیں۔ اس لئے علق بھی جمع بلایا گیا ہے۔ اور علق کو جمع کہنا مجاز ہے ورنہ یہ اسم جنس ہے جیسے نمر نمرة میں ہے۔ یا اس کو حقیقتہ جمع کیا جائے۔ چونکہ اللہ کی معرفت اول واجبات میں سے ہے۔ اس لئے اس کے وجود اور انتہائی قدرت کمال حکمت بیان کرنے کے لئے اس کی تخلیق کا ذکر کیا گیا۔ اقرأ مبالغہ کے لئے تکرار ہے یا اولی مطلق قرأت کے لئے اور یہ تبیغ کے لئے ہے یا نماز کی قرأت کے لئے یا یہ کہا جائے کہ پہلے اقرأ کے جواب میں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اما انا بقاری اس پر فرمایا گیا۔ اقرأ۔ ان راہ دونوں ضمیروں کا مرجع انسان ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ رای نفسہ قتل نفسہ کی طرح کہنا چاہئے تھا۔ مگر یہ بتلانے کے لئے کہ ”رای“ ظن و حساب کی طرح ان افعال میں سے ہے۔ جو کہ اسم و خبر کو چاہتے ہیں۔ اہل عرب لفظ نفس کو حذف کر دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ راہ کی طرح رانسی و طنتی و حسبتی کہا جاتا ہے۔ گویا رویت علمیہ ہے، رویت بصریہ نہیں ہے۔ اس لئے فاعل و مفعول دونوں ضمیریں ہو سکتی ہیں۔ جن کا مرجع ایک ہے اور بعض کہتے ہیں کہ رویت بصریہ کو رویت علمیہ کا حکم دے دیا گیا ہے۔ جیسے حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے۔ لقد رأیتنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما کنا من طعام الا اسوداں۔

وان الی ربک اس میں انسان کو سرکشی پر دھمکی ہے۔

رجعی بشری کی طرح مصدر ہے۔

استغی سورت کی ابتداء میں علم کی تعریف اور آخر سورت میں مال کی مذمت کی گئی ہے۔

برل فی اسی جہل سے کشاف کی اس بات کا رد ہو گیا کہ حضرت حسنؑ سے منقول ہے کہ امیہ بن خلف حضرت سلمان فارسیؑ کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور حضرت سلمانؑ مینہ میں مسلمان ہوئے ارایت بمعنی اخباری اور ان کان جملہ شرطیہ دوسرے ارایت کا مفعول ثانی ہے۔ اور ان کان کا جواب محذوف ہے جس پر ان کذب کا جواب دلالت کر رہا ہے کیونکہ ارایت کا مفعول ثانی جملہ استفہامیہ یا قسمیہ ہوا کرتا ہے۔ شرط ثانی کے جواب پر اکتفا کرتے ہوئے اس شرط کا جواب حذف کر دیا گیا ہے۔ ای احسنی عمن ینہی بعض عباد اللہ عن صلواتہ ان کان ذلک النامی علی الہدیٰ فیما ینہی عنہ و امر یتقی فیما یر بہ من عبادۃ الارکان کما یعتقدہ یا ان کان علی التکذیب للحق والتولی عن الصواب تقدیر عبارت ہے، جیسے کہا جائے الم یعلم بان اللہ یری و یطلع علی احوالہ من ہدایۃ و ضلالۃ اور بعض نے یہ معنی لئے ہیں ارایت الذی یصلی والہی علی الہدیٰ امر بالتقویٰ والنامی مکذب متول فما اعجبه من ذا اور بعض کی رائے ہے کہ دوسرے ارایت میں کافر کو اور تیسرے ارایت میں آنحضرتؐ کو خطاب ہے۔ جیسے حاکم کے سامنے عدالت میں فریقین موجود ہوں۔ حاکم کبھی ایک کو اور کبھی دوسرے کو خطاب کرتا ہے۔ اور تعجب کے موقع پر تقویٰ اور توخ کو ذکر کر دیا گیا ہے۔ لیکن انہی میں اس سے تعرض کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ ارایت الذی ینہی میں نبی کا تعلق نماز اور تقویٰ کے حکم کے ساتھ تھا۔ لہذا نماز پر اکتفا کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ نماز دعوت فعلی

ہے اور امر دعوت قوی ہوتا ہے اور دعوت فعلی قوی ہوتی ہے یا کہا جائے کہ نماز کی حالت میں بندہ کوروکنے سے مراد عام ہے نماز سے روکنا ہو یا دوسری نیکیوں سے۔ درآنحالیکہ عام احوال کی صرف دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اپنے نفس کی تکمیل تو عبادت کے ذریعہ اور دوسروں کی تکمیل دعوت کے ذریعہ ہوا کرتی ہے۔

لنفسعا سفع کے معنی کسی چیز پر قبضہ کرنے اور گھسیٹنے کے آتے ہیں۔ ایک قرأت لنسفعن اور لاسفعن بھی ہے۔ لیکن مصحف عثمانی میں الف کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ وقف کے حکم میں کرتے ہوئے اور بالناصیۃ لام کے ساتھ لکھا ہوا ہے مضاف الیہ کے عوض میں۔ ای ناصیۃ الناهی۔ ناصیۃ کاذبہ مکرہ موصوف ہونے کی وجہ سے الناصیۃ معرفہ سے بدل ہے اور ایک قرأت میں ناصیۃ رفع کے ساتھ ہے۔ ای ہی ناصیۃ اور ایک قرأت نصب کے ساتھ ہے بطور مذمت کے اور ناصیۃ کو مناصیۃ کہنا مجاز ہے بطور مبالغہ کے۔

الزبانیۃ۔ زبن سے ماخوذ ہے بمعنی دفع یا زنی سے ہے جو دراصل زبانی تھا یا کے عوض میں تا آگئی۔ زبانیۃ کا مفرد زبانیۃ سے ہے۔ جیسا کہ عفریۃ مرغ کی گردن کے معنی میں ہے۔ لا تطعه واسجد واقترب یہ تینوں امر کے صیغے دوام اور استمرار کے لئے ہیں۔

رابط آیات:۔ سورۃ الضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں سے عطاء نبوت اور تعلیم وحی بھی ہے۔ جو توحید کے بعد تمام دین کی اساس ہے۔ اس سورت میں اس کا بیان ہے اور وحی اور صاحب وحی کے مخالفین پر سخت رد و قدح کرنا ہے۔ اس سورت کا ابتدائی حصہ مالم بعلم تک امت کی بڑی اکثریت کے مطابق سب سے پہلی وحی ہے اور آخری حصہ بھی مکی ہے اور اس زمانہ سے متعلق ہے جب حضور نے حرم شریف میں نماز پڑھنی شروع کی اور ابوجہل نے دھمکیاں دے کر آپ کو روکنا چاہا اس سورت کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی سچے اور اچھے خوابوں کی شکل میں ہوتی ہے حضرت خدیجہ الکبریٰ کا ارشاد ہے کہ آپ کے خواب صبح کی طرح ہوتے تھے آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ ایسا ہوتا جیسے آپ دن کی روشنی میں دیکھ رہے ہوں۔ احادیث میں حبیب الیہ الخلاء، تحنث کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ کئی روز غار حراء میں رہ کر مراقب اور معتکف رہتے۔ بعض مرتبہ آپ کے دادا عبدالمطلب بھی ساتھ ہوتے جو دین حنیف کی رو سے حقیقہ حیات کی طرف مائل تھے۔ بلکہ آپ کے ان حالات کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ پیشین گوئی بھی کی تھی۔ کہ میرا بیٹا آگے چل کر دنیا میں نام آور ہوگا۔ خدیجہ الکبریٰ کئی کئی روز کے لئے خورد و نوش کا سامان آپ کے لئے مہیا کر دیتیں اور جب وہ ختم ہو جاتا۔ پھر کبھی آپ خود آکر لے جاتے اور کبھی کسی کے ذریعہ پہنچ جاتا۔ اس میں یکا یک ایک روز حضرت جبریل نے متمثل ہو کر آپ سے کہا اقرا۔ حضرت عائشہ نے حضور کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا۔ ما انسا بقاری۔ اس پر فرشتہ نے مجھے پکڑ کر بھینچا۔ حتی کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور کہا اقرا میں نے دوسری اور تیسری بار وہی جواب دیا۔ مگر جب تیسری بار چھوڑنے پر فرشتہ نے اقرا باسم ربی الذی خلق علم الانسان مالم یعلم تک پڑھا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے کانپتے، لرزتے واپس ہوئے اور گھر پہنچ کر فرمایا زمelonی زمelonی آپ کو کھل اوڑھا دیا گیا۔ فرشتہ کی عظیم ہیکل دیکھنے اور وحی کے ثقل کی وجہ سے جو آپ پر یہ طبعی خوف و دہشت کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ کچھ دیر بعد جب زائل ہوگئی۔ تب آپ نے فرمایا۔ اے خدیجہ! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے پھر سارا قصہ آپ نے ان کو سنایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ مگر غمگسار اور جاں نثاری بیوی نے یہ کہہ کر تسلی دی۔ کہ ہرگز نہیں آپ خوش ہو جائیے۔ خدا کی قسم! آپ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آخر آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں، امانت دار ہیں، بے سہارا لوگوں کا سہارا اور ناداروں کا مددگار ہیں، مہمان نواز، نیکیوں میں مددگار ہیں۔ پھر نفسیات شناس بیوی آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن

نفس کے پاس لے گئیں۔ جو عیسائی ہو گئے تھے اور عربی و عبرانی میں انجیل کہتے تھے۔ وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہ بنو لیس بھائی جان اور اپنے بھتیجے کا حال سنئے۔ ورقہ نے حضور سے پوچھا کہ بھتیجے تمہیں کیا نظر آیا؟ چنانچہ جب آپ نے ساری روئیداد سنا لی، تو ورقہ بولے کہ یہ وہی ناموس اکبر ہے۔ جو پہلے اللہ نے موسیٰ پر اتارا تھا۔ کاش! میں جوان ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا۔ جب آپ کی قوم کے لوگ آپ کو نکالیں گے۔ آپ نے پوچھا کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے۔ ورقہ کہنے لگے ہاں! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص دو بات لے کر آیا۔ جو آپ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں زندہ رہا تو میں ضرور آپ کی مدد کروں گا مگر کچھ دنوں بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ اقرأ باسم ربک سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر شروع کرنے کا حکم ایسا ہی ہے جیسے آیت اذا قرأت القرآن فاستعذ بالله میں قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ دونوں حکم اپنے مقصد اصلی یعنی توکل و استقامت کے لحاظ سے تو واجب ہیں۔ البتہ زبان سے کہنا مسنون ہے۔ بسم اللہ کے متعلق اگرچہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ورنہ سر جبریل علیہ السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا محمد استعذ تم قل بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تاہم بسم اللہ کا اس آیت کے نازل ہونے کے وقت آپ کو معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ کلا ان الاسان ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ان ابا جہل قال فی ملا من ضعاۃ قریش لیس رأیت محمدا لا طأ ان عنقه وفی بعض الروایات ۱۰ یسہی محمد عن الصلوۃ وہم ان یلقی علی رأسہ حجرا فراد فی الصلوۃ وہی صلوۃ الطھر محاء د تم نکس علی عنقه فقال ان یسی وینہ حنقا من نار وھؤلاء واجنحة۔ ارایت تمین وفعہ تعجب کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ وجوہ تعجب مختلف ہیں۔ مثلاً (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کے لئے دعا کی تھی۔ اللہم اعز الاسلام۔ سی جہل و امہ لعمر بن الخطاب مگر یہ بد بخت حضور کو نماز سے روکتا ہے۔

(۲) ابو جہل معزز ہونے کی وجہ سے ابوالحکم لقب رکھتا ہے۔ مگر حضور کو نماز سے منع کرتا ہے تو نام یہ اور کام وہ۔ (۳) دوسروں کو احکام دے کر پابند کرتا ہے اور خود اللہ کے حکم کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ فلیدع نادیه عن ابن عباس کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصی فحاء سو جھس فقال الم انھک عن هذا الم انھک عن هذا فانصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجرہ فقال ابو جہل انک لننعم ما یبھا ناداکثر منی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿تشریح﴾: ..... سورہ اقرأ کی ابتدائی آیات کے شان نزول سے واضح طور پر یہ بات سامنے آ جاتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے سے نبوت کا طلب گار یا امیدوار ہونا تو درکنار، آپ کو وہم گمان بھی نہیں تھا۔ کہ آپ اس منصب جلیل سے سرفراز کئے جائیں گے۔ بلکہ آپ خالی الذہن تھے۔ چنانچہ جب اچانک اس ناگہانی صورت حال سے آپ کو دو چار ہونا پڑا۔ تو پہلا تاثر آپ پر وہی ہوا، جو ایک بے خبر انسان پر دفعہ اتنے بڑے حادثہ کے پیش نظر آ جانے سے فطری طور پر ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے دعوت کا آغاز کیا تو اعتراضات ڈھونڈنے والوں میں سے کسی نے یہ الزام نہیں لگایا کہ آپ پہلے سے یہ منصوبہ تیار کر رہے تھے۔ پھر جبریل علیہ السلام کے ایک دم مہیب اصلی شکل میں رونما ہونے سے خوف و دہشت کی وہی اضطرابی کیفیت آپ پر طاری ہوئی۔ جو حضرت موسیٰ پر مکزی کے اثر دھابنے سے ہو گئی تھی۔ جس کے بعد حق تعالیٰ نے لامخف تسکین آمیز جملہ فرمایا۔ اس لئے اس سے شان نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اور نہ کمال ایمانی میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ اگر اچانک کسی کے سامنے شیر آ جائے اور وہ دیکھتے ہی گھبرا جائے تو کیا نبی کے لئے ایسی گھبراہٹ قابل اعتراض ہو سکتی ہے؟ نیز حضرت خدیجہؓ جیسی معمر خاتون اور ان کے کن رسیدہ بچا۔

ورقہ بن نوفل . . . . . ورقہ بن نوفل کے توصیفی کلمات اس بات کی بڑی شہادت ہیں کہ آپ کی زندگی پہلے ہی سے نہایت پاکیزہ تھی۔ بیوی سے شوہر کی کوئی کمزوری چھپی نہیں رہ سکتی۔ مگر انہوں نے پندرہ سالہ آپ کی رفاقت سے یہ اثر لیا کہ بے ساختہ ان کی زبان پر آپ کی زندگی کے تابناک پہلوؤں کا ذکر آ گیا۔ اور انہوں نے پورے وثوق سے کہہ دیا کہ اللہ ایسے قیمتی شخص کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ اسی طرح ورقہ نے بھی اسی قرابت قریبہ کی وجہ سے آپ کے حالات کا مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے کیفیت سنتے ہی کہہ دیا۔ کہ یہ وہی ناسوس اکبر (فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰ پر بھی نازل ہوا تھا۔ گویا انہوں نے بھی آپ کی نبوت کی تصدیق کر دی۔ اس سے آپ کو مزید اطمینان ہو گیا۔ یہ نہیں کہ پہلے تردید تھا پھر اطمینان ہوا۔

خود اقرأ بھی اقرأ کے حکم میں داخل ہے:..... اقرأ باسم ربك میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس رب نے پیدائش سے لے کر اب تک ایک عجیب والی شان سے آپ کی تربیت فرمائی۔ جو پتہ دے رہی ہے کہ آپ سے کوئی بہت بڑا کام بیا جانے والا ہے۔ کیا وہ رب آپ کو ادھر میں چھوڑ دے گا؟ برگز نہیں بلکہ جس نے تربیت فرمائی، وہی تعلیم بھی فرمائے گا اور باسم ربك کا مطلب جب بسم اللہ الخ سے شروع کرتا ہے تو یہ آیات بھی اس حکم میں داخل ہو جائیں گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے۔ اسمع ما اقولک تو خود اس جملہ کا سننا بھی مطلوب ہوگا۔ اسی طرح اس آیت کا سننا بھی یہی ہوگا۔ کہ ان آیات کو اور آئندہ نازل ہونے والی آیات کو بسم اللہ سے پڑھنا چاہئے اور اس علم کا وحی اور قرآن ہونا علم بدیہی کے طور پر معلوم ہو گیا ہے اور جبریل کے بار بار پڑھنے کو فرمانے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ جو پہلے سے آپ کو یاد ہو وہ پڑھنے۔ بلکہ آئندہ پڑھنے کی آمادگی مقصود تھا۔ جیسے معلم متعلم سے کہا کرتا ہے۔ کہ پڑھو یہاں پڑھو، اس لئے یہاں تکلیف مالا یطاق کا سوال کھڑا نہیں ہوگا۔ اور آپ کا بار بار عذر فرمانا یا تو اس لئے تھا کہ آپ کو اس جملہ کے معنی متعین نہ ہوئے ہوں گے۔ اور یہ بات کسی طرح بھی شان کے خلاف نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر لکھی ہوئی چیز پڑھنے کو چونکہ قرأت کہتے ہیں۔ صرف زبانی سن کر پڑھنے کو نہیں کہتے۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ اس جملہ کی مراد متعین ہونے کے باوجود آپ نے اس لئے عذر فرمادیا کہ آپ حرف شناس نہیں تھے اور رسمی طور پر لکھنا یا لکھے ہوئے کو پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے آپ کا لقب امی ہوا۔ اور حضرت جبریل کا آپ کو زور سے دباننا ظن غالب یہ ہے کہ وحی کی استعداد قوی کرنے کے لئے ہوگا۔ جیسا کہ صوفیاء تصرف باطنی کے لئے ایسا کیا کرتے ہیں۔

تخلیق کا انعام پہلے اور تعلیم کا انعام اس کے بعد ہے:..... الذی خلق جس نے سب کچھ پیدا کیا، کیا وہ امی میں علم و قرأت پیدا نہیں کر سکتا؟ اور سب نعمتوں کی جڑ بنیاد وجود ہے۔ اس لئے اس کو مقدم کیا۔ نیز خلق ہی سارے دین کی اوین اساس ہے اور چونکہ انسان افضل المخلوقات ہے۔ اس لئے بطور خاص پھر اس کا ذکر کیا۔ علق۔ علقہ کی جمع ہے جس کے معنی جے ہوئے خون کے ہیں۔ یہ وہ ابتدائی حالت ہے جو استقرار حمل کے بعد شروع کے حلیہ میں رونما ہوتی ہے۔ پھر علقہ مضغہ یعنی گوشت کی بوٹی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد بتدریج مرحلہ وار انسانی شکل بننے کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ گویا علقہ ایک برزخی حالت ہے۔ اس سے پہلے نصفہ اور غذا اور غصری حالات ہیں۔ اور بعد میں مضغہ اور ہڈیوں کا ڈھانچہ، پھر اس پر گوشت پوست کے مراحل، پس اللہ ان کا آخر تک نگران رہتا ہے۔ آگے پھر اقرأ فرما کر اشارہ فرمادیا کہ قرأت محض اس قید کے ساتھ مطلوب نہیں۔ بلکہ فی نفسہا خود قرأت بھی مقصود ہے۔ کیونکہ وہ تبلیغ کا ذریعہ ہے۔ اور تبلیغ ہی آپ کا اصل کام ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے ایک حقیر سے تخلیق کی ابتداء کر کے انسان کو مکمل بنادیا۔ اور یہ اس کا انتہائی کرم ہے کہ اس نے بے حس اور بے شعور اور بے علم و ادراک حقیر چیز کو عالم بنادیا۔ جس شان سے آپ کی



تر بیت فرمائی گئی اس سے آپ کی کامل استعداد نمایاں ہو گئی۔ پس جب استعداد بھی کامل ہے اور ادھر مبتداء فیض بھی بخیل نہیں۔ بلکہ سب کریموں سے بڑھ کر کریم ہے۔ پھر فیوض علیہ میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے۔ اور عالم ہی نہیں بلکہ صاحب قلم بنا دیا۔ قلم ہی وسیع پیمانے پر علم کی اشاعت و ترقی اور نسلاً بعد نسل علم کی حفاظت فرمانے کا اہم ذریعہ اللہ نے بنا دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر الہامی طور پر انسان کو قلم کا اور فن کتابت کا یہ علم نہ دیا ہوتا تو انسان علمی صلاحیتیں اور قابلیتیں ٹھنڈ کر رہ جاتیں اور اسے نشوونما پانے اور ایک نسل سے دوسری نسل تک علوم کے خزانے منتقل ہونے اور مزید ترقی کرتے چلے جانے کا موقع ہی نہ ملتا۔ جس طرح مفیض اور مستفیض کے درمیان قلم واسطہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ اور محمد کے مابین جبریل واسطہ ہے۔ اور جس طرح قلم کا واسطہ ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ وہ مستفیض سے افضل ہو۔ اسی طرح یہاں حقیقت جبریلیہ کا حقیقت محمدیہ سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔

اسباب علم: ..... علم الانسان مالم يعلم اس میں قلم کے علاوہ دوسرے اسباب علم کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ یہ اسباب بالذات مؤثر نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقی اور مؤثر سبب دراصل وہ ذات ہے کہ جس کا علم ذاتی اور محیط ہے۔ اسے جو کچھ علم ملا ہے اللہ کے دینے سے ملا ہے۔ ایک۔ بچہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو کچھ نہیں جانتا۔ آخر اسے رفتہ رفتہ کون سکھاتا ہے۔ پس وہی علیم و خبیر ایک امی کو عرف کامل، بلکہ عرفوں کا امام بنا سکتا ہے۔ یہاں تک یہ آیات سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ یہ پہلا تجربہ اتنا سخت تھا کہ حضور اس سے زیادہ کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس کے بعد سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ جن میں آپ کو نبوت کا فرض منہی بتلایا گیا ہے۔ کلا ان الانسان یعنی انسان اپنی اصل حقیقت کو یاد نہیں رکھتا کہ وہ ایک جے ہوئے خون سے بنایا گیا ہے اور جاہل محض تھا، خدا نے اسے علم دیا۔ مگر اپنے مال کی مستی میں اتنا مغرور ہو جاتا ہے۔ کہ سمجھتا ہے کہ مجھے کسی کی پرواہ ہی نہیں۔ ابو جہل نے حضور کو حرم میں نماز پڑھتے دیکھا، تو بولا کہ میں تمہیں بار بار اس سے منع کر چکا ہوں۔ آپ نے اسے جھڑک دیا۔ تو کہنے لگا کہ تمہیں معلوم نہیں میرے ساتھ کتنے لوگ ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اب کی بار اگر نماز پڑھتے دیکھا تو العیاذ باللہ آپ کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا۔ اس ارادہ سے بڑھا بھی مگر پھر رک گیا، بلکہ پیچھے ہٹ گیا، لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگا، آگ کی خندق ہے جس میں کچھ پردار چیزیں بھی نظر آرہی ہیں، آپ نے فرمایا وہ فرشتے تھے۔ اگر آگے بڑھتا تو اس کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالتے۔ اس پر یہ آیات اتریں۔ ان آیات میں کلا تین جگہ آیا ہے۔ پہلا مذمت کے لئے، دوسرا ڈانٹ ڈپٹ کے لئے اور تیسرا اس کی تاکید کے لئے۔ ان راہ استغنی یعنی دنیا کی مال و دولت، عزت و وجاہت سب اللہ کی دی ہوئی ہے۔ مگر انسان اس پر شکر گزار ہونے کے بجائے سرکشی کرتا ہے۔ ان الی ربک الرجعی اول بھی خدا نے پیدا کیا۔ اور آخر بھی اسی کے پاس جانا ہے۔ اس وقت اس تکبر اور خود فراموشی کی حقیقت کھلے گی۔ اور اس کا انجام معلوم ہوگا۔

مقام عبدیت سب سے ارفع ہے: ..... ارباب الذی اس انسان کی سرکشی دیکھو کہ خود تو اپنے رب کریم کے آگے جھکنے کی کیا توفیق ہوتی۔ دوسرا بندہ بھی اگر خدا کے سامنے سر بسجود ہوتا ہے تو اسے بھی روکتا ہے، ڈراتا و حکماتا ہے۔ بندے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ یہ ایک خاص انداز محبت ہے۔ جس سے حضور کو نوازا گیا ہے۔ اس سے مقام عبدیت کی رفعت بھی معلوم ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ منصب نبوت پر سرفراز فرمانے کے ساتھ آپ کو نماز پڑھنے کا طریقہ بھی سکھل دیا گیا تھا۔ حالانکہ اس طریقہ کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تھی جس کو حدیث رسول کہا جاتا ہے۔ ارباب ان کان بظاہر یہ خطاب عام ہے بر منصف مزاج آدمی سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم نے ان دو آدمیوں کی متضاد حالتوں کو دیکھا؟ ایک وہ ہے جو خدا کی عبادت سے ایک بندہ کو روکتا ہے۔ حالانکہ وہ بندہ راہ راست پر ہے اور لوگوں کو خدا سے ڈراتا ہے اور برے کاموں

سے روکتا ہے اور پہلا شخص حق کو جھٹلاتا ہے اور اس سے روگردانی کرتا ہے بھلا بتلاؤ اگر اسے یہ احساس ہوتا کہ خدا اس بندہ کو بھی دیکھ رہا ہے۔ جو نیکی کرتا ہے اور حق کو جھٹلانے والے اور روگردانی کرنے والے کو بھی دیکھ رہا ہے۔ تو کیا پھر بھی یہ روش اختیار کر سکتا تھا؟ کیونکہ ظالم کے ظلم کو اور مظلوم کی مظلومی کو دیکھنا بتلا رہا ہے کہ اللہ ظالم کو سزا دے گا اور مظلوم کی داد دے گا۔

ابو جہل کان کھول کر سن لے: ..... کلا لئن لم یتہ یعنی رہنے دو، یہ سب کچھ جانتا ہے پھر بھی اپنی شرارت سے باز نہیں آتا اچھا اب کان کھول کر سن لے کہ اگر اپنی شرارت سے باز نہ آیا تو نہایت ذلت کے ساتھ سر کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جس سر پر باؤں کی یہ چوٹی اور لٹ ہے اور جھوٹ اور گناہوں سے بھرا ہوا ہے۔ گویا بال بال میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔

فلیدع نادیه ابو جہل اپنی مجلس بلا لے ہم بھی اس کی سرکوبی اور گوشمالی کے لئے اپنے سپاہی بلائے بیٹے ہیں۔ دیکھیں کون غالب رہتا ہے؟ چند روز نہیں گزرے کہ بدر کے معرکے میں اسلام کے سپاہیوں نے ابو جہل کی نعش کو گھسیٹ کر بدر کے گڑھے میں پھینک دیا اور اصل گھسیٹنا تو دوزخ میں ہوگا یہاں دنیا میں بھی اس کا نمونہ دکھلا دیا۔

نماز سب سے زیادہ قرب الہی کا ذریعہ ہے: ..... واسجد واقترب یہ آخری آیت سجدہ تلاوت ہے اور سجدہ سے مراد نماز ہے۔ یعنی آپ ہرگز کسی کی پرواہ نہ کیجئے۔ اور نہ کسی کی بات پر دھیان دیجئے۔ بے خوف و خطر اسی طرح نماز پڑھتے رہئے۔ جیسے اب تک پڑھتے آ رہے ہو۔ جہاں چاہو شوق سے عبادت کرو۔ اور بارگاہ الہی میں سجدہ ریز رہو۔ تاکہ بیش از بیش قربت خداوندی حاصل ہو۔ ابو ہریرہؓ کی روایت ہے۔ گو بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب اس وقت زیادہ قریب ہوتا ہے، جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے۔ نیز مسلم کی روایت ابو ہریرہؓ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت تلاوت فرماتے تھے تو سجدہ تلاوت فرماتے تھے۔ امام مالکؒ پر یہ روایات حجت ہیں۔ جو مفصلات میں سجدہ نہیں مانتے۔

خلاصہ کلام: ..... سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات صحیح روایات اور اکثریت کے اتفاق سے سب سے پہلی وحی ہے جو حضورؐ پر غار حرا میں نازل ہوئی۔ آپؐ غار حرا کو اپنی خلوت نشینی اور عبادت کے لئے اس لئے منتخب کیا کہ کعبۃ اللہ جو مرکز تجلیات ربانی ہے ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے رہتا تھا۔ جو ایک مستقل قربت ہے۔ دوسرا حصہ کلا سے آخر سورت تک اس وقت نازل ہوا۔ جب آپؐ نے حرم شریف میں نماز پڑھنی شروع کر دی تھی۔ اور ابو جہل کی رگ جہالت پھڑکتی تھی۔ سورت کے پہلے حصہ میں جہاں علم کی فضیلت و برتری معلوم ہو رہی ہے وہیں دوسرے حصہ سے مال و دولت کی رذالت و حقارت معلوم ہوتی ہے۔ نیز ایک طرف سورت کے شروع میں علم کی اہمیت پر اگر زور ہے تو آخر میں عمل و عبادت پر زور ہے۔ حضورؐ نے پہلی وحی نازل ہونے کے بعد اولین اظہار عبادت نماز ہی سے کیا تھا اور کفار کی مذبذبیذ کا آغاز بھی اسی واقعہ نماز سے ہوا تھا۔

فضائل سورت: ..... من قرا سورۃ العلق اعطی من الاجر کأنما قرء المفصل کلہ جو شخص سورۃ علق پڑھے گا اس کو سورۃ حجر سے لے کر آخر تک پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا۔

لطا کف سلوک: ..... واسجد واقترب اس میں اشارہ ہے کہ سجدہ اصل روح خشوع متضرع اور مدارقرب ہے۔ اور کمال خشوع فنائیت ہے۔ پس فنائیت کا اصل مدارقرب ہونا معلوم ہوا۔

## سُورَةُ الْقَدْرِ

سُورَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ خَمْسٌ أَوْ سِتُّ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي الْقُرْآنِ جُمْلَةً وَأَحَدَةٌ مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۱) أَيِ  
 شَرَفٍ وَالْعَظَمِ وَمَا أَذْرَبَكَ أَعْلَمَكَ يَا مُحَمَّدُ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (۲) تَعْظِيمُ لِشَانِهَا وَتَعْجِيزُ مِنْهُ لَيْلَةُ  
 الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ (۳) لَيْسَ فِيهَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ فَالْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا خَيْرٌ مِنْهُ فِي أَلْفِ شَهْرٍ لَيْسَتْ  
 فِيهَا تَنْزِيلُ الْمَلَائِكَةِ حَذَفَ إِحْدَى التَّائِينَ مِنَ الْأَصْلِ وَالرُّوحُ أَيُّ جِبْرِيلُ فِيهَا فِي اللَّيْلِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ  
 سَامِرُهُ مِنْ كُلِّ أَمْرِ (۴) قَضَاهُ اللَّهُ فِيهَا لِتِلْكَ السَّنَةِ إِلَى قَابِلٍ وَمِنْ سَبَبِيَّةٍ بِمَعْنَى الْبَاءِ سَلَّمَ فَتُحْيِي حَرَّ  
 (۵) مُقَدَّمٌ وَمُتَدِّى حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (۵) بِفَتْحِ اللَّامِ وَكُسْرِهَا إِلَى وَقْتِ طُلُوعِهِ جُعِلَتْ سَلَامًا لِكَثْرَةِ  
 السَّلَامِ فِيهَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ لَا تَمُرُّ بِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِلَّا سَلَّمَتْ عَلَيْهِ

ترجمہ: .... ہم نے اس کو (قرآن کو ایک دم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) نازل کیا ہے شب قدر میں (جو عزت و بزرگی والی ہے) اور آپ کو کچھ معلوم ہے (اے محمد آپ کو پتہ ہے) کہ شب قدر کیسی چیز ہے؟ (اس کی تعظیم شان اور تعجب کے لئے ہے) شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے (جن میں شب قدر نہ ہو لہذا شب قدر میں نیکی کرنا ان ہزار مہینوں میں نیکی کرنے سے بہتر ہوگا۔ جن میں شب قدر نہ ہو؟ فرشتے اترتے ہیں (تنزل کی اصل میں دوناتھیں۔ جن میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے) اور روح القدس (جبریل) اس (رات) میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر (جو سال بھر کے لئے اللہ تعالیٰ نے طے کئے ہوتے ہیں۔ اور سن سببہ بمعنی ہے) سراپا سلام ہے وہ (خبر مقدم ہے اور مبتداء آگے ہے) شب قدر طلوع فجر تک رہتی ہے (مطلع لام کے فتنہ اور کسرہ کے ساتھ وقت طلوع فجر رات کو سلام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ فرشتے اس میں بکثرت سلام کرتے ہیں کسی مؤمن مرد و عورت پر ان کا نثر نہیں ہوتا مگر اس کو سلام کرتے ہیں)۔

تحقیق و ترکیب: .... مکیہ او مدنیہ ابوجیان اکثریت کی رائے مدنی ہونے کی کہتے ہیں اور ماوردی کی رائے اس کے

برعکس ہے۔ واحدی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ کی سب سے پہلی سورت ہے۔ اتفاق میں اس کے متعلق دونوں قول ہیں۔ لیکن اکثریت کا قول مکی ہونے کا ہے۔ مدنی ہونے کی دلیل میں وہ حدیث پیش کی جاتی ہے جو امام ترمذی نے حسن بن علی سے نقل کی ہے۔

انزال قرآن کے دو وصف ہیں۔ ایک انزال دوسرے تنزیل، انزال ایک دم اترنے کو کہتے ہیں اور تنزیل تھوڑا تھوڑا اترنے کو۔ مفسر نے تفسیر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ غرض دفعی نزول شب قدر میں ہوا۔ لوح محفوظ سے بیت العزۃ میں اور مد ربکی نزول میں، تیس سال کی مدت میں ہوا۔ نزول سے آپ کی مسرت و دلجمعی مقصود تھی اور مد ربکی نزول سے امت کو سہولت دینی اور احکام کا واقعات پر مکمل طور پر منطبق کرنا تھا۔

لیلۃ القدر قدر کے معنی قابل قدر ہونے کے ہیں۔ خواہ یہ زمانہ قابل قدر ہو یا اس میں نیک کام کرنے والے یا قرآن پاک نازل کرنے والی پاک ذات ہو۔ اسی طرح قدر کے معنی تقدیر بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ اس شب میں سالانہ تقدیرات مکھی جاتی ہوں۔ جو ازلی طے شدہ تقدیرات کے مطابق ہوتی ہیں۔ لیلۃ القدر کا مصداق رمضان کے عشرہ اخیر کی طاق راتیں ہیں۔ یا ساتویں شب، اس بارہ میں چالیس سے زائد اقوال ہیں۔ تقدیر کی طرح شب قدر کو بھی حکمت الہی کے پیش نظر مبہم رکھا گیا ہے۔ کیونکہ تعین کی صورت میں بے فکری پیدا ہو جاتی جو بے عملی کا سبب بنتی۔ اس لئے اسرار الہی کو پردہ میں رکھا گیا ہے۔ تاہم روایات اور امت کے تعامل کے پیش نظر ترجیح ستائیسویں شب کو ہے۔ بعض نے بطور لطیفہ علمی یہ کہا ہے کہ لفظ لیلۃ القدر میں نو حروف ہیں اور یہ لفظ تین بار آیا ہے۔ اس طرح ستائیس کا اشارہ سورت سے نکل آتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ تراویح اگر ایک ایک رکوع کے التزام کے ساتھ بیس رکعات پڑھی جائیں تو ستائیسویں شب کو قرآن پورا ہو جاتا ہے۔ ہزار مہینوں سے مراد یا تو تکثیر ہے۔ کیونکہ عرب میں الف سے زیادہ عدد کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے اور یا اس لئے ہے کہ ایک مرتبہ حضور گسی اسرائیلی مجاہد کا ذکر فرما رہے تھے۔ کہ ایک ہزار مہینے تک وہ فی سبیل اللہ تھیں رہنڈ رہا۔ اور بعض روایات میں اسی سال۔ صحابہ گو بڑی حیرت ہوئی۔ اور وہ اپنے مجاہدات کو اس عظیم مجاہدہ کے ساتھ حقیر سمجھنے لگے۔ اس پر تسلی کے لئے شب قدر عطا کی گئی۔

الف شہر سے قمری حساب کی طرف اشارہ ہے جو عرب میں رائج تھا اور احکام شرع ہی اس سے وابستہ ہیں۔ مفسر نے ہزار مہینوں کو شب قدر سے اس لئے خالی فرض کیا ہے تاکہ تفصیل الہی علی نفسہ لازم نہ آئے۔

تنزل الملائکۃ فرشتوں کا عام طور سے اور روح القدس کا خاص طور سے اترنا زمین پر ہوتا ہے یا آسمان دنیا پر، اور یہ مؤمنین سے قریب ہونا مراد ہے اور روح سے جبریل مراد ہیں یا فرشتوں کے علاوہ اور کوئی مخلوق ہوگی۔ من کل امر ایک قرأت کل امری ہے ای من کل انسان اور من کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو وہی جو مفسر نے بیان فرمائی ہے۔ یعنی بقول ابو حاتم من بمعنی سا ہے جو تعدیہ کے لئے ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ من بمعنی لام ہے اور تنزل سے متعلق ہو۔ ای تنزل من کل امر معنی اسی اعام اسفل اور بعض کی رائے ہے کہ من کل امر کا تعلق تنزل سے نہیں۔ بلکہ سلام ہی سے ہے۔ لیکن اس میں یہ اشکال ہوگا سلام مصدر ہے اس کا معمول مقدم نہیں ہو سکتا البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ محذوف سے متعلق ہے۔ جس پر یہ مصدر دلالت کر رہا ہے۔

شعبان کی پندرہویں شب کے متعلق بھی آیت لیلۃ مبارکۃ فیہا یفرق کل امر حکیم فرمایا گیا ہے۔ وان الالجال تقطع من شعبان حتی ان الرجل ینکح ویولد وقد خرج اسمہ فی الموتی دونوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ شعبان کی شب برات میں احکام کی تجویز ہوتی ہوگی اور شب قدر میں تنقید۔

سلام یعنی اس رات میں تمام تر سلامتی آتی ہے۔ اور دوسری راتوں میں سلامتی اور بلا دونوں اترتی ہیں یا بقول مفسر ملائکہ بکثرت

سلام بھیجتے ہیں۔ سلام کی دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ سلام تسلیم ہوا اور بھی کامر جمع ملائکہ ہو۔ ای الملائکہ ذات تسبیح علی المؤمنین والمؤمنات اور دوسرے یہ کہ ضمیر لیلۃ القدر کی طرف راجع ہے اور سلام بمعنی سلامۃ ہو۔ ای لیلۃ القدر ذات سلامۃ من کل حر و پھر ان دونوں سورتوں میں سلام خبر مقدم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوا اور بھی مبتداء مؤخر مشہور بھی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بقول اخفش سلام مبتداء ہوا اور بھی اس کا فاعل اور بعض نے باذن ربہم پر کلام تام مانا ہے۔ اور من کل امور کا متعلق بعد کی عبارت سے ہے۔

مطلع المعجر مفسر نے الی وقت طلوعہ سے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے تاکہ غایت مغیا کی جنس سے ہو جائے فتح ام کی صورت میں مصدر مسمی ہے اور کسرہ کی صورت میں اسم زماں ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر میں حق تعالیٰ سلامتی کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور مجاہد کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر شیطانی عمل سے سالم رہتی ہے۔

ربط آیات: .. سورۃ الفتحی میں جن مہمات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے قرآن کی حقانیت و عظمت بھی ہے۔ اس سورۃ قدر میں اسی کا بیان ہے۔ اس سورت کے مضمون سے مکی ہونے کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات: عن مجاہد انه صلی اللہ علیہ وسلم ذکر رجلا کان یقوم اللیل حتی یصبح ثم یجاہد العدو۔ سنہار حتی فعل ذلک الف شهر فعجب المسلمون من ذلک فانزل اللہ لیلۃ القدر خیر من الف شهر وفي المؤطا انه صلی اللہ علیہ وسلم ارئی اعمال الناس قبلہ فکانہ تقاصر امتہ عن ان لا یبلغوا من العمل مثل ابدی بلع غیرہم فی طول العمر فاعطاه اللہ لیلۃ القدر خیر من الف شهر بقال مالک انه بلغه ان سعید بن المسیب کان یقول من شہد اعشاء بحماعة من لیلۃ القدر فقد اخذ بحظہ منها وروی عن الطبرانی عن ابی امامۃ مرفوعاً عن صبی العشاء فی حماعة فقد حد بحط من لیلۃ القدر۔ حضرت انسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ جبریل فرشتوں کے ساتھ شب قدر میں آتے ہیں اور جن کو نماز و ذکر میں مشغول پاتے ہیں ان پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں۔ خیر سے مراد بھی یہی ہے۔ نیز روایات میں توبہ کا قبول ہونا اور آسمان کے دروازوں کا کھلنا بھی آیا ہے۔

تشریح: سورۃ علق کی ابتدائی آیات میں جس وحی اور قرآن کے نازل ہونے کا ذکر تھا۔ اس سورت میں اس قرآن کریم کے متعلق بتایا گیا ہے کہ جانتے ہو یہ کیسی تقدیر ساز رات تھی۔ جس میں یہ جلیل القدر عظیم الشان کتاب نازل ہوئی اور کس نے نازل کی؟ ہم نے اتاری ہے۔ محمد رسول اللہ کی تصنیف یا ان کا طبع زاد کلام نہیں ہے۔ اس سے قرآن کی عظمت و شان و شوکت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ شب قدر کب ہوتی ہے اور قرآن کب نازل ہوا؟

قرآن کب اور کتنی مدت میں نازل ہوا؟: ..... اس سلسلہ میں نزول قرآن سے متعلق ایک آیت تو یہی ہے۔ دوسری آیت سورۃ دخان کی ہے۔ انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ اور تیسری آیت سورۃ بقرہ کی شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ہے۔ اسی کے ساتھ یہ واقعہ اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ قرآن میں یا تیس سال کی مدت میں نازل ہوا۔ اور حضور کی وفات کے قریب تک وحی کا سلسلہ جاری رہا۔ ان میں باہمی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ پہلی دونوں آیات کا مصداق ایک ہی ہے۔ اور چونکہ شب قدر کا تعلق رمضان سے ہے۔ اس لئے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا۔ اب رہ گئی تیس سال والی مدت کی بات سواس کی تطبیق کی دو صورتیں ہیں۔ ایک بقول ابن عباسؓ یہ کہ اس رات میں بارہا قرآن ملائکہ وحی کے حوالہ کر دیا گیا۔ جس کو انزال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور

پھر حالات و واقعات کے مطابق وقتاً فوقتاً حضرت جبریل کے ذریعہ آیات اور سورتیں آتی رہیں۔ اس طرح تیس سال کی مدت میں قرآن پورا ہو گیا۔ جس کو تنزیل کہا جاتا ہے۔ امام شعبیؒ بھی ایک مطلب تو یہی لیتے ہیں اور دوسری تطبیق کی صورت آیات و سورتوں کی تالیف نہیں فرماتا تھا۔ جب کہ انہیں حضور پر نازل کرنا ہوتا۔ بلکہ کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی ازل میں اللہ کا کلام مکمل تھا۔ شب قدر میں صرف یہ ہوا کہ پورا قرآن حاملین وحی کے حوالہ کر دیا گیا۔

**شب قدر پر دو اشکال اور ان کا جواب:**..... قدر کے معنی تعظیم کے ہیں اور بعض مفسرین نے تقدیر کے معنی لئے ہیں یعنی اس رات میں تقدیر کے فیصلے متعلقہ فرشتوں کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں جیسا کہ سورۃ دخان کی آیت فیہا یفرق کل امر حکیم میں اس کا ذکر ہے۔ اور ایک رات کا ہزار مہینہ سے بہتر ہونا اس کا درایتی نکتہ اور روایتی پہلو گزر چکا ہے۔ یہاں دو اشکال باقی رہ گئے ایک یہ کہ ان ہزار مہینوں یا بعض روایات کے مطابق بخلاف کسرا سی سال میں بھی تو شب قدر ہوگی اور آیت کے مطابق وہ بھی ہزار مہینہ سے افضل ہونی چاہیئے۔ پس اس سے تو لامتناہی مقدار لازم آتی ہے۔ اس کا بے تکلف جواب وہی ہے جو مفسر نے بیان فرمایا ہے کہ ان ہزار مہینوں میں شب قدر فرض نہ کی جائے۔ اس لئے تسلسل لازم نہیں آئے گا۔ کیونکہ ان ہزار مہینوں میں مضاعف نہ ہوگی۔ یہ جواب دوسرے مواقع پر بھی کارآمد ہو جائے گا۔ مثلاً: احادیث میں سورۃ یسین کا پڑھنا اس قرآن کے برابر یا سورۃ اخلاص کا ایک تہائی قرآن کے برابر ثواب ملنا آیا ہے۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ دنیا کے مطالع و مغارب مختلف ہیں۔ اس لئے شب قدر بھی ہر جگہ مختلف ہوگی۔ جواب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا عذر نہیں کہ اس کی برکات کسی کو کسی وقت ملیں اور کسی کو کسی وقت۔ اور فرشتے بھی مختلف جگہ مختلف اوقات میں آئیں۔ آخر نماز روزوں میں اوقات اور تاریخ کا اختلاف کوئی بات نہیں ہے۔

**خلاصہ کلام:** ... سورۃ علق کی ابتدائی آیات کی طرح سورۃ قدر میں بھی قرآن کی عظمت و اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ عظیم المرتبہ کتاب ایک عظیم الشان شب میں نازل کی گئی ہے اور اس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ یہ محمد کا کلام اور تصنیف نہیں ہے۔ شب قدر نام اس کے قابل ہونے کی وجہ سے ہے یا اس لئے کہ اس میں تقدیروں کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ قسموں کا بگاڑ اور سنوار اس رات میں ہوتا ہے۔ خواہ وہ قوموں اور ملکوں کی قسمت کا فیصلہ ہو یا افراد و اشخاص کی۔ چنانچہ قرآن کا نزول ساری دنیا کی قسمت پٹ کر رکھ دے گا۔ اور جہاں تک اس کے قابل قدر ہونے کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ رات ہزار مہینوں اور بعض روایات کے مطابق اسی سال سے زیادہ بہتر ہے۔ اس میں عبادات و اعمال کا قیمتی ہونا تو ہے ہی۔ اہم بات یہ ہے کہ انسانی تاریخ میں قرآن کے نزول کا فیصلہ وہ نادر فیصلہ ہے کہ ہزار مہینوں میں انسان کی بھلائی کے لئے وہ کام نہیں ہوا تھا جو اس رات میں کیا گیا۔ اس رات میں روح القدس اپنے رب کے حکم سے خیر اور بھلائی کی باتیں لے کر آتے ہیں۔ شام سے صبح تک سلامتی ہی کا سلسلہ رہتا ہے۔ اس میں شر کا دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ کے فیصلوں میں خیر ہی مقصود ہوتی ہے شر مقصد نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ کسی قوم کو تباہ کرنے کا فیصلہ بھی اگر ہوتا تو خیر کے لئے ہوتا ہے شر کے لئے نہیں۔

**فضائل سورت:** ... من قرء سورۃ القدر اعطی من الاجر کمن صام رمضان و اخی لیلۃ القدر ترجمہ جو شخص سورۃ قدر پڑھے گا۔ اسے رمضان کے روزوں اور شب قدر کا حق ادا کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔

**لطائف سلوک:** ... لیلۃ القدر خیر من الف شہور اس سے بہترین اوقات میں عبادت کا خاص اہتمام معلوم ہو رہا ہے۔ اہل طریق اس کا خاص لحاظ رکھتے ہیں۔ الایہ کہ کوئی عارض پیش آ جائے۔

## سُورَةُ الْبَيِّنَةِ

سُورَةُ الْبَيِّنَةِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ تَسْعُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ أَى عَبْدَةِ الْأَصْنَامِ غُطَّتْ عَلَى أَهْلِ مُنْفَكِّينَ  
حَسْرَتُكُنْ أَى رَائِلِينَ غَمَاهُمْ عَلَيْهِ حَتَّى تَأْتِيَهُمْ أَى اتَّهَمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾ أَى الْحُجَّةُ الْوَاضِحَةُ رَسُولٌ مِنَ  
اللَّهِ نَذْلٌ مِنَ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوا صُحُفًا مُطَهَّرَةً ﴿۲﴾ مِنْ نَاطِلٍ  
فِيهَا كُتِبَ الْحُكَامُ مَكْتُوبَةً قِيَمَةً ﴿۳﴾ مُسْتَقِيمَةً أَى يَتْلُو مَضْمُونٌ ذَلِكَ وَهُوَ الْقُرْآنُ فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ  
وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ فِي الْإِيمَانِ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ  
مَا جَاءَ تَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۴﴾ أَى هُوَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوِ الْقُرْآنُ الْجَانِبِيُّ بِهِ مُعْجَزَةٌ لَهُ وَقِيلَ مَجِيئُهُ صَلَّى  
لَهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا مُجْتَمِعِينَ عَلَى الْإِيمَانِ بِهِ إِذَا جَاءَ فَحَسَدُهُ مَنْ كَفَرَ بِهِ مِنْهُمْ وَمَا أَمَرُوا فِي  
كِتَابِهِمُ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ إِلَّا لِيُعْبُدُوا اللَّهَ أَى أَنْ يُعْبُدُوهُ فَحَذِفَتْ أَنْ وَزِيدَتْ إِلَّا مُخْلِصِينَ لَهُ  
الَّذِينَ مِنَ الشِّرْكِ حُنَفَاءَ مُسْتَقِيمِينَ عَلَى دِينِ إِبْرَاهِيمَ وَدِينِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ فَكَيْفَ  
كَسَرُوا ه وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْمِلَّةِ الْقِيَمَةِ ﴿۵﴾ الْمُسْتَقِيمَةِ إِنَّ الَّذِينَ  
كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَلِيدِينَ فِيهَا حَالٌ مُقَدَّرَةٌ أَى مُقَدَّرًا حُودُهُمْ  
فِيهَا مِنَ اللَّهِ تَعَالَى أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمْ  
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿۷﴾ الْحَلِيقَةُ جَزَاءُ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتْ عَذْنُ إِقَامَةٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِيدِينَ  
فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِطَاعَتِهِ وَرِضْوَانِهِ بِثَوَابِهِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴿۸﴾ خَافَ عِقَابَهُ

فَانْتَهَى عَنْ مَعْصِيَتِهِ تَعَالَى



سورۃ بینہ مکہ اور مدنیہ ہے اس میں نو آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: . . . . . جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب میں سے (من بانیہ) اور مشرکین (یعنی بت پرست۔ اس کا اہل پر عطف ہو رہا ہے) وہ باز آنے والے نہیں تھے (یہ خبر ہے۔ سکس کی یعنی اپنی حالت چھوڑنے والے نہیں تھے) جب تک ان کے پاس واضح (روشن) دلیل نہ آجائے۔ اللہ کی طرف سے ایک رسول (یہ بینہ کا بدل ہے اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) جو (باطل سے) پاک صحیفے پڑھ کر سنائے جن میں تحریریں (لکھے ہوئے احکام) ہیں راست (درست یعنی قرآن کا مضمون پڑھ کر سناتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اس پر ایمان لے آتے ہیں اور بعض کفر کرتے ہیں) اور نہیں فرقہ بندی کی اہل کتاب نے (آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کے سلسلہ میں) مگر کھلی دلیل آنے بعد (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد یا قرآن پاک پیش کرنے کے بعد جو آپ کا ایک کھل معجزہ ہے حالانکہ آپ کی آمد سے پہلے سب آپ پر ایمان لانے کو تیار رہتے۔ مگر کچھ لوگ حسد کے رے آپ سے مکر گئے) اور ان کو (ان کی کتبوں تو رات و نچیل میں) اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں (يعبدوا ان بعدوہ تھا۔ ان حذف کر کے لام زیادہ کر دیا گیا ہے) اپنے دین کو اس کے لئے (شرک سے) پاک کر کے بالکل۔ یکسو ہو کر (دین ابراہیم پر چلے رہیں اور حضور کی تشریف آوری کے بعد آپ کے دین پر، پھر کیسے اس سے پھر گئے) اور نماز کی پابندی رکھیں اور زکوٰۃ دیا کریں۔ اور یہی صحیح (درست) دین (طریقہ) ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً دوزخ کی آگ میں جائیں گے۔ ہمیشہ اس میں رہیں گے (حال مقدورہ ہے اللہ کی طرف سے۔ اس میں ان کے لئے ہمیشہ رہنے کی تجویز ہوگی) یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے، وہ یقیناً بہترین خلائق ہیں۔ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے یہاں دائمی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا (اس کی فرمانبرداری اختیار کرنے کی وجہ سے) اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (اس کے بدلہ پر) یہ کچھ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہے (اس کی سزا سے خائف رہے۔ اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے)۔

تحقیق و ترکیب: . . . . . مکہ ابن عباسؓ اس کو مکی اور جمہور مدنی مانتے ہیں۔

من اهل الكتاب من بانیہ ہے تبغیضہ نہیں ہے۔ اب یہ شبہ نہیں رہتا کہ اس سے بعض مشرکین کا کافر نہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور اہل کتاب سے مراد بقول ابن عباسؓ یہود مدینہ ہیں اور ان کا کافر ہونا آپؐ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہے۔ اپنی کتبوں اور نبیوں پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے نہیں۔ یا یہود و نصاریٰ دونوں کو صفات الہیہ میں الحاد کی وجہ سے کافر کہا گیا ہے۔  
والمشورکین یہ عام ہے کیونکہ سب مشرک بت پرست تھے۔

منفکین اس کے خبر ہونے سے معلوم ہوا کہ لم یکن میں کان ناقصہ ہے الذین کفروا اس کا اسم ہے۔ اور من اهل الكتاب فعل کفروا سے حال ہے۔ اور کفروا کو ماضی لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ اہل کتاب پہلے سے کافر نہیں تھے۔ بعد میں ہوئے۔ برخلاف مشرکین کے وہ روز اول سے بت پرست کافر رہے ہیں۔  
البینۃ مفسر نے حجت نکال کر اشارہ کر دیا موصوف مقدر کی طرف۔

کتب قیمۃ مفسر نے یسلوا کے مضامین سے تقدیر مضاف کی طرف اشارہ کیا ہے یا اسناد مجازی مانی جائے اور یسلوا کی نسبت حضورؐ کی طرف ہے یا جبریلؑ کی طرف ہے اور صحف مطہرہ کہتا اس لئے ہے کہ اس میں کہیں باطل کا گز نہیں ہے یا اس لئے کہ اس کو ہاتھ لگانے کے لئے پاکی شرط ہے۔

وما تفرق مشرکین و اہل کتاب میں کفر مشترک ہونے کے باوجود یہاں اہل کتاب کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ باوجود اہل

علم ہونے کے بگڑ گئے۔ اس لئے زیادہ ملامت کے مستحق ہیں یا اس کے برعکس یوں کہا جائے کہ جب اہل علم مستحق ملامت ہوئے تو مشرک جالبین بدرجہ اولیٰ مستوجب ملامت ہیں۔

لیعبدوا مفسر نے اشارہ کیا کہ لام بمعنی ان ہے۔ جیسے یسجد اللہ لبین لکم میں ہے۔ اب یہ اشکال نہیں رہا کہ لام غرض کے لئے ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے افعال غرض سے پاک ہیں اور یہ استثناء مفرغ ہے۔ ای ما امروا بشئ الا لعبادة الله یا تقدیر عبارت اس طرح مانی جائے۔ ما امروا الشئ من الاشياء الا لاجل عبادة الله وطاعته یعنی احکام میں تبدیلی کردی اور نافرمانی اختیار کر لی۔

دین القیمۃ مفسر نے ملۃ سے قیمہ کے موصوف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تاکہ اضافت الشئ الی صفته لازم نہ آئے۔ فی نار جہنم جہنم کے مشترک عذاب کے باوجود ممکن ہے کہ ہر ایک کی نوعیت عذاب مشترک نہ ہو۔ بلکہ مختلف ہو۔

ہم شر البریۃ نافع اور ابن ذکوان نے بصریہ ہمزہ کے ساتھ بطور اصل پڑھا ہے۔ جزاء ہم یہ مبتداء ہے۔ عند ربہم حال اور "جات عدن" خبر ہے۔ یہاں جمع کا مقابلہ جمع کے ساتھ انقسام احاد علی الاحاد کے لئے ہے۔ یعنی ہر ایک کے لئے جنت ہوگی۔ لیکن جمع کو حقیقتہً بھی لیا جاسکتا ہے۔ یعنی ہر ایک کے لئے متعدد جنتیں ہوں گی۔ جیسے آیات وللمن خاف مقام ربه جنتان ومن دونہما جنتان میں فرمایا گیا ہے۔ یعنی ہر ایک کے لئے چار چار جنتیں ہوں گی۔ جیسے الحسنۃ بعشر امثالہا فرمایا گیا ہے۔

خال الدین فیہا اس کا عامل محذوف ہے ای ادخلوها جزاء ہم کی ضمیر سے حال بیانا صحیح نہیں ہے ورنہ مصدر اور اس کے معمول میں فصل بالاجنبی لازم آجائے گا اس آیت کے کئی مبالغے جمع ہیں۔

(۱) ہم خیر البریۃ کے ذریعہ مدح کو مقدم کیا گیا۔

(۲) جزاء سے اعمال صالحہ کے بدلہ کو کہا گیا۔

(۳) عند ربہم کے ساتھ جزاء کو مقید کیا گیا۔

(۴) حنات کو جمع لایا گیا ہے۔

(۵) عدن کی طرف اضافت کی گئی۔

(۶) تجری کے ذریعہ جنت کی خوبی بیان کی گئی ہے۔

(۷) خلود اور تابید کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

(۸) اس کے بعد رضی اللہ فرما کر انتہائی انعام فرمایا گیا۔

لمن حشی رہہ خشیت ہی دراصل دین کی جزا اور خیر پر ابھارنے والی صفت ہے۔

ربط آیات :- .. سورۃ الفتح کی مہمات کی طرح سورۃ بینہ میں رسالت اور اس کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی مجزات کا بیان ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس کا کلی ہونا جمہور کا قول ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مدنی ہونا جمہور کا قول ہے۔ حضرت عائشہؓ اس کو ملی اور ابن زبیر اور عطاء بن یسار اس کو مدنی کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ کے دونوں قول ہیں۔ اور ابو حیان وغیرہ نے اس کے ملی ہونے کو ترجیح دی ہے۔ سورۃ علق میں پہلی وحی کا بیان تھا اور سورۃ قدر میں اس کا نزول شب قدر میں بتلایا گیا اور اس سورت میں ارشاد ہوا کہ اس کتاب کے ساتھ صاحب کتاب کا بھیجنا کیوں ضروری ہوا۔ یا اس لحاظ سے سورتوں کی یہ ترتیب نہایت موزوں رہی۔

روایات :- .. عن انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا بی ہن کعب ان اللہ امری اقرأ عبید

۔ یسکر اندیر کنروا فقال ابی سمعی لک قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعم فیکمی ابی فقرأھا صلی اللہ علیہ وسلم اس روایت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) اکابر کا اصغر کو سنانا جیسا کہ اس کا برعکس سورۃ نساء کا عبد اللہ بن مسعودؓ سے حضورؐ کا سنانا

معصوم ہوا تھا۔ یعنی اصغر کا اکابر کو سنانا (۲) اکابر کا اصغر کو سنانے سے استکفاف نہ کرنا (۳) اہل حفظ و علم کو خصوصی امتیاز بخش (۴) اس سے ابی بن کعب کا شرف بھی معلوم ہوا کہ وہ مستحق عنایات و التفات ٹھہرے۔

﴿تشریح﴾: ..... یہود و نصاریٰ اور عرب کے بت پرست کفر میں مشترک ہونے کے باوجود یہاں الگ الگ ناموں سے ذکر کئے گئے ہیں۔ اہل کتاب کے متعلق قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کے شرکیہ عقائد کو بیان کیا گیا ہے۔ تاہم ان کو مشرک کا نام نہیں دیا گیا۔ جیسے کہ بت پرستوں کو مشرک کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اصل دین توحید ہی کو گردانتے تھے۔ اور پھر برخلاف مشرک بت پرستوں کے کہ ان کو بطور اصطلاح مشرک کہا گیا۔ کیونکہ وہ اصل دین شرک ہی کو قرار دیتے تھے اور توحید کے قطعی منکر تھے۔

بت پرست اور اہل کتاب میں نام اور احکام کا فرق: ..... اور ان دونوں گروہوں میں یہ فرق محض اصطلاح ہی کا نہیں بلکہ احکام شرع میں بھی اس فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اہل کتاب کا ذبیحہ بھی مسلمانوں کے لئے حلال کہا گیا ہے۔ جب کہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کریں۔ اسی طرح کتابیہ عورتوں سے نکاح کی بھی اجازت ہے۔ بشرطیکہ وہ واقعی اہل کتاب ہوں و ہر یہ نہ ہوں۔ لیکن بت پرستوں کے ساتھ یہ امتیاز نہیں برتا گیا کیونکہ اصل دین کی بہت سی بنیادوں میں وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔ توحید و رسالت، قیامت، مجازات، جنت و جہنم کو کسی نہ کسی درجہ میں مانتے تھے۔ صرف دین اسلام کی مجموعی شکل اور پیغمبر اسلام کو نہیں مانتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کو بھی کافر کہا گیا۔ خواہ بت پرستوں کے مقابلہ میں نمبر دو کے ہی سہی۔

مراتب کفر بھی مراتب ایمان کی طرح مختلف ہیں: ..... گویا کفر وسیع معنی میں مستعمل ہے۔ جس کے تحت مختلف صورتیں جاتی ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جو سرے سے اللہ ہی کو نہیں مانتا۔ دہریہ ہے۔ ایک وہ ہے جو اللہ کو مانتا ہے مگر اسے اکیلا نہیں مانتا، اس کی ذات یا صفات میں اور بستیوں اور قوتوں کو شریک کر کے کسی نہ کسی طرح ان کو بھی معبود گردانتا ہے۔ کوئی اللہ کو ایک بھی مانتا ہے۔ مگر کوئی چھوٹی شرکیہ صورت بھی اس کے ساتھ لگا دیتا ہے۔ ایک وہ ہے جو خدا کو ہر طرح مانتا ہے مگر بتوں کا قائل نہیں ہے اور نہ ان کی ہدایتوں کو قبول کرتا ہے۔ کوئی نبوت کو تو مانتا ہے مگر کسی نبی کا قائل، کسی کا منکر، ایک وہ ہے جو قیامت اور مجازات کو تسلیم نہیں کرتا، غرض یہ مختلف قسم کے کافر ہوئے۔ بعض اکابر نے ہنود کو درجہ احتمال میں اگر اہل کتاب کہا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مشرک اور کافر نہیں یا وہ متعارف اہل کتاب ہیں۔ لہذا ان کی عورتوں سے شادی کی بھی اجازت ہونی چاہیے۔ کیونکہ بت پرستی کی صورت میں متعارف اہل کتاب بلکہ محدثانہ عقائد کے رکھنے والے نام کے مسلمانوں کا بھی یہ حکم نہیں رہے گا۔ پھر اکابر کے کلام کا اصل منشاء یہ ہے کہ اس احتمال کے ہوتے ہوئے کہ کسی زمانہ میں ان کو کتب ملی ہوگی۔ یا ان کے پاس نبی آئے ہوں گے۔ ان کے مذہبی پیشواؤں کو برا نہ کہا جائے۔ اور من اہل الکتاب میں من تبغیضہ نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ بعض اہل کتاب کافر اور بعض غیر کافر ہیں۔ بلکہ من بیانہ ہے یعنی سب کافر تھے۔ ہاں اگر کہا جائے کہ جن اہل کتاب نے حضور کو نہیں مانتا تھا۔ صرف وہ اہل کتاب تھے تب من تبغیضہ ہو سکتا ہے۔ حتیٰ تاتہم البینۃ میں حضور کی تشریف آوری سے پہلے سب ہی گمراہی کے گڑحوں میں گرے پڑے تھے۔ ہر ایک اپنی غلطی پر نازاں تھا۔ کسی حکیم دانشور، حکیم بادشاہ کے بس میں نہیں تھا کہ ان کو سدھار سکے ان کے اس کفریہ حالت سے نکلنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی کہ عظیم الشان رسول ایک روشن دلیل اور اللہ کی پاکیزہ کتب لے کر آئے اور راہ راست کو ان کے سامنے واضح اور مدلل طریقہ سے پیش کر دے اور اپنی زبردست تعلیم اور

ہمت و عزیمت سے دنیا کی کاپلٹ دے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ رسول کریم اور کتاب مبین آجانے کے بعد وہ سب کفر سے باز آجائیں گے۔ بلکہ ماشاء اللہ یہ ہے کہ اس کے بغیر کسی صورت سے اس حالت کو چھوڑ دینا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ اور آپ کے آجانے کے بعد بھی ان میں سے جو لوگ اپنے کفر پر قائم رہیں گے۔ اس کی ذمہ داری خود انہی پر ہوگی۔ پھر شکایت نہیں کر سکیں گے۔ کہ اے اللہ! آپ نے ہماری ہدایت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ سرور کائنات کو روشن دلیل کہتا اس معنی کو ہے کہ آپ کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ اسی ہونے کے باوجود ایسی عجیب و غریب کتاب لائے۔ آپ کی تعلیم و تربیت سے آپ پر ایمان لانے والوں کی زندگیوں میں عظیم انقلاب آیا۔ آپ کا بہترین اسوہ ہے۔ جس میں علم و عمل کی مکمل مطابقت ہے اور ہر قسم کی مخالفتوں کے باوجود انتہائی اولوالعزمی کے ساتھ اپنی دعوت پر ثابت قدم رہنا۔ یہ ساری باتیں آپ کے پیغمبر ہونے کی کھلی علامات تھیں۔ کتب قیمۃ اس سے علوم و مضامین عالیہ مراد ہیں۔ یعنی جو کتابیں پہلے آچکی ہیں۔ ان سب کے جزوی خلاصے قرآن پاک میں موجود ہیں اور صحیح و درست ہیں یا قرآن کی ہر سورت کو ایک مستقل کتاب اور مضمون سمجھنا چاہئے۔ اور پاک صحیفوں کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کی گمراہی اور اخلاقی گندگی کی آمیزش موجود نہیں ہے۔ چنانچہ دوسرے مذاہب کی کتابوں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ان میں صحیح باتوں کے علاوہ ایسی باتیں بھی لکھی ہوئی ملیں گی۔ جو حق و صداقت پر پوری نہیں اترتیں، عقل سلیم اور فہم مستقیم سے ہٹی ہوئی ہیں۔ اور اخلاقی معیار سے بھی ٹری ہوئی ہیں۔ ان کا قرآن پاک کے ساتھ موازنہ کرنے سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کتنی پاکیزہ تعلیمات کا مجموعہ ہے۔

اہل کتاب پر اتمام حجت ہو چکا ہے: ..... وما تفرق الذین یعنی آنحضرت کی آمد سے پہلے بہ اہل کتاب مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اگرچہ اللہ نے اس وقت بھی ان کی رہنمائی کے لئے اپنی طرف سے روشن دلیل بھیجنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ مگر اپنی نفسانی خواہشات میں پڑ کر یہ گروہ بندی کا شکار ہو گئے۔ اس گمراہی کے وہ خود ذمہ دار تھے۔ خدا کی حجت ان پر تمام ہو چکی تھی۔ لیکن اب جب کہ ان کی کتابیں ان کی تحریفات کا شکار ہو چکی ہیں اور پاک صحیفے ان کے پاس محفوظ نہیں رہے اس لئے اللہ نے ایک روشن دلیل کی حیثیت سے اپنا رسول بھیج کر اور پاک صحیفوں کا صحیح مجموعہ پیش کر کے ان پر اپنی حجت تمام کر دی۔ اب بھی اس گروہ بندی میں اگر یہ پھنسے رہے تو اس کی ذمہ داری خود انہی پر ہوگی۔ چنانچہ اہل کتاب کی مخالفت کسی شبہ کی بنیاد پر نہیں ہے۔ بلکہ ضد نفسانیت اور حسد کی وجہ سے ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جس آخری پیغمبر کا انتظار کیا جا رہا تھا ان کے آنے کے بعد اپنے سب اختلافات ختم کر کے سب ایک راستہ پر ہو لیتے مگر ہوا یہ کہ جو لوگ سادہ لوح اور حق کے طالب تھے وہ تو آپ پر ایمان لے آئے۔ مگر جن پر بدنیتی کی مہر لگ چکی تھی وہ برابر ہٹ دھرمی سے مخالفت پر جمے رہے اور جب پڑھے لکھے اہل کتاب کا یہ حال ہے تو جاہل مشرکین کا کیا پوچھنا؟ حضرت شاہ عبد العزیز البیضا سے حضرت مسیح مراد لے رہے ہیں کہ وہ کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ مگر یہود ان کے دشمن ہو گئے اور عیسائی بھی، نیادی انجیل میں پھنس کر الگ الگ فرقے ہو گئے۔ آخری پیغمبر اور آخری کتاب کے بعد بھی جن لوگوں کو توفیق نہ ہو سکتی ہی سامان ہدایت جمع ہو جائیں لوگ اسی طرح خسارہ میں پڑے رہتے ہیں بلکہ ایک قدم اور آگے۔ وما امروا یعنی ابراہیم حنیف کی طرح سب سے ہٹ کر ایک مالک حقیقی کے بندے بن جائیں اور ہر قسم کے باطل سے الگ ہو کر خالص خدا کے واحد کی بندگی کریں اور کسی لحاظ سے بھی دوسرے کو خود مختار اور کمرساز نہ سمجھیں نماز و زکوٰۃ میں لگ کر بدنی اور مالی عبادات سرانجام دیں۔ مگر خدا جانے ایسی پاکیزہ تعلیم سے کیوں وحشت کھاتے ہیں۔ یہ تو اسی تعلیم کا خلاصہ ہے جو پہلے انبیاء اور ان کی کتابوں نے پیش کی تھیں۔ مشرکین اگرچہ پہلی کتابوں کو نہیں مانتے

تھے۔ مگر ملت ابراہیمیہ کے دعویدار تھے۔ اس لئے ان پر بھی حجت قائم کی گئی ہے۔ ان الدین کفروا یعنی حضور اور ان کی تعلیمات کا انکار خواہ علم کا پندار رکھنے والے اہل کتاب کریں یا جاہل مشرک سب کا انجام ایک دوزخ ہے جس سے کبھی چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ شر السریۃ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں وہ عقل نہیں رکھتے۔ پھر بھی مالک کے وفادار ہیں اور یہ عقل رکھتے ہوئے بھی مالک حقیقی سے منہ موڑے ہوئے ہیں اولنک کالانعام بل ہم اضل۔

اہل ایمان کے بہترین مخلوق ہونے کی وجہ:..... ان الذین امنوا جو لوگ تمام پیغمبروں اور ان کی کتابوں پر ایمان لائے اور بھسے کاموں میں لگے رہے وہ بہترین خلایق ہیں۔ حتی کہ فرشتوں سے بھی بازی لے جاتے ہیں۔ کیونکہ فرشتے نافرمانی کا اختیار نہیں رکھتے اور یہ اختیار رکھنے کے باوجود فرمانبرداری میں لگے رہتے ہیں اس لئے ان کو سدا بہار جنتوں کے ملاوہ اللہ کی رضا اور خوشنودی بھی حاصل ہوگی جو ساری نعمتوں کی جان ہے وہ ہے تو سب کچھ ورنہ کچھ بھی نہیں۔ ذلک لمن خشی ربہ یعنی یہ بند مرتبہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف ان بندوں کا حصہ ہے جو دنیا میں قدم قدم پر اس بات سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارتے رہتے کہ کہیں کوئی ایسا کام ہم سے سرزد نہ ہو جائے جو خدا کے ہاں پکڑ کا موجب بنے اس لئے اس کی نافرمانی کے پاس تک نہیں جاتے۔

خلاصہ کلام:..... اس سورت میں پہلے پیغمبر اعظم کے بھیجنے کا بیان ہے۔ یعنی عرب اور ساری دنیا میں لوگ خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرک سب بتلائے کفر و ضلالت تھے۔ ان کا بری حالت سے نکلنا اس کے بغیر ممکن نہیں تھا کہ ایک ایسا پیغمبر آئے جو بذات خود ایک روشن دلیل ہو اور لوگوں کے آگے خدا کی کتاب کو اصلی اور صحیح صورت میں پیش کرے۔ جو پاکیزہ تعلیمات پر مشتمل ہونے کی صورت میں باطل کی آمیزش سے پاک ہو۔ پھر آگے چل کر اہل کتاب کی برائیوں کو واضح کاف کیا گیا۔ وہ مختلف راستوں میں اس لئے نہیں بھٹک رہے کہ ان کے پاس ہدایت نہیں آئی تھی۔ اللہ نے تو ان پر حجت پوری کر دی تھی۔ مگر وہ خود ہی نفس کے پھندوں میں پھنس گئے۔ اب پھر اللہ نے سب پر کرم کیا اور آخری پیغمبر اور آخری کتاب بھیج کر حجت مکمل کر دی۔ اب یہ بہنیں گے تو ان پر اور بھی زیادہ ذمہ داری عائد ہوگی۔ پہلے تمام پیغمبروں کی تعلیمات کا خلاصہ بھی وہی تھا۔ جس کی دعوت آپ دے رہے تھے کہ خالص اللہ کی بندگی کی جائے۔ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا فریضہ انجام دیا جائے۔ یہی صحیح طریقہ ہے۔ اور اس سے ہٹنے والے بھٹکنے والے ہیں۔ اس کے بعد آخری بات یہ ہے کہ جو اہل کتاب اور مشرک لوگ اب بھی نہیں مانیں گے۔ وہ بدترین خلایق ہیں۔ جن کی سزا البدی جہنم ہے اور جو لوگ ایمان و عمل صالح کو اپنائیں گے وہ بہترین خلایق ہیں۔ وہ ہمیشہ جنت بداماں رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش اور ایسے خوش نصیب اللہ سے ڈرنے والے ہی ہو سکتے ہیں۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ لم یکن کان یوم القیامۃ مع خیر البریۃ مساء و مقبلا جو شخص سورۃ لم یکن پڑھے گا اسے قیامت کے دن بہترین مخلوق کے ساتھ رکھا جائے گا دو پہر اور شام یعنی ہر وقت۔

لطا ئف سلوک:..... وما امروا باخلاص اور اس کے مراتب کی تکمیل میں یہ آیت نص ہے جس کو حقیقت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رضی اللہ عنہم روح المعانی میں ہے کہ اس سے یہ اشارہ نکلا کہ آخرت کے انتہائی مرتبہ یعنی رضائے حق کے لئے خشیت ضروری ہے اور وہ موقوف ہے معرفت حق پر اس لئے وہ بھی ضروری ہوئی۔

## سُورَةُ زُلْزَلَتْ

سُورَةُ زُلْزَلَتْ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ حُرْكَتْ لِقِيَامِ السَّاعَةِ زِلْزَالَهَا ۚ تَخْرِيكُهَا الشَّدِيدُ الْمُنَاسِبُ لِعَظَمَتِهَا  
وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۚ كُنُوزَهَا وَمَوَاتِنَهَا فَأَلْقَتْهَا عَلَى ظَهْرِهَا وَقَالَ الْإِنْسَانُ الْكَافِرُ بِالنَّبِيِّ  
مَالَهَا ۚ ۱۰۳ اِنْكَارًا لِّتِلْكَ الْحَالَةِ يَوْمَئِذٍ بَدَلٌ مِنْ إِذَا وَجَوَابِهَا تُحْدِثُ أَخْبَارَهَا ۚ ۱۰۴ تُخْبِرُ بِمَا عَمِلَ عَلَيْهَا  
مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ بِأَنْ يَسْبِبَ أَنَّ رَبَّكَ أَوْحَى لَهَا ۚ ۱۰۵ أَيْ أَمَرَهَا بِذَلِكَ وَفِي الْحَدِيثِ تَشْهَدُ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ أَوْ  
أَمَةٍ بِكُلِّ مَا عَمِلَ عَلَى ظَهْرِهَا يَوْمَئِذٍ يَصْلُرُ النَّاسُ يَنْصَرِفُونَ مِنْ مَوَاقِفِ الْحِسَابِ اشْتَاتًا مُتَفَرِّقِينَ فَاخْذُ  
ذَاتِ الْيَمِينِ إِلَى الْحَنَةِ وَآخِذْ ذَاتِ الشِّمَالِ إِلَى النَّارِ لِيُرَوَّا أَعْمَالَهُمْ ۚ ۱۰۶ أَيْ جَزَاءُهَا مِنَ الْحَنَةِ أَوْ النَّارِ فَمَنْ  
يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ زَنَةً نَمْلَةً صَغِيرَةً خَيْرًا يَرَهُ ۚ ۱۰۷ يَرْتَوَاهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۚ ۱۰۸ جَزَاءُ هـ

سورۃ زلزلت مکہ یا مدنیہ ہے اس میں نو آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: ... جب زمین ہلا دی جائے گی (قیامت کی وجہ سے بھونچال آجائے گی) اپنی پوری شدت کے ساتھ (اپنی وسعت کے لحاظ سے سخت جنبش کرے گی) اور زمین کے اندر کے سارے بوجھ وہ نکال کر باہر ڈال دے گی (خزانوں اور مردوں کو اوپر اگل دے گی) اور انسان (قیامت کا منکر) بولے گا اسے کیا ہوا؟ اس روز (اذا کا بدل ہے اور اس کا جواب آگے ہے) وہ اپنے حالات بیان کرے گی (جو اچھے برے کام اس پر کئے گئے ان کی اطلاع دے گی) کیونکہ (اس وجہ سے کہ) آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا (یعنی اس کو خبر دینے کو کہا جائے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ زمین شہادت دے گی ان اعمال کی جو کسی مرد و عورت نے اس پر کئے ہوں گے) اس روز لوگ پلٹیں گے (حساب کے مقام سے لوٹیں گے) مختلف جماعتیں ہو کر (مختلف سمتوں کی طرف دائیں اعمالناے والے جنت کی طرف اور بائیں اعمالناے والے دوزخ کی جانب) تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھلائے جائیں (یعنی ان کا بدلہ جنت یا جہنم) سو جس نے ذرہ (چھوٹی چھوٹی) برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو (اس کے ثواب کو) دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر

بدی کی ہوگی وہ اس کو (اس کے بدلہ کو) دیکھ لے گا۔

**تحقیق و ترکیب:** ..... مکہ عبد اللہ بن مسعود، عطاء اور جابر کا قول ہے۔ لیکن عباس اور قتادہ کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے۔ زلزالہا اس سے حاصل مصدر یا مصدر جنی للمفعول مراد ہے۔ تاکہ فعل مجہول کا یہ مفعول مطلق بن سکے۔ اس میں اضافت کی توجیہ بھی ہے۔ یعنی یہ زلزلہ زمین کی جسامت کے لحاظ سے نہایت سخت ہوگا۔ نچرے اولیٰ کے وقت یہ زلزلہ ہوگا یا نچرے ثانیہ کے وقت، یا یوں کہا جائے کہ جو بھی زلزلہ کی ممکنہ صورت ہو سکتی ہے یا جس کا تقاضہ حکمت الہی کرے گی۔ وہ ہو جائے گا۔ ایک قرأت زلزالہا فتح زاء کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ مصدر نہیں ہوگا۔ بلکہ حرکت کا نام ہوگا۔ نیز فعلا کا وزن مضاعف کے سوا نہیں آتا۔

اخرجت الارض جس طرح زمین کو درخت، گھاس اگانے کی طاقت دی گئی ہے۔ اسی طرح تمام اندرونی چیزوں کو اپنی سطح پر اگل دینے کی صلاحیت اس میں پیدا کر دی جائے گی۔

وقال الانسان اس سے کافر مراد ہے۔ کیونکہ مؤمن کی زبان پر تو ہذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون ہوگا اور کافر کی زبان پر ہوگا من بعثنا من مرقدنا تاہم مطلق انسان بھی مراد ہو سکتا ہے۔

تحدث اخبارها تحدث کا مفعول اول الناس محذوف ہے اور اخبارها مفعول ثانی ہے۔ حقیقہ زمین بولے گی یا زبان حال سے مجزا بولن مراد ہے۔

یومئذ بدل ہے اور تحدث ناصب ہے اور اگر یومئذ بدل کے بجائے اصل ہو تو اذا کا ناصب مضمّر ہوگا۔ بان ربت یہ اخبارها سے بدل بھی ہو سکتا ہے اور لہا میں لام بمعنی الیٰ ہے یا اپنی اصل پر نفع کے لئے ہے گویا گنہگاروں کے گنہوں کی شہادت زمین دے گی۔

لیروا یہ معروف بھی پڑھا گیا ہے۔

یروہ یہ آیت یروا کی تفصیل ہے۔ اسی لئے ایک قرأت میں یروہ بھی ہے اور ہشام سکون ہا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ کافر کی سزا میں اس کے نیک کاموں کی وجہ سے تخفیف ہو جائے۔ اسی طرح بڑے گناہوں سے بچنے والے مؤمن کے چھوٹے گناہوں کی وجہ سے ثواب میں کمی ہو جائے اور بعض کی رائے ہے کہ پہلا حصہ سعداء کے ساتھ اور دوسرا حصہ اشتقاء کے ساتھ مخصوص ہے اور ذرۃ چھوٹی چیونٹی کے معنی ہیں اور ہوا کے ذرات کو بھی کہتے ہیں۔

**رابط آیات:** ..... سورۃ الضحیٰ میں جن مہمات کا ذکر تھا۔ ان میں مجازات و قیامت بھی ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

**روایات:** ..... حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے یہ آیت پڑھ کر پوچھا، جانتے ہو کہ زمین کے وہ حالات کیا ہیں۔ عرض کیا گیا اللہ ورسولہ اعلم فرمایا ہر بندے کے اعمال کی گواہی زمین دے گی۔ جو اس کی پیٹھ پر کئے گئے ہوں گے، وہ کہے گی اس نے فلاں فلاں دن کام کیا تھا۔ یہ زمین حالات بیان کرے گی۔ حضرت ربیعہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ذرا زمین سے بچ کر رہنا۔ کیونکہ یہ تمہاری جڑ بنیاد ہے، اس پر عمل کرنے والا کوئی شخص نہیں ہے جس کے عمل کی یہ خبر نہ دے، اچھا ہو یا برا۔ حضرت انس کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قیامت کے دن زمین ہر عمل کو لے کر آئے گی جو اس کی پشت پر کیا گیا ہو۔ حضرت علیؑ جب بیت المال کا



سب روپیہ اہل حقوق میں بانٹ دیتے تو آخر میں دو نفل ادا کرتے اور زمین کو خطاب کر کے فرماتے تھے، گواہی، یعنی ہوگی کہ میں نے تجھ کو حق کے ساتھ بھرا اور حق کے ساتھ خالی کر دیا۔ (۱) حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ جب آیت فمن يعمل مثقال الذر نزال ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اپنا عمل دیکھوں گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا یہ بڑے بڑے گناہ؟ فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا اور یہ چھوٹے گناہ بھی؟ فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا پھر تو میں مارا گیا، حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اے ابوسعید! کیونکہ ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ ابوسعید خدریؓ چونکہ مدنی ہیں غزوہ احد کے بعد یہ سن ہو غ و پہنچے۔ اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ یہ سورت مدنی ہے، مگر صحابہ کرام اور حضرات تابعین کا جو طرزِ شان نزول کے سلسلہ میں رہا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے کسی صحابی کا یہ کہنا کہ یہ آیت فلاں موقعہ پر نازل ہوئی۔ اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ اس کا نزول اسی وقت ہوا تھا۔ جس پر اس سورت کا مضمون اور انداز بیان بھی کئی سورتوں سے ملتا جلتا ہے۔

(۲) مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ آیت فمن يعمل الخ دو آدمیوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ ایک شخص ایسا تھا کہ اس کے پاس اگر کوئی سائل آتا تو وہ معمولی چیز دینے سے ہچکچاتا اور دوسرا آدمی معمولی گناہوں سے اجتناب نہیں کرتا تھا۔ اور کہا کرتا کہ دوزخ تو بڑے گناہوں کی وجہ سے ہوگی۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں چھوٹی نیکی کی ترغیب اور چھوٹی برائی کی ممانعت ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اتقوا النار ولو بشق تمرۃ فمن لم یجد خیر فلیطیہ اور صغائر سے بچنے کے لئے حضرت عائشہؓ کو فرمایا ان لا یحرقوا الذنوب فان لها من اللہ طائباً۔

﴿تشریح﴾: ..... زلزلہ کہتے ہیں بھونچال کو پے درپے زور سے حرکت کو، یعنی فتح ثانیہ کے وقت حق تعالیٰ ساری زمین کو بولناک اور سخت زلزلہ سے ہلا ڈالے گا۔ جس سے کوئی عمارت، پہاڑ، درخت زمین پر نہیں رہ سکیں گے۔ سب نشیب و فراز برابر ہو کر میدان حشر، ہموار اور صاف ہو جائے گا۔ اور قیامت کا دوسرا مرحلہ شروع ہوگا کہ سارے انسان دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ اور بعض مفسرین اس کو فتح اولیٰ یعنی قیامت کے پہلے مرحلے پر محمول کرتے ہیں۔ جب ساری مخلوق ہلاک ہو کر نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔

زمین اپنے خزانے اور سب چیزیں قیامت کے دن اگل دے گی: ..... واخرجت الارض سورۃ اشقاق میں فرمایا گیا ہے والقت ما فیہا وتخلت زمین میں جو بھی ہوگا۔ انسان ان کے اعضاء و اجزاء اچھے، برے اعمال اور دفن خزانے سب بچھ اگل کر رکھ دے گی۔ اور جس مال و دولت پر دنیا میں لڑائیاں کٹائیاں ہوا کرتی ہیں وہ یوں ہی دھرا رہ جائے گا۔ کسی کو دھیان نہیں ہوگا اور معلوم ہو جائے گا کہ کس قدر بے کار چیز ہے۔

وقال الانسان زندہ ہوتے ہی ہوش میں آنے کے بعد ہر شخص ہکا بکا ہو کر پکاراٹھے گا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ بعد میں اس پر یہ حقیقت کھلے گی کہ یہ تو میدان حشر پاپا ہے اور انسان سے مراد منکر آخرت کا فر بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ ان سب باتوں کو ناممکن سمجھ کر مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اب یہ منظر دیکھ کر حیران و پریشان ہوگا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ ہو کیا رہا ہے؟ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں یا میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں البتہ اہل ایمان پر دوسری کیفیت طاری ہوگی۔ ان کے سامنے جو کچھ نقشہ پیش ہو رہا ہوگا۔ وہ چونکہ ان کے عقیدہ اور یقین کے مطابق ہوگا، اس لئے انہیں طمانیت ہوگی۔

قیامت کے روز زمین عالمی خبریں نشر کرے گی:..... یومئذ تحدث یعنی انسان نے کو کچھ پہلے برے کام زمین پر رہ کر کئے ہوں گے وہ سب اترے پترے اگل دے گی۔ جتنے اعمال دنیا میں کئے گئے ان سب کا ریکارڈ زمین کی پیٹ پر ریکارڈ ہو گیا ہوگا۔ وہ سب وقت پر کھول دیا جائے گا۔ کسی زمانہ میں تو زمین کا بولنا اور انسان کی کہانی بیان کرنا عجوبہ بنا ہوا تھا۔ لیکن آج سائنسی ایجادات اور علوم طبیعی کے انکشافات نے یہ مراحل آسان اور قابل فہم بنا دیئے ہیں۔ آخر انسان جو کچھ منہ سے نکالتا اور بولتا ہے وہ ہواؤں، دریائی بہروں، گھروں کے درودیوار، فرش اور فرش کے ذرے ذرے میں جذب ہوا ہوا ہے اللہ تعالیٰ جب چاہے گا۔ ان ساری آوازوں کو ٹھیک اسی طرح ان چیزوں سے دھروا سکتا ہے جس طرح وہ کبھی انسان کے منہ سے نکلتی تھیں۔ اس وقت انسان اپنے کانوں سے سن کر صاف پہچان لے گا کہ یہ اسی کی اپنی آواز ہے۔ دنیا میں کوئی اپنی آواز نہ پہچان سکتا ہے اور نہ اپنی صورت ذہن نشین رکھ سکتا ہے مگر اس عالم کو اس عالم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ وہاں یہ سب کچھ ممکن ہوگا۔ اس کے سب جان پہچان والے بھی سمجھ جائیں گے کہ جو کچھ وہ سن رہے ہیں وہ اسی شخص کی آواز اور اسی کالب دلچہ ہے۔

زندگی کی ریل تیار ہو رہی ہے:..... آج انسان جہاں کہیں بھی جو کچھ کر رہا ہے اس کی تمام نقل و حرکت کا عکس اس کے کرد و پیش کی تمام چیزوں پر پڑ رہا ہے اور اس کی تصویر ان پر نقش ہو رہی ہے۔ بالکل گھپ اندھیرے میں بھی جو کچھ کرتا ہے۔ خدا کی خدائی میں ایسی شعاعیں موجود ہیں جن کے لئے اندھیرا جالا سب برابر ہے۔ ایٹم سے مشین اور ریکارڈ مشین ہر جگہ لگی ہوئی ہے۔ وہ ہر حالت میں اس کی تصویر لے سکتی ہے۔ یہ ساری تصویریں قیامت کے دن متحرک صورت میں انسان کے سامنے آ جائیں گی اور مکمل ریل پیش کر دی جائے گی۔ انسان دیکھ لے گا کہ وہ زندگی بھر کہاں، کیا کرتا رہا ہے؟ یوں سب کچھ اللہ جانتا ہے اس کے علم سے کائنات کے ذرہ بھی باہر نہیں ہے مگر آخرت کی سب سے بڑی عدالت جب قائم ہوگی تو انصاف کے تمام تقاضے پورے کئے جائیں گے یہی وجہ ہوگی کہ ناقابل انکار اور قطعی صریح ثبوت سامنے آ جانے کے بعد انسان دم بخود ہو کر رہ جائے گا۔

بلحاظ اعمال لوگوں کی ٹولیاں بنادی جائیں گی:..... یصدر الناس یعنی اس روز لوگوں کی اپنی قبروں سے اٹھ کر ٹولیاں بن کر میدان حشر میں حاضر ہوں گے۔ مثلاً یہ گروہ شریعوں کا ہے۔ یہ گروہ زانیوں کا ہے۔ یہ گروہ چوروں اور ڈاکوؤں کا ہے اور یہ مطلب ہے کہ حساب کتاب سے فارغ ہو کر جب لوٹیں گے تو درجہ وار کچھ جماعتیں جنتیوں کی ہوں گی۔ جو جنت کی طرف رواں دواں ہوں گی اور اسی مرحلہ وار کچھ گروہ دوزخیوں کے ہوں گے جو دوزخ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر شخص نفسا نفسی میں مبتلا ہوگا۔ کوئی کسی کا ساتھ نہیں دے گا۔ خاندان اور برادری کے لوگ سب تتر بتر ہو جائیں گے۔ ہر فرد اپنے غم میں پسا ہوا ہوگا۔ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔

زندگی بھر کا کچا چٹھا سا منہ آ جائے گا:..... لیرو اعمالہم اعمال دکھلانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنے اعمال اپنے سامنے دکھلائی پڑیں گے اعمال، ایمان کی صورت میں متشکل ہوں گے تاکہ نیکیوں کو سرخروئی اور بدوں کو رسوائی کا سامنا ہو۔ اعمال کا دکھلانا ان کا مکمل استحضار کرانا ہے کہ ہر شخص پورے یقین اور وثوق سے سمجھ جائے گا کہ یہ میرے ہی کئے ہوئے کام ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ثمرات و نتائج سامنے نظر آ جائیں گے۔ فمن يعمل لیرو اعمالہم کی تفصیل ہے یعنی کسی آدمی کی کوئی ذرہ بھرنیکی یا بدی ایسی نہیں ہوگی۔ جو نامہ اعمال میں درج ہونے سے رہ گئی ہو۔ لیکن اعمال دیکھنے کا مطلب اگر اعمال کی جزاء اور سزاء کا دیکھنا ہو تو پھر بقول قاضی بیضاوی اس تفصیل کا یہ مطلب لینا صحیح نہ ہوگا۔ کہ آخرت میں ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی جزا اور ہر چھوٹی سے چھوٹی بدی کی جزا ہر شخص کو دی جائے گی۔ اس طرح وہاں کوئی شخص بھی اپنی کسی نیکی کی جزاء سے اور کسی بدی کی سزاء سے بچ نہیں سکے گا۔ پھر تو اس کے معنی

یہ ہوں گے کہ ایک ایک اچھے عمل کی جزا اور ایک ایک برے کام کی سزا الگ الگ مل کر رہے گی۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آئے گا۔ کہ کوئی بڑے سے بڑا صالح مؤمن بھی کسی چھوٹے سے چھوٹے قصور کی سزا پانے سے نہ بچ سکے گا۔ اور کوئی بدترین ظالم و کافر اور بدکار انسان بھی کسی چھوٹے سے چھوٹے اچھے فعل کا اجر پانے بغیر نہیں رہے گا۔

علامہ زنجشیریؒ پر قاضی بیضاویؒ کا رد:..... حالانکہ یہ دونوں باتیں قرآن و حدیث کی تصریحات کے تو خلاف ہیں ہی عقل کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ کون سی عقل باور کر سکتی ہے کہ آپ کا ایک نہایت وقادار خدمت گزار خادم ہو۔ مگر آپ اس کے کسی چھوٹے سے چھوٹے قصور کو بھی معاف نہ کریں۔ بلکہ اس کی ایک ایک خدمت پر انعام و اکرام کے ساتھ اس کے ایک ایک قصور کو گن گن کر ہر ایک کی سزا بھی دیں۔ اسی طرح یہ بھی بات قابل فہم نہیں کہ آپ کا پروردہ شخص جس پر آپ کے بے شمار احسانات ہوں وہ آپ سے غداری اور بے وفائی کرے اور آپ کے احسانات کا جواب نمک حرامی ہی سے دیتا رہے مگر آپ اس کے مجموعی رویہ کو نظر انداز کر کے اس کی ایک ایک غداری کی سزا الگ، اور اس کی ایک ایک معمولی سی سہمی، خدمت کا صلہ الگ دیں، علامہ زنجشیریؒ اور ان کے رفقاء معتزلہ اپنی عقلمندی کے زعم میں ان حقائق تک رسائی نہیں پاسکے۔ بیضاویؒ نے اس کا رد کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بر نیکی اور بدی کے ثمرات دیکھ لے گا۔ بشرطیکہ اس وقت تک وہ نیکی اور بدی باقی رہی ہو۔ ورنہ اگر کفر کی وجہ سے وہ خیر نہ ہو چکی ہو۔ یا توبہ اور ایمان سے وہ شرزائل ہو چکا ہو وہ اس کلمہ میں داخل ہی نہیں۔ کیونکہ وہ خیر خیر نہ رہی اور وہ شر شر نہ رہا۔ اور جب حکم کا مدار ہی نہ رہا تو حکم ہی ثابت نہ ہوگا۔

خلاصہ کلام:..... اس سورت کا حاصل مرنے کے بعد دوسری زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ جب انسان کا کچا چھٹا اس کے سامنے آجائے گا۔ اور وہ اعمال کے ہو بہو سامنے آنے سے ہکا بکا رہ جائے گا۔ اور کسی ایک بات کا بھی انکار نہیں کر سکے گا۔ اور یہ زمین جس پر انسان نہایت بے فکری اور آزادی سے دندناتا پھرتا ہے۔ اس کے وہم و گمان میں کبھی بھی یہ بات نہیں آئی کہ یہ بے جان چیز اور بے عقل چیز کسی وقت اس کی ہر نقل و حرکت کی گواہی دے گی۔ اور ہر انسان کی پوری سرگذشت کی بولتی فلم پیش کرے گی۔ آگے چل کر ارشاد ہے کہ زمین کے چپے چپے سے لوگ گروہ در گروہ اپنے مرقدوں سے نکل نکل کر آئیں گے۔ اور ان کی ٹولیاں بن کر پیش ہوں گے۔ یا ہر شخص انفرادی طور پر ہر گاہ الہی میں پیش ہوگا۔ عزیز و اقرباء سب منتشر ہوں گے۔ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ اور لوگوں کے اعمال اور نتائج دکھلا دیئے جائیں گے۔ اور عدالت عالیہ میں ایسی مکمل و مفصل روئیداد پیش ہوگی، کہ ذرہ برابر نیکی یا بدی پیش ہونے سے نہیں رہ جائے گی۔ اور ہر ایک کے ثمرات بھی دیکھ لے گا، بشرطیکہ اس وقت تک وہ خیر و شر باقی رہی ہو۔

فضائل سورت:..... من فرء سورة اذا زلزلت اربع مرات كان كمن قرأ القرآن كله جو شخص سورہ اذا زلزلت چار مرتبہ پڑھے گا۔ اس کو پورے قرآن کے برابر سمجھا جائے گا۔

اظہار کف سلوک:..... یومئذ تحدث اس سے صاف معلوم ہوا کہ جمادات بھی بولتے ہیں۔ اور بولنا عادیہ حیات و ادراک پر موقوف ہوتا ہے۔ اس لئے یہ دونوں باتیں بھی جمادات میں ثابت ہوئیں اور دوسری نصوص کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں بولنے اور حیات و ادراک کا صرف اظہار ہوگا۔ ورنہ اب بھی ان میں یہ چیزیں موجود ہیں۔

## سُورَةُ الْعِنْدِيتِ

سُورَةُ الْعِنْدِيتِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ إِحْدَى عَشْرَةَ آيَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْعِنْدِيتِ الْخَيْلُ تَعْدُو فِي الْغَزْوِ وَتَضْبَحُ صُبْحًا ﴿١﴾ هُوَ صَوْتُ أَجَوَافِهَا إِذَا عَدَتْ فَالْمُورِيَتِ الْخَيْلُ  
تُورِي النَّارَ قَدْ حُلَا ﴿٢﴾ بِحَوَافِرِهَا إِذَا سَارَتْ فِي الْأَرْضِ ذَاتِ الْحِجَارَةِ بِاللَّيْلِ فَالْمُغِيرَتِ صُبْحًا ﴿٣﴾  
الْخَيْلُ تُغِيرُ عَلَى الْعَدُوِّ وَقَتَ الصُّبْحِ بِأَغَارَةِ أَصْحَابِهَا فَاتَّرَنَ هَيْجَنٌ بِهِ هَيْجَنٌ بِمَكَانٍ عُدُوِّهِمْ أَوْ بِذَلِكَ  
الْوَقْتِ نَقَعًا ﴿٤﴾ غُبَارًا بِشِدَّةِ حَرَكَتِهِمْ فَوْسَطُنَ بِهِ بِالنَّقْعِ جَمْعًا ﴿٥﴾ مِنَ الْعَدُوِّ أَيْ صِرْنَ وَسَطَهُ وَعَظَفَ  
الْفِعْلُ عَلَى الْإِسْمِ لِأَنَّهُ فِي تَأْوِيلِ الْفِعْلِ أَيْ وَاللَّاحِظِ عَدُوٌّ فَأَوْرَيْنَ فَأَعْرَنَ إِنَّ الْإِنْسَانَ أَيْ الْكَافِرَ لِرَبِّهِ  
لَكُنُودٌ ﴿٦﴾ كَفُورٌ يَحْمَدُ نِعْمَةَ تَعَالَى وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ أَيْ كُنُودِهِ لَشَهِيدٌ ﴿٧﴾ يَشْهَدُ عَلَى نَفْسِهِ  
بِضَيْعِهِ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ أَيْ الْمَالِ لَشَدِيدٌ ﴿٨﴾ أَيْ لِشَدِيدِ الْحُبِّ لَهُ فَيُنْخَلُ بِهِ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ  
أَثَرُهُ وَأُخْرِجَ مَا فِي الْقُبُورِ ﴿٩﴾ مِنَ الْمَوْتَى أَيْ بُعْثُوا وَحُصِّلَ بَيْنَ وَأَفْرِزَ مَا فِي الصُّدُورِ ﴿١٠﴾ الْقُلُوبِ مِنَ  
الْكُفْرِ وَالْإِيمَانِ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ﴿١١﴾ لَعَالِمٌ فَيَحَازِيهِمْ عَلَى كُفْرِهِمْ أَعْيَدَ الضَّمِيرُ جَمْعًا نَظَرًا  
لِمَعْنَى الْإِنْسَانِ وَهَذِهِ الْجُمْلَةُ دَلَّتْ عَلَى مَفْعُولٍ يَعْلَمُ أَيْ إِنَّا نَحَازِيهِ وَقَتَ مَا ذُكِرَ وَتَعَلَّقَ خَبِيرٌ بِیَوْمٍ مَبْدُ  
وَهُوَ تَعَالَى خَبِيرٌ دَائِمًا لِأَنَّهُ يَوْمُ الْمُحَازَاةِ

ترجمہ: قسم ہے ان گھوڑوں کی جو (جہاد میں دوڑتے اور پھنکارے مارتے ہیں) ہانپتے ہیں (گھوڑا دوڑنے کے وقت جو آواز اس کے اندر سے نکلتی ہے) پھر ٹاپوں سے (وہ گھوڑے آگ کی) چنگاریاں جھاڑتے ہیں (اپنے کھروں سے رات کے وقت پتھریلی زمین پر چلتے ہوئے) پھر صبح کے وقت تاخت و تاراج کرتے ہیں (گھوڑے اپنے سواروں کے ساتھ شب خون مارتے ہوئے) پھر اڑاتے ہیں۔ وہاں (اس جگہ یا اس وقت) گرد و غبار (گھوڑا دوڑے دھول) پھر اسی (گرد و غبار کی) حالت میں کسی مجمع کے اندر جا گھستے ہیں (دشمن کے یعنی ان کے بیچ میں گھستے چلے جاتے ہیں اور فعل کا اسم پر عطف ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ اسم فعل کی تاویل

نہیں ہے۔ عبارت اس طرح ہو جائے گی۔ واللہ ای عدون فاوریں فاغرون (حقیقت یہ ہے کہ انسان (کافر) اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے (اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتا ہے) اور اس کو خود اس (ناشکری) کی خبر ہے (اپنے کثرت سے اپنے اوپر گواہ ہے) اور وہ مال و دولت کی محبت میں بری طرح مبتلا ہے (مال سے انتہائی محبت رکھتا ہے اس لئے بخل کرتا ہے) کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا۔ جب نکال بیجا جائے گا (اکھاڑ، برآمد کر لیا جائے گا) قبروں میں جو کچھ ہے (یعنی مردے ان کو زندہ کر کے اٹھا دیا جائے گا) اور آشکارا (ظاہر اور واضح) ہو جائے گا۔ جو کچھ دلوں میں ہے (کفر و ایمان) یقیناً ان کا رب اس روز ان سے باخبر ہوگا (بہذا ان کے کفر کی سزا دے گا۔ جمع کی ضمیریں انسان کی طرف بلحاظ معنی کے ہیں۔ یہ جملہ یعلم کے مفعول پر دلالت کر رہا ہے۔ اسی انسان جاریہ وقت ما ذکر اور خبیر کا تعلق یومئذ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ وہ بدلہ کا دن ہے۔ اگرچہ اللہ کا باخبر ہونا دائمی ہے)۔

**تحقیق و ترکیب:** ... مسکۃ ابن مسعود وغیرہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ اور ابن عباس وغیرہ کے نزدیک مدنی ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔ جس میں ہے کہ آنحضرتؐ نے کہیں گھوڑے روانہ کئے۔ لیکن ایک مہینہ گزر گیا کہ ان کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ تب یہ سورت نازل ہوئی۔ جس میں ان کے حال کی طرف اشارہ ہے۔

والعدۃ عادیہ کی جمع ہے۔ تیز گام۔ جہاں اللہ نے تین قسمیں کھا کر مقسم بہ کی تعظیم اور مقسم علیہ کی تشنیع ظاہر کی ہے۔ ضبحا مفسر نے فعل محذوف ناصب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور عادیات کے ذریعہ بھی یہ منصوب ہو سکتا ہے کیونکہ دلالت التزامی کے ساتھ اس کے معنی ضایعات ہی کے ہیں یا اس کو حال کی وجہ سے منصوب مانا جائے ضابحة۔

فالمریت ایراء کے معنی چنگاری جھاڑنے کے ہیں اور قدح کے معنی مارنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے قدح الرد فاوری گھوڑوں کی ناپ سے شرارے اٹھنا مراد ہیں۔ اس کے اعراب میں بھی پہلی صورت جاری ہوگی ای بقدر۔ قدحا اگرچہ بظاہر قدحا موریت سے بھی منصوب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایراء قدح پر دلالت کرتا ہے۔ اور تمیز کی وجہ سے بھی نصب ہو سکتا ہے۔

فالمعیرات اغارہ کے معنی غارت گری، لوٹ مار کرنا۔

فاثرن بمعنی برا بیخیز کرنا بہ کی ضمیر ضبحا کی طرف راجع ہے باظرفیہ ہے لیکن اگر اغارۃ کی طرف ضمیر راجع کی جائے تو باسببیت یا مابست کے لئے ہوگی۔ اور چونکہ عادیات، موریت، مغیرات باوجود اسماء ہونے کے فعل کی تاویلات میں ہیں۔ جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ فرمادیا ہے۔ اس لئے وسطن اور اثرن افعال کا عطف باعث اشکال نہیں رہا۔ ان اسماء پر الف، لام موصولہ ہے۔ ان قسموں کے متعلق یہ بھی ممکن ہے کہ نفس کی تین حالتوں کی قسمیں کھائی گئی ہوں۔ قاضی بیضاوی کی عبارت یہ ہے۔ ویحتمل ان یکون القسم بالنموس العادیۃ اثر کمالہن الموریات بافکارہن انوار المعارف والمغیرات علی انہوی والعادات ادا لظہرہن متدا انوار القدس فاثرن بہ نقعا فوسطن بہ جمعا من جموع الغلمین لکنود بمعنی کفور کد النعمۃ کنودا سے ماخوذ ہے اور لغت کندہ میں اس کے معنی نافرمان کے اور بنی مالک کے لغت میں بخیل کے معنی ہیں۔ یہ جملہ جواب قسم ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ لکنود ایدی یا کل وحده ویمنع رقدہ ویضرب عبده۔ ذوالنون مصری فرماتے ہیں الہلوع والکنود هو الیدی ادا مسہ الشر جزوعا واذا مسہ الخیر منوعا۔

وانہ ضمیر کا مرجع انسان ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے، اس صورت میں وعید ہوگی۔

لحب الخیر مال اگرچہ خبیث ہوتا ہے۔ مگر طاعت و عبادت میں معین ہونے کی وجہ سے اس کو خیر کہا گیا۔

اذا بعثر ایک قرأت بعثر اور بحث بھی ہے۔

حاصل بقول امام راغب تحصیل کے معنی چھلکے سے مغز کو اور بھوسہ سے دانے کو اور سونے کو کان سے نکالنے کے لیتے ہیں۔  
فی الصدور قلبیہ کی تخصیص اصل ہونے کی وجہ سے ہے۔  
یومئذ لخیر حق تعالیٰ ہمہ وقت ہر چیز سے اگرچہ واقف ہیں۔ لیکن قیامت کی تخصیص اعمال کے بدلہ کی وجہ سے ہے۔

ربط آیات: ..... منجملہ سورۃ الفصحی کی مہمات کے برے کاموں سے بچنا بھی ہے۔ سورۃ والغدیت میں برائیوں کی برائی اور ان کی سزا کا ذکر ہے۔ اس کا مکی مدنی ہونا مختلف فیہ ہے۔ ابن مسعود، جابر، حسن بصری، عکرمہ، عطاء، توکلی کہتے ہیں۔ انس، مالک اور قتادہ مدنی مانتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے دونوں قول ہیں۔ مگر مضمون سورت سے مکی ہونا رائج معلوم ہوتا ہے اور یہ کہ ابتدائی دور سے متعلق ہوگی، وجہ تسمیہ بالکل واضح ہے۔

﴿تشریح﴾: ..... والغدیت دوڑنے والوں سے کیا مراد ہے؟ صحابہؓ اور تابعین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ دوڑنے والے گھوڑے مراد ہیں۔ اور جن حضرات دوڑنے والے اونٹ مراد لیتے ہیں۔ لیکن اگلے الفاظ سے یہی نکلتا ہے کہ دوڑنے والے گھوڑے مراد ہیں اور یوں بھی عرب جنگ پسند ہونے کی وجہ سے تیز رو گھوڑوں کو عزیز رکھتے تھے۔

فالسورینت رات کے وقت گھوڑوں کی ناپوں سے شب خوں مارنے کے وقت شرارے اور چنگاریاں جھڑتی تھیں۔ شب خوں صبح کے جھرمٹ کے اندھیرے میں ہوتا تھا۔ فوسطن بہ جمعا وہ گھوڑے اتنے جری اور دلیر ہیں کہ بے خوف و خطر دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔ ان آیات میں جہاں گھوڑوں کی قسموں کا احتمال ہے وہیں یہ ممکن ہے کہ مجاہدین اور فوجی رسالوں کی قسمیں کھائی گئی ہوں۔

شریف گھوڑے کو ایک چابک اور شریف انسان کو ایک بات کافی ہے: ..... لکود۔ یہ ہے وہ بات جس پر گھوڑوں یا مجاہدین کی قسمیں کھائی گئی ہیں یعنی جہاد میں مجاہدین کی سرفروشی اور جان بازی بتلائی گئی ہے کہ شکر گزار و وفادار ایسے ہوا کرتے ہیں۔ لیکن جو آدمی اللہ کی دی ہوئی قوتوں اور مال و دولت کو خرچ نہیں کرتا۔ وہ پرلے درجے کا ناشکرا اور نالائق ہے۔ بلکہ غور کرو تو خود گھوڑا زبان حال سے شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالک حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور ان کی بے شمار نعمتوں سے دن رات فائدے اٹھاتے ہیں۔ پھر اس کی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ وہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔ ایک شریف گھوڑے کو مالک گھاس اور کچھ دانہ دن کا کھلا دیتا ہے۔ تو وہ اتنی سی بات پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے۔ جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر ہی دوڑ جاتا ہے۔ اور بانپتا ہوا۔ ٹاپیں بھرتا ہوا، غبار اڑاتا ہوا گھسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔ گولیوں کی بارش میں اور سنگینوں اور تلواروں کے سامنے پڑ کر سینہ نہیں پھیرتا۔ بلکہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ کیا انسان نے ان گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا کہ اس کا پالنے والا بھی مالک ہے۔ جس کی وفاداری میں اسے جان و مال سے تیار رہنا چاہیئے۔ یہ انسان کی کتنی ناشکری ہے کہ ایک گھوڑے بلکہ کتے سے بھی وفاداری میں گیا گزرا ہے۔

انسان خود اپنی حالت پر گواہ ہے: ..... وانہ علی ذلک لشہید انسان کا ضمیر خود اس کی اپنی ناشکری پر زبان حال سے گواہ ہے۔ ذرا بھی کسی کے ضمیر میں احساس اور دل زندہ ہو تو اسے اندرونی آواز سے اپنا ناسپاس ہونا واضح ہو جائے گا۔ اور واسہ کی ضمیر اگر اللہ کی طرف راجع ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ انسان کے احسان ناشناسی اور کفران نعمت کو دیکھتا ہے اور بعض نے یہ مفہوم لیا ہے

کہ گھوڑوں کی جاں نثاری اور وفاداری سب انسان کے سامنے ہے۔ لحب الخیر لشدید مال میں خیر و ثمر کے دو پہلوؤں میں سے یہاں خیر کے پہلو کو ترجیح دی ہے۔ یعنی لالچ اور مال کی محبت نے انسان کو اتنا اندھا کر دیا ہے اور مال و زر کی محبت میں اتنا گرفتار ہے کہ سچے اور حقیقی مالک کو بھی بھدا بیٹھا ہے اور نہیں سمجھتا کہ آگے اس کا انجام کیا ہوگا۔

انسان پر تب حقیقت کھلے گی جب عالم حقائق سامنے آئے گا: ..... افلا یعلم وہ وقت بھی آنے والا ہے جب مردہ جسم قبروں سے نکال کر زندہ کئے جائیں اور دلوں میں جو باتیں چھپی ہوئی ہیں سب کھول کر رکھ دی جائیں گی۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ یہ مال کتنا کام آتا ہے؟ اور ناشکرے لوگ کہاں چھوٹ کر جائیں گے۔ اگر یہ بے حیا اس بات کو بھی سمجھ لیتے تو ہرگز مال کی محبت میں غرق ہو کر اس طرح کی حرکتیں نہ کرتے۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ کا علم بندے کے ظاہر و باطن کو ہر وقت اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ لیکن قیامت کے دن ہر شخص پر کھل جائے گا اور کسی کو مجال انکار نہ رہے گی۔ اور اس وقت یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ فیصلہ صرف ظاہر کو دیکھ کر نہیں کیا جا رہا ہے۔ بلکہ دلوں کے چھپے ہوئے رازوں کو بھی نکال کر دیکھا جائے گا۔ دنیا کی کسی عدالت میں ایسے ذرائع نہیں ہیں کہ جن کی مدد سے نیت کی صحیح تحقیق ہو سکے۔ صرف خدا ہی کی عدالت عالیہ ہوگی۔ جہاں انسان کے ہر ظاہری عمل کے پیچھے جو باقی محرکات رہے ہیں۔ ان کی بھی پوری جانچ ہوگی۔ اور حجابِ فیصلہ کیا جائے گا۔

خلاصہ کلام: اس سورت کا ماحصل انسان کو یہ سمجھانا ہے کہ وہ آخرت کا انکار کر کے اور اس سے غافل ہو کر کیسی اخلاقی پستی میں گھر جاتا ہے۔ اور مال کی محبت میں متوالا بن کر اپنے سچے مالک کی وفاداری اور شکرگزاری سے منہ موڑ لیتا ہے۔ گھوڑا مالک کی احسان شناسی میں اپنی جان کھپا دیتا ہے۔ اور سوار کی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر انسان اس سے بھی گزرا ہے اور اس پر بھی انسان کو خبردار کیا گیا ہے کہ آخرت میں صرف ظاہر ہی پر فیصلہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اندر کے اترے پترے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔ آخر انسان ہے کس ہوا میں؟ اللہ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

فَنشَأْ كُلُّ سُوْرَةٍ: ..... من قرء سورۃ العادیات اعطی من الاجر عشر حسنات بعدد من بات بالمزدلفة وشهد جمعا جو شخص سورۃ العادیات پڑھے گا اسے ان لوگوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ ثواب ملے گا۔ جو مزدلفہ اور جمعہ میں حاضر ہوتے ہیں۔

لَطَائِفُ سُلُوْکٍ: .. ان الانسان لربہ لکنود اس میں انسان کی طبعی خاصیت کا ذکر ہے۔ اگرچہ جس پر اللہ کا فضل ہو وہ اس کے مقتضی پر عمل نہیں کرتا۔ اور بقول عصام مجاہدین کے ذیل میں اس کا لانا مجاہدین کی اس میں تعریف کا پہلو ہے کہ خلاف طبع سعی کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انسان میں طبعی موانع رکھے ہوئے ہیں۔ جن سے اس کو زیادہ اجر ملتا ہے۔



## سُورَةُ الْقَارِعَةِ

سُورَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ اَيُّ الْقِيَامَةِ الَّتِي تَقْرَعُ الْقُلُوبَ بِأَهْوَالِهَا مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ تَهْوِيلُ لِسَانِهَا وَهَمَامُ مَبْتَدَأٍ وَخَبَرٌ خَبَرُ الْقَارِعَةِ وَمَا أَذْرَاكَ أَعْلَمَكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ زِيَادَةُ تَهْوِيلٍ لَهَا وَمَا الْأُولَى مُبْتَدَأٌ وَمَا نَعْدَهَا خَبَرٌ وَمَا الثَّانِيَةُ وَخَبَرُهَا فِي مَحَلِّ الْمَفْعُولِ الثَّانِي لِأَذْرَى يَوْمَ نَاصِبُهُ دَلٌّ عَلَيْهِ الْقَارِعَةُ أَيْ تَقْرَعُ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ﴿۴﴾ كَغَوْغَاءِ الْأَشْجَادِ الْمُسْتَشْرِ بِمَوْجِ بَعْضِهِمْ فِي بَعْضٍ لِلْخَبَرَةِ إِلَى أَنْ يُدْعَوْ لِلْحِسَابِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ﴿۵﴾ كَالصُّوفِ الْمَنْدُوفِ فِي خِصْفَةٍ سَبَرَهَا حَتَّى تَسْتَوِيَ مَعَ الْأَرْضِ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ﴿۶﴾ بِأَنْ رَجَحَتْ حَسَنَاتُهُ عَلَى سَيِّئَاتِهِ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ﴿۷﴾ فِي الْجَنَّةِ أَيْ ذَاتِ رِضَا بِأَنْ يَرْضَاهَا أَيْ مَرْضِيَّةً لَهُ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ﴿۸﴾ بِأَنْ رَجَحَتْ سَيِّئَاتُهُ عَلَى حَسَنَاتِهِ فَأُمُّهُ فَمَسْكَنُهُ هَازِلَةٌ ﴿۹﴾ وَمَا أَذْرَاكَ مَا هِيَ ﴿۱۰﴾ أَيْ مَا هَازِلَةٌ هِيَ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾ شَدِيدُ الْحَرَارَةِ وَهِيَ هِيَ لِلْسَّكَنِ تَثْبُتُ وَصَلًا وَوَقْفًا وَفِي قِرَاءَةٍ تَحْذُفُ وَصَلًا

سورۃ القارعہ مکہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: ..... کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت جو اپنی ہولناکیوں سے دلوں کو جھڑبھڑا دیتی ہے) کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز (قیامت کی دہشت بھلائی ہے۔ ما القارعة مبتداء خبر سے مل کر جملہ القارعة اول کی خبر ہے) آپ کو کچھ معلوم (پتہ) ہے کیسی کچھ ہے وہ کھڑکھڑانے والی چیز (اس میں قیامت کی اور زیادہ دہشت ناک ہے۔ ما اذراک میں ما مبتداء ہے اذراک اس کی خبر ہے اور ما القارعة میں ما اور اس کی خبر اذری کے مفعول ثانی کی جگہ ہے) جس روز (اس کا ناصب محذوف ہے جس پر لفظ القارعة دلالت کر رہا ہے یعنی تفرع) لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہو جائیں گے (منتشر پروانوں کی طرح پھیلے ہوئے حیرت کے مارے ایک دوسرے میں گھسے ہوئے یہ حالت حساب کی پیشی تک رہے گی) اور پہاڑ (دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے) (دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑے ہوئے پھریں گے۔ حتی کہ زمین میں مل جائیں گے) پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا (نیکیاں، بدیوں پر غالب ہوں گی) وہ خاطر خواہ آرام میں ہوگا (جنت کے اندر، یعنی پسندیدہ جس میں وہ مگن ہوگا۔ ان آرام سے بھاتا ہوگا) اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا (اس کی بدیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی) اس کا ٹھکانہ (جائے قیام) گہری کھائی ہوگی اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ وہ کیا چیز ہے (یعنی وہ گہری کھائی کیسی ہوگی) ایک دہکتی ہوئی آگ ہے (بھڑکتی ہوئی اور ہیہ کی ہا سکتی ہے جو وقف

ووصل دونوں حالت میں برقرار رہتی ہے اور ایک قراءت کے اعتبار سے بحالت فصل حذف ہو جاتی ہے۔

**تحقیق و ترکیب:** ..... القارعة قرع کے معنی کھڑکھڑانے اور ٹھوکنے کے، سخت حادثہ پر بولا جاتا ہے قرعتہم القارعة کے معنی یہ ہیں کہ فلاں قبیلہ پر سخت آفت آگئی۔ قرآن میں بھی سخت مصیبت کے معنی میں آیا ہے۔ ولا یوال الذین کفروا تصبہم بما صعدوا قارعة قیامت سے بڑھ کر اور کیا آفت اور مصیبت ہوگی۔

**ما القارعة** تفسیر ابوالسعود میں یہ ہے کہ ما استفہامیہ خبر مقدم ہے۔ اور القارعة مبتداء ہے۔ کیونکہ اصل محط فائدہ خبر ہوا کرتی ہے نہ کہ مبتداء۔ چنانچہ یہاں ما کی فحامت مقصود ہے نہ کہ قارعة کی تحویل۔ یوم اس کا ناصب۔ مفسر نے اول القارعة کو نہیں مانا۔ مفصل کی وجہ سے اور دوسرا اور تیسرا القارعة بھی عامل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بلحاظ معنی ظرف ان سے جوڑ نہیں بیٹھتا۔ اس لئے مفسر نے تفرع عامل محذوف مانا ہے اور یكون ناقصہ کی خبر کالہراش ہے۔ ای یكون الناس مشہین بالفراش اور یكون اترتامہ ہوتو پھر اس کے فعل سے حال ہو جائے گا ای یوجدون ویحشرون حال کو نھم مشہین بالفراش پروانوں کے ساتھ تشبیہ دینے میں مختلف مبالغے ہیں۔ ان کی کثرت اور منتشر ہو کر ایک دوسرے میں گھسنا اور ضعف و تذلل اور بے قراری سے اثر ناسی کہ آگ کی نذر ہو جانا۔ ق موس میں ہے کہ غوغا کہتے ہیں پروانوں کے جب پر نکل آئیں۔

**وتسکون الجبال** یعنی قیامت کے اثر سے پہاڑ جیسی مضبوط چٹانیں بھی دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑتی پھریں گی۔ پس انسانوں کا کیا حال ہوگا۔ جو مکلف بھی ہیں اور کمزور بھی۔ موازینہ یہ موزوں کی اگر جمع ہے تب تو اعمال مراد ہوں گے۔ جس سے ان کا وزنی ہونا اور اللہ کے نزدیک قابل قدر ہونا ہوا۔ اور اگر موازین میزان کی جمع ہے تو اس کا ثقیل ہونا اس کا جھکاؤ ہے اور موازین تعظیم کے لئے جمع ہے یا ہر مکلف کی میزان الگ ہونے کی وجہ سے یا موزونات کے اختلاف یا کثرت کی وجہ سے ہے۔

**فی عیشتہ راضیۃ اسناد مجازی** ہے سبب کی طرف کیونکہ خوشنودی کا سبب عیش ہے یا یہ حکم نسبت کے لئے ہے یا بمعنی مفعول ہے۔ حفت موازینہ نیکیوں کے کم ہونے کی وجہ سے جب پلہ ہلکا ہوگا۔ تو حسنات بالکل نہ ہونے کی صورت میں بدرجہ موزوں ہلکا ہوگا۔ ممکن ہے کہ اس پر یہ شبہ ہو کہ مؤمن کے گناہ اکثر غالب ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہونا لازم آتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس سے خود ثابت نہیں ہوتا۔ بدگن ہوں کی سزا کے بعد پھر انہیں جہنم سے نکال کر ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور بعض حضرات نے موازین کے ہلکا ہونے سے ان کا بالکل خالی ہونا مراد لیا ہے یعنی کافر مراد ہیں جن کے پاس نہ ایمان ہوگا اور نہ اعمال صالحہ۔ اسی طرح پہلی آیت میں کامل مؤمنین کا اور اس آیت میں کافر کا بیان ہے۔ رہ گئے وہ لوگ جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں۔ ان کے لئے آسان حساب ہوگا۔ البتہ جس مؤمن کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں گے وہ اللہ کی مرضی پر ہوں گے۔ چاہے وہ معاف فرما دے اور چاہے تو بقدر جرم سزا دیدے اور پھر جنت میں داخل کر دے اور جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ بے حساب جنت میں جائیں گے۔

**فسامہ ہاویہ** جہنم کے ناموں سے ہاویہ بھی ہے جیسا کہ نار حامیہ سے مفہوم ہو رہا ہے۔ مفسر نے ام کا ترجمہ مسکن کے ساتھ کیا ہے، ماں کی گود بچے کے لئے مسکن بھی ہوتی ہے۔

**ربط آیات:** سورۃ القارعة میں بھی مجازات ہی کا بیان ہے۔ چنانچہ اس کا زمانہ نزول بھی مکہ معظمہ میں اسلام کا ابتدائی دور ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

**روایات:** فمن ثقلت موازینہ عن ابن عباس رضى الله عنہم انه میزان له لسان و کفتل لا یور۔ فیہ لا لاعمال۔ چنانچہ علاء فرماتے ہیں کہ میزان میں صحائف اعمال رکھ کر تولے جائیں گے پھر ان صحائف سے اعمال کے زیادہ کم ہونے کا

اندازہ کیا جائے گا۔ یا اعمال یہاں جو اعراض ہوتے ہیں۔ آخرت میں اعیان و جواہرات کی صورت اختیار کر لیں گے۔ پھر ان جواہر کا وزن ہو جائے گا۔ جن کے اچھے اعمال کا وزن زیادہ ہوگا وہ اصحاب العیش ہوں گے، یعنی مؤمن اور جن کے اعمال کے غلبہ کی وجہ سے اچھے اعمال کا وزن بالکل نہیں ہوگا۔ یا ہوگا مگر کم وہ دوزخی ہوں گے یعنی کافر۔

﴿تشریح﴾: ..... القارعة قیامت مراد ہے جو دلوں کو سخت گھبراہٹ سے اور کانوں کو اپنے کڑا کے سے کھڑکھڑاڈالے گی حاصل یہ ہے کہ اس حادثہ عظیمہ کا ہولناک منظر ناقابل بیان ہے۔ تاہم اس کے کچھ آثار بیان کئے جا رہے ہیں۔ جن سے اس کی شدت کا قدرے اندازہ ہو سکے گا۔ كالصراش المبتوث یعنی پروانوں کی طرح ہر آدمی پریشان اور سرگرداں پھرتا ہوگا۔ جسے کسی سمت ہی کا پتہ نہیں ہوگا۔ ضعف و کثرت، حیرانی و سرگردانی میں پروانوں کے ساتھ تشبیہ مقصود ہے۔ یہ قیامت کے پہلے مرحلہ کا بیان ہے جب سارا نظام عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ اور لوگ پروانوں کی طرح تتر بتر ہو کر پھریں گے اور رنگ برنگ کی دھنی ہوئی روئی کی طرح پہاڑ ہر طرف اڑتے پھریں گے۔ جن کے رنگ مختلف ہوں گے۔ ومن الجبال جدد بیض و حمر مختلف الوانها و غرابیب سود

وزن اعمال: ..... فاما من ثقلت موازينه میزان اور موزون دونوں کی جمع آئی ہے۔ اگر میزان کی جمع ہے تب تو مطلوب یہ ہوگا کہ جس کے ایمان و عمل کا پلہ بھاری ہوگا وہ عیش میں ہوگا اور جس کے ایمان و عمل کا پلہ ہلکا ہوگا وہ دوزخی ہوگا۔ لیکن اگر موازن موزون کی جمع ہے جس سے مراد ایمان و عمل ہوں گے۔ تب بھی مدعا وی رہتا ہے۔ بہر حال اعمال کا وزن ایمان و اخلاص کی نسبت سے ہوگا۔ دیکھنے میں کوئی کتنا ہی بڑا عمل ہو۔ مگر اس میں اخلاص کی روح نہ ہو تو اللہ کے یہاں اس کا کچھ وزن نہیں ہے۔ اللہ کی عدالت میں فیصلہ اسی بنیاد پر ہوگا۔ کہ آدمی اعمال کی جو پونجی لے کر آیا ہے، وہ وزنی ہے یا بے وزن یا اس کی بھلائیوں کا وزن اس کی برائیوں کے وزن سے زیادہ ہے یا کم کفر اور حق سے انکار بجائے خود اتنی بڑی برائی ہے کہ وہ برائیوں کے پلڑے کو لازماً جھکا دے گی۔ اور کافر کی کوئی نیکی ایسی نہ ہوگی کہ بھلائیوں کے پلڑے میں اس کا کوئی وزن ہو۔ جس سے اس کی نیکی کا پلڑا جھک سکے۔ البتہ مؤمن کے پلڑے میں ایمان کا وزن بھی ہوگا اور اس کے ساتھ ان نیکیوں کا وزن بھی ہوگا جو دنیا میں اس نے کیں۔ دوسری طرف اس کی جو بدی بھی ہوگی۔ وہ بدی کے پلڑے میں رکھ دی جائے گی۔ پھر دیکھا جائے گا کہ آیا نیکی کا پلہ جھکا ہوا ہے یا بدی کا۔

امہ ہاویۃ۔ ام کے معنی اصل جز اور ماں کے آتے ہیں اور ہاویۃ کے معنی گڑھے کے ہیں۔ پس جس طرح ماں کی گود بچہ کا ٹھکانہ ہوتی ہے۔ اسی طرح آگ کا یہ گڑھا دوزخیوں کا ٹھکانہ ہوگا۔ جس میں انتہائی تیز تپش ہوگی۔ وزن اعمال کی بحث پہلے ہی گزر چکی ہے اور سائنسی ایجادات نے موزوں اعمال کا سمجھنا بہت سہل کر دیا ہے۔

فضائل سورت: ... من قرء سورۃ القارعة ثقل الله له ميزانه يوم القيامة۔ جو شخص سورۃ القارعة پڑھے گا۔ اللہ اس کے پلہ کو قیامت میں بھاری رکھے گا۔

طائف سلوک: ... فاما من ثقلت ظاہر نصوص سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود اعمال تو لے جائیں گے اور چونکہ عداۃ وزن، جواہر و اعیان کا ہونا ہے۔ اس لئے کہا جائے گا کہ بظاہر اعراض کو آخرت میں ایمان میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ جس استحالہ کو فدا سفہ محال کہتے ہیں۔ وہ وجوب و امکان و امتناع تینوں کے حقائق میں محال ہے۔ لیکن آگ، ہوا، پانی، مٹی ان عناصر میں باہمی استحالہ محال نہیں ہے بلکہ فدا سفہ اس کو مشاہدہ مانتے ہیں۔

## سُورَةُ التَّكْوِيْنِ

سُورَةُ التَّكْوِيْنِ مَكِّيَّةٌ ثَمَانُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰكُمْ شَغَلَكُمْ عَنْ طَاعَةِ اللّٰهِ التَّكَاثُرُ<sup>۱</sup> التَّفَاخُرُ بِالْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَالرِّجَالِ حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ<sup>۲</sup> اَنْ مُّتُّمْ فَدُفِنْتُمْ فِيْهَا اَوْ عَدَدْتُمْ الْمَوْتِى تَكَاثُرًا كَلَّا رِدْعٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ<sup>۳</sup> ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ<sup>۴</sup> سُوْءٌ عَاقِبَةُ تَفَاخُرِكُمْ عِنْدَ النَّزْعِ ثُمَّ فِى الْقَبْرِ كَلَّا حَقًّا لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ<sup>۵</sup> اِىْ عَلَمًا يَّقِيْنًا عَاقِبَةُ التَّفَاخُرِ مَا اشْتَغَلْتُمْ بِهِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ<sup>۶</sup> النَّارَ جَوَابُ الْقَسَمِ مُحَذُّوْفٌ وَحُذُوْفٌ مِنْهُ لَا مِصْعَبٍ وَعِيْنُهُ وَاَنْفَى حَرَكْتُهَا عَلَى الرَّءَاءِ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا نَاكِدٌ عَيْنِ الْيَقِيْنِ<sup>۷</sup> مَصْدَرٌ لَا رَأْيَ وَغَايِبٌ مَعْنَى وَاجِدٌ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ حُذُوْفٌ مِنْهُ نُوُوْ الرِّفْعِ لِتَوَالِىِ التُّوْنَاتِ وَوَاوُ الضَّمِيْرِ الْجَمْعُ لِالْتِقَاءِ اسْمَا كَسْبٍ يَوْمَئِذٍ<sup>۸</sup> يَوْمَ رُؤْيِيْهَا عَنِ النَّعِيْمِ<sup>۹</sup> مَا يَلْتَذُّ بِهِ فِى الدُّنْيَا مِنَ الصَّحَةِ وَالْفَرَاغِ وَالْأَمْنِ وَالْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ وَغَيْرِ ذَلِكَ

سورۃ التکاثر ترکیب ہے جس میں آٹھ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے (اللہ کی فرمانبرداری سے ہٹا رکھا ہے) ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے (مال و اولاد اور جتھہ کے گھمنڈ نے) یہاں تک کہ تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو (مرکز زمین میں دفن ہو جاتے ہو) فخر کرنے کی وجہ سے تم مردوں میں شمار ہونے لگو (برگز نہیں) (ڈانٹ ہے) غنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ پھر برگز نہیں۔ تمہیں پتہ چل جائے گا (اپنے گھمنڈ کا انجام جان کنی کے وقت پھر قبر میں جا کر) برگز نہیں (بالیقین) اگر تم یقینی طور پر جان لیتے (یعنی گھمنڈ کے انجام کو یقین سے جان لیتے تو برگز اس میں مشغول نہ ہوتے) واللہ تم ضرور دوزخ دیکھ کر رہو گے (یہ جواب ہے تم محذوف کا۔ لتروں میں لام اور عیس حذف کر کے اس کی حرکت واؤ کو دے دی گئی ہے) پھر واللہ تم ضرور اس کو ضرور دیکھو گے (یہ تاکید ہے) بالکل یقین کے ساتھ (یہ مصدر ہے یونکہ رای اور عیاسین دونوں لفظ ہم معنی ہیں) پھر تم لوگوں سے ضرور باز پرس ہوگی (اس میں تین نون جمع ہو جانے کی وجہ سے نون رفع کو حذف کر دیا گیا ہے اور دوسرا کن اکٹھا ہو جانے کی وجہ سے ضمیر جمع کو حذف کر دیا گیا ہے) اس روز (دوزخ نظر آنے پر) نعمتوں کے متعلق (دنیا میں جن چیزوں سے تم لذت اندوز رہے یعنی تندرستی، قارغ البالی، امن و امان، کھانا پینا وغیرہ)۔

تحقیق و ترکیب: ... مکہ قاضی بیضاوی اس کو مختلف فرماتے ہیں۔ یعنی ایک قول مدنی ہونے کا بھی ہے۔

الہکم الہی سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی غافل ہونے کے ہیں۔ الہی کے معنی کھیل کود کی طرف مائل ہونے کے بھی ہیں۔

## النکاح کثرت پر گھمنڈ کرنا۔

حتیٰ زرتم المقابر مقابر جمع ہے مقبرہ کی۔ مفسر علام نے زیارت قبور کے دو معنی لئے ہیں۔ ایک یہ کہ زیارت قبر کنایہ ہے موت سے بولتے ہیں راد قبرہ ای مات و دفن حاصل یہ ہے کہ تم دنیا میں منہمک رہتے ہو۔ یہاں تک کہ تمہیں موت آ جاتی ہے۔ اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ زیارت تو ایک ساعت میں ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن قبروں میں رہنا صدیوں اور قرنہا قرن ہوتا ہے۔ کیونکہ جواب دیا جائے گا کہ قبر میں رہنا دوائی نہیں ہے۔ بلکہ وہاں سے حساب کتاب کی طرف منتقل ہونا ہوگا۔ اور وہ اتنی طویل مدت ہوگی۔ کہ قبر میں رہنا اس کے آگے زیارت ہی کا درجہ رکھتا ہے۔ اس جملہ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ تم تفاخر میں مبتلا رہتے ہو۔ تا آنکہ قبروں میں جا کر تفاخر کرتے ہو۔ یعنی تمہارے تفاخر و تکاثر کا سلسلہ قبرستان میں بھی جاری رہتا ہے۔ قبرستان میں زیارت قبور کا منشا تو عبرت و موعظت ہونا چاہیئے۔ مگر تم وہاں بھی اظہار فخر کے لئے جاتے ہو۔ آرائش و زینت کرتے ہو۔ گویا مقصود کے برعکس کرتے ہو اس صورت میں۔ حتیٰ غایت کے لئے نہیں ہوگا۔ بلکہ سبب کے لئے ہوگا، جیسے اسلمت حتیٰ ادخل الحجة حاصل یہ ہے کہ زیارت قبور بجائے نصیحت کے استغراق دنیا کا ذریعہ بناتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیارت قبور مستحسن چیز ہے۔ مگر تمہارے رویہ پر تعجب ہے۔ مانا کہ قبرستان میں تمہارے مردے زیادہ ہیں۔ جس سے تمہاری کثرت معلوم ہوتی ہے۔ مگر تمہیں اس سے کیا حاصل؟ دنیا میں اسہاک کی وجہ سے کسی چیز کو چھوڑ رہے ہو؟ یعنی دین کی طرف توجہ مگر اس کو تعظیم شان کے لئے عبارت سے حذف کر دیا ہے۔ اور بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ تم مال و اولاد کی نثر کے پیچھے اپنی عمریں ضائع کر دیتے ہو۔ یہاں تک کہ تمہیں موت آ جاتی ہے۔

کلا اس پر تنبیہ کرنی ہے کہ دنیا کے فانی پر تمام تر اپنی توجہ صرف کر دینا عاقل کی شان سے بعید ہے۔ کیونکہ سوائے حسرت و ندامت کے اس کا کچھ انجام نہیں ہے۔

ثم کلا اس سے پہلے کلا کی تاکید مقصود ہے۔ اور ثم سے اشارہ ہے کہ دوسرا کلا پہلے کلا سے ابلاغ ہے۔ یا پہلی تنبیہ موت کے وقت یا قبر میں اور دوسری تنبیہ حشر و نشر کے وقت ہوگی۔

لو تعلمون اس کا مفعول محذوف ہے ای عاقبة التفاخر ما اشغلتکم لو کا جواب محذوف ہے۔ لتروں الجحیم لو کا جواب نہیں ہے کیونکہ یہ محقق الوقوع ہے۔ بلکہ یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔ جس سے وعید کی تاکید اور ڈرانے کی وضاحت کرنی ہے۔ ابن عمر اور کسائی ضمہ کا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

ثم لتروں بھائیہ پہلے جملے کی تاکید ہے یا پہلے کا تعلق اس وقت سے ہے۔ جب جہنم دور سے دکھائی دے گی اور دوسرے دیکھنے کا تعلق دوزخ میں داخل ہونے سے ہے یا پہلے سے دوزخ کا علم و معرفت اور دوسرے سے اس کا نظر آ جانا مراد ہے۔

عین الیقین یعنی ایسا دیکھنا جو عین یقین ہو علم الیقین سے اعلیٰ مرتبہ ہے اور پھر اس سے اوپر حق الیقین کا درجہ ہوتا ہے۔ اس طرح یقین کے تین مراتب ہوئے۔ اول علم الیقین، پھر عین الیقین یعنی ایسا دیکھنا جو عین یقین ہو جو علم الیقین سے اعلیٰ مرتبہ ہے اور پھر حق الیقین عن النعم یعنی ان نعمتوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔ جنہوں نے انسان کو لہو و لعب میں ڈال رکھا تھا اور اس جملہ میں ان لوگوں کو خطب خاص ہے جو دنیا میں مشغول ہو کر آخرت سے غافل ہیں۔ اول تو قرائن اس خصوصیت کی دلیل ہیں۔ نیز دوسری آیات بھی اس کی دلیل ہیں۔ چنانچہ کہیں ارشاد ہے من حرم زينة الله اور کہیں کلاوا من الطيبات فرمایا گیا ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عام نعمتیں ممنوع نہیں ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ تمام نعمتوں کے بارے میں ہے اور سب سے پوچھا جائے گا۔ کہ تم نے نعمتوں کا شکریہ ادا کیا یا نہیں؟ اور بعض نے فرمایا ہے کہ یہ آیت کفار کے ساتھ خاص ہے، یعنی ان سے پوچھ گچھ ہوگی۔

ربط آیات: سورۃ الضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہے ان میں سے دنیا کے انہماک اور آخرت کی غفلت کو چھوڑنا بھی ہے۔ سورۃ التکاثر میں اسی کا بیان ہے اور وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: ابوحیان، شوکانی، علامہ سیوطی اس سورت کو لکھتے ہیں اور بعض روایات کی وجہ سے اس کو مدنی کہا گیا ہے۔ چنانچہ ابو ہریرہ کی روایت ہے ان بنی عبد مناف و بنی سہم تفاخروا بالکثرة فکثرہم بنو عبد مناف فقال سی سہم ان سغی اہلکما فی الجاہلیۃ فعادونا بالاہیاء والاموات فکثرہم بنو سہم۔ دونوں قبیلوں نے پہلے اپنے زندہ آدمیوں کے مفاخر بیان کئے۔ پھر قبرستان جا کر اپنے مرے ہوئے لوگوں کے مفاخر پیش کئے۔ اس پر آیات نازل ہوئیں۔ مگر صحیحہ اور تابعین کا طریقہ شان نزول کے سلسلہ میں توسع کا تھا۔ اس کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ واقعہ کے ساتھ تحدید مقصود نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ آیات اس واقعہ پر چسپاں ہیں۔ اسی طرح حدیث لو ان لابن ادم وادیسن من مال لتمنی وادیثا لثا ولا یملاء خوف اس ادم الا التراب کے متعلق حضرت نبی ابن کعبؓ کے اس زمانہ سے کہ ہم اس حدیث کو قرآن سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ سورۃ التکاثر نازل ہوئی۔ سورۃ التکاثر کے مدنی ہونے کی دلیل سمجھنا محض اس بنیاد پر کہ وہ مدینہ میں مسلمان ہوئے ہیں مضبوط بنیاد نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں جو حضرات اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ جب انہوں نے پہلی مرتبہ حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ سورت سنی تو یہ سمجھے ہوں گے کہ یہ سورت ابھی نازل ہوئی ہے اور حضورؐ کے ارشاد کے متعلق ان کو یہ خیال ہوا کہ وہ اس سورت سے، خود ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے ارشاد کہ ”ہم عذاب قبر کے متعلق برابر شک میں پڑے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ سورۃ التکاثر نازل ہوئی“ سے یہ نکات کہ سورۃ مدنی ہے۔ کیونکہ عذاب قبر کا ذکر مدینہ میں ہوا ہے مکہ میں نہیں ہوا۔ درست نہیں ہے آخر کی سورتوں میں کتنی جگہ عذاب قبر کا تذکرہ آیا ہے۔ جن میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس صورت میں حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ ان سورتوں سے پہلے تکاثر نازل ہو چکی تھی۔ اس سے عذاب قبر کے متعلق صحابہ کا شک دور ہو گیا تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ان روایات کے باوجود مفسرین کی بڑی اکثریت اس کے مدنی ہونے کی قائل ہے۔ چنانچہ مضمون کلام اور انداز بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

﴿تشریح﴾: ..... الہکم کسی غیر ضروری شغل میں اس درجہ مصروف ہو جانا کہ ضروری چیزیں فوت ہو جائیں لہو کہلاتا ہے اور الہکم کے یہ معنی ہیں کہ تم فضول کام کی دھن میں ایسے گھر گئے ہو کہ تمہیں ضروریات کا ہوش ہی نہیں رہا۔

فخر و مباہات کا انجام: ..... اور تکاثر کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مطلق کثرت حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ دوسرے یہ کہ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی فکر کرنا اور یہ کہ میں دوسروں سے بڑھ جاؤں۔ تیسرے یہ کہ ایک دوسرے سے فخر جتلانے میں مقابلہ آرائی کرنا۔ یہ سب صورتیں تکاثر میں داخل ہیں۔ بس اس جملہ کا مطلب عام ہے کہ مال و اولاد کی کثرت اور دنیا کے ساز و سامان کی طمع آدمی کو غفلت میں پھنسا رکھتی ہے۔ نہ اللہ کی طرف دھیان جاتا ہے اور نہ آخرت کی فکر ہوتی ہے۔ دن رات یہی دھن رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال و دولت کی بہتات ہو۔ اور میرا کنبہ اور جتھہ سارے کنبوں اور جتھوں سے غائب رہے۔ غفلت کا یہ پرہیز اہم ہے۔ یہاں تک کہ موت آ جاتی ہے۔ نہ اخلاقی حدود کا خیال آتا ہے۔ نہ ذمہ داریوں کا احساس رہتا ہے، نہ حقداروں کے حقوق کی ادائیگی کی فکر ہوتی ہے، نہ اس کا دکھ ہوتا ہے کہ ہماری ان حرکتوں سے انسانیت کا معیار گر رہا ہے۔ نہ آخرت کا غم، نہ خدا کی محبت و خشیت۔ بس ہر وقت یہی نشہ سوار ہے کہ میں کسی سے پیچھے نہ رہ جاؤں اشخاص و افراد ہوں یا جماعت اور قوم سب پر یہی دھن سوار

ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ دولت ملے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ جسمانی لذتیں اور سامان عیش و عشرت مہیا ہوں۔ اس ہو شر با جذبہ میں ڈوب کر وہ قطعاً اس سے غافل ہیں کہ اس روش کا انجام کیا ہے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ طاقت اور شوکت چاہیئے۔ زیادہ سے زیادہ فوجیں اور ہتھیار چاہئیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ برابر جاری ہے۔ انہیں اس کی فکر نہیں کہ یہ سب خدا کی زمین کو ظلم سے بھر دینے اور انسانیت کو تباہ و برباد کر دینے کا سامان ہے۔ حدیث میں ہے عن مطرف عن ابن ابیہ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو یقرأ الہکم التکاثر قال یقول ابن ادم مالی مالی قال وهل لك يا ابن ادم الا ما اكلت فافیت اولست ف بلیت او تصدقت فامضیت وعن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یقول العبد مالی و ان مالہ من مالہ ثلث ما اکل فافی او لبس فابلی او اعطی فافتنی وما سوی ذلک فهو ذاہب و تار کہ للناس عن نس س مائت یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتبع العبت ثلثۃ فیرجع اثنان و یبقی معہ واحد یتبعہ اھلہ و مالہ و عمہ فیرجع اھلہ و مالہ و یبقی عملہ۔ حاصل یہ ہے کہ تکاثر کی بے شمار صورتیں ہیں۔ جنہوں نے اشخاص اور قوموں کو اپنے اندر ایسا مشغول کر رکھا ہے کہ انہیں دنیا اور اس کے فائدوں اور لذتوں سے بالآخر کسی چیز کا ہوش نہیں رہا۔ حدیث میں بالکل سچ فرمایا گیا ہے کہ انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ مگر دو خصلتیں اس میں جوان ہو جاتی ہیں۔ ایک حرص اور دوسری لمبی امیدیں دونوں کا سلسلہ لا متناہی رہتا ہے۔ یہاں تک کہ موت آ جاتی ہے۔ تب قبر میں پہنچ کر پتہ لگتا ہے کہ دنیا میں ہم بڑی بھول اور غفلت میں پڑے رہے۔ وہ چند روزہ چہل پہل تھی۔ اب مرنے کے بعد نظر آ رہا ہے۔ کہ یہ سب سامان و مال جان تھے۔ اور دو قبیلوں کی روایت کو پیش نظر رکھ جائے۔ تب تو متکاثر کی حماقت و جہالت سے لبریز ایک اور بھی گھناؤنی صورت نکل آتی ہے۔ انسان گڑے مردوں کی کثرت پر بھی گھمنڈ کرنے لگے اور یہ کہہ کر قبریں گننے لگے کہ دیکھو ہمارا جتھہ کتنا زیادہ ہے اور ہم میں کیسے کیسے نامور گزرے ہیں کوئی حد ہے اس جہالت و بلدت کی۔

کلا سوف تعلمون یعنی مرتے ہی تمہیں جلد ہی پتہ چل جائے گا۔ کہ مال و اولاد کی بہتات اور سامان عیش کی فراوانی کچھ کام آنے والی نہیں ہے۔ تمہیں بار بار متنبہ کیا جا رہا ہے کہ فانی اور زائل چیزیں ہرگز لائق فخر و مباہات نہیں۔ تمہیں کس قدر غلط فہمی ہے کہ دنیا کی یہ کثرت اور ایک دوسرے سے بازی لے جانا ہی ترقی اور کامیابی ہے۔ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہاری یہ کتنی بڑی بھول تھی جس میں تم ساری عمر مبتلا رہے۔ پھر سمجھ لو کہ آخرت ایسی چیز نہیں جس کا انکار کیا جائے یا اس سے غفلت برتی جائے۔ آگے چل کر بہت جلد کھل جائے گا کہ اصلی عیش و آرام آخرت کا ہے اور چین کی زندگی وہیں کی ہے اور دنیا کی زندگی اس زندگی کے مقابلہ میں ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ اگرچہ بعض لوگوں کو دنیا میں تھوڑی بہت یہ حقیقت کھل جاتی ہے۔ لیکن قبر میں پہنچ کر سب کو پوری حقیقت کھل جائے گی۔ اور قریب سے مراد آخرت بھی ہو سکتی ہے۔ وہ اگرچہ ہمارے لحاظ سے بہت دور ہے۔ مگر جس ہستی کی نگاہ ازل سے ابد تک تمام زمانوں تک حاوی ہو اس کے لئے کروڑوں سال بھی پورے زمانہ کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں۔

انسان دلائل سے آنکھیں بند کئے رہتا ہے:..... کلا لو تعلمون یعنی تمہارا خیال یہ بھی صحیح نہیں کہ اگر تمہیں قطعی دلائل سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے سب سامان ہیچ ہیں۔ تم ہرگز غفلت میں نہ پڑتے۔ کیونکہ دلائل قطعیہ تو ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ مگر جب تم دیکھنے کا ارادہ ہی نہ کرو۔ تو تمہیں کہا نظر آئیں گے۔

ثم لترونها اس غفلت اور انکار کا نتیجہ دوزخ ہے۔ وہ تمہیں ضرور دیکھنا پڑے گا۔ جس کا اثر برزخ میں سامنے آ جائے گا۔ پھر آخرت میں تو کھلی آنکھوں دیکھ کر پورا یقین حاصل ہو جائے گا۔ یعنی آخرت میں یقین استدلالی نہیں ہوگا کہ وہ کبھی دیر میں بھی حاصل ہو جاتا ہے بلکہ مشاہدہ کا یقین ہوتا ہے۔ اسی لئے بذات خود دیکھنے کو یقین فرمایا۔ حالانکہ دیکھنا یقین کا سبب ہوتا ہے۔



ثم لتسئلن یعنی اس وقت کہا جائے گا۔ کہ اب بتلاؤ دنیا کے عیش و آرام کی کیا حقیقت ہے یا اس وقت اس پر جواب بھی ہوگا۔ کہ دنیا میں تمہیں جو ہر قسم کی ظاہری و باطنی، آفاقی و انفسی، جسمانی، روحانی نعمتیں عطا کی گئی تھیں تم نے ان کا کیا حق ادا کیا۔ اور منعم حقیقی کو کہا تک خوش رکھنے کی کوشش کی؟ تم کا یہ مطلب نہیں کہ دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد یہ پوچھ گچھ ہوگی۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ پھر تمہیں یہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ ان نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ عدالت الہی میں یہ سوال حسب کتاب کے وقت ہوگا۔

نعمتوں کی پریش سب سے ہوگی:..... اور احادیث کی رو سے یہ سوال مؤمن و کافر سب سے ہی ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مؤمن جواب دہی میں کامیاب اور کافر ناکام رہیں گے۔ پس اس صورت میں تم ترقی کے لئے ہے کہ جب اچھے لوگوں سے سوال ہوگا جنہیں بن کا ضرر بھی نہیں تو مجرمین سے کیوں نہیں پوچھا جائے گا۔ جب کہ اس پر ان کا ضرر بھی مرتب ہونے والا ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے اور ہم نے آپ کی خدمت میں تازہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی پیش کیا۔ آپ نے نوش فرما کر لتسئلن یومئذ عن النعم آیت پڑھی۔ اسی طرح ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ آپ نے ابو بکرؓ و عمرؓ سے فرمایا۔ کہ ابو الحشیم انصاری کے یہاں چھیں۔ چنانچہ تینوں حضرات ان کے باغ میں پہنچے تو انہوں نے کھجوروں کا ایک خوشہ لا کر سامنے کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کھجوریں کیوں نہ توڑ لائے؟ عرض کیا کہ آپ حسب منشاء خود چھانٹ کر نوش فرمائیں۔ کھجوریں کھا کر اور ٹھنڈا پانی نوش فرما کر ارشاد ہوا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ ٹھنڈا سا یہ، یہ ٹھنڈی کھجوریں، یہ ٹھنڈا پانی ان نعمتوں میں سے ہے جن کے بارے میں قیمت کے ان جواب دہی کرنی ہوگی۔ ان روایات سے واضح ہوا کہ مؤمنین سے بھی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں انسان پر براہ راست ہیں وہ تو ان گنت ہیں ہی۔ بہت سی نعمتیں تو وہ بھی ہے جو بالواسطہ اور مخفی ہیں۔ انسان کو اس کی خبر ہی نہیں۔ وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها پھر بہت سی وہ نعمتیں ہیں جن میں انسان کے کسب کو بھی دخل ہے۔ ان کے بارے میں یہ جواب دہی بھی کرنی ہوگی۔ کہ یہ کن طریقوں سے اس نے حاصل کی ہیں۔ پھر کہاں کہاں ان کو صرف کیا اور کتنا خرچ کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔

خلاصہ کلام:..... دنیا کے مال و دولت، اولاد اور خوش واقارب اور جاہ و اقتدار کے پیچھے انسان جو اندھا دھند بھاگ رہا ہے اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کے لئے سرپٹ دوڑ رہا ہے اور پیچھے مڑ کر دیکھتا نہیں۔ بلکہ اس ترقی پر فخر کرتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ میرا کوئی مالک بھی ہے۔ مجھے حساب و کتاب کے لئے اسکے پاس پیش ہونا بھی ہے؟ اس صورت میں اس غفلت و بے ہوشی کے انجام بد سے لوگوں کو متنبہ اور آگاہ کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب انسان اس غفلت کا نتیجہ کھلی آنکھوں دیکھ لے گا۔ اور جن نعمتوں میں یہاں کھوئے ہوئے ہو۔ ان میں سے ایک ایک کے بارے میں مکمل باز پرس ہوگی۔ کہ تم نے اس کا کچھ حق ادا بھی کیا ہے یا نہیں؟ اس بات کا خیال کرو کہ اگر تمہیں جواب نہ آیا تو کیا ہوگا؟۔

فضائل سورت:..... من ہرء الہکم لم یحاسبہ اللہ بالنعم الذی انعم بہ علیہ فی دار الدنیا و اعطی من الاجر کما فاء الف یف۔ جو شخص سورۃ الہکم پڑھے گا۔ اس سے اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کا حساب نہیں لے گا۔ جو اس نے اس پر دنیا میں کی ہیں اور ایک ہزار آیات پڑھنے کا اس کو ثواب عطا فرمائیں گے۔

لظائف سلوک:..... الہکم التکاثر تفاخر و مباہات کی برائی اس میں منصوص ہے۔

## سُورَةُ الْعَصْرِ

سُورَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْعَصْرِ ۝ أَلَمْ يَجْعَلِ الْبَشَرَ مِنْ نَجَسٍ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَيْسُوا فِي خُسْرٍ ۝ أَوْصَىٰ نَعْتَهُم نَعُضًا بِالْحَقِّ ۝ أَيُّ الْإِيمَانِ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ عَلَى الطَّاعَةِ ۝ وَغِنِ الْمَعْصِيَةَ

سورۃ العصر مکہ میں ہے یا مدینہ میں ہے جس میں تین آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: ... زمانہ کی قسم (مطلق زمانہ مراد ہے یا زوال سے غروب آفتاب تک کا وقت اور یا نماز عصر) کہ انسان (مطلقاً) بڑے خسارہ میں ہے (اپنے کاروبار کے لحاظ سے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے (وہ بونے میں نہیں ہیں) اور ایک دوسرے کو فہمائش کرتے رہے (آپس میں نصیحت جاری رکھیں) حق (ایمان) کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے (کہ طاعت پر جمے رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں)۔

تحقیق و ترکیب: ..... والعصر ابن عباس مطلق زمانہ مراد لیتے ہیں۔ عجائبات قدرت اور کمالات حکمت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور زوال کے بعد دن ڈھلنے یا عصر کے وقت کی قسم میں یہ نکتہ ہے کہ اس وقت حضرت آدم، اول انسان کی پیدائش ہوئی تھی۔ اور زمانہ نبوت بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اپنی عظمت کی وجہ سے لائق قسم ہے اس میں خسران کی نفی بھی تعریضاً ہو جائے گی۔ ان الانسان الف لام جنس کے لئے اور خسر نکرہ تعظیم کے لئے ہے اور جنس واستغراق کا قرینہ الا الذين استثناء بھی ہے۔ لیکن بقول ابن عباس "الا" ہم عہد کے لئے بھی ہو سکتا ہے کہ خاص افراد مراد ہوں۔ اور خسارہ تجارت میں ہوا کرتا ہے۔ یہاں بھی انسان کی عمر راس اعمال کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا زیاں سب سے بڑھ کر خسارہ ہے۔ وقت کی مثال برف کی سلی جیسی ہے جو پگھلتی رہتی ہے۔ ارحموا علی من راس مالہ یذاب۔

الا الذين امنوا مؤمن خسارہ میں نہیں کیونکہ اس نے فانی کے بدلہ باقی چیز حاصل کر لی ہے۔

حق سے مراد ایمان ہے یا قرآن یا ہر خیر ہے۔ اور صبر کی تین صورتیں ہیں۔ ایک طاعت پر۔ دوسرے گناہوں سے صبر۔ تیسرے مصائب پر صبر کرنا۔ چونکہ بے صبری جزع و فزع معصیت ہے۔ اس لئے مفسر نے اس کو الگ شمار نہیں کیا۔ بلکہ دوسری قسم میں داخل کر رکھا ہے اور صبر اگرچہ حق میں داخل ہے۔ لیکن اہمیت کی وجہ سے اس کو الگ ذکر کیا۔ عطف خاص علی العام کے طور پر۔ یا کہا جائے کہ حق میں تو مرتبہ

عبادت ہے یعنی ایسے کام جن سے اللہ راضی ہو اور صبر میں مرتبہ عبودیت ہے۔ جس میں اللہ کے افعال سے بندہ راضی اور مطمئن رہتا ہے۔ کیونکہ صبر کا حاصل صرف اتنا ہی نہیں کہ خواہشات نفس کو روک دیا جائے۔ بلکہ افعال الہی کو دل سے قبول کر لینا بھی ہے۔ پس یہ آیت حق اللہ اور حق العبد کی جامع ہو گئی۔

رابط آیات:۔۔۔۔۔ سورۃ الفتحی میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں عمر کو بربادی سے بچانا اور اعمال و طاعات میں صرف کرنا بھی ہے۔ اس سورۃ عصر میں اسی کا بیان ہے اور بعض مفسرین مجاہد، قتادہ، مقاتل اگرچہ اس سورت کو مدنی کہتے ہیں لیکن مفسرین کی بڑی اکثریت اسے مکی مانتی ہے۔ اس کا مضمون بھی یہی بتلا رہا ہے کہ مکہ کے ابتدائی دور سے اس کا تعلق ہے۔ جب کہ مختصر بول اور دلنشین فقروں میں اسلامی افکار پیش کئے جاتے تھے۔ جو حافظوں میں مرتسم ہو کر زبان زد ہو جائیں وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات:۔۔۔۔۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ انسان سے مخصوص افراد مراد ہیں۔ جیسے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن المطلب اور بقول مقاتل ابولہب مراد ہے اور مرفوع روایات میں ابو جہل کا نام آیا ہے۔ ان کا کہنا یہ تھا۔ ان محمد لمی خسار اس کی تردید میں یہ آیات آئیں۔

﴿تشریح﴾:۔۔۔۔۔ والعصر زمانہ کی قسم کھائی جس میں خود انسان کی عمر بھی داخل ہے۔ جو کمالات اور سعادات حاصل کرنے کے لئے ایک متاع گراں مایہ ہے۔ زمانہ اور وقت ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ”گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں“ اسی کے لحاظ سے نعمتوں کی قدر و منزلت اور ان میں باہمی فرق مراتب رہتا ہے۔ کسی حکیم نے کیسی حکیمانہ بات کہی ہے۔ لذة الطعام ساعة ولذة السس يوما ولذة المرأة شهرا، ولذة الدار دھرا اگرچہ ہر بھی دنیا کی طرح ناپائیدار ہے۔ اصل دار القرار اور دار الخلد تو آخرت ہے۔

زمانہ کا ہے؟..... زمانہ کی حقیقت کیا ہے؟ عقلاء اور فلاسفہ میں اک معرکہ الآراء نزاعی بحث اس میں شروع ہو گئی ہے عام طور پر فلک الافداک کی مقدار حرکت کو زمانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہمارے بعض اکابر محققین کی رائے ہے کہ افعال الہی کی مقدار کا نام زمانہ ہے۔ کچھ بھی ہو اس کا جو حصہ سامنے سے ہٹ جاتا ہے۔ اسے ماضی اور جو ابھی سامنے نہیں آیا ہوتا اس کو استقبال کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان جو نامعلوم حصہ سامنے آتا ہے اس وقت کو حال کہتے ہیں۔ گویا ماضی و مستقبل تو موجود رہتے ہی نہیں۔ لیکن حال بھی برائے نام ہی موجود ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ مطلق زمانہ کی قسم کھائی گئی ہے۔ اس لئے دونوں طرح کے زمانے اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ گزرے ہوئے زمانہ کی قسم کھانے کے معنی یہ ہیں کہ انسانی تاریخ اس کی شاہد ہے کہ جو لوگ بھی ان خوبیوں سے خالی تھے جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں۔ وہ ٹوٹے میں رہے۔ ہم جو کچھ اچھا یا برا کام کرتے ہیں سب کچھ اسی محدود وقت میں ہوتا ہے جو دنیا میں ہمیں دیا گیا ہے۔ اگر غور کریں تو ہمیں نظر آئے گا کہ ہمارا اصل سرمایہ یعنی وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے۔

زندگی کی مثال برف جیسی ہے:۔۔۔۔۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں سورۃ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا۔ جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ اس شخص پر رحم کرو جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔ تب میری سمجھ میں والعصر ان الانسان لمی خسار کا مطلب آ گیا۔ واقعی عصر کی جو مدت انسان کو دی گئی وہ برف کی طرح تیزی سے پگھلتی جا رہی ہے۔ اس کو بے کار و برباد کرنا اور فضول کاموں میں لگا دینا یہی انسان کا خسارہ ہے۔ غرض ماضی کی قسم کھانے کا حاصل یہ

ہوا کہ تیز رفتور زمانہ بشارت دے رہا ہے کہ جو انسان ان خوبیوں سے محروم ہو کر وقت بتا رہا ہے وہ خسارہ میں ہے۔ ہاں! جو لوگ ان چاروں خوبیوں سے متصف ہیں ان کا وقت نفع بخش گزر رہا ہے۔ والعصر میں خاص زمانہ یعنی نماز عصر کا بھی وقت ہو سکتا ہے۔ جو کاروبار کی انتہائی مشغولیت کا ہوتا ہے۔ اور شرعی لحاظ سے بھی اس کی اہمیت بھی حدیث میں ہے۔ کہ جس کی نماز عصر چھوٹ گئی۔ گویا اس کا گھریا رلٹ گیا۔ یا پیغمبر اعظم کی رسالت عظمیٰ اور خلافت کبریٰ کا زمانہ مراد ہو۔ جس میں نور نبوت بڑی آب و تاب سے چمکا۔ ان خاص اوقات کی قسم کھائی گئی ہے۔ انسان کا لفظ یہاں اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ جس کا اطلاق، افراد، گروہ، قوم پوری نوع انسانی پر یکساں ہوگا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے کہ ہر انسان کے لئے مہلک ہے۔ یعنی خواہ اس کو ایک فرد کھائے یا پوری قوم یا ساری دنیا کے انسان مل کر زہر کھائیں۔ زہر بہر حال مہلک ہے۔ اس کی یہ خاصیت اپنی جگہ اٹل ہے۔ اسی طرح کہا جائے گا کہ جس انسان میں یہ چار باتیں نہ ہوں وہ فی الواقع خسارہ میں ہے۔ اس کلی ضابطہ میں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ کوئی ان صفات سے خالی ہو۔ یا کسی قوم کے افراد یا دنیا بھر کے انسانوں نے کفر، بد عملی اور ایک دوسرے کو باطل پر آمادہ کرنے اور بے صبری کی تلقین کرنے پر اتفاق کر لیا ہے

زندگی کا نفع نقصان :..... بلحاظ لغت اگرچہ خسران نفع کے مقابلہ میں آتا ہے جو کاروباری اصطلاح ہے۔ لیکن قرآن کی اصطلاح میں خسران فلاح کی ضد ہے۔ پس جیسے فلاح میں صرف دنیاوی کامیابی ملحوظ نہیں بلکہ فلاح کا تصور عام ہے۔ دنیاوی اور دینی کامیابی۔ اسی طرح خسران کا مفہوم بھی عام ہی ہوگا۔ یعنی دونوں جہاں کی ناکامی لہذا جو انسان ان چاروں صفات سے خالی ہوگا وہی حقیقی خسران میں ہے۔ اس سے بڑھ کر ٹوٹا کیا ہوگا کہ برف بیچنے والے کی طرح اس کی تجارت کا راس المال جسے عمر عزیز کہتے ہیں۔ دم بدم کم ہوتا جا رہا ہے۔ اس رواروی میں اگر کوئی ایسا کام نہ کر لیا۔ جس سے عمر رفتہ ٹھکانے لگ جائے۔ بلکہ ایک ابدی اور غیر فانی متاع بن کر ہمیشہ کے لئے کارآمد بن جائے۔ تو پھر خسارہ کی کوئی انتہا نہیں۔ تاریخ کے جھروکہ میں دیکھئے کہ جن لوگوں نے انجام نبی سے کام نہیں لیا اور وقت کے تقاضا سے بے پرواہ ہو کر محض خیالی لذتوں میں وقت گزار دیا وہ آخر کس طرح ناکام و نامراد ہوئے۔ اس لئے انسان کو وقت کی قدر و قیمت پہچانی چاہئے اور عمر عزیز کو فضولیات میں برباد نہیں کرنا چاہئے۔ خوش نصیب اور اقبال مند انسان وہی ہے جو اس عمر فانی اور ناکارہ زندگی کو باقی اور کارآمد بنانے کے لئے سعی میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

زندگی کو خسران سے بچانے کے لئے چار باتیں ضروری ہیں :..... الا الذین امنوا انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔

(۱) اللہ و رسول پر ایمان لانا اور ان وعدوں پر یقین رکھنا اور ہدایت و احکام کو ماننا جو دین و دنیا سے متعلق ہوں۔  
(۲) اس یقین کا اثر قلب و دماغ تک محدود نہ رہے۔ بلکہ اعضاء میں بھی ظاہر ہونا چاہئے۔ اس طرح کہ اس کی عملی زندگی اس کے ایمان قلبی کا آئینہ ہو جائے۔

(۳) محض اپنی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے۔ بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ دو مسلمان جب آپس میں ملیں تو ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔

(۴) ہر ایک دوسرے کو یہ نصیحت و وصیت کرتا رہے۔ کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی اور قومی اصطلاح کے سلسلہ میں جس قدر سختیاں، دشواریاں پیش آئیں۔ پورے صبر و استقامت سے برداشت کریں۔ ہر گز نیکی کے راستہ سے قدم ڈگمگانے نہ پائیں۔ جو انسان ان چار اوصاف کے جامع ہوں گے اور اپنے ساتھ دوسروں کی بھی تکمیل کریں گے۔ ان کا نام صفات عالم پر زندہ و جاوید رہے گا۔ اور جو آثار و دنیا سے جائیں گے وہ باقیات صالحات بن کر ہمیشہ ان کے اجر و ثواب کو بڑھاتے رہیں گے۔

ایمانیات: ... ایمان کا تعلق تین چیزوں سے ہے: (۱) اللہ پر ایمان لانا (۲) پیغمبر پر ایمان لانا (۳) آخرت پر ایمان لانا۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ذات و صفات و افعال میں نہ صرف یہ کہ اس کو ایک تسلیم کرنا۔ اس کی مکمل طور پر فرمانبرداری کا عہد کرنا۔ اور پیغمبر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو تعلیمات الہی سمجھنا اور اس کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھنا اس میں سب پیغمبر اور تعلیمات آئیں۔ وہ سب اپنے اپنے وقت میں برحق تھے۔ اب آخری طور پر ہدایت آپ کی پیروی میں مضمر ہے۔ اسی طرح آخرت ماننے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اور جس طرح زندگی گزاری ہے اس کا پورا حساب و کتاب اللہ کو دینا ہے اور ان کے مطابق ہمیشہ کی زندگی گزارنا یہ ایمان، اخلاق و کردار کے لئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جس پر ایک پاکیزہ زندگی کی عمارت قائم ہو سکتی ہے۔ ورنہ جہاں سرے سے یہ ایمان ہی موجود نہ ہو وہاں انسان کی زندگی خواہ کتنی ہی خوشنما کیوں نہ ہو۔ اس کا حال ایک بے لنگر جہاز کا سا ہوتا ہے جو موجوں کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے اور کہیں قرار نہیں پکڑ سکتا۔

اعمال صالحہ: ... ایمان کے بعد دوسرے درجہ کی چیز صالح اعمال ہیں۔ جن کا وزن ایمان کے بغیر کچھ نہیں۔ عمل صالح اگر ایک ڈھانچہ ہے تو ایمان اس کی جان اور روح ہے۔ لیکن سچا ایمان وہی ہے جس کے ساتھ صالح اعمال ہوں۔ شجر ایمان اسی وقت بار آور ہو سکتا ہے جب اس پر اعمال کے پھول، پتے، ڈالیاں اور شاخیں ہوں، ایمان و عمل صالح کی ان دوامی خوبیوں کے علاوہ خسارہ سے بچنے کے لئے دو وصف اور بھی ناگزیر ہیں۔ ایک یہ کہ ہر ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتا رہے۔ دوسرے یہ کہ آپس میں صبر کی تلقین کی جائے۔ یعنی انسان خود بھی ایمان و نیکی سے آراستہ ہو اور اپنے ماحول اور معاشرہ کو بھی نیک اور ایک بنانے کی کوشش کرے۔ وہ اپنے کو الگ تھلگ فرد نہ سمجھے۔ بلکہ معاشرہ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ہر فرد کو اپنے جیسا بنانے کی ذمہ داری قبول کر لے۔ حق کی پیروی اور حمایت میں جو مشکلات پیش آئیں اور جن نقصانات اور محرومیوں سے سابقہ پڑے ان پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرے۔ ایک دوسرے کی ہمت اور ڈھارس بندھائے۔ یہ چھوٹی سی سورت فی الحقیقت سارے دین و حکمت کا انچوڑ ہے۔ امام شافعی نے صحیح فرمایا کہ اگر قرآن میں صرف یہی ایک سورت نازل کر دی جاتی تب بھی کافی تھی۔ بقول عبد اللہ بن حصن دارمی بزرگان سلف میں یعنی صحابہ میں جب دو آپس میں ملتے تھے۔ تو جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورت سنایا کرتے تھے۔

خلاصہ کلام: ... یہ سورت مختصر اور جامع کلام کا ایک بے نظیر نمونہ ہے۔ گویا سمندر کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ چند جچے تلے جملوں میں دونوں طریقہ سے بتا دیا گیا ہے۔ کہ انسان کی فلاح و بہبود کا راستہ کون سا ہے؟ اور اس کی تباہی و بربادی کی راہ کون سی ہے؟ جو شخص ان چار بنیادوں کو استوار کر لے وہ کامیاب اور فلاح یاب ہے۔ لیکن اس کے سوا دوسرا راستہ خسارہ اور ٹوٹے کا ہے۔

فضائل سورت: ... من قرأ سورة العصر غفر الله له و كان ممن توابوا بالحق و توابوا بالصبر جو شخص سورۃ عصر پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور وہ حق کی نصیحت کرنے والوں اور صبر کی تلقین کرنے والوں میں شمار ہوگا۔

لطائف سلوک: ... والعصر اس میں وقت کو نعمت اور غنیمت سمجھنے پر تنبیہ ہے۔ چنانچہ اہل اللہ اس راز کو سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں کمالات حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ جس کا ذکر الا الذین الخ میں کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس تکمیل کی فکر میں پڑے رہتے ہیں۔ جس کا ذکر توابوا الخ میں کیا گیا ہے۔

## سُورَةُ الْهُمَزَةِ

سُورَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ تِسْعُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَيْلٌ كُلِّمَةُ عَذَابٍ أَوْ وَاِدٍ فِي جَهَنَّمَ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴿١﴾ اَي كَثِيرُ الْهُمَزِ وَاللُّمَزِ اَي الْغِيْبَةِ نَزَلَتْ فِي مَنْ كَانَ يَغْتَابُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِينَ كَأُمِّيَّةَ بْنِ خَلْفٍ وَالْوَلِيدُ بْنُ مُغِيرَةَ وَغَيْرَهُمَا رَالَّذِي جَمَعَ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ مَالًا وَعَدَدَةً ﴿٢﴾ أَحْصَاهُ وَجَعَلَهُ عَدَّةً لِحَوَادِثِ الدَّهْرِ يَحْسَبُ لِجَهْلِهِ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ﴿٣﴾ جَعَلَهُ حَالِدًا لَا يَمُوتُ كَلَّا رِدْعٌ لِيَنْبَذَنَّ جَوَابُ قَسَمٍ مَحْذُوفٍ اَي لِيُطْرَحَنَّ فِي الْحُطْمَةِ ﴿٤﴾ الَّتِي تَحْطِمُ كُلُّ مَا أَلْقَى فِيهَا وَمَا أَذْرَبْتَ أَعْلَمَكَ مَا الْحُطْمَةُ ﴿٥﴾ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ﴿٦﴾ الْمُعَسَّرَ الَّتِي تَطْلُعُ تَشْرِيفٌ عَلَى الْآفِئِدَةِ ﴿٧﴾ الْقُلُوبُ فَتُحْرِقُهَا وَالْمُهْمَا أَشَدُّ مِنْ أَلَمٍ غَيْرِهَا لِلطُّفْهِهَا إِنَّهَا عَلَيْهِمْ جَمَعَ الضَّمِيرَ رِعَايَةً لِمَعْنَى كُلِّ مُؤَصَّدَةٍ ﴿٨﴾ بِالْهُمَزَةِ وَبِالْوَاوِ بَدَلَهُ مُطَبَقَةً فِي عَمَدٍ بِضَمِّ الْحَرْفَيْنِ وَبِفَتْحِهِمَا مُمَدَّدَةً ﴿٩﴾ صِفَةً لِمَا قَبْلَهُ فَتَكُونُ النَّارُ دَاخِلَةَ الْعَمَدِ

سورۃ ہمزہ مکہ ہے یا مدنیہ ہے اس میں نو آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: ..... بڑی تباہی ہے (کلمہ عذاب ہے یا دوزخ کے کسی میدان کا نام ہے) ہر اس شخص کے لئے جو پیٹھ پیچھے برائیاں کرنے والا اور منہ در منہ لوگوں پر طعن کرنے والا ہو (یعنی بہت زیادہ عیب جوئی اور نکتہ چینی یعنی غیبت کرنے والا ہو یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ جیسے امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ وغیرہ) جس نے جمع کیا (اس کی قرأت تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح ہے) مال اور اسے گن گن کر رکھا (شمار کیا اور ضرورت کے وقت کام آنے کے لئے محفوظ رکھ چھوڑا) وہ (اپنی حماقت سے) سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا (مال اسے سدا رہنے والا بنادے گا۔ اور وہ مرے گا نہیں) ہرگز (ڈانٹ ہے) وہ پھینک دیا جائے گا (قسم محذوف کا جواب ہے۔ اسی لبطرحس) چکنا چور کر دینے واں جگہ میں (ایسی جگہ جہاں جو چیز گرے۔ وہ ٹوٹ پھوٹ جائے) اور آپ کو کچھ پتہ (علم) ہے کہ توڑ پھوڑ کر دینے والی کیا چیز ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو خوب بھڑکائی گئی (دکٹی ہوئی) ہے جو دلوں تک جا پہنچے (سلگ جائے) گی (دلوں کو بھسم کر ڈالے گی۔ دل چونکہ نرم و نازک چیز ہے اس لئے اس میں تکلیف کا احساس سب اعضاء سے زیادہ ہوا کرتا ہے) وہ ان پر (ضمیر جمع لفظ کل کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے ہے)..... ڈھانک کر بند کر دی جائے گی (ہمزہ کے ساتھ اور ہمزہ کے بدلہ واؤ کے ساتھ بمعنی مطبقة) ستونوں میں (دونوں حرفوں کے ضمہ اور فتح کے ساتھ ہے) جواو نچے او نچے ہیں (یہ پہلے کی صفت ہے چنانچہ وہ آگ ستونوں کے اندر ہوگی)۔

**تحقیق و ترکیب:** ..... مکہ مفسر اس کو مختلف فرماتے ہیں۔ لیکن قاضی صرف کی مانتے ہیں۔ وبل کلمہ عذاب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ناگواری اور غصہ کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ همزة لمزة قاموس میں ہے کہ ہمزہ ہمزہ بمعنی غماز اور لمزہ عیب جو کہتے ہیں یا وہ شخص جو رو برو طعن زن ہو۔ اور ہمزہ نسبت کرنے والا۔ ہمزہ اور ہزم کے معنی توڑنے کے، لمز اور لمز کے معنی طعن کے ہیں اور فعلیہ کا وزن عادت پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ ضحکہ اور لہجہ اس شخص کو کہیں گے۔ جس کی عادت ہنسی مذاق کھیل تفریح کی ہو اور ایک قرأت همزة لمزة سکون کے ساتھ ہے مفعول کا صیغہ، مسخرہ کے معنی ہوں گے۔ بقول مقاتل، امیہ، ولید، انفس بن شریق کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

**جمع مسالا:** جمع اکثر قراء کے نزدیک تخفیف کے ساتھ اور ابن عامر، حمزہ، کسائی کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ ترکیب میں لفظ کل سے بدل ہے یا مذمت کے طور پر منصوب یا مرفوع ہے۔

عددہ مفسر نے دو تفسیروں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک بار بار گننا۔ دوسرے بحفاظت رکھنا۔

بحسب جملہ مستفقہ ہے، سوال کا جواب ہے ای ما بالہ یجمع المال ویہتم بہ؟ اور جمع کے فاعل سے حال بھی ہو سکتا ہے۔ اخلاص ماضی ہے مگر وہ مضارع کے معنی میں ہے۔ ای یطعن لجهله ان ماله یحلده اس جملہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ماں کی محبت میں موت ہی سے غافل ہو گیا یا مال کی وجہ سے لمبی امید کرنا مراد ہے۔ کہ گویا ہمیشہ دنیا ہی میں بیٹھا رہے گا۔ اس میں اس طرف تعریض ہیں کہ حیات ابدی کا حقیقی سبب آخرت کی فکر میں لگ جانا ہے۔ نہ کہ دنیا کہ بکھیروں میں پڑنا۔

الحطمة توڑ پھوڑ کر دینے والی چیز۔

نار اللہ ظاہر ہے کہ اللہ کی آگ اللہ کے سوا کون بجھا سکتا ہے۔

علی الافئدة دل جس طرح نظام بدن کا مرکزی مقام ہے۔ اس کی تکلیف سے تمام بدن متاثر ہوتا ہے۔ اس طرح عقائد و اعمال کی جڑ بنیاد بھی ہے۔ اسی لئے آگ کا براہ راست دل کو نشانہ بنایا جائے گا۔ مؤصدة۔ او صدت الباب دروازہ بند کر دیا۔ ابو عمر، حمزہ، حفص کے ہمزہ کے ساتھ اور دوسرے قراء کے نزدیک واو کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ممدۃ ای موثقیس فی اعمدة ممدودة جیسے چوروں کو ستونوں کے ساتھ باندھ دیا جاتا ہے۔ حفص کے علاوہ قراء کوفہ نے عین اور میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

**رابط آیات:** .. سورۃ الفضحیٰ میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں سے عذاب میں مبتلا ہونے کی خصلتوں سے بچنا بھی ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ اور مضمون یہ بتلا رہا ہے کہ یہ سورت مکی ہی ہوگی اور بالکل ابتدائی دور کی۔ اور وجہ تسمیہ بالکل واضح ہے۔

﴿تشریح﴾: ..... همزة لمزة یہ دونوں لفظ اتنے قریب المعنیٰ ہیں کہ کبھی یہ دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی فرق کے ساتھ اور فرق بھی ایسا کہ بعض حضرات جو مفہوم همزة کا بیان کرتے ہیں۔ دوسرے حضرات وہی مفہوم لمزة کا بیان کرتے ہیں اور بعض حضرات اس کا برعکس بتلاتے ہیں۔ اور چونکہ دونوں لفظ ایک ساتھ آئے ہیں۔

**بد خصلت انسان کے لئے تباہی ہے:** ..... اس لئے دونوں کا مفہوم مل کر یہ ہوگا کہ اس شخص کی عادت ہی یہ ہوگئی ہے کہ دوسروں پر طعن و تشنیع کرتا ہے۔ کسی کی ذات میں کیڑے نکالتا ہے۔ کسی پر انگلیاں اٹھاتا ہے۔ کسی پر منہ درمنہ چوٹیں کرتا ہے۔ آنکھیں منکاتا ہے۔ کسی کے پیٹھ پیچھے برائیاں کرتا ہے۔ چغلیاں کر کے لگائی بھائی کرتا ہے۔ کہیں بھائیوں میں نفرت کے بیج بوکر لڑاتا اور پھوٹ ڈالتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اپنی خبر نہیں لیتا۔ اور دوسروں کے واقعی غیر واقعی عیوب بیان کر کے تحقیر و تذلیل کرتا رہتا ہے۔ الذی جمع مالا یعنی اس میں طعنہ زنی، عیب جوئی کی بری خصلتیں تکبر کی وجہ سے پیدا ہوئیں اور کبر کا سبب مال و دولت کی فراوانی ہے۔ جس کے لالچ میں ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور روپیہ پیسہ کی پرستش کا یہ حال ہے کہ اسے گن گن کر اور سنبھال کر



رکھتا ہے۔ چھڑی چلی جائے پر دمڑی پر آنچ نہ آئے۔ گویا کنجوسی اور لالچ کی تصویر بنا رہتا ہے۔ بخل کے مارے پیسہ پیسہ کو گن گن کر رکھتا ہے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے۔ یا نکل کر بھاگ نہ جائے۔ زر پرست آدمی کو پیسہ جوڑنے کے ساتھ اس کے گننے میں بھی مزہ آتا ہے۔ مال سدا ساتھ نہیں رہتا:..... واخلفہ یعنی اس کے طرز عمل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا نہ مال اس سے کبھی جدا نہ ہوگا۔ اسی کے صدا کام آتا رہے گا۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ مال کو یہ سمجھتا ہے کہ وہ اسے حیات جاودانی بخشے گا۔ غرضیکہ اسے کبھی بھولے سے بھی یہ دھیان نہیں آتا کہ ایک وقت یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کو خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہو جانا پڑے گا اور چوروں ڈاکوؤں کو اللہ ہدایت دے۔ وہ تو ذرا سی دیر میں مال کا سارا نشہ ہرن کر دیتے ہیں۔ کلا لیبذل یعنی اس کا یہ خیال سراسر غلط ہے۔ کیونکہ یہ مال کسی کے ساتھ قبر تک نہیں جاتا۔ چہ جائیکہ اگلے مراحل میں کام آئے۔ سب دولت یونہی پڑی رہ جائے گی اور اس بد بخت کو اٹھ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ حطم کے معنی توڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے ہیں۔ یعنی دوزخ اس کا ڈھانچہ توڑ پھوڑ کر رکھ دے گی۔

خدائی آگ:..... نار اللہ دوزخ بندوں کی آگ نہیں بلکہ اللہ کی سلگائی ہوئی ہے۔ پھر اس کی حدت و شدت کا کیا پوچھنا۔ براہ راست دلوں پر اس کی زد ہوگی۔ جو کفر و فسق کا محل ہے اور دل جل کر کباب ہو جائیں گے پر موت پھر بھی نہیں آئے گی۔ بدلنا ہم جلو دا غیرھا اسی لئے دوزخی بے تاب ہو کر آرزو کریں گے۔ کہ کاش موت آکر ہی اس مصیبت کا خاتمہ کر دے۔ افندۃ فؤاد کی جمع ہے جس کے معنی دل کے ہیں۔ تاہم یہ لفظ اس عضو کے لئے استعمال نہیں ہوتا جو سینہ کے اندر دھڑکتا ہے۔ بلکہ انسان کے شعور و ادراک اور جذبات و خواہشات عقائد و افکار میں اور ارادے جہاں پیدا ہوتے ہیں وہ مقام مراد ہے پس یہ آگ اس مرکز تک پہنچے گی جہاں برے خیالات، فساد عقائد، ناپاک خواہشات و جذبات خبیث نیتیں، برے ارادے تھے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ایک مجرم کے دل تک پہنچے کے اس کے جرم کی نوعیت معلوم کر کے ہر ایک کو اس کے استحقاق کے مطابق عذاب دے گی۔ دنیا کی آگ کی طرح اندھی نہیں ہوگی کہ مستحق غیر مستحق سب کو جلادے۔ مؤصدة کافروں کو دوزخ میں ڈال کر دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ نکلنے کا راستہ تو کیا کوئی جھری تک نہ رہے گی۔ ہمیشہ اس میں پڑے جلتے رہیں گے۔ **ہی حمد ممدۃ بقول ابن عباس** آگ کے لمبے لمبے ستون ہوں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ دوزخیوں کو لمبے ستونوں سے باندھ کر خوب جکڑ دیا جائے گا۔ تاکہ بے بس ہو کر رہ جائیں اور ذرا حرکت نہ کر سکیں کہ اس سے عذاب میں تخفیف ہو سکے یا یہ مطلب ہے کہ لمبے ستون ڈال کر دوزخ کے منہ کو بند کر دیا جائے گا۔

خلاصہ کلام:..... اس سورت میں اخلاقی برائیوں پر گرفت کی گئی ہے جن سے عرب جاہلیت کا معاشرہ بگڑا ہوا تھا اور وہ گھن کی طرح ساری قوم کو چاٹ رہی تھیں۔ ان کے اس گھناؤنے کردار کو پیش کر کے یہ بتلایا گیا ہے کہ آخرت میں ایسے بد کرداروں کا کیا انجام ہوگا؟ اور اس کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ سننے والا خود سمجھ لے کہ ایسے لوگوں کا انجام بھی بھیانک ہونا چاہیئے۔ اور دنیا میں چونکہ بسا اوقات اس قماش کے لوگوں کو کوئی سزا نہیں ملتی۔ بلکہ وہ پھلتے پھولتے ہی نظر آتے ہیں۔ اس لئے آخرت کا ہونا ناگزیر ہے۔ وہاں نہ یہ مال و منال کام آئے گا۔ اور نہ دوسرے کی عیب جوئی اور اترام تراشی بلکہ دوزخ کی بے پناہ آگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو اسے توڑ پھوڑ کر جسم کر ڈالے گی۔

فضائل سورت:..... من قرء سورۃ الہمزۃ اعطاه اللہ عشر حسنات بعدد من استہرء بمحمد واصحابہ جو شخص سورہ ہمزہ پڑھے گا اللہ اسے اتنا ثواب عطا فرمائے گا۔ جو حضور و صحابہ کا مذاق اڑانے والوں کے دس گن زیادہ ہوگا۔

لطائف سلوک:..... الذی جمع مالا وعددہ اس میں مال کی محبت و شغف کی ندامت ہے۔ جس کے آثار میں سے بار بار گن گن کر رکھنا ہے۔

## سُورَةُ الْفِيلِ

سُورَةُ الْفِيلِ مَكِّيَّةٌ خَمْسُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَلَمْ تَرَ اِسْتَفْهَامُ تَعْجِيبُ اَيُّ اِعْجَبُ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيلِ ﴿۱﴾ هُوَ مَحْمُودٌ اَضْحَاهُ  
اِبْرَهَةَ مَلِكُ الْيَمَنِ وَجَيْشُهُ بَنَى بِصُعَاءَ كَنِيسَةً لِيُصْرِفَ اِلَيْهَا الْحَاجَّ مِنْ مَكَّةَ فَاخَذَتْ رَجُلٌ مِّنْ كَثَّةٍ  
فِيهَا وَلَطَحَ قِبَلَتَهَا بِالْعَدْرَةِ اِحْتِقَارًا بِهَا فَحَلَفَ اِبْرَهَةَ لِيَهْدِيَ مِّنَ الْكَعْبَةِ فَحَاءَ مَكَّةَ بِجَيْشِهِ عَلَى اَفْيَالٍ  
مُقَدَّمُهَا مَحْمُودٌ فَحِينَ تَوَجَّهُوا اِلَهِدَمِ الْكَعْبَةَ ارْسَلَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَّقَصَّةً فِي قَوْلِهِ اَلَمْ يَجْعَلْ اَيُّ جَعَلَ  
كَيْدَهُمْ فِي هَدْمِ الْكَعْبَةِ فِي تَضْلِيلٍ ﴿۲﴾ خَسَارٌ وَهَلَاكٌ وَّارْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيلَ ﴿۳﴾ حَمَاطَاتُ  
قِيلَ لَا وَاَحَدَلَهُ وَقِيلَ وَاَحَدَةُ اِبُولُ اَوْ اِبَالٌ اَوْ اَيْتِلُ كَعْبُحُولٌ وَمِفْتَاحٌ وَسَكِينٌ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ  
سَجِيلٍ ﴿۴﴾ طَيْرٌ مَطْبُوحٌ فَجَعَلَهُمْ كَعَصِفٍ مَّا كُولٍ ﴿۵﴾ كَوْرَقِ زَرْعٍ اَكَلَتْهُ الدَّوَابُّ وَدَاسَتْهُ وَاَفْتَتْهُ اَيُّ  
اهْلَكَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى كُلٌّ وَاَحَدٌ بِحَجَرِهِ الْمَكْتُوبِ عَلَيْهِ اِسْمُهُ وَهُوَ اَكْبَرُ مِنَ الْعَدَسَةِ وَاَصْغَرُ مِنَ الْحَمْصَةِ  
يَحْرُقُ الْبَيْضَةَ وَالرَّجُلَ وَالْفِيلَ وَيَصِلُ اِلَى الْاَرْضِ وَكَانَ هَذَا عَامَ مَوْلِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
سورة فیل مکہ ہے جس میں پانچ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: کیا آپ کو معلوم نہیں (استفہام تعجب کے لئے ہے یعنی آپ کو تعجب ہوگا) کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا؟ (ہاتھی کا نام محمود اور ہاتھی والا ابرہہ نامی یمن کا راجہ تھا۔ اس کے فوجیوں نے صنعاء شہر میں ایک گرجا بنایا تھا۔ تاکہ مکہ کے لوگ بھی - کرا اس کا حج کریں۔ بنو کنانہ کے ایک شخص نے آکر اس میں پاخانہ کر دیا۔ پھر اس نئے کعبہ کی توہین کے لئے اس پر پاخانہ لگا بھی دیا۔ اس پر ابرہہ نے قسم کھائی کہ وہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ چنانچہ اپنے لشکر سمیت ہاتھیوں کو لے کر مکہ پر چڑھائی کر دی۔ آگے گئے محمود ہاتھی تھا۔ کعبہ اللہ پر حملہ کی تیاری کر رہے تھے کہ اللہ نے ان پر اپنی فوج بھیج دی۔ جس کا واقعہ آگے ہے) کیا (کعبہ ڈھانے کی) ان کی تدبیر کو ہم نے اکارت نہیں کر دیا (تباہ و برباد کر دیا ہے) اور ان پر غول کے غول پرندے بھیج دیے (جھنڈ کے جھنڈ اور بعض کی رائے ہے کہ لفظ ابابیل کا کوئی مفرد نہیں ہے۔ اور بعض اس کو ابول، ابال، ابیل کی جمع مانتے ہیں۔ جیسے غول کی بجائیل اور مفتاح کی جمع مفتاح اور مسکین کی جمع مساکین آتی ہے) جو ان پر کنکر کی پتھریاں پھینک رہے تھے (جو مٹی کی مگر آگ پر پکی ہوئی اینٹیں) سو اللہ نے ان کا حال کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح کر کے رکھ دیا (جیسے کھیت کا چارہ جس کو جانور کھا کر چھوڑ دیں، روند ڈالیں، چورا چورا

کردیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔ ان پتھریوں کے ذریعہ جن پر ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جو سور سے بڑی اور چنے سے چھوٹی تھیں۔ وہ سر پر رکھی گئیں، خود اور سوار ہاتھی کو چیرتی ہوئی نکل کر زمین پر گرتی تھی۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سال ہوا ہے۔

**تحقیق و ترکیب:** ..... الم قر ایک قرأت سکون را کے ساتھ بھی ہے۔ جزم کی زیادہ اظہار کے لئے اگر روایت قلبیہ مراد ہے اور مخاطب خاص حضور ہوں تب تو کوئی اشکال نہیں۔ اسی طرح اگر مخاطب عام ہو اور روایت خواہ قلبیہ ہو یا روایت بصریہ تب بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔ لیکن اگر روایت بصریہ مراد لی جائے اور خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو تو پھر یہ اشکال ہوگا کہ واقعہ فیل حضور کی ولادت سے پچاس دن پہلے پیش آچکا ہے۔ پھر آپ کے دیکھنے کی کیا صورت ہے؟ جواب یہ ہے کہ قریبی زمانہ کی وجہ سے ابھی تک اس کے اثرات چونکہ موجود تھے۔ نیز تواتر کی حد تک اس کے دیکھنے اور نقل کرنے والے موجود تھے۔ اس لئے وہ بھی گویا آپ کا دیکھنا ہی ہوا۔

**کیف فعل کا معمول ہے الم تو کا معمول نہیں ہے، معنی استغبار ہونے کی وجہ سے۔**

**باصحاب الفیل** دراصل یہودی فرمانروا ذونواس نے ایک زمانہ میں عیسائیوں پر سخت مظالم کئے تھے۔ جن کا بدلہ چکانے کے لئے حبشی بادشاہ عیسائی نے یمن پر حملہ کر کے حمیری سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کا رروائی میں قسطنطنیہ کی رومی سلطنت بھی حبشہ کے ساتھ تھی۔ حبشہ نے اگرچہ اپنی ستر ہزار فوج لانا تاری۔ مگر پھر بھی رومی بحری بیڑا کی مدد سے ایسا کیا جاسکا۔ یہ سب کچھ محض کسی مذہبی جذبہ کے تحت نہیں ہوا۔ بلکہ اس میں سیاسی اور معاشرتی اغراض بھی کار فرما تھیں۔ چنانچہ روما کی سلطنت جب مصر و شام پر قابض ہوئیں تو انہوں نے عربوں کی صدیوں پرانی تجارتی منڈیوں پر بھی قبضہ کرنا چاہا جو مشرقی افریقہ، ہندوستانی، انڈونیشیا اور محض رومی مقبوضات میں پھیلی ہوئی تھیں لیکن عرب کے جغرافیائی شکلی حالات نے اس نیل کو منڈھے چڑھنے نہیں دیا۔ تا آنکہ رومی اپنا جنگی بیڑا بحر احمر میں لے آئے اس سے عربوں کی تجارت ختم ہو کر رہ گئی جو وہ بحری راستے سے کیا کرتے تھے البتہ خشکی کا راستہ اب بھی تھا اس سے عربوں کی کچھ تجارت رہ گئی تھی۔ مگر رومی سلطنت نے ان کی بری تجارت کو مفلوج کرنے کے لئے حبشی عیسائی سلطنت سے ساز باز کر لی اور انہیں یمن پر قابض کر دیا۔ یمن پر حبشی فوج کشی ہوئی اس کی کمان دو کرنیل جرنیل کر رہے تھے۔ ایک ابرہہ اور دوسرا اریاط۔ مگر کسی بات پر ان دونوں میں باہم مذہبیڑ ہو گئی۔ جس میں اریاط مارا گیا اور ابرہہ فوج پر قابض ہو گیا اور اس نے شاہ حبشہ کو اس پر راضی کر لیا کہ وہ اسی کو یمن پر اپنا نائب مقرر کر دے۔ اس طرح رفتہ رفتہ اس کا اثر و رسوخ بڑھتا چلا گیا اور وہ خود کو یمن کا خود مختار بادشاہ کہنے لگا۔ برائے نام بادشاہ کی بالادستی ہو گئی۔ یمن میں اقتدار مضبوط کرنے کے بعد اس نے اسی منصوبہ کو رو بہ عمل لانا شروع کر دیا۔ جو رومی سلطنت اور حبشی عیسائیوں کے پیش نظر تھا۔ چنانچہ جہاں ایک طرف وہ عیسائیت کو پھیلا رہا تھا وہیں دوسری طرف عربوں کی تجارت پر قابض ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی سلسلہ میں اس نے دار السلطنت صنعاء میں اقلیس یا اقلیس نام کعبہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ یونانی لفظ معرب کر لیا گیا ہے۔ اردو میں کلیسا اسی سے ماخوذ ہے یمن پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں کی مسلسل یہ کوشش رہی ہے کہ کعبہ کے مقابلہ میں ایک دوسرا کعبہ بنا کر عرب میں اس کی مرکزیت قائم کر دیں۔ نجران میں بھی انہوں نے ایک کعبہ کی بناء ڈالی تھی۔ اب ابرہہ نے اصحٰمہ شاہ حبشہ کو لکھا کہ میں عربوں کا حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہیں رہوں گا۔

چنانچہ یمن میں بھی اس کی منادی کرادی جس سے اس کا مقصد عربوں کو غضب ناک بنا کر مکہ پر حملہ کرنے کا موقع فراہم کرانا تھا۔ اور یہ کہ کعبہ کو منہدم کرنے کا اسے بہانہ ہاتھ آجائے۔ چنانچہ بقول محمد بن اسحاق اس اعلان پر قبیلہ کنانہ کے ایک آدمی نے اس کلیسا میں جا کر پاخانہ کر دیا۔

ابن کثیر اس کو ایک قریشی کی حرکت بتلاتے ہیں۔ اور مقاتل بن سلیمان کے مطابق کسی قریشی نے کلیس میں گگ لگادی اور واقعہ یہ ہے کہ اس اشتعال انگیز اعلان کے بعد عربوں کا غضب ناک ہو جانا قابلِ تعجب نہیں اور عجب نہیں کہ خود ابرہہ نے اپنے کسی آدمی سے خفیہ طور پر یہ حرکت کرا دی ہو۔ تاکہ مکہ پر اسے چڑھائی کا بہانہ ہاتھ آجائے۔ اور وہ اس طرح عربوں کا کس بس نکال دے۔ جب اسے پتہ لگا کہ اس کے کلیسا کی یہ درگت ہوئی تو اس نے کعبۃ اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی قسم کھائی چنانچہ ۵۷ھ میں ساٹھ ہزار فوج اور نو یا تیرہ ہاتھی لے کر وہ اس مہم پر روانہ ہوا۔ راستہ میں کچھ عرب سرداروں سے اس کی مڈ بھڑ ہو گئی۔ مگر بالآخر انہیں شکست دے کر آگے بڑھا۔ طائف کے نزدیک پہنچا تو بنی ثقیف کو خطرہ ہوا کہ کہیں وہ ان کے ولایت کے مندر مسمار نہ کر دے۔ اس لئے مسعود نامی سردار ایک وفد کے ساتھ ابرہہ سے ملا اور اس سے کہا جس کعبہ کے ڈھانے کا ارادہ ہے وہ یہ ہمارا بت کدہ نہیں ہے۔ وہ تو مکہ میں ہے۔ اس لئے آپ ہمارے مندر کو چھوڑ دیں۔ ہم آپ کے لئے کچھ زاد راہ پیش کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ ابرہہ نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ بنی ثقیف نے ابورغال نامی ایک شخص کو بھی رہنمائی کے لئے ہمراہ کر دیا۔ لیکن مکہ جب تین کوس رہ گیا تو ابورغال اس مقام پر پہنچ کر مر گیا۔ مدقوں عرب بنی ثقیف کو طعنے دیتے رہے اور ابورغال کی قبر پر پتھر مارتے رہے کہ انہوں نے لات کے مندر کو بچانے کے لئے بیت اللہ پر حملہ میں مدد دی تھی۔

محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق پھر ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا اور اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لئے۔ جن میں عبدالمطلب کے بھی دو سوانٹ تھے۔ اور اپنے ایلچی کے ذریعہ اہل مکہ کو پیغام بھجوایا کہ میرا ارادہ تم سے لڑنے کا نہیں۔ صرف کعبہ کو ڈھانے آیا ہوں۔ اگر تم مزاحم نہ ہوئے تو میں بھی کسی جان و مال سے تعرض نہیں کروں گا۔ اور ایلچی کو ہدایت کر دی کہ اگر وہ لوگ بات کرنا چاہیں تو ان کے سردار کو میرے پاس لے آنا۔ اس وقت عبدالمطلب سب سے بڑے سردار تھے ایلچی نے ان سے مل کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا اور کہا آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں۔ چنانچہ وہ ایلچی کے ساتھ ہوئے۔ عبدالمطلب اس درجہ وجہ اور شاندار شخص تھے کہ ابرہہ دیکھتے ہی اپنے تخت سے اتر گیا اور متاثر ہو کر ان کے پاس آ بیٹھا اور پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا میرے جواوٹ پکڑ لئے گئے ہیں۔ وہ مجھے واپس کر دیئے جائیں۔ ابرہہ حیرت سے بولا کہ میں تو آپ کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا تھا۔ مگر آپ کی اس بات نے تو آپ کو نظروں سے گرا دیا۔ آپ اپنے معمولی اونٹوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ مگر اس گھر کی نسبت کچھ نہیں کہتے جو تمہارے اور تمہارے آباء واجداد کا مرجع ہے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں۔ رہا یہ گھر سو وہ گھر والے جانے۔ یہ گھر اللہ کا ہے وہ خود اس کی حفاظت کر لے گا۔ ابرہہ بولا کہ وہ اس کو مجھ سے پہچانہ سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا آپ جانیں اور وہ جانے۔ یہ کہہ کر وہ ابرہہ کے پاس سے اٹھ گئے۔ اس نے ان کے اونٹ واپس کر دیئے۔

ابن عباسؓ سے جو مختلف حضرات نے روایات نقل کیں وہ اس سے مختلف ہیں۔ ان میں ہے کہ ابرہہ جب عرفات و طائف کے درمیان حدود حرم کے قریب مقام الصفاح پر پہنچا۔ تو عبدالمطلب خود اس کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ آپ کو یہاں تک آنے کی کیا ضرورت؟ آپ کو اگر کوئی چیز درکار تھی تو ہمیں کہلا بھیجے وہ ہم خود لے کر آپ کے پاس پہنچ جاتے۔ ابرہہ بولا میں نے سنا ہے کہ یہ امن کا گھر ہے۔ میں اس کا امن ختم کرنے کے لئے آیا ہوں۔

عبدالمطلب نے جواب دیا کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔ اس نے آج تک کسی کو اس پر مسلط ہونے نہیں دیا۔

ابرہہ کہنے لگا کہ ہم اس کو منہدم کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ آپ جو کچھ چاہیں ہم سے لے لیں اور واپس چلے جائیں مگر اس نے انکار کر دیا اور لشکر کو آگے بڑھا دیا۔

اس میں شک نہیں کہ ابرہہ کے ۶۰ ہزار کے لشکر جرار کو اچانک مقابلہ کر کے قریش یا مکہ والے کعبہ کو نہیں بچا سکتے تھے۔ محمد بن اسحاق کے بیان کے مطابق ابرہہ کے لشکر سے واپس آ کر عبدالمطلب نے قریشیوں کو ہدایت کی کہ تم اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں میں چلے جاؤ۔ تاکہ ان کا قتل عام نہ ہو اور خود چند سرداروں کے ساتھ حرم میں حاضر ہوئے اور کعبہ کی چوکھٹ اور کنڈا پکڑ کر اللہ سے دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر اور اس کے خادموں کی حفاظت فرمائے۔ کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بتوں کو اس نازک گھڑی میں سب بھول گئے اور صرف اللہ کے آگے دست سوال پھیلائے رہے۔ سیرت ابن ہشام میں عبدالمطلب کے یہ دعائیہ اشعار منقول ہیں۔

لاہم ان العبد یمنع رحلہ فامنع حلالک

ان کنت تارکھم و قبلتنا فامر ما بدالک

اور روض الانف میں یہ آخری شعر منقول ہے اور ابن جریر نے یہ آخری شعر بھی نقل کئے ہیں

یا رب لا ارجوا لھم سواک

یا رب فامنع منھم جماک

ان عدوا الیبت من عادا کا

ما منعھم یخربوا قراک

عبدالمطلب اور ان کے ساتھی یہ دعائیں مانگ کر خود بھی پہاڑوں میں چلے گئے۔ اگلے روز ابرہہ اپنے خاص ہاتھی محمود نامی پر چڑھ کر مکہ میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا۔ مگر یکا یک اس کا ہاتھی رک گیا۔ ہر چند آن کس مارے گئے، جھالے لگائے گئے۔ حتیٰ کہ ہاتھی زخمی ہو گیا۔ مگر وہ نہ ہلا۔ اسے دوسری طرف ہلانے کی کوشش کی جاتی تو چل پڑتا اور دوڑنے لگتا مگر مکہ کی طرف رخ موڑتے ہی بیٹھ جاتا۔ اور کسی طرح بڑھنے کا نام نہ لیتا۔ اتنے میں پرندوں کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لئے اڑتے ہوئے آئے اور لشکر پر ان پتھریوں سے بارش کر دی۔ اس طرح ان سنگریزوں نے گولیوں کا کام کیا کہ جس کے لگ جاتی وہ ختم ہو جاتا۔ اس افراتفری میں لشکریوں نے یمن کی طرف بھگنا شروع کر دیا۔ نفیل بن حبیب خثعمی کو انہوں نے تلاش کر کے واپسی کا راستہ معلوم کرنا چاہا تو اس نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ

این المفروا لا لہ الطالب والاشرم المغلوب لیس العالب

یعنی اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جب خدا تعاقب میں ہے اور نکلا (ابرہہ) مغلوب ہے غالب نہیں ہے۔ یہ وہی نفیل ہے جسے بدرقہ طریقہ پر ابرہہ کے لشکری اپنے ساتھ رات میں قبیلہ خثعم سے پکڑ لائے تھے۔ بقول محمد بن اسحاق وہ اپنی آنکھوں دیکھا حال اس طرح بیان کرتا ہے

ردینہ لو رأیت ولا ترہ

حمدت اللہ اذا بصرت طیرا

وکل القوم یسئل عن نفیل

کان علی للجیشان دینا

محمد بن اسحاق اور عکرمہ کی روایت ہے کہ یہ چیچک کا مرض تھا۔ جو اسی سال سب سے پہلے بلاد عرب میں محسوس ہوا۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ جس پر کوئی کنکر گرتی اسے سخت کھجلی شروع ہو جاتی جس سے کھال پھٹنی اور گوشت نکلنا شروع ہو جاتا۔ اور ان کی دوسری روایت ہے کہ خون اور گوشت پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں نکل آتیں تھیں۔ خود ابرہہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اور عطاء بن یسار کی روایت ہے کہ سب اسی وقت ہلاک نہیں ہوئے۔ بلکہ کچھ بھاگ کھڑے ہوئے اور راستے میں گرتے چلے گئے۔ چنانچہ ابرہہ بھی بلاد خثعم میں جا کر ختم ہو گیا۔ یہ واقعہ محرم میں مزدلفہ اور منی کے درمیان وادی مھصب کے قریب مقام محسر میں پیش آیا۔ اسی سنے حج کو وہاں

سے جلد گزرجانے کی ہدایت ہے اور ٹھہرنے کی ممانعت ہے۔ اس کے پچاس دن بعد ربیع الاول میں حضور کی ولادت ہوئی۔ گویا آپ کی پیدائش عام الفیل میں ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے حبشیوں کو صرف اتنی ہی سزا دینے پر اکتفاء نہیں کیا۔ بلکہ تین چار سال میں یمن سے حبشی اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ جگہ جگہ یمنی سرداروں نے بغاوت برپا کر دی۔ اور ایک یمنی سردار سیف بن ذی یزن نے شاہ ایران سے فوجی مدد حاصل کر لی۔ چنانچہ ایرانی چھ ہزار فوج نے چھ جہازوں کے ساتھ حملہ کر کے حبشی حکومت کا ۵۷ء میں خاتمہ کر دیا اور اس طرح واقعہ فیل کا انجام نہ صرف حملہ آوروں کی تباہی کی سورت میں نکلا۔ بلکہ ان کی حکومت کا تختہ ہی الٹ کر رکھ دیا گیا۔ ابرہہ کے مخصوص ہاتھی محمود نامی کی کنیت ابوالعباس تھی۔ دشمن کے اتنے طاقت ور ڈیل ڈول کے جانوروں کو اللہ نے معمولی پرندوں کے ذریعہ تباہ و برباد کر دیا۔ وہ ایک چیونٹی سے ہاتھی کو ہلاک کر سکتا ہے۔ ابرہہ حبشی لفظ ہے جس کے معنی گورے چنے کے ہیں۔ اور اشرم کے معنی نکلنے کے ہیں۔ طیرا ابابیل، اساطیر، شماطیط اور عیادید کی طرح ابابیل ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ یہ آسمانی پرندے تھے۔ دنیاوی پرندے نہیں تھے۔

اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ابابیل خطاطیف کے مشابہ تھیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وطویط جیسے: سیاہ سرخ مخصوص جانور ہیں اور بعض ان کو مشہور عنقا مغرب کہتے ہیں اور ابالہ کی جمع اگر مانی جائے جس کے معنی لکڑیوں کے بڑے گٹھ کے ہیں تو چونکہ پرندوں کی لکڑیاں بکثرت تھیں اس لئے جمع استعمال کی گئی۔

من سجیل یہ سنگ گل کا معرب ہے اور بعض بحیل کے معنی بڑے ڈول کے لیتے ہیں۔ یا اسجل بمعنی ارسال ہے یا سجل بمعنی دفتر و مہر سے ماخوذ ہے۔ یعنی ان پر ہر ایک کا نام لکھا ہوا تھا۔

کعصف ما کول گھاس چارہ مراد ہے جو کھایا جاتا ہے۔ یا اناج کا بھوسہ مراد ہے جو پہلے جانور روند کر دانوں سے الگ کرتے ہیں پھر کھاتے ہیں۔

ربط آیات: ..... سورۃ الفتحی میں جن مہمات کا ذکر ہوا ہے۔ ان میں عذاب الہی سے ڈرانا بھی ہے۔ اس سورت میں بیت اللہ کی بے حرمتی کا جو وبال حبشیوں پر آیا ہے اس سے استدلال ہے۔ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور اس کے تاریخی پس منظر پر اگر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ بالکل ابتدائی دور کی ہے۔ وجہ تسمیہ ظاہر و باہر ہے۔

روایات: ..... حافظ ابن کثیر اور محمد ابن اسحاق وغیرہ نے جو تفصیلات درج کی ہیں۔ ان کا ذکر ابھی گزرا۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ ۶۰ ہزار کا لشکر جرار لے کر ہاتھیوں کے ساتھ ابرہہ آندھی کی طرح مکہ پر چڑھ آیا۔ اور عبدالمطلب سردار قریش کے سمجھانے بچھانے پر بھی اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ تو عرب مکہ جنہوں نے دیو شکل ہاتھیوں کی یلغار کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اتنے بڑے لاؤ لشکر کے دفاع کا انتظام جن کے پاس نہیں تھا۔ عبدالمطلب کے مشورہ کے مطابق تباہی سے بچنے کے لئے پہاڑوں پر چلے گئے۔ دشمن ابھی مزدغہ کے قریب وادی حسر میں تھا کہ سمندر کی طرف سے کچھ سبز اور زرد پرندے کبوتر سے کچھ چھوٹے غول کے غول امند آئے۔ جن کی چونچوں اور پنجوں میں مسور اور چن کے برابر کنکریاں تھیں۔ انہوں نے لشکر پر ان کنکریوں کو چھوڑا۔ قدرت الہی کہ انہوں نے گولیوں کا کام کیا۔ کچھ تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور جو کچھ نکل بھاگے۔ وہ بھی بلک بلک کر مر گئے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے محمود ہاتھی کے قائد اور سائیس کو اندھا بھیک نکلنے دیکھا۔ اور نوفل بن معاویہ کا بیان ہے کہ انہوں نے وہ کنکریاں دیکھیں ہیں۔ ان کنکریوں کے اثر سے خارش کا ہونا اور چیچک کا ہونا



اور اسی میں ہلاک ہو جانا بھی ممکن ہے۔ اسی طرح کنیہ کو نجاست آلود کرنے کے ساتھ آگ لگانے کا واقعہ بھی ممکن ہے۔

﴿تشریح﴾: ..... الم تر چونکہ تازہ تھا۔ حضور کی ولادت باسعادت سے پونے دو ماہ پہلے کا ہے۔ پھر بچہ بچہ کی زبان پر مشہور تھا۔ اسی لئے اس کے علم کو دیکھنے سے تعبیر فرمادیا اور اسی لئے قرآن ان سب تفصیلات میں نہیں گیا کہ یہ ہاتھی والے کون تھے اور کیوں آئے تھے؟ اور کتنے تھے اور کتنی مدت رہے؟ کیونکہ اس وقت یہ باتیں سب کو معلوم تھیں۔

الم يجعل ہر چند کے وہ اللہ کے گھر کو اجازت کر اپنے مصنوعی کعبہ کو اس کی جگہ دینا چاہتے تھے۔ مگر اللہ نے ان کی ساری تدبیریں توڑ پھوڑ کر رکھ دیں اور سب داؤ بیچ بکھیر دیئے۔ نیا کعبہ تو کیا آباد ہوتا خود ہی برباد ہو گئے۔

کید کے معنی خفیہ تدبیر کے ہیں۔ ایک تدبیر ابرہہ نے کی اور ایک اللہ کا ہاتھ مخفی انتظامات کر رہا تھا۔ ابرہہ کی فوج ظاہر تو اپنے کنیہ کی بے حرمتی کا بدلہ لینے کے لئے تھی۔ مگر اصل ناپاک منصوبہ چھپائے ہوئے تھا۔ یعنی کعبہ اللہ کو مٹا کر اپنا کعبہ آباد کرنا اور قریش کا زور توڑ کر اور تمام عرب کو مرعوب کر کے ان سے مصر و شام کی تجارت چھین لینا۔ مگر اللہ کی مخفی تدبیر کے آگے وہ اور اس کی پوری اسکیم خاک میں مل گئی۔ طیسرا ابابیل عکرمہ اور قنادہ کہتے ہیں کہ واقعی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بحر احمر کی طرف سے آئے تھے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس طرح کے پرندے نہ کبھی پہلے دیکھے گئے اور نہ بعد میں دیکھے گئے۔ یہ نہ نجد کے تھے نہ حجاز اور تہامہ سکم۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان کی چونچیں پرندوں جیسی اور منجے کتے جیسے تھے اور بقول عکرمہ ان کے سر شکاری پرندوں کے سر جیسے۔ غرض ان عجیب و غریب پرندوں کی چھوڑی ہوئی کنکریاں ان کے لگتی تھیں۔ اور کوئی سی مادہ ایسا چھوڑتی تھیں جس سے کچھ تو وہیں ڈھیر ہو گئے اور کچھ ان کے اثر سے چیچک اور کھجلی میں مبتلا ہو کر ختم ہو گئے اور کچھ افراد کا بیج کر نکل بھاگنا بھی اگر ثابت ہو جائے۔ تب بھی اکثریت کے لحاظ سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور ہر چند کہ واقعہ عجیب و غریب اور بظاہر مستبعد ہے۔ لیکن بیت اللہ کی حرمت کے علاوہ اگر آنحضرت کی آمد کا لحاظ بھی کیا جائے تو اس خارق عادت واقعہ کو ارباض کہا جائے گا۔ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضور کی ولادت شریفہ کے دن ہی یہ واقعہ پیش آیا ہے اور پچاس دن کے کا فصل بھی کچھ فصل نہیں۔ کیونکہ آثار نبوت اور برکات رسالت تو آخر شروع ہو ہی چکے تھے۔ کعبہ اور خدام کعبہ کی حفاظت منجانب اللہ ہوگی۔ اس لئے ان آیات میں دور از کار تاویلات قطعاً غیر موزوں ہیں۔

خلاصہ کلام: ..... حق تعالیٰ نے اس واقعہ کی تفصیل میں نہ جاتے ہوئے اصحاب فیل کی تباہی و بربادی کا تذکرہ فرما کر اس پر زور دینا چاہا ہے کہ خاص طور پر قریش اور عام طور سے سارا عرب جہان غور کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ یہی تو ہے کہ سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔ اور یہ بھی سوچ لیا جائے کہ اس وحدت کو دبانے کے لئے اگر انہوں نے زبردستی سے کام لیا تو جس طرح خدا نے اصحاب الفیل کو تہس نہس کر دیا تھا۔ اس کے غضب میں تم بھی گرفتار ہو سکتے ہو۔ چنانچہ چند سال تک قریش اس واقعہ سے اتنے متاثر رہے کہ انہوں نے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی۔ حضرت ام ہانی اور حضرت زبیرؓ کی روایت ہے کہ قریش نے سات یا دس سال اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کی۔ پھر جوں جوں یہ احساس کم ہوتا چلا گیا لوگ اپنے پرانے ڈگر پر آتے چلے گئے اور واقعہ چونکہ تازہ تھا بچہ بچہ کی زبان پر۔ اس لئے نہ اس کی تفصیل ضروری سمجھی گئی اور نہ اس کو بار بار دہرانا چنداں ناگزیر سمجھا گیا۔

فضائل سورت: ..... من قرء سورۃ الفیل عافاہ اللہ اباء حیاتہ من الخسف والمسخ جو شخص سورۃ فیل پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں خسف و مسخ سے بچالے گا۔

لطاائف سلوک: ..... وادسل علیہم اس میں اشارہ ہے کہ اسباب حقیقہ مؤثر نہیں۔ بلکہ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔



## سُورَةُ قُرَيْشٍ

سُورَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ أَرْبَعُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَا يَلْفُ قُرَيْشٌ إِلَّا الْفِهُمُ تَاكِدٌ وَهُوَ مُضْدَرُّ الْفَاءِ بِالْمَدِّ رِحْلَةُ الشَّتَاءِ إِلَى الْيَمَنِ وَ رِحْلَةُ الصَّيْفِ إِلَى الشَّامِ فِي كُلِّ عَامٍ يَسْتَعِينُونَ بِالرَّحْلَتَيْنِ لِلتَّجَارَةِ عَلَى الْإِقَامَةِ بِمَكَّةَ لِخِدْمَةِ الْبَيْتِ الَّذِي هُوَ فَحْرُهُمْ وَهُوَ وَلَدُ الطَّرِيقِ كَنَابَةٌ فَلْيَعْبُدُوا تَعَلَّقَ بِهِ لَا يَلْفُ وَلَفَاءٌ زَائِدَةٌ رَبُّ هَذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ هَائِلٍ مِنْ أَهْلِهِ وَأَمْنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ هَائِلٍ أَيْ مِنْ أَجْلِهِ وَكَانَ يُصِيبُهُمُ الْجُوعُ لِعَدَمِ الزَّرْعِ بِمَكَّةَ وَحَافُوا حَيْشَ الْفِيلِ

سورۃ قریش مکہ ہے یا مدنیہ ہے۔ اس میں چار آیات ہیں، بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: چونکہ قریش خور ہو گئے ہیں یعنی ان کا خور ہونا (یہ تاکید ہے ایلاف آلف کا مصدر ہے) جاڑے میں (یعنی کے) اور گرمی میں سفر کے لئے (شام کی طرف سال بھر میں دو تجارتی سفر کر کے پھر مکہ میں باطمینان قیام پذیر رہتے۔ تاکہ بیت اللہ کی خدمت کر سکیں جو ان کے لئے باعث فخر تھیں۔ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں) لہذا ان کو چاہئے کہ عبادت کریں (لا یلاف کا تعلق فلیعبدوا سے ہے اس میں فازائدہ ہے) اس گھر کے مالک کی جس نے انہیں بھوک میں (بھوک کی وجہ سے) کھانے کو دیا۔ اور خوف سے ان کو امن دیا (مکہ میں کاشت نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھوکے تھے اور اصحاب الفیل سے ڈرے ہوئے تھے)۔

ترقیق و ترکیب: .. سورۃ قریش ای السورۃ الی ذکر فیہا الامتتان علی قریش قریش تصغیر ہے قریش کی جس کے معنی بقول ابن عباس سمندری جانور کے ہیں۔ جو نہایت طاقت ور ہوتا ہے اور جہازوں اور کشتیوں تک کو خاطر میں نہیں لاتا۔ البتہ شیعہ کی طرح آگ سے ڈرتا اور گھبراتا ہے۔ وہ دوسرے دریائی جانوروں کو کھا جاتا ہے۔ لیکن دوسرے جانوروں کے قبضہ میں نہیں آ سکتا۔ اس کی تصغیر تعظیم کے لئے کر لی گئی ہے۔ پھر نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہا جانے لگا۔ کیونکہ عرب میں ان کی حیثیت یہی تھی جو شیر اور اس دریائی جانور کی ہے۔

اور بعض فہر بن مالک کو قریش کہتے ہیں۔ قریش قریش کے معنی کسب اور جمع کے ہیں۔ ولان بقہ میں معاشہ کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے قریشہ قریشہ معنی قطعہ و جمعہ من ہونہا و ہما و صم حصہ الی بعض قریش کو مختلف جگہوں سے جمع ہونے کی وجہ

سے قریش کہتے ہیں یا مختلف سامان خرید کر جمع کرتے تھے اور تجارت کرتے تھے یا نصر بن کنانہ ایک بن کثیر سے میں جمع ہو کر بیٹھا تو کہنے لگے قریش۔ یا ایک دن قوم کے پاس آیا تو لوگ کہنے لگے۔ کانہ حمل قریش ای شدید۔

مکیہ مفسر علامہ تو اس کو مختلف فیہ کہہ رہے ہیں اور قاضی صرف اس کو مکی مانتے ہیں۔

لا یلا ف: ایلا ف الف سے ہے جس کے معنی مانوس اور خوگر ہونے۔ پھیلنے کے بعد مل جانے اور کسی چیز کو اختیار کرنے کے

ہیں اس کی ترکیب میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) ایک پچھلی سورت کے آخری جملہ فجعلہم کعصف ما کول سے اس کا تعلق ہے۔ ای جعلہم کعصف ما کول لا یلا ف اور بقول زبخریٰ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شعر کی تفسیر کر لی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مصنف ابی میں ان دونوں سورتوں کو ایک ہی سورت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے نماز مغرب کی پہلی رکعت میں سورۃ واتین اور دوسری رکعت میں ان دونوں سورتوں کو پڑھا۔ انھیں کی رائے بھی یہی ہے۔ لیکن بقول کو فی علماء کی ایک جماعت نے یہ کہہ کر اس بات کو رد کر دیا ہے کہ ان دونوں سورتوں کا بلا فصل ایک سورت ہونا خلاف اجماع ہے۔

(۲) اس کا متعلق محذوف مانا جائے مثلاً اعجبوا لا یلا ف قریش یا فعلموا اهلانک اصحاب الفصل

(۳) اس کا متعلق فلیعبدوا کو مانا جائے اس صورت میں فاشرطیہ ہو جائے گی۔ ای فسان لم یعدوا المسائر نعمہ فلیعبدوا لا یلا فہم۔ لا یلا ف میں لام تعجب ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ مثلاً: عرب کہتے ہیں نزدیک و ما صنعابہ یعنی ذرا اس زید کو دیکھو کہ ہم نے اس کے ساتھ نیک سلوک کیا اور اس نے ہمارے ساتھ کیا کیا؟ پس یہاں لا یلا ف قریش کے یہ معنی ہوں گے کہ قریش کا یہ رویہ بڑا ہی تعجب خیز ہے کہ اللہ ہی کے فضل کی بدولت وہ منتشر ہونے کے بعد جمع ہوئے اور وہ اللہ کے فضل کے بدولت ہی وہ تجارت کے خوگر ہوئے جو ان کی خوشنمائی کا سبب ہے۔ مگر پھر اللہ کی بندگی ہی سے وہ روگردانی کر رہے ہیں۔ ابن جریر، انھیں کسائی، فرا کی اس رائے کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عرب جب اس لام کے بعد کسی بات کا ذکر کرتے ہیں۔ تو وہی بات یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی سمجھی جاتی ہے کہ اس کے ہوتے جو شخص کوئی رویہ اختیار کر رہا ہے وہ قابل تعجب ہے۔ لیکن خلیل اور زبخریٰ لام کو تعیل کے لئے مانتے ہوئے اس کا تعلق فلیعبدوا سے مان رہے ہیں۔ یعنی قریش پر یوں تو اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ لیکن اگر کسی اور نعمت کی بناء پر نہیں تو کم از کم اس نعمت کی وجہ سے ہی وہ اللہ کی عبادت کر لیں کہ وہ اس کے فضل سے تجارت کے خوگر ہوئے۔ جو ان کی خوشحالی کا باعث بنی۔

الفہم دوسرے مفسرین اس کو بدل قرار دے رہے ہیں کہ پہلے ایلا ف مطلقاً ذکر کیا۔ پھر مفعول عنہ کی قید تعظیم کے لئے لاکر بطور بدل ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن مفسر علامہ اس کو تائید کہتے ہیں۔ ابن عامر کی قرأت لا ف ہے بغیر یا کے۔ رحلة الشتاء مفعول بہ ہے ایلا فہم کا۔ اور ایلا ف منصوب بزعر الخافض بھی ہو سکتا ہے۔ ای للرحلة او علی الرحلة۔ قبیلہ ہاشم ملک شام میں اور قبیلہ مطلب یمن میں اور قبیلہ نوفل و عبد شمس مصر و حبشہ میں تجارتی سفر کیا کرتے تھے یا یوں کہا جائے کہ موسم سرما میں گرم علاقوں کا اور موسم گرما میں سرد علاقوں کا سفر کرتے تھے۔ اس لئے رحلتی الشتاء والصیف عبارت ہونی چاہئے تھی۔ لیکن التباس کا خطرہ نہیں تھا۔ اس لئے مفرد لایا گیا۔ قریش کے تجارتی سفروں پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس سے سورۃ ایلا ف اور سورۃ فیل کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ قصی بن کلاب سے پہلے تو قریش حجاز میں منتشر تھے۔ لیکن قصی نے سب کو مکہ میں یکجا کر دیا۔ اس طرح کعبہ اللہ کی تولیت ان کے ہاتھ آ گئی۔ اس لئے قصی کو مجمع کا لقب دیا گیا۔ انہوں نے نہایت دور اندیشی سے ایک نظام ترتیب دیا اور حجاج کی خدمت کے لئے ایک عمدہ نظم قائم کی۔ جس کے اثرات پورے ملک میں اور اطراف و اکناف میں پھیل گئے۔ پھر ان کی اولاد عبد مناف اور عبد الدار میں کچھ

منصب تقسیم ہو گئے۔ لیکن ان میں عبد مناف شروع ہی سے نمایاں ہوئے۔ جس کی وجہ سے اہل عرب ان کا لوہا ماننے لگے۔ پھر ان کے چار بیٹوں۔ ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل میں اول الذکر حضورؐ کے پردادا کو خیال آیا۔ کہ عرب کی بین الاقوامی تجارت میں حصہ لیا جائے۔ یہ وقت تھا کہ جب ایران کی ساسانی حکومت بین الاقوامی تجارت پر قابض تھی۔ اس سلسلہ میں پہلے تو قریش کو راہداری کی وہ سہولتیں حاصل تھیں جو دوسروں کو حاصل نہیں تھیں۔ دوسرے خدام بیت اللہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اس طرح ان لوگوں کی تجارت بڑی تیزی سے ترقی کرتی چلی گئی۔ اسی لئے یہ چاروں بھائی متجربین یعنی تجارت پیشہ سمجھے جانے لگے۔ اور مختلف قبائل سے روابط کی وجہ سے ”اصحاب الایلاف“ بھی کہا جانے لگا۔ جس کے معنی تعلقات پیدا کرنے والے کے ہیں۔ اس کا روباہر کی وجہ سے شام، مصر، عراق، ایران، یمن، حبش تمام ممالک سے قریش کے تعلقات وسیع ہو گئے۔

من جوع تنکیر تعظیم کے لئے ہے اور بعض نے کہا قحط سالی کی شدت مراد ہے جس میں لوگوں نے مردار جانور اور ہڈیاں کھالی تھیں۔ من خوف خوف عام ہے خواہ لوٹ مار کا ہو یا اصحاب قیل کا یا جذام مرض کا۔

رابط آیات: . . . منجملہ مہمات واضحی کے انعامات الہیہ پر شکر کرنا بھی ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے کہ شکر نعمت کے لئے اللہ کی عبادت کرنا ہے۔ وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ ضحاک اور کلبی اگرچہ اس کو مدنی سورت کہتے ہیں۔ لیکن مفسرین کی بڑی اکثریت اس کو کلی مانتی ہے۔ چنانچہ رب هذا البيت بھی اس کا قرینہ ہے۔ اسی طرح سورہ فیل کے مضمون سے اس کا اتنا گہرا ربط ہے کہ غالباً اس کا نزول متصلاً ہوا ہوگا۔ حتیٰ کہ بعض سلف دونوں کو ایک ہی مانتے رہے۔ لیکن یہ رائے تو اس لئے قابل قبول نہیں کہ حضرات صحابہؓ کی بڑی تعداد کی مدد سے خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری طور پر قرآن کریم کے نسخے اسلامی مراکز میں بھجوائے۔ ان میں دونوں سورتوں کو بسم اللہ کا فصل دے کر الگ الگ لکھا ہوا ہے۔ اور اسی کے مطابق امت کا تعالٰیٰ رہا ہے۔ نیز دونوں کا انداز بیان بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے جس سے واضح ہے۔ کہ دونوں سورتیں جمہور کے مطابق مستعمل ہیں۔

﴿تشریح﴾: مکہ مکرمہ میں غلہ وغیرہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے قریش یہ کرتے کہ سال میں دو بڑے تجارتی سفر کرتے تھے۔ سردیوں میں یمن کی طرف کہ وہ گرم علاقہ ہے اور گرمیوں میں شام کے ٹھنڈے علاقہ کی طرف جو شاداب حصہ ہے۔ نیز لوگ اُن کو اہل حرم اور خدام بیت اللہ سمجھ کر نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے اور دل و جان سے ان کی خدمت کرتے۔ نہ ان سے ٹیکس وصول کیا جاتا اور نہ ان کی جان و مال سے تعرض کیا جاتا۔ تیسرے حج کے زمانہ میں قریش حاجیوں کی جو خدمت نہایت فیاضی کے ساتھ کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے سب ان کے احسان مند اور شکر گزار تھے۔ بادشاہوں اور امراء سے ان کے اچھے خاصے روابط قائم ہو گئے۔ شام کے غسانی بادشاہ سے ہاشم نے حبش کے بادشاہ سے عبد شمس نے یمنی امراء سے مطلب نے اور عراق و فارس کی حکومت سے نوفل نے تجارتی مراعات حاصل کیں۔

قریش کی تجارت اور اس کا پس منظر: . . . اس طرح ان لوگوں کی تجارت اعلیٰ پیمانہ پر پہنچ گئی اور مختلف ملکوں سے براہ راست ثقافتی اور تہذیبی رشتوں کے استوار ہونے کی وجہ سے ان کی سوجھ بوجھ کا معیار بھی اتنا بلند ہوتا چلا گیا کہ عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ ان کی ٹکر کا نہ رہا۔ اور مال و دولت کے اعتبار سے بھی وہ عرب میں سب پر فائق ہو گئے اور مکہ عرب کا سب سے زیادہ اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ اس طرح قریش نہایت امن و چین سے گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے۔ حرم سے باہر لوٹ کھسوٹ اور چوری ڈکیتی کا بازار گرم رہتا۔ مگر کعبہ کے پاس ادب سے کوئی قریش پر ہاتھ صاف نہ کر سکتا۔ اس انعام کو یہاں یاد دلایا جا رہا ہے کہ اس گھر کے طفیل ہم نے تمہیں

روزی وی، امن چین، دیا۔ ہاتھیوں کے لشکر جزار کی زد سے محفوظ رکھا۔ تمہیں خود بھی اعتراف ہے کہ اس گھر کا مالک صرف اللہ ہے۔ وہ تین سو ساٹھ بت نہیں جن کی تم پوجا کر رہے ہو۔

جس گھر کی بدولت عزت و روزی اس کا حق ادا کرو:..... فلیعبدوا اس خانہ خدا کی پناہ میں آجانے کے بعد تمہیں پناہ ملی، ورنہ پہلے بتز بتز اور بکھرے ہوئے تھے اور تمہاری کوئی حیثیت نہ تھی۔ مگر بیت اللہ کی خدمت نے تمہیں محترم بنا دیا۔ تمہارے سراونچے کر دیئے اس لئے اور کچھ نہیں تو اسی نعمت کا لحاظ کرتے ہوئے گھر کے مالک کی بندگی کرو۔ جس کا واحد طریقہ اللہ کے رسول کی پیروی ہے۔ هذا البيت الذي اطعمهم یعنی تم پہلے بھوکوں مر رہے تھے۔ یہاں آنے کے بعد تمہارے لئے رزق کے دروازے کھل گئے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی وہ دعا حرف بحرف پوری ہوئی جو انہوں نے رب انی امکنک من ذریعتی ہواذ غیر ذی ذرع عند بیتک المحرم کے الفاظ میں کی تھی۔ وامنہم من خوف عرب کی مشہور بد امنی ہر جگہ عام تھی۔ کوئی ہستی کوئی راستہ مامون نہیں تھا۔ ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا۔ نہ معلوم کب کوئی گروہ حملہ کر دے۔ کوئی شخص اپنے قبیلہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ اکادکا آدمی اول تو محفوظ نہیں تھا اور محفوظ بھی رہتا تو غلام بنالیا جاتا۔ تجارتی قافلے ڈاکوؤں کے حملوں کا شکار ہو جاتے تھے۔ البتہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ یہ قافلہ حرم کے خادموں کا ہے۔ انہیں چھیڑنے کی کوئی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ حد یہ ہے کہ اکیلا قریشی بھی اگر کہیں سے گزر جاتا تو کوئی اس سے تعرض نہ کرتا اور اس کے لئے صرف لفظ ”رحمی“ یا ”انا من حرم اللہ“ کہہ دینا ہی کافی ہو جاتا تھا یہ سنتے ہی اٹھے ہوئے ہاتھ فوراً رک جاتے تھے۔

خلاصہ کلام:..... قریش اور عرب کے پچھلے حالات، اور بیت اللہ کی وجہ سے جو ان کی شاندار زندگی بن گئی تھی۔ وہ چونکہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ سب پر عیاں اور روشن تھی۔ اس لئے سورت میں بھی ان کی تفصیلات میں نہ جاتے ہوئے صرف چار فقرہوں میں ان کی اتنی سی بات کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ جب تم خود اس گھر کو اللہ کا اور صرف اللہ کا گھر مانتے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ اللہ نے تمہیں اسی گھر کے طفیل یہ امن و چین عطا کیا۔ تجارت کے ذریعہ تمہیں یہ فروغ بخشا۔ اور فاقہ کی زندگی سے نکال کر یہ خوش حالی نصیب فرمائی۔ تو پھر تمہیں صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ اور اس کا حق ادا کرنا چاہیئے۔

فضائل:..... مس قرء سورة لا يلاف قريش اعطاه الله تعالى عشر حسنات بعدد من طاف الكعبة واعتكف بها جو شخص سورۃ لا یلاف پڑھے گا اس کو اللہ تعالیٰ طواف کعبہ اور اعتکاف کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔

لطائف سلوک:..... لا یلاف الخ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو دین کی وجہ سے دولت و اقتدار حاصل ہو جائے جیسا کہ قریش کو بیت اللہ کے تعلق سے حاصل ہوا تو اس کا حق یہ ہے کہ تقاخر اور دعویٰ استحقاق کے بجائے اللہ کے شکر اور اس کی اطاعت کا زیادہ اہتمام کرے۔

## سُورَةُ الْمَاعُونِ

سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ أَوْ نِصْفُهَا نِصْفُهَا سِتُّ أَوْ سَبْعُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْإِيمَانِ ﴿١﴾ بِالْحِسَابِ وَالْجِزَاءِ أَيُّ هَلْ عَرَفْتَهُ أَوْلَمْ تَعْرِفْهُ فَذَلِكَ تَقْدِيرُ هُوَ  
عَدُوٌّ الْفَاءِ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ ﴿٢﴾ أَيُّ يَدْفَعُهُ بِعَنْفٍ عَنْ حَقِّهِ وَلَا يَحْضُرُ نَفْسَهُ وَلَا غَيْرَهُ عَلَى طَعَامِ  
الْمُسْكِينِ ﴿٣﴾ أَيُّ إِطْعَامِهِ نَزَلَتْ فِي الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ أَوِ الْوَلِيدِ بْنِ الْمُغِيرَةِ فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ﴿٤﴾ الَّذِينَ  
هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿٥﴾ غَافِلُونَ يُؤَخِّرُونَ نَهَاءً عَنْ وَقْتِهَا الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ﴿٦﴾ فِي الصَّلَاةِ  
وَعِيرَهَا وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ﴿٧﴾ كَالْإِبْرَةِ وَالْفَاسِ وَالْقَدَرِ وَالْقَصْعَةِ

یہ سورت الماعون مکیہ یا مدنیہ ہے یا نصف نصف اور اس میں ۶ یا ۷ آیتیں ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: آپ نے کیا اس شخص کو دیکھا ہے جو آخرت کی جزاء و سزا کو جھٹلاتا ہے (حساب اور بدلہ کو یعنی آپ اس کو جانتے ہیں یا نہیں جانتے؟) وہی تو ہے (فاء کے بعد ہو مقدر ہے) جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی اس کا حق دینے کے بجائے جھڑک دیتا ہے) اور نہیں اکساتا (نہ خود کو اور نہ دوسروں) مسکین کو کھانا دینے پر (یعنی اس کو کھلانے کے لئے یہ آیت عاص بن وائل یا ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے) سوتا ہی ان نماز پڑھنے والوں پر جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں (غفلت برتتے ہیں نماز بے وقت پڑھ کر) جو یہ کاری کرتے ہیں (نماز وغیرہ میں) اور معمولی ضرورت کی چیزیں دینے سے گریز کرتے ہیں (جیسے سوئی، کلہاڑی، ہانڈی، پیالہ)۔

تحقیق و ترکیب: ..... مکیہ ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ عطاء اور جابر کی رائے بھی یہی ہے۔ مگر ابو حبان نے ابن عباس اور قتادہ اور ضحاک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور تیسرا قول مفسر نے نصف نصف کا نقل کیا ہے۔ یعنی اور نصف مکہ میں ابن وائل کے متعلق اور آخری نصف عبد اللہ بن ابی منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔

ارایت مفسر نے روایت عملیہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور روایت بصریہ بھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح مخی طب عام بھی ہو سکتا ہے۔ روایت عملیہ کی صورت میں سمجھنے اور غور کرنے کے معنی ہیں اردو میں بھی یہ استعمال ہے۔ کہتے ہیں ”دیکھ رہا ہوں یا ذرا یہ بھی تو دیکھو“ یعنی سمجھ رہا ہوں یا سمجھو یہاں استفہام بمعنی تعجب ہے ایک قرأت ارایت مضارع کی طرح بغیر ہمزہ کے ہے اور ایک قرأت ارایت تک۔

الذی، یکذب الذی جنس اور عہد دونوں کے لئے ہو سکتا ہے۔ البتہ فذلک دوسرے احتمال کی تائید کرتا ہے، دین کے معنی جزاء کے اور اسلام کے ہو سکتے ہیں۔

فذلت الذی مفسر نے فا کے بعد ہو جو مقدر مانا ہے۔ وہ ضروری نہیں ہے یہ مبتداء بھی ہو سکتا ہے اور الذی یدع اس کی خبر ہے۔

بہر صورت یہ جملہ اسمیہ ہوگا۔ جس پر فاعل مقدر کے جواب میں ہے۔ ابو جہل یا ولید یا ابن ابی مراد ہے ایک قرأت یدع بمعنی یتروک بھی ہے۔  
الذین ہم عن صلاتہم یہ مرفوع المکل اور منصوب المکل اور مجرور المکل تینوں طرح ہو سکتا ہے۔ نعت یا بدل یا بیان کی صورت میں۔ اسی طرح آئندہ الذین میں بھی تینوں احتمال ہیں اور یہ مصلین کے تابع ہو سکتا ہے۔ اور موصول کے تابع بھی ہو سکتا ہے۔  
سواؤن اس کی اصل اسرائیون ہے صرغی تعلیل ہو گئی ہے۔ باب مفاعلت سے اس کا لانا واضح ہے۔ کیونکہ ریا کار لوگوں کی تعریف کے لئے عبادت کو دکھاتا ہے۔ اور لوگ دیکھ کر تعریف کرتے ہیں۔

الماعون معنی سے ماخوذ ہے فاعول کے وزن پر معتبر چیز ”مالہ معن“ کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پاس کچھ نہیں۔ قطرب کہتے ہیں کہ اعانتہ سے مفعول ہے قلب کر کے تصرف کر لیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، سعید بن جبیرؓ، قتادہؓ، حسن بصریؓ، محمد بن حنفیہؓ، ضحیٰ کؓ، ابن زبیرؓ، عمرؓ، مجاہدؓ، عطاء رحمہم اللہ کے نزدیک زکوٰۃ مراد ہے اور اب عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابراہیم نخعیؓ، ابو مالک وغیرہ معمولی ضرورت کی چیزیں مراد لیتے ہیں جو عام طور پر لی دی جاتی ہیں۔

ربط آیات:۔۔۔ منجملہ مبہات والضحیٰ کے کفر و نفاق سے بچتا ہے۔ اس سورت میں اسی کا بیان ہے۔ پوری سورت کو اگر مکی مانا جائے تو کفار مکہ مخیط ہوں گے اور ان کو مصلین کہنا اس معنی کو ہے کہ ایمان کے ساتھ نماز وغیرہ بھی ان پر فرض ہے۔ اور مدنی کہنے کی صورت میں منافقین مخاطب ہوں گے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ منافقین اور ریاکاری کے ساتھ نماز پڑھنے والے مدینہ ہی میں تھے۔ مدینہ میں چونکہ اسلام اور مسلمانوں کو اتنی طاقت حاصل ہو گئی تھی کہ بعض لوگ محض مصلیہ مسلمان ہو گئے تھے۔ اور ان کو مجبوراً مسجد کا رخ کرنا پڑتا تھا۔ اس کے برعکس مکہ میں ایسے حالات سرے سے موجود ہی نہیں تھے کہ وہاں کسی کو دکھاوے کی نماز پڑھنی پڑے۔ وہاں تو نماز وہی پڑھتا جس کی جان ہتھیلی پر ہوتی اور وہ بھی چھپ چھپ کر پڑھتا تھا۔ اس میں دکھاوے کا کیا سوال، کھلم کھلا نماز پڑھنا دکھاوے کے لئے نہیں۔ بلکہ جان جوکھوں میں ڈالنے کے لئے ہوتا تھا۔ وہاں اگر منافقین کی کوئی قسم پائی جاتی تھی۔ تو وہ ریاکارانہ نماز پڑھنے والوں کی نہیں بلکہ ان لوگوں کی تھی۔ جو دل میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق سمجھتے تھے۔ مگر اپنی وجاہت و شخصیت کو برقرار رکھنے کے لئے اور اپنا بھرم باقی رکھنے کے لئے کفر سے چمٹے ہوئے تھے۔ اور کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ رہا آدھی سورت کا مکی اور آدھی کا مدنی ہونا سو اس کی توجیہ ظاہر ہے۔ یعنی سابقہ دونوں توجیہات کا مجموعہ۔ وجہ تسمیہ بھی ظاہر ہے۔

روایات:۔۔۔ یدع الیتیم کان ابو جہل وصیا لیتیم فحاء عربا نا یسالہ من مال ابیہ فدفعہ و ابو سفیان بحر حرور افساہ یتیم لحما فقرعہ بعصاہ او الولید او منافق تحیل۔ قاضی نے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابو جہل جس یتیم بچہ کا وصی تھا۔ وہ بچہ ایک روز اس بد حالی میں اس کے پاس آیا کہ تن بدن پر کپڑا تک نہ تھا اور التجا کی میرے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اسے کچھ دے دے۔ مگر ظالم نے اس طرف توجہ تک نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر کار مایوس ہو کر پلٹ گیا۔ قریش کے سرداروں نے ازراہ شرارت اس سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر شکایت کر۔ وہ ابو جہل سے سفارش کر کے تیرا مال تجھے دلوادیں گے۔ بچہ صورت حال سے ناواقف تھا۔ وہ سیدھا حضور کے پاس پہنچا اور اپنا دکھڑا کہہ سنایا۔ آپ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابو جہل کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہو گیا اور جب آپ نے فرمایا کہ اس بچہ کو اس کا حق دے دو تو وہ فوراً مان گیا اور اس کا مال لا کر دے دیا۔ سرداران قریش کو جب پتہ چلا تو انہیں حیرت ہوئی ابو جہل کے پاس آکر ملامت کرنے لگے کہ تو بھی دین سے پھر گیا۔ ابو جہل بولا کہ بخدا میں نے دین نہیں چھوڑا۔ مگر میں نے دیکھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں بائیں ایک حربہ ہے اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی تو وہ ہتھیار میرے اندر گھس جائے گا۔ صاہون سعد بن وقاصؓ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ہم المنافقون یتروکوں الصلوٰۃ فی السر بصرہا فی اعلانیۃ اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ عن صلوٰۃ ہم فرمایا اور فی صلوٰۃ ہم نہیں فرمایا۔ ورنہ کون

مسلمان ہے جس کو نماز میں سہونہ ہوتا ہو۔ اس لئے مفسر نے غفلت کے ساتھ تفسیر فرمائی ہے۔ الماعون عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ بعد الماعون علی عهد صلعم عاریۃ الدلو والقدر و راد الرار الفاس و لاس ابی حاتم بنقط الماعون مع ندلو و اشاہ دلت و لاس ابی حاتم و عن عکرمہ راس الماعون زکوۃ المال و ادناہ المنخلو الدلو و لاس و قبل الماعون ما لایحل اسمع عنہ مثل الملح و النار۔

﴿تشریح﴾: ..... الدین۔ اکثر مفسرین نے دین کے معنی آخرت اور بدلہ کے لیے ہیں یعنی یہ لوگ آخرت اور اللہ کے حساب کتاب کو نہیں مانتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے نیکی اور بدی کا بدلہ نہیں ملے گا اور انصاف نہیں ہوگا۔ آخرت کا انکار ہی انسان کو بے لگام اور بدکردار بنادیتا ہے لیکن ابن عباس دین سے اسلام مراد لیتے ہیں یعنی یہ لوگ اسلام اور مذہب ہی کو جھٹلاتے ہیں گویا ان کے نزدیک دین کوئی چیز نہیں ہے اس صورت میں پوری سورت کا مدعا اسلام کی اہمیت کو واضح کرنا ہے یعنی اسلام منکرین کے برخلاف سیرت و کردار پیدا کرنا چاہتا ہے پس اندازہ کلام بتلا رہا ہے کہ یہاں یہ پوچھا نہیں ہے کہ تم نے ایسے شخص کو دیکھا ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ تاثر دینا ہے کہ آخرت کی جزا سزا کا انکار آدمی میں کسی قسم کا کردار پیدا کر دیتا ہے جس سے آخرت کے عقیدہ کی اہمیت واضح کرنا مقصود ہے۔

اخلاقی پستی کی انتہا: ..... فذلک الذی یعنی یتیم کی ہمدردی اور غمخواری تو درکنار اس کے ساتھ نہایت سنگدلی اور بد اخلاقی سے پیش آتا ہے اور آپ ایسے شخص کو نہیں جانتے تو دیکھ لو یہی تو ہے وہ شخص جو یتیم کا حق مارتا ہے اور اس کے باپ کی چھوڑی ہوئی میراث سے بھی بے دخل کر کے دھکے دے کر نکال دیتا ہے اسی طرح اگر کوئی یتیم خود اس سے کچھ مانگنے آتا ہے تو رحم کھانے کی بجائے اسے دھکے دے کر نکال دیتا ہے اور پھر بھی کوئی آفت کا مارا اگر امید لیے کھڑا ہی رہے تو سال اللہیم بوجع و دسہ سائل کا منظر سامنے آجاتا ہے اور بالفرض اپنا ہی کوئی یتیم رشتہ دار اپنے گلے پڑ جائے تو اس بد نصیب کے حصہ میں گھر بھر کی خدمت گزاری اور بات بات پر جھڑکیاں اور ٹھوکریں کھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ہر قسم کے مظالم کے لئے وہ تختہ مشق بنارہتا ہے اور ستم یہ کہ اس ظالم کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ خود بھی زمانہ کی ستم ظریفی کا شکار ہو سکتا ہے۔ بلکہ یتیم کو ایک بے بس اور بے جان مخلوق سمجھتا ہے۔ اس لئے اس کا حق مارنے یا اس کو دھکارنے یا ظلم و جور کے لئے تختہ مشق بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بخل کی حد بندی نہیں بلکہ بطور تمثیل دو چیزوں کو ذکر کیا گیا ہے: ..... ولا یحض یعنی غریب محتاج کو خود دینا تو کیا معنی؟ وہ کسی اور دینے والے کو بھی نہیں اکساتا۔ حالانکہ غریبوں پر ترس کھانا ہر مذہب و ملت میں پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا ہے۔ لیکن جو شخص انسانی جذبہ ہمدردی سے بھی بے بہرہ ہو۔ سمجھو کہ وہ آدمی نہیں جانور ہے۔ بھلا ایسے شخص کو دین سے کیا واسطہ اور اللہ سے کیا سروکار؟ مفسر نے طعام المسکین کے معنی اطعام المسکین کے لئے ہیں۔ یعنی مسکین کو کھانا کھلانے کی کسی کو ترغیب نہیں دیتا۔ لیکن طعام المسکین کو اپنے ہی ظاہر پر رکھا جائے تو زیادہ المیہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کسی کو اپنا کھانا دینے کی ترغیب دینا تو بجائے خود مسکین کو اپنا کھانا اور اس کا حق ..... جو دوسرے پر آتا ہے اس کو دلانے کی توفیق بھی سلب کر لی جاتی ہے اور وہ مسکین کو اس کا اپنا کھانا بھی دلانے کی کسی کو ترغیب نہیں دیتا۔ اس کے لئے نہ خود کو آمادہ کرتا ہے اور نہ دوسروں کو اکساتا ہے۔ یہاں دو چیزوں کے ذکر سے مقصود صرف انہی دو چیزوں کی برائیاں بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ دو خرابیاں بطور تمثیل ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ ان نمونوں سے ہر شریف طینت انسان سمجھ لے گا کہ نہایت قبیح رذائل ہیں اور اسی کے ساتھ اس پر بھی زور دینا ہے کہ جسے اللہ کے دربار میں حاضری کا خوف و ڈر ہوگا تو اس سے یہ کمینی حرکتیں سرزد نہ ہوں گی۔

نمازیوں پر نماز کا ادبار: ..... فویل للمصلین اس میں فال لانے کا مطلب یہ ہے کہ کھلے ہوئے منافقین کا حال تو تم نے ابھی سن لیا ہے۔ اب ان کا حال سنو جو خود کو نماز پڑھنے والے مسلمانوں میں سمجھتے ہیں۔ مگر آخرت کو جھوٹ سمجھتے ہیں اس لئے دیکھو تو وہ



اپنے لئے کس تباہی کا سامان کر رہے ہیں اور مصلین کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خود کو نمازیوں میں شمار کرتے ہیں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ یہ نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے؟ اور اس سے کیا مقصود ہے؟ اور اس کا کتنا اہتمام ہونا چاہیے۔ بھلا یہ کیا نماز ہوئی کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی۔ گندے دار دو چار ٹکریں مار لیں وقت بے وقت کھڑے ہو گئے۔ دنیا کے بکھیروں میں اس قدر کھوئے ہوئے ہیں کہ نماز کا ہوش ہی نہیں جب جی میں آگیا۔ آگئے اور آئے تو یہ خبر نہیں کہ کہاں آئے ہیں، کیوں آئے ہیں؟ کس کے آگے کھڑے ہیں؟ احکم الحاکمین کے دربار میں کس شان سے حاضری دے رہے ہیں کیا خدا صرف ہمارے اٹھنے، بیٹھنے، سیدھے ہونے، جھک جانے کو دیکھ رہا ہے۔ اس کی نظر دلوں پر نہیں ہے کہ ان میں کتنا خلوص اور خشوع ہے؟ یہ سب باتیں مہاون میں آ جاتی ہیں۔ اور فی صلوتہم کے بجائے عن صلوتہم میں نکتہ یہ ہے کہ لائق عتاب اور قابل ملامت نماز سے اعراض و غفلت ہے کہ نماز کو بالکل ہی بھول بھلیاں بنا دے۔ نماز میں سہو و نسیان پیش آنا نفاق یا گناہ نہیں ہے۔ بلکہ ارشاد نبوی رفع عن امتی الخطاء والنسيان کی رو سے وہ کوئی عیب اور لائق سرزنش بات بھی نہیں ہے۔ انبیاء و اولیاء میں کوئی اس سے بچا نہیں۔ نماز میں سجدہ سہو کا ایک مستقل باب ہے۔ بلکہ وہی گندے دار نماز پڑھنا یا ٹال منال کرتے رہنا اور وقت جب بالکل ختم ہونے لگے تو اٹھ کر دو چار ٹھوٹکیں مار لینا یا اس طرح نماز پڑھ لینا کہ کوئی مصیبت نازل ہو رہی ہے۔ بے دلی کے ساتھ کپڑوں سے کھیلنا۔ جمائیاں لیتے جانا۔ بادل بخو استہ کچھ ٹکریں مار لینا۔ یا ایسی ہیئت سے نماز پڑھنا کہ معلوم ہوتا ہے پہلوانی کی جارہی ہے۔ ورزش ہو رہی ہے۔ خدا کی یاد کا کوئی شائبہ دل کے اندر نہیں ہوتا۔ پوری نماز میں نماز کا احساس ہوتا ہے اور نہ یہ خیال کہ کیا پڑھا ہے۔ جسم نقل و حرکت کر رہا ہے۔ مگر دل ہے کہ کہیں اور پڑا ہوا ہے۔

نماز بے حضوری: ..... گویا ایک مشین ہے جس کو چابی دے دی گئی ہے اور وہ اس سے چل رہی ہے چابی ختم ہو جائے گی نقل حرکت بھی رک جائے گی۔ مارا مارا اس طرح نماز پڑھی جارہی ہے کہ نہ قیام ٹھیک نہ رکوع و سجود قرینہ کے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک صاحب نماز میں ڈاڑھی کے بالوں کو چھیڑ رہے تھے آپ نے فرمایا: اگر اس کے دل میں خشیت اور خوف ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا بس کسی نہ کسی طرح الٹے سیدھے نماز کا پوتھا اتارنے کی کوشش ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس کی نماز اللہ سے نریب نہیں کرتی اسے اور دور پھینک دیتی ہے۔ جہاں تک نماز میں وسوس اور دوسرے خیالات کے خود بخود آ جانے کا تعلق ہے وہ اور ت ہے اور نماز جی لگا کر نہ پڑھنا اور اس میں دوسری ہی باتیں سوچتے رہنا بالکل دوسری چیز ہے۔ پہلی حالت تو بشریت کا تقاضا ہے نبیاء و اولیاء بھی اس سے بچے ہوئے نہیں ہیں نہ اس پر کوئی عتاب اور مواخذہ ہے بلا ارادہ دوسرے خیالات آ جاتے ہیں۔ لیکن مؤمن کو جب بھی احساس اور تنبہ ہو جاتا ہے۔ کہ نماز سے اس کا دھیان ہٹ گیا ہے۔ تو وہ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے یہ حالت قابل امت نہیں لائق افسوس جو بات ہے وہ غفلت ہے کہ نماز شروع کرنے سے سلام پھیرنے تک ایک لمحہ کے لئے دل خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا جن خیالات کو لئے ہوئے نماز میں آیا تھا انہی میں مستغرق رہتا ہے اور انہی افکار میں نماز سے باہر آ جاتا ہے۔

یا کاری ایک طرح کا شرک ہے: ..... الذین ہم یروؤن یعنی ایک نماز ہی کیا ان کے دوسرے اعمال بھی ریا کاری رنمائش و نمود سے خالی نہیں ہوتے گویا ان کا مقصود خالق سے قطع نظر مخلوق کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ کوئی بھی نیک کام خلوص نیت سے خدا کے لئے نہیں کرتے بلکہ جو کچھ کرتے ہیں دکھلاوے کے لئے کرتے ہیں۔ کہ لوگ ان کو نیک سمجھیں اور ان کی تعریفیں ہوں، ان کی بنداری کا دنیا میں ڈھنڈورا پیٹے اور پھر اس کا فائدہ کسی نہ کسی صورت میں دنیا ہی میں ان کو مل جائے۔ لیکن ابن عباسؓ اور بالعموم سرے مفسرین نے اس جملہ کا تعلق پہلے سے مانتا ہے۔ اور بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ مراد وہ منافقین ہیں جو محض دکھاوے کی از پڑھتے ہیں اگر لوگ دیکھ رہے ہوں۔ تو نماز پڑھ لیتے ہیں اور کوئی دیکھنے والا نہ ہو تو نہیں پڑھتے تھے۔ بہر حال غور سے دیکھا جائے تو یا کاری ایک طرح سے شرک و کفر ہے کہ ریا کار کے پیش نظر غیر خدا ہوتا ہے قیامت میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ انہی سے صلہ اور بدلہ لو

جن کو دکھانے کے لئے عبادت و اطاعت کی تھی۔ یوں اعمال کی صورت بھی بے کار نہ ہو اور وہ اس پر بھی فضل و انعام فرمادیں۔ وہ الگ بات ہے مگر خالص تو حیدریا کاری کو گوارا نہیں کرتی۔

کنجوس کے لئے مال، جان و آن سے زیادہ عزیز ہے: ..... **ویمنع الماعون** یعنی زکوٰۃ و صدقات تو کیا ادا کرتے معمولی برتنے کی چیزیں۔ پانی، ہنڈیا، دیکھی، کلباڑی، ڈول، رسی تک اور وہ بھی عاریۃ دینے میں جان نکلتی ہے خست و بخل کا جب یہ حال ہو تو ریا کاری کی نماز ہی سے کیا فائدہ ہوگا ایک آدمی خود کو مسلمان کہتا ہے اور نمازی کہلاتا ہے مگر اللہ کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ ہمدردی نہیں رکھتا تو اس کا مسلمان ہونا لفظی ہے اور نمازی ہونا بے حقیقت ہے یہ ریا کاری اور بد خلقی ایک سچے مسلمان کا شیوہ نہیں۔ بندہ ان لوگوں کا وطیرہ ہے جو اللہ اور دین پر اعتقاد نہیں رکھتے چھوٹی موٹی چیزیں جو عادتہ۔ مسائے ایک دوسرے سے مانگتے رہتے ہیں اور ان کا متنازعہ میں کوئی ذلت کی بات نہیں سمجھتا۔ امیر غریب سب ہی کو کبھی نہ کبھی ایسا اتفاق پیش آتا رہتا ہے ابتہا ایسی چیزوں کو نہ دینا اور بخل کرنا غلط و ذلیل حرکت سمجھا جاتا ہے حضرت علیؑ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ماعون سے مراد زکوٰۃ بھی اور معمولی ضروریات کی چیزیں بھی ہیں کہ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ماعون کا اعلیٰ مرتبہ زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ ترین مرتبہ یہ ہے کہ کسی کو چھلنی، ڈول، سوئی عاریۃ دی جائے۔ دو نکلتے:

بہر حال دین کی تکذیب اگر کفر کے طریقہ پر ہو جیسا کہ سورت کے نصف اول میں ہے یا بطور نفاق کے تکذیب ہو جیسا کہ سورت کے نصف آخر میں ہے تب یہ تو مذمت اول درجہ کی ہے اور اگر بلا تکذیب کے ان افعال کا ارتکاب ہو تو یہ مذمت دوسرے درجہ کی ہے آیت فویل للمصلین کی تقریر سے یہ شبہ کیا جائے کہ اس سے حقوق اللہ کا حقوق العباد پر مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے حالانکہ فقہاء نے حقوق العباد کو مقدم مانا ہے جواب یہ ہے کہ دونوں باتیں الگ الگ حیثیت سے درست ہیں حقوق العباد بلحاظ احتیاج والزام کے مقدم ہیں اور حقوق اللہ اعظم ہونے کی وجہ سے مقدم ہیں اور غور سے دیکھا جائے تو حقوق العباد میں بھی حقوق اللہ ہیں۔ کیونکہ اللہ ہی کے حکم سے ان کے حقوق مقرر ہوئے پس اصل حقوق اللہ ہی ہوئے۔

**خلاصہ کلام:** اس سورت کا ماحصل یہی ہے کہ انسان آخرت کا انکار کر کے کیا کھوتا ہے اور کیا پاتا ہے چنانچہ دوسری تیسری آیت میں ان کافروں کی حالت کا بیان ہے جو آخرت کو جھٹلاتے ہیں اور آخری چار آیات میں ان منافقین کی حالت بیان کی گئی ہے جو ظاہر نماز پڑھتے ہیں مگر دل میں نہ آخرت کا اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ اس کی سزا جزا کا کوئی دھیان انہیں آتا ہے اور ان دونوں قسم کے لوگوں کی حالت بیان کرنے سے اسی حقیقت کو اجاگر کرنا مقصود ہے کہ آخرت کے انکار سے انسان کا اخلاق و کردار تباہ ہو جاتا ہے لہذا اعلیٰ اخلاق اور پاییزہ کردار کے لئے آخرت کا اعتقاد ضروری ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تو منافقین میں نفاق اعتقادی اور تمسکی دونوں تھے ان کا حکم تو کافروں ہی جیسا ہے مگر بعد میں کسی کے بارے میں قطعیت کے ساتھ اعتقادی نفاق کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا ہے اللہم احفظنا منها اور نفاق عملی کی کثرت کی کوئی حد نہیں ہے۔

**فضائل سورت:** ..... **من قراء سورة ارايت غفر له ان كان للزکوٰۃ مودیا** جو شخص سورۃ ارایت پڑھے گا حق تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیں گے بشرطیکہ وہ زکوٰۃ ادا کرتا ہو (مرفوع)۔

**لطائف سلوک:** ..... **فذلک الذی يدع الیہم اس میں قساوت، غفلت، ریا، بخل کی مذمت واضح ہے۔**

## سُورَةُ الْكَوْثَرِ

سُورَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَنَا اَعْطِيَاكَ بِاِمْحَمَّدُ الْكَوْثَرِ ﴿۱﴾ هُوَ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ اَوْ هُوَ حَوْضُهُ تَرِدُ عَلَيْهِ اُمَّتُهُ اَوِ الْكَوْثَرُ الْخَيْرُ الْكَثِيرُ  
مِنَ السُّوَرَةِ وَالْقُرْآنِ وَالشَّفَاعَةِ وَنَحْوِهَا فَصَلِّ لِرَبِّكَ صَلَاةَ عِيدِ النَّحْرِ وَالنَّحْرُ ﴿۲﴾ تُسَكِّتُ اِنْ  
شَاءَتْ اَنْ يُّبْعَثَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾ الْمُنْقَطِعُ عَنْ كُلِّ خَيْرٍ اَوِ الْمُنْقَطِعُ الْعَقْبُ نَزَلَتْ فِي الْعَاصِ بْنِ مَرْيَمَ  
وَإِلَّ سَمَّى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْتَرًا عِنْدَ مَوْتِ ابْنِهِ الْقَاسِمِ

سورۃ کوثر مکہ ہے یا مدنیہ اس میں تین آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: .... بلاشبہ ہم نے آپ کو (اے محمد!) کوثر عطا فرمائی ہے (یہ جنت کی نہر یا حوض ہے جہاں امت محمدیہ لے جانی  
جائے گی یا کوثر سے مراد نبوت، قرآن، شفاعت وغیرہ خیر کثیر ہے) سو آپ اپنے پروردگار کے لئے (بقرعید کی) نماز پڑھئے اور  
قربانی کیجئے یقیناً آپ کا دشمن (مخالف ہی) بے نام و نشان ہے (ہر طرح کی خیر سے محروم، یا منقطع النسل ہے یہ آیت عاص بن وائل  
کے متعلق نازل ہوئی جب اس نے آپ ﷺ کے صاحبزادہ قاسم کی رحلت پر آپ کو اتر کہا تھا)۔

تحقیق و ترکیب: .. اعطینا ایک قرأت انطینا ہے، بنو تمیم اور اہل یمن کا یہ لغت ہے۔

الکوثر حوض کوثر مراد ہے یا فوعل کا وزن کثرت اور مبالغہ کے لئے ہے جیسے: نقل سے نفل کوثر کا موصوف خیر محذوف ہے  
اس میں علم و عمل اور دونوں جہان کی ہر قسم کی بھلائی داخل ہے بعض نے آپ کی اولاد اور پیروکار اور علماء امت اور قرآن کریم کو بھی اس  
میں داخل کیا ہے۔

صحیح میں کوثر کی دونوں تفسیریں آئی ہیں حوض کوثر اور خیر کے معنی ہیں اور ایک تفسیر کا دوسری تفسیر میں داخل ہونا بھی آیا ہے اور  
بعض احادیث سے اس نہر کا جنت میں ہونا اور بعض سے میدان حشر میں ہونا معلوم ہوتا ہے تطبیق کی صورت یہ ہے اصل نہر جنت میں اور  
اس کی شاخ محشر میں ہوگی

والنحر اونٹ عرب کے نزدیک بہترین مال سمجھا جاتا ہے اس لئے اس کے ذبح کے لئے لفظ نحر حاصل استعمال کیا گیا

مراد مطلقاً قربانی ہے خواہ اونٹ کی قربانی ہو یا گائے بکری کا ذبیحہ نماز اور قربانی دونوں کو جمع کرنے میں بدنی، مالی، عبادات کی طرف اشارہ ہے اور نماز کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ منافقین جیسی نماز نہیں ہونی چاہیے جو غفلت و ریاکاری پر مشتمل ہوتی ہے اور قربانی کرنے میں اشارہ ہے کہ منافقین جیسا بخل نہیں ہونا چاہیے کہ زکوٰۃ و میراث سے سب سے محروم رہتے ہیں بلکہ آپ غریبوں کے لئے خوراک بہم پہنچائیے اس طرح اس سورت کا مضمون پہلی سورت کے مقابل ہو جاتا ہے لیکن مفسر نے نماز سے نماز عید قربانی اور نحر سے عید کی قربانی مراد لیتے ہیں۔

ان شانثلک۔ شانی سے ماخوذ ہے جس کے معنی بغض و عداوت کے ہیں جس کے نتیجہ میں بدسلوکی کی جائے۔ ولا یجزمکم شنان قوم۔

ہو الا بتر۔ ابتر کے معنی دم بریدہ کے ہیں مراد ایسا شخص ہے جس کی نسل نہ چلے اور گناہ ہو جائے یہ استعارہ کیا گیا ہے بتر قطع کرنے اور کاٹنے کے معنی ہیں یعنی الگ تھلگ آدمی۔

حدیث میں آتا ہے۔ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البتراء۔ یعنی اکیلی ایک رکعت پڑھنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس طرح دوسری حدیث۔ کل امر ذی بال لم یلد فیہ بحمد اللہ فہو ابتر۔ یعنی بغیر اللہ کی حمد کے جو کام شروع کیا جائے وہ بے برکت اور بے نتیجہ رہتا ہے دشمن کے ابتر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نسل رہے نہ رہے پر دنیا میں اس کا ذکر خیر باقی نہ رہے گا بر خلاف حضور ﷺ کے آپ کی پسری نسل نہ سہی اس سے جو مقصود ہے وہ بدرجہ اتم حاصل ہے۔

ربط آیات: ..... سورۃ الضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا ہے ان میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و عقیدت اور آپ کے مخالف کے ساتھ بغض و عداوت ہے اس سورت کے شروع اور آخر میں اس کے موجبات کا ذکر ہے اور درمیانی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطائی نعمت پر شکر کا حکم ہے وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات: .... حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، کلثی، مقاتلؓ اور جمہور مفسرینؓ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے لیکن حسن بصریؓ، عکرمہؓ، مجاہدؓ اور قتادہؓ اس کو مدنی کہتے ہیں علامہ سیوطیؒ اور علامہ نوویؒ نے اس کو ترجیح دی ہے کیونکہ حضرت انس بن۔ مکؓ فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ پر کچھ غنودگی کے آثار طاری ہوئے پھر آپ نے مسکراتے ہوئے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے اور آپ نے بسم اللہ پڑھا کہ سورۃ کوثر پڑھی پھر پوچھا جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ عرض کیا اللہ و رسول کو زیادہ معلوم ہے فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے جو میرے رب نے مجھے جنت میں عطا کی ہے چونکہ حضرت انسؓ اپنا اس مجلس میں شریک ہونا بیان کرتے ہیں اور وہ مکہ میں نہیں تھے بلکہ مدینہ میں تھے پس یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے لیکن اول تو اس سورت کا مضمون۔ بجائے خود اس کا شاہد ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس وقت نازل ہوئی جب مکہ میں ہر قسم کے دلخراش تیر چلائے جا رہے تھے دوسرے حضرت انسؓ کی روایت میں یہ تفصیل موجود نہیں ہے کہ حضورؐ نے کسی سلسلہ کلام میں یہ ارشاد فرمایا پہلے سے کیا گفتگو چل رہی تھی؟ ممکن ہے کسی مسئلہ میں آپؐ کچھ ارشاد فرما رہے ہوں اور اسی ذیل میں تائیداً آپؐ نے سورت کوثر پڑھی اس قسم کے واقعات اور مواقع نیز پیش آئے ہیں جن کی نسبت مفسرین نے بعض آیات کے متعلق کہا کہ وہ دومرتبہ نازل ہوئی ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سورت اگرچہ پہلے نازل ہو چکی ہے مگر پھر کسی موقع پر حضورؐ کو وحی کے ذریعہ توجہ دلائی گئی ہے اور آپؐ نے بطور استشہاد ان آیات کو تلاوت فرمادیا۔ تیسرے خود حضرت انسؓ ہی سے متعدد روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہر کوثر معراج میں دکھائی گئی اور

ظاہر ہے کہ معراج مکہ معظمہ میں ہوئی تھی پھر مدینہ طیبہ میں کوثر کی خوشخبری دینے کا کیا مطلب؟ نیز اتنے صحابہؓ اور جمہور کے مقابلہ میں تنہا حضرت انسؓ کی بات کیسے وزنی ہوگی آخر یہ حضرات بھی مجالس نبویؐ کے حاضر باش تھے جو اس کے مکی ہونے کے قائل ہیں کفار قریش کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ساری قوم سے کٹ گئے ہیں اور ان کی حیثیت ایک بے کس و بے بس انسان کی سی ہوگئی ہے عکرمہ کی روایت ہے کہ حضورؐ کی دعوت اسلام کے جواب میں قریش کے لوگ کہنے لگے بتر محمد منا یعنی محمدؐ اپنی قوم سے کٹ کر ایسے ہو گئے جیسے درخت اپنی جڑ سے کٹ گیا ہو ظاہر ہے کچھ مدت بعد وہ درخت سوکھ کر پیوند خاک ہو جائے گا محمد بن اسحقؒ کی روایت ہے کہ عاص بن وائلؓ سہمی کے سامنے جب حضورؐ کا ذکر کیا جاتا تو وہ کہتا اجمی چھوڑو انہیں وہ تو ابتر ہیں ان کے زریںہ اودا نہیں کہ گھر کا چراغ روشن ہو، مرجائیں گے تو کوئی ان کا نام لیوا بھی نہیں رہے گا ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیطؓ بھی اس قسم کی باتیں کہا کرتا تھا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کعب بن اشرفؓ مکہ میں آیا سرداران قریش نے اس سے کہا لا تری الا هذا الصبی المتستر من فومہ یزعم انه حیر منا ونحن اهل الحجاج واهل السدامة واهل السقایة۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے صاحبزادے قاسمؓ تھے ان سے چھوٹی حضرت زینبؓ تھیں ان سے چھوٹے حضرت عبداللہؓ تھے ان سے چھوٹی ام کلثومؓ، پھر فاطمہؓ پھر رقیہؓ تھیں پہلے حضرت قاسمؓ کا پھر حضرت عبداللہؓ کا انتقال ہوا اس پر عاصؓ بولا۔ ان محمد ابتر لا بس لہ یقوم مقامہ بعدہ فاذا مات انقطع ذکرہ واسترحم منہ۔ یہ موقع دشمن کے خوش ہونے کا نہیں تھا مگر خوش ہو رہے ہیں کون؟ آپؐ کے چچا ابو جہلؓ و ابولہبؓ اور برادری کے عقبہ بن ابی معیطؓ وغیرہ کچھ ٹھکانہ ہے اس کمینہ پن اور دناست کا ان حوصلہ شکن اور دلگداز حالات میں سورۃ کوثر نازل ہوئی جس میں آپؐ کو بڑی تسلی دی گئی اور آپؐ کے طبعی ملال و تکدر کو دور فرمایا گیا۔

﴿تشریح﴾: ..... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ توحید خالص کی دعوت دیتے اور صرف اللہ کی عبادت و طاعت کی تلقین فرماتے تھے اور لوگوں کے شرکیہ اعمال کا کھلے بندوں رد فرماتے تھے جس سے قریش اور عرب کے لوگ آپؐ سے بگڑ گئے تھے اور نبوت سے پہلے قوم کی نظروں میں جو آپؐ کا مقام تھا وہ آپؐ سے چھین لیا گیا اور لوگوں نے آپؐ کا سوشل بائیکاٹ کر دیا آپؐ کے مٹھی بھر سا تھی بھی الگ تھگ کر دیئے گئے۔

سرور کائناتؐ کے حالات کا دلگداز رخ: ..... اس پر مزید دو صاحبزادوں کی وفات نے غموں کا پہاڑ تو ر دیا ایسے وقت جب کہ دشمن کا جگر بھی شق ہو جائے عزیزوں، رشتہ داروں، قبیلہ اور برادری کے لوگوں اور ہمسایوں کی طرف سے ہمدردی اور دل سوزی کے بجائے اسی خوشیاں منائی جا رہی ہوں اور وہ حرکتیں کی جا رہی ہوں جو ایک غیرت مند شریف انسان کے لئے دل توڑنے والی تھیں جس نے اپنے غیروں تک سے ہمیشہ نیک سلوک کیا تھا بہر حال حسب عادت حق تعالیٰ نے اس مختصر ترین سورت میں آپؐ کی دمداری فرمائی اور وہ خوشخبری دی جو دنیا کے کسی انسان کو بھی کبھی نہیں دی گئی اور یہ کہ آپؐ گھبرائیں نہیں آپؐ کی مخالفت کرنے والوں ہی کی جڑیں کٹ جائیں گی۔

کوثر کیا ہے؟: ..... الکوثر کسی دوسری زبان میں ایک لفظ سے اس کے پورے مفہوم کو ادا نہیں کیا جاسکتا چنانچہ البحر المحیط میں اس کے متعلق چھبیس اقوال ذکر کیے گئے ہیں اور آخر میں اس کو ترجیح دی گئی ہے کہ اس لفظ میں اتنی وسعت ہے کہ ہر قسم کی دینی و دنیاوی راحتیں، حسی اور معنوی نعمتیں اس میں داخل ہیں جو حضورؐ کو اور آپؐ کے طفیل آپؐ کی امت کو ملنے والی تھیں ان میں ایک بہت بڑی نعمت

وہ حوض کوثر بھی ہے جس سے آپ امتیوں کو سیراب فرمائیں گے۔ اللہم اعطنا منها۔ کوثر کثیر سے ماخوذ ہے مبالغہ کا صیغہ ہے مگر موقع استعمال کے لحاظ سے محض کثیر ہی کے معنی نہیں ہیں بلکہ خیر کثیر کے معنی ہیں یعنی بے شمار بھلائیوں اور نعمتوں کی کثرت مراد ہے۔

گرد و پیش کے حالات :..... چنانچہ آپ کے چاروں طرف کے حالات پر نظر ڈال کر دشمن یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ہر حیثیت سے تباہ ہو چکے ہیں قوم سے کٹ کر تنہا رہ گئے تجارت برباد ہو گئی نرینہ اولاد سے بھی ہاتھ دھو چکے ہیں بات بھی ایسی لے کر اٹھے کہ مکہ تو درکنار پورے عرب میں بھی چند گئے چنے آدمیوں کو چھوڑ کر کوئی اس کو سننا تک گوارا نہیں کرتا تھا اس لیے آپ کے مقدر میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ جیتے جی ناکامی و نامرادی سے دو چار ہیں اور جب وفات پا جائیں تو دنیا میں آپ کا نام لیوا بھی کوئی نہ ہو ایسی حالت میں جب آپ سے یہ فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو بہت بڑی خیر عطا کی ہے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ تمہارے مخالف جن خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں اس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ جو نعمتیں ہم نے آپ کے لئے مقدر کی ہیں ان پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ کو بہت کچھ عطا ہوا ہے نبوت و رسالت، علوم و حکمت، قرآن و اخلاق کی دولت سے سرفراز فرمایا گیا دین و شریعت کا مکمل اور جامع نظام عنایت کیا گیا جس سے ایسی نسل اور امت تیار ہوگی جو رہتی دنیا تک آپ کا نام روشن کرے گی اور آپ کے پیغام کو عالمگیر بنالے گی اور ہمیشہ کے لئے دین حق کی علمبردار بن جائے گی جس سے زیادہ نیک و پاکیزہ اور بلند پایہ انسان دنیا میں کسی امت کو نہیں ملا اور بگاڑ کی حالت کو پہنچ کر بھی دنیا کی سب قوموں کی سب سے بڑھ کر خیر اپنے اندر رکھے گی۔

پیشین گوئی پوری ہو گئی :..... حضورؐ نے اپنی آنکھوں سے اپنی حیات مبارکہ ہی میں اپنی دعوت کو انتہائی کامیاب دیکھ لیا اور آپ کے ہاتھ ایسی جماعت تیار ہو گئی جو دنیا پر چھا جانے کی طاقت رکھتی ہے آپ کی نرینہ اولاد نہ رہنے سے دشمن یہ سمجھتے تھے کہ آپ کا نام و نشان دنیا سے مٹ جائے گا مگر اللہ نے صرف یہی نہیں کہ روحانی اولاد کے ذریعہ آپ کا نام اور کام زندہ جاوید بنادیا بلکہ آپ کی صرف ایک ہی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ خاتون جنت سے جسمانی اولاد دنیا میں پھیلا دی جس کے لئے آپ کا انتساب بڑا سرمایہ افتخار ہے یہ تو دنیا کی وہ نعمتیں ہیں جو اللہ نے اپنے حبیب پاکؐ قداہ ابی دمی کو یہاں عطا فرمائی ہیں جن کو مخالفین نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا لیکن کوثر کے سلسلے میں جو آخرت کی نعمتیں اور مراتب عالیہ آپ کو ارزانی ہوں گے ان کا کوئی شمار نہیں۔ منجملہ ان کے حوض کوثر ہے جس کا ذکر اتنی روایات میں آیا ہے کہ ان کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے حوض کوثر ہو یا نہر کوثر شفاعت کبریٰ ہو یا مقام محمود مقصود آپ کی مرتبت شان کا اظہار ہے جس کا ظہور نبوت کبریٰ کی صورت میں دنیا میں ہو چکا ہے اور عرب کی سنگلاخ زمین جہاں پانی کی ایک ایک بوند کو گہنی قیمتی سمجھتے ہیں حوض کوثر کی بخشائش لطف دے رہی ہے۔

بطور شکر گزاری جان مال اللہ کے لیے وقف کیجئے :..... فصل لربک۔ یعنی اتنے عظیم الشان انعامات اور احسانات کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہیے اس لیے جسم و روح کے ساتھ نہایت فروتنی اور عاجزی سے اپنے رب کی عبادت میں لگے رہیں بدنی عبادت میں نماز ایک اہم حیثیت رکھتی ہے اسی طرح مالی عبادات میں قربانی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے اور روحانیت کا پہلو دونوں میں قدر مشترک ہے نماز سے بعض حضرات نے بیچ وقتہ نمازیں مراد لی ہیں اور بعض بقرعید کی نماز مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ بجائے خود مطلق نماز مراد ہے اسی طرح و افحس سے مراد جانوروں کی قربانی کرنا ہے اور بعض نے نماز میں بحالت قیام سینہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر نیت باندھنا مراد لیا ہے اور بعض نے تحریمہ کے وقت مونڈھوں تک ہاتھ اٹھانا کہا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تکبیرات انتقالیہ کے

وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا مطلوب ہے مگر تحریر کے وقت رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے لیکن موقع محل کے لحاظ سے غور کر کے دیکھا جائے تو صاف مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے دنیا بھر کے مشرکین تو اپنے خود ساختہ معبودوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں اور استہانوں اور مندروں پر قربانیاں چڑھاتے ہیں مگر آپ ان کے برعکس اپنے موجد اندرودہ پر بدستور مضبوطی سے جمے رہیے کہ آپ کی نماز بھی اللہ ہی کے لئے ہو اور قربانی بھی اللہ ہی کے لئے ہونی چاہئے۔ البتہ یہ بات بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے جب مدینہ طیبہ میں بحکم الہی بقرعید کی نماز اور قربانی کا طریقہ جاری کیا تو چونکہ آیت ان صلواتی و نسکی اور آیت فصل لربک و انحر میں نماز کو پہلے اور قربانی کو بعد میں ذکر فرمایا گیا اس لئے آپ نے خود ہی اسی کے مطابق عمل فرمایا اور مسلمانوں کو بھی یہی حکم فرمایا کہ وہ پہلے نماز پڑھیں پھر قربانی کریں گو یہ حدیث اس آیت کا شان نزول یا تفسیر نہیں ہے تاہم حضور کا ان آیات سے استنباط ہے اور آپ کا استنباط بھی وحی کی ایک قسم ہے اور گوانسان کو اپنی جان و مال کی قربانی پیش کرنی تھی تاہم حضرت ذبح اللہ کے صدقہ میں جانوروں کو فدایہ بنادیا گیا ہے حتیٰ کہ اگر کوئی اپنی یا اولاد کی قربانی کی نذر بھی مانے تب بھی جان دینے کی اجازت نہیں بلکہ جانور کی قربانی کرنی ہوگی۔

ذلت و گمنامی حضور کے مخالفین کے حصہ میں آئی:..... ان شانک ہو الابرار۔ ابرار دم کئے لندے جانور کو کہا جاتا ہے عرب کے محاورہ میں جن کے بیٹا نہ ہو اس کو ابر کہتے ہیں حضور کے صاحبزادہ کی رحلت پر دشمن بغلیں بجاتے اور خوش ہوتے تھے کہ اسلام کا جھگڑا بس محمد کے دم تک ہے اس کے بعد تو گھر میں چراغ بھی روشن نہیں ہوگا نام تو کیا روشن ہوتا اس کا جواب دیا گیا کہ ابر تو وہ شخص ہے جو آپ کی عداوت اور دشمنی میں اندھا ہو گیا ہو آپ پر عیب لگانا ہو آپ کے خلاف بدگوئی کرتا ہو آپ کی اہانت کرتا پھرتا ہو آپ پر طرح طرح کی باتیں چھانٹ کر اپنے دل کا بخار نکالتا ہو آپ کی انگنت روحانی اولاد اور بے شمار جسمانی دختر و اولاد جو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور آپ کا دین اور اس کے آثار و انوار جو عالم میں چمک رہے ہیں اور آپ کی وہ یاد جو نیک نامی اور محبت و عقیدت کے ساتھ ارب ہزار انسانوں کے دلوں کو گرم رہی ہے دوست دشمن سب آپ کا لوہا مان رہے ہیں پھر آخرت کی ان گنت نعمتوں میں حوض کوثر اور شفاعت کبریٰ مقام محمود جیسے بیش بہا اعزازات اور مقبولیت عامہ جو علیٰ روس الاشہاد حاصل ہوگی جب ان پر نظر کی جائے تو بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ ابر حقیقت بس وہ ہے جو آپ کو ابر کہے اور یہ محض جوابی حملہ نہ سمجھا جائے بلکہ قرآن کریم کی یہ اہم پیشگوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی جس وقت یہ پیش گوئی کی گئی تھی اس وقت تو لوگ حضور کو ہی ابر سمجھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے اور کسی کو مان گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ قریش کے بڑے بڑے سردار ابر ہو جائیں گے جو صرف مکہ میں نہیں بلکہ سارے عرب پر چھائے ہوئے تھے اولاد اور کنبہ جتھہ کے ساتھ مال و دولت بھی رکھتے تھے حج کے انتظام اور حجاج کی خدمات کی وجہ سے بڑے نامور تھے اور قبل عرب سے وسیع تعلقات رکھتے تھے۔

چند سال میں عرب کی کایا پلٹ:..... لیکن چند سال ہی میں ایسی کایا پلٹ ہو گئی کہ ایک وقت وہ تھا کہ ۵۷ھ میں غزوہ احزاب کے موقع پر قریش بہت سے قبل عرب و یہود کو لے کر جب مدینہ پر چڑھے ہیں تو حضور کو محصور ہو کر اور شہر کے گرد خندق کھود کر مدافعت کرنی پڑی تھی یا تین سال بعد ۸ھ میں پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب آپ نے مکہ پر چڑھائی کر دی تو قریش کا کوئی حلیہ مددگار نہ تھا اور انہیں نہایت بے بسی کے ساتھ ہتھار ڈال دینے پڑے یہاں تک کہ بہت سے فقہاء اور محدثین کو یہ کہنا پڑا کہ مکہ بغیر لڑائی



کے فتح ہو گیا کوئی ادنیٰ مزاحمت نہیں ہوئی پھر اس کے ایک سال کے اندر پورا ملک عرب حضورؐ کی مٹھی میں تھا ملک کے گوشہ گوشہ سے قبائل کے وفد آکر رہے تھے اور آپؐ کے دشمن مخالفین بالکل بے بس اور بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے اور ایسے بے نام و نشان ہوئے کہ ان کی اولاد سردیہ میں رہی بھی تو ان میں سے آج کوئی یہ نہیں جانتا کہ وہ ابو جہل یا ابولہب یا عاص بن وائل یا عقبہ بن ابی معیط وغیرہ دشمنان اسلام کی اولاد میں سے ہیں اور جانتا بھی ہو کوئی یہ کہنے کے لیے تیار نہیں کہ اس کے اسلاف یہ لوگ تھے۔ اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور اہل بیت پر دنیا بھر میں برابر درود بھیجا جا رہا ہے اربوں انسانوں کو آپؐ ہی سے نسبت پر فخر نہیں بلکہ آپؐ کے خاندان اور آپؐ کے ساتھیوں کے خاندانوں تک انتساب سے عزت و شرف ہے کوئی سید ہے کوئی عباسی ہے کوئی صدیقی ہے کوئی فاروقی، کوئی عثمانی، کوئی زبیری، کوئی انصاری مگر نام کو بھی کوئی ابو جہلی یا ابولہب پایا جاتا۔ بلکہ آپؐ کی نسبت سے شہرت ان دشمنوں کو بھی مل گئی لیکن نسبت چونکہ مقدمہ کی تھی اس لیے شہرت بھی نفرت و حقارت کے ساتھ نصیب ہوئی حتیٰ کہ ابو جہل و ابولہب اور نفرت و حقارت دونوں لازم و مزوم ہو گئے قرآن کریم کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ ابتر حضورؐ نہیں بلکہ آپؐ کے دشمن ہی تھے اور ہیں۔

خلاصہ کلام: ... سورہ کوثر کا مرکزی نقطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولداری اور ولد ہی کرنا ہے اور یہ کہ دشمنوں کی پیغا اور شورش سے ہراساں ہو کر سر اسیمہ نہ ہو جائے ان کی طعنہ زنی سے طول نہ ہو جائے آپؐ دیکھ لیں گے کہ آپؐ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہو کر رہے گا درمیان میں بطور شکریہ کے نماز اور قربانی کی صورت میں بدنی اور مالی عبادت کا حکم ہے خواہ عام طور پر یا عید اضحیٰ کے موقع پر۔

فضائل سورت: ... من قرأ سورة الكوثر سقاه الله من كل نهر في الجنة ويكتب له عشر حساسات بعدد كل قربان قربه العباد في يوم النحر۔ جو شخص سورۃ کوثر پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی ہر نہر سے سیراب فرمائے گا اور بقرعید میں جس قدر لوگوں نے قربانی کی اس سے دس گنا ثواب عطا فرمائے گا۔

لھائف سموک: ..... ان شانك هو الابتع۔ اس کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کا مخلف ہر قسم کی خیر سے محروم رہے گا نہ اس کی زندگی میں برکت ہوگی کہ زاد آخرت جمع کر لے نہ اس کے قلب میں خیر ہوگی کہ اس میں حق تعالیٰ کی معرفت و محبت پیدا ہو یا حق بات کو سمجھے نہ اس کے اعمال میں برکت ہوگی کہ توفیق و اخلاص نصیب ہو اور یہی حالت ہوتی ہے آپؐ کے ورثاء کی مخالفت کرنے والے کی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ من عادى لي وليا فقد اذنته بالحرب۔

## سُورَةُ الْكَافِرُونَ

سُورَةُ الْكَافِرُونَ مَكِّيَّةٌ سِتُّ آيَاتٍ نَزَلَتْ لَمَّا قَالَ زُهْطٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْبُدُ الْهِنَا سَنَةً وَتَعْبُدُ الْهَيْتَكَ سَنَةً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ﴿۲﴾ لَا أَعْبُدُ فِي الْحَالِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿۳﴾ مِنْ إِلَّا صَنَامٍ  
وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ فِي الْحَالِ مَا أَعْبُدُ ﴿۴﴾ وَهُوَ اللَّهُ تَعَالَى وَخَدَّهٗ وَلَا أَنَا عَابِدٌ فِي الْأَسْتِقْبَالِ مَا  
عَبَدْتُمْ ﴿۵﴾ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ فِي الْأَسْتِقْبَالِ مَا أَعْبُدُ ﴿۶﴾ عَلِمَ اللَّهُ مِنْهُمْ أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَأَصْلَاقُ مَا  
عَلَى جِهَةِ الْمُقَابَلَةِ لَكُمْ دِينُكُمْ الشِّرْكَ وَلِيَ دِينِ ﴿۷﴾ إِلَّا سَلَامٌ وَهَذَا قَبْلُ أَنْ يُؤْمَرَ بِالْخُرْبِ وَخَدَفَ يَاءُ  
الْإِضَافَةِ السَّبْعَةَ وَقَفَا وَوَضَلَا وَأَثْبَتَهَا يَعْقُوبُ فِي الْحَالِينَ

سورۃ کافرون مکہ ہے یا مدنیہ ہے چھ آیات ہیں اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ایک سال آپ  
ہمارے معبودوں کی پرستش کیجئے اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں (فی الحال) تمہارے معبودوں (بتوں) کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم (فی الحال)  
میرے معبود (اللہ یگانہ) کی پرستش کرتے ہو اور نہ میں (آئندہ) تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم (آئندہ) میرے معبود کی  
پرستش کرو گے (اللہ کو معبود تھا کہ یہ کافر ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ کے لئے لفظ ما کا استعمال تقابل کی وجہ سے ہوا ہے) تمہارے لیے  
تمہارا دین (شرک) ہے اور میرے لئے میرا دین (یعنی اسلام یہ جہاد سے پہلے کا حکم ہے قرأت سبعہ میں دینی کی بنا وقف و وصل کی  
حالت میں محذوف ہے اور یعقوب دونوں حالتوں میں باقی رکھتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب: ..... مکیہ: مفسر علام نے اس سورت کو مختلف فیہ کہا ہے چنانچہ ابن مسعود، حسن بصری، عہدہ غر ماتے ہیں  
کہ یہ سورت مکی ہے اور ابن زبیر کہتے ہیں کہ مدنی ہے ابن عباس اور قتادہ سے دونوں قول منقول ہیں لیکن جمہور مفسرین اس کو مکی مانتے  
ہیں اور خود سورت کا مضمون بھی اس کی شہادت دے رہا ہے

قل یا ایہا الکفرون: چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح ہی مسجد حرام میں تشریف لے جا کر قلیل ارشاد کرتے ہوئے کفر  
کے سامنے یہ اعدان فرمایا۔ لا اعبد۔ مفسر اس کو حال پر محمول کر رہے ہیں لیکن قاضی بیضاوی اس کو استقبال پر محمول کرتے ہیں کیونکہ لا  
مضارع کی غی کے لئے آیا کرتا ہے جب کہ استقبال کے معنی میں ہو جیسا کہ ہا اس مضارع پر داخل ہوتا ہے جو حال کے معنی میں ہو اور  
اس غی کی تاکید کے لئے آتا ہے جو لا کے ذریعہ سے کی جائے اور خلیل یہ کہتے ہیں کہ اس کی اصل لا ہے یعنی مستقبل کی غی مقصود ہے  
ابنہ تفسیر بہر میں یہ ہے کہ سورۃ کافرون میں پہلے جملے سے حال کی غی اور دوسرے بعد کے جملے سے استقبال کی غی مقصود ہے یہ عمدہ اس

قاتل وید“ کے معنی آئندہ قتل کرنے کے ہیں اسی طرح انا عابد کے معنی آئندہ عبادت کے ہیں پس لا انا عابد کے معنی بھی آئندہ عبادت کی نفی کے ہوں گے تیسری صورت بعض حضرات نے یہ اختیار کی ہے کہ یہ دونوں جملے نفی حال و استقبال دونوں کے لیے آتے ہیں لیکن تکرار سے بچنے کے لیے کسی ایک جملہ کو حال کی نفی کے لیے اور دوسرے کو استقبال کی نفی کے لیے خاص کر لیا جائے گا اور کلام میں تکرار پر کلام سورۃ زمن میں گزر چکا ہے تاہم تاکید پر بھی اس تکرار کو محمول کیا جاسکتا ہے۔

ولا اساعبد ما عبدتم۔ اس میں زمانہ ماضی بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی زمانہ ماضی میں میں نے تمہارے معبودوں کی پرستش نہیں کی لیکن اس صورت میں عبارت ولا انا عابدت ما عبدتم ہونی چاہیے تھی لیکن بعث سے پہلے چونکہ حضورؐ کے متعلق اللہ کی عبادت کی شہرت نہیں تھی جس طرح کف رکابت پرست ہونا معروف تھا اس لیے عبادت کی روش تبدیل کر دی گئی ہے تاکہ یہ فرق ظاہر ہو سکے۔

اور ما عابد میں دونوں جگہ من کی جگہ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ ذات کے بجائے یہاں صفت مراد ہے گویا عبارت اس طرح ہے لا اعبد الساطل ولا تعبدون الحق دوسری توجیہ یہ ہے کہ ما تعبدون اور ما عابدتم کی مطابقت کی رعایت کرتے ہوئے دونوں جگہ ما عابد میں بھی ما استعمال کیا گیا ہے تیسری توجیہ یہ ہے کہ چاروں جگہ ما مصدر یہ ہے اور چونکہ توجیہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ما بمعنی الہی ہیں اور آخر کے دونوں ما مصدر یہ ہیں بہر حال یہ قطعی مایوسی ان کفار کے بارے میں ظاہر کی گئی ہے جن کے متعلق علم الہی میں ایمان نہ لانا طے ہے ورنہ جو کفار بعد میں ایمان لے آئے وہ اس کے مخاطب نہیں ہیں ولسی دین نافع ابن کثیر حفص کے نزدیک لی فتم یا کے ساتھ اور باقی قرآن کے نزدیک سکون یا کے ساتھ ہے اور دین قرآن کے نزدیک وقف و وصل دونوں حالتوں میں یا محذوف ہے اور یعقوب کے نزدیک محذوف نہیں مفسر نے اس حکم کو آیات جہاد سے منسوخ مانا ہے لیکن قاضی بیضاوی اس مشارکت پر محمول کرتے ہوئے یہ معنی لیتے ہیں کہ تم اپنی حالت پر رہو گے اور میں اپنے حال پر یعنی جب تم میری حق بات کو قبول نہیں کر رہے ہو تو تمہارے باطل کو میرے قبول کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لیے اس میں نہ کفر کی اجازت نکل رہی ہے اور نہ جہاد کی ممانعت کیونکہ یہ جملہ خبر یہ ہے اور نسخہ خبر میں نہیں ہوا کرتا یہ مضمون تو ایسا ہی ہے جیسے لا اکراہ فی الدین فرمایا گیا ہے پس ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے تبلیغ و جہاد بھی جاری رہے اور لوگوں کو تبدیل مذہب پر مجبور نہ کیا جائے کیونکہ تبلیغ و جہاد تو ایک طرح کی سعی اور کوشش ہے اس کے لیے کامیابی ضروری نہیں۔

ربط آیات :۔۔۔ سورۃ الضحیٰ کی تمہید میں جن مہمات کا ذکر ہوا۔ ان میں توحید ہے اور شرک سے پرہیز سورۃ کافرون میں اسی کا بیان ہے اس سورت کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ یہ سورت مکہ کے بالکل ابتدائی اسلامی دور کی ہے جب کفار یہ آس لگائے ہوئے تھے کہ کسی مرحلہ پر ہم میں توافق ہو سکتا ہے وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے۔

روایات :۔۔۔ معظمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا آغاز ہو چکا تھا اور مخالفتیں بھی شروع ہو چکی تھیں اور کسی حد تک ان میں نرمی بھی چھپی تھی لیکن ابھی قریش کے سردار یہ امید لگائے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی صورت سے آپ کو مصالحت پر آمادہ کیا جائے گا اس سے یہ وقت فوقتاً مختلف تجویزوں کے ساتھ سلسلہ جنابی کرتے رہتے تھے مثلاً: حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ قریشیوں نے حضورؐ سے عرضداشت کی کہ ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ مکہ میں سب سے زیادہ آپ مالدار ہو جائیں گے اور سب سے حسین عورت سے شادی کیے دیتے ہیں ہم آپ کے پیچھے چلنے کو تیار ہیں پس ہماری اتنی سی بات مان لیں کہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں اور یہ منظور نہیں تو پھر ایک تجویز اور پیش کرتے ہیں جس میں ہم دونوں کی بھلائی ہے آپ نے پوچھا وہ کیا؟ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کو لات، وعزیٰ کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اس پر آپ نے فرمایا کہ اچھا ٹھہرو! میں دیکھتا ہوں کہ میرے رب کا کیا حکم آتا ہے تب یہ سورت نازل ہوئی حضورؐ کے جواب کا منشا کسی قسم کا تردد نہ تھا بلکہ یہ تاثر دینا تھا کہ جو کچھ بھی میں کرتا ہوں خود رائی سے نہیں بلکہ امر الہی کی

تعمیل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ حاکم اعلیٰ کے آگے تمہیں بھی گردن جھکا دینی چاہیئے اس کا حکم قطعی اور اٹل ہوتا ہے اس میں چون و چرا یا رائے زنی کا کوئی سوال بھی نہیں رہتا گویا حتمی طور پر مایوسی سے رخ پھیرنا تھا دوسری روایت سعید بن جبیرؓ کی ہے کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن المطلب، امیہ بن خلف نے آپ سے مل کر گفتگو کی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آؤ ہم تمہارے معبود کی عبادت کرتے ہیں اور تم ہمارے معبودوں کی عبادت کرو تو ہم تمہیں اپنے سارے کاروبار میں شریک کئے لیتے ہیں اگر تمہاری لالی ہوئی بات ہماری چیز سے بہتر ہوئی تو ہم تمہارے ساتھ اس میں شریک ہو جائیں گے اور اپنا حصہ پالیں گے اور اگر ہماری چیز بہتر ہوئی تو تم شریک ہو جانا تم اپنا حصہ پالو گے اس پر آیت قل یا ایہا الکفرون۔ نازل ہوئیں تیسری روایت وہب بن منہبہ کی ہے کہ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ پسند کریں تو ہم آپ کے دین کے پیروکار رہیں اور ایک سال آپ ہمارے طریقہ پر رہیں غرضیکہ مختلف اوقات میں دونوں نے اسی طرح کی پیش کش کی جس میں کچھ دو کچھ لو کے اصول کو پیش نظر رکھا تھا مگر اس سورت میں ہمیشہ کے لئے دونوں کو فیصلہ نہ دیا گیا کہ حق و باطل میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی یہ تلخیص کا راستہ ہے اور پیغمبر کا راستہ مدہ انت کا راستہ نہیں ہوتا۔

﴿تشریح﴾: ... بظاہر اس سورت میں قل سے اگرچہ خطاب خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تاہم آپ کے توسط سے ہر مومن بھی اگر اس کا مخی طبع اور مظاہر ہو کہ وہ کفر و شرک سے بے زاری کا اعلان کر دے تو غلط نہیں ہوگا اسی طرح بہت سے مفسرین اگرچہ اس سورت میں کفر کا مصداق مخصوص وہی لوگ لیتے ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کی پیش کش کی تھی لیکن بہتر یہی ہے کہ ذوات کے بجائے وصف کفر کا لحاظ کیا جائے جب تک یہ وصف کسی میں موجود ہوگا وہ اس کا مخاطب رہے گا اور جب وہ وصف ایمان سے بدل جائے گا تو خطاب بھی متوجہ نہیں رہے گا۔

خطاب عام ہے یا خاص اسی طرح آیات کا مصداق خاص کفار ہیں یا عام: ..... اس لیے جو لوگ بعد میں ہدایت پر آگئے ان کی وجہ سے اس قسم کی آیات پر کوئی اشکال نہیں رہتا نیز وہ کافر اور نافرمان خواہ قریشی ہوں یا مکی حاصل یہ کہ کفار و شرکین کے طور و طریق سے کلیتہً اظہار بے زاری کیا گیا ہے خدا کا پیغمبر جن کا پہلا کام شرک و کفر کی جڑیں کاٹنا ہے وہ ایسی ناپاک تجویزوں پر کب راضی ہو سکتے ہیں جہاں تک اللہ کے معبود ہونے کا تعلق ہے اس میں تو مشرکین کو بھی اشکال نہیں تھا وہ بتوں کی اگر پرستش کرتے تھے تو اپنے خیال میں اللہ کو خوش کرنے کے لیے ہی کرتے تھے ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفیٰ اختلاف اور گفتگو جو کچھ ہے وہ غیر اللہ کی پرستش میں ہے کہ یہ صحیح ہے یا نہیں نیز واقعی اسی سے اللہ کا تقرب ہوتا ہے یا نہیں؟ گفتگو سے صلح کا حاصل یہی ہے کہ وہ بدستور اپنی روش پر قائم رہیں، اللہ اور غیر اللہ دونوں کی پرستش کرتے رہیں، وقتی اور غیر وقتی کا فرق تو ایک یہاں نہ تھا اور نہ اصل منشاء آپ کو اپنی جگہ سے ہٹانا تھا مگر اس سورت میں مدہ انت اور تلخیص کا پردہ چاک کر دیا گیا اور پہلے ہی مرحلہ پر بات صاف کر دی گئی کہ جس کو آنا ہو وہ صاف اور کھلے دل پر آئے۔

اللہ کے سوا سب معبود باطل ہیں: ..... ما نعبدون اس میں دنیا بھر کے تمام معبود آگئے جن کی کسی نہ کسی طریقہ پر لوگ پرستش کرتے ہوں خواہ وہ خیالی دیویاں اور دیوتا ہوں، یا بت، دریا، درخت، جانور ہوں چاند، سورج، ستارے ہوں یا فرشتے، زندہ، مردہ انسان ہوں یا اولیاء اور انبیاء اور سب مذہب رکھنے والے خواہ آسمانی مذہب کے دعوے دار ہوں یا خود ساختہ مذہب کے حامل اگرچہ ان میں خدا کو بھی شامل مانتے ہوں لیکن وہ ماننا چونکہ صحیح اور اصلی حالت میں نہیں اس لیے ان کے اقرار کو بھی انکار پر محمول کر کے ان کو منکر و کافر کہا جائے گا مومن کا مطلب ہے بلا شرکت غیرے تمنا اس کو ایک ماننا۔ ان آیات میں چار جگہ لفظ ما بجامن کے لایا گیا ہے جن کی مختلف توجیہات گزر چکی ہیں تاہم سہل اور بے تکلف توجیہ یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ لفظ ما من سے ذات کا اظہار ہوتا ہے لیکن اگر وصف مراد ہو تو اس کے لیے ما ہی مناسب ہوتا ہے جیسے ہم کسی کی ذات کا تعارف چاہیں گے تو کہا جائے گا کہ آپ کون ہیں؟ یعنی آپ کا ذاتی تعارف مطلوب ہے مگر جب

وصفی تعارف مقصود ہوگا تو بولا جائے گا کہ آپ کیا ہیں؟ یعنی آپ کے اوصاف کیا ہیں؟ اسی طرح یہاں بھی لا اعبدا ما تعبدون کے بجائے اگر من تعبدون کہا جاتا تو بات غلط ہو جاتی کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تم اس ذات کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں بس اس کے جواب میں کفار و مشرکین یہ کہہ سکتے تھے کہ اللہ کی ہستی تو مسلمہ اور متفق علیہ ہے اس کو تو ہم بھی مانتے ہیں اور اس کی عبادت بھی کرتے ہیں پھر تم کیسے انکار کر کے ہم پر الزام لگا رہے ہو؟ واقعہ یہ ہے کہ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا مذہبی احمق ہو جو اللہ کی ذات میں شرک کا قائل ہو یعنی دو یا زائد ذاتوں کو پرستش کے لائق ماننا ہو سب کی تان ایک ہی پر ٹوٹی ہے جہاں بھی کہیں بھی شرک ہے وہ صفات کا شرک ہے پس جب یہ کہا گیا لا انتم عابدون ما اعبد تو مطلب یہ ہوا کہ جن صفات کے معبود کی میں عبادت کرتا ہوں ان صفات کے معبود کی تم عبادت نہیں کرتے اور یہی وہ اصل گرفت ہے جس کی وجہ سے آپ کا دین دہریوں کو چھوڑ کر تمام کفار کے دین سے قطعاً الگ ہو جاتا ہے اس طرح اس سلطان کے بعد شرک کا بالکل یہ استیصال ہو جاتا ہے اور ایک حقیقی معبود کی پرستش کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔

کلام میں تاکید اگرچہ بلاغت ہے لیکن تائیس ابلغ ہے: ... ولا انتم عابدون ما اعبد۔ کچھ مفسرین بعد کی ان دونوں آیتوں کو پہلی دونوں آیتوں کی تاکید مانتے ہیں اور کسی بات پر زور دینے کے لیے تکرار اور تاکید سے کلام کیا جاتا ہے لیکن بہت مفسرین نے ان آیات کو تائید کے بجائے تائیس پر محمول کیا ہے والتائیس اولیٰ من التکید اس صورت میں دونوں جملوں میں فرق کرنے کے لیے ہنا پڑے گا کہ ایک جملہ کا حاصل تو فی الحال دونوں کے عمل میں فرق بتانا ہے کہ دونوں کی راہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے اور دوسرے جملہ میں آئندہ کے لیے بھی دونوں راہوں کا اور ان پر چلنے والوں کا ایک دوسرے سے مختلف سمتوں میں چلنا بتایا ہے خلاصہ یہ ہے میں موحّد ہو کر شرک نہیں کر سکتا نہ اب نہ آئندہ اور تم مشرک رہو موحّد قرار نہیں دیئے جاسکتے نہ اب نہ آئندہ اب دونوں جملوں کا مفاد الگ الگ ہو گیا اور تکرار نہیں رہا۔

زمخشری کی تصریح کے مطابق بعض علماء نے پہلے دونوں جملوں سے حال و استقبال کی نفی اور اخیر کے دونوں فقرہوں میں ماضی کی نفی مراد لی ہے اور بعض نے پہلے جملوں میں حال کا اور اخیر کے جملوں میں استقبال کا ارادہ کیا ہے اسی طرح بعض محققین نے پہلے دونوں جملوں میں موصولہ اور دوسرے دونوں جملوں میں ماضی کو مصدر یہ لے کر یہ تقریر کی ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان نہ عبودیت میں اشتراک ہے اور نہ طریق عبادت ایک ہے کیونکہ تم بتوں کو پوجتے ہو جو میرے معبود نہیں اور میں اس خدا کو پوجتا ہوں جس کی شان اور صنعت میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اور ایسے خدا کو تم نہیں مانتے اسی طرح تمہارا طواف لعب کے گرد ننگا ناچ اور ذکر اللہ کی جگہ بیٹیاں اور تالیاں اور میرا یہ طریقہ عبادت نہیں ہے اور میں جس کیفیت سے اللہ کی عبادت کرتا ہوں اس کی تمہیں توفیق نہیں لہذا دونوں کی راہیں بھی مختلف اور دونوں کی منزلیں بھی الگ الگ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی رائے: ..... اور بقول حافظ ابن تیمیہ پہلے جملہ کو حال و استقبال کی نفی کے لیے اور ولا انتم عابد ما عبد تم کا مطلب یہ لیا جائے کہ خلقت نبوت کے بعد اب آئندہ مجھ سے شرک کی کیا توقع ہوتی۔ نزول وحی سے پہلے بھی تم سب جب پتھروں اور درختوں کی پوجا کرتے تھے اس وقت بھی میں نے کسی غیر اللہ کی پرستش نہیں کی اب نور نبوت کے بعد تو خیر اس کا کیا سوال کہ میں تمہارا ہمنوا بن جاؤں۔ ممکن ہے اس لیے ولا انتم عابد جملہ اسمیہ اور ما عبد تم میں ماضی کا عنوان اختیار فرمایا ہو بر خلاف کفار کے کہ ان کا حال دونوں مرتبہ ایک ہی عنوان سے بیان فرمایا یعنی ولا انتم عابدون ما اعبد جس کا حاصل یہ ہوگا کہ تم اپنی بدعتی اور بدعتی کی وجہ سے اس لائق نہیں کہ کسی وقت اور حال میں خدائے واحد کی بلا شرکت غیرے پرستش کرنے والے بنو جنتی کی میں گفتگوئے صلح کے وقت بھی شرک کا دم چھلا لگائے رکھتے ہو۔

علمی نکتہ: اور کفار کے حال میں ایک جگہ ما تعبدون اور دوسری جگہ ما عبدتم لانے میں یہ نکتہ ہو سکتا ہے کہ ان کے معبود تو آئے دن بدلتے رہتے ہیں جو چیز عجیب سی دکھائی دی یا کوئی خوب صورت سا پتھر نظر پڑا اس کو اٹھا کر معبود بنالیا اور پہلے کو چلتا کر دیا پھر

سفر کا معبود الگ ہے، کوئی روٹی دینے والا اور کوئی اولاد دینے والا کوئی عزت و دولت دینے والا غرض بھانت بھانت کے خدا بنا رکھے ہیں افرایت من اتخذ اللہ ہواہ۔ علامہ ابن قیمؒ کی بدائع الفوائد نیز اس سورت کے لطائف پر کلام کیا گیا ہے (فوائد عثمانی) لکم دینکم یعنی جب تم نے ضد باندھ رکھی ہے تو اب سمجھانے سے کیا فائدہ تم نے اپنی بدبختی سے اپنے لیے جو روش پسند کی وہ تمہیں مبارک، اللہ نے جو دین قیم ہمیں ازراہ عنایت مرحمت فرمایا ہے اس پر ہم خوش، آخر فیصلہ اللہ ہی کرے گا اس میں کفار و رواداری کا پیغام نہیں بلکہ اظہار بیزاری اور تعلق کا اعلان ہے جیسے انتہائی مایوسی میں کسی سے کہا جائے کہ تم جاؤ تمہارا کام جانے بس ہمارا تو سلام لو۔

ائمہ کرام کی رائے: ..... حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاصؓ وغیرہ کی روایت لا یتوارث اہل ملتین شتیٰ کی رو سے امام مالک، امام اوزاعی، امام احمدؒ اگرچہ اس کے قائل ہیں کہ ملتوں اور مذہبوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے مگر امام اعظم، امام شافعیؒ دونوں آیت لکم دینکم ولی دین کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ کافروں کے مذاہب باہم کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں لیکن بحیثیت مجموعی چونکہ الکفر ملۃ واحده ہے اس لیے اگر کافروں کے درمیان نسب یا نکاح وغیرہ اسباب کی بناء پر وراثت کا تحقق ہو تو وہ ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں چنانچہ مشہور حنفی علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں کہ ان اسباب کی بنیاد پر کفار بھی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں جن میں مسلمان ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ بعض ایسی صورتوں میں بھی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں جن میں مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔

اور واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں بس دو ہی دین ہیں ایک دین حق، دوسرے دین باطل لکم دینکم ولی دین۔ حدیث لا یورث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم۔ سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے اس سورت کا مقصد برگز کفار سے رواداری کا اظہار نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہے ”موسےؑ بدین خویش، عیسیٰؑ بدین خویش“ بلکہ بنیادی نقطہ جس پر پورا زور دیا گیا ہے یہ ہے کہ دونوں طریقہ پر اعلان کر دیا جائے کہ جس طرح دن رات، روشنی، اندھیرا الگ الگ ہیں اسی طرح حق و باطل، اسلام و کفر دونوں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں ان میں باہم مل جانے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا مہنت یا تلپیس کی کسی طرح گنجائش نہیں ہے۔ پس یہ آیت تبلیغ دین اور جہاد وغیرہ مساعی کے منافی نہیں ہیں کہ ان کو منسوخ کہنے کی نوبت پیش آئے اور نہ پیشگوئی پر محمول کرنے کی ضرورت ہے بلکہ ہر قسم کی مساعی بدستور جاری رہیں گی اور ساتھ ہی صدی لوگوں سے تو یہ کہا جائے گا کہ اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ضد کا فیصلہ تو اللہ ہی کرے گا آگے تم جو تمہارا کام جانتے ”ہمراہ ما نصیحت بود کردیم و رفتیم“۔

فضائل سورت: ..... من قرء سورۃ الکفرون فکانما قرء ربع القرآن وتباعدت غسرة الشیاطین وبری من الشرک۔ جو شخص سورۃ کافرون پڑھے گا گویا اس نے چوتھائی قرآن پڑھ لیا اس سے سرکش شیطان دور رہے گا۔ اور وہ شرک سے بری رہے گا۔ اس سورت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بارہا حضورؐ کو نماز فجر سے پہلے اور نماز مغرب کے بعد کی دو رکعتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد پڑھتے ہوئے دیکھا حضرت خبابؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب سونے کے لیے بستر پر لیٹو تو قل یا ایہا الکافرون پڑھ لیا کرو اور خود حضورؐ کا بھی یہی معمول تھا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھی یہی ارشاد ہوا نوفل بن معاویہ اور جبیلہ بن حارثہ سے بھی یہی ارشاد فرمایا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں تمہیں وہ کلمہ بتاؤں جو تمہیں شرک سے محفوظ رکھے والا ہے سوتے وقت قل یا ایہا الکافرون پڑھ لیا کرو۔

لطف سلوک: ..... لا عبدما تعبدون۔ اس میں گمراہوں سے لاتعلقی اور مشارکت کی تصریح ہے اور یہی بغض فی اللہ ہے۔



## سُورَةُ النَّصْرِ

سُورَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ثَلَاثُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَنَبِيُّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَعْدَائِهِ وَالْفَتْحُ ﴿۲﴾ فَتَحَ مَكَّةَ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَسْوَأَ أَفْوَاجٍ ﴿۳﴾ جَمَاعَاتٌ بَعْدَ مَا كَانَ يَدْخُلُ فِيهِ وَاحِدٌ وَاحِدٌ وَذَلِكَ بَعْدَ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَ الْعَرَبُ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ طَائِعِينَ فَسَبَّحَ بِحَمْدِ رَبِّكَ أَى مُتَلَبِّسًا بِحَمْدِهِ وَاسْتَغْفَرَهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴿۴﴾ وَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ نُزُولِ هَذِهِ السُّورَةِ دُكْتُرُ مِنْ قَوْلِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَاتُوبَ إِلَيْهِ وَعُلِمَ بِهَا أَنَّهُ قَدْ اقْتَرَبَ أَجَلُهُ وَكَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فِي رَمَضَانَ سَنَةِ ثَمَانٍ وَتُوْفِّي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَبِيعِ الْأَوَّلِ سَنَةِ عَشَرَ

سورۃ نصر مدنیہ ہے اس میں تین آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: ... جب اللہ کی طرف سے مدد (دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی) اور فتح (مکہ) آپ کے آہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین (اسلام) میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں (فوج در فوج در آنحالیکہ پہلے ایک ایک آدمی اسلام میں داخل ہوتا تھا فتح مکہ کے بعد عرب کے اطراف سے لوگ بر غبت مسلمان ہو گئے) تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے (جو حمد پر مشتمل ہو) اور اس سے مغفرت کی دعا مانگئے۔ بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کے نزول کے بعد کمزرت سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ واتوب الیہ پڑھتے تھے اور اس سے یہ سمجھ گئے تھے کہ آپ کی رحلت کا وقت قریب آپہنچا ہے چنانچہ فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوا اور آپ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی)

تحقیق و ترکیب: ..... اذا جاء. مجنی الکی چیز کو کہتے ہیں جو موجود مگر غائب ہو کر سامنے آجائے مراد حصول و تحقق ہے اس میں استعارہ تبعیہ ہے کیونکہ وقت آنے پر مدد حاصل ہونے کو مجنی سے تشبیہ دی گئی ہے پھر اس سے جاء بمعنی حصل مشتق کیا گیا ہے اور اس کو مجنی سے تعبیر کیا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ امور ازل سے بروقت ظاہر ہونے کے لیے متوجہ ہے اور گویا مقدرات الکی موجودات ہیں جو پہلے غائب تھے پھر سامنے آ گئے اور اذا ظرف زماں مستقبل کے لیے ہے جو منصوب ہے مسبح کے ذریعہ جو اذا کا جواب ہے اور شرط سے پہلے فاعل میں رکاوٹ نہیں ہوگا اگر یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی جیسا کہ ظاہر ہے تب تو اذا اپنی اصل پر ہے۔

چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ خیر سے لوٹے ہوئے اس کا نزول ہوا ہے اور خیر فتح مکہ سے پہلے ہے اور قنادہ کا قول ہے کہ حضور اس سورت کے بعد دو سال زندہ رہے پس اگر ان دو سالوں کو تخمین پر محمول نہ کیا جائے تو اس کا فتح مکہ سے قبل نازل ہونا ثابت ہوتا ہے پس اس کے دو سال بعد زندہ رہے۔ یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا ہو اور جن روایات میں اس کا نزول فتح



مکہ کے بعد ہوا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے نازل شدہ حکم کو مکرر یاد دلایا گیا لیکن اگر فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تو اذا بمعنی اذ ہے یا یوں کہا جائے کہ کلمہ اذا منحصر وفتح کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ مجموعہ کے لحاظ سے ہے جس کا ایک جز وید خلون بھی ہے اور اس سے پہلے جس کا نزول ہو چکا ہے اگر اس کا نزول اس جز وید خلون کے بعد بھی ہوا ہو جیسا کہ ایک روایت کے مطابق اس کا نزول حجۃ الوداع میں آیا ہے تو اذا کو بمعنی ما لے لیا جائے گا یعنی چونکہ یہ امور ہو چکے ہیں اس لیے آپ کو یہ حکم کیا جاتا ہے۔

بہر صورت اذا کا متعلق محذوف ہے ای اکمل اللہ الامر و اتم النعمۃ علی العباد .

والفتح . فتح مکہ مراد ہے لیکن نصرت سے وہ ملکوتی امداد اور قدسی تائید بھی ہو سکتی ہے جو اسماء و صفات کی تجلیات کے ذریعہ سے ہو اور فتح سے مطلق فتح مراد ہو یعنی حضرت الوہیت واحدیت کے باب کا فتح ہونا اور کشف ذاتی کا حاصل ہونا اور افعال نفس کا افعال حق میں فنا ہو جانا پس مقام قلب میں جب نفسانی حجاب اٹھ جاتے ہیں تو اس سے یقیناً ملکوتی افعال فتح ہو جائے ہیں اور یہ فتح اول کہلاتی ہے۔ دوسری فتح جبروت صفات کہلاتی ہے جو صفات نفس کو صفات حق میں فنا کر دینے سے حجاب خیال اٹھ کر مقام روح میں حاصل ہوتی ہے۔

اور تیسری فتح لاہوت ذاتی کی مقام سر میں حاصل ہوتی ہے جو ذات نفس کو ذات حق میں فنا کر کے اور وہم کا پردہ چاک کر کے مقام سر نصیب ہوتا ہے اور جس کو یہ فتح و نصرت باطنی حاصل ہو جاتی ہے اسے فتح و نصرت ظاہری بھی میسر ہو جاتی ہے کیونکہ نصرت و فتح دونوں باب رحمت سے ہیں پس نہایت النہایات پر پہنچنے کے بعد ناراضی کا کوئی اثر نہیں رہ سکتا۔

ورایت الناس اگر رویت بصریہ ہے تب تو ید خلون حال ہے اور روایت بمعنی علمت لینے کی صورت میں ید خلون مفعول ثانی ہے اور افواجا کا مصداق اکل مکہ، اکل طائف اور قبیلہ یمن و ہوازن اور قبائل عرب مصداق ہیں۔

فسبح بحمد ربك . یعنی تعجب کیجئے کہ اللہ نے ایسا کام جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا اس کو بسہولت حاصل کر دیا اور بحمد ربك ای حامداً له تعالیٰ علیہ او فصل له حامداً علی نعمہ او فخرہ عما کانت الظلمۃ یقولون حامداً له علی ان صدق وعده او فائن علی اللہ بصفات الجلال حامداً علی صفات الاکرام .

واستغفرہ . یعنی کسرتی کرتے ہوئے اور اپنے عمل کو حقیر سمجھتے ہوئے اور غیر اللہ کی طرف التفات ہو جانے کی وجہ سے قلب پر جو تکدر ہوا ہے اس کے ازالہ اور تلافی کے لیے استغفار کیجئے چنانچہ حضور روزانہ ایک تسبیح استغفار کی بھی پڑھتے تھے یا امت کے لیے استغفار کا بھی حکم ہے اور تسبیح و تحمید اور استغفار کی ترتیب میں خالق سے مخلوق کی طرف نزول کی طرف اشارہ ہے جس کو سر من اللہ کہا جاتا ہے جو صوفیائے سیر الی اللہ سے عالی مرتبہ ہے سیر الی اللہ کو عروج سے تعبیر کرتے ہیں جب سالک مقام الوہیت کی سپر کرتا ہے اور سیر من اللہ نزول کہلاتا ہے جس میں سالک مقام عبدیت میں آ جاتا ہے جو سب سے اونچا مقام ہے صوفیاء کا مقولہ ما را یت شینا الا ورا یت اللہ قبلہ اسی مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔

انہ کان تواباً یعنی ازل ہی میں استغفار کرنے والوں کی بخشش فرما چکا ہے۔

ربط آیات : ..... سورۃ الفتح کی تمہیدی مہمات میں سے اللہ کی نعمتوں پر بالخصوص تکمیل فیوض کے انعام پر مکرگزار ی بھی ہے اس سورت میں اسی کا بیان ہے اور اسی کے ضمن میں نبوت کی تقریر بھی ہو گئی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

روایات : ..... حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کی آخری سورت ہے یعنی اس کے بعد کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ یہ سورت حجۃ الوداع کے موقع پر ایام تشریق کے درمیان منیٰ میں نازل ہوئی اور اس کے بعد حضور ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مشہور خطبہ ارشاد فرمایا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی بعض آیات نازل ہوئیں

نہیں سب سے آخر آیت کون سی نازل ہوئی اس میں اختلاف ہے براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ سورۃ نساء کی آخری آیت یسفتونک آخر میں نازل ہوئی ہے ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آیت ربوا آخری آیت ہے امام زہریؓ اور سعید بن المسیبؓ کا قول ہے کہ آیت ربوا اور آیت دین آخری آیات میں سے ہیں اور ایک قول ابن عباسؓ کا یہ بھی ہے کہ آخری آیت واتقوا یوماً لکم ہے اور یہ کہ حضورؐ کی وفات سے ۸۱ روز پہلے نازل ہوئی ہے اور سعید بن جبیرؓ کا قول ۹ روز پہلے کا ہے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ نصر حضورؐ کی وفات سے تین ماہ کچھ دن پہلے نازل ہوئی ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے میری وفات کی اطلاع دی گئی ہے اور ابن عباسؓ کی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے سے حضورؐ نے سمجھ لیا تھا کہ آپؐ کو دنیا سے رخصت کی اطلاع دی گئی ہے حضرت ام حبیبہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اس سال میرا انتقال ہونے والا ہے یہ سن کر حضرت فاطمہؓ رو دیں مگر جب آپؐ نے فرمایا کہ خاندان میں تم ہی سب سے پہلے مجھ سے آکر ملو گی۔ یہ سن کر حضرت فاطمہؓ جنہیں نیز حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھ کو بدر میں شریک ہونے والے بڑے بڑے شیوخ کے ساتھ اپنی مجلس میں شامل رکھتے تھے بعض بزرگوں کو یہ بات ناوار ندری۔ وہ کہنے لگے ہمارے لڑکے بھی اسی لڑکے جیسے ہیں پھر ان کی کیا خصوصیت ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم کے یظ سے اس کے مقام سے آپؐ لوگ واقف ہیں؟ پھر ایک روز مجھے شیوخ بدر کے ساتھ بلایا میں سمجھ گیا کہ مجھے کیوں بلایا ہے؟ دوران گفتگو حضرت عمرؓ نے شیوخ بدر سے پوچھا کہ آپؐ حضرات اذا جاء کے متعلق کیا کہتے ہیں بعض بولے کہ اس میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی نصرت و فتح آنے پر حمد و استغفار کریں بعض نے کہا کہ شہروں اور قلعوں کی فتح کی خبر دی گئی ہے اور بعض خاموش رہے پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ابن عباسؓ تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں! فرمایا پھر کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت ہے اور حضورؐ کو بتا دیا گیا ہے کہ جب اللہ کی نصرت و فتح نصیب ہو جائے تو یہ اس کی علامت ہے کہ آپؐ کا وقت پورا ہو چکا ہے اب آپؐ اللہ کی حمد و استغفار میں لگے رہیں اس پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی اس کے سوا کچھ نہیں جانتا جیسا کہ تم نے کہا ہے پھر حضرت عمرؓ شیوخ بدر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مجھے کیسے ملامت کر سکتے ہو جب کہ اس لڑکے کو اس مجلس میں شریک ہونے کی وجہ آپؐ نے دیکھ لی۔ بلکہ قاضی بیضاویؒ نے نقل کیا ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما قراھا بکی العباس فقال علیہ السلام ما یسکیک قال بعیت الیک قال انما لکما تقول اور چونکہ اس سورت میں اتمام دعوت اور اکمال دین کی اطلاع آیت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی کے مطابق دی گئی ہے اس لیے اس کو وفات کی پیشین گوئی پر محمول کیا گیا ہے یا استغفار کے حکم سے وفات کے قریب ہونے پر تنبیہ سمجھی گئی اس لیے اس سورت کا نام سورۃ التودیع بھی ہے حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پہلے سبحانک اللہم وبحمدک استغفرک واتوب الیک بکثرت پڑھا کرتے تھے میں نے عرض کیا یہ کیسے کلمات ہیں جو آپؐ نے اب پڑھنے شروع کر دیئے ہیں؟ فرمایا میرے لیے ایک علامت مقرر کر دی گئی ہے کہ جب میں اس کو دیکھوں تو یہ الفاظ کہا کروں اور وہ ہے اذا جاء نصر اللہ والفتح اور حضرت عائشہؓ سے بعض روایات میں یہ ہے کہ آپؐ رکوع وجود میں بکثرت سبحانک اللہم وبحمدک اللہم اغفر لی پڑھتے تھے اور حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آخری زمانہ حیات میں اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے بکثرت آپؐ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری رہتے سبحان اللہ وبحمدہ میں نے ایک وجہ پوچھی فرمایا کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر آپؐ نے یہ صورت پڑھی حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد بکثرت آپؐ یہ ذکر کرتے تھے سبحانک اللہم وبحمدک اللہم اغفر لی، سبحانک ربنا وبحمدک اللہم اغفر لی انک انت التواب الغفور حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ



خدمت انجام دی ہو اور اس کی راہ میں خواہ کتنی ہی قربانیاں اس نے دی ہوں اور اس کی عبادت و بندگی بجا مانے میں خواہ کتنی ہی جانفشانیاں اس نے کیں اس کے دل میں کبھی خیال نہیں آنا چاہئے کہ میں نے آپ کے دین کا حق ادا کر دیا بلکہ ہمیشہ اسے یہ خیال کرنا چاہئے کہ جو کچھ مجھے کرنا چاہئے تھا وہ میں نہیں کر سکا اور اسے اللہ سے یہی دعا مانگنی چاہئے کہ اس کے حق ادا کرنے میں جو کوتاہی مجھ سے ہوئی ہو اس سے درگزر فرما کر یہ حقیر سی خدمت قبول فرمائے۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا:..... یہ ادب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھلایا گیا جن سے بڑھ کر خدا کی راہ میں جدوجہد اور سعی کرنے والے کسی انسان کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا تو دوسرے کسی کی یہ مجال کہاں کہ وہ اپنے عمل کو کوئی بڑا عمل سمجھے اور اس غرہ میں مبتلا ہو کہ اس نے اللہ کا حق ادا کر دیا ہے اللہ کا حق اس سے بہت بالا ہے کہ کوئی مخلوق اسے ادا کر سکے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے یہ سبق دیتا ہے کہ اپنی کسی عبادت و ریاضت اور کسی خدمت دین کو بڑی چیز نہ سمجھیں بلکہ اپنی جان راہ خدا میں کھپا دینے کے بعد بھی یہی سمجھتے رہیں کہ ”حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا“ اسی طرح جب کبھی انہیں کوئی فتح نصیب ہو اسے اپنے کسی کمال کا نہیں بلکہ اللہ ہی کے فضل کا نتیجہ سمجھیں اور اس پر فخر و غرور میں مبتلا ہونے کے بجائے اپنے رب کے سامنے عجزی کے ساتھ سر جھکا کر حمد و تسبیح اور توبہ و استغفار کریں۔

خلاصہ کلام:..... اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شایان شان ادب عالیہ کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ جب یہ دیکھ لیں کہ جس مقصد عظیم کے لیے آپ کو دنیا میں بھیجا گیا ہے اس کے اثرات اتنے نمایاں ہو گئے ہیں کہ لوگ جوق در جوق رجوع و رغبت سے قبول کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی مساعی کے نتیجہ میں اللہ کی نصرت و فتح آن پہنچی ہے لہذا آپ ہمہ تن اللہ کی تسبیح و حمد میں وقف ہو جائیے اور شکر کیجئے کہ اللہ کے فضل سے آپ اتنا بڑا کام سرانجام دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور باطنی فتح کے ساتھ ظاہری فتح بھی آپ کو نصیب ہو گئی ہے اور اپنے اور اپنی امت کے حق میں دعا کیجئے کہ اس خدمت کی انجام دہی میں کوئی بھول چوک یا لغزش ہوئی تو اس سے درگزر فرمائیے دنیا کے انقلابی ایسے موقعوں پر جشن فتح مناتے ہیں اور خوشی میں آپ سے باہر ہو جاتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے ہیں لیکن اللہ کے محبوب اور دین کے رہنمائے اعظم کو اس انقذاب عظیم اور بے مثال کارنامہ سرانجام دینے پر جشن منانے کا نہیں بلکہ اللہ کے آگے سراقندہ ہو جانے کا حکم دیا گیا ہے اور کوتاہیوں پر تسامح کی عاجزانہ درخواست کرنے کی تلقین کی جارہی ہے اور یہ کہ اب رخت سربانہ ہنے اور آخرت کی تیاری میں لگنے چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ آپ کا مرا نیوں میں کھوئے نہیں گئے بلکہ پورے طور پر یاد حق میں لگ گئے طاب حیات و میتا۔

فضائل سورت:..... من قرء سورة اذا جاء اعطى من الاجر كمن شهد مع محمد يوم فتح مكة سورة اذا جاء جو شخص پڑھے گا اس کو اللہ اتنا ثواب عطا فرمائے گا کہ گویا وہ حضور کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر شریک رہا (مرفوع)۔

لطائف سلوک:..... اذا جاء نصر الله اولى طرق کو بھی چاہئے کہ جب وہ وظائف ارشاد سے فارغ ہو جائیں تو قریب انہی میں منہمک ہو جائیں اور تسبیح و تحمید و استغفار میں وقف ہو جائیں۔

## سُورَةُ لَهَبٍ

سُورَةُ أَبِي لَهَبٍ مَكِّيَّةٌ خَمْسُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لَمَّا دَعَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمَهُ وَقَالَ إِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيِ عَذَابٍ شَدِيدٍ فَقَالَ عُمَةُ أَوَلَهَبٍ تَبَا  
لَكَ إِلَهَذَا دَعَوْتَنَا نَرَلْتُ تَبَّتْ خَسِرَتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ أَي جُمْلَتُهُ وَعَبَّرَ عَنْهَا بِالْيَدَيْنِ مَجَارٍ لِأَنَّ أَكْثَرَ  
الْأَفْعَالِ تُزَاوِلُ بِهِمَا وَهَذِهِ الْجُمْلَةُ دُعَاءٌ وَتَبَّتْ (خَسِرَتْ) وَهَذِهِ خَبَرٌ كَقَوْلِهِمْ أَهْلَكَهُ اللَّهُ وَقَدْ هَلَكَ  
وَلَمَّا حَوَّفَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَذَابِ فَقَالَ إِنْ كَانَ مَا يَقُولُ ابْنُ أَخِي حَقًّا فَإِنِّي أَفْتَدِي مِنْهُ  
بِمَالِي وَوَلَدِي نَرَلْ مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ﴿١﴾ وَكَسَبُهُ أَي وَلَدُهُ وَأَغْنَى بِمَعْنَى يُغْنِي سَيَصْلِي  
نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿٢﴾ أَي تَلَهَبُ وَتُوقَدُ فِيهِ مَالٌ تَكْنِيَتُهُ لِتَلَهَبَ وَجْهُهُ إِشْرَاقًا وَحُمْرَةً وَأَمْرًا أَنَّهُ عَطَفَ  
عَلَى ضَمِيرٍ يَصْلِي سَوَّغَةً الْفَضْلُ بِالْمَفْعُولِ وَصِفَتُهُ وَهِيَ أُمُّ جَمِيلٍ حَمَالَةٌ بِالرُّفْعِ وَالنَّصْبِ  
الْحَطْبُ ﴿٣﴾ الشُّوكُ وَالسَّيْعَدَانِ تُلْقِيهِ فِي طَرِيقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جِيدِهَا غُنْفُهَا حَبْلٌ مِّنْ  
مَّسَدٍ ﴿٤﴾ أَي لَيْفٍ وَهَذِهِ الْجُمْلَةُ حَالٌ مِّنْ حَمَالَةِ الْحَطْبِ الَّذِي هُوَ نَعْتُ لِأَمْرَاتِهِ أَوْ خَبَرٌ مُّبْتَدَأٌ مُّقَدَّرٌ  
ع ۳۶

سورۃ ابی لہب مکہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ .... (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی قوم کو دعوت دینی شروع کی اور فرمایا کہ انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید آپ کا چچا ابولہب بولا تبالک الہذا دعوتنا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں) ٹوٹ گئے (برباد ہو جائیں) دونوں ہاتھ ابولہب کے (یعنی وہ پورا تباہ ہو جائے مجازاً اس کو ہاتھوں سے تعبیر کر دیا ہے۔ کیونکہ اکثر کام ہاتھوں ہی سے کیے جاتے ہیں۔ یہ جملہ دعائیہ ہے) اور وہ برباد ہو جائے (یہ اس کی بربادی کی اطلاع ہے جیسے کہا جائے اہلکہ اللہ وقد ہلک اور چونکہ حضورؐ نے عذاب کی دھمکی دی تھی اس لیے ابولہب کہنے لگا کہ میرے بچے کی بات اگر ٹھیک نکلی تو میں اپنے مال و اولاد کو فدیہ کر دوں گا تب یہ آیت نازل ہوئی) اس کو مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آئے گا (کسب سے مراد اس کی اولاد ہے اور اغنی بمعنی یغنی ہے) عنقریب وہ ایک شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا (یعنی دہکتی ہوئی لپٹیں اُٹھتی ہوئی سرخ و سفید روغن دار ہتھکڑی کی دھ

سے ابوہب اس کی کنیت تھی یہ اس کا انجام ہے) اور اس کی جو رو بھی (یصلیٰ) کی خبر پر حلف ہے مفعول اور اس کی صفت کے بیچ میں حائل ہو جانے کی وجہ سے اس عطف کی گنجائش ہے بیوی کا نام ام جمیل تھا) جو انھا کر لانے والی ہے (رفع اور نصب کے ساتھ) لکڑیاں (کانٹے اور سعدان کی لکڑیاں لا کر حضور کے راستہ میں بکھیر دیتی تھی) اس کی گردن (گلے) میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی (یعنی بل دی ہوئی) یہ جملہ حمالة الحطب کا حال ہے جو امراتہ کی صفت ہے یا مبتدا منفرد کی خبر ہے۔

**تحقیق و ترکیب** ..... تب تب ایسے نقصان و خسارہ کو کہتے ہیں جو تباہ کن ہو۔

یہاں لہب ہاتھوں کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے لا تلقوا ابایدکم الی التهلكة میں ہے دوسرے ابوہب کی بات کا جواب ہے اس نے پہلے تباہ لک کہا اور ہاتھ سے پتھر اٹھا کر آپ کے پھینک مارا پس اول تب کا لفظ اس نے استعمال کیا اور ایک ہاتھ سے پتھر مارا اس سے جواب میں دونوں ہاتھوں کو بربادی میں شریک کر لیا اور بعض نے یدین سے دنیا و آخرت بطور کنیہ کے لی ہیں یعنی یہ دونوں برباد ہو گئیں اس کا نام عبد العزیٰ تھا اور بظاہر کنیت تعظیم کے لیے ہوا کرتی ہے مگر یہاں اس کا نام لینے میں کراہت سمجھی گئی کیونکہ وہ فی الحقیقت عبد اللہ تھا نہ کہ عبد العزیٰ اور مشہور ہونے کی وجہ سے کنیت پر اکتفا کر لیا گیا دوسرے لہب کے لفظ سے اتہاب نام کی طرف تباہ یا تباہی ہے جس سے اس کا دوزخی ہونا معلوم ہو جائے ایک قرأت ابوہب ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے "علی بن ابوطالب" کہا جائے اور ابن شہاب لہب سونہا کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

وتب یہ دونوں لفظ خبر ہیں اور ماضی کے صیغے محقق الوقوع ہونے کی وجہ سے لائے گئے ہیں جیسے یہ شعر ہے

حرانی جزاء اللہ شر جزائه جزاء الکلاب العادیات وقد فعل

چنانچہ دوسری قراءت "وقد تب" ہے یا یوں کہا جائے کہ پہلا لفظ ہاتھوں کے کر تو ت کی اطلاع ہے اور دوسرا لفظ خود اس کے کر تو ت کی خبر دیتا ہے وما کسب ما مصدر یہ یعنی اس کا کسب ضائع ہو گیا یا کسب بمعنی کمسوب ہے یعنی مال داری کے منافع و ہابست نو کر چار و غیر دیا عمل مراد ہے جس کو وہ اپنے لیے نفع بخش سمجھتا تھا یا اس کا بیٹا عقبہ مراد ہے جس کو شیر نے پھاڑ ڈالا تھا گویا یہ باتیں بطور پیشگوئی کے فرمائی گئی ہیں۔

سیصلیٰ اس سے یہ استدلال کرنا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا پھر اس کو ایمان کا مکلف قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اجتماع تقيہین ہے پس اجتماع تقيہین کی وجہ سے یہ بھی محال ہے اور محال کا مکلف قرار دینا تکلیف مالا یطاق ہے جو عقلاً گویا ہے مراہل منت کے نزدیک شرعاً جائز نہیں آیت لا یکلف اللہ الخ کی وجہ سے پس اس شبہ کا جواب قاضی یزید نے تو یہ دیا ہے کہ لفظ سیصلیٰ سے یہ سمجھنا درست نہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے گا اس لیے ضرور جہنم میں جائے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لائے اسی لحاظ سے وہ ایمان لانے کا مکلف ہے لیکن پھر دوزخ میں جانا وہ فسق و فجور کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ ایک وقتی دخول ہوگا ابدی داخلہ نہیں جو معترض نے سمجھا تھا۔

لیکن قاضی کا یہ جواب ان لوگوں نے ناپسند کیا ہے جو آیت لا انا عابدکم عبدکم اور لکم دینکم ولی دین کے معنی یہ لیے ہیں کہ ان کافروں کا دوزخی ہونا طے شدہ ہے وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جس سے پھر اشکال بدستور متوجہ ہو جائے گا جس کا جواب ان منہات کی طرف سے یہ دیا جائے گا کہ سیصلیٰ تو زمانہ استقبال کے لیے بھی نص نہیں ہے چہ جائیکہ زمانہ استقبال کا استغراق و دوام لیا جائے پس ممکن ہے اس سے دنیوی سزا مراد ہو گویا عذاب دوزخ کا یہاں ذکر نہیں کہ اشکال ہو لیکن اچھی وجہ یہ ہے کہ انسان ایمان لانا کا مکلف ہے اور مرتد اجمالی میں اجتماع تقيہین جائز ہے اور ایک قراءت میں سیصلیٰ تخفیف تشدید کی صورت میں بھی ہے



وامراتہ . اس کا عطف سیصلیٰ کی ضمیر متصل پر ہے اور مفعول مع صنعت کے فاعل ہونے کی وجہ سے یہ عطف جائز ہے یہ اس کو مبتدا کہہ جائے . یہ عورت ارونی ہے جس کی کنیت ام جمیل ہے ابوسفیان کی بہن اور حرب کی بیٹی تھی .

حمالة الحطب . اس سے مراد بقول ابن حجر و رزخ کا گٹھ ہے جو ایذائے رسول کے کام کر کے وہ گنہوں کا بوجھل درہی تھی . یہ بقول مجاہد و قتادہ مغلخوری مراد ہے جس سے دشمنی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے چنانچہ فارسی میں ہیزم کش چغٹو رکھتے ہیں یہ بقول ابن عباس و ضحاک لکڑیوں کا بوجھ مراد ہے جو جنگل سے جن جن کر وہ لاتی تھی اور حضور کی راہ میں رات کو کانٹے بچھ دیتی تھی عاصم نے اس کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے .

جبل من مسد ای من ما مسد اور مسد کے معنی بٹنے کے آتے ہیں رجل ممسود الخلق یعنی مضبوط ہے اس میں استعارہ ترشحیہ ہے یا ام جمیل کو ایسی فرضی عورت کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جس کا یہ حال ہوا یا دوزخ میں اس کی حالت کا ذکر ہے کہ بقول ابن عباس آگ کی زنجیر میں زقوم اور ضریح کی لکڑیاں باندھ کر اس کے گلے میں لٹکا دیا جائے گا یعنی جیسا کر رہی ہے ویسا ہی بھگتے گی .

فی جیدھا . موضع حال میں ہے یا خبر ہے اور جبل طرف کی وجہ سے مرفوع ہے .

ربط آیات : . . . والضحیٰ کی تمہید میں بیان کردہ مہمات میں سے مخالفت اور ایذا رسول سے بچنا بھی ہے اس صورت میں اسی کا بیان ہے یہ سورت مکی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس کا تعلق اس وقت سے ہے کہ خاندان بھر میں آپ کے حقیقی چچا عبدالعزیٰ ابولہب بن عبدالمطلب کا بغض و عناد اور غصہ و عداوت کھل کر لوگوں کے سامنے آچکی تھی اور کھلم کھلا اس نے دشمنوں کا ساتھ دیا یہی وجہ ہوئی کہ جب سکے چچا کی زیادتیاں علانیہ سب کے سامنے آگئیں تو قرآن نے بھی کھل کر پوری مذمت کی . ورنہ ایک بھتیجہ کے منہ سے چچا کی کھلم کھلا برائی اخلاقی حیثیت سے لوگوں کی نظروں میں معیوب سمجھی جاتی مگر پانی جب سر سے گزر گیا تو مجبوراً زبان کھلنی پڑی اسی لیے قرآن میں نام کی صراحت کے ساتھ اسی ایک جگہ مذمت کی گئی ہے حالانکہ مکہ مدینہ میں کتنے ہی دشمنان اسلام ایسے تھے جو آپ کے قرابت دار بھی تھے مگر انہوں نے ابولہب سے کم کردار ادا نہیں کیا پھر بھی نام بھی لے کر رسوا نہیں کیا گیا سورت کی وجہ تسمیہ واضح ہے .

روایات : . . . اسلام سے پہلے پورے عرب میں طوائف اسلوکی ، غارت گری ، بد امنی پھیلی ہوئی تھی اس لیے سینکڑوں سال سے یہ معمول بن گیا تھا کہ کوئی شخص اپنے خاندان اور قرابت داروں کے بغیر امن و چین کی زندگی بسر نہیں کر سکتا تھا اس لیے عربی معاشرہ میں صد رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھے برتاؤ کو اخلاقی قدروں میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور رشتہ دار سے بد سلوکی اور قطع رحمی کو بہت برا پاپ سمجھا جاتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی دعوت کا آغاز کیا تو قریش کے مختلف خاندانوں نے گو آپ کی شدید مخالفت کی حتیٰ کہ نبوت کے ساتویں سال کلی مقاطعہ کر کے شعب ابی طالب میں آپ کو محصور کر دیا یہ مقاطعہ متواتر تین سال رہا اور فاقوں تک نوبت پہنچ گئی مگر بنی ہاشم اور بنی المطلب دونوں خاندانوں نے اس وقت بھی کھلم کھلا اور بھرپور طریقہ پر آپ کی حمایت کی اگرچہ ان میں سے بہت سوں نے اسلام قبول نہیں کیا مگر قرابت داری اور خاندانی تقاضوں کو ملحوظ رکھا . اسی لیے دوسرے قریشیوں نے کبھی بنو ہاشم و بنو مطلب کو یہ طعنہ نہیں دیا کہ آبائی دین سے پھرنے والے شخص کی تم کیوں حمایت کر رہے ہو لیکن اس اخلاقی برتاؤ کو جسے زمانہ جاہلیت میں بھی لوگوں نے ملحوظ رکھا مگر پوری برادری میں جس شخص نے اس اصول کو توڑ کر عداویہ دشمنوں کا ساتھ دیا ہو عبد العزیٰ بن عبدالمطلب جس کی کنیت ابولہب تھی اس کا یہ حال تھا کہ مکہ میں اگر باہر سے کوئی تجارتی قافلہ آ جاتا اور ان محصورین میں



سے کوئی خوراک کا سامان خریدنے پہنچ جاتا ابولہب تاجروں سے پکار کر کہہ دیتا کہ ان سے اتنی قیمت مانگو کہ خرید نہ سکیں تمہیں جو خسارہ ہوگا اس کو میں پورا کروں گا چنانچہ وہ بڑھا چڑھا کر مول کر دیتے جس سے بے چارہ خریدار اپنے تڑپتے ہوئے بال بچوں کے پاس خالی ہاتھ پلٹ جاتا۔ پھر ابولہب وہ چیزیں بازار کے بھاؤ خود خرید لیتا۔

غرض لوگ جب چچا کا یہ طرز عمل اپنے بھتیجے کے ساتھ دیکھتے تو وہ اپنی معروف روایات کے پیش نظر یہ بات خلاف توقع سمجھتے تھے کہ کوئی چچا بوجہ بھی دوسروں کے سامنے خود اپنے بھتیجے کو برا بھلا کہے اور اسے پتھر مارے اس لیے وہ ابولہب کی بات سے متاثر ہو کر رسول اللہ کے بارے میں شک میں پڑ جاتے۔

عرب معاشرہ میں چچا باپ کی جگہ سمجھا جاتا تھا خاص طور پر جب بھتیجے کا باپ مر چکا ہوتا تو چچا ہی کے ذمہ ہر قسم کی دیکھ بھال پرورش، حمایت و نصرت آ جاتی تھی لیکن ابولہب نے اسلام دشمنی میں تمام روایات کو پامال کر دیا اب وہ عرب معاشرہ کی نظروں میں اس درجہ میں آ گیا کہ بھتیجے کے دکھی دل سے اس کے خلاف آہ نکلتے تو لوگ سمجھ لیں کہ بھتیجے اس کہنے میں حق بجانب ہے اور لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ کی مخالفت میں جو ابولہب اول فول بکاتا ہے وہ اپنے بھتیجے کی دشمنی میں دیوانہ ہو رہا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آیت و انذر عشیرتک الاقربین نازل ہونے پر آپ صبح سویرے کوہ صفا پر چڑھے اور عربی رواج کے مطابق ”یہ صفا“ کی صدا لگائی تو اس پر قریش کے خاندانوں کے سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے جو خود آ سکتا تھا وہ آ گیا اور جو نہ آ سکتا تھا اس نے اپنی طرف کسی کو بھیج دیا جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے ایک ایک خاندان کو نام بنام پکارا کہ اے بنی ہاشم! اے بنی مطلب! اے فلاں، اے فلاں اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک حملہ آور لشکر ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے؟ لوگوں نے اقرار کیا اور کہا کہ کبھی آپ نے جھوٹ نہیں بولا پھر آپ نے فرمایا انسی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید اس پر ابولہب نے سب سے پہلے بگڑ کر کہا تبا لک الہذا دعوتنا۔

اور روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ کو مارنے کے لیے اس نے پتھر بھی اٹھایا دوسرے مواقع پر بھی جب آپ پیغام حق سناتے تو یہ بد بخت پتھر پھینکتا حتیٰ کہ آپ کے پائے مبارک لہو لہان ہو جاتے اور زبان سے کہتا کہ لوگو! محمد کی بات نہ سنو! کہ یہ جھوٹا بد دین ہے پھر کبھی اپنے دونوں طرف اشارہ کر کے کہتا۔ تبا لکم ما اری فیکما شینا مما یقول محمد، اور عذاب کی دھمکی کے جواب میں کہتا کہ اگر سچ مچ یہ بات ہوئی تو میں اپنے مال و اولاد کے بل بوتہ پر بیچ نکلوں گا غرضیکہ کفر و عداوت اور غرور و شقاوت میں یہ شخص انتہا کو پہنچ گیا تھا صبر بیان ابن زید ایک روز ابولہب نے حضورؐ سے پوچھا کہ اگر تمہارے دین کو مان لوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جو اور ایمان! نہ والوں کو ملے گا کہنے لگا میرے لیے کوئی فضیلت نہیں ہے؟ حضرت نے فرمایا اور کیا چاہتے ہو؟ وہ بولا تبا لک الہذا الدین تبا ان اکون وھولاء سواء۔ حضورؐ کے اور ابولہب کے مکان کے بیچ میں صرف ایک دیوار تھی اسی طرح عقبہ بن ابی معیط، حکم بن عاص، عدی بن جہر سب آپ کے قریبی ہمسائے تھے مگر ایسے کہ گھر میں بھی حضورؐ کو چین لینے نہیں دیتے تھے کبھی نماز کی حالت میں آپ پر اوجھ پھینک دیتے کبھی صحن میں ہنڈیا پکیتی ہوئی ہوتی تو اس پر غلاظت پھینک دیتے آپ باہر نکل کر حسرت سے فرماتے اے بنی عبد مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟ اس کی بیوی، ہم جھیل تو ایسی آفت کی پرکال تھی کہ دشمنی کی جو آگ ابولہب بھڑکا تا۔ یہ عورت گویا اس کے لیے ایندھن فراہم کر کے اور تیز کر دیتی تھی اور اس نے مستقل یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ رات کو آپ کے دروازے پر کانٹے دار جھاڑیاں لاکر ڈال دیتی تاکہ نہ دھیرے میں جب آپ نکلیں تو وہ کانٹے چبھ جائیں اور کنجوس اتنی کہ جنگل سے خود ہی لکڑیوں کا گٹھہ سر پر ادا کر لاتی تھی۔

ادھر حضورؐ کی دو صاحبزادیوں کا نکاح نبوت سے پہلے ابولہب کے دونوں بیٹوں عقبہ اور عتیبہ سے ہوا تھا مگر آپ کی دعوت

شروع ہونے کے بعد اس نے اپنے بیٹوں سے کہہ دیا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو میرے لیے تم سے ملنا حرام ہے جس پر دونوں نے طلاق دے دی بلکہ عتیبہ نے تو یہاں تک کیا کہ ایک روز حضورؐ کے پاس پہنچ کر کہنے لگا کہ میں النجم اذا ہوی اور دسی فتد لی کا انکار کرتا ہوں یہ کہہ کر حضورؐ کی طرف تھوک دیا بے ساختہ آپؐ کی زبان سے بدعا یہ جملہ نکلا اللہم نسلط علیہ کلب من کلابک۔ اس کے بعد اپنے باپ کے ساتھ سفر شام کے لیے روانہ ہو گیا راستہ میں کہیں پڑاؤ ہوا تو لوگوں نے بتلایا کہ یہاں رات کو درندے آتے ہیں ابو لہب نے قافلہ کے قریبیوں سے کہا کہ میرے بیٹے کی حفاظت کرو کیونکہ مجھے محمدؐ کی بدعا کا اندیشہ ہے اس پر اس کی حفاظت کا معقول بندوبست کر دیا گیا اس کے چو طرف سامان لگا کر پھر اس کے گرد اونٹوں کو بٹھا دیا پھر سو گئے رات کو ایک شیر آیا اور حلقہ کو چیرتا ہوا بیچ میں پہنچ گیا اور عتیبہ کو پھاڑ ڈالا لیکن اس کا بڑا بھائی عتبہ فتح مکہ کے بعد اسلام لے آیا تھا خود ابو لہب کا حال یہ ہوا کہ بدر کے ساتویں روز کلنی جس کو عربی عدسہ کہتے ہیں نکل آئی اور بیماری لگنے کے خیال سے گھر والوں نے اس کو الگ ڈال دیا یہاں تک یہ اسی حال میں مر گیا اور تین روز تک یونہی لاش پڑی سڑتی رہی جس پر لوگوں نے طعنے دیئے تب کچھ لوگوں کو بلا کر اٹھوایا انہوں نے ایک گڑھے میں لکڑی سے دھکیل کر اوپر سے پتھر بھر دیئے۔

﴿تشریح﴾: تب تبیدا ابی لہب۔ یہ کوئی کوسنا نہیں ہے جیسا کہ مفسر کی رائے ہے بلکہ فی الحقیقت ایک پیش گوئی ہے جس میں تبندہ پیش آنے والی بات کو ماضی کی حقیقتوں سے بیان کیا گیا ہے گویا اس کا ہونا ایسا یقینی ہے کہ گویا وہ ہو چکی ہے یعنی یہ ابو لہب کی بات تھ نہی رہا ہے اور ہاتھ جھٹک جھٹک کر باتیں بناتا ہے اور اپنی قوت بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس اور معصوم رسولؐ کی طرف دست درزی کرتا ہے سمجھ لے کہ اب اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے ہیں حق دبانے کے سلسلہ میں اس کی سب کوششیں برباد ہو چکی ہیں اس کی سرداری ہمیشہ کے لیے مٹ گئی اس کے اعمال اکارت ہوئے اس کا زور ٹوٹ گیا اور وہ خود تباہی کے آڑھے میں پہنچ چکا ہے۔

حق سے جو بھی ٹکرائے گا وہ پاش پاش ہو جائے گا: ..... ما اغنی عنہ مالہ وما کسب اس میں ابو لہب اور اس کی بیوی ام جمیل اور بیٹے عتیبہ تینوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا گیا ہے کہ ہر مرد یا عورت اپنا ہویا بے گانہ بڑا ہویا چھوٹا جو بھی حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخر کار تباہ و برباد اور ذلیل و خوار ہو کر رہے گا پیغمبرؐ کی قرسی قرابت بھی اسے بچانہ سکے گی یہ قرابت ایمان و عمل کے ساتھ تو مفید ہو سکتی ہے مگر اس کے بغیر کوئی قیمت نہیں رکھتی اس کی شکست اور ناکامی پر آخری مہم اس طرح لگی کہ جس دین کی بیخ کنی کے لیے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اسی دین کو اس کی اولاد نے قبول کیا سب سے پہلے اس کی بیٹی درہ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچیں اور اسلام قبول کیا پھر فتح مکہ کے موقع پر اس کے دونوں بیٹے عتبہ اور معتبہ حضرت عباسؓ کی وساطت سے حضورؐ کے سامنے پیش ہوئے اور ایمان لا کر آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی یہ اولاد کا حصہ ہوا جہاں تک اس کی مال داری کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ وہ مکہ کے امیر ترین و غویں میں شمار ہوتا تھا قاضی رشید بن زبیر کا بیان ہے کہ وہ قریش کے ان چار امیروں میں سے تھا جو ایک قطار سونے کے مکے تھے مگر اس کے ساتھ وہ انتہائی کنجوس اور زر پرست تھا چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر جب اس کے دین کی موت وزیست کا فیصلہ ہونے جا رہا تھا قریش کے تمام سردار خود لڑنے کے لیے نکلے مگر اس نے اپنی طرف سے عاص بن ہشام کو لڑنے کے لیے بھیجا اور کہا کہ یہ اس چار ہزار درہم قرض کا بدلہ ہے جو میرا تم پر آتا ہے اس طرح اس نے اپنے اس قرض کے وصول کرنے کی یہی ترکیب نکالی کہ جس کی عاص کے دیوالیہ ہونے کی وجہ سے وصول یابی کی کوئی امید نہیں رہ گئی تھی اسی طرح اس پر ایک مرتبہ یہ الزام بھی لگا تھا کہ اس نے کعبہ کے خزانہ سے سونے کے زوہرن چرا لیے ہیں اگرچہ بعد میں وہ ہرن دوسرے شخص کے پاس سے برآمد ہوا تاہم یہ الزام

لکنا بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ مکہ کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے۔

برے وقت پر نہ مال کام آتا ہے اور نہ اولاد:..... غرضیکہ و ما کسب سے مراد مالی منفع ہو یا اولاد، چند سال ہی کے اندر لوگوں نے اس پیش گوئی کو اس طرح پورے ہوتے دیکھ لیا کہ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اولاد، و امر اتہ اس عورت کا نام اردی اور ام جمیل اس کی کنیت تھی، حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور ام جمیل نے اس کو نہ تو وہ بھری ہوئی حضورؐ کی تلاش میں نکلی، اس کے ہاتھ میں پتھر تھے حضورؐ کی جگو میں کچھ اشعار پڑھتی جاتی تھی جرم میں پہنچی تو وہاں حضرت ابوبکرؓ کیساتھ حضورؐ تشریف فرما تھے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ آرہی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آپ کو دیکھ کر کوئی بے ہودگی کرے گی حضورؐ نے ایسی خاص کیفیت سے فرمایا کہ یہ مجھ کو نہیں دیکھ سکے گی، چنانچہ ایسا ہوا کہ حضورؐ کے موجود ہوتے ہوئے بھی آپ کو نہ دیکھ سکی اور حضرت ابوبکرؓ سے بولی کہ میں نے سنا ہے تمہارے صاحب نے میری جگو کی ہے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اس گھر کے رب کی قسم! انہوں نے تمہاری کوئی جگو نہیں کی، یہ سن کر وہ واپس چلی گئی۔ منشاء یہ تھا کہ آپ نے جگو نہیں کی ایک وقتی فتنہ سے بچنے کے لیے حضرت ابوبکرؓ نے تو یہ سے کام لیا۔

بی حمالو کا کردار:..... حمالة الحطب کے معنی قتادہ، عکرمہ، حسن، مجاہد، سفیان ثوریؒ نے چغل خوری کے لیے ہیں یعنی وہ بی حمالو تھی اور سعید بن جبیرؒ گناہوں کے بوجھ کے معنی لیتے ہیں، فلان یحطب علی ظہرہ کہا جاتا ہے کہ وہ گناہ پیٹھ پر لا رہا ہے فی حیدھا جیدا ایسی سردن جس میں زیور پہنا گیا ہو، حسن بصریؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ وہ ایک قیمتی ہار پہنا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ لات وعزی کی قسم! میں اس کو بیچ کر محمدؐ کی عداوت میں خرچ کر دوں گی اس لیے یہاں طنزیہ فرمایا گیا ہے کہ دوزخ میں اس کی جگہ گلے میں مونجھ کی بٹی ہوئی مضبوط رسی پڑی ہوگی، یا لوہے یا اونٹ کی کھال یا درختوں کی چھال کی بنی ہوئی رسی ڈالی جائے گی۔

خلاصہ کلام: اس سورت کا حاصل یہ ہے کہ پیغمبرؐ سے عداوت رکھنے کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے اور اس سلسلہ میں قرابت داری کا لحاظ بھی نہیں ہوگا، من عادلی ولما فقد اذنتہ بالحرب، انتساب اسی وقت کا اگر ہو سکتا ہے جب ایمان و عمل کی دولت پاس ہو ورنہ سب ہیچ ہے، نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دین کے معاملہ میں مدافعت یا جانب داری نہیں برتی جب ملائکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی بھی رعایت نہیں کی تو لوگ سمجھ گئے کہ یہاں کسی لاگ لپیٹ کی گنجائش نہیں ہے ایمان لے آئے تو غیر اپنا ہو سکتا ہے اور اس سے محروم ہو تو اپنا بھی غیر ہے ”دریں راہ فلاں بن فلاں چیز سے نیست“۔

فضائل سورت:..... من قراء سورہ تب رجوت لایجمع اللہ بینہ و بین ابی لہب فی دار واحدہ، ترجمہ جو شخص سورۃ تب پڑھے گا مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ابولہب کے ساتھ ایک جگہ نہیں رکھے گا۔

لطانف سلوک:..... تب ید ابی لہب، جس طرح انبیاء مقبولین کے دشمنوں سے اللہ تعالیٰ انتقام لیتے ہیں اسی طرح اولیائے مقبولین کے مخالفین سے بھی انتقام لیتے ہیں (مرفوع) نیز اس سورت سے یہ بھی واضح ہوا کہ ایمان کے بغیر اپنے بھی پرائے ہیں۔

## سُورَةُ الْاِخْلَاصِ

سُورَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ اَوْ مَدَنِيَّةٌ اَرْبَعٌ اَوْ خَمْسٌ اَيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَبِّهِ فَنَزَلَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ فَاللّٰهُ خَبَرُ هُوَ وَاَحَدٌ بَدَلٌ مِنْهُ  
اَوْ خَبَرُ ثَانِ اللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ مُبْتَدَأٌ وَخَبَرُ اَيِّ الْمَقْصُودِ فِي الْحَوَائِجِ عَلَى الدَّوَامِ لَمْ يَلِدْ لَا يَنْتَفَاءُ مُجَانَسَةً  
وَلَمْ يُولَدْ ﴿۳﴾ لَا يَنْتَفَاءُ الْحَدُوثُ عَنْهُ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾ اَيُّ مُكَافِئًا وَمِمَّا ثَلَا فَلَهُ مُتَعَلِّقٌ بِكُفُوًا  
وَقُدِّمَ عَلَيْهِ لِاَنَّهُ مَحْطٌ الْقَصْدِ بِالنَّفْيِ وَاُخِّرَ اَحَدٌ وَهُوَ اِسْمٌ يَكُنْ عَنْ خَبَرِهَا رِعَايَةً لِلْفَاصِلَةِ  
سورة اخلاص مکہ یا مدنیہ ہے اس میں چار یا پانچ آیات ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: ... (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے رب کے متعلق پوچھا گیا تو یہ سورت نازل ہوئی) آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے (اس میں اللہ خبر ہے ہو کی اور احد اللہ کا بدل ہے یا ہو کی خبر ثانی ہے) اللہ بے نیاز ہے (یہ مبتدا خبر ہے یعنی تمام حوائج میں سداوہی مقصود ہے) نہ اس کے اولاد ہے (اس کا کوئی ہم جنس نہ ہونے کی وجہ سے) اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے (اللہ کے حادث نہ ہونے کی وجہ سے اس کو مقدم کر دیا گیا ہے اور یکن کے اسم احد کو اس کی خبر کے بعد لایا گیا ہے فاصلہ آیات کی رعایت کرتے ہوئے)۔

تحقیق و ترکیب: ... ہو اللہ احد۔ دو ترکیبیں مفسر نے بیان فرمائی ہیں لیکن قاضی بیضاویؒ و ضمیر شان کہتے ہیں ہو زید منطلق کی طرح ابتدا کی وجہ سے یہ مرفوع ہے اور اللہ احد جملہ اس کی خبر ہے اور ہو کے ہوتے ہوئے عائد کی ضرورت نہیں ہے لفظ اللہ ایک ذات ہے جو صفات اکرام کی جامع ہے اور احد کے معنی یہ ہیں کہ وہ صفات جلال کا جامع ہے کیونکہ واحد حقیقی وہی ہوتا ہے جو ترکیب و تعدد اور ان کے لوازم جسمیت و تحیز اور مشارکت سے منزہ ہو اور وجوب اور قدرت ذاتیہ اور حکمت تامہ سے متصف ہو جو صفات مقتضی الوہیت ہیں ایک قراءت میں بغیر قل کے صرف ہو اللہ احد ہے البتہ قل یا ایہا الکافرون میں بالاتفاق قل موجود ہے لیکن تبت کے شروع میں لفظ قل کہنا بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ سورۃ کافرون میں آپ کے دشمنوں سے اظہار بیزاری کیا گیا ہے اور تبت میں آپ کے چچا کو لکھا گیا ہے اس لیے آپ کی طرف سے چچا کو عتاب آمیز خطاب مناسب نہیں لیکن سورت اخلاص میں توحید ہے جس کا قل خود بھی حضور کو ہونا چاہیئے اور دوسروں کو بھی دعوت دینی چاہیئے۔

اللہ الصمد صمد بمعنی قصد یہاں صمد بمعنی مسمود الیہ ہے فعل بمعنی مفعول جیسے قصص بمعنی مقصوص اور خلق بمعنی مخلوق صمد بند مفاہم سطح مرتفع اور وہ آدمی جسے جنگ میں بھوک پیاس نہ لگتی ہو اور وہ سردار جس کی طرف حاجتوں میں رجوع کیا جائے وہ شخص جس

سے بالاتر وہی نہ ہو شے جس میں نہ خول ہو نہ جھول جس سے کوئی چیز نکلتی ہو اور نہ اس میں داخل ہو سکتی ہو۔

الصمد ٹھوس مقصود مرجع، بیت مصمد، حاجتوں کا مرجع، بناء مصمد، بلند عمارت صمدہ صمد الیہ صمد اس کی طرف جانے کا قصد یہ الصمد الیہ الامر اس کے آگے معاملہ پیش کر دیا اللہ مقصود مطلق ہے مستغنی مطلق ہے دوسرے سب ہر طرح اس کے محتاج ہیں صمد دراصل ٹھوس پہاڑ کو کہتے ہیں اللہ سے بڑھ کر کون مضبوط ہوگا اور چونکہ مشرکین عرب اللہ کی صمدیت کے قائل تھے اس لیے الصمد معروف باللام لایا گیا برخلاف احدیت کے وہ اس کے قائل نہ تھے اسکو نکرہ لایا گیا ہے اور لفظ اللہ تکرار میں یہ نکتہ ہے کہ جو ان صفات سے متصف نہیں وہ اللہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور اللہ فی الحقیقت ایسا جامع لفظ ہے کہ اس کا کوئی صحیح بدل کسی زبان میں نہیں ہے اور ان دونوں جملوں کے درمیان عاطفت نہیں لایا گیا۔ کیونکہ دوسرا جملہ پہلے کا گویا نتیجہ یا دلیل ہے۔

لہ یلد اللہ کے اولاد نہیں ہے کیونکہ اولاد اول تو ہم جنس ہونی چاہیے اور واجب الوجود کا ممکن ہم جنس نہیں ہے اور غیر جنس اولاد با عیث عیب ہے اور اللہ عیب سے بری ہے دوسرے اولاد اعانت کے لیے ہوتی ہے اللہ اس سے بھی بری ہے تیسرے اولاد باپ کا خف ہوتی ہے اور اللہ فی سے پاک ہے کہ اسے خلیفہ کی ضرورت ہو اور لہ یلد ماضی لانے میں یہ نکتہ ہے کہ اس میں مشرکین کا رد ہے جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے اسی طرح یہود پر رد ہے جو حضرت عزیر کو ابن اللہ کہتے تھے اور نصاریٰ پر رد ہے جو حضرت مسیح کو ابن اللہ مانتے تھے یا گلے جملہ یو لد کے مطابق کرنے کی وجہ سے لہ یلد ماضی لایا گیا ہے۔

ولم یولد اللہ کسی کی اولاد نہیں کیونکہ اول تو اولاد حادث ہوتی ہے دوسرے وہ محدث کی محتاج ہوتی ہے اور اللہ ان باتوں سے پاک ہے کیونکہ وہ واجب بالذات ہے۔

ولم یکفوا احد یعنی بیوی ہو یا اور ہستی کوئی اس کے برابر نہیں ہے لہ ظرف کو اہمیت کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے اور کھوا کی ضمیر مستتر سے یہ حال بھی ہو سکتا ہے تیسری ترکیب یہ ہے کہ اس کو خبر بھی بنایا جاسکتا ہے اور کھوا احد سے حال ہو جائے گا ان تینوں جملوں میں عطف کے ذریعے ربط کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ اللہ کی وحدت کے سلسلہ میں اس کے علاوہ چھوٹے بڑے برابر تینوں کی نفی ایک ہی درجہ میں ہے جزوہ، یعقوب، مانع نے کھوا تخفیف کے ساتھ اور حفص نے کھوا حرکت اور واو کے ساتھ پڑھا ہے یہ مختلف ترین سورت ہے مگر تمام معارف النبیہ کو حاوی ہے اور محمد بن پر رد ہے حدیث میں اس کو ثلث قرآن میں رکھا گیا ہے کیونکہ مقاصد قرآن میں اول عقائد کا درجہ ہے دوسرے احکام کا حصہ ہے تیسرے قصص ہیں پس اس سورت میں عقائد کی بنیاد آگئی اور صاحب کشف تو اس سورت کو قرآن کے برابر کہہ رہے ہیں پس مقاصد اصلیہ یعنی عقائد اصلیہ کے لحاظ سے یہ بھی صحیح ہے۔

رابط آیات :- واضحی کی تمہیدی مہمات میں توحید بھی ہے اس سورت میں توحید خالص کا بیان ہے اسی لیے اس کا نام سورت

اخلاص ہے اگرچہ اس میں کہیں اخلاص کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا ہے پس جو شخص اس کی تعلیم پر ایمان لائے گا وہ شرک سے خلصی پالے گا

روایات :- حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ قریش کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اپنے رب کا

نسب بتائیے اس پر سورت نازل ہوئی نسب بتانے کا مطلب تعارف ہے انجنس سے تعارف کے لیے عرب اسسہ لنا بوتے ہیں یعنی کون

ہے، کیسا ہے، اس قبیلہ خاندان سے ہے؟ حضرت ابی بن کعب، حضرت جابر بن عبداللہ سے اسی کے قریب قریب روایات ہیں جن سے

اس سورت کا کلی ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن ابن عباس کی روایت ہے کہ یہود کا ایک گروہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں کعب بن

اشرف اور جی بن الخطب وغیرہ بھی تھے حضور سے پوچھا کہ آپ کا رب جس نے آپ کو بھیجا ہے کیسا ہے؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی

حضرت انس کہتے ہیں کہ کچھ یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہنے لگے اے ابوقاسم! اللہ نے فرشتوں کو نور حجاب سے دم کوٹھی

کے نئے ہوئے گارے سے ابلیس کو آگ کے شعلے سے آسمان کو دھوئیں سے زمین کو پانی کے جھاگ سے بنایا اب ہمیں اپنے رب کے

متعلق بتائیے کہ وہ کس چیز سے بنا ہے؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا جبریل آئے انہوں نے کہا اے محمد! ان سے کہنے ہو اللہ احد اسی

طرح عامر الطفیل نے حضورؐ سے کہا کہ اے محمد! آپ کس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی طرف عامر بول کہ اچھا تو بتلایئے کہ وہ سونے سے بنا ہے یا چاندی سے یا لوہے سے؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی علیٰ ہذا ضحاک، قتادہ، مقول کہتے ہیں کہ یہود کے کچھ علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد! اپنے رب کی کیفیت ہمیں بتلایئے شاید ہم آپ پر ایمان لائیں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت تورات میں نازل کی ہے آپ بتلایئے کہ وہ کس چیز سے بنا ہے اس کی جنس کیا ہے سونے کا ہے، تانبے کا ہے، پیتل کا ہے یا لوہے کا ہے چاندی کا ہے؟ اور کیا وہ کھاتا پیتا بھی ہے؟ اور اس نے دنیا کس سے وراثت میں پائی ہے اور اس کے بعد کون اس کا وارث ہوگا؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی! ابن عباسؓ کی روایت یہ بھی ہے کہ نجران کے ساتھ عیسائیوں کا وفد حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ آپ کا رب کیسا ہے؟ کس چیز سے بنا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرا رب کسی چیز سے نہیں بنا ہے وہ ہر چیز سے الگ ہے تب یہ سورت اتری ان روایات سے اس کا مدنی ہونا معلوم ہوتا ہے بہر حال سوال ایک ہی ہے جو مختلف موقعوں پر مختلف لوگوں نے آپ سے کیا اور سب کا جواب ایک ہی آیا ان میں کوئی تضاد یا ٹکراؤ نہیں ہے ہر مرتبہ آپ نے اس سورت کو پڑھ دیا مگر راوی اس کو اسی واقعہ کے ساتھ خاص کر کے نقل کر دیتے ہیں دراصل یہ سورت مکی ہے اور اس کی مضمون سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ بالکل شروع میں جب اللہ کی ذات و صفات سے متعلق تفصیلی آیات نازل ہوئی تھیں لوگوں نے آپ کی دعوت سن کر پوچھنا چھ شروع کر دی دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضرت بلالؓ کو ان کے قاصد امیہ بن خلف نے دھوپ میں گرم ریت پر لٹا کر جب ستایا تو ان کی زبان پر احد احد جاری تھا جو اس سورت سے ہی ماخوذ ہے۔

﴿تشریح﴾ ..... سورۃ کافرون کی طرح یہاں بھی لفظ قل کا براہ راست خطاب حضورؐ کو ہے لیکن آپ کی وساطت سے پھر یہ خطاب عام ہے ہو اللہ احد۔ ہو سے مراد وہی رب ہے جس کے متعلق استفسار کیا جا رہا تھا یعنی میرا رب وہی اللہ ہے جو تمہارے نزدیک بھی معروف ہے کوئی نیارب لے کر نہیں آیا ہوں جس کی عبادت کی دعوت دے رہا ہوں بلکہ اللہ کی وہی جانی پہچانی مسلمہ ہستی ہے جس کا نام تمہاری زبانوں پر بھی ہے یہ ان کے سوال کے پہلے دو کا جواب ہوا اس سے خود بخود اس کا جواب نکل آیا کہ وہ سونے، چاندی کا ہے یا کس چیز سے بنا ہے؟۔

خدا سونے چاندی وغیرہ سے نہیں بنا وہ ان چیزوں کو بنانے والا ہے:..... ظاہر ہے کہ جب وہ اللہ ہے تو ان میں سے کسی چیز سے بھی نہیں بنا ہے بلکہ وہی ہے جسے تم بھی ساری کائنات کا خالق رازق مدبر، منتظم مانتے ہو اور سخت وقت پڑنے پر سب کو چھوڑ چھڑ کر اسی کو مدد کے لئے پکارتے ہو اس جواب میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کمالیہ آپ سے آپ آجاتی ہیں کیونکہ یہ بات سرے سے ناقابل تصور ہے کہ جس ذات میں سارے گن ہوں وہ نہ زندہ ہو، نہ ستیا ہو، نہ دیکھتا ہو، نہ قادر مطلق ہو، نہ علیم و حکیم، رحیم و کریم ہو، اور نہ سب پر غالب ہو اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے احد کا لفظ جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ عربی زبان میں غیر معمولی سے یوں تو اس کا استعمال بہت سے طریقوں سے ہوتا ہے لیکن قرآن کے علاوہ عربی زبان میں محض وصف کے طور پر اس کے استعمال کی کوئی نظیر نہیں ملتی قرآن نے صرف اللہ کی ذات کے لیے اس کا استعمال کیا ہے اس غیر معمولی استعمال طرز بیان سے خود بخود یہ ظہور ہوتا ہے کہ یہاں نہ اور نہ الگ ہونا اللہ کی خاص صفت ہے یعنی وہ اکیلا رب ہے وہی اکیلا ہے اس کا کوئی ثانی نہیں ہے پس مشرکین اور اہل کتاب کے سوالات کا مختصر اہل اس طرح ہوا کہ وہی اکیلا رب ہے وہی اکیلا خالق، مالک الملک، مدبر، منتظم، رازق وغیرہ ہے خدائی کے ان کاموں میں جن کو تم مانتے ہو کہ یہ اللہ ہی کے کام ہیں اس کا کوئی شریک سہیم نہیں ہے انہوں نے یہ بھی پوچھنا تھا کہ وہ کس چیز سے بنا ہے اس کا نسب کیا ہے اس کی جنس کیا ہے؟ وہ کس کا وارث ہے؟ اس کا وارث کون ہوگا؟۔

اللہ کی احدیت اور واحدیت:..... ان سارے سوالات کا جواب بھی لفظ احد میں آگیا ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہی ایک خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا نہ اس سے پہلے کوئی خدا تھا نہ اس کے بعد کوئی خدا ہوگا خدا کی کوئی جنس نہیں کہ یہ اس کا فرد



ہو بلکہ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ہم جنس نہیں ہے اسکی ذات محض واحد نہیں بلکہ واحد ہے جس میں کوئی کسی حیثیت سے بھی کثرت کا کوئی شائبہ نہیں ہے اور چونکہ وہ اجزا سے مرکب وجود نہیں ہے اس لیے نہ اس کی تقسیم ہو سکتی ہے نہ اس کے اجزا ہو سکتے ہیں نہ وہ کوئی شکل و صورت رکھتا ہے نہ رنگ و جہت، نہ زمان و مکان کا پابند ہے نہ تغیر و تبدل کو قبول کرتا ہے غرض تمام کثرتوں سے پاک صاف ایک ذات ہے جو ہر اعتبار سے احد ہے۔ واحد کے معنی تو ایک کے ہیں خواہ ایک فرد ہو یا مجموعی حیثیت سے ایک ملک ایک قوم ایک دنیا ایک عالم ایک جہاں اور کسی مجموعہ کے ہر جز کو بھی واحد اور ایک کہا جاسکتا ہے لیکن احد کا استعمال صرف اللہ کے لیے مخصوص ہے کسی اور کے لیے یہ مخصوص نہیں ہوتا چنانچہ قرآن میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے واحد لفظ استعمال ہوا ہے وہاں الہ واحد اللہ الواحد القہار کہا گیا ہے محض واحد کہیں نہیں کہا گیا کیونکہ یہ لفظ ان چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو اپنی ذات میں طرح طرح کی کثرتیں رکھتی ہیں بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ کے لیے اور صرف اللہ ہی کے لیے احد کا لفظ مطلقاً استعمال کیا گیا ہے کیونکہ وجود میں صرف وہی ایک ہستی ایسی ہے جس میں کسی حیثیت سے بھی کوئی کثرت نہیں ہے جس کی وحدانیت ہر لحاظ سے کامل ہے۔

فرق باطلہ پر رد: ..... پس لفظ اللہ سے تو دہریوں اور منکرین خدا پر رد ہو گیا جو بالکل خدائی کے قائل ہی نہیں ہیں اور وہ اس کائنات کو محض لخت و اتفاق کا ایک نتیجہ قرار دیتے ہیں یا مادہ اور اتھرو کو قدیم مانتے ہیں جو تمام کمالات سے عاری ہے اسی طرح لفظ احد سے ان لوگوں پر رد ہو گیا ہے جو ایک سے زائد معبود مانتے ہیں خواہ وہ مجوس ہوں جو خالق خیر و شر، یزدان و اہرمن الگ الگ مانتے ہیں یا ہنود جو تئیس کوورد ہونا مانتے ہیں الصمد صمد کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں حضرت علیؓ، عکرمہؓ، کعبؓ، کے نزدیک صمد وہ ہے جس سے بالاتر کوئی نہ ہو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، ابو وائلؓ، شفیق بن سلمہ کے نزدیک سردار کامل کے معنی ہیں اور ابن عباسؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایب سردار جو اپنی سیادت شرف و عظمت، علم و بردباری حکمت میں کامل ہو وہ صمد کہلائے گا اور یہ بھی فرمایا کہ وہ سردار جس کی طرف لوگ مصیبت میں رجوع کریں حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں وہ جو سب سے بے نیاز ہو اور سب اس کے محتاج ہوں عکرمہؓ کے اور بھی اقوال ہیں مثلاً وہ چیز کہ جس میں سے نہ کبھی کوئی چیز نکلی ہو نہ نکلتی ہو اور جو نہ کھاتا نہ پیتا ہو سدی کہتے ہیں کہ جو مطلوب حاصل کرنے کا ذریعہ ہو یا مصائب دور ہونے کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جائے سعید بن جبیرؓ کے نزدیک جو صفات و اعمال میں کامل ہو ربیع بن انسؓ کے نزدیک کوئی آفت نہ آتی ہو اور مقاتل بن حیانؓ کے نزدیک بے عیب کے معنی ہیں۔ ابن کيسانؓ کے نزدیک وہ کہ جس کی صفت سے کوئی دوسرا متصف نہ ہو سکے حسن بصریؓ قنادہؓ کے نزدیک جو باقی رہنے والا لازوال ہو مرقۃ الہدیٰ کے نزدیک وہ جو اپنی مرضی اور کام میں خود مختار، آزاد ہو۔ اس کے حکم اور فیصلہ کے آگے دم مارنے کی مجال نہ ہو۔ ابراہیم نخعیؓ فرماتے ہیں کہ لوگ جس کی طرف حاجات میں رجوع کریں۔ ابو بکر انباریؓ کا کہنا یہ ہے کہ اہل لغت اس پر متفق ہیں کہ صمد اس سردار کو کہتے ہیں جس سے بالاتر کوئی سردار نہ ہو اور جس کی طرف لوگ اپنے معاملات و ضروریات میں رجوع کریں۔ زجاجؓ کہتے ہیں کہ جس پر سرداری ختم ہو گئی ہو اور لوگ اپنی حاجتوں میں اس کی طرف رجوع کریں۔

صمد کی جامع تفسیر: ..... طبرانی ان سب اقوال کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔ وکل هذه صحيحة وهي صفات ربنا عروجل هو الذي بصمد اليه في حوائج وهو الذي قد انتهى سودوه وهو الصمد الذي لا جوف وياكل ولا يشرب وهو البافي بعد خلقه۔ اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ لفظ احد چونکہ اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے اس لیے نکرہ لانا کافی سمجھا گیا۔ لیکن صمد کا لفظ چونکہ مخلوق کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے الصمد معرفۃ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اصلی صمد اللہ ہے۔ اور مخلوق کو اگر کسی حیثیت سے صمد کہا بھی جائے تو جزوی لحاظ سے ہوگا۔ کیونکہ مخلوق اللہ کی طرح لازوال نہیں بلکہ فانی ہے۔ مرکب ہوتی ہے۔ جس میں تقسیم و تجزیہ ہو کر کسی وقت اس کے اجزاء بکھر سکتے ہیں مخلوقات میں احتیاج بھی ہے اور ان کی سیادت



بھی اضافی ہے اور اس کی برتری بھی مطلق نہیں بلکہ اضافی ہے۔ اسی طرح مخلوق کی حاجت بر آری اور حاجت روائی بھی اضافی ہوگی۔ بر خلاف اللہ تعالیٰ کے اس کی صمدیت ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہے۔ اس لیے وہی الصمد کا مصداق ہے۔ اس سے ان جاہلوں پر زد ہو گیا۔ جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں اختیار رکھنے والا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح فرقہ آریہ کا بھی رد ہو گیا۔ جو مادہ اور روح کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور ان دونوں کی طرف اللہ کو محتاج مانتے ہیں۔ ان دونوں کو اللہ کا محتاج نہیں مانتے۔

خدا کے بارے میں قدیم تصورات:..... لم یلد ولم یولد۔ زمانہ قدیم سے راجہ مہاراجہ، بادشاہوں کی پوجا اور پرستش کی جاتی رہی ہے اور زمانہ جاہلیت کے بارے میں بھی لوگوں کا یہی تصور بندھ گیا کہ جس طرح انسان کی جنس و نوع ہوتی ہے جن میں بہت سے افراد ہوتے ہیں۔ اور ان میں مرد و عورت پائے جاتے ہیں۔ جن میں شادی، بیاہ، اولاد، نسل ہوتی ہے۔ اسی طرح خداؤں کی بھی جنس ہوتی ہے۔ ان کے بیوی اولاد ہوتی ہے۔ اسی جاہلانہ نظریہ سے اللہ رب العالمین کو بھی دیکھا، اس کے اولاد تجویز کی۔ عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور جنات کو خدا کی بیویاں مانتے تھے۔ اہل کتاب بھی اس جہالت سے محروم نہیں رہے انہوں نے کسی بزرگ کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ پھر ان میں سے کسی نے تو حقیقی نسب بنایا قرار دیا اور کسی نے بڑا تیر مارا تو متنبی کہہ لیا۔ اگرچہ ان میں سے کسی نہ کسی کو اللہ کا باپ قرار دینے کی جرات نہیں کی۔ مگر ظاہر ہے کہ جب کسی ذات کے بارے میں یہ تصور کر لیا جائے کہ وہ تو والد و تناسل سے پاک نہیں یا انسان کی طرح وہ بھی ایسی کوئی ہستی ہے جس کے اولاد ہوتی ہے یا وہ کسی کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں متنبی بنالیتا ہے۔ تو پھر انسانی ذہن کس طرح اس تصور سے محفوظ رہ سکتا ہے کہ اس کو کسی کی اولاد نہ سمجھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے۔ سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ اللہ کا نسب کیا ہے؟ اور یہ کہ وہ کس کا وارث ہے یا اس کا وارث کون ہوگا۔

خدا جاہلانہ خیالات سے پاک ہے:..... ان جاہلانہ تصورات کا اگر تجزیہ کیا جائے تو پھر ان چیزوں کو مان لینے سے کچھ اور چیزوں کو ماننا بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اول یہ کہ خدا ایک نہ ہو بلکہ خداؤں کی جنس ہو۔ جس کے افراد خدائی، اوصاف، افعال و اختیارات میں شریک ہوں۔ یہ بات جس طرح خدا کے نسب اولاد فرض کرنے سے لازم آتی ہے۔ اسی طرح اس کے متنبی فرض کرنے سے بھی لازم آتی ہے۔ کیونکہ متنبی بھی لامحالہ ہم جنس ہی ہوتا ہے۔ اور جب خدا کا ہم جنس ہوا تو وہ خدائی کے اوصاف کا حامل بھی ہونا چاہئے۔ دوسرے تو والد و تناسل فرض کر لینے سے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ نہ مادہ ہوں۔ ان کا اتصال ہو اور خود مادہ سے خارج ہونے والا مادہ بھی ہو جو اولاد کی شکل اختیار کر لے۔ پس اللہ کے لیے اولاد فرض کرنے سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ وہ ایک مادی اور جسمانی وجود ہو۔ پھر اس کی ہم جنس کوئی بیوی بھی ہو اس کے جسم سے کوئی مادہ بھی خارج ہو۔ تیسرے تو والد و تناسل اس لیے ہوتا ہے کہ افراد فانی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی جنس باقی رکھنے کے لیے اولاد پیدا ہونا ناگزیر ہوتا ہے کہ نسل آگے چلے۔ اسی طرح اللہ کے لیے اولاد فرض کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ بذات خود معاذ اللہ فانی ہو اور باقی رہنے والی چیز خداؤں کی نسل ہونہ کہ اللہ کی ذات۔ نیز اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ عیاذ باللہ اللہ کی بھی ابتداء انتہا ہو۔ چوتھے یہ کہ متنبی بنانے کی غرض یہ ہے کہ لا اولد شخص اپنی زندگی میں کسی مددگار اور اپنی وفات کے بعد کسی وارث کا محتاج ہوا کرتا ہے۔ پس کیا خدا کے متنبی فرض کر لینے سے یہ سب خرابیاں لازم نہیں آئیں گی۔ ان تمام مفروضات کی جزا اگرچہ اللہ کو احد و صمد کہنے ہی سے کٹ جاتی ہے لیکن لم یلد ولم یولد کہنے کے بعد اس معاملہ میں کسی اشتباہ کی گنجائش بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ ولسم یکن لہ کفو احد۔ کفواً کے معنی جو برابر ہو، مماثل، مشابہ نظیر کے ہیں۔ نکاح میں بھی کفو کے یہی معنی ہیں کہ مرد اور عورت کی حیثیت اور جو برابر ہو۔ پس جب اللہ کا کوئی جو نہیں تو بیوی یا اولاد کا سوال کہاں سے ہو۔ غرض ثانی کی تین ہی صورتیں عقلاً ہو سکتی ہیں، چھوٹا، بڑا، برابر ان تین آیتوں میں تینوں احتمالات کی نفی فرمادی گئی ہے۔ لم یلد میں چھوٹے کی لم یولد میں بڑے کی لم یکن لہ کفواً میں برابر کی اس طرح اللہ کی احدیت کی اچھی طرح تقریر و توضیح ہو گئی۔

**خلاصہ کلام:** حضور کی بعثت کس پس منظر اور ماحول میں ہوئی؟ اس وقت خدا کے بارے میں دنیا کے مذہبی معتقدات و تصورات کیا تھے؟ بت پرست تو لکڑی پتھر، چاندی سونے کی مورتیوں کی شکل میں خدا کو پوج رہے تھے۔ ان کے نزدیک دیوتاؤں اور ایویوں کو باقاعدہ نسل تھی۔ کوئی دیوتا بغیر بیوی کے، کوئی دیوی بغیر شوہر کے نہ تھی۔ ان خداؤں کی خوراک، کھانے پینے کا بندوبست ان کے پرستار کرتے تھے کچھ مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا انسانی شکل میں ظہور کرتا ہے اور کچھ انسان اس کے اوتار ہوتے ہیں۔ یہودی اور عیسائی اگرچہ ایک خدا ماننے کے دعویٰ دار تھے۔ مگر خدا کو باپ اور اس کے لیے ایک بیٹا ضرور مانتے تھے۔ اور عیسائیوں نے روح اللہ کو خدا کی میں شریک کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ خدا کی ماں اور ساس بھی تھی۔ اسی طرح یہودیوں کا خدا انہلتا بھی تھا اور انسانی شکل میں بھی نمودار ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ کسی بندے سے کشتی بھی لڑ لیتا تھا۔ اہل کتاب کے علاوہ آتش پرست مجوسی اور ستارہ پرست صابی بھی تھے۔ اس پس منظر میں جب تو حید کامل کی دعوت پیش کی گئی تو اس قسم کے سوالات کا ذہنوں میں ابھرنا لازمی تھا۔ یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ اس نے ایک مختصر ترین سورت کے چند دوں میں اللہ کی ہستی کا ایک واضح مرقع پیش کر دیا۔ جو تمام مشرکانہ تصورات کا قلع قمع کر دیتا ہے اور اس کی یگانہ ذات کو صفات میں بھی یگانہ پیش کرتا ہے۔ منکرین تو حید کئی طرح کے ہیں۔ ایک منکرین وجود باری۔ دوسرے منکرین وجوب باری۔ تیسرے منکرین صفات کمال جو تھے مشرکین فی العبادت، لفظ احد میں ان سب پر رد ہو گیا۔ وہ گئے مشرکین فی الاستعانت ان کا رد الصمد میں ہو گیا۔ اسی طرح ایسا کہ بعد کا مضمون لفظ حد میں اور ایسا کہ نستعین کا مضمون الصمد میں آ گیا۔ اسی طرح لم یلد میں اللہ کے اولاد ماننے والوں پر اور لم یولد میں ان لوگوں پر رد ہو گیا جو کچھ انسان اور جنت کو الوہیت میں شریک گردانتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب مولود ہیں اور اللہ مولود ہونے سے پاک ہے۔ ورنہ اس کو حادث ماننا پڑے گا۔ اور لم یکن لہ کفو ا سے آتش پرست مجوسیوں کا رد ہو گیا۔ جو اللہ کے لیے مماثلت کے قائل ہیں۔

**فضائل سورت:** ۱۔ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یقراھا فقال وجبت قیل یا رسول اللہ وما وجبت قال وجبت لہ الجنة۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو یہ سورت پڑھتے سنا۔ فرمایا کہ واجب ہو گئی۔ پوچھا کہ کیا واجب ہو گئی؟ فرمایا جنت واجب ہو گئی۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو ایک مہم پر افسر بنا کر روانہ فرمایا۔ وہ پورے سفر میں ہر نماز میں قرات قل ہو اللہ احد پر ختم کرتے تھے۔ واپسی میں ان کے رفقاء نے حضور سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ خود ان سے پوچھ کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ پوچھ گیا تو انہوں نے کہا کہ اس میں چونکہ رحمن کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اس لیے مجھے اس کا بڑھنا بہت محبوب ہے۔ حضور نے یہ بات سنی تو ان شکایت کرنے والوں سے فرمایا۔ اخبر وہ ان اللہ تعالیٰ بحجہ۔

۳۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک انصاری مسجد قبا میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ وہ ہر رکعت میں پہلے قل ہو اللہ احد پڑھتے۔ پھر کوئی اور سورت پڑھتے۔ لوگوں نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ تم کیا کرتے ہو۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ کسی ایک جگہ سے پڑھو۔ دونوں کو کیوں پڑھتے ہو؟ مگر انصاری نے جواب دیا کہ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ تم چاہو تو میں نماز پڑھاؤں۔ ورنہ امامت چھوڑ دوں؟ لیکن وگ ان کی جگہ کسی اور کو امام بنانا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ آخر کار معاملہ حضور کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے امام صاحب سے پوچھا کہ نمازی جو کچھ چاہتے ہیں اس کو قبول کرنے میں تمہیں کیا مانع ہے؟ تمہیں ہر رکعت میں اس سورت کے پڑھنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ فرمایا حبک ایاھا ادخلک الجنة۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت و محبت صحابہ کے دلوں میں جا گزری تھی۔ کیونکہ اس میں اسلام کے اولین بنیادی عقیدہ تو حید کو مختصر چار فقروں میں بیان کیا گیا ہے۔ جو فوراً ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور آسانی سے زبانوں پر چڑھ جاتے ہیں۔

**لطايف سلوك:** ..... قل ہو اللہ احد۔ یہ سورت نہایت مختصر ہونے کے باوجود عقائد و معارف تو حید کی انواع پر مشتمل ہے۔

## سُورَةُ الْفَلَقِ

سُورَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدَنِيَّةٌ خَمْسُ آيَاتٍ

زَلْتُ هَدِيهِ وَالَّتِي بَعْدَهَا لَمَّا سَحَرَّ لَيْدُ الْيَهُودِيِّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَتْرِهِ إِحْدَى عَشْرَةَ عُقْدَةً فَأَعْلَمَهُ اللَّهُ بِذَلِكَ وَبِمَحَلِّهِ فَأَحْضَرَ بَيْنَ يَدَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ بِالتَّعَوُّذِ بِالسُّورَتَيْنِ فَكَانَ كُلَّمَا قَرَأَ آيَةً مِنْهُمَا انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ وَوَجَدَ خِفَّةً حَتَّى انْحَلَّتِ الْعُقْدُ كُلُّهَا وَقَامَ كَأَنَّمَا نَشَطَ مِنْ عُقَالٍ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿٢﴾ الصُّبْحِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿٣﴾ مِنْ خِيَوٍ مُكَلَّفٍ وَغَيْرِ مُكَلَّفٍ وَجَمَادٍ كَالسَّمِّ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ﴿٤﴾ أَى اللَّيْلِ إِذَا أَظْلَمَ أَوِ الْقَمَرِ إِذَا غَابَ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثِ السَّوَاجِرِ تَنْفُثُ فِي الْعُقَدِ ﴿٥﴾ الَّتِي تَعْقِدُهَا فِي الْخَيْطِ تَنْفُخُ فِيهَا بِشَيْءٍ تَقُولُهُ مِنْ غَيْرِ رِيْقٍ وَقَالَ الزَّمَخْشَرِيُّ مَعَهُ كَبَنَاتٌ لَيْدِ الْمَذْكُورِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾ أَطْهَرَ حَسَدُهُ وَعَمَلٌ بِمُقْتَضَاهُ كَلَيْدِ الْمَذْكُورِ مِنَ الْيَهُودِ الْحَاسِدِينَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ الثَّلَاثَةَ الشَّامِلُ لَهَا مَا خَلَقَ بَعْدَهُ لِشِدَّةِ شَرِّهَا

ترجمہ: . . . سورۃ فلق مکیہ یا مدینہ ہے جس میں پانچ آیات ہیں۔ یہ سورت اور اس کے بعد کی اُس وقت نازل ہوئیں۔ جب کہ لید نامی یہودی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا۔ ایک نانت میں گیارہ گرہیں لگا کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سحر اور اس کے مقام سے باخبر فرما دیا۔ تب وہ چیزیں آپ کے سامنے لا حاضر کی گئیں اور حضور کو ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ حاصل کرنے کو فرمایا گیا۔ چنانچہ جب آپ ان دونوں سورتوں میں سے ایک آیت پڑھتے تو گرہ کھل جاتی اور آپ کی طبیعت ہلکی ہو جاتی۔ حتیٰ کہ ساری گرہیں کھل گئیں تو آپ ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے بندھن کھل گئے ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم آپ کہتے کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی تمام مخلوق کے شر سے (خواہ حیوان مکلف ہو یا غیر مکلف یا جمادات زہر وغیرہ ہوں) اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے (یعنی رات جب اندھیری ہو جائے یا چاند جب غائب ہو جائے) اور گرہوں پر پڑھ کر پھونکنے والیوں (جادو گرہوں کی جھاڑ پھونک) کے شر سے (جو ڈوروں میں گرہیں باندھ کر کچھ پڑھ کر بغیر تھوک کے پھونکتی ہیں۔ زخشرٹی نے اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے جیسے: لید مذکور کی لڑکیاں) اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرنے لگے (اپنے حسد کو ظاہر کر دے اور اس کے مقصدی پر عمل کرنے لگے۔ جیسے: حاسد یہودیوں میں سے لید مذکور نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا۔ اور یہ تینوں چیزیں اگرچہ ماخلق میں داخل تھیں۔ مگر اس کی شدت شرکی وجہ سے ان کو بعد میں الگ ذکر کیا ہے۔)

**تحقیق و ترکیب:** .. قل اعوذ. تعوذ کے معنی پناہ جوئی کے ہیں۔ سورۃ فلق اور سورۃ ناس دونوں سورتوں کو معوذتین اسی لیے کہتے ہیں کہ ان میں تعوذ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ تعویذ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔

الفلق فلق بمعنی خرق پھٹنا فعل مفعول اس کا اطلاق نباتات پر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عدم کو پھاڑ کر وجود میں آتی ہے۔ گویا عدم تاریکی ہے اور وجود ایک نور ہے تو ظلمت کو پھاڑ دیتا ہے۔ بالخصوص ان چیزوں پر فلق کا اطلاق ہوتا ہے جو کسی اصل سے نکلتی ہیں۔ جیسے چشمے، بارش، نباتات، اولاد۔ لیکن عرف میں صبح کے ساتھ مزید تخصیص ہو گئی ہے۔ کیونکہ صبح کو حالات میں تغیر ہو جاتا ہے اور رات کی تاریکی کی وحشت نور صبح سے مسرت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جس طرح قبروں سے قیامت کے لیے اٹھنا ہوگا۔ اس کا منظر سو کر صبح اٹھنے والے پیش کرتے ہیں۔ گویا صبح قیامت کا ایک نمونہ ہوتی ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ عالم پر چھایا ہوا رات کا اندھیرا جو ہستی دور کر سکتی ہے۔ وہ پناہ چاہنے والے کے خوف و خطر کو بھی دور کر سکتی ہے اور لفظ رب دوسرے اسماء کے مقابلے میں زیادہ لطافت رکھتا ہے کیونکہ مضرت سے بچانا بھی تربیت ہے۔

من شر ما خلق۔ عالم کی دو قسمیں ہیں عالم امر عالم خلق ”الا له الخلق والامر“ عالم امر تو خیر ہی خیر ہے۔ اس میں شر کا نام و نشان نہیں۔ البتہ عالم خلق میں خیر بھی پایا جاتا ہے اور شر بھی جہاں تک شر اختیاری کا تعلق ہے وہ بھی لازمی ہوتا ہے جیسے کفر اور بھی متعدی جیسے ظلم۔ اور بھی شرطی ہوتا ہے جیسے آگ کا محرق اور زہر کا مہلک ہونا۔ پس ما خلق کی تخصیص اسی لیے ہے کہ شر اسی میں منحصر ہے۔ عالم امر شر سے خارج ہے۔

من شر غاسق۔ غسق کے معنی امتلاء اور بھرنے کے ہیں۔ غسقت العین آنسوؤں سے آنکھ ڈبڈبائی اور بعض نے غسق کے معنی سیلان کے لیے ہیں۔ غسق العین کے معنی آنکھ بہنے کے ہیں۔ بہر صورت یہاں رات کا سخت تاریک ہونا مراد ہے۔ اذ اوق۔ وقب کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کے اندر اندھیری گھس جائے جیسے گھٹا ٹوپ اندھیرا کہتے ہیں۔

ما خلق کے بعد رات اندھیری کی تخصیص اس لیے ہے کہ اس میں نقصان زیادہ ہوتا ہے اور اس کا دفعیہ بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ مشہور ہے۔ اللیل احفی الاولیل اور بعض نے غاسق سے چاند مراد لیا ہے کہ کسوف کے بعد تاریک ہو جاتا ہے اور غاسق سے وہ چیزیں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔ جو نور سے خالی ہوں۔ جیسے: توئے نفسانیہ جو باعث انکشاف ہونے کی وجہ سے نور کے مشابہ ہیں اور نور سے خالی ہونے کی مثال جیسے معدنیات۔

ومن شر النفث۔ نفاثات سے نفوس مراد ہیں۔ نفاثہ علامہ کی طرح ہے اور اگر مؤنث کے لیے مانا جائے تو جادوگر نیاں مراد ہیں۔ جو گندوں میں جھاڑ پھونک کر گرہیں لگاتی ہیں۔ نفث وہ پھونک جس میں کچھ تھوک بھی شامل ہو اور نفاثات سے نباتات بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ گویا ان کے طول و عرض و عمق میں پڑھنے کو نفث سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عقد۔ جمع ہے عقدہ کی جس کے معنی گرہ کے ہیں۔

اور م شر کے بعد اس شر کی تخصیص شان نزول کی وجہ سے ہے۔ یعنی جو واقعہ حضور پر جادو کرنے کا پیش آیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہو جانا کمال کے منافی نہیں ہے۔ جیسے اور حوادث و امراض و نقصانات کا پیش آ جانا منافی کمال نہیں ہے۔ نیز اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کافر جو حضور پر مسحور ہونے کا الزام لگاتے تھے وہ اس میں سچے نکلے۔ کیونکہ ان کا مقصد جنون کی صورت میں آپ کا مسحور ہونا تھا اور وہ الزام غلط ہے۔ اور بعض نے ”نفثت فی العقد“ کے یہ معنی لیے ہیں کہ مکار عورتیں جو مردوں کے عزائم قیل کر دیتی ہیں اور اپنی حیلہ سازی سے اپنے ارادے میں ناکام بنا دیتی ہیں۔ نفث عقدہ سے ماخوذ ہے تھوک لگا کر گرہ کو زہر مادینا جس سے اس کا کھلنا سہل ہو جائے اور نفاثات کو علیحدہ معرفہ کے ساتھ لانا اس لیے ہے کہ ہر نفاثہ شریر چالاک ہوتی ہے بخلاف ہر غاسق و حاسد کے۔ ومن شر حاسد اذا حسد۔ شر ما خلق کے بعد اس کی تخصیص اس لیے ہے کہ حسد کا نقصان سب سے زیادہ ہے

انسان ہی نہیں بلکہ جانوروں وغیرہ کو بھی حسد کا نقصان پہنچ جاتا ہے اور اذا حسد کی قید اس لیے لگائی کہ محسود کو اسی وقت حسد کا ضرر ہوتا ہے۔ جب کہ حاسد اس کے مقتضی پر عمل کرے۔ ورنہ حاسد کا اپنا نقصان تو بہر صورت ہے کہ وہ حسد کی آگ میں بھنسا رہتا ہے اور ناسور کی طرح سلکنا رہتا ہے اور حاسد سے جانور بھی مراد ہو سکتے ہیں جو دوسرے جانوروں کو ستاتے رہتے ہیں۔

رابط آیات: ..... سورۃ النجم میں تمہیدی طور پر جن مہمات کا ذکر ہوا ہے ان میں اللہ پر توکل اور اس سے پناہ جوئی ہے۔ اور دلائل نبوت۔ بیہوشی میں ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ساتھ ہی نازل ہوئی ہیں۔ اس لیے ان دونوں سورتوں کا نام معوذتین رکھا گیا ہے۔ ان کے مضامین بھی ایک دوسرے سے قریبی مناسبت رکھتے ہیں۔ تاہم یہ دونوں سورتیں الگ الگ ہیں اور مصحف عثمانی میں الگ الگ ناموں سے لکھی ہوئی ہیں۔ پہلی سورت جس میں پانچ آیات ہیں۔ دنیاوی مضمرات سے استعاذہ کیا گیا ہے اور دوسری سورت جس میں چھ آیات ہیں۔ دینی مضرتوں سے استعاذہ کا بیان ہے۔ اس طرح تمام شرور سے استعاذہ اور اللہ پر توکل کی تعلیم ہے۔

شان نزول: ..... حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطاء جابر بن زیاد کہتے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں۔ حضرت ابن عباس کی ایک روایت بھی یہی ہے مگر ان کی دوسری روایت اور ابن زبیر، قتادہ کا قول ان کے مدنی ہونے کا ہے۔ چنانچہ عقبہ بن عامر کی اس روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ السلام تر ایسات اسرلت البیلة لم یر مشہس اعود رب العلق اعود رب الناس اور وجہ تائید یہ ہے کہ حضرت عقبہ ہجرت کے بعد مدینہ میں ایمان لائے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد و نسائی کی بیان کردہ روایات میں خود ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح درمنثور اور روح المعانی میں بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ لعید یہودی اور اس کی لڑکیوں نے آنحضرت ﷺ پر جادو کیا تھا۔ جس کے اثر سے آپ پر مرض کی سی کیفیت پارض ہو گئی تھی۔ تب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں۔ بلکہ آپ کو بذریعہ وحی جادو کی جگہ بھی بتلادی گئی تھی۔ چنانچہ حضورؐ نے حضرت علیؓ وغیرہ صبیہ کو ہدایات دے کر بھیجا تو تیلہ تانت وغیرہ چیزیں برآمد ہوئیں۔ حضرت جبریلؑ ان سورتوں کو تلاوت فرماتے جاتے اور تانت کی ایک ایک گرہ کھلتی جاتی تھی۔ حتیٰ جادو کا اثر بالکلیہ زائل ہو گیا۔ ابن سعدؒ نے واقدیؒ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہ ۷ھ کا واقعہ ہے۔ اسی لیے سفیان بن عیینہؒ نے بھی ان سورتوں کو مدنی کہا ہے۔ لیکن ان دونوں قولوں کو جمع کرنے کی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے ابتداء مکہ میں معوذتین اس وقت نازل ہوئی ہوں۔ جب حضورؐ کی مخالفت زوروں چل رہی تھی اور پھر بعد میں مدینہ میں بھی منافقین و مشرکین اور یہودی کی مخالفت کے طوفان جب اٹھے تو حضورؐ پر جادو کیا گیا تو پھر حکیم الہی جبریلؑ امین نے آکر پھر ان سورتوں کے پڑھنے کی ہدایت کی۔ غرضیکہ اول اور اصل نزول مکہ ہوا۔ اور شان نزول میں توسیع کرتے ہوئے مدینہ میں نازل ہونا بھی کہا جائے گا۔

لیکن ایک بڑا اشکال معوذتین کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ متعدد روایات میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ مگر وہ ان سورتوں کو قرآنی سورتیں نہیں مانتے تھے۔ اور انہوں نے اپنے مصحف سے ان سورتوں کو خارج کر دیا تھا۔ بلکہ یہ بھی فرماتے تھے کہ قرآن کے ساتھ وہ چیزیں نہ ملاؤ جو قرآن کا جز نہیں ہیں۔ یہ دونوں سورتیں قرآن میں شامل نہیں ہیں۔ بلکہ حضورؐ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ ان الفاظ سے خدا کی پناہ مانگیں اور بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز میں ان سورتوں کو نہیں پڑھتے تھے۔

اسلام اور قرآن کی مخالفت کرنے والوں کو ہرزہ سرائیوں کا خوب موقع ملا۔ اور انہوں نے یہ کہہ کر شبہات کو خوب اچھالا کہ جب ایسے جلیل القدر صحابی کے متعلق معوذتین جب الحاقی ہوئیں تو نہ معلوم قرآن میں کیا کیا حذف و اضافے کیے ہوں گے؟ پس معلوم ہوا کہ نعوذ باللہ قرآن تحریف سے محفوظ نہیں ہے۔ قاضی ابوبکر باقلائی اور قاضی عیاضؒ وغیرہ تو اس کے جواب میں اس واقعہ کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ معوذتین کی قراءت کے منکر نہ تھے۔ البتہ اپنے مصحف میں ان کو درج نہیں کیا تھا۔ کیونکہ انہی چیزوں کو قرآن میں درج کرتے تھے جن کے درج کرنے کی اجازت حضورؐ نے دی ہے۔ مگر یہ توجیہ بظاہر اس لیے نہیں چل سکتی کہ ابن مسعودؓ

معوذتین کو قرآنی سورتیں بھی نہیں مانتے تھے۔ لیکن علامہ نووی، علامہ ابن حزم ظاہری، امام رازی تو اسی لیے سرے سے اس کا انکار کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کوئی اس قسم کی بات کہی ہو۔ اس لیے ان حضرات کے نقطہ نظر سے تو بن مسعودؓ جمہوری کے ہم خیال ہیں۔ ان پر کوئی اشکال ہی نہیں کہ جواب دہی کی نوبت آئے۔ لیکن مستند روایات کے ہوتے ہوئے محض رائے سے کسی چیز کا انکار تو درست نہیں ہے۔ اس اشکال کے جواب کے سلسلہ میں قابل قبول توجیہ یہ ہے کہ حافظ بزار یہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعودؓ اپنی اس رائے میں منفرد ہیں۔ سہیہ نہیں سے کسی نے بھی اس کے اس قول کی تائید نہیں کی۔ چنانچہ تمام صحابہ کا اجماع مصحف ثانی پر ہے۔ جن کی نقول سرکاری طور پر تمام اسلامی مراکز میں بھجوا دی گئیں۔ ان میں یہ دونوں سورتیں درج نہیں اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضورؐ کے عہد مبارک سے آج تک تمام دنیا نے اسلام میں جس قرآن پر اجماع ہے اس میں یہ دونوں سورتیں درج ہیں۔ اس لیے ابن مسعودؓ کی جلاست قدر اپنی جگہ پر مگر اس اجماع عظیم کے مقابلے میں ظاہر ہے کہ یہ رائے کیا وزن رکھ سکتی ہے؟ پھر نہایت صحیح اور مستند روایات سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعوذ ہی کو نماز میں پڑھا ہے اور دوسروں کو بھی پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور نہائی سورتوں کی حیثیت ہی ہے آپؐ نے دوسروں کو تعلیم فرمائی۔

لیکن روایت یہ بات کہ حضرت ابن مسعودؓ کو آخر یہ غلط فہمی ہوئی کیوں؟ سو جہاں ابن مسعودؓ کا یہ قول کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپؐ اس طرح تعوذ کریں۔ انہی معتبر سندوں کے ساتھ حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے۔ جو علوم قرآنیہ کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ زر بن حبیشؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابیؓ سے سوال کیا کہ آپؐ کے بھائی عبد اللہ بن مسعودؓ ایسا ایسا کہتے ہیں۔ آپؐ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ مجھے کہا گیا قل تو میں نے بھی کہا قل اس لیے ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضورؐ کہتے تھے۔ امام احمدؒ نے حضرت ابیؓ کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا کہ جبریل علیہ السلام نے آپؐ سے قل اعوذ برب الفلق کہا تھا۔ اس لیے آپؐ نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔ اور انہوں نے قل اعوذ برب الناس کہا تھا اس لیے آپؐ نے بھی کہا۔ لہذا ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے کہا۔ اس صریح روایت کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت ابن مسعودؓ کو دونوں سورتوں میں لفظ قل دیکھ کر یہ غلط فہمی ہوئی ہو کہ یہ حکم خاص حضورؐ ہی کو دیا گیا ہے۔ لیکن انہوں نے حضورؐ سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی ہو۔ البتہ حضرت ابیؓ کے ذہن میں بھی یہی سوال ابھر مگر انہوں نے یہ حضورؐ سے دریافت کر لیا۔ حضورؐ نے بتا دیا کہ چونکہ حضرت جبریلؑ نے قل کہا تھا اس لیے میں بھی قل کہتا ہوں۔ پس ان دونوں سورتوں کے شروع میں قل ہونے سے تو صراحتاً یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کلام وحی ہے۔ جسے حضورؐ بعینہ انہی الفاظ میں پہنچانے کے پابند تھے جن الفاظ میں آپؐ کو یہ حکم ملا تھا۔ اس کی حیثیت محض حکم کی نہیں تھی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہو۔ اور جبکہ حضورؐ اس پیغام وحی کے پہنچانے کا پابند اور ذمہ دار بھی قرار دیا گیا۔ اور دوسرے بھی اسی کی تعمیل کے مکلف قرار دیئے گئے ورنہ اگر قل محض ایک حکم ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لفظ قل کو ساقط کر کے صرف وہ بات کر دیتے۔ جس کے کہنے کا آپؐ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور اسے قرآن میں درج نہ کیا جاتا۔ غرض جمہور صحابہؓ نے ٹھیک وہی سمجھا جو حضورؐ کا فشاء تھا۔ مگر ابن مسعودؓ اس کو دعا اور استعاذہ پر محمول کرتے رہے اور یہ سمجھے کہ معوذتین کی حقیقت وظیفہ کی ہے۔ روح البیان میں ہے کہ انہ کان لا بعد المعوذتین من القرآن و کلا لا یکتہما فی مصحفہ یقول۔ انہما مرتتان من السماء ہما من کلام رب العلمین ولکن النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کان یرقی و یعود بہما فاشہ عنہ اہم من القرآن او یسامہ فلم یکتہما فی المصحف۔ قاضی ابوبکر باقلانیؒ لکھتے ہیں۔ ہم بکر اس مسعود کو ہم سے القرآن و انما انکر اثباتہما فی المصحف و انہ کان یرقی ان لا یکتب فی المصحف شیئاً الا ان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذن فی کتابتہ فیہ و کانہ لم یصلح الادب۔ حافظ نے ایک اور عالم کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ ہم بکر



اختلاف میں مسعود مع عبرہ فی قرابتہا وانما کان فی صفۃ من صفاتہما۔ بہر حال یہ رائے بھی ابن مسعود کی انفرادی اور شخصی تھی۔ شرح مواقف میں ہے۔ ان اختلاف الصحابة فی بعض سور القرآن مروی بالاحاد المفیدۃ لطلوع مجموع لفران مسعود۔ تنویر المفید للیقین الذی یضمحل الظن فی مقابلتہ فتلک الاحاد مما ینتمت الیہ ثم ان سلما اختلافہم فیما ذکر قنا انہم لم یختلفوا فی نزولہ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی بلوغہ فی الساعۃ حد الا عجزا بل فی محرد کونہ من القرآن وذلك لا یصر فیما یحزن بصدده۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ واحب باحتما۔ نہ کنا مسود نرا فی عصر ابن مسعود لکن لم یتواتر عند ابن مسعود فاحلت العقدة بعون اللہ تعالیٰ الص صاحب روح المعانی کہتے ہیں۔ وفعل ابن مسعود رجوع عن ذلك۔

﴿تشریح﴾: قل اعوذ برب الفلق۔ لفظ قل بھی پیغام کا ایک حصہ ہے۔ جس کی تبلیغ کا بذریعہ وحی حضور کو حکم ہوا ہے۔ سورہ کافرون کی طرح معوذتین میں بھی اگرچہ اولین مخاطب حضور ہیں۔ مگر آپ کے توسط سے تمام مومن بھی مخاطب ہیں۔ جہاں تک پناہ چاہنے کا تعلق ہے۔ اس کے تین اجزاء ہیں۔ ایک بجائے خود پناہ چاہنا۔ دوسرے مانگنے والا۔ تیسرے جس کی پناہ مانگی جائے۔ فی نفسہ خوف ناک چیز سے بچنے کے لئے کسی کا سہارا لیا جانے۔ رہا پناہ چاہنے والا سو وہی شخص ہوتا ہے جو مضرت سے خود بچا نہیں سکتا۔ تاوقتیکہ کسی نے امن میں پناہ نہ لے۔ پھر پناہ دینے والا۔ ظاہر ہے کہ وہی ہو سکتا ہے جس کے بارے میں یقین ہو کہ یہی بچا سکتا ہے۔

پناہ میں آنے کے دو طریقے ہیں:۔۔۔ پھر پناہ کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جو عالم اسباب میں طبعی قانون کے تحت کسی محسوس مادی چیز یا کسی شخص یا کسی طاقت سے حاصل کی جاتی ہے۔ جیسا کہ دنیا میں ہر کمزور کسی طاقتور سے مدد لیتا ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں ہر طرح کے خطرات اور سرطرح کی مادی، اخلاقی، روحانی مضرتوں اور نقصان رساں چیزوں سے کسی فوق الفطرت ہستی کی پناہ اس اعتقاد کے ساتھ مانگی جائے کہ وہی ہستی کائنات پر حکمران ہے اور ادراک وحس سے بالا طریقوں سے وہ پناہ جو کی حفاظت کر سکتی ہے۔ قرآن و حدیث میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہنے کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد یہی پناہ کی دوسری قسم ہے اور توحید کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے پناہ نہ مانگی جائے۔ مادہ پرست لوگ کسی فوق الفطرت ہستی کے چونکہ قائل ہی نہیں۔ اس لیے وہ مادی اسباب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی طرح بد عقیدہ لوگ جنت دیوی دیوتاؤں کو حاجت روا سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ انہی چیزوں سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ مگر مومن ایسی تمام آفات و مہیات میں جن کو رجوع کرنے پر وہ خود کو قادر نہیں سمجھتے صرف اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس سے پناہ چاہتا ہے۔

مخلوق کا شر:۔۔۔ منسین کی اکثریت فلق سے مراد رات کی تاریکی پھاڑ کر سپید صبح نکالنے رہی ہے۔ کیوں کہ فلق الصبح کا استعمال عربی میں طلوع صبح کے لیے بکثرت آتا ہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ فالق الاصبح جملہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ فلق کے اصل معنی پھاڑنے کے ہیں۔ دنیا میں جتنی چیزیں بھی پیدا ہوتی ہیں وہ کسی نہ کسی چیز کو پھاڑ کر ہی نکلتی ہیں۔ چنانچہ تمام نباتات اپنے بیج اور زمین کو پھاڑ کر اپنی کوئلیں نکالتی ہیں۔ تمام حیوانات یا انڈوں کو پھاڑ کر نکلتے ہیں۔ یا رحم مادر سے برآمد ہوتے ہیں یا کسی اور رکاوٹ کو چیر کر باہر آتے ہیں۔ تمام چشمے پہاڑوں یا زمین کو شق کر کے بہتے ہیں۔ اسی طرح دن کو دیکھئے کہ رات کا پردہ چاک کر کے نمودار ہوتا ہے حتیٰ کہ زمین و آسمان بھی پہلے ایک ذخیرہ تھے جس کو پھاڑ کر الگ الگ کیا گیا۔ کائنات تقافتنا ہما پس فلق کے معنی اُرخاص صبح کے لیے جانیں تو مطلب یہ ہوگا کہ صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں اور فلق کے معنی اگر عمومیت کے ساتھ لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تمام مخلوق کے رب کی پناہ لیتا ہوں۔ یہاں اسم ذات اللہ کے بجائے صفت ربوبیت کا لانا پناہ جوئی کے لیے زیادہ موزوں اور من سب معلوم ہوتا ہے۔



لہذا اللہ کے تمام خیر افعال خیر ہیں:..... من شر ما خلق۔ یعنی ہر مخلوق کی بدی سے پناہ چاہتا ہوں۔ اس فقرہ میں چند باتیں قابلِ لحاظ ہیں۔ اول یہ کہ مخلوق کو پیدا کرنے کی نسبت تو اپنی طرف کی گئی۔ مگر شر کو پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف نہیں کی گئی۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ ان شرور سے پناہ چاہتا ہوں جو اللہ نے پیدا کیے ہیں۔ بلکہ یہ فرمایا کہ ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اللہ نے پیدا کیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے کسی مخلوق کو شر کے لیے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کا ہر کام خیر و مصلحت ہی کے لیے ہوتا ہے۔ اہلہ مخلوقات کے اندر جو اوصاف اس نے اس لیے پیدا کیے ہیں کہ ان کی تخلیق کی مصلحت پوری ہو۔ ان سے بعض اوقات اور بعض اقسام کی مخلوقات سے اکثر شر رونما ہوتا ہے۔ پس اس اعتبار سے فی نفسہ شر کا پیدا کرنا بھی شر نہ ہوا۔ جبکہ بے شمار مصالح اس میں مضمر ہوتے ہیں۔ اس فقرہ میں دنیا ہی کے نہیں۔ آخرت کے ہر شر سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ فقرہ اگرچہ عام ہے جس میں تمام مخلوقات کے شر سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے لیکن بعد کے فقروں میں چند ایسے شرور سے خاص طور پر پناہ چاہی گئی ہے جس کا ذکر سورہ فلق کے باقی جملوں اور سورہ ناس کی آیات میں کیا گیا ہے وہ ایسے فتنے ہیں جن سے خدا کی پناہ چاہنے کا بندہ بہت زیادہ محتاج ہے۔ تیسرے یہ کہ مخلوقات کے شر سے پناہ حاصل کرنے کے لیے موزوں اور موثر ترین استعاذہ یہی ہے کہ ان کے خالق کی پناہ مانگی جائے کیونکہ بہت سے شرور ایسے ہیں جنہیں ہم بالکل نہیں جانتے۔ لیکن خالق کائنات سب سے واقف ہے۔ لہذا اس کی پناہ کے بعد کسی مخلوق میں مقابلہ کی طاقت نہیں ہے چوتھے یہ کہ شر کا لفظ جہاں ہر قسم کے نقصان و ضرر اور تکلیف و الم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وہیں ان اسباب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو تکلیف و ضرر کا باعث بنتے ہیں۔ جیسے کفر و شرک اور گناہ کہ اگرچہ فی الوقت ان سے کوئی تکلیف نہ پہنچتی ہو۔ بلکہ بعض گناہوں سے لذت ملتی یا نفع حاصل ہوتا ہو۔ لیکن انجام ان کا تباہی اور بربادی ہے اس لیے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ یہ دونوں مفہوم آجائیں گے۔ پانچویں یہ کہ شر سے پناہ مانگنے میں وہ شر بھی داخل ہے جو واقع ہو چکے ہیں۔ ان سے پناہ مانگنے کا مطلب ان کے دفعیہ کی دعا کرنا ہے۔ اور وہ شر بھی اس میں شامل ہیں کہ جو ابھی واقع نہیں ہوئے۔ پس ان سے بچاؤ کی استدعا ہے۔

تین خاص شرور سے پناہ:..... ومن شر عاسق اذا وقب۔ تمام مخلوقات کے ہر قسم کے شرور سے پناہ جوئی کے بعد اب خاص طور سے بعض مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

عاسق کے لغوی معنی تارک ہیں۔ اقم الصلوٰۃ لدلوٰث الشمس الی غسق السیل اور وقت کے معنی داخل ہونے یا چھپنے جانے کے ہیں۔ چونکہ اکثر جرائم و مظالم رات ہی کو ہوتے ہیں۔ موذی جانور بھی رات ہی کو نکلتے ہیں۔ قتل و غارت اور لوٹ مار کرنے والے بھی رات ہی کو حرکت میں آتے ہیں۔ چھاپہ ماری اور شب خون کی کارروائیاں بھی رات کی تاریکی میں ہوتی ہیں۔ حضورؐ کے قتل کی سازشیں بھی رات ہی کے اندھیرے میں ہوئی تھیں۔ غرض رات کی تاریکی میں ہونے والے ان تمام شرور سے خاص طور سے پناہ مانگی گئی ہے اور اندھیری رات کے شر سے طلوع فجر کے رب کی پناہ مانگنے میں جو لطیف مناسبت ہے وہ کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ سحر وغیرہ رات ہی کو کیے جاتے ہیں۔ چاند کا گرہن یا غروب آفتاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور ظاہر و باطن کی تاریکیاں، تنگدستی، پریشانی اور گمراہی سب اس میں داخل ہیں۔ ومن شر النفث فی العقد۔ نفثات تمام مفسرین کے نزدیک یہ لفظ بطور استعارہ جادو کرنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ عموماً جادوگر کسی ڈورے میں گرہ دیتے اور اس پر پھونکتے جاتے ہیں۔ پس اسی جملہ میں جادوؤں یا جادوگریوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ معوذتین میں یہی ایک فقرہ ہے۔ جس کا براہِ راست جادو کے واقعہ سے تعلق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا تھا۔

بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، عبدالرزاق، حمیدی، بیہقی، طبرانی، ابن سعد، ابن مرددہ، ابن ابی شیبہ، حاکم، عبد بن حمید وغیرہ محدثین نے اپنی مختلف اور کثیر سندوں سے حضورؐ پر جادو کی روایات کو ذکر کیا ہے۔ اگرچہ وہ ایک ایک روایت بجائے خود خبر

واحد ہیں۔ لیکن ان کا مضمون تو اثر کی حد کو پہنچا ہوا ہے۔ اور اس کی تفصیلات جو روایات میں آئی ہیں انہیں مجموعی طور پر مرتب کر کے ان کے مربوط واقعہ کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

حضور کے جادو کے واقعہ کے سلسلہ میں اعتراضات کا جواب:..... لیکن اس پر قدیم و جدید زمانہ کے بہت سے عقیدت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایات اگر مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مشتبہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر نبی پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ مخالفین نے جادو کے زور سے نبی سے کیا کیا کہلوا یا ہوگا؟ اور اس کی تعلیمات میں کتنی باتیں خدا کی طرف سے ہونگی اور کتنی جادو کے اثر سے؟ بلکہ مخالفین جہاں تک کہتے ہیں کہ اس بات کو صحیح مان لینے کے بعد تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ جادو ہی کے ذریعہ نبی کو نبوت کے دعوے پر اکسایا گیا ہو اور نبی نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھ لیا ہو کہ اس کے پاس فرشتہ آیا ہے اور ان کا استدلال یہ بھی ہے کہ یہ روایات قرآن مجید سے متصادم ہیں۔ قرآن کریم میں تو کفارہ کا یہ الزام بیان کیا گیا ہے کہ نبی ایک سحر زدہ آدمی ہیں۔ لہذا اس کی پیروی نہ کرو۔ یقول الظالمون ان تبعون الا رجلاً مسحوراً۔ پس یہ احادیث کفار کے الزام کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی نبی پر جادو کا کیا اثر ہوا ہے؟

اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ آیا جادو کا واقعہ تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا یا نہیں؟ اور اگر ہوا تھا تو وہ کیا تھا اور کس حد تک تھا؟ اس کے بعد دیکھا جائے کہ جو کچھ روایات سے ثابت ہے اس پر کئے گئے اعتراضات وارد ہوتے ہیں یا نہیں؟

محدثین اور علماء امت کی یہ راست گوئی تھی کہ انہوں نے اپنے خیالات اور معومات کے مطابق تاریخ کو مسخ کرنے یا حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ جو کچھ واقعات کی صورت میں پیش آیا تھا۔ اسے جو کاتھوں آنے والوں تک پہنچا دیا اور اس بات کی کوئی پروا نہیں کی کہ ان حقائق سے اگر کوئی ان سے نتائج نکالنے پر اتر آئے تو ان کا فراہم کردہ یہ مواد کس طرح اس کے کام آسکتا ہے۔ اب اگر ایک بات نہایت مستند اور کثیر تاریخی ذرائع سے ثابت ہو تو کسی دیانت دار صاحب علم کے لیے نہ تو یہ درست ہے کہ وہ اس بناء پر تاریخ کا انکار کر دے کہ اس کو مان لینے سے اس کے نزدیک فلاں فلاں قبائیس رونما ہوتی ہیں اور نہ یہی درست ہے کہ جتنی بات تاریخ سے ثابت ہو اس کو قیاسات کے گھوڑے دوڑا کر اس کی اصلی حد سے پھیلانے اور بڑھانے کی کوشش کرے۔ اس کے بجائے اس کا کام یہ ہونا چاہئے کہ تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے مان لے اور پھر دیکھے کہ اس سے فی الواقع کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔

حضور پر جادو کا اثر نبوت کے خلاف نہیں ہے:..... جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلق ہے نبی کریم ﷺ پر جادو کا اثر ہونا قطعی طور پر ثابت ہے۔ اگر علمی تنقید کے ذریعہ اس کو غلط ثابت کیا جاسکتا ہے تو دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی صحیح ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ روایات اور واقعات کی کڑیاں ملانے سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ پر سحر کیا گیا۔ اور آپ پر اس کا اثر بھی ہوا۔ مگر وہ اتنی ہی حد تک ہوا جیسے کسی بیماری سے انسان متاثر ہوتا ہے۔ کچھ مزاج میں تبدیلی آگئی۔ گویا یوں محسوس ہوا کہ آپ گھلتے جا رہے ہیں یا کسی کام کے متعلق خیال کیا کہ وہ کر لیا ہے گو نہیں کیا ہوتا تھا یا از دواج مطہرات کے بارے میں خیال کرتے کہ آپ ان کے پاس گئے ہیں۔ مگر نہیں گئے ہوتے تھے۔ یا کسی وقت آپ کی نظر پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں۔ مگر نہیں دیکھا ہوتا تھا۔ یہ تمام آپ کی ذات تک محدود ہے۔ دوسروں کو یہ محسوس نہیں ہو سکا کہ آپ پر کیا گزر رہی ہے۔

اس سے آپ کے نبی ہونے کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا تھا نہ آپ کے فرائض میں کوئی خلل آیا تھا کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ آپ کسی آیت کو بھول گئے ہوں یا کوئی آیت غلط پڑھ دی ہو اپنی مجلسوں، خطبوں، وعظوں میں آپ کی تعلیمات میں کسی طرح کا فرق واقع ہو گیا ہو یا کوئی ایسا کام آپ نے وحی کی حیثیت سے پیش کر دیا ہو جو فی الواقع آپ پر نازل نہ ہوا ہو یا آپ کی نماز چھوٹ گئی ہو اور اس

کے متعلق بھی کبھی آپ نے سمجھ لیا ہو کہ پڑھ لی ہے مگر نہ پڑھی ہو۔ معاذ اللہ ایسی کوئی بات پیش آ جاتی تو دھوم مچ جاتی اور پورا ملک عرب اس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چت نہ کر سکتی تھی اسے ایک جادوگر نے چت کر دیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ کی حیثیت نبوت قطعاً اس سے محفوظ اور غیر متاثر رہی اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں اپنی جگہ محسوس کر کے آپ اس سے پریشان ہوتے رہے۔

جادوگر کے مقابلہ میں وحی کے اثرات: ..... آخر کار ایک روز آپ حضرت عائشہؓ کے یہاں تھے کہ آپ نے بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اس حالت میں آپ کو غنودگی ہو گئی یا نیند آ گئی۔ پھر جب بیدار ہوئے تو آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ جو بات میں نے اپنے رب سے پوچھی وہ اس نے مجھے بتلا دی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا وہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمی (مرا درشتے) میرے پاس آئے۔ ایک سر ہانے کی طرف اور دوسرا پانچ کی طرف، ایک نے پوچھا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ ان پر جادو ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کس نے کیا ہے؟ جواب دیا کہ لبید بن عاصم نے۔ پوچھا کس چیز میں کیا ہے؟ جواب دیا کہ کنگھی اور بالوں میں، ایک نر گھوڑے کے خوشہ کے غلاف کے اندر، پوچھا وہ کہاں ہے؟ جواب دیا کہ بنی زریق کے کنوئیں میں ذی اروان کے تہہ کے پتھر کے نیچے ہے۔ پوچھا اب اس کے لیے کیا کیا جائے؟ تو جواب دیا کہ کنوئیں کا پانی سونت دیا جائے اور پھر پتھر کے نیچے سے اس کو نکالا جائے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھیجا۔ ان کے ساتھ جبیر بن ایس الزرقی اور قیس بن مھسن الزرقی بھی شامل ہو گئے۔ بعد میں خود حضور بھی چند اصحاب کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ پانی نکالا گیا اور خوشہ کا غلاف برآمد کر لیا گیا اس میں کنگھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چھوئی ہوئی تھیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ آپ معوذتین پڑھیں۔ چنانچہ آپ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور ایک ایک گرہ کھلتی جاتی اور پتلے میں سے ایک ایک سوئی نکالی جاتی رہی۔ معوذتین ختم ہوتے ہی ساری گرہیں کھل گئیں اور ساری سوئیاں نکل گئیں اور آپ جادو کے اثر سے نکل کر بالکل ایسے ہو گئے جیسے کوئی بندھا ہوا تھا پھر کھل گیا۔

پیغمبر نے کبھی اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا: ..... اس کے بعد آپؐ نے لبید کو بلا کر باز پرس کی۔ اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ اس لیے آپؐ نے اسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ اپنی ذات کے لیے کبھی آپؐ نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ایک یہودی کی طرف سے زہر خورانی کے واقعہ میں بھی آپؐ نے بعض صحابہؓ کے شہید ہو جانے کی وجہ سے اس سے قصاص لیا۔ اپنے معاملہ کو نظر انداز فرما دیا۔ یہی نہیں بدھ سحر کے معاملہ کا چرچا کرنے سے بھی یہ کہہ کر آپؐ نے روک دیا کہ مجھے اللہ نے شفا دے دی ہے۔ اب میں نہیں چاہتا کہ کسی کے خلاف لوگوں کو بھڑکاؤں۔ یہ ہے جادو کے واقعہ کی تفصیل۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو آپؐ کے منصب نبوت کے خلاف یا آپؐ کے کمال کے منافی ہو۔ اگر آپؐ کو غزوہ احد میں زخمی کیا جاسکتا ہے، اگر خیبر کی واپسی پر آپؐ گھوڑے سے گر سکتے ہیں، اگر آپؐ کے بچھو کاٹ سکتا ہے، اگر آپؐ کو نماز میں سہوہوسین ہو سکتا ہے۔ انما انا بشر انسیٰ کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی اور ان میں سے کوئی چیز بھی اس تحفظ کے منافی نہیں ہے جس کا نبی ہونے کی حیثیت سے اللہ نے آپؐ سے وعدہ کیا تھا تو آپؐ اپنی ذاتی حیثیت سے جادو کے اثر سے بیمار بھی ہو سکتے ہیں۔

کافر حضور کو سحر زدہ کہتے تھے: ..... رہا یہ اعتراض کہ اس سے تو کفار کے الزام کی تصدیق ہو گئی کہ نبی کریم ﷺ کو سحر زدہ آدمی کہتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار آپؐ کو اس معنی کہ سحر زدہ نہیں کہتے تھے۔ کہ آپؐ کسی جادوگر کے اثر سے بیمار ہو گئے ہیں۔ بلکہ اس معنی میں کہتے تھے کہ آپؐ مجنون ہو گئے ہیں۔ اور معاذ اللہ کسی جادوگر نے آپؐ کو پاگل کر دیا ہے اور اسی پاگل پن میں آپؐ نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں اور جنت و دوزخ کے افسانے سنارہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ اعتراض ایسے معاملہ پر سرے سے چسپاں ہی نہیں ہوتا۔ جس کے متعلق تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جادو کا اثر صرف محمدؐ کی ذات پر ہوا۔ آپؐ کی نبوت اس سے قطعاً متاثر نہیں ہوئی اور دعویٰ

نبوت کو سحر کا اثر قرار دینا اس لیے غلط ہے کہ نبوت کے پندرہ سال گزرنے پر سحر کا واقعہ پیش آیا ہے اور اس کا اثر زائل ہونے کے بعد بھی بدستور منصب پر فائز رہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جو لوگ جادو کو محض اوبام کی چیز قرار دیتے ہیں۔ اس کی بنیاد محض یہ ہے کہ اس کے اثرات کی کوئی عقلی اور سائنسی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ لیکن دنیا میں اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو تجربہ اور مشاہدہ میں آتی ہیں مگر سائنسی طریقہ سے نہیں بیان کیا جاسکتا کہ وہ کیسے رونما ہوتی ہیں۔ اسی طرح کی توجیہ پر اگر ہم قادر نہیں ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا ہی انکار کر دیا جائے جس کی ہم توجیہ نہیں کر سکتے۔

جادو محض شعبہ بازی نہیں بلکہ اس کی تاثیر واقعی ہوتی ہے۔ ..... جادو دراصل ایک نفسیاتی اثر ہے جو نفس سے نزر کر جسم کو بھی اسی طرح متاثر کر سکتا ہے جس طرح جسمانی اثرات جسم سے نزر کر نفس کو متاثر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر خوف ایک نفسیاتی چیز ہے۔ مگر اس کا اثر جسم پر یہ ہوتا ہے کہ رو نگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدن میں تھر تھری چھوٹ جاتی ہے۔ جادو کی ایک قسم سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔ بلکہ انسان کا نفس اور اس کے حواس اس سے متاثر ہو کر یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ حقیقت تبدیل ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جادو گروں نے جولاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں تھیں وہ واقعہ میں سانپ نہیں بن گئیں تھیں۔ مگر ہزاروں کے مجمع کی آنکھوں پر ایسا جادو ہوا کہ سب نے انہیں سانپ ہی محسوس کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حواس تک اس سے متاثر ہو گئے۔ سحر و العین الناس، فاذا جالہم وعصیہم یخیل الیہ من سحرہم انہا تسعی فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلما لاتخف اہلک انت الاعلیٰ والقی مافی یمینک تلقف ماصنعوا۔ اس طرح بائبل میں لوگ ماروت و ماروت سے ایسا جادو سیکھتے تھے جو خاندانی بیوی میں جدائی ڈال دے۔ یہ بھی ایک نفسیاتی اثر تھا اور ظاہر یہ ہے کہ اگر تجربہ سے لوگوں کو اس عمل کی کامیابی معلوم نہ ہوتی تو وہ اس کے خریدار نہیں بن سکتے تھے۔ بلاشبہ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ بندوق کی گولی اور ہوائی جہاز سے گرنے والے بم کی طرح جادو کا موثر ہونا بھی اللہ کے اذن کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مگر جو چیز ہزار ہا سال سے انسان کے تجربہ اور مشاہدہ میں آرہی ہو۔ اس کے وجود کو جھٹلادینا محض ایک ہٹ دھرمی ہے۔ جادو کی بعض قسمیں نظر بندی اور خیال بندی سے بڑھ کر انقلاب حقائق پر مشتمل ہوتی ہیں۔ سورۃ بقرہ اور سورۃ طہ میں سحر کی کچھ بحث نزر چکی ہے۔

بعض جادو کفر ہے اور بعض معصیت: ..... جادو کے متعلق یہ جان لینا چاہئے کہ اس میں چونکہ دوسرے شخص پر برا اثر ڈالنے کے لیے شیطین یا ارواح خبیثہ یا ستاروں کی مدد مانگی جاتی ہے۔ اس لیے قرآن میں اسے کفر کہا گیا ہے۔ وما کفر سلیمان ولکس الشیطن کفروا یعلمون الناس السحر۔ لیکن اگر کلہ کفر نہ بھی کہا جائے یا کوئی فعل شرک نہ بھی کیا جائے تب بھی بالاتفاق حرام ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سات کبیرہ گناہوں میں شامل کیا ہے۔ جو انسان کی آخرت برباد کر دینے والے ہیں۔ اسی ذیل میں جھاڑ پھونک کی بحث آتی ہے کہ آیا اسلام میں جھاڑ پھونک کی گنجائش ہے؟ اور یہ کہ جھاڑ پھونک بجائے خود موثر بھی ہے یا نہیں؟ بکثرت احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو سوتے وقت اور خاص طور پر بیماری کی حالت میں معوذتین یا معوذات (قل ہو اللہ اور معوذتین) تین مرتبہ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونکتے اور سر سے لے کر پاؤں تک پورے جسم پر جہاں جہاں بھی آپ کے ہاتھ پہنچ سکتے انہیں پھیرتے تھے۔ آخری بیماری میں جب آپ کے لیے ایسا کرنا ممکن نہ رہا تو حضرت عائشہ نے یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے دست مبارک کی برکت کے خیال سے آپ ہی کے ہاتھ لے کر آپ کے جسم پر پھیرے۔ اس مضمون کی روایت صحیح سندوں کے ساتھ حضرت عائشہ سے مروی ہیں جن سے بڑھ کر کوئی بھی حضور کی خانگی زندگی سے واقف نہ ہو سکتا تھا۔

شروع میں جھاڑ پھونک کی ممانعت تھی: ... بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے ابتداء میں جھاڑ پھونک سے بالکل منع فرمایا تھا۔ لیکن بعد میں اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی کہ اس میں شرک نہ ہو۔ اللہ کے پاک ناموں یا اس کے کلام سے جھاڑ اجابے اور کلام ایسا ہو جو سمجھ میں آجائے اور یہ معلوم کیا جاسکے کہ اس میں کوئی گناہ کی چیز نہیں اور بھروسہ جھاڑ پھونک پر نہ کیا جائے کہ وہ بوائے خود شفا دینے والی ہے۔ بلکہ اللہ پر اعتماد کیا جائے کہ وہ چاہے گا تو اسے نافع بنا دے گا اس بارے میں مندرجہ ذیل روایات سے روشنی پڑتی ہے۔

جھاڑ پھونک کی اجازت کے واقعات: ..... ۱۔ عون بن مالک اشجعی کی روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہم لوگ جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ ہم نے حضورؐ سے پوچھا کہ اس بارے میں حضورؐ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ جن چیزوں سے تم لوگ جھاڑتے تھے وہ میرے سامنے پیش کرو۔ جھاڑنے میں مضائقہ نہیں جب تک اس میں شرک نہ ہو۔

۲۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے جھاڑ پھونک سے روک دیا تھا۔ پھر حضرت عمرو بن حزمؓ کے خاندان کے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا۔ جس سے ہم بچھوکاٹے کو جھاڑتے تھے۔ مگر آپؐ نے اس کام سے منع فرمایا ہے۔ پھر انہوں نے وہ چیز آپؐ کو سنائی جو وہ پڑھتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں پاتا۔ تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ ضرور پہنچائے۔

۳۔ حضرت میر مولیٰ ابی الائمہ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں میرے پاس ایک عمل تھا۔ جس سے میں جھاڑا کرتا تھا۔ میں نے حضورؐ کے سامنے اسے پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس میں سے فلاں فلاں چیزیں نکال دو اور باقی سے تم جھاڑ سکتے ہو۔

۴۔ جابرؓ کی دوسری روایت ہے کہ آل حزم کے پاس سانپ کے کانٹے کا عمل تھا۔ حضورؐ نے ان کو اس کی اجازت مرحمت فرمائی۔

۵۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے اشعاد کے ایک خاندان کو ہرزہ ہریلے سانپ کے کانٹے کو جھاڑنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت انسؓ سے بھی روایات منقول ہیں کہ حضورؐ نے ہریلے جانوروں کے کانٹے اور ذباب کے عرض اور نظر بد سے جھاڑنے کی اجازت دی۔

۶۔ حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز حضورؐ میرے یہاں تشریف لائے اور میرے پاس شفا نامی ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھیں جو نملہ (ایک بیماری) کو جھاڑا کرتی تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ حفصہؓ کو بھی وہ عمل سکھلا دو۔ اور ایک روایت میں ہے شفا کہتی ہیں کہ حضورؐ نے مجھے فرمایا کہ جس طرح تم نے حفصہؓ کو لکھنا پڑھنا سکھایا ہے نملہ کی جھاڑ بھی سکھلا دو۔

۷۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کو ایک دفعہ نماز کی حالت میں بچھونے کاٹ لیا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے فرمایا کہ بچھو پر خدا کی لعنت، نہ کسی نمازی کو چھوڑتا ہے اور نہ کسی اور کو۔ پھر پانی نمک منگوا لیا اور جہاں بچھونے کاٹا تھا، وہاں آپؐ نمک ملتے جاتے تھے اور معوذات پڑھتے جاتے تھے۔

۸۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپؐ حضرات حسنینؓ پر یہ دعا پڑھتے تھے۔ اعیذ کما بکلمات اللہ التامۃ من شر کل شیطان وھامة و من کل عین لامة۔

۹۔ عثمان بن ابی العاصؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں مجھے ایک درد محسوس ہوتا ہے جو مجھ کو مارے ڈالتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اپنا سیدھا ہاتھ اس جگہ پر رکھو جہاں درد ہوتا ہے۔ پھر تین دفعہ بسم اللہ کہہ دو اور سات مرتبہ یہ پڑھتے ہوئے ہاتھ پھیر دے۔ اعدو باللہ و قدرته من شر ما اجدو احاذر۔ عثمان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میرا وہ درد جاتا رہا اور اس کی تعلیم میں گھروالوں کو دیتا ہوں۔

۱۰۔ ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ بیمار ہوئے تو جبریلؑ نے آکر پوچھا کہ اے محمدؐ! کیا آپؐ بیمار ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے کہا۔ باسم اللہ ارقبک من کل شیء، یوذیک من شر کل نفس او عین حاسد اللہ یشفیک باسم اللہ ارقبک

۱۱۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ بیمار تھے۔ میں مزاق پرسی کے لیے حاضر ہوا۔ تو آپؐ کو سخت تکلیف میں پایا۔ شام کو یہ تو

آپ بالکل تندرست تھے۔ میں نے اس قدر جلد تندرست ہو جانے کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ جبریل آئے تھے اور انہوں نے مجھے چند کلمات سے جھاڑا۔

۱۲۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ہمیں ایک مہم پر روانہ فرمایا۔ ہم عرب کے ایک قبیلہ پر جانے لہے۔ اور قبیلہ واول سے کہا کہ ہماری میزبانی کرو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اسنے میں قبیلہ کے سردار کو بچھونے کاٹ لیا۔ وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے پاس کوئی دوا یا عمل ہے۔ جس سے تم ہمارے سردار کا علاج کر دو؟ حضرت ابوسعیدؓ بولے۔ ہے تو سہی مگر چونکہ تم نے ہماری میزبانی سے انکار کیا ہے اس لیے جب تک تم کچھ دینا منظور نہ کرو ہم اس کا علاج نہیں کریں گے۔ انہوں نے ۳۰ بکریوں کا ریوز دینے کا وعدہ کیا۔ حضرت ابوسعیدؓ نے جا کر اس پر سورۃ فاتحہ پڑھنی شروع کی اور لعاب دہن اس پر ملتے گئے۔ آخر کار بچھوکا اثر زائل ہو گیا اور قبیلہ واول نے جتنی بکریاں دینے کا وعدہ کیا تھا وہ لا کر دے دیں۔ مگر ان حضرات نے آپس میں کہا کہ جب تک حضورؐ سے معلوم نہیں کر لیں گے اس وقت تک ہم ان بکریوں سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ نہ معلوم اس کام پر اجرت لیتا جانتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ جب حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضورؐ نے ہنس کر فرمایا۔ تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ سورت جھاڑنے کے کام بھی آ سکتی ہے بکریاں لے لو اور ان میں میرا حصہ بھی لگاؤ۔

جھاڑ پھونک پر اجرت کی اجازت:..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دوا علاج کی اجازت دی اور فرمایا کہ کس داء دواء بلکہ خود بھی علاج کیا اور دوسروں کو بھی دوائیں بتلائیں۔ جیسا کہ احادیث کی کتاب الطب سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اسی طرح آپؐ نے جھاڑ پھونک کی اجازت بھی دی۔ بلکہ عملاً خود اپنے لئے اور دوسروں کے لیے جھاڑ پھونک کی اور جس طرح دوا اور علاج پر اجرت کی اجازت ہے اسی طرح جھاڑ پھونک پر بھی اجرت کی اجازت معلوم ہوتی ہے لیکن دوا جھاڑ پھونک دونوں ہی اللہ کے حکم سے نفع بخش ہوتی ہیں۔ ورنہ سب ہسپتالوں میں اور جھاڑ پھونک کے بعد کوئی نہ مرنے لیتا۔ نیز جس طرح ہر دوا کی اجازت نہیں ماحصل اللہ فی الحرام شفاء اسی طرح ہر جھاڑ پھونک کی اجازت نہیں ہے۔ اب اگر علاج دوا کے ساتھ اللہ کے کلام اور اس کے اسماء حسنی سے بھی استفادہ کیا جائے یا ایسی جگہ جہاں طبی امداد میسر نہ ہو۔ اللہ ہی کی طرف رجوع کر کے اس کے کلام اور اسماء و صفات سے استعانت کی جائے تو مادہ پرستوں کے علاوہ کسی کی بھی عقل کے خلاف نہیں ہے۔ البتہ یہ صحیح نہیں ہے کہ دوا علاج کو جہاں وہ میسر ہو جان بوجھ کر چھوڑ دیا جائے۔ اور صرف جھاڑ پھونک سے کام لینے ہی پر اکتفا کیا جائے۔ کتنی ہی جانیں اس جہالت کی نذر ہو گئیں اور کچھ لوگ عملیات اور تعویذ گندوں کے مطب کھول کر بیٹھ جائیں۔ اسی کو کمائی کا ذریعہ بنالیں۔ اس کی کوئی نظیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ و تابعین اور ائمہ سلف کے یہاں نہیں ملتی اور یہ تعویذ گندوں کا اعتقاد نہیں۔ بلکہ اعتقاد کا غلو ہے۔ خیر الامور او ماسطہا۔

اعلیٰ درجہ کا توکل: چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی طویل روایت ہے کہ جس کے آخر میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے وہ لوگ بے حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ جو نہ داغنے کا علاج کرتے ہیں اور نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں۔ بلکہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے داغنے سے علاج کرایا اور جھاڑ پھونک کرائی۔ وہ اللہ پر توکل سے بے نیاز ہے۔

ومن شر حاسد اذا حسد۔ حضورؐ پر سحر کرنے کی بنیاد دراصل یہود کا حسد تھا۔ اس لیے اس جملہ میں حاسد کے حسد سے پناہ چاہی گئی ہے۔

سورۃ فاتحہ اور معوذتین میں مناسبت:..... آخری چیز جو معوذتین کے بارے میں قابل توجہ ہے وہ قرآن کریم کے اول و آخر میں تناسب ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کی ایک نزولی ترتیب ہے کہ ۲۳ سال کی مدت میں مختلف واقعات اور حالات اور



نہاریات سے حظ سے آیات اور سورتیں اترتی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی رائے سے نہیں بلکہ قرآن نازل کرنے والے خدا کے حکم سے اس شکل میں مرتب فرمایا۔ جس میں ہم اب اس کو پاتے ہیں جسے ترتیب تدوینی کہا جاتا ہے۔ اس ترتیب کے تحت قرآن کا آغاز سورۃ فاتحہ سے ہوتا ہے اور اختتام سورۃ معوذتین پر ہے۔ اب ذرا دونوں پر نظر ڈالیں۔ ابتداء میں بندہ اللہ رب العلمین رحمن و رحیم مالک یوم الدین کی حمد ثنا کر کے عرض کرتا ہے کہ میں آپ ہی کی بندگی کرتا ہوں اور آپ ہی سے مدد چاہتا ہوں اور سب سے بڑی مدد یہ مطلوب ہے کہ مجھے سیدھا راستہ بتا دیجئے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدھا راستہ دکھانے کے لیے اسے پورا قرآن دیدیا جاتا ہے۔ اب اس کو ختم اس بات پر کیا جاتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے جو رب العلمین رب الناس ملک الناس ان اس سے عرض کرتا ہے کہ میں ہر مخلوق کے ہر وقت اور شر سے محفوظ رہنے کے لیے آپ ہی کی پناہ لیتا ہوں اور خصوصیت کے ساتھ شیطان جن و انس کے وسوسوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو سیدھے راستے کی پیروی میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتے ہیں۔ اس آغاز کے ساتھ یہ اختتام جو مناسبت رکھتا ہے۔ وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

**حسد کا نقصان :** حسد کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ نے جو نعمت یا فضیلت یا خوبی عطا کی ہے۔ اس پر کوئی دوسرا شخص حسد کرے اور یہ چاہے کہ وہ اس سے سب ہو کر حاسد کو مل جائے یا کم از کم یہ کہ اس سے ضرور چھین جائے۔ البتہ حسد کی تعریف میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص یہ چاہے کہ جو فضل دوسرے کو ملا ہے۔ وہ مجھے بھی مل جائے۔ یہاں حاسد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اس حالت میں مانگی جاتی ہے جب کہ وہ حسد کرے۔ یعنی اپنے دل کی آگ بجھانے کے لیے کوئی اقدام کرے۔ کیونکہ جب تک وہ کوئی اقدام نہیں کرتا۔ اس وقت تک اس کا جلنا بجائے خود چاہے برا ہی مگر محسود کے لیے ایسا اثر نہیں بنتا کہ اس سے پناہ مانگی جائے۔ اس کے ساتھ حاسد کے شر سے امان پانے کے لیے چند چیزیں اور بھی مددگار ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ انسان اللہ پر بھروسہ کرے اور یقین رکھے کہ جب تک اللہ نہ چاہے گا کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ دوسرے یہ کہ حاسدوں کی باتوں پر صبر کرے۔ بے صبر ہو کر ایسی باتیں یا کارروائیاں نہ کرنے گئے۔ جن سے وہ خود بھی اخلاقی طور پر حاسد ہی کی سطح پر آجائے۔ تیسرے یہ کہ حاسد اگرچہ خدا سے بے خوف اور ضیق سے بے شرم ہو رہیسی ہی بے ہودہ حرکتیں کرتا رہے۔ محسود بہر حال تقویٰ پر قائم رہے چوتھے یہ کہ اپنے دل کو اس فکر سے بالکل فارغ کرے اور اس طرح نظر انداز کر دے کہ وہ یا وہ ہے ہی نہیں کیونکہ اس فکر میں پڑنا حاسد سے مغلوب ہونے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پانچویں یہ کہ حاسد کے ساتھ بدی سے پیش آنا تو درکنار جب بھی ایسا موقع آئے کہ محسود اس کے ساتھ بھلائی اور احسان کا برتاؤ کر سکتا ہو تو ضرور ایسا ہی کرے۔ قطع نظر اس سے کہ حاسد کے دل کی چھین محسود کے اس رویہ سے متی ہے یا نہیں؟ چھٹے یہ کہ محسود توحید کے عقیدہ و ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اس پر ثابت قدم رہے۔ کیونکہ جس دل میں توحید ہی ہوئی ہو اس کے دل میں خدا کے خوف کے ساتھ کسی اور کا خوف جگہ ہی نہیں پاسکتا۔ ساتویں یہ کہ محسود ہونے کو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھ کر خوش ہو۔ حدیث میں ہے۔ اللہم اجعلنی محسود و لا جعلی۔ ہاں۔ بانی یہ ترادد کرنا کہ ایسی نعمت مجھے بھی حاصل ہو جائے یا اس سے زائد مل جائے۔ جیسے فلاں کو ملی ہے۔ حسد میں داخل نہیں ہوتا۔

**خلاصہ کلام :** اسلام کی دعوت شروع ہوتے ہی ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا بڑوں کے چیتے ہاتھ میں ڈال دیا ہے۔ جوں جوں آپ کی موت پھیلتی گئی۔ مخالفین کی مخالفت بھی شدید ہوتی چلی گئی۔ جب تک انہیں یہ میدان بھی کہ شاید کسی طرح کی سودے بازی کر کے یا برباد یا پھسلا کر آپ کو اس کام سے باز رکھ سکیں گے۔ اس وقت تو کسی حد تک منافاں شدت



میں کی رہی۔ لیکن جب حضورؐ نے ان کو اس طرف سے بالکل مایوں کر دیا کہ آپ ان کے ساتھ دین کے معاملہ میں کوئی مصالحت کرنے پر آمادہ ہو سکیں گے۔ اور سورۃ کافرون میں صاف صاف کہہ دیا گیا کہ ہمارا تمہارا راستہ الگ الگ ہے۔ دونوں متضاد راستے ایک نہیں ہو سکتے۔ تو کفار کی دشمنی پورے عروج پر پہنچ گئی۔ خصوصیت سے جن خاندانوں کے مردوں، عورتوں، بچوں، بچیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے دلوں میں تو حضورؐ کے خلاف ہر وقت بھٹیاں سلگتی رہتی تھیں۔ گھر گھر آپ کو کوسا جارہا تھا۔ خفیہ مشورے کیے جا رہے تھے۔ کہ کسی وقت رات کو چھپ کر آپ کو قتل کر دیا جائے۔ تاکہ آپ کے خاندان والوں کو قتل کا پتہ نہ چل سکے۔ اور وہ بدلہ نہ لے سکیں۔ آپ کے خلاف جادو ٹونے کئے جا رہے تھے۔ تاکہ یا تو آپ وفات پا جائیں یا سخت بیمار پڑ جائیں یا دیوانے ہو جائیں۔ شیاطین جنس و انس ہر طرف پھیل گئے تھے۔ تاکہ عوام کے دلوں میں آپ کے خلاف اور آپ کے مائے ہوئے دین و قرآن کے خلاف کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دیں۔ جس سے لوگ شبہات و وساوس میں مبتلا ہو کر بدگمان ہو جائیں اور آپ سے دور بھاگنے لگیں۔ بہت سوں کے دلوں میں حسد کی آگ بھی جل رہی تھی کہ وہ اپنے یا اپنے قبیلہ کے کسی آدمی کے سوا دوسرے شخص کا حواغ نہ دیکھ سکتے تھے اور مکی زندگی سے گزر کر مدینہ طیبہ میں بھی آپ کو سکون و چین نصیب نہ ہوا۔ آئے دن جنتیں، مڑائیاں جاری رہیں۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو محمدؐ کے ہاں خیر سے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور جادوگر لبید بن عاصم سے ملا۔ جو انصار کے قبیلہ بنی رزین سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ لوگ لبید سے کہنے لگے کہ محمدؐ نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا وہ تمہیں معلوم ہے۔ ہم نے ان پر جادو کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔ کیونکہ تم ہی ہم سے بڑے جادوگر ہو، لو یہ تین اشرفیاں لو۔ انہیں قبول کرو اور محمدؐ پر ایک زور کا جادو کر دو۔ اس زمانہ میں حضورؐ کے یہاں ایک یہودی لڑکا خدمت گار تھا۔ اس سے ساز باز کر کے ان لوگوں نے حضورؐ کی کنگھی کا ایک ٹکڑا حاصل کیا۔ جس میں آپ کے مائے مبارک تھے۔ انہی بالوں اور کنگھی پر جادو کیا گیا۔ بعض روایات میں لبید کی بہنوں کا جادو کرنا آیا ہے جو اس سے زیادہ جادہ رنیاں تھیں۔ اس جادو کا اثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتے ہوتے پورا ایک سال لگا۔ دوسری ششماہی میں مزاج کے اندر کچھ تغیر محسوس ہونا شروع ہوا۔ آخر میں دن سخت اور آخری تین دن بہت سخت گزرے۔ مگر یہ اثر صرف ذات کی حد تک رہا۔ آپ کے نبوت کے کاموں میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ ان حالات میں معوذتین کا نزول ہوا اور آپ کو پیش آمدہ حالات سے نبٹنے کے لیے اور اللہ اور اس کے اسماء و صفات کی پناہ طلبی کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ تمام تر بے سرو سامانی کے باوجود انتہائی نامساعد حالات اور دشمنوں میں گھرے ہوئے بھی رب کائنات کی پناہ میں آ جانے کو کافی سمجھ لینا۔ ظاہر ہے کہ یہ اولوالعزمی اور ثابت قدمی وہی شخص دکھلا سکتا ہے جس کو یقین ہو کہ اس رب کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے۔ اس کے مقابلہ میں ساری طاقتیں ہیچ ہیں اور اس کی پناہ جسے حاصل ہو جائے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ میں کلمہ حق کے اعلان سے ہرگز نہیں ہٹوں گا۔ تم جو چاہو کر لو۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ کیونکہ میں رب کائنات کی پناہ لے چکا ہوں۔

**فضائل سورت:** ..... عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقد انزلت علی سورتان ما انزل مثلھا واک لن تقرء سورتین احب ولا ارضی عند اللہ منھما یعنی المعوذتین۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر یہ دو سورتیں بے مثل اتریں ہیں اور تم ان سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ سورت اللہ کے نزدیک کوئی اور سورتیں نہیں پڑھ سکو گے۔

**لطا ئف سلوک:** ..... ومن شر النفث۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل حق پر بھی اہل باطل کے اسباب طبیعہ کا اثر ہو سکتا ہے اور ایسی تاثیر حق و باطل کا معیار نہیں بن سکتی تھیں۔ لوگ اس کو کمال سمجھ کر دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور مبتلائے وبال ہو جاتے ہیں۔ ومن شر حاسد۔ اس میں حسد کی قباحت نہایت واضح ہے۔

## سُورَةُ النَّاسِ

سُورَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ أَوْ مَدْيَنِيَّةٌ سِتُّ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۲﴾ خَالِقُهُمْ وَمَالِكُهُمْ خَصُّوا بِالذِّكْرِ تَشْرِيفًا  
لَهُمْ وَمُنَاسَاةً لِلَّهِ مُتَعَاذَةً مِنْ شَرِّ الْمُؤَسُّوسِ ﴿۳﴾ فِي صُدُورِهِمْ قَلْبُ النَّاسِ ﴿۴﴾ إِلَهَ النَّاسِ ﴿۵﴾ مَدَانِ أَوْ  
صَفَّائِ أَوْ عَطَمَاءِ بَيَانٍ وَأَضْهَرَ الْمُضَافِ إِلَيْهِ فِيهِمَا زِيَادَةُ تَلْبِيَانِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ﴿۶﴾ السَّيِّئَاتِ سُمِّيَ  
بِأَنَّهُ حَدَّثَ بَكْرَةَ مُلَانَسْتِهِ لَدَى الْخَنَاسِ ﴿۷﴾ لِأَنَّهُ يَخْنُسُ وَيَتَا حُرْعِنِ الْقَلْبِ كُلَّمَا ذَكَرَ اللَّهُ الَّذِي يُؤَسُّوسُ  
بِأَنَّهُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ﴿۸﴾ قُلُوبِهِمْ إِذَا غَفَلُوا عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۹﴾ بَيَانُ تَلْسِيطِ الْوَسْوَاسِ  
أَنَّهُ حَسْبِي وَنَسِيٌّ كَفَوِيهِ تَعَالَى شَيَاطِينُ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ بَيَانُ لَهُ وَالنَّاسِ عَضْفٌ عَلَى الْوَسْوَاسِ  
وَعَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَرِّ لَيْبِدٍ وَبَنَاتِهِ الْمَذْكُورِينَ وَاعْتَرَضَ الْأَوَّلَ بِأَنَّ النَّاسَ لَا يُؤَسُّوسُ فِي صُدُورِهِمْ  
إِنْسُ تَمَّا يُؤَسُّوسُ فِي صُدُورِهِمْ الْجِنُّ وَأُجِيبَ بِأَنَّ النَّاسَ يُؤَسُّوسُونَ أَيْضًا بِمَعْنَى يَلْبَسُ بِهِمْ فِي الظَّاهِرِ  
ثُمَّ تَصِلُ وَسُوسَتُهُمْ إِلَى الْخَلْبِ وَتَثْبُتُ فِيهِ بِالطَّرِيقِ الْمُؤَدِّي إِلَى اللَّهِ أَعْلَمُ

سورۃ ناس مکہ ہے یا مدنیہ ہے۔ اس میں چھ آیات ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: آپ کہتے ہیں، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب (ان کے خالق و مالک سے انسانوں کی تخصیص ان کے شرف کی وجہ سے ہے اور دلوں میں وسوسے ڈالنے والے کے شر سے پناہ مانگنے کی مناسبت سے) انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے معبود حقیقی کی (یہ دونوں الفاظ بدل یا صفت یا عطف بیان ہیں اور ان دونوں میں مضاف الیہ کا اظہار زیادہ وضاحت کے لیے ہے) اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے (مراد شیطان ہے جس کا نام حدیث ہے بکثرت وسوسہ اندازی کی وجہ سے) جو بار بار پلٹ کر آتا ہے (ذکر اللہ کے وقت دل سے ہٹ جاتا ہے اور پیچھے ہو جاتا ہے) جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے (ذکر اللہ سے غافل ہونے پر) خواہ وہ جن ہو یا آدمی (وسوسہ انداز شیطان کا بیان ہے کہ وہ جن ہو یا انسان، جیسے دوسری آیت میں ہے۔ شیاطین الانس و الجن یا صرف من الجنة بیان ہو۔ اور الناس کا الوسواس پر عطف ہے۔ بہر صورت یہ لبید اور اس کی لڑکیوں کو بھی شامل ہے۔ پہلی ترکیب پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ انسانوں کے دلوں میں انسان وسوسہ نہیں ڈالتے۔ بلکہ جن وسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں۔ لیکن جواب یہ ہے کہ انسان بھی وسوسہ اندازی کیا کرتے ہیں ایسے انداز سے جو ان کے مناسب ہو۔ پھر

وہ دوسرے دلوں تک پہنچ کر جاگزیں ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم)

**تحقیق و ترکیب۔** سورۃ الناس۔ یہ بھی سورۃ فلق کی طرح مختلف فیہ ہے۔ لیکن واقعہ سحر پر نظر کی جائے جو کہ ۷ میں پیش آیا۔ تو ان کا مدنی ہونا رائج معلوم ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی پہلے نثر چکی ہے۔ قل اعوذ دونوں سورتوں میں یہ لفظ حذف ہمزہ اور اس کی حرکت لام پر منتقل کر کے بھی پڑھا گیا ہے۔ سورۃ کافرون و اخلاص و معوذتین کے شروع میں لفظ قل آنے کی وجہ سے عوام ان کو چاروں قل کہتے ہیں۔ سورۃ فلق کی طرح یہاں بھی اعوذ باللہ کی بجائے اللہ کی تین صفات کے ذریعہ استعاذہ کیا گیا ہے۔ ایک رب الناس، دوسرے ملک الناس، تیسرے الہ الناس۔ اللہ کے معنی فرضی معبود کے بھی آتے ہیں اور حقیقی معبود کے بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ سورۃ فلق میں بدنی مضرتوں سے استعاذہ کیا گیا ہے۔ انسان کی طرف سے ہوں یا دوسرے مخلوق کی طرف سے۔ لیکن سورۃ ناس میں صرف انسانی نفوس کو جو مضرتیں عارضی ہوتی ہیں ان سے استعاذہ کیا گیا ہے۔

لہذا رب العلق میں اضافت عام اور رب الناس میں اضافت خاص ہوگی۔ اور اللہ اگرچہ رب العالمین ہے۔ لیکن انسان کی تخصیص اس کے شرف کی وجہ سے ہے کہ جب اللہ انسانوں کا رب ہے تو دوسری مخلوق کا بدرجہ اولیٰ ہے۔ نیز جب وہ انسانی شرارت سے پناہ دے سکتا ہے۔ تو دوسری مخلوق کی شر سے بدرجہ اولیٰ پناہ دے گا۔ اور دوسرے جن کے دلوں میں ہوتا ہے وہ بھی انسان ہیں۔ ان تینوں لفظوں کی ترتیب بڑی لطیف ہے۔ کہ اول اللہ کی ربوبیت، پھر اس کی بادشاہت پھر اس کی معبودیت کا ذکر کیا گیا۔

اور ملکت الناس الہ الناس دونوں لفظ رب الناس سے عطف بیان بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ رب ممکن ہے بادشاہ نہ ہو اور بادشاہ ممکن ہے کہ معبود نہ ہو۔ اگرچہ اضافت ضمیر کی طرف ہو سکتی تھی۔ لیکن مزید بیان یا تعظیم کے لیے مضاف ایہ اسم ظاہر لایا گیا ہے اور بعض نے توجیہ کی ہے کہ رب الناس میں بچے اور ملک الناس بڑے آدمی مراد ہیں۔ کیونکہ بچے تربیت کے محتاج ہوتے ہیں اور بڑے وسوسوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور الہ الناس میں بوڑھے مراد ہیں۔ کیونکہ وہ مصروف عبادت رہتے ہیں۔ اس صورت میں لفظ الناس مکرر نہیں رہتا۔

من شر الوسواس الخناس اس کا تعلق اعوذ سے ہے۔ سورۃ فلق میں مستعاذ منہ تین چیزیں تھیں اور مستعاذ ایک تھا۔ لیکن سورۃ ناس میں اس کے برعکس مستعاذ منہ ایک یعنی دوسرے ہے اور مستعاذ تین صفات الہیہ ہیں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ پچھلی سورت میں بدنی مضرت کا بیان تھا اور وہ متعدد ہیں اور اس سورت میں نفسانی مضرت کا بیان ہے۔ اور وہ ایک ہے۔ اور چونکہ بدن کی سلامتی کا پیش خیمہ اور وسیعہ ہے اس لیے اس کو مقدم کیا گیا ہے۔ وسواس اور دوسرے، زلزال اور زلزلہ کی طرح دونوں مصدر ہیں۔ اگر فعدال کو اوزان مصدر میں مانا جائے۔ ورنہ اسم مصدر ہے۔ یا وسواس اور خناس کو مبالغہ کہا جائے۔ شیطان کو وسوسہ زید عدلی کی طرح مبالغہ کے لیے کہا گیا ہے۔ یا مضاف محذوف مانا جائے۔ ای ذوالوسواس الخناس، جس کے معنی مٹنے اور لوٹنے کے ہیں۔ فی صدور الناس۔ جس طرح قوت و اہم قوت عاقلہ کی معاون ہوتی ہے۔ اسی طرح دوسرے شیطان کا مددگار ہے۔ انسان جب ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو شیطان موقع سے فائدہ اٹھا کر دوسرے اندازی کرتا ہے۔ یہ محل جرم میں ہے صفت کی وجہ سے یا محل نصب و رفع میں ہے مذمت کے طور پر۔

من الجنة والناس۔ یہ وسواس کا بیان ہے یا الذی کا بیان ہے یا وسوس سے متعلق ہے اور بعض نے اس کو الناس کا بیان کہا ہے۔ جب کہ الناس سے مراد عام ہو۔ انسان اور جنت دونوں شامل ہے۔ لیکن اس صورت میں تکلف کر کے کہنا پڑے گا۔ ناس بمعنی ناسی ہے۔ جیسے یوم يدع الداع میں داع بمعنی داعی ہے اور نسیان انسان اور جن دونوں کو ہوتا ہے۔ مفسر علام نے دوسری ترکیب یہ فرمائی۔ کہ من الجنة بیان قرار دیا جائے اور الناس کا عطف الوسواس پر کہا جائے۔ اس کے بعد پہلی ترکیب یعنی من الجنة والناس کو وسواس کا بیان قرار دینے پر یہ اعتراض کیا۔ کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان انسان کے دل میں دوسرے ڈالتا ہے۔ حالانکہ دوسرے اندازی

شیطان کا کام ہے۔ پھر اس کا جواب دیا کہ انسان بھی وسوسہ کر سکتا ہے۔ اس طرح وسوسہ کے اسباب اختیار کرتا ہے۔ مثلاً چغلی کر رہا ہے۔ دوسرا اس چغلی کر رہا ہے۔ جس سے دل میں وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پس گویا انسان ہی نے وسوسہ ڈالا ہے۔

رابط آیات و روایات: ... اس کی مفصل تقریر سورہ فلق میں نثر چکی ہے۔

﴿تشریح﴾: ... قل اعوذ الخ اللہ کی شانِ ربوبیت و حاکمیت وغیرہ اگرچہ تمام مخلوق کو شامل ہے لیکن ان صفات کا کامل ظہور انسانوں میں ہو رہا ہے۔ اس لیے ان تینوں صفات کی اضافت انسان کی طرف فرمائی گئی ہے۔ ان تین صفات کی ترتیب بھی نہایت دقیق ہے۔ عارف جب اپنے ارد گرد ظاہری باطنی نعمتوں کو پائے گا تو سمجھ لے گا کہ اس کا کوئی رب ہے۔ جو اس کی ترتیب اعلیٰ درجہ کی کر رہا ہے۔ پھر جب نظر کو گہرا کرے گا تو اسے دکھائی دے گا کہ اللہ سارے عالم سے بے نیاز اور کلی اختیارات کا مالک ہے پھر اسی لیے اس کی رہنمائی ہوگی کہ معبود حقیقی بھی وہی ہے۔ یہاں اختلافات صفات کو بمنزلہ اختلاف ذات قرار دے لیا ہے۔ تاکہ ان صفات کی بڑائی کا اندازہ ہو۔ حاصل یہ ہے کہ چونکہ وہی رب اور بادشاہ اور الہ ہے۔ اس لیے اس کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں جس سے میں پناہ مانگوں اور جو حقیقت میں پناہ دے بھی سکتا ہو۔

خناس کا انسان پر تسلط: ..... من شر الوسواس الخناس۔ شیطان نظروں سے اوجھل رہ کر آدمی کو بہکا رہا ہے چھپے ہوئے دشمن کی طرح گھات میں رہتا ہے۔ جب موقعہ لگتا ہے چوکتا نہیں ہے۔ جو نبی ذکر اللہ سے غفلت ہوتی ہے۔ یہ اپنا تسلط قائم کر لیتا ہے۔ لیکن انسان جب غفلت سے بیدار ہو کر اللہ کی یاد کرتا ہے فوراً شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ وسوسہ کہتے ہیں غیر محسوس طریقہ پر کسی بڑی بات کو دل میں ڈال دینے کو وسوسہ کے لفظ میں، خود بار بار کا مفہوم شامل ہے۔ جیسے زلزلہ حرکت کی تکرار کو کہتے ہیں۔ انسان چونکہ ایک دم بہکائے میں نہیں آتا۔ اس لیے شیطان مسلسل کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس لیے ایسی کوشش کرنے والے کو وسواس کہا جائے گا۔ خناس، خنوس سے ہے ظاہر ہونے کے بعد چھپنا یا آنے کے بعد ہٹ جانا۔ خناس مبالغہ کا لفظ ہے جس میں بار بار کے معنی ملحوظ ہیں۔ دونوں لفظوں کے ملانے سے یہ مفہوم نکلا کہ ایک دفعہ ناکامی سے وہ تھکتا نہیں ہے۔ بلکہ وہ برابریک و دو میں لگا رہتا ہے۔ اس سے پناہ مانگنے کا مطلب تو یہ ہے کہ کہیں دل میں وسوسہ ڈال کر اس کے شر میں مبتلا نہ کر دے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت دینے والے کے خلاف جو شخص بھی لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالے اس کے شر سے داعی حق خدا کی پناہ مانگتا ہے۔ کیونکہ داعی حق کے بس کی یہ بات نہیں کہ وہ دعوت حق کا کام بھی کرے اور ساتھ ساتھ لوگوں کے دلوں میں جو اس کے خلاف وسوسے ڈالے گئے ہیں۔ ان کے پیچھے پھرے۔ اور ایک ایک غلط فہمی کو زور کرتا پھرے۔ اور یہ بھی مناسب ہے کہ اصل دعوت حق کا کام چھوڑ کر لوگوں کی پیدا کردہ غلط فہمیوں اور الزام تراشیوں کے ازالہ کی فکر کرتا پھرے اور یہ بات تو اس کے مقام سے نہایت فرد تر ہے کہ جس سطح پر مخالفین اترے ہوئے ہیں اسی پر خود بھی اتر آئے۔ اس لیے رب الناس ملک الناس الہ الناس کی پناہ میں آنے کی شدید ضرورت ہے۔

وسوسہ بد عملی کا نقطہ آغاز ہے: ..... وسوسہ دراصل بُرے عمل کا نقطہ آغاز ہوتا ہے۔ کسی غافل یا خالی الذہن آدمی کے اندر جب یہ اثر انداز ہوتا ہے تو شروع میں بُرائی کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ پھر مزید وسوسہ اندازی اس بُری خواہش کو بُری نیت اور بڑے ارادے میں تبدیل کر دیتی ہے۔ پھر اس سے آگے جب وسوسہ کی تاثیر بڑھتی ہے تو ارادہ عزم بن جاتا ہے اور آخری قدم پھر عمل شر ہے۔ اس لیے وسوسہ اندازی کے شر سے خدا کی پناہ مانگنے کا مطلب ہے کہ شر کا آغاز جس مقام سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مقام پر اس کا قلع

فرمادے۔ انسان کے دل میں وسوسہ اندازی صرف باہر ہی سے شیاطین جن وانس نہیں کرتے۔ بلکہ انداز سے خود انسان کا اپنا نفس بھی کرتا ہے۔ اس کے اپنے غلط نظریات اس کی عقل کو گمراہ کرتے ہیں اور باہر کے شیاطین بھی انسان کے اندر اس کے اپنے نفس کا شیطان بھی اس کو بہکا تا ہے۔ پھر جس قماش کا آدمی ہوتا ہے اس کے وساوس بھی اسی قماش کے ہیں۔ بد قماش لوگوں کو شیطان کفر و شرک کے وساوس میں مبتلا کرتا ہے۔ لیکن نیک لوگوں کے بارے میں اسے یقین ہوتا ہے کہ اس قسم کے وساوس کی دال یہاں نہیں گلیں گی۔ انہیں نیکی کی راہ سے مارتا ہے۔ بد کردار لوگوں کو کھلے گناہ اور بدعات کی ترغیب دیتا ہے۔ بڑے گناہ نہیں تو چھوٹے گناہوں ہی میں انہیں پھنسنے کی کوشش کرتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اللہ غفور الرحیم ہے۔ اور غشاء یہ ہوتا ہے کہ اگر کثرت سے چھوٹے ہی گناہ سرزد ہو جائیں تو اسی بار سے انسان لٹ جائے گا۔ اس سے بھی آدمی بچ نکلے اور نیکی اختیار کر لے۔ تو پھر بدرجہ آخر یہی کوشش کرتا ہے کہ اس کی نیکی محدود رہے۔ دوسروں کو ترغیب نہ دے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان تمام چالوں کو ناکام کر دے تو پھر شیاطین کی پوری پارٹی ایسے آدمی پر پل پڑتی ہے۔ لوگوں کو اس کے خلاف اُکساتی بھڑکاتی ہے۔ اسے رُسا اور بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وساوس کے اختیاری اور غیر اختیاری ہونے کی بحث سورہ بقرہ کے آخر میں اور سورہ ق کے پہلے رکوع کے آخر پر گزر چکی ہے۔

وساوس صرف انسان کو پیش آتے ہیں مگر وسوسہ انداز حیات بھی ہوتے ہیں: ..... من الجینہ والناس۔ وساوس اگرچہ صرف انسان ہی کے دل میں آتے ہیں لیکن وسوسے ڈالنے والے جن بھی ہوتے ہیں اور انسان بھی۔ لیکن بعض اہل علم کہتے ہیں کہ انسان و جن دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا جاتا ہے۔ اس بات کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو لفظ ناس انسان و جن دونوں پر بولا جائے گا۔ جیسا کہ رجال اور تفریق اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔ لیکن اس رائے کے تسلیم کرنے میں اس لیے تامل ہے کہ انسان، انس، ناس تینوں الفاظ جن کے مقابل استعمال ہوتے ہیں۔ انسان، انس، ناس میں ظہور کے معنی ہیں کہ جن میں ستر و خفا کے معنی ہیں۔ چنانچہ جَنّ، جنت، جنان، جان، جنون، جنایت سب میں یہی معنی ملحوظ ہیں اس لیے اس تضاد کے ہوتے ہوئے انسان کا اطلاق جن پر کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس لیے صحیح معنی یہی ہوں گے کہ اس وسوسہ انداز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ جو انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ دوسری آیت و کذلک جعلنا لكل نبی عدوا شیطان الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض ذخرف القول غرورا سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ابوذرؓ! نماز پڑھ لی؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا کہ اٹھو نماز پڑھو۔ میں نماز پڑھ کر پھر حاضر ہو گیا۔ فرمایا۔ یا اباخرا تعوذ باللہ من شر شیاطین الانس والجن۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیاطین ہوتے ہیں فرمایا کہ ہاں!

معوذتین پر محققانہ کلام: ..... معوذتین پر محقق علماء نے قیمتی موتی بکھیرے ہیں۔ لیکن شیخ کبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیز نے اپنے ایک فارسی مکتوب پر جویش بہا مضمون سپرد قلم فرمایا ہے۔ فوائد عثمانی نے تبرکاً اس کی تخلص پیش کی ہے۔ زمین کا جگر شق ہو کر دانہ سے جب کوئل پھوٹی ہے تو فطرت کا مالی اس کی رکھوالی کرتا ہے اور حد کمال پر پہنچنے تک ہر طرح کی آفات سے اس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور عموماً وہ آفات چاند قسم کی ہوتی ہیں۔

۱۔ موذی جانوروں سے حفاظت۔ ۲۔ درخت کی زندگی کے اسباب پانی، ہوا، دھوپ کی فراہمی۔ ۳۔ برف، اولہ وغیرہ آفات سماوی سے بچاؤ۔ ۴۔ مالک باغ کے دشمن اور حاسد سے حفاظت۔ ان چاروں چیزوں کی خاطر خواہ بندوبست کے بعد پودہ اور باغ کے بار آور

ہونے کی امید کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اس چمنستانِ عالم کے حقیقی مالک و مربی سے ایمان کے پودہ کی حفاظت کے لیے چار فتنوں سے بچو کی درخواست کرنی چاہئے۔ پہلی آفت شرِ مخلوق ہے یعنی مخلوق کے طبعی اور فطری شر سے جو اس کی طبیعت میں اسی طرح ودیعت ہے۔ جیسے سانپ بچھو وغیرہ سباع و بہائم میں خلقی طور پر ہوتا ہے اور یہ نکتہ شر کی اضافت سے سمجھ میں آ رہا ہے۔ دوسری آفت شرِ غائب ہے۔ جب رات اندھیری ہو جائے یا آفتاب غروب ہو جائے۔ یا چاند گرہن میں آجائے۔ یعنی ان چیزوں کے فوائد سے ہم محروم ہو جائیں جو ان کے ظہور کے وقت ہمیں حاصل تھے اب وہ ہاتھ نہ آئیں۔ گویا یہ چیزیں پانی، ہوا، دھوپ کی طرح اسبابِ زندگی کے درجہ میں تھیں۔ ان کا فقدان ظاہر ہے کہ پیغامِ موت ہوگا۔ تیسری آفت شرِ نقائص ہے۔ جس سے مراد ساحرانہ اعمال ہیں۔ ظاہر ہے کہ سحر کے اثر سے مسحور کو ایسے عوارض پیش آجاتے ہیں۔ جن سے طبیعت کے اصلی آثار مغلوب ہو کر ذب جائیں۔ یہ آفت ایسی ہے جیسے درخت کے لیے اولہ اور برف باری کی آفت۔ چنانچہ سحر کاری کی وجہ سے حضورؐ کے طبعی افعال متاثر ہو گئے تھے۔ جب اس آفت کا ازالہ ہو گیا تو فقام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نما انشط من عقال۔ چوتھی آفت شرِ حاسد ہے یعنی عداوت و حسد کی لگ ایمان کے پودا کو بھسم کر ڈالے۔ آفت کی اس تفصیل میں اگر کچھ کمی ہے تو صرف اتنی کہ کبھی بیج کو ان چاروں آفات میں سے کسی کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ البتہ روئیدگی سے پہلے ہی کچھ چیونٹیاں اس بیج کے اندر سے وہ خاص جو ہر چوس لیتی ہیں۔ جس سے بیج کی روئیدگی ہوتی ہے یا اندر ہی اندر گھسن لگ کر بیج کھوکھلا ہو جاتا ہے اور بالیدگی کے لائق نہیں رہتا۔ شاید اسی سرسری کمی کے لیے سورہ ناس میں الوسواس الخناس کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کیونکہ وسواس انہی فاسد خطرات کا نام ہے۔ جو ظاہر ہو رہا ہو بلکہ اندرونی طور پر ایمان میں رخنہ ڈالتے ہیں اور چونکہ وسواس کا مقابلہ ایمان سے ہے اس لیے وسواس کے دفعیہ کے لیے اللہ کی انہی صفات سے تمسک کرنے کی ضرورت ہوگی جو مہدی ایمان گئے جاتے ہیں اور جن سے ایمان کو مدد پہنچتی ہے۔ تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ سب سے پہلے ایمان (تسلیم و انقیاد) کا نشوونما اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت ہی کو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی ربوبیت مطلقہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اللہ مالک الملک اور احکم الحاکمین بھی ہے۔ کیونکہ جسمانی روحانی تربیت وہی ذات کر سکتی ہے جو منبع الکلمات ہو اور دنیا کی کوئی چیز بھی اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہ ہو۔ پھر ذرا آگے بڑھتے ہیں تو ہمیں اس کے مالکِ مطلق ہونے سے اس کی الہیت و معبودیت کا سراغ ملتا ہے۔ غرض سب سے اول جو صفت ایمان کا مبداء بنتی ہے وہ ربوبیت ہے اس کے بعد اس کی مالکیت اور سب کے بعد ادبیت کا مرتبہ ہے۔ پس جو شخص شیطانی وسواس سے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے اللہ کے دامن میں پناہ چاہے گا۔ اسے درجہ بدرجہ انہی منزلوں سے گزرنا ہوگا اور عجیب بات ہے کہ جس طرح مستعاذ بہ کی جانب یہاں تین صفات بغیر عطف اور بغیر اعادہ جار کے ذکر کی گئی ہیں۔ اسی طرح مستعاذ منہ کی جانب تین چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ جو صفت درصفت کی صورت میں ہیں۔

فضائلِ سورت: ..... عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قرء المعوذتین فکانما قرء الکتب الی انزل اللہ.

جو شخص معوذتین پڑھے گا گویا اس نے پچھلی سب کتابیں پڑھ لی ہیں۔

لطا کف سلوک: ..... من شر الوسواس الخناس۔ حدیث میں ہے کہ شیطان ذکر اللہ سے غفلت کے وقت وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ لیکن ذکر کے وقت پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ غفلت کا علاج ذکر ہے۔ من الجنة والناس اس سے معلوم ہوا کہ وسواس تو انسان کو پیش آتے ہیں۔ مگر وسوسہ ڈالنے والے شیطان اور انسان دونوں ہو سکتے ہیں۔

## سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ سَبْعُ آيَاتٍ بِالْبَسْمَلَةِ إِنْ كَانَتْ مِنْهَا وَالسَّابِعَةُ صِرَاطُ الَّذِينَ إِلَى  
اِخْرَاجِهَا وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مِنْهَا فَالسَّابِعَةُ غَيْرُ الْمَغْضُوبِ إِلَى اِخْرَاجِهَا وَيُقَدَّرُ فِي أَوَّلِهَا قَوْلُهَا  
يَكُونُ مَقْبَلُ إِيَّاكَ نَعْبُدُ مُنَاسِبًا لَهُ بِكُونِهِ مِنْ مَقُولِ الْعِبَادِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ جُمْلَةً خَبَرِيَّةٌ قُصِدَ بِهَا الثَّنَاءُ عَلَى اللَّهِ بِمُضْمُورِهَا مِنْ أَنَّهُ  
تَعَالَى مَالِكٌ لِجَمِيعِ الْخَلْقِ أَوْ مُسْتَجِقٌّ لِأَنَّهُ يُحْمَدُوهُ وَاللَّهُ عَلَّمَ عَلَى الْمَعْنُودِ بِحَقِّ رَبِّ  
الْعَالَمِينَ ﴿۲﴾ أَيْ مَالِكٌ خَمِيعِ الْخَلْقِ مِنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ وَالذُّوَابِ وَغَيْرِهِمْ وَكُلٌّ مِنْهُمْ  
يُصَوِّرُ عَلَيْهِ عَالَمٌ يُقَارَنُ عَالَمُ الْإِنْسِ وَعَالَمُ الْجِنِّ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ وَغَلَبَ فِي جَمْعِهِ بِالْيَاءِ وَالنُّونِ أَوَّلُوا الْعِلْمِ  
عَلَى غَيْرِهِمْ وَهُوَ مِنَ الْعَلَامَةِ لِأَنَّهُ عَلَامَةٌ عَلَى مُوجِدِهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿۳﴾ أَيْ ذِي الرَّحْمَةِ وَهِيَ  
رِازَةُ الْخَيْرِ لِأَهْلِهِ مِلْكٌ يَوْمَ الدِّينِ ﴿۴﴾ أَيْ الْحِزَاءِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَخُصَّ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُ لَا مَلِكَ طَاهِرًا  
فِيهِ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى بِتَمْلِيلِ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ وَمَنْ قَرَأَ مَالِكٌ فَمَعْنَاهُ مَالِكُ الْأَمْرِ كُنِيَ فِي يَوْمِ الْقِيَمَةِ  
أَيْ هُوَ مَوْصُوفٌ بِذَلِكَ دَائِمًا كَغَافِرِ الذَّنْبِ فَصَحَّ وَقُوعُهُ صِفَةً لِلْمَعْرِفَةِ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ  
نَسْتَعِينُ ﴿۵﴾ أَيْ نَخْصُصُكَ بِالْعِبَادَةِ مِنْ تَوْحِيدٍ وَغَيْرِهِ وَنَطْلُبُ مِنْكَ الْمَعُونَةَ عَلَى الْعِبَادَةِ وَغَيْرِهَا إِهْدِنَا  
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۶﴾ أَيْ ارْشِدْنَا إِلَيْهِ وَيَبْدُلْ مِنْهُ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ بِالْهُدَايَةِ وَيَبْدُلْ  
مَنْ الدِّينِ بِصِنْتِهِ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَهُمْ الْيَهُودُ وَلَا وَغَيْرِ الضَّالِّينَ ﴿۷﴾ وَهُمْ النَّصَارَى وَنُكْتَةُ فِي  
الْبَدَنِ إِفَادَةُ أَنَّ الْمُهْتَدِينَ لَيْسُوا يَهُودًا وَلَا نَصَارَى وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَإِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَنَابِ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى  
سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ الطَّاهِرِينَ صَلَوةً وَسَلَامًا دَائِمِينَ مُتَلَازِمِينَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ وَالْحَمْدُ  
لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

سورۃ فاتحہ منیہ ہے۔ جس میں سات آیات ہیں۔ بسم اللہ سمیت۔ اگر یہ فاتحہ کا جز مانی جائے تو ساتویں آیت صراط اللہ سے آخر  
سورت تک ہوگی اور اس کو جز شمار نہ کیا جائے تو پھر ساتویں آیت غیر المغضوب سے آخر تک ہوگی۔ اور اس سورت کے شروع میں



قولوا مقدر مانا جائے گا۔ تاکہ ایسا لے بعد سے پہلی عبارت بھی اس کے مناسب ہو کر پوری سورت بند ہو۔ مقولہ من جائے۔  
بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمہ: ... تعریف بس اللہ کے لیے ہے (یہ جملہ خبریہ ہے۔ جس سے مقصود اس کے مضمون سے اللہ کی تعریف کرنا ہے۔  
یعنی یہ کہ وہ مخلوق کی ساری تعریف کا مالک ہے۔ یا یہ معنی ہیں کہ اللہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی تعریف کرو، لفظ اللہ معبود حقیقی کا نام ہے) جو  
تمام کائنات کا رب ہے (یعنی انسان، جن، فرشتے وغیرہ جانوروں ساری مخلوق کا مالک ہے ان مخلوقات میں سے ہر مخلوق کو عام مہتے ہیں۔  
چنانچہ عالم الانس، عالم الجن وغیرہ بولا جاتا ہے۔ اور عالمین کے یا نون کے ساتھ جمع لانے میں ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غالب کر  
لیا گیا ہے۔ عالم ملاقہ کو کہتے ہیں۔ یہ جہاں بھی پیدا کرنے والے کی پہچان کا ذریعہ ہے) بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے (یعنی رحمت  
والا ہے۔ جس کے معنی مستحق رحمت کے ساتھ ارادہ خیر کے معنی ہیں) روز جزاء کا مالک ہے (یعنی بدلہ کا جو روز قیامت ہے۔ اس روز کی  
تخصیص اس لیے کی کہ وہاں بجز اللہ کے کسی کی ملک نہیں رہے گی۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ لمن المذنب الیوم اللہ اور جن قراء نے مالک  
پڑھا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ قیامت کے دن وہ ہر چیز کا مالک ہوگا۔ یعنی اللہ ہمیشہ مالک ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے عاقل الذب فرمایا گیا  
ہے۔ اس لیے مالک کا معرّفہ (اللہ) کی صفت بننا قطعاً درست ہے) ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں (یعنی  
توحید وغیرہ کے ذریعہ ہم صرف آپ کی پرستش کرتے ہیں اور عبادت وغیرہ پر صرف آپ کی اعانت چاہتے ہیں) ہمیں سیدھا راستہ  
دکھائیے (اس کی طرف رہنمائی کیجئے۔ آگے بدل ہے) ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے (ہدایت دے کر۔ آگے بدل ہے  
الذین مع صدکا) جو مغضوب نہیں ہوئے (جیسا کہ یہود ہیں) اور جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں (جیسے عیسائی اور بدھ میں یہ نکتہ ہے کہ یہود  
ونصاری ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب و صلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ واصحابہ  
الطین الطاہرین صلوة وسلاماً دائماً دائمین متلازمین الی یوم الدین والحمد للہ رب العلمین۔

تحقیق و ترکیب: ..... الفاتحہ، عافیہ کی طرح اگر یہ مصدر ہے تو بمعنی مفعول ہوگا یا اس کو صفت مانا جائے یعنی ہر چیز کی  
شروعات تو اس میں تاوصفیت سے اسمیت کی طرف نقل کرنے کے لیے ہوگی۔ پہلی توجیہ کے مقابلہ میں دوسری توجیہ انسب ہے۔ کیونکہ  
اس وزن پر مصدر کا آنا بہت کم ہوتا ہے اور ”سورۃ الفاتحہ“ میں اضافت شجر الاراک اور ”علم الخو“ کی طرح عام کی اضافت خاص  
کی طرف ہو رہی ہے اور یہ اضافت اسی وقت جائز ہوتی ہے جب کہ مضاف الیہ کافر و مضاف ہونا مشہور ہو جیسے اسساں رید میں، اس  
سورت کو ام القرآن بھی کہا گیا ہے اور سورۃ الکثر اور سورۃ الوافیہ اور سورۃ الشافیہ اور سورۃ شفاء، سورۃ الحمد، سورۃ الشکر، سورۃ الدھن، سورۃ  
تعلیم المسئلہ اور سبع مثانی وغیرہ نام بھی ہیں۔

مکیہ۔ اکثر کی رائے یہی ہے جس کی دلیل سورۃ حجر کی آیت ولقد اتیناک سبعاً من المثانی جو خود بھی مکی ہے اور جس  
کی تفسیر خود حضور ﷺ نے سورۃ الفاتحہ کے ساتھ فرمائی ہے۔ لیکن مجاہد اس کو مدنی کہتے ہیں۔ بلکہ طبرانی کی اوسط میں ابو ہریرہؓ کی روایت  
ہے کہ انزلت الفاتحہ بالمعدینہ اور بعض کی رائے ہے کہ مکہ اور مدینہ دونوں جگہ اس کا نزول ہوا ہے۔ تاہم تکرار نزول سے اس کی  
جزئیت میں تکرار لازم نہیں آتا۔ یعنی آیات فبای الاء ربکما تکذبان وغیرہ کی طرح یہ نہیں کہا جائے گا کہ سورۃ فاتحہ قرآن کریم میں  
دو مرتبہ ہے۔ اور منشاء اظہار تعظیم ہے۔ اسی لیے اسی کا نماز میں پڑھنا ضروری ہوا۔

سبع آیات۔ تمام ائمہ کے نزدیک بالاتفاق اس سورت میں سات آیات ہیں۔ البتہ ساتویں آیت کی تعیین میں احناف و  
شوافع کا اختلاف ہے اور اس کا تعلق بسم اللہ کے جزء فاتحہ ہونے سے ہے۔ اگر اس کو بھی مستقل آیت مانا جائے۔ تب تو بقول مفسر

صراط الدین سے آخر تک ساتویں آیت ہوگی۔ ورنہ پھر ساتویں آیت غیر المغضوب سے آخر تک ہوگی۔

علامہ زکریاؒ یہ کہتے ہیں آیات کا علم توفیقی ہے۔ بسم اللہ کے متعلق ضروری تفصیل یہ ہے کہ آیت سورۃ روم انہ من سلیمان واسم اللہ الرحمن الرحیم کے متعلق تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ ان سورت کا بھی جزو ہے اور قرآن کا جز بھی ہے۔ اس کے علاوہ بسم اللہ کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کے قرآن کریم کا جز ہونے پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ مابین الدفتیں جو کچھ ہے اس کے کلام اللہ ہونے کا اجماع ہے۔ نیز قرآن کریم میں اس کا لکھا ہونا بھی اس کے جزو قرآن ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ غیر قرآن کو قرآن میں لکھا نہیں جاتا اور اس احتیاط میں یہاں تک مبالغہ کیا گیا ہے کہ لفظ امیہ سن بھی قرآن میں لکھا نہیں جاتا۔ حالانکہ اس کو سورۃ فتح کے ختم پر پڑھنا مسنون ہے۔ اب یہی کہہ سکتے ہیں کہ وکوفہ کے قراء اور فقہاء اور عبد اللہ بن مبارک اور امام شافعی بسم اللہ کو سورۃ فاتحہ اور تمام سورتوں کا جزو مانتے ہیں۔ حدیث ابو ہریرہؓ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال فاتحة الكتاب سبع ايات اولهن بسم الله الرحمن الرحيم۔ پھر شوافع میں اختلاف ہے۔ بعض بسم اللہ کو مستقل آیت کہتے ہیں۔ حدیث ام سلمہؓ کی رو سے قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفاتحہ وعدہ بسم اللہ۔ حمید۔ رحیم۔ آیت اور بعض شوافع بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد لله رب العلمین کو ایک آیت کہتے ہیں۔ لیکن مدینہ طیبہ، بصرہ شام کے قراء اور فقہاء امام مالک، امام اوزاعی، بسم اللہ کو سورۃ فاتحہ کا جزو مانتے ہیں اور نہ کسی دوسری سورت کا بقول قاضی بیضاوی امام اعظم سے کوئی تصریح نہیں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہی سورت کا جز نہیں ہے۔

ابن ابی محمد سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا۔ میں اللہ سے قسم کہ یہ مستند راصل تجوید و قرأت کا ہے، فقہ کا نہیں ہے۔ احناف کی دلیل حدیث ابو ہریرہؓ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اقسمت انصم فسی و بین عدی نصصین، يقول العبد الحمد لله رب العالمین۔ اس میں حضورؐ نے بسم اللہ کو شمار نہیں کیا۔ اسی طرح حدیث انسؓ ہے۔ صلیب حلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسمہ و حلف لسی کمر و حلف عمر فلم یجهر احد منهم بسم الله الرحمن الرحيم۔ اس سے جہاں بسم اللہ کی عدم جزئیت ثابت ہوئی۔ وہیں نماز میں عدم جہر بھی ثابت ہوا۔ بسم اللہ دراصل فصل بین السور کے لیے نازل کی گئی ہے وہ کسی سورت کا جز نہیں ہے۔ حدیث ابن عباسؓ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا يعرف فصل لسور بین حمی بنزل بسم الله الرحمن الرحيم۔

اور شوافع کی حدیث ابو ہریرہؓ سے سورۃ فاتحہ کے علاوہ سورت کا جزو ہونا ثابت نہیں ہوتا اور حدیث ام سلمہؓ سے بھی جزئیت ثابت نہیں ہوئی۔ ممکن ہے بسم اللہ کو سورۃ کا حضورؐ نے پڑھا نہ۔ رہا شوافع کا مابین الدفتیں کے کلام اللہ ہونے و جزئیت کی دلیل میں پیش کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سے ہر سورت کا جزو ہونا ثابت نہیں ہوتا اسی طرح بسم اللہ کی کتابت کو جزئیت کی دلیل میں پیش کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سے تو قرآن کی سورتوں میں فصل کے لیے ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مفسر علامہ نے زکریاؒ اور امام راغب کے مطابق مشورہ دیا ہے کہ الحمد لله سے پہلے قولوا مقدر ماننا چاہئے۔ تاکہ ایسا نعت کے مضمون سے تناسب رہے۔ گویا الحمد لله بھی بندہ ہی کا مقولہ ہے۔ ورنہ امر اللہ کا مقولہ ہوتا تو الحمد لله کی بنا چاہئے تھا۔ لیکن دوسرے حضرات تقدیر عبارت کی ضرورت نہیں سمجھتے اور الحمد لله، اللہ کا مقولہ ہے بندوں کو تلقین و تہمید ہے۔ یہ بملہ انشائیہ ہے اور معنی انشائیہ ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ حقیقت یہ ہمدنہ یہ ہے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ حقیقت انشائیہ تھا۔ مجازاً خبر یہ ہوئی۔ انشاؤں میں فرق ہے۔ حمد کہتے ہیں۔ اچھے اختیار کی کاموں پر کسی کی تعریف کرنا۔ یہ تعریف خواہ اس کے انصاف کے جواب میں یا بغیر انصاف کے ستائش ہو۔ اور مدح کہتے ہیں۔ مطلقاً کسی کی تعریف کرنا۔ خواہ اختیار کی تعریف پر ہو یا بغیر اختیار کی پر۔ ان حضرات نعمت کے بدلے میں یا بغیر نعمت کے۔ پہلے قاعدہ کی مثال حمدت ربدا علی علمہ و کرمہ اور وہ۔ قاعدہ کی مثال مدح ربدا علی حسد ہے۔ یہاں حمدت ربدا علی حسد کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ لیکن بعض حضرات کے نزدیک مدح و مدح دونوں مترادف ہیں اور شعر کہتے ہیں کسی کی نعمت پر تعریف کرنا نہ وہ

زبان سے ہو یا دل سے اور اعتقاد سے یا اعضاء کے ذریعہ عملی طور پر

افادتکم النعمان منی ثلثہ بدنی و لسانی و الضمیر المحجبا

شکر کی نسبت حمد و مدح کے ساتھ عموم و خصوص من وجہ کی ہے۔ اور چونکہ حمد، شکر کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اسی طرح حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ الحمد رأس الشکر ما شکر الله من لم يحمدہ اور لفظ ذم، حمد کی نقیض ہے اور کفر ان شکر ان کی نقیض ہے الحمد لله مبتداء خبر ہے۔ دراصل الحمد پر نصب ہے ایک قرأت نصب کی بھی ہے۔ چونکہ حمد کا عموم اور ثبوت و دوام مقصود ہے۔ اس لیے نصب سے رفع کی طرف عدول کر رہا اور حمد ان افعال میں سے جن کا ناصب محذوف ہوا کرتا ہے۔ اس میں الف لام تعریف بخشی کا ہے اور بعض نے اس کو استغراقیہ مانا ہے یعنی بلا واسطہ اور بالواسطہ حمد کے تمام افراد اللہ کے لیے ہیں۔ ایک قرأت الحمد لله اور الحمد لله کی بھی ہے۔ دونوں لفظوں کو ایک کلمہ مان کر ایک کی حرکت دوسرے کے موافق کر لی گئی ہے۔ لفظ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ لفظ عربی یا غیر عربی مشتق ہے یا غیر مشتق۔ غرض بہت سے اقوال ہیں۔ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے۔ دون صفاتہ نحیر الصدقات و صل ہذا نصاریف النعمان۔

قاضی بیضاویؒ نے اس سلسلہ میں چار قول نقل کیے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اصل میں الا لہ تھا۔ ہمزہ حذف کر کے الف ام اس کے عوض میں آ گیا۔ اس لیے یا اللہ ہمزہ قطعی کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ الہ تو ہر معبود کو کہتے ہیں۔ لیکن غالب استعمان معبود حقیقی کے لیے ہے۔ یہ قول اشتقاق کا ہے۔ اس میں پھر کئی رائیں ہیں۔

۱۔ الہ الہ الہ الوہ الہیۃ سے مشتق ہو بمعنی عبدقائلہ اور استعمالہ بھی اس سے ماخوذ ہے۔

۲۔ الہ بمعنی تحیر سے مشتق ہو۔

۳۔ الہت الی فلان بمعنی سکنت الیہ سے مشتق ہو۔

۴۔ الہ بمعنی فرع سے مشتق ہو۔ پناہ چاہنے والا گھبرا کر اس کی طرف آتا ہے اور وہ حقیقتہً یا اعتقاداً اس کو پناہ دیتا ہے۔

۵۔ الہ الفصیل بمعنی اولع بامہ سے مشتق ہو۔

۶۔ ولہ بمعنی تحیر سے مشتق ہو۔ اللہ دراصل ولہ تھا اور پر کسرہ دشوار ہونے کی وجہ سے اس کو ہمزہ سے تبدیل کر لیا گیا ہے۔ پس اعاء اور اشاح کی طرح الہ ہو گیا۔

سین اس قول کو اس لیے رد کر دیا گیا کہ اس کی جمع اولہۃ آئی چاہئے تھی۔ حالانکہ اس کی جمع الہۃ آتی ہے اور بعض نے اللہ کی اصل لہ مانی ہے جو لہ یلیہ کا مصدر ہے بمعنی اجتجب و ارتفع۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ مشتق نہیں ہے۔ بلکہ یہ اسم ذاتی ہے۔ اسی لیے یہ موصوف بنتا ہے۔ مگر صفت کے طور پر استعمال نہیں ہوتا۔ نیز اس لیے بھی کہ خدا کے لیے کوئی ایسا نام ضروری ہے جس پر صفات باری کا اجراء کیا جائے اور وہ بجز اللہ کے اور کوئی غلط نہیں ہے۔ نیز اگر لفظ اللہ کو رحمن رحیم وغیرہ الفاظ کی طرح صفت مانا جائے تو پھر لا الہ الا الرحمن کی طرح لا الہ الا اللہ بھی کلمہ توحید نہیں رہے گا۔ حالانکہ باتفاق کلمہ توحید ہے۔ پس ان تینوں وجوہ سے ثابت ہوا کہ اللہ علم ذات ہے۔

تیسرا قول سب سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ لفظ اللہ اصل میں وصف کے لیے تھا۔ لیکن پھر خدا کے لیے خاص طور پر نصب استعمال ہو گیا اور الشریا اور الصعق کی طرح علم ہو گیا۔ اب اس کو موصوف بنایا جائے گا۔ مگر بطور صفت استعمال نہیں ہوگا اور نہ اس میں شریعت احتمال رہے گا۔ ورنہ محض اللہ کی ذات کا ادراک بغیر کسی حیثیت کے ناممکن ہے اس لیے کوئی لفظ بھی اس کی تعبیر نہیں کر سکتا۔ نیز لفظ اللہ محض ذات کے مقابلہ میں ہوگا۔ تو آیت وهو اللہ فی السموات کے کوئی صحیح معنی نہیں رہتے۔ امام محمدؒ، شافعیؒ اور سیبویہ وغیرہ

لفظ اللہ کو علم مانتے ہیں۔

اور چونکہ قول یہ ہے کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ اللہ اصل میں لاہوتا تھا سریانی زبان میں۔ لیکن اخیر کا الف حذف کر کے اس پر ام داخل کر دیا گیا ہے۔ لفظ اللہ کے لام کو حذف کرنا لحن جلی ہے۔ جس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور بغیر الف کے اللہ کہنے سے صریح قسم بھی منعقد نہیں ہوگی۔ البتہ ضرورت شعری کی وجہ سے الف کا حذف جائز ہے۔ جیسے الا لا بارک اللہ فی سہیل اذا ما اللہ بارک فی الرجال: رب العالمین۔ رب در اصل مصدر ہے بمعنی تربیت۔ امام راغب اس کے معنی لکھتے ہیں۔ تبلیع الشیء الی کمالہ شینا فشیئا اس کے بعد صوم اور عدل کی طرح بطور مبالغہ اللہ کی صفت ہو گئی اور کہتے ہیں کہ نعم نیم نعم کی طرح یہ رب رب رب سے ماخوذ ہے۔ بہر دو صورت اس کا اطلاق مالک کے معنی میں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی مملوک چیزوں کی حفاظت و تربیت کرتا ہے۔ مطلقاً رب اللہ کے لئے خاص ہے۔ دوسرے کے لیے استعمال جائز نہیں۔ الا یہ کہ مقید کر کے استعمال کیا جائے۔ جیسے ارجع الی ربک فرمایا گیا ہے اور عالم، حاتم اور قلب کی طرح اسم آلہ ہے بمعنی ذریعہ علم ہے۔ پوری کائنات اللہ کے وجود کی علامت ہے اور اسی لفظ کا جمع نامختلف قسم کے عالم کا ارادہ کرنے کے لیے ہے۔ مثلاً: عالم انس، عالم جن، عالم ملائکہ وغیرہ اور ذوی العقول کی رعایت کرتے ہوئے یا نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے۔ دوسری صفات باری میں بھی اس کی رعایت کی گئی ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ عالم کا اطلاق وصفی صرف انسانوں، فرشتوں، جنات کے لیے ہے۔ دوسری مخلوقات تابع کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں عالمین سے مراد صرف انسان ہیں۔ کیونکہ ہر فرد اس کا عالم صغیر ہے۔ جو عالم کبیر کا حصہ ہیں۔ انسان میں بھی عالم کبیر کی طرح صانع عالم کے کمالات معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں عالم صغیر اور عالم کبیر دونوں پر نظر کرنے کو برابر کہا گیا ہے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون ایک قرأت میں رب العلمین بطور مدح یا نداء کے منصوب پڑھایا گیا ہے۔ لفظ الحمد سے فعل مقدر مان کر بھی اس کا ناصب ہو سکتا ہے۔ لفظ اللہ سے ممکنات کا حدوث کے وقت جس طرح محدث کی طرف محتاج ہونا معصوم ہوا۔ اسی طرح رب العالمین سے معلوم ہوا کہ عالم اپنے بقاء میں بھی مقنی کا محتاج ہے۔

الرحمن الرحیم۔ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں جو رحم سے ماخوذ ہیں۔ جیسے غضبان، غضب سے اور علیم عالم سے مبالغہ کے آتے ہیں۔ رحمة در اصل کہتے ہیں۔ قلب کی رقت و میلان کو فضل و احسان کی جانب، عورت کا رحم بھی بچہ پر منعطف ہوتا ہے۔ صلہ رحمی اسی سے ماخوذ ہے۔ اسماء اہیہ بلحاظ آیت بولے جاتے ہیں جو افعال کا درجہ ہے بلحاظ مبادی استعمال نہیں ہوتے۔ کیونکہ مبادی انفعالات ہوتے ہیں۔ اور رحم میں چونکہ ایک حرف رحیم سے زیادہ ہے۔ اس لیے مبالغہ میں بھی زیادتی ہو جائے گی۔ جیسے قطع، قطع اور کبار، کبار میں وزن کی زیادتی سے معانی میں زیادتی ہو رہی ہے اور یہ زیادتی اگر بلحاظ کیت ہے تو یا الرحمن الدنیا ورحیم الاخرہ کہا جائے گا۔ کیونکہ دنیا میں تو اللہ کی رحمت مومن و کافر سب پر ہوتی ہے۔ لیکن آخرت کی نعمت مومنین کے ساتھ ہے۔ اور زیادتی بلحاظ کیفیت لی جائے تو کہا جائے گا۔ یا الرحمن الدنیا والاخرہ ورحیم فی الدنیا۔ کیونکہ اخروی نعمتیں سب بڑی ہیں۔ لیکن دنیاوی نعمتیں بڑی بھی ہوتی ہیں اور چھوٹی بھی۔ البتہ رحم کے لفظ پہلے اور رحیم کا لفظ بعد میں آیا گیا۔ اگرچہ ترقی من الادنی الی الاعلیٰ کا قیاس یہ چاہتا ہے کہ ترتیب اس کے برعکس ہونی چاہئے تھی۔ یعنی الرحیم الرحمن۔ لیکن اول تو دنیا کی رحمت بہ نسبت آخرت کی رحمت کے پہلے ہوتی ہے۔ اس لیے لفظ رحم پہلے لایا گیا اور رحیم بعد میں۔ دوسرے یہ کہ رحم اللہ کیساتھ خاص ہونے کی وجہ سے گویا علیمت کے درجہ پر آ گیا۔ یہ بات رحیم میں نہیں ہے۔ کیونکہ رحم اس منعم حقیقی کو کہتے ہیں۔ جو رحمت کی انتہا پر پہنچا ہوا ہو۔ دوسرا کوئی اگر رحم لی کرتا ہے تو کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے۔ خواہ صد اور بدلہ کی توقع ہو یا تعریف و ستائش کا لالچ اور بھی کچھ نہیں۔ تو انسانی دسوزی اول سے مال کی محبت دور کرنے کے لیے انسان رحم د کرتا ہے۔ یمن اللہ کا رحم ان سب غرضوں سے پاک ہے۔ پس گویا ایک طرف لفظ اللہ علم خالص ہے۔ دوسری طرف رحیم

خاص صفت ہے۔ درمیان میں رحمن ہے جو بمنزلہ غلیت کے ہے۔ دوسری دلیل اللہ کے منعم حقیقی ہونے کی یہ ہے کہ تمام نعمتیں اور ن کا وجود اور ان پر قدرت اور ان سے انتفاع کی قدرت اور وہ قوتیں جن سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں سب چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں و دوسرا کوئی ان پر قادر نہیں ہے۔ تیسرا نکتہ رحمن کے مقدم لانے کا یہ ہے کہ تمام بڑی نعمتیں اور ان کے اصول لفظ رحمن میں آ گئے۔ اب جو کچھ نعمتیں چھوٹی موٹی رہ گئیں وہ بطور تمتہ لفظ رحیم میں آ گئیں۔ پس گویا لفظ رحیم تمتہ اور ردیف ہے۔

اور چوتھا نکتہ تقدیم کا یہ ہے کہ دوسری آیات کی حفاظت کے لیے رحمن پہلے اور رحیم بعد میں لایا گیا ہے۔ لفظ رحمن میں غیر منصرف ہونا زیادہ واضح ہے۔ اگرچہ اللہ کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ سے اس کا مونث فعلی یا فعلائے کے وزن پر نہیں آتا۔ لیکن فعلاان کے وزن پر اکثر الفاظ غیر منصرف آتے ہیں۔

مالک یوم الدین۔ عاصم، کسائی، یعقوب نے مالک پڑھا ہے۔

۱۔ یوم لا تملک سے اس کی تائید ہوتی ہے اور باقی قراء نے ملک پڑھا ہے۔ حرمین کی قرأت کی وجہ سے یہ اور آیت لسن الملک سے اس کی تائید ہے۔ نیز اس لفظ میں زیادہ تعظیم ہے۔

۲۔ مالک ملک سے ماخوذ ہے جو اپنی مملوکات میں جو چاہے تصرف اور ملک ملک سے ماخوذ ہے۔ جو حکومت کرنے میں پورے طور پر اختیار ہوان دو قراتوں کی طرح اس میں اور قراءتیں بھی ہیں۔

۳۔ ملک تخفیف کے ساتھ۔

۴۔ ملک ماضی کے ساتھ۔

۵۔ مالک مدح یا حال کے طریقہ پر منصوب ہو۔

۶۔ مالک رفع اور تنوین کے ساتھ۔

۷۔ مالک یوم اضافت کے ساتھ مبتداء محذوف کی خبر۔

۸۔ ملک یوم اضافت کے ساتھ رفع اور نصب کی صورت میں یوم الدین کے معنی روز جزاء کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کما تدين قتان تمارہ کا یہ شعر بھی اسی معنی پر ہے۔

ولم یبق سوى العدوان۔ دناہی ہم کما دانوا۔

مالک یوم میں اسم فاعل کی اضافت ظرف توسعا ہو رہی ہے۔ مفعول بہ کے درجہ میں قرار دیتے ہوئے جیسے یا سارق اللیلة اهل الدار اور معنی یہ ہوں گے۔ ملک الامور یوم الدین اس صورت میں اضافت لفظیہ ہوگی۔ لیکن اگر معنی یہ ہوں کہ الملک فی ہذا الیوم علی وجہ الاستمرار تو پھر اضافت حقیقیہ کہلائے گی اور اللہ معرفت کی صفت ہو جائے گی۔ دین کے معنی شریعت اور طاعت کے بھی ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے۔ یوم جزاء الدین اور مالک کی اضافت خاص یوم کی طرف اس کی تعظیم کی پیش نظر کی گئی ہے اور یا اس لیے کہ اس دن صرف اللہ ہی کی حاکمیت رہ جائے گی۔ ان آیات میں اللہ کی چار صفات کا ذکر ہے۔ پہلی صفت رب العالمین ہے۔ جس میں یہ بتلانا ہے کہ اللہ کی تعریف کا سبب اس کی ایجاد و تربیت ہے اور دوسری تیسری صفت رحمن رحیم میں یہ ظاہر کرنا ہے۔ کہ یہ ایجاد و تربیت محض اس کے فضل و اختیار کی وجہ سے ہے۔ اس سے انکا صدور نہ تو بقول فلا سفایجاب بالذات کی وجہ سے ہے اور نہ بقول معتزلہ اللہ پر ایسا کرنا واجب تھا۔

اور چوتھی صفت مالک یوم الدین میں یہ واضح کرنا ہے کہ اس دن اللہ ہی کی سلطنت اور مالکیت کا ظہور ہوگا۔ کسی کی اس میں شریعت نہیں رہ جائے گی۔ اور اس صفت میں حاسدین کے لیے وعدہ اور تارکین کے لیے وعید بھی ہے۔ عرض جہاں ان صفات کے

اے میں یہ تاثیر دینا ہے کہ جس ذات میں یہ چاروں خوبیاں ہوں وہ مستحق حمد ہے اور مفہوم مخالف یہ بھی نکلتا ہے کہ جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ مستحق عبادت تو کیا مستحق حمد بھی نہیں ہے۔

ایالٰ نعبدو ایالٰ نستعین۔ اب تک اللہ کا ذکر بصیغہ غائب ہو رہا تھا۔ لیکن جب ان چاروں صفات سے اللہ کا امتیاز نام اور کامل اختصار ہو گیا تو ایالٰ میں خطاب کی طرف التفات ہو گیا۔ جس سے زیادہ اختصاص ہو گیا اور یہاں سے عیان کی طرف اور غیبت سے مشہود کی جانب ترقی ہو گئی۔ اب گویا معلوم محسوس اور معقول مشاہدہ ہو گیا اور غیبت حضور میں تبدیل ہو گئی۔ ان آیات میں پہلے تو عرف کے ابتدائی حالات ذکر، فکر و تامل اسماء اللہ کی نعمتوں میں نظر اور صانع کی عظمت شان اور قہر و غلبہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کے بعد منتی امر کا بیان ہے یعنی وصول الی اللہ حاصل ہو جانا اور عارف کا صاحب مشاہدہ ہو جانا۔ گویا کہ تجلیات ربانی اس کے سامنے ہیں۔ غلط ایسا ضمیر منفصل ہے جس میں یائے کاف، با حروف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ تکلم خطاب اور غیبت کے مواقع پر اور جیسے انت کی تا اور ارتیک کا کاف کل اعراب میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ حروف زوائد بھی کل اعراب میں نہیں ہوتے۔ لیکن خلیل نحو کی رائے ہے کہ غلط ایسا ان حروف زائد کی طرف مضاف ہے اور استدلال میں عرب کا یہ مقولہ پیش کرتے ہیں۔ اذا بلغ الرجل ستین فایاہ وایا الثواب۔ لیکن جواب دیا جائے گا کہ یہ شاذ ہے لائق استدلال نہیں ہے۔

تیسرا قول و فیوں کا ہے کہ اصل ضمائر ہوتی ہیں اور ایسا ان کے لیے سہارا ہوتا ہے۔ کیونکہ ضمائر کو عامل سے الگ کرنے کے بعد بولنا نہیں جاسکتا۔ اس لیے غلط ایسا بڑھادیتے ہیں تاکہ ضمائر اس کی وجہ سے مستقل ہو جائیں۔ اور چونکہ قوال یہ ہے کہ غلط ایسا ک پورا ضمیر ہے اور ایسا ک، معیاک بھی پڑھا گیا ہے۔ عبادت کے معنی انتہائی پستی اور ذلت کے ہیں۔ کہا جاتا ہے طریق معبد پاہل راستہ ثوب ذو عبدة مستعمل اور خستہ کپڑا۔ اسی لیے عبادت کا لفظ اللہ کے لیے انتہائی خضوع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور استعانت کے معنی مددگار طلب کرنے کے ہیں۔ خواہ ضروری مدد ہو یا غیر ضروری۔ معونت ضروری کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بغیر فعل سرزد نہیں ہوتا۔ ان شرائط ضروری کے فراہم ہونے پر صاحب استطاعت بہا جائے گا۔ اور اس کے بعد انسان افعال کا مکلف ہو جاتا ہے اور مونت غیر ضروری اس کو کہتے ہیں جس سے فعل کا حصول سہل اور آسان ہو جائے۔ جیسے پیدل چلنے پر قدرت رکھنے والے کے لیے سواری کی فراہمی یا قاعل کو فعل سے قریب کر دینے والی ہو اور باعث فعل ہو۔ جس قدرت میسرہ لبنا چاہئے۔ اس پر تکلیف شرعیہ موقوف نہیں ہوتی۔ یہاں آیت میں ہر قسم کی معانت مطلوب ہو رہی ہے یا ادائیگی عبادت میں اعانت مطلوب ہے۔ اور بعد اور نستعین کی ضمیر جمع میں قاری اور اس کے رفقاء مراد ہیں۔ خواہ وہ محافظ فرشتے ہوں یا دوسرے نمازی۔ اس میں اجتماعی عبادت اور نماز یا جماعت کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے اور آیت میں مفعول کا مقدم ہونا تعظیم و اہتمام کے لیے ہے اور حصر کے لیے مفید ہے۔ چنانچہ ابن عباس اس کے معنی نعبد ولا نعبد غیرک لیتے ہیں۔

اور تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ وجود میں مقدم ہے۔ اسی کو ذکر میں مقدم کہا گیا ہے۔ اور چونکہ نکتہ یہ ہے کہ عباد کی نظر پہلے معبود پر ہونی چاہئے۔ پھر عبادت کی طرف جانی چاہئے۔ اس لحاظ سے نہیں کہ یہ عبادت مجھ سے سرزد ہو رہی ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ عبادت کی نسبت اللہ کی طرف ہو رہی ہے اور یہ بندہ اور اللہ کے درمیان ایک علاقہ اور واسطہ کا درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ بندہ جب ہمہ تن اللہ میں مستغرق ہو جاتا ہے اور اسے معبود کے سوا اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہیں رہتا ہے تب اسے وصول میسر آتا ہے۔

یہی فرق مراتب ہے جو حضرت موسیٰ کے مقولہ ان معی ربی سیہدین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لا تعزوں ان اللہ معا میں ہے۔ پہلے اول خود پر اور پھر اللہ پر نظر گئی ہے۔ لیکن دوسرے مقولہ میں اس کے برعکس اول اللہ پر پھر خود پر نظر گئی ہے۔ پہلی سیر الی اللہ اور دوسری سیر من اللہ کہلاتی ہے اور ایسا ک کا تکرار اس طرف مشیر ہے۔ کہ صرف اللہ ہی مستعان ہے اور بعد کو نستعین سے پہلے لا یا رسول آیات کی حفاظت کے لئے ہے اور یا اس لئے کہ حاجت طلب کرنے سے پہلے عبادت کو وسیلہ بنانا اجابت دعا کے لئے زیادہ مفید



ہے یا یوں کہ جائے کہ بندہ نے جب عبادت کی نسبت اپنی طرف کی تو اس میں ایک طرح کا ادعا پایا گیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ عبادت بھی بغیر آپ کی توفیق و اعانت کے انجام پذیر نہیں ہو سکتی۔ اور بعض نے اس کو ادوا حالیہ کہا ہے۔ ای نعبد مستعبطین۔ ایک قراءۃ میں دونوں الفاظ میں نون مکسور ہے۔ بتوہم کے لغت میں یا کے علاوہ مضارع کی علامات میں کسرہ آتا ہے۔ بشرطیکہ مابعد منضم نہ ہو۔

اهدنا الصراط المستقیم یہ معونت مطلوبہ کا بیان ہے۔ گویا نستعین کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ عیبکہ ۹ اس سلسلہ میں بندوں کی درخواست کا بیان ہے کہ سیدھے راستہ کی طرف ہماری رہنمائی فرما دیجئے۔ یا یوں کہ جائے کہ اهدنا میں مقصود اعظم کو الگ بیان کرنا ہے۔

ہدایت کہتے ہیں طف کے ساتھ رہنمائی کرنے کو اسی لئے ہدایت کا استعمال خیر کے مواقع پر ہوتا ہے۔ لیکن آیت فاهدوہم الی صراط الجحیم میں ہدایت بطور تکلم کے ہے۔ ہدیہ بھی اس لئے لیا گیا۔ اس میں محبت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ اور ”ہوادی الوحش“ بھی اسی سے ہے۔ اس کا تعدیہ لام اور الی کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ لیکن یہاں اهدنا بغیر لام اور بغیر الی کے استعمال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اختار موسیٰ قومہ میں اختار بغیر من کے استعمال ہوا ہے تو ہدایت کی انواع بے شمار ہیں۔ لیکن اس کی جنسیں چار ہیں علی الترتیب۔

(۱) ان قوائے ظاہرہ باطنہ کا عطا ہونا جن سے مصالح کی طرف رہنمائی مل سکے۔ جیسے قوت عقلیہ اور حواس باطنہ اور اعضا ظاہرہ۔  
(۲) حق و باطل، صلاح و فساد کے درمیان فرق کرنے والے دلائل کا قائم کرنا۔ چنانچہ آیات و ہدیناہ النجدین اور فہدیناہم فاستحبوا العنی علی الہدیٰ میں اسی جنس ہدایت کا بیان ہے۔

(۳) انبیاء و رسل کو بھیجنے، کتب انبیہ نازل ہونا آیت و جعلناہم ائمة یہدون بامرنا اور ان هذا القرآن یہدی للنی ہی اقوم میں اسی کا بیان ہے۔

(۴) قلوب کے لئے کشف سرائر ہو جائے اور وحی، الہام، سچے خوابوں کے ذریعہ اشیاء کا ادراک کما ہی ہو جائے۔  
ہدایت کی یہ قسم انبیاء، اولیاء کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ آیت اولئب الذین ہدی اللہ فہداهم اقتدہم الذین حاہدوا فینا لہدیہم سبلنا میں اسی کا ذکر ہے۔ لہذا ادعائے ہدایت کا منشاء یا تو موجودہ ہدایت میں ثبات و زیادتی ہوگی۔ یا ان مراتب عالیہ حصول ہوگا۔ چنانچہ عارف واصل جب یہ دعا کرے گا تو مقصد یہ ہوگا کہ سیر فی اللہ میں رہنمائی فرمائیے۔ تاکہ ظلمات احوال محو ہو جائیں اور حجابات بدن اٹھ جائیں تو انوار قدس سے منور ہو کر نور الہی جلوہ گر ہو جائے۔ امر اور دعاء لفظ و معنی مشترک ہیں۔ مگر اس لحاظ سے متفاوت بھی ہیں کہ امر میں استعلاء ہوتا ہے۔ اور دعاء میں تسفل یا واقعی دونوں میں رتبہ کا فرق ہوتا ہے۔

الصراط یہ سرط الطعام سے ماخوذ ہے۔ یعنی کھانا نگل لیا۔ ایسے ہی راستہ کو سراط کہتے ہیں۔ گویا وہ راغبیر و نگل جاتا ہے۔ اسی لئے لقمہ بھی راستہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ السراط کا سین صا د سے بھی تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ اور صا کو زاء کی آواز میں اشام کر کے بھی پڑھا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن کثیر بروایت قبل اور روایں بروایت یعقوب اصل کے ساتھ اور ہمزہ اشام کے ساتھ اور باقی قراء صا د کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ قریش کا لغت یہی ہے اور مصحف عثمانی میں بھی یہی لکھا ہے۔ سراط کی جمع سرط ہے جیسے کتاب کی جمع کتب ہے اور سراط اور طریق دونوں مذکر مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔

المستقیم بمعنی مستوی طریق حق مراد ہے اور بعض نے ملت اسلامیہ مراد لی ہے۔  
صراط الذین انعمت علیہم یہ بدل الکل ہے۔ الصراط المستقیم سے جو کلمہ راعا ل کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ مقصود دراصل بدل ہی ہوتا ہے اور بدل کا قاعدہ تاکید ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کا راستہ ہی استقامت کی راہ ہے اور بعض نے کہا



ہے کہ الدین انعمت علیہم سے مراد انبیاء ہیں اور بعض نے اصحاب مونی و عیسیٰ مراد لئے ہیں جب تک وہ صحیح راہ پر رہے۔ ایک قراءت میں صراط من انعمت علیہم ہے۔ انعام کے معنی نعمت پہنچانے کے ہیں۔ دراصل انعام اچھی حالت کو کہتے ہیں۔ پھر نذیر نعمت پر بھی بولے گئے۔ یوں تو انعامات الہی بے شمار ہیں۔ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوها تاہم انعام کی دو جنسیں ہیں۔ دنیوی، اخروی۔ دنیوی کی دو قسمیں ہیں وہی اور کسی۔ پھر وہی کی دو قسمیں ہیں روحانی جیسے روح کا بدن میں سرایت کرنا۔ عقل و فہم، فکر و نطق سے اس کو روشن کر دینا اور جسمانی جیسے بدن کا پیدا کرنا اور اس میں مختلف قوتیں ودیعت کر دینا اور عارضی کیفیات تندرستی اور کمال اعضاء کا دیا جانا۔ اسی طرح کسی نعمت جیسے نفس کا تزکیہ و زائل سے اخلاق فاضلہ اور ملکات باطنہ سے آراستہ پیراستہ کر دینا۔ اور بدن کی آراستگی بہترین ہیئت اور نخیں لباس سے اور جاہ و مال کا حاصل ہونا۔ اور اخروی نعمتیں کوتاہیوں کی بخشش اللہ کی خوشنودی، ملائکہ مقربین کے ساتھ اعلیٰ علیین میں ہمیشہ کے لئے ہم نشینی میسر کرنا۔ آیت میں اخروی نعمتیں مراد ہیں۔ کیونکہ دنیوی نعمتوں میں تو مومن و کافر سب شریک ہیں۔

غیر المعصوب علیہم ولا الضالین یہ الذین سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معصوم علیہم وہ لوگ ہیں جو غضب انہی اور گمراہی سے محفوظ رہے ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو الذین کی صفت مانا جائے۔ خواہ صفت بیان ہو یا مقیدہ۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ حضرات دو نعمتوں کے جامع ہیں۔ ایک نعمت ایمان، دوسرے غضب و ضلال سے سلامتی کی نعمت۔ ممکن ہے غیر کو الذین کی صفت بنانے پر کوئی یہ شبہ کرے کہ غیر میں انتہائی ابہام ہونے کی وجہ سے اضافت کے باوجود معرفہ کی صفت نہیں بن سکتا؟ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح غیر مبہم ہے۔ اسی طرح الذین بھی جب کہ معین افراد مراد نہ ہوں مبہم ہے۔ پس صفت موصوف و تلوں میں یکسانیت ہوگئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ غیر چونکہ ایسی چیز کی طرف مضاف ہو رہا ہے جس کی طرف ایک ضد ہے۔ اس لئے غیر مبہم نہیں رہا بلکہ معرفہ ہو گیا۔ حاصل یہ کہ صفت موصوف میں یکسانیت ہے اس لئے صفت بنانا صحیح ہو گیا۔ ابن کثیر غیر کو حال کی وجہ سے منصوب پڑھتے ہیں۔

علیہم کی ضمیر مجرورۃ وال حال ہے اور انعمت عامل ہے یا معنی، مضمر مان کر منصوب مانا جائے یا استثناء کی وجہ سے منصوب مانا جائے۔ بشرطیکہ نعمتوں سے عام نعمتیں مراد ہوں۔ جو مسلم و کافر دونوں کو شامل ہوں۔

المغضب غضب کہتے ہیں انتقام کے ارادہ سے نفس کا بھڑک جانا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے منتہی اور غایت مراد ہوگی۔ پہلا علیہم تو محل نصب میں ہے۔ لیکن دوسرا علیہم نائب فاعل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہو جائے گا۔

لا زائد ہے غیر کے معنی نفی کی تاکید کے لئے گویا عبارت اس طرح ہوگی۔ لا المغضوب علیہم ولا الضالین یہی وجہ ہے کہ انا زید اعیر ضارب کہنا جائز ہے۔ کیونکہ غیر ضارب انا کی خبر ہے۔ اور زید مفعول مقدم ہے ضارب کا۔ اور غیر لا کے معنی میں ہے گویا اضافت نہیں ہے۔ لیکن انا زید ا مثلاً ضارب کہنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں مثل مضاف ہے ضارب کی طرف۔ پس مضاف الیہ ضارب کے معمول زید کا مقدم کرنا لازم آئے گا۔ مضاف یعنی غیر پر جو صحیح نہیں ہے۔ ایک قراءت غیر الضالین بھی ہے۔ الضلال کہتے ہیں دانستہ نادانستہ صحیح راستہ چھوڑ دینے کو گمراہی کے بے شمار درجے ہیں اعلیٰ، ادنیٰ۔ مغضوب علیہم کا بعض حضرات کے نزدیک یہود میں اور ضالین کا مصداق نصاریٰ ہیں۔ حدیث میں بھی یہی تفسیر آئی ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ عام رکھا جائے۔ مغضوب علیہ سے سرکش، نافرمان مراد ہوں۔ خواہ یہود ہوں یا دوسرے۔ اور ضالین سے مراد اللہ کے مرتبہ سے ناواقف، غلط کار، خواہ نصاریٰ ہوں یا دوسرے بہر حال پہلا درجہ بڑھا ہوا ہے بہ نسبت دوسرے درجہ کے۔ کیونکہ منعم علیہم میں دو باتیں ملحوظ ہیں۔ ایک اللہ کی معرفت، دوسرے عمل خیر۔

بدمل شخص مغضوب علیہ ہوگا۔ اور علم سے کوراگرا کہلائے گا۔ ایک قراءت ولا الضالین، مغضوب سے ساتھ بھی ہے۔ ان دونوں کی لغت پر جو التقاء سائنس سے بچتے ہیں۔

امیں اسم فعل ہے بمعنی استعجب این کی طرح یعنی علی الفتح ہے۔ التقاء سائنس سے بچنے کے لئے الف ممدود کے ساتھ اور نف مقصورہ کے ساتھ دونوں طرح استعمال ہے۔ پہلے کی مثال ویرحم اللہ عبدا قال امینا اور دوسرے کی مثال جیسے امیں فراد اللہ ما یسا بعدا ابن عباس نے حضور سے اس کے معنی دریافت کئے فرمایا۔ افعیل۔ امیں بالاتفاق قرآن میں فعل نہیں ہے۔ مگر سورت کے خاتمہ پر اس کا پڑھنا مسنون ہے۔ حضور کا ارشاد ہے علمنی جبریل امیں عند فراغی من قراءۃ الفاتحۃ اور فرمایا کہ اسے کمال الختم علی الكتاب حضرت علی کا ارشاد ہے امیں خاتم رب العالمین ختم بہ دعا عبده شافع وائل بن حجر کی روایت کاں صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرء ولا الضالین قال امین ورفع بها صوته کی رو سے آمین باجہر کے قائل ہیں۔ سین حنفیہ ابن مفضل اور نس کی روایتوں کی وجہ سے آمین بالسر کے قائل ہیں۔ آیت ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃً بھی حنفیہ مؤید ہے ورحیث اذ قال الامام ولا الضالین فقولوا امین فان الملائکۃ تقول امین فممن وافق تادمہ تامیں الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ سے بھی آمین بالسر کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر جبری آمین ہوتی تو آپ یہ فرماتے ادا قال الامام امیں قولوا امیں۔

نیز روایات سے ثابت ہے کہ ثناء، تعویذ، تسمیہ، تائین سب میں اخفاء کیا جاتا تھا۔ اور حدیث وائل کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ حضور نے عیم کے لئے زور سے آمین کہی ہوگی۔ یا ممکن ہے ابتداء میں جبری آمین ہی ہو لیکن بعد میں نماز کے سلسلہ میں جہاں بہت سی اصوات ہونیں انہی میں جبری آمین بھی ہو۔ اور یہ اختلاف جواز عدم جواز کا نہیں بلکہ اولیٰ غیر اولیٰ کا ہے۔ ہذا آمین باجہر اور آمین بالسر کو بہانہ بنا کر معرکہ آرائی کرنا تفرقہ بازی کہلائے گا۔

رابط آیات و شان نزول :- قرآن کریم کی صرف ترتیب تدوینی ہی کے لحاظ سے یہ سورت پہلے نہیں ہے۔ بلکہ نزول کے لحاظ سے بھی سب سے اول۔ اسی لئے اس کا نام فاتحہ الکتاب ہے۔ گویا قرآن کا سرنامہ، دیباچہ اور عنوان ہے۔ معتبر روایات سے واضح ہے۔ سب سے پہلی مکمل سورت جو آنحضرت پر نازل ہوئی وہ یہی سورت ہے۔ اس سے پہلے متفرق آیات نازل ہوئیں۔ سورۃ علق، سورۃ مزمل، سورۃ مدثر وغیرہ ہیں۔ لیکن بحیثیت سورت اولیت کا شرف اسی کو حاصل ہے۔ ممکن ہے بعد میں مدینہ میں بھی اس کی تجدیدِ ردی گئی ہو۔ اس لئے اس کو مثانی کہا گیا۔ یا نماز میں ہر رکعت میں پڑھنے کی وجہ سے مثانی کہا گیا ہو۔ اب وہ پڑھنا چاہئے حقیقتہً ہو یا حکماً ہو۔

﴿بشیر تح﴾ : الحمد للہ سورۃ فاتحہ دراصل ایک دعاء ہے۔ دعا کا ادب یہ ہے کہ جس سے دعا مانگ رہے ہو پہلے اس کی تعریف، خوبی اور احسانات بیان کر کے اس کے مرتبہ کا اعتراف کرو اور پھر اس سے مانگو۔ یہ کوئی تہذیب کی بات نہیں کہ منہ کھوتے ہیں مہبت اپنا مطلب پیش کر دو۔ شائستگی یہی ہے کہ اول اس کی حمد و ثناء کرو۔ جس کے آگے دست سوال دراز کر رہے ہو کہ وہ مانگے بہ نرم پوری طرح متوجہ ہو جائے۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت :- معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ سب سے پہلی وہ سورت ہے جو ہمیں طور پر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ جہاں تک صرف متفرق آیات کا تعلق ہے جیسے سورۃ علق، سورۃ مزمل، سورۃ مدثر وہ اگرچہ اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ لیکن بحیثیت مکمل سورت کے یہی پہلی سورت ہے۔ دراصل کسی کی تعریف مختلف وجوہ سے

کی جاتی ہے۔ کبھی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ ہم پر اس کے فضائل کا کیا اثر ہے۔ بجائے خود خُص اس کی حسن و خوبی و کمالات کی بناء پر تعریف کی جاتی ہے اور کبھی اس لئے تعریف کی جاتی ہے کہ وہ ہمارا محسن ہے۔ اس کے احسانات کا تقاضا ہے کہ ہم اعترافِ نعمت کے طور پر اس کی خوبی بیان کریں۔ انسان کی قدر شناسی اور احسان مندی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان دونوں حیثیتوں سے اللہ کی تعریف میں رطب اللسان ہو اور صرف اتنا ہی نہیں کہ اللہ کے لئے تعریف ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ تعریف صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہر نعمت کا عطا کرنے والا وہی ہے۔ خواہ برا اور راست عطا فرمائے یا بواہر۔ اس لئے عمدہ اور اول سے آخر تک سب تعریفیں جو ہوئی ہیں اور جو ہوں گی۔ وہ اللہ ہی کے لئے ہیں۔

**تعریف کا مستحق خالق کمال ہے نہ کہ صاحب کمال** ..... یہ بہ کراہت بڑی حقیقت پرستہ اٹھایا گیا ہے۔ یعنی دنیا میں جہاں جس چیز اور جس شکل میں بھی کوئی حسن، کوئی خوبی، کوئی کمال ہے تو اس کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ کسی مخلوق کا کمال ہی ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کا عطیہ ہے۔ پس اگر کوئی ذات اس کی مستحق ہے کہ ہم اس کے گرویدہ، پرستار، احسان مند اور شکر گزار اور خدمت گار بنیں تو وہ خالق کمال کی ہستی ہے نہ کہ صاحب کمال شخصیت۔ رب کے معنی مالک و آقا، مربی اور حاکم کے ہیں۔ اللہ تینوں معانی کے لحاظ سے رب ہے۔ اور عالم کے معنی مجموعہ مخلوقات کے ہیں۔ لیکن ہر جنس و مستعمل شامل کرنے کے لئے جمع کا صیغہ الیا گیا ہے۔ رُحمن مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لیکن اللہ کی رحمت و مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے کہ اس کے بیان میں بڑے بڑے مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لئے مزید رحیم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یوم الدین اس دن کو خاص کرنے کی اول وجہ تو یہی ہے کہ اس میں بڑے بڑے واقعات پیش آئیں گے۔ ایسا خوفناک دن نہ کبھی پہلے ہوا، نہ ہوگا۔ دوسرے اس روز اللہ کی حکومت کے سوا کسی اور کی ظاہری سلطنت بھی نہ ہوگی یعنی اللہ اس دن کا مالک ہوگا۔ جب کہ تمام اگلی پچھلی نسلوں کو جمع کر کے ان کے کارنامہ زندگی کا حساب کیا جائے گا۔ اور انسان کو اس کے عمل کا پورا صلہ یا بدلہ مل جائے گا۔ رُحمن و رحیم کے بعد مالک یوم الدین کہنے سے یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ بڑا مہربان ہی نہیں بلکہ منصف بھی ہے۔ اور منصف بھی ایسا با اختیار کہ پورے اقتدار کا مالک ہوگا۔ نہ اس کی جزاء میں کوئی مانع ہوگا اور نہ سزا میں کوئی مزاحم ہو سکے گا۔ لہذا اللہ محض اپنی ربوبیت و رحمت کی بناء پر بھی لائقِ محبت نہیں۔ بلکہ اس کے اسلاف سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ "فضل کرے تو چھٹیاں، عدل کرے تو لٹیں۔"

**عبادت و استعانت کا نقطہ اتصال** ..... ایسا کہ بعد عبادت کا لفظ تین معنی میں آتا ہے (۱) پرستش اور پوجا (۲) طاعت و فرمانبرداری (۳) غلامی۔ یہاں تینوں معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی اے اللہ! ہم آپ کے پرستار بھی ہیں اور غلام و فرمانبردار بھی ہیں اور فی الحقیقت یہ خصوصی تعلق تیرے ہی ساتھ ہے۔ کوئی اور اس میں شریک نہیں ہے۔ ایسا کہ نستعین اور یہ خصوصی تعلق محض عبادت ہی کا نہیں ہے۔ بلکہ استعانت کا بھی ہے۔ کیونکہ ساری کائنات کا رب تو وہی ہے اور ساری مخلوق کا سرچشمہ تیرے ہی ہاتھ ہے اور ساری نعمتوں کا تو اکیلا ہی مالک ہے۔ اس لئے ہم اپنی حاجتوں کی طلب میں تیرے ہی رخ کرتے ہیں۔ تیرے ہی آگے ہمارا ہاتھ پھیلاتے۔ اور اس لئے ہم یہ درخواست لے کر حاضر ہائے عبادت ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں کسی مقبول بندہ کو جس کا اللہ رحمت الہی سمجھ کر ظاہری استعانت کرے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت اللہ ہی سے استعانت ہے۔ مقبول بندہ تو محض وسیلہ ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم سیدھی راہ دکھانے کا مطالبہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں خیرات عمل، بردتاؤ کا وہ طریقہ ہمیں بتا جو بالکل صحیح ہو۔ جس میں نہ غلطی ہو نہ خط و تہ اور نہ غلط کارں اور بد انجامی راہ

پائے۔ بلکہ وہ راستہ نجات و فلاح کا ضامن ہو۔ اے اللہ! آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ خیالات کی بھول بھلیوں سے نکل کر ہم حقیقت کی شاہراہ پر آجائیں اور زندگی کی بے شمار پلڈنڈیوں کے درمیان ہمیں سیدھی اور صاف شاہراہ دکھلا۔

**انعام حقیقی مطلوب ہے ظاہری انعام صورتہ مہر اور باطنی قہر ہوتا ہے:**..... صراط الذین انعمت علیہم جس سیدھی راہ کی درخواست پیش کی جا رہی ہے وہ ان لوگوں کا راستہ ہے جس پر آپ کے پسندیدہ اور برگزیدہ لوگ چل کر منزل مقصود تک پہنچ چکے ہیں۔ زمانہ قدیم سے لے کر آج تک جو لوگ اس بے خطا راستہ پر چلے ہیں۔ وہی اس کے انعامات سے سرفراز کئے گئے ہیں۔ ان انعامات سے نوازے گئے لوگوں سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو بظاہر عارضی طور پر دنیوی نعمتوں سے بہکنار ہوتے ہیں اور فی الحقیقت اللہ کے غیظ و غضب کے مستحق ہوتے ہیں۔ بلکہ اپنی سعادت و فلاح کی راہ گم کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ بس سبھی پہلو سے یہ بات بخوبی کھل جاتی ہے کہ انعامات سے ہماری مراد حقیقی اور پائیدار انعامات ہیں جو راست روی اور خدا کی خوشنودی کے صلہ میں ملا کرتے ہیں۔ جن کا مصداق انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کے چار گروہ ہیں۔ وہ عارضی اور نمائشی انعامات جو بطور استدراج پہلے بھی فرعونوں اور نمرودوں اور قارونوں کو ملتے رہے ہیں اور آج بھی ہماری آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے ظالموں کو مل رہے ہیں۔ وہ مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کا ظاہر آرام ہے اور باطن آلام۔

**غوایت و ضلالت کا فرق:**..... آیات و روایات اس پر شاہد ہیں کہ سیدھی راہ سے محرومی دو طرح سے ہوا کرتی ہے۔ جان بوجھ کر غلط راہ اختیار کرنا یا بے خبری میں گمراہ ہو جانا۔ اگلا پچھلا کوئی گمراہ فرقہ ان دو قسموں سے باہر نہیں ہو سکتا۔ یہود پہلی قسم میں اور نصاریٰ دوسری قسم میں ممتاز رہے ہیں۔ اس سورت کے نصف اول میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اور نصف آخر میں بندوں کی طرف سے دعا اور استدعا ہے۔ اس سورت کے آخر پر آمین کہنا مسنون ہے۔ اگرچہ یہ لفظ قرآن سے خارج ہے۔ اور نماز میں مقتدیوں کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنے نہ پڑھنے کی بحث مفسرین نے اس سورت کے ذیل میں بیان نہیں کی۔ بلکہ آیات و اذا قریء القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور فافقروا ما تیسر من القرآن کے تحت میں بقدر ضرورت یہ بحث گزر چکی ہے۔

**خلاصہ کلام:**..... سورۃ فاتحہ کو قرآن پاک کا عنوان سرنامہ اور دیباچہ سمجھنا چاہیے۔ سورۃ فاتحہ کا مضمون دعائیہ ہے بالکل شروع میں اس کے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے خداوند عالم سے رہنمائی کی درخواست کرو۔ تب ہی اس کتاب ہدایت کی راہیں تم پر کھلیں گی۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں جس بات کی طلب و خواہش ہوتی ہے۔ وہ اس کی آرزو اور دعا کرتا ہے۔ اور ایسی ذات سے کرتا ہے جس کے بارے میں اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ مدعا اسی کے قبضہ قدرت اور اختیار میں ہے۔ لہذا کتاب ہدایت کی ابتداء میں اس دعا کی تعلیم دے کر گویا انسان کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ اسی نیت اور ارادہ سے قرآن کریم کا مطالعہ اور تلاوت کرے۔ کیونکہ صاحب کلام ہی اس پر اپنی مرادات واضح کر سکتا ہے۔ پس گویا سورۃ فاتحہ بندہ کی طرف سے دعا ہے اور بقیہ قرآن اس دعا کا جواب ہے۔ بندہ پروردگار عالم سے دعا کرتا ہے کہ میری رہنمائی فرما۔ حق تعالیٰ کی طرف سے قرآن کی صورت میں اس کی دعا کی قبولیت نمایاں ہوتی ہے۔ سورۃ فاتحہ کی جامعیت اور ایجاز پر نظر ڈالی جائے تو نظر آنے لگا کہ جس طرح پورے درخت کا وجود اجمالی بیج میں ہوتا ہے۔ اس کے پھل پھول، پتے، شاخیں، تنہ، ڈالیں سب بیج میں مندرج ہوتی ہیں۔ اسی طرح پورے قرآن کریم کے مضامین کا نچوڑ سورۃ فاتحہ میں مضمر ہے الحمد للہ رب العالمین میں ذات و صفات کی طرف اشارہ ہے۔ جو مبداء عالم ہونے کے ساتھ بنیاد ہے تمام عقائد اور علم کلام کی جس میں آلاء اللہ اور انعامات الہی آجاتے ہیں۔ اور مآلک یوم الدین سے مابعد الطبیعات اور منشی عالم، برزخ و قیامت کی طرف



اشارہ ہے اور ایسا کہ نعبد میں عبادت و بندگی کے نظام کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں علم الاحکام اور فقہ آجاتا ہے اور ایسا کہ نستعین میں سلوک و احسان کی بنیاد فراہم ہو جاتی ہے۔ اس طرح عقائد و فقہ و سلوک کے مجموعہ سے شاہراہ ہدایت تیار ہوتی ہے۔ جس پر چل کر اور جس سے کٹ کر اربوں انسانوں کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ پس صراط الذین میں ایام اللہ اور اچھی بری پچھلی تاریخ نکل آئی۔ جس کی تفصیل قرآن کے تہائی حصہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور قرآن کریم کا تمام تر بنیادی اور مرکزی نقطہ عابد و معبود کا صحیح ربط تعلق ہے۔ یعنی بندہ کی طرف سے بندگی اور نیاز مندی اور معبود کی طرف سے اس کی پوری پوری اعانت و تائید ہے۔ اور یہ مرہون منت ہے اللہ کی شان ربوبیت کی۔ اور ربوبیت پر ابھارنے والی رحمت کی صفت میں۔ پس سارے مضامین قرآن کا خلاصہ سورۃ فاتحہ میں آگیا۔ اور سورۃ فاتحہ کا لب لباب بسم اللہ میں آگیا اور بسم اللہ کا اصل نچوڑ اس کی ب میں ہے۔ جو استعانت کے لئے آتی ہے اور حروف متشکلہ میں ب کا امتیاز اس کے نقطہ میں مرکوز ہے۔ اس طرح گویا سارا کلام الہی ایک نقطہ کی ڈبیہ میں بند ہے۔

**فضائل سورۃ فاتحہ:**..... عن ابی ہریرۃؓ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یبى الا احمرک بسورۃ لم تنزل فی التورۃ والانجیل والقرآن مثلہا قلت بلی یا رسول اللہ قال فاتحۃ الکتاب انہا تسبع المثنی والقرآن العظیم الذی اوتینہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعبؓ سے ارشاد فرمایا کہ میں ایسی سورت نہ بتا دوں جو نہ پہلے تورات و انجیل میں اترنی اور نہ قرآن میں۔ عرض کیا ضرور فرمائیے۔ ارشاد ہوا کہ سورۃ فاتحہ جو سبع مثنیٰ اور قرآن عظیم ہے مجھے عطا ہوئی ہے۔ عن ابن عباسؓ قال یسما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتاہ مثلک فقال ابشر بنورین اوتیتہما لم یوتیہما نبی قبلک فاتحۃ الکتاب وخواتیم سورۃ البقرۃ لن تقرء بحرف منہما الا عطیتہ ثوابا۔ ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ کہ فرشتہ نے آکر بشارت دی کہ آپ کو دو نور عطا فرمائے گئے ہیں۔ جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات جو حرف آپ ان میں سے پڑھیں گے اس کا ثواب ملے گا۔

عن حذیفۃ بن الیمان ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انقوم یبعث اللہ علیہم العذاب حتما مفضیا فیقرء صبی من صبیانہم فی الکتاب الحمد للہ رب العالمین فیسمع اللہ فیرفع عنہم بذلک العذاب اربعین سنۃ۔ ترجمہ: حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتا ہے۔ مگر اس قوم کا کوئی بچہ الحمد للہ رب العالمین پڑھتا ہے۔ اللہ اس کو سن کر ان سے چالیس سال کے لئے عذاب موقوف فرما دیتا ہے۔

**لطائف سلوک:**..... سالکین کا مقام ایسا کہ نعبد پر تمام ہو جاتا ہے اس کے بعد ایسا کہ نستعین سے وہ مقام تمکین کا طالب ہوتا ہے۔ جس کا بیان یہ ہے کہ سالک کا نفس و قلب جب پہلے اللہ کی حمد و ثناء سے منور ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس میں انوار عنایت و درخشاں ہو جاتے ہیں۔ جن سے مقام ولایت حاصل ہوتا ہے۔ پس اس سے نفس مزکی طلب گار مقصود ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اوپر انعامات الہیہ کے آثار کو کامل اور اس کے الطاف کو لامتناہی دیکھتا ہے۔ اور وہ اس پر حمد الہی اور ذکر باری کرتا ہے۔ جس سے رب العالمین کے ذریعہ حجابات کبریائی مکشوف ہو جاتے ہیں اور وہ ماسوئی اللہ کو فنا اور خود کو بقا میں مربی کا محتاج دیکھتا ہے۔ اس لئے وہ بے التفاتی کی وحشت اور اغیار کی طرف التفات کی ظلمت سے گلو خلاصی پانے کے لئے ترقی کرتا ہے تو اس پر رحمن کے الطاف کے جھونکے چلتے ہیں۔ جن سے وہ جمال الہی کی چھاؤں میں اور جلال خداوندی کی چمک دمک کی طرف آنا چاہتا ہے حتیٰ کہ ایسا کہ نعبد کہہ کر وہ مقام عبودیت میں پہنچ جاتا ہے جس میں مقام فنا کی طرف اشارہ ہے اور پھر ایسا کہ نستعین سے وہ مقام تمکین کا طلب گار ہوتا ہے اور

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم سے بھی گزشتہ سالکان تمکین کی طرف اشارہ ہے اور پھر غیر المغضوب علیہم ولا الضالین عرض کر کے اہل تلوین کے طریقوں سے پناہ مانگی گئی ہے اور اس طرح سالک عروج و نزول کی منزلیں طے کر لیتا ہے اسی لئے نماز کو معراج المؤمنین کہا گیا ہے۔ نیز اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ صراط مستقیم اس وقت تک میسر نہیں آسکتی۔ جب تک کامیاب اہل طریق کی اتباع اور پیروی نہ کی جائے اور اسکے لئے صرف کتابیں اور اوراق کافی نہیں ہیں نہ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تشریحی صراط مستقیم مطلوب ہے جو منعم علیہم کے ساتھ خاص ہے۔ تلوینی مطلوب نہیں ہے کہ وہ صرف منعم علیہم کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ساری مخلوق کو عام ہے (ماخوذ من مسائل السلوک محقق اتھانوی)

الہی! تیرے کلام پاک کی ایک نہایت حقیر سی خدمت جو اس ذرہ خاک نے تیرے نام پاک سے ۱۳۸۱ھ میں شروع کی تھی۔ وہ محض آج تیرے فضل و کرم سے پوری ہو رہی ہے۔ جو تیری بارگاہ بے نیاز میں بصد مجر و نیاز پیش ہے۔ الہی! تفسیر بالرائے کے خوف سے اس ظالم و جہول نے کچھ بھی اپنی طرف سے لکھنے کی جرأت نہیں کی۔ البتہ نقول و اقوال کے انتخاب یا ان کے سمجھنے میں بلاشبہ رائے کا دخل رہا ہے۔ معلوم نہیں اس میں کتنی خطائیں اس پر تقصیر سے شعوری، غیر شعوری، دانستہ، نادانستہ سرزد ہوئی ہوں گی۔ غلام الغیوب ہی خوب جانتا ہے۔ الہی! جب تو نے اس بے خود کو بلا استحقاق بود و وجود کی دولت سے مالا مال کیا اور زندگی بھر کی بے شمار نعمتیں بخشیں تو الہی! اس بے بہبود کو بہبود عطا فرمانے میں بھی انتظار استحقاق نہ فرما۔ الہی تیری شان کریمی سے سیئات بھی حسنات میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ اور ایک نیکی کم از کم دس نیکیوں تک ترقی کر سکتی ہے۔ تو الہی! اس حقیر سی خدمت کو قبولیت و مقبولیت سے نوازنے میں بھی بس تیرے کرم کی ہی دیر ہے۔ الہی قرآن اور علم کے حق شفاعت کی بدولت اس روسیاد اور اس کے والدین، مشائخ، اساتذہ، اقارب و احباب اور ان کی جنہوں نے اس کو منصب شہود پر لانے میں کسی درجہ میں بھی حصہ لیا ہے۔ بلکہ سب مسلمانوں کی نجات و مغفرت فرما کر فردوس بریں سے ہمکنار فرما۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم۔ سبحان ربك رب العزة عما يصفون

و سلام علی المرسلین والحمد لله رب العالمین

اللهم انس وحشتی فی قبری النہم ارحمنی بالقراء العظیم واجعلہ لی اماماً ونوراً وهدی ورحمة اللہم

ذکرنی منہ ما نسیت و علمنی منہ ما جهلت وارزقنی تلاوتہ اثناء اللیل و اثناء النهار واجعلہ لی حجة یارب

العلمین العبد الایثم المکنی بابی عبد اللہ المدعو بحمد نعیم اندیو بندی خادم التدریس العربی

بدارالعلوم اندیو بندیہ

۲۸ جمادی الثانیہ ۱۳۹۸ھ ۵ جون ۱۹۷۸ء یوم الاثنين، دارالسلام ابوالبرکات دیوبند

﴿الحمد لله کہ تیسویں پارے کی شرح و تفسیر مکمل ہوئی﴾